وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام "**نعم الباری**" کی توجیہ

میں نے 18 جنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب "المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری" کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعم الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعم الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید حسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالے کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے "**نعم الباری**" رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شر کی گنجائش نہ رہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام بھی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام "**نعم الباری**" رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ و ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء رابع عشر

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری

فی
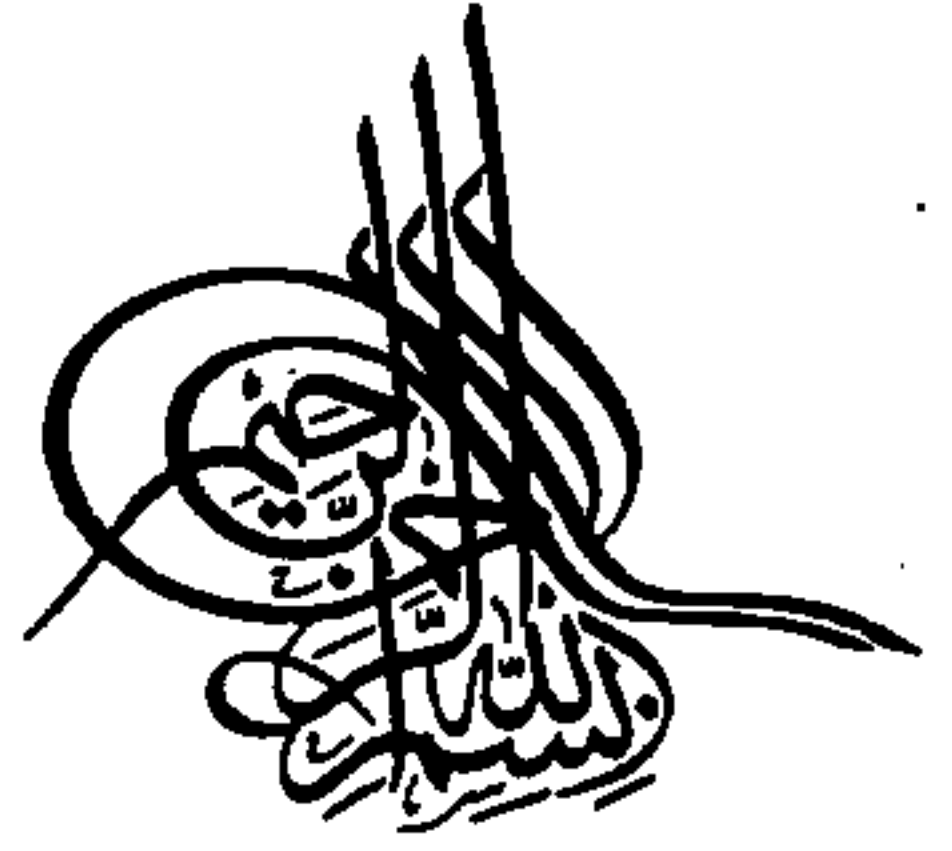
شرح صحیح البخاری

جلد رابع عشر (۱۴)

الاحادیث: ۶۴۸۲ ـــ ۶۷۷۱

کتاب الرقاق، کتاب الایمان والنذور

کتاب کفارات الایمان، کتاب الفرائض

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد رابع عاشر (۱۴)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	باراول نومبر 2013ء
تعداد	دوہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS27

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (رابع عاشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله ربّ العالمین، الّذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امّة من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و هدانا به الی الصراط المستقیم، و الصلوٰة والسّلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغرّ المحجّلین، الذی شرح الفرقان با حادیثه و بیانه القویم، و کشف عن اسرارہ و غوامضه لهدایة الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرته من الظلمات والضلال المبین، و علی اله الطیبین واصحابه الطّاهرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوص والجهد العظیم، و علی ازواجه الطّاهرات امهات المؤمنین، و علی جمیع الائمة التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدّین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاہ القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربه السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیه نعم الباری) توکّلا علی رحمة الله و فضله العمیم۔ ولا یکون تحریرہ و تقریرہ و تکمیله الّا نعمته العظمیٰ۔ فلذا سمّیته بنعمة الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهدان لا اله الّا الله وحدہ لا شریك له واشهد انّ سیّدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یهدہ الله فلا مضلّ له ومن یّضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنیف هذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار والحاسدین۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الکریم و مقبولاً عندك وعند رسولك الرؤف الرحیم واجعله شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبیّ الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعته فی الاخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللهم انت ربّی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرما صنعت ابؤ لك بنعمتك علیّ وابؤ لك بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار ورموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت وگمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف وعنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل وکرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور ومقبول، مرغوب ومحبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں؛ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدهٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسوله الکریم

۸۱۔ كِتَابُ الرِّقَاقِ

دلوں کونرم کرنے والی احادیث کا بیان

۲۶۔ بَابُ: اَلِانْتِهَاءِ عَنِ الْمَعَاصِي — گناہوں سے رکنے کا وجوب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں گناہوں سے رکنے کے وجوب کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ گناہوں کو بالکلیہ ترک کر دیا جائے اور اگر بالفرض کوئی گناہ ہو گیا ہے تو پھر اس سے اعراض کیا جائے اور یہ عہد کیا جائے کہ وہ دوبارہ اس گناہ کو نہیں کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتَى قَوْمًا فَقَالَ رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ فَالنَّجَا النَّجَاءَ فَأَطَاعَتْهُ طَائِفَةٌ فَأَدْلَجُوا عَلَى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا وَكَذَّبَتْهُ طَائِفَةٌ فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَاجْتَاحَهُمْ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۸۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ بن ابی بردہ از ابوبردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور اس پیغام کی مثال جسے اللہ تعالیٰ نے دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے اس مرد کی مثال ہے جو ایک قوم کے پاس گیا، سو ان سے کہا: میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور بے شک میں کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں، سو تم جلدی نجات حاصل کرو، جلدی نجات حاصل کرو۔ پس ایک جماعت نے اس کی اطاعت کی اور وہ راتوں رات تیزی کے ساتھ اس جگہ سے نکل گئے، سو انہوں نے نجات پالی اور دوسری جماعت نے اس کی تکذیب کی تو صبح کو اس لشکر نے آ کر ان پر حملہ کر دیا ان کو بالکلیہ ہلاک کر دیا۔

صحیح البخاری: ۶۴۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے معاصی اور گناہوں سے رکنا، اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک قوم کو ڈرایا گیا اور انہوں نے ڈرانے والے کی خبر پر عمل نہیں کیا تو وہ ہلاک کر دیئے گئے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن العلاء، یہ ابن کریب ہیں اور ابو کریب الکوفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، یہ حماد بن اسامہ اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ برد کی تصغیر ہے، یہ ابن عبداللہ بن ابی بُردہ ہیں اور ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول ہے کہ ان کا نام الحارث ہے اور یہ بُرید اپنے دادا ابو بُردہ بن ابی موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میری مثال اور میرے اس پیغام کی مثال جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے"۔ یہ ایک ایسی صفت ہے جس کو بلیغ کسی چیز کو تفہیم کے لیے فہم کے قریب کرنے کے لیے ذکر کرتا ہے۔

حدیث میں مذکور مثال کے متعلق متعدد اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا النذیر العریان" یعنی میں ایسا ڈرانے والا ہوں جس کے کپڑے اتار لیے گئے۔ اور وہ اپنے سر کے گرد کپڑے لپیٹے ہوئے کسی قوم کے پاس آیا ہو کسی لشکر کے حملہ سے ڈرانے کے لیے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: "النذیر العریان" سے مراد وہ مرد ہے جو قبیلہ خثعم سے تھا، ایک دن اس کے اوپر ذی الخلصہ نے حملہ کیا، اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا اور اس کی بیوی کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا، سو وہ اپنی قوم کی طرف گیا اور ان کو ڈرایا، تو پھر یہ کسی خبر کے تحقق کے لیے ضرب المثل بن گئی۔

اور ابن السکیت نے کہا ہے: یہ اس مرد کا نام ہے جس کے اوپر عوف بن عامر الیشکری نے حملہ کیا اور اس کی بیوی بنو کنانہ سے تھی اور اس قصہ کو حدیث کے الفاظ پر منطبق کرنا بعید ہے، کیونکہ اس قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ برہنہ تھا۔

اور عبدالملک نے کہا: یہ قدیم مثال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرد کا مقابلہ ایک لشکر سے ہوا، انہوں نے اس کے کپڑے اتار کر اس کو برہنہ کر دیا، پھر وہ مدینہ کی طرف آیا، اس نے کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں تمہیں اس لشکر سے ڈرانے والا ہوں اور تم مجھے برہنہ دیکھ رہے ہو، اس لشکر نے میرے کپڑے اتار لیے، سو تم بھی اس سے نجات حاصل کرو، نجات حاصل کرو۔

اور ابن السکیت نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مثال اپنی امت کے لیے بیان فرمائی ہے کیونکہ اس میں ایک شخص ڈرانے کے لیے برہنگی کی حالت میں آیا تھا۔

اور علامہ الخطابی نے کہا ہے: یہ لفظ "العریان" نہیں ہے بلکہ "العربان" ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جو فصیح اللسان ہو اور صریح

الفاظ کے ساتھ ڈراتا ہو اور کنایہ اور توریہ سے کام نہ لیتا ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے "رجل عریان" یعنی "فصیح اللسان"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فالنجاء النجاء"۔ یہ اکسانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے مفعول مطلق ہے، یعنی تم نجات کو حاصل کرو بایں طور کہ تم فرار اور بھاگنے میں جلدی کرو، کیونکہ تم اس لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے اور دوسرا "النجاء" جو مذکور ہے، یہ پہلے کی تاکید ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فادلجوا" یہ بابِ افعال سے ہے، اس کا معنی ہے: رات کے ابتدائی حصہ میں روانہ ہونا یا پوری رات چلتے رہنا۔ اور علامہ ابن الملقن نے اپنی توضیح میں لکھا ہے کہ یہ لفظ "فادّلجوا" ہے اور دال پر تشدید ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہاں درست نہیں ہے کیونکہ "الادّلاج" کا معنی ہے: رات کے آخری حصہ میں روانہ ہونا، اور یہ اس مقام کے مناسب نہیں ہے، صحیح وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مھلھم" اس کا معنی ہے: کہ وہ سکون اور وقار کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد اس حدیث میں مذکور ہے "فنجوا" یعنی چونکہ انہوں نے ڈرانے والے کی اطاعت کی اور رات کے اول حصہ میں چل پڑے تو وہ نجات پا گئے۔ اور جس فریق نے ڈرانے والے کی تکذیب کی تھی تو دشمن نے اچانک آ کر ان پر حملہ کر دیا اور ان کو بالکلیہ ختم کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۵-۱۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۳- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ النَّاسِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا فَجَعَلَ يَنْزِعُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَقْتَحِمْنَ فِيهَا فَأَنَا آخُذُ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَهُمْ يَقْتَحِمُونَ فِيهَا۔

(صحیح مسلم: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۱۰۵۸۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن، انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میری مثال اور لوگوں کی مثال اس مرد کی مثل ہے جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے اردگرد روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں وہ اس آگ میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا، اور وہ پروانے اور کیڑے مکوڑے اس پر غالب آ گئے اور وہ آگ میں داخل ہو گئے، پس میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے نکال رہا ہوں اور وہ اس آگ میں گرے جا رہے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۴۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے گناہوں اور معاصی سے رکنا اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو معاصی کے ارتکاب سے منع فرماتے تھے اور روکتے تھے جو معاصی دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمن، یہ الاعرج ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ھذہ الدواب تقع فی النار" اس سے مراد پروانے ہیں یا وہ کیڑے مکوڑے ہیں جو آگ میں اور روشنی میں آکر گرتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ چھوٹے مچھر ہیں۔ اور ابن سیدہ نے کہا ہے کہ یہ مچھر کی مثل کیڑے مکوڑے ہیں اور اس کا واحد فراش ہے یعنی پروانہ۔ امام طبری نے کہا: یہ نہ مچھر ہے نہ مکھی ہے۔ ابونصر نے کہا ہے: یہ اڑتے ہیں اور چراغ پر گرتے ہیں۔ اور مجمع الغرائب میں مذکور ہے: یہ وہ اڑنے والے کیڑے مکوڑے ہیں جو آگ میں گرتے ہیں اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ ایک اڑنے والا کیڑا ہے جو مچھر سے بڑا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقتحمن" یہ الاقتحام سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز پر ٹوٹ پڑنا۔ کہا جاتا ہے "قحم فی الامر" یعنی کسی نے اپنے آپ کو اچانک گرا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانا آخذ بحجزکم" اس میں صنعتِ التفات ہے اور غائب سے مخاطب کے صیغہ کی طرف رجوع ہے، بہ ظاہر ہونا چاہیے تھا کہ میں ان کو کمر سے پکڑ رہا ہوں۔ "حجز" کہتے ہیں تہبند باندھنے کی جگہ کو یا شلوار کے کمر بند باندھنے کی جگہ کو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وھم یقتحمون فیھا" اور دوسری روایت میں ہے "وانتم تقتحمون" یعنی وہ اس میں گر رہے ہیں، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ قیاس یہ تھا کہ انتم ہوتا نہ کہ ھم ہوتا تاکہ یہ "حجزکم" کے موافق ہو، اور پھر یہ جواب دیا ہے کہ یہ صنعتِ التفات ہے۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمر سے پکڑ کر کھینچا، اس میں اس کا کوئی دخل نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۶۔۱۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللهُ عَنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زکریاء نے حدیث بیان کی از عامر، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (کامل) مسلمان

وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۰، ۶۴۸۴، صحیح مسلم: ۴۰، سنن نسائی: ۴۹۹۶، سنن ابوداؤد: ۲۴۸۱، ۷۰۴۶، سنن دارمی: ۲۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۴۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو اپنی زبان اور ہاتھ کے ضرر سے محفوظ رکھے گا وہ گناہوں اور معاصی سے رکا ہوا ہوگا۔ اور نیز اس حدیث میں مذکور ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کر لی اور جو اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کرے گا وہ معاصی سے رکا رہے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زکریا، یہ ابن ابی زائدہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عامر، یہ شعبی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان کے شروع میں گزر چکی ہے۔

یہاں سوال ہے کہ اس حدیث میں مہاجر کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد ہجرت ختم ہوگئی۔ سو جو مسلمان اب ہجرت نہیں کر سکے ان کو ملال ہوتا کہ ہم اس فضیلت سے محروم رہ گئے، تو آپ نے ان کی دل جوئی کے لیے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے کاموں کو ترک کر دیا وہ حقیقت میں کامل مہاجر ہے اور اس کو ہجرت کا اجر و ثواب ملے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور پروانوں کی مثال کی تحقیق

صحیح البخاری: ۶۴۸۳ میں مذکور ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری مثال اور لوگوں کی مثال اس مرد کی مثل ہے جس نے آگ جلائی، پس جب آگ نے اردگرد روشن کر دیا تو پروانے اور کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں وہ اس آگ میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس میں سے نکالنے لگا''۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو تشبیہ بیان کی گئی ہے وہ اس پر موقوف ہے کہ درج ذیل آیت کے معنی کی معرفت ہو:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾ (البقرہ:۲۲۹)

اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں O

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی اور منع کی ہوئی چیزیں ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: ''الا ان حمی اللہ محارمہ'' (سنو! اللہ تعالیٰ کی خاص چراگاہ وہ ہے جس میں اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں) اور تمام محارم کی اصل دنیا اور اس کی زینت کی محبت ہے اور دنیا کی لذات اور شہوات کو حاصل کرنے کی رغبت ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدود کا اظہار کتاب وسنت کے شافی اور کافی بیانات کے ساتھ فرمایا کہ آپ لوگوں کو دوزخ کی آگ سے چھڑاتے ہیں اور اس مرد نے جو آگ جلائی تھی، اس آگ کی روشنی سے زمین کے مشارق اور مغارب روشن ہو گئے۔ اور لوگوں نے بیان اور کشف کے باوجود اس کی پرواہ نہیں کی اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے رہے اور لذات اور شہوات کو حاصل کرنے کی حرص میں مبتلا رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان کو اس سے منع فرماتے رہے اس کو اس طرح بیان فرمایا کہ آپ ان کو ان کی کمر سے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں جیسے پروانے آگ میں گرتے ہیں اور جو آدمی آگ روشن کرتا ہے اس پر غالب ہو جاتے ہیں اور خواہی نہ خواہی آگ میں گر جاتے ہیں۔ پس جیسا کہ آگ جلانے والے کی غرض اپنے فعل سے یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو آگ کی روشنی سے نفع پہنچائے اور اس کی حرارت سے ان کو فائدہ پہنچائے اور پروانے اس آگ کی روشنی کو اپنی ہلاکت کا سبب بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بیانات کے ساتھ امت کو ہدایت دینے کا قصد کرتے ہیں تا کہ امت ہلاکت کے سبب سے اجتناب کرے لیکن لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے پھر بھی ہلاکت کو طلب کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا بیان ''اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ''

۶۴۸۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضى الله عنه كَانَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از سعید بن المسیب، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۳۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۴، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری:۶۴۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کا ذکر ہے، بکیر، بکر کی تصغیر ہے اور وہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المخزومی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عُقیل کا ذکر ہے، یہ ابن خالد الایلی ہیں۔ اور ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" اگر تم ان چیزوں کو جان لو جنہیں میں جانتا ہوں"۔ یعنی وہ خوفناک چیزیں اور وہ احوال جو ہمارے سامنے ہیں اور جو موت کے وقت ہم پر حالات پیش آئیں گے اور برزخ میں اور قیامت کے دن جو امور ہم پر مترتب ہوں گے۔

اس حدیث میں صنعتِ بدیع ہے، کیونکہ ہنسنے کا مقابلہ رونے سے کیا ہے اور قلت کا مقابلہ کثرت کے ساتھ کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۳۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۴، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری:۶۴۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث، حدیثِ سابق کی مثل ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان سے ان کے بیٹے موسیٰ بن انس الانصاری نے روایت کی ہے جو بصرہ کے قاضی تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۴۸۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کم ہنسنے اور زیادہ رونے کے متعلق آثار اور اقوالِ علماء

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے تو وہاں پر لوگ باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم موت کا زیادہ ذکر کرو، سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف بندہ کے دل میں اس کے علم کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ (فاطر:۲۸)
اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک اللہ غالب ہے بہت بخشنے والا ہے O

اور جب کسی شخص کو بھی ایسا علم نہیں ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا تو کوئی شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جس کے دل کو منور کر دیا اور اس کی بصیرت سے پردہ کو اٹھا دیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے اور اس کا شکر واجب ہے اور اس نے مستقبل میں پیش آنے والی قیامت کی خوفناک چیزوں کو یاد کیا اور اللہ کے بندوں کو ان مواقف میں جن سختیوں کا سامنا ہوگا ان کو یاد کیا اور اس کا معائنہ کیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے جو سوال کرے گا چھوٹی سی چھوٹی چیز کے بارے میں تو پھر وہ شخص یقیناً بہت زیادہ غمگین ہوگا اور بہت زیادہ روئے گا، اسی لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جائے تو تمہارے حلق کے نیچے سے نہ کوئی کھانے کا نوالہ اترے گا اور نہ پانی کا کوئی گھونٹ اترے گا اور نہ تم بستروں پر سوسکو گے اور نہ تم عورتوں سے محبت رکھو گے، اور تم جنگلوں کی طرف نکل جاؤ گے اور زور سے پکار رہے ہو گے اور رو رہے ہو گے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا: روؤ، اگر تم کو رونا نہ آئے تو کوشش کر کے روؤ، پس اگر تم کو ان باتوں کا علم ہو جائے تو تم میں سے کوئی ایک شخص نماز پڑھتا رہے حتیٰ کہ اس کی پشت ٹوٹ جائے اور روئے حتیٰ کہ اس کی آواز منقطع ہو جائے۔

اور المفضل نے کہا: مجھے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ ایک دن ہنسے تو انہوں نے اپنے اوپر چھلانگ لگا کر کہا: تم کیوں ہنستے ہو؟ ہنسنا تو اسے چاہیے جس نے پل صراط کو طے کر کے قطع کر لیا ہو، پھر انہوں نے کہا: میں نے اپنے نفس پر یہ قسم کھائی ہے کہ میں اس وقت تک نہیں ہنسوں گا حتیٰ کہ میں یہ جان لوں کہ کب قیامت واقع ہوگی، پھر کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہو گئے۔

حسن بصری نے کہا: جس آدمی نے یہ جان لیا کہ موت اس پر آنے والی ہے اور قیامت کا اس سے وعدہ کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس نے کھڑا ہونا ہے تو اس پر حق یہ ہے کہ وہ دنیا میں غمگین رہے۔ اور سفیان نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ ﴿۹۰﴾ (الانبیاء:۹۰)
بے شک وہ (سب) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور شوق اور خوف سے ہم سے دعائیں کرتے تھے اور وہ ہم سے عاجزی کرنے والے تھے O

سفیان نے کہا: دائمی حزن دل میں ہوتا ہے اور کہا: حزن بقدر بصیرت ہوتا ہے اور بعض متقدمین نے کہا: حزن اور خوف خدا دل

میں ہوتے ہیں اور انہی کی وجہ سے اعمال مرتب ہوتے ہیں؟ پس جس نے یہ قصد کیا کہ اس کا فرض مکمل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کامل نماز پڑھے گا اور کامل روزہ رکھے گا اور اسی طرح باقی فرائض بھی ادا کرے گا۔ اور اپنے نفس اور اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کرے گا۔ اور جس سے یہ سوال کیا جائے کہ کن لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور اپنی زبان اور سمع اور بصر اور تمام اعضاء کے بارے میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہے تو وہ اس آیت میں داخل ہو جائے گا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (فصلت: ۳۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر مستقیم رہے، ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں کہ تم نہ خوف کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے O

سو وہ اپنے نفس کو اس سے عاجز اور کوتاہی کرنے والا پائے گا اور جب وہ کھلی آنکھ سے دیکھے اور جان لے کہ اس کی موت قریب ہے اور اس کی خطا عظیم ہے اور یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے تو وہ اپنے نفس پر بہت غم کرے گا۔

اور مطرف بن عبداللہ نے کہا کہ تم برے اعمال کو چھوڑ دو کیونکہ خیر میں بھی شر کثیر ہے۔ پس اگر ہمارے گناہ نہ ہوتے مگر اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال کی صحت پر بھی ہم سے مواخذہ کرتا اور ان اعمال کو درست طریقہ پر انجام نہ دینے سے مواخذہ فرماتا تو اس میں عقلمندوں کے لیے بہت زیادہ نصیحت ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۹۵۔۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس شرح کو من وعن اپنی کتاب التوضیح میں نقل کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۰۔۵۳۲، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔بَابٌ: حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ — دوزخ کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے، لہٰذا شہوات کے تقاضوں پر عمل کرنا دوزخ میں گرنے کا سبب ہے۔ اور بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ اور جنت کو تکلیفوں اور مشقتوں کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِیلُ قَالَ حَدَّثَنِی مَالِكٌ عَنْ أَبِی الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنت کو تکلیفوں اور مشقتوں کے ساتھ

ڈھانپ دیا گیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۲۲، ۲۸۲۳، سنن ترمذی: ۲۵۵۹، سنن نسائی: ۳۷۶۳، مسند احمد: ۸۷۲۱، سنن دارمی: ۲۸۴۳)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان حدیث کا جزو ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں، اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے'' یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے اور شہوات کی مذمت میں ہے، ہر چند کہ انسانوں کے نفوس شہوات کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس میں عبادات اور اطاعات پر برانگیختہ کیا ہے، ہر چند کہ نفوس عبادات اور اطاعات کو ناپسند کرتے ہیں اور ان پر عبادات اور اطاعات دشوار ہوتی ہیں۔ اور جنت کو تکلیف دہ کاموں اور مشقت والے کاموں کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا ہے، پس جنت تک آدمی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس تکلیف دہ اور مشقت والے کاموں کی وادی کو عبور نہ کر لے۔ اور دوزخ سے اس وقت تک نجات نہیں پا سکتا جب تک کہ شہوات کے تقاضوں کو ترک نہ کر دے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا جوامع الکلم میں سے ہونا

یہ حدیث شہوات کی مذمت میں اور اس سے منع کرنے میں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر برانگیختہ کرنے میں بہت بلیغ ہے اور جوامع الکلم میں سے ہے اگرچہ نفس پر یہ دشوار ہوتا ہے اور نفس کو ناپسند ہوتا ہے، کیونکہ قیامت کے دن صرف جنت اور دوزخ ہوگی اور ان دونوں میں سے کسی ایک میں دخول کے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا، اس لیے مومن پر واجب ہے کہ ان کاموں میں کوشش کرے جن کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہو جائے اور دوزخ سے دور ہو جائے خواہ یہ اس کے اوپر دشوار ہو، کیونکہ دوزخ پر صبر کرنا نفس پر شاق ہوتا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی حدیث کی تائید میں ایک اور حدیث

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن حبان اور امام حاکم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام کو جنت کی طرف بھیجا، پس فرمایا: جنت کی طرف دیکھو، پھر حضرت جبریل اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئے، پس کہا: تیری عزت کی قسم! جو بھی جنت کے متعلق سنے گا وہ اس میں داخل ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو جنت کو پر مشقت کاموں کے ساتھ ڈھانپ دیا گیا، پھر فرمایا: اب جنت کی طرف رجوع کرو، حضرت جبریل نے رجوع کیا، پس کہا: تیری عزت کی قسم! مجھے یہ خوف ہے کہ اب تو اس میں کوئی بھی داخل نہیں ہوگا، فرمایا: جا کر دوزخ کو دیکھو، حضرت جبریل نے دوزخ کی طرف دیکھا، پھر لوٹ آئے، پس کہا: تیری عزت کی قسم! دوزخ کے متعلق جو بھی سنے گا تو وہ اس میں داخل نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس دوزخ کو شہوات کے ساتھ ڈھانپ دو، پھر فرمایا: اب دوزخ کی طرف رجوع کرو، حضرت جبریل نے رجوع کیا، پس کہا: تیری عزت کی قسم! مجھے یہ خوف ہے کہ اس سے تو کسی کو نجات نہیں ہوگی۔

مکارہ اور شہوات کا بیان

اس حدیث میں مکارہ اور مشقت والے کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کا مکلف کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے اور ان کاموں کو بجالائے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کو ترک کر دے جیسا کہ عبادات کو صحیح طریقہ سے انجام دینا اور ان کی حفاظت کرنا اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے قولاً اور فعلاً اجتناب کرنا اور ان کے اوپر مکارہ اور پر مشقت کاموں کا اطلاق کیا، کیونکہ ان کاموں پر عمل کرنے والے کو مشقت ہوتی ہے اور اس کے لیے یہ کام مشکل ہوتے ہیں اور ان کاموں میں سے مصیبت پر صبر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرنا ہے۔ اور شہوات سے مراد دنیا کی وہ چیزیں ہیں جن سے انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے اور شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔ اور اس لیے کہ شہوات کے تقاضوں پر عمل کرنا ان چیزوں کے ترک کا باعث ہوتا ہے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اسی کے ساتھ شبہات بھی لاحق ہیں، کیونکہ جب آدمی مشتبہ چیزوں پر عمل کرے تو اس کا خطرہ ہے کہ پھر وہ کسی حرام کام میں مبتلا ہو جائے گا، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ کوئی آدمی جنت تک نہیں پہنچے گا جب تک کہ وہ مشقت والے کاموں کو نہ کرے جن کو مکارہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوزخ تک تبھی پہنچے گا جب وہ شہوات کے تقاضوں پر عمل کرے گا، اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے حجاب سے ڈھانپ دیا ہے۔ جنت کے اوپر پر مشقت کاموں کا حجاب ڈال دیا ہے اور دوزخ کے اوپر شہوات اور لذیذ چیزوں کا حجاب ڈال دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۳۔ ۵۴۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوزخ پر شہوات کے حجاب کا معنی

حجاب کا یہاں پر معنی ہے احاطہ، یعنی دوزخ شہوات کے تقاضوں پر عمل کرنے کا محل ہے، یعنی جو لوگ صرف شہوات کے

تقاضوں پر عمل کرتے ہیں مثلاً زنا کی شہوت پر، لواطت کی شہوت پر، شراب نوشی کی شہوت پر، چوری کی شہوت پر، زمین کے اندر اپنی بڑائی حاصل کرنے کی خواہش، زمین میں فساد کرنا اور یہ سب شہوات ہیں۔ اور یہ وہ شہوات ہیں جنہوں نے دوزخ کا احاطہ کیا ہوا ہے اسی لیے دوزخ میں اکثر وہ لوگ داخل ہوں گے جو عیش و عشرت میں مبتلا رہتے ہیں، من مانی کرتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ۙ﴿۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ (الواقعہ: ۴۱۔۴۵)

اور بائیں طرف والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے O وہ گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے O اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے O جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ فرحت بخش O بے شک وہ اس سے پہلے بہت نعمتوں میں تھے O

الواقعہ: ۴۲ میں ''سَمُوْمٍ'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گرم ہوا، جیسے دنیا میں لو چلتی ہے، یہ گرم ہوا بدن کے مسامات میں داخل ہو جاتی ہے، یہاں اس سے مراد دوزخ کی آگ کی سخت گرمی اور تپش ہے، اور اس آیت میں ''حَمِیْمٍ'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: کھولتا ہوا پانی، جب دوزخ کی آگ ان کے جسموں کو جلا دے گی تو یہ کھولتے ہوئے پانی کی پناہ میں آئیں گے جیسے دنیا میں انسان آگ سے گھبرا کر پانی کی طرف دوڑتا ہے تا کہ آگ کی گرمی کا توڑ پانی سے کرے اور وہ کھولتا ہوا پانی ایسا ہوگا ''وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾'' (محمد: ۱۵)۔ (اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، پس وہ ان کی انتڑیاں کاٹ ڈالے گا O)۔ وہ گرم ہوا کی شدت یا دوزخ کی آگ کی تپش سے سائے کی طرف دوڑیں گے جیسے انسان دھوپ کی تپش سے گھبرا کر سائے کی طرف جاتا ہے اور دوزخیوں کا سایا دھواں ہوگا، اس آیت میں ''یحموم'' کا لفظ ہے، لغت میں ''یحموم'' کا معنی ہے: شدید سیاہ، ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ ''حمم'' سے بنا ہے، اس کا معنی ہے کوئلہ، ضحاک نے کہا: دوزخ کی آگ سیاہ ہے، اس کے رہنے والے سیاہ ہیں اور اس کی ہر چیز سیاہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ﴿۱۶﴾ (الاسراء: ۱۶)

اور جب ہم کسی بستی کے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتے ہیں، سو وہ ان احکام کی نافرمانی کرتے ہیں، پھر وہ عذاب کے حکم کے مستحق ہو جاتے ہیں، سو ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں O

اس آیت پر بہ ظاہر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اصل میں کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتا ہے، پھر اس کی بنیاد اور جواز فراہم کرنے کے لیے وہاں کے عیش پرستوں کو اپنے احکام بھیجتا ہے تا کہ وہ ان احکام کی نافرمانی کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان پر آسمانی عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد کر دے، اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار فرماتا ہے کہ ان پر احکام نازل کیے جائیں اور وہ ان کی خلاف ورزی کریں تا کہ ان پر عذاب نازل کرنے کا جواز مہیا ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کے بندوں کو عذاب میں مبتلا کیا جائے، وہ صرف اس سے راضی ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت اور عبادت کی جائے اور بندوں کو اجر و ثواب دیا جائے، وہ فرماتا ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر ادا کرتے رہو اور ایمان پر قائم رہو۔ (النساء: ۱۴۷)

شکر ادا کرنے کا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو ترک کیا جائے اور نیک کاموں کو دوام اور تسلسل کے ساتھ کیا جائے اور تا حیات ایمان کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے۔

بعض انسان دنیا میں اپنے اعمال سے دنیا کی منفعتوں، لذتوں اور دنیا میں اقتدار اور حاکمیت کے حصول کا ارادہ کرتے ہیں، یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں، کیونکہ ان کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تو ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ جاتی رہے گی، اللہ تعالیٰ دنیا میں سے جتنا حصہ انہیں دینا چاہے وہ ان کو دے دیتا ہے اور انجامِ کار آخرت میں ان کو جہنم میں داخل کر دے گا اور وہ مذمت کیے ہوئے دھتکارے ہوئے جہنم میں داخل ہوں گے۔

پس اصحاب الشہوات وہ لوگ ہیں جو ان چیزوں میں داخل ہو گئے جن چیزوں سے دوزخ کا احاطہ کیا ہوا ہے اور حجاب ڈالا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ دوزخ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ

رہی جنت، تو اس کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ نیکی کا عمل ان نفوس کے لیے شاق اور مکروہ ہوتا ہے جو برائی کا حکم دینے والے ہیں، اسی لیے تم اکثر لوگوں کو پاؤ گے کہ خیر کے عمل کے وقت ان کا دل تنگ ہوتا ہے اور وہ اس کو ناپسند کرتے ہیں لیکن یہ خیر کے عمل ان کو جنت تک پہنچاتے ہیں۔

انسان جب اطاعت کے کاموں کا اخلاص کے ساتھ عادی ہو جائے اور ان کی متابعت کرے تو اسے اطاعت اور عبادت ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتی ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اس کی خطائیں معاف ہوتی ہیں جب وہ تکلیف اور مشقت کے وقت میں پورا پورا وضو کرے یعنی سرد موسم میں۔ انسان اپنے آپ کو ایذاء پہنچانا ناپسند کرتا ہے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں اس کو ایذاء پہنچتی ہے لیکن جو یہ چاہتا ہے کہ اس کی خطائیں معاف ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں تو وہ اس تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔ یا جیسے انسان حج کے لیے سفر کرے یا جہاد کے لیے سفر کرے تو یہ اس کو طبعاً ناپسند ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور ہو سکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ (البقرہ: ۲۱۶)

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۲۷۳-۲۷۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹- بَابٌ: اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ

جنت تم میں سے کسی ایک کے اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے اور دوزخ بھی اسی طرح ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں جنت کا بندہ کے ساتھ قرب بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح دوزخ کا بھی بندہ کے ساتھ قرب بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اگر ایسے کام کرے گا جو جنت میں دخول کا موجب ہوں تو جنت میں چلا جائے گا اور اگر ایسے ناجائز کام کرے گا جو دوزخ میں دخول کا موجب ہوں تو دوزخ میں چلا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۸۔ حَدَّثَنِي مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذَلِكَ۔

(مسند احمد: ۳۶۵۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے موسیٰ بن مسعود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور اور الاعمش از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت تم میں سے کسی ایک کے اس کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے اور دوزخ بھی اس کے مثل ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن مسعود، یہ ابوحذیفہ النہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ الثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "شراك النعل" کا ذکر ہے: یہ وہ جگہ ہے جس میں مرد اپنی انگلی کو داخل کرتا ہے اور اس کا اطلاق ہر اس چمڑے پر ہوتا ہے جس سے قدم کی حفاظت کی جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ اطاعات اور عبادات جنت کی طرف پہنچاتی ہیں اور معاصی اور گناہ دوزخ کے قریب کرتے ہیں اور معاصی اور گناہ بندہ کو بہت آسان لگتے ہیں تو مومن کو چاہیے کہ وہ خیر کو ترک نہ کرے اور شر پر مداومت نہ کرے، بسا اوقات وہ شر کو آسان سمجھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سنگین ہوتا ہے، کیونکہ مومن اس نیکی کو نہیں جانتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرماتا ہے اور اس برائی کو نہیں جانتا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۸۹۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ

حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَصْدَقُ بَيْتٍ قَالَهُ الشَّاعِرُ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن عمیر از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: سب سے سچا شعر یہ ہے جس میں شاعر نے کہا ہے: ''سنو! ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا ہے باطل ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۸۴۱، ۶۱۴۷، ۶۴۸۹، صحیح مسلم: ۲۲۵۶، سنن ترمذی: ۲۸۴۹، سنن ابن ماجہ: ۳۷۵۷، مسند احمد: ۸۸۶۶)

صحیح البخاری: ۶۴۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت

میں نے شارحین میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس باب میں اس حدیث کو وارد کرنے کی وجہ ذکر کی ہو، اسی وجہ سے علامہ ابن بطال نے اس حدیث کو اس سے پہلے باب میں ذکر کیا ہے۔ پس میں کہتا ہوں: اس فیضِ الٰہی سے جو میرے دل میں واقع ہوا ہے کہ دنیا کی ہر وہ چیز جو اللہ کے ماسوا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع نہ کرتی ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب ہو جب وہ چیز باطل ہو تو اس کے ساتھ مشغول ہونا جنت سے دور کرنے کا سبب ہے باوجود اس کے کہ جنت بندہ کے اس کی جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادات کے معاملات میں مشغول ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے امر میں داخل ہے اور یہ دوزخ سے دور کرتی ہیں حالانکہ دوزخ بندہ کی جوتی کے تسمہ سے زیادہ قریب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۸۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لبید کا تذکرہ

جس شاعر کا یہ شعر ہے اس کا نام لبید ہے، اور یہ عامر ہیں اور پھر جعفری ہیں اور یہ صحابی ہیں جو مشہور شاعر ہیں اور یہ بنو جعفر بن کلاب کے وفد میں آئے تھے اور اسلام قبول کیا اور اسلام میں اچھے عمل کیے اور جب سے اسلام لائے انہوں نے کوئی شعر نہیں کہا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ شاعر نے اپنے شعر میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے، اس سے مخصوص چیزیں مراد ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت سے دور کرنے والی ہوں وہ چیزیں باطل ہیں ورنہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے قریب کرے وہ باطل نہیں ہے اور شاعر کا ارادہ یہ ہے کہ امرِ دنیا میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سوا باطل ہے، جو چیز ایسی ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف نہ لوٹاتی ہو اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب نہ حاصل ہوتا ہو تو وہ باطل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۱۹۸)

صحیح البخاری: ۶۴۸۸، میں یہ دلیل ہے کہ اطاعات اور عبادات جنت کی طرف پہنچاتی ہیں اور گناہ اور معاصی دوزخ کے قریب

پہنچاتے ہیں اور وہ بندہ کو بہت آسان لگتے ہیں۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرد کوئی بات کہتا ہے جو اللہ کی رضا مندی کے متعلق ہوتی ہے اور اس کا دل اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے لیے اپنی رضا مندی قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے اور ایک آدمی کوئی بات کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوتی ہے اور اپنے دل کو اس کی طرف متوجہ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے متعلق اپنی ناراضگی کو قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۹، موطا امام مالک ص ۷۰۹)

اسی طرح علامہ داؤدی نے کہا ہے: اللہ کے ماسوا سے مراد وہ ہیں جو انبیاء اور رسل اور فرشتے اور آسمانی کتابوں کے ماسوا ہوں، کیونکہ یہ تمام امور برحق ہیں اور یہ ارادہ کیا ہے کہ جو اللہ کے لیے نہ ہوں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابٌ: لِيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ وَلَا يَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ

انسان کو چاہیے کہ اپنے سے کم درجہ والے کو دیکھے اور اپنے سے بلند درجہ والے کو نہ دیکھے

۶۴۹۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۲۷۳۶۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اس کی طرف دیکھے جس کو اس کے اوپر مال میں اور جسمانی بناوٹ میں فضیلت دی گئی ہے تو چاہیے کہ اس کی طرف دیکھے جو اس سے کم درجہ کا ہے جو ان میں سے ہے جن پر اس کو فضیلت دی گئی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیز امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: اس کی طرف دیکھو جو تم سے کم درجہ کا ہے اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے بلند درجہ کا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الزناد، وہ عبد اللہ ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، وہ عبد الرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ”اس کی طرف دیکھنا چاہیے جو اس سے کم درجہ کا ہے“ تاکہ اس کے اوپر اپنی کمی آسان ہو جائے۔

اور جو اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت دی ہے اس کا وہ شکر ادا کرے، یہ دنیاوی امور کے متعلق ہے اور رہا دینی امور کا معاملہ اور وہ امور جن کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے تو آدمی کو چاہیے اس کی طرف دیکھے جو اس سے زیادہ مرتبہ کا ہے تا کہ فضائل کے حصول میں اس کی رغبت زیادہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام طبری نے کہا ہے: یہ حدیث خیر کے تمام معانی کی جامع ہے، کیونکہ بندہ جب اپنے رب کی عبادت کرتا ہو اور اس میں کوشش کرتا ہو اور وہ اس شخص کو دیکھے جو اس سے زیادہ عبادت کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں یہ چاہے گا کہ یہ بھی عبادت کرے تا کہ اس کے ساتھ لاحق ہو جائے اور پھر وہ ہمیشہ اپنے رب کا زیادہ قرب حاصل کرتا رہے گا۔

اور جو شخص دنیا میں کسی خسیس حال کے اوپر ہو تو وہ غور کرے تو دنیا میں ایسے لوگ ہوں گے جو اس سے زیادہ خسیس حال میں ہوں گے، پس جب وہ اس شخص کو دیکھے گا اور اس پر غور کرے گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ نعمتیں آشکار ہوں گی، پھر وہ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے بہتر حال میں رکھا۔ اور یہ نہیں سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمتیں کم دی ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۷ ۵۳، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کا طریقہ

امام حاکم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مال داروں کے پاس کم جایا کرو یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کم نہ سمجھو۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس مرض کی دوا ہے، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے سے دنیاوی اعتبار سے بڑے مرتبہ کے شخص کو دیکھے گا تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہوگا کہ اس کے دل میں حسد پیدا ہو اور اس کی دوا یہ ہے کہ وہ اپنے سے دنیاوی اعتبار سے کم درجہ کے آدمی کو دیکھے تا کہ یہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا محرک ہو۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو خصلتیں جس شخص میں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کو شاکر صابر لکھ دے گا: جو شخص دنیا میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے کم درجہ کا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس پر حمد کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر اپنا فضل فرمایا ہے۔ اور جو دین میں اس کی طرف دیکھے گا جو اس سے زیادہ مرتبہ کا ہو تو وہ اس کی اقتداء کرے گا اور جس نے دنیا میں اس شخص کو دیکھا جو اس سے زیادہ مرتبہ کا ہے تو وہ اس پر افسوس کرے گا کہ اس کو ایسی نعمتیں نہیں ملیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو شاکر صابر نہیں لکھے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۴۵۔ ۵۴۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی مرد کو یہ خطرہ ہو کہ مال داروں کے پاس جانے سے وہ ان کے خلاف حسد میں مبتلا ہوگا اور اس کے اوپر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو وہ کم سمجھے گا تو پھر اس کو مال داروں کے پاس جانے سے اجتناب کرنا چاہیے ورنہ مال داروں کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۷۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ مال داروں کے پاس کم جایا کرو، وہ صحیح اور برحق ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ضرورت کے وقت مال داروں کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ بلاضرورت مال داروں کے پاس نہیں جانا چاہیے۔

(سعیدی غفرلہٗ)

۳۱۔ بَابُ: مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ أَوْ بِسَيِّئَةٍ — جس نے نیک کام کرنے یا برا کام کرنے کا ارادہ کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں ''ھم'' کا لفظ ہے۔ اس کا معنی ہے: دل کا کسی کام کے کرنے کو ترجیح دینا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا جَعْدُ بْنُ دِينَارٍ أَبُو عُثْمَانَ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ قَالَ إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذَلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً۔

(صحیح مسلم: ۱۳۱، مسند احمد: ۲۸۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جعد بن دینار ابو عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو رجاء العطاردی نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ کر مقدر کر دیا ہے، پھر ان کا بیان فرما دیا ہے، سو جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس سے لے کر سات سو نیکیوں بلکہ اس سے بھی بڑھا کر لکھ دیتا ہے۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر اس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر

عمل کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک برائی لکھ دیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے نیکی یا برائی کا ارادہ کیا'' اور اس جملہ کا بعینہٖ حدیث میں ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابو معمر کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عمرو بن الحجاج المنقر ی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالوارث کا ذکر ہے، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں جعد کا ذکر ہے، ان کی کنیت ابوعثمان الرازی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابورجاء کا ذکر ہے، ان کا نام عثمان بن تمیم العطاردی ہے اور یہ تمام راوی بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں''۔ اس میں یہ بیان ہے کہ یہ حدیث احادیثِ قدسیہ میں سے ہے یا واقعہ کا بیان ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اور رب عزوجل نے فرمایا کہ اس نے نیکیوں کو مقدر کر دیا اور اسی طرح برائیوں کو بھی مقدر کر دیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ یہ قاعدہ باطل ہے کہ حسن اور قبح عقلی ہیں اور افعال اپنی ذات میں قبیح یا حسن نہیں ہوتے بلکہ حسن اور قبح شرعی ہیں حتیٰ کہ اگر شارع اس کے برعکس ارادہ کرے تو برعکس ہو جائے گا یعنی اگر نماز سے منع فرمادے تو وہ قبیح ہو جائے گی اور زنا کا حکم دے تو وہ حسن ہو جائے گا، اور اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ نماز فی نفسہٖ حسن ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے منع نہیں کرے گا اور زنا فی نفسہٖ قبیح ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہیں دے گا، اور شارع علیہ السلام کاشف اور مبیّن ہیں مثبت نہیں ہیں اور ان کا اس کے برعکس حکم دینا جائز نہیں ہے۔

حسن اور قبح کے عقلی اور شرعی ہونے کی تحقیق

میں کہتا ہوں: اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ اشیاء کا حسن اور قبح عقلی ہے یا شرعی ہے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے، اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ حسین ہے اور جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ قبیح ہے، اپنی ذات میں کوئی کام اچھا ہے نہ برا ہے۔ سچ بولنا اس لیے اچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کا حکم دیا اور جھوٹ بولنا اس لیے برا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے کا حکم دیتا تو وہ اچھا ہوتا اور سچ بولنے سے منع فرماتا تو وہ برا ہوتا، لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی ہے۔

ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہے۔ سچ بولنا، عبادت کرنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا یہ سب اپنی ذات میں اچھے کام تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے۔ اور جھوٹ بولنا، کفر کرنا اور زنا کرنا یہ کام اپنی ذات میں برے اور قبیح تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے منع فرمایا، لہٰذا اشیاء کا حسن اور قبح شرعی نہیں ہے عقلی ہے۔

حسن وقبح کے عقلی ہونے کے دلائل

ماتریدیہ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۲)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے O

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے زنا سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ وہ بے حیائی ہے اور برا طریقہ ہے۔ زنا برا طریقہ اس لیے ہے کہ زنا کی وجہ سے نسب محفوظ نہیں رہتا اور یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ کون شخص کس کا بیٹا ہے اور کس کے نسب سے ہے، اس لیے افزائش نسل کے لیے زنا کرنا برا طریقہ ہے۔ اور جو کام فی نفسہ بے حیائی ہو اور برا طریقہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا حکم دینا محال ہے۔ نیز ماتریدیہ کی دلیل یہ آیت بھی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ:۹۰۔۹۱)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تا کہ تم کامیاب ہو O شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو O

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خمر (انگور کی شراب) پینے سے منع فرمایا ہے اور شرط لگا کر جوا کھیلنے سے منع فرمایا ہے اور ان کی حسب ذیل خرابیاں بیان فرمائی ہیں:

(۱) خمر ناپاک ہے (۲) شیطان کے عمل سے ہے (۳) خمر اور جوئے کی وجہ سے شرابی ایک دوسرے سے عداوت رکھتے ہیں اور بغض رکھتے ہیں، اسی طرح جوئے میں بھی ہارنے والا جیتنے والے سے عداوت اور بغض رکھے گا (۴) اور اس میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور نماز سے روکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان خرابیوں کی وجہ سے خمر اور جوئے کو حرام فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ (البقرہ:۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے (بھی) ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدہ سے زیادہ بڑا ہے۔

اس آیت میں بھی ماتریدیہ کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو حرام فرمایا اور بتایا کہ ہر چند کہ اس میں کچھ فائدہ بھی ہے لیکن اس کا نقصان اس کے فائدہ سے زیادہ ہے۔ اور نقصان زیادہ ہونے کی وجہ سے شراب اور جوئے کو حرام فرمادیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا

اور آپ سے حیض کا حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ وہ گندگی

النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ۚ (البقرہ:۲۲۲) ہے، سو عورتوں سے حالتِ حیض میں الگ رہو اور ان سے عمل زوجیت نہ کرو حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائیں۔

لوگ آپ سے سوال کرتے تھے کہ جب بیوی ایامِ حیض میں ہو تو اس سے مجامعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ گندگی ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ حالتِ حیض میں بیوی سے مجامعت کرنے کی قباحت عقلی ہے، چونکہ یہ گندا کام تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا ہے۔

نیز ماتریدیہ کی دلیل یہ آیت بھی ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (العنکبوت:۴۵) بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے کہ نماز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور یہ نماز کا حسنِ عقلی ہے۔ اور نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا ہوتا ہے اور منعم کا شکر ادا کرنا یہ بھی حسنِ عقلی ہے۔

واضح رہے کہ اکثر فقہائے احناف ماتریدی ہیں اور اکثر فقہائے شافعیہ اشعری ہیں اور علامہ کرمانی چونکہ شافعی ہیں اس لیے انہوں نے حسن وقبح کے شرعی ہونے کو بیان کیا ہے، علامہ بدرالدین عینی چونکہ حنفی ہیں اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ وہ حسن وقبح عقلی ہونے پر دلائل پیش کرتے لیکن ان کی طرف سے یہ فریضہ اس ناکارہ نے سرانجام دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "پس جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے"۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس نیکی کو لکھ دیں، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کو اس کے لیے مقدر کر دیا ہے اور کراماً کاتبین اس تقدیر کو جان لیتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اگر اس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو وہ نیکی دس گنا لکھ دی جاتی ہے"۔

جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤی اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (الانعام:۱۶۰) جو شخص اللہ کے پاس ایک نیکی لے کر آئے گا اس کے لیے اس جیسی دس نیکیوں کا اجر ہوگا، اور جو شخص ایک برائی لے کر آئے گا اس کو صرف ایک برائی کی سزا ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا O

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اس کی وہ نیکی سات سو گنا تک لکھ دی جاتی ہے اور اس کو دگنا بھی کر دیا جاتا ہے"، جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ (البقرہ:۲۶۱) جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں، ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سات سو دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے ان کو دگنا کر دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے O

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ جب نیکی کا ارادہ اس لیے معتبر ہوتا ہے کہ وہ دل کا فعل ہے تو چاہیے کہ برائی کے ارادہ کا بھی اسی طرح اعتبار کیا جائے کیونکہ وہ بھی دل کا فعل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر فضل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ان کے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضلِ عظیم نہ ہوتا تو جنت میں کوئی شخص نہیں داخل ہو سکتا تھا، اس لیے کہ بندوں کی برائیوں کی تعداد نیکیوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے، پس اللہ عزوجل نے اپنے بندوں پر یہ لطف و کرم فرمایا کہ ان کی نیکیوں کو تو دگنا چوگنا کر دیا اور برائیوں کو دگنا چوگنا نہیں کیا بلکہ ایک برائی کی اتنی سزا رکھی جتنی ایک برائی کی سزا ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض برائیوں کی سزا تو دگنی بھی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ذکر ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۳۰)

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جس نے بھی (بالفرض) کھلی ہوئی معصیت کا کام کیا، اس کو دہرا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ازواجِ مطہرات کا مقام اور مرتبہ عام مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ بھی عام مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ رکھا ہے۔ لیکن ازواجِ مطہرات کی ایک معصیت کا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مواخذہ ہے ان سے وہ ایک مواخذہ ہی کیا جائے گا دو مواخذے نہیں کیے جائیں گے۔

اس کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ عام مسلمان اگر بھولے سے کوئی نافرمانی کرلے تو اس سے مواخذہ نہیں ہوتا لیکن حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھولے سے ممنوعہ درخت سے کھا لیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا O

پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے سخت مواخذہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (الاعراف: ۲۲۔۲۴)

پس جب (حضرت آدم وحوا علیہما السلام) دونوں نے اس درخت سے چکھا تو ان کی شرم گاہیں ان کے لیے ظاہر ہوگئیں اور وہ اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے O دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O فرمایا: اترو، تم

میں سے بعض، بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں
ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک مدت تک فائدہ اٹھانا ہے O

اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس سے مواخذہ بھی شدید ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا: بے شک تم اس زمانہ میں ہو کہ تم میں سے جس نے کسی ایک حکم پر دسواں حصہ بھی عمل نہیں کیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔ پھر بعد میں ایسا زمانہ آئے گا کہ جس نے ان احکام میں سے دسواں حصہ بھی عمل کر لیا تو اس کی نجات ہو جائے گی۔ (سنن ترمذی: ۲۲۶۷)

کیونکہ صحابہ کرام کا مرتبہ بہت زیادہ تھا، انہوں نے اپنے سامنے نبوت کو چلتے پھرتے دیکھا اور سینکڑوں معجزات کا مشاہدہ کیا، نگاہِ رسالت نے ان کی تربیت کی اور ان کا اجر اتنا زیادہ رکھا کہ اگر وہ تھوڑے سے جَو بھی صدقہ کر دیں تو اس کا اجر بعد والوں کے احد پہاڑ جتنے صدقہ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور جس نے حالتِ ایمان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا یا ایک ساعت آپ کی ہم نشینی کی تو بعد کے لوگوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنی ہی عبادت کیوں نہ کر لے وہ صحابی رسول کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو جب ان کا اجر اتنا زیادہ رکھا تو ان سے مواخذہ بھی بہت شدید رکھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

''عزم'' اور ''ھم'' کے مباحث (''ھم'' کا معنی ہے: کسی فعل کو ترجیح دینا)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ برا کام نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب بندہ نے برائی کا ارادہ کیا اور اس برائی کو نہیں کیا تو زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ اس کی وہ برائی نہ لکھی جاتی۔ اس کی نیکی کس طرح لکھ دی جاتی ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ برائی سے باز رہنا بھی نیکی ہے۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص بیس سال نماز پڑھنے کے بعد بھی ایک نماز کو ترک کرنے کا عزم کرے تو وہ اسی حال میں نافرمان قرار پائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عزم ہے۔ عزم کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی کام کو کرنے کی پختہ نیت کر لے اور حدیث میں جو ذکر ہے وہ نیکی کا ''ھم'' ہے یا برائی کا ''ھم'' ہے۔ یعنی وہ نیکی کے کام کو ترجیح دے یا برائی کے کام کو ترجیح دے اور نیکی کو کرنے کی یا برائی کو کرنے کی نیت اور عزم نہ کرے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: جب کوئی بندہ اپنے دل میں معصیت کی تحسین کرے تو اس سے مواخذہ نہیں کیا جاتا لیکن جب اس معصیت کا عزم کر لے تو پھر وہ حدیثِ نفس کے مرتبہ سے نکل جاتا ہے، پھر وہ دل کا عمل ہو جاتا ہے۔ پس اگر وہ کسی فعل کو کرنے کی نیت کر لے تو اس وقت وہ معصیت کا اور گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اور ''ھم'' اور عزم میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے دوران نماز کے توڑنے کا ''ھم'' کرے یعنی نماز کے توڑنے کے قصد کو ترجیح دے لیکن نماز کو توڑنے کی نیت نہ کرے تو اس سے اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ لیکن اگر وہ نماز کو توڑنے کا عزم کر لے اور اس کی نیت کر لے تو پھر اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرے اور پھر اس برائی کو نہ کرے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے اس برائی کو ترک کرنے کا ارادہ کرے لیکن اگر کسی شخص نے اس پر جبر کیا اور اس نے حالتِ جبر میں برائی کو ترک کیا تو پھر اس برائی کے ترک کرنے کو نیکی قرار نہیں دیا جائے گا اور وہ اس حدیث کی عبارت میں داخل نہیں ہے۔

اور علامہ طبری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے قول کی تصحیح اور تصویب ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ کراماً کاتبین بندہ کی نیکی یا برائی کے ارادہ کو لکھ لیتے ہیں اور اسی طرح وہ بندہ کی نیکی یا برائی کے اعتقاد کو بھی لکھ لیتے ہیں اور علامہ طبری نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ کراماً کاتبین صرف اسی عمل کو لکھتے ہیں جو بندہ کا عمل ظاہر ہو اور سنائی دے اور وہ بندہ کے دل کے ارادہ پر مطلع نہیں ہوتے۔

فرشتے بندہ کے دل کے افعال پر کس طرح مطلع ہوتے ہیں؟

پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فرشتے غیب کے عالم تو نہیں ہیں، پس انہیں بندہ کے دل کے ارادہ کا کیسے پتا چل جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس بندہ سے پاکیزہ اور پسندیدہ خوشبو نکلتی ہے اور جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے اور برے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے ناگوار بدبو نکلتی ہے تو فرشتے اس خوشبو یا بدبو سے اس کے نیکی یا برائی کے ارادہ کو پہچان لیتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس حدیث کو امام طبری نے بیان کیا ہے اس کی ابو معشر المدنی نے روایت کی ہے۔ اور عنقریب کتاب التوحید میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت آئے گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جب میرا بندہ کسی برے کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو تم اس کو اس وقت تک نہ لکھو حتیٰ کہ وہ اس برائی پر عمل کرلے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فرشتہ آدمی کے دل کے احوال پر یا تو اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے مطلع ہوتا ہے اور یا اللہ تعالیٰ اس میں ایسا علم پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ بندہ کے دل کے افعال اور احوال پر مطلع ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نیکی اور برائی کے ''ھم'' کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فضل

اس حدیث شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی مقدار کو بیان فرمایا ہے بایں طور کہ بندہ اگر نیکی کا ''ھم'' کرے یعنی نیکی کو ترجیح دینے کا قصد کرے اور خواہ وہ نیک کام نہ کرے پھر بھی اللہ تعالیٰ اس کو بندہ کی نیکی قرار دیتا ہے اور اگر وہ برائی کا ''ھم'' کرے یعنی برائی کے فعل کو ترجیح دے خواہ اس کا عمل نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بندہ کی نیکی قرار دیتا ہے۔ اور اگر وہ برائی کا ارتکاب کرلے تو اس کی ایک برائی لکھی جاتی ہے اور اگر وہ نیکی کا عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو دس نیکیاں قرار دیتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضلِ عظیم نہ ہوتا تو کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوتا کیونکہ بندہ کی برائیاں اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوتی ہیں، سو اللہ

تعالیٰ نے اپنے بندوں پر یہ لطف کیا کہ اس کی نیکیوں کو تو دگنا چوگنا کر دیا اور اس کی برائیوں کو دگنا چوگنا نہیں کیا۔ اور نیکیوں کے ارادہ کو نیکی قرار دیا کیونکہ نیکی کا ارادہ بندہ کے دل کا فعل ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو بندہ برائی کا ارادہ کرے اور برائی نہ کرے تو چاہیے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی برائی نہ لکھتا تو اس کی برائی نہ کرنے کو نیکی کس طرح لکھا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس طرح ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل حدیث میں برائی سے رکنے کو بھی صدقہ فرمایا ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعری نے حدیث بیان کی از والد خود از جدِ خود، انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ کرنا واجب ہے، صحابہ نے پوچھا: پس اگر وہ (کوئی چیز) نہ پائے؟ آپ نے فرمایا: پس وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی کام کر کے اس کو نفع پہنچائے اور صدقہ کرے، صحابہ نے پوچھا: اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے یا نہ کر سکے، آپ نے فرمایا: پھر وہ ضرورت مند مظلوم کی مدد کرے، صحابہ نے عرض کیا: اگر وہ یہ نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ خیر کا حکم دے یا فرمایا: نیکی کا حکم دے، راوی نے کہا: اگر وہ یہ نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: پھر وہ برائی سے باز رہے، کیونکہ یہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۰۲۲، صحیح مسلم: ۱۰۰۸، سنن نسائی: ۲۵۳۸، مسند احمد: ۱۹۰۳۷، سنن دارمی: ۲۷۴۷)

فرشتوں کو بندہ کے دل کے افعال کا کیسے علم ہوتا ہے؟

یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لیے ایسی علامت مقرر کر دی ہو جس سے ان کو بندہ کے دل کے افعال کا علم ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے بہ کثرت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے علمِ غیب کی سبیل مہیا فرما دی۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے بنی اسرائیل سے کہا:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (آل عمران: ۴۹)

اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوگا (یہ کہتا ہوا) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں، میں تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھے اور برص زدہ کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم مومن ہو تو بے شک ان سب چیزوں میں تمہارے لیے قوی نشانی ہے ۝

اور بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ کثرت علمِ غیب کی خبریں دی ہیں۔ تو اس میں کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے کہ ابنِ آدم کے ساتھ جو لکھنے والے فرشتے مقرر کیے گئے ہوں ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی سبیل مقرر کر دی ہو جس سے انہیں بنو آدم

کے دلوں میں نیک کام کرنے اور برے کام کرنے کا علم ہو جائے اور فرشتے اس کو لکھ لیتے ہوں جب وہ اپنے دل میں کسی نیک کام کا ارادہ کرے یا اس کا عزم کرے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دل کے افعال پر مواخذہ ہونے کے دلائل

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (النور:۱۹)

بے شک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بے حیائی کی بات پھیلے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

جو لوگ اس سے محبت رکھتے ہوں کہ مومنوں میں بے حیائی کی بات پھیلے تو یہ محبت رکھنا ان کے دل کا فعل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے وعید سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الحجرات:۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اس آیت میں بدگمانی کرنے اور تجسس کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ دل کے افعال ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (البقرہ:۲۳۵)

اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی عورت کی عدت کے ایام میں اس عورت کو نکاح کا پیغام دینے سے منع فرمایا ہے اور یہاں تک فرمایا کہ عدت کے دوران تم اس کو نکاح کا پیغام دینے کا عزم بھی نہ کرو حتیٰ کہ عدت پوری ہو جائے۔ اور عزم کرنا دل کا فعل ہے، اس

سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر مواخذہ ہوتا ہے۔ اور اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سوتم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

اسی طرح احادیث میں بھی دل کے افعال پر مواخذہ کا ثبوت ہے:

احنف بن قیس بیان کرتے ہیں کہ میں اس مرد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کے لیے روانہ ہوا، سو مجھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے، پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ میں نے کہا: میں اس مرد کی مدد کروں گا (اس وقت حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جنگ جاری تھی اور احنف بن قیس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے جانا چاہتے تھے) تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: واپس آجاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کو ٹکرائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، پس مقتول (کے دوزخی ہونے) کی کیا وجہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے صاحب کے قتل پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱، صحیح مسلم: ۲۸۸۸، سنن نسائی: ۴۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۵، مسند احمد: ۱۹۹۹۵)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ جو شخص اپنے صاحب کے قتل پر حریص ہو تو وہ بھی دوزخ میں جائے گا، حالانکہ حرص دل کا فعل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گمان کرنے سے بچو کیونکہ گمان کرنا سب سے جھوٹی بات ہے اور تجسس نہ کرو اور (کسی کے حالات جاننے کے لیے) تفتیش نہ کرو اور کسی سے حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ (صحیح البخاری: ۶۰۶۴)

نیز علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کسی مسلمان سے حسد کرنا اور مسلمانوں کو حقیر جاننا اور کسی مکروہ چیز کا ارادہ کرنا یہ اعمال قلوب میں سے ہیں اور ان سب پر مواخذہ ہوتا ہے۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں جو وسوسے آتے ہیں ان پر مواخذہ نہیں ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں سے درگزر فرمایا ہے جو ان کے دلوں میں آتی ہیں جب تک وہ ان پر عمل نہ کریں یا ان کے مطابق کلام نہ کریں۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۹، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ترمذی: ۱۱۸۶، سنن نسائی: ۳۴۳۱، مسند احمد: ۹۵۰۳)

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں ہوتا اور حدیثِ نفس سے مراد یہ ہے کہ دل میں کسی کام کا خیال آئے اور دل اس کام کی تحسین کرے اور اس کی طرف ترغیب دے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوتا، لیکن جب آدمی دل سے اس کام کا عزم کرلے تو پھر اس پر مواخذہ ہوگا جیسا کہ قرآن مجید کی آیت البقرہ: ۲۳۵ میں ہے کہ دورانِ عدت کسی کو نکاح کا پیغام دینے کا عزم نہ کرو۔ سو عزم سے منع کیا گیا ہے اور وہ دل کا فعل ہے، ہاں حدیثِ نفس پر مواخذہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل سے پختہ ارادہ نہ کرے۔ سو اگر کسی گناہ کا خیال دل میں آئے اور نفس اس کی طرف راغب بھی ہو اور اس کی تحسین کرے

اور اس کی طرف ترغیب دے تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس گناہ کا عزم نہیں کرے گا۔
اسی طرح اگر دل میں نیک کاموں کا خیال آئے اور ان کا بندہ عزم کرے تو اس پر اجر ملتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو اور بہترین اللہ کا ذکر وہ ہے جو مخفی ہو۔ (مسند احمد: ج ۱ ص ۱۷۲، صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۱۹۱، شعب الایمان ج ۱ ص ۴۰۷)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے افضل ذکر وہ ہے جو پوشیدہ ہو جس کو فرشتے بھی نہیں سنتے اور یہ اس ذکر پر ستر درجے افضل ہے جس کو فرشتے سنتے ہیں۔ (مسند ابویعلیٰ ج ۸ ص ۱۸۲)
اس سے معلوم ہوا کہ دل کے افعال پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے اور دل کے افعال پر عذاب بھی مرتب ہوتا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۴۰۔ ۵۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ بَابٌ: مَا يُتَّقَى مِنْ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ — گناہوں کو معمولی سمجھنے سے اجتناب کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ گناہوں کو معمولی سمجھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔
امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! گناہوں کو معمولی سمجھنے سے بچو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اس کی طرف سے مطالبہ ہوگا۔ اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور محقرات، محقرۃ کی جمع ہے، یہ وہ گناہ ہیں جن کو ان کا کرنے والا حقیر سمجھے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ عَنْ غَيْلَانَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعَرِ إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْمُوبِقَاتِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ يَعْنِي بِذَلِكَ الْمُهْلِكَاتِ۔ (مسند احمد: ۱۲۱۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مہدی نے حدیث بیان کی از غیلان از حضرت انس رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ بے شک تم ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں اور بے شک ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ان کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے شمار کرتے تھے۔
امام ابوعبداللہ نے کہا کہ "موبقات" سے مراد "مھلکات" ہے۔

صحیح البخاری: ۶۴۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت معنوی طور پر ثابت ہے یعنی جب گناہوں کو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ ہلاک کرنے والے ہیں تو پھر ان سے بندہ اجتناب کرے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مہدی، یہ ابن میمون الازدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غیلان، یہ ابن جریر ہیں۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ غیلان بن جامع ہیں اور یہ صراحۃً غلط ہے، اس لیے کہ غیلان بن جریر اہلِ بصرہ میں سے ہیں اور غیلان بن جامع کوفی ہیں جو کوفہ کے قاضی تھے اور اس سند کے تمام رجال بصری ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

اس حدیث کا معنی قرآن مجید کی اس آیت کی طرف راجع ہے:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اور تم اس کو معمولی بات سمجھتے ہو حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین بات تھی O (النور:۱۵)

اور صحابہ کرام صغیرہ گناہوں کو بھی مہلکات میں شمار کرتے تھے، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ خوف تھا۔ اور وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتے تھے اور جب آدمی بہت زیادہ گناہوں کو معمولی سمجھے تو پھر وہ گناہ کبیرہ ہو جاتے ہیں کیونکہ صغیرہ پر اصرار اس کو کبیرہ بنا دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گناہوں کو معمولی نہ سمجھنے کے متعلق دلائل

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین ظاہری اور صورتاً جھوٹ بولے تھے: ایک یہ تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی حضرت سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے حالانکہ ان کا یہ کلام حقیقت میں جھوٹ نہ تھا کیونکہ اس وقت روئے زمین پر حضرت سارہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی مومن نہیں تھا اور ان کی مراد یہ تھی کہ وہ ان کی دینی بہن ہیں۔ اسی طرح جب کفار نے ان کو میلے میں چلنے کے لیے کہا تو انہوں نے کہا کہ میں بیمار ہوں، ان کی مراد یہ تھی کہ تمہاری گمراہی اور بت پرستی کی وجہ سے مجھے رنج اور تکلیف ہے اور یہ بھی جھوٹ نہیں تھا۔ اسی طرح جب انہوں نے قوم کے بتوں کو توڑ دیا اور صرف بڑے بت کو باقی رکھا اور قوم نے آکر پوچھا کہ ان بتوں کو کس نے توڑا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ان کا بڑا بت تو یہاں موجود ہے ان سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہیں تو۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بھی جھوٹ نہیں تھا لیکن جب حشر کے دن لوگ ان کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے تو ان کو اپنے یہ تین ظاہری جھوٹ یاد آئیں گے اور وہ شفاعت کرنے سے گریز کریں گے اور یہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کمالِ خوف ہے۔ اسی طرح کاملین اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ان سے کوئی معمولی غلطی بھی ہو جائے تو

وہ اس کو بہت سنگین سمجھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے وہ جس چیز پر چاہے مواخذہ فرما سکتا ہے۔ وہ چاہے تو ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دے، اور وہ چاہے تو ایک بلی کو باندھ کر بھوکا پیاسا رکھنے کی وجہ سے ایک عورت کو دوزخ میں ڈال دے، سو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔

ابن وہب از عمرو بن حریث از یزید بن ابی حبیب از اسلم بن عمران روایت کرتے ہیں، انہوں نے ابوایوب سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ ایک آدمی کوئی نیک کام کرتا ہے اور اس پر اعتماد کر لیتا ہے اور گناہوں کو معمولی سمجھتا ہے، پس وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کے گناہوں نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہوگا۔ اور ایک مرد کوئی برا کام کرتا ہے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ امن میں ہوگا۔

اور اسد بن موسیٰ نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: تم گناہوں کو معمولی سمجھنے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ گناہ جمع ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ گناہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیں گے۔

ابوعبدالرحمٰن الحبلی نے کہا ہے: اس شخص کی مثال جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہے اور صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس شخص کی طرح ہے جس کو ایک درندہ ملا وہ اس سے بچ گیا، پھر اس کو ایک نر اونٹ ملا وہ اس سے بھی بچ گیا، پھر اس کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا اور اس کو درد پہنچایا، پھر دوسری چیونٹی نے کاٹا، پھر تیسری چیونٹی نے کاٹا حتیٰ کہ کئی چیونٹیوں نے اس کو کاٹ کر بے ہوش کر دیا، وہ اسی طرح ہے جو مرد کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے اور صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے تو تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں پر عذاب دیتا ہے تو تم اس سے دھوکہ میں نہ آؤ۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۴۷۔۵۴۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۳۳۔ بَابٌ: اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ وَمَا يُخَافُ مِنْهَا

اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے اور خاتمہ سے ڈرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال کا مدار خاتمہ اور انجام پر ہے۔

صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ خاتم میں تاء پر زبر بھی ہے اور تاء کے نیچے زیر بھی ہے، پھر کہا: اس کی جمع خواتیم ہے۔

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ کا رد فرماتے ہیں: یہ عجیب تصرف ہے کیونکہ علامہ ابن ملقن نے یہاں پر یہ گمان کیا ہے کہ خواتیم یہاں پر اس خاتم کی جمع ہے جس کو پہنا جاتا ہے یعنی انگوٹھی، حالانکہ اس کا یہاں پر کوئی دخل نہیں ہے۔ یہاں خواتیم سے وہ اعمال مراد ہیں جن اعمال کو کرتے کرتے مرد کی موت واقع ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۴،

دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۳۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَیَّاشٍ الْأَلْهَانِیُّ الْحِمْصِیُّ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِی أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ نَظَرَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِلَى رَجُلٍ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنْهُمْ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا فَتَبِعَهُ رَجُلٌ فَلَمْ يَزَلْ عَلَى ذَلِكَ حَتَّى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَقَالَ بِذُبَابَةِ سَيْفِهِ فَوَضَعَهُ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ فَتَحَامَلَ عَلَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ لَمِنْ أَهْلِ النَّارِ وَيَعْمَلُ فِيمَا يَرَى النَّاسُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِخَوَاتِيمِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عیاش الالہانی الحمصی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو مشرکین سے قتال کر رہا تھا، اور مسلمانوں کے نزدیک وہ شخص ان سے بہت زیادہ دفاع کرنے والا تھا، تو آپ نے فرمایا: جو شخص اس مرد کو دیکھنا چاہے جو اہلِ دوزخ میں سے ہو تو وہ اس مرد کو دیکھ لے، پھر ایک شخص اس مرد کے پیچھے پیچھے رہا اور اسی طرح اس کا پیچھا کرتا رہا حتیٰ کہ وہ مرد زخمی ہو گیا، اس نے موت کو جلدی طلب کیا اور اس نے تلوار کی نوک کو اپنے دو پستانوں کے درمیان رکھ کر اپنے آپ کو اس تلوار پر گرا دیا حتیٰ کہ وہ تلوار اس کے دونوں کندھوں کے درمیان سے نکل گئی، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بندہ ضرور عمل کرتا ہے اور لوگ اس کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ اہلِ جنت کا عمل کر رہا ہے اور بے شک وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے، اور ایک بندہ عمل کرتا رہتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دوزخیوں کے سے عمل کر رہا ہے اور وہ اہلِ جنت سے ہوتا ہے، اعمال کا دارومدار تو خاتمہ پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۹۸، ۴۲۰۲، ۴۲۰۷، ۶۴۹۳، ۶۶۰۷، صحیح مسلم: ۱۱۲، مسند احمد: ۲۲۳۰۶)

صحیح البخاری: ۶۴۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس مرد کا ذکر ہے جو بہ ظاہر جہاد کر رہا تھا لیکن حقیقت میں وہ اہلِ دوزخ میں سے تھا کیونکہ اس نے انجام کار خودکشی کر لی تھی، اس لیے اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عیاش کا ذکر ہے، یہ الحمصی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوغسان کا ذکر ہے، یہ محمد بن مطرف

ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔
یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب "لایقال فلان شهید" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے اور یہ حدیث کتاب المغازی میں بھی گزری ہے اور عنقریب کتاب القدر میں بھی آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" جو ایسے مرد کی طرف دیکھنا چاہے جو اہلِ دوزخ میں سے ہو" اس مرد کا نام قزمان تھا۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "كان من اعظم المسلمين غناء عنهم" یعنی مسلمانوں کے نزدیک وہ مرد مسلمانوں کی طرف سے بہت زیادہ مدافعت کرنے والا تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بذبابة" ذبابة کا معنی ہے: تلوار کی ایک طرف، اس مرد نے تلوار کی ایک طرف کو اپنے پستانوں کے درمیان رکھ کر اس پر زور دیا اور وہ تلوار اس کے آر پار ہو گئی۔
بہ ظاہر اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ جو مرد مسلمانوں کی طرف سے جہاد کر رہا تھا اور وہ خود کشی کر کے مر گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہنمی فرمایا۔اس پر یہ اعتراض ہے کہ خود کشی کرنا تو گناہِ کبیرہ ہے تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ تو دوزخ میں نہیں رہتا۔
اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باطن میں اس کے کفر پر مطلع تھے، اس وجہ سے آپ نے فرمایا کہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے، یا اس شخص نے خود کشی کو حلال سمجھ کر اپنے آپ کو قتل کیا تھا، تو پھر وہ حرام کو حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو گیا اور کافر اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواتیم اعمال کو بندوں سے مخفی رکھنے کی حکمت

اللہ تعالیٰ نے بندوں سے ان کے اعمال کے خواتیم کو مخفی رکھا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے اور اس کی لطیف تدبیر ہے، کیونکہ اگر کسی انسان کو یہ علم ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کس عمل پر ہوگا تو اس کے دل میں تکبر اور سستی پیدا ہوگی، جس کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور جس کو یہ معلوم ہوگا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو وہ زیادہ گمراہی، سرکشی اور کفر میں مبتلا ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس علم کو اپنے ساتھ خاص رکھا تا کہ بندے خوف اور امید کے درمیان رہیں۔پس جو اطاعت گزار ہو وہ اپنے عمل کی وجہ سے تکبر میں مبتلاء نہ ہو اور جو گناہ گار ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو تا کہ ہر بندہ اللہ تعالیٰ سے خضوع خشوع کرتا رہے اور عاجزی کرتا رہے اور اس کا محتاج رہے۔
حفص بن حمید نے کہا: میں نے امام ابن المبارک سے پوچھا: یہ بتائیے کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو قتل کر دیا، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس سے افضل ہوں تو امام عبداللہ بن المبارک نے کہا: تمہارا اپنے متعلق بے خوف ہونا کہ تم اس قاتل سے افضل ہو یہ اس کے قتل کے گناہ سے زیادہ سنگین ہے۔

عبداللہ بن مبارک نے جو کہا کہ کسی شخص کا اپنے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ نجات یافتہ لوگوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا گناہ قاتل کے گناہ سے زیادہ ہے، کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ انجام کار اس کا کیا حال ہوگا اور وہ کس حال پر مرے گا، اور یہ بھی نہیں جانتا کہ جس شخص کے متعلق وہ بدگمانی کر رہا ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے اور وہ اس حال میں مرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر چکا ہو، اور تم بھی اس کے متعلق بدگمانی کر رہے ہو تو ہوسکتا ہے تمہارا حال متغیر ہو جائے اور تم اللہ پر ایمان کے بجائے اللہ کے کفر کی طرف منتقل ہو جاؤ، پس مومن اپنے ایمان کے حال میں اگر چہ یہ جانتا ہے کہ وہ نیک کام کر رہا ہے لیکن وہ یہ تو نہیں جانتا کہ وہ کس حال میں مرے گا، پس یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ وہ نیکوکار ہے اور دوسرے کے متعلق یہ بدگمانی کرے کہ وہ بدکار ہے۔ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۰۲۔ ۲۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۳۴۔ بَابٌ: اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَّاطِ السُّوْءِ

برے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی بہ نسبت تنہائی میں رہنے میں راحت ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں "العُزلة" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے "الاعتزال اور الانفراد" یعنی لوگوں سے الگ تھلگ رہنا۔ اور "خلاط" کا لفظ خلیط کی جمع ہے، کسی مرد کا خلیط وہ شخص ہوتا ہے جس سے وہ مل جل کر رہتا ہے، اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں۔ اور راحت کے معنی ہیں: خوشی اور استراحت اور نفس کا مطمئن اور پرسکون ہونا۔

لوگوں سے الگ تھلگ رہنے میں بہ کثرت فوائد ہیں، کم سے کم فائدہ یہ ہے کہ وہ شخص لوگوں کے شر سے دور رہتا ہے۔

اور حفص بن عاصم سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم خلوت نشینی میں سے اپنا حصہ لو، اور ایک روایت میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: خلوت نشینی میں برے ساتھیوں سے نجات اور راحت ہے۔ اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا (میں) تمہیں یہ خبر نہ دوں کہ لوگوں میں سب سے بہتر ٹھکانے والا کون ہے؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ مرد جس نے اپنے گھوڑے کی لگام اللہ کے راستہ میں پکڑی اور کیا تمہیں اس شخص کی خبر نہ دوں جو اس کے قریب ہے، یہ وہ شخص ہے جو کسی پہاڑ کی گھاٹی میں خلوت نشین ہو، نماز پڑھتا ہو اور زکوٰۃ دیتا ہو۔

پھر اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث کہاں ہے جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: کامل مسلمان وہ ہے جو لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔

اور اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ آپ نے جو فرمایا کہ جو شخص اپنے گھوڑے

کی لگام کو پکڑے تو وہ اس عموم سے خارج ہے اور اس سے مراد خاص شخص ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بھی نیک لوگوں میں سے ہے، جیسا کہ دوسرے لوگوں نے بتایا: بہترین لوگوں میں سے وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل نیک ہو، یا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص کسی وقت میں افضل ہوگا نہ کہ ہر وقت میں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۴۔۱۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ حَدَّثَهُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ رَجُلٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ وَرَجُلٌ فِي شِعْبٍ مِنَ الشِّعَابِ يَعْبُدُ رَبَّهُ وَيَدَعُ النَّاسَ مِنْ شَرِّهِ تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ وَسُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَالنُّعْمَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءٍ أَوْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ يُونُسُ وَابْنُ مُسَافِرٍ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوسعید نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا: کہا گیا یارسول اللہ! ح اور محمد بن یوسف نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے نیک کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جو مرد اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرے، اور جو مرد پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں ہو، اپنے رب کی عبادت کرتا ہو اور لوگوں کو اپنے شر سے چھوڑ دے۔

شعیب کی متابعت الزبیدی اور سلیمان بن کثیر اور نعمان نے کی ہے از الزہری۔

اور معمر نے کہا از الزہری از عطاء، یا عبید اللہ، از ابوسعید از نبی ﷺ اور یونس نے اور ابن مسافر نے اور یحییٰ بن سعید نے کہا: از ابن شہاب از عطاء از نبی ﷺ کے بعض اصحاب از نبی ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۶، ۶۴۹۴، صحیح مسلم: ۱۸۸۸، سنن ترمذی: ۱۶۶۰، سنن نسائی: ۳۱۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۴۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۷، مسند احمد: ۱۱۴۲۸)

صحیح البخاری: ۶۴۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "خلوت نشینی میں برے دوستوں سے طمانیت اور سکون ہے اور راحت ہے" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "وہ مرد سب سے بہتر ہے جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے چھوڑ دیتا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء بن یزید، یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید، یہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور الاوزاعی، عبدالرحمٰن ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا''۔ اس اعرابی کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''سب سے افضل وہ مرد ہے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے''۔

اس پر یہ سوال ہوگا کہ دوسری احادیث میں ہے تم میں سے افضل وہ شخص ہے جو قرآن کا علم سیکھے اور قرآن کا علم سکھائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختلاف، اوقات اور اقوام اور احوال کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ یعنی بعض حالات میں مجاہد افضل ہوتا ہے اور بعض حالات میں معلم قرآن افضل ہوتا ہے، یعنی جب تبلیغ کے لیے جہاد کی ضرورت ہو تو مجاہد افضل ہے اور جب لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے معلم کی ضرورت ہو تو پھر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینا افضل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی شعب'' اس کا معنی ہے: پہاڑ میں راستہ اور پانی بہنے کی جگہ، اور دو پہاڑوں کے درمیان کشادگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۵ - حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا الْمَاجِشُونُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ خَيْرُ مَالِ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ الْغَنَمُ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الماجشون نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن ابی صعصعۃ از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی مسلمان مرد کا بہترین مال وہ بکری ہوگی جس کے ساتھ وہ پہاڑ کی چوٹیوں میں جائے گا اور بارش گرنے کی جگہوں میں وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے پہاڑ کی چوٹیوں میں چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۹، ۳۳۰۰، ۳۶۰۰، ۶۴۹۵، ۷۰۸۸، سنن نسائی: ۵۰۳۶، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۰، مسند احمد: ۱۰۶۴۹)

صحیح البخاری: ۶۴۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور عزلت نشینی کے شرعی دلائل میں تطبیق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فتنوں کے زمانہ میں شہروں اور آبادعلاقوں سے نکل کر جنگلوں اور ویرانوں میں چلے جانا چاہیے،

لیکن یہ اس شخص کے لیے مشروع ہے جس کو فتنہ زائل کرنے پر قدرت نہ ہو اور جس کو ازالہ فتنہ پر قدرت ہو کہ وہ فتنہ کے ازالہ کے لیے کوشش کرے اور اس کے لیے یہ فرضِ عین ہے جب کہ وہ منفرد ہو اور اگر ایسے لوگ متعدد ہوں تو پھر یہ فرضِ کفایہ ہے۔ اور جب فتنہ کے ایام نہ ہوں تو پھر علماء کا عزلت نشینی اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں اختلاف ہے کہ ان میں کونسی چیز افضل ہے۔ امام شافعی اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا افضل ہے کیونکہ اس سے بہت فوائد حاصل ہوتے ہیں، شعائر اسلام کے حاصل ہونے کا موقع ملتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کے مواقع ملتے ہیں، بیماروں کی عیادت کی جاتی ہے، جو مسلمان فوت ہو جائیں ان کے جنازہ میں شرکت ہوتی ہے، ان کو کثرت سے سلام کیا جاتا ہے، نیکی کا حکم دیا جاتا ہے، برائی سے روکا جاتا ہے، نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں تعاون کیا جاتا ہے اور ضرورت مندوں کی مدد کی جاتی ہے اور یہ وہ کام ہیں جن کو ہر شخص کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ شخص عالم اور زاہد ہو تو مل جل کر رہنا اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس صورت میں بھی عزلت نشینی افضل ہے، کیونکہ اس میں سلامتی محقق ہے بہ شرطیکہ وہ جن عبادات کا مکلف ہے ان کی ادائیگی کا طریقہ اس کو معلوم ہو، اور جس شخص کو یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا اس کے لیے مل جل کر رہنا افضل ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں سے الگ ویرانوں میں رہنا افضل ہے کیونکہ بہت کم محافل گناہوں سے خالی ہوتی ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میں بھی ان کا ہمنوا ہوں، کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں شر اور فساد سے بچنا بہت مشکل ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتنوں سے دور رہنا چاہیے، سلف صالحین کی ایک جماعت فتنوں کے خطرہ سے بستیوں سے نکل گئی تھی۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ربذہ چلے گئے تھے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔ اس حدیث میں آپ کے علمِ غیب کا ثبوت ہے اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں عزلت نشینی کو ترجیح دی ہے، جب کہ شارع علیہ السلام نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ محلہ کے سب مسلمان مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور شہر کے سب لوگ جمع ہو کر جمعہ کی اور عید کی نماز پڑھیں، اور تمام ملکوں کے مسلمان حج کے لیے جائیں اور میدانِ عرفات میں جمع ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماع کا حکم شریعت میں معلوم اور مشہور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اجتماعیت کا حکم اس وقت پسندیدہ ہے جب امن ہو اور عزلت نشینی اس وقت پسندیدہ ہے جب فتنہ کا زمانہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایام فتنہ میں خلوت نشینی کا سلامتی ہونا

جب فتنوں کا ظہور ہو تو شہروں سے نکل کر ویرانوں کی طرف چلے جانا مستحب ہے، علی بن معبد نے از حسن بن واقد روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ایک سو اسی (۱۸۰) سال گزر جائیں تو میری امت کے لیے تنہائی اور عزلت نشینی حلال

ہو جائے گی اور لوگوں سے بھاگ کر پہاڑوں کی چوٹیوں میں رہنا جائز ہو جائے گا۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۲۲۳)

اور علی بن معبد نے از عبد اللہ بن المبارک از مبارک بن فضالہ از الحسن روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جس میں کوئی دین دار اپنے دین کو سلامت نہیں رکھ سکے گا سوا اس کے جو اپنے دین کو بچانے کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف چلا جائے یا پتھروں سے کسی پتھر کی طرف نکل جائے، پس جب ایسا ہو کہ زندگی کا گزارنا بغیر اللہ کی نافرمانی کے ممکن نہ رہے تو اس وقت خلوت نشینی جائز ہو جائے گی۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیسے خلوت نشینی جائز ہو گی حالانکہ آپ ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب ایسا ہو گا تو ایک مرد کی ہلاکت اپنے ماں باپ کے ہاتھوں ہو گی، پس اگر اس کے ماں باپ نہ ہوں تو اس کی بیوی کے ہاتھوں اس کی ہلاکت ہو گی، پس اگر اس کی بیوی نہ ہو تو اس کی اولاد کے ہاتھوں اس کی ہلاکت ہو گی، پس اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ہاتھوں اس کی ہلاکت ہو گی، صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو گا؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ اس کو تنگ دستی کی زندگی پر عار دلائیں گے اور اس کو ان کاموں کا مکلف کرائیں گے جو اس کی طاقت میں نہیں ہوں گے، سو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

(تنبیہ: اس حدیث کو علامہ ابن بطال نے ذکر کیا ہے۔ شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ اور علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کو وہیں سے نقل کیا ہے اور مخرجین نے اس حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔)

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

ہم نے علامہ خطابی کی "کتاب العزلة" میں یہ حدیث روایت کی ہے از الحسن از ابی الاحوص از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی دین دار کے لیے اس کا دین محفوظ نہیں رہے گا سوا اس شخص کے جو اپنے دین کو بچانے کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر فرار ہوتا رہا یا ایک پہاڑ کی چوٹی سے دوسرے پہاڑ کی چوٹی تک فرار ہوتا رہا، یا ایک پتھر سے دوسرے پتھر کی طرف فرار ہوتا رہا جیسے لومڑی فرار ہوتی ہے۔

(حافظ العراقی نے "احادیث الاحیاء" ج ۱ ص ۱۷۳ کی تخریج میں لکھا ہے کہ علامہ خطابی نے کتاب العزلۃ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔)

اسحاق بن راشد نے از عمرو بن وابصہ الاسدی از والد خود یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر کیا اور قتل و غارت کے ایام کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے محفوظ نہیں ہو گا، میں نے پوچھا: پس اگر میں یہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھے ان حالات میں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جان کو اور اپنے ہاتھوں کو روکو اور اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے اگر وہ قاتل میرے گھر میں داخل ہو گیا تو؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے کمرہ میں داخل ہو جاؤ، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ میرے کمرے میں داخل ہو جائے تو؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی مسجد میں داخل ہو جاؤ اور اس طرح کرو، اور آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو کلائی کے کنارہ سے پکڑا اور تم کہو: میرا رب اللہ ہے حتیٰ کہ تم مر جاؤ۔

(سنن ابو داؤد: ۴۲۵۸، علامہ خطابی نے "کتاب العزلۃ" ص ۲۱۔ ۲۲ میں لکھا ہے: حافظ العراقی نے احادیث الاحیاء کی تخریج ج ۱ ص ۵۴۶ میں لکھا

ہے کہ اس حدیث کی امام ابوداؤد نے مختصراً روایت کی ہے اور علامہ خطابی نے کتاب العزلہ میں اس حدیث کو مکمل روایت کیا ہے، اور علامہ خطابی تک اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی ایک شخص سے روایت کی ہے جس کا نام سالم ہے اور وہ مجہول ہے۔)

امام ابن المبارک نے از شعبہ از خبیب بن عبدالرحمٰن از حفص بن عاصم روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عزلت میں سے اپنا حصہ لے لو۔ (کتاب الزہد والرقائق: ۱۱ص ۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عزلت نشینی میں برے اصحاب سے راحت ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۱۷، کتاب العزلہ للخطابی ص ۲۲)

محمد بن سنان القزاز کی حدیث میں ہے کہ ہمیں ابوبکر نے خبر دی از بکیر بن مسمار، انہوں نے کہا: میں نے عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سنا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں اور بکریوں میں تھے تو ان کے پاس ان کا بیٹا عمر آیا، پس جب انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا: میں اس سوار کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں، جب ان کا بیٹا ان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: اے ابا جان! کیا آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ آپ ایک اعرابی ہوتے اور لوگ آپ سے آپ کے ملک کے متعلق جھگڑا کرتے، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عمر کے سینہ پر ہاتھ مارا پس کہا: اے میرے بیٹے! خاموش رہو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اس بندہ سے محبت کرتا ہے جو متقی ہو، غنی ہو اور پوشیدہ ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۹۶۵، کتاب الزہد والرقائق)

امام ابوجعفر طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اس شخص کی خبر نہ دوں جس کا گھر تمام لوگوں سے افضل ہوگا؟ ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: وہ مرد جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کو رکھے، اور تمہیں اس کی خبر نہ دوں جو اس کے قریب ہو؟ یہ وہ مرد ہے جو کسی گھاٹی میں خلوت نشین ہو، نماز پڑھتا ہو، زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور لوگوں کے شر اور فساد سے دور رہتا ہو۔ (تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار ج ۷ ص ۱۸۰)

اگر تم یہ سوال کرو: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا جواب ہوگا کہ جو مسلمان لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی پہنچائی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۰۷، شعب الایمان للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۲، المشکوٰۃ: ۵۰۸۷)

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "جو مرد اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہو"، یہ حکم عام ہے اور یہاں اس سے خاص حکم مراد ہے۔ پس اس کا معنی یہ ہے کہ وہ افضل لوگوں میں سے ہے کیونکہ آپ نے اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی سب سے افضل ہیں، آپ نے فرمایا: "لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل نیک ہو"۔ (سنن ترمذی: ۳۳۲۹)

نیز آپ نے فرمایا: "تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے"۔ (صحیح البخاری: ۵۰۲۷، کتاب فضائل القرآن)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ (النمل: ۲۳)

(ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بتایا:) میں نے دیکھا کہ ان پر ایک عورت حکومت کر رہی ہے اور اس کو ہر چیز سے دیا گیا ہے اور

اس کا بہت بڑا تخت ہے O

اس آیت میں بھی فرمایا ہے کہ بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی، حالانکہ بلقیس کو وہ چیزیں تو نہیں دی گئی تھیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھیں۔ (نہ بلقیس کو اس زمانہ کی ایجادات دی گئی تھیں مثلاً ہوائی جہاز، ٹینک، میزائل، ایٹم بم، بحری جہاز اور ٹرین وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ جو فرمایا ہے کہ بلقیس کو ہر چیز دی گئی تھی اس سے مراد عموم نہیں ہے بلکہ خاص چیزیں مراد ہیں، یعنی بلقیس کے ملک کے اعتبار سے اسے تمام چیزیں دی گئی تھیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں جو فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے بہتر ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام کو اللہ کی راہ میں پکڑے ہوئے ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بہترین لوگوں میں سے ہے، یا مراد یہ ہو کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں سے زیادہ بہتر ہے۔ پس جو شخص لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس سے افضل ہوگا جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی اذیتوں پر صبر نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ وہ کسی وقت میں افضل ہے اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ہر وقت کے اندر افضل ہے جیسا کہ حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی درج ذیل حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابوامیہ الشعبانی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، پس میں نے کہا: اے ابوثعلبہ! آپ اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ (المائدہ:١٠٥)	اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی سے تمہیں کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

تو حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو، اللہ کی قسم! میں اس کا سوال ان سے کر چکا ہوں جو اس آیت کی خبر رکھنے والے تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا: بلکہ تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے رکھنے والا اپنی رائے پر خوش ہو رہا ہے تو تم صرف اپنی فکر کرنا اور عام لوگوں کو چھوڑ دینا، کیونکہ تمہارے بعد صبر کرنے کے ایام آئیں گے اور ان ایام میں صبر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی انگاروں کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لے، ان میں عمل کرنے والوں کو پچاس مردوں کا اجر ملے گا جو اس کی مثل اجر کرتے ہوں گے اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ان میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس شخص کو ملے گا؟ آپ نے فرمایا: تم میں سے پچاس لوگوں کا اجر اس کو ملے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۴۱، سنن ترمذی: ۳۰۵۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۴)

پس اس زمانہ میں لوگوں سے الگ رہنا ان کے ساتھ مل جل کر رہنے سے افضل ہوگا اور اس کے علاوہ دوسرے زمانوں میں اس کے خلاف حکم ہوگا۔ اور مراد یہ ہوگی کہ لوگوں سے میل جول نہ رکھو اور یہ مراد نہیں ہے کہ ان سے الگ رہنے والا سب سے افضل ہوگا حتیٰ کہ دونوں حدیثوں میں تضاد نہ ہو۔

اور جو چیز اس تاویل پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ زمانوں میں احکام مختلف ہوتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے اپنے امیر کے کسی حکم کو ناپسند کیا تو اسے چاہیے کہ وہ صبر کرے، کیونکہ جو شخص بھی اپنے امیر کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم: ۱۸۴۹، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ

جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن)

نیز امام حاکم روایت کرتے ہیں: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کی خبر دی جو قیامت تک ہونے والی ہیں، پس میں نے آپ سے ہر چیز کے متعلق دریافت کیا مگر میں نے آپ سے یہ سوال نہیں کیا کہ اہل مدینہ کس وجہ سے مدینہ سے نکلیں گے۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۴۲۶، دار الباز، مکۃ المکرمہ)

فصل

ابن معبد نے کتاب ''الطاعة والمعصية'' میں از ابن المبارک از معمر از طاؤس روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فتنہ کے زمانہ میں لوگوں میں سب سے اچھا مرد وہ ہے جو علیحدگی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۴۶۴)

اور عباد بن کثیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کو بشارت دو جو اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے ثواب کی نیت سے ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتے ہیں، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اس طرح ہوں گے اور آپ نے انگشتِ وسطیٰ اور سبابہ کو جمع کر کے دکھایا۔

اور مکحول یہ کہتے تھے کہ اگرچہ جماعت میں فضیلت ہے لیکن سلامتی تنہائی میں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۵۶۔ ۵۶۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عزلت نشینی اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں موازنہ

علامہ خطابی نے کہا ہے: اگر عزلت نشینی اور تنہائی میں رہنے کا صرف یہی فائدہ ہوتا کہ اس سے انسان غیبت سے محفوظ رہتا ہے اور ناجائز اور بے حیائی کی چیزوں کو دیکھنے سے بچا رہتا ہے تب بھی اس میں بہت خیر تھی۔

اور لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں یہ فائدہ ہے کہ انسان اس وجہ سے اپنے معاش اور روزمرہ کے کھانے پینے کو سہولت سے حاصل کرتا ہے تو اس کے لیے لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہنا اولیٰ ہے بشرطیکہ وہ جماعت کی حفاظت کرے، لوگوں کو سلام کرے، سلام کا جواب دے، مسلمانوں کے حقوق ادا کرے، بیماروں کی عیادت کرے، فوت شدہ مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پڑھے اور مطلوب صرف یہ ہے کہ فضول صحبت کو ترک کرے کیونکہ فضول صحبت کی وجہ سے دل بیکار باتوں میں مشغول ہوتا ہے اور وقت ضائع ہوتا ہے اور لوگوں کے ساتھ میل جول کو اس طرح رکھے جیسے انسان کو کھانے اور پینے کی ضرورت ہوتی ہے تو صرف اتنی مجلس پر اقتصار کرے جس کی زیادہ ضرورت ہو اور جو بدن اور قلب کو راحت دینے والی ہو۔

علامہ قشیری نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے: جن لوگوں نے عزلت نشینی کو اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں کے شر سے سلامت رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۵۔ بَابُ: رَفْعِ الْأَمَانَةِ

امانت کے اٹھ جانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لوگوں کے درمیان امانت کے اٹھ جانے کا بیان کیا گیا ہے اور امانت کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ کوئی امین نہیں ملے گا۔ اور امانت خیانت کی ضد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو تم قیامت کا انتظار کرنا، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب کوئی منصب نااہل کے سپرد کردیا جائے تو تم قیامت کا انتظار کرنا۔

(صحیح البخاری: ۵۹، ۶۴۹۶، مسند احمد: ۸۵۱۲)

صحیح البخاری: ۶۴۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "امانت کا اٹھ جانا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب امانت ضائع کردی جائے تو تم قیامت کا انتظار کرو۔ اور امانت کا ضائع ہوجانا ہی امانت کا اٹھ جانا ہے۔

اور یہ حدیث کتاب العلم کے شروع میں اسی سند کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "امانت کیسے ضائع ہوگی؟" اس سوال کا قائل وہ اعرابی ہے جس نے یہ سوال کیا تھا کہ قیامت کب واقع ہوگی، کیونکہ یہ مکمل حدیث اس طرح سے ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ لوگوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک اعرابی آیا، اس نے سوال کیا: قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا: جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرنا۔۔۔الحدیث۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جب کوئی امر یعنی منصب نااہل کے سپرد کردیا جائے"۔ یہاں امر یا منصب سے مراد ان امور کی

جنس ہے جن کا دین کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جیسے خلافت، سلطنت، امارت، قضاء اور افتاء۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ''اذا اسند الامر'' سے مراد ہے جب مناصب غیر مستحقین کے سپرد کر دیے جائیں جیسے قضاء کا منصب غیر عالم کے سپرد کر دیا جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: اگر کسی جاہل کو رشوت کے بغیر قضاء کے منصب پر سونپ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جاہل دین دار ہو اور جس مسئلہ کا اسے علم نہ ہو وہ عالم سے پوچھ کر اس کے مطابق فیصلہ کر دے۔ پس مصیبتِ عظمیٰ یہ ہے کہ جاہل سے رشوت لے کر اسے قضاء کا منصب سونپ دیا جائے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے پر اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس پر اللہ نے لعنت کی ہو یہ وہی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعنت کی ہے۔ اور مصر کے شہروں میں جو کہ اسلام کی کرسی ہیں سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ان شہروں میں قاضی اور حاکم اور تمام اہل مناصب صرف رشوت دے کر ہی منصب حاصل کرتے ہیں اور یہ چیز روم کے شہروں میں اور بلادِ عجم میں نہیں پائی جاتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: روم کے شہروں سے مراد اگر یورپی ممالک ہیں تو بے شک وہاں ایسا نہیں ہوتا، وہاں اصول اور قانون کی عمل داری ہوتی ہے، اگرچہ وہ لوگ کافر ہیں لیکن اصول اور قانون پر پورا پورا عمل کرتے ہیں۔ برطانیہ میں ایک وزیر نے قانون بنایا کہ جو شراب پی کر گاڑی حدِ رفتار سے زیادہ رفتار سے چلائے گا اس کا چالان کیا جائے گا، وزیر موصوف خود شراب کے نشہ میں ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز گاڑی چلا رہے تھے، سو ٹریفک پولیس والوں نے ان کا چالان کر دیا، دوسرے روز پارلیمنٹ میں انہوں نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور کہا: میں اس عہدہ کے لائق نہیں ہوں، میں نے خود قانون بنایا اور خود قانون شکنی کی۔ اب ہمارے ملک کے حالات پر غور کریں کیا ہمارے ملک میں یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی ٹریفک کا افسر کسی وزیر کا چالان کر دے گا؟ تازہ مثال ہے کہ سابق صدر پرویز مشرف عدالت میں پیش ہوا، عدالت نے کسی جرم کی بناء پر اسے گرفتار کرنے کا حکم دیا، پولیس کی موجودگی میں مشرف اپنے ذاتی سیکورٹی گارڈز کے ساتھ عدالت سے فرار ہو کر اپنی رہائش گاہ چک شہزاد میں پہنچ گیا اور پولیس تکتی رہ گئی، اور ایک دن کے بعد اس پولیس افسر کو معطل کیا گیا جس نے پرویز مشرف کو بروقت گرفتار نہیں کیا تھا، اس لیے یورپی ممالک میں تو اصول اور قانون کی عمل داری ہے لیکن عجم کے شہروں میں تو رشوت کا اور سفارش کا دور دورہ ہے، اسکول میں پڑھانے کے لیے اسکول ٹیچر کو بھی ملازمت کے حصول کے لیے چھ لاکھ روپیہ رشوت دینی پڑتی ہے، کسی بڑے منصب کے حصول کے لیے کتنی رشوت دینی پڑے گی اس کا آپ خود اندازہ کر لیں۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۴۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ عَلِمُوا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از زید بن وہب، انہوں نے کہا: ہمیں حذیفہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان کیں، ان میں سے

مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى أَثَرُهَا مِثْلَ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَمَا أُبَالِي أَيَّكُمْ بَايَعْتُ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ فَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا

قَالَ الْفِرَبْرِيُّ قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ حَدَّثْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ فَقَالَ سَمِعْتُ أَبَا أَحْمَدَ بْنَ عَاصِمٍ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْدٍ يَقُولُ قَالَ الْأَصْمَعِيُّ وَأَبُو عَمْرٍو وَغَيْرُهُمَا جَذْرُ قُلُوبِ الرِّجَالِ، الْجَذْرُ الْأَصْلُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَالْوَكْتُ أَثَرُ الشَّيْءِ الْيَسِيرِ مِنْهُ وَالْمَجْلُ أَثَرُ الْعَمَلِ فِي الْكَفِّ إِذَا غَلُظَ۔

ایک کا مصداق تو میں نے دیکھ لیا اور دوسری حدیث کے مصداق کا میں انتظار کر رہا ہوں، ہمیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ امانت مردوں کے دلوں کی گہرائی میں اتار دی گئی ہے، پھر انہوں نے قرآن کا علم حاصل کیا، پھر انہوں نے سنت کا علم حاصل کیا، اور ہمیں انہوں نے امانت کے اٹھ جانے کے متعلق یہ حدیث بیان کی کہ ایک مرد نیند کرے گا یعنی سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی، اس کا اثر آبلہ یا چھالہ کی طرح باقی رہ جائے گا، پھر وہ دوبارہ نیند کرے گا تو امانت اٹھالی جائے گی اور اس کا اثر اس طرح رہ جائے گا جیسے کام کرنے کی وجہ سے ہاتھوں میں کوئی چھالہ پڑ جاتا ہے، جیسے انگارہ تم نے اپنے پیر پر لڑھکایا تو اس سے ایک چھالہ پڑ گیا، پس تم اس کو ابھرا ہوا دیکھتے ہو اور اس میں کوئی چیز ہوتی نہیں ہے، پھر لوگ صبح کو اٹھیں گے، ایک دوسرے سے خرید وفروخت کریں گے اور ان میں سے کوئی ایک بھی امانت ادا کرنے والا نہیں ہوگا، پھر کہا جائے گا کہ بنوفلاں میں ایک مرد امین ہوا کرتا تھا، اور کسی مرد کے لیے کہا جائے گا: کتنا عقلمند ہے اور کتنا ظریف ہے اور کتنا جسیم ہے اور اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ اور اب مجھ پر ایک ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ میں یہ پرواہ نہیں کرتا کہ میں تم میں سے کس سے کوئی چیز خریدوں، اگر وہ مسلمان ہو تو اس کو اسلام خیانت سے روکے گا، اور اگر نصرانی ہو تو اس کے حکام اس کو خیانت سے روکیں گے، لیکن آج کے دن پس میں صرف فلاں اور فلاں کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔

فربری نے بیان کیا: ابوجعفر نے کہا: میں نے یہ حدیث ابوعبداللہ کو بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواحمد بن عاصم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے ابوعبید اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ الاصمعی اور ابوعمرو اور ان کے غیر نے کہا: "جذر قلوب الرجال" اور "جذر" ہر چیز کی جڑ کو کہتے ہیں اور "الوکت" کسی چیز کے معمولی اثر کو کہتے ہیں۔ اور "مجل" کام کاج کا اثر جو ہتھیلی میں ظاہر ہو جب وہ

ہتھیلی پھول جائے۔

(صحیح البخاری:۶۰۸۶،۷۲۷۶، صحیح مسلم:۱۴۳، سنن ترمذی:۲۱۷۹، سنن ابن ماجہ:۴۰۵۳، مسند احمد:۲۳۲۷۴)

صحیح البخاری:۶۴۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''امانت کا اٹھ جانا'' اور اس حدیث میں امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے، لہٰذا یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں بیان فرمائی'': ان میں سے ایک حدیث امانت کے نزول کے متعلق تھی اور دوسری حدیث امانت کے اٹھ جانے کے متعلق تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان الامانة نزلت فی جذر قلوب الرجال'' جذر کے معنی ہیں ہر چیز کی جڑ۔ اور امام ابو عبید نے کہا ہے کہ ابن الاعرابی نے کہا: ''الجذر'' درخت کی جڑ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم علموا من القرآن'' یعنی جب ان کے دلوں کی جڑوں میں امانت نازل ہوگئی تو پھر ان کو قرآن مجید سے یہ علم ہوا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (الاحزاب:۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں پر اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی، بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے فرائض ہیں۔ دوسرا قول ہے کہ اس امانت سے مراد اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے احکام ہیں اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور الواحدی نے اکثر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعات اور عبادات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر انہوں نے سنت سے جانا'' سنت سے مراد ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حاصل معنی یہ ہے کہ امانت کا علم ان کو فطرت سے معلوم ہوا یا شریعت کا علم حاصل کرنے سے معلوم ہوا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وحدثنا رسول الله ﷺ عن رفعها" پھر رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیث بیان فرمائی کہ یہ امانت کس طرح اٹھالی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ینام الرجل عن نومة فتقبض الامانة بقلبه" ایک مرد نیند کے وقت سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی۔ یعنی ایک قوم سے تدریجاً امانت کو اٹھالیا جائے گا، پہلے ایک قوم سے امانت کو اٹھالیا جائے گا، پھر دوسری قوم سے امانت کو اٹھالیا جائے گا اور جیسے جیسے ان کا دین فاسد ہوتا جائے گا ان سے امانت اٹھتی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثل اثر الوکت" علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "الوکت" کسی چیز کا نکتہ کی طرح اثر ہوتا ہے، اس کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثل المجل" مجل کا معنی ہے: سخت کام کرنے کی وجہ سے جو ہاتھوں میں چھالہ پڑ جاتا ہے مثلاً کلہاڑی سے لکڑیاں پھاڑے تو ہاتھوں میں چھالہ پڑ جاتا ہے۔ اور یہ کھال اور گوشت کے درمیان ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فنفط، فتراہ منتبرا" یعنی وہ چھالہ جسم کے کسی عضو میں ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور "منتبرا" کا مصدر الانتبار ہے، اس کا معنی "الارتفاع" ہے، کہا جاتا ہے "انتبر الامیر" یعنی امیر منبر پر چڑھ کر بلند ہو گیا۔ اسی وجہ سے منبر کو منبر کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی زمین سے بلند ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل امانت سے خالی ہو جائے گا اور دل سے تدریجاً امانت تھوڑی تھوڑی کر کے زائل ہوتی رہے گی، پس جب اس سے امانت کا ایک جز زائل ہوگا تو اس کا نور زائل ہو جائے گا اور اس کے بعد اندھیرا آ جائے گا۔ وہ "الوکت" (ہلکا نشان) کی مثل ہے، اور اگر ایک اور چیز زائل ہو جائے تو پھر وہ چھالہ کی مثل ہے۔ اور یہ محکم اثر ہوتا ہے جو جلدی زائل نہیں ہوتا، کچھ مدت کے بعد زائل ہوتا ہے۔ پھر جب وہ نور زائل ہو جائے تو اس کو تشبیہ دی ہے انگارہ کے ساتھ جس کو تم پیر پر لڑھکاؤ تو اس میں چھالہ پڑ جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما ابالی ایکم بایعت" علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض علماء نے اس کی تاویل بیعت خلافت سے کی ہے اور یہ غلط ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ اگر وہ نصرانی ہوگا تو اس کو اس کے حکام سیدھے راستہ پر لگا دیں گے، اور صحیح وہ ہے جو جمہور نے کہا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس سے مراد خرید و فروخت ہے، یعنی پہلے مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ امانت دار ہیں تو میں لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کا معاملہ کرتا تھا اور یہ تفتیش نہیں کرتا تھا کہ کون لوگ امانت دار ہیں اور کون لوگ امانت دار نہیں ہیں، ہر کسی سے خرید و فروخت کر لیتا تھا، کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوگا تو اس کا دینِ اسلام اس کو خیانت سے منع کرے گا اور اس کو امانت کے ادا کرنے پر برانگیختہ کرے گا اور اگر وہ کافر ہے تو اس کے حکام اس کو امانت داری پر مجبور کریں گے اور اگر میرا حق اس کے ذمہ ہوگا تو وہ حق اس سے دلا دیں گے۔

اور رہا آج کا دن، تو اب امانت اٹھ چکی ہے اور آج کے دن میں خرید و فروخت کرنے میں کسی پر اعتماد نہیں کرتا کہ میں کس سے خرید و فروخت کروں اور کس سے خرید و فروخت نہ کروں سوا چند معین لوگوں کے جن کو میں جانتا ہوں اور مجھے ان پر اعتماد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۹۔ ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان

قَالَ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّمَا النَّاسُ كَالْإِبِلِ الْمِائَةِ لَا تَكَادُ تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ سو اونٹوں کی مثل ہیں، تم ان میں سے کوئی ایک بھی عمدہ اونٹ نہیں پاؤ گے جو سواری کے لائق ہو۔

(صحیح مسلم: ۷۴ ۲۵، سنن ترمذی: ۲۸۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۹۰، مسند احمد: ۴۵۰۲)

صحیح البخاری: ۶۴۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "امانت کا اٹھ جانا" اور اس میں حدیث یہ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سو اونٹوں کی مثل ہیں، ان میں سے ایک بھی عمدہ یا سواری کے لائق نہیں ہوگا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ لوگ بہت زیادہ ہوں گے اور ان میں پسندیدہ لوگ کم ہوں گے اور غیر پسندیدہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے فرائض کو ضائع کر دیا جو ان پر مقرر کیے گئے تھے اور ہم بتا چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے امانت کی تفسیر فرائض کے ساتھ کی ہے، پس اس اعتبار سے باب کے عنوان اور حدیث میں مطابقت ظاہر ہوگئی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد گزشتہ زمانہ کے لوگ ہیں، اس لیے امام بخاری نے اس کو یہاں پر ذکر کیا ہے اور نبی ﷺ نے اس سے اپنے زمانہ کے اصحاب اور ان کے تابعین کا ارادہ نہیں کیا، کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے زمانہ کے اصحاب اور تابعین کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے، آپ نے فرمایا "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونه" یعنی بہترین وہ لوگ ہیں جو میرے زمانہ کے ہیں، پھر وہ لوگ ہوں گے جو ان کے قریب ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ تمام لوگوں میں کوئی مومن نہیں ہوگا سوا اس کے کہ سو میں یا اکثر میں کوئی ایک مومن ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ تمام لوگ دین کے احکام میں برابر ہیں اور کسی شخص کی کوئی ذاتی فضیلت نہیں ہے اور کسی شخص کا دوسرے سے کوئی زیادہ مرتبہ نہیں ہے جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں کوئی سواری نہ ہو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اکثر لوگ ناقص ہوں گے اور اہل فضل اس میں بہت کم ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۰۔۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "لوگ سو اونٹوں کی مثل ہیں، تم ان میں سے کوئی بھی سواری نہیں پاؤ گے"۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تم سو اونٹوں میں کوئی ایک اونٹ بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو سواری کیے جانے کی صلاحیت رکھتا ہو، کیونکہ سواری کیے جانے کی صلاحیت وہ اونٹ رکھتا ہے جو آسانی سے سوار کے حکم پر چلے، اسی طرح تم سو لوگوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں پاؤ گے جو تمہاری رفاقت اور صحبت کے لائق ہو، جو اپنے رفیق کی مدد کرے اور جو نرم مزاج ہو۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: عرب بطور مبالغہ کے سو اونٹ کہتے ہیں، پس وہ کہتے ہیں کہ فلاں کے سو اونٹ ہیں اور فلاں کے دو سو اونٹ ہیں۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کی دو طرح تاویل ہے، ایک یہ ہے کہ لوگ دین کے احکام میں برابر ہیں اور اس میں کسی معزز آدمی کی پسماندہ آدمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی امیر آدمی کی غریب آدمی پر کوئی فضیلت ہے جیسے سو اونٹ ہوں اور ان میں سے کوئی بھی اس لائق نہ ہو کہ اس پر سواری کی جائے، حالانکہ اونٹ ہوتے ہی اس لیے ہیں کہ ان پر سواری کی جائے۔ اور اس حدیث کی دوسری تاویل یہ ہے کہ اکثر لوگ ناقص ہیں اور ان میں اہل فضیلت بہت کم تعداد میں ہیں۔ پس وہ ایسے ہیں جیسے وہ اونٹ ہوں جن پر بوجھ لادا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے اس حدیث کو کتاب القضاء میں اس باب میں وارد کیا ہے کہ قاضی دو فریقوں کو برابر برابر رکھے۔

اور علامہ ابن قتیبہ سے منقول ہے کہ راحلۃ سے مراد وہ اونٹ ہے جو عمدہ ہو اور سوار ہونے کے لیے پسندیدہ ہو۔ اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ لوگ نسب میں ان سو اونٹوں کی طرح ہیں جن میں کوئی سواری کے لائق نہ ہو، پس سب برابر ہوں۔

اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں رغبت نہ کرنے والا اور آخرت میں رغبت کرنے والا بہت کم ہے جیسا کہ سو اونٹوں میں کوئی ایک سواری کے لائق ہو۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ یعنی لوگوں میں جو شخص پسندیدہ اور کامل ہو، وہ بہت کم ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس مثال کے مناسب وہ مرد جواد ہے جو لوگوں کے بوجھ اٹھاتا ہے اور ان سے مصائب اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، وہ بہت کم ہوتا ہے جیسا کہ سو اونٹوں میں کوئی ایک سواری کے لائق ہوتا ہے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حدیث کا معنی یہ ہے کہ لوگ بہت زیادہ ہیں اور ان میں پسندیدہ لوگ بہت کم ہیں اور اسی معنی کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے، کیونکہ اس حدیث کو رفع الامانۃ کے باب میں داخل کیا ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے یہ اشارہ کیا ہے کہ لوگوں سے مراد اس حدیث میں وہ ہیں جو قرونِ ثلاثہ کے بعد آئیں گے یعنی صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ ایسے لوگ ہوں گے جو امانت میں خیانت کریں گے اور ان کے پاس امانت نہیں رکھی جائے گی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۵۔۵۵۶، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۶۔ بَابُ: الرِّيَاءِ وَالسُّمْعَةِ — دکھانے اور سنانے کے لیے کسی عبادت کو کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ریا کاری کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ریا کاری کا معنی ہے: کسی عبادت کو اس قصد سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس کو دیکھ کر اس عبادت کرنے والے کی تعریف کریں۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۴۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ ح وحَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ غَيْرَهُ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے سلمہ بن کہیل نے حدیث بیان کی ح اور ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سلمہ، انہوں نے کہا: میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور میں نے ان کے علاوہ کسی اور سے نہیں سنا کہ اس نے کہا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پس میں ان کے قریب ہوا تو میں نے ان کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے (دنیا میں) کسی کو سنانے کے لیے عمل کیا، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن اس کا عیب) سنائے گا، اور جس نے (دنیا میں) کسی کو دکھانے کے لیے عبادت کی، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن اس کے عیوب) لوگوں کو دکھائے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۱۵۲، صحیح مسلم: ۲۹۸۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۰۷، مسند احمد: ۱۸۳۳۰)

صحیح البخاری: ۶۴۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن سعید القطان ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ثوری ہیں اور یہ دونوں سندوں میں ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو نعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جندب، یہ ابن عبد اللہ البجلی ہیں اور یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور دوسری سند پہلی سند سے اعلیٰ ہے۔

جندب نام کے صحابہ کرام

صحابہ میں جندب نام کے پانچ افراد ہیں:

(۱) جندب بن جنادہ ابوذر الغفاری (۲) جندب بن مکیث الجہنی (۳) جندب بن ضمرۃ الجندعی (۴) جندب بن کعب العبدی

(۵) جندب بن عبد اللہ البجلی۔ اور یہ وہی ہیں جن سے سلمہ بن کہیل روایت کرتے ہیں اور ان میں زیادہ مشہور حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلیفہ بن خیاط نے بیان کیا کہ جندب یعنی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں ربذہ میں فوت ہوئے تھے، یہ مدینہ کے قریب بستیوں میں سے ایک بستی ہے اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوئے تھے اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی تھی۔ اور جس جندب کا اس حدیث میں ذکر ہے ان کی تاریخ وفات کو کسی نے بیان نہیں کیا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے کہ ''سلمہ بن کہیل نے بیان کیا: جندب کہتے تھے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور میں نے کسی اور سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ان کے سوا اور کوئی اس جگہ باقی نہیں رہا تھا اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کا رد کیا ہے کہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جندب اپنی وفات تک کوفہ میں رہے اور جندب کی حیات میں کوفہ میں حضرت ابو جحیفہ السوائی بھی تھے اور ان کی وفات جندب کی وفات کے چھ سال بعد ہوئی ہے۔ اور عبد اللہ بن ابی اوفیٰ بھی کوفہ میں تھے اور ان کی وفات جندب کی وفات کے بیس سال بعد ہوئی ہے اور سلمہ بن کہیل نے ان دونوں سے روایت کی ہے، پس یہ متعین ہو گیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو ان سے نہیں سنا اور نہ ان میں سے کسی ایک سے سنا اور نہ ان کے غیر سے سنا ان صحابہ سے جو اس وقت کوفہ کے علاوہ کسی اور شہر میں موجود تھے، اس کے بعد کہ انہوں نے جندب کی حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔

علامہ کرمانی لکھتے ہیں: جس جندب کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کی تاریخ وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا، پس حافظ ابن حجر یہ کیسے کہتے ہیں کہ حضرت ابو جحیفہ کی وفات جندب کی وفات کے چھ سال بعد ہوئی ہے اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی ہے۔ علامہ الواقدی نے کہا ہے: وہ بشر بن مروان کی حکومت میں فوت ہوئے تھے اور حضرت ابن ابی اوفیٰ کی وفات ۸۷ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری نے بیان کیا ہے، پس حافظ ابن حجر یہ کیسے کہتے ہیں کہ ان کی وفات جندب کی وفات کے بیس سال بعد ہوئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من سمّع'' یعنی جس نے اپنے آپ کو مشہور کیا اور گم نامی کے ازالہ کے لیے ذکر کو پھیلایا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: یعنی اس نے ایک کام کیا جو اخلاص پر مبنی نہیں تھا، اس کا ارادہ صرف یہ تھا کہ لوگ اس کو دیکھیں اور اس کو سنیں، اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزاء دی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا اور اس چیز کو ظاہر کرے گا جس کو وہ چھپاتا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس نے اپنے عمل سے لوگوں کے نزدیک کسی مقام، مرتبہ اور عزت کا ارادہ کیا اور اس نے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام کو لوگوں کے نزدیک ظاہر فرمائے گا اور اس کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ یا اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر مطلع کر دے گا کہ اس بندہ نے یہ کام اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیا تھا، سو یہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۱۔ ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اسی طرح جس نے کوئی کام ریا کاری کے لیے کیا اس کو قیامت کے دن ریا کاری کے ساتھ مشہور کیا جائے گا اور اس کو رسوا کیا جائے گا اور جو چیز اس کے باطن میں تھی اس کو ظاہر کیا جائے گا۔
صحیح مسلم: ۱۹۰۵ میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے بندہ کے لیے قیامت کے دن کہا جائے گا: تو نے یہ کام اس طرح اور اس طرح کیا تھا تا کہ یہ کہا جائے کہ اس بندہ نے یہ کام کیا ہے، سو دنیا میں کہا گیا، تم نے جس لیے وہ کام کیا تھا وہ مقصد پورا ہو گیا، اب اس بندہ کو دوزخ میں ڈال دو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ بہ ظاہر عمل کو دکھانے اور سنانے سے کون شخص سلامت رہے گا حالانکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ رات کو اپنی مساجد میں اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھا کرتے تھے اور لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ کون لوگ تہجد پڑھ رہے ہیں اور لوگ ان کی نیکیوں کو جان لیتے تھے اور لوگ ان کی نیکیوں کا ذکر کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو امام اور مقتدا ہوتے ہیں اور ان کے عمل کی پیروی کی جاتی ہے اور ان کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کیا فرائض مقرر کیے ہیں اور کیا نوافل۔ وہ اپنے نفس اور دشمن پر قہر کرتے تھے، ان کے لیے برابر ہے کہ وہ اپنے عمل کو ظاہر کریں یا مخفی رکھیں کیونکہ ان کی نیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہوتا ہے اور وہ اپنے عمل سے اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ ان کا عمل کو ظاہر کرنا بھی اس لیے ہوتا ہے تا کہ لوگوں کو اس عمل کی طرف راغب کریں اور اپنے نیک اعمال لوگوں کو دکھا کر نیک اعمال کی ترغیب دیں۔

اور لوگوں کی دوسری قسم وہ ہے جن کی پیروی نہیں کی جاتی اور ان پر ان کی خواہش نفس کا غلبہ ہوتا ہے تو ان لوگوں کے لیے اپنے نوافل کو چھپا کر کرنا افضل ہے۔

حماد از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو سنا جو قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا "اواب" (یعنی یہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے)، اور دوسرے آدمی کو سنا وہ قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا "مرائی" (یعنی یہ ریا کاری کرنے والا ہے)، پھر لوگوں نے دیکھا تو جس کو آپ نے "الاواب" فرمایا تھا وہ حضرت المقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۴۴)

اور زہری نے از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور بلند آواز سے قراءت کی تو ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن حذافہ! مجھے نہ سناؤ، اللہ کو سناؤ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۶۲)

وہب بن الورد نے بیان کیا: ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملا تو اس نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، مجھے یہ بتایئے کہ میں اپنے کون سے عمل کو مخفی رکھوں؟ تو انہوں نے کہا: تم اپنے نیک عمل کو مخفی رکھو حتیٰ کہ تمہارے متعلق یہ گمان کیا جائے کہ تم نے کوئی نیکی نہیں کی سوائے فرائض کے۔ اس نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، پھر میں اپنے کونسے عمل کو ظاہر کروں؟ تو انہوں نے کہا: تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ (تفسیر الطبری ج ۸ ص ۱۶۹)

اور حسن بصری نے کہا ہے کہ میں ایسے لوگوں سے ملا جن میں سے کوئی ایک بھی اپنے نیک عمل کو چھپانے پر قادر نہیں تھا، سو وہ لوگ نیک عمل کو ظاہر کرتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ شیطان سے اسی عمل کو زیادہ محفوظ رکھا جا سکتا ہے جو چھپا کر کیا جائے۔ اور کہا: بعض لوگ ایسے تھے کہ ان کے پاس مہمان آتے اور وہ رات کو نماز پڑھتے اور مہمان کو ان کے نماز پڑھنے کا علم نہ ہوتا۔ اور الربیع بن خثیم چھپ کر عمل کرتے تھے، وہ مصحف قرآن پڑھتے، ان پر کوئی آنے والا آتا تو وہ مصحف کو چھپا دیتے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ص ۱۵)

ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ خبر دی گئی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو اپنی قراءت کی آواز آہستہ رکھتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو اپنی آواز کو بلند رکھتے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا: میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہوں اور اس کو میری حاجت کا علم ہے، تو کہا گیا کہ آپ نے اچھا کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہیں تو انہوں نے کہا: میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرتا ہوں، تو کہا گیا: آپ نے اچھا کیا۔ اور جب ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ'' (بنی اسرائیل: ۱۱۰) نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ کچھ آواز بلند کریں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ کچھ آواز کو پست کریں، پس یہ ائمہ مقتدا ہیں۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود: ۱۵-۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کئے وہ ضائع ہو گئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

مجاہد نے کہا: یہ لوگ ریا کار ہیں۔

اور امام ابن المبارک نے سند جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جس نے دکھاوے کے لیے کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دکھائے گا اور جس نے سنایا تو اللہ تعالیٰ اس کو سنائے گا۔ اور جس نے تعظیم کے لیے اپنے آپ کو بلند کیا اللہ تعالیٰ اس کو جھکا دے گا، اور جس نے خدا کے خوف سے تواضع کی، اللہ تعالیٰ اس کو سربلند فرمائے گا۔ (کتاب الزہد ص ۱۵۲)

امام ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! ایک آدمی کسی نیک عمل کو چھپاتا ہے، پھر جب لوگ اس نیک عمل پر مطلع ہو جاتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو دو اجر ہیں، نیکی کو چھپانے کا بھی اجر ملے گا اور اس کے ظاہر کرنے کا بھی اجر ملے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۳۸۴)

امام ترمذی نے کہا: بعض اہل علم نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب لوگ اس کے اس نیک عمل کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے، لیکن جب اس کو اس سے خوشی ہو کہ لوگوں پر اس کی یہ نیکی ظاہر ہو اور وہ اس کی تعظیم و تکریم کریں تو یہ ریا کاری ہے۔ اور بعض نے یہ کہا کہ جب اس کے اس نیک عمل پر لوگ مطلع ہوں تو وہ اس لیے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اس کے عمل جیسا نیک عمل کریں تو

اس کو اپنا اجر بھی ملے گا اور ان لوگوں کے نیک عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا۔

حضرت ابو جوزاء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل نار کی خبر نہ دوں؟ اہل جنت وہ ہیں جن کے کان اس کی اچھی تعریف سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ سنتا ہے اور اہل نار وہ ہیں جن کے کان اس کے برے ذکر سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ سنتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۴، کتاب الزہد: ۱۵۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۷۵۔۵۷۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۴۹۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ریاکاری کی مذمت میں مزید دلائل

از سلمہ بن کہیل از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، جس شخص کی دنیا میں دو زبانیں ہوں، اللہ تعالیٰ اس کے لیے قیامت کے دن آگ کی دو زبانیں بنادے گا۔

علامہ خطابی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے کوئی عمل بغیر اخلاص کے کیا اور اس کا ارادہ اس سے یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دکھائے اور لوگوں کو سنائے تو اس کی سزا قیامت کے دن یہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور کرے گا اور اس کو رسوا کرے گا اور اس چیز کو ظاہر کردے گا جس چیز کو وہ چھپاتا تھا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے عمل سے لوگوں کے نزدیک عزت اور نام و نمود کا ارادہ کیا اور اللہ عزوجل کی رضا کا ارادہ نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں کوئی ثواب نہیں دے گا اور دکھانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مطلع کردے گا کہ اس نے یہ عمل لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا تھا، اللہ کی رضا کے لیے نہیں کیا تھا۔ اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (ہود: ۱۵۔۱۶)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش کو طلب کرتے ہیں تو ہم ان کے کل اعمال کا صلہ یہیں دے دیں گے اور یہاں ان کے صلہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی O یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہے اور انہوں نے دنیا میں جو کام کیے وہ ضائع ہوگئے اور جو کچھ وہ کرتے تھے وہ برباد ہے O

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے عمل سے یہ قصد کیا کہ لوگوں کو سنائے اور لوگوں کو دکھائے تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں اور لوگوں کے نزدیک اس کا مرتبہ بلند ہو تو اس کو اس کا مقصود حاصل ہو جائے گا اور اس کے عمل کی یہی جزا ہوگی اور آخرت میں اس کو ثواب نہیں ملے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے لوگوں کے عیوب کو سنایا اور ان کو مشہور کیا، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ظاہر کردے گا اور اس کو ناپسندیدہ باتیں سنائے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنی طرف ایسے نیک عمل کو منسوب کیا جو اس نے نہیں کیا اور ایسی خیر کا دعویٰ

کیا جس کو اس نے نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کرے گا اور اس کے جھوٹ کو ظاہر کردے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگوں کو اپنا عمل دکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے عمل کا ثواب دکھائے گا اور اس کو اس ثواب سے محروم کردے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سنائے گا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور کردے گا اور لوگوں کے کانوں کو اس کے برے کاموں کے ساتھ دنیا میں بھردے گا یا قیامت میں بھردے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس معنی میں کئی احادیث مروی ہیں:

امام احمد اور امام دارمی نے حضرت ابوہند الداری سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی دکھاوے کی جگہ کھڑا ہوا اور سنانے کی جگہ کھڑا ہوا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو دکھائے گا اور اس کو سنائے گا۔ (یعنی اس کے عیوب دکھائے گا اور اس کے عیوب سنائے گا)۔

اور امام طبرانی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بندہ بھی دنیا میں سنانے اور دکھانے کی جگہ کھڑا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اس کو سنائے گا اور دکھائے گا۔ (یعنی اس کے عیوب لوگوں کو دکھائے گا اور سنائے گا)۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عملِ صالح کو مخفی رکھنا چاہیے لیکن جن لوگوں کی اقتداء کی جاتی ہے ان کے لیے اس کو ظاہر کرنا مستحب ہے جب کہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ لوگ اس نیک کام میں اس کی اقتداء کریں اور اس کو بقدرِ ضرورت مقدر کیا جائے گا۔

علامہ ابن عبدالسلام نے کہا ہے: نیک عمل کو مخفی رکھنے سے ان لوگوں کے نیک اعمال کو مستثنیٰ کیا جائے گا جن کی اقتداء کی جاتی ہے یا جن سے نفع حاصل کیا جاتا ہے جیسے علم کی کتابوں کو لکھنا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۶۔ ۵۵۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳۷۔ بَابٌ: مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ — جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے لیے اپنے نفس سے جہاد کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اپنے نفس سے جہاد کرنے کی فضیلت کو بیان کیا ہے، یعنی ایک انسان اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہے اور اس کا نفس اس کو کسی اور کام میں مشغول رکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنے نفس کے تقاضوں کے خلاف جہاد کرے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۰۔ حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضی اللہ عنہ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا رَدِيفُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں

لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ اللهِ عَلَى عِبَادِهِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَسُولَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ إِذَا فَعَلُوهُ قُلْتُ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ۔

نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک سواری پر بیٹھا ہوا تھا اور میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کا پچھلا حصہ تھا، آپ نے فرمایا: اے معاذ! میں نے کہا: لبیک یارسول اللہ وسعدیک! (میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں) پھر آپ تھوڑی دیر چلے، پھر آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے کہا: لبیک رسول اللہ وسعدیک! پھر آپ تھوڑی دیر چلے۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کریں۔ پھر آپ تھوڑی دیر چلے، پھر آپ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: لبیک رسول اللہ وسعدیك، آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے جب وہ اس کے حکم پر عمل کرلیں؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب نہ دے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۵۶، ۵۹۶۷، ۶۲۶۷، ۶۵۰۰، ۷۳۷۳، صحیح مسلم: ۳۰، سنن ترمذی: ۲۶۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۵۵۹، سنن ابن ماجہ: ۴۲۹۶، مسند احمد: ۲۱۴۸۶)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نفس کے ساتھ توحید کے ساتھ جہاد کیا جائے اور مرد کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہی جہادِ اکبر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جس وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف تھا"۔ ردیف کا معنی ہے جو سوار کے پیچھے بیٹھا ہوا ہو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "میرے اور آپ کے درمیان صرف پالان کا پچھلا حصہ تھا"۔ یہ وہ لکڑی ہے جس کے ساتھ سوار

اپنے پیچھے ٹیک لگاتا ہے اور اس سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت شدید قریب تھے تا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اچھی طرح سن سکیں اور اس کو منضبط کر سکیں۔ رہا یہ کہ اس حدیث میں تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو متوجہ کیا اور فرمایا: یا معاذ بن جبل، تو یہ تاکید کے اہتمام کے لیے تھا تا کہ اس کے بعد جو خبر آنے والی ہے اس کو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بہت غور کے ساتھ سنیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''لبیک'' یہ کئی مرتبہ بتایا جا چکا ہے کہ یہ لفظ تلبیہ سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: یارسول اللہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں، اور یہ ''لب بالمکان'' سے ماخوذ ہے اور وہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص کسی جگہ پر قیام کرے۔ اور یہ ہمیشہ تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ بطور تکرار کے استعمال ہوتا ہے، یعنی میں بار بار آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا ''وسعدیک'' یعنی میں آپ کے اطاعت کے لیے مدد کرتا ہوں، اور یہ بھی مصدر منصوب ہے اور ''اسعدك السعدين'' کے معنی میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟'' حق کا معنی ہے: ہر وہ چیز جو موجود ہو اور متحقق ہو یا وہ چیز جو ہونے والی ہو لامحالہ۔

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے حق کی تفسیر حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کی ہے مگر پوری نقل نہیں کی، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے بعد لکھا ہے:

''حق سے مراد یہاں پر وہ چیز ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مستحق ہے یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے''۔ اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ حق سے مراد وہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا ہے اور ان پر جو احکام لازم کیے ہیں سو ان احکام کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ مستحق ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۹، دار المعرفہ، بیروت)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اس کے بندے اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو واحد مانیں اور عبادت سے مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کریں اور گناہوں سے اجتناب کریں اور اس کی نافرمانی نہ کریں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟''۔ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر عقلاً واجب ہے جیسے کوئی مزدور کام کرے تو مالک پر اس کی مزدوری کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں ہے، یعنی جس طرح مزدور کی مزدوری مالک پر حق ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں ہے اور علامہ قرطبی نے کہا ہے: بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادت اور اطاعت کرنے پر جو بندوں سے ثواب کا وعدہ اپنے فضل سے فرمایا ہے تو اس وعدہ کے مطابق ان کو ثواب عطا فرمائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفس کے ساتھ جہاد کا بیان

مرد کا اپنے نفس سے جہاد کرنا ہی جہادِ اکبر ہے اور دشمنِ اسلام کے ساتھ جنگ کرنا یہ جہادِ اصغر ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ؕ (النازعات: ۴۰۔۴۱)

اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا O پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے O

اور از الحسن بن ہاشم از یحییٰ بن ابی العلاء از لیث از عطاء بن ابی رباح از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ جہاد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف آئے ہو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: نفس سے جہاد کرنا۔ (تاریخ بغداد للخطیب ج ۱۳ ص ۵۲۳۔۵۲۴)

(الحافظ العراقی نے احیاء العلوم ج ۲ ص ۷۰۹ پر احادیث کی تخریج میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اور ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی ج ۱۱ ص ۱۹۷ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کے عارفین میں سے کسی نے اس کی روایت نہیں کی۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے الکاف الشاف ج ۳ ص ۱۶۹۔۱۶۸ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ضعف ہے اور شیخ البانی نے الاحادیث الضعیفہ میں اس کو درج کیا ہے: ۲۴۶۰)۔

اور سفیان ثوری نے کہا: تمہارا دشمن وہ نہیں ہے جس کو اگر تم قتل کرو تو تمہیں اس کا اجر ملے گا تمہارا دشمن تو تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے دو پہلوؤں کے درمیان ہے، سو تم اپنی خواہش کے خلاف جہاد کرو یہ اس سے زیادہ شدید ہے جو تم اپنے دشمن سے قتال کرتے ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے پہلے جس چیز کو تم اپنے دین سے گم پاؤ گے وہ تمہارے نفسوں کے ساتھ جہاد ہے اور کبھی جہاد النفس ہوتا ہے مباح شہوات سے اپنے آپ کو روکنا تا کہ آخرت میں زیادہ اجر ملے، تا کہ بندہ اس آیت کا مصداق نہ بن جائے:

اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۠ (الاحقاف: ۲۰)

(ان سے کہا جائے گا:) تم اپنی لذیذ چیزیں دنیا کی زندگی میں لے چکے ہو اور ان سے فائدہ اٹھا چکے ہو، پس آج تم کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کرتے تھے اور کیونکہ تم نافرمانی کرتے تھے O

اور امت کے سلف صالحین کا اسی پر عمل رہا ہے۔

اور سالم الخواص نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی کی: آپ شہوات کے قریب نہ جائیں، کیونکہ میں نے شہوات کو اپنی ضعیف مخلوق کے لیے پیدا کیا ہے۔ اگر تم شہوات کے قریب گئے تو میں تم سے اپنی مناجات کی حلاوت کو سلب کر لوں گا اور اے داؤد! آپ بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ تم شہوات کے قریب نہ جاؤ، کیونکہ دل شہوات سے ڈھانپا ہوا ہے اور میری آواز اس سے حجاب میں ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۲۱۰۔۲۱۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۸۱۔۵۸۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ٦٥٠٠، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جہاد بالنفس کی تعریف میں متقدمین کی آراء

اس باب میں جہاد بالنفس کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور جہاد بالنفس سے مراد ہے نفس کو ان کاموں سے روکنا جو عبادت سے دور رکھتے ہیں اور ایسے کاموں میں مشغول نہ ہونا جن کی وجہ سے بندہ عبادت نہ کر سکے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: مرد کا اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہی کامل ترین جہاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾ (النازعات: ۴۰-۴۱)

اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس امارہ کو اس کی خواہش سے روکا ○ پس بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے ○

اور انسان جب اپنے نفس کو معاصی اور گناہوں سے روک لیتا ہے تو اپنے نفس کو شبہات سے بھی روک لیتا ہے اور اپنے نفس کو مباح اور جائز شہوات کی کثرت سے روکتا ہے تاکہ اس کو آخرت میں اجر زیادہ ملے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اور اس لیے تاکہ وہ شہوات کے تقاضوں پر زیادہ عمل کرنے کا عادی نہ بن جائے اور شہوات کے تقاضوں سے الفت نہ رکھے۔ پھر شہوت کے تقاضے اس کو مشتبہ کاموں کی طرف گھسیٹ لیں گے، پھر وہ اس سے محفوظ نہیں رہے گا کہ حرام کا ارتکاب کرے۔

علامہ القشیری نے اپنے شیخ ابوعلی الدقاق سے نقل کیا ہے: جو شخص اپنے ابتدائی سلوک میں نفس کے ساتھ جہاد نہ کرتا ہو تو وہ اس طریقہ کا ایک ذرہ بھی نہیں پائے گا۔

اور ابوعمر بن نجید سے روایت ہے: جس پر اس کا دین کرم کرے تو اس پر اس کا نفس آسان ہو جاتا ہے یعنی اس پر نفس کی مخالفت کرنا آسان ہوتی ہے۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: نفس کے ساتھ مجاہدہ کی اصل یہ ہے کہ نفس کو اس کی پسندیدہ چیزوں سے روکے اور نفس کے تقاضوں کے خلاف کام کرے اور نفس کی دو صفتیں ہیں۔ ایک صفت ہے شہوات میں منہمک ہونا اور دوسری صفت ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے رکنا۔ اور مجاہدہ اس کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

بعض ائمہ نے کہا ہے: نفس کے ساتھ جہاد کرنا دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں داخل ہے، کیونکہ دشمن تین قسم کے ہیں، ان کا سردار شیطان ہے، پھر نفس ہے کیونکہ وہ انسان کو ان لذات کی طرف دعوت دیتا ہے جن کی وجہ سے وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے اور اس سے اس کا رب ناراض ہوتا ہے اور شیطان اس کا مددگار ہوتا ہے اور ان کاموں کو اس کے لیے خوشنما بناتا ہے۔ پس جس نے اپنی خواہش کی مخالفت کی اس نے شیطان کا قلع قمع کیا، پس نفس کے ساتھ مجاہدہ یہ ہے کہ نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرے

اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے اپنے آپ کو روکے، اور جب بندہ اس پر قوی ہو جاتا ہے تو اس کے لیے دین کے دشمنوں سے جہاد کرنا آسان ہو جاتا ہے، پس پہلا جہادِ باطن ہے اور دوسرا جہادِ ظاہر ہے۔ اور نفس کے ساتھ جہاد کے چار مراتب ہیں:

(۱) نفس کو امورِ دین کے علم کے حصول کے لیے برانگیختہ کرنا اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لیے تیار کرنا۔

(۲) نفس کو اس پر برانگیختہ کرنا کہ جن کو علم نہیں ہے ان کو تعلیم دیں۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف اور جو اللہ تعالیٰ کے دین کے مخالف ہیں ان کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دے۔

(۴) اور جہاد النفس پر سب سے زیادہ مددگار شیطان کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور شیطان کے ڈالے ہوئے شکوک وشبہات کو اپنے دل و دماغ سے نکال دینا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے جن محرمات سے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنا ہے۔ پھر شبہات کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دراز گوش پر دو آدمیوں کا سوار ہونا جائز ہے۔

(۲) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ثبوت ہے، کیونکہ آپ نے دراز گوش پر سواری کی۔ اور جو شخص دراز گوش پر سواری کو حقیر جانے وہ دراز گوش سے بھی زیادہ حقیر ہے، کیونکہ دراز گوش پر سواری کرنا آپ کی سنت ہے۔

(۳) اس حدیث میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے اور ان کا حسنِ ادب ہے کہ انہوں نے لبیک کہا اور سعدیک کہا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کی حقیقتِ حال کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کو علم ہوتا ہے۔

(۴) اور ان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر بیٹھنا۔

(۵) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام کی تاکید کے لیے اس کا تکرار کرنا چاہیے۔

(۶) اور شیخ اپنے تلمیذ سے کسی حکم کے متعلق پوچھے تاکہ معلوم ہو کہ تلمیذ کو اس حکم کے متعلق کیا معلوم ہے، اور جو اس کو معلوم نہ ہو اس حکم کو شیخ بیان کرے۔

(۷) صحیح البخاری کے اوائل میں یہ حدیث ہے اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس بشارت دینے سے منع کیا تھا کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ جب بندے اس کی عبادت کریں تو وہ ان کو عذاب نہ دے، تاکہ لوگ اس بشارت پر اعتماد نہ کریں اور عمل کو چھوڑ دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب احادیث میں کسی چیز کی رخصت ہو ان کو بالعموم بیان نہیں کرنا چاہیے، تاکہ لوگ اپنی ناقص فہموں سے غلط رائے نہ قائم کرلیں۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنا اور اس حدیث کی وجہ سے انہوں نے عمل میں کوشش کو ترک نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ سے خوف میں کوئی کمی کی، لیکن جو شخص حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کا نہ ہو اس سے یہ اطمینان نہیں ہے، سو وہ ظاہر حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے عمل میں کوشش کرنے کو ترک کر دے گا۔ اور اس کے معارض کتاب اور سنت کی وہ تصریحات ہیں کہ بعض نافرمان موحدین کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا، اس لیے ان دونوں چیزوں کو جمع کرنا واجب ہے۔

(۸) زہری کا قول یہ ہے کہ یہ رخصت فرائض اور حدود کے نزول سے پہلے تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کتاب الجنائز میں یہ حدیث

ہے کہ ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ'' جنت کی چابی ہے، مگر ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں اور اس چابی کے دندانے اعمالِ صالحہ ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ شرک دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہے، تو جو شرک کو ترک کرے گا وہ دائماً دوزخ میں نہیں رہے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موحدین کے تمام بدن کو آگ نہیں جلائے گی کیونکہ سجدہ کی جگہوں کو آگ نہیں جلاتی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۵۷۔ ۵۵۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب السجود میں روایت کیا ہے، حدیث میں ہے:

امر الله الملائكة ان يخرجوا من كان يعبد الله فيخرجونهم ويعرفونهم بآثار السجود وحرم الله على النار ان تاكل اثر السجود۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ ان میں سے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اس کو نکال دیں، پھر فرشتے ان کو نکال دیں گے اور وہ ان کو سجدہ کی نشانیوں سے پہچانیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے سجدہ کی نشانیوں کو کھانا آگ پر حرام کر دیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۸۲، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۸۵۶، صحیح ابن حبان: ۷۴۲۹، سنن نسائی: ۱۱۳۹، سنن کبریٰ: ۱۱۶۳۷، سنن دارمی: ۱۸۰۱، صحیح ابن خزیمہ: ۴۲۵، مسند احمد: ۷۷۱۷، جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۳۴۹) (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نفس کی اقسام

ایک نفسِ امارہ ہے جو برائی کا حکم دیتا ہے اور اسی نفس کے ساتھ جہاد کرنا مطلوب ہے۔ اور دوسرا نفسِ مطمئنہ ہے جو کہ نیکی اور خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ اور تیسرا نفسِ لوّامہ ہے جو انسان کو برے کاموں پر ملامت کرتا ہے۔ پس نفسِ مطمئنہ خیر کا ارادہ کرتا ہے اور نفسِ امارہ برائی کا اور شر کا ارادہ کرتا ہے، اور نفس لوّامہ ان دونوں کے بین بین ہے۔ پس انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرے۔

نفس کے ساتھ جہاد کر کے عبادت کرنا افضل ہے یا بغیر نفس کے ساتھ جہاد کے

بعض علماء نے کہا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کر کے عبادت کرنا افضل ہے، اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کو عبادت پر ابھارتا ہے اور عبادت کی مشقت پر صبر کرتا ہے اور اس کا نفس جو اس کو عبادت سے روکتا ہے اس سے مزاحمت کرتا ہے تو اس کا عبادت کرنا زیادہ افضل ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ جو نفس کے ساتھ جہاد کے بغیر عبادت کرتا ہے وہ افضل ہے، کیونکہ عبادت کرنا اس کی طبیعت کا تقاضا ہو گیا ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت ہے اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی دائماً عبادت کرتا ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ یہ دوسری قسم افضل ہے، کیونکہ اس میں نفس کے ساتھ مجاہدہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عبادات بعد کے مسلمانوں سے زیادہ افضل ہیں، کیونکہ عبادت کرنا ان کی طبیعت کا تقاضا بن گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں''۔

عبادت کا معنی ہے: محبت کے ساتھ اور تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور عبادت کرنے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل اور منکسر قرار دے اور یہ اعتقاد رکھے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور بندگی کا یہی تقاضا ہے کہ وہ تذلل اور عجز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اور اس طرح نہ کرے کہ وہ عبادت کو عادتاً کر رہا ہے اور نہ اس طرح کرے جس سے یہ پتا چلے کہ وہ اپنے رب کی عبادت سے مستغنی ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تذلل تام کرے اور محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔

اللہ تعالیٰ کا بندوں کو عبادت پر اجر عطا فرمانا محض اس کا فضل ہے

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں کا اللہ پر حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے''۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اپنا حق کیسے ثابت کریں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اپنے کسی حق کو ثابت یا واجب نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نفس کے اوپر اپنے کرم اور فضل سے ہمارے حق کو واجب کر لیا ہے ورنہ ہمارا رب جو چاہے کرے لیکن اس کے کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے ہمارے لیے اپنے نفس کے اوپر کچھ حقوق واجب کر لیے اور اسی میں سے یہ حق بھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ (الانعام: ۵۴)

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو آپ کہیں: تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جس کسی نے ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر لیا، پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہم سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہو گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (زاد المسیر ج ۳ ص ۴۸) اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے شدید غصہ سے غلبۂ شہوت یا حماقت کی بناء پر اخروی سزا سے غافل ہو کر کوئی گناہ کر لیا، پھر اس نے اخلاص کے ساتھ اپنے گناہ پر توبہ کی، اس گناہ سے رجوع کیا اور نادم ہوا اور مستقبل میں دوبارہ وہ گناہ نہ کرنے کا عزم کیا، اپنے عمل کی اصلاح کی اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کیا اور اس گناہ کے بعد کوئی نیکی کی، تا کہ اس گناہ کا اثر مٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس گناہ کو بخش دے گا کیونکہ وہ بہت وسیع رحمت اور مغفرت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر جو اپنی رحمت کو لازم کیا ہے، یہ اس طرح نہیں ہے جیسے کوئی چیز فرض یا واجب ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ

نے ازراہِ کرم اور ازراہِ فضل اپنے او پر اپنی رحمت کو لازم کرلیا ہے، پس اللہ ہی کے لیے حمد ہے اور اسی کے لیے ستائش ہے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۹۱۔ ۳۹۳،مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۸۔ بَابُ: التَّوَاضُعِ — تواضع اور انکسار کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں تواضع کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، تواضع کا معنی ہے: انسان کا اپنے مرتبہ سے نیچے اترنا، دوسرا قول ہے تواضع کا معنی ہے: اپنے سے بڑے مرتبہ والے کی تعظیم کرنا۔
امام عبداللہ بن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کوئی انسان ایمان کی بلندی پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا حتیٰ کہ اس کے نزدیک پستی بلندی سے زیادہ پسندیدہ ہو اور دنیا کا قلیل مال دنیا کے کثیر مال سے زیادہ پسندیدہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۱۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ نَاقَةٌ قَالَ ح و حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا الْفَزَارِيُّ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ تُسَمَّى الْعَضْبَاءَ وَكَانَتْ لَا تُسْبَقُ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلَى قَعُودٍ لَهُ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَقَالُوا سُبِقَتِ الْعَضْبَاءُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ لَا يَرْفَعَ شَيْئًا مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک اونٹنی تھی ح اور مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفزاری نے خبر دی اور ابو خالد الاحمر نے از حمید الطویل از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کا نام العضباء تھا۔ اور وہ کبھی پیچھے نہیں رہتی تھی، سو ایک اعرابی اپنے اونٹ پر آیا اور وہ اس سے آگے نکل گیا، تو مسلمانوں کو اس سے بہت رنج ہوا اور انہوں نے کہا: العضباء پر سبقت کرلی گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ پر یہ حق ہے کہ جو چیز بھی دنیا میں سربلند ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کردیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۷۱، ۲۸۷۲، سنن نسائی: ۳۵۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۸۰۲، مسند احمد: ۱۱۵۹۹)

صحیح البخاری: ۶۵۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے تواضع، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ کسی چیز کو دنیا میں سربلند نہیں کرے گا مگر اس کو پست کر دے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ سربلندی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور فخر اور غرور ناپسندیدہ صفات ہیں اور تواضع اور انکسار اور عاجزی اور پستی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صفات ہیں۔

میں کہتا ہوں: مطلقاً کبریائی اور بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اگر کوئی شخص کسی کو اپنے کمال میں یکتا اور ناقابلِ تسخیر سمجھے تو اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتا ہے۔ صحابہ کرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کو یہ سمجھتے تھے کہ وہ کبھی کسی اونٹ سے دوڑ میں اور مقابلہ میں پیچھے نہیں رہے گی اور اس کو ناقابلِ تسخیر گردانتے تھے تو ایک بار وہ بھی ایک اعرابی کے اونٹ سے پیچھے رہ گئی۔ ہمارے زمانہ میں اسکواش کا ایک چیمپئن تھا جس کا نام جہانگیر تھا اور اس نے پانچ سو سے زائد مقابلے جیتے تھے اور لوگ اس کو اسکواش میں ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے لیکن وہ اپنے چچا زاد بھائی جان شیر خان سے اسکواش کے ایک مقابلہ میں ہار گیا، اسی طرح مشہور باکسر محمد علی کلے بھی باکسنگ کا چیمپئن تھا اور کسی مقابلہ میں ہارا نہیں تھا حتیٰ کہ اس کو بھی لوگ ناقابلِ تسخیر سمجھتے تھے لیکن ایک مقابلہ میں وہ بھی جو فریزیر سے ہار گیا، سو مطلقاً بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ورنہ ہر کمال کو زوال ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا نام العضباء تھا"۔ "العضباء" اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا کان شق ہوا ہو، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا کان چرا ہوا نہیں تھا، یہ صرف اس کا لقب تھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ایک اعرابی ایک قعود پر آیا"۔ "قعود" جوان اونٹ کو کہتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے پیٹھ کو سوار کے لیے مہیا کرے، اس کی کم سے کم عمر دو سال ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۲- حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ كَرَامَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ حَدَّثَنِي شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللّٰهَ قَالَ مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عثمان بن کرامۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی سو میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں، اور میرا بندہ کسی ایسی عبادت سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہو جو میں نے اس پر فرض کیں، اور میرا بندہ نوافل کے ساتھ مسلسل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے

الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ۔

محبت کرتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور میں اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور میں اس کے وہ پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ عطا کرتا ہوں، اور میں کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا تردد میں مومن کی روح قبض کرنے میں کرتا ہوں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۲، حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵ طبع جدید، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۴۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، ج ۱۰ ص ۲۱۹، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۴۹۱، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۵، مشکوۃ رقم الحدیث: ۲۲۶۶، کنز العمال رقم الحدیث: ۲۱۳۲۷)

صحیح البخاری: ۶۵۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے حتیٰ کہ علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث میں تواضع کا مطلقاً ذکر نہیں ہے۔

اور صاحب التلویح نے کہا ہے: میں اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت کو نہیں جانتا، کیونکہ اس حدیث میں تواضع کا ذکر نہیں ہے اور نہ تواضع کے قریب کسی چیز کا ذکر ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو امام بخاری اس سے پہلے باب میں داخل کرتے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مرد کے مجاہدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس سوال کا علماء نے جواب بھی دیا ہے، پس علامہ کرمانی نے کہا: نوافل کے ساتھ تقرب اسی وقت حاصل ہوگا جب بندہ میں بہت زیادہ اپنے رب عزوجل کے لیے تواضع اور تذلل ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس جواب کو پہلے صاحب التلویح ذکر کر چکے ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ نوافل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ہوتا ہے اور یہ استحقاق رب عزوجل کے ساتھ انتہائی تذلل اور تواضع سے ہوتا ہے۔ پھر صاحب التلویح نے کہا: اس میں بُعد ہے، لیکن نوافل سے اللہ کے نزدیک اس وقت ثواب حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص فرائض پر محافظت کرے۔

اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس باب کی عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے مستفاد ہے "میں اس کے کان

ہو جاتا ہوں''۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں:

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس باب کی حدیث کے ساتھ مناسبت اس کے لازم سے ہے، کیونکہ حدیث میں ہے ''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں''۔ سو یہ حدیث اولیاء اللہ سے عداوت رکھنے سے زجر و توبیخ پر مشتمل ہے اور وہ ان سے محبت کو مستلزم ہے اور تمام اولیاء اللہ سے اور اولیاء اللہ کی محبت غایت تواضع سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اولیاء اللہ میں وہ بھی ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: التزام کی دلالت ترک کی گئی ہے، کیونکہ اگر یہ معتبر ہو تو لازم آئے گا کہ ایک لفظ کے غیر متناہی مدلولات ہوں اور اس قائل سے پوچھا جائے گا کہ تم لزومِ بیّن کا ارادہ کرتے ہو یا مطلق لزوم کا، اور جو بھی ہو دلالتِ التزامی کو ترک کیا جاتا ہے۔ پس اگر تم لزومِ بیّن کا ارادہ کرو تو وہ اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، پس مدلول منضبط نہیں ہوگا۔ اور اگر تم مطلق لزوم کا ارادہ کرتے ہو تو لوازم غیر متناہی ہیں۔ پس ایک لفظ سے ان مدلولات کا افادہ ممتنع ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اصل اور مکمل عبارت

تنبیہ: اس حدیث کو تواضع کے باب میں امام بخاری نے داخل کیا ہے اور اس پر علامہ داؤدی نے یہ اشکال کیا ہے کہ اس حدیث میں بالکل تواضع نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے کہا: مناسب یہ تھا کہ اس حدیث کو اس سے پہلے باب میں داخل کیا جاتا جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مرد کے مجاہدہ کا ذکر ہے، اور امام بیہقی نے ''الزہد'' میں یہی عنوان قائم کیا ہے، انہوں نے کہا ہے ''فصل فی الاجتهاد والطاعة وملازمة العبودية'' اور امام بخاری کی طرف سے اس اشکال کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کا تقرب جو نوافل کے ساتھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتہائی تواضع اور اس پر توکل سے حاصل ہوگا، اس جواب کو علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے۔

(۲) علامہ کرمانی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا عنوان حدیث کے اس جملہ سے مستفاد ہوتا ہے ''کنت سمعه'' یعنی میں بندہ کے کان ہو جاتا ہوں۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس سے ایک تیسرا جواب نکلتا ہے اور میرے لیے ایک چوتھا جواب بھی ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ مطابقت ''من عادى لي وليا'' جو میرے ولی سے عداوت رکھے'' سے بہ طریق لازم ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس حدیث کا تقاضا ہے کہ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت رکھنے سے زجر و توبیخ کی جائے جو ان کی محبت کو مستلزم ہے اور تمام اولیاء سے محبت کو مستلزم ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہوگا جب انتہائی تواضع کی جائے، کیونکہ اولیاء اللہ میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود ہوتے ہیں جن کی طرف کوئی شخص التفات نہیں کرتا اور تواضع پر ترغیب میں متعدد احادیث صحیحہ مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کی شرط پر نہیں ہے، پس اس باب کی دونوں حدیثوں سے وہ مستغنی ہیں، ان میں سے ایک حدیث

حضرت عیاض بن حمار کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم تواضع کرو حتیٰ کہ کوئی آدمی دوسرے آدمی پر فخر نہ کرے۔ اس حدیث کی امام مسلم اور امام ابوداؤد وغیرہما نے روایت کی ہے۔ اور ایک حدیث وہ ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص نے اللہ کے لیے تواضع نہیں کی مگر اللہ تعالیٰ اس کو سربلند کرتا ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ اور ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جس کی حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لیے تواضع کی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کو اعلیٰ علیین میں کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۵، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: میں اس اعتراض کو رد کرنے میں مشغول ہونا مناسب نہیں سمجھتا اور میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص میرے جواب پر واقف ہوگا (جو فتح الباری میں مذکور ہے۔ فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۵) تو وہ یہی کہے گا کہ باب کی حدیث سے مناسبت کے لیے ادنیٰ مناسبت کافی ہوتی ہے اور کیسے کافی نہیں ہوگی جب کہ میری تقریر سے (جو فتح الباری میں مذکور ہے: فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۵) وہ مناسبت بالکل واضح ہو چکی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۲، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عثمان، یہ ابن کرامۃ العجلی ہیں، یہ ۲۵۶ھ میں بغداد میں فوت ہو گئے تھے اور یہ امام بخاری کے کم سن اساتذہ میں سے ہیں، اور یہ امام بخاری کے اکثر مشائخ میں شریک ہیں۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن مخلد، یہ امام بخاری کی اس حدیث کے شیخ ہیں، امام بخاری نے ان سے بغیر واسطہ کے بھی حدیث روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن مخلد ہیں، یہ البجلی ہیں، ان کو القطوانی الکوفی بھی کہا جاتا ہے، یہ محرم ۲۱۳ھ میں کوفہ میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان بن بلال ابوایوب القرشی التیمی ہیں، جو ۱۷۷ھ میں فوت ہو گئے تھے، اور اس حدیث کی سند میں شریک بن عبداللہ بن ابی نمر القرشی ہیں، ان کو اللیثی بھی کہا جاتا ہے، یہ ۱۴۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

خالد بن مخلد پر جرح کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ خالد میں بحث ہے۔ امام احمد نے کہا: ان کی منکر روایات ہیں، امام ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا اور امام ابن عدی نے کہا: ان کی دس احادیث منکر ہیں اور ان میں سے اس باب کی حدیث بھی منکر ہے، اور

اس حدیث کی سند میں شریک ہے، اس میں بھی بحث ہے، اور وہ حدیث معراج کے راوی ہیں اس میں انہوں نے اضافہ بھی کیا ہے اور کمی بھی کی ہے اور تقدیم اور تاخیر بھی کی ہے اور کئی چیزوں کے ساتھ وہ متفرد ہیں جن میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: رہے خالد، تو ابن معین نے کہا ہے کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، اور ابو حاتم نے کہا: ان کی حدیث کو لکھا جائے گا، اور ابوداؤد نے کہا: وہ بہت سچے ہیں لیکن ان میں تشیع تھا۔ اور میرے نزدیک ان کی روایت میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہے۔ اور رہے شریک، تو یحییٰ بن معین اور نسائی نے کہا ہے کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، اور محمد بن سعد نے کہا: وہ ثقہ ہیں اور کثیر الحدیث ہیں۔ اور عطاء، وہ ابن یسار ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ عطاء بن ابی رباح ہیں، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جو میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں"۔

یہ حدیث احادیثِ قدسیہ میں سے ہے اور اس حدیث کی بعض سندوں کے ساتھ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام نے بیان کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے سنا۔

اللہ کے ولی کی تعریف

اس حدیث میں "ولی" کا ذکر ہے، ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ عزوجل کی صفات کا عالم ہو اور اس کی اطاعت اور عبادت پر دوام کرتا ہو اور اپنی عبادت میں مخلص ہو۔

"من عادی" پر ایک سوال کا جواب

"معاداۃ" کا تقاضا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے ولی سے عداوت رکھے اور اللہ کا ولی اس سے عداوت رکھے اور یہ اللہ کے ولی کی شان سے بعید ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من عادی" یہ معادات سے ماخوذ ہے اور یہ باب مفاعلہ ہے جو جانبین سے فعل کے صدور کا تقاضا کرتا ہے، یعنی وہ شخص اللہ کے ولی سے عداوت رکھے اور اللہ کا ولی اس سے عداوت رکھے حالانکہ ولی کی شان حلم ہے اور عداوت سے اجتناب کرنا ہے اور جو ان کے ساتھ جہالت کی بات کرے اس سے درگزر کرنا۔

اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ معادات جھگڑے میں منحصر نہیں ہے اور نہ دنیاوی جھگڑوں میں منحصر ہے بلکہ کبھی اس بغض کو بھی معادات کہتے ہیں جو تعصب سے پیدا ہوتا ہے مثلاً رافضی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہے اور بدعتی، سنی سے بغض رکھتا ہے تو ان میں معادات جانبین سے ہوگی۔ اور ولی کی جانب سے جو عداوت ہوگی وہ محض اللہ کے لیے ہوگی اور دوسرے شخص کی جو عداوت ہوگی وہ اس کی نفسانیت کی بناء پر ہوگی۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس اعتراض کے جواب میں اس تکلف کی ضرورت نہیں

ہے بلکہ کبھی بابِ مفاعلہ ایک جانب سے فعل کے صدور کے لیے بھی آتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَسَارِعُوٓا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ○

(آل عمران: ۱۳۳)

اس آیت مبارکہ میں بھی ''سارعوا'' کا لفظ ہے اور وہ بابِ مفاعلہ سے ہے اور یہاں بھی سرعت کا فعل جانبین سے نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے ''اسرعوا'' تم جلدی کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقد آذنته'' اس کا معنیٰ ہے: میں اس کو خبر دیتا ہوں اور اس کو مطلع کرتا ہوں، یعنی میں اس سے جنگ کا اعلان کر دیتا ہوں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: ''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے میرے ساتھ جنگ کو حلال کر لیا''۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''اس نے اللہ تعالیٰ سے جنگ کا اعلان کر دیا''۔ اور حضرت ابوامامہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ''اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا''۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ محاربہ جانبین سے ہوتا ہے، سو مخلوق اللہ تعالیٰ سے کیسے محاربہ کر سکتی ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہاں حرب کا اطلاق ہے اور اس سے اس کا لازم مراد ہے، یعنی اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو معاملہ دشمن محارب کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مما افترضت علیه'' اس سے مراد جمیع فرائض ہیں، خواہ فرائض عین ہوں یا فرائض کفایہ ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں''۔

علامہ قشیری نے کہا ہے: بندہ کا اپنے رب سے قرب پہلے ایمان کے ساتھ ہوتا ہے، پھر نیک اعمال کے ساتھ ہوتا ہے اور رب کا قرب بندہ کے ساتھ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ بندہ کو دنیا میں اپنی معرفت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں اس کو اپنی رضا عطا فرماتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف اور احسان کی کئی وجوہ ہیں۔ اور بندہ کا اللہ تعالیٰ سے قرب اسی وقت ہوتا ہے جب بندہ مخلوق سے دور رہے۔ اور رب تعالیٰ کا قرب علم اور قدرت کے ساتھ تمام لوگوں کو شامل ہے۔ اور لطف اور نصرت کے ساتھ خواص کے ساتھ مخصوص ہے اور اُنس کے ساتھ اولیاء اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے'' اس سے مراد وہ نوافل ہیں جو فرائض کو بھی شامل ہیں اور فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں اور اس سے نوافل مطلقاً مراد نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے''۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ مجاز پر محمول ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ اس بندہ کی اس طرح حفاظت کرتا ہے جس طرح بندہ اپنے اعضاء کی حفاظت کرتا ہے کہ کہیں وہ ہلاکت میں واقع نہ ہو جائے۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے: یہ مثالیں ہیں اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے، اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ان اعضاء کے ساتھ ایسی

توفیق دیتا ہے جس سے وہ ایسے کام کرے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا باعث ہوں، اور اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو اپنی معصیت سے محفوظ رکھتا ہے مثلاً اس کے کان ان چیزوں کو نہیں سنتے جو اللہ کو ناپسند ہوں یعنی لہو ولعب کو نہیں سنتے، اور اللہ اس کی آنکھیں ہوجاتا ہے یعنی وہ اپنی آنکھوں سے ان چیزوں کو نہیں دیکھتا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے سے منع فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے یعنی وہ اپنے ہاتھوں سے ان چیزوں کو نہیں پکڑتا جن کا پکڑنا اس کے لیے حلال نہیں ہے، اور وہ اس کے پاؤں ہوجاتا ہے، یعنی وہ اپنے پاؤں سے چل کر باطل کی طرف نہیں جاتا، یا بندہ ایسا نہیں کرتا کہ دعا کو قبول کرنے میں جلدی کرے اور اپنی طلب کو اصرار کرے، کیونکہ انسان کی سعی ان چار اعضاء کے استعمال کے بعد ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے''۔ اس حدیث میں ''بصر'' کا لفظ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ''عین'' کا لفظ ہے، اور یعقوب بن مجاہد کی روایت میں عین کا لفظ ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور عبدالواحد کی روایت میں یہ اضافہ ہے ''میں اس کا دل ہوجاتا ہوں جس سے وہ تعقل کرتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے ''میں بندہ کے لیے اس کے مقاصد کو مہیا کر دیتا ہوں گویا کہ وہ کان اور آنکھوں سے اپنے مقاصد کو حاصل کر لیتا ہے''۔

دوسرا قول ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ''میں اس کی نصرت کرنے میں اس کے کان، آنکھ اور ہاتھ اور پیر کی طرح ہوجاتا ہوں''۔ یعنی دشمن کے خلاف اس کی مدد کرنے میں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ ''میں اس کی سماعت کا محافظ ہوجاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، پس وہ اسی بات کو سنتا ہے جس کا سننا اس کے لیے حلال ہوتا ہے اور اس کی بصارت کا محافظ ہوجاتا ہوں''۔

حدیث مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ متحد ہوں اور اللہ تعالیٰ بندہ کا عین ہے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے تو انہوں نے کہا: حضرت جبریل روحانی ہیں، وہ اپنی صورت اتار دیتے اور بشر کا مظہر ہوکر آجاتے، تو انہوں نے کہا: جب حضرت جبریل علیہ السلام ایسا کر سکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ زیادہ قادر ہے کہ وجود کلی یا بعض وجود کی صورت میں ظاہر ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ ظالم اتحادیہ کہتے ہیں۔

بندہ کی پناہ کی طلب اور اس کو پناہ دینے پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''کہ اگر وہ بندہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں''۔ یعنی بندہ جس چیز سے پناہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ بندہ کو اس چیز سے ضرور پناہ عطا فرماتا ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتنے صلحاء اور عبادت گزاروں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور دعا میں بہت کوشش کی اور ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اجابت کئی قسم کی ہے، کبھی بندہ کا مطلوب بعینہٖ فوراً پورا ہوجاتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اس

کے مطلوب کو موخر کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بندہ کو وہ مطلوب تو عطا نہیں فرماتا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کوئی چیز عطا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تردد کرنے پر ایک اعتراض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں کسی کام میں جس کو میں کرنے والا ہوں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا مومن کی روح قبض کرنے کے متعلق تردد کرتا ہوں''۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تردد کرنا محال ہے اور ''البداء'' امور میں جائز نہیں ہے (البداء کا معنی یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کوئی کام کرنا ہو، پھر اس پر یہ ظاہر ہو کہ اس کام میں کوئی خرابی ہے تو اس کام کو ترک کر دے یا بدل دے اس کو ''البداء'' کہتے ہیں، شیعہ اس کے قائل ہیں اور اہل سنت اس کے منکر ہیں۔)

اس حدیث میں تردد کی دو تاویلیں ہیں۔ ایک تاویل یہ ہے کہ بندہ اپنی زندگی کے ایام میں کسی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کا منتظر ہوتا ہے یا فقر و فاقہ کی وجہ سے موت کا منتظر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس بیماری سے شفاء عطا فرمائے اور اس سے اس مصیبت کو دور کر دے، تو بندہ کا یہ فعل اس شخص کی تردید کی مثل ہے جو پہلے ایک کام کا ارادہ کرتا ہے، پھر اس پر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کام میں کوئی حرج ہے تو اس کو ترک کر دیتا ہے یا اس سے اعراض کرتا ہے۔ اور اس کام کا واقع ہونا ضروری ہوتا ہے جب اس کا وقت آ جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے فناء کو مقدر کر دیا ہے اور اپنے لیے بقاء کو مقدر کر دیا ہے۔

اور دوسری تاویل یہ ہے: میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس میں اپنے رسولوں (فرشتوں) کو رد نہیں کرتا، جس طرح مومن کی جان کے معاملہ میں رد کرتا ہوں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے اور انہوں نے تھپڑ مار کر ملک الموت کی آنکھ نکال دی تھی اور حقیقتِ معنی دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندہ پر لطف ہے اور اس کی شفقت ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وانا اکرہ اساءتہ'' یعنی میں بندہ کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہوں، کیونکہ بندہ موت کے سبب سے دائمی نعمت تک پہنچتا ہے جو اس کو زندگی میں حاصل نہیں ہے۔ یعنی بندہ تو زندگی چاہتا ہے لیکن میں اس کو موت عطا کرتا ہوں، کیونکہ زندگی ارذل عمر تک پہنچاتی ہے اور خلقت کے پہلے حال کی طرف لوٹاتی ہے اور اسفل سافلین کی طرف راجع کرتی ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ میں بندہ کی مکروہ چیز یعنی موت کو ناپسند کرتا ہوں اور اس کی روح قبض کرنے میں جلدی نہیں کرتا تو میں متردد کی مثل ہوتا ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۵۔ ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کے تعقبات

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں بندہ کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔۔۔ الحدیث''۔

علامہ عینی نے اس کی یہ شرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے کانوں کا اور اس کی آنکھوں کا محافظ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنے کانوں سے اسی بات کو سنتا ہے جس کا سننا اللہ تعالیٰ کا پسند ہوتا ہے اور لہو و لعب کو نہیں سنتا اور حتیٰ کہ وہ اپنی آنکھوں سے انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے اور ناجائز اور حرام چیزوں کو نہیں دیکھتا۔

لیکن یہ شرح اس لیے صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''کہ بندہ نوافل کو (بشمول فرائض) دوام کے ساتھ ادا کر کے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں، اور جب میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو پھر میں اس کے کان ہو جاتا ہوں اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں''۔ سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو بندہ اپنے کانوں سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز نہ سنے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے اور جو اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو نہ دیکھے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلے، اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے بعد یہ مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ سو بندہ کا اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کو سننا اور پسندیدہ چیزوں کو دیکھنا یہ وہ مرتبہ ہے جو پہلے حاصل ہوتا ہے جس سے بندہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونا اس کے بعد کا مرتبہ ہے، لہٰذا محبوب بننے کے بعد اسے جو نعمت حاصل ہوگی وہ اس سے زائد ہوگی جو حصول قرب کے وقت حاصل ہوئی تھی۔ اس لیے یہاں پر اللہ تعالیٰ کے کان ہونے اور آنکھیں ہونے کا یہ معنی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے کان اور اس کی آنکھوں کا محافظ ہو جاتا ہے بلکہ یہاں اس کے سوا کوئی اور معنی مراد ہوگا۔ اور اس معنی کو سمجھنے کے لیے امام رازی کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ ھ، لکھتے ہیں:

الحجة الثالثه: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا: ''کوئی بندہ فرائض کی ادائیگی کی مثل سے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بندہ نوافل پر دوام کرنے سے میرے قرب کی مثل حاصل کر سکتا ہے حتیٰ کہ میں اس بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں، پس جب میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں اور آنکھ ہو جاتا ہوں اور زبان اور آنکھ اور دل اور ہاتھ اور پیر، وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے''۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اولیاء اللہ کے اپنے کانوں میں غیر اللہ کا کوئی حصہ نہیں رہتا نہ ان کی آنکھوں میں اور نہ ان کے باقی اعضاء میں، کیونکہ اگر ان کی آنکھوں میں اور کانوں میں غیر اللہ کا حصہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ میں اس کے کان ہوں اور میں اس کی آنکھ ہوں، پس یہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مقام اس سے بلند ہے کہ کسی سانپ کو مسخر کر دیا جائے یا کسی درندہ کو مسخر کر دیا جائے۔

الحجة الرابعه: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے حکایت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جس نے میرے ولی کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھ سے اعلانِ جنگ کر دیا''۔ پس اللہ تعالیٰ نے ولی کی ایذاء کو اپنی ایذاء کے قائم مقام قرار دیا اور یہ اس آیت کے قریب ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ (الفتح: ۱۰)

بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر، سو جس نے یہ بیعت توڑی تو اس کا وبال صرف اسی پر ہوگا اور جس نے اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کیا تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا O

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ

اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ

اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (الاحزاب:٣٦)

جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا O

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (الاحزاب:٥٧)

بے شک جو لوگ اللہ کو ایذاء پہنچاتے ہیں اور اس کے رسول کو، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے اور اس نے ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے O

پس اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کو اللہ کی رضا قرار دیا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کو اللہ تعالیٰ کی ایذاء قرار دیا۔ پس ضروری ہوا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ تمام درجات سے اعلیٰ ہو اور اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ''جس نے میرے ولی کو ایذاء دی اس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا''۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولی کی ایذاء کو اپنی ایذاء کے قائم مقام قرار دیا۔ اور اس کی تاکید اس حدیث مشہور سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا: میں بیمار تھا سو تم نے میری عیادت نہیں کی، میں نے تم سے پانی طلب کیا تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، میں نے تم سے طعام طلب کیا تم نے مجھے طعام نہیں کھلایا، بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں یہ کام کیسے کرتا حالانکہ تو رب العالمین ہے! پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اسی طرح پلانے اور کھلانے کا معاملہ ہے۔ اور یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اولیاء اللہ ان درجات تک پہنچ جاتے ہیں۔

الحجة الخامسة: ہم عرف میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس شخص کو بادشاہ خدمت خاصہ کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے اور اس کو اپنے پاس مجلس اُنس میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہے تو اس کو اس مرتبہ کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے کہ اس کو ان کاموں پر قادر کر دیتا ہے جن کاموں پر دوسرے قادر نہیں ہوتے، بلکہ عقلِ سلیم شہادت دیتی ہے کہ جب یہ قرب حاصل ہو جائے تو یہ مناصب اس کے تابع ہوتے ہیں، پس قرب اصل ہے اور منصب اس کے تابع ہے اور تمام بادشاہوں میں سب سے عظیم بادشاہ رب العالمین ہے، پس جب وہ اپنے بندہ کو یہ شرف عطا فرمائے کہ اس کو اپنی خدمت کی چوکھٹ تک پہنچائے اور کرامت کے درجات تک پہنچائے اور اس کو اپنی معرفت کے اسرار سے واقف کرے اور اپنے اور اس کے درمیان حجابات کو اٹھا دے اور اس کو اپنے قرب کی چادر پر بٹھائے تو اس میں کونسا بُعد ہے کہ اس کے ہاتھ پر بعض کرامات کا اس عالم میں ظہور ہو۔

الحجة السادسة: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ افعال کا متولی روح ہے نہ کہ بدن۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت روح کے لیے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے جب خیبر کے دروازہ کو اکھاڑا تو فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا لیکن قوت ربانیہ سے اکھاڑا ہے، اس لیے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر اس وقت میں عالم اجساد سے منقطع ہو گئی تھی اور وہ عالم کبریاء کے ملائکہ کے انوار سے روشن ہو گئے تھے اور ان کی روح ارواحِ ملکیہ کے جواہر کے مشابہ ہو گئی تھی، اور عالمِ قدس کے انوار ان میں موجزن ہو گئے تھے، پس ضروری ہوا کہ ان میں وہ

قدرت حاصل ہوتی جو عموماً دوسرے بشر کو حاصل نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر دوام کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کے کان ہو جاتا ہوں اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، پس جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کے کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو سنتا ہے اور جب یہ نور اس کی آنکھ ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید کو دیکھتا ہے اور جب یہ نور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے اور بعید اور قریب چیزوں پر تصرف کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۳۵-۴۳۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی فرائض پر دوام اور نوافل پر پابندی کرنے سے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے لیکن بندہ، بندہ ہی رہتا ہے خدا نہیں ہوتا، جیسے آئینہ میں کسی چیز کا عکس ہو تو آئینہ وہ چیز نہیں بن جاتا، اس کی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے۔ بلاتشبیہ و تمثیل جب بندہ کامل کی اپنی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی المتوفی ۱۳۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "میں بندہ کے کان ہو جاتا ہوں" اس پر دلالت کرتا ہے کہ متقرب بالنوافل میں صرف اس کا جسم باقی رہتا ہے اور اس میں متصرف حضرت الالٰہیہ ہیں اور یہ وہی چیز ہے جس کو صوفیاء فناء فی اللہ سے کہتے ہیں یعنی بندہ اپنے نفس کے دواعی اور محرکات کو اتار پھینکتا ہے حتیٰ کہ اس میں صرف اللہ تعالیٰ متصرف ہوتا ہے۔ اور اس حدیث میں وحدت الوجود کی چمک ہے اور ہمارے مشائخ اس مسئلہ کے معتقد ہیں۔

اور یہ ایسا ہے جیسے قرآن عزیز میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے:

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (النمل: ۸)

پھر جب وہ اس جگہ پہنچے تو ان کو ندا کی گئی کہ جو آگ (کی تجلی) میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے وہ برکت والا ہے اور اللہ سبحان ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ۝

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓي اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (القصص: ۳۰)

پھر جب موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو انہیں اس وادی کے دائیں کنارے پر برکت والی زمین کے ٹکڑے سے ایک درخت سے ندا کی گئی کہ اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ رب العٰلمین ہوں ۝

پس جو چیز دکھائی گئی تھی اور جس کا مشاہدہ ہوا تھا وہ صرف آگ تھی نہ کہ رب جل مجدہٗ، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تجلی فرمائی تھی، پس دیکھنے میں درخت کلام کر رہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے کلام کی اپنی طرف نسبت فرمائی، اس لیے کہ رب جل مجدہٗ اس درخت میں تجلی فرما چکا تھا اور وہ درخت اللہ تعالیٰ کی معرفت کا واسطہ بن گیا تھا۔ پس جس میں تجلی کی گئی تھی اس نے تجلی کرنے والے کا حکم لے لیا، اور اس حدیث کی امثال میرے نزدیک مسئلہ تجلی کی طرف راجع ہیں، پس بے شک جب درخت کے لیے یہ جائز ہے کہ اس میں یہ ندا کی جائے کہ میں اللہ ہوں، تو اس ولی کا کیا حال ہوگا جو نوافل سے تقرب حاصل کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کان اور اس کی آنکھیں نہ ہوں، یہ کیسے نہیں ہوگا حالانکہ ابنِ آدم جو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے موسیٰ علیہ السلام کے درخت سے کم تو نہیں ہے۔

(فیض الباری ج ۴ ص ۴۲۸-۴۲۹، مجلس علمی، سورت، ہند ۱۹۳۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں اس معنی کا رد کیا ہے کہ بندہ عینِ حق تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض گمراہ لوگوں نے یہ کہا ہے کہ بندہ جب ظاہری اور باطنی عبادات کو لازم کر لیتا ہے حتیٰ کہ وہ بشری کدورات اور میل سے خالص اور صاف ہو جاتا ہے تو وہ حق کے معنی میں ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اور یہ کہ بندہ کا نفس فنا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا ذکر کرنے والا ہے اور اس سے محبت کرنے والا ہے اور ان لوگوں کے رد کے لیے کافی ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ ''اگر بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کا سوال ضرور پورا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں''۔ پس اگر بندہ بندگی سے نکل کر حق ہو گیا تھا تو پھر اس کا کیا مطلب ہوگا کہ جب بندہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کو ضرور دیتا ہوں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵٦۳، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲٦ھ)

صحیح البخاری: ٦۵۰۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث ''من عادی لی ولیا'' کی سند پر بحث ونظر

یہ حدیث عطاء بن یسار سے مروی ہے، صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عطاء بن ابی رباح ہیں اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس پر خطیب بغدادی نے تنبیہ کی ہے۔ اور شمس الدین ذہبی نے خالد بن مخلد کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ امام احمد نے بیان کیا: اس کی منکر روایات ہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا: اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔ اور امام ابن عدی نے اس کی دس ایسی احادیث ذکر کی ہیں جو منکر ہیں۔ اور یہ حدیث از محمد بن مخلد از محمد بن عثمان بن کرامۃ شیخ البخاری سے مروی ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث بہت غریب ہے، اگر صحیح البخاری کی ہیبت نہ ہوتی تو اس حدیث کو خالد بن مخلد کی منکرات میں سے شمار کیا جاتا، کیونکہ یہ متن صرف اسی سند کے ساتھ مروی ہے اور امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے اس حدیث کی روایت نہیں کی اور میرا گمان ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

یہ حدیث یقیناً مسند احمد میں نہیں ہے۔ اور یہ کہنا مردود ہے کہ یہ متن صرف اسی سند سے مروی ہے۔ اس کے باوجود خالد بن مخلد کے شیخ الشیخ شریک ہیں ان میں بھی بحث ونظر ہے اور وہی معراج کی حدیث کے راوی ہیں جس میں انہوں نے اضافہ بھی کیا ہے اور کمی بھی کی ہے اور تقدیم اور تاخیر بھی کی ہے اور وہ کئی چیزوں کے ساتھ منفرد ہیں جس میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفسیر اپنی جگہ پر آئے گی، لیکن اس حدیث کی اور بھی سند ہے اور اس کا مجموعہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔ ان میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس کی امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے اور ابن ابی الدنیا نے اور امام ابو نعیم نے حلیۃ میں روایت کی ہے اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے از عبد الواحد بن میمون از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اور امام ابن حبان نے اور امام ابن عدی نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس حدیث میں متفرد ہیں۔ اور امام بخاری نے ان کے متعلق کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں لیکن امام طبرانی نے اس حدیث کی از یعقوب بن مجاہد از عروہ روایت کی ہے اور کہا ہے: اس حدیث کی عروہ سے صرف یعقوب اور عبد الواحد نے روایت کی ہے۔ اور ان میں سے وہ حدیث ہے جو حضرت ابو امامہ سے مروی ہے، اس کی

امام طبرانی اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں سندِ ضعیف سے روایت کی ہے۔اور ان میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو الاسماعیلی نے مسند علی میں بیان کی ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کی امام طبرانی نے روایت کی ہےاوران دونوں کی سند ضعیف ہے۔اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کی امام ابویعلیٰ اور امام بزاراورامام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس کی سند میں بھی ضعف ہے۔اور حذیفہ سے روایت ہے جس کی امام طبرانی نے مختصراً روایت کی ہےاوراس کی سند حسن غریب ہے۔اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کی امام ابن ماجہ نے اور امام ابونعیم نے حلیۃ میں مختصراً روایت کی ہےاوراس کی سند بھی ضعیف ہے۔اور وہب بن منبہ سے منقطع روایت ہے جس کی امام احمد نے کتاب الزہد میں روایت کی ہےاورابونعیم نے الحلیہ میں روایت کی ہے اور اس میں امام ابن حبان پر تعقب ہے جنہوں نے اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے کے بعد کہا:اس حدیث کے صرف دوطریقے معروف ہیں،یعنی اس باب کی حدیث کے علاوہ۔اور وہ ہشام الکنانی ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور عبدالواحد بن میمون ہیں جو از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں روایات صحیح نہیں ہیں اور میں عنقریب بیان کروں گا کہ ان کی روایات میں کیا زائد فائدہ ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۰۔۵۶۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ

حدیث مذکور کی مسند احمد میں روایت

حافظ ابن حجر عسقلانی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ حدیث مسند احمد میں نہیں ہے،لیکن ہم نے دیکھا کہ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی کے دفاع میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسند احمد میں یہ حدیث مذکور ہے لیکن یہ خالد بن مخلد کی روایت نہیں ہے جس کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے انکار کیا ہےاوراس کا متن بھی خالد بن مخلد کی روایت کے متن سے قدرے مختلف ہے،ہم درج ذیل عبارت میں مسند احمد کی سند اور متن مع ترجمہ کے ذکر کررہے ہیں تا کہ پورا کشف ہوجائے:

۲۶۱۹۳۔حدثنا حماد وابوالمنذر ، قالا: حدثنا عبدالواحد مولی عروة، عن عروة عن عائشة: قالت: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال الله عزوجل : من اذل لی ولیا فقد استحل محاربتی وما تقرب الی عبدی بمثل اداء الفرائض، وما یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبه، ان سالنی اعطیته، وان دعانی اجبته، ما ترددت عن شیء انا فاعله ترددی عن وفاته لانه یکره الموت، واکره مساءته، قال ابی: وقال ابوالمنذر: قال: حدثنی عروة، قال: حدثنی عائشة ،وقال ابو المنذر: آذی لی۔

ہمیں حماد نے اور ابوالمنذر نے حدیث بیان کی،ان دونوں نے کہا کہ ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی جو عروہ کے آزاد شدہ غلام ہیں از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: جس نے میرے ولی کی تذلیل کی اس نے میرے ساتھ جنگ کو حلال کر لیا، اور میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کی مثل سے کسی چیز سے میرا تقرب حاصل نہیں کرتا اور بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کرتا ہوں، اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اس کو قبول کرتا ہوں، اور میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس کے کرنے میں ایسا تردد نہیں کرتا جیسا تردد میں اس بندہ کی

(مسند احمد: ۲۶۱۹۳، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

وفات میں کرتا ہوں، کیونکہ وہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہوں، میرے والد نے کہا: اور ابوالمنذر نے کہا: کہ مجھے عروہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی اور ابوالمنذر نے کہا: جس نے میرے ولی کو ایذاء دی۔

یہ حدیث مسند احمد کے درج ذیل نسخوں میں بھی مذکور ہے:

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۶، دارالفکر طبع قدیم)، (مسند احمد ج ۶ ص ۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۳ھ)

(مسند احمد ج ۸ ص ۵۰۶، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۱۹ھ)، (مسند احمد رقم الحدیث: ۲۶۰۷۱، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۱۶ھ)

(مسند احمد: ۲۶۱۹۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

حدیث مذکور کی مزید تخریج

مسند احمد کے مخرجین شعیب الارنؤوط اور دیگر نے اس حدیث کی درج ذیل تخریج کی ہے:

امام ابن ابی الدنیا نے ''الاولیاء: ۴۵'' میں اور امام بیہقی نے ''کتاب الزہد: ۶۹۸۔۶۹۹'' میں اس حدیث کی از ابوالمنذر اسماعیل بن عمر اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: ''جب میں اس بندہ کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا دل ہوجاتا ہوں جس سے وہ تعقل کرتا ہے اور اس کی زبان ہوجاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔

اور امام بزار نے ''۳۶۴۷ اور ۳۶۴۷'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۵ میں'' اس کی مختصراً روایت کی ہے از ابوعامر العقدی اور امام القضاعی نے ''مسند الشہاب: ۱۴۵۷ میں'' اس حدیث کی از ابوطلحہ بن یحییٰ روایت کی ہے اور یہ دونوں روایتیں بھی عبدالواحد سے ہیں اور اس میں بھی وہ اضافہ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، امام بزار نے کہا: اس روایت میں عبدالواحد متفرد ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یعقوب بن مجاہد ابوحذرۃ نے بھی اس کی متابعت کی ہے۔

امام طبرانی نے اس حدیث کی ''المعجم الاوسط: ۹۳۴۸ میں'' از ہارون بن کامل از سعید بن ابی مریم از ابراہیم بن سوید از یعقوب بن مجاہد ابوحذرۃ از عروہ بن زبیر روایت کی ہے۔

حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۴ھ نے ''مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۶۹'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے، اور اس حدیث کی امام بزار، امام احمد اور امام طبرانی کی طرف نسبت کی ہے۔ (حاشیہ مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۶۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ سے ''محاربۃ'' کا معنی

صحیح البخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس سے اعلان جنگ کردیتا ہوں''۔

اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ "محاربة" باب مفاعلہ ہے، اس کا معنی ہے: جانبین سے جنگ کرنا، حالانکہ مخلوق تو اللہ تعالیٰ کی قید میں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے کیسے جنگ کر سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ کا انجام ہلاکت ہے اور اللہ پر کوئی غالب نہیں آ سکتا تو معنی یہ ہے کہ جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی، اس نے اپنے آپ کو اپنی ہلاکت پر پیش کر دیا۔

علامہ الفاکہانی نے کہا ہے: اس حدیث میں شدید تحدید (دھمکی) ہے، کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے جنگ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا اور یہ بلیغ مجاز ہے کیونکہ جو شخص اس کو ناپسند کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے عناد رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے عناد رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ جو شخص اللہ کے ولی سے عداوت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی تکریم کرے گا۔

علامہ الطوفی نے کہا ہے: جب کہ اللہ کا ولی اللہ کی اطاعت کر کے اور اللہ سے ڈر کر اس سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ حفاظت اور نصرت کے ساتھ اس سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ عادت جاری ہے کہ جو دشمن کا دشمن ہوتا ہے وہ دوست ہوتا ہے اور جو دشمن کا دوست ہوتا ہے وہ دشمن ہوتا ہے، پس اللہ کے ولی کا دشمن اللہ کا دشمن ہے، پس جو اللہ کے ولی سے عداوت رکھے وہ ایسا ہے جیسا کہ وہ اللہ کے ولی سے جنگ کرتا ہے اور جو اللہ کے ولی سے جنگ کرتا ہے وہ اللہ سے جنگ کرتا ہے۔

فرائض کی ادائیگی اور نوافل پر مواظبت

اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ علامہ الطوفی نے کہا ہے کہ فرائض کا حکم جزمی ہے اور اس کے ترک پر عذاب ہوتا ہے، اس کے برخلاف نفل نہ تو اس کا حکم جزمی ہے اور نہ اس کے ترک پر عذاب ہوتا ہے، اگرچہ نوافل، فرائض کے ساتھ تحصیل ثواب میں شریک ہیں، پس فرائض زیادہ کامل ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض زیادہ محبوب ہیں اور زیادہ قرب کا سبب ہیں، نیز فرض اصل اور بنیاد ہے اور نفل فرع اور بنیاد کے اوپر کی عمارت ہے۔ اور فرائض کو ان کے طریقہ پر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کا احترام ہے اور اس کی اطاعت کر کے اس کی تعظیم ہے اور ربوبیت کی عظمت کو اور عبودیت کی ذلت کو ظاہر کرنا ہے، پس فرائض کی ادائیگی کے ساتھ تقرب حاصل کرنا عظیم عمل ہے۔ اور جو شخص فرض کو ادا کرتا ہے کبھی عذاب کے خوف سے ادا کرتا ہے اور جو نفل کو ادا کرتا ہے وہ صرف خدمت کو ترجیح دینے کے لیے کرتا ہے۔ پس اس کو محبت کی جزاء دی جائے گی جو اللہ کی خدمت سے تقرب حاصل کرتا ہے۔

فرائض نوافل سے زیادہ اہم ہیں تو ان سے اللہ کی محبت کیونکر حاصل نہیں ہوگی؟

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بندہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت نوافل کے لزوم سے تقرب کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فرائض اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام عبادات سے زیادہ پسندیدہ ہیں تو ان کی ادائیگی سے محبت کیونکر حاصل نہیں ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نوافل سے مراد وہ ہیں جو فرائض کو بھی شامل ہوں اور فرائض پر مشتمل ہوں اور فرائض کے مکمل ہوں اور اس کی تائید حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ: اے ابن آدم! میرے پاس جو اجر ہے تو اس کو اس وقت پا سکے گا

جب تو ان کاموں کو کرلے جو میں نے تجھ پر فرض کیے ہیں۔

علامہ الفاکہانی نے کہا ہے کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب بندہ فرائض کو ادا کرے اور نوافل کی ادائیگی میں دوام کرے یعنی نفلی نمازیں پڑھے، نفلی روزے رکھے اور دیگر نفلی عبادات کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوگی۔

اور علامہ ابن ہبیرہ نے کہا ہے کہ نفل فرض پر مقدم نہیں ہوتے، کیونکہ نفل کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ وہ فرائض پر زائد ہوتے ہیں پس جب تک فرض کو ادا نہ کیا جائے تو نفل حاصل نہیں ہوگا۔ اور جس نے فرض کو ادا کیا، پھر اس پر نوافل کو زیادہ ادا کیا تو اس سے تقرب کا ارادہ محقق ہوگا۔ نیز عادت جاری اس طرح ہے کہ تقرب غالباً واجبات کے بغیر ہوتا ہے جیسے ہدیہ اور تحفہ دینے سے محبت ہوتی ہے، اس کے برخلاف جو خراج ادا کرتا ہے یا جو اس کے ذمہ قرض ہو اس کو ادا کرتا ہے تو اس سے محبت نہیں ہوتی۔ نیز تمام نوافل فرائض کی تکمیل کے لیے مشروع کیے گئے ہیں جیسا کہ امام مسلم کی اس روایت میں ہے: ''دیکھو میرے بندہ کی کوئی نفلی عبادت ہے تو اس سے اس کے فرض کو کامل کر دیا جائے''۔ اس سے واضح ہوا کہ نوافل کے ساتھ تقرب سے مراد یہ ہے کہ جس نے فرائض کو ادا کیا نہ وہ کہ جس نے فرائض میں کمی کی جیسا کہ بعض اکابر نے کہا ہے: جس کو فرائض کی ادائیگی نوافل سے مشغول رکھے وہ معذور ہے اور جس کو نوافل کی ادائیگی فرائض سے مشغول رکھے وہ مغرور ہے۔

اللہ تعالیٰ بندہ کے کان اور آنکھ ہو جاتا ہے، اس کی توجیہات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ''اللہ بندہ کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسی طرح اس کے کان اور ہاتھ اور پیر ہو جاتا ہے اور اس کا دل ہو جاتا ہے جس سے وہ تصرف کرتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے ''اور اس کا قلب ہو جاتا ہے جس سے وہ تعقل کرتا ہے''۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''میں جس سے محبت کرتا ہوں اس کے کان، آنکھ اور ہاتھ ہو جاتا ہوں''۔

اس حدیث پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ باری جل وعلا کیسے بندہ کے کان اور آنکھ ہو جائے گا اور اس اشکال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث بطور تمثیل کے وارد ہے اور اس کا معنی یہ ہے: میں بندہ کے کان اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں کیونکہ وہ میرے حکم کو ترجیح دیتا ہے، پس وہ میری طاعت سے محبت کرتا ہے اور میری خدمت کو ترجیح دیتا ہے جیسا کہ وہ ان اعضاء سے محبت رکھتا ہے۔

(۲) بندہ بالکلیہ میرے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، پس وہ اپنے کان سے وہی بات سنتا ہے جو بات مجھے راضی کرے اور اپنی آنکھ سے وہی دیکھتا ہے جس کا میں نے اسے حکم دیا ہے۔

(۳) میں بندہ کے مقاصد مہیا کر دیتا ہوں گویا کہ وہ ان مقاصد کو اللہ تعالیٰ کی سماعت اور بصر سے حاصل کرتا ہے۔

(۴) میں بندہ کی نصرت اور مدد میں اس کے کانوں اور اس کی آنکھ کی طرح ہو جاتا ہوں اور اس کے ہاتھوں اور اس کے پیروں کی طرح ہو جاتا ہوں تاکہ وہ اپنے دشمن کا مقابلہ کرے۔

(۵) علامہ فاکہانی اور علامہ ابن ہبیرہ نے کہا ہے کہ یہاں پر مضاف حذف ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ میں اس کے کانوں کا محافظ ہو جاتا ہوں جس سے وہ کوئی بات سنتا ہے، پس وہ اسی چیز کو سنتا ہے جس کا سننا جائز ہوتا ہے اور وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کا دیکھنا جائز ہوتا ہے۔

(٦) علامہ الفاکہانی نے کہا ہے: اس حدیث میں سمع بمعنی مسموع کے ہے، یعنی وہ صرف میرے ذکر کو سنتا ہے اور صرف میری کتاب کی تلاوت سے لذت حاصل کرتا ہے اور صرف مجھ سے مناجات کرنے سے اُنس حاصل کرتا ہے اور وہ ملکوت کے عجائب میں نظر نہیں کرتا اور صرف اسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جس میں میری رضا ہوتی ہے۔

علامہ الطوفی نے کہا ہے: قابل ذکر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ مجاز ہے اور بندہ کی نصرت اور اس کی تائید اور اس کی اعانت سے کنایہ ہے گویا کہ اللہ سبحانہٗ نے اپنی ذات کو بندہ کے آلات کے منزلہ میں نازل فرمایا۔ اسی وجہ سے ایک روایت میں ہے: ''پس وہ مجھ سے سنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے''۔ اور انہوں نے کہا کہ اتحادیہ کا یہ زعم ہے کہ یہ مجاز نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے اور حق تعالیٰ بندہ کا عین ہو جاتا ہے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ حضرت جبریل، حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں آتے تھے، انہوں نے کہا: وہ روحانی ہیں، پس وہ اپنی صورت کو الگ کر دیتے اور بشر کے مظہر میں ظاہر ہوتے تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اس پر زیادہ قادر ہے کہ وہ وجود کلی کی صورت میں ظاہر ہو۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس بات سے جو ظالمین کہتے ہیں۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ مثالیں ہیں اور ان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنے اعضاء کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے جن سے اللہ کی محبت آسان ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اعضاء کو محفوظ رکھتا ہے اور ان کو ان اعضاء کے ساتھ ان کاموں سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہوں اور ان باتوں کے سننے سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہوں، اور ان چیزوں کو دیکھنے سے بچاتا ہے جن کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور ان چیزوں کو پکڑنے سے بچاتا ہے جن کو پکڑنا اس کے لیے جائز نہیں ہے اور کسی باطل چیز کی طرف جانے سے اس کے پیروں کو بچاتا ہے۔ علامہ داؤدی نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔

(٧) علامہ خطابی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بندہ کے کان ہو جاتا ہوں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی دعا کو بہت جلدی قبول کرتا ہے اور اس کو اس کی طلب میں کامیاب کرتا ہے۔

امام بیہقی نے کتاب الزہد میں لکھا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ کانوں سے کسی بات کے سننے کی بہ نسبت میں بندہ کی ضروریات کو پورا کرنے میں بہت جلدی کرتا ہوں۔ اور کسی چیز کو دیکھنے کی اور کسی چیز کو چھونے کی اور کہیں چل کر جانے کی بہ نسبت اس کی ضرورت کو بہت جلد پورا کرتا ہوں۔

اور بعض متاخرین صوفیاء نے اس حدیث کو مقامِ فناء اور محو پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ یہی وہ مقصود ہے جس کے علاوہ اور کوئی چیز مقصود نہیں ہے۔

اور بعض گمراہ لوگوں نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ جب بندہ عباداتِ ظاہرہ اور عباداتِ باطنہ کو لازم کر لیتا ہے حتیٰ کہ میل سے صاف ہو جاتا ہے تو وہ حق تعالیٰ کے معنی میں ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ وہ اپنے نفس کو فناء کر دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی ذات میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور یہ اسباب اس کے شہود میں محض عدم ہو جاتے ہیں اگرچہ خارج میں معدوم نہیں ہوتے۔ اور ہر تقدیر پر اس حدیث میں اتحادیہ کی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو وحدتِ مطلقہ کے قائلین ہیں، کیونکہ اس حدیث کے آخر میں ہے ''اور اگر بندہ مجھ سے سوال کرے، اور اگر بندہ مجھ سے پناہ طلب کرے'' سو اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے تو پھر بندہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیسے کرے گا اور اس سے کیسے پناہ طلب کرے گا۔

بعض دعاؤں کے قبول نہ ہونے پر اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر وہ بندۂ محبوب مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ عطا کرتا ہوں"۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عُبّاد اور صلحاء کی جماعت نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بہت مبالغہ کیا اور ان کی دعا قبول نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی مقبولیت کئی طرح ہوتی ہے، کبھی تو فی الفور بعینہٖ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کی وجہ سے وہ مطلوب تاخیر سے حاصل ہوتا ہے، اور کبھی مطلوب کا غیر حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ مطلوب میں کوئی حکمت نہیں ہوتی اور کوئی مصلحت نہیں ہوتی، اس لیے اللہ تعالیٰ وہ چیز عطا فرماتا ہے جس میں بندہ کی مصلحت ہوتی ہے۔

کسی بندہ کے دل میں آئی ہوئی بات اسی وقت شرعاً معتبر ہے جب وہ کتاب وسنت کے موافق ہو

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ "وہ بندہ میرے اولیاء اور اصفیاء کے ساتھ ہوگا اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ جنت میں ہوگا"۔ اور بعض جاہلوں نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ بندہ اہل تجلی میں سے ہے، پس انہوں نے کہا کہ جب اس کا قلب اللہ تعالیٰ کے ساتھ محفوظ ہو تو اس کے دل میں آنے والی باتیں خطا سے محفوظ ہوں گی، اور اس پر اہل تحقیق نے رد کیا ہے کہ دل میں آنے والی وہی بات برحق ہے جو کتاب وسنت کے موافق ہو۔ اور عصمت صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اور ان کے ماسوا سے کبھی خطاء ہو جاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راس الملھمین ہیں اس کے باوجود بسا اوقات ان کی ایک رائے ہوتی اور وہ صحابہ کو اپنی رائے کی خبر دیتے اور صحابہ اس کے خلاف مشورہ دیتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔ تو جس نے یہ گمان کیا کہ بندہ کے دل میں جو بات آتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حکم کے مقابلہ میں کافی ہے، اس نے عظیم خطاء کا ارتکاب کیا۔ اور بعض جاہلوں نے اور مبالغہ کیا، انہوں نے کہا: "میرے دل میں میرے رب نے مجھ سے کہا ہے"، یہ بہت شدید خطاء ہے، کیونکہ یہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ اس کے دل میں شیطان نے بات کی ہو۔ واللہ المستعان

اللہ تعالیٰ کے تردد کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "میں جس کام کو کرنے والا ہوں اس میں اتنا تردد نہیں کرتا جتنا مومن کی روح قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہوں"۔

علامہ الکلاباذی نے یہ کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے فعل کی صفت کو ذات کی صفت سے تعبیر کیا ہے اور تردید کو تردد سے تعبیر کیا ہے، یعنی بندہ کے دل میں جو زندگی سے محبت ہے اس کو موت سے محبت کی طرف لوٹا دیتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ بندہ کے دل میں اللہ سے ملاقات کا شوق پیدا کرتا ہے، سو وہ بندہ موت کا مشتاق ہو جاتا ہے چہ جائیکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بندہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ سبحانہٗ اس کی رنجیدگی کو ناپسند کرتا ہے، پس اس سے موت کی ناپسندیدگی کو زائل کر دیتا ہے، کیونکہ اس کے اوپر ایسے احوال وارد کرتا ہے، پھر اس حال میں اس کو موت آتی ہے کہ وہ موت کا مشتاق ہوتا ہے۔

اور علامہ ابن الجوزی نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ حدیث میں اللہ تعالیٰ کے تردد کا ذکر ہے اور مراد اس سے ملائکہ کا تردد ہے

جو بندہ کی روح کو قبض کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ نے ملائکہ کے تردد کو اپنی طرف منسوب اس لیے کیا کہ ان کا تردد کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب فرشتہ کو روح قبض کرنے کا حکم دیا ہے تو وہ کیسے تردد کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اس وقت تردد کرتا ہے جب اس کے لیے وقت مقرر نہیں کیا جاتا، گویا کہ اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کی روح اس وقت قبض کرنا جب یہ راضی ہو۔ پھر علامہ ابن الجوزی نے تیسرا جواب ذکر کیا کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تردد کا معنی لطف ہو، گویا کہ فرشتہ روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہے، کیونکہ جب وہ بندۂ مومن کی قدر و منزلت کو دیکھتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ اس سے دنیا والوں کو بہت فائدہ حاصل ہورہا ہے تو اس کا احترام کرتا ہے اور اس کی روح کو قبض کرنے کے لیے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا، پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد کرتا ہے تو اس کی تعمیل کے سوا اس کے لیے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

اور علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندۂ مومن کی روح تاخیر سے قبض کرتا ہے اور تدریجاً قبض کرتا ہے، اس کے برخلاف باقی جو امور ہیں تو اللہ تعالیٰ محض کُن فرماتا ہے اور وہ امور واقع ہوجاتے ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کی قدر و منزلت بہت عظیم ہے، کیونکہ وہ اپنی تدبیر سے نکل کر اپنے رب کی تدبیر میں داخل ہوگیا۔ اور وہ خود اپنا بدلہ لینے سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے بدلہ لینے میں داخل ہوگیا۔ اور اپنی قوت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی قوت میں داخل ہوگیا۔

(۲) جو شخص کسی ولی کو ایذاء پہنچائے اور پھر فوراً اس پر کوئی مصیبت نہ آئے یا اس کے مال میں یا اس کی اولاد میں تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام سے بچ گیا، کیونکہ اس پر کوئی اور مصیبت آسکتی ہے جو اس سے زیادہ شدید ہوگی۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے جو بندہ پر احکام فرض کیے ہیں خواہ وہ ظاہری ہوں جیسے نماز، زکوٰۃ اور دیگر عبادات یا جن چیزوں کا ترک فرض کیا ہے جیسے زنا اور قتل وغیرہ جو محرمات میں سے ہیں اور اس میں فرائضِ باطنہ بھی داخل ہیں جیسے اللہ کی معرفت کا حصول اور اس سے محبت اور اللہ پر توکل کرنا اور اللہ سے ڈرنا۔

(۴) اور اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اللہ کا ولی مغیبات پر اللہ کی اطلاع سے مطلع ہوجاتا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ قرآن مجید میں ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ (الجن: ۲۶۔۲۷)

وہ ہر غیب کا جاننے والا ہے، سو وہ اپنے ہر غیب پر کسی کو مکمل مطلع نہیں فرماتا ○ ماسوا ان کے جن کو اس نے پسند فرمالیا ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں، سو وہ اس رسول کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر فرمادیتا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر اپنے غیب کو بالذات ظاہر فرماتا ہے اور اولیاء اللہ پر اپنے غیب کو انبیاء علیہم السلام کی متابعت میں ظاہر فرماتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۰۔۵۶۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کے اہم نکات کو ذکر کر دیا ہے لیکن ہم نے چاہا کہ حافظ ابن حجر کے نکات کو ان کی اصل عبارات کے ضمن میں پیش کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٣٩۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ

نبی ﷺ کا ارشاد: مجھے اور قیامت کو (ان دو) انگلیوں کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (النحل:٧٧)

اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہوگا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس عنوان میں "ساعة" کے لفظ پر زبر بھی ہے اور پیش بھی ہے، اگر اس پر زبر ہو تو یہ واؤ بمعنی مع کے ہے یعنی مجھے قیامت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس پر پیش مستحسن ہے اور "بُعثتُ" میں جو ضمیر مجہول ہے اس کا اس پر عطف ہے۔ اور "کھاتین" کا معنی ہے: دو انگلیوں کی مثل ہے یعنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی۔

باب میں مذکور آیت کی شرح از علامہ عینی

اس آیت کا معنی ہے: "اور قیامت کا وقوع صرف پلک جھپکنے میں یا اس سے بھی جلد ہوگا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ یعنی قیامت کا معاملہ اتنی سرعت کے ساتھ ہوگا جتنی سرعت میں پلک جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٣٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٥٠٣۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ هَكَذَا وَيُشِيرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّ بِهِمَا۔

(صحیح مسلم: ٢٩٥٠، مسند احمد: ٢٢٢٩٠)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو غسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو اس طرح بھیجا گیا ہے اور آپ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا اور ان کو کھینچا۔

صحیح البخاری: ٦٥٠٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث باب کے عنوان کے معنی کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی مریم، اور وہ سعید بن محمد بن الحکم بن مریم المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو غسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، یہ حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں انگلیوں کو کھینچتے'' تا کہ وہ دو انگلیاں باقی انگلیوں سے ممتاز ہو جائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۴۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ هُوَ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ وَأَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ۔

(صحیح مسلم: ۲۹۵۱، مسند احمد: ۱۱۹۱۳، سنن دارمی: ۲۷۵۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی اور وہ الجعفی ہیں۔ انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ اور ابی التیاح از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے اپنا یہ ارشاد فرمایا کہ مجھے اور قیامت کو ان دو کی مثل بھیجا گیا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث بھی باب کے عنوان کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجعفی، اس میں جعف بن سعد کی طرف نسبت ہے جو مذحج کا قبیلہ ہے۔ الجوہری نے کہا: یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ ہیں اور نسبت اسی طرح سے ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو التیاح، اور ان کا نام یزید ہے اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن حمید، وہ الضبعی البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے ''کھاتین'' یعنی ان دو کی مثل۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے جیسے انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی لمبائی میں ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کا معاملہ قریب ہے اور وہ جلد آنے والی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمٰن: ۳۴) بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اور کسی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہے، تو آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ قیامت عنقریب واقع ہونے والی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے: معلوم یہ ہے کہ وہ قریب آنے والی ہے اور اس کی ذات مجہول ہے، پس آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۳۹۔ ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ يَعْنِي إِصْبَعَيْنِ تَابَعَهُ إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۴، صحیح مسلم: 2951، مسند احمد: 11913، سنن دارمی: 2759)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر نے خبر دی از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دو کی مثل بھیجا گیا ہے، یعنی دو انگلیوں کی مثل بھیجا گیا ہے۔

اسرائیل نے ابوبکر کی اس حدیث میں متابعت کی ہے از ابو حصین۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ حدیث بھی باب کے عنوان کو متضمن ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن یوسف، یہ ابو زکریا الزمی ہیں اور اس حدیث میں مذکور ہے ابو بکر، وہ ابن عیاش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو حصین کا ذکر ہے، وہ عثمان بن عاصم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو صالح کا ذکر ہے، وہ ذکوان الزیات ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی سرح میں لکھتے ہیں:

ان دو انگلیوں کی مثل کا مصداق

یعنی مجھے اور قیامت کو انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی مثل مبعوث کیا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے اور قیامت کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہے جیسے ان دو انگلیوں کے طول میں تھوڑا فاصلہ ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ اس امت کو آدھے دن تک مؤخر کر دے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۰، المستدرک ج ۴ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴)، یعنی پانچ سو سال تک۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۵۰)

حضرت زمل الخزاعی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، اس میں مذکور ہے: یارسول اللہ! میں نے دیکھا آپ ایک منبر پر ہیں جس کی سات سیڑھیاں ہیں اور آپ کے پہلو میں ایک دبلی اونٹنی ہے گویا کہ آپ اس کی صفت بیان کر رہے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹنی سے مراد قیامت کا وقوع ہے جس سے آپ نے ڈرایا۔ اور آپ نے منبر کی سیڑھیوں کے متعلق فرمایا: دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور مجھے اس کے آخر میں بھیجا گیا ہے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں:

یہ حدیث اگرچہ ضعیف الاسناد ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متعدد صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے، انہوں نے کہا: دنیا کے سات دن ہیں اور ہر دن ہزار سال کا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری ہزار میں مبعوث کیے گئے ہیں۔

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر یہ حدیث مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اس حدیث کا مدلول تو یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ایک ہزار سال بعد قیامت آجائے گی لیکن اب تو چودہ سو چونتیس سال گزر گئے اور ابھی تک قیامت نہیں آئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور اس حدیث کی تاویل میں اور وجوہ بھی ذکر کی گئی ہیں یعنی آپ کے اور قیامت کے درمیان آپ کے سوا اور کوئی نبی نہیں ہوگا اور نہ آپ کی شریعت کے سوا کسی اور نبی کی شریعت ہوگی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ صحیح البخاری: ۵۰ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس سے قیامت کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ اس کو سائل سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے''۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں تھا اور اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کو قیامت کا علم تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۸۷)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کب آئے گی؟ آپ کہیے کہ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے، اس کے وقت پر صرف وہی اس کو ظہور میں لائے گا، آسمانوں اور زمینوں پر قیامت بہت بھاری ہے، وہ تمہارے پاس اچانک ہی آئے گی، وہ آپ سے اس کے متعلق اس طرح سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی جستجو میں ہیں، آپ کہیے: اس کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے O

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کا علم نہ آپ کو ہے اور نہ کسی اور کو، یعنی قیامت کے وقوع کا علم۔ اور اس باب کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، پس آپ کے قریب اور کوئی نبی نہیں ہے، آپ کے قریب قیامت ہے جیسے انگشت

شہادت درمیانی انگلی کے قریب ہوتی ہے اور درمیان میں کوئی انگلی نہیں ہوتی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کو قیامت کا علم ہو۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج۲۹ ص ۵۹۳۔۵۹۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: قرآن مجید کی آیت مذکورہ اور اسی طرح کی ایسی دیگر آیات کا محمل یہ ہے کہ قیامت کا بالذات اور بلاواسطہ علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام میں سے جس کو چاہے گا قیامت کے وقوع پر مطلع فرمائے گا اور جو فرشتہ قیامت کے دن صور پھونکے گا اس کو تو بہر حال وقوع قیامت کا علم ہو جائے گا، اس لیے از خود اپنے قیاس سے کسی کو قیامت کے وقوع کا علم نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو قیامت کا علم عطا فرمائے گا اس کو قیامت کا علم ہو جائے گا۔ اور متعدد مفسرین نے تصریح کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وقوع قیامت کا علم دیا گیا اور آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس کو مخفی رکھیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیا کی مقدار کے متعلق اقوال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے

امام طبری اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور چھ ہزار سال گزر چکے ہیں، گویا اب قیامت کے آنے میں ایک ہزار سال رہ گئے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس بحث کے آخر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے O

(المعارج: ۴)

معمر نے کہا: دنیا اول سے لے کر آخر تک اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کتنے سال گزر چکے ہیں اور کتنے سال باقی ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۶۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

دنیا کی عمر ختم ہونے میں کتنی مدت باقی ہے؟

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور ذکر کیا ہے کہ اس امت کی مدت ایک ہزار سال ہے اور ایک ہزار سال کے بعد صرف پانچ سو سال کا اضافہ ہوگا اور انہوں نے اس پر ان احادیث اور آثار سے استدلال کیا ہے جن کو انہوں نے اپنے اس رسالہ میں ذکر کیا ہے: ''الکشف عن مجاوزۃ ھذہ الامۃ الالف''۔

علامہ آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

ہم جس سال میں ہیں اس سال میں ابھی تک امام مہدی کا ظہور نہیں ہوا اور اس سے ان لوگوں کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے۔

یہ جہان کب سے بنا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی طرح دنیا کی عمر کو بھی اور انسانیت کی ابتداء کو اور اس جہان میں انسانوں کی بقاء کو اور برزخ میں کتنا عرصہ رہیں گے ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس باب میں جو کچھ بھی وارد ہے وہ امور ظنیہ ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

(تفسیر روح المعانی جز۹ ص۱۹۶۔۱۹۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہم پندرھویں صدی ہجری میں ہیں اور ابھی تک قیامت واقع نہیں ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کب واقع ہوگی اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت دونوں اس طرح متصل ہیں جیسے انگشتِ سبابہ اور درمیانی انگلی، یعنی قیامت کا معاملہ قریب ہے۔ اور اس حدیث سے غرض یہ ہے کہ لوگوں کو عملِ صالح پر برانگیختہ کیا جائے اس سے پہلے کہ قیامت اچانک آجائے اور ان کو پتا بھی نہ ہو۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۰۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۰۔ بَابٌ

باب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں اسی طرح صرف لفظِ باب لکھا ہوا ہے اور اس کا کوئی عنوان ذکر نہیں کیا اور یہ بمنزلہ فصل ہے۔ اور اس کی حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے باب میں ہے اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے "باب طلوع الشمس من مغربها" اور ہر دو تقدیر پر اس باب کی اور اس سے پہلے والے باب کے درمیان مناسبت ظاہر ہے، کیونکہ سورج کا مغرب سے طلوع اس وقت ہوگا جب قیامت کا وقوع قریب ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۶۔ بَاب حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ فَرَآهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ فَذَلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام:۱۵۸) وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أَحَدُكُمْ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔ پس جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس کو تمام لوگ دیکھیں گے اور سب اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا "جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو" (الانعام:۱۵۸)، اور ضرور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ دو مرد اپنے درمیان کپڑے کو کھول رہے ہوں گے نہ اس کی خرید و فروخت کریں گے اور نہ اس کو لپیٹیں گے اور ضرور

قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ ایک مرد اپنی اونٹنی کے دودھ کو لے کر مڑے گا اور اسے پی نہیں سکے گا اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ ایک شخص اپنے حوض کو درست کر رہا ہوگا اور اس حوض سے پانی نہیں پی سکے گا، اور ضرور قیامت قائم ہوگی اس حال میں کہ تم میں سے کوئی ایک اپنا لقمہ منہ کی طرف لے کر جائے گا اور اس کو کھا نہیں سکے گا۔

(صحیح البخاری:۸۵، صحیح مسلم:۱۵۷، سنن ابوداؤد:۴۳۱۲، سنن ابن ماجہ:۴۰۶۸، مسند احمد:۷۱۲۱)

صحیح البخاری:۶۵۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور شعیب کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور عبدالرحمٰن کا ذکر ہے، وہ ابن ہرمز الاعراج ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یہ حدیث مختصر ہے اور پوری حدیث کتاب الفتن کے اواخر میں اسی سند کے ساتھ آئے گی جس کے شروع میں ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دو بڑی جماعتیں آپس میں قتال کریں اور اس میں تقریباً دس چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، پھر اس کا ذکر اختصار سے کیا گیا ہے جو اس باب میں مذکور ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اہل ہیئت نے بیان کیا ہے کہ فلکیات بسیطہ ہیں، ان کے تقاضے مختلف نہیں ہیں، لہٰذا ان پر قیامت واقع نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ جواب دیا ہے کہ ان کے قواعد ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کے مقدمات ممنوع ہیں۔

سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کا بیان

اس باب میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس کے متعلق امام طبری لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو کافر مغرب سے سورج کے طلوع سے پہلے ایمان نہ لایا ہو تو سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد اس کو اپنے ایمان سے فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس وقت ایمان لانا اور عمل صالحہ کرنا اس کے حکم میں ہے جب کوئی آدمی غرغرہ موت کے وقت ایمان لائے یا عمل صالح کرے۔ اور اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (غافر:۸۵)

پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، یہ اللہ کا اس کے بندوں میں قدیم دستور ہے اور اس وقت کافر بہت نقصان میں رہے O

جیسا کہ حدیثِ صحیح میں ہے کہ بندہ کی توبہ اس وقت تک قبول ہوگی جب تک وہ غرغرہ موت میں نہ ہو (غرغرہ کا مطلب یہ ہے کہ روح اس کے جسم سے نکل کر حلقوم تک پہنچ جائے۔ سعیدی غفرلہٗ)، نیز قرآن مجید میں ہے:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ (الانعام:۱۵۸)

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو، آپ کہیے کہ تم بھی انتظار کرو (اور) ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ۝

علامہ ابن عطیہ نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ الانعام:۱۵۸ میں جو بعض آیات کا ذکر ہے اس سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے اور جمہور علماء کا یہی موقف ہے۔

جان لو کہ سورج اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چلتا ہے اور اس کی قدرت سے غروب ہوتا ہے۔ اور غروب کے وقت سجدہ کرتا ہے، پھر اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو اجازت دی جاتی ہے، پھر ایک مطلع کی طرف لوٹتا ہے، پس جب وہ رات ہوگی تو اس کو دوسرے مطلع کی طرف طلوع ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی، پھر اس کو اجازت دی جائے گی اور اس کے طلوع کا وقت گزر چکا ہوگا۔ پھر چلتا رہے گا، پھر وہ جان لے گا کہ وہ باقی رات تک نہیں پہنچ سکے گا، پھر وہ مغرب کی طرف لوٹ آئے گا اور پھر وہاں سے طلوع ہوگا، پس جو شخص پہلے کافر تھا اس کو اس وقت کا ایمان نفع نہیں دے گا، اور جو مومن گناہ گار تھا اس کو اس کی توبہ فائدہ نہیں دے گی۔ اور امام ترمذی نے حضرت صفوان بن عسان رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مغرب میں ایک دروازہ توبہ کے لیے کھلا ہوا ہے اور وہ دروازہ ستر سال کی مسافت پر مشتمل ہے، وہ دروازہ بند نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۱۔ ۱۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۰۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقوعِ قیامت کی علامات

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب وہ نکل آئیں گی تو کسی نفس کو اس کے ایمان سے فائدہ نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دجال (۳) دابۃ الارض۔ (صحیح مسلم:۱۵۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ چیزوں سے پہلے عمل کرلو: (۱) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دھواں (۳) دجال (۴) دابۃ الارض (۵) تم میں سے کسی ایک کی موت (۶) یا سب کی موت یعنی قیامت۔ (صحیح مسلم:۲۹۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ (صحیح مسلم:۲۷۰۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، پس جب سورج غروب

ہو گیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: سورج جاتا ہے اور اللہ عزوجل سے اجازت طلب کرتا ہے اور اس کو اجازت دی جاتی ہے، پس گویا کہ اس کو کہا جاتا ہے کہ جہاں سے وہ آیا تھا وہیں لوٹ جائے۔ تو پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ (صحیح البخاری: ۷۴۲۴)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت ایک چیخ کی آواز آئے گی جس سے اکثر لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ پس جو اس وقت اسلام لایا یا جس نے اس وقت توبہ کی اور ہلاک ہو گیا تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ (تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۵۲۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۵۹۹۔ ۶۰۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۱۔ بَابُ: مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ

جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب رکھے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ خطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ بندہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور دنیا میں لمبے قیام کو پسند نہ کرے لیکن دنیا سے آخرت کی طرف رحلت کی تیاری کرے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرنا اس کے برخلاف ہے یعنی وہ دنیا میں لمبے قیام کو ناپسند کرے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے محبت کرنا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو خیر پہنچانے کا ارادہ فرمائے اور اس کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے ملاقات کو ناپسند کرنا اس کے برخلاف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذَاكِ وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ اخْتَصَرَهُ أَبُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھی تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہے، اور جس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا آپ کی دوسری ازواج مطہرات نے کہا: بے شک ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ بات نہیں ہے لیکن مومن پر جب موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی

دَاوُدَ وَعَمْرٌو عَنْ شُعْبَةَ وَقَالَ سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم.

رضا اور اس کی تکریم کی بشارت دی جاتی ہے، پس اس کے نزدیک اس سے زیادہ اور کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی جو اس سے آگے پیش آنے والی ہے، سو وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے، اور بے شک کافر پر جب موت آتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے، پس اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسند نہیں ہوتی جو اس کے سامنے پیش آنے والی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

ابوداؤد اور عمرو نے اس حدیث کو شعبہ سے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سعید نے کہا از قتادہ از زرارہ از سعد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح مسلم: ۲۶۸۳، سنن ترمذی: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۱۸۳۶، مسند احمد: ۲۲۱۸۸، سنن دارمی: ۲۷۵۶)

صحیح البخاری: ۶۵۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان اس حدیث کا جز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حجاج کا ذکر ہے، یہ ابن المنہال البصری ہیں اور یہ امام بخاری کے بعض شیوخ میں سے ہیں۔ ۲۱۷ھ میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن یحییٰ ہیں اور اس حدیث کی حضرت انس نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور یہ دونوں صحابی ہیں، سو اس حدیث کی سند میں صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے"۔

حدیث مذکور میں جملہ شرطیہ ہے یا خبریہ

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس جملہ میں شرط، جزاء کا سبب نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور اس حدیث کی تاویل یہ ہے.

کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے اور اسی طرح کراہت کا معاملہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس جملہ میں ''مَن'' خبریہ ہے اور شرطیہ نہیں ہے، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات کی محبت کا سبب ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے کہ جس بندہ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھی تو یہ وہی بندہ ہے جس سے ملاقات کی اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے اور اسی طرح کراہت کا معاملہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کتاب التوحید میں عنقریب حدیث مرفوع آئے گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''جب میرا بندہ میری ملاقات سے محبت کرتا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ ملاقات سے محبت رکھتا ہوں''۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں ''مَن'' شرطیہ ہے اور اس کی نفی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اللہ کی ملاقات سے محبت اور اس کو ناپسند کرنے کی توجیہ

اور علامہ النووی نے کہا ہے کہ جو کراہت معتبر ہے، یہ وہ ہے جو نزع روح کے وقت ہوتی ہے جس حالت میں بندہ کی توبہ قبول نہیں ہوتی، پس اس وقت ہر انسان کے لیے منکشف کر دیا جاتا ہے کہ وہ کس انجام سے دوچار ہونے والا ہے۔ سو اہل سعادت موت کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند کرتے ہیں تاکہ وہ ان نعمتوں کی طرف منتقل ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ملاقات کو پسند فرماتا ہے تاکہ ان کو عظیم اجر عطا فرمائے اور عزت و کرامت عطا فرمائے۔ اور اہل شقاوت اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ کس عذاب کی طرف اور برے انجام کی طرف منتقل ہونے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور ان کے لیے خیر کا ارادہ نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اقسام

علامہ الخطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ سے ملاقات کئی قسم پر ہے، ان میں سے ایک قسم اللہ تعالیٰ کی رویت اور معائنہ ہے یعنی آخرت کے احوال کو دیکھنا اور بعث اور نشور ہے، یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا ۙ وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ۝ (الانعام:۳۱)

بے شک ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ سے ملاقات کو جھٹلایا، حتیٰ کہ جب ان کے پاس اچانک قیامت آپہنچے گی تو کہیں گے: ہائے افسوس! ہماری اس تقصیر پر جو اس بارے میں ہم سے ہوئی اور وہ اپنی پیٹھوں پر (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے، سنو! وہ کیسا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے O

اس تقصیر کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اعضائے جسمانیہ اور عقل و فکر کے ساتھ بھیجا تاکہ انسان اپنی قوت عملیہ اور قوت عقلیہ سے نفع حاصل کرے اور وہ نفع ہے اخروی نعمتوں کا اور غیر فانی اجر و ثواب کے حصول کا۔ اور یہ نفع اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے حاصل ہوتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر اور قیامت پر کفار ایمان نہیں لاتے تو ان کو اخروی نعمتوں کا نفع حاصل نہیں ہوتا اور کفر اور معصیت کی وجہ سے وہ ثواب کی

بجائے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

انسان کی سعادت کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اس کی عبادت میں مشغول رہے اور دنیا کی عیاشیوں اور دلفریبیوں سے لاتعلق رہے اور ہر قسم کے گناہوں سے اپنے آپ کو باز رکھے، اور جو شخص قیامت کا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کا منکر ہوگا تو وہ شخص کسی زادِراہ کو تیار نہیں کرے گا۔ اس کے برعکس وہ شخص جو شہوت اور غضب کے تقاضوں میں ڈوب کر اپنے گناہوں کے بوجھ میں اضافہ کرتا رہے گا حتیٰ کہ جب اس کے پاس قیامت آپہنچے گی تو وہ کہے گا ہائے: افسوس! میری اس تقصیر پر جو قیامت کے متعلق مجھ سے ہوئی۔

اور ملاقات کی تیسری قسم موت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۠ (الجمعہ:۸)

آپ کہیے: جس موت سے تم بھاگ رہے ہو وہ تمہیں ضرور پیش آنے والی ہے، پھر تم اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے جو ہر غیب اور شہادت کا جاننے والا ہے، پس وہ تم کو خبر دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے O

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (العنکبوت:۵)

اور جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ بہت سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے O

جیسا کہ حدیث میں ہے ''جو شخص اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ کی اجل ضرور آنے والی ہے''۔

اور علامہ ابن الاثیر نے النہایہ میں کہا: یہاں اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے مراد ہے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہونا اور اللہ کے پاس جو اجر ہے اس کو طلب کرنا اور اس سے غرض موت نہیں ہے، کیونکہ ہر ایک موت کو ناپسند کرتا ہے۔ سو جس نے دنیا کو ترک کیا اور دنیا سے بغض رکھا، وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت رکھتا ہے اور جس نے دنیا کو ترجیح دی اور دنیا کی طرف مائل ہوا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات موت سے حاصل ہوگی۔

موت کو ناپسند کرنے کا وقت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ'' کافر کے پاس جب موت آتی ہے تو اسے اللہ کے عذاب اور سزا کی بشارت دی جاتی ہے، پس اس کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی چیز ناپسندیدہ نہیں ہوتی جو اس کے آگے پیش آنے والی ہے''۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''جو اس کو آگے پیش آنے والی ہے'' یہ موت کو بھی شامل ہے۔ اور اگر تم کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خصوصیت سے نفی کی ہے اور بطریقِ عموم اس کا اثبات کیا ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی صحت کی حالت میں اور اپنے حال پر مطلع ہونے سے پہلے کراہت کی نفی کی ہے اور نزع روح کی حالت میں اور اپنے حال پر مطلع ہونے کے بعد کراہت کا اثبات کیا ہے، لہٰذا اس میں کوئی منافاۃ نہیں

ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۲۔ ۱۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات سے محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۰۷، صحیح مسلم: ۲۶۸۳، سنن ترمذی: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۱۸۳۶، مسند احمد: ۲۲۱۸۸، سنن دارمی: ۲۷۵۶)

صحیح البخاری: ۶۵۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان اس حدیث کا جز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ ابن عبداللہ بن ابی بُردہ ہیں اور ان کا نام الحارث ہے یا عامر ہے۔ بُرید اپنے دادا ابوبردہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوبُردہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الدعوات میں روایت کی ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اس حدیث کی صحت کو مستحکم کرنے کے لیے روایت کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۰۹۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ فِي رِجَالٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ وَهُوَ صَحِيحٌ إِنَّهُ لَمْ يُقْبَضْ نَبِيٌّ قَطُّ حَتَّى يَرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرُ فَلَمَّا نَزَلَ بِهِ وَرَأْسُهُ عَلَى فَخِذِي غُشِيَ عَلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَفَاقَ فَأَشْخَصَ بَصَرَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی اور عروہ بن الزبیر نے اہل علم کے رجال میں خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اور اس وقت آپ تندرست تھے کہ بے شک کسی نبی کی ہرگز روح قبض نہیں کی گئی حتیٰ کہ اس

إِلَى السَّقْفِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى قُلْتُ إِذًا لَا يَخْتَارُنَا وَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَدِيثُ الَّذِي كَانَ يُحَدِّثُنَا بِهِ قَالَتْ فَكَانَتْ تِلْكَ آخِرَ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَ بِهَا النَّبِيُّ ﷺ قَوْلُهُ اللّٰهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى۔

(صحیح البخاری: ۷ ۴۴۳، صحیح مسلم: ۴۴۴ ۲۴، مسند احمد: ۲۴۰۶۲)

نے جنت میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ لیا، پھر اس کو اختیار دیا گیا، پھر جب آپ پر وفات کا نزول ہوا اور اس وقت آپ کا سر میرے زانو پر تھا، آپ پر کچھ دیر کے لیے بے ہوشی طاری ہوئی، پھر آپ ہوش میں آئے، پھر آپ کی نظر بلند ہو کر چھت کی طرف لگ گئی، پھر آپ نے کہا: اے اللہ! الرفیق الاعلیٰ، میں نے (دل میں) کہا: اب آپ ہمیں اختیار نہیں کریں گے اور میں نے جان لیا کہ یہ اسی حدیث کا وقت ہے جو آپ ہمیں بیان فرماتے تھے، پس آخری بات جو نبی ﷺ نے فرمائی وہ آپ کا یہ ارشاد تھا: ''اللھم الرفیق الاعلیٰ''۔

صحیح البخاری: ۶۵۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند فرمایا، جب آپ کو موت اور حیات کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے موت کو اختیار کر لیا کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے محبت تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب نبی ﷺ تندرست تھے، پھر آپ کو اختیار دیا گیا'' یعنی دنیا کی زندگی اور موت کے درمیان اختیار دیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الرفیق الاعلیٰ'' یعنی میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں اور رفیق اعلیٰ سے مراد فرشتے ہیں یا رفیق اعلیٰ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ۝

جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں ○

(النساء: ۶۹)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اب رسول اللہ ﷺ ہمیں اختیار نہیں کریں گے'' یعنی جب آپ نے آسمان والوں کی رفاقت کو اختیار کر لیا تو پھر آپ زمین والوں کی مرافقت کو اختیار نہیں فرمائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

ایک سوال کا جواب

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت ہونی چاہیے اور یہ ملاقات موت کے بغیر ممکن نہیں جب کہ دیگر احادیث میں موت کی تمنا سے منع فرمایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے محل الگ الگ ہیں، جب انسان صحت مند ہو تو اس وقت موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے اور جب موت کا وقت آ جائے اور انسان عالم برزخ کا مشاہدہ کرنے لگے اور اس کو یہ دکھایا جائے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کیا کیا اجر و ثواب تیار کر رکھا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خواہش ہونی چاہیے اور یہ خواہش ممنوع نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔
(ارشاد الساری ج ۱۳ ص ۵۱۲)

صحیح البخاری: ۶۵۰۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے آخری وقت کے متعلق دیگر احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نظر اوپر اٹھ جائے اور سینہ سے آواز نکلنے لگے اور رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور انگلیوں میں تشنج ہو جائے تو یہ وہ وقت ہے کہ جب کوئی شخص اللہ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے۔۔۔۔الحدیث۔ (صحیح مسلم: ۲۶۸۴)

نیز تفسیر عبد بن حُمید میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو اس کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور اس کو توفیق دیتا ہے حتیٰ کہ کہا جاتا ہے: فلاں آدمی خیر کے ساتھ جاں بحق ہوا۔ پس جب اس پر موت کا وقت آتا ہے اور وہ اپنے ثواب کو دیکھتا ہے تو اس کی روح جلدی سے دوڑتی ہے اور یہ اس حدیث کا مصداق ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کی محبت رکھتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو موت سے ایک سال پہلے اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتا ہے، وہ اس کو گمراہ کرتا ہے اور فتنہ میں مبتلا کرتا ہے حتیٰ کہ لوگ کہتے ہیں: وہ شخص برے حال میں مرا۔ اور جب اس پر موت کا وقت آتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ اس پر کیا عذاب نازل ہوگا تو اس کا سانس اکھڑتا ہے اور یہ اس کا مصداق ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔

اور ابن جُریج نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درج ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا:

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (المومنون: ۹۹۔۱۰۰)

حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے: اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دے O تاکہ میں اس دنیا میں وہ نیک کام کر لوں جن کو میں چھوڑ آیا ہوں، ہرگز نہیں! یہ صرف ایک بات ہے جس کو یہ کہہ رہا ہے اور ان کے پس پشت ایک حجاب

ہے جس دن تک ان کو اٹھایا جائے گاO

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جب مومن فرشتوں کو دیکھتا ہے تو فرشتے مومن سے کہتے ہیں: ہم تمہیں دنیا کی طرف واپس بھیج دیں؟ تو مومن کہتا ہے: "تفکرات اور غموم کی دنیا کی طرف؟ مجھے تو اللہ کی طرف لے جاؤ"۔ اور کافر یہ کہتا ہے: مجھے واپس دنیا میں بھیجو شاید میں کوئی نیک کام کروں۔ (المومنون:۹۹۔۱۰۰) (تفسیر الطبری ج۹ ص ۴۲)

امام عبداللہ بن المبارک اپنی سند کے ساتھ از محمد بن کعب روایت کرتے ہیں کہ جب مومن کا سانس نکلنے لگتا ہے تو اس کے پاس ملک الموت آتا ہے، پس کہتا ہے: السلام علیک یا ولی اللہ! اللہ تم پر سلام پڑھتا ہے، پھر اس آیت کے موافق اس کی روح قبض کرتا ہے:

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل:۳۲)

ان (متقین) کی جب فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں تو اس وقت وہ پاکیزہ ہوتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں: تم پر سلام ہو تم جنت میں داخل ہو جاؤ، ان کاموں کی وجہ سے جو تم کرتے تھےO

(کتاب الزہد لابن المبارک ص ۱۴۹، شعب الایمان للبیہقی ج۱ ص ۳۶۱)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مومن کی روح نہیں قبض کی جاتی حتیٰ کہ اس کے اوپر سلام پیش کیا جائے۔

(المستدرک للحاکم ج۲ ص ۳۵۲۔۳۵۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مرد نیک ہو تو اس سے کہا جاتا ہے: اے پاکیزہ روح! نکل، تو پاکیزہ جسم میں تھی تو اس حال میں نکل کہ تیری تحسین کی گئی ہے اور تجھے خوشی اور مسرت کی بشارت ہو اور تیرا رب تجھ پر راضی ہے ناراض نہیں ہے اور اس سے اسی طرح کہا جاتا رہا ہے حتیٰ کہ اس کی روح اس کے جسم سے نکل جاتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲۶۲)

"الرفیق الاعلیٰ" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں الرفیق الاعلیٰ کو اختیار کرتا ہوں"۔ یہ جنت میں بلند درجہ کے حصول کی دعا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ہوں۔ اور یہ جنت میں سب سے افضل جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا: اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اختیار نہیں کریں گے"۔ یعنی آپ اس حالت میں ہمیں اختیار کرنے والے نہیں ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ کا سر میرے زانو پر تھا"۔ یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پھیپھڑے اور سینہ کے درمیان فوت ہوئے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج۲۹ ص ۷۰۵۔۷۰۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۲۔ بَابُ: سَكَرَاتِ الْمَوْتِ
موت کی شدتوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب موت کی سکرات کے بیان میں ہے، سکرات ''سَکرۃ'' کی جمع ہے (جب سین پر زبر ہو) اور اس کا معنی ہے: موت کی شدت، موت کا غم اور موت کی بے ہوشی۔ اور ''سُکر'' (جب سین پر پیش ہو) تو اس کا معنی ہے: وہ حالت جو مرد اور اس کی عقل کے درمیان طاری ہو جاتی ہے۔ اور ''سُکر'' کا اکثر استعمال شراب میں ہوتا ہے اور اس کا معنی ہے: نشہ۔ اور غضب اور عشق اور اونگھ اور جو بے ہوشی رنج کی وجہ سے ہو اس پر بھی سُکر کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ''سَکَر'' (جب سین اور کاف دونوں پر زبر ہو) تو یہ کھجور کا نبیذ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ بْنِ مَيْمُونٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ أَبَا عَمْرٍو ذَكْوَانَ مَوْلَى عَائِشَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها كَانَتْ تَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ أَوْ عُلْبَةٌ فِيهَا مَاءٌ يَشُكُّ عُمَرُ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهُ وَيَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ ثُمَّ نَصَبَ يَدَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلَى حَتَّى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْعُلْبَةُ مِنَ الْخَشَبِ وَالرَّكْوَةُ مِنَ الْأَدَمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبید بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے خبر دی از عمر بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے خبر دی کہ بے شک ابوعمرو ذکوان جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بیان کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا یا لکڑی کا برتن تھا، اس میں پانی تھا، عمر کو شک ہے (کہ وہ چمڑے کا برتن تھا یا لکڑی کا برتن تھا)، آپ اپنے دونوں ہاتھ پانی میں ڈالتے، پھر ان کو بھگو کر اپنے چہرہ پر ملتے اور فرماتے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک موت کی شدتیں ہیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ نصب کیا اور آپ فرما رہے تھے ''فی الرفیق الاعلیٰ''۔ حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے گر گیا۔

امام ابوعبداللہ (یعنی امام بخاری) نے کہا: ''العلبة'' لکڑی کا برتن ہے اور ''الرکوة'' چمڑے کا برتن ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۹۰، ۱۳۸۹، ۳۱۰۰، ۳۷۷۴، ۴۴۳۸، ۴۴۴۶، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱، ۵۲۱۷، ۶۵۱۰، مسند احمد: ۲۳۶۹۶)

صحیح البخاری: ۶۵۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''سکرات الموت'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: موت کی سکرات ہیں۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن سعید، یہ ابن ابی حسین المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ملیکہ، یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی ملیکہ ہیں، ان کا نام زہیر التیمی الاحول المکی ہے، یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ حکومت میں قاضی تھے۔ اور عمر، ذکوان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ''رکوۃ'' یا ''علبۃ'' تھا جس میں پانی تھا، اس میں راوی کو شک ہے۔

''رکوۃ'' چمڑے کا ایک چھوٹا سا برتن تھا جس کی جمع رکاء ہے، اور ''علبۃ'' یہ لکڑی کا برتن ہے۔ العسکری نے اپنی تلخیص میں لکھا ہے کہ ''العلبۃ'' اعراب کا پیالہ ہے جو چمڑے سے بنایا جاتا ہے اور اس کو اونٹ کے پہلو میں لٹکایا جاتا ہے، اس کی جمع علاب آتی ہے۔ اور ابن التیانی کی الموعب میں مذکور ہے کہ اونٹ کی کھال سے جو چھوٹا پیالہ بنایا جاتا ہے اس کو ''العلبۃ'' کہتے ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ ''العلبۃ'' کا نچلا حصہ چمڑے کا ہوتا ہے اور اوپر کا حصہ گول لکڑی ہوتی ہے جیسے چھلنی ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الرفیق'' یعنی اے اللہ! مجھے ان میں داخل کر دے، یعنی میں موت کو اختیار کر رہا ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۱- حَدَّثَنِي صَدَقَةُ أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَعْرَابِ جُفَاةً يَأْتُونَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَيَسْأَلُونَهُ مَتَى السَّاعَةُ فَكَانَ يَنْظُرُ إِلَى أَصْغَرِهِمْ فَيَقُولُ إِنْ يَعِشْ هَذَا لَا يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ حَتَّى تَقُومَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي مَوْتَهُمْ۔ (صحیح مسلم: ۲۹۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے صدقہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدۃ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سخت طبیعت کے دیہاتی لوگ آتے تھے، پس وہ آپ سے سوالات کرتے تھے کہ قیامت کب واقع ہوگی؟ تو آپ لوگوں میں سے سب سے کم عمر کی طرف دیکھ کر فرماتے: اگر یہ زندہ رہا تو اس کو بڑھاپا نہیں پائے گا حتیٰ کہ تم پر تمہاری قیامت واقع ہو جائے۔

ہشام نے کہا: یعنی ان کی موت۔

صحیح البخاری: ۶۵۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں موت کی شدت کا ذکر نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے ''حتیٰ کہ تم پر تمہاری قیامت واقع ہو جائے'' اور قیامت سے مراد موت ہے، اور موت میں سکرات ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صدقہ، یہ ابن الفضل المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدۃ، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اعراب اور ''جفاۃ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اعراب میں سے مرد آتے تھے۔ اعراب ان لوگوں کو کہتے ہیں جو جنگلوں اور دیہاتوں میں رہتے ہیں اور شہروں میں نہیں رہتے، اور بغیر ضرورت کے وہ شہر میں داخل بھی نہیں ہوتے۔ اور عرب لوگوں کے گروہ کے لیے معروف لفظ ہے اور اس کا اس لفظ سے واحد نہیں ہے خواہ وہ دیہات میں رہیں یا شہروں میں رہیں اور ان کی طرف جب نسبت کی جاتی ہے تو اعرابی اور عربی کہا جاتا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''جفاۃ'' یہ جافی کی جمع ہے جو جفا سے ماخوذ ہے، اور یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طبیعت میں سختی اور شدت ہو، کیونکہ اعراب لوگوں سے کم میل جول رکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ''حفاۃ'' ہے اور وہ حافی کی جمع ہے جو اپنے پیروں میں کوئی چیز پہنے بغیر چلتا ہے۔ اور یہ دونوں معنی دیہاتیوں میں غالب ہیں۔
اس حدیث کی تعلیق میں ہے کہ ''ساعتکم'' سے مراد ہے ان کی موت۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: ساعت سے مراد ہے ان لوگوں کی موت اور ان کے زمانہ کا ختم ہو جانا، کیونکہ جو شخص مرجاتا ہے تو اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے، کیونکہ قیامتِ کبریٰ کا علم تو اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

اس اشکال کا جواب کہ سائل کا سوال تو قیامتِ کبریٰ کے متعلق تھا اور آپ نے جواب میں قیامت صغریٰ کا ذکر فرمایا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سائل نے تو قیامتِ کبریٰ کے متعلق سوال کیا تھا کہ وہ کب واقع ہو گی؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامتِ صغریٰ کے متعلق جواب دیا تو سوال اور جواب میں مطابقت نہیں ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قیامتِ کبریٰ کے وقت کے متعلق سوال کو چھوڑو، کیونکہ اس کے وقت کو تو اللہ عزوجل کے سوا اور کوئی جانتا نہیں، اور اس وقت کے متعلق سوال کرو جس وقت میں تمہارے زمانہ کے لوگ ختم ہو جائیں گے تو اس کا جاننا تمہارے لیے اولیٰ ہے، کیونکہ اس کے جاننے سے تم میں موت سے پہلے نیک عمل کرنے کی ترغیب ہو گی، کیونکہ کوئی شخص یہ نہیں

جانتا کہ اس سے پہلے کون فوت ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں قیامت کے قرب کو بیان کرنا ہے، اس سے قیامت کا حقیقۃً وقوع مراد نہیں ہے، یا یہ بیان کرنا ہے کہ بڑھاپے کی کوئی حد نہیں ہے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوگیا تھا کہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کی زیادہ عمر نہیں ہوگی اور زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۲ - حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مُرَّ عَلَيْهِ بِجِنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از محمد بن عمرو بن حلحلۃ از معبد بن کعب بن مالک از حضرت ابوقتادہ بن ربعی الانصاری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا: یہ راحت پانے والا ہے، اس سے راحت حاصل کی گئی ہے۔ صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! راحت پانے والا اور جس سے راحت حاصل کی گئی ہو، اس کا کیا معنی ہے؟ آپ نے فرمایا: بندہ مومن دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے اللہ عزوجل کی رحمت کی طرف راحت پاتا ہے اور جو بندہ بدکار ہو تو اس سے اللہ کے بندے راحت پاتے ہیں اور شہر اور درخت اور مویشی۔

(صحیح البخاری: ۶۵۱۳، صحیح مسلم: ۹۵۰، سنن نسائی: ۱۹۳۰، مسند احمد: ۲۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۵۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے لیکن اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ بندہ مومن موت کی صورت میں دنیا کی مشقتوں سے راحت پاتا ہے اور دنیا کی مشقتوں میں سے موت کی شدت بھی ہے۔ سو اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن ابی اویس کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ المدنی ہے، یہ امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں جن سے یہ حدیث مروی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عمرو بن حلحلۃ، جو معبد بن کعب بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور معبد سے ان کے علاوہ اور کسی نے روایت نہیں کی اور معبد بن کعب بن مالک، یہ انصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی

سند میں ابوقتادہ کا ذکر ہے، ان کا نام الحارث بن ربعی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''بندہ مومن دنیا کی مشقت اور تکلیفوں سے اللہ عز وجل کی رحمت کی طرف راحت پاتا ہے اور بندہ فاجر یعنی بدکار اس سے اللہ کے دیگر بندے اور شہر اور درخت اور مویشی راحت پاتے ہیں''۔

علامہ ابن التین نے اس کی شرح میں لکھا ہے: کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومن سے مراد خصوصاً متقی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ہر مومن ہو۔ اور فاجر کا جو آپ نے ذکر فرمایا، ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد کافر ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بدکار اور نافرمان ہو۔ رہا یہ کہ بندے اس سے راحت پائیں گے تو چونکہ وہ بندوں پر ظلم کرتا ہے تو جب وہ مرجائے گا تو لوگ اس کے ظلم سے نجات پالیں گے۔ رہا یہ کہ شہروں کو اس کے مرنے سے کیسے راحت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شہروں کے علاقوں کو غصب کرلیتا ہے اور شہروں کے حقوق سے منع کرتا ہے اور شہروں کے محاصل کو اور ان کی آمدنی کو ناجائز مصارف میں خرچ کرتا ہے۔ اور رہا یہ کہ درخت بدکار کے مرنے سے کیسے راحت پائیں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بدکار درخت کے پھلوں کو ناجائز طریقہ سے حاصل کرتا ہے لیکن اصل میں یہ راحت درخت والے کو حاصل ہوگی اور درخت کی طرف اس راحت کا اسناد مجاز ہے۔ اور رہا یہ کہ مویشی اور چوپائے بدکار کے مرنے سے کیسے راحت پائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بدکار اور فاجر چوپایوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادتا ہے اور انہیں کھانے اور پینے کے لیے کم چیزیں دیتا ہے، تو اس کے مرنے سے وہ جانور راحت پائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَلْحَلَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ كَعْبٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحیٰ نے حدیث بیان کی از عبدربہ بن سعید از محمد بن عمرو بن حلحلۃ، انہوں نے کہا: مجھے ابن کعب نے حدیث بیان کی از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: ''مستریح ومستراح منه'' مومن ہے جو راحت پاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۱۲، ۶۵۱۳، صحیح مسلم: ۹۵۰، سنن نسائی: ۱۹۳۰، مسند احمد: ۲۲۰۳۰، موطا امام مالک: ۵۷۱)

صحیح البخاری: ۶۵۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس سے پہلی حدیث کا اختصار کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۴۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے

ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہتی ہے، اس کے ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے، گھر والے اور مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۹۶۰، سنن ترمذی: ۲۳۷۹، سنن نسائی: ۱۹۳۷، مسند احمد: ۱۱۶۷۰)

صحیح البخاری: ۶۵۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "سکرات الموت" اور ہر مرنے والا موت کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے اور اس حدیث میں میت یعنی مرنے والے کا ذکر ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحُمیدی کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں جو اپنے اجداد میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہیں اور حُمید، حمد کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے اور وہ سفیان بن عیینہ ہیں اور ان کے شیخ عبداللہ بن ابی بکر کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے سوا اور کوئی روایت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں"۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں میت کی جگہ المومن کا لفظ ہے اور پہلا لفظ محفوظ ہے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ میت کے گھر والے تو میت کے ساتھ جاتے ہیں لیکن اس کے مال کا اور اس کے عمل کا جانا تو بہ ظاہر صحیح نہیں ہے، کیونکہ آنا جانا تو ذی روح کی صفت ہے وہ گھر والوں کے لیے تو صحیح ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ گھر والوں کے لیے تو جانا حقیقت پر محمول ہے اور عمل اور مال کے لیے مجاز پر محمول ہے۔

اس پر پھر یہ اعتراض ہوگا کہ لفظ واحد سے حقیقت اور مجاز دونوں کا ارادہ کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک حقیقت اور مجاز کو جمع کرنا جائز ہے اور دوسروں کے نزدیک یہ عموم مجاز پر محمول ہے۔ یعنی ایک ایسا عام معنی لیا جائے کہ حقیقی معنی اور مجازی معنی دونوں اس کے فرد بن جائیں اور وہ یہاں پر ہے کہ میت کے ساتھ یہ تینوں چیزیں لازم رہتی ہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ہر میت کے ساتھ تو اس کے گھر والے اور مال نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عموم اور غالب احوال پر محمول ہے۔ اور مال سے مراد ہے اس میت کی باندیاں اور غلام اور اس کے مویشی وغیرہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میت کا عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے''۔ عمل کے اس کے ساتھ باقی رہنے کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ شخص نیک ہو تو اس کا عمل اس کے پاس ایک حسین چہرہ اور حسین کپڑوں میں ملبوس شخص بن کر آئے گا، پس کہے گا: تمہیں بشارت ہو جس سے تم خوش ہو گے، وہ شخص کہے گا: آپ کون ہیں، وہ کہے گا: میں تمہارا نیک عمل ہوں اور حدیث میں ہے کہ کافر کے پاس ایک مرد بدشکل اور ڈراؤنی شکل میں آئے گا اور اس سے کہے گا: میں تیرا عملِ خبیث ہوں۔ اسی طرح حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ غُدْوَةً وَعَشِيًّا إِمَّا النَّارُ وَإِمَّا الْجَنَّةُ فَيُقَالُ هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى تُبْعَثَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانا صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے یا دوزخ اور یا جنت۔ پس اس سے کہا جائے گا: یہ تیرا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۷۹، ۳۲۴۰، ۶۵۱۵، صحیح مسلم: ۲۸۶۶، سنن ترمذی: ۱۰۷۲، سنن نسائی: ۲۰۷۰، مسند احمد: ۵۸۹۰، موطا امام مالک: ۵۶۴)

صحیح البخاری: ۶۵۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ جب تم میں سے کوئی ایک مرجائے اور موت سے پہلے انسان کو موت کی سختیوں سے گزرنا ہوتا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان ''سکرات الموت'' کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو النعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی البصری ہیں اور ان کو عارم کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میت پر اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے''۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ''میت کو اس کے ٹھکانے پر پیش کیا جاتا ہے''۔ اور یہ قلب پر محمول ہے۔ (یعنی اس میں معاملہ کو الٹ کر دیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اونٹنی کو حوض پر پیش کیا حالانکہ حوض کو اونٹنی پر پیش کیا جاتا ہے۔)

میت پر جنت اور دوزخ کے ٹھکانے پیش کرنے کا فائدہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''میت پر اس کا ٹھکانا صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے''۔ یعنی دن کے اول میں اور دن کے آخر میں۔ اور یہ اہلِ دنیا کے اعتبار سے ہے اور جو چیز مومن پر پیش کی جاتی ہے وہ اس کے دونوں ٹھکانے ہوتے ہیں جن کو وہ بہ یک وقت دیکھتا ہے اور مومن پر ان ٹھکانوں کے پیش کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو فرحت حاصل ہو اور کافر پر ان ٹھکانوں کو پیش کرنے کا فائدہ ہے کہ اس کو عذاب کی ایک قسم حاصل ہو۔

میت کی روح پر جنت اور دوزخ کے ٹھکانے پیش کیے جاتے ہیں یا اس کے بدن پر؟

روح پر یہ ٹھکانے حقیقتاً پیش کیے جاتے ہیں اور روح کے ساتھ بدن کے جو اجزاء متصل ہوتے ہیں ان پر پیش کیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ نعمت یا عذاب کا ادراک کرتا ہے۔

علامہ ابن بطال نے دوسروں سے نقل کر کے لکھا ہے کہ یہاں ٹھکانے پیش کرنے سے مراد خبر دینا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارے اعمال کی یہ جزا ہے، کیونکہ کسی پر کوئی چیز پیش نہیں کی جاتی، کیونکہ جو چیز قیامت تک دائم رہے گی یہ وہ عرض ہے جو خصوصیت سے ارواح پر پیش کی جاتی ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عرض کو خبر پر محمول کرنا ظاہر سے عدول ہے اور بغیر کسی قرینہ کے الفاظ کو ظاہر سے عدول پر محمول کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس پر یہ اعتراض ہے کہ بدن فانی ہیں اور جو چیز فانی ہو وہ معدوم کے حکم میں ہے اور معدوم پر پیش کرنا متصور نہیں ہے اور ان کا یہ کہنا تسلیم نہیں ہے کہ بغیر قرینہ کے ظاہر سے عدول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہاں ظاہر پر حکم لگانا متعذر رہے اور ظاہر سے عدول پر قرینہ موجود ہے اور وہ ہے معدوم پر پیش کرنے کا محال ہونا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: ظاہر پر محمول کرنے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ حدیث مومن اور کافر دونوں کے حق میں عام ہے، سو اگر پیش کرنے کو روح کے ساتھ خاص کیا جائے تو شہید کے حق میں اس کا زیادہ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ شہید کی روح تو یقینی طور پر ثواب سے بہرہ یاب ہوتی ہے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے۔ اسی طرح کافر کی روح دوزخ میں یقینی طور پر عذاب میں مبتلا ہوتی ہے، پس جب روح کو اس چیز پر محمول کیا جائے جو بدن کے ساتھ متصل ہے تو اس کا فائدہ شہید کے حق میں بھی ظاہر ہوگا اور کافر کے حق میں بھی ظاہر ہوگا۔ انتہیٰ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
یہ کہنا تسلیم نہیں ہے کہ خبر کا عموم اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے کا مؤید ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ پھر ان کا یہ کہنا بھی تسلیم نہیں ہے کہ اگر اس پیش کرنے کو روح کے ساتھ خاص کیا جائے تو شہید کے حق میں اس میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں ہے، کیونکہ شہید کے حق میں اس کا فائدہ زیادہ فرحت اور سرور ہے اور کافر کے حق میں اس کا فائدہ اس کی زیادہ بے قراری اور حسرت ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قبر میں سوال کے فتنہ کو بیان کیا اور اس حدیث میں ہے: پھر اس کے لیے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا ہے، تو اس کی خوشی اور سرور میں بہت اضافہ ہوتا ہے، پھر اس کے لیے دوزخ کے ابواب میں سے ایک باب کھولا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: یہ تمہارا ٹھکانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا تھا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے، تو اس کی خوشی اور سرور میں بہت زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔۔۔الحدیث۔
اور اس حدیث میں کافر کے متعلق مذکور ہے: ''پھر اس کے لیے دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا تو اس کی حسرت اور نامرادی میں اضافہ ہوگا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے تو''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:
علامہ عینی نے جو امام ابن ابی الدنیا اور طبرانی کے حوالہ سے حدیث لکھی ہے اس کا ہم نے خود فتح الباری میں ذکر کیا ہے۔
(انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۲۳، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری کی مفصل عبارت

اور فتح الباری کی مکمل عبارت اس طرح ہے:
کتاب الجنائز میں امام مالک کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے: اگر وہ میت اہل جنت میں سے ہو تو اس کو اہلِ جنت سے ٹھکانا پیش کیا جائے گا اور اس کی توجیہ میں کتاب الجنائز میں لکھ چکا ہوں اور علامہ قرطبی نے المفہم میں لکھا ہے کہ یہ پیش کرنا مومن متقی کے لیے اور کافر کے لیے تو ظاہر ہے لیکن جو مومن گناہ گار ہے تو یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے سامنے اس کا ٹھکانا جنت سے پیش کیا جائے کہ وہ عنقریب اس جنت کی طرف راجع ہوگا اور اس اشکال سے نجات اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے قبر کے سوال کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ ''پھر اس کے لیے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ یہ وہ ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا ہے تو پھر اس کی خوشی اور سرور میں اضافہ ہوگا، پھر اس کے لیے دوزخ کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تیار کیا تھا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تو، تب بھی اس کی خوشی اور سرور میں اضافہ ہوگا۔۔۔الحدیث۔ اور کافر کے حق میں ہے کہ ''اس کے لیے دوزخ کے

دروازوں سے ایک دروازہ کھولا جائے گا تو اس کی حسرت اور چیخ و پکار میں اضافہ ہوگا دونوں جگہوں میں، اور اس میں ہے کہ اگر تم اطاعت کرتے تو۔۔۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہر نفس کو قبر میں جنت میں اس کا گھر دکھایا جائے گا اور دوزخ میں اس کے گھر کو دکھایا جائے گا، پس اہل دوزخ اس گھر کو دیکھیں گے جو دوزخ میں ہے، ان سے کہا جائے گا: اگر تم عمل کرتے تو تمہیں یہ جنت کا گھر ملتا۔ اور اہل جنت اس گھر کو دیکھیں گے جو دوزخ میں ہے، ان سے کہا جائے گا: اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان نہ ہوتا تو تم اس گھر میں ہوتے۔

اور امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دکھانا نجات کے لیے ہے یا آخرت میں عذاب کے لیے ہے، لہٰذا جو گناہ گار ہے اس کے متعلق یہ ہوسکتا ہے کہ جس کے لیے دخول جنت سے پہلے عذاب کو مقدر کیا گیا ہو تو اس سے کہا جائے گا کہ یہ جنت میں تمہارا گھر ہے، اگر تم گناہ نہ کرتے تو ابتداءً جنت میں چلے جاتے۔ اور اس سے کہا جائے گا: یہ تمہارا گھر ہے تمہاری نافرمانی کی وجہ سے، ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور عافیت کا سوال کرتے ہیں ہر مصیبت سے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی اور وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو اس پر اس کے ٹھکانے کو صبح اور شام پیش کیا جاتا ہے یا دوزخ کو یا جنت کو"۔ اس کے بعد مذکور ہے: "پس کہا جاتا ہے: یہ تمہارا ٹھکانا ہے حتیٰ کہ تم کو دوبارہ زندہ کیا جائے"۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ٹھکانے کو دوبارہ پیش کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کا فائدہ ہے ان کو یاد دلانا کہ تم دوبارہ زندہ کر کے اس ٹھکانے میں داخل کیے جاؤ گے۔

حدیث مذکور کے فوائد از علامہ کرمانی

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس قول کا کیا فائدہ ہے "حتیٰ کہ تم زندہ کر کے اس ٹھکانے میں داخل کیے جاؤ"۔

پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قبر میں جو اس کو ٹھکانے پر پیش کیا گیا تھا وہ اس کو بھول گیا تھا تو دوبارہ یاد دلانے کے لیے اسے پھر پیش کیا جائے گا۔

نیز علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں عذاب قبر کا اثبات ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ عذاب جسم کو ہوتا ہے اور یہ ضروری ہے کہ جسم میں روح کو لوٹایا جائے کیونکہ درد کا ادراک تو صرف زندہ کو ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی کے بیان کردہ فوائد پر علامہ عینی کی بحث ونظر

علامہ عینی علامہ کرمانی کی عبارت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قبر کے عذاب میں کوئی نزاع نہیں ہے اور رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ عذاب جسم کو ہوتا ہے، سو یہ تسلیم نہیں ہے، اس لیے کہ جسم فنا ہو جاتا ہے اور جو چیز فنا ہو جائے اس کو عذاب دینا غیر متصور ہے۔ اور رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ جسم میں روح کا لوٹانا ضروری ہے، سو اس میں اختلاف ہے۔ کیا حقیقتاً روح بدن میں لوٹتی ہے یا اس حیثیت سے بدن کے قریب ہو جاتی ہے کہ بدن کو اس

کے واسطہ سے یا بغیر واسطہ کے عذاب ہو، اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اور بعض علماء نے روح کو عذاب دینے کی مثال اس طرح دی ہے کہ جو شخص سویا ہوا ہو تو نیند میں اس کی روح کو ثواب ہوتا ہے یا عذاب ہوتا ہے اور جسم کو بالکل محسوس نہیں ہوتا۔

اور جان لو کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکا ہوا ہے اور اس پر صبح اور شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اور کفار کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں، وہ ہر دن میں دو مرتبہ جہنم میں ہوتی ہیں اور یہی ان پر عذاب کا پیش کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ارواح ساتویں زمین کے نیچے سیاہ چٹان میں ہوتی ہیں اور وہ سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں جہنم کے کنارے پر ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۰۔ ۱۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومنین پر ثواب اور کفار پر عذاب کو پیش کرنا

اللہ تعالیٰ نے کفار کے حق میں فرمایا ہے:

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (المومن: ۴۶)

صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور جس دن قیامت آئے گی (یہ حکم دیا جائے گا کہ) آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں ڈال دو ۝

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ پر پیش کرنے کی خبر دی ہے جیسا کہ نیک مسلمانوں کو جنت پر پیش کیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ مومنِ کامل الایمان کے ساتھ مخصوص ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات کا ارادہ فرماتا ہے۔

لیکن جس پر اللہ تعالیٰ اپنی وعید کو نافذ فرماتا ہے جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نیک عمل بھی کیے ہیں اور برے عمل بھی کیے ہیں، پس ان کے لیے دونوں ٹھکانے ہیں جن دونوں ٹھکانوں کو وہ دیکھتے ہیں، جیسا کہ اس کے عمل کو دو شخص دو وقتوں میں دیکھتے ہیں یا ایک وقت میں دیکھتے ہیں کہ ایک عمل برا ہوتا ہے اور ایک عمل نیک ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہلِ جنت سے مراد وہ لوگ ہوں جو جنت میں داخل ہوں گے خواہ کسی طرح سے بھی داخل ہوں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ٹھکانے صرف روح پر پیش کیے جائیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدن کے ایک جز کے ساتھ پیش کیے جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام جسم کے ساتھ پیش کیے جائیں اور پھر اس میں روح داخل کی جائے جیسا کہ جب فرشتے آکر میت سے سوال کرتے ہیں حتیٰ کہ فرشتے اس کو بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہا جاتا ہے: دیکھو یہ دوزخ میں تمہارا ٹھکانا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا، اور جس طرح بھی ہو عذاب محسوس ہوتا ہے اور درد موجود ہوتا ہے اور معاملہ بہت شدید ہے۔

اور بعض علماء نے روح کو عذاب دینے کی مثال سونے والے شخص کے ساتھ دی ہے، کیونکہ خواب میں اس کی روح کو ثواب ہوتا ہے یا عذاب ہوتا ہے اور جسم اس کو بالکل محسوس نہیں کرتا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آل فرعون کی ارواح سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں، ان کو دوزخ پر ہر دن میں دو مرتبہ پیش کیا جاتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے: یہ تمہارا ٹھکانا ہے اور یہ اللہ عزوجل کے اس قول کا مصداق ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا۔ (المومن:۴۶) صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے ایک سیاہ چٹان میں ہیں جو جہنم کے کنارے پر ہے اور اس میں وہ سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۱۱۔ ۶۱۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا۔

(سنن نسائی: ۱۹۳۶، مسند احمد: ۲۴۹۴۲، سنن دارمی: ۲۵۱۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الاعمش از مجاہد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مُردوں کو برا نہ کہو، کیونکہ انہوں نے جو پہلے اعمال بھیجے ہیں وہ اس کی جزاء پا چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں بھی مُردوں کا ذکر ہے اور جو شخص مرتا ہے وہ مرنے سے پہلے "سکرات الموت" کی کیفیت سے گزرتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن الجعد کا ذکر ہے، یہ ابن عبید ابو الحسن الجوہری البغدادی ہیں۔ ان سے امام بخاری نے سولہ حدیثیں لکھی ہیں اور یہ رجب کے آخر میں ۲۳۰ھ میں فوت ہوئے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فانهم قد افضوا الی ماقدموا" یعنی وہ اپنے اعمال کی جزاء خیر یا شر کو پہنچ چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا یا لکڑی کا پیالہ تھا جس میں پانی تھا، آپ اپنے دونوں ہاتھ اس پانی میں داخل کرتے، پھر اس سے اپنے چہرہ پر لگاتے اور فرماتے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، بے شک موت کی سختیاں ہیں، پھر آپ نے اپنا ہاتھ کھڑا کیا اور آپ فرما رہے تھے: "فی الرفیق الاعلیٰ" حتیٰ کہ آپ کی روح قبض کر دی گئی اور آپ کا ہاتھ نیچے گر گیا۔

قاسم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے جو امام ابوداؤد کے علاوہ باقی سنن میں سندِ حسن کے ساتھ مذکور ہے، اس میں

یہ ذکر ہے کہ آپ فرماتے: اے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔ اور اس حدیث کی شرح مکمل گزر چکی ہے۔ اور وہاں یہ بھی گزر چکا ہے کہ قاسم بن محمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان تھے۔ پس میں اس کے بعد کسی پر بھی موت کی سختی کو ناپسند نہیں کرتی، اور ترمذی میں یہ روایت ہے کہ اگر کسی پر آسان موت آئے تو میں اس پر رشک نہیں کرتی جب کہ میں دیکھ چکی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت تھی۔

اور مسروق نے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کسی کے اوپر اس سے زیادہ سخت درد نہیں دیکھا جتنا سخت درد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دیکھا تھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لیے دو اجر ہیں اور مسند ابویعلیٰ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم گروہِ انبیاء پر دگنی مصیبت آتی ہے تا کہ ہمیں دگنا اجر ملے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۵۷۷، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت سکرات کی شدت کی توجیہات

اس حدیث میں دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات میں سختی کی گئی اور یہ اسی طرح ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبلیغ فرمائی، اس وقت بھی آپ پر شدت ہوئی اور آپ کو سخت ایذاء پہنچائی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری کے حال میں بھی شدت کی گئی کیونکہ آپ نے فرمایا: مجھے اتنا بخار چڑھتا ہے جتنا بخار تم دو آدمیوں کو چڑھتا ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دگنا بخار چڑھتا تھا۔ اسی طرح آپ پر موت میں بھی شدت کی گئی حتیٰ کہ آپ کے بعد کسی پر اگر سہولت کے ساتھ موت آتی تو اس پر رشک نہیں کیا جاتا تھا، اور آپ پر موت کے وقت شدت اس لیے کی گئی تا کہ آپ کو صابرین کا اعلیٰ درجہ حاصل ہو، کیونکہ صبر ایک بلند منزل ہے جو سہولت سے حاصل نہیں ہوتا، اس کے لیے امتحان ضروری ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے مولیٰ نے امتحان لیا ''فنعم المولى ونعم النصير''۔ اور آپ نے ان تمام امور میں صبر کیا حتیٰ کہ آپ جب دنیا سے گئے اس وقت بھی آپ موت کی شدت میں مبتلا تھے لیکن آپ نے صبر کیا اور اپنی حیات کو توحید پر ختم کیا، آپ فرماتے تھے: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، بے شک موت کی سختیاں ہیں''۔ پس جس شخص کو موت کی سختیاں لاحق ہوں تو اس امر پر تعجب نہ کیا جائے جس کا ہونا ضروری ہے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ سے اپنی امت کو تسلی دی ہے کہ ''موت کی سختیاں ہیں''۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بہت زیادہ خیر خواہ تھے۔ اور اس وقت بھی آپ امت کی خیر خواہی میں مشغول رہے، آپ فرماتے تھے: ''الصلوٰة الصلوٰة وما ملكت ايمانكم'' یعنی وفات کے وقت آپ نے اپنی امت کو نماز کی تاکید کی اور زکوٰۃ کی تاکید کی اور آپ اخیر وقت تک بندوں کو احکامِ شرعیہ پر عمل کے لیے برانگیختہ کرتے رہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۰۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت سکرات کی شدت کی دیگر توجیہات از مصنف

(۱) میں کہتا ہوں کہ روح کے اور بدن کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، روح کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کمال

حاصل کرے اور اس کی زیادہ سے زیادہ عبادت اور اطاعت کرے اور بدن کا تقاضا ہے کھانے پینے کی لذات اور شرمگاہ کی شہوتیں۔ تو جس انسان میں اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے اور بدنی لذات اور شہوات سے کنارہ کش رہتا ہے تو اس کی روح بدن کے ساتھ متصل اور جڑی ہوئی ہوتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بے بہرہ اور دنیاوی لذات اور شہوات میں مبتلا ہوتا ہے اس کی روح کا بدن کے ساتھ اس قدر اتصال نہیں ہوتا، اس لیے موت کے وقت اس کی روح اس کے بدن سے آسانی سے نکل جاتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی اس کے ساتھ اتنی متصل نہیں ہوتی۔ اور جس نے اپنے بدن کے تقاضوں کو روح کے تقاضوں میں ڈھال لیا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کامل اور اطاعت اور عبادت میں فائق ہوتا ہے اس کی روح بدن کے ساتھ شدید متصل ہوتی ہے اس لیے جب اس روح کو بدن سے الگ کیا جائے تو تکلیف ہوتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت تھی اور آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے والے تھے اس لیے نزع روح کے وقت آپ کی روح کو آپ کے بدن سے سختی سے الگ کیا گیا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان مرتے وقت اپنے عزیز واقارب سے جدا ہوتا ہے اور عزیز واقارب کی محبت اس کے دل میں پیوستہ ہوتی ہے تو جس کے جتنے زیادہ عزیز ہوتے ہیں اس کو ان سے فراق کے وقت اتنا زیادہ قلق اور رنج ہوتا ہے، اسے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اپنے فلاں فلاں رشتہ داروں سے اور عزیزوں سے جدا ہو رہا ہوں اور ان کی محبت اس کو دنیا کی طرف کھینچتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام امت سے محبت تھی اور آپ اپنی تمام امت پر شفیق تھے تو وفات کے وقت آپ کو یہ خیال تھا کہ آپ اپنی تمام امت سے جدا ہو رہے ہیں تو تمام امت کی جدائی کی وجہ سے آپ کو سب سے زیادہ قلق تھا اور اسی قلق کو موت کی سختی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کو خود ہی جانتا ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک عام لوگوں کی بہ نسبت بہت لطیف تھا اس وجہ سے آپ کو معمولی سی تکلیف بھی سخت معلوم ہوتی تھی۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتے ہیں، پھر ان لوگوں پر جو انبیاء علیہم السلام کے مماثل ہیں۔

(سنن ترمذی: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۳، المستدرک: ۵۵۱۴، جمع الجوامع: ۳۱۴۰۰، کنز العمال: ۶۷۸۰)

اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وفات کے وقت سکرات کی زیادہ سختی نازل کی گئی تاکہ زیادہ سختی کی وجہ سے آپ کو زیادہ اجر حاصل ہو۔

(۵) عام آدمیوں کو کسی چیز سے جتنی تکلیف ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے دگنی تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کو بخار ہو رہا تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو تو بہت شدید بخار ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر آپ کو اس کا دگنا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اسی طرح ہوگا۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچے خواہ کانٹا چبھنے کی تکلیف ہو یا اس سے زیادہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے گناہ مٹا دیتا ہے

جیسے درخت کے پتے گرا دیے جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۶۴۸، صحیح مسلم: ۲۵۷۱)

اور جب گناہ نہ ہوں تو ان کے درجات بلند کر دیے جاتے ہیں جیسے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، ان پر جب بیماری کا غلبہ ہوتا ہے تو اس شدید تکلیف کی وجہ سے ان کے درجات مزید بلند کر دیے جاتے ہیں۔

(۶) مصیبت بہ قدر نعمت نازل ہوتی ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں اس پر مصیبت بھی بہت سخت نازل ہوتی ہے۔ مذکور الصدر حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قوی انسان پر سخت بلائیں نازل کی جاتی ہیں اور ضعیف انسان کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے، کیونکہ مصیبت زدہ کی جب معرفت قوی ہوتی ہے تو اس پر مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے، ان میں سے بعض لوگ مصیبت کے اجر پر نظر رکھتے ہیں تو ان کو وہ مصیبت معمولی معلوم ہوتی ہے، اور اس کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص یہ خیال کرتا ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں تصرف کر رہا ہے اور وہ اس کا حق ہے، تو وہ اس بلاء اور مصیبت کو تسلیم کرتا ہے اور اس پر اعتراض نہیں کرتا، اور اس سے بھی بلند درجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے مولیٰ کی محبت میں مستغرق اور منہمک ہوتا ہے اس کو اس وقت اس مصیبت کا احساس نہیں ہوتا جیسے حسن یوسف کے جلوؤں میں کھو کر مصر کی عورتوں کو اپنی انگلیاں کاٹنے کا درد اور احساس نہیں ہوا، اور اس سے بھی بڑا درجہ یہ ہے کہ جس طرح عام لوگ نعمت سے لذت حاصل کرتے ہیں خواص بلکہ اخص الخواص اسی طرح مصائب سے لذت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ ان کی نظر مصائب کی طرف نہیں ہوتی مصائب نازل کرنے والی کی طرف ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو درد میں مبتلا نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۵۶۴۶، صحیح مسلم: ۲۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۲)

(۷) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ رکھ کر کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے بخار کی شدت کی وجہ سے آپ کے اوپر اپنا ہاتھ نہیں رکھ سکتا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم انبیاء کے گروہ پر اسی طرح مصائب کو دگنا کیا جاتا ہے جس طرح ہمارے اجر کو دگنا کیا جاتا ہے، بے شک انبیاء سابقین کو جوؤں کے ساتھ مبتلا کیا جاتا حتیٰ کہ وہ جوؤں کو مار دیتے، اور ان کو فقر کے ساتھ مبتلا کر دیا جاتا حتیٰ کہ وہ اپنا ستر ڈھانپنے کے لیے اپنے گرد چادر لپیٹ دیتے، اور بے شک وہ مصائب میں اسی طرح فرحت محسوس کرتے تھے جس طرح تم خوش حالی میں فرحت محسوس کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۹۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۱۹۱۵، عالم الکتب، مصنف عبد الرزاق: ۲۰۶۲۶، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۰۴)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح کے وقت جو زیادہ سختی اور شدت کی گئی اس کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ اگر امت کے کسی فرد پر نزع روح کے وقت سختی اور شدت ہو تو وہ گھبرائے نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ اس پر ظلم ہو رہا ہے بلکہ یہ سمجھ کر اپنے آپ کو یہ تسلی دے کہ اس کی کیا حیثیت ہے، وہ کیا چیز ہے تمام انبیاء کے قائد اور رسولوں کے سردار پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی، اسی طرح اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان پر سکرات کی سختی دیکھ کر اس کے متعلق یہ بدگمانی نہ کرے کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سکرات موت کی شدت کی گئی تھی۔

(۹) روح معصیت کی آلودگی سے منزہ ہوتی ہے اور جب جسم معصیت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح اور جسم میں اتصال اور ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا نہیں ہوتا، سو جو لوگ بدکار اور گناہ گار ہوتے ہیں تو نزع روح کے وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے ایک جھٹکے سے روح

جسم سے اکھڑ کر الگ ہو جاتی ہے اور اگر جسم عبادت اور اطاعت میں ڈوبا ہوا ہو تو روح سختی کے ساتھ جسم کے ساتھ چمٹ جاتی ہے، پس حضرت عزرائیل علیہ السلام جب نیک لوگوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں تو روح جسم سے الگ ہونے میں سخت مزاحمت کرتی ہے، اس لیے نیک لوگوں کو نزع روح کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے۔

(۱۰) آپ کے درجات کو بلند کرنے کے لیے آپ کو شدت سکرات میں مبتلا کیا گیا۔

(۱۱) سکرات کی سختی شدت کرب کی وجہ سے ہوتی ہے اور شدت فرح کی وجہ سے بھی ہوتی ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر جب نزع روح کی کیفیت طاری تھی تو ان کے گھر والوں نے کہا: ہائے ان کی تکلیف! حضرت بلال نے آنکھیں کھول کر کہا: ہائے اس کی خوشی! کل میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں گا اور آپ کے اصحاب سے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ملاقات سے خوشی کی یہ کیفیت ہے تو اللہ عزوجل سے ملاقات کی خوشی کی کیفیت کا کیا عالم ہوگا اور جب وہ نعمتیں بندوں کو ملیں گی جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ۔ کوئی نفس ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ہم نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پوشیدہ کر رکھی ہیں۔ (السجدہ:۱۷)

تو ان بندوں کی خوشی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جن کو یہ غیر مترقب نعمتیں ملیں گی۔

(المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزع روح اور سکرات کی شدت کو اس لیے طاری کیا گیا تا کہ اس حال میں بھی آپ کی زندگی میں آپ کی امت کے لیے نمونہ ہو۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(الاحزاب:۲۱)

(۱۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت سکرات کو امت کی تعلیم کے لیے طاری کیا گیا تا کہ آپ نے اس حال میں جو دعائیں پڑھی تھیں آپ کی امت بھی ان دعاؤں کو پڑھے۔ وہ دعائیں یہ ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کے وقت دیکھا، آپ کے پاس ایک لکڑی یا چمڑے کے پیالہ میں پانی تھا، آپ اس پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اپنے ہاتھ سے چہرہ پر پانی لگاتے اور یہ دعا کرتے: اے اللہ! سکرات الموت پر میری مدد فرما۔

(سنن ترمذی: ۹۷۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۵۸، مسند احمد ج ۶ ص ۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۳، مسند ابو یعلیٰ: ۴۵۱۰، المعجم الاوسط: ۳۲۶۸، المستدرک: ۴۴۴۲ طبع جدید)

امام ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے: اے اللہ! تو روح کو پٹھوں، ہڈیوں اور انگلیوں کی پوروں کے درمیان سے قبض کرتا ہے، سو تو موت پر میری مدد فرما اور اس کو مجھ پر آسان فرما دے۔

(احیاء علوم الدین ج ۴ ص ۵۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۱۹ھ)

(۱۴) عام لوگوں کا جسم عناصر اربعہ سے مرکب ہوتا ہے تو روح کو صرف ان چار عناصر سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوتی ہے، صوفیاء کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم تمام حقائق کائنات سے مرکب تھا، اس لیے نزع روح کے وقت آپ کی روح کو تمام حقائق کائنات سے منفصل ہونے کی تکلیف ہوئی اور عناصر اربعہ کی بہ نسبت تمام حقائق کائنات سے منفصل ہونے کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔

(۱۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت ہوئی تو آپ پر بار بار بے ہوشی طاری ہو رہی تھی، حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا: ''واکرب اباہ'' (آہ میرے والد کا کرب اور بے چینی)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج کے دن کے بعد تمہارے والد پر کرب اور بے چینی نہیں ہوگی، جب آپ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ علیہا السلام نے کہا: ہائے! میرے والد نے رب کی دعوت پر لبیک کہا! ہائے میرے والد نے جنت الفردوس کو اپنا ٹھکانا بنالیا، ہائے ہم جبریل علیہ السلام کو اپنے والد کی خبر سناتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے انس! اب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈال کر خوش ہو گئے ہو! (صحیح البخاری: ۴۴۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۰، سنن نسائی: ۱۸۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۱۹۷، سنن دارمی: ۸۸)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ آپ کی تکلیف کی شدت دیکھ کر سیدہ فاطمہ زہراء علیہا السلام نے رنج اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: آہ میرے والد کا کرب اور بے چینی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: ''آج کے بعد تمہارے والد کو بے چینی نہیں ہوگی'' اس میں آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ کسی شخص کو نزع روح کی تکلیف میں دیکھ کر اس کے اقرباء گھبرائیں تو وہ شخص ان کو تسلی دے۔

(۱۶) نزع روح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے پیالہ میں ہاتھ ڈال کر اس پانی کو اپنے ہاتھ سے چہرہ پر لگایا، اس میں آپ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص نزع روح کی کیفیت میں مبتلا ہو اس کو اپنے چہرہ پر پانی مل کر اپنے جسم کو تسکین پہنچانی چاہیے۔

(۱۷) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزع روح کی اس شدید تکلیف کے باوجود کوئی بے صبری کا اظہار نہیں کیا، کوئی آہ و بکا نہیں کی، کوئی ہائے وائے نہیں کہا، اور صبر و اطمینان کے ساتھ اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی، سو اسی طرح امت کو بھی صبر و اطمینان کے ساتھ اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنی چاہیے۔

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا اور آپ کا سانس اکھڑ رہا تھا، اس وقت آپ فرما رہے تھے: ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' نماز اور زکوٰۃ کو لازم رکھنا، یا نماز اور اپنے خدام کو لازم رکھنا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۷، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت وصیت کی جب آپ کی زبان بڑی مشکل سے چل رہی تھی، آپ نے فرمایا: ''الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' (یہ حدیث صحیح ہے)۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۹۷، صحیح ابن حبان: ۶۶۰۵، مسند عبد بن حمید: ۱۲۱۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۹۵، مسند احمد ج ۳ ص

اس سے معلوم ہوا کہ نزع روح کی شدت کے وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال دامن گیر تھا کہ آپ کی امت نماز کی اور کوتاہی نہ کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی نہ کرے۔ نزع روح کی شدت میں بھی آپ کو اپنی امت کی فکر لاحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر یاد رکھنا چاہیے اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہمیں کتنی فکر کرنی چاہیے۔

(۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آخری کلمہ کے ساتھ کلام کیا وہ تھا ''اللھم الرفیق ا

اللہ! سب سے اعلیٰ رفیق)۔ (صحیح البخاری: ۴۴۶۳، سنن ترمذی: ۳۴۹۹، السنن الکبریٰ: ۷۱۰۵)

جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہوتو اس کے دل و دماغ میں سوائے اپنی تکلیف اور اس سے نجات کے اور کوئی فکر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سکرات کی شدت طاری کر کے یہ دکھایا کہ نزع روح کی شدید تکلیف میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی امت کو بھولے تھے اور نہ اپنے رب عزوجل کو، اور آپ کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ اپنے رب عزوجل کا نام تھا ''الرفیق الاعلیٰ''۔

(۲۰) جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکرات کی شدت میں بھی اپنے رب عزوجل کو یاد رکھا اور کہا: ''اللھم الرفیق الاعلیٰ'' اس میں آپ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہمیں بھی آخری وقت میں اپنے رب عزوجل کو یاد کرنا چاہیے اور اس کا نام لینا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے اللہ عزوجل کو ''الرفیق الاعلیٰ'' کے نام سے یاد کیا، اور ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق اپنے رب عزوجل کو اس کے بلند و بالا نام کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور یہ پڑھنا چاہیے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ	جس شخص کا آخری کلام ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہوتو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

(سنن ابوداؤد: ۳۱۱۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مُردوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کی تلقین کرو۔
(صحیح مسلم: ۹۱۶، سنن ترمذی: ۹۷۶، سنن نسائی: ۱۸۲۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۴۵)

الہ العالمین! یہ گناہ گار، ناکارہ اور عاجز بندہ آپ سے دعا کرتا ہے کہ اس پر سکرات الموت کو آسان فرمانا اور مرنے سے پہلے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' زبان پر جاری فرما دینا۔ آمین یارب العالمین۔ اور اسی طرح میں اپنے تمام احباب، تلامذہ اور قارئین کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ الہ العالمین ان پر بھی سکرات الموت کو آسان فرمانا اور مرنے سے پہلے ان کی زبان پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' جاری فرما دینا۔ آمین

حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام فرما دیتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۲۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا، اس نے مجھے یہ بشارت دی کہ میری امت میں سے جو شخص فوت ہوگیا اس حال میں کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتو وہ جنت میں داخل ہوگیا، میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ تو فرشتے نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو۔ (صحیح البخاری: ۱۲۳۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان لایا اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا وہ دائمی طور پر دوزخ میں نہیں رہے گا خواہ اس نے کتنے زیادہ گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو بخش دے کیونکہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:١١٠)

اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا O

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

(آل عمران:١٣٥۔١٣٦)

اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا O ان لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزاء ہے O

اور اگر وہ بغیر توبہ کیے مرگیا تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضلِ محض سے معاف کر کے اس کو جنت میں داخل فرما دے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(الرعد:٦)

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم (گناہوں) کے باوجود ان کو بخشنے والا ہے اور بے شک آپ کا رب ضرور سخت عذاب دینے والا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(الزمر:٥٣)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور تیسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرما دیں، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔

(سنن ترمذی:٢٤٣٥، مسند احمد ج ٣ ص ٢١٣)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے ہے۔

اور اس کی چوتھی صورت یہ ہے کہ جو مرتکب کبیرہ ہو، جب وہ اپنے گناہوں کی سزا پالے گا تو اللہ تعالیٰ اس سزا کے بعد اس کو جنت میں داخل فرما دے گا، کیونکہ جو بندہ بھی ایمان لایا اس کو اس کے ایمان کی جزا یعنی جنت ضرور ملے گی۔ اگر وہ اپنے گناہوں

کے سبب سے پہلے جہنم میں داخل ہوا تو بعد میں اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمادے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷-۸)

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا○ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا○

لہٰذا جو ایمان لایا اس کو اس کی جزا ضرور ملے گی اور اس نے کبیرہ گناہ کیے اور ان کی معافی نہیں ہوئی تو اس کی سزا بھی ملے گی اور اس پر اجماع ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا، اس لیے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے فضل محض اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم رہا اور اس کو گناہوں کی سزا ملی اور وہ دوزخ میں گیا تو بہر حال اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا اور اس کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہوگا اور اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور اس کے دل میں ایک گندم کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو۔ اور اس شخص کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور اس کے دل میں ایک جوار کے برابر بھی ایمان ہو۔

(صحیح البخاری: ۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ترمذی: ۲۵۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۲، مسند احمد: ۱۲۳۶۱)

۴۳- بَابُ: نَفْخِ الصُّوْرِ

صور میں پھونکنے کا بیان

قَالَ مُجَاهِدٌ: الصُّوْرُ: كَهَيْئَةِ الْبُوْقِ، زَجْرَةٌ: صَيْحَةٌ

مجاہد نے کہا: صور سینگ کی شکل پر ہے۔ زَجْرَةٌ: اس کا معنی ہے چیخ۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: النَّاقُوْرِ: الصُّوْرِ، الرَّاجِفَةُ: النَّفْخَةُ الْأُوْلٰى وَ الرَّادِفَةُ: النَّفْخَةُ الثَّانِيَةُ

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: النَّاقُوْر کا معنی ہے صور اور "الرَّاجِفَةُ" کا معنی ہے: پہلی مرتبہ صور میں پھونک مارنا۔ اور "الرَّادِفَةُ" کا معنی ہے: دوسری مرتبہ صور میں پھونک مارنا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں صور پھونکنے کا بیان ہے، صُور کے لفظ میں صاد پر پیش ہے اور واؤ ساکن ہے۔ حسن بصری نے اس کو واؤ پر زبر بھی پڑھی ہے یعنی صُوَر۔ اور اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد ہے جسموں میں پھونک مارنا تا کہ ان کی طرف روحوں کو لوٹایا جائے۔ اور امام ابو عبیدہ نے المجاز میں لکھا ہے کہ صُور، صورۃ کی جمع ہے جیسے سُوَر المدينة سورة اس سے مراد ہے شہر پناہ۔

الازہری نے کہا ہے: یہ معانی اہل سنت و جماعت کے موقف کے خلاف ہیں اور اس کی تفسیر اب آرہی ہے۔

تعلیقات مذکورہ کی شرح از علامہ عینی

مجاہد نے کہا کہ صُور سینگ کی شکل پر ہے۔

اس تعلیق کی الفریابی نے وصل کے ساتھ روایت کی ہے از ابن ابی نجیح از مجاہد۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾ (الکہف:۹۹) اور اس دن ہم ان کے بعضوں کو اس طرح چھوڑ دیں گے کہ وہ تیز موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور صور پھونک دیا جائے گا، پھر ہم ان سب کو جمع کر لیں گے O

یعنی صور اس سینگ کی شکل کا ہوگا جس کو بجایا جاتا ہے اور یہ معروف ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لغتِ یمن میں صور سینگ کا نام ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صور کو بجائے جانے والے سینگ کے ساتھ کس طرح تشبیہ دی گئی ہے جو کہ مذموم ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں کوئی مانع نہیں ہے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ وحی کی آواز کو "صلصلة الجرس" یعنی گھنٹی کی آواز کے ساتھ تشبیہ دی گئی، حالانکہ گھنٹی کو ساتھ رکھنا ممنوع ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صور کو کس چیز سے بنایا گیا ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ابوالشیخ نے کتاب العظمت میں وہب بن منبہ سے یہ روایت کی ہے کہ صور کو سفید موتیوں سے صاف شیشہ میں بنایا گیا، پھر عرش سے فرمایا: صور کو پکڑ لو اور اس کو لٹکا لو، پھر فرمایا: ہو، سو وہ ہو گیا۔ پس حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ صور کو پکڑ لیں، سو انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور اس صور میں جتنی تعداد میں روحیں پیدا ہو چکی ہیں اتنے سوراخ ہیں، پھر انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس حدیث میں مذکور ہے "پھر تمام روحوں کو صور میں جمع کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ اس میں پھونک ماریں تو ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور امام نسائی اور امام ابن حبان نے بھی اس کی روایت کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس پوچھا: صور کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی۔

دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ "زجرة" کا معنی ہے چیخ۔ اس لفظ سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے:

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وہ صرف ایک زوردار جھڑک ہوگی، پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گی O

(الصّٰفّٰت:۱۹)

اس آیت میں "زجرة" کا لفظ ہے، اس کا معنی جھڑکنا ہے جیسے بکریوں اور اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے زور سے ڈانٹتے ہیں، پھر یہ لفظ چیخ کے معنی میں استعمال ہونے لگا، اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ایک زوردار چیخ کی آواز آئے گی، جس سے مُردے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور اس صور کی آواز کو "زجرة" سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ یہ آواز جھڑکنے کی طرح ہوگی جو مُردوں کو قبروں سے اٹھا دے گی اور ان کو ہنکا کر میدانِ حشر کی طرف لے جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس چیخ یا جھڑک کا کیا فائدہ ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیخ محض ڈرانے کے لیے ہوگی اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اس جھڑک کی مُردوں کو زندہ کرنے میں کوئی تاثیر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے صور کی آواز سے سب زندہ

لوگ مر جائیں گے اور دوسرے صور کی آواز سے سب مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے۔ نہ پہلے صور کی موت میں کوئی تاثیر ہے اور نہ دوسرے صور کی حیات میں کوئی تاثیر ہے، بلکہ موت اور حیات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (الملک: ۲) وہ ذات جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

''زجرة'' کی تفسیر جو چیخ کی گئی ہے، یہ بھی مجاہد کی تفسیر ہے اور الفریابی نے اس کی بھی ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے۔

تیسری تعلیق میں مذکور ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''الناقور'' کا معنی ہے ''الصور''۔ ناقور کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ۙ﴿۹﴾ (المدثر: ۸۔۹) پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی O تو وہ بہت مشکل والا دن ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کو امام طبری اور امام ابن ابی حاتم نے از علی بن ابی طلحہ اس آیت مذکورہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے اور ''نقر'' کا معنی ہے: پھونک ماری۔

چوتھی تعلیق میں مذکور ہے: ''الراجفة'' سے مراد ہے پہلی پھونک، اور ''الرادفة'' سے مراد ہے دوسری پھونک۔ ان دونوں پھونکوں کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ (النازعات: ۶۔۷) (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی لرزانے والی O پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی O

الفراء نے معانی القرآن میں مجاہد سے ذکر کیا ہے کہ ''راجفة'' کا معنی ہے زلزلہ۔ یعنی جو چیز زمین کو لرزائے گی اور ہلائے گی اور الٹ پلٹ کر دے گی۔ اور ''رادفة'' سے مراد ہے: ''دکدکة'' یعنی پہاڑوں کا گر کر ہموار ہو جانا۔

صور پھونکنے کی تعداد

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ صور پھونکنے کی تعداد میں اختلاف ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ دو مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾ (الزمر: ۶۸) اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے O

اور دوسرا قول یہ ہے کہ تین مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ ایک ''نفخة الفزع'' ہے یعنی صور میں پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں اور زمینوں والے بے ہوش ہو جائیں گے اس حیثیت سے کہ ہر دودھ پلانے والی بھول جائے گی کہ اس نے کس کو دودھ پلایا۔ پھر ''نفخة الصعق'' ہے (یعنی جس صور پھونکنے سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے)۔ پھر ''نفخة البعث'' ہے یعنی صور میں پھونکنے سے مُردے زندہ ہو جائیں گے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ پہلے دو صُور بھی ایک صور کی طرف راجع ہیں جس صور میں پھونکنے سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔

اور مشہور یہ ہے کہ صُور میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ اور علامہ الحلیمی نے اس کے اوپر اجماع کو نقل کیا ہے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور فرشتہ صور میں پھونکے گا۔
امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں از عبداللہ بن الحارث روایت کی ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا: اے کعب! مجھے اسرافیل کے متعلق خبر دو۔ اس کے بعد حدیث میں مذکور ہے کہ صور پھونکنے والا فرشتہ اپنے ایک زانو کے بل گرا ہوا ہے اور دوسرا زانو اس نے نصب کیا ہوا ہے اور صور اس کے منہ میں ہے اور اس نے اپنی پشت ٹیڑھی کی ہوئی ہے اور اس نے اپنی نظر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرف لگائی ہوئی ہے اور جب وہ دیکھے گا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اپنے پروں کو ملا لیا ہے تو اس فرشتہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ صور میں پھونکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں زید بن جدعان ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث مذکور کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ کتاب الزہد میں ہناد بن السری نے یہ روایت کی ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے صور کے ساتھ مقرر ہوتے ہیں، وہ انتظار کرتے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے تو وہ صور میں پھونکیں۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ حدیث عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ پر موقوف ہے۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو صور میں پھونکنے والے دوسرے آسمان میں ہیں، ان میں سے ایک کا سر مشرق میں ہے اور اس کے پیر مغرب میں ہیں اور دوسرا اس کے برعکس ہے، وہ دونوں انتظار کر رہے ہیں کہ کب انہیں حکم دیا جائے تو وہ صور میں پھونکیں۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔
اور امام حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بغیر شک کے روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ اور امام بزار نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صور پھونکنے والے دو صاحبوں کے ہاتھوں میں دو سینگ ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ کب انہیں صور میں پھونکنے کا حکم دیا جائے گا۔
اور بعض علماء نے کہا کہ وہ فرشتہ جب دیکھے گا کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام نے اپنے پروں کو ملایا ہے تو وہ صور میں پھونکے گا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزرا ہے تو وہ پہلی بار صور میں پھونکے گا جس سے لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور دوسری مرتبہ صور میں حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پھونکیں گے اور اس سے جو ہلاک ہو گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۱۔ ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۷۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَرَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَالَّذِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عبدالرحمٰن الاعرج، ان دونوں نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: دو مرد لڑے، ایک مرد مسلمانوں میں سے تھا اور دوسرا مرد یہود میں سے تھا، پس مسلمان

اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْعَالَمِينَ قَالَ فَغَضِبَ الْمُسْلِمُ عِنْدَ ذَلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ فِي أَوَّلِ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَكَانَ مُوسَى فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللهُ۔

نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، پس یہودی نے کہا: اور اس ذات کی قسم جس نے (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کو تمام جہانوں پر فضیلت دی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس مسلمان غضب ناک ہوا اور اس نے یہودی کے منہ پر تھپڑ مارا، پس یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس نے اس کو جو کچھ اس کے اور مسلمان کے درمیان واقع ہوا اس کے متعلق خبر دی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر فضیلت مت دو، کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے، پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا، سو اس وقت (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہوئے تھے، سو مجھ سے پہلے وہ ہوش میں آگئے یا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوشی سے مستثنیٰ قرار دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "صور میں پھونکنا" اور بہ ظاہر اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے "لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے۔۔۔الحدیث" اور یہ معلوم ہے کہ لوگ صور میں پھونکنے کی وجہ سے بے ہوش ہوں گے۔ سو اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب کی حدیث کے رجال کا تذکرہ باب "مایذکر فی الاشخاص" میں گزر چکا ہے۔ وہاں امام بخاری نے اس حدیث کی از یحییٰ بن قضاعہ از ابراہیم بن سعد از ابن شہاب از ابی سلمہ از عبدالرحمٰن الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی تھی۔ اور وہاں ان راویوں پر بحث ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، پھر آپ نے اپنی فضیلت دینے سے کیوں منع فرمایا؟ اس سوال کے متعدد جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے "لاتخیرونی" یعنی مجھ کو فضیلت نہ دو، اور مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خیر نہ قرار دو۔

اس پر یہ سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات ہیں، تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی فضیلت سے کیوں منع فرمایا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایسی فضیلت نہ دو جس سے ان کی شان میں کمی ہو یا ان کی توہین ہو۔ یا مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو جس کے نتیجہ میں کوئی جھگڑا ہو، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بطورِ تواضع فرمایا۔ یا آپ نے یہ بات اس وقت فرمائی تھی جب آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر عمل میں فضیلت نہ دو، کیونکہ ان کا عمل مجھ سے زیادہ ہے۔ اور ثواب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرماتا ہے عمل کی وجہ سے عطا نہیں فرماتا۔ یا مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آزمائش اور امتحان میں فضیلت نہ دو، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے زیادہ آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیے گئے۔

"صعقة" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "فان الناس یصعقون یوم القیامة" یعنی قیامت کے دن لوگ بے ہوش کیے جائیں گے۔

"صعقة" کا معنی ہے: بے ہوش ہونا۔

اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "صعق" یہ ہے کہ کسی شدید آواز کو سننے سے انسان پر بے ہوشی طاری ہو جائے اور بسا اوقات وہ اس آواز کو سن کر مر جاتا ہے، پھر اس کا استعمال زیادہ تر موت کے معنی میں ہوا۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد یہ گھبراہٹ کی بے ہوشی ہو حتیٰ کہ تمام آسمان اور زمین شق ہو جائیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فافاق قبلی" وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے۔ کیونکہ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص بے ہوش ہونے کے بعد ہوش میں آئے، اور رہی موت تو کہا جاتا ہے: وہ اس سے زندہ کیا گیا ہے۔ اور پہاڑ طور پر جو صعقة ہوا تھا وہ موت نہیں تھا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (الاعراف: ۱۴۳)

پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب ان کو ہوش آیا تو کہا: تو پاک ہے میں نے تیرے حضور توبہ کی اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں O

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فلا ادری اکان موسیٰ فیمن صعق فافاق قبلی" یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیا ان لوگوں میں سے ہیں جو بے ہوش ہو گئے تھے، پس مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے۔

اس پر بھی یہ سوال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ "میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں" اور آپ نے فرمایا "سب سے پہلے مجھ سے زمین پھٹے گی"، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیسے فرمایا "پس میں از خود نہیں جانتا کہ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے، پس مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس وقت کہا ہو جب آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ زمین سب سے پہلے آپ سے پھٹے گی۔ اور بے شک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے شخص ہیں جن سے زمین پھٹے گی، پس موسیٰ علیہ السلام بھی اس جماعت میں سے ہوں گے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام سے پہلے زمین پھٹے گی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یا موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا" جس آیت میں یہ فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○ (الزمر: ٦٨)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ○

جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ان کا بیان

جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے ان کے متعلق دس اقوال ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) یہ مُردہ لوگ ہیں کیونکہ ان کو کوئی احساس نہیں ہوتا (۲) شہداء (۳) انبیاء علیہم السلام اور امام بیہقی کا اسی طرف میلان ہے اور انہوں نے جائز قرار دیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا۔ (۴) حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت، پھر پہلے تین فوت ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ حضرت ملک الموت علیہ السلام سے فرمائے گا: مر جاؤ! سو وہ مر جائیں گے۔ یہ یحییٰ بن سلام کا اپنی تفسیر میں قول ہے (۵) حاملین عرش، کیونکہ وہ آسمانوں کے اوپر ہیں اور اس آیت میں فرمایا ہے "جو آسمانوں میں ہیں وہ بے ہوش ہو جائیں گے"۔ اور حاملین عرش آسمانوں سے اوپر ہیں۔ (۶) صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام، اس کی امام طبری نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے روایت کی ہے اور امام ثعلبی نے اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۷) وہ بچے جو جنت میں ہیں اور بڑی آنکھوں والی حوریں۔ (۸) جنت کے محافظین (۹) دوزخ کے محافظین اور دوزخ میں جو سانپ اور بچھو ہیں، اس کی امام الثعلبی نے حکایت کی ہے۔ (۱۰) تمام فرشتے۔ اس کو ابن حزم نے "الملل والنحل" میں وثوق کے ساتھ کہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملائکہ روحیں ہیں اور ان میں کوئی روح نہیں ہے، پس ان پر بالکل موت نہیں آتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۳۔ ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْعَقُ النَّاسُ حِينَ يَصْعَقُونَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ قَامَ فَإِذَا مُوسَى آخِذٌ بِالْعَرْشِ فَمَا أَدْرِي أَكَانَ فِيمَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَعِقَ رَوَاهُ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

قیامت کے دن لوگ بے ہوش کیے جائیں گے جب بے ہوش کیے جائیں گے، پس میں سب سے پہلے کھڑا ہوں گا، پس اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کیا وہ ان لوگوں میں سے تھے جو بے ہوش ہو گئے۔
اس حدیث کی ابو سعید نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۱، ۳۴۰۸، ۳۴۱۴، ۳۴۷۶، ۴۸۱۳، ۵۰۶۲، ۶۵۱۷، ۶۵۱۸، ۷۴۲۸، ۷۴۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ترمذی: ۳۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۱، مسند احمد: ۷۵۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیثِ مذکور کی دوسری سند ہے جس میں اس حدیث کو امام بخاری نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کے رجال کا اس ترتیب کے ساتھ کئی مرتبہ بیان ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالزناد کا ذکر ہے، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث میں الاعرج کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو نبی ﷺ سے پہلے ہوش میں آ گئے تو کیا اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے نبی ﷺ سے افضل قرار دیا جائے گا؟

اس کا یہ جواب ہے: نہیں! اس اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی ﷺ پر مطلقاً افضلیت لازم نہیں آتی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تو ایک امرِ مشکوک کا ذکر ہے کہ آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا بے ہوش ہوئے ہی نہیں تھے، تو اس سے ان کی نبی ﷺ پر افضلیت لازم نہیں آئے گی کیونکہ آپ مطلقاً افضل ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن افراد کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا، ان کی تفصیل کے متعلق بحث ونظر

ایک قول یہ ہے کہ مستثنیٰ ملائکہ ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ شہداء ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ انبیاء علیہم السلام ہیں اور علامہ الحلیمی کا مختار یہ ہے کہ مستثنیٰ شہداء ہیں اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے اس پر استدلال اس آیت سے کیا ہے:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۶۹) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں انہیں رزق دیا جا رہا ہے۔

اور باقی اقوال جو ذکر کیے گئے ہیں وہ ضعیف ہیں۔

اور علامہ ابو العباس القرطبی متوفی ۶۵۶ھ، نے نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جن کا بے ہوش ہونے سے استثناء کیا گیا ہے ان کی تعیین میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے اور سب کی گنجائش ہے۔ (المفہم شرح صحیح مسلم ج ۶ ص ۲۳۱، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اور امام ابو بکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے ''البعث والنشور'' میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش کرنا نہیں چاہا، تو انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شہداء ہیں۔ اس حدیث کی حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (البعث والنشور ص ۳۲۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اور امام ابن معبد نے ''کتاب الطاعة'' میں بھی ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا، آپ نے فرمایا: وہ شہداء ہیں۔

اور النحاس نے ''معانی القرآن'' میں سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ وہ شہداء ہیں۔ (معانی القرآن ج ۵ ص ۱۴۹)

اور حسن بن ابی الحسن نے کہا: جو لوگ دو صوروں کے درمیان مر جائیں گے ان سے اللہ عزوجل نے آسمان کی چند شخصیات کے بے ہوش ہونے کا استثنیٰ کیا۔

یحییٰ بن سلام نے اپنی تفسیر میں کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آخر میں ان میں سے جو باقی رہیں گے وہ حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت ملک الموت ہیں۔ پھر حضرت جبریل اور حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل فوت ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرمائے گا: مر جاؤ، تو وہ مر جائیں گے۔ (تفسیر ابن ابی زمنین ج ۴ ص ۱۲۰)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ وہ حاملینِ عرش ہیں اور حضرت جبریل ہیں اور حضرت میکائیل اور حضرت ملک الموت علیہم السلام ہیں۔ اور علامہ الحلیمی نے کہا: جس کا یہ زعم ہے کہ جن کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے ان کا استثنیٰ حاملین عرش یا حضرت جبریل یا حضرت میکائیل یا حضرت ملک الموت کی وجہ سے ہے یا جس نے کہا کہ یہ استثنیٰ بچوں کی وجہ سے ہے یا جنت کی حوروں کی وجہ سے ہے یا جس نے یہ زعم کیا کہ یہ استثنیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے زمین مجھ سے شق ہوگی، پس میں اپنا سر بلند کروں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب ہوں گے۔۔۔۔ الحدیث۔ سو ان میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں ہے۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۱۰۔۳۱۱)

رہا پہلے قول کا صحیح نہ ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حاملین عرش نہ آسمان کے رہنے والے ہیں اور نہ زمین کے اور عرش تمام آسمانوں کے اوپر ہے، پس حاملینِ عرش آسمانوں میں کیسے ہوں گے؟ جب کہ الزمر: ۶۸ میں یہ فرمایا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو تمام آسمانوں والے اور زمینوں والے بے ہوش ہو جائیں گے سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے۔ سو جب حاملینِ عرش آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے ہیں ہی نہیں تو ان کا استثنیٰ کیسے ہوگا؟

اور رہے حضرت جبریل اور حضرت ملک الموت اور حضرت میکائیل علیہم السلام تو یہ ان فرشتوں میں سے ہیں جو عرش کے گرد حلقہ بنا کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور جب کہ عرش آسمانوں کے اوپر ہے تو ان کا آسمانوں میں حلقہ بنانا نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح دوسرا قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ بچے اور حور جنت میں ہیں اور جنت اگرچہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں لیکن تمام جنتیں آسمانوں کے اوپر ہیں اور عرش کے نیچے ہیں اور وہ ایک ایسا عالم ہے جس کو بقا کے لیے پیدا کیا گیا ہے، پس اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اس سے علیحدہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فنا کے لیے پیدا کیا ہے اور اس استثنیٰ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقتاً فوت ہو گئے تھے۔ پس دوسرے صور کو پھونکنے کے وقت ان پر موت نہیں آئے گی۔ اسی لیے اس استثنیٰ کی تاویل کرنے والوں نے ان کا شمار نہیں کیا جو صور پھونکنے سے پہلے فوت ہو چکے تھے، کیونکہ استثناء ان سے ہوگا جن کا اس میں فی الجملہ دخول ممکن ہو لیکن جس کا ان میں فی الجملہ دخول ممکن نہ ہو تو ان کے استثنیٰ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں جو ارشاد ہے کہ ''پس موسیٰ علیہ السلام عرش کے پائے کو پکڑے ہوئے ہیں اور میں از خود نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا طور میں جو انہیں بے ہوش کیا گیا تھا اس کی انہیں جزاء دی گئی''۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بے ہوشی کا ''صعقة'' ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا اور یہ موت کا ''صعقة'' نہیں ہے جو صور پھونکنے کے وقت حادث ہوگی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو میں سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہوں گے، پس میں از خود نہیں جانتا کہ کیا وہ مجھ سے پہلے زندہ کر دیے گئے تھے اور اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ہے جیسے دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت دی گئی کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو پہاڑ طور پر بے ہوش کیا گیا تھا اس کی جزاء دی گئی، یعنی ان کو دیگر انبیاء سے پہلے زندہ کیا گیا جس انداز سے ان پر ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تھی یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ گئے تا کہ یہ ان کی جزاء ہو جائے، اور ان کے علاوہ استثنیٰ میں جو اقوال ہیں وہ ثابت نہیں ہیں۔

علامہ ابو العباس القرطبی المتوفی ۶۵۶ ھ نے کہا ہے: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ صور میں دوسری مرتبہ پھونکنے کے بعد رونما ہوا جو نفخة البعث ہے یعنی جس میں سب کو زندہ کیا جائے گا۔ اور قرآن عظیم کی نص صریح کا تقاضا یہ ہے کہ یہ استثنیٰ ان سے ہے جو صور پھونکنے کے بعد بے ہوش ہو گئے تھے اور جب کہ یہ معاملہ اس طرح ہے تو بعض علماء نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان میں سے ہوں جو انبیاء علیہم السلام میں سے فوت نہیں ہوئے اور یہ بالکل باطل ہے کیونکہ گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر موت آئی تھی۔

امام بیہقی نے کہا ہے: میرے نزدیک اس حدیث کی توجیہ یہ ہے اور اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ آپ نے شب معراج آسمان میں انبیاء علیہم السلام کی ایک جماعت کو دیکھا اور یہ اس وقت صحیح ہوگا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ان کی روحوں کو لوٹا دیا، پس وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں جیسا کہ شہداء زندہ ہیں۔ پھر جب صور میں پہلی مرتبہ پھونک ماری گئی تو جنہوں نے بے ہوش ہونا تھا وہ بے ہوش ہو گئے لیکن یہ موت نہیں تھی صرف ان کا شعور ماؤف ہو گیا تھا، پس بے شک موسیٰ علیہ السلام ان میں سے

ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد سے استثنیٰ کیا ''الا من شاء اللہ''۔ یعنی دوسرے لوگوں کا شعور تو ماؤف ہو گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شعور ماؤف نہیں کیا، اور پہاڑ طور پر جو ان کو بے ہوش کر دیا گیا تھا اس کا اس میں حساب کر دیا گیا۔ (شعب الایمان ج ا ص ۳۱۰)

اور قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ''صعقة'' سے مراد وہ ''صعقة'' ہو جس کے بعد گھبراہٹ طاری ہو گی جب آسمان اور زمینیں شق ہو جائیں گی۔ (اکمال المعلم ج ۷ ص ۳۵۷)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: جو چیز اس اشکال کو زائل کرتی ہے وہ یہ ہے کہ موت عدمِ محض نہیں ہے، وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ شہداء اپنے قتل کیے جانے اور موت کے بعد بھی اپنے رب کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے، پس جب یہ صفت شہداء میں ہے تو اس صفت کا انبیاء علیہم السلام میں ہونا زیادہ حق دار اور زیادہ اولیٰ ہے بلکہ صحیح حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ (سنن ابوداؤد: ۱۰۴۷، سنن نسائی: ج ۳ ص ۹۱، سنن ابن ماجہ: ۱۶۳۶)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ شب معراج بیت المقدس میں اور آسمانوں میں جمع ہوئے خصوصاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حدیث بیان کی کہ جو شخص بھی آپ کو سلام کرتا ہے تو اس کا جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ آپ کی طرف روح کو لوٹا دیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۰۴۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے قطعی طور پر یہ علم ہو جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے غائب ہو گئے اس حیثیت سے کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے ہر چند کہ وہ موجود ہیں زندہ ہیں اور یہ ایسا حال ہے جیسا کہ فرشتوں کا حال ہے وہ بھی موجود ہیں اور زندہ ہیں۔ اور ہماری نوع میں سے ان کو کوئی نہیں دیکھتا سوا ان اولیاء اللہ کے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیکھنے کی کرامت عطا کی ہو۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تو جب صور میں پھونک ماری گئی جو ''نفخة الصعق'' تھی تو آسمانوں میں اور زمینوں میں جو بھی تھے وہ ''مصعوق'' ہو گئے سوا ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ رہا انبیاء علیہم السلام کے غیر کا صعق تو وہ موت ہے (یعنی صور میں پھونکنے سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ جو تھے وہ سب مر گئے لیکن انبیاء علیہم السلام کا ''صعق'' یہ تھا کہ وہ بے ہوش ہوئے)۔ پس جب صور میں ''نفخة البعث'' ہو گا تو جو مر گئے تھے وہ زندہ ہو جائیں گے اور جن پر بے ہوشی طاری ہوئی تھی وہ ہوش میں آجائیں گے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔
(المفہم ج ۶ ص ۲۳۴۔۲۳۳)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جب انبیاء علیہم السلام کے ماسوا کو شارع علیہ السلام نے زندوں میں شمار کیا ہے تو انبیاء علیہم السلام کا زندہ ہونا بدرجہ اولیٰ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت جزوی، حاملینِ عرش اور رسلِ ملائکہ کی موت اور اہل جنت اور جنت پر موت کا نہ آنا

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی موت ان پر بے ہوشی کا طاری ہونا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا "میں از خود نہیں جانتا حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے"۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظیم فضیلت ہے، ہاں یہ فضیلت مشکوک ہے، کیونکہ فرمایا: یا تو وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے، اس سے ان کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت لازم نہیں آتی کیونکہ آپ کی افضلیت مطلقہ ہے۔ اور یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت جزوی ہے اور یہ علامہ الحلیمی کا مختار ہے۔

اور جن فرشتوں کا استثنیٰ میں ذکر کیا گیا ہے ہم ان سے موت کی نفی نہیں کرتے اور نہ ان کے متعلق موت کو محال قرار دیتے ہیں۔ ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کا اس استثنیٰ میں شمار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ آسمانوں اور زمینوں سے اوپر ہیں۔

پھر ایسی احادیث بھی وارد ہیں کہ اللہ تعالیٰ حاملین عرش اور ملک الموت پر اور میکائیل پر موت کو طاری کرے گا اور سب سے آخر میں حضرت جبریل پر موت کو طاری فرمائے گا اور ان کو اسی جگہ زندہ کر دے گا اور وہ ان ملائکہ کو زندہ کریں گے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور رہے اہل جنت تو ان کے متعلق حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وہ مریں گے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جنت دار الخلد ہے اور جو جنت میں داخل ہو گیا وہ اس میں کبھی بھی نہیں مرے گا، اس کے باوجود کہ وہ بھی موت کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں پیدا کیا وہ زیادہ اولیٰ ہے کہ وہ جنت میں کبھی بھی نہ مرے۔

نیز موت مکلفین پر قہر کرنے کے لیے ہے اور ان کو ایک جہان سے دوسرے جہان کی طرف منتقل کرنے کے لیے ہے اور اہلِ جنت کے متعلق ہمیں یہ حدیث معلوم نہیں ہوئی کہ وہ بھی مکلف ہیں، پس اگر ان کو موت سے معاف کر دیا گیا جیسا کہ ان کو تکلیف سے معاف کر دیا گیا ہے تو یہ بعید نہیں ہے۔

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ۔ (القصص: ۸۸) اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ جو چیز بھی ہلاک ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے تو جب اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گی سوا اللہ سبحانہٗ کی ذات کے کیونکہ وہ قدیم ہے اور قدیم کے لیے فناء ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا حادث ہے اور حادث وہ ہوتا ہے جس کو مُحدِث جب تک چاہے باقی رکھے اور جب چاہے فناء کر دے۔ اور کسی صحیح حدیث یا معلول سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش کو ہلاک کرنے والا ہے، پس چاہیے کہ جنت بھی اس کی مثل ہو۔ (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۱۱)

جنت اور دوزخ کی فناء کے متعلق دیگر اقوال

علامہ قرطبی نے کہا ہے: جنت اور دوزخ کی فناء کے متعلق دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو فناء کرے گا تو جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ باقی رکھے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کو بھی اللہ تعالیٰ فناء کر دے گا اور سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ" (الحدید: ۳) "اللہ ہی اول ہے اور وہی آخر ہے"۔ پس جب اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ کو فناء کر دے گا تو جو ان میں مخلوق ہے وہ بھی بطریق اولیٰ فناء ہو جائے گی۔ اور بعض علماء نے تیسرے قول کا بھی ذکر کیا ہے کہ فقط دوزخ فناء ہوگی۔ اور ہمیں اس میں غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

صور میں پھونکنے کی تعداد

صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ صور میں صرف دو مرتبہ پھونک ماری جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو مرتبہ صور میں پھونکنے کے درمیان چالیس (۴۰) کا عرصہ ہے، لوگوں نے پوچھا: اے ابو ہریرہ! چالیس دن کا عرصہ ہے؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں، لوگوں نے کہا: چالیس (۴۰) سال کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا: چالیس (۴۰) مہینوں کا؟ انہوں نے کہا: میں انکار کرتا ہوں اور کہا: انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے سوا اس کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی اور اسی سے اس کی دوبارہ پیدائش کی جائے گی۔
(صحیح البخاری: ۴۸۱۴، صحیح مسلم: ۲۹۵۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر: ۶۸)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ○

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ صور میں دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔

اور بعض ضعیف احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ علی بن معبد کی "کتاب الطاعة" میں مذکور ہے کہ صور میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے فارغ ہو گیا تو اس نے صور کو پیدا کیا اور وہ صور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو عطا فرمایا، پس وہ صور کو اپنے منہ پر رکھے ہوئے ہیں اور نظر اٹھا کر عرش کی طرف دیکھ رہے ہیں، میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ بہت عظیم سینگ ہے اور سینگ کی گولائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، اس صور میں حضرت اسرافیل علیہ السلام تین مرتبہ پھونک ماریں گے، پہلی مرتبہ پھونک مارنا "نفخة الفزع" ہوگا جسے سن کر لوگ گھبرائیں گے اور دوسری مرتبہ پھونک مارنا "نفخة الصعق" ہوگا (جسے سن کر عام لوگ مر جائیں گے اور انبیاء علیہم السلام صرف بے ہوش ہوں گے) اور تیسری مرتبہ پھونک ماریں گے تو سب لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے حاضر

ہوجائیں گے۔۔۔الحدیث

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر اس آیت میں مکمل فرمایا ہے:

وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (ص:۱۵) اور یہ (کفار) صرف ایک سخت چنگھاڑ کا انتظار کر رہے ہیں جس کے درمیان کوئی مہلت نہیں ہوگی O

قیامت کے وقوع کا وقت اور کیفیت

صور پھونکنے کا یہ واقعہ نصف رمضان کو جمعہ کے دن ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ پہاڑوں کو چلائے گا تو وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہوں گے، پھر وہ فریب نظر ہوجائیں گے، پھر زمین، زمین والوں کے ساتھ حرکت کرے گی اور اس کا مصداق یہ آیت ہے:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات:۶۔۷) (تم کو ضرور مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا) جس دن لرزائے گی لرزانے والی O پھر اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی O

اور زمین اس طرح ہوگی جیسا کہ سمندر میں کشتی سمندر کی موجوں سے تھپیڑے کھا رہی ہوتی ہے اور لوگ اس کی پشت پر ہوں گے، اور دودھ پلانے والی اپنے بچہ کو بھول جائے گی، حاملہ کا حمل ساقط ہوجائے گا اور بچے بوڑھے ہوجائیں گے، اور شیاطین اڑ کر بھاگ رہے ہوں گے حتیٰ کہ کنارے پر آئیں گے، پھر فرشتے ان کو تھپڑ ماریں گے حتیٰ کہ وہ لوٹ جائیں گے اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے اور ایک دوسرے کو پکاریں گے اور اس کا مصداق قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ (المومن:۳۳) جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جس کو اللہ گم راہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے O

پس جب لوگوں کا یہی حال ہوگا تو زمین پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی اور لوگ ایک سنگین امر دیکھیں گے۔ پھر لوگ آسمان کی طرف دیکھیں گے تو وہ پگھلے ہوئے تانبہ کی طرح ہوگا، پھر آسمان پھٹ جائیں گے اور سورج اور چاند کی روشنی ختم ہوجائے گی اور ستارے بکھر جائیں گے، پھر آسمان کو ان سے لپیٹ دیا جائے گا۔

اور مُردوں کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں ہوگا، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا ان کو اس حال میں باقی رکھے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو "نفخة الصعق" کا حکم دے گا، اور اس حدیث میں ہے "پھر ہاتف تین مرتبہ آواز دے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی فرمائے گا "لله الواحد القهار" اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد قہار ہے"۔

علامہ زمخشری کی تفسیر میں ہے: منادی ندا کرے گا: آج کس کی بادشاہت ہے؟ تو اہل جنت جواب دیں گے: اللہ ہی کی ہے جو "واحد القهار" ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ "نفخة البعث" پھونکیں، سو وہ پھونک ماریں گے تو پھر سب لوگ زندہ ہوجائیں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۹ ص ۶۱۶۔ ۶۲۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۴۔ بَابٌ: يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو جمع کرے گا (یا فناء کرے گا)

رَوَاهُ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

اس کی نافع نے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو قبض فرمائے گا اور قبض کے معنی ہیں: جمع کرنا۔ اور کبھی قبض کا معنی ہوتا ہے کسی شے کو فناء کرنا اور اس کو ختم کرنا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿الزمر: ٦٧﴾

اور انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا اور قیامت کے دن سب زمینیں اس کی مٹھی میں ہوں گی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے، وہ ان چیزوں سے پاک ہے اور برتر ہے جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں O

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ قیامت کے دن تمام زمینیں فناء ہو جائیں گی۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوری زمین کو قبضہ میں لے لے گا، یعنی پوری زمین کو جمع کر لے گا۔
اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقْبِضُ اللهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے گا اور آسمان کو دائیں ہاتھ سے لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(صحیح البخاری: ۴۸۱۲، ۶۱۹، ۷۳۸۲، ۷۴۱۳، صحیح مسلم: ۲۷۸۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲، مسند احمد: ۸۶۴۶، سنن دارمی: ۲۷۹۹)

صحیح البخاری:۶۵۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو جمع کرے گا'' اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی عنوان ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ذکر ہے محمد بن المقاتل، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ذکر ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔

یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویطوی السماء'' یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کو لپیٹ لے گا، اس سے لپیٹنے کا لغوی معنی مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان کو اللہ تعالیٰ فناء کردے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''بیمینہ'' یعنی اپنے دائیں ہاتھ سے، اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے آسمان کو فناء کردے گا۔

لفظ ''ید'' کے متعدد معانی

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس کی قدرت اور تمام مخلوقات کو احاطہ کرنے سے عبارت ہے اور ''الید'' کا لفظ متعدد معانی کے لیے آتا ہے، ان میں سے ایک معنی قوت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ۝ اور ہمارے طاقت ور بندے داؤد کو یاد کیجئے، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے O (ص:۱۷)

اور ''ید'' کا دوسرا معنی مِلک ہے یعنی ملکیت جیسے درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۝ (آل عمران:۷۳) آپ کہیے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے O

اور ''ید'' کا تیسرا معنی نعمت ہے، جیسے تم کہو: ''کم یدلی عند فلان'' یعنی میں نے فلاں کو کتنی نعمتیں دی ہیں۔

اور ''ید'' کا چوتھا معنی ہے: ملا ہوا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ۔ (البقرہ: ۲۳۷) یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)۔

اور ''ید'' کا پانچواں معنی ہے: عضو مخصوص یعنی ہاتھ۔ جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ (التوبہ: ۲۹) حتیٰ کہ وہ ذلت کے ساتھ ہاتھ سے جزیہ دیں O

اور قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح: ۱۰) اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر۔

اور ''ید'' کا معنی اطاعت اور پیروی بھی ہے اور ''ید'' کا معنی سلطنت بھی ہے اور ''ید'' کا معنی اطاعت بھی ہے اور ''ید'' کا معنی جماعت بھی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟''

اللہ تعالیٰ یہ قول اس وقت فرمائے گا جب دنیا کا زمانہ منقطع ہو جائے گا اور اس کے بعد لوگوں کو قبروں میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس کے بعد حشر و نشر ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب تمام مخلوق کو چاندی کی مثل سفید زمین میں جمع کیا جائے گا اس وقت ایک منادی ندا کرے گا کہ آج کس کی بادشاہت ہے تو بندے جواب دیں گے: اللہ ہی کے لیے ہے جو واحد القہار ہے۔ اس حدیث کی ابو وائل نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اور اس کو نحاس نے ذکر کیا ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ صور کی طویل حدیث میں مذکور ہے کہ جب پہلی مرتبہ صور میں پھونکنے کے بعد تمام زندہ لوگ مر جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی باقی نہیں رہے گا اس وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرمائے گا: میں جبار ہوں، آج کس کی بادشاہی ہے؟ تو کوئی جواب نہیں دے گا، پس اللہ عزوجل خود فرمائے گا ''للہ الواحد القہار'' اللہ ہی کی بادشاہی ہے جو واحد القہار ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہو سکتی ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد دو مرتبہ فرمائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۵۲۰۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ سَعِیدِ بْنِ أَبِی هِلَالٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ عَنْ أَبِی سَعِیدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم تَکُونُ الْأَرْضُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ خُبْزَةً وَاحِدَةً یَتَکَفَّؤُهَا الْجَبَّارُ بِیَدِهِ کَمَا یَکْفَأُ أَحَدُکُمْ خُبْزَتَهُ فِی السَّفَرِ نُزُلًا لِأَهْلِ الْجَنَّةِ فَأَتَی رَجُلٌ مِنَ الْیَهُودِ فَقَالَ بَارَکَ الرَّحْمٰنُ عَلَیْکَ یَا أَبَا الْقَاسِمِ أَلَا أُخْبِرُکَ بِنُزُلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ بَلَی قَالَ تَکُونُ الْأَرْضُ خُبْزَةً وَاحِدَةً کَمَا قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَظَرَ النَّبِیُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از خالد از سعید بن ابی ہلال از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ساری زمین ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی، جبار عزوجل اپنے ہاتھ سے (اہل جنت کی ضیافت کے لیے) اس کو الٹ پلٹ کرے گا جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنے دستر خوان پر روٹی کو گھماتا ہے، پھر ایک یہودی آیا، سو اس نے کہا: رحمٰن تم پر برکت نازل فرمائے اے ابو القاسم! کیا میں تم کو

ﷺ إِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِإِدَامِهِمْ قَالَ إِدَامُهُمْ بَالَامٌ وَنُونٌ قَالُوا وَمَا هَذَا قَالَ ثَوْرٌ وَنُونٌ يَأْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُونَ أَلْفًا۔ (صحیح مسلم: ۲۷۹۲)

(قیامت کے دن) اہل جنت کی ضیافت کی خبر نہ دوں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا کہ تمام زمین ایک روٹی ہو جائے گی جیسے نبی ﷺ نے فرمایا، پس نبی ﷺ نے ہماری طرف دیکھا، پھر آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں مبارک ظاہر ہو گئیں، پھر اس یہودی نے کہا: کیا میں تم کو ان کے سالن کے متعلق خبر نہ دوں؟ پھر اس نے کہا: ان کا سالن بالام اور نون ہے، صحابہ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس نے کہا: بیل اور مچھلی، جس کی کلیجی کے ساتھ زائد چربی کے حصہ کو ستر ہزار آدمی کھائیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ بے شک اللہ عزوجل قیامت کے دن تمام زمین کو اپنی مٹھی میں لے گا، پھر اس کی ایک روٹی بنا دے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، اور وہ ابن زید ہیں اور وہ الجمحی ہیں۔ اس سند میں سعید تک مصری راوی ہیں اور وہاں سے آخر تک مدنی راوی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

زمین کو روٹی بنانے کی تفصیل اور "سفرة" کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "تکون الارض یوم القیامة خبزة واحدة" یعنی تمام زمین قیامت کے دن ایک روٹی بن جائے گی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ آٹا گوندکر رکھا جاتا ہے، پھر آگ جلائی جاتی ہے اور پھر اس گندھے ہوئے آٹے کے پیڑے بنائے جاتے ہیں جو گول گول ہوتے ہیں، پھر اس کو ہاتھوں سے الٹ پلٹ کر کے اور پھیلا کر چپاتی کی طرح سیدھا بنا دیا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں "سفرة" کا ذکر ہے، سفرة اس طعام کو کہتے ہیں جو مسافر کے لیے بنایا جاتا ہے اور اسی سے سفرۃ اس دسترخوان کو بھی کہتے ہیں جس پر کھانا کھایا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نزلا لاھل الجنة" یعنی اہل جنت کی ضیافت اور مہمانی کے لیے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روٹی کو اہل جنت کے لیے بنائے گا جو جنت میں داخل ہونے سے پہلے اس کو محشر میں کھائیں گے حتیٰ کہ محشر کا جو لمبا زمانہ ہوگا اس میں بھوک لگنے سے ان کو تکلیف نہیں ہوگی۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اہل محشر میں سے جو لوگ جنت میں جائیں گے وہ اس کو کھائیں گے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس کو کھاتے رہیں گے حتیٰ کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔

علامہ داؤدی کی شرح کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ زمین سفید روٹی کی طرح ہو جائے گی، ہر مومن اس کو اپنے قدموں کے نیچے سے کھالے گا۔ اس حدیث کی امام طبری نے روایت کی ہے اور یہ علامہ داؤدی کے ذکر کیے ہوئے عموم کے منافی نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے اوپر علامہ بیضاوی کا اشکال

علامہ بیضاوی نے کہا ہے: یہ حدیث بہت مشکل ہے، نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور ہر چیز پر اس کی قدرت کا انکار کیا جائے بلکہ اس لیے کہ زمین کے جسم کا پک کر روٹی بن جانا جیسا کہ کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں، اس کا احادیث میں ثبوت نہیں ہے جب کہ آثار سے یہ ثابت ہے کہ یہ زمین قیامت کے دن آگ بن جائے گی اور اس کو جہنم کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور حدیث میں جو ہے کہ یہ زمین ایک روٹی ہو جائے گی، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ایک روٹی کے مثل ہو جائے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ طیبی نے یہاں بحث کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کی زمین آگ بن جائے گی، یہ اپنی حقیقت پر محمول ہے اور زمین کا ایک روٹی ہو جانا جس کو محشر والے کھائیں گے یہ مجاز پر محمول ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس اثر کو ہم نے ابھی سعید بن جبیر سے ذکر کیا ہے وہ ان دونوں کا رد کرتا ہے، اور اولیٰ یہ ہے کہ زمین ایک روٹی بن جائے گی اس کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی صلاحیت رکھتی ہے اور جس حدیث سے علامہ بیضاوی نے استدلال کیا ہے کہ زمین آگ بن جائے گی اس سے مراد تمام زمین نہیں ہے بلکہ سمندر کی زمین ہے کیونکہ امام طبری نے کعب احبار کی سند سے روایت کی ہے کہ سمندر کی جگہ آگ بن جائے گی اور ربیع بن انس کی تفسیر میں از ابوالعالیہ از ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ آسمان شب بن جائیں گے اور سمندر کی جگہ آگ بن جائے گی۔

اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام بیہقی نے کتاب البعث میں یہ آیت ذکر کی ہے:

وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝ اور زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھا لیا جائے گا تو وہ ایک ہی ضرب سے (الحاقۃ: ۱۴) ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے O

امام بیہقی نے کہا ہے کہ زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن کر کفار کے چہروں پر چھا جائیں گے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: بعض شارحین (حافظ ابن حجر) نے کہا ہے کہ (زمین کا روٹی بن جانا اور زمین کا آگ بن جانا اور زمین کا غبار بن جانا، کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ زمین روٹی بن جائے گی اور ابی بن کعب کی روایت میں ہے کہ سمندر کی جگہ کی زمین آگ بن جائے گی اور "الحاقۃ: ۱۴" میں ہے کہ زمین ریزہ ریزہ ہو کر غبار ہو جائے گی) ان میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ بعض زمینیں آگ بن جائیں گی اور بعض زمینیں غبار بن جائیں گی اور بعض زمینیں روٹی ہو جائیں گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۵۸۸، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عینی اس پر رد کرتے ہیں کہ اس میں تامل ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ تمام زمین قیامت کے دن روٹی بن جائے گی اور ''الارض'' کا اطلاق تمام زمین پر ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو بیان کیا ہے اس میں مجاز کا ارتکاب ہے، تو جب تک حقیقت متعذر نہ ہو اس کو مجاز پر محمول نہیں کیا جائے گا اور تمام زمین کے روٹی بننے میں کوئی تعذر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی صلاحیت رکھتی ہے بلکہ جواب شافی یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ جو زمین آگ بن جائے گی اس سے سمندر کی زمین مراد ہے اور یہ جو فرمایا ہے کہ زمین غبار بن جائے گی اس سے پہاڑ مراد ہیں کیونکہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہونے کے بعد کفار کے چہروں پر غبار بن جائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کی توجیہ اور ''نواجذ'' وغیرہ کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر آپ ہنسے'' یعنی آپ کو اس پر تعجب ہوا کہ یہودی نے کیسے اس چیز کی اپنی کتاب سے خبر دی جس کی نظیر وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے بتائی گئی تھی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ آپ کے نواجذ ظاہر ہو گئے''۔ نواجذ ڈاڑھوں کو کہتے ہیں اور وہ دانتوں کے اخیر میں ہوتی ہیں، کیونکہ دانتوں کے اول کو اضراس کہا جاتا ہے اور پھر ثنایا ہیں، پھر رباعیات ہیں، پھر ضواحک ہیں، پھر الارحاء ہیں، پھر النواجذ ہیں۔ اور کتاب الصوم میں مذکور ہے کہ آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کے انیاب ظاہر ہو گئے، اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ نواجذ کا اطلاق انیاب اور اضراس دونوں پر ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ کتاب الادب کے باب التبسم میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبسم پر اضافہ نہیں کرتے تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ کی عادت یہی تھی اور غالب طور پر آپ صرف تبسم فرماتے تھے اور آپ کا اتنا ہنسنا کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں، یہ کبھی کبھی ہوتا ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہے۔

''بالام'' اور ''نون'' کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اس یہودی نے کہا: کیا میں تم کو اہل جنت کے سالن کی خبر نہ دوں تو اس نے کہا: اہل جنت کا سالن ''بالام'' اور ''نون'' ہے''۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی زبان میں معنی بیل ہے، اس لیے اس کی تفسیر ''ثور'' کے لفظ سے کی گئی ہے اور اسی وجہ سے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ بالام کیا چیز ہے، اگر یہ عربی لفظ ہوتا تو صحابہ کرام اس کو جانتے ہوتے۔ اور اس حدیث میں ''نون'' کا ذکر ہے اور اس کا معنی ہے مچھلی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ سالن مچھلی کی کلیجی کی زائد چربی سے بنا ہوگا جس کو ستر ہزار کھائیں گے''۔ یہ کلیجی کی چربی کا زائد ٹکڑا بہت لذیذ ہوگا، اسی لیے اس کو کھانے کے ساتھ ستر ہزار اہل جنت کی تخصیص کی گئی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ستر سے مراد عدد کثیر ہو اور ستر ہزار میں انحصار نہ ہو۔

اہل جنت کی ضیافت کے متعلق کعب احبار کی روایت

کعب احبار نے امام عبد اللہ بن مبارک سے روایت کی ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے

فرمائے گا" ہر مہمان کے لیے ایک جانور کو ذبح کیا جاتا ہے اور میں آج تمہارے لیے مچھلی اور بیل کو ذبح کرتا ہوں، پس بیل کو اہل جنت کے لیے ذبح کیا جائے گا"۔

اور امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے" اہل جنت کا تحفہ مچھلی کے جگر کا زائد ٹکڑا ہوگا اور اسی میں ان کی غذاء ہوگی اور اس کے بعد ان کے لیے جنت کے بیل کو ذبح کیا جائے گا اور اس کے اطراف سے کھایا جائے گا اور اس حدیث میں ہے کہ ان کو سلسبیل کے چشمہ سے پلایا جائے گا"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۸۔۱۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ نَقِيٍّ قَالَ سَهْلٌ أَوْ غَيْرُهُ لَيْسَ فِيهَا مَعْلَمٌ لِأَحَدٍ۔ (صحیح مسلم: ۲۷۹۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن سعد سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو سرخی مائل سفید زمین کے اوپر جمع کیا جائے گا جو میدے کی ٹکیہ کی طرح ہوگا۔

سہل یا کسی اور نے کہا: اس زمین میں کوئی نشان نہیں ہوگا وہ ہموار اور سیدھی ہوگی۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے کر جمع کرے گا" اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ زمین میدے کی ٹکیہ کی طرح ہوگی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: میدانِ محشر کی زمین اس موجودہ زمین کے علاوہ ہوگی۔

حکم بن ابان نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ دنیا کی زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کے پہلو میں دوسری زمین ہوگی جس میں لوگوں کا حشر (یعنی لوگوں کو جمع) کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ (ابراہیم: ۴۸)

جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے جو واحد ہے اور غالب بھی ○

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ زمین کو تبدیل

کردیا جائے گا گویا کہ وہ چاندی ہے، اس میں کوئی حرام خون نہیں بہایا ہوگا اور اس میں کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔

علامہ قرطبی نے ''تذکرہ'' میں صاحب الافصاح سے نقل کیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا تبدیل کرنا دو مرتبہ ہوگا، پہلے صور پھونکنے کے وقت صرف ان کی صفات تبدیل ہوں گی، پس ستارے منتشر ہو جائیں گے اور سورج اور چاند کو گہن لگ جائے گا اور آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا اور سروں سے کھینچ لیا جائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور زمین میں تموج ہوگا اور سمندر آگ بن جائیں گے، پھر ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زمین پھٹ جائے گی، پھر اس کی بنیاد اور ہیئت بدل جائے گی، پھر اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے، آسمان کو لپیٹ دیا جائے گا اور زمین کو پھیلا دیا جائے گا اور آسمان کو دوسرے آسمان سے بدل دیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی مریم، اور وہ سعید بن محمد بن الحکم بن ابی مریم المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، یہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل بن سعد، یہ حضرت سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زمین مضمحل ہو کر معدوم ہو جائے گی اور محشر کی زمین نئی بنائی جائے گی جو روٹی کی طرح ہوگی یا چاندی کی مثل ہوگی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عفراء''، اس کا معنی ہے: وہ سفید رنگ جس میں سرخی کی آمیزش ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''معلم'' یعنی اس زمین میں کوئی علامت نہیں ہوگی جس سے استدلال کیا جائے کہ یہاں پر یہ مکان ہے یا یہ دوکان ہے۔ اور یہ زمین بالکل ہموار ہوگی، اس میں کوئی گڑھا نہیں ہوگا اور نہ اونچائی ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۲۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی اپنی حکومت اور بادشاہت میں منفرد ہونا

اس باب کی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رب عزوجل تمام مخلوق کو فناء کر دے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ کی حدیث میں گزرا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک منادی اس وقت نداء کرے گا جب زمین چاند کی مثل سفید ہوگی اور اس میں مخلوق کو جمع کیا جائے گا اور اس زمین میں مخلوق نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی ہوگی، سو منادی نداء کرے گا: آج کس کی بادشاہت ہے؟ پھر بندے جواب دیں گے ''للہ الواحد القہار'' صرف اللہ ہی کی بادشاہت ہے۔ اس کی ابو وائل نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ وہ چیز ہے جس کو قیاس سے حاصل نہیں کیا جاتا اور نہ تاویل سے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ احادیث ہیں، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنی بادشاہت اور حکومت میں منفرد ہوگا۔ جب حکومت کے متعلق کسی کا دعویٰ نہیں ہوگا اور کسی کی طرف حکومت منسوب نہیں ہوگی، کیونکہ ہر ایک کی حکومت اور ملک فناء ہو چکا ہوگا اور ہر جبار اور متکبر فانی ہو چکا ہوگا اور ان کی نسبتیں اور ان کے دعوے منقطع ہو چکے ہوں گے اور یہ حسن بصری اور محمد بن کعب کا قول ہے۔ اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''لمن الملك اليوم'' اس وقت دنیا کے زمانے منقطع ہو چکے ہوں گے اور اس کے بعد لوگوں کو قبر سے اٹھایا جائے گا اور حشر اور نشر ہوگا۔ (التذکرہ: ۱۹۵۔ ۱۹۴)

''ید'' کی تحقیق

صحیح البخاری: ۶۵۱۹ میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ زمین کو اپنی مٹھی میں پکڑ لے گا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ سے لپیٹ لے گا''۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ ید (ہاتھ) کا معنی تو ہمارے نزدیک عضو مخصوص ہے جس سے ہم کسی چیز کو پکڑتے ہیں اور لپیٹتے ہیں۔ اور لفظ شمال جس کا معنی ہے: الٹا ہاتھ، اس میں زیادہ شدید اشکال ہے، اس لیے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

پھر جان لو کہ کلام عرب میں ''ید'' کے پانچ معانی ہیں: (۱) القوت (۲) النعمت (۳) ملانا (۴) ملک (۵) عضو مخصوص یعنی ہاتھ۔

اور الٹا ہاتھ چونکہ سیدھے ہاتھ کی بہ نسبت کمزور ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے اوپر الٹے ہاتھ یعنی شمال کا اطلاق نہیں آتا بلکہ سیدھے ہاتھ یعنی یمین کا اطلاق آتا ہے۔

حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے یمین کا لفظ ہے اور شمال کا ذکر نہیں ہے اور جس حدیث میں شمال کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۸۲۷)

علامہ خطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف الٹے ہاتھ کی نسبت نہیں کی جاتی، کیونکہ الٹا ہاتھ نقص اور ضعف کا محل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے انگلیوں کے ثبوت کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حدیث میں مذکور ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنی آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس قلب میں تصرف فرماتا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۵۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں انگلیوں کے درمیان دلوں کے ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمام لوگوں کے دلوں پر قدرت ہے اور اس کے لیے ان دلوں کو پھیرنا بہت آسان ہے۔

زمین کے تبدیل ہونے کا بیان

حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے کہ زمین کو سفید زمین سے بدل دیا جائے گا اور وہ چاندی کی مثل ہوگی جس پر کوئی حرام خون نہیں بہایا ہوگا اور نہ اس پر کوئی گناہ کیا گیا ہوگا۔ (زاد المسیر ج ۴ ص ۳۷۶)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ زمین کو آگ سے بدل دیا جائے گا اور جنت اس کے پیچھے ہوگی اور جنت کی جوان لڑکیاں اور جنت کے پیالے اس کے پیچھے دکھائی دیں گے۔ (تفسیر الطبری ج ۷ ص ۴۷۰)

اور ابوالجلد جیلان بن فروہ نے کہا: میں نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ قیامت کے دن زمین آگ کی طرح مشتعل ہوگی اور بھڑک رہی ہوگی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ زمین چاندی سے بدل دی جائے گی اور آسمان سونے سے بدل دیا جائے گا۔ (النکت والعیون ج ۳ ص ۱۴۴)

اور ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین (المعروف امام محمد باقر رضی اللہ عنہ) نے کہا ہے: زمین کو روٹی کی طرح بدل دیا جائے گا اور قیامت کے دن مخلوق اس سے کھائے گی۔ (تفسیر القرطبی ج ۹ ص ۳۸۳)

اور سعید بن جبیر اور محمد بن کعب نے کہا: زمین کو سفید روٹی سے بدل دیا جائے گا اور مومن اس کو اپنے قدموں کے نیچے سے کھائے گا۔ (تفسیر طبری ج ۷ ص ۴۸۱)

اور امام ابن المبارک نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو زمین کو چمڑے کی طرح کھینچا جائے گا اور اس کی وسعت میں اضافہ کیا جائے گا اور تمام مخلوق ایک زمین میں ہوگی۔ پھر آسمانوں کو قبض کر لیا جائے گا۔ (کتاب الزہد ص ۳۵۴)

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما (زین العابدین) بیان کرتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح کھینچے گا حتیٰ کہ کسی بشر کے لیے صرف اپنے قدموں میں کھڑے ہونے کی جگہ ہوگی۔

(النکت والعیون ج ۶ ص ۲۳۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۴۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴۔ ۲۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۵۔ بَابٌ: كَيْفَ الْحَشْرُ — حشر کی کیفیت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حشر کی کیفیت کا بیان ہے اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں صرف باب الحشر لکھا ہے اور کیفیت کا لفظ نہیں ہے یعنی حشر کا بیان۔

حشر کی چار قسموں کا بیان

علامہ قرطبی نے کہا ہے: حشر جمع ہے اور حشر کی چار قسمیں ہیں، دو حشر دنیا میں ہیں اور دو حشر آخرت میں ہوں گے۔ جو حشر دنیا میں

ہیں ان میں سے ایک حشر وہ ہے جس کا ذکر سورۃ الحشر کی اس آیت میں ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (الحشر:۲)

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو پہلی بار جلاوطن کرنے کے لیے ان کو ان کے گھروں سے نکالا۔

زہری نے کہا: بنونضیر دنیا میں وہ پہلے لوگ تھے جن کا شام میں حشر کیا گیا۔

(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ ان اہلِ کتاب کو پہلی مرتبہ جزیرۂ عرب سے نکالا گیا، اور دوسری بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر کے شام کی طرف نکالا۔

(۲) میدانِ محشر شام کی سرزمین میں قائم ہوگا جب تمام مُردوں کو زندہ کر کے شام کے علاقہ میں جمع کیا جائے گا اور دنیا میں سرزمین سے پہلی بار بنونضیر کو نکالا گیا تھا۔

(۳) یہودیوں کو قتال کے لیے پہلی بار ان کی بستی سے نکال کر جمع کیا گیا اور پھر ان کو جلاوطن کیا گیا۔

(۴) قتادہ نے کہا: یہ پہلا حشر ہے اور دوسرا حشر اس وقت ہوگا جب قربِ قیامت میں ایک آگ تمام لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔ (النکت والعیون ج ۵ ص ۴۹۸۔۴۹۹، معالم التنزیل ج ۵ ص ۵۲۔۵۳)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

یہ دنیا میں پہلا حشر تھا جو شام کی طرف کیا گیا اور دنیا میں دوسرا حشر وہ ہے جس کا ذکر صحیح البخاری کی اس باب کی حدیث میں ہے کہ ایک آگ لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی۔

اور وہ دو حشر جو آخرت میں ہوں گے، ان میں سے ایک حشر تو وہ ہے جس میں مُردوں کو زندہ کرنے کے بعد ان کی قبروں سے نکال کر میدانِ محشر کی طرف جمع کیا جائے گا اور آخرت میں دوسرا حشر وہ ہے جس میں مومنوں کو جنت کی طرف جمع کیا جائے گا اور کفار اور منافقین کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔ سو یہ کل چار حشر ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۲۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنْ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى ثَلَاثِ طَرَائِقَ رَاغِبِينَ رَاهِبِينَ وَاثْنَانِ عَلَى بَعِيرٍ وَثَلَاثَةٌ عَلَى بَعِيرٍ وَأَرْبَعَةٌ عَلَى بَعِيرٍ وَعَشَرَةٌ عَلَى بَعِيرٍ وَيَحْشُرُ بَقِيَّتَهُمْ النَّارُ تَقِيلُ مَعَهُمْ حَيْثُ قَالُوا وَتَبِيتُ مَعَهُمْ حَيْثُ بَاتُوا وَتُصْبِحُ مَعَهُمْ حَيْثُ أَصْبَحُوا وَتُمْسِي مَعَهُمْ حَيْثُ أَمْسَوْا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۱، سنن نسائی: ۲۰۸۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلّٰی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: لوگوں کا حشر تین طریقوں سے کیا جائے گا: (۱) لوگ اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے اور اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے (۲) دو آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوں گے اور تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوں گے اور چار آدمی اونٹ پر سوار ہوں گے اور دس آدمی اونٹ پر سوار ہوں گے۔ (۳) اور باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی، آگ دوپہر میں ان کے ساتھ ہوگی جب وہ آرام کر رہے ہوں گے اور وہ آگ رات میں ان کے

ساتھ ہوگی جب وہ رات میں سوئے ہوئے ہوں گے، اور وہ آگ
صبح میں ان کے ساتھ ہوگی جب وہ صبح اٹھیں گے اور شام میں وہ
آگ ان کے ساتھ ہوگی جب وہ شام کے وقت ہوں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں کا تین طریقوں سے حشر کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معلیٰ بن اسد، یہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وُہیب، یہ وہب کی تصغیر ہے اور یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن طاؤس، یہ عبد اللہ ہیں۔ یہ اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لوگوں کا حشر تین طریقوں سے کیا جائے گا" یعنی تین فرقوں میں لوگوں کا حشر ہوگا۔

حدیث میں مذکور حشر کا تعلق دنیا کے حشر سے ہے

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ علماء نے بیان کیا ہے: یہ حشر دنیا کے آخری وقت میں ہوگا قیامت سے تھوڑی دیر پہلے جیسا کہ اس کے بعد کی حدیث میں آئے گا کہ تم اللہ تعالیٰ سے پیدل چلتے ہوئے ملاقات کرو گے۔ اور اس لیے کہ اس میں شام اور صبح کا ذکر ہے، اور اس میں یہ ذکر ہے کہ آگ لوگوں کے ساتھ منتقل ہوگی اور یہ وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ حشر قیامت سے تھوڑی دیر پہلے ہوگا۔ زندہ لوگوں کو شام کی طرف جمع کیا جائے گا اور وہ حشر جو لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے محشر کی طرف ہوگا وہ اس صورت کے برخلاف ہے، کیونکہ اس صورت میں ہے کہ وہ اونٹوں پر سوار ہوں گے اور باری باری اس پر سوار ہو رہے ہوں گے۔ اور جو حشر قبروں سے محشر کی طرف ہوگا وہ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس باب کی حدیث میں روایت کی ہے کہ وہ ننگے پیر ہوں گے ننگے بدن ہوں گے اور پیدل چل رہے ہوں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "راغبین" یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے اور یہ مسلمانوں میں سے سابقین ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "راھبین" یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے، اور یہ عام مومنین ہوں گے۔ اور کفار اہل دوزخ

ہیں۔

اونٹوں پر سواری کی کیفیت کا بیان

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "دو آدمی ایک اونٹ پر ہوں گے"۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ اونٹ ان مسلمانوں کے لیے ہوں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے اور اپنے اخلاص میں اعلیٰ مرتبہ کے ہوں گے۔ اور فرمایا: وہ اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہوں گے اور جو رغبت کرنے والے ہوں گے وہ اپنے قدموں پر پیدل چل رہے ہوں گے۔ یا یہ اونٹ دونوں فریقوں کے لیے ہوں گے یعنی رغبت کرنے والوں میں سے مثلاً دو ایک اونٹ پر ہوں گے اور اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دس ایک اونٹ پر ہوں گے اور کفار اپنے منہ کے بل چل رہے ہوں گے۔

علامہ خطابی نے لکھا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اونٹ پر لوگ باری باری سوار ہو رہے ہوں گے، بعض سوار ہوں گے اور بعض پیدل چل رہے ہوں گے۔

اس حدیث میں پانچ لوگوں کا اور چھ لوگوں کا دس تک ذکر نہیں کیا اختصاراً۔ اور اس میں کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اونٹ میں اتنی طاقت پیدا کر دے کہ وہ دس آدمیوں کو اٹھا کر لے جائے۔

بعض شراحِ مصابیح کے اس قول کا رد کہ اس حدیث میں جس حشر کا ذکر ہے اس سے مراد آخرت کا حشر ہے

بعض شراح المصابیح نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو آخرت کے اس حشر پر محمول کرنا اولیٰ ہے جو قبروں سے محشر کی طرف لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور انہوں نے اس کی کئی وجوہ ذکر کی ہیں۔ اور ہم نے ان کے قول اور ان کی وجوہ کو ترک کرنا مناسب جانا اور ہم نے علامہ خطابی کے قول پر اکتفاء کرنا مناسب سمجھا جس کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ جس حشر کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ دنیا سے شام کی طرف ہوگا۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت معاویہ بن حیدہ کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "تمہارا حشر کیا جائے گا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا دراں حالیکہ تم پیدل بھی ہو گے اور سواریوں پر بھی ہو گے اور تمہارا حشر تمہارے چہروں پر کیا جائے گا"۔ اس حدیث کی امام ترمذی اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تقیل" یہ لفظ قیلولہ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: دوپہر کے وقت تھوڑا سا آرام کرنا خواہ اس وقت نیند نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کئی دنوں تک اس حال میں رہیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تبیت" یہ البیتوتۃ سے ماخوذ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تصبح" یہ الاصباح سے ماخوذ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "تمسی" یہ الامساء سے ماخوذ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۱۔ ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ قَتَادَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن محمد

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلَى وَجْهِهِ قَالَ أَلَيْسَ الَّذِي أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُ عَلَى وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ قَتَادَةُ بَلَى وَعِزَّةِ رَبِّنَا۔

البغدادی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، کہ ایک مرد نے کہا: یا نبی اللہ! کافر کا منہ کے بل کس طرح حشر کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: کیا جس نے انسان کو دنیا میں دو ٹانگوں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ قیامت کے دن اس کو منہ کے بل چلائے، قتادہ نے کہا: کیوں نہیں ہمارے رب کی عزت کی قسم

(صحیح البخاری: ۴۷۶۰، ۶۵۲۳، صحیح مسلم: ۲۸۰۶، مسند احمد: ۱۲۹۷۹)

صحیح البخاری: ۶۵۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں بھی حشر کی کیفیت کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ الجعفی ہیں جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ ابن محمد المؤدب البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبدالرحمٰن نحوی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ایک مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! کافر کا منہ کے بل کیسے حشر کیا جائے گا؟''۔ اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔

کافروں کا منہ کے بل حشر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کافروں کو اس بات کی سزا دی جائے گی کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ نہیں کرتے تھے، لہٰذا ان کی ذلت کو ظاہر کرنے کے لیے قیامت کے دن ان کو منہ کے بل گھسیٹا جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا کسی حدیث مرفوع میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافروں کو دنیا میں بھی منہ کے بل چلایا جائے گا؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ مومنین کی ارواح کو ایک پاکیزہ خوشبو کے ساتھ اٹھائے گا، ایک آگ زمین کے اطراف سے نکلے گی جو لوگوں کو اور مویشیوں کو شام کی طرف جمع کرے گی۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کے حشر کے تین گروہ ہوں گے۔ ایک گروہ

گھوڑوں پر سوار ہوگا، دوسرا گروہ اپنی اولاد کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوگا، اور تیسرا گروہ منہ کے بل شام کی طرف جارہا ہوگا اور ان کے ساتھ بندر اور خنزیر بھی ہوں گے۔ اور جو لوگ شام کی طرف جمع کیے جائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو حق کی معرفت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ کسی فریضہ کی معرفت رکھتے ہوں گے اور نہ کتاب وسنت پر عمل کریں گے۔ اور یہ لوگ ایک سو سال تک جنات سے لڑتے رہیں گے جیسا کہ گدھے اور کتے لڑتے ہیں۔ اور قیامت کے معاملہ سے جس چیز سے سب سے پہلے لوگ خوفزدہ ہوں گے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کو ایک ہوا بھیجے گا جو ہر دینار اور درہم کو قبض کرلے گی، پھر اللہ تعالیٰ اس کو بیت المقدس کی طرف لے جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی بنیادوں کو منہدم کردے گا، پھر اس کو سمندر میں پھینک دے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّكُمْ مُلَاقُو اللهِ حُفَاةً عُرَاةً مُشَاةً غُرْلًا قَالَ سُفْيَانُ هَذَا مِمَّا نَعُدُّ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَمِعَهُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تم ننگے پیر ہوگے، ننگے بدن ہوگے، پیدل ہوگے اور غیر مختون ہوگے۔

سفیان نے کہا: ہم اس حدیث کو ان احادیث میں شمار کرتے ہیں جنہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۲۴۲۳، سنن نسائی: ۲۰۸۱، مسند احمد: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ۲۸۰۲)

صحیح البخاری: ۶۵۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں حشر کے دن لوگوں کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس باب کا عنوان حشر کی کیفیت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی، اور یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، اور وہ ابن دینار ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ملقوا الله" اصل میں یہ لفظ "ملاقون" تھا، اضافت کی وجہ سے نون کو ساقط کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حفاة" یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور حافی کی جمع ہے، یعنی پیروں میں نہ جوتے ہوں اور نہ موزے ہوں اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جو پیروں کو چھپائے۔

اور اس کے بعد حدیث میں "عراة" کا ذکر ہے، یہ عاری کی جمع ہے، اس کا معنی ہے برہنہ، یعنی ننگے بدن۔

اس حدیث میں مذکور ہے "غرلا" "الغرل" اس کو کہتے ہیں جس کا ختنہ نہ کیا ہوا ہو۔

اور اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ ان کا حشر اس حال میں کیا جائے گا جس حال میں یہ پہلی مرتبہ پیدا کیے گئے تھے۔ اور ان کو اس حال میں لوٹایا جائے گا جس طرح یہ ابتداء میں تھے اور ان کی کوئی چیز گم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ختنہ سے جو کھال کا حصہ بچہ کے آلہ سے کاٹ دیا جاتا ہے وہ بھی ان کے ساتھ لگا ہوا ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سفیان نے کہا: ہم اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات میں شمار کرتے تھے"، یعنی یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنی ہوئی احادیث میں سے بہت مشہور تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ إِنَّكُمْ مُلَاقُو اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے: بے شک تم اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرو گے کہ تم ننگے پیر ہو گے، ننگے بدن ہو گے اور غیر مختون ہو گے۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۲۴۲۳، سنن نسائی: ۲۰۸۱، مسند احمد: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ۲۸۰۲)

۶۵۲۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ النُّعْمَانِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَامَ فِينَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ فَقَالَ إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) وَإِنَّ أَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ بن النعمان از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دے رہے تھے، پس آپ نے فرمایا: بے شک تمہارا حشر اس حال میں کیا جائے گا کہ تم ننگے پیر، ننگے بدن ہو گے، (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے): جس دن

يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ وَإِنَّهُ سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ (المائدہ: ۱۱۷۔۱۱۸) قَالَ فَيُقَالُ إِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ۔

ہم آسمانوں کو وثیقہ کے کاغذوں کی طرح لپیٹ لیں گے، جس طرح ہم نے ابتداءً پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں O

اور بے شک قیامت کے دن مخلوقات میں سے سب سے پہلے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو لباس پہنایا جائے گا، اور بے شک میری امت میں سے کچھ مردوں کو لایا جائے گا، پس انہیں بائیں طرف سے پکڑ لیا جائے گا سو میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میرے اصحاب میں سے ہیں، پس وہ فرمائے گا: بے شک آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں، سو میں کہوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندہ نے کہا:

اور میں ان پر اسی وقت تک نگہبان تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے (آسمان پر) اٹھالیا تو، تو ہی ان پر نگہبان تھا، اور تو ہر چیز پر گواہ ہے O اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو، تو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

آپ نے فرمایا: پھر کہا جائے گا: بے شک یہ لوگ اپنی ایڑھیوں پر پھر کر مرتد ہو گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۲۴، صحیح مسلم: ۲۸۶۰، سنن ترمذی: ۲۴۲۳، سنن نسائی: ۲۰۸۱، مسند احمد: ۱۹۱۶، سنن دارمی: ۲۸۰۲)

صحیح البخاری: ۶۵۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن بشار کا ذکر ہے، اور اس کے بعد اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، اور ان کا ذکر کئی مرتبہ کیا جا چکا ہے۔ اور یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے جو از شعبہ بن الحجاج از المغیرہ بن نعمان النخعی روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "محشورون" یہ حشر کا اسمِ مفعول ہے، اس کا معنی ہے: تم جمع کیے ہوئے ہو گے۔ اور دوسری روایت میں مضارع کے صیغہ کے ساتھ "تحشرون" بھی ہے۔

برہنہ حشر کیے جانے پر ایک سوال کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ان پر موت کا وقت آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میت کو اس کے اسی لباس میں اٹھایا جائے گا جس لباس میں وہ فوت ہوگا۔ سو یہ حدیث ان احادیث کے معارض ہے جن میں مذکور ہے کہ حشر کے دن ہر انسان کو برہنہ اٹھایا جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ بعض فوت شدگان کو بے لباس اٹھایا جائے گا اور بعض فوت شدگان کو لباس پہنے ہوئے اٹھایا جائے گا، یا وہ قبروں سے وہ کپڑے پہنے ہوئے نکلیں گے جن کپڑوں میں وہ فوت ہوئے تھے۔ پھر حشر کی ابتداء کے وقت ان سے وہ لباس نکال لیا جائے گا، سو ان کا برہنہ حشر کیا جائے گا جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے:

كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۴) جس طرح ہم نے ابتداءً پیدا کیا تھا ہم اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے، یہ ہمارا وعدہ ہے جس کو ہم ضرور پورا کرنے والے ہیں O

قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لباس پہنانے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لباس پہنایا جائے گا"۔ اس حدیث پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لباس پہنانے کی کیا توجیہ ہے جب کہ آپ سید المرسلین ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے: ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے ختنہ کرنے کی سنت کو قائم کیا۔ اور ختنہ کرنے میں شرمگاہ کے بعض حصہ کو کھولنا ہے تو اس کی جزاء ان کو یہ دی گئی کہ ان کو قیامت کے دن سب سے پہلے لباس پہنایا گیا، جیسا کہ پیاسے روزہ دار کو قیامت کے دن جزاء دی جائے گی اور اس کو "ریان" سے پانی پلایا جائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کے کپڑے اتار لیے گئے تھے، سو اس کی جزاء میں قیامت کے دن ان کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جسم کو شلوار کے ساتھ ستر یعنی پوشیدہ کرنے کی سنت قائم کی تھی، اس لیے قیامت کے دن ان کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا۔

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ ھ، نے "المفہم" (شرح صحیح مسلم) میں لکھا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ تمام مخلوقات سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا تو یہاں مخلوقات سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا ہیں، کیونکہ قائل اپنے آپ کو عمومی خطاب میں داخل نہیں کرتا۔

قائل اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا، اس جواب پر علامہ قرطبی اور علامہ عینی کا رد کرنا

اور ان کے شاگرد مفسر قرآن امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ، نے "التذکرۃ" میں لکھا ہے: یہ جواب بہت

عمدہ تھا، اگر یہ حدیث نہ ہوتی جس کو امام ابن المبارک نے ''کتاب الزہد'' میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو قبط کا بنا ہوا سوتی لباس پہنایا جائے گا۔ پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش کی دائیں جانب یمنی چادر کا لباس پہنایا جائے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ شارح صحیح مسلم علامہ قرطبی التوفی ۶۵۶ ھ پر تعجب ہے، انہوں نے یہ کیسے کہہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ مخلوقات میں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا مخلوق مراد ہو جب کہ عام لفظ سے خاص کو کسی ایسی دلیل مستقل لفظی سے خاص کیا جاسکتا ہے جو عام کے ساتھ مقرون ہو، جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ بات ثابت ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن المبارک نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت لکھی ہے وہ اس احتمال کو رد کرتی ہے۔ اور امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے جو اس باب کی حدیث کے موافق ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ سب سے پہلے جنت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا، آپ کو جنت کا ایک حلّہ پہنایا جائے گا اور ایک کرسی لا کر اس کو عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا، پھر مجھے لایا جائے گا، پھر مجھے جنت کا ایک حلّہ پہنایا جائے گا جس کی کوئی بشر قیمت نہیں ڈال سکتا، پھر ایک کرسی لائی جائے گی اور اس کو عرش کی دائیں جانب رکھا جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قیامت کے دن پہلے ملبوس ہونا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افضلیت کا موجب ہے؟

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کسی شخص کا ایک فضیلت کے ساتھ مخصوص ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ فضیلتِ مطلقہ کا حامل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جزوی فضیلت حاصل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام انبیاء علیہم السلام پر کلی فضیلت ہے۔

امت کے بعض مردوں کو ''اُصَیحابی'' فرمانے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے کچھ مردوں کے متعلق فرمایا ''اُصَیحابی''۔ یعنی یہ میرے اصحاب ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو بطورِ شفقت تصغیر کے صیغہ کے ساتھ فرمایا، کیونکہ ان کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں اس طرح کہوں گا جس طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نے کہا تھا''۔ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

اس حدیث میں آپ کی امت کے جن مردوں کو مرتدین فرمایا ہے اس میں ''مرتدین'' کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے'' آپ سے کہا جائے گا: بے شک یہ لوگ اپنی ایڑھیوں پر پھر کر مرتد ہو گئے تھے''۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں مرتدین سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے حقوقِ واجبہ کو ادا نہیں کیا تھا۔ اور الحمد للہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی دین سے مرتد نہیں ہوا تھا، عرب

کے بعض سخت دل لوگ دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔

اور قاضی عیاض مالکی نے کہا: ان مرتدین کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم نافرمانوں کی ہے یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کیا تھا اور دوسری قسم وہ ہے جو کفر کی طرف پلٹ گئے تھے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں مرتدین اپنے ظاہر پر محمول ہیں یعنی وہ کافر ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے اس سے مراد امتِ دعوت ہے امت اجابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ منافقین ہوں، یا وہ لوگ ہوں جو کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: ان مرتدین میں مرتکبین کبائر اور مرتکبین بدعت کا دخول محال نہیں ہے۔

اور علامہ النووی نے کہا ہے: ایک قول یہ ہے کہ یہ لوگ منافقین ہیں اور مرتدین ہیں، پس ہو سکتا ہے کہ ان کا ماتھا سفید ہو اور ان کے ہاتھ پیر بھی سفید ہوں کیونکہ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے افراد میں سے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ماتھے اور ہاتھ پیروں کی سفیدی کو دیکھ کر ان کو ''اُصیحابی'' فرمائیں گے کیونکہ ماتھے اور ہاتھ پیروں کا سفید ہونا ایمان اور اعمالِ صالحہ کی علامت ہے، جو مسلمان وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے، قیامت کے دن جب وہ اٹھے گا تو اس کا ماتھا اور اس کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے۔ پھر آپ کو بتایا جائے گا کہ ان لوگوں نے آپ کی وفات کے بعد اپنے آپ کو بدل لیا، اور یہ اس حال پر فوت نہیں ہوئے جس حال پر آپ انہیں دنیا میں چھوڑ کر گئے تھے۔

قاضی عیاض وغیرہ نے کہا: سو اس وقت ان کے ماتھے اور ہاتھ پیروں کی سفیدی نکل جائے گی اور ان کا نور بجھا دیا جائے گا۔

اور علامہ الفربری نے کہا کہ امام ابوعبداللہ البخاری نے قبیصہ سے روایت کی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتد ہو گئے تھے، پس ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا حتیٰ کہ یہ لوگ قتل کر دیئے گئے یا کفر پر مر گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۴۔ ۱۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علمِ رسالت پر شیخ اشرف علی تھانوی کے ایک اعتراض کے متعدد جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے کچھ مردوں کے متعلق فرمائیں گے ''اصیحابی'' یعنی یہ میرے اصحاب ہیں، حالانکہ آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مرتد ہونے کا علم نہیں تھا۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۴ھ لکھتے ہیں:

حدیث شریف میں ہے کہ بعض امتیوں کی نسبت قیامت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جائے گا ''انك لا تدری ما احدثوا بعدك'' (بے شک آپ از خود نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نیا کام کیا تھا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعض ازمنہ تک بھی کہ آخر عمر سے بہت متاخر ہے آپ پر بعض کونیات (حوادث) ظاہر نہیں ہوئے نہ بالذات نہ بالعطاء۔

(بسط البنان مع حفظ الایمان ص ۱۷، مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ، دیوبند)

ہم پہلے وہ احادیث بیان کر رہے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماکان و مایکون کا علم عطا

فرمایا تھا اور تمام ما کان و ما یکون میں یہ لوگ بھی داخل ہیں جن کے متعلق قیامت کے دن آپ "اُصیحابی" فرمائیں گے۔ اور جن کے متعلق آپ کو بتایا جائے گا کہ یہ مرتد ہو گئے تھے۔ لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ یہ لوگ حقیقت میں آپ کے امتی اور مومن نہیں ہیں بلکہ مرتد اور کافر ہیں۔ اب آپ وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم "ماکان و مایکون" کے ثبوت میں احادیث

(۱) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر کھڑے ہوئے، پس آپ نے ہم کو مخلوق کی ابتداء سے خبر دی حتیٰ کہ اہل جنت اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے اور اہل دوزخ اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو گئے، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا، اس نے اس کو بھلا دیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۹۲)

(۲) امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں ایک مقام پر تشریف فرما ہوئے، آپ نے اس مقام سے لے کر قیامت تک کی کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اس کے متعلق آپ نے بیان فرما دیا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور جس نے بھلا دیا، اس نے بھلا دیا۔
(صحیح مسلم: ۲۸۹۱، الرقم المسلسل: ۷۱۵۷، صحیح البخاری: ۶۶۰۴، سنن ابوداؤد: ۴۲۴۰)

(۳) امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی اس چیز کی جو قیامت تک ہونے والی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۱، الرقم المسلسل: ۷۱۶۹)

(۴) امام مسلم حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے، پس ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا، پس آپ اترے، پھر آپ نے نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر چڑھے، پس آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا، پھر آپ منبر سے اترے، پس آپ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھے، پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔ "فاخبرنا بما کان وبما ھو کائن فاعلمنا احفظنا" پس آپ نے ہمیں ان تمام چیزوں کی خبر دی جو ہو چکی ہیں اور ان تمام چیزوں کی خبر دی جو ہونے والی ہیں، پس ہم میں زیادہ عالم وہ تھا جو زیادہ اس حدیث کو یاد رکھنے والا تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۸۹۲، الرقم المسلسل: ۷۱۶۱)

صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کا علم عطا فرمایا گیا تھا اور اس علم کے عموم میں ان کا علم بھی شامل ہے جن کے متعلق زیر بحث حدیث میں مرتدین فرمایا ہے۔

اس پر دلائل کہ مرتدین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بالقصد اور دانستہ "اُصیحابی" فرمانا محال ہے

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو "اُصیحابی" فرمایا، ان کو آپ نے بے توجہی سے "اُصیحابی" فرمایا تھا۔ اور اگر آپ توجہ فرماتے تو ان کو "اُصیحابی" نہ فرماتے۔ کیونکہ جو لوگ مرتد ہو گئے وہ کافر ہیں اور کافر قیامت کے دن اپنی علامتوں سے اس طرح ممتاز ہوں گے کہ میدان محشر میں موجود ہر شخص ان کو پہچان لے گا کہ یہ کافر ہیں، مومن نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۞ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۞

(آل عمران:۱۰۶۔۱۰۷)

جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا: کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا، سو اب تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے O اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے واضح ہو گیا کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے ان کے چہرے قیامت کے دن سیاہ ہوں گے، سو اس علامت سے تو ہر شخص جان لے گا کہ یہ لوگ کافر ہیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ میرے اصحاب ہیں جب کہ آپ کے اصحاب کی شان یہ ہے کہ ان کے چہرے سفید ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے توجہی سے ان کو ''أصیحابی'' فرمائیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۞ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۞ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۞ (عبس:۴۰۔۴۲)

اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے O ان پر سیاہی چھائی ہوگی O وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ کفار کے چہرے سیاہ ہوں گے اور ان پر غبار چھایا ہوا ہوگا۔ سو میدان محشر میں کفار کو دیکھ کر کسی کو ان کے بارے میں یہ شبہ نہیں ہوگا کہ یہ مومن ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شبہ کیسے ہو سکتا ہے؟

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبرہ پر آئے، پس آپ نے فرمایا: اے مومنین کی قوم کے دار! تم پر سلام ہو، بے شک ہم ان شاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں، اور میں پسند کرتا ہوں کہ ہم اپنے بھائیوں کو دیکھیں، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم میرے اصحاب ہو، اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک نہیں آئے، تب صحابہ نے کہا: آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے جو ابھی تک نہیں آئے یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر ایک آدمی کے گھوڑے ''غر محجل'' (جن کے ماتھے اور ہاتھ پیر سفید ہوں) ہوں، وہ سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچان لے گا؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس بے شک میرے امتی آثار وضو کی وجہ سے ''غر محجل'' ہوں گے اور میں حوض پر ان کا پیشوا ہوں گا، سنو! چند لوگوں کو میرے حوض سے روکا جائے گا جیسا کہ کسی گم راہ اونٹ کو روکا جاتا ہے، میں ان کو بلاؤں گا، سنو یہاں آؤ، تو کہا جائے گا: ان لوگوں نے آپ کے بعد دین کو بدل لیا تھا، تو میں کہوں گا: (ان سے) دوری ہو، دوری ہو۔

(صحیح مسلم:۲۴۹، الرقم المسلسل:۵۷۴، سنن ابن ماجہ:۴۳۰۶، مسند احمد:۷۹۹۹)

اس حدیث میں واضح طور پر آپ نے یہ بتا دیا ہے کہ قیامت کے دن آپ اپنی امت کو ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے اور یہ لوگ جو مرتد ہو گئے تھے ان میں آپ کی امت کی نشانیاں نہیں ہوں گی تو آپ بے توجہی سے ان کو ''أصیحابی'' فرمائیں گے، اور

جب آپ کو توجہ دلائی جائے گا کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے تو آپ فرمائیں گے "سحقا، سحقا" (دوری ہو، دوری ہو)۔

اس حدیث کا بعض علماء نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ جب آپ "اُصیحابی" فرمائیں گے تو ان کی امید قائم ہو جائے گی کہ شاید ہماری نجات ہو جائے گی، اور جب آپ "سحقا، سحقا" فرمائیں گے تو ان کی امید ٹوٹ جائے گی، اور امید کا بندھ کر ٹوٹ جانا، یہ زیادہ رنج اور عذاب کا باعث ہوتا ہے۔ سو آپ کا انہیں "اُصیحابی" فرمانا ان کو زیادہ عذاب میں مبتلاء کرنے کے لیے تھا۔

علامہ زرقانی نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے ان کو "اُصیحابی" فرمانا اس لیے تھا کہ ان کی امید قائم ہو، اور پھر بعد میں "سحقا، سحقا" کہہ کر ان کی امید کو توڑ دیا، اور امید بندھ کر ٹوٹ جانا زیادہ حسرت اور عذاب کا موجب ہوتا ہے۔

علامہ محمد باقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پہلے منافقین کو مسلمانوں کے حکم میں رکھا اور پھر ان کا نفاق ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دیا، اسی طرح ان منافقین کو پہلے مسلمانوں کی علامت کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور یہ بھی غرمحجل ہوں گے اور پھر ان کا نفاق اور ارتداد ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دیا جائے گا، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو "اُصیحابی" فرمانا ان کے "غر محجل" ہونے کے اعتبار سے ہے، اور بعد میں "سحقا، سحقا" فرما کر ان کو اپنے حوض سے دور کر دینا، یہ ایسے ہی ہے جیسے دنیا میں آپ نے منافقین کو مسجدِ نبوی سے نکال دیا تھا۔ اور مرتدین پر یہ توجیہ اس طرح منطبق ہوتی ہے کہ مرتدین پہلے اسلام لائے، اور پھر دینِ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ تو آپ کا ان کو پہلے "اصیحابی" فرمانا ان کے پہلے حالِ اسلام کے اعتبار سے ہے اور بعد میں "سحقا سحقا" فرما کر ان کو حوض سے دور کر دینا ان کے ارتداد کی سزا ہے۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ یہ توجیہ زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ منافقین کو ایک نور دیا جائے گا اور ان کی ضرورت کے وقت اس نور کو بجھا دیا جائے گا، پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے ظاہر ایمان کی وجہ سے ان کو نور عطا کیا تا کہ وہ اس سے دھوکا کھائیں اور ان کی ضرورت کے وقت پل صراط پر اس نور کو بجھا دیا، اسی طرح یہ بعید نہیں ہے کہ پہلے ان کے چہرے اور ہاتھ پیروں کو سفید کر کے "غرۃ" اور "تحجیل" کے ساتھ ان کا حشر کیا جائے، اور آپ اس علامت کی وجہ سے ان کو "اُصیحابی" فرمائیں، اور جب ان کو حوض پر پانی پینے کی ضرورت ہو تو آپ ان کو "سحقا سحقا" فرما کر حوض سے دور کر دیں، اور اللہ تعالیٰ مکر کرنے والوں کو ان کے مکر کی یونہی جزا دیتا ہے۔ (شرح الموطا للزرقانی ج ۱ ص ۶۰، المطبعۃ الخیریہ، مصر)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری ممات بھی تمہارے لیے خیر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، پس جو اچھا عمل ہوتا ہے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، اور جو برا عمل ہوتا ہے میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ امام بزار نے اس حدیث کو سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اب اشکال یہ ہے کہ جب آپ کو امت کے احوال معلوم ہوتے ہیں تو پھر آپ ان مرتدین کو "اُصیحابی" کیوں فرمائیں گے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ پر امت کے اعمال اجمالاً پیش کیے جاتے ہیں، پس کہا جاتا ہے کہ آپ کی امت نے برا کام

کیا یا اچھا کام کیا، اور کام کرنے والوں کی تعیین کے بغیر اعمال پیش کیے جاتے ہیں، لیکن یہ جواب بعید ہے، کیونکہ ابن المبارک نے ابن المسیب سے روایت کیا ہے کہ ہر روز صبح و شام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ امت کو وضو کے آثار اور ان کے اعمال سے پہچانیں گے اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو "اُصیحابی" کہہ کر ندا کرنا ان میں زیادہ حسرت اور عذاب پیدا کرنے کے لیے ہے، کیونکہ جب آپ ان کو "اصیحابی" کہہ کر فرمائیں گے تو ان کو نجات کی امید مل جائے گی اور جب آپ "سحقا سحقا" فرمائیں گے تو ان کی امید ٹوٹ جائے گی اور امید بندھ کر ٹوٹ جانا زیادہ حسرت اور عذاب کا سبب ہے، اور فرشتوں کا یہ کہنا کہ انہوں نے دین بدل لیا تھا، یہ بھی ان میں زیادہ اور عذاب کا سبب ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح الموطا میں یہی جواب دیا ہے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۲۔ ۴۱۳، مکتبۃ الحجاز، کراچی)

مشہور دیو بندی عالم شیخ زکریا لکھتے ہیں:

میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ اگر عرضِ اعمال کی احادیث صحیح ہوں تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر وقت وہ لوگ آپ کے ذہن میں محفوظ رہیں خاص طور پر حشر کے وقت بھی۔ یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو ان کے ارتداد اور نفاق کا علم ہو لیکن محشر کی حشر سامانیوں کی بناء پر اس طرف توجہ نہ رہے۔ (اوجز المسالک ج ۱ ص ۶۲، المکتبۃ الیحیویہ، سہارنپور)

ہم نے قرآن مجید، احادیثِ صحیحہ، مشاہیر علماء اسلام اور خصوصاً علمائے دیو بند کی تصریحات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان مرتدین کو "اُصیحابی" فرمانا آپ کے علمِ کلی اور علمِ ما کان و ما یکون کے منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کو شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

۶۵۲۷۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَقَالَ الْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذَاكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن الحارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن ابی صغیرہ نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن ابی ملیکہ، انہوں نے کہا: مجھے القاسم بن محمد بن ابی بکر نے حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا ننگے پیر، ننگے بدن، غیر مختون حال میں حشر کیا جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے پوچھا: یارسول اللہ! مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: معاملہ اس سے بہت شدید ہوگا کہ وہ اس کا قصد کریں۔

(صحیح مسلم: ۲۸۵۹، سنن نسائی: ۲۰۸۴، سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۶، مسند احمد: ۲۴۲۷۴)

صحیح البخاری: ۶۵۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں قیس بن حفص کا ذکر ہے، یہ ابو محمد دارمی البصری ہیں جن کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی تھی۔ یہ امام بخاری کا قول ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن الحارث کا ذکر ہے، یہ ابوعثمان الهجیمی ہیں جن کی وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی تھی۔ اور یہ امام بخاری کے منفرد رواۃ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حاتم بن ابی صغیرہ کا ذکر ہے، ان کا نام مسلم القشیری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن ابی مُلیکہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی مُلیکہ ہیں۔ ان کا نام زُہیر الاحول المکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''معاملہ اس سے بہت شدید ہوگا کہ وہ اس کا قصد کریں''۔ یعنی محشر میں اتنی شدت ہوگی کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ستر دیکھنے کا خیال نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۵۔۱۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۸۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ فِي قُبَّةٍ فَقَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَذٰلِكَ أَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از عمرو بن میمون از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے، آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہلِ جنت کا چوتھا حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہلِ جنت کا نصف حصہ ہو؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! بے شک میں ضرور امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت کا نصف حصہ ہوگے، اور اس کا سبب یہ ہے کہ جنت میں صرف مسلمان شخص داخل ہوگا۔ اور تمہاری نسبت مشرکین کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہوتا ہے یا سرخ بیل کی کھال میں ایک سیاہ بال ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۴۲، صحیح مسلم: ۲۲۱، سنن ترمذی: ۲۵۴۷، سنن ابن ماجہ: ۴۲۸۳، مسند احمد: ۳۶۵۳)

صحیح البخاری: ۶۵۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث کا عنوان ہے حشر کی کیفیت، اور اس حدیث میں مسلمانوں کے جنت میں دخول کی تعداد کا بیان ہے۔ بہ ظاہر یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے لیکن مسلمانوں کا جنت میں دخول حشر کے بعد ہوگا، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کے رجال کا ذکر کئی مرتبہ ہو چکا ہے۔ اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور ابواسحاق کا ذکر ہے، وہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن میمون الازدی کا ذکر ہے، انہوں نے زمانہ جاہلیت کو پایا تھا اور یہ ان میں تھے جنہوں نے بندروں کو ایک زانیہ بندریہ کو رجم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خیمہ میں تھے" صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اس خیمہ میں چالیس مرد تھے اور وہ خیمہ چمڑے کا تھا۔

اہلِ جنت کی تعداد کے متعلق تدریجاً بشارت

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا تم اس سے راضی ہو کہ تم اہلِ جنت کا چوتھائی حصہ ہو؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے چوتھائی حصہ کا ذکر کیا، پھر تیسرے حصہ کا ذکر کیا، پھر نصف حصہ کا ذکر کیا۔ آپ نے تدریجاً مسلمانوں کی تعداد کے اضافہ کو بیان فرمایا۔ اور یہ اس لیے تھا کہ یہ بشارت صحابہ کے ذہن میں پختہ اور مؤکد ہو جائے۔ اور ابوصالح کی روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت کا دو تہائی حصہ ہو گے۔

اس حدیث کی ابوسعید نے روایت کی ہے اور یہ کلبی کی روایت ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ یہ اضافہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کلبی ضعیف راوی ہے۔ لیکن امام احمد کی روایت اس طرح ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اہلِ جنت کا چوتھائی حصہ ہو گے بلکہ تم اہلِ جنت کا تیسرا حصہ ہو گے بلکہ تم اہلِ جنت کا نصف حصہ ہو گے۔ اور امام ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس (۱۲۰) صفیں ہوں گی اور میری امت کی ان میں سے اسی (۸۰) صفیں ہوں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تم مشرکین کی بہ نسبت ایسے ہو گے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہو"۔ اس حدیث میں "أو" کا لفظ ہے جس کا معنی "یا" ہے۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں ایک بال کا اطلاق کیا ہے اور اس سے حقیقتِ وحدت مراد نہیں ہے، کیونکہ بیل میں کوئی ایک بال اس کے رنگ کے خلاف نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۲۶۔ ۱۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۲۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ   امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل

عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ أَوَّلُ مَنْ يُدْعَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ آدَمُ فَتَرَاءَى ذُرِّيَّتُهُ فَيُقَالُ هَذَا أَبُوكُمْ آدَمُ فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ جَهَنَّمَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ كَمْ أُخْرِجُ فَيَقُولُ أَخْرِجْ مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِذَا أُخِذَ مِنَّا مِنْ كُلِّ مِائَةٍ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ فَمَاذَا يَبْقَى مِنَّا قَالَ إِنَّ أُمَّتِي فِي الْأُمَمِ كَالشَّعَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ۔ (مسند احمد: ۸۶۹۶)

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از ثور از ابی الغیث از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے قیامت کے دن (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو بلایا جائے گا، پس ان کی اولاد ان کو دیکھے گی، پس کہا جائے گا: یہ تمہارے باپ آدم ہیں۔ (حضرت) آدم (علیہ السلام) کہیں گے "لبیک وسعدیک" (پس اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: اپنی اولاد میں سے ان کو جہنم سے نکال لو جن کو جہنم میں بھیجا گیا ہے، (حضرت) آدم (علیہ السلام) کہیں گے: اے میرے رب! کتنے نکالوں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر سو میں سے ننانوے نکال لو۔ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! جب ہم میں سے ہر سو میں سے ننانوے جہنم میں ہوں گے پھر تو ہم میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچے گا، آپ نے فرمایا: بے شک میری امت دوسری امتوں کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک سفید بال سیاہ بیل کے اندر ہو۔

صحیح البخاری: ۶۵۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث کا عنوان ہے "کیفیت حشر" اور اس حدیث میں جہنم سے بعض اولادِ آدم کو نکالنے کا ذکر ہے۔ سو بہ ظاہر یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: جہنم سے بعض اولادِ آدم کا نکالنا حشر کے مرحلہ کے بعد ہوگا۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ان کے بھائی عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابن بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثور کا ذکر ہے، وہ ابن زید دیلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالغیث کا ذکر ہے، یہ سالم ہیں جو عبداللہ بن مطیع کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور یہ تمام راوی مدنی ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فتراءی" یعنی آدم علیہ السلام لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں گے اور وہ ان کو دیکھیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اخرج" یہ اخراج سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: نکالو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "بعث جهنم" یعنی جو لوگ دوزخ میں ہیں، اور جو اس کے مستحق ہو گئے کہ ان کو دوزخ میں بھیجا جائے۔ یعنی ان میں سے ایک کو نکال دو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حشر کے متعلق قرآن مجید کی متعارض آیات

حشر کے متعلق قرآن مجید کی ایسی آیات ہیں جن میں بہ ظاہر تعارض ہے۔ ان میں سے درج ذیل آیات ہیں:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ (یونس:۴۵)

اور جس دن وہ (اللہ) ان کو جمع فرمائے گا (تو وہ یہ گمان کریں گے کہ) وہ (دنیا میں) دن کی صرف ایک گھڑی بھر رہے ہیں، وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے، بے شک وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا تھا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے O

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل:۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کیلئے اور بھڑکا دیں گے O

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؕ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ (یٰس:۵۲)

وہ کہیں گے: ہائے ہماری مصیبت! ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھادیا، یہ وہ واقعہ ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا O

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (الاعراف:۶)

پس ہم ان لوگوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے O

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دوزخیوں سے سوال کرے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو جواب دیں گے۔ اور سوال جبھی ہوگا جب وہ سنیں گے اور جواب تبھی دیں گے جب وہ ناطق ہوں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل: ۹۷ میں فرمایا ہے کہ "وہ

گونگے اور بہرے ہوں گے"، اور یہ تعارض ہے۔ اور یونس:۴۵ میں فرمایا ہے"وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے" اور بنی اسرائیل:۹۷ میں فرمایا ہے کہ"وہ اندھے ہوں گے" تو جب وہ اندھے ہوں گے تو کیسے ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور یس:۵۲ میں فرمایا ہے"کہ وہ کہیں گے: ہائے ہم کو ہماری خواب گاہوں سے کس نے اٹھا دیا" یعنی وہ بولتے ہوں گے۔ حالانکہ بنی اسرائیل:۹۷ میں فرمایا ہے کہ"وہ گونگے ہوں گے" تو پھر وہ کیسے بولیں گے؟۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ (طٰہٰ:۱۰۲)	جس دن میں صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اٹھائیں گے اس دن ان کی آنکھیں نیلگوں ہوں گی ○
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝ (یس:۵۱)	اور صور پھونک دیا جائے گا، پس اچانک وہ (سب) قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے چلنے لگیں گے ○
يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ (المعارج:۴۳)	جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف بھاگے جا رہے ہیں ○

یس:۵۱ میں فرمایا ہے"وہ تیزی سے چل رہے ہوں گے" اور المعارج:۴۳ میں فرمایا ہے"وہ دوڑ رہے ہوں گے" اور تیزی سے چلنا اور دوڑنا باہم متعارض ہیں۔

تعارضِ مذکور کا جواب

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ جب لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور وہ حشر کی طرف آئیں گے تو نہ ان کا ایک حال ہوگا، نہ ان کا ایک مقام ہوگا اور نہ ان کے ٹھہرنے کی ایک جگہ ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ پانچ احوال ہیں:

(۱) جس حال میں انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا (۲) جس حال میں وہ حساب کی جگہ کی طرف جائیں گے (۳) جس حال میں ان کا حساب ہوگا (۴) جس حال میں وہ دار الجزاء کی طرف جائیں گے (۵) جس حال میں وہ دار الجزاء میں قیام کریں گے اور جس میں وہ مستقر رہیں گے۔

پہلا حال: جب مشرکین کو قبروں سے زندہ کر کے نکالا جائے گا

کفار کے اس حال میں حواس اور اعضاء کامل ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے"يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ" (یونس:۴۵)، یعنی وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"يَتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝" (طٰہٰ:۱۰۳) یعنی وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے: تم صرف دس دن ٹھہرے تھے ○ اور فرمایا"فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝" (الصّٰفّٰت:۱۹) یعنی پھر وہ یکا یک دیکھنے لگیں گے ○

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم زمین میں کتنے سال رہے تھے؟○ وہ کہیں

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ۝ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (المومنون:۱۱۲۔۱۱۵)

گے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے تھے، آپ گننے والوں سے پوچھ لیجئے O اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بہت کم وقت ٹھہرے تھے، کاش! تم نے پہلے جان لیا ہوتا O کیا پس تم نے یہ گمان کرلیا تھا کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا تھا اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے O

دوسرا حال: جب وہ حساب کی جگہ پر جائیں گے

مشرکین کے اس حال میں بھی حواس کامل ہوں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۲۲)

ظالموں کو اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے، (ان سب کو) جمع کرو O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ ان کو راستہ دکھاؤ اور ان کی رہنمائی کرو اور جو اندھا اور بہرا ہو اس کے لیے رہنمائی نہیں ہوسکتی۔ اور جو گونگا ہو وہ سوال نہیں کرسکتا، پس اس سے ثابت ہوا کہ اس حال میں ان کی آنکھیں بھی ہوں گی اور کان بھی ہوں گے اور بولنے والی زبانیں بھی ہوں گی۔

تیسرا حال: جب ان سے حساب ہوگا

مشرکین کے اس حال میں بھی حواس کامل ہوں گے تاکہ وہ سنیں کہ ان سے کیا کہا جارہا ہے اور وہ اپنے صحائفِ اعمال میں پڑھیں جو ان کے اعمال بول رہے ہوں گے۔ اور ان کے خلاف ان کے اعضاء ان کے گناہوں کی گواہی دے رہے ہوں گے اور وہ ان کو سنیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ بولیں گے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝ (الکہف:۴۹)

اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا، پھر آپ دیکھیں گے کہ مجرم اس میں لکھے ہوئے سے خوف زدہ ہوں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! اس نامہ اعمال کو کیا ہوا اس نے نہ کوئی صغیرہ گناہ چھوڑا ہے نہ کبیرہ مگر سب کا احاطہ کرلیا ہے، اور انہوں نے جو بھی عمل کیا تھا سب کو لکھا ہوا اپنے سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا O

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے:

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (حم السجدہ:۲۱)

اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اسی اللہ نے گویائی بخشی جس نے ہر چیز کو گویا کردیا اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

تا کہ یہ لوگ قیامت کے احوال کا مشاہدہ کریں اور جن احوال کی دنیا میں یہ تکذیب کرتے تھے ان کو دیکھیں۔

چوتھا حال: جب مشرکین کو دارالجزاء کی طرف لے جایا جائے گا

اس حال میں ان کی سماعت اور بصارت کو اور زبانوں کو سلب کر لیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۞ (بنی اسرائیل: ۹۷)

اور ہم قیامت کے دن ان کو مونہوں کے بل اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب بھی وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَ الْاَقْدَامِ ۞ (الرحمٰن: ۴۱)

(اس دن) مجرمین اپنے حلیوں سے پہچان لیے جائیں گے، اور ان کو ان کی پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑ لیا جائے گا O

اس آیت میں بھی اس طرح اشارہ ہے کہ ان کی بینائی، سماعت اور گویائی کو سلب کر لیا جائے گا۔

پانچواں حال: جب مشرکین کا دوزخ میں قیام اور استقرار ہوگا

اس کی دو قسمیں ہیں: ایک ابتدائی حال ہے اور ایک انتہائی حال ہے۔ پس جب وہ محشر میں حساب کی جگہ سے دوزخ کے کنارے تک کی مسافت کو قطع کریں گے تو اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ یہ حال ان کی ذلت کے لیے طاری کیا جائے گا اور ان کو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لیے طاری کیا جائے گا۔ پھر بعد میں ان کے حواس ان کی طرف لوٹا دیے جائیں گے تا کہ یہ دوزخ کو دیکھیں اور دوزخ میں جو ان کے لیے عذاب تیار کیا گیا ہے اس کو دیکھیں اور عذاب کے فرشتوں کو دیکھیں اور ہر اس چیز کو دیکھیں جس کی دنیا میں تکذیب کرتے تھے، پھر یہ دوزخ میں ٹھہریں گے اس حال میں کہ وہ بولتے ہوں گے دیکھتے ہوں گے اور سنتے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۞ (الشوریٰ: ۴۵)

اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ پر اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوں گے، کن انکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہہ رہے ہوں گے کہ بے شک نقصان زدہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیا، سنو! بے شک ظلم کرنے والے دائمی عذاب میں ہیں O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ (الانعام: ۲۷)

اور (اے مخاطب!) کاش تو دیکھتا جب ان (کافروں) کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اس وقت وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں دنیا میں لوٹا دیا جائے اور ہم اپنے رب کی نشانیوں کی تکذیب نہ کریں اور

مومنوں میں سے ہو جائیں O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف:۳۸)

اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ، جس میں تم سے پہلے گزرے ہوئے جن اور انس داخل ہو چکے ہیں، جب بھی کوئی جماعت (دوزخ میں) داخل ہوگی تو وہ اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی، حتیٰ کہ جب اس میں سب جمع ہو جائیں گے تو بعد والے پہلوں کے متعلق کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم کو انہوں نے گمراہ کیا تھا، سو تو ان کو دگنا آگ کا عذاب دے، اللہ فرمائے گا: ہر ایک کے لیے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ (الملک:۸)

گویا وہ (دوزخ) ابھی شدت غضب سے پھٹ جائے گی، جب بھی اس میں (کافروں کا) کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ O

اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاۗءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ (الاعراف:۵۰)

اور اہلِ دوزخ اہل جنت سے پکار کر کہیں گے: ہم پر تھوڑا پانی انڈیل دو، یا کچھ اس میں سے دے دو جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے، تو (اہل جنت) کہیں گے: بے شک اللہ نے یہ پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے O

اور اہل جنت اہل دوزخ کو پکار کر کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الاعراف:۴۴)

اور اہل جنت دوزخیوں سے پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو سچا پایا، کیا تم نے بھی اس وعدے کو سچا پایا جو تم سے تمہارے رب نے کیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں! پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو O

اور دوزخی دوزخ کے محافظین سے کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ

اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا

يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ (المومن:۴۹) کرو کہ کسی ایک دن تو ہم سے عذاب کم کر دے O

اور دوزخ کے محافظین ان کو جواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ (المومن:۵۰) محافظ کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ دوزخی کہیں گے: کیوں نہیں، محافظ کہیں گے: پھر تم خود ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا محض گم راہی ہوتی ہے O

اور ان کا انجام اور مآل یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ (المومنون:۱۰۷۔۱۰۸) اے ہمارے رب! ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم پھر (کفر کی طرف) لوٹیں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے O (اللہ) فرمائے گا: تم اسی میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو O

پھر ان پر دوام اور خلود کو لکھ دیا جائے گا اور اس کے لیے ایک مثال بیان کی جائے گی کہ ایک مینڈھا لایا جائے گا اور اس کا نام موت رکھا جائے گا، پھر اس مینڈھے کو جنت اور دوزخ کے درمیان پل صراط پر ذبح کر دیا جائے گا اور دوام اور خلود کا اعلان کر دیا جائے گا۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۸۳)

اور اس موقف میں ان کی سماعت کو سلب کر لیا جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ ان کی بصارت کو بھی سلب کر لیا جائے لیکن سماعت کا سلب ہونا یقینی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ (الانبیاء:۱۰۰) انکی اسی میں چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ بھی نہ سن سکیں گے O

پس جب ان کی سماعت سلب کر لی جائے گی تو وہ صرف چیخ و پکار کرتے رہیں گے اور چنگھاڑتے رہیں گے۔

ابن معبد نے اپنی کتاب "الطاعة" میں الضحاک سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا "اخسئوا" یعنی تم اسی (دوزخ) میں دھتکارے ہوئے پڑے رہو، تو اس وقت وہ بہرے ہوں گے نہ سنتے ہوں گے اور نہ بولتے ہوں گے اور اندھے ہوں گے دیکھتے نہیں ہوں گے۔ اور ہوسکتا ہے کہ ان کی سماعت کو سلب کرنے کی یہ حکمت ہو کہ دنیا میں انہوں نے اپنے رب عزوجل کی نداء کو رسولوں کی زبان سے سنا تو انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ اس کا انکار کیا اور جھٹلایا جب کہ ان کے رسولوں کے صدق پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ پس جب کہ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں ان پر حجت سنانا تھی تو ان کے کفر کی آخرت میں سزا دی کہ ان سے سماعت کو سلب کر لیا۔ اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے رسول سے کہیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾ (حم السجدہ:۵) اور انہوں نے کہا: جس دین کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں، ہمارے دلوں میں اس پر پردے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان حجاب ہے، سو آپ اپنا کام کیجئے، ہم اپنا کام کرنے والے ہیں O

اور نیز کفار نے دنیا میں کہا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾ (حم السجدہ:۲۶) اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قراءت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تا کہ تم غالب آ جاؤ O

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اپنے اوپر موٹی چادریں ڈال لیتے تھے اور اپنے سینوں کو موڑ لیتے تھے تا کہ نہ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھیں اور نہ آپ کا وعظ سنیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق بھی کفار کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾ (ہود:۵) سنو! وہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تا کہ وہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں (اس وقت بھی) وہ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے O

سو اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں مشرکین سے دوزخ میں ان کی بصارت کو سلب کر لیا تا کہ وہ دیکھ نہ سکیں اور عبرت حاصل نہ کر سکیں۔ اور نطق کو سلب کر لیا کیونکہ ان کو بصارت اور نطق دیا گیا تھا لیکن انہوں نے کفر کیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۰۔ ۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۶۔ بَابُ: قَوْلِهٖ عَزَّوَجَلَّ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک قیامت کا زلزلہ بہت سنگین چیز ہے O''

اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ﴿۱﴾ (الحج:۱)

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ (النجم:۵۷) قریب آنے والی ساعت قریب آ چکی ہے O

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر:۱) قیامت قریب آ گئی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کا زلزلہ یعنی قیامت کے دن کا اضطراب بہت سنگین چیز ہے۔

اس عنوان میں ''ساعة'' کا لفظ ہے، اصل میں ساعت کا معنی ہے: زمانہ کا ایک جزو۔ اور اس کا استعارہ قیامت کے دن کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور الزجاج نے کہا: ساعت کا معنی ہے وہ وقت جس میں قیامت واقع ہوگی۔ ایک قول یہ ہے کہ قیامت کو ساعت اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اچانک واقع ہوگی۔ یا قیامت کا وقت بہت طویل ہوگا اس وجہ سے اس کو ساعت کہا گیا ہے یا اس وجہ سے کہ اس وقت میں بہت تیزی کے ساتھ حساب لیا جائے گا۔ یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت بہت خفیف ہوگی حالانکہ لوگوں پر قیامت کا وقت بہت طویل گزرے گا۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ''اَزِفَ'' ماضی کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے قرب، یعنی قیامت کا وقت قریب آ گیا اور اس کی میعاد نزدیک آ گئی۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''قیامت قریب آگئی''۔ علامہ ابن کیسان نے کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے، اصل عبارت یوں ہے کہ چاند شق ہوگیا اور قیامت قریب آگئی۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ عنقریب چاند شق ہوگا اور علماء اس کے خلاف ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۷۔۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۰۔ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ اللهُ يَا آدَمُ فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ قَالَ يَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ﴿وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللهِ شَدِيْدٌ﴾ (الحج: ۲) فَاشْتَدَّ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّنَا ذَلِكَ الرَّجُلُ قَالَ أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفًا وَمِنْكُمْ رَجُلٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ فَحَمِدْنَا اللهَ وَكَبَّرْنَا ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ الرَّقْمَةِ فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابوصالح از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اے آدم! پس وہ کہیں گے ''لبیک وسعدیک'' میں حاضر ہوں تیرے حکم کی اطاعت کے لیے کھڑا ہوں اور تمام بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دوزخ میں بھیجے ہوئے لوگوں کو نکالو، تو وہ کہیں گے: دوزخ میں بھیجے ہوئے کتنے لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے (دوزخ میں ہیں)، پس یہ وہ وقت ہے جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے: اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور تم کو لوگ مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے O
سو یہ بات صحابہ کو بہت سخت معلوم ہوئی، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ ایک شخص ہم میں سے کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہیں بشارت ہو، تم میں سے ایک شخص ہوگا اور ایک ہزار یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میری یہ خواہش ہے کہ تم اہل جنت کا تیسرا حصہ ہو۔ ابوسعید نے بیان کیا: پس ہم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میری خواہش ہے کہ تم اہل اور دوزخی جہنم کے محافظوں سے کہیں گے: تم اپنے رب سے دعا جنت کا نصف ہو، بے شک تمام امتوں میں تمہاری مثال

ایسی ہے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں ایک سفید بال ہو۔ یا وہ سفید داغ جو گدھے کے اگلے پیر میں ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۸، ۴۷۴۱، ۶۵۳۰، ۷۴۸۳، صحیح مسلم: ۲۲۲، مسند احمد: ۱۰۸۹۲)

صحیح البخاری: ۶۵۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "آپ نے فرمایا: قیامت کا وقت وہ ہے جب بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا۔۔الی آخر الآیۃ"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں۔ ان کی دوسو باون ہجری (۲۵۲ھ) میں بغداد میں وفات ہوئی۔ اور اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان ہیں۔ اور ابوصالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں۔ اور ابوسعید کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے یاجوج اور ماجوج کے قصہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں یہ حدیث حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "والخیر فی یدیک" یعنی تیرے دونوں ہاتھوں میں بھلائی ہے۔ یہ جملہ بطور ادب فرمایا ہے ورنہ خیر اور شر دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اس کی قدرت میں ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے حسن ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل قبیح نہیں ہے۔ فعل کا اچھا اور برا ہونا بندوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "من کل الف" یعنی ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے دوزخ میں ہوں گے۔ اور اس سے پہلے باب کی حدیث میں گزرا ہے کہ "ہر سو میں سے ننانوے دوزخ میں ہوں گے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدد کے مفہوم کا اعتبار نہیں ہوتا، یعنی کسی عدد کے ساتھ تخصیص اس عدد سے زائد کی نفی نہیں کرتی۔ یا ان دونوں حدیثوں سے مقصود ایک چیز ہے اور وہ ہے کہ مومنین کا عدد قلیل ہوگا اور کافرین کا عدد کثیر ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وما بعث النار" یعنی جو لوگ دوزخ میں بھیجے گئے ہیں ان کی مقدار کتنی ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "فذاک" اس میں اس وقت کی طرف اشارہ ہے جس وقت میں چھوٹا بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اس چیز کا وقوع محشر میں ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ معاملہ قیامت کے دن سے پہلے ہوگا، کیونکہ قیامت میں نہ تو حمل ہے اور نہ وضع حمل ہے اور نہ

بوڑھا ہونا ہے۔ اور حدیث ان پر رد کرتی ہے۔

علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ لوگوں کو قیامت سے ڈرانے کی ایک مثال ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیامت کے حال کی شدت اور سنگینی سے کنایہ ہے اس حیثیت سے کہ اگر اس دن حاملہ عورتیں ہوتیں تو ان کے حمل ساقط ہو جاتے اور اگر بچے ہوتے تو وہ بوڑھے ہو جاتے، جیسے عرب کہتے ہیں ''ہم پر ایسی سختی آئی ہے کہ اس سختی کے اندر بچہ بوڑھا ہو جائے''۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اینا ذالك رجل'' یعنی ہزار دوزخیوں میں سے جس ایک کا استثنٰی کیا گیا ہے وہ مرد کون ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابشروا'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے ''اعملوا وابشروا'' یعنی عمل کرو اور بشارت دو۔ اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ تم قریب بہ صحت عمل کرو اور درست عمل کرو۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ومنکم رجل'' یعنی جو ایک مرد دوزخ سے نکالا جائے گا وہ ایک مرد ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من یاجوج وماجوج الف'' یعنی جس طرح مشرکین دوزخ میں ہوں گے، اسی طرح یاجوج اور ماجوج میں سے بھی ایک ہزار دوزخ میں ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اوالرقمة'' اس سے مراد ہے: وہ نشان اور وہ اثر جو گدھے کے اگلے پاؤں کے باطن میں ہوتے ہیں۔

علامہ کرمانی کہتے ہیں کہ یہاں دو مثالیں دی ہیں، ایک مثال ہے جیسے سیاہ بیل کی کھال میں سفید بال ہو، دوسری مثال ہے جیسے گدھے کے اگلے پاؤں میں سفید داغ ہو۔ اور ان دونوں مثالوں کی مقداروں میں تو بہت فرق ہے۔

. پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ دونوں مثالوں میں سے غرض ایک چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ مومنین کا عدد کم ہوگا بہ نسبت کافروں کے اور یہ بہت زیادہ کم ہے اور یہ مقصد دونوں مثالوں سے حاصل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۸۔ ۱۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۳۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفار کے نابالغ بچے بھی جنت میں ہوں گے

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ''حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا'' اور جو بچہ ساقط ہوگا وہ مرد ہوگا، پس مسلمانوں کے بچے اپنے آباء کی شفاعت کریں گے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کفار کے بچوں کے ساتھ کیا کرے گا۔

علامہ ابن الملقن فرماتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ کفار کے بچے بھی جنت میں ہوں گے۔

الحج: ۱ میں فرمایا ہے: ''اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ○'' کہ قیامت کا زلزلہ سنگین چیز ہے۔ حالانکہ قیامت کا زلزلہ تو موجود نہیں ہے اور اس کو ''شَيْءٌ عَظِيْمٌ'' فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز موجود نہ ہو اس کو بھی ''شَيْءٌ'' کہنا جائز ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰، ص ۳۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۷۔ بَابٌ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین: ۴۔۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا ان لوگوں کا یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اٹھایا جائے گا؟ ۝ بہت بڑے دن میں ۝ جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ۝

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ (البقرہ: ۱۶۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اور ان کے تمام وسائل منقطع ہو جائیں گے ۝''

قَالَ: اَلْوُصُلَاتُ فِي الدُّنْيَا۔

انہوں نے کہا: اس سے مراد ہے کہ دنیا میں جن رشتوں کے ساتھ وہ ملے ہوئے رہتے تھے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المطففین: ۴ میں فرمایا ہے ''اَلَا يَظُنُّ'' اور یہاں پر ظن بمعنی یقین کے ہے یعنی کیا ان کو یہ یقین نہیں ہے کہ یہ مبعوث ہوں گے، پھر ان سے سوال کیا جائے گا کہ انہوں نے دنیا میں کیا کام کیے تھے۔ اور المطففین: ۵ میں فرمایا ہے ''لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝'' یعنی قیامت کے دن، اور المطففین: ۶ میں فرمایا ہے ''جس دن لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے'' تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ان کے اعمال کا فیصلہ فرمائے۔ کعب احبار نے کہا ہے کہ وہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے اور مقاتل نے کہا ہے: جب وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے المطففین: ۶ کی تفسیر میں فرمایا: ''حتیٰ کہ اس دن ایک شخص اپنے پسینہ میں آدھے کانوں تک ڈوب جائے گا''۔ (صحیح البخاری: ۴۹۳۸، سنن ترمذی: ۳۳۳۵، سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۸)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو لوگوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ ان سے ایک میل کی مقدار پر ہو گا، پھر لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے اپنے پسینہ میں ہوں گے، کسی کے ٹخنوں تک پسینہ ہو گا اور کسی کے گھٹنوں تک پسینہ ہو گا اور کسی کی کوکھوں تک پسینہ ہو گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ ان کا پسینہ ان کی لگام بنا ہوا ہو گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۴، سنن ترمذی: ۲۴۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۴۔۳، المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۶۰۲، صحیح ابن حبان: ۷۳۳۰)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کا دن مومن پر آسان کر دیا جائے گا حتیٰ کہ جتنے وقت میں وہ دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس سے بھی کم وقت میں وہ دن اس پر گزر جائے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۷۵، مسند ابو یعلیٰ: ۱۳۹۰، صحیح ابن حبان: ۷۳۳۴)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے جود اور لطف سے ہمیں بھی ان مقرب لوگوں کے گروہ میں شامل فرما دے۔ آمین

اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ میدانِ حشر میں لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے اپنے دنیاوی حقوق لینے کے لیے کھڑے ہوں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ لوگ اللہ کے سامنے فیصلہ کے انتظار میں کھڑے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾'' (البقرہ:۱۶۹)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس سے مراد رحم کے رشتے ہیں۔

اور قتادہ سے منقول ہے: اسباب سے مراد لوگوں کے آپس میں وہ تعلقات ہیں جن تعلقات کو دنیا میں وہ ملا کر رکھتے تھے۔ اور جن تعلقات کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، قیامت کے دن وہ تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۹۔ ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾﴾ (المطففین:۶) قَالَ يَقُومُ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عیسیٰ بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، (آپ نے یہ آیت پڑھی:)

''جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے O''

آپ نے فرمایا: ان میں سے ایک شخص اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوبا ہوا ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۳۸، ۶۵۳۱، صحیح مسلم: ۲۸۶۲، سنن ترمذی: ۳۳۳۶، سنن ابن ماجہ: ۴۲۷۸، مسند احمد: ۵۷۸۹)

صحیح البخاری: ۶۵۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں ''المطففین: ۶'' کا ذکر ہے اور باب کے عنوان میں بھی یہی آیت مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابان، یہ الوراق الوزان الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیسیٰ بن یونس، یہ ابن اسحاق بن ابی اسحاق السبیعی الکوفی ہیں، یہ شام کی جانب میں ایک جگہ سکونت پذیر تھے جس کا نام ''الحدث'' تھا اور وہیں ان کی ۱۹۱ھ میں وفات ہوئی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عون، اور وہ عبد اللہ بن عون بن ارطبان البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے"فی رشحه"۔"الرشح" کا معنی ہے: پسینہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے"انصاف اذنیه" اس میں اُذن کے تثنیہ کی اضافت ہے۔جیسے قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا (التحریم:۴) اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت میں جمع کی اضافت ضمیرِ مخاطب کی طرف ہے۔اور اس حدیث میں تثنیہ کی اضافت ہے اور اس میں یہ فرق ہوسکتا ہے کہ جب کہ ہر شخص کے لیے دو کان ہوتے ہیں تو یہ ایسا ہے جیسے جمع کی اضافت اس کی مثل کی طرف ہو۔علاوہ ازیں کم سے کم جمع کے دو فرد ہوتے ہیں۔سو گویا یہ بھی جمع کے معنی میں ہے۔

حشر کے دن لوگوں کے پسینہ کے متعلق متعدد روایات

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس باب میں احادیثِ مختلفہ روایت کی گئی ہیں:

امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج قریب ہوگا حتیٰ کہ پسینہ آدھے کان تک پہنچ جائے گا۔(شعب الایمان ج ۳ ص ۲۶۹،۳۵۰۹)

اور امام طبرانی اور امام ابو یعلیٰ نے ابوالاحوص کی حدیث از حضرت عبداللہ روایت کی ہے جس کو امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے،اس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کو قیامت کے دن اس کے پسینہ کی لگام ڈالی جائے گی اس دن کے طول کی وجہ سے،حتیٰ کہ وہ کافر کہے گا: اے میرے رب! مجھے راحت دے خواہ دوزخ کی طرف۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج ۸ ص ۳۶۳،۸۸۸۱)

اور امام مسلم نے سلیم بن عامر کی حدیث از حضرت مقداد رضی اللہ عنہ روایت کی ہے،وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو سورج کو بندوں کے قریب کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ ایک میل یا دو میل کے اندازہ پر ہوگا۔سلیم بن عامر نے کہا: میں از خود نہیں جانتا کہ ان دو میلوں سے کیا مراد ہے؟ یا زمین کی مسافت مراد ہے یا میل سے مراد سرمہ دانی کی سلائی ہے،پس سورج ان کو جھکا دے گا حتیٰ کہ وہ اپنے اعمال کے اعتبار سے پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے،پس ان میں سے بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کے ٹخنوں تک ہوگا اور بعض وہ ہوں گے کہ پسینہ ان کی لگام بن جائے گا۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا،پس میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمار ہے تھے۔(صحیح مسلم:۲۸۶۴)

اور امام حاکم نے از حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے،وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورج قیامت کے دن زمین کے قریب ہوگا،پس لوگ پسینوں میں ہوں گے،پس بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی ایڑھی تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی آدھی پنڈلی تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کے گھٹنوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی رانوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کی کوکھوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کے کندھوں تک پہنچے گا اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ پسینہ ان کے منہ تک پہنچے گا،پھر آپ نے

اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پس اس کی لگام بنائی۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ پسینہ اس کو ڈھانپ لے گا اور آپ نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر اس طرح رکھا۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۷)

اور امام ابن ابی شیبہ نے از سلمان الخیر روایت کی ہے، انہوں نے کہا: قیامت کے دن سورج کو دس سال کی گرمی دی جائے گی، پھر سورج لوگوں کی کھوپڑیوں کے قریب ہوگا حتیٰ کہ قاب قوسین کی مقدار پر ہوگا، پھر لوگوں کو پسینہ آئے گا حتیٰ کہ پسینہ زمین پر ان کی قامت کے برابر گر رہا ہوگا، پھر سورج بلند ہوگا حتیٰ کہ ایک مرد کا سانس اکھڑنے لگے گا، سلمان نے کہا حتیٰ کہ مرد کہے گا "غرغر"۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: سورج کی اس تیز گرمی سے کامل مومن کو ضرر نہیں ہوگا، یا جو عرش کے سائے میں ہوگا اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

اور سلمان سے مروی ہے: سورج کی گرمی کو کوئی مومن مرد اور مومن عورت نہیں پائیں گے، رہے کفار تو سورج ان کو جلا دے گا حتیٰ کہ ان کے جلنے سے "عق عق" کی آواز سنائی دے گی۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسی سند کے ساتھ حدیث روایت کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس دن بہت زیادہ تکلیف ہوگی حتیٰ کہ کافر کے منہ میں پسینہ سے لگام ہوگی، ان سے پوچھا گیا: پھر مومن کہاں ہوں گے؟ انہوں نے کہا: وہ سونے کی ایک کرسی پر ہوں گے اور ان پر بادل سایہ کرے گا۔ اور ابوظبیان سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ نے کہا: سورج ان کے سروں پر ہوگا اور ان کے اعمال ان پر سایہ کریں گے۔ (تفسیر مجاہد ج ۲ ص ۷۳۴)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۰-۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۲۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْأَرْضِ سَبْعِينَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتَّى يَبْلُغَ آذَانَهُمْ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۳، مسند احمد: ۹۱۴۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ثور بن زید از ابو الغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ پسینوں میں ہوں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر ہاتھ تک نیچے چلا جائے گا اور پسینہ ان کی لگام بن جائے گا حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد العزیز بن عبد اللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو الغیث کا ذکر ہے، یہ سالم ہیں۔

پسینہ کی کثرت کا سبب

پسینہ کی کثرت کا سبب قیامت کی مسلسل ہولناکیاں ہیں اور لوگوں کا رش ہے اور سورج کا قریب ہونا ہے۔ اور پسینہ کی مقدار کے اختلاف کا جو احادیث میں ذکر ہے، یہ ان کے اعمال کے اختلاف کے اعتبار سے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۳۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیامت کے پسینہ کے متعلق مزید احادیث

امام ابن المبارک نے اپنی ''رقائق'' میں شہر بن حوشب کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث بیان کی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات میں سے امتوں کو جمع فرمائے گا اس حال میں کہ وہ برہنہ بدن ہوں گے اور ذلیل ہوں گے اور زمین کے بادشاہوں سے ان کے ملک کو اللہ تعالیٰ چھین لے گا اور ان کی سرکشی کے بعد ان پر پستی کو لازم کردے گا اور وہ جو اللہ کی زمین میں اللہ کے بندوں پر جبر کرتے ہیں اس کے بعد ان پر ذلت کو لازم کردے گا حتیٰ کہ جب وہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے موقف میں پہنچیں گے تو سورج کو سات سال کی گرمی پہنائی جائے گی، پھر سورج کو مخلوقات کے قریب کیا جائے گا جتنا ایک قوس یا دو قوسوں کا فاصلہ ہے۔ (کتاب الزہد لابن المبارک ج ۱ ص ۴۶۷)

الوائلی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (المطففین: ۶) ''جب سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے'' O

پھر آپ نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم سب کو اللہ تعالیٰ اس طرح جمع کرے گا جس طرح تیروں کو ترکش میں جمع کیا جاتا ہے جو اس دن میں پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ تمہاری طرف نظرِ (رحمت) نہیں فرمائے گا۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۷۲)

قیامت کے پسینہ کے متعلق علماء امت کے اقاویل

امام محمد بن محمد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ ''کشف علوم الآخرۃ'' میں لکھتے ہیں: لوگوں کے پسینہ میں ڈوبنے کی مختلف اقسام ہوں گی، بعض وہ لوگ ہوں گے جن کو تھوڑا سا پسینہ آئے گا جیسے کوئی آدمی حمام میں بیٹھا ہوا ہو۔ اور بعض وہ لوگ ہوں گے کہ ان کو اتنا پسینہ آئے گا جیسے کوئی پیاسا آدمی پانی پیئے تو اس کو تراوٹ پہنچتی ہے۔ اور یہ کیونکر نہیں ہوگا حتیٰ کہ سورج لوگوں کے سروں کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی ایک اپنا ہاتھ سر پر رکھے تو اس کو سورج کی گرمی ستر درجہ زیادہ محسوس ہوگی۔

اور بعض سلف صالحین نے کہا ہے کہ اگر سورج زمین پر اس طرح طلوع ہو جس طرح قیامت کے دن طلوع ہوگا تو پوری روئے زمین جل جائے گی اور چٹانیں پگھل جائیں گی اور دریا سوکھ جائیں گے۔ سو وہ ہزار سال تک اسی طرح کھڑے رہیں گے۔ پھر اسی طرح وہ موج در موج ایک ہزار سال تک پھرتے رہیں گے اور اللہ عزوجل ان سے کوئی ایک بات بھی نہیں کرے گا۔ پس اس وقت

لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کا سوال کریں گے تا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے حساب لے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنے پسینہ کے ساتھ ہوگا، پس وہ اپنے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوب جائے گا اور اس کی دونوں جانبوں میں پسینہ ہوگا اور یہ دنیا کے معمولات کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب لوگوں کی جماعت کسی ہموار زمین میں کھڑی ہو اور ان پر پانی گرے تو وہ اس میں مختلف نہیں ہوتے اور حشر کے دن لوگ پسینہ کی مقدار میں مختلف ہوں گے اور یہ خلاف عادت ہے۔ اور ابن برجان نے اپنی کتاب میں اس کی مثال بیان کی ہے کہ مومن اپنے نور ایمان کے ساتھ لوگوں کے درمیان چلتا ہے اور کافر اپنے کفر کے اندھیروں میں ہوتا ہے اور مومن کو اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھتا ہے اور اس کو کافی ہوتا ہے اور کافر اور گناہ گار اپنی رسوائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی پناہ میں نہیں ہوتے۔ اور سنت پر عمل کرنے والا مومن یقین کی ٹھنڈک سے سیراب کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کے حسن کی وجہ سے وہ ہدایت کے راستوں پہ چلتا ہے اور بدعتی پیاسا رہتا ہے۔

امام غزالی نے کہا ہے: دنیا میں مومن کو جو اللہ کی راہ میں عمل کرنے سے پسینہ آتا ہے مثلاً جہاد کرنے سے، حج کرنے سے، نمازوں میں قیام کرنے سے، روزے رکھنے سے، کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کے لیے آنے جانے کی وجہ سے اور کسی نیک کام کا حکم دینے کی مشقت اٹھانے کی وجہ سے، یا کسی برائی سے روکنے اور منع کرنے کی وجہ سے۔ پس عنقریب قیامت کے دن اس کو برے کاموں سے حیا کی وجہ سے رکنے اور خوف خدا کی وجہ سے گناہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ پسینہ کی شدت سے نکل جائے گا۔ اور اگر ابن آدم جہالت اور غرور سے سلامت رہے تو وہ ضرور جان لے گا کہ دنیا کے مصائب کو برداشت کرنے میں جو پسینہ آتا ہے، یہ اس سے کہیں آسان ہے جو اسے قیامت کے دن انتظار کرنے کی وجہ سے پسینہ آئے گا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۰۔ ۵۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۸۔ بَابُ: الْقِصَاصِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قیامت کے دن بدلہ لیے جانے کا بیان

وَهِيَ الْحَاقَّةُ لِأَنَّ فِيهَا الثَّوَابَ وَحَوَاقَّ الْأُمُورِ الْحَقَّةُ وَالْحَاقَّةُ وَاحِدٌ

قیامت کو ''الحاقة'' کہتے ہیں، کیونکہ اس دن میں بدلہ ملتا ہے اور ثابت شدہ امور ہوتے ہیں۔ اور ''الحقة'' اور ''الحاقة'' دونوں کا ایک معنی ہے۔

وَالْقَارِعَةُ وَالْغَاشِيَةُ وَالصَّاخَّةُ وَالتَّغَابُنُ

''القارعة، الغاشية، الصاخة، التغابن'' یہ بھی قیامت کے نام ہیں۔

غَبْنُ أَهْلِ الْجَنَّةِ أَهْلَ النَّارِ۔

اہل جنت، اہل دوزخ کو ان کے حصہ سے محروم کردیں گے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قیامت کے دن قصاص اور بدلہ کی کیفیت کا بیان ہے، اور قِصاص میں قاف کے نیچے زیر ہے یہ ''القص'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ''القطع'' یعنی کاٹنا۔ یا یہ ''اقتصاص الاثر'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: تتبع کرنا۔ کیونکہ جو شخص

قصاص اور بدلہ کا طلب گار ہوتا ہے وہ زیادتی کرنے والے کے قصور کو طلب کرتا ہے تا کہ اس کی مثل بدلہ لے۔

اور ''المغرب'' میں مذکور ہے کہ قصاص کا معنی ہے: مقتول کے ولی کا قاتل سے اور زخمی کے ولی کا زخمی کرنے والے سے بدلہ لینا۔ اور قصاص قتل میں یا زخم میں مساوات کا نام ہے، پھر قصاص کا ہر مساوی چیز پر اطلاق کیا گیا ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی قیامت کو ''الحاقة'' کہتے ہیں کیونکہ اس کا وقوع برحق ہے۔ اور ''حواق الامور'' بھی کہتے ہیں کیونکہ اس دن تمام امور ثابت ہوں گے، یعنی اس دن ثواب اور عقاب کی جزاء متحقق ہوگی اور تمام امور جو اس دن ہوں گے وہ سب ثابت اور حق ہوں گے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''الحقة'' اور ''الحاقة'' دونوں ایک ہیں یعنی معنی میں ایک ہیں۔ اسی طرح الفراء سے منقول ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن کو ''الحاقة'' اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن ان کفار سے خصومت کی جائے گی جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کی تھی، کیونکہ ''حاقة'' کا معنی خصومت بھی ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

قیامت کا نام ''القارعة'' ہے۔ ''قرع'' کے معنی ہیں: کھٹکھٹانا، کیونکہ قیامت کا دن اپنی ہولناکیوں کی وجہ سے دل کو کھٹکھٹائے گا۔ علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ ''القارعة'' کا معنی ہے: دہر کی شدائد میں سے ایک شدیدہ، یعنی دہر کے مصائب میں سے ایک مصیبت۔ اور ''قرع'' کا اصل معنی ہے: کوٹنا اور توڑنا اور اسی سے ''قرع الباب'' ماخوذ ہے یعنی دروازہ کو کھٹکھٹانا۔ اور سر پر لاٹھی ماری جائے تو اس کو بھی ''قرع'' کہتے ہیں۔

اور قیامت کا نام ''الغاشية'' بھی ہے، کیونکہ ''غشي'' کا معنی ہے: ڈھانپنا، اور قیامت کو غاشیة اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت اپنی خوفناک باتوں کی وجہ سے لوگوں کو ڈھانپ لے گی۔ اور سعید بن جبیر اور محمد بن کعب سے منقول ہے کہ ''الغاشية'' کا معنی ہے نار یعنی آگ۔ اور اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ ''الغاشية'' قیامت ہے جو ہر چیز کو اپنی ہولناکیوں سے ڈھانپ لے گی۔

اور قیامت کا نام ''الصاخة'' بھی ہے۔ اور ''الصاخة'' کا معنی ہے: چیخ اور چنگھاڑ۔ کہا جاتا ہے ''صخ الصوت الاذن'' یعنی چنگھاڑ نے کانوں کو پھاڑ دیا۔ اور اسی وجہ سے قیامت کا نام ''الصاخة'' ہے۔ علامہ الثعلبی نے کہا ہے: ''الصاخة'' یعنی قیامت کی چیخ اور چنگھاڑ، اس کا نام ''الصاخة'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ یہ چنگھاڑ مسلسل کانوں میں آئے گی حتیٰ کہ کانوں کو تقریباً بہرا کر دے گا۔

اور قیامت کا نام ''التغابن'' بھی ہے، یہ غبن کا باب تفاعل ہے، یعنی حصہ کا فوت ہونا۔ یعنی مغبون وہ ہے جس کے جنت میں جو گھر تھے اور ٹھکانے تھے وہ غبن کر لیے گئے۔ ہر کافر کا جو جنت میں ٹھکانا اور گھر ہے وہ اس کے ایمان کو ترک کرنے کی وجہ سے اس سے لے لیا جائے گا اور اس کو محروم کر دیا جائے گا۔ اور ہر مومن نیکی میں کمی کرنے کی وجہ سے اور اپنے ایام کو ضائع کرنے کی وجہ سے مغبون ہوگا یعنی اس کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: کہ ''تغابن'' باب تفاعل ہے جو دو طرفوں میں اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں پر غبن

صرف ایک جانب سے ہے یعنی کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے جنت میں جوان کا حصہ ہے اس سے ان کو محروم کر دیا جائے گا تو صرف کفار مغبون ہوں گے اور مومن مغبون نہیں ہوں گے، اس لیے یہاں پر غبن کو تغابن کے صیغہ کے ساتھ مبالغہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو لکھا ہے ہم اس کی صحت کو نہیں مانتے اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تفاعل مبالغہ کے لیے آتا ہے اور تفاعل یہاں پر اپنی اصل پر ہے اور وہ ہے قوم کے درمیان اشتراک۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفار اصل غبن میں سب مشترک ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۱۔ ۱۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ بِالدِّمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے بدلہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۷۸، سنن ترمذی: ۱۳۹۶، سنن نسائی: ۳۹۹۳، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۵، مسند احمد: ۳۶۶۵)

صحیح البخاری: ۶۵۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قصاص'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جان کا قصاص لیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، وہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، وہ الاعمش ہیں، وہ ابو وائل شقیق بن سلمہ سے از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اول ما یقضی بین الناس بالدماء'' یعنی سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون اور جان کے بدلہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور اس کا معنی ہے: دنیا میں لوگوں کے درمیان جو خون اور جان کا جھگڑا تھا اس کا فیصلہ قیامت کے دن سب

سے پہلے کیا جائے گا۔

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے اس کی نماز کا حساب لیا جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں جو فرمایا ہے کہ سب سے پہلے خون اور جان کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا وہ حقوق العباد سے متعلق ہے اور دوسری حدیث جس میں فرمایا ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اس کا تعلق خالق کے حقوق اور اس کی عبادت سے ہے۔

اور صور کی ایک طویل حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے لوگوں کے درمیان خون اور جانوں کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا، ہر مقتول اپنے سر کو اٹھائے ہوئے آئے گا، سو وہ کہے گا: اے میرے رب! اس سے سوال کر کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا؟

اور نافع بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مقتول ایک ہاتھ سے اپنے سر کو لٹکائے ہوئے آئے گا اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کے گریبان کو کھینچتا ہوا آئے گا، اس کے سر کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا حتیٰ کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۹، مسند احمد: ۱۰۱۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو، پس اس کو چاہیے کہ وہ اس ظلم کو اس سے معاف کرا لے، کیونکہ وہاں پر نہ دینار ہوگا اور نہ درہم ہوگا، اس سے پہلے کہ اس کے بھائی کے لیے اس کی نیکیاں لی جائیں، پس اگر اس کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس کے بھائی کے گناہ اس کے اوپر ڈال دیے جائیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مظلمة'' اور یہ اس چیز کا نام ہے جو تم سے ناحق لی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیتحللہ" یعنی وہ اپنے بھائی سے سوال کرے کہ وہ اس ظلم کو اس کے لیے قیامت سے پہلے حلال کر دے اور وہ اپنے بھائی سے کہے کہ وہ اس کو اپنے ذمہ سے بری کر دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اس کے بھائی کو اس کی نیکیاں دی جائیں گی"۔ یعنی ظالم کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دی جائیں گی۔ اور اس سے مراد نیکیوں کا ثواب ہے۔

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نیکیوں کا ثواب غیر متناہی ہے اور ظالم کا ظلم متناہی تھا، تو متناہی کے بدلہ میں غیر متناہی دینا یہ بجائے خود ظلم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ظالم کی نیکی کا اصل ثواب دیا جائے گا اور جو اللہ تعالیٰ نے اس پر غیر متناہی اجر دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ نہیں دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر اس کی نیکیاں نہیں ہیں تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے جائیں گے"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

پس اگر مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیے گئے تو یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اختیار اور ارادہ سے کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ظالم پر جو مظلوم کے گناہ ڈالے جائیں گے وہ اس کے اختیار اور ارادہ کے بغیر بطور سزا ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۳۔ ۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۵۔ حَدَّثَنِی الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾ (الحجر: ۴۷) قَالَ حَدَّثَنَا سَعِیْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِی الْمُتَوَکِّلِ النَّاجِیِّ أَنَّ أَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَیُحْبَسُوْنَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَیُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ کَانَتْ بَیْنَهُمْ فِی الدُّنْیَا حَتّٰى إِذَا هُذِّبُوْا وَنُقُّوْا أُذِنَ لَهُمْ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَأَحَدُهُمْ أَهْدٰى بِمَنْزِلِهٖ فِی الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ کَانَ فِی الدُّنْیَا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۰، ۶۵۳۵، مسند احمد: ۱۱۰۷۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے الصلت بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے۔ (الحجر: ۴۷) انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از ابی المتوکل الناجی، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومنین دوزخ سے چھٹکارا پالیں گے، پھر ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا، پھر انہوں نے دنیا میں ایک دوسرے پر جو مظالم کیے ہوں گے ان کا قصاص لیا جائے گا، حتیٰ کہ جب ان کی کاٹ چھانٹ ہو جائے گی اور وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو ان کو جنت میں دخول کی اجازت دی جائے گی۔ پس اس ذات کی

قسم کہ محمد (ﷺ) کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے! ان میں سے کوئی ایک جنت میں اپنے ٹھکانے کو اس سے زیادہ پہچاننے والا ہوگا جتنا وہ دنیا میں اپنے گھر کو پہچانتا تھا۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قیامت کے دن قصاص اور بدلہ'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''دوزخ سے نجات پانے کے بعد مومنین نے ایک دوسرے پر جو ظلم کیا ہوگا اس کا ان سے بدلہ لیا جائے گا''۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''الصلت'' یہ ابن محمد بن عبدالرحمٰن ابو ہمام الخارکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن زریع، یہ زرع کی تصغیر ہے اور یہ ابو معاویہ العیشی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، یہ ابن ابی عروبہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالمتوکل، یہ علی بن داؤد الناجی ہیں، یہ بنو ناجیہ بن اسامہ بن لوی کی طرف نسبت ہے اور یہ ایک بہت بڑا قبیلہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید، یہ حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث ''کتاب المظالم'' میں گزر چکی ہے۔ وہاں اسحاق بن ابراہیم سے اس حدیث کی روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں یہ آیت مذکور ہے ''اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے'' (الحجر: ۴۷)۔ اور یہ حدیث گویا اس آیت کی تفسیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ مومنین جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پُل میں ہوں گے''۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن دو پُل ہوں گے، ایک تو یہ پُل ہوگا جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے اور دوسرا وہ پُل ہے جو دوزخ کی پشت پر ہے اور اس کا نام پُل صراط مشہور ہے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ قیامت کے دن ایک ہی پُل ہوگا تو اس کی تاویل یہ ہے کہ یہ پُل پہلے پُل کا تتمہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جب ایک دوسرے سے قصاص لے لیا جائے گا حتیٰ کہ جب ان کی تہذیب اور ان کا تنقیہ کر دیا جائے گا''۔ تہذیب سے مراد ہے انہیں پاک کر دیا جائے گا، مہذب الاخلاق کا معنی ہے: مطہر الاخلاق۔ یہ جوہری نے کہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پاک صاف ہونے کے بعد انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی''۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: حضرت عبداللہ بن سلام کی حدیث میں مذکور ہے کہ فرشتے ان کو جنت کے راستہ پر دائیں جانب سے

اور بائیں جانب سے رہنمائی کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۳۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قصاص کے متعلق دیگر احادیث

امام نسائی روایت کرتے ہیں: بندہ سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور سب سے پہلے لوگوں کے درمیان جس چیز کا فیصلہ کیا جائے گا وہ خون اور جان کا معاملہ ہے۔ (سنن نسائی: ج ۷ ص ۸۳)

اور امام مالک از یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں، مجھے یہ حدیث پہنچی ہے: مرد کے اعمال میں سے جس پر سب سے پہلے نظر کی جائے گی وہ نماز ہے۔ (الموطا ج ۱ ص ۱۷۳)

امام ترمذی نے اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔۔۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی: ۴۱۳)

علامہ داؤدی نے بیان کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم کے درمیان اور عتبہ اور شیبہ جو ربیعہ کے دو بیٹے ہیں اور ولید بن عتبہ کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن مبارزت کی تھی اور انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج: ۱۹) یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ جھگڑنے والے دونوں فریق کون تھے؟ ایک قول یہ ہے کہ دو فریق وہ تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں ایک دوسرے سے مبارزت کی تھی اور جنگ کے لیے للکارا تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ آیت حضرت حمزہ اور ان کے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے جنگِ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مومنین اور اہلِ کتاب کے دو فریق ہیں جنہوں نے آپس میں مباحثہ کیا تھا۔ اہلِ کتاب نے مومنین سے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ سے قریب ہیں ہماری کتاب تم سے پہلے نازل ہوئی ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے تھے۔ اور مومنین نے کہا: ہم اللہ کے زیادہ حق دار ہیں، ہم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے، تم ہماری کتاب کو اور ہمارے نبی کو پہچانتے تھے، پھر تم نے ان کو چھوڑ دیا اور ان سے حسد کی وجہ سے ان کا کفر کیا۔ ان کی یہ خصومت ان کے رب کے پاس ہوگی۔ (جامع البیان: ۱۸۸۸۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو رحمٰن کے سامنے جھگڑے کے لیے اپنے رب کے سامنے گھٹنوں کے بل قیامت کے دن بیٹھوں گا، اور قیس بن عباد نے کہا: انہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ (الحج: ۱۹) یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھگڑا کیا۔

انہوں نے بیان کیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کے دن ایک دوسرے کو للکارا تھا، حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم، اور شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ۔ (صحیح البخاری: ۳۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۳۳)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے کہا: ہم میں مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان ہو۔ آپ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے اس شخص کو گالی دی ہوگی اور اس شخص پر تہمت لگائی ہوگی اور اس شخص کا مال کھایا ہوگا اور اس شخص کا خون بہایا ہوگا اور اس شخص کو مارا ہوگا۔ پھر اس کی نیکیاں اس شخص کو دی جائیں گی اور اس کی نیکیاں اس شخص کو دی جائیں گی، پس اگر اس کی نیکیاں اس پر واجب حقوق سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو پھر اصحابِ حقوق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے اور پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۱، مسند احمد: ۸۸۵۱، ۸۰۵۳)

نیز امام مسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے حقوق ضرور اصحابِ حقوق کو قیامت کے دن ادا کیے جائیں گے حتیٰ کہ سینگ والی بکری نے جو دوسری بے سینگ بکری کو سینگ مارا ہوگا اس کا بدلہ بھی اس سے دلایا جائے گا۔ (صحیح مسلم: ۲۵۸۲، مسند احمد: ۷۲۰۸، ۸۰۰۲)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے، پس جب ظالم کو پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ (ہود: ۱۰۲)

اور آپ کے رب کی گرفت اسی طرح ہوتی ہے، جب وہ بستیوں پر اس حالت میں گرفت کرتا ہے کہ وہ ظلم کر رہی ہوتی ہیں، بے شک اس کی گرفت دردناک شدید ہے O

(صحیح مسلم: ۲۵۸۳، صحیح البخاری: ۴۶۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۸)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفہ میں شام کے وقت اپنی امت کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی اور بہت زیادہ دعا کی، پس اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میں نے یہ مغفرت کر دی مگر جو انہوں نے ایک دوسرے پر ظلم کیا ہے اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔ تو آپ نے عرض کیا: اے میرے رب! تو اس پر قادر ہے کہ مظلوم کو اس کی مظلومیت پر اپنے پاس سے کوئی اجر عطا فرما دے اور اس ظالم کو بخش دے۔ تو اس شام تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول نہیں کیا، پھر جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوبارہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے۔

(سنن بیہقی ج ۵ ص ۱۱۸، شعب الایمان ج ۱ ص ۳۰۴)

امام بیہقی فرماتے ہیں: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس دعا کی قبولیت میں جو تاخیر ہوئی تو وہ اس لیے تھی کہ پہلے ان لوگوں کو کچھ عذاب چکھائے، پس ہو سکتا ہے کہ یہ خبر کسی ایک وقت کے ساتھ مخصوص ہو نہ کہ دوسرے وقت کے ساتھ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مغفرت کی دعا کا قبول ہونا ان میں سے بعض کے لیے ہو نہ کہ دوسرے بعض کے لیے۔ پس یہ حدیث ایک قوم کے ساتھ خاص ہوگی نہ کہ دوسری قوم کے ساتھ، پھر جس کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں فرمائے گا اس کو اس کے گناہ کی وجہ سے عذاب چکھائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ

عام ہو، قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ مغفرت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ (النساء:۴۸)
بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

امام ابوداؤد الطیالسی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک مقروض کو قیامت کے دن بلائے گا، پس فرمائے گا: اے ابنِ آدم! تو نے لوگوں کے حقوق اور ان کے اموال کو کیوں ضائع کیا؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے ضائع نہیں کیا لیکن میرا مال غرق ہو گیا یا جل گیا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں اس کا زیادہ حق دار ہوں کہ تیری طرف سے آج تیرے قرض ادا کردوں، پھر اس کی نیکیاں اس کے گناہوں پر غالب آ جائیں گی اور اس کو جنت میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔ (مسند الطیالسی ج ۲ ص ۶۶۳، ۱۴۲۳)

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ہم نے دیکھا کہ آپ ہنسے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دانت ظاہر ہوئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپ نے فرمایا: میری امت میں سے دو مرد رب العزت کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے کہا: اے میرے رب! میرے بھائی سے میرا حق وصول فرما، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے بھائی سے فرمائے گا: اپنے بھائی کو اس کا حق دو۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! میری نیکیوں میں سے تو کچھ بھی باقی نہیں رہا، پھر اللہ تعالیٰ طالب سے فرمائے گا: اب تم کیا کرو گے اس کی نیکیوں میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہی؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! یہ میرے گناہوں کا بوجھ اٹھائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا: یہ بہت عظیم دن ہے، اس دن لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ ان سے ان کے گناہ اٹھا لیے جائیں، پھر اللہ تعالیٰ طالب سے فرمائے گا: اپنا سر اٹھاؤ، وہ سر اٹھائے گا اور کہے گا: اے میرے رب! میں چاندی کے بلند شہر دیکھ رہا ہوں اور سونے کے شہر دیکھ رہا ہوں جن میں موتی جڑے ہوئے ہیں، یہ کس نبی کے لیے یا صدیق کے لیے یا شہید کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کردے، وہ کہے گا: اے میرے رب! ان کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اس کی قیمت ادا کرنے کے مالک ہو، وہ شخص کہے گا: کیسے اے میرے رب؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم اپنے بھائی کو معاف کردو۔ وہ کہے گا: اے میرے رب میں نے اپنے بھائی کو معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور اس کو جنت میں داخل کردو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومنین کے درمیان صلح کرائے گا۔

(المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۵۷۶، علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عباد ضعیف ہے اور اس کا شیخ مجہول ہے۔)

امام ابن عبدالبر نے حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقروض قیامت کے دن قرض کی وجہ سے باندھا ہوا ہوگا۔ (التمہید ج ۲۳ ص ۲۳۸)

امام ابونعیم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قیامت کے دن بندہ کے ہاتھ کو یا بندی کے ہاتھ کو پکڑا جائے گا اور اس کو اولین اور آخرین کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں ہے۔

جس کا اس کے اوپر حق بنتا ہو وہ آئے اور اپنا حق لے لے۔ پھر عورت خوش ہوگی کہ اپنے باپ سے حق لے اور اپنے بھائی سے حق لے یا اپنے خاوند سے حق لے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ (المومنون:١٠١)

پھر جب صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان رشتے قائم نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے سے سوال کر سکیں گے O

پھر رب تبارک وتعالیٰ اس بندہ سے فرمائے گا: ان لوگوں کو ان کے حقوق ادا کر دو، وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! دنیا فنا ہوگئی، اب میں کہاں سے ان کے حقوق ادا کروں؟ پس فرشتے کہیں گے: اس کے نیک اعمال میں سے لے لو، اور ہر انسان کو اس کے مطالبہ کے حساب سے اس کی نیکیاں دے دو، پس اگر وہ بندہ اللہ کا ولی ہوگا تو اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ فرمائے گا حتیٰ کہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٤٠﴾ (النساء:٤٠)

بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے O

یوم حساب آنے سے پہلے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے مظالم کا تدارک کرے

پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کا حساب کرنے پر جلدی کرے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم حساب کیے جانے سے پہلے خود اپنا حساب کرلو۔ اور خود اپنے اعمال کا وزن کرلو اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۱۵)

کیونکہ جب کوئی مرد مرے اور اس کے ذمہ نہ کوئی فرض ہو اور نہ کسی کا حق ہو تو وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جائے گا۔ اور اس نے لوگوں پر جو ظلم کیے ہیں ان کے تدارک سے پہلے مر گیا تو قیامت کے دن اپنے حقوق طلب کرنے والے اس کا احاطہ کرلیں گے اور اس پر اپنے پنجے گاڑ دیں گے اور وہ ان کی کثرت سے مبہوت اور حیران ہوگا، کیونکہ اس نے کسی کی غیبت کی ہوگی یا کسی کی خیانت کی ہوگی یا کسی کو حقارت سے دیکھا ہوگا تو وہ سب اپنا بدلہ لینے کے لیے اس کے پاس اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور وہ جبار رب العزت کی یہ نداء سنے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٧﴾ (المومن:١٧)

آج ہر شخص کو اس کی کمائی کا صلہ دیا جائے گا، آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے O

پس اس وقت اس کی ان نیکیوں میں سے حق دار لوگوں کو دیا جائے گا جن نیکیوں کو حاصل کرنے میں اس نے اپنی عمر فنا کی تھی، اور اس کی وہ نیکیاں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے والوں کو دی جائیں گی جیسا کہ ان احادیث میں وارد ہے جن کو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر ایک مرد کے پاس ستر صدیقوں کا ثواب ہو اور اس کے خلاف حق کا مطالبہ کرنے والا ہو جس کی اس نے ایک دمڑی دینی ہو تو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اپنے اس طالب کو راضی کر دے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک دمڑی کے بدلہ میں سات سو مقبول نمازوں کو لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے کو دے دی جائے گی۔ اس کا امام قشیری نے

''تحبیر'' میں ذکر کیا ہے۔

حیوانات اور بہائم کا حشر اور ان کا ایک دوسرے سے قصاص لینا

حیوانات اور بہائم کے حشر میں اور ان کے ایک دوسرے سے قصاص لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: چوپایوں اور پرندوں کا حشر ان کی موت ہے۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت یہ ہے کہ حیوانات اور بہائم کا حشر ہوگا اور ان کو اٹھایا جائے گا، یہ حضرت ابوذر، حضرت ابوہریرہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اور حسن بصری کا قول ہے اور یہی صحیح ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ (التکویر:۵) اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے ۝

ہم نے اس آیت کی حسب ذیل تفسیر کی ہے:

خشکی کے جانوروں میں سے جو جانور انسان سے عام طور پر مانوس نہیں ہوتے ان کو وحوش کہا جاتا ہے، ان وحشی جانوروں کو ہر طرف سے جمع کیا جائے گا حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کسی کا استحقاق واجب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا اور جن جانوروں نے دوسرے جانوروں کو ایذاء پہنچائی ہوگی ان سے قصاص لیا جائے گا اور پھر ان سے کہا جائے گا: مر جاؤ، اور پھر تمام وحشی جانور مر جائیں گے۔ اور اس قصہ کو ذکر کرنے کے حسب ذیل فوائد ہیں:

(۱) جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام وحشی جانوروں کو عدل کرنے کے لیے جمع فرمائے گا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور جنات کو عدل کے لیے جمع نہ کرے۔

(۲) وحشی جانور انسانوں سے بدکتے ہیں اور ان کو دیکھ کر بھاگتے ہیں، اس کے باوجود وہ سب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کو بھول چکے ہوں گے۔

(۳) ان حیوانات میں سے بعض حیوان دوسرے بعض حیوانات کی غذا ہوتے ہیں جیسے شیر اور بکری، لیکن اس دن یہ سب جمع ہوں گے اور کوئی دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوگا کہ قیامت کے دن ہولناکیوں کی وجہ سے وہ اپنے طبعی تقاضوں کو بھول چکے ہوں گے۔ (تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۵۸۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا، بہائم کو اور پرندوں کو اور چوپایوں کو اور ہر چیز کو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عدل کا یہ اثر ہوگا کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم سب مٹی ہو جاؤ۔ اور اسی کی مثل حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور بعض احادیث میں ہے کہ بہائم جب قیامت کے دن مٹی ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس مٹی کو کفار کے چہرہ پر مارے گا اور یہ اس آیت کا مصداق ہے:

وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ (عبس:۴۰) اور اس دن کئی چہرے غبار آلود ہوں گے ۝

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن دو بکریوں کو دیکھا وہ ایک دوسری کو سینگ مار رہی تھیں تو

آپ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بے سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے قصاص لے گا۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۲، مسند ابوداؤد والطیالسی ج ۱ ص ۳۸۶، ۴۲۲)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۶۰۔ ۶۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۴۹۔ بَابُ: مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ — اس کا بیان کہ جس کے حساب میں سختی سے تفتیش کی گئی، اس کو عذاب دیا گیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا اس کو عذاب دیا گیا۔ "نُوقِشَ" کا لفظ مناقشہ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: حساب میں مکمل تفتیش کرنا اور پورا پورا حساب کرنا اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کا مطالبہ کرنا اور اس میں چشم پوشی نہ کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۶۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ قَالَتْ قُلْتُ أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا﴾ قَالَ ذٰلِكِ الْعَرْضُ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِثْلَهُ وَتَابَعَهُ ابْنُ جُرَيْجٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمٍ وَأَيُّوبُ وَصَالِحُ بْنُ رُسْتُمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن الاسود از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس کے حساب میں مکمل تفتیش کی گئی اس کو عذاب دیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا: سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق) آپ نے فرمایا: یہ تو اس کو پیش کرنا ہے۔

مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عثمان بن الاسود، انہوں نے کہا کہ میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا، انہوں نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔۔۔۔۔۔ اسی حدیث کی مثل۔

عثمان بن اسود کی متابعت ابن جریج اور محمد بن سُلیم اور ایوب اور صالح بن رستم نے کی ہے از ابن ابی ملیکہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳، ۴۹۳۹، ۶۵۳۶، ۶۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۷۶، سنن ترمذی: ۲۴۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۳، مسند احمد: ۲۳۶۸۰)

صحیح البخاری: ۶۵۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس شخص سے حساب میں زیادہ تفتیش اور پوچھ گچھ کی گئی (کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا) تو اس کو عذاب دیا گیا"۔ اور اس حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبیداللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن باذام ابومحمد العبسی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عثمان بن الاسود کا ذکر ہے، یہ ابن موسیٰ المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے۔

اس باب کی تعلیقات میں حدیث مذکور کی دو مزید سندیں ذکر کی گئی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

النضر بن شمیل نے ابوعامر الخزاز سے اس حدیث میں یہ اضافہ روایت کیا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھے علم ہے کہ قرآن مجید کی کونسی آیت سب سے زیادہ سخت ہے، تو مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کون سی آیت ہے؟ میں نے کہا:

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ (النساء: ۱۲۳)

(اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار O

آپ نے فرمایا: بے شک مومن کو دنیا میں اس سے زیادہ برے عمل کی جزا دی جائے گی، اس کو جو بیماری پہنچتی ہے حتیٰ کہ اس کو پتھر سے جو زخم آتا ہے (وہ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے) لیکن جس سے حساب میں سخت تفتیش کی گئی اس کو عذاب دیا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۷ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ أَبِي صَغِيرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا هَلَكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم بن ابی صغیرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے القاسم بن محمد نے حدیث

اللهِ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴾ (الانشقاق: ۷۔۸) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ وَلَيْسَ أَحَدٌ يُنَاقَشُ الْحِسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا عُذِّبَ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا، میں نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا: سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O (الانشقاق: ۷۔۸)
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو پیش کرنا ہے اور جس شخص سے بھی قیامت کے دن حساب میں سختی سے تفتیش کی جائے گی اس کو عذاب دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳، ۴۹۳۹، ۶۵۳۶، ۶۵۳۷، صحیح مسلم: ۲۸۷۶، سنن ترمذی: ۲۴۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۰۹۳، مسند احمد: ۲۳۶۸۰)

۶۵۳۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ يُجَاءُ بِالْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهٗ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهٖ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيُقَالُ لَهٗ قَدْ كُنْتَ سُئِلْتَ مَا هُوَ أَيْسَرُ مِنْ ذٰلِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ بن ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، ح اور مجھے محمد بن معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک نبی اللہ ﷺ فرماتے تھے: قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا، پس اس سے کہا جائے گا: یہ بتا اگر تیرے لیے تمام روئے زمین بھر کر سونا ہو، کیا تو اس زمین کو (عذاب سے نجات کے لیے) فدیہ میں دے گا؟، وہ کہے گا: جی ہاں، تو اس سے کہا جائے گا: تم سے تو اس سے زیادہ آسان چیز کا سوال کیا گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۴، ۶۵۳۸، ۶۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۸۰۵، مسند احمد: ۱۱۹۰۳)

صحیح البخاری: ۶۵۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے" حساب میں مناقشہ" اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے:" کیا تم عذاب سے نجات کے لیے تمام روئے زمین کے سونے کو دے دو گے" اور اس میں بھی ایک قسم کا مناقشہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" ارءیت" اس کا معنی ہے:" اخبرنی" یعنی مجھے یہ بتاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے" تم سے اس سے آسان چیز کا سوال کیا گیا تھا" یعنی تم سے صرف یہ سوال کیا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک مانو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۳۹۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي خَيْثَمَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَسَيُكَلِّمُهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ بَيْنَ اللهِ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ ثُمَّ يَنْظُرُ فَلَا يَرَى شَيْئًا قُدَّامَهُ ثُمَّ يَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَتَسْتَقْبِلُهُ النَّارُ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَّقِيَ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے خیثمہ نے حدیث بیان کی از عدی بن حاتم، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام فرمائے گا اور اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، وہ شخص اپنے آگے دیکھے گا تو اسے آگ کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، پھر وہ اپنے سامنے دیکھے گا تو اس کے سامنے بھی دوزخ کی آگ ہوگی، سو تم میں سے جو شخص بھی دوزخ کی آگ سے بچنا چاہے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے (تو اس کو چاہیے کہ وہ بچے۔)

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۵۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی حدیثِ سابق کی طرح ہے، کیونکہ جب بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور بندہ کے آگے اور سامنے دوزخ کی آگ ہوگی تو یہ بھی ایک قسم کا حساب میں مناقشہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، جو اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان الاعمش ہیں جو از خیثمہ روایت کرتے ہیں۔ اور خیثمہ بن عبد الرحمٰن الجعفی ہیں، وہ عدی بن حاتم الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مامنکم من احد'' بہ ظاہر یہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب ہے اور تمام مومنین اس خطاب میں شامل ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وسیکلمه الله'' یعنی تم میں سے کوئی ایک نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے گا۔ اور سنن ابن ماجہ میں ہے ''مگر اس سے اس کا رب کلام فرمائے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ اس سے عنقریب خطاب فرمائے گا اور عنقریب اس سے کلام فرمائے گا۔

پھر وہ شخص دیکھے گا تو اس کے سامنے دوزخ کی آگ ہوگی۔ اور کتاب التوحید میں یہ روایت ہے ''پس وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو وہی دیکھے گا جو اس کے سامنے تھا، اور بائیں طرف دیکھے گا تو وہی دیکھے گا جو اس کے سامنے تھا''۔ اور سنن ترمذی کی روایت میں ہے ''پس وہ کوئی چیز نہیں دیکھے گا سوا اس کے کہ جس کو اس نے پہلے بھیجا''۔ اور محمد بن خلیفہ کی روایت میں ہے ''پس وہ دائیں طرف دیکھے گا تو صرف آگ کو دیکھے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو صرف آگ کو دیکھے گا''۔

اور ابن ہُبیرہ نے کہا ہے: کہ دائیں بائیں دیکھنا اس وجہ سے ہے کہ انسان کو جب کوئی اہم چیز درپیش ہوتی ہے یا کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو وہ دائیں بائیں طرف دیکھتا ہے کہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہے؟ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ دائیں بائیں اس لیے دیکھے کہ اسے کوئی راستہ ملے اور وہ بھاگ کر اس آگ سے نجات پالے، تو وہ سوائے آگ میں داخل ہونے کے اور کوئی راستہ نہیں پائے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پس جو شخص بھی تم میں سے یہ طاقت رکھتا ہو کہ آگ سے بچے خواہ کھجور کے ٹکڑے کو صدقہ کر کے''۔ اس کی جزاء محذوف ہے یعنی ''تو وہ اس آگ سے بچے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۰۔ قَالَ الْأَعْمَشُ حَدَّثَنِي عَمْرٌو عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثَلَاثًا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

الاعمش نے کہا: مجھے عمرو نے حدیث بیان کی از خیثمہ از عدی بن حاتم، انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو، پھر آپ نے اعراض کیا اور چہرہ پھیر لیا، پھر فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو، پھر آپ نے اعراض کیا اور چہرہ پھیر لیا تین مرتبہ، حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ دوزخ کی آگ کی طرف دیکھ رہے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ کھجور

کے ایک ٹکڑے کو صدقہ کر کے، اور جس کو کھجور کا ٹکڑا نہ ملے تو وہ کوئی اچھی اور نیک بات کہہ دے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۵۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از عمرو، یہ ابن مُرّہ ہیں اور یہ از خیثمہ روایت کرتے ہیں۔ اور پہلے اس حدیث کی الاعمش از خیثمہ روایت کی تھی بلا واسطہ اور دوبارہ واسطہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ یعنی پہلی حدیث کی سند میں الاعمش اور خیثمہ کے درمیان عمرو کا واسطہ نہیں تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا واسطہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اشاح'' اس کا معنی ہے: آپ نے منہ پھیر لیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ کسی چیز کے ضرر سے بچنے کے لیے منہ پھیر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فمن لم یجد'' یعنی جسے سائل کو صدقہ دینے کے لیے کوئی چیز نہ ملے تو وہ سائل کو کوئی اچھی بات کہہ کر واپس کرے اور اس کو سختی سے رد نہ کرے۔ یعنی اس سے یوں کہے کہ میرے پاس تو تمہیں دینے کے لیے کچھ نہیں ہے، اللہ کرے کسی اور جگہ سے تمہاری ضرورت پوری ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۳۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندوں پر ان کے اعمال پیش کرنے اور ان کے محاسبہ کے متعلق متعدد احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس سے بھی قیامت کے دن حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ جس سے بھی قیامت کے دن حساب میں مناقشہ کیا جائے گا اس کو عذاب ہوگا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ: ''سو جس شخص کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا O تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا O'' (الانشقاق: ۷۔۸)

علامہ قرطبی نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ یہ صرف پیش کرنا ہے، اور جو حساب اس آیت میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مومن کے اعمال اس پر پیش کیے جائیں گے حتیٰ کہ مومن اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو پہچان لے گا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس کے گناہوں پر پردہ رکھا اور آخرت میں اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی النجویٰ کے

متعلق حدیث ہے۔ (وہ حدیث درج ذیل ہے:)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ فرمار ہے تھے: کہ مومن کو اس کے رب کے قریب کیا جائے گا، اور ہشام نے کہا کہ مومن قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کا بازو رکھ دے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم اس گناہ کو پہچانتے ہو؟ بندہ کہے گا: میں پہچانتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اس گناہ کو پہچانتے ہو (دو مرتبہ)، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تم سے دنیا میں ستر کیا تھا اور آج تم کو بخش دیتا ہوں، پھر اس کے صحیفۂ اعمال کو لپیٹ دیا جائے گا۔ (صحیح البخاری: ۴۶۸۵)

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے ''جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا اس کو عذاب دیا گیا''۔ اور حدیث میں مذکور ''عذاب دیا گیا'' کے دو معنی ہیں:

(۱) نفسِ مناقشۃ الحساب اور گناہوں کو پیش کرنا اور اس کے پچھلے گناہوں پر اس کو واقف کرنا اور اس کی ڈانٹ ڈپٹ کرنا یہ بھی عذاب ہے۔

(۲) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ عذاب کا مستحق ہوگا، کیونکہ بندہ کی جو بھی نیکی ہوتی ہے وہ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اس نیکی پر قادر کرتا ہے اور اس بندہ پر فضل فرماتا ہے اور اس کو اس نیکی کی ہدایت دیتا ہے اور خالص اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے والے بہت کم ہیں اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسری روایت میں یہ ہے کہ وہ بندہ ہلاک ہوگیا۔

علامہ النووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ نے کہا ہے کہ دوسری تاویل ہی صحیح ہے کیونکہ لوگوں کے اوپر تقصیر اور کوتاہی غالب ہے۔ پس جس کا پورا پورا حساب لیا گیا اور اس کے ساتھ چشم پوشی نہیں کی گئی تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معارضہ کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے کہ ہر وہ شخص جس کا بھی حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا گیا۔ اور الانشقاق: ۸ میں اس پر دلیل ہے کہ بعض وہ لوگ جن سے حساب لیا جائے گا ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اور ان میں تطبیق کا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت میں حساب سے مراد پیش کرنا ہے یعنی اعمال کو ظاہر کرنا ہے اور ان کا اظہار کرنا ہے، پس وہ عمل کرنے والا اپنے گناہوں کو پہچان لے، پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بزار اور امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آسان حساب کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ایک مرد کے اوپر اس کے گناہوں کو پیش کیا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔

اور امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک مرد کو قیامت کے دن لایا جائے گا، پس کہا جائے گا: اس کے اوپر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس کے بڑے بڑے گناہ اس سے اٹھا لو، پھر اس کے اوپر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: تو نے فلاں فلاں دن یہ عمل کیا تھا اور یہ عمل کیا تھا اور یہ عمل کیا تھا اور یہ عمل کیا تھا، اور تو نے فلاں دن یہ اور یہ عمل اور یہ عمل اور یہ عمل کیا تھا، پس بندہ کہے گا: جی ہاں اور انکار کرنے کی طاقت نہیں رکھے گا اور وہ بندہ اپنے بڑے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ وہ بھی اس کے اوپر پیش کیے جائیں گے، پس اس سے کہا جائے گا: بے شک

تیرے لیے ہر گناہ کے بدلہ میں ایک نیکی ہے، تب وہ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے تو اور گناہ بھی کیے ہیں جن کو میں یہاں نہیں دیکھ رہا، پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

(صحیح مسلم: ۱۹۰، الرقم المسلسل: ۳۵۵، سنن ترمذی: ۲۶۰۵، مسند احمد: ۲۱۵۴۸)

اور ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس شخص کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہوں، پس یہ وہ شخص ہے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوگا اور جس شخص کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں، پس یہ وہ شخص ہے جس سے آسان حساب لیا جائے گا، پھر وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، اور جس شخص کے گناہ اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں، پس یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا اور شفاعت صرف اس کی مثل کے لیے ہوگی۔

اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث بھی داخل ہے جس کو امام بخاری نے کتاب المظالم میں اور سورۂ ہود کی تفسیر میں اور کتاب التوحید میں روایت کیا ہے، اس حدیث میں مذکور ہے: تم میں سے کوئی ایک شخص اپنے رب کے قریب ہوگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا بازو اس کے اوپر رکھے گا اور اس سے فرمائے گا: تو نے فلاں فلاں عمل کیا، اور وہ کہے گا: جی ہاں، پس اللہ تعالیٰ اس سے اقرار فرمائے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تجھ پر پردہ رکھا تھا آج تیری مغفرت کر دیتا ہوں۔

اور اعمال کے پیش کرنے کی کیفیت کے متعلق وہ حدیث ہے جس کی امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو تین مرتبہ پیش کیا جائے گا، پس پہلی دو مرتبہ میں تو مباحثہ اور معاذیر ہوں گے اور اس وقت ہاتھوں سے صحیفے اڑ جائیں گے، پس وہ اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑے گا اور بائیں ہاتھ سے پکڑے گا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حسن کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے۔

امام ترمذی نے کہا کہ مباحثہ اور جدال کفار کے لیے ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے مجادلہ کریں گے کیونکہ وہ اپنے رب کو نہیں پہچانتے ہوں گے، پس وہ یہ گمان کریں گے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے مباحثہ اور مجادلہ کریں گے تو ان کی نجات ہو جائے گی، اور معاذیر سے مراد حضرت آدم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرنا ہے کہ انہوں نے اپنے دشمنوں کے خلاف حجت قائم کی اور تیسری مرتبہ مومن کو پیش کیا جائے گا اور وہ سب سے بڑا پیش کرنا ہوگا۔

تنبیہ: امام ابن مردویہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس مرد سے بھی قیامت کے دن محاسبہ کیا جائے گا وہ جنت میں داخل کیا جائے گا، بہ ظاہر یہ حدیث اس باب کی حدیث کے معارض ہے اور ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ دونوں حدیثیں مومن کے حق میں ہیں اور مومن کو عذاب دینے اور اس کے جنت میں دخول میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ موحد اگرچہ اس کے خلاف عذاب کا فیصلہ کیا جائے پس ضروری ہے کہ اس کو شفاعت کی وجہ سے یا عموم رحمت کی وجہ سے دوزخ سے نکال لیا جائے۔

صحیح البخاری: ۶۵۳۸ میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن کافر کو لایا جائے گا، پس اس سے کہا جائے گا: یہ بتا اگر تیرے پاس تمام روئے زمین سونے سے بھری ہوئی ہوتی تو کیا تو اس کو فدیہ میں دیتا؟'' وہ کہے گا: جی ہاں! اس سے کہا جائے گا: تجھ سے تو اس سے آسان چیز کے متعلق سوال کیا گیا تھا (یعنی اللہ کی توحید اور رسولوں پر ایمان اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت)۔

بابِ مذکور کی حدیث سے ذرّیت آدم سے لیے ہوئے میثاق کی طرف اشارہ

ابی عمران کی روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا ارادہ کیا اور تو اس وقت آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائے گا، پس تو نے انکار کیا مگر یہ کہ تو میرے ساتھ شریک بنائے گا''۔

اور ثابت کی روایت میں ہے کہ ''میں نے تجھ سے اس سے کم چیز کا سوال کیا تھا پس تو نے نہیں کیا، پھر اس کو دوزخ میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا''۔

قاضی عیاض نے کہا: اس حدیث میں درج ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے:

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۝ (الاعراف: ۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے ۝

پس یہ وہ میثاق ہے جو لوگوں سے اس وقت لیا گیا جب وہ حضرت آدم کی پشت میں تھے، پھر جس شخص نے دنیا میں موجود ہونے کے بعد اس میثاق کو پورا کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے اس میثاق کو پورا نہیں کیا تو وہ کافر ہے۔

پس اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ میں نے تجھ سے ارادہ کیا تھا جب میں نے تجھ سے میثاق لیا تھا، پھر جب میں نے تجھے دنیا میں نکالا تو، تو نے شرک کے سوا انکار کر دیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارادہ سے مراد یہاں پر طلب ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا اور تو نے اس پر عمل نہیں کیا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنی مِلک میں وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔

جس چیز کا اللہ تعالیٰ ارادہ نہ کرے اس کے امر کرنے کے اوپر معتزلہ کے اعتراض کا جواب

اور بعض معتزلہ نے اس پر اعتراض کیا ہے: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا امر فرمائے جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ممتنع اور محال نہیں ہے۔

اور علامہ المازری نے کہا ہے: اہل السنت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن سے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے اور کافر سے کفر کا ارادہ فرماتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ ایمان لے آتا ہے، یعنی اگر اس کے لیے ایمان کو مقدر کر دیتا تو اس کا ایمان واقع ہو جاتا۔

اور معتزلہ نے کہا ہے: بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے ایمان کا ارادہ کیا ہے، پس مومن نے اس کو قبول کیا اور کافر نے انکار کیا۔ پس انہوں نے غائب کو شاہد پر محمول کیا کیونکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ شر کا ارادہ کرنے والا بھی شریر ہے اور کفر شر ہے، پس اللہ تعالیٰ کے لیے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کفر کا ارادہ کرے۔

اور اہل السنت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مخلوقین کے حق میں شر کا ارادہ شر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل شر نہیں ہوتا وہ فعل کو جس طرح کرے وہ شر نہیں ہے۔ اور شر کا ارادہ اس لیے شر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شر سے منع کیا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے اوپر کوئی نہیں ہے

جو اس کو حکم دے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو مخلوقین کے ارادہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

نیز جو کسی فعل کا ارادہ کرے اور وہ فعل حاصل نہ ہو تو وہ عجز کی وجہ سے ہوگا اور باری تعالیٰ عجز کے ساتھ متصف نہیں ہوتا اور نہ ضعف کے ساتھ متصف ہوتا ہے، پس اگر اللہ تعالیٰ کافر سے ایمان کا ارادہ کرے اور کافر ایمان نہ لائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میں عجز اور ضعف ہے کہ اس نے ارادہ کیا اور وہ پورا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے۔

اور معتزلہ نے اس سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ (الزمر: ۷) اور وہ اپنے بندوں کے کفر کرنے کو پسند نہیں کرتا۔

اور اس آیت کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس عام سے ان کو خاص کر لیا گیا ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایمان کو مقدر کر دیا ہے اور اس آیت میں عباد سے مراد فرشتے ہیں اور مومنین انس ہیں اور مومنین جن ہیں۔ اور دوسروں نے یہ جواب دیا ہے کہ ارادہ رضا کا غیر ہے اور ''لا یرضیٰ'' کا معنی ہے ''لایشکرہ لھم'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اس پر ثواب نہیں دیتا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رضا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کسی دین کو پسند نہیں کرتا جو ان کے لیے مشروع کیا گیا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رضا ارادہ کے ماوراء ایک صفت ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ارادہ کا دو چیزوں کے مقابلہ پر اطلاق ہوتا ہے، تقدیر کا ارادہ اور رضا کا ارادہ، اور دوسرا ارادہ پہلے ارادہ سے خاص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۷ ص ۶۰۹۔ ۶۱۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۰۔ بَابٌ: يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ

اس کا بیان کہ جنت میں ستر ہزار بغیر حساب کے داخل ہوں گے

۶۵۴۱۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ ح قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَحَدَّثَنِي أَسِيدُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ فَقَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ فَأَخَذَ النَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْأُمَّةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ النَّفَرُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْعَشَرَةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ مَعَهُ الْخَمْسَةُ وَالنَّبِيُّ يَمُرُّ وَحْدَهُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قُلْتُ يَا جِبْرِيلُ هٰؤُلَاءِ أُمَّتِي قَالَ لَا وَلٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ فَنَظَرْتُ فَإِذَا سَوَادٌ كَثِيرٌ قَالَ هٰؤُلَاءِ أُمَّتُكَ وَهٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا قُدَّامَهُمْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ قُلْتُ وَلِمَ قَالَ كَانُوا لَا يَكْتَوُونَ وَلَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ فَقَامَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی ح اور مجھے اسید بن زید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی از حصین، انہوں نے کہا: میں سعید بن جبیر کے پاس تھا تو انہوں نے کہا: مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، پس ایک نبی کے ساتھ اس کی امت گزرتی تھی اور ایک نبی کے ساتھ جماعت گزرتی تھی اور ایک نبی کے ساتھ دس افراد گزرتے تھے اور ایک نبی کے ساتھ پانچ افراد گزرتے تھے اور ایک نبی تنہا گزرتے تھے، پس میں نے دیکھا ایک بہت بڑی جماعت تھی، میں نے کہا: اے جبریل! کیا یہ لوگ

إِلَيْهِ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ آخَرُ قَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

میری امت ہیں؟ انہوں نے کہا: نہیں! لیکن آپ افق (آسمان کا کنارا) کی طرف دیکھیں، سو میں نے دیکھا تو وہاں ایک بہت زبردست جماعت تھی، انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان کے ساتھ ستر ہزار افراد ہیں اور ان سے نہ حساب ہوگا اور نہ ان کو عذاب ہوگا، میں نے پوچھا: وہ کس لیے؟ تو حضرت جبریل نے بتایا کہ یہ لوگ داغ نہیں لگواتے تھے اور نہ دم طلب کرتے تھے اور یہ لوگ شگون نہیں لیتے تھے اور یہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے، پس آپ کی طرف حضرت عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مجھے بھی ان میں سے کردے، آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کو ان میں سے کردے، پھر آپ کی طرف ایک اور مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کردے، آپ نے فرمایا: عکاشہ نے تم پر سبقت کر لی۔

(صحیح البخاری: ۵۷۰۵، صحیح مسلم: ۲۲۰، سنن ترمذی: ۲۴۴۶، مسند احمد: ۲۴۴۴)

صحیح البخاری: ۶۵۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''آپ کی امت کے ستر ہزار افراد جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے'' اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عرضت علی الامم'' اس حدیث میں ''عُرِضَتْ'' مجہول کا صیغہ ہے اور ''عَلَیَّ'' میں یاء مشدد ہے اور ''الأُمَمُ'' میں میم پر پیش ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''النفر'' یہ اسم جمع ہے اور اس کا اطلاق مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے جو تین سے لے کر دس تک ہوں اور اس کا واحد من لفظہٖ نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سواد کثیر'' سواد کے معنی سیاہی ہیں اور یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو دور سے دھندلا نظر آتا ہے، اور اس

کی صفت کثرت لائی گئی ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اس سے مراد لفظِ جنس ہے۔ اور سعید بن منصور کی روایت میں کثیر کی جگہ عظیم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لایکتوون" یعنی وہ لوگ داغ نہیں لگواتے ہوں گے۔ علامہ کرمانی نے کہا: یعنی بغیر ضرورت کے داغ نہیں لگواتے ہوں گے اور یہ اعتقاد نہیں رکھتے ہوں گے کہ داغ لگوانے سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یسترقون" یعنی وہ دم نہیں کراتے ہوں گے۔

اس پر سوال ہے کہ دم کرانا تو سنت سے ثابت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ سے دم نہیں کراتے ہوں گے جو قرآن مجید کے الفاظ نہیں ہیں، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسے الفاظ سے دم کراتے تھے جو قرآن مجید میں نہیں ہوتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یتطیرون" یعنی وہ پرندوں سے شگون نہیں لیتے ہوں گے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے کاموں کو ترک کرنے والے ہوں گے۔ کہا گیا ہے کہ ان کا عدد ستر ہزار سے زائد ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کتنے ہوں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ستر سے مراد عددِ کثیر ہو۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں عددِ مذکور اپنے ظاہر پر محمول ہے اور انہوں نے اس کی تائید میں سننِ ترمذی کی یہ حدیث پیش کی ہے، حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا کہ وہ جنت میں میری امت میں سے ستر ہزار افراد کو داخل فرمائے گا جن سے نہ حساب ہوگا اور نہ ان پر عذاب ہوگا۔ اور میرا رب اپنی مٹھیوں میں سے تین مٹھیاں ڈالے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ستر ہزار میں اضافہ کا احتمال باقی ہے کیونکہ اس حدیث میں اس عدد کی خصوصیت مراد نہیں ہے اور اس میں جو مٹھیوں کا ذکر ہے یہ کثرت میں مبالغہ سے کنایہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر آپ کی طرف ایک اور مرد کھڑا ہوا"۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مرد حضرت سعد بن عبادہ الانصاری ہیں جو خزرج کے سردار ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے یہ سوال بہت بعید ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ سعد بن عمارہ الانصاری ہو اور نقل کرنے والے نے اس میں غلطی کی ہو۔

دوسرے مرد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلا حساب جنت میں دخول کی دعا نہیں کی، اس کے چند جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے"۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا کیوں نہیں کی اور یہ فرمایا کہ تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے۔

الفرّاء نے کہا کہ یہ دوسرا شخص منافق تھا، لیکن اس جواب کو رد کیا گیا ہے کیونکہ صحابہ میں اصل یہ ہے کہ ان میں کوئی منافق نہیں تھا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ عکاشہ کے حق میں آپ کی دعا مقبول ہو گئی ہے اور دوسرے کے حق میں آپ پر ایسی وحی نہیں ہوئی۔

اور علامہ ابن الجوزی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے: مجھ پر یہ جواب منکشف ہوا کہ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے صدقِ قلب سے

سوال کیا تھا تو ان کے حق میں دعا قبول کر لی گئی اور جب دوسرے نے کہا کہ میرے لیے بھی دعا کریں تو آپ نے سوال کے اس سلسلہ کو روکنے کے لیے فرمایا کہ عکاشہ نے تم پر سبقت کر لی۔ اور اگر آپ فرماتے: ہاں تو پھر تیسرا شخص بھی کھڑا ہو جاتا اور کہتا: میرے لیے بھی دعا کریں اور چوتھا بھی کھڑا ہو جاتا اور پھر بے شمار لوگ کھڑے ہو جاتے، اور تمام لوگ اس دعا کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

اور علامہ القرطبی نے کہا ہے: جس دوسرے شخص نے دعا کی درخواست کی تھی اس کے وہ احوال نہیں تھے جو حضرت عکاشہ کے احوال تھے، اس لیے آپ نے اس کی درخواست قبول نہیں کی تھی۔

اور علامہ سہیلی نے کہا: میرے نزدیک اس کا یہ جواب ہے کہ جس وقت حضرت عکاشہ نے سوال کیا تو وہ قبولیت کی گھڑی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ یہ قبولیت کی گھڑی ہے اور جب دوسرے آدمی نے سوال کیا تو وہ قبولیت کی گھڑی گزر چکی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۷۹۔ ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۲۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ الْأَسَدِيُّ يَرْفَعُ نَمِرَةً عَلَيْهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَقَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

(صحیح البخاری: ۵۸۱۱، ۶۵۴۲، صحیح مسلم: ۲۱۶، مسند احمد: ۸۹۴۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا اور وہ ستر ہزار ہوں گے، ان کے چہرے اس طرح روشن ہوں گے جس طرح چودھویں رات میں چاند روشن ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے وہ اپنے اوپر چادر اٹھائے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے، آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ان میں سے کر دے، پھر انصار میں سے ایک مرد کھڑا ہوا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی ان میں سے کر دے، آپ نے فرمایا: تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن اسد، یہ ابوعبداللہ المروزی ہیں جنہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن یزید ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نمرة" یہ اس چادر کو کہتے ہیں جس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوں، گویا کہ یہ چادر چیتے کی کھال سے بنائی گئی ہے، کیونکہ "نمر" کا معنی ہے چیتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۰۔۱۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ شَكَّ فِي أَحَدِهِمَا مُتَمَاسِكِينَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ حَتَّى يَدْخُلَ أَوَّلُهُمْ وَآخِرُهُمُ الْجَنَّةَ وَوُجُوهُهُمْ عَلَى ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار افراد ضرور جنت میں داخل ہوں گے یا فرمایا: سات لاکھ، ان دو لفظوں میں سے ایک میں راوی کو شک ہے، وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ ان میں کا پہلا اور آخری جنت میں داخل ہو جائے گا اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۳، ۳۲۴۷، صحیح مسلم: ۲۱۹، مسند احمد: ۲۲۳۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوغسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔

یہ حدیث "صفة الجنة" کے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "متماسکین" اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے "متماسکون"۔ یعنی یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

یعنی وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے'' یہ متماسکون کا بیان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی یدخل اولهم وآخرهم الجنة'' یعنی وہ اس وقت تک ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے حتیٰ کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ اور ''صفة الجنة'' کے باب میں مذکور ہے ''ان میں سے پہلا داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ آخری داخل ہو جائے گا''۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ سب ایک صف میں داخل ہوں گے، پھر سب اکٹھے داخل ہو جائیں گے۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جنت کا دروازہ بہت بڑا ہوگا حتیٰ کہ تمام اہلِ جنت ایک صف میں کھڑے ہو کر جنت کے دروازے سے داخل ہو جائیں گے۔ اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ متماسکین کا معنی یہ ہو کہ وہ وقار کی صفت پر ہوں گے۔ اور کوئی شخص دوسرے پر سبقت نہ کرے بلکہ سب اکٹھے داخل ہوں۔

علامہ نووی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک صف میں پہلو بہ پہلو داخل ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ حَدَّثَنَا نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَدْخُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُومُ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ يَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ خُلُودٌ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۸، صحیح مسلم: ۲۸۵۰، مسند احمد: ۵۹۵۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح، انہوں نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو پھر ان کے درمیان ایک اعلان کرنے والا کھڑا ہوگا (اور کہے گا:) اے اہلِ دوزخ! موت نہیں ہے، اور اے اہلِ جنت! موت نہیں ہے، دوام اور خلود ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں مومنین کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یعقوب بن ابراہیم، یہ اپنے والد ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے

صالح، اور وہ ابن کیسان الغفاری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خلود" یعنی تم ہمیشہ رہنے والے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَالُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ وَلِأَهْلِ النَّارِ يَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَا مَوْتَ۔

(سنن ترمذی: ۲۵۵۷، سنن ابن ماجہ: ۴۳۲۷، مسند احمد: ۷۴۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اہلِ جنت سے کہا جائے گا: اے اہلِ جنت! خلود (ہیشگی اور دوام) ہے موت نہیں ہے، اور اہل دوزخ سے کہا جائے گا: اے اہلِ دوزخ! خلود ہے موت نہیں ہے۔

باب مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دواؤں کے ذریعہ علاج کا مشروع ہونا

صحیح البخاری: ۶۵۴۱ میں ان مسلمانوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو داغ نہیں لگواتے ہوں گے، اور وہ ان لوگوں میں ہوں گے جو بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سے بعض علماء نے دواؤں کے ذریعہ علاج کو مکروہ قرار دیا ہے اور تمام مذاہب کے علماء نے اس کی مخالفت کی ہے۔

(بدائع الصنائع للعلامہ کاسانی الحنفی ج ۵ ص ۲۷، المدخل لابن الحاج مالکی ج ۴ ص ۱۲۰، المجموع شرح المہذب للعلامہ النووی شافعی ج ۵ ص ۹۸، الفتاوی الکبریٰ للشیخ ابن تیمیہ الحنبلی ج ۳ ص ۷)

اور رسول اللہ ﷺ نے دواؤں کے منافع ذکر فرمائے ہیں جیسا کہ کتاب الطب میں گزر چکا ہے اور آپ نے دوا کے ساتھ علاج کرنے کا حکم دیا۔ اور صحیح البخاری کی حدیثِ مذکور ان لوگوں پر محمول ہے جو یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ دوائیں اپنی طبیعت سے مرض سے بری کرتی ہیں جیسا کہ بعض طبائعین کا قول ہے۔ پس توکل کرنے والے اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کرتے ہیں اور شارع علیہ السلام نے حضرت سعد کا داغ لگا کر علاج کیا اور حضرت ابن عمر اور حضرت عمران بن حصین اور حضرت خباب بن ارت اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے داغ لگا کر علاج کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۷۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب میں مذکور احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۵۴۱ میں مذکور ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، پس ایک نبی کے ساتھ اس کی امت گزرتی اور ایک نبی کے ساتھ ایک جماعت گزرتی اور ایک نبی کے ساتھ دس گزرتے اور ایک نبی کے ساتھ پانچ گزرتے اور ایک نبی تنہا گزرتے، پس میں نے دیکھا ایک بہت بڑی جماعت تھی، میں نے کہا: اے جبریل! کیا یہ میری امت ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں لیکن آپ افق (یعنی آسمان کے کنارے) کی طرف دیکھیں، پس میں نے دیکھا وہاں بہت زبردست جماعت تھی، حضرت جبریل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے۔۔۔الحدیث

افق میں اپنی امت کی کثیر تعداد کو دیکھ کر ان کو نہ پہچاننے پر اشکال اور اس کا جواب

الاسماعیلی نے یہاں پر یہ اشکال ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی امت کو نہیں پہچانا حتیٰ کہ آپ نے یہ گمان کیا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے، حالانکہ اس سے پہلے کتاب الطہارت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ سے پوچھا گیا: آپ ان کو کیسے پہچانیں گے جن کو آپ نے اپنی امت میں سے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا کہ وہ آثارِ وضو سے ''غر محجل'' ہوں گے یعنی ان کا ماتھا اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے، اور ایک روایت میں ہے ''ان کی ایسی علامت ہوگی جو کسی اور کے لیے نہیں ہوگی''۔

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ آپ نے جن اشخاص کو افق میں دیکھا تھا ان میں سے اکثر کا ادراک نہیں کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ تھے اور ان کے اشخاص میں تمیز نہیں تھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر محمول ہے کہ جب وہ قریب ہوں گے اور یہ ایسا ہے جیسے ایک شخص کسی دوسرے شخص کو دور سے دیکھتا ہے، وہ اس سے بات کرتا ہے اور اس کو نہیں پہچانتا کہ یہ اس کا بھائی ہے، پھر جب وہ دوسرے سے متمیز ہو جاتا ہے تو اس کو پہچان لیتا ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس کا وقوع اس وقت ہوگا جب آپ کی امت حوض پر ہوگی، یعنی جب آپ کی امت حوض پر وارد ہوگی اس وقت آپ اپنی امت کو پہچان لیں گے جیسے کسی کے غر محجل گھوڑے کالے گھوڑوں میں مل جائیں تو وہ ان کو پہچان لیتا ہے۔

بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل ہونے والوں کا مصداق

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت جبریل نے کہا: یہ آپ کی امت ہے اور ان کے آگے ستر ہزار ہیں ان پر نہ حساب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا۔۔۔الحدیث''۔

صحابہ ان لوگوں کے مصداق کے متعلق بحث کرنے لگے، پس بعض لوگوں نے کہا: شاید یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، اور بعض نے کہا: شاید یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کیا۔ اور انہوں نے کئی چیزوں کا ذکر کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو صحابہ نے آپ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ داغ لگواتے ہوں گے نہ دم طلب کرتے ہوں گے نہ پرندوں سے فال نکالتے ہوں گے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہوں گے۔ اور ابن فضیل کی روایت میں ہے: پس صحابہ نے کہا: ہم وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے اللہ کے رسول کی پیروی کی، پس ہم ہیں اور ہماری جو اولاد اسلام میں پیدا ہوئی، کیونکہ ہم تو زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے، پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ شہداء ہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا دل

اسلام کے لیے نرم ہوگا۔

دم کرانے کی تحقیق

اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے ''یہ وہ لوگ ہیں جو دم نہیں کراتے ہوں گے''۔

شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے اس روایت کا انکار کیا ہے اور ان کا یہ زعم ہے کہ اس روایت میں راوی نے غلطی کی ہے۔ اور انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ دم کرنے والا جس پر دم کرتا ہے اس کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے تو اس کا ترک کیسے مطلوب ہوگا؟

اور نیز حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب پر دم کیا اور ان کو دم کرنے کی اجازت دی، اور آپ نے فرمایا ''تم میں جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہے وہ اس کو نفع پہنچائے'' اور نفع مطلوب ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: جو دم طلب کرتا ہے وہ دوسرے سے سوال کرتا ہے اور نفع کی امید رکھتا ہے اور کامل توکل اس کے منافی ہے، اور ان ستر ہزار سے مراد وہ لوگ ہیں جو کامل توکل کرتے ہیں اور دوسروں سے دم کرنے کا سوال نہیں کرتے اور نہ داغ لگاتے ہیں اور نہ پرندوں سے شگون نکالتے ہیں۔

دوسرے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فی ذاتہا دم کرنا ممنوع نہیں ہے، ممنوع اس قسم کا دم ہے جس میں شرکیہ کلمات ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر اپنے دموں کو پیش کرو اور دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک اس میں کوئی شرکیہ کلمہ نہ ہو۔ اور اس میں ممانعت کی علت کی طرف اشارہ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ دم کرنا اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء پر توکل ہو اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے پناہ طلب کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء کی طرف رغبت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء سے برکت حاصل کی جائے۔ پس اگر یہ توکل کے منافی ہو تو پھر دعا کرنا بھی توکل کے منافی ہوگا، کیونکہ ذکر اور دعا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دم کیا اور سلف صالحین اور بعد کے نیک لوگوں نے دم کیا، پس اگر یہ ان ستر ہزار کے ساتھ لاحق ہونے سے مانع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ اور سلف صالحین دم نہ کرتے۔

توکل کی تحقیق

اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ ''جو ستر ہزار بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر توکل کرتے ہوں گے''۔

علامہ قرطبی وغیرہ نے کہا ہے: صوفیاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: توکل کے اسم کا وہی مستحق ہوتا ہے جس کے دل میں غیر اللہ تعالیٰ کا بالکل خوف نہ ہو، حتیٰ کہ اس کے اوپر اگر شیر حملہ کرے تو وہ اس سے نہ ڈرے حتیٰ کہ وہ رزق کی طلب میں کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا ضامن ہے۔ اور جمہور علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص اللہ کے وعدہ پر اعتماد کرے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور تقدیر واقع ہوگی اور رزق کو طلب کرنے میں سنت کی اتباع کو ترک نہ کرے، کیونکہ اس کے لیے کھانا اور پینا ضروری ہے اور وہ ہتھیار تیار کر کے دشمن کے خلاف جمع کرے اور دروازہ کو بند کرے، اسی طرح دیگر اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ اور ان سب کے باوجود اس کا دل اسباب پر مطمئن نہ ہو بلکہ اس کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ اسباب بذاتہا

کسی نفع کو حاصل نہیں کر سکتے اور یہ اسباب بذاتہا کسی ضرر کو دور نہیں کر سکتے، بلکہ سبب اور مسبب سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ پس جب کسی مرد کا میلان سبب کی طرف ہو تو یہ اس کے توکل میں طعن کو پیدا کرے گا۔ اور اگر وہ اسباب کی طرف اس طرح سے نظر کرے کہ ان اسباب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر یہ توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اور اکتساب کی مشروعیت پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مرد کا بہترین کھانا وہ ہے جو وہ اپنی کمائی سے کھاتا ہے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنی کمائی سے کھاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۸۰)

اور ہم نے داؤد کو تمہارے لیے خاص لباس (زرہ) بنانا سکھایا تا کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے، پس کیا تم شکر ادا کرو گے O

اس آیت میں اسباب کے حصول کی دلیل ہے کہ تم زرہ کو اس لیے بناؤ کہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے۔ اسی طرح قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۝ (النساء: ۷۱)

اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو، پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی شکل میں روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو O

اس آیت میں بھی جنگ کے وقت اپنی حفاظت کا سامان لینے کا حکم دیا ہے اور یہ اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ہے، اگر یہ توکل کے خلاف ہوتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا حکم نہ دیتا۔

بلاحساب وبلا عذاب جنت میں داخل ہونے والوں کے متعلق متعدد روایات

امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام طبرانی نے اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں داخل کرے گا اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے نہ ان سے حساب ہوگا اور نہ ان پر عذاب ہوگا اور میرا رب اپنی مٹھیوں میں سے تین مٹھیاں بھر کر جنت میں داخل کرے گا۔

اور صحیح ابن حبان میں یہ روایت بھی ہے جس کو امام طبرانی نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے، یہ حدیث عتبہ بن عبد سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: ''کہ پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مل جائیں گے، پھر میرا رب اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مٹھیاں بھر کر ڈالے گا'' اور اس حدیث میں ہے'' پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ بے شک ستر ہزار کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا ان کے آباء اور امہات اور ان کے قبائل کے متعلق اور میں یہ امید کرتا ہوں کہ میرا کم درجہ کا امتی بھی ان مٹھیوں میں ہوگا''۔

الکلاباذی نے معانی الاخبار میں سند ضعیف سے یہ روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا تو میں نے آپ کو ڈھونڈا تو آپ اپنے بالا خانے میں نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کے سر کے اوپر تین انوار دیکھے، جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا: تم نے یہ انوار دیکھے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

میرے پاس میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا آیا، اس نے مجھے یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت سے ستر ہزار کو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل فرمائے گا، پھر میرے پاس آیا اور مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کو بغیر حساب کے داخل کرے گا اور بغیر عذاب کے داخل کرے گا۔ پھر میرے پاس آنے والا آیا اور اس نے مجھے بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ہر ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار سے دگنے چوگنے بغیر حساب اور کتاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ میں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کو پورے نہیں ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں ان کو تمہاری اُمت کے ان اعراب سے مکمل کر دوں گا جو نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ نماز پڑھتے ہیں۔

الکلاباذی نے کہا: پہلی مرتبہ امت سے مراد ہے امتِ اجابت، اور دوسری مرتبہ امت سے مراد ہے آپ کے پیروکار، کیونکہ آپ کی امت تین قسم پر ہے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے خاص ہے، آپ کی امت میں پہلے آپ کے پیروکار ہیں، پھر امتِ اجابت ہے اور پھر امت دعوت ہے۔ پس پہلے وہ ہیں جو عملِ صالح کرنے والے ہیں اور دوسرے مطلقاً مسلمان ہیں اور تیسرے ان کے ماسوا ہیں جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ اور ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے جو مقدار ذکر کی گئی ہے اس پر جو مقدار زائد ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مٹھی بھر کر جنت میں ڈالنے کے اعتبار سے ہے۔

کیونکہ امام احمد نے از قتادہ از النضر بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے جنت میں چار لاکھ کو داخل کرے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اور زیادہ کریں، آپ نے فرمایا: پس اس طرح، آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کیا تو انہوں نے کہا: اور زیادہ کریں، تو آپ نے کہا: اس طرح، پھر آپ نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کے لیے یہ کافی ہے، پس اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا اپنی ایک مٹھی سے ہی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کر دے گا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر نے سچ کہا۔ اس حدیث کی سند جید ہے لیکن قتادہ کی سند میں بہت اختلاف ہے۔

اور خطیب نے "المبھمات" میں مجاہد سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بنو المصطلق سے واپس ہوئے اور اس میں ایک طویل قصہ ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، اسی صفیں اس میں سے میری امت کی ہوں گی اور چالیس صفیں باقی امتوں کی ہوں گی، اور میرے ساتھ ان لوگوں میں سے ستر ہزار ایسے ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۳۔۶۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۱۔ بَابُ: صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ

جنت اور دوزخ کی صفت کا بیان

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ زِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ

عَدْنٌ: خُلْدٌ، عَدَنْتُ بِأَرْضٍ: أَقَمْتُ: وَمِنْهُ الْمَعْدِنُ

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ: فِي مَنْبِتِ صِدْقٍ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلا طعام جو اہلِ جنت کھائیں گے وہ مچھلی کی کلیجی کا زائد ٹکڑا ہو گا۔

"عدن" کا معنی ہے: دوام اور ہمیشگی۔ "عدنت بارض" کا معنی ہے: میں نے زمین میں قیام کیا، اور اسی سے "المعدن" نکلا ہے۔

"فی مقعد صدق" کا معنی ہے: صدق کے ظاہر ہونے کی جگہ۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں جنت کی صفت بیان کی گئی ہے اور دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے اور کتاب بدء الخلق میں بھی یہ باب گزر چکا ہے، اس میں تھا "باب ماجاء فی صفة الجنة وباب صفة النار"۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ان کا نام سعد بن مالک الخذری رضی اللہ عنہ ہے۔ اور یہ حدیث عنقریب "باب یقبض اللہ الارض" میں گزر چکی ہے۔
اس تعلیق میں "زیادة کبد الحوت" کا ذکر ہے یعنی مچھلی کی کلیجی کا زائد ٹکڑا۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں "عدن" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: خلد اور ہمیشگی۔
امام بخاری کا طریقہ ہے کہ قرآن مجید میں جو لفظ آیا ہو اس کی شرح ذکر کرتے ہیں، سو قرآن مجید میں "جَنّٰتِ عَدْنٍ" (التوبہ: ۷۲) کا لفظ مذکور ہے اور امام بخاری نے اس کی تفسیر کی ہے: ہمیشگی کی جنتیں۔ اور خلد کا ذکر کیا ہے۔
علامہ الجوہری نے کہا ہے "خلد" کا معنی ہے: بقا کا دوام۔
اس تعلیق میں امام بخاری نے لکھا ہے "عدنت بارض" یعنی میں نے زمین میں قیام کیا۔ اس سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ "عدن" کا معنی ہے قیام کرنا۔ کہا جاتا ہے "عدن بالبلد" یعنی اس نے شہر میں قیام کیا اور امام بخاری نے کہا: اس سے "معدن" نکلا ہے یعنی اسی باب سے معدن کا لفظ ہے جس سے زمین کے جواہر نکالے جاتے ہیں مثلاً سونا، چاندی، پیتل اور لوہا وغیرہ۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے "فی معدن صدق" کا معنی ہے "فی منبت صدق" اس سے امام بخاری نے لوگوں کے کلام میں "معدن صدق" کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے "منبت صدق" اور ابوذر کی روایت میں ہے "فی مقعد صدق" جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر: ۵۴-۵۵)
بے شک متقین جنتوں میں اور دریاؤں میں ہوں گے ○ سچی عزت کے مقام میں بہت قادر بادشاہ کے پاس۔

اس آیت میں "جَنّٰتٍ" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: باغات۔ اور اس آیت میں "نَهَرٍ" کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: دریا۔
کیونکہ "جنّٰت" جمع کا صیغہ ہے تو بہ ظاہر نہر کی جگہ انہار کہنا چاہیے تھا لیکن آیت کے آخری الفاظ کو ایک وزن پر لانے کے لیے انہار کے بجائے نہر کا لفظ ذکر فرمایا، کیونکہ دوسری آیت کا آخری لفظ ہے "مقتدر" اس لیے پہلی آیت میں "انہار" کی جگہ

نھر کا لفظ فرمایا گیا ہے۔

الضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ متقین روشنی اور وسعت میں ہوں گے۔ اور علامہ الثعلبی نے کہا ہے: ''مقعد صدق'' کا معنی ہے: ایسی مجلس جس میں حق باتیں کی جائیں جس میں کوئی لغو بات نہ ہو اور نہ کوئی گناہ کی بات ہو اور ایسی مجلس جنت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۴۶۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنْ عِمْرَانَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از ابی رجاء از حضرت عمران از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: میں نے جنت میں جھانکا، پس میں نے دیکھا کہ اکثر اہلِ جنت فقراء ہیں، اور میں نے دوزخ میں جھانکا، پس میں نے دیکھا کہ اکثر اہلِ دوزخ عورتیں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۱، ۵۱۹۸، ۶۴۴۹، ۶۵۴۶، صحیح مسلم: ۲۷۳۷، سنن ترمذی: ۲۶۰۲، مسند احمد: ۲۰۸۷)

صحیح البخاری: ۶۵۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جنت اور دوزخ کی صفت'' اور اس حدیث میں جنت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اکثر اہلِ جنت فقراء ہوں گے اور دوزخ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ اکثر اہل دوزخ عورتیں ہوں گی۔ اور یوں یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عثمان بن الہیثم کا ذکر ہے، یہ ابن الجہم ابوعمرو المؤذن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عوف کا ذکر ہے، یہ مشہور اعرابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابورجاء کا ذکر ہے، یہ عمران العطاردی ہیں اور ان کے شیخ حضرت عمران بن حصین الصحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال بصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اطلعت'' یعنی میں نے جھانکا اور میں نے دیکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اکثر اہلِ جنت کے فقراء ہونے کی توجیہ اور اکثر اہل دوزخ کے عورتیں ہونے کی توجیہ

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ارشاد ہے کہ ''اہلِ جنت اکثر فقراء ہوں گے''۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فقیر صابر، غنی

شاکر سے افضل ہے، کیونکہ آدمی کے پاس مال کی نعمت ہو تو اس پر شکر ادا کرنا اتنا مشکل کام نہیں ہے جتنا مشکل مال نہ ہونے کی صورت میں اپنی ضروریات پر صبر کرنا ہے اور بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا ہے۔ اور اس حدیث میں ارشاد ہے کہ "اہل دوزخ اکثر عورتیں ہوں گی" اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں کی بہ نسبت کم عبادت کرتی ہیں اور نافرمانی زیادہ کرتی ہیں اور عورتیں اپنے خاوند کا شکر ادا نہیں کرتیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٦٥٤٧ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينَ وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان التیمی نے خبر دی از ابی عثمان از حضرت اسامہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: میں جنت کے دروازہ پر کھڑا ہوا، پس جنت میں عام داخل ہونے والے مساکین تھے اور مال دار لوگوں کو روکا ہوا تھا سوا اس کے کہ جو اصحابِ دوزخ تھے انہیں دوزخ میں جانے کا حکم دیا گیا اور میں دوزخ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تو اس میں عام داخل ہونے والی عورتیں تھیں۔

(صحیح البخاری: ۵۱۹۶، ۶۵۴۷، صحیح مسلم: ۲۷۳۶، مسند احمد: ۲۱۳۱۸)

صحیح البخاری: ۶۵۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اسی طرح مطابقت ہے جس طرح اس سے پہلی حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن علیہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان التیمی کا ذکر ہے اور اس حدیث کی سند میں ابوعثمان کا ذکر ہے، وہ عبدالرحمٰن بن مل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسامہ کا ذکر ہے اور وہ ابن زید بن حارثہ ہیں اور وہ صحابی بن صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جنت میں عام داخل ہونے والے مساکین ہیں"۔ اس سے پہلی حدیث میں مذکور تھا کہ جنت میں عام داخل ہونے والے فقراء ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس میں یہ اشارہ ہے کہ مساکین اور فقراء کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔
میں کہتا ہوں: اصطلاح میں ان کے درمیان فرق ہے۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس بہ قدر نصاب مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس

کے پاس بالکل مال نہ ہو۔قرآن مجید میں ہے:

أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ (البلد:١٦) یا خاک نشیں مسکین کو (کھانا کھلانا) O

(سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "اصحٰب الجد محبوسون"۔"اصحٰب الجد" سے مراد ہیں: اغنیاء، یعنی مال دار لوگ۔ان کو حساب کے لیے روکا جائے گا، یعنی ان کو ان کی ضروریات سے زائد جو مال دیا گیا ہے اس کا حساب لیا جائے گا کہ انہوں نے اس مال کو نیکی میں خرچ کیا ہے یا گناہ میں اور اس مال کی نعمت کے مقابلہ میں انہوں نے کتنی عبادات کی ہیں۔اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے مال پر فخر کیا اور اس مال پر جو حق واجب ہوتا تھا اس کو ادا نہیں کیا تو اس کا حساب لیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور اس حدیث میں فقر کی غنیٰ پر فضیلت ہے جیسا کہ ہم نے پہلی حدیث میں بیان کیا ہے۔اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ آدمی کے پاس اتنی نعمت ہو جو اس کی ضروریات کی متکفل ہو تو یہ افضل ہے، کیونکہ جو غنی سرکش ہو اس کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ ۝ (العلق:٦۔٧) بے شک انسان ضرور سرکشی کرتا ہے O اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لیا ہے O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح لابن الملقن الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ، ج ۳۰ ص ۸۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۴۸۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَارَ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلَى الْجَنَّةِ وَأَهْلُ النَّارِ إِلَى النَّارِ جِيءَ بِالْمَوْتِ حَتَّى يُجْعَلَ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا أَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا إِلَى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ أَهْلُ النَّارِ حُزْنًا إِلَى حُزْنِهِمْ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۴۴، ۶۵۴۸، صحیح مسلم: ۲۸۵۰، مسند احمد: ۵۹۵۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن محمد بن زید نے خبر دی از والد خود، انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اہل جنت، جنت کی طرف چلے جائیں گے، اور اہل دوزخ، دوزخ کی طرف چلے جائیں گے تو موت کو لایا جائے گا اور جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ دیا جائے گا، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر ایک نداء کرنے والا نداء کرے گا: اے اہلِ جنت! موت نہیں ہے اور اے اہلِ دوزخ! موت نہیں ہے، سو اہلِ جنت کی خوشی میں اور خوشی زیادہ ہو جائے گی، اور اہل دوزخ کے غم میں اور غم زیادہ ہو جائے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جنت اور دوزخ کی صفت'' اور اس حدیث میں اہل جنت اور اہل دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اور اہل جنت کی صفت بھی جنت کی صفت ہے اور اہل دوزخ کی صفت بھی دوزخ کی صفت ہے اور یوں یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے، کیونکہ یہ خوشی اور غم جنت اور دوزخ میں حاصل ہوگا۔ اور یہ وصف کا محل ہے اور اس سے حال کے وصف کا ارادہ کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معاذ بن اسد کا ذکر ہے، یہ ابوعبداللہ المروزی ہیں جو بصرہ میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمر بن محمد کا ذکر ہے، جو اپنے والد محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے ''صفة اهل الجنة والنار'' میں ہارون بن سعید سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان کر دیا جائے گا''۔ اور سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''موت کو جنت اور دوزخ کے درمیان سرحد پر کھڑا کر دیا جائے گا''۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر موت کو ذبح کر دیا جائے گا''۔

موت کو ذبح کرنے پر ایک سوال کا جواب اور موت کو کون ذبح کرے گا؟

اس جگہ یہ سوال ہے کہ موت تو عرض ہے یعنی روح کا بدن سے منفصل ہونا، تو پھر موت کے لیے لایا جانا اور اس کو ذبح کرنا یہ کیسے متصور ہوگا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ موت کو جسم اور جسد بنا دے گا، یا اس میں خلود اور دوام کی طرف ایک مثال سے اشارہ کیا ہے۔ اور علامہ قرطبی نے بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ جو شخص موت کو ذبح کریں گے وہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہیں، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے۔ اور اس میں دوامِ حیات کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام جنت کے دروازہ پر موت کو ذبح کریں گے۔ (عمدة القاری ج ۲۳ ص ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۴۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل میں لانے کی حکمت

اس سے پہلے سورۂ مریم کی تفسیر میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل لایا جائے گا۔ اور مقاتل اور کلبی نے اپنی تفسیر میں ''الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ'' (الملک: ۲) کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو مینڈھے کی صورت میں پیدا فرمایا، وہ جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گا وہ مر جائے گا اور حیات کو گھوڑے کی صورت میں پیدا

کیا وہ جس شخص کے پاس سے بھی گزرے گا وہ زندہ ہو جائے گا۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ موت کو اس صورت میں لانے کی حکمت یہ ہے کہ موت کا فدیہ مینڈھے سے دیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا فدیہ مینڈھے سے دیا۔ اور سرمئی کے رنگ میں جنت اور دوزخ کے رنگوں کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ سرمئی وہ ہے جس میں سفیدی اور سیاہی ہو اور جنتی لوگ وہ ہوں گے جو سفید ہوں گے اور دوزخی لوگ وہ ہوں گے جو سیاہ ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "موت کو ذبح کر دیا جائے گا" اور ذبح کرنے والے کا نام مذکور نہیں ہے۔

اور علامہ قرطبی نے بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ اس کو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذبح کریں گے اور اس میں حیات کے دوام کی طرف اشارہ ہے اور بعض تفاسیر میں منقول ہے کہ اس کو ذبح کرنے والے حضرت جبریل ہیں۔

موت نہ آنے سے اہلِ جنت کی خوشی اور اہلِ دوزخ کے غم کے متعلق دیگر احادیث

امام ابن ماجہ نے اور امام ابن حبان نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کو صراط پر ٹھہرایا جائے گا، پس کہا جائے گا: اے اہلِ جنت! تو وہ متوجہ ہوں گے اور ڈر رہے ہوں گے کہ کہیں ان کو اس جگہ سے نہ نکال دیا جائے جس جگہ وہ ہیں، پھر کہا جائے گا: اے اہلِ دوزخ! پس وہ متوجہ ہوں گے اور خوش ہوں گے اور ایک دوسرے کو خوشخبری دیں گے کہ وہ اس جگہ سے نکل جائیں گے جس جگہ پر وہ ہیں، اور اس کے آخر میں ہے کہ پھر دونوں فریقوں سے کہا جائے گا: خلود ہے جس جگہ پر تم ہو۔

اور سنن ترمذی میں مذکور ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ سے کہا جائے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں ہم پہچانتے ہیں یہ موت ہے، ہمیں اس کے سپرد کیا گیا تھا، پھر اس موت کو جنت اور دوزخ کی سرحد پر ذبح کر دیا جائے گا۔

قاضی ابو بکر بن العربی نے کہا ہے: اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ یہ صریح عقل کے خلاف ہے، کیونکہ موت عرض ہے اور عرض جسم نہیں بنتی، پس اس کو کیسے ذبح کیا جائے گا؟ اور ایک جماعت نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے اور دوسری جماعت نے اس کی تاویل کی ہے اور کہا ہے یہ مثال ہے: حقیقت میں وہاں کوئی ذبح نہیں تھا۔ اور دوسری جماعت نے کہا ہے کہ حقیقت میں ذبح ہوا ہے اور مذبوح متولی الموت ہے یعنی ملک الموت ہے۔ اور ہر کوئی پہچانتا ہے کہ یہی وہ فرشتہ ہے جو ان کی روحوں کو قبض کرتا تھا۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اگر ملک الموت زندہ رہتے تو اہلِ جنت کا عیش مغموم ہوتا۔

اور علی بن معبد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ پھر ملک الموت آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب! تو باقی ہے، تو الحی القیوم ہے، تجھے موت نہیں آئی گی اور میں باقی ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو، پس تم مرجاؤ اور تمہیں زندہ نہیں کیا جائے گا، پس ملک الموت مرجائے گا۔

اور ابن ابی الدنیا نے محمد بن کعب القرظی کی سند سے روایت کی ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ مخلوقات میں سے آخر میں جو فوت ہوگا وہ ایک فرشتہ ہے اس سے کہا جائے گا: مرجاؤ، اور تمہیں اس کے بعد زندہ نہیں کیا جائے گا۔

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو یہ ان کی دلیل ہوگی جو اس کا رد کرتے ہیں کہ مینڈھے کو ذبح کیا گیا، کیونکہ ملک الموت اس سے پہلے فوت ہو گئے تھے، ایسی موت جس کے بعد کوئی حیات نہیں ہے لیکن یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۴۔ ۶۲۵، ملخصاً وملتقطاً دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۴۹۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ أَنَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ قَالُوا يَا رَبِّ وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذَلِكَ فَيَقُولُ أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس نے خبر دی از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہلِ جنت! وہ کہیں گے: ہم حاضر ہیں ہمارے رب اور تیری اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم راضی ہو گئے؟ اہلِ جنت کہیں گے: ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں، پس اللہ عزوجل ارشاد فرمائے گا: میں تم کو اس سے افضل عطا فرماتا ہوں، وہ کہیں گے: اے رب! وہ کون سی نعمت ہے جو ان سے افضل ہے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارے اوپر اپنی رضاء کو حلال کر دیتا ہوں، سو میں تم پر اس کے بعد کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۷۵۱۸، صحیح مسلم: ۲۸۲۹، سنن ترمذی: ۲۵۵۵، مسند احمد: ۱۱۴۲۵)

صحیح البخاری: ۶۵۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں تم پر اپنی نعمت کو حلال کر دیتا ہوں" یعنی میں تم پر اپنی نعمت کو نازل فرما دیتا ہوں۔ یا یہ لفظ ایجاب کے معنی میں ہے یعنی میں تم پر اپنی نعمت کو واجب کر دیتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حل امر اللہ علیہ" اس کا معنی ہے: اس پر وہ امر واجب ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ أُصِيبَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ وَهُوَ غُلَامٌ فَجَاءَتْ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَرَفْتَ مَنْزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي فَإِنْ يَكُ فِي الْجَنَّةِ أَصْبِرْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسحاق نے حدیث بیان کی از حمید انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن شہید ہو گئے اور وہ

وَأَحْتَسِبُ وَإِنْ تَكُنِ الْأُخْرَى تَرَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ وَيْحَكِ أَوَهَبِلْتِ أَوَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ لَفِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ۔

نوعمر تھے تو ان کی والدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، سوانہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ کا مرتبہ میرے نزدیک کیا تھا! اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی نیت کرتی ہوں، اور اگر کوئی دوسری بات ہے تو آپ دیکھیں گے میں کیا کرتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، یا تم اپنے بیٹے کے فراق میں دیوانی ہوگئی ہو؟ کیا وہاں ایک جنت ہے؟ وہاں تو بہت جنتیں ہیں اور وہ تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۰۹، ۳۹۸۲، ۶۵۵۰، ۶۵۶۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۴، مسند احمد: ۱۳۳۳۰)

صحیح البخاری: ۶۵۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حدیث کے آخری جملہ میں ہے کہ ''جنت میں بہت جنتیں ہیں اور حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ جنت الفردوس میں ہیں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معاویہ بن عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن مہلب الازدی البغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسحاق کا ذکر ہے، وہ ابراہیم بن محمد الفزاری ہیں۔ اور حمید کا ذکر ہے وہ ابن ابی حمید الطویل ہیں۔

حارثہ کا تذکرہ

ان کا نام حارثہ بن سراقہ بن الحارث الانصاری ہے، یہ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے ماں باپ بھی صحابی ہیں اور ان کی ماں کا نام الربیع بنت النضر رضی اللہ عنہا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ اور ان کے نام میں اختلاف ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اگر کوئی اور بات ہے تو پھر آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں؟''۔ یعنی اگر وہ جنت میں نہیں ہے تو میں ایسا نوحہ کروں گی جو اہلِ حزن میں مشہور ہے اور ہر ایک اس کو دیکھے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحک''، یہ ترحم اور شفقت کا کلمہ ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''او ھبلت''، یعنی جس عورت کا بچہ فوت ہوجائے تو وہ اس کے غم میں چیخ و پکار کرتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جنت میں تو بہت جنتیں ہیں''، یعنی کئی قسم کے باغات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جنت الفردوس'' زجاج نے کہا: جنت الفردوس وہ ہے جس میں مختلف اقسام کے سبزہ جات ہیں

اور ابن الانباری نے کہا: اس میں انگور وغیرہ کے باغات ہیں۔ الفراء نے کہا: یہ عربی لفظ ہے اور "الفردس" سے ماخوذ ہے جس کا معنی وسعت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رومی لفظ ہے جس کو عربوں نے نقل کر دیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے اور اس سے مراد جنت کی وہ جگہ ہے جو سب سے افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۱۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيِ الْكَافِرِ مَسِيرَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِلرَّاكِبِ الْمُسْرِعِ۔
(صحیح مسلم: ۲۸۵۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضل بن موسیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل نے خبر دی از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: کافر کے دو کندھوں کے درمیان جو فاصلہ ہوگا وہ تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے جز ثانی میں ہے، یعنی کافر کے دو کندھوں کی مقدار دوزخ میں اتنی طویل ہوگی اور یہ دوزخ کی صفت ہے اور اس میں محل کا ذکر ہے اور اس سے ارادہ حال کا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الفضل بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ السینانی ہیں اور سینان مرو کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ اور اس حدیث میں فضیل کا ذکر ہے، یہ فضل کی تصغیر ہے۔ اور ان کی کسی کی طرف نسبت کا ذکر نہیں کیا۔ اور ایک روایت میں الفضل بن غزوان مذکور ہے اور یہی معتمد ہے۔ اور ابوالحسن القابسی نے اپنی روایت میں جو ابو زید المروزی سے ہے کہا ہے کہ یہ الفضیل بن عیاض ہیں۔ اور اس کو ابو علی الجیانی نے رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ فضیل بن عیاض کی صحیح البخاری کی کتاب التوحید میں صرف دو جگہ روایت ہے اور ان کی کوئی روایت ابو حازم سے نہیں ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں اور نہ انہوں نے اس کو پایا ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ سلیمان الاشجعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

دوزخی کی عظیم جسامت کے متعلق متعدد احادیث

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "کافر کے دو کندھوں کے درمیان کا فاصلہ تیز رفتار سوار کی تین دن کی مسافت ہے"۔

اور یوسف بن عیسیٰ کی روایت ہے از الفضل بن موسیٰ جو امام بخاری کے شیخ ہیں، اس میں یہ مسافت پانچ دن کی لکھی ہے۔ اور امام احمد نے از مجاہد از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخی کے کان کی لو سے اس کے کندھے

تک کی مسافت سات سو سال کی ہوگی۔ اور امام بیہقی نے کتاب البعث میں ایک اور سند سے روایت کی ہے از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ وہ ستر سال کی مسافت ہوگی۔ اور امام ابن المبارک نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کافر کی ڈاڑھ قیامت کے دن احد پہاڑ سے بڑی ہوگی، ان کی جسامت اس لیے بڑی کی جائے گی تاکہ وہ زیادہ عذاب کا مزا چکھیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ کے ارشاد کی تصریح نہیں ہے لیکن یہ حکم میں آپ کے ارشاد کے ہے کیونکہ قیاس کا اس میں دخل نہیں ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت ہے۔ اور امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ کافر کی کھال اور اس کی کھال کی موٹائی بیالیس ہاتھ ہوگی اور یہ جبار کے ہاتھ ہیں۔ امام بیہقی نے کہا: لفظ جبار سے اس کی ہولناکی کو بتانے کا ارادہ کیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جبار سے مراد کوئی جابر شخص ہو اور یہ اشارہ ہو اس ہاتھ کی بڑائی کا۔ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ یہ جبار یمن کا بادشاہ تھا۔ اور امام بیہقی نے عطاء بن یسار کی سند سے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: اس کی ران ورقان کی مثل ہوگی اور اس کی مقعد میں اتنا فاصلہ ہوگا جتنا مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہے۔ اور امام ترمذی کی روایت میں ہے: جیسے مکہ اور مدینہ کا فاصلہ ہے اور ورقان حجاز کا ایک مشہور پہاڑ ہے۔ اور ان مقداروں کا اختلاف دوزخ میں کفار کے عذاب کے اختلاف پر محمول ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ سنن ترمذی اور سنن نسائی میں سندِ جید کے ساتھ از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود یہ روایت ہے کہ قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی مثل کیا جائے گا اور وہ مردوں کی صورت میں ہوں گے اور ان کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا اور اس جہنم کا نام بولس ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حشر کی ابتداء میں ہوگا اور یہ احادیث جو ذکر کی گئی ہیں یہ اس پر محمول ہیں کہ جب وہ دوزخ میں مستقر ہو جائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: ان احادیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ کافر نے جس جسامت کے ساتھ کفر کیا تھا یا کوئی گناہ کیا تھا وہ تو اتنا بڑا نہیں تھا، تو اب جو اتنے بڑے جسم کو عذاب دیا جائے گا تو اس سے تعذیب بلا معصیت لازم آئے گی۔

اس کا جواب یہ ہے: اس کا جسم اتنا ہی بڑا ہوگا جتنا دنیا میں تھا لیکن اس کے جسم کو بدہیئت اور قبیح ظاہر کرنے کے لیے اس کو پھلا کر اور پھیلا کر بڑا کر دیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۵۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے صحیح مسلم کی شرح المفہم میں لکھا ہے کہ دوزخ میں کافر کے جسم کو عظیم بنایا جائے گا تاکہ اس کا عذاب عظیم ہو اور اس کا درد دگنا چوگنا ہو۔ اور انہوں نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کفار اپنے عذاب میں مختلف ہوں گے جیسا کہ کتاب و سنت سے ہم کو علم ہے کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے کا عذاب اور مسلمانوں کی پردہ دری کا عذاب اور زمین میں فساد کرنے کا عذاب صرف کفر کے عذاب کے مساوی نہیں ہے۔ تو جس نے کفر کے ساتھ ایسے بڑے بڑے گناہ بھی کیے ہوں گے تو اس کو زیادہ عذاب دینے کے لیے اس کے جسم کو پھلا کر اور پھیلا کر بڑا کر دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۵۵۲۔ وَقَالَ إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۲۷، سنن ترمذی: ۳۲۹۳، مسند احمد: ۸۹۹۰)

اور اسحاق بن ابراہیم نے کہا: ہمیں مغیرہ بن سلمہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابوحازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ از رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: جنت میں ضرور ایک ایسا درخت ہے کہ ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا اور اس کے سائے کو منقطع نہیں کر سکے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ سایا تو دھوپ سے ہوتا ہے اور جنت میں دھوپ نہیں ہو گی تو پھر سایا کیسے ہو گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''ظل'' کا معنی راحت، نعمت اور جہت ہے جیسے کہا جاتا ہے ''انا فی ظلك'' یعنی میں تمہاری رحمت کے سائے میں ہوں اور علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ ظل کا لفظ الفیء سے عام ہے کیونکہ کہا جاتا ہے ''ظل اللیل'' اور ''ظل الجنة'' اور ہر اس جگہ کے لیے ظل کا لفظ کہا جاتا ہے جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی اور الفیء کا لفظ وہاں کہا جاتا ہے جہاں سے سورج زائل ہو جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۸، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۵۳۔ قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادَ الْمُضَمَّرَ السَّرِيعَ مِائَةَ عَامٍ مَا يَقْطَعُهَا۔

ابوحازم نے کہا: پس میں نے النعمان بن ابی عیاش کو یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا: مجھے ابوسعید نے یہ حدیث بیان کی از نبی ﷺ اور بیان کیا کہ جنت میں ضرور ایک ایسا درخت ہے کہ عمدہ اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار شخص سو سال تک چلتا رہے گا پھر بھی اس (کے) سائے کو قطع نہیں کر سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۸۲۷، سنن ترمذی: ۳۲۹۳، مسند احمد: ۸۹۹۰)

صحیح البخاری: ۶۵۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں جنت کی صفت کا بیان ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے از اسحاق بن ابراہیم بھی روایت کی ہے لیکن انہوں نے کہا ہے: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی اور امام بخاری نے یہاں پر اس حدیث کو تعلیق کی صورت میں ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم کا ذکر ہے جو ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مغیرہ بن سلمہ کا ذکر ہے، یہ المخزومی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد البصری

ہیں۔ اور ابو حازم کا ذکر ہے وہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور سہل کا ذکر ہے، وہ حضرت سہل بن مالک الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ عمدہ تیز رفتار سوار اس درخت کو سو سال میں بھی قطع نہیں کر سکے گا''۔ یعنی سو سال میں بھی اس درخت کی ٹہنیوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔

جواد اور مضمّر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الجواد'' اس کا معنی ہے: عمدہ اور تیز رفتار گھوڑا۔ جواد کا لفظ مذکر اور مونث دونوں کے لیے آتا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو گھوڑا مضمّر ہو'' مضمّر اس گھوڑے کو کہتے ہیں کہ جس کو پہلے کھلا پلا کر موٹا کیا جائے اور چالیس دن کے بعد اس کو اس کی پچھلی خوراک پر لایا جائے اس کو مضمار کہتے ہیں۔ اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: المضمر وہ گھوڑا ہے جو گھر میں داخل ہو اور اس پر اس کی زین ڈالی جائے اور اس کو چارہ کم دیا جائے تا کہ اس کا گوشت کم ہو جائے، پھر اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور آدمی اس سے مطمئن ہوتا ہے کہ اس سے کوئی آگے نہیں نکل سکے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو گھوڑے مضمر تھے ان سے سات میل تک دوڑ میں مقابلہ کرایا جاتا تھا۔ اور جو مضمر نہیں تھے ان سے ایک میل تک کی دوڑ میں مقابلہ کرایا جاتا تھا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ سَبْعُ مِائَةِ أَلْفٍ لَا يَدْرِي أَبُو حَازِمٍ أَيُّهُمَا قَالَ مُتَمَاسِكُونَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ وُجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان کی از ابی حازم از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے ضرور ستر ہزار جنت میں داخل ہوں گے یا سات لاکھ، ابو حازم نہیں جانتے تھے کہ کون سا عدد فرمایا، آپ نے فرمایا: وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں گے اور ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہوں گے، ان میں سے اول اس وقت تک داخل نہیں ہو گا جب تک کہ آخر داخل نہ ہو جائے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی صورت پر ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۷، ۶۵۴۳، ۶۵۵۴، صحیح مسلم: ۲۱۹، مسند احمد: ۲۲۳۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حدیث مذکور پر دور کے اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے''جنت میں اس وقت تک پہلا داخل نہیں ہوگا جب تک کہ آخری داخل نہ ہو جائے''۔علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ کیسے متصور ہوگا حالانکہ یہ دور کو مستلزم ہے، کیونکہ اول کا دخول آخر کے دخول پر موقوف ہوگا اور آخر کا دخول اول کے دخول پر موقوف ہوگا؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: وہ سب ایک صف میں داخل ہوں گے اس میں اول اور آخر موجود ہوں گے اور یہ''دَور معية''ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۷۔۱۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۵۔حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ لَيَتَرَاءَوْنَ الْغُرَفَ فِي الْجَنَّةِ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ فِي السَّمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت سہل رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اہلِ جنت (اپنے اوپر کے درجوں کے) بالاخانوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان میں ستارے کو دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری:۶۵۵۶،۳۲۵۶، صحیح مسلم:۲۸۳۱، مسند احمد:۲۲۳۶۹، سنن دارمی:۲۸۳۰)

۶۵۵۶۔قَالَ أَبِي فَحَدَّثْتُ بِهِ النُّعْمَانَ بْنَ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ أَبَا سَعِيدٍ يُحَدِّثُ وَيَزِيدُ فِيهِ كَمَا تَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الْغَارِبَ فِي الْأُفُقِ الشَّرْقِيِّ وَالْغَرْبِيِّ۔

(عبدالعزیز نے کہا:) میرے والد نے کہا: پس میں نے یہ حدیث النعمان بن ابی عیاش سے بیان کی تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے اور وہ اس میں یہ اضافہ کرتے تھے: جیسا کہ تم افق شرقی اور غربی میں دور ہونے والے ستارے کو دیکھتے ہو۔

(صحیح البخاری:۶۵۵۶،۳۲۵۶، صحیح مسلم:۲۸۳۱، مسند احمد:۲۲۳۶۹، سنن دارمی:۲۸۳۰)

صحیح البخاری:۶۵۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز کا ذکر ہے، وہ اپنے والد ابوحازم سلمہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں اور وہ اس حدیث کو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لیتراءون" یعنی اہل جنت ضرور دیکھیں گے اور اس میں لام تاکید کے لیے ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الغرف" یہ "غرفة" کی جمع ہے یعنی بالاخانے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الکوکب" اور الاسماعیلی کی روایت میں ہے "الکوکب الدری" یعنی چمک دار ستارہ۔
صحیح البخاری: ۶۵۵۶ کی تعلیق میں ہے "قال" یعنی عبدالعزیز نے کہا۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "ابی" اور وہ ابوحازم ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الغارب" اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے "الغابر"۔ "غارب" کا معنی ہے دور ہو جانے والا۔ اور "الغابر" کا معنی ہے: باقی رہنے والا۔
علامہ طیبی نے کہا ہے کہ جو جنت میں بالاخانے سے دیکھے گا اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو دور سے کسی چمک دار ستارے کو دیکھے جو مشرق کی جانب ہو یا مغرب کی جانب ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۵۷ ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهِ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقُولُ أَرَدْتُ مِنْكَ أَهْوَنَ مِنْ هَذَا وَأَنْتَ فِي صُلْبِ آدَمَ أَنْ لَا تُشْرِكَ بِي شَيْئًا فَأَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تُشْرِكَ بِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی عمران انہوں نے کہا: میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جسے قیامت کے دن سب سے کم عذاب ہوگا: اگر تمہارے پاس روئے زمین کی کوئی چیز ہوتی تو کیا تم اس عذاب سے نجات کے لیے اس کو فدیہ میں دیتے؟ وہ کہے گا: جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے اس سے بھی آسان چیز کا ارادہ کیا تھا جس وقت تو آدم کی پشت میں تھا کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ اور تو نے انکار کیا سوائے میرے ساتھ شریک بنانے کے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۴، ۶۵۳۸، ۶۵۵۷، صحیح مسلم: ۲۸۰۵، مسند احمد: ۱۱۹۰۳)

صحیح البخاری: ۶۵۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ اس حدیث میں دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے اس کے رہنے

والوں کے حال سے، یہاں بھی ذکر محل کا ہے اور ارادہ حال کا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، یہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور ابو عمران کا ذکر ہے، وہ عبد الملک بن حبیب الجہنی البصری ہیں۔
یہ حدیث خلقِ آدم علیہ السلام کے باب میں گزر چکی ہے اور امام مسلم نے اس کو باب التوبۃ میں روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابیت'' یہ ''ابی'' سے ماخوذ ہے یعنی تو نے منع کیا۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے تجھ سے اس سے آسان چیز کا سوال کیا تھا'' یعنی میں نے تجھے ایک حکم دیا تھا اور تو نے اس پر عمل نہیں کیا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق میں سے کسی کو اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے۔
اگر اس پر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیسے صحیح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کا حکم دے جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو؟
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محال نہیں ہے بلکہ یہ ہم میں بھی پایا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے غلام پر عتاب کرے اور اس کو مارے اور کہے کہ میں نے اس کو ایک کام کا حکم دیا تھا اس نے وہ کام نہیں کیا، پھر واجب ہے کہ وہ اس کی حقیقت کو واضح کرے، پھر جب غلام آئے تو اسے کہے: فلاں کام کرو اور وہ یہ ارادہ نہ کرتا ہو کہ وہ یہ کام کرے بلکہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ دیکھو میں اس کو اس کام کا حکم دے رہا ہوں اور یہ نہیں کر رہا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۸۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

۶۵۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ بِالشَّفَاعَةِ كَأَنَّهُمُ الثَّعَارِيرُ قُلْتُ مَا الثَّعَارِيرُ قَالَ الضَّغَابِيسُ وَكَانَ قَدْ سَقَطَ فَمُهُ فَقُلْتُ لِعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ أَبَا مُحَمَّدٍ سَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَخْرُجُ بِالشَّفَاعَةِ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمْ۔

(صحیح مسلم: ۱۹۱، مسند احمد: ۱۴۶۳۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عمرو از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: دوزخ سے شفاعت کے سبب سے لوگ اس طرح نکلیں گے گویا کہ وہ ثعاریر ہیں، میں نے پوچھا: ''ثعاریر'' کیا ہے، انہوں نے کہا: وہ ضغابیس ہیں یعنی چھوٹی ککڑیاں۔ اور ان کے منہ کے دانت گر گئے تھے، پس میں نے عمرو بن دینار سے کہا: اے ابو محمد! (یہ ان کی کنیت ہے) کیا آپ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے: شفاعت کے سبب سے دوزخ سے لوگ نکلیں گے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، یہ محمد بن الفضل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، یہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جابر، یہ ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یخرج من النار'' یعنی دوزخ سے لوگ نکلیں گے۔ اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ دوزخ سے ایک قوم کو شفاعت کے سبب سے نکالے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثعاریر'' یہ ''ثعرور'' کی جمع ہے ''عصفور'' کے وزن پر۔ ابن الاعرابی نے کہا: یہ چھوٹی ککڑی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ میں نے پوچھا ''ثعاریر'' کیا ہے تو انہوں نے کہا وہ ''ضغابیس'' ہے۔ الضغابیس، ضغبوس کی جمع ہے۔ اور الاصمعی نے کہا: یہ ایک قسم کی گھاس ہے جس کو زیتون کے تیل اور سرکہ کے ساتھ ملا کر کھایا جاتا ہے۔ اور دوسرا قول ہے کہ یہ انگلی کے برابر بالشت کے برابر ہوتی ہے اس میں کوئی پتہ نہیں ہوتا اور اس میں ترشی کا ذائقہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان قد سقط فمہ'' اس کے قائل حماد ہیں۔ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے منہ کے دانت گر گئے تھے۔

حدیث مذکور کے فوائد

شفاعت کی مختصر تحقیق

اس حدیث میں شفاعت کا ثبوت ہے اور معتزلہ کے مذہب کا رد ہے جو شفاعت کی نفی کرتے ہیں۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ المعتزلہ اور الخوارج نے شفاعت کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جن مرتکبین کبائر کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت نہیں کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ (المدثر: ۴۸) پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی ۝

اور اس آیت کی مثل اور دیگر آیات بھی ہیں۔

اور اہل السنت نے ان آیات کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آیات کفار کے متعلق ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے ثبوت میں متواتر احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتکبین کبائر کی شفاعت فرمائیں گے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء:۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے۔ اور علامہ الواحدی نے اس میں مبالغہ کیا اور یہ کہا کہ شفاعت کے ثبوت میں اجماع ہے۔

اور امام ابو جعفر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اکثر اہل تاویل نے یہ بیان کیا ہے کہ مقامِ محمود وہ جگہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے تاکہ مسلمانوں کو محشر کی تکلیف سے راحت پہنچائیں۔ اور احادیث کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مقامِ محمود سے مراد شفاعت ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے۔ اور حسن بصری اور قتادہ سے بھی مروی ہے، اور امام طبری نے کہا: یہ لیث اور مجاہد کا قول ہے کہ مقامِ محمود سے مراد وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر بیٹھیں گے۔ اور علامہ واحدی نے اس قول کا رد کیا ہے۔

اور علامہ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن رب تعالیٰ کے سامنے رب تعالیٰ کی کرسی پر بیٹھیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸۹۔ ۱۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوزخیوں کو دوزخ سے نکالنے کے متعلق احادیث

امام سعید بن ابی منصور نے از سفیان از عمرو روایت کی ہے کہ ایک مرد نے عبید بن عمیر سے کہا اور وہ مرد خوارج کی رائے کے ساتھ متہم تھا، اس کو ہارون ابو موسیٰ کہا جاتا تھا۔ اس نے کہا: اے ابو عاصم! یہ تم کیا حدیث بیان کر رہے ہو؟ (یعنی اللہ تعالیٰ ایک قوم کو شفاعت کے سبب دوزخ سے نکالے گا)، انہوں نے کہا: تم ایک طرف ہٹو، اگر میں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہ سے اس حدیث کو نہ سنا ہوتا تو میں اس حدیث کو نہ بیان کرتا۔

امام مسلم نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ نکلے، ہم حج کا ارادہ کرتے تھے، پھر ہم لوگوں کے ساتھ نکلے، پس ہم مدینہ میں گزرے تو ایک مرد حدیث بیان کر رہا تھا اور اس وقت اس نے دوزخیوں کا ذکر کیا، میں نے اس سے کہا کہ تم کیسی حدیث بیان کر رہے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (آل عمران:۱۹۲) اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

انہوں نے اس سے کہا: کیا تم قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کیا تم نے قرآن مجید میں مقامِ محمود کو پڑھا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فائز فرمائے گا؟ میں نے کہا: ہاں! تو انہوں نے کہا: یہ مقامِ محمد ہے جس کی حمد کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اسی مقام کی وجہ سے ان لوگوں کو دوزخ سے نکال دے گا جو پہلے دوزخ میں تھے۔

شفاعت کے ثبوت میں دلائل

خلاصہ یہ ہے کہ خوارج مبتدعین کی ایک مشہور جماعت ہے جو شفاعت کا انکار کرتے تھے اور صحابہ ان کا انکار کرتے تھے اور وہ احادیث بیان کرتے تھے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہیں۔

امام سعید بن منصور نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس نے شفاعت کی تکذیب کی اس کا اس دین میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور امام بیہقی نے کتاب البعث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو رجم کا انکار کریں گے اور دجال کی تکذیب کریں گے اور عذابِ قبر کی تکذیب کریں گے اور شفاعت کی تکذیب کریں گے اور اس کی تکذیب کریں گے کہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک قوم کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور ہم اس کی اس طرح تکذیب نہیں کرتے جس طرح اس کی اہل حروراء یعنی الخوارج نے تکذیب کی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (الاسراء: ۷۹) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقامِ محمود کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اور میری امت ایک ٹیلے پر ہوں گے، پس مجھے میرا رب سبز حلّہ پہنائے گا، پھر مجھے اجازت دی جائے گی، پھر جو اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ میں کہوں گا اور یہی مقامِ محمود ہے۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذکر کیا کہ آپ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ یہی مقامِ محمود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن کھڑا ہوں گا جب تم ننگے پیر ننگے بدن آؤ گے، پھر مجھے میرا رب حلّہ پہنائے گا، سو میں اس کو پہنوں گا، پس میں عرش کی دائیں جانب ایک مقام پر کھڑا ہوں گا جس مقام پر میرے سوا کوئی کھڑا نہیں ہوگا اور مجھ پر اولین اور آخرین رشک کریں گے۔

شفاعت کی اقسام

علامہ نووی نے قاضی عیاض کی پیروی میں کہا ہے: شفاعت کی پانچ قسمیں ہیں:

ایک قسم ہے محشر کی ہولناکیوں سے راحت پہنچانے کے لیے شفاعت کرنا۔

دوسری قسم ہے بعض لوگوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے شفاعت کرنا۔

تیسری قسم ہے جن لوگوں کو روک لیا گیا اور وہ عذاب کے مستحق ہو گئے ان کے لیے شفاعت کرنا تاکہ انہیں عذاب نہ دیا جائے۔

چوتھی قسم ہے اہل دوزخ میں سے گناہ گاروں کو نکالنے کے لیے شفاعت کرنا۔

اور پانچویں قسم ہے درجات کی بلندی کے لیے شفاعت کرنا۔

قاضی عیاض نے شفاعت کی چھٹی قسم بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کے لیے شفاعت کرنا۔

اور بعض علماء نے شفاعت کی ساتویں قسم بھی بیان کی ہے اور وہ ہے اہل مدینہ کے لیے خصوصی شفاعت کرنا، کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے مصائب پر جو بھی صبر کرے گا میں اس کی شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جس وقت جس شخص سے یہ ہو سکے وہ مدینہ میں مرجائے، کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔

اور امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے میں اہلِ مدینہ کی شفاعت کروں گا، پھر اہلِ مکہ کی پھر اہلِ طائف کی۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے میں اپنے اہلِ بیت کی شفاعت کروں گا، پھر جو ان کے قریب ہوں، پھر جو ان کے قریب ہوں، پھر تمام عرب کی شفاعت کروں گا، پھر عجمیوں کی شفاعت کروں گا۔

اور شفاعت کی آٹھویں قسم یہ ہے کہ جس شخص کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے جنت میں دخول کی شفاعت فرمائیں گے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: سب سے پہلے جنت میں لوگ بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور جو میانہ روی سے عمل کرنے والے ہیں پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے داخل ہوں گے۔ اور پھر وہ داخل ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر کے گناہ کیا اور پھر جو اصحاب اعراف ہیں وہ داخل ہوں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے، اور اصحابِ اعراف کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہیں۔

اور شفاعت کی ایک نویں قسم ہے اور یہ ان کے لیے شفاعت ہے جنہوں نے ''لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کہا اور کوئی نیک کام نہیں کیا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۱ ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۵۹ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا مَسَّهُمْ مِنْهَا سَفْعٌ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ فَيُسَمِّيهِمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔

(صحیح البخاری: ۷۴۵۰، مسند احمد: ۱۱۸۶۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: دوزخ سے کچھ لوگ نکالے جائیں گے اس کے بعد کہ ان کو دوزخ کی تپش پہنچ چکی ہوگی، پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے، پھر اہل جنت ان کا نام جہنمی رکھیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے، اس حیثیت سے کہ اس حدیث میں ان کا ذکر ہے جو جہنم سے نکالے جائیں گے اور ان کو جہنم کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

یہ حدیث کتاب التوحید میں تفصیل اور تطویل سے آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سفع'' اس کے معنی ہیں: آگ کی حرارت اور تپش۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جھنمیین'' یہ جہنمی کی جمع ہے جو جہنم کی طرف منسوب ہو۔

امام نسائی نے عمرو بن ابی عمرو سے از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ اہلِ جنت ان کو کہیں گے کہ یہ جہنمی ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزاد کیے گئے ہیں۔

اور امام مسلم نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو ان سے یہ نام مٹا دیا جائے گا۔

صحیح البخاری: ۶۵۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''السفع'' کا معنی ہے: الاثر۔ الجوہری نے کہا: ''سفعتہ النار'' اس وقت کہا جاتا ہے جب آگ تھوڑا سا جھلسا دے، پس جسم کی کھال کا رنگ متغیر ہو جائے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۵۶۰ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُولُ اللهُ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيَخْرُجُونَ قَدِ امْتُحِشُوا وَعَادُوا حُمَمًا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ أَوْ قَالَ حَمِيَّةِ السَّيْلِ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهَا تَنْبُتُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکال لو، پس ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا اور وہ جل چکے ہوں گے اور کوئلہ بن چکے ہوں گے، پھر ان کو حیات کے

دریا میں ڈالا جائے گا، پس وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح کوڑے کرکٹ کا دانہ سیلاب کی کیچڑ میں اگتا ہے، یا راوی نے ''حمیة السیل'' کہا یعنی سیاہ بدبودار مٹی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ زرد رنگ کا لپٹا ہوا اگتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲، ۴۵۸۱، ۴۹۱۹، ۶۵۶۰، ۶۵۷۴، ۷۴۳۸، ۷۴۳۹، صحیح مسلم: ۱۸۴، مسند احمد: ۱۱۱۳۹)

صحیح البخاری: ۶۵۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آگ ان کے جسم میں داخل ہو کر ان کو کوئلہ بنا دے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، وہ ابن اسماعیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، وہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن یحییٰ کا ذکر ہے جو اپنے والد یحییٰ بن عمارہ بن ابی حسن المازنی سے روایت کرتے ہیں از ابی سعید جن کا نام حضرت سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے۔

یہ حدیث کتاب الایمان میں ''باب تفاضل اهل الایمان'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قد امتحشوا'' یہ ''الامتحاش'' سے بنا ہے اور مجہول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: جلنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حمما'' اس کا معنی ہے: کوئلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیلقون'' یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا باب القاء ہے اور اس کا معنی ہے: پھینکنا، یعنی ان کو حیات کے دریا میں پھینکا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الحبة'' یہ سبزیوں کا اور پھولوں کا بیج ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حمیل السیل'' اس کا معنی ہے: کوڑا کرکٹ، یعنی جو مٹی اور کوڑا ہو۔ پس جب اس کوڑے کرکٹ میں بیج بھی ہو اور وہ وادی کے کنارہ پر رہے تو ایک دن اور ایک رات میں وہ اگنے لگتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حمئة'' راوی کو شک ہے کہ ''حمیل'' کی جگہ ''حمئة'' کہا۔ حمئة کا معنی ہے: سیاہ بدبودار مٹی۔

علامہ نووی نے کہا ہے: وہ بہت تیزی کے ساتھ اگنے کی وجہ سے ضعیف ہوگا اور اپنے ضعف کی وجہ سے زرد رنگ میں لپٹا ہوا ہوگا اور پھر بعد میں وہ قوت کو پکڑ لے گا۔ (عمدة القاری ج ۲۳ ص ۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا إِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَرَجُلٌ تُوضَعُ فِي أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَةٌ يَغْلِي مِنْهَا دِمَاغُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواسحاق سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نعمان سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قیامت کے دن جس شخص کو اہلِ دوزخ میں سے سب سے کم عذاب ہوگا یہ وہ مرد ہوگا جس کے دونوں قدموں کے تلووں میں آگ کے دو انگارے رکھ دیے جائیں گے جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۲، صحیح مسلم: ۲۱۳، سنن ترمذی: ۲۶۰۴، مسند احمد: ۱۷۹۲۳)

صحیح البخاری: ۶۵۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ کی آگ کی یہ صفت بیان کی ہے کہ اس کے ایک انگارے سے دماغ کھولنے لگتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسحاق کا ذکر ہے، اور وہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں نعمان کا ذکر ہے، وہ حضرت ابن بشیر بن سعید الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے ''صفة جهنم'' میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان اھون اھل النار عذابا یوم القیامة لرجل'' یعنی قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد ابوطالب ہو۔ اور ''لرجل'' میں لام پر زبر ہے اور یہ تاکید کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی اخمص قدمیہ'' اخمص کا معنی ہے: پیر کا وہ حصہ جو چلتے وقت زمین سے متصل نہیں ہوتا، یعنی تلوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جمرة'' اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''جمرتان'' اور اسی طرح اسرائیل سے جو روایت آرہی ہے

اس میں بھی "جمرتان" کا لفظ ہے۔یعنی اس کے تلووں میں دو آگ کے انگارے ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ عَلَى أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ وَالْقُمْقُمُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از ابی اسحاق از حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک قیامت کے دن سب سے کم عذاب اس مرد کو ہوگا جس کے دونوں پیروں کے تلووں کے نیچے دو انگارے ہوں گے جس سے اس کا دماغ جوش میں آ رہا ہوگا جس طرح دیگچی یا کیتلی میں جوش آتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۱، ۶۵۶۲، صحیح مسلم: ۲۱۳، سنن ترمذی: ۲۶۰۴، مسند احمد: ۱۷۹۲۳)

صحیح البخاری: ۶۵۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مذکور کی دوسری سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسرائیل کا ذکر ہے، یہ اپنے دادا ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں۔اور یہ سند پہلی سند سے اعلیٰ ہے، لیکن یہاں ابو اسحاق نے نعمان سے روایت کی ہے۔اور پہلی حدیث میں سماع کی تصریح کی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "المرجل" اس کا معنی ہے: پیتل کی دیگچی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القمقم" اس سے مراد ہے: کیتلی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۲۔ ۱۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم نے اس حدیث کی از ابو اسحاق از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے کہ اہل دوزخ میں سے سب سے کم عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جس کی وجہ سے اس کا دماغ جوش میں آ رہا ہوگا جیسا کہ دیگچی میں پانی جوش مارتا ہے۔دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ اس کو سب سے زیادہ عذاب ہو رہا ہے، حالانکہ اس کو سب سے کم عذاب ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۱۳)

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ دوسری روایت میں ہے کہ وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی۔ (الصحاح ج ۳ ص ۱۰۳۸)
اور انہوں نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مرد ابو طالب ہو یا کوئی اور مسلمان ہو، کیونکہ ابو طالب کے ٹخنوں تک آگ پہنچے گی اور اس کو کفار میں سے سب سے کم عذاب ہوگا۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۲۔ ۹۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۶۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا ثُمَّ ذَكَرَ النَّارَ فَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ فَتَعَوَّذَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عمرو از خیثمہ از عدی بن حاتم، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے اپنا چہرہ موڑ لیا اور دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کی، آپ نے پھر دوزخ کی آگ کا ذکر فرمایا، پھر آپ نے اپنا چہرہ موڑ لیا اور دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کی، پھر آپ نے فرمایا: دوزخ کی آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ کر کے۔ اور جس کو وہ میسر نہ ہو تو وہ کوئی نیک بات کہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۳، ۱۴۱۷، ۳۵۹۵، ۶۰۲۳، ۶۵۳۹، ۶۵۴۰، ۶۵۶۳، ۷۴۴۳، ۷۵۱۲، صحیح مسلم: ۱۰۱۶، سنن ترمذی: ۲۴۱۵، سنن نسائی: ۲۵۵۳، سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۳، مسند احمد: ۱۷۷۸۲، سنن دارمی: ۱۶۵۷)

صحیح البخاری: ۶۵۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ کی آگ سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے اور یہ دوزخ کی صفات میں سے ہے کہ اس کی آگ سے پناہ کو طلب کرنا چاہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن مرہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خیثمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبد الرحمٰن ہیں۔
یہ حدیث ''باب من نوقش الحساب عذب'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاشاح'' یعنی آپ نے اپنا چہرہ پھیر لیا۔ ابن الاثیر نے کہا ہے: المشیح کا معنی ہے: الحذر اور کسی معاملہ سے منہ موڑنا۔ گویا آپ نے دوزخ کی آگ سے بچتے ہوئے اپنا چہرہ پھیر لیا۔ یا آپ نے آگ سے بچنے کی وصیت پر

برانگیختہ کرنے کے لیے ایسا کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۸۵، صحیح مسلم: ۲۱۰، مسند احمد: ۱۱۰۷۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی اور الدراوردی نے از یزید از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور آپ کے سامنے آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر کیا گیا، تب آپ نے فرمایا: شاید قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ ہو، پس اس کو دوزخ کے ٹخنوں تک آگ میں رکھا جائے گا اور وہ آگ اس کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے اس کے دماغ کی جڑ کھول رہی ہوگی۔

صحیح البخاری: ۶۵۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث میں دوزخ کے ٹخنوں کا ذکر ہے اور یہ دوزخ کی صفت ہے۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن حمزہ کا ذکر ہے، یہ ابواسحاق الزبیری الاسدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی حازم کا ذکر ہے اور یہ عبدالعزیز بن حازم سلمہ بن دینار الاسلمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الدراوردی کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالعزیز بن محمد بن عبید ہے، یہ امام مسلم کے رجال میں سے ہیں۔ اور یہ تمام راوی مدنی ہیں۔

یہ حدیث ابوطالب کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ابوطالب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمطلب ہیں اور نبی ﷺ کے چچا ہیں، ان کا نام عبد مناف ہے اور یہ حضرت عبداللہ کے سگے بھائی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شاید ابوطالب کو میری شفاعت سے نفع پہنچے"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ (المدثر:۴۸) پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی O

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ابوطالب کو اس آیت کے عموم سے خاص کر لیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کافر کی سزا اس کے کفر پر بھی ہوگی اور اس کے گناہوں پر بھی ہوگی۔ پس جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر کی سزا کو تو معاف نہ فرمائے اور اس کے بعض گناہوں کی سزا کو شفاعت کرنے والے کے دل کو راضی کرنے کے لیے معاف فرمادے اور کافر کو کوئی ثواب نہیں ہوتا کیونکہ کفر پر مرنے کی وجہ سے اس کی تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کی توجیہات

علامہ قرطبی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں جو فرمایا ہے کہ کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی، اس سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے کفار کو دوزخ سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور اس حدیث میں جو ابوطالب کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے فائدہ پہنچانے کا ذکر ہے اس سے مراد اس کے عذاب میں تخفیف ہے۔

اور علامہ القرطبی نے المفہم میں یہ کہا ہے کہ اس شفاعت کے متعلق اختلاف ہے، آیا یہ زبان سے قولی شفاعت ہے یا حالی شفاعت ہے؟ اور زبان سے قولی شفاعت تو مشکل ہے کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ "کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے فائدہ نہیں ہوگا"۔

اور اس کا یہ جواب ہے کہ اس آیت میں تخصیص جائز ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ابوطالب نے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی بہت زیادہ کی اور آپ سے ظلم کو دور کیا تو اس کی یہ جزا دی گئی کہ اس کے عذاب میں تخفیف کردی گئی اور اس کے اوپر شفاعت کا اطلاق کیا گیا کیونکہ یہ اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کی وجہ سے شفاعت فرمائی۔

اور اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ جس سے عذاب میں تخفیف کی گئی جب کہ اس نے تخفیف کا اثر نہیں پایا تو گویا اس کو شفاعت سے فائدہ نہیں پہنچا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ ابوطالب کو سب سے کم دوزخ میں عذاب ہوگا، کیونکہ دوزخ کے تھوڑے عذاب کو بھی پہاڑ برداشت نہیں کر سکتا۔ پس اس پر یہ صادق آئے گا کہ تخفیف سے اس کو فائدہ نہیں پہنچا۔ اور اس حدیث میں بھی اس کی تائید ہے، کیونکہ ابوطالب کے عذاب کو کم کر کے اس کے ٹخنوں تک رکھا گیا اس کے باوجود اس عذاب سے اس کا دماغ کھول رہا تھا، تو اس پر یہ صادق آئے گا کہ اس کے عذاب میں تخفیف تو کی گئی لیکن اس کو اس سے فائدہ نہیں پہنچا۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ کافر کے کفر کے عذاب میں تخفیف نہ کی جائے اور اس کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف کردی جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۳، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۶۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے

عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَجْمَعُ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُونَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا عَلَى رَبِّنَا حَتَّى يُرِيحَنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ أَنْتَ الَّذِي خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّنَا فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ وَيَقُولُ ائْتُوا نُوحًا أَوَّلَ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ائْتُوا إِبْرَاهِيمَ الَّذِي اتَّخَذَهُ اللّٰهُ خَلِيلًا فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ائْتُوا مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللّٰهُ فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ فَيَذْكُرُ خَطِيئَتَهُ ائْتُوا عِيسَى فَيَأْتُونَهُ فَيَقُولُ لَسْتُ هُنَاكُمْ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَأْتُونِي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَإِذَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُقَالُ لِي ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا ثُمَّ أُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا مِثْلَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ حَتَّى مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَكَانَ قَتَادَةُ يَقُولُ عِنْدَ هَذَا أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا، پس لوگ کہیں گے: اگر ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت کو طلب کریں حتیٰ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے راحت میں پہنچائے؟ پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے، پس لوگ کہیں گے: آپ وہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور آپ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پسندیدہ روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا سو انہوں نے آپ کو سجدہ کیا، پس آپ ہمارے لیے ہمارے رب کے پاس شفاعت کیجئے، پس حضرت آدم (علیہ السلام) فرمائیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں اور وہ اپنی (اجتہادی) خطا کو یاد کریں گے اور فرمائیں گے: تم نوح کے پاس جاؤ، وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، پس لوگ حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے، پس وہ فرمائیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، پس وہ اپنی (ظاہری) خطا کو یاد کریں گے تم ابراہیم کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا ہے، پس لوگ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے، پس حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، پس وہ اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے، تم موسیٰ کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ہے، پس لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جائیں گے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں، پس وہ بھی اپنی ظاہری خطاء کو یاد کریں گے، تم عیسیٰ کے پاس جاؤ، پس لوگ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے، سو وہ کہیں گے: میں اس مرتبہ کا نہیں، تم (سیدنا) محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، جن کے تمام اگلے اور پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے، سو لوگ میرے پاس آئیں گے، پس میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا، پس اس وقت جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو

سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھایئے، آپ سوال کیجئے آپ کو دیا جائے گا، آپ بات کیجئے آپ کی بات سنی جائے گی، آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول ہوگی، سو میں اپنا سر اٹھاؤں گا، پس میں اپنے رب کی ایسی حمد کروں گا جو اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تعلیم فرمائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا، پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی، پھر میں لوگوں کو دوزخ سے نکالوں گا اور ان کو جنت میں داخل کر دوں گا۔ پھر میں دوبارہ لوٹوں گا، پھر پہلے کی مثل سجدہ میں گر جاؤں گا، پھر تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ حتیٰ کہ دوزخ میں صرف وہ باقی رہ جائے گا جس کو قرآن نے دوزخ میں روک لیا ہے۔ اور قتادہ اس حدیث میں کہتے تھے یعنی دوزخ میں جن پر خلود اور دوام واجب ہو چکا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۴۴، صحیح مسلم: ۱۹۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۲، مسند احمد: ۱۳۱۵۰)

صحیح البخاری: ۶۵۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے مستنبط کی جا سکتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے "پھر میں دوزخ سے لوگوں کو نکالوں گا" کیونکہ اس میں بھی دوزخ کا ایک حال بیان فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عوانہ، ان کا نام الوضاح بن عبد اللہ الیشکری ہے۔

یہ حدیث سورۃ البقرہ کی تفسیر کے شروع میں گزر چکی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کو امام مسلم نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سورۂ بنی اسرائیل میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بہت طویل روایت ہے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نہیں ہے جب کہ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

محشر کے کرب سے راحت دلانے اور حساب و کتاب کے لیے شفاعت

اس حدیث میں مذکور ہے" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا"۔ المستملی کی روایت میں ہے" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو عرصات (یعنی کھلے میدانوں میں) جمع فرمائے گا"۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث گزر چکی ہے اس میں مذکور ہے کہ" اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کے تمام لوگوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا"۔ اور سعید اور ہمام کی روایت میں ہے " اللہ تعالیٰ مومنین کو جمع فرمائے گا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے" اگر ہم اپنے رب کے پاس کسی کی شفاعت کو طلب کرتے" اس کی جزاء محذوف ہے یا یہ جملہ اظہارِ تمنا کے لیے ہے تو پھر اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی ہم اپنے رب کے پاس کسی کی استعانت کو طلب کرتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" حتیٰ کہ وہ ہم کو اس جگہ سے راحت پہنچائے" یعنی وہ ہم کو محشر کی ہولناکیوں اور اس کے احوال سے نکال لے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے" پھر لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے" اور شیبان کی روایت میں ہے" پھر لوگ جائیں گے حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے" لست هناكم " یعنی میں اس مرتبہ کا نہیں ہوں۔ قاضی عیاض نے کہا ہے:" لست هناكم " اس سے کنایہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مرتبہ مطلوبہ مرتبے سے کم ہے اور یہ انہوں نے تواضعاً فرمایا ہے، یا جوان کا سوال تھا اس کو بہت بڑا سمجھ کر فرمایا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ یہ مقام میرے لیے نہیں ہے بلکہ دوسرے کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" يذكر خطيئته " یعنی حضرت آدم علیہ السلام اپنی ظاہری خطاء کو یاد کریں گے کہ انہوں نے اس درخت سے کھایا تھا جس درخت سے ان کو منع فرمایا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے" میں اپنی اس خطاء کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا"۔ اور ابونضرہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ" میں نے (ظاہری) گناہ کیا تو میں زمین کی طرف اتار دیا گیا"۔ پس ثابت نے امام سعید بن منصور سے روایت کی ہے کہ" میں نے (ظاہری) خطاء کی اور میں فردوس میں تھا اور آج مجھے اگر بخش دیا جائے تو یہ میرے لیے بہت کافی ہے"۔

حضرت نوح علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا اور ان کے اول رسول ہونے پر بحث و نظر

اس حدیث میں مذکور ہے" وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا"۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پہلے رسول ہیں نہ کہ حضرت نوح علیہ السلام۔ اسی طرح حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام پہلے رسول ہیں اور یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں۔

علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام

وہ پہلے رسول ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو عذاب سے ڈرایا۔ یا وہ پہلے رسول ہیں جن کو ایک قوم کی طرف مبعوث کیا گیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان تینوں جوابوں میں اعتراض ہے۔

رہا پہلا جواب تو اس میں یہ اعتراض ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام رسول ہیں اور ان کو ان کی اولاد قابیل کی طرف بھیجا گیا۔ اور ان کے اوپر اکیس (۲۱) صحائف نازل کیے گئے جن کو حضرت جبریل علیہ السلام نے املاء کرایا تھا اور ان کو سریانی زبان میں لکھا گیا تھا اور ان پر ایک دن اور ایک رات میں پچاس رکعت فرض کی گئیں اور ان پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت، زنا، ظلم اور دھوکہ دہی اور سرکشی کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

رہا دوسرا جواب تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اپنی اولاد کو ان کاموں سے ڈرایا تھا جن میں ہلاکت ہے اور اپنی وفات کے وقت اس کی وصیت کی تھی۔

رہا تیسرا جواب تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی قوم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اس وقت تک وفات نہیں ہوئی حتیٰ کہ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور ان کی اولاد کا عدد چالیس ہزار کو پہنچ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا ان میں بعض زنا کرتے ہیں، بعض شراب پیتے ہیں اور بعض فساد کرتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان کو ان کاموں سے روکا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت نوح علیہ السلام اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے''۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام اپنی اس ظاہری خطاء کو یاد کریں گے کہ انہوں نے اپنی قوم کے خلاف ہلاکت کی دعا کی تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جانے کے درمیان وقفہ کی مدت

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ ھ، نے ''کشف علوم الآخرۃ'' میں لکھا ہے کہ جب اہلِ محشر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اس کے درمیان ہزار سال کا عرصہ ہے، اسی طرح ہر نبی سے دوسرے نبی تک ہزار سال کا عرصہ ہے اور پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بھی ہزار سال کا عرصہ ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے:

امام غزالی نے جو ایک ہزار سال کا عرصہ ہر نبی سے دوسرے نبی کے پاس جانے کے درمیان بیان کیا ہے میں اس کی کسی اصل پر واقف نہیں ہوا۔ اور امام غزالی نے اس کتاب میں ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے، لہٰذا ان کی ذکر کردہ کسی حدیث سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۳۶، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام غزالی کی جلالتِ قدر اور ان کا عظیم مرتبہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ عبارت کے منافی ہے اور ان کا امام غزالی کی بیان کردہ احادیث کی اصل پر واقف نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے اس کی اصل پر واقف نہ ہوئے ہوں۔ علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی کا علم تمام احادیث کو محیط نہیں ہے اور نہ تمام منقولات کو محیط ہے حتیٰ کہ وہ یہ دعویٰ کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص

۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام غزالی کی جلالتِ قدر اس کے منافی نہیں ہے کہ ان کی بعض کتابوں کے متعلق حسنِ ظن کیا جائے اور اس میں سے نقل کیا جائے، اور یہ منقول ثابت نہیں ہے جیسا کہ احیاء العلوم میں ''قوت القلوب'' سے احادیث نقل کی گئی ہیں چنانچہ متعدد حفاظ نے اس پر تنبیہ کی ہے اور خود امام غزالی نے اعتراف کیا ہے کہ حدیث میں ان کی معلومات بہت کم ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے علم کے احاطہ کا دعویٰ نہیں کیا ہے، انہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اس حدیث کی اصل پر مطلع نہیں ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین ظاہری جھوٹوں کی توجیہ

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے''۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ تین کلام ہیں جو انہوں نے بطورِ تعریض فرمائے تھے:

(۱) ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ'' (الانبیاء: ۶۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بتوں کو توڑا تھا اور اس کی نسبت بڑے بت کی طرف کر دی اور فرمایا: بلکہ یہ کام ان کے بڑے بت نے کیا ہے۔ اور اس کلام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سبب کی طرف نسبت کی ہے، یعنی اس بڑے بت کی پرستش کی جاتی تھی تو اس کی پرستش کو باطل کرنے کے سبب سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام بتوں کو توڑ ڈالا تا کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ ان بتوں کو توڑا گیا اور یہ بڑا بت ان کو بچا نہیں سکا۔ سو ان کا یہ کلام ظاہری طور پر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا کہ ''میں تمہارا بھائی ہوں'' حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے شوہر تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ سو ان کا یہ کلام ظاہری طور پر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے۔

(۳) ''اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۸۹﴾'' (الصّٰفّٰت: ۸۹) یعنی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے عید کے دن میلے میں جانے کی دعوت دی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جانا نہیں چاہتے تھے تو انہوں نے عذر پیش کیا کہ میں بیمار ہوں، حالانکہ وہ بیمار نہیں تھے۔ یہ بھی بہ ظاہر جھوٹ ہے حقیقت میں جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ ان کی مراد یہ تھی کہ میری قوم بیمار ہے کیونکہ وہ گمراہی میں مبتلاء ہے۔

حدیث میں ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) نے صرف تین (ظاہری) جھوٹ بولے اور وہ سب اللہ کی راہ میں تھے، انہوں نے کہا: میں بیمار ہوں اور انہوں نے کہا ''بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ'' اور انہوں نے حضرت سارہ کے متعلق کہا: یہ میری بہن ہے۔ اس حدیث کی امام احمد اور امام بزار نے روایت کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (ظاہری) خطا کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ'' اس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کریں گے اور وہ ظاہری خطاء یہ تھی کہ انہوں نے ایک قبطی کو تادیباً گھونسا مارا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے کی ضرب سے مر گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ادب سکھانے کے لیے گھونسا مارا تھا، اس کو قتل کرنے کے قصد سے گھونسا نہیں مارا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے شفاعت کو طلب کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے''۔ اور امام مسلم کی روایت میں ہے ''وہ کسی گناہ کا ذکر نہیں کریں گے''۔

اور ابونضرہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کی گئی ہے۔

معمولاتِ اہل سنت کی صحت کی دلیل

(میں کہتا ہوں: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی تو آپ بھی شفاعت کرنے سے گریز فرماتے، حالانکہ آپ شفاعت فرمائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت نہیں کی گئی اور بعض مخالفین جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارنا اور یا رسول اللہ کہنا شرک ہے اور غیر اللہ کی عبادت ہے، اگر یہ صحیح ہوتا تو آپ بھی شفاعت کرنے سے گریز فرماتے جب کہ آپ شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یا رسول اللہ کہنا نہ شرک ہے نہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کو طلب کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر لوگ میرے پاس آئیں گے'' اور نضر بن انس نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ مجھے اللہ کے نبی نے حدیث بیان کی کہ ''میں کھڑا ہوا اپنی امت کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ پل صراط کو عبور کرے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے، پس انہوں نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ انبیاء آپ کے پاس آئے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام امتوں کو جہاں چاہے متفرع کرے اس غم کی وجہ سے جس میں یہ مبتلاء ہیں''۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اہلِ محشر کے کلام کو جو بیان کیا گیا ہے یہ سب اس وقت واقع ہوگا جب پل صراط کو نصب کیا جائے گا اور کفار دوزخ میں گریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر میں اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا''۔ ہشام کی روایت میں ہے ''پس میں جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا''۔ قاضی عیاض نے کہا: یعنی شفاعت کے متعلق اجازت طلب کروں گا۔ اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس کو کھلواؤں گا، پس کہا جائے گا: یہ کون ہیں؟ تو میں کہوں گا: محمد، تو کہا جائے گا: محمد کو مرحبا ہو''۔ اور سلیمان کی حدیث میں ہے ''میں دروازہ کے حلقہ کو پکڑوں گا اور وہ سونے کا ہوگا، پس دروازہ کھٹکھٹایا جائے گا، پس کہا جائے گا: یہ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد تو میرے لیے دروازہ کھول دیا جائے گا حتیٰ کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں گا، پس میں سجدہ کرنے کی اجازت طلب کروں گا تو مجھے اجازت دی جائے گی''۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں اپنے آپ کو دیکھوں گا کہ میں سجدہ کر رہا ہوں" اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا، پس اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدہ میں چھوڑے رکھے گا"۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ "میں سجدہ میں ایک جمعہ کی مقدار گر جاؤں گا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے گا" اور النضر بن انس کی روایت میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا: محمد کے پاس جاؤ، پس ان سے کہو: اپنا سر اٹھایئے! یعنی اللہ تعالیٰ مجھ سے جبریل علیہ السلام کی زبان پر فرمائے گا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی حدود

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میرے لیے ایک حد مقرر کی جائے گی" یعنی میرے لیے شفاعت کے ہر دور میں ایک حد مقرر کی جائے گی جس حد سے میں واقف ہوں گا، پس میں اس حد سے تجاوز نہیں کروں گا مثلاً مجھ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تمہیں اس کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا جس نے نماز باجماعت میں کمی کی، پھر کہا جائے گا: میں نے آپ کو ان کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا جنہوں نے نماز میں کمی کی، پھر کہا جائے گا: آپ کو ان کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا ہے جنہوں نے خمر پی، پھر کہا جائے گا: آپ کو ان کے متعلق شفاعت کرنے والا بنایا ہے جنہوں نے زنا کیا ہے۔ اور اسی طریقہ کے مطابق علامہ طیبی نے حکایت کی ہے۔

علامہ داؤدی کا اشکال اور اس کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میں ان کو دوزخ سے نکالوں گا"۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: گویا کہ اس حدیث کا راوی ایسی چیز پر سوار ہوا جس کی اصل نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث کے اول میں میدانِ محشر کی تکلیف سے اور کرب سے راحت دلانے کی شفاعت کا ذکر کیا اور اس کے آخر میں دوزخ سے نکالنے کی شفاعت کا ذکر کیا۔ اس سے اس کا ارادہ یہ ہے کہ یہ محشر سے منتقل ہونے اور صراط پر گزرنے اور جو صراط سے اس حالت میں دوزخ میں گر جائیں گے اس کے بعد ہوگا۔ اور اس کے بعد دوزخ سے نکالنے کی شفاعت واقع ہوگی۔ اور یہ اشکال قوی ہے۔

قاضی عیاض نے اس کا جواب دیا ہے اور علامہ نووی نے بھی ان کی پیروی کی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ ملی ہوئی ہے، اس میں یہ واقع ہے "پس لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئیں گے، پس آپ کھڑے ہوں گے اور آپ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور امانت اور رحم کو بھیجا جائے گا، پس وہ دونوں پل صراط کی دونوں جانبوں میں کھڑے ہوں گے دائیں جانب اور بائیں جانب، پس تم میں سے اول بجلی کی طرح گزرے گا۔۔۔۔ الحدیث۔

قاضی عیاض نے کہا: پس اس روایت سے کلام متصل ہو جاتا ہے، کیونکہ جس شفاعت کے لیے لوگ آئیں گے اور اس میں محشر کے کرب سے راحت دی جائے گی پھر دوزخ سے نکالنے کی شفاعت ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے تین مراحل

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میں دوبارہ لوٹوں گا" یعنی لوگوں کو دوزخ سے نکالنے اور ان کو جنت میں داخل کرنے کے بعد۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اہلِ محشر کو محشر کی تکلیف سے راحت پہنچانے کے لیے شفاعت ہوگی۔ اور دوسری مرتبہ ان کو دوزخ سے نکالنے کے لیے شفاعت ہوگی اور تیسری مرتبہ میں آپ فرمائیں گے: اے میرے رب! اب دوزخ میں صرف وہ لوگ باقی رہ گئے ہیں جن کو قرآن نے دوزخ میں روک دیا ہے۔ اور اسی طرح اکثر روایات میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۵۔ ۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام سے گناہِ صغیرہ کے ارتکاب کا محال ہونا

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی شفاعت کے متعلق حدیث بہت طویل ہے اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے گناہوں کا ذکر ہے، سو بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہِ صغیرہ کا ارتکاب جائز ہے اور جن گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ گناہِ صغیرہ ہیں۔ اور مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام صغیرہ اور کبیرہ ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اول رسول ہونے پر ایک اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت نوح علیہ السلام اول رسول ہیں" حالانکہ اصحابِ تواریخ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام رسول ہیں اور حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جدِ امجد ہیں۔ اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب حضرت ادریس علیہ السلام رسول نہ ہوں، پس ہو سکتا ہے کہ وہ نبی ہوں اور رسول نہ ہوں۔

اور حضرت آدم علیہ السلام کا اللہ کا رسول ہونا زیادہ نقل اور شہرت سے ثابت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں سے افضل ہیں۔

(۲) اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تواضع اور انکسار ہے اور ان کا دوسروں کے حقوق کا اعتراف کرنا ہے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام کو یہ علم نہیں تھا کہ شفاعتِ عظمیٰ کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخصوص ہیں، اگر ان کو اس کا علم ہوتا تو وہ پہلی مرتبہ ہی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بھیج دیتے۔

(۴) اہلِ محشر اپنے نفع کے حصول کے لیے کوشش کریں گے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۴۔ ۹۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۶۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محشر کا کرب اور اس کی پریشانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا، اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، ان کو بلانے والا سنائے گا اور ان میں بصر کو نافذ کرے گا اور سورج قریب ہوگا، پس لوگوں میں اتنا غم اور کرب ہوگا جس کی وہ طاقت نہیں رکھیں گے اور نہ اس کو برداشت کریں گے۔ اور اسحاق بن راہویہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ سورج ان کے سروں کے قریب ہوگا اور اس کی تپش بہت شدید ہوگی اور سورج کا قرب ان کے لیے بہت دشوار ہوگا، پس وہ چیخ و پکار کر رہے ہوں گے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے شروع میں ہے "دنیا و آخرت میں جو کچھ بھی ہونے والا ہے وہ مجھ پر پیش کیا گیا، اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، پس لوگ اس سے گھبرا رہے ہوں گے اور پسینہ ان کے منہ کی لگام بنا ہوا ہوگا۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کو اس حال میں روکے رکھے گا۔ اور لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے ان پر پسینہ بہہ رہا ہوگا"۔

اور سلمان کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سورج میں دس سال کی گرمی ہوگی، پھر وہ لوگوں کے سروں کے قریب ہوگا، پس ان کا پسینہ بہہ رہا ہوگا حتیٰ کہ زمین پر ان کے قد کے برابر پسینہ ہوگا۔

اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ضرور تمام لوگوں کا قیامت کے دن سردار ہوں گا بغیر فخر کے اور جتنے بھی لوگ ہوں گے سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ کشادگی کا انتظار کر رہے ہوں گے اور بے شک میرے ہی ساتھ حمد کا جھنڈا ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کا دن لوگوں پر بہت طویل ہوگا حتیٰ کہ لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے "حضرت آدم (علیہ السلام) کے پاس چلو جو ابوالبشر ہیں، وہ ہماری ہمارے رب کی طرف شفاعت کریں گے تا کہ ہمارا رب ہمارے درمیان فیصلہ فرمائے"۔

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی (ظاہری) خطاء کو یاد کرنا

امام مسلم کی روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے درخت سے کھایا حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے "میں اپنی خطاء کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا ہوں"۔ اور امام سعید بن منصور کی روایت ہے "بے شک میں نے خطاء کی اور میں فردوس میں تھا، پس اگر اللہ تعالیٰ آج مجھے بخش دے تو یہ میرے لیے بہت کافی ہے"۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "بے شک میرا رب آج غضب میں ہے اس سے پہلے کبھی اتنے غضب میں نہیں ہوا اور نہ اس کے بعد اتنے غضب میں ہوگا اور اس نے مجھے درخت سے منع کیا تھا، پس میں نے اس کی نافرمانی کی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری (آج مجھے اپنے نفس کی فکر ہے، میرے غیر کی طرف جاؤ)۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی خطاء کو یاد کرنا

معبد بن ہلال کی روایت میں ہے کہ "میں نے اپنی قوم کے خلاف دعا کی تھی" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ

''میں نے دعا کی تھی تو پورے روئے زمین کو غرق کر دیا گیا''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دو وجہوں سے اہلِ محشر کی شفاعت نہ کرنے کا عذر پیش کیا تھا:

ایک وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ وہ ایسا سوال نہ کریں جس کا انہیں علم نہ ہو، انہیں یہ خوف ہوا کہ اگر انہوں نے اہلِ محشر کی شفاعت کی تو یہ بھی اس قبیل سے ہوگی۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ایک دعا تھی جس کا قبول ہونا محقق تھا اور انہوں نے وہ دعا پوری کر لی جب روئے زمین کے اوپر طوفان آیا، اب انہیں یہ خطرہ ہوا کہ اب اگر انہوں نے اور دعا کی تو شاید وہ قبول نہیں ہوگی۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے اہل کو نجات دے گا، پس جب ان کا بیٹا غرق ہو گیا تو انہوں نے اپنے رب کو یاد دلایا جو اس نے وعدہ فرمایا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بتایا گیا کہ آپ کے اہل سے مراد وہ ہیں جو ایمان لایا ہو اور اس نے نیک عمل کیے ہوں، تو آپ کا بیٹا ان سے خارج ہو گیا، لہٰذا آپ اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی خطاء کو یاد کرنا

امام سعید بن منصور نے ثابت سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: ''میں نے ایک جان کو بغیر جان کے بدلہ کے قتل کر دیا اور اگر آج میری مغفرت کر دی جائے تو یہ میرے لیے بہت کافی ہے''۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''میں نے ایک نفس کو قتل کر دیا جس کے قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا''۔

میں کہتا ہوں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو ارادۃً قتل نہیں کیا تھا، آپ نے اس کو تادیباً گھونسا مارا تھا اور وہ قضاءِ الٰہی سے مر گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ ''میں نے ایک جان کو قتل کر دیا'' یہ آپ نے خوفِ الٰہی کی شدت سے فرمایا ورنہ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کے اعلان کا بیان

معتمر کی روایت میں ہے ''اس کی طرف جاؤ جو آج کے دن بخشا ہوا آیا ہے اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح: ۲) تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے ''متقدم'' سے مراد وہ کام ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئے اور ''متاخر'' سے مراد ہے آپ کی عصمت۔

دوسرا قول ہے کہ آپ سے جو کام سہواً ہوئے یا تاویل سے ہوئے ان کی مغفرت کر دی گئی۔

تیسرا قول ہے ''متقدم'' سے مراد ہے آدم علیہ السلام کے گناہ اور ''متاخر'' سے مراد ہے آپ کی امت کے گناہ۔

چوتھا قول ہے کہ اس آیت کا معنی ہے ''آپ کی مغفرت کر دی گئی ہے اور اگر آپ سے گناہ واقع ہوتا تو بھی اس پر مواخذہ نہ

ہوتا"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے مطابق یہ چوتھا قول ہے۔ اور تیسرا قول یہاں معتبر نہیں ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں نے ایک جان کو بغیر جان کے بدلہ میں قتل کر دیا تھا اور اگر آج میری مغفرت ہو جائے تو مجھے کافی ہے، حالانکہ قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مغفرت فرمادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شفاعت طلب کرنے والوں سے فرمایا تھا "تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت فرمادی ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اگرچہ مغفرت فرمادی گئی اس کے باوجود وہ مواخذہ سے ڈرتے تھے اور اپنے آپ کو مقام شفاعت کے لائق نہیں سمجھتے تھے، اس کے برخلاف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ استدلال کیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی شفاعت کرنے والے ہیں کیونکہ ان کے اگلے اور پچھلے (ظاہری) ذنب کی مغفرت فرمادی ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اگر آپ سے بالفرض کوئی ذنب واقع ہوا تو بھی آپ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا، اور یہ ان نفیس حقائق میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں مجھ پر منکشف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا بیان

اور بعض اسانید سے یہ گذر چکا ہے کہ اہلِ محشر کے سوال میں سے یہ بھی تھا کہ جنت کا دروازہ کھلوایا جائے اور صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے وہ شخص ہیں جو جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "میں جنت کے دروازہ کے حلقہ کو پکڑوں گا، پس اس کو کھٹکھٹاؤں گا، سو کہا جائے گا: یہ کون ہیں؟ پس میں کہوں گا: محمد، پس وہ میرے لیے دروازہ کو کھول دیں گے اور مجھے مرحبا کہیں گے، پس میں سجدہ میں گر جاؤں گا"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد یہ روایت کی ہے کہ میں کہوں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت، پس کہا جائے گا: آپ اپنی امت میں سے جنت کے دروازوں میں سے سیدھے دروازہ سے داخل کر دیں ان کو جن پر نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ عذاب ہوگا۔

اور صور کی طویل حدیث امام ابویعلیٰ سے مروی ہے، اس میں مذکور ہے "میں کہوں گا: اے میرے رب! تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ کیا تھا، پس اہلِ جنت کے متعلق میری شفاعت کو قبول فرما کہ وہ جنت میں داخل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے آپ کو ان میں شفاعت کرنے والا بنا دیا ہے اور میں نے آپ کی امت کے لیے جنت میں دخول کی اجازت دے دی ہے"۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۳۴۔ ۶۲۹، ملخصا وملتقطا، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۷۵۶۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ ذَكْوَانَ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَدْخُلُونَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از الحسن بن ذکوان، انہوں نے کہا: ہمیں ابو رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے

الْجَنَّةَ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ۔

حدیث بیان کی از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ایک قوم دوزخ سے نکلے گی، پس جنت میں داخل ہو جائے گی، ان کو "جهنميين" کہا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۲۶۰۰، سنن ابوداؤد: ۴۷۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۳۱۵، مسند احمد: ۴۹۳۹۶)

صحیح البخاری: ۶۵۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحیٰی، وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن بن ذکوان، یہ ابوسلمہ البصری ہیں، ان کے متعلق امام احمد اور ابن معین وغیر ہما نے کلام کیا ہے اور صحیح البخاری میں ان کی صرف یہی حدیث ہے جو یحیٰی القطان سے مروی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو رجاء عمران العطاردی ہے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب السنۃ میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے صفۃ النار میں اور امام ابن ماجہ نے کتاب الزہد میں، اور ان سب نے اس حدیث کی روایت محمد بن بشار سے کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أُمَّ حَارِثَةَ أَتَتْ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ هَلَكَ حَارِثَةُ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ غَرْبُ سَهْمٍ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ عَلِمْتَ مَوْقِعَ حَارِثَةَ مِنْ قَلْبِي فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ لَمْ أَبْكِ عَلَيْهِ وَإِلَّا سَوْفَ تَرَى مَا أَصْنَعُ فَقَالَ لَهَا هَبِلْتِ أَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ وَإِنَّهُ فِي الْفِرْدَوْسِ الْأَعْلَى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام حارثہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان کا بیٹا حارثہ غزوہ بدر میں شہید ہو چکا تھا، اس کو ایک اجنبی تیر آ کر لگا تھا، حارثہ کی والدہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میرے دل میں حارثہ کی کتنی محبت ہے، اگر وہ جنت میں ہے تو میں اس پر نہیں روؤں گی ورنہ آپ عنقریب دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں؟ آپ نے اس سے فرمایا: کیا تم دیوانی ہو گئی ہو؟ کیا وہاں پر صرف ایک جنت ہے؟ وہاں پر تو بہت جنتیں ہیں اور بے شک وہ تو الفردوس الاعلیٰ میں ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۸۰۹، ۳۹۸۲، ۶۵۵۰، ۶۵۶۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۴، مسند احمد: ۱۳۳۳۰)

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

۶۵۶۸۔ وَقَالَ غَدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَقَابُ قَوْسِ أَحَدِكُمْ أَوْ مَوْضِعُ قَدَمٍ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا يَعْنِي الْخِمَارَ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا۔

اور آپ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں صبح کرنا یا شام کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور ضرور تم میں سے کسی ایک کے کمان کے کونہ جتنی جنت میں جگہ یا قدم رکھنے کی مقدار جنت میں جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور اگر اہلِ جنت میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو وہ زمین اور آسمان کے درمیان کو روشن کر دے گی اور ان کے درمیان فضاء کو خوشبو سے بھر دے گی۔ اور اس عورت کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۹۲، ۲۷۹۶، ۶۵۶۸، صحیح مسلم: ۱۸۸۰، سنن ترمذی: ۱۶۵۱، مسند احمد: ۱۲۰۲۸)

صحیح البخاری: ۶۵۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولقاب قوس احدکم"۔ "قاب" کا معنی ہے: کمان کا کونہ، اور یہاں اس سے مراد ہے کمان کا اندازہ، کمان کی مقدار کے برابر جگہ۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "او موضع قدم" یعنی تم میں سے کسی ایک کے قدم کی جگہ۔ اور ایک روایت میں "موضع قِدِّ" ہے (قاف پر زیر اور یاء پر تشدید) اس کا معنی ہے چابک، اور دوسرا معنی ہے: جوتی کا تسمہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لملأت ما بینھما ریحا" یعنی وہ عورت پوری زمین و آسمان کو خوشبو سے بھر دے گی۔ اور سعید بن عامر کی روایت میں ہے کہ وہ عورت پوری زمین کو خوشبو سے بھر دے گی۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولنصیفھا" "نصیف" کا معنی ہے: عورت کا دوپٹہ جیسا کہ خود حدیث میں اس کی تفسیر بھی مذکور ہے۔ اور یہ تفسیر قتیبہ سے مروی ہے۔ اور زہری سے مروی ہے کہ "نصیف" خادم کو بھی کہا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ لِيَكُونَ عَلَيْهِ حَسْرَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اس کو اس کا دوزخ میں ٹھکانا

دکھادیا جائے گا اگر وہ گناہ کرتا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا
کرے۔اور جو شخص بھی دوزخ میں داخل ہوگا اسے اس کا جنت
میں ٹھکانا دکھادیا جائے گا اگر وہ ایمان لاتا اور نیک کام کرتا تا کہ
اس پر حسرت ہو۔

یہ حدیث سنن ابن ماجہ میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ معاملہ قبر میں سوال کے وقت ہوگا۔

صحیح البخاری: ۶۵۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ دوزخ میں ٹھکانا دکھانا اور جنت میں ٹھکانا دکھانا یہ جنت اور دوزخ کی صفت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔اور اس سند کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جو شخص بھی جنت میں داخل ہوگا اسے دوزخ میں اس کا ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر وہ برے کام کرتا''۔
یعنی اگر وہ ایسے برے کام کرتا جن کی وجہ سے وہ اہلِ جہنم میں سے ہو جاتا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ شکر ادا کرے''۔
اس جگہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ جنت دارِ شکر نہیں ہے بلکہ وہ دارِ جزاء ہے پھر وہاں شکر کرنے کی کیا توجیہ ہے؟
اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ شکر اس طرح ادا نہیں کرے گا کہ وہ شکر ادا کرنے کا مکلف ہے بلکہ اس کو شکر ادا کرنے سے لذت حاصل ہوگی۔یا مراد شکر کا لازم ہے اور وہ راضی ہونا اور مسرور ہونا ہے، کیونکہ جو شخص کسی نعمت پر شکر ادا کرتا ہے وہ اس نعمت پر راضی ہوتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو شخص بھی دوزخ میں داخل ہوگا اسے اس کا جنت میں ٹھکانا دکھایا جائے گا اگر وہ نیک کام کرتا''۔یعنی اگر وہ اسلام لے آتا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں اس ٹھکانے میں داخل فرماتا تا کہ یہ اس کے لیے اور حسرت ہو۔یعنی اس کے عذاب میں اضافہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)
علامہ ابن الملقن نے کہا ہے: اس حدیث میں مومن کے لیے بشارت ہے اور اس کے برعکس کافر کے لیے وعید ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۹۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

٦٥٧٠۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه أَنَّهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ خَالِصًا مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ۔

(صحیح البخاری:٩٩، ٦٥٧٠، مسند احمد: ٨٦٤١)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از عمرو از سعید بن ابی سعید المقبری، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کون کامیاب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: بے شک اے ابوہریرہ! مجھے یہ گمان تھا کہ مجھ سے اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے تم سوال کرو گے کیونکہ میں نے دیکھا ہے تم حدیث کے اوپر بہت حریص ہو، میری شفاعت کے ساتھ قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ کامیاب ہوگا جس نے اخلاص سے کہا "لا الٰہ الا اللہ"۔ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے)۔

صحیح البخاری: ٦٥٧٠، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اگر اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور (صحیح البخاری: ٦٥٦٥) کے بعد ذکر کیا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن عمرو ہیں جو مطلب بن عبداللہ بن حنطب کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم کے "باب الحرص علی الحدیث" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میری شفاعت کے ساتھ قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ کامیاب ہوگا جس نے اخلاص کے ساتھ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا، یعنی اس کا دل زبان کی تصدیق کرتا ہو اور اس کی زبان دل کی تصدیق کرتی ہو، اور یہ شفاعت، شفاعتِ کبریٰ کے علاوہ ہے جو محشر میں راحت دلانے کے لیے کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ١٩٩، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٥٧٠، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے کامیاب ہونے والوں کے مراتب

اس شفاعت سے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے مراد یہاں پر شفاعت کی بعض اقسام ہیں اور یہ وہ ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں گے "امتی امتی" (میری امت، میری امت)، پس آپ سے کہا جائے گا: آپ اس کو دوزخ سے نکال لیں جس جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہو، پس اس شفاعت کے ساتھ زیادہ کامیاب ہونے والا وہ ہوگا جس کا ایمان دوسروں سے زیادہ کامل ہوگا۔ رہی شفاعتِ عظمیٰ جو محشر کے کرب سے راحت دلانے کے لیے ہوگی تو اس میں سب سے زیادہ کامیاب ہونے والا وہ ہوگا جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں اور یہ وہ ہیں جو حساب کے بعد جنت میں بغیر عذاب کے داخل ہوں گے اور وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ پھر وہ لوگ ہیں جنہیں دوزخ کی آگ کی تپش پہنچے گی اور وہ دوزخ میں نہیں گریں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جنت میں دخول کے مراتب ہیں جو ان کے ایمان کے اخلاص کے مراتب پر موقوف ہیں۔ سو یہ سب اخلاص میں مشترک ہوں گے لیکن ان کے مراتب مختلف ہیں۔

قاضی بیضاوی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جن کا کوئی ایسا عمل نہ ہو جس کی وجہ سے وہ رحمت کے اور دوزخ سے نجات کے مستحق ہوں، کیونکہ ان میں شفاعت کی احتیاج زیادہ ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۴۲۔ ۶۴۳، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۷۱۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ كَبْوًا فَيَقُولُ اللهُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلْأَى فَيَقُولُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا أَوْ إِنَّ لَكَ مِثْلَ عَشَرَةِ أَمْثَالِ الدُّنْيَا فَيَقُولُ تَسْخَرُ مِنِّي أَوْ تَضْحَكُ مِنِّي وَأَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يَقُولُ ذَاكَ أَدْنَى أَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ضرور جانتا ہوں کہ سب سے آخر میں دوزخ سے نکلنے والا کون ہوگا، اور سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا کون ہوگا، ایک مرد دوزخ سے سرین کے بل گھسٹتا ہوا نکلے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہوجا، پس وہ جنت میں آئے گا اور اس کے دل میں یہ خیال ڈالا جائے گا کہ جنت تو بھر چکی ہے، وہ لوٹے گا، پس کہے گا: اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہوجا، پس وہ جنت میں جائے گا اور اس کے دل میں یہ خیال ڈالا جائے گا کہ جنت بھر چکی ہے، پھر وہ لوٹے گا، پس کہے گا: اے میرے رب! میں نے جنت کو بھرا ہوا پایا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا جنت میں داخل ہوجا تیرے لیے دنیا کی مثل

ہے اور اس جیسی دس مثالیں ہیں، پھر فرمایا: تیرے لیے دس مثلیں ہیں جو دنیا کی امثال کی طرح ہیں، وہ مرد کہے گا: تو مجھ سے مذاق کرتا ہے یا مجھ پر ہنستا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے، پس میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، اور آپ فرما رہے تھے کہ یہ اہلِ جنت میں سے ادنیٰ کا درجہ ہے۔

(صحیح البخاری:۷۵۱۲، صحیح مسلم:۱۸۶، سنن ترمذی:۲۵۹۵، سنن ابن ماجہ:۴۳۳۹، مسند احمد:۳۵۸۴)

صحیح البخاری:۶۵۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں دوزخ سے نکلنے کا ذکر ہے اور جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے، تو یہ جنت اور دوزخ کے اوصاف کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور ابراہیم کا ذکر ہے، وہ النخعی ہیں۔ اور عبیدہ کا ذکر ہے اور وہ ابن عمرو السلمانی ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ اس حدیث کے تمام رجال کوفی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" رجل یخرج من النار کبوا" یعنی جو آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کے سہارے چل رہا ہوگا یا اپنی سرین کے بل گھسٹ رہا ہوگا۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے" جنت میں وہ شخص داخل ہوگا جو کبھی تو چلے گا اور کبھی جھکے گا جب اس کو آگ کی تپش پہنچے گی، پس جب وہ دوزخ کی آگ سے گزر جائے گا تو کہے گا: برکت والی ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات دی" اور الاعمش کی روایت میں یہاں پر "زحفا" کا لفظ ہے اس کا معنی بھی ہے گھسٹتے ہوئے۔

جنت کی چوڑائی تو سات آسمانوں اور سات زمینوں کی چوڑائی کے برابر ہے، پس جنت میں دنیا کی مثل کیسے ہوگی؟

اس حدیث میں مذکور ہے" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جا! تو جنت میں داخل ہوجا اور تیرے لیے دنیا کی مثل ہے اور اس جیسی دس مثلیں ہیں"۔

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ جنت کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمینوں کی چوڑائی کے برابر ہے، پس وہ جنت دنیا کی مثل کیسے ہے؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ تمثیل ہے اور جنت کی وسعت کو ہماری عقلوں کے مطابق بیان فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق ضحک اور استہزاء کی نسبت کی تاویلات

اس حدیث میں مذکور ہے "تو مجھ سے مذاق کرتا ہے یا مجھ پر ہنستا ہے"۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "کیا تو مجھ سے استہزاء فرما رہا ہے حالانکہ تو رب العالمین ہے"۔

علامہ مازری نے کہا ہے: اس نے اللہ تعالیٰ کے مذاق کرنے کے ساتھ ہنسنے کا ذکر کیا، اس لیے کہ جو کسی کا مذاق اڑاتا ہے وہ اس پر ہنستا ہے تو اس وجہ سے استہزاء کے ساتھ ہنسنے کا ذکر کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے مذاق کرنے یا مذاق اڑانے کے لفظ کا استعمال بہ طور مجاز ہے۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس لفظ کی کئی تاویلیں کی گئی ہیں اور مشابہ بالحق یہ ہے کہ خوشی کی زیادتی کی وجہ سے اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء یا ضحک کی نسبت کس طرح صحیح ہوگی؟

پھر انہوں نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ان الفاظ کا اطلاق کیا جاتا ہے اور ان سے مراد ان کے لوازم ہوتے ہیں یعنی کیا تو میری توہین کر رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ عَنِ الْعَبَّاسِ رضى الله عنه أَنَّهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ هَلْ نَفَعْتَ أَبَا طَالِبٍ بِشَيْءٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک بن عمیر از عبد اللہ بن الحارث بن نوفل از حضرت عباس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ نے ابوطالب کو کچھ فائدہ پہنچایا؟

(صحیح البخاری: ۳۸۸۳، ۶۲۰۸، ۶۵۷۲، صحیح مسلم: ۲۰۹، مسند احمد: ۱۷۷۴)

صحیح البخاری: ۶۵۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر اختصار سے روایت کی ہے، پوری روایت اس طرح سے ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے ابوطالب کو کوئی نفع پہنچایا؟ وہ آپ کی مدافعت کرتے تھے اور آپ کے لیے لوگوں پر ناراض ہوتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ ٹخنے تک دوزخ میں تھا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

یہ حدیث "کتاب الادب" کے باب "کنیة المشرك" میں گزر چکی ہے اور اس مکمل حدیث سے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں دوزخ کا حال بیان فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مسدد کا ذکر ہے از ابوعوانہ، اور ان کا نام الوضاح بن عبداللہ الیشکری ہے از عبدالملک بن عمیر، از عبداللہ بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب۔ اور عباس کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالمطلب ہیں اور وہ عبداللہ بن حارث کے دادا کے چچا ہیں۔ اور حضرت حارث بن نوفل اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں، رضی اللہ عنہما۔

اس باب میں تیئس احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں سے اکثر دوزخ کی صفت کے بیان میں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا اور بعض روافض نے جو یہ حدیث گھڑی ہے کہ ''ابوطالب کی وفات کے وقت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ تم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھو تو میں اس کلمہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری شفاعت کروں گا تو حضرت عباس نے کہا جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے کہ آپ نے جو کلمہ ابوطالب پر پیش کیا تھا وہ اس نے پڑھ لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے نہیں سنا''۔ اور اس حدیث کے موضوع ہونے پر دلیل صحیح البخاری کی حدیث مذکور ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفع پہنچاتے ہیں اور صحابہ کرام کا بھی یہ عقیدہ تھا جب ہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے ابوطالب کو نفع پہنچایا، وہ آپ کی مدافعت کرتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ ٹخنوں تک دوزخ کی آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ اور آپ کی شفاعت سے مشرکین کو بھی تخفیفِ عذاب کا نفع پہنچے گا۔ اور قرآن مجید میں جو فرمایا ہے کہ مشرکین کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی، اس کا معنی یہ ہے کہ بطورِ عدل تخفیف نہیں ہوگی اور یہ تخفیف بطور فضل ہوئی تھی۔ یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ کے ساتھ اگر مشرک بھی نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کا صلہ بھی اسے دیتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۲۔ بَابٌ: الصِّرَاطُ جَسْرُ جَهَنَّمَ — ''صراط'' جہنم کا پل ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ صراط جہنم کا پل ہے، لفظ ''صراط'' مبتداء ہے اور ''جسر جہنم'' اس کی خبر ہے، اور یہ ایک پل ہے جو جہنم کی پشت پر رکھا ہوا ہے تاکہ مسلمان اس کو عبور کر کے جنت میں جائیں۔ اور یہ عجمی لفظ ہے اور اس میں جیم پر زبر ہے اور زیر بھی جائز ہے۔ اور یہ آخرت کی آگ کا نام ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور اس کو جہنم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا گڑھا بہت دور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٧٣ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ وَعَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أُنَاسٌ يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي الشَّمْسِ لَيْسَ دُونَهَا سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ دُونَهُ سَحَابٌ قَالُوا لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّكُمْ تَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ فَيَقُولُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ شَيْئًا فَلْيَتَّبِعْهُ فَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الشَّمْسَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الْقَمَرَ وَيَتْبَعُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ الطَّوَاغِيتَ وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيهَا مُنَافِقُوهَا فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي غَيْرِ الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ نَعُوذُ بِاللهِ مِنْكَ هَذَا مَكَانُنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا رَبُّنَا فَإِذَا أَتَانَا رَبُّنَا عَرَفْنَاهُ فَيَأْتِيهِمُ اللهُ فِي الصُّورَةِ الَّتِي يَعْرِفُونَ فَيَقُولُ أَنَا رَبُّكُمْ فَيَقُولُونَ أَنْتَ رَبُّنَا فَيَتْبَعُونَهُ وَيُضْرَبُ جِسْرُ جَهَنَّمَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُجِيزُ وَدُعَاءُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَبِهِ كَلَالِيبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ أَمَا رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ غَيْرَ أَنَّهَا لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللهُ فَتَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ مِنْهُمُ الْمُوبَقُ بِعَمَلِهِ وَمِنْهُمُ الْمُخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُو حَتَّى إِذَا فَرَغَ اللهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهِ وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوهُمْ فَيَعْرِفُونَهُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید اور عطاء بن یزید نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو خبر دی کہ نبی ﷺ نے فرمایا ح اور مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عطاء بن یزید اللیثی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا: جب سورج کے پاس بادل نہ ہوں تو کیا تم اس کو دیکھنے میں تنگ ہوتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: جب چودھویں رات کو چاند کے پاس بادل نہ ہوں تو کیا تم چاند کو دیکھنے میں تنگ ہوتے ہو؟ صحابہ نے کہا: نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس تم اللہ عزوجل کو قیامت کے دن اسی طرح دیکھو گے، اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا، پس ارشاد فرمائے گا: جو شخص جس کی عبادت کرتا تھا اس کی پیروی کرے، پس جو سورج کی عبادت کرتا تھا وہ سورج کی پیروی کرے گا اور جو چاند کی عبادت کرتا تھا وہ چاند کی پیروی کرے گا اور جو بتوں کی عبادت کرتا تھا وہ بتوں کی پیروی کرے گا، اور یہ امت باقی رہ جائے گی اور اس امت میں ان کے منافقین بھی ہوں گے، پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ اس صورت کے علاوہ کسی صورت میں آئے گا جس صورت سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، لوگ کہیں گے: ہم تجھ سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، یہ ہماری جگہ ہے ہم یہیں رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے، پس جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے، پس اللہ تعالیٰ

بِعَلَامَةِ آثَارِ السُّجُودِ وَحَرَّمَ اللهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ مِنِ ابْنِ آدَمَ أَثَرَ السُّجُودِ فَيُخْرِجُونَهُمْ قَدِ امْتُحِشُوا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءٌ يُقَالُ لَهُ مَاءُ الْحَيَاةِ فَيَنْبُتُونَ نَبَاتَ الْحِبَّةِ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ وَيَبْقَى رَجُلٌ مِنْهُمْ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهِ عَلَى النَّارِ فَيَقُولُ يَا رَبِّ قَدْ قَشَبَنِي رِيحُهَا وَأَحْرَقَنِي ذَكَاؤُهَا فَاصْرِفْ وَجْهِي عَنِ النَّارِ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو اللهَ فَيَقُولُ لَعَلَّكَ إِنْ أَعْطَيْتُكَ أَنْ تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ فَيَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ ثُمَّ يَقُولُ بَعْدَ ذٰلِكَ يَا رَبِّ قَرِّبْنِي إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ أَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ وَيْلَكَ ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو فَيَقُولُ لَعَلِّي إِنْ أَعْطَيْتُكَ ذٰلِكَ تَسْأَلُنِي غَيْرَهُ فَيَقُولُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهُ فَيُعْطِي اللهَ مِنْ عُهُودٍ وَمَوَاثِيقَ أَنْ لَا يَسْأَلَهُ غَيْرَهُ فَيُقَرِّبُهُ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَإِذَا رَأَى مَا فِيهَا سَكَتَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَسْكُتَ ثُمَّ يَقُولُ رَبِّ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ ثُمَّ يَقُولُ أَوَلَيْسَ قَدْ زَعَمْتَ أَنْ لَا تَسْأَلَنِي غَيْرَهُ وَيْلَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مَا أَغْدَرَكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ لَا تَجْعَلْنِي أَشْقَى خَلْقِكَ فَلَا يَزَالُ يَدْعُو حَتَّى يَضْحَكَ فَإِذَا ضَحِكَ مِنْهُ أَذِنَ لَهُ بِالدُّخُولِ فِيهَا فَإِذَا دَخَلَ فِيهَا قِيلَ لَهُ تَمَنَّ مِنْ كَذَا فَيَتَمَنَّى ثُمَّ يُقَالُ لَهُ تَمَنَّ مِنْ كَذَا فَيَتَمَنَّى حَتَّى تَنْقَطِعَ بِهِ الْأَمَانِيُّ فَيَقُولُ لَهُ هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَذٰلِكَ الرَّجُلُ آخِرُ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا۔

فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، سولوگ کہیں گے: تو ہمارا رب ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی پیروی کریں گے اور جہنم کا پل نصب کر دیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس میں سب سے پہلے اس پل سے گزروں گا اور اس دن تمام رسول یہ دعا کریں گے: اے اللہ! سلامتی فرما، سلامتی فرما۔ اور اس پل میں آنکڑے (بڑے ہُک یعنی کُنڈے کی مثل) ہوں گے جو سعدان کے کانٹوں کی مثل ہوں گے، کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: پس وہ آنکڑے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہوں گے، البتہ ان کی لمبائی چوڑائی کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، پھر وہ آنکڑے لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے اچک لیں گے، ان میں سے کوئی اپنے عمل کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گا اور بعض کے جسم رائی کے دانہ کے برابر کٹ چکے ہوں گے، پھر وہ نجات پا جائیں گے حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہو جائے گا اور یہ ارادہ فرمائے گا کہ دوزخ سے ان کو نکالے جن کو نکالنے کا اس نے ارادہ کیا ہے ان لوگوں میں سے جو یہ شہادت دیتے ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ان لوگوں کو دوزخ سے نکالیں، پس فرشتے ان کو سجدہ کی نشانیوں کی علامتوں سے پہچانیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ابنِ آدم کے سجدہ کی نشانیوں کے کھانے کو دوزخ پر حرام کر دیا ہے، پس فرشتے ان کو دوزخ سے نکالیں گے دراں حالیکہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان کے اوپر پانی کو چھڑکا جائے گا جس کو زندگی کا پانی کہا جاتا ہے سو وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح زرخیز زمین سیلاب میں اگتی ہے، اور ایک مرد ان میں سے باقی رہے گا اس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہوگا سو وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے دوزخ کی بدبو نے ہلاک کر دیا اور اس کی تپش نے مجھے جلا ڈالا، سو میرا چہرہ دوزخ کی آگ سے پھیر دے، پھر وہ مسلسل

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہوسکتا ہے کہ اگر میں تجھ کو یہ نعمتیں دے دوں تو، تو مجھ سے کسی اور نعمت کا سوال کرے گا۔ وہ کہے گا: نہیں تیری عزت کی قسم! میں اس کے سوا کسی اور نعمت کا سوال نہیں کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کا چہرہ دوزخ کی آگ سے پھیر دے گا، پھر اس کے بعد وہ کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت کے دروازہ کے قریب کر دے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے نہیں کہا تھا کہ تو مجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرے گا؟ اور اے ابن آدم! تو کتنا عہد شکن ہے، پھر وہ مسلسل دعا کرتا رہے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہوسکتا ہے کہ اگر میں تجھ کو یہ دے دوں تو تو مجھ سے اور سوال کرے گا، وہ کہے گا: نہیں! تیری عزت کی قسم! میں اب اور کسی چیز کا سوال نہیں کروں گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پختہ عہد اور پیمان لے گا کہ اب وہ اس کے سوا اور کسی چیز کا سوال نہیں کرے گا، پھر اس مرد کو جنت کے دروازہ کے قریب کر دے گا۔ پھر جب وہ مرد جنت کی نعمتوں کو دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا خاموش کھڑا رہے گا، پھر کہے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ تو مجھ سے کسی اور چیز کا سوال نہیں کرے گا؟ افسوس ہے اے ابنِ آدم! تو کتنا عہد شکن ہے۔ پس وہ مرد کہے گا: اے میرے رب! تو مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بدنصیب تو نہ بنا، پس وہ مسلسل یہ دعا کرتا رہے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے مطابق) ہنسے گا، پھر جب اللہ تعالیٰ اس سے ہنسے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دے گا، پھر جب وہ جنت میں داخل ہوگا تو اس سے کہا جائے گا کہ فلاں فلاں چیز کی تمنا کر، سو وہ تمنا کرے گا، پھر اس سے کہا جائے گا: فلاں فلاں چیز کی تمنا کر، سو وہ تمنا کرے گا حتیٰ کہ اس کی تمنائیں منقطع ہو جائیں گی، پس اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: یہ بھی تمہارے لیے ہیں اور اس کی ایک مثل اس کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مرد اہلِ جنت میں سے سب کے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۸۰۶، ۶۵۷۳، ۷۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۸۲، سنن نسائی: ۱۱۴۰، مسند احمد: ۷۶۶۰، سنن دارمی: ۲۸۰۱)

۶۵۷۴۔ قَالَ عَطَاءٌ وَأَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يُغَيِّرُ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِ حَتَّى انْتَهَى إِلَى قَوْلِهِ هٰذَا لَكَ وَمِثْلُهُ مَعَهُ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ هٰذَا لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ حَفِظْتُ مِثْلُهُ مَعَهُ۔

عطاء نے کہا اور اس وقت حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں کوئی تغیر نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ جب وہ اس قول تک پہنچے کہ تمہارے لیے یہ ہے اور اس کی ایک مثل اور اس کے ساتھ ہے تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہارے لیے یہ ہے اور اس کی دس مثالیں اور ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: اس کی ایک مثل اس کے ساتھ ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۶، ۶۵۷۳، ۷۴۳۷، صحیح مسلم: ۱۸۲، سنن نسائی: ۱۱۴۰، مسند احمد: ۷۶۶۰، سنن دارمی: ۲۸۰۱)

صحیح البخاری: ۶۵۷۳۔ ۶۵۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جہنم پر ایک پل نصب کر دیا جائے گا" اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ "پھر جہنم پر ایک پل نصب کر دیا جائے گا اور وہی صراط ہے"۔ اور جہنم کے پل کو "صراط" اس لیے فرمایا ہے کہ "فضل السجود" کے باب میں مذکور ہے "پھر صراط کو نصب کیا جائے گا" تو یہاں عنوان میں دونوں لفظوں کو جمع کر دیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے رب کو قیامت میں دیکھیں گے"۔

اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا میں رب کو دیکھنے کے متعلق سوال نہیں کیا گیا۔ اور امام مسلم نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "یاد رکھو تم اپنے رب کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے حتیٰ کہ تم مرجاؤ" اور اس سوال کا سبب یہ ہے کہ جب حشر کا ذکر کیا گیا اور اس قول کا کہ "ہر امت کو چاہیے کہ اس کی پیروی کرے جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتی تھی" اور مسلمانوں کے اس قول کا ذکر کیا گیا "ہماری یہ جگہ ہے ہم یہیں رہیں گے حتیٰ کہ ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھ لیں"۔

چاند اور سورج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کی مثال کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا تم سورج کو دیکھنے کے وقت تنگ ہوتے ہو جب اس پر بادل نہ ہوں''۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے ''لا تضامون'' یا ''لا تضاھون'' یعنی سورج تم پر مشتبہ نہیں ہوتا اور نہ تم اس کے متعلق شک کرتے ہو کہ تم اس کو دیکھنے کے متعلق ایک دوسرے سے جھگڑا کرو۔

پھر اس کے بعد چاند کا ذکر کیا اور سورج اور چاند کو ذکر کے ساتھ اس لیے خاص فرمایا کہ بغیر بادل کے آسمان میں سورج اور چاند کو دیکھنا بہت بڑی نشانی ہے، کیونکہ سورج اور چاند میں بہت عظیم نور ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے چاند اور سورج کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کیا تھا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج اور چاند سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور اس کے دیدار پر استدلال فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رؤیت اور اس کے دیدار پر ایک اعتراض کا جواب

معتزلہ اور خوارج نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کیا ہے اور یہ ان کی جہالت ہے، کیونکہ کتاب، سنت اور اجماع صحابہ اور اسلاف امت کے دلائل سے اللہ تعالیٰ کا دکھائی دینا ثابت ہے کہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو دکھائی دے گا۔ منکرین کہتے ہیں: جو چیز دکھائی دے وہ ایک جہت میں ہوتی ہے اور دیکھنے والا دوسری جہت میں ہوتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ دکھائی دے تو اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی ایک جہت میں ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ مخلوق کے لیے ہے کہ جب مخلوق دکھائی دے تو وہ کسی ایک جہت میں ہوگی اور دیکھنے والی مخلوق دوسری جہت میں ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان قواعد سے بلند و برتر ہے۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والا تو مانتے ہیں تو ان کے اصول کے مطابق پھر لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک جہت سے دیکھ رہا ہو اور مخلوق دوسری جہت میں دکھائی دے رہی ہو۔ اس لیے اس کہنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ دیکھنے والا ایک جہت میں ہو اور دکھائی دینے والا دوسری جہت میں ہو یہ اس وقت ہے جب دیکھنے والا اور دکھائی دینے والا دونوں مخلوق ہوں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کے متعلق تقریباً بیس صحابہ سے احادیث مروی ہیں جن میں سے حضرت علی، حضرت جریر، حضرت صہیب اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ہیں۔

محشر میں لوگوں اور مومنین کے کھڑے ہونے کی مدت

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا''۔ شعیب کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک زمین میں حشر فرمائے گا''۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اولین اور آخرین کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، پھر ان کو سنائے گا اور ان میں بصر کو نافذ کرے گا''۔

اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت کی ہے: ''جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع فرمائے گا تو وہ چالیس سال تک کھڑے رہیں گے اور ان کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوئی ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔۔۔ الحدیث''۔

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے سندِ جید کے ساتھ روایت کی ہے کہ ''مومن کے اوپر حشر کے دن کے وقوف میں تخفیف کی جائے گی حتیٰ کہ اس پر وہ وقت ایسے گزرے گا جیسا کہ فرض نماز کا وقت گزرتا ہے''۔ اور حضرت ابویعلیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''اتنا وقت لگے گا جیسے سورج کو مغرب کی طرف غروب میں وقت لگتا ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس جو شخص سورج کی عبادت کرتا ہوگا وہ اس کی پیروی کرے گا''۔

اس حدیث میں سورج اور چاند کی پیروی کرنے کا ذکر ہے۔ ان کا خصوصیت سے ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ وہ جسامت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ عظیم ہیں۔

طاغوت کے لفظ کی تحقیق اور اس کا معنی

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جو طواغیت کی عبادت کرتے تھے وہ طواغیت کی پیروی کریں گے''۔

طواغیت ''طاغوت'' کی جمع ہے اور اس کا معنی شیطان اور بُت ہے۔ یہ بطورِ جمع بھی استعمال ہوتا ہے اور بطورِ مفرد بھی اور مذکر بھی اور مونث بھی، اور اس کا اطلاق ان پر کیا جاتا ہے جو گمراہ کرنے والوں کے سردار ہوں۔ الجوہری نے کہا ہے: طاغوت کاہن ہے اور شیطان ہے اور کبھی یہ واحد استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ۔ (النساء: ٦٠)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس لے جائیں۔

النساء: ٦٠ کی تفسیر از مصنف

ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) فیصلہ کریں گے۔ اور منافق نے کہا: کعب بن الاشرف فیصلہ کریں گے۔ یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ فرمایا۔ منافق اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا اور کہا: میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ فیصلہ فرمائیں گے، پھر وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، یہودی نے بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ کر چکے ہیں لیکن یہ مانتا نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے پوچھا: کیا ایسا ہی ہے؟ اس منافق نے کہا: ہاں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر گئے، تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا، اس منافق کے گھر والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۴۹۔ ۲۴۸، روح المعانی ج ۵ ص ۶۷)

اور کبھی طاغوت کا لفظ بطورِ جمع استعمال ہوتا ہے، جیسے درج ذیل آیت میں ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے، انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں، وہ دوزخی لوگ ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے O

البقرہ:۲۵۷ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جن لوگوں نے شیاطین سے دوستی رکھی، وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو گئے اور شیطان نے انہیں کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیا۔ یہاں مفسرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ان لوگوں کو مراد لیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، پھر شیطان کے بہکانے میں آ کر وہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور آپ کے ساتھ انہوں نے کفر کیا اور یوں وہ نور سے نکل کر ظلمت میں آ گئے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: طاغوت کا لفظ ہر چند کہ لاہوت کے وزن پر ہے لیکن اس میں قلب ہے (یعنی اس کی ترتیب الٹی کی گئی ہے) کیونکہ یہ ''طغیان'' سے ماخوذ ہے اور لاہوت کا لفظ غیر مقلوب ہے کیونکہ وہ ''لاہ'' سے ماخوذ ہے جیسے رغبوت اور رحموت ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ محققین کے نزدیک لاہوت کی جمع نہیں آتی کیونکہ یہ رہبوت اور رحموت کی طرح مصدر ہے اور طاغوت کی اصل ''طغیوت'' ہے۔ پس یاء کو غین پر مقدم کیا گیا تو یہ لفظ ''طیغوت'' ہو گیا، پھر یاء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یاء متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے تو یہ لفظ طاغوت ہو گیا۔ سو جب یہ ثابت ہے کہ یہ اصل میں طغیان کے معنی میں مصدر ہے تو ثابت ہوا کہ یہ اسم مفرد ہے۔

اس امت سے مراد خاص امتِ محمدیہ ہے یا عموم مراد ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں اس کے منافقین بھی ہیں''۔ ایک قول یہ ہے کہ اس امت سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عام مراد ہیں۔ اور اس میں تمام اہلِ توحید داخل ہیں حتیٰ کہ جنات بھی داخل ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے بقیہ حصہ میں ہے کہ اس میں وہ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بدکار۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ کہنا کہ یہ امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علاوہ دوسروں کو بھی شامل ہے اس حدیث میں مذکور ''هذه الامة'' کے منافی ہے۔ اور یہ کہنا کہ اس حدیث کے بقیہ حصہ میں ہے کہ ''اس میں وہ باقی رہ جائیں گے جو اللہ کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بدکار'' یہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ہے جو مسلم میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس میں اس امت کے منافقین بھی ہوں گے''۔

منافقین نے یہ گمان کیا کہ آخرت میں ان کو مومنین کے ساتھ مستور رکھنا ان کے لیے نفع مند ہو گا۔ پس وہ مومنین کے ساتھ اس دن میں مخلوط ہو گئے ہیں حتیٰ کہ ان کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ (الحدید:۱۳)

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: تم ہماری طرف دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کریں، ان سے کہا جائے گا: تم اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کوئی نور حاصل کرو، پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں رحمت ہوگی اور اس کے باہر کی جانب عذاب ہوگا O

اللہ تعالیٰ کے آنے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "پس ان کے پاس اللہ تعالیٰ آئے گا"۔

اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی تجلّی کا آنا ہے اور حجابات کا اٹھ جانا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آنے سے مراد یہ ہے کہ سب مومنین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے کیونکہ عادت یہ ہے کہ ہر وہ جو دوسرے سے غائب ہو اس کو دیکھنا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہ اس کے پاس نہ آئے، سو یہاں پر دیکھنے کو مجازاً آنے سے تعبیر فرمایا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آنا اللہ تعالیٰ کے افعال میں سے ایک فعل ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی حدوث کی علامات سے تنزیہہ واجب ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے اصل میں یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے کسی اجنبی صورت میں ظاہر ہونے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ اس صورت کے علاوہ دوسری صورت میں آئے گا جس صورت سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ کی صورت کا لفظ متشابہات میں سے ہے اور امت کے اس میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ "المفوضہ" ہے جو متشابہات کی تاویل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور دوسرا فرقہ "المؤولہ" ہے اور وہ صورت کی تاویل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ صورت سے مراد صفت ہے۔ یا اس کلام کو بطورِ مطابقت کے لایا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پہلے اللہ تعالیٰ ان کے پاس کسی اور صورت میں آئے گا اور پھر ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے"۔

اس اعتراض کا جواب کہ جب دنیا میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں تھا تو اس کو کیسے پہچانیں گے؟

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ مسلمانوں نے تو پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں تھا تو وہ کیسے پہچانیں گے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: مسلمان اللہ تعالیٰ کو دنیا میں صفت کے ساتھ پہچانتے تھے، یعنی انبیاء علیہم السلام نے جو اللہ تعالیٰ کی صفات

بیان کی ہیں ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو جانتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایک علم بدیہی پیدا فرمادے گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو جان لیں گے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس وقت تمام معلومات بدیہی ہو جائیں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جب اللہ تعالیٰ کسی اجنبی صورت میں مسلمانوں کے سامنے ظاہر ہوگا اور فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں تو مسلمان کہیں گے: ہم تم سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، ہم اسی جگہ ٹھہرے رہیں گے حتیٰ کہ ہمارے پاس ہمارا رب آ جائے، پس جب ہمارے پاس ہمارا رب آ جائے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے"۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: ہو سکتا ہے یہ کلام منافقین سے صادر ہوا ہو۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ صحیح نہیں ہے اور کلام اس کے ساتھ مستقیم نہیں ہوتا۔

اور علامہ النووی نے کہا ہے کہ قاضی عیاض نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے اور حدیث کا لفظ اس کی تصحیح کرتا ہے یا اس میں ظاہر ہے۔

اور علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں میں ان کے پاس آئے گا اور فرشتوں کی ایسی صورت میں آئے گا کہ ایسی صورت کی مثل دنیا میں انہوں نے نہیں دیکھی ہوگی۔ اس وجہ سے وہ اس حال کے اندر اللہ کی پناہ طلب کریں گے اور کہیں گے کہ جب ہمارے پاس ہمارا رب آئے گا تو ہم اس کو پہچان لیں گے یعنی جب ہمارے پاس ہمارا رب اس صورت یعنی اس صفت میں آئے گا جس سے ہم اس کو پہچانتے ہیں تو پہچان لیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اجنبی صورت میں آنے کی حکمت

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صورت کے بغیر آئے گا جس صورت سے وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ امتحان کے لیے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس مختلف صورتوں میں آئے، پس فرمائے: میں تمہارا رب ہوں، اور یہ بطورِ امتحان ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتے تھے، پس فرمائے گا: میں تمہارا رب ہوں، تو اس وقت مسلمان کہیں گے: تو ہمارا رب ہے"۔

محشر میں اور جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا فرق

ایک قول یہ ہے: اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ مومنین اللہ تعالیٰ کو حشر کے پہلے مرحلہ میں دیکھ لیں گے اور حقیقتاً علم اللہ عزوجل کے پاس ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ محشر میں جو مسلمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے، یہ دیکھنا اس کے مغایر ہوگا جو وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے جب اللہ تعالیٰ ان پر اکرام فرمائے گا، کیونکہ محشر میں دیکھنا امتحان کے لیے ہوگا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا زیادہ اکرام کے لیے ہوگا۔

اس سوال کے جوابات کہ محشر میں اللہ تعالیٰ کا بطورِ امتحان یہ فرمانا ''میں تمہارا رب ہوں'' آخرت کے دارالجزاء ہونے کے خلاف ہے

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امتحان لینا آزمائش اور تکلیف کے لیے ہوتا ہے اور قیامت کے دن آزمائش اور تکلیف نہیں ہوسکتی؟
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: تکلیف اور آزمائش کے آثار اس وقت منقطع ہوں گے جب جنت میں یا دوزخ میں استقرار ہوجائے گا۔ اور علامہ طیبی نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ دنیا دارِ بلاء ہے اور آخرت دارِ جزاء ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کسی ایک میں وہ چیز واقع نہ ہو جو دوسری میں خاص ہے کیونکہ قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اور اس میں آزمائش ہوگی اور اس میں قبر والوں کو سوال کے فتنہ میں مبتلاء کیا جائے گا، اور اس کے علاوہ اور بھی آزمائشیں ہوں گی۔

جہنم کے پُل کی صفت اور اس میں آنکڑوں کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور جہنم کا پُل نصب کیا جائے گا''۔
یہ پُل جہنم کی پشت پر پھیلا ہوا ہے اور یہ بال سے زیادہ باریک ہے اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ اور صحیح مسلم میں مذکور ہے ''آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ پُل کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ایک پھسلوان چیز ہوگی اور اس میں دندانے دار کانٹے ہوں گے، وہ لوہے کے کانٹے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہوں گے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''پس میں سب سے پہلے اس پُل سے گزروں گا''۔ اس کا معنی ہے کہ میں سب سے پہلے اس پُل پر چلوں گا اور اس کو منقطع کروں گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: کوئی ایک بھی اس پُل سے نہیں گزرے گا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پُل سے گزر جائیں۔ اور علامہ النووی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ اس پُل سے پہلے میں گزروں گا اور میری امت گزرے گی۔

''کلالیب'' کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''به كلاليب'' یہ ''كلوب'' کی جمع ہے جو تنور کی طرح ہے اور اس میں بہ کی ضمیر پُل کی طرف لوٹ رہی ہے اور شعب الایمان کی روایت میں ہے ''جہنم میں آنکڑے ہیں''۔ اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ ''پُل صراط کے دونوں کناروں پر آنکڑے معلق ہوں گے اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ حکم دے گا وہ آنکڑے اس کو پکڑ لیں گے''۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''مثل شوك السعدان'' یہ تثنیہ کے لفظ پر ہے اور یہ ''سعدانة'' کی جمع ہے، یہ ایک کانٹے دار گھاس ہے جس کی پسندیدہ چراگاہ میں مثال دی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ وہ چراگاہ ہے اور سعدان کی مثل نہیں ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''ان آنکڑوں کی لمبائی چوڑائی کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا'' اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''اس کی لمبائی چوڑائی کی مقدار کو صرف اللہ ہی جانتا ہے''۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''لوگ اس پُل سے اپنے اعمال کے اعتبار سے گزریں گے، ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے عمل سے ہلاک ہوجائیں گے''۔

اس میں ''باء'' سببیت کی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ۔(البقرہ:۵۴) بے شک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنانے کے سبب سے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ان میں سے بعض اپنے عمل سے ہلاک ہوجائیں گے'' یعنی اپنے برے عمل کے سبب سے۔

پل صراط پر سے گزرنے والوں کے بعض اعضاء کے کٹ جانے کا بیان

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور بعض رائی کے دانہ کے برابر کٹ جائیں گے'' یعنی ان کے اعضاء کو رائی کے دانہ کے برابر کاٹ دیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ پل صراط کے آنکڑے ان کے اجسام کو رائی کے دانہ کے برابر کاٹ دیں گے حتیٰ کہ وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔ کہا جاتا ہے ''خردلت اللحم'' یعنی اس کے اعضاء کاٹ کر الگ الگ کر دیئے گئے۔ اور الاصیلی کی روایت میں یہ لفظ ''المجردلة'' ہے، یعنی وہ گرنے کے قریب ہوں گے۔ اسی طرح ابواحمد الجرجانی کی روایت میں ہے۔ اور مسلم کی روایت میں ہے ''ان میں سے بعض گزر جائیں گے حتیٰ کہ نجات پا جائیں گے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم ینجو'' یعنی ان کی نجات ہوجائے گی۔ اور ابراہیم بن سعد کی روایت میں ہے ''ثم ینجلی'' یعنی ان کے لیے بیان کر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہوجائے گا اور یہ ارادہ فرمائے گا کہ جس کو دوزخ سے نکالنا ہے اس کو نکالے''۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کہنا کہ وہ کسی کام سے فارغ ہوگیا، محال ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان اپنے فیصلوں کو پورا فرما دے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہوجائے گا اور ارادہ فرمائے گا کہ جن کو وہ دوزخ سے نکالنے کا ارادہ رکھتا ہے ان کو دوزخ سے نکالے اور یہ وہ ہیں جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شہادت دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ان کو دوزخ سے نکالے، پس فرشتے ان کو سجدوں کے آثار کی علامت سے پہچانیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر ابن آدم کے سجدوں کے نشان کے کھانے کو حرام فرما دیا ہے''۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے سے فارغ ہوجائے گا اور اپنی رحمت کے سبب سے یہ ارادہ فرمائے گا کہ جن کو وہ اہل دوزخ سے نکالنا چاہتا ہے ان کو نکالے تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ دوزخ سے ان کو نکالیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہیں کرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمانے کا ارادہ فرمائے گا، یہ وہ لوگ ہوں گے جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے تھے۔

آثار سجود کے مصداق کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے ''آثار سجود کی علامت سے''۔

سجدہ کا اثر پیشانی پر ہوگا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد سات ہڈیاں ہوں۔

جب دوزخی کا جسم جل کر کوئلہ ہو چکا ہو گا تو فرشتے آثارِ سجود کو کیسے پہچانیں گے

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ نے دوزخ پر حرام فرما دیا ہے"۔

یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال کی عبارت یہ ہے کہ فرشتے سجدہ کے اثر کو کیسے پہچانیں گے جب کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "اللہ تعالیٰ ان پر موت طاری کر دے گا حتیٰ کہ جب وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو ان کو شفاعت کی اجازت دے گا"۔ اور اس کا حاصل معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ عزوجل سجدہ کے اعضاء کو عام اعضاء سے خاص فرمالے گا جیسا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اس سے منع کر دے گا کہ وہ مومن کے سجدہ کے نشان کو جلائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیخرجونھم قد امتحشوا ویسب علیھم ماء یقال لہ ماء الحیٰوۃ" یعنی فرشتے ان کو دوزخ سے نکالیں گے جب کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر ان پر زندگی کا پانی ڈالا جائے گا۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "پس ان کو حیات کے دریا یا حیا کے دریا میں ڈال دیا جائے گا" اور دوسری روایت میں مذکور ہے "ان کو دریا میں ڈال دیا جائے گا جو جنت کے دریاؤں میں سے ہے اور اس کو حیات کا پانی کہا جاتا ہے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فینبتون نبات الحبۃ فی حمل السیل" یعنی پس وہ اس طرح اگنے لگیں گے جس طرح دانہ سیلاب کے کوڑا کرکٹ میں اگتا ہے۔

جو شخص سب سے آخر میں جنت میں داخل ہو گا اس کے مصداق کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "اور ان میں سے ایک مرد باقی بچے گا جس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہو گا"۔

الکشمیھنی کی روایت میں ہے "اور یہ مرد بنی اسرائیل کا کفن چور تھا"۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فیقول یارب قد قشبنی ریحھا واحرقنی ذکاؤھا فاصرف وجھی عن النار" یعنی اے میرے رب! دوزخ کی بدبو نے مجھے ہلاک کر دیا اور اس کی تپش کی تیزی نے مجھے جلا ڈالا، سو میرا چہرہ دوزخ سے پھیر دے۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے "قشب الدخان" اس وقت کہتے ہیں جب اس کے نتھنوں میں دھواں گھس جائے اور اس کو زکام میں مبتلا کر دے۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ "القشب" کا معنی ہے: ہر ناپسندیدہ چیز کا لگنا اور بندہ کا اس سے گھن کھانا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ مرد یہ دعا کیسے کرے گا حالانکہ وہ پل صراط سے گزرے گا اس حال میں کہ وہ جنت کو طلب کر رہا ہو گا تو اس کا چہرہ جنت کی طرف ہو گا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ پل صراط پر پشت کے بل پلٹ جائے گا اور اسی حال میں رہے گا کہ اس کا چہرہ دوزخ کی طرف ہو گا اور وہ اپنے اختیار سے دوزخ سے اپنا چہرہ ہٹانے پر قادر نہیں ہو گا اور وہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

زیادہ بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○" (الفاتحہ:۶) کے قبیل سے ہے، گویا کہ جب وہ جنت کی طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کے چہرہ کو دوزخ سے دور رکھے۔ پھر اس کا چہرہ دوزخ سے

دور کر دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاذا رای ما فیھا سکت ما شاء اللہ ان یسکت ثم یقول: رب ادخلنی الجنة'' یعنی جب وہ مرد جنت کی نعمتوں کو دیکھے گا تو جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا خاموش کھڑا رہے گا، پھر دعا کرے گا: اے میرے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اس نے جنت کو کیسے دیکھا حالانکہ اس وقت تک وہ جنت میں داخل نہیں ہوا تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جنت کی دیوار شفاف ہے اور اس کا باطن ظاہر سے دکھائی دیتا ہے جیسا کہ جنت کے بالاخانوں کی صفت میں مذکور ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں دیکھنے سے مراد علم ہے یعنی جنت کی پاکیزہ خوشبوئیں اور اس کے انوار باہر پھیلے ہوئے ہوں گے جیسا کہ دوزخ کے باہر دوزخ کی تپش کی بدبو پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا تجعلنی اشقی خلقك'' یعنی تو مجھے اپنی مخلوق میں سے سب سے بدبخت نہ بنا۔

خلق سے مراد یہاں پر وہ ہے جو لوگ جنت میں داخل ہو گئے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ وہ تمام مخلوق میں سے سب سے بدبخت نہیں ہوگا کیونکہ وہ مومن ہے اور دوزخ سے نکلا ہوا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ''اشقی'' بمعنی شقی ہے یا خلق سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوزخ سے نکل چکے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی یضحك'' یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہنسے گا۔

اس پر یہ سوال ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ضحک کا اطلاق صحیح نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے مجاز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ مرد جنت میں داخل ہونے والوں میں سے آخری ہوگا''۔

امام مالک نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں آخر میں جو شخص داخل ہوگا وہ جہینہ کا ایک مرد ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہاں دو روایتیں ہوں۔ ایک روایت کے مطابق وہ آخری شخص جہینہ سے ہوگا اور دوسری روایت اس حدیث میں مذکور ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۳۔ ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۳۔ بَابٌ: فِي الْحَوْضِ
حوض کا بیان

وَقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر: ۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے''۔

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

اور حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صبر کرو حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے حوض پر ملاقات ہو۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا ذکر کیا گیا ہے۔حوض اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے۔اور حوض کی جمع ''احواض'' اور ''حیاض'' آتی ہے۔اور حوض کے متعلق اس قدر زیادہ احادیث وارد ہیں کہ وہ معنیً متواتر ہیں اور حوض پر ایمان رکھنا واجب ہے اور وہ کوثر ہے جو جنت کے دروازہ پر ہے،مومنین کو اس سے پانی پلایا جائے گا اور وہ حوض اب بھی پیدا کیا ہوا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، نے التذکرہ میں لکھا ہے اور ''صاحب القوت'' (محمد بن علی بن عطیہ المشہور بابی طالب مکی المتوفی ۳۸۶ھ) وغیرہ نے لکھا ہے کہ حوض صراط کے بعد ہوگا اور دوسروں نے اس کے برعکس لکھا ہے۔اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں۔ایک حوض محشر میں ہے صراط سے پہلے اور دوسرا حوض جنت کے اندر ہے اور ان میں سے ہر حوض کا نام کوثر ہے۔اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس کا عنوان ہے ''کتاب فی الحوض'' اور اس سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی لکھی ہوئی ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں الکوثر کا ذکر ہے یہ ''فوعل'' کا وزن ہے جو کثرت کا مبالغہ ہے اور عرب ہر اس چیز کو جو عدد میں کثیر ہو یا مقدار میں کثیر ہو یا مرتبہ میں عظیم ہو اس کو کوثر کہتے ہیں۔

اور سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ اس بڑھیا سے کہا گیا جس کا بیٹا سفر سے واپس آیا کہ تمہارا بیٹا کس چیز کو لے کر سفر سے لوٹا؟اس نے کہا''آب بکوثر'' یعنی وہ مال کثیر کو لے کر لوٹا۔

اور کوثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کا نام ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کوثر کے ذکر میں بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وہ حوض ہے جس پر میری امت آئے گی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے حوضِ کوثر مشہور ہے۔

لیکن امام ترمذی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے،وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک حوض ہے۔اور امام ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کے متصل ہونے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔

امام ابن ابی الدنیا نے سندِ صحیح کے ساتھ حدیثِ مرسل از الحسن بصری روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے ایک حوض ہے اور وہ اپنے حوض پر کھڑا ہوگا اور اس کے ہاتھ میں ایک عصا ہوگا اور وہ اپنی امت میں سے جس کو پہچانے گا اس کو بلائے گا: سنو! انبیاء علیہم السلام اس پر فخر کریں گے کہ کس کے پیروکار سب سے زیادہ ہیں اور مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔

اور امام طبرانی نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا۔اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔پس اگر یہ حدیث ثابت ہو تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو مخصوص ہے وہ کوثر ہے جس سے پانی حوض میں آ رہا ہوگا۔سو اس کی نظیر دوسروں کے لیے نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حوضِ کوثر عطا فرمایا ہے۔

حوض کے متعلق علمائے اسلام کے مذاہب

الخوارج اور بعض معتزلہ نے حوض کا انکار کیا ہے اور جو لوگ حوض کا انکار کرتے ہیں ان میں سے عبید اللہ بن زیاد بھی ہے جو عراق کے حکام میں سے ایک تھا۔ اور یہ لوگ اس مسئلہ میں گمراہ ہیں اور انہوں نے سلف صالحین کے اجماع کی خلاف ورزی کی اور متاخرین کے مذہب سے الگ ہو گئے۔

حوض کے ثبوت کے متعلق احادیث کا بیان

حوض کے متعلق پچاس سے زیادہ صحابہ سے احادیث منقول ہیں ان صحابہ میں سے حضرت ابن عمر، حضرت ابوسعید، حضرت سہل بن سعد، حضرت جندب، حضرت ام سلمہ، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت حارثہ بن وہب، حضرت المستورد، حضرت ابوذر، حضرت ثوبان، حضرت انس اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ پس ان صحابہ کی احادیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

اور حضرت ابوبکر، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابوامامہ، حضرت عبداللہ بن زید، حضرت سوید بن جبلہ، حضرت عبداللہ الصنابحی، حضرت براء بن عازب، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت خولہ بنت قیس، حضرت ابن عباس، حضرت کعب بن عجرہ، حضرت بریدہ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابی بن کعب، حضرت اسامہ بن زید، حضرت حذیفہ بن اسید، حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت لقیط بن عامر، حضرت زید بن ثابت، حضرت حسن بن علی، حضرت ابوبکرہ، حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث امام احمد اور امام ابوعوانہ کے نزدیک ہے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث امام بیہقی وغیرہ کے نزدیک ہے اور ابوامامہ کی حدیث امام ابن حبان وغیرہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ہے۔ اور حضرت سوید بن جبلہ کی حدیث امام ابوزرعہ الدمشقی کی مسند میں ہے اور حضرت عبداللہ الصنابحی کی حدیث امام ابن ماجہ کے نزدیک ہے۔

اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ہے اور حضرت خولہ بنت قیس کی حدیث امام طبرانی کے نزدیک ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث امام بخاری کے نزدیک ہے اور حضرت کعب بن عجرہ کی حدیث امام ترمذی اور امام نسائی کے نزدیک ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث امام ابن ابی عاصم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب کی احادیث اور جو ان کے ساتھ مذکور ہیں خولہ بنت حکیم تک، ان سب کی حدیث امام ابن ابی عاصم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عرباض بن ساریہ کی حدیث امام ابن حبان کے نزدیک ہے اور حضرت ابومسعود البدری اور سلمان الفارسی اور سمرہ بن جندب اور عقبہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث امام طبرانی کے نزدیک ہے۔ اور حضرت خباب بن الارت کی حدیث امام حاکم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت النواس بن سمعان کی حدیث امام ابن ابی الدنیا کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی حدیث امام ابن مندہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حدیث امام ابن کثیر کے نزدیک ہے اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت لقیط بن صبرہ کی حدیث ابن القیم کے نزدیک ہے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث امام احمد اور بزار کے نزدیک ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ "حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صبر کرو حتیٰ کہ تمہاری مجھ سے حوض پر ملاقات ہو"۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی پورا نام ہے اور اس تعلیق کو امام بخاری نے غزوۂ حنین میں ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از سلیمان از شقیق از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۷۶، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

۶۵۷۶۔ وحَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ وَلَيُرْفَعَنَّ مَعِي رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ تَابَعَهُ عَاصِمٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ وَقَالَ حُصَيْنٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

اور مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از المغیرہ، انہوں نے کہا: میں نے ابووائل سے سنا از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا، اور ان میں سے کچھ مردوں کو میرے لیے ظاہر کیا جائے گا، پھر ان کو میرے سامنے سے ہٹا دیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں! پس کہا جائے گا: بے شک آپ (ازخود) نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا باتیں نئی نکالیں۔

سلیمان کی متابعت عاصم نے کی ہے از ابی وائل اور حصین نے کہا از ابی وائل از حضرت حذیفہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۶۵۷۵، ۶۵۷۶، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی تمام احادیث حوض کے ذکر میں ہیں سوا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے جس کو عطاء بن یسار نے روایت

کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس اب ان احادیث کے ذکر کے وقت باب کے عنوان سے مطابقت کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی پہلی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن حماد کا ذکر ہے یہ الشیبانی البصری ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ابوعوانہ کا ذکر ہے، یہ الوضاح ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے اور یہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں شقیق بن سلمہ کا ذکر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبداللہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کی دوسری سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے، یہ ابن بحر ابوحفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن جعفر کا ذکر ہے، یہ از شعبہ از المغیرہ بن مقسم الضبی از ابی وائل روایت کرتے ہیں اور ابووائل شقیق بن سلمہ ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انا فرطکم علی الحوض" یعنی میں تمہارا حوض پر پیش رَو ہوں گا۔

"فرط" اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں سے پہلے حوض پر پہنچ جائے تاکہ لوگوں کو پانی پلانے کے لیے حوض کا اور ڈول کا انتظام کرے۔ کہا جاتا ہے "فرطت القوم" جب تم قوم سے پہلے پہنچو تاکہ تم ان کے لیے پانی کو طلب کرو اور ان کے لیے پانی کو مہیا کرو۔

اس حدیث میں اس امت کے لیے بشارت ہے اور ان لوگوں کو مبارک ہو کہ جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش رو ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیرفعن" یعنی ان لوگوں کو میرے لیے ظاہر کیا جائے گا حتیٰ کہ میں ان کو دیکھوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم لیختلجن دونی" یعنی ان لوگوں کو حوض سے ہٹا دیا جائے گا اور میرے پاس سے کھینچ لیا جائے گا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ لوگ یا تو مرتد ہوں گے یا نافرمان ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۰۔۲۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَمَامَكُمْ حَوْضٌ كَمَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَأَذْرُحَ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۴۵، مسند احمد: ۴۷۰۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبیداللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تمہارے آگے حوض ہے (اس کا فاصلہ ایسا ہے) جیسے جرباء اور اذرح کے درمیان فاصلہ ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ القطان ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں عبیداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عمر العمری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" امامکم" اس کا معنی ہے: تمہارے آگے یا تمہارے سامنے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" حوض" اور السرخسی کی روایت میں ہے" حوضی" یعنی میرا حوض۔

اس حدیث میں مذکور ہے" جرباء اور اذرح" علامہ کرمانی نے کہا: یہ دو جگہوں کے نام ہیں۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ عبیداللہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: یہ شام کے دو شہر ہیں یا دو بستیاں ہیں اور ان کے درمیان تین راتوں کی مسافت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: الرشاطی نے کہا ہے" الجرباء" مونث کا صیغہ ہے اور یہ الاجرب کی تانیث ہے، یہ شام کا ایک شہر ہے۔ اور ابن وضاح نے کہا:" اذرح" فلسطین میں ہے۔ اور الرشاطی نے کہا کہ اسی جگہ پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو دو لاکھ درہم دیے تھے۔

حوض کے طول اور عرض کے متعلق مختلف روایات

اس جگہ مفصل اور مبسوط کلام کی ضرورت ہے کیونکہ حوض کی مقدار میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ یہاں اس حدیث میں فرمایا ہے کہ" حوض میں اتنا فاصلہ ہے جتنا جرباء اور اذرح میں فاصلہ ہے" اور یہ بیان نہیں فرمایا کہ ان دونوں مقامات کے درمیان کتنی مسافت ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا کہ میرا حوض ایک ماہ کی مسافت پر ہے۔ اور امام بخاری کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میرے حوض کی مقدار اتنی ہے جیسا کہ ایلہ اور صنعاء کا فاصلہ یمن سے ہے۔ اور امام بخاری ہی کے نزدیک حارثہ بن وہب کی روایت میں ہے کہ جیسے مدینہ اور صنعاء کے درمیان فاصلہ ہے۔

اور امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حوض کی دو طرفوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ صنعاء اور ایلہ کے درمیان ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حوض کی چوڑائی ایسی ہے جیسے ایلہ سے لے کر الجحفہ تک کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسے عدن اور ایلہ کے درمیان فاصلہ ہے۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جیسے عمان سے لے کر ایلہ تک کا فاصلہ ہے۔ اور امام ابن حبان نے حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: میرے حوض کی دو طرفوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایلہ اور صنعاء کے درمیان میں ہے اور یہ ایک ماہ کی مسافت ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جتنا صنعاء سے لے کر مدینہ تک کا فاصلہ ہے۔ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جتنا عدن سے لے کر عمان البلقاء تک کا فاصلہ ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جتنا مکہ اور ایلہ کے درمیان

فاصلہ ہے۔اور ایک روایت میں ہے: جتنا مکہ اور عمان میں فاصلہ ہے۔

اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جتنا مکہ اور ایلاء کے درمیان بُعد ہے اور ایک روایت میں ہے: جتنا مکہ اور عمان کے درمیان بُعد ہے۔اور حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: جتنا فاصلہ صنعاء سے لے کر بصریٰ تک ہے۔اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جتنا مکہ اور ایلہ کے درمیان بعد ہے یا جتنا صنعاء اور مکہ کے درمیان بعد ہے۔اور امام ابن ابی شیبہ نے اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: جتنا فاصلہ کعبہ سے لے کر بیت المقدس تک ہے۔اور امام طبرانی نے حضرت عتبہ بن عمرو سے روایت کی ہے: جتنا بیضاء سے بصریٰ تک فاصلہ ہے۔

مذکور الصدر مختلف روایات میں تطبیق

علماء نے اس اختلاف میں تطبیق دی ہے۔قاضی عیاض نے کہا ہے: یہ اندازوں کا اختلاف ہے، کیونکہ کسی ایک حدیث میں یہ اختلاف مذکور نہیں ہے کہ اس کو راویوں کے اضطراب میں شمار کیا جائے۔یہ اختلاف متعدد صحابہ کی احادیثِ مختلفہ میں ہے جو انہوں نے مختلف مقامات پر سنیں۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حوض کی مقدار کے متعلق ہر مثال بیان فرماتے تھے اور اس کی وسعت کے متعلق بیان فرماتے تھے۔اور بعض دور دراز کے شہر میں بھی اس طرح کی مقدار کا اختلاف ہوتا ہے اور اس سے مسافتِ محققہ کا آپ نے ارادہ نہیں فرمایا۔قاضی عیاض نے کہا: اس طریقہ سے یہ الفاظِ مختلفہ باعتبار معنیٰ کے جمع ہو جاتے ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے:

اس تطبیق میں بحث ونظر ہے، کیونکہ مثال کا بیان کرنا اور اندازہ کرنا متقارب چیزوں میں ہوتا ہے اور یہ اختلاف تو متباعد ہے جو کبھی زیادہ ہو کر تیس دن تک کا ہوتا ہے اور کبھی تین دن تک کا ہوتا ہے۔(فتح الباری ج ۷ ص ۶۵۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کے رد میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی نظر میں نظر ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر دی کہ حوض کی مقدار تین دن کی مسافت ہے تو اس وقت اتنی ہی مقدار تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضور پر فضل فرمایا کہ بتدریج حوض کی مقدار میں اضافہ فرمایا اور جتنی حوض کی مقدار میں وسعت ہوتی گئی اتنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مقدار کی خبر دیتے گئے۔اور جس نے بھی حوض کی مقدار دوسروں سے مختلف بیان کی ہے وہ اس اعتبار سے ہے۔اور اس وجہ سے اس اختلاف میں جوابِ شافی اور تطبیقِ کافی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی کے طویل کلام کی ضرورت نہیں رہتی جو بالکل بے فائدہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کو مسترد کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ جواب بعینہ وہی ہے جو اس کلامِ طویل میں مذکور ہے۔اور علامہ عینی جب اس جواب سے خوش ہوئے تو انہوں

نے یہ وہم ڈالا کہ اس جواب کے ساتھ انہوں نے کامیابی حاصل کی ہے۔ اور اس میں علامہ عینی کی باقی کلام سے استغناء ہے اور علامہ عینی پر یہ حق تھا کہ اس کلام کو اس کی طرف منسوب کرتے جس نے اس کو ظاہر کیا ہے اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ اس کلام میں کوئی فائدہ نہیں ہے حالانکہ اسی کلام سے خوش ہو کر انہوں نے اس جواب کو نقل کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۷، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی کے پسندیدہ جواب کا فتح الباری میں ذکر

میں کہتا ہوں: علامہ قرطبی لکھتے ہیں: بعض قاصرین کا یہ گمان ہے کہ حوض کی مقدار میں اختلافِ مذکور اضطراب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے، پھر انہوں نے قاضی عیاض کے کلام کو نقل کر کے اضافہ کیا کہ یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر کبیر مقدار کی جوانب بہت وسیع ہیں۔ پھر انہوں نے کہا: اور شاید آپ نے حاضرین کے اعتبار سے جہاتِ مختلفہ کا ذکر کیا، پس جو شخص جس جہت کو پہچانتا تھا اسی جہت سے اس کو مخاطب کیا اور ہر قوم ایک جہت کی معرفت رکھتی تھی۔ اور علامہ النووی نے یہ جواب دیا ہے کہ مسافتِ قلیلہ کے ذکر میں وہ چیز نہیں ہے جو مسافتِ کثیرہ کے خلاف ہو اور اس کو رد کرے، پس اکثر مسافت حدیثِ صحیح سے ثابت ہے، لہٰذا اس میں کوئی معارضہ نہیں ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس طرف اشارہ دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کم مسافت کی خبر دی، پھر آپ کو مسافتِ طویلہ کا علم دیا گیا تو آپ نے اس کی خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فضل فرمایا تھا حوض کی مقدار میں تدریجاً وسعت کر کے۔ پس اعتماد اس پر ہوگا جو آپ نے طویل مسافت بیان فرمائی ہے۔ الی اخرہٖ۔ پس غور کرو کہ یہ عبارت کتنے فوائد پر مشتمل ہے جس کے متعلق اس معترض نے یہ کہا ہے کہ اس کلام میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وللہ الحمد

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

حدیث میں مقاماتِ مذکورہ کے ذکر کی تفصیل

الایلہ: یہ ایک آباد شہر ہے اور یہ شام کی جانب سے بحرِ قلزم کی ایک طرف ہے اور آج کل یہاں ویرانہ ہے، اور لوگ حج کرنے کے لیے مصر سے جاتے ہیں اور مصر کے والی اس کو عقبہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اہل مصر میں مشہور ہے۔ ایلہ اور مدینہ نبویہ کے درمیان ایک ماہ سے کم کی مسافت ہے۔

صنعاء: صنعاء نام کے دو شہر ہیں۔ ایک صنعاء یمن کا شہر ہے اور یہ یمن کے شہروں میں سب سے بڑا شہر ہے۔ اور دوسرا صنعاء دمشق کے دروازہ پر ایک بستی ہے جو باب الفرادیس سے متصل ہے، یہ یاقوت کا قول ہے۔ اور جو صنعاء پہلا ہے حدیث میں وہی مراد ہے، اس لیے حدیث میں اس کی قید ہے "صنعاء من الیمن"۔

الجحفہ: یہ رابغ کے قریب ایک جگہ ہے اور یہ مصر اور اہل شام کا میقات ہے اور آج کل اہلِ شام ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے ہیں جو اہلِ مدینہ کا میقات ہے۔

عدن: یہ یمن کی آخری جانب میں ایک شہر ہے جو بحرِ ہند کے ساحل پر ہے۔

عمان: اس کی بھی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جو البلقاء کے قریب ہے، اس لیے اس کو عمان البلقاء کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم جو ہے اس میں عین پر پیش ہے اور میم پر تشدید نہیں ہے یعنی یہ لفظ عُمان ہے، یہ بصرہ اور عدن کے درمیان سمندر کے کنارے پر

واقع ہے۔

البلقاء: یہ فلسطین کا ایک معروف شہر ہے۔ یہ بعض کا قول ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

''البلقاء'' کا تلفظ ممدودہ بھی ہے اور مقصوری بھی ہے۔ الرشاطی نے کہا ہے: ''البلقاء'' دمشق کی عمل داری میں سے ہے۔

بصریٰ: اس میں باء پر پیش ہے اور صاد پر جزم ہے۔ یاقوت نے کہا: یہ شام کا ایک شہر ہے اور یہ حوران کا قصبہ ہے اور دمشق کی عمل داری میں سے ہے۔

البیضاء: یہ ربذہ کے قریب ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان معروف ہے۔ اور الرشاطی نے کہا ہے: ''البیضاء'' ابیض کی تانیث ہے اور یہ ربذہ کے قریب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۸۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا أَبُو بِشْرٍ وَعَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنه قَالَ الْكَوْثَرُ الْخَيْرُ الْكَثِيرُ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو بِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِيدٍ إِنَّ أُنَاسًا يَزْعُمُونَ أَنَّهُ نَهَرٌ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيدٌ النَّهَرُ الَّذِي فِي الْجَنَّةِ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي أَعْطَاهُ اللهُ إِيَّاهُ۔ (صحیح البخاری: ۴۹۶۶، ۶۵۷۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبشر اور عطاء بن السائب نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ کوثر اس خیر کثیر کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

ابوبشر نے کہا: میں نے سعید سے کہا: لوگ یہ زعم کرتے ہیں کہ کوثر جنت میں دریا ہے تو سعید نے کہا: جنت میں جو دریا ہے، یہ بھی اس خیر کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۵۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید میں الکوثر کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے:

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (الکوثر: ۱) ''بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے ۝''

یہ حدیث تفسیر کوثر میں گزر چکی ہے اور وہاں امام بخاری نے اس حدیث کو از یعقوب بن ابراہیم از ہشیم از ابی بشر از سعید بن جبیر روایت کیا ہے۔ اور یہاں پر اس حدیث کو از عمرو بن محمد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن محمد، یہ ابن بکیر الناقد البغدادی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہُشیم، یہ ہشم کی تصغیر ہے، یہ ابن بُشیر ہیں اور بُشیر بھی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء بن

السائب، یہ الکوفی ہیں اور مشہور محدث ہیں اور صغار تابعین میں سے ہیں اور بہت سچے ہیں، اخیر عمر میں ان کے حافظہ میں اختلاط ہو گیا تھا اور انہوں نے ہشیم سے جو حدیث سنی ہے وہ اختلاط کے بعد سنی ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاری نے یہاں پر ان کا ذکر ابو بشر کے ساتھ کیا ہے اور امام بخاری کی ان سے صرف اسی جگہ روایت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے''۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس تعلیق میں ابو بشر کا ذکر ہے وہ جعفر مذکور ہیں، اور سعید کا ذکر ہے وہ ابن جبیر ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ کوثر جنت میں ایک دریا ہے۔ الہروی نے کہا کہ تفسیر میں وارد ہے کہ کوثر سے مراد قرآن اور نبوت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۳۔ ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۷۹۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهَا فَلَا يَظْمَأُ أَبَدًا۔

(مسند احمد: ۲۷۷۵۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ، انہوں نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت پر ہے، اس کا پانی دودھ سے سفید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور اس کے کوزوں (گلاس یا پیالہ) کی تعداد آسمان کے ستاروں کی مثل ہے، جو اس میں سے ایک مرتبہ پیئے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

صحیح البخاری: ۶۵۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن الحکم بن ابی مریم الجمحی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں نافع بن عمر کا ذکر ہے، یہ الجمحی المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی ملیکہ التیمی المکی ہیں، یہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میرا حوض ایک ماہ کی مسافت ہے''۔
صحیح مسلم کی روایت میں ہے ''ایک ماہ کی مسافت پر ہے اور اس کے کونے برابر ہیں''۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کا پانی دودھ سے سفید ہے"۔ علامہ المازری نے کہا: نحویوں کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

چونکہ نحویوں نے کہا ہے کہ "ابیض من کذا" نہیں کہا جاتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ راویوں کے تصرف کی وجہ سے ہو، کیونکہ امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "اشد بیاضا من اللبن" یعنی اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے یعنی "ماؤہ ابیض من اللبن" "اشد" کے بغیر، یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کو راویوں کی غلطی کی طرف منسوب کیا جائے جیسا کہ نحویوں کا زعم ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا صحیح مسلم کی روایت سے استشہاد کرنا غیر مفید ہے کیونکہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "لون" یعنی رنگ سے اسم تفضیل کا استعمال فرمایا ہو اور یہ نحویوں پر حجت ہو کہ لون سے اسم تفضیل نہیں آتا۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کی خوشبو مشک سے زیادہ خوشبودار ہے"۔ اور امام مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا اضافہ کیا ہے کہ "اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا ہے" اور امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ روایت کی ہے کہ "اس کا پانی برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے" اور ترمذی کی روایت میں "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ "اس کا پانی اولوں سے زیادہ ٹھنڈا ہے"۔

"کیزان" کا معنی اور ستاروں کے ساتھ تشبیہ کے دو محمل

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "و کیزانہ کنجوم السماء" "کیزان، کوز کی جمع ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ عدد میں تشبیہ ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روشن ہونے میں تشبیہ ہو۔ اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ "اس کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی مثل ہیں"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جس نے اس حوض سے پیا، اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی"۔

اور ابن ابی عاصم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "جس نے حوض سے منہ پھیرا وہ کبھی سیراب نہیں ہوگا"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۴۔۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس سوال کا جواب کہ جب حوض سے پینے کے بعد پیاس نہیں لگے گی تو پھر جنت کے دریاؤں سے کس لیے پانی پیا جائے گا؟

میں کہتا ہوں: اس حدیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب حوض سے پانی پینے کے بعد کبھی پیاس نہیں لگے گی تو پھر جنت کے دریا کس لیے ہیں اور ان سے کوئی کیوں پانی پیئے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت کی نہروں سے جو پانی پیا جائے گا وہ پیاس بجھانے کے لیے نہیں بلکہ لذت کے حصول کے لیے پیا جائے گا جس طرح جنت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہیں اور ان سے جو دودھ اور شہد کو پیا جائے گا وہ لذت کے حصول کے لیے پیا جائے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۵۸۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ إِنَّ قَدْرَ حَوْضِي كَمَا بَيْنَ أَيْلَةَ وَصَنْعَاءَ مِنَ الْيَمَنِ وَإِنَّ فِيهِ مِنَ الْأَبَارِيقِ كَعَدَدِ نُجُومِ السَّمَاءِ۔

(صحیح مسلم: ۲۳۰۳، سنن ابن ماجہ: ۴۳۰۴، مسند احمد: ۱۳۰۸۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس، ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے حوض کی مقدار ایسی ہے جیسے ایلہ اور صنعاء کی یمن سے مقدار ہے اور میرے حوض میں لوٹے آسمان کے ستاروں کے عدد کی مثل ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن عفیر کا ذکر ہے، یہ سعید بن کثیر بن عفیر ابوعثمان المصری ہیں جو عبداللہ بن وہب المصری سے روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید الایلی۔

حدیث مذکور کے معانی

ابن شہاب کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کا ثبوت

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی"۔ اس حدیث کی سند میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ابن شہاب کا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے "ابن شہاب نے کہا: مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وصنعاء من الیمن" اس حدیث میں یمن کی قید لگا کر اس کا اس صنعاء سے احتراز کرلیا جو شام میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الاباریق" یہ ابریق کی جمع ہے۔ ابریق فارسی کا لفظ ہے جس کو عربی بنایا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کعدد نجوم السماء" یہ تشبیہ صرف عدد میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۵۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ إِذَا أَنَا بِنَهَرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هَذَا يَا جِبْرِيلُ قَالَ هَذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ فَإِذَا طِينُهُ أَوْ طِيبُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ شَكَّ هُدْبَةُ۔

(صحیح البخاری: ۴۹۶۴، سنن ترمذی: ۳۳۵۹، مسند احمد: ۱۲۲۶۴)

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ ح اور ہمیں ہدبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس وقت میں جنت میں سیر کر رہا تھا تو میں ایک دریا کے پاس تھا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ کوثر ہے جو آپ کو آپ کے رب نے عطا فرمائی ہے۔ پس اس کی مٹی یا فرمایا: اس کی خوشبو تیز مشک کی خوشبو کی طرح تھی۔ اس میں ہدبہ کو شک تھا (کہ مٹی فرمایا یا اس کی خوشبو۔)

صحیح البخاری: ۶۵۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام، اور وہ ابن یحییٰ الازدی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب میں جنت میں چل رہا تھا''۔ یہ شب معراج کا واقعہ ہے۔ اور اس کی تصریح سورۃ الکوثر کی تفسیر میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اس وقت میں ایک دریا کے پاس تھا جس کے دونوں کناروں پر کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس حوض سے بعض لوگوں کو قیامت کے دن دور کیا جائے گا یہ اس دریا کے علاوہ ہے جو جنت میں ہے۔ یا یہ وہی حوض ہو جس کو انہوں نے دیکھا تھا اور اس وقت نبی ﷺ جنت میں داخل ہوں اور وہ لوگ جنت سے خارج ہوں۔ پس آپ ان کو آواز دے کر بلائیں، سو ان کو حوض سے دور کیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ بدرالدین عینی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کا انکار کیا ہے، انہوں نے کہا: اس سے یہ چیز مستغنی کرتی ہے کہ جو حوض جنت سے خارج ہے اس کو اس دریا سے بڑھایا جائے گا جو جنت میں داخل ہے، سو کوئی اشکال نہیں ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے: اس پر دلیل کی ضرورت ہے کہ یہ حوض جنت کے دریا سے بڑھایا جائے گا۔ اور ہم کہتے ہیں: اس سے زیادہ بہتر جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دو حوض تھے، ایک وہ حوض جو جنت میں ہے اور دوسرا وہ حوض جو قیامت کے دن ہوگا اور ہم عنقریب اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس دلیل کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جس کو میں نے علامہ قرطبی کے رد میں اس کلام کے شروع میں ذکر کیا تھا۔ علامہ قرطبی نے وثوق سے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حوض ہیں۔ پس میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی جو صحیح مسلم میں حوض کی صفت میں ہے کہ اس حوض میں جنت سے دو پرنالے گریں گے اور اسی کی مثل حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اس سے زیادہ صریح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، اس میں مذکور ہے "کوثر کا دریا حوض کی طرف کھولا جائے گا"۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۹، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "قباب الدر" یہ "قبة" کی جمع ہے جو کسی عمارت پر بنا ہوتا ہے اور اس کی جمع "قبب" کے وزن پر بھی آتی ہے۔ اور "دُرّ" درة کی جمع ہے اور یہ موتی کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "المجوف" اس کا معنی ہے: کھوکھلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاذا طینه او طیبه" یہ امام بخاری کے شیخ ہدبہ کو شک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اذفر" یعنی جس کی خوشبو سب سے تیز ہو۔ ابن فارس نے کہا ہے: الذفر خوشبو کی تیزی کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۵۔۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۲۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِي الْحَوْضَ حَتَّى عَرَفْتُهُمُ اخْتُلِجُوا دُونِي فَأَقُولُ أَصْحَابِي فَيَقُولُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔ (صحیح مسلم: ۲۳۰۴، سنن نسائی: ۹۰۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: ضرور میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ حوض پر آئیں گے حتیٰ کہ میں جب ان کو پہچانوں گا تو ان کو میرے پاس سے کھینچ لیا جائے گا، پس میں کہوں گا: (یہ) میرے اصحاب ہیں، پس وہ کہے گا: آپ (از خود) نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہیب، یہ وہب کی تصغیر ہے اور وہ ابن خالد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، وہ ابن صہیب ابوحمزہ البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" اختلجوا" یہ خلج سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا معنی ہے: وہ کھینچے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دونی" یعنی میرے قریب سے۔ پس میں کہوں گا "اصحابی" اور ایک روایت میں ہے "اصیحابی" تصغیر کے ساتھ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقول" اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے "فیقال"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما احدثوا بعدك" یعنی انہوں نے وہ گناہ کیے ہیں جن کی وجہ سے اس حوض سے پینا حرام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِنِّي فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن مطرف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں تمہارا حوض پر پیش رو ہوں گا، جو بھی میرے پاس سے گزرے گا وہ اس میں سے پیئے گا، اور جو پی لے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی، ضرور میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۷، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۲۳۶۳۲)

۶۵۸۴۔ قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ فَقَالَ هَكَذَا سَمِعْتَ مِنْ سَهْلٍ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ وَهُوَ يَزِيدُ فِيهَا فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا

ابوحازم نے کہا: مجھ سے النعمان بن ابی عیاش نے سنا، پس انہوں نے پوچھا: کیا اسی طرح تم نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے سنا تھا؟ میں نے کہا: ہاں! پس انہوں نے کہا: میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے متعلق گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان سے سنا اور وہ اس میں یہ

أَحْدَثُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سُحْقًا بُعْدًا يُقَالُ سَحِيقٌ بَعِيدٌ سَحَقَهُ وَأَسْحَقَهُ أَبْعَدَهُ۔

(صحیح البخاری:۷۰۵۱، صحیح مسلم:۲۲۹۱، مسند احمد:۱۰۸۳۶)

اضافہ کرتے تھے، پس میں کہوں گا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں، پس کہا جائے گا: بے شک آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں۔ سو میں کہوں گا: جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر کر دیا ان کے لیے دوری ہو، دوری ہو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''سحقا'' کا معنی ہے ''بُعدا''، کہا جاتا ہے ''سحیق'' کا معنی ہے بعید۔ اور ''سحقهٗ واسحقهٗ'' کا معنی ہے: اس نے اس کو دور کر دیا۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مطرّف، یہ ابوغسان اللیثی المدنی ہیں جو عسقلان میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمہ بن دینار الاعرج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، یہ حضرت سعد بن مالک الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انی فرطکم علی الحوض''۔ ''الفرط'' میں فا اور راء دونوں پر زبر ہے، یہ اس مرد کو کہتے ہیں جو حوض پر جانے والوں میں پہلے پہنچ جائے تاکہ ان کے لیے حوض کو درست کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سحقا'' یعنی دوری ہو اور اس کو مکرر ذکر کیا۔ اس میں یہ خبر ہے کہ وہ لوگ دین سے مرتد ہو گئے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نافرمانوں کی شفاعت کریں گے اور ان کا اہتمام کریں گے اور ان کے لیے ایسا کلام نہیں فرمائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یقال سحیق'' اس کا معنی ہے بعید، یہ امام ابوعبیدہ کی درج ذیل آیت کی تفسیر میں منقول ہے:

حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ (الحج:۳۱)

ہر باطل سے الگ، صرف اللہ کے ہو کر رہو، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ بناتے ہوئے اور جس نے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا وہ گویا آسمان سے گر گیا، پھر اسے مردار خور پرندے جھپٹ لیتے ہیں یا آندھی اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے O

اور اسی سے ماخوذ ہے ''النخلة السحوق'' یہ کھجور کے لمبے اور اونچے درخت کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٥٨٥۔ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ شَبِيبِ بْنِ سَعِيدٍ الْحَبَطِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّئُونَ عَنِ الْحَوْضِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى۔

اور احمد بن شبیب بن سعید الحبطی نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن میرے پاس میرے اصحاب میں سے ایک جماعت آئے گی، سوان کو حوض سے دور کیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! (یہ) میرے اصحاب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک آپ کو (از خود) علم نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالی تھیں، یہ لوگ اپنی پیٹھوں کے بل الٹے پیر دین سے پلٹ گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ٦٥٨٦، صحیح مسلم: ٢٢٩١، سنن ابن ماجہ: ٤٣٠٦، مسند احمد: ١٠٨٣٦)

صحیح البخاری: ٦٥٨٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو ابو عوانہ نے از ابی زرعہ الرازی اور ابوالحسن المیمون نے وصل کے ساتھ روایت کیا ہے اور ان دونوں نے کہا: ہمیں احمد بن شبیب نے حدیث بیان کی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرد علیّ یوم القیامہ رھط من اصحابی''۔ یعنی قیامت کے دن میرے پاس میرے اصحاب میں سے ایک جماعت آئے گی۔ اس حدیث میں ''رھط'' کا لفظ ہے اور کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ ''رھط'' مردوں کی اس جماعت کو کہتے ہیں جس میں دس سے کم افراد ہوں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس میں چالیس تک افراد ہوں اور ان میں عورت نہ ہو اور اس کو ''رھط'' کہتے ہیں۔ اور رھط کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا اور اس کی جمع ''ارھاط، اراھط اور ارھُطٌ'' آتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فیحلؤون'' یہ ''تحلئۃ'' سے ماخوذ ہے اور مجہول کا صیغہ ہے، یعنی دور کیے جائیں گے اور بھگائے جائیں گے۔ جب کسی شخص کو پانی سے دور کیا جائے اور بھگایا جائے تو کہا جاتا ہے ''حلئہ حلئہ''۔ اور دوسری روایت میں ہے ''فیُجلون'' یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی ان کو ہٹا دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''علیٰ ادبارھم'' اور ایک روایت میں ہے ''علیٰ اعقابھم'' یعنی ان کو ان کی پیٹھوں کے بل لوٹا دیا جائے گا یا ایڑھیوں کے بل لوٹا دیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''القھقریٰ'' اس کا معنی ہے: الٹے پیر لوٹنا۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٢١٧۔ ٢١٨، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٥٨٦۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَرِدُ عَلَى الْحَوْضِ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّئُونَ عَنْهُ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى وَقَالَ شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَيُجْلَوْنَ وَقَالَ عُقَيْلٌ فَيُحَلَّئُونَ وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب از ابن المسیب، بے شک وہ نبی ﷺ کے اصحاب سے حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میرے پاس حوض پر میرے اصحاب میں سے کچھ مرد آئیں گے، پس ان کو حوض سے دور کیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! (یہ) میرے اصحاب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بے شک آپ کو (از خود) علم نہیں ہے انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئی باتیں نکالیں، بے شک یہ اپنی پیٹھوں کے بل الٹے پیر لوٹ گئے تھے۔

اور شعیب نے کہا از الزہری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''فیجلون'' اور عقیل نے کہا: ''فیحلؤون'' (دونوں لفظوں کا معنی ہے: انہیں پانی سے دور کیا جائے گا)۔

اور الزبیدی نے کہا از الزہری از محمد بن علی از عبید اللہ بن ابی رافع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ۔

(صحیح البخاری: ٦٥٨٥، صحیح مسلم: ٢٢٩١، سنن ابن ماجہ: ٤٣٠٦، مسند احمد: ١٠٨٣٦)

صحیح البخاری: ٦٥٨٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن صالح کا ذکر ہے، وہ ابوجعفر المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، وہ عبد اللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ یونس بن یزید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، وہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی ﷺ کے اصحاب سے۔

یہ وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے مگر وہاں پر کہا تھا کہ سعید بن المسیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہاں پر کہا ہے کہ سعید بن المسیب نبی ﷺ کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں، اور یہ اختلاف مضر نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان اصحاب میں داخل ہیں۔ اور یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ یہ مجہول سے روایت ہے، کیونکہ تمام صحابہ روایت میں

عدول ہیں یعنی نیک اور راست گو ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۷۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا قَائِمٌ إِذَا زُمْرَةٌ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ فَقَالَ هَلُمَّ فَقُلْتُ أَيْنَ قَالَ إِلَى النَّارِ وَاللهِ قُلْتُ وَمَا شَأْنُهُمْ قَالَ إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى ثُمَّ إِذَا زُمْرَةٌ حَتَّى إِذَا عَرَفْتُهُمْ خَرَجَ رَجُلٌ مِنْ بَيْنِي وَبَيْنِهِمْ فَقَالَ هَلُمَّ قُلْتُ أَيْنَ قَالَ إِلَى النَّارِ وَاللهِ قُلْتُ مَا شَأْنُهُمْ قَالَ إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا بَعْدَكَ عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى فَلَا أُرَاهُ يَخْلُصُ مِنْهُمْ إِلَّا مِثْلُ هَمَلِ النَّعَمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر الحزامی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ہلال بن علی نے حدیث بیان کی از عطاء بن یسار از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: جس وقت میں حوض پر کھڑا ہوں گا، پس ایک گروہ میرے سامنے آئے گا حتیٰ کہ جب میں انہیں پہچان لوں گا تو اس گروہ میں سے ایک شخص (فرشتہ) میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا، پس (فرشتہ) کہے گا: آؤ، میں نے پوچھا: کہاں؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! دوزخ کی طرف۔ میں کہوں گا: ان کا کیا جرم ہے؟ وہ کہے گا: یہ آپ کے بعد اپنی پیٹھوں کے بل مرتد ہو کر الٹے پیر دین سے لوٹ گئے تھے۔ پھر ایک اور گروہ کو میں دیکھوں گا حتیٰ کہ جب میں ان کو پہچانوں گا تو ایک شخص (فرشتہ) میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا، پس (فرشتہ) کہے گا: ادھر آؤ، میں پوچھوں گا کہ کہاں؟ وہ کہے گا: اللہ کی قسم! دوزخ کی طرف۔ میں پوچھوں گا: ان کا کیا جرم ہے؟ وہ کہے گا: یہ آپ کے بعد اپنی پیٹھوں کے بل دین سے واپس لوٹ گئے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کوئی ایک مرد بھی نہیں بچے گا مگر بے کار اونٹوں کی طرح۔

صحیح البخاری: ۶۵۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس سے پہلی حدیث کے مطابق ہے اور مطابق کا مطابق بھی مطابق ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن فلیح کا ذکر ہے، یہ اپنے والد فلیح بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں از ہلال بن علی از عطاء بن

یسار۔ اور اس سند کے تمام راوی مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بینما انا قائم" اور اس سے مراد یہ ہے کہ جس وقت میں حوض پر کھڑا ہوا ہوں گا۔ گویا کہ آپ نے خواب میں دیکھا جو آخرت میں واقع ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "زمرة" الزمرة کا معنی ہے: الجماعت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خرج رجل" یعنی ایک مرد نکلے گا، اس سے مراد ہے کہ وہ فرشتہ ہوگا جو انسان کی صورت پر ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھلم" یہ اس جماعت کو خطاب ہے اور اس کا معنی ہے: آؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت این؟" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ تم اس کو کہاں لے جا رہے ہو؟ وہ فرشتہ کہے گا: میں اس کو دوزخ کی طرف لے جا رہا ہوں۔ میں پوچھوں گا کہ کس جرم کی وجہ سے اس کو دوزخ میں لے جا رہے ہو؟ تو وہ کہے گا کہ یہ لوگ دین سے مرتد ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلا اراہ یخلص منھم الا مثل ھمل النعم" یعنی میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے جن کو بلایا ہے کوئی بھی دوزخ سے نجات نہیں پائے گا مگر بہت تھوڑے۔ اور اس میں یہ خبر ہے کہ ان لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی، بعض کفار ہوں گے اور بعض نافرمان ہوں گے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے "الّا مثل ھمل النعم" ھمل کا اطلاق اس اونٹ پر کیا جاتا ہے جو راستہ گم کر چکا ہو۔ اور "الھمل" اس اونٹ کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ چرواہا نہ ہو۔ سدی نے کہا ہے: جب تم اونٹوں کو چھوڑ دو وہ رات بھر چرتے رہیں اور ان کے ساتھ چرواہا نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۸۸۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِي عَلَى حَوْضِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از خبیب بن عبد الرحمٰن از حفص بن عاصم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے حجرہ اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۹۶، ۱۸۸۸، ۶۵۸۸، ۷۳۳۵، صحیح مسلم: ۱۳۹۱، مسند احمد: ۷۱۸۲، موطا امام مالک: ۴۶۲)

صحیح البخاری: ۶۵۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خبیب، یہ ابن عبد الرحمٰن ابو الحارث الانصاری ہیں جو عبید اللہ مذکور کے ماموں ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، اور وہ عبید اللہ مذکور کے دادا ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میرا منبر میرے حوض پر ہے"۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ اس منبر سے مراد وہی منبر ہے جو دنیا میں آپ کا منبر تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے لیے حوض پر بھی ایک منبر ہے، آپ اس منبر سے لوگوں کو حوض کی طرف بلائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "میرے حجرہ اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے"۔

اس حدیث میں "روضۃ" کا معنی ہے کہ بعینہٖ وہی جگہ جنت کی طرف حقیقتاً منتقل ہو جائے گی، یا مراد یہ ہے کہ اس جگہ عبادت کرنا جنت کے باغوں تک پہنچاتا ہے، پس وہ اس اعتبار سے مآل کے اعتبار سے مجاز ہے یعنی عبادت کا مآل جنت میں ہے یا اس میں تشبیہ ہے یعنی میرا حجرہ اور میرا منبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کی مثل ہے۔ اس مبارک جگہ کو روضہ فرمایا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے والے فرشتے اور انسان اور جنات مسلسل وہاں پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی فضیلت بیان کی جائے اور وہاں ٹھہرنے کی ترغیب دی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بکثرت کیا جائے۔ اور جس نے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازم رکھا تو وہ جنت کے باغ تک پہنچ جائے گا اور جس نے آپ کے منبر کے قریب عبادت کو لازم رکھا اسے قیامت کے دن حوض سے پلایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں بیت سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۱۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۵۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از عبد الملک، انہوں نے کہا: میں نے جندب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۶۷، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

صحیح البخاری: ۶۵۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے جو اپنے والد عثمان بن جبلہ بن ابوداؤد بن ابی رواد سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام ثابت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبہ، یہ ابن الحجاج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالملک، یہ ابن عمیر الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جندب، یہ ابن عبداللہ البجلی ہیں۔

اس حدیث میں ''فرط'' کا لفظ ہے، اس کا معنی پیش رو ہے اور اس کی تفسیر اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلَّى عَلَى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلَى حَوْضِي الْآنَ وَإِنِّي أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یزید از ابی الخیر از حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن گھر سے باہر نکلے، سو آپ نے شہداءِ احد پر ایسی نماز پڑھی جو جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے، پھر آپ منبر کی طرف لوٹ گئے، آپ نے فرمایا: میں تمہارا پیش رو ہوں، اور میں تمہارے متعلق گواہی دوں گا اور بے شک میں اللہ کی قسم! اب بھی ضرور اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں یا فرمایا: روئے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں۔ اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۴۴، ۳۵۹۶، ۴۰۴۲، ۴۰۸۵، ۶۴۲۶، ۶۵۹۰، صحیح مسلم: ۲۲۹۶، سنن نسائی: ۱۹۵۴، مسند احمد: ۱۶۸۹۳)

صحیح البخاری: ۶۵۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن خالد، یہ الجزری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن ابی حبیب ابو رجاء المصری ہیں۔ اور ابو حبیب کا نام سوید ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الخیر، یہ مرثد بن عبداللہ الیزنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عقبہ، یہ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سو آپ نے شہداء احد کے اوپر ایسی نماز پڑھی جو جنازہ پر نماز پڑھی جاتی ہے"۔

علامہ کرمانی شافعی نے لکھا ہے: یعنی آپ نے ان کے لیے ایسی دعا کی جو میت پر دعا کی جاتی ہے یا جنازہ پر دعا پڑھی جاتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی جیسا کہ فوت شدہ لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے اور یہی معنی حدیث کا ظاہر ہے۔ اور یہ واقعہ اہلِ احد کی شہادت کے آٹھ سال بعد ہوا تھا۔

شہید کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا ثبوت اور صالحین کے عرس کا ثبوت

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں ایک تو یہ دلیل ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے جب کہ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ شہید زندہ ہوتا ہے اور زندہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ ہم کہتے ہیں: زندہ کو دفن بھی نہیں کیا جاتا اور جب شہداء کو دفن کیا جاتا ہے تو ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں کون سا استبعاد ہے۔ نیز زندہ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور شہید کی بیوہ سے نکاح کرنا جائز ہے۔ نیز زندہ کی میراث تقسیم نہیں کی جاتی اور شہید کی میراث تقسیم کی جاتی ہے۔ سو جب ان تمام معاملات میں شہید فوت شدہ مسلمان کے حکم میں ہے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے میں کون سا استبعاد ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ شہداء احد کے آٹھ سال کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی قبروں پر جا کر ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اس میں اولیاء اللہ اور شہداء کی قبروں کی زیارت کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت بھی ہے کہ شہداء کے اجسام محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ جب انسان کا جسم مرنے کے بعد مٹی ہو جائے تو پھر اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔

امام محمد بن عمر الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال شہداء احد کی قبروں کی زیارت کرتے تھے اور جب آپ گھاٹی میں داخل ہوتے تو باآواز بلند فرماتے: السلام علیکم! کیونکہ تم نے صبر کیا، پس آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہر سال اسی طرح کرتے تھے اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہر سال اسی طرح کرتے تھے۔

(کتاب المغازی ج ۱ ص ۳۱۳، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۴ھ، دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۰۸، بیروت، شرح الصدور ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۰۴، الدر المنثور ج ۴ ص ۵۶۸، مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۵۷۳ (طبع قدیم)، رقم الحدیث: ۶۷۴۵ (طبع جدید)

اس سے معلوم ہوا کہ سال کے سال صالحین کا جو عرس منعقد کیا جاتا ہے وہ شرعاً جائز ہے تاہم ہمارے زمانہ میں جو عرس کی تقریب میں بعض خرافات اور بدعات جاری ہو گئی ہیں کہ مزار کے قریب میلہ لگایا جاتا ہے، ناچ گانے ہوتے ہیں، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہوتا ہے اور جہلاء مزارات پر سجدہ کرتے ہیں اور ایصالِ ثواب کے نام پر کھانے کی بے ادبی کی جاتی ہے اور رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے، ظاہرین میں اٹھا اٹھا کر کھانے کی تھیلیوں کو پھینکا جاتا ہے، چرسی اور موالی وہاں پر ڈیرے جماتے ہیں۔ نماز کے وقت میں بھی شور شرابا جاری رہتا ہے، عورت اور مرد ڈھولک کی تھاپ پر دھمال ڈالتے ہیں، سو عرس کو ان تمام بدعات اور خرافات سے پاک کرنا چاہیے، وہاں پر صرف علمائے اسلام کے مواعظِ حسنہ ہوں، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں پڑھی جائیں اور صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے، قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور اخیر میں دعا کی جائے اور دعا میں اللہ تعالیٰ کی جناب

میں صاحب مزار کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی براری کے لیے دعا کی جائے اور دعا صرف اللہ تعالیٰ سے کی جائے اور صاحب مزار کا صرف وسیلہ پیش کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "مجھے تم پر یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بعض اعراب مرتد ہو گئے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے، پس اگر بعض مرتد ہو گئے تو یہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیھا"۔ "تنافسوا" کا معنی ہے: تم اس میں رغبت کرو گے اور جھگڑو گے۔ یعنی مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم سب دنیا میں رغبت کرو گے اور آپس میں جھگڑو گے۔

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد معجزات ہیں۔

ایک معجزہ یہ ہے کہ آپ نے یہ فرمایا: بے شک اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی وسعتِ نظر عطا فرمائی ہے کہ آپ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کی نظر میدانِ محشر میں اپنے حوض کی طرف تھی۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں۔ اور زمین کے جن خزانوں کی چابیاں آپ کو دی گئی تھیں وہاں آپ کی امت فتوحات کے جھنڈے گاڑتے ہوئے اور اسلام کی اشاعت کرتے ہوئے پہنچی۔

تیسرا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے غیب کی خبر دی کہ آپ کے بعد آپ کی پوری امت مشرک نہیں ہو گی۔

چوتھا معجزہ یہ ہے کہ آپ نے یہ غیب کی خبر دی کہ مسلمان دنیا میں رغبت کریں گے اور دنیا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ کی قسم! میں اب بھی اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں"۔ ہو سکتا ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطاب فرما رہے ہوں اور خطبہ دے رہے ہوں تو آپ کے سامنے حوض کو منکشف کر دیا جائے، اور یہی ظاہر ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میں اپنے دل میں دیکھ رہا ہوں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا کہ حوض سے کچھ لوگوں کو دور کر دیا جائے گا۔ اس میں یہ تنبیہ کرنا تھی کہ امت کو چاہیے کہ ایسے کام نہ کریں جن کاموں کی وجہ سے ان کو حوض سے دور کر دیا جائے اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد غیب کی خبریں دی ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۸، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۵۹۱ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّهُ سَمِعَ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَذَكَرَ الْحَوْضَ فَقَالَ كَمَا بَيْنَ الْمَدِينَةِ وَصَنْعَاءَ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۹۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی بن عمارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معبد بن خالد، انہوں نے حارثہ بن وہب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے حوض کا ذکر فرمایا، پس فرمایا: (حوض کی مقدار ایسی ہے) جیسے مدینہ اور صنعاء کا فاصلہ۔

۶۵۹۲ـ وَزَادَ ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ حَارِثَةَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ قَوْلَهُ حَوْضُهُ مَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَالْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ الْمُسْتَوْرِدُ أَلَمْ تَسْمَعْهُ قَالَ الْأَوَانِي قَالَ لَا قَالَ الْمُسْتَوْرِدُ تُرَى فِيهِ الْآنِيَةُ مِثْلَ الْكَوَاكِبِ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۹۱، صحیح مسلم: ۲۲۹۸)

اور ابن ابی عدی نے اضافہ کیا از شعبہ از معبد بن خالد از حارثہ، انہوں نے نبی ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ آپ کا حوض (اتنا بڑا ہے) جتنا صنعاء اور مدینہ کے درمیان فاصلہ ہے۔ پس ان سے المستورد نے کہا: کیا تم نے آپ سے یہ نہیں سنا کہ آپ نے برتنوں کے متعلق فرمایا؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ المستورد نے کہا: اس حوض میں برتن اس طرح دکھائی دیں گے جیسے آسمان کے ستارے ہیں۔

صحیح البخاری: ۶۵۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حرمیؒ کا ذکر ہے، یہ ابن عمارہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معبد بن خالد کا ذکر ہے، یہ القاضی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حارثہ بن وہب القضائی کا ذکر ہے، یہ کوفہ میں رہتے تھے اور ان کی احادیث ہیں اور یہ حضرت عبیداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے نبی ﷺ کے فضائل میں از محمد بن عبداللہ وغیرہ روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن ابی عدی نے اضافہ کیا" یہ محمد بن ابراہیم ہیں اور ابی عدی ان کے دادا ہیں، ان کا نام معروف نہیں ہے اور یہ بصری ہیں اور ثقہ ہیں اور آپ نے بہت احادیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس ان سے المستورد نے کہا" یہ ابن شداد بن عمرو القرشی الفہری الصحابی بن الصحابی ہیں، یہ مصر کی فتح کے موقع پر حاضر تھے اور انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کی اور ۴۵ ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ امام بخاری کی ان سے صرف اسی جگہ ایک روایت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ اس حوض میں اتنے اور اتنے برتن ہوں گے، حارثہ نے کہا: نہیں، تو حضرت مستورد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس میں ستاروں کی مثل برتن دکھائی دیں گے"۔ یعنی وہ ستاروں کی طرح بہت زیادہ ہوں گے اور بہت روشن ہوں گے، یعنی حضرت المستورد رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے، سو یہ حدیث بھی مرفوع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہما قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّي عَلَى الْحَوْضِ حَتَّى أَنْظُرَ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكُمْ وَسَيُؤْخَذُ نَاسٌ دُونِي فَأَقُولُ يَا رَبِّ مِنِّي وَمِنْ أُمَّتِي فَيُقَالُ هَلْ شَعَرْتَ مَا عَمِلُوا بَعْدَكَ وَاللهِ مَا بَرِحُوا يَرْجِعُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ فَكَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ عَنْ دِينِنَا أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ تَرْجِعُونَ عَلَى الْعَقِبِ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴۸، صحیح مسلم: ۲۲۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی از نافع بن عمر، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی از حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک میں حوض کے اوپر ہوں حتیٰ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس حوض پر آئیں گے اور عنقریب کچھ لوگوں کو میرے پاس سے پکڑ لیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ مجھ سے ہیں اور میری امت سے ہیں!، پس کہا جائے گا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا عمل کیا؟ اللہ کی قسم! وہ ہمیشہ اپنی ایڑھیوں پر لوٹتے رہے ہیں، پس ابن ابی ملیکہ یہ کہتے تھے اے اللہ! ہم اس سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں کہ ہم اپنی ایڑھیوں پر لوٹیں یا ہم اپنے دین میں آزمائش میں مبتلاء کیے جائیں۔ (سورۂ مومنون میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے) "اعقابکم تنکصون" (تو تم اپنی ایڑھیوں کے بل پلٹ کر بھاگ جاتے تھے)۔

صحیح البخاری: ۶۵۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبد اللہ ہے اور عنقریب اس سند کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ومن امتی" اس ارشاد سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جنہوں نے کہا کہ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے دور کیا جائے گا وہ اس امت کے علاوہ دوسرے لوگ ہوں گے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو معین طور پر نہیں جانتے تھے اگر چہ یہ جانتے تھے کہ یہ لوگ آپ کی امت میں سے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس شرح پر وہ اعتراض ہے جو مخفی نہیں ہے۔

علامہ عینی نے اعتراض تو بیان نہیں کیا۔ علامہ بوصیری نے کہا ہے کہ شاید وہ اعتراض یہ ہے کہ بہ کثرت احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ مجھے پہچانتے ہوں گے اور میں انہیں پہچانتا ہوں گا۔ اور عنقریب یہ حدیث گزری ہے کہ ان میں سے ایک گروہ ہو گا حتیٰ کہ جب میں ان کو پہچان لوں گا تو ایک مرد میرے اور ان کے درمیان سے نکلے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۵۸۷)

اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ میرے حوض پر میرے پاس میرے صحابہ میں سے چند مرد آئیں گے حتیٰ کہ جب میں ان کو دیکھوں گا تو ان لوگوں کو میرے پاس سے نکال دیا جائے گا۔

ان احادیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو صراحۃً پہچانتے ہوں گے جن کو آپ کے حوض سے دور کیا جائے گا، لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آپ ان کو معین طور پر نہیں پہچانتے ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب الرقاق میں احادیثِ مرفوعہ کی تعداد ایک سو ترانوے (۱۹۳) ہے، ان میں سے تینتیس (۳۳) تعلیقات ہیں اور باقی احادیثِ موصولہ ہیں اور ان میں مکرر احادیث کی تعداد ایک سو چونتیس (۱۳۴) ہے۔ اور خالص احادیث کی تعداد ترپن (۵۳) ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کتاب الرقاق کی تکمیل ہو گئی اور اب ان شاء اللہ عزوجل کتاب القدر کی ابتداء ہو گی۔ کتاب الرقاق میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں وہ دلوں کو نرم کرنے والی ہیں۔ اے بار الٰہ! ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دے، ہمیں اپنی محبت اور اپنا خوف عطا فرما اور اس کتاب کی شرح میں، میں نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان پر مجھے اور قارئین کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں آخرت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون رکھ اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرما۔ اور اپنے فضل سے جنت میں ہم کو اپنا دیدار عطا فرما۔ آمین یا رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۸۲- کتاب القدر

تقدیر کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب قدر یعنی تقدیر کے بیان میں ہے۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ ھ نے بیان کیا ہے کہ کتاب القدر کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کا حکم، اور علماء نے کہا ہے: ازل میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم کلی اجمالی ہے اس کو قضاء کہتے ہیں اور اس حکم کی تفاصیل جو واقع ہوں گی اور اس کی جزئیات کو قدر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ○ (الحجر: ۲۱)

اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں ○

اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ تمام امور خواہ ایمان ہو یا کفر ہو، خیر ہو یا شر ہو، نفع ہو یا ضرر ہو، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کی قدر سے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ملک میں صرف اس کی تقدیر ہی جاری ہوتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: قدر کا معنی ہے جو چیز قدرت پر دلالت کرے اور مقدور پر دلالت کرے جو اللہ تعالیٰ کے علم سے واقع ہونے والا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو عقلاً اور اس کے قول کو نقلاً متضمن ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

مسئلہ تقدیر کے متعلق مصنف کی تحقیق

تقدیر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ○ (الفرقان: ۲) — اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا ○

وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ○ (الاحزاب: ۳۸) — اور اللہ کا کام مقرر شدہ اندازہ پر ہے ○

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ○ (القمر: ۴۹) — ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا ہے ○

تقدیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

تقدیر اور قدر کا معنی ہے: اندازہ۔ انسان کسی چیز کو بنانے سے پہلے اس کا اندازہ لگاتا ہے کہ وہ چیز کتنی مدت تک باقی رہے گی، اس سے کیا فوائد حاصل ہوں گے اور اس پر کیا نقصانات مرتب ہوں گے لیکن چونکہ انسان ناقص ہے، لہٰذا اس کا اندازہ بھی ناقص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کامل ہے، لہٰذا اس کا اندازہ کامل ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کی مقدار کو معین کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کو حکمت کے تقاضا سے مخصوص مقدار، مخصوص صفت اور مخصوص مدت کے لیے بنانا اور اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسی چیز کو دفعتاً اور ابتداءً کامل بنانا بایں طور کہ اس میں بعد میں زیادتی، کمی یا تبدیلی نہ ہو جیسے سات آسمان۔

(۲) جس چیز کے اصول موجود بالفعل ہوں اور اس کے اجزاء موجود بالقوۃ ہوں اور اس کو اس اندازہ سے بنایا جائے کہ اس سے وہی چیز موجود ہو نہ کہ کوئی اور چیز، جیسے کھجور کی گٹھلی کو اس اندازہ سے بنایا کہ اس سے کھجور ہی پیدا ہوگی سیب پیدا نہیں ہوگا، اور انسان کی مٹی کو اس اندازہ سے بنایا کہ اس سے انسان ہی پیدا ہوگا کوئی اور حیوان پیدا نہیں ہوگا۔

(المفردات ج ۲ ص ۵۱۱، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ)

علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں تقدیر کا ذکر بہت زیادہ ہے، اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کام کو کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کا حکم دے دیا۔

(النہایہ ج ۴ ص ۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: دراصل یہاں دو لفظ ہیں: قضاء اور قدر۔ علامہ ابن الاثیر الجزری نے جو معنی لکھا ہے وہ قضاء کا ہے اور قدر یعنی تقدیر کا وہی معنی ہے جو علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

تقدیر کے کئی معانی ہیں: (۱) کسی چیز کو بنانے اور تیار کرنے میں غور و فکر کرنا (۲) کسی چیز کو ختم کرنے کے لیے علامات مقرر کرنا (۳) دل میں کسی چیز کو سوچنا اور قیاس کرنا۔

القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا انکار کرتا ہے اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کا نام ہے، انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کا علم تھا، اس کو علم تھا کہ کون انسان کفر کرے گا اور کون انسان ایمان لائے گا، اس نے اپنے اس علمِ سابق کو لکھ دیا اور جس کے لیے جو لکھا ہے وہ اس پر آسان کر دیا۔ امام ابو منصور ماتریدی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے متعلق اندازہ (پیشگی علم) تھا کہ وہ جنتی ہوگا یا دوزخی ہوگا اور اسے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا سو اس نے اپنے اس پیشگی علم کو لکھ دیا اور یہی تقدیر ہے۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۷۳، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

تقدیر کی وضاحت اور اس کا کھوج لگانے کی ممانعت

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانا فرضِ لازم ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہوں یا شر ہوں، اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے افعال کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصّٰفّٰت: ۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو O

پس ایمان اور کفر، اطاعت اور معصیت سب اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے اور اس کے ارادہ اور اس کی مشیت سے ہے؛ البتہ وہ ایمان سے راضی ہوتا ہے اور کفر سے ناراض ہوتا ہے (دراصل بندہ جس فعل کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی فعل پیدا

کردیتا ہے، بندہ کے ارادہ کو کسب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق کہتے ہیں اور بندہ جو برے کاموں پر سزا کا مستحق ہوتا ہے اور اچھے کاموں پر اس کو جو جزا دی جاتی ہے وہ اس کے کسب کے اعتبار سے ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور طاعت پر ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ کفر اور معصیت سے راضی نہیں ہوتا، اور اس نے کفر اور معصیت پر عذاب کی وعید سنائی ہے اور ثواب عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔

تقدیر اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سِر (راز) ہے جس پر اس نے کسی مقرب فرشتے کو مطلع فرمایا ہے نہ کسی نبی مرسل کو۔

(ہماری تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دنیا میں تقدیر کی حقیقت معلوم ہے اور عام مومنوں کو آخرت میں تقدیر کی حقیقت پر مطلع کیا جائے گا۔ سعیدی غفرلہٗ)

تقدیر میں غور و فکر کرنا اور عقل سے اس میں بحث کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا، پھر اس کے دو فرقے بنا دیے۔ دائیں جانب والوں کو اپنے فضل سے جنت کے لیے پیدا فرمایا اور بائیں جانب والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے لیے پیدا فرمایا۔ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: اے امیر المومنین! مجھے تقدیر کے متعلق بتائیے، آپ نے فرمایا: یہ اندھیرا راستہ ہے تم اس پر مت چلو، اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کا راز ہے جو تم سے مخفی ہے تم اس کی تفتیش مت کرو۔ (الکاشف عن حقائق السنن ج ۱ ص ۲۱۵، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۱۳ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۲۵۷، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

خلق اور تقدیر کا فرق

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ (الفرقان: ۲) اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا ۝

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا''، اس کا معنی ہے کہ انسان کے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا: ''اور اس کو مقرر شدہ اندازہ پر رکھا'' یعنی وہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور اس میں وہ خاصیت مہیا کی جس میں اس کی صلاحیت اور استعداد تھی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس مقدار اور شکل پر پیدا کیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اور اس میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر دین اور دنیا کی کامیابی موقوف ہے۔ اسی طرح ہر حیوان میں ان کاموں کی طاقت رکھی جن پر اس کی دنیاوی مصلحت موقوف ہے اور ہر حیوان کو اس کے حال کے مناسب مقدار اور شکل و صورت پر پیدا فرمایا، اسی طرح تمام جمادات اور نباتات کو ان کے حسب حال، مقدار اور صورت پر پیدا فرمایا۔

تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے، جب اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہے کہ فلاں چیز ہوگی تو اس چیز کا ہونا ضروری ہے اور اس کا نہ ہونا محال ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جائے گا۔ اسی طرح جب اس نے کسی چیز کے متعلق خبر دی کہ فلاں چیز ہوگی تو اس کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے کلام کا صدق، کذب سے بدل جائے گا۔

(تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۳۱۔ ۴۳۰، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں دو لفظ ہیں، پہلے فرمایا: ''خلق'' پھر فرمایا: ''فقدر'' بہ ظاہر دونوں کا معنی ایک ہے اور یہ تکرار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ''خلق'' کا معنی ہے: اللہ ہر چیز کو عدم سے وجود میں لایا اور ''فقدر'' کا معنی ہے: اس میں وہ چیزیں مہیا کیں جو اس کی حکمت کا تقاضا ہیں، جیسے انسان کو مخصوص مادے سے مخصوص صورت پر پیدا کیا اور اس میں وہ خصائص اور وہ افعال مہیا کیے جو اس کے لائق ہیں مثلاً اس میں فہم، ادراک، دنیا اور آخرت کے کاموں میں نظر اور تدبر کو پیدا کیا اور مختلف افعال پیدا کیے۔

(روح المعانی جز ۱۸ ص ۱۴۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

قضاءِ معلق اور قضاءِ مبرم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ (الرعد:۳۹)

اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اور اسی کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے ۝

اس آیت کی علماء نے ایک اور تقریر کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: ایک تقدیر معلق ہے اور ایک تقدیر مبرم ہے۔ تقدیر معلق میں محو اور اثبات ہوتا رہتا ہے اور تقدیر مبرم اللہ تعالیٰ کے علم سے عبارت ہے، اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کی قسمت میں اولاد نہیں ہے اور یہ تقدیر معلق ہے لیکن کسی مرد خدا کی دعا سے اس کے لیے اولاد مقدر کر دی جاتی ہے، پہلے اس کی قسمت میں لاولد لکھا تھا، اگر کسی مرد خدا نے دعا کر دی تو لاولد کو مٹا کر صاحب اولاد لکھ دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دعا نہیں کی تو وہ لاولد اسی طرح ثابت رہتا ہے اور یہ تقدیر معلق ہے جس کی طرف ''يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ'' (الرعد:۳۹) میں اشارہ ہے۔

اور تقدیر مبرم کا مرتبہ جس کی طرف ''وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝'' (الرعد:۳۹) سے اشارہ ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اور اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ وہ لاولد یا صاحب اولاد ہے اور اس کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اسی طرح انسان اگر ماں باپ یا رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرے تو اس کی عمر بڑھ جاتی ہے یا اس کے رزق میں وسعت ہو جاتی ہے اور اگر ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو پھر عمر میں یا رزق میں اضافہ نہیں ہوتا مثلاً اس کی عمر پچاس سال لکھی ہوئی ہے، اس نے رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کی تو پچاس سال مٹا کر اس کی عمر ساٹھ سال لکھ دی جاتی ہے اور اگر وہ ان کے ساتھ نیکی نہ کرے تو اس کی عمر اسی طرح پچاس سال لکھی رہتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے کہ اس نے ان کے ساتھ نیکی کرنی ہے یا نہیں کرنی اور انجام کار اس کی عمر پچاس سال ہوگی یا ساٹھ سال اور ام الکتاب میں اس کی وہ عمر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور یہی تقدیر مبرم ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

جبر کی تحقیق

تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انسان کو جب اختیار دیا جائے گا تو وہ اپنے اختیار سے نیک کام کرے گا یا گناہ کرے گا، پھر وہ جس کام کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہی کام پیدا کر دیتا ہے اور شقی یا سعید ہونے کے متعلق اپنے حکم کو نافذ کر دیتا ہے اور یہی قضاء و قدر ہے، اس کا علم سابق قدر اور تقدیر ہے اور اس کے مطابق حکم کو نافذ کرنا قضاء ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ ایک شخص کی مدت حیات بیس سال ہے، یہ تقدیر ہے اور بیس سال پورے ہونے پر اللہ تعالیٰ اس کی موت کا حکم نافذ فرما دیتا

ہے یہ اس کی قضاء ہے۔

جبر کی تقویت میں امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ ھ لکھتے ہیں:

انسان کے اختیار کا کوئی خالق ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی خالق نہیں ہے تو پھر یہ دہریوں کا مذہب ہے اور اگر اس اختیار کا خالق انسان ہے تو یہ اس لیے باطل ہے کہ خالق کے لیے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو، ممکن اور حادث کسی چیز کا خالق نہیں ہوسکتا۔ اور اگر انسان کے اختیار کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر ہمارا مقصود ثابت ہوگیا کہ انسان کو نیک یا بد اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور اسی کو جبر کہتے ہیں۔ صاحب عقل اپنا تجربہ کر کے دیکھ لے، کیونکہ انسان بعض اوقات کسی چیز سے بالکل غافل ہوتا ہے، پھر اچانک اس کے دل میں کسی کام کی صورت آتی ہے، پھر اس کام کی طرف اس کا دل مائل ہوتا ہے، پھر اس کام کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں اور پھر انسان اس فعل کو حاصل کرلیتا ہے، پس انسان کا کسی فعل کو کرنا خواہ وہ نیک ہو یا بد، اس تحریک اور شوق کے بعد ہوتا ہے جو اس کے دل میں اچانک پیدا ہوتا ہے اور اس تحریک اور شوق میں اس کا کوئی اختیار اور دخل نہیں ہوتا اور یہی جبر ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱۱ ص ۱۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۱۵ ھ)

امام رازی کے دلائل کے عقلی جوابات

جبر کی تائید میں امام رازی کی یہ دلیل بہت قوی ہے، میں آج صبح نمازِ فجر کے بعد اس پر غور کرتا رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے دل میں القاء کیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں اختیار کی دو قسمیں ہیں: ایک تو مطلق اور کلی اختیار ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمایا ہے، بلاشبہ اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس سے جبر لازم نہیں آتا۔ اور ایک کسی مخصوص اور جزوی کام کو کرنے کا اختیار ہے مثلاً آج ظہر کی نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا، اس اختیار کو انسان صادر کرتا ہے اور اس سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل سے غور و فکر اور سوچ و بچار کرتا ہے اور اس کے بعد نماز پڑھنے یا نہ پڑھنے میں سے کسی ایک جانب کو اختیار کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی عقل کا ثمرہ ہے اس لیے اس اختیار کے صدور سے انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا۔

امام رازی نے فرمایا ہے: ''انسان بالکل غافل ہوتا ہے، پھر اچانک اس کے دل میں کسی اچھے یا برے کام کی صورت آتی ہے اور اس صورت کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے حصول کے لیے انسان کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں آتے ہیں حتیٰ کہ وہ اس صورت کو حاصل کرلیتا ہے اور اسی کو جبر کہتے ہیں''۔

امام رازی نے جبر کے ثبوت کی اس تقریر میں ایک اہم مقدمہ کی طرف توجہ نہیں کی اور وہ یہ ہے کہ جب انسان کو مثلاً کسی گناہ کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے تو فوراً ہی اس گناہ کے حصول کے لیے اس کے اعضاء اور اعصاب حرکت میں نہیں آتے بلکہ اس سے پہلے ایک مرتبہ عقل کے غور اور فکر کا ہے، انسان اس برائی کی دنیاوی خرابی اور اخروی عذاب پر غور کرتا ہے اور اس کی عقل اس کو گناہ کے ارتکاب سے روکتی ہے، اگر انسان اپنی عقلِ سلیم کے منع کرنے اور ضمیر کی ملامت سے باز آجاتا ہے تو یہ اس کا تقویٰ ہے اور اگر وہ اپنی عقل اور ضمیر کی آواز کو نہیں مانتا اور اپنی نفسانی خواہش کے آگے سر جھکا دیتا ہے تو یہ اس کا فجور ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس

کو برائی سے روکنے کے لیے عقل دی تھی اس لیے عقل کے روکنے کے باوجود اس کا معصیت اور گناہ کا ارتکاب کر لینا، کسی طرح بھی جبر نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس تہمت سے پاک اور بری ہے کہ وہ انسان کو گناہ پر مجبور بھی کرے، پھر اس گناہ پر اس کو سزا بھی دے۔ ہم نے جو یہ کہا ہے کہ کسی گناہ کے ارتکاب سے پہلے اس کی عقل اس کو اس گناہ سے روکتی ہے، اس کے ثبوت میں قرآن وسنت سے حسب ذیل دلائل ہیں:

امام رازی کے دلائل کے قرآن مجید کی آیات سے جوابات

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۙ وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ۚ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ (البلد: ۸۔۱۱)

کیا ہم نے انسان کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں O اور زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے O اور ہم نے اس کو (خیر اور شر کے) دو راستے دکھا دیے O پھر وہ (گناہ کو ترک کرنے اور نیکی کرنے کی) دشوار گھاٹی پر نہیں چڑھا O

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ (القیامۃ: ۱۴۔۱۵)

بلکہ ہر انسان کو اپنے نفس پر بصیرت ہے O خواہ وہ اپنے کتنے ہی عذر پیش کرے O

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۲۰۱)

بے شک جب متقی لوگوں کو شیطان گناہ کی صورت دکھاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں O

یعنی وہ گناہ کی صورت کی ترغیب پر فوراً اس کے حصول کے درپے نہیں ہوتے بلکہ اس گناہ کے عواقب اور نتائج پر غور کرتے ہیں، پھر ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ گناہ کا ارادہ نہیں کرتے۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ (الاعراف: ۲۰۰)

(اے مخاطب!) جب شیطان تم کو کوئی وسوسہ ڈالے (تمہارے دل میں گناہ کی صورت القاء کر کے اس کی طرف مائل اور راغب کرے) تو تم اللہ کی پناہ طلب کرو (''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھو)، بے شک وہ بہت سننے والا، بے حد جاننے والا ہے O

اس آیت میں بھی یہی تعلیم دی ہے کہ جب تمہارے دل میں گناہ کرنے کا شوق پیدا ہو اور اس کی تحریک ہو تو فوراً اس کے حصول کے درپے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل سے کام لو، غور وفکر کرو اور شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے اور گناہ کی صورت کو دل سے نکالنے کے لیے ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' پڑھو۔ اس طرح گناہ کی طرف سے تمہاری توجہ ہٹے گی اور تم گناہ سے باز آجاؤ گے۔

امام رازی کے دلائل کے جوابات میں احادیث

احادیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں جیسے ہی گناہ کی صورت آتی ہے اور اس کا شوق اور اس کی تحریک ہوتی ہے تو وہ فوراً اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ غور وفکر کر کے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یا اس کو ترک کر دیتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ کتنی مرتبہ ہمارے دل میں برے وسوسے آتے ہیں اور ہم ان پر عمل نہیں کرتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے سینوں میں جو وسوسے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمالیا ہے بشرطیکہ وہ اس وسوسے کے موافق عمل نہ کرے یا کلام نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۲۸، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ترمذی: ۱۱۸۳، سنن نسائی: ۳۴۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۹۳)

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انسان کے دل میں اچانک جن کاموں کی صورتیں آتی ہیں اگر وہ رذائل اور معاصی کی طرف راغب کریں تو وہ وسوسہ ہیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کی طرف راغب کریں تو وہ الہام ہیں۔

واضح رہے کہ ایک وسوسہ غیر اختیاری ہوتا ہے اور دوسرا اختیاری ہوتا ہے۔ غیر اختیاری وہ ہے جو انسان کے دل میں ابتداءً اور اچانک آئے اور انسان اس کو دفع کرنے پر قادر نہ ہو، اس قسم کا وسوسہ تمام امتوں سے معاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

اور وسوسہ اختیاری وہ ہے کہ انسان کے دل میں کسی ناجائز کام کی صورت آئے اور وہ اس کو اپنے دل میں جمالے اور اس کے موافق عمل کرنے کی کوشش کرے اور اس کام کے تصور سے لذت حاصل کرے، جیسے انسان کے دل میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ ناجائز خواہش پوری کرنے کی صورت آئے اور وہ اس کو دل میں جمالے اور وہ اس ناجائز کام کو کرنے کا منصوبہ بنائے، اسی طرح اور گناہوں کی صورتیں ہیں، تو جب تک وہ اس گناہ کو کرنے کا عزم نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے تو یہ وسوسہ خصوصاً اس امت کے لیے معاف ہے۔

علامہ نووی نے کہا: جب کوئی انسان اپنے دل میں گناہ کا عزم کرے اور اس کے ارتکاب کا پکا ارادہ کرے تو وہ اپنے اعتقاد میں اور عزم میں گناہگار ہوگا، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کا ''ھم'' (غیر پختہ ارادہ) کرے تو اس کے گناہ کو نہ لکھو اور اگر وہ اس پر عمل کرے تو اس کا ایک گناہ لکھو۔ (صحیح مسلم: ۱۲۸)

(الکاشف عن حقائق السنن ج ا ص ۱۹۹۔ ۲۰۰، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۱۳ھ)

اس حدیث اور اس کی شرح سے واضح ہو گیا کہ انسان وسوسہ آتے ہی فوراً گناہ نہیں کرتا بلکہ کبھی اس پر عمل کرتا ہے اور کبھی اس پر عمل نہیں کرتا، حدیث میں ہے:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا: آپ نے فرمایا: نیکی عمدہ خُلق (وصف) ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تمہارے دل میں کھٹک رہا ہو اور تم اس کو ناپسند کرو کہ لوگ اس کام پر مطلع ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۵۵۳، سنن ترمذی: ۲۳۸۹)

دل میں کھٹکنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس کام کے متعلق متردد ہو اور اس کام کے درست ہونے کے متعلق اس کو شرح صدر نہ ہو اور اس کے دل میں شک ہو اور اس کو یہ خوف ہو کہ یہ کام گناہ ہوگا۔

اس حدیث سے آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ دل میں کسی برے کام کی صورت آتے ہی انسان فوراً اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ اس پر غور و فکر کرتا ہے، اگر اس پر منکشف ہو جائے کہ یہ کام گناہ ہے اور اس پر خوف خدا کا غلبہ ہو تو وہ اس کام کو ترک کر دیتا ہے، اور

اگر وہ شہوت میں ڈوبا ہوا ہوتو وہ اس گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے اور یہی اس آیت کا معنی ہے:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس:۸) پس انسان کے نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا O

الحمد للہ! ہماری اس تقریر سے وہ دلیل ساقط ہوگئی جس سے امام رازی نے یہ ثابت کیا تھا کہ انسان اپنے افعال اختیاریہ میں مجبور ہے اور اس کا معاذ اللہ یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود انسان کو گناہ پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی اس کو سزا دیتا ہے۔ سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ اس ظلم سے پاک اور مبرا و منزہ ہے۔

انسان کا اپنے افعال کا خالق نہ ہونا

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے، خواہ بندہ کا فعل کفر ہو یا ایمان، اطاعت ہو یا معصیت، اس کے برعکس معتزلہ کا یہ فاسد گمان ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے، ان میں سے متقدمین تو بندہ کو خالق کہنے سے اجتناب کرتے تھے اور بندہ کو موجد اور مخترع کہتے تھے، لیکن جبائی اور اس کے متبعین نے یہ دیکھا کہ ان تمام الفاظ کا معنی ایک ہی ہے اور وہ ہے کسی چیز کو عدم سے وجود کی طرف نکالنا تو انہوں نے دلیری سے بندہ پر خالق کا اطلاق کر دیا، اور اہل حق جو کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں ہے اس کے حسب ذیل دلائل ہیں:

اگر بندہ اپنے افعال کا خالق ہوتو وہ اپنے افعال کی تفاصیل کا ضرور عالم ہوگا، کیونکہ جب تک کسی چیز کی تفاصیل کا علم نہ ہو انسان اس کو وجود میں نہیں لاسکتا، اور انسان کو اپنے افعال کی تفاصیل کا علم نہیں ہوتا، کیونکہ جب انسان ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے تو اس کے چلنے میں معین تعداد میں قدم اٹھتے ہیں کبھی تیز اور کبھی آہستہ، اور اس کو بالکل شعور نہیں ہوتا کہ اس کے چلنے میں کتنے قدم اٹھے اور اس میں کتنا وقت صرف ہوا، کتنے قدم تیز تھے اور کتنے آہستہ، اور اس سے اس کے متعلق اگر سوال بھی کیا جائے تو وہ جواب نہیں دے سکتا، یہ تو ان افعال کا حال ہے جو بالکل ظاہر ہیں اور اگر وہ اس پر غور کرے کہ کسی چیز کو پکڑنے اور چھوڑنے میں اس کے کتنے اعضاء نے حرکت کی اور اس کے اعصاب سکڑنے اور پھیلنے کا عمل کتنی بار ہوا تو اس کی بے شعوری اور لاعلمی اور بھی زیادہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصّٰفّٰت:۹۶) اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے کاموں کو O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۔ (المومن:۶۲) یہی ہے اللہ! جو تمہارا رب ہے، جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔

اور ہر چیز میں بندے کے اعمال بھی داخل ہیں، سو وہ ان اعمال کو بھی پیدا کرنے والا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ (النحل:۱۷) کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی مثل ہے جو کچھ پیدا نہ کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق ہونے کو اپنی مدح میں اور اپنی عبادت کے استحقاق کو بیان فرمایا، یعنی عبادت کا مستحق وہی ہے جو

خالق ہو۔

معتزلہ نے یہ کہا کہ ہم خود سے چلنے والے کی حرکت کو اور رعشہ والے کی حرکت میں فرق کو دیکھتے ہیں، خود سے چلنے والا اپنے اختیار سے حرکت کرتا ہے اور رعشہ والا بغیر اختیار کے حرکت کرتا ہے، نیز اگر بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو تو نیک افعال پر مدح اور برے افعال پر مذمت اور نیک افعال پر ثواب اور برے افعال پر عذاب کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ نیک اور برے افعال سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض جبریہ پر وارد ہوتا ہے، وہ کسب اور اختیار کی بالکل نفی کرتے ہیں، رہے ہم تو ہم یہ کہتے ہیں کہ بندہ جس فعل کا کسب کرتا ہے اور اس کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس میں وہ فعل پیدا کر دیتا ہے۔ (شرح العقائد ص ۶۰۔ ۶۲ ملخصاً مطبوعہ کراچی)

تقدیر میں بحث کرنے کی ممانعت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم تقدیر کے متعلق بحث کر رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا گویا کہ آپ کے رخساروں میں انار کے دانے کھل گئے ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم کو اس میں بحث کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا میں اس میں بحث کرنے کے لیے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں، تم سے پہلی امتیں اس وقت ہلاک کر دی گئی تھیں جب وہ اس میں بحث کر رہی تھیں، میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم اس میں بحث مت کرو۔ یہ حدیث حضرت عمر، حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۳۳، مسند ابو یعلیٰ: ۶۰۴۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر میں بحث کی اس سے قیامت کے دن اس کے متعلق سوال ہوگا، اور جس نے بحث نہیں کی اس سے اس کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ: ۸۴)

ابن الدیلمی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہا: میرے دل میں تقدیر کے متعلق کچھ شبہ پیدا ہو رہا ہے، مجھے تقدیر کے متعلق کوئی حدیث بیان فرمایئے، شاید اللہ تعالیٰ میرے دل سے اس شبہ کو نکال دے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمان والوں کو اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ عذاب دے گا اور یہ اس کا ظلم نہیں ہے، اور اگر وہ رحم فرمائے تو اس کا رحم لوگوں کے اعمال سے بہتر ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا اللہ کی راہ میں خیرات کرو تو اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک تم سے قبول نہیں فرمائے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور جب تک تم یہ یقین نہ رکھو کہ تم پر جو مصیبت آئی ہے وہ تم سے ٹل نہیں سکتی اور جو مصیبت تم سے ٹل چکی ہے وہ تم کو پہنچ نہیں سکتی، اور اگر تم اس عقیدہ کے خلاف پر مرے تو تم دوزخ میں داخل ہو گے، پھر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی جو اس کی مثل تھی۔ (سنن ابو داؤد: ۴۶۹۹، سنن ابن ماجہ: ۷۷، مسند احمد: ۲۱۶۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ اور حضرت آدم علیہما السلام میں مباحثہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: تم ہی وہ شخص ہو جس نے اپنے ذنب (اجتہادی خطا) کی وجہ سے لوگوں کو جنت سے نکالا اور

ان کو بدنصیب بنایا، حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! تم ہی وہ شخص ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت اور اپنے کلام سے شرف فرمایا، تم مجھے اس چیز پر ملامت کر رہے ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے مجھ پر لکھ دیا تھا، یا کہا: جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے مقدر کر دیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پالیا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۱۴، صحیح مسلم: ۲۶۵۲، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۱، سنن ترمذی: ۲۱۳۴، موطا امام مالک: ۱۶۶۰، مسند احمد: ج ۲ ص ۳۹۸، صحیح ابن حبان: ۶۱۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۴۰۰، شرح السنۃ: ۶۸)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان یہ مباحثہ عالم برزخ میں ہوا، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی قبر پر گئے اور وہاں ان سے یہ بحث کی۔

رہا یہ سوال کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اجتہادی خطاء پر تقدیر کا عذر پیش کیا، کیا اس طرح ہم بھی اپنے گناہوں پر تقدیر میں لکھے ہوئے کا عذر پیش کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے یہ عذر برزخ میں پیش کیا تھا اور جب تک وہ اس دنیا میں رہے تو وہ اپنی اجتہادی خطاء پر توبہ اور استغفار کرتے رہے۔ اور رہا یہ سوال کہ جب تقدیر میں بحث کرنا ممنوع ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے تقدیر کے مسئلہ پر کیوں بحث کی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بحث دنیا میں ممنوع ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ مباحثہ برزخ میں کیا تھا۔ نیز یہ ہماری شریعت میں ممنوع ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تقدیر پر بحث کرنا ممنوع نہ ہو۔

تقدیر کے ثبوت کے متعلق احادیث اور ان کی شرح

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت پر اور اس پر کہ ہر اچھی اور بری چیز اللہ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم: ۸، سنن ابوداؤد: ۴۶۹۵، سنن ترمذی: ۲۶۱۰، سنن نسائی: ۴۹۹۰، سنن ابن ماجہ: ۶۳)

علامہ یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں:

اہل حق کے نزدیک تقدیر ثابت ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اشیاء کا اندازہ کیا اور اللہ سبحانہٗ کو علم تھا کہ یہ چیزیں مخصوص صفات پر مخصوص اوقات میں واقع ہوں گی، سو اسی علم کے موافق یہ چیزیں واقع ہوتی ہیں، اور قدریہ اور معتزلہ نے اس کا انکار کیا اور انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کو مخصوص صفات کے ساتھ چیزوں کے وقوع کا پیشگی علم نہیں ہوتا بلکہ چیزوں کے وقوع کے بعد ان کا علم ہوتا ہے، ابن قتیبہ اور امام نے کہا: اہل حق تقدیر کو مانتے ہیں اور افعال کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور یہ جاہل قوم افعال کی تخلیق کی نسبت اپنی طرف کرتی ہے۔

ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا:

اکثر لوگ قضاء اور قدر کا یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر اور اپنی قضاء پر عمل کرنے کے لیے بندوں کو مجبور کر دیا، لیکن قضاء و قدر کا یہ معنی نہیں ہے، قدر کا معنی اللہ تعالیٰ کا پیشگی اندازہ ہے یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کا علم۔ اور قضاء کا معنی ہے: اپنے علم کے

موافق چیزوں کو پیدا کرنا۔ (صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱ ص ۷۴۴-۹۴۴، ملخصا، مکتبہ نزار مصطفیٰ، مکہ مکرمہ ۱۴۱۷ھ)

جبر کے معنی کی وضاحت

میں کہتا ہوں کہ ان معترضین نے جبر کا معنی نہیں سمجھا، ''جبر'' یہ ہے کہ انسان کی خواہش اور اس کے اختیار کے بغیر اس سے کوئی کام کرایا جائے، جیسے کوئی شخص کسی انسان کی کنپٹی پر پستول رکھ کر اس سے کہے کہ اپنی جیب سے رقم نکالو، تو یہ جبر ہے۔ اور جب آدمی اپنی خواہش سے کوئی چیز خریدنے کے لیے جیب سے رقم نکالے تو یہ جبر نہیں ہے۔ سو ہم اچھے یا برے کام جو بھی کرتے ہیں تو وہ اپنے اختیار سے کرتے ہیں، اور ہم جس کام کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے اندر وہی کام پیدا کر دیتا ہے، پھر جبر کہاں سے ہو گیا، سو ہم اپنے افعال میں مختار ہیں مجبور نہیں ہیں۔

تقدیر کے ثبوت میں مزید احادیث اور ان کی شرح

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مزینہ کے دو شخصوں نے آ کر کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیں کہ آج جو لوگ عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت اٹھاتے ہیں، آیا یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان کے لیے مقدر کر دی گئی ہے یا جو کچھ ان کو ان کے نبی نے بتایا ہے یہ اس پر از خود عمل کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! یہ وہ چیز ہے جو پہلے سے ان پر مقدر کر دی گئی ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی کتاب میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ نفس کی قسم اور اس کو درست بنانے کی ○ پھر اس کو بدکاری کی سمجھ دی اور اس سے بچنے کی ○ (الشمس: ۷-۸)

(صحیح مسلم: ۲۶۵۰)

یعنی ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ خیر اور شر، نیکی اور بدی کی پہچان کرا دی، اور اس کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ صحیح اور غلط اور حق اور باطل میں تمیز کر سکے، اور جس نے کتاب وسنت اور عقل سلیم کی ہدایت پر عمل کیا وہ کامیاب ہے اور جس نے اس سے انحراف کیا، وہ ناکام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت سے استدلال کا یہ منشاء ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں نفس انسان کو بھلائی اور برائی سمجھا دی تھی اور اس کو ازل میں علم تھا کہ دنیا میں آ کر انسان اس ہدایت پر عمل کرے گا یا نہیں، سو اسی علم کے موافق اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا اور اسی کا نام تقدیر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ (القمر: ۵۲) انہوں نے جو کچھ عمل کیے وہ سب لوح محفوظ میں لکھے ہوئے تھے ○

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نوجوان شخص ہوں اور مجھے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہے اور میرے پاس اتنا مال نہیں ہے جس سے میں عورتوں سے شادی کروں، گویا کہ وہ خصی ہونے کی اجازت طلب کر رہے تھے، آپ خاموش رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا، آپ پھر خاموش رہے، میں نے سہ بارہ عرض کیا، آپ خاموش رہے، میں نے چوتھی بار عرض کیا تو آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ تم نے کرنا ہے اس کو قلم (تقدیر) لکھ کر خشک ہو چکا ہے، سو تم خصی ہو یا اس عمل کو چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۷۶)

یعنی ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ تم نے اپنے اختیار سے زنا کرنا ہے یا نہیں کرنا، اور اسی کے موافق لکھ دیا گیا، سواب خصی ہونے کا کیا فائدہ۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا اور اس سے فرمایا: لکھ، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ۔ اس نے لکھ دیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ابد تک ہونے والا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۵۵)

آیا اسباب کا حصول تقدیر کے خلاف ہے یا نہیں؟

حضرت ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دم کراتے ہیں اور دوا سے علاج کراتے ہیں اور ڈھال وغیرہ کے ذریعے حملوں سے بچتے ہیں، کیا یہ چیزیں تقدیر کو ٹال دیتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱، سنن ترمذی: ۲۰۶۵، سنن ابن ماجہ: ۳۴۳۷)

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیماری کو مقدر کیا ہے، اسی طرح بیماری کے ازالہ کے لیے دوا کو مقدر کیا ہے، پس جو آدمی دوا کو استعمال کرے اور اس کو فائدہ نہ ہو تو وہ یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شفاء کو مقدر نہیں کیا، لیکن وہ صرف ایک بار دوا کو استعمال کر کے مایوس نہ ہو، بلکہ مختلف معالجوں سے علاج کرائے اور شفاء کا ہر طریقہ اختیار کرے اور تا حیات حصولِ شفاعت کی کوشش کرتا رہے۔ بعض احادیث میں دم کرانے کی ترغیب ہے اور بعض احادیث میں اس کو توکل کے خلاف فرمایا ہے، ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ آیاتِ قرآن اور احادیث میں بیان کئے گئے کلمات سے دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے تو یہ جائز ہے اور اگر شرکیہ کلمات سے دم کیا جائے یا کرایا جائے تو وہ ناجائز ہے اور توکل کے خلاف ہے۔

منکرین تقدیر کا فرقہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے: المرجئہ اور القدریہ۔ (سنن ترمذی: ۲۱۴۹، سنن ابن ماجہ: ۶۲)

المرجئہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مومن کو گناہوں پر کوئی ضرر نہیں ہوگا اور القدریہ وہ فرقہ ہے جو تقدیر کا منکر ہے اور انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتا ہے اور کہتا ہے کہ مومن مرتکبِ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: القدریہ اس امت کے مجوس ہیں، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو، اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

(سنن ابوداؤد: ۴۶۹۱، سنن ابن ماجہ: ۹۲، مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۶۔۱۲۵، المستدرک ج ۱ ص ۸۵)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے مستقبل میں پیش آنے والے امور کا ذکر کر رہے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کی تصدیق کر دینا اور جب تم یہ سنو کہ کسی شخص کی پیدائشی عادت بدل گئی ہے تو اس کی تصدیق نہ کرنا، کیونکہ وہ اپنی فطرت پر ہی لوٹ جائے گا۔

(مسند احمد ج ٦ ص ٤٤٣)

بہادری اور بزدلی، سخاوت اور بخل، اسی طرح حلیم اور بدمزاج یا غصہ ور، یہ فطری اور جبلی صفات ہیں، اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص جو بہادر تھا اب بزدل ہو گیا ہے، یا جو سخی تھا وہ بخیل ہو گیا، یا جو حلیم اور بردبار تھا وہ جلد غصہ میں آنے والا بن گیا ہے، تو اس خبر کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ ان صفات کا تعلق قضاء وقدر سے ہے، اور کسبی صفات بدل سکتی ہیں جیسے کوئی جاہل عالم بن جائے، یا جیسے کوئی بدکار متقی بن جائے۔

تقدیر کے متعلق پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تحقیق

پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ١٤١٨ھ ''وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا'' (الفرقان:٢) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی حکمت وعلم کا یہ عالم ہے کہ اس جہان میں ان گنت قسموں کی بے شمار چیزیں ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی چیز اپنے اندازے سے کم یا زیادہ ہو، چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ریت کے ذروں سے لے کر پہاڑوں تک ہر چیز اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے کہ بنانے والے نے ہر چیز کو پورے اندازے سے بنایا، انسان اپنے آپ میں ہی غور کرے، اگر آنکھیں آگے کے بجائے سر کے پیچھے ہوتیں، آنکھوں پر پپوٹوں کا غلاف نہ ہوتا یا اس پر پلکیں نہ ہوتیں تو کیا اس نازک ترین چیز کی حفاظت ممکن تھی! اگر دل جہاں ہے وہاں سے ایک انچ اوپر یا نیچے ہوتا، یا بائیں طرف کی بجائے دائیں طرف ہوتا تو یہ انا ولا غیری کا دم بھرنے والا انسان لحہ بھر بھی زندہ رہ سکتا! غرض یہ کہ سازِ نظامِ عالم اس دانائی اور کمال مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر چیز کی وضع وقطع اور محل ومکان ایسی عمدگی سے مقرر کیا گیا ہے کہ اگر اس میں بال برابر بھی ردوبدل کیا جائے تو ہر چیز پاش پاش ہو جائے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ٣ ص ٣٥٠، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، کراچی، ٢٠١١ء)

الحمد للہ رب العالمین! ہم نے مسئلہ تقدیر کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کر لیا اور اس سے متعلق تمام ضروری ابحاث کو قرآن اور احادیث کی روشنی میں منضبط کر دیا۔ اللہ تعالیٰ میری اس ذہنی کاوش کو قبول فرمائے اور منکرین کو اس سے ہدایت عطا فرمائے اور موافقین کو اس پر استقامت عطا فرمائے۔ تاہم میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے تقدیر کی تمام ابحاث کو منضبط کر لیا ہے، یقیناً اب بھی بہت ساری ابحاث باقی ہیں اور کچھ ابحاث صحیح البخاری کے کتاب القدر اور اس کے ابواب میں ان شاء اللہ العزیز آجائیں گی۔ فالحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ وذریتہ وازواجہ وامتہ اجمعین۔

١- بَابٌ: فِي الْقَدَرِ

تقدیر کے بیان میں

٦٥٩٤- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَنْبَأَنِي سُلَيْمَانُ الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ قَالَ إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ثُمَّ عَلَقَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ مَلَكًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان الاعمش نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے زید بن وہب سے سنا از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا اور آپ صادق اور مصدوق ہیں، آپ نے فرمایا: بے شک تم

فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعٍ بِرِزْقِهِ وَأَجَلِهِ وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ فَوَاللّٰهِ إِنَّ أَحَدَكُمْ أَوِ الرَّجُلَ يَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا غَيْرُ بَاعٍ أَوْ ذِرَاعٍ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا غَيْرُ ذِرَاعٍ أَوْ ذِرَاعَيْنِ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا قَالَ آدَمُ إِلَّا ذِرَاعٌ۔

میں سے کوئی ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے، پھر وہ اس کی مثل (چالیس دن تک) جما ہوا خون رہتا ہے، پھر وہ اس کی مثل (چالیس دن تک) گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے، پس اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، اس کا رزق، اس کی مدتِ حیات، اس کا بدبخت ہونا یا اس کا نیک بخت ہونا۔ پس اللہ کی قسم! بے شک تم میں سے کوئی ایک یا فرمایا: کوئی ایک مرد ضرور اہلِ دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے درمیان اور دوزخ کے درمیان صرف ایک باع (دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ کا فاصلہ) یا ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر کتاب (وہ لکھا ہوا) سبقت کرتی ہے، پس وہ اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے، سو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور بے شک ایک مرد ضرور اہل جنت کے سے عمل کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے یا دو ہاتھوں کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب سبقت کرتی ہے۔ پس وہ اہل دوزخ کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور آدم نے کہا: ''الا ذراع'' یعنی صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۰۸، ۳۳۳۲، ۶۵۹۴، ۷۴۵۴، صحیح مسلم: ۲۶۴۳، سنن ترمذی: ۲۱۳۷، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۸، سنن ابن ماجہ: ۷۶، مسند احمد: ۳۶۱۷)

صحیح البخاری: ۶۵۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ تم میں سے ایک آدمی اہل دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر کتاب یعنی تقدیر غالب آجاتی ہے، پھر وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ الحدیث۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن وہب، یہ ابو سلیمان الہمدانی الکوفی ہیں ان کا تعلق بنو قضاعہ سے ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف روانہ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور یہ راستہ میں تھے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے سماع کیا ہے۔

یہ حدیث اس سند کے ساتھ جو یہاں ذکر کی گئی ہے اعمش کی روایات میں مشہور ہے، علی بن مدینی نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ ہم یہ گمان کرتے تھے کہ اعمش اس روایت کے ساتھ متفرد ہیں حتیٰ کہ ہم نے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل از زید بن وہب کی روایت سے پایا۔ اس حدیث کی روایت امام احمد اور امام نسائی نے بھی کی ہے اور وہ زید بن وہب از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ اس حدیث کو ابو عبید اللہ بن مسعود نے امام احمد سے روایت کیا ہے اور حضرت ابن مسعود بھی اس روایت کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ صحابہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کو طوالت اور اختصار سے روایت کیا ہے، ان میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو کہ اس حدیث کے بعد آئے گی۔ اور امام مسلم نے حضرت حذیفہ بن اُسید سے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے کتاب القدر میں اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

''انبانا'' اور ''حدثنا'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''انبانی سلیمان الاعمش'' اور کتاب التوحید میں امام بخاری نے لکھا ہے ''حدثنا سلیمان الاعمش'' اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شعبہ کے نزدیک ''حدثنا'' اور ''انبانا'' دونوں برابر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند سے ان لوگوں پر رد کیا جاتا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ شعبہ ''انبانا'' کو اجازت میں استعمال کرتے ہیں۔

صادق اور مصدوق کا فرق

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اور آپ الصادق اور المصدوق ہیں''۔

صادق کا معنی ہے: جو فی نفسہٖ صادق ہو اور المصدوق کا معنی ہے: جس کی دوسروں نے تصدیق کی ہو۔

حدیث مذکور سے اطباء کے قول کا ابطال

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب کہ اس حدیث کا مضمون اطباء کے قول کے مخالف تھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے صدق کی طرف اور اطباء کے قول کے بطلان کی طرف اشارہ کیا۔ یا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صادق اور مصدوق کا ذکر حصولِ لذت کے لیے کیا یا حصولِ برکت کے لیے کیا یا حصولِ افتخار کے لیے کیا۔

اطباء نے کہا ہے کہ پیٹ کا بچہ تیس دن سے لے کر چالیس دن تک متصور ہوتا ہے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیٹ کے بچہ کی تخلیق چار ماہ کے بعد ہوتی ہے (علامہ کرمانی کی عبارت یہاں ختم ہوئی۔)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی کی عبارت نقل کرنے کے بعد جو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ علامہ کرمانی کی عبارت سے خوش نہیں ہوئے، کیونکہ یہ عبارت بعینہٖ دوسری حدیث میں بھی مذکور ہے اور اس میں کسی چیز کے بطلان کی

طرف اشارہ نہیں ہے۔اور یہ علامہ کرمانی کی عبارت کے مخالف ہے اور وہ یہ ہے جس کا امام ابوداؤد نے حضرت المغیرہ بن شعبہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ رحمت صرف شقی کے دل سے نکالی جاتی ہے اور علاماتِ نبوت کے باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے کہ میں نے الصادق المصدوق سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی۔۔انتہی

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۷۱، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس عبارت میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے محض علامہ کرمانی کی مخالفت پر اکسایا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس کو غور سے پڑھو اور اس پر تعجب کرو۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۰، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا منشاء یہ ہے کہ انہوں نے جو علامہ کرمانی کی عبارت نقل کی ہے اس سے ان کا مقصود علامہ کرمانی کی عبارت کو باطل قرار دینا نہیں ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں وہ علامہ کرمانی کی عبارت کی تقویت کے لیے ذکر کی ہیں۔اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی عبارت سے علامہ کرمانی کی مخالفت پر نہیں اکسایا۔

منی کو رحم میں جمع کرنے کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک تم میں سے کوئی ایک اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے"۔

ابوالاحوص کی روایت میں ہے: "تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کو اپنی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے" اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے "تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے" اور جمع کرنے سے مراد ہے بعض اجزاء کو دوسرے اجزاء کے ساتھ ملانا جب کہ پہلے وہ منتشر ہوں، اور اس حدیث میں خلق بمعنی مخلوق ہے۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ منی رحم میں شہوت کی قوت سے واقع ہوتی ہے اور وہ متفرق ہوتی ہے، پس اللہ تعالیٰ اس کو محلِ ولادت یعنی رحم میں جمع فرما دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اسی کی مثل وہ علقة ہوتا ہے" یعنی چالیس دن کی مدت میں وہ جما ہوا خون ہو جاتا ہے اور "علقة" کے معنی ہیں جمع ہوا خون جو گاڑھا ہو۔اس کو علقة اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی رطوبت کا رحم کے ساتھ تعلق ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یکون مضغة مثل ذالك" یعنی پھر چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے"۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: "پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے"۔یہ فرشتہ ان فرشتوں میں سے ہوتا ہے جو ارحام کے ساتھ معلق کیے گئے ہیں۔

حدیث میں جن چار کلمات کے لکھنے کا ذکر ہے ان کی تشریح

اس حدیث میں مذکور ہے "اس فرشتے کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، ان میں سے ایک رزق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رزق سے مراد غذا ہے خواہ حلال ہو یا حرام ہو۔ اور یہ ہر وہ غذا ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کی طرف پہنچاتا ہے تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کرے۔ اور رزق کا لفظ اپنے عموم کے اعتبار سے علم وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ اور اس کی اجل لکھ دی جاتی ہے یعنی اس کی عمر کی مدت لکھ دی جاتی ہے اول سے لے کر آخر تک۔ اور جس جزو اخیر میں اس کی موت ہوتی ہے اس جزو کو بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ بد بخت ہوگا یا نیک بخت ہوگا۔

اس اعتراض کا جواب کہ اس حدیث میں صرف تین کلمات لکھنے کا ذکر ہے

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہاں تو صرف تین کلمات کا ذکر ہے چار کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ چوتھی چیز یہ ہے کہ یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ وہ مذکر ہوگا یا مونث ہوگا جیسا کہ اس کے بعد کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اور یہاں اس کا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ یہ بہت مشہور ہے تو شہرت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو حذف کر دیا۔

بندہ کے متعلق جو چار چیزیں لکھی جاتی ہیں وہ ازل میں مقدر ہیں اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چار چیزیں ماں کے پیٹ میں لکھی جاتی ہیں

نیز اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور اس وقت لکھے جاتے ہیں جب وہ نطفہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے اور اس سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ امور ازلی ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ فرشتے کے اعتبار سے ہے کہ یہ حکم ازل میں لکھا گیا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی پیشانی پر مثلاً لکھ دے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس وہ بندہ اہلِ دوزخ کے عمل کرتا ہے"۔ اس حدیث میں دوزخ کو جنت پر مقدم کیا گیا ہے اور آدم کی روایت میں اس کے برعکس ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "غیر باع او ذراع"۔ الکشمیھنی کی روایت میں اسی طرح سے ہے اور دوسروں کی روایت میں ہے "غیر باع او ذراع" اور ابوالاحوص کی روایت میں ہے "اِلَّا ذراع" بغیر شک کے ہے۔ اور ذراع یعنی ایک ہاتھ کے ساتھ اس لیے مثال دی ہے کہ اس کی وہ حالت موت کے قریب ہوتی ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جب انسان غرغرۂ موت میں ہوتا ہے یعنی جب اس کی روح اس کے جسم سے نکل کر حلق تک پہنچ جاتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فیسبق علیہ الکتاب" اس میں فاء تعقیب علی الفور کے لیے ہے، یعنی فوراً لکھا ہوا اس پر غالب آجاتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے وہ بغیر کسی مہلت کے جاری ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت وہ اہلِ جنت کے سے عمل کرے گا یا اہلِ دوزخ کے سے عمل کرے گا۔ اور کتاب سے مراد مکتوب ہے یعنی جو اللہ نے لکھا ہوا ہے اور جو ازل میں اس کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں یہ تعلیق ہے "اور آدم نے کہا: "اِلَّا ذِراع" یعنی جب وہ صرف ایک ہاتھ رہ جاتا ہے۔ اس تعلیق کو امام بخاری

نے کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۳۔۲۲۶،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صادق اور مصدوق کا معنی

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صادق ہے،اس کا معنی یہ ہے کہ آپ حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتے۔اور اس حدیث میں آپ کی صفت مصدوق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ اس وعدہ کو پورا فرمائے گا اور یہ تاکید ہے۔

''علقة'' اور ''مضغة'' کا معنی اور وجہ تسمیہ

اس حدیث میں مذکور ہے''العلقة'' اس کا واحد علق ہے اور یہ جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''المضغة'' اس کا معنی ہے: گوشت کا چھوٹا سا ٹکڑا۔اس کو''مضغة'' اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ٹکڑا اتنی مقدار کا ہوتا ہے جتنی مقدار میں گوشت کے ٹکڑے کو چبایا جاتا ہے اور''مضغ'' کا معنی ہے: چبانا۔

رحم میں بندہ کے متعلق پانچ چیزوں کا لکھا جانا

اس حدیث میں مذکور ہے''پھر فرشتہ،اس کا رزق اور اس کی مدتِ حیات اور اس کا اثر اور اس کی شقی یا سعید ہونا لکھ دیتا ہے''۔

اس میں زیادہ وضاحت ہے اور یہ ہر شخص کے اوپر لکھا جاتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر بندہ کے متعلق پانچ چیزیں لکھ کر فارغ ہوگیا:(۱) اس کا رزق (۲) اس کی مدتِ حیات (۳) اس کا عمل (۴) اس کا اثر (۵) اور اس کا ٹھکانا (یعنی اس کی قبر، کیونکہ وہی اس کا قیامت تک ٹھکانا ہے۔)۔(صحیح ابن حبان ج ۱۴ ص ۱۸،۶۱۵۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط (لقمان:۳۴) اور کوئی شخص (از خود) نہیں جانتا کہ وہ کس جگہ مرے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے''کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں مرے گا'' حالانکہ فرشتوں کو تو علم ہو جاتا ہے کہ بندہ کہاں مرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے: ان کو یہ علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے از خود نہیں ہوتا۔اور آیت کا معنی یہ ہے کہ کسی بندہ کو از خود علم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں مرے گا۔

امام رزین نے''تجرید الصحاح'' میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نطفہ رحم میں ڈال دیا جاتا ہے۔۔الحدیث،اور اس میں مذکور ہے''پس فرشتہ پوچھتا ہے: یہ مذکر ہے یا مونث،یہ شقی ہے یا سعید،اس کی عمر کتنی ہے،اس کا رزق کتنا ہے،اور اس کا اثر کتنا ہے،اور اس کے مصائب کیا کیا ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھتا ہے۔پھر جب جسم پر موت آجاتی ہے اور اس کو وہاں دفن کیا جاتا ہے جہاں سے اس کی (پیدائش کے وقت) مٹی لی گئی تھی''۔اس حدیث کو

رزین نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کا پتا نہیں چل سکا لیکن علامہ ابن الاثیر نے اس کو صرف رزین کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ حدیث غریب ہے اور غیر مشہور ہے۔

ماں کے رحم میں نطفہ کے جمع ہونے کی کیفیت

اور اس حدیث میں مذکور ہے "اس نطفہ کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے"۔

اعمش نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ نطفہ جب رحم میں واقع ہوتا ہے، پس اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اس سے بشر کی تخلیق کرے، تو عورت کی کھال میں ہر بال اور ناخن کے نیچے سے وہ اڑتا ہے۔ پھر وہ چالیس راتوں تک ٹھہرا رہتا ہے، پھر رحم میں خون بن جاتا ہے اور اس طرح وہ عورت کے رحم میں جمع ہوتا ہے۔

انسان کے عمل پر تقدیر کا غالب آنا

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک مرد اہلِ دوزخ کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے"۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی موت کے قریب تک نیک عمل کرتا رہتا ہے اور فرشتے اس کا معائنہ کرتے ہیں جو اس کی روح قبض کرتے ہیں، پھر وہ ایسے برے کام کرتا ہے جو دوزخ کو واجب کرتے ہیں اور وہ نیک اعمال ساقط ہو جاتے ہیں اور وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور ایمان کو صرف کفر ہی ساقط کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا درجِ ذیل آیت میں ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ (الزمر: ۶۵)

بے شک آپ کی طرف (توحید کی) وحی کی گئی ہے، اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف کہ اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے O

قدریہ (منکرین تقدیر) کا حدیث مذکور پر تبصرہ

عمرو بن عبید جو قدریہ کا امام اور ان کا زاہد اور ان کا پیش رو تھا اس سے منقول ہے، اس نے کہا: اگر تم نے یہ حدیث ابوعثمان سے لکھی ہوتی تو میں اس کو لکھ لیتا اور اگر تم نے اس کو زید بن وہب سے سنا ہے تو میں اس کو رد کرتا ہوں اور اگر تم نے اس کو ابنِ مسعود سے سنا ہے تو میں اس کو قبول نہیں کروں گا۔ اور اگر تم نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو میں اس کو پھینک دوں گا، اور اگر تم نے اس کو اللہ تعالیٰ سے سنا ہے تو میں یہ کہوں گا: پھر اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد و میثاق کیوں لیے تھے؟

عمرو بن عبید کا یہ کلام بہت سنگین ہے، ہم اس کی گمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور قیامت کی ہولنا کیوں سے نجات کا سوال کرتے ہیں۔

حدیث مذکور سے قدریہ کے عقائد کا رد

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں قدریہ کے قول کا رد ہے اور ان کے اعتقاد کو باطل قرار دینا ہے۔

کہ وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے تمام افعال کا خالق ہے خواہ وہ طاعات ہوں یا معاصی ہوں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ وہ گناہوں کو پیدا کرے اور زنا کو پیدا کرے اور کفر کو اور گمراہی کو پیدا کرے۔ پس اس حدیث سے ان کے قول کی تکذیب ظاہر ہوگئی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ماں کے پیٹ میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس نطفہ سے جو بندہ پیدا ہوگا وہ شقی یعنی بد بخت ہوگا یا سعید یعنی نیک بخت ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ بندہ کی بدبختی اس کے گناہ کرنے سے اور کفر کرنے سے ہوتی ہے۔

پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بندہ وہ عمل کرے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ بتا دیا ہے کہ اس عمل پر اللہ بندہ کو عذاب دے گا، اور بندہ ان افعال کی تخلیق کرے۔

پھر قدریہ کا مذہب اس سے باطل ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ کے عمل کے اوپر تقدیر غالب آ جاتی ہے، پس وہ اخیر عمر میں اہلِ دوزخ کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ معاملہ بندہ کے اختیار میں ہوتا تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بندہ ایسا عمل کرتا جس سے اس کی ساری عمر کی کی ہوئی نیکیاں ضائع ہو جاتیں، پھر وہ اپنے لیے ایسا عمل پیدا کرتا جو شر اور کفر ہوتا اور اس کے نتیجہ میں وہ دوزخ میں داخل ہو جاتا۔

اور قدریہ کی حجت اس سے ساقط ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں اس کے متعلق لکھ دیا ہے اور بندہ انجام کار اعتراف کرے گا کہ اس نے برے کاموں کا کسب کیا نفس اور شیطان کے بہکانے سے، اسی وجہ سے شر کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے کیونکہ شیطان اس کے لیے شر کو مزین کرتا ہے اور خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ خیر کو اللہ تعالیٰ بندہ کے لیے پیدا کرتا ہے اور اس کو خیر پر قدرت عطا فرماتا ہے اور فرشتہ اس کی مدد کرتا ہے۔

یہ قدریہ کے مذہب کو باطل کرنے میں اصل دلیل ہے، پھر قدریہ پر یہ لازم آتا ہے کہ بندہ اعمال کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہو جائے بایں طور کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾ (الرعد:١٦) آپ کہیے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣﴾ (فاطر:٣) کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، سو تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو O

پس قدریہ نے قرآنِ مجید کی نصِ صریح کی مخالفت کی اور بندہ کے لیے یہ قدرت ثابت کی کہ وہ اپنے افعال کی تخلیق کرسکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تنہا تخلیق کرنے والا ہے، اسی وجہ سے قدریہ کو متعدد احادیث میں اس امت کا مجوس فرمایا ہے کیونکہ وہ دو خالق مانتے ہیں جیسا کہ مجوس دو خالق مانتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قدریہ کے مذہب کو باطل فرمایا ہے اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے افعال کا خالق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ (الصُّفّت:٩٦) حالانکہ تم کو اور تمہارے کاموں کو اللہ نے ہی پیدا کیا ہے O

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۲۵۔۱۲۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت

تقدیر کا معاملہ بہت عظیم ہے اور مومن پر واجب ہے کہ تقدیر کے متعلق اہتمام سے ایمان لائے، کیونکہ اس پر ایمان لانا چھ ارکان میں سے ہے اور اس لیے کہ اس میں ایسے مسائل ہیں جو بعض لوگوں کے اوپر باعث اشکال ہیں۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں تقدیر کے متعلق بحث کی اور اس میں مناقشہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے تقدیر کو بیان فرمایا۔ اور تقدیر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کے متعلق ایک اندازہ قائم کیا ہے لیکن یہ تقدیر ایک پوشیدہ چیز ہے اور اس کا علم سوائے وحی کے نہیں ہوسکتا۔

تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد

تقدیر پر ایمان لانے کے بہت عظیم فوائد ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہوتا ہے، کیونکہ وہ تقدیر کو تسلیم کرتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کیا اور جو کچھ اس کے لیے کیا اس پر راضی رہتا ہے، پس جب انسان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے اور اس کے معاملہ کو وہ تسلیم کرے گا تو وہ جان لے گا کہ کوئی عمل اس کو متغیر نہیں کرسکتا اور جو چیز واقع ہوگئی ہے اس کا اٹھنا ممکن نہیں ہے لیکن اس کے لیے دعا کرنا ممکن ہے۔

پھر تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد میں سے یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے کیونکہ جب تم کو یہ معلوم ہوگا کہ ہر چیز تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے تو تم اتنی مقدار پر اعتماد کرو گے۔

اور تقدیر پر ایمان لانے کے فوائد میں سے یہ ہے کہ انسان صرف اپنے رب سے مدد طلب کرے گا اور کسی اور سے مدد نہیں طلب کرے گا بلکہ اس کا مدد طلب کرنا صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہوگا۔ لیکن جن چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے غیر کی مدد کرنے کو مشروع کر دیا ہے ان چیزوں میں غیر سے مدد طلب کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، لیکن جو لوگ دنیا سے چلے گئے ہیں اور فوت ہو گئے ہیں ان سے اپنی قضاء حاجت کے لیے مدد طلب کرنا یہ شرک ہے اور اگر وہ کسی زندہ شخص سے اپنے کام میں مدد طلب کرے اور وہ اس کی مدد کرنے پر قادر ہو تو یہ جائز ہے اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ جو ہم سے مدد طلب کرے تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کی مدد کریں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۹۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

اولیاء اللہ سے بعد از وصال مدد طلب کرنے کا ثبوت

میں کہتا ہوں: فوت شدہ اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا اس وقت شرک ہوگا جب کوئی شخص ان کو تصرف میں مستقل بالذات سمجھے، لیکن اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر سمجھے تو پھر یہ شرک نہیں ہے، لیکن مستحسن بھی نہیں ہے۔ مستحسن یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جائے۔

حافظ ابوبکر بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ مالک الدار سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا، ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہو گی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو، اس شخص نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے رب! میں صرف اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲۔۹۱ مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

حافظ ابوعمرو بن عبدالبر اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰۔۳۸۹ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ، بیروت، ۱۴۰۰ھ)

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا، ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ، صلی اللہ علیک وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے، کیونکہ وہ ہلاک ہو رہی ہے، پھر اس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ۔۔۔ الحدیث۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

سیف نے ''فتوح'' میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵۔۴۹۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سنداً صحیح قرار دیا اور دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار لائق التفات ہے۔

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر آپ سے بارش کے حصول کے لیے مدد طلب کی۔ سو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب قبر سے اپنی حاجت میں مدد طلب کرنا شرک نہیں ہے لیکن افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر حاجت میں اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی جائے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

تقدیر کو لکھنے کے مراحل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، لکھتے ہیں:

تقدیر کو لکھنے کا پہلا مرتبہ لوحِ محفوظ میں ہے اور پھر ہر سال لیلۃ القدر میں تقدیر لکھی جاتی ہے۔ اور پھر جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو پھر تقدیر لکھی جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

پھر یہ تقدیر اس پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، پھر اس نے اشیاء کو مقدر کیا اور ان اشیاء کو لوحِ محفوظ میں آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لکھ دیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا: لکھ، اس نے کہا: میں کیا لکھوں؟ تو فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھو، تو قلم نے اسی ساعت میں جو کچھ

قیامت تک ہونے والا ہے وہ لکھ دیا۔

تقدیرِ ثانی:

تقدیرِ ثانی انسان کی عمر کی تقدیر ہے، یعنی اس میں انسان کی عمر کی ابتداء کو لکھا جائے اور یہ وہ ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر فرمایا ہے۔

تقدیرِ ثالث:

تقدیرِ ثالث وہ ہے جو لیلۃ القدر میں لکھی جاتی ہے اور یہ ہر سال لکھی جاتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ (الدخان: ۳۔۴)

بے شک ہم نے اس کتاب کو برکت والی رات میں نازل فرمایا، بے شک ہم عذاب سے ڈرانے والے ہیں O اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے O

یعنی اس رات میں تفصیل کی جاتی ہے اور بیان کیا جاتا ہے، اسی لیے اس کو لیلۃ القدر کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اس سال کے معاملات کی تقدیر لکھی جاتی ہے۔

اور یہاں پر ایک تقدیرِ یومی ہے اور یہ وہی ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کے موقع پر قلموں کی آواز سنی اور اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ ۝ (الرحمٰن: ۲۹)

اسی سے سوال کرتے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، وہ ہر آن نئی شان میں ہے O

اور ان تمام تقدیرات کو ہم بغیر وحی کے نہیں جان سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبان پر ان کا بیان فرمایا ہے۔

اور اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں:

تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب

(۱) تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اجمالاً اور تفصیلاً جاننے والا ہے اور یہ اس کا علمِ ازلی ابدی ہے۔

(۲) تم اس پر ایمان لاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے یعنی لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ اس کے علم کے اعتبار سے کیا ہونے والا ہے، اور ان دونوں مرتبوں کی دلیل درج ذیل آیت میں ہے:

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ ؕ إِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ (الحج: ۷۰)

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر اس چیز کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، بے شک یہ سب ایک کتاب میں (مرقوم) ہے، بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے O

حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ

میں دو کتابیں تھیں، آپ نے پوچھا: کیا تم جانتے ہو یہ کیسی دو کتابیں ہیں؟ ہم نے کہا: نہیں، یا رسول اللہ! سوا اس کے کہ آپ ہمیں بتائیں، جو کتاب آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی اس کے متعلق آپ نے فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں جنت والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں۔ اور ان کے قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا ہے اور اس میں نہ کبھی اضافہ کیا جائے گا اور نہ کبھی کمی کی جائے گی۔ پھر آپ کے بائیں ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کے متعلق فرمایا: یہ رب العالمین کی طرف سے کتاب ہے، اس میں دوزخ والوں کے نام ہیں اور ان کے باپ دادا کے نام ہیں اور ان کے قبائل کے نام ہیں، پھر ان کے آخر میں میزان کر دیا گیا، نہ ان میں اضافہ ہوگا اور نہ ان میں کمی ہوگی۔ آپ کے اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! جب سب کاموں سے فراغت ہو چکی ہے تو عمل کس چیز میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ٹھیک ٹھیک اور صحت کے قریب کام کرتے رہو، کیونکہ جو شخص جنتی ہے اس کا خاتمہ جنت والوں کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ کوئی عمل کرتا رہے اور جو دوزخی ہے اس کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر ہوگا خواہ وہ کوئی عمل کرتا رہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان کتابوں کو گرا دیا، پھر فرمایا: تمہارا رب اپنے بندوں سے فارغ ہو چکا ہے، ایک فریق جنت میں ہے اور ایک فریق دوزخ میں ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیر کو لکھ دیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۶۳)

اس آیت میں فرمایا ہے "یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" اس سے پہلے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور "اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ" جو فرمایا ہے، اس سے دوسرے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۳) رہا تیسرا مرتبہ تو وہ مشیت کا مرتبہ ہے یعنی جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔ نہ وہ اللہ کا فعل ہے اور نہ وہ مخلوق کا فعل ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۝ (البقرہ: ۲۵۳)

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے واضح نشانیاں آنے کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن انہوں نے اختلاف کیا، سو ان میں سے کوئی ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جس کا وہ ارادہ فرماتا ہے O

یہ مشیت بندوں کے فعل کے اعتبار سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے فعل کے اعتبار سے مشیت کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝ (الحج: ۱۸)

بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے O

پس تقدیر کے ایمان کے مراتب میں سے مشیت تیسرا مرتبہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اس کائنات میں حادث ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے حادث ہوتی ہے۔

(۴) رہا چوتھا مرتبہ وہ یہ ہے کہ جو چیز بھی کائنات میں حادث ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، پس اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں

ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے اور اس کائنات میں جو چیز بھی موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ عام ازیں کہ وہ جماد ہو یا جاندار ہو، سو وہ مخلوق ہے حتیٰ کہ بندوں کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصّٰفّٰت:۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو O

تقدیر پر ایمان لانے کے چار مراتب ہیں اور اہل سنت و جماعت ان چاروں مرتبوں پر ایمان لاتے ہیں۔ رہے معتزلہ تو وہ مؤخر الذکر دو مرتبوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہ مشیت اور خلق کا مرتبہ ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں عموم نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں عموم ہے، کیونکہ انسان مستقل ہے، وہ خود کوئی کام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فکر دی ہے اور اس کو آزاد بنایا ہے، پس وہ اپنی مشیت سے فعل کرتا ہے اور افعال کو اپنی مشیت سے حادث کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی تعلق نہیں۔ اور اس وجہ سے ان کو اس امت کا مجوس کہا گیا ہے، کیونکہ انہوں نے کائنات میں حادث ہونے والی چیزوں کے دو خالق مانے اور ہر ایک دوسرے سے مستقل ہے، پس آدمی اپنے افعال کا خالق ہے اور ان میں مستقل ہے اور رہے اللہ تعالیٰ کے افعال تو وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں جیسے بارش کو نازل کرنا اور دن اور رات کو پیدا کرنا۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٥٠٠۔ ٥٠١، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

٦٥٩٥۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ وَكَّلَ اللهُ بِالرَّحِمِ مَلَكًا فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ نُطْفَةٌ أَيْ رَبِّ عَلَقَةٌ أَيْ رَبِّ مُضْغَةٌ فَإِذَا أَرَادَ اللهُ أَنْ يَقْضِيَ خَلْقَهَا قَالَ أَيْ رَبِّ أَذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى أَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ فَمَا الرِّزْقُ فَمَا الْأَجَلُ فَيُكْتَبُ كَذٰلِكَ فِي بَطْنِ أُمِّهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی بکر بن انس از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کیا ہے، سو وہ کہتا ہے: اے رب نطفہ! اے رب علقہ! (جما ہوا خون)، اے رب مضغۃ! (گوشت کا ٹکڑا۔ پس جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اپنی تخلیق کو مکمل کرے، تو فرشتہ پوچھتا ہے: اے رب! مذکر بناؤں یا مؤنث بناؤں؟ بدبخت بناؤں یا نیک بخت بناؤں؟ اس کا رزق کتنا ہے، پس اس کی مدتِ حیات کتنی ہے؟ پس وہ اسی طرح لکھ دیتا ہے اس کی ماں کے پیٹ میں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۸، ۳۳۳۳، ۶۵۹۵، صحیح مسلم: ۲۶۴۶، مسند احمد: ۷۔ ۱۱۷۳)

صحیح البخاری: ۶۵۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، وہ ابن ابی بکر بن انس بن مالک ہیں جو اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح البخاری کی کتاب الطہارۃ کے ''باب الحیض'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ای رب'' اس کا معنی ہے یا رب! اے میرے رب۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نطفۃ'' اگر یہ منصوب ہے تو اس پر فعل محذوف کے اعتبار سے نصب ہے اور اگر یہ مرفوع ہے تو یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان یقضی خلقھا'' یعنی جب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق کی تکمیل کا ارادہ فرماتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی بطن امہ'' یہ لکھنے کا ظرف نہیں ہے بلکہ یہ کلمات اس کی پیشانی پر لکھے جاتے ہیں یا اس کے سر پر مثلاً اور وہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ رحم کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے'' اور اس سے پہلی حدیث میں مذکور تھا ''اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے''۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں تصرف کرنے کا حکم دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابٌ: جَفَّ الْقَلَمُ عَلَى عِلْمِ اللهِ

قلم اللہ تعالیٰ کے علم پر خشک ہو گیا

وَقَوْلُهُ: وَاَضَلَّهُ اللهُ عَلٰى عِلْمٍ۔ (الجاثیہ: ۲۳)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لَاقٍ۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قلم اس چیز کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَهَا سَابِقُونَ: سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''لھا سابقون'' (وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں)، اس کا معنی ہے کہ ان کے لیے سعادت نے سبقت کر لی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ وہ باب ہے جس میں اس کا بیان کیا جائے گا کہ قلم خشک ہو گیا ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس عنوان میں باب کے لفظ پر تنوین ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۱، دار المعرفہ، بیروت)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اس شخص کا قول ہے جس نے علم الاعراب میں سے کسی چیز کو مس نہ کیا ہو۔ اور تنوین معرب میں ہوتی ہے اور لفظِ باب یہاں پر مفرد ہے، پس اس پر کیسے تنوین آئے گی اور اصل عبارت وہ ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ تنوین کے ساتھ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی "ھذا بابٌ"۔

اور علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ جب بھی باب کا لفظ مضاف نہ ہو تو اس پر تنوین ہوتی ہے یعنی "ھذا بابٌ" اور جزم اس وقت ہوتی ہے جب سکوت کا قصد کیا جائے کیونکہ یہ تعداد اور گنتی کے وقت ہوتا ہے اور اکثر مصنفین نے جو فقہاء اور علماء میں سے ہیں حتیٰ کہ نحوی علماء بھی اور دیگر علماء نے اپنی تصانیف میں تصریح کی ہے کہ جب باب کا ذکر بغیر اضافت کے ہو تو اس پر تنوین ہوتی ہے، اسی طرح جب "فرعٌ" کا ذکر ہو یا "فصلٌ" کا ذکر ہو یا "تنبیهٌ" کا لفظ ہو تو جب ان کا ذکر بغیر اضافت کے ہو تو ان پر تنوین ہوتی ہے۔ اور یہ تمام الفاظ تقدیرِ عبارت کے محتاج ہوتے ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ اس پر تنوین ہے تو یہ تقدیر کی نفی کو مستلزم نہیں ہے، اور علامہ عینی نے بھی اس مقدار کو باب المحاربین میں تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ یہاں اس باب پر تنوین ہے کیونکہ معرب وہ ہوتا ہے جو مرکب کا جزء ہو اور مفرد جب تنہا ہو تو اس پر تنوین نہیں آتی۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۵، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قلم کا خشک ہونا اس سے عبارت ہے کہ اس حکم میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، کیونکہ کاتب کے قلم کی جب سیاہی خشک ہو جائے تو پھر اس کی کتابت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ اللہ جس (لکھے ہوئے کو) چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اور اسی کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے O (الرعد: ۳۹)

پس اگر علامہ کرمانی کی مراد یہ ہے کہ ازل میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تو یہ تسلیم کیا جائے گا اور اگر علامہ کرمانی کی مراد یہ ہو کہ لوحِ محفوظ میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا تو پھر اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ اور زیادہ واضح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ "جف القلم" کا معنی ہے: قلم اس چیز کو لکھنے سے فارغ ہو گیا جس چیز کو لکھنے کا اسے اس وقت حکم دیا گیا تھا جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تھا اور اس کو یہ حکم دیا تھا کہ قلم ان تمام چیزوں کو لکھے جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کسی چیز کو متغیر کرنے کا ارادہ فرمایا جس کو پہلے قلم لکھ چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیتا ہے جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے''۔

اس باب کے عنوان میں لکھا ہے ''قلم خشک ہو گیا اللہ کے علم پر''۔ اللہ کے علم پر، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے حکم پر، کیونکہ اللہ کے معلوم کا وقوع میں آنا ضروری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا جہل لازم آئے گا، پس اللہ تعالیٰ کو معلوم کا جو علم ہے وہ اس کے وقوع کے حکم کو مستلزم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

قلم خشک ہو گیا کا معنی ہے کہ لکھنے سے فراغت ہو گئی اور اس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو قلم نے لوحِ محفوظ میں لکھا ہے اس کا حکم متغیر نہیں ہوتا، پس وہ اس سے کنایہ ہے کہ کتابت یعنی لکھنے سے فراغت ہو گئی کیونکہ صحیفہ پر جس وقت لکھا جاتا ہے تو وہ صحیفہ یا صحیفہ کا بعض حصہ تر ہوتا ہے اور اسی طرح قلم بھی، پس جب لکھنا ختم ہو جاتا ہے تو لکھائی خشک ہو جاتی ہے اور قلم بھی خشک ہو جاتا ہے۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں لازم کا ملزوم پر اطلاق ہے، کیونکہ لکھنے سے فارغ ہونا اس کو مستلزم ہے کہ قلم سیاہی سے خشک ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس میں اشارہ ہے کہ اس کی لکھائی ختم ہو گئی۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ قلم خشک ہو گیا، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد کچھ نہیں لکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا لکھنا اور لوحِ محفوظ اور قلم یہ سب امورِ غیب سے ہیں اور ان کا تعلق اس علم کے ساتھ ہے جس پر ایمان لانا ہمیں لازم ہے اور ہم پر اس کی صفت کی معرفت لازم نہیں ہے۔ اور ہمیں اس چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے جو ہم کو معلوم ہے۔

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے ''علی علم اللہ'' یعنی قلم اللہ تعالیٰ کے حکم پر خشک ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے معلوم کا وقوع ضروری ہے، پس اللہ تعالیٰ کا معلوم کے ساتھ جو علم ہے وہ اس کے وقوع کے حکم کو مستلزم ہے۔ اور یہ وہ عبارت ہے جو امام احمد کی حدیث میں ہے اور اس کی امام ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔

عبداللہ بن الدیلمی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا، پھر ان کے اوپر اپنے نور سے ڈالا، پس جس کو اس دن اس نور سے کچھ پہنچا وہ ہدایت پا گیا اور جس کو اس نور سے نہیں پہنچ سکا وہ گمراہ ہو گیا، پس اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم پر خشک ہو گیا۔

اس حدیث کی امام احمد اور امام ابن حبان نے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کی ہے از ابی الدیلمی اور اسی کی مثل ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ایک کہنے والے نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے پوچھا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ بیان کرتے ہیں کہ قلم خشک ہو چکا ہے، پھر اس حدیث کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں ہے: پس اسی لیے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ ہونے والا تھا اسے لکھ کر قلم خشک ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: قلم اس کے ساتھ خشک ہو چکا

ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو''۔
یہ حدیث اس مکمل حدیث کا ایک قطعہ ہے جس کو امام بخاری نے کتاب النکاح کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایک جوان مرد ہوں اور مجھے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہے اور میں اتنا مال نہیں پاتا جس کے سبب سے میں عورتوں سے نکاح کر سکوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خاموش رہے، پھر میں نے اس کی مثل ذکر کیا تو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اس کی مثل ذکر کیا سو آپ خاموش رہے، پھر میں نے اس کی مثل ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! قلم اس چیز کے ساتھ خشک ہو چکا ہے جس سے تم ملاقات کرنے والے ہو، پس تم خصی ہو اس بناء پر یا چھوڑ دو۔ (صحیح البخاری: ۵۰۷۶، سنن نسائی: ۳۲۱۵)
اس سلسلہ میں یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، آپ نے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں، تم اللہ کے دین کی حفاظت کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم سوال کرو تو پس اللہ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو، اور جان لو کہ اگر امت اس پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز سے نفع پہنچائے تو تم کو صرف اسی چیز کے ساتھ نفع دے سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، اور اگر وہ اس پر مجتمع ہوں کہ تمہیں کسی چیز کے ساتھ ضرر پہنچائیں تو وہ نہیں ضرر دے سکیں گے مگر اس چیز کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے، قلم اٹھا لیے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔
(سنن ترمذی: ۲۵۱۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۳)

صحیح البخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَهَا سَابِقُونَ: سَبَقَتْ لَهُمُ السَّعَادَةُ۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''لھا سابقون'' (وہی نیکیوں میں سب سے بڑھنے والے ہیں)، اس کا معنی ہے کہ ان کے لیے سعادت نے سبقت کر لی۔
ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اس پر دلالت کرتی ہے کہ سعادت سابقہ ہے اور آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ خیرات یعنی سعادت مسبوق ہیں اور یہ تعارض ہے۔
اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے سبقت کر گئے سعادت کی بناء پر اور یہ معنی نہیں ہے کہ انہوں نے سعادت پر سبقت کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ الرِّشْكُ قَالَ سَمِعْتُ مُطَرِّفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ يُحَدِّثُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُعْرَفُ أَهْلُ الْجَنَّةِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید الرشک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے مطرف بن عبد اللہ بن الشخیر سے سنا وہ حدیث

نَعَمْ قَالَ فَلِمَ يَعْمَلُ الْعَامِلُونَ قَالَ كُلٌّ يَعْمَلُ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَوْ لِمَا يُسِّرَ لَهُ۔

بیان کرتے ہیں از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! کیا اہلِ جنت اہلِ نار سے پہچانے جاچکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس مرد نے کہا: پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کریں؟ آپ نے فرمایا: ہر شخص وہ عمل کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے یا جو عمل اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۵۵۱، صحیح مسلم: ۲۶۴۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۹، مسند احمد: ۱۹۳۳۳)

صحیح البخاری: ۶۵۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید الرشک، اس کا معنی ہے القسام اور الغسانی نے کہا: اس کا معنی فارسی میں ہے غیور۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: جس کی ڈاڑھی لمبی ہو، کہا جاتا ہے کہ ان کی ڈاڑھی اتنی لمبی تھی کہ ان کی ڈاڑھی میں ایک بچھو داخل ہو گیا اور تین دن کی ان کی ڈاڑھی میں رہا اور اس کا پتا نہیں چل سکا۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے: رِشک کا معنی ہے فارسی میں چھوٹی جوں جو بالوں کی جڑوں کے ساتھ چپک جاتی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال رجل" یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ہیں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایعرف اھل الجنۃ من اھل النار" یعنی کیا اہلِ جنت اور اہلِ نار میں تمیز دی جائے گی؟

اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ معرفت تو عمل کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ عمل علامت ہے، پھر سوال کی کیا وجہ ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہماری معرفت عمل کے ساتھ ہوتی ہے اور فرشتوں کی معرفت تو وہ عمل سے پہلے ہوتی ہے۔ اور اس لفظ سے غرض یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر کے تحت ان میں تفریق کی جائے گی؟

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فلم یعمل العاملون؟" یہ سوال ہے اور معنی یہ ہے کہ جب قلم پہلے ہی سب کچھ لکھ چکا ہے، پھر عمل کرنے والے کے عمل کی کیا ضرورت ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بندہ یہ نہیں جانتا کہ انجام کار اس کا کیا معاملہ ہوگا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کا علمِ سابق اس کے متعلق کیا ہے، پس اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ اس کا عمل اس کے انجام کی علامت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب مذکور سے امام بخاری کی غرض

اس باب کو قائم کرنے سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی نصوص صریحہ سے اور احادیث صحیحہ سے قدریہ کی دلیل کو باطل کریں جیسا کہ اس کے اوپر علامہ المہلب مالکی التوفی ۴۳۵ ھ نے تصریح کی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ ہر نفس کے اوپر حکم لگا کر فارغ ہو گیا ہے اور قلم نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ بندہ انجام کار خیر اور شر میں سے کیا کرے گا، اور قلم کی سیاہی اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قدریہ کو ان کے علم کے باوجود گمراہی میں برقرار رکھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾ (النجم: ۳۲)

(اور) وہ تمہیں خوب جاننے والا ہے، جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں، پیٹ کے بچے تھے، سو تم اپنی پارسائی کا دعویٰ نہ کرو، اللہ متقین کو خوب جانتا ہے O

النجم: ۳۲ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں مومنین کے لیے رہنمائی ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ تمہارے احوال کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، وہ تمہاری پیدائش سے لے کر موت تک کے تمام احوال سے واقف ہے، سو تم ریا اور فخر سے یہ نہ کہو کہ میں فلاں سے بہتر ہوں اور میں فلاں سے زیادہ مخلص اور متقی ہوں، کیونکہ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہیں اور اس کا معنی یہ بھی ہے کہ تم حتمی اور قطعی طور پر یہ نہ کہو کہ میں نجات یافتہ ہوں، کیونکہ تمہارے انجام کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: اس کا معنی ہے: اپنے آپ کو خامیوں اور عیوب سے بری نہ کرو۔

علامہ ابن ملقن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو زمین کی مختلف مٹیوں سے پیدا کیا، اس وقت اللہ تعالیٰ ہمارے حال کو جانتا تھا اور اس کا علم اس چیز کو محیط تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے لے کر قیامت تک جو نسل اس مٹی سے پیدا ہوگی، ایک پشت سے دوسری پشت تک منتقل ہوگی ان کے انجام کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ اس مٹی میں کون سی مٹی پاک تھی اور کون سی مٹی ناپاک تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کو ان میں سے ہر ایک کے متعلق علم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا یا اس کی نافرمانی کرے گا تاکہ وہ شخص خود اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے اور اس کی اپنی شہادت اپنے متعلق کافی ہے، اور اس کے متعلق فرشتے بھی گواہی دیں گے اور مخلوق میں سے جو اس کے احوال کا معائنہ کریں گے وہ بھی شہادت دیں گے، پس اس کی حجت منقطع ہو جائے گی اور نافرمانی کی صورت میں اس کا عذاب متحقق ہو جائے گا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ زنا کے خطرہ سے خصی ہو جائیں، تو آپ نے فرمایا: قلم اس کو لکھ کر

خشک ہو چکا ہے جس کے ساتھ تم ملاقات کرنے والے ہو خواہ تم خصی ہو یا اس کو چھوڑ دو، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ بتایا کہ قلم خیر یا شر سے جس چیز کو بھی لکھ چکا ہے اس سے تجاوز نہیں ہوگا۔ پس ضروری ہے کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے اور کسب کرے، اس لیے آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس حدیث میں خصی ہونے سے منع فرمایا جس کا ظاہر یہ ہے کہ انہیں اختیار دیا تھا اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو تقدیر سے بھاگنے کا ارادہ کرے اس کو آپ نے منع فرمایا۔ اور آپ نے یہ بتایا کہ اگر اس نے تقدیر سے بھاگ کر کوئی عمل کیا تو وہ بھی تقدیر ہی میں اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے، کیونکہ قلم سب کاموں کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔

تقدیر کے متعلق اہلِ سنت کا نظریہ

الحسن البصری سے تقدیر کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو آزمائش کے لیے پیدا فرمایا اور مخلوق جبر سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتی اور نہ کسی کے غلبہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے۔

پس اگر بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس سے روکنے والا نہیں ہے، بلکہ ان کی ہدایت میں مزید اضافہ فرماتا ہے اور ان کے تقویٰ میں بھی مزید اضافہ فرماتا ہے۔ اور اگر بندے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ ان کو اس نافرمانی سے روکے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دیا ہے کہ وہ اگر چاہیں تو فعل کریں اور اگر چاہیں تو نہ کریں۔ پس بندے اپنے اختیار سے کسب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جب بندوں کو عذاب سے ڈرا دیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی حجت کامل ہو گئی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۲۳) اس سے ان کاموں کا سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ کرتا ہے، اور ان سب سے باز پرس کی جائے گی O

الانبیاء: ۲۳ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو کچھ تصرف فرماتا ہے، کسی کو زندگی دیتا ہے کسی کو موت دیتا ہے، کسی کو درجنوں بچے دیتا ہے کسی کو لاولد رکھتا ہے، کسی کو مال و دولت عطا کرتا ہے کسی کو فقر و فاقہ میں مبتلاء کرتا ہے، کسی کو دنیا میں وجاہت اور عزت عطا فرماتا ہے اور اس کو حاکم بناتا ہے اور کسی کو محکوم بنا دیتا ہے، کسی کو صحت اور قوت عطا فرماتا ہے اور کسی کو بیمار اور کمزور رکھتا ہے، کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت میں مبتلاء رکھتا ہے، اس سے کسی بات کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، کیونکہ سب اس کی مخلوق، مملوک اور غلام ہیں، سب اس کے زیرِ سلطنت اور زیرِ حکم ہیں، سب پر اس کی قضاء نافذ ہے، اس کے اوپر کوئی ہستی نہیں جو اس سے سوال کر سکے، اور آسمان اور زمین میں جو بھی مخلوق ہے وہ سب اس کے بندے ہیں اور ان سب سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا، اور ان کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، کیونکہ وہ سب کا مالک اور معبود ہے۔ (جامع البیان جز ۱۷ ص ۲۰)

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۗ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (النحل: ۹) اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا O

لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازراہِ کرم سیدھے راستہ کے بیان کو اپنے ذمہ لے لیا ہے، وہ رسولوں اور نبیوں کو بھیج کر اور کتابوں اور صحائف کو نازل فرما کر اور براہین اور دلائل قائم فرما کر سیدھا راستہ بیان فرماتا ہے، اور جو شخص سیدھا راستہ حاصل کرنے کا ارادہ کرے اور نیک اعمال کا قصد کرے تو اس کے لیے نیک اعمال پیدا فرما دیتا ہے، اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں جن پر چلنے سے ہدایت حاصل نہیں ہوتی اور اس ٹیڑھے راستہ کی دو تفسیریں ہیں (۱) کافروں کی مختلف ملتیں، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت، (۲) اہل الاہواء اور اہل البدعات، جنہوں نے محض اپنی خواہشات سے نئے نئے مسالک بنا لیے ہیں جن کی قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ایمان کے طریقے آسان کر دیتا ہے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر برقرار رکھنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے لیے ایمان لانا اور اس کے طریقوں پر عمل کرنا دشوار فرما دیتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا یہ معنی ہے: جو شخص ایمان کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایمان لانے کے راستے آسان فرما دیتا ہے اور جو شخص کفر اور گمراہی کو اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کر دیتا ہے، وہ جبراً کسی کو مسلمان نہیں بناتا اور نہ جبراً کسی کو کافر بناتا ہے، اسی لیے فرمایا ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو (جبراً) ہدایت دے دیتا'' لیکن لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنانا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

جبر کی نفی پر دلائل

میں کہتا ہوں: جبر اس صورت میں ہوتا کہ انسان اپنے قصد اور ارادہ سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا چاہتا لیکن کوئی ان دیکھی طاقت اس کو جبراً گھسیٹ کر شراب خانے کی طرف لے جاتی اور اس کے ہاتھ میں شراب کا جام پکڑا دیتی، وہ شراب پینا نہیں چاہتا تھا وہ مسجد میں نماز پڑھنا چاہتا تھا، لیکن کسی غیر مرئی قوت نے اس کو بجائے مسجد کے شراب خانہ کی طرف دھکیل دیا۔

رہا یہ اشکال کہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ پہلے سے تقدیر میں لکھ دیا ہے تو بندہ اس لکھے ہوئے کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بندہ کو کچھ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کیا لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے وہی لکھا ہے جو کچھ اس نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں اختیار اور ارادہ سے نیک کام کرنے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے وہ نیک کام لکھ دیے، اور اگر اس نے اپنے اختیار اور ارادہ سے زندگی میں برے کام کرنے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ان برے کاموں کو لکھ دیا، اس کو اس مثال سے سمجھ لیں کہ انسان کراچی سے اسلام آباد جانے کے لیے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدتا ہے اور اس میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں تاریخ کو یہ جہاز اتنے بج کر اتنے منٹ پر کراچی سے پرواز کرے گا، ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جہاز کی پرواز ہمارے علم کی وجہ سے ہو رہی ہے اور جہاز اپنی اڑان میں ہمارے اس علم کے مطابق مجبور ہے بلکہ جہاز تو اپنے شیڈول کے مطابق پرواز کرتا ہے ہمیں کسی ذریعہ سے اس کا علم ہو گیا اور ہمارا یہ علم اس کو واجب نہیں کرتا کہ جہاز ہمارے علم کے مطابق پرواز کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے جہاز کی پرواز میں گھنٹہ دو گھنٹہ تاخیر ہو جائے تو یہ بھی ممکن ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ہمارے متعلق لکھ دیا ہے ہمیں اس کے متعلق علم نہیں ہے اس لیے ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے

کرتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ المہلب المالکی نے بھی کہا ہے: اس باب کی حدیث میں جبریہ کے خلاف اہلِ سنت کی دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عمل کرو ہر ایک کے لیے وہی عمل آسان کردیا جائے گا جس عمل کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اور یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص کو اس عمل کے لیے مجبور کیا جائے گا جس عمل کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے بلکہ آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اس کے عمل میں خیر یا شر جو بھی ارادہ کیا گیا ہے اس کے مطابق وہ عمل کرے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو جنت یا دوزخ جس کے لیے بھی پیدا کیا گیا ہے اس کے عمل اس کے لیے آسان کردیئے گئے ہیں اور وہ اس میں مختار ہے مجبور نہیں ہے۔ اور جبر اختیار سے نہیں ہوتا وہ اکراہ سے ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۳۰۰)

قلمِ تقدیر کے لکھنے کا بیان

امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے لوح اور قلم اور دوات کو پیدا کیا اور قلم سے فرمایا: لکھو جو کچھ ہونا ہے، سو اس نے لکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، پس ارشاد فرمایا: لکھو، اس نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھو، سو اس نے لکھا۔ (تفسیر طبری ج ۱۲ ص ۱۷۶)

پس یہ اس آیت کی تفسیر ہے "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝" (القلم:۱)۔ "نون، قلم کی قسم! اور اس کی جو (فرشتے) لکھتے ہیں" ۝

القلم:۱ کی تفسیر از مصنف

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ القلم:۱ کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ عزوجل نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ قلم ہے، پھر جو کچھ ہونے والا تھا اس کو قلم نے لکھا، پھر پانی سے بخارا اٹھا تو اس سے آسمان کو پیدا کیا اور پھر مچھلی کو پیدا فرمایا، (نون کا معنی مچھلی ہے) اور زمین کو مچھلی کی پشت پر پھیلایا گیا تو زمین ہلنے لگی تو اس کو پہاڑوں سے ٹھہرایا، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: "نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝"۔ (القلم:۱)

(جامع البیان: ۲۶۷۴۳، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ سیوطی نے لکھا ہے: اس حدیث کو امام عبدالرزاق، امام فریابی، امام سعید بن منصور، امام عبد بن حمید، امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، امام ابوالشیخ نے "العظمة" میں، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ المستدرک میں، امام بیہقی نے "الاسماء والصفات" میں اور امام خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اور امام الضیاء نے "المختارة" میں روایت کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۸ ص ۲۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے القلم کو پیدا کیا، پھر اس سے فرمایا: لکھ! تو اس نے ابد تک جو کچھ ہونے والا تھا وہ لکھ دیا۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے "قلم نے تمام "ماکان ومایکون" لکھ دیا"۔ (سنن ترمذی: ۲۱۵۵، ۳۳۱۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۰، مسند احمد ج ۵ ص ۳۱۷)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

امام رازی نے کہا: نون کے متعلق یہ روایت کہ وہ مچھلی ہے اور اس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے، یہ ضعیف روایت ہے۔ اور حق یہ ہے کہ نون اس سورت کا اسم ہے یا یہ حرف تہجی ہے اور اس سے یہ بتایا ہے کہ یہ قرآن ان ہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم کلام مرکب کرتے ہو اور اگر تمہاری رائے میں یہ کلام کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اس کی مثل کلام بنا کر لے آؤ۔

(تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۵۹۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابن الملقن اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے دوات کو پیدا کیا، اور نون سے یہی مراد ہے۔ اور قلم کو پیدا فرمایا، پس قلم نے لکھا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ يَّهۡدِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ (الجاثیہ: ۲۳)

پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا، اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گم راہ کر دیا، اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا، پس اللہ کے بعد اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے، تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ○

اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف اپنی خواہشوں پر عمل کرنا، اپنی خواہشوں کی عبادت کرنا ہے

الجاثیہ: ۲۳ میں فرمایا: پس کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔ الآیہ

کتنی بار ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا دل کسی کام کرنے کو چاہتا ہے اور ہم کو علم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے اس کام سے منع کیا ہے اور وہ اس سے ناراض ہوتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود اس کام کو کرتے ہیں اور اپنی خواہش پر عمل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کرتے، سو بتائیں کہ ان مواقع پر ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں یا اپنی خواہش کی اتباع اور اپنے نفس کی اطاعت اور اس کی عبادت کرتے ہیں؟ اگر ہم اپنے دن اور رات کے تمام کاموں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے دن اور رات میں کم سر جھکاتے ہیں اور اپنی خواہش کے سامنے زیادہ سر جھکاتے ہیں۔

اسی طرح کوئی شخص اپنی خواہش سے حضرت عیسیٰ یا حضرت عزیر کی عبادت کرتا ہے، کوئی رام اور کرشن کی عبادت کرتا ہے، کوئی لات اور منات کی عبادت کرتا ہے، کوئی ستاروں کی عبادت کرتا ہے، کوئی آگ اور پیپل کی عبادت کرتا ہے، یہ سب اپنی خواہش کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہیں، اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔

بعض بندوں کو رسول بنانے اور بعض کو گمراہ بنانے کی توجیہ

اس کے بعد فرمایا: ”اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا“۔

اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کی اطاعت کی

اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکایا حالانکہ اس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی نہیں ہے اور اس نے ان کاموں سے منع فرمایا، اس کے باوجود اس نے اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور اس نے علم کے باوجود گمراہی کو اختیار کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر گمراہی کو پیدا کر دیا، اور اس معنی کو اللہ تعالیٰ نے یوں تعبیر فرمایا: ''اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا''۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق علم تھا کہ اس کی روح کا جو ہر نیکی اور پرہیز گاری کو قبول نہیں کرے گا، اور جب اس کو اختیار دیا جائے گا تو وہ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور جس کے متعلق اللہ کو علم تھا کہ اس کی روح کا جو ہر نیکی کو اور تقویٰ اور طہارت کو قبول کرے گا وہ نہ صرف نیک ہوگا بلکہ دوسروں کو نیک بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ واشاعت کے راستہ میں ہر قسم کی مشقت اور صعوبت کو برداشت کرے گا، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت اور رسالت کو مقدر کر دیا، لہٰذا فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔ (الانعام: ۱۲۴) اللہ کو خوب علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا۔

علامہ ابن ملقن ''وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ'' (الجاثیہ: ۲۳) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ کس کو گمراہی پر برقرار رکھے گا اور کس کو ہدایت دے گا، اور اسی معنی کی طرف امام بخاری اس باب کے عنوان میں گئے ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے اس کو ہدایت کا علم دینے کے بعد اور بیان کرنے کے بعد گمراہی پر برقرار رکھا کیونکہ اس نے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۲۹۔۱۳۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر پر دہریوں کے ایک اشکال کا جواب

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اہلِ جنت، اہلِ نار سے ممتاز ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: پھر عمل کرنے والے عمل کیوں کریں؟ آپ نے فرمایا: ہر شخص وہی عمل کرتا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے یا جو اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۵۹۶، صحیح مسلم: ۶۶۷۹، سنن ابوداؤد: ۴۷۰۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مکلفین سے ان کا مآل اور ان کا انجام محجوب ہے، یعنی ان کو معلوم نہیں ہے۔ پس مکلفین پر لازم ہے کہ ان کو جن کاموں کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ ان کا عمل ان کے مآل اور انجام کی علامت ہے۔ اگر چہ بعض کا خاتمہ اس عمل کے خلاف ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ لیکن کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہے۔ پس بندہ پر لازم ہے کہ اپنی پوری کوشش بجالائے اور اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور اس میں کوتاہی نہ کرے اور اس تشویش میں نہ رہے کہ اس کا انجام کیا ہوگا، پس اس کو اللہ کے احکام کی بجا آوری نہ کرنے پر ملامت کی جائے گی اور وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

اور امام ابن حبان نے اس باب کی حدیث میں یہ عنوان قائم کیا ہے کہ مرد پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے میں سرگرمی سے کوشش کرے خواہ اس سے پہلے اس نے کچھ نافرمانیاں کی ہوں۔

اور امام مسلم نے از ابوالاسود از حضرت عمران یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یہ بتایئے کہ آج جو لوگ عمل کرتے ہیں یہ وہی ہے جس کو ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے اور تقدیر میں پہلے یہ عمل لکھا جا چکا ہے یا وہ از سرِ نو یہ عمل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ وہ چیز ہے جو ان کے اوپر لکھ دی گئی ہے اور اس سے پہلے تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور اس کی تصدیق اللہ عزوجل کی اس آیت میں ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (الشمس: ۷-۸)

اور نفس کی قسم! اور جس نے اس کو درست بنایا ۝ پھر اس (نفس) کو اس کے برے کام اور ان سے بچنے کا طریقہ سمجھا دیا ۝

اور اس حدیث میں ابوالاسود الدؤلی کا حضرت عمران کے ساتھ قصہ ہے اور اس میں مذکور ہے کہ ابوالاسود نے حضرت عمران سے کہا کہ کیا یہ ظلم ہوگا؟ (یعنی جب انسان وہی کرتا ہے جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو کیا اس پر مواخذہ کرنا ظلم ہوگا؟) تو حضرت عمران نے جواب دیا: نہیں! ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ملک میں پیدا کیا ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا جائے گا۔

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: حضرت عمران نے ابوالاسود پر منکرین تقدیر کا شبہ پیش کیا کہ وہ اپنی رائے سے اللہ تعالیٰ کے متعلق حکم لگاتے ہیں، پس جب انہوں نے یہ جواب دیا جو دین کے ثبوت پر دلالت کرتا ہے تو اس کو اس آیت کے ساتھ مؤکد کیا اور یہ اہلسنت کی حد ہے اور اس میں انہوں نے یہ کہا: ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو مالک اعلیٰ ہے خالق اور آمر ہے اس پر اس وقت اعتراض نہیں کیا جائے گا جب وہ اپنی ملک میں اپنی مشیت کے مطابق تصرف کرے۔ اعتراض تو صرف مخلوق پر کیا جاتا ہے جو مامور ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۳- بَابٌ: اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ

اللہ تعالیٰ ہی اس کو جاننے والا ہے کہ مشرکین کے بچے کیا عمل کرنے والے تھے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے کہ مشرکین کے بچے کیا عمل کرنے والے تھے'' اور لفظ ''کانوا'' میں جو ضمیر ہے وہ مشرکین کی اولاد کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ حدیث کے شروع میں مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال ہے اور یہ حدیث کتاب الجنائز کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس باب کا عنوان تھا ''ماقیل فی اولاد المشرکین'' یعنی مشرکین کی اولاد کے متعلق جو کہا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان

ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۸۳، ۶۵۹۷، صحیح مسلم: ۲۶۶۰، سنن نسائی: ۱۹۵۱، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۱، مسند احمد: ۳۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۵۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، یہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو بشر کا ذکر ہے، یہ جعفر بن ابی وحشیہ ایاس الیشکری الواسطی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے کہ مشرکین کی اولاد کیا کرنے والی تھی"۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: مشرکین کی اولاد کے متعلق تین مذاہب ہیں:

اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ وہ دوزخ میں ہوں گے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ ان میں توقف کیا جائے گا اور تیسرا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح ہے کہ مشرکین کی اولاد اہل جنت میں سے ہوگی۔

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:

ثواب اور عقاب اعمال کی وجہ سے نہیں ہوتا ورنہ لازم آئے گا کہ نابالغ بچے نہ جنت میں ہوں اور نہ دوزخ میں ہوں، بلکہ ثواب اور عقاب کو واجب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور اللہ تعالیٰ کا قہر ہے جو ازل میں ہی ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، پس اولیٰ اس میں توقف کرنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ وَأَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: اور مجھے عطاء بن یزید نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: اللہ

تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۸۴، ۶۵۹۸، ۶۶۰۰، صحیح مسلم: ۲۶۵۹، سنن نسائی: ۱۹۵۲، مسند احمد: ۱۸۴۸)

صحیح البخاری: ۶۵۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، وہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابنِ شہاب، وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز کے اواخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی روایت تھی از ابوالیمان از شعیب از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عطاء بن یزید اللیثی نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا الیٰ آخرہ۔ اور یہاں پر روایت ہے کہ مجھے خبر دی عطاء بن یزید نے جیسا کہ تم نے پڑھا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عن ذراری المشرکین" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے بچوں کے متعلق سوال کیا گیا؟ اس میں "ذراری" کا لفظ ہے اور یہ ذریت کی جمع ہے اور مرد کی ذریّہ اس کی اولاد ہوتی ہے اور اس کا واحد اور جمع دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ اعلم بما کانوا عاملین" امام بخاری کی اس سے غرض جہمیہ کے اس قول کا رد کرنا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے افعال کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا حتیٰ کہ بندے عمل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس قول سے بلند و برتر ہے۔ اور شارع علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جانتا ہے جو ابھی نہیں ہوئی، تو اس کو کیسے نہیں جانے گا جو ہو گی، وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہونے کے متعلق قضاء اور قدر مقرر فرما دی ہیں اور اس سے اہلِ سنت کا تقدیر کے متعلق مذہب قوی ہوتا ہے۔ اور تقدیر اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اس کا غیب ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مختص ہے، اس نے اس پر نہ کسی مقرب فرشتے کو اطلاع دی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: میں اس حدیث کی کوئی توجیہ اس کے سوا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے مطلع فرما دیا ہے کہ وہ کیا کرے گا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ کو علم ہے کہ جو لوگ اپنی مدتوں سے متاخر ہیں اور انہوں نے کوئی کام نہیں کیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ فطرت پر پیدا ہو چکے ہیں یعنی اسلام پر اور ان کے باپ دادا ان کو یہودی بناتے ہیں اور نصرانی بناتے ہیں، جیسا کہ بکری کا بچہ سالم الاعضاء پیدا ہوتا ہے، اسی طرح انسانوں کے بچے بھی صحیح فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۵۹۹۔ حَدَّثَنِی إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ كَمَا تُنْتِجُونَ الْبَهِيمَةَ هَلْ تَجِدُونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ حَتَّى تَكُونُوا أَنْتُمْ تَجْدَعُونَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مولود بھی پیدا ہوتا ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی بنادیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ پیدا ہوتا ہے، کیا تم اس کے اعضاء کٹے ہوئے دیکھتے ہو حتیٰ کہ تم خود اس کے اعضاء کاٹتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۸۵، ۴۷۷۵، ۶۵۹۹، صحیح مسلم: ۲۶۵۸، مسند احمد: ۷۶۵۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۴)

۶۶۰۰۔ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ مَنْ يَمُوتُ وَهُوَ صَغِيرٌ قَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۱۴، مسند احمد: ۷۴۳۹۶)

صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! جو شخص فوت ہو جائے اور وہ بچہ ہو؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۵۹۹۔ ۶۶۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق۔ بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم ہیں اور وہ ابن راہویہ الحنظلی ہیں (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۳، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

اور الکلاباذی نے کہا ہے: امام بخاری اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی سے روایت کرتے ہیں اور اسحاق بن ابراہیم الحنظلی، اور اسحاق بن ابراہیم الکوسج از عبدالرزاق۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کے رد میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر کی عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسحاق سے مراد یہاں پر ان تین مذکور میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک امام عبدالرزاق بن ہمام سے روایت کرتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ اسحاق بن راہویہ ہیں۔ یہ وثوق انہوں نے کہاں سے نکالا؟

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، وہ ابن راشد ہیں اور ہمام سے مراد ابن منبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی الفطرۃ" یعنی "علی الاسلام" اور دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد ہے خلقت، اور یہاں اس سے مراد ہے دینِ حق کو قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت، کیونکہ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور ان کی طبیعت کے تقاضوں پر چھوڑ دیا جاتا تو وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار نہ کرتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یھودانہ" یعنی اگر اس کے ماں باپ یہود ہوں تو وہ اس کو یہودی بنا دیتے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "وینصرانہ" یعنی اگر اس کے ماں باپ نصرانی ہوں تو وہ اس کو نصاریٰ بنا دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ماں باپ اس کے دین بدلنے کا سبب ہوتے ہیں۔ اور معنی یہ ہے کہ بچہ جو فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس جانور کے مشابہ ہوتا ہے جس کے اعضاء کو فطرت پر پیدا ہونے کے بعد کاٹ دیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جدعاء" اس کا معنی ہے: جس کے اعضاء کٹے ہوئے ہوں اور یہ "الجدع" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: ناک اور کان کو کاٹنا، اور ہاتھوں اور ہونٹوں کو کاٹنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۰-۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۵۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تقدیر کے متعلق تفتیش کرنے کی ممانعت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو تم رک جاؤ۔

(مخرج نے کہا ہے: میں اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت پر مطلع نہیں ہوا، اور امام طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۸ میں روایت کیا ہے۔ اور امام ابن عدی نے "کامل فی الضعفاء" ج ۸ ص ۲۶۴ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور حافظ الہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہا ہے: اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور اس میں ایک راوی ہے مسہر بن عبد الملک، اس کی امام ابن حبان وغیرہ نے توثیق کی ہے اور اس میں اختلاف ہے اور اس کے باقی رجال صحیح حدیث کے رجال ہیں۔)

اور بلال بن ابی بردہ نے محمد بن واسع سے کہا: آپ قضاء اور قدر کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اے امیر! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قیامت کے دن قضاء اور قدر کے متعلق سوال نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بندوں سے ان کے اعمال کے متعلق سوال کرے گا۔ (التمہید ج ۳ ص ۱۴۱، الاستذکار ج ۲۶ ص ۸۷)

اور عمر بن عبد العزیز نے حسن بصری کی طرف مکتوب لکھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے یہ مطالبہ نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق کیا قضاء کی تھی، اللہ تعالیٰ ان سے یہ مطالبہ کرے گا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا ہے اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے، ان کے متعلق مخلوق نے کیا عمل کیا ہے، تو تم ابھی اپنے نفس سے مطالبہ کرو جو تم سے تمہارا رب قیامت کے دن مطالبہ کرے گا۔ (الاستذکار ج ۲۶ ص ۸۸-۸۷)

ایک اعرابی سے تقدیر کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں نظر کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص عینِ

سورج کو دیکھے تو وہ اس سورج کی روشنی کو تو پہچانے گا لیکن اس سورج کی حدود بیان کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۳۲۔۱۳۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس مسلمان کے بھی تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔

تین کا عدد کثرت کی حیز میں داخل ہے اور کبھی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے، پس اس کے ایمان میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ اس مصیبت پر صبر کرتا ہو۔ اسی وجہ سے جس شخص کے اوپر لگاتار مصائب آئیں، اس کو زیادہ ثواب کا اجر ملتا ہے۔ اور انسان اپنے بچے سے بہت زیادہ خوش ہوتا ہے اور وہ اس پر راضی ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے بچے پر فداء کرے۔ اور یہ چیز انسانوں میں بھی معروف ہے اور جانوروں میں بھی، اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے مصائب پر صبر کرنے کے مرتبہ کو بلند فرمایا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس شخص کے بھی تین بچے فوت ہوئے ہوں اور اس نے ان پر صبر کیا ہو تو وہ بچے اس کے لیے دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جاتے ہیں۔

(موطا امام مالک ص ۱۶۲، کتاب الجنائز، باب الحسبۃ بالمصیبۃ بالولد وغیرہ، کتاب الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم ج ۴ ص ۱۸۵)

اور اس حدیث میں ''یحتسبھم'' کا لفظ ہے اور ''حسبۃ'' کا معنی ہے: مصیبت پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ کی قضاء کے سامنے سر جھکانا، پس جب اس کا نفس اللہ کی رضا پر خوش ہو تو اس کا اجر کامل ہوگا۔

اور یہ وارد ہے کہ اعمال میں سے رضا کے مرتبہ کا کوئی عمل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' (المائدہ: ۱۱۹) اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہے اور اس کے بندے ان اعمال پر جو اجر دیا گیا، اس پر راضی ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا ہے کہ وہ بلوغت کو نہ پہنچے ہوں، یعنی اس حد پر نہ پہنچے ہوں کہ ان کے اوپر قلمِ تکلیف جاری ہو اور ''حنث'' کا معنی ہے بڑا گناہ۔ اور اس حدیث میں یہ قطعی دلیل ہے کہ مسلمانوں کی اولاد جنت میں ہوگی۔

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ ابن ملقن شافعی کی تحقیق

(۱) ایک قول یہ ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے اہلِ جنت میں سے ہیں، کیونکہ وہ فطرت پر پیدا ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ (النساء: ۴۰) بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اور جس حدیث میں ہے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ کوئی عمل نہیں کریں گے اور وہ اس وقت کی طرف نہیں لوٹیں گے جس میں وہ عمل کریں۔ اور یہی مختار ہے، یعنی مفسرین، فقہاء، متکلمین اور صوفیاء کی ایک جماعت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور ابنِ حزم ظاہری کا بھی یہی مختار ہے۔

(۲) مشرکین کی نابالغ اولاد اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔

یزید بن ابان نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ اہل جنت کے خدام ہیں اور یہ سفیان کا مذہب ہے۔

اس مسئلہ میں پانچ اقوال اور ہیں:

(الف:) اس مسئلہ میں نہ ان کے جنتی ہونے کی نفی کرنی چاہیے اور نہ ان کا اثبات کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کو اپنے علم کے ساتھ مختص فرمالیا ہے۔

(ب:) مشرکین کی نابالغ اولاد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے اوپر موقوف ہے اور یہ قول توقف کے قول کے علاوہ ہے، یعنی نہ ان کے جنتی ہونے کا حکم لگایا جائے اور نہ ان کے دوزخی ہونے کا حکم لگایا جائے۔

(ج) مشرکین کی نابالغ اولاد جنت اور دوزخ کے درمیان ایک درجہ میں ہوگی۔ ان کے پاس ایمان نہیں جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوں، اور نہ ان کے اعمال ہیں جس کی وجہ سے ان کا دوزخ میں داخل ہونا واجب ہو۔

(د) اگر ان کی موت کے بعد ان کے ماں باپ اسلام قبول کرلیں تب بھی وہ دوزخ میں ہوں گے۔

(ہ) ان کو مرنے کے بعد مٹی بنادیا جائے گا۔

(۳) کفار کی نابالغ اولاد دوزخ میں ہوگی، کیونکہ حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم الابواء یا ودان میں گذرے تو آپ سے ان گھر والوں کے متعلق سوال کیا گیا جن میں مشرکین پر شب خون مارا گیا، پس ان کی عورتوں کو اور ان کے بچوں کو قتل کیا گیا، آپ نے فرمایا: وہ انہی میں سے ہیں۔ (یعنی مشرکین میں سے ہیں)۔

(صحیح البخاری: ۳۰۱۲، صحیح مسلم: ۱۷۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۷۲، سنن ابن ماجہ: ۲۸۳۹، مسند احمد: ۱۶۲۴۴)

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دنیاوی معاملات پر محمول ہے یعنی اگر کفار کے بچے اور ان کی عورتیں شب خون اور حملہ میں مارے جائیں تو ان کے لیے قصاص بھی نہیں ہوگا اور نہ دیت ہوگی۔ اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ مشرکین کی نابالغ اولاد کو اور جو لوگ فترت کے زمانہ میں مرگئے ان کو زندہ فرمائے گا اور بہروں اور گونگوں اور دیوانوں کو اور ان کے لیے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی، پھر ان کے پاس ایک رسول کو بھیجا جائے گا جو ان کو حکم دے گا کہ اس آگ میں داخل ہوجاؤ، پس جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عقل دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا، تو وہ اس آگ میں داخل ہوجائے گا اور وہ آگ اس کو ضرر نہیں پہنچائے گی اور وہ جنت میں داخل ہوجائے گا، اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو یہ علم ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں عقل عطا فرماتا اور وہ اللہ کی اطاعت نہ کرتا، تو وہ اس آگ میں داخل ہوجائے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس قول کے متعلق جو آثار وارد ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ ان سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (شرح ابن بطال ج ۳ ص ۳۷۴)

علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ حدیث عقلاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿ (التوبہ:۱۱۳)

نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب کہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ (مشرکین) دوزخی ہیں O

پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو دوزخی قرار دیا ہے۔ اور اگر ان کے لیے کوئی ایسا مقام ہوتا جس میں ان کی مغفرت کی توقع ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ فرماتا۔

یہ استدلال صحیح نہیں ہے جیسا کہ علامہ ابن التین نے کہا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد اللہ بن ابی اور اس جیسے منافقین کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے اور مشرکین کی نابالغ اولاد کے لیے استغفار کرنے سے منع نہیں فرمایا۔

(۵) مشرکین کی نابالغ اولاد کے اخروی انجام کے متعلق توقف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔

التوضیح کے حاشیہ میں لکھا ہوا ہے:

بعض اہلِ علم کا یہ مذہب ہے کہ ان کے متعلق اللہ سبحانہٗ کا علم قیامت کے دن ظاہر ہوگا اور ان کی آزمائش کی جائے گی جیسا کہ اہلِ فترت وغیرہ کی آزمائش کی جائے گی۔ پس اگر انہوں نے اس کا جواب دے دیا جو ان سے مطالبہ کیا گیا تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے اس کی نافرمانی کی تو دوزخ میں داخل ہوں گے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اہلِ فترت کی قیامت کے دن آزمائش کی جائے گی اور یہ وہ لوگ ہیں جن تک رسولوں کا پیغام نہیں پہنچا اور جو ان کے حکم میں ہیں جیسے مشرکین کی نابالغ اولاد، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿ (بنی اسرائیل:۱۵)

اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں O

اور یہ قول اہلِ فترت اور ان کی مثل کے متعلق سب سے صحیح قول ہے جن لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی دعوت نہیں پہنچی۔

اور شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد شیخ ابن قیم اور سلف اور خلف کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۰ ص ۱۶۹۔۱۷۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی تحقیق

مشرکین کی نابالغ اولاد کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ ان کا انجام اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اور انہوں نے درج ذیل آیت میں تاویل کی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿ (المدثر:۳۸۔۳۹)

ہر شخص اپنے عمل کے بدلے میں گروی ہے O ماسوا دائیں طرف والوں کے O

''اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ'' کے متعلق اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ وہ مومنین کے نابالغ بچے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اصحب الملائکہ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا: نابالغ بچوں کا حکم وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں ان کے آباء کا حکم ہے۔ اگر ان کے آباء مومن ہوں تو آباء

کے ایمان کی وجہ سے ان کو مومن قرار دیا جائے گا، اور اگر ان کے آباء کافر ہوں تو ان کو کافر قرار دیا جائے گا۔ اور انہوں نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جو جہاد میں مارے جائیں، ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی اپنے آباء کے طریقہ پر ہوں گے۔

اور دوسرے علماء کا قول یہ ہے کہ کفار کی اولاد کی آخرت میں آزمائش کی جائے گی۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ مشرکین کی اولاد مسلمانوں کی اولاد کے ساتھ جنت میں ہوگی۔ اوران کا استدلال حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے جس کو امام بخاری نے کتاب التعبیر میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے:

رہا وہ طویل القامت مرد جو باغ میں ہے تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور جو بچے اس کے گرد، پس یہ ہر وہ مولود ہیں جو فطرت پر فوت ہوئے ہیں۔ بعض مسلمانوں نے پوچھا: یارسول اللہ! پس اولادِ مشرکین کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور مشرکین کی اولاد بھی۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴۷)

یہ حدیث مشرکین کی نابالغ اولاد کے جنتی ہونے کے متعلق قطعی حجت ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر مشرکین کی نابالغ اولاد کے متعلق یہ قول صحیح ہے تو اس حدیث کی کیا توجیہ ہوگی جس میں یہ ارشاد ہے کہ "اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیثِ مذکور کے معارض ہے جس میں مشرکین کی نابالغ اولاد کے متعلق بیان فرمادیا ہے کہ وہ جنت میں مسلمانوں کے نابالغ بچوں کے ساتھ ہوں گے۔

نیز اس حدیث کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ اطفالِ مشرکین کیا عمل کرنے والے تھے، یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ علم دیا کہ وہ مسلمانوں کی اولاد کے ساتھ جنت میں ہوں گے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے، آپ وحی سے کلام فرماتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ ان کو کس دین پر مارے گا۔ اگر وہ زندہ رہتے اور بالغ ہوجاتے، لیکن جب وہ زندہ نہیں رہے اور عمل کرنے کی عمر کو نہیں پہنچے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو شامل ہوگی جن کا کوئی گناہ نہ ہو۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اللہ ہی خوب جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے، یہ ارشاد مجمل ہے اور اس کی تفصیل قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۷۲)

اور (یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے بنو آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے نفسوں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے O

سو یہ عام اقرار ہے، اس میں مشرکین اور مسلمین کی وہ اولاد بھی داخل ہے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگئی۔ اور ان سب نے وہاں پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف اور اقرار کرلیا، لہٰذا ان میں سے جو بالغ ہونے سے پہلے فوت ہوگیا وہ اس آیت کے عموم سے خارج نہیں ہوگا۔

اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ مشرکین کے اطفال کا حکم وہ ہے جو ان کے آباء کا حکم ہے، یہ حسب ذیل آیت سے مردود ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

نیز دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنے ماں باپ کے حکم میں ہیں نہ کہ آخرت میں، یعنی اگر وہ شب خون میں اور حملہ میں مارے جائیں تو نہ ان کے لیے قصاص ہوگا اور نہ دیت ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ اطفال مشرکین کی آخرت میں آزمائش کی جائے گی یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں وہ ضعیف ہیں، ان سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی، اور آخرت دار جزاء ہے دار العمل نہیں ہے، لہٰذا وہاں پر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۶۷۔۳۶۸، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس مسئلہ میں حسب ذیل اقوال نقل کیے ہیں:

(۱) کفار کی نابالغ اولاد کا ٹھکانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، یہ قول ابن المبارک اور اسحاق سے منقول ہے، امام بیہقی نے الاعتقاد میں اس قول کو امام شافعی سے نقل کیا ہے، علامہ ابن عبد البر المالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کے طریقہ کا بھی یہی مقتضیٰ ہے اور ان کے اصحاب نے یہ تصریح کی ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے اور کفار کے بچے اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں اور اس کی دلیل باب مذکور کی یہ حدیث ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا تو اس کو علم تھا کہ وہ کیا عمل کرنے والے ہیں (صحیح البخاری: ۱۳۸۳)

(۲) نابالغ اولاد اپنے آباء کے تابع ہے، پس مسلمانوں کی اولاد جنت میں اور کفار کی اولاد دوزخ میں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کے بچوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جنت میں ہیں، اور مشرکین کے بچوں کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: وہ دوزخ میں ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! انہوں نے تو اعمال کا زمانہ نہیں پایا! آپ نے فرمایا: تمہارا رب خوب جاننے والا ہے وہ کیا عمل کرنے والے تھے، اگر تم چاہو تو میں دوزخ میں ان کے رونے کی آواز سنادوں۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

(۳) وہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ہیں، کیونکہ انہوں نے نیک کام نہیں کیے کہ وہ جنت میں داخل ہوں، نہ برے کام کیے ہیں کہ وہ دوزخ میں داخل ہوں۔

(۴) وہ اہل جنت کے خدام ہیں، اس کے ثبوت میں درج ذیل احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی اولاد اہل جنت کے خدام ہیں۔

(مسند ابو یعلیٰ: ۴۰۹۰، مسند البزار: ۲۱۷۰، تمہید ج ۷ ص ۲۵۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

یزید رقاشی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابوحمزہ! آپ کے نزدیک مشرکین کے نابالغ بچوں کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے گناہ نہیں ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے، اور نہ ان کی نیکیاں ہیں کہ ان کو ثواب دیا جائے، پس وہ اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۸۲۴، حلیۃ الاولیاء: ج ۷ ص ۳۰۸)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کی اولاد کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: وہ اہلِ جنت کے خدام ہیں۔ (المعجم الکبیر: ۶۹۹۳، مسند البزار: ۲۱۷۲)

(۵) ان کو قیامت کے دن مٹی بنا دیا جائے گا۔

(۶) وہ دوزخ میں ہیں، یہ امام احمد کے بعض اصحاب کا قول ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۸ (تاہم اس حدیث کی سند ضعیف ہے))

(۷) ان کی آخرت میں آزمائش کی جائے گی، ان کے سامنے آگ پیش کی جائے گی، پس جو اس آگ میں داخل ہو جائے گا اس کے لیے وہ آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی، اس کے ثبوت میں یہ احادیث ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن چار آدمیوں کو لایا جائے گا، نابالغ بچہ، کم عقل، جو فترت پر مر گیا اور شیخِ فانی۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ، تو جن کے اوپر بدبختی لکھ دی گئی ہے، وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو ہم کو اس آگ میں داخل کر رہا ہے حالانکہ ہم اس سے ڈرتے تھے اور جن کے لیے نیک بختی لکھ دی گئی ہے وہ اس میں دوڑتے ہوئے داخل ہو جائیں گے، پس یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور پہلا فریق دوزخ میں داخل ہوگا۔ (مسند البزار: ۲۱۷۷، مسند ابو یعلیٰ: ۴۲۲۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن ان کو لایا جائے گا جو زمانہ فترت میں مر گئے اور کم عقل کو، اور نابالغ بچہ کو، جو اس زمانہ فترت میں مر گیا وہ کہے گا: میرے پاس کتاب آئی تھی اور نہ رسول آیا تھا، اور کم عقل کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے ایسی عقل نہیں دی جس سے میں خیر اور شر کا ادراک کرتا، اور نابالغ بچہ کہے گا: میں نے عمل کرنے کا زمانہ نہیں پایا، آپ نے فرمایا: پھر ان کے لیے آگ پیش کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: اس میں داخل ہو جاؤ، پس ان میں سے جو لوگ اللہ کے علم میں نیک بخت ہوں گے، وہ اس میں داخل ہو جائیں گے اور جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بدبخت ہوں گے وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے میرے سامنے میری نافرمانی کی ہے، پس تم میرے غیاب میں میرے رسولوں کی نافرمانی بھی کرتے۔ (مسند البزار: ۲۱۷۶)

یہ حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۸۳۔ ۸۴، ج ۲۰، المعجم الاوسط: ۷۹۵۱، مسند الشامیین: ۲۲۰۵، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۲۷)

یہ حدیث الاسود بن سریع سے بھی مروی ہے۔ (صحیح ابن حبان ۷۳۵۶، المعجم الکبیر: ۸۴۱، مسند احمد ج ۴ ص ۲۴، مسند البزار: ۲۱۷۴)

(۸) وہ جنت میں ہیں، علامہ نووی نے کہا کہ یہی مذہب صحیح اور مختار ہے، جس پر محققین ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا ۞ اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں O (بنی اسرائیل: ۱۵)

اور نابالغ بچوں کے حق میں رسالت متحقق نہیں ہے، کیونکہ جب عاقل کو اس لیے عذاب نہیں دیا جائے گا کہ اس کے پاس رسول نہیں آیا تو غیر عاقل کو بدرجہ اولیٰ عذاب نہیں دیا جائے گا، اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے:

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا جس کی آپ کو یہ تعبیر بتائی گئی: جو باغ میں طویل القامت شخص تھے، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور جو ان کے گرد بچے تھے، وہ ہر پیدا ہونے والا بچہ تھا جو فطرت پر پیدا ہوا، پس بعض صحابہ نے پوچھا: اور مشرکین کی اولاد؟ آپ نے فرمایا: اور مشرکین کی اولاد۔
(صحیح البخاری: ۷۰۴۷، صحیح مسلم: ۲۲۷۵)

(۹) بعض علماء نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

(۱۰) بعض دیگر علماء نے اس مسئلہ میں امساک کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۸۰۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

توقف سے مراد یہ ہے کہ چونکہ دلائل متعارض ہیں، اس لیے کسی قول کو ترجیح نہ دی جائے اور امساک سے مراد یہ ہے کہ اس بحث میں پڑنے سے گریز کیا جائے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی نے چھ اقوال ذکر کیے ہیں اور اس قول کو ترجیح دی ہے کہ مشرکین کے بچے جنت میں ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی متوفی ۱۱۲۲ھ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ذکر کردہ دس اقوال ذکر کیے ہیں اور اس قول کو ترجیح دی ہے کہ مشرکین کے نابالغ بچے جنت میں ہوں گے۔ (شرح الزرقانی علی موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۲۸، دار احیاء التراث العربی)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق علامہ کورانی حنفی کی تحقیق

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، لکھتے ہیں:

علامہ نووی شافعی نے کہا ہے: مشرکین کی اولاد کے متعلق تین فرقے ہیں، اکثرین کا مذہب یہ ہے کہ وہ اہل دوزخ ہیں کیونکہ دوسری حدیث میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ اپنے آباء سے ہیں۔
(صحیح البخاری: ۳۰۱۳، صحیح مسلم: ۱۷۴۵)

اور دوسرا مذہب اس میں توقف ہے، اور حق مذہب تیسرا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب اہل جنت میں سے ہیں، کیونکہ عنقریب حدیث معراج میں آئے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے گرد لوگوں کی اولاد تھی، عرض کیا: گیا یا رسول اللہ! اور مشرکین کی اولاد؟ آپ نے فرمایا: اور مشرکین کی اولاد بھی۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴۷)

جس حدیث میں مذکور ہے کہ مشرکین کے بچے ان کے آباء سے ہیں، یہ دنیا کے احکام پر محمول ہے، کیونکہ ان کو غلام بنانا جائز

ہے اور ان کی نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے۔

اور یہ تیسرا مذہب ہی برحق ہے جو دلائل کے ساتھ مؤید ہے، پہلی دلیل تو اس باب کی حدیث ہے کہ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى۔ (الانعام:۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اور تیسری دلیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' تو سب نے کہا ''کیوں نہیں''۔ (الاعراف:۱۷۲) تو مشرکین کی اولاد بھی اپنے اقرار پر باقی ہے۔

اس مذہب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مذہب درجِ ذیل حدیث کے خلاف ہے:

امام احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق سوال کیا جو زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے، آپ نے فرمایا: وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔ (مسند احمد:۱۱۳۴)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان دلائل کی ٹکر کی نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو یہ اس پر محمول ہے کہ یہ آپ نے اپنے ظن اور اپنے اجتہاد سے فرمایا تھا، پھر آپ پر اس کا خلاف ظاہر ہوا۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۳ ص ۳۸۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

مشرکین کے نابالغ بچوں کے متعلق شیخ محمد علی صابونی کی تحقیق

الشیخ محمد علی صابونی لکھتے ہیں:

مذہب صحیح اور مختار یہ ہے کہ مشرکین کی اولاد جنت میں ہو گی اور یہی محققین کا موقف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۞ (بنی اسرائیل:۱۵) اور ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسول نہ بھیج دیں O

اور جب عقل والے کو اس وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا کہ اس تک دعوتِ اسلام نہیں پہنچی تو جو بچہ غیر عاقل ہے اس کو بطریقِ اولیٰ عذاب نہیں ہونا چاہیے۔ پھر جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ''اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے''۔ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ اہلِ دوزخ سے ہیں۔ (الشرح المیسر علی صحیح البخاری، ج ۲ ص ۳۴۴، المکتبۃ العصریہ، لبنان، ۱۴۳۱ھ)

نابالغ بچوں کی آخرت میں آزمائش پر ایک اشکال کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے ذکر کردہ اقوال میں ساتواں قول یہ ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین کے نابالغ بچوں، کم عقل شخص اور زمانۂ فترت میں مرنے والوں کی آزمائش کی جائے گی اور ان کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ آگ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور جو داخل نہیں ہو گا، اس کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قیامت کا دن اور میدانِ حشر دارِ تکلیف تو نہیں ہے، دارِ تکلیف تو صرف دنیا ہے، پھر حشر کے دن ان کا امتحان کیوں لیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جنت یا دوزخ میں استقرار کے بعد ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا، لیکن اس سے پہلے میدانِ حشر میں ان کا

امتحان لینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں وہاں بھی امتحان لینے کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ (القلم:۴۲) جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے O

اس آیت میں پنڈلی سے مراد اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہے جو اس کی شان کے لائق ہے، اس وقت ہر مومن مرد اور عورت اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے، ماسوا ریا کاروں کے، وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس آیت میں حشر کے دن لوگوں کو مکلف کرنے کا ذکر ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس نے ایسا خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا اس کو (قیامت کے دن) دو جو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ ہرگز ان میں گرہ نہیں لگا سکے گا۔ اور جو تصویر بنائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس میں روح پھونکنے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ اس میں روح نہیں پھونک سکے گا۔

(صحیح البخاری:۷۰۴۲، سنن ابوداؤد:۵۰۲۴، سنن ترمذی:۱۷۵۱، سنن ابن ماجہ:۳۹۱۶، مسند احمد:ج ۱ ص ۳۵۹)

مصنف کی گزارش

میں کہتا ہوں: ہماری لائبریری میں جو کتابیں میسر تھیں ان میں چھان بین اور تتبع کرنے کے بعد ہم نے مشرکین کے نابالغ بچوں کے اخروی انجام کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب لکھ دیئے ہیں اور بہر حال صحیح مذہب یہی ہے کہ آخرت میں مشرکین کے نابالغ بچے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے جنت میں ہوں گے جیسا کہ صحیح البخاری کی حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باغ کے قصہ والی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے اور دنیا اور آخرت میں ہمیں مصائب اور عذاب سے امان میں رکھے اور اپنے فضل وکرم سے جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۔ بَابٌ: وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (الاحزاب:۳۸)

اور اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بیان میں ہے:

وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ (الاحزاب:۳۸) اور اللہ کے کام مقرر شدہ اندازوں پر ہوتے ہیں O

''قدر'' کے لفظ پر زبر بھی ہے اور جزم بھی ہے۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ جس قضاء کو مقدر فرماتا ہے یعنی جس حکم کو تقدیر میں لکھ دیتا ہے۔ اور اگر قدر پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے: قادر کا فعل یعنی جو مقدور ہے۔ اور تقدیر کا معنی ہے: کسی چیز کو بیان فرمانا۔ اور ''قدرا مقدورا'' کا معنی ہے: یعنی جس چیز کے وقوع کا اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم لگا دیا۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے:

اس باب سے غرض یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ اللہ عزوجل کی تمام مخلوقات اس کے ارشاد لفظ ''کُن'' سے وجود میں آئی ہے خواہ وہ حیوان ہوں یا غیر حیوان ہوں۔ اسی طرح بندوں کی حرکات اور ان کے ارادوں اور ان کے اعمال جو معاصی یا اطاعات پر مشتمل ہیں، یہ سب اپنے اپنے زمانہ اور اوقات میں مقدر کیے گئے ہیں، نہ ان میں سے کسی چیز میں کوئی اضافہ ہوسکتا ہے نہ کوئی کمی ہوسکتی ہے اور نہ کوئی چیز اپنے وقت سے مقدم ہوسکتی ہے اور نہ کوئی چیز اپنے وقت سے موخر ہوسکتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ازل میں اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے تمام کاموں کا علم اور اس کا تقدیر میں لکھا ہوا ہونا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری التوفی ۳۱۰ھ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی شرح میں لکھا ہے:

بے شک اللہ عزوجل کو ہمیشہ سے یہ علم ہے کہ کون اس کی اطاعت کرے گا، سو وہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور کون اس کی نافرمانی کرے گا، سو وہ اس کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ اور جو شخص جنت کا مستحق ہوا تو وہ اپنے استحقاق کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ابتداء سے علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور نہ جو شخص دوزخ کا مستحق ہوا سو وہ بھی اپنے استحقاق کی وجہ سے دوزخ کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کرے گا جن کا انجام اس کا دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اپنے علمِ سابق کی وجہ سے نہ اپنی اطاعت پر مجبور کیا ہے اور نہ اپنی نافرمانی پر مجبور کیا ہے لیکن اللہ عزوجل نے ان کو پیدا کرنے سے پہلے ان کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کو علم تھا وہ ان میں نافذ فرمادیا، اور جو کچھ وہ اپنے اختیار سے عمل کرنے والے تھے اور جو کچھ اس کے نتیجہ میں ان کا ٹھکانا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے نافذ فرمادیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اور مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد ان کے متعلق کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ جنت کی صفت میں فرمایا:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ مُّتَّكِـــِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ڏ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۭ وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُـؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الواقعہ: ۱۳۔۲۴)

بڑا گروہ پہلے لوگوں سے ہے O اور تھوڑے پچھلے لوگوں سے ہیں O وہ (زر و جواہر سے) مرصع تختوں پر ہوں گے O ان پر تکیے لگائے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے O ان کے پاس ہمیشہ رہنے والے لڑکے گھوم رہے ہوں گے O مٹکوں اور جگوں اور شراب کے لبریز جاموں کے ساتھ O جس سے نہ ان کے سر میں درد ہو اور نہ ان کی عقل میں فتور ہو O ان کے پسندیدہ پھل O اور پرندوں کا وہ گوشت جس کو وہ چاہیں O اور بڑی آنکھوں والی حوریں O جیسے چھپے ہوئے موتی O یہ ان (نیک)

کاموں کی جزاء ہے جو وہ کرتے تھے O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (السجدہ:۱۷)

سو کوئی نہیں جانتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے، اس کے اعمال کی جزاء میں کس نعمت کو چھپا کر رکھا گیا ہے O

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کے متعلق ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِیْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝ (حم السجدہ:۲۸)

یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا (جو) دوزخ کی آگ ہے، اس میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، یہ اس چیز کی سزا ہے کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے O

پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان آیات میں یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ اطاعت کرنے والوں کو ان کی اطاعت کی وجہ سے جنت کا ثواب عطا فرمائے گا اور نافرمانی کرنے والوں کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر نہیں دی کہ وہ اپنے علمِ ازلی کی وجہ سے کن کو دوزخ میں داخل کرے گا اور کن کو جنت عطا فرمائے گا، لیکن اس کے علمِ ازلی میں یہ چیز مقرر ہے کہ یہ لوگ اہلِ سعادت میں سے ہیں اور اہلِ جنت میں سے ہیں جو اس کی اطاعت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ اہلِ شقاوت میں سے ہیں اور اہلِ دوزخ میں سے ہیں جو اہلِ دوزخ کا عمل کرتے ہیں، سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ پس اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیک کاموں کا حکم دیا تا کہ ان کاموں پر عمل کیا جائے۔ اور عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے، سو وہ اپنی طاعت کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو وہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے اس کے عذاب کے مستحق ہوں گے، سو اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں داخل فرمادے گا اور تا کہ اللہ تعالیٰ کی حجت اپنی مخلوق کے اوپر پوری ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی اور تقدیر پر ایک اشکال کا جواب

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کیا معنی ہے "تم عمل کرو ہر شخص کے لیے اسی عمل کو آسان کیا جائے گا جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے"۔ اگر معاملہ اسی طرح ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت، ان میں سے کوئی فریق بھی اس عمل کی طرف مجبور نہیں ہے جس کو وہ کرتا ہے اور جس کو وہ دنیا میں اپنے لیے اختیار کرتا ہے اور اس کو اس پر مجبور نہیں کیا گیا ہے بلکہ ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کو وہ اپنے نفس کے لیے اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے اس عمل کو مزین کر دیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ

اور یاد رکھو کہ تم میں اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ بہت سی چیزوں میں تمہارا کہا مان لیتے تو ضرور تم مشقت میں پڑ جاتے، لیکن اللہ نے تمہاری طرف ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا ہے اور تمہارے نزدیک کفر اور فسوق اور معصیت

أُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الحجرات: ۷-۸)

کو ناپسندیدہ بنادیا ہے، یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں O یہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمت ہے، اور اللہ بے حد جاننے والا احکمت والا ہے O

اور رہے اہلِ شقاوت تو ان کے لیے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ ان بُرے اعمال کو اللہ کی اطاعت کے مطابق عمل پر ترجیح دیتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ (النمل: ۴)

بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے کاموں کو ان کے لیے خوش نما بنادیا ہے، پس وہ بھٹکتے پھر رہے ہیں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (فاطر: ۸)

تو کیا جس شخص کے لیے اس کے برے عمل کو خوش نما بنادیا گیا، سو اس نے اس عمل کو نیک سمجھا، (کیا وہ ہدایت یافتہ کی طرح ہے) سو اللہ جس کو چاہے گم راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے، لہٰذا آپ کا دل ان پر حسرت زدہ نہ ہو، بے شک اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے O

اور ان آیتوں سے ہماری بیان کی ہوئی تقریر کی تائید اور تقویت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی مخلوق میں نافذ ہے اور وہ اس کے موافق عمل کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے جو لوحِ محفوظ میں ان کے اعمال کو لکھ دیا ہے اس کا یہ لکھنا ان میں سے کسی ایک کو اس کے عمل کی طرف مجبور نہیں کرتا، کیونکہ جو شخص کسی کام کو مجبوراً کرے اس میں کوئی شک نہیں وہ اس کو ناپسند کرتا ہے اور اس کو اس کام سے محبت نہیں ہوتی بلکہ وہ اسے مکروہ جانتا ہے اور اس سے بھاگتا ہے اور کافر اپنے کفر کی حفاظت میں اہلِ ایمان سے لڑتے ہیں اور فاسق اپنے فسق کی مدافعت میں نیک لوگوں سے جنگ کرتے ہیں اور کفار اپنے کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور فُسّاق اپنے فسق کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دیتے ہیں اور اسی طرح مومن اپنی جان کو اپنے ایمان کی حفاظت میں خرچ کرتا ہے اور ایمان کی حفاظت میں مصائب اور تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے اور اپنی لذیذ چیزوں کو اور شہوات کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی محبت میں ترک کرتا ہے، اور ان میں سے کوئی فریق بھی اپنے عمل کی طرف کیسے مجبور ہوگا جب کہ وہ جو عمل بھی کرتے ہیں وہ اس عمل کی محبت میں کرتے ہیں اور اس عمل سے نفرت نہیں کرتے اور اس عمل کے حصول کے لیے مخالفوں سے جنگ کرتے ہیں۔

سو اس سے واضح ہو گیا کہ تقدیر میں پہلے لکھے ہوئے ہونے سے اور مخلوق میں قضاء کے نافذ ہونے سے نہ مومن اپنے نیک کاموں میں مجبور ہوتا ہے اور نہ کافر اور فاسق اپنے برے کاموں میں مجبور ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے کہ تم عمل کرو، پس ہر فریق کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس عمل کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے اور بے شک اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت میں سے ہر فریق کے لیے وہ عمل آسان کر دیا گیا ہے جس کو وہ اختیار کرتا ہے اور اس کے لیے اس عمل کو خوش نما بنادیا گیا ہے اور وہ اس عمل سے محبت کرتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۳۸-۱۴۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

٦٦٠١ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از ابی الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے تا کہ اس کا حصہ اپنے برتن میں انڈیل لے، اور چاہیے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ اس کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۰، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۱، ۲۱۶۰، ۲۱۶۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۷، ۲۷۲۷، ۵۱۴۴، ۵۱۵۲، ۶۶۰۱، صحیح مسلم: ۱۴۱۳، سنن ترمذی: ۱۲۲۲، سنن نسائی: ۳۲۳۹، سنن ابوداؤد: ۳۴۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۴، مسند احمد: ۷۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۱۱۱، سنن دارمی: ۲۱۷۵)

صحیح البخاری: ۶۶۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عورت کے لیے وہی حصہ ہے جو اس کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس کے لیے جتنا رزق مقدر کر دیا گیا ہے، اتنا ہی رزق اس کو ملے گا خواہ اس کے شوہر کی دوسری بیوی ہو یا نہ ہو، اور اس عورت کو وہی حاصل ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تقدیر میں لکھ دیا ہے خواہ اس کا شوہر اس کے سوال کو پورا کرے یا نہ کرے۔ اور اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

یہ حدیث کتاب النکاح کے اس باب میں گزر چکی ہے ''باب الشروط التی لا تحل فی النکاح'' وہاں اس حدیث کو امام بخاری نے از ابو سلمہ از ابو ہریرہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے۔ اور یہاں اس حدیث کو از عبداللہ بن یوسف التنیسی از امام مالک از ابی الزناد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اختھا'' یعنی کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہ کرے۔ اور بہن کا لفظ عام ہے، عام ازیں کہ وہ رشتہ کے اعتبار سے اس کی بہن ہو یا ایمان کے اعتبار سے اس کی بہن ہو، کیونکہ تمام مومنات دین میں بہنیں ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ مرد سے اس کی بیوی کی طلاق کا سوال کرے تا کہ وہ مرد اس سے نکاح کر لے اور مطلقہ کے لیے جو اس کا خرچ اور اس کی معاشرت تھی وہ اس عورت کو مل جائے، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجازاً اس سے تعبیر فرمایا کہ وہ اپنے پیالہ میں اس عورت کا حصہ ڈال لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث تقدیر کے احکام جاری ہونے کے متعلق اصولِ دین سے ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقدیر میں پیشگی لکھا ہوا اطاعات میں عمل کرنے کے خلاف نہیں ہے اور نہ انسان کو اکتساب اور کل کے لیے روزی حاصل کرنے سے منع کرتا ہے۔

امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ ھ، لکھتے ہیں:

یہ حدیث تقدیر کی احادیث میں اہلِ علم کے نزدیک بہت حسین حدیث ہے، کیونکہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اگر خاوند اس عورت کی بات مان لے اور اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے جس کے متعلق وہ عورت یہ گمان کرتی تھی کہ وہ رزق کے حصول میں اس کی مزاحم ہوگی تو اس کو یہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ وہی حاصل ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے پہلے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے خواہ اس کا خاوند اس کے سوال کو پورا کرے یا نہ کرے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔ (التوبہ:۵۱)

آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کر دی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ ھ)

۶۶۰۲ ـ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ إِذْ جَاءَهُ رَسُولُ إِحْدَى بَنَاتِهِ وَعِنْدَهُ سَعْدٌ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذٌ أَنَّ ابْنَهَا يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَبَعَثَ إِلَيْهَا لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلِلّٰهِ مَا أَعْطَى كُلٌّ بِأَجَلٍ فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل نے حدیث بیان کی از عاصم از ابن عثمان از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس تھا اس وقت آپ کی صاحبزادیوں میں سے کسی ایک کی طرف سے آپ کے پاس بلانے والا آیا، اور اس وقت آپ کے پاس حضرت سعد اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم تھے، اور بے شک آپ کی صاحبزادی کا بیٹا اپنے نفس کی سخاوت کر رہا تھا (یعنی وہ مرض الموت میں تھے) تو آپ نے اپنی صاحبزادی کی طرف یہ پیغام بھیجا: اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے عطا فرمایا، ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے، پس ان کو چاہیے کہ وہ صبر کریں اور ثواب کی نیت کریں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کا عنوان تقدیر سے متعلق ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے "ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے"۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، اور وہ ابن یونس بن ابی اسحاق ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم، وہ ابن سلیمان الاحول ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان، وہ عبدالرحمٰن النہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسامہ، وہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں از عبدان گزر چکی ہے اور اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور آپ کے پاس سعد تھے" وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "آپ کے پاس معاذ تھے" وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "آپ کی صاحبزادی کا بیٹا" اور اسی طرح کتاب الجنائز میں مذکور ہے۔ اور کتاب المرضیٰ میں مذکور ہے "آپ کی صاحبزادی کی بیٹی"۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث کو راوی منضبط نہیں کر سکا، کبھی اس نے یہ خبر دی کہ وہ بچہ تھا اور کبھی اس نے یہ خبر دی کہ وہ بچی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یجود بنفسہ" جو شخص موت کے قریب ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی سخاوت کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور ثواب کی نیت کرے"۔ یہ نہیں فرمایا کہ پس تمہیں صبر کرنا چاہیے، کیونکہ آپ کی صاحبزادی غائب تھیں اور غائب کے لیے مخاطب کے صیغہ کو استعمال نہیں کیا جاتا۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کے بلانے والے سے خطاب کیا اور اگر اپنی صاحبزادی سے خطاب فرماتے تو فرماتے "پس تم صبر کرو اور تم ثواب کی نیت کرو"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۰۳۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَيْرِيزٍ الْجُمَحِيُّ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم جَاءَ رَجُلٌ مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن محیریز الجمحی نے خبر دی کہ حضرت ابوسعید خدری

الْأَنْصَارِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نُصِيبُ سَبْيًا وَنُحِبُّ الْمَالَ كَيْفَ تَرَى فِي الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَوَإِنَّكُمْ لَتَفْعَلُونَ ذَلِكَ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ كَائِنَةٌ۔

رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ جس وقت وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انصار میں سے ایک مرد آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! ہم قیدی عورتوں کو حاصل کرتے ہیں اور ہم مال سے محبت کرتے ہیں، تو عزل کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس طرح کرتے ہو؟ تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم یہ نہ کرو، کیونکہ جس روح کے نکلنے کا اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲۹، ۲۵۴۲، ۴۱۳۸، ۵۲۱۰، ۶۶۰۳، ۷۴۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۹۲۶، مسند احمد: ۱۱۴۲۹، موطا امام مالک: ۱۲۶۲، سنن دارمی: ۲۲۲۳)

صحیح البخاری: ۶۶۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیوں کہ اس حدیث کے آخر میں تقدیر کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حبان بن موسیٰ کا ذکر ہے، وہ المروزی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المبارک المروزی ہیں، اور یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں جو محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں از ابی الیمان، اور کتاب النکاح میں از عبداللہ بن محمد، اور کتاب المغازی میں از قتیبہ، اور کتاب العتق میں از عبداللہ بن یوسف، اور کتاب التوحید میں از اسحاق بن عفان مذکور ہے۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کو کتاب النکاح میں از عبداللہ بن محمد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجل من الانصار" یعنی انصار کے ایک مرد نے سوال کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ابوصرمہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام مجدی الضمری ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سبیا" یعنی ہمیں قیدی عورتوں میں سے باندیاں ملتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "العزل" اس کا معنی ہے: انزال کے وقت اپنے آلہ کو عورت کی اندام نہانی سے کھینچ کر نکال لینا اور منی کو فرج سے باہر گرا دینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا علیکم ان لا تفعلوا" ایک قول یہ ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل سے ممانعت فرمائی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں عزل کی اباحت ہے، یعنی تم عزل کرو اور یہ فعل زندہ درگور کرنا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص

۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غزوۃ المریسیع میں اور کتاب النکاح کے باب عشرۃ النساء میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا اور امام نسائی نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوسعید اور ابوصرمہ رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے خبر دی ہے کہ ان کو قیدی عورتوں سے کچھ باندیاں ملیں، پس ہم ایک دوسرے سے عزل کے متعلق مشورہ کرتے تھے، پس ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا سوال کیا اور شاید کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اور جن لوگوں نے مشورہ کیا تھا وہ ایک جماعت تھی۔ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں مجدی الضمری سے روایت کی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوۃ المریسیع میں گئے تو ہم کو کچھ قیدی عورتیں ملیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا، اور ابوصرمہ کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ اور اس حدیث سے غرض یہ ہے جو اس کے آخر میں مذکور ہے کہ جس روح کے نکلنے سے متعلق اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں نکلنا لکھ دیا ہے تو وہ ضرور ہو کر رہے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۴، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باندیوں سے عزل کرنے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے "جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیدی عورتوں یعنی باندیوں سے عزل کرنے کے متعلق پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے اگر تم ایسا نہ کرو"۔ ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں عزل کی اباحت ہے، یعنی تمہارے لیے جائز ہے کہ تم عزل کرو۔ اور یہ فعل کسی لڑکی کو زندہ درگور کرنا نہیں ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو اس سلسلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور تمام شہروں کے فقہاء نے اس حدیث سے داؤد ظاہری کے خلاف استدلال کیا ہے جس نے کہا ہے کہ ام ولد کی بیع مباح ہے، کیونکہ اگر حمل بیع سے مانع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں فرماتے کہ تمہیں عزل کرنے کی کیا ضرورت ہے اور باندیوں کی بیع کرنا جائز ہے خواہ وہ حاملہ ہو جائیں، کیونکہ حمل ثمن کو باطل کرتا ہے اور صحابہ نے کہا: ہم مال سے محبت کرتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو اس اعتقاد پر برقرار نہ رکھتے۔

اور جن فقہاء نے داؤد ظاہری کی تائید کی ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث میں حاملہ باندیوں کی بیع کی ممانعت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ باندیاں حاملہ ہو جاتیں تو ان کو فروخت کرنا مشکل ہو جاتا حتیٰ کہ ان کے ہاں بچہ ہو جاتا ورنہ مسلمانوں کی اولاد کفار کے ہاتھوں میں چلی جاتی۔ اور شاید کہ عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان میں سے کوئی قیدی مسلمان سے حاملہ ہو جاتی تو وہ اس کو نہیں چھڑاتے تھے، پس اگر وہ چھڑاتے تو بہت تھوڑے مال سے چھڑاتے تھے، کیونکہ حمل کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو جاتی تھی، اس وجہ سے انہوں نے یہ سوال کیا۔

نیز اس میں ایک اور وجہ سے فساد ہے، وہ یہ ہے کہ قیدی عورت سے وطی کرنا اور اس سے لذت حاصل کرنا حرام ہے حتیٰ کہ ان عورتوں کو تقسیم کر دیا جائے اور ملکیت کے بعد ان کے رحم کا استبراء کر دیا جائے یعنی ایک حیض گزر جائے۔ سو صحابہ نے ان قیدی عورتوں کے ساتھ وطی کرنے کا ارادہ کس طرح کیا۔ اور شاید کہ صحابہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ ان سے صرف جسمانی لذت حاصل کریں کیونکہ اپنی بیویوں سے دور ہوئے انہیں کافی عرصہ گزر چکا تھا اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ اگر ان کی فرج میں وطی کے بغیر ان سے جسمانی لذت حاصل کی جائے تو یہ مباح ہے جب کہ وہ فرج میں دخول نہ کریں۔ تو شارع علیہ السلام نے ان کو یہ خبر دی کہ اگر انہوں نے عزل کیا تب بھی منی فرج کی طرف سبقت کر جائے گی اور عزل کے باوجود بچہ ہو جائے گا اور صحابہ کے پاس اس کی تحریم کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴۰۔۱۴۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۶۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ مَسْعُودٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی الله عنه قَالَ لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم خُطْبَةً مَا تَرَكَ فِيهَا شَيْئًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَهُ وَجَهِلَهُ مَنْ جَهِلَهُ إِنْ كُنْتُ لَأَرَى الشَّيْءَ قَدْ نَسِيتُ فَأَعْرِفُ مَا يَعْرِفُ الرَّجُلُ إِذَا غَابَ عَنْهُ فَرَآهُ فَعَرَفَهُ۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۱، سنن ابوداؤد: ۴۲۴۰، مسند احمد: ۲۲۷۶۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن مسعود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو وائل از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور اس خطبہ میں قیامت تک ہونے والی کسی چیز کو نہیں چھوڑا مگر اس کا ذکر فرما دیا، جس نے اس کو جان لیا اس نے جان لیا اور جو اس سے جاہل رہا وہ اس سے جاہل رہا، بے شک میں کسی چیز کو دیکھتا جس کو میں بھول چکا تھا، پھر میں اس کو اس طرح پہچان لیتا جس طرح کوئی مرد اس چیز کو پہچان لیتا ہے جو اس سے غائب ہو چکی ہو، پھر اس کو دیکھ کر اس کو پہچان لیتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں بھی تقدیر کا بیان ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کائنات میں جو بھی امور مقدر کیے گئے ہیں ان سب کا بیان فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ''ماکان و مایکون'' اور علم کلی پر دلیل

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماکان و ما یکون کا علم عطا فرما دیا، اور آپ کو علم کلی عطا فرما دیا اور تمام مغیبات کا علم عطا فرما دیا۔ غیر مقلد مترجمین نے اس حدیث میں یہ قید لگائی ہے کہ آپ کو تمام دینی چیزوں کا علم دے دیا، لیکن یہ قید اس حدیث کے سیاق و سباق کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس نے اس کو جان لیا اور جو اس

سے جاہل رہا وہ جاہل رہا، اور صحابہ کرام دینی احکام سے ناواقف نہیں تھے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں کسی چیز کو دیکھتا ہوں جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اس کو اس طرح پہچان لیتا ہوں جس طرح کسی مرد سے کوئی چیز غائب ہو گئی ہو تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لیتا ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں عموم مراد ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کا بیان فرما دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن مسعود کا ذکر ہے، وہ ابو حذیفہ النہدی ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو وائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حذیفہ کا ذکر ہے، وہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں۔

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الفتن میں از عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ روایت کیا ہے۔ اور امام ابو داؤد نے بھی اس کو عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''علمه من علمه وجهله من جهله'' اور جریر کی روایت میں ہے ''حفظه من حفظه ونسيه من نسيه'' جس نے اس کو یاد رکھا، اس نے اس کو یاد رکھا اور جس نے اس کو بھلا دیا، اس نے اس کو بھلا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاعرف ما يعرف الرجل'' یعنی جب کسی انسان کی کوئی چیز گم ہو جائے اور پھر اسے اچانک وہ چیز مل جائے تو اسے یاد آتا ہے کہ وہی چیز ہے جو گم ہو چکی تھی، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مستقبل میں ہونے والے واقعات بتائے تھے تو جو صحابی ان میں سے کسی واقعہ کو بھول جاتا، پھر جب اس واقعہ کو رونما ہوتے دیکھتا تو اسے یاد آتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبر دی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس میں مذکور ہے ''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک میں ضرور جانتا ہوں ہر وہ فتنہ جو میرے زمانہ سے لے کر قیامت تک واقع ہونے والا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کسی چیز کو مخفی نہیں رکھا اور میرے علاوہ اور کسی کو نہیں بیان فرمایا''۔

نیز امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ جو روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ ''اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فتنہ کے قائد کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ دنیا ختم ہو جائے اور ان کے ساتھ تین سو صحابہ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کا نام بتایا''۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۴۔۶۸۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۶۰۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا جُلُوسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَمَعَهُ عُودٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ وَقَالَ مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى ۝﴾ الْآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از سعد بن عبیدہ از ابی عبدالرحمٰن السلمی از حضرت علی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے اور آپ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی ہے اس کا ٹھکانا لکھ دیا گیا ہے کہ وہ دوزخ میں ہوگا یا جنت میں ہوگا، پس صحابہ میں سے ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اسی لکھے ہوئے پر اعتماد نہ کرلیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! تم عمل کرتے رہو، پس ہر ایک کے لیے اس کا عمل آسان کر دیا گیا ہے، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی:
پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور اللہ سے ڈر کر گناہوں سے بچتا رہا○ اور نیک باتوں کی تصدیق کرتا رہا○ پس عنقریب ہم اس کو آسانی (جنت) مہیا کریں گے○ (اللیل:۵۔۷)

(صحیح البخاری: ۱۳۶۲، ۴۹۴۵، ۴۹۴۶، ۴۹۴۷، ۴۹۴۸، ۴۹۴۹، ۶۲۱۷، ۶۶۰۵، ۷۵۵۲، صحیح مسلم: ۲۶۴۷، سنن ترمذی: ۳۳۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۶۹۴، مسند احمد: ۱۰۷۰)

صحیح البخاری: ۶۶۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے ان الفاظ سے اخذ کی جاسکتی ہے کہ "صحابہ کرام نے پوچھا: کیا ہم اسی پر اعتماد نہ کرلیں؟" اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہمارے لیے جو کام مقدر کر دیے ہیں کیا ہم اسی تقدیر پر اعتماد نہ کرلیں اور عمل کرنے کو ترک کر دیں!

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے اور ان کا ذکر کئی بار ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحمزہ، ان کا نام محمد بن میمون السکری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن عبیدہ، یہ السلمی الکوفی ہیں۔ یہ ابوعبدالرحمٰن کے داماد ہیں اور وہ اس حدیث میں امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعبدالرحمٰن، یہ عبداللہ بن حبیب ہیں جو کبار تابعین میں سے ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، وہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز کے اس باب میں گزر چکی ہے "باب موعظة الرجل عند القبر" اور وہ حدیث اس سے زیادہ طویل ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے" یعنی "بقیع الغرقد" میں اور یہ اہلِ مدینہ کا قبرستان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومعه عود" اور دوسری حدیث میں ہے "آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے زمین کرید رہے تھے"۔ اور منصور کی روایت میں ہے "معه مخصرة" اس کا معنی ہے: وہ عصا تھا یا لاٹھی تھی جس کو رئیس اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہے تا کہ اس سے ٹیک لگائے۔

اس حدیث میں ہے "فقال رجل" امام مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ یہ مرد حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم رضی اللہ عنہ تھے۔

تقدیر پر اعتماد کرنے کے بجائے عمل کرنے کی تلقین

اس حدیث میں مذکور ہے "الا نتکل؟" یعنی کیا ہم ان کاموں پر اعتماد نہ کرلیں جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہمارے لیے مقدر کر دیئے ہیں اور عمل کو ترک کر دیں۔ آپ نے فرمایا: نہیں! کیونکہ ہر ایک کے لیے اس عمل کو آسان کر دیا گیا ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم پر واجب ہے شریعت کی متابعت کرنا اور حقیقت کی تحقیق کرنا تم پر واجب نہیں ہے۔ اور باطنی امر کی وجہ سے ظاہری امر کو ترک نہیں کیا جاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵- بَابٌ: اَلْعَمَلُ بِالْخَوَاتِيمِ — عمل کا دار و مدار خاتمہ پر ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ انسان کے خاتمہ کے وقت جو عمل ہوتا ہے اسی پر اس کا اخروی انجام موقوف ہوتا ہے۔ "خواتیم" خاتمة کی جمع ہے، یعنی موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے کسی شخص کے اخروی حال کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "اعمال کا مدار خواتیم پر ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے متعلق جو خیر اور شر کا حکم لگایا ہے، پس وہ بندہ کے کسی کلمہ حق کی وجہ سے جو بندہ موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے کہتا ہے، اس کے کفر کو معاف فرما دیتا ہے اور اس کے برے کاموں کو بھی۔ اسی طرح مومن کے عمل ضائع کر دیئے جاتے ہیں جب اس کا خاتمہ کفر پر ہو۔ اسی طرح پوری شریعت کے اندر حکم موجود ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت کو پایا اس نے نماز کو پالیا۔ (صحیح البخاری

۵۸۰)اسی طرح فرمایا: جس نے صبح کی ایک رکعت کو پایا، اسی طرح جس نے عصر کی ایک رکعت کو پایا اس نے نماز کو پالیا۔
(صحیح البخاری:۵۷۹)

پس اللہ تعالیٰ نے نماز کے خاتمہ کے سبب سے پوری نماز کو مکمل فرما دیا۔ اسی طرح جس نے فجر سے پہلے عرفہ کی رات کو پالیا اور اس نے وقوف کرلیا تو اس نے حج کو پالیا۔ اور جو عمل اس سے فوت ہو گیا ہے وہ اس کو پالے گا۔ اسی طرح وہ بندہ جس نے کوئی نیکی کا کام نہیں کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اس کو جلا دیا جائے یا اس کی راکھ کو فضاء میں منتشر کر دیا جائے تو وہ اپنے برے عمل کے خاتمہ سے ڈرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے برے عمل کی وجہ سے اس کو عذاب دے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرما دی۔ سو خاتمہ کا وقت ایسا وقت ہے جس میں گناہوں سے ضرر نہیں ہوتا اور نہ عبادت سے نفع ہوتا ہے، عبادت سے نفع اور برے کاموں سے ضرر اس وقت ہوتا ہے جب ان پر بندہ دوام کرے یہاں تک کہ اسی حال میں اس کے اوپر موت آئے۔ اس چیز پر علامہ المہلب مالکی نے متنبہ کیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۱۰ ص ۳۰۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴۳۔ ۱۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

فجر اور عصر کی نماز کے سلسلہ میں فقہاء احناف کے مذہب کی وضاحت

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی نے اس شرح میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور ان کی ظاہر کے مطابق شرح کی ہے اور اس میں شافعی مذہب کو بیان کیا ہے، فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے فجر کی نماز کی ایک رکعت کو پایا اور پھر سورج طلوع ہو گیا تو اس کی وہ نماز باطل ہو گئی، کیونکہ فجر کی نماز کا پورا وقت کامل ہے، اس نے اس نماز کو شروع تو کامل وقت میں کیا اور ختم ناقص وقت میں کیا لہٰذا ادیٰ کما وجب نہیں ہوا، یعنی جس طرح وہ نماز اس پر واجب ہوئی تھی اس طریقہ سے وہ نماز ادا نہیں کی گئی۔ اور جس نے عصر کی نماز اس وقت شروع کی جب سورج پیلا پڑ چکا تھا اور اس کی نماز ختم ہونے سے پہلے سورج غروب ہو گیا تو اس کی نماز مکمل ہو جائے گی، کیونکہ جب اس نے عصر کی نماز شروع کی تو سورج پیلا پڑ چکا تھا اور وہ ناقص وقت ہے اور جب اس نے وہ نماز ختم کی تو اب سورج غروب ہو چکا تھا اور یہ بھی ناقص وقت ہے، لہٰذا ادیٰ کما وجب ہو گیا، یعنی جس طرح نماز اس پر واجب ہوئی تھی اسی طرح اس نے مکمل کر دی۔ رہا یہ کہ پھر اس حدیث کی کیا توجیہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لڑکا اس وقت بالغ ہوا جب فجر کی نماز میں صرف ایک رکعت کا وقت تھا تو اس کے ذمہ اس نماز کی فرضیت ہو گئی، اسی طرح جو لڑکی اس وقت بالغہ ہوئی جب فجر کی نماز میں صرف ایک رکعت کا وقت باقی تھی اور سورج طلوع ہو گیا تو اس لڑکی پر بھی فجر کی نماز فرض ہو گئی اور یہ لوگ بعد میں اس نماز کی قضاء کریں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۰۶۔ حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنہ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ خَيْبَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ يَدَّعِي الْإِسْلَامَ هَذَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس مرد

حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ وَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَأَثْبَتَتْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ الَّذِي تَحَدَّثْتَ أَنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللهِ مِنْ أَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَا إِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَرْتَابُ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلَى ذَلِكَ إِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَأَهْوَى بِيَدِهِ إِلَى كِنَانَتِهِ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهَا فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ صَدَّقَ اللهُ حَدِيثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا بِلَالُ قُمْ فَأَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَإِنَّ اللهَ لَيُؤَيِّدُ هَذَا الدِّينَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔

کے متعلق فرمایا جو آپ کے ساتھ تھا اور اسلام کا دعویٰ کرتا تھا، آپ نے فرمایا: یہ اہلِ دوزخ سے ہے، پس جب جنگ شروع ہوئی تو اس مرد نے بہت شدید قتال کیا اور اس کو بہت زیادہ زخم آگئے پھر بھی وہ ثابت قدم رہا۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی نے آکر آپ سے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ آپ نے جس مرد کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ اہلِ دوزخ سے ہے، اس نے تو اللہ کی راہ میں بہت زبردست قتال کیا ہے اور وہ بہت زیادہ زخمی ہو گیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: لیکن وہ اہلِ دوزخ سے ہے، پس قریب تھا کہ بعض صحابہ (آپ کی نبوت کے متعلق) شک میں پڑ جاتے، پس جس وقت وہ مرد اسی حال پر تھا اچانک اس مرد نے زخم کا بہت درد محسوس کیا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے ترکش کی طرف بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکالا اور اس تیر سے اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا، پھر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس دوڑے ہوئے آئے اور کہا: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ارشاد کو سچ کر دکھایا، اس شخص نے ابھی اپنے اندر تیر کو گھونپ لیا اور اپنے آپ کو قتل کر لیا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! کھڑے ہو کر اعلان کرو کہ جنت میں صرف مومن داخل ہوگا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی کسی فاسق مرد سے بھی تائید فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۶۲، ۴۲۰۳، ۴۲۰۴، ۶۶۰۶، صحیح مسلم: ۱۱۱، مسند احمد: ۸۰۲۹، سنن دارمی: ۲۵۱۷)

صحیح البخاری: ۶۶۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جس مرد کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوا، اور اسی وجہ سے اس کو آپ نے اہلِ دوزخ میں شمار فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان بن موسیٰ، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک

المروزی ہیں۔ اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد کے اس باب میں گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید فاجر مرد سے بھی فرماتا ہے اور وہاں اس کی شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''خیبر'' اس سے مراد ہے غزوۂ خیبر۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ ﷺ نے ایک مرد کے متعلق فرمایا جو اسلام کا مدعی تھا''۔ اس مرد کا نام قزمان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جو اسلام کا مدعی تھا'' یعنی زبان سے اسلام کے کلمات پڑھتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکثرت الجراح'' یہ جراحۃ کی جمع ہے، یعنی اس مرد کو بہت زیادہ زخم لگے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاثبتتہ'' یعنی اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اور وہ صابر و ساکت کھڑا ہوا تھا ثابت قدم تھا۔
دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان زخموں نے اس کو زمین پر گرا دیا تھا اور وہ اٹھ نہیں سکتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکاد بعض المسلمین یرتاب'' پس قریب تھا کہ بعض مسلمان شک میں پڑ جاتے۔ یعنی وہ اس وجہ سے شک میں پڑ جاتے کیونکہ انہوں نے اس وعید کو بہت سخت اور سنگین سمجھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاھوی بیدہ الی کنانۃ'' یعنی اس مرد نے ترکش سے تیر نکال کر اپنے آپ کو کاٹ ڈالا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۰۷۔ حَدَّثَنَا سَعِیدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَعْظَمِ الْمُسْلِمِينَ غَنَاءً عَنِ الْمُسْلِمِينَ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَنَظَرَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ حَتَّى جُرِحَ فَاسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَجَعَلَ ذُبَابَةَ سَيْفِهِ بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتَّى خَرَجَ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ فَأَقْبَلَ الرَّجُلُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ مُسْرِعًا فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ قُلْتَ لِفُلَانٍ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَلْيَنْظُرْ إِلَيْهِ وَكَانَ مِنْ أَعْظَمِنَا غَنَاءً عَنِ الْمُسْلِمِينَ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَا يَمُوتُ عَلَى ذٰلِكَ فَلَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوغسان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوحازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کسی غزوہ میں تھے، اس غزوہ میں مسلمانوں کی طرف سے ایک مرد سب سے زیادہ سخت لڑائی کر رہا تھا، نبی ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: جو شخص اہل دوزخ میں سے کسی مرد کو دیکھنا چاہتا ہو تو وہ اس کو دیکھ لے، تو اسی حال میں صحابہ میں سے ایک شخص نے اس مرد کا پیچھا کیا، اور وہ مرد مشرکین پر بہت سختی سے حملے کر رہا تھا حتیٰ کہ زخمی ہو گیا، پھر اس نے اپنی موت کو جلد طلب کیا، پس اس نے اپنی تلوار کی نوک کو اپنے دو پستانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ وہ تلوار اس کے شانوں کے پاس سے نکل گئی، پھر وہ مرد دوڑتا ہوا نبی ﷺ کے پاس آیا، پس کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ

جُرِحَ اسْتَعْجَلَ الْمَوْتَ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَ ذَلِكَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔

کے رسول ہیں، آپ نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ اس نے کہا: آپ نے فلاں شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ جو شخص اہل دوزخ میں سے کسی مرد کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس کو دیکھ لے، حالانکہ وہ مرد مسلمانوں کی طرف سے بڑی بہادری سے جم کر لڑ رہا تھا، میں یہ سمجھا تھا کہ وہ اس حالت میں نہیں مرے گا، لیکن جب وہ زیادہ زخمی ہو گیا تو اس نے جلد مرنے کی خواہش سے اپنے نفس کو قتل کر لیا یعنی خودکشی کر لی۔ تب نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک بندہ اہلِ دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے حالانکہ وہ اہلِ جنت سے ہوتا ہے، اور ایک بندہ اہلِ جنت کے کام کرتا رہتا ہے اور وہ اہلِ دوزخ سے ہوتا ہے، اور اعمال کا دارومدار صرف خاتمہ پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۹۸، ۴۲۰۲، ۴۲۰۷، ۶۴۹۳، ۶۶۰۷، صحیح مسلم: ۱۱۲، مسند احمد: ۲۲۳۰۶)

صحیح البخاری: ۶۶۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری جملہ میں ہے جس میں ارشاد ہے کہ اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو غسان، یہ محمد بن مطرف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حازم، یہ سلمہ بن دینار ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سہل، یہ حضرت سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا من اعظم المسلمین غناء من المسلمین" یعنی ایک مرد مسلمانوں کی طرف سے اس طرح لڑ رہا تھا کہ وہ تمام مسلمانوں کی طرف سے لڑنے میں کافی تھا۔ اس کا خلاصہ ہے کہ وہ سب سے زیادہ سختی سے لڑ رہا تھا۔

مذکورہ دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

اس سے پہلی حدیث میں مذکور تھا کہ اس مرد نے ترکش سے تیر نکال کر اس تیر سے اپنے آپ کو نحر کر لیا یا کاٹ ڈالا۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے اس نے تلوار کی نوک اپنے سینہ پر رکھی اور اپنے آپ کو اس تلوار پر گرا دیا حتیٰ کہ وہ تلوار آر پار ہو گئی۔ سوال دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس نے ترکش سے اپنے آپ کو کاٹنے کی کوشش بھی کی ہو اور تلوار کی نوک بھی اپنے سینہ پر رکھی ہو۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب دونوں حدیثوں میں ایک ہی قصہ کا بیان ہو۔ اور اگر یہ دو الگ الگ قصے ہیں تو پھر کوئی تعارض نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

خودکشی کرنے والے پر دوزخ کے عذاب کی وعید کی توجیہ

ان دونوں حدیثوں میں یہ مذکور ہے کہ اس شخص نے خودکشی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو اہلِ دوزخ میں سے قرار دیا۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ خودکشی کرنا تو ایک گناہِ کبیرہ ہے اور گناہِ کبیرہ کی وجہ سے انسان نہ ایمان سے نکلتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب اگر اللہ تعالیٰ کے فضلِ محض اور شفاعت سے بخشا نہ گیا تو وہ اپنے گناہ کی سزا پا کر بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے، کیونکہ جو بندہ ایمان لایا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ایمان کی جزاء ضرور عطا فرمائے گا۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ جنت میں جانے کے بعد پھر دوزخ میں جائے۔ اس لیے لامحالہ وہ دوزخ میں اپنے اعمال کی سزا پانے کے بعد پھر جنت میں جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (الزلزال: ۷۔۸)

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کا صلہ دیکھے گا ○ اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کا عذاب دیکھے گا ○

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے اس مرد نے خودکشی کو جائز اور حلال سمجھ کر خودکشی کی ہو اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے، سو وہ اپنے کفر کی وجہ سے اہلِ دوزخ میں سے ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ مرد منافق ہو اور رسول اللہ ﷺ کو اس کے نفاق کا وحی کے ذریعہ علم ہو، اس لیے آپ نے فرمایا کہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہے۔

۶۔ بَابُ: إِلْقَاءِ الْعَبْدَ النَّذْرِ إِلَى الْقَدَرِ — نذر کا بندہ کو تقدیر کی طرف راجع کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عنوان الکشمیہنی کی روایت کے مطابق ہے، اور دوسروں کی روایت میں اس باب کا عنوان اس طرح سے ہے "القاء العبد النذر" یعنی بندہ کا نذر ماننا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ جب کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے نذر مانے یا کسی خیر کے حصول کے لیے نذر مانے تو اس کی نذر اس بندہ کو اس تقدیر کی طرف راجع کرتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ فارغ ہو چکا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے محکم کر دیا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ یہ وہ چیز ہے جس کو بندہ اختیار کرتا ہے، پس جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہی چیز واقع ہوگی۔ اسی وجہ سے اس باب کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی۔ اور نذر کی وجہ سے صرف بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ اور جب کسی شخص نے اس کے خلاف اعتقاد رکھا تو اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا اس کی مخلوق میں شریک بنایا اور اس کا یہ اعتقاد ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر نہیں کیا وہ اس کو نافذ کرنے والا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المہلب المالکی متوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے: یہ تقدیر کے معاملہ میں سب سے واضح چیز ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تقدیر سے فارغ ہو چکا ہے اور اس نے تقدیر کو محکم بنا دیا ہے، یہ معنی نہیں ہے کہ تقدیر ایسی چیز ہے کہ جس کو بندہ اپنے لیے اختیار کرتا ہے، پس جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ بخیل سے کسی ایسی چیز کو نکالے جو اس کو اس کی آخرت میں نفع دے یا اس کو دنیا میں نفع دے تو اس کے لیے ایک مخفی چیز کو سبب بنا دیتا ہے، یا اس کے لیے طمع بنا دیتا ہے، پس اس کو اس کا خوف یا اس کی طمع اس پر برانگیختہ کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی نذر مانے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے اس خوف کو دور کر دیا یا جس چیز کی اس کو طمع ہے وہ چیز اس کو عطا کر دی تو وہ غلام آزاد کرے گا یا صدقہ دے گا یا روزے رکھے گا۔ پس وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہے اور اس کی مانی ہوئی نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو متغیر نہیں کرتی۔ اور اس سے اس مال کو نکالا جاتا ہے جس کی وہ سخاوت کرنے والا نہیں تھا۔ اگر وہ خوف نہ ہوتا جس سے وہ بھاگا ہے یا وہ طمع نہ ہوتی جس کی اس نے حرص کی ہے حتیٰ کہ وہ خوشی سے اس مال کو خرچ کرتا ہے جس کو اس سے پہلے وہ خرچ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

نذر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کی حکمت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے حالانکہ نذر نیک اعمال سے ہے، اور آپ نے شدت کے ساتھ جھڑکا ہے کہ بندہ یہ وہم کرے کہ وہ اپنے نفس سے نذر کی وجہ سے کسی ضرر کو دور کرتا ہے یا کسی نفع کو حاصل کرتا ہے یا نذر مان کر جو چاہے وہ اپنے لیے حاصل کر لیتا ہے، اور جب اس نے یہ اعتقاد کیا تو اس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اللہ کا شریک قرار دیا اور یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر نہیں کیا ہے وہ اس کو اپنے اوپر نافذ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول سے بلند و برتر ہے۔

اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ دل کا ایسا اعتقاد رکھنا جس کا اعتقاد جائز نہیں ہے وہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کا صدقہ سے، نماز سے اور روزہ سے اور حج سے اور باقی نیک کاموں سے کفارہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی نذر سے منع فرمایا ہے۔ ہر چند کہ نذر ماننا خیر ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے باہر نکل سکتا ہے۔ ہاں اگر اس قسم کا وہم نہ ہو اور نذر کے متعلق یہ عقیدہ نہ ہو اور بندہ کا یہ اعتراف ہو کہ نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو رد نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کے لیے مقدر کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کے مال کو خرچ کرنے کا ایک سبب بنا دیا ہے کہ وہ کسی چیز کے خوف سے نذر مان کر صدقہ کو نکالتا ہے، حالانکہ وہ صدقہ کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ پس اگر اس کا اعتقاد اس طرح نہ ہو تو اس کو نذر ماننے سے اجر ملے گا اور اس وقت نذر کا ماننا ممنوع نہیں ہوگا۔ اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا کہ آپ اپنی امت کو بتائیں کہ ان کو نذر کے متعلق کیا اعتقاد رکھنا چاہیے تاکہ ان کے اعمال ضائع نہ ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نذر کی تعریف اور نذر کے شرعی احکام

تنبیہ: واضح رہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ۔ (الحج:۲۹) اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

نذر کی تعریف یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے تم اپنے اوپر اس عبادت کو واجب کر لو جو تم پر پہلے واجب نہیں تھی، اور تم یہ کہو: میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس عبادت کی نذر مانی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۰)

سورۃ الحج کی اس آیت میں نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو۔ (صحیح البخاری: ۶۶۹۷)

نذر صرف عبادتِ مقصودہ کی مانی جاتی ہے مثلاً آدمی نماز کی نذر مانے، کیونکہ نماز عبادتِ مقصودہ ہے اور وضو کی نذر ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ وضو کرنا عبادتِ مقصودہ نہیں ہے بلکہ وضو کرنا تو نماز کی عبادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اس لیے وضو کرنے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔ نماز کی، روزہ کی، حج کی، صدقہ کی اور جہاد کی نذر ماننا صحیح ہے۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اولیاء اللہ کی نذر ماننے کا عدم جواز

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر عوام فوت شدہ بزرگوں کی نذر مانتے ہیں اور اولیاء اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے مزارات پر روپے، پیسے، موم بتیاں اور تیل لے جاتے ہیں، یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہے جب تک ان پیسوں کو فقراء پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے۔

(در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۶، مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص اولیاء اللہ کی نذر اس طرح مانتا ہے: "اے سیدی! اگر میرا گم شدہ شخص لوٹ آیا یا میرا بیمار تندرست ہو گیا، یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں آپ کو اتنا سونا، چاندی، کھانا، موم بتیاں یا تیل دوں گا"۔ یہ نذر بالاجماع باطل اور حرام ہے اور اس پر متعدد دلائل ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ مخلوق کی نذر ہے اور مخلوق کی نذر ماننا جائز نہیں ہے، کیونکہ نذر عبادت ہے اور مخلوق کی عبادت کرنا جائز نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جس کی نذر مانی ہے وہ میت ہے اور میت کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر نذر ماننے والے کا یہ گمان ہے کہ اشیاء میں اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ میت کا تصرف ہے تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

اس نذر کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ نذر ماننے والا اللہ کی نذر مانے اور یوں کہے: "اے اللہ! اگر میرا مریض شفایاب ہو گیا یا میرا گم شدہ شخص واپس آ گیا، یا میری حاجت پوری ہو گئی تو میں تیری نذر مانتا ہوں کہ میں (مثلاً سیدہ نفیسہ، یا امام شافعی، یا امام لیث کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مساجد کے لیے چٹائیاں لے جاؤں گا، یا ان کی مساجد کے لیے تیل یا

روپے پیسے لے جاؤں گا) نذر اللہ عزوجل کی ہو اور اولیاء کرام کا ذکر صرف نذر کا مصرف متعین کرنے کے لیے ہو، اور جو فقراء اولیاء اللہ کے مزارات یا مساجد پر اس امید سے بیٹھے ہوتے ہیں ان پر کچھ نذر کو خرچ کیا جائے، اس نذر کو غنی، عہدہ دار اور سادات کرام پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ اور شریعت میں نذر کو اغنیاء پر صرف کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ مخلوق کی نذر حرام ہے اور منعقد نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی مزارات کے خادموں کے لیے اس نذر کا لینا جائز ہے الّا یہ کہ وہ فقراء ہوں اور ان کے اہل وعیال کسب سے عاجز ہوں۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۵، مطبع عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

فتاویٰ عالمگیری میں بھی اسی کے قریب قریب عبارت ہے:

اکثر عوام اس طرح نذر مانتے ہیں کہ وہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جاتے ہیں اور ان کے مزار کی چادر اٹھا کر کہتے ہیں: ''اے سیدی فلاں بزرگ! اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو مثلاً میں آپ کو اتنا سونا دوں گا''۔ یہ نذر بالاجماع باطل ہے۔ ہاں اگر یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر مثلاً میرا بیٹا شفایاب ہوگیا تو میں مثلاً سیدہ نفیسہ کے مزار پر بیٹھنے والے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مسجد کے لیے چٹائیاں اور روشنی کے لیے موم بتیاں دوں گا، یا مسجد کے منتظم کو خرچ کے لیے پیسے دوں گا، یہ نذر صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف نذر کے مستحقین کے محل کو متعین کرنے کے لیے ہو تو پھر جائز ہے۔ لیکن اس نذر کو غیر فقراء پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ کسی ذی علم عالم پر، نہ شیخ کے خدام اور حاضرین پر، الا یہ کہ وہ فقراء ہوں۔ پس اولیاء اللہ کے مزارات پر ان کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو پیسے چڑھائے جاتے ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک ان پیسوں کو زندہ فقراء پر خرچ کرنے کا قصد نہ کیا جائے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اکثر لوگ اس غلط کام میں مبتلاء ہیں۔ (النہر الفائق اور البحر الرائق میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے)۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۶، مطبع امیریہ کبریٰ بولاق، مصر، ۱۳۱۰ھ)

۶۶۰۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور از عبد اللہ بن مرۃ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نذر ماننے سے منع فرمایا اور آپ نے فرمایا کہ نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی، نذر کی وجہ سے صرف بخیل سے (عبادت کو) نکالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، سنن ترمذی: ۱۵۳۸، سنن نسائی: ۳۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۲، مسند احمد: ۵۲۵۳، سنن دارمی: ۲۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۶۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان تھا کہ ''نذر بندہ کو تقدیر کی طرف لوٹاتی

ہے''اور کسی چیز کورد نہیں کرتی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، وہ الفضل بن دُکین ہیں۔اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن عمر، وہ الہمدانی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام بخاری نے کتاب النذور میں بھی روایت کی ہے از خلاد بن یحییٰ اور امام مسلم نے بھی اس کی کتاب النذور میں از اسحاق بن ابراہیم روایت کی ہے۔اور امام ابوداؤد نے اس کی کتاب النذور میں از عثمان بن ابی شیبہ روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب النذور میں از عمر بن منصور روایت کی ہے۔اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی الکفارات میں از علی بن محمد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ''نذر کسی چیز کورد نہیں کرتی''۔اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ نذر کا معنی ہے کسی عبادت کا التزام کرنا، پس یہ ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ عبادت ممنوع نہیں ہے لیکن اس کا التزام کرنا ممنوع ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان اس نظر کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صدقہ بلاء کو ٹال دیتا ہے اوراس میں صدقہ کا التزام ہے تو پھر اس کو ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صدقہ بلاء کو ٹال دیتا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صدقہ کا التزام کرنا چاہیے۔

التوضیح میں مذکور ہے کہ نذر ابتداءً جائز ہے اوراس کی تعلیق ممنوع ہے۔گویا کہ بندہ یہ کہتا ہے کہ میں کوئی نیک کام نہیں کروں گا اے میرے رب! حتیٰ کہ تو میرے ساتھ کوئی نیک کام کرے۔پس جب وہ یہ نذر منعقد کرلے گا تو اس کے اوپر اس کا پورا کرنا لازم ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

نذر ماننے کی ممانعت کے محامل اور توجیہات

علامہ المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

احادیث میں نذر سے ممانعت کا ذکر بہت آیا ہے اور یہ نذر کی تاکید اوراس میں نذر کے واجب ہونے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی سے ڈرانا ہے، اور اگر اس سے مقصود نذر سے جھڑکنا ہوتا حتیٰ کہ نذر نہ مانی جائے تو اس میں نذر کے حکم کو باطل کرنا ہوتا اوراس کو پورا کرنے کے لزوم کو ساقط کرنا ہوتا، کیونکہ ممانعت کے بعد نذر ماننا گناہ ہوتا اوراس کا پورا کرنا لازم نہ ہوتا۔اور ممانعت کی احادیث کی توجیہ یہ ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ نذران کے مقصود کو جلد کھینچ کر نہیں لاتی اور نہ ان سے جلد کسی ضرر کو دور کرتی ہے اور نہ ان سے قضاء اور تقدیر کو ٹالتی ہے، تو گویا آپ نے فرمایا: تم اس طرح نذر نہ مانو گویا تم نذر مان کر اس چیز کو حاصل

کرلو گے جو تمہارے لیے مقدر نہیں کی گئی۔ یا تم نذر سے کسی ایسی مصیبت کو دور کر دو گے جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے، پس جب تم اس قسم کے اعتقاد سے نذر نہیں مانو گے تو پھر تم اس نذر کو پورا کرو گے، کیونکہ تم نے جس عبادت کی نذر مان لی ہے وہ تم پر لازم ہے۔ (النہایہ ج ۵ ص ۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، معالم السنن للخطابی مع مختصر سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۳۷۰)

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:

اس کا محل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دے دی یا میرے گم شدہ آدمی کو لوٹا دیا تو میں ایک غلام آزاد کروں گا یا اتنی چیز صدقہ کروں گا یا اتنے روزے رکھوں گا۔ اس نذر سے ممانعت کی توجیہ یہ ہے کہ جب اس نے اس عبادت کو اپنی کسی غرض کے جلد پورا ہونے پر موقوف کر دیا تو اس سے ظاہر ہو گیا کہ اس کی نیت اس عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا نہیں تھی بلکہ اس نے اپنی غرض پوری کرنے کے عوض میں اس عبادت کی نیت کی تھی۔ کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اگر اس کی وہ غرض پوری نہیں ہوئی تو پھر وہ اس عبادت کو نہیں کرے گا اور یہی حال بخیل کا ہوتا ہے، اس کے مال سے کوئی چیز اس وقت تک نہیں نکالی جاسکتی جب تک اسے اس چیز کا جلد معاوضہ حاصل نہ ہو جائے۔ اور اس معنی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے: ''نذر کے سبب سے بخیل سے اس عبادت کو نکالا جاتا ہے جس کو بخیل نہیں نکالتا''۔ پھر اس کے ساتھ جاہل کا یہ اعتقاد مل جاتا ہے کہ نذر اس کی غرض کے حصول کو واجب کر دیتی ہے، یا اللہ تعالیٰ اس نذر کی وجہ سے اس کی غرض کو پورا کر دیتا ہے۔ اور انہی دو علتوں کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں یہ اشارہ فرمایا ہے بے شک نذر اللہ کی تقدیر سے کسی چیز کو ٹال نہیں سکتی، اور یہ دونوں جہالتیں ہیں۔ البتہ پہلی جہالت کہ اللہ تعالیٰ پر غرض پورا کرنا واجب کر دیتی ہے کفر کے قریب ہے۔ اور دوسری جہالت یعنی اللہ تعالیٰ نذر کی وجہ سے اس کی غرض پوری کرتا ہے، اس کے اعتقاد میں خطاء صریح ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ تو علماء کا معروف مذہب یہ ہے کہ نذر ماننا مکروہ ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ جس کے حق میں اس فاسد اعتقاد کا خطرہ ہو، اس کا نذر ماننا حرام ہے۔ اور جس کا یہ اعتقاد نہ ہو اس کا نذر ماننا مکروہ ہے۔ بہر حال جب بھی نذر مانی جائے خواہ وہ کسی طرح ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر کی وہ اس کی اطاعت کرے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۹۶) (المفہم ج ۴ ص ۶۰۶۔۶۰۷، دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نذر ماننے کے متعلق مصنف کی تحقیق

ہمارے نزدیک اگر نذر اس فاسد اعتقاد کے ساتھ مانی ہے جس کی علامہ قرطبی نے تفسیر کی ہے تو پھر نذر کا ماننا حرام ہے یا مکروہ ہے اور اگر اس نے اپنی عبادت کو کسی شرط پر معلق کیا ہے مثلاً اس کی بیماری دور ہو جائے، لیکن اس کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اس نذر کی وجہ سے اس کا کام ضرور ہو جائے گا یا اس کی تقدیر بدل جائے گی تو پھر اس نذر کا ماننا مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ ہے، کیونکہ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی نذر ماننے سے منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر اس نے بغیر کسی شرط کے محض اللہ کی محبت میں اور اس کی عبادت کے شوق میں نذر مانی ہے مثلاً میں فلاں دن کا روزہ رکھوں گا، یا فلاں دن اتنے نفل پڑھوں گا یا اس سال حج کروں گا تو ایسی نذر کا ماننا مستحب ہے اور ایسی نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اسی نذر کی تعریف و تحسین فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا۝ جولوگ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں (الدہر:۷) جب اس دن کی گرفت یا عذاب چاروں طرف پھیل جائے گا۝

قتادہ نے کہا: جولوگ نماز، روزہ، حج، عمرہ اور دیگر عبادات کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نذر مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ابرار رکھا ہے۔ (جامع البیان جز۲۹ ص۲۵۹، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۶۶۰۹۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَأْتِ ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ قَدْ قَدَّرْتُهُ وَلَكِنْ يُلْقِيهِ الْقَدَرُ وَقَدْ قَدَّرْتُهُ لَهُ أَسْتَخْرِجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: نذر انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں مہیا کرتی جس کو میں نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو، لیکن تقدیر اس کو وہ چیز دیتی ہے جو میں (یعنی اللہ تعالیٰ) اس کے لیے مقدر کر چکا ہوں، میں اس کے ذریعے بخیل سے مال نکالتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۶۹۴، سنن نسائی: ۳۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۳، مسند احمد: ۷۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۶۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کیوں کہ حقیقت میں تقدیر پہنچاتی ہے اور بظاہر نذر پہنچاتی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن محمد، یہ ابومحمد السختیانی المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، وہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہمام بن منبہ۔ اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یکن قدرتہ" یہ صفت ہے، یعنی جس چیز کو میں نے بندہ کے لیے مقدر نہیں کیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ متکلم کے صیغہ کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ہے "قُدِّرَ بہ" لفظِ مجہول غائب کے ساتھ، یعنی جو چیز اس کے لیے مقدر کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

گناہوں سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' کا معنی ذکر کیا جائے گا۔ اور ''لَا حَوْلَ'' کا معنی یہ ہے کہ بندہ کا اللہ تعالیٰ کی معصیت سے پھرنا اور باز آنا صرف اللہ تعالیٰ کی عصمت سے ممکن ہے اور ''لَا قُوَّةَ'' کا معنی ہے کہ نیکی کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتی ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ اپنے معاملات میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، اس کے پاس نہ برائی کو دور کرنے کا کوئی حیلہ ہے اور نہ نیکی کو حاصل کرنے کی کوئی قوت ہے سوائے اللہ عزوجل کے ارادہ کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ نے کہا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مقدور کے اوپر بندہ کی قوت کا خالق ہے اور جب وہ قدرت کا خالق ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اس مقدور چیز کا بھی خالق ہے، پس مقدور چیز بندہ کا کسب ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ'' (الانعام: ۱۰۲) (وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ (القمر: ۴۹) بے شک ہم نے ہر چیز اندازہ سے بنائی ہے O

اور محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ یہ آیت اخیرہ اہلِ قدر کے رد میں نازل ہوئی ہے۔

بندہ کے خالقِ افعال نہ ہونے پر دلیل

مخلوق کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ قدریہ کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ سرکشی، ظلم اور فروج کے متعلق جو افعال ہیں وہ بندوں کی طاقت میں ہیں۔ اس کا ابطال یہ ہے کہ کبھی یہ افعال معطل ہو جاتے ہیں اور فعل کے صدور سے عاجز ہو جاتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ بعض لوگ جو زنا کا ارادہ کرتے ہیں اور اپنے عضو کے ساتھ اس کی خواہش کرتے ہیں اور عضو میں کوئی آفت بھی نہیں ہوتی پھر بھی وہ زنا کے ارادہ کے وقت اپنا ارادہ پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتے۔ اور اگر بندہ اپنے اعمال کا خالق ہوتا تو اس کے اعضاء اس کے ارادہ کے وقت عاجز نہ ہوتے اور اس کی شہوت کو پورا کرتے، پس اس سے ثابت ہوا کہ بندہ کی افعال پر قدرت نہیں ہوتی بلکہ قدرت اللہ تعالیٰ کی ہے وہ جب چاہتا ہے ان کے لیے افعال پیدا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے معطل کر دیتا ہے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

٦٦١٠ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزَاةٍ فَجَعَلْنَا لَا نَصْعَدُ شَرَفًا وَلَا نَعْلُو شَرَفًا وَلَا نَهْبِطُ فِي وَادٍ إِلَّا رَفَعْنَا أَصْوَاتَنَا بِالتَّكْبِيرِ قَالَ فَدَنَا مِنَّا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا ثُمَّ قَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً هِيَ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد الحذاء نے خبر دی از ابوعثمان النہدی از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، پس ہم جب بھی کسی بلندی پر چڑھتے اور کسی بلندی پر بلند ہوتے اور جب بھی ہم کسی وادی میں نیچے اترتے تو ہم اپنی آوازوں کو بلند کر کے اللہ اکبر کہتے، انہوں نے بیان کیا: پس رسول اللہ ﷺ ہمارے قریب آئے پس فرمایا: اے لوگو! اپنے نفسوں کے اوپر نرمی کرو، تم کسی بہرے کو نہیں پکار رہے اور نہ کسی غائب کو پکار رہے ہو، تم اس کو پکار رہے ہو جو بہت سننے والا ہے بہت دیکھنے والا ہے، پھر آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تم کو ایک ایسے کلمہ کی تعلیم نہ دوں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے اور وہ ہے ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ''۔

(صحیح البخاری: ۲۹۹۲، ۴۲۰۵، ۶۳۸۴، ۶۴۰۹، ۶۶۱۰، ۷۳۸۶، صحیح مسلم: ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۲۶، مسند احمد: ۱۹۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۶۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان بعینہٖ حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعثمان النہدی، یہ عبدالرحمن بن مل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ، یہ حضرت عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الدعوات میں ''باب الدعاء اذا علا عقبة'' میں گزر چکی ہے، نیز یہ حدیث کتاب الجہاد میں بھی گزر چکی ہے ''باب ما یکرہ برفع الصوت بالتکبیر'' میں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی غزاۃ'' یعنی ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، اس سے مراد غزوۂ خیبر ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''لا نصعد شرفا'' شرف کے معنی بلند جگہ کے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھی من کنوز الجنة" یعنی ان کلمات کے پڑھنے کا ثواب بہت نفیس ہے اور اس کو خزانہ میں ذخیرہ کیا ہوا ہے جیسا کہ خزانہ میں نفیس چیزوں کو ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ علامہ نووی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھنے سے بہت نفیس ثواب حاصل ہوتا ہے جو پڑھنے والے کے لیے جنت میں ذخیرہ کیا ہوا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۸۔۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ سے آہستہ دعا کرنے کا استحباب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنے نفسوں پر نرمی کرنے کا حکم بطورِ شفقت دیا۔ اور صحابہ جو بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے اور جہاد میں جو کوشش کرتے تھے تو ان کا یہ تکبیر پڑھنا اور جہاد میں کوشش کرنا محض ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے، کیونکہ معصیت سے پھرنا اور نیکی کی قوت اس کے سوا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس پر قادر کردے اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا کردے۔ اور بے شک جہاد میں اپنے نفسوں کو تلف کرنا اور بلند آواز سے تکبیرات پڑھنا اس لیے ہے تاکہ ان کو عظیم ثواب حاصل ہو۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تکبیر یعنی اللہ اکبر کو بھی دعا کہا جاتا ہے، کیونکہ جب صحابہ نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: تم کسی بہرے سے دعا نہیں کر رہے اور نہ کسی غائب کو پکار رہے ہو، پس انہوں نے جو اللہ اکبر کہا اسے اللہ تعالیٰ سے دعا قرار دیا، کیونکہ وہ اس سے یہ ارادہ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو حق کی شہادت سنائیں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھنے کی فضیلت میں مزید احادیث

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے معلم تھے، سو آپ جب بھی انہیں کسی نیکی کے حال میں دیکھتے تو آپ اس میں اضافہ کو پسند فرماتے، پس جب آپ نے یہ دیکھا کہ صحابہ نے کلمۂ اخلاص اور اللہ اکبر کے پڑھنے میں اپنی آوازوں کو بلند کیا تو آپ نے یہ چاہا کہ وہ اس کے ساتھ یہ ملالیں کہ وہ از خود برائی سے باز رہنے اور نیکی کو حاصل کرنے سے بری ہیں۔ پس وہ توحید اور تقدیر پر ایمان کو جمع کرلیں اور حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب بندہ کہتا ہے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ اسلام لایا اور اس نے میری اطاعت کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس حدیث کی امام حاکم نے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سندِ قوی کے ساتھ روایت کی ہے اور ایک روایت میں مذکور ہے: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ! کیا میں تم کو جنت کے خزانوں

میں سے کسی خزانہ کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم کہو "لاحول ولاقوة الا باللہ" تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرا بندہ اسلام لایا اور اس نے میری اطاعت کی"۔ اور ایک روایت میں یہ بھی اضافہ ہے "ولا منجا ولاملجا من اللہ الا الیہ" یعنی اللہ سے نجات کی جگہ بھی اسی کی طرف ہے اور اللہ سے پناہ کی جگہ بھی اسی کی طرف ہے۔

امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات معراج ہوئی تو آپ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے فرمایا: اے محمد! اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ بہ کثرت جنت میں پودے اگائیں۔ انہوں نے پوچھا: جنت کے پودے کیا ہیں؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "لاحول ولاقوة الا باللہ"۔ یعنی برے کاموں سے باز رہنا اور نیک کاموں کو کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۸۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۸۔ بَابٌ: الْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ
معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے رکھے

عَاصِمٌ: مَانِعٌ
عاصم: کا معنی ہے: روکنے والا اور منع کرنے والا۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: سَدًّا عَنِ الْحَقِّ: يَتَرَدَّدُونَ فِي الضَّلَالَةِ
مجاہد نے کہا: حق سے رکاوٹ کا معنی ہے: وہ لوگ گمراہی میں بھٹکتے ہیں اور متردد رہتے ہیں۔

دَسَّاهَا: أَغْوَاهَا۔
دساھا کا معنی ہے: اس کو گمراہ کر دیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جائے گا "المعصوم من عصم اللہ" یعنی معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچائے رکھے بایں طور کہ اس کو ہلاکت میں واقع ہونے سے محفوظ رکھے۔ کہا جاتا ہے "عصمه الله من المکروه" یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ سے بچایا اور محفوظ رکھا۔ اور مومنین کی عصمت اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں یہ فرق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت بطور وجوب ہے اور دیگر یعنی صحابہ اور اولیاء کرام کی عصمت بطور جواز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

عصمت کی تحقیق

عصمت کا لغوی معنی

علامہ محمد بن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

عصمت کا معنی ہے: روک لینا، محفوظ رکھنا۔ عاصم کا معنی ہے: محفوظ رکھنے والا، حمایت کرنے والا۔ اعتصام کا معنی ہے: کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا، باز رکھنا۔ (النہایہ ج ۳ ص ۲۴۹، موسسہ مطبوعات، ایران، ۱۳۶۴ھ)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

کلامِ عرب میں عصمت کا معنی ہے روکنا، محفوظ رکھنا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی عصمت کا بندہ سے تعلق ہو تو اس کا معنی ہے: بندہ کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچانا۔ (لسان العرب ج ۱۲ ص ۴۰۳، نشر ادب الحوزۃ، ایران، ۱۴۰۵ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

عصمتِ انبیاء کا معنی یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی ذوات کی خصوصیات کی حفاظت کرنا، پھر ان کی مدد کرنا اور ان کو ثابت قدم رکھنا، پھر ان پر سکینہ نازل کر کے ان کے دلوں کو محفوظ رکھنا اور ان کو توفیق دینا۔ (المفردات ص ۳۳۷، المکتبۃ الرضویہ، ایران، ۱۳۴۲ھ)

علماء اہل سنت کے نزدیک عصمت کا اصطلاحی معنی

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا کرے، اسی کے قریب یہ تعریف ہے: عصمت اللہ تعالیٰ کا وہ لطف ہے جو بندہ کو اچھے کاموں پر ابھارتا ہے اور برے کاموں سے باز رکھتا ہے۔ اس کے باوجود کہ بندہ کو گناہ پر اختیار ہوتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے۔ اسی لیے امام ابو منصور ماتریدی نے فرمایا: عصمت مکلف ہونے کو زائل نہیں کرتی۔

ان تعریفات سے شیعہ اور بعض معتزلہ کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ عصمت نفسِ انسان یا اس کے بدن میں ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہ کا صدور محال ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی انسان سے گناہ کا صدور محال ہو تو اس کو مکلف کرنا صحیح ہو گا نہ اس کو اجر و ثواب دینا صحیح ہو گا۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۰۹، نور محمد اصح المطابع، کراچی)

علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی متوفی ۸۷۰ھ لکھتے ہیں:

گناہوں پر قدرت کے باوجود گناہوں سے بچنے کی مہارت کو عصمت کہتے ہیں۔ (حاشیۃ الخیالی ص ۱۴۶، مطبع یوسفی، لکھنو)

ملا علی بن سلطان محمد القاری التوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام ابو منصور نے بیان کیا کہ عصمت سے مکلف ہونا زائل نہیں ہوتا، یہ بات نہیں ہے کہ عصمت سے کسی کے نفسِ شخص یا اس کے ہاتھوں یا اس کی زبان میں کوئی خاصیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس سے گناہوں کا صدور محال ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر کسی شخص سے گناہوں کا صدور محال ہو تو اس کو گناہوں کے ترک کرنے کے ساتھ مکلف کرنا صحیح نہیں ہو گا جس طرح اندھے کو دیکھنے سے منع نہیں کیا جاتا اور رعشہ والے کو سکون سے منع نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۴۷، مطبع مصطفی البابی واولادہ، مصر، ۱۳۷۵ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

جمہور اس نظریہ کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنے کسب اور اختیار سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، اس کے برخلاف حسین نجار معتزلی نے یہ کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو گناہوں پر بالکل قدرت نہیں ہوتی۔

(الشفاء ج ۲ ص ۱۲۵، عبد التواب اکیڈمی، ملتان)

علماء شیعہ کے نزدیک عصمت کا اصطلاحی معنی

شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۴۶۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی برا کام کرنا ممکن نہیں ہے، نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد، صغیرہ نہ کبیرہ۔

(التبیان ج ۱ ص ۱۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

شیخ نصیر الدین ابوجعفر محمد بن محمد الطوسی متوفی ۶۷۲ھ لکھتے ہیں:

اشاعرہ کے نزدیک عصمت عبادت پر قدرت اور معصیت پر عدمِ قدرت ہے۔ (شرح تجرید ص ۱۰۸)

دراصل یہ نظریہ بعض شیعہ کا ہے جس کو شیخ طوسی نے تلبیس کر کے اشاعرہ کی طرف منسوب کر دیا۔

عصمت انبیاء کے متعلق فقہائے اسلام کے نظریات اور مذاہب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے متعلق فقہاء اسلام کے حسب ذیل مذاہب ہیں:

(۱) حشویہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً گناہ کبیرہ کا صدور جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً گناہِ کبیرہ کا صدور جائز نہیں، البتہ عمداً گناہِ صغیرہ کا صدور جائز ہے، البتہ ان صغائر کا صدور جائز نہیں جن سے لوگ متنفر ہوں۔

(۳) جبائی معتزلی کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے عمداً کبائر اور صغائر دونوں کا صدور جائز نہیں، البتہ تاویلاً جائز ہے۔

(۴) انبیاء علیہم السلام سے بغیر سہو اور خطاء کے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا لیکن ان سے سہو اور خطاء پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ یہ بعض شوافع کا مذہب ہے۔

(۵) رافضیوں کا مذہب ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی گناہ کا صدور جائز نہیں ہوتا، صغیرہ نہ کبیرہ، سہواً نہ عمداً، تاویلاً نہ خطاءً۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

عصمتِ انبیاء کے متعلق محققین کا مذہب

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی التوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے زمانہ نبوت میں یقینی طور پر کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا، کبیرہ نہ صغیرہ۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۰۱، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اعلانِ نبوت کے بعد گناہِ کبیرہ مطلقاً نہیں کرتے اور صغائر عمداً نہیں کرتے، البتہ ان سے سہواً صغیرہ کا صدور ہو جاتا ہے لیکن وہ اس پر اصرار نہیں کرتے اور نہ وہ اس پر برقرار رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو تنبیہ کی جاتی ہے اور وہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص ۱۹۳، دار المعارف النعمانیہ، ۱۴۰۱ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:

ان شاء اللہ صحیح مسلک یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر عیب سے منزہ ہیں اور ہر اس چیز سے معصوم ہیں جس سے گناہ کا شک پیدا ہو۔
(الشفاء ج ۲ ص ۱۲۸، عبدالتواب اکیڈمی، ملتان)

معصوم اور محفوظ میں فرق

دوسری اہم بحث یہ ہے کہ صحابہ کرام اور اولیاء اللہ ہمارے نزدیک معصوم نہیں ہیں بلکہ محفوظ ہیں، تو یہ جاننا ضروری ہے کہ معصوم اور محفوظ میں فرق کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت کا ثبوت واجب ہے یا اس کا ثبوت قطعی ہے اور خلفائے راشدین اور دیگر اکابر صحابہ کے لیے عصمت کا ثبوت واجب نہیں ہے، یا ظنی الثبوت ہے اس لیے اس کو عصمت کی بجائے حفاظت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نبی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی عصمت یہ ہے کہ وہ نقائص سے محفوظ ہوں اور کمالاتِ نفیسہ، نصرتِ الٰہی، ثابت قدمی اور انزالِ سکینہ کے ساتھ مخصوص ہوں، انبیاء اور غیر انبیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت کا ثبوت واجب ہے (کیونکہ یہ قطعی الثبوت ہے) اور غیر انبیاء کے حق میں جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۰۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

ملائکہ کی عصمت کا بیان

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں:

جمہور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ ملائکہ اجسامِ لطیفہ ہیں جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں اور مشکل کاموں کی طاقت رکھتے ہیں، وہ عباد مکرمون ہیں، ہمیشہ اطاعت اور عبادت کرتے ہیں اور تذکیر و تانیث کے ساتھ متصف نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان ان کی عصمت میں اختلاف ہے۔ جو علماء عصمتِ ملائکہ کے قائل ہیں ان کا استدلال ان آیات سے ہے:

وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ (النحل: ۴۹-۵۰)

وہ فرشتے تکبر نہیں کرتے O وہ اپنے اوپر اپنے رب (کے عذاب) سے ڈرتے ہیں اور جس کام کا انہیں حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں O

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾ (الانبیاء: ۱۹-۲۰)

وہ اس کی عبادت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں O رات اور دن اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، (اور ذرا) سستی نہیں کرتے O

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل

انبیاء علیہم السلام کے معصوم ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) اگر انبیاء علیہم السلام سے العیاذ باللہ گناہ صادر ہوں تو ان کی اتباع حرام ہے حالانکہ ان کی اتباع کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ عزوجل کا

ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ (آل عمران:۳۱)

آپ کہیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(۲) اگر نبی سے گناہ صادر ہوں تو ان کو العیاذ باللہ ملامت کرنا جائز ہوگا، اور اس سے نبی کو ایذاء پہنچے گی اور انبیاء علیہم السلام کو ایذاء پہنچانا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ (الاحزاب:۵۷)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔

(۳) انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ (ص:۴۵۔۴۶)

ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کیجئے جو قوت اور نگاہِ بصیرت والے ہیں O ہم نے ان کو مخلص کر دیا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مخلَصین کو شیطان گمراہ نہیں کرسکتا:

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (ص:۸۲۔۸۳)

ابلیس نے کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کردوں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں O

(۴) گناہ گار لائق مذمت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی عزت افزائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝ (ص:۴۷)

اور بے شک وہ (سب) ہماری بارگاہ میں ضرور برگزیدہ بندوں میں سے ہیں O

(۵) انبیاء علیہم السلام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں، اگر بالفرض وہ خود گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (صف:۳)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناراضگی کا موجب ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے O

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن:۲۶۔۲۷)

وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب کو کسی پر (بذریعہ وحی) ظاہر نہیں فرماتا O سوا ان کے جن سے وہ راضی ہے جو اس کے (سب) رسول ہیں۔

اس آیت میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہے۔

(۶) انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء علیہم السلام سے بطریقِ اولیٰ گناہ صادر نہیں ہوتے، فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت عطا فرمائی

ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾ (آل عمران: ۳۳) بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے O

(۷) اگر انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں تو ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا واجب ہوگا، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی اتباع کرنا واجب ہے اور دوسرے دلائل سے ہم پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا حرام ہے، سو لازم آئے گا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں بھی اور نہ بھی کریں، اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو ہمارے اعمال کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور بہترین نمونہ تبھی ہوگا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہترین نیک اعمال پر مشتمل ہو، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (الاحزاب: ۲۱) بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراضات کا اجمالی جواب

قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بعض ایسے افعال صادر ہوئے جو بہ ظاہر گناہ تھے مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ سے کھانا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک قبطی کو گھونسا مار کر مار ڈالنا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین ظاہری جھوٹ بولنا، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام پر بھی اعتراضات ہیں۔

ان سب کا جواب یہ ہے کہ یہ امور انبیاء علیہم السلام سے بطور اجتہاد صادر ہوئے یا انہوں نے بھول کر ایسے کام کیے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد نہیں کیا۔ اور یہ امور حقیقتاً گناہ اور معصیت نہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کا بیان

ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ آپ سے مطلقاً گناہوں کا صدور نہیں ہوا، کبیرہ نہ صغیرہ، بعثت سے پہلے نہ بعثت کے بعد، سہواً نہ عمداً، صورتاً نہ حقیقتاً۔ البتہ حکمتِ تبلیغ اور احکام کی مشروعیت بیان کرنے کے لیے آپ سے بہ ظاہر بعض ایسے کاموں کا صدور ہوا جو فی نفسہٖ خلافِ اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی ہیں۔ مثلاً آپ نے زم زم کا پانی کھڑے ہو کر پیا اور بعض کاموں سے آپ نے منع فرمایا اور پھر ان کاموں کو کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ کام فی نفسہٖ جائز ہیں حرام یا مکروہِ تحریمی نہیں ہیں، مثلاً آپ نے فصد لگانے کی اجرت دینے سے منع فرمایا اور آپ نے خود فصد لگوا کر اس کی اجرت عطا فرمائی۔ ہرچند کہ اگر آپ خود عمل نہ کرتے اور ان کاموں کا صرف جائز ہونا بتا دیتے تب بھی مسئلہ معلوم ہو جاتا لیکن آپ نے اس لیے ان کاموں کو کیا تاکہ امت کو آپ کی اقتداء کا شرف حاصل ہو جائے اور ہر کام کے لیے آپ کا نمونہ مہیا ہو جائے۔ لیکن ان کاموں کا کرنا کسی قسم کا گناہ نہیں ہے صورتاً نہ حقیقتاً، کیونکہ مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کا ارتکاب نہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے نہ صغیرہ۔ اور چونکہ احکام شرعیہ کی تعلیم اور مسائل کا جواز یا عدمِ جواز بیان کرنا فرائضِ نبوت سے ہے، اس لیے ان کاموں پر بھی آپ کو وہی اجر و ثواب ملے گا جو فرض پر عمل کرنے کا اجر و ثواب ہوتا ہے۔ اور یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جن کاموں کو خلافِ اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی کہا جاتا ہے، ان کا خلاف

اولیٰ یا مکروہِ تنزیہی ہونا امت کے اعتبار سے ہے، یعنی اگر امت ان کاموں کو کرے تو وہ کام مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ کہلائیں گے اور آپ نے جو ان کاموں کو کیا تو آپ کے اعتبار سے وہ کام مکروہِ تنزیہی یا خلافِ اولیٰ نہیں ہیں بلکہ ان کاموں کو کر کے ان کا جواز بیان کرنا اور امت کو شرف بالاقتداء کا موقع فراہم کرنا اور ہر عمل کے لیے اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا فرائضِ نبوت ورسالت سے ہے اور آپ کو ان کاموں کے کرنے پر فرض کا اجر وثواب ملے گا۔

یاد رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کام صورتاً بھی گناہ نہیں ہے، کیونکہ گناہ کی تعریف یہ ہے کہ قصد اور ارادہ سے حرام یا مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کیا جائے یا قصداً فرض یا واجب کو ترک کیا جائے۔ آپ نے کسی فرض یا واجب کو ترک کیا نہ حرام یا مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کیا قصداً نہ سہواً، اس لیے آپ کا کوئی فعل حقیقتاً گناہ ہے نہ صورتاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات اجتہادی خطا بھی ہوئی لیکن اس اجتہادی خطاء کے نتیجہ میں بھی زیادہ سے زیادہ بہ ظاہر خلافِ اولیٰ یا خلافِ افضل کام کا صدور ہوا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ (التوبہ: ۴۳)

اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے انہیں (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی) کیوں اجازت دے دی (اگر آپ اجازت نہ دیتے) تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ (عذر پیش کرنے میں) سچے کون ہیں اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے O

غزوۂ تبوک بہت مشکل اور دشوار تھا، تبوک کا سفر بہت دور تھا اور مسلمانوں کے پاس خوراک کی کمی اور جنگ کے ساز وسامان کی بہت قلت تھی۔ اس غزوہ میں منافقین آپ کے ساتھ نہیں گئے، بعض منافقین نے تو بعد میں جھوٹے حیلے بہانے کر لیے اور قسمیں کھائیں کہ وہ اس سفر میں جانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے اور بعض نے آپ سے اس غزوہ میں نہ جانے کی پیشگی اجازت حاصل کر لی تھی۔

منکرین عصمت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے ان منافقین کو اجازت دے دی تھی اور آپ کا یہ فعل گناہ تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر آپ کی گرفت کی۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل گناہ اس وقت ہوتا جب پہلے آپ کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اجازت دینے سے منع کیا ہوتا، اور آپ اللہ تعالیٰ کے منع کرنے کے باوجود ان کو اجازت دے دیتے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اس سے منع نہیں کیا تھا تو یہ گناہ کیسے ہو گیا؟ جس کام کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کوئی نص نہ ہو اس کا کرنا یا نہ کرنا آپ کی صوابدید اور اجتہاد پر موقوف ہوتا ہے اور بعد میں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ آپ کے اجتہاد کی تائید فرما دیتا ہے یا اجتہادی خطاء پر تنبیہ فرما دیتا ہے، اس لیے آپ کا غزوۂ تبوک میں منافقین کو نہ جانے کی اجازت دینا یہ اجتہادی خطاء ہے اور زیادہ سے زیادہ ترکِ اولیٰ ہے۔ اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کا آپ سے کمالِ محبت یہ ہے کہ ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' پہلے فرمایا اور اجتہادی خطاء پر تنبیہ بعد میں فرمائی۔

نیز محاوراتِ عرب میں ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' ایک محبت آمیز کلمہ ہے، اس کا محلِ استعمال یہ نہیں ہے کہ کسی نے کوئی جرم کیا ہو اور اس کی معافی کے اظہار کے لیے ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' کہا جائے۔

امام رازی، علامہ قرطبی اور علامہ آلوسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اجازت دینے کو اجتہادی خطاء اور ترکِ افضل پر

محمول کیا ہے اور ''عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ'' کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ کلمہ ثنا ہے۔

تنبیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات آپ سے اجتہادی خطاء واقع ہو جاتی تھی، اس کے صرف دو واقعات ہیں:

ایک تو غزوۂ تبوک میں منافقین کو تبوک میں نہ جانے کی اجازت دینے کا واقعہ ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ سب آپ کے قبیلہ کے لوگ اور آپ کے رشتہ دار ہیں، ہوسکتا ہے یہ اسلام لے آئیں یا ان کے بعد ان کی نسل سے ان کی اولاد اسلام لے آئے تو آپ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! یہ اسلام کے دشمن ہیں ان کو آپ قتل کر دیں۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایک آیت نازل فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ آپ کو ان سے فدیہ لے کر انہیں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا، وہ آیت درج ذیل ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (الانفال: ۶۷-۶۸)

کسی نبی کی شان کے یہ لائق نہیں کہ اس کے لیے قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح کافروں کا خون بہا دیں، تم لوگ (اپنے لیے) دنیا کا مال چاہتے ہو، اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لیے) آخرت کا ارادہ فرماتا ہے، اور اللہ بڑا غالب بہت حکم والا ہے O اگر پہلے سے اللہ کی طرف سے (معافی کا حکم) لکھا ہوا نہ ہوتا تو تم نے (کافروں سے) جو (فدیہ کا مال) لیا تھا اس میں تمہیں ضرور بڑا عذاب پہنچتا O

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو قید کرنا جائز ہے بشرطیکہ پہلے ان کا خون بہا دیا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگِ بدر کے دن صحابہ نے ستر کافروں کو قتل کیا تھا اور اب خون بہانے کو یہ لازم نہیں ہے کہ تمام کافروں کو قتل کر دیا جائے، سو کفار کو قتل کرنے کے بعد ان کو قید کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کیسے ہوسکتی ہے جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً۔ (محمد: ۴)

پس جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو (ان کی) گردنیں مارنا ہے حتیٰ کہ جب تم اچھی طرح ان کا خون بہا چکو تو (قیدیوں کو) مضبوط باندھ لو، پھر ان کو محض احسان کر کے رہا کرو یا فدیہ لے کر۔

اگر یہ سوال ہو کہ جب صحابہ نے جائز کام کیا تھا تو پھر اس آیت میں یہ کیوں فرمایا ''اگر پہلے سے ان کی معافی کا حکم لکھا ہوا نہ ہوتا تو ان کے فدیہ لینے پر ان کو عذاب پہنچتا؟''

امام رازی اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ زمین میں اچھی طرح خون بہانے کے بعد کافروں کو قید کیا جا سکتا ہے اور کفار کو قتل کرنے کی کوئی مقدار نہیں بتائی گئی اس لیے یہ مسئلہ اجتہاد کی طرف راجع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظن غالب یہ تھا کہ ستر افراد کو قتل کر دیا گیا ہے اس سے زمین میں خون بہانے کا منشا پورا ہو گیا، جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابھی اس قدر خون ریزی نہیں ہوئی تھی، سو جس معاملہ میں کوئی صریح نص نہیں تھی اس میں آپ نے اجتہاد کیا اور اجتہاد میں خطاء واقع ہوئی اور اجتہادی خطاء گناہ یا معصیت نہیں ہے، اس میں آپ معذور ہیں بلکہ ماجور ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۸۷۔۳۸۸، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

نیز الانفال: ۶۷ میں ارشاد ہے: "تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ" (یعنی تم لوگ اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے)۔ اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طمع کی وجہ سے فدیہ کی رائے دی تھی اور فدیہ لینے پر جو عذاب دینے کا ذکر ہے وہ بھی ان ہی سے متعلق ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں جو مذکور ہے کہ جب صحابہ نے فدیہ لے لیا تو یہ آیت نازل ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے رونے کا سبب بتائیے تاکہ میں بھی روؤں، ورنہ رونے کی شکل بنالوں، آپ نے فرمایا: مجھ پر ان لوگوں کا (فدیہ لینے والوں کا) عذاب پیش کیا گیا جو اس درخت کے قریب ہی ایک درخت تھا کہ قریب پہنچ گیا، اگر آسمان سے یہ عذاب آتا تو عمر اور سعد بن معاذ (انہوں نے بھی قتل کا مشورہ دیا تھا) کے سوا فدیہ لینے والوں میں سے کوئی بھی نہ بچتا۔ (مسند احمد: ج ۱ ص ۳۱، دار الفکر، بیروت)

سو مسند احمد کی یہ روایت بھی ان ہی لوگوں سے متعلق ہے جنہوں نے مالِ دنیا کی طلب کی وجہ سے فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو فدیہ لینے کا مشورہ دیا تھا وہ دنیا کی وجہ سے نہیں بلکہ آخرت کی وجہ سے دیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے اس مشورہ کو قبول کیا تھا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور دوسرے آخرت کا ارادہ کرنے والے صحابہ کا اس عذاب کی وعید سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس وعید کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے مالِ دنیاوی کی طمع سے فدیہ کی رائے دی ہے اور شاید یہ وہ لوگ ہوں جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

الحمد للہ رب العالمین! ہم نے عصمت کی تحقیق میں، عصمت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیا، اور عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات بیان کئے اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر جو اعتراض ہو سکتے ہیں ان کے جوابات دیئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کا معنی بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر جو ظاہری اجتہادی خطاء سے اعتراض ہو سکتے تھے ان کے جوابات لکھے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اسے موافقین کے لیے اسلام پر استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے: "عاصم" کا معنی ہے: "مانع"۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس تعلیق سے اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ۔ (ہود: ۴۳) آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوا اس کے جس

پر (خود) اللہ رحم فرمائے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس آیت میں ''عاصم'' کا معنی ہے: اللہ کے عذاب کو روکنے والا اور اس کے عذاب کو منع کرنے والا۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ مجاہد نے کہا: ''سداعن الحق'' اس کا معنی ہے: وہ گمراہی میں متردد رہتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے اس تعلیق سے اس آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾ (القیامۃ:۳۶) کیا انسان نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ اس کو یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟O

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ یہ لفظ ''سُدًا'' ہے (یعنی دال پر تشدید اور اس کے بعد الف ہے) اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو از ورقاء از ابن نجیح درج ذیل آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے:

وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰہُمۡ فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۹﴾ (یس:۹) ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی اور ایک دیوار ان کے پیچھے کھڑی کر دی، سو ہم نے ان کو ڈھانپ لیا، پس وہ (کچھ) نہیں دیکھتے O

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حق کے سامنے ان کے لیے ایک دیوار کھڑی کر دی۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اور میں نے صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں دیکھا یہ لفظ ''سُدی'' ہے (یعنی دال مخفف اور الف مقصور ہے)۔ علامہ کرمانی کی شرح بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اور میں نے صحیح البخاری کے کسی نسخہ میں صرف اسی کو دیکھا ہے جس کو میں نے وارد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا کلام ختم ہوا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی پر اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کا آخر، اول کے خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ میں نے صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں ''سُدی'' دال کی تخفیف کے ساتھ دیکھا ہے، پھر یہ بھی کہا ہے کہ میں نے صحیح البخاری کے نسخہ میں صرف اسی کو دیکھا ہے جس کو میں نے وارد کیا ہے یعنی ''سُدًا'' دال کی تشدید کے ساتھ۔ اس کے باوجود حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح البخاری کے تمام نسخوں پر مطلع نہیں ہیں اور ان کا کلام بھی اسی صورت پر متصور ہے کہ انہوں نے اپنے شہر کے نسخوں کو دیکھا، لیکن صحیح البخاری کے وہ نسخے جو کرمان میں، بلخ میں اور خراسان میں ہے، پس کیسے متصور کیا جائے گا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کو ان نسخوں پر بھی اطلاع ہو گئی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے یہ کہا تھا کہ علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا ''اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾'' (القیامہ: ۳۶)، یعنی انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا اور وہ گمراہی میں متردد رہے گا۔ لیکن جس کے متعلق انہوں نے ذکر کیا ہے، اس کو انہوں نے بعض نسخوں میں دیکھا ہے وہ صرف لفظ ''سدی'' ہے جس میں یاء پر تخفیف ہے اور آخر میں یاء ہے، پس تناقض کہاں ہے؟ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۳، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے تیسری تعلیق میں لکھا ہے: ''دساھا'' کا معنی ہے: ''اغواھا'' یعنی اس کو گمراہ کر دیا۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی تفسیر کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ﴿۱۰﴾ (الشمس: ۱۰) اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں سے آلودہ کر لیا وہ ناکام ہو گیا O

امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ از مجاہد اور سعید بن جبیر ''دَسّٰىهَا'' کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ''دَسّٰىهَا'' کا معنی ہے ''اغواھا'' (یعنی اس کو غوی کر دیا)۔ اور دوسرے نے کہا: اس کا معنی ہے ''اضلھا''۔ (یعنی اس کو گمراہ کر دیا۔)

علامہ کرمانی نے کہا: ان دونوں آیتوں کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ گناہوں اور برے کاموں سے نہ بچائے، یا تو وہ لغو اور بے فائدہ ہو گا اور یا گمراہ ہو گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تفسیر کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ''دَسّٰىهَا'' کے فاعل سے اخذ کی جائے گی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ''دَسّٰىهَا'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے، یعنی وہ صاحبِ نفس کامیاب ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کر دیا اور وہ صاحبِ نفس ناکام ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے بے راہ کر دیا۔ اور دوسرے لوگوں نے کہا: اس کا فاعل صاحب النفس ہے، یعنی جب صاحبِ نفس نے اطاعت کے فعل کیے تو اس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کر دیا اور جب اس نے نافرمانیوں کے فعل کیے تو اس نے اپنے نفس کو بے راہ کر دیا اور پہلی تفسیر باب کے عنوان کے مناسب ہے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: دونوں تفسیروں کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ برائیوں اور گناہوں سے نہ بچائے تو وہ لغو اور بے کار ہو گا اور وہ بے راہ ہو گا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۰، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۶۱۱ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا اسْتُخْلِفَ خَلِيفَةٌ إِلَّا لَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے حدیث بیان کی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ از

عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ۔

(صحیح البخاری:۷۱۹۸، سنن نسائی:۴۲۰۲، مسند احمد:۱۰۹۴۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ نے فرمایا: جس شخص کو بھی خلیفہ بنایا جاتا ہے اس کے دو مشورہ دینے والے ہوتے ہیں، ایک مشیر اس کو نیکی کا مشورہ دیتا ہے اور نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے اور دوسرا مشیر اس کو برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی پر برانگیختہ کرتا ہے اور معصوم وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ برائی سے بچائے رکھے۔

صحیح البخاری:۶۶۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری حصہ میں ہے، کیونکہ آخری حصہ میں مذکور ہے ''معصوم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ برائی سے بچائے رکھے'' اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید ایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بطانتان'' یہ ''بطانة'' کا تثنیہ ہے اور بطانة کا لغوی معنی ہے: داخلی معاملات کو جاننے والے اور یہاں مراد ہے مشاور، اور یہ اسم جنس ہے جو واحد اور جمع دونوں کو شامل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یحضه'' اس کا معنی ہے ''یحضه'' یعنی اس کو برانگیختہ کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وبطانة تامرہ بالشر'' علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ تامرہٗ کے لفظ میں یہ دلیل ہے کہ امر اور حکم دینے میں علو کی اور استعلاء کی شرط نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ (الانبیاء:۹۵)

اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا حق کو قبول کرنا محال ہے O

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود:۳۶)

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں O

وَلَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ (نوح:۲۷)

اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے۔

وَقَالَ مَنْصُورُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: وَحِرْمٌ بِالْحَبَشِيَّةِ وَجَبَ۔

اور منصور بن نعمان نے کہا از عکرمہ از ابن عباس کہ ''حِرْمٌ'' کا حبشی زبان میں معنی ہے ''واجب ہے''۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے جو ان آیات کو عنوان کے بعد ذکر کیا ہے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ ایمان اور کفر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہیں اور ابوذر کی روایت میں ہے ''حَرَامٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ ۔۔۔۔۔ الآیۃ'' اور دوسروں کی روایت میں ہے ''وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ ۔۔۔۔ الآیۃ'' اور یہ دونوں قراءتیں مشہور ہیں۔ پس اہل حجاز، بصرہ اور شام نے پڑھا ''حرام'' اور اہل کوفہ نے پڑھا ''حِرْم''۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے کہ منصور بن نعمان نے کہا از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ ''حِرْمٌ'' کا معنی حبشی زبان میں ہے ''وجب''۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس تعلیق میں منصور بن نعمان الیشکری البصری کا ذکر ہے، یہ مرو میں رہے اور پھر بخارا میں رہے۔ اور صحیح البخاری میں ان کی صرف اسی جگہ روایت ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: منصور بن نعمان تمام نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے لیکن علماء نے بیان کیا کہ ان کا صحیح نام منصور بن المعتمر السلمی الکوفی ہے اور اس تعلیق کو امام ابوجعفر نے از ابن قہزاد از ابی عوانہ روایت کیا ہے، اسی طرح صاحب التلویح یعنی علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے اور ان کی اتباع صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، نے کی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: میں ابوجعفر طبری کی تفسیر میں اس تعلیق پر واقف نہیں ہوا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری میں اصل اور مکمل عبارت

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

میں اس تعلیق پر موصولاً واقف نہیں ہوا۔ اور میں نے علامہ مغلطائی کی عبارت میں پڑھا اور اس کی اتباع ہمارے شیخ ابن ملقن اور دیگر شارحین نے کی ہے، پس انہوں نے کہا کہ امام ابوجعفر نے از ابن قہزاد از ابی عوانہ ان سے روایت کی ہے۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: میں امام ابوجعفر طبری کی تفسیر میں اس پر واقف نہیں ہوا اور یہ تعلیق ابوجعفر طبری کی تفسیر میں ہے اور عبد بن حمید کی تفسیر میں ہے اور ابن ابی حاتم کی تفسیر میں ہے اور ان سب نے از داؤد بن ابی ہند از عکرمہ از حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں اس تعلیق کی روایت کی ہے: ''وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۝'' (الانبیاء: ۹۵)، حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ''وجب''۔

اور از طریق سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے، انہوں نے کہا کہ ''حرام'' کا معنی ہے ''عزم''۔

اور از عطاء از عکرمہ روایت ہے ''حرام'' کا معنی حبشی زبان میں ہے ''وجب''۔ اور پہلی سند کے ساتھ یہ قول ہے ''انھم لایرجعون'' یعنی ان میں سے کوئی توبہ کرنے والا توبہ نہیں کرے گا۔ امام طبری نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ان سب کو ہلاک کر دیا گیا کیونکہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، پس وہ کفر سے رجوع نہیں کریں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ یہ کفار جو ہلاک ہو گئے ان پر محال ہے بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں لوٹیں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں اور یہ جگہ ان سب کا احاطہ کرنے کی نہیں ہے۔ اور پہلا قول زیادہ قوی ہے اور امام بخاری کی اس باب کے عنوان میں وہی مراد ہے۔ اور اسی کے مطابق امام بخاری نے آثار اور حدیث کی روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں:

یہ محض طعن اور تشنیع ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا اس پر واقف نہ ہونا (کہ یہ تعلیق تفسیر طبری میں مذکور ہے) اس کو مستلزم نہیں ہے کہ دوسرے اس پر واقف نہ ہوئے ہوں۔ اور تفسیر طبری کے نسخے بہت زیادہ ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ عینی کا یہ دعویٰ کرنا باطل ہے کہ تفسیر طبری کے نسخے بہت زیادہ ہیں، کیونکہ دیارِ مصریہ میں بعد بحث اور تتبع کے ہمارے علم میں تفسیر طبری کا صرف ایک کامل نسخہ ہے اور ان دیار میں دو نسخے ناقص ہیں اور بعض لوگوں کے ہاتھوں میں اس کے اجزائے متفرقہ ہیں اور علامہ عینی کا یہ دعویٰ کرنا بھی باطل ہے کہ اس میں زیادتی اور کمی کا اختلاف ہے۔ واللہ المستعان

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۳۔ ۴۳۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: ''حِرْمٌ'' کا معنی حبشی زبان میں ہے ''وجب''۔

یعنی لغتِ حبشیہ میں ''حِرْمٌ'' کا معنی ''وَجَبَ'' ہے۔ اور عکرمہ کے علاوہ دوسروں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان کفار پر واجب ہے کہ وہ توبہ نہیں کریں گے۔ اور یہ اللہ عزوجل کی اس آیت کی تفسیر میں ہے:

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (الانبیاء: ۹۵) اور جس بستی کے لوگوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں ان کا حق کو قبول کرنا محال ہے۝

اور امام ابوعبیدہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں ''لا'' زائد ہے اور وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہاں پر ''حرام'' اپنے معنی میں ہے۔ اور بصریوں نے اس آیت میں ''لا'' کے زائد ہونے کا انکار کیا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ ان کے کسی عمل کا مقبول ہونا حرام ہے، کیونکہ وہ رجوع نہیں کریں گے یعنی توبہ نہیں کریں گے۔ اسی طرح الزجاج نے کہا ہے۔ اور ایک اور قول

یہ ہے کہ "الحرام" کا معنی ہے "الممنوع"۔ پس اس آیت کا معنی ہے: ان پر دنیا میں لوٹنے کو حرام کر دیا گیا ہے۔ اور المہلب نے کہا: ان پر واجب ہے کہ وہ توبہ نہ کریں۔ "حِرْمٌ اور حَرَامٌ" کا ایک معنی ہے۔ اور اصل میں اس کا معنی یوں ہے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا اس کا کفر سے توبہ کرنا اور رجوع کرنا حرام ہے اور یہ اس آیت کی مثل ہے:

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ۔ (ہود: ۳۶)

اور نوح (علیہ السلام) کی طرف وحی کی گئی کہ آپ کی قوم میں سے صرف وہی لوگ ایمان لانے والے تھے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

یعنی قوم نوح کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ چیز مقدم ہے کہ ان میں سے کوئی اور ہرگز ایمان نہیں لائے گا سوا ان کے جو پہلے ایمان لا چکے ہیں، اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی:

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾ (نوح: ۲۷-۲۶)

اور نوح نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O بے شک اگر تو نے انہیں چھوڑا تو یہ تیرے بندوں کو گم راہ کریں گے اور ان سے صرف بدکار کافر پیدا ہوں گے O

اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ وہ ایمان کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۰-۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۲۔ حَدَّثَنِیْ مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا أَشْبَهَ بِاللَّمَمِ مِمَّا قَالَ أَبُوْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَی ابْنِ آدَمَ حَظَّهٗ مِنَ الزِّنَا أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ فَزِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰی وَتَشْتَهِیْ وَالْفَرْجُ یُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ یُكَذِّبُهٗ وَقَالَ شَبَابَةُ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود بن غیلان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں جو "لمم" (چھوٹے چھوٹے گناہ) کا لفظ ہے، تو میں "لمم" کے مشابہ اس سے زیادہ کوئی بات نہیں جانتا جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے جس کو وہ لامحالہ پائے گا۔ پس آنکھ کا زنا (اجنبی عورت) کو دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا (اجنبی عورت سے) باتیں کرنا ہے، اور نفس تمنا کرتا ہے اور شہوت کرتا ہے اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا اس کی تکذیب کر دیتی ہے۔ شبابہ نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۳، ۶۶۱۲، صحیح مسلم: ۲۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۵۲، مسند احمد: ۷۶۶۲)

صحیح البخاری: ٦٦١٢، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ان آیات سے ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی ازل میں لکھی ہوئی تقدیر سے خارج نہیں ہے۔ اسی طرح اس باب کی حدیث ہے کہ زنا اور اس کے محرکات یہ سب بندہ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں اور ازل میں جو تقدیر لکھی ہوئی ہے اس سے یہ خارج نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن غیلان، (غَیلان میں غین پر زبر ہے اور یاء پر جزم ہے)۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرزاق، یہ ابن ہمام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن طاؤس کا ذکر ہے، اور وہ عبداللہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے کسی چیز کو ''لَمَم'' سے زیادہ مشابہ نہیں پایا۔

''لَمَم'' میں لام اور میم دونوں پر زبر ہے اور یہ چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو نفس کی شہوات واقع ہوتی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اجنبی عورتوں کو دیکھنا اور اجنبی عورتوں سے باتیں کرنا یہ بھی ''لمم'' ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ یہ معاف ہیں۔ اور اللہ کی کتاب میں ان کے استثناء کا ذکر ہے اور وہ یہ آیت ہے:

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ (النجم: ٣٢) — جو لوگ کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں، ماسوا چھوٹے چھوٹے گناہوں کے۔

اجنبی عورتوں سے گفتگو اور ان کے دیکھنے کو زنا قرار دیا، کیونکہ ان سے باتیں کرنا اور ان کو دیکھنا زنا کے محرکات سے ہے۔ اور اس کی حقیقت فرج میں دخول ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ''لمم'' کا معنی ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کرے اور دوبارہ ان گناہوں کو نہ کرے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ''جو بھی زنا سے کم درجہ کا گناہ ہو وہ ''لمم'' ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے''۔ یعنی اجنبی عورت کی طرف دیکھنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں آنکھیں نظر سے زنا کرتی ہیں اور دونوں ہونٹ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا اجنبی عورت کو بوسا دینا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (اجنبی عورت کو) چھونا ہے اور دونوں پیر زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (اجنبی عورت کی طرف) چل کر جانا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان چیزوں کو زنا فرمایا ہے کیونکہ یہ چیزیں زنا کرنے کی محرکات ہیں۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور شرمگاہ اس کی تصدیق کرتی ہے اور تکذیب کرتی ہے'' ۔یعنی جب انسان نے کسی اجنبی عورت کو دیکھا اور اس سے زنا کرنے کی تمنا کی اور وہ زنا کرنے پر قادر ہوا تو اس کی شرمگاہ اس کے زنا کرنے کی تصدیق کر دیتی ہے اور اگر وہ اس سے باز آیا اور اپنے رب سے ڈرا تو اس کی شرمگاہ اس زنا کی تکذیب کر دیتی ہے اور اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔
اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ تصدیق اور تکذیب کرنا تو خبر کی صفت ہے؟
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ تصدیق اور تکذیب کا یہاں پر اطلاق بر بناء تشبیہ ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''شبابہ نے کہا: ہمیں ورقاء نے حدیث بیان کی از ابن عباس از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم'' ۔
علامہ عینی لکھتے ہیں: ''شَبَابه'' میں شین پر زبر ہے اور پہلی باء مشدد نہیں ہے اور یہ ابن سوار الفزاری ہیں، ان سے محمود نے روایت کی ہے اور ورقاء ''الاورق'' کی تانیث ہے، یہ ابن عمر الخوارزمی ہیں جو مدینہ میں رہتے تھے۔
امام بخاری نے اس تعلیق سے یہ اشارہ کیا ہے کہ طاؤس نے یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی سنا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی سنا ہے۔اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سننے کے بعد اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔اس تعلیق کی صاحب تلویح (علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ) نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے، پس انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کی روایت امام طبرانی کی المعجم الاوسط میں دیکھی ہے، پس انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن المنادی نے حدیث بیان کی، پھر اس تعلیق کا ذکر کیا۔اور علامہ مغلطائی کی اتباع صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے بھی کی ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: میں نے المعجم الاوسط کا مطالعہ کیا اور اس میں اس تعلیق کو نہیں پایا۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اصل عبارت اس طرح ہے:
میں نے اس کی طرف کتاب الاستئذان کے اوائل میں اشارہ کیا ہے اور اس حدیث کے مرفوع یا موقوف ہونے کا اختلاف بیان کیا ہے اور میں شبابہ کی اس روایت کے موصول ہونے پر واقف نہیں ہوا اور میں نے اس کو علامہ مغلطائی کی عبارت میں دیکھا اور ہمارے شیخ ابن الملقن نے ان کی اتباع کی ہے کہ امام طبرانی نے اس حدیث کو سند موصول کے ساتھ المعجم الاوسط میں از عمرو بن عثمان از ابن المنادی روایت کیا ہے، پھر میں نے المعجم الاوسط کو دیکھا تو اس میں اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ نہیں پایا۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت پر رد

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ صاحب التلویح نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی امام طبرانی سے روایت کی ہے اور صاحب التوضیح نے ان کی اتباع کی ہے جو کہ اس قائل کے استاذ ہیں اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر (یعنی جس نے کسی حدیث کا اثبات کیا ہو وہ اس پر مقدم ہے جس نے اس کی نفی کی ہے) لیکن تعصب کی رگ پھڑکتی ہے اور اپنے صاحب کو اس شخص کی تنقیص کی طرف پہنچاتی ہے جو علم، عمر اور شرف میں اس سے بڑا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۱-۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا ذکر کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۴، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا جواب نہیں لکھا۔

علامہ البوصیری نے کہا ہے: یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا حسنِ ادب ہے اور ان کا کلامِ لطیف ہے اور انہوں نے جو کہا کہ انہوں نے اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ المعجم الطبرانی میں نہیں پایا، یہ ان کی انتہائی تواضع ہے ورنہ وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ علامہ مغلطائی کو یہاں پر وہم ہوا ہے اور علامہ عینی جو حافظ ابن حجر عسقلانی کے رد کے درپے ہیں انہیں چاہیے تھا کہ وہ بتاتے کہ امام طبرانی نے اپنی المعجم میں کس جگہ اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ مثبت مقدم ہوتا ہے نافی پر، یہ قاعدہ مسلمہ ہے لیکن اس کا یہاں کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اس قاعدہ کا تعلق وہاں ہے جہاں ایک حدیث میں کسی چیز کا ثبوت ہو اور دوسری حدیث میں اس کی نفی ہو تو جس حدیث میں ثبوت ہے وہ اس پر مقدم ہے جس میں اس کی نفی ہے۔

(حاشیہ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۴، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۱۰- بَابٌ: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (الاسراء: ۶۰)

اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں بنی اسرائیل: ۶۰ کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

شب معراج کے واقعہ میں مسلمانوں کی آزمائش

امام ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی متوفی ۴۲۷ھ، اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ اس دیکھنے سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جو عجائب اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھی تھیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اور یہ واقعہ لوگوں کے لیے آزمائش ہو گیا۔ پس بعض لوگوں نے اس

واقعہ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور بعض لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے اور بعض لوگوں نے یہ کہا کہ یہ صرف آزمائش ہے یعنی لوگوں کو اس سے آزمائش میں مبتلاء کیا گیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ بنوامیہ آپ کے منبر پر اس طرح اچھل کود کر رہے ہیں جس طرح بندر اچھلتے اور کودتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت رنج ہوا، پھر کبھی آپ کھل کر نہیں ہنسے حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا''۔

''شجرۃ الزقوم'' (تھوہر کا درخت) کی آیت میں مسلمانوں کی آزمائش

دوسرا قول یہ ہے کہ لوگوں کو اس دیکھنے سے فتنہ میں مبتلاء کیا گیا اور درخت کی وجہ سے بھی فتنہ میں مبتلاء کیا گیا، کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہو گئی اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک رات میں کس طرح بیت المقدس تک لے جایا گیا اور پھر واپس مکہ لایا گیا اور انہوں نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ﴿۴۴﴾

بے شک تھوہر کا درخت O گناہ گاروں کا کھانا ہے O

(الدخان: ۴۳-۴۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ (الصافات: ۶۴-۶۶)

بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں O (دوزخی) ضرور اسی درخت سے کھائیں گے، سو اسی سے پیٹ بھریں گے O

سو جب یہ آیات نازل ہوئیں تو کفار نے اعتراض کیا دوزخ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے، دوزخ (کی آگ) تو لکڑی کو جلا دیتی ہے؟ سو اس درخت کے متعلق آیات لوگوں کے لیے آزمائش بن گئیں۔ اور بعض لوگوں کے لیے معراج کا واقعہ بصیرت کا سبب بن گیا، ان میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے معراج کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق کی، اسی وجہ سے ان کا نام اس دن صدیق رکھا گیا۔

فتنہ کے متعدد معانی اور محامل

فتنہ کا معنی اصل میں ہے آزمائش، پھر فتنہ کا لفظ کفر میں بھی استعمال کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۱۹۱)

اور تم ان (کافروں) کو قتل کرو جہاں تم انہیں پاؤ، اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے اور (شرک اور ارتداد کا) فساد قتل سے بڑھ کر ہے۔

اس آیت میں شرک اور کفر پر فتنہ کا اطلاق فرمایا ہے۔

اور فتنہ کا اطلاق اثم اور گناہ پر بھی فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَ لَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (التوبہ:۴۹)

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ مجھے (جہاد سے رخصت کی) اجازت دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالیے، سنو! یہ فتنہ میں گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو ضرور محیط ہے O

یعنی ان منافقین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں جہاد کے لیے جانے سے انکار کرنا یہ بہت بڑا فتنہ اور گناہ ہے بلکہ یہ بھی کفر ہے۔

اور فتنہ کا اطلاق اللہ تعالیٰ نے احراق اور جلانے پر بھی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝ (البروج:۱۰)

بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا، پھر انہوں نے توبہ نہیں کی ان کے لیے دوزخ کا (عام) عذاب ہے اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O

نیز اللہ تعالیٰ نے فتنہ کا اطلاق ایک چیز سے کسی چیز کے زائل کرنے پر بھی فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۳)

اور قریب تھا کہ وہ آپ کو اس چیز سے لغزش دے دیتے جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تاکہ آپ اس (وحی) کے علاوہ کوئی اور بات ہم پر گھڑ دیں اور تب یہ لوگ ضرور آپ کو اپنا دوست بنا لیتے O

یعنی مشرکین یہ چاہتے تھے کہ آپ سے یہ صفت زائل ہو جائے جس صفت کی وجہ سے آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

باب مذکور میں جو آیت ہے اس میں فتنہ سے مراد ہے آزمائش۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ قَالَ هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ قَالَ هِيَ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما انہوں نے ''وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ'' (بنی اسرائیل:۶۰) ''اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا'' کی تفسیر میں بتایا: یہ آنکھ سے دیکھنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب دکھایا گیا تھا جس رات آپ کو بیت المقدس میں لے جایا گیا تھا اور انہوں نے کہا: وہ درخت جس پر لعنت کی گئی ہے اس کا ذکر قرآن میں ہے، انہوں نے بتایا: یہ ''شجرۃ الزقوم'' ہے (یعنی تھوہر کا درخت جو زہریلا اور مہلک

ہوتا ہے)۔

(صحیح البخاری: ۳۸۸۸، ۴۷۱۶، ۶۶۱۳، سنن ترمذی: ۳۱۳۴، مسند احمد: ۳۴۹۰)

صحیح البخاری: ۶۶۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ ابن التین نے لکھا ہے: اس حدیث کو کتاب القدر میں داخل کرنے کی وجہ یہ اشارہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے لیے یہ مقدر کر دیا تھا کہ وہ اس کے سچے نبی کے دیکھنے کی تکذیب کریں اور یہ ان کی سرکشی میں زیادتی کا سبب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن زبیر، یہ ان کے اجداد میں سے ایک حُمید کی طرف نسبت ہے اور یہ حَمد کی تصغیر ہے۔
اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں۔
یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اور اس کو امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رؤیا عین" یعنی آپ نے بیداری میں شب معراج کے عجائب و غرائب کو دیکھا اور یہ نیند میں دیکھنا نہیں تھا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "والشجرۃ الملعونۃ" اس سے مراد ہے "شجرۃ الزقوم" جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے، اور "الشجرۃ" مبتدا ہے اور "الشجرۃ الزقوم" اس کی خبر ہے، اس سے مراد ہے تھوہر کا درخت جو بہت زہریلا اور مہلک ہوتا ہے، اس کا ذکر "الشجرۃ الملعونۃ" کے ساتھ فرمایا ہے، کیونکہ یہ بھی اس دیکھنے کی مثل ہے جو آزمائش ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ آزمائش کس طرح ہے۔ اور "زقوم" جہنم میں ایک درخت ہے جو اہلِ دوزخ کا طعام ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ قرآن مجید میں اس درخت پر لعنت کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس درخت سے کھانے والوں پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی ہے اور وہ کفار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ۝ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۝ — بے شک تھوہر کا درخت O گناہ گاروں کا کھانا ہے O

(الدخان: ۴۳-۴۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ۝ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ ۝ فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ — بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں O (دوزخی) ضرور

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ (الصافات: ٦٢۔٦٦)۔ اسی درخت سے کھائیں گے، سو اسی سے پیٹ بھریں گے O

تو چونکہ ان کے کھانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اس لیے اس درخت پر بھی لعنت کی گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طعام مکروہ اور ملعون ہے، پھر یہ درخت آگ میں پیدا ہوتا ہے اور ایسے جوہر سے پیدا کیا گیا ہے جس کو آگ نہیں کھاتی جیسے دوزخ کی زنجیریں اور دوزخ کے طوق اور دوزخ کے بچھو اور دوزخ کے سانپ وغیرہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو کتاب القدر میں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر مہر لگادی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کی تکذیب کرتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے اس دیکھنے کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا کہ وہ سچے نبی کی تکذیب کریں اور یہ ان کی سرکشی میں زیادتی کا سبب ہو۔ اسی طرح ''الشجرۃ الملعونۃ'' بھی قرآن میں آزمائش ہے، کیونکہ مشرکین نے کہا: کس طرح دوزخ میں درخت ہوگا جب کہ آگ درخت کو اور سوکھی اور سرسبز چیزوں کو جلادیتی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو آزمائش بنایا تا کہ ان کی گمراہی میں اضافہ ہو، پس وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق ایمان نہ لائیں۔

اور مہلب کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ۔ (الاسراء: ٦٠) اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو جلوہ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دیکھنے کو اس لیے پیدا کیا تا کہ مشرکین اس کا انکار کریں اور کفر کے محرکات فتنہ ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور یہ آیت درج ذیل آیت کی مثل ہے:

وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾ (ابراہیم: ٢٧) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے O

اور یہ اللہ تعالیٰ کے فعل کا عموم ہے کہ وہ کافروں میں کفر کو پیدا کرتا ہے اور مومنین میں ایمان کو پیدا کرتا ہے، اور ایمان اور کفر کے محرکات اور اسباب کو پیدا کرتا ہے۔ اس کے برخلاف قدریہ کا زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق نہیں ہے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: ''والشجرۃ الملعونۃ'' یعنی اس درخت کے کھانے والوں پر لعنت کی گئی ہے اور وہ کفار ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿٤٤﴾ (الدخان: ٤٣۔٤٤) بے شک تھوہر کا درخت O گناہ گاروں کا کھانا ہے O

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٦٥﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ بے شک وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کی جڑ سے نکلتا ہے O اس کے شگوفے شیطان کے سروں کی طرح ہیں O (دوزخی) ضرور

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿٦٦﴾ (الصافات: ۶۴-۶۶) اسی درخت سے کھائیں گے، سو اسی سے پیٹ بھریں گے O

پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ درخت آگ میں پیدا ہوتا ہے اور رہا کفار کا یہ کہنا کہ آگ میں درخت کیسے ہو گا اور آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے، پس یہ درخت جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اس کی جڑیں دوزخ میں ایسے جوہر سے پیدا کی گئی ہیں جن کو آگ نہیں جلاتی جیسے دوزخ کی زنجیریں اور دوزخ کے طوق اور دوزخ کے بچھو اور دوزخ کے سانپ وغیرہ۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی دنیا کی جنس سے نہیں ہے جو آگ میں باقی نہیں رہتی۔ یہ چیزیں صرف اس جنس سے پیدا کی گئی ہیں جن کو آگ نہیں کھاتی جیسے اللہ تعالیٰ نے سمندروں اور دریاؤں میں ایسے حیوان پیدا کیے ہیں جو پانی میں ہلاک نہیں ہوتے اور سرکہ میں ایسا کیڑا پیدا کیا ہے جو سرکہ میں ہی زندہ رہتا ہے اور سرکہ اس کو ہلاک نہیں کرتا، حالانکہ سرکہ پتھر کو توڑ دیتا ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ کیڑا سرکہ کی جنس سے ہے اور سمندری حیوان پانی کی جنس سے ہیں، پس اسی طرح سے دوزخ میں جس درخت کو پیدا کیا وہ دوزخ کی جنس کے موافق ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ دوزخ کو ٹھنڈک اور سلامتی بنا دے اور اس پر قادر ہے کہ پانی کو آگ بنا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس کفار نے جو دوزخ میں درخت کی تخلیق پر اعتراض کیا یہ ان کا واضح عناد ہے اور ان کی صریح گمراہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں ایسی گمراہی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱- بَابٌ: تَحَاجَّ آدَمُ وَمُوسَى عِنْدَ اللهِ
حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے مباحثہ کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے باہمی مباحثہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں امام بخاری نے ذکر کیا ہے ''اللہ تعالیٰ کے سامنے''۔ ایک قول یہ ہے کہ یعنی قیامت کے دن اور دوسرا قول ہے دنیا میں، اور حدیث کے الفاظ عام ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۳-۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۴- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرٍو عَنْ طَاوُسٍ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ لَهُ مُوسَى يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ لَهُ آدَمُ يَا مُوسَى اصْطَفَاكَ اللهُ بِكَلَامِهِ وَخَطَّ لَكَ بِيَدِهِ أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو عمرو سے یاد رکھا از طاؤس، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ ہوا، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: اے آدم! آپ ہمارے باپ ہیں، آپ نے ہم کو محروم

فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى ثَلَاثًا قَالَ سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ۔

کر دیا اور ہم کو جنت سے نکال دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے کلام سے فضیلت دی اور اپنے ہاتھ سے آپ کے لیے آپ کی کتاب لکھی، کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے چالیس سال پہلے میرے متعلق مقدر فرما دیا تھا، پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے، پس حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب ہو گئے، یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔

سفیان نے کہا: ہمیں ابو الزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۳۴۰۹، ۴۷۳۶، ۴۷۳۸، ۶۶۱۴، ۷۵۱۵، صحیح مسلم: ۲۶۵۲، سنن ترمذی: ۲۱۳۴، سنن ابو داؤد: ۴۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۸۰، مسند احمد: ۷۵۳۴، موطا امام مالک: ۱۶۶۰)

صحیح البخاری: ۶۶۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان بعینہ اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبد اللہ، اور وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، اور وہ ابن دینار ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی کتاب القدر میں روایت کی ہے اور امام ابو داؤد نے اس حدیث کی کتاب السنۃ میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب السنۃ میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "احتجّ" یعنی حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مباحثہ اور مناظرہ ہوا۔ اور امام بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہما السلام پر غالب ہو گئے۔

علامہ طیبی نے اس کی شرح میں لکھا ہے: یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی دلیل سے غلبہ پا لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''انت ابونا'' یعنی آپ ہمارے باپ ہیں۔ اور ابن ابی کثیر کی روایت میں ہے ''آپ لوگوں کے باپ ہیں''۔ اور الشعبی کی روایت میں ہے ''آپ آدم ابوالبشر ہیں''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خیّبتنا'' یعنی آپ نے ہمیں ناکامی میں واقع کر دیا اور اس سے مراد محرومی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''واخرجتنا من الجنة'' جنت سے مراد ہے آخرت میں دارالجزاء اور یہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کی گئی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے چالیس سال پہلے ان کی تقدیر لکھنے کی متعدد توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے ''وخط لك بيده'' یہ حدیث متشابہات میں سے ہے، یا تو اس کے معنی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیا جائے یا تقدیر سے اس کی تاویل کی جائے۔ اور اس سے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات کی الواح کو لکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''علی امر قدرہ اللہ'' اور تقدیر سے یہاں مراد ہے لوحِ محفوظ میں لکھنا، یا تورات کے صحیفوں میں لکھنا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ازلی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''چالیس سال پہلے''۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ''میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں'' (البقرہ: ۳۰) اس وقت سے لے کر اس وقت تک کی مدت جب حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس مدت کی ابتداء اس وقت سے ہے جب الواح میں لکھا گیا اور اس کی انتہاء حضرت آدم کی تخلیق کی ابتداء کے وقت پر ہے۔

علامہ ابن الجوزی نے کہا ہے: تمام معلومات کو اللہ تعالیٰ کا علمِ قدیم محیط ہے اور تمام مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو ان کا علم تھا لیکن ان کے لکھنے کے اوقات مختلف ہیں۔ اور صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام تقدیروں کو لکھا، پس ہوسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ خصوصیت کے ساتھ چالیس سال پہلے لکھا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ مدت ہو جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی کے پتلے میں رہے یہاں تک کہ ان میں روح پھونکی گئی۔ اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صورت جو مٹی میں بنائی گئی اور ان میں روح پھونکی گئی اس کی مدت چالیس سال تھی اور یہ اس کے خلاف نہیں ہے کہ عمومی تقادیر آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھی گئیں۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ مجھے اس کام پر ملامت کر رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے سے پہلے لکھ دیا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ چالیس سال کی مدت کا تعلق لکھنے کے ساتھ ہو اور دوسری مدت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے غلبہ کی توجیہ

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے:

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ملامت کو اٹھانے میں غالب ہو گئے، کیونکہ کسی آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ تقدیر میں لکھے

ہوئے امر کے سبب سے دوسرے پر ملامت کرے۔

اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ نے لکھا ہے:

اس کا معنی یہ ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ امر تقدیری تھا، سو آپ اس امر پر مجھے ملامت نہ کریں۔ نیز ملامت شرعی ہوتی ہے عقلی نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمالی اور ان کی ظاہری خطاء کی مغفرت فرمادی تو ان سے ملامت زائل ہوگئی، پس جو اب ان کو ملامت کرے گا اس کی حجت مغلوب ہوگی۔

دنیا میں اپنی خطاؤں پر تقدیر کا عذر پیش کرنے کا عدم جواز

میں کہتا ہوں: کیا ہم میں سے کوئی اپنی خطاء یا گناہ کے سرزد ہونے پر تقدیر سے استدلال کرسکتا ہے کہ میں نے فلاں ناجائز کام اس لیے کیا کہ یہ پہلے سے میری تقدیر میں لکھا ہوا تھا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے استدلال کیا کہ ان کے شجرِ ممنوع کھانے کی وجہ سے جنت سے باہر آنا پہلے سے ہی مقدر تھا، لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر کیوں ملامت کررہے ہیں، اور پھر حضرت آدم علیہ السلام اس دلیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دلیل پر غالب آگئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں اپنی ظاہری خطاء پر تقدیر سے استدلال نہیں کیا بلکہ اپنی ظاہری خطاء پر نادم رہے اور روتے رہے اور توبہ اور استغفار کرتے رہے اور جب ان کی وفات ہوگئی تو پھر انہوں نے اپنی اس ظاہری خطاء کے صدور کے اوپر تقدیر سے استدلال کیا۔ لہٰذا ہمارے لیے بھی دنیا میں اپنی خطاؤں پر اور گناہوں پر تقدیر سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، دنیا میں ہم پر یہی لازم ہے کہ اگر ہم سے کوئی خطا یا گناہ ہوگیا ہے تو ہم اس پر توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور تقدیر کا معاملہ تو آخرت میں ہم پر منکشف ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی ملاقات کا وقت

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی ملاقات کب ہوئی؟

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو بطور معجزہ زندہ فرمادیا ہو، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کلام کیا ہو۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر منکشف کردی گئی ہو، پس دونوں نے ایک دوسرے سے بات کی ہو، یا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی روح دکھائی ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج انبیاء علیہم السلام کی ارواح دکھائی گئیں، یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خواب میں حضرت آدم علیہ السلام کو دکھایا گیا ہو اور انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان دونوں کی ملاقات عالم برزخ میں ہوئی ہو، پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی، پھر ان کی روحیں آسمان میں ایک دوسرے سے ملیں۔ علامہ ابن عبدالبر اور علامہ قابسی نے اسی کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یا دنیا میں یہ ملاقات نہیں ہوئی اور یہ ملاقات آخرت میں ہوگی۔ اور اس کو ماضی کے ساتھ اس لیے تعبیر فرمایا ہے کہ اس کا واقع ہونا محقق اور یقینی ہے، پس گویا کہ وہ واقع ہوچکا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر فرمایا؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جن کو شدید تکالیف کے ساتھ بھیجا گیا۔
پس اگر تم سوال کرو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے غلبہ کی کیا توجیہ ہے؟
میں کہتا ہوں: کسی مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسری مخلوق کو ان کاموں پر ملامت کرے جو انہوں نے تقدیر کے موافق اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیے۔ پس شارع علیہ السلام ہی ملامت کرنے والے ہیں۔ پس جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر اللہ تعالیٰ اذن کے حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی تو آدم علیہ السلام نے ان سے تقدیر کے ساتھ معارضہ کیا اور ان کو لا جواب کر دیا۔
یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا اس میں تقدیر اور ان کا کسب جمع ہو گئے تھے اور توبہ کسب کے اثر کو مٹا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما چکا تھا، پس اب سوا تقدیر کے اور کوئی چیز باقی نہیں بچی تھی اور تقدیر کے اوپر ملامت نہیں کی جاتی کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا جو فعل وہ کرتا ہے۔
دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علامہ قرطبی نے کہا ہے: بے شک آدم علیہ السلام باپ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام بیٹے ہیں اور بیٹے کے لیے باپ کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے؟
میں کہتا ہوں: ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام دارِ تکلیف میں باقی ہیں اور ان کو ملامت کرنے میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے بھی زجر و توبیخ ہے اور دوسروں کے لیے بھی ہے۔ اور رہے حضرت آدم، تو وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس دارِ تکلیف سے نکل گئے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں سوائے ان کو شرمندہ کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۵۔ ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل سے غلبہ کا بیان

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ ھ اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل سے غلبہ پا گئے۔
اللیث بن سعد نے کہا: اس قصہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ کا بیان یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری خطاء کو معاف فرما دیا تھا اور ان کی توبہ قبول فرمائی تھی، پس اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ جائز نہ تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو اس ظاہری خطاء پر عار دلاتے جس کو اللہ تعالیٰ ان کے حق میں معاف فرما چکا تھا۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: ''آپ وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا فرمائی اور اس تورات میں ہر چیز کا علم ہے، کیا آپ نے اس تورات میں یہ لکھا ہوا پایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے ظاہری خطاء کو مقدر فرما دیا تھا اور یہ بھی مقدر فرما دیا تھا کہ میں اس پر توبہ کروں گا اور اس لکھے ہوئے کی وجہ سے مجھ سے وہ ملامت ساقط ہو گئی جو آپ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں۔ آپ مجھ کو ملامت کر رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ملامت نہیں کی''۔
اور اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے خلاف استدلال کیا تھا جس نے یہ کہا تھا کہ حضرت عثمان غزوۂ احد کے دن بھاگ گئے تھے تو اس سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی گناہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف

فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۚ (آل عمران:۱۵۵) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔

اور رہا وہ جس نے گناہ کیے ہوں اور اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو تو علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حق میں اس طرح استدلال کرے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام نے استدلال کیا تھا، پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ کیا تم مجھے اس پر ملامت کرتے ہو کہ میں نے قتل کیا یا میں نے زنا کیا یا میں نے چوری کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے یہ تمام کام مقدر کر دیے تھے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس آدمی نے نیک کام کیے ہوں اس کی تحسین کی جائے اور جس نے برے کام کیے ہوں اس کی مذمت کی جائے اور اس کے گناہوں کو اس کے سامنے گنا جائے۔

قدریہ کے ایک اعتراض کا جواب

قدریہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ آپ حضرت آدم ہیں، آپ نے ہمیں محروم کیا اور ہم کو جنت سے نکالا، پس انہوں نے محرومی اور جنت سے نکالے جانے کا اسناد حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کیا، انہوں نے کہا: یہ اس پر دلیل ہے کہ بندے اپنے افعال کی خود تخلیق کرتے ہیں، ان کی اطاعت اور ان کی معصیت دونوں ان کی تخلیق سے ہیں اور اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہوتا تو پھر یہ کس طرح صحیح ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ان کو حکم بھی دے اور ان کو منع بھی کرے جب کہ ان کاموں کو اس نے خود پیدا کیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں اس پر قطعی دلیل نہیں ہے جیسا کہ قدریہ کا زعم ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے نہ کہ اس کا رب۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کہا کہ آپ آدم ہیں جس نے ہم کو محروم کیا اور ناکام کیا اور ہم کو جنت سے نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ان افعال کی نسبت کی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدم علیہ السلام ان افعال کے خالق ہیں، کیونکہ لغت کے اعتبار سے جن افعال کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور جن افعال کا بندہ نے کسب کیا ہے ان سب کی طرف ان افعال کی نسبت جائز ہے اور ہماری قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ'' (الانعام:۱۰۲)، (یعنی وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے)، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الصفت:۹۶) اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو O

پس ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ افعال کا خالق ہے اور بندہ ان افعال کا کسب کرنے والا ہے۔

پس افعال کی نسبت بندوں کی طرف کسب کے اعتبار سے ہے اور افعال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلق کے اعتبار سے ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۲۱-۳۲۲، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جبریہ کا ایک شبہ اور اس شبہ کے حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے متعدد جوابات

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی دلیل سے صرف اس وجہ سے غالب ہو گئے کیونکہ ان کو تورات سے یہ معلوم تھا

کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری خطاء پر توبہ قبول فرمالی ہے، پھر اس ظاہری خطاء پر ان کو ملامت کرنا یہ ایک قسم کی جفاء ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے حصولِ صفاء کے بعد جفاء کا ذکر کرنا بھی جفاء ہے، اس لیے کہ درگزر کرنے کے بعد مخالفت کا اثر مٹ جاتا ہے گویا کہ مخالفت ہوئی ہی نہیں، لہٰذا ملامت کرنے والے کی ملامت اپنے محل میں نہیں ہے۔

علامہ المازری اور دیگر محققین نے جو اس کا معتمد جواب لکھا ہے وہ یہ ہے کہ قدریہ نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، کیونکہ یہ حدیث تقدیر سابق کو ثابت کرنے میں بالکل صریح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کے استدلال کی تقریر کی ہے اور اس بات کی شہادت دی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پا گئے، پس انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ صحیح نہیں تھا کہ وہ ایسے کام پر حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرتے جس کام کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما چکا ہے اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کو قتل کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، پھر انہوں نے کہا: اے میرے رب! میری مغفرت فرما، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت فرما دی، سو وہ کیسے حضرت آدم علیہ السلام کو اس کام پر ملامت کریں گے جس کام کو وہ خود کر چکے ہیں۔

ثانیاً: اگر بندہ کو اس کی خطاء پر تقدیر میں پہلے سے لکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے ملامت کرنا جائز نہ ہو تو جس بندہ کو کسی گناہ پر عتاب کیا جائے تو وہ بھی پہلے لکھی ہوئی تقدیر کا عذر پیش کر سکتا ہے۔ اور اگر یہ جائز ہو تو پھر قصاص اور حدود کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ہر وہ شخص جو بے حیائی کے کاموں کا ارتکاب کرے گا وہ کہے گا: یہ تو میرے لیے پہلے سے تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان لوازم سے یہ لازم آتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اس شبہ کا جواب کئی وجوہ سے ہے:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام نے جو اپنی ظاہری خطاء پر تقدیر سے استدلال کیا اس میں کوئی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو ملامت کی تھی وہ جنت سے نکالنے پر ملامت کی تھی تو گویا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: میں نے تم کو جنت سے نہیں نکالا، تم کو جنت سے صرف اس نے نکالا ہے جس نے نکالنے کو شجرِ ممنوع سے کھانے پر مرتب فرمایا ہے اور جس نے اس کو مرتب کیا ہے اس نے اس کو میرے پیدا ہونے سے پہلے مقدر کر دیا تھا، پس آپ مجھے اس کام پر کیسے ملامت کرتے ہیں جس کام کی میری طرف کوئی نسبت نہیں ہے سوا اس کے کہ میں نے شجرِ ممنوع سے کھایا اور اس پر جو جنت سے نکالنے کا فعل مرتب ہوا ہے وہ میرا فعل نہیں ہے۔

اس جواب سے جبریہ کا شبہ دور نہیں ہوتا۔

(۲) ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے دلیل سے غالب ہونے کا بیان فرمایا، اس کا ایک خاص معنی ہے، کیونکہ اگر اس کا عام معنی ہوتا تو اس پر پہلے اللہ تعالیٰ کی ملامت نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (الاعراف: ۲۲)

اور ان کے رب نے ان سے پکار کر فرمایا: کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تم دونوں سے یہ نہ فرمایا تھا کہ بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے اس شجرِ ممنوع سے کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام سے مواخذہ فرمایا حتیٰ کہ ان کو جنت سے نکال دیا اور زمین کی طرف اتار دیا۔

لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملامت کرنی شروع کی اور یہ کہا کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں تو آپ نے ایسا کام کیوں کیا، تو حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے معارضہ میں فرمایا: آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی فضیلت دی اور آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ اور جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کہ آپ اس مرتبہ کے ہیں تو آپ پر یہ بات کیسے مخفی رہی کہ بندہ کے لیے تقدیر سے کوئی جائے فرار نہیں ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کو دو وجہوں سے غلبہ حاصل ہوا، ایک وجہ یہ تھی کہ کسی مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسری مخلوق کو اس چیز پر ملامت کرے جو اس کے متعلق اللہ کے اذن سے مقدر ہو چکی ہے، پس شارع علیہ السلام ہی ملامت کرنے والے ہیں۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملامت کرنی شروع کی اور ان کو اس ملامت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر سے معارضہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساکت کر دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جو فعل کیا اس میں تقدیر اور کسب دونوں جمع ہو گئے اور توبہ کسب کے اثر کو مٹا دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرما چکا ہے، اب سوائے تقدیر کے اور کوئی چیز باقی نہیں بچی اور تقدیر پر ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا جو اس کا فعل ہے۔

(۳) امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ، لکھتے ہیں:

میرے نزدیک یہ مناظرہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ یہ مناظرہ ان دونوں کے درمیان اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قطعی طور پر توبہ قبول فرما چکا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ (البقرہ:۳۷)

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لیے تو اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شجر ممنوع سے کھانے پر جو حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی تھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ مستحسن تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس ملامت کا انکار کریں، کیونکہ شجر ممنوع سے کھانے پر اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما چکا تھا اور نہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہ ہوتا کہ وہ اس شخص کو ملامت کرے جس نے کوئی گناہ کیا ہو، قتل کیا ہو، یا زنا کیا ہو، یا چوری کی ہو تو وہ یہ کہے کہ یہ کام تو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور اس نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے میرے لیے ان کاموں کو مقدر کر دیا ہے، پس تمہارے لیے ان کاموں پر مجھ کو ملامت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اس قسم کی ملامت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے جیسا کہ انہوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ جو کوئی شخص نیک کام کرے اور دائماً اطاعت اور عبادت کرے تو اس کی مدح کی جائے۔ اور وجہ فرق یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے شجر ممنوع سے کھانے کی ظاہری خطاء کو معاف کر چکا ہے اور ان کی توبہ قبول فرما چکا ہے اور عام لوگوں کو یہ علم نہیں ہوتا کہ ان کی خطاء معاف ہو چکی ہے اور ان کی توبہ قبول ہو چکی ہے یا نہیں، اس لیے آدم علیہ السلام کے لیے تقدیر کا عذر پیش کرنا صحیح تھا اور عام لوگوں کے لیے اپنے گناہوں پر تقدیر کا عذر پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۴) حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلیل اس لیے غالب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کی وفات کے بعد ملامت کی اور ملامت صرف مکلف پر متوجہ ہوتی ہے جب تک کہ وہ دار التکلیف میں ہو، کیونکہ اس وقت اس کے اوپر احکام جاری ہوتے

ہیں، پس گناہگار کو ملامت کی جائے گی اور اس پر حد قائم کی جائے گی اور اس سے قصاص وغیرہ لیا جائے گا لیکن اس کی وفات کے بعد، تو شریعت میں ثابت ہے کہ وفات یافتہ لوگوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، حدیث شریف میں ہے: ''تم اپنے مردوں کا خیر کے سوا ذکر نہ کرو کیونکہ ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں'' اور یہ ثابت ہے کہ جس پر حد قائم کردی گئی اس کو دوبارہ سزا نہیں دی جاتی، بلکہ حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب کوئی باندی زنا کرے اور اس پر حد قائم کردی جائے تو اس کو ملامت نہ کی جائے اور جب یہ معاملہ اس طرح سے ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کرنا اس وقت واقع ہوا جب وہ دنیا اور دارالتکلیف سے منتقل ہو چکے تھے، اور یہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، پس ان سے ملامت ساقط ہوگئی۔ پس اس وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے تقدیر سابق کی طرف استدلال سے رجوع کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی کہ حضرت آدم علیہ السلام دلیل سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دلیل سے غلبہ کے متعلق دیگر فقہائے اسلام کی تقاریر

علامہ القرطبی وغیرہ نے کہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے اور بیٹے کے لیے باپ کو ملامت کرنا جائز نہیں، لیکن یہ حکم اپنے عموم پر نہیں ہے بلکہ بیٹے کے لیے متعدد مقامات پر باپ کو ملامت کرنا جائز ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس لیے غالب ہوگئے کہ ان دونوں کی شریعتیں متغایر تھیں لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ تقدیر ازلی سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں یہ کہاں لکھا تھا کہ تقدیر ازلی سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ صحیح دوسرا جواب ہے اور تیسرا جواب ہے اور ان میں منافات نہیں ہے، پس یہ ممکن ہے کہ ان کو ملا کر ایک جواب بنا دیا جائے اور وہ یہ کہ جو توبہ کر چکا ہو اس کو اس کام پر ملامت نہیں کی جاتی جس سے وہ توبہ کر چکا ہے خاص طور پر اس وقت کہ جب وہ دارالتکلیف سے دارالجزاء کی طرف منتقل ہو چکا ہو۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ٦٧٦ھ، نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا ہے، پس انہوں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے کلام کا معنی یہ ہے کہ اے موسیٰ! آپ جانتے ہیں کہ اس چیز کو میرے پیدا ہونے سے پہلے میرے متعلق لکھ دیا گیا تھا، لہٰذا اس کا واقع ہونا ضروری تھا، اور اگر میں حریص ہوں اور تمام مخلوق اس بات پر حریص ہو کہ لکھے ہوئے سے ایک ذرہ برابر چیز کو رد کر دیا جائے تو وہ اس پر قادر نہیں ہوگا، سو آپ مجھے اس پر ملامت نہ کریں، کیونکہ مخالفت پر ملامت شرعی ہوتی ہے عقلی نہیں ہوتی، اور جب اللہ تعالیٰ نے میری توبہ قبول فرمالی اور میری مغفرت فرمادی تو مجھ سے ملامت زائل ہوگئی، سو جس نے مجھے ملامت کی تو وہ شرعاً دلیل سے مغلوب ہوگا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ اگر کوئی گناہ گار آج یہ کہے کہ یہ گناہ مجھ پر مقدر کر دیا گیا تھا، لہٰذا مجھ سے ملامت ساقط ہونی چاہیے تو ہم کہیں گے: یہاں پر فرق ہے، کیونکہ یہ گناہ گار دارالتکلیف میں باقی ہے اور اس پر سزا کے اور ملامت کے احکام جاری ہیں، اسی وجہ سے اس کو زجر و توبیخ کی جائے گی اور وعظ و نصیحت کی جائے گی۔ رہے حضرت آدم علیہ السلام سو وہ فوت ہو چکے ہیں اور اس دارالتکلیف سے نکل چکے ہیں اور وہ زجر و توبیخ سے مستغنی ہیں، سو ان کو ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ ان کو ملامت کر کے انہیں ایذاء پہنچانی ہے اور انہیں شرمندہ کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے غلبہ ہوا۔

علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی ۶۶۱ ھ نے ''کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ'' میں لکھا ہے:
حضرت آدم علیہ السلام نے جو فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق اس کام کو پہلے ہی لکھ دیا تھا، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کام کو لازم کر دیا تھا، اس کا صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو لوحِ محفوظ میں تخلیق آدم سے پہلے ثابت کر دیا تھا اور یہ حکم لگا دیا تھا کہ یہ ضرور ہونے والا ہے۔
پھر حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا یہ مناظرہ ''العالم العلوی'' میں واقع ہوا جہاں پر روحوں کی ملاقات ہوتی ہے اور عالمِ اسباب میں واقع نہیں ہوا، اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ عالم الاسباب میں وسائط اور اکتساب سے قطع نظر کرنا جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف عالم علوی موجب کسب کے انقطاع کے بعد ہوتا ہے اور اس میں احکامِ تکلیفیہ اٹھ جاتے ہیں، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام تقدیر سابق کے سبب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔

حدیث مذکور کے فوائد

حضرت آدم علیہ السلام پر اپنا عذر واضح تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت آدم علیہ السلام کا عذر واضح نہیں تھا، اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملامت کی

(۱) اس حدیث میں مدح کے صیغہ کے ساتھ تعریض کا ثبوت ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ ہی وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے ساتھ فضیلت دی۔۔ الیٰ آخرہ۔ اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام نے یہ اشارہ کیا کہ وہ اپنے عذر پر مطلع ہیں اور انہوں نے وحی کے ذریعہ اپنے عذر کو جان لیا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی یہ مستحضر ہو جاتا تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت نہ کرتے جب کہ ان کا عذر واضح تھا۔

اگر حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں نہ آتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے فضائل حاصل نہ ہوتے

(۲) نیز اس میں ایک اور چیز کی طرف اشارہ ہے جو اس سے زیادہ عام ہے، گویا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اگر مجھے جنت سے نکالنے کا وقوع نہ ہوتا جو میرے شجرۂ ممنوعہ سے کھانے پر مرتب ہوا ہے تو آپ کو یہ فضائل حاصل نہ ہوتے، کیونکہ اگر میں جنت میں باقی رہتا اور میری نسل وہیں پر مستمر ہوتی تو دنیا میں فرعون ایسا کافر وجود میں نہ آتا جس کی طرف آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا اور آپ کو وہ معجزات دیے گئے جو دیئے گئے۔ پس جب آپ کو ملنے والے ان فضائل کا سبب میں ہوں تو پھر آپ کے لیے کیسے جائز ہے کہ آپ مجھے ملامت کریں۔

جبریہ اور معتزلہ کا مذہب افراط اور تفریط پر مشتمل ہے، ان دونوں کے مذہب اور المرجئہ کے مذہب کا رد

(۳) علامہ طیبی نے کہا: جبریہ کا مذہب یہ ہے کہ قدرت صرف اللہ کے لیے ثابت ہو اور بندہ سے قدرت کی اصلاً نفی ہو، اور معتزلہ کا مذہب اس کے برخلاف ہے اور یہ دونوں افراط اور تفریط میں مبتلاء ہیں۔ اور یہ دونوں اس آیت کا مصداق ہیں:

اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسے گڑھے کے کنارے پر رکھی جو گرنے کے قریب ہے، تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر

(التوبہ:۱۰۹) پڑا اور اللہ ظلم کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O

اور صراطِ مستقیم میانہ روی ہے، پس جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام بظاہر معتزلہ کے مذہب کی طرف راجع تھا، کیونکہ انہوں نے اپنے کلام کو حرفِ انکار اور تعجب سے شروع کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے نام کی تصریح کی اور ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا کہ ان صفات میں سے ہر صفت اس بات کی علت ہے کہ انہوں نے یہ اقدام شریعت کی مخالفت کی وجہ سے نہیں کیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف زمین پر اتارنے کی نسبت کی گویا کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مناصب اور مراتب عالیہ دیے ہیں ان سے یہ زمین کی طرف آنا کتنا بعید ہے۔

پس حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس کے مقابل کلام کو زیادہ بلاغت سے پیش کیا اور انہوں نے بھی اپنے کلام کو ہمزہ انکار سے شروع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کی تصریح کی اور ان کو ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جن میں سے ہر صفت اس چیز کی علت ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کا انکار کرتے ہیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کو اس پر مرتب کیا، پھر وہ استبعاد کے کلمہ کے بجائے ہمزہ انکار کو لائے گویا کہ انہوں نے یوں کہا کہ آپ تورات میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں پھر مجھ کو ملامت کرتے ہیں۔ علامہ طیبی نے کہا: اس تقریر میں اس پر متنبہ کیا ہے کہ متوسط امور کو تلاش کرنا چاہیے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث کو اس پر ختم کیا کہ پس حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے، اس ارشاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر متنبہ فرمایا کہ آپ کی امت کے بعض افراد معتزلہ کی طرح ہیں جو تقدیر کا انکار کریں گے تو آپ نے ان کو ہدایت دینے کے لیے اہتمام کیا اور ہدایت میں مبالغہ فرمایا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اسی کے قریب وہ مقام ہے جو کتاب الایمان میں مرجہ کے رد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے، پس جب کہ مقام مرجہ پر رد کا مقام تھا تو انہوں نے اس پر تعریض سے اکتفاء کی۔ پس اسی طرح جب یہاں پر مقام قدریہ اور معتزلہ پر رد کرنے کا تھا جو کہ تقدیرِ ازلی کا انکار کرتے ہیں تو حدیث میں اس پر اکتفاء کی جو بہ ظاہر جبریہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے۔

جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا وہی جنت الخلد ہے اور زمین کا کوئی باغ نہیں ہے

(۴) قاضی عیاض مالکی نے کہا: اس حدیث میں اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ جس جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا یہ وہی جنت الخلد ہے جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے اور جس میں وہ آخرت میں داخل ہوں گے، اس کے برخلاف معتزلہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام جس جنت میں رہے تھے وہ اور جنت تھی اور ان میں سے بعض کا یہ زعم ہے کہ وہ زمین پر ایک باغ تھا۔

لفظِ عام سے خاص کے ارادہ کا بیان

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کبھی لفظِ عام کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے خصوص کا ارادہ کیا جاتا ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا علم عطا کیا اور اس سے مراد ان کی وہ کتاب تورات ہے جو ان پر نازل کی گئی تھی اور ہر چیز کا اس میں ذکر ہے اور اس سے مراد عموم نہیں ہے، کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: مجھے

اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا فرمایا ہے جو آپ کو عطا نہیں کیا۔

حق کی طلب کے لیے مباحثہ اور مناظرہ کے انعقاد کا جواز

(۶) اس حدیث میں مباحثہ اور مناظرہ کے مشروع ہونے کی دلیل ہے کہ حق کی طلب کے لیے مناظرہ اور مباحثہ کرنا چاہیے اور یہ کہ مباحثہ کے دوران زجر و توبیخ بھی کرنی چاہیے اور تعریض بھی کرنی چاہیے اور یہ کہ جس آدمی کو علم ہو اس پر ملامت زیادہ شدید ہوتی ہے بہ نسبت اس کے جس کو علم نہ ہو۔

عالم کا اپنے سے بڑے عالم کے ساتھ مناظرہ کا جواز

(۷) اس حدیث میں دلیل ہے کہ عالم کا اپنے سے بڑے عالم کے ساتھ اور بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ مناظرہ کرنا جائز ہے اور اس کی مشروعیت کا محل یہ ہے کہ جب یہ حق کے اظہار کے لیے ہو یا علم کے اضافہ کے لیے ہو اور حقائقِ امور پر واقفیت کے لیے ہو۔

تقدیر کے ازلی ہونے کا ثبوت

(۸) اور اس حدیث میں اہلِ سنت کی دلیل ہے کہ تقدیر ازلی ثابت ہے اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں۔

حالتِ غضب میں بعض امور کے معاف کرنے کا جواز

(۹) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بعض احوال میں کسی شخص کے لیے ان کاموں کو معاف کر دیا جاتا ہے جو دوسرے احوال میں معاف نہیں کیا جاتا مثلاً غضب اور افسوس کی حالت میں خصوصاً جس شخص کے مزاج اور طبیعت میں تیزی ہو اور شدتِ غضب ہو کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب مناظرہ میں حالتِ انکار غالب تھی تو انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے نام کے ساتھ مخاطب کیا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام ان کے والد ہیں اور ان کو ان چیزوں کے ساتھ خطاب کیا کہ جن کے ساتھ باپ کو خطاب نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ حالتِ غضب میں تھے۔

اللہ تعالیٰ کے پیشگی علم کا جبر کو مستلزم نہ ہونا

(۱۰) ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے ''معالم السنن'' میں لکھا ہے: بہت سے لوگ اس حدیث سے یہ سمجھتے ہیں کہ قضاء اور قدر کا معنی جبر کو مستلزم ہے اور بندہ پر قہر کو مستلزم ہے اور یہ وہم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غلبہ پایا حالانکہ اس طرح نہیں ہے، اس حدیث کا صرف یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ہونے والے افعال کا پیشگی علم ہے اور بندوں کے افعال کے صدور سے پہلے اللہ تعالیٰ کو تقدیر ازلی میں اس کا علم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کو لوحِ محفوظ میں ثابت کر دیا ہے، کیونکہ قدر اس چیز کا نام ہے جو قادر کے فعل سے صادر ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں اور ایک چیز دوسری چیز کا بدل نہیں ہے، ایک چیز بمنزلہ بنیاد ہے اور دوسری چیز بمنزلہ عمارت ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آدم علیہ السلام درخت سے کھائیں گے، پس آدم علیہ السلام کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے خلاف کرتے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین میں خلیفہ بنانے کے لیے پیدا کیا تھا اور یہ کہ ان کو جنت میں نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ ان کو جنت سے زمین کی طرف منتقل کیا جائے گا، پس ان کا درخت سے کھانا زمین پر اترنے کا سبب تھا اور زمین میں خلیفہ ہونے کا سبب تھا جس کے

لیے انہیں پیدا کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" (البقرہ: ۳۰) پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے حضرت آدم علیہ السلام کو ملامت کی تو حضرت آدم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ آپ اس چیز پر مجھ کو ملامت کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پہلے سے مقدر کر دیا ہے، کیونکہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو کسی گناہ کی وجہ سے ملامت کرے، کیونکہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں برابر ہیں اور ملامت صرف اللہ سبحانہٗ کی طرف سے متوجہ ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۶۹۶۔ ۶۹۸، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے، انہوں نے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے مناظرہ پر مشتمل حدیث کی ایسی بے نظیر شرح کی ہے جس کے ضمن میں اہلِ سنت و جماعت کے تمام مشہور نظریات پر دلائل آ گئے ہیں اور مخالفین اہلِ سنت کے نظریات کا رد اور ابطال آ گیا ہے، ہم نے اس سے پہلے علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کی اس حدیث کی شرح ذکر کی ہے جو بہت مختصر اور جامع ہے اور اس کے بعد علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح نقل کی ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ معتزلہ کا رد کیا گیا ہے اور اس کے بعد ہم نے یہاں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ کی شرح کو ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی شرح وہی ہے جو علامہ ابن بطال کی شرح ہے، اور بالعموم علامہ ابن الملقن، علامہ ابن بطال کی شرح کی ہی نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد اخیر میں ہم نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کو ذکر کیا ہے جو بہت مفصل، جامع اور تمام اہم مضامین کو محیط ہے۔

۱۲۔ بَابٌ: لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَى اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ جو چیز عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عنوان اس باب کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ ہیں "لا مانع لما اعطیت" جو چیز تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ أَبِي لُبَابَةَ عَنْ وَرَّادٍ مَوْلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى الْمُغِيرَةِ اكْتُبْ إِلَيَّ مَا سَمِعْتَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ فَأَمْلَى عَلَيَّ الْمُغِيرَةُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ خَلْفَ الصَّلَاةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سنان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ بن ابی لبابہ نے حدیث بیان کی از ورّاد مولیٰ حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا ہے کہ آپ نماز کے بعد کیا کلمات پڑھتے تھے وہ میری طرف لکھ کر بھیج دو، تو ورّاد نے

الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي عَبْدَةُ أَنَّ وَرَّادًا أَخْبَرَهُ بِهَذَا ثُمَّ وَفَدْتُ بَعْدُ إِلَى مُعَاوِيَةَ فَسَمِعْتُهُ يَأْمُرُ النَّاسَ بِذَلِكَ الْقَوْلِ۔

کہا: پس حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کلمات لکھوائے کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے: (ترجمہ:) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اے اللہ! تو جس چیز کو عطا فرمائے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جس چیز کو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے، اور کسی کوشش کرنے والے کی کوشش تیرے مقابلہ میں نفع نہیں دے گی۔

اور ابن جریج نے کہا: مجھے عبدہ نے خبر دی کہ بے شک وراد نے ان کو اس حدیث کی خبر دی، پھر اس کے بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان سے سنا، وہ لوگوں کو ان کلمات کے پڑھنے کا حکم دے رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۴۴، ۱۴۷۷، ۲۴۰۸، ۵۹۷۵، ۶۳۳۰، ۶۴۷۳، ۶۶۱۵، ۷۲۹۲، صحیح مسلم: ۵۹۳، سنن نسائی: ۱۳۴۱، سنن ابوداؤد: ۱۵۰۵، مسند احمد: ۱۸۱۷۷، سنن دارمی: ۱۳۴۹)

صحیح البخاری: ۶۶۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان حدیث کے ایک جملہ کا جزو ہے، اگرچہ اس میں تھوڑا سا تغیر بھی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن سنان کا ذکر ہے اور لفظ سِنان میں سین پر زیر ہے اور اس میں دو نون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں فُلیح کا ذکر ہے، یہ ابن سلیمان ہیں اور ان کا نام عبد الملک ہے اور فُلیح ان کا لقب ہے، سو یہ لقب ان کے اسم پر غالب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدہ کا ذکر ہے، یہ لفظ "الحرۃ" کی ضد ہے، یہ ابن ابی لبابہ ہیں جو الاسدی الکوفی ہیں اور دمشق میں رہائش پذیر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں وراد کا ذکر ہے، یہ حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب اور ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے "باب الذکر بعد الصلوٰۃ" میں گزر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کی متعدد جگہ روایت کی ہے، کتاب الاعتصام میں، کتاب الرقاق میں اور کتاب الدعوات وغیرہ میں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الجد" اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو دنیا کے حصے مقدر فرمادیے۔ اور اس حدیث میں "مِن" کا لفظ ہے یہ بدل کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

أَرَضِيتُم بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ۔ (التوبہ:۳۸) کیا تم نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی کو پسند کرلیا ہے؟

یعنی اس آیت میں "مِن" بدلہ کے معنی میں ہے۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: جد سے مراد ہے دادا، یعنی کسی شخص کو اس کا نسب فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ "جد" میں جیم پر زیر ہے اور اس کا معنی ہے: اجتہاد اور کوشش، یعنی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہاری کوشش تمہیں فائدہ نہیں پہنچائے گی صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہیں فائدہ پہنچائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خالقِ افعال ہونے کا بیان

اس حدیث سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے تمام افعال کو پیدا فرمایا ہے، کیونکہ حدیث میں مذکور ہے "جس چیز کو تو عطا فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے" اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام روکنے والوں کی نفی کی جائے، اسی طرح اس حدیث میں مذکور ہے "جس سے تو کوئی چیز روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں ہے" اس کا تقاضا ہے: اللہ تعالیٰ کے سوا تمام دینے والوں کی نفی کرنا، اور یہ کہ حقیقت میں نہ کوئی دینے والا ہے اور نہ کوئی روکنے والا ہے، نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے فعل سے روک سکتا ہے اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے فعل سے دے سکتا ہے، لہٰذا ثابت ہوگیا کہ مخلوق میں سے جس نے عطا کیا یا روکا تو اس کا عطا کرنا یا روکنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کی تخلیق ہے اور بندہ نے صرف کسب کیا ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے اور وہی روکنے والا ہے۔ وہی دینے اور روکنے کو پیدا کرنے والا ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی قدرت سے دینے اور روکنے کا کسب کرنے والا ہے۔ پس ظاہر ہوگیا کہ اللہ ہی روکنے والا ہے اور وہی دینے والا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۷۰۔ ۱۷۱، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فرض نماز کے بعد ذکر بالجہر کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی رائے

امام طبری نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں اس فعل کی صحت پر دلیل ہے جو امراء اور حکام فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے جماعت میں اللہ اکبر کہتے ہیں اور ان کے پیچھے ان کے نمازی بھی نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: امام طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے خبر دی کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں معمول تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب میں اللہ اکبر کی آواز سنتا تھا تو میں یہ جان لیتا تھا کہ لوگ فرض نماز سے فارغ ہو چکے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۸۴۱، صحیح مسلم: ۵۸۳، سنن نسائی: ۱۳۳۵، سنن ابوداؤد: ۱۰۰۳، مسند احمد: ۳۴۶۸)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو تکبیر کی آواز سے پہچانتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۸۴۲)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

میں نے فقہاء میں سے کسی کو نہیں پایا جو اس حدیث کے متعلق کچھ بھی کہتے ہوں سوا اس کے جو ابن حبیب نے ''الواضحۃ'' میں لکھا ہے کہ لشکروں میں اور سرحدوں پر صبح کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اکبر کہنا مستحب ہے اور یہ ان کا قدیم طریقہ ہے۔

ابن القاسم نے امام مالک سے ''العتبیۃ'' میں روایت کی ہے کہ دشمن کی سرزمین میں پانچوں نمازوں کے بعد اللہ اکبر کہنا بدعت ہے، اس کا المسودہ نے احداث کیا ہے۔ اسی طرح بعض شہروں میں صبح اور مغرب کی نماز کے بعد بھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ ''جب لوگ فرض نماز سے فارغ ہو جائیں تو بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمول تھا'' یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام یہ ذکر نہیں کرتے تھے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو بیان کیا، کیونکہ اگر صحابہ کرام یہ کرتے ہوتے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا کوئی معنی نہیں تھا کہ یہ ذکر بالجہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمول تھا۔ پس نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا ایسا فعل ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری حیات میں دائماً عمل نہیں کیا اور آپ کے اصحاب نے یہ سمجھا کہ یہ بلند آواز سے ذکر کرنا لازم نہیں ہے، سو انہوں نے اس کو ترک کر دیا تا کہ جس کا علم کوتاہ ہے وہ یہ گمان نہ کرے کہ اس ذکر کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی۔ پس اسی وجہ سے فقہاء میں سے جس نے بھی ذکر بالجہر کو مکروہ قرار دیا، اس نے مکروہ قرار دیا۔ اور اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ اور عبیدہ سے مروی ہے کہ یہ ذکر بالجہر کرنا بدعت ہے۔

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نماز کے بعد ذکر کی فضیلت پر دلیل ہے اور یہ رغائب خیر میں سے ہے اور صالحین کا طریقہ ہے اور عنقریب میں اس کی زیادہ شرح کروں گا اور یہ بیان کروں گا کہ نماز کے بعد ذکر کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ اس کی شرح میں کتاب الدعاء میں ''باب الدعاء بعد الصلوٰۃ'' میں ان شاء اللہ کروں گا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۲۷۔۵۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

کتاب الدعوات کے باب ''الدعاء بعد الصلوٰۃ'' کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: نمازوں کو بہترین اوقات میں رکھا گیا ہے، پس تم نمازوں کے بعد دعاء کرنے میں کوشش کرو۔

امام طبری نے کہا ہے کہ از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ جب نماز کی اقامت کہی جاتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دعا قبول کی جاتی ہے۔

اور امام طبری نے از جعفر بن محمد روایت کی ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا کرنا نفل نماز کے بعد دعا کرنے سے اس طرح افضل ہے جیسے فرض نماز کی نفل نماز پر فضیلت ہے۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ عبدالرحمٰن بن اسود نے اپنے والد عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قلوب ظروف ہیں، پس ان قلوب کو قرآن مجید سے بھرو اور اس کے غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ پس عبدالرحمٰن نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک ان دو امروں میں سے کون سا امر زیادہ فضیلت والا ہے یعنی نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمدللہ اور لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنا یا قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن سلمہ نے اوزاعی سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ان سے کہا: سعید سے سوال کرو، انہوں نے سعید سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: بلکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ پس اوزاعی نے سعید سے کہا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے برابر کوئی چیز نہیں لیکن سلف صالحین کی یہ سیرت ہے کہ وہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

امام طبری نے کہا: امام اوزاعی نے جو کہا ہے وہ صحت کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: اگر میں اس قوم کے ساتھ بیٹھوں جو فجر کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع شمس تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر میں اس قوم کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے تو یہ میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے کہا: اللہ تعالیٰ کا صبح ذکر کرنا اور شام کو ذکر کرنا اللہ کی راہ میں تلواروں سے جہاد کرنے سے زیادہ افضل ہے اور مال کی سخاوت کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

اور باب "مایقول اذا اصبح" میں یہ حدیث گزر چکی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ابن آدم میرا صبح کے وقت ایک ساعت میں ذکر کرے اور دن کے آخر میں ایک ساعت میرا ذکر کرے تو اس کے درمیان کے اوقات میں میں اس کے لیے کافی ہوں۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۹۶ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

صحیح البخاری میں صریح حدیث ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمول تھا۔ اس حدیث کو علامہ ابن بطال نے اپنی رائے سے مقید کیا ہے کہ یہ ذکر صرف تھوڑے عرصہ کے لیے تھا اور صحابہ دائماً یہ ذکر نہیں کرتے تھے تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر پڑھنا فرض لازم ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ نہیں بتایا کہ نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے کا جو معمول تھا وہ فرض یا لازم

تھا اور انہوں نے جو لکھا ہے کہ صحابہ کرام نے بعد میں اس کو ترک کر دیا، اس پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ اور صحیح یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا افضل اور مستحب ہے فرض یا واجب نہیں ہے۔

اور کتاب الدعوات میں جو علامہ ابن بطال نے شرح کی ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ نماز کے بعد ذکر کرنے کی بہ نسبت تلاوت قرآن پڑھنا افضل ہے اور تلاوتِ قرآن کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تلاوتِ قرآن کے برابر کوئی چیز نہیں ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر وقت تلاوتِ قرآن کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے، جب کہ خود قرآن مجید کی بہ کثرت آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی ترغیب دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الاحزاب: ۴۱-۴۲) اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو O اور صبح اور شام کو اس کی تسبیح کیا کرو O

اور علامہ ابن بطال نے متعدد احادیث بیان کی ہیں جن میں تصریح ہے کہ جو لوگ صبح کی نماز کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یہ ان کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جو لوگ عصر کی نماز کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں یہ ان کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ سو قرآن مجید کی تلاوت بھی افضل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی افضل ہے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت کے افضل ہونے کا یہ معنی نہیں ہے کہ صرف قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا جائے، یا کوئی اور عبادت نہ کی جائے۔

اس بحث میں درج ذیل عبارت نص صریح ہے:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مساجد وغیرہا میں جماعت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے سوا اس صورت کے کہ ان کی بلند آواز سے کسی سونے والے کی نیند میں حرج ہو، یا کسی نمازی کی نماز میں خلل ہو یا کسی قاری کی تلاوت قرآن میں حرج ہو۔ (اس صورت میں ذکر بالجہر مستحب نہیں ہوگا تاہم جواز پھر بھی ہوگا، کیونکہ یہ استثناء استحباب سے ہے)۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۷۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الشیخ احمد طحطاوی الحنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا اور اللہ اکبر پڑھنا جائز ہے بلکہ سلف صالحین میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ مستحب ہے اور متاخرین میں سے ابن حزم نے اس پر وثوق کیا ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۲۲۴، المکتبۃ الغوثیہ، کراچی)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذکر بالجہر کے متعلق فقہاء کے نظریات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ورّاد کو لکھوایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کرتے تھے:

اس قسم کی حدیث دراصل حدیثِ مرفوع ہوتی ہے یعنی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل ہے۔اس میں بعض لوگوں کا اختلاف بھی ہے لیکن امام مسلم اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ اس قسم کی حدیث، حدیثِ مرفوع ہوتی ہے۔

اور اس حدیث میں نماز کے بعد ذکر بالجہر کے جواز اور اس کے ثبوت کی دلیل ہے۔

امام طبری نے کہا ہے: اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض امراء جو نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہتے ہیں تو یہ جائز ہے۔علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس پر رد کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس پر مطلع نہیں ہوئے کہ سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کہا ہو سوا اس کے جو ابن حبیب نے ''الواضحہ'' میں لکھا ہے کہ وہ لوگ اپنے اپنے لشکروں میں صبح کی نماز کے بعد اور عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے تھے۔اور انہوں نے کہا: یہ لوگوں کا قدیم طریقہ ہے۔علامہ ابن بطال نے کہا: ''العتبیۃ'' میں امام مالک سے منقول ہے کہ یہ چیز بدعت ہے، انہوں نے کہا کہ اس حدیث کا سیاق اس کی خبر دیتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی وقت میں بھی بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے، اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے جو کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس عبارت میں صحابہ کی تقیید پر اعتراض ہے بلکہ اس وقت صحابہ بہت کم تھے۔علامہ النووی شافعی نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ صحابہ نے تھوڑے وقت کے لیے ذکر بالجہر کیا تھا تاکہ ذکر کی صفت کی تعلیم ہو جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دائماً بلند آواز سے ذکر کرتے تھے اور مختار یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آواز کے ساتھ ذکر کریں سوا اس کے کہ اگر تعلیم کی ضرورت ہو تو پھر بلند آواز سے ذکر کریں۔(فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ذکر بالجہر کے جواز کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے اس حدیث کو اپنے نظریہ کے مطابق ڈھالا ہے حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کا نظریہ حدیث کے مطابق ہو نہ کہ حدیث کو ان کے نظریہ کے تابع کیا جائے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ ذکر کرتے تھے۔اور اس ذکر کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کیا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے یہ ذکر فرماتے تھے۔اب اس میں یہ قید لگانا کہ تھوڑے عرصہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر بلند آواز سے کیا تھا، محض اپنی طرف سے حدیث کے عموم کو مقید کرنا ہے۔ اس حدیث میں کہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر تھوڑے عرصہ کے لیے بلند آواز سے کیا تھا اور پھر بعد میں آپ پست آواز سے ذکر کرنے لگے تھے۔اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''کان یقول'' اور یہ ماضی استمراری ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائماً فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔اور بلند آواز سے ذکر کرنا صرف ذکر کی تعلیم کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ نووی وغیرہ نے سمجھا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی جلالت اور اس کی شان کو بلند کرنے کے لیے ہے۔تاہم آہستہ ذکر کرنے کی اپنی فضیلت ہے اور اس کا اپنا مقام ہے لیکن اس حدیث میں جو مذکور ہے وہ یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے۔(سعیدی غفرلہٗ)

١٣۔ بَابٌ: مَنْ تَعَوَّذَ بِاللّٰهِ مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ

سختیوں اور مشکلات اور بری قسمت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ (الفلق: ١۔٢)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہیے کہ میں صبح کے رب کی پناہ لیتا ہوں O اس کی بنائی ہوئی ہر چیز کے شر سے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دو چیزوں سے پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے، ان میں سے ایک ہے سختیوں اور مشکلات کو پانا اور یہ دینی اور دنیاوی دونوں مشکلات کو شامل ہے اور دوسری چیز ہے بری قسمت، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حسن ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام بخاری نے اس آیت کریمہ کے ذکر سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ بندہ اپنے فعل کو خود پیدا کرتا ہے، کیونکہ اگر یہ افعال بندہ کے پیدا کیے ہوئے ہوتے تو ان سے پناہ طلب کرنے کا کوئی معنی نہ تھا۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٧ ٢٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٦١٦۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از سمی از ابی صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: مصیبت کی سختی، مشکل کاموں کے حدوث اور بری قسمت اور دشمنوں کی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔

(صحیح البخاری: ٦٣٤٧، ٦٦١٦، صحیح مسلم: ٢٧٠٧، سنن نسائی: ٥٤٩٢، مسند احمد: ٧٣٠٨)

صحیح البخاری: ٦٦١٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان حدیث کی عبارت کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور سمی کا ذکر ہے، یہ ابوبکر مخزومی کے آزاد کردہ غلام ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابو صالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہد البلاء اور درک الشقاء وغیرہ سے پناہ طلب کرو''۔
اس حدیث میں ہے ''تعوذوا'' یعنی تم مصیبت کی مشقت وغیرہ سے پناہ طلب کرو۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''اور آپ نے ''درك الشقا'' سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا''۔ ''درك'' کا معنی ہے ادراک اور لحوق، یعنی کسی چیز کو پانا اور اس کا حصول۔ اور ''شقاء'' کا معنی ہے: شدت اور تنگی اور یہ سعادت کی ضد ہے یعنی بدبختی۔ اور اس کا اطلاق اس سبب پر کیا جاتا ہے جو ہلاکت کی طرف پہنچائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)
علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ ''درك الشقاء'' کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔
اسی طرح ''سوٴ القضاء'' یعنی بری تقدیر، یہ بھی عام ہے نفس میں اور مال میں اور اہل میں اور خاتمہ میں اور آخرت میں۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ''سوٴ القضاء'' سے پناہ طلب کرتے تھے۔ قضاء سے مراد ہے المقضی، یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہو اور اللہ تعالیٰ کا ہر حکم حسن ہے، اس کے کسی حکم میں برائی نہیں ہے۔ علماء نے قضاء اور قدر کی تعریف میں بیان کیا ہے کہ قضاء کا معنی ہے: ازل میں کلیات کا بطورِ اجمال حکم کرنا۔ اور قدر کا معنی ہے: ان کلیات کی جزئیات کے وقوع پر بطورِ تفصیل کے حکم لگانا۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ (الحجر: ۲۱)
اور ہمارے ہی پاس ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں O

اس آیت میں ''خَزَآىٕنُهٗ'' کا لفظ ہے، یہ خزانہ کی جمع ہے، خزانہ اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی چیزیں چھپا کر رکھتا ہے، یا اس جگہ انسان اپنی چیزوں کو محفوظ کر کے رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کے رزق اور معیشت کے اسباب جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں، عام مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس خزانہ سے مراد بارش ہے، کیونکہ انسانوں، حیوانوں اور پرندوں کو رزق کی فراہمی بھی بارش کے ذریعہ ہوتی ہے۔ بارش سے سبزہ اگتا ہے اور فصل تیار ہوتی ہے، جس میں انسانوں، حیوانوں اور پرندوں سب کے لیے غذا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سال سب جگہ یکساں بارش نازل نہیں فرماتا بلکہ اپنی حکمت سے کسی جگہ کم بارش نازل فرماتا ہے، کسی جگہ زیادہ اور کسی جگہ بالکل بارش نازل نہیں فرماتا۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وشماتة الاعداء'' اس کا معنی ہے کہ دشمنوں کی خوشی پر غم ناک ہونا اور جب دشمن اس کے غم پر خوش ہوں تو اس سے دل میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے اور بہت زیادہ قلق ہوتا ہے۔
اور تعوذ کے یہ کلمات جامعہ ہیں، کیونکہ مصیبت یا تو مبدأ کی جہت سے ہوگی اور وہ بری تقدیر ہے۔ یا معاد کی جہت سے ہوگی اور وہ بدبختی کا حصول ہے، کیونکہ حقیقی بدبختی وہی ہے جو آخرت میں بدبختی ہو یا دنیا کی زندگی کے اعتبار سے مصیبت ہوگی یا دوسروں کی وجہ سے ہوگی یا اس کے اپنے نفس کی وجہ سے ہوگی۔ اگر دوسروں کی وجہ سے ہو تو وہ دشمنوں کا خوش ہونا ہے۔ اور اگر اپنے نفس کی وجہ سے ہو تو وہ جهد البلاء ہے یعنی مصیبت کی مشقت ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''جھد البلاء'' اور ''درك الشقاء'' سے پناہ طلب کرنے کی حکمت

ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں سے ہم پر کوئی ایسا فعل نازل فرمائے جو ہم پر دشوار ہو کیونکہ اس کا تقاضا شدت اور مشقت ہے اور یہ بلاء اور شقاء ہے اور سوء قضاء ہے اور شماتتِ اعداء ہے۔ پس شقاء دین اور دنیا دونوں میں ہوتی ہے، اور جب شقاء دنیا میں ہو تو یہ زندگی میں تنگی ہوتی ہے اور رزق میں کمی ہوتی ہے۔

''جھد البلاء'' کا معنی ہے: جب اولاد زیادہ ہو اور سامانِ معیشت کم ہو اور اس میں شدید مصیبت ہے۔

اور ''درك الشقاء'' سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان معیشت کی تنگی کو پائے اور اس کی مشقت سے اس کو ضرر ہو۔

اور ''سؤ القضاء'' سے مراد ہے ایسی تقدیر جو انسان کو ناگوار ہو اور اس کو غم میں ڈالے۔

اور ''شماتة الاعداء'' کا معنی ہے: کہ جب انسان پر کوئی تکلیف یا مصیبت آئے تو اس سے اس کے دشمن خوش ہوں، اور کہا گیا ہے کہ یہ سب سے بڑی مصیبت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا:

فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ (الاعراف: ۱۵۰) پس آپ مجھ پر دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے O

اور ''سوء القضاء'' یعنی بری تقدیر، یہ اللہ تعالیٰ کی تمام قضاؤں کے متعلق عام ہے خواہ اس قضاء کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے ہو۔ اور جس قضاء کا تعلق دنیا سے ہو اس سے مراد ہے زندگی میں تنگی اور رزق میں کمی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اور اگر دین میں ہو تو یہ کفر اور معصیت ہے یعنی کفر اور معصیت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ پس جن تمام چیزوں سے ہمیں پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد: ۱۶) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۷۳۔۱۷۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے سورۂ فلق کی جو دو آیتیں ذکر کی ہیں اس سے ان لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا یہ زعم ہے کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے، کیونکہ وہ بری تقدیر جس سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر اس کا فاعل بندہ ہوتا تو اس سے پناہ طلب کرنے کا کوئی معنی نہیں تھا، کیونکہ اسی سے پناہ طلب کرنے کا معنی صحیح ہے جو اس پر قادر ہو کہ وہ اس چیز کو زائل کر دے جس سے پناہ طلب کی گئی ہے اور یہ حدیث اس کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا فاعل ہے اور سوءِ قضاء سے مراد سوءِ المقضی ہے کیونکہ قضاء کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم اور مقضی کا معنی ہے جس چیز کا حکم دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۹، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ ھ)

۱۴۔ بَابٌ: يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ (الانفال:۲۴)

انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہوجاتا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں پوری آیت ذکر نہیں کی گئی، پوری آیت اس طرح ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝ (الانفال:۲۴)

اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے O

سعید بن جبیر نے اس آیت کا معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کے ایمان لانے کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور مومن کے کفر کرنے کے درمیان حائل ہوجاتا ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کافر اور اس کی اطاعت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور مومن اور اس کی معصیت کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور اسی طرح ضحاک سے مروی ہے۔

اور مجاہد نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ مرد اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، پس اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا عمل کرے۔

اور اس عنوان سے غرض یہ اشارہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے ہر کسب کا خالق ہے خواہ وہ کسب خیر ہو یا شر ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو اور اس کے لیے صرف اس کی ضد یعنی کفر کو مقدر فرمایا اور مومن اور کفر کے درمیان حائل ہو، اور مومن کو کفر کی ضد پر قادر کرے اور وہ ایمان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جن کو گمراہی پر برقرار رکھا یہ بھی اس کا عدل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نہیں روکا جو ان پر حق واجب تھا اور اپنے ارادہ کے مطابق ان کو پیدا کیا نہ کہ ان کے ارادہ کے مطابق اور ان میں ہدایت کی طاقت پیدا کی اور اس کی توفیق عطا فرمائی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَثِيرًا مِمَّا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے خبر دی از سالم از حضرت عبداللہ (بن عمر رضی اللہ عنہما)، انہوں نے بیان کیا: بہت مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم اٹھاتے وقت فرماتے: دلوں کو پلٹنے والے کی قسم!

(صحیح البخاری: ۶۶۲۸، ۷۳۹۱، سنن ترمذی: ۱۵۴۰، سنن نسائی: ۳۷۶۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۶۳، مسند احمد: ۴۷۸۳، سنن دارمی: ۲۳۵۰)

صحیح البخاری: ۶۶۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''بندہ اور اس کے قلب کے درمیان اللہ تعالیٰ کا حائل ہونا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ بہت مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح قسم کھاتے تھے ''دلوں کو پلٹنے والے کی قسم''۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو پلٹ دیتا ہے اور وہ کفر کے اوپر ایمان کو ترجیح دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فعل عدل ہے، اس کا کوئی فعل غلط یا ظلم نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں پر مطلع نہ ہو سکیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، اور یہ ابن المبارک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن عقبہ، عُقبہ میں عین پر پیش ہے اور قاف ساکن ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، اور یہ ابن عبداللہ ہیں اور یہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کثیرا'' یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور اصل عبارت یوں ہے ''یحلف حلفا کثیرا'' یعنی آپ حلف کے الفاظ میں سے جس لفظ سے حلف اٹھانا چاہتے تو زیادہ تر یوں حلف اٹھاتے تھے ''لا ومقلب القلوب''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا''، یہاں پر بھی عبارت محذوف ہے یعنی ''لا افعل'' یا ''لا اترك'' یعنی مقلب القلوب کے حق کی قسم اور وہ اللہ عزوجل ہے، میں اس کام کو ترک نہیں کروں گا یا یہ کام نہیں کروں گا۔ اور واؤ اس میں قسم کے لیے ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مقلب القلوب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی اغراض کو پلٹ دیتا ہے اور ان کے ارادہ کے احوال کو پلٹ دیتا ہے، کیونکہ حقیقت میں دل کو نہیں پلٹا جاتا بلکہ دل میں آئے ہوئے ارادوں کو پلٹ دیا جاتا ہے۔

اور اس میں یہ دلیل ہے کہ دل کے جو اعمال ہیں اس میں جو ارادے ہوتے ہیں اور کسی کام کے لیے جو محرکات ہوتے ہیں اور باقی اغراض جو ہوتی ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہیں جیسا کہ ظاہری اعضاء کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۸۔۲۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حَفْصٍ وَبِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَا أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِابْنِ صَيَّادٍ خَبَأْتُ لَكَ خَبِيئًا قَالَ الدُّخُّ قَالَ اخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ ائْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ قَالَ دَعْهُ إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَا تُطِيقُهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِي قَتْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن حفص اور بشر بن محمد نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن صیاد سے فرمایا: میں نے تیرے لیے ایک چیز چھپائی ہے، اس نے کہا: وہ دُخ ہے، آپ نے فرمایا: دفع ہو، تو اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت

دیں تو میں اس کی گردن اڑادوں، آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑو، اگر یہ وہی ہے تو تم اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کو قتل کرنے میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵۴، ۳۰۵۵، ۶۱۷۳، ۶۶۱۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۰، سنن ترمذی: ۲۲۴۹، مسند احمد: ۶۳۲۴)

صحیح البخاری: ۶۶۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اگر یہ ابن صیاد وہی ہے (یعنی دجال) جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں یہ ہے کہ اس نے نکلنا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنا ہے تو تمہارا خالق تمہیں اس کے قتل پر ہرگز قادر نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ثابت ہے کہ وہ نکلے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، کیونکہ اگر اس نے تم کو اس کے قتل پر قادر کردیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کا علم جہل کے ساتھ منقلب ہوجائے گا یعنی بدل جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند اور برتر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن حفص، یہ المروزی ہیں، یہ عسقلان میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن محمد، بشر میں باء کے نیچے زیر ہے اور سین ساکن ہے، یہ ابومحمد السختیانی المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سالم کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں اس باب میں گزر چکی ہے "اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه" وہاں اس حدیث کو بہت طول کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابن صیاد، اس کا نام "صاف" تھا، یہ یہودی لڑکا تھا اور اس کی باتوں سے لوگوں کو اس کے اوپر دجال کے ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خبیئا" یہ "خبأ" سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: چھپی ہوئی چیز۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الدخ" اس سے مراد ہے الدخان، ایک قول یہ ہے کہ ابن صیاد نے "الدخان" کہنے کا ارادہ کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے وہ دخان کہنے پر قادر نہ ہوسکا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ڈانٹا تو وہ پورا کلمہ دخان نہیں کہہ سکا۔

میں کہتا ہوں: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابن صیاد کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ دل میں چھپی ہوئی باتوں کو جان لیتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا

امتحان لینے کے لیے فرمایا: میں نے اپنے دل میں ایک بات چھپائی ہے، اب تم بتاؤ کہ وہ کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت چھپائی تھی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ⑩ سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان واضح دھواں لائے گا O

(الدخان: ۱۰)

ابن صیاد پر یہ پوری آیت تو منکشف نہیں ہو سکی تو اس نے ''دخان'' کی جگہ ''الدُّخ'' کہا۔

اس مقام پر یہ اشکال ہے کہ ابن صیاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں چھپی ہوئی چیز کے کچھ حصہ پر بھی کیسے مطلع ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بتایا تھا کہ میں نے اپنے دل میں یہ آیت چھپائی ہے تا کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ ابن صیاد اس چیز پر مطلع نہیں ہو سکا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں چھپایا تھا۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ بتا رہے تھے تو شیاطینِ جن نے سن لیا اور وہ ''دُخ'' کا لفظ سمجھ سکے اور یہ لفظ انہوں نے ابنِ صیاد کو القاء کر دیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دفع ہو، تو اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اخسأ'' یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کتا بھاگ جائے یا دور چلا جائے اور ''اخسأ'' اسی سے امر ہے اور یہ کسی کی اہانت کے لیے کہا جاتا ہے یعنی تم دفع ہو جاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر یہ وہی ہے تو تم اس کی طاقت نہیں رکھتے'' یعنی تم اس کو قتل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، کیونکہ تقدیر میں یہ مقرر ہے کہ دجال آخر زمانہ میں نکلے گا اور زمین میں فساد کرے گا، پھر اس کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قتل کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلا خیر لک'' یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ ابن صیاد نبوت کا دعویٰ کرتا تھا۔ پس اس کے قتل میں خیر کیوں نہیں ہوگی؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس وقت ابن صیاد نابالغ تھا یا وہ ایام یہود کے ساتھ صلح کے ایام تھے اور اس دوران یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے۔ اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو چھپا کر ابن صیاد کا امتحان لینا، تو وہ اس لیے تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کے دعویٰ کا بطلان ظاہر ہو جائے۔ اور اس کا مرتبہ کاہنوں سے متجاوز نہیں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۹۔ ۲۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

الانفال: ۲۴ کی تفسیر از مصنف

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ⑭ (الانفال: ۲۴)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو، جب رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہارے لیے حیات آفرین ہو اور یقین رکھو کہ انسان اور اس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے اور بے شک تم اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے O

انسان اوراس کے دل کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حائل ہونے کے محامل

سعید بن جبیر نے کہا: اللہ تعالیٰ، کافر اور اس کے ایمان لانے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور مومن اور اس کے کفر کرنے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کافر اور اس کے ایمان اور اللہ کی اطاعت کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتا ہے۔ ضحاک نے کہا کہ کافر اور اس کی اطاعت اور مومن اور اس کی معصیت کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: انسان اور اس کی عقل کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتا ہے۔ امام ابن جریر کی رائے یہ ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس آیت میں اللہ عزوجل نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے زیادہ ان کے دلوں کا مالک ہے، اور جب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ان کے ارادوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لا سکتا ہے نہ کفر کر سکتا ہے، نیک کام کر سکتا ہے نہ گناہ کر سکتا ہے۔ (جامع البیان جز۹ ص ۲۸۳۔۲۸۷)

تقدیر پر ایک اشکال کا جواب

اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے تو نیک کاموں پر انسان مدح اور ثواب کا اور برے کاموں پر مذمت اور سزا کا کیوں مستحق ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مشیت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اپنے اختیار اور ارادہ سے کیا کریں گے اور کیا نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ کے اسی علم کا نام تقدیر ہے، اللہ عزوجل اپنے اس علمِ ازل کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف فرماتا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مصرف القلوب! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۵۴، السنن الکبریٰ: ۷۸۶۱)

قاضی بیضاوی نے کہا: دلوں کو الٹ پلٹ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے اور اس نے یہ تصرف اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد نہیں کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اے مقلب القلوب! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ، اس دعا میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندوں کے دلوں پر تصرف فرماتا ہے یہ تصرف اس کے تمام بندوں کو شامل ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی شامل ہے۔ اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام اس تصرف سے مستثنیٰ ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً اپنے دل کو دین پر ثابت رکھنے کی دعا فرمائی ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ ترین دل بھی اللہ سبحانہٗ کی پناہ لینے کا محتاج ہے تو دوسرے لوگ جو آپ سے کہیں کم مرتبہ کے ہیں وہ اس دعا کو کرنے کے کس قدر زیادہ محتاج ہوں گے۔

رہا یہ کہ رحمٰن کی دو انگلیوں سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو جواب ہیں:

اول یہ ہے کہ دو انگلیوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کا تصرف ہے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث پر بغیر کسی تاویل اور توجیہ کے ایمان لانا چاہیے اور یہ ایمان رکھنا چاہیے کہ یہ حق ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ'' (الشوریٰ:١١)، (اللہ کی مثل کوئی چیز نہیں ہے)۔

صحیح البخاری: ٦٦١٨، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ٤٤٩ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

الانفال: ٢٤ کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کو پیدا کیا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کافر اور اس کے ایمان جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، پس کافر ایمان کا کسب نہیں کرتا جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں ایمان نہ لکھا ہو بلکہ کافر کو ایمان کی ضد پر قادر کرتا ہے اور وہ کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مومن اور کفر جس سے اللہ تعالیٰ نے مومن کو روکا ہے کے درمیان حائل ہو جاتا ہے بایں طور کہ اس کو کفر پر قادر نہیں کرتا بلکہ اس کو ایمان پر قادر کرتا ہے اور وہ ایمان کے ساتھ متصف ہوتا ہے، پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کفر اور ایمان دونوں کا خالق ہے، پس اس آیت سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر کسب کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر ہو اور حدیث میں جو ہے ''لا ومقلب القلوب'' یعنی دلوں کو پلٹنے والے کی قسم! کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو پلٹ دیتا ہے کہ وہ کفر کی بجائے ایمان کو اختیار کرے یا ایمان کے بجائے کفر کو اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل اس کا عدل ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر برقرار رکھے یا جس کے اندر ایمان پیدا کر دے یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے، کیونکہ سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔

امام آجری نے حبیب بن شہید کی حدیث سے روایت کی ہے کہ چند لوگ تقدیر کے متعلق بحث کرتے ہوئے ایاس بن معاویہ کے پاس آئے، پس ایاس نے ان سے پوچھا: تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کسی چیز کا حکم بھی دیا ہے اور کسی چیز سے ان کو منع بھی کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی پر بالکل ظلم نہیں کرتا تو ایاس نے ان سے پوچھا: مجھے بتاؤ کہ ظلم کی تعریف تم کو معلوم ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے ظلم کی تعریف معلوم ہے، کہا: اچھا بتاؤ ظلم کیا ہے؟ اس نے کہا: ظلم یہ ہے کہ مرد اس چیز کو لے جو اس کی نہیں ہے، تو ایاس نے کہا: جس نے اس چیز کو لیا ہو جو اس کی ہے تو کیا یہ بھی ظلم ہے؟ اس نے کہا: نہیں، تو ایاس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی ملک میں ہر چیز ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جو کام بھی کرے گا وہ ظلم نہیں ہے۔ (الشریعۃ للآجری: ٤٧٨)

حضرت عمران بن حصین نے ابوالاسود الدیلی سے کہا: اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو عذاب دے گا اور وہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیے وسیع ہے اور اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا بھی صدقہ کرو تو تم سے وہ قبول نہیں ہوگا حتیٰ کہ تم اس پر ایمان لاؤ کہ ہر خیر اور شر تقدیر کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور اس کی مثل حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۱۸۲، ۱۸۵، ۱۸۹، سنن ابوداؤد: ٤٦٩٩، سنن ابن ماجہ: ٧٧)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر یہ وہی ہے تو تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ الحدیث۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں دجال کا نکلنا ہے اور اس کا لوگوں کے لیے گمراہ کرنا ہے تو ہرگز اس کا خالق تمہیں اس کے قتل کرنے پر قادر نہیں کرے گا جس کے متعلق اللہ کو علم ہے کہ وہ نکلے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر قادر

کردے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا علم جہل سے بدل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۵۔ بَابٌ: قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (التوبہ: ۵۱) قَضٰى

آپ کہیے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچتی ماسوا اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کردی ہے۔

''قضی'' کا معنی ہے: اس نے مقدر کردیا۔

قَالَ مُجَاهِدٌ: (بِفَاتِنِينَ) بِمُضِلِّينَ۔ اِلَّا مَنْ كَتَبَ اللّٰهُ أَنَّهُ يَصْلَى الْجَحِيمَ

مجاہد نے کہا: ''فتنین'' کا معنی ہے: ''مضلین'' یعنی گمراہ کرنے والے۔ سوا اس کے جس کے لیے اللہ نے مقدر کردیا کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

''قَدَّرَ فَهَدٰى ۝'' (الاعلیٰ: ۳)

قَدَّرَ الشَّقَاءَ وَالسَّعَادَةَ، وَهَدَى الْأَنْعَامَ لِمَرَاتِعِهَا۔

''قَدَّرَ فَهَدٰى'' کا معنی ہے: اللہ نے سختی یا بدبختی کو مقدر کیا اور نیک بختی کو مقدر کیا۔ اور مویشیوں کو ان کی چراگاہوں کی طرف ہدایت دی۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے التوبہ: ۵۱ لکھنے کے بعد لکھا ہے ''قضی'' یہ ''کتب'' کی تفسیر ہے اور اس آیت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا علم ہے کہ ان کو دنیا میں کیا سختیاں اور تکلیفیں اور تنگی اور فراخی اور کشادگی پہنچے گی، کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں، وہ اپنے بندوں کے لیے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور ان کو خیر اور شر میں مبتلاء کرتا ہے اور یہ سب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

مجاہد نے کہا کہ ''فاتنین'' کی تفسیر ہے ''مضلین''، یہ دراصل اس آیت کی تفسیر ہے:

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝ (الصافات: ۱۶۲۔ ۱۶۳)

تم اللہ (کی مشیت) کے خلاف (زبردستی) کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے ۝ سوا اس کے جو (اپنے کفر کے سبب خود ہی) دوزخ میں جا گرنے والا ہے ۝

یعنی تم کسی کو گمراہ کرنے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مقدر کردیا ہے کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔

اس تعلیق کو عبد بن حمید نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: تم کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے سوا اس کے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو لکھ دیا ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق سے الاعلیٰ: ۳ کی جو مجاہد نے تفسیر کی ہے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (الاعلیٰ:۳)

اور جس نے (صحیح) اندازہ کیا، پھر ہدایت دی ○

مجاہد نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدبختی اور نیک بختی کو مقدر کیا ہے۔ اس تفسیر کو فریابی نے سندِ موصول کے ساتھ مجاہد سے روایت کیا ہے اور یہ جو آگے لکھا ہے کہ مویشیوں کو ان کی چراگاہوں کی طرف ہدایت دی اس کا تعلق اس کے ماقبل کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ بھی تفسیر ہے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ (طٰہٰ:۵۰)

موسیٰ نے کہا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی، پھر ہدایت دی ○

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۱۹۔ حَدَّثَنِی إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِیمَ الْحَنْظَلِیُّ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِی الْفُرَاتِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ یَحْیَی بْنِ یَعْمَرَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَأَلَتْ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الطَّاعُونِ فَقَالَ كَانَ عَذَابًا یَبْعَثُهُ اللهُ عَلَی مَنْ یَشَاءُ فَجَعَلَهُ اللهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِینَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَكُونُ فِی بَلَدٍ یَكُونُ فِیهِ وَیَمْكُثُ فِیهِ لَا یَخْرُجُ مِنَ الْبَلَدِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا یَعْلَمُ أَنَّهُ لَا یُصِیبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِیدٍ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۴، ۵۷۳۴، ۶۶۱۹، مسند احمد: ۲۳۸۳۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں داؤد بن ابی الفرات نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن بریدہ از یحییٰ بن یعمر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: طاعون ایک عذاب تھا جس کو اللہ تعالیٰ جن پر چاہتا تھا بھیجتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس طاعون کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا، جو بندہ کسی شہر میں ہو اور اس میں طاعون ہو تو وہ اسی شہر میں رہے اور اس شہر سے نہ نکلے صبر کرتا رہے اور ثواب کی نیت کرتا رہے اور یہ یقین رکھے کہ اس پر وہی مصیبت آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے، سو جو شخص ایسا کرے گا اس کو شہید کے اجر کی مثل ملے گا۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ہمیں وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے" اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی ذکر ہے کہ جو شخص طاعون کی بیماری پر صبر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شہید کی مثل اجر عطا فرمائے گا جب کہ اس کا یہ یقین ہو کہ اس کو وہی مصیبت پہنچتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھ دی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، اور وہ ابن راہویہ ہیں اور ان کی نسبت حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بنی تمیم کی طرف ہے اور اس قبیلہ کے عام لوگ بصرہ میں تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے النضر، یہ ابن شمیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے داؤد بن ابی الفرات، یہ المروزی ہیں، یہ بصرہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن بریدہ، یہ بردہ کی تصغیر ہے، یہ اسلمی ہیں اور مرو کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن یعمر، یہ بھی مرو کے قاضی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام رجال مروزیون ہیں اور یہ عجیب و غریب بات ہے۔

یہ حدیث کتاب التفسیر میں اور ذکر بنی اسرائیل میں اور کتاب الطب میں از اسحاق از حبان گزر چکی ہے۔ امام نسائی نے اس کو کتاب الطب میں از عباس بن محمد روایت کیا ہے۔ اور اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "طاعون"۔ اہل اللغت نے کہا ہے کہ یہ ایک وباء ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ایک پھوڑا ہے جس سے بہت سخت درد ہوتا ہے اور عموماً یہ بغلوں میں نکلتا ہے اور اس کے اردگرد کی جگہ سیاہ ہو جاتی ہے اور دل میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اللہ نے اس کو مومنین کے لیے رحمت بنا دیا ہے"۔ اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ عذاب کے رحمت ہونے کی کیا توجیہ ہے؟۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ یہ صورت میں تکلیف اور آزمائش ہے لیکن یہ اس اعتبار سے رحمت ہے کہ یہ آخرت میں شہید کے اجر کی مثل کو متضمن ہے، لہٰذا طاعون اس امت کے لیے رحمت کا سبب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۰۔۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

طاعون کے متعلق جدید تحقیق

جدید سائنس کے مطابق طاعون کی بیماری جس کو پلیگ کہتے ہیں، ایک زہریلے جرثومہ کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ جنگلی چوہوں سے گھریلو چوہوں میں منتقل ہوتا ہے، جب ان چوہوں کی تعداد کم ہونے لگتی ہے تو ان کو کاٹنے والی مکھیاں انسانوں کو کاٹ کر بیماری پھیلانے کا باعث بنتی ہیں، کبھی کبھار یہ متاثرہ شخص کا پاخانہ جلد کے ساتھ لگ جانے اور سانس کے بخارات کے ذریعہ سے بھی پھیلتی ہے۔

طاعون کی سب سے عام قسم جو نوے فیصد متاثرہ لوگوں میں ہوتی ہے اس میں اس انفیکشن کے ایک ہفتہ کے بعد شدت ہوتی ہے اور شدید بخار ہوتا ہے، سردی لگتی ہے، سر میں درد اور جسم میں درد اور متلی ہوتی ہے اور الٹی بھی آتی ہے، شدید کمزوری اور نقاہت ہوتی ہے، اس کے بعد بغل میں درد ہوتا ہے خاص طور پر رانوں کے جوڑوں میں سخت گلٹیاں بن جاتی ہیں، ایک سے دو ہفتہ میں ان سے پیپ نکلنی شروع ہو جاتی ہے اور آنتوں میں یا پھیپھڑوں میں یا پیشاب کے راستہ میں خون بھی آ سکتا ہے، قوتِ شنید کم ہو جاتی ہے، آواز بھرّا جاتی ہے، زبان سوج جاتی ہے اور سفید اور خشک ہو جاتی ہے، زہر پھیلنے پر مریض گھبرایا ہوا نظر آتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب مذکور کے ساتھ مناسبت

اس باب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بتایا ہے کہ دنیا میں ان کو جو مصائب اور تکلیفیں اور تنگیاں اور آسانیاں اور رزق کی فراوانی پہنچتی ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور ان کو خیر اور شر میں مبتلاء فرماتا ہے۔ اور یہ سب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اور اس میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے خواہ وہ قدری ہو یا سنی ہو، اختلاف اس بات میں ہے کہ بندوں کے جو افعال ان سے صادر ہوتے ہیں وہ آیا ان کا فعل ہیں یا اللہ تعالیٰ کا فعل ہیں۔ اور اس باب میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کے ایسے افعال ہوتے ہیں جن کا صدور صرف اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور مخلوق کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور نہ مخلوق اپنے کسب سے ان کو اختیار کرتی ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طاعون کے متعلق احادیث

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طاعون کے متعلق کیا سنا؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل کے ایک طائفہ کے اوپر بھیجا گیا تھا یا فرمایا: تم سے (پہلے کے) لوگوں پر بھیجا گیا تھا، پس جب کسی زمین کے متعلق سنو کہ وہاں طاعون ہے تو تم اس زمین میں نہ جاؤ، اور جب کسی زمین میں طاعون واقع ہو اور تم اسی زمین پر ہو تو وہاں سے نہ نکلو طاعون سے بھاگتے ہوئے۔ (صحیح البخاری: ۳۴۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے میدانِ جہاد سے کوئی پیٹھ موڑ کر بھاگے اور طاعون کی وبا میں ثابت قدم رہنا ایسا ہے جیسے کوئی آدمی میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ اور ایک روایت میں ہے: جس نے طاعون پر صبر کیا اس کو شہید کا اجر ملے گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۳، ج ۳ ص ۳۶۰)

علامہ الہیثمی نے کہا ہے کہ مسند احمد اور بزار اور طبرانی کی المعجم الاوسط میں رجال ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۵۲)

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جو شخص وبا کی سرزمین میں نہ ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وبا کی سرزمین میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اور جو شخص وبا کی سرزمین میں ہو، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں سے نکلنے سے منع فرمایا ہے، تاکہ وبا سے بھاگنا لازم نہ آئے۔ اور یہ معنی اس حدیث کے مطابق ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو اور جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم

صبر کرو۔ (صحیح البخاری:۲۹۶۶، کتاب الجہاد)

طاعون زدہ علاقہ میں دخول کی ممانعت اور طاعون زدہ علاقہ سے فرار کی ممانعت کی توجیہ

حدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں سے نہ نکلو، اس کا محمل یہ ہے کہ طاعون سے بھاگنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو، لیکن اگر انسان کسی اور غرض سے اس علاقہ سے نکلے مثلاً تجارت کے لیے یا کسی ضروری کام کے لیے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں سے نکلنے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس آدمی کا یہ گمان ہوگا کہ اس جگہ سے بھاگنے سے اسے تقدیر سے نجات مل جائے گی اور یہ تقدیر پر ایمان کے خلاف ہے۔

نیز حدیث میں ہے کہ جس جگہ طاعون ہو وہاں پر نہ جاؤ، اس لیے کہ اگر تم ایسی جگہ ٹھہرو گے جہاں طاعون نہیں ہے تو اس سے تمہارا دل پرسکون رہے گا۔

امام مالک سے سوال کیا گیا کہ جس شہر میں بہ کثرت اموات ہو رہی ہوں یا بیماریاں ہوں تو کیا اس کی طرف نکلنا مکروہ ہے؟ تو امام مالک نے کہا: میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اس جگہ سے نکلے یا وہاں ٹھہرے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کے مشابہ ہے جو طاعون کے متعلق حدیث ہے۔ (المفہم للقرطبی ج ۵ ص ۶۱۴)

طاعون زدہ علاقہ سے فرار کے متعلق سلف صالحین کے مختلف اقوال

امام ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ وباء سے بھاگنا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو اس جگہ بھیجتے تھے جہاں طاعون ہو اور اسود بن ہلال اور مسروق سے مروی ہے کہ وہ اس جگہ سے بھاگتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اس عذاب سے گھاٹیوں اور وادیوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک ان کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے اس کا انکار کیا اور کہا: بلکہ وہ شہادت ہے اور رحمت ہے اور تمہارے نبی کی دعا ہے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۸، کشف الاستار ج ۳ ص ۳۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۱۶۱، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۳۰۶، صحیح ابن حبان: ۲۹۵۱)

کوفہ میں طاعون تھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل گئے، پھر جب وہ حصاص بن عوف (ایک مقام کا نام) میں پہنچے تو ان کو طاعون ہو گیا اور وہ فوت ہو گئے۔

اور رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تو وہ مقام سرغ سے لوٹ آئے اور اس جگہ نہیں گئے جہاں پر طاعون تھا۔ (صحیح البخاری: ۵۷۲۹) اور یہ اس لیے تھا تا کہ عام لوگوں کے وہموں میں تشویش نہ ہو اور وہ اپنے لوٹ آنے پر نادم ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مکمل حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبد الحمید بن عبد الرحمن بن زید بن الخطاب از عبد اللہ بن عبد اللہ بن الحارث بن نوفل از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے حتیٰ کہ جب مقام سرغ پر پہنچے تو ان سے

اجناد کے امراء نے ملاقات کی، ان میں حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور ان کے اصحاب تھے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ شام میں وبا پھیل چکی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے لیے مہاجرین اولین کو بلاؤ، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو بلایا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا اور ان کو بتایا کہ وبا شام میں پھیل چکی ہے، پس بعض نے کہا: آپ ایک کام کے لئے نکلے ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ وہ کام کیے بغیر واپس جائیں۔ اور بعض نے کہا: آپ کے پاس باقی لوگ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ اس وباء والے علاقہ میں جائیں، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں، پھر فرمایا: میرے لئے انصار کو بلاؤ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس میں نے انصار کو بلایا، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے مشورہ کیا تو وہ بھی مہاجرین کے طریقہ پر چلے اور ان میں بھی انہی کی طرح اختلاف تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ لوگ میرے پاس سے چلے جائیں، پھر فرمایا: میرے لئے ان کو بلاؤ جو یہاں پر قریش کے بزرگوں میں سے ہیں جو فتح مکہ کے وقت مہاجر تھے، پس میں نے ان کو بلایا، تو ان میں سے دو مردوں کا بھی اختلاف نہیں ہوا اور انہوں نے کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ لوگوں کو واپس لے جائیں اور اس وبا والے علاقہ میں نہ جائیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں ندا کر دی کہ میں صبح کو یہاں سے سوار ہو جاؤں گا، پس لوگ صبح کو تیار ہو گئے، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! آپ کے سوا کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی اے ابوعبیدہ! ہاں، ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں، آپ یہ بتائیں کہ اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں اور آپ ایسی وادی میں اتریں جس میں دو چراگاہیں ہوں، ایک سرسبز و شاداب ہو اور دوسری بنجر ہو، کیا آپ ایسی چراگاہ میں اتریں جو سرسبز و شاداب ہو تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر آپ ایسی چراگاہ میں اتریں جو بنجر ہو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہے، اتنے میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور وہ کسی کام سے گئے ہوئے تھے، پس انہوں نے کہا کہ میرے پاس اس مسئلہ کا علم ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم کسی زمین کے متعلق سنو کہ اس میں طاعون ہے تو وہاں پر مت جاؤ، اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں طاعون آ چکا ہو تو وہاں سے تم نہ نکلو طاعون سے بھاگنے کے سبب سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور واپس چلے گئے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۱۶۸۵، ۱۶۶۹، موطا امام مالک: ۱۶۵۵، ۱۶۵۷)

''جو اس علاقہ سے بھاگے جہاں طاعون تھا'' انہوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طاعون کے علاقہ میں دخول یا طاعون کے علاقہ سے خروج سے منع نہیں فرمایا لیکن آپ کو فتنہ کا خوف تھا کہ لوگ یہ گمان کریں گے کہ جو شخص طاعون کے علاقہ میں گیا تو وہ وہاں جانے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔ اور جو شخص وہاں سے بھاگ گیا وہ یہ گمان کرے گا کہ وہ اپنے بھاگنے کی وجہ سے سلامت رہا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ نے بدشگونی سے منع فرمایا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اس کے لیے فتنہ ہے جو اس علاقہ سے بھاگا، وہ کہے گا: میں بھاگا تو میں نجات پا گیا اور جو اس جگہ ٹھہرا رہا اس کے لیے بھی فتنہ ہے، وہ کہے گا: چونکہ میں یہاں ٹھہرا رہا اس لیے اس وبا میں مبتلا ہوا، اور جو بھاگا تو اس کی ابھی موت نہیں آئی تھی اور جو ٹھہرا رہا تو اس کی موت آ گئی تھی۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: طاعون سے بھاگنا ایسا ہے جیسے میدانِ جنگ سے بھاگنا۔
اور کہا جاتا ہے: بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی وبا سے بھاگا ہو اور سلامت رہا ہو اور اس میں نصیحت کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ هُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ (البقرہ: ۲۴۳)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے خوف سے اپنے گھروں سے نکلے، سو اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ، پھر اللہ نے ان کو زندہ کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ چالیس ہزار لوگ تھے جو طاعون سے بھاگے تھے، سو وہ مر گئے، پس انبیاء میں سے ایک نبی نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کر دے حتیٰ کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا، اور وہ نبی حضرت حزقیل علیہ السلام تھے۔ اس کو علامہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں بیان کیا ہے۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۵۱)
اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ طاعون سے بھاگنا اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا موجب ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۹ ص ۶۴۶۔ ۶۴۹ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۶۔ بَابٌ: وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ (الاعراف: ۴۳)

اور اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم از خود یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (الزمر: ۵۷)

یا یہ کہے کہ اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور متقین میں سے ہو جاتا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ان دو آیتوں کو ذکر کیا ہے اور اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت اور گمراہی کو پیدا کرنے میں منفرد ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایمان اور کفر کے کسب پر قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور یہ بندوں کی تخلیق نہیں ہے جیسا کہ قدریہ کا زعم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ هُوَ ابْنُ حَازِمٍ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَنْقُلُ مَعَنَا التُّرَابَ وَهُوَ يَقُولُ

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا صُمْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی اور وہ ابن حازم ہیں از ابی اسحاق، از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے دن دیکھا، آپ ہمارے ساتھ مٹی کو منتقل فرما رہے تھے اور یہ پڑھ رہے تھے: اللہ کی قسم! اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتْ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا
وَالْمُشْرِكُونَ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

اور نہ ہم روزہ رکھتے اور نہ نماز پڑھتے۔
پس تو ہم پر سکینہ نازل فرما
اگر دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ۔
اور مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے
جب وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے۔

(صحیح البخاری:۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۳۰۳۴، ۴۱۰۴، ۴۱۰۶، ۶۶۲۰، ۷۲۳۶، صحیح مسلم:۱۸۰۳، مسند احمد:۱۸۰۹۸، سنن دارمی:۲۴۵۵)

صحیح البخاری:۶۶۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے ''اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پاتے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو النعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر بن حازم، اس میں حاء اور زاء ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسحاق، یہ عمرو بن عبد اللہ السبیعی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد کے باب ''حفر الخندق'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مشرکین نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے'' اس کا معنی ہے: انہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جب وہ ہمیں فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے''۔ یعنی ہم فتنہ سے دور رہیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۱۔۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

کتاب القدر کا اختتام

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت سے کتاب القدر کی تکمیل ہو گئی۔

کتاب القدر میں انتیس (۲۹) احادیثِ مرفوعہ ہیں اور ان میں سے تین (۳) تعلیقات ہیں اور باقی احادیثِ موصولہ ہیں۔ ان میں سے بائیس (۲۲) احادیث مکررہ ہیں اور خالص احادیث سات (۷) ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ صحیح البخاری کی کتاب القدر کی تکمیل ہو گئی، اللہ تعالیٰ ہمیں تقدیر کے متعلق اہل سنت و جماعت کے عقائد کے اوپر قائم رکھے اور بد مذہبوں اور گمراہوں کی بدعقیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تا قیامت باقی اور فیض آفریں رکھے اور جو صحیح البخاری کی کتب اور ابواب باقی رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کی تکمیل بھی کرا دے۔ کتاب القدر کے بعد اب ان شاء اللہ ''کتاب الایمان والنذور'' شروع ہو گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۸۳۔ كِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسموں اور نذروں کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب قسموں اور نذروں کی اقسام کے بیان میں ہے۔''ایمان'' کا لفظ''یمین'' کی جمع ہے، یمین کا لغوی معنی ہے: قوت۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الحاقۃ: ۴۴۔۴۵) اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے O تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے O

اور''یمین'' کے لفظ کا معنی دایاں ہاتھ بھی ہے۔ اور اس کا شرعی معنی ہے: خبر کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو اس کے ساتھ قوت دینا جس کی قسم کھائی گئی ہے۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

''یمین'' کا معنی ہے: جس چیز کا وجود ضروری ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ محقق کرنا یا ثابت کرنا، اور مکلف کا کسی عبادت کا التزام کرنا۔

اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ''نذر'' کا معنی ہے: عبادت یا صدقہ یا ان کی مثل کسی چیز کو اپنے اوپر تبرعاً واجب کرنا، کہا جاتا ہے''نذرت الشیء نذرا'' میں نے کسی چیز کی نذر مانی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ایمان'' میں الف پر زبر ہے اور یہ''یمین'' کی جمع ہے، اور نذور کا لفظ ذال کے ساتھ ہے، یہ نذر کی جمع ہے۔ اس باب کا امام ابن بطال نے کتاب البیوع سے پہلے اور کتاب الاشربہ کے بعد ذکر کیا ہے اور مجھے معلوم نہیں انہوں نے ایسا کیوں کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ایمان'' کا لفظ یمین کی جمع ہے اور لغت میں یمین کا اصل معنی ہے: ہاتھ، اور اس کا حلف پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے، کیونکہ عرب جب کسی چیز پر حلف اٹھاتے تھے تو ہر ایک اپنے صاحب کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے''الید الیمنی'' یعنی سیدھا ہاتھ، اس کی شان کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے، اس لیے حلف کو بھی یمین کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعہ جس پر حلف اٹھایا جائے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور یمین کی جمع''ایمن'' بھی آتی ہے جیسے رغیف کی جمع ارغف آتی ہے۔

اور یمین کا عرفی معنی ہے: اللہ تعالیٰ کے اسم یا اس کی کسی صفت کو ذکر کر کے کسی چیز کی تاکید کو ذکر کرنا، اور یہ سب سے مختصر اور

سب سے فہم کے قریب ترین تعریف ہے۔ اور ''نذور'' نذر کی جمع ہے اور اس کی اصل ہے ''انذار'' جس کا معنی ہے: خوف دلانا اور ڈرانا۔

اور علامہ راغب اصفہانی نے نذر کی تعریف کی ہے کہ ''کسی نئے کام کے حادث ہونے کی بناء پر اس چیز کو واجب کرنا جس کو اللہ اور اس کے رسول نے واجب نہ کیا ہو''۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۰۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''ایمان'' کا لفظ یمین کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: حلف یعنی قسم اٹھانا۔ اور ''نذور'' کا لفظ نذر کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کا التزام کرنا اور انسان اپنے اوپر کسی چیز کو لازم کرلے تو اس کو نذر کہتے ہیں۔

یمین کی اقسام

قسم یا تو اس چیز پر کھائی جائے گی جس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہوگا، یا اس چیز کی قسم کھائی جائے گی جس کا تعلق زمانہ مستقبل کے ساتھ ہو۔ اگر اس کا تعلق زمانہ ماضی کے ساتھ ہے تو اس میں کفارہ نہیں ہے خواہ اس کی قسم سچی ہو یا جھوٹی ہو، لیکن اگر اس کی قسم سچی ہے یا اس کا گمان ہے کہ وہ بات اسی طرح ہے تو اس قسم میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا، اور اگر اس نے جھوٹی قسم کھائی یا اس کا گمان تھا کہ وہ جھوٹی بات پر قسم کھا رہا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ پھر اگر وہ اس قسم سے کسی مسلمان کا مال ناجائز طور پر کھانا چاہتا ہو تو پھر یہ یمینِ غموس ہے۔

اور جس یمین کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہو اس کو یمینِ منعقدہ کہتے ہیں۔ پس اگر انسان نے کسی ایسی چیز پر قسم کھائی جو مستقبل میں ہو تو اگر اس نے اس قسم کو پورا کر دیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر اس نے اس کو پورا نہیں کیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ کفارۂ قسم دے۔

قسم توڑنے کے احکام

کبھی قسم کا توڑنا واجب ہوتا ہے جب وہ کسی حرام کام کو کرنے کی قسم کھائے اور کبھی قسم کا توڑنا مستحب ہوتا ہے جب وہ کسی مکروہ کام کو کرنے کی قسم کھائے۔ اور کبھی قسم کو توڑنا مکروہ ہوتا ہے جب وہ کسی مستحب کام کو کرنے کی قسم کھائے۔ اور کبھی قسم کا توڑنا مباح ہوتا ہے جب وہ کسی مباح کام کو کرنے کی قسم کھائے اور کبھی قسم کو توڑنا حرام ہوتا ہے جب وہ کسی فرض کام کے کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا حرام ہے۔

نذر کی تعریف

ہم کہتے ہیں کہ انسان کا کسی چیز کا التزام کرنا نذر ہے مثلاً وہ یہ کہے کہ اللہ کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ میں روزے رکھوں یا میں صدقہ کروں یا میں نماز پڑھوں'' اور اس کا حکم احادیث کی شرح کے ضمن میں آئے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۰۶۔۵۰۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ، ''ایمان'' کی بحث میں لکھتے ہیں:

یمین کی اقسام

یمین کی دو قسمیں ہیں۔ایک اللہ سبحانہٗ کی قسم ہے اور اسی کو لغت اور شرع کے عرف میں قسم کہتے ہیں۔اور دوسری اللہ سبحانہٗ کے غیر کے نام کی قسم ہے اور یہ عامۃ العلماء کا قول ہے۔

اصحاب الظاہر (اہلِ حدیث) نے کہا ہے: یمین کی ایک ہی قسم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہے۔

رہا وہ حلف جو اللہ عزوجل کے نام کے بغیر ہو، پس وہ حقیقت میں یمین نہیں ہے، اس کو یمین مجازاً کہا جاتا ہے۔حتیٰ کہ جس نے حلف اٹھایا اس سے حلف نہیں لیا جائے گا، پس جس نے طلاق یا عتاق کی قسم کھائی تو وہ حانث ہو جائے گا اور عامۃ العلماء کے نزدیک وہ حانث نہیں ہوگا۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ یمین سے اس کی تعظیم کا قصد کیا جاتا ہے جس کی تعظیم کی قسم کھائی جائے، اسی وجہ سے عرب کی عادت ہے کہ وہ اس کی قسم کھاتے ہیں جس کی قدر و منزلت بزرگ ہو اور مخلوق پر اس کا نفع بہت زیادہ ہو۔آسمان اور زمین پر اور سورج اور چاند پر اور دن اور رات پر۔اور اس قسم کی تعظیم کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اس قسم کی تعظیم عبادت ہے اور اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی عبادت جائز نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: جس نے طلاق کی قسم کھائی یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی اور اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہہ دیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔(نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۴)

اور اس کے معنی میں یہ حدیث ہے کہ جس نے کسی یمین پر حلف اٹھایا اور ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یمین کو حلف فرمایا ہے اور حلف اور یمین اسماءِ مترادفہ میں سے ہیں جو ایک مسمّٰی پر واقع ہوتے ہیں اور کسی اسم کے اطلاق کرنے میں اصل حقیقت ہے، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ جس نے طلاق کا حلف اٹھایا یا غلام آزاد کرنے کا حلف اٹھایا وہ بھی حقیقتاً قسم ہے۔اسی طرح اس اسم کا ماخذ بھی اس پر دلیل ہے، کیونکہ یمین کا معنی ہے قوت، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ (الحاقۃ: ۴۴۔۴۵) اور اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے O تو ہم ان کو پوری قوت سے پکڑ لیتے O

یعنی ہم اس کو قوت سے پکڑ لیتے، اور اسی وجہ سے سیدھے ہاتھ کو بھی یمین کہا جاتا ہے، کیونکہ سیدھا ہاتھ عادتاً بائیں ہاتھ کے اوپر قوی ہوتا ہے۔

اللہ کے نام کی قسم! اس لیے کھائی جاتی ہے کہ عرف میں یہ مقرر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی حرمت کی ہتک بہت قبیح ہے تو اس لیے وہ اللہ کی قسم کھانے پر مجبور ہوتا ہے تاکہ اپنے مطلوب کو حاصل کرنے پر اسے قوت حاصل ہو، اور یہ معنی طلاق اور غلام آزاد کرنے کے حلف میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ حلف اٹھانے والا شرط کے امتناع پر قوت حاصل کرتا ہے کہ اگر وہ شرط پائی گئی تو اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی یا اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی قسم کی شرع کے عرف میں تین قسمیں ہیں: یمین غموس، یمین لغو اور یمین منعقدہ۔

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی المتوفی ۱۸۹ھ نے المبسوط کی کتاب الایمان کے شروع میں لکھا ہے کہ ''ایمان'' کی تین قسمیں ہیں:

ایک یمین وہ ہے جس کو توڑنے پر کفارہ ہوتا ہے، اور دوسری یمین وہ ہے کہ جس کے توڑنے پر کفارہ نہیں ہوتا، اور تیسری یمین وہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کھانے والے سے مواخذہ نہیں فرمائے گا، اور اس تیسری قسم کا نام انہوں نے یمینِ لغو رکھا ہے۔ اور امام محمد نے جو کہا ہے کہ ''ایمان'' کی تین قسمیں ہیں اس سے ان کی مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانے کی تین قسمیں ہیں نہ کہ جنسِ ایمان کی تین قسمیں ہیں، کیونکہ وہ تو بہت ہیں۔

چونکہ کفارہ ہر یمین میں واجب نہیں ہوتا، کیونکہ ایمان سے بعض وہ ہیں جو یمین بالطلاق ہیں یا یمین بالعتاق ہیں اور بعض وہ ہیں جو یمین باللہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو قسم کھائی جاتی ہے وہی مشروعہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو اس سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کے نام کی قسمیں کھاؤ، پس جس شخص نے قسم کھانی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور جس پر قسم کھائی ہے اس کے غیر کو بہتر سمجھو تو اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دو، پھر وہ کام کرو جو بہتر ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ جس یمین میں کفارہ مشروع ہے وہ یمین باللہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس یمین کو معتبر قرار دیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفارہ صرف یمینِ مشروعہ میں ہوتا ہے اور یہ وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جائے، اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم نہ کھائی جائے مثلاً طلاق کی قسم کھائے کہ اگر میں نے فلانہ کام نہ کیا تو میری بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا عتاق کی قسم کھائے مثلاً اگر میں نے فلانہ کام نہیں کیا تو میرا غلام آزاد ہو جائے گا، تو اس میں کفارہ نہیں ہے لیکن اگر اس نے اس قسم کے خلاف کیا تو اس کی بیوی پر طلاق ہو جائے گی یا اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام محمد نے یہ کیسے خبر دی ہے کہ ہمیں امید ہے کہ یمینِ لغو میں مواخذہ نہیں ہوگا، حالانکہ قرآن مجید میں تصریح ہے کہ یمینِ لغو میں یقیناً مواخذہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ۔ (البقرہ:۲۲۵) اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

اس سوال کے دو جواب ہیں:

پہلا جواب یہ ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے جو جھوٹی قسم ہے لیکن وہ قصداً جھوٹی قسم نہ کھائے بلکہ خطأ اس کی زبان سے جھوٹی قسم نکل جائے یا غلطی سے اس کی زبان سے جھوٹی قسم نکل جائے جیسا کہ عنقریب ہم اس کی تفسیر میں ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے، اور اس کے فعل سے بچنا فی الجملہ ممکن ہے۔ اس وجہ سے اس پر مواخذہ کرنا جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے گرفت کو اٹھا لیا ہے، یہ اس کی رحمت اور اس کا فضل ہے، اسی لیے جب کوئی آدمی خطأ کوئی فعل کرے یا بھول کر کوئی فعل کرے تو اس پر بھی توبہ اور استغفار کرنا واجب ہے، اس لیے امام محمد نے امید کا لفظ ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جو اس طرح قسم پر گرفت نہیں فرماتا جب کہ اس پر گرفت کرنا جائز ہے تو یہ محض اس کا فضل ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس نوع کی یمین یعنی یمینِ لغو پر گرفت کا نہ کرنا قطعی ہے لیکن یمینِ لغو سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہی

ہے اس پر یقین نہیں ہے بلکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے۔

یمینِ غموس کی تعریف اور اس میں مذاہب

رہی یمینِ غموس، تو یہ وہ ہے جس میں ماضی یا حال پر قصداً جھوٹی قسم کھائی جائے خواہ نفی کی یا اثبات کی۔ اور یہ وہ خبر ہے جو ماضی یا حال کے فعل یا اس کے ترک سے دی جائے اور اس میں عمداً جھوٹ بولا گیا ہو اور وہ اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ مقرون ہو، جیسے کوئی شخص کہے''اللہ کی قسم! میں نے یہ کام نہیں کیا''اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اس نے یہ کام کیا ہے یا کہے''اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا ہے''اور اس کو معلوم ہو کہ اس نے یہ کام نہیں کیا، یا وہ کہے:''اللہ کی قسم! اس کا مجھ پر کوئی قرض نہیں ہے''اور اس کو معلوم ہو کہ اس کا اس پر قرض ہے، سو یہ یمینِ غموس ہے۔

فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ یمینِ غموس میں کفارہ نہیں ہے خواہ اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پانچ کبیرہ گناہ ایسے ہیں جن میں کفارہ نہیں ہے: (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا (۲) میدانِ جہاد سے پیٹھ موڑ کر بھاگنا (۳) مومن پر بہتان باندھنا (۴) مسلمان کو ناحق قتل کرنا (۵) جھوٹی قسم پر حلف اٹھانا تا کہ اس سے کسی مسلمان مرد کا مال کھائے۔

اور مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر یمینِ غموس کا تعلق حال کے ساتھ ہو یا استقبال کے ساتھ ہو تو پھر اس میں کفارہ ہے۔ اور شاید ان کی توجیہ یہ ہے کہ جب یمین کا تعلق ماضی کے ساتھ ہوگا تو اس میں جھوٹ محقق ہوگا اور اس کا گناہ بہت بڑا ہے، سو یہ اس سے بڑا گناہ ہے کہ اس کو کفارہ سے مٹایا جائے، لیکن جب یمینِ غموس کا تعلق حال یا استقبال کے ساتھ ہو تو پھر یہ اس طرح نہیں ہے اور یہ یمینِ منعقدہ کے قریب ہوگی اور اس کا حکم لے گی اور اس میں پھر کفارہ ہوگا۔

یمینِ لغو کی تعریف اور اس میں مذاہب

رہی یمینِ لغو تو اس کی تفسیر میں اختلاف ہے، ہمارے اصحابِ احناف نے یہ کہا ہے کہ یہ وہ جھوٹی قسم ہے جو خطأً کھائی جائے یا غلطی سے کھائی جائے اور اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ، اور وہ یہ ہے کہ وہ ماضی یا حال کے واقعہ کی خبر اپنے ظن سے دے اور اس کا ظن واقع کے خلاف ہو مثلاً وہ کہے: اللہ کی قسم! میں نے زید سے کلام نہیں کیا اور اس کا ظن اور گمان یہی ہو کہ اس نے زید سے کلام نہیں کیا یا وہ کہے کہ اللہ کی قسم! میں نے زید سے کلام کیا ہے اور اس کا ظن اور گمان یہی ہو کہ اس نے زید سے کلام کیا ہے۔

اور اسی طرح ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ یمینِ لغو یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز کی قسم کھائے اور اس کو گمان یہ ہو کہ یہ حق ہے حالانکہ وہ حق نہ ہو۔

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ یمینِ لغو وہ قسم ہے جس کی قسم کھانے والا قصداً قسم نہیں کھاتا اور یہ وہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر ان کے کلام میں بغیر قسم کے ارادہ کے جاری ہوتی ہے جیسے لوگ کہتے ہیں''لا واللہ''(یعنی نہیں اللہ کی قسم)،''بلی واللہ''(کیوں نہیں، اللہ کی قسم!) خواہ اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہو یا حال کے ساتھ ہو یا مستقبل کے ساتھ ہو۔

اور ہمارے (احناف کے) نزدیک مستقبل میں یمینِ لغو نہیں ہوتی بلکہ مستقبل کے متعلق جو قسم کھائی جائے وہ یمینِ منعقدہ ہوتی ہے اور جب اس قسم کے خلاف کرے تو اس پر کفارہ ہوتا ہے خواہ وہ قسم کھانے کا قصد کرے یا قسم کھانے کا قصد نہ کرے۔ اور

یمینِ لغو صرف ماضی اور حال میں ہوتی ہے۔

پس ہمارے اور امام شافعی کے نزدیک اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ جس قسم میں قسم کھانے والا قسم کا قصد نہ کرے اور وہ قسم مستقبل کے متعلق کھائے تو ہمارے نزدیک وہ یمینِ لغو نہیں ہے یمینِ منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک جو قسم مستقبل کے متعلق کھائی اور اس میں قسم کھانے کا اس نے ارادہ نہیں کیا تھا تو وہ یمینِ لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان سے یمینِ لغو کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ جو شخص اپنے کلام میں کہتا ہے "لا واللہ وبلٰی واللہ" (یعنی نہیں خدا کی قسم، اور کیوں نہیں، خدا کی قسم!)۔

(صحیح البخاری: ۶۶۶۳، موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۷۷، مسند الشافعی ج ۲ ص ۴۷، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۴۸، شرح السنہ للبغوی ج ۵ ص ۲۷۷)

اور عطاء سے یمینِ لغو سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یمینِ لغو یہ ہے کہ ایک مرد اپنے کلام میں نیت سے کہے: "لا واللہ وبلٰی واللہ" (یعنی نہیں خدا کی قسم، اور کیوں نہیں، خدا کی قسم!)۔

(سنن ابوداؤد: ۳۲۵۴، موارد الظمآن: ۱۱۸۷)

یمینِ لغو کی تعریف پر امام شافعی کے دلائل

امام شافعی کہتے ہیں: پس حدیثِ موقوف اور حدیثِ مرفوع دونوں سے یمینِ لغو کی یہ تفسیر ثابت ہوگئی کہ کوئی شخص اپنے کلام میں قسم کے قصد کے بغیر کہے "لا واللہ وبلٰی واللہ" (یعنی نہیں خدا کی قسم! اور کیوں نہیں، خدا کی قسم!)۔ اور اس میں ماضی اور مستقبل کا فرق نہیں ہے، تو یہ قسم ہر حال میں یمینِ لغو ہے جب کہ قسم کھانے والا اس قسم کا ارادہ نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یمینِ لغو کے مقابلہ میں اس یمین کا ذکر فرمایا ہے جس کو دل کے کسب کے ساتھ کھایا جائے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ (البقرہ: ۲۲۵)

اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں۔

اس آیت میں یمینِ لغو کے مقابلہ میں یمینِ مکسوبہ کا ذکر کیا ہے اور یہ وہ قسم ہے جو قسم کے قصد سے کھائی جائے، پس یمینِ لغو وہ ہوگی جو غیر مقصودہ ہو، اور اس آیت میں دونوں قسموں کے یعنی یمینِ لغو اور یمینِ مکسوبہ کے تقابل کا یہی تقاضا ہے کہ یمینِ لغو میں قسم کا قصد نہیں ہوتا اور یمینِ مکسوبہ میں قسم کا قصد ہوتا ہے۔

یمینِ لغو کی تعریف کے ثبوت میں فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف نے کہا ہے: ہماری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

كَفَّارَةُ اَيۡمَانِكُمۡ اِذَا حَلَفۡتُمۡ ؕ وَاحۡفَظُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۸۹﴾ (المائدہ:۸۹)

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یمینِ لغو کا مقابلہ یمینِ منعقدہ کے ساتھ فرمایا ہے اور ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ یمینِ لغو میں گرفت نہیں ہوگی اور یمینِ منعقدہ میں گرفت ہوگی۔ پس اس سے واجب ہوا کہ یمینِ لغو اس کے علاوہ ہو جو یمینِ منعقدہ ہے تاکہ دونوں میں مقابلہ محقق ہو۔ اور جو قسم مستقبل میں ہوتی ہے وہ یمینِ منعقدہ ہوتی ہے خواہ اس میں قصد ہو یا نہ ہو۔ اور اس لیے کہ لغو کا معنی ہے وہ چیز جس کی کوئی حقیقت نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا وَّلَا تَاۡثِيۡمًا ﴿۲۵﴾ (الواقعہ:۲۵)

وہ اس میں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گناہ کی بات O

اور اللہ تعالیٰ نے کفار کے قول کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ ﴿۲۶﴾ (حم السجدہ:۲۶)

اور کافروں نے کہا: اس قرآن کو مت سنا کرو اور (اس کی قراءت کے وقت) لغو باتیں کیا کرو تاکہ تم غالب آ جاؤ O

اور یہ اس وجہ سے ہے جو ہم نے بیان کیا ہے کہ یمینِ لغو وہ قسم ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ قسم کھانے والے کا یہ گمان ہو کہ بات اس طرح ہے جس طرح اس نے قسم کھائی ہے اور حقیقت اس کے خلاف ہے۔

اور اس لیے کہ لغو وہ چیز ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو، سو وہ باطل ہے جس کا کوئی حکم نہیں ہے۔ پس وہ یمینِ منعقدہ نہیں ہوگی، کیونکہ یمینِ منعقدہ کا حکم ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ یمینِ منعقدہ میں مواخذہ ثابت ہے اور اس میں قرآن مجید کی نص صریح سے کفارہ ثابت ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ یمینِ لغو سے مراد وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے یمینِ لغو کی یہ تفسیر کی کہ یہ وہ قسم ہے کہ ایک مرد جھوٹی قسم کھائے اور اس کا گمان یہ ہو کہ وہ صادق ہے، اس حدیث کی عبد بن حمید نے از ابراہیم النخعی روایت کی ہے اور اسی طرح الدر المنثور ج ۱ ص ۴۸۲ میں مذکور ہے۔

اور مطر نے ایک مرد سے روایت کی ہے کہ میں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یمینِ لغو کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یمینِ لغو یہ ہے کہ کوئی مرد یہ کہے: اللہ کی قسم! ہم نے اس طرح کیا ہے اور اللہ کی قسم! ہم نے اس طرح بنایا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بے شک اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے یمینِ لغو کا یمینِ مکسوبہ یعنی یمینِ مقصودہ سے بھی تقابل کیا ہے۔

تو ہم کہیں گے کہ یہ وہی آیت ہے کہ جس آیت میں یمینِ لغو کا یمینِ مکسوبہ سے تقابل کیا ہے اور اس آیت میں اس کا تقابل یمینِ منعقدہ کے ساتھ کیا ہے اور جب ان دونوں آیتوں کو موافقت پر محمول کرنا ممکن ہے تو یہ اس سے اولیٰ ہے کہ ان کو تعارض پر محمول کیا جائے، پس ہم ان دونوں آیتوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ یمینِ لغو ہی یمینِ مقصودہ ہے اور غیر منعقدہ ہے اور ہمارا مخالف

ان دو آیتوں میں سے ایک آیت کو معطل کر دیتا ہے، پس ہمارا حال اس سے بہتر ہے۔

یمینِ منعقدہ کی تعریف اور اس کے احکام

رہی یمینِ منعقدہ تو یہ قسم مستقبل میں کسی کام کے متعلق ہے خواہ مستقبل میں کسی کام کی نفی ہو یا اثبات ہو، جیسے ایک آدمی قسم کھائے اللہ کی قسم! میں ضرور یہ کام کروں گا، یا قسم کھائے کہ اللہ کی قسم! میں ضرور یہ کام نہیں کروں گا۔

یمین باللہ کا رکن وہ لفظ ہے جو یمین میں استعمال کیا جاتا ہے یعنی لفظِ اللہ۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کے اسم کی قسم کھائی جائے گی اور کبھی اللہ تعالیٰ کی صفت کی قسم کھائی جائے گی اور اسم کبھی مذکور ہوگا اور کبھی محذوف ہوگا۔ اور مذکور کبھی صراحۃً ہوگا اور کبھی کنایۃً ہوگا۔

رہا وہ اسم جو صریح ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کا ذکر کرے خواہ کوئی اسم ہو، عام ازیں وہ اسم خاص ہو جس کا صرف اللہ تعالیٰ پر اطلاق ہوتا ہو جیسے لفظِ اللہ اور لفظِ رحمٰن، یا ایسا اسم ہو کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی ہوتا ہو جیسے العلیم، الحکیم، الکریم، الحلیم اور ایسے دیگر اسماء۔ کیونکہ یہ اسماء ہر چند کہ ان کا اطلاق مخلوق پر بھی ہوتا ہے لیکن قسم میں جب ان اسماء کا ذکر کیا جائے گا تو قسم کی دلالت سے یہاں پر خالق متعین ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ قسم کھانے والے نے اس سے اللہ تعالیٰ کے اسم کا ارادہ کیا ہے تاکہ اس کے کلام کو صحت پر محمول کیا جائے۔ سوا اس صورت کے کہ وہ غیر اللہ کی نیت کرے، پھر یہ قسم نہیں ہوگی کیونکہ اس نے اس چیز کی نیت کی ہے جس کی اس کے کلام میں گنجائش ہے، پس اس کے اور اس کے رب کے درمیان اس کی تصدیق کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھانے کا بیان

بشر المریسی سے حکایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس نے رحمٰن کی قسم کھائی تو اگر اس نے اس سے اللہ تعالیٰ کے نام کا قصد کیا ہے تو یہ قسم ہے، اور اگر اس نے سورۃ الرحمٰن کا قصد کیا ہے تو پھر یہ قسم نہیں ہے، گویا اس نے قرآن کے ساتھ حلف اٹھایا ہے، خواہ قسم حرفِ باء کے ساتھ کھائی جائے یا واؤ کے ساتھ یا تاء کے ساتھ، مثلاً وہ کہے باللہ، واللہ، تاللہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر قسم کا عرب میں رواج ہے اور شریعت میں بھی وارد ہے۔

مختلف حروفِ قسم کے ساتھ قسم کی آیات

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۳) اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم شرک کرنے والے نہ تھے ۝

اس آیت میں واؤ قسمیہ ہے۔ اور تاء قسمیہ کی مثال درج ذیل ہے:

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ (الانبیاء: ۵۷) (ابراہیم نے کہا:) اور اللہ کی قسم! تمہارے پیٹھ پھیر جانے کے بعد میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا ۝

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم زمین میں فساد

كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ (یوسف:۷۳) کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں O

ان دونوں آیتوں میں تاءِ قسمیہ کی مثال ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ (التوبہ:۵۶)

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں لیکن وہ تقیہ کرتے ہیں (کہ تم ان سے مشرکوں جیسا سلوک نہ کرو)O

اس آیت میں حرف باء کے ساتھ قسم کھانے کی مثال ہے۔

احادیث میں بھی لفظِ اللہ کے ساتھ قسم کھانے کا حکم ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تم اپنے باپ دادا کی قسم کھاؤ اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ، پس تم میں سے جو شخص قسم کھانے والا ہو، سو وہ اللہ کی قسم کھائے یا پھر چھوڑ دے۔

(صحیح البخاری:۶۶۴۶، صحیح مسلم:۱۶۴۶، سنن ترمذی:۱۵۳۴، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۸۵، صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۲۰۱۔ ۲۰۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۱۱، ۱۷، ۱۴۲، موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۸۰، باب جامع الایمان: ۱۴، مسند الحمیدی ج ۲ ص ۳۰۱، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۹ ص ۱۶۰)

صفات کے ساتھ قسم کھانے کی تفصیل

اگر کسی شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی قوت کی قسم! یا اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی مشیت کی قسم! یا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت اور اس کے کلام کی قسم! تو وہ حلف اٹھانے والا ہوگا، کیونکہ یہ صفات اگرچہ غیر صفت میں بھی استعمال کی جاتی ہیں، اسی طرح سے صفات میں بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ اور قسم کی دلالت سے اس کی مراد متعین ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسم اور اس کی صفت کے بغیر قسم کھانا جائز نہیں ہے، پس قسم کے قرینہ سے ظاہر ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفت کا ارادہ کیا ہے۔

لفظِ نذر کے ساتھ قسم کا بیان

اگر کسی شخص نے کہا: مجھ پر نذر ہے یا کہا: مجھ پر اللہ کی نذر ہے تو یہ قسم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے نذر مانی اور نذر کا ذکر کیا تو اس پر اس کو پورا کرنا لازم ہے جو اس نے ذکر کیا ہے اور جس نے نذر مانی اور اس کا نام نہیں لیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے''۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نذر یمین ہے اور اس کا کفارہ یمین کا کفارہ ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۴، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۳، سنن ترمذی: ۱۵۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۷)

قسم کی شرائط

قسم کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا عاقل بالغ ہو، پس بچہ اور مجنون کی قسم معتبر نہیں ہے اور صحیح نہیں ہے خواہ وہ عاقل ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا مسلمان ہو، پس ہمارے نزدیک کافر کی قسم صحیح نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کافر نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے قسم کے خلاف کیا تو ہمارے نزدیک اس پر کفارہ

نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس پر کفارہ ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ عبادت ہے اور کافر عبادت کرنے کا اہل نہیں ہے۔

رہا قسم کھانے والے کا آزاد ہونا، سو یہ شرط نہیں ہے، سو غلام کا قسم کھانا بھی صحیح ہے مگر اس پر فی الحال مال کے ساتھ کفارہ ادا کرنا واجب نہیں ہوگا کیونکہ مال اس کی ملکیت میں نہیں ہوتا۔

یمینِ منعقدہ کا حکم

یمینِ منعقدہ کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ ہے۔ اور یمینِ غموس کے اندر صرف توبہ اور استغفار ہے۔ اور کفارہ کا بیان وہی ہے جو المائدہ: ۸۹ میں گزر چکا ہے۔

اور یمینِ لغو میں توبہ کے ساتھ بھی کفارہ نہیں ہوتا اور نہ مال کے ساتھ ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۴ ص ۳۔ ۴۴ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نذر کی تعریف اور رکن

نذر ایسا صیغہ ہے جو نذر پر دلالت کرتا ہو جیسے کوئی شخص کہے ''اللہ عزشانہ کے لیے مجھ پر فلاں عبادت لازم ہے'' یا کہے ''یہ قربانی یا یہ صدقہ یا میرا مال اللہ کی راہ میں صدقہ ہے'' یا کہے ''میں جس چیز کا بھی مالک ہوں وہ صدقہ ہے'' اور اس قسم کے الفاظ وہ نذر کے الفاظ ہیں۔

نذر کے رکن کی شرائط

نذر کے رکن کی شرائط میں سے یہ ہے کہ نذر ماننے والا عاقل ہو، بالغ ہو۔ پس دیوانہ اور پاگل کا نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور وہ بچہ جو سمجھ دار نہ ہو اس کی نذر ماننا بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ نذر کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور جو شخص عقل والا نہ ہو یا بالغ نہ ہو تو وہ کسی واجب کو ادا کرنے کا اہل نہیں ہے۔ اسی طرح جو بچہ عقل والا ہو وہ بھی شرعاً کسی واجب کو ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اور اس کی شرائط میں سے اسلام ہے، لہٰذا کافر کا نذر ماننا صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے نذر مانی پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس پر اس نذر کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے، کیونکہ جس چیز کی نذر مانی وہ عبادت ہے اور کافر کا فعل عبادت کے ساتھ متصف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

رہا نذر ماننے والے کا آزاد ہونا تو یہ نذر کی صحت کی شرائط میں سے نہیں ہے، پس غلام کا نذر ماننا صحیح ہے، پھر جس چیز کی نذر مانی ہے اگر وہ دینی عبادات میں سے ہو جیسے نماز اور روزہ وغیرہ تو اس پر اس کا ادا کرنا فوراً واجب ہے اور جس چیز کی نذر مانی ہے اگر وہ عباداتِ مالیہ میں سے ہو جیسے غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا وغیرہ تو اس پر واجب ہے کہ جب وہ آزاد کر دیا جائے تب اس نذر کو پورا کرے، کیونکہ جس حال میں اس نے نذر مانی ہے اس حال میں اس کے پاس مال نہیں ہے جس سے وہ مالی عبادات کو ادا کر سکے۔

منذور بہ کے اعتبار سے شرائط

(۱) جس چیز کی نذر مانی ہے وہ ایسی ہونی چاہیے کہ جس کا وجود فی نفسہٖ شرعاً متصور ہو، پس ایسی چیز کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے جس کا وجود شرعاً متصور نہ ہو، مثلاً کسی شخص نے یہ نذر مانی کہ اللہ کی رضا کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں پوری رات کا روزہ رکھوں گا یا رات اور دن کا روزہ رکھوں گا، کیونکہ پوری رات کا روزہ رکھنا یا رات اور دن کا روزہ رکھنا شرعاً متصور نہیں ہے۔ اسی طرح عورت نے یہ نذر مانی کہ مجھ پر یہ نذر ہے کہ میں ایامِ حیض میں روزے رکھوں گی تو اس کی یہ نذر بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ ایامِ حیض میں روزے رکھنا شرعاً متصور نہیں ہے۔

(۲) اسی طرح نذر میں یہ شرط ہے کہ وہ عبادت ہو، لہٰذا ایسی چیز کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے جو بالکل عبادت نہ ہو، جیسے کوئی آدمی گناہ کی نذر مانے بایں طور کہ وہ کہے کہ اللہ ہی کے لیے مجھ پر نذر ہے کہ میں خمر پیوں گا یا فلاں شخص کو قتل کروں گا یا فلاں شخص کو ماروں گا یا فلاں شخص کو گالی دوں گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، حدیث میں ہے:

''اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کوئی نذر منعقد نہیں ہوتی''۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۲، صحیح مسلم: ۱۶۴۱، سنن ابوداؤد: ۶۱۲، ۶۱۱، ۶۱۰، سنن ترمذی: ۱۵۶۲، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۷۵)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جس نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی نذر مانی تو وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے''۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۴۷۶، باب مالا یجوز من النذور فی معصیۃ اللہ: ۸، مسند احمد ج ۶ ص ۳۶، ۴۱، صحیح البخاری: ۶۶۹۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن ترمذی: ۱۵۶۴، سنن نسائی ج ۷ ص ۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۲۶، سنن دارمی: ج ۲ ص ۱۸۴، مسند الشافعی ج ۱ ص ۷۵۔ ۷۴، رقم: ۲۴۶، شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۳۳، مشکل الآثار ج ۱ ص ۴۷۰، سنن بیہقی ج ۹ ص ۲۳۱، حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۲۴۶، شرح السنہ للبغوی ج ۵ ص ۲۸۴، التاریخ الکبیر للبخاری ج ۱ ص ۳۴، مسند ابویعلیٰ ج ۸ ص ۲۷۷، رقم: ۴۸۶۳)

نیز اس لیے کہ نذر کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کی نذر مانی ہے اس کا پورا کرنا واجب ہو اور معصیت کے فعل کا وجوب محال ہے۔

(۳) اسی طرح مباحات کی نذر بھی نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص کھانے پینے کی یا جماع کرنے کی نذر مانے، کیونکہ یہ عبادت نہیں ہے اور ان کا فعل اور ترک دونوں جائز ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کہے کہ مجھ پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دوں تو اس کی نذر بھی منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق دینا عبادت نہیں ہے، سو وہ نذر سے لازم نہیں ہوگی۔

(۴) اور اسی طرح یہ شرط ہے کہ وہ عبادتِ مقصودہ ہو، لہٰذا مریضوں کی عیادت کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح نمازِ جنازہ کے ساتھ جانے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے اور وضو کی نذر ماننا اور غسل کی نذر ماننا اور مسجد میں داخل ہونے کی نذر ماننا اور قرآن مجید کو چھونے کی نذر ماننا اور اذان دینے کی نذر ماننا اور سرائے بنانے کی اور مسجد بنانے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے، اگرچہ یہ امور عبادات ہیں لیکن عباداتِ مقصودہ نہیں ہیں، اور نماز، روزہ، حج اور عمرے کا احرام باندھنے کی نذر ماننا صحیح ہے اور غلام آزاد کرنے کی اور حجِ تمتع کے لیے بدنہ بھیجنے کی اور قربانی بھیجنے کی اور اعتکاف کرنے کی نذر ماننا صحیح ہے کیونکہ یہ سب عباداتِ مقصودہ ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نذر مانی اور نام لیا کہ وہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو پورا کرے جس کا اس نے نام لیا ہے''۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۰۰)

(۵) اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ بیت اللہ تک پیدل جائے گا یا کعبہ تک یا مکہ تک تو اس پر لازم ہے کہ وہ حج کرے یا عمرہ کرے پیدل چل کر، اور اگر چاہے تو وہ سوار ہو سکتا ہے اور اس پر ایک بکری کو ذبح کرنا لازم ہے کیونکہ اس نے سواری کی ہے۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے پیدل حج کیا اس کو ہر قدم کے بدلہ میں حرم کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ملے گی، آپ سے پوچھا گیا کہ حرم کی نیکیاں کیسی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: حرم کی ایک نیکی سات سو نیکیوں کے برابر ہے''۔
(صحیح ابن خزیمہ: ۲۷۹۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۲ ص ۱۰۵، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۶۰، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۳۳۱، ج ۱۰ ص ۷۸)
روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن نے نذر مانی کہ وہ پیدل حج کرے گی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے غنی ہے کہ تمہاری بہن کو عذاب میں مبتلاء کرے، اسے کہو کہ وہ سوار ہو اور ایک قربانی کرے۔
اس حدیث کا شاہد حسب ذیل ہے:
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ بیت اللہ تک پیدل جائے گی، اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ میں اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں تو میں نے آپ سے سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: وہ پیدل جائے اور سوار ہو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۶۶، صحیح مسلم: ۱۶۴۴، سنن نسائی: ۳۸۱۴، سنن ابوداؤد: ۳۲۹۹)
(ایک روایت میں ہے کہ اسے چاہیے کہ وہ سوار ہو اور ایک قربانی کرے)۔

(۶) اور ان شرائط میں سے یہ ہے کہ اگر اس نے مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے تو اس وقت وہ اس مال کا مالک ہے حتیٰ کہ اگر اس نے نذر مانی اور اس وقت وہ اس مال کا مالک نہیں تھا تو اس نذر کا پورا کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابن آدم کا اس چیز کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے جس کا وہ مالک نہ ہو''۔
یا اگر اس نے ایسی نذر مانی کہ جس کی ملکیت کی اس نے کسی وقت کی طرف اضافت کی تھی یا سبب ملکیت کی طرف اضافت کی تھی مثلاً اس نے کہا: ہر وہ مال جس کا میں مستقبل میں مالک ہوں گا تو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ دوں گا، یا اس نے کہا: ہر وہ چیز جس کو میں خریدوں گا، یا ہر وہ چیز جس کا میں وارث ہوں گا تو اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ دوں گا، تو ہمارے نزدیک یہ شرط صحیح ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ شرط صحیح نہیں ہے۔
ہمارے قول کی صحت کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (التوبہ: ۷۵-۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے ۝ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا

کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے O

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی مذمت کی ہے جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اگر ان کو مال عطا کیا تو وہ اس کو ضرور اللہ کی راہ میں صدقہ کریں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو مال عطا فرما دیا تو انہوں نے اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ نہیں کیا اور اپنی نذر پوری نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح نذر ماننا صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا فرمایا تو میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کروں گا۔

(۷) اور ان شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ جس عبادت کی نذر مانی ہے وہ فرض یا واجب نہ ہو، لہٰذا کسی فرض کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے خواہ وہ فرضِ عین ہو جیسے پانچ نمازیں ہیں اور رمضان کے روزے ہیں یا فرضِ کفایہ ہو جیسے جہاد ہے اور نمازِ جنازہ ہے، اور نہ کسی واجب کی نذر ماننا صحیح ہے خواہ وہ واجب عین ہو جیسے وتر اور صدقہ فطر اور عمرہ اور قربانی یا وہ واجب کفائی ہو جیسے مردوں کی تجہیز و تکفین اور ان کو غسل دینا اور سلام کا جواب دینا، اس لیے کہ جو چیز خود واجب ہو اس کو واجب کرنا متصور نہیں ہے اور نذر کے ذریعہ اس عبادت کو واجب کیا جاتا ہے جو پہلے سے واجب نہ ہو۔

نذر کا حکم

نذر یا معین ہوگی اور یا غیر معین ہوگی، پس اگر نذر معین ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے اور یہ حکم قرآن مجید، سنت، اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔

نذر پوری کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

نذر کو پورا کرنے کے وجوب میں قرآن مجید کی درج ذیل آیات ہیں:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ (الحج:۲۹)

پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں O

نذر یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے کی وجہ سے تم اپنے اوپر اس عبادت کو واجب کر لو جو تم پر پہلے واجب نہیں تھی اور تم یہ کہو: میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اس عبادت کی نذر مانی ہے۔ (المفردات ج ۲ ص ۶۳۰)۔ سورۃ الحج کی اس آیت میں نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کی نذر مانی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو۔ (صحیح البخاری: ۶۶۹۷)

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿٣٤﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

اور عہد پورا کرو، بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ۔ (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

اور نذر بھی ناذر کی طرف سے ایک قسم کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد ہے، لہٰذا اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے اس کا پورا کرنا

لازم ہے۔

نیز جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس کو پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر وعید فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝ (التوبہ: ۷۷)

سو اس کے بعد اللہ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

سورۃ التوبہ: ۷۷ کا مصداق

کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کر دیا، وہ منافق کون تھے؟ امام ابن مردویہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ ثعلبہ بن ابی حاطب تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اور امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (دوسری روایت میں) فرمایا: وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا شام میں مال تھا، ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہوگئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے، پھر جب اس کے پاس اس کا مال آ گیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔ ابن السائب نے کہا: اس شخص کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا، امام رازی نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے، امام ابن جوزی نے ضحاک کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ نبتل بن حارث، جد بن قیس، ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ (ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں ثعلبہ بن حاطب کا شمار درست نہیں ہے کیونکہ ثعلبہ بن حاطب تو بدری صحابی ہیں، یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)

(زاد المسیر ج ۳ ص ۴۷۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

نذر پوری کرنے کے متعلق احادیث

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۶، صحیح البخاری: ۶۶۹۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن نسائی: ۳۸۱۵، ۳۸۱۶، ۳۸۱۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۶، سنن ترمذی: ۱۵۲۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک نذر مانی، پس میں نے اسلام لانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نذر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نذر کو پورا کروں۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۹، صحیح البخاری: ۲۰۳۲، صحیح مسلم: ۱۶۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۵، سنن ترمذی: ۱۵۴۴، سنن نسائی: ۳۸۲۵، مسند احمد: ۲۵۵)

حضرت میمونہ بنت کردم الیسار یہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اور وہ اس وقت سواری پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں، ان کے والد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے یہ نذر مانی تھی کہ میں بوانہ میں نحر کروں گا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہاں پر کوئی بت ہے، میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۱، سنن ابوداؤد: ۳۳۱۳)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کی ماں نے ایک نذر مانی تھی، وہ فوت ہو گئیں اور انہوں نے اس نذر کو پورا نہیں کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی طرف سے نذر پوری کرو۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۲، صحیح البخاری: ۲۷۶۱، صحیح مسلم: ۱۶۳۸، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۷، سنن نسائی: ۳۸۲۲، مسند احمد: ۱۸۹۳)

نذر پورا کرنے کے متعلق عقلی دلیل

مسلمان کو کسی قسم کی عبادتِ مقصودہ ادا کر کے اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ایسی عبادتِ مقصودہ جس کو ترک کرنے کی بھی رخصت ہو اور اس کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے تا کہ وہ بلند درجات کو پائے اور دارِ کرامت میں سعادتِ عظمیٰ کو پائے اور اس کی طبیعت اس عبادت کو حاصل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی بلکہ اس کو روکتی ہے کیونکہ اس میں مشقت ہے، پس ضرورت ہے کہ وہ ایسا کسب کرے جس وجہ سے وہ عبادت کرنے کی رخصت نہ رہے اور وہ فرائض کے ساتھ مل جائے اور یہ چیز نذر سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نذر پوری کرنے کا وجوب اس کو اس کی تحصیل کے اوپر برانگیختہ کرتا ہے، کیونکہ اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر اس نے اس کو ترک کیا تو نذر پوری نہ کرنے کا اسے گناہ ہوگا۔ عام ازیں کہ نذر مطلق ہو یا مقید ہو یا کسی شرط پر معلق ہو، مثلاً اس نے کہا: اگر میں نے اس طرح کیا تو مجھ پر اللہ کے لیے حج کرنا لازم ہے یا عمرہ کرنا لازم ہے یا روزہ رکھنا لازم ہے یا نماز پڑھنا لازم ہے اور اس کے مشابہ دیگر اطاعات۔ اور اس میں کفارہ اس نذر کا بدل نہیں ہوگا اور یہ ہمارے اصحاب احناف رحمہم اللہ کا قول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۶ ص ۳۵۱۔ ۳۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۱۔ بَابُ: قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

(المائدہ: ۸۹)

۱۔ باب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ

ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی
حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں
بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کروO

المائدہ:۸۹ کی تفسیر از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ المائدہ:۸۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں لغو کا ذکر ہے۔ امام شافعی نے کہا: اس سے مراد مرد کا وہ کلام ہے جو وہ بغیر قصد کے کرے جیسے نہیں خدا کی قسم، اور کیوں نہیں خدا کی قسم۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جو کلام وہ مذاق میں کرے اور ایک قول ہے کہ جو کلام وہ معصیت میں کرے اور ایک قول ہے کہ جو کلام وہ اپنے غلبہ ظن کے اعتبار سے کرے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: اس سے مراد ہے جو قسم غضب میں کھائے۔ اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد ہے جو بھولے سے قسم کھائے۔

اس آیت میں فرمایا: ''بما عقدتم الایمان'' یعنی جس قسم کو تم نے تاکید کے ساتھ کہا۔

نیز اس آیت میں ''مساکن'' کا لفظ ہے، اس سے مراد محتاج لوگ ہیں اور فقراء میں سے وہ لوگ ہیں جن کو قدرِ کفایت روزی میسر نہ ہو۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''من اوسط ما تطعمون اھلیکم'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور عکرمہ نے کہا کہ تم اپنے گھر والوں کو جو درمیانی کھانا کھلاتے ہو۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ روٹی، دودھ اور گھی ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ روٹی، گوشت اور گھی ہے اور روٹی اور دودھ ہے، اور روٹی اور زیتون ہے، اور روٹی اور سرکہ ہے۔

پھر کتنی مقدار میں کھلایا جائے اس میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو صبح اور شام کھلایا جائے۔ اور حسن اور محمد بن سیرین نے کہا: اس کے لیے کافی ہے کہ وہ دس مسکینوں کو ایک ہی بار روٹی اور گوشت کھلائے۔ اور حسن نے اضافہ کیا: اگر اس کو نہ ملے تو وہ روٹی اور گھی اور دودھ کھلائے اور پلائے۔ اور اگر یہ نہ ملے تو روٹی، زیتون اور سرکہ کھلائے حتیٰ کہ ان کا پیٹ بھر جائے۔ اور ایک قوم نے کہا: ان دس میں سے ہر ایک کو نصف صاع گندم یا کھجور یا اس کی مثل کھلائے اور یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور مجاہد اور شعبی اور سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی، منصور بن مہران، امام مالک، الضحاک، الحکم، المکحول، ابی قلابہ اور مقاتل بن حیان کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نصف صاع گندم کھلائے یا ایک صاع کھجور اور کشمش کھلائے۔ یہ مجاہد کا اور محمد بن سیرین کا اور شعبی کا، الثوری کا، النخعی کا، اور امام احمد کا قول ہے۔ اور یہ حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ قسم کے کفارہ میں ایک کلو طعام کھلائے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اَوْ کِسْوَتُھُمْ'' امام شافعی نے کہا: اگر دس میں سے ہر ایک کو اتنے کپڑے دیے کہ ان پر کپڑے کا اطلاق آجائے یعنی قمیص یا شلوار یا تہبند یا عمامہ تو یہ اس کے لیے کافی ہے۔ اور ٹوپی میں ان کے اصحاب کا اختلاف ہے۔ اور امام

مالک اور امام احمد نے کہا کہ ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اتنے کپڑے دے جن کو پہن کر اس کا نماز پڑھنا صحیح ہو اگر مرد ہو تو اس کے اعتبار سے اور اگر عورت ہو تو اس کے اعتبار سے۔

اس آیت میں فرمایا ہے''اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ'' امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اس آیت میں مطلقاً غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اس نے کافر عورت کو آزاد کر دیا تب بھی صحیح ہے، اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ قسم کے کفارہ میں سوائے مومنہ باندی کے اور کسی کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ'' اس میں اختلاف ہے کہ کیا مسلسل تین روزے رکھنا واجب ہے یا مسلسل تین روزے رکھنا مستحب ہے، امام شافعی سے منصوص یہ ہے کہ مسلسل تین روزے رکھنا واجب نہیں ہے اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد نے کہا ہے کہ مسلسل تین روزے رکھنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۳۔ ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رضی الله عنه لَمْ يَكُنْ يَحْنَثُ فِي يَمِينٍ قَطُّ حَتَّى أَنْزَلَ اللهُ كَفَّارَةَ الْيَمِينِ وَقَالَ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتُ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي۔

(صحیح البخاری: ۴۶۱۴، ۶۶۲۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابوالحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی بھی اپنی قسم میں حانث نہیں ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کا کفارہ نازل فرمایا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں کسی چیز کی قسم نہیں کھاتا پھر یہ دیکھوں کہ اس چیز کا غیر زیادہ بہتر ہے تو میں اس زیادہ بہتر کام کو کرتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۶۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں قسم کے کفارہ کا بیان ہے، اور حدیث میں بھی قسم کے کفارہ کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل ابوالحسن، اور ان کے شیخ مروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن عروہ، جو اپنے والد عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابوبکر'' اور عبداللہ بن نمیر نے جو ہشام سے روایت کی ہے اس میں ''ابوبکر صدیق'' مذکور ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن عثمان ابوقحافہ ہے اور صدیق ان کا لقب ہے۔ یہ لقب ان کو اس وقت دیا گیا جب کفار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک رات میں مکہ سے شام تک جانے اور آنے کی تکذیب کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدیق کا لقب دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنی قسم کا کفارہ دینا

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قسم میں کبھی حانث نہیں ہوئے''۔ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی اپنی قسم کے خلاف کام نہیں کیا۔ اور اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صفت اور ان کی شان یہ تھی کہ وہ کبھی اپنی قسم کے خلاف نہیں کرتے تھے، لیکن اگر ان پر یہ ظاہر ہو جائے کہ اس قسم کا خلاف کرنا زیادہ بہتر ہے تو وہ اس قسم کا خلاف کرتے تھے، چنانچہ حضرت مسطح بن اثاثہ نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت ظاہر فرمادی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ آئندہ مسطح پر کچھ خرچ نہیں کریں گے، اور حضرت مسطح، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان کی تنگدستی کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پر خرچ کرتے تھے، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲﴾ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں اے میرے رب! ہم اس سے محبت کرتے ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ پر اسی طرح خرچ کرنے لگے جس طرح پہلے خرچ کرتے تھے اور انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَا عَبْدَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان محمد بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسن نے حدیث

الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُوتِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِنْ أُوتِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلَى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تم امارت (یعنی منصب) کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر تم کو سوال کی وجہ سے امارت یا منصب دیا گیا تو تمہیں اس کی طرف سپرد کر دیا جائے گا اور اگر تم کو بغیر سوال کے منصب دیا گیا تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی، اور جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور اس قسم کے خلاف کو قسم سے بہتر سمجھو تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲۲، ۶۱۴۶، ۷۱۴۶، ۷۱۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۳۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۲۰۰۹۵، سنن دارمی: ۲۳۴۶)

صحیح البخاری: ۶۶۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے ''پس تم اپنی قسم کا کفارہ دو''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن، یہ حسن بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، یہ ابن حبیب ہیں، ان کے ہاتھوں پر بہت فتوحات ہوئی تھیں، یہ عراق کی جنگ میں حاضر تھے اور سجستان ان کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ ان کو بصرہ کے امیر عبداللہ بن عامر نے بھیجا تھا۔ امام بخاری نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی صرف یہی حدیث ذکر کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم امارت کا سوال نہ کرنا''۔ یعنی تم یہ سوال نہ کرنا کہ تم کو امیر بنایا جائے، اس کا معنی ہے: تم کو حاکم بنایا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا تعلق حکومت کے ساتھ ہو مثلاً قضاء اور محاسبہ، اس کا سوال کرنا مکروہ ہے۔ اور جس نے اس کا سوال کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اعانت نہیں ہوگی۔ اور اس کے لیے اس عمل میں کفایت نہیں ہوگا، پس مناسب یہ ہے کہ وہ حاکم بننے کا سوال نہ کرے۔

اس حدیث کی روشنی میں یہ سوال ہے کہ جب صرف حکومت کا سوال کرنا ممنوع ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو رشوت دے کر یہ حکومت کا منصب حاصل کرتے ہیں اور اس میں کوشش کرتے ہیں، خصوصاً مصر کے غالب قاضی ایسے ہی ہیں وہ منصب قضاء

پر رشوت دے کر ہی فائز ہوتے ہیں اور اس سے نہیں ڈرتے کہ جو رشوت دے کر کوئی منصب حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرماتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس نے کسی کام کے کرنے پر قسم کھائی یا کسی کام کے ترک پر قسم کھائی اور قسم کے خلاف کرنا اس قسم کے مطابق کرنے سے بہتر ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے بلکہ واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔ امام شافعی اور امام مالک نے ایک روایت میں اسی پر عمل کیا ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں ہے، کیونکہ کفارہ کسی جرم کو چھپانے کے لیے ہوتا ہے اور قسم توڑنے سے پہلے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا، لہٰذا اس سے پہلے کفارہ دینا جائز نہیں ہوگا۔

صحیح البخاری کی یہ حدیث صحیح مسلم کی اس حدیث کے معارض ہے جس کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ یہ ہے کہ جس نے کسی چیز پر قسم کھائی، پھر اس کے غیر کو اس قسم سے بہتر جانا تو اسے چاہیے کہ وہ اس خیر کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔ اور اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث میں ہے، سوا اس کے کہ امام بخاری قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی روایت میں منفرد ہیں، اسی طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ہے اور قسم توڑنے کو کفارہ پر مقدم رکھنے کی حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ کفارہ کو مقدم کیا جائے جب کہ معاملہ اس طرح ہو، یعنی جب کفارہ کو مقدم کرنے اور موخر کرنے میں تعارض ہے، پس قسم توڑنے کو کفارہ پر مقدم کرنے کی روایت زیادہ اولیٰ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۵۔۲۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دینے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے "اور تم اپنی قسم کا کفارہ دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے" اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے دیا جائے گا۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ جب اس نے کسی نیک کام کے کرنے پر قسم کھائی ہو تو اس میں چار اقوال ہیں:

پس المدونہ میں مذکور ہے، علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا: ہمارا "الایلاء" (ایلاء یہ ہے کہ کسی آدمی نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ تک مقاربت نہیں کرے گا) میں اختلاف ہوا، تو ہم نے امام مالک سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ قسم توڑنے کے بعد کفارہ دے، یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر اس نے اس سے پہلے کفارہ دے دیا تو بھی اس کو کفایت کرے گا۔
(المدونہ ج ۲ ص ۳۸)

اور انہوں نے کتاب محمد میں حدیث کا معنی بیان کرتے ہوئے کہا: جس نے کسی کام پر قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کرنے کو بہتر جانا، سو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے، اور قاضی عبدالوہاب نے ذکر کیا کہ امام مالک نے اس کی ابتداءً اجازت دی ہے

یعنی ابتداءً کفارہ دینا جائز ہے۔ (المعونہ ج ۱ ص ۴۱۲)

اور ابن الجلاب نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ یہ کفایت نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تھی تو پہلے کفارہ دینا کفایت کرے گا۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم نہیں کھائی بلکہ طلاق کی قسم کھائی ہے یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی ہے یا صدقہ دینے کی قسم کھائی ہے اور وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ جب تک یہ قسم نہیں پائی جائے گی تو اس کا معین غلام آزاد ہوگا یا اس کی بیوی پر طلاق نافذ ہو جائے گی۔

اور امام مالک نے اس صورت میں اجازت دی ہے کہ جب اس نے اپنی قسم میں ان شاء اللہ کہا ہے اور کسی مدت کا بیان نہیں کیا تو وہ کفارہ کو مقدم کر سکتا ہے۔

اور ابن الماجشون نے ''ثمانیۃ ابی زید'' میں کہا ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تو وہ ایک دینار صدقہ دے گا، پھر اس نے قسم کے خلاف کرنے کا اپنے دل میں ارادہ کیا تو وہ قسم کا کفارہ دے اور صدقہ نہ کرے۔ اور انہوں نے کہا کہ اس صورت میں اس کی موت تک اس کا حانث ہونا ظاہر نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ قسم توڑنے سے پہلے اس کا کفارہ دینا احسن ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: ''اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس کام کو کرے جو بہتر ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ اس نیک کام کو کرے اور قسم کا کفارہ دے اور یہ دونوں حدیثیں جواز کو متضمن ہیں، کیونکہ واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ اور اس سے پہلے یہ اختلاف بیان ہو چکا ہے کہ کون سی چیز مستحب ہے کفارہ دینا یا قسم توڑنا۔ اور اگر کفارہ کی تقدیم ناجائز ہوتی تو آپ اس کو بیان فرما دیتے حالانکہ آپ نے فرمایا ہے وہ نیک کام کرے پھر کفارہ دے، کیونکہ ضرورت کے وقت سے تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ''فلیأت الذی ھو خیر'' میں فاء ہے جو ترتیب کا تقاضا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

اور آپ نے صرف یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ قسم کے بعد کیا کرے، اور یہ دونوں کام برابر ہیں کفارہ دینا اور قسم توڑنا۔ جیسے کوئی شخص کہے: جب تم گھر میں داخل ہو تو کھاؤ اور پیو، اور ایک کو دوسرے پر مقدم نہیں کیا، جیسا درج ذیل آیت میں ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ۔ جب تم نماز کا ارادہ کر چکو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو دھوؤ۔

(المائدہ: ۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۹۰۔۱۹۱ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۲۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللهُ أَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ أُتِيَ بِثَلَاثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى فَحَمَلَنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا أَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَاللهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا أَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابن زید از غیلان بن جریر از ابی بردہ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی ﷺ کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں حاضر ہوا، میں آپ سے سواری طلب کرتا تھا، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، انہوں نے بیان کیا: پھر جب تک

نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوا بِنَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَنُذَكِّرُهُ فَأَتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللهُ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ٹھہرانا چاہا ہم ٹھہرے رہے، پھر تین سفید کوہان والے اونٹ لائے گئے، سو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ان پر سوار کیا، جب ہم چل پڑے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے بعض نے کہا: بخدا! ہمارے لیے برکت نہیں ہوگی۔ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے، ہم آپ سے سواری طلب کرتے تھے تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، پس ہم کو نبی ﷺ کے پاس لوٹاؤ، ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں، سو ہم آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: میں نے تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سوار کیا اور بے شک میں اللہ کی قسم! ان شاء اللہ، میں کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا، پس یہ دیکھوں کہ اس کے خلاف زیادہ بہتر ہے مگر میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو زیادہ بہتر ہے یا فرمایا: میں اس کام کو کروں گا جو زیادہ بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کے قسم کھانے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو النعمان، ان کا نام محمد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غیلان بن جریر، غیلان میں غین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے، یہ الازدی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو بردہ، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام الحارث ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام عامر ہے، یہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری سے روایت کرتے ہیں اور وہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی رھط" ہم کئی بار ذکر کر چکے ہیں کہ "رھط" کا اطلاق دس سے کم مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے

جن میں کوئی عورت نہ ہو اور ''رهط'' کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من الاشعریین'' یہ لفظ اشعری کی جمع ہے اور اس کی نسبت اشعر کی طرف ہے، اور ان کا نام نبت بن ادد بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''استحمله'' یعنی میں آپ سے ایسے اونٹ کو طلب کرتا تھا جس پر ہم سوار ہوں اور اس اونٹ پر ہمارا سامان لادا جا سکے اور یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؀ (التوبہ: ۹۲)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی حرج ہے جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ انہیں جہاد کے لیے سواری مہیا کریں تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، وہ اس حال میں واپس گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس (جہاد میں) خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے O

التوبہ: ۹۲ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ جہاد میں جائیں، آپ کے پاس آپ کے اصحاب کی ایک جماعت آئی، جن میں حضرت عبداللہ بن مغفل بھی تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمیں کوئی سواری عطا کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ جہاد سے رہ جانا ان پر بہت شاق تھا، اور ان کے پاس نہ زادِ راہ تھا نہ سواری تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور جہاد پر حرص کی وجہ سے ان کے عذر میں یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ٦ ص ١٨٦٤)

اس آیت اور اس کے شانِ نزول میں جو حدیث ذکر کی گئی اس میں مذکور ہے کہ جہاد میں شرکت سے محروم ہونے کی وجہ سے صحابہ شدتِ غم کی وجہ سے رو رہے تھے، ہم لوگ جان، مال اور اولاد کے نقصان کے غم میں روتے ہیں، کبھی ایسا ہوا ہے کہ نماز قضاء ہونے پر ہم روئے ہوں، یا حج یا جہاد سے محروم ہونے پر ہم روئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مشہور یہ ہے کہ آپ کبھی سائل کو خالی نہیں لوٹاتے تھے، اب یہاں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ اور صحیح البخاری کی اس حدیث میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس تمہیں سوار کرنے کے لیے کوئی سواری نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز ہو اور پھر آپ سائل کو نہ دیں ایسا نہیں ہوتا تھا، اور اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری نہیں تھی، پھر بعد میں جب آپ کے پاس سفید کوہان والے اونٹ آئے تو آپ نے ان کو وہ اونٹ عطا فرما دیے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وقت ہر چیز کو عطا کرنا یہ صرف اللہ عزوجل کا خاصہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بہت محبوب

اور مکرم بندے ہیں، اس کے باوجود آپ کو بھی یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ آپ ہر وقت ہر چیز کو عطا فرمادیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''بثلاث ذود'' تین سے لے کر دس اونٹوں تک کے لیے ''ذود'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ مونث ہے اور اس کا اس لفظ سے واحد نہیں آتا۔ اور کثیر کے لیے ''اذواد'' کا لفظ آتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''الذود'' ایک اونٹ کو کہتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ ذود سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔ القزاز نے کہا ہے کہ عرب کہتے ہیں ''الذود'' کا معنی ہے تین سے لے کر نو تک، اور ابو عبید نے کہا کہ یہ اونٹنیاں ہیں، اس لیے فرمایا ''ثلاث ذود'' اور ''ثلاثة ذود'' نہیں کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غر الذری'' (غین پر پیش ہے اور راء مشدد ہے) اور یہ ''اغر'' کی جمع ہے اور وہ سفید رنگ کے خوبصورت اونٹ کو کہتے ہیں۔ اور ''الذری'' ''ذروة'' کی جمع ہے، اور ''ذروة'' ہر چیز کی بلندی کو کہتے ہیں اور مراد یہاں پر کوہان ہے اور کتاب الجہاد کے باب الخمس میں غزوہ تبوک کے بیان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ یہ چھ اونٹنیاں تھیں اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں تین کا ذکر ہے اور چھ کی نفی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فحملنا'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سوار کر دیا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''بل اللہ حملکم'' یعنی میں نے تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سوار کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے۔ اور اس کا معنی یہ ہے: میں نے تم کو اللہ تعالیٰ کے مال سے عطا کیا ہے، یا میں نے تم کو اللہ کے حکم سے عطا کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے مطلع ہو کر عطا فرماتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۶۔۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۴۔ حَدَّثَنِی إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هٰذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ، انہوں نے کہا: یہ وہ حدیث ہے جو ہم کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸، ۸۷۶، ۸۹۶، ۲۹۵۶، ۳۴۸۶، ۶۶۲۴، ۶۸۸۷، ۷۰۳۶، ۷۴۹۵، صحیح مسلم: ۸۵۵، سنن نسائی: ۱۳۶۷، مسند احمد: ۱۰۱۷۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کا ممتنع بالذات ہونا

میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ہم دنیا میں مبعوث ہونے کے اعتبار سے آخر ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ کی بعثت ہوئی ہے۔ اور فرمایا: اور قیامت کے دن ہم سابق ہوں گے، یعنی سب سے پہلے آپ اور آپ کی امت قبر سے نکلے گی اور سب سے پہلے آپ جنت میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا آپ آخر بھی ہیں اور سابق بھی

ہیں۔ دنیا میں آخر ہیں اور آخرت میں سابق ہیں۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کا ثبوت ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر فرض کی جائے تو وہ آخر الانبیاء ہوگی یا نہیں، اگر وہ آخر الانبیاء ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر الانبیاء نہیں رہیں گے، اور اگر وہ نظیر آخر الانبیاء نہیں ہے تو پھر وہ آپ کی نظیر نہیں ہے، فرض کیا تھا کہ وہ آپ کی نظیر ہے اور لازم آیا کہ وہ آپ کی نظیر نہیں ہے۔ لہٰذا آپ کا آخر الانبیاء ہونا اور خاتم النبیین ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نظیر ممتنع بالذات اور محال بالذات ہے۔

اہلِ سنت مکتبہ فکر بریلی کے علماء اور ان سے پیش رو علماء کا یہی مسلک ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے، اس کے برخلاف مکتبہ فکر دیوبند کے علماء کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالغیر ہے، یعنی آپ کی نظیر ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ آپ کی نظیر بنائے گا نہیں۔ علامہ فضلِ حق خیر آبادی نے اس موضوع پر ''امتناع النظیر'' کے نام سے کتاب لکھی ہے جس میں بہت مفصل دلائل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ممتنع النظیر ہونا ثابت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر کے ممتنع بالذات ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

اگر اس پر یہ سوال کیا جائے کہ ایک انسان مثلاً زید کے پانچ بیٹے ہیں اور اس کا پانچواں بیٹا عمرو اس کا آخر الولد ہے، تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ عمرو کی نظیر بھی ممتنع بالذات ہے، کیونکہ اگر اس کی کوئی نظیر ہو تو وہ آخر الولد ہوگی یا نہیں، اگر وہ آخر الولد نہیں ہے تو عمرو کی نظیر نہیں ہے اور اگر وہ آخر الولد ہے تو پھر عمرو آخر الولد نہیں رہے گا۔ تو پھر عمرو کی نظیر بھی ممتنع بالذات ہوگئی، تو خاتم النبیین اور آخر الانبیاء ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے نہ رہا۔

اس کا جواب یہ ہے: ہم جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر ممتنع بالذات ہے یعنی اوصافِ کمالیہ میں کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثیل اور نظیر نہیں ہو سکتا اور آخر الانبیاء اور خاتم النبیین ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصفِ کمال ہے اور کسی شخص کا آخر ولد ہونا اس کے لیے وصفِ کمال نہیں ہے، کیونکہ ہر شخص کا جو آخری بیٹا ہو وہ آخر الولد ہوتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر الانبیاء ہونا وصفِ کمال ہے اور کسی شخص کا آخر الولد ہونا وصفِ کمال نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۲۵۔ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَاللهِ لَأَنْ يَلِجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهِ فِي أَهْلِهِ آثَمُ لَهُ عِنْدَ اللهِ مِنْ أَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْهِ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم میں سے کسی ایک شخص کا اپنے گھر والوں کے معاملہ میں اپنی قسم پر اصرار کرتے رہنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ گناہ کی بات ہے کہ (قسم توڑ کر) اس کا وہ کفارہ ادا کر دیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۴، مسند احمد: ۷۷۴۲)

صحیح البخاری: ۶۶۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس سے پہلی حدیث میں داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس حدیث میں یہ ارشاد ہے" ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے"، یعنی ہم سے پہلے حساب لیا جائے گا اور جنت میں ہم پہلے داخل ہوں گے۔ سو اس حدیث میں بعد والی حدیث کو داخل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ صحیفۂ ہمام میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے مذکور تھی۔ اور ہمام جب صحیفہ کی روایت کرتے تو پہلی حدیث کو پہلے ذکر کرتے، پھر بعد میں بقیہ احادیث کو ذکر کرتے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس کی توجیہ یہ ممکن ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسقِ واحد میں سنا تو انہوں نے ان دونوں حدیثوں کو اسی طرح روایت کر دیا جس طرح انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ راوی نے یہ اس لیے کیا ہو کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی احادیث کو سنا تھا، پس انہوں نے ان احادیث کو اس ترتیب کے مطابق ذکر کیا جو صحیفہ ابن ہمام میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث (صحیح البخاری: ۶۶۲۴) میں اسحاق بن ابراہیم کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ ابنِ راہویہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اسحاق بن نصر ہوں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک امام عبدالرزاق سے روایت کرتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے دونوں میموں پر زبر ہے، یہ ابن راشد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" لان یلج" اس میں دو جیم ہیں اور اس کا معنی ہے: جو شخص اپنی قسم پر جما رہا اور اس نے اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ نہیں دیا، تا کہ وہ اس قسم کو حلال کر لیتا، اور وہ یہ زعم کرتا ہے کہ وہ صادق ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص قسم کھاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس قسم کا خلاف اس قسم سے بہتر ہے، پھر بھی وہ کفارہ کو نہ دینے پر قائم رہتا ہے اور قسم نہیں توڑتا اور یہ اس کا گناہ ہے۔

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی متوفی ۳۹۸ھ نے" الصحاح" میں لکھا ہے کہ" لَجِجْتُ لَجاجا ولجاجة" دونوں کا لغت میں ایک معنی ہے یعنی کسی بات پر جمے رہنا اور ڈٹے رہنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" بیمینه فی اهله" یعنی جب ایک مرد نے اپنے گھر والوں کے متعلق کوئی قسم کھائی اور اس کے قسم نہ توڑنے سے ان کو ضرر ہو اور قسم توڑنے میں کوئی گناہ نہ ہو تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ قسم توڑ دے اور اس کا کفارہ دے۔ پس اگر اس نے کہا کہ میں قسم نہیں توڑوں گا اور گناہ سے ڈرایا تو وہ گناہ گار ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے" آثم له" اس میں الف پر زبر ہے اور یہ اسمِ تفضیل ہے یعنی وہ زیادہ گناہ گار ہو گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" لن یلج" اصل عبارت یوں ہے کہ اس کا اپنی قسم میں دائم اور مستمر رہنا اور ڈٹے رہنا یہ اس سے بڑا گناہ ہے کہ وہ کفارہ دے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کو توڑ کر کفارہ دینے میں بھی گناہ ہے، کیونکہ اسمِ تفضیل کا صیغہ اشتراک کو چاہتا ہے۔ پھر اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ صرف قسم توڑنے میں گناہ ہے، کیونکہ قسم کو توڑنا اس کو مستلزم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم نہیں کرتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لان یلج احدکم بیمینہ" اور دوسری حدیث میں مذکور ہے "ومن استلج فی اهله بیمین"۔
علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس سے مراد ہے دھوکا، جس پر وہ قسم کھاتا ہے۔ اور علامہ خطابی نے لکھا ہے: "استلج" کا لفظ "لجاج" سے ماخوذ ہے، یعنی وہ اپنی قسم پر قائم رہتا ہے اور اس کا کفارہ دے کر قسم کو حلال نہیں کرتا۔ (اعلام الحدیث ج ۴ ص ۲۲۷۹)
اور شمر نے کہا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ یہ زعم کرتا ہے کہ وہ صادق ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قسم کھاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ قسم کا خلاف کرنا قسم سے بہتر ہے، پھر بھی وہ کفارہ نہ دینے پر قائم رہتا ہے اس وجہ سے وہ گناہ گار ہوگا۔
اور النضر نے کہا: "استلج فلان متاع فلان" اس کا معنی یہ ہے: جب ایک آدمی کسی کے سامان پر اپنا دعویٰ کرے۔
اور علامہ جوہری نے لکھا ہے کہ "لَجِجْتُ اور لَجَجْتُ" کا ایک معنی ہے۔ (الصحاح ج ۱ ص ۳۳۷)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۹۳ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۲۶ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ يَعْنِي ابْنَ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنْ يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنِ اسْتَلَجَّ فِي أَهْلِهِ بِيَمِينٍ فَهُوَ أَعْظَمُ إِثْمًا لِيَبَرَّ يَعْنِي الْكَفَّارَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی یعنی ابن ابراہیم نے، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ نے حدیث بیان کی از یحییٰ از عکرمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر والوں کے متعلق قسم کے اوپر ڈٹا رہا تو وہ اس سے بڑا گناہ ہے کہ وہ قسم سے بری ہو یعنی کفارہ ادا کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۵، ۶۶۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۱۱۴، مسند احمد: ۷۷۴۲)

صحیح البخاری: ۶۶۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ سابق کی ایک اور سند ہے جو از اسحاق مروی ہے، پھر اس کا بیان کیا کہ وہ ابنِ ابراہیم ہیں۔ اور الغسانی نے کہا ہے کہ اسحاق کے متعلق مشابہ یہ ہے کہ وہ ابنِ منصور ہیں۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہی صحیح ہے، اس لیے کہ صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں اسحاق کا لفظ مجرد ذکر کیا گیا ہے یعنی بغیر نسبت کے، حتیٰ کہ "رجال الصحیحین" کے جامع نے یحییٰ بن صالح الحمصی کے ترجمہ میں لکھا ہے: ان سے اسحاق نے روایت کی اور اس کو بغیر نسبت کے ذکر کیا حالانکہ وہ ابن منصور ہیں۔ اور جس نسخہ میں مذکور ہے ابن ابراہیم، تو اس سے ابہام زائل نہیں ہوتا، کیونکہ امام بخاری کے مشائخ میں اسحاق بن ابراہیم بن نصر ہیں اور

اسحاق بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم الصواف ہیں، اور اسحاق بن ابراہیم، ابن راہویہ کے ساتھ معروف ہیں اور یحییٰ بن صالح ان سے بھی امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں بلا واسطہ روایت کی ہے۔ اور معاویہ وہ ابن سلّام ہیں، یہ حبشی الاسود ہیں اور یحییٰ بن کثیر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من استلجّ" یہ باب استفعال ہے اور سین اس میں تاکید کے لیے ہے، اور ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ ایک روایت میں مذکور ہے "من استلجج" یہ بغیر ادغام کے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیبرّ" یہ امر غائب کا صیغہ ہے اور بر سے یا ابرار سے ماخوذ ہے، یعنی اس نے قسم کو اس لیے توڑا تاکہ نیک کام کرے یعنی خیر کرے اور قسم پر ڈٹے رہنے کو ترک کر دے اور کفارہ ادا کر دے، اور یہ تفصیل اس لیے کی ہے تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ بِر اور نیکی سے مراد قسم پر برقرار رہنا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم پر جمے رہنے کی بہ نسبت قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنے کی فضیلت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قسم کا کفارہ دینے پر برانگیختہ کیا ہے جب کہ قسم توڑ کر کفارہ دینا قسم پر ڈٹے رہنے سے بہتر ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ آپ بھی اس طرح کرتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ وہ اشعریین کو اونٹوں پر سوار نہیں کریں گے جس وقت آپ کے پاس کوئی سواری نہیں تھی جس پر ان کو سوار کر سکیں، پھر جب آپ کے پاس اونٹ لائے گئے تو آپ نے اشعریین کو اونٹوں پر سوار کیا اور آپ نے یہ قسم بھی کھائی کہ قسم پر ڈٹے رہنا اور اس پر برقرار رہنا اس میں زیادہ گناہ ہے بہ نسبت اس کے کہ قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے دیا جائے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے متعلق قسم پر ڈٹے رہنا، اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق قسم کھائی کہ وہ اس کو کوئی خیر نہیں پہنچائے گا یا اس سے جماع نہیں کرے گا یا اپنی بیوی کو اس کے رشتہ داروں سے ملنے کی اجازت نہیں دے گا یا اس کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے کی اجازت نہیں دے گا تو اس قسم پر جمے رہنا اور ڈٹے رہنا اس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ گناہ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ نہ دے، کیونکہ جس نے ایسا کیا وہ اس حدیث میں داخل ہو جائے گا کہ اس نے خیر کو نہ کرنے کے لیے اللہ کی قسم کھائی، اور یہ چیز ممنوع ہے۔ اور ان احادیث کا مصداق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ آیت ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے ○ (البقرہ: ۲۲۴)

اہل التفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی جس نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ نیک کام نہیں کرے گا اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم نہیں کرے گا اور دو لڑتے ہوئے مردوں کے درمیان صلح نہیں کرائے گا تو انہیں حکم دیا گیا کہ وہ صلہ رحم کریں

اور نیک کام کریں اور لوگوں کے درمیان صلح کریں۔

اور "العُرضة" کا معنی کلام عرب میں ہے: قوت اور شدت، کہا جاتا ہے "هذا الامر عارضة لك" یعنی یہ کام تمہارے لیے بہت قوت والا اور بہت شدت والا ہے، پس اب معنی یہ ہوگا کہ تم اپنی قسموں کو نیک کام کے ترک کرنے پر قوت نہ بناؤ۔

ان احادیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ کسی آدمی کا نیک کام کے ترک کرنے کی قسم کھانے پر برقرار رہنا گناہ کا باعث ہے، اسے چاہیے کہ ایسی قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اور یہ حدیث مسروق اور عکرمہ اور سعید بن جبیر کے قول کو رد کرتی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ نیک کام کو کرے اور اس پر کفارہ نہیں ہے اور ان کا یہ قول احادیث کے خلاف ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھالی کہ وہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نیکی نہیں کریں گے کیونکہ انہوں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں حصہ لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (النور: ۲۲)

اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کردے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کسی چیز کے اوپر قسم کھاؤں اور اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اس کا خلاف کرتا ہوں جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۸۳)

اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: جب میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں اور اس کام کو کرتا ہوں جو بہتر ہے، اس کا معنی ہے: کفارہ دینے سے پہلے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۸۳)

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم قسم اٹھاؤ اور پھر تم یہ دیکھو کہ اس قسم کا خلاف افضل ہے، تو اپنی قسم کا کفارہ دو اور اس کام کو کرو جو افضل ہے۔ (المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۰۱)

(شرح ابن بطال ج ۶ ص ۸۴۔ ۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَايْمُ اللَّهِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اور اللہ کی قسم"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قسم میں کوئی شخص کہے "ایم اللہ" یعنی اور اللہ کی قسم۔ اس میں ہمزہ وصل کے لیے ہے اور یہ وہ اسم ہے جس کو قسم کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یا یہ یمین کی جمع ہے اور اس سے نون کو حذف کیا گیا ہے۔ اور الفراء اور ابن کیسان کے نزدیک اس کا الف قطعی ہے۔ الجوہری نے کہا: بعض اوقات یاء کو حذف کردیتے ہیں پس کہتے ہیں ام

اللہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَعْثًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ فَطَعَنَ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِمْرَتِهِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمْرَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَايْمُ اللهِ إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَإِنَّ هَذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از اسماعیل بن جعفر از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر (حضرت) اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہما) کو امیر بنا دیا، پس بعض لوگوں نے ان کی امارت میں طعن کیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، سو آپ نے فرمایا: اگر تم اس کی امارت میں طعن کرتے ہو تو تم اس سے پہلے اس کے والد کی امارت میں طعن کرتے تھے اور اللہ کی قسم! یہ ضرور امارت کے لائق ہیں، اور بے شک یہ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں اور بے شک یہ میرے نزدیک ان کے بعد ضرور ان لوگوں میں سے ہے جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۷۳۰، ۴۲۵۰، ۴۴۶۸، ۴۴۶۹، ۶۶۲۷، ۷۱۸۷، صحیح مسلم: ۲۴۲۶، سنن ترمذی: ۳۸۱۶، مسند احمد: ۴۶۸۷)

صحیح البخاری: ۶۶۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "ایم اللہ" کہنا، اور اس حدیث میں بھی "ایم اللہ" کا ذکر ہے۔ اور یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بعثا" اس کا معنی ہے سریہ، یعنی جہاد کے لیے ایسا لشکر جس میں رسول اللہ ﷺ خود تشریف فرما نہ ہوں۔ اور جس میں آپ خود تشریف فرما ہوں اس کو غزوہ کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی امرتہ" یعنی تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس لشکر کا امیر مقرر کرنے کے اوپر نکتہ چینی کرتے ہو کہ لشکر میں معمر اور بڑی عمر کے صحابہ موجود ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو ان کے اوپر حاکم بنا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایم اللہ" یعنی اللہ کی قسم۔ لیکن اس کا معنی ہے اللہ کے نام کا حلف اٹھانے والے کی قسم۔ کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کسی یمین کا حلف اٹھاتا ہے، یہ صرف مخلوقین کی صفات میں سے ہے۔ اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ وہ "ایم اللہ" کے ساتھ قسم کھاتے تھے۔ اور حسن بصری اور ابراہیم النخعی نے "ایم اللہ"

کے ساتھ حلف اٹھانے کا انکار کیا ہے۔امام طحاوی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک یہ یمین ہے،اور یہی امام مالک کا قول ہے۔اور امام شافعی نے کہا ہے: اگر اس سے قسم کا ارادہ نہ کیا جائے تو یہ یمین نہیں ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ''ایم اللہ'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے،پس اگر یہ صحیح ہو تو یہ اللہ کے نام کے ساتھ حلف اٹھانا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لخلیقا بالامارة''یعنی یہ امارت اور حاکمیت کے لائق ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''لمن احب الناس''علامہ کرمانی نے کہا: احب بمعنی محبوب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۵۹۔۲۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی امارت پر اعتراض کرنے والے کا نام

قاضی بدرالدین محمود بن ابی بکر الدمامینی التوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

بعض لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر طعن کیا،امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اس قصہ سے متعلق ایک حدیث لکھی ہے کہ مہاجرین میں سے ایک شخص حضرت عیاش بن ابی ربیعہ تھے اور وہ تمام لوگوں سے زیادہ سخت مزاج تھے،انہوں نے کہا: اس غلام کو مہاجرین پر سپہ سالار بنایا جائے گا،پھر اس موقع پر یہ بات بہت زیادہ کہی گئی،حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو انہوں نے اس کا رد کیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ بتایا کہ فلاں شخص یہ اعتراض کر رہا ہے،تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غضب ناک ہوئے اور آپ نے فرمایا: اگر تم اس کی امارت میں طعن کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت میں طعن کرتے تھے اور اللہ کی قسم وہ امارت کے ضرور لائق ہیں۔

(تاریخ دمشق ج ۲ ص ۵۵، مصابیح الجامع ج ۷ ص ۲۹۹، دارالنوادر، دمشق، ۱۴۳۱ھ)

میں کہتا ہوں: یہ حدیث ہمارے پاس موجود تاریخ دمشق میں درج ذیل مقام پر موجود ہے:

(تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۹، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ۔سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ داؤدی نے یہ کہا ہے کہ''ایم اللہ'' کا معنی ہے''اسم اللہ''اور سین کو یاء سے بدل دیا اور یہ غلط فاحش ہے،کیونکہ سین کو یاء سے نہیں تبدیل کیا جاتا۔اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ یہ واؤ قسم کے عوض میں ہے اور''ایم اللہ'' کا معنی ہے''واللہ لافعلن''یعنی اللہ کی قسم! میں ایسا ضرور کروں گا۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ''یمین اللہ'' اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے۔

امام محمد بن محمد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ نے کہا ہے: اس کے دو معنی ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ''تاللہ'' کی مثل ہے،دوسرا یہ ہے کہ یہ ''احلف باللہ'' کی مثل ہے اور یہی راجح ہے۔اور بعض علماء نے''ایم اللہ'' کو اور''لامر اللہ'' کو مساوی قرار دیا۔اور الماوردی نے یہ فرق کیا ہے کہ''لامر اللہ'' ان کے استعمال میں بہت عام ہے اس کے برخلاف''ایم اللہ'' اتنا عام نہیں ہے۔اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی نے''التہذیب'' میں وثوق سے کہا ہے کہ''ایم اللہ'' حق اللہ کی مثل ہے اور اس سے قسم منعقد ہو جاتی ہے۔اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جہاں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کا قصہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''وایم الذی

نفس محمد بیدہ'' یعنی اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے، اگر حضرت سلیمان ان شاء اللہ کہتے تو وہ سب بچے جہاد کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۷ ص ۷۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابٌ: كَيْفَ كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ؟

نبی ﷺ کی قسم کس طرح ہوتی تھی؟

وَقَالَ سَعْدٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے!

وَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ: لَاهَا اللّٰهِ إِذًا

اور حضرت ابوقتادہ نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس کہا: ''لاھا اللہ اذا''۔

يُقَالُ وَاللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَتَاللّٰهِ۔

کہا جاتا ہے: واللہ، باللہ اور تاللہ۔ (ان سب کا معنی ہے اللہ کی قسم)

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں کہا ہے کہ سعد نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔ یعنی یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور امام بخاری نے اس تعلیق کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہ طویل روایت ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ابوقتادہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس کہا ''لاھا اللہ اذا''۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: ابوقتادہ، وہ الحارث بن ربعی الانصاری الخزرجی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے سوار تھے اور ان کی حدیث کتاب الخمس میں باب ''من لم یخمس الاسلاب'' میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کے دن نکلے، پس جب ہمارا مقابلہ ہوا تو مسلمانوں میں لغزش آ گئی، پس میں نے مشرکین میں سے ایک مرد کو دیکھا جو مسلمانوں میں سے ایک مرد کے اوپر غالب تھا، پس میں پیچھے آیا حتیٰ کہ میں نے اس کو پیچھے سے آ کر اس کی گردن پر تلوار ماری تو وہ میری طرف پلٹا اور اس نے مجھ کو اتنے زور سے دبایا کہ اس کے دبانے سے مجھے موت کی خوشبو آ رہی تھی، پھر وہ مر گیا تو اس نے مجھ کو چھوڑ دیا۔ پس میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جا کر ملا اور میں نے کہا: یہ لوگوں کو کیا ہوا ہے، انہوں نے کہا: یہ اللہ کی تقدیر ہے، پھر لوگ لوٹے اور نبی ﷺ ایک جگہ بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا: جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس اس کے متعلق گواہ بھی ہو تو اس کا چھینا ہوا مال اس کو ملے گا۔ تو میں نے دل میں کہا: میری گواہی کون دے گا؟، پھر میں بیٹھ گیا، آپ نے پھر فرمایا: جس نے کسی مقتول کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس گواہ ہو تو اس کا چھینا ہوا مال اس کو ملے گا، پھر میں کھڑا ہوا، پھر میں نے دل میں کہا: میرے حق میں کون گواہی دے گا، پھر میں بیٹھ

گیا، پھر آپ نے تیسری مرتبہ اسی طرح فرمایا، پس میں کھڑا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوقتادہ! کیا ہوا، تو میں نے آپ کے سامنے قصہ بیان کیا، تو پھر ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! اس نے سچ کہا ہے اور اس شخص سے چھینا ہوا مال میرے پاس ہے، آپ ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا "لا ھا اللہ" (اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا) اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے قتال کرتا ہے، وہ تم کو اس سے چھینا ہوا مال نہیں دے گا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ابوبکر نے سچ کہا، پھر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو اس مرد نے وہ زِرہ دے دی تو میں نے اس زرہ کے بدلہ میں بنو سلمہ میں ایک باغ خرید لیا اور یہ وہ پہلا مال ہے جس کو میں نے اسلام میں حاصل کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۱۴۲)

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: حدیث میں اسی طرح آیا ہے "لاھا اللہ اذا" اور صحیح یہ ہے "لاھا اللہ" اور اس کا معنی ہے: لا واللہ، یعنی نہیں، اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہوگا۔

مازری سے روایت ہے کہ یہ روایت خطا ہے، اور صحیح ہے "لاھا اللہ ذا" اور "ذا" کلام میں صلہ ہے، انہوں نے کہا کہ عرب کے کلام میں "لاھا اللہ ذا" نہیں ہے۔ اور ابوحاتم نے کہا: قسم میں کہا جاتا ہے "لاھا اللہ ذا" اور عرب کہتے ہیں "لاھا اللہ ذا" اور اس کا معنی ہے: "لا واللہ"۔ یہ وہ ہے جس کے ساتھ قسم کھائی جاتی ہے۔ پس اللہ کا اسم "ھذا" اور "ذا" کے درمیان داخل کیا گیا ہے۔

اور علامہ کرمانی نے کہا "اذا" جواب اور جزاء ہے یعنی "لا واللہ اذا" اور روایت ہے کہ "ذا" اسمِ اشارہ ہے یعنی "واللہ لا یکون ھذا" یعنی اللہ کی قسم! اس طرح نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: کہا جاتا ہے واللہ، باللہ، تاللہ۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس تعلیق میں یہ اشارہ کیا ہے کہ حروفِ قسم میں تین ہیں، اول واللہ، واؤ کے ساتھ۔ ثانی باللہ، باء کے ساتھ۔ ثالث تاللہ، تاء کے ساتھ۔ اور واؤ اور باء ہر اس لفظ پر داخل ہوتے ہیں جس کی قسم کھائی جائے اور تاء صرف لفظِ اللہ پر داخل ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۰۔۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۲۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی از سفیان از موسیٰ بن عقبہ از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کی قسم تھی "نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم"۔

(صحیح البخاری: ۶۶۲۸، ۷۳۹۱، سنن ترمذی: ۱۵۴۰، سنن نسائی: ۳۷۶۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۶۳، سنن احمد: ۴۷۷۳، سنن دارمی: ۲۳۵۰)

صحیح البخاری: ۶۶۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "نبی ﷺ کی قسم کس طرح تھی" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ کی قسم تھی "نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم"۔ اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

یہ حدیث عنقریب باب ''یحول بین المرء وقلبه'' کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں اس حدیث کی امام بخاری نے از محمد بن مقاتل از عبداللہ از موسیٰ بن عقبہ الخ روایت کی تھی۔ اور یہاں اس حدیث کی روایت از محمد بن یوسف الفریابی از سفیان ثوری کی ہے۔ اور محمد بن یوسف سے البیکندی مراد نہیں ہیں۔ اور سفیان سے سفیان بن عیینہ مراد نہیں ہیں۔ اور ثوری نے اس حدیث کی روایت از موسیٰ بن عقبہ از سالم بن عبداللہ بن عمر از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے، اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۶۱۷ میں مذکور ہے کہ بہت مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح قسم کھاتے تھے ''دلوں کو پلٹنے والے کی قسم''۔ اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو پلٹ دیتا ہے اور وہ کفر کے اوپر ایمان کو ترجیح دیتا ہے اور کبھی اس کے برعکس کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فعل عدل ہے، اس کا کوئی فعل غلط یا ظلم نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال کی حکمتوں پر مطلع نہ ہو سکیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیگر قسموں کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم تھی ''نہیں، اور دلوں کو پھیرنے والے کی قسم'' یہ علی الاطلاق نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان الفاظ سے بھی قسم کھاتے تھے اور ان الفاظ کے بغیر سے بھی قسم کھاتے تھے اور اس سے پہلے باب میں یہ گذر چکا ہے کہ آپ ''وایم الله'' کہہ کر قسم کھاتے تھے اور کتنی مرتبہ آپ اس طرح قسم کھاتے تھے ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے''۔ یا اس طرح قسم کھاتے ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قسم کھانے کے متعلق یہ حکم دیا ہے:

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ (التغابن: ۷)

آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی، اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے O

نیز آپ کو اس طرح بھی قسم کھانے کا حکم دیا ہے:

قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (یونس: ۵۳)

آپ کہیے کہ ہاں! میرے رب کی قسم! وہ عذاب برحق ہے اور تم (میرے رب کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو O

اس سوال کا جواب کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ''لا ومقلب القلوب'' کا خصوصیت سے ذکر کیوں کیا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد طریقوں سے قسم کھائی ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کیسے فرمایا کہ آپ کی قسم یہ ہوتی تھی ''لا، ومقلب القلوب'' (نہیں، دلوں کو پھیرنے والے کی قسم)؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح قسم کھاتے ہوئے سنا تھا۔ یا دوسرا جواب یہ ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی حال کی مناسبت کی وجہ سے "لا و مقلب القلوب" کہہ کر قسم کھاتے تھے۔ اور علی الاطلاق آپ اس طرح قسم نہیں کھاتے تھے۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں دلوں کے پھیرنے کا ذکر

اور "مقلب القلوب" کا معنی ہے: دلوں کو پھیرنے والا اور دلوں کو پلٹنے والا، یعنی ایک جہت سے دوسری جہت کی طرف دلوں کے عزائم کو بدلنے والا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۠ (الانعام: ۱۱۰)

ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر رہے ہیں جس طرح یہ لوگ اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ رہے ہیں O

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت کرتے تھے:

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك و طاعتك۔

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ اور اپنی طاعت پر برقرار رکھ۔

آپ سے پوچھا گیا: یارسول اللہ! آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں: "یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك و طاعتك" آپ نے فرمایا: مجھے کون سی چیز امن مہیا کرے گی، تمام بندوں کے دل صرف رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، بے شک جب وہ کسی بندہ کے دل کو پھیرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پھیر دیتا ہے۔ اور عثمان نے کہا کہ تمام بندوں کے دل اللہ عزوجل کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱، رقم الحدیث: ۲۶۱۳۳، السنۃ لابن ابی عاصم: ۲۲۴، ۲۳۳، مسند ابو یعلیٰ: ۴۶۶۹، کتاب الدعاء للطبرانی: ۱۲۵۹، الشریعۃ للآجری: ۳۱۷)

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۲۹۔ حَدَّثَنَا مُوْسٰی حَدَّثَنَا اَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا هَلَكَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ كِسْرٰی فَلَا كِسْرٰی بَعْدَهٗ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از عبد الملک از حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! ان دونوں کے خزانے ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۲۱، ۳۶۱۹، ۶۶۲۹، صحیح مسلم: ۲۹۱۸، مسند احمد: ۲۰۳۸۵)

صحیح البخاری: ۶۶۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قسم کھاتے تھے اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''، اور یہ آپ کی قسم کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ، وہ ابن اسماعیل ابو سلمہ تبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو عوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے اور اس حدیث کی سند میں عبد الملک کا ذکر ہے، وہ ابن عمیر الکوفی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الخمس میں از اسحاق بن ابراہیم اور کتاب علامات النبوۃ میں از قبیصہ بن عقبہ گذر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں قیصر کا ذکر ہے، قیصر روم کے بادشاہ کا نام ہے۔

اور اس حدیث میں کسریٰ کا ذکر ہے، یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، کیونکہ جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا اسی طرح واقع ہوا۔ اور قیصر کی ہلاکت کے بعد کوئی قیصر نام کا بادشاہ نہیں ہوا۔ اور کسریٰ کی ہلاکت کے بعد ایران کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۲۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور پر ایک اعتراض کا جواب

بہ ظاہر اس حدیث میں عموم ہے کہ فارس کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہوگی جس میں فارس کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہو، اور روم کی کوئی حکومت ایسی نہیں ہوگی جس میں روم کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ ہو، لیکن جب ہم نے واقع کی طرف نظر کی تو معاملہ اس کے خلاف پایا۔ یعنی بعد میں فارس اور روم میں ان کے بادشاہ آتے رہے، اس لیے اس حدیث کو اس حال پر محمول کیا جائے گا جس حال میں مسلمانوں کا غلبہ ہو، کیونکہ جب مسلمانوں کا غلبہ تھا تو فارسیوں یا رومیوں کے لیے اپنے اپنے ملکوں میں اپنے بادشاہ کا تقرر ممکن نہیں تھا کیونکہ اسلام کے غلبہ سے وہ مقہور تھے لیکن جب مسلمان شکست کھا گئے اور مغلوب ہو گئے اور کمزور ہو گئے تو اب یہ ممکن ہوا کہ فارس اپنے ملکوں میں کوئی فارسی بادشاہ مقرر کر لے اور رومی اپنے ملکوں میں کوئی رومی بادشاہ مقرر کر لے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قیصر کے ملک کے باقی رہنے اور کسریٰ کے ملک کے برباد ہونے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''قیصر کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا''۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیصر کو دعا دی تھی جب اس نے آپ کا مکتوب پڑھا تو آپ نے اس کے لیے دعا کی کہ تمہارا ملک سلامت رہے، پھر شام سے اس کی حکومت ختم نہیں ہوئی۔ اور رہا کسریٰ، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکتوب پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی کہ تمہارا ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، تو اب تک کسریٰ کی حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ اور اس حدیث میں نبوت کی علامت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے، پس واقع میں اسی طرح ہوا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پر ایک اعتراض کا جواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ یہ تھی کہ آپ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی آپ پر ظلم کرتا تو آپ درگزر فرماتے اور اس کو معاف فرما دیتے اور جب کسریٰ نے آپ کے مکتوب کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو بہ ظاہر آپ کی سیرت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ اس کو معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے اور اس کے خلاف دعا نہ فرماتے۔

اس کا جواب یہ ہے اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر ظلم کرتا تو آپ اس کو معاف فرما دیتے لیکن دین کے معاملہ میں اگر کوئی ظلم کرتا تو آپ اس کو معاف نہیں کرتے تھے۔ کسریٰ نے آپ کے مکتوب کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا اور امورِ تبلیغ میں مداخلت کی اور اس موقع پر درگزر کرنا مداہنت تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مداہنت نہیں کرتے تھے، اس لیے آپ نے اس کے خلاف دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

قیصر و کسریٰ اور ان کے ملکوں کا مختصر تعارف

حافظ ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

رہا کسریٰ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ کاٹ دی اور اس کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین پر اس کے ملک کا مسلمانوں کو وارث بنا دیا۔

اور رہا قیصر تو وہ شام کا بادشاہ تھا اور وہیں پر بیت المقدس ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پر عیسائیوں کی تمام عبادات مکمل ہوتی ہیں اور شام قریش کی تجارت کی جگہ تھا اور ان کے آنے جانے کی جگہ تھا اور مسلمانوں نے جو شام پر حملہ کیا تھا اس سے ان کا مقصود اس مملکت پر قبضہ کرنا تھا اور اس پر قبضہ کر لیا گیا اور اس کے خزانوں کو اور اس کے اموال کو لوٹ لیا گیا اور بعد میں کوئی قیصر اس ملک کا حکمران نہیں ہوا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ میں قسطنطنیہ کی فتح سے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ (اعلام السنن فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

اس اشکال کا جواب کہ قیصر و کسریٰ کی ہلاکتوں کے بعد بھی ان کی حکومتیں باقی رہی ہیں

علامہ محمد التفصیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المغربی المالکی المتوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

کسریٰ فارس کا بادشاہ تھا اور قیصر روم (شام) کا بادشاہ تھا، اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ کسریٰ کی ہلاکت کے بعد فارس کی مملکت باقی رہی ہے کیونکہ ان کا آخری بادشاہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل ہوا تھا اور روم کی مملکت بھی باقی رہی تھی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ کسریٰ عراق میں باقی نہیں رہے گا اور قیصر روم شام میں باقی نہیں رہے گا، یہ جواب امام شافعی سے منقول ہے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قیصر کے بعد کسی قیصر کی ایسی حکومت نہیں ہوگی جیسی اس قیصر کی تھی، کیونکہ شام میں بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کی کوئی عبادت بیت المقدس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اور جو بھی روم کا بادشاہ ہوا وہ بیت المقدس میں داخل ہوتا تھا خواہ خفیہ، خواہ اعلانیہ۔ پس جب قیصر ہلاک ہوگیا اور اس کے خزانے فتح کر لیے گئے تو اس کے بعد کوئی قیصر اس کے ساتھ لاحق نہیں ہوا۔ (الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ج ۸ ص ۳۷۶-۳۷۷، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ فارس کی مملکت بعد میں باقی رہی ہے کیونکہ آخری فارس کا بادشاہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل ہوا اور یہ اشکال بھی ہے کہ روم کی مملکت بھی باقی رہی اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ عراق میں کسریٰ کی حکومت باقی نہیں رہے گی اور نہ قیصر کی حکومت شام میں باقی رہے گی۔ یہ جواب امام شافعی سے منقول ہے، انہوں نے بتایا: اس حدیث کا سبب یہ ہے کہ قریش شام میں اور عراق میں تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، پس جب قریش مسلمان ہو گئے تو ان کو خوف ہوا کہ اب ان کا سفر منقطع ہو جائے گا کیونکہ وہ لوگ اب مسلمان ہو گئے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل خوش کرنے کے لیے فرمایا اور ان کو بشارت دی کہ قیصر و کسریٰ کا ملک عنقریب زائل ہو جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ قیصر کا ملک باقی رہا اور صرف شام سے اور اس کے مضافات سے اس کی حکومت جاتی رہی اور کسریٰ کا ملک جڑ سے اکھڑ گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قیصر کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب آیا تو قیصر نے اس مکتوب کو قبول کیا اور قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا جیسا کہ صحیح البخاری کے شروع میں ہرقل کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اور کسریٰ کے پاس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پہنچا تو اس نے اس کو پھاڑ ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی کہ اس کا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے پورے پورے ٹکڑے، سو اسی طرح ہو گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ جب کسریٰ بن ہرمز ہلاک ہو گیا جیسا کہ عنقریب کتاب الاحکام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے اوپر ایک عورت کو حکمران بنا دیا ہے، اس وقت آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے کسی عورت کو اپنا حکمران بنا دیا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب شیرویہ بن کسریٰ مر گیا تو لوگوں نے اس کی بیٹی بوران کو اپنا حکمران بنا دیا۔ اور رہا قیصر تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک بیس سال زندہ رہا اور ایک قول یہ ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مر گیا تھا جب مسلمانوں سے شام میں اس کے بیٹے نے جنگ کی اور اس کا لقب بھی قیصر تھا۔ اور ہر تقدیر پر حدیث سے مراد یہ ہے کہ ان دونوں کی حکومتیں اس طرح باقی نہیں رہیں گی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ میں باقی تھیں۔(فتح الباری ج ۴ ص ۷۳۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اجراء نبوت پر مرزائیہ کے ایک استدلال کا جواب

جب مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کے ابطال پر یہ حدیث پیش کی جاتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے، پس نہ میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی ہوگا۔ الحدیث (سنن ترمذی: ۲۲۷۲، مسند احمد ج ۳ ص ۲۶۷)

مرزائیہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ میرے بعد کوئی کامل رسول نہیں ہوگا یا تشریعی رسول نہیں ہوگا اور نہ کوئی کامل نبی ہوگا۔ اس میں مطلقاً آپ کے بعد نبی کے آنے کی نفی نہیں ہے لہٰذا آپ کے بعد امتی نبی آ سکتا ہے۔

ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ''لا'' نفی جنس کا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جنسِ نبوت کی نفی کر دی گئی ہے، لہٰذا آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا نہ حقیقی نبی ہوگا نہ ظلی اور نہ بروزی نبی ہوگا اور نہ امتی نبی ہوگا۔

مرزائیہ اس جواب پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے ''جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو پھر کوئی کسریٰ نہیں ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو کوئی قیصر نہیں ہوگا'' حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بعد میں فارس اور عراق کے بادشاہ آتے رہے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسریٰ کے ہلاک ہونے کے بعد کسریٰ نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا اور قیصر کے ہلاک ہونے کے بعد قیصر نام کا کوئی بادشاہ نہیں ہوا، لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

۶۶۳۰- حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہوگا، اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ قدرت میں ہے! ان دونوں کے خزانے ضرور اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۲۱، ۳۶۱۹، ۶۶۲۹، صحیح مسلم: ۲۹۱۸، مسند احمد: ۲۰۳۸۵)

صحیح البخاری: ۶۶۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور یہ حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مساوی ہے سوا اس کے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قیصر کا ذکر کسریٰ کے ذکر پر مقدم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر ان شاء اللہ کہے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے خرچ کرنے کی خبر دی، اس پر ایک اعتراض کا جواب

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ (الکہف: ۲۳-۲۴)

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا O

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ ان شاء اللہ کہے بغیر کل کے متعلق کسی کام کی خبر نہ دیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر یہ فرمایا کہ تم ضرور قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اور ان شاء اللہ نہیں کہا۔ تو کیا آپ کے اس قول میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت نہیں ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے کہ آپ نے جو کام کل کرنا ہے وہ ان شاء اللہ کے بغیر نہ کریں اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کام کے متعلق نہیں بتایا بلکہ غیب کی خبر دی ہے جو آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوئی۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ کوئی مرد یہ نہ کہے کہ میں فلاں کام کل کروں گا بلکہ یوں کہے کہ میں ان شاء اللہ فلاں کام کل کروں گا۔

لہٰذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۲۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۳۱- حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدٌ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ قَالَ یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَّلَضَحِكْتُمْ قَلِیْلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے خبر دی از ہشام بن عروہ از والد خود، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا: اے امتِ محمد! اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم بہت زیادہ روؤ گے اور بہت کم ہنسو گے۔

(صحیح البخاری: ۱۰۴۴، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۴۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن

ترمذی: ۲۳۱۳، سنن نسائی: ۱۳۴۷، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۷۴۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۳، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واؤ قسمیہ کے ساتھ قسم کھائی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ ابن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدہ، جو حرہ کی ضد ہے، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی مثل حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے کتاب الرقاق میں اس باب کے تحت گزر چکی ہے ''لو تعلمون ما اعلم۔۔ الحدیث''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر تم ان چیزوں کو جان لیتے جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے''۔

اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ بعض لوگ کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں اور گانے بجانے اور رقص و موسیقی کے دلدادہ ہوتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آلاتِ موسیقی کو حلال کرنے پر مسخ کیے جانے کی وعید سنائی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۵۹۰)

(شرح ابن بطال ج ۳ ص ۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اگر تم ان چیزوں کو جان لو جنہیں میں جانتا ہوں''۔ یعنی وہ خوفناک چیزیں اور وہ احوال جو ہمارے سامنے ہیں اور جو موت کے وقت ہم پر حالات پیش آئیں گے اور برزخ میں اور قیامت کے دن جو امور ہم پر مترتب ہوں گے۔

یعنی سکرات موت کی جو تکلیفیں ہیں اور قبر میں جو آزمائشیں ہیں اور قیامت کی ہولناکیاں ہیں اور میدانِ حشر کی سختیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہم سے حساب و کتاب لینا ہے، اگر ہم ان تمام امور کو اپنے پیشِ نظر رکھیں تو ہم دنیا میں دل لگانا اور ہنسنا اور دنیا میں رغبت کرنا چھوڑ دیں اور خوفِ خدا سے ہر وقت روتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے رہیں کہ الٰہ العالمین! ہمیں ان تمام تکالیف سے محفوظ رکھنا۔

کم ہنسنے اور زیادہ رونے کے متعلق آثار اور اقوالِ علماء

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی طرف نکلے تو وہاں پر لوگ باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم موت کا زیادہ ذکر کرو، سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کا خوف بندہ کے دل میں اس کے علم کی مقدار کے اعتبار سے ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں، بے شک

غَفُوْرٌ ۞ (فاطر:۲۸) اللہ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے ○

اور جب کسی شخص کو بھی ایسا علم نہیں ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تھا تو کوئی شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ نے جس کے دل کو منور کر دیا اور اس کی بصیرت سے پردہ کو اٹھا دیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کن چیزوں سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کیا کیا اطاعت واجب ہے اور اس کا شکر واجب ہے اور اس نے مستقبل میں پیش آنے والی قیامت کی خوفناک چیزوں کو یاد کیا اور اللہ کے بندوں کو ان مواقف میں جن سختیوں کا سامنا ہوگا ان کو یاد کیا اور اس کا معائنہ کیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے جو سوال کرے گا چھوٹی سی چھوٹی چیز کے بارے میں تو پھر وہ شخص یقیناً بہت زیادہ غمگین ہوگا اور بہت زیادہ روئے گا، اسی لیے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تمہیں ان چیزوں کا علم ہو جائے تو تمہارے حلق کے نیچے سے نہ کوئی کھانے کا نوالہ اترے گا اور نہ پانی کا کوئی گھونٹ اترے گا اور نہ تم بستروں پر سوسکو گے اور نہ تم عورتوں سے محبت رکھو گے، اور تم جنگلوں کی طرف نکل جاؤ گے اور زور سے پکار رہے ہو گے اور رو رہے ہو گے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۱۹۵۔۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

۶۶۳۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حَيْوَةُ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ أَنَّهُ سَمِعَ جَدَّهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْآنَ يَا عُمَرُ۔

(صحیح البخاری: ۳۶۹۴، ۶۲۶۴، ۶۶۳۲، مسند احمد: ۱۷۵۸۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حیوۃ نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابو عقیل زہرہ بن معبد نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے اپنے دادا عبد اللہ بن ہشام سے سنا، انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، پس آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ضرور ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری اپنی جان کے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں، پس آپ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس بے شک اب اللہ کی قسم! آپ ضرور مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اے عمر۔

صحیح البخاری: ۶۶۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے قسم کھائی ہے ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سلیمان، یہ الجعفی ہیں اور یہ عبداللہ بن وہب سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حیوۃ کا ذکر ہے، یہ ابن شریح ہیں۔ اور ابو عقیل کا ذکر ہے، (عین پر زبر ہے) اور زہرہ کا ذکر ہے (زاء پر پیش ہے) یہ ابن معبد ہیں (میم پر زبر ہے)، یہ ابن عبداللہ بن ہشام بن زہرہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ ہیں، ان کی والدہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں اور وہ اس وقت کم عمر تھے، سو آپ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کو دعا دی اور یہ مصر کی فتح کے موقع پر حاضر تھے اور صحیح البخاری میں ان کی دو حدیثیں ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس سند کے تمام رجال مصری ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یحییٰ بن سلیمان کوفی ہیں اور مصر میں رہائش رکھی ہے اور عبداللہ بن وہاب مصری ہیں اور اسی طرح زہرہ۔

اور یہ حدیث بعینہٖ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مناقب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی اکون" یعنی تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوگا حتیٰ کہ تمہارے نزدیک میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الآن" یعنی اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۳۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلے یہ کہنا کہ میں اپنے علاوہ سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں، پھر بلا استثنیٰ کہنا کہ میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان دو قولوں کی توجیہ

ابتداء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر واقف نہیں تھے کہ کمالِ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو، اسی لیے انہوں نے اپنے نفس کا استثنیٰ کیا۔ اور اگر وہ اس وقت یہ کہتے کہ میں سب سے زیادہ آپ سے محبت کرتا ہوں حتیٰ کہ اپنے نفس سے بھی زیادہ تو یہ جھوٹ ہوتا۔ پھر جب ان پر یہ منکشف ہو گیا اور ان کے دل میں یہ مقرر ہو گیا کہ وہ اپنے نفس سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں تو پھر انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اب وہ آپ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

محبتِ طبعی اور محبتِ عقلی کا فرق

حافظ ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

انسان کا اپنے نفس سے محبت کرنا اس کی طبیعت کا تقاضا ہے اور دوسروں کی محبت اسباب کے واسطہ سے اختیار ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ یہ تھا کہ اختیاری محبت تمہارے دل میں اپنے آپ سے بھی زیادہ مجھ سے ہونی چاہیے، کیونکہ طبیعت کے

تقاضا کو بدلنا کسی کے اختیار میں نہیں ہے اور جو چیز ان کی فطرت میں ہے اس کو متغیر کرنا آدمی کے لیے ممکن نہیں ہے، سو میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلے جواب جو تھا تو طبیعت کے تقاضا کے اعتبار سے تھا، پھر انہوں نے غور کیا، پس انہوں نے دلیل سے جان لیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف ان کی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا دنیا کی مہلکات سے نجات کا سبب ہے اور آخرت کے عذاب سے چھٹکارے کا سبب ہے، سو انہوں نے اختیار کے تقاضا سے خبر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا ''اب اے عمر'' یعنی اے عمر! اب تم نے پہچان لیا اور تم نے وہ بات کہی جو واجب ہے۔

اور بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ اب تمہارا ایمان قابل شمار ہے کیونکہ مرد کا ایمان اس وقت تک قابل شمار نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی عقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب کو ترجیح نہ دے، سو اس شرح کی عبارت میں بے ادبی ہے اور اکثر اکابرین کے کلام میں اس جگہ تامل کی کمی ہے اور فکر میں استغراق نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اختیاری ہونا

محبتِ طبعی میں انسان کو اختیار نہیں ہوتا جیسے ماں کو بچہ سے محبت ہوتی ہے اور اس میں ماں کا اختیار نہیں ہوتا، اسی طرح اولاد کو ماں باپ سے محبت ہوتی ہے یہ بھی غیر اختیاری ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان اچھی اور مرغوب چیزوں سے محبت کرتا ہے اور ان کو پسند کرتا ہے، عمدہ کپڑے پہننا پسند کرتا ہے، لذیذ خوراک کھانا پسند کرتا ہے لیکن اگر اس کو مثلاً شوگر ہو جائے اور شوگر میں میٹھی چیزیں اور نشاستہ والی چیزیں نقصان دہ ہوتی ہیں، اس لیے شوگر کا مریض میٹھی اور نشاستہ والی چیزوں کے اوپر پھیکی اور بے ذائقہ چیزوں کو ترجیح دیتا ہے، کیونکہ اس کی عقل اسے بتاتی ہے کہ اگر اس نے میٹھی اور مرغن اشیاء کھائیں تو اس کی شوگر بڑھ جائے گی اور اس کے نتیجہ میں اس کے جسم میں پھوڑے اور پھنسیاں ہو جائیں گی جن کی اگر بروقت تدبیر نہ کی جائے تو وہ ناسور بن جاتی ہیں اور بعض اوقات جسم کے کسی عضو کو کاٹنا پڑتا ہے، کسی کا پیر کاٹ دیا جاتا ہے، کسی کی ٹانگ کاٹ دی جاتی ہے اور شوگر کے نتیجہ میں فالج بھی ہو جاتا ہے اور بہت ساری مہلک بیماریاں ہو جاتی ہیں، تو جب انسان ان تکالیف اور مہلک بیماریوں کا خیال کرتا ہے تو اس کے سامنے میٹھی، لذیذ، ذائقہ دار اور مرغن اشیاء رکھی ہوں تو وہ ان کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور ان کے بجائے پھیکی اور بے ذائقہ چیزوں کو ترجیح دیتا ہے، تو اس کی طبیعت اگرچہ میٹھی اور ذائقہ دار چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن اس کی عقل اس کو پھیکی اور بے ذائقہ چیزوں کی طرف ترجیح دیتی ہے اور یہی محبتِ عقلی ہے۔ اسی طرح ہائی بلڈ پریشر کے مرض میں نمکیات اور مرچ مصالحے اور تیل والی اشیاء نقصان دہ ہوتی ہیں اور جس کے گردے میں پتھری ہو جائے اس کے لیے چاول، ٹماٹر اور دودھ نقصان دہ ہوتا ہے تو ایسے مریض اپنی پسند کی چٹ پٹی چیزیں نہیں کھاتے اور بے ذائقہ چیزوں کو ترجیح دیتے ہیں اور چاول، ٹماٹر اور دودھ اور مرچ مصالحوں کو ترک کر دیتے ہیں اور یہی محبتِ عقلی ہے۔

صحابہ کرام کو اپنے ماں باپ، اولاد اور مال و دولت سے طبعی محبت تھی لیکن وہ ماں باپ، اولاد اور مال و دولت کے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ترجیح دیتے تھے اور ان کی عقل انہیں یہ رہنمائی کرتی تھی کہ دنیا کی مشکلات اور آخرت کے عذاب سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ان کو نجات حاصل ہوگی، اس لیے وہ ماں باپ کے حکم اور مال و دولت کے تقاضوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کو ترجیح دیتے تھے اور یہی محبتِ عقلی ہے۔ سو صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو محبت تھی وہ محبتِ عقلی تھی۔ اور یہ محبت

اختیاری ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۳۳، ۶۶۳۴ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ أَحَدُهُمَا اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَقَالَ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُهُمَا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا قَالَ مَالِكٌ وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ زَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَجَارِيَةٍ لِي ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَجَلَدَ ابْنَهُ مِائَةً وَغَرَّبَهُ عَامًا وَأُمِرَ أُنَيْسٌ الْأَسْلَمِيُّ أَنْ يَأْتِيَ امْرَأَةَ الْآخَرِ فَإِنِ اعْتَرَفَتْ رَجَمَهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ، ان دونوں نے عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کو خبر دی کہ دو مردوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنے تنازعہ کا مقدمہ پیش کیا، پس ان دونوں میں سے ایک نے کہا: ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے، اور دوسرے نے کہا جو ان دونوں میں زیادہ سمجھدار تھا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: تم بات کرو، اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، راوی مالک نے کہا: العسیف کا معنی مزدور ہے، سو میرے بیٹے نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا، پھر مجھے لوگوں نے خبر دی کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا تو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک باندی فدیہ میں دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر بھی حد ہے کہ اس کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ رہی تمہاری بکریاں اور باندی تو وہ تم کو واپس ہوں گی اور اس کے بیٹے پر سو کوڑے لگائے اور اس کو ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور حضرت اُنیس الاسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں، اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو، سو اس عورت نے اعتراف کر لیا، پس انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۶۹۵، ۲۷۲۴، ۶۶۳۳، ۶۸۲۷، ۶۸۳۳، ۶۸۳۵، ۶۸۴۲، ۶۸۵۹، ۷۱۹۳، ۷۲۵۸، ۷۲۶۰، ۷۲۷۸، صحیح مسلم:

۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۳، ۶۶۳۴ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کی قسم کے ان الفاظ کا بیان ہے "سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن خالد الجہنی، یہ ابوعبدالرحمٰن المدنی ہیں از جہینہ ابن زید بن لیث بن سعد بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ، یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں اور مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی وفات کوفہ میں ۷۸ھ میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ۸۵ سال تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اجل یا رسول اللہ" اجل کا معنی ہے "نعم" یعنی ہاں۔ الاخفش نے کہا ہے: "اجل" "نعم" کی مثل جواب ہے مگر تصدیق میں یہ زیادہ احسن ہے اور "نعم" کا لفظ استفہام کے جواب میں زیادہ احسن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پھر میں نے اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی"۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بڑے عالم کے ہوتے ہوئے کسی اور عالم سے سوال کرنا جائز ہے۔ ابوالقاسم العذری نے کہا کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خلفاء اربعہ اور تین انصار فتویٰ دیا کرتے تھے، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بکتاب اللہ" اس سے مراد درج ذیل آیت ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور: ۸)

اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ۝

اور اس شخص کے مالک کی بیوی سے جس عذاب کو دور کیا جائے گا وہ رجم ہے یعنی سنگسار کرنا۔

اور اہل السنت کا اس پر اجماع ہے کہ رجم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب اللہ میں رجم کا ذکر نہیں ہے، رجم کا ذکر سنت میں ہے اور سنت نے قرآن کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے، پس انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا کہ میں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی وحی سے فیصلہ کروں گا اور اس سے مراد وحی متلو (یعنی

قرآن مجید) نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" رہی تمہاری بکریاں اور باندی تو وہ تم پر واپس ہوں گی"۔اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی صلح فاسد ہو تو صحیح فیصلہ آنے کے بعد وہ صلح ٹوٹ جاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"اور اُنیس اسلمی کو حکم دیا گیا"۔

اُنیس کا لفظ انس کی تصغیر ہے، یہ اُنیس بن الضحاک الاسلمی ہیں، ان کی نسبت اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو کی طرف کی گئی ہے۔اور اسلمی نیز اسلم بن جمح کی طرف نسبت ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ جب وقت تنگ ہو تو حدود کو موخر کرنا جائز ہے اور بعض علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ تم اس مرد کی بیوی کی طرف جاؤ اور ایک روایت میں ہے: اے اُنیس! اس عورت کے پاس صبح کو جانا۔

رجم کے لیے چار مرتبہ اقرار کرنے میں مذاہب

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مطلق اعتراف حد کو واجب کرتا ہے اور اس کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے اور یہی امام مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی المتوفی ۲۰۴ھ، کا مذہب ہے۔

اور امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ نے کہا: رجم اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک کہ چار مرتبہ ایک مجلس میں یا چار مجالس میں اعتراف نہ کیا جائے۔

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: اس وقت تک رجم واجب نہیں ہوتا جب تک کہ چار مجالس میں اعتراف نہ کیا جائے۔پس اگر اس نے ایک مجلس میں ہزار مرتبہ بھی اعتراف کیا تو وہ ایک اعتراف ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت ماعز نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ شہادت دی تو ان کو رجم کیا گیا، اس حدیث کی امام بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے۔اسی طرح حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے حتیٰ کہ حضرت ماعز نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے حتیٰ کہ انہوں نے چار مرتبہ گواہی دی۔اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی۔

اور اس باب میں جو مزدور کی حدیث ہے جس میں چار مرتبہ اس عورت کے اعتراف کا ذکر نہیں ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے اُنیس! اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اعتراف کرلے جو اعتراف معروف ہے اور اس میں چار مرتبہ اقرار کیا جاتا ہے تو پھر اس کو رجم کردینا۔

اور بعض سندوں کے ساتھ غامدیہ کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو چار مرتبہ رد فرما دیا۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہم نے یہ مان لیا کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے تو اختلاف مجالس کی شرط کہاں سے لگائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو

آپ نے ان کو رد کر دیا، پھر دوسری مرتبہ اگلے دن آئے تو پھر آپ نے واپس کر دیا، پھر تیسری مرتبہ آئے یہاں تک کہ حدیث میں ہے: پھر جب وہ چوتھی مرتبہ آئے تو ان کے لیے گڑھا کھودا گیا اور اس گڑھے میں انہیں کھڑا کر کے رجم کر دیا گیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

غامدیہ کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کے پاس غامد سے ایک عورت آئی، اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم واپس جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، اس عورت نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ مجھے واپس کر رہے ہیں جس طرح آپ نے ماعز بن مالک کو واپس کیا تھا، آپ نے فرمایا: ہوا کیا ہے؟ اس نے کہا: وہ زنا سے حاملہ ہے، آپ نے فرمایا: تم؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے اس عورت سے فرمایا حتیٰ کہ جو کچھ تمہارے پیٹ میں ہے اس کو تم نکال دو یعنی وضع حمل ہو جائے۔ تو انصار کا ایک مرد ضامن ہوا اور اس نے وضع حمل تک اس عورت کی کفالت کی، پھر وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ غامدیہ کا وضع حمل ہو گیا ہے، آپ نے فرمایا: ہم اب بھی اس کو رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچہ کو چھوٹا چھوڑیں گے جس کو کوئی دودھ پلانے والا نہ ہو، تو انصار میں سے ایک مرد کھڑا ہوا اور اس نے کہا: میں اس کے دودھ پلانے کا بندوبست کروں گا یارسول اللہ! تب آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۳)

امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو اور غامدیہ کو چوتھی مرتبہ اعتراف کے بعد رجم کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۳۴)

۶۶۳۵۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا وَهْبٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَعْقُوبَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ أَسْلَمُ وَغِفَارُ وَمُزَيْنَةُ وَجُهَيْنَةُ خَيْرًا مِنْ تَمِيمٍ وَعَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ وَغَطَفَانَ وَأَسَدٍ خَابُوا وَخَسِرُوا قَالُوا نَعَمْ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُمْ خَيْرٌ مِنْهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن ابی یعقوب از عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ از والد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر اسلم اور غفار اور مزینہ اور جہینہ (یہ قبائل) تمیم اور عامر بن صعصعہ اور غطفان اور اسد سے بہتر ہوں تو پھر تمیم (وغیرہ) ناکام ہو گئے اور نقصان میں مبتلاء ہو گئے، صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! وہ ان سے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۱۵، ۳۵۱۶، ۶۶۳۵، صحیح مسلم: ۲۵۲۲، سنن ترمذی: ۳۹۵۲، مسند احمد: ۱۹۸۷۱، سنن دارمی: ۲۵۲۳)

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول الذکر قبائل، ثانی الذکر قبائل سے بہتر ہیں۔

۶۶۳۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از

أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ عَامِلًا فَجَائَهُ الْعَامِلُ حِينَ فَرَغَ مِنْ عَمَلِهِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا لَكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي فَقَالَ لَهُ أَفَلَا قَعَدْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ فَنَظَرْتَ أَيُهْدَى لَكَ أَمْ لَا ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَشِيَّةً بَعْدَ الصَّلَاةِ فَتَشَهَّدَ وَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الْعَامِلِ نَسْتَعْمِلُهُ فَيَأْتِينَا فَيَقُولُ هَذَا مِنْ عَمَلِكُمْ وَهَذَا أُهْدِيَ لِي أَفَلَا قَعَدَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ فَنَظَرَ هَلْ يُهْدَى لَهُ أَمْ لَا فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَغُلُّ أَحَدُكُمْ مِنْهَا شَيْئًا إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلَى عُنُقِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا جَاءَ بِهِ لَهُ رُغَاءٌ وَإِنْ كَانَتْ بَقَرَةً جَاءَ بِهَا لَهَا خُوَارٌ وَإِنْ كَانَتْ شَاةً جَاءَ بِهَا تَيْعَرُ فَقَدْ بَلَّغْتُ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ ثُمَّ رَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَهُ حَتَّى إِنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى عُفْرَةِ إِبْطَيْهِ قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ وَقَدْ سَمِعَ ذَلِكَ مَعِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَلُوهُ۔

الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از ابوحمید الساعدی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو عامل بنایا، سو وہ عامل جب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو اس نے آ کر کہا: یارسول اللہ! یہ (مال) آپ کے لیے ہے اور یہ (مال) مجھے ہدیہ میں دیا گیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ گئے، پھر تم دیکھتے کہ کیا تمہیں کچھ ہدیہ میں پیش کیا جاتا ہے یا نہیں؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کو نماز کے بعد کھڑے ہوئے، پس آپ نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر اللہ عزوجل کی ایسی حمد وثنا کی جو اس کی شان کے لائق ہے، پھر فرمایا: امابعد! (حمد وصلوٰۃ کے بعد) اس عامل کا کیا حال ہے جس کے سپرد ہم کوئی عمل کرتے ہیں، پھر وہ ہمارے پاس آتا ہے سو کہتا ہے: یہ آپ کے عمل کا حصہ ہے اور یہ وہ ہے جو مجھے ہدیہ دیا گیا ہے؟ پس وہ کیوں نہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر بیٹھتا پھر دیکھتا کہ کیا اس کو کچھ ہدیہ میں دیا جاتا ہے یا نہیں؟ پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس مال میں سے کسی چیز کی خیانت نہیں کرے گا مگر وہ اس چیز کو قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا، اگر وہ اونٹ ہو تو وہ اونٹ بڑبڑاتا ہوا آئے گا، اور اگر وہ گائے ہو تو وہ گائے ڈکراتی ہوئی آئے گی، اور اگر وہ بکری ہو تو وہ بکری ممیاتی ہوئی آئے گی۔ پس میں نے تبلیغ کر دی۔

پس ابوحُمید نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ بلند کیا حتیٰ کہ ہم ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھ رہے تھے۔

ابوحُمید نے کہا: اس حدیث کو میرے ساتھ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، پس لوگوں نے ان سے سوال کیا۔

(صحیح البخاری: ۹۲۵، ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۶، مسند احمد: ۲۳۰۸۷، سنن دارمی: ۱۶۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے ان الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے ''اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ حکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عروہ کا ذکر ہے یہ ابن الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ابوحمید کا ذکر ہے، یہ الساعدی الانصاری ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام المنذر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے عم محترم ہیں۔

یہ حدیث کتاب الہبہ کے باب ''من لم یقبل الهدیة بعلة'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو عامل بنایا''۔ اس مرد کا نام تھا عبد اللہ بن اللتبیة۔ (اس میں لام پر پیش ہے، تاء ساکن ہے، باء کے نیچے زیر ہے اور یاء مشدد ہے)۔

یہ حدیث باب الہبہ میں گزر چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک مرد کو صدقات کے وصول کرنے پر عامل بنایا اور ان کو ''ابن اللتبیة'' کہا جاتا تھا۔

اس حدیث میں ''رغاء'' کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: اونٹ کی آواز، اور ''خوار'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: گائے کی آواز، اور اس میں ''تیعر'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: بکری کی آواز۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عفرۃ ابطیه'' عفرۃ کا معنی ہے وہ سفیدی جس میں کچھ سرمئی رنگ کی یا زمین کے رنگ کی آمیزش ہو۔ الجوہری نے کہا ہے ''العافر'' کا معنی ہے: سفید جو بہت سخت سفید نہ ہو۔ اور ''شاة افرع'' کہا جاتا ہے جس کی سفیدی سرخی پر غالب نہ ہو۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عامل کو کوئی ہدیہ دیا جائے تو وہ بیت المال کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اور صاحب التوضیح نے کہا ہے: ''الحاوی الصغیر'' کا قول کتنا عمدہ ہے کہ اس کا ہدیہ حرام ہے اور وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۳۷۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ هُوَ ابْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَلَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی، اور وہ ابن یوسف ہیں از معمر از ہمام از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر تم ان چیزوں کو جان

لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو۔

(صحیح البخاری: ۴۴ ۱۰، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۴۶۲۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱، صحیح مسلم: ۹۰۱، سنن ترمذی: ۵۶۱، سنن نسائی: ۱۴۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۱۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۶۳، مسند احمد: ۲۴۷۸۴، موطا امام مالک: ۴۴۴، سنن دارمی: ۱۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح قسم کھائی ہے "اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ میں ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن موسیٰ، یہ ابن یزید الفراء ابواسحاق الرازی ہیں اور یہ صغیر کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن یوسف کا ذکر ہے، یہ ابوعبدالرحمٰن الصنعانی الیمانی ہیں جو یمن کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے جو ابن راشد ہیں، اور ہمام کا ذکر ہے یہ ابن منبہ ہیں۔

یہ حدیث عنقریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے گزر چکی ہے اور اس کی مثل بھی حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے گزر چکی ہے۔

اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر تم کو قیامت کی ہولناکیوں اور حشر کی سختیوں کا علم ہو جائے تو تم زیادہ وقت رونے میں گزارو گے اور کم ہنسو گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۳۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ يَقُولُ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قُلْتُ مَا شَأْنِي أَيُرٰى فِيَّ شَيْءٌ مَا شَأْنِي فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ فَمَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَسْكُتَ وَتَغَشَّانِي مَا شَاءَ اللّٰهُ فَقُلْتُ مَنْ هُمْ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ الْأَكْثَرُونَ أَمْوَالًا إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از المعرور، از حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ کعبہ کے سائے میں فرما رہے تھے: "رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں! رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں!" (حضرت ابوہریرہ نے کہا) میں نے دل میں کہا کہ میرا حال کیا ہے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق کوئی چیز دکھائی جا رہی ہے؟ میرا کیا حال ہے؟ پس میں آپ کے پاس بیٹھ گیا اور آپ وہی

فرما رہے تھے، پس مجھ میں خاموش رہنے کی طاقت نہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا مجھ پر یہ حالت چھائی رہی پھر میں نے عرض کیا: وہ کون ہیں یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں؟ آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس مال بہت زیادہ ہے سوا ان کے جنہوں نے اس مال کو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح خرچ کیا۔

(صحیح مسلم: ۹۹۰، سنن ترمذی: ۶۱۷، سنن نسائی: ۲۴۴۰، مسند احمد: ۲۰۸۴۴)

صحیح البخاری: ۶۶۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے قسم کے الفاظ ہیں ''رب کعبہ کی قسم''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے عمر بن حفص، وہ اپنے والد حفص بن غیاث النخعی الکوفی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المعرور، یہ ابن سوید الاسدی ہیں، ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی اور ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام جندب بن جنادہ الغفاری ہے۔

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ کے باب ''زکوٰۃ البقر'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قلت ما شانی'' یعنی میں نے دل میں کہا میرا کیا حال ہے؟ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا نبی ﷺ نے مجھ میں کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جو میرے زیادہ نقصان زدہ ہونے کو واجب کرتی ہے، اور یہ بھی روایت ہے: کیا میرے متعلق قرآن مجید میں کوئی حکم یا خبر نازل ہوئی ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ما شانی'' یعنی میرا کیا حال ہے اور میرا کیا معاملہ ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''اِلّا من قال ھکذا وھکذا وھکذا'' یعنی جس شخص نے اپنے مال کو بے دریغ مستحقین میں دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے خرچ کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٣٩ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ سُلَيْمَانُ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلُّهُنَّ تَأْتِي بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَلَمْ يَقُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ جَمِيعًا فَلَمْ يَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَايْمُ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: آج رات میں نوے عورتوں کے پاس جاؤں گا (یعنی ان سے جماع کروں گا) اور ان میں سے ہر عورت سے ایک گھوڑے سوار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا پیدا ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صاحب نے کہا: آپ ان شاء اللہ کہیے! پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان شاء اللہ نہیں کہا۔ پھر ان سب عورتوں کے ساتھ جماع کیا تو ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی اور اس سے ایک مرد کی ایک جانب پیدا ہوئی یعنی ناقص بچہ ہوا، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے! اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب پیدا ہونے والے اللہ کی راہ میں گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے۔

(صحیح البخاری: ۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم: ۱۶۵۴، سنن نسائی: ۳۸۳۱، مسند احمد: ۷۰۹۷)

صحیح البخاری: ۶۶۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی قسم اس طرح سے ہے کہ ''اور اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان اس کے قبضہ وقدرت میں ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے ''باب من طلب الولد للجهاد'' اور کتاب الانبیاء میں بھی گزری ہے ''باب قول اللہ تعالیٰ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ (ص: ۳۰)'' اور اس کی شرح وہاں ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں اس رات نوے عورتوں پر طواف کروں گا"۔ اس جملہ میں طواف کا لفظ جماع سے کنایہ ہے۔
اس حدیث میں نوے عورتوں کا ذکر ہے اور کتاب الانبیاء میں اور بعض روایات میں ستر عورتوں کا ذکر ہے۔
شعیب اور ابوالزناد نے نوے کہا اور یہی زیادہ صحیح ہے اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ یہ عدد کا مفہوم ہے اور صحیح مسلم میں ساٹھ کا عدد ہے اور ایک روایت میں سو کا عدد ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت سلیمان کے صاحب نے کہا" اس سے مراد فرشتہ ہے یا ان کا وزیر ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بشق رجل" یعنی آدھا بچہ پیدا ہوا اور اس پر رجل کا اطلاق مستقبل کے اعتبار سے ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے"۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے مطلع ہو کر فرمایا کیونکہ اس میں علم غیب کا بیان ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو پھر وہ سب کے سب گھوڑے سوار اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے پیدا ہوتے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

اس حدیث میں نوے بیویوں کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں ستر بیویوں کا ذکر ہے، تورات میں بھی سات سو بیویوں کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں کے متعلق تورات کی شہادت

اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگے ○ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی ○ سلیمان انہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ○ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا ○
(پرانا عہد نامہ یعنی تورات، سلاطین، باب: ۱۱، آیت ۱ تا ۴، کتاب مقدس ص ۳۴۰)
صحیح البخاری میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی نوے اور ستر بیویوں کا ذکر ہے اور تورات میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی سات سو بیویوں اور تین سو حرمیں یعنی کنیزوں کا ذکر ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوتِ مردمی کا عام مردوں سے بہت زیادہ ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت مردمی بہت قوی تھی، کیونکہ انہوں نے ایک رات میں سات سو بیویوں سے جماع کیا یا سات سو بیویوں اور تین سو کنیزوں سے جماع کیا اور ان پر ضعف طاری نہیں ہوا جب کہ وہ عبادات اور ریاضات میں بہت کوشش کرتے تھے حالانکہ عام آدمی ایسا کرنے پر عادۃً قادر نہیں ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام کے علاوہ اور کسی نبی کے متعلق ایسا منقول نہیں ہے، ہاں! ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ منقول ہے کہ آپ کو تیس (جنتی) مردوں کے

جماع کی قوت عطا کی گئی تھی اور مجاہد نے کہا: آپ کو چالیس (جنتی) مردوں کی قوت عطا کی گئی تھی اور یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سے بہت زیادہ ہے۔ اور ایک جنتی مرد سو بیویوں کے ساتھ جماع کرے گا، سو اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چار ہزار ازواج سے جماع کی طاقت عطا کی گئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ مردمی کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت سے بہت زیادہ ہونا

اور صحیح البخاری کی ایک حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن کی ایک ساعت میں اپنی تمام ازواج سے جماع کرتے اور آپ کی ازواج اس وقت گیارہ تھیں۔ قتادہ نے کہا: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طاقت رکھتے تھے، انہوں نے کہا: ہم یہ بیان کرتے تھے کہ آپ کو تیس (جنتی) مردوں کی قوت عطا کی گئی ہے، (اور ابونعیم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی)۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو چار ہزار مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔ سعید نے کہا از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔ (صحیح البخاری: ۲۶۸، مسند احمد: ۱۳۶۹۵)

مستشرقین کے اس اعتراض کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج کا ہونا اس کو مستلزم ہے کہ آپ کثیر الشہوت تھے

بعض مستشرقین یعنی یہودی اور عیسائی علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر طعن کرتے ہیں کہ آپ نے عورتوں سے عقدِ ازدواج کیا اور بیک وقت آپ کے حبالہ عقد میں نو ازواج تھیں اور آپ ایک رات میں نو ازواج سے جماع کرتے تھے اور یہ کہتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ کثیر الشہوت تھے اور یہ یہودی علماء تورات کو مانتے ہیں اور تورات میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حبالہ عقد میں سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں تو ایک ہزار عورتوں کے ساتھ جماع کرنا ان کے نزدیک کثرتِ شہوت کو مستلزم نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں صرف بیک وقت نو ازواج رہیں تو اس پر یہ لوگ طعن کرتے ہیں۔

نیز اس پر غور کرنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس (۲۵) سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور وہ بیوہ خاتون تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں وہ پچیس سال تک رہیں اور ان کی حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اور نکاح نہیں کیا گویا پچاس سال کی عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں صرف ایک بیوہ خاتون رہیں اور آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی سوا حضرت ابراہیم کے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ انسان میں غلبہ شہوت کا زمانہ زیادہ سے زیادہ پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے اور اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں صرف ایک خاتون تھیں، ان کے بعد آپ نے پہلے حضرت سودہ سے نکاح کیا وہ بھی بیوہ خاتون تھیں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ واحد کنواری خاتون آپ کے نکاح میں تھیں جن کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہجرت کے ایک سال بعد ہوئی، اس کے بعد آپ نے اور ازواج سے نکاح کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ ازواج کی حکمتیں

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس سال کی عمر کے بعد جو دس نکاح کیے وہ شہوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نہ تھے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آپ نے جن خواتین سے نکاح کیا وہ سب یا بیوہ تھیں یا مطلقہ تھیں، سو آپ کا ان سے نکاح کرنا دیگر مقاصد کے لیے تھا، ان میں سے ایک مقصد تبلیغ کی راہ ہموار کرنا ہے، کیونکہ جن خواتین سے آپ نے نکاح کیا ان سے خاندانی تعلقات قائم ہو گئے اور تبلیغ کی راہ میں آسانی ہو گئی، نیز مردوں میں آپ کی احادیث کو یاد کرنے والے بہت زیادہ افراد تھے اور آپ عورتوں کے مسائل کی بھی تعلیم دیتے تھے اور خانگی معاملات میں بھی ہدایت دیتے تھے، سو ان احادیث کو یاد کرنے والی بھی زیادہ عورتیں ہونی چاہئیں تا کہ اگر ایک عورت کو حدیث یاد نہ رہے تو دوسری عورت اس حدیث کو یاد کر لے، نیز آپ نے جن خواتین سے نکاح کیا وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں اور ہر قبیلہ کی یہ خواہش تھی کہ اس کی کوئی عورت آپ کے نکاح میں ہو اور آپ کے نکاح کی وجہ سے اس کو شرف اور فضیلت حاصل ہو، نیز بعض عورتوں کے خاوند کسی جہاد میں شہید ہو گئے تو آپ نے اس کی تلافی اور ان کی دل جوئی کے لیے ان سے نکاح کر لیا۔ لہٰذا آپ نے جو گیارہ عورتوں سے نکاح کیا اور ایک وقت میں نَو عورتیں آپ کے نکاح میں رہیں، یہ کسی وجہ سے بھی اس اعتراض کا موجب نہیں ہے کہ آپ میں العیاذ باللہ شہوت کا تقاضا زیادہ تھا جس کو پورا کرنے کے لیے آپ نے کثیر نکاح کیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج کی مزید حکمتیں

(۱) آپ کے زیادہ نکاح پچاس سال کی عمر سے انسٹھ سال کی عمر کے درمیان ہوئے، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آپ نے شہوانی تسکین کی وجہ سے زیادہ نکاح کیے۔

(۲) جس خاندان میں نکاح کیا جائے، اس خاندان سے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور ملنے جلنے کے زیادہ مواقع پیدا ہوتے ہیں اور ربط وضبط بڑھتا ہے، سو جن خاندانوں میں آپ نے نکاح کیے ان میں تبلیغ اسلام کے اسباب اور مواقع پیدا ہو گئے، ان لوگوں کو آپ کی پاکیزہ سیرت اور اسلام کی حقانیت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور وہ لوگ مائل بہ اسلام ہو گئے۔

(۳) آپ کی خارجی زندگی دیکھ کر آپ کے معمولات کی روایت کرنے والے مردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی تو چاہیے تھا کہ آپ کی خانگی اور نجی زندگی دیکھنے والی خواتین کی بھی زیادہ تعداد ہوتی، تا کہ وہ آپ کے گھریلو معمولات کی روایت کر سکیں۔

(۴) آپ نے زیادہ نکاح تعلیمی مقاصد سے کیے، کیونکہ عورتوں کے مخصوص مسائل مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور امور زوجیت کو خواتین ہی بیان کر سکتی تھیں۔

(۵) آپ نے تشریعی مقاصد سے بھی نکاح کیے، عربوں میں مشہور تھا کہ منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹے کے حکم میں ہوتا ہے اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، جب انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو آپ نے ۳ھ یا ۵ھ میں حضرت زینب سے نکاح کر کے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۶) آپ نے بعض نکاح اپنے وفادار احباب کو ان کی وفاداری کا صلہ دینے کے لیے کیے، جیسے آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادیوں، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما سے نکاح کیے۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت سے ۳ سال پہلے نکاح کیا۔ الاصابہ ج ۸ ص ۲۳۲، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ الاصابہ ج ۸ ص ۸۷)

(۷) حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ نے آپ کا نکاح آپ کی اجازت سے ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کر دیا، اس نکاح سے آپ نے عملاً یہ مسئلہ بتا دیا کہ کسی شخص کا وکیل بھی اس کا نکاح کر سکتا ہے، اس وقت آپ مدینہ میں تشریف فرما تھے، اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حبشہ میں سکونت پذیر تھیں، آپ نے ایک مکتوب کے ذریعہ اجازت دی تھی۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت) سو اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر لڑکا مثلاً انگلینڈ میں ہو اور لڑکی پاکستان میں ہو اور لڑکا خط یا ٹیلیفون کے ذریعہ کسی کو پاکستان میں اپنا وکیل بنا دے تو وہ وکیل اس کا نکاح کر دے گا اور لڑکی رخصت ہو کر انگلینڈ چلی جائے گی۔

(۸) بعض نکاح آپ نے کسی فتنہ کو زائل کرنے کے لیے کیے، ۷ھ میں خیبر کے مالِ غنیمت کے متعلق حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ میں ایک کنیز لے لوں؟ آپ نے اجازت دے دی، انہوں نے حضرت صفیہ بنت حُیی رضی اللہ عنہا کو لے لیا جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی سردار تھیں، اس سے صحابہ میں اشتعال پیدا ہوا کہ یہ خاتون تو اپنی خاندانی عظمت کی بناء پر صرف آپ کے لائق تھیں، آپ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم کوئی اور باندی لے لو اور فتنہ کو زائل کرنے کے لیے آپ نے ان سے نکاح کر لیا، یہ مطلقہ خاتون تھیں۔ (صحیح البخاری: ۳۷۱ ملخصاً، الاصابہ ج ۸ ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۹) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کی خاطر اور ان کی درخواست پر ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ سے نکاح کیا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا معمر بیوہ تھیں، ان کا کوئی سہارا نہیں تھا، اس لیے آپ نے ان سے نکاح کر لیا، یہ آخری خاتون ہیں جن سے آپ نے نکاح کیا۔ (اسد الغابہ ج ۷ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۰) ۵ یا ۶ھ میں بنو المصطلق کے لوگ جہاد میں شکست کھا کر اسیر اور غلام ہو گئے تھے، یہ لوگ اسلام کے دشمن تھے اور جہاد میں شکست کھا چکے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کیا اور ان کے سردار کی بیٹی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا زرِ مکاتبت ادا کر کے ان سے نکاح کر لیا، اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اس نکاح کی برکت سے آپ نے بنو المصطلق کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۷۲۔ ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ایک جہاد میں زخمی ہونے کے بعد فوت ہو گئے، انہوں نے ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑے تھے، ان کا کوئی کفیل نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی کفالت کرنے کے لیے ۳ یا ۴ھ میں ان سے نکاح کر لیا۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۲) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت طفیل رضی اللہ عنہ تھے، ان کی وفات کے بعد ان کا نکاح حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے ہوا جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، اس کے بعد ان کا نکاح حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا، وہ بھی غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کے پے در پے صدمات کی دادرسی کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ ۳ھ میں جب آپ نے ان سے نکاح کیا اس وقت حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی عمر تقریباً ۳۰ سال تھی اور وہ

آپ کی حیات میں ہی ۲ یا ۳ ماہ بعد رحلت فرما گئیں۔ (الاصابہ ج ۸ ص ۱۵۷، طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۹۲)

(۱۳) حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے فوت ہونے کے بعد بے سہارا ہو گئیں اور وہ اس وقت کافی معمر تھیں، اس عمر میں ان سے کون نکاح کرتا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا سہارا بنے اور آپ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ کثرت نکاح کیے تا کہ ازواجِ مطہرات آپ کے احوالِ باطنہ کا مشاہدہ کریں اور مشرکین کے اس زعم کی نفی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ اللہ ساحر یا کاہن ہیں۔

(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تھا، ان کی زندگی میں اپنی امت کے لیے شوہر کا نمونہ نہیں ہے، باپ کا نمونہ نہیں ہے، بیوی اور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا نمونہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد بیوہ، مطلقہ اور ایک کنواری خاتون کے ساتھ نکاح کیا، ان کے درمیان عدل و انصاف کیا، ان کے حقوق ادا کیے، اس میں امت کے لیے شوہر کا نمونہ ہے، آپ کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہوئیں، آپ نے ان کی پرورش کی، تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں آپ کی زندگی میں رحلت فرما گئے، آپ نے ان پر صبر کیا، دو بیویوں کی وفات پر صبر کیا، ان کی تجہیز و تکفین کی، چار صاحبزادیوں کے نکاح کیے، ان سب کاموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کے لیے عظیم اور ہمہ گیر نمونہ ہے۔

(۱۶) عام طور پر لوگ غیر خاندان اور غیر کفو میں نکاح کو باعثِ عار سمجھتے ہیں، آپ نے اپنی دو ہاشمی صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ سے کر کے انسانیت کا پرچم بلند کیا اور امت کے لیے غیر کفو میں نکاح کرنے کا عملی نمونہ فراہم کیا۔

(۱۷) جن خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیے ان کو دنیا میں عزت ملی، وہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آخرت میں وہ ازواجِ مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنت میں آپ کے درجہ میں ہوں گی، سو تعددِ ازواج سے متعدد خواتین کو دنیا اور آخرت میں عزت ملی اور شرف حاصل ہوا۔

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ باطنہ پر صرف آپ کی ازواجِ مطہرات ہی مطلع ہو سکتی تھیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب ان کے والد ابوسفیان (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) آپ سے سخت عداوت رکھتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت نکاح کیا جب غزوۂ خیبر میں ان کے والد اور ان کے چچا اور ان کے خاوند قتل کیے جا چکے تھے، پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ کامل اخلاق کے مالک نہ ہوتے تو یہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متنفر ہوتیں، اس کے برعکس ہوا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے نزدیک ان کے تمام خاندان والوں سے زیادہ محبوب تھے۔

(۱۹) کثرتِ نکاح کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار زیادہ ہوئے، جس کی وجہ سے وہ رشتہ دار بھی جہاد میں شامل ہوئے۔

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر معاملہ میں عمل کا پہلو قول سے آگے ہوتا ہے، امت کو پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، خود بہ شمول تہجد چھ نمازیں پڑھتے تھے اور چاشت اور اشراق پڑھتے تھے اور بہت نوافل پڑھتے تھے۔ امت کو مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور خود اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ امت کے لیے یہ مقرر کیا کہ ان کا ترکہ ان کے ورثاء میں تقسیم ہوگا اور آپ نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو بھی ترکہ چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ امت کو چار ازواج میں عدل کرنے کا حکم دیا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نو ازواج میں عدل کر کے دکھایا، پس کروڑوں صلوٰۃ وسلام ہوں اس عظیم رسول پر جس نے گیارہ نکاح کر کے امت کے لیے ہدایت اور فوز وفلاح کی راہیں روشن کر دیں!

بعض صحابہ کا زیادہ خواتین سے اسلام میں نکاح کرنا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن الحکم انصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از رقبہ از طلحہ الیمامی از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے پوچھا: کیا تم نے نکاح کر لیا ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: تم نکاح کرو، کیونکہ اس امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جن کی زیادہ بیویاں ہوں۔

(صحیح البخاری: ۵۰۶۹، صحیح مسلم: ۱۹۲۹)

اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ قید لگائی ہے کہ اس امت میں سب سے افضل وہ ہوگا جس کی سب سے زیادہ بیویاں ہوں گی اور اس امت کی قید اس لیے ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ازواج تھیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کی ایک ہزار بیویاں تھیں جن میں سے تین سو آزاد عورتیں تھیں اور سات سو باندیاں تھیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تو صرف دو نکاح کیے پس بعد میں جنہوں نے زیادہ نکاح کیے تو وہ حضرت ابوبکر سے افضل ہو جائیں گے، کیونکہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اسلام میں تین سو عورتوں سے نکاح کیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا۔ لیکن اس سے ان کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر افضلیت لازم نہیں آتی، کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے مطلقاً افضل ہیں اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت جزوی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علی الاطلاق فضیلت کے منافی نہیں ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۸ ص ۴۲۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عبداللہ بن باز حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ نے لکھا ہے:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، کی بہت ازواج تھیں تاکہ وہ اپنے نفسوں کو پاک باز رکھیں اور کثرتِ اولاد کو حاصل کریں یا زیادہ خواتین کو شرف زوجیت عطا کریں، ان کا مقصد عیاشی اور محض قضاء شہوت نہیں تھا۔

(شرح صحیح البخاری لابن العثیمین ج ۴ ص ۲۱۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۴۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أُهْدِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ سَرَقَةٌ مِنْ حَرِيرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَدَاوَلُونَهَا بَيْنَهُمْ وَيَعْجَبُونَ مِنْ حُسْنِهَا وَلِينِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَتَعْجَبُونَ مِنْهَا قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالاحوص نے حدیث بیان کی از ابواسحاق از حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشم کا ایک کپڑا ہدیہ کیا گیا، لوگ باری باری اس کپڑے کو اپنے ہاتھ میں لیتے تھے اور اس کی خوبصورتی اور

قَالَ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لَمَنَادِيلُ سَعْدٍ فِی الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنْهَا لَمْ يَقُلْ شُعْبَةُ وَإِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِی إِسْحَاقَ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ۔

ملائمت پر تعجب کرتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو، صحابہ نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! سعد کے رومال جنت میں اس سے زیادہ اچھے ہیں۔ شعبہ اور اسرائیل نے یہ نہیں کہا از ابی اسحاق اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۹، ۳۸۰۲، ۵۸۳۶، ۶۶۴۰، صحیح مسلم: ۲۴۶۸، سنن ترمذی: ۳۸۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷، مسند احمد: ۱۸۰۷۳)

صحیح البخاری: ۶۶۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قسم کھاتے تھے: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سلام ہیں، یہ الغسانی کا قول ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالاحوص کا ذکر ہے وہ سلّام ہیں، ابن سلیم الحنفی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسحاق کا ذکر ہے، وہ عمرو بن عبداللہ السبیعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''سَرَقَة'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: ریشم کا ٹکڑا۔

اس حدیث میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں جو انصار کے سردار تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے رومال بھی اس ریشم کی جنس سے تھے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس ریشم کے ٹکڑے کو چھونے والے اور خوش ہونے والے سردار تھے تو آپ نے فرمایا: تمہارے سردار کے رومال جنت میں اس سے بہتر ہیں، یا اس وجہ سے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کپڑے کی اس جنس کو پسند کرتے تھے یا اس رنگ کو پسند کرتے تھے۔

اور اس حدیث میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی عظیم منقبت ہے کہ جنت کا ادنیٰ کپڑا بھی دنیا کے بہترین کپڑے سے افضل ہوگا۔ کیونکہ رومال کو اس لیے وضع کیا گیا ہے تاکہ اس سے میل کچیل صاف کیا جائے اور منادیل کا لفظ ''مندیل'' کی جمع ہے مندیل اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ کو صاف کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد کے جنت میں رومال اس سے بہتر ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ صفت میں بہتر ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ رومال فنا نہیں ہوں گے اور دنیا کے رومال تو فنا ہو جائیں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۴۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ إِنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا كَانَ مِمَّا عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ أَخْبَاءٍ أَوْ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ أَوْ خِبَائِكَ شَكَّ يَحْيَى ثُمَّ مَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ أَهْلُ أَخْبَاءٍ أَوْ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ أَخْبَائِكَ أَوْ خِبَائِكَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ مِسِّيكٌ فَهَلْ عَلَيَّ حَرَجٌ أَنْ أُطْعِمَ مِنَ الَّذِي لَهُ قَالَ لَا إِلَّا بِالْمَعْرُوفِ۔

(صحیح مسلم: ۱۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ نے کہا: یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی خیمہ والے نہیں تھے یا کہا: کوئی خیمہ نہیں تھا جن کا ذلیل ہونا میرے نزدیک آپ کے خیمہ والوں سے یا آپ کے خیمہ سے زیادہ محبوب ہے، اس میں یحییٰ کو شک ہے، پھر آج جو اہلِ خیمہ نے صبح کی یا خیمہ نے صبح کی تو میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ آپ کے خیمہ والے یا آپ کا خیمہ سب سے زیادہ عزت والے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور نیز اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے۔۔۔انہوں نے کہا: یارسول اللہ! بے شک ابوسفیان ایک بخیل مرد ہے کیا مجھ پر کوئی حرج ہے کہ میں ان کے مال سے ان کو کھلاؤں (جو ان کے زیر پرورش ہیں؟) آپ نے فرمایا: نہیں! مگر رواج اور دستور کے مطابق۔

صحیح البخاری: ۶۶۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کا ذکر ہے کہ ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں محمد کی جان ہے''۔

اس حدیث کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ہند کا ذکر ہے، اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ منصرف ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ہند بنت عتبہ بن ربیعہ'' یہ قرشیہ ہیں اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں، یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اهل اخبائك او خبائك'' خباء، عرب کے گھروں میں سے ایک گھر ہے جو ریشم یا اون کا خیمہ ہوتا

ہے اور وہ بالوں سے بنا ہوا نہیں ہوتا۔ اس میں دو یا تین ستون ہوتے ہیں۔ اس کی جمع "اخبیۃ" آتی ہے اور "اخباء" بھی اس کی جمع خلاف قیاس آتی ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا کہ معروف یہ ہے کہ خباء کی جمع "اخبیۃ" ہے۔ کیونکہ فعال کی جمع بہت کم "افعلۃ کے وزن پر آتی ہے جیسے سقاء کی جمع اسقیۃ ہے اور مثال کی جمع امثلۃ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وایضا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب تمہاری مجھ سے محبت زیادہ ہوگی جب تمہارے دل میں ایمان جگہ پکڑ لے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے اصحاب سے تمہاری محبت زیادہ ہو جائے گی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا حتیٰ کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل سے اور اس کے مال سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو اور ایمان کے اعلیٰ درجات کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مسیك" اس کا معنی ہے: بخیل اور اس کو مسیک اس لیے فرمایا کہ اس کے ہاتھوں میں جو مال ہے اس کو وہ روک کر رکھتا ہے اور اس کو کسی کے لیے نکالتا نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا" یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے سوا اس کے کہ تم دستور کے مطابق خرچ کرو۔ یعنی تم ابوسفیان کے مال سے رواج اور دستور کے مطابق ان کی اولاد کو کھلاؤ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۸۔ ۲۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۴۲۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُضِيفٌ ظَهْرَهُ إِلَى قُبَّةٍ مِنْ أَدَمٍ يَمَانٍ إِذْ قَالَ لِأَصْحَابِهِ أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا بَلَى قَالَ أَفَلَمْ تَرْضَوْا أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوا بَلَى قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شریح بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن یوسف نے حدیث بیان کی از والد خود از ابواسحاق، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عمرو بن میمون سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمنی چمڑہ کے ایک خیمہ کی طرف اپنی ٹیک لگائے ہوئے تھے، اس وقت آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ تم اہل جنت کے چوتھائی ہو جاؤ، صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کے تہائی ہو جاؤ، صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: پس اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے! مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کے نصف ہو گے۔

(صحیح البخاری:۶۵۲۸،۶۶۴۲،صحیح مسلم:۲۲۱،سنن ترمذی:۲۵۴۷،سنن ابن ماجہ:۴۲۸۳،مسند احمد:۳۶۵۳)

صحیح البخاری:۶۶۴۲،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح قسم کھائی ''پس اس ذات کی قسم کہ محمد کی جان جس کے قبضہ وقدرت میں ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن عثمان، یہ ابن حکیم الاودی الکوفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شریح بن مسلمہ، (میم اور لام دونوں پر زبر) یہ الکوفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ ابن یوسف ہیں وہ اپنے والد یوسف بن اسحاق بن ابی اسحاق سے روایت کرتے ہیں۔اور یوسف اپنے دادا ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی سے روایت کرتے ہیں۔اور عمرو بن میمون وہ ہیں جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اسلام کو پایا اور یہ تابعی ہیں۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الرقاق باب ''کیف الحشر'' میں گزر چکی ہے۔وہاں اس حدیث کی روایت از محمد بن بشار از غندر از شعبہ از ابی اسحاق از عمرو بن میمون کی تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مضیف'' اس کا معنی ہے کہ آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یمان'' اس کی اصل ہے یمنی، دو یاؤں میں سے ایک یاء کو نون پر مقدم کیا اور یاء کو الف سے بدل دیا تو یہ قاض کی مثل ہو گیا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶۹۔۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَجُلًا سَمِعَ رَجُلًا يَقْرَأُ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ يُرَدِّدُهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ وَكَأَنَّ الرَّجُلَ يَتَقَالُّهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهَا لَتَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الرحمٰن از والد خود از حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے دوسرے مرد سے سنا جو ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ'' (الاخلاص:۱) کو بار بار دہرا رہا تھا، پس جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے اس بات کا ذکر کیا، اور گویا کہ وہ مرد اس کو کم درجہ کا شمار کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۰۱۳، ۶۶۴۳، ۷۳۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۶۱، سنن نسائی: ۹۹۵، مسند احمد: ۱۰۹۱۳، موطا امام مالک: ۴۸۳)

صحیح البخاری: ۶۶۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کا ذکر ہے ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبدالرحمن، یہ ابن صعصعہ الانصاری ہیں۔

یہ حدیث فضائل قرآن میں از عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرددھا'' اس کا معنی ہے: وہ اس کی تکرار کر رہے تھے یعنی بار بار پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یتقالھا'' یعنی وہ اس کی تکرار کو کم شمار کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یہ تہائی قرآن کے برابر ہے'' کیونکہ پورا قرآن یا مبدأ سے متعلق ہے یا معاش کے ساتھ متعلق ہے یا معاد کے ساتھ متعلق ہے۔ تو گویا ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾'' اس کا تیسرا حصہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قرآن مجید کے مضامین کی تین قسمیں ہیں، اس میں قصص اور احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور سورۃ الاخلاص میں خالص اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں تو یہ گویا قرآن مجید کا تیسرا حصہ ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سورت کا پڑھنا تہائی قرآن کے کیسے برابر ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تہائی قرآن کے پڑھنے کی مشقت اس سورت کے پڑھنے سے بہت زیادہ ہے اور مسلمان کو اجر اس کی مشقت کے اعتبار سے ملتا ہے۔

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس سورت کے پڑھنے سے تہائی قرآن کا ثواب ہوگا لیکن تہائی قرآن کا اجر دس گنا زیادہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ اجر مشقت کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ اجر اللہ تعالیٰ کے فضل کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے اور اس سورت کے پڑھنے کا اجر جو تہائی قرآن کے برابر ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہے اور نیز اس میں اس سورت کی فضیلت کے اوپر بھی تنبیہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۶۴۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ سورہ اخلاص پڑھنے کا اجر تہائی قرآن کی تلاوت کے اجر کے برابر ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ سورہ اخلاص بذاتہا باقی قرآن سے افضل ہے۔

بعض اصولیین نے کہا ہے کہ سورۂ اخلاص کی فضیلت ہے اور قرآن کی بعض سورتیں دوسری بعض سورتوں سے زیادہ بلیغ ہیں اور بعض سورتوں میں ایسی بلاغت ہے اور ایسی براعت ہے اور حسنِ نظم ہے اور عمدہ ترتیب ہے جو دوسری سورتوں میں نہیں ہے۔ اور بعض سورتوں کی تلاوت کا ثواب دوسری بعض سورتوں کی تلاوت سے زیادہ افضل ہے جیسا کہ ان سورتوں کے ثواب کے متعلق شریعت میں وارد ہوا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ سورت یعنی سورہ اخلاص اس لیے افضل ہے کہ یہ صرف توحید پر مشتمل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ تہائی قرآن کے برابر اس لیے ہے کہ قرآن مجید اخلاص، استقامت اور قصص پر مشتمل ہے اور یہ سورت اخلاص پر مشتمل ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید، قصص، احکام اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف پر مشتمل ہے اور یہ سورت اللہ تعالیٰ کے اوصاف پر مشتمل ہے اس لیے یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۴۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۶۴۴ - حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَتِمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا مَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا مَا سَجَدْتُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم لوگ پورا پورا رکوع اور سجدہ کرو، پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! بے شک میں ضرور تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں جب تم رکوع کرتے ہو اور جب تم سجدہ کرتے ہو''۔

(صحیح البخاری: ۴۱۹، ۷۴۲، ۶۶۴۴، صحیح مسلم: ۴۲۵، سنن نسائی: ۸۱۳، مسند احمد: ۱۲۹۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ کی اس قسم کا ذکر ہے ''پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے اسحاق، امام نسائی نے کہا: شاید یہ ابن منصور ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حبان، (حاء پر زبر ہے اور باء پر تشدید ہے) یہ ابن ہلال الباہلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، وہ ابن یحییٰ ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں اور یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک میں تم کو ضرور دیکھتا ہوں"۔

اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ آپ پیٹھ کے پیچھے سے کس طرح دیکھتے تھے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ رویت یعنی دیکھنا ایسا امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے اور اس میں عقلاً یہ شرط نہیں ہے کہ وہی چیز دکھائی دے جو بالقابل ہو اور سامنے ہو حتیٰ کہ اشاعرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ اندھا آدمی چین کی سرزمین کو دیکھ لے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ پیٹھ کے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح سامنے دیکھتے تھے اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء دیوبند کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا نہیں ہوتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔

اور اس پر یہ اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے کہ بعض اوقات آپ کو کسی بات کا پتا نہیں چلتا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دیکھنا اور تمام چیزوں کا علم ہونا یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطا سے ہے، جب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے تو آپ کو علم ہو جاتا ہے، آپ دیکھیں کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کا علم نہیں ہوا، اور جب ان کے بھائی مصر سے ان کا کرتا لے کر چلے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ تو دراصل انبیاء علیہم السلام کے تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی عطاء کے تابع ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۴۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم مَعَهَا أَوْلَادٌ لَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَأَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ قَالَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ہشام بن زید از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان کے ساتھ ان کی اولاد بھی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸۶، ۵۲۳۴، ۶۶۴۵، صحیح مسلم: ۲۵۰۹، مسند احمد: ۱۱۸۹۶)

صحیح البخاری: ۶۶۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت بھی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کا ذکر ہے: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، یہ اسحاق بن راہویہ ہیں۔ اور ہشام بن زید کا ذکر ہے جو ابن انس بن مالک الانصاری البصری ہیں، وہ اپنے دادا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث انصار کی فضیلت میں یعقوب بن ابراہیم کی روایت سے گزر چکی ہے اور کتاب النکاح میں از بندار از غندر گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''بے شک تم لوگ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو''۔ اس حدیث میں اس خاتون کی جنس سے خطاب ہے اور اس کی اولاد سے خطاب ہے یعنی انصار سے۔

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ انصار مہاجرین سے بالعموم افضل ہیں اور مہاجرین کے عموم میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی داخل ہیں۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ عام مخصوص ہے، اس کی تخصیص ان دلائل سے کی گئی ہے جو اس حدیث سے خارج ہیں۔ علاوہ ازیں علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر عام میں کوئی نہ کوئی تخصیص ہوتی ہے، تو اس حدیث کے عموم سے مہاجرین اور خصوصاً حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما خارج ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ — اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''تم اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ''۔ مثلاً کوئی شخص یہ قسم نہ کھائے کہ میرے باپ کی قسم! میں ایسا کام کروں گا یا میرے باپ کی قسم! میں یہ کام نہیں کروں گا۔

۶۶۴۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَهُوَ يَسِيرُ فِي رَكْبٍ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ فَقَالَ أَلَا إِنَّ اللهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اس حال میں پایا کہ وہ سواروں کے ساتھ جارہے تھے اور اپنے باپ کی قسم کھارہے تھے تو آپ

لیَصْمُتْ۔ نے فرمایا: سنو! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے آباء کی قسم کھاؤ، جو شخص بھی قسم کھانے والا ہو، سو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔

(صحیح البخاری: ۶۱۰۸، ۶۶۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۴۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۴، سنن نسائی: ۳۷۶۷، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۴، مسند احمد: ۴۵۰۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۷، سنن دارمی: ۲۳۴۱)

صحیح البخاری: ۶۶۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان بعینہٖ اس حدیث کا جزو ہے۔

اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں کہ ''جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں جا رہا تھا تو میں نے کہا: ''لا وابی'' یعنی نہیں میرے باپ کی قسم! تو ایک شخص نے مجھے پیچھے سے آواز دی اور کہا: اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

اور امام ابن شیبہ نے از عکرمہ از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: پس میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پس آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک مسیح کی قسم کھاتا اور مسیح تمہارے آباء سے بہتر تھے تو وہ ہلاک ہو جاتا۔

اور سعید بن عبیدہ کی روایت میں ہے کہ آباء کی قسم کھانا شرک ہے۔

اور امام ابن المنذر کی روایت میں ہے ''نہ تم اپنی ماؤں کی قسم کھاؤ اور نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی قسم صرف اس وقت کھاؤ جب تم سچے ہو''۔

اور امام ابن ابی عاصم نے کتاب الایمان والنذور میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے: ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا یا کفر کیا''۔

اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانے کی ممانعت کی حکمت

باپ دادا کی قسم کھانے سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ قسم کا تقاضا ہے کہ جس کی قسم کھائی جائے اس کی تعظیم ہو اور حقیقت میں ہر قسم کی تعظیم اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے، پس اس تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے کوئی مشابہ نہیں ہے، اسی طرح باپ دادا کے غیر کی قسم کھانے کی ممانعت کی بھی یہی حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے اس کی توجیہ

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ (الصافات: ۱) صف باندھے ہوئے ان فرشتوں کی جماعتوں کی قسم جو صف

باندھتی ہیں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالطُّوْرِ ۝ (الطور:۱)
اور (پہاڑ) طور کی قسم O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۝ (الطارق:۱)
آسمان کی قسم اور رات کو طلوع ہونے والے (ستارے) کی O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ (التین:۱)
انجیر اور زیتون کی قسم O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝ (العادیات:۱۔۲)
ان گھوڑوں کی قسم جو بہت تیز دوڑتے ہیں ہانپتے ہوئے O پتھر پر سم مار کر چنگاریاں اڑاتے ہیں O

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل مالک ہے اور وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھائے، تاکہ جس کی قسم کھائی ہے اس کی فضیلت کے اوپر متنبہ فرمائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''وَالطُّوْرِ'' فرمایا اور اس کی تقدیر یہ ہے ''ورب الطور'' یعنی پہاڑ طور کے رب کی قسم، یا ''رب السماء'' آسمان کے رب کی قسم۔ تو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی قسم نہیں کھائی بلکہ خود اپنی ذات کی قسم کھائی۔

اگر کسی شخص نے ''رب النجم'' یا ''رب السمآء'' کی تاویل سے ستارہ یا آسمان کی قسم کھائی تو وہ شرعاً قسم نہیں ہوگی

امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ، لکھتے ہیں:

کسی شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، نہ ان اقسام کے ساتھ نہ ان کے علاوہ دوسری اقسام کے ساتھ، کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کے اوپر دوسرے شخص کے حق کے لیے قسم واجب ہوگئی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ صرف اللہ عزوجل کی قسم کھائے اور اگر اس نے ''نجم'' اور ''السماء'' کی قسم کھائی اور یہ کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے ''رب النجم'' کا یا ''رب السمآء'' کا تو علماء کے نزدیک یہ شرعاً قسم نہیں ہوگی۔

اور امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے از ابن ابی ملیکہ روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سنا کہ میں کعبہ کی قسم کھا رہا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر تم نے پھر کعبہ کی قسم کھائی تو میں تم کو سزا دوں گا۔

مصحف کی قسم کھانے اور بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اور قتادہ نے کہا: مصحف کی قسم کھانا اور غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھانا اور بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھانا مکروہ ہے۔

اور امام ابو عمر بن عبد البر نے کہا کہ اگر کسی نے بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائی یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی بایں طور کہ اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میرا غلام آزاد یا میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی کو طلاق، تو یہ محققین علماء کے نزدیک قسم نہیں ہے۔ اور یہ صرف طلاقِ معلق ہے یا غلام کے آزاد کرنے کو معلق کیا ہے۔ اور یہ کلام بر بناء وسعت اور مجاز ہے اور حقیقت میں قسم نہیں ہے، حقیقت میں قسم صرف اللہ عزوجل کے نام سے ہے۔

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ، نے کہا ہے:

اگر کسی شخص نے قرآن عظیم کی قسم کھائی تو اس میں اختلاف ہے اور وہ حانث ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے: ہر آیت کے بدلہ میں قسم ہے اور یہی حسن بصری کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: اس قسم کو توڑنے سے اس پر کفارہ نہیں ہوگا۔

اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے کہا ہے: جس نے رحمٰن کی قسم کھائی، سو وہ حانث ہو جائے گا۔ اگر اس نے رحمٰن سے اللہ عزوجل کی ذات کا ارادہ کیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ اور اگر اس نے الرحمٰن سے سورۃ الرحمٰن کا ارادہ کیا ہے تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہے۔

اور امام اوزاعی اور ربیعہ نے کہا کہ جب کسی شخص نے کہا: میں شہادت دیتا ہوں کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، پھر اس نے وہ کام کر لیا تو یہ قسم ہے۔ پس اگر اس نے کہا: میں نے قسم کھائی اور واقع میں قسم نہیں کھائی تو حسن بصری اور نخعی نے کہا: اس پر قسم لازم ہے۔ اور حماد بن ابی سلیمان نے کہا کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور ابوثور نے کہا کہ جب کسی شخص نے کہا: مجھ پر قسم ہے اور اس نے قسم نہیں کھائی تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اصحاب الرائے (فقہاء احناف) نے کہا: یہ قسم ہے۔

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی ہے، اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اگر کسی شخص نے یہ کہا کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ یہودی ہے یا نصرانی ہے یا مجوسی ہے، تو امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوعبید اور ابوثور نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے۔ اور طاؤس اور حسن بصری اور شعبی اور نخعی، الثوری، الاوزاعی اور فقہاء احناف نے کہا: اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے جب اس نے ان الفاظ سے قسم کا ارادہ کیا۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ ایک مرد نے اپنے اوپر بددعا دی کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ رسوا ہو جائے یا ہلاک ہو جائے یا اس کے ہاتھ کٹ جائیں۔ عطاء نے کہا: اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے اور یہی ثور اور ابوعبید کا قول ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔ اور طاؤس نے کہا: اس پر قسم کا کفارہ ہے اور یہی اللیث کا قول ہے۔ اور امام اوزاعی نے کہا: جب کسی شخص نے کہا کہ اگر اس نے فلاں کام نہیں کیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، پھر اس نے وہ کام نہیں کیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۱۔ ۲۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غیر اللہ کی قسم کھانے کے متعلق مذاہب فقہاء

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قسم اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، لیکن فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات اور اس کی بلند صفات کے ساتھ منعقد ہوتی ہے اور بعض دوسری صفات کے ساتھ قسم کے منعقد ہونے میں اختلاف ہے اور یہ جو کہا ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ قسم منعقد ہوتی ہے اس سے مراد یہ خاص الفاظ نہیں ہیں بلکہ اللہ عزوجل کی ذات ہے اور اللہ عزوجل کی ذات کے بغیر قسم کھانے کی ممانعت ثابت ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت تحریم کے لیے ہے؟ فقہاء مالکیہ کے اس کے متعلق دو قول ہیں، اسی طرح ابن دقیق العید کا قول ہے اور مشہور فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات کے بغیر قسم کھانا مکروہ ہے۔ اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک بھی اس میں اختلاف ہے لیکن ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانا حرام ہے۔ ظاہر یہ یعنی غیر مقلدین نے بھی اسی کو وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانا بالا جماع جائز نہیں ہے اور نفی جواز سے ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے، عام ازیں کہ یہ مکروہِ تحریمی ہو یا مکروہِ تنزیہی ہو، کیونکہ علامہ ابن عبد البر نے دوسرے مقام پر یہ کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے غیر کی قسم کھانا مکروہ ہے اور ممنوع ہے اور کسی شخص کے لیے اس کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ فقہاء شافعیہ کے نزدیک بھی اس میں اختلاف موجود ہے۔ امام شافعی نے کہا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا نافرمانی اور گناہ ہے، سو انہوں نے تردد کی خبر دی اور ان کے جمہور اصحاب نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اور امام الحرمین نے کہا کہ قطعی مذہب یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا مکروہ ہے۔ اور دوسروں نے اس کی تفصیل کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر قسم کھانے والے نے جس غیر اللہ کی قسم کھائی ہے اس کی تعظیم کا اعتقاد کیا تو یہ قسم کھانا مکروہ ہے اور وہ اس تعظیم کے اعتقاد سے کافر ہو جائے گا اور اسی کے مطابق حدیثِ مذکور ہے، لیکن جس غیر اللہ کی قسم کھائی ہے اگر اس کی تعظیم کا اعتقاد نہیں کیا جیسا کہ لفظ اللہ کی تعظیم کی جاتی ہے تو وہ اس قسم کھانے سے کافر نہیں ہوگا اور اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے: کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم کھائے نہ بیوی کو طلاق دینے کی قسم کھائے اور نہ غلام آزاد کرنے کی قسم کھائے اور نہ نذر مانے۔ اور اگر حاکم نے کسی شخص سے یہ کہا کہ وہ غیر اللہ کی قسم کھائے خواہ طلاق کی یا عتاق کی یا نذر کی تو اس حاکم کو معزول کرنا واجب ہے کیونکہ وہ احکامِ شرعیہ سے جاہل ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

۶۶۴۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ سَالِمٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ قَالَ عُمَرُ فَوَاللَّهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا قَالَ مُجَاهِدٌ أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ يَأْثُرُ عِلْمًا تَابَعَهُ عُقَيْلٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَإِسْحَاقُ الْكَلْبِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب، انہوں نے کہا: سالم نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! جب سے میں

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ سَمِعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عُمَرَ۔

(سنن ترمذی: ۱۵۳۳، سنن نسائی: ۳۷۶۶)

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے میں نے کبھی اپنے آباء کی قسم کھائی ہے نہ از خود قسم کھائی اور نہ کسی کی قسم کو نقل کیا۔

مجاہد نے کہا: ''اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ'' (الاحقاف: ۴) اس کا معنی ہے: ''یاثر علما'' یعنی پہلوں کی خبر دینا۔

عقیل اور زبیدی اور اسحاق کلبی نے یونس کی متابعت کی ہے از الزہری۔

اور ابن عیینہ اور معمر نے از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے سنا۔

صحیح البخاری: ۶۶۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ''۔ اور اس حدیث میں بھی آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عُفَیر (عین پر پیش ہے اور فاء پر زبر) اور وہ سعید بن کثیر بن عُفَیر ہیں جو مولی الانصاری المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں بھی روایت کی ہے از ابی الطاہر۔ اور امام ابوداؤد نے بھی کتاب الایمان میں روایت کی ہے از امام احمد بن حنبل۔ اور امام نسائی نے اس کی روایت کی ہے کتاب الایمان میں از عمرو بن عثمان۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی روایت کی ہے الکفارات میں از محمد بن یحییٰ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذاکرا'' یعنی از خود اپنی طرف سے کہتے ہوئے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا آثرا'' یعنی میں نے اپنے غیر سے نقل کرتے ہوئے بھی نہیں کہا۔

امام الطبری نے کہا ہے: اسی سے ماخوذ ہے کہ یہ حدیث فلاں سے ماثور ہے یعنی فلاں سے منقول ہے۔ اور ''الاثر'' کا معنی ہے: روایت اور دوسرے کے کلام کو نقل کرنا۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

مجاہد کا یہ قول قرآن مجید کی درج ذیل آیت کی تفسیر میں ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ (الاحقاف: ۴)

آپ کہیے: تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے، ذرا مجھے بھی دکھاؤ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں کے بنانے میں ان کا کوئی حصہ ہے، میرے پاس اس سے پہلی کوئی کتاب لاؤ یا (پہلے) علم کا کچھ بقیہ حصہ اگر تم سچے ہو O

مجاہد نے تفسیر کی ہے: یعنی اس سے پہلے کی کوئی خبر نقل کرو اور مقاتل نے کہا: یعنی انبیاء علیہم السلام سے کوئی روایت نقل کرو اور ''الاثر'' کا معنی ہے ''الروایۃ'' اور اسی وجہ سے حدیث کو اثر کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۲۔ ۲۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۴۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ قسم کا منعقد ہونا

علامہ ابن ہبیرہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ اللہ کی قسم اس کے تمام اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ منعقد ہوتی ہے مثلاً رحمٰن، رحیم، حیّ اور دیگر اسماءِ حسنیٰ کے ساتھ۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ ذاتیہ کے ساتھ بھی قسم منعقد ہوتی ہے جیسے اللہ کی عزت کی قسم اور اللہ کے جلال کی قسم۔ مگر امام ابوحنیفہ نے اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کا استثنیٰ کیا ہے اور اس کو قسم استحساناً شمار نہیں کیا۔ پس اگر کسی نے کہا ''اور اللہ کے حق کی قسم'' تو فقہاء نے کہا ہے کہ یہ قسم ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ یہ قسم نہیں ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی، امام احمد نے کہا: یہ قسم منعقد ہو جائے گی اور دیگر فقہاء نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

کافر کی قسم کا حکم

کافر کی قسم میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے کہا: یہ قسم منعقد نہیں ہوگی خواہ وہ کفر کے زمانہ میں قسم کو توڑے یا اسلام لانے کے بعد قسم کو توڑے اور اس سے کفارہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اور امام احمد نے کہا کہ اس کی قسم منعقد ہو جائے گی۔ اور دونوں صورتوں میں جب وہ قسم توڑے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اللہ کی ناراضگی کی قسم کھائی یا اللہ کے غضب کی قسم کھائی یا اللہ کی رحمت کی قسم کھائی مثلاً اس نے کہا: اگر میں نے یہ کام کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو یا اس کی ناراضگی ہو یا میں نے ایسا کام کیا تو میں زانی ہوں یا چور ہوں یا سود خور ہوں یا خمر پینے والا ہوں تو یہ قسم منعقد نہیں ہوگی اور نہ اس کا کفارہ ہے۔

قسم اور اس کے احکام کے متعلق ظاہریہ کا مذہب

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، لکھتے ہیں:

قسم صرف اللہ تعالیٰ کی منعقد ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم سے منعقد ہوتی ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کی اس لفظ سے خبر دے اور اس لفظ سے اللہ کے غیر کا ارادہ نہ کرے مثلاً کہے "مقلب القلوب کی قسم" یا کہے "زمین اور زمین کے رہنے والوں کے وارث کی قسم" اور یہ تمام لغات میں قسم ہوگی۔ یا اللہ کے علم کی قسم کھائے یا اس کی قدرت کی یا اس کی عزت کی یا اس کی قوت کی یا اس کے جلال کی۔

اور جس نے ان کے علاوہ قسم کھائی تو اس پر کفارہ نہیں ہے اور وہ گناہ گار ہوگا اور اس پر توبہ لازم ہے اور استغفار کرنا لازم ہے۔

اور جس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے ارادہ اور اس کے کرم اور اس کے حکم اور اس کی حکمت کی قسم کھائی اور باقی ان چیزوں کی قسم کھائی جن کے متعلق صریح نص وارد نہیں ہے تو ان میں سے کوئی چیز بھی قسم نہیں ہے، کیونکہ ان کے متعلق کوئی نص وارد نہیں ہے، لہٰذا ان کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

لیکن جس نے اللہ تعالیٰ کی امانت اور اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کے میثاق کی قسم کھائی یا اس کی قسم کھائی جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے عہد لیا تھا یا حق النبی کی قسم کھائی اور مصحف کی قسم کھائی اور اسلام کی اور کعبہ کی قسم کھائی اور اپنی زندگی کی قسم کھائی یا تمہاری زندگی کی قسم کھائی۔ اور اس نے قسم کھائی اور حلف اٹھایا اور کہا: میں حلف اٹھاتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں اور مجھ پر قسم ہے یا مجھ پر ہزار قسمیں ہیں یا تمام قسمیں مجھ پر لازم ہیں، پس ان میں سے کوئی بھی قسم نہیں ہے۔ اور ان کے ساتھ قسم اٹھانا معصیت ہے اور اس میں صرف توبہ اور استغفار ہے۔

اور جس نے قرآن کی قسم کھائی یا کلام اللہ کی قسم کھائی تو اگر اس نے مصحف کی نیت کی یا اس آواز کی نیت کی جو سنائی دیتی ہے یا جو کلام سینوں میں محفوظ ہے اس کی نیت کی تو یہ قسم نہیں ہے۔ اور اگر اس نے اس کی نیت نہ کی ہو بلکہ علی الاطلاق قسم کھائی ہو تو وہ قسم ہے اور اس قسم کو توڑ کر اس کا کفارہ ہے۔ (المحلی ج ۸ ص ۳۳۔۳۰)

قسم اور اس کے احکام کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کی عادت تھی کہ اپنے آباء کی اور اپنے خداؤں کی قسم کھاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے دلوں سے اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا ذکر مٹادے اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی رکھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے، پس سنت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی قسم کھائی جائے جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اور دیگر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

اور مخلوقات کی قسم اپنے باپ دادا کی قسم کھانے کے حکم میں ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک ان میں سے کوئی قسم جائز نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۹۷۔۹۶ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی قسم جائز نہیں ہے خواہ جو بھی ہو اور جس نے کہا: رب کعبہ کی قسم یا رب جبریل کی قسم یا رب آدم اور حوا کی قسم، یا اس نے کہا: عذاب اللہ کی قسم

اور اس کے ثواب کی قسم، تو اس نے ایک لغو بات کہی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات سے منع کیا ہے اس کا ارتکاب کیا اور اس پر ایسی صورت میں استغفار لازم ہے اور کفارہ نہیں ہے۔

اور الشعبی نے کہا ہے: اللہ عزوجل مالک ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی قسم کھائے، اور مخلوق کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خالق کے سوا کسی اور کی قسم کھائے۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر اس نے اللہ کی قسم کھائی، پھر اس نے قسم توڑ دی تو وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھا کر اس قسم کو پورا کرے۔

اور علامہ ابن القصار نے بھی اس کی مثل ذکر کی ہے اور اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور مطرف نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھائی تاکہ مخلوق ان پر خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کی ان میں قدرت کو پہچانے، کیونکہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی شان بہت عظیم ہے۔ اور چونکہ یہ چیزیں اپنے خالق پر دلالت کرتی ہیں۔

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص پر کسی شخص کے حق کے لیے قسم واجب ہے تو وہ اللہ کے سوا اور کسی کی قسم نہ کھائے۔ پس اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھائی اور کہا: میں نے ان چیزوں کے رب کی نیت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ قسم نہیں ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اور وہ جانتا تھا کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ گار ہوگا۔ اور انہوں نے کہا: اہلِ علم کا غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کے معنی میں اختلاف ہے۔ کیا یہ حکم تمام قسموں میں عام ہے یا بعض قسم کی قسموں کے ساتھ خاص ہے؟ پس ایک جماعت نے کہا کہ غیر اللہ کی جو قسم کھانا ممنوع ہے یہ وہ ہیں جو زمانہ جاہلیت میں لوگ غیر اللہ کی تعظیم کے لیے قسم کھاتے تھے جیسے کوئی شخص لات اور عزیٰ کی قسم کھاتا، یا اپنے باپ دادا کی قسم کھاتا، یا کعبہ کی قسم کھاتا، یا مسیح کی قسم کھاتا، یا ہر شریک کی قسم کھاتا۔ پس یہ قسمیں ممنوع ہیں اور ان میں کفارہ نہیں ہے۔

رہیں وہ قسمیں جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی طرف رجوع کرتی ہیں تو وہ ان کے علاوہ ہیں اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے حق النبی کی قسم اور اسلام کی قسم، یا کوئی شخص حج، عمرہ اور صدقہ کی قسم کھائے یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائے اور اس کے مشابہ چیزیں۔ پس یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہیں اور اس کی تعظیم سے ہیں۔ امام ابوعبید نے کہا کہ قسم کے الفاظ میں سے وہ ہیں جن کی اصل یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا ارادہ کیا جائے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے میں غلام آزاد کرنے کی قسم بھی داخل ہے اور کعبہ تک پیدل چلنے کی قسم اور قربانی کی قسم اور صدقہ کی قسم بھی داخل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۵۶۔۲۵۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۴۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۳۶، ۳، صحیح مسلم: ۱۶۴۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۴، سنن نسائی: ۳۷۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۹، مسند احمد: ۵۴۳۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۷، سنن دارمی: ۲۳۴۱)

صحیح البخاری: ۶۶۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے کیونکہ باب کے عنوان میں بھی آباء کی قسم کھانے کی ممانعت ہے اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن مسلم، یہ القسملی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن دینار، یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے باپ دادا کی اور اپنے معبودوں کی قسم کھاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ ان کے دلوں سے اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے ذکر کو مٹا دے اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر باقی رہے جو معبودِ برحق ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی قسم کھائی جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اعرابی کے متعلق فرمایا "افلح وابیه ان صدق" (اس کے باپ کی قسم! اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو یہ کامیاب ہو گیا) آپ کے اس ارشاد کی توجیہات

اس حدیث کی صحت کے متعلق طعن کیا گیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر مالکی نے کہا: یہ الفاظ محفوظ نہیں ہیں، کیونکہ اس حدیث کے راوی اسماعیل بن جعفر نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے "افلح والله ان صدق" (اللہ کی قسم یہ شخص کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ بولا)۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا: اس روایت کے یہ الفاظ اس روایت سے اولیٰ ہیں جس میں مذکور ہے "افلح وابیه" کیونکہ یہ الفاظ منکر ہیں اور آثارِ صحاح ان کو رد کرتے ہیں اور امام مالک کی روایت میں یہ الفاظ بالکل نہیں ہیں۔

اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ علامہ سہیلی نے بیان کیا ہے کہ ایک اور حدیثِ مرفوع میں یہ الفاظ ثابت ہیں، آپ نے اس شخص سے فرمایا جس نے پوچھا تھا کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا "وابيك لتنبئن" (تمہارے باپ کی قسم تمہیں ضرور خبر دی جائے گی) اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔ پس اگر یہ ثابت ہو کہ آپ نے "وابیه یا وابيك" کہہ کر اس

کے باپ کی یا تمہارے باپ کی قسم کھائی ہے تو پھر اس کے متعدد جوابات ہیں:
(۱) ''وابیہ یا وابیك'' کے الفاظ عربوں کی زبانوں پر قسم کے ارادہ اور قصد کے بغیر جاری ہوتے ہیں۔ اور ممانعت اس شخص کے متعلق وارد ہے جو قسم کی حقیقت کا قصد کرے۔ امام بیہقی نے بھی اسی جواب کی طرف میلان کیا ہے اور علامہ نووی نے کہا: یہی پسندیدہ جواب ہے۔
(۲) کلامِ عرب میں اس قسم کے الفاظ دو طریقوں سے صادر ہوتے ہیں، ایک طریقہ تعظیم کا ہے اور دوسرا طریقہ تاکید کا ہے اور ممانعت اس صورت میں ہے جب کوئی تعظیم کے قصد سے ''وابیہ یا وابیك'' کہے اور تاکید کے قصد سے وابیہ وابیك کہنا جائز ہے۔ اور اس کی مثال شاعر کے اس شعر میں ہے:

لعمر ابی الواشین انی احبھا

ضرور میرے باپ کی قسم! جو چغلی کرنے والا ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں

پس یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس شعر کے قائل نے اپنے والد کے دشمنوں کی تعظیم کا قصد کیا ہے، جیسا کہ دوسرا شخص چغل خور کے والد کی تعظیم نہیں کرتا۔

اور قاضی بیضاوی نے کہا ہے: ان الفاظ کا کلام میں صرف تقریر اور تاکید کے لیے اضافہ کیا جاتا ہے اور ان الفاظ سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا، جیسا کہ صیغۂ ندا سے محض اختصاص کا ارادہ کیا جاتا ہے اور اس سے نداء کا قصد نہیں کیا جاتا۔
(۳) اس حدیث کے ظاہر پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے ''لا وابی، لا وابی'' (نہیں، میرے باپ کی قسم) پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ حدیث پڑھی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آباء کی قسم نہ کھاؤ۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ''وابی یا وابیك'' پہلے کہنا جائز تھا پھر بعد میں منسوخ ہو گیا، اس کی الماوردی نے حکایت کی ہے اور امام بیہقی نے اس کی حکایت کی ہے اور علامہ سبکی نے کہا ہے کہ اکثر شراح کا یہی مختار ہے حتیٰ کہ علامہ ابن العربی نے کہا کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھاتے تھے ''بابیہ'' حتیٰ کہ آپ کو اس سے منع کیا گیا اور امام ابوداؤد نے جو ایک حدیث کے باب کا عنوان قائم کیا ہے وہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے، انہوں نے باب کا عنوان قائم کیا ''باب الحلف بالآباء'' پھر اس کے بعد یہ حدیث مرفوع ذکر کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''افلح وابیہ ان صدق''۔ علامہ سہیلی نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے غیر کی قسم کھاتے تھے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے بعید ہے۔

اور علامہ المنذری نے کہا: اس حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ ضعیف ہے کیونکہ ان میں تطبیق ممکن ہے اور تاریخ کا قطعی طور پر علم نہیں ہے۔
(۴) ''وابیہ'' میں ایک لفظ محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے ''افلح و رب ابیہ'' (اس کے رب کی قسم! وہ کامیاب ہو گیا)۔
(۵) یہ لفظ تعجب کے لیے ہے، علامہ سہیلی نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ''وابی'' کا لفظ وارد نہیں ہے بلکہ مخاطب یا غائب کی طرف اضافت کے ساتھ وارد ہے ''وابیہ وابیك''۔

(۶) ''افلح وابیہ'' کہنا شارع علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، آپ کی امت کے لیے جائز نہیں ہے۔
اس جواب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ خصائص احتمال کے ساتھ ثابت نہیں ہوتے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۷۔۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۶۴۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ وَبَيْنَ الْأَشْعَرِيِّينَ وُدٌّ وَإِخَاءٌ فَكُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فِيهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مِنَ الْمَوَالِي فَدَعَاهُ إِلَى الطَّعَامِ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهُ فَقَالَ قُمْ فَلَأُحَدِّثَنَّكَ عَنْ ذَاكَ إِنِّي أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ أَيْنَ النَّفَرُ الْأَشْعَرِيُّونَ فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا مَا صَنَعْنَا حَلَفَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَحْمِلُنَا وَمَا عِنْدَهُ مَا يَحْمِلُنَا ثُمَّ حَمَلَنَا تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ وَاللهِ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ فَقُلْنَا لَهُ إِنَّا أَتَيْنَاكَ لِتَحْمِلَنَا فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا وَمَا عِنْدَكَ مَا تَحْمِلُنَا فَقَالَ إِنِّي لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ وَلَكِنَّ اللهَ حَمَلَكُمْ وَاللهِ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابوقلابہ اور القاسم التیمی از زہدم بن الحارث، وہ بیان کرتے ہیں: یہ قبیلہ جو جرم سے ہے اور اشعریین کے درمیان محبت اور بھائی چارہ تھا، پس ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، ان کے پاس ایک کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا، اور ان کے پاس بنو تیم اللہ کا ایک مرد تھا جو سرخ رنگ کا تھا گویا کہ وہ الموالی میں سے تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کو کھانے کی طرف بلایا تو اس نے کہا: میں نے اس مرغی کو دیکھا یہ کوئی چیز کھا رہی تھی، سو مجھے اس سے گھن آئی، پس میں نے قسم کھائی کہ میں اس کو نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: تم کھڑے ہو میں تمہیں ضرور اس کے متعلق حدیث سناؤں گا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں حاضر ہوا، ہم آپ سے سواری طلب کر رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس کوئی سواری ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت کے اونٹ لائے گئے، تو آپ نے ہمارے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا: وہ اشعریین کی جماعت کہاں ہے؟ پس آپ نے ہمیں سفید کوہان والے پانچ اونٹوں کا حکم دیا، پس جب ہم چلے گئے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے اور آپ کے پاس کوئی سواری بھی نہیں تھی جس پر آپ ہمیں سوار کرتے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قسم سے غافل کر دیا، اللہ کی قسم! ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے، پھر ہم

آپ کی طرف لوٹے، پس ہم نے آپ سے عرض کیا: بے شک ہم آپ کے پاس آئے تھے تا کہ آپ ہم کو سوار کریں پس آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے اور نہ آپ کے پاس کوئی سواری ہے جس پر آپ ہمیں سوار کریں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں نے تم کو سوار نہیں کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو سوار کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم! میں کسی چیز کی قسم نہیں کھاؤں گا پس میں دیکھوں کہ اس قسم کا خلاف اس قسم سے بہتر ہے تو میں وہ کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث اس سے پہلے باب کے حاشیہ میں تھی اور لکھنے والے نے اس حدیث کو اس باب میں لکھ دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ علامہ کرمانی کی یہ عبارت بہت بعید ہے حالانکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حدیث بابِ سابق کے حاشیہ میں تھی پھر بھی مطابقت تو نہیں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے یہ بھی کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں دو مرتبہ قسم کھائی، پہلی مرتبہ ناراضگی سے قسم کھائی اور دوسری مرتبہ رضامندی سے قسم کھائی، اور ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حالتِ ناراضگی ہو یا حالتِ رضامندی ہو، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم کھانی چاہیے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: علامہ کرمانی نے جو یہ ذکر کیا ہے اس میں بھی اس حدیث اور اس باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''تم اپنے آباء کی قسم نہ کھاؤ'' اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی اور بابِ سابق میں جس مطابقت کا ذکر کیا ہے وہاں اس باب کا عنوان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کس طرح ہوتی تھی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو قسم کھاتے تھے تو اللہ کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ اور باب کے عنوان میں یہ نہیں ہے کہ حلف کی دو قسمیں ہیں: غضب کے وقت اور رضا کے وقت، اور دونوں حالتوں میں اللہ کے نام کے ساتھ قسم کھائی جائے۔ اور ممکن ہے کہ حدیث اور باب کے عنوان میں مطابقت کی جائے اگرچہ اس میں بعض تاویل ہے۔

امام بخاری نے باب کا عنوان قائم کیا کہ ''باپ دادا کے نام کی قسم نہ کھائی جائے'' پھر اس کے بعد اس باب میں دو حدیثیں ذکر کیں جو باب کے عنوان کے مطابق تھیں اس کے بعد اس حدیث کو ذکر کیا، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے کہ جب باپ دادا کے نام کی قسم نہ ہو تب بھی وہ قسم اللہ کے نام کے ساتھ ہونی چاہیے۔ پھر اس حدیث کو ذکر کیا، کیونکہ اس میں اللہ کی قسم دو جگہ کھائی ہے۔ جو آپ نے حالتِ غضب میں قسم کھائی تھی وہ یہ تھی کہ اللہ کی قسم! میں تم کو سواری پر سوار نہیں کروں گا اور جو حالتِ رضا میں قسم کھائی وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں جب کسی چیز کی قسم کھاؤں اور قسم کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اس قسم کا خلاف کرتا ہوں جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قتیبہ، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوہاب، یہ ابن عبدالمجید الثقفی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقلابہ، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے القاسم التمیمی، یہ ابن عاصم التیمی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زَہدم، (اس میں زاء پر زبر ہے ہاء ساکن ہے اور دال پر بھی زبر ہے) یہ ابن مُضرِّب ہیں، یہ تضریب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور یہ الجرمی الازدی البصری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان کے شروع میں گزر چکی ہے لیکن وہاں پر یہ ذکر نہیں تھا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں آیا۔۔۔ آخر حدیث تک۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من جَرْم'' (جیم پر زبر اور راء ساکن) اور عرب کے دو قبیلے ہیں، ایک قضاعہ ہے اور وہ جرم بن ربان ہے اور دوسرا طے ء ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وُدٌّ و اخاء'' ''وُدٌّ'' کا معنی ہے محبت اور ''اخاء'' کا معنی ہے بھائی چارہ، یعنی ان دونوں کے درمیان محبت اور بھائی چارہ اور یگانگت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''دجاج'' یہ دجاجۃ کی جمع ہے جو مذکر اور مونث دونوں کے لیے آتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من تیم اللہ'' یہ بکر کا ایک قبیلہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقذرتہ'' یعنی میں نے اس کو مکروہ جانا، یعنی مجھے اس سے گھن آئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رھط'' رھط سے مراد ہے انسان اور اس کے رشتہ دار اور یہ اسم جمع ہے جس کا اطلاق خصوصاً مردوں کی جماعت پر کیا جاتا ہے۔ یہ تین سے لے کر دس افراد پر بولا جاتا ہے اور اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق چالیس افراد پر ہوتا ہے جن میں عورت نہ ہو اور اس کا بھی اس لفظ سے واحد نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بنھب'' یعنی مال غنیمت۔ اس پر اعتراض ہے کہ اس سے پہلے غزوہ تبوک میں گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے خرید اتھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاید حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت میں سے جو اونٹوں کا حصہ ملا تھا، آپ نے ان کے حصہ سے ان اونٹوں کو خریدا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تغفلنا" یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غفلت سے ان اونٹوں کو طلب کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وتحللتها" یعنی میں اس قسم کا کفارہ دوں گا، اور "تحلل" کا معنی ہے: قسم کی ذمہ داری سے باہر آنا اور اس کی حرمت سے نکلنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۴۔۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: لَا يُحْلَفُ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى وَلَا بِالطَّوَاغِيتِ

لات اور عزیٰ کی قسم نہ کھائی جائے اور نہ بتوں کی قسم کھائی جائے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"لا یحلف" مجہول کا صیغہ ہے یعنی لات اور عزیٰ کی قسم نہ کھائی جائے اور نہ بتوں کی قسم کھائی جائے۔ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے "لاتحلف باللات" یہ جمع نہی حاضر کا صیغہ ہے یعنی تم "اللات" کی قسم نہ کھاؤ۔

"اللات" کی تعریف

علامہ الثعلبی نے کہا ہے کہ "اللات" کا لفظ، لفظِ اللہ سے بنایا گیا ہے اور اس کے آخر میں تاء تانیث لگادی گئی ہے جیسے مذکر کے لیے عمرو کہا جاتا ہے اور مونث کے لیے عمرۃ کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: کفارِ قریش نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے بتوں کا نام لفظ اللہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو "اللات" کی طرف پھیر دیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ شریف بتوں پر بولے جانے سے محفوظ رہے۔ اور قتادہ سے منقول ہے کہ اللات طائف کے اندر ایک چٹان تھی یا بڑا پتھر تھا۔ اور ابوزید سے منقول ہے کہ یہ مقامِ نخلہ میں ایک گھر تھا، اس گھر کی قریش عبادت کرتے تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایک مرد حجاج کے لیے ستو کو پانی میں لت پت کرتا تھا، اس کے لیے عربی میں "یلت" کا لفظ ہے، جب وہ شخص مرگیا تو مشرکین اس کی قبر پر بیٹھ گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ اور الکلبی سے منقول ہے کہ ثقیف کا ایک مرد جس کا نام حرمۃ بن تمیم تھا وہ گھی کو جبلی میں ملاتا تھا پھر اس کو لے کر ایک چٹان پر چڑھتا تھا پھر عرب اس کے پاس آتے اور اپنے ستوؤں کو اس میں لت پت کرتے، جب وہ مرد مرگیا تو ثقیف اس کو اپنے گھروں کی طرف لے گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

"العزیٰ" کی تعریف

اور "العزیٰ" میں اختلاف ہے۔ مجاہد سے منقول ہے کہ یہ غطفان کا ایک درخت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے اور یہی وہ درخت ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا انہوں نے اس درخت کو کاٹ ڈالا۔ اس درخت سے ایک جنیہ نکلی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور وہ چلا رہی تھی: ہائے افسوس! اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا ہوا تھا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس جنیہ کو قتل کر دیا۔

اور الضحاک سے منقول ہے: یہ غطفان کا ایک بت تھا جو کفارِ قریش کے لیے سعد بن ظالم الغطفانی نے رکھا تھا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مکہ میں آیا اور اس نے دیکھا کہ مکہ والے کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں تو اس نے ایک پتھر صفا سے توڑا اور ایک پتھر مروہ سے توڑا اور ان دونوں کو مقام نخلہ کی طرف منتقل کیا، پھر اس نے تین پتھر لیے اور ان پتھروں کو ایک چٹان کے ساتھ لگایا اور کہا: یہ تمہارا رب ہے اس کی عبادت کرو۔ پس لوگ ان دونوں پتھروں کے درمیان طواف کرتے تھے اور ان پتھروں کی عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کر لیا تو آپ نے ان پتھروں کو منہدم کرنے کا حکم دیا۔

اور ابن زید سے منقول ہے کہ العزیٰ طائف میں ایک گھر تھا جس کی ثقیف عبادت کرتے تھے۔

''مناۃ'' کی تعریف

اور ان کے بتوں میں سے ایک بت ''المناۃ'' تھا۔ قتادہ نے کہا: یہ خزاعہ کا بت تھا۔ اور ابن زید سے منقول ہے کہ یہ السلیل میں ایک گھر تھا جس کی بنو کعب عبادت کرتے تھے۔ اور ضحاک نے کہا: ''مناۃ'' ہذیل اور خزاعہ کا بت تھا اور اہل مکہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ اور کہا ''لات، عزیٰ اور مناۃ'' یہ پتھروں سے تراشے ہوئے بت تھے جو کعبہ کے وسط میں رکھے ہوئے تھے اور کفارِ قریش ان کی عبادت کرتے تھے۔

''الطواغیت'' کا معنی

اس حدیث کا معنی ہے: ''طواغیت'' کے ساتھ بھی قسم نہ کھائی جائے، اور ''طواغیت'' طاغوت کی جمع ہے اور یہ بت ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شیطان ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ہر گمراہی کا سر ہے۔ اور حضرت جابر اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ کاہن ہے۔ اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: ''طاغوت'' میرے نزدیک ''طغیان'' سے بنا ہے اور یہ فعلوت کے وزن پر ہے جیسا کہ جبروت، جبر سے بنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''طاغوت'' ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی کرے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرے خواہ وہ انسان ہو یا طاغی ہو یا شیطان ہو یا بت ہو۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: طاغوت کی اصل ''طغیوت'' ہے، یاء کو غین پر مقدم کیا گیا تو یہ طیغوت ہو گیا، پھر یاء کو الف سے بدل دیا گیا کیونکہ یاء متحرک ہے اور اس کا ماقبل مفتوح ہے تو طاغوت ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۵۔۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۰۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از حمید بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص نے قسم کھائی، پس اس نے اپنی قسم میں کہا: ''لات اور عزیٰ کی قسم'' تو اس کو چاہیے کہ وہ ''لا

اللہ الا اللہ'' کہے اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا آؤ میں تمہارے
ساتھ جوا کھیلتا ہوں، اس کو چاہیے کہ وہ صدقہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۴۸۶۰، ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰، صحیح مسلم: ۱۶۴۷، سنن ترمذی: ۱۵۴۵، سنن نسائی: ۳۷۷۵، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۶، مسند احمد: ۸۰۲۶)

صحیح البخاری: ۶۶۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے ''لات اور عزیٰ کی قسم نہ کھائی جائے اور بتوں کی قسم نہ کھائی جائے'' اور اس حدیث میں بھی لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیث کتاب التفسیر کی سورۃ ''والنجم'' میں گذر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو وہاں پر اسی سند اور اسی متن کے ساتھ بعینہٖ روایت کیا ہے اور یہ حدیث کتاب الادب میں از اسحاق گزر چکی ہے اور کتاب الاستئذان میں از یحییٰ بن بکیر گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا ''جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی وہ پڑھے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''، کیونکہ جب اس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اس نے صورتاً لات اور عزیٰ کی تعظیم کی، اب اس کا کفارہ اس کے سوا اور نہیں ہوسکتا کہ وہ کہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اور جس نے کہا کہ آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلتا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صدقہ دے تا کہ اس کا گناہ مٹ جائے، کیونکہ جوا کھیلنا معصیت ہے اور صدقہ معصیت کو مٹا دیتا ہے۔ اور فقہاء کے نزدیک یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۶۔ ۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا معصیت کا کفارہ ہے

آپ نے لات اور عزیٰ کی قسم کھانے والے کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ یہ اس کی معصیت کا کفارہ ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کفارہ اس وقت ہوگا جب اس نے غلطی سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی ہو۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جس نے ملتِ غیر اسلام کی قسم کھائی ہو تو وہ اسی کا مصداق ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۳، صحیح مسلم: ۱۱۰)

اس حدیث کا محمل یہ ہے: جس نے عمداً ملتِ غیر اسلام کی قسم کھائی تو وہ اسی ملت کا مصداق ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس نے غلطی سے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے سے اس کا کفارہ ہو جائے گا اور جس نے عمداً لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو اس کا اس سے کفارہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اس پر نادم ہو اور توبہ کرے اور تجدید ایمان کرے۔

لات اور عزیٰ کی قسم کھانے والے کو دوبارہ کلمہ پڑھنے کے حکم کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: زمانۂ جاہلیت میں جاہلوں کی زبان پر لات اور عزیٰ کی قسم کھانے کا معمول تھا، پس جب وہ مسلمان ہو گئے تو بعض اوقات اپنی سابقہ عادت کے مطابق ان کی زبان سے بغیر قصد اور ارادہ کے لات اور عزیٰ کی قسم کے الفاظ نکل جاتے تھے، پس جس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو گویا کہ وہ شرک کی حالت کی طرف لوٹ گیا اور غیر اللہ کی تعظیم کرنے میں ان کے مشابہ ہو گیا، پس شارع علیہ السلام نے یہ حکم دیا کہ جس کو شیطان نے بھلا دیا ہے وہ دوبارہ کلمہ پڑھ کر ایمان کی تجدید کرے، پس یہ اس کا کفارہ ہوگا کیونکہ اس کا اس کلمہ کو دوبارہ پڑھنا اللات اور العزیٰ سے براءت کی دلیل ہوگا اور ہر اس چیز سے براءت کی دلیل ہوگا جس کی اللہ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی ہے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اس کا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنا واجب ہے اور اس کے ساتھ وہ توبہ کرے اور جو اس نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی ہے اس پر نادم ہو اور یہ عزم کرے کہ وہ دوبارہ لات اور عزیٰ کی قسم نہیں کھائے گا اور غیر اللہ کی تعظیم نہیں کرے گا۔

اور امام ابواسحاق السبیعی نے از مصعب بن سعد از والد خود روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی تو میرے اصحاب نے کہا: ہمارا گمان ہے کہ تم نے یہ محض بکواس کی ہے، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہے سو میں نے لات اور عزیٰ کی قسم کھائی، آپ نے فرمایا: تم تین بار یہ پڑھو: "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دو اور شیطانِ رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو اور دوبارہ یہ نہ کہنا۔ (سنن نسائی ج ۷ ص ۸۔۷)

صحیح توبہ کی شرائط

امام طبری نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے کوئی ایسا کام کیا جو اللہ عزوجل کے نزدیک مکروہ ہے، پھر اس کے بعد ایسا عمل کیا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس کو محبوب ہے اور وہ اس کے پہلے کام کے خلاف ہے اور وہ اس پر نادم ہوا اور دوبارہ اس کا اعادہ نہیں کیا تو اس سے اس کے عمل کے گناہ کا بوجھ اتر جائے گا اور اس کی خطا کا گناہ مٹ جائے گا۔

اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر اس نے فلاں کام کیا تو وہ کافر ہو جائے گا تو اس کے لیے صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے اس قول کے اوپر نادم ہو جیسا کہ حضرت سعد اپنی قسم پر نادم ہوئے تھے اور اس کے بعد کوئی قول برحق کہے جو اس کے قولِ باطل کے خلاف ہو، اسی طرح اعضاء کے اعمال ہیں مثلاً کوئی شخص کسی گناہ پر سوار ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا اور جس برے کام کا ارادہ کیا تھا اس سے پھر جائے اور جس جگہ اس نے گناہ کا ارادہ کیا تھا وہاں اللہ تعالیٰ کی

اطاعت اور عبادت کا ارادہ کرے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے وصیت میں فرمایا: جب تم کسی گناہ کا ارادہ کرو تو اس کے بعد نیک کام کرو تا کہ وہ اس گناہ کو مٹا دے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۸، المعجم الصغیر للطبرانی ج ۱ ص ۳۲۰، رقم: ۵۳۰، شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۴۰۵، رقم: ۵۴۸)

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جوا کھیلنے کی دعوت دینے والے کے لیے جو صدقہ دینے کا حکم دیا ہے یہ استحباب پر محمول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس نے کسی گناہ کا ارادہ کیا ہو اور اس گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو تو اس پر نہ کوئی صدقہ واجب ہے نہ کوئی اور چیز واجب ہے بلکہ اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جعد ابوعثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء العطاردی نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے نیکیوں اور برائیوں کو لکھ کر مقدر کر دیا ہے، پھر ان کا بیان فرمادیا ہے، سو جس شخص نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس سے لے کر سات سو نیکیوں بلکہ اس سے بھی بڑھا کر لکھ دیتا ہے۔ اور جس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس اس کی ایک مکمل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اور اگر اس نے برائی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک برائی لکھ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۴۹۱، صحیح مسلم: ۱۳۱، مسند احمد: ۲۸۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: ''جب میرا بندہ کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو نہ لکھو حتیٰ کہ وہ اس پر عمل کرے، اگر وہ اس پر عمل کرلے تو اس کو اس کی مثل ایک گناہ لکھ لو اور اگر وہ اس گناہ کو میرے خوف کی وجہ سے ترک کر دے تو پھر اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور جب بندہ کسی نیک کام کرنے کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو، پس اگر وہ اس پر عمل کر لے تو اس کے لیے اس جیسی دس سے لے کر سات سو نیکیاں تک لکھ دو''۔ (صحیح البخاری: ۷۵۰۱، صحیح مسلم: ۱۲۹، سنن ترمذی: ۳۰۷۳، مسند احمد: ۷۰۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی روایت پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ (الرحمٰن: ۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وہ بندہ ہے جو کسی نافرمانی کا ارادہ کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس نافرمانی کو ترک کر دیتا ہے۔

یہ شرح علامہ ابن بطال کی کتاب شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۹۹۔۱۰۱ سے ماخوذ ہے۔

لفظِ طاغوت کی تحقیق

اس حدیث کے باب کے عنوان میں طاغوت کا لفظ ہے، متقدمین کا اس کے معنی میں اختلاف ہے کیا اس سے مراد شیطان ہے

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مجاہد، شعبی، قتادہ اور ایک جماعت کا قول ہے: یا اس سے مراد ساحر ہے جیسا کہ ابوالعالیہ، ابن سیرین و دیگر سے مروی ہے یا اس سے مراد کاہن ہے جیسا کہ سعید بن جبیر سے مروی ہے۔

(اس کی روایت امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔ج ۳ ص ۱۹۔۲۰)

امام طبری نے کہا: اور میرے نزدیک یہ ''فعلوت'' کا وزن ہے اور ''طغیان'' سے ماخوذ ہے جیسا کہ جبروت، جبر سے ماخوذ ہے اور خلبوت، خلب سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا مصداق ہر وہ ہے جو اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے سرکشی کرے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرے خواہ وہ سرکشی کرنے والا انسان ہو یا شیطان ہو یا بت ہو۔ (تفسیر الطبری ج ۷ ص ۲۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۶۱۔ ۲۶۴ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

لات، عزیٰ اور مناۃ کی تحقیق از مصنف

علامہ محمود بن عمر زمخشری خوارزمی متوفی ۵۳۸ھ ان اسماء کی لفظی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لات، عزیٰ اور مناۃ ان کے بتوں کے نام ہیں اور یہ مؤنثات ہیں، پس لات قبیلہ ثقیف کی دیوی کا بت ہے، اس کی طائف میں پرستش کی جاتی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی نخلہ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں پرستش کی جاتی تھی۔ ان کا زعم یہ تھا کہ اللات ایک شخص کا نام تھا جو ستو میں گھی ملا کر حجاج کو پلاتا تھا۔ (مگر از روئے قرآن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ لات کسی مرد کا نام نہیں دیوی کا نام ہے)۔

اور ''عزیٰ'' اعز کی تانیث ہے، یہ ببول کا درخت تھا۔ مقامِ نخلہ میں قبیلہ غطفان کے لوگ اس کی پرستش کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ طائف کے درمیان مقامِ نخلہ میں ببول کے تین درخت تھے ان پر گنبد بنا ہوا تھا اور چادریں چڑھی ہوئی تھیں، ان میں ایک جنیہ ظاہر ہوئی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسے مسمار کرنے کے لیے بھیجا، حضرت خالد نے یہ درخت کاٹ ڈالے اور گنبد مسمار کر دیئے اور واپس آ کر آپ کو اس کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا: تم نے کچھ نہیں کیا، دوبارہ جاؤ، حضرت خالد جب دوبارہ گئے تو وہاں کے محافظوں اور خادموں نے بہت شور وغل کیا اور یا عزیٰ، یا عزیٰ کہہ کر اس کے نام کی دہائی دی۔ حضرت خالد نے دیکھا وہاں ایک برہنہ عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے، آپ نے تلوار مار کر اس کا کام تمام کر دیا، آپ نے فرمایا: یہی عزیٰ تھی اور اب اس کی کبھی پرستش نہیں ہوگی۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۱۰۔۱۱۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۵۴۷، مسند ابویعلیٰ: ۹۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۷۷)

اور ''مناۃ'' ایک بت تھا، یہ مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قدید میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسمار کرنے کے لیے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جنہوں نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا، قبیلہ ہذیل الخزاعہ اس کی پرستش کرتے تھے، اس کو مناۃ اس لیے کہتے ہیں کہ منیٰ کے معنی قربانی کرنا ہے اور مشرکین اس کے استھان پر اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانوروں کی قربانی کرتے تھے اور اس سے بارش طلب کرتے تھے اور لات کو مسمار کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اور حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (الکشاف ملخصاً وموضحاً ومخرجاً ج ۴ ص ۴۲۴، تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۸۔۲۸۰، ملخصاً)

صحیح البخاری: ۶۶۵۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لات اور عزیٰ کی قسم کھانے والے کے شرعی حکم کے متعلق مذاہب فقہاء

جمہور فقہاء اسلام نے کہا ہے: جس شخص نے لات اور عزیٰ یا ان کے علاوہ کسی اور بت کی قسم کھائی یا یہ کہا: اگر میں نے یہ کام کیا تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا میں اسلام سے بری ہوں یا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں تو اس کی قسم منعقد نہیں ہوگی اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور مستحب یہ ہے کہ وہ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھے۔ اور فقہاء احناف سے منقول ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے سوا اس کے کہ وہ کہے: میں مبتدع ہوں یا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بری ہوں۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مظاہر پر ظہار کی وجہ سے کفارہ واجب ہے (ظہار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تمہاری پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے) جب کہ ظہار برا قول ہے اور جھوٹ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۝ (المجادلہ: ۲)

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے ظہار کو بری اور جھوٹی بات فرمایا ہے اور ''لات، مناۃ اور عزیٰ'' کی قسم کھانا یہ بھی بری اور جھوٹی بات ہے، تو جس طرح ظہار سے کفارہ واجب ہوتا ہے اسی طرح لات، مناۃ اور عزیٰ کی قسم کھانے پر بھی کفارہ واجب ہوگا۔

لیکن یہ دلیل حدیثِ مذکور سے مردود ہے، کیونکہ اس حدیث میں لات، مناۃ اور عزیٰ کی قسم کھانے پر صرف لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور اس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے اور اصل یہ ہے کہ کفارہ نہ ہو حتیٰ کہ اس پر دلیل قائم ہو۔ اور اس کا ظہار پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ فقہاءِ احناف نے لات وغیرہ کی قسم کھانے پر ظہار کا کفارہ واجب نہیں کیا اور اس میں کئی چیزوں کا استثنیٰ کیا ہے۔ اور کئی ایسی صورتیں ہیں جس میں برا قول اور جھوٹا قول ہوتا ہے اور اس میں کفارہ بالکل نہیں ہوتا۔ (مثلاً کوئی شخص کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگائے تو یہ بھی بری اور جھوٹی بات ہے اور اس میں کفارہ واجب نہیں ہے، اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں کوئی شخص کسی پر بہتان باندھے تو یہ بھی بری اور جھوٹی بات ہے اور اس پر بھی کفارہ نہیں ہے۔ وضاحت از سعیدی غفرلہٗ)

علامہ نووی، علامہ الماوردی و دیگر فقہاء نے کہا ہے: جو شخص لات، عزیٰ اور مناۃ کی قسم کھائے وہ گناہگار ہوگا اور اس پر توبہ لازم ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کلمہ توحید پڑھنے کا حکم دیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کی سزا اس گناہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے مال پر کسی تاوان کو واجب نہیں کیا اور اس کو لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا حکم دیا کیونکہ لات اور عزیٰ کی قسم کھانا کفار کے قول کے مشابہ ہے تو آپ نے اس کا حکم دیا کہ وہ اس کا تدارک کلمہ توحید پڑھ کر کرے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۱۸۔ ۷۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

٦- بَابُ: مَنْ حَلَفَ عَلَى الشَّيْءِ وَإِنْ لَمْ يُحَلَّفْ

جس نے کسی چیز کی قسم کھائی اور اس سے یہ قسم طلب نہیں کی گئی تھی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی مرد نے کسی چیز پر قسم کھائی کہ وہ اس کو کرے گا یا نہیں کرے گا "وان لم یحلف" یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی اس مرد نے قسم کھائی اور اس سے یہ قسم نہیں لی گئی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٥١- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اصْطَنَعَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَكَانَ يَلْبَسُهُ فَيَجْعَلُ فَصَّهُ فِي بَاطِنِ كَفِّهِ فَصَنَعَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ ثُمَّ إِنَّهُ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ إِنِّي كُنْتُ أَلْبَسُ هَذَا الْخَاتَمَ وَأَجْعَلُ فَصَّهُ مِنْ دَاخِلٍ فَرَمَى بِهِ ثُمَّ قَالَ وَاللهِ لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا فَنَبَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور آپ اس انگوٹھی کو پہنتے تھے اور اس کے نگینہ کو اپنی ہتھیلی کے باطن میں رکھتے تھے، سو لوگوں نے بھی انگوٹھیاں بنالیں، پھر بے شک رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے اور آپ نے اس انگوٹھی کو اتار دیا، پس آپ نے فرمایا: بے شک میں اس انگوٹھی کو پہنتا تھا اور اس کے نگینہ کو اس کے اندر رکھتا تھا، پھر آپ نے اس کو پھینک دیا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا، سو لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

(صحیح البخاری: ۵۸۶۶، ۵۸۶۷، ۵۸۷۳، ۵۸۷٦، ٦٦۵۱، ۷۲۹۸، صحیح مسلم: ۲۰۹۱، سنن ترمذی: ۱۷۴۱، سنن نسائی: ۵۲۹۳، مسند احمد: ۴۶٦۳، موطا امام مالک: ۱۷۴۳)

صحیح البخاری: ٦٦۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کسی مرد نے کسی چیز کی قسم کھائی اور اس سے اس چیز پر قسم نہیں لی گئی تھی" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے قسم کھائی کہ آپ سونے کی انگوٹھی نہیں پہنیں گے حالانکہ کسی نے بھی آپ سے اس پر قسم طلب نہیں کی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کی قسم کھانے میں حرج نہیں ہے جب انسان کسی چیز کے ترک کرنے کو پسند کرتا ہو یا کسی

کام کے کرنے کو پسند کرتا ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ قسم کھائی تھی اس کی توجیہ میں علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے کلام میں اور اپنے فتاویٰ میں تبرعاً قسم کھاتے تھے تاکہ زمانہ جاہلیت کی یہ عادت منسوخ ہو کہ لوگ زمانہ جاہلیت میں اپنے باپ دادا کی قسم کھاتے تھے اور اپنے بتوں کی قسم کھاتے تھے تو آپ نے بغیر طلب کے قسم کھائی تاکہ آپ لوگوں کو بتلائیں کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کی قسم نہیں کھانی چاہیے اور تاکہ لوگوں کی عادت پڑے اور وہ ان قسموں کو بھول جائیں جو زمانہ جاہلیت میں غیر اللہ کی قسم کھایا کرتے تھے۔

یہ حدیث کتاب اللباس میں ''باب خواتیم الذهب'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس کی روایت مسدد اور یحییٰ سے کی ہے از عبید اللہ از نافع از ابن عمر، اور اس حدیث کی روایت ''باب خاتم الفضة'' میں بھی کی ہے از یوسف بن سلمہ از عبید اللہ از نافع از ابن عمر۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نگینہ کو اپنی ہتھیلی کے باطن میں رکھتے تھے''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ اس طرح اس لیے پہنتے تھے تاکہ واضح ہو کہ آپ زینت کے لیے نہیں پہن رہے بلکہ مُہر لگانے کے لیے پہن رہے ہیں اور دیگر مصلحتوں کے لیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فرمی به'' یعنی آپ نے اس انگوٹھی کو استعمال نہیں کیا۔ اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ نے اس کو ضائع کر دیا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''والله لاالبسه ابدا'' یعنی اللہ کی قسم! میں اس انگوٹھی کو کبھی بھی نہیں پہنوں گا۔ آپ نے یہ قسم اس لیے کھائی تاکہ اس کی کراہت کی تاکید ہو یعنی لوگوں کے دلوں میں اس کی کراہت کی تاکید ہو، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ آپ نے کسی اور وجہ سے اس کو ناپسند کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: مَنْ حَلَفَ بِمِلَّةٍ سِوَى مِلَّةِ الْإِسْلَامِ

جس شخص نے ملتِ اسلام کے غیر کی قسم کھائی (اس کا شرعی حکم)

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يَنْسُبْهُ إِلَى الْكُفْرِ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللات اور ''العزیٰ'' کی قسم کھائی اس کو چاہیے کہ وہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہے اور آپ نے اس کو کفر کی طرف منسوب نہیں کیا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے دینِ اسلام کے سوا کسی اور دین کی قسم کھائی اور امام بخاری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ایسی قسم کھانے والے پر کیا شرعی حکم مرتب ہوگا۔ اور اس حکم کے لیے باب میں مذکور حدیث پر اکتفاء کر لی۔

امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی ۶۰۶ ھ، نے کہا ہے:
ملت کا معنی ہے: دین جیسے ملت الاسلام، اور یہودیت اور نصرانیت۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے: دین کا بڑا حصہ اور رسل کرام جو دین لے کر آئے اس کا مجموعہ۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

تعلیق میں جو حدیث ذکر کی ہے یہ عنقریب سندِ موصول کے ساتھ باب "لایحلف باللات والعزیٰ" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکی ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ "اللات اور العزیٰ" کی قسم کھانے والا کافر ہو جائے گا اور وہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" پڑھنے کا حکم دیا اور اس کو کفر کی طرف منسوب نہیں کیا۔
امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از مصعب بن سعد از والد خود روایت کی ہے کہ میں نے "اللات اور العزیٰ" کی قسم کھائی، پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، سو میں نے کہا: میں نے "اللات اور العزیٰ" کی قسم کھائی ہے تو آپ نے فرمایا: تم تین مرتبہ پڑھو "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوکو اور شیطانِ رجیم کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو) اور دوبارہ ایسا نہ کہنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

۶۶۵۲۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ كَمَا قَالَ قَالَ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ عُذِّبَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهِ وَمَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ، از حضرت ثابت بن الضحاک، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ملتِ اسلام کے غیر کی قسم کھائی سو وہ اسی طرح ہوگا جس طرح اس نے کہا ہے، اور جس نے اپنی جان کو کسی چیز سے قتل کیا اسے دوزخ کی آگ میں اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا، اور مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے، اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۳، ۴۱۷۱، ۴۸۴۳، ۶۰۴۷، ۶۱۰۵، ۶۶۵۲، صحیح مسلم: ۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۵۴۳، سنن نسائی: ۳۷۷۰، سنن ابوداؤد: ۳۲۵۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۹۸، مسند احمد: ۱۵۹۵۷)

صحیح البخاری: ۶۶۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان کو بعینہٖ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے اور وہ ابن خالد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو قلابہ کا ذکر ہے وہ عبداللہ بن زید ہیں۔ اور ثابت بن الضحاک کا ذکر ہے وہ انصاری ہیں اور اصحاب شجرہ میں سے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں باب ''ماجاء فی قاتل النفس'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جس نے غیر ملت اسلام کی قسم کھائی، پس وہ اسی کی مثل ہوگا جو اس نے کہا ہے''۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یعنی وہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا کافر نہیں ہوگا، کیونکہ یا تو اس نے اس ملت کا اعتقاد رکھا ہے جس ملت کی اس نے قسم کھائی ہے تو اس پر اسلام کی طرف رجوع کرنے میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ یا اس نے قسم توڑنے کے بعد بھی اسلام کا عقیدہ رکھا ہوگا تو پھر وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہے، کیونکہ یہ حدیث اس سے پہلے بھی گزر رہی ہے اور اس کو کفر کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تہدید اور وعید ہے یعنی دھمکانا اور ڈرانا ہے۔ اور علامہ ابن القصار نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی ہے: ایسے الفاظ کی موافقت سے منع کرنا اور ڈرانا، یہ مراد نہیں ہے کہ اگر اس نے ایسی قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہو جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس شخص نے اپنی جان کو کسی چیز سے قتل کیا اس کو دوزخ کی آگ میں اسی چیز سے عذاب دیا جائے گا''۔ کیونکہ یہ اس کے عمل کی جنس کی جزاء ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''اور مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے''۔ یعنی جس طرح مومن کو قتل کرنا حرام ہے اسی طرح مومن پر لعنت کرنا بھی حرام ہے۔ یا اس سے مراد ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا، کیونکہ لعنت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا جاتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے گناہ میں مبالغہ۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے'' یعنی اس کے حرام ہونے میں قتل کی مثل ہے، کیونکہ مومن کو کفر کی طرف منسوب کرنا اسے واجب کرتا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے، کیونکہ جو کسی چیز کا سبب بنتا ہے وہ اس کے فاعل کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابٌ: لَا يَقُولُ مَا شَاءَ اللهُ وَشِئْتَ وَهَلْ يَقُولُ أَنَا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ؟

کوئی شخص نہ کہے ''جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں'' اور کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے ''میں اللہ کی مدد کے سہارے ہوں پھر آپ کی مدد کے؟''

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی کوئی شخص اپنے اثنائے کلام میں اس طرح نہ کہے''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں''۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: ان دونوں لفظوں کو جمع نہ کرے یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ ذکر کرنا جائز ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ''واؤ'' کا تقاضا ہے دونوں معنی میں اشتراک ہو، یعنی اللہ کا چاہنا اور آپ کا چاہنا مشترک ہو اور یہ ادب کے خلاف ہے۔
اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مروی ہے، آپ نے فرمایا:''تم میں سے کوئی شخص ہرگز یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور جو فلاں چاہے لیکن اسے چاہیے کہ وہ یوں کہے جو اللہ چاہے پھر کہے جو فلاں چاہے''۔ اور''واؤ'' کی جگہ''ثُمَّ'' کا دخول اس لیے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا چاہنا مخلوق کے چاہنے پر مقدم ہے۔ اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (الدہر: ۳۰)
اور اللہ تعالیٰ کے چاہنے کے بغیر تم نہیں چاہ سکتے، بے شک اللہ بہت علم والا، بے حد حکمت والا ہے ۝

الدہر: ۳۰ کی تفسیر از علامہ آلوسی

قدریہ اور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے اور جبریہ یہ کہتے ہیں کہ انسان مجبورِ محض ہے اور افعال کے صدور میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔
تحقیق یہ ہے کہ نہ مطلقاً معتزلہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے، نہ مطلقاً جبریہ کا قول صحیح ہے کہ بندہ مجبورِ محض ہے بلکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے، اور بندہ کا چاہنا اور اللہ تعالیٰ کا چاہنا دونوں امر ثابت ہیں۔ علامہ کورانی نے کہا ہے کہ بندہ اپنے افعال میں مختار ہے اور اپنے اختیار میں غیر مختار ہے، یعنی بندہ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پیدا کرتا ہے لیکن وہ اپنے چاہنے میں مختار نہیں، وہ اسی فعل کو چاہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اس کو جو ثواب اور عذاب ہوتا ہے وہ اس کی نیک صلاحیت کی وجہ سے ہے یا اس کی بد صلاحیت کی وجہ سے ہے اور ہر شخص اپنی فطرت اور اپنے مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے اور سبحان ہے وہ جس نے ہر چیز کی تخلیق کی، اس کو بھلائی اور برائی کا ادراک کرایا اور پھر اس کو ہدایت دی۔

(روح المعانی ج ۲۹ ص ۲۸۷۔۲۸۸، ملخصاً و موضحاً، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی فرماتے ہیں:
اس آیت میں ادب کے اسلوب کی تعلیم دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت بندوں کی مشیت پر مقدم ہے۔
امام عبد الرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از ابراہیم نخعی روایت کرتے ہیں کہ وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ کوئی شخص کہے''جو اللہ چاہے پھر میں چاہوں'' اور امام بخاری نے جو عنوان میں کہا ہے کہ کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے''میں اللہ کی مدد کے سہارے ہوں جو آپ کا رب ہے؟'' اور اس کو سوالیہ فقرے سے ذکر کیا، کیونکہ امام بخاری کے نزدیک دو امروں میں سے کوئی ایک امر بھی ثابت نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس بات کا کہنا اور نہ کہنا دونوں جائز ہیں لیکن امام عبد الرزاق نے از ابراہیم النخعی یہ روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ''میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں اور تمہاری'' تو یہ مکروہ ہے حتیٰ کہ وہ یوں کہے''میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں پھر تمہاری'' یعنی لفظ''اور'' کی بجائے''پھر'' کہے، اور اس کا سبب وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ واؤ کو اشتراک

لازم ہے۔اور جب "ثم" یعنی پھر کالفظ کہے گا تو اس سے اشتراک لازم نہیں آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت مقدم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۳۔ وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَرَادَ اللهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ تَقَطَّعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فَلَا بَلَاغَ لِي إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۶۴، ۶۶۵۳، صحیح مسلم: ۲۹۶۴)

اور عمرو بن عاصم نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: بنی اسرائیل کے تین شخص تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش میں مبتلاء کرنے کا ارادہ فرمایا، پس اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا، وہ اس کے پاس گیا جس کو برص کی بیماری تھی (برص کی بیماری میں جسم کے اوپر سفید داغ پیدا ہوجاتے ہیں جو بدنما معلوم ہوتے ہیں) اس فرشتے نے اس کے پاس آ کر کہا: میرے تمام اسباب منقطع ہو گئے اور میری مشکلات یا اللہ تعالیٰ کی مدد سے دور ہوں گی یا تمہاری مدد سے۔ پھر مفصل حدیث کو ذکر کیا۔

صحیح البخاری: ۶۶۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں ذکر ہے کہ "کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ کی مدد کے سہارے ہوں پھر تمہاری مدد کے؟" اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ "مجھے صرف اللہ کی مدد کا سہارا ہے پھر تمہاری مدد کا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند کے شروع میں عمرو بن عاصم کا ذکر ہے، اور یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، امام بخاری نے ان سے کتاب الصلوٰۃ میں متعدد جگہ روایت کی ہے اور یہاں پر ان کی تعلیق کو ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، یہ ابن یحییٰ العوذی البصری ہیں جو اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان کا نام زید الانصاری ہے، یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ کا ذکر ہے، ان کا نام عمرو الانصاری ہے جو اہل مدینہ کے قاضی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی تھے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور تین آدمیوں میں ایک وہ تھا جس کو برص کی بیماری تھی، دوسرا وہ تھا جو گنجا تھا، اور تیسرا وہ تھا جو نابینا تھا۔

(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۲۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث کی تائید میں دیگر احادیث

معبد بن خالد از عبد اللہ بن یسار از قتیلہ (جہینہ کی ایک عورت) وہ روایت کرتی ہیں: ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: آپ لوگ شرک کرتے ہیں اور آپ لوگ اللہ کے لیے شریک بناتے ہیں، آپ لوگ کہتے ہیں: کعبہ کی قسم! اور آپ لوگ کہتے ہیں "جو اللہ نے چاہا اور جو آپ نے چاہا"، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ارادہ کیا کہ جب وہ قسم کھانے کا ارادہ کریں تو کہیں "رب کعبہ کی قسم" اور ان کو حکم دیا کہ وہ کہیں "جو اللہ تعالیٰ چاہے، پھر جو آپ چاہیں"۔

(سنن نسائی ج ۷ ص ۶، اس حدیث کی سند صحیح ہے)

اس حدیث کا امام بخاری نے اعتبار کیا ہے اور یہ ان کی شرط کے موافق نہیں ہے، پس انہوں نے اس حدیث کے مطابق عنوان قائم کیا اور اس کے معنی کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مستنبط کیا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس حدیث میں اس سے ممانعت نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے "اللہ کی مدد سے اور آپ کی مدد سے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ (التوبہ: ۷۴)

اور ان کو صرف یہ ناگوار گزرا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا، پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ اعراض کریں تو اللہ دنیا اور آخرت میں ان کو دردناک عذاب دے گا اور ان کے لیے زمین میں کوئی کارساز اور مددگار نہیں ہوگا ○

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ۔ (الاحزاب: ۳۷)

اور اے رسول مکرم! یاد کیجئے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے انعام کیا ہے اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا ہے۔

علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی کی اس دلیل پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ جو علامہ داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ ظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص کہے "جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں" تو اس میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں شریک کرتا ہے اور اس معاملہ کو اللہ اور بندے کے درمیان مشیت میں شریک رکھتا ہے اور جن آیات کا علامہ داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ اس طرح نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انعام میں شریک کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اسلام کا انعام کیا کہ انہیں اسلام

لانے کی توفیق دی اور شارع علیہ السلام نے ان کو آزاد کیا اور ان پر آزادی کا انعام کیا، تو یہ انعام میں شریک کرنا ہے نہ کہ مشیت میں شریک کرنا ہے۔ اور منع صرف یہ ہے کہ تم یوں کہو کہ ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں'' اور یہ توقع رکھے کہ آپ مشیت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ مشیت میں منفرد ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۷۴۔۲۷۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی تائید میں دیگر روایات

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں'' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''کیا تو نے مجھ کو اور اللہ کو برابر قرار دیا؟ نہیں، بلکہ جو صرف اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے''۔

اور امام احمد اور امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک مرد نے خواب میں ایک اہلِ کتاب کے مرد کو دیکھا، اس نے کہا: تم لوگ اچھے ہو اگر تم شرک نہ کرتے، تم لوگ کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہیں، اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواب ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم کہو ''جو اللہ چاہے، پھر جو محمد چاہیں''۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹۔ باب:

قَوْلِ اللهِ تَعَالَىٰ: ''وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ'' (الانعام: ۱۰۹)

۹۔ باب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں''۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَوَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ فِي الرُّؤْيَا قَالَ: لَا تُقْسِمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم یارسول اللہ! آپ ضرور مجھے بتایئے کہ میں نے خواب کی تعبیر میں کیا خطاء کی ہے، آپ نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے ارشاد ''وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ'' کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ یہ پوری آیت درج ذیل ہے:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ (الانعام: ۱۰۹)

اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آ جائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں

لائیں گے O

امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی ۴۲۷ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت قریش کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایک لاٹھی تھی جس کو وہ پتھر پر مارتے تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑتے، اور آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں، اور آپ ہمیں خبر دیتے ہیں کہ ثمود کی ایک اونٹنی تھی جو پتھر سے نکل آئی تھی، تو آپ ہمارے پاس بھی ایسے معجزات لائیں حتیٰ کہ ہم آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لائیں۔۔۔ الحدیث بطولہ۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانعام:۱۰۹)

اور انہوں نے اللہ کی پکی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ گئی تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، آپ کہیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آ جائیں گی تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے O

اور دوسری آیت بھی منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۖ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (النور:۵۳)

اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے، آپ کہیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) اطاعت معلوم ہے، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O

منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے: آپ جہاں ہوں گے ہم آپ کے ساتھ وہیں ہوں گے، اگر آپ مدینہ میں قیام کریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ قیام کریں گے، اگر آپ مدینہ سے باہر نکلے تو ہم بھی آپ کے ساتھ باہر نکلیں گے، اگر آپ جہاد کریں تو ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۖ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (النور:۵۳)

اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں کہ اگر آپ انہیں (جہاد کے لیے) نکلنے کا حکم دیں تو وہ ضرور نکلیں گے، آپ کہیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمہاری) اطاعت معلوم ہے، بے شک تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے O

یعنی تم زبان سے کہتے ہو اور دل سے اور اعتقاد سے نہیں کہتے اور تمہاری قسمیں معلوم ہیں کہ تم جھوٹی قسمیں کھاتے ہو، یہ مجاہد کی تفسیر ہے۔

اور المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانا اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بغیر معتبر نہیں ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم یارسول اللہ! آپ ضرور مجھے بتایئے کہ میں نے خواب کی تعبیر میں کیا خطاء کی ہے، آپ نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ''۔

اس تعلیق میں صحیح البخاری کی درج ذیل حدیث کی طرف اشارہ ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: میں نے آج رات خواب میں دیکھا ہے ایک سائبان ہے جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، پس میں نے دیکھا کہ لوگ ہتھیلیاں پھیلا کر وہ شہد اور گھی لے رہے ہیں، بعض زیادہ لے رہے ہیں اور بعض کم لے رہے ہیں اور ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف ملی ہوئی ہے، میں نے دیکھا کہ آپ نے اس رسی کو پکڑا اور اس کے اوپر چڑھ کر بلندی پر چلے گئے، پھر ایک اور مرد نے اس رسی کو پکڑا وہ بھی بلندی پر چلا گیا، پھر ایک اور مرد نے رسی کو پکڑا وہ بھی اس رسی کو پکڑ کر بلندی پر چڑھ گیا، پھر ایک اور مرد نے اس رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، پھر وہ رسی جڑ گئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ فدا ہوں، آپ ضرور مجھے اجازت دیں کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اس کی تعبیر بیان کرو، انہوں نے کہا: رہا سائبان تو وہ دینِ اسلام ہے، اور رہی وہ چیز جو سائبان سے شہد اور گھی کی صورت میں ٹپک رہی تھی تو وہ قرآن ہے اور اس کی مٹھاس ہے جو ٹپک رہی تھی، اور لوگ قرآن سے زیادہ حاصل کر رہے تھے اور کچھ کم قرآن کو حاصل کر رہے تھے، اور وہ رسی جو آسمان سے زمین کی طرف ہے یہ وہ حق ہے جس کے اوپر آپ ہیں، آپ اس حق کو پکڑے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بلندی پر لے جاتا ہے، پھر آپ کے بعد ایک اور مرد اس رسی کو پکڑ کر بلندی پر جائے گا، پھر اس کے بعد ایک اور مرد اس رسی کو پکڑ کر بلندی پر جائے گا، پھر ایک اور مرد جائے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی، پھر رسی کو ملا دیا جائے گا، پھر وہ اوپر چلا جائے گا، آپ مجھے بتایئے یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ فداء ہوں، میں نے اس خواب کی تعبیر صحیح بیان کی ہے یا اس میں غلطی کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے بعض صحیح بیان کی ہے اور بعض غلطی کی ہے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا: پس اللہ کی قسم یارسول اللہ! آپ ضرور مجھے بتائیں کہ میں نے اس میں کیا غلطی کی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ۔ (صحیح البخاری: ۷۰۴۶)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قسم کھانے سے منع فرمایا، اگر تم یہ کہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم پورا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا تو آپ نے ان کی قسم پوری کیوں نہیں کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قسم کا پورا کرنا مستحب ہے جب مانع نہ ہو، اور وہاں کوئی مانع تھا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کے پورا کرنے کا جو حکم دیا ہے یہ استحباب کا حکم ہے وجوب کا حکم نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قسم کھائی تو آپ نے ان کی قسم کو پورا نہیں کیا، اور اگر قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا تو آپ ان کی قسم کو پورا کرتے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: کہ قسم کو پورا کرنا اس وقت مستحب ہے جب اس میں اس کو ضرر نہ ہو جس پر قسم کھائی گئی ہے یا اہلِ دین کی جماعت پر ضرر نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خواب کی تعبیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء کو بیان نہیں فرمایا، یہ

مسلمانوں کی طرف لوٹنے والی تھی اور اس کی وضاحت کتاب التعبیر کے باب مذکور میں ان شاء اللہ آئے گی۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۴۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ عَنِ الْبَرَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ ﷺ بِإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، از اشعث از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ ح اور مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از اشعث از معاویہ بن سوید بن مقرن از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قسم کھانے والے کو سچا کریں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۹، ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹، ۵۸۶۳، ۶۲۲۲، ۶۶۵۴، صحیح مسلم: ۲۰۶۶، سنن ترمذی: ۲۸۰۹، سنن نسائی: ۱۹۳۹، مسند احمد: ۱۸۱۷۰)

صحیح البخاری: ۶۶۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے کہ ''لوگوں نے پکی قسمیں کھائیں'' اور اس باب کی حدیث میں بھی قسم کا ذکر ہے۔
بہ ظاہر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیثوں میں تعارض ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم قسم مت کھاؤ، اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کرو۔ اس تعارض کا جواب ہم اس سے پہلے علامہ ابن المنذر اور علامہ المہلب کے حوالوں سے ذکر کر چکے ہیں جس کا خلاصہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم قسم مت کھاؤ اور ان کو ان کی قسم میں سچا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ قسم کھانے والے کو سچا کرنا واجب نہیں ہے، اگر واجب ہوتا تو حضور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قسم میں سچا کر دیتے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث کی دو سندیں ہیں۔
پہلی سند کے رجال: اس سند میں مذکور ہے قبیصہ، یہ ابن عقبہ العامری الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ الثوری ہیں۔ اور اس سند میں مذکور ہے اشعث، یہ ابن ابی الشعثاء سلیم بن الاسود الکوفی ہیں۔ اور اس سند میں مذکور ہے معاویہ بن

سوید، یہ ابن مقرن الکوفی ہیں جو حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

دوسری سند کے رجال: اس سند میں محمد بن بشار کا ذکر ہے، جو غندر سے روایت کرتے ہیں اور یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے، وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں از اشعث۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی کو اس کی قسم میں صادق کرنے کی شرائط

یعنی جب تمہارا بھائی تمہارے متعلق کوئی قسم کھائے تو اس کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اس کو اس کی قسم میں سچا کرو، لیکن یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جب وہ اپنی قسم میں حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو، یا اس کی قسم سے تم کو ضرر نہ ہو۔ پس اگر وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو تو پھر تم پر یہ لازم نہیں ہے کہ تم اس کو اس کی قسم میں سچا کرو مثلاً ایک شخص یہ کہے کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم مجھے بتاؤ کہ تم رات اپنی بیوی کے ساتھ کس طرح گزارتے ہو؟ یا تم کیا کھاتے ہو؟ یا تمہاری کتنی اولاد ہے؟ یا تمہارا کتنا مال ہے؟ اس صورت میں اس قسم کھانے والے کو اس قسم پر زجر و توبیخ کرنی چاہیے اور اس کو اس کی قسم میں سچا کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن جب ایسا نہ ہو اور اس کی قسم میں حد سے تجاوز نہ ہو اور نہ اس کی قسم میں دوسرے کو نقصان ہو تو پھر اس کی قسم کو پورا کرنا چاہیے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۵۰، ۵۵۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۵۵۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنَا عَاصِمٌ الْأَحْوَلُ سَمِعْتُ أَبَا عُثْمَانَ يُحَدِّثُ عَنْ أُسَامَةَ أَنَّ بِنْتًا لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِ وَمَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَسَعْدٌ وَأُبَيٌّ أَنَّ ابْنِي قَدِ احْتُضِرَ فَاشْهَدْنَا فَأَرْسَلَ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَمَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ فَقَامَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَلَمَّا قَعَدَ رُفِعَ إِلَيْهِ فَأَقْعَدَهُ فِي حَجْرِهِ وَنَفْسُ الصَّبِيِّ تَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ مَا هٰذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ يَضَعُهَا اللهُ فِي قُلُوبِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم الاحول نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک صاحبزادی نے رسول اللہ ﷺ کو بلوایا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعد اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہم تھے، انہوں نے پیغام بھیجا کہ میرے بیٹے پر موت کا وقت آ گیا ہے، پس آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو پیغام بھیجا آپ نے ان پر سلام پڑھا اور یہ فرمایا: بے شک اللہ ہی کے ملک میں ہے جو اس نے لے لیا اور جو اس نے عطا کیا اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پاس ایک وقتِ معین تک مقرر ہے، پس تم صبر کرو اور ثواب کی نیت کرو، انہوں نے

دوبارہ آپ کو پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی، پس آپ کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے، جب آپ بیٹھ گئے تو وہ بچہ (آپ کا نواسا) آپ کی طرف اٹھا کر لایا گیا پس آپ نے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا اور بچہ کا سانس اکھڑ رہا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن کے دلوں میں چاہتا ہے رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۴، ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸، صحیح مسلم: ۹۲۳، سنن نسائی: ۱۸۶۸، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۵، مسند احمد: ۲۱۲۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی حدیثِ سابق کی طرح ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کرنے کا ذکر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے حضرت علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہما بن الربیع کی جب وفات قریب تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دے کر بلایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعثمان کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن نہدی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں از عبدان اور کتاب الطب میں از حجاج گزر چکی ہے، عنقریب یہ حدیث کتاب التوحید میں ابوالنعمان کی سند سے آئے گی۔

اس حدیث کی سند میں اسامہ کا ذکر ہے، یہ حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن عبادہ الخزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اُبی کا ذکر ہے، یہ حضرت اُبی بن کعب الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قد احتضر'' یعنی ان پر موت حاضر ہوگئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''تقعقع'' یہ تقعقع سے فعل مضارع ہے۔ اور یہ نزع روح کی شدت سے سینہ سے نکلنے والی آواز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ماھذا؟'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہا: یہ کیا ہے؟ اور

ان کا یہ کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب نہیں تھا اور شاید کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ کسی کی موت کے وقت رونے اور چلانے سے منع فرماتے تھے، تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ شاید آپ کی یہ ممانعت آنسوؤں سے رونے کو بھی شامل ہے، اس لیے انہوں نے آپ کے آنسوؤں کا سبب جاننے کے لیے دریافت کیا، یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ رحمت ہے، یعنی بغیر آواز کے جو آنکھوں سے آنسو نکلیں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کی موت کے وقت اصحابِ فضیلت کو بلانا چاہیے تاکہ ان کی دعا اور ان کی برکت حاصل ہو۔

(۲) افاضل صحابہ آپ کے ساتھ بغیر بلائے چلے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ تعزیت اور عیادت کے لیے بغیر بلائے بھی چلے جانا چاہیے۔ اس کے برخلاف ولیمہ اور شادی کے کھانے میں بلانے کے بعد جانا چاہیے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صبر اور ثواب کی امید رکھنے کی تلقین کی، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مصیبت میں بے قرار ہو، اس کو صبر کی تلقین کرنی چاہیے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی بار بلانے پر نہیں گئے اور دوسری بار چلے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ فضل کو کسی کی امید نہیں توڑنی چاہیے اور عیادت اور تعزیت کے لیے جانا چاہیے۔

(۵) حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آپ کو قسم دے کر بلایا، اس میں یہ ثبوت ہے کہ نہایت ادب سے سوال کرنا چاہیے۔

صحیح البخاری: ۶۶۵۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم کھانے والے کو اس کی قسم میں سچا کرنے کی تفصیل

کسی کی قسم کو صادق کرنا واجب نہیں ہے لیکن یہ سنتِ موکدہ ہے اور یہی ظاہر ہے، سوا اس کے کبھی وجوب کی ضرورت پیش آئے مثلاً کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ اس کو ضرور خبر دے گا جو اس کے مال میں یا اس کی عزت میں حد سے تجاوز کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں ہم کہتے ہیں اب اس کی قسم کو صادق کرنا واجب ہے۔

نیز اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے''۔ اس حدیث میں حصر نہیں ہے اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جو اللہ کے بندوں پر رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوق کے اوپر رحمت کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سبب ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۵۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۵۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ

الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ تَمَسُّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ۔

بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے جس مسلمان کے بھی تین بچے فوت ہوئے اس کو دوزخ کی آگ صرف قسم پورا کرنے کے لیے چھوئے گی۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵۱، ۶۶۵۶، صحیح مسلم: ۲۶۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۶۰۳، مسند احمد: ۷۲۲۴)

صحیح البخاری: ۶۶۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ حدیث کے آخری جملہ کے ساتھ مطابقت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ دوزخ کی آگ صرف اس مسلمان کو قسم پورا کرنے کے لیے چھوئے گی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور ابن شہاب کا ذکر ہے، اور یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں جو سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز میں ''باب فضل من مات له ولد فاحتسب'' میں گزر چکی ہے۔ اور وہاں اس حدیث کو از علی از سفیان از الزہری روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''إِلَّا تحلة القسم'' یعنی قسم کو پورا کرنے کے لیے، اور اس قسم سے مراد وہ ہے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے:

وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۞ (مریم: ۷۱)

اور بے شک تم میں سے ہر شخص ضرور دوزخ پر وارد ہوگا یہ آپ کے رب کے نزدیک قطعی فیصلہ کیا ہوا ہے ○

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں تو اس کو صرف اتنی مقدار میں آگ چھوئے گی جتنی مقدار میں اس کا دوزخ میں دخول یا ''وُرُود'' ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مریم: ۷۱ کی تفسیر از مصنف

ابوسمیہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارا ''ورود'' کے معنی میں اختلاف ہوا، ہم میں سے بعض نے کہا: دوزخ میں مومنین داخل نہیں ہوں گے اور بعض نے کہا: سب لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ متقین کو دوزخ سے نجات دے دے گا۔ پھر میری حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے اس اختلاف کا ذکر کیا، انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''وُرُود'' دخول ہے، اور ہر نیک اور بد دوزخ میں داخل ہوگا، پھر دوزخ مسلمانوں پر ٹھنڈی اور سلامتی

والی بن جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) پر تھی، حتیٰ کہ ان کی ٹھنڈک کی وجہ سے دوزخ چیخ وپکار کرے گی، پھر اللہ تعالیٰ دوزخ سے متقین کو نجات دے دے گا اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل دوزخ میں چھوڑ دے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۲۸۔ ۳۲۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۴۵۷۴، عالم الکتب، بیروت) (المستدرک ج ۴ ص ۵۸۷، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۵۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے، پھر اپنے اعمال کی وجہ سے اس سے نکل جائیں گے، بعض پلک جھپکنے کی طرح نکل جائیں گے، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح، بعض شتر سوار کی طرح اور بعض تیز رفتار چلنے والے شخص کی طرح۔ (سنن ترمذی: ۳۱۵۹، المستدرک: ۳۴۲۱)

اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نافع بن ارزق خارجی سے بحث ہوئی، آپ نے فرمایا: میں اور تو دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے، رہا میں تو مجھے اللہ تعالیٰ اس سے نجات دے دے گا اور رہا تو، تو میں یہ گمان نہیں کرتا کہ تجھے اللہ تعالیٰ دوزخ سے نجات دے گا، کیونکہ تو اس آیت کی تکذیب کرتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۱ ص ۵۹)

حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، قتادہ اور کعب الاحبار وغیرہم سے یہ بھی منقول ہے کہ ''وُرُوْد'' سے مراد دوزخ میں دخول نہیں ہے بلکہ اس سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔

بعض علماء کا یہ نظریہ ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بخار آتا ہے وہی ان کے حق میں دوزخ میں داخل ہونا ہے اور جن مسلمانوں کو دنیا میں بخار آ گیا وہ آخرت میں دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے۔

(تبیان القرآن ج ۷ ص ۳۰۷۔ ۳۰۹، ملخصاً وملتقطاً، فرید بک اسٹال، لاہور)

صحیح البخاری: ۶۶۵۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مریم: ۷۱ میں ''وُرُود'' کی تفسیر میں علماء کا اختلاف

بعض علماء نے کہا ہے: اس آیت میں ''وُرُوْد'' سے مراد ہے: پل صراط کو عبور کرنا۔

اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ دوزخ پر بالفعل وارد ہوں گے اور دوزخ میں واقع ہوں گے، لیکن ان کو اس طرح عذاب نہیں دیا جائے گا جس طرح کفار کو عذاب دیا جاتا ہے۔

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد پل صراط پر عبور ہے لیکن حدیث کا ظاہر دوسرے قول کو ترجیح دیتا ہے یعنی مسلمان دوزخ میں داخل ہوں گے لیکن دوزخ کی آگ ان کو جلائے گی نہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''جس مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں اور وہ ان پر صبر کرے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا''۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو پھر بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

تحقیق یہ ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا خواہ وہ اصحاب کبائر سے ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ جنت میں داخل ہونے کا ایک سبب ہے اور سبب کے لیے کبھی کوئی مانع بھی ہوتا ہے جیسے اور جنت میں داخل ہونے کے اسباب ہیں لیکن کبھی جنت میں داخل ہونے

سے کوئی مانع ہوتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٥٥٣، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

میں یہ کہتا ہوں: یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی سزا پا کر پھر جنت میں داخل ہو لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ پھر تین نابالغ بچوں پر صبر کرنے کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بشارت دی ہے جس نے اپنے تین نابالغ بچوں کے فوت ہونے پر صبر کیا اور یہ کہا "یہ اللہ ہی کا مال تھا اسی نے لے لیا"۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٦٦٥٧ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنِي غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَعْبَدِ بْنِ خَالِدٍ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ وَأَهْلِ النَّارِ كُلُّ جَوَّاظٍ عُتُلٍّ مُسْتَكْبِرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از معبد بن خالد، انہوں نے کہا: میں نے حارثہ بن وہب سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تم کو اہلِ جنت کی طرف رہنمائی نہ کروں؟ وہ ہر کمزور مسلمان ہے جس کو لوگ حقیر جانتے ہیں، اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قسم میں سچا کر دے گا، اور اہل دوزخ ہر وہ موٹا آدمی ہے جو اکڑ اکڑ کر چلتا ہو اور فاجر ہے اور متکبر ہے۔

(صحیح البخاری: ٤٩١٨، ٦٠٧١، ٦٦٥٧، صحیح مسلم: ٢٨٥٣، سنن ترمذی: ٢٦٠٥، سنن ابن ماجہ: ٤١١٦، مسند احمد: ١٨٢٥٥)

صحیح البخاری: ٦٦٥٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ سے ظاہر ہوتی ہے "اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی کام کی قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ وہ کام کر کے اس کو اس کی قسم میں سچا کر دیتا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے غندر، وہ محمد بن جعفر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معبد بن حارثہ، جو حارثہ بن وہب الخزاعی سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث سورہ "نٓ وَالْقَلَمِ" کی تفسیر میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس کو از ابونعیم از سفیان از معبد بن خالد روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''متضعّف'' (اس میں عین پر زبر ہے اور مشدد ہے) اس کا معنی ہے: جس کو لوگ ضعیف سمجھتے ہوں اور حقیر جانتے ہوں، اور یہ عین پر زیر کے ساتھ بھی منقول ہے یعنی جو تواضع کرنے والا ہو، گمنام ہو اور عاجزی کرنے والا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لو اقسم'' یعنی اگر متواضع شخص اللہ تعالیٰ کے کرم پر طمع اور امید رکھتے ہوئے قسم کھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی قسم میں صادق کردے گا تو اللہ تعالیٰ ایسا کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لابرّہ'' ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: اگر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''جوّاظ'' یعنی جو موٹا تازہ آدمی ہو اور اکڑ اکڑ کر چلتا ہو۔ کتاب العین میں لکھا ہے کہ ''جواظ'' کا معنی ہے: جو بہت زیادہ کھانا کھاتا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: فاجر۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: جس پر گوشت زیادہ چڑھا ہوا ہو اور اس کی گردن موٹی ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مستکبر'' یعنی جو شخص حق بات کے تسلیم کرنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو۔ اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ زیادہ تر اہلِ جنت وہ لوگ ہوں گے جو کمزور ہوں گے اور انہیں لوگ حقیر جانتے ہوں گے جیسا کہ زیادہ تر اہلِ دوزخ ایسے لوگ ہوں گے جو ''جوّاظ'' اور متکبر ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۳۔ ۲۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ أَشْهَدُ بِاللّٰهِ أَوْ شَهِدْتُ بِاللّٰهِ

جس شخص نے کہا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں، یا کہا: میں نے اللہ کو گواہ بنایا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا یہ عنوان بنایا گیا ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں ضرور ایسا کام کروں گا، یا میں ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا، یا اس نے کہا: میں نے اللہ کو گواہ بنایا، میں ضرور ایسا کام کروں گا۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا اور نہ اس باب کی حدیث میں اس کے حکم کی صراحت ہے، گویا کہ امام بخاری نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جو شخص بحث کا مطالعہ کرے وہ خود تلاش کر لے۔

بابِ مذکور کی شرح میں علماء کے اقوال

(۱) ''اشھد، احلف، اعزم'' (میں گواہ بناتا ہوں، یا قسم کھاتا ہوں، اور یا میں عزم کرتا ہوں) یہ تمام الفاظ قسم کے الفاظ ہیں اور ان میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ یہ ابراہیم النخعی اور ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے۔ اور ربیعہ اور الاوزاعی نے کہا ہے: جب اس نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، پھر اس نے اپنی قسم توڑ دی تو اس کو کفارہ دینا ہوگا۔

(۲) صرف ''اشھد'' کہنا قسم نہیں ہے حتیٰ کہ وہ کہے ''اشھد باللہ'' یعنی میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کا ارادہ نہ کرے تو

پھر وہ قسم نہیں ہے۔

(۳) جب اس نے کہا ''اشھد'' یا ''اعزم'' اور ''باللہ'' نہیں کہا تو وہ اس کے قول ''واللہ'' کی مثل ہے یعنی اللہ کی قسم۔ اس کی حکایت ربیع نے امام شافعی سے کی ہے۔

(۴) امام ابو عبید نے ''اشھد'' کے قسم ہونے کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ قسم کھانے والا گواہی دینے والے کا غیر ہوتا ہے۔

(۵) جب اس نے کہا ''میں کعبہ کو گواہ بناتا ہوں'' یا ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتا ہوں'' تو یہ قسم نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۵۸۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ قَالَ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَكَانَ أَصْحَابُنَا يَنْهَوْنَا وَنَحْنُ غِلْمَانٌ أَنْ نَحْلِفَ بِالشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از منصور از ابراہیم از عبیدہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سے لوگ بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرے زمانہ کے لوگ، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں، پھر ایک ایسی قوم آئے گی کہ ان میں سے کسی ایک کی شہادت ان کی قسم سے پہلے ہوگی اور ان کی قسم ان کی شہادت سے پہلے ہوگی، ابراہیم نے کہا: ہمارے اصحاب ہمیں منع کرتے تھے کہ ہم ''شہادت'' اور ''العہد'' کے لفظ سے قسم کھائیں اور اس وقت ہم نو عمر لڑکے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۲، ۳۶۵۱، ۶۴۲۹، ۶۶۵۸، صحیح مسلم: ۲۵۳۳، سنن ترمذی: ۳۸۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۶۲، مسند احمد: ۳۹۵۳)

صحیح البخاری: ۶۶۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ابراہیم نخعی کے قول سے متعلق ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ''ہمارے اصحاب ہم کو ''شہادت'' اور ''العہد'' کے الفاظ سے قسم کھانے سے منع کرتے تھے۔ یعنی وہ اس سے منع کرتے تھے کہ کوئی شخص یوں قسم کھائے ''میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں'' یا کوئی شخص یوں قسم کھائے ''میں اللہ سے عہد کر کے کہتا ہوں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعد بن حفص، یہ ابو محمد الطلحی الکوفی ہیں، ان کو ''الضخم'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی

سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبد الرحمٰن نحوی ہیں جو ابو معاویہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیدہ، وہ السلمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ، وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قرنی" یعنی وہ لوگ اس زمانہ کے ہیں جس زمانہ میں، میں ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک قوم کی شہادت اس کی قسم سے پہلے ہوگی اور اس کی قسم اس کی شہادت سے پہلے ہوگی"۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ دَور ہے (یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اپنے نفس پر موقوف ہونا اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ چیز اپنے نفس پر مقدم ہو اور یہ محال ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی وہ لوگ شہادت دینے سے پہلے قسم کھائیں گے اور کبھی وہ لوگ قسم کھانے سے پہلے شہادت دیں گے، یا یہ شہادت اور قسم میں جلدی کرنے کی مثال ہے اور ایک مرد کی حرص ہے جو وہ شہادت اور قسم پر کرے گا کہ وہ شہادت پہلے دے گا یا قسم پہلے کھائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۴۔ ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قرن" کے معنی کی تحقیق

ہر وہ طبقہ جو کسی ایک وقت میں مقترن ہو یعنی ملا ہوا ہو اس کو قرن کہتے ہیں اور ایک مدت کے لوگوں کو بھی قرن کہا جاتا ہے یا جس طبقہ میں کسی نبی کو مبعوث کیا گیا ہو اس کو بھی قرن کہا جاتا ہے خواہ ان کے سال کم ہوں یا زیادہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قرنی" یعنی وہ میرے اصحاب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں یعنی جو ان کی اتباع بالاحسان کرنے والے ہوں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہوں یعنی جو تابعین کے متبع ہوں۔

اور "قرن" کا لفظ "اقتران" سے ماخوذ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اسی سال کا زمانہ ایک قرن ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سال کا زمانہ ایک قرن ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سو سال کا زمانہ ایک قرن ہے۔

ابن الاعرابی نے کہا ہے: قرن کا معنی ہے زمانہ کا ایک وقت۔ اور دوسروں نے کہا کہ قرن اس وقت کہا جاتا ہے جب لوگوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ عالم، عالم کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ یہ "قرنت" کا مصدر ہے اور اس کو وقت کے لیے یا وقت کے لوگوں کے لیے اسم بنا دیا گیا ہے۔

صحابی کی تعریف اور ان کا مرتبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس امت کے سب سے افضل لوگ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی ہو یا آپ کی کوئی بات سمجھی ہو یا آپ کو دیکھا ہو۔ اور صحابہ میں سب سے کم مرتبہ کا بھی بعد میں آنے والوں سے افضل ہے۔ امام مالک سے سوال کیا

گیا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمر بن عبد العزیز میں کون افضل ہے؟ تو امام مالک نے جواب دیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو ایک نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ڈالی وہ عمر بن عبد العزیز کی تمام عمر کے اعمال سے بہتر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۸۷۔۲۸۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شہادت کے لفظ سے قسم کے ارادہ میں مذاہب فقہاء

یعنی جب کسی شخص نے کہا ''اشھد باللہ'' (میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں) یا ''شھدت باللہ'' (میں نے اللہ کو گواہ بنایا) تو آیا وہ قسم کھانے والا ہوگا یا نہیں؟

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ وہ قسم کھانے والا ہوگا اور یہی ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کا قول ہے۔ اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ خواہ اس نے ''اشھد'' کے بعد ''باللہ'' نہ کہا ہو پھر بھی یہ قسم ہے اور یہ ربیعہ اور الاوزاعی کا قول ہے۔

اور امام شافعی نے یہ کہا کہ وہ اس صورت میں قسم کھانے والا نہیں ہوگا سوا اس کے کہ وہ اشھد کے ساتھ باللہ بھی کہے اور اس کے باوجود راجح یہ ہے کہ یہ کنایہ ہے، لہٰذا اس میں اس کے قصد کو جاننے کی ضرورت ہوگی۔ اور امام شافعی نے ''المختصر'' میں اسی کی تصریح کی ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس کی یہ مراد ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی شہادت دیتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دیتا ہوں اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور امام مالک سے ان تین روایات کی مثل منقول ہے۔

فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کے اس پر دلائل کہ ''اشھد'' کا لفظ بھی قسم میں مستعمل ہے

فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ جو کہتے ہیں کہ ''اشھد باللہ'' سے قسم مراد ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عرف میں اور شرع میں یہ ثابت ہے کہ ''اشھد'' کا لفظ قسموں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون: ۱)

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں۔

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس گواہی کو قسم قرار دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْۤا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً ۔ (المنافقون: ۲)

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے شہادت کے لفظ کو قسم میں استعمال کیا۔
اور اسی طرح ''لعان'' میں بھی شہادت کو قسم کے لیے استعمال فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور:۸) اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے۔

اس آیت میں شہادت کے لفظ کو قسم کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا فقہاء احناف اور فقہاء حنابلہ کے دلائل کو رد کرنا

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لعان کے ساتھ خاص ہے، اس پر کسی اور مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور پہلی آیت جو ہے جس میں منافقین نے کہا ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں'' وہ قسم کے لیے صریح نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے شہادت دینے کے ساتھ قسم بھی کھائی ہو۔

اور بعض علماء نے اس پر امام ابن ماجہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو رفاعہ بن عوانہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن الفاظ سے قسم کھاتے تھے وہ یہ تھے ''اشهد عند الله'' اور ''والذی نفسی بیدہ''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی عبد الملک بن محمد الصنعانی ہے جو ضعیف راوی ہے۔

اور اگر یہ حدیث بالفرض صحیح ہو تو اس کے سیاق کا تقاضا یہ ہے کہ ''اشهد عند الله'' اور ''والذی نفسی بیدہ'' اس کا مجموعہ قسم ہے نہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک قسم ہے۔

نیز اس حدیث میں ہے ''ان کی شہادت ان کی قسم پر سابق ہو گی اور ان کی قسم ان کی شہادت پر سابق ہو گی''۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک شہادت اور قسم دونوں باہم مغایر ہیں، کیونکہ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ شہادت میں اور حلف میں تغایر ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۷۴۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کی طرف سے فقہاء احناف پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے اعتراضات کے جوابات

فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ ''اشهد'' کے لفظ کو بھی قسم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور اس پر انہوں نے قرآن مجید کی دو صریح آیتوں سے استدلال کیا ہے۔ ایک آیت تو المنافقون ۱۔ ۲ ہے جس میں منافقین نے یہ کہا:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون:۱) (اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں ○

اور منافقین نے جو کہا تھا ''نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' اللہ تعالیٰ نے اس کو قسم قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا۔

سو اس صریح آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین نے ''اشهد'' کے ساتھ جو قسم کھائی تھی، اس کو قسم قرار دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی

نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ''اشھد'' کے ساتھ قسم بھی کھائی ہو، لیکن یہ صرف دفع الوقتی بات ہے اور محض احتمال ہے اور فقہاء احناف نے جو اس نصِ صریح سے استدلال کیا ہے، اس کے جواب میں یہ عقلی احتمال کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

فقہاء احناف کا دوسرا استدلال بھی قرآن مجید کی صریح آیت سے ہے اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور: ۸) اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے ۝

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ یہ لعان کے ساتھ خاص ہے، اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

ان کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ منافقین نے جو ''نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ'' کہا اس کو اللہ تعالیٰ نے قسم قرار دیا اور یہ لعان کا مسئلہ نہیں ہے، لہٰذا حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ کہنا باطل ہو گیا کہ النور: ۸ میں ''اشھد'' کا قسم کے لیے مستعمل ہونا لعان کے لیے خاص ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے صحیح البخاری: ۶۶۵۸ سے بھی استدلال کیا جس میں یہ مذکور ہے ''پھر ایک قوم آئے گی جن میں سے کسی ایک کی شہادت اس کی قسم پر سابق ہو گی اور اس کی قسم اس کی شہادت پر سابق ہو گی''۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ شہادت اور قسم میں تغایر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مقام پر ایسا ہی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی جگہ بھی شہادت قسم کے معنی میں مستعمل نہیں ہو گی، جب کہ فقہاء احناف یہ نہیں کہتے کہ ہر جگہ شہادت قسم کے معنی میں ہوتی ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ شہادت قسم کے معنی میں بھی مستعمل ہوتی ہے اور چونکہ اس حدیث میں شہادت اور قسم میں صریح تغایر کا ذکر ہے اس لیے اس حدیث میں شہادت قسم کے معنی میں نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ کسی جگہ بھی شہادت قسم کے معنی میں نہیں ہو گی۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی پر حیرت ہے کہ انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہ تمام بحث پڑھی اور وہ احناف کے بہت بڑے وکیل ہیں لیکن انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان دلائل کا کوئی جواب نہیں لکھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے احناف کی طرف سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان اعتراضات کے جوابات کے لیے اپنے اس بندۂ ناکارہ کو چن لیا۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

شیخ ابن عثیمین حنبلی نجدی ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے یہ اعتراضات حنابلہ پر بھی ہیں، انہیں چاہیے تھا کہ وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان اعتراضات کے جوابات لکھتے، لیکن انہوں نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کے ان دلائل سے بالکل تعرض نہیں کیا۔

لفظِ ''اشھد'' سے قسم کے ارادہ میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ ھ، لکھتے ہیں:

۱۷۸۹۔ مسئلہ: جب کوئی شخص کہتا ہے ''اقسم باللہ'' یا ''اشھد باللہ'' یا ''اعزم باللہ''۔

یہ عامۃ الفقہاء کا قول ہے اور ہمیں اس میں کسی کے خلاف کا علم نہیں ہے خواہ وہ یمین کا قصد کرے یا مطلقاً کہے، کیونکہ اگر اس نے کہا "باللہ" اور "اقسم" نہیں کہا اور نہ "اشھد" کہا اور نہ کسی فعل کا ذکر کیا، تو یہ قسم ہوگا۔ اور یہ قسم اس وجہ سے ہوگا کہ اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا، کیونکہ باء فعل مقدر کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ پس جب اس نے فعل کو ظاہر کیا اور مقدر کا نطق کیا تو یہ اس کے حکم کو ثابت کرنے میں اولیٰ ہے اور اس کا عرف استعمال ثابت ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ۔ (المائدہ:۱۰۶) پس وہ دو گواہ اللہ کی قسم کھائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ (النور:۵۳) اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں۔

ان دو آیتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ لفظِ قسم سے یمین منعقد ہو جاتی ہے۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶) تو ان میں سے کسی ایک شخص کی قسم یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے○

اس آیت میں قسم کے اوپر شہادت کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اور لعان کرنے والا اپنے لعان میں یہ کہے "اشھد باللہ انی لمن الصدقین" (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سچوں میں سے ہوں) اور عورت کہے "اشھد باللہ انہ لمن الکذبین" (میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد ضرور جھوٹوں میں سے ہے)۔

اگر قسم کھانے والا الفعل ماضی کے ساتھ ذکر کرے مثلاً "اقسمت باللہ" کہے یا "شھدت باللہ" کہے، تب بھی یہی حکم ہے۔

اور اللہ عزوجل کی کتاب میں مذکور ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ۔ الی قولہ تعالیٰ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (اے رسولِ مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں ۔۔۔ الی قولہ تعالیٰ: "انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا"۔ (المنافقون:۱۔۲)

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو قسم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شہادت کو قسم فرمایا۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۳ ص ۲۳۱۔ ۲۳۲ ملخصاً وملتقطاً، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

نیز علامہ شمس الدین عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ھ لکھتے ہیں:

۱۱۔ مسئلہ: اور اگر کسی شخص نے کہا "احلف باللہ" یا "اشھد باللہ" یا "اقسم باللہ" یا "اعزم باللہ" تو یہ یمین ہے۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر نہیں کیا تو پھر یہ یمین نہیں ہوگی، سوا اس صورت کے کہ وہ یمین کی نیت کرے، اور امام احمد سے ایک روایت میں ہے کہ یہ یمین ہوگی۔

یہ ہمارے عامۃ الفقہاء کا قول ہے اور ہمیں اس میں کسی خلاف کا علم نہیں ہے، عام ازیں کہ اس نے یمین کی نیت کی ہو یا مطلقاً کہا ہو، اور اگر اس نے کہا: "باللہ" اور "اقسم" نہیں کہا اور نہ "اشھد" کہا اور نہ فعل کا ذکر کیا تب بھی یہ یمین ہوگی، اور یہ یمین

اس لیے ہوگی کہ اس سے پہلے فعل مقدر ہوگا کیونکہ باء فعل مقدر کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔اور اگر اس نے فعل کو ظاہر کیا یا فعلِ مقدر کا نطق کیا تو یہ حکم کو ثابت کرنے کے لیے اولیٰ ہے اور اس کے لیے استعمال کا عرف ثابت ہے، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ۔ (المائدہ:۱۰۶) پس وہ دو گواہ اللہ کی قسم کھائیں۔

اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ۔ (النور:۵۳) اور (منافقوں نے) اللہ کی خوب پکی قسمیں کھائیں۔

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶) تو ان میں سے کسی ایک شخص کی قسم یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O

اور لعان کرنے والا اپنے لعان میں یہ کہے ''اشهد بالله انی لمن الصدقین'' (میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سچوں میں سے ہوں) اور عورت کہے ''اشهد بالله انه لمن الكذبين'' (میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد ضرور جھوٹوں میں سے ہے)۔

اسی طرح اگر وہ فعل ماضی کو ذکر کرے، پس کہے ''اقسمت'' یا کہے ''شهدت'' تب بھی یہی حکم ہے۔

اور اللہ عزوجل کی کتاب میں مذکور ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ ـــ الی قوله تعالیٰ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المنافقون:۱،۲) (اے رسولِ مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں ـــ الیٰ قولہ تعالیٰ: ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا''۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو قسم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شہادت کو قسم فرمایا۔

(الشرح الکبیر مع المغنی ج ۱۳ ص ۲۰۵-۲۰۷، ملخصاً وملتقطاً، دار الحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

لفظِ شہادت سے قسم کے وقوع کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ، لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا ''اشهد'' یا ''اشهد بالله'' تو وہ حلف اٹھانے والا ہے، کیونکہ یہ الفاظ حلف میں مستعمل ہوتے ہیں اور یہ صیغہ حال کے لیے حقیقۃً ہے اور قرینہ کے ساتھ استقبال میں استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس کو اس حال میں حلف اٹھانے والا قرار دیا جائے گا اور شہادت قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ (المنافقون:۱) (اے رسولِ مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (المنافقون:۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

(ہدایہ اولین ص ۴۷۸، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

امام برہان الدین ابوالمعالی محمد بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری الحنفی المتوفی ۶۱۶ھ لکھتے ہیں:

۷۴۴۷۔ اور اگر کسی نے کہا: ''میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں، یا شہادت دیتا ہوں یا اللہ کی شہادت دیتا ہوں، یا عزم کرتا ہوں یا اللہ کی مدد سے عزم کرتا ہوں'' تو یہ قسم ہے۔ (المحیط البرہانی ج ۶ ص ۶۵، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۲۴ھ)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

یعنی جب کسی شخص نے کہا کہ ''میں شہادت دیتا ہوں'' تو یہ قسم ہے۔ علامہ مرغینانی نے اس پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ (المنافقون:۱) کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے قول کی خبر دی ہے کہ جب وہ نبی ﷺ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، سو یہ ان کی قسم ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ حکایت کی ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَهُمْ جُنَّةً۔ (المنافقون:۲) انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ ان کا یہ کہنا کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، یہ ان کی قسم ہے۔ اور انہوں نے ان قسموں کو ڈھال بنانے کا ارادہ کیا ہے اور تفسیر میں مذکور ہے کہ شہادت قسم کے قائم مقام ہے، کیونکہ جب کوئی شخص کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں تو وہ اس کو قسم کی جگہ کہتا ہے اور اس سے تاکید کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا ہی شریعت کے اندر معروف ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص قسم کھائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا چھوڑ دے یعنی اللہ کے غیر کی قسم کھانا حرام اور ممنوع ہے اور مسلمان کے حال سے ظاہر یہ ہے کہ وہ اس چیز کو کرے گا جو مشروع ہوگی۔ اور چونکہ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانا معروف ہے، اسی لیے اس میں نیت کی ضرورت نہیں ہے، جب کوئی شخص کہے میں حلف اٹھاتا ہوں یا میں گواہی دیتا ہوں یا میں قسم کھاتا ہوں، تو یہ صرف قسم ہوگی جیسا کہ شریعت میں معروف ہے۔ اور صاحب التحفہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ ج ۸ ص ۱۶۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان، پاکستان)

۱۱۔ بَابُ: عَهْدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اللہ تعالیٰ کے عہد کو قسم کے لیے استعمال کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ میں ضرور فلاں کام کروں گا یا ضرور فلاں کام نہیں کروں گا۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا کہ آیا یہ الفاظ قسم ہیں یا نہیں، اور نہ اس باب کی حدیث میں اس لفظ کا بیان ہے، یہ لفظ صرف آل عمران: ۷۷ میں ہے جس میں ''عهد الله'' کا لفظ قسم کے لیے استعمال کیا ہے، تو گویا امام بخاری نے اس کو

ترک کر دیا، اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جو شخص اس حقیقت کا طالب ہوگا وہ خود تلاش کر لے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٥٩ـ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ أَوْ قَالَ أَخِيهِ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (آل عمران: ۷۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان اور منصور از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی تا کہ وہ اس قسم سے کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کر لے یا فرمایا: اپنے بھائی کے مال پر قبضہ کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی: بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (آل عمران: ۷۷)

(صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم: ۱۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۲، مسند احمد: ۴۲۰۰)

٦٦٦٠ـ قَالَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيثِهِ فَمَرَّ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ مَا يُحَدِّثُكُمْ عَبْدُ اللهِ قَالُوا لَهُ فَقَالَ الْأَشْعَثُ نَزَلَتْ فِيَّ وَفِي صَاحِبٍ لِي فِي بِئْرٍ كَانَتْ بَيْنَنَا۔

سلیمان نے اپنی حدیث میں کہا: پس حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ گزرے تو انہوں نے کہا: تمہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے متعلق کیا بتایا ہے؟ تو انہوں نے اس حدیث کو بیان کیا، حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ آیت میرے اور میرے ایک صاحب کے متعلق نازل ہوئی، ہمارے درمیان ایک کنویں کے متعلق تنازع تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم: ۱۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۲۲، مسند احمد: ۴۲۰۰)

صحیح البخاری: ۶۶۵۹ـ ۶۶۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''عھد اللہ'' کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی ''عھد اللہ'' کا ذکر ہے، تو اس طرح حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی عدی، یہ محمد بن ابی عدی ہیں اور ان کا نام ابراہیم البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الشرب کے باب ''الخصومة فی البئر'' میں گزر چکی ہے، وہاں امام بخاری نے اس حدیث کو از عبدان از ابی حمزہ از سلیمان الاعمش از شقیق از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔

اس حدیث کی تعلیق میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ الاعمش ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس حضرت اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ عنہ گزرے اور انہوں نے کہا کہ یہ آیت میرے متعلق اور میرے ایک صاحب کے متعلق نازل ہوئی ہے''۔ اور کتاب الشرب کی روایت میں ہے کہ ''میرے چچا زاد کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا''۔

لفظِ ''عہد'' کے ساتھ قسم کھانے کے احکام

اگر کسی شخص نے کہا: ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' پھر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا: ''مجھ پر اللہ کا وعدہ ہے'' پھر اس نے قسم توڑ دی تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کفارہ ہوگا۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر اس نے اس سے قسم کا ارادہ کیا ہے تو کفارہ ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔ اور علامہ الدمیاطی نے کہا ہے کہ جب اس نے کہا: مجھ پر اللہ کا وعدہ ہے، تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ کہے ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' یا کہے ''میں تجھ کو اللہ کا عہد دیتا ہوں''۔ اور اگر اس نے کہا: ''میں اللہ سے معاہدہ کرتا ہوں'' تو ابن ابی حبیب نے کہا کہ اس پر قسم کا کفارہ ہے اور ابن شعبان نے کہا: اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اور امام مالک نے کہا: جب کسی شخص نے کہا: مجھ پر اللہ کا عہد ہے اور اس کا میثاق ہے، تو اس پر دو کفارے ہیں، سوا اس صورت کے کہ وہ تاکید کی نیت کرے تو پھر یہ ایک قسم ہوگی اور امام شافعی نے کہا: اس پر ایک کفارہ ہوگا۔ اور مطرف اور ابن الماجشون اور عیسیٰ بن دینار نے بھی یہی کہا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب اس نے کہا ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' پھر قسم توڑ دی تو اس پر ایک غلام کو آزاد کرنا لازم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۵۔۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظِ ''عہد'' کے ساتھ قسم منعقد ہونے میں فقہاء اسلام کے مذاہب

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے کہا: ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' تو امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی نے کہا: جس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائی تو اس پر کفارہ واجب ہوگا خواہ اس نے قسم کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور یہ قول طاؤس، شعبی، النخعی، الحکم، الحسن البصری، قتادہ اور مجاہد سے منقول ہے۔

اور عطاء سے روایت ہے کہ لفظِ ''عہد'' قسم نہیں ہے سوا اس کے کہ وہ اس لفظ سے قسم کی نیت کرے اور یہی امام شافعی، امام ثور اور امام ابوعبید کا قول ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ جو لفظِ عہد کے ساتھ انعقادِ قسم کے قائل ہیں ان کی دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

پس لفظِ ''عھد اللہ'' کو تمام قسموں پر مقدم کیا گیا ہے۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ لفظِ عہد کے ساتھ تاکید کے لیے قسم کھائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ابراہیم نخعی نے کہا کہ ہمیں اکابر لفظِ عہد کے ساتھ قسم کھانے سے منع کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظِ عہد کے ساتھ قسم بہت سخت مؤکد ہوتی ہے اور اس میں یہ خطرہ ہے کہ شاید وہ قسم پوری کرنے میں کوتاہی کرے گا۔ پس اللہ کا عہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لیا ہے یا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عہد عطا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (التوبہ: ۷۵۔۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے O پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے O

اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس کو پورا نہیں کیا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ۔ (النحل: ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

پس اللہ تعالیٰ نے عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا، پھر اس آیت پر عطف کر کے فرمایا:

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل: ۹۱)

اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔

اور اس سے پہلے صرف عہد کا ذکر کیا گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنی قسموں کو مؤکد کرنے کے بعد نہ توڑو، تو اس سے معلوم ہوا کہ ''عهد الله'' سے مراد ایسی قسم ہے جو مؤکد ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب کسی شخص نے کہا ''علیّ عهد الله'' (مجھ پر اللہ کا عہد لازم ہے) تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ عہد ہو جس کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (یٰس:٦٠)

اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے○

اور جب اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ معہود ہوگا تو پھر یہ قسم نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا قسم ہونا بعد میں معروف ہوا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کہا ''مجھ پر اللہ کا عہد ہے'' تو یہ اس کا غیر ہے جو اللہ تعالیٰ کا معہود ہے، کیونکہ عرف اور عادت میں یہ جاری نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے ''علی معهود الله'' (مجھ پر اللہ کا معہود ہے) اور عرف اور عادت میں صرف یہ جاری ہے کہ آدمی یہ کہے کہ مجھ پر اللہ کا عہد ہے اور اس سے مراد قسم ہوگی۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری، ج ٦ ص ١٠٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢٤ھ)

١٢۔ بَابُ: اَلْحَلِفِ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَصِفَاتِهٖ وَكَلِمَاتِهٖ

اللہ تعالیٰ کی عزت، اور اس کی صفات اور اس کے کلمات سے قسم کھانے کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ: أَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے: میں اللہ کی عزت اور اس کے غلبہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

وَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ يَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِيْ عَنِ النَّارِ لَا وَعِزَّتِكَ لَا أَسْأَلُكَ غَيْرَهَا

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مرد جنت اور دوزخ کے درمیان باقی رہے گا، پس وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میرے چہرہ کو دوزخ سے پھیر دے، اور تیری عزت کی قسم میں اس کے سوا اور کسی چیز کا تجھ سے سوال نہیں کروں گا۔

وَقَالَ أَبُوْ سَعِيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ اللّٰهُ: لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهٖ

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: تیرے لیے یہ بھی ہے اور اس جیسی دس مثالیں بھی ہیں۔

وَقَالَ أَيُّوْبُ: وَعِزَّتِكَ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ۔

اور حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: اور تیری عزت کی قسم! مجھے تیری برکت سے استغنا نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی عزت، اور اس کی صفات اور اس کے کلمات کی قسم کھانے کے متعلق فقہاء اسلام کے مذاہب

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھانے کا کیا طریقہ ہے مثلاً بندہ یوں کہے: ''اور اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم! میں ضرور اس طرح کام کروں گا'' یا کہے ''اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم! میں ہرگز یہ کام نہیں کروں گا''۔ اور یہ قسم ہے اور اس میں کفارہ لازم ہے۔

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا ہے ''وصفاتہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کی قسم کھانا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھانے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک نے المدوّنہ میں کہا ہے: اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور اس کے تمام اسماء کے ساتھ قسم کھانا لازم ہے جیسے السمیع، البصیر، العلیم، الخبیر، اللطیف، یا اس نے کہا: اور اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم اور اس کی کبریائی کی قسم، اور اس کی قدرت کی قسم، اور اس کے موت دینے کی قسم۔ اور تحقیق یہ ہے کہ یہ سب قسمیں ہیں اور ان میں کفارہ لازم ہے۔

علامہ ابن المنذر نے اسی کی مثل فقہاء کوفہ سے نقل کی ہے جب کسی شخص نے کہا: ''اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کی قسم اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی قسم اور اللہ تعالیٰ کے جلال کی قسم اور اللہ تعالیٰ کے موت دینے کی قسم'' پھر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ لازم ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم کے ساتھ قسم کھانے کا یہی حکم ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے: اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اللہ تعالیٰ کے حق اور اللہ تعالیٰ کے موت دینے کی قسم کھائی، اگر اس نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کا ارادہ کیا تو یہ قسم ہے ورنہ پھر یہ قسم نہیں ہے۔

اور علامہ ابوبکر رازی حنفی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی مرد کہے ''اور اللہ کے حق کی قسم اور اللہ کے موت دینے کی قسم'' تو یہ قسم نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جو شخص قسم اٹھائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے''۔

اور امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں کہا ہے ''وکلماتہ''۔ یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلمات کی قسم اٹھائے مثلاً قرآن کی قسم کھائے یا یہ قسم کھائے کہ جو اللہ نے نازل کیا اس کی قسم، اور اس میں اختلاف ہے کہ جس نے قرآن کی قسم کھائی یا مصحف کی قسم کھائی یا جو اللہ نے نازل کیا اس کی قسم کھائی، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کے لیے ایک قسم کا کفارہ دے اور یہی حسن بصری اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کلام تغلیظ پر محمول ہے اور اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے: جب کسی شخص نے مصحف کی قسم کھائی تو اس پر قسم کا کفارہ ہے اور یہ امام شافعی کا قول ہے اس شخص کے متعلق جس نے قرآن کی قسم کھائی اور امام ابوعبید کا بھی یہی قول ہے اور عطاء نے کہا: اس پر کفارہ نہیں ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: ''میں تیری عزت کی پناہ طلب کرتا ہوں''۔

اس تعلیق کو امام بخاری نے کتاب التوحید میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از یحییٰ بن معمر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ایک مرد کے اس قول کو ذکر کیا ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ''تیری عزت کی قسم میں تجھ سے اس کے علاوہ سوال نہیں کروں گا''۔

یہ تعلیق عنقریب تفصیل کے ساتھ ''باب الصراط جسر جهنم'' میں گزر چکی ہے۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ایوب علیہ السلام کی اس دعاء کا ذکر ہے انہوں نے عرض کی ''تیری عزت کی قسم! مجھے تیری برکت سے استغناء نہیں ہے''۔

یہ تعلیق کتاب الوضوء میں ''باب من اغتسل عریانا وحده'' میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت حضرت ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے تو ان کے اوپر سونے کی ایک ٹڈی گری، پس حضرت ایوب علیہ السلام اس پر اپنا کپڑا ڈالنے لگے تو ان کے رب نے ان کو نداء کی: اے ایوب! کیا میں نے تم کو اس سے مستغنی نہیں کر دیا جس کو تم دیکھ رہے ہو تو حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا: کیوں نہیں! اور تیری عزت کی قسم! لیکن مجھے تیری برکت سے استغناء نہیں ہے۔ اور اس کی شرح وہاں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۶۔۲۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهُ فَتَقُولُ قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ وَيُزْوَى بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ رَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ مسلسل یہ کہتی رہے گی: کیا کچھ اور بھی ہیں! حتیٰ کہ رب العزت دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا، پھر دوزخ کہے گی: بس بس اور تیری عزت کی قسم! (میں بھر گئی) اور دوزخ کے حصے ایک دوسرے پر چڑھ جائیں گے۔

اس حدیث کی شعبہ نے از قتادہ روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۸۴۸، صحیح مسلم: ۲۸۴۸، سنن ترمذی: ۳۲۷۲، مسند احمد: ۱۲۹۸۹)

صحیح البخاری: ۶۶۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں مذکور ہے "بعزة الله" اور اس حدیث میں مذکور ہے "وعزتك"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، وہ ابن ابی ایاس ہیں اور ان کا نام عبدالرحمٰن ہے اور ان کی اصل خراسان سے ہے اور یہ عسقلان میں رہے۔ اور اس حدیث کی سند میں شیبان کا ذکر ہے، ان کا بیان عنقریب کیا جا چکا ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے "صفة النار" کے باب میں ذکر کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اور جہنم کہے گی: کیا کچھ اور بھی ہیں!"

علامہ ثعلبی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "هل من مزيد" مجاز ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استفہام ہو یعنی دوزخ اور زیادہ دوزخیوں کو طلب کرتی ہے۔ اور یہ دونوں وجہیں اس لیے جائز ہیں کہ استفہام میں ایک نوع کا انکار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ⑲" (ھود: ۱۱۹) "میں تمام (کافر) جنات اور انسانوں سے ضرور جہنم کو پُر کر دوں گا O" اس لیے اللہ تعالیٰ جہنم سے فرمائے گا: کیا تو پُر ہو گئی؟ اور وہ کہے گی: کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ جہنم میں نُطق پیدا کر دے گا جس طرح وہ انسان کے اعضاء میں نُطق پیدا فرمائے گا اس لیے وہ جواب دے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جہنم میں کفار کو ڈالا جاتا رہے گا حتیٰ کہ وہ کہے گی: کیا کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟ یہاں تک کہ رب العزت اس میں اپنا قدم رکھ دے گا، پھر دوزخ کے بعض حصے بعض حصوں کی طرف سکڑ جائیں گے اور وہ کہے گی: بس بس! تیری عزت اور کرم کی قسم! (صحیح البخاری: ۶۶۶۱)

دوزخ میں رب العزت کے قدم رکھنے سے کیا مراد ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ رب العزت دوزخ میں اپنا قدم رکھ دے گا"۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔

اور علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ "قدم" سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جو مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یہ مقرر ہے کہ وہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔

اور النضر بن شمیل نے کہا ہے کہ قدم سے مراد یہاں پر کفار ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم ہے کہ وہ اہلِ دوزخ سے ہیں۔اور قدم کو متقدم پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ عرب متقدم چیز کو قدم کہتے ہیں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ قدم سے مراد وہ مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پیدا کرے گا اور اس کا نام قدم رکھے گا اور اس کی اپنی طرف اضافت کرے گا اور فرشتہ اس کو دوزخ میں رکھ دے گا، پس دوزخ اس سے بھر جائے گی۔

اور دوسرا قول ہے کہ قدم سے مراد اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق ہے اور اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ایسے ہے جیسے کہتے ہیں: ''ضرب الامیر اللص'' (امیر نے چور کو مارا) یعنی امیر نے چور کو مارنے کا حکم دیا۔

اور خلیل سے اس خبر کے معنی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی طرف مقدم کرے گا۔

اور عبداللہ بن المبارک سے منقول ہے کہ قدم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم ہے کہ یہ اہلِ دوزخ سے ہیں اور ہر وہ چیز جو مقدم ہو، اس کو قدم کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ ۝ (یونس:۲)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان ہی میں سے ایک (مقدس) مرد پہ وحی نازل کی ہے کہ آپ (غافل) لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان والوں کو یہ بشارت دیں کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس (ان کے نیک اعمال کا) بہترین اجر ہے، (اس پر) کافروں نے کہا: بے شک یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے O

اس آیت میں ''قدم صدق'' سے مراد وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو انہوں نے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجے۔

اور حسان بن عطیہ سے روایت ہے ''حتیٰ کہ جبار اپنا قدم رکھے گا'' اور اسی طرح وہب بن منبہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ایک قوم کو پیدا کیا جن کو قدم کہا جاتا ہے، ان کے سرکتوں کے سروں کی طرح ہیں اور جانوروں کے سروں کی طرح ہیں اور ان کے باقی اعضاء بنو آدم کے اعضاء کی طرح ہیں، انہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا، اللہ تعالیٰ جہنم کو ان سے بھر دے گا جس وقت کہ جہنم زیادتی کو طلب کرے گی۔

اگر تم سوال کرو کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے ''حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دوزخ میں اپنا پیر رکھ دے گا تو دوزخ کہے گی: بس بس! اور اس وقت دوزخ بھر جائے گی''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پیر سے مراد ہے لوگوں کا عددِ کثیر اور اس میں اضافت بطورِ ملک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قط قط'' اس پر بحث سورہ ق کی تفسیر میں گزر چکی ہے، اس کا معنی ہے: مجھے کافی ہے، مجھے کافی ہے اور میں بھر گئی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ جہنم کی آواز سے حکایت ہے۔الجوہری نے کہا: جب کہ حسبی کا معنی اکتفاء ہے تو قط کے لفظ میں قاف پر زبر ہے اور طاء ساکن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویزوی'' یعنی دوزخ کے اجزاء کو باہم جمع کیا جائے گا اور اکٹھا کیا جائے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص

۲۸۷۔۲۸۸،دارالکتب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۶۶۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی صفات پر قسم کھانے پر دلائل

اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ قسم کھانے پر دلیل یہ ہے کہ اہل السنۃ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے اسماء ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے اسماء کے علاوہ اس کی صفات ہوں، پس صفات کی قسم کھانا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اسماء کی قسم کھائی جائے اور اس میں قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ حلف اٹھاتے تھے "لا ومقلب القلوب" (اس ذات کی قسم جو دلوں کو پلٹنے والی ہے) اور اللہ کے بندوں کے دلوں کو پلٹنا یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور شارع علیہ السلام کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کی قسم کھائیں جو قسم نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حلف اٹھانے والا ہو، اس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام سے حلف اٹھائے"۔
(صحیح البخاری:۲۶۷۹، کتاب الشہادۃ، صحیح مسلم:۱۶۴۶، کتاب الایمان)

علامہ اشہب نے کہا ہے: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی امانت کی قسم کھائی جو امانت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے تو یہ قسم ہے۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی امانت سے مراد اس کو لیا جو بندوں کے درمیان امانتیں ہیں تو اس پر کوئی چیز نہیں ہے۔

اور ابن سحنون نے کہا: قرآن مجید میں ہے:

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٨٠﴾ (الصافات:۱۸۰)
آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں O

اس صفت سے مراد وہ چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں پیدا کیا ہے اور جس کے ساتھ وہ ایک دوسرے کو منسوب کرتے ہیں۔ اور ابن سحنون نے کہا کہ تفسیر میں وارد ہے کہ عزت سے مراد یہاں پر فرشتے ہیں اور اس قول کی طرف ابن سحون گئے ہیں۔ اور شاید وہ اس لیے گئے ہیں کہ عزت سے مراد "مربوبۃ" کو نہ لیا جائے یعنی وہ صفت نہ لی جائے جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا محلِ حوادث ہونا لازم آئے گا۔ اور ان کا یہ وہم صحیح نہیں ہے کیونکہ لفظِ رب کلامِ عرب میں کسی چیز کے مالک اور مستحق کے لیے مستعمل ہے اور یہ حدث اور خلق پر دلالت نہیں کرتا، پس صاحب الدابہ کو کہا جاتا ہے "رب الدابۃ" اور صاحب الدار کو کہا جاتا ہے "رب الدار"۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا (فاطر:۱۰)
جو شخص عزت چاہتا ہے تو تمام عزتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (المنافقون:۸)
حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ فاطر: ۱۰ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عزت کے ساتھ منفرد ہے اور المنافقون: ۸ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے رسول اور مومنین کو بھی عزت حاصل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں ان دونوں آیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ جو عزت رسول اور مومنین کے لیے ہے وہ بھی حقیقت میں اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ وہی اس کا حقیقت میں مالک ہے اور اسی نے اس کو پیدا کیا ہے، لہٰذا تمام عزتیں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ''یعنی عزت کا مالک اور اس کا مستحق وہ صرف اللہ عزوجل ہے اور وہ ہمیشہ عزت کے ساتھ موصوف ہے اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عزت مخلوق کی عزت کے مشابہ نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو منزہ فرمایا ہے ''سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ'' (الصافات: ۱۸۰) ''آپ کا رب غالب ہے اور ہر اس عیب سے پاک ہے جس کو وہ بیان کرتے ہیں''۔

اور اللہ تعالیٰ اپنے نفس کو اسی صفت کے ساتھ منزہ فرمائے گا جو بندوں کی صفات کے مبائن اور ان کے خلاف ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے مثل ہو۔

اللہ تعالیٰ کے کلام اور مصحف کی قسم کھانے میں مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے قرآن مجید کی قسم کھائی یا مصحف کی قسم کھائی یا جو اللہ نے نازل کیا ہے اس کی قسم کھائی، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے یہ قسم کھائی اس پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کے بدلہ میں ایک قسم کا کفارہ دے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۴۸۲)

الحسن البصری اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی قول ہے اور ابن القاسم نے ''العتبیۃ'' میں کہا ہے کہ جب اس نے مصحف کی قسم کھائی اور پھر اس قسم کے خلاف کیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

امام شافعی نے کہا: ''القرآن کلام اللہ'' قرآن اللہ کا کلام ہے اور امام ابوعبید کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام ابوعبید نے کہا: جس نے قرآن کی قسم کھائی اس پر کفارہ نہیں ہے اور یہی عطاء کا قول ہے۔ اور علی بن زیاد نے امام مالک سے اسی کی مثل نقل کی ہے، البتہ ان کے مذہب میں معروف اس روایت کے خلاف ہے۔

اسماعیل بن ابی اویس نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ کے کلام میں سے کوئی چیز مخلوق نہیں ہے۔ پس امام مالک کا یہ قول قطعیت کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ جس نے قرآن کی قسم کھائی اور اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ لازم ہے جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی یا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم کی قسم کھائی اور یہ اہل السنۃ کا مذہب ہے۔

(النوادر والزیادات ج ۴ ص ۱۶)

اور علامہ ابن المنذر نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی عزت اور اس کے جلال اور اس کی کبریائی کی قسم کھائی اور پھر اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ لازم ہے، پس اللہ کا کلام بھی اس کی صفت ہے تو اس کی قسم کو کھا کر اس کے خلاف کرنے پر کفارہ کا لازم ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

اور یہ علماء اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جس نے وجہ اللہ کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کیا تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ

ہے، پس اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کیا تو اس پر بھی کفارہ لازم ہوگا۔
رہا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ اس پر قرآن مجید کی ہر آیت کے بدلہ میں ایک کفارہ لازم ہوگا تو یہ تغلیظ پر محمول ہے اور اس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس پر ہر صورت کے لیے کفارہ ہے اور دوسرا یہ کہے کہ اس پر قرآن مجید کے ہر کلمہ کے لیے کفارہ ہے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ بات کافی ہے کہ جس نے قرآن کے ساتھ حلف اٹھایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ حلف اٹھایا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۲۹۴۔۲۹۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کے محامل

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ پُر نہیں ہوگی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا پیر رکھ دے گا اور وہ کہے گی: بس بس!، اس وقت وہ پر ہو جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے، پس اللہ سبحانہٗ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ اور رہی جنت تو اللہ عزوجل اس کے لیے مخلوق کو پیدا کرے گا۔ (صحیح البخاری: ۴۸۵۰، صحیح مسلم: ۲۸۴۶، سنن ترمذی: ۲۸۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۰)
متقدمین کے نزدیک قدم میں کوئی تاویل اور تحریف نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے اور کسی چیز پر اپنا قدم رکھنا اس چیز کی اہانت کو مستلزم ہوتا ہے، تو جب دوزخ مزید بھراؤ کا مطالبہ کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور متاخرین نے جب دیکھا کہ بہ ظاہر یہ آیت اور حدیث اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اس کے اعضاء کو مستلزم ہیں تو انہوں نے قدم کی مختلف تاویلیں کیں، جو درج ذیل ہیں:
(۱) قدم سے مراد مقدم اعمال ہیں یعنی اہل دوزخ جو برے اعمال پہلے کر چکے ہیں ان اعمال کو مجسم کر کے دوزخ سے نکال دیا جائے گا۔
(۲) اس سے مراد بعض مخلوق کے قدم ہیں۔
(۳) ایک مخلوق کا نام قدم ہے، اس مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(۴) قدم انسان کے اعضاء کے آخر میں ہوتا ہے، پس جو آخری مخلوق دوزخ کی اہل ہوگی، اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔
(۵) جن موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے گا ان کے بدلہ میں یہود اور نصاریٰ کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور کیونکہ وہ موحدین پر مقدم ہیں اس لیے ان کو قدم سے تعبیر فرمایا۔
(۶) ابلیس کفر میں سب پر مقدم ہے، اس لیے قدم سے مراد ابلیس ہے۔
(۷) بعض روایات میں قدم کی جگہ ''رِجل'' کا لفظ ہے یعنی پیر، اس کی بھی یہی تاویل ہے کہ اس سے مراد بعض مخلوق کا پیر ہے یا کسی مخلوق کا نام رِجل (پیر) ہے، اس سے وہ مخلوق مراد ہے۔
(۸) حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو پیدا کرے گا اور اس سے جنت کو بھر دے گا، اور دوزخ کے ذکر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ

کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ یعنی کوئی مخلوق پیدا کر کے اس کو بے قصور دوزخ میں داخل نہیں کرے گا، جب کہ بغیر کسی استحقاق کے ایک مخلوق کو جنت میں داخل کردے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ثواب کسی عمل پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی جنت عطا فرمادے گا جنہوں نے کوئی عمل نہیں کیا جیسے کم سن بچے۔ اور عذاب دینا کفر اور برے اعمال پر موقوف ہے، سو وہ کسی بے قصور کو عذاب نہیں دے گا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۳۔ ۵۷۴، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)

۱۳۔ بَابُ: قَوْلِ الرَّجُلِ لَعَمْرُ اللهِ

کسی شخص کا یہ کہنا کہ ''اللہ کی عمر کی قسم''
یعنی اللہ تعالیٰ کی حیات اور اس کی بقا کی قسم

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَعَمْرُكَ: لَعَيْشُكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''لعمرك'' کا معنی ہے: آپ کی زندگی کی قسم۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے ''لعمر اللہ''۔ امام بخاری نے اس قسم کھانے کا حکم بیان نہیں کیا، اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ طالب علم خود اس کے حکم کو تلاش کرلے گا اور اس کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی حیات اور اس کی بقاء کی قسم۔

اور الزجاج نے کہا ہے: ''لعمر اللہ'' کا معنی ہے: گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بقاء کی قسم کھائی ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ''لعمر اللہ'' کہنا فقہاء کوفہ اور امام مالک کے نزدیک قسم ہے، اور امام شافعی نے کہا: یہ کنایہ ہے، یعنی بغیر نیت کے یہ قسم نہیں ہوگی۔ امام اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور جب اس نے کہا ''لعمری'' تو الحسن البصری نے کہا: اگر اس نے یہ قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ ہے اور باقی فقہاء نے کہا کہ یہ قسم نہیں ہے، اگر اس نے قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''لعمرك'' کا معنی ہے آپ کی زندگی کی قسم''۔ اور امام ابن ابی حاتم نے اس کو اس آیت کی تفسیر میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور کہا ہے ''لعمرك'' کا معنی ہے: آپ کی حیات کی قسم! پس حیات اور عیش کا معنی ایک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۲۔ حَدَّثَنَا الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وَحَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم حِينَ قَالَ لَهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الاویسی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب ح اور ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن عمر النمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، انہوں نے کہا: میں

أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللّٰهُ وَكُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ وَفِيهِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَعْذَرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ فَقَامَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ فَقَالَ لِسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ لَعَمْرُ اللّٰهِ لَنَقْتُلَنَّهُ۔

نے عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ سے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، جب ان کے متعلق اہل افک (تہمت لگانے والوں نے) جو کہا سو کہا، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بری کر دیا، اور ہر ایک نے اپنی حدیث میں اس حدیث کا ایک جملہ بیان کیا، اور اس حدیث میں ہے کہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ نے عبداللہ بن ابی سے عذر کو طلب کیا، تو حضرت اُسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی حیات کی قسم! ہم ضرور اس کو قتل کر دیں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۳، ۲۶۳۷، ۲۶۶۱، ۲۶۸۸، ۲۸۷۹، ۴۰۲۵، ۴۱۴۱، ۴۶۹۰، ۴۷۴۹، ۴۷۵۰، ۴۷۵۷، ۵۲۱۲، ۶۶۶۲، ۶۶۷۹، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۷، مسند احمد: ۲۴۳۳۸، سنن دارمی: ۲۲۰۸)

صحیح البخاری: ۶۶۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "کسی شخص کا لعمر اللہ کہنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی حیات کی قسم! ہم اس کو ضرور قتل کریں گے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاویسی، اس میں اُویس کی طرف نسبت ہے اور یہ اوس کی تصغیر ہے اور اوس وہ ابن سعد بن ابی سرح ہیں، ان کی طرف ایک جماعت منسوب ہوتی ہے، ان میں سے ابوالقاسم عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اوس ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ مدنی ہیں اور بہت سچے ہیں، یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، اور یہ ابن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح، یہ ابن کیسان ہیں جو محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ اس حدیث کی پہلی سند کے رجال ہیں۔

اور اس حدیث کی دوسری سند میں حجاج کا ذکر ہے، یہ فعّال کے وزن پر ہے، یہ ابن منہال ہیں الانماطی البصری ہیں، یہ عبداللہ بن عمر النمیری سے روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید الایلی از الزہری۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور یہ متعدد مقامات پر گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب الشہادات میں از ابی الربیع گزر چکی ہے۔ اور کتاب المغازی اور کتاب التفسیر اور کتاب الایمان میں از عبداللہ بن عبداللہ گزر چکی ہے۔ اور عنقریب یہ کتاب

التوحید اور کتاب الاعتصام میں بھی آئے گی، اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستعذر" یعنی عبداللہ بن ابی ابن سلول کی لگائی ہوئی تہمت سے میرا عذر کون قبول کرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابٌ:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (البقرہ:۲۲۵)

۱۴۔ باب:

اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بردبار ہے O

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان سورۂ بقرہ: ۲۲۵ ہے۔ اور سورۃ المائدہ: ۸۹ میں جو آیت ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الایمان کے شروع میں ذکر کیا ہے اور وہاں پر لغو کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے، یعنی جو بلا ارادہ اور بلا قصد قسم کھائی جائے اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرمائے گا اور جو قصد اور ارادہ کے ساتھ قسم کھائی جائے اور پھر اس کو پورا نہ کیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۸۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۳۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ قَالَ قَالَتْ أُنْزِلَتْ فِي قَوْلِهِ لَا وَاللّٰهِ بَلَى وَاللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از ہشام، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ" (البقرہ:۲۲۵) کی تفسیر میں بیان کیا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ یہ آیت کسی شخص کے اس قول کے متعلق نازل ہوئی ہے جو کہتا ہے لا واللہ، وبلیٰ واللہ۔ (نہیں اللہ کی قسم، اور کیوں نہیں اللہ کی قسم!)

(صحیح البخاری: ۴۶۱۳، ۶۶۶۳، سنن ابوداؤد: ۳۲۵۴، موطا امام مالک: ۱۰۳۲)

صحیح البخاری: ۶۶۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان سورۃ البقرہ: ۲۲۵ ہے، اور اس حدیث

میں بھی سورۃ البقرہ: ۲۲۵ کو بیان کیا گیا ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں اور ہشام کا ذکر ہے وہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ابوعمر نے کہا: یحییٰ بن سعید اس آیت کریمہ کے نزول کے سبب میں منفرد ہیں اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''لا واللہ، بلی واللہ'' کے یمینِ لغو ہونے پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے دلائل

اس عنوان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عنوان میں سورۃ البقرہ: ۲۲۵ مراد ہے، کیونکہ سورۃ المائدہ: ۸۹ کو امام بخاری نے کتاب الایمان کے شروع میں ذکر کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور وہاں پر لغو کی تفسیر گزر چکی ہے۔

امام شافعی نے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ مذکور سے استدلال کیا ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول کے موقع پر حاضر تھیں، پس وہ دوسروں کی بہ نسبت اس آیت کو زیادہ جاننے والی ہیں اور انہوں نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی ہے جب کوئی شخص بات بات پر کہے ''لا واللہ، بلی واللہ'' اور یہی یمینِ لغو ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام ابوجعفر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے حسن بصری سے تیراندازوں کے قصہ میں مرفوعاً روایت کی ہے کہ ان میں سے جب کوئی شخص تیر پھینکتا تو قسم کھا کر کہتا کہ اس کا تیر نشانے پر لگا ہے، پھر ظاہر ہوتا کہ اس کا تیر نشانے پر نہیں لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیراندازوں کی قسمیں لغو ہیں، ان میں کوئی کفارہ نہیں ہے اور نہ کوئی سزا ہے، اس حدیث میں یمینِ لغو کی وہ تفسیر کی گئی ہے جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کیونکہ محدثین حسن بصری کی مراسیل پر اعتماد نہیں کرتے تھے، کیونکہ حسن بصری ہر ایک سے روایت لے لیتے تھے۔

یمینِ لغو کے متعلق دیگر مذاہب

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ لغو قسم یہ ہے کہ ایک آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور اس کا گمان اسی طرح ہو، پھر اس کے گمان کے خلاف ظاہر ہو، سو یہ ماضی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قسم مستقبل میں بھی داخل ہوتی ہے بایں طور کہ وہ کسی چیز کے متعلق قسم کھائے اور اس کا گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے، پھر جو اس نے قسم کھائی تھی اس کے خلاف ظاہر ہو، اور ربیعہ اور امام مالک اور مکحول اور امام اوزاعی اور اللیث کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

اور علامہ ابن المنذر وغیرہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ سے اور القاسم سے، عطاء

سے، شعبی سے، طاؤس سے اور حسن بصری سے اس کی مثل روایت کی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

اور ابی قلابہ سے منقول ہے کہ ''لا واللہ، اور' بلیٰ واللہ'' یہ عرب کی لغات میں سے ایک لغت ہے، اس سے قسم کا ارادہ نہیں کیا جاتا، یہ کلام کے صلہ سے ہے اور اسماعیل القاضی نے طاؤس سے روایت کی ہے کہ یمینِ لغو یہ ہے کہ ایک آدمی غصہ میں کوئی قسم کھائے، اور انہوں نے بعض تابعین سے کئی اقوال ذکر کیے ہیں۔ اور اس کا حاصل آٹھ اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول ابراہیم النخعی کا ہے کہ وہ کسی چیز پر قسم کھائے کہ وہ نہیں کرے گا، پھر وہ بھول جائے اور اس کام کو کرلے، اس کی روایت امام طبری نے کی ہے اور امام عبدالرزاق نے اس کی اپنی سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت کی ہے اور ان سے روایت ہے: یہ ایسے ہے جیسے کوئی مرد کہے اور اللہ کی قسم یہ بات اس طرح ہے، اور وہ یہ گمان کرتا ہو کہ وہ سچا ہے اور اس طرح سے نہ ہو۔

اور امام طبری نے از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ کوئی شخص غصہ میں قسم کھائے۔ اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ اس کو حرام قرار دے جس کو اللہ نے حلال کیا ہے اور یہ اس خبر کے معارض ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس میں کفارۂ قسم واجب ہوتا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ ایک شخص اپنے خلاف دعا کرے: اگر اس نے ایسا کیا، پھر وہ ایسا کرے اور یہ معصیت کی قسم ہے اور عنقریب تین ابواب کے بعد اس پر بحث آئے گی۔

علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے: یہ کہنا کہ یمینِ لغو، یمینِ معصیت ہے باطل ہے کیونکہ جو شخص معصیت کے ترک پر قسم کھاتا ہے وہ اپنی قسم کو عبادت قرار دیتا ہے اور جو شخص معصیت کے فعل پر قسم کھاتا ہے تو اس کی قسم منعقد ہوجاتی ہے اور اس سے کہا جائے گا کہ تم اس قسم کو پورا نہ کرو اور اپنی قسم کا کفارہ دو اور اگر اس نے اس کے خلاف کیا اور جس پر قسم کھائی ہے وہ کام کیا تو وہ گناہ گار ہوگا اور اس کی قسم پوری ہوجائے گی۔

ابن العربی نے کہا ہے: جس نے یہ کہا کہ یہ یمینِ غضب ہے اس کو یہ چیز رد کرتی ہے جو احادیث سے ثابت ہے یعنی جو اس باب میں مذکور ہے اور جس نے یہ کہا کہ یمینِ لغو وہ ہے کہ انسان اپنے خلاف دعا کرے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو یہ ہوگا یا اس نے نہیں کیا، پس لغو وہ برطریقِ کفارہ ہے اور قسم منعقد ہوجائے گی اور تحقیق یہ ہے کہ اس سے مواخذہ کیا جائے گا، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ انسان کو اپنے خلاف دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اور جس نے یہ کہا کہ یہ وہ قسم ہے جس میں کفارہ ہوتا ہے اس کا یمینِ لغو سے تعلق نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یمینِ لغو سے مواخذہ کو مطلقاً اٹھالیا ہے، پس یمینِ لغو میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کفارہ۔ پس یمینِ لغو کی اس کے ساتھ کیسے تفسیر کی جائے گی جس میں کفارہ ہے، اور کفارہ کا ثبوت مواخذہ کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۲۷۔ ۷۲۸، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

یمینِ لغو کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی التوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

وہ قسم جو انسان کی زبان پر اس کی بات کے دوران بلاقصد جاری ہوتی ہے اس میں کوئی کفارہ نہیں ہوتا، یہ اکثر اہلِ علم کا قول ہے

کیونکہ یہ یمینِ لغو ہے۔ عبد اللہ نے اپنے والد سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا: لغو میرے نزدیک وہ قسم ہے کہ ایک آدمی کسی چیز پر قسم کھائے اور اس کا گمان یہ ہو کہ وہ چیز اسی طرح سے ہے اور ایک مرد قسم کھائے اور اس کے دل میں کسی چیز کا عقد نہ ہو اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یمینِ لغو وہ ہے جس قسم کے ساتھ اس کے دل کا عقد نہیں ہوتا وہ حضرت عمر ہیں، حضرت عائشہ ہیں رضی اللہ عنہا۔ اور یہی عطاء، القاسم، عکرمہ، شعبی اور امام شافعی کا قول ہے، کیونکہ عطاء سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی یمینِ لغو مرد کا وہ کلام ہے جو اس کے گھر میں ہو "لا واللہ، وبلی واللہ"۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۵۴)

اور عطاء نے کہا: اس حدیث کی روایت زہری نے اور عبد الملک بن ابی سلیمان نے اور مالک بن مغول نے از عطاء از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موقوفاً کی ہے اور زہری نے روایت کی ہے کہ عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث روایت کی کہ لغو قسمیں وہ ہیں جو جھگڑے کے دوران ہوں اور مذاق کے دوران ہوں اور وہ بات جس کے ساتھ دل کا عقد نہ ہو۔ اور کفارہ کی قسمیں وہ ہیں ہر وہ قسم جس میں کسی چیز پر قسم کھائے حالتِ غضب میں یا دوسری حالت میں کہ وہ ضرور یہ کام کرے گا یا وہ ضرور یہ کام ترک کرے گا، پس یہ ان قسموں کا عقد ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو فرض کیا ہے۔ (سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۴۹)

اور اس لیے کہ لغو کلامِ عرب میں اس کلام کو کہتے ہیں جس میں زبان کی بات پر دل کا عقد نہ ہو اور یہ اسی طرح ہے۔ اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ اس قسم میں کفارہ نہیں ہوتا وہ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو مالک، حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور فقہاء تابعین میں سے حسن بصری، النخعی اور امام مالک ہیں اور یہ ان فقہاء کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ یہ یمینِ لغو ہے، اور اس مسئلہ میں ہمیں کسی کے خلاف کا علم نہیں ہے اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو ۝

جس قسم پر مواخذہ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں قسم پوری نہ کرنے کی صورت میں کفارہ لازم کیا ہے اور یمینِ لغو میں مواخذہ کی نفی کفارہ کی نفی کو مستلزم ہے کیونکہ مواخذہ کرنے میں یہ احتمال ہے کہ اس میں کفارہ کو واجب کیا ہے اس دلیل سے کہ کفارہ ان قسموں میں واجب ہوتا ہے جن قسموں میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جب کہ مواخذہ کفارہ کو واجب کرنا ہے اور یمینِ لغو میں اس کی نفی کر دی ہے تو اس میں کفارہ واجب نہیں ہوگا۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے جن صحابہ کا نام لیا ہے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مخالف ہو تو گویا اس پر اجماع ہو گیا اور اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو لغو کی تفسیر کی ہے اور ان قسموں کا بیان کیا ہے جن میں کفارہ ہے تو اس سے کلام اللہ کی تفسیر نکل آئی اور صحابی کی تفسیر مقبول ہے۔

۱۷۸۲۔ مسئلہ: اور جس نے کسی چیز پر قسم کھائی اور وہ اپنی قسم کے مطابق گمان کرتا تھا اور واقع میں اس طرح نہیں ہے جس طرح اس نے قسم کھائی ہے تو اس میں کوئی کفارہ نہیں ہو گا کیونکہ وہ بھی یمینِ لغو ہے۔

اور اکثر اہلِ علم کا یہ مذہب ہے کہ اس قسم میں کفارہ نہیں ہے، اس کو علامہ ابن المنذر نے بیان کیا ہے اور وہ اس کو حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو مالک اور حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ اور فقہاء تابعین میں سے حسن بصری، ابراہیم نخعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ثوری سے روایت کرتے ہیں۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا کہ یہ یمینِ لغو ہے وہ مجاہد ہیں اور سلیمان بن یسار، الاوزاعی، الثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں۔ اور اکثر اہلِ علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ یمینِ لغو ہے اور اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے اور ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ جس شخص نے کسی چیز پر اس گمان سے قسم کھائی کہ وہ حق ہے، پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو یہ یمینِ لغو ہے اور اس میں کفارہ ہے اور یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ اور امام احمد سے مروی ہے کہ اس میں کفارہ ہے اور یہ یمینِ لغو نہیں ہے کیونکہ یہ قسم مخالفت کے ساتھ پائی گئی، پس اس میں کفارہ واجب ہے جیسے کوئی مستقبل پر قسم کھائے۔

اور ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ اَيْمَانِكُمْ'' (المائدہ:۸۹) اور یہ قسم بھی اسی میں سے ہے۔ اور اس لیے کہ یہ وہ قسم ہے جو منعقد نہیں ہے، پس اس میں کفارہ واجب نہیں ہو گا جیسا کہ یمینِ غموس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اور اس لیے کہ یہ غیر مکسوب ہے کیونکہ اس نے جس چیز پر قسم کھائی تھی اس کا خلاف ظاہر ہوا، پس یہ اس کے مشابہ ہے کہ جس نے بھول کر قسم توڑ دی۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ ماضی کی قسم میں کفارہ نہیں ہوتا، کیونکہ قسم کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جس میں قسم کھانے والا صادق ہوتا ہے تو اس میں بالاجماع کفارہ نہیں ہے، ایک وہ قسم ہے جس میں قسم کھانے والا عمداً جھوٹ بولتا ہے تو وہ یمینِ غموس ہے، اس میں بھی کفارہ نہیں ہے اور پھر وہ بہت سنگین جرم ہے کہ اس میں کفارہ ہو۔ اور جس چیز کو وہ حق گمان کرتا تھا، پھر اس کے برخلاف ظاہر ہوا تو اس میں کفارہ نہیں ہو گا کیونکہ وہ یمینِ لغو ہے۔ اور رہی وہ قسم جو اس نے مستقبل کے کسی کام پر کھائی اور اس کے دل میں اس قسم کا عقد تھا اور اس نے قسم کا قصد کیا، پھر اس کے خلاف کیا تو اس پر کفارہ لازم ہو گا۔ اور جس قسم پر اس کے دل میں عقد نہیں تھا اور اس نے قسم کا قصد نہیں کیا اور وہ اس کی زبان پر بلا قصد جاری ہو گیا تو وہ یمینِ لغو ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام اسی پر دلالت کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ لغو قسمیں وہ ہیں جو جھگڑے پہ کھائی جائیں اور مذاق میں کھائی جائیں اور اس بات میں کھائی جائیں جس میں دل کا عقد نہیں ہے۔ اور قسموں کا کفارہ ہر اس قسم میں ہوتا ہے جس میں اس نے غضب کی صورت میں قسم کھائی یا دوسری حالت میں کہ وہ ضرور ایسا کرے گا یا نہیں کرے گا، پس یہ ان قسموں کا عقد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو فرض کیا ہے۔ الثوری نے اپنی جامع میں کہا ہے کہ قسمیں چار ہیں، دو قسموں میں کفارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد قسم کھائے اللہ کی قسم! میں یہ کام نہیں کروں گا، پھر وہ کام کر لے یا وہ کہے: اللہ کی قسم! میں یہ کام ضرور کروں گا، پھر وہ کام نہ کرے تو اس میں کفارہ ہے۔ اور

دو قسموں میں کفارہ نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ قسم کھائے اللہ کی قسم! میں نے یہ کام نہیں کیا حالانکہ اس نے یہ کام کیا ہے، یا قسم کھائے اللہ کی قسم! میں نے یہ کام کیا ہے اور اس نے وہ کام نہیں کیا۔ (المغنی ج ۱۳ ص ۲۰۳-۲۰۸، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی کی اس مفصل اور مدلل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یمینِ لغو کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ قسم ہے جو انسان کی زبان پر بلاقصد جاری ہوتی ہے اور اس کے دل میں اس قسم پر عقد نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص بات بات پر کہے "لا واللہ، بلی واللہ" اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ اور یمینِ لغو کی دوسری قسم وہ ہے کہ انسان اپنی دانست اور اپنے گمان میں کسی چیز پر قسم کھائے کہ یہ کام اس طرح ہے اور واقع میں وہ کام اس طرح نہ ہو، تو یہ یمینِ لغو ہے کیونکہ اس قسم میں کوئی گناہ نہیں ہے، کیونکہ وہ اپنی دانست اور اپنے گمان کے مطابق واقع کے خلاف قسم کھا رہا ہے اور اس میں کوئی کفارہ بھی نہیں ہے کیونکہ اس نے ماضی کے متعلق قسم کھائی ہے اور کفارہ کا تعلق مستقبل میں کھائی ہوئی قسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سو جب اس قسم میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کوئی کفارہ ہے تو پھر یہ یمینِ لغو ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء کا مذہب ہے۔

یمینِ لغو کے متعلق مذاہبِ فقہاء

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ، لکھتے ہیں:

یمینِ لغو یہ ہے کہ انسان ماضی یا حال کی کسی بات پر اپنی دانست میں سچی قسم کھائے اور درحقیقت وہ جھوٹ ہو، اس کو لغو اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا نہ گناہ نہ کفارہ، اس میں قسم کھانے والے کی بخشش کی امید کی گئی ہے۔ امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ یمینِ لغو اس قسم کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان پر بلاقصد جاری ہو، جیسے لا واللہ، بلی واللہ "نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم"۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۴۷-۴۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۰ھ، لکھتے ہیں:

یمینِ لغو کی جو تعریف مصنف نے ذکر کی ہے "ہدایہ" اس کی شروحات اور دیگر متون میں اسی طرح لکھا ہے لیکن علامہ زیلعی نے امام ابوحنیفہ سے امام شافعی کی طرح یمینِ لغو کی تعریف نقل کی ہے، اسی طرح "بدائع" میں ہمارے اصحاب کی طرف سے پہلے پہلی تعریف نقل کی ہے، پھر لکھا ہے: امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کی زبان پر جو "نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم" جاری ہوتا ہے یہ یمینِ لغو ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قسم ماضی اور حال پر موقوف ہے اور ہمارے نزدیک یہ یمینِ لغو ہے اور ہمارے اور امام شافعی کے درمیان اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بلاقصد مستقبل کے متعلق قسم کھائے تو یہ امام شافعی کے نزدیک یمینِ لغو ہے اور اس میں کفارہ نہیں ہے، اور ہمارے نزدیک یہ یمینِ منعقدہ ہے اور اس میں کفارہ ہے۔ یمینِ لغو صرف وہ ہے جو ماضی یا حال کے متعلق بلاقصد کھائی جائے۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۴۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی ۴۵۰ھ، لکھتے ہیں:

یمینِ لغو وہ ہے جو زبان پر بلاقصد جاری ہوتی ہے جیسے "نہیں خدا کی قسم اور ہاں خدا کی قسم" یہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۸۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

یمینِ لغو میں ایک قول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے گمان کے مطابق کسی بات پر قسم کھائے، پھر اس پر منکشف ہو کہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطا، شعبی، ابن جبیر، مجاہد، قتادہ، امام مالک اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھانے کے قصد کے بغیر کہے "نہیں خدا کی قسم، ہاں خدا کی قسم" یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، طاؤس، عروہ، نخعی اور امام شافعی کا قول ہے۔ اس قول پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے: "لیکن اللہ ان قسموں پر تم سے مواخذہ کرے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں"، یہ دونوں قول امام احمد سے منقول ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آدمی غصہ میں جو قسم کھائے وہ یمینِ لغو ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آدمی کسی گناہ پر قسم کھائے، پھر قسم توڑ کر کفارہ دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور وہ یمینِ لغو ہے، یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ آدمی کسی چیز پر قسم کھائے، پھر اس کو بھول جائے، یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۵۴۔۲۵۵، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ، لکھتے ہیں:

امام مالک کے نزدیک یمینِ لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے گمان کے مطابق کسی چیز پر قسم کھائے اور واقعہ اس کے خلاف ہو۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ)

۱۵۔ بَابٌ: إِذَا حَنِثَ نَاسِيًا فِي الْأَيْمَانِ — جب قسموں میں کسی شخص نے بھول کر قسم توڑ دی

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُمْ بِهٖ۔ (الاحزاب: ۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے"۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ۔ (الکہف: ۷۳)

اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی قسم کھانے والا بھولے سے قسم توڑ دے۔ امام بخاری نے عنوان میں اس کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ امام بخاری کی گزشتہ ابواب میں عادت ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے"۔

یعنی تم پر اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے جو کام تم نے خطاء سے کیا ہے لیکن گناہ اس کام میں ہے جس کو تم عمداً کرو گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے "زید بن محمد"، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرما دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ان کے آباء کی طرف منسوب کریں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، پھر فرمایا:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُمْ بِهٖ۔ (الاحزاب: ۵) "اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت

نہیں ہے"۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کا حکم ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حکم بر سبیل عموم ہے، پس اس میں ہر خطاء کرنے والا داخل ہوگا۔ اور امام بخاری کی غرض وہ ہے جس پر اس باب کی حدیث دلالت کرتی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: اور نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے"۔ (الکہف: ۷۳)

یہ دوسری آیت ہے جو سورۂ کہف میں مذکور ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: "جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے"۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کشتی توڑنے کا معاملہ ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ نسیان تھا، اور دوسری مرتبہ ان کا معاملہ عذر تھا، اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر اس سے زیادہ قصے بیان فرماتا۔ اور اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص بھول جائے اور قسم توڑ بیٹھے تو اس سے اس کی قسم مین گرفت نہیں کی جائے گی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ خطاء صحت اور ثواب کی ضد ہے اور نسیان یاد رکھنے کی ضد ہے اور باب کے عنوان میں صرف نسیان کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے مطابق تو صرف دوسری آیت ہے۔ اور اسی طرح یہ عنوان صرف باب کی ان احادیث کے مناسب ہے جن میں نسیان کی تصریح ہے، اور پہلی آیت کی یاد رکھنے کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ قتل بالخطاء میں دیت واجب ہوتی ہے اور جس شخص نے کسی دوسرے کا مال خطاءً ضائع کر دیا تو اس سے تاوان لیا جاتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلی آیت کا ذکر کیا اور اس باب کی احادیث کا ذکر کیا کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ہر ایک اپنے مذہب کے موافق حکم کو مستنبط کر لے، اسی وجہ سے امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں باب کا حکم نہیں بیان کیا۔ اور امام بخاری نے ان احادیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ احادیث احکام کی اصول ہیں اور مسائل کے استنباط کا مواد ہیں جن میں یہ صلاحیت ہے کہ ان پر قیاس کیا جائے۔ اور قتلِ خطاء میں دیت واجب ہوتی ہے اور خطاءً مال کو تلف کرنے سے تاوان واجب ہوتا ہے، یہ خطاب الوضع ہے، پس اس کو غور سے سمجھو کیونکہ یہ دقیق جگہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۴۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَرْفَعُهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا وَسْوَسَتْ أَوْ حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زرارہ بن اوفیٰ نے حدیث بیان کی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس کے وسوسوں سے درگزر فرمالیا

ہے، یا اس کے دل میں جو بات آتی ہے اس سے درگزر فرمالیا ہے
جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے یا اس پر کلام نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۲۸،۵۲۶۹، ۶۶۶۴، صحیح مسلم: ۱۲۷، سنن ترمذی: ۱۱۸۳، سنن نسائی: ۳۴۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۰، مسند احمد: ۸۸۶۴)

صحیح البخاری: ۶۶۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ وسوسہ بھی دل کے عمل سے ہے جیسا کہ نسیان بھی دل کا عمل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خَلّاد، اس میں خاء پر زبر ہے اور لام پر تشدید ہے، یہ سُلَمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مِسعر، (میم پر زیر اور سین پر جزم اور عین پر زبر ہے) یہ ابن کدام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زُرارہ (زاء پر پیش ہے) یہ ابن اوفی ہیں جو قاضی بصرہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یرفعُهُ" یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے "یرفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کہا، تا کہ یہ اس سے عام ہو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے یا کسی اور صحابی سے سنا ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تجاوز لامتی" اور ہشام کی روایت میں ہے "عن امتی" اور یہ زیادہ مناسب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یا اس کے دل میں بات آئے تو جب تک وہ اس پر کلام نہ کرے یا وہ کام نہ کرے اس سے گرفت نہیں ہوگی"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وجودِ ذہنی کی کوئی تاثیر نہیں ہے اور اعتبار صرف وجودِ قولی کا ہے قولیات میں اور وجودِ عملی کا ہے عملیات میں۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر کسی آدمی نے معصیت کے عزم کے اوپر اصرار کیا تو اس پر گرفت کی جائے گی۔
اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس کو وسوسہ نہیں کہا جاتا اور نہ اس کو حدیثِ نفس کہا جاتا ہے بلکہ یہ دل کے عمل کی ایک قسم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں قاضی ابوبکر پر رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس نے معصیت کا "ھم" کیا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور رد کی وجہ

یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان وسوسوں سے درگزر فرمالیا ہے یا اس کے دل میں جو بات آتی ہے اس سے درگزر فرمالیا ہے جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے یا کلام نہ کرے" اور "ھم" میں عزم نہیں ہوتا۔ اس لیے "ھم" پر مواخذہ کا قول صحیح نہیں ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۶۶۵۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ أَوْ مُحَمَّدٌ عَنْهُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ شِهَابٍ يَقُولُ حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بَيْنَمَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ النَّحْرِ إِذْ قَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ كُنْتُ أَحْسِبُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَذَا وَكَذَا قَبْلَ كَذَا وَكَذَا ثُمَّ قَامَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْتُ أَحْسِبُ كَذَا وَكَذَا لِهَؤُلَاءِ الثَّلَاثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم افْعَلْ وَلَا حَرَجَ لَهُنَّ كُلِّهِنَّ يَوْمَئِذٍ فَمَا سُئِلَ يَوْمَئِذٍ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا قَالَ افْعَلْ وَلَا حَرَجَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی یا محمد نے انس سے روایت کی از ابن جریج، انہوں نے کہا: میں نے ابن شہاب سے سناوہ کہتے تھے: مجھے عیسیٰ بن طلحہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ان کو حدیث بیان کی کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم نحر کو خطبہ دے رہے تھے اس وقت ایک مرد آپ کی طرف کھڑا ہوا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میں اس طرح اور اس طرح گمان کرتا تھا، اس سے اور اس سے پہلے، پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میں ان تینوں کے بارے میں گمان کرتا تھا اس طرح اور اس طرح، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں ہے، ان تینوں کے لیے اس دن فرمایا: پس جس چیز کے متعلق بھی آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے یہی فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۳، ۱۲۴، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۶۶۶۵، صحیح مسلم: ۱۳۰۶، سنن ترمذی: ۹۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۱۴، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۱، مسند احمد: ۶۴۴۸، موطا امام مالک: ۹۵۹، سنن دارمی: ۱۹۰۷)

صحیح البخاری: ۶۶۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ بابِ مذکور کا عنوان ہے "نسیان"، اور اس حدیث میں "حسبان" یعنی گمان کا ذکر ہے، سو امام بخاری نے گمان کو نسیان کے ساتھ ملا دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عثمان بن الہیثم، یہ ابن الجہم ابو عمر المؤذن البصری ہیں۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "او محمد عنه" یعنی مجھے محمد نے ان سے حدیث بیان کی، یعنی از عثمان بن الہیث از ابن جریج۔ اور یہ محمد ابن یحییٰ الذہلی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک عثمان اور محمد بن یحییٰ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ الاسماعیلی

نے اس حدیث کو از محمد بن یحییٰ از الزہلی از عثمان بن الہیثم روایت کیا ہے۔اور اس کی مثل کتاب اللباس کے اواخر میں باب الذریرۃ میں گزر چکی ہے، اس میں مذکور ہے: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی یا محمد نے ان سے حدیث بیان کی از ابن جریج۔الحدیث۔اور اس پر بحث گزر چکی ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیسیٰ بن طلحہ، یہ ابن عبیداللہ التیمی القرشی ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم کے ''باب الفتیا'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کنت احسب کذا و کذا قبل کذا و کذا'' یعنی میں گمان کرتا تھا کہ طواف ذبح کرنے سے پہلے ہے یا ذبح کرنا سر منڈانے سے پہلے ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم قام آخر'' یعنی پھر دوسرا مرد کھڑا ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بھؤلاء الثلاث'' اس سے مراد ہے ذبح، سر منڈانا اور طواف کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لھن'' یعنی آپ نے ان تینوں کے لیے فرمایا: کرو اور کوئی حرج نہیں ہے، یعنی تقدیم اور تاخیر میں کوئی حرج نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۱۔۲۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۶۶۔حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ زُرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ قَالَ لَا حَرَجَ قَالَ آخَرُ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ لَا حَرَجَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن رفیع از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے طواف زیارت رمی کرنے سے پہلے کر لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، پھر دوسرے مرد نے کہا: میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، پھر تیسرے مرد نے کہا: میں نے رمی سے پہلے ذبح کر لیا، آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۴، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۶۶۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۰۷، سنن نسائی: ۳۰۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۰، مسند احمد: ۱۸۶۰)

صحیح البخاری: ۶۶۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں اگرچہ قسم کا ذکر نہیں ہے لیکن اس میں یہ بیان ہے کہ جو آدمی بھول کر کوئی کام کرے یا غلطی سے کوئی کام کرے تو اس سے قلمِ تکلیف اٹھالیا جاتا ہے اور اس پر گناہ نہیں ہوگا اور گرفت نہیں ہوگی، یہ علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے، اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث اور اس کے بعد والی جو احادیث ہیں، ان سب کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اسی طریقہ پر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکر، اور یہ ابن عیاش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز، یہ ابن رُفیع ہیں جو ابوعبداللہ الاسدی المکی ہیں، یہ کوفہ میں رہائش پذیر تھے، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے احادیث کا سماع کیا ہے، جریر سے منقول ہے کہ ان کی نوے (۹۰) سے زائد سال کی عمر تھی، یہ نکاح کرتے تھے اور بس نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی بیوی ان کے کثرتِ جماع سے تنگ آ کر کہتی مجھے چھوڑ دو۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، یہ ابن ابی رباح ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "زُرت قبل ان ارمی" "زُرت" سے مراد ہے: میں نے طواف زیارت کرلیا اور یہ طواف رکن ہے، یعنی وہ طواف ہے جو حج کا رکن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان دونوں حدیثوں سے یہ ظاہر ہے کہ جس نے بھولے سے حج کے افعال میں سے کسی کام کو مقدم یا موخر کر دیا تو آپ نے اس سے گناہ کی اور فدیہ کی نفی فرمائی۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے اور ابن الماجیشون نے قربانی کے مسئلہ میں اس کی مخالفت کی ہے، اور انہوں نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ (البقرہ: ۱۹۶)

اور جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اس وقت تک اپنے سروں کو نہ منڈاؤ۔

اس آیت میں قربانی کرنے سے پہلے سر منڈانے کو منع فرمایا ہے، سو اگر کسی نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈالیا تو اس پر فدیہ واجب ہونا چاہیے کیونکہ اس نے ممنوع کام کو کیا ہے۔

اور ابن الماجیشون کا یہ قول اس لیے غلط ہے کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے: ایک شخص نے کہا: میں نے رمی سے پہلے سر منڈالیا تو آپ نے فرمایا: "اب رمی کرو اور کوئی حرج نہیں ہے"۔ اور امام مالک نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا تو اس کو گناہ نہیں ہوگا اور اس پر فدیہ لازم ہوگا اور دوسرے فقہاء نے کہا: اس صورت میں گناہ بھی ہوگا اور فدیہ بھی دینا ہوگا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۶۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے

سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى وَرَسُولُ اللهِ ﷺ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَجَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ سَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ فَأَعْلِمْنِي قَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ وَاقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ وَتَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد مسجد میں داخل ہوا، پس اس نے نماز پڑھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک کونے میں تھے، سو وہ آیا، پس اس نے آپ کو سلام کیا، آپ نے اس سے فرمایا: واپس جاؤ، پس تم نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، وہ شخص واپس گیا، پس اس نے نماز پڑھی، پھر سلام کیا تو آپ نے فرمایا: ''وعلیک!'' واپس جاؤ، پس تم نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس مرد نے تیسری مرتبہ کہا کہ آپ مجھے نماز کا طریقہ سکھائیں، آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے قیام کا ارادہ کرو تو تم مکمل وضو کرو، پھر تم قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو، پس اللہ اکبر کہو، اور تمہیں قرآن میں سے جو آسانی سے یاد ہو وہ پڑھو، پھر تم رکوع کرو حتیٰ کہ تم اطمینان سے رکوع کرو، پھر تم اپنا سر اوپر اٹھاؤ، حتیٰ کہ تم اعتدال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، پھر تم سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرلو، پھر سجدہ سے اٹھو حتیٰ کہ سیدھے ہو اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ، پھر اپنی پوری نماز کو اسی طریقہ سے پڑھو۔

(صحیح البخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

صحیح البخاری: ۶۶۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس میں قسم کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے ''باب وجوب القرآن للامام والماموم'' میں گزر چکی ہے اور اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اس شخص نے کہا ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، میں اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا''۔ تو اس

حیثیت سے یہ حدیث اس باب میں داخل ہوگئی۔یعنی چونکہ اس میں قسم کا ذکر ہے اس لیے اس کا کتاب الایمان میں ذکر کرنا صحیح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، وہ حماد بن اسامہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن عمرو العمری، وہ سعید المقبر ی ہیں۔

اس حدیث میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ دلیلِ قطعی ہے کہ نماز میں اتنی قراءت جائز ہے جو آسانی سے پڑھی جاسکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں دوسجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنے کا ذکر نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں وہ واجب نہیں ہے، سو اس حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو جلسۂ استراحت کو واجب نہیں قرار دیتے۔

امام مالک کے نزدیک تعدیلِ ارکان فرض ہے اور ہمارا یعنی فقہاء شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے، ہاں روایاتِ مشہورہ میں تعدیلِ ارکان کا ذکر نہیں ہے، البتہ دیگر احادیث میں اس کا ذکر ہے جو سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

نیز اس حدیث میں آپ نے فرمایا: ''تم جو آسانی سے قرآن پڑھ سکو وہ پڑھو'' اس حدیث کے ظاہر سے امام ابوحنیفہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''جو تم آسانی سے قرآن پڑھ سکو وہ پڑھو''۔اور جمہور فقہاء اس حدیث کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد جو قرآن تم کو آسانی سے یاد ہو اس کو پڑھو۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ واقعہ سورہ فاتحہ کو پڑھنے کی فرضیت سے پہلے کا ہے۔اور بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ نے اس کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا بھی حکم دیا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۵۔۳۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن کی تاویلات پر مصنف کا مواخذہ

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ نے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے عدمِ فرضیت سے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے اس اعرابی کو یہ حکم دیا کہ ''جو تم قرآن میں سے آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو''۔اور علامہ ابن ملقن نے جو جوابات دیئے ہیں وہ ضعیف ہیں، کیونکہ سورۃ المزمل قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے اور اس میں یہ حکم ہے ''فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ'' (المزمل: ۲۰) ''پس تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو''۔اس سے ظاہر ہوگیا کہ جب نماز ابتداءً فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں تھا۔(سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۶۸۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ يَوْمَ أُحُدٍ هَزِيمَةً تُعْرَفُ فِيهِمْ فَصَرَخَ إِبْلِيسُ أَيْ عِبَادَ اللهِ أُخْرَاكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ بن ابی المغراء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں: غزوہ احد میں مشرکین کو شکست ہوگئی جو

فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ بْنُ الْيَمَانِ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ فَقَالَ أَبِي أَبِي قَالَتْ فَوَاللهِ مَا انْحَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ غَفَرَ اللهُ لَكُمْ قَالَ عُرْوَةُ فَوَاللهِ مَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهَا بَقِيَّةٌ حَتَّى لَقِيَ اللهَ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۰، ۳۸۲۴، ۴۰۶۵، ۶۶۶۸، ۶۸۸۳، ۶۸۹۰)

ان کے اندر معروف ہوگئی، پس ابلیس چلایا اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے لوٹو، پس لشکر کا پہلا گروہ پیچھے والوں پر حملہ کرنے کے لیے لوٹا، پھر لشکر کا اگلا حصہ اور پچھلا حصہ آپس میں لڑ پڑے، پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے دیکھا تو اچانک وہ ان کے والد تھے (جن کو مسلمان، مشرک سمجھ کر مار رہے تھے) انہوں نے کہا: یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس اللہ کی قسم! وہ ان سے نہیں رکے حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔ عروہ نے بتایا: پس اللہ کی قسم! حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ میں ہمیشہ اس کا قلق رہا حتیٰ کہ ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگئی۔

صحیح البخاری: ۶۶۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے والد کو خطا یا جہالت سے قتل کر دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر کوئی ناراضگی نہیں فرمائی، کیونکہ وہ اس سے لاعلم تھے کہ یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں، پس آپ نے ان کی جہالت کو نسیان کے منزلہ میں قرار دیا اور اس باب میں بھولے سے قسم توڑنے کا عنوان ہے۔ پس اس وجہ سے یہ حدیث اس باب میں داخل ہے۔ علاوہ ازیں اس کے اندر قسم کا بھی ذکر ہے، کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! وہ نہیں رکے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں فروہ بن ابی المغراء کا ذکر ہے، وہ ابوالقاسم الکندی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں علی بن مُسہر کا ذکر ہے، وہ ابوالحسن القرشی الکوفی ہیں جو موصل کے مضافات میں قضاء کے منصب پر تھے اور ایک سو نواسی (۱۸۹) ہجری میں ان کی وفات ہوگئی۔

یہ حدیث کتاب المناقب کے آخر میں 'باب ذکر حذیفہ بن الیمان'' میں اور غزوہ احد میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ای عباد اللہ اخراکم'' یعنی ابلیس نے چلا کر کہا: اے اللہ کے بندو! ان سے ہوشیار رہو جو تمہارے پیچھے ہیں اور ان کو قتل کر دو، اور یہ خطاب مسلمانوں سے تھا۔ ابلیس کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل کریں، پس

مسلمانوں کے لشکر کا اگلا حصہ لشکر کے پچھلے حصے سے قتال کرنے کی طرف لوٹا یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ مشرک ہیں۔ پس لشکر کے دونوں حصے ایک دوسرے پر حملہ کرنے لگے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابی، ابی" یعنی اے میری قوم! یہ میرے باپ ہیں ان کو قتل نہ کرو، پس انہوں نے ان کے باپ کو مشرکین میں سے گمان کرتے ہوئے قتل کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما انحجزوا" یعنی وہ باز نہیں آئے اور نہ رکے حتیٰ کہ انہوں نے ان کے والد کو قتل کر دیا "حجز یحجز" کا معنی ہے: منع کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مازالت فی حذیفة منها بقیة" یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے دل میں اس کا غم باقی رہا اور ان کے والد کو جو قتل کیا گیا تھا اس پر افسوس باقی رہا۔

یہ علامہ کرمانی کی تفسیر ہے اور صحیح یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پر ہمیشہ خیر باقی رہی، کیونکہ جن مسلمانوں نے ان کے والد کو غلطی سے قتل کر دیا تھا انہوں نے ان کے حق میں دعا کی اور کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے اور ان میں یہ خیر ہمیشہ رہی۔ اور علامہ کرمانی کی شرح کا حاصل یہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس پر ہمیشہ افسوس رہا کہ ان کے والد مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ پر رد نہیں فرمایا اور نہ انکار فرمایا جنہوں نے حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کو غلطی سے قتل کر دیا تھا، یعنی شارع علیہ السلام نے ان کی جہالت کو عذر قرار دیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۶۹۔ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَوْفٌ عَنْ خِلَاسٍ وَمُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ أَكَلَ نَاسِيًا وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عوف نے حدیث بیان کی از خلاس اور محمد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے روزہ کی حالت میں بھولے سے کھا لیا وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو صرف اللہ نے کھلایا ہے اور اسی نے پلایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۳، ۶۶۶۹، صحیح مسلم: ۱۱۵۵، سنن ترمذی: ۷۵۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۳، مسند احمد: ۱۰۲۸۷، سنن دارمی: ۱۷۲۶)

صحیح البخاری: ۶۶۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی حالت میں بھولے سے کھانے پینے کا ذکر ہے، اگرچہ اس حدیث میں قسم کا ذکر نہیں ہے جس کی کتاب الایمان کے ساتھ مناسبت ہوتی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد القطان الکوفی ہیں، یہ بغداد میں رہائش پذیر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابواسامہ کا ذکر ہے، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور عوف کا ذکر ہے، یہ اعرابی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خلاس کا ذکر ہے، یہ ابن عمرو الہجری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد کا ذکر ہے، وہ ابن سیرین ہیں اور اس کا عطف خلاس پر ہے۔

یہ حدیث کتاب الصوم میں ''باب الصائم اذا اکل او شرب'' میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جب کوئی روزہ دار بھول کر کھالے یا پی لے تو حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے عطاء، طاؤس، ابراہیم نخعی اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، سفیان ثوری، الاوزاعی، امام شافعی، ابوثور اور امام احمد اور امام اسحاق نے کہا ہے کہ اس پر کوئی تاوان نہیں ہے اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امام مالک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ ہم نے اجتہاد کیا ہے اور ایک روزہ کی قضاء کرنا معمولی بات ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۴ ص ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جو بھول کر روزہ میں کھالے یا پی لے اس پر اس روزہ کی نہ قضاء ہے اور نہ کفارہ ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۱۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۷۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ انْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيمَهُ فَكَبَّرَ وَسَجَدَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَسَلَّمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از الاعرج از عبداللہ بن بحینہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پس آپ پہلی دو رکعتیں پڑھا کر بیٹھنے سے پہلے کھڑے ہو گئے، پھر اپنی نماز جاری رکھی، پھر جب آپ نے نماز پوری کر لی تو لوگ آپ کے سلام کرنے کے منتظر تھے، پس آپ نے اللہ اکبر کہا اور سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ (سہو) کیا، پھر آپ نے سر اٹھایا، پھر اللہ

اکبر کہا اور سجدہ کیا، پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور سلام پھیر دیا۔

(صحیح البخاری: ۸۲۹، ۸۳۰، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۳۰، ۶۶۷۰ صحیح مسلم: ۵۷۰ سنن ترمذی: ۳۹۱ سنن نسائی: ۱۱۷۷ سنن ابوداؤد: ۱۰۳۴ سنن ابن ماجہ: ۱۲۰۷، مسند احمد: ۲۲۴۲۱، موطا امام مالک: ۲۱۸ سنن دارمی: ۱۴۹۹)

صحیح البخاری: ۶۶۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ اولیٰ کو بھولے سے ترک کر دیا، سو یہ حدیث اس حیثیت سے اس باب میں داخل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن ابی ذئب کا ذکر ہے، یہ محمد بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ابی ذئب ہیں اور ان کا نام ہشام بن سعد ہے اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن بحسینہ کا ذکر ہے، بحسینہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے والد کا نام مالک الہاشمی ہے۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں ''ابوابِ سجود السھو'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد کھڑے ہو گئے اور واپس لوٹ کر نہیں بیٹھے لیکن آپ نے سجدہ سہو کیا، اس سے معلوم ہوا کہ دو رکعت نماز کے بعد بیٹھنا فرض نہیں ہے، البتہ واجب ہے کیونکہ آپ نے اس کو ترک کرنے کی وجہ سے سجدہ سہو کیا۔ اور واجب کو ترک کرنے کی تلافی سجدہ سہو سے ہو جاتی ہے، البتہ اگر فرض کا ترک ہو جائے تو پھر نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۶۶۷۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ سَمِعَ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ عَبْدِ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى بِهِمْ صَلَاةَ الظُّهْرِ فَزَادَ أَوْ نَقَصَ مِنْهَا قَالَ مَنْصُورٌ لَا أَدْرِي إِبْرَاهِيمُ وَهِمَ أَمْ عَلْقَمَةُ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا قَالَ فَسَجَدَ بِهِمْ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَاتَانِ السَّجْدَتَانِ لِمَنْ لَا يَدْرِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبدالعزیز بن عبدالصمد سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں منصور نے حدیث بیان کی از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی، پس اس میں آپ نے اضافہ کیا یا کمی کی۔ (راوی) منصور نے کہا: میں نہیں جانتا ابراہیم کو وہم ہوا ہے یا علقمہ کو (اضافہ میں یا کمی میں)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا نماز کم

زَادَ فِي صَلَاتِهِ أَمْ نَقَصَ فَيَتَحَرَّى الصَّوَابَ فَيُتِمُّ مَا بَقِيَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔

ہوگئی یا آپ بھول گئے؟ آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ صحابہ نے بتایا آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس آپ نے دو سجدے کیے، پھر آپ نے فرمایا: یہ دو سجدے اس شخص کے لیے ہیں جو یہ نہیں جانتا کہ اس نے نماز میں اضافہ کیا ہے یا کمی کی ہے، پس وہ صحیح بات کو تلاش کرے، پھر جو نماز باقی رہ گئی ہو اس کو پورا کرے اور پھر سہو کے دو سجدے کرے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۱، ۴۰۴، ۱۲۲۶، ۶۶۷۱، ۷۲۴۹، صحیح مسلم: ۵۷۲، سنن نسائی: ۱۲۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۰۲۰، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۱، مسند احمد: ۳۵۹۱، سنن داری: ۱۴۹۸، سنن ترمذی: ۳۹۲)

صحیح البخاری: ۶۶۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس قول سے اخذ کی جاسکتی ہے "یا آپ بھول گئے" کیونکہ اس باب کے عنوان میں نسیان کا ذکر ہے، لیکن اس تطبیق میں "تعسف" ہے، کیونکہ اس معنی پر دلالت واضح نہیں ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو حدیثِ سابق کی موافقت میں ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے انہوں نے عبدالعزیز سے سنا، اور عبدالعزیز، وہ ابن عبدالصمد العمی البصری ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: العمی کی دو قسمیں ہیں، اول وہ ہے جو بنو تمیم کے عم کے قبیلہ کی طرف منسوب ہے، اور ثانی وہ ہے جو زید بن الحواری کا لقب ہے، اور اس کو یہ لقب اس لیے دیا گیا جب بھی اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ کہتا: حتیٰ کہ میں عمی سے سوال کرلوں یعنی میں اپنے عم سے سوال کرلوں۔ اور رہے عبدالعزیز جن کا اس سند میں ذکر ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ یہ قبیلہ کے عم کی طرف منسوب ہے اور ابن ماکول نے ذکر کیا ہے کہ ایک جماعت عم کی طرف منسوب ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علقمہ، وہ ابن قیس ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ کے باب "التوجہ نحو القبلة" میں از عثمان از جریر از منصور از ابراہیم از علقمہ گزر چکی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فزاد او نقص" یعنی آپ نے نماز میں اضافہ کیا یا نماز میں کمی کی، اس میں راوی کو شک ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے راوی منصور نے کہا: "میں نہیں جانتا کہ نماز میں اضافہ کرنے یا نماز میں کمی کرنے میں ابراہیم کو وہم ہوا ہے یا علقمہ کو وہم ہوا ہے"۔
امام لغت الجوہری نے کہا ہے کہ جب کہا جائے "وھمت فی الحساب" تو اس کا معنی ہے: مجھ سے حساب میں غلطی ہوئی یا سہو ہوا۔ اور جب کہا جائے "وھمت فی الشیء" تو اس کا معنی ہے کہ تمہارا وہم کسی معنی کی طرف جائے اور تم اس کے غیر کا ارادہ کرتے ہو۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ حدیث میں یہ لفظ ہے "کیا آپ نے نماز کم پڑھی ہے؟" اس سوال میں یہ صراحت ہے کہ آپ نے نماز میں کمی کی تھی۔ پھر علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا: اس میں راوی نے اختلاط کر کے دو حدیثوں کو جمع کر دیا ہے اور ان دونوں حدیثوں میں صحت کے ساتھ فرق کیا گیا ہے، کتاب الصلوٰۃ کے باب "استقبال القبلة" میں از منصور از ابراہیم از علقمہ از عبداللہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت ہے کہ ابراہیم نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے اضافہ کیا یا کمی کی، پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو صحابہ نے بتایا کہ آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی ہے۔ الخ۔ اور کتاب الصلوٰۃ کے باب "سجود السھو" میں از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعت نماز پڑھا کر مڑ گئے تو آپ سے حضرت ذوالیدین نے کہا: کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جائے کہ کمی سے مراد اس کا لازم ہے یعنی تغیر، پس گویا کہ حضرت ذوالیدین نے یوں کہا: کیا نماز کو اس کی وضع سے متغیر کر دیا گیا ہے؟ (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی)۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: جریر نے جو منصور سے روایت کی ہے اس میں مذکور ہے: ابراہیم نے کہا: میں نہیں جانتا کہ آپ نے اضافہ کیا یا کمی کی، پس اس روایت میں انہوں نے وثوق سے بیان کیا کہ ابراہیم ہی کو تردد ہوا تھا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ منصور نے جب عبدالعزیز کو حدیث بیان کی تو ان کو تردد تھا کہ کیا علقمہ نے یہ کہا ہے یا ابراہیم نے، اور جب انہوں نے جریر کو حدیث بیان کی تو ان کو وثوق تھا کہ ابراہیم نے یہ کہا ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "یتحری" یعنی وہ حق بات کی تحقیق میں اجتہاد کرے اور اس پر عمل کرے جس میں کم کا ذکر ہو۔

حدیث مذکور کی شرح از مصنف

امام بخاری نے یہاں پر اس حدیث میں بہت اختصار کیا اور صحیح البخاری: ۴۰۱ میں اس کی پوری اور مفصل روایت ہے، اس میں مذکور ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم نے کہا: مجھے پتا نہیں اس نماز میں آپ نے کچھ زیادتی کی یا کچھ کمی کی، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے؟ آپ نے پوچھا: اس کا کیا سبب ہے؟ صحابہ نے کہا: آپ نے اس طرح اور اس طرح نماز پڑھی، آپ نے اپنے پیر موڑے اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور دو سجدے کیے اور ہماری طرف منہ کیا اور فرمایا: اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تمہیں اس کی خبر دیتا، لیکن میں صرف تمہاری مثل بشر ہوں، میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو، پس جب میں بھول جاؤں تو تم

مجھے یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو تو اسے غور کر کے صحیح بات معلوم کرنی چاہیے، پھر اپنی نماز پوری کرنی چاہیے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرنے چاہیے۔

نسیان کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں اس طرح بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو"۔ لغت میں "نسیان" حفظ اور یاد رکھنے کی ضد ہے اور اصطلاح میں "نسیان" کا معنی ہے: دل کا کسی چیز سے غافل ہونا یعنی دل کا ایک چیز سے غافل ہو کر دوسری چیز میں مشغول ہونا بلکہ ایک چیز میں شدت اشتغال کی وجہ سے دوسری چیز سے غافل ہو جانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" آپ نے فرمایا: پس تم مجھے یاد دلایا کرو" یعنی میں جب سلام پھیرنے کے قریب پہنچ جاؤں تو تم مجھے "سبحان اللہ" کہہ کر یاد دلایا کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے آپ نے فرمایا: "اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوتا تو میں تم کو اس کی ضرور خبر دیتا" آپ کے اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ اسلام میں احکام منسوخ بھی ہوتے رہتے تھے

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آپ کے بعض افعال میں سہو اور نسیان ہو جاتا تھا لیکن آپ اس پر برقرار نہیں رہتے تھے۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۵۱۴، دار الوفاء، ۱۴۱۹ھ)

۶۶۷۲۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ ﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا﴾ قَالَ كَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۲۸، ۶۶۷۲، صحیح مسلم: ۲۳۸۰، مسند احمد: ۲۰۶۱۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا: ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: (قرآن مجید میں مذکور ہے): (موسیٰ نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے O (الکہف: ۷۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوئی تھی۔

صحیح البخاری: ۶۶۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ''نسیان'' یعنی بھول کا ذکر ہے، اور باب کا عنوان بھی نسیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحمیدی، یہ عبداللہ بن الزبیر ہیں جن کو ان کے اجداد میں سے ایک ''حُمید'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا'' یہاں پر کچھ عبارت محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے اس آیت کا معنی بتایئے یا مطلقاً کہا: مجھے حدیث بیان کیجئے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے الخ۔

امام بخاری نے یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ قصہ کے اکثر حصہ کو حذف کر دیا اور یہ قصہ اسی سند کے ساتھ سورۃ الکہف کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور نیز یہ کتاب العلم کے باب ''الخروج فی طلب العلم'' میں بھی گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۶۔۲۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسائل علمیہ میں بحث کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حُر بن قیس الفزاری میں بحث ہوئی، اور جب دو علماء میں اختلاف ہو تو کسی تیسرے بڑے عالم سے فیصلہ کرا لینا چاہیے جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرایا، اور کسی عالم کو اپنے موقف پر ضد نہیں کرنی چاہیے۔

انسان کتنا بڑا عالم کیوں نہ ہو، اس کو مزید علم کی جستجو میں رہنا چاہیے اور کسی سے علم حاصل کرنے میں تکلف اور جھجک سے کام نہیں لینا چاہیے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے حصولِ علم کے لیے روانہ ہو گئے اور سفر میں اپنے ساتھ اپنے شاگرد (حضرت یوشع بن نون علیہ السلام) کو بھی لیا اور کھانے پینے کی چیزیں بھی ہمراہ لیں اور یہ تمام چیزیں توکل کے عین مطابق ہیں خلاف نہیں ہیں۔

۶۶۷۳۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ كَتَبَ إِلَيَّ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ مُعَاذٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَ الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ وَكَانَ عِنْدَهُمْ ضَيْفٌ لَهُمْ فَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يَذْبَحُوا قَبْلَ أَنْ يَرْجِعَ لِيَأْكُلَ ضَيْفُهُمْ فَذَبَحُوا قَبْلَ الصَّلَاةِ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَمَرَهُ أَنْ يُعِيدَ الذَّبْحَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ عِنْدِي

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: کہ مجھے محمد بن بشار نے لکھا کہ ہم سے معاذ بن معاذ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن عون نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ان سے شعبی نے بیان کیا کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ان کے ہاں کچھ مہمان آئے ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ ان کے واپس آنے سے پہلے کسی (حلال) جانور کو ذبح کر لیں تا کہ ان کے مہمان

عَنَاقٌ جَذَعٌ عَنَاقُ لَبَنٍ هِيَ خَيْرٌ مِنْ شَاتَيْ لَحْمٍ فَكَانَ ابْنُ عَوْنٍ يَقِفُ فِي هَذَا الْمَكَانِ عَنْ حَدِيثِ الشَّعْبِيِّ وَيُحَدِّثُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ بِمِثْلِ هَذَا الْحَدِيثِ وَيَقِفُ فِي هَذَا الْمَكَانِ وَيَقُولُ لَا أَدْرِي أَبَلَغَتْ الرُّخْصَةُ غَيْرَهُ أَمْ لَا رَوَاهُ أَيُّوبُ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

اس میں سے کھائیں، پس گھر والوں نے نمازِ عید (الاضحیٰ) سے پہلے ایک جانور ذبح کر لیا، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ نماز کے بعد دوبارہ ذبح کریں، حضرت البراء رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے پاس چھ ماہ کا دودھ پیتا بکری کا بچہ ہے جس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت ہے۔ ابن عوف شعبی کی حدیث کے اس مقام پر رُک جاتے تھے اور محمد بن سیرین سے اسی حدیث کی طرح حدیث بیان کرتے تھے اور اس مقام پر رُک کر کہتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں یہ رخصت دوسروں کے لیے بھی ہے یا صرف حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے لیے ہے، اس کی روایت ایوب نے ابن سیرین سے کی ہے، انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی ﷺ سے۔

(صحیح البخاری: ۹۵۱، ۹۵۵، ۹۶۵، ۹۶۸، ۹۷۶، ۹۸۳، ۵۵۴۵، ۵۵۵۶، ۵۵۵۷، ۵۵۶۰، ۵۵۶۳، ۶۶۷۳، صحیح مسلم: ۱۹۶۱، سنن ترمذی: ۱۵۰۸، سنن نسائی: ۱۵۶۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۰۰، مسند احمد: ۱۸۰۱۲، سنن دارمی: ۱۹۶۲)

صحیح البخاری: ۶۶۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کی روایت مکاتبت کے صیغہ کے ساتھ کی ہے اور اس طرح کی حدیث صحیح البخاری میں صرف اسی جگہ پر ہے۔

اور محدثین نے کہا ہے کہ مکاتبت یہ ہے کہ کسی شخص کی طرف حدیث کا کوئی حصہ لکھا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مکاتبت اس مناولہ کی طرح ہے جو مقرونہ بالاجازت ہو، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک یہ سماع کے قائم مقام ہے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ ایسے مکاتبہ میں "اخبرنا، حدثنا" مطلقاً کہنا جائز ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معاذ بن معاذ، یہ مکتوب لہٗ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عون، یہ محمد بن عون ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبی، یہ عامر بن شراحیل ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

ایک روایت میں نمازِ عید سے پہلے ذبح کرنے کی نسبت حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی طرف ہے اور دوسری روایت میں اس کی نسبت حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کی طرف ہے، ان روایات کے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''شعبی سے روایت ہے کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے کہا''۔ اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ قصہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے لیے واقع ہوا لیکن اس سے پہلے کتاب العید میں یہ گزر چکا ہے کہ بقرہ عید کے دن جانور کو ذبح کرنے کا حکم دینے والے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ تھے، اُس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور وہ جانور کو ذبح کر چکے تھے تو انہوں نے کہا: میرے پاس ایک بکری کا بچہ ہے۔ الحدیث۔

اور مُطرِّف کی سند کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ حضرت براء نے بیان کیا کہ میرے ماموں جن کو ابو بردہ کہا جاتا تھا، انہوں نے بقرہ عید کی نماز سے پہلے جانور کو ذبح کر لیا، اور علامہ کرمانی نے ان دونوں حدیثوں میں یوں موافقت کی ہے کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ جو حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے ماموں تھے دونوں کا گھر ایک تھا تو کبھی اس واقعہ کی نسبت حضرت البراء نے اپنی طرف کر دی اور کبھی اس واقعہ کی نسبت انہوں نے اپنے ماموں کی طرف کر دی۔

اور دوسرے شارحین نے کہا: اگر اس حدیث کا مخرج اور سند ایک نہ ہوتا تو اس حدیث کو متعدد واقعات پر محمول کیا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ یہ شعبی کے راویوں کی طرف سے اختلاف آیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عندی عَناق'' (عین پر زبر ہے) اور اس سے مراد ہے بکری۔

''الجذع'' کی تعریف میں مختلف اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے ''جذع'' یہ وہ بکرا ہے جس کی عمر دوسرے سال میں پہنچی ہو۔ اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اونٹ میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جو پانچویں سال کا ہو اور گائے اور بکرے میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گائے میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جو تیسرے سال میں داخل ہو اور دنبے میں ''الجذع'' وہ ہوتا ہے جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ایک سال سے کم ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ابن عون اس جگہ توقف کرتے تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ رخصت حضرت البراء رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی ثابت ہے یا نہیں''۔ کتاب الاضاحی میں یہ گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بردہ سے کہا: تم بکرے کے ''الجذع'' کی قربانی کر دو اور تمہارے بعد کسی ایک کے لیے بکرے کے ''الجذع'' کی قربانی جائز نہیں ہوگی، اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''تم اس کو ذبح کر دو اور تمہارے علاوہ دوسروں کے لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہوگی''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۷۔۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی بیان کردہ ''الجذع'' کی تفسیر پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: اگر علامہ عینی کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق ''الجذع'' کا معنی یہ ہو کہ بکرا ایک سال کا پورا ہو کر دوسرے سال میں

شروع ہوتو ایک سال کے بکرے کی قربانی تو بالاتفاق جائز ہے اور صرف دنبہ میں یہ ہے کہ اگر دنبہ چھ ماہ کا ہو اور اتنا فربہ ہو کہ ایک سال کا لگتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔تو اس حدیث کی صحت اسی وقت متحقق ہوگی جب "الجذع" کا معنی چھ ماہ کا ہو، کیونکہ چھ ماہ کے بکرے کی قربانی جائز نہیں ہے اور چونکہ حضرت عبداللہ بن نیار رضی اللہ عنہ کا چھ ماہ کا بکرا بہت زیادہ فربہ تھا اور اس میں دو بکریوں سے زیادہ گوشت تھا تو اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی اور دوسروں کو اس کی اجازت نہیں دی۔(سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۷۴۔حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدَبًا قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم صَلَّى يَوْمَ عِيدٍ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ قَالَ مَنْ ذَبَحَ فَلْيُبَدِّلْ مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَكُنْ ذَبَحَ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاسود بن قیس، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ نے عید کے دن نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر آپ نے فرمایا: جس نے جانور ذبح کر لیا وہ اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے نہیں ذبح کیا تو وہ اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے۔

(صحیح البخاری:۹۸۵،۵۵۰۰،۵۵۶۲،۶۶۷۴، ۷۴۰۰،صحیح مسلم:۱۹۶۰،سنن نسائی:۴۳۹۸،سنن ابن ماجہ:۳۱۵۲،مسند احمد:۱۸۳۲۱)

صحیح البخاری:۶۶۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی حدیثِ سابق کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت البراء اور حضرت جندب رضی اللہ عنہما کی حدیث کی مناسبت باب کے ساتھ اس طرح ہے کہ ذبح کے وقت اگر کسی کو مسئلہ کا علم نہ ہو یا جو شخص بھولے سے نماز سے پہلے ذبح کر دے تو ان کا حکم برابر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسود بن قیس کا ذکر ہے، یہ العبدی ابو قیس الکوفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں جندَب کا ذکر ہے، یہ جندَب بن عبداللہ بن سفیان البجلی ہیں۔

یہ حدیث کتاب العیدین میں از مسلم بن ابراہیم اور کتاب الاضاحی میں از آدم گزر چکی ہے اور عنقریب یہ کتاب التوحید میں از حفص بن عمرو آئے گی۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث میں آپ نے فرمایا: جس نے نمازِ عید سے پہلے قربانی کی وہ دوبارہ قربانی کرے، اس حدیث میں آپ نے اس کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو کسی کام کی اجازت دیں اور دوسروں کو اس کام سے منع کر دیں تب اس کام کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے حضرت البراء رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کی اجازت دی اور دوسروں کو منع فرما دیا۔ اور محض احتمال سے بغیر دلیل کے کسی کام کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی، جیسے بعض دیوبندی علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو درخت کی شاخ کے دو ٹکڑے کر کے دو قبروں پر رکھ دیے تھے یا گاڑ دیے تھے اور ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف ہو گئی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اور دوسروں کے لیے قبر پر درخت کی شاخ یا گھاس یا پھولوں کو رکھنا جائز نہیں ہے، سو خصوصیت کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں اس آیت کا ذکر کیا ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ۔ (الاحزاب: ۵) ''اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے''۔

الاحزاب: ۵ کا تعلق قصہ مخصوصہ کے ساتھ ہے اور اس کا حکم عام نہیں ہے

یہ آیت ہر چیز میں غلطی کو شامل ہے یعنی کوئی کام بھی غلطی سے کیا تو اس پر گناہ نہیں ہو گا اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت قصہ مخصوصہ میں ہے یعنی کوئی شخص کسی کو کہے: اے میرے باپ حالانکہ وہ اس کا بیٹا نہ ہو یا کوئی شخص اپنی بیوی سے حالتِ حیض میں جماع کر لے اور اس کو یہ علم نہ ہو کہ اس کی بیوی حائضہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں لاعلمی سے غلطی ہونے پر گناہ نہیں ہو گا لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے اور اس آیت کا تعلق قصہ مخصوصہ سے ہے (جیسے ممانعت سے پہلے صحابہ زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص خطاءً قتل کرے تو اس پر دیت واجب ہوتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص خطاءً کسی کا مال ضائع کر دے تو اس پر تاوان واجب ہوتا ہے اور عنقریب اس باب میں ایسی احادیث آئیں گی جن سے ہم اس مسئلہ پر واقف ہوں گے۔

اگر کسی شخص نے بھولے سے قسم توڑ دی تو آیا اس پر کفارہ واجب ہو گا یا نہیں؟

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے بھولے سے قسم توڑ دی آیا اس پر کفارہ واجب ہو گا یا نہیں؟ سو اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

(۱) جو شخص بھولے سے قسم توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے، عطاء اور عمرو بن دینار نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ

وہ فلاں کام نہیں کرے گا اور اگر اس نے وہ کام کیا تو اس کی بیوی پر طلاق، پھر اس نے بھولے سے وہ کام کرلیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) جس شخص نے بھولے سے قسم توڑ دی اس پر کفارہ واجب ہوگا، اور یہ اس جماعت کا قول ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ہر چیز میں کفارہ لازم ہے خواہ ظہار ہو یا طلاق ہو یا غلام کو آزاد کرنا ہو، اور یہ سعید بن جبیر، قتادہ، زہری اور ربیعہ کا قول ہے۔ اور یہی امام مالک کا اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ اور امام شافعی کے قول میں اختلاف ہے، ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ وہ شخص حانث نہیں ہوگا اور یہی زیادہ ظاہر ہے، اور دوسری مرتبہ انہوں نے کہا: وہ شخص حانث ہو جائے گا اور ان کا تیسرا قول یہ ہے کہ وہ خصوصاً طلاق کی قسم میں حانث ہو جائے گا اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

اور علامہ ابن ہبیرہ نے امام شافعی سے تین روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں مذکور ہے کہ وہ مطلقاً حانث ہو جائے گا (یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی)، دوسری روایت میں مذکور ہے وہ مطلقاً حانث نہیں ہوگا، اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی تھی یا اس نے ظہار کیا تھا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر طلاق یا عتاق کی قسم کھائی تھی تو حانث ہو جائے گا۔

جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جس نے بھولے سے قسم توڑ دی اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (البقرہ:۲۲۵)

اللہ تم سے تمہاری بے ارادہ کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا، لیکن ان قسموں پر تم سے مواخذہ فرمائے گا جو تم نے پختہ ارادوں سے کھائی ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (المائدہ:۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ میں یہ آیت مذکور ہے:

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا (الکہف:۷۳)

(موسیٰ نے کہا:) جو چیز میں بھول گیا ہوں اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے مشن کو مجھ پر دشوار نہ کیجئے O

اور سنت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء کو اور نسیان کو اور جس کام پر ان کو مجبور کیا گیا ہو اس کے حکم کو اٹھا لیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ:۲۰۴۵)

پس واجب ہے کہ ہر صورت میں جو کام بھولے سے کیا گیا ہو اس پر کفارہ واجب نہ ہو۔

فقہاء نے کہا ہے: ہم نے یہ پایا کہ شریعت میں نسیان پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا مثلاً آدمی نماز میں بھولے سے کلام کرلے تو اس کی نماز نہیں ٹوٹتی، پس واجب ہے کہ جب آدمی بھولے سے قسم کے خلاف کرے تو اس پر کفارہ واجب نہ ہو۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت کفارہ کے وجوب کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اس شخص نے قسم توڑ دی ہے تو اس پر گناہ نہیں ہوگا اور کفارہ واجب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس پر گناہ نہیں ہوگا اور تنگی نہیں ہوگی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ قتل خطاء میں کفارہ واجب ہوتا ہے حالانکہ قتلِ خطاء میں گناہ نہیں ہے تو جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ گناہ ہے۔

باب مذکور کی احادیث میں نسیان اور جہالت کی وجہ سے حکم کے ساقط ہونے کی توجیہات

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ احادیث جن کو امام بخاری نے اس باب میں داخل کیا ہے، امام بخاری نے ان احادیث سے یہ ثابت کرنے کا ارادہ کیا ہے کہ جہالت اور نسیان کفارہ کو ساقط کرنے کا عذر ہے اور ان تمام احادیث کو یہ قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب ایک معنی میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور آپ کے اقوال سے استدلال کیا ہے کہ جہل اور خطاء کا عذر معتبر ہے اور نماز میں نسیان سے بھی استدلال کیا ہے۔

اور اس باب کی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق ہیں کہ میری امت سے خطاء اور نسیان اور جس کام پر انہیں مجبور کیا جائے اس کے حکم کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے روزہ میں بھول کر کھا لیا تو وہ اپنا روزہ پورا کرے اور آپ نے اس کو دوبارہ روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا۔

اور حضرت ابن بحسینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قعدہ کو بھول گئے اور آپ نے اس نماز کو نہیں دہرایا۔ اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جب کہ انہوں نے پہلے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے اس وقت تک کوئی سوال نہیں کریں گے جب تک کہ وہ خود نہیں بتائیں گے، پس جب حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھول پر درگزر کی حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ وہ بندوں کے بھولے سے کیے ہوئے کاموں پر ان سے مواخذہ نہ فرمائے، سو امام بخاری نے اس کے ساتھ اپنے استدلال کو شروع کیا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے درگزر کرنے کی زیادہ قوی امید رکھتے تھے۔

اور اسی طرح صحابہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے پھر منع فرمایا کہ لوگوں کو ان کے اصل آباء کی طرف منسوب کیا جائے، تو چونکہ لوگوں کی عادت تھی کہ جس کو کسی کا بیٹا بنایا جائے وہ اسے اس کی طرف منسوب کرتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو معذور قرار دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ۔ اگر تم نے غلطی سے بلا ارادہ کہا ہے تو اس میں تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ (الاحزاب: ۵)

اسی طرح حج کے احکام میں جن مسلمانوں نے بھولے سے کسی کام کو مقدم کر دیا یا مؤخر کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا حرج" کوئی حرج نہیں ہے اور ان کو ان کی جہالت کی وجہ سے معذور فرمایا۔ اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حج کی فرضیت کے مفصل احکام نہیں بیان فرمائے تھے حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود عمل کر کے حج کے احکام ظاہر فرماتے تھے تو آپ نے کسی کام کو مقدم کرنے یا مؤخر کرنے پر اس لیے کوئی فدیہ واجب نہیں کیا کہ انہوں نے غلبہ جہالت سے مقدم یا مؤخر کیا تھا اور اس میں ان کو خطاء

واقع ہوئی تھی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس باب کی احادیث تو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص غلبہ جہالت کی وجہ سے کوئی غلط کام کرے تو اس کو اس کام کے دہرانے کا حکم نہیں دیا جاتا حالانکہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے نماز پڑھی اور اس نے تعدیلِ ارکان نہیں کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم واپس جاؤ اور نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے شارع علیہ السلام نماز کی حدود بیان فرما چکے تھے اس لیے جس نے ناقص نماز پڑھی تو آپ نے اس کو معذور نہیں قرار دیا اور اس کو نماز دہرانے کا حکم دیا۔ پھر جب اس نے قسم کھا کر یہ کہا کہ اس کو اس سے اچھے نماز پڑھنے کے طریقہ کا علم نہیں ہے تو آپ نے اس کو اس کی پچھلی نمازیں دہرانے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح یہ سوال ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ گذر چکا ہے کہ اگر کسی شخص سے نماز میں کوئی کمی ہوگئی یا زیادتی ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ غور کر کے صحیح طریقہ کو تلاش کرے، یہاں بھی اس کی غلطی کی وجہ سے اس کی نماز سے درگزر نہیں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سنتوں میں سے اگر کوئی شخص کسی سنت کو ترک کر دے تو دوسری سنت سے اس کی تلافی ہو سکتی ہے جیسے اگر کوئی شخص قعدہ اولیٰ کو ترک کر دے تو سہو کے دو سجدے کرنے سے اس کی تلافی ہو جائے گی، لیکن اگر کوئی شخص نماز کے فرائض میں سے کسی فرض کو ترک کر دے گا تو پھر وہ نماز دہرانی ہوگی۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن نیار کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا، اور چونکہ ان کا عذر یہ تھا کہ انہوں نے سمجھا تھا کہ مہمانوں کو کھلانے کی وجہ سے اور پڑوسیوں کو کھلانے کی وجہ سے پہلے قربانی کرنا جائز ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حکم میں یہ نرمی کی کہ وہ چھ ماہ کے بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں اور دوبارہ انہیں قربانی کرنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ یہ ذریعہ ختم ہو جائے کہ کوئی شخص کھانے پینے کے عذر کی وجہ سے وقت سے پہلے قربانی کر دے۔

اور رہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کے قاتل سے دیت کو ساقط کر دیا اور چونکہ ان کو پتا نہیں تھا کہ یہ حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد ہیں تو ان کو اس جہالت کی وجہ سے معذور قرار دیا، کیونکہ دیت ان کے اوپر نصِ قرآن سے فرض ہے اور ان پر کفارہ دینا لازم تھا۔

امام بخاری نے ان احادیث کے محامل کو نہیں بیان کیا تاکہ ہر مجتہد ان احادیث کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق منطبق کر لے۔

(شرح ابن بطال ج ٦ ص ١٣٠۔١٢٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢٤ھ)

١٦۔ بَابُ: اَلْيَمِيْنِ الْغَمُوْسِ

عمداً جھوٹی قسم کھانا

وَلَا تَتَّخِذُوٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النحل: ٩٤)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ○

دَخَلًا: مَکْرًا وَخِیَانَۃً "دخلا" کا معنی ہے: سازش اور خیانت۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں "الیمین الغموس" کا حکم بیان کیا گیا ہے، "غموس" کے لفظ میں غین پر زبر ہے اور یہ "فعول" کے وزن پر فاعل کے معنی میں ہے، کیونکہ "یمینِ غموس" کا معنی ہے: عمداً جھوٹی قسم کھانا۔ اور اس قسم کی وجہ سے قسم کھانے والا اپنے آپ کو دنیا میں گناہ میں ڈبو دیتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں ڈبو دیتا ہے۔

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

"غموس" کا لفظ "فعول" کے وزن پر ہے اور اس میں مبالغہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب لوگ جھوٹی قسم کھاتے تو وہ ایک ٹب میں خوشبو رکھ دیتے یا را کھ رکھ دیتے یا گلاب کے پھول رکھ دیتے، پھر قسم کھاتے وقت اپنے ہاتھ اس خوشبو میں ڈبوتے تا کہ اس قسم کی تاکید حاصل ہو، تو اس قسم کو غموس اس لیے کہا گیا کہ قسم کھانے والا عہد شکنی کرتا تا کہ عہد کے توڑنے میں مبالغہ ہو۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، نے کہا ہے: گویا کہ غموس "مفعول" کے وزن پر ہے، کیونکہ یہ "الید المغموسۃ" (ڈبوئے ہوئے ہاتھ) سے ماخوذ ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۳۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارتِ مذکورہ پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ اس شخص کا تصرف ہے جس کو عربیہ سے بالکل ذوق نہ ہو اور اس بناء پر یمینِ غموس "غمس الید" سے ماخوذ ہے نہ کہ "الید" سے اور یہ اس معنی کی بناء پر فاعل کے معنی میں ہوگا جیسا کہ کسی ذہین آدمی پر مخفی نہیں ہے۔

یمینِ غموس کی تعریف

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اور فقہاء کے نزدیک "الیمین الغموس" کی تعریف یہ ہے کہ ایک مرد کسی چیز کی قسم کھائے اور اس کو معلوم ہو کہ وہ اس قسم میں جھوٹا ہے، وہ قسم اس لیے کھائے کہ وہ اس جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کو راضی کرے یا اس جھوٹی قسم سے کسی جرم کا عذر پیش کرے یا اس جھوٹی قسم سے کسی مسلمان کا مال ناجائز طور پر قبضہ میں کرے۔

اور ہمارے اصحابِ احناف نے کہا ہے کہ مرد کا کسی گزشتہ واقعہ پر عمداً جھوٹی قسم کھانا غموس ہے اور اگر اس کا یہ گمان ہو کہ واقعہ اسی طرح سے ہے تو پھر یہ یمینِ لغو ہے۔

یمینِ غموس کا حکم

علامہ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہلِ علم کے نزدیک یمینِ غموس میں کفارہ نہیں ہے، علامہ ابن بطال مالکی نے بھی اس کو جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔ ابراہیم نخعی، الحسن البصری، امام مالک اور اہلِ مدینہ میں سے ان کے موافقین اور اہلِ شام میں سے امام اوزاعی اور ثوری، اور تمام فقہاء احناف، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابوعبید اور محدثین کا یہی مسلک ہے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے: اس میں کفارہ ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔ (النحل: ۹۴)

اس آیت کو یمینِ غموس کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص عمداً جھوٹی قسم کھائے، اس پر اس آیت میں وعید ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ لوگ اپنی قسموں کو مکر اور سازش کا ذریعہ بنائیں۔

النحل: ۹۴ کی تفسیر از مصنف

اس آیت کی توضیح یہ ہے کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو توڑ دیا اور آپ کی شریعت کا انکار کر دیا، اس کا یہ فعل لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے مانع ہوا، کیونکہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اگر اسلام برحق دین ہوتا تو یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور اس پر پکی بیعت کر کے اس بیعت کو نہ توڑتے، تو یوں ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام اور آپ کی شریعت کی بیعت کر کے اور اس پر مؤکد قسمیں کھا کر توڑ دینا لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روک دینے کا سبب بنا اور ان کے آخرت میں بہت بڑے عذاب کا موجب ہوا کیونکہ مطلقاً قسم توڑ دینا اس قدر شدید عذاب کا موجب نہیں ہے بلکہ اس کی تلافی قسم کا کفارہ ادا کرنے سے ہو جاتی ہے۔

نیز علامہ عینی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

''دَخَلاً'' کا معنی ہے: مکر اور خیانت۔ اور قتادہ سے منقول ہے کہ اس کا معنی ہے خیانت اور عہد شکنی۔ اور ابوعبید نے کہا: ''دخل'' سے مراد ہر وہ کام ہے جو فساد پر مبنی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا فِرَاسٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں النضر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں فراس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الشعبی سے سنا از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کبیرہ گناہ (یہ ہے): اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، کسی جان کو ناحق قتل کرنا اور یمینِ غموس (عمداً

جھوٹی قسم کھانا)۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۰، ۶۹۲۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۱، سنن نسائی: ۴۰۱۱، مسند احمد: ۶۸۴۵، سنن دارمی: ۲۳۶۰)

صحیح البخاری: ۶۶۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "یمینِ غموس" اور اس حدیث میں یمینِ غموس کا حکم بیان فرمایا ہے کہ وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے النضر، یہ ابن شمیل ہیں، یہ شمل کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فراس، یہ ابن یحییٰ المکتب ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبی، یہ عامر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الکبائر" یہ کبیرۃ کی جمع ہے اور یہاں چار کبائر کا شمار کیا ہے اور اس کو غندر نے شعبہ سے روایت کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ "الکبائر الاشراك بالله وعقوق الوالدین، یا اس نے کہا: "الیمین الغموس"۔ اور اس حدیث میں "قتل النفس" کا شمار نہیں کیا اور عنقریب کتاب الحدود میں کبائر کا شمار آئے گا۔

گناہِ کبیرہ کی تعریف

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ فقہاء نے بیان کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جو حد کو واجب کرتا ہو اور اس کی کوئی حد نہیں ہے یعنی تعریف نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جمہور کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے خصوصیت سے وعید بیان فرمائی ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک گناہ کبیرہ کی صحیح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک یا حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے، اور واجب کا ترک یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہِ صغیرہ ہے۔

۱۷۔ بَابٌ: باب

إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ:۲۲۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O

وَقَوْلِهِ جَلَّ ذِكْرُهُ: وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (النحل:۹۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (النحل:۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ان آیات کا ذکر کیا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یمینِ غموس میں کوئی کفارہ نہیں ہے، کیونکہ ان آیات میں کفارہ کا ذکر نہیں کیا گیا، اسی وجہ سے ان آیات کے ذکر کے بعد اس باب کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں بھی جھوٹی قسم کھانے پر وعید ہے اور کفارہ کا ذکر نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جمہور فقہاء نے ان آیات اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ یمینِ غموس میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھوٹی قسم میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ قسم کے خلاف کرنا نافرمانی اور گناہ ہے اور اس پر آخرت میں سزا ہوگی، اور اس میں کفارہ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر اس یمینِ غموس میں بھی اگر قسم کے خلاف کرنے پر کفارہ فرض ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا جیسا کہ یمینِ منعقدہ میں قسم توڑنے پر کفارہ کو فرض کیا گیا ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہمارے علم میں کوئی ایسی سنت نہیں ہے جو یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب کرتی ہو، بلکہ حدیث ان فقہاء کے قول پر دلالت کرتی ہے جو یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب نہیں کرتے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ تمام دلائل ائمہ شافعیہ پر حجت ہیں۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اس آیت کا ذکر کیا گیا ہے: "بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O" (آل عمران:۷۷)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت الاشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کا بعض یہودیوں سے ایک زمین میں جھگڑا ہوا، پس یہودی نے اس زمین پر حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کی ملکیت کا انکار کیا، پس یہودی حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے یہودی سے پوچھا: کیا تم قسم کھاؤ گے؟ حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شخص تو (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرے مال پر قبضہ کرلے گا۔ اور عنقریب یہ حدیث آئے گی۔

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ آیت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تھی اور یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور اس فانی دنیا کی چیزوں کے عوض اپنی قسموں کو فروخت کریں گے تو ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔ مفسرین نے کہا: اگر وہ کفار ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بالکل کلام نہیں کرے گا اور اگر وہ مسلمان نافرمان ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے خوشی سے کلام نہیں کرے گا اور ان کو نفع نہیں پہنچائے گا اور ان کی طرف نہیں دیکھے گا یعنی ان پر رحم نہیں فرمائے گا اور ان پر مہربانی نہیں کرے گا اور فرمایا: "ولا یزکیھم" یعنی ان کی تحسین نہیں کرے گا۔

اور بعض فقہاء مالکیہ نے اس آیت سے اس پر بھی استدلال کیا ہے کہ عہد کا لفظ بھی قسم ہوتا ہے اور اسی طرح میثاق کا لفظ بھی قسم ہوتا ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "اور تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کی خیر خواہی سے بچنے کے لیے اللہ کے نام کی قسمیں کھانے کو بہانہ نہ بناؤ، اور اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O" (البقرہ: ۲۲۴)

علامہ نسفی نے کہا ہے: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے یہ حلف اٹھایا کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمن کے ساتھ اس وقت تک صلہ رحم نہیں کریں گے جب تک وہ اسلام کو قبول نہ کرلیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے داماد کے پاس یا سسر کے پاس نہیں جائیں گے اور نہ ان سے بات کریں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: "عُرضة" اس کا معنی ہے: تم اللہ تعالیٰ کی قسموں کو نیکی اور تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے علتِ مانعہ نہ بناؤ۔ پس اگر تم قسم کھاؤ کہ تم نیک کام نہیں کرو گے اور تم ان قسموں کو نیک کاموں کے نہ کرنے کی علت بنالو یا تم یہ کہو کہ ہم نے قسم کھائی ہے اور حالانکہ تم نے قسم نہ کھائی ہو۔ اور "عُرضة" کا لفظ "فُعلة" کے وزن پر ہے اور یہ لفظ اعتراض سے ماخوذ ہے اور جو چیز دو چیزوں کے درمیان معترض ہو وہ مانع ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "عرضة" کا معنی ہے: حجت، یعنی تم نیکی کے کام نہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسموں کو علتِ مانعہ نہ بناؤ یا حجت نہ بناؤ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان تبرّوا" اس سے پہلے حرف "لا" محذوف ہے یعنی "ان لا تبرّوا" یعنی تم اللہ تعالیٰ کی

قسموں کو اس لیے حجت نہ بناؤ کہ تم نیک کام نہیں کرو گے۔

اس آیت میں حرف "لا" اس طرح محذوف ہے جیسا کہ اس آیت میں محذوف ہے:

یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ (النساء:۱۷۶) اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قسموں کو اس لیے نہ کھاؤ کہ تم نیکی، تقویٰ اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کو ناپسند کرتے ہو۔

اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد وہ مرد ہے جو قسم کھاتا تھا کہ نہ وہ نیک کام کرے گا نہ نماز پڑھے گا اور نہ لوگوں کے درمیان صلح کرائے گا، اس سے کہا جاتا کہ تم نیک کام کیوں نہیں کرتے، تو وہ کہتا کہ میں نیک کام نہ کرنے کی قسم کھا چکا ہوں۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر ہے: "اور اللہ کے عہد کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، کیونکہ جو اللہ کے پاس (ایفاء عہد کا صلہ) ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو O" (النحل:۹۵)

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا جائے اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

بابِ مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ذکر ہے: "اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو جب کہ تم اللہ کو اپنا ضامن قرار دے چکے ہو، بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو O" (النحل:۹۱)

اس آیت میں بھی یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا گیا ہے اس کا پورا کرنا لازم ہے اور "کفیل" کا معنی شہید ہے، یعنی تم اللہ تعالیٰ کو اس عہد پر گواہ بنا چکے ہو۔ اس کی سعید بن جبیر نے بھی روایت کی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفیل کا معنی وکیل ہے، اس کی امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۰۔۳۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۷۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَصْدِيقَ ذٰلِكَ ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز پر لازمی جھوٹی قسم کھائی تا کہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا، پس اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ہے:

أَلِيمٌ﴾ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (آل عمران: ۷۷)

(صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم: ۱۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۳۵۶۶، مسند احمد: ۴۲۰۰)

۶۶۷۷۔ فَدَخَلَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ فَقَالَ مَا حَدَّثَكُمْ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالُوا كَذَا وَكَذَا قَالَ فِيَّ أُنْزِلَتْ كَانَتْ لِي بِئْرٌ فِي أَرْضِ ابْنِ عَمٍّ لِي فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ بَيِّنَتُكَ أَوْ يَمِينُهُ قُلْتُ إِذًا يَحْلِفُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔

پس حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آئے، سو انہوں نے کہا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ لوگوں نے کہا: اس طرح اور اس طرح، تو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی، میرے چچازاد کی زمین میں میرا ایک کنواں تھا، پس میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: یا تو تم گواہ پیش کرو یا پھر یہ قسم کھائے گا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو جھوٹی قسم کھالے گا، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز کے اوپر لازمی قسم کھائی اور وہ اس قسم میں جھوٹا تھا تاکہ وہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرلے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵۶، ۲۴۱۷، ۲۵۱۶، ۲۶۶۷، ۲۶۷۰، ۲۶۷۷، ۴۵۵۰، ۶۶۶۰، ۶۶۷۷، ۷۱۸۴، صحیح مسلم: ۱۳۸، سنن ترمذی: ۱۲۶۹، سنن ابوداؤد: ۳۲۴۳، سنن ابن ماجہ: ۳۵۶۶، مسند احمد: ۴۲۰۰)

صحیح البخاری: ۶۶۷۶۔۶۶۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب میں جو پہلی آیت ذکر کی گئی ہے اس کے اعتبار سے اس حدیث کی مطابقت بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان

ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو وائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، یہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

یمینِ صبر کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "من حلف علی یمین صبر"۔

یمینِ صبر اس قسم کو کہتے ہیں جو قسم لازم کرتی ہو اور جس کے متعلق قسم کھائی جائے اس کو مجبور کرتی ہو۔اور اس کی تعریف میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ قسم ہے کہ حاکم کسی مرد کو قید کر لے حتیٰ کہ وہ مرد قسم کھائے۔کہا جاتا ہے "صبرت یمینا" یعنی میں نے اللہ کی قسم کھائی۔اور "حبس" کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو قسم کھانے پر مجبور کیا جائے۔اور علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کو کھڑا کیا جائے حتیٰ کہ وہ لوگوں کے سامنے قسم کھائے۔

حضرت امامہ بن ثعلبہ سے امام مسلم اور امام نسائی نے اس قسم کی حدیث میں یہ روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جھوٹی قسم کھانے والے کو دوزخ میں داخل کر دے گا اور اس پر جنت کو حرام فرما دے گا۔اور سنن ابوداؤد میں حضرت عمران سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائے تو وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سورہ آل عمران کی تفسیر میں یہ حدیث گذری ہے کہ یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے عصر کے بعد اپنا سودا فروخت کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی۔

علامہ بدرالدین عینی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ان دونوں واقعوں کے متعلق وقتِ واحد میں نازل ہوئی ہو اور آیت کے الفاظ عام ہیں جو ان دونوں واقعات کو شامل ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟"۔ یہ (ابوعبدالرحمٰن) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

اس جگہ دوسرا سوال یہ ہے کہ صحیح البخاری کی کتاب الرہن میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ "پھر حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور انہوں نے کہا: تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟"۔اور یہاں اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ داخل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ تمہیں ابوعبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟"۔سو ان میں تعارض ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ان دونوں حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ "حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے ایک مکان سے نکلے جس مکان میں وہ پہلے تھے، پھر اس مکان میں داخل ہوئے جس میں لوگ موجود تھے"۔

اور اس جگہ تیسرا سوال یہ ہے کہ عنقریب کتاب الاحکام میں الاعمش اور منصور دونوں سے ثوری کی یہ روایت ہے: "پس حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ آئے اور اس وقت حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے"۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہاں پر موافقت اس طرح ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ "حضرت اشعث رضی اللہ عنہ اس

مکان سے اس دوسرے مکان کی طرف نکلے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، اور اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کو حدیث بیان کر رہے تھے اور شاید حضرت اشعث رضی اللہ عنہ کسی کام میں مشغول تھے پس ان کو پتا نہیں چلا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کیا حدیث بیان کی ہے، تو حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے پوچھا کہ تمہیں ابو عبدالرحمٰن نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: اس طرح اور اس طرح''۔

پھر اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب الاشخاص میں گزر چکا ہے کہ ''انہوں نے کہا: مجھ سے اشعث بن قیس کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا: تمہیں آج حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا حدیث بیان کی ہے؟ تو لوگوں نے بتایا: اس طرح اور اس طرح''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اور امام بخاری نے اس روایت کو الگ اس لیے بیان کیا ہے کہ حضرت اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''میرا اور میرے عم زاد کا ایک کنویں کے متعلق جھگڑا تھا'' اور ابو معاویہ کی روایت میں ہے ''ایک زمین کے متعلق جھگڑا تھا''۔ اور الاسماعیلی نے کتاب الشرب میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ راوی ابو حمزہ کنویں کے ذکر میں متفرد ہے، لیکن اسماعیلی کا یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ ابو عوانہ نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ اور اکثرین کی روایت یہ ہے کہ ان کے درمیان یہ جھگڑا ایک کنویں میں تھا، حضرت اشعث رضی اللہ عنہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ کنواں ان کا ہے اور یہ ان کے خصم کی زمین میں ہے یعنی ان کے چچازاد کی زمین میں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ابو معاویہ کی روایت میں یہ ہے کہ میرے اور یہودیوں میں سے ایک مرد کے درمیان ایک زمین کا جھگڑا تھا سو اس نے میرے دعویٰ کا انکار کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس زمین سے مراد کنویں کی زمین ہے اور تمام زمین مراد نہیں ہے اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ میرا میرے چچازاد سے جھگڑا تھا اور دوسری روایت میں ہے کہ یہود سے جھگڑا تھا، ان میں بھی کوئی منافات نہیں ہے، اس لیے کہ اہل یمن کی ایک جماعت یہودی تھی، پھر جب یوسف ذونواس نے یمن پر غلبہ حاصل کیا اور وہاں سے حبشیوں کو نکال دیا تو وہاں اسلام آ گیا اور وہ اس وقت مسلمان ہو چکے تھے۔

اور امام طبرانی نے از شعبی از حضرت الاشعث رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ مخضرمین میں سے ایک مرد نے ہمارے ایک مرد سے جھگڑا کیا جس کو خفشیش کہا جاتا تھا، اور یہ جھگڑا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا جو اس کی زمین میں تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مخضرم سے فرمایا: تم اس زمین پر اپنے حق کے متعلق گواہ پیش کرو ورنہ تمہارا خصم انکار پر قسم کھائے گا۔۔۔ الحدیث

اور یہ روایت صحیح البخاری کی اس حدیث کے مخالف ہے اور اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔

اور ابو معاویہ کی روایت میں ہے ''آپ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس گواہ ہے؟ میں نے کہا: نہیں! پھر آپ نے یہودی سے فرمایا: تم قسم کھاؤ''۔ اور ابو حمزہ کی روایت میں ہے ''کیا تمہارے پاس گواہ ہیں تو میں نے کہا: میرے پاس گواہ نہیں ہیں، تو آپ نے فرمایا: پھر اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا''۔۔۔ الحدیث (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۲-۳۰۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ٦٦٧٦، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یمینِ غموس میں کفارہ نہ ہونے کے مزید دلائل

امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: جس شخص نے کسی کام کے نہ کرنے پر قسم کھائی، پھر اس نے دیکھا کہ اس کام کے کرنے میں خیر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کام کو کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (صحیح مسلم: ۱۶۵۰)

علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی اس کا انکار کرے تو ان دونوں پر قسم پیش کی جاتی ہے اور وہ قسم کھا کر بار بار ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۱، کتاب الطلاق، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، کتاب اللعان)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے پر لعان کرنے والوں سے توبہ کو طلب کیا کہ تم میں سے ضرور کوئی جھوٹا ہے تو وہ توبہ کرلے اور آپ نے ان پر کفارہ واجب نہیں کیا۔ اگر ان پر کفارہ واجب ہوتا تو آپ کفارہ کا ذکر فرماتے جس طرح آپ نے یہ فرمایا تھا کہ کیا تم دونوں میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس قسم کے سبب سے کوئی مرد کسی مالِ حرام پر قبضہ کرتا ہے تو وہ اس سے بہت سنگین ہے کہ اس قسم کا کفارہ دیا جائے۔ اور ہمیں کسی ایسی حدیث کا علم نہیں ہے جس میں یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب کیا ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۲۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابُ: الْيَمِينِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِي الْمَعْصِيَةِ وَفِي الْغَضَبِ

جو چیز ملکیت میں نہ ہو اس کے متعلق قسم کھانا اور گناہ کے متعلق قسم کھانا اور حالتِ غضب میں قسم کھانا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس چیز کے متعلق قسم کھائے جس کا وہ مالک نہیں ہے تو اس کا کیا حکم ہے، اور جو شخص گناہ کرنے کے متعلق قسم کھائے اس کا کیا حکم ہے، اور جو شخص حالتِ غضب میں قسم کھائے اس کا کیا حکم ہے۔ امام بخاری نے ان تینوں میں سے ہر عنوان کے متعلق ترتیب سے حدیث ذکر کی ہے جس سے ان تینوں حدیثوں میں سے ہر ایک کا حکم سمجھ میں آجاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ أَرْسَلَنِي أَصْحَابِي إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَسْأَلُهُ الْحُمْلَانَ فَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از حضرت ابو بردہ از حضرت ابوموسیٰ

وَاللّٰهِ لَا أَحْمِلُكُمْ عَلَى شَيْءٍ وَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَلَمَّا أَتَيْتُهُ قَالَ انْطَلِقْ إِلَى أَصْحَابِكَ فَقُلْ إِنَّ اللّٰهَ أَوْ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْمِلُكُمْ۔

اشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے میرے اصحاب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تا کہ میں آپ سے سواریوں کا سوال کروں، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا، اور میں آپ کے پاس اس وقت گیا تھا جب آپ حالتِ غضب میں تھے۔ پس جب میں آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے اصحاب کے پاس جاؤ، پس کہو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے یا کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سواریوں پر سوار کرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۸۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے جزو اول کے ساتھ مطابقت ہے جس میں مذکور ہے ''اس چیز کے متعلق قسم کھانا جس کا انسان مالک نہ ہو''۔

یہ حدیث بعینہٖ اسی سند کے ساتھ باب ''غزوہ تبوک'' کے اول میں گزر چکی ہے۔ وہاں اس حدیث کو از محمد بن العلاء از ابی اسامہ از بُرید بن عبد اللہ بن ابی بُردہ روایت کیا تھا جن کا نام عامر ہے اور ایک قول ہے کہ اس حدیث کو حارث نے از ابی موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری روایت کیا ہے۔ اور یہ بُرید اپنے دادا ابی بردہ سے روایت کرتے ہیں اور ابو بُردہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور یہاں پر اس حدیث کا اختصار کیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ وہ ان کو سواریوں پر سوار نہیں کریں گے اور جس وقت انہوں نے سواریوں کا سوال کیا تھا اس وقت آپ ان سواریوں کے مالک نہیں تھے۔ پھر آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا اور ان کو چھ اونٹ دیے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس قسم میں احتیاط کی، پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ آپ کی قسم منعقد ہو گئی تھی۔

جو شخص کسی ایسی چیز پر قسم کھائے جس کا وہ مالک نہ ہو تو قسم توڑنے پر کفارہ کے لزوم میں مذاہب فقہاء

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث میں اس کی مثال ہے کہ ایک شخص یہ قسم کھاتا ہے کہ وہ ہبہ نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں کرے گا یا غلام آزاد نہیں کرے گا اور اس حالت میں وہ ان میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، پھر اس کے بعد اس کو مال حاصل ہو جاتا ہے، پھر وہ ہبہ کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا غلام آزاد کرتا ہے، تو فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اس صورت میں اس پر کفارہ

لازم ہے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے اشعریین کے ساتھ کیا۔ آپ نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور اس کام کو کیا جو بہتر تھا۔

اور اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ ہبہ نہیں کرے گا یا صدقہ نہیں کرے گا جب تک کہ اس کے پاس مال معدوم ہو اور اس نے مال کے معدوم ہونے کو ان چیزوں سے رکنے کی علت قرار دیا ہو، پھر بعد میں اس کو مال حاصل ہو گیا تو فقہاء کے نزدیک اگر اس نے ہبہ کیا یا صدقہ کیا تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس کی قسم مال کے معدوم ہونے کی صورت میں واقع ہوئی تھی نہ کہ مال کے وجوب کی صورت میں۔

جو شخص کسی غلام کا مالک نہ ہو اور اس کو آزاد کرنے کی قسم کھائے، یا جو عورت اس کے نکاح میں نہ ہو اس کو طلاق دینے کی قسم کھائے، اس کے متعلق اختلافِ فقہاء

التوضیح میں علامہ ابن الملقن نے لکھا ہے: جب کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ اس غلام کو آزاد کرے گا جس کا وہ مالک نہیں ہے بشرطیکہ وہ مستقبل میں اگر اس کا مالک ہو گیا تو اس کو آزاد کر دے گا۔ پس امام مالک نے کہا: اگر اس نے اس غلام کے شخص کو معین کیا تھا یا قبیلہ کو یا جنس کو تو اس پر آزاد کرنا لازم ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا: میں جس غلام کا کبھی بھی مالک ہوں تو وہ آزاد ہے تو اس پر آزاد کرنا لازم نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی مرد نے اس عورت کے متعلق کہا جو اس کے نکاح میں نہیں ہے کہ اگر وہ میرے نکاح میں آئی تو اس کو طلاق، تو اگر اس نے اس عورت کا قبیلہ معین کر دیا یا شہر معین کر دیا یا صفت کو معین کر دیا تو اگر وہ عورت اس کے نکاح میں آگئی تو اس کو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے اس عورت کا قبیلہ یا شہر یا صفت کو معین نہیں کیا تو پھر اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: اس پر طلاق دینا بھی لازم ہوگا اور غلام کو آزاد کرنا بھی لازم ہوگا خواہ اس نے یہ بات بالعموم کہی ہو یا بالخصوص کہی ہو۔

اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس پر آزاد کرنا لازم نہیں ہوگا خواہ وہ اس کو معین کرے یا بطورِ عموم کہے۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سے منع کیا ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کی ہیں وہ ان کو حرام کرے۔

اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ یہ قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، پس اس پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کو پورا کرے اگر وہ اس پر قادر ہو تو۔

اور امام شافعی کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معصیت کی نذر لازم نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر لازم ہے جس کا ابن آدم مالک نہ ہو۔ اور جب اس پر اس چیز کی نذر لازم نہیں ہے جس کا وہ مالک نہ ہو تو جس چیز کا وہ مالک نہیں ہے اس کے قسم کا وہ بطریقِ اولیٰ مالک نہیں ہوگا، لہٰذا اس پر اس قسم کا پورا کرنا لازم نہیں ہے۔

رہی طلاق تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں طلاق کو نکاح کے بعد رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب:۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے جس کا تم شمار کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا ہے کہ جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو، اور "پھر" کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ طلاق نکاح کے بعد متحقق ہوگی اور نکاح کے بغیر یا نکاح سے پہلے طلاق متحقق نہیں ہوگی۔ لہٰذا جس مرد نے کسی ایسی عورت کے متعلق کہا جو اس کے نکاح میں نہیں ہے کہ جب میں نے اس سے نکاح کیا تو اس کو طلاق، یا اس نے بالعموم کہا کہ میں جس عورت سے بھی نکاح کروں تو اس کو طلاق، تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق نکاح کے بعد واقع ہوتی ہے نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ از مصنف

میں کہتا ہوں: یہ پوری عبارت علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی ہے جیسا کہ شرح ابن بطال ج ۶ ص ۱۲۲۔۱۲۱ میں مذکور ہے۔ علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اس پوری عبارت کو من وعن اور حرف بہ حرف شرح ابن بطال سے نقل کیا ہے اور ابن بطال کا حوالہ نہیں دیا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۳۰۔۳۲۹) اور علامہ عینی نے اس عبارت کے پہلے حصہ کو تو علامہ ابن بطال کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ واقع میں یہ علامہ ابن بطال ہی کی تحریر ہے، اور "وفی التوضیح" سے کہہ کر علامہ ابن ملقن سے نقل کیا ہے حالانکہ یہ پوری عبارت بھی شرح ابن بطال میں مذکور ہے۔ علامہ عینی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کو میں نہیں سمجھ سکا۔

امام ابوحنیفہ کے خلاف امام شافعی کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

یہ درست ہے کہ طلاق کا وقوع نکاح منعقد ہونے کے بعد ہوتا ہے لیکن جس شخص نے یہ کہا کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق، تو فی الفور اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق نکاح کے بعد ہوتی ہے، لیکن اگر اس مرد نے اس عورت سے نکاح کرلیا تو اب اس عورت پر طلاق واقع ہوجائے گی اور یہ طلاق نکاح کے بعد ہی ہے۔ اور قرآن مجید کی جس آیت سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ تنجیزاً طلاق نکاح کے بعد ہوتی ہے اور تعلیقاً طلاق کو نکاح سے پہلے بھی معلق کرنا جائز ہے لیکن یہ طلاق نکاح کے بعد ہی واقع ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی مرد نے کہا کہ میں نے جب بھی جس عورت سے بھی نکاح کیا تو اس پر تین طلاق واقع ہوں گی اور وہ مجھ سے بائنہ ہوجائے گی تو اب وہ مرد کسی عورت سے بھی تا حیات نکاح نہیں کرسکتا۔ اور اس سے چھٹکارے کی صورت صرف یہی ہے کہ وہ شخص مذہب احناف کو چھوڑ کر امام شافعی کے مذہب کو اختیار کرلے، کیونکہ امام شافعی کے نزدیک یہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

حالتِ غضب میں کھائی ہوئی قسم اور حالتِ غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق اختلافِ فقہاء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم کھائی کہ میں تمہیں کسی سواری پر سوار نہیں کروں گا اور اس وقت آپ حالتِ غضب میں تھے"۔

جمہور فقہاء اس شخص پر قسم کا کفارہ واجب کرتے ہیں جو حالتِ غضب میں قسم کھائے اور اس کے غضب کو اس کی قسم کے لیے تاکید قرار دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص غصہ اور غضب میں ہو تو اس کی قسم لغو ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اور مسروق اور شعبی اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ جو شخص غصہ میں ہو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے نہ طلاق اور نہ غلام کو آزاد کرنا۔ اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اغلاق میں طلاق نہیں ہوتی۔ (اغلاق کا مطلب ہے: مشکل اور دشوار فہم کلام) اور نیز آپ نے فرمایا: ملکیت سے پہلے غلام کو آزاد کرنا واقع نہیں ہوگا۔

اور اشعریین کی اس حدیث میں ان اقوال کا رد ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے حالتِ غضب میں قسم کھائی اور پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا پھر میں دیکھوں کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو میں اس قسم کا خلاف کروں گا اور اس قسم کا کفارہ دوں گا۔ الحدیث

اور رہی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ اغلاق میں طلاق نہیں ہے، سو وہ ثابت نہیں ہے اور نہ اس میں اتنی قوت ہے کہ وہ اشعریین کی اس حدیث کے معارض ہو سکے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے بھی اس کا المستدرک میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ ان ائمہ نے اس حدیث کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے کہا: میرا گمان ہے کہ اغلاق سے مراد غضب ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ اغلاق سے مراد ہے اکراہ یعنی کسی کو مجبور کرنا۔ اور اس روایت میں جو محفوظ لفظ ہے وہ لفظِ اغلاق ہے جیسا کہ ابن ماجہ کی اور حاکم کی روایت ہے اور امام ابوداؤد کی روایت میں لفظِ ''غلاق'' ہے۔

اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ ملکیت سے پہلے غلام کو آزاد کرنا نافذ نہیں ہوگا تو یہ عمرو بن شعیب کی از والد خود از جد خود مرفوعاً روایت ہے۔ اور امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ جس عورت کا انسان مالک نہ ہو، اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اور علماء مدینہ اور فقہاء کوفہ نے کہا: اس حدیث میں اغلاق کا معنی ہے ''اکراہ'' یعنی اگر کوئی جبراً طلاق دلوائے تو وہ واقع نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۴۔۳۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۷۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ غضب میں دی ہوئی طلاق کے متعلق تحقیق

غضب کے تین درجات ہیں:

پہلا درجہ: یہ ہے کہ جس میں معمولی غصہ ہو جس کو ضبط کرنے کی انسان طاقت رکھتا ہو۔

دوسرا درجہ: اور وہ انتہائی غضب ہے جس میں غضب ناک شخص کو یہ پتا نہ چلے کہ اس کے ساتھ کھڑا ہوا انسان آسمان پر ہے یا زمین پر ہے یا وہ مرد ہے یا عورت ہے۔

تیسرا درجہ: یہ متوسط غضب ہے، یعنی وہ اپنی عقل سے یہ جان سکتا ہو کہ وہ کہاں پر ہے لیکن اپنے آپ کو اس غصہ اور غضب سے روک نہ سکتا ہو۔

پس غضب کا جو پہلا درجہ ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کو ضبط کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور غصہ کرنا انسان کی طبیعت میں داخل ہے۔

اور رہا دوسرا درجہ جس میں انتہائے غضب ہو، اس غضب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور علماء کا اتفاق ہے کہ ایسی حالت میں جو اس نے بات کہی ہے اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ پس تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اتنی حالت میں کی ہوئی بات کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مجنون کی حالت میں ہے، نہ اس نے لفظ کا ارادہ کیا ہے اور نہ اس نے معنی کا ارادہ کیا ہے۔

اور رہا تیسرا درجہ، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس حال میں اس کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی جس طرح کسی شخص سے کوئی جبری بات کہلوائی جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح اس حالت غضب میں کہی ہوئی بات کا بھی اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ ان فقہاء کے نزدیک وہ شخص جبر کیا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اغلاق میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس مذہب کی بناء پر اگر اس نے غضب کے دوسرے درجہ میں طلاق کی حلف کھائی ہے تو اس کو طلاق واقع نہیں ہوگی، صحیح قول یہی ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٥٨٠، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

٦٦٧٩ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح وَحَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ النُّمَيْرِيُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ الْأَيْلِيُّ قَالَ سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَعَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِينَ قَالَ لَهَا أَهْلُ الْإِفْكِ مَا قَالُوا فَبَرَّأَهَا اللهُ مِمَّا قَالُوا كُلٌّ حَدَّثَنِي طَائِفَةً مِنَ الْحَدِيثِ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾ الْعَشْرَ الْآيَاتِ كُلَّهَا فِي بَرَاءَتِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَكَانَ يُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ لِقَرَابَتِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب ح اور ہمیں الحجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن عمر النمیری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس بن یزید الایلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے الزہری سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے عروہ بن الزبیر اور سعید بن المسیب اور علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے سنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے متعلق جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں، جب تہمت لگانے والوں نے ان کے متعلق کہا جو کہا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی تہمت سے بری قرار دے دیا، ہر ایک نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا مجھے بیان کیا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مِنْهُ وَاللهِ لَا أُنْفِقُ عَلَى مِسْطَحٍ شَيْئًا أَبَدًا بَعْدَ الَّذِي قَالَ لِعَائِشَةَ فَأَنْزَلَ اللهُ ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللهُ لَكُمْ ۗ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ الْآيَةَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ بَلٰى وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّ أَنْ يَغْفِرَ اللهُ لِي فَرَجَعَ إِلَى مِسْطَحٍ النَّفَقَةَ الَّتِي كَانَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ وَقَالَ وَاللهِ لَا أَنْزِعُهَا عَنْهُ أَبَدًا

بے شک جن لوگوں نے (عائشہ صدیقہ پر) تہمت لگائی وہ تم میں سے ایک گروہ ہے، تم اس (تہمت) کو اپنے لیے شر نہ سمجھو، بلکہ وہ (مآل کے اعتبار سے) تمہارے لیے بہتر ہے، اس گروہ میں سے ہر فرد کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور جس شخص نے ان میں سے اس (تہمت) میں سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے O (النور: ۱۱۔۲۰)

یہ دس آیات ہیں جو میری براءت میں (اللہ تعالیٰ نے) نازل فرمائی ہیں۔

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اور وہ حضرت مسطح پر اپنی قرابت کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اب مسطح پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا جب کہ انہوں نے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے متعلق یہ تہمت لگائی ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اور تم میں سے اصحاب فضل اور ارباب وسعت یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کر دے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O (النور: ۲۲)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، اللہ کی قسم! بے شک میں ضرور اس کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائے۔ پھر انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو خرچ دینے کی طرف رجوع کر لیا جس طرح وہ پہلے ان پر خرچ کرتے تھے اور کہا: اللہ کی قسم! میں یہ خرچ ان پر کبھی بھی بند نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۳، ۲۶۳۷، ۲۶۶۱، ۲۶۸۸، ۲۸۷۹، ۴۰۲۵، ۴۱۴۱، ۴۶۹۰، ۴۷۴۹، ۴۷۵۰، ۴۷۵۷، ۵۲۱۲، ۶۶۶۲، ۶۶۷۹، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵، سنن ابوداؤد: ۲۱۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۷، مسند احمد: ۲۴۳۳۸، سنن دارمی: ۲۲۰۸)

صحیح البخاری: ۶۶۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قسم کھانے کا ذکر ہے کہ اللہ کی قسم! میں مسطح پر کوئی چیز کبھی بھی خرچ نہیں کروں گا۔ اور یہ باب کے اس جزو کے مطابق ہے کہ اگر معصیت میں کوئی قسم کھائی ہو تو اس کو ترک کر دیا جائے کیونکہ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ قسم کھائی تھی کہ چونکہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے اس لیے میں کبھی بھی ان کے اوپر خرچ نہیں کروں گا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے النور: ۲۲ نازل فرمائی تو انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے، اور پھر انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر جو خرچ کرتے تھے اس کو بحال کر دیا۔

پھر امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث پر مفصل کلام کتاب المغازی کی "حدیث الافک" میں گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۵۔۳۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۷۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ غضب میں کھائی ہوئی طلاق کے متعلق مباحثِ فقہیہ

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک قسم کے متعلق ہے، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ پر خرچ نہیں کریں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترک کرنے کے متعلق تھی اور حالتِ غضب میں فضیلت کو ترک کرنے کے متعلق تھی۔ اور علماء مدینہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ کسی نیکی کا فعل نہیں کرے گا، پھر اس نے اس کے خلاف کو بہتر جانا اور قسم توڑ دی تو اس پر کفارہ واجب ہے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا اور انہوں نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور جمہور فقہاء غضب ناک شخص کے اوپر کفارہ کو واجب کرتے ہیں اور اس کے غضب کو اس کی قسم کے لیے تاکید قرار دیتے ہیں۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جو شخص حالتِ غضب میں ہو اس کی قسم لغو ہے اور اس پر کفارہ نہیں ہے، اور مسروق اور الشعبی اور ایک جماعت سے روایت ہے کہ جو شخص حالتِ غضب میں ہو اس پر نہ قسم لازم آتی ہے، نہ طلاق لازم آتی ہے اور نہ غلام کو آزاد کرنا لازم آتا ہے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، آپ نے فرمایا: "اغلاق میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ ملکیت سے پہلے غلام آزاد ہوگا"۔ اور اشعریین کی حدیث میں اس مقالہ کا رد ہے اور اس لیے کہ شارع علیہ السلام نے حالتِ غضب میں قسم کھائی، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں جس چیز پر قسم کھاؤں، پھر اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو اس کا خلاف کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا اور یہ حدیث ان فقہاء کے رد پر حجتِ قاطعہ ہے، اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا، یہ بھی ان فقہاء کے خلاف حجتِ قطعیہ ہے۔

رہی یہ حدیث کہ اغلاق میں طلاق نہیں ہے، سو یہ ثابت نہیں ہے اور نہ یہ حدیث صحیح البخاری کی ان احادیث کے خلاف معارضہ

کی صلاحیت رکھتی ہے۔اسی طرح علامہ ابن بطال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔
(شرح ابن بطال ج ٦ ص ٧ ١٣، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ ھ)

اور اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور الحاکم نے المستدرک میں روایت کی ہے۔اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے اور ان ائمہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کا متابع بھی ہے، پھر اس کو ذکر کیا ہے۔امام ابوداؤد نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حالتِ غضب پر محمول ہے۔اور دوسرے ائمہ نے کہا: ''اغلاق'' کا معنی ہے: اکراہ۔اور جو محفوظ لفظ ہے وہ ''اغلاق'' ہے۔اور امام ابوداؤد کی روایت میں ''غلاق'' کا لفظ ہے۔(سنن ابوداؤد: ٢١٩٣، سنن ابن ماجہ: ٢٠٤٦، المستدرک ج ٢ ص ١٩٨)

رہی وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ ملکیت سے پہلے غلام آزاد نہیں ہوگا، تو یہ عمرو بن شعیب کی از والد خود از جد خود مرفوعاً روایت ہے جس کے تم مالک نہ ہو اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ غلام آزاد ہوگا، سوا اس کے کہ تم مالک ہو۔اور نہ بیع نافذ ہوگی سوا اس کے جس کے تم مالک ہو۔اس حدیث کی امام ابوداؤد نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے بھی روایت کی ہے، اور حاکم کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''طلاق صرف اس صورت میں ہوگی جس کے تم مالک ہو'' اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔اور اس باب میں مروی تمام احادیث میں یہ سب سے بہتر ہے۔نیز امام ترمذی نے کہا: میں نے امام بخاری سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا کہ طلاق قبل النکاح سے پہلے کون سی حدیث زیادہ صحیح ہے تو انہوں نے کہا: عمرو بن شعیب کی یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔(سنن ابوداؤد: ٢١٩٠، سنن ترمذی: ١١٨١، سنن نسائی: ج ٧ ص ٢٨٨)

ان احادیث میں طلاق کا ذکر نہیں ہے، البتہ سنن ابن ماجہ: ٢٠٤٧ میں طلاق کا ذکر ہے، اور الحاکم نے المستدرک ج ٤ ص ٣٠٠ میں بھی طلاق کا ذکر کیا ہے۔

اور علماء مدینہ اور علماء احناف نے اس حدیث کی تاویل کی ہے کہ اغلاق سے مراد ہے ''اکراہ'' یعنی جبر کرنا اور ان کے نزدیک یہ قسم اسی پر محمول ہے۔رہی وہ قسم جو معصیت میں کھائی جائے تو وہ اس باب سے نہیں ہے اور عنقریب اس کی تحقیق اس حدیث میں آئے گی ''جس نے اللہ کی معصیت میں نذر مانی تو وہ اللہ کی معصیت نہ کرے''۔(صحیح البخاری: ٦٦٩٦)

حالتِ غضب میں کھائی ہوئی قسم کے متعلق ظاہریہ کا موقف

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی ٤٥٦ ھ لکھتے ہیں:

ہر صورت میں قسم کا حکم برابر ہے خواہ حالتِ رضا میں قسم کھائی جائے یا حالتِ غضب میں قسم کھائی جائے یا اس پر قسم کھائی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا یا اس پر قسم کھائی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کرے گا، یا اس چیز پر قسم کھائی جائے جس میں نہ اطاعت ہے اور نہ معصیت ہے۔

سو ان تمام قسموں کا حکم واحد ہے، اگر اس نے عمداً قسم کو توڑ دیا تو ہر قسم توڑنے پر اس کے اوپر کفارہ لازم ہوگا۔اور اگر اس نے عمداً قسم کو نہیں توڑا یا اس نے دل سے قسم منعقد نہیں کی تھی تو اس صورت میں اس پر کفارہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٨٩﴾ (المائدہ:۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو O

پس کفارہ ہر اس قسم میں واجب ہے جس میں مرد عمداً قسم توڑتا ہے۔

اور متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ قسم لغو ہے یعنی جو قسم غضب میں کھائی جائے وہ لغو ہے اور اس میں کوئی کفارہ نہیں ہے۔

شیخ ابن حزم کہتے ہیں: یہ ایسا قول ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل اور برہان اس قول کے خلاف قائم ہے جیسا کہ ہم نے امام بخاری کی سند سے روایت کی ہے۔ پھر شیخ ابن حزم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حال میں ملا کہ آپ غضب میں تھے، پس ہم نے آپ سے سواریوں کا سوال کیا، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے۔۔ الحدیث۔ پس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ جو قسم حالتِ غضب میں کھائی جائے اس کو توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ۔۔ الآیہ۔ (المائدہ:۸۹)

لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ۔

معصیت کی قسم کی تحقیق

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قسم کھانے کی ممانعت ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ ابوالبختری نے روایت کی ہے کہ ایک مرد کی دوسرے مرد نے دعوت کی، اس نے قسم کھائی کہ وہ نہیں کھائے گا، پس مہمان نے بھی قسم کھائی کہ وہ نہیں کھائے گا، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کھاؤ اور بے شک میں یہ گمان کرتا ہوں کہ تمہارے لیے اس قسم کا کفارہ دینا مستحب ہے۔ پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس صورت میں کفارہ کو صرف مستحب سمجھا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے قسم کھائی کہ وہ اپنے غلام کو سو کوڑے مارے گا، پھر اس نے اس کو کوڑے نہیں مارے، ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے کیا کیا ہے؟ میں نے اس غلام کو چھوڑ دیا اور اس کے بدلہ میں یہ کفارہ ہے۔

اور سلیمان الاحول بیان کرتے ہیں: جس نے اپنے غلام کو مارنے کی قسم کھائی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو نہ مارے اور کفارہ

کے ساتھ اس قسم کو توڑنا مستحسن ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۰۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۳۹۲)
اور ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ جس نے قسم کھائی کہ وہ اپنے غلام کو مارے گا تو انہوں نے کہا: اگر وہ اپنی قسم کو توڑ دے تو یہ اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ وہ قسم کو پورا کر کے اس کو مارے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۶۰۴۱)
المعتمر نے کہا: میں نے قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کو ماروں گا تو مجھے میرے والد نے منع کیا اور مجھے کفارہ دینے کا حکم نہیں دیا۔
اور طاؤس سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے یہ حلف اٹھایا کہ وہ اپنے غلام کو آزاد نہیں کرے گا، پھر اس نے اس غلام کو آزاد کر دیا، پھر اس شخص نے کہا: تمہارا کیا ارادہ ہے کہ کیا اس کا کفارہ دینا اس سے زیادہ ہوگا۔
اور الشعبی سے روایت ہے کہ یمینِ لغو ہر وہ قسم ہے جو کسی معصیت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہے اور اس قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہے جیسے کوئی شخص شیطان کا کفارہ دیتا ہے۔
اور عکرمہ نے کہا: جس نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر جانا تو اسے چاہیے کہ وہ بہتر کام کرے اور پھر یہ آیت پڑھی "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ" (المائدہ: ۸۹)"۔ انہوں نے کہا کہ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔
اور مسروق سے روایت ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنے باپ اور ماں کے ساتھ نیکی نہیں کرے گا تو انہوں نے کہا: اس قسم کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو ترک کر دے، جب یہ خبر ابن جبیر کو پہنچی تو انہوں نے کہا: وہ کچھ نہ کرے، وہ اس کام کو کرے جو خیر اور بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔
اس حدیث کی امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے۔ (ج ۵ ص ۱۶)
جو فقہاء معصیت کی قسم کے پورا کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:
از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی معصیت پر قسم کھائی تو اس کی قسم نہیں ہے، اور جس نے رحم منقطع کرنے پر قسم کھائی اس کی بھی قسم نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۷۴)
اور امام ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس چیز کا ابنِ آدم مالک نہ ہو، اس میں نہ اس کی نذر منعقد ہوتی ہے اور نہ اس کی قسم منعقد ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اس کی قسم منعقد ہوتی ہے اور نہ رحم منقطع کرنے میں اس کی قسم منعقد ہوتی ہے، اور جس شخص نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کو اس سے بہتر جانا، تو اسے چاہیے کہ وہ اس قسم کو چھوڑ دے اور اس کام کو کرے جو اس کے لیے بہتر ہو، پس اس قسم کو چھوڑنا ہی اس کے لیے کفارہ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۷۴)
اور ابن المسیب کی حدیث ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہ تمہاری کوئی قسم ہے اور نہ کوئی نذر، اور نہ رحم منقطع کرنے میں اور نہ اس چیز میں جس کے تم مالک نہ ہو۔
(سنن ابوداؤد: ۳۲۷۲، صحیح ابن حبان: ۴۳۵۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۰۰)
امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں از حجاج بن منہال، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چیز پر قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کو اس سے بہتر جانا، پس چاہیے کہ وہ اس کام کو کرے اور اس قسم کا کفارہ دے۔ (سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۳۴)

امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی ۳۲۲ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے غلام کے متعلق قسم کھائی کہ وہ اس کو ضرور مارے گا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو چھوڑ دے، یہ اس کے کفارہ سے بہتر ہے۔ (کتاب الضعفاء للعقیلی ج ۲ ص ۱۸۳)

شیخ سعید بن حزم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ میں نے حسن بصری کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیر کے مال میں ابن آدم کی نذر منعقد نہیں ہوتی اور نہ معصیت میں قسم منعقد ہوتی ہے۔

شیخ ابن حزم نے کہا: یہ تمام روایات صحیح نہیں ہیں۔ عمرو بن شعیب کی حدیث غلط ہے اور عمر کی حدیث منقطع ہے کیونکہ ابن المسیب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔ (المحلی لابن حزم ج ۸ ص ۴۳۔۴۰)

شیخ ابن حزم نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت منقطع ہے، اس کی سند میں یحییٰ بن عبداللہ ہے اور وہ ساقط ہے یعنی متروک ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی ابن حزم کے رد میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ابواسحاق الجوزجانی نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث متقارب ہیں اور وہ اہل الصدق ہیں۔ اور یعقوب بن سفیان الفسوی نے کہا: اس حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں ثقہ راویوں سے نقل ہے۔ اور الساجی نے کہا: ان کی روایات زہد میں اور رقاق میں جائز ہیں۔

اور اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ یحییٰ بن عبیداللہ بن عبداللہ بن موہب ثقہ راوی ہیں۔ یحییٰ نے اس سے روایت کی ہے اور امام ابن عدی نے کہا: ان کی بعض روایات ایسی ہیں جن کا کوئی متابع نہیں ہے۔

امام ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص شکار کو عمداً قتل کر دے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں کفارہ کو مشروع کیا ہے اور سنت سے ثابت ہے کہ جس نے قسم کھائی، پھر اس کے خلاف کو بہتر جانا تو وہ اس قسم کو توڑ دے پھر اس کا کفارہ دے۔ اور جس نے عمداً قسم کو توڑا تو آپ نے اسے کفارہ کا حکم دیا۔

اور جن تابعین نے کہا ہے: جو عمداً اپنی قسم میں جھوٹ بولے وہ کفارہ دے، وہ حکم بن عتیبہ ہیں اور عطاء بن ابی رباح ہیں اور شعبہ نے کہا: میں نے حکم سے اور حماد سے اس کے متعلق سوال کیا تو ان دونوں نے کہا: اس میں کفارہ نہیں ہے اور حکم نے کہا کہ کفارہ دینا بہتر ہے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از حفص بن غیاث از الحجاج از عطاء یہ روایت کی ہے کہ وہ اس میں کفارہ دے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۳۱۷)

اور کتاب ابن ابی ہبیرہ میں مذکور ہے: امام شافعی اور امام احمد نے روایت اخیرہ میں کہا ہے کہ کفارہ دے گا۔ اور "المحلی" میں از معمر مروی ہے کہ جس شخص نے کسی کام پر عمداً جھوٹی قسم کھائی اور کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ کام کیا ہے اور اس نے وہ کام نہیں کیا اور اللہ کی قسم! میں نے کام نہیں کیا، حالانکہ اس نے وہ کام کیا ہے، تو انہوں نے کہا کہ مستحب یہ ہے کہ وہ کفارہ دے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم جس گناہ کو یہ شمار کرتے تھے کہ اس میں کفارہ نہیں ہے وہ "الیمین الغموس"

یعنی جھوٹی قسم ہے۔اور ابراہیم، حماد بن ابی سلیمان اور حسن نے کہا ہے کہ یمینِ غموس اس سے زیادہ عظیم ہے کہ اس میں کفارہ دیا جائے۔اور انہوں نے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور ان مردوں میں سے ذکر کیا جو جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچتا ہے۔(صحیح مسلم:۱۰۶، کتاب الایمان)

اور عبداللہ بن ابی عوامہ از والد خود از عبداللہ بن اُنیس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی قسم کھائی جو لازمی قسم تھی، پھر اس قسم کے موافق مچھر کے برابر بھی کام کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لیے ایک نکتہ گڑ جائے گا۔

(الاحاد والمثانی لابن ابی عاصم:۲۰۳۶)

یمینِ غموس پر کفارہ لازم کرنے کے متعلق شیخ ابنِ حزم کے دلائل

شیخ ابن حزم نے کہا ہے: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے لازمی جھوٹی قسم کھائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ کی آگ میں بنالے۔(سنن ابوداؤد:۳۲۴۲، مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۶)

ابن حزم نے کہا: ان تمام احادیث میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ انہوں نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں نہ تو کفارہ کو ساقط کرنے کا حکم ہے اور نہ کفارہ کو واجب کرنے کا حکم ہے جیسا کہ اس میں توبہ کا ذکر بالکل نہیں ہے اور اس میں عذاب کی وعید شدید ہے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ دوسری نصوص میں توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ہم کہیں گے کہ دوسری نصوص میں کفارہ کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

ابنِ حزم نے کہا ہے: جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ جھوٹی قسم اس سے زیادہ سنگین ہے کہ اس میں کفارہ کو واجب کیا جائے تو ان کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی اور انہوں نے اس کو کہاں لکھا ہوا پایا۔ یہ صرف ان کی رائے سے ان کا حکم ہے اور اس کے معارضہ میں یہ کہا جائے گا کہ ہر وہ گناہ جو سنگین ہوتا ہے اور اس کا مرتکب کفارہ کا محتاج ہوتا ہے جیسا کہ جو شخص رمضان کا عمداً روزہ توڑ دے تو ہم اور وہ متفق ہیں کہ اس میں کفارہ واجب ہے اور شاید کہ اس کا گناہ جھوٹی قسم سے زیادہ سنگین ہے اور وہ یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ جو عمداً حج کو فاسد کر دے اور جو عمداً قربانی کو فاسد کر دے اس پر کفارہ ہے حالانکہ اس کا گناہ یمینِ غموس سے زیادہ سنگین ہے۔

جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی مومن کو عمداً قتل نہیں کرے گا اور وہ آج فرض نماز نہیں پڑھے گا اور آج وہ سودی کام نہیں کرے گا اور وہ آج زنا نہیں کرے گا، پھر اس نے اس دن نماز نہیں پڑھی اور زنا کیا اور کسی مسلمان کو ناحق قتل کیا اور سودی کام کیا، تو ان تمام قسموں کا اس پر کفارہ واجب ہے، پس اللہ سے اور تمام مسلمانوں سے فریاد ہے کہ کونسا گناہ زیادہ سنگین ہے یعنی جھوٹی قسم کھانا زیادہ سنگین ہے یا ان قسموں کو کھانا زیادہ سنگین ہے۔اور ان قسموں میں کفارہ ہے، تو جھوٹی قسم میں کفارہ کیوں نہیں ہے۔اور اگر یہ لوگ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جھوٹی قسم میں کفارہ نہیں ہے اور صحابہ میں سے کوئی ان کا مخالف نہیں تھا۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ روایت منقطع ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث کی سند میں ابوالعالیہ ہے جس کی حضرت ابن مسعود سے ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ان کی عمر کے دیگر صحابہ سے ملاقات ہوئی، ان کی ملاقات اصاغر صحابہ سے ہوئی ہے جیسے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

اور ان لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کی مخالفت کی ہے کہ جس نے قرآن کا حلف اٹھایا یا کسی سورت کا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ ہر آیت کے بدلہ میں کفارہ دے اور اس مسئلہ میں بھی صحابہ میں سے ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

شیخ ابن حزم کے اقوال کا مصنف کی طرف سے رد اور ابطال

میں کہتا ہوں: جو شخص ماضی کی کسی بات پر جھوٹی قسم کھائے وہ یمینِ غموس ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں جھوٹی قسم کھانے پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ وہ آیات درج ذیل ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (آل عمران: ۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے O

وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ (النحل: ۹۴)

اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا نہ بناؤ کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں اور تم عذاب چکھو گے کیونکہ تم نے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکا ہے اور تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہے O

ان آیتوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھوٹی قسم کھانے پر وعید شدید کو بیان فرمایا ہے اور کفارہ کو واجب نہیں کیا۔ اور شیخ ابن حزم نے اپنی رائے سے جو یمینِ غموس میں کفارہ کو واجب کیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کا انکار کیا ہے وہ لائقِ التفات نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۶۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ فَوَافَقْتُهُ وَهُوَ غَضْبَانُ فَاسْتَحْمَلْنَاهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ قَالَ وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو معمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از القاسم از زہدم، انہوں نے کہا: ہم حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشعریین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوا، میں اس حال میں آپ سے ملا کہ آپ حالتِ غضب میں تھے، ہم نے آپ سے سواریوں کو طلب کیا، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سواریوں پر سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ان شاء اللہ! میں جس چیز پر قسم کھاؤں پھر میں دیکھوں کہ اس کا خلاف بہتر ہے

تو میں اس کا خلاف کروں گا اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۶۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس باب کے تیسرے جزو میں مطابقت ہے، اور وہ یہ ہے کہ میں آپ سے اس حال میں ملا کہ آپ اس وقت حالتِ غضب میں تھے تو ہم نے آپ سے سواریاں طلب کیں تو آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے۔ اور عنقریب اس پر مفصل گفتگو آ چکی ہے کہ حالتِ غضب میں قسم کھائی جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومعمر، یہ عبداللہ بن عمرو ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے القاسم، یہ ابنِ عاصم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہدم، یہ ابن مضرب الجرمی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ وَاللهِ لَا أَتَكَلَّمُ الْيَوْمَ فَصَلَّى أَوْ قَرَأَ أَوْ سَبَّحَ أَوْ كَبَّرَ أَوْ حَمِدَ أَوْ هَلَّلَ فَهُوَ عَلَى نِيَّتِهِ

جب کسی شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج کلام نہیں کروں گا، پھر اس نے نماز پڑھی، یا قرآن مجید پڑھا یا سبحان اللہ پڑھا، یا اللہ اکبر پڑھا، یا الحمدللہ پڑھا، یا لا الٰہ الا اللہ پڑھا تو یہ اس کی نیت پر محمول ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ

اور نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل کلام چار ہیں: سبحان اللہ، الحمدللہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر۔

قَالَ أَبُو سُفْيَانَ: كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى هِرَقْلَ: تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اور ابوسفیان نے کہا کہ نبی ﷺ نے ہرقل کی طرف مکتوب لکھا: آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے۔

وَقَالَ مُجَاهِدٌ: كَلِمَةُ التَّقْوَى لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

اور مجاہد نے کہا: تقویٰ کا کلمہ ہے "لا الٰہ الا اللہ"۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے یہ کہا ''اور اللہ کی قسم! میں آج کلام نہیں کروں گا'' پھر اس نے نماز پڑھی یا قرآن مجید پڑھا۔ الخ۔

امام بخاری نے کہا: سو یہ اس کی نیت پر محمول ہے، یعنی اگر اس نے کلام سے اس کلام کا قصد کیا جو عرفاً کلام ہے تو وہ ان اذکار کے پڑھنے اور قرآن مجید پڑھنے اور نماز پڑھنے کی وجہ سے حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر اس نے کلام سے عام کلام کا ارادہ کیا تو پھر وہ حانث ہو جائے گا، یہ علامہ کرمانی نے کہا ہے۔

اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: یعنی جب اس کی نیت یہ ہوگی کہ وہ دنیاوی معاملات میں سے کسی چیز میں کلام نہیں کرے گا تو پھر وہ حانث نہیں ہوگا جب اس نے سبحان اللہ کہا یا قرآن مجید پڑھا۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ وہ آج کلام نہیں کرے گا تو یہ اس پر محمول ہے کہ جس طرح لوگ کلام کرتے ہیں وہ اس طرح کلام نہیں کرے گا اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن مجید کی وہ تلاوت نہیں کرے گا اور سبحان اللہ نہیں پڑھے گا۔

اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے: جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے نماز میں قرآن مجید پڑھا یا سبحان اللہ پڑھا، تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر اس نے نماز کے علاوہ قرآن مجید پڑھا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ اور قیاس یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور الفقیہ ابو اللیث نے کہا ہے: اگر اس نے قسم عربی زبان میں منعقد کی ہے تو اسی طرح ہے اور اگر اس نے قسم فارسی زبان میں منعقد کی ہے تو وہ اس وقت حانث نہیں ہوگا جب اس نے قرآن مجید پڑھا یا نماز کے علاوہ اس نے سبحان اللہ پڑھا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر ہے کہ ''افضل الکلام چار ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر''۔

اس تعلیق کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ امام بخاری کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ اذکار وغیرہ کلام اور کلمہ ہیں، پس ان اذکار کے پڑھنے سے قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے کہ امام بخاری نے ان کو دوسری جگہ پر سندِ موصول کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ اور امام نسائی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ از ابوسعید اور از ابوہریرہ رضی اللہ عنہما انہی لفظوں کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لیکن اس کے الفاظ یہ ہیں: سب سے پسندیدہ کلام چار ہیں۔

اور اس کلام کی افضلیت کی توجیہ یہ ہے کہ اس کلام میں اللہ عزوجل کی تمام صفات کی طرف اجمالاً اشارہ ہے خواہ وہ صفات عدمی ہوں اور وجودی ہوں، کیونکہ تسبیح میں اللہ تعالیٰ کی تمام نقائص اور عیوب سے تنزیہ کی طرف اشارہ ہے اور تحمید میں اللہ تعالیٰ کی تمام صفاتِ کمال کے ساتھ متصف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ پس پہلے کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی نقائص سے براءت ہے اور دوسرے کلمہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے کمالات کا اثبات ہے اور تیسرا کلمہ یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ہے اور ایمان کی بنیاد ہے یعنی توحید، اور چوتھا کلمہ یعنی اللہ اکبر، اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بلند و بالا ہے جن کو ہم

پہچانتے ہیں۔ اے اللہ! تو پاک ہے، ہم تیری ایسی معرفت حاصل نہیں کر سکے جیسی معرفت کو حاصل کرنا تیرا حق ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ابوسفیان کے اس قول کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کی طرف لکھا:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (آل عمران: ۶۴) آپ کہیے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے۔

یہ تعلیق ابوسفیان سے منقول ہے، ابوسفیان کا پورا نام ہے صخر بن حرب بن امیہ ابومعاویہ، اور یہ تعلیق ایک طویل حدیث کی ایک طرف ہے جو صحیح البخاری: ۷ میں مذکور ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے یہاں یہ اشارہ کیا ہے کہ لفظِ کلمہ کا کبھی کلام پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ جزو کا اطلاق کل پر ہوتا ہے جیسے سبحان اللہ اور الحمدللہ پر لفظِ کلمہ کا اطلاق کیا جائے، تو یہاں اس سے مراد کلام ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کلمۃ التوحید، حالانکہ یہ کلمہ چند کلمات پر مشتمل ہے۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

تیسری تعلیق میں امام بخاری نے مجاہد کے اس قول کا ذکر کیا ہے کہ کلمۃ التقویٰ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔

امام بخاری نے اس تعلیق سے درج ذیل آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ (الفتح: ۲۶) اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کلمہ تقویٰ پر مستحکم کر دیا۔

اس آیت میں کلمۃ التقویٰ سے مراد ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے، کیونکہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کلام ہے اور اس کے اوپر کلمہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۶۔۳۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: علامہ عینی نے اس باب کے عنوان کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ ابن الملقن شافعی کی پوری عبارات نقل نہیں کیں بلکہ ایک ایک فقرہ نقل کیا ہے، ہم سطور ذیل میں ان کی پوری عبارات ذکر کر رہے ہیں تا کہ قارئین کو مکمل بصیرت حاصل ہو۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بابِ مذکور کے عنوان میں علامہ ابن بطال مالکی کی مکمل عبارت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:

رہا امام بخاری کا یہ کہنا، سو کلام کا معنی قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہے۔ پس علماء کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ آج کے دن وہ کلام نہیں کرے گا تو یہ لوگوں کے کلام پر محمول ہے نہ کہ تلاوت پر اور تسبیح پر اور اس پر اجماع ہے کہ نماز میں کلام کرنا حرام ہے اور نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا اللہ تعالیٰ کی قربات اور عبادات میں سے ہے۔

اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۸) اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے قیام کرو۝

تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور ہم کو کلام کرنے سے منع کر دیا گیا، پس کیا تم یہ دیکھتے ہو کہ لوگوں کو نماز میں قرآن پڑھنے

سے منع کیا گیا تھا؟ کیونکہ حدیث میں ہے:

نماز میں دنیاوی کلام کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار

حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اس وقت لوگوں میں سے کسی مرد کو چھینک آئی تو میں نے کہا: یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم فرمائے)، تو لوگ مجھے اپنی آنکھوں سے گھورنے لگے، میں نے کہا: تمہاری ماں تم پر روئے، کیا وجہ ہے کہ تم مجھے اس طرح گھور رہے ہو؟ پس نمازی اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے، پھر جب میں نے یہ سمجھا کہ یہ لوگ مجھے چپ کرا رہے ہیں تو میں چپ ہو گیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی، سو آپ پر میرے باپ اور میری ماں قربان ہوں، میں نے اس سے پہلے آپ سے اچھا کوئی معلم دیکھا اور نہ آپ کے بعد دیکھا جو آپ سے اچھی تعلیم دیتا ہو، پس اللہ کی قسم! آپ نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ مجھے مارا، اور نہ مجھے برا کہا، صرف یہ فرمایا کہ بے شک ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے، یہ نماز تو صرف سبحان اللہ پڑھنا ہے اور اللہ اکبر پڑھنا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الحدیث

(صحیح مسلم: ۵۳۷، الرقم المسلسل: ۱۰۸۶، سنن ابوداؤد: ۹۳۰، ۳۲۸۲، ۳۹۰۹، سنن نسائی: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۲۳۸۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کرتے تھے، سو آپ ہم کو سلام کا جواب دیتے تھے، پس جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹ کر آئے تو ہم نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے ہم کو جواب نہیں دیا، پس ہم نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے تو آپ ہم کو جواب دیتے تھے، تو آپ نے فرمایا: نماز میں صرف نماز (کی ہی) مشغولیت ہوتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۷۵، صحیح مسلم: ۵۳۸، سنن ابوداؤد: ۹۲۳، مسند احمد: ۳۵۶۳، ۳۸۸۴)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نماز میں کلام کرتے تھے، ایک مرد اپنے ساتھی سے کلام کرتا اور وہ نماز میں اس کے پہلو میں کھڑا ہوتا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝" (البقرہ: ۲۳۸)، سو ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، اور ہم کو کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۰۰، ۴۵۳۴، صحیح مسلم: ۵۳۹، سنن ابوداؤد: ۹۴۵، سنن ترمذی: ۴۰۵، ۲۹۹۷، سنن نسائی: ۱۲۱۵، مسند احمد: ۱۹۲۹۸)

فارسی زبان میں کلام کرنا، کسی کی طرف مکتوب لکھنا یا کسی کو اشارہ سے سلام کرنا آیا یہ سلام کے معنی میں ہے یا نہیں، اس کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ کلام نہیں کرے گا اور اس نے فارسی زبان سے کلام کیا یا کسی اور لغت سے کلام کیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس باب کے معنی کے مشابہ یہ ہے کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ کسی مرد سے کلام نہیں کرے گا، پھر اس نے اس کی طرف مکتوب لکھا یا اس کی طرف کسی قاصد کو بھیجا تو امام مالک نے کہا: وہ ان دونوں صورتوں میں حانث ہو جائے گا یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی سوا اس صورت کے کہ اس مرد کی یہ نیت ہو کہ وہ اس شخص سے بالمشافہ کلام کرے گا، پھر ذکر کیا گیا ہے کہ بعد میں امام مالک نے اس قول سے رجوع کر لیا ہے، پس کہا: وہ مکتوب میں نیت نہ کرے اور میری رائے یہ

ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا سوا اس صورت کے کہ مکتوب، مکتوب الیہ تک پہنچنے سے پہلے اس کے پاس واپس آ جائے تو اب وہ حانث نہیں ہوگا اور ابن ابی اویس نے یہ حکایت کی ہے، انہوں نے کہا: قاصد کا معاملہ مکتوب سے زیادہ آسان ہے، کیونکہ مکتوب ایک راز ہے جس کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا جس کی طرف اس نے مکتوب لکھا ہے، اور جب اس نے قاصد کو بھیجا تو قاصد کو بھی اس بات کا پتا چل جائے گا۔

فقہاء احناف اور لیث اور امام شافعی نے کہا ہے: دونوں صورتوں میں وہ حانث نہیں ہوگا اور یہی ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے، اور ابوثور نے کہا کہ مکتوب لکھنے کی صورت میں وہ حانث نہیں ہوگا۔

اس میں اختلاف ہے کہ جب اس نے اشارہ سے سلام کیا تو امام مالک نے کہا کہ وہ حانث ہو جائے گا۔

اور ابن حبیب مالکی نے اس پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ اشارہ سے سلام کرنا بھی کلام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ (آل عمران:۴۱)

فرمایا: تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے۔

اس آیت میں ''رمز'' کا لفظ ہے اور ''رمز'' کا معنی ہے: آنکھ سے اشارہ کرنا اور بھنووں سے اشارہ کرنا۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ (مریم:۱۱)

(حضرت زکریا علیہ السلام نے) ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو O

اس آیت میں ''وحی'' کا لفظ ہے، وحی کا معنی ہے: کتابت یعنی لکھنا اور اشارہ کرنا۔ کہا جاتا ہے ''کتب الیھم'' اس کا معنی ہے: ان کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں قرآن مجید میں مذکور ہے:

اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا ۚ۝ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ۝ یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ۚ۝ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ۝ (مریم:۲۶۔۲۹)

بے شک میں نے رحمٰن کے لیے یہ نذر مانی ہے کہ میں آج ہرگز کسی انسان سے بات نہیں کروں گی O پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے لوگوں کے پاس گئیں تو انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے O اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ بدکردار تھا اور نہ تمہاری ماں بدچلن تھی O سو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچے سے کیسے بات کریں O

حضرت مریم علیہا السلام نے کہا تھا کہ میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، پھر انہوں نے گود کے بچہ کی طرف اشارہ کیا۔ اور اس اشارہ کو کلام کے قائم مقام قرار دیا۔

اگر کسی شخص نے ایسی قوم پر سلام کیا جس میں وہ خود بھی موجود ہے تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ پس امام مالک اور فقہاء

احناف نے کہا ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اس کو یہ علم ہو کہ وہ ان میں ہے یا یہ علم نہ ہو، ہر صورت میں حانث ہو جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا: وہ حانث نہیں ہو گا سوا اس کے کہ وہ سلام کی نیت کرے۔

اور امام ابوعبید نے امام مالک اور فقہاء احناف کی طرف سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس چیز سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سلام، کلام ہے، وہ یہ ہے کہ اگر امام نے دو رکعتوں کے درمیان عمداً کسی کو سلام کیا تو وہ نماز کو توڑنے والا ہو جائے گا جیسا کہ نماز بات کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔

اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے سے ناراض رہیں اور ایک دوسرے سے ملیں تو سلام نہ کریں اور آپ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ لوگوں کے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔ پس آپ نے سلام کو پھیلانے کا جو حکم دیا ہے اور دو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے تعلق منقطع کرنے سے منع فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے ساتھی کو سلام کرے وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۲۳۔ ۱۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: ہم نے لکھا تھا کہ ہم اس باب کی شرح میں علامہ ابن الملقن کی شرح کو بھی نقل کریں گے لیکن ہم نے دیکھا کہ علامہ ابن الملقن نے بعینہٖ علامہ ابن بطال کی عبارت نقل کر دی ہے، سو اس کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ ابن الملقن کی عبارت کا حوالہ درج ذیل ہے: (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۴۶۔ ۳۴۸، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۸۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ أَبَا طَالِبٍ الْوَفَاةُ جَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ جب ابوطالب پر وفات کا وقت آیا تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے، آپ نے ان سے فرمایا: آپ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھیے، یہ وہ کلمہ ہے کہ میں اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے پاس آپ کے لیے سفارش کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۶۰، ۳۸۸۴، ۴۶۷۵، ۴۷۷۲، ۶۶۸۱، صحیح مسلم: ۲۴، سنن نسائی: ۲۰۳۵، مسند احمد: ۲۳۱۶۲)

صحیح البخاری: ۶۶۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں اسی کی مثل کلام ہے جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پر کلمہ کا اطلاق فرمایا۔ امام بخاری نے یہاں پر اختصار کیا ہے اور یہ مکمل حدیث فضائل صحابہ کے آخر میں ابوطالب کے قصہ میں گزر چکی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے فرمایا کہ تم ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھو تو ابوطالب کے پاس جو کفار قریش بیٹھے ہوئے

تھے انہوں نے ابوطالب سے کہا: کیا تم عبد المطلب کے دین سے اعراض کرتے ہو؟ سو ابوطالب نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے سے انکار کر دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے المسیّب، اس میں یاء پر زبر بھی ہے اور یاء کے نیچے زیر بھی ہے، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔

علماء نے کہا ہے: اس حدیث کی سند سے یہ قاعدہ باطل ہو جاتا ہے کہ امام بخاری کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی شخص سے اس وقت تک حدیث کی روایت نہیں کرتے حتیٰ کہ اس حدیث کے دو راوی نہ ہوں اور یہاں پر المسیب کا فقط ایک راوی ہے اور وہ ان کا بیٹا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کلمۃ'' اس پر زبر ہے، کیونکہ یہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے محل میں ہے، اور اس پر پیش بھی جائز ہے بایں طور کہ اصل عبارت یوں ہے کہ ''یہ کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اُحاج'' اس میں ہمزہ پر پیش ہے اور اس کی اصل ہے ''احاجج'' یعنی میں آپ کے لیے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے پاس حجت پیش کروں گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۷۔۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کلام کے اوپر کلمہ کا اطلاق

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کو یہ حکم دیا کہ وہ پڑھیں ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت ان کو نفع پہنچائے، لیکن اس چچا کے اوپر بدبختی سبقت کر چکی تھی العیاذ باللہ، تو اس نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے سے انکار کیا، کیونکہ اس وقت ابوطالب کے پاس قریش کے دو مرد تھے اور جب ان دونوں نے یہ دیکھا کہ ابوطالب ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' پڑھنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو انہوں نے ابوطالب سے کہا: کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کرتے ہو؟ اور یہ ان کے نزدیک ملتِ شرک تھی العیاذ باللہ۔ پس آخر بات جو ابوطالب نے کہی وہ یہ تھی کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے۔ پس اسی کلمہ کے اوپر ابوطالب فوت ہو گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ عزوجل کے پاس ابوطالب کی شفاعت کی تو وہ ٹخنوں تک آگ میں غرق تھا اور اس کے اوپر دو جوتیاں تھیں جن سے اس کا دماغ جوش میں آ کر کھول رہا تھا اور وہ واقع میں سب سے کم دوزخ کے عذاب میں تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس پر سب سے زیادہ سخت عذاب ہو رہا ہے۔ اس حدیث سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو ایک کلمہ فرمایا، حالانکہ یہ ایک کلام اور جملہ ہے۔

در اصل یہ نحوی اعتبار سے کلام ہے اور لغوی اعتبار سے کلمہ ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۸۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۶۸۲ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمارہ بن القعقاع نے حدیث بیان کی از ابی زرعہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں، رحمٰن کی طرف محبوب ہیں (وہ دو کلمے یہ ہیں:) ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم''۔

(صحیح البخاری: ۶۶۸۲، ۶۴۰۶، ۷۵۶۳، صحیح مسلم: ۲۶۹۴، سنن ترمذی: ۳۴۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۸۰۶، مسند احمد: ۷۱۶۷)

صحیح البخاری: ۶۶۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح میں اسی طرح کلام ہے جس طرح اس سے پہلی حدیث میں تھا۔ یعنی اس حدیث میں بھی ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کو کلمہ فرمایا ہے حالانکہ وہ کلام ہے۔ اسی طرح ''سبحان اللہ العظیم'' کو بھی کلمہ فرمایا ہے حالانکہ وہ کلام ہے۔

اس حدیث کی سند میں ابوزرعہ کا ذکر ہے، ان کا نام ہرم البجلی ہے۔

یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الدعوات کے باب ''فضل التسبیح'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو زہیر بن حرب سے روایت کیا تھا۔ اور یہ حدیث صحیح البخاری کے اختتام پر بھی آئے گی اور وہاں ان شاء اللہ اس کی مزید شرح کی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۳ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ كَلِمَةً وَقُلْتُ أُخْرَى مَنْ مَاتَ يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا أُدْخِلَ النَّارَ وَقُلْتُ أُخْرَى مَنْ مَاتَ لَا يَجْعَلُ لِلّٰهِ نِدًّا أُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از شقیق از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک کلمہ فرمایا، اور میں نے دوسرا کلمہ کہا، آپ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک بناتا تھا تو اس کو دوزخ میں داخل کیا جائے گا، اور میں نے دوسرا کلمہ کہا: جو شخص اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک نہیں بناتا تھا تو وہ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۸، ۴۴۹۷، ۶۶۸۳، صحیح مسلم: ۹۲، مسند احمد: ۴۲۱۹)

صحیح البخاری: ۶۶۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی گزشتہ دو حدیثوں کی طرح ہے اور اس میں بھی کلمہ کا اطلاق کلام پر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالواحد، وہ ابن زیاد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، وہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شقیق، وہ ابن سلمہ ابووائل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، اور وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

اس حدیث میں ''ند'' کا لفظ مذکور ہے، اس کا معنی مثل اور نظیر ہے۔ اور یہ حدیث کتاب الجنائز کے اول میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو امام بخاری نے عمر بن حفص سے روایت کیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابٌ: مَنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَدْخُلَ عَلَى أَهْلِهِ شَهْرًا وَكَانَ الشَّهْرُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ

جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنے اہل کے اوپر ایک ماہ تک داخل نہیں ہوگا، اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنے اہل کے اوپر ایک ماہ تک داخل نہیں ہوگا اور اتفاق سے وہ مہینہ انتیس دن کا تھا یعنی ناقص تھا، پھر وہ شخص اپنے اہل پر داخل ہو گیا تو وہ حانث نہیں ہوگا، اس لیے کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

اگر اس شخص نے مہینہ کے پہلے جزو میں قسم کھائی ہے تو پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن جب اس نے مہینہ کے درمیان میں قسم کھائی تو پھر جمہور کے نزدیک وہ تیس دن پورے کرے گا۔ اور فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت نے کہا ہے جن میں سے عبدالحکم بھی ہیں کہ اب بھی اس کے لیے انتیس دن کے بعد گھر میں داخل ہونا جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ آلَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَكَانَتْ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ إِنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از حمید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے (ایک ماہ تک) اپنی ازواج کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی اور آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے ہٹ گئی تھی، تو آپ اپنے بالا خانے میں انتیس راتوں تک رہے، پھر آپ اتر آئے، پس لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے تو

ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، تو آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸، ۶۸۹، ۷۳۲، ۷۳۳، ۸۰۵، ۱۱۱۴، ۱۹۱۱، ۲۴۶۹، ۵۲۰۱، ۵۲۸۹، ۶۶۸۴، صحیح مسلم: ۴۱۱، سنن ترمذی: ۶۳۱، سنن نسائی: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۶۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۸، مسند احمد: ۱۲۶۵۸، موطا امام مالک: ۳۰۶، سنن دارمی: ۱۲۵۶)

صحیح البخاری: ۶۶۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "جس شخص نے اپنے اہل کے پاس ایک ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی" اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

یہ حدیث کتاب الصوم میں از عبدالعزیز گزر چکی ہے، اور کتاب النکاح میں از خالد بن مخلد گزر چکی ہے اور کتاب الطلاق میں از اسماعیل بن ابی اویس گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "آلی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی۔ اور اس سے مراد ایلاء فقہی نہیں ہے۔

ایلاء فقہی یہ ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے چار ماہ تک مقاربت نہیں کرے گا۔ پھر اگر وہ چار ماہ کے اندر اپنی بیوی کے پاس چلا گیا اور مقاربت کر لی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کو اس قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر چار ماہ تک وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور وہ اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اور ایلاء لغوی یہ ہے کہ آدمی چار ماہ سے کم مدت تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائے۔ اگر اس مدت کے دوران وہ چلا گیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر اس مدت تک نہیں گیا تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی اور اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں رہے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی مشربة" اس کا معنی ہے "الغرفة" یعنی بالا خانہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ جس مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ دوسرے مرد سے ایک مہینہ تک کلام نہیں کرے گا پھر اس نے انتیس دن کے بعد اس سے کلام کر لیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا۔

اور دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا: اگر اس نے چاند دیکھ کر قسم کھائی تھی تو اس کا اعتبار اس مہینہ کے دنوں کے اعتبار سے ہوگا خواہ اس مہینہ میں تیس دن ہوں یا انتیس دن ہوں۔ اور اگر اس نے مہینہ کے کچھ دن گزرنے کے بعد قسم کھائی تھی تو اس کی قسم تیس دنوں پر محمول ہوگی اور یہ امام مالک، فقہاء احناف اور امام شافعی کا قول ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، اگر آسمان پر گردوغبار ہو تو تم تیس دن پورے کرو، پس کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے ان پر تیس دنوں کو واجب کیا اور مہینہ کے مکمل ہونے کو تیس دنوں پر قرار دیا حتیٰ کہ وہ اس سے پہلے چاند دیکھ لیں۔ اور آپ نے یہ بتایا کہ مہینہ چاند دیکھنے کے بعد انتیس دن کا بھی ہوتا ہے تیس دنوں سے پہلے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بالا خانے سے انتیس دن کے بعد اتر آئے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ نے جب یہ قسم کھائی تو چاند کی پہلی تاریخ تھی، یہ اس حدیث کی توجیہ ہے۔

اور اس حدیث سے امام مالک نے اور امام ابوحنیفہ نے اور امام شافعی نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس نے ایک مہینہ کے روزوں کی نذر مانی تو اگر اس نے چاند دیکھ کر روزوں کی نذر مانی تھی اور اس نے انتیس دن کے روزے رکھے تو یہ اس کے لیے کافی ہوں گے۔ اور اگر اس نے چاند کی پہلی تاریخ کے بغیر نذر مانی تو پھر اس کو تیس دن کے پورے روزے رکھنے ہوں گے۔

اور علامہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جس نے پورے رمضان میں سفر کے دوران روزے نہیں رکھے یا بیماری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے اور وہ رمضان انتیس دن کا تھا تو جب وہ قضاء کرے گا تو تیس دن کے روزے قضاء کرے گا خواہ وہ رمضان انتیس دنوں کا ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۲۵۔ ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ماہ تک ازواج کے پاس نہ جانے کی قسم کا سبب

میں کہتا ہوں: کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کہ بعض ازواج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھے کپڑوں، اچھے زیورات اور زیادہ خرچ کا مطالبہ کیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے رنج ہوا اور آپ ایک ماہ یا انتیس دن تک ازواج مطہرات کے پاس نہیں گئے جیسا کہ درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہے:

(صحیح البخاری: ۴۷۸۶، صحیح مسلم: ۱۴۷۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۲۰۸، سنن ترمذی: ۳۳۱۸، سنن النسائی: ۲۱۳۱، مسند احمد: ۲۶۶۳)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ آپ کے دروازہ پر بیٹھے ہوئے ہیں جن میں سے کسی کو اجازت نہیں دی گئی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی گئی تو آپ داخل ہوئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے اجازت طلب کی اور ان کو اجازت دی گئی، انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کے گرد آپ کی ازواج بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، تو انہوں نے کہا: میں ضرور ایسی بات کروں گا جس سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساؤں گا، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ بنت خارجہ کو دیکھتے کہ وہ مجھ سے سوال کرتیں تو میں ان کی طرف کھڑا ہوتا اور ان کی گردن مروڑ دیتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے، اور آپ نے فرمایا: یہ جو میرے اردگرد بیٹھی ہوئی ہیں یہ اسی طرح ہیں جیسے تم دیکھ رہے ہو، یہ مجھ سے نفقہ کا سوال کر رہی ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے اور ان کی گردن مروڑی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت حفصہ کے پاس گئے اور ان کی گردن مروڑی، اور ان دونوں نے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو آپ کے پاس نہیں ہے تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گے جو آپ کے پاس نہ ہو، پھر آپ ازواج سے ایک مہینہ یا انتیس دن تک علیحدہ ہو گئے اور اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ'' (الاحزاب: ۲۸)۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۸، الرقم المسلسل: ۳۵۸۱)

ایک ماہ تک بالا خانہ میں رہنے کے متعلق مختلف احادیث کا باہمی ارتباط

اس باب کی حدیث (صحیح البخاری: ۶۶۸۴) میں یہ ذکر ہے کہ نبی ﷺ ایک ماہ یا انتیس دن تک ازواجِ مطہرات سے الگ رہے اور یہ ذکر ہے کہ آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے الگ ہوگئی تھی اور صحیح البخاری: ۳۷۸ میں یہ حدیث ہے کہ آپ گھوڑی سے گر گئے تھے اور آپ کی دائیں پنڈلی چھل گئی تھی یا آپ کا کندھا چھل گیا تھا اور آپ نے اپنی ازواج کے پاس ایک ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ پھر آپ اپنے بالا خانہ میں بیٹھے رہے جس کی سیڑھیاں کھجور کے تنوں کی تھیں، سو آپ کے اصحاب آتے اور آپ کی عیادت کرتے، پس آپ ان کو بیٹھ کر نماز پڑھاتے تھے اور صحابہ کھڑے ہوتے تھے اور جب آپ نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا: امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور رسول اللہ ﷺ انتیس دنوں کے بعد بالا خانہ سے اتر آئے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ تک کی قسم کھائی تھی، آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس دنوں کا بھی ہوتا ہے۔

یہ مختلف حدیثیں ہیں صحیح البخاری: ۳۷۸، صحیح البخاری: ۸۰۵، صحیح البخاری: ۶۶۸۴۔ اور واقعہ ایک ہی ہے سو ان کے درمیان ربط کو بیان کرنا ضروری ہے۔

پس میں کہتا ہوں: اگرچہ شارحین میں سے کسی نے ان تینوں حدیثوں میں ربط کو بیان نہیں کیا تاہم ہوسکتا ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کے خرچ میں زیادتی کے مطالبہ سے آپ نے ان کے پاس ایک ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی اس موقع پر آپ یا تو گھوڑی سے گر گئے تھے اور آپ کا کندھا یا آپ کی پنڈلی چھل گئی تھی یا آپ کے پیر کی ہڈی جوڑ سے ہٹ گئی تھی، اور اس عذر کی وجہ سے آپ ایک ماہ تک بالا خانے میں بیٹھ کر صحابہ کو نماز پڑھاتے رہے۔ پھر انتیس دن کے بعد آپ بالا خانے سے اتر آئے۔ میں نے ان احادیث کے باہمی ارتباط کو اسی طرح سمجھا ہے۔ اگر یہ حق ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ یہ میری فکر کی غلطی ہے اور سمجھ کی کمی ہے، تاہم کسی شرح کے اندر ان مختلف احادیث کے باہمی ارتباط اور تطبیق کا ذکر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۱ - بَابٌ: إِنْ حَلَفَ أَنْ لَا يَشْرَبَ نَبِيذًا فَشَرِبَ طِلَاءً أَوْ سَكَرًا أَوْ عَصِيرًا لَمْ يَحْنَثْ فِي قَوْلِ بَعْضِ النَّاسِ وَلَيْسَتْ هٰذِهِ بِأَنْبِذَةٍ عِنْدَهُ

جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ نبیذ نہیں پیئے گا، پھر اس نے طلاء (کھجور کو پانی میں بھگویا جائے اور وہ پانی ایک تہائی جل جائے) کو پی لیا، یا اس نے سَکَر (تازہ کھجوروں کو پانی میں بھگو دیا جائے، پھر جب وہ پانی

گاڑھا ہو جائے اور دھات چھوڑ دے تو وہ سَکَر ہے) کو پی لیا، یا عصیر (انگور کا کچا شیرہ جو نشہ آور ہو) کو پی لیا تو بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) کے نزدیک وہ حانث نہیں ہوگا اور ان کے نزدیک یہ مشروبات نبیذ نہیں ہیں

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبیذ کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے، کھجور، انگور، شہد، گندم، جَو، جوار اور چاولوں کو کسی برتن کے اندر پانی میں ڈال دیا جائے۔ کہا جاتا ہے "نبذت التمیر" جب کھجوروں کے اوپر پانی کو ڈالا جائے تاکہ پانی کے اندر کھجور کی مٹھاس آ جائے خواہ وہ نشہ آور ہو یا نشہ آور نہ ہو، تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ اور انگوروں کو نچوڑ کر جو شیرہ حاصل کیا جائے اس کو بھی نبیذ کہتے ہیں۔

ہمارے اصحابِ احناف کے نزدیک "طلاء" اس نبیذ کو کہتے ہیں جس کو آگ پر پکایا جائے اور اس کا ایک تہائی جل جائے تو وہ "طلاء" ہے اور اگر اس کا آدھا جل جائے تو وہ "المنصف" ہے اور اگر معمولی جوش دیا جائے تو وہ "باذق" ہے اور ان میں سے جو مشروب بھی گاڑھا ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو وہ حرام ہے۔

کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور وہ پانی گاڑھا ہو جائے اور شدید ہو جائے اور جھاگ چھوڑ دے تو اس کو "سَکَر" کہتے ہیں، یہ بھی حرام ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: "بعض الناس" سے امام بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ "طلاء" اور "العصیر" نبیذ نہیں ہیں، کیونکہ نبیذ حقیقت میں اس کو کہتے ہیں کہ جن کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے، تو امام بخاری نے امام ابوحنیفہ پر رد کا ارادہ کیا ہے، لیکن دوسرے شارحین نے یہ کہا ہے کہ امام بخاری کا مقصود امام ابوحنیفہ کا رد کرنا نہیں ہے بلکہ امام بخاری کے قول کی تصحیح اور تائید کرنا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک "طلاء" اور "سَکَر" اور "عصیر" مخصوص مشروبات کے نام ہیں اور ان کو مطلقاً نبیذ نہیں کہتے، اس لیے جس نے ان مشروباتِ مخصوصہ کو پیا تو وہ حانث نہیں ہوگا کیونکہ اس نے نبیذ کو نہیں پیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۹۔ ۳۱۰، ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۵۔ حَدَّثَنِي عَلِيٌّ سَمِعَ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ أَبِي حَازِمٍ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ أَبَا أُسَيْدٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ ﷺ أَعْرَسَ فَدَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِعُرْسِهِ فَكَانَتِ الْعَرُوسُ خَادِمَهُمْ فَقَالَ سَهْلٌ لِلْقَوْمِ هَلْ تَدْرُونَ مَا سَقَتْهُ قَالَ أَنْقَعَتْ لَهُ تَمْرًا فِي تَوْرٍ مِنَ اللَّيْلِ حَتَّى أَصْبَحَ عَلَيْهِ فَسَقَتْهُ إِيَّاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبدالعزیز بن ابی حازم سے سنا، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے صحابی تھے ان کی شادی ہوئی تو انہوں نے نبی ﷺ کو اپنی شادی میں دعوت دی، تو ان کی دلہن مہمانوں کی خادمہ تھی، پس

حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا پلایا؟ پھر انہوں نے کہا: اس نے رات میں کھجوروں کو ایک برتن میں بھگو یا حتیٰ کہ صبح تک وہ بھیگے رہے پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا نبیذ پلایا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۷۶، ۵۱۸۲، ۵۱۸۳، ۵۵۹۱، ۵۵۹۷، ۶۶۸۵، صحیح مسلم: ۲۰۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۱۲، مسند احمد: ۱۵۶۳۲)

صحیح البخاری: ۶۶۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ ذہن کی طرف متبادر یہ ہے کہ اس دلہن مذکورہ نے کھجوروں سے بنایا ہوا نبیذ پلایا اور اس میں ''بعض الناس'' یعنی امام ابوحنیفہ پر رد ہے۔

اور صاحب التوضیح نے کہا ہے: اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد کیا ہے، کیونکہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو بتایا کہ انہوں نے شارع علیہ السلام کو وہ نبیذ پلایا تھا جو تازہ بنا ہوا تھا اور اس کا پینا جائز تھا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کہا: میں نے رات میں ایک برتن میں چند کھجوروں کو پانی میں ڈالا حتیٰ کہ صبح تک وہ بھیگی رہیں، پھر صبح میں نے اس کا مشروب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔

اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کھجوروں کو پانی میں بھگو دیتے تھے اور صبح پیتے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں امام ابوحنیفہ پر ہرگز رد نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے کھجوروں کے بنائے ہوئے پانی سے نبیذ کے نام کی نفی نہیں کی۔ امام بخاری نے صرف یہ کہا ہے کہ طلاء، سکر اور العصیر نبیذ نہیں ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا ایک مخصوص نام ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں اور امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز کا ذکر ہے جو اپنے والد ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں، جو الاعرج (لنگڑے) ہیں اور وہ حضرت سہل بن سعد الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا پہلے نام حزن تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر سہل رکھ دیا۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اُسید رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے جو اسد کی تصغیر ہے، ان کا نام مالک الساعدی ہے اور یہ صحابی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''صاحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے نام کے ساتھ صحابی کا ذکر کیا، یا تو

لذت حاصل کرنے کے لیے، یا فخر کرنے کے لیے یا ان کی تعظیم کرنے کے لیے، یا جو شخص ان کو نہ جانتا ہو اسے بتلانے کے لیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فکانت العروس" "عروس" کا لفظ فعول کے وزن پر ہے، یہ مذکر اور مونث دونوں میں برابر ہے یعنی دولہا اور دلہن دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، اور یہاں پر مراد دلہن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خادمهم" یہ مذکر کا صیغہ ہے کیونکہ اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ اور یہاں مراد حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں جو دلہن تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی تور" اس کا معنی ہے: پیتل یا پتھر کا برتن۔ اس برتن سے پانی لے کر وضو بھی کیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فسقته ایاه" یعنی اس مذکورہ دلہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نبیذ تمر پلایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۰۔۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما عَنْ سَوْدَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَتْ مَاتَتْ لَنَا شَاةٌ فَدَبَغْنَا مَسْكَهَا ثُمَّ مَا زِلْنَا نَنْبِذُ فِيهِ حَتَّى صَارَ شَنًّا۔

(سنن نسائی: ۴۲۴۰، مسند احمد: ۲۶۸۷۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابی خالد نے خبر دی از الشعبی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، از حضرت سودہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، وہ بیان کرتی ہیں: ہماری ایک بکری مرگئی، ہم نے اس کی کھال کو رنگ لیا، پھر ہم ہمیشہ اس سے بنائی ہوئی مشک میں نبیذ پیتے تھے حتیٰ کہ وہ ہماری مشک پرانی ہوگئی۔

صحیح البخاری: ۶۶۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہم ہمیشہ اس مشک میں نبیذ پیتے تھے" اور انہوں نے بکری کی کھال کو رنگ کر اس کی مشک بنائی تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل، وہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ، یہ حضرت عبد اللہ بن مبارک المروزی ہیں، وہ روایت کرتے ہیں اس اسماعیل بن ابی خالد اور ان کا نام سعد ہے اور ان کو ہرمز البجلی کہا جاتا ہے، وہ از عامر الشعبی از عکرمہ از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما از حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مسکھا" مسک کا معنی ہے: کھال۔
اس حدیث میں مذکور ہے "شنا" اس کا معنی ہے: پرانی کھال۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۱-۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۲- بَابٌ: إِذَا حَلَفَ أَنْ لَا يَأْتَدِمَ فَأَكَلَ تَمْرًا بِخُبْزٍ وَمَا يَكُونُ مِنَ الْأُدْمِ

جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا، پھر اس نے روٹی کھجور کے ساتھ کھالی یا کسی اور چیز کے ساتھ جو سالن کے قائم مقام ہو

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا پھر اس نے روٹی کھجور کے ساتھ کھالی تو آیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے روٹی سالن کے ساتھ کھائی ہے۔ امام بخاری نے اس باب کا حکم نہیں بیان کیا اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ حدیث کی نصوص سے اس کا حکم مستنبط کیا جا سکتا ہے۔
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا توڑا اور اس کے اوپر کھجور رکھی اور آپ نے فرمایا: یہ سالن ہے، پھر آپ نے اس کو کھالیا۔
اس حدیث سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ گھر میں روٹی کے سوا جو چیز بھی میسر ہو وہ سالن ہے، عام ازیں کہ وہ تر و تازہ ہو یا خشک ہو۔ اور اس قول کی بناء پر جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا، پھر اس نے روٹی کھجور کے ساتھ کھالی تو وہ شخص حانث ہو جائے گا لیکن انہوں نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ اس زمانہ میں غالب یہ تھا کہ لوگ کھجور کو خوراک بناتے تھے کیونکہ ان کا گزران بہت تنگی کے ساتھ تھا اور کھجور کے علاوہ اور کسی چیز کے ساتھ روٹی کھانے پر وہ عام طور پر قادر نہیں ہوتے تھے۔
اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف نے کہا ہے: سالن وہ چیز ہے جس میں رنگ ہو جیسے زیتون کا تیل اور شہد اور سرکہ اور جس چیز میں رنگ نہ ہو جیسے بھنا ہوا گوشت، پنیر اور انڈے تو یہ سالن نہیں ہے۔ اور امام محمد نے کہا کہ یہ سالن ہے اور یہی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے اور امام ابویوسف سے بھی یہی روایت ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۷- حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ حَتّٰى لَحِقَ بِاللهِ وَقَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن عابس از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل نے کبھی

ابْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ لِعَائِشَةَ بِهَذَا۔

تین دن مسلسل گندم کی روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ اللہ عزوجل سے جاملے۔

ابن کثیر نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح بیان کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۴۲۳،۵۴۳۸،۵۵۷۰،۶۶۸۷، صحیح مسلم: ۲۹۷۰، سنن نسائی: ۴۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۳۴۴، مسند احمد: ۲۴۱۳۱)

صحیح البخاری: ۶۶۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت پر بحث

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ حدیث باب کے عنوان پر کس طرح دلالت کرتی ہے، پھر کہا: جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اکثر اوقات میں کھجوریں موجود ہوتی تھیں اور وہ کھجوروں سے سیر ہو کر کھاتے تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ روٹی کو کھجوروں کے ساتھ کھانا سالن کے ساتھ کھانے کے برابر نہیں تھا، یا اس حدیث کو اس باب میں ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے اور وہ لفظ مادوم ہے جس کا معنی سالن ہے۔ اور امام بخاری کے علاوہ اور کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ امام بخاری کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جو ان کی شرط کے مطابق ہو اور اس باب کے عنوان پر دلالت کرتی ہو، یا پھر اس حدیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ ناقلین کے تصرفات میں سے ہے۔ علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ بدرالدین عینی، علامہ کرمانی کی اس توجیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے پہلی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اکثر اوقات کھجوریں رہتی تھیں اور وہ کھجوروں سے سیر ہو کر کھاتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ روٹی کو سالن سے نہیں کھاتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ کرمانی کی اس توجیہ کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ توجیہ امام بخاری کی مراد کے خلاف ہے اور یہ نہیں بیان کیا کہ امام بخاری کی مراد کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابھی ذکر کی گئی ہے وہ علامہ کرمانی کے رد میں زیادہ قوی ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا پکڑا اور اس کے اوپر کھجور رکھی اور آپ نے فرمایا: یہ سالن ہے، پھر آپ نے اس کو کھالیا''۔

علامہ کرمانی کی دوسری توجیہ کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ رد کیا ہے کہ امام بخاری کا مقصود ان لوگوں پر رد کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ سالن اسی وقت کہا جاتا ہے جب آدمی ایسی چیز کو کھائے جس سے رنگ حاصل ہو۔

علامہ عینی اس توجیہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حدیث اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی، کیونکہ حدیث میں ''مادوم'' کا لفظ ہے جس کا معنی سالن ہے اور وہ اس سے عام ہے کہ وہ سالن ایسا ہو جس سے رنگ حاصل ہو یا اس کا رنگ حاصل نہ ہو۔

علامہ کرمانی نے جو تیسری توجیہ بیان کی ہے کہ یہ ناقلین کا تصرف ہے تو اس وجہ کا بعید ہونا بالکل ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن یوسف، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ البخاری البیکندی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن بن عابس، وہ اپنے والد عابس بن ربیعہ النخعی سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں از خلاد بن یحییٰ از سفیان کافی طوالت کے ساتھ گزر چکی ہے اور یہاں پر اس حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے تین دن تک گندم کی روٹی سالن کے ساتھ سیر ہو کر نہیں کھائی'' یعنی آپ کی آل نے مسلسل تین دن تک گندم کی روٹی سالن کے ساتھ نہیں کھائی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی لحق باللہ'' یہ لفظ آپ کی وفات سے کنایہ ہے۔

اس حدیث میں تعلیق ہے کہ ''عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا ''بھذا'' یعنی عبدالرحمٰن کی جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ فَقَالَتْ نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخَذَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَهَبْتُ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لِمَنْ مَعَهُ قُومُوا فَانْطَلَقُوا وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَالنَّاسُ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مِنَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی از مالک از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت کمزور سنی ہے اور میں اس میں بھوک کو پہچان رہا تھا، کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ہاں، پھر حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر انہوں نے اپنا دوپٹا پکڑا اور بعض روٹیوں کو دوپٹے کے بعض حصہ کے ساتھ لپیٹ دیا، پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، میں گیا، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا اور آپ کے ساتھ لوگ تھے، پس میں وہاں پر کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم کو ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

الطَّعَامِ مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَأَبُو طَلْحَةَ حَتَّى دَخَلَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَأَتَتْ بِذَلِكَ الْخُبْزِ قَالَ فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِذَلِكَ الْخُبْزِ فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَهَا فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَقُولَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ أَوْ ثَمَانُونَ رَجُلًا۔

ان لوگوں سے فرمایا جو آپ کے ساتھ تھے: اٹھو، پس وہ چل پڑے اور میں بھی ان کے آگے چل پڑا حتیٰ کہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ام سلیم! بے شک رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور ان کے ساتھ اور لوگ بھی ہیں اور ہمارے پاس تو اتنا کھانا ہے نہیں جو ہم ان کو کھلائیں، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں، پس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گئے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ سے ملے، پس رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوطلحہ ساتھ آئے حتیٰ کہ وہ دونوں گھر میں داخل ہو گئے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ لے آؤ، پس حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا وہ روٹیاں لے آئیں، پس حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان روٹیوں کے ٹکڑے کیے گئے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنی شہد کی کپی نچوڑ کر اس کا سالن بنایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ دعائیہ کلمات پڑھے، پھر آپ نے فرمایا: دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دی، پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو کر گھر سے نکل گئے، پھر آپ نے فرمایا: (مزید) دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو، پس انہوں نے کھایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو کر گھر سے نکل گئے، پھر آپ نے فرمایا: (مزید) دس آدمیوں کو آنے کی اجازت دو، پس سب لوگوں نے کھا لیا اور وہ سیر ہو گئے، اور وہ لوگ اس وقت ستر (۷۰) یا اسی (۸۰) تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۲، ۳۵۷۸، ۵۳۸۱، ۵۴۵۰، ۶۶۸۸، صحیح مسلم: ۲۰۴۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۰، موطا امام مالک: ۱۷۲۵)

صحیح البخاری: ۶۶۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہو سکتی ہے جس میں سالن کا ذکر ہے۔اور یہ حدیث علامات

نبوت میں کافی تفصیل سے گزر چکی ہے اور کتاب الصلوٰۃ میں اختصار کے ساتھ گزری ہے اور کتاب الاطعمہ میں بھی گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں حضرت ابوطلحہ کا ذکر ہے، ان کا نام زید بن سہل انصاری ہے جو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے خاوند ہیں اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عکۃ" اس کا معنی ہے: گھی رکھنے کا برتن۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "فادمتہ" یعنی روٹی کے ساتھ سالن لگایا۔

حدیث مذکور کا فائدہ

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۳۔ ۳۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابٌ: النِّيَّةِ فِي الْأَيْمَانِ — قسموں میں نیت کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اَیمان میں نیت کے متعلق ہے، اَیمان میں ہمزہ پر زبر ہے اور یہ یمین کی جمع ہے، اسی طرح تمام روایات میں ہے۔ اور علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: بعض روایات میں یہ لفظ ایمان ہے اور ہمزہ پر زیر ہے۔ پھر کہا: امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: جب قسم بندہ اور اس کے رب کے درمیان میں ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے کہ وہ بندہ نیت کرے گا اور قسم کو اس کی نیت پر محمول کیا جائے گا۔ اور جب قسم بندہ اور کسی آدمی کے درمیان ہو اور قسم کھانے والا اپنی نیت میں غیر ظاہر کی نیت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کے کلام کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا۔ اس پر اجماع ہے جب وہ اس پر کوئی گواہ پیش کرے۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قسم، قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے سوا اس صورت کے کہ اس قسم میں کسی آدمی کا حق متعلق ہو تو پھر جو قسم طلب کر رہا ہے اس کی نیت پر قسم کو محمول کیا جائے گا۔ اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ قسم ہمیشہ قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے اور قسم کھانے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ قسم میں توریہ کرے اور انہوں نے اس بابِ مذکور کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اور اس پر ان کا اجماع ہے کہ جب وہ اپنی قسم سے کسی مسلمان مرد کے مال پر قبضہ کرے تو پھر وہ توریہ نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۸۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ يَقُولُ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا، وہ

اللَّيْثِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن ابراہیم نے خبر دی کہ انہوں نے علقمہ بن وقاص اللیثی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے، اور مرد کے لیے صرف وہی ثمرہ مرتب ہوتا ہے جس کی اس نے نیت کی، پس جس مرد کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف (شمار) ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف (شمار) ہوگی جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۰۷، سنن ترمذی: ۱۶۴۷، سنن نسائی: ۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۱، سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۷، مسند احمد: ۱۶۹)

صحیح البخاری: ۶۶۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے ''قسموں میں نیت کا بیان'' اور اس حدیث میں ذکر ہے ''اعمال کا مدار نیت پر ہے''، اور قسم کھانا بھی ایک عمل ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، وہ الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر ہے، وہ ابن الحارث التیمی القرشی المدنی ہیں۔

اور یہ حدیث صحیح البخاری کی پہلی حدیث ہے اور اس پر وہاں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۴۔ ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب قسم کھانے والا اپنی قسم میں کسی خاص زمانہ یا کسی خاص جگہ یا کسی خاص عدد کی نیت کرے تو اس کے متعلق اختلافِ فقہاء

قسم کھانے والا اگر اپنی قسم میں کسی زمانہ یا کسی جگہ کی تخصیص کرے تو وہ کرسکتا ہے خواہ کہ اس تخصیص کا تقاضا اس کے الفاظ سے نہ ہوتا ہو جیسے کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ زید کے گھر میں داخل نہیں ہوگا اور یہ ارادہ کرے کہ ایک ماہ تک داخل نہیں ہوگا یا ایک سال تک داخل نہیں ہوگا تو اگر وہ ایک ماہ بعد داخل ہو یا ایک سال کے بعد داخل ہو تو پھر وہ حانث نہیں ہوگا، یا وہ یہ قسم اٹھائے کہ وہ مثلاً زید سے کلام نہیں کرے گا اور یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے گھر میں زید سے کلام نہیں کرے گا تو اگر وہ کسی اور کے گھر میں زید سے کلام کرے تو پھر وہ حانث نہیں ہوگا۔

اور امام شافعی اور ان کے موافقین نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق اور اس نے کسی عدد کی نیت کی تو اس عدد کا اعتبار کیا جائے گا اگرچہ اس نے اس کا تلفظ نہ کیا ہو۔ اسی طرح جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو بائن ہے، تو اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کی تو وہ عورت بائنہ ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اس سے کم کی نیت کی تو جتنی اس نے نیت کی تھی اتنی طلاقیں واقع ہوں گی اور طلاق رجعی ہوگی۔

فقہاء احناف نے ان دونوں صورتوں میں اختلاف کیا ہے اور اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قسم، قسم کھانے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے لیکن آدمیوں کے حقوق کے ماسوا میں اور آدمیوں کے حقوق میں وہ قسم طلب کرنے والے کی نیت پر محمول ہوتی ہے، اور اس میں توریہ سے فائدہ نہیں ہوگا جب کہ وہ اس سے دوسرے کا حق قطع کرے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ دونوں حاکم کے پاس مقدمہ پیش کریں، لیکن جب وہ حاکم کے پاس مقدمہ نہ پیش کریں تو اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ پھر یہ قسم کھانے والے کی نیت پر قسم محمول ہوگی۔

علامہ نووی الشافعی نے کہا ہے: جس شخص نے کسی مرد پر کسی حق کا دعویٰ کیا، پس حاکم نے اس پر قسم پیش کی تو حاکم کی نیت کے اعتبار سے قسم منعقد ہوگی اور اس میں اتفاقاً توریہ مفید نہیں ہے۔ اور اگر اس نے حاکم کے قسم طلب کرنے کے بغیر قسم کھائی تو پھر اس کو توریہ سے فائدہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس سے کسی کا حق باطل ہوتا ہو تو وہ گناہ گار ہوگا خواہ اس کی قسم نہ ٹوٹے۔ اور ان تمام کا حکم اس صورت میں ہے جب وہ لفظِ اللہ کے ساتھ قسم کھائے اور اگر اس نے طلاق کی یا غلام آزاد کرنے کی قسم کھائی ہے تو اس کو توریہ سے فائدہ ہوگا خواہ اس کو حاکم قسم پیش کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۴۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۸۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم میں لفظ کے عرفی معنی اور شرعی معنی اور لغوی معنی کے اعتبار کے متعلق مسائل فقہیہ

امام بخاری نے اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا ہے اور یہ ایک عظیم حدیث ہے، اس میں عقائد، طہارت، صلوٰۃ، صدقہ، حج، بیع، رہن، نذور وغیرہا تمام ابواب علم داخل ہیں۔ اور تمام ابواب علم کے متعلق اس سے زیادہ وسیع

حدیث ہمارے علم میں نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں عادات بھی داخل ہیں اور عبادات بھی داخل ہیں۔
شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: اس حدیث کے عموم میں قسمیں بھی داخل ہیں کیونکہ قسم میں بھی نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور کبھی قسم میں عرف کی نیت ہوتی ہے کبھی شرعی معنی کی نیت ہوتی ہے اور کبھی لغوی معنی کی نیت ہوتی ہے۔

قسم میں عرفی معنی کا اعتبار

قسم میں عرفی معنی کا اعتبار اس وقت ہوگا جب لفظ میں اس کی گنجائش ہو لیکن لفظ میں جب اس کی گنجائش نہ ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں ہوگا اور وہ قسم لغو ہوگی، مثلاً کسی شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج رات صرف فراش (بستر) پر سوؤں گا، اور اس نے لفظِ فراش سے زمین کی نیت کی، پھر وہ صحرا میں چلا گیا اور وہاں سو گیا تو اس سے کہا گیا کہ تم نے تو کہا تھا کہ میں فراش پر سوؤں گا اور اب تم صحرا میں سو گئے ہو؟ تو اس نے کہا کہ فراش سے میری مراد صحرا ہے، پس لفظ یہاں پر فراش ہے اور وہ اس نیت کا احتمال رکھتا ہے، لیکن لغت میں اس سے مراد زمین ہے لیکن عام لوگ اس کا احتمال نہیں رکھتے، لہٰذا قسم کھانے والے کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم! میں آج روٹی نہیں بیچوں گا، پس اس نے روٹی بیچی، اس سے کہا گیا کہ تم نے تو قسم کھائی تھی کہ میں آج روٹی نہیں بیچوں گا؟ تو اس نے کہا: میں نے روٹی سے گوشت کا ارادہ کیا تھا، اب وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ روٹی کے لفظ میں گوشت کے ارادہ کی گنجائش اور احتمال نہیں ہے۔ اب یہاں ہم اس کی نیت کی طرف رجوع نہیں کریں گے۔ اسی طرح جب کسی شخص نے مقتضیٰ ظاہر کے خلاف نیت کی، تب بھی اس کی نیت کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اگرچہ لفظ اس کی گنجائش رکھتا ہو۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مرد نے قسم کھائی: اللہ کی قسم! آج میں لوگوں سے کلام نہیں کروں گا، پھر وہ اپنے گھر سے نکلا اور جو شخص اس سے ملا اس نے اس کو سلام کیا، اس سے کہا گیا کہ تم نے تو قسم کھائی تھی کہ میں آج لوگوں سے کلام نہیں کروں گا تو اس نے کہا: میری مراد یہ تھی کہ میں فاسق لوگوں سے کلام نہیں کروں گا اور میں صرف نیک لوگوں کو سلام کروں گا تو اس کے اس قول کو قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ''لوگوں'' کا لفظ عام ہے اور لغتِ عربیہ میں اس بات کی گنجائش ہے کہ لفظِ انسان سے عموم کا اور خصوص کا ارادہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ۔ (آل عمران: ۱۷۳)

ان لوگوں سے بعض لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے، سو تم ان سے ڈرو۔

آل عمران: ۱۷۳ کی تفسیر از مصنف

ابوسفیان نے جنگ احد سے واپسی پر آئندہ سال بدر صغریٰ کے مقام پر مقابلہ کرنے کے لیے کہا تھا، مسلمان اس جنگ کی تیاری میں مصروف تھے، ابوسفیان نے نعیم بن مسعود کو بھیجا، اس نے مسلمانوں سے کہا: اہل مکہ تمہارے گھروں پر آ کر تم پر حملہ کر چکے ہیں اور اس جنگ میں تم کو نقصان پہنچا چکے ہیں تو جب تم ان کے شہر پر جا کر حملہ کرو گے حالانکہ تم تعداد میں کم ہو گے اور وہ زیادہ ہوں گے تو پھر تم کو کس قدر نقصان اٹھانا پڑے گا، اسی طرح منافقوں نے بھی مسلمانوں کو ڈرایا کہ ابوسفیان اور اس کے اصحاب ایک بڑا لشکر تیار کر چکے ہیں، سو تم ان سے ڈرو، مسلمانوں نے کہا: اللہ ہمیں کافی ہے۔ (الوسیط ج۱ ص۵۲۲)
اس آیت میں لفظ ''الناس'' عام ہے اور اس سے خصوصاً اہل مکہ کا ارادہ فرمایا ہے، سو معلوم ہوا کہ کسی لفظِ عام سے خاص کا

ارادہ کرنا جائز ہے۔ پس جس شخص نے کہا تھا کہ میں آج لوگوں سے کلام نہیں کروں گا تو یہ لفظِ عام تھا لیکن اس نے ارادہ یہ کیا کہ میں خصوصیت سے بدکار اور فاسق لوگوں سے کلام نہیں کروں گا صرف نیک مسلمانوں سے کلام کروں گا تو اس لفظِ عام سے اس نے خاص لفظ کا ارادہ کیا، سو اس کا یہ ارادہ کرنا بھی جائز ہے۔

اور جب قسم کھانے والے کی نیت نہ ہو تو قسم کے سبب کی طرف رجوع کیا جائے گا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا: فلاں آدمی تمہیں گالی دے رہا تھا یا تمہاری غیبت کر رہا تھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سے بات نہیں کروں گا، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس نے اس کو خبر دی تھی اس نے اپنے گمان سے خبر دی تھی، پھر قسم کھانے والے نے اس شخص سے بات کی تو وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ جس سبب سے اس نے قسم کھائی تھی، پس معلوم ہوا کہ اس شخص میں اس کا وجود نہیں ہے۔

اور جب اس طرح نہ ہو تو پھر لفظ کے مدلول کی طرف رجوع کیا جائے گا اور لفظ کا مدلول عرفی بھی ہوتا ہے اور شرعی بھی ہوتا ہے اور لغوی بھی ہوتا ہے، مثلاً ایک مرد نے کہا: ''واللہ لاشترین یوما شاۃ'' (اللہ کی قسم! میں آج ضرور بکری خریدوں گا) اور اس نے بکری خرید لی تو عرف کے مطابق وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ شاۃ کا اطلاق لغت میں بکرے اور دنبہ پر ہوتا ہے، تو یہاں عرفی معنی کے اعتبار سے وہ حانث نہیں ہوگا۔

اور ہم کہتے ہیں کہ اگر لغت اور عرف میں اختلاف ہو تو عرف کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ عرف متکلم کے مقصود کے زیادہ قریب ہوتا ہے خاص طور پر عام لوگوں کے نزدیک۔

اور جب کہ لفظ کا مدلول عرفی ہو اور شرع میں اس کے دو معنی ہوں ایک صحیح اور ایک فاسد، تو اس کو صحیح معنی پر محمول کیا جائے گا۔

اور جب وہاں پر لفظ کی حقیقتِ شرعیہ یا حقیقتِ عرفیہ نہ ہو تو پھر اس کو حقیقتِ لغویہ پر محمول کیا جائے گا، پس اگر کسی شخص نے کہا ''واللہ لا اصلی الیوم'' (اللہ کی قسم! میں آج نماز نہیں پڑھوں گا) پھر اس نے نماز پڑھی تو وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، لیکن جب اس نے کہا کہ میں نے نماز سے صرف دعا کا ارادہ کیا تھا تو ہم کہیں گے: اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ جو لفظ اس نے کہا ہے وہ اس معنی کی گنجائش رکھتا ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور یہ قاعدہ قسموں میں مفید ہوتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے: طلاق قسم کے قائم مقام ہے جیسا کہ آزاد کرنا قسم کے قائم مقام ہے مثلاً جب کسی انسان نے کہا کہ اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو میری بیوی کو طلاق، لیکن وہ یہ ارادہ نہیں کرتا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے بلکہ وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہے، پس جمہور فقہاء کے نزدیک اگر وہ اس گھر میں داخل ہوا جس گھر میں داخل ہونے پر اس نے طلاق کو معلق کیا تھا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی خواہ اس نے یہ نیت کی ہو کہ وہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہے گا۔ اور شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ اس شخص کی بیوی پر اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک کہ وہ ان الفاظ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرے، اس نے تو ان الفاظ سے صرف اپنے نفس کو اس بیوی سے روکنے کا ارادہ کیا ہے، لہٰذا اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔ اور شیخ ابن تیمیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''اعمال کا مدار نیات پر ہے'' اور اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے نیز ان آثار سے استدلال کیا ہے جو صحابہ سے منقول ہیں کہ انسان نے جب یہ نذر مانی کہ وہ ایک غلام کو آزاد کرے گا تو یہ قسم کے قائم مقام ہے، پس اگر وہ غلام کو آزاد نہ کرے تو اس کے لیے قسم کا کفارہ دینا کافی ہے مثلاً کسی شخص نے کہا: اگر میں نے زید سے کلام کیا تو میرا غلام آزاد ہے، پس صحابہ سے منقول ہے کہ اس کے اوپر غلام کو آزاد کرنا لازم نہیں ہے اور اس پر قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابہ سے طلاق کے متعلق کوئی چیز منقول نہیں ہے، پھر کیا ان سے غلام آزاد کرنے کے متعلق کوئی چیز منقول ہے؟ تو شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ طلاق کی قسم کھانا عہد صحابہ میں معروف نہیں تھا، اسی لیے اس سلسلہ میں ان کا کوئی فتویٰ منقول نہیں ہے جیسا کہ غلام آزاد کرنے کی قسم کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معروف نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فتویٰ منقول نہیں ہے۔ اور اس کی تائید درج ذیل آیت سے ہوتی ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۞ (التحریم: ۱۔۲)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے O (اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حلال کے حرام کرنے کو قسم قرار دیا ہے خواہ اس شخص نے قسم نہ کھائی ہو۔

جیسے کسی شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل ہونا مجھ پر حرام ہے، پھر وہ اس گھر میں داخل ہو گیا تو ہم کہتے ہیں: اس کے اوپر قسم کا کفارہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو بھی شامل ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر اس نے کہا: اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو مجھ پر میری بیوی حرام ہے، پھر وہ اس گھر میں داخل ہو گیا تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی لیکن اس پر قسم کا کفارہ ہے اس لیے کہ بیوی کو حرام کرنا یا کسی اور حلال چیز کو حرام کرنا برابر ہے، کیونکہ بیوی کو حرام کرنا اور اس کے غیر کو حرام کرنا یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دیا تھا، پس جب اس نے ان کو اپنے نفس پر حرام قرار دیا اور اس سے قسم کا ارادہ کیا تو اس کے لیے قسم کا حکم ہوگا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شہد کو پینا حلال تھا آپ نے اس کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو قسم قرار دیا جب کہ آپ کے اوپر شہد حرام نہیں ہوا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کہا: اگر میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی کی پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے، تو یہ بھی قسم کے حکم میں ہے بشرطیکہ وہ قسم کا ارادہ کرے۔

اور ہم ان تمام جزئیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے:

"اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے اور ہر مرد کے لیے وہی ثمرہ ہوتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے، سو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف (شمار) ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے ہو یا کسی

عورت کو پانے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف (شمار) ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے"۔

ہجرت کی دو قسمیں

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک بدن کے ساتھ ہجرت ہے اور دوسری عمل کے ساتھ ہجرت ہے اور اس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ فرمایا:

''مہاجر وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے ہجرت کرلی''۔ یہ ہجرتِ عمل ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ۔ (الحشر: ۸) (یہ اموال) ان فقراء مہاجرین کے لیے ہیں جن کو ان کے گھروں سے اور ان کے اموال سے نکال دیا گیا۔

اس آیت میں ہجرتِ بدن مراد ہے، کیونکہ آدمی بدن سے ہجرت کر کے شرک کے شہر سے اسلام کے شہر کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور شرک کا شہر وہ ہے جس شہر کے حکام اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو نافذ نہیں کرتے۔ لیکن جن شہروں کے متعلق یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ شرک کے شہر ہیں یہ وہ ہیں جن میں شعائرِ اسلام بالکل نہ ہوں، نہ اذان ہو اور نہ جماعت ہو اور نہ جمعہ ہو۔ یہ شرک کے شہر ہیں۔

لیکن وہ شہر جن میں اذان ہو، اور لوگ جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہوں اور جمعہ پڑھنے کے لیے آئیں وہ اسلام کے شہر ہیں، خواہ ان شہروں کے حکام ان میں وہ احکام نافذ کرتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کیے، سو یہ دار، دارِ اسلام ہوگا۔

اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہر وہ شہر جس میں اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام نافذ نہ ہوں وہ بلادِ کفر ہیں تو میں نہیں گمان کرتا کہ اس دور کے اندر کوئی بلادِ اسلام ہوگا مگر بہت کم۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ بلادِ کفر وہ ہیں جن میں شعائرِ کفر کا اعلان کیا جائے۔ اور اس میں شعائرِ اسلام بالکل نہ ہوں، نہ اذان ہو، نہ جمعہ ہو، نہ جماعت ہو اور نہ ماہِ رمضان کے روزے رکھے جائیں تو یہ بلادِ کفر ہیں۔

تو اب ہم کہتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں، ایک ہجرتِ بدن ہے اور دوسری ہجرتِ عمل ہے۔ ہجرتِ عمل یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور حرام کاموں کو ترک کردے۔

پھر غور کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله'' آپ نے اس کو دوبارہ ظاہر فرمایا اور یہ نہیں فرمایا ''فهجرته الی ما هاجر الیه'' یعنی اس کی ہجرت اسی طرف ہے جس کی اس نے ہجرت کی، بلکہ فرمایا: اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے، کیونکہ اس ہجرت کا شرف ہے اور تعظیم اور تکریم ہے، اور اس کی ہجرت ایک امرِ عظیم شریف کی طرف ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ پھر اس حدیث کے دوسرے جملہ میں فرمایا ''کہ جس کی ہجرت دنیا کو پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی اس نے ہجرت کی ہے'' اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کی ہجرت دنیا کی طرف ہوگی جس کو وہ پائے یا عورت کی طرف ہوگی جس سے وہ نکاح کرے، کیونکہ اس سے مراد دنیا کی اور عورت کی حقارت ہے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صراحتاً ذکر سے اعراض فرمایا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۹۲۔۵۹۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابٌ إِذَا أَهْدَى مَالَهُ عَلَى وَجْهِ النَّذْرِ وَالتَّوْبَةِ

جب کسی شخص نے اپنے مال کا بطورِ نذر ہدیہ دیا یا بطورِ توبہ ہدیہ دیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے اپنے مال کو مسلمانوں کے لیے بطورِ ہدیہ پیش کیا، یا کسی شخص نے اپنے مال کا بطورِ نذر صدقہ دیا یا بطورِ توبہ صدقہ دیا اور ایک روایت میں ہے بطورِ قربت اور عبادت صدقہ دیا۔ اور اس کا جواب محذوف ہے یعنی جب کسی شخص نے اپنے مال کو اس طرح ہدیہ میں پیش کیا یا اپنے مال کے ہدیہ کو کسی کام پر معلق کیا تو آیا یہ ہدیہ نافذ ہوگا یا نہیں؟

اور یہ باب ابواب المنذور میں سے پہلا باب ہے کیونکہ یہ کتاب ''الایمان'' اور ''النذور'' میں ہے یعنی قسموں اور نذروں کے بیان میں ہے اور امام بخاری ''ایمان'' اور قسموں کے ابواب سے فارغ ہو چکے ہیں اور اب ''نذور'' کے ابواب شروع ہوئے۔

نذور کا لفظ ''نذر'' کی جمع ہے اور ''نذر'' کا معنی ہے: کسی چیز کو عبادت سے یا صدقہ سے اپنے نفس کے اوپر تبرعاً واجب کرنا یعنی از خود واجب کرنا۔ اور کہا جاتا ہے کہ لغت میں نذر کا معنی ہے: کسی نیکی یا برائی کو لازم کر لینا اور اس کا شرعی معنی ہے: مکلف کا کسی ایسے کام کا التزام کرنا جو اس پر واجب نہیں تھا خواہ وہ اس کام کو جلدی کرے یا اس کام کو کسی دوسرے کام پر معلق کرے۔

اور نذر کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ''نذرِ تبرر'' ہے یعنی نیکی اور اچھے کام کی نذر ماننا۔ اور دوسری قسم ''نذرِ لجاج'' ہے یعنی برائی اور گناہ کی نذر ماننا۔

نذر تبرر کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ جس سے ابتداءً تقرب حاصل کرے، جیسے کسی شخص کا مطلقاً یہ کہنا کہ اللہ کی رضا کے لیے مجھ پر اتنے روزے رکھنا لازم ہے یا مطلقاً کہے: اگر اللہ نے میرے بیمار کو شفاء دے دی تو میں اس کے شکر میں روزے رکھوں گا۔ ایک قول یہ ہے کہ نذرِ تبرر کی دونوں صورتیں صحیح ہیں اور بعض شافعیہ سے منقول ہے کہ نذرِ تبرر کی دوسری صورت صحیح نہیں ہے اور وہ منعقد نہیں ہوگی۔ اور نذرِ تبرر کی دوسری قسم یہ ہے جس میں تعلیقاً تقرب حاصل کیا جائے مثلاً وہ کہے ''اگر فلاں شخص سفر سے آیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اتنے دن روزے رکھوں گا''۔ اور یہ قسم بھی اتفاقاً لازم ہے۔

اور اسی طرح نذر لجاج کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ جس میں نذر کو کسی حرام کام پر معلق کرے یا واجب کے ترک پر معلق کرے، سو یہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں نذر کو کسی مباح فعل پر معلق کرے یا مستحب کے ترک پر معلق کرے یا خلافِ اولیٰ پر معلق کرے، سو اس میں فقہاء کے تین اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ نذر کو پورا کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ نذر پوری نہ کرے تو قسم کا کفارہ دے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو نذر پورا کرنے یا کفارہ قسم دینے میں اختیار ہے۔ اور فقہاء شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ قسم اصلاً منعقد نہیں ہوگی۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نذر پوری نہ کرنے پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٦٩٠ - حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ مِنْ بَنِيهِ حِينَ عَمِيَ قَالَ سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ فِي حَدِيثِهِ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا فَقَالَ فِي آخِرِ حَدِيثِهِ إِنَّ مِنْ تَوْبَتِي أَنِّي أَنْخَلِعُ مِنْ مَالِي صَدَقَةً إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک نے خبر دی از عبداللہ بن کعب، اور وہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے بیٹوں میں سے ان کے قائد تھے جب وہ نابینا ہو گئے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا وہ اپنی حدیث میں (اس آیت کی تفسیر میں) ''وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا'' (التوبہ:۱۱۸) (اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا) اور انہوں نے اپنی حدیث کے آخر میں کہا: میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنا تمام مال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو بطور صدقہ پیش کروں گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا بعض مال اپنے پاس رکھو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۵۷، ۲۹۴۷، ۲۹۴۸، ۲۹۴۹، ۲۹۵۰، ۳۰۸۸، ۳۵۵۶، ۳۸۸۹، ۳۹۵۱، ۴۴۱۸، ۴۶۷۳، ۴۶۷۷، ۴۶۷۸، ۶۲۵۵، ۶۶۹۰، ۷۲۲۵، صحیح مسلم: ۲۷۶۹، سنن ترمذی: ۳۱۰۲، سنن نسائی: ۳۸۲۶، سنن ابوداؤد: ۳۳۱۷، مسند احمد: ۱۵۳۴۳)

صحیح البخاری: ۶۶۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جب کسی شخص نے اپنے مال کو بطور نذر اور توبہ ہدیہ کیا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی توبہ میں اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صدقہ کے لیے خالی کر دیا۔

اس پر اعتراض ہے کہ اس مال کو خالی کرنا نذر پر دلالت نہیں کرتا اور باب کے عنوان میں نذر کا ذکر ہے۔

اور اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالی کرنے میں التزام کا معنی ہے یعنی انہوں نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خالی کر دیں گے۔ اور التزام میں نذر کا معنی ہے اور یہ جو میں نے جواب دیا ہے یہ شارحین میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن صالح، یہ ابوجعفر المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن وہب کا ذکر ہے جن کا

نام عبداللہ بن وہب المصری ہے۔اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، وہ ابن یزید الایلی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کا ذکر ہے۔

اور یہ حدیث کتاب المغازی میں کافی طول کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے رہ گئے تھے۔اور آیتِ مذکورہ ''الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا'' (التوبہ:۱۱۸)، حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے اور وہ حضرت مرارہ اور حضرت ہلال رضی اللہ عنہما ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی حدیثہ'' یعنی جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ جانے کی حدیث بیان کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان انخلع'' یہ لفظ انخلاع سے بنا ہے یعنی میں اپنے مال سے خالی ہو جاؤں جیسا کہ انسان جب کپڑے اتارتا ہے تو وہ کپڑوں سے خالی ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''امسک علیک بعض مالک'' یعنی تم سارا مال صدقہ نہ کرو بلکہ کچھ مال اپنے پاس رکھ لو۔امام ابوداؤد نے اسی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔اور سنن ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایک تہائی مال صدقہ کر دو تو وہ تمہارے لیے کافی ہے۔

جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی، اس کے متعلق فقہاء اسلام کے حسب ذیل دس اقوال ہیں:

(۱) امام مالک نے کہا ہے: اس پر لازم ہے کہ وہ تہائی مال کو صدقہ کرے۔

(۲) اللیث اور ابن وہب نے کہا ہے: اگر وہ مال دار ہے تو وہ تہائی مال کو صدقہ کرے اور اگر وہ فقیر ہے تو قسم کا کفارہ دے۔

(۳) ربیعہ نے کہا ہے: اگر وہ متوسط ہے تو تہائی مال سے ایک حصہ نکالے۔

(۴) سحنون مالکی نے کہا ہے: اتنا مال صدقہ کرے جس سے اس کو ضرر نہ ہو۔

(۵) ربیعہ کا دوسرا قول ہے کہ وہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے۔

(۶) ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ وہ اپنا تمام مال نکالے اور صدقہ کرے۔

(۷) امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: اگر اس نے اس صدقہ کو کسی شرط پر معلق کیا ہے مثلاً اس نے کہا ہے کہ اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دے دی تو میں اپنا تمام مال صدقہ کروں گا، یا اس نے کہا: اگر میں گھر میں داخل ہوا تو اپنا تمام مال صدقہ کروں گا تو قیاس کا تقاضا ہے کہ اپنا تمام مال نکالے اور صدقہ کرے۔

(۸) امام شافعی نے کہا ہے: اگر اس نے یہ نذر بطور نیکی کے مانی ہے مثلاً کہا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفاء دے دی تو میں تمام مال صدقہ کروں گا، تو اس پر لازم ہے کہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے، اور اگر یہ نذر لجاج اور غضب کے طور پر تھی اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے نفس کو کسی مباح کام سے روکے مثلاً اس نے کہا: اگر میں گھر میں داخل ہوا تو میرا تمام مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں

صدقہ ہے تو اس کو اختیار ہے، اگر چاہے تو نذر پوری کرے اور چاہے تو قسم کا کفارہ دے دے۔

(۹) ابن ابی لیلیٰ، طاؤس اور شعبی نے کہا ہے: اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔

(۱۰) امام زُفر نے کہا ہے: وہ اپنی ذات کے لیے دو مہینہ کی روزی کے برابر مال رکھ لے، پھر اتنا ہی مال صدقہ کر دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس باب کی جو شرح کی ہے اس کا اکثر حصہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کی کتاب میں مذکور ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۴۷۹-۴۸۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ ''تم کچھ مال اپنے پاس رکھ لو'' اس کی حکمت

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ اپنے مال میں سے جو عمدہ جزو ہے اس کو صدقہ کر دو اور غالباً یہ تہائی مال سے زیادہ تھا کیونکہ کسی چیز کا بعض اس کے اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔ اور شاید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان کے پاس بہت مال ہے اور بعض مال ان کے پاس رہا تو وہ ان کے لیے کافی ہوگا۔ اور اس حدیث سے علامہ سحنون مالکی کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنا تمام مال صدقہ کرے گا تو وہ اتنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکالے جس کو صدقہ کرنے سے اس کو ضرر نہ ہو۔ نیز اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی طرف سے دیا جائے اور ابتداء اپنے عیال سے کرو۔ (صحیح البخاری: ۱۴۲۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۴، سنن نسائی: ۲۵۴۴، سنن ابوداؤد: ۱۶۷۶، مسند احمد: ۸۹۷۰، سنن دارمی: ۱۶۵۱)

اور امام مالک نے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے۔ (الموطا ص ۲۹۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا کہ ''میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال کو خالی کر دوں'' کیا انہوں نے اپنے اس قول سے تمام مال کے صدقہ کا التزام کیا تھا یا ان کا صرف یہ ارادہ تھا کہ وہ ایسا کریں گے اور انہوں نے اس کو واجب نہیں کیا تھا؟ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کا التزام کیا تھا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے ''تمہارے لیے اس مال سے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے''۔ اگر آپ کا یہ کلام بطور مشورہ ہوتا تو آپ اس طرح نہ فرماتے۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن نے اس شخص کے متعلق فقہاء کے آٹھ اقوال ذکر کیے ہیں جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی قسم کھائی ہو۔

تنبیہ: علامہ عینی کی شرح میں ہم فقہاء کے دس اقوال نقل کر چکے ہیں اور ان دس اقوال میں علامہ ابن ملقن کے ذکر کیے ہوئے آٹھ اقوال بھی شامل ہیں۔

علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے کہ علامہ ابن بطال مالکی نے اس مسئلہ میں پانچ اقوال ذکر کیے ہیں۔

مسئلہ مذکورہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کی تفصیل

اور پانچواں قول یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے تمام مال کو نکالے اور یہ ابراہیم نخعی سے روایت ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام زفر کا قول ہے۔ مگر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اپنے ان تمام اموال کو صدقہ کرے جن میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور امام زفر نے یہ کہا ہے کہ اپنے مال میں سے دو ماہ کی خوراک کو رکھ لے، پھر دو ماہ کی خوراک کے برابر مال کو صدقہ کرے۔

امام شافعی کے قول پر دلیل

امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے بطور نیکی کے نذر مانی یا قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیمار کو شفاء دے دی تو وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے گا تو اس پر لازم ہے کہ تمام مال کو صدقہ کرے۔ اور اگر اس نے لجاج اور غضب کے طور پر قسم کھائی ہے تو اسے اختیار ہے، اگر چاہے تو اس نذر کو پورا کرے یا چاہے تو قسم کا کفارہ دے۔

اور امام شافعی نے اپنے قول پر حضرت ابوالخیر عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے''۔ (صحیح مسلم: ۱۶۴۵، کتاب النذر، باب فی کفارۃ النذر)

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ہر نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے سوا اس کے جو دلیل سے مستثنیٰ ہو۔

امام ابوحنیفہ کے قول پر دلیل

امام ابوحنیفہ کے قول پر دلیل قرآن مجید کی درج ذیل آیت ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ (التوبہ: ۷۵-۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے O پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے O

امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مانی ہوئی نذر کو پورا نہیں کیا تو وہ وعید اور مذمت کے مستحق ہو گئے، لہٰذا ان کے اوپر اپنی قسم اور نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔

ان فقہاء کی دلیل جو کہتے ہیں کہ صورتِ مذکورہ میں صرف تہائی مال کو صدقہ کرنا لازم ہے

اور ابن شہاب زہری نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس صورت میں تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنے کچھ مال کو اپنے پاس رکھ لو یہ تمہارے لیے بہتر ہے''۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی صورت میں حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''تمہارے لیے تہائی مال کو صدقہ کرنا کافی ہے''۔

پس حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان کر دیا کہ جس شخص نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو یا قسم کھائی ہو تو وہ صرف تہائی مال کو صدقہ کرے اور دیگر اقوال ساقط ہو گئے۔

امام مالک کے قول پر دلیل

اس صورت میں امام مالک کا قول یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ وہ تہائی مال کو صدقہ کرے۔ علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے: امام مالک کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص: ۷۷)

اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی تلاش کرو، اور اپنے دنیا کے حصہ کو (بھی) نہ بھولو، اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے، اور ملک میں سرکشی نہ کرو، بے شک اللہ سرکشی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے کہ دنیا کے مال میں سے اپنے حصہ کو نہ بھولو، اور جب کہ مخلوق کو اتنے مال کی ضرورت ہوتی ہے جس مال کے بغیر اس کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ ہو تو اس لیے اس پر واجب ہے کہ وہ ایسی صورت میں صرف تہائی مال کو صدقہ کرے اور باقی مال کو اپنی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے رکھ دے۔ اور اس قول کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب بیمار تھے اور وہ اپنا تمام مال صدقہ کرنا چاہتے تھے تو حضور نے ان کو تمام مال صدقہ کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اپنے وارثوں کے لیے بھی کچھ مال چھوڑو ایسا نہ ہو کہ تمہارے بعد تمہارے وارث لوگوں کے آگے اپنی ضروریات کے لیے ہاتھ پھیلاتے رہیں، سو تم تہائی مال کو صدقہ کرو اور تہائی مال بہت ہے۔

فقہاء کے دیگر اقوال پر بحث ونظر

اور رہے وہ فقہاء جنہوں نے اس صورت میں یہ کہا ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں، اس قول کی صحت کی کوئی توجیہ نہیں ہے، کیونکہ انسان کے اوپر اپنے مال کی زکوٰۃ کا نکالنا واجب ہے خواہ اس نے نذر نہ مانی ہو۔

اور رہا امام ابوحنیفہ کا یہ قول کہ وہ صرف اپنے ان اموال کو نکالے جن میں زکوٰۃ واجب ہے تو اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اموال ان پر بھی مشتمل ہیں جن میں زکوٰۃ ہے اور ان پر بھی مشتمل ہیں جن میں زکوٰۃ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (الاحزاب: ۲۷)

اور اس نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں کا وارث بنا دیا، اور اس زمین کا بھی وارث بنا دیا جس پر ابھی تم چل کر نہیں گئے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے O

اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اموال کا وارث بنا دیا اور اس میں غلاموں اور سامان کا فرق نہیں کیا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۶۷۔ ۳۶۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن نے امام ابوحنیفہ کے پورے قول کو ذکر نہیں کیا، امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں

اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے تمام مال کو اللہ کی راہ میں نکالے اور سب کو صدقہ دے اور صرف ان اموال کا صدقہ دے جن پر زکوٰۃ واجب ہے تو یہ مستحسن ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہونے کا مفصل قصہ

ان تین صحابہ کا قصہ تاریخ میں تفصیل سے لکھا ہوا ہے اور قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ (التوبہ:۱۱۸) اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔

یہ تین صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو جو منافقین آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، وہ آ کر جھوٹے عذر پیش کر رہے تھے لیکن ان تینوں کو ان کے ایمان نے اس سے روکا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا عذر پیش کریں جو واقع میں عذر نہ ہو، اور انہوں نے سچی بات بیان کر دی اور کہا کہ ہمارا کوئی عذر نہیں تھا اور سب سے زیادہ صریح بات حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کی جب انہوں نے یہ کہا کہ ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اور ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں اور اگر وہ دنیا کے کسی بادشاہ کے پاس بیٹھے ہوتے تو جھوٹا عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے نکل جاتے کیونکہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو گفتگو کرنے کی اچھی مشق تھی اور وہ بہت بلاغت سے کلام کرتے تھے، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر رہے تھے، پس وہ خوف زدہ ہوئے کہ اگر آج وہ کوئی جھوٹا عذر پیش کریں گے تو کل اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما کر آپ کو حق بات سے آگاہ کر دے گا اور پھر ان کو رسوا کر دے گا، جیسا کہ درج ذیل آیات میں اس کا ذکر ہے:

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۞ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۞ (التوبہ:۹۵-۹۶)

جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے عنقریب اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم (ان کے جھوٹے بہانوں سے) ان سے صرف نظر کرو، پس تم ان کی طرف توجہ نہ کرو، بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (یہ) ان کے ان کاموں کی سزا ہے جو وہ کرتے تھے O وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے، پس اگر تم ان سے راضی ہو (بھی) گئے تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوتا O

التوبہ:۹۵-۹۶ کی تفسیر از مصنف

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے لوٹے تو ملاقات کے لیے بیٹھ گئے،

پھر آپ سے ملنے وہ لوگ آئے جو آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک پہ نہیں گئے تھے، وہ آکر قسمیں کھا کھا کر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے، وہ اسّی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر کے انہیں بیعت کر لیا اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۵)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ان منافقین کے ساتھ بات نہ کرو نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور ان سے اس طرح اعراض کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ (تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۶ ص ۱۸۶۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! یہ منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، اور اگر تم ان سے راضی ہو گئے اور تم نے ان کی معذرت کو قبول کر لیا، کیونکہ تم کو ان کے سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز نہیں ہے، سو تمہارا راضی ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنوں کو اور ان کے خفیہ امور کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے، یہ اللہ کے ساتھ کفر پر قائم ہیں اور ایمان سے کفر کی طرف اور اطاعت سے معصیت کی طرف جانے والے ہیں، پس اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔

سو، ان آیات میں ان منافقین کی رسوائی ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک میں نہ جانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹے عذر پیش کیے تھے، لیکن حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھی ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما نے سچ بولا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

(التوبہ: ۱۱۷-۱۱۸)

بے شک اللہ نے نبی پر فضل فرمایا اور ان مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت میں نبی کی اتباع کی جب کہ اس کے بعد یہ قریب تھا کہ ان کے ایک گروہ کے دل اپنی جگہ سے ہل جائیں، پھر اس کے بعد اس نے ان کی توبہ قبول کی، بے شک وہ ان پر نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے O اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ موخر کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور خود ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر ان کی توبہ قبول فرمائی تا کہ وہ توبہ پر قائم رہیں، بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

التوبہ: ۱۱۷-۱۱۸ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں فرمایا ہے کہ مہاجرین اور انصار نے تنگی کے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی، اس تنگی کے وقت سے مراد غزوۂ تبوک ہے، کیونکہ اس سفر میں مسلمانوں پر بہت سختیاں اور مشکلات آئی تھیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اس سفر میں سواری

کے لیے بھی مشکلات تھیں، پانی کے لیے بھی اور زادِ راہ کے لیے بھی، سواری کی مشکلات یہ تھیں کہ دس مسلمان ایک اونٹ پر باری باری سواری کرتے اور زادِ راہ کی یہ مشکلات تھیں کہ بعض اوقات مسلمانوں کی ایک جماعت باری باری کھجور کی ایک گٹھلی چوستی، ان کے پاس سڑے ہوئے جَو تھے، وہ ناک پکڑ کر اس کا لقمہ کھاتے تھے، اور پانی کی مشکلات یہ تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: شدت پیاس کی وجہ سے ہم میں سے ایک شخص اپنے اونٹ کو ذبح کر کے اس کی اوجھڑی کو نچوڑ کر پیتا۔ (جامع البیان جز ۱۱ ص ۷۵، ملخصاً)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گیا، حالانکہ میں اس وقت خوش حال تھا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیچھے رہ جانے کی اصل حقیقت بیان کی اور کوئی جھوٹا عذر نہیں پیش کیا، آپ کی طرح مزید دو صحابہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما بھی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابہ کو ان تینوں سے گفتگو کرنے سے منع فرما دیا اور یوں تمام صحابہ ان کے لیے اجنبی ہو گئے حتیٰ کہ زمین بھی ان کے لیے اجنبی ہو گئی، اس حالت میں انہوں نے چالیس راتیں گزاریں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد نے انہیں جا کر خبر دی کہ وہ اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو جائیں اور ان کے قریب نہ جائیں، اس حکم کے بعد انہوں نے مزید دس راتیں گزاریں حتیٰ کہ جب اس طرح پچاس دن گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۷۳۔۲۷۹ مخلصاً، شرح السنہ: ۱۶۷۶ مخلصاً وملتقطاً)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد آیا تو انہوں نے پوچھا: مجھے پتا نہیں چلا میں کیا کروں کہ اپنی بیوی کو طلاق دوں یا کیا کروں؟ تو قاصد نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ اور میں نہیں جانتا کہ تم ان کو طلاق دو یا نہ دو۔ پس حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، رہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے باقی دو ساتھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اجازت دی کہ وہ اپنی بیویوں کے پاس رہیں کیونکہ وہ دونوں بوڑھے تھے۔

تمام لوگوں نے ان تینوں کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ ابو قتادہ جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے اور وہ ان کو بہت زیادہ محبوب تھے، ان کے باغ میں آتے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان کو سلام کرتے تو وہ ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان تینوں کو چھوڑ دو تو صحابہ نے ان کو چھوڑ دیا، حتیٰ کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ حسین اخلاق والے تھے، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کو سلام کرتا اور اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے ہونٹوں کو سلام کے جواب میں ہلایا ہے یا نہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بہت بڑی آزمائش میں مبتلاء ہوئے حتیٰ کہ غسان کے بادشاہ کا ان کے پاس خط آیا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے پیغمبر نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، تم ہمارے پاس آجاؤ، ہم تمہاری غم گساری کریں گے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے وہ خط اٹھا کر تندور میں ڈال کر جلا دیا تا کہ کہیں اور آزمائش میں مبتلاء نہ ہو جائیں۔ پھر اسی طرح پچاس راتیں گزر گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اس وقت توبہ نازل کی جب ان پر زمین اجنبی ہو گئی تھی اور وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی توبہ کے مقبول ہونے کے متعلق وحی نازل فرمائی اور یہ بہت عظیم بشارت تھی ان کے لیے بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی۔ پھر ایک

گھوڑے سوار حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی قوم کے گھروں کی طرف گیا اور بلند آواز کے ساتھ چلا کر مدینہ کے پہاڑ پر اعلان کیا: اے کعب بن مالک! خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔ اور ان کی آواز گھوڑے کی رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس خوشخبری دینے والا آیا تو انہوں نے اپنے پڑوسی سے دو کپڑے مستعار لیے اور اپنے پہنے ہوئے کپڑے اس خوشخبری دینے والے کو انعام میں دے دیے، اس نے ان کو مبارک باد دی اور بشارت دی، پھر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ کا چہرہ خوشی سے تمتمارہا تھا اور فرمایا: جب سے تم اپنی ماں سے پیدا ہوئے ہو اس سے زیادہ خوشی کا دن تمہارے پاس اِس سے پہلے نہیں آیا اور لوگ آتے تھے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی توبہ قبول ہونے پر مبارک باد دیتے تھے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ توبہ قبول ہونے پر بہت زیادہ خوش ہوئے اور کہا کہ میری توبہ یہ ہے کہ میں اس نعمت کے شکر میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ دیتا ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عمدہ تربیت ہے، کیونکہ انسان ابتداء امر میں اپنی مصلحتوں کو اور اپنی ضروریات کو بھول جاتا ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا کچھ مال اپنے پاس رکھو اور یہ عمدہ تربیت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما کر اس پر احسان فرمائے تو وہ اس کے شکر میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کردے جیسا کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اسی طرح جب کوئی انسان یہ نذر مانے کہ وہ اپنا سارا مال صدقہ کرے گا تو اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ سارا مال صدقہ کرے بلکہ فقط تہائی مال صدقہ کرے اور یہ کافی ہے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ تمام مال کو صدقہ کرنا امورِ واجبہ میں سے نہیں ہے امورِ مستحبہ میں سے ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کیے ہوئے تمام مال کے صدقہ کو برقرار رکھا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۵۹۸۔ ۶۰۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔ بَابٌ: إِذَا حَرَّمَ طَعَامَهُ

جب کسی شخص نے اپنے اوپر کسی طعام کو حرام قرار دیا

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ (التحریم: ۱۔ ۲)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۝ (اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ۝

وَقَوْلُهُ: لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ۔ (المائدہ: ۸۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص اپنے اوپر کسی طعام کو حرام قرار دے بایں طور کہ وہ کہے کہ فلاں طعام یا فلاں مشروب مجھ پر حرام ہے یا وہ کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی ہے کہ میں فلاں چیز نہیں کھاؤں گا یا فلاں چیز نہیں پیوں گا۔ امام بخاری نے اس باب کے عنوان کا جواب ذکر نہیں کیا یعنی جو شخص اپنے اوپر کسی طعام کو حرام قرار دے گا تو اس کا حکم کیا ہے؟ اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ عنوان ذکر کر دیتے ہیں اور اس کا حکم ذکر نہیں کرتے۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص کی قسم منعقد ہو جائے گی اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے جب وہ اس طعام کو مباح کر لے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ قسم کھائے اور یہی امام بخاری کا مذہب ہے، اسی لیے انہوں نے اس باب کی حدیث کو وارد کیا ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے ''میں نے قسم کھائی ہے''۔

اگر کوئی شخص طعام کو اپنے اوپر حرام قرار دے یا اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے تو اس کے متعلق مذاہب فقہاء

اور امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ لیکن وہ لفظِ حلف یا قسم کی شرط نہیں لگاتے۔ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی چیز نہیں ہے اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی طعام یا مشروب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تو یہ یمین اور قسم نہیں ہے سوا بیوی کے، کیونکہ اگر وہ بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دے گا تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ اس پر حرام ہو گی۔ امام شافعی سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس کو الربیع نے امام شافعی سے روایت کیا ہے اور بعض تابعین سے روایت ہے کہ حرام کرنا کچھ نہیں ہے خواہ اس نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام کیا ہو یا کسی اور چیز کو حرام کیا ہو، اس کے اوپر ان میں سے کسی چیز کا کفارہ لازم نہیں آئے گا۔ ابوسلمہ، مسروق اور شعبی کا بھی یہی قول ہے۔

باب مذکور کی پہلی دو آیتوں کی تفسیر از علامہ عینی

ان دو آیتوں میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا باب کے عنوان میں ذکر ہے کہ مباح کو حرام قرار دینا قسم ہے اور اس میں کفارہ ہے لیکن امام بخاری کے نزدیک اس میں قسم یا حلف کے لفظ کو ذکر کرنا شرط ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور پہلی آیت کے نزول کا سبب کتاب الطلاق کے اس باب میں گزر چکا ہے ''باب لم تحرم ما احل اللہ لك'' اور اس باب میں امام بخاری نے دو حدیثیں وارد کی ہیں۔

اور دونوں حدیثیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہیں، جن میں یہ قصہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا جن کو اسکندریہ کے حکمران المقوقس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا تھا۔ اور شہد کو حرام قرار دینے کا قصہ ہے۔ اور ہم نے اس میں اس اختلاف کو ذکر کیا ہے کہ کیا یہ آیت حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے یا شہد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے ''تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ'' یعنی آپ اس تحریم سے اپنی ازواج کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔

نیز فرمایا: ''قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ'' (التحریم: ۲)، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ

مقرر فرمادیا ہے۔

باب مذکور کی دوسری آیت کی تفسیر از علامہ عینی

اس باب کی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے''۔ (المائدہ:۸۷)

اس آیت میں ان لوگوں پر زجر وتوبیخ ہے جو ایسا کرتے ہیں، اس لیے اس کے آخر میں فرمایا ''ولا تعتدوا'' یعنی تم حد سے تجاوز نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو پاک چیزیں حلال فرمائی ہیں ان کے حرام کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حد سے تجاوز قرار دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۶۔ ۳۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

المائدہ: ۸۷ کی تفسیر از مصنف

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ اچھے کپڑے اتار دیں اور عورتوں کو چھوڑ دیں اور زاہد بن جائیں، ان میں سے حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما تھے۔ (جامع البیان ج ۷ ص ۱۳)

۶۶۹۱۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ زَعَمَ عَطَاءٌ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَزْعُمُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَيَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ فَلْتَقُلْ إِنِّي أَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَدَخَلَ عَلَى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ لَا بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ فَنَزَلَتْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ لِعَائِشَةَ وَحَفْصَةَ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا لِقَوْلِهِ بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا وَقَالَ لِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى عَنْ هِشَامٍ وَلَنْ أَعُودَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ فَلَا تُخْبِرِي بِذَلِكِ أَحَدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحسن بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحجاج نے حدیث بیان کی از ابن جریج، وہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء نے زعم کیا کہ انہوں نے عبید بن عمیر سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، ان کا یہ گمان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ دیر ٹھہرتے تھے اور ان کے پاس شہد پیتے تھے، پس میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئیں تو وہ یہ کہے کہ بے شک مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آتی ہے! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پس آپ ان میں سے کسی ایک کے پاس داخل ہوئے تو اس نے اس طرح کہا، آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں نے زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا، تب یہ آیت نازل ہوئی: ''اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے'' (التحریم:۱)۔ یہ آیت یہاں تک ہے ''اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ'' (التحریم:۴) (اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو)۔ یہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا ہے۔ ''وَاِذْ اَسَرَّ

النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا'' (التحریم:۳)(اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کی بات کہی)۔وہ بات یہ تھی کہ آپ نے فرمایا تھا:''بلکہ میں نے شہد پیا ہے''۔

اور مجھ سے ابراہیم بن موسیٰ نے کہا از ہشام :''اور میں ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا اور میں نے قسم کھالی ہے،پس تم اس کی کسی کو خبر نہ دینا''۔

(صحیح البخاری:۴۹۱۲،۵۲۱۶،۵۲۶۷،۵۲۶۸،۵۴۳۱،۵۵۹۹،۵۶۱۴،۵۶۸۲،۶۶۹۱،۶۹۷۲،صحیح مسلم:۱۴۷۴،سنن نسائی:۳۷۹۵،سنن ابوداؤد:۳۷۱۴،مسند احمد:۲۵۳۲۴)

صحیح البخاری:۶۶۹۱،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے کہ''جب کوئی شخص اپنے اوپر کسی طعام یا مشروب کو حرام قرار دے''اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حسن بن محمد، یہ ابن صباح الزعفرانی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حجاج،وہ ابن محمد المصیصی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج،وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء،وہ ابن ابی رباح ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید بن عمیر، یہ دونوں اسم مصغر ہیں یعنی عبد اور عمرو کی تصغیر ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں بعینہٖ اسی سند اور متن کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''زعم عطاء'' اس کا معنی ہے:عطاء نے کہا یا عطاء نے بیان کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''مغافیر'' یہ لفظ غین اور فاء کے ساتھ ہے اور یہ لفظ مغفور کی جمع ہے،مغفور گوند کی ایک قسم ہے جو کسی درخت سے نکلتا ہے، یہ گوند شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے اور اس کی بُو ناگوار ہوتی ہے۔اس کو''مغاثیر'' بھی کہا جاتا ہے یعنی فاء کے بدلہ ثاء سے، یہ مغثور کی جمع ہے۔جیسا کہ ثوم اور فوم ہے۔اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مغفور وہ چیز ہے جو''العرفط'' نام کے درخت سے نکلتا ہے اس کی بو ناگوار ہوتی ہے۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ میٹھا ہوتا ہے اور اس کو پانی میں گھول کر پیا جاتا ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ناپسند کرتے تھے کہ آپ سے کوئی ناگوار بو پائی جائے، کیونکہ آپ فرشتوں سے مناجات کرتے تھے تو آپ نے ان دونوں کو سچا

گمان کر کے اپنے نفس کے اوپر شہد کو حرام قرار دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناگوار بُو نہیں آ رہی تھی، پھر ازواج نے کیسے غلط بیانی کی کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آ رہی ہے؟

علامہ کرمانی نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہیں کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آ رہی ہے؟

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ عورتوں میں جو طبعی غیرت ہوتی ہے یہ اس کا تقاضا تھا۔ یا یہ ان کا گناہِ صغیرہ تھا جو ان کی نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ پھر علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب الطلاق میں یہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں شہد پیا تھا اور آپس میں مشورہ کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت سودہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم تھیں؟

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: شاید کہ شہد کا پینا دو مرتبہ تھا۔

پھر لکھتے ہیں: اس حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اور میں ہرگز اس کو دوبارہ نہیں پیوں گا یعنی آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں دوبارہ شہد کو نہیں پیوں گا'' اسی لیے آپ نے قسم کا کفارہ دیا۔

امام بخاری نے اس حدیث کی تعلیق میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ ''میں نے قسم کھائی ہے اور تم اس قسم کی کسی کو خبر نہ دینا''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ ھ)

اس تعارض کا جواب کہ ایک حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا اور دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد کو پیا

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۲۶۷ میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، وہ آپ کو شہد پلاتی تھیں، پس میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئیں تو وہ کہے کہ مجھے آپ سے مغافیر کی بُو آتی ہے کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پس آپ ان دو میں سے کسی ایک کے پاس آئے تو انہوں نے یہ کہا، آپ نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں نے (حضرت) زینب بنت جحش کے پاس شہد پیا ہے اور میں ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا، تو یہ آیات نازل ہوئیں: (صحیح البخاری: ۴۹۱۲ میں یہ اضافہ مذکور ہے ''تم اس کی کسی کو خبر نہ دینا'')

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (التحریم: ۱۔۲)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے بڑا مہربان ہے ۝ (اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ

خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (التحریم: ۴)

اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو اچھا ہے) کیونکہ تمہارے دل اعتدال سے کچھ ہٹ چکے ہیں اور اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے بھی (ان کے) مددگار ہیں ۝

(صحیح البخاری: ۴۹۱۲، ۵۲۱۶، ۵۲۶۷، ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۳۶۶۳، سنن نسائی: ۳۴۱۲، ۳۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۲۴)

اور صحیح البخاری: ۵۲۶۸ میں مذکور ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہد اور میٹھی چیزوں کو پسند کرتے تھے اور جب آپ عصر کے بعد واپس آتے تو اپنی ازواج مطہرات کے پاس جاتے، پس ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے، سو آپ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، پس ان کے پاس معمول سے زیادہ دیر ٹھہرے، سو مجھے اس پر غیرت آئی، پس میں نے اس تاخیر کے متعلق سوال کیا تو مجھے بتایا گیا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے ان کو شہد کی کپی پیش کی تھی، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں سے شہد کا گھونٹ پلایا، پس میں نے (دل میں) کہا: سنو! اللہ کی قسم! ہم ضرور کوئی خفیہ تدبیر کریں گے تو میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا: عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس آئیں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے کہنا کہ آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ پس بے شک وہ آپ سے کہیں گے: نہیں! تو تم ان سے کہنا: پھر یہ کیسی ناگوار بُو ہے جو آپ سے آرہی ہے؟ تو پھر وہ تم سے کہیں گے: مجھے حفصہ نے شہد کا گھونٹ پلایا تھا تو تم ان سے کہنا: شاید، شہد کی مکھی نے ''عرفط'' درخت کی پتیوں کو چوسا ہوگا اور میں بھی عنقریب ایسا کہوں گی، اور اے صفیہ! تم بھی اس طرح کہنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم! اس وقت آپ دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے، پس میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ڈر سے وہی کہا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حکم دیا تھا، پس جب آپ ان کے قریب ہوئے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے، آپ نے فرمایا: نہیں! انہوں نے کہا: پھر یہ کیسی ناگوار بُو ہے جو مجھے آپ سے آرہی ہے، آپ نے فرمایا: مجھے حفصہ نے شہد کا ایک گھونٹ پلایا تھا، تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: شہد کی مکھیوں نے ''عرفط'' درخت کی پتیوں کا رس چوسا ہوگا، پھر جب آپ میرے پاس آئے تو میں نے بھی اس طرح کہا، پھر جب آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کو شہد نہ پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: اللہ کی قسم! ہم نے آپ کے اوپر شہد کو حرام کر دیا ہے، تو میں نے ان سے کہا: تم چپ کرو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۶۸، ۵۲۱۶، صحیح مسلم: ۳۶۶۴، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۵، سنن ترمذی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۳۲۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان دونوں حدیثوں کے تعارض کے جواب میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں تو اسی طرح دو حدیثیں مذکور ہیں۔ عبید بن عمیر کی حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ شہد پینے کا واقعہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، اور عروہ کی روایت میں ہے کہ شہد پینے کا واقعہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔

امام ابن مردویہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا تھا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما وہی دو ازواج ہیں جنہوں نے آپس میں مشورہ کیا تھا جیسا کہ عبید بن عمیر کی روایت میں ہے۔ اور ان دونوں مختلف حدیثوں میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ یہ متعدد واقعات ہیں اور اگر ترجیح کی طرف میلان کیا جائے تو عبید بن عمیر کی روایت کو ترجیح ہے کیونکہ اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی موافقت ہے کہ جنہوں نے مشورہ کیا وہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ اور اگر حضرت حفصہ کے ہاں آپ نے شہد پیا ہوتا تو پھر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا مشورہ میں شریک ہونا ممکن نہیں تھا اور قرآن مجید کی آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جن دو ازواج نے ایک دوسرے کی مدد کی وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے کا واقعہ مقدم ہو اور راجح یہی ہے کہ جنہوں نے شہد پلایا تھا وہ حضرت زینب تھیں نہ کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا۔

نیز کتاب الہبہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں، میں تھی اور حضرت سودہ، حضرت حفصہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہم تھیں، اور دوسرے گروہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں۔ اس حدیث سے بھی اسی کو ترجیح ہوتی ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہی شہد پلانے والی تھیں۔ اور میں نے جو یہ تحقیق کی ہے یہ اس سے اولیٰ ہے جو علامہ داؤدی نے وثوق سے کہا ہے کہ جن روایات میں مذکور ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد پلایا تھا وہ روایات غلط ہیں۔ اور قاضی عیاض نے بھی اسی طرف میلان کیا ہے اور علامہ نووی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: عبید بن عمیر کی روایت اولیٰ ہے کیونکہ وہ ظاہر قرآن کے موافق ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ''وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ'' (التحریم: ۴)، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مدد کرنے والی دو تھیں نہ کہ زیادہ۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے: جس روایت میں مذکور ہے کہ متظاہرات حضرت عائشہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہن تھیں وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے، قرآن مجید میں تثنیہ کے ساتھ خطاب ہے۔

اور شہد کے قصہ میں مذکور ہے کہ جب آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اور حفصہ نے باہم مشورہ کیا۔ اور یہ اس کے مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باہم مشورہ کر کے ایک دوسرے کی مدد کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں اور یہ ظاہر آیت کے موافق ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۴۵۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح البخاری کی وہ روایت راجح ہے جس میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیا۔

صحیح البخاری: ۶۶۹۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے اوپر کسی طعام یا مشروب کو حرام کرنے کے حکم میں فقہاء کا اختلاف

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے اپنے نفس کے اوپر کسی ایسے طعام یا مشروب کو حرام کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حلال کیا تھا تو امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اوزاعی نے کہا: وہ اس پر حرام نہیں ہوگا اور اس کے اوپر قسم کا کفارہ ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے: اگر کوئی شخص طعام یا مشروب کو حرام قرار دے تو وہ قسم نہیں ہے، قسم صرف عورت کو حرام قرار دینے میں ہے اور اس قول سے اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور امام شافعی نے کہا کہ اگر اس نے اپنے نفس کے اوپر کسی طعام یا مشروب کو حرام کیا تو وہ حلال ہی رہے گا اور اس پر کفارہ نہیں ہوگا جیسا کہ امام مالک کا قول ہے۔

جن فقہاء نے اس صورت میں کفارہ کو واجب کیا ہے ان کے دلائل

وہ فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی باری اور ان کے گھر میں جماع کیا تھا۔ اور الزجاج نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اس سے رنجیدہ ہوئیں اور انہوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے میرے ساتھ وہ کام کیا ہے جو آپ نے میری باری میں اپنی دیگر ازواج میں سے کسی کے ساتھ نہیں کیا اور میرے گھر میں اور میرے بستر پر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ میں ماریہ کو اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں، سو اب میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا، سو آپ نے اپنے اوپر حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو حرام قرار دیا اور آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اس کا کسی سے بھی ذکر نہیں کرنا، پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بات ظاہر کر دی کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتا دی ہے تو پھر سورۃ التحریم کی یہ آیات نازل ہوئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جماع کیا اور اپنی قسم کا کفارہ دیا، یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔

اگرچہ یہ بھی روایات میں ہے کہ آپ نے شہد کی ناگوار بو کی وجہ سے اپنے اوپر شہد کو حرام کیا تھا لیکن حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اس قصہ کو محمول کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ مرد اپنی باندی کے ساتھ پردہ میں جماع کرتا ہے اور شہد پردہ میں نہیں پیتا اور باندی کو اپنے اوپر حرام کرنا اس میں ازواج کی رضا جوئی ہے اور شہد کو حرام کرنے میں ازواج کی رضا جوئی نہیں ہے یہ تو شہد کی ناگوار بو کی وجہ سے ہے۔

شہد کی تحریم کا محمل

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: کسی چیز کو حرام قرار دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے، پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حرام قرار دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والے کی مذمت فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ — اے ایمان والو! تم ان پسندیدہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو جن کو اللہ

لَا تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۸۷﴾ (المائدہ:۸۷)

تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کر دیا ہے اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَا تَقُوۡلُوۡا لِمَا تَصِفُ اَلۡسِنَتُکُمُ الۡکَذِبَ ہٰذَا حَلٰلٌ وَّ ہٰذَا حَرَامٌ لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ (النحل:۱۱۶)

اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں ان کے بارے میں یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو، بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے ○

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۳۳-۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو شہد کے پینے سے قسم کھا کر روک لیا تھا

میں کہتا ہوں: اس بناء پر علماء نے کہا ہے کہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے شرعاً حلال قرار دیا ہو اس کو شرعاً حرام قرار دینا کفر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا تھا یا دوسری روایت کی بناء پر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت کو حرام قرار دیا تھا، اس حرام قرار دینے کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا، کیونکہ یہ تو العیاذ باللہ کفر ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہد کو حرام قرار دینے کا معنی یہ ہے کہ آپ نے یہ قسم کھائی کہ آپ آئندہ شہد کو نہیں پئیں گے یا آپ نے یہ قسم کھائی کہ آپ آئندہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مقاربت نہیں کریں گے اور اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار پر بعض علماء دیوبند کا اعتراض اور اس کا جواب

نیز میں کہتا ہوں کہ بعض علماء دیوبند یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمایا ہے کہ آپ شہد کو حرام قرار دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو حرام نہیں قرار دیا تھا بلکہ اپنے آپ کو شہد کے فائدہ سے روک لیا تھا اور ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ کسی چیز کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے کھانے یا پینے سے روک لے، تو کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس چیز کا اختیار تمام امت کو حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بھی اختیار نہیں ہے کیونکہ تمام امت کو یہ اختیار ہے کہ کسی بھی چیز کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے کھانے پینے سے روک لیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار ہے کہ آپ شہد کو حلال سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو شہد کے کھانے یا پینے سے روک لیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

باب مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "جب کوئی شخص اپنے طعام کو حرام قرار دے"۔ یعنی اس کا حکم کیا ہے؟

کسی چیز کو حرام قرار دینے کی تین قسمیں

طعام کو حرام قرار دینا حقیقت میں تین قسموں کی طرف منقسم ہوتا ہے۔:

القسم الاول: یہ تحریم شرک کی ایک قسم ہے کیونکہ اس شخص نے اس چیز کو حرام قرار دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا تھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبہ: ۳۱)

انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنالیا ہے۔

پس عدی بن حاتم نے کہا: یارسول اللہ! ہم ان کی عبادت نہیں کرتے یعنی اپنے علماء اور پیروں کی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے یہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں، کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: یہی ان کا اپنے علماء اور پیروں کی عبادت کرنا ہے۔

یعنی جب کسی شخص نے یہ قصد کیا کہ اس طعام کو حرام قرار دے اور یہ ایسا ہے جیسے اہل شرک زمانہ جاہلیت میں کرتے تھے وہ ''السائبه، الوصیلة، الحام، البحیرة'' کو حرام قرار دیتے تھے اور جب اس سے تحریم کے حکم کا قصد کیا جائے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

القسم الثانی: کوئی شخص کسی چیز کو حرام قرار دے اور اس سے جھوٹ کا ارادہ کرے، مثلاً وہ کہے کہ یہ چیز حرام ہے اور وہ جانتا ہو کہ یہ چیز حلال ہے جیسا کہ لوگ ایک دوسرے سے جھوٹ بولتے ہیں، پس اس کو جھوٹ شمار کیا جائے گا اور جھوٹ حرام ہے۔

القسم الثالث: جب کوئی شخص یہ کہے کہ یہ طعام حرام ہے تو وہ اس سے اپنے آپ کو روکنے کا ارادہ کرے مثلاً وہ کہتا ہے کہ یہ طعام مجھ پر حرام ہے یعنی میں اس کو کھانے سے رکا رہوں گا، پس اس تحریم کا حکم قسم کا حکم ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ یہ روٹی حرام ہے یعنی میں اس روٹی کو نہیں چکھوں گا تو اس کا حکم بھی قسم کا حکم ہے، اور یہ قسم تمام امور میں جاری ہوتی ہے جب اس نے اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے اور ان الفاظ سے طلاق کی نیت نہیں کی تو اس کا حکم قسم کا حکم ہے اور دلیل اس کی درج ذیل آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ (التحریم: ۱-۲)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا ہے اور بہت مہربان ہے O (اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شہد کو حرام قرار دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو قسم فرمایا، کیونکہ اس کے بعد فرمایا ''اے مسلمانو! بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرمادیا ہے''۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کی قسم کھائے تو وہ اس چیز کو حرام قرار دینے کے درجہ میں ہے، پس جب وہ حانث ہونے سے پہلے اس کا کفارہ دے دے تو وہ قسم کھل جاتی ہے، لیکن جب وہ قسم توڑ دے تو پھر اس کو کفارہ دینا ہوگا۔ اور اس کو کفارہ کہتے ہیں۔

سورۂ تحریم کی آیت سے شیخ ابن عثیمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب ثابت کرنا اور مصنف کا جواب

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: اور اس آیت کریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا سا عتاب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو حرام قرار دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا تھا تا کہ آپ اپنی ازواج کی رضامندی کو طلب کریں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۷۰۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: بعض احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کے لفظ کا ذکر آیا ہے، اس سے مراد صورتاً عتاب ہے حقیقتاً عتاب نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا تھا ''آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال فرمادیا ہے'' اس سے آپ کی دلجوئی مراد ہے اور آپ کو آپ کی پسندیدہ چیزوں کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے اور یہ بتلانا ہے کہ آپ ازواج کی خاطر کیوں اپنی پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ رہے ہیں، آپ کا یہ مقام نہیں ہے کہ آپ ازواج کو راضی کریں، بلکہ ازواج کو چاہیے کہ وہ آپ کو راضی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ آپ ازواج کو راضی کرنے کے لیے شہد کو کیوں ترک کر رہے ہیں، آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ ازواج کو راضی کریں، آپ کا مقام یہ ہے کہ ازواج آپ کو راضی کریں، جن کی رضا خود خالق کائنات کو مطلوب ہے انہیں مخلوق میں سے کسی کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ (التحریم: ۴)

اگر نبی کے خلاف تم دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں تو بے شک اللہ تعالیٰ نبی کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان، اور اس کے بعد سب فرشتے بھی ان کے مددگار ہیں ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما پر واضح کیا کہ اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر نہیں چلیں تو انہیں کیا کمی ہوگی جن کا اللہ محب ہے، جبرائیل ان کا موافق ہے، نیک مسلمان اور سارے فرشتے ان کے مددگار ہیں، اگر ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا ہوتا تو اس آیت کا یہ انداز نہ ہوتا۔

دراصل اس سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب نہیں ہے بلکہ ازواجِ مطہرات پر عتاب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ (التحریم: ۵)

اگر نبی نے تم کو طلاق دے دی تو عنقریب ان کا رب ان کو تمہارے بدلہ میں تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو فرماں بردار، ایمان دار، عبادت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں ہوں گی ○

انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور پر شیخ ابن عثیمین کا سنن ترمذی کی حدیث سے استدلال اور مصنف کا جواب

اور اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے ''اور اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے'' یعنی بے حد بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیا تھا یہ بھی ایک قسم کا گناہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو مغفرت اور رحمت پر ختم کیا ہے اور یہاں ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گناہ کرنا ممکن ہے؟

پس ہم یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم فرمایا ہے:

عن انس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کل بنی آدم خطاؤن، وخیر الخطائین التوابون۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر اولادِ آدم کثیر الخطاء ہے، اور خطا کاروں میں بہترین وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

(سنن ترمذی:۲۴۹۹، سنن ابن ماجہ:۴۲۵۱، سنن دارمی:۲۷۲۷، مسند احمد ج۳ص ۱۹۸)، (شرح صحیح البخاری ج۶ ص ۶۰۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ)

مصنف کی طرف سے حدیث مذکور سے انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور کے اعتراض کا جواب

شارحین حدیث نے جو اس حدیث کا محمل بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں ''کل بنی آدم'' سے مراد انبیاء علیہم السلام کے ماسوا ہیں اور انبیاء علیہم السلام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور دلائل قطعیہ سے انبیاء علیہم السلام کی عصمت ثابت ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ (آل عمران:۱۸۵) ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

اس آیت میں بالعموم فرمایا ہے ''ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی ذات پر نفس کا اطلاق فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (الانعام:۵۴) تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔

سو جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھی نفس کا اطلاق ہے اور نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اس سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ''حی لا یموت'' ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن:۲۶۔۲۷) جو بھی زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے O اور آپ کے رب کی ذات باقی ہے جو عظمت اور بزرگی والا ہے O

پس واضح ہو گیا کہ ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ'' میں نفس کے عموم سے اللہ تعالیٰ کی ذات خارج ہے۔ اسی طرح ''کل بنی آدم خطاؤن'' کے عموم سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات قدسیہ خارج ہیں اور ان کے ماسوا بنو آدم کثیر الخطاء ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بنو آدم میں سے ہر شخص کے لیے خطا کا معنی اس کے حال اور مقام کے اعتبار سے لیا جائے گا، عام بنو آدم کے لیے خطا کا معنی ہوگا کہ وہ گناہِ صغیرہ یا گناہِ کبیرہ کرتے ہیں اور ان میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنے گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔

اور بالفرض اگر انبیاء علیہم السلام اس حدیث کے عموم میں شامل ہوں تو ان کے لیے خطاء کا معنی ان کے حال اور مقام کے اعتبار سے ہوگا یعنی نسیان اور اجتہادی خطاء جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے نسیان اور اجتہادی خطاء سے شجرِ ممنوعہ سے کھایا یا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجتہادی خطاء سے ایک قبطی کو گھونسا مارا اور وہ قضاءِ الٰہی سے مر گیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق محققین کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اجتہادی خطاء سے بھی محفوظ رکھا ہے، ہاں آپ سے بعض امور خلاف اولیٰ صادر ہوئے جیسے آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز روشنی پھیلنے کے بعد پڑھنے سے زیادہ اجر ہوتا ہے اور آپ نے منہ اندھیرے بھی نماز پڑھی ہے، سو یہ خلاف اولیٰ ہے اور جیسے آپ نے سواری پر بیٹھ کر کعبہ کا طواف کیا یہ بھی خلاف اولیٰ ہے، اسی طرح آپ سے بعض امور مکروہِ تنزیہی بھی صادر ہوئے جیسے آپ نے کھڑے ہو کر زم زم کا پانی پیا حالانکہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، یا جیسے آپ نے فصد لگانے والے کو اجرت دی حالانکہ آپ نے فصد لگانے کی اجرت دینے سے منع فرمایا ہے، سو یہ امور مکروہِ تنزیہی ہیں اور خلافِ اولیٰ کام ہو یا مکروہِ تنزیہی ہو وہ گناہ نہیں ہوتا، سو اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے عموم میں داخل بھی ہوں جیسا کہ ابن عثیمین نے کہا ہے تو خطاء سے مراد گناہ نہیں ہے بلکہ یا خلافِ اولیٰ ہے یا مکروہِ تنزیہی ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہیں ہے، لہٰذا یہ ثابت نہ ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے اس باب میں جو امور صادر ہوئے وہ ترکِ اولیٰ ہیں یا اس قبیل سے ہیں کہ ابرار کی حسنات بھی مقربین کے نزدیک سیئات ہوتی ہیں، یا یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام سے جو زلّات منقولہ ہیں وہ خطاء اور نسیان پر محمول ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا قصد کیا ہو۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ، رقم: ۲۳۴۱، ج ۵ ص ۱۷۲، مکتبہ حقانیہ، پشاور)

شیخ محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبارک پوری المتوفی ۱۳۵۳ھ نے اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری حنفی کی عبارت بعینہٖ نقل کی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی ج ۷ ص ۲۴۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

سورۃ الفتح کی آیات سے شیخ ابن عثیمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گناہوں کو ثابت کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ (الفتح: ۱۔۳)

(اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی O تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلاف اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کردے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے O اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائے O

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایسے گناہ سے بالاتفاق معصوم ہیں جو رسالت میں خدشہ پیدا کرے مثلاً جھوٹ، خیانت اور ان کے مشابہ کام، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کے لیے خیانت کرنے والی آنکھ نہیں ہونی چاہیے حتیٰ کہ وہ اشارہ سے خیانت

کرے، پس یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کسی چیز میں خیانت کریں خواہ اشارہ سے ہی۔

لیکن جن چیزوں سے رسالت میں خدشہ پیدا نہیں ہوتا وہ کبھی بشر سے واقع ہو جاتی ہیں کیونکہ بشر کا نام بشر ہے اور کبھی اس سے گناہ ہو جاتا ہے لیکن جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور وہ توبہ کرنے سے پہلے حال سے بہتر ہو جاتا ہے، اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فضیلت اور ہدایت اسی وقت ثابت ہوئی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معصیت کی اور پھر توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ٞ وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۲۱-۱۲۲)

پس ان دونوں نے اس درخت میں سے کھا لیا سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلاء ہو گئے O پھر ان کے رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا اور ان کی توبہ قبول فرمائی اور ان کو (بلند درجات) کی ہدایت دی O

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں: پس یہی قول صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ واقع ہوتے ہیں لیکن وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں کیونکہ ان سے ایسا گناہ واقع نہیں ہوتا جو رسالت میں خدشہ پیدا کرے اور ان کو گناہوں پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ ضروری ہے کہ ان کو گناہوں پر متنبہ کیا جائے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے رجوع کر لیں، اس کے برخلاف دوسرے انسان کبھی حق سے اندھے ہو جاتے ہیں اور گناہ پر برقرار رہتے ہیں حتیٰ کہ مر جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام گناہوں پر دوام کرنے سے معصوم ہیں بلکہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی چیز مہیا کرے جس کی وجہ سے وہ توبہ کریں۔

رہے وہ لوگ جو انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کے صدور کو مطلقاً منع کرتے ہیں تو یہ آیات ان پر رد کرتی ہیں، کیونکہ سورۃ الفتح: ۲ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ"۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں مجاز ہے اور اس کا معنی یہ ہے "تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے" اور یہ بہت بعید بات ہے، یہ جواب کیسے دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے بعد یہ فرمایا ہے "وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝" (الفتح: ۲-۳)۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰۲-۶۰۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کے دلائل کے مصنف کی طرف سے جوابات

شیخ ابن عثیمین نے حضرت آدم علیہ السلام کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے "وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝" (طٰہٰ: ۱۲۱)۔

لیکن شیخ ابن عثیمین نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے گناہ ثابت کرنے کی جلدی میں اسی سورت کی اس سے پہلی درج ذیل آیت پر غور نہیں کیا جس سے ان کے شبہات کا قلعہ مسمار ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۵)

اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا، پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان کا (نافرمانی کرنے کا) قصد نہیں پایا O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجرِ ممنوع سے بھول کر کھایا تھا اور ان کا نافرمانی کرنے کا کوئی قصد نہیں تھا اور گناہ تب ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے قصد سے کوئی کام کرے، لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ کرنا ثابت نہ ہوا۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے شیخ ابن عثیمین نے سورۃ الفتح کی آیت: ۲ کو پیش کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ قرآن کریم میں مجازات بھی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۔ (یوسف:۳۶) ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔

حالانکہ شراب کو نہیں نچوڑا جاتا بلکہ انگوروں کو نچوڑا جاتا ہے، سو اس آیت میں ذکر شراب کا ہے اور اس سے مراد مجازاً انگور ہیں۔ کیونکہ انگور شراب کا سبب ہیں۔ لہٰذا اس آیت میں ذکر مسبَّب کا ہے اور ارادہ سبب کا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَجۡعَلُوۡنَ اَصَابِعَهُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ ۔ (البقرہ:۱۹) وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا ہے ''وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں'' حالانکہ پوری انگلی تو کان میں داخل ہی نہیں ہوسکتی زیادہ سے زیادہ انگلی کی ایک پور کان میں داخل ہوسکتی ہے، سو اس آیت میں بھی ذکر انگلی کا ہے اور مراد پور ہے، یعنی کل کا ذکر کر کے مجازاً اس سے جزو کا ارادہ فرمایا ہے۔

سو ان آیات سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں مجازات بھی ہیں تو ہم کہتے ہیں ''ذنب'' کا حقیقی معنی اثم ہے اور جرم ہے اور دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں ''ذنب'' سے جرم اور اثم مراد نہیں ہے بلکہ مجازاً بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کا ارتکاب مراد ہے اور وہ گناہ نہیں ہے۔

رہا یہ کہ جب خلافِ اولیٰ گناہ نہیں ہے تو اس آیت میں جو اس کو معاف کرنے کا ذکر فرمایا ہے اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ معاف فرمانے سے مراد ہے آپ کے درجات کی ترقی اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اس کے بعد اس آیت میں فرمایا ہے:

وَیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكَ وَیَهۡدِیَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا ﴿۳﴾ (الفتح:۲۔۳) اور آپ پر اپنی نعمت پوری کردے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے O اور اللہ آپ کی نہایت قوی مدد فرمائے O

شیخ ابن عثیمین کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گناہوں سے مغفرت کی دعاؤں سے آپ کے گناہوں پر استدلال

نیز شیخ ابن عثیمین نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے آپ کی اس دعا کو ذکر کیا ہے:

اللھم اغفرلی ذنبی کلہ دقہ وجلہ، علانیتہ وسرہ، واولہ وآخرہ، اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت وما اعلنت۔

اے اللہ! میرے لیے میرے سب گناہوں کو بخش دے، چھوٹے گناہ کو اور بڑے گناہ کو، ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے گناہ کو، اور پہلے گناہ کو اور آخری گناہ کو، اے اللہ! میرے لیے معاف فرمادے جو گناہ میں نے پہلے کیے اور جو بعد میں کیے اور جو ظاہراً کیے۔

اوراس کی مثل دیگر دعائیں۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

اور یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ لوگ یہ جواب دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے قصد سے یہ دعائیں کی ہیں، کیونکہ اگر آپ کا مقصد تعلیم تھا تو آپ اپنی طرف گناہ کی نسبت کیے بغیر لوگوں سے یہ فرما دیتے کہ تم اپنے گناہوں سے توبہ کرو جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ کرتا ہوں''۔

(شرح صحیح البخاری ج ٦ ص ٧٠٣، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ١٤٢٩ھ)

اعتراض مذکور کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: جب قوی دلائل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہوں سے معصوم ہونا ثابت ہے تو آپ کی اس دعا کو تعلیم امت پر محمول کیا جائے گا۔ رہا ابن عثیمین کا یہ کہنا کہ اگر ایسا تھا تو آپ امت کو فرما دیتے: تم توبہ کیا کرو اور خود گناہوں سے توبہ نہ کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ ایسا کرتے تو گناہوں پر معافی مانگنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نمونہ نہ ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے۔

(الاحزاب: ٢١)

نیز اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو گناہوں سے معافی طلب کرنے کی تعلیم دیتے اور خود گناہوں سے معافی طلب نہ کرتے تو پھر امت کو اس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کا شرف حاصل نہ ہوتا اور گناہوں سے معافی مانگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہ ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ جب معصوم کی طرف گناہوں سے مغفرت کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد اس کے درجات کی بلندی ہوتی ہے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گناہوں کی مغفرت کی دعائیں کرتے تو اس سے آپ کے درجات بلند ہوتے۔ (سعیدی غفرلہ)

٢٦۔ بَابُ: اَلْوَفَاءِ بِالنَّذْرِ نذر کو پورا کرنے کا بیان

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (الدھر: ٧) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وہ نذر پوری کرتے ہیں''۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نذر کا حکم یہ ہے کہ نذر کو پورا کیا جائے اور اس باب میں نذر کو پورا کرنے کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اس باب میں اس آیت کو وارد کیا ہے ''وہ نذر پوری کرتے ہیں'' (الدہر: ٧)۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نذر کو پورا کرنا ایسا کام ہے جس کی وجہ سے نذر پوری کرنے والے کی تحسین کی جاتی ہے لیکن اس سے مراد اطاعت اور عبادت کی نذر ہے نہ کہ

نافرمانی اور معصیت کی نذر، اور اجماع اس پر قائم ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے جب کہ نذر اطاعت کی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ:۱) اے ایمان والو! اپنے عہد پورے کرو۔

اور ابتداءً نذر ماننے کے حکم میں اختلاف ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ علامہ نووی نے اسی پر وثوق کیا ہے اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے اور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ ممانعت نذر لجاج سے ہے اور نذر تبرر مستحب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۸۔۳۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ الْحَارِثِ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَقُوْلُ أَوَلَمْ يُنْهَوْا عَنِ النَّذْرِ إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنَّ النَّذْرَ لَا يُقَدِّمُ شَيْئًا وَلَا يُؤَخِّرُ وَإِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِالنَّذْرِ مِنَ الْبَخِيْلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فلیح بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن الحارث نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے: کیا لوگوں کو نذر ماننے سے منع نہیں کیا گیا؟ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: نذر نہ کسی چیز کو مقدم کرتی ہے اور نہ کسی چیز کو موخر کرتی ہے، نذر کی وجہ سے مال صرف بخیل سے نکالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۸، ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، سنن ترمذی: ۱۵۳۸، سنن نسائی: ۳۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۲، مسند احمد: ۵۲۵۳، سنن دارمی: ۲۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۶۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان نذر پوری کرنے کے بیان میں ہے اور اس حدیث میں نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعض احادیث میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو اور اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن صالح، یہ الوُحاظی ہیں، اس میں واؤ پر پیش ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فُلیح، یہ فلاح کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الحارث، یہ الانصاری المدنی قاضی المدینہ ہیں۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا لوگوں کو نذر ماننے سے منع نہیں کیا گیا؟''۔اس حدیث میں کچھ عبارت محذوف ہے جس کو امام حاکم نے المستدرک میں بیان کیا ہے۔

جس مقصد کے لیے نذر مانی ہے وہ مقصد پورا نہ ہو تب بھی نذر کو پورا کیا جائے

اور الاسماعیلی نے از سعید بن الحارث بیان کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، پس ان کے پاس مسعود بن عمرو آئے جو عمرو بن کعب کے بیٹوں میں سے ایک تھے،سوانہوں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! بے شک میرا بیٹا عمر بن عبید اللہ بن معمر کے ساتھ فارس کی سرزمین میں تھا وہاں پر سخت طاعون کی وباء پھیل گئی تو میں نے اپنے نفس پر یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو طاعون سے سلامت رکھا تو وہ ضرور بیت اللہ تک چل کر جائے گا، پس میرا بیٹا اس حال میں ہمارے پاس لایا گیا کہ وہ بیمار تھا، پھر وہ فوت ہو گیا، اب آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا لوگوں کو نذر ماننے سے منع نہیں کیا گیا؟ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نذر نہ کسی چیز کو مقدم کرتی ہے اور نہ کسی چیز کو موخر کرتی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا کہ اپنی نذر کو پورا کرو۔

اور ابوعامر نے بیان کیا، پس کہا: اے ابوعبداللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ میرا بیٹا بیت اللہ تک پیدل چل کر جائے گا تو انہوں نے کہا: اپنی نذر کو پورا کرو۔سعید بن الحارث نے بیان کیا، پس میں نے ان سے کہا: کیا آپ سعید بن المسیب کو پہچانتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں: میں نے ان سے کہا: آپ ان کے پاس جائیں اور پھر مجھے بتائیں کہ انہوں نے آپ کو اس صورت میں کیا حکم دیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ تم اپنے بیٹے کی طرف سے پیدل چل کر بیت اللہ کی طرف جاؤ (کیونکہ ان کا بیٹا تو اس بیماری میں فوت ہو گیا تھا)۔

میں نے کہا: اے ابومحمد! کیا آپ کے خیال میں میرا یہ امر مقبول ہوگا؟ انہوں نے کہا: ہاں، یہ بتاؤ اگر تمہارے بیٹے پر قرض ہوتا اور اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہ ہوتی سو تم اس قرض کو ادا کر دیتے، سو کیا تمہارا یہ عمل مقبول ہوگا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، تو انہوں نے کہا: یہ بھی اسی کی مثل ہے۔

اور ابوعبدالرحمٰن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے اور ابومحمد، سعید بن المسیب کی کنیت ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں ایسا کوئی جملہ یا لفظ نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سیاق سے یہ سمجھ آتا ہے، یا اس وجہ سے کہ ان کے درمیان یہ مشہور تھا کہ نذر ماننے سے منع کیا گیا ہے اور اس کو یہاں پر ذکر نہیں کیا گیا، اور حدیث کے اندر اس کے بعد صراحۃً مذکور ہے کہ نذر کسی چیز کو نہ مقدم کرتی ہے اور نہ موخر کرتی ہے، یعنی نذر اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت سے کسی چیز کو نہ مقدم کرتی ہے اور نہ موخر کرتی ہے۔اور عبداللہ بن مُرۃ کی روایت میں ہے ''نذر کسی چیز کو مسترد نہیں کرتی''۔اسی طرح حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا کہ ابنِ آدم نذر مان کر کوئی ایسی چیز نہیں لاسکتا جو اس کے لیے مقدر نہ کی گئی ہو اور ایک روایت میں ہے کہ نذر ابنِ آدم سے کسی ایسی چیز کو قریب نہیں کرتی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو۔

بخیل کے نذر ماننے کی توجیہ

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نذر کی وجہ سے صرف بخیل سے مال نکالا جاتا ہے" یعنی بعض لوگ صدقہ وخیرات اور روزوں کے ساتھ سخاوت نہیں کرتے مگر جب وہ خوف یا طمع کی وجہ سے کسی چیز کی نذر مان لیں۔ پس گویا کہ اگر انہیں کسی چیز کی تمنا ہو یا کسی چیز کا ڈر نہ ہو تو وہ اس چیز کو نکالنے کی سخاوت نہیں کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر کی ہے سو وہ شخص بخیل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۱۹۔۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۳۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النَّذْرِ وَقَالَ إِنَّهُ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَلَكِنَّهُ يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن مرۃ نے خبر دی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا: کہ نذر کسی چیز کو رد نہیں کرتی لیکن نذر کی وجہ سے بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۸، ۶۶۹۲، ۶۶۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، سنن ترمذی: ۱۵۳۸، سنن نسائی: ۳۸۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۲، مسند احمد: ۵۲۵۳، سنن دارمی: ۲۳۴۰)

صحیح البخاری: ۶۶۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کو خلاد بن یحییٰ بن صفوان کوفی نے روایت کیا ہے، یہ مکہ میں رہائش پذیر تھے اور یہ سفیان ثوری سے روایت کرتے ہیں اور وہ منصور بن المعتمر سے روایت کرتے ہیں از عبداللہ بن مُرّۃ۔

یہ حدیث کتاب القدر میں از ابونعیم گذر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من البخیل" اور امام مسلم کی روایت میں ہے "من الشحیح" اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے "من اللئیم" اور ان تینوں الفاظ کے معانی متقارب ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَأْتِي ابْنَ آدَمَ النَّذْرُ بِشَيْءٍ لَمْ يَكُنْ قُدِّرَ لَهُ وَلَكِنْ يُلْقِيهِ النَّذْرُ إِلَى الْقَدَرِ قَدْ قُدِّرَ لَهُ فَيَسْتَخْرِجُ اللهُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ فَيُؤْتِي عَلَيْهِ مَا لَمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نذر ابن آدم کو کوئی ایسی چیز نہیں دے سکتی جو اس کے لیے

يَكُنْ يُؤْتِي عَلَيْهِ مِنْ قَبْلُ۔

مقدر نہ کی گئی ہو، لیکن نذر اس کو اس تقدیر کی طرف لاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نذر کے سبب سے بخیل سے مال نکالتا ہے، سو وہ نذر کی وجہ سے اس چیز کو دیتا ہے جس کو اس سے پہلے نہیں دیتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰۹، ۶۶۹۴، سنن نسائی: ۳۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۳، مسند احمد: ۷۲۵۵)

صحیح البخاری: ۶۶۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں نذر کو پورا کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی یہ ذکر ہے کہ بخیل نذر کے ذریعہ صدقہ وخیرات کی صورت میں اپنا مال نکالتا ہے اور عبادات کرتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے الکفارات میں از ثوری از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں "نذر ماننے سے بھی ابن آدم کے پاس وہی چیز آتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقدر کی ہے"۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یاتی ابن آدم النذر بشیء لم یکن قدر له" ابوذر کی روایت میں مذکور ہے "جس کو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو" اس صورت میں یہ حقیقت میں احادیثِ قدسیہ سے ہے، لیکن حدیث میں اس کی تصریح نہیں ہے اور حدیث میں اس قول کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کی۔ اور سنن نسائی میں ہے "ابن آدم کے پاس نذر سے کوئی چیز نہیں آسکتی جس کو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو"۔ اور کتاب القدر کے اخیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "جس کو میں نے اس کے لیے مقدر نہ کیا ہو"۔ اور یہاں پر اس طرح روایت ہے کہ ابنِ آدم کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں آسکتی جس کو اس کے لیے مقدر نہ کیا گیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیکن نذر اس کو تقدیر کی طرف ڈال دیتی ہے جو اس کے لیے مقدر کی گئی ہے"۔ ایک قول یہ ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ تقدیر اس کو نذر کی طرف ڈالتی ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ نذر کی تقدیر خرچ کرنے کی تقدیر کے خلاف ہے اور پہلی صورت میں تقدیر اس کو نذر کی طرف ڈالتی ہے اور نذر اس کو مال کے خرچ کرنے کی طرف نکالتی ہے۔

امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے "پس اس پر وہ کام آسان کر دیا جاتا ہے جو اس پر اس سے پہلے آسان نہیں تھا" اور امام مسلم

کی روایت میں ہے "نذر کی وجہ سے بخیل اس مال کو خرچ کرتا ہے جس کو پہلے وہ خرچ کرنے کا ارادہ نہیں کرتا تھا"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۰-۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذر ماننے کے متعلق مذاہب فقہاء

العلماء رحمہم اللہ کا نذر ماننے کے متعلق اختلاف ہے، آیا یہ مکروہ ہے یا حرام ہے؟

نذر کو حرام قرار دینے کا قول صحت اور ثواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے فرمایا کہ نذر کسی خیر کو نہیں لاتی اور جب نذر خیر کو نہیں لاتی تو پھر وہ شر کو لاتی ہے۔ اسی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے یہ کہا ہے کہ نذر ماننا حرام ہے اور یہ وجیہ قول ہے۔

اس قول کے صحیح اور ثواب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کے اوپر نذر سے کسی چیز کو لازم کر لیتا ہے حالانکہ وہ اس چیز سے عافیت میں ہوتا ہے اور انسان کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے اوپر اس چیز کو لازم کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کیا ہے بلکہ اس کو چاہیے کہ وہ عافیت کے اوپر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے کیونکہ جب اس نے اپنے نفس پر کسی چیز کو لازم کر لیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پر لازم نہیں کیا تھا تو وہ اپنے نفس پر گناہ ڈالتا ہے اور تمہیں اس پر یہ چیز رہنمائی کرے گی کہ جو لوگ نذر مانتے ہیں وہ سخت نادم ہوتے ہیں اور بعض اوقات وہ نذر کو پورا نہیں کر پاتے اور اس وقت ان کے اوپر سخت عذاب کا خطرہ ہوتا ہے اور یہ درج ذیل آیات میں مذکور ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (التوبہ: ۷۵-۷۶)

اور ان میں سے بعض (منافقین) وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے (مال) دیا تو ہم ضرور بہ ضرور صدقہ کریں گے اور ضرور بہ ضرور نیکو کاروں میں سے ہو جائیں گے ○ پس جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (مال) عطا کیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے ○

پس ان لوگوں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو وہ صدقہ کریں گے اور نیک کام کریں گے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو انہوں نے اس مال کو دینے میں بخل کیا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کو درج ذیل آیت میں بیان کیا:

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

سو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لیے نفاق ڈال دیا جس دن وہ اس کے حضور پیش ہوں گے، کیونکہ

(التوبہ:۷۷) انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے تھے O

پس کتنے وہ لوگ ہیں جو نذر مانتے، پھر اس کو پورا نہ کر کے نادم ہوتے ہیں اور وہ سستی کرتے ہیں اور نذر کو پورا نہیں کرتے، پس ان کے متعلق یہ خوف ہے کہ ان پر یہ سزا نازل ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں قیامت تک کے لیے نفاق ڈال دے گا اس وجہ سے میں یہ دیکھتا ہوں کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم لوگوں کو بیان کریں کہ نذر کا کم سے کم حکم یہ ہے کہ وہ مکروہ ہے اور اس کا انجام ندامت ہے اور یہ اکثر واقع ہوتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۰۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

سورۃ التوبہ: ۷۷ کا مصداق

کچھ منافقوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں مال دیا تو وہ ضرور زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ نے انہیں مال دیا تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تا حیات نفاق کو پختہ کر دیا، وہ منافق کون تھے؟ امام ابن مردویہ کی تفسیر کے مطابق جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ ثعلبہ بن ابی حاطب تھے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے اور امام ابن جوزی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے (دوسری روایت میں) فرمایا: وہ بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا شام میں مال تھا، ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہوگئی اور اس نے بہت تنگی اٹھائی تب اس نے قسم کھائی کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے، پھر جب اس کے پاس اس کا مال آ گیا تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔ ابن السائب نے کہا: اس شخص کا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا، امام رازی نے بھی اس روایت کو اختیار کیا ہے، امام ابن جوزی نے ضحاک کی ایک اور روایت ذکر کی ہے کہ نبتل بن حارث، جد بن قیس، ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر اللہ نے ہمیں مال دیا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں مال دیا تو انہوں نے اس میں بخل کیا۔ (ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت میں ثعلبہ بن حاطب کا شمار درست نہیں ہے کیونکہ ثعلبہ بن حاطب تو بدری صحابی ہیں، یا پھر ہو سکتا ہے کہ وہ ثعلبہ بن ابی حاطب ہو۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

(زاد المسیر ج ۳ ص ۴۷۴، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۷ھ)

۲۷۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ لَا يَفِي بِالنَّذْرِ — جو نذر پوری نہ کرے، اس کے گناہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص نذر پوری نہ کرے اس کو گناہ ہوگا اور ابوذر کے علاوہ دوسروں کی روایت میں ہے: جو شخص نذر پوری نہ کرے اس کا بیان، اور اس میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ حَدَّثَنَا زَهْدَمُ بْنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از شعبہ، انہوں نے کہا: مجھے

مُضَرِّبٍ قَالَ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُكُمْ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَا أَدْرِي ذَكَرَ ثِنْتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا بَعْدَ قَرْنِهِ ثُمَّ يَجِيئُ قَوْمٌ يَنْذِرُونَ وَلَا يَفُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ وَيَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ۔

ابوجمرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہدم بن مضرِّب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم میں سب سے بہترین لوگ وہ ہیں جو میرے قرن میں ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔ عمران نے کہا: مجھے پتا نہیں کہ آپ نے اپنے قرن کے بعد دو کا ذکر کیا یا تین کا ذکر کیا۔ پھر ایسے لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے، اور خیانت کریں گے اور امانت داری نہیں کریں گے، اور گواہی دیں گے اور ان کو گواہی کے لیے طلب نہیں کیا جائے گا اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۱، ۳۶۵۰، ۶۴۲۸، ۶۶۹۵، صحیح مسلم: ۲۵۳۵، سنن ترمذی: ۲۲۲۲، سنن ابوداؤد: ۴۶۵۷، مسند احمد: ۱۹۳۳۴)

صحیح البخاری: ۶۶۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے "پھر ایسے لوگ آئیں گے جو نذر مانیں گے اور اس کو پورا نہیں کریں گے" اور اس باب کا عنوان بھی یہی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور یہ القطان ہیں۔ یہ یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں، ان کی نسبت ان کے والد کی طرف ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوجمرہ مذکور ہے، ان کا نام نصر بن عمران ہے اور اس حدیث کی سند میں زہدم بن مضرب کا ذکر ہے، یہ اسمِ فاعل کے صیغہ پر ہے اور اسم مفعول کے صیغہ پر بھی ہے اور یہ تضریب سے ماخوذ ہے۔

یہ حدیث کتاب الشہادات میں اور فضائل الصحابہ میں اور کتاب الرقاق میں گذر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قرنی" یعنی اس قرن کے لوگ جس قرن میں، مَیں ہوں اور وہ صحابہ ہیں۔ (میں کہتا ہوں: بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ قرنی کے قاف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور قرنی کے راء سے حضرت عمر فاروق کی طرف اشارہ ہے اور قرنی کی نون سے حضرت عثمان کی طرف اشارہ ہے اور قرنی کی یاء سے حضرت علی کی طرف اشارہ ہے رضی اللہ عنہم۔ اور بعض

صحابہ میں سے بہترین لوگ ہیں)۔ اور ''قرن'' کا معنی ہے: کسی ایک صدی کے بہترین لوگ۔

لفظ ''قرن'' کے متعدد معانی

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

''قرن'' کا معنی ہے: ہر زمانہ کے لوگ۔ اور یہ ہر زمانہ کے لوگوں کی عمروں کے متوسط عمر کے لوگ ہیں۔ اور یہ ''اقتران'' سے ماخوذ ہے یعنی جس زمانہ کے لوگ اپنی عمروں میں اور اپنے احوال میں دوسروں کے ساتھ ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

اور ایک قول ہے کہ ''قرن'' چالیس (۴۰) سال کا زمانہ ہے۔ دوسرا قول ہے کہ ''قرن'' اسی (۸۰) سال کا زمانہ ہے۔ تیسرا قول ہے کہ ''قرن'' سو (۱۰۰) سال کا زمانہ ہے۔ اور چوتھا قول ہے کہ اس سے مراد مطلقاً زمانہ ہے۔

اور ''قرن'' کے متعلق یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: تم ایک ''قرن'' تک زندہ رہو گے، سو وہ لڑکا ایک سو سال تک زندہ رہا۔

اور ''قرن'' کا معنی بالوں کی مینڈھی بھی ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) فوت ہو گئیں تو ہم نے ان کو غسل دیا اور ہم نے ان کی تین مینڈھیوں میں کنگھی کی۔ حدیث کے الفاظ ہیں ''ومشطناها ثلاثة قرون''۔

(صحیح البخاری: ۱۲۵۴، صحیح مسلم: ۹۳۹، سنن ترمذی: ۹۹۰، سنن ابوداؤد: ۳۱۴۵، سنن ابن ماجہ: ۱۴۵۹)

اور ''قرن'' کا معنی جانب اور طرف بھی ہے۔ حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تمہارے لیے جنت میں ایک گھر ہے ''وانك ذو قرنيها'' یعنی اور بے شک تم اس کی دو طرفوں والے ہو۔

امام ابو عبید نے کہا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امت کی دو جانبوں والے ہیں اور دوسرا قول ہے: اس سے مراد حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔

ذوالقرنین سے مراد ہے سکندر، ان کو ذوالقرنین اس لیے کہا گیا کہ وہ مشرق اور مغرب کے مالک ہو گئے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے سر میں دو سینگوں کے مشابہ کوئی چیز تھی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے سورج کے دو سینگوں کو پکڑ لیا۔

نیز حدیث میں ہے ''الشمس تطلع بين قرني الشيطن'' یعنی سورج شیطان کی دو جانبوں کے درمیان سے طلوع ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۷۰۹۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ ''قرن'' سے مراد ہے قوت، یعنی سورج طلوع ہوگا اور اس وقت شیطان متحرک ہوگا اور اپنا تسلط کر رہا ہوگا۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ ''قرنیہ'' سے مراد ہے آپ کی امت کے اول اور آخر، اور اس میں ان لوگوں کی مثال ہے جو سورج کے طلوع کے وقت سجدہ کرتے ہیں، پس گویا کہ شیطان نے ان کو اس گمراہی میں مبتلاء کر دیا، پس جو شخص اس وقت سجدہ کرتا ہے تو گویا شیطان اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

اور ''قرن'' کے معنی ملانا بھی ہیں، اسی سے ہے حج قران، یعنی حج اور عمرہ کو نیت واحدہ اور تلبیہ واحدہ اور احرام واحد سے

ملانا۔ امام شافعی نے کہا ہے: اس میں طواف اور سعی بھی واحد ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس میں طواف اور سعی الگ الگ ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے "لبیك بعمرة وحجة"۔

(سنن ترمذی: ۸۲۱، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۱)

حضرت جبلہ بن سحیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قحط کے سال میں ہم حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے، پس ہمیں ایک ایک کھجور دی گئی، پس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے ساتھ گزرے اور ہم کھجوریں کھا رہے تھے تو انہوں نے کہا: کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ "فان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن القران" کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملا کر کھجوروں کو کھانے سے منع فرمایا ہے سوا اس صورت کے کہ کوئی شخص اپنے بھائی سے اجازت لے لے۔ (صحیح البخاری: ۵۴۴۶) (النہایہ ج ۴ ص ۴۵۔۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پھر ان لوگوں کا قرن ہے جو میرے قرن کے قریب ہوں گے" اور وہ تابعین ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں" اور وہ اتباع التابعین ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ویخونون" یعنی وہ لوگ خیانت ظاہرہ کریں گے حتیٰ کہ لوگ ان کو امین نہیں قرار دیں گے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ویشهدون" یعنی وہ لوگ گواہی دیں گے اور ان کو گواہی کے لیے طلب نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ویظهر فیهم السِمَن" (سین پر کسرہ اور میم پر زبر ہے) یعنی ان میں وہ شرف اور عظمت نہیں ہوگی جس کو وہ بہت زیادہ ظاہر کریں گے۔ یا اس کا معنی ہے: وہ لوگ اموال کو جمع کریں گے اور دین کے امور سے غافل ہوں گے، یا اس کا معنی ہے کہ ان میں فربہی اور موٹاپا غالب ہوگا کیونکہ وہ عبادت کا اہتمام نہیں کرتے ہوں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اس سے کنایہ ہے کہ ان کی دنیا میں رغبت ہوگی اور دنیا کی لذتوں کو وہ آخرت کے اوپر ترجیح دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے جو لذتیں تیار کر کے رکھی ہیں وہ ختم نہیں ہوں گی اور دنیا کی لذتیں ختم ہو جائیں گی اور یہ لوگ اپنے سے پہلے نیک لوگوں کی اقتداء نہیں کریں گے۔ اور کھانے پینے کی چیزوں کو حاصل کرنا ہی ان کا مطمع نظر ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۱۔۳۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذر پوری نہ کرنے کی سزا

اس باب کا عنوان ہے "جو شخص نذر پوری نہیں کرتا اس کا گناہ"۔

کیونکہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور واجب کا ترک گناہ کو مستلزم ہے لیکن ہم پر واجب ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ ہر وہ معصیت جس کے اوپر گناہ کو مرتب کیا گیا ہے اور وہ معصیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کے ماسوا ہو تو وہ معصیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ واجب کو ترک کرنے والا سزا کا مستحق ہوگا اور اس پر وثوق نہیں کیا جاتا، پس یہ نہیں کہا جائے

گا کہ اس کو سزا دی جائے گی سو اس کے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ واجب کے ترک کرنے والے کو سزا دی جائے گی وہ اس سے کسی معین شخص کا ارادہ نہ کرے تو پھر صحیح ہے لیکن معین شخص کے متعلق ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ جس نے واجب کو ترک کیا اس کو سزا دی جائے گی یا جس نے بھی حرام فعل کا ارتکاب کیا اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ (النساء: ۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا O

موٹاپے اور فربہی کی مذمت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "جو لوگ نذر پوری نہیں کریں گے اور امانت میں خیانت کریں گے اور بغیر طلب کے گواہی دیں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا"۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اس کام پر کیسے ملامت کی جائے گی جس کا بندوں کے پاس کوئی حیلہ نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے بدن پر گوشت چڑھانے پر توجہ دیتے ہیں جیسے بکری کو عمدہ چراگاہ میں بھیجا جائے تو وہ بہت فربہ اور موٹی ہو جاتی ہے تو جن لوگوں کا دل اپنی روح کی پرورش سے بے پرواہ رہتا ہے اور وہ علم اور ایمان میں کوشش نہیں کرتے تو قرونِ ثلاثہ کے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ جو اپنے بدن کی پرورش کا اہتمام کریں گے اور اپنی روح کی پرورش پر توجہ نہیں دیں گے تو ان میں موٹاپا اور فربہی ظاہر ہوگا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جس آدمی کے تفکرات بہت زیادہ ہوتے ہیں اس کا گوشت بہت کم ہوتا ہے اور جس نذر کو پورا کرنا واجب ہے وہ اطاعت کی نذر ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۱۰۔ ۶۱۲، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابُ: النَّذْرِ فِي الطَّاعَةِ

اطاعت کی نذر ماننے کا بیان

وَمَآ أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ (البقرہ: ۲۷۰)

اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اطاعت کی نذر ماننے کا کیا حکم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس باب پر تنوین ہے اور "النذر فی الطاعة" میں مبتداء کا اطاعت میں حصر ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ نذر وہی ہے جو اطاعت میں مانی جائے اور جو معصیت میں نذر مانی جائے، وہ نذر شرعی نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو لکھا ہے اس کا بھی ایک محمل ہے لیکن اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ باب کے لفظ پر تنوین پڑھی جائے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس آیت میں نذر ماننے کی ثنا اور تحسین کی ہے اور یہ اسی نذر کی ثناء اور تحسین ہے جو اطاعت کے لیے نذر مانی جائے، کیونکہ جو نذر اطاعت کے لیے مانی جائے تو جمہور کے نزدیک اس کو پورا کرنا واجب ہے، جو شخص اس کو پورا کرنے پر قادر ہو۔ اور نذر کی چار قسمیں ہیں:

نذر کی اقسام

(۱) اطاعت کی نذر جیسا کہ نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کی نذر ماننا (۲) معصیت کی نذر جیسے کوئی شخص العیاذ باللہ زنا کرنے کی نذر مانے (۳) نذرِ مکروہ، جیسے کوئی شخص نفلی عبادات کو ترک کرنے کی نذر مانے۔ (۴) نذرِ مباح جیسے بعض مباح کھانوں کے کھانے کی نذر مانے یا بعض مباح کپڑوں کے پہننے کی نذر مانے۔

اور انسان پر لازم یہ ہے کہ وہ اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے عمل کرے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں آئے گا اور نذر کی باقی اقسام پر عمل نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از طلحہ بن عبد الملک از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی نذر مانی سو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۰۰، سنن ترمذی: ۱۵۲۶، سنن نسائی: ۳۸۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۶، مسند احمد: ۲۵۳۴۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۱، سنن دارمی: ۲۳۳۸)

صحیح البخاری: ۶۶۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے "اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر ماننا" اور اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے جو نذر مانی جائے اس کو پورا کرنے کا حکم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے طلحہ، یہ ابن عبدالملک الایلی ہیں، یہ مدینہ میں رہتے تھے اور ابن جریج کے طبقہ میں سے ثقہ راوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں القاسم کا ذکر ہے، یہ القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب النذر میں القعنبی سے روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کتاب النذر میں اس کی قتیبہ سے روایت کی ہے۔ امام نسائی نے بھی اس کی قتیبہ سے روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی الکفارات میں از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے۔

حافظ ابوعمر نے کہا ہے کہ محدثین میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں طلحہ کی قاسم سے روایت ہے اور طلحہ اس روایت میں متفرد ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ طلحہ کی متابعت ایوب اور یحییٰ بن ابی کثیر نے از ابوحیان کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانی وہ اس کی اطاعت کرے"۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا کسی امرِ واجب میں ہوگی یا امرِ مستحب میں ہوگی۔ سو اس کی اطاعت کرنی چاہیے اور اگر کسی نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانی ہے تو اس کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۲۔ ۳۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اطاعت کی نذر کو پورا کرنے کے وجوب کی دلیل

فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک جو شخص اطاعت کی نذر کو پورا کرنے پر قادر ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس نذر کو پورا کرے، ہر چند کہ نذر ماننے سے پہلے اس پر وہ اطاعت واجب نہیں تھی لیکن جب اس نے اس اطاعت کی نذر مانی تو نذر نے اس اطاعت کو واجب کر دیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے نفس کے اوپر اس اطاعت کو لازم کیا ہے، لہٰذا اس کے اوپر اس اطاعت کو ادا کرنا فرض ہو گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جنہوں نے اپنے نفس کے اوپر کسی اطاعت کو واجب کیا اور پھر اس کو پورا نہیں کیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ

پھر ہم نے ان کے طریقہ پر اپنے اور رسول لگا تار بھیجے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی اور ہم نے ان کے پیروکاروں کے دلوں میں شفقت اور رحمت رکھی، اور رہبانیت کو انہوں نے از خود ایجاد کیا تھا، ہم نے اس کو ان پر فرض

رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾ (الحدید:۲۷)

نہیں کیا تھا مگر (انہوں نے) اللہ کی رضا کی طلب کے لیے (اس کو ایجاد کیا) پھر انہوں نے اس کی ایسی رعایت نہ کی جو رعایت کا حق تھا، پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا، اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں O

الحدید: ۲۷ کی تفسیر از مصنف

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم سے پہلے لوگ اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، ان میں سے تین فرقوں نے نجات پائی، باقی ہلاک ہوگئے، ان تینوں میں سے ایک فرقہ بادشاہوں کے سامنے ڈٹ گیا اور ان سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کی حمایت میں قتال کیا، پس بادشاہوں نے ان کو شہید کر دیا، دوسرے فرقہ میں قتال کرنے کی طاقت نہ تھی، انہوں نے بادشاہوں کے سامنے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کی تبلیغ کی، بادشاہوں نے ان کو بھی شہید کر دیا اور ان کو آروں سے چیر ڈالا، اور تیسرا فرقہ جس کو بادشاہوں سے قتال کرنے کی قوت نہ تھی، نہ ان کے سامنے تبلیغ کرنے کی طاقت تھی، وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے گئے اور رہبانیت اختیار کی، جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ انہوں نے یہ رہبانیت اللہ کی رضا کے لیے اختیار کی تھی۔ (جامع البیان:۲۶۰۸۱)

اس آیت میں ''رہبانیت'' کا لفظ ہے اس کا مادہ بدعت ہے۔ ''الابداع'' کا معنی ہے: کسی چیز کی ابتداء کسی مثال کے بغیر اس کو بنانا، اور جب اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو اس کا معنی ہے: کسی چیز کو بغیر آلہ، بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے بنانا، اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، قرآن مجید میں ہے ''بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' (البقرہ:۱۱۷) یعنی آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر کسی نمونہ کے بنانے والا۔ اور مذہب میں بدعت کا معنی ہے: ہر وہ نیا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل شدہ حق کے خلاف ہو، خواہ وہ علم (اعتقاد) ہو یا عمل ہو یا حال ہو اور اس کی بنیاد کسی قسم کے شبہ یا استحسان پر ہو اور اس کو دینِ قویم اور صراطِ مستقیم بنا دیا جائے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۵۶)

علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے ''کتاب القواعد'' کے اخیر میں لکھا ہے کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) بدعتِ واجبہ: جیسے قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علمِ نحو میں مشہور ہونا (۲) بدعتِ محرمہ: جیسے جبریہ، قدریہ (روافض، مرزائیوں اور اسماعیلیوں) کے مذاہب یہ بدعتِ محرمہ ہے اور ان کا رد کرنا بدعتِ واجبہ ہے۔ (۳) بدعتِ مستحبہ: جیسے سرائے اور دینی مدارس بنانا، اور ہر وہ نیک کام جو عہدِ رسالت میں نہیں تھا، جیسے تراویح کی جماعت اور وعظ کی محافل اور علمی مذاکرات کے لیے مجالس کو منعقد کرنا (۴) بدعتِ مکروہہ: جیسے دکھاوے کے لیے مساجد کو مزین کرنا۔ (۵) بدعتِ مباحہ: جیسے عصر کی نماز کے بعد التزام سے مصافحہ کرنا اور انواع و اقسام کے لذیذ کھانے اور مشروبات۔ (شرح الطیبی ج ۱۱ ص ۲۹۶)

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے رہبانیت کی کماحقہٗ رعایت نہیں کی، یہ ان لوگوں میں سے بعض ہیں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''پس ہم نے ان میں سے ایمان والوں کو ان کا اجر عطا فرمایا''۔ اور آیت کا یہ حصہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ رہبانیت کی بدعت نکالنے والوں میں سے بعض وہ بھی تھے جنہوں نے رہبانیت

کی کماحقہٗ رعایت کی تھی، کیونکہ اگر ان میں ایسے لوگ نہ ہوتے تو وہ اس اجر کے مستحق نہ ہوتے جس کا اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے اور جنہوں نے کماحقہٗ رہبانیت کی رعایت نہیں کی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ انہی لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے بعد کے لوگوں میں سے ہوں۔ (جامع البیان جز ۲۷ ص ۳۱۲)

نذر المعصیت کا بیان

عنقریب نذر المعصیت کا اختلاف اس کے باب میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

بعض فقہاء نے نذر کی دو قسمیں کی ہیں: ایک نذرِ مجہول ہے جیسے کوئی شخص کہے: اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر نذر ہے۔ امام مالک کے نزدیک اس پر کفارہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے اوپر بہت سخت کفارہ ہے جیسے ظہار کا کفارہ ہوتا ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۵۸۳۴، ۱۵۸۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۱۸۰،۱۲۷۴)

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک دن روزہ رکھے یا ایک دن ایک مسکین کو کھانا کھلائے یا دو رکعت نماز پڑھے۔

اور دوسری قسم نذرِ معلوم ہے، اور اس کی چار قسمیں ہیں: (۱) نذرِ اطاعت (۲) نذرِ معصیت (۳) نذرِ مکروہ (۴) نذرِ مباح۔ اور ان میں سے صرف نذرِ اطاعت کو پورا کرنا واجب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۸۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذرِ اطاعت کو پورا کرنے کے دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور تم جو بھی نذر مانتے ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے''۔ (البقرہ: ۲۷۰)

اس آیت میں لفظِ ''النفقۃ'' نکرہ ہے اور سیاقِ شرط میں مذکور ہے اور اس سے مراد عام ہے خواہ نفقہ قلیلہ ہو یا کثیرہ ہو۔ اور اس آیت میں نذر کا ذکر ہے، اور نذر سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو لازم کرلے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تمام واجبات ہوں، کیونکہ انسان جب واجب پر عمل کرنا شروع کرے تو نذر کی طرح اس کو بھی پورا کرنا واجب ہے، اسی لیے فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص کسی واجب کام کو شروع کردے تو اس پر اس کام کو منقطع کرنا حرام ہے سوائے ناگزیر صورت کے، پس جب انسان قضائے رمضان کے روزے رکھنا شروع کردے تو اس پر ان روزوں کو توڑنا حرام ہے۔

پس تمام واجبات جب شروع کردیے جائیں تو وہ نذر ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾ (الحج: ۲۹) پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں O

اور یہی قول صحیح ہے کہ نذر سے مراد وہ کام ہے جس کو انسان اپنے اوپر واجب کرلے اور اس کام میں شروع ہو جائے۔ اور

واجبات میں شروع ہونا بھی اسی کی مثل ہے۔

البقرہ: ۲۷۰ میں فرمایا ہے کہ "بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے" اور اس کے علم پر اس کا اثر مرتب ہوگا اور وہ ہے اس کی جزاء عطا فرمانا۔ اور کبھی انسان اپنے عمل کو باطل کر دیتا ہے، پھر وہاں پر ثواب نہیں ہوگا۔ پس علم سے تعبیر کرنا اس سے عام ہے کہ اس کو ثواب سے تعبیر کیا جائے۔ پس ثواب سے تعبیر کرنا اگرچہ بہ کثرت آیات میں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۞ (الجاثیہ: ۱۵)

جس شخص نے کوئی نیکی کی تو اس کا نفع اس کو ملے گا اور جس شخص نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال اس پر ہوگا، پھر تم سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے O

اور یہاں پر ایک اور نکتہ یہ ہے کہ انسان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل میں سے کسی چیز کو ضائع نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو جانتا ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ ثواب کو خبر دینے سے ذکر فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۞ (التغابن: ۷)

آپ کہیے: کیوں نہیں! میرے رب کی قسم! تم کو ضرور بہ ضرور اٹھایا جائے گا، پھر تم کو تمہارے کرتوتوں کی ضرور بہ ضرور خبر دی جائے گی اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے O

بہر حال نذرِ اطاعت کو پورا کرنا واجب ہے اور رہی نذرِ معصیت تو اگر کسی شخص نے معصیت کی نذر مانی ہے تو وہ اس کو پورا نہ کرے بلکہ اس کے خلاف کرے اور اس نذر کا کفارہ ادا کرے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۱۳۔ ۶۱۴، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ بَابٌ: إِذَا نَذَرَ أَوْ حَلَفَ أَنْ لَا يُكَلِّمَ إِنْسَانًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ أَسْلَمَ

جب کسی شخص نے زمانہ جاہلیت میں نذر مانی یا قسم کھائی کہ وہ کسی انسان سے بات نہیں کرے گا، پھر اس نے اسلام قبول کر لیا، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی یا حلف اٹھایا کہ وہ کسی انسان سے بات نہیں کرے گا۔ زمانہ جاہلیت سے مراد انقطاعِ نبوت کا زمانہ ہے یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے کا زمانہ ہے، یہ علامہ کرمانی کا قول ہے۔ پھر اس نے اسلام قبول کر لیا یعنی نذر ماننے والے نے، امام بخاری نے اس نذر یا قسم کے جواب کا ذکر نہیں کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس نذر کا پورا کرنا واجب ہے، یا اس نذر کا پورا کرنا مستحب ہے۔

امام طحاوی نے اس باب کا جو عنوان قائم کیا ہے وہ امام بخاری کے عنوان سے زیادہ عمدہ ہے اور زیادہ واضح ہے، انہوں نے کہا: ''باب: ایک آدمی نذر مانتا ہے حالانکہ وہ مشرک ہے، پھر وہ اسلام قبول کر لیتا ہے'' کیونکہ امام بخاری نے جو ''فی الجاهلية'' کا لفظ کہا ہے اور علامہ کرمانی نے اس کی تفسیر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے، تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ جو مشرک بعثت کے بعد نذر مانے اور پھر اسلام قبول کرے تو اس کا حکم اس کے خلاف ہوگا حالانکہ دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابو الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے خبر دی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں ایک رات المسجد الحرام میں اعتکاف کروں گا، آپ نے فرمایا: تم اپنی نذر پوری کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۰۳۲، ۲۰۴۳، ۳۱۴۴، ۴۳۲۰، ۶۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۶، سنن ترمذی: ۱۵۳۹، سنن نسائی: ۳۸۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۳۲۵، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۹، مسند احمد: ۲۵۷، سنن دارمی: ۲۳۳۳)

صحیح البخاری: ۶۶۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط ہوتی ہے، آپ نے فرمایا ''تم اپنی نذر پوری کرو'' کیونکہ آپ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کافر کی نذر ماننا صحیح ہے۔ اور جب وہ کافر اسلام قبول کر لے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی نذر کو پورا کرے۔ اور اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور عبید اللہ بن عمر کا ذکر ہے، وہ العمری ہیں۔

یہ حدیث اعتکاف کے آخر میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو از عبید اللہ بن اسماعیل از ابی اسامہ از عبید اللہ بن عمر روایت کیا تھا۔

کافر کی نذر کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں:

ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مرد شرک کے زمانہ میں اپنے نفس پر اعتکاف یا صدقہ یا کوئی ایسی عبادت کو لازم کر لے جس کو مسلمان اللہ کے لیے واجب کرتے ہوں، پھر وہ اسلام قبول کر لے تو اس نذر کا پورا کرنا اس پر واجب ہے اور ان فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ، لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے جو کہا ہے کہ ایک قوم کا یہ مذہب ہے تو قوم سے ان کی مراد طاؤس، قتادہ، حسن بصری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق اور غیر مقلدین کی جماعت ہے اور یہی ابن حزم کا قول ہے۔ اور دوسرے فقہاء نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: دوسروں سے امام طحاوی کی مراد ہے ابراہیم النخعی، الثوری، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، اور ایک قول کے مطابق امام شافعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد۔ اور ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہے جو اس باب سے پہلے مذکور ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ نذر عبادت میں منعقد ہوتی ہے اور معصیت میں منعقد نہیں ہوتی۔

اور دوسری دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نذر صرف وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا جائے۔ اور اس کو امام طحاوی نے اپنی مسند میں عبداللہ بن وہب کی روایت سے ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کافر کا فعل اللہ تعالیٰ سے تقرب کے لیے نہیں ہوتا کیونکہ جس وقت اس نے اپنے اوپر اس کام کو واجب کیا اس وقت وہ اللہ کے سوا بتوں کی عبادت کرتا تھا اور یہ معصیت ہے، سو اس کی نذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل ہے کہ اللہ کی معصیت میں کوئی نذر نہیں ہوتی۔

حدیث مذکور کا محمل

رہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اب مسجد حرام میں اعتکاف کر لیں کیونکہ اب یہ اللہ عزوجل کی اطاعت ہے۔ اس کے برخلاف جس حال میں انہوں نے نذر مانی تھی تو وہ معصیت کا حال تھا۔

اور علامہ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے: شارع علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بطور ایجاب اور الزام کے نہیں فرمایا یعنی آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اس فعل کو واجب نہیں کیا بلکہ آپ نے اپنی رائے سے ان کو یہ حکم دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد سے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں کو یہ تعلیم دیں کہ نذر کو پورا کرنا بہت مؤکد امور میں سے ہے، اس لیے آپ نے سختی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نذر کو پورا کریں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کہنا اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حنین میں طائف کے مال غنیمت کو تقسیم فرما رہے تھے۔

اعتکاف میں روزہ کی شرط کے متعلق علامہ کرمانی کا فقہاء احناف پر اعتراض اور علامہ عینی کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اعتکاف کی صحت کے لیے روزہ رکھنا شرط نہیں ہے اور یہ حدیث فقہاء احناف پر حجت ہے۔ علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ عینی، علامہ کرمانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ کرمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے غافل تھے، آپ نے فرمایا: ''روزہ کے بغیر کوئی اعتکاف نہیں ہوتا'' اس سے معلوم ہوا کہ روزہ اعتکاف کی شرط ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۳۔ ۳۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حالتِ کفر میں مانی ہوئی نذر کے متعلق فقہاء اسلام کے مختلف اقوال

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس شخص نے زمانہ جاہلیت میں ایسی نذر مانی جس کو مسلمان اللہ کے لیے واجب کرتے ہیں پھر اس نے اسلام قبول کر لیا تو امام شافعی اور ابوثور نے کہا ہے: اس پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے کے بعد قسم کو توڑ دیا تو اس پر کفارہ ہے۔ اور یہی ابوجعفر طبری کا قول ہے۔

ان فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنی نذر کو پورا کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہی المغیرہ المخزومی کا قول ہے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ''اپنی نذر کو پورا کرو'' کو وجوب پر محمول کیا ہے اور یمین (قسم) کو نذر پر قیاس کیا ہے، پس اگر نذر ان کاموں میں سے ہے جن کو اسلام میں بطور عبادت کیا جاتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس نذر کو پورا کرے اور اگر نذر اور قسم ان کاموں میں سے نہیں ہے جن کو اسلام میں پورا کیا جاتا ہے جیسے کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ فلاں آدمی سے بات نہیں کرے گا تو پھر اس پر اسلام لانے کے بعد قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ لازم ہے، اسی طرح امام شافعی اور ابوثور کہتے ہیں کہ جس نے معصیت کی نذر مانی اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے: اس پر ان میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہے اور ہر وہ شخص جس نے کفر کی حالت میں قسم کھائی پھر اسلام لانے کے بعد قسم توڑ دی تو تمام قسموں میں اس کے اوپر کوئی چیز واجب نہیں ہے، یہ امام مالک، ثوری اور فقہاء احناف کا قول ہے۔

امام طحاوی نے کہا: اس مسئلہ کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ ''جس نے نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کرے''۔ ان فقہاء نے کہا کہ جب کہ نذر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا قصد کیا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کی معصیت کا قصد کیا جائے تو نذر واجب نہیں ہوتی اور کافر نے جب کہا کہ اللہ کی رضا کے لیے مجھ پر اعتکاف واجب ہے یا روزہ واجب ہے، پھر اس نے یہ کر لیا تو اس سے وہ اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والا نہیں

ہوگا۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مشابہ ہے کہ معصیت میں نذر نہیں ہوتی، کیونکہ جس چیز کا عبادت ہونا صحیح نہ ہو تو اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم اپنی نذر پوری کرو" یہ آپ نے اس لیے نہیں فرمایا کہ ان پر اس نذر کو واجب کریں، لیکن جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس حال میں نذر مانی تھی اس حال میں اس نذر کو پورا کرنے کی سخاوت کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مستحب قرار دیا کہ وہ اس نذر کو پورا کریں، کیونکہ پہلے تو ان کا یہ فعل عبادت نہیں تھا لیکن اب ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کو حکم دیا وہ اس کے خلاف ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالتِ کفر میں اپنے اوپر واجب کیا تھا، کیونکہ اسلام جاہلیت کے معاملات کو منہدم کر دیتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۳۹۔۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۳۰۔ بَابُ: مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ — جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر نذر تھی

وَأَمَرَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَةً جَعَلَتْ أُمُّهَا عَلَى نَفْسِهَا صَلَاةً بِقُبَاءٍ، فَقَالَ: صَلِّي عَنْهَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عورت کو حکم دیا جس کی ماں نے اپنے اوپر قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم اس کی طرف سے نماز پڑھو۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کی مثل فرمایا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے کوئی نذر مانی ہوئی تھی آیا اس کی طرف سے اس نذر کو ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو حکم دیا جس کی ماں نے قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم اس کی طرف سے نماز پڑھو۔

اس تعلیق نے باب کے عنوان کے حکم کو واضح کر دیا ہے، یعنی جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے نذر مانی ہوئی ہو تو نذر اس کی طرف سے ادا کی جائے گی۔

الظاہر یہ یعنی غیر مقلدین نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ میت کے ورثاء پر واجب ہے کہ وہ میت کی مانی ہوئی نذر کو ادا کریں خواہ روزہ کی نذر ہو یا نماز کی نذر ہو۔

اور فقہاء شافعیہ نے کہا ہے: میت کی طرف سے نماز اور حج اور دیگر عبادات میں نیابت جائز ہے، کیونکہ اس باب کی احادیث اس حکم کو متضمن ہیں۔

التوضیح میں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے: جو فعل خصوصیت سے نذر کے فعل کو متضمن ہے وہ نماز اور روزہ

ہے اور مذاہب فقہاء سے مشہور یہ ہے کہ ایسا نہیں کیا جائے گا۔ اور محمد بن الحکم نے کہا ہے کہ اس کی طرف سے روزہ رکھا جائے گا اور یہ امام شافعی کا قول قدیم ہے۔ اور اس کے مطابق احادیث صحیحہ وارد ہیں، سو یہی قول مختار ہے۔ اور امام احمد، امام اسحاق، ابوثور اور اہل الظاہر نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے: کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے گا اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس پر فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا خواہ فرض نماز ہو یا سنت ہو، نہ زندہ کی طرف سے نماز پڑھے گا اور نہ میت کی طرف سے نماز پڑھے گا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ میں اختلاف ثابت ہے۔

امام مالک نے الموطا میں کہا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا، اور کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ نہیں رکھے گا۔ (الموطا: ص ۲۰۲)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیق میں جو اثر منقول ہے اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا: اگر تم چاہو تو اپنی ماں کی طرف سے نماز پڑھو۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی کی مثل فرمایا"۔ یعنی جس طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ اور اس تعلیق کو امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ از سعید بن جبیر روایت کیا ہے ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کوئی شخص مر گیا اور اس پر نذر ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے اس نذر کو ادا کرے گا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف بھی روایت ہے جس کو امام نسائی نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھے گا۔ اور ان دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اس بات کی روایت اس کے متعلق ہے جو فوت ہو گیا اور نفی کی روایت اس کے متعلق ہے جو زندہ ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ میں نقل مضطرب ہے، پس یہ روایت کسی کے لیے بھی حجت نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۴۔ ۳۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَأَفْتَاهُ أَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا فَكَانَتْ سُنَّةً بَعْدُ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی کہ حضرت سعد بن عبادہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اپنی ماں کی مانی ہوئی نذر کے متعلق سوال کیا جو نذر پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئی

تھیں، تو آپ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی ماں
کی طرف سے نذر پوری کریں، پھر بعد میں یہی سنت ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۲۷۶۱، ۶۶۹۸، ۶۹۵۹، صحیح مسلم: ۱۶۳۸، سنن ترمذی: ۱۵۴۶، سنن نسائی: ۳۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۳۰۴۰، موطا امام مالک: ۱۰۲۵)

صحیح البخاری: ۶۶۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''جو شخص فوت ہوگیا اور اس پر نذر ہو'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جن کی والدہ فوت ہوگئیں تھیں اور انہوں نے اپنی نذر پوری نہیں کی تھی تو آپ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے نذر پوری کرو۔ اور اس حدیث سے اس باب کے عنوان کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ جو شخص فوت ہوجائے اور اس نے نذر مانی ہوئی ہو تو اس کے ورثاء اس کی نذر کو پورا کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں شعیب کا ذکر ہے، یہ ابن ابی حمزہ الحمصی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبیداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوصایا کے اس باب میں گزر چکی ہے ''باب ما یستحب لمن یتوفی فجاۃ ان یتصدقوا عنہ وقضاء النذر عن المیت''۔ وہاں اس حدیث کی از عبداللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عبیداللہ بن عبداللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔۔۔۔الحدیث

حدیث مذکور کے معانی

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی نذر میں متعدد اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں پر نذر تھی، اس میں اختلاف ہے کہ ان کی ماں نے کس چیز کی نذر مانی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے روزہ کی نذر مانی تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے صدقہ کرنے کی نذر مانی تھی۔ چوتھا قول یہ ہے کہ ان کی نذر مطلق تھی اور اس میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کا ذکر نہیں تھا۔ اور جو نذر مبہم ہو اس کا حکم یہ ہے کہ قسم کا کفارہ دیا جائے۔ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

نذرِ مبہم کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور سعید بن جبیر اور قتادہ سے منقول ہے کہ نذرِ مبہم سب سے غلیظ قسم ہے یعنی سب سے سخت، گاڑھی اور مضبوط قسم ہے۔ اور اس کا کفارہ بھی سب سے سخت اور مضبوط ہے یعنی غلام آزاد کرے اور دس مسکینوں کو کپڑے دے یا دس مسکینوں کو صبح شام کھانا کھلائے۔ اور انہوں نے کہا: صحیح ان کا قول ہے جنہوں نے اس میں قسم کے کفارہ کو مقرر کیا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی نذر مانی اور اس کو معین نہیں کیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ قسم کا کفارہ دے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے نذر کو ادا کرے"۔ یہ اس اعتبار سے ہے جس طرح اس کی نذر واقع ہوئی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "پس اس کے بعد یہی سنت ہوگئی"۔ علامہ کرمانی نے کہا: یعنی وارث اس کو ادا کرے جو مورث پر ہے اور یہ طریقہ شرعیہ مقرر ہوگیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۵۔۳۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۶۹۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ إِنَّ أُخْتِي قَدْ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ وَإِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ اللهَ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابی بشر، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی اور وہ فوت ہوگئی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اگر اس کے اوپر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اس نے کہا جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: پس تم اللہ کا قرض ادا کرو، اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۸۵۲، ۶۶۹۹، ۷۳۱۵، سنن نسائی: ۲۶۳۳، مسند احمد: ۲۱۴۱، سنن دارمی: ۲۲۲۷)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح گزشتہ حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تھی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، اور وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو بشر، ان کا نام جعفر بن ابی وحشیہ ہے۔ اور ابو وحشیہ کا نام ایاس الیشکری البصری ہے اور ان کو الواسطی کہا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور وہ فوت ہوگئی۔۔۔۔۔ الحدیث

دو حدیثوں میں تعارض کا جواب

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن نے نذر مانی تھی کہ وہ بیت اللہ تک پیدل جائیں گی اور انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کروں، سو میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چاہیے کہ وہ پیدل چلے اور سوار ہو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۶۶)

ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں امر واقع ہوئے ہوں۔ اور کتاب الحج میں "الحج عن الغیر" کے باب میں اس کی تفاصیل گزر چکی ہیں۔

بندوں کے حق پر اللہ تعالیٰ کے حق کو قیاس کر کے جواب دینا

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر تمہاری بہن کے اوپر قرض ہوتا" اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قیاس کی تعلیم دی ہے اور آپ نے قیاس سے استدلال کر کے جواب دیا ہے کہ جب بندہ کا قرض تم ادا کرنے کے لیے تیار ہو تو اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنے کے لیے تمہیں بطریق اولیٰ تیار ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے"۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حق اور بندوں کا حق دونوں جمع ہوں تو بندوں کے حق کو مقدم کیا جاتا ہے، پس اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ اللہ کا حق ادا کیے جانے کے زیادہ مستحق ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگوں کے حق کی رعایت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے حق کی رعایت کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۶ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میت کی نذر پوری کرنے کے متعلق اقوالِ فقہاء

ورثاء پر واجب ہے کہ وہ میت کی نذر کو پورا کریں، اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

پس اہل الظاہر یعنی غیر مقلدین نے کہا ہے کہ میت کا ولی میت کی نذر کو پورا کرے اور یہ اس پر واجب ہے خواہ اس کی

روزے کی ہو یا مال کی ہو۔
اور جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ وارث پر واجب نہیں ہے، اگر اس نے میت کی طرف سے نذر پوری کر دی تو یہ احسن ہے۔ اگر اس کی نذر صدقہ کے متعلق ہو یا غلام کو آزاد کرنے کے متعلق ہو۔ اور اگر اس نے روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی تو اس میں اختلاف ہے۔
نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ جب میت نے نذر پوری کرنے کی وصیت کی۔ امام مالک نے یہ کہا ہے کہ وہ میت کی وصیت کو اس کے تہائی مال میں پوری کرے۔ اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: میت کی کل وصیت کو پورا کرنا واجب ہے، تو میت کے اصل مال سے اس کو پورا کیا جائے گا۔
اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے جو کہا ہے کہ اگر میت نے قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو اس کو پورا کیا جائے تو یہ انہوں نے اپنی رائے سے کہا ہے اور اس کو واجب نہیں قرار دیا، کیونکہ حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس حدیث کے خلاف مروی ہے جس کی امام بخاری نے ان دونوں سے روایت کی ہے۔
امام مالک نے الموطا میں ذکر کیا ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے تھے کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نماز نہیں پڑھے اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے۔ (الموطا: ص ۲۰۲)
اور ایوب بن موسیٰ نے از عطاء بن ابی رباح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھے گا اور نہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزہ رکھے گا۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ ص ۲۵۷)
اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے فرض نماز نہیں پڑھے گا اور نہ سنت پڑھے گا، نہ زندہ کی طرف سے اور نہ فوت شدہ کی طرف سے۔
علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اگر یہ جائز ہو کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز پڑھے تو یہ تمام بدنی فرض عبادات میں جائز ہوگا اور یہ جائز ہوگا کہ ایک انسان دوسرے انسان کی طرف سے ایمان لے آئے۔ اور کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مستحق نہیں ہے کہ آپ اپنے والدین کی طرف سے ایمان لاتے اور اپنے چچا ابو طالب کی طرف سے ایمان لاتے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے لیے استغفار کرنے سے منع فرما دیا جن کے لیے آپ نے استغفار کیا تھا (یعنی ابو طالب کے لیے)۔
اور اگر یہ جائز ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی باطل ہو جائے گا:
وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا۔ (الانعام: ۱۶۴) اور ہر شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اس کا وہی ذمہ دار ہے۔
اور اس سے مراد فرائض کا کسب ہے، یعنی ہر شخص اسی فرض کو ادا کرے گا جو اس پر فرض کیا گیا ہے۔ رہے نوافل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اموات وغیرہ کی طرف سے تبرعاً ادا کریں۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے ایصالِ ثواب کرنا سنت ہو گیا ہے۔
علامہ ابن القابسی نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عملِ صالح فوت شدہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے خواہ ان کے اموال سے ان کو نفع نہ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾ (النجم:۳۹) اور یہ کہ ہر انسان کو اسی کا عوض ملے گا جو اس نے عمل کیا O

اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی والدہ کی طرف سے نذر کو پورا کریں۔ اور یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ماں نے اپنے بیٹے کی جو پرورش کی ہے تو اس وجہ سے بیٹے کا ماں کی طرف سے نذر پوری کرنا یہ گویا ماں کا ہی فعل ہے کیونکہ اس کی پرورش کے سبب سے بیٹے نے اس کی نذر کو پورا کیا ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں کی نذر کے متعلق مختلف روایات

اور علماء کا اس نذر کے متعلق اختلاف ہے جس کی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں نے نذر مانی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ روزے تھے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جو الاعمش نے از مسلم البطین از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میری ماں فوت ہو گئی ہیں اور ان پر روزے ہیں، کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ الاعمش کی حدیث کو زہری کی حدیث کے لیے مفسر قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اعمش کی اس روایت میں اختلاف ہے کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئیں اور ان پر روزے ہیں۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس مسئلہ کا سوال کرنے والے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نہیں تھے بلکہ ایک عورت تھی اور ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے روزے نہ رکھے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں پر جو نذر تھی وہ غلام کو آزاد کرنا تھی اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: القاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو گئیں، اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کر دوں تو کیا ان کو نفع ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور یہ حدیث اس مجمل نذر کی تفسیر کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہ نذر صدقہ کی تھی اور انہوں نے امام مالک کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

از سعید بن عمرو بن شرحبیل بن سعید بن سعد بن عبادہ از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بعض غزوات میں نکلے تو ان کی والدہ پر وفات کا وقت آ گیا، ان کی والدہ سے کہا گیا: آپ وصیت کیجئے تو انہوں نے کہا: میں کس چیز میں وصیت کروں، یہ مال تو سعد کا مال ہے، پھر وہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے فوت ہو گئیں، پس جب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آئے تو ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا، پس سعد نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میری ماں کو نفع پہنچے گا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور اس حدیث میں اس نذرِ مذکور کا ذکر نہیں ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث وصیت کے متعلق ہے اور وصیت نذر کی غیر ہے اور علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ زندہ کا فوت شدہ کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے خواہ وہ نذر ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

اور دوسرے علماء نے کہا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ماں کی نذر، نذرِ مطلق تھی نہ اس میں روزوں کا ذکر تھا نہ غلام کو آزاد

کرنے کا ذکر تھا اور نہ صدقہ کا ذکر تھا۔ اور انہوں نے کہا: جو شخص اپنے اوپر نذرِ مبہم کو لازم کرے اس کا کفارہ وہ ہے جو قسم کا کفارہ ہوتا ہے، یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۱۸۳، مصنف عبدالرزاق: ۱۵۸۳۹، ۱۵۸۴۰)

اور سعید بن جبیر اور قتادہ سے روایت ہے کہ نذرِ مبہم بہت سخت اور گاڑھی قسموں میں سے ہے اور اس کا کفارہ بھی بہت سخت اور گاڑھا ہوتا ہے۔ غلام کو آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کپڑے پہنانا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

اور صحیح ان کا قول ہے جنہوں نے اس نذر میں قسم کے کفارہ کو مقرر کیا ہے کیونکہ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی نذر مانی اور اس نذر کو معین نہیں کیا پس اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۱۸۱)

اور رہا میت کی طرف سے حج کرنا سو وہ کتاب الحج میں مذکور ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری: ج ۶ ص ۱۴۱۔ ۱۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میت کی طرف سے حج کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام مالک بن انس المتوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: کسی شخص کو دوسرے زندہ شخص کی طرف سے حج نہیں کرنا چاہیے خواہ وہ اپاہج یعنی معطل الاعضاء ہو یا اس کا غیر ہو۔ اور نہ میت کی طرف سے نفلی حج کرنا چاہیے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے کی طرف سے حج کرنا میرے نزدیک مستحب ہے۔ اور یہ امام دارالہجرۃ ہیں جو کہتے ہیں: ہمیں یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر اب تک کسی دوسرے کی طرف سے حج کیا ہو یا اس کا حکم دیا ہو یا اس میں اجازت دی ہو۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ سننِ اربعہ میں ابورزین العقیلی نے لقیط بن عامر سے روایت کی ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا والد بہت بوڑھا شخص ہے، وہ نہ حج کر سکتا ہے نہ عمرہ کر سکتا ہے اور نہ سفر کر سکتا ہے، آپ نے فرمایا: تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۱۸۱۰، سنن ترمذی: ۹۳۰، سنن نسائی: ج ۵ ص ۱۱۱، سنن ابن ماجہ: ۲۹۰۶)

اس حدیث کی امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (صحیح ابن حبان: ۳۹۹۱)

اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۴۸۱)

اور امام بیہقی نے ''خلافیات'' میں ذکر کیا ہے: اس حدیث کی ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام احمد نے کہا: میرے علم میں نہیں ہے کہ عمرہ کو واجب کرنے کے متعلق کوئی اس سے عمدہ حدیث ہو یا اس سے زیادہ صحیح حدیث ہو۔

اور اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث ہے کہ خثعم کی ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حج کو فرض کیا ہے اور میں نے اپنے باپ کو بہت بوڑھا پایا، وہ سواری پر ثابت قدمی سے نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اس کی طرف

سے حج کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۸۵۵)

علامہ ابن وہب اور ابو مصعب نے کہا ہے: کوئی شخص دوسرے کی طرف سے حج نہ کرے سوا اس کے کہ بیٹا اپنے باپ کی طرف سے حج کرسکتا ہے خواہ وہ بوڑھا ہو یا نہ ہو۔

اور اشعب نے کہا ہے: اگر اس نے بہت بوڑھے کی طرف سے حج کیا تو اس کے لیے کافی ہوگا۔

اور امام مالک سے کہا گیا کہ ایک شخص نے کہا: مجھے ایک مرد نے حکم دیا ہے کہ میں اس کی طرف سے حج کروں اور وہ زندہ ہے؟ انہوں نے کہا: تم وہ کرو جس کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔ اور میت کی طرف سے حج کرنے کی تفصیل کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۸۴۔۳۸۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اولاد کا کسب والدین کے کسب میں شمار ہوتا ہے

صحیح البخاری: ۶۶۹۹ میں مذکور ہے "ایک عورت کی ماں نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی تو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: تم اس کی طرف سے نماز پڑھو"۔

اور عون بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی کہ وہ دس دن اعتکاف کرے گی، پس وہ فوت ہوگئی اور اس نے اعتکاف نہیں کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم اپنی ماں کی طرف سے اعتکاف کرو۔

اور یہ ہوسکتا ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ جب ابنِ آدم فوت ہو جائے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل اور ان میں سے ایک بیٹے کو شمار کیا ہے، کیونکہ بیٹا بھی اس کے کسب میں سے ہے، پس بیٹے کے اعمالِ صالحہ اس کے باپ کے لیے شمار کیے جاتے ہیں اور بیٹے کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ تو اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم قباء میں نماز پڑھ لو اور تمہاری نماز وہاں لکھی جائے گی۔ اور اس کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاد کے لیے یہ جائز ہے کہ ماں باپ کی طرف سے نذر کو پورا کرے۔ اور اس میں علامہ ابن بطال کا رد ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے خواہ نماز فرض ہو یا سنت، نہ زندہ کی طرف سے اور نہ فوت شدہ کی طرف سے۔ اور المہلب سے نقل کیا ہے کہ اگر یہ جائز ہو تو تمام عباداتِ بدنیہ میں یہ جائز ہوگا اور شارع علیہ السلام اس کے زیادہ حق دار تھے کہ وہ اپنے ماں باپ کی طرف سے ایمان لے آتے اور آپ کو اپنے چچا کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔

اور علامہ ابن بطال کا اجماع کا دعویٰ کرنا اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ابنِ وہب مالکی اور ابو مصعب مالکی نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ اولاد کے لیے جائز ہے کہ وہ ماں باپ کی طرف سے نذر کو پورا کریں۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی طرف سے حقوقِ واجبہ کو ادا کرنا چاہیے۔ اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا اور

اس پر نذر مانی ہو تو اس کے مال سے اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے خواہ اس نے وصیت نہ کی ہو۔ ہاں اگر یہ نذر اس نے مرض الموت میں کی ہو تو پھر اس کے تہائی مال سے یہ نذر پوری کی جائے گی۔ اور فقہاء مالکیہ اور فقہاء احناف نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس نے اس کی مطلقاً وصیت کی ہو۔

(۴) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جو زیادہ اور بڑا عالم ہو اس سے سوال کرنا چاہیے۔

(۳) اس حدیث میں والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ نیکی کرنے کی فضیلت ہے اور جو حقوق ان کے ذمہ ہیں ان کو ادا کرنے کی فضیلت ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۵۷۔۷۵۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۶۹۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مفضول جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو اس سے افضل جگہ نماز پڑھنے سے بھی وہ نذر ادا ہو جائے گی

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ اس عورت نے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی، کیا اس کے لیے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنا متعین ہے؟

ہم کہتے ہیں: جب کسی شخص نے مساجدِ ثلاثہ (مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد قدس) میں نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسی جگہ نماز پڑھے جہاں نماز پڑھنے کی اس نے نذر مانی تھی، سوا اس کے کہ اس کے لیے یہ جائز ہے کہ اس جگہ سے افضل جگہ نماز پڑھ لے، لہٰذا اگر کسی انسان نے مسجدِ قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اور وہ مدینہ میں ہے تو اگر وہ مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھ لے تو اس کی نذر ادا ہو جائے گی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتحِ مکہ کے موقع پر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مکہ فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا، آپ نے اس سے فرمایا: تم یہاں نماز پڑھ لو۔ اس نے دوبارہ سوال کیا، آپ نے پھر فرمایا: تم یہاں نماز پڑھ لو، جب سہ بارہ سوال کیا تو آپ نے فرمایا: جس طرح تم چاہو۔ سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی شخص کسی افضل جگہ نذر پوری کرلے تو اس نے مفضول جگہ بھی نذر پوری کرلی کیونکہ افضل، مفضول کی جگہ پر مشتمل ہوتا ہے اور اس سے زیادہ کو بھی مشتمل ہوتا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۱۔ بَابُ: النَّذْرِ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِي مَعْصِيَةٍ انسان جس چیز کا مالک نہ ہو، اس کی نذر ماننے کا بیان اور گناہ کی نذر ماننے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نذر ماننے والا اس چیز کی نذر مانے جس کا وہ مالک نہیں ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر وہ گناہ کی نذر مانے تو اس کا کیا حکم ہے مثلاً وہ یہ نذر مانے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے گا اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں ہے "اور

گناہ کی نذر نہ مانے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از مالک از طلحہ بن عبد الملک از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، سو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔

(صحیح البخاری: ۶۶۹۶، ۶۷۰۰، سنن ترمذی: ۱۵۲۶، سنن نسائی: ۳۸۰۶، سنن ابوداؤد: ۳۲۸۹، سنن ابن ماجہ: ۲۱۲۶، مسند احمد: ۲۵۳۴۹، موطا امام مالک: ۱۰۳۱، سنن داری: ۲۳۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے جزو ثانی کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت ہو سکتی ہے کیونکہ جزو ثانی میں کہا ہے ''معصیت کی نذر ماننے کا حکم'' اور اس باب کی حدیث میں ہے کہ جس نے معصیت کی نذر مانی تو وہ اس نذر کو پورا نہ کرے۔ اور اس حدیث کا باب کے جزو اول میں کوئی دخل نہیں ہے یعنی جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر ماننے کا حکم۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس باب کی تمام حدیثوں کا اس نذر میں کوئی دخل نہیں ہے جس چیز کی نذر کا انسان مالک نہ ہو۔ ان احادیث کا دخل صرف معصیت کی نذر میں ہے۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے جو کہا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

انسان اس چیز کی نذر مانے جس کا وہ مالک نہ ہو مثلاً یہ نذر مانے کہ فلاں شخص کا غلام آزاد۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ ایسی نذر، نذر ماننے والے کے ذمہ میں لازم ہو جاتی ہے مثلاً اس نے نذر مانی کہ فلاں شخص کے غلام کو آزاد کرے گا تو اب اس کے ذمہ میں ہے کہ اس شخص سے اس غلام کو خرید کر آزاد کرے۔

اور دوسرے شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس میں نذر لازم نہیں ہوگی جس طرح معصیت میں نذر لازم نہیں ہوتی، کیونکہ جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر مانے تو یہ مال غیر میں تصرف ہے اور وہ معصیت ہے۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

اس باب کی مناسبت میں جس قدر توجیہات ذکر کی گئی ہیں وہ مقصود پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیث اور باب کے عنوان میں مطابقت کرنے میں تکلف کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعاصم، یہ النبیل الضحاک بن مخلد البصری شیخ البخاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم، یہ ابن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ حدیث عنقریب "باب النذر فی الطاعة" گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللهَ لَغَنِيٌّ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ وَرَآهُ يَمْشِي بَيْنَ ابْنَيْهِ وَقَالَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ حَدَّثَنِي ثَابِتٌ عَنْ أَنَسٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از حمید از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: یہ شخص جو اپنی جان کو عذاب دے رہا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔ اور آپ نے اس شخص کو دیکھا وہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان پیدل چل رہا تھا۔

اور الفزاری نے کہا از حمید: مجھے ثابت نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ۔

(صحیح البخاری: ۱۸۶۵، ۶۷۰۱، صحیح مسلم: ۱۶۴۲، سنن ترمذی: ۱۵۳۷، سنن نسائی: ۳۸۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۱، مسند احمد: ۱۲۴۷۸)

صحیح البخاری: ۶۷۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت ممکن ہے اور رہا جزو اول، یعنی اس چیز کی نذر ماننا جس کا انسان مالک نہ ہو تو اس کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ القطان ہیں۔ اور حُمید کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حمید الطویل ابوعبیدہ البصری ہیں، وہ ثابت سے روایت کرتے ہیں جو ابنِ اسلم البنانی ابومحمد البصری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الحج میں از محمد بن سلام گزر چکی ہے، اس کے شروع میں یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کے درمیان سہارے سے چل رہا تھا۔ یہاں امام بخاری نے اس حدیث کو اختصار سے ذکر کیا ہے اور اس کی شرح وہاں ہو چکی ہے۔

اس حدیث میں جو تعلیق ہے اس میں الفزاری کا قول ہے، ان کا نام مروان بن معاویہ الکوفی ہے۔ امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں حُمید نے یہ تصریح کی ہے کہ انہوں نے ثابت سے حدیث سنی ہے، اور کتاب الحج میں اس کو از محمد بن سلام از الفزاری سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۷-۳۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِزِمَامٍ أَوْ غَيْرِهِ فَقَطَعَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از سلیمان الاحول از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے ایک مرد کو دیکھا کہ کعبہ کا لگام کے ساتھ طواف کر رہا تھا یا غیر لگام کے ساتھ، تو آپ نے اس لگام کو کاٹ ڈالا۔

(صحیح البخاری: ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۶۷۰۲، ۶۷۰۳، سنن نسائی: ۳۸۱۱، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۲، مسند احمد: ۳۴۴۳)

صحیح البخاری: ۶۷۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت میں وہی کلام ہے جو اس سے پہلی حدیث میں گزر چکا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعاصم کا ذکر ہے، ان کے متعلق باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ وہ شیخ بخاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن جُریج کا ذکر ہے، وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔

یہ حدیث بھی کتاب الحج میں از ابوعاصم اور از ابراہیم بن موسیٰ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" آپ نے ایک مرد کو دیکھا" علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس مرد کا نام ثُراب تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" یا وہ چیز لگام کی غیر تھی" یعنی وہ چیز مُہار تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۳۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ أَخْبَرَهُمْ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ الْأَحْوَلُ أَنَّ طَاوُسًا أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ بِإِنْسَانٍ يَقُودُ إِنْسَانًا بِخِزَامَةٍ فِي أَنْفِهِ فَقَطَعَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَقُودَهُ بِيَدِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی کہ ابن جریج نے ان کو خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سلیمان الاحول نے خبر دی کہ ان کو طاؤس نے خبر دی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو آپ کے ساتھ ایک انسان گزرا جس کی ناک میں دوسرا انسان دھاگہ یا ریشم کی مہار ڈال کر اس کو چلا رہا تھا۔ سو نبی ﷺ نے اس دھاگہ یا ریشم کو اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالا، پھر آپ نے اس

کو حکم دیا کہ وہ اس انسان کو اپنے ہاتھ سے چلائے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۶۷۰۲، ۶۷۰۳، سنن نسائی: ۳۸۱۱، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۲، مسند احمد: ۳۴۴۳)

صحیح البخاری: ۶۷۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو حدیث ذکر کی گئی ہے یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے از ابراہیم بن موسیٰ بن یزید الفراء الرازی، وہ ہشام بن یوسف سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبدالملک بن جریج سے روایت کرتے ہیں از سلیمان بن ابی موسیٰ الاحول از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اور یہ سند پہلی سند کے مقابلہ میں سندِ نازل ہے۔

اس حدیث میں ''خزامة'' کا لفظ ہے، یہ بالوں یا ریشم کا ایک حلقہ ہوتا ہے، اس کو اونٹ کے دو نتھنوں کے درمیان جو حاجز ہے اس میں ڈال دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ مُہار کو باندھ دیا جاتا ہے تاکہ اونٹ کو چلانا آسان ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوا أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَقُومَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُومَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مُرْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ قَالَ عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے اس وقت وہاں ایک مرد کھڑا ہوا تھا، آپ نے اس کے متعلق سوال کیا، لوگوں نے بتایا کہ یہ ابواسرائیل ہیں، اس نے نذر مانی ہے کہ یہ کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور نہ سایا طلب کرے گا اور نہ کسی سے بات کرے گا اور روزہ رکھے گا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اسے کہو کہ یہ بات کرے اور سایا طلب کرے اور بیٹھے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔
عبدالوہاب نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از نبی ﷺ۔

(سنن ابوداؤد: ۳۳۰۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۶، موطا امام مالک: ۱۰۲۹)

صحیح البخاری: ۶۷۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بھی باب کے عنوان کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے کیونکہ جو آدمی یہ نذر مانے کہ وہ بیٹھنے کو ترک کر دے گا اور سایا طلب کرنے کو ترک کر دے گا اور لوگوں سے باتیں کرنے کو ترک کر دے گا تو یہ امور اطاعت نہیں ہیں۔ پس جب اس کی نذر غیرِ اطاعت میں ہوگی تو پھر یہ نذرِ معصیت ہے کیونکہ معصیت اطاعت کے خلاف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ بن اسماعیل، یہ ابوسلمہ المنقری ہیں جن کو التبوذکی بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے جو وہب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد ہیں اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الایمان میں از موسیٰ روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے الکفارات میں از الحسین بن محمد الواسطی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یخطب" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اور خطیب بغدادی نے "کتاب المبہمات" میں ایک اور سند سے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ ایک مرد کو دیکھا"۔ امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ مرد دھوپ میں کھڑا ہوا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فسال عنه" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے متعلق سوال کیا۔ لوگوں نے کہا: ابواسرائیل، اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے "وہ مرد ابواسرائیل ہے" اور خطیب نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ مرد قریش میں سے تھا۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا کہ وہ مرد الانصار میں سے تھا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: حافظ ابن الاثیر نے دوسروں کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابواسرائیل انصاری تھا۔ علامہ کرمانی نے بھی اسی سے دھوکا کھایا ہے اور وثوق سے کہا ہے کہ وہ مرد انصار میں سے تھا۔ اور پہلا قول زیادہ اولیٰ ہے کہ وہ شخص قریش کا ایک مرد تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس قائل سے یہ کہا جائے گا: اگر علامہ کرمانی نے علامہ ابن الاثیر کے کلام سے دھوکا کھایا ہے تو تم نے خطیب کے کلام سے دھوکا کھایا ہے۔ اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ خطیب کی عبارت کرمانی کی عبارت سے اولیٰ ہے۔ علاوہ ازیں حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے الاستیعاب کے باب الکنیٰ میں کہا ہے کہ ابواسرائیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے انصار کا ایک مرد تھا، پھر یہ حدیث مذکور ذکر کی ہے، پھر کہا: ان کا نام یُسَیر ہے اور دوسرا قول ہے کہ ان کا نام قُشَیر ہے اور تیسرا قول ہے کہ ان کا نام قیصر ہے جو روم کے بادشاہ کا نام

تھا۔اور صحابہ میں سے کوئی شخص ان کی کنیت میں ان کا شریک نہیں ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، علامہ عینی کے جواب میں لکھتے ہیں:
علامہ ابن الاثیر نے صاحب الاستیعاب کی عبارت سے استدلال کر کے یہ کہا ہے کہ ابواسرائیل انصار میں سے تھے اور خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ وہ قریش کے ایک مرد تھے۔رہا یہ کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ خطیب کی عبارت صاحب الاستیعاب کی عبارت سے اولیٰ ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ خطیب بغدادی علامہ ابن الاثیر پر مقدم ہیں۔
(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۰، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

میں کہتا ہوں: خطیب بغدادی کا سنِ وفات ۴۳۶ھ ہے اور علامہ ابن الاثیر کا سنِ وفات ۶۰۶ھ ہے۔
نیز خطیب بغدادی نے اپنی بات کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے برخلاف استیعاب کی عبارت حافظ ابن عبدالبر کی سند سے نہیں ہے، اس لیے واضح ہو گیا کہ خطیب بغدادی کا قول ابن الاثیر کے قول پر راجح ہے۔(سعیدی غفرلہٗ)
نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:
اور ابوداؤد کی روایت میں ہے "اس سے کہو" (جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے) کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ روزہ رکھنا عبادت ہے، اس کے برخلاف وہ باقی کام جو کر رہا تھا وہ عبادت نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مباح گفتگو سے چپ رہنا یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے چپ رہنا اطاعت اور عبادت نہیں ہے۔
(۲) اسی طرح دھوپ میں بیٹھنا بھی عبادت نہیں ہے۔اور اسی کے معنی میں ہر وہ کام ہے جس سے انسان کو تکلیف ہو۔اور وہ کام نہ اطاعت ہو نہ عبادت ہو نہ اس کا کتاب یا سنت میں ذکر ہو۔اطاعت تو صرف وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸۔۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مزید فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی امرِ مباح سے سکوت کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے اور امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے "اور نہ ایک دن سے لے کر رات تک خاموش رہنا عبادت ہے"۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے فرمایا کہ "خاموش رہنا جاہلیت کے کاموں میں سے ہے"۔
(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا ہر وہ کام جس سے انسان کو ایذاء پہنچے خواہ اسی وقت ایذاء پہنچے یا بعد میں ایذاء پہنچے اور اس کام کی

شروعیت کے متعلق کتاب یا سنت میں کوئی تشریح نہ ہو جیسے ننگے پیر چلنا یا دھوپ میں بیٹھنا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے، لہٰذا اس سے نذر منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو اسرائیل کو صرف روزہ پورا کرنے کا حکم دیا اور باقی کاموں کو پورا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ یہ اس پر محمول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ روزہ رکھنے سے اس کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ اور آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ بیٹھے اور باتیں کرے اور سائے کو طلب کرے۔

(۳) علامہ قرطبی نے کہا ہے: ابو اسرائیل کے قصہ میں جمہور کی یہ واضح دلیل ہے کہ معصیت کی نذر ماننے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا یا جو چیز عبادت نہ ہو اس کی نذر ماننے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ امام مالک نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا کہ میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو اسرائیل کو کفارہ دینے کا حکم دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نذرِ معصیت کے متعلق شیخ ابن عثیمین حنبلی کی رائے

اگر کسی شخص نے دوسرے کے غلام کے متعلق نذر مانی کہ وہ اس کو آزاد کرے گا تو اس کی یہ نذر منعقد نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اس کو آزاد کرنے کا مالک نہیں ہے لیکن اس کے اوپر قسم کا کفارہ واجب ہے کیونکہ ہر وہ نذر جس کو انسان منعقد کرے اور اس کو پورا نہ کرے خواہ عذرِ حسی کی وجہ سے یا عذرِ شرعی کی وجہ سے تو اس پر واجب ہے کہ اس نذر کا کفارہ دے جس طرح قسم کا کفارہ دیا جاتا ہے۔

رہی معصیت کی نذر مثلاً کوئی عورت نذر مانے کہ وہ پہلا دن جس میں مجھے حیض آئے گا میں اس میں روزہ رکھوں گی، تو یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوگی کیونکہ یہ نذرِ حرام ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ قسم کا کفارہ دے۔

برائی کو اپنے ہاتھ سے مٹانے پر دلیل

صحیح البخاری: ۶۷۰۲ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا جو لگام کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو آپ نے اس لگام کو کاٹ دیا۔

یعنی یہ لگام اس کی ناک میں لٹکائی ہوئی تھی اور اس کا صاحب اس لگام کو پکڑ کر اسے کھینچ رہا تھا۔ اور اس سے اس طواف کرنے والے کو بھی ضرر ہوتا ہے اور دوسرے طواف کرنے والے کو بھی ضرر ہوتا ہے کیونکہ وہ رسی جو اس کے ناک میں باندھی گئی ہے تو اس کی وجہ سے طواف کرنے والوں پر تنگی ضرور ہوگی، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لگام کو کاٹ دیا اور اس کے صاحب کو حکم دیا کہ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر طواف کرائے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی برے کام کو اپنے ہاتھ سے تبدیل کرنا چاہیے اور جو شخص اس کو تبدیل کرنے پر قادر ہو اس پر تبدیل کرنا واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے متغیر کرے، اگر ہاتھ سے متغیر کرنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے اس کی برائی بیان کرے، اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر دل سے اس برائی کو برا جانے''۔

نذرِ مباح اور نذرِ مکروہ کے حکم کا فرق

نیز شیخ ابن عثیمین ابواسرائیل کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابواسرائیل کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نذرِ مباح یا نذرِ مکروہ یا نذرِ حرام کو معاف نہیں کیا جاتا۔لیکن مباح کے فعل اور اس کے کفارہ دینے میں اختیار دیا جائے گا،اس کے برخلاف جو نذرِ حرام یا مکروہ ہو تو ان سے منع کیا جائے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج۶ص ۶۲۲۔۶۲۴،مکتبۃ الطبری،القاہرہ،۱۴۲۹ھ)

۳۲۔بَابُ: مَنْ نَذَرَ أَنْ يَصُومَ أَيَّامًا فَوَافَقَ النَّحْرَ أَوِ الْفِطْرَ

جس نے چند معین ایام میں روزہ رکھنے کی نذر مانی پھر اتفاق سے وہ ایام عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے تھے،اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ معین ایام میں روزے رکھے گا،پھر اتفاق سے وہ دن عید الفطر کا تھا یا عید الاضحیٰ کا تھا تو کیا اس کے لیے اس دن میں روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟اس کا حکم کیسا ہے؟

اور امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ وہ اکثر ابواب میں اسی طرح کرتے ہیں۔یا تو اس وجہ سے کہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم واضح ہو جائے گا،یا اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ جو شخص اس حدیث سے کوئی حکم مستنبط کرنا چاہے گا تو وہ اس حکم کو معلوم کر لے گا جیسا کہ فقہاء نے اس مسئلہ کے متعلق کہا ہے۔

اور اس باب کا حکم یہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا بالاجماع جائز نہیں ہے اور جس نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی نذر مانی تو فقہاء شافعیہ کے نزدیک وہ نذر منعقد نہیں ہوگی۔اور امام مالک کا بھی مشہور مذہب یہی ہے۔اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی نذر منعقد ہو جائے گی لیکن وہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے اور دوسرے ایام میں اس پر ان روزوں کی قضاء واجب ہے۔اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں کہ اس پر قضاء واجب ہے یا نہیں۔اور کتاب الصوم کے اواخر میں اس مسئلہ پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج۲۳ص ۳۲۹۔۳۳۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۵۔حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا حَكِيمُ بْنُ أَبِي حُرَّةَ الْأَسْلَمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ أَنْ لَا يَأْتِيَ عَلَيْهِ يَوْمٌ إِلَّا صَامَ فَوَافَقَ يَوْمَ أَضْحًى أَوْ فِطْرٍ فَقَالَ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:ہمیں محمد بن ابی بکر المقدمی نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا:ہمیں حکیم بن ابی حرۃ الاسلمی نے حدیث بیان کی کہ بے شک انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا،ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے یہ

لَمْ يَكُنْ يَصُومُ يَوْمَ الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ وَلَا يَرَى صِيَامَهُمَا۔

(صحیح مسلم: ۱۱۳۹، مسند احمد: ۵۲۲۳)

نذر مانی کہ وہ معین دن میں روزہ رکھے گا، پھر اتفاق سے وہ دن عیدالاضحیٰ کا تھا یا عیدالفطر کا تھا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''بے شک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے''۔ (الاحزاب: ۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ عیدالاضحیٰ کو روزہ رکھتے تھے اور نہ عیدالفطر کو روزہ رکھتے تھے، اور ہم ان دونوں میں روزہ رکھنا جائز قرار نہیں دیں گے۔

صحیح البخاری: ۶۷۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس سے اس باب کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے مخصوص ایام میں روزہ رکھنے کی نذر مانی اور ان ایام میں عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کا دن تھا تو اس کے لیے ان دنوں میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن ابی بکر المقدمی، یہ تقدیم سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حکیم بن ابی حُرۃ الاسلمی، یہ المدنی ہیں۔ اور ابوحُرۃ کا نام معلوم نہیں ہو سکا اور صحیح البخاری میں ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''سُئل عن رجل'' یہ جملہ (حضرت) عبداللہ بن عمر سے حال ہے، یعنی انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حال میں سوال کیا جب ان سے ایک مرد کے متعلق سوال کیا جا رہا تھا۔ اور سائل کا نام نہیں لیا گیا، ہو سکتا ہے کہ وہ سائل مرد ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سائل عورت ہو۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے پہلے یہ روایت ذکر کی: امام ابن حبان از کریمہ بنت سیرین روایت کرتے ہیں کہ کریمہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، پس کریمہ نے کہا: میں نے اپنے نفس پر یہ نذر مانی کہ میں ہر بدھ کے دن روزہ رکھوں گی اور بدھ کے بعد جو دن ہو گا اس دن بھی روزہ رکھوں گی، اور وہ دن عیدالاضحیٰ ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس سے اس مبہم کی تفسیر ہو جاتی ہے جو حکیم کی روایت میں ہے (یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرنے والی عورت تھی اور وہ کریمہ بنت سیرین تھی)۔ اس کے برخلاف زیاد بن جبیر کی روایت جس میں یہ مذکور ہے: پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے

سوال کیا۔۔۔۔۔الحدیث (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس شرح پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس شرح پر اعتراض ہے، اس لیے کہ امام ابونعیم نے اس حدیث مذکور کی محمد بن ابی بکر شیخ البخاری سے روایت کی ہے اور اسماعیلی نے بھی ایک اور سند سے اس حدیث کی محمد بن ابی بکر سے روایت کی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرد سے سنا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرتا تھا اس شخص کے متعلق جس نے معین دن میں نذر مانی اور وہ دن عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کا تھا۔ اور یہ زیادہ قریب اور زیادہ اولیٰ ہے اس مبہم کی تفسیر کے لیے بہ نسبت اس کے کہ کسی اجنبی حدیث سے اس مبہم کی تفسیر کی جائے۔ علاوہ ازیں ان میں کوئی منافات بھی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ دو واقعات ہوں، ایک واقعہ میں سوال کرنے والا مرد تھا (جس کی ابونعیم نے اور اسماعیلی نے روایت کی ہے) اور دوسرے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرنے والی عورت تھی (جس کی امام ابن حبان نے کریمہ بنت سیرین سے روایت کی ہے)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری سے پوری عبارت نقل نہیں کی اور اگر وہ پوری عبارت دیکھ لی جائے تو اس پر علامہ عینی کا اعتراضِ مذکور وارد نہیں ہوتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت درج ذیل ہے:

صحیح البخاری کی پہلی روایت جو فضیل بن سلیمان سے مروی ہے اس میں سائل مبہم ہے کہ سوال کرنے والا مرد تھا یا عورت تھی۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا اور یہ اس کو بھی شامل ہے جب سوال کرنے والا مرد ہو اور اس کو بھی شامل ہے جب سوال کرنے والی عورت ہو۔ اور امام ابن حبان کی روایت سے یہ ظاہر ہوا کہ سوال کرنے والی عورت تھی، تو اس روایت سے حکیم بن ابی حرۃ کی روایت جو مبہم ہے اس کی تفسیر ہو جاتی۔ اس کے برخلاف صحیح البخاری کی دوسری روایت (صحیح البخاری: ۶۷۰۶) جو زیاد بن جبیر سے مروی ہے اس میں مذکور ہے: پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے سوال کیا۔ پھر میں نے یوسف بن یعقوب القاضی کی کتاب الصوم میں دیکھا، انہوں نے امام بخاری کے شیخ ابوبکر محمد بن المقدمی سے یہ روایت کی ہے اور اس روایت کو امام ابونعیم نے بھی اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اسی طرح اسماعیلی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے ایک اور سند سے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ انہوں نے ایک مرد سے سنا جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مرد کے متعلق سوال کرتا تھا جس نے معین دن میں نذر مانی اور وہ دن عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کا تھا۔

نیز اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: یوسف بن یعقوب مذکور کی روایت میں یہ عبارت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کو روزہ نہیں رکھتے تھے اور نہ ان دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے، اور اسی کی مثل اسماعیلی کی روایت میں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے یہ کہا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہاں دو واقعات ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد بعد میں بدل گیا۔ پہلے ان کو اس میں تردد تھا کہ جس نے معین دن میں روزہ کی نذر مانی اور وہ دن عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ تھا تو وہ شخص کیا کرے؟ اور بعد میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس دن روزہ نہیں رکھے گا یعنی بعد میں اس روزہ کی قضاء کرے گا۔ اور اس کی پوری تفصیل میں نے کتاب الصوم کے باب ''صوم یوم النحر'' میں بیان کی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٦٧٠٦ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ نَذَرْتُ أَنْ أَصُومَ كُلَّ يَوْمِ ثَلَاثَاءَ أَوْ أَرْبِعَاءَ مَا عِشْتُ فَوَافَقْتُ هَذَا الْيَوْمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ أَمَرَ اللّٰهُ بِوَفَاءِ النَّذْرِ وَنُهِينَا أَنْ نَصُومَ يَوْمَ النَّحْرِ فَأَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ مِثْلَهُ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِ۔

(صحیح مسلم:۱۱۳۹، مسند احمد:۶۱۹۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از یونس از زیاد بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں: میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، پس ان سے ایک مرد نے سوال کیا، سو کہا: میں نے نذر مانی تھی کہ میں ہر منگل کے دن روزہ رکھوں گا یا ہر بدھ کے دن روزہ رکھوں گا جب تک میں زندہ رہوں، پس مجھے یہ اتفاق ہوا کہ وہ دن عیدالاضحیٰ کا دن تھا، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، اس نے دوبارہ سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی مثل جواب دیا اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔

صحیح البخاری: ٦٧٠٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی روایت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن عبید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں زیاد بن جبیر کا ذکر ہے اور جبیر کا لفظ جبر کی تصغیر ہے۔

یہ حدیث کتاب الصوم کے اواخر میں 'باب الصوم فی یوم النحر'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے 'ثلاثاء اوار بعاء'' اس میں راوی کو شک ہے اور یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں کیونکہ اس میں الف ممدودہ تانیث کا ہے جیسے الف حمراء اور صفراء وغیرہ کا ہے۔ اور ان کی جمع ''ثلاثاوات'' اور ''اربعاوات'' آتی ہے۔ یعنی اس نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ جب تک زندہ رہے گا تو وہ ہر منگل یا بدھ کو روزہ رکھے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے 'اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ۔ (الحج:۲۹) اور اپنی نذروں کو پورا کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ہمیں عیدالاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا'' اور عرف شاہد ہے کہ منع کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سائل نے دوبارہ سوال کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسی کی مثل جواب دیا"۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا انتہائی تقویٰ تھا کیونکہ انہوں نے وثوق کے ساتھ کوئی جواب دینے میں توقف کیا، کیونکہ ان کے نزدیک دونوں دلیلیں متعارض تھیں۔

التوضیح میں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے لکھا ہے کہ جس شخص کے نزدیک کسی سوال کا جواب مشکل ہو تو اس کو بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرح توقف کرنا چاہیے، لیکن ائمہ اربعہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ عید الاضحیٰ کے دن روزہ نہ رکھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس روایت کا سیاق یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان کے نزدیک راجح یہ تھا کہ اس دن روزہ نہ رکھے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ ان دنوں میں روزہ نہ رکھے اور دوسرے ایام میں اس پر ان روزوں کی قضاء واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۳- بَابٌ: هَلْ يَدْخُلُ فِي الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ الْأَرْضُ وَالْغَنَمُ وَالزُّرُوعُ وَالْأَمْتِعَةُ؟

کیا قسموں میں اور نذروں میں زمین اور بکریاں اور کھیت اور ساز و سامان داخل ہیں؟

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَالَ عُمَرُ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَصَبْتُ أَرْضًا لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ مِنْهُ قَالَ: إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے نفیس مال مجھے اس سے پہلے نہیں ملا، آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اصل زمین اپنے پاس رکھو اور اس کی پیداوار کو صدقہ کر دو۔

وَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَحَبُّ أَمْوَالِي إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ، لِحَائِطٍ لَهُ مُسْتَقْبِلَةِ الْمَسْجِدِ

اور حضرت ابوطلحہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے اپنے تمام اموال میں سب سے زیادہ پسند "بیرُحاء" ہے، یہ مسجد نبوی کے سامنے ایک باغ تھا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ کیا قسموں اور نذروں میں زمین اور بکریاں اور کھیت اور ساز و سامان داخل ہیں؟ یعنی کیا ان چیزوں کی قسم کھانا یا ان چیزوں کی نذر ماننا صحیح ہے؟ پس قسم کی صورت یہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک اس چادر کے اوپر آگ بھڑک رہی ہے"۔ اور نذر کی صورت یہ ہے جیسے کوئی شخص کہے: یہ زمین اللہ کے لیے نذر ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ وہ یہ بیان کریں کہ مال کا اطلاق ہر مملوک چیز پر ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے نفیس مال مجھے اس سے پہلے نہیں ملا۔ اور

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے اموال میں سب سے زیادہ پسندیدہ مال "بیرحاء" کا باغ ہے۔ اور یہ صحابہ کرام فصاحت اور بلاغت اور زبانِ عرب کی معرفت میں پیشوا اور حجت ہیں۔

اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ پر رد کرنا ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قسم کھائی یا نذر مانی کہ وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے گا تو اس کی قسم اور اس کی نذر کا اطلاق صرف ان اموال پر ہوگا جن اموال میں خصوصیت کے ساتھ زکوٰۃ ہوتی ہے۔ (علامہ ابن ملقن کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

مال کی تفسیر میں فقہاء کا بہت اختلاف ہے، کیونکہ حافظ ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ اور دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ "دوس" ہے اور ان کی لغت میں مال اعیان کا غیر ہے یعنی ساز وسامان اور کپڑوں کا غیر ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک مال کا اطلاق اعیان پر ہوتا ہے جیسے خصوصیت سے سونا اور چاندی۔ اور المطرزی نے کہا ہے کہ مال اس چیز کو کہتے ہیں جو بولتی نہ ہو جیسے سونا اور چاندی اور اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو بولتی ہو۔ اور القالی نے ثعلب سے حکایت کی ہے کہ مال عرب کے نزدیک کم سے کم وہ چیز ہے جس میں زکوٰۃ واجب ہے اور جو اس سے کم ہو تو اس کو مال نہیں کہا جاتا۔ اور ابن سیدہ نے العزیض میں کہا ہے کہ عرب مال کا اطلاق مطلقاً صرف اونٹوں پر کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اونٹوں کو شرف حاصل ہے اور جس کے پاس اونٹ ہوں اس کو غنی شمار کیا جاتا ہے۔ اور انہوں نے کہا: اور بسا اوقات وہ مال کا اطلاق تمام مویشیوں کی اقسام پر کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مال کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے کہ جس کا انسان مالک ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔ (النساء:۵) اور کم عقلوں کو اپنے وہ اموال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔

اور یہ اکثر متاخرین کا مختار ہے۔ پس جب امام بخاری نے یہ اختلاف دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ مال کا اطلاق ہر مملوک چیز پر ہوتا ہے جیسا کہ علامہ المہلب مالکی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے اور جس طرح کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ امام بخاری نے اس قول کو اختیار کیا ہے، لہٰذا صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی کے اس قول کی طرف التفات کی ضرورت نہیں ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے امام ابوحنیفہ پر رد کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ امام بخاری نے مال کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کر لیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ نے مال کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے ایک دوسرے قول کو اختیار کر لیا ہے۔ لہٰذا اس میں امام ابوحنیفہ پر رد کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ لیکن باطل تعصب کی رگ اس طرف کھینچ لیتی ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے: "مجھے ایک زمین ملی ہے اور اس سے زیادہ نفیس مال مجھے اس سے پہلے نہیں ملا"۔ امام بخاری نے یہ تعلیق اس لیے ذکر کی ہے کہ زمین کے اوپر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے اور اس تعلیق کا امام بخاری نے کتاب الوصایا میں سندِ موصول کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس تعلیق میں مذکور ہے" آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو اپنے پاس رکھو" یعنی اس کی اصل کو وقف کر دو۔ اور وہاں اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرنا ہے کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ میرا پسندیدہ مال وہ ہے جو ''بَیرُحاء'' کا باغ ہے، یہ باغ مسجد کے سامنے تھا۔

اس تعلیق میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، ان کا نام حضرت زید بن سہل الانصاری رضی اللہ عنہ ہے۔اس تعلیق میں اس باغ کی طرف اشارہ ہے جو کھجوروں کا باغ تھا اور اس پر مال کا اطلاق کیا گیا ہے۔اور یہ حدیث سندِ موصول کے ساتھ ''باب الزکوٰۃ علی الاقارب'' میں گذر چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۳۱۔۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ مَوْلَى ابْنِ مُطِيعٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَوْمَ خَيْبَرَ فَلَمْ نَغْنَمْ ذَهَبًا وَلَا فِضَّةً إِلَّا الْأَمْوَالَ وَالثِّيَابَ وَالْمَتَاعَ فَأَهْدَى رَجُلٌ مِنْ بَنِي الضُّبَيْبِ يُقَالُ لَهُ رِفَاعَةُ بْنُ زَيْدٍ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَوَجَّهَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى وَادِي الْقُرَى حَتَّى إِذَا كَانَ بِوَادِي الْقُرَى بَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ثور بن زید الدیلی از ابی الغیث مولیٰ ابن مطیع از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ہم نے مالِ غنیمت میں نہ سونا حاصل کیا نہ چاندی سوائے اموال کے اور کپڑوں کے اور ساز و سامان کے، پھر بنو ضبیب کے ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ پیش کیا جس کو رفاعہ بن زید کہا جاتا تھا، اس نے آپ کو ہدیہ میں ایک غلام پیش کیا جس کو مدعم کہا جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف چل پڑے حتیٰ کہ جب آپ وادی القریٰ میں پہنچے اس وقت مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کجاوہ کو اتار رہا تھا، اس کو ایک اجنبی تیر آ کر لگا جس سے اس کی موت ہو گئی، لوگوں نے کہا کہ اس کو جنت مبارک ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اس نے خیبر کے دن مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر کو نکال لیا تھا وہ اس پر آگ کا شعلہ بن کر بھڑک رہی ہے، جب لوگوں نے یہ حدیث سنی تو ایک شخص جوتی کا ایک تسمہ یا دو تسمے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: یہ آگ کا ایک تسمہ ہے، یا آگ کے دو تسمے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳۴، ۶۷۰۷، صحیح مسلم: ۱۱۵، سنن نسائی: ۳۸۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۷۱۱، موطا امام مالک: ۹۹۷)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث سے یہ اشارہ کیا ہے کہ مال کا اطلاق کپڑوں پر اور سامان وغیرہ پر ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن گئے، پس ہم نے سونے اور چاندی کے کو بطور مالِ غنیمت نہیں پایا سوا اموال کے اور کپڑوں کے اور ساز و سامان کے"۔ یہ استثنیٰ منقطع ہے یعنی لیکن اموال کو پایا اور اموال کپڑے اور ساز و سامان ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ "دوس" کی لغت کے مطابق ہے جیسا کہ ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے۔

اس حدیث کی روایات امام مالک سے مختلف ہیں۔ پس ابن القاسم نے امام بخاری کی روایت کی طرح حدیث بیان کی ہے اور یحییٰ بن معین اور ایک جماعت نے امام مالک سے روایت کی ہے اموال، کپڑے اور ساز و سامان۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے جو شیخ بخاری ہیں، یہ ابن اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ثور بن زید الدیلی کا ذکر ہے، اس میں دیل بن ہداد بن زید کی طرف نسبت ہے، یہ ازد کا قبیلہ ہے بنو تغلب اور ضبۃ میں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالغیث کا ذکر ہے، ان کا نام سالم مولیٰ ابن مطیع ہے۔

یہ حدیث کتاب المغازی میں غزوۂ خیبر کے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں رفاعہ بن زید بن وہب کا ذکر ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک جماعت کے ساتھ آئے تھے، ان سب نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوم سے ان کے لیے عقد لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مِدعَم" اس میں میم پر زیر ہے اور عین پر زبر ہے، یہ سیاہ رنگ کے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وادی القریٰ" "القریٰ"، القریۃ کی جمع ہے، یہ مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اذا سھم عائر فقتله" یعنی مدعم کو ایک اجنبی تیر آکر لگا جس نے اس کو قتل کر دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس تیر کو کس نے مارا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شملة" اس کا معنی ہے: چادر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم تصبها المقاسم" یعنی مدعم نے اس چادر کو مالِ غنیمت کی تقسیم سے پہلے لے لیا تھا اور یہ خیانت تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شراك" یہ جوتی کا وہ تسمہ ہے جو سامنے کی جانب ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب مال مطلقاً مذکور ہو تو اس سے مراد عموم ہوتا ہے

یعنی اگر انسان مال کو مطلقاً ذکر کرے تو وہ صرف سونے اور چاندی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس کی قسم یا نذر میں مویشی، کھیت اور ساز و سامان وغیرہ سب داخل ہوتے ہیں سوا اس کے کہ وہ اپنی قسم میں مال کی کسی خاص قسم کا ارادہ کرے۔ اور امام بخاری نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ" مجھے ایک زمین ملی اور اس سے اچھا مال مجھے نہیں ملا" پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مال کا اطلاق زمین پر کیا۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کے سامنے ایک باغ میں جاتے تھے جس کا نام "بیرحاء" تھا، وہاں اس کا خوشگوار اور میٹھا پانی پیتے۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲) تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو O

تب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور میرا پسندیدہ مال یہی باغ ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقہ ہے، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو یہ مال فائدہ مند ہے اور میری رائے ہے کہ تم یہ مال اپنے رشتہ داروں کو دے دو، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال رشتہ داروں کو اور چچا کے بیٹوں کو دے دیا۔ اور اس حدیث سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باغ کو مال فرمایا۔ اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے دن نکلے، پس ہم نے سونے اور چاندی کا مالِ غنیمت نہیں پایا سوا اموال کے اور کپڑوں کے اور ساز و سامان کے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ سونے چاندی کے ماسوا کپڑے اور ساز و سامان وغیرہ پر بھی مال کا اطلاق ہوتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۶ ص ۶۲۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر کو نصاب سے زیادہ دینا جائز ہے، کیونکہ آدھا باغ نصاب کا اکثر حصہ ہے اور یہ امام مالک کا ایک قول ہے۔

(۲) ابوعبدالملک نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اپنے مال میں سے کچھ صدقہ کیا، پھر اسے متعین ہو گیا کہ وہ صدقہ دینا اس کو لازم ہے، اگرچہ وہ صدقہ تہائی مال سے زیادہ ہو۔ اور یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔ اور "نوادر" میں ابن نافع سے منقول ہے کہ اس کو تہائی مال دینا بھی کفایت کرے گا، اور اس پر اعتراض ہے کیونکہ حدیث میں ہے "ابوطلحہ مدینہ کے انصار میں

سب سے زیادہ مال دار تھے، ان کے باغ کی کھجوریں سب سے زیادہ تھیں' اس سے معلوم ہوا کہ ان کے مال کے مقابلہ میں یہ باغ تھوڑا تھا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۹۷۔۳۹۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کے مصداق میں فقہاء کے اقوال

مال کے متعلق امام مالک کی روایات مختلف ہیں۔ابن القاسم نے امام مالک سے امام بخاری کی روایت کی مثل بیان کیا ہے۔ اور یحییٰ بن یحییٰ اور ایک جماعت نے امام مالک سے روایت کی ہے''سوا اموال کے اور متاع کے اور کپڑوں کے''۔اور یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ ''دوس'' کی لغت کے مطابق ہے، کیونکہ وہ اعیان کو مال نہیں کہتے تھے، ان کے نزدیک اموال ساز وسامان اور کپڑے ہیں۔اور دوسروں کے نزدیک مال کا اطلاق خصوصاً سونے اور چاندی پر ہوتا ہے۔اور عرب کے کلام سے معروف یہ ہے کہ جس چیز سے بھی تموّل اور ملکیت حاصل ہو، وہ مال ہے۔

اور امام بخاری نے اس حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ جس نے قسم کھائی یا نذر مانی کہ وہ اپنے تمام مال کو صدقہ کرے گا تو اس کی قسم اور نذر صرف ان اموال پر واقع ہوگی جن میں خصوصیت کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہے۔اور امام مالک اور ان کے متبعین کے نزدیک اس کی قسم ہر اس چیز پر واقع ہوگی جس پر مال کا نام بولا جاتا ہے۔اور اس باب کی احادیث امام مالک کے قول کی تائید کرتی ہیں اور یہی صحیح ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۴۶۔۱۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۴۔ كِتَابُ كَفَّارَاتِ الْأَيْمَانِ

قسموں کے کفاروں کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قسموں کے کفاروں کے حکم کا بیان ہے، اور ''الکفارات'' کا لفظ ''کفارۃ'' کی جمع ہے، یہ کفر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: ڈھانپنا، اسی وجہ سے کسان کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، اسی طرح کفارہ گناہ کو چھپا دیتا ہے۔ اسی طرح جب انسان ہتھیاروں سے ڈھال کو لیتا ہے تو اس کے متعلق بھی کہا جاتا ہے ''کفر الرجل بسلاحہ'' اور اصطلاح میں کفارہ کا معنی ہے: صدقہ وغیرہ سے جو قسم کا تاوان دیا جائے۔

١۔ بَابُ: كَفَّارَاتِ الْأَيْمَانِ

قسموں کے کفاروں کا بیان

قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ (المائدہ:۸۹)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے''۔

وَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ حِينَ نَزَلَتْ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ:۱۹۶)

اور وہ جو نبی ﷺ نے اس وقت حکم دیا جب یہ آیت نازل ہوئی: ''تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے''۔

وَيُذْكَرُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَطَاءٍ وَعِكْرِمَةَ مَا كَانَ فِي الْقُرْآنِ: أَوْ أَوْ، فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ وَقَدْ خَيَّرَ النَّبِيُّ ﷺ كَعْبًا فِي الْفِدْيَةِ۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء اور عکرمہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو ''یا، یا'' کے الفاظ آئے ہیں تو اس کے صاحب کو اختیار ہے۔ اور نبی ﷺ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو فدیہ میں اختیار دیا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے المائدہ:۸۹ کا ایک حصہ ذکر کیا ہے، پوری آیت حسب ذیل ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے،

كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ:۸۹)

جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو O

قسم کے کفارہ کی مقدار میں اختلاف فقہاء

قسم کے کفارہ میں جو دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا ہے اس کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے:

ایک جماعت نے یہ کہا ہے: ہر انسان کو ایک مد (یعنی ایک کلوگرام) طعام کھلائے، یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہی عطاء، القاسم، سالم اور سات فقہاء کا قول ہے۔ اور امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور دوسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ ہر مسکین کو نصف صاع (یعنی دو کلوگرام) گندم کھلائے۔ اور اگر وہ اس کو کھجوریں کھلائے یا جَو تو ہر ایک کو ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) کھلائے۔ یہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور یہی ابراہیم نخعی، الشعبی، ثوری، امام ابوحنیفہ اور تمام فقہائے کوفہ کا قول ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں البقرہ:۱۹۶ کا ذکر ہے جس میں ارشاد ہے: ''تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے''۔ (البقرہ:۱۹۶)

اس آیت میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس باب میں آئے گی۔ اور امام بخاری نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس باب میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں اذیت اور تکلیف کے کفارہ میں اختیار کا بیان ہے جیسا کہ اللہ کی قسم کھا کر توڑنے کے کفارہ میں اختیار کا بیان ہے۔ اور وہ جو قرآن میں لفظ ''اَوْ'' کا ذکر ہے، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ (المائدہ:۸۹)

سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

یعنی اس کفارہ دینے والے کو اختیار ہے، یہ وہ واجب ہے جس میں اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی آئے گی۔ اور یہ وہ کفارہ ہے جس میں اختیار ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء اور عکرمہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ قرآن میں جو ''یا، یا'' کے الفاظ

آئے ہیں تو اس کے صاحب کو اختیار ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو فدیہ میں اختیار دیا''۔

اس تعلیق میں مجہول کا صیغہ ''یُذکر'' بیان کیا گیا ہے اور یہ تمریض کا صیغہ ہے، کیونکہ سفیان ثوری نے اس کی تفسیر میں از لیث بن ابی سُلیم از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ قرآن مجید میں جو بھی لفظ ''او، او'' کے ساتھ مذکور ہے جیسے اس آیت میں ہے ''فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ'' (البقرہ:۱۹۶)، (تو وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے)۔اور قرآن مجید میں جو اس طرح ہو ''فَمَن لَّمْ يَجِدْ'' (البقرہ:۱۹۶)، تو وہ ترتیب کے مطابق ہوگا۔

رہا عطاء بن ابی رباح کا اثر جس کو امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از ابن جُریج، وہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء نے کہا کہ قرآن میں جو لفظ ''او، او'' کے ساتھ مذکور ہے اس میں کفارہ دینے والے کو اختیار ہے وہ جس کو چاہے دے۔

اور رہا عکرمہ کا اثر، تو اس کو امام طبری نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از داؤد بن ابی ہند، انہوں نے کہا کہ ہر وہ چیز جو قرآن میں لفظِ ''او، او'' کے ساتھ ہے، اس میں اختیار دیا جاتا ہے، پس جب اس طرح ہو ''فَمَن لَّمْ يَجِدْ'' تو وہ ترتیب کے ساتھ ہے۔

اس تعلیق میں کعب کا ذکر ہے، اس سے مراد حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل آئے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۴۔۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ أَتَيْتُهُ يَعْنِي النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ ادْنُ فَدَنَوْتُ فَقَالَ أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ وَأَخْبَرَنِي ابْنُ عَوْنٍ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَالنُّسُكُ شَاةٌ وَالْمَسَاكِينُ سِتَّةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از ابن عون از مجاہد از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، از حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ کے پاس آیا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، آپ نے فرمایا: قریب ہو، پس میں قریب ہوا، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں تمہاری جوئیں ایذاء پہنچا رہی ہیں، میں نے کہا: جی ہاں، تو پھر آپ نے فرمایا: ''وہ اس کے بدلہ روزے رکھے یا کچھ صدقہ دے یا قربانی کرے''۔

(البقرہ:۱۹۶)

اور مجھے ابن عون نے خبر دی از ایوب، انہوں نے کہا: تین دن کے روزے اور بکری کی قربانی اور چھ مساکین کو کھانا کھلائے۔

(صحیح مسلم:۱۲۰۱، سنن ترمذی:۹۵۳، سنن نسائی:۲۸۵۱، سنن ابوداؤد:۱۸۵۶، سنن ابن ماجہ:۳۰۷۹، مسند احمد:۱۷۶۴۳، موطا امام مالک:۵۵)

صحیح البخاری:۶۷۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ اس حدیث کے اندر بھی فدیہ میں اختیار کا ذکر

ہے، جیسا کہ قسموں کے کفارہ میں اختیار کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں احمد بن یونس کا ذکر ہے، یہ احمد بن عبداللہ بن یونس ہیں جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابوشہاب کا ذکر ہے جو اصغر ہیں اور ان کا نام عبدربہ بن نافع ہے، یہ درزی ہیں اور صاحب المدائنی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابن عون کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عون بن ارطبان البصری ہیں۔

اور یہ حدیث کتاب الحج میں اپنی شرح کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اتیتہ" یعنی میں آپ کے پاس آیا اور ابو نعیم کی روایت میں ہے "پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھوامك" یہ ھامۃ کی جمع ہے، اور ان کے سر سے جوئیں گر رہی تھیں۔

اس حدیث کی تعلیق میں مذکور ہے "اخبرنی ابن عون" یعنی ابن عون نے از ایوب السختیانی یہ خبر دی ہے کہ روزہ کے فدیہ سے مراد تین دن کے روزے ہیں اور قربانی سے مراد بکری کی قربانی ہے اور صدقہ سے مراد چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفارہ کی مقدار میں فقہاء کے دلائل

امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ میں ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلوگرام) گندم دے۔اور اگر کھجور یا جَو دے تو ایک ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) دے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از یسار بن نمیر روایت کرتے ہیں: انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کسی مرد کو کچھ نہیں دوں گا، پھر مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میں ان کو دوں، پس جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں نے ایسا کیا (یعنی قسم کو توڑ کر اس کے خلاف کیا) تو میری طرف سے دس مسکینوں کو کھلاؤ۔ ہر مسکین کو ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور کھلاؤ یا نصف صاع گندم کھلاؤ۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۵۰۷ طبع قدیم، مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۴۳۹، رقم: ۱۶۳۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ ہر مسکین کو ایک کلوگرام کھلائے۔اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عُرف میں جو متوسط کھانا کھایا جاتا ہے وہ اتنی مقدار ہے جس کو صبح کھائے اور شام کو کھائے اور سیر ہو جائے۔اور عُرف میں یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) جَو کھائے یا ایک صاع (یعنی چار کلوگرام) کھجوریں کھائے۔اور نہ یہ ہے کہ وہ نصف صاع (یعنی دو

کلوگرام) گندم کھائے۔اور حکم غالب پر معلق ہوتا ہے نہ کہ نادر پر۔اور جائز ہے کہ مساکین کو صبح اور شام کو کھلایا جائے۔

علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے: ہمارے نزدیک یہ تمام مقادیر جائز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ (المائدہ:۸۹)''،(قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے)اور اس آیت میں تخصیص نہیں کی گئی،اگر اس نے صبح اور شام کو کھانا کھلا دیا تو اس آیت کا منشاء پورا ہو گیا۔اور امام مالک کی اصل پر جائز ہے ان کو صبح اور شام بغیر سالن کے کھلایا جائے،کیونکہ امام مالک کے نزدیک طعام میں اصل ایک کلو کھانا ہے بغیر سالن کے،اور امام مالک نے کہا ہے کہ زیتون کے تیل سے کھانا یہ سالن کے قائم مقام ہے۔

اور جن کا مذہب یہ ہے کہ ایک کلو گندم کھلائے یا ایک صاع جو کھلائے تو وہ کہتے ہیں کہ روٹی اور دودھ کھلائے یا روٹی اور گھی کھلائے یا روٹی اور زیتون کا تیل کھلائے۔اور انہوں نے کہا:اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ روٹی اور گوشت کھلائے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بغیر سالن کے کھلائے۔اور ان کے نزدیک ادنیٰ درجہ جائز نہیں ہے،کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ''(یعنی متوسط کھانا کھلاؤ)۔

قسم کے کفارہ میں کپڑوں کی مقدار

اس میں بھی اختلاف ہے کہ قسم کے کفارہ میں کپڑوں کی کتنی مقدار کافی ہے:

امام مالک نے کہا: کپڑوں کی اتنی مقدار جس سے نمازی اپنی شرمگاہ کو چھپائے۔پس مرد کا ستر قمیص سے ہو جاتا ہے اور عورت کا ستر قمیص اور دوپٹے سے ہوتا ہے کیونکہ عورت کا پورا جسم عورت ہے۔اور عورت کے لیے نماز میں سوائے چہرہ اور ہاتھوں کے اور کسی عضو کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے یہ کہا ہے: کپڑوں کی اتنی مقدار کافی ہے جس پر کپڑوں کا اطلاق آئے۔اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے''مِنْ اَوْسَطِ''فرمایا اور کپڑوں کا عطف طعام پر ہے،پس جس طرح متوسط طعام کھلایا جاتا ہے اسی طرح متوسط کپڑے پہنائے جائیں۔

قسم کے کفارہ میں جس غلام کو آزاد کیا جاتا ہے اس کا معیار

جس غلام کو آزاد کیا جاتا ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ہر عیب سے سلامت ہو۔

کفارۂ قسم میں روزوں کا بیان

اگر قسم توڑنے والا کھانا کھلانے،کپڑے پہنانے اور غلام آزاد کرنے،تینوں امور سے عاجز ہو گیا تو پھر وہ تین روزے رکھے گا۔آیا وہ مسلسل تین روزے رکھے گا یا متفرق رکھے گا؟اس میں دو قول ہیں:

امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ متفرق روزے رکھنا بھی جائز ہے اور اگر مسلسل روزے رکھے گا تو وہ مستحب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کا مذہب اور امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مسلسل تین روزے رکھے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے:''فصیام ثلثۃ ایام متتابعات''(پس وہ تین روزے مسلسل رکھے)۔اور پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزوں کا ذکر کیا ہے اور اس میں مسلسل روزے رکھنے کی شرط نہیں لگائی جیسا کہ کوئی شخص اذیت کی وجہ سے فدیہ

دے کہ اس کے روزوں میں بھی تسلسل کی شرط نہیں لگائی۔

اگر ایذاء کی وجہ سے سر منڈائے تو سر منڈانے کی مقدار میں اختلاف ہے

جتنی مقدار میں سر منڈانے کی وجہ سے فدیہ واجب ہوتا ہے، امام مالک کے نزدیک سر کے اتنے بال منڈائے جس سے اس کی ایذاء ختم ہو جائے اور زائل ہو جائے اور وہ ٹھیک ہو جائے۔

امام شافعی کے نزدیک تین بالوں کو بھی اگر اس نے منڈا لیا تو اس کے اوپر فدیہ واجب ہو جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کو منڈا لیا تو اس پر فدیہ واجب ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف نے کہا: آدھے سر کو منڈانے سے فدیہ واجب ہوگا اس سے کم سر منڈانے پر فدیہ واجب نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے پورے بدن کے بال مونڈے تو سب کے نزدیک اس پر فدیہ واجب ہے اور اس میں غیر مقلدین کا اختلاف ہے۔

سر منڈانے کے فدیہ میں بکری ذبح کرنے کی تفصیل

سر منڈانے کے فدیہ میں اگر وہ بکری ذبح کرتا ہے تو جہاں چاہے بکری کو ذبح کر دے، یہ امام مالک کا مشہور مذہب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے: حرم کے سوا کسی اور جگہ میں بکری کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ابن الجہم نے کہا ہے کہ وہ مکہ میں بکری کو ذبح کرے۔

سر منڈانے کے فدیہ میں روزوں کی تفصیل

سر منڈانے کے فدیہ میں تین دن روزے رکھے۔ تمام فقہاء کا یہی قول ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے از عکرمہ اور حسن بصری اور نافع سے روایت کی ہے کہ دس دن کے روزے رکھے۔ اور صدقہ بھی دس مسکینوں کو کھلائے۔ اور ہمارے نزدیک اور امام مالک کے نزدیک چھ مسکینوں کو کھلائے، ہر مسکین کو ایک کلو کھلائے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر گندم کھلائے تو ایک کلو کھلائے اور اگر کھجور کھلائے تو چھ مسکینوں کو بارہ کلو کھلائے۔

''ھوام'' کا معنی

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جوؤں کو ''ھوام'' فرمایا، کیونکہ جوئیں سر میں چلتی ہیں اور ''ھوام'' کا معنی چلنا ہے۔

اور الہروی نے کہا ہے: ''ھوام'' سانپوں کو کہتے ہیں اور ہر زہریلے کیڑے کو جو ہلاک کر دیتا ہے۔ اور جو زہریلا ہو اور ہلاک نہ کرے اس کو ''سوام'' کہا جاتا ہے جیسے بچھو اور بتیہ۔ اور انہوں نے کہا: ''ھوام'' میں سے ''قنفذ'' بھی ہے، ''قنفذ'' کا معنی ہے: سیہہ (یہ ایک خاردار جانور ہے جو بلی کے برابر ہوتا ہے جس کے جسم پر تکلے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرہ کے وقت وہ ان کانٹوں کو پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے)۔ اور ''خُنفس'' یعنی گبریلا (یہ بھونرے کی مانند پردار کالا کیڑا ہوتا ہے جو گوبر میں ہوتا ہے) اور جنگلی چوہوں کو بھی ''ھوام'' کہا جاتا ہے کیونکہ یہ زمین پر چلتے ہیں۔

اور ابن فارس نے کہا ہے: ''ھوام'' کا معنی ہے: حشرات الارض یعنی زمین میں رینگنے والے کیڑے مکوڑے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۰۲-۴۰۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم کے کفارہ میں جو غلام آزاد کیا جائے گا، کیا اس کا مومن ہونا ضروری ہے؟

قتلِ خطاء کے کفارہ میں جو غلام آزاد کیا جاتا ہے اس کا مومن ہونا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ (النساء: ۹۲) اور جس نے کسی مسلمان کو خطاءً (بلاقصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

پس جس طرح قتلِ خطاء کے کفارہ میں مومن غلام کو آزاد کرنا ضروری ہے اسی طرح قسم کے کفارہ میں بھی مومن غلام کو آزاد کیا جائے گا۔

اور اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم کی باندی کے اسلام کی آزمائش کی جب انہوں نے اس باندی کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے اس باندی سے سوال کیا: اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان میں، آپ نے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، تو آپ نے حضرت معاویہ بن الحکم سے فرمایا: اس کو آزاد کر دو کیونکہ یہ باندی مومنہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷) اور آپ نے جو فرمایا کہ ''یہ باندی مومنہ ہے'' اس میں اشارہ ہے کہ غیر مومن کو آزاد کرنا مشروع نہیں ہے، کیونکہ جو غیر مومن ہوگا تو بسا اوقات وہ کافروں کے ہاتھ میں چلا جائے گا، پس وہ مسلمانوں کے خلاف مدد کرے گا۔

قسم کے کفارہ میں جو تین روزے رکھے جاتے ہیں، کیا وہ روزے مسلسل رکھے جائیں گے؟

صحیح یہ ہے کہ وہ روزے مسلسل رکھے جانے چاہئیں۔ اور ان روزوں کے درمیان کسی روزہ کو چھوڑنا جائز نہیں ہے سوائے عذر کے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے تھے: ''فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام متتابعات'' یعنی جو غلام آزاد نہ کر سکے یا کھانا نہ کھلا سکے تو وہ تین دن کے مسلسل روزے رکھے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان قُرّاء میں سے ہیں جن کی قراءت کی اتباع کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تر و تازہ قرآن پڑھنا چاہے وہ ابن ام عبد کی قراءت سے پڑھے''۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۸) یعنی وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق پڑھے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۸۔۹، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابٌ:

باب

قَوْلِهٖ تَعَالٰى: قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (التحریم: ۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے O''

مَتَى تَجِبُ الْكَفَّارَةُ عَلَى الْغَنِيِّ وَالْفَقِيرِ؟ غنی (خوشحال) اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوتا ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا ذکر کیا جائے گا: ''(اے مسلمانو!) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکم والا ہے۔'' (التحریم: ۲)

اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے ''باب اس بیان میں کہ غنی اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوگا؟'' اور اس کے بعد التحریم: ۲ کا ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: مناسب یہ تھا کہ اس آیت کا اس باب سے پہلے باب میں ذکر کیا جاتا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: زیادہ مناسب یہ تھا کہ اس باب میں سورۃ التحریم کی تفسیر ذکر کی جاتی اور یہ بیان کیا جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں سے حلال ہونے کے لیے کفارہ کو مقرر فرما دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۰۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ فِيهِ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا شَأْنُكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ تَسْتَطِيعُ تُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ فَجَلَسَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ قَالَ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا فَضَحِكَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ قَالَ أَطْعِمْهُ عِيَالَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: میں نے ان کے منہ سے سنا ہے از حمید بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد نے آکر کہا: میں ہلاک ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ تو اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، سو وہ بیٹھ گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ''عرق'' آیا جس میں کھجوریں تھیں۔ ''عرق'' کا معنی ہے: بڑا ٹوکرا۔ آپ نے فرمایا: ان کھجوروں کو لے جاؤ اور ان کو صدقہ کر دو، اس نے پوچھا: کیا ہم سے بھی زیادہ تنگدست کے اوپر؟ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہو گئیں، آپ نے فرمایا: یہ کھجوریں تم اپنے گھر

والوں کو کھلا دو۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۸۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۷۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے ''غنی اور فقیر پر کفارہ کب واجب ہوتا ہے؟'' اور اس حدیث میں فقیر کے اوپر رمضان کے روزہ توڑنے کے کفارہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زُہری، وہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوف، یہ زُہری ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ کتاب الصوم میں اس حدیث کو ابوالیمان سے روایت کیا ہے اور کتاب الہبہ والنذور میں اس کو محمد بن محبوب سے روایت کیا ہے اور کتاب الادب میں اس کو موسیٰ بن اسماعیل سے روایت کیا ہے اور کتاب النفقات میں احمد بن یونس سے روایت کیا ہے اور کتاب المحاربین میں قتیبہ سے روایت کیا ہے اور اس پر تفصیلی بحث کتاب الصوم میں آ چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''سمعته من فيه'' یعنی سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو زُہری کے منہ سے سنا ہے۔ اور امام بخاری کی غرض اس سے یہ ہے کہ یہ حدیث معنعن نہیں ہے جو تدلیس کا وہم پیدا کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ایک مرد آیا''۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مرد کا نام سلمہ بن صخر البیاضی تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''هلكت'' اس شخص کی مراد یہ تھی کہ اس سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے یہ گناہ عمداً ہو گیا تھا۔ اور جو بھولے سے رمضان کا روزہ توڑ لے اس کے متعلق اختلاف ہے: امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اور ابن الماجشون نے کہا ہے کہ اس پر کفارہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وما شانك'' یعنی تمہارا کیا حال ہے؟ اور تم پر کیا چیز جاری ہوئی ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو''۔ اس حدیث سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اس پر استدلال کیا ہے کہ جماع کا کفارہ مرتب ہے اور ابنِ حبیب کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ اور امام مالک سے منقول ہے کہ اس پر کھانا

کھلانے کے علاوہ اور کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اور الحسن البصری نے کہا ہے: اس پر غلام کو آزاد کرنا ہے، یا ایک اونٹ کی قربانی دینا ہے، یا چالیس مسکینوں کو بیس صاع (۸۰ کلوگرام) کھانا کھلانا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''المکتل'' اس کا معنی ہے: اتنا بڑا تھیلا جس میں پندرہ سیر یا اس سے زیادہ کھجوریں آسکیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی بدت نواجذہ'' یعنی حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ نواجذ آخری دانتوں کو کہتے ہیں۔ پہلے دانت ثنایا ہیں پھر رباعیات ہیں، پھر الانیاب ہیں، پھر الضواحک ہیں، پھر الارحاء ہیں اور پھر نواجذ ہیں۔

الاصمعی نے کہا ہے: ''النواجذ'' ڈاڑھوں کو کہتے ہیں اور یہی ظاہر حدیث ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کے ہنسنے کا سبب اس جماع کرنے والے پر کفارہ کا وجوب ہے اور اس کا اس صدقہ کو لینا حالانکہ وہ اس میں گناہ گار نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم اسی کے ساتھ مخصوص تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۶۔ ۳۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۰۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی انسان کفارہ کے نصاب کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ کفارہ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، کیونکہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟ پھر فرمایا: دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہو؟ پھر فرمایا: تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہو؟

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عبادات میں انسان کے قول کو قبول کیا جاتا ہے، کیونکہ جب اس مرد نے کہا کہ میں طاقت نہیں رکھتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قول کو قبول فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم اس پر گواہ لاؤ۔

(۳) اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان ہے کیونکہ آپ نے اس مرد کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی حالانکہ اس نے ایک سنگین کام کیا تھا کیونکہ اس مرد نے خود کہا کہ میں رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر کے ہلاک ہوگیا۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ اس لیے نہیں کی کہ وہ خود توبہ کرتا ہوا آیا تھا۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص کفارہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور یہی قول صحیح ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے ذمہ میں کفارہ باقی ہے۔

(۶) بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کے ذمہ بھی کفارہ باقی تھا لیکن یہ ظاہر حدیث کے خلاف ہے اور قرآن اور حدیث کے عمومات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ عجز کے ساتھ وجوب نہیں ہوتا۔

(۷) اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے حتیٰ کہ آپ کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، لیکن یہ جاننا واجب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت کم ہنستے تھے، زیادہ تر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قہقہہ لگانا ثابت نہیں ہے۔ تاہم کسی تعجب خیز بات پر ہنسنا بھی

شریعت میں ثابت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہنستا ہے۔

(۸) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اس مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھ سے زیادہ تو مدینہ میں کوئی محتاج اور ضرورت مند نہیں ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ سائل اگر محتاج ہو تو اس کے لوگوں سے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۰۔ ۱۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۔ بَابُ: مَنْ أَعَانَ الْمُعْسِرَ فِي الْكَفَّارَةِ

جس شخص نے کفارہ کی ادائیگی میں کسی تنگدست کی مدد کی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کفارہ کی ادائیگی میں کسی تنگدست کی مدد کرے تو یہ جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم فَقَالَ هَلَكْتُ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالَ وَقَعْتُ بِأَهْلِي فِي رَمَضَانَ قَالَ تَجِدُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَتَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِعَرَقٍ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ اذْهَبْ بِهٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ قَالَ أَعَلَى أَحْوَجَ مِنَّا يَا رَسُولَ اللهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ مِنَّا ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن محبوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از الزہری از حمید بن عبدالرحمن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں ہلاک ہو گیا، آپ نے فرمایا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا، آپ نے فرمایا: کیا تم آزاد کرنے کے لیے ایک غلام پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو، اس نے کہا: نہیں، پھر انصار میں سے ایک مرد عَرَق لے کر آیا اور ''عَرَق'' کا معنی ہے: بڑا ٹوکرا جس میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: یہ لے جاؤ اور ان کو صدقہ کر دو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم سے بھی زیادہ محتاج پر؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! ان دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان کوئی گھر والا ایسا نہیں ہے جو ہم سے زیادہ محتاج ہو، پھر آپ نے

فرمایا: جاؤ یہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۷۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہی روایت ہے جو دوسری سند کے ساتھ ہے، اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھجوروں کا تھیلا یا ٹوکرا دیا اور فرمایا: جاؤ اس کو صدقہ کرو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن محبوب کا ذکر ہے، یہ بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد العبدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، یہ ابن راشد ہیں جو زہری سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ما بین لابتیھا" یہ "لابۃ" کا تثنیہ ہے اور یہی "الحرۃ" ہے یعنی مدینہ کی دو طرفوں کے درمیان۔ اور "الحرۃ" کا معنی ہے: سیاہ پتھریلی زمین۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص تنگدستی کی وجہ سے کفارہ واجبہ کو ادا کرنے سے قاصر ہو تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ اور اسی طرح قسم کے کفارہ میں بھی ہے۔ پس اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص فقیر اور تنگدست ہے اور اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے تو وہ اس کو کوئی ایسی چیز ہدیہ دے یا اس کے پاس کوئی چیز بھیجے جس سے وہ کفارہ ادا کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بغیر حلف طلب کرنے کے بھی حلف اٹھانا جائز ہے، کیونکہ اس شخص نے کہا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے"۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلبہ ظن کی بناء پر قسم کا اٹھانا جائز ہے، کیونکہ اس شخص نے قسم اٹھا کر کہا کہ مدینہ میں اس سے زیادہ فقیر اور کوئی گھر نہیں ہے۔ اور یہ معلوم تھا کہ اس مرد نے مدینہ کے تمام گھروں کا طواف نہیں کیا اور یہ تجسس نہیں کیا کہ آیا ان گھروں میں اس سے زیادہ کوئی فقیر ہے یا نہیں، لیکن اس کا غلبہ ظن یہ تھا کہ وہ مدینہ میں سب سے زیادہ فقیر ہے، اس لیے اس نے قسم اٹھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مقرر رکھا۔

(۴) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی فقیر نہ ہو کیونکہ اس مرد پر پورا لباس تھا ہوسکتا ہے مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہوں جن کو پورا لباس میسر نہ ہو، یا لباس تو میسر ہو لیکن ان کے اوپر قرض بہت زیادہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے یہ غلبہ ظن کی بناء پر قسم کھائی تھی تحقیقاً قسم نہیں کھائی تھی۔

(۵) جس شخص نے قسم کھائی ہو اور اس پر کفارہ کی ادائیگی کے لیے کوئی چیز نہ ہو تو کیا اس پر واجب ہے کہ اگر کوئی اس کی مدد کرے تو وہ اس کو قبول کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر واجب تو نہیں ہے لیکن اگر وہ قبول کر لے تو یہ جائز ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۲۔ ۱۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۔ بَابٌ: يُعْطِي فِي الْكَفَّارَةِ عَشَرَةَ مَسَاكِينَ قَرِيبًا كَانَ أَوْ بَعِيدًا

کفارہ میں دس مسکینوں کو دے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے ہوں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے کہ ''کفارہ میں دے'' یعنی قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو دے جیسا کہ قرآن مجید کی نص صریح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔ (المائدہ:۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا۔

اس کے بعد امام بخاری نے عنوان میں لکھا ''عام ازیں کہ وہ مساکین قریب ہوں یا بعید ہوں''۔ اور ''عشرۃ'' کی مناسبت سے ''قریبۃ او بعیدۃ'' نہیں کہا کیونکہ اس میں لفظ ''مساکین'' کی رعایت کی۔ یا اس اعتبار سے کہ فعیل کا وزن مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ (الاعراف:۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے O

اس آیت میں بھی ''رحمۃ'' کی مناسبت سے ''قریبۃ'' نہیں فرمایا کیونکہ فعیل کا وزن مذکر اور مونث میں برابر ہوتا ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں ''العشرۃ'' کے ذکر کی کوئی توجیہ نہیں ہے، کیونکہ یہ عنوان قسم کے کفارہ کے متعلق ہے اور اس باب کی حدیث رمضان کے روزہ میں جماع کرنے کے کفارہ کے متعلق ہے، پس یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے اس اعتراض کا جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کا ذکر مبہم ہے کیونکہ اس میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ دس مسکین اس کے رشتہ دار ہوں یا بعید ہوں۔ اور اس باب کی حدیث میں جو جماع

کے کفارہ کا ذکر ہے اس میں قریبی رشتہ داروں کا ذکر ہے کیونکہ حدیث میں مذکور ہے، آپ نے فرمایا: "یہ کھجوریں اپنے گھر والوں کو کھلاؤ" اور یہ حدیث مُفسَّر ہے اور مُفسر مُجمل پر راجح ہوتی ہے اور امام بخاری نے قسم کے کفارہ کو جماع کے کفارہ پر قیاس کیا ہے کہ جب جماع کا کفارہ رشتہ داروں پر خرچ کرنا جائز ہے تو بعید لوگوں پر اس کو خرچ کرنا بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا۔ (علامہ المہلب کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

علامہ المہلب کا یہ جواب اس صورت میں جاری ہوگا جب حدیث میں مذکور "یا اپنے گھر والوں کو کھلاؤ" کو اس پر محمول کیا جائے کہ ان کو بطور کفارہ کے کھلاؤ نہ بطور صدقہ کے، اس لیے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کفارہ اپنے گھر والوں میں سے کسی ایک کو بھی کھلایا جائے جن پر خرچ کرنا اس شخص پر لازم ہے، لیکن اگر اس پر خرچ کرنا لازم نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ رمضان کے روزہ کے کفارہ سے اس عنوان کی مناسبت یہ ہے کہ شاید اس کے گھر والے دس افراد پر مشتمل ہوں لیکن علامہ کرمانی کا یہ جواب فضول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۷۔۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا شَأْنُكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ فَقَالَ خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنَّا مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَفْقَرُ مِنَّا ثُمَّ قَالَ خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از حمید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں ہلاک ہوگیا، آپ نے فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا، آپ نے فرمایا: کیا تم آزاد کرنے کے لیے غلام پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ اس نے کہا: میں نہیں کرسکتا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک "عرق" (بڑا ٹوکرا) آیا جس میں کھجوریں تھیں، آپ نے فرمایا: یہ لے جاؤ اور ان کو صدقہ کردو، پس اس نے کہا: کیا ہم سے بھی زیادہ محتاج پر؟ مدینہ کی دو سیاہ پتھریلی زمینوں کے درمیان ہم سے زیادہ محتاج تو کوئی ہے نہیں، پھر آپ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۷۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مذکور کی دوسری سند ہے۔ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن مسلمہ کا ذکر ہے، یہ القعنبی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حُمید کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن ہیں۔
اس حدیث کی باقی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مصنف کے نزدیک حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ عدم مطابقت

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں دس مسکینوں کے کفارہ کا ذکر ہے اور باب کی حدیث میں رمضان کے روزہ میں اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے کفارہ کا ذکر ہے اور اس کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے نہ کہ دس مسکینوں کو۔ نیز اس باب کے عنوان میں مذکور ہے کہ ''خواہ وہ مساکین اس کے قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے رشتہ دار ہوں'' اور حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو کھجوروں کا ٹوکرا دے کر فرمایا: یہ اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔ اور اس کو کفارہ پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ کفارہ کا طعام اپنے گھر والوں کو کھلانا جائز نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اس حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے تو پھر امام بخاری کا عنوان میں یہ لکھنا کہ ''کفارہ میں دس مسکینوں کو دے خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا دور کے ہوں'' صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں تو کفارہ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا اس کی وجہ وہ خود ہی جانتے ہوں گے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵- بَابٌ: صَاعِ الْمَدِيْنَةِ وَمُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَبَرَكَتِهِ وَمَا تَوَارَثَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذٰلِكَ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ	مدینہ منورہ کا ''صاع'' (چار کلوگرام) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ''مُد'' (ایک کلوگرام) اور اس کی برکت، اور بعد میں اہلِ مدینہ کو جو یہ صاع اور مد نسل در نسل ملا، اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''صاع'' کا بیان ہے اور اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ واجبات کی ادائیگی میں اہلِ مدینہ کے صاع کے حساب سے طعام کو نکالنا واجب ہے، کیونکہ ابتداءً شرعی امور اسی کے مطابق واقع ہوئے حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں اضافہ کیا گیا جیسا کہ عنقریب آئے گا۔
علامہ کرمانی نے لکھا ہے: یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ''مُد'' کی برکت، یا ''مُد'' اور ''صاع'' دونوں کی برکت۔
علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

زیادہ بہتر ہے کہ یوں کہا جائے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت'' کیونکہ آپ نے دعا کی تھی: ''اے اللہ! ان کے پیمانوں میں برکت عطا فرما، ان کے ''صاع'' میں اور ان کے ''مد'' میں''۔ اور عنقریب اس کا بیان حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آئے گا۔ اور امام بخاری نے کہا ہے: اور وہ جو اہلِ مدینہ کا توارث ہے یعنی اہلِ مدینہ جو نسل در نسل عمل کرتے رہے اور امام بخاری کے زمانہ تک اس میں تغیر نہیں ہوا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام ابو یوسف جب امام مالک کے ساتھ مدینہ میں جمع ہوئے اور ان کے درمیان ''صاع'' کی مقدار میں مناظرہ ہوا تو امام ابو یوسف نے کہا کہ ایک صاع آٹھ رطل کا ہے (ایک رطل نصف کلو کے برابر ہے) اور امام مالک کھڑے ہوئے اور اپنے گھر میں گئے اور صاع کے پیمانہ کو نکالا اور یہ کہا کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاع ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا: میں نے اس کو پانچ رطل اور ایک تہائی کے برابر پایا، پس امام ابو یوسف نے امام مالک کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کی مخالفت کی۔ سو اس باب کو کتاب الکفارات میں ذکر کرنے کی یہ توجیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ قسم کا کفارہ دس مساکین کو طعام کھلانا ہے جو دس مد کے برابر ہے۔ اور روزہ میں جماع کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھلانا ہے اور یہ ساٹھ مد کے برابر ہے۔ اور قسم کا کفارہ تین صاع چھ مسکینوں کو کھلانا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۲۸-۳۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۲- حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ الْمُزَنِيُّ حَدَّثَنَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ الصَّاعُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مُدًّا وَثُلُثًا بِمُدِّكُمُ الْيَوْمَ فَزِيدَ فِيهِ فِي زَمَنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ۔ (سنن نسائی: ۲۵۱۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں القاسم بن مالک المزنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجعید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صاع کا پیمانہ تمہارے آج کل کے مد کے اعتبار سے ایک مد اور تہائی مد کے برابر تھا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں اضافہ کیا گیا۔

صحیح البخاری: ۶۷۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں اہلِ مدینہ کے صاع اور مد کا ذکر ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صاع کا پیمانہ آج کل کے ایک مد اور تہائی کے برابر تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم بن مالک المزنی، (المزنی میں میم پر پیش ہے اور زاء پر زبر ہے)۔ اور اس حدیث کی سند میں الجعید مذکور ہے، (جعید میں جیم پر پیش ہے اور عین پر زبر ہے)، اور ان کو ابن اوس الکندی المدنی کہا جاتا ہے۔ اور اس

حدیث کی سند میں السائب بن یزید کا ذکر ہے، یہ بھی الکندی ہیں اور ان کو اللیثی بھی کہا جاتا ہے اور الازدی المدنی بھی کہا جاتا ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع میں سماع کیا تھا، اس وقت ان کی عمر سات سال تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی اور اکیانوے (۹۱) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

یہ حدیث کتاب الحج میں گزر چکی ہے اور کتاب الاعتصام میں بھی آئے گی۔ امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الزکوٰۃ میں عمرو بن زرارۃ سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بمد کم الیوم" یعنی جب حضرت سائب نے ان کو یہ حدیث بیان کی تو ان کا مد چار "رطل" کا تھا اور پھر اس میں جب ایک تہائی کا اضافہ کیا گیا اور وہ ایک رطل اور تہائی ہے تو اس کی مقدار پانچ رطل اور ایک تہائی ہوگئی، اور یہ صاع بغدادی ہے۔ اس دلیل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مد ایک رطل اور تہائی تھا اور آپ کا صاع چار مد کے برابر تھا۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اس میں اضافہ کیا گیا، سو اس کا ہمیں علم نہیں ہے اور یہ حدیث صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کا مد تین مد کے برابر تھا۔ اور کتاب الطہارۃ کے باب الوضوء میں اس کی شرح کی جا چکی ہے اور مد اور صاع کا اختلاف بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۳۸۔۳۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۳۔ حَدَّثَنَا مُنْذِرُ بْنُ الْوَلِيدِ الْجَارُودِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ وَهُوَ سَلْمٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يُعْطِي زَكَاةَ رَمَضَانَ بِمُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم الْمُدِّ الْأَوَّلِ وَفِي كَفَّارَةِ الْيَمِينِ بِمُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَبُو قُتَيْبَةَ قَالَ لَنَا مَالِكٌ مُدُّنَا أَعْظَمُ مِنْ مُدِّكُمْ وَلَا نَرَى الْفَضْلَ إِلَّا فِي مُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَقَالَ لِي مَالِكٌ لَوْ جَاءَكُمْ أَمِيرٌ فَضَرَبَ مُدًّا أَصْغَرَ مِنْ مُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تُعْطُونَ قُلْتُ كُنَّا نُعْطِي بِمُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَفَلَا تَرَى أَنَّ الْأَمْرَ إِنَّمَا يَعُودُ إِلَى مُدِّ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں منذر بن الولید الجارودی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوقتیبہ نے حدیث بیان کی اور وہ سلم ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رمضان میں صدقہ فطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے مد کے اعتبار سے نکالتے تھے، اور قسم کے کفارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے نکالتے تھے۔

ابوقتیبہ نے بیان کیا: ہم سے امام مالک نے کہا: ہمارا مد تمہارے مد سے بڑا ہے اور ہمارے نزدیک فضیلت صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد میں ہے۔ اور مجھ سے امام مالک نے کہا: اگر تمہارے پاس کوئی ایسا امیر آئے جو مد کا پیمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے چھوٹا قرار دے تو تم کون سے مد کے اعتبار سے صدقہ فطر دو گے؟ تو میں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے صدقہ فطر دیں گے، امام مالک نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد ہی کی طرف رجوع کرتا ہے!

صحیح البخاری: ۶۷۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مُنذِر کا ذکر ہے، یہ اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور انذار سے بنا ہے، یہ ابوالولید الجارودی ہیں۔ الرشاطی نے کہا ہے کہ الجارودی قبیلہ عبدالقیس میں الجارود کی طرف نسبت ہے اور یہ بشر بن عمرو ہیں جو الجرد سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوقُتیبہ کا ذکر ہے (اس میں قاف پر پیش ہے) اور یہ ''قتبة الرحل'' کی تصغیر ہے، ان کا نام سَلم (سین پر زبر اور لام ساکن) ہے، یہ ابوقتیبہ الشعیر ی الخراسانی ہیں، یہ بصرہ میں رہائش پذیر تھے اور دوصدی ہجری کے بعد فوت ہو گئے، امام بخاری نے ان کو ان کی عمر میں پایا اور ان سے ملاقات سے پہلے امام بخاری کی وفات ہو گئی۔ اور یہ سَلم بن قتیبہ الباہلی کے علاوہ ہیں جو قتیبہ بن مسلم کے بیٹے تھے اور امیرِ خراسان تھے اور یہ الشعیر ی سے عمر میں بڑے ہیں، اور ان کی وفات سے پانچ سال سے زیادہ پہلے فوت ہو گئے۔

یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔ اور یہ حدیث غریب ہے، امام مالک نے اس کو صرف ابوقُتیبہ سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے صرف المنذر نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یُؤتی زکوٰۃ رمضان'' اس سے مراد ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر دیتے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''المُدّ الاول'' یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے حساب سے صدقہ فطر نکالتے تھے اور نافع نے اس سے یہ نکالا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مد کے اعتبار سے صدقہ فطر نہیں نکالتے تھے جس کو ہشام بن حارث نے ایجاد کیا تھا۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: مُد اول وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مد تھا اور ثانی وہ مد ہے جس میں اضافہ کیا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وفی کفارۃ یمین بمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما قسم کے کفارہ میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے کفارہ دیتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابوقتیبہ نے کہا: مجھ سے امام مالک بن انس نے کہا: اگر تمہارے پاس کوئی امیر آئے اور وہ ایسا مد مقرر کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد سے کم ہو تو تم کس چیز کے اعتبار سے صدقہ فطر نکالو گے یا قسم کا کفارہ دو گے؟''۔

اس حدیث سے امام مالک نے اپنے خصم کو الزام دینے کا ارادہ کیا ہے بایں طور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے علاوہ اور کوئی مرجع نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ وَصَاعِهِمْ وَمُدِّهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دعا کی: اے اللہ! ان کے مکیال (کیل کے پیانوں) اوران کے
صاع میں اوران کے مد میں برکت عطا فرما۔

(صحیح البخاری: ۲۱۳۰، ۶۷۱۴، ۷۳۳۱، صحیح مسلم: ۱۳۶۸، موطا امام مالک: ۱۶۳۶، سنن دارمی: ۲۵۷۵)

صحیح البخاری: ۶۷۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اللھم بارك لھم" یعنی اے اللہ! اہلِ مدینہ کے پیانوں میں برکت عطا فرما۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فی مکیالھم" مکیال اس پیانہ کو کہتے ہیں جس سے ناپ ناپ کر غلہ دیا جاتا ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ دعا اس مد کے ساتھ خاص ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مد تھا حتیٰ کہ جو مد بعد میں حادث ہوا، اس کو یہ دعا شامل نہیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دعا اہلِ مدینہ کے قیامت تک کے تمام پیانوں کو شامل ہو۔اور ظاہر یہی دوسرا محمل ہے لیکن امام مالک کا جو کلام پہلے گزرا ہے وہ پہلے احتمال کی تائید کرتا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفارات میں "مُد" کے پیانہ کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صدقہ فطر میں اور قسم کے کفارہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مد کے اعتبار سے غلہ یا طعام دیا کرتے تھے اور اس مد سے مراد وہ مد ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پہلے مُروّج تھا تاکہ اس مد میں اور بعد میں ہشام نے اہلِ مدینہ کے لیے کفارۂ ظہار میں جو مد حادث کیا اس سے فرق ہوجائے۔کفارۂ ظہار میں کفارہ کی مقدار متظاہرین پر زیادہ رکھی جن کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کی پشت میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس قول کو بُرا اور جھوٹ قرار دیا، تو چونکہ یہ قول بُرا اور جھوٹ تھا تو اس لیے ہشام نے کفارۂ ظہار کے اندر اس مد کو معیار بنایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مد سے مقدار میں دو تہائی زیادہ تھا۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ہی مد تھا اور یہ وہ ہے جس کو اہلِ مدینہ نے نقل کیا اور اب تک لوگ اس پر عمل کررہے ہیں۔

اور قسموں کے کفارہ میں فقہاء کے دو قول ہیں:

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ تمام کفارات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مد کا اعتبار ہوگا اور ہر مسکین کو ایک ایک مد دیا جائے گا۔اسی طرح جو رمضان کے روزہ میں کمی کرے تو وہ بھی اسی مد کے اعتبار سے صدقۂ فطر دے گا اور یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے، جیسا کہ ان احادیث میں ہے۔

اور اہلِ عراق نے یہ کہا ہے کہ تمام کفارات میں ہر مسکین کو دو دو مد دیے جائیں گے، جیسا کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ وہ ہر مسکین کو نصف صاع دیں۔

(ایک مُد ایک کلوگرام کے برابر ہے اور دو مُد دو کلوگرام کے برابر ہے اور نصف صاع سے بھی یہی مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ عراق کے نزدیک فدیہ اور کفارہ میں دو کلو طعام دیا جائے گا اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ایک کلوگرام طعام دیا جائے گا۔)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ (المائدہ: ۸۹) وَأَيُّ الرِّقَابِ أَزْكَى؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یا ایک غلام آزاد کرنا ہے" اور کون سے غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا ذکر ہے "أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ" یہاں پر پوری آیت کو ذکر نہیں کیا اور آیت کا ایک جزو ذکر کیا ہے، اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ غور و فکر کرنے والا پوری آیت کو نکال لے گا اور وہ یہ ہے:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْأَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ أَهْلِيْكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ ۚ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَاحْفَظُوْا أَيْمَانَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (المائدہ: ۸۹)

اللہ تمہاری بے مقصد قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری پختہ قسموں پر تمہاری گرفت فرمائے گا، سو ان کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا کھلانا ہے جیسا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان مسکینوں کو کپڑے دینا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جو ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو ○

غلام کو آزاد کرنے کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ہے کفارہ قسم میں غلام کو آزاد کرنا اور یہ مطلق ہے اور دوسری قسم ہے: کفارہ قتلِ خطاء میں غلام کو آزاد کرنا اور اس غلام میں یہ قید ہے کہ وہ غلام مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلٰٓى أَهْلِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّصَّدَّقُوْا۔ (النساء: ۹۲)

اور جس نے کسی مسلمان کو خطاءً (بلاقصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔

اسی وجہ سے یہاں پر فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا مذہب یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، یعنی کفارہ قسم میں بھی مومن غلام کو آزاد کیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور ابو ثور اور ابن المنذر کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ قسم میں کافر غلام کو آزاد کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس باب کے اندر باقی کلام کتب اصول اور

فروع میں مذکور ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے: "کون سا غلام آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟" افضل غلام وہ ہے جس کی قیمت زیادہ ہو اور جو غلام مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔ اور کتاب العتق کے اوائل میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث گزری ہے، اس میں مذکور ہے کہ "پس میں نے پوچھا: کون سے غلام کو آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جس غلام کی قیمت زیادہ ہو"۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اسم تفضیل کا صیغہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اصلِ تفضیل میں اشتراک ہو۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ امام بخاری کی "ازکی" سے مراد اسلام ہو، اور علامہ کرمانی نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس سے مراد ہے وہ غلام مسلمان ہو۔ لہٰذا کفارہ قسم میں کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ حکم ہے کہ یہاں پر مطلق غلام مراد ہو، کیونکہ انہوں نے اس کی تفصیل یہ کی ہے کہ جس غلام کی قیمت زیادہ ہو اور وہ مالکوں کے نزدیک زیادہ نفیس ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧١٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ رُشَيْدٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي غَسَّانَ مُحَمَّدِ بْنِ مُطَرِّفٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ مَرْجَانَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد الرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں داؤد بن رُشید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی از ابی غسان محمد بن مطرِّف از زید بن اسلم از علی بن حسین از سعید بن مرجانہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں غلام آزاد کرنے والے کا ہر عضو دوزخ سے آزاد کردے گا حتیٰ کہ غلام آزاد کرنے والے کی شرمگاہ کو غلام کی شرمگاہ کے بدلہ میں دوزخ سے آزاد کردے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۱۷، ۶۷۱۵، صحیح مسلم: ۱۵۰۹، سنن ترمذی: ۱۵۴۱، مسند احمد: ۱۰۴۲۲)

صحیح البخاری: ۶۷۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت لفظِ "رقبة" میں ہے، یعنی باب کے عنوان میں بھی "تحریر رقبة" کا

لفظ ہے اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے ''من اعتق رقبۃ'' یعنی جس نے ایک غلام کی گردن کو آزاد کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبدالرحیم، یہ صاعقہ کے نام سے معروف ہیں اور امام بخاری ان سے حدیث روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں داؤد بن رُشَید کا ذکر ہے، یہ رُشد کی تصغیر ہے، یہ بغدادی ہیں اور دو سو سینتیس (۲۳۷ھ) میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الولید بن مُسلم، یہ القرشی الاموی الدمشقی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوغسان، یہ محمد بن مُطَرِّف کی کنیت ہے (یہ تفریط سے اسم فاعل کا صیغہ ہے) اور اس حدیث کی سند میں زید بن اسلم کا ذکر ہے، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کی کنیت ابواسامہ العدوی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں علی بن حُسین کا ذکر ہے، یہ ابن علی بن ابی طالب ہیں رضی اللہ عنہم، اور یہ زین العابدین کے لقب سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعید بن مرجانہ کا ذکر ہے، مرجانہ سعید کی ماں کا نام ہے اور ان کے والد وہ عبداللہ العامری ہیں۔

اس سند میں تین تابعین ایک درجہ کے ہیں زید، علی اور سعید اور یہ تینوں مدنی ہیں۔

یہ حدیث اوائلِ عتق میں ایک اور سند کے ساتھ گزر چکی ہے از سعید بن مرجانہ اور وہاں اس سند پر گفتگو ہو چکی ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے از داؤد بن رُشَید سے روایت کیا ہے جو امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں اور ان کے اور امام بخاری کے درمیان محمد بن عبدالرحیم صاعقہ واسطہ ہیں۔ اور داؤد بن رُشَید کی صحیح البخاری میں اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس غلام کو آزاد کرنا چاہیے جس کے تمام اعضاء مکمل ہوں یعنی وہ اندھا، کانا، لنگڑا اور لولا نہ ہو، بعض اوقات ناقص الاعضاء زیادہ مہنگا ہوتا ہے جیسے خصی، کیونکہ وہ گھر کے اندر بھی جا سکتا ہے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ باندی کو آزاد کرنا افضل ہے یا غلام کو آزاد کرنا افضل ہے؟ صحیح یہ ہے کہ باندی کی بہ نسبت غلام کو آزاد کرنا افضل ہے کیونکہ غلام میں بعض ایسے اعضاء ہوتے ہیں جو باندی میں نہیں ہوتے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ مرد غلام کو آزاد کرے اور عورت باندی کو آزاد کرے تا کہ آزاد کرنے والے کا ہر عضو اس کے عضو کے بدلہ میں دوزخ سے آزاد ہو جائے۔

علامہ مرغینانی فرغانی نے ہدایہ میں لکھا ہے تا کہ اعضاء کا مقابلہ اعضاء کے ساتھ متحقق ہو جائے۔

اس حدیث میں غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے اور یہ کہ نیک اعمال میں غلام کو آزاد کرنے کا بہت بلند مرتبہ ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی جزاء اس عمل کی جنس سے عطا فرماتا ہے، بندہ کسی غلام کو آزاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جزاء میں اس بندہ کو دوزخ سے آزاد فرما دیتا ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے: قتلِ خطاء کے کفارہ میں مومن غلام کو آزاد کرنے کا ذکر ہے اور قسم اور ظہار کے کفارہ میں مطلقاً غلام کا ذکر ہے۔ فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ جہاں مطلق غلام کا ذکر ہے اس کو بھی مقید پر محمول کر دیا جائے اور اس سے مراد بھی مومن غلام

کو لیا جائے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں؟ لیکن اگر قسم اور ظہار کے کفارہ میں بھی مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے تو بغیر کسی شک وشبہ کے یہ کفارہ ادا ہو جائے گا، اس لیے ان میں بھی مسلمان غلام کو آزاد کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس باب کی حدیث میں مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے، کیونکہ اس سے غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کا عضو جہنم سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۹۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٧- بَابُ: عِتْقِ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبِ فِي الْكَفَّارَةِ وَعِتْقِ وَلَدِ الزِّنَا

مدبر اور ام ولد اور مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنے کا بیان اور ولد الزنا کو آزاد کرنے کا بیان

وَقَالَ طَاوُسٌ: يُجْزِئُ الْمُدَبَّرُ وَأُمُّ الْوَلَدِ۔

طاؤس نے کہا ہے: مدبر اور ام الولد کو آزاد کرنا کافی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مدبر اور ام الولد اور مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنے کا کیا حکم ہے اور ولد الزنا کو آزاد کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور امام بخاری نے ان کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے۔

(''مُدَبَّر'' اس غلام کو کہتے ہیں جس کا مالک اسے یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور ''أُمُّ الْوَلَد'' اس باندی کو کہتے ہیں جس سے مالک کی اولاد ہو، اور ''مُكَاتَب'' اس غلام کو کہتے ہیں جس سے مالک یہ کہے کہ تم اتنی رقم مجھے قسطوں میں یا نقد ادا کر دو تو تم آزاد ہو)۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''طاؤس نے کہا: مُدَبَّر اور ام الولد کو آزاد کرنا کفارہ میں کافی ہوگا''۔

یعنی طاؤس بن کیسان الخولانی الہمدانی نے کہا کہ مُدَبَّر اور ام الولد کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے، اس اثر کو امام ابن ابی شیبہ نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں ضعف ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ جس میں لیث کا ذکر ہے ابن علیہ سے روایت کی ہے کہ المُدبر کو کفارہ میں اور ام الولد کو ظہار میں آزاد کرنا کفایت کرے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۷۸-۷۹)

اور مُدَبَّر میں طاؤس کی موافقت حسن بصری نے کی ہے اور ام الولد میں طاؤس کی موافقت ابراہیم نخعی نے کی ہے اور مدبر میں طاؤس کی مخالفت الزہری، شعبی اور ابراہیم نے کی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۷۸-۷۹)

مُدَبَّر، أُمُّ الولد اور مکاتب کو کفارہ میں آزاد کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کا اس باب میں اختلاف ہے، پس امام مالک نے کہا ہے کہ جن چیزوں کے کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے ان میں مُکاتب کو اور مدبر کو اور ام الولد کو آزاد نہ کیا جائے اور نہ اس کو آزاد کیا جائے جس کی آزادی کسی چیز پر معلق ہو۔ اور امام ابوحنیفہ اور

الاوزاعی نے کہا ہے کہ اگر مُکاتب نے اپنے زرِ مکاتبت میں سے کچھ ادا کر دیا ہے تو اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اور یہی اللیث، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ اور امام شافعی اور ابوثور نے کہا ہے کہ مدبر کو آزاد کرنا جائز ہے۔ اور رہا اُمّ الولد کو آزاد کرنا تو جن مسائل میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے ان میں اُم الولد کو آزاد کرنا امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک جائز نہیں ہے اور تمام شہروں کے فقہاء کا اسی پر اتفاق ہے۔

اور رہا "وَلَدُ الزنا" کو ان مسائل میں آزاد کرنا جن میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے تو اس کو آزاد کرنا بھی جائز ہے، یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عائشہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے منقول ہے اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، حسن بصری، طاؤس کا بھی یہی قول ہے۔ اور ائمہ مجتہدین میں سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوعبید کا بھی یہی قول ہے۔ اور عطاء، شعبی، النخعی اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ اس کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ یہ تینوں میں سب سے زیادہ شر ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۹۶۳، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۱)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے اس کا انکار منقول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہ تینوں میں سب سے زیادہ شر ہوتا تو حاکم اس کا انتظار نہ کرتا حتیٰ کہ اس کی ماں سے وہ پیدا ہو جاتا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کے ماں باپ کا گناہ اس کے اوپر نہیں ہے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تلاوت کی:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ (الانعام: ۱۶۴) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۲۔ ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوكًا لَهُ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَسَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے خبر دی از عمرو از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک مرد نے اپنے ایک غلام کو مُدَبَّر کر دیا اور اس کا اس غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس غلام کو مجھ سے کون خریدے گا؟ تو اس غلام کو نعیم بن النحام نے آٹھ سو درہم میں خرید لیا، پس میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ وہ غلام قبطی تھا اور پہلے سال فوت ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۱، ۲۲۳۰، ۲۳۲۱، ۲۴۰۳، ۲۴۱۵، ۲۵۳۴، ۶۷۱۶، ۶۹۴۷، ۷۱۸۶، صحیح مسلم: ۹۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۱۹، سنن نسائی: ۴۶۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۹۵۷، مسند احمد: ۱۴۷۱۹، سنن دارمی: ۲۵۷۳)

صحیح البخاری: ۶۷۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ حدیث باب کے عنوان پر کس طرح دلالت کرے گی؟ پھر کہا: جب مُدَبَّر کی بیع جائز ہے تو اس کو آزاد کرنا بھی جائز ہے، اور عنوان کے باقی امور ام الولد اور مکاتب کو بھی امام بخاری نے اسی پر قیاس کیا ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جب مُدَبَّر کی بیع جائز ہے تو مدبر کے ساتھ جو باقی امور کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بیع بطریق اولیٰ جائز ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر مواخذہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی شرح کی تو کوئی نہ کوئی وجہ ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے تو اس کو آزاد کرنا بھی جائز ہے اور یہ معلوم ہو گیا کہ مدبران میں سے ہے جس کی بیع جائز ہے، لیکن رہا اس قائل کا کلام تو اس کی تو کوئی بھی وجہ بالکل نہیں ہے، کیونکہ اس قائل نے کہا ہے کہ امام بخاری نے باب کے عنوان میں یہ اشارہ کیا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے تو جو امور ان کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں ان کی بیع بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی۔ پس سبحان اللہ! باب کے عنوان میں کس جگہ میں اشارہ کیا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے حتیٰ کہ اس پر اس کے آزاد کرنے کی بناء کی جائے؟ علاوہ ازیں علامہ کرمانی کا کلام بھی بغیر ضعیف تاویل کے صحیح نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے مصنف کی توجیہ

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے جو حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت نقل کر کے اس پر رد کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی اصل عبارت کو ہم علامہ عینی کی شرح کے بعد ان شاء اللہ نقل کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو النعمان، یہ محمد بن الفضل السدوسی البصری ہیں، یہ عارم کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، یہ ابن دینار ہیں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الاکراہ میں از ابو النعمان روایت کی ہے اور امام مسلم نے اس حدیث کی کتاب الایمان والنذور میں از ابی الربیع روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انصار کے ایک مرد نے اپنے ایک غلام کو مُدَبَّر کر دیا" اس غلام کا نام تھا ابو مذکور (اس میں ذال ہے) اور جس غلام کو مُدَبَّر کیا اس کا نام یعقوب ہے، اس کو نعیم النحام نے خرید لیا، یہ کرمانی کا قول ہے۔ الکرمانی نے کہا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ وہ نعیم بن نحام ہے اور اس میں ابن کا اضافہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ ابن کا اضافہ نہیں ہے۔ اور نعیم میں نون پر پیش ہے

اور عین پر زبر ہے، یہ نُعم کی تصغیر ہے اور نَحّام میں نون پر زبر ہے اور حاء پر تشدید ہے، یہ اس کا لقب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے نُعیم کی کھانسی کی آواز جنت میں معراج کی شب سنی''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عبدا قِبطیا'' (قاف کے نیچے زیر ہے اور باء ساکن ہے) یہ قبط کی طرف نسبت ہے اور یہ لوگ مصر کے رہنے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عامَ اول'' یعنی پہلے زمانہ کے سال میں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب مُدَبَّر کی بیع حدیث سے ثابت ہے تو اس کو کفارہ میں آزاد کرنا بھی صحیح ہوگا

امام بخاری نے اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مُدَبَّر کو آزاد کر دیا۔ کتاب العتق میں اس کی مفصل شرح گزر چکی ہے اور اس میں اختلاف کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ اور ان کے دلائل بھی ذکر کیے جا چکے ہیں جو اس بیع کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ مُدَبَّر کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہو کیونکہ اس کی بیع کی صحت اس کی ملکیت کی بقاء کی فرع ہے، پس اس میں اس کو آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا۔

ام الولد کے اکثر احکام غلام کے احکام کی مثل ہیں، لہٰذا اس کو بھی کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہوگا

رہا ام الولد کا معاملہ، ام الولد کا حکم اکثر احکام میں وہ ہوتا ہے جو غلام کے احکام ہوتے ہیں مثلاً جنایت میں، حدود میں اور مالک کے اس سے فائدہ اٹھانے میں، اور اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ ام الولد کی بیع جائز ہے لیکن اس پر معاملہ مقرر ہو گیا ہے کہ اس کی بیع صحیح نہیں ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس کو آزاد کرنا کفارہ میں کافی ہوگا۔

مُکاتَب کو کفارہ میں آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

اور رہا مُکاتب کو آزاد کرنا تو امام مالک، امام شافعی اور ثوری نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ علامہ ابن المنذر نے اس کو نقل کیا ہے۔ اور امام مالک سے یہ منقول ہے کہ یہ کافی نہیں ہے۔ اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اگر اس نے اپنے زرِ کتابت میں سے کچھ ادا کر دیا ہے تو پھر اس کو آزاد کرنا کافی نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے پورا غلام آزاد نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ حصہ آزاد کیا اور یہی امام اوزاعی اور لیث کا قول ہے۔ اور امام احمد اور اسحاق سے منقول ہے کہ اگر اس نے تہائی یا اس سے زیادہ کو آزاد کر دیا تو پھر کافی نہیں ہے۔

فقہاء متقدمین کا اس میں اختلاف ہے، پس طاؤس نے جو کہا ہے کہ مدبر کو اور ام الولد کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے تو اس کی موافقت حسن بصری نے مدبر میں کی ہے اور ابراہیم نخعی نے ام الولد میں کی ہے اور ان دونوں مسئلوں میں الزہری اور شعبی نے مخالفت کی ہے۔ اور امام مالک اور اوزاعی نے کہا ہے: کفارہ میں مدبر کو آزاد کرنا کافی نہیں ہے اور نہ ام ولد کو اور نہ اس کو کہ جس کی آزادی معلق ہو اور یہی فقہاء احناف کا قول ہے۔

مدبّر کو کفارہ میں آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

اور امام شافعی نے کہا ہے: مدبر کو آزاد کرنا کافی ہے اور ابوثور نے کہا ہے: مدبر کو آزاد کرنا اس وقت تک کافی ہوگا جب تک اس کے اوپر زرِکتابت باقی ہے۔ اور امام مالک کے قول پر اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے لیے عقدِ حریت ثابت ہے اور اس کے اٹھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے۔ اور امام شافعی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر مدبر میں حریت اور آزادی کا کوئی حصہ ہوتا تو اس کی بیع جائز نہ ہوتی۔

''ولد الزنا'' کے آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

رہا ولد الزنا کو آزاد کرنا، تو ابن المنیّر نے کہا ہے کہ میرے علم میں ولد الزنا کو آزاد کرنے میں اور مدبر اور مکاتب اور ام ولد کو آزاد کرنے کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے سوا اس کے کہ جو ولد الزنا کے آزاد کرنے کا مخالف ہے وہ ان تینوں کے آزاد کرنے کا بھی مخالف ہے۔

ولد الزنا کو آزاد کرنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام بیہقی سندِ صحیح کے ساتھ زہری سے روایت کرتے ہیں: مجھے ابوحسن مولی عبداللہ بن الحارث نے خبر دی اور وہ اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ میں سے تھے کہ انہوں نے ایک عورت سے سنا، وہ عبداللہ بن نوفل سے ولد الزنا کے آزاد کرنے کے متعلق سوال کر رہی تھی کہ کسی غلام کی جگہ اسے آزاد کردے اور ان پر کسی غلام کو آزاد کرنا تھا، تو عبداللہ بن نوفل نے جواب دیا: میری رائے یہ ہے کہ یہ تمہارے لیے کافی نہیں ہے، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ میں اللہ کی راہ میں دو جوتے دوں وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ولد الزنا کو آزاد کروں۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں ایک کوڑے کی اتباع کروں تو وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ولد الزنا کو آزاد کروں۔

ولد الزنا کو کفارہ میں آزاد کرنے کے دلائل

ہاں الموطا میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ولد الزنا کے آزاد کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ولد الزنا کو آزاد کیا۔

اور امام ابن ابی شیبہ اور امام بیہقی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ولد الزنا سے زیادہ شر کے اوپر احسان کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً۔ (محمد: ۴)

جب تم ان (کافروں) کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کرلو، (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو۔

یعنی ولد الزنا، کفار سے بدتر تو نہیں ہے تو جب کفار پر احسان کر کے انہیں آزاد کرنا جائز ہے تو ولد الزنا کو آزاد کرنا بطریقِ اولیٰ

جائز ہوگا۔

اور جمہور نے کہا ہے کہ ولد الزنا کو آزاد کرنا جائز ہے۔ اور حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے اس کے آزاد کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے ان کی روایات کو اسانیدِ ضعیف سے روایت کیا ہے۔ اور شعبی، نخعی اور الاوزاعی نے بھی منع کیا ہے۔ اور امام ابن شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ یہ اولین کی طرف سے روایت کیا ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ'' (المائدہ:۸۹) یعنی قسم کے کفارہ میں یا غلام کو آزاد کیا جائے۔ اور اگر کوئی قسم کھانے والا ولد الزنا کو خرید لے تو اس کی ملکیت صحیح ہے تو اس کا آزاد کرنا بھی صحیح ہوگا۔ اور علامہ ابن المنذر نے سندِ صحیح کے ساتھ ابوالخیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے منع کیا، ابوالخیر نے کہا: پھر ہم نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ عقبہ بن عامر کی مغفرت فرمائے، ولد الزنا بھی تو روحوں میں سے ایک روح ہے۔ اور امام بخاری نے مدبر کی بیع میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے اور باب کے عنوان میں یہ اشارہ کیا ہے کہ جب مدبر کی بیع جائز ہے تو ام ولد اور مکاتب کی بیع بھی بطریقِ اولیٰ جائز ہوگی۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۶۲۹۔ ۷۷۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی پر علامہ عینی کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس آخری عبارت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ امام بخاری نے باب کے عنوان میں یہ اشارہ کہاں سے کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے عنوان میں تین امور کا ذکر کیا ہے: مدبر، ام ولد اور مکاتب، آیا ان کو کفارہ میں آزاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعد میں صرف مدبر کے متعلق یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدبر کی بیع کی، تو اس سے امام بخاری نے یہ استدلال کیا کہ فی نفسہٖ نہ مدبر کی بیع جائز ہے نہ ام ولد کی اور نہ مکاتب کی، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا مدبر کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا اس کے مدبر کو فروخت کر دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ام ولد اور مکاتب کو بھی اس صورت میں فروخت کرنا جائز ہے یعنی جب ان کے مالکوں کا ان کے سوا اور کوئی مال نہ ہو۔ اور یہ اس پر محمول ہوگا کہ ان کے مالکوں کا اس کو مدبر یا ام ولد یا مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے پاس ان کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا تو گویا اب یہ تینوں ورثاء کا مال ہیں اور ان کو مدبر بنانا یا ام ولد بنانا یا مکاتب بنانا صحیح نہیں ہے، لہٰذا ان کو فروخت کرنا جائز ہے، اور جب مدبر، ام ولد اور مکاتب کی بیع جائز ہے تو ان کو کفارہ میں آزاد کرنا بھی جائز ہوگا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۸۔ بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ آخَرَ
جب کسی شخص نے اس غلام کو آزاد کیا جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک تھا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس شخص کے حکم کے بیان کے متعلق ہے جس نے اس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک تھا، کیا اس کو آزاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ لیکن امام بخاری نے اس باب کے ثبوت میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: علماء نے بیان کیا کہ امام بخاری ابواب کے عنوان قائم کرتے ہیں تا کہ اس عنوان کے مطابق حدیث لائیں، پس انہوں نے اس عنوان کے مطابق اپنی شرط کے مناسب کوئی حدیث نہیں پائی، یا ان کی عمر نے وفا نہیں کی کہ وہ اپنی زندگی میں اس حدیث کو تلاش کرلیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے: بلکہ امام بخاری نے اس عنوان کے تحت حدیث نہ لا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ اس عنوان کے ثبوت میں جو احادیث نقل کی گئی ہیں وہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عنوان صرف المستملی کے لیے بغیر کسی حدیث کے ثابت ہے، پس گویا کہ مصنف نے یہ ارادہ کیا کہ اس عنوان کے لیے اس باب میں اس حدیث کو کسی اور سند کے ساتھ ثابت کریں جو اس باب کے بعد والے باب میں حدیث مذکور ہے، لیکن ان کو اتفاق نہیں ہوا۔ یا انہوں نے ان دونوں عنوانوں میں تردد کیا یعنی اس باب کا عنوان اور بعد والے باب کا عنوان۔ پس اکثر نے اسی عنوان پر اقتصار کیا جو یہاں لکھا ہوا ہے۔ اور المستملی نے دونوں عنوانوں کو احتیاطاً لکھ دیا اور اس باب کے بعد جو حدیث ہے وہ تاویل کے ساتھ دونوں بابوں کے عنوان کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور امام ابونعیم نے دونوں عنوانوں کو ایک باب میں جمع کر دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۷۰۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکور شرح کے رد میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: علامہ کرمانی نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے محض ظن اور تخمین اور اندازہ ہے۔

پہلی وجہ جو علامہ کرمانی نے لکھی ہے، سو وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کسی باب کا عنوان اسی وقت لکھتے ہیں جب وہ اس باب کے متعلق کسی حدیث پر مطلع ہو جاتے ہیں جو اس عنوان کے مناسب ہو۔ اور دوسری وجہ جو انہوں نے ذکر کی ہے وہ بھی اسی طرح ہے۔ اور رہی تیسری وجہ تو وہ پہلی دو وجہوں سے زیادہ بعید ہے، کیونکہ اشارہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔ پس دیکھنے والا کیسے یہ اطلاق کرے گا کہ یہاں پر ایسی احادیث ہیں جو امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو یہ لکھا ہے کہ المستملی نے دونوں عنوان بطور احتیاط لکھے ہیں، سو اس میں کونسی احتیاط ہے اور احتیاط کی کیا وجہ ہے، یعنی اگر امام بخاری اس باب کے عنوان کو ترک کر دیتے جو بغیر حدیث کے ہے تو کیا وہ کسی گناہ کے مرتکب ہوتے حتیٰ کہ انہوں نے اس عنوان کو احتیاطاً ذکر کیا۔ اور رہا ان کا یہ کہنا کہ جو حدیث اس باب کے بعد والے باب میں ہے وہ دونوں بابوں کے عنوانوں کی صلاحیت رکھتی ہے تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ ولاء اس کی ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے، پس جس غلام کو اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ اس کا غلام ہے اور اس کی ولاء بھی اسی کے لیے ہے، پس ان دونوں کے درمیان اشتراک کہاں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب اس نے ایک ایسے غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جو اس کے اور

دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا خوش حال ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا کافی ہوگا اور وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا۔ اور اگر وہ آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور یہی امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے مشترک غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ کہا جائے: اس عنوان کو امام بخاری نے نہیں لکھا، اور یہی وجہ ہے کہ المستملی کے علاوہ دوسرے راویوں کے نسخہ میں یہ عنوان نہیں ہے، جب کہ المستملی کے نزدیک بھی اس کے ثبوت میں اعتراض ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۴۴۱'' میں علامہ عینی کے اعتراض کی پوری عبارت تو لکھی ہے لیکن اس کا جواب نہیں لکھا۔ ہو سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہو کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کی اس رائے سے اتفاق کر لیا کہ اس باب کا عنوان امام بخاری نے نہیں لکھا، یہی وجہ ہے کہ المستملی کے علاوہ اور کسی کے نسخہ میں یہ عنوان نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۹۔ بَابٌ: إِذَا أَعْتَقَ فِي الْكَفَّارَةِ لِمَنْ يَكُونُ وَلَاؤُهُ؟

جب کسی شخص نے کفارہ میں غلام کو آزاد کیا تو اس کی وَلاء کس کے لیے ہوگی؟

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے کفارہ میں غلام کو آزاد کر دیا تو اس کی وَلاء کس کے لیے ہوگی؟ یعنی جس غلام کو آزاد کیا گیا ہے اس کی وَلاء کس کے لیے ہوگی۔ (وَلاء کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ غلام آزاد ہونے کے بعد مالدار ہوا اور اس نے ترکہ چھوڑا تو اس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ اس کے رشتہ داروں میں تقسیم ہو جائے گا اور اگر اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہوا تو پھر اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو دیا جائے گا، اس کو وَلاء کہتے ہیں)۔

اس باب کے عنوان کا جواب محذوف ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ بعض صورتوں میں اس کا کفارہ میں غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور بعض صورتوں میں صحیح نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو، پس ان میں سے ایک غلام کو کفارہ میں آزاد کر دے، پس اگر وہ خوشحال ہے تو اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا اور وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی، اور اگر وہ تنگدست ہے تو پھر اس کا غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہاں پر ایک اور صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی مرد سے کہے: تم اپنے غلام کو میری طرف سے آزاد کر دو کیونکہ مجھ پر کفارہ ہے، سو اس نے آزاد کر دیا تو یہ کافی ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا یہی قول ہے، اور اگر اس شخص نے اس کے کہنے سے بغیر کسی معاوضہ کے غلام کو آزاد کر دیا تو امام شافعی کے قول کے مطابق یہ کافی ہوگا اور اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جس کی طرف سے غلام کو آزاد کیا ہے۔ اور ابوثور نے کہا کہ یہ کافی ہوگا اور اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جس نے آزاد کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی اور یہ کافی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۴۔۳۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهَا الْوَلَاءَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو ان کے مالکوں نے ان کے اوپر وَلاء کی شرط لگائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شرط کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تم بریرہ کو خریدلو، وَلاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ''وَلاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الحکم کا ذکر ہے، یہ ابن عُتیبہ ہیں، یہ عتبۃ الدار کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم کا ذکر ہے وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسود کا ذکر ہے، وہ ابن یزید ہیں اور وہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں، یہ پہلے بنی ہلال کے کسی شخص کی باندی تھیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ چند انصار کی باندی تھیں انہوں نے ان کو مُکاتَب کر دیا، پھر انہوں نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ فروخت کر دیا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے صرف ایک حدیث روایت کی گئی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاشترطوا'' یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ شرط لگائی کہ وَلاء ان کے لیے ہوگی۔ اور اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کسی مشترک غلام کو آزاد کرے تو اس کی وَلاء کے متعلق اقوالِ فقہاء

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک اور امام اوزاعی نے یہ کہا ہے: جب دو شریکوں میں سے ایک شخص اپنے حصہ کے غلام کو کفارہ میں آزاد کردے تو اگر وہ خوشحال ہے تو اس کا آزاد کرنا کافی ہے اور وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوگا، اور اگر وہ تنگدست ہے تو اس کا یہ آزاد کرنا کافی نہیں ہے اور یہ امام محمد اور امام ابو یوسف اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے بعض اصحاب نے کہا ہے: اس شخص کو مشترک غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا کافی نہیں ہے خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگدست ہو۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ آزاد کرنے والا جب خوشحال ہے اور اس کا شریک اپنے حصہ کو آزاد نہیں کرتا تو پورا غلام خوشحال شخص کے آزاد کرنے سے آزاد ہو جائے گا، اس وجہ سے اس کی طرف سے آزاد کرنا کافی ہے۔ اور جو فقہاء اس آزاد کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے وہ کہتے ہیں کہ اس نے آدھے غلام کو آزاد کیا ہے مکمل غلام کو آزاد نہیں کیا، کیونکہ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا شریک کو اختیار دیا جائے گا، اگر چاہے تو وہ اس غلام کی قیمت اپنے شریک کے اوپر ڈالے اور وہ قیمت آزاد کرنے والے سے وصول کرے، اور اگر چاہے تو وہ غلام اپنی آدھی قیمت کے عوض محنت مزدوری کرے اور کما کر شریک کو اس کا حصہ ادا کرے۔ اور اگر چاہے تو غلام کو آزاد کردے اور اس کی وَلاء دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی۔

اور جمہور علماء کے نزدیک یہ وَلاء کفارہ دینے والے کے لیے ہے، اس لیے کہ جب اس نے اپنا حصہ آزاد کردیا اور وہ خوشحال تھا تو غلام کا آزاد کرنا اس پر واجب ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: وَلاء صرف اس کے لیے ہے جو آزاد کرے، اسی وجہ سے امام بخاری نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس باب میں درج کیا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۵۔۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۱۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا گیا، اس کی وَلاء کے متعلق اقوالِ فقہاء

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس غلام کو کفارہ میں آزاد کیا جائے اور زکوۃ میں ادا کیا جائے اس کی وَلاء بیت المال کے لیے ہوگی، یا جو اس کا مستحق ہوگا اس کے لیے ہوگی۔ اگر وہ زکوۃ میں ہے تو اس کی وَلاء زکوۃ کے مستحق کے لیے ہوگی، اور اگر وہ کفارہ میں ہے تو اس کی وَلاء فقراء کے لیے ہوگی۔

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ وَلاء اس کے لیے مطلقاً ہوگی جو غلام کو آزاد کرے، خواہ کفارہ میں آزاد کرے یا کسی چیز میں آزاد کرے، پس اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جو اس کو آزاد کر رہا ہے۔ اور فقہاء حنابلہ رحمہم اللہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ وَلاء اس کے

لیے ہوگی جو غلام کو آزاد کرے، کیونکہ حدیث میں بطریقِ عموم فرمایا ہے کہ وَلاء صرف اس کے لیے ہوگی جو آزاد کرتا ہے۔

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ جس کو زکوٰۃ میں آزاد کیا گیا ہے اس کی وَلاء اہل زکوٰۃ کے لیے ہوگی، اور جس کو کفارہ میں آزاد کیا گیا ہے تو اس کی وَلاء اہل کفارہ کے لیے ہوگی اور وہ فقراء ہیں، اور جس کو نفلی طور پر اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے کے لیے آزاد کیا گیا ہے تو اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جو اس غلام کو آزاد کرے گا۔

پس اگر ہم عمومِ حدیث کی طرف نظر کریں تو ہم کہیں گے کہ یہ حدیث عام ہے اور اکثر جو لوگ غلام کو آزاد کرتے ہیں وہ کفارہ میں آزاد کرتے ہیں یا زکوٰۃ میں آزاد کرتے ہیں، اور اگر معنی کی طرف غور کریں تو ہم کہیں گے کہ جس کو کفارہ میں آزاد کیا گیا ہے اس کی وَلاء فقراء کے لیے ہوگی اور جس کو زکوٰۃ میں آزاد کیا گیا ہے تو اس کی وَلاء اہل زکوٰۃ کے لیے ہوگی، لہٰذا دوسرے قول میں زیادہ احتیاط ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابٌ: اَلِاسْتِثْنَاءِ فِی الْاَیْمَانِ — قسموں میں استثناء کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قسموں میں استثناء کے حکم کا بیان کیا گیا ہے اور استثناء سے یہاں پر مراد ہے لفظِ ان شاء اللہ کہنا۔

اور استثناء سے مراد اصطلاحی استثناء نہیں ہے جو کہ لفظِ ''اِلا'' وغیرہ کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے: ''میرے پاس زید کے سوا لوگ نہیں آئے'' بلکہ یہاں استثناء سے مراد یہ ہے کہ قسم کے بعد کوئی شخص ان شاء اللہ کہے، جیسے کوئی شخص کہے ''اللہ کی قسم میں ضرور اس طرح کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ'' یا کہے ''اللہ کی قسم میں اس طرح ہرگز نہیں کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ''۔ اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قسموں میں استثناء کرنے کے متعلق فقہاء کے مذاہب

ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام اوزاعی، اللیث اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ قسموں میں استثناء کی شرط یہ ہے کہ استثناء حلف کے ساتھ متصل ہو۔

اور امام مالک نے کہا: جب انسان نے قسم کھا کر سکوت کیا یا اپنا کلام منقطع کر دیا تو پھر کوئی استثناء نہیں ہے، اور امام شافعی نے کہا کہ استثناء کی شرط یہ ہے کہ وہ پہلے کلام کے ساتھ متصل ہو اور اس کا وصل ایک نہج سے ہو، پس اگر قسم اور حلف کے درمیان سکوت ہو گیا تو استثناء منقطع ہو جائے گا سوا اس صورت کے کہ وہ سکوت کسی چیز کو یاد کرنے کے لیے ہو یا اس کا سانس رک گیا ہو یا اس کی آواز منقطع ہو گئی ہو۔ اور حسن بصری اور طاؤس نے کہا ہے: حلف اٹھانے والے کے لیے استثناء کرنا جائز ہے جب تک کہ وہ اپنی مجلس سے اٹھے نہیں۔ اور قتادہ نے کہا ہے: یا وہ کلام کرے۔ اور امام احمد نے کہا ہے: اس کے لیے استثناء کرنا جائز ہے جب تک کہ وہ اس معاملہ میں ہو اور یہی اسحاق کا قول ہے، مگر یہ کہ سکوت ہو اور پھر وہ معاملہ کی طرف لوٹے۔ اور عطاء نے کہا ہے: اس کے لیے سکوت کرنا جائز ہے اگر سکوت اتنی دیر کا ہو جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہتے ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ چار مہینے تک سکوت

کرسکتا ہے۔اور مجاہد نے کہا: اس کے لیے دو سال بعد تک کی مدت ہے۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے لیے یہ استثناء صحیح ہے اگر چہ کچھ وقت کے بعد ہو، پس ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے ایک سال کا ارادہ کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے دوام کا ارادہ کیا ہے، اس کی ابن القصار نے حکایت کی ہے۔

اور فقہاء کا طلاق اور غلام آزاد کرنے کے معاملہ میں بھی استثناء کرنے میں اختلاف ہے، پس ابن ابی لیلیٰ، الاوزاعی، لیث اور امام مالک نے کہا کہ طلاق میں استثناء کرنا جائز نہیں ہے، اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابن المسیب سے، الشعبی سے، عطاء سے، الحسن سے، مکحول سے، اور الزہری سے منقول ہے۔اور طاؤس، النخعی، الحسن اور عطاء نے ایک روایت میں اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اور امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اور اسحاق نے کہا کہ یہ استثناء جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۵۔۳۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ فَقَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللهُ فَأُتِيَ بِإِبِلٍ فَأَمَرَ لَنَا بِثَلَاثَةِ ذَوْدٍ فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قَالَ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ لَا يُبَارِكُ اللهُ لَنَا أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا فَحَمَلَنَا فَقَالَ أَبُو مُوسَى فَأَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللهُ حَمَلَكُمْ إِنِّي وَاللهِ إِنْ شَاءَ اللهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از غیلان بن جریر از حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ از حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اشعریین کے چند لوگوں کے ساتھ آیا، میں آپ سے سواری طلب کرتا تھا، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا! نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا ہم ٹھہرے رہے، پھر آپ کے پاس چند اونٹ آئے تو آپ نے ہمیں تین اونٹوں کو دینے کا حکم فرمایا، پس جب ہم چلے گئے تو ہم میں نے ایک دوسرے سے کہا: اللہ تعالیٰ ہم کو برکت نہیں دے گا، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ہم آپ سے سواری طلب کرتے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، پس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: سو ہم نبی ﷺ کے پاس گئے اور ہم نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: میں نے تو تم کو سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو سواری پر سوار کیا ہے اور بے شک میں اللہ کی قسم! ان شاء اللہ کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا پھر دیکھوں گا کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور جو بہتر کام ہے اس کو کروں گا اور کفارہ دوں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۷۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "بے شک میں اللہ کی قسم ان شاء اللہ"۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "ان شاء اللہ" حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی اکثر سندوں میں مذکور نہیں ہے۔ لیکن اس طرح نہیں ہے بلکہ یہ اصول میں ثابت ہے۔ اور امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ استثناء کی صفت کو مشیت کے ساتھ بیان کریں، اور ابو موسیٰ المدینی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبرک کے لیے ان شاء اللہ فرمایا تھا نہ کہ استثناء کے لیے، لیکن یہ بات خلاف ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے اور وہ ابن زید ہیں، کیونکہ قتیبہ نے حماد بن سلمہ کو نہیں پایا اور یہ قتیبہ کی حماد سے روایت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں غیلان بن جریر کا ذکر ہے، غَیلان میں غین پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے۔ اور ابن جَریر میں جیم پر زبر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو بُردہ کا ذکر ہے، ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول ہے کہ ان کا نام الحارث ہے، یہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب النذر میں از ابوالنعمان محمد بن الفضل گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "استحمله" یعنی ہم نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ ایسی سواری دیں جو ہمیں اٹھا کر لے جائے اور ہمارے سامان کو اٹھا کر لے جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاتی بإبل" اِبل لفظ واحد ہے اور اس کا معنی ہے: اونٹ، علامہ الخطابی نے کہا ہے: اس میں لفظِ واحد کا ذکر ہے اور مراد اس سے جمع ہے جیسے السامر۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ابوذر کے نسخہ میں اِبل کی جگہ "شائل" کا لفظ ہے اور میرا گمان ہے کہ اس کی جمع شوائل ہے، شوائل ان اونٹنیوں کو کہتے ہیں جن کا دودھ کم ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بثلاثة ذود" اور ابوذر کی روایت میں ہے "ثلاث ذود" اور یہی صحیح ہے کیونکہ "ذود" کا لفظ مؤنث ہے اور تین سے دس اونٹوں کے لیے "ذود" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ایک قول ہے تین سے سات تک کے لیے استعمال ہوتا ہے، دوسرا قول ہے دو سے نو تک کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اس کا اس سے واحد نہیں ہے اور کثیر کے لیے "اذواد" کا لفظ

استعمال ہوتا ہے، اور یہ اونٹنیوں کے ساتھ خاص ہے اور کبھی اس کا اطلاق اونٹوں پر بھی ہوتا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب المغازی میں "خمس ذود" کا لفظ آیا ہے، تو میں کہتا ہوں: ان میں تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے آپ نے اشعریین کو تین اونٹ دینے کا حکم دیا پھر اس میں دو کا اضافہ کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انی واللہ ان شاء اللہ" یہ استثناء کی جگہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۶۔ ۳۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۱۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ وَقَالَ إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی اور کہا: "مگر میں اپنی قسم سے کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو بہتر ہوگا، یا فرمایا: میں اس کام کو کروں گا جو بہتر ہوگا اور کفارہ دوں گا"۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۳، ۴۳۸۵، ۴۴۱۵، ۵۵۱۷، ۵۵۱۸، ۶۶۲۳، ۶۶۴۹، ۶۶۷۸، ۶۶۸۰، ۶۷۱۸، ۶۷۱۹، ۶۷۲۱، ۷۵۵۵، صحیح مسلم: ۱۶۴۹، سنن نسائی: ۳۷۸۰، سنن ابن ماجہ: ۲۱۰۷، مسند احمد: ۱۹۰۹۴)

صحیح البخاری: ۶۷۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالنعمان، وہ محمد بن الفضل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔

اور امام بخاری نے ابوالنعمان کی اس سند کو ذکر کر کے یہ ارادہ کیا ہے کہ کفارہ دینے والے کو اختیار ہے کہ کفارہ کو قسم توڑنے پر مقدم کرے یا قسم توڑنے کو کفارہ پر مقدم کرے۔ اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں۔

علامہ عینی نے کہا ہے: میں کہتا ہوں: اسی طرح اس حدیث کی امام ابوداؤد نے از سلیمان بن حرب از حماد بن زید روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ هِشَامِ بْنِ حُجَيْرٍ عَنْ طَاوُسٍ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ لَأَطُوفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى تِسْعِينَ امْرَأَةً كُلٌّ تَلِدُ غُلَامًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ لَهُ صَاحِبُهُ قَالَ سُفْيَانُ يَعْنِي الْمَلَكَ قُلْ إِنْ شَاءَ اللهُ فَنَسِيَ فَطَافَ بِهِنَّ فَلَمْ تَأْتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ بِوَلَدٍ إِلَّا وَاحِدَةٌ بِشِقِّ غُلَامٍ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَرْوِيهِ قَالَ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللهُ لَمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ہشام بن حُجیر از طاؤس، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: میں آج رات نوے (۹۰) بیویوں سے جماع کروں گا اور ان میں سے ہر ایک سے لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کی راہ میں قتال کرے گا، ان کے صاحب نے کہا: سفیان نے بتایا یعنی فرشتے

يَحْنَثْ وَكَانَ دَرَكًا لَهُ فِي حَاجَتِهِ وَقَالَ مَرَّةً قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوِ اسْتَثْنَى وَحَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ

نے، آپ ان شاء اللہ کہیے! پس حضرت سلیمان (علیہ السلام) بھول گئے، پس انہوں نے ان بیویوں سے جماع کیا اور ان میں سے صرف ایک بیوی سے ایک لڑکے کا ایک حصہ پیدا ہوا، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی اور وہ اپنی حاجت کو پالیتے، اور ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ان شاء اللہ کہتے۔

اور ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری:۲۸۱۹، ۳۴۲۴، ۵۲۴۲، ۶۶۳۹، ۶۷۲۰، ۷۴۶۹، صحیح مسلم:۱۶۵۴، سنن نسائی:۳۸۳۱، مسند احمد:۷۰۹۷)

صحیح البخاری: ۶۷۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''قسم میں استثناء کرنا یعنی ان شاء اللہ کہنا'' اور اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرشتے نے کہا کہ آپ ان شاء اللہ کہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام بن حُجَیر (اس میں حاء پر پیش ہے اور جیم پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے) یہ مکی ہیں، علامہ کرمانی نے کہا: ان کا اس سے پہلے ذکر نہیں آیا۔

یہ حدیث ایک اور سند کے ساتھ اس سے پہلے کتاب الجہاد میں اس باب میں گزر چکی ہے ''باب من طلب الولد للجهاد'' اُس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے کہا کہ آج رات میں ایک سو بیویوں یا ننانوے بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا۔ الحدیث۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لاطوفن'' اور لام اس میں قسم کے جواب میں ہے گویا کہ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اپنی بیویوں سے جماع کروں گا اور نون اس میں تاکید کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے طواف کیا اور اپنی بیویوں سے مقاربت کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''نوے (۹۰) بیویوں سے جماع کروں گا'' علامہ کرمانی نے کہا ہے: کسی حدیث صحیح کے عدد میں اس

سے زیادہ اختلاف نہیں ہے جتنا اس حدیث میں ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ایک سو بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے: ننانوے بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا، اور تیسری حدیث میں ہے ساٹھ بیویوں کے ساتھ جماع کروں گا۔ اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ عدد کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کل تلد'' یعنی ان میں سے ہر بیوی سے لڑکا پیدا ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بشق غلام'' یعنی آدھا لڑکا پیدا ہوگا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ''حنث'' معصیت ہے، پس کیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے حنث جائز ہوا؟ پھر کہا: یہ ان کے اختیار سے نہیں تھا، یا یہ گناہِ صغیرہ تھا جو معاف کر دیا گیا۔

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی شرح پر اعتراض ہے، کیونکہ انہوں نے ''حنث'' کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے کہ جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارادہ کیا تھا وہ واقع نہیں ہوا۔ نیز علامہ کرمانی نے حضرت سلیمان علیہ السلام جو نبی ہیں ان کی طرف صغیرہ گناہ کی نسبت کی ہے اور اس پر بھی اعتراض ہے، اور اس حدیث کا اول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن انہوں نے اس قول کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی اور کہا: ''یرویہ'' وہ اس کو روایت کرتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان درکا'' یعنی اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہتے تو وہ اپنی حاجت کو پا لیتے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر (حضرت) سلیمان (علیہ السلام) استثناء کرتے یعنی ان شاء اللہ کہتے'' اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر وہ ان شاء اللہ کہتے'' اور دونوں کا مآل ایک ہے اور الفاظ مختلف ہیں۔ اور اس جملہ کا جواب محذوف ہے یعنی اگر وہ ان شاء اللہ کہتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں استثناء اس معنی میں نہیں ہے جو قسم کے حکم کو اٹھا لیتا ہے، بلکہ یہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کر لیں اور آپ کہیے کہ عنقریب میرا رب مجھے اس سے زیادہ ہدایت کے قریب راستہ دکھائے گا O (الکہف: ۲۳-۲۴)

یہاں پر ان شاء اللہ کا لفظ قسم کے حکم کو مرتفع کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کے حکم کو تسلیم کرنا چاہیے۔

اس حدیث میں تعلیق ہے کہ ''ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل''۔

اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ سفیان کی اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک دو سندیں ہیں: ہشام عن طاؤس، اور ابوالزناد عن الاعرج۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی اور اس نے بغیر وقفہ کے ان شاء اللہ کہا تو اس کا استثناء درست ہے اور اگر اس نے وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہا تو استثناء درست نہیں ہے، اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب قسم کھانے والے نے ان شاء اللہ کہا تو اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ امام مالک اور فقہاء احناف اور امام اوزاعی اور اللیث اور امام شافعی اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ قسم کھانے والے کا ان شاء اللہ کہنا اس وقت معتبر ہوگا جب وہ اس کے کلام کے ساتھ متصل ہو اور اس کا کلام درمیان میں منقطع نہ ہوا ہو۔ پس اگر وہ کچھ بات کر کے خاموش ہو گیا اور اپنا کلام منقطع کر دیا تو پھر اس کا ان شاء اللہ کے ساتھ استثناء کرنا معتبر نہیں ہوگا۔

اور حسن بصری اور طاؤس نے کہا کہ قسم کھانے والے کے لیے اس وقت تک استثناء کرنا یعنی ان شاء اللہ کہنا جائز ہے جب تک کہ وہ اپنی مجلس سے نہ اٹھے اور قتادہ نے کہا: جب تک وہ کوئی اور بات نہ کرے۔ اور امام احمد نے کہا: اس کے لیے استثناء کرنا اس وقت تک جائز ہے جب تک وہ اس سلسلہ میں بات کر رہا ہو، اسی طرح اسحاق نے کہا: مگر یہ کہ وہ خاموش ہونے کے بعد پھر اصل بات کی طرف لوٹ آئے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا: وہ چار مہینے بعد تک ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے، اور مجاہد نے کہا کہ دو سال بعد بھی ان شاء اللہ کہہ سکتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس کا استثناء کرنا صحیح ہے خواہ کچھ عرصہ کے بعد کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی مراد ایک سال ہے اور ابن القصار نے کہا: ان کی مراد ہے: ہمیشہ۔

وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہنے کے معتبر ہونے پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دلائل

اور انہوں نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ (الکہف: ۲۳۔ ۲۴) اور آپ کسی کام کے متعلق یہ ہرگز نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں O مگر یہ کہ اللہ چاہے، اور جب بھی آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جب آپ ان شاء اللہ کہنا بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کریں، یعنی جب آپ کو یاد آئے تو ان شاء اللہ کہہ لیں۔ اور اس میں کسی مدت کا تعین نہیں کیا۔

نیز ان فقہاء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ قیس نے از سماک از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اور اللہ کی قسم! میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، پھر آپ خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: ان شاء اللہ''۔

(سنن ابوداؤد: ۳۲۸۵، صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۱۸۵، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۲۸۲)

وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہنے سے استثناء کے معتبر نہ ہونے پر دلائل اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل کا جواب

علامہ ابن القصار نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث میں ان فقہاء کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو شریک نے از سماک از عکرمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے، پس یہ حدیث مرسل ہے (کیونکہ عکرمہ تابعی ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہے ہیں) اور اگر یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے صحیح ہو تو انہوں نے اس سے قسم ٹوٹنے کا استثناء نہیں کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے کہ انہوں نے ہر اس شخص کے اوپر ان شاء اللہ کہنے کو واجب کیا ہے جو یہ کہے کہ وہ یہ کام کرے گا، پس جب وہ ان شاء اللہ کہنا بھول جائے تو بعد میں کسی وقت ان شاء اللہ کہہ لے خواہ ایک سال بعد، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حکم قسم میں بھی جائز ہے۔

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر قسم کھانے والے نے کچھ وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہا تو پھر یہ استثناء صحیح نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر اس کے خلاف کو بہتر جانا، پھر اس کام کو کرے جو بہتر ہے اور پھر قسم کا کفارہ دے، اور اگر یہ ممکن ہوتا کہ وہ اس قسم سے ان شاء اللہ کہہ کر نکل جائے تو آپ اس کے اوپر کبھی بھی کفارہ واجب نہ فرماتے اور آپ یوں فرماتے کہ جب تم کسی کام پر قسم کھاؤ اور پھر تم اس کے خلاف کو بہتر جانو تو تم ان شاء اللہ کہہ دو اور اس کام کو کرو جو بہتر ہے اور آپ کفارہ کا ذکر نہ فرماتے۔ اور اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہو تو پھر درج ذیل آیت کا معنی باطل ہو جائے گا:

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ (التحریم: ۲)

(اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے تمہاری قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ۝

اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسموں کو کھولنے کے لیے ایک طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ جب قسم ٹوٹ جائے تو آدمی اس کا کفارہ دے۔ اور اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے قسم کھل جاتی ہو تو پھر اس آیت کا کوئی معنی نہیں رہے گا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی حدیث کا معنی باطل ہو جائے گا کیونکہ انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور آج رات اپنی بیویوں سے جماع کریں گے، تو پھر بعد میں وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔

اور حدیث میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی، تو اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر وہ متصل ان شاء اللہ کہہ دیتے، اور اگر کچھ عرصہ بعد بھی ان شاء اللہ کہنا معتبر ہوتا تو پھر کسی شخص کی کوئی قسم نہ ٹوٹتی۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۶۔۱۵۸، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظِ ان شاء اللہ کو قسم کے ساتھ متصل کہنے پر مزید دلائل

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ان شاء اللہ کہنے کے وقت میں اختلاف ہے، پس اکثر فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اس میں شرط یہ ہے کہ وہ قسم کے ساتھ متصل ہو۔ امام مالک نے کہا: جب وہ قسم کھا کر خاموش ہوا یا اس نے کلام منقطع کر دیا تو اس کا ان شاء اللہ کہنا معتبر نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی نے کہا کہ ان شاء اللہ کہنے میں شرط یہ ہے کہ وہ کلامِ اول کے ساتھ متصل ہو اور پورا کلام ایک طریقہ

سے ہو، پس اگر ان کے درمیان سکوت ہوا اور وہ کلام منقطع ہو جائے سوا اس کے کہ اس کا سانس ٹوٹ جائے یا اس کی آواز رک جائے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اور علامہ ابن الحاجب نے کہا ہے: اتصال کی شرط یہ ہے کہ لفظاً اتصال ہو یا حکماً اتصال ہو مثلاً اس کا سانس ٹوٹ جائے یا اس کو کھانسی آ جائے تو یہ عرفاً اتصال سے مانع نہیں ہے۔ اور اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے قسم کا استثناء صحیح ہو تو پھر کوئی شخص اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا۔ اور اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ (ص:۴۴) اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا خوب بندے ہیں بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں ○

اس آیت کی تفسیر حسب ذیل ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلاء اس شخص کا علاج بھی کر دو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفاء دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفاء دی ہے، اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اجر طلب نہیں کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تھا، انہوں نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! یہ تو شیطان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت (ص:۴۴) نازل فرمائی، سو حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔

(تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۰۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی قسم پوری کرنے کے لیے یہ حیلہ تعلیم فرمایا کہ وہ سو کوڑے مارنے کے بجائے سو تنکوں کی ایک جھاڑو اپنی بیوی پر ماریں تو ان کی قسم پوری ہو جائے گی، سو اگر بعد میں ان شاء اللہ کہنے سے قسم پوری ہو جاتی ہو تو پھر اس حیلہ کی تعلیم کی کیا ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا: تم بعد میں ان شاء اللہ کہہ دینا، تو پھر ان کی قسم نہ ٹوٹتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر قسم کھانے والا قسم کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہے تو اس کا استثناء صحیح ہے اور اگر وہ کچھ وقفہ کے بعد ان شاء اللہ کہے تو پھر اس کا استثناء صحیح نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۱۷۷، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حکایت

میں کہتا ہوں: میرے استاذ علامہ حافظ عطا محمد بندیالوی قدس سرہٗ ونور اللہ مرقدہٗ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ ہارون الرشید نے امام ابو یوسف سے کہا: تم ہمارے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مسلک کی کیوں مخالفت کرتے ہو، وہ کہتے ہیں کہ اگر قسم کھانے والا قسم کھانے کے کچھ وقفہ کے بعد بھی ان شاء اللہ کہے تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور قسم کا خلاف کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ نہیں ہوگا، امام ابو یوسف نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مسلک تو امیر المومنین آپ کے لیے مضر ہے، کیونکہ ایک شخص آپ کے ہاتھ پر بیعت کرے گا اور قسم کھائے گا کہ وہ آپ کی بیعت پر قائم رہے گا اور دربار خلافت سے نکلنے کے بعد کہہ دے گا ان شاء اللہ۔ تو اب اگر وہ اس قسم کو توڑ دے اور آپ کی بیعت کو بھی توڑ دے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ ہارون الرشید اس جواب سے

حیران رہ گیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے کی قسم میں ان شاء اللہ کہنے کی بحث

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طاؤس، نخعی، حکم اور ایک روایت کے مطابق عطاء نے یہ کہا ہے کہ بیوی کو طلاق دینے اور غلام کو آزاد کرنے میں بھی ان شاء اللہ کہنا صحیح ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ عموم فرمایا کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ان شاء اللہ کہہ دیتے تو ان کی قسم نہ ٹوٹتی، اور قسم کھانے والے کا ان شاء اللہ کہنا تمام قسموں میں عمل کرے گا، کیونکہ بعض قسمیں دوسری بعض قسموں سے مخصوص نہیں ہیں، پس واجب ہے کہ ان شاء اللہ کہنے سے طلاق اور عتاق اور تمام قسموں میں قسم نہ ٹوٹے۔

امام مالک وغیرہ کے نزدیک طلاق اور عتاق میں ان شاء اللہ کے ساتھ استثناء کے عدم جواز پر دلیل

اور امام مالک، ابن ابی لیلیٰ، اللیث اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ طلاق اور عتاق میں ان شاء اللہ کے ساتھ استثناء کرنا جائز نہیں ہے اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن المسیب، شعبی، حسن، عطاء، مکحول، قتادہ اور زہری سے منقول ہے۔

اور امام مالک جو کہتے ہیں کہ اگر کسی نے طلاق یا عتاق کے ساتھ ان شاء اللہ کہا تو طلاق واجب ہو جائے گی اور اس میں ان شاء اللہ کے لفظ کو داخل کرنا صحیح نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ استثناء صرف اللہ تعالیٰ کی قسم میں ہوتا ہے اور اسی کے متعلق حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از طاؤس از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر کہا: ان شاء اللہ، تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ (سنن ترمذی: ۱۵۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۹)

نیز امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از النافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی چیز کی قسم کھائی، پھر کہا: ان شاء اللہ، تو اس نے استثناء کر لیا اور اب وہ حانث نہیں ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۱۵۳۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکثر اہلِ علم وغیرہم کا عمل ہے کہ جب استثناء قسم کے ساتھ متصل ہو تو پھر قسم نہیں ٹوٹے گی اور یہی سفیان ثوری، الاوزاعی، امام مالک بن انس، عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

(میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے لیکن امام ترمذی نے حسبِ عادت ان کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہٗ)

امام مالک اور دیگر فقہاء کے اختلاف کا منشاء

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے لفظِ اللہ کے ساتھ قسم کھا کر اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر ان شاء اللہ کہا تو وہ حانث نہیں ہوگا، لیکن اگر اس نے لفظِ اللہ کے ساتھ قسم نہیں کھائی تو پھر ان شاء اللہ کہا تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ان شاء اللہ، تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک اس صورت میں اگر وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اس کو طلاق نہیں واقع ہوگی کیونکہ اس نے ان شاء اللہ کہا ہے، لیکن امام مالک کے نزدیک

یہاں پر ان شاء اللہ کہنا معتبر نہیں ہے، کیونکہ ان شاء اللہ کہنا اسی صورت میں معتبر ہوگا جب وہ لفظ اللہ کی قسم کھا کر کہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱۔ بَابُ: الْكَفَّارَةِ قَبْلَ الْحِنْثِ وَبَعْدَهُ قسم توڑنے سے پہلے اور قسم توڑنے کے بعد کفارہ قسم دینے کے جواز کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے اور قسم توڑنے کے بعد کفارہ قسم ادا کرنا جائز ہے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم دینے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس ربیعہ، مالک، ثوری، اللیث اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ قسم دینا جائز ہے اور یہی امام احمد، اسحاق اور ابوثور کا قول ہے، اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور امام شافعی نے کہا ہے: غلام کو آزاد کرنا اور مسکینوں کو کپڑے پہنانا اور کھانا کھلانا قسم توڑنے سے پہلے جائز ہے اور قسم توڑنے سے پہلے روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم دینا کافی نہیں ہے۔

صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے: امام ابوحنیفہ سے پہلے یہ قول متقدمین میں سے کسی کا نہیں ہے، اور امام ابوجعفر طحاوی نے امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف سے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ (المائدہ:۸۹) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)۔

اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب تم قسم کھاؤ اور قسم کو توڑ دو تو پھر اپنی قسموں کا یہ کفارہ دو جو اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ اس قول کے ساتھ منفرد نہیں ہیں بلکہ اشعب مالکی کا بھی یہی قول ہے اور داؤد ظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

اور صاحب التوضیح امام شافعی کے مذہب کے متعلق کیا کہیں گے، کیونکہ کفارہ تو اس کی تمام قسموں کا نام ہے۔ پس قسم توڑنے کے بعد لفظ کو کفارہ کی تمام قسموں پر محمول کیا جائے گا۔ اور امام شافعی قسم توڑنے سے پہلے لفظ کو کفارہ کی بعض اقسام کے ساتھ خاص کر رہے ہیں تو انہوں نے تین وجوہ سے ظاہر کو ترک کر دیا: (۱) انہوں نے اس کو کفارہ کہا حالانکہ یہاں پر وہ چیز نہیں ہے جو کسی گناہ کو مٹائے (۲) دوسرا انہوں نے کہا کہ کفارہ کی ان بعض قسموں کو قسم توڑنے پر مقدم کرنا جائز ہے حالانکہ قسم توڑنے پر کفارہ ادا کرنا واجب ہے تو انہوں نے واجب سے عدول کر کے جواز کا قول کیا (۳) اور تیسرا یہ کہ انہوں نے کفارہ کو اس کی بعض اقسام کے ساتھ خاص کیا یعنی غلام آزاد کرنے کے ساتھ اور مسکینوں کو کپڑے پہنانے اور ان کو کھانا کھلانے کے ساتھ خاص کیا اور یہ کہا کہ قسم توڑنے

سے پہلے کفارہ قسم میں روزے رکھنا جائز نہیں ہے اور یہ ترجیح بلا مرجح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو کفارہ قسم کی ان تینوں قسموں کو بیان فرمایا ہے۔ اور کفارہ تو گناہ کے مٹانے کو کہتے ہیں تو جب اس نے گناہ کیا ہی نہیں تو پھر گناہ مٹانا کیسے متصور ہوگا۔ لہٰذا قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم کی ان بعض قسموں کو ادا کرنا کس طرح جائز ہوگا جیسا کہ امام شافعی نے کہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۱ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ هَذَا الْحَيِّ مِنْ جَرْمٍ إِخَاءٌ وَمَعْرُوفٌ قَالَ فَقُدِّمَ طَعَامٌ قَالَ وَقُدِّمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ قَالَ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى قَالَ فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى ادْنُ فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَأْكُلُ مِنْهُ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا قَذِرْتُهُ فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا فَقَالَ ادْنُ أُخْبِرْكَ عَنْ ذَلِكَ أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَسْتَحْمِلُهُ وَهُوَ يَقْسِمُ نَعَمًا مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ قَالَ أَيُّوبُ أَحْسِبُهُ قَالَ وَهُوَ غَضْبَانُ قَالَ وَاللهِ لَا أَحْمِلُكُمْ وَمَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِنَهْبِ إِبِلٍ فَقِيلَ أَيْنَ هَؤُلَاءِ الْأَشْعَرِيُّونَ فَأَتَيْنَا فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى قَالَ فَانْدَفَعْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي أَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ نَسْتَحْمِلُهُ فَحَلَفَ أَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَيْنَا فَحَمَلَنَا نَسِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ وَاللهِ لَئِنْ تَغَفَّلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَمِينَهُ لَا نُفْلِحُ أَبَدًا ارْجِعُوا بِنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلْنُذَكِّرْهُ يَمِينَهُ فَرَجَعْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَتَيْنَاكَ نَسْتَحْمِلُكَ فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلْتَنَا فَظَنَنَّا أَوْ فَعَرَفْنَا أَنَّكَ نَسِيتَ يَمِينَكَ قَالَ انْطَلِقُوا فَإِنَّمَا حَمَلَكُمُ اللهُ إِنِّي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن حجر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از ایوب از القاسم التیمی از زہدم الجرمی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ہمارے اور جرم کے اس قبیلہ کے درمیان بھائی چارہ اور تعلق تھا اور انہوں نے بیان کیا: پس کھانا لایا گیا اور کھانے میں مرغی کا گوشت لایا گیا اور انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں میں بنو تیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا مرد تھا گویا کہ وہ آزاد شدہ غلام تھا، پس وہ کھانے کے قریب نہیں گیا، اس سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب آؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی سے کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس نے کہا کہ میں نے اس مرغی کو کچھ کھاتے ہوئے دیکھا تھا تو مجھے اس سے گھن آئی، سو میں نے قسم کھائی کہ میں کبھی بھی مرغی نہیں کھاؤں گا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: قریب آؤ، میں تمہیں اس کے متعلق حدیث کی خبر دیتا ہوں، (انہوں نے بتایا) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اشعریین کی ایک جماعت میں گئے، میں آپ سے سواری طلب کر رہا تھا اور آپ صدقہ کے اونٹوں میں سے اونٹ تقسیم کر رہے تھے، ایوب نے بتایا: میرا گمان ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا: اور آپ اس وقت غصہ میں تھے، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم کو سوار نہیں کروں گا اور نہ میرے پاس وہ چیز ہے جس پر میں تمہیں سوار کروں، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ہم چلے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال غنیمت کے اونٹ لائے گئے، پس کہا گیا: وہ اشعریین کہاں ہیں؟ پس ہم آئے تو آپ نے ہمارے

وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَتَحَلَّلْتُهَا تَابَعَهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ بْنِ عَاصِمٍ الْكُلَيْبِيِّ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ وَالْقَاسِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ زَهْدَمٍ بِهٰذَا حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ زَهْدَمٍ بِهٰذَا۔

لیے پانچ اونٹوں کو عطا کرنے کا حکم دیا جو سفید کوہان کے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ہم چلے گئے تو میں نے اپنے اصحاب سے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، ہم آپ سے سواری طلب کرتے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہمیں بلوایا، پھر آپ نے ہم کو سواری پر سوار کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قسم کو بھول گئے اور اللہ کی قسم! اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی قسم سے غافل قرار دیا تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے چلو، ہم آپ کو آپ کی قسم یاد دلاتے ہیں، پھر ہم واپس گئے، پس ہم نے کہا: یارسول اللہ! ہم آپ کے پاس آئے تھے، آپ سے سواری طلب کرتے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ آپ ہم کو سوار نہیں کریں گے، پھر آپ نے ہم کو سوار کر دیا، پس ہم نے یہ گمان کیا یا ہم نے یہ سمجھا کہ آپ اپنی قسم کو بھول گئے، آپ نے فرمایا: تم لوگ جاؤ، تم کو اللہ تعالیٰ نے سوار کیا ہے اور بے شک میں اللہ کی قسم ان شاء اللہ کسی چیز پر قسم نہیں کھاؤں گا، پھر میں اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں وہ کام کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا۔

اس حدیث میں اسماعیل بن ابراہیم کی حماد بن زید نے از ایوب از ابی قلابہ متابعت کی ہے اور از قاسم بن عاصم الکلیبی متابعت کی ہے ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابی قلابہ اور قاسم تیمی از زہدم یہی حدیث۔

اور ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از القاسم از زہدم یہی حدیث۔

(صحیح البخاری: ٣١٣٣، ٤٣٨٥، ٤٤١٥، ٥٥١٧، ٥٥١٨، ٦٦٢٣، ٦٦٤٩، ٦٦٧٨، ٦٦٨٠، ٦٧١٨، ٦٧١٩، ٦٧٢١، ٧٥٥٥، صحیح مسلم: ١٦٤٩، سنن نسائی: ٣٧٨٠، سنن ابن ماجہ: ٢١٠٧، مسند احمد: ١٩٠٩٤)

صحیح البخاری: ۶۷۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ عدم مطابقت

یہ حدیث صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ کفارہ قسم، قسم توڑنے کے بعد دیا جائے گا، پس اب اس حدیث کے عنوان اور حدیث کے درمیان مطابقت صرف اس جملہ میں ہوگی ''وبعدہٗ'' یعنی باب کے عنوان میں تو کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے اور قسم توڑنے کے بعد قسم توڑنے کے کفارہ کا جواز اور حدیث میں صرف قسم توڑنے کے بعد کفارہ قسم دینے کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ بالکل ذکر نہیں ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے بھی قسم کا کفارہ دینا جائز ہے۔ پس گویا کہ امام بخاری نے اس باب کے عنوان کے ثبوت میں اس حدیث پر اکتفاء کیا ہے جو اس سے پہلے ذکر کی گئی اور وہ حدیث یہ ہے:

صحیح البخاری: ۶۷۱۹ میں مذکور ہے: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی اور کہا: ''مگر میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو بہتر ہے یا میں اس کام کو کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا''۔ اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ کفارہ قسم کو قسم توڑنے پر مقدم کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حدیث میں ذکر ہے ''مگر میں قسم کا کفارہ دوں گا اور اس کام کو کروں گا جو بہتر ہے'' اور کفارہ قسم کو قسم توڑنے سے موخر کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس حدیث کے دوسرے جملہ میں یہ ذکر ہے ''یا میں وہ کام کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دوں گا'' اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن حُجر کا ذکر ہے، یہ السعدی ہیں جو کہ دو سو چوالیس (۲۴۴ھ) میں فوت ہوئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم، وہ ابن عُلَیّۃ ہیں (عُلَیّہ ان کی ماں کا نام ہے)، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم بن محمد، یہ التمیمی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہدم، یہ الجرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوموسیٰ، وہ حضرت عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ہمارے اور جَرم کے اس قبیلہ کے درمیان ''اخاء ومعروف'' تھا'' یعنی ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرتے تھے اور حسنِ سلوک کرتے تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فقدِّم طعام'' الکشمیھنی کی روایت میں اسی طرح ہے، اور دوسروں کی روایت میں ہے: یعنی کھانا لایا گیا اور سامنے رکھا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وفی القوم رجل بنی تیم اللہ احمر'' یعنی لوگوں میں بنی تیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا مرد تھا۔ ''تیم اللہ'' قبیلہ کا نام ہے اور اس قبیلہ کو ''تیم اللات'' بھی کہا جاتا ہے اور یہ بنو قضاعہ سے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''احمر'' یعنی وہ سرخ رنگ کا تھا، یعنی خالص عرب سے نہیں تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کانه مولیٰ" یعنی گویا وہ آزاد شدہ غلام تھا اور باب فرض الخمس میں گزرا ہے کہ وہ الموالی میں سے تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فلم یدن" یعنی وہ شخص طعام کے قریب نہیں گیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "قذرته" یعنی مجھے اس مرغی سے گھن آئی کیونکہ وہ گندگی کھا رہی تھی۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اخبرك عن ذالك" یعنی میں تمہیں اس کے متعلق خبر دوں گا یا حدیث سناؤں گا جس میں قسم کھولنے کا طریقہ ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "استحمله" میں آپ سے اس چیز کو طلب کرتا تھا جس پر میں سوار ہوں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ لا احملکم" یعنی اللہ کی قسم! میں تم کو کسی چیز پر سوار نہیں کروں گا۔
علامہ قرطبی نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو کسی چیز سے منع کیا جائے تو قسم کھائی جائے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بنهب" اس سے مراد ہے مالِ غنیمت۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بخمس ذود" یعنی پانچ اونٹ، اور کتاب المغازی میں گزرا ہے کہ چھ اونٹ تھے، اور اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ قلیل کا ذکر کثیر کی نفی نہیں کرتا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "غر الذریٰ" یعنی ان اونٹوں کے سفید کوہان تھے۔ اور "غُرّ" کا لفظ غین کے پیش اور راء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اغر کی جمع ہے یعنی ابیض جس کا معنی ہے: سفید۔ اور "الذُریٰ" (ذال کے پیش اور راء پر زبر)، یہ "ذروۃ" کی جمع ہے اور ذروہ کسی چیز کی بلندی کو کہتے ہیں، یہاں اس سے مراد کوہان ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فاندفعنا" یعنی ہم جلدی جلدی گئے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ لئن تغفلنا" یعنی اگر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قسم میں غافل پایا اور آپ کو آپ کی قسم یاد نہیں دلائی تو ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور عبدالوہاب اور عبدالسلام کی روایت میں ہے: جب ہم نے ان اونٹوں پر قبضہ کر لیا تو ہم نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غافل پایا، ہم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور حماد کی روایت میں ہے: پس جب ہم گئے تو ہم نے کہا: یہ ہم نے کیا کیا اور اس میں برکت نہ ہو، اور اس میں بھولنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور غیلان کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ ہمیں برکت نہ دے، اور یزید کی روایت اس اضافہ سے خالی ہے: پس چاہیے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قسم یاد دلائیں کہ آپ نے قسم کھائی تھی کہ میں تمہیں سوار نہیں کروں گا اور پھر آپ نے ہمیں سوار کر دیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "لا احلف علی یمین" یعنی میں کسی چیز کی قسم نہیں کھاؤں گا اور اس کے خلاف کو بہتر جانوں تو میں اس کا خلاف کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کفارہ قسم ٹوٹنے کے بعد دیا جاتا ہے اور اس حدیث سے احناف کی تائید ہوتی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۰۔۳۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ بْنِ فَارِسٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر بن

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ إِنْ أُعْطِيتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا وَإِنْ أُعْطِيتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ إِلَيْهَا وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَأْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ تَابَعَهُ أَشْهَلُ بْنُ حَاتِمٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ وَتَابَعَهُ يُونُسُ وَسِمَاكُ بْنُ عَطِيَّةَ وَسِمَاكُ بْنُ حَرْبٍ وَحُمَيْدٌ وَقَتَادَةُ وَمَنْصُورٌ وَهِشَامٌ وَالرَّبِيعُ۔

فارس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے خبر دی از الحسن از عبدالرحمن بن سمرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امارت کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر تم کو امارت بغیر سوال کے دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی اور اگر تمہارے سوال کی وجہ سے تمہیں امارت دی گئی تو تمہیں اس کے سپرد کر دیا جائے گا، اور جب تم کسی چیز پر قسم کھاؤ اور اس کے خلاف کو اس سے بہتر جانو تو اس کام کو کرو جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دو۔
اس حدیث میں عثمان بن عمر نے اشہل کی متابعت کی ہے از ابن عون۔
اور ان کی متابعت یونس نے اور سماک بن عطیہ نے اور سماک بن حرب نے اور حُمید نے اور قتادہ نے اور منصور نے اور ہشام نے اور الربیع نے کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۲۲، ۶۷۱۴، ۷۱۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۵۲، سنن ترمذی: ۱۵۲۹، سنن نسائی: ۳۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹، مسند احمد: ۲۰۰۹۵، سنن دارمی: ۲۳۴۶)

صحیح البخاری: ۶۷۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، یہ حدیث بھی باب کے عنوان کے اس جزو کے مطابق ہے جس میں مذکور ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد دیا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن عبداللہ کا ذکر ہے، وہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس بن ذویب الذہلی النیشاپوری ہیں جو مشہور حافظ ہیں۔ اور صاحب ''کتاب الرجال الصحیحین'' نے کہا ہے کہ امام بخاری نے تقریباً تیس جگہ محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے اور کہیں پر بھی تصریح سے یہ نہیں کہا کہ وہ محمد بن یحییٰ الذہلی ہیں بلکہ کبھی کہتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی اور اس پر اضافہ نہیں کرتے اور کبھی کہتے ہیں ہمیں محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی اور ان کو دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ہے محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس بن ذویب الذہلی النیشاپوری جو کہ مشہور حافظ ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں: ہمیں محمد بن خالد نے حدیث بیان کی، تو ان کو ان کے باپ کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ امام بخاری جب

نیشاپور میں گئے تو ان کا محمد بن یحییٰ ذہلی سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ قرآن مجید کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں ہیں، محمد بن یحییٰ ذہلی قرآن مجید کے الفاظ کے قدیم ہونے کے قائل تھے اور امام بخاری قرآن مجید کے الفاظ کے مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ اور امام بخاری نے محمد بن یحییٰ سے احادیث کا سماع کیا تھا اور انہوں نے محمد بن یحییٰ ذہلی کی روایات کو ترک نہیں کیا اور ان کے نام کی تصریح نہیں کی۔ اور محمد بن یحییٰ امام بخاری کے تھوڑے عرصہ بعد دو سو پچھتر (۲۷۵ھ) میں فوت ہو گئے تھے جب کہ امام بخاری دو سو چھپن (۲۵۶ھ) میں فوت ہوئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں عثمان بن عمر بن فارس البصری کا ذکر ہے، ان کا ذکر باب الغسل میں ہو چکا ہے، یہ عبداللہ بن عون سے روایت کرتے ہیں از حسن بصری از عبدالرحمٰن بن سمرہ القرشی، یہ بصرہ میں سکونت رکھتے تھے اور کوفہ کے اندر پچاس (۵۰) ہجری میں فوت ہوئے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الامارة" اس سے مراد ہے منصب حکومت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان اوتیتها من غیر مسالة اعنت علیها، وان اعطیتها عن مسالة وکلت الیها" یعنی اگر بغیر تمہارے سوال کے تمہیں حکومت کا کوئی منصب دیا گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی، اور اگر تمہارے سوال کی وجہ سے تم کو حکومت کا منصب ملا تو تمہیں اس کی طرف سونپ دیا جائے گا اور تم اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو جاؤ گے"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم ادا کرنے کے متعلق فقہاء کے مذاہب اور دلائل

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم کو ادا کرنا جائز ہے اور اس کی مثل حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک کفارہ قسم میں غلام آزاد کرنے کو اور مسکینوں کو کپڑا پہنانے اور انہیں کھانا کھلانے کو کفارہ قسم پر مقدم کرنا جائز ہے اور روزہ رکھنے کو کفارہ قسم پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ قسم کو ادا کرنا کافی نہیں ہے۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے: امام ابوحنیفہ سے پہلے یہ قول کسی نے نہیں کہا۔

اور امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کے قول پر اس آیت سے استدلال کیا ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ۔ (المائدہ:۸۹) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ جب تم قسم کھاؤ اور قسم کو توڑ دو تو اس کا کفارہ ادا کرو۔

کفارۂ قسم کو قسم توڑنے پر مقدم کرنے کے دلائل

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے یہ بتایا کہ احادیث کے الفاظ میں اختلاف نہیں ہے کہ قسم توڑنے پر

کفارہ قسم کو ادا کرنا واجب ہو یا اس کے برعکس ہو۔ قسم کھانے والے کو دو حکموں کا مکلف کیا گیا ہے، اس کو قسم توڑنے کا حکم دیا اور کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ پس جب اس نے یہ دونوں کام کر لیے تو اس نے اس حکم کی اطاعت کر لی اور جس کا حکم دیا گیا تھا اس کو کر لیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۔ (البقرہ:۱۹۶) اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

پس حج اور عمرہ میں سے جس کو بھی دوسرے پر مقدم کیا تو اس نے اس حکم کو ادا کر لیا۔ اسی طرح جس شخص نے قسم توڑ کر اچھے کام کو کر لیا اور قسم کا کفارہ دے دیا تو اس نے بھی اس حکم پر عمل کر لیا۔

علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ چودہ صحابہ کی رائے یہ ہے کہ کفارہ قسم کو قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا جائز ہے، وہ چودہ صحابہ یہ ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود (۲) حضرت عائشہ (۳) حضرت ابن عباس (۴) حضرت ابن عمر (۵) حضرت ابوالدرداء (۶) حضرت ابوایوب (۷) حضرت ابوموسیٰ (۸) حضرت ابومسعود (۹) حضرت حذیفہ (۱۰) حضرت سلمان (۱۱) حضرت مسلمہ بن مخلد (۱۲) حضرت ابن الزبیر (۱۳) حضرت معقل (۱۴) اور ایک اور صحابی جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ رضی اللہ عنہم

اور ان کے بعد فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، حسن، ابن سیرین، علقمہ، نخعی، حکم بن عتیبہ اور مکحول رحمہم اللہ۔

پس یہ شہر کے عظیم علماء ہیں جو کفارہ قسم کو قسم توڑنے پر مقدم کرنے کے جواز کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ کے سوا ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کی طرف سے جو امام طحاوی نے یہ دلیل پیش کی ہے:

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۔ (المائدہ:۸۹) یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ (اور توڑ دو)۔

تو ہمارے نزدیک اس آیت کا محمل یہ ہے کہ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اور پھر تم اس قسم کو توڑنے کا ارادہ کرو۔

امام شافعی کے قول کا رد از علامہ ابن بطال

رہا امام شافعی کا یہ قول کہ روزوں کو کفارہ توڑنے پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے، سو اس کا رد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس وہ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اس کام کو کرے جو بہتر ہے''۔ اور آپ نے کفارہ کی جنس میں سے کسی ایک قسم کو خاص نہیں کیا گویا ہر قسم کو مقدم کرنا جائز ہے۔ پس اگر امام شافعی یہ کہیں کہ روزہ بدن کے حقوق میں سے ہے اور روزہ کو اپنے وقت سے پہلے مقدم کرنا جائز نہیں ہے جیسے نماز کو، اور غلام آزاد کرنا، اور مسکین کو کپڑے پہنانا اور کھانا کھلانا یہ اموال کے حقوق میں سے ہے، پس یہ زکوٰۃ کی مثل ہے جیسے زکوٰۃ کو مقدم کرنا جائز ہے تو ان کو بھی مقدم کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کی اس دلیل کا جواب یہ ہے: ایسا نہیں ہے کہ ہر وہ حق جو مال کے ساتھ متعلق ہو اس کو وقت سے پہلے ادا کرنا جائز ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ کفارہ قتل اور شکار کی جزاء کو ان کے وجوب سے پہلے مقدم کرنا جائز نہیں ہے، اور غلام کو آزاد کرنا اور کھانا کھلانا اور کپڑے پہنانا کفارہ قسم میں اس کے وجوب سے پہلے ادا کرنا جائز ہے تو اسی طرح روزوں کو بھی مقدم کرنا جائز ہونا چاہیے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۱۵۹۔ ۱۶۰، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۷۲۲ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "امارت (منصب حکومت) کا سوال نہ کرو، کیونکہ اگر تم کو امارت بغیر سوال کے دی گئی تو تمہاری اس پر مدد کی جائے گی اور اگر تم کو امارت سوال سے دی گئی تو تمہیں اس کی طرف سونپ دیا جائے گا.....الحدیث"۔

امارت کے سوال کی ممانعت منصب حکومت اور ولایت کے ساتھ مخصوص ہے یا عام ہے

سوال: کیا اس ممانعت کے ساتھ تمام ولایات لاحق ہیں مثلاً قضاء، اموال کی حفاظت، نماز کی امامت اور ان کے مشابہ دیگر امور، یا یہ ممانعت امارت کے ساتھ مخصوص ہے؟

الجواب: حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے بادشاہ سے کہا:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف: ۵۵) مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے محکمۂ مال کا وزیر بنادیں۔

اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے اپنی قوم کا امام بنادیں، آپ نے فرمایا: تم ان کے امام ہو اور تم ان میں سے کمزور لوگوں کی پیروی کرنا اور موذن بنانا اور ایسا موذن بنانا جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔

(سنن ابوداؤد: ۵۳۱، سنن نسائی: ۶۷۱، سنن ابن ماجہ: ۹۸۷)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، میں تھا اور دو مرد تھے جو میرے چچازاد تھے تو ان دو مردوں میں سے ایک نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں بعض ان مناصب پر حاکم بنادیجئے جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاکم بنایا ہے، دوسرے نے بھی اس کی مثل کہا تو آپ نے فرمایا: بے شک ہم اللہ کی قسم اس عمل پر کسی کو والی نہیں بنائیں گے جس نے اس کا سوال کیا ہو اور نہ اس شخص کو والی بنائیں گے جس نے اس منصب کا سوال کیا ہو اور جس نے اس منصب کی حرص کی ہو۔

(صحیح البخاری: ۷۱۴۹، صحیح مسلم: ۱۷۳۳)

اور اس باب میں نصوص متعارض ہیں یا متعارض کے مشابہ ہیں، لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان امارت اور منصب ولایت کا کبھی بھی سوال نہ کرے، کیونکہ وہ خطرہ میں ہے، کیونکہ حاکم کبھی اپنے لیے عزت کو دیکھتا ہے اور دوسروں پر غلبہ کو دیکھتا ہے اور اس سے ظلم اور زیادتی صادر ہوتی ہے، لیکن جو اس کے علاوہ ہو۔ پس اگر وہ کسی مصلحت کی وجہ سے منصب کا سوال کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً یہ کہ اس منصب کے اوپر کوئی ایسا شخص فائز ہو رہا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو یا اس منصب کے احکام سے جاہل ہو یا وہ خائن ہو یا اور کسی وجہ سے اس کے لائق نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس منصب کا سوال کرے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اسی پر محمول ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ اموال ضائع ہو رہے ہیں تو انہوں نے کہا: "مجھے اس ملک کے

خزانوں پر مقرر کر دیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں"۔

اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہی ضابطہ ہے جو امارت کو بھی شامل ہے اور امارت سے ممانعت کے سوال کو بھی شامل ہے۔

امارت سے ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ کسی مصلحت پر مشتمل نہ ہو، پس اگر امارت کا سوال کسی مصلحت پر مشتمل ہو مثلاً وہ یہ دیکھے کہ امیر امانت کو ضائع کر رہا ہے اور رعیت پر ظلم کر رہا ہے تو وہ سوال کرے کہ اس کے بدلہ میں اسے امیر بنا دیا جائے تاکہ وہ اس کے مظالم کا ازالہ کرے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے تو ایسے سوال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا جائے گا کہ جس حدیث میں امارت کی طلب سے ممانعت ہے وہ اس پر محمول ہے کہ جب وہ طلب کسی فساد کو زائل کرنے کی وجہ سے نہ ہو، لیکن جب کسی فساد کو زائل کرنے کی وجہ سے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

منصب قضاء کے متعلق دیگر احادیث

امارت کی طلب کے جواز کے متعلق حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے مسلمانوں کی قضاء کو طلب کیا حتیٰ کہ اس منصب کو پالیا پھر اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب رہا تو اس کے لیے جنت ہے۔ اور جس کا ظلم اس کے عدل پر غالب رہا تو اس کے لیے دوزخ ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۷۵)

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قضاء کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے ایک جنت میں ہے اور دو، دوزخ میں ہیں، رہا وہ جو جنت میں ہے پس یہ وہ مرد ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، اور وہ مرد جس نے حق کو پہچانا پھر حکم میں ظلم کیا تو وہ دوزخ میں ہے، اور وہ مرد جس نے لوگوں کے لیے جہالت سے فیصلہ کیا سو وہ دوزخ میں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۷۳، سنن ترمذی: ۱۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۵)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب حاکم حکم دے، پس اجتہاد کرے اور اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب حاکم حکم کرے، پس اجتہاد کرے اور اجتہاد میں خطاء ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۵۷۴، صحیح البخاری: ۷۳۵۲، صحیح مسلم: ۱۷۱۶، سنن ترمذی: ۱۳۲۶، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۴، سنن نسائی: ۵۳۹۶)

المہلب المالکی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: "جس کو بغیر اس کے سوال کے منصب دیا جائے تو اس کی اعانت کی جاتی ہے" اور اعانت کی تفسیر اس حدیث سے واضح ہوتی ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس نے منصب قضاء کو طلب کیا اور لوگوں سے سفارش کرا کر اس منصب کی طلب میں مدد حاصل کی تو اسے اس کے نفس کی طرف سونپ دیا جائے گا اور جس کو زبردستی منصب قضاء دیا گیا تو ایک فرشتہ نازل کیا جائے گا جو اس کو سیدھی راہ پر قائم رکھے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۷۸)

منصب کے طلب کی ممانعت اور منصب کی طلب کے جواز کی نصوص میں تطبیق

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: جس کو جبراً منصب قضاء دیا جائے، اس کا معنی یہ ہے کہ اسے منصب کی طرف دعوت دی جائے اور وہ اپنے آپ کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتا خوف خدا کے غلبہ کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ کہیں اس سے کوئی غلط کام نہ ہو جائے تو

اس کی مدد کی جاتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: یہ اکثر اور اغلب پر محمول ہے ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں''۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی:

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ (ص:۳۵)

اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو، بے شک تو ہی بہت دینے والا ہے O

قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے واضح ہوا کہ منصب کی طلب کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ منصب کی طلب کرنا صرف اس شخص کے لیے ممنوع ہوگا جو اپنی ذاتی وجاہت اور اس منصب سے ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لیے منصب کو طلب کرے، لیکن اگر کوئی شخص منصب کو قومی خدمت کے لیے اور مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے لیے طلب کرے تو پھر منصب کو طلب کرنا جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۹۔۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الایمان والنذور اور کفارہ اور اس کے ملحقات میں ایک سو ستائیس (۱۲۷) احادیثِ مرفوعہ ہیں، اور ان میں چھبیس (۲۶) تعلیقات ہیں اور بقیہ احادیث موصولہ ہیں اور ان میں ایک سو پندرہ (۱۱۵) احادیث مکررہ ہیں، اور خالص احادیث کی تعداد بارہ (۱۲) ہے۔

''کتاب الایمان والنذور'' اور ''کتاب الکفارات'' کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے رسولِ مکرم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ کے توسل اور فیضان سے آج ''کتاب الایمان والنذور وکفارات الایمان'' کی تکمیل ہوگئی۔

میں گوناگوں بیماریوں اور تکالیف میں مبتلاء ہوں، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل اور احسان نے ان ابواب کی تکمیل کرادی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان ابواب میں جو شرح لکھی گئی ہے اس کو مقبولِ عام بنائے اور اس تحریر سے موافقین کو دینِ متین پر استقامت عطا فرمائے اور مخالفین کو ہدایت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس شرح کو تا دیر قائم، باقی اور فیض آفرین رکھے۔ اور مجھے صحت اور توانائی کے ساتھ توفیق عطا فرمائے کہ میں صحیح البخاری کے بقیہ ابواب کی شرح کو بھی مکمل کرسکوں۔ اس کے بعد اب ان شاء اللہ العزیز کتاب الفرائض میں امام بخاری نے جو احادیث درج کی ہیں ان کا ترجمہ اور ان کی شرح کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اسے لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور قارئین کرام کو اس سے استفادہ کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۸۵۔ کِتَابُ الْفَرَائِضِ

وراثت کے احکام کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب فرائض کے احکام کے بیان میں ہے، فرائض کا لفظ "فریضة" کی جمع ہے، اس کا لغوی معنی ہے: جو احکام مکلف کے اوپر فرض کیے جاتے ہیں، ان ہی میں سے نمازوں کے فرائض ہیں، زکوٰۃ کے فرائض ہیں، نیز میراث کے احکام کو بھی فرائض کہا جاتا ہے اور فروض بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ بھی وراثت والوں کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان کا بیان کیا گیا ہے اور یہ احکام قطعی ہیں، ان پر اضافہ جائز نہیں ہے اور نہ ان سے کوئی کمی کرنا جائز ہے۔ یہ لفظ اصل میں فرض سے ماخوذ ہے اور فرض کا معنی ہے: القطع، التقدیر اور البیان۔ کہا جاتا ہے "فرضت لفلان کذا" یعنی میں نے اس کے لیے اتنا مال قطع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سُوۡرَۃٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَ فَرَضۡنٰهَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ○ (النور:۱)

یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی اور ہم نے اس (کے احکام) کو فرض کیا اور ہم نے اس میں واضح آیتیں نازل فرمائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○

یعنی ہم نے اس سورت میں احکام فرض کیے ہیں اور ان کا بیان کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَکُمۡ تَحِلَّةَ اَیۡمَانِکُمۡ ۚ وَ اللّٰهُ مَوۡلٰىکُمۡ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ○ (التحریم:۲)

(اے مسلمانو) بے شک اللہ نے تمہارے لیے قسموں کو کھولنے کا طریقہ مقرر فرما دیا ہے، اور اللہ تمہارا مددگار ہے، وہ خوب جاننے والا بے حد حکمت والا ہے ○

یعنی ہم نے تمہاری قسموں کا کفارہ بیان فرما دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ: قَوۡلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰهُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ۚ وَ اِنۡ کَانَتۡ وَاحِدَۃً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ وَ لِاَبَوَیۡهِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنۡ کَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ کَانَ لَهٗۤ اِخۡوَۃٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ یُّوۡصِیۡ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَیُّهُمۡ اَقۡرَبُ

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے، سو اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے، اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے، اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے

لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ (النساء:۱۱۔۱۲)

(اور باقی سب باپ کا ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے، (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے، تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے، (یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بے حد حکمت والا ہےO اور تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے، ان کی وصیت پوری کرنے اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حلم والا ہےO

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ ان آیتوں کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ دونوں آیات کریمہ اور وہ آیت جو سورت کے اختتام میں ہے، یہ سورۃ النساء ہے۔ ان آیات میں فرائض یعنی وراثت کے احکام کا علم ہے۔ اور اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ اس آیت کی تفسیر کے مثل ہیں۔

جن سے عہد کیا گیا ہو ان کے وارث ہونے کا بیان اور جو وارث کبھی ساقط نہیں ہوتے ان کا بیان اور جن کو کبھی وراثت نہیں دی جاتی ان کا بیان

زمانہ جاہلیت میں وراثت مردوں کے لیے ہوتی تھی اور طاقتوروں کے لیے ہوتی تھی، یعنی وہ لوگ مردوں کو وارث کرتے تھے عورتوں کو وارث نہیں کرتے تھے۔ اور ابتداء اسلام میں بھی حلف برداری کی وجہ سے حلفاء کو وارث بنایا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا (النساء:۳۳)

اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لیے وارث مقرر کردیئے ہیں جو ترکہ اولاد اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو، اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے O

اس آیت میں فرمایا ہے: ''اور جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے ان کو تم ان کا حصہ دے دو''۔ یعنی ان کو میراث میں سے حصہ دو۔ پھر ہجرت کے بعد بھی یہ شروع رہا، پھر یہ سب منسوخ ہو گیا اور وراثت صرف دو سببوں سے باقی رہی: نسب سے اور سبب سے، پس سبب سے مراد نکاح ہے اور الولاء ہے اور نسب سے مراد قرابت دار اور رشتہ دار ہیں۔ اور علم فرائض میں ان سے بحث کی گئی ہے۔

اور وہ لوگ جو وراثت سے اصلاً ساقط نہیں ہوتے ان کی تعداد چھ ہے: ماں، باپ، بیٹے، بیٹیاں، شوہر اور بیوی۔

اور جو لوگ اصلاً وارث نہیں ہوتے وہ بھی چھ ہیں:

(۱) غلام (۲) مرتد (۳) مکاتب (۴) ام الولد (۵) عمداً قتل کرنے والا (۶) دو مختلف مِلّتوں کے حامل۔

اور بعض علماء نے ان میں چار مزید کا اضافہ کیا ہے:

(۱) منہ بولا بیٹا (۲) وارث کا مجہول ہونا (۳) مرنے والے کی تاریخ کا مجہول ہونا (۴) ارتداد

اور عنقریب ان آیات کی تفسیر آئے گی اور ان آیات کے نزول کے اسباب کا ان ابواب میں ذکر آئے گا جن ابواب کا یہاں ذکر کیا جائے گا۔ اور اب ہم ان آیات کے بعض الفاظ کی تفسیر کرتے ہیں۔

باب میں مذکور آیات کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے ''يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے درمیان عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس سے وہ معمول منسوخ ہو گیا جو زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وارث نہیں بنایا جاتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مذکر کے لیے مونث سے دگنا حصہ رکھا، کیونکہ مرد کو اخراجات پورا کرنے کے لیے روزی کمانے کی مشقت اٹھانی ہوتی ہے اور خرید و فروخت اور تجارت کی مشقت برداشت کرنی ہوتی ہے اور محنت مزدوری کرنی پڑتی ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے ''فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ'' (سو اگر بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے)، یعنی اگر ترکہ میں جو وارث ہیں وہ دو یا دو سے زیادہ عورتیں ہوں۔ ایک قول ہے کہ لفظ ''فوق'' اس آیت کی طرح صلہ ہے:

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ۔ (الانفال:۱۲) سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو۔

اور دوسرا قول ہے کہ یہ تسلیم نہیں ہے نہ اس آیت میں اور نہ وہاں پر، اور قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو زائد ہو اور اس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ'' (اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے) یعنی اگر وراثت میں متروکہ ایک بیٹی ہو۔ اور ''واحدۃ'' پر زبر اس لیے ہے کہ یہ ''کانت'' کی خبر ہے، اور اس پر پیش بھی پڑھا

گیا ہے یعنی "وان وقعت واحدۃ" پس اس صورت میں اس کی خبر نہیں ہوگی کیونکہ اب "کانت" تامہ ہوگا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ" (اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے)۔ یعنی میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا، اور میت کا لفظ اگر چہ مذکور نہیں ہے لیکن قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اس مال میں سے جس کو میت نے ترک کیا ہے اگر میت کی اولاد ہو تو۔ اس آیت میں "وَلَد" کا لفظ فرمایا ہے اور یہ بیٹے اور پوتے دونوں کو شامل ہے۔ اور اب یہاں پر صاحب فرض ہے، پس اگر میت کی اولاد نہ ہو اور حال یہ ہو کہ اس کے ماں باپ اس کے وارث ہو رہے ہوں تو اس کی ماں کو ترکہ میں سے تیسرا حصہ ملے گا اور اس سے باقی کا حکم معلوم ہو گیا کہ باقی دو تہائی اس کے باپ کو ملیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ" (اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے، (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے)۔

یعنی اگر میت کے دو بھائی ہوں یا دو بہنیں ہوں، یا زیادہ ہوں، تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، یہ عام فقہاء کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ تین بھائی بہنوں سے کم ہوں تو ماں کے حصہ کو تہائی حصہ سے چھٹے حصہ کی طرف کے لیے حاجب نہیں بنتے اور وہ کہتے تھے کہ ماں باپ کے لیے اور دو بھائی بہنوں کے لیے اور ماں کے لیے تیسرا حصہ اور جو باقی ہے وہ باپ کے لیے ہے، انہوں نے ظاہر لفظ کی پیروی کی۔

اس کے بعد فرمایا "میت کی وصیت پوری کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد"۔

تمام متقدمین اور متاخرین علماء کا اس پر اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے، لیکن قرض کی دو قسمیں ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا قرض ہے اور دوسرا بندوں کا قرض ہے، پس اللہ تعالیٰ کا قرض اگر اس نے اس کی وصیت نہیں کی ہے تو ہمارے نزدیک وہ ساقط ہو جائے گا خواہ وہ نماز ہو یا زکوٰۃ ہو اور میت کے اوپر گناہ باقی رہے گا اور قیامت کے دن اس سے باقی رہی ہوئی نماز یا زکوٰۃ کا مطالبہ ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک اس کو ادا کرنا بھی لازم ہے جیسا کہ بندوں کے قرض کو ادا کرنا بھی لازم ہے خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور بعض قرض، بعض سے راجح ہیں۔ پس جو صحت کا قرض ہے یا مرض کے معائنہ کے وقت جو قرض ہے یا گواہوں سے جو قرض ثابت ہے ہمارے نزدیک وہ میت کے اقرار کیے ہوئے قرض پر مقدم ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: صحت کا قرض اور جس کا میت نے اپنے مرض میں اقرار کیا ہے دونوں برابر ہیں، اور جس قرض کا اس نے اقرار کیا ہے وہ وصیت پر مقدم ہے اور ہمارے نزدیک میت کا اپنے وارث کے لیے کسی دَین یا عین کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ یعنی وہ وارث کے لیے یہ اقرار کرے کہ اس نے اس کو اتنے دراہم یا دینار دینے ہیں یا وارث کو فلاں چیز دینی ہے تو اس کا یہ اقرار صحیح نہیں ہے۔ امام شافعی نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں اس سے اختلاف کیا ہے مگر انہوں نے کہا ہے کہ اگر باقی وارث اس اقرار کو جائز قرار دیں تو پھر صحیح ہے۔ اور جب دو قرض جمع ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کا قرض اور بندوں کا قرض تو ہمارے نزدیک بندوں کا قرض ادا کرنا اولیٰ ہے اور امام شافعی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرنا اولیٰ ہے اور امام شافعی سے یہ روایت بھی ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ رہی وصیت تو اگر وہ تہائی ترکہ کی مقدار میں ہو تو وہ وراثت پر قرض ادا کرنے کے بعد مقدم ہوگی اور اس میں وارثوں کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا" (تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے)۔

یعنی تم از خود نہیں جانتے کہ تمہارے باپ دادا میں سے اور تمہارے بیٹوں میں سے جو فوت ہو گئے ہیں ان میں سے کون تمہارے لیے زیادہ نفع دینے والا ہے، کیا وہ جس کے لیے ان میں سے کسی نے وصیت کی ہے، یا وہ جس کے لیے ان میں سے کسی نے وصیت نہیں کی؟ یعنی جس نے اپنے بعض مال کی وصیت کی پھر تم کو وصیت جاری کرنے کے سبب سے آخرت کے ثواب کے لیے پیش کیا تو وہ تمہارے لیے زیادہ نفع پہنچانے کا سبب ہے۔ مجاہد نے کہا: دنیا میں، اور حسن بصری نے کہا: تم نہیں جانتے ان میں سے دین اور دنیا میں کون زیادہ سعادت مند ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا" ((یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے بے حد حکمت والا ہے)۔

"فَرِيْضَةً" پر زبر، بربنائے مصدر ہے یعنی ہم نے جو میراث کی تفصیل ذکر کی ہے اور یہ کہ بعض وارثوں کا حصہ دوسرے بعض سے زیادہ ہے، سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرض کیا ہے، فرض کرنا۔ اور اس کا فیصلہ کیا ہے اور وہ علیم اور حکیم ہے، وہ ہر چیز کو اس کے محل میں رکھتا ہے اور ہر ایک کو وہ دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ" (اور تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے، ان کی وصیت پوری کرنے اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد، اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد)۔ یعنی اور تمہارے لیے اے مردو! جب تمہاری بیویاں فوت ہو جائیں اور ان کی اولاد نہ ہو تو تمہیں ان کے ترکہ کا نصف ملے گا اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہیں ان کے ترکہ کا چوتھائی حصہ ملے گا، اور ان بیویوں کے لیے خواہ وہ ایک ہوں یا چار ہوں تو اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو ان کو چوتھائی حصہ ملے گا، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کو آٹھواں حصہ ملے گا اور جتنی بیویاں ہیں وہ سب اس ترکہ میں شریک ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ" (اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد)۔ "كَلٰلَةً" پر اس لیے زبر ہے کہ یہ "كَانَ" کی خبر ہے اور کلالۃ کا لفظ اکلیل سے ماخوذ ہے اور یہ وہ دھاگا ہے جو سر کو اس کے تمام جوانب سے گھیر لیتا ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو نہ میت کا اصول ہو اور نہ فروع ہو، اور یہ وہ شخص ہے کہ جو نہ میت کا والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو، اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اور یہی الشعبی، النخعی، الحسن بصری، قتادہ، جابر بن زید اور حکم کا قول ہے، اور اہل مدینہ، اہل کوفہ اور اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی سات فقہاء کا قول ہے اور یہی ائمہ اربعہ کا قول ہے اور جمہور متقدمین اور

متاخرین بلکہ سب کا یہی قول ہے اور اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور طاؤس نے کہا ہے: بیٹے کے ماسوا ''کلالۃ'' ہے، اور عطیہ نے کہا: ''کلالۃ'' ماں شریک بھائی ہیں۔ اور عبید بن عمیر نے کہا ''کلالۃ'' ماں شریک بھائی ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بھائی اور بہن ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ باپ کے سوا ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ''کلالۃ'' مورث کی صفت ہے یعنی جس شخص کا ترکہ تقسیم کرنا ہو وہ ''کلالۃ'' ہو اور اس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اس کی اولاد ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ'' (اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد)۔

یعنی اس کا ایک اخیافی بھائی ہو یا اخیافی بہن ہو تو ان کو ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا اور اس میں مذکر اور مونث برابر کے شریک ہوں گے۔

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وصیت میں ضرر پہنچانا گناہِ کبیرہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۶۔۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اصحاب الفروض اور عصبات کا بیان

اصحاب الفروض ان ورثاء کو کہتے ہیں جن کے حصے اللہ کی کتاب میں مقرر ہیں جیسے بیٹی ایک ہو تو نصف لیتی ہے اور دو بیٹیاں ہوں تو وہ دو ثلث لیتی ہیں یعنی دو تہائی۔ اور باپ یا دادا کا چھٹا حصہ مقرر ہے اور ماں شریک بھائی کا یا ماں شریک بہن کا تہائی حصہ مقرر ہے، اور خاوند کا اگر اولاد نہ ہو تو نصف حصہ مقرر ہے اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ مقرر ہے اور بیوی کا اگر اولاد نہ ہو تو چوتھائی حصہ مقرر ہے اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ مقرر ہے۔ یہ سب اصحاب الفروض ہیں۔

اور عصبات میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں جیسے بیٹا اور چچا وغیرہ۔ عصبات کا حکم یہ ہے کہ ذوی الفروض کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ عصبات کو دے دیا جاتا ہے، اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو پورے کا پورا ترکہ عصبات کو دے دیا جاتا ہے۔

ان کے بعد ذوی الارحام کا نمبر ہے، ذوی الارحام میت کی ماں کی طرف سے رشتہ دار ہیں، جیسے ماموں اور خالہ وغیرہ۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام میں ترکہ تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

میت کے بھائی اور بہن عصبات میں سے ہیں اور اس میں بھائیوں کو بہنوں سے دگنا حصہ ملے گا۔

قرض کا وصیت پر مقدم ہونا

النساء:۱۱ میں پہلے وصیت کا ذکر ہے اور پھر قرض کی ادائیگی کا ذکر ہے اور اس پر اجماع ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا بعد میں اس کے ترکہ کے تہائی مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ تم یہ آیت اس طرح پڑھتے ہو "وصیت پوری کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد" اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کو ادا کیا ہے۔ اور یہ کہ سگے بھائی بہن وارث ہوتے ہیں اور باپ شریک بہن بھائی وارث نہیں ہوتے (یعنی سگے بھائی بہن کے ہوتے ہوئے باپ شریک بھائی بہن وارث نہیں ہوتے)۔ (سنن ترمذی: ۲۰۹۴، المستدرک ج ۴ ص ۳۳۶، مسند احمد ج ۱ ص ۷۹)

اس حدیث کی سند میں الحارث الاعور ہے اور یہ بہت شدید ضعیف راوی ہے لیکن اس حدیث کے تقاضے پر اجماع منعقد ہے اور جو اس کی مخالفت کرے اس کا اعتبار نہیں ہے۔

امام مالک نے کہا ہے: ہمارے نزدیک اجماعی امر یہ ہے کہ اخیافی بھائی بہن بیٹے اور پوتے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، نہ باپ کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور نہ دادا کے ساتھ، اور اس کے سوا وارث ہوتے ہیں، اگر ماں شریک بھائی بہنوں میں سے ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملتا ہے اور اگر دو یا اس سے زائد ہوں تو اسے تہائی حصہ ملتا ہے اور وہ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

ورثاء کی تفصیل

جو مردوں میں سے وارث ہوتے ہیں وہ دس ہیں اور جو عورتوں میں سے وارث ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور یہ ذوی الارحام پر مقدم ہیں، پھر ان میں سے عصبات بھی ہیں اور ذوی الفروض بھی ہیں، پس تمام مرد عصبات ہیں سوا شوہر کے اور سوا ماں شریک بھائی اور باپ شریک بھائی کے۔ اور سوا دادا کے جو بیٹے اور پوتے کے ساتھ ہو، اور تمام عورتیں ذوی الفروض ہیں سوا مولاۃ العتاقۃ کے، اور سوا ان بہنوں کے جو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں، اور ان کے ساتھ کوئی ذوی الفروض نہ ہو اور وہ بھی نہ ہو جو ان کو عصبہ بنا دے ان کا بھائی یا ان کے چچا کا بیٹا، اور یہ لوگ بعض حال میں وارث ہوتے ہیں اور بعض حال میں محجوب ہو جاتے ہیں یعنی ان کا حصہ کم ہو جاتا ہے سوا پانچ کے شوہر اور بیوی، باپ اور ماں اور صلبی بیٹا۔

اور چار مردوں میں سے چار عورتوں کے سے وارث ہوتے ہیں اور عورتیں ان کی مطلقاً وارث نہیں ہوتیں:

بھتیجا اپنی پھوپھی کا وارث ہوتا ہے اور پھوپھی بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی، اور چچا بھتیجی کا وارث ہوتا ہے اور بھتیجی چچا کی وارث نہیں ہوتی، اور چچا کا بیٹا پھوپھی کی بیٹی کا وارث ہوتا ہے اور پھوپھی کی بیٹی اس کی وارث نہیں ہوتی۔ اور مولی العتاقۃ آزاد شدہ باندی کا وارث ہوتا ہے اور آزاد شدہ باندی اس کی وارث نہیں ہوتی۔

دو عورتیں دو مردوں کی وارث ہوتی ہیں اور مرد ان کے وارث نہیں ہوتے: دادی پوتے کی وارث ہوتی ہے اور پوتا دادی کا وارث نہیں ہوتا، اور آزاد شدہ باندی آزاد کرنے والے کی وارث ہوتی ہے اور وہ اس باندی کا وارث نہیں ہوتا۔

چار مرد اپنی بہنوں کو عصبہ بناتے ہیں اور ان کے لیے ذوی الفروض سے مانع ہوتے ہیں، اور باقی ترکہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوتا ہے کہ مرد کو عورت سے دگنا ملتا ہے، وہ چار مرد یہ ہیں: بیٹے اور ان کے بیٹے خواہ اس سے نیچے ہوں، اور سگے بھائی اور باپ

شریک بھائی، یہ سگی بہنوں اور باپ شریک بہنوں کو عصبات بناتے ہیں اور ان کو ذوی الفروض ہونے سے مانع ہے، ان کے علاوہ جو عصبات ہیں ان میں سے جو مرد ہیں وہ تنہا وراثت کو لے لیتے ہیں اور عورتوں کو وراثت نہیں ملتی، جیسے بھتیجوں کو وراثت ملتی ہے بھتیجیوں کو وراثت نہیں ملتی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۵۷۔۴۵۸ ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۶۷۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ رضي الله عنهما يَقُولُ مَرِضْتُ فَعَادَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ وَهُمَا مَاشِيَانِ فَأَتَانِي وَقَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَبَّ عَلَيَّ وَضُوءَهُ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ أَصْنَعُ فِي مَالِي كَيْفَ أَقْضِي فِي مَالِي فَلَمْ يُجِبْنِي بِشَيْءٍ حَتَّى نَزَلَتْ آيَةُ الْمَوَارِيثِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، اور وہ دونوں پیدل چل رہے تھے، پس وہ دونوں میرے پاس آئے اور مجھ پر بے ہوشی طاری تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پس مجھ پر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ڈالا، سو میں ہوش میں آگیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے مال کا کیا کروں؟ میں اپنے مال کا کس طرح فیصلہ کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳)

صحیح البخاری: ۶۷۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت سورۃ النساء کی ان دو آیتوں کے ساتھ ظاہر ہے جن کا اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے اور وہ دو آیتیں اس باب کے عنوان کے قائم مقام ہیں، کیونکہ ان میں میراث کے احکام کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان بن عیینہ ہیں۔

اور یہ حدیث کتاب الطب میں از عبداللہ بن محمد گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فاتیان" یہ تثنیہ کا صیغہ ہے اور ایک روایت میں ہے "فاتانی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے

پاس تشریف لائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وَضوئه" (اس میں واؤ پر زبر ہے) اس سے مراد ہے جس پانی سے وضو کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آیت المواریث" اور ایک روایت میں ہے "آیة المیراث" اور یہ سورۃ النساء: ۱۱ ہے جس میں مذکور ہے: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ (اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے)۔

حدیث مذکور پر ایک سوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سورۃ النساء کی یہ آیت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی منافات نہیں ہے، اس لیے یہ ہوسکتا ہے کہ اس آیت کا بعض حصہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے موقع پر نازل ہوا ہو اور بعض حصہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری پر نازل ہوا ہو، یا دونوں کے متعلق یہ آیت ایک وقت میں نازل ہوئی ہو۔

حدیث مذکور کے فوائد

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا انتظار کرتے تھے اور اجتہاد سے کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے، پھر انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اس مسئلہ میں آپ نے اجتہاد نہیں کیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ مطلقاً اجتہاد نہ فرماتے ہوں، یا آپ اس وقت اجتہاد فرماتے تھے جب آپ وحی نازل ہونے سے مایوس ہوجاتے تھے، یا آپ اس وقت اجتہاد فرماتے جب آپ پر مسائل کا حل آسان ہوتا، یا آپ مسائلِ تعبدیہ میں اجتہاد نہیں فرماتے تھے۔

اس حدیث کے دیگر فوائد میں سے یہ ہے کہ مریض کی عیادت کرنی چاہیے اور مریض کے پاس پیدل چل کر جانا چاہیے، اور صالحین کے آثار سے برکت حاصل کرنی چاہیے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استعمال شدہ پانی پاک ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا پانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر ڈالا، اور اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثر کی برکت ظاہر ہوئی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے اور آپ نے اپنے وضو کا پانی ڈالا تو وہ ہوش میں آگئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مسائل مستنبطہ

علامہ مہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے اس مسئلہ کا حل نکالے جب تک کہ اس کے لیے نصوص کو حاصل کرنے کا طریقہ موجود ہو، اور اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کی موجودگی میں کسی مسئلہ کا اجتہاد سے حل نکالنا

جائز ہوتا تو وہ آپ سے مشورہ نہ کرتے اور یہ نہ پوچھتے کہ میں اپنے مال میں کس طرح کروں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کر کے اس مسئلہ کا حل بتائیں جب تک کہ آپ کے اوپر قرآن نازل نہ ہوا ہو، اس لیے آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوپر سورۃ النساء: ۱۱ نازل فرمائی۔

اس حدیث میں اس پر قوی ترین دلیل ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں علماء سے سوال کرنا چاہیے اور جس جگہ اقتداء کرنی واجب ہو وہاں اجتہاد نہیں کرنا چاہیے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے آثار سے حصولِ برکت کا عدم جواز

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل ہوتی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وضو کیا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما پر پانی ڈالا تو وہ ہوش میں آ گئے، لیکن کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر کی طرف بھی برکت کا پہنچانا متعدی ہوتا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ نہیں! پسینہ سے تبرک حاصل کرنا یا کپڑے سے تبرک حاصل کرنا یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنا یا اس کے مشابہ دیگر چیزوں سے برکت حاصل کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی دوسرا آپ کے ساتھ اس میں شریک نہیں۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے آپس میں ایک دوسرے کے آثار سے برکت حاصل نہیں کی، پس نہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آثار سے برکت حاصل کی، نہ حضرت عمر، نہ حضرت عثمان اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہم کے آثار سے برکت حاصل کی، اور جب انہوں نے ان عظیم صحابہ سے برکت حاصل نہیں کی باوجود اس کے کہ سبب قائم تھا تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے برکت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ اور اولیاء اللہ کی برکتوں کا ثبوت

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار میں اللہ تعالیٰ نے جو برکتیں رکھی ہیں غیر انبیاء کے آثار میں وہ برکتیں نہیں ہوتیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۵۱)

اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے ۝

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سندِ ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نیک مسلمانوں کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک نیک مسلمان کے سبب سے اس کی اولاد، اولاد در اولاد اور اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب سے بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

امام احمد، حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے: ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کیے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے، انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۰، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

نیز حافظ ابن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل آیت کو بھی ذکر کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا (الحج: ۴۰)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں گرادی جاتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس آیت کی تفسیر میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان احادیث کو بھی حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور درج ذیل حدیث بھی ذکر کی ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہمیشہ سات آدمی ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی، جن کی وجہ سے تم پر بارش ہوگی اور جن کے سبب سے تم کو رزق دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے گا۔ (تفسیر القرآن العظیم ج ۱ ص ۳۴۶، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران: ۱۹۳)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی نداء کرتے ہوئے سنا کہ (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں

کے ساتھ کرO

صحیح البخاری: ۱۳۳۹، صحیح مسلم: ۲۳۷۲ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو ابھی موت آجائے، اور اللہ تعالیٰ ان کو بیت المقدس سے اتنی دور کردے جتنی دور ایک پتھر پھینکنے سے جاتا ہے۔۔۔الحدیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک مقامات پر صالحین کی قبروں کے پاس میت کو دفن کرنا مستحب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۵۰، ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ لکھتے ہیں:

حرمین طیبین، انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور اولیاء اور شہداء کی قبروں کے پاس دفن کرنا تاکہ ان کے جوار سے برکتیں حاصل ہوں اور ان پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے بقیہ آثار ان پر نازل ہوں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کی وجہ سے مستحب ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ ان کو ان انبیاء علیہم السلام کا قرب مقصود تھا جو بیت المقدس میں مدفون ہیں، قاضی عیاض مالکی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے جوار میں دفن ہونا اس لیے پسند کیا تھا تاکہ آپ کو اس جگہ کی برکتیں حاصل ہوں اور جو صالحین وہاں مدفون ہیں ان کے قرب کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل ہو، اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مبارک جگہوں اور صالحین کی قبروں کے پاس دفن ہونے میں رغبت کرنی چاہیے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ، اللہ نہ کہا جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے: قیامت اس وقت تک کسی شخص پر قائم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اللہ، اللہ کہہ رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸، سنن ترمذی: ۲۲۰۷، مسند احمد ج ۳ ص ۱۰۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روئے زمین صرف اللہ اللہ کرنے والوں کی برکت سے قائم ہے اور جب زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہیں رہیں گے تو قیامت آجائے گی۔

نیز متعدد مستند کتب میں مذکور ہے: بعض صحابہ اور صلحاء کی قبروں پر جاکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرمالیتا ہے اور اگر بارش نہ ہوتی ہو اور ان کی قبروں کے پاس جاکر اللہ تعالیٰ سے بارش کے نزول کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمادیتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر کی یہ کرامت مشہور ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًاۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ

اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، تو

يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ (الکہف:۸۲) آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں۔

امام عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔

(سنن ترمذی:۳۱۵۲، الکامل لابن عدی ج ۷ ص ۲۸، ۲۳)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یعنی حضرت خضر نے کہا) ''اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا''۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کے باپ کی نیکیوں کی برکت سے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی، کیونکہ ان لڑکوں کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ باپ کی نیکی کی برکت سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۲۸۸۳، ۱۲۸۸۲، جامع البیان، رقم: ۱۷۵۴۴)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد نے بیان کیا: ان لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے، اور محمد بن المنکدر نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل کسی ایک بندہ کی نیکی کی برکت سے اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلے والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

(الوسیط ج ۳ ص ۱۶۳، معالم التنزیل، ج ۳ ص ۱۴۷، النکت والعیون ج ۳ ص ۳۳۶، زاد المسیر ج ۵ ص ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۰۰، تفسیر کبیر ج ۷ ص ۴۹۲، روح المعانی جز ۱۶ ص ۱۹۔۲۰)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

وہ مردِ صالح ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے، ان کے والد کا نام کاشح تھا، اور ان کی والدہ کا نام دُنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہو، اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلالت کرتی ہے:

اِنَّ وَلِیّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ۝ (الاعراف:۱۹۶) (آپ کہیے:) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے ○

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰ ص ۴۱۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ان ٹھوس دلائل اور مستند حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور متقین اور ابرار کو برکتیں عطا فرماتا ہے اور ان کی برکتوں سے بعد کے لوگوں کو فیض پہنچتا ہے، اس لیے اولیاء اللہ کی تعظیم اور تکریم کرنی چاہیے اور ان کے متعلق کسی ناگفتنی بات

کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء کرام اور متقین اور ابرار کے دامن سے وابستہ رکھے اور ان کے فیضان کو ہم پر سایا فگن رکھے۔ شیخ ابن عثیمین چونکہ نجدی افکار اور نظریات کے حامل ہیں اس لیے جہاں ان کو موقع ملتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کی تنقیص کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کے فیضان کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بدعقیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

شیخ ابن عثیمین کا وارث کی میراث منقطع کرنے کو جائز قرار دینا اور مصنف کا اس پر مواخذہ

نیز شیخ ابن عثیمین اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص بہت زیادہ مال کا مالک ہو اور وہ بوڑھا ہو جائے اور اس کی اولاد کوئی ایسا کام کرے جس کی وجہ سے وہ اپنی اولاد پر ناراض ہو اور اپنا تمام مال نیک کاموں میں خرچ کرنے کے لیے وقف کر دے تو آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

شیخ ابن عثیمین نے لکھا ہے کہ یہ صحیح ہے اور اس نے جو مال نیک کاموں کے لیے وقف کیا ہے وہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ وصیت نہیں ہے، یہ وقف ہے۔ ہاں اگر وہ نیک کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت کرتا تو صرف تہائی مال میں اس کی وصیت جاری ہوتی۔

میں کہتا ہوں: شیخ ابن عثیمین کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے وارثوں کو وراثت سے عاق اور محروم کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے وارث کی میراث قطع کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت میں اس کی میراث کو قطع فرما دے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۰۳)

تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنے کا ممنوع ہونا

نیز شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

وصیت کرنے والے پر یہ حرام ہے کہ وہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ وصیت کرنے سے منع فرما دیا حتیٰ کہ وہ تہائی تک پہنچے اور آپ نے فرمایا کہ تہائی بہت ہے۔

اور اگر کوئی شخص مرض الموت میں ہو اور وہ اپنی تمام مملوکات کو وقف کر دے تو اس کا یہ وقف نافذ نہیں ہوگا سوائے تہائی مال کے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: تَعْلِيمِ الْفَرَائِضِ

وراثت کے احکام کی تعلیم دینا

وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ تَعَلَّمُوا قَبْلَ الظَّانِّينَ يَعْنِي الَّذِينَ يَتَكَلَّمُونَ بِالظَّنِّ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا: علم کو حاصل کرو اس سے پہلے کہ گمان کرنے والے ہو جاؤ، یعنی جو لوگ انکل پچو سے باتیں کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں تعلیم الفرائض کا بیان ہے۔

اس باب پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب کے عنوان کو اس باب میں داخل کرنے کی کوئی صحیح وجہ نہیں ہے۔
اس اعتراض کو رد کر دیا گیا ہے کہ اس عنوان سے بالعموم علم کی تعلیم اور بالخصوص وراثت کے احکام کی تعلیم کی ترغیب دی گئی ہے۔
تعلیمِ فرائض کے متعلق ایک حدیث وارد ہے لیکن وہ حدیث چونکہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی اس لیے امام بخاری نے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اور وہ حدیث درج ذیل ہے:
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو فرائض سکھاؤ کیونکہ میں ایسا مرد ہوں جو فوت ہونے والا ہوں اور عنقریب علم کو اٹھا لیا جائے گا حتیٰ کہ دو آدمی فریضہ میں اختلاف کریں گے اور انہیں وہ شخص نہیں ملے گا جو ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ (سنن ترمذی:۲۰۹۱)

میں کہتا ہوں: اس باب میں مزید احادیث ہیں جو درج ذیل ہیں:
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الفرائض (احکامِ وراثت کا علم) کو سیکھو، اور لوگوں کو سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ وہ پہلی چیز ہے جس کو میری امت سے بھلا دیا جائے گا۔
(سنن ابن ماجہ:۲۷۱۹، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۳۲)
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں اور ان کے ماسوا فضول ہے: آیتِ محکمہ، یا سنتِ قائمہ، یا فریضہ عادلہ۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۸۵)
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دو۔
(سنن دارقطنی ج ۴ ص ۸۲)
امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: اس کی مثال جو قرآن پڑھتا ہو اور فرائض کو اچھی طرح نہ جانتا ہو ایسے ہے جیسے ٹوپی بغیر سر کے ہو۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم الفرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین سے ہے۔ (سنن دارمی: ج ۴ ص ۱۸۸۵)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: ''علم حاصل کرو اس سے پہلے کہ تم گمان کرنے والوں میں سے ہو جاؤ''۔
حضرت عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو چوالیس (۴۴) ہجری میں مصر کا والی بنایا تھا، پھر ان کو معزول کر کے حضرت مسلمہ بن مخلد کو مصر کا والی بنا دیا۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ کو مصر اور مغرب کا والی بنا دیا۔ ۶۲ ھ میں مدینہ میں ان کی وفات ہو گئی۔ دوسرا قول ہے کہ مصر میں ان کی وفات ہوئی۔ اور ابن یونس نے کہا کہ ان کی وفات اسکندریہ میں ہوئی۔ اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے مصر میں ایک حویلی بنائی تھی۔ حافظ ابوعمر بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ ھ نے کہا ہے کہ حضرت عقبہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی خلافت کے اخیر میں فوت ہو گئے تھے۔ علامہ الواقدی نے کہا ہے: وہ المقطم میں مدفون ہوئے۔ اور خلیفہ نے کہا ہے: وہ ۵۸ ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے: ''تم علم حاصل کرو'' اور مفعول کا ذکر نہیں کیا تا کہ ہر علم کو شامل ہو جائے اور اس میں فرائض کا علم بھی

داخل ہو جائے۔اور یہ اس تعلیق کی اس باب کے ساتھ مناسبت ہے۔اور اس شرح سے توضیح کا کلام مردود ہو جاتا ہے، کیونکہ صاحب التوضیح نے کہا ہے: رہا حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا کلام اور جو اس کے بعد حدیث ہے، ان دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: جس کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہے اس کو ہماری شرح سے اس تعلیق اور باب کے درمیان مناسبت سمجھ آ جائے گی۔علاوہ ازیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عقبہ کی مراد یہ ہو کہ تم علم الفرائض کو سیکھو اور اس سے مراد ان کی یہ مخصوص علم ہے کیونکہ اس کے ساتھ بہت شدید اہتمام کیا جاتا ہے، کیونکہ جس حدیث کو ہم نے ابھی ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ علم الفرائض یعنی احکام وراثت کا علم حاصل کرنا اور اس علم کو سکھانا اس پر بہت توجہ کی جاتی ہے اور ایسا کیوں نہیں ہوگا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم الفرائض کو نصف علم قرار دیا ہے، کیونکہ امام ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم فرائض کا علم حاصل کرو اور لوگوں کو یہ علم سکھاؤ، کیونکہ یہ نصف علم ہے اور یہ وہ پہلی چیز ہے جس کو میری امت سے بھلا دیا جائے گا۔اور امام حاکم نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی تین قسمیں ہیں اور اس کے ماسوا فضول ہے: آیتِ محکمہ، یا سنتِ قائمہ، یا فریضہ عادلہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قبل الظانین" اور اس کی تفسیر کی ہے یعنی ان لوگوں سے پہلے جو ظن سے کلام کرتے ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا: یعنی علم کے مٹنے سے پہلے اور علماء کے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے۔اور ان لوگوں کے ظاہر ہونے سے پہلے جنہیں کسی چیز کا علم نہیں ہوتا اور اپنے ظنونِ فاسدہ کے اعتبار سے کلام کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۸۔۳۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ظن اور اجتہاد کا فرق

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

اس باب کی حدیث میں ظن کی مذمت کی ہے اور یہی وہ ظن ہے جس کا تعلیقِ مذکور میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا ہے اور یہ وہ ظن نہیں ہے جو اصول کے مطابق اجتہاد پر مبنی ہو، کیونکہ جس ظن سے کتاب وسنت میں منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ اس کا جواب کتاب اللہ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یا ائمہ دین کے اقوال کو جانے بغیر دے، لیکن جب وہ ان تین اصولوں کے مطابق جواب دے گا تو پھر وہ ظن کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ مجتہد ہے اور اجتہاد اصول کے مطابق جائز ہے۔(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے علامہ مہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ کی مذکور الصدر عبارت اس باب کی شرح میں من وعن نقل کی ہے۔(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۵۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

اور علامہ ابن الملقن کی اس عبارت میں اس عبارت کا نام ونشان نہیں ہے جس کا علامہ عینی نے التوضیح کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا کلام اور اس باب کی حدیث کی باب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔(سعیدی غفرلہ)

۶۷۲۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم بدگمانی سے اجتناب کرو، بے شک ظن (بدگمانی) سب سے جھوٹی بات ہے، آپس میں ایک دوسرے کی برائی کی تلاش میں نہ لگے رہو اور ایک دوسرے کے خفیہ معاملات کو معلوم نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی کرو، بلکہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔

(صحیح البخاری: ۵۱۴۳، ۶۰۶۴، ۶۰۶۶، ۶۷۲۴ صحیح مسلم: ۲۵۶۳، سنن ترمذی: ۱۹۸۸، سنن ابوداؤد: ۴۹۱۷، مسند احمد: ۸۲۹۹، موطا امام مالک: ۱۶۸۴)

صحیح البخاری: ۶۷۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "تعلیم الفرائض" یعنی میراث کے احکام کی تعلیم دینا اور اس حدیث میں بدگمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ البتہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کا جو اثر ہے اس میں مذکور ہے "گمان کرنے سے پہلے علم حاصل کرو" سو اس اثر سے اس حدیث کی کچھ مناسبت ہے کیونکہ اس میں بدگمانی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے اور یہ ابن خالد البصری ہیں جو عبداللہ بن طاؤس سے روایت کرتے ہیں از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

یہ حدیث کتاب النکاح کے باب "لا یخطب علی خطبة اخیه" میں گذر چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ایاکم والظن" یعنی تم بدگمانی سے اجتناب کرو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فان الظن اکذب الحدیث" یعنی ظن سب سے جھوٹی بات ہے۔

"اکذب" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ کذب زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کرتا، پس اس سے اسم تفضیل کس طرح سے آ گیا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بدگمانی دوسری باتوں کی بہ نسبت اکثر جھوٹی بات پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ ظن بات تو نہیں ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ظن بھی انسان کے دل میں بات ہوتی ہے۔ اور اس کا معنی

یہ ہے کہ جس بات کا منشاء ظن ہو وہ دوسری باتوں کی بہ نسبت اکثر جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ظن کا منشاء اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تجسسوا" اس کا معنی ہے: دوسروں کے اندرونی معاملات کی چھان بین نہ کرو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تحسسوا" ایک قول یہ ہے کہ تجسس کا معنی ہے اندرونی معاملات کی چھان بین کرنا، اور "تحسس" کا معنی ہے کسی کی برائی کو تلاش کرنا۔ اور الجرمی نے کہا ہے کہ دونوں کا ایک معنی ہے اور دونوں کا معنی ہے: خبروں کی معرفت حاصل کرنا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تدابروا" یعنی ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو اور ایک دوسرے کو نہ چھوڑو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۵۹۔ ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا خلاصہ

اس حدیث میں علم کے حصول کی ترغیب دی ہے، خاص طور پر جب لوگوں کو علم حاصل نہیں ہوتا تو وہ اکثر اپنے گمان سے باتیں کرتے ہیں جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے، کیونکہ ایک آدمی ہم میں سے کوشش کرتا ہے تاکہ علم حاصل کرے اور ہمارے ذہنوں میں علوم راسخ ہو جائیں تاکہ گمان کرنے والوں کا دور نہ آئے، پھر امام بخاری نے یہ حدیث ذکر کی کہ تم بدگمانی کرنے سے بچو یعنی میں تم کو بدگمانی سے ڈراتا ہوں، کیونکہ بدگمانی انسان کے نفس کی بات ہے اور وہ جھوٹی بات ہوتی ہے۔

تحسس اور تجسس کا فرق

تجسس کا معنی ہے: بحث و تمحیص میں گہرائی میں جانا اور معمولی بحث کرنا تحسس ہے۔ یا کہا جاتا ہے کہ اخلاقِ حسیہ کی تفتیش کرنا تحسس ہے اور اخلاقِ معنویہ کی تفتیش کرنا تجسس ہے۔

پس تحسس کا معنی ہے: ظاہری چیزوں میں بحث کرنا جن کا حواس سے ادراک کیا جاتا ہے اور تجسس کا معنی ہے: باطنی چیزوں سے بحث کرنا جن کا حواسِ ظاہرہ سے ادراک نہیں کیا جاتا۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ "لا تحسسوا" کا معنی ہے: لوگوں کے عیوب سے بحث نہ کرو اور ان کی اتباع نہ کرو۔

اللہ عزوجل حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (یوسف: ۸۷) اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

اور تحسس کا معنی ہے کہ حواسِ خمسہ کو کام میں لا کر کسی چیز کی خبر حاصل کرنا۔

ایک قول یہ ہے کہ تجسس کا معنی ہے: لوگوں کے عیوب سے بحث کرنا اور لوگوں کی باتیں سننا۔

یہ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے جو سب سے کم عمر تابعی ہیں۔
ایک قول یہ ہے کہ تجسس کا معنی ہے: کسی کے باطنی امور سے بحث کرنا اور بالعموم اس کا شر میں استعمال ہوتا ہے۔ اور تحسس کا معنی ہے: جن چیزوں کا آنکھوں سے اور کان سے ادراک کیا جائے۔
تجسس کرنا ممنوع ہے لیکن کسی کو ہلاکت سے بچانے کے لیے یا کسی کو شر سے بچانے کے لیے تجسس کرنا جائز ہے، جیسے حکومت ملکی بقاء اور سلامتی کے لیے دشمنوں کا کھوج لگانے کے لیے جاسوس مقرر کرتی ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تباغضوا" یعنی تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا تدابروا" یعنی لوگوں کے سامنے پیٹھ موڑ کر نہ بیٹھو۔ اور یہ ادب کے خلاف ہے کوئی آدمی کسی کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے۔ اور یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم اپنے دلوں میں دوسروں کی طرف پشت نہ کرو۔
(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۹۔۵۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۲۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علم الفرائض کو نصف علم قرار دینے کی توجیہ

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرائض کے علم کو سیکھو کیونکہ یہ نصف علم ہے، فرائض کے علم سے مراد ہے احکامِ وراثت کا علم، اس کو نصف علم اس لیے فرمایا ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہیں، ایک زندگی کی حالت ہے اور ایک موت کی حالت ہے اور علم الفرائض کا تعلق موت کے احکام سے ہے، اس لیے اس کو نصف علم فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ احکام نصوص سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور قیاس سے بھی، اور فرائض کا علم صرف نصوص سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں قیاس کا دخل نہیں ہے، اس لیے اس کو نصف علم فرمایا۔
نیز اس حدیث میں "ایاکم والظن" فرمایا، یعنی بدگمانی کرنے سے اجتناب کرو، کیونکہ بدگمانی کسی دلیل کی بناء پر نہیں ہوتی بلکہ محض دل میں آئے ہوئے بے بنیاد خیالات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ

نبی ﷺ کا ارشاد: ہم (گروہ انبیاء) وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کے عنوان میں "لَا نُوْرَثُ" کا ذکر ہے، یہ مجہول کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے: ہم (گروہ انبیاء) وارث نہیں بنائے جاتے، اور اگر یہ معلوم کا صیغہ ہو جیسے "لَا نُوْرِثُ" اس کا معنی ہے: ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ تو اس کا بھی معنی صحیح ہے۔
اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جب رسول اللہ ﷺ کو بندوں کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ نے جو اللہ تعالیٰ کے دین

کی تبلیغ کی ہے اور اس کے احکام کا اعلان کیا ہے تو آپ سے جنت کا وعدہ فرمایا اور آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ اس دین کی تبلیغ پر کوئی اجر نہ لیں اور نہ دنیا کے ساز و سامان میں سے کوئی چیز لیں۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (الفرقان:۵۷)

آپ کہیے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف راستہ کو اختیار کر لے O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ کی طرف دنیا کے ساز و سامان میں سے کوئی چیز منسوب نہ ہو، جو لوگوں کے نزدیک اجر اور قیمت کے معنی میں ہو۔ سو اس وجہ سے آپ کے لیے دنیا کے ساز و سامان میں سے کوئی چیز حلال نہیں، اور مرد کے پاس جو چیز پہنچتی ہے یا اس کے گھر والوں کے پاس جو چیز پہنچتی ہے وہ اس مرد تک پہنچ جاتی ہے، اسی لیے آپ کے گھر والوں پر میراث کو حرام کر دیا گیا ہے تا کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ آپ نے اپنے وارثوں کے لیے مال جمع کیا ہے، جیسا کہ آپ کے اوپر ان صدقات کو حرام فرما دیا جو آپ کے ہاتھوں سے دنیا والوں کو دیے جاتے ہیں تا کہ آپ کی طرف یہ منسوب نہ ہو کہ آپ نے دنیا سے کوئی چیز حاصل کی ہے اور تمام رسولوں کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ اپنی جگہ پر بیان ہو چکا ہے۔

اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ذکر کیا کہ ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، اور یہی اس حدیث کا معنی ہے کہ آلِ محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ پس یہ حدیث تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق عام ہے۔ اور اس حدیث کے معارض یہ آیت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ۔ (النمل:١٦) اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے۔

کیونکہ اس آیت سے مال اور حکومت کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ نبوت اور علم اور حکمت کی وراثت مراد ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ (مریم:٦) جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔

یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔ اس آیت میں بھی وراثت سے مراد نبوت اور علم اور حکمت کی وراثت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ (مریم:۵۔٦)

اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے، اور میری اہلیہ بانجھ ہے، سو تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما O جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو، اور اے میرے رب! اس کو پسندیدہ بنا دے۔

حضرت زکریاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک بیٹا عطا فرمائے جو نبوت اور علم میں ان کا وارث ہو، کیونکہ ان کو اپنے بیٹے کی وجہ سے ایسے فضائل حاصل ہوں گے جو اپنے بیٹے کے علاوہ کسی اور سے وہ فضائل حاصل نہ ہوتے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرد کا اپنے بعد اپنے بیٹے کی دعا سے درجہ بلند کیا جاتا ہے۔

پس حضرت زکریاء علیہ السلام نے اس میں رغبت کی کہ ان کا بیٹا نبوت میں اور علم میں ان کا وارث ہو جو ان کی پشت سے باہر آئے، اس اعتبار سے اس آیت کا معنی یہ ہے کہ مجھے اپنے بعد اپنے قرابت داروں سے خطرہ ہے اور وہ قرابت دار ان کے چچا کے بیٹے تھے اور دیگر عصبات تھے کہ ان قرابت داروں کی طرف ان کا علم اور ان کی حکمت پہنچ جائے گی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے کی طرف ان کا علم اور ان کی حکمت پہنچے، سو انہوں نے اس کو اپنے دل میں رکھا۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ حضرت زکریاء علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے بھی ڈرتے تھے اور لوگوں سے بھی ڈرتے تھے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عذاب سے ڈرتے تھے اور اس کی گرفت سے ڈرتے تھے، اور لوگوں سے ان کی ملامت سے ڈرتے تھے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ وہ میرے قرابت دار دین کو ضائع کر دیں گے اور ان کے خلاف سازشیں کریں گے، سو انہوں نے اپنے لئے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا وارث عطا فرمائے جو نبوت میں اور علم میں ان کا وارث ہوتا کہ ان کے بعد دین ضائع نہ ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے کہ ''ہم (گروہِ انبیاء) وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے'' وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زکریاء علیہ السلام نے جو اپنے رب سے سوال کیا تھا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے بیٹے کو نبوت کا وارث بنائے نہ کہ مال کا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ یہ کہتے کہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ میرے وارث میرے چچا کے بیٹے ہوں گے اور دیگر عصبات ہوں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مال کو مقدر نہیں کیا تھا۔ اور جس چیز نے ان کو اس دعاء پر برانگیختہ کیا، وہ یہ تھی کہ انہوں نے مشاہدہ کیا تھا کہ لوگوں نے دین کو تبدیل کر دیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کر دیا ہے اور یہ تمام معانی کتاب الخمس کی احادیث میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۷۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ وَالْعَبَّاسَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَتَيَا أَبَا بَكْرٍ يَلْتَمِسَانِ مِيرَاثَهُمَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمَا حِينَئِذٍ يَطْلُبَانِ أَرْضَيْهِمَا مِنْ فَدَكَ وَسَهْمَهُمَا مِنْ خَيْبَرَ۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳۵، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، مسند احمد: ۵۶، ۵۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری، از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اور حضرت العباس علیہما السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کو طلب کرتے تھے اور وہ دونوں اس وقت فدک کی زمینوں کو اور خیبر میں جو ان کا حصہ تھا اس کو طلب کرتے تھے۔

٦٧٢٦۔ فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللّٰهِ لَا أَدَعُ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فِيهِ إِلَّا صَنَعْتُهُ قَالَ فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى مَاتَتْ۔

(صحیح البخاری: ٣٠٩٣، ٤٢٤٠، ٣٧١٢، ٤٠٣٦، ٤٢٤١، ٦٧٢٦)

پس ان دونوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے، آلِ محمد صرف اس مال سے کھائے گی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں کسی کام کو نہیں چھوڑوں گا جس کام کو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا مگر میں اس کام کو کروں گا، پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اور ان سے بات نہیں کی حتیٰ کہ ان کی وفات ہوگئی۔

صحیح البخاری: ٦٧٢٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''نبی ﷺ کا یہ ارشاد کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے'' اور اس باب کی حدیث میں بھی اسی طرح ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابنِ یوسف الیمانی ہیں جو یمن کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں اور وہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ باب ''فرض الخمس'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من فَدَك'' (ف اور دال دونوں پر زبر ہے) یہ مدینہ سے دو مرحلہ کے فاصلہ پر ہے، رسول اللہ ﷺ نے اہلِ فدک سے اس پر صلح کی تھی کہ فدک کی آدھی زمین کی پیداوار ان کے لیے ہوگی اور وہ خالصاً آپ کی زمین تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مِن خیبر'' رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو جہاد کے ذریعہ لڑ کر فتح کیا تھا، اور خیبر کی آمدنی کا خمس آپ کے لیے تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ اس کی آمدنی کو اپنے لیے جمع کر کے نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے اہل وعیال پر اور امت کی مصلحتوں اور ان کی بہتری پر خرچ کر دیتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من هذا المال'' اس میں اس مال کی طرف اشارہ ہے جو خیبر کے خُمس سے حاصل ہوگا۔ اور لفظِ ''مِن'' تبعیض کے لیے ہے، یعنی بعض مال وہ کھائیں گے جو ان کے خرچ کے اعتبار سے ہوگا۔

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہونے اور ان سے ترک کلام کرنے کے متعلق علامہ بدالدین عینی حنفی کی توجیہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''فھجرته فاطمة رضی الله عنها'' یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ اور اس سے مراد وہ چھوڑنا نہیں ہے جس کی حدیث میں ممانعت ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو نہ چھوڑے جب وہ ایک دوسرے سے ملیں تو وہ ایک دوسرے سے منہ موڑ لیں اور ایک دوسرے سے بات نہ کریں اور یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے سے اعراض کیا اور بات نہیں کی، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کے بعد چھ ماہ سے بھی کم مدت میں فوت ہوگئی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق علامہ ابن بطال مالکی کی توجیہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات میں ان کی طبیعت پر بوجھ ہوتا تھا اس لیے انہوں نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس طرح چھوڑ دیا تھا جس طرح چھوڑنا حرام ہے، اور جو چھوڑنا حرام ہے وہ یہ ہے کہ جب ان کی باہمی ملاقات ہو تو وہ ایک دوسرے کو سلام نہ کریں اور کسی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان کی باہم ملاقات ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو سلام نہیں کیا۔ اور شرعاً مذموم یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے عداوت رکھیں، دراصل حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام اس واقعہ کے بعد اپنے گھر میں ہی رہی تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے نہیں گئیں، اس سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

ابوحفص بن شاہین نے کتاب الخمس میں شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے کہا: جب سے آپ مجھ پر ناراض ہوئی ہیں، میری زندگی میں کوئی خیر نہیں رہی، سو اگر اس معاملہ میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد ہے تو آپ اپنے قول میں صادقہ، مصدقہ اور مامونہ ہیں، شعبی نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اس وقت تک نہیں اٹھے حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام ان سے راضی ہوگئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے راضی ہوگئے۔

(شرح ابن بطال ج ۵ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق علامہ ابن ملقن شافعی کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد انصاری الشافعی المعروف ابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ، لکھتے ہیں:

علامہ ابن ملقن نے علامہ ابن بطال مالکی کی عبارت من وعن نقل کی ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے خلیفہ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ترکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو بالکل تبدیل نہیں کیا بلکہ اسی طرح معاملہ جاری رکھا جس طرح اس ترکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں معاملہ کو جاری رکھا تھا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۸ ص ۳۷۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق علامہ کورانی حنفی کی توجیہ

علامہ احمد بن اسماعیل بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ لکھتے ہیں:

اگر تم یہ سوال کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے اور جو چیز اس کو تکلیف دے وہ مجھے تکلیف دیتی ہے''۔ (صحیح البخاری: ۵۲۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۹)

اور ایک روایت میں آپ نے فرمایا: ''جس نے فاطمہ کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی''۔ (صحیح البخاری و مسلم حوالہ مذکورہ)

میں کہتا ہوں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ شرعاً ایذاء نہیں تھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی کی اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مطالبہ پر ان کو فدک کی زمین اور خیبر کا خمس دے دیتے تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو وجہ سے معصیت تھی:

الاول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت اور آپ کے صدقہ کو باطل کرنا۔

الثانی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ علیہا السلام کو حرام مال دینے والے نہیں تھے۔

رہا حضرت فاطمہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دینا جب کہ یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی مومن دوسرے مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔

علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو اس طرح نہیں چھوڑا تھا اور وہ یہ ہے کہ دونوں کی ایک دوسرے سے ملاقات ہو اور وہ ایک دوسرے کو سلام نہ کریں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل پر بشری تقاضے سے ایک بوجھ تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ نہیں لیا گیا تو کس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر بوجھ ہوا اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کچھ مدت تک چھوڑے رکھا۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری ج ۶ ص ۸۸۔۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۹ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی توجیہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئیں حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حدیث مذکور سے استدلال کر رہے تھے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ اعتقاد تھا کہ اس حدیث کی وہ تاویل نہیں ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ ''لا نورث'' میں عموم مراد نہیں ہے بلکہ تخصیص ہے اور ان کا خیال یہ تھا کہ فدک کی زمین اور خیبر کے خمس کی وراثت ممتنع نہیں ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو عموم پر محمول کیا ہے اور ان دونوں نے اس چیز میں اختلاف کیا جس میں تاویل کی گنجائش ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی ناراضگی اور ترکِ کلام کے متعلق مصنف کی توجیہ

میں کہتا ہوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فدک اور خیبر کے خُمس میں سے وراثت کو طلب کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان کو اس حدیث کا علم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ہم گروہِ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے'' اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس حدیث پر مطلع ہوگئیں تو پھر انہوں نے دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کی وراثت کا مطالبہ نہیں کیا۔ رہا یہ کہ اس کے بعد حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے جلنے کے محرکات اور دواعی نہیں تھے، پھر اس کے بعد کا وقت حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت میں گزرا۔ اور آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیسے رنجیدہ اور ناراض ہوسکتی تھیں جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کر رہے تھے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فدک اور خیبر کی آمدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر خرچ ہوتی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آمدنی کو بعد میں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے۔ اور انہوں نے فدک اور خیبر کے خمس میں سے آمدنی کا کوئی حصہ اپنی ذات کے لیے نہیں رکھا بلکہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اس آمدنی کو جن مصارف پر خرچ کرتے تھے ان ہی مصارف پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی آمدنی کو خرچ کرتے تھے۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مواقف کی تفصیل اور علماء شیعہ کے ایک اعتراض کا جواب

حضرت سیدتنا فاطمہ علیہا السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث سے فدک اور خیبر کے خُمس کی میراث کا جو مطالبہ کیا سو ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے تھا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔ (النساء:١١) اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے۔

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے تھا ''لانورث'' (ہم وارث نہیں بنائے جاتے)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ تھا کہ قرآن مجید کی آیت النساء:١١ کے عموم کی تخصیص اس حدیث سے ہوگئی ہے۔ شیعہ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ النساء:١١ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے اور حدیث ''لانورث'' خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد قرآن مجید کی قطعی آیت کے مزاحم نہیں ہوسکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا خبرِ واحد ہونا ہمارے اعتبار سے ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حدیث اسی طرح قطعی تھی جس طرح النساء:١١ قطعی ہے، کیونکہ جس زبان سے انہوں نے النساء:١١ کو سنا تھا اسی زبان سے انہوں نے ''لانورث'' کو سنا، سو ان کے نزدیک یہ دونوں قطعی ہیں اور حدیث ''لانورث'' میں النساء:١١ کے عموم کی تخصیص کردی۔

اس کی وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں، پس ان سے پوچھا: تمہارا وارث کون ہوگا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری اہلیہ اور میری اولاد۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس کیا وجہ ہے کہ میں اپنے والد کی وارث نہ بنوں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "لانورث" (ہم وارث نہیں بنائے جاتے)، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی پرورش کرتے تھے میں ان کی پرورش کرتا رہوں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن پر خرچ کرتے تھے میں ان پر خرچ کرتا رہوں گا۔

(سنن ترمذی: ۱۶۰۸، مسند احمد ج ۱ ص ۱۳)

نیز امام ترمذی از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ علیہا السلام حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئیں اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی میراث کا سوال کرتی تھیں، تو ان دونوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انی لا اورث" (بے شک میں وارث نہیں بنایا جاتا)۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم دونوں سے کبھی کلام نہیں کروں گی، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فوت ہوگئیں اور آپ ان دونوں سے بات نہیں کرتی تھیں۔

علی بن عیسیٰ نے کہا: حضرت فاطمہ نے جو کہا کہ میں تم دونوں سے بات نہیں کروں گی، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ میں اس میراث کے معاملہ میں اب کبھی بھی تم دونوں سے بات نہیں کروں گی، تم دونوں سچے ہو۔ اور یہ حدیث متعدد اسانید کے ساتھ از حضرت ابوبکر صدیق از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی گئی ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۶۰۹)

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے میراث کے مطالبہ کے متعلق دیگر احادیث

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا اور وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا سوال کرتی تھیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال فئے عطا فرمایا تھا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صدقات کو طلب کرتی تھیں جو مدینہ میں تھے اور فدک میں تھے اور جو خمسِ خیبر کا بقیہ تھا۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "لانورث" ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے اور آلِ محمد اس مال سے کھائے گی یعنی اللہ کے مال سے، اور ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ کھانے پینے کے بعد کسی چیز کا اضافہ کریں، اور بے شک میں اللہ کی قسم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات میں سے کسی چیز کو تبدیل نہیں کروں گا، جس طرح وہ صدقات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھے اور میں ان صدقات میں وہی عمل کروں گا جو ان صدقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت دی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک اے ابوبکر! ہم آپ کی فضیلت کو جانتے ہیں، اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا ذکر کیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کلام کیا اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے حسنِ سلوک کرنا میرے نزدیک اپنے قرابت داروں سے حسنِ سلوک کرنے کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۷۱۱، ۳۷۱۲)

علماء شیعہ کے ایک اور اعتراض کا جواب

شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں ہے:

امام بخاری از مسور بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا"۔

(صحیح البخاری: ۳۷۱۴، صحیح مسلم: ۲۴۴۹، سنن ترمذی: ۳۸۶۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۱، سنن ابن ماجہ: ۱۹۹۸، مسند احمد: ۱۸۴۴۷)

اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جواب سے سیدہ فاطمہ علیہا السلام ناراض ہوئیں اور ان کو ناراض کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناراض کرنا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے مطالبہ پر فدک کی زمین اور خمس خیبر ان کو عطا نہیں کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر ناراض ہوئے۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس طرح کا اعتراض تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی حیات میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض نہیں ہوئی تھیں بلکہ انہوں نے دوبارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں کلام نہیں کیا۔ اور اگر بالفرض وہ ناراض ہوئی تھیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ کی بیماری کے ایام میں ان کی عیادت کی اور ان کو جا کر راضی کر لیا تھا، جیسا کہ درج ذیل حدیث میں اس کی تصریح ہے:

امام بیہقی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام بیمار ہو گئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لیے آئے اور ان سے ملنے کی اجازت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام سے کہا: یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت سیدہ علیہا السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! پس حضرت سیدہ علیہا السلام نے ان کو اجازت دی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کو راضی کرنے لگے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے اور اے اہل بیت! آپ لوگوں کی رضا کے لیے اپنا گھر، مال اور خاندان کو چھوڑا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو راضی کیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گئیں۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۳۰۱، ملتان)

حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ میراث کے متعلق حرف آخر

میں کہتا ہوں: میں نے اس مسئلہ کے متعلق بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا اور شروحات کو دیکھا اور احادیث کے حوالہ جات درج کیے، میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احترام بھی قائم رکھنا چاہتا تھا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جو عقیدت اور محبت ہے اس کو بھی قائم رکھنا چاہتا تھا، اور اس مسئلہ میں لوگوں نے جو افراط اور تفریط کی ہے اس سے بچنا چاہتا تھا، میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے محض اللہ کی رضا کے لیے لکھا ہے، اگر یہ درست اور حق ہے تو اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میرے علم کی کمی ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بری ہیں۔ میں اپنے آپ کو عارف جامی کے اس شعر کا مصداق پاتا ہوں:

منم ادنیٰ ثناخوان محمد
غلامے از غلامان محمد

۶۷۲۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبَانَ أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن المبارک نے خبر دی از یونس از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ

صَدَقَةٌ۔

بیان کرتی ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا: ہم (گروہِ انبیاء) وارث نہیں بناتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳۴، ۶۷۲۷، ۶۷۳۰، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۸، مسند احمد: ۱۰)

صحیح البخاری: ۶۷۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث مذکور کی دوسری سند ہے جس کو اسماعیل بن ابان نے روایت کیا ہے، وہ ابواسحاق الوراق الازدی الکوفی ہیں از عبداللہ بن المبارک المروزی از یونس بن یزید از محمد بن مسلم الزہری۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ذَكَرَ لِي مِنْ حَدِيثِهِ ذَلِكَ فَانْطَلَقْتُ حَتَّى دَخَلْتُ عَلَيْهِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ انْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ فَأَتَاهُ حَاجِبُهُ يَرْفَأُ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدٍ قَالَ نَعَمْ فَأَذِنَ لَهُمْ ثُمَّ قَالَ هَلْ لَكَ فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ عَبَّاسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا قَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ يُرِيدُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَفْسَهُ فَقَالَ الرَّهْطُ قَدْ قَالَ ذَلِكَ فَأَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ فَقَالَ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ ذَلِكَ قَالَا قَدْ قَالَ ذَلِكَ قَالَ عُمَرُ فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ إِنَّ اللَّهَ قَدْ كَانَ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هَذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ ﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے مالک بن اوس بن الحدثان نے خبر دی اور محمد بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے اپنی اس حدیث کا کچھ ذکر کیا، پس میں گیا حتیٰ کہ ان کے پاس پہنچا، سو میں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: میں گیا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفا آئے، سو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان یرفا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت الزبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کو داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، پس ان کو داخل ہونے کی اجازت دی، پھر دربان یرفا نے کہا: کیا آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بھی داخل ہونے کی اجازت دیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! میرے اور اس (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے درمیان فیصلہ کیجئے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، کیا تم کو یہ علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے، رسول اللہ

قَدِيْرٌ ۞﴾ فَكَانَتْ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللهِ ﷺ وَاللهِ مَا احْتَازَهَا دُونَكُمْ وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ لَقَدْ أَعْطَاكُمُوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هَذَا الْمَالُ فَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ مِنْ هَذَا الْمَالِ نَفَقَةَ سَنَتِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلَ مَالِ اللهِ فَعَمِلَ بِذَاكَ رَسُولُ اللهِ ﷺ حَيَاتَهُ أَنْشُدُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذَلِكَ قَالُوا نَعَمْ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ أَنْشُدُكُمَا بِاللهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذَلِكَ قَالَا نَعَمْ فَتَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَبَضَهَا فَعَمِلَ بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ تَوَفَّى اللهُ أَبَا بَكْرٍ فَقُلْتُ أَنَا وَلِيُّ وَلِيِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ أَعْمَلُ فِيهَا مَا عَمِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ ثُمَّ جِئْتُمَانِي وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا جَمِيعٌ جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي نَصِيبَكَ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ وَأَتَانِي هَذَا يَسْأَلُنِي نَصِيبَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقُلْتُ إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ فَوَاللهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ فَإِنْ عَجَزْتُمَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ فَأَنَا أَكْفِيكُمَاهَا۔

ﷺ اس ارشاد سے اپنی ذات کا ارادہ کرتے تھے، تو اس جماعت نے کہا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف مڑے، پس کہا: کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا؟ ان دونوں نے کہا: بے شک آپ نے یہ فرمایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم کو اس معاملہ کے متعلق حدیث بیان کرتا ہوں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس مال فئے میں سے کسی حصہ کے ساتھ مخصوص کر لیا تھا، اور وہ حصہ آپ کے سوا کسی اور کو عطا نہیں فرمایا۔ پس اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور اللہ تعالیٰ نے جو اموال ان سے نکال کر اپنے رسول پر لوٹا دیئے حالانکہ تم نے ان کے حصول کے لیے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے تھے نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے O (الحشر: ۶)

پس یہ اموال خالصۃً رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے، اور اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے یہ تمام اموال تمہیں چھوڑ کر صرف اپنے لیے جمع نہیں کئے اور نہ آپ ان اموال کے ساتھ مخصوص ہوئے، آپ نے تم کو بھی یہ مال عطا کئے اور یہ اموال تمہارے درمیان پھیلا دیئے اور تمہارے درمیان منتشر کر دیئے حتیٰ کہ ان اموال میں سے یہ مال باقی رہ گیا ہے (جس میں تم جھگڑ رہے ہو) پس نبی ﷺ اس مال میں سے اپنے اہل کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے، پھر باقی مال کو لیتے اور اس کو اس جگہ میں رکھتے جہاں اللہ کا مال رکھا جاتا ہے، پس رسول اللہ ﷺ اس پر اپنی پوری حیات میں عمل کرتے رہے، میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا تم کو اس بات کا علم ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں سے کہا: میں تم دونوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم دونوں اس بات کو جانتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: جی ہاں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی (ﷺ) کو وفات

دے دی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی اور آپ کا خلیفہ ہوں، انہوں نے ان اموال پر قبضہ کرلیا اور ان اموال میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں عمل کرتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وفات دے دی، تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کا خلیفہ ہوں، میں نے دو سال تک اس مال پر قبضہ رکھا اور اس میں وہی عمل کرتا رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور تم دونوں ایک بات پر متفق تھے اور تمہارا ایک معاملہ تھا، تم میرے پاس آئے اور اپنے بھتیجے کی میراث سے حصہ مجھ سے طلب کرتے تھے، اور یہ میرے پاس آئے، یہ مجھ سے اپنی بیوی کے اس حصہ کا مطالبہ کرتے تھے جو ان کو اپنے والد کی وراثت سے ملنا تھا، پس میں نے کہا: اگر تم دونوں چاہو تو میں یہ اموال تم دونوں کو اسی شرط کے مطابق دے دیتا ہوں (کہ تم ان اموال میں وہی عمل کرو گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے) کیا تم اب مجھ سے اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ طلب کر رہے ہو؟ پس اللہ کی قسم! جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، میں ان اموال میں اس کے سوا کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ پس اگر تم ان اموال میں اس طرح عمل کرنے سے عاجز ہو تو یہ اموال مجھے واپس کردو، میں تمہارے بدلے ان اموال میں وہی عمل کروں گا۔

(صحیح البخاری: ۳۰۹۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۳، سنن ترمذی: ۱۶۱۰، مسند احمد: ۱۷۸۵)

صحیح البخاری: ۶۷۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے" اور اس باب کی حدیث میں بھی اسی ارشاد کا ذکر ہے، اس طرح یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کا ذکر ہے اور یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر ہیں، بکیر، بکر کی تصغیر ہے اور یہ مصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے لیث، یہ لیث بن سعد المصری ہیں، یہ ازعقیل روایت کرتے ہیں اور وہ ابن خالد الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مالک بن اوس کا ذکر ہے، یہ ابن الحدثان ہیں۔

یہ حدیث باب فرض الخمس میں اس سے زیادہ طویل متن کے ساتھ گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی امام بخاری نے از اسحاق بن محمد الفروی روایت کی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

مشکل الفاظ کے معانی اور بعض جملوں کی وضاحت

اس حدیث میں مذکور ہے "یرفأ" (یاء پر زبر ہے اور راء ساکن ہے اور اس کے آخر میں ہمزہ ہے) یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دربان کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دربان نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا "ھل لک فی عثمان" یعنی حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم، کیا آپ ان صحابہ کو آپ کے پاس آنے اور ملاقات کی اجازت دیتے ہیں اور ان سے ملاقات میں رغبت رکھتے ہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے "انشدکم اللہ" یعنی میں اللہ کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لانورث، یرید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جملہ سے اپنی ذات کا ارادہ کرتے تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا، اسی لیے آپ نے جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا: "لا نورث" یعنی ہم گروہِ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال الرھط" اس سے صحابہ مذکورین کا ارادہ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مالِ فئے کے حصہ کے ساتھ خاص کر لیا اور کسی اور کو اس میں سے نہیں دیا"۔ کیونکہ اس تمام مالِ فئے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص کر لیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے لیے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا تھا اور باقی انبیاء علیہم السلام کے لیے مالِ غنیمت کو حلال نہیں کیا گیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما احتازھا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو اپنے لیے جمع نہیں کیا سوائے تمہارے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا استاثر" اور نہ اس مالِ فئے کے ساتھ آپ منفرد ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لقد اعطاکموھا" بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو بھی عطا کیا اور تمہارے درمیان اس مال کو پھیلا دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مجعل مال اللہ" یعنی آپ نے اس مال کو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کے منزلہ میں قرار دیا اور اس کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکلمتکما واحدۃ" یعنی تم دونوں ایک بات پر متفق ہو اور اس میں تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت: ان شئتما دفعتها الیکما بذالك" یعنی پس میں نے کہا: اگر تم چاہو تو میں یہ اموال تمہارے سپرد کر دوں اسی طریقہ سے بایں طور کہ تم اس میں اس طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا تھا اور جس طرح ان اموال میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمل کیا تھا تو میں یہ اموال تمہیں اس شرط پر دے دیتا ہوں، پس آج تم دونوں میرے پاس آئے ہو اور مجھ سے اس فیصلہ کے علاوہ کسی اور چیز کا سوال کر رہے ہو۔

اس سوال کا جواب کہ جب حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو اموالِ فئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی شرط کے مطابق دے دیئے گئے تو اب پھر وہ کس بات میں اختلاف کر رہے تھے اور کس چیز میں ان کا جھگڑا تھا؟

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ یہ قضیہ مشکل ہے کیونکہ جب حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اس مالِ فئے کو اس شرط کے مطابق لے لیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھی تو پھر اب ان کا کس بات میں جھگڑا تھا؟

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں پر اس مالِ فئے میں ایک دوسرے کا شریک ہونا دشوار تھا، پس ان دونوں نے یہ طلب کیا کہ اس مالِ فئے کو ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تاکہ ان میں سے ہر ایک ان اموال میں تدبیر اور تصرف کے اندر مستقل ہو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کیا کہ اگر ان اموالِ فئے کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا تو پھر یہ وہم ہوگا کہ وہ دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک ہو گئے ہیں، کیونکہ تقسیم املاک میں ہوتی ہے اور جب کافی زمانہ گزر جائے گا تو ان کے متعلق یہ گمان کیا جائے گا کہ یہ دونوں اپنے اپنے حصہ کے مالک ہیں، حالانکہ یہ اموالِ فئے وقف تھے اور وقف کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۲۔ ۳۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۲۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمَئُونَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابو الزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ورثاء دینار کو تقسیم نہ کریں، میں نے اپنی ازواج کے خرچ کے بعد اور عاملین کی مشقت کے اجر کے بعد جو بھی چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۷۶، ۳۰۹۶، ۶۷۲۹، صحیح مسلم: ۱۷۶۰، سنن ابوداؤد: ۲۹۷۴، مسند احمد: ۷۲۶۱، موطا امام مالک: ۱۸۷۱)

صحیح البخاری: ۶۷۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہے کہ میرے ورثاء دینار کو تقسیم نہ کریں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند مین مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبدالرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

یہ حدیث کتاب الخمس اور کتاب الوصایا میں از عبداللہ بن یوسف از مالک گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت خزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تعارض کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے ''میرے ورثاء دینار کو تقسیم نہ کریں''۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ کتاب الوصایا میں حضرت عمرو بن الحارث الخزاعی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی دینار چھوڑا تھا اور نہ کوئی درہم چھوڑا تھا، سو جب آپ نے کوئی درہم اور دینار چھوڑا ہی نہیں تو اس کی تقسیم سے ممانعت کی کیا توجیہ ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے جو درہم اور دینار چھوڑے تھے آپ نے ان کی تقسیم سے منع فرمایا اور حضرت خزاعی رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ آپ نے ورثاء میں تقسیم کے لیے دینار اور درہم کو نہیں چھوڑا تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر درہم اور دینار چھوڑے ہوں تو ان کو میرے ورثاء بطور وراثت کے آپس میں تقسیم نہ کریں۔

ازواجِ مطہرات کے خرچ کی توجیہ اور عاملین کی اجرت کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نے اپنی ازواج کے خرچ کے بعد اور عاملین کی مشقت کے بعد جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے''۔

آپ کی مراد یہ تھی کہ ان اموالِ فئے سے میری ازواج کا خرچ نکالا جائے گا کیونکہ آپ کی ازواج آپ کے نکاح میں محبوس ہیں اور دوسرے لوگوں سے ان کا نکاح حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا ۝ (الاحزاب: ۵۳)

اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی کے بعد کبھی بھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات کی دلیل

میں کہتا ہوں کہ اگر بفرض محال آپ کی وفات کے بعد کوئی امتی آپ کی ازواج میں سے کسی ایک سے نکاح کرتا تو اس سے آپ کو ایذاء پہنچتی یعنی آپ کو رنج ہوتا، اور ایذاء اور رنج ہونا اس بات کی فرع ہے کہ آپ قبر مبارک میں حیات ہوں، کیونکہ زندہ کو ہی رنج ہوتا ہے اور اسی کو ایذاء پہنچتی ہے، سو اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبرِ انور میں آپ کی حیات کی بھی دلیل ہے اور آپ کی اس خصوصیت کا بھی بیان ہے کہ آپ کی حیات، حیاتِ شہداء سے افضل ہے کیونکہ شہداء کی شہادت کے بعد ان کی ازواج سے نکاح کرنا جائز ہے حالانکہ وہ بھی زندہ ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات، حیاتِ شہداء سے قوی تر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ومؤنة عاملی" یعنی میرے عاملین کی مشقت کی اجرت اس مالِ فئے سے ادا کی جائے گی۔

ایک قول یہ ہے کہ عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان صدقات کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال پر قائم ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر مسلمان عامل ہے خواہ وہ خلیفہ ہو یا کوئی اور ہو، کیونکہ خلیفہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عامل ہے اور آپ کی طرف سے آپ کی امت کے معاملات کا انتظام کرنے کا نائب ہے۔ تیسرا قول ہے کہ عامل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہے۔ چوتھا قول ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کو کھودنے والا ہے۔ پانچواں قول ہے کہ اس سے مراد مزدور ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ازواجِ مطہرات کو خرچ کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا اور عامل کو اس کی مشقت کی اجرت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا اور کیا ان میں فرق ہے؟

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ازواج کا خرچ عاملین کی اجرت سے کم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا خرچ ادا کرنا ضروری تھا، اور عامل اجیر اور مزدور کی صورت میں ہے، تو اس کے لیے اتنی مقدار کافی ہے جو اس کی ضروریات کے لیے کافی ہو۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فھو صدقة" یعنی یہ مالِ فئے آپ کی آل کے لیے حلال نہیں ہے۔

حدیثِ مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقف کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ وفات کے بعد بھی وقف کا حکم جاری ہوتا ہے جیسا کہ حیات میں جاری ہوتا ہے، پس جس چیز کو وقف کیا گیا اس کو فروخت نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کا کوئی مالک ہوگا جیسا کہ شارع علیہ السلام نے اموالِ فئے کے متعلق حکم دیا ہے کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، لیکن جن امور کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے ان امور میں ان اموالِ فئے میں سے خرچ کیا جائے گا اور باقی آمدنی مسلمانوں کی مصلحتوں کے لیے وقف رہے گی۔

علامہ عینی حنفی کا علامہ ابن الملقن شافعی پر مواخذہ

یہاں پر صاحب التوضیح یعنی علامہ ابن الملقن شافعی نے بے ادبی کی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے: "اس حدیثِ مذکور سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کا فساد ظاہر ہو گیا"۔

علامہ ابن ملقن شافعی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں وقف کے جواز کی دلیل ہے اور اس سے امام

ابوحنیفہ کے اس قول کا فساد ظاہر ہو گیا کہ انہوں نے کہا ہے کہ وقف کرنا باطل ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۳۶۴، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی علامہ ابن ملقن شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کا قول فاسد نہیں ہے، بلکہ فساد اس شخص کے قول میں ہے جس کو حقائق امور کا ادراک نہیں ہے، پس امام ابوحنیفہ جو وقف کو باطل قرار دیتے ہیں تو وہ اپنی رائے میں منفرد نہیں ہیں اور یہ شریح ہیں جنہوں نے کہا کہ محمد وقف کی بیع کے لیے آئے اور یہ کہ اس میں ملکیت باقی ہے اور اس لیے کہ وقف کی آمدنی کو صدقہ کیا جاتا ہے یا اس میں منفعتِ معدومہ ہے اور وہ وصیت کے سوا اور کسی میں جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۰ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ يَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں تا کہ ان سے اپنی وراثت کا سوال کریں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۰۳۴، ۶۷۲۷، ۶۷۳۰، صحیح مسلم: ۱۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۶۸، مسند احمد: ۱۰)

صحیح البخاری: ۶۷۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب المغازی میں از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الخراج میں از القعنبی روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس کی کتاب الفرائض میں از قتیبہ روایت کی ہے اور تینوں نے اس حدیث کی روایت امام مالک سے کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا کسی کو وارث نہ بنانے کی حکمت

اس کی حکمت بالکل ظاہر ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اگر اپنے ترکہ کا کسی کو وارث بناتے تو لوگ یہ بدگمانی کرتے کہ انبیاء علیہم السلام نے

نبوت کا دعویٰ اسی لیے کیا تھا تا کہ مال حاصل کریں حتیٰ کہ وہ مال ان کے بعد ان کے وارثوں کے پاس چلا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو وارث بنانے سے منع فرما دیا اور انبیاء علیہم السلام کے ترکہ کو صدقہ قرار دیا۔

رافضہ کی اس حدیث میں باطل تاویل اور اس کے بطلان کی توجیہ

رافضہ نے اس حدیث میں تحریف کی ہے اور انہوں نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے: ہم اس مال کا وارث نہیں بناتے جس کو ہم نے بطور صدقہ چھوڑا ہے، بلکہ ہم نے جس مال کو بطور صدقہ چھوڑا ہے اس کا صدقہ کیا جائے گا۔

اگر رافضہ کی یہ تاویل صحیح ہوتی تو پھر انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کیسے ثابت ہوتی، کیونکہ ہر انسان جس صدقہ کو چھوڑتا ہے اس میں وراثت نہیں ہوتی، اس کا صدقہ کیا جاتا ہے جب کہ وہ صدقہ اس کے تہائی مال سے کیا جائے۔ اور اگر ایسا ہو تو انبیاء علیہم السلام اور عام لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا۔

پھر یہ تحریف حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے موقف کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی فہم ان جاہل رافضیوں کی فہم سے زیادہ صحیح تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کی میراث کے مطالبہ کی توجیہ

بہر حال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے اس باب میں جو جاری ہوا وہ ان کا اجتہاد تھا اور ہم اللہ عزوجل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا، کیونکہ انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس وجہ سے ترک تعلق کر لیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ترک تعلق کے اہل نہیں تھے کیونکہ وہ ان کے والد کے خلیفہ تھے لیکن یہ اجتہاد کے باب سے ہے، اگر سیدہ رضی اللہ عنہا کا اجتہاد صحیح ہوتا تو ان کو اس میں دو اجر ملتے اور اگر خطاء ہے تب بھی انہیں ایک اجر بہر حال ملے گا، اور ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتوں اور مخلوق کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ اس باب میں صحت اور ثواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے باقی اصحاب کے ساتھ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا بیان

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الفرائض میں روایت کیا ہے تا کہ یہ بیان کیا جائے کہ آیات فرائض عام ہیں اور ہر شخص جو ترکہ چھوڑے وہ اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ماسوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے، کیونکہ آپ اپنے ترکہ کا کسی کو وارث نہیں بناتے جیسے باقی لوگوں کو وارث بنایا جاتا ہے۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے حکم کو سنت کے ساتھ خاص کر لیا گیا ہے اور کتاب کو سنت کے ساتھ خاص کرنا بہت عام ہے یعنی کوئی غریب اور اجنبی بات نہیں ہے کہ بعض معاملات میں نصوص قرآن مجید میں عام ہوتی ہیں، پھر سنت میں ان کو خاص کر لیا جاتا ہے۔ پھر امام بخاری نے عروہ کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔

"سلام اللہ علیہا" پر "رضی اللہ عنہا" کی فضیلت اور اس پر شیخ ابن عثیمین کے دلائل

اس حدیث میں علیہا السلام لکھا ہوا ہے اور شاید کہ یہ بعد کے لکھنے والوں نے لکھا ہے اور امام بخاری نے نہیں لکھا کیونکہ ان کے ساتھ رضی اللہ عنہا لکھنا یہ علیہا السلام کے لکھنے سے افضل ہے، کیونکہ رضا کے لفظ میں سلام کی بھی دعا ہے اور اضافہ بھی ہے اور سلام میں فقط

مکروہ کی نفی ہے یعنی اللہ آپ کو مکروہ کاموں سے اور مصائب سے محفوظ رکھے بخلاف رضا کے کیونکہ یہ اس امر کو ثابت کرتا ہے جو لفظِ سلام پر زائد ہے۔

"سلام اللہ علیہ" پر "رضی اللہ عنہ" کی فضیلت پر مصنف کے دلائل

میں کہتا ہوں کہ رضی اللہ عنہ میں، سلام اللہ علیہ سے زیادہ فضیلت ہے، کیونکہ سلام تو تمام مومنین کو عام ہے زندوں کو بھی اور وفات یافتگان کو بھی، کیونکہ زندہ کو کہا جاتا ہے السلام علیکم اور فوت شدہ لوگوں کو کہا جاتا ہے السلام علیکم یا اهل القبور، یا سلام علیکم یا دار قوم مومنین، اس کے برخلاف رضی اللہ عنہ ہر عام شخص کے متعلق نہیں کہا جاتا، بلکہ اسی کے متعلق کہا جاتا ہے جو کامل متقی ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝ (البینۃ:٨)

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہ (جزاء) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا O

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ۔ (التوبہ:١٠٠)

اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

اس آیت سے بھی واضح ہو گیا کہ رضی اللہ عنہم انہی کے لیے کہا گیا ہے جو مہاجرین اور انصار میں سے سابقین تھے اور بعد کے لوگوں میں سے جو ان کی اتباع بالاحسان کرنے والے تھے، یعنی ہر ایک کے لیے یہ دعائیہ کلمہ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کے حصص

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور عباس رضی اللہ عنہ چچا ہیں، پس بیٹی کو نصف حصہ ملتا ہے اور ازواج کو اگر وہ وارث ہوں تو آٹھواں حصہ ملتا ہے اور باقی ترکہ عصبات کو ملتا ہے، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ قریب تھے اور وہ وراثت کے زیادہ لائق تھے اگر وراثت ہوتی۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل سے محبت کا یہ تقاضا نہیں تھا کہ حضرت ابوبکر، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ پر اموالِ فدک سے ان کا حصہ عطا کر دیتے؟

اس حدیث میں مذکور ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آلِ محمد اس مال سے کھائے گی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم میں کسی ایسے کام کو نہیں چھوڑوں گا جس کام کو کرتے ہوئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا مگر میں وہ کام کروں گا)۔

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شہادت دی کہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس شہادت میں صادق تھے بایں طور کہ انبیاء علیہم السلام وارث نہیں بنائے جاتے اور جو کچھ انہوں نے چھوڑا وہ صدقہ ہے، پھر انہوں نے قسم کھائی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو بالکل ترک نہیں کریں گے نہ اس سے تجاوز کریں گے۔

اور ہم جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان کی اپنی قرابت سے زیادہ محبوب تھی جیسا کہ خود انہوں نے حدیث میں اس کی تصریح کی ہے۔

سوال: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی مخالفت کریں؟۔

جواب: نہیں! بلکہ انسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جتنی زیادہ محبت ہوگی اور آپ کی آل سے جتنی زیادہ محبت ہوگی تو وہ ان کے طریقہ پر عمل کرے گا اور ان کی محبت میں غلو کرنے سے بری ہوگا جیسا کہ صحابی بری ہوتے تھے اور جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو دین میں غُلو کرنے سے ڈراتے تھے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۲۔ ۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: جس نے مال چھوڑا سو وہ اس کے گھر والوں کے لیے ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی شرح کی جائے گی جس میں آپ کا یہ ارشاد ہے: ''جس نے مال چھوڑا سو وہ اس کے گھر والوں کے لیے ہے''۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۴)

۶۷۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيْنَا قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں، پس جو شخص فوت ہوگیا اور اس پر قرضہ تھا اور اس نے اس کی ادائیگی کے لیے مال نہیں چھوڑا تو ہم پر لازم ہے کہ اس کے قرض کو ادا کریں۔ اور جو شخص فوت ہوگیا اور اس نے مال چھوڑا سو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۸، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۴۷۸۱، ۵۳۷۱، ۶۷۳۱، ۶۷۴۵، ۶۷۶۳، صحیح مسلم: ۱۶۱۹، سنن ترمذی: ۱۰۷۰، سنن نسائی: ۱۹۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵، مسند احمد: ۹۵۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل کے لیے ہے'' اور ورثاء بھی اس کے اہل میں سے ہیں، اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان بن جبلہ المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ یونس بن یزید ہیں جو محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے روایت کرتے ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی کتاب الفرائض میں از زہیر بن حرب وغیرہ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں''۔ امام بخاری نے یہاں اس حدیث کو اختصار سے روایت کیا ہے اور کتاب الکفالہ میں اس حدیث کو تفصیل سے روایت کیا ہے، اس کی عبارت اس طرح سے ہے:

بابِ مذکور کی حدیث کی تفصیل

از ابن شہاب روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک فوت شدہ مرد لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ فرماتے: کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے مال چھوڑا ہے؟ اگر کہا جاتا: جی ہاں تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ آپ فرماتے: تم خود اپنے صاحب کی نمازِ جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہ کثرت فتوحات عطا فرمائیں تو آپ نے فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہوں، سو جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر قرض ہوا اور اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے مال نہیں چھوڑا تو ہم پر اس کے قرض کو ادا کرنا لازم ہے اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدۂ مذکورہ قیصر و کسریٰ کی فتوحات پر موقوف تھا

علامہ المہلب نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسریٰ اور قیصر کے ملک کی فتوحات عطا فرمائی تھیں۔ اور یہ ضمانت نہیں ہے، کیونکہ آپ اس وقت تک مقروض کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے حتیٰ کہ کوئی اور شخص اس کے قرض کی ادائیگی کا ضامن ہو جائے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے: یہ حدیث اس حکم کی ناسخ ہے کہ جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض ہو تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افرادِ امت کی مصلحتوں کے ولی ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا نہ ہوں

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس ہم پر اس کے قرض کو ادا کرنا لازم ہے'' یعنی ہم پر اس کی ضمانت لازم ہے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: جوفوت شدہ مرد تنگ دست ہو اس کے قرض کو ادا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خالص مال سے اس قرض کو ادا فرماتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ بیت المال سے اس کے قرض کو ادا کرتے تھے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی مصلحتوں کو قائم کرتے تھے خواہ امت کے افراد زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔ اور دونوں حالوں میں آپ امت کے ولی تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''اور جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے'' اور اس پر اجماع ہے۔

اور اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہے، عبدالرحمٰن بن عمرہ نے کہا: وہ مرنے والے کے وارثوں کے لیے ہے خواہ وہ عصبہ ہوں یا جو بھی ہوں۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: عصبات سے مراد یہاں پر ورثاء ہیں اور یہاں عصبات سے مراد وہ نہیں ہے جو ذوی الفروض کے مقابلہ میں ہوتا ہے جو اگر اکیلا ہو تو پورا مال لے لیتا ہے ورنہ اصحاب الفروض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ اس کو لے لیتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عصبات سے مراد یہاں پر مرد کے قرابت دار ہیں اور یہ وہ ہیں جو میت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مال کی تعریف

اس حدیث میں مذکور ہے ''جس نے مال کو ترک کیا تو وہ اس کے وارثوں کا ہے''۔

علماء کے نزدیک مال کی تعریف یہ ہے: ہر وہ عین جس سے نفع کا حصول بلاضرورت مباح ہو وہ مال ہے۔ پس جس کا نفع مباح نہ ہو وہ مال نہیں ہے اور جو مباح النفع تو ہو لیکن اس کی ضرورت ہو تو وہ بھی مال نہیں ہے، مال کے لیے ضروری ہے کہ وہ بغیر ضرورت کے مباح النفع ہو۔

اس حدیث کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس نے ایسی چیز کو چھوڑا جو مال نہیں ہے تو وہ اس کے وارثوں کے لیے نہیں ہوگی، اور یہ اس پر محمول ہے کہ اس کے وارث اس کے مالک نہیں ہوں گے لیکن بطور استحقاق وہ اس کو بغیر کسی شک وشبہ کے لے سکتے ہیں مثلاً میت نے شکاری کتا چھوڑا تو شکاری کتا مال نہیں ہے کیونکہ اس کو فروخت نہیں کیا جاتا لیکن جس کے قبضہ میں یہ شکاری کتا ہے تو وہ دوسروں کی بہ نسبت اس کا زیادہ حق دار ہے، پس وارث اس کتے کے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوں گے، اور اگر وہ اس سے مستغنی ہوں تو اس کو چھوڑ دیں۔

اس دور میں تنگدست مسلمان میت کے قرض کی ادائیگی کی صورت

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اگر کسی شخص نے قرض چھوڑا تو اس کو میں ادا کروں گا''۔

اب سوال یہ ہے کہ آج کل اگر کسی میت نے قرض چھوڑا اور اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے جس سے اس قرض کو ادا کیا جائے، تو وہ قرض کیسے ادا کیا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ قرض بیت المال سے ادا کیا جائے گا، پس جو والی اور حکام ہیں ان پر لازم ہے کہ جو تنگدست مسلمان فوت ہو جائے اس کا قرض ادا کریں جس طرح ان پر لازم ہے کہ اس کے اوپر خرچ کریں یعنی اس کی تجہیز و تکفین کریں، لیکن عام مصالح، خاص مصالح پر مقدم ہوتے ہیں، پس اگر ہم یہ فرض کریں کہ حکومت کے پاس مال ہے لیکن عام لوگوں کی مصلحتیں اس مال کو محیط ہیں تو عام لوگوں کی مصلحتوں پر وہ مال خرچ کیا جائے گا کیونکہ قرض کا ادا کرنا ایک مصلحتِ خاصہ ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۸، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۵۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْوَلَدِ مِنْ أَبِيهِ وَأُمِّهِ

باپ اور ماں کی طرف سے اولاد کی وراثت

وَقَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: إِذَا تَرَكَ رَجُلٌ أَوِ امْرَأَةٌ بِنْتًا فَلَهَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ فَلَهُنَّ الثُّلُثَانِ، وَإِنْ كَانَ مَعَهُنَّ ذَكَرٌ بُدِئَ بِمَنْ شَرِكَهُمْ فَيُؤْتَى فَرِيضَتَهُ فَمَا بَقِيَ فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: جب کسی مرد یا کسی عورت نے ایک بیٹی کو چھوڑا تو اس بیٹی کو کل ترکہ کا نصف ملے گا، اور اگر اس نے دو بیٹیوں یا دو سے زیادہ کو چھوڑا تو ان کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے، اور اگر ان بیٹیوں کے ساتھ مذکر ہو تو پہلے جو ان کے ساتھ ذوی الفروض شریک ہے اس کا حصہ ادا کیا جائے گا، پھر جو باقی ترکہ بچے گا وہ مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں وَلَد کا ذکر ہے اور یہ مونث اور مذکر دونوں کو شامل ہے اور اولاد در اولاد کو بھی شامل ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ تعلیق حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ان کا نام حضرت زید بن ثابت بن ضحاک الانصاری النجاری المدنی ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی کے کاتب تھے اور فضلاء صحابہ میں سے تھے اور اصحابِ فتویٰ میں سے تھے۔ ۴۵ھ میں ان کی مدینہ میں وفات ہوگئی۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: امام مالک، امام شافعی، اہلِ حجاز اور ان کے موافقین نے فرائض (وراثت) میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کو بنیاد قرار دیا ہے اور اہلِ عراق اور ان کے موافقین نے فرائض (وراثت) میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول کو بنیاد قرار دیا ہے، اور یہ دونوں فریق اپنے صاحب کی بہت نادر اور کم چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں۔

یہ تعلیق جو ذکر کی گئی ہے امام سعید بن منصور نے اس کو سندِ موصول کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود از خارجہ بن

زید بن ثابت از والد خود روایت کیا ہے اور اسی تعلیق کی مثل ذکر کی ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ اگر کسی مرد یا کسی عورت نے ایک بیٹی کو چھوڑا تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا''۔ یہ ایک جماعت کا قول ہے سوا ان کے جو رد کے قائل ہیں۔ اسی طرح دو بیٹیوں یا ان سے زیادہ میں ترکہ کے دو تہائی ملیں گے سوا ان کے کہ جو رد کے قائل ہوں۔ اور سوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے، کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دو بیٹیوں کو بھی ترکہ کا نصف دیا جائے گا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے ''اگر بیٹیوں کے ساتھ مذکر ہو تو اس سے ابتداء کی جائے گی جو ان کے ساتھ شریک ہے اور اس کا فریضہ اس کو دے دیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملے گا''۔ یعنی اگر بیٹیوں کے ساتھ ان کا بھائی ہو اور ان کے ساتھ ان کے علاوہ بھی کوئی ہو تو جس کا فرض مقرر ہے مثلاً ماں تو اس کو اس کا فرض دے دیا جائے گا اور جو باقی ترکہ بچے گا وہ بیٹیوں میں اور بیٹوں میں تقسیم کر دیا جائے گا بیٹوں کو دگنا ملے گا اور بیٹیوں کو ایک حصہ ملے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: فرائض ذوی الفروض کے ساتھ ملاؤ، پھر جو باقی بچے تو جو مرد مذکر ہو اور زیادہ قریب ہو اس کو دے دیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں اولاد کی وراثت کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بیٹے کی وراثت کا ذکر ہے کیونکہ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو وارث قریب ہو اور مذکر ہو اس کو دیا جائے گا، مثلاً اگر ورثاء میں ماں ہے اور ایک بیٹا ہے تو ماں کا حصہ کل ترکہ کا چھٹا حصہ ہے اور اس کو چھٹا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ بیٹے کو دے دیا جائے گا مثلاً کل ترکہ کے چھ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ ماں کو دے دیا جائے گا اور بقیہ پانچ حصے بیٹے کو دے دیے جائیں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن طاؤس کا ذکر ہے، یہ عبد اللہ بن طاؤس ہیں جو اپنے والد طاؤس سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فرائض کوان کے اہل کے ساتھ ملادو" فرائض سے مراد ہے وہ حصے جو کتاب اللہ میں مقرر ہیں اور وہ نصف ہے، ربع (چوتھائی) ہے، ثمن (آٹھواں حصہ) ہے، ثلثان (دو تہائی) ہے، ثلث (ایک تہائی) ہے اور سدس (چھٹا حصہ) ہے۔ اور ان کے اصحاب وہ ہیں جو کتب فرائض یعنی کتب میراث میں مذکور ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "باھلھا" یعنی نص قرآن سے جوان حصوں کا مستحق ہوتا ہو۔ اور روح بن القاسم نے از ابن طاؤس روایت کی ہے کہ اہل فرائض کے درمیان کتاب اللہ کے درمیان مال کو تقسیم کردو، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حصے بیان فرمائے ہیں اس کے مطابق وہ حصے ان لوگوں کو دے دیئے جائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فما بقی" یعنی اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو ترکہ باقی بچے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فھو لاولی رجل" علامہ نووی نے کہا ہے کہ اولیٰ سے مراد ہے اقرب، کیونکہ ہم خود نہیں جانتے کہ کون زیادہ حق دار ہے اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اولیٰ سے مراد وہ ہے جو عصبات میں زیادہ قریب ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علم الفرائض میں سب پر مقدم ہونے کے متعلق بحث ونظر

امام بخاری نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تعلیق اس لیے ذکر کی ہے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ فرائض کو جاننے والے تھے، کیونکہ حدیث میں ہے: تم سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والے زید ہیں۔ یہ پوری حدیث درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں اُمت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں، اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں سخت عمر ہیں، اور سب سے زیادہ حیاء کرنے والے عثمان ہیں، اور سب سے زیادہ حلال اور حرام کو جاننے والے معاذ بن جبل ہیں، اور سب سے زیادہ فرائض کو جاننے والے زید بن ثابت ہیں، اور سب سے زیادہ قراءت کو جاننے والے ابی بن کعب ہیں اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔ (سنن ترمذی: ۳۷۹۰)

امام ابوعیسیٰ ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اس کو قتادہ کی صرف اسی سند کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ اور اس حدیث کی ابوقلابہ نے از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی مثل اور مشہور حدیث ابوقلابہ ہے۔

(سنن ترمذی: ص ۱۴۳۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

شیخ ابن عثیمین نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، اور اگر بالفرض یہ صحیح ہو تو آپ نے اس حدیث سے ایک خاص قوم کو خطاب کیا ہے اور تمام امت کو خطاب نہیں فرمایا۔

اور اگر بالفرض آپ نے اس حدیث سے تمام امت کو خطاب فرمایا ہو تب بھی یہ معتبر نہیں، کیونکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اگر چہ فرائض کو زیادہ جاننے والے ہیں، کیونکہ معصوم عن الخطاء تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ میں نے اس لیے کہا ہے کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرائض کے متعلق جو کہا ہو اس پر عمل کرنا واجب ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں فرائض کو زیادہ جاننے والے زید ہیں۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں، اس قول کے تین جوابات ہیں:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے اور اہم بات یہ ہے کہ کسی حکم کو ثابت کرنے کے لیے حدیث کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

(۲) بر تقدیرِ صحت اس حدیث میں قومِ مخصوص کے ساتھ خطاب ہے۔

(۳) اگر یہ فرض کیا جائے کہ آپ کا یہ خطاب عمومی ہے تب بھی یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ معصوم ہیں اگر چہ فرائض کے زیادہ جاننے والے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی معصوم نہیں ہے۔

اور اس بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ دادا اور بھائیوں کی وراثت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہمارے لیے لازم نہیں ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ آئے گا۔ اور صحیح یہ ہے کہ جد سے مراد وہ ہے جو باپ کا باپ ہو، وہ باپ کے درجہ میں ہے۔ اور تمام بھائیوں کے لیے وہ حاجب ہوتا ہے اور دادا کے ہوتے ہوئے کوئی بھائی وارث نہیں ہوتا۔

اصحاب الفروض اور عصبات کا بیان

اصحاب الفروض کی تعداد دس ہے:

(۱) شوہر (۲) بیوی (۳) ماں (۴) باپ (۵) دادا (۶) دادی (۷) بیٹیاں (۸) پوتیاں (۹) مطلق بہنیں (۱۰) ماں شریک بہنیں۔

شوہر کی وراثت کا حکم

جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اگر اس بیوی کی اولاد ہو خواہ مذکر ہو یا مونث تو شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا، اور اگر اس کی بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف حصہ ملے گا۔

بیوی کی وراثت کا حکم

بیوی خواہ ایک ہو یا متعدد ہوں تو اگر اس کا شوہر فوت ہو جائے اور اس کے شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھا حصہ ملے گا اور اگر اس کے شوہر کی اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔

اگر بیویاں ایک سے زائد مثلاً چار تک ہوں تو وہ حصہ ان چار بیویوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

باپ اور ماں کی وراثت کا حکم

ماں یا تو ترکہ کی تہائی حصہ کی وارث ہوتی ہے یا چھٹے حصہ کی وارث ہوتی ہے یا باقی ماندہ تہائی کی وارث ہوتی ہے، اس کے سوا اس کا اور کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور باقی ماندہ تہائی کی وارث دو مسئلوں میں ہوتی ہے، ان دو مسئلوں کو العُمریتین کہا جاتا ہے۔ اور ان کو ''العمریتین'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے اس کے متعلق فیصلہ فرمایا۔ اور وہ دو مسئلے یہ ہیں:

(۱) میت نے شوہر اور ماں اور باپ کو چھوڑا ہے تو شوہر اور باپ کا حصہ دینے کے بعد جو باقی ماندہ ہوگا اس کا تہائی ماں کو ملے گا۔ (۲) بیوی اور ماں اور باپ۔

اور ان میں ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ جب میت نے شوہر اور ماں اور باپ کو چھوڑا ہو تو مسئلہ کو چھ سے شروع کریں گے، شوہر کو نصف دیں گے یعنی تین اور ماں کو اس تین کا تہائی دیں گے یعنی ایک اور جو باقی دو حصے بچیں گے وہ باپ کو دیں گے۔

اور دوسرا مسئلہ اس طرح ہے کہ بیوی کو چوتھائی دیں گے یعنی ایک اور ماں کو باقی ماندہ کا تہائی دیں گے یعنی ایک اور جو باقی ترکہ ہے وہ باپ کو دیں گے یعنی دو۔

اور جب مسئلہ ''العُمریتین'' میں سے نہ ہو اور وہاں پر ذوی الفروض بھی ہوں اور عصبات بھی ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ماں کو، باپ کو اور بیٹے کو چھوڑا تو چھ سے مسئلہ شروع کریں گے، ماں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی ایک اور باپ کو بھی چھٹا حصہ ملے گا یعنی ایک اور باقی کے چار حصے بیٹے کو ملیں گے۔

اور اس کی دوسری مثال ہے جس میں اس کے بھائی بھی جمع ہوں مثلاً ایک شخص نے اپنی ماں کو اور دو ماں شریک بھائیوں کو اور ایک سگے چچا کو چھوڑا تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا کیونکہ جب دو یا دو سے زائد بھائی ہوں اور دو اخیافی بھائیوں یا بھائی بہنوں کو تہائی حصہ ملے گا اور باقی سگے چچا کو ملے گا یعنی مسئلہ چھ سے کریں گے، ایک حصہ ماں کو ملے گا اور دو حصے ماں شریک بھائی بہنوں کو ملیں گے اور باقی تین سگے چچا کو ملیں گے۔ سو اب ماں کے تین حال ہیں، یا تو ماں کو باقی ماندہ کا تہائی حصہ ملے گا جیسے ''العمریتین'' کے مسئلہ میں ہے، یا ماں کو چھٹا حصہ ملے گا جیسے دوسری مثال میں بیان کیا گیا ہے، یا ماں کو کل ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا۔

اور باپ کی وراثت ماں کی وراثت سے زیادہ آسان ہے، کیونکہ اگر باپ کے ساتھ ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو باپ کو صرف چھٹا حصہ ملے گا، اور اگر باپ کے ساتھ کوئی مونث ذوی الفروض ہو تو باپ کو چھٹا حصہ بطور ذوی الفروض ملے گا اور باقی ماندہ بطور عصبہ ملے گا۔

اور اگر میت کا کوئی ذوی الفروض وارث نہ ہو تو باپ عصبہ محض ہوگا اور وہ سارا مال لے لے گا۔

دادی کی وراثت کی تفصیل

دادی کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے خواہ وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں بشرطیکہ اس سے پہلے ماں نہ ہو یا وہ دادی نہ ہو جو اس سے زیادہ قریب ہو، اگر اس سے پہلے ماں ہو یا وہ دادی ہو جو اس سے زیادہ قریب ہو تو پھر دادی کو کچھ نہیں ملے گا۔

پس اگر کوئی شخص مر گیا اور اس نے اپنی ماں کو چھوڑا اور باپ کی ماں کو چھوڑا، تو اس صورت میں باپ کی ماں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ میت کی ماں موجود ہے۔ اور اگر کوئی شخص مر گیا اور اس نے باپ کی ماں کو چھوڑا اور دادا کی ماں کو چھوڑا تو اس کے باپ کی ماں کو ملے گا اور دادا کی ماں کو نہیں ملے گا کیونکہ اس سے زیادہ قریب اس کے باپ کی ماں ہے۔ اور اگر کوئی شخص مر گیا اور اس نے ماں کی

ماں کو چھوڑا اور باپ کی ماں کو چھوڑا (یعنی نانی اور دادی کو) تو وہ دونوں چھٹے حصے میں شریک ہوں گے۔

دادا کی وراثت کی تفصیل

دادا باپ کی مثل ہے۔

بیٹیوں کی وراثت کی تفصیل

اگر میت کی بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا بھی ہو تو بیٹے کو دو حصے ملیں گے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ اور اگر بیٹیوں کے ساتھ میت کا بیٹا نہ ہو تو میت کی ایک بیٹی کو نصف ملے گا اور دو یا دو سے زائد کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے۔

بہنوں کی وراثت کی تفصیل

بہنوں کی وراثت بیٹیوں کے مثل ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ کوئی ذوی الفروض وارث نہ ہو اور نہ اصول میں سے مذکر ہو، کیونکہ اگر ان کے ساتھ کوئی غیر ذوی الفروض وارث ہو یا اصول میں سے مذکر ہو تو راجح قول کے مطابق بہنیں مطلقاً ساقط ہو جاتی ہیں۔

جو ماں شریک بہن ہو وہ اگر ایک ہو تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا، اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کو ایک تہائی حصہ ملے گا بشرطیکہ ان کے ساتھ کوئی ماں شریک بھائی نہ ہو، اگر ماں شریک بھائی ان کے ساتھ ہو تو پھر مرد کو دو حصے ملیں گے اور عورت کو ایک حصہ ملے گا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۶۰۔ ۶۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْبَنَاتِ — بیٹیوں کی وراثت کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں بیٹیوں کی وراثت کا بیان ہے اور قرآن مجید میں اس کی دلیل وہ آیت ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ (النساء: ۱۱)

اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

اور زمانہ جاہلیت میں لوگ بیٹیوں کو وارث نہیں بناتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس رسم کو باطل کیا اور بیٹیوں کو بیٹوں کے ساتھ شریک رکھا اور اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۳۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَرِضْتُ بِمَكَّةَ مَرَضًا فَأَشْفَيْتُ مِنْهُ عَلَى الْمَوْتِ فَأَتَانِي النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي مَالًا كَثِيرًا وَلَيْسَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَتِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الحمیدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عامر بن سعد بن ابی وقاص نے خبر دی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں مکہ

أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي قَالَ لَا قَالَ قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ الثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ كَبِيرٌ إِنَّكَ إِنْ تَرَكْتَ وَلَدَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَتْرُكَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتَّى اللُّقْمَةَ تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ آأُخَلَّفُ عَنْ هِجْرَتِي فَقَالَ لَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي فَتَعْمَلَ عَمَلًا تُرِيدُ بِهِ وَجْهَ اللهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ رِفْعَةً وَدَرَجَةً وَلَعَلَّ أَنْ تُخَلَّفَ بَعْدِي حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ يَرْثِي لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ قَالَ سُفْيَانُ وَسَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ۔

میں ایسی بیماری میں مبتلاء ہو گیا جس سے میں موت کے کنارہ پر پہنچ گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے پاس مال بہت ہے اور میری وارث صرف میری بیٹی ہے، کیا پس میں دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: کیا میں نصف مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے عرض کیا: کیا میں تہائی مال صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: تہائی مال بڑا حصہ ہے، اگر تم اپنی اولاد کو خوشحال چھوڑ و تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو فقراء چھوڑ و اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور بے شک تم جب بھی کچھ خرچ کرو گے تو اس پر تم کو اجر ملے گا حتیٰ کہ جو لقمہ تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو (اس پر بھی اجر ملے گا)، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا میں اپنی ہجرت کے بعد پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا: تم ہرگز میرے بعد پیچھے نہیں رہو گے، پس تم جو بھی عمل کرو گے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے تمہارے درجہ کو زیادہ کرے گا اور بلند کرے گا۔ اور شاید کہ تم میرے بعد پیچھے رہو حتیٰ کہ تم سے کچھ لوگ نفع حاصل کریں گے اور دوسرے لوگ نقصان اٹھائیں گے، لیکن فقیر یا شدید ضرورت مند تو سعد بن خولہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اظہارِ افسوس کر رہے تھے کہ وہ مکہ میں فوت ہو گئے۔
سفیان نے بتایا اور سعد بن خولہ بنو عامر بن لوی کے ایک مرد تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۶، ۱۲۹۵، ۲۷۴۲، ۲۷۴۴، ۳۹۳۶، ۴۴۰۹، ۵۳۵۴، ۵۶۵۹، ۵۶۶۸، ۶۳۷۳، ۶۷۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۶، سنن ابوداؤد: ۲۸۶۴، مسند احمد: ۱۵۴۹، موطا امام مالک: ۱۴۹۵)

صحیح البخاری: ۶۷۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے بیٹیوں کی وراثت اور اس حدیث میں مذکور ہے "میری وارث صرف میری بیٹی ہے" اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحُمید ی، یہ عبداللہ بن زبیر بن عیسیٰ ہیں، اور اس میں حُمید کی طرف نسبت ہے جو ان کے اجداد میں سے ایک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور یہ روایت کرتے ہیں زُہری سے اور وہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجنائز کے باب ''رثاء النبی ﷺ سعد بن خولہ'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاشفیت'' یعنی میں جھانک کر دیکھ رہا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عالۃ'' یہ عائل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: فقیر۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یتکففون'' یعنی لوگوں کے سامنے اپنے سوال کے لیے ہاتھ پھیلائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اجرت'' یہ اجر کے مصدر سے مجہول کا صیغہ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''وأخلّف'' یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی میں مکہ میں باقی رہ جاؤں گا اور اپنی ہجرت سے متخلف ہوں گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرثی'' یعنی آپ کا دل حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے نرم ہوتا تھا اور آپ ان پر رحم فرماتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ زُہری نے کہا۔ اور حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں فوت ہو گئے تھے اور اس حدیث کے مباحث کی شرح کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۸۔ ۳۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۴۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ شَيْبَانُ عَنْ أَشْعَثَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَتَانَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ بِالْيَمَنِ مُعَلِّمًا وَأَمِيرًا فَسَأَلْنَاهُ عَنْ رَجُلٍ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ ابْنَتَهُ وَأُخْتَهُ فَأَعْطَى الِابْنَةَ النِّصْفَ وَالْأُخْتَ النِّصْفَ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۳، سنن دارمی: ۲۸۷۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود بن غیلان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالنضر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومعاویہ شیبان نے حدیث بیان کی از اشعث از الاسود بن یزید، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بطور معلّم اور امیر آئے، سو ہم نے ان سے سوال کیا کہ ایک مرد فوت ہو گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی تو انہوں نے بیٹی کو نصف دیا اور بہن کو بھی نصف دیا۔

صحیح البخاری: ۶۷۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''بیٹیوں کی وراثت'' اور اس حدیث میں بیٹی کو ترکہ کا نصف دینے کا ذکر ہے، اس لحاظ سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمود کا ذکر ہے، یہ ابن غیلان ہیں ان کی کنیت ابواحمد المروزی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوالنضر کا ذکر ہے، ان کا نام ہاشم التمیمی ہے اور ان کا لقب قیصر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں اشعث کا ذکر ہے، یہ ابن سُلیم ہیں، ان کی کنیت الشعثاء الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں اسود بن یزید کا ذکر ہے، یہ ابن قیس النخعی الکوفی ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں از موسیٰ بن اسماعیل روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیٹی کو نصف دیا''۔

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک بیٹی کا حصہ ترکہ کا نصف ہے، اور بہن کو نصف دیا اور یہ نص قرآن سے ثابت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۶۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیٹیوں اور بہنوں کی وراثت کا ذکر

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ (النساء:۱۱) اور اگر صرف ایک بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے۔

اور نیز اس پر بھی علماء کا اجماع ہے کہ ایک بہن کو بھی نصف ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ۔ (النساء:۱۷۶) اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا۔

پس اگر تم سوال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ دو بہنوں کو دو تہائی حصہ ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ۔ (النساء:۱۷۶) پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ اگر دو بہنوں سے زیادہ ہوں تو ان کو کتنا حصہ ملے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی کو نصف عطا فرمایا اور ایک بہن کو بھی نصف عطا فرمایا اور یہ تصریح کی کہ دو

بہنوں کو دو تہائی حصہ ملے گا تو بیٹیوں کے ذکر سے بہنوں کے ذکر سے استغناء ہو گیا، کیونکہ بیٹیاں اگر دو سے زیادہ ہوں تب بھی ان کو دو تہائی حصہ ملتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ بہنیں بھی اگر دو سے زیادہ ہوں تو ان کو بھی دو تہائی حصہ ملے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبر دینے کا ثبوت

نیز صحیح البخاری: ۶۷۳۳ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "اگر تم نے اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑا تو وہ اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے وارثوں کو فقیر چھوڑ دو اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں"۔

اس حدیث میں یہ پیشگوئی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت تک فوت نہیں ہوں گے حتیٰ کہ ان کے پاس وارثوں کی جماعت ہو اور یہ کہ وہ اس بیماری سے فوت نہیں ہوں گے۔ اور جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو ان کے متعدد بیٹے تھے اور یہ سب بیٹے اس مرض کے بعد پیدا ہوئے۔ اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب کی خبر کا ثبوت ہے اور یہ آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۱۔ ۳۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیٹیوں کے وارث ہونے کی دلیل

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیٹی بھی وارثوں میں سے ہے، کیونکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: "میری وارث صرف میری بیٹی ہوگی"۔ (صحیح البخاری: ۶۷۳۳)

اس حدیث میں زمانہ جاہلیت کی رسم کو باطل کرنا ہے، کیونکہ اہلِ جاہلیت عورتوں کو وارث بنانے سے منع کرتے تھے، وہ یہ کہتے تھے کہ وارث صرف وہ بہادر لوگ ہوں گے جو شہروں میں دشمنوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ اور رہیں عورتیں تو ان کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ (النساء: ۷)

مردوں کے لیے (اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم ہو یا زیادہ، یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے ۝

عصبات کو ذوی الفروض سے تعبیر کرنے کا جواز

صحیح البخاری: ۶۷۳۴ میں مذکور ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد فوت ہو گیا اور اس نے ایک بیٹی اور بہن کو چھوڑا، تو انہوں نے بیٹی کو بھی نصف دیا اور بہن کو بھی نصف دیا۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عصبات کو بھی ذوی الفروض سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، کیونکہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی

ہیں، پس ایک بیٹی کو نصف دینے کے بعد جو مال باقی بچا وہ بہن کو عصبہ ہونے کی حیثیت سے مل جائے گا، لہٰذا باقی نصف بہن بحیثیت عصبہ کے لے لے گی۔

اور اگر بہن کی جگہ پھوپھی ہوتی تو پھر سارا مال بیٹی کو مل جاتا، کیونکہ پھوپھی ذوی الارحام میں سے ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۶۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۷۔ بَابُ: مِيرَاثِ ابْنِ الِابْنِ إِذَا لَمْ يَكُنِ ابْنٌ

پوتے کی وراثت جب بیٹا نہ ہو

وَقَالَ زَيْدٌ وَلَدُ الْأَبْنَاءِ بِمَنْزِلَةِ الْوَلَدِ إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهُمْ وَلَدٌ ذَكَرُهُمْ كَذَكَرِهِمْ وَأُنْثَاهُمْ كَأُنْثَاهُمْ يَرِثُونَ كَمَا يَرِثُونَ وَيَحْجُبُونَ كَمَا يَحْجُبُونَ وَلَا يَرِثُ وَلَدُ الِابْنِ مَعَ الِابْنِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹوں کی اولاد، اولاد کے درجہ میں ہے جب کہ ان کے ساتھ مذکر اولاد نہ ہو، پوتوں کے مذکر بیٹوں کے مذکر کی مثل ہیں اور پوتوں کی مؤنثات بیٹوں کی مؤنثات کی طرح ہیں، پوتے اس طرح وارث ہوں گے جیسے بیٹے وارث ہوتے ہیں اور پوتے اس طرح حاجب ہوں گے جیسے بیٹے حاجب ہوتے ہیں، اور پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی مرد کا پوتا وارث ہوگا جب کہ اس کا صلبی بیٹا نہ ہو۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور یہ پورا ان کا قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، اس کے اوپر علماء کا اجماع ہے اور اس تعلیق کو امام سعید بن منصور نے سندِ موصول کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود روایت کیا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ پوتا بیٹے کے درجہ میں ہے یعنی صلبی بیٹے کے درجہ میں ہے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اذا لم یکن دونھم ولد'' یعنی جب میت اور اس کے پوتوں کے درمیان صلبی بیٹا نہ ہو۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے ''ذکر'' اور مذکر کی قید سے مؤنث سے احتراز کیا۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے: ''ذکرھم کذکرھم'' یعنی پوتوں کے مذکر، بیٹوں کے مذکر کی مثل ہیں اور پوتوں کی مونث بیٹوں کی مونث کی مثل ہیں، یعنی جس طرح بیٹے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پوتے وارث ہوں گے۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے ''ویحجبون'' یعنی پوتے جب منفرد ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اپنے سے نچلے طبقہ کے لوگوں کے لیے حاجب ہوں گے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ جس میت نے شوہر کو چھوڑا اور ماں کو چھوڑا اور بیٹی کو چھوڑا اور پوتے کو

چھوڑا اور پوتی کو چھوڑا۔

اس صورت میں ذوی الفروض کو مقدم کیا جائے گا، پس شوہر کو چوتھا حصہ دیا جائے گا اور ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور بیٹی کو نصف حصہ دیا جائے گا اور جو باقی ماندہ مال ہے وہ پوتے اور پوتیوں کے درمیان اس طرح تقسیم کیا جائے گا کہ پوتے کو دو حصے ملیں گے اور پوتی کو ایک حصہ ملے گا۔

پس اس مسئلہ کی صورت میں بارہ (۱۲) سے تقسیم کی جائے گی اور تین حصے شوہر کو دیے جائیں گے اور دو حصے ماں کو دیے جائیں گے اور چھ حصے بیٹی کو دیے جائیں گے، اور باقی جو ایک حصہ بچا ہے وہ پوتے اور پوتیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور اب اصل مسئلہ کو تین سے ضرب دے دی جائے گی اور اب چھتیس (۳۶) سے ہوگی۔ سو اس میں سے نو (۹) حصے شوہر کو دیے جائیں گے اور چھ (۶) حصے ماں کو دیے جائیں گے اور اٹھارہ (۱۸) حصے بیٹی کو دیے جائیں گے، اور باقی ماندہ تین حصوں میں سے دو پوتوں کو اور ایک حصہ پوتیوں کو دیا جائے گا۔

نیز اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''پوتا بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوگا''۔ اور یہ بات پہلے بھی سمجھ آ رہی تھی کیونکہ اوپر والا نیچے والے کے لیے حاجب ہو جاتا ہے لیکن بطور تاکید اس کو دوبارہ ذکر کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

یتیم پوتے کی وراثت کا قانون

میں کہتا ہوں: ایوب خان کے دور میں عائلی قوانین بنائے گئے تھے اور اس میں بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو وارث قرار دیا گیا تھا اور ابھی تک یہ قانون اسی طرح جاری ہے اور ختم نہیں کیا گیا اور یہ قانون خلاف شرع ہے، اول تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اس تعلیق کے خلاف ہے اور ثانیاً اس لیے کہ میراث کا یہ اصول ہے کہ اوپر کے درجہ کے وارث کے ہوتے ہوئے نچلے درجہ کے وارث کو ترکہ سے نہیں دیا جاتا، لہٰذا جب بیٹا موجود ہو تو پوتے کو نہیں دیا جائے گا۔ اور ابھی تک یہ غیر شرعی قانون اسی طرح قائم ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ تمام قوانین جو شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہیں ان کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یتیم پوتے کا کوئی کفیل نہیں ہوتا تو اس کی کفالت کے لیے کچھ حصہ مقرر ہونا چاہیے تو اس کا طریقہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ مرنے والا یتیم پوتے کے لیے تہائی مال میں سے کچھ وصیت کر دے۔ اس طرح یتیم پوتے کی کفالت کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور کسی اسلامی اصول کی مخالفت بھی لازم نہیں آئے گی۔ اور اس کی صورت اس طرح ہوگی کہ ایک شخص مثلاً زید مر رہا ہے اور اس کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹا زندہ ہے اور دوسرا بیٹا جو فوت ہو چکا ہے اس کا بیٹا بھی موجود ہے اور یہ زید کا یتیم پوتا ہے، سو اس کی کفالت کے لیے زید کو یوں کرنا چاہیے کہ وہ اپنے ترکہ کے تہائی مال سے یتیم پوتے کے لیے کچھ وصیت کر دے۔ اس طرح قانون وراثت کی مخالفت نہیں ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۷۳۵ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں طاؤس نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کو ذوی الفروض کے ساتھ ملا دو اور جو باقی بچے تو وہ اس مذکر مرد کے لیے ہے جو زیادہ قریب ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۵، ۶۷۳۲، ۶۷۳۷، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہ وہ ہے جو عنقریب "باب میراث الولد من ابیه وامه" میں گزر چکی ہے اور اس کو دوبارہ دو فائدوں کی وجہ سے ذکر کیا ہے:

(۱) اس میں یہ اشارہ ہے کہ بیٹوں کی اولاد بھی اولاد کے درجہ میں ہے۔

(۲) اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ حدیث امام بخاری کے دو شیوخ سے مروی ہے، ان میں سے ایک شیخ موسیٰ بن اسماعیل از وہیب ہیں جیسا کہ پہلے گزرا ہے اور دوسرے شیخ مسلم بن ابراہیم از وہیب ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: مِيرَاثِ ابْنَةِ ابْنٍ مَعَ ابْنَةٍ — بیٹی کے ہوتے ہوئے پوتی کی وراثت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتی کی وراثت کا کیا حکم ہے، اور اس حکم کو امام بخاری نے عنوان میں بیان نہیں کیا کیونکہ اس باب کی حدیث سے اس کا حکم معلوم ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۶۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو قَيْسٍ سَمِعْتُ هُزَيْلَ بْنَ شُرَحْبِيلَ قَالَ سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوقیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ہزیل بن شرحبیل سے سنا، انہوں نے کہا: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا ایک بیٹی اور ایک پوتی اور ایک بہن (کی وراثت کے متعلق) تو انہوں نے کہا: بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا اور تم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، وہ بھی عنقریب میری موافقت کریں گے، پس حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور ان کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے قول کی خبر

تَسْأَلُوْنِيْ مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ۔

دی تو حضرت ابن مسعود نے فرمایا: ''(اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا'' (الانعام:۵٦)، میں اس مسئلہ میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا تھا، بیٹی کے لیے نصف ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ ہے تاکہ دو ثلث مکمل ہو جائیں اور جو باقی بچے گا وہ بہن کے لیے ہے۔ پھر ہم حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پس ہم نے ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب کی خبر دی تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرو۔

(صحیح البخاری:٦٧٤٢، سنن ترمذی:۲۰۹۳، سنن ابوداؤد:۲۸۹۰، سنن ابن ماجہ:۲۷۲۱، مسند احمد:۳٦۸۳)

صحیح البخاری:٦٧٣٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں پوتی کی بیٹی کے ساتھ وراثت کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، اور وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقیس، ان کا نام عبدالرحمٰن بن سروان ہے، ان کی ۱۲۰ھ میں وفات ہوئی تھی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے هُزَيل بن شُرَحْبِيل، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ان دونوں کا ذکر پہلے نہیں گزرا۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں از عبداللہ بن عامر بن زرارۃ روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الفرائض میں از الحسن بن عرفہ روایت کی ہے اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی کتاب الفرائض میں از محمود بن غیلان روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کی کتاب الفرائض میں از علی بن محمد از وکیع روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا''۔

امام نسائی نے از شعبہ از غندر روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس وقت وہ امیر تھے اور سلمان بن ربیعہ الباہلی کے پاس آیا اور ان دونوں سے سوال کیا، اسی طرح امام ابوداؤد نے اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ اور امام

طحاوی اور امام دارمی نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ سلمان بن ربیعہ حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ کوفہ کے منصب قضاء پر فائز تھے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَّمَآ أَنَاْ مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ (الانعام:۵۶) ''(اگر بالفرض میں نے ایسا کیا) تو میں گمراہ ہوجاؤں گا اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہیں رہوں گا'' O

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس آیت کو پڑھنے کی غرض یہ تھی کہ اگر انہوں نے یہ کہا کہ پوتی محروم ہوجاتی ہے تو وہ گمراہ ہوجائیں گے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پوتی کو چھٹا حصہ دیا۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس بات کا جواب دیا کہ انہوں نے کہا تھا کہ ابن مسعود میری موافقت کریں گے، انہوں نے یہ اشارہ کیا کہ اگر وہ ان کی موافقت کرتے تو ان کے نزدیک جو صریح سنت سے ثابت حکم تھا اس کی مخالفت ہوتی، اور اگر وہ اس کی عمداً مخالفت کرتے تو وہ گمراہ ہوجاتے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اقضی فیھا'' یعنی میں اس مسئلہ میں وہ فیصلہ کروں گا یا اس قضیہ میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قضیہ میں فیصلہ فرمایا تھا۔ اور سنن دارقطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ابوموسیٰ کے قول کی مثل کیسے کہہ سکتا ہوں حالانکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں سن چکا ہوں، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ذکر کیا۔ اور یہ قضیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنایا تھا، اور اس سے پہلے کوفہ کے گورنر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، پھر ان کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی گورنری سے پہلے معزول کردیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاتینا ابا موسیٰ'' اس میں یہ خبر دی ہے کہ ہزیل راوی بھی سائل کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب سنا تھا اور پھر وہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب کی خبر دی، اس تفصیل کا المزی نے الاطراف میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث ہزیل کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ما دام ھذا الحَبْر'' (الحَبْر میں حاء پر زبر ہے) حَبْر سے مراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ حَبْر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کلام میں حسن ہو اور وہ کلام کو مزین کرتا ہو۔ علامہ الجوہری نے ذکر کیا ہے کہ یہ لفظ حَبْر بھی ہے زبر کے ساتھ اور حِبْر بھی ہے زیر کے ساتھ، اور علامہ جوہری نے زیر کو ترجیح دی ہے اور فراء نے وثوق کے ساتھ حِبْر کہا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مسئلہ کے اندر اختلاف ہو تو حجت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی حدیث ہے، لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں انصاف تھا اور وہ حق کا اعتراف کرتے تھے اور حق کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ ایک دوسرے کے علم کی شہادت دیتے تھے اور اس کی فضیلت کو بیان کرتے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا زیادہ علم تھا۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع کر لیا جب ان کو معلوم ہو گیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث کی بناء پر ان سے اختلاف کیا ہے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی عالم سے کسی مسئلہ کا جواب پوچھا جاتا ہے، اگرچہ اس عالم نے تمام سنتوں کا احاطہ نہیں کیا ہوا ہوتا اور اگر عالم اس وقت تک کسی مسئلہ کا جواب نہ دے جب تک اس نے تمام سنتوں کا احاطہ نہ کر لیا ہو تو پھر کوئی شخص فقہ میں کلام نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے جواب میں یہ خبر ہے کہ انہوں نے اپنے سابق قول سے رجوع کر لیا۔

اور حافظ ابوعمر نے کہا: اس مسئلہ میں صرف حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سلمان بن ربیعہ الباہلی نے مخالفت کی تھی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس سے رجوع کر لیا اور شاید کہ سلمان نے بھی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح رجوع کر لیا ہو، اور اس سلمان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور سلمان نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں عراق کی فتوحات میں بہت کارنامے انجام دیئے تھے، اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شہید ہو گئے اور ان کو سلمان الخیل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ انہیں گھوڑوں کی بہت زیادہ معرفت تھی۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس قصہ سے یہ معلوم ہوا کہ جب تک حدیث کی معرفت نہ ہو تو قیاس پر عمل کرنا جائز ہے اور حدیث کی معرفت کے بعد حدیث کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور جو حکم حدیث کے خلاف ہو اس کو توڑنا بھی واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۱۔ ۳۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی نے اس حدیث کے جو فوائد ذکر کیے ہیں، یہ سب علامہ ابن بطال نے اپنی شرح میں ذکر کئے ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اسی طرح علامہ ابن ملقن نے بھی ان فوائد مذکورہ کو اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔

نیز علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ اس حدیث کے تین فائدے ہیں: ایک یہ ہے کہ دو بیٹیوں کو دو ثلث ملتا ہے اور دوسرا یہ کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اور تیسرا یہ کہ پوتی بیٹی کے قائم مقام ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۴۷۶، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں جو مباحث ذکر کیے ہیں وہ تمام مباحث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ذکر کیے ہوئے ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۷۹۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۹۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْجَدِّ مَعَ الْأَبِ وَالْإِخْوَةِ

باپ اور بھائیوں کی دادا کے ساتھ وراثت

وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ الْجَدُّ: أَبٌ

اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم نے کہا: دادا باپ ہے۔

وَقَرَأَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ (الاعراف:۲۷) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف:۳۸)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: "اے آدم کی اولاد"۔ اور یہ آیت پڑھی: "اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی۔

وَلَمْ يُذْكَرْ أَنَّ أَحَدًا خَالَفَ أَبَا بَكْرٍ فِي زَمَانِهِ وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم مُتَوَافِرُونَ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَرِثُنِي ابْنُ ابْنِي دُونَ إِخْوَتِي وَلَا أَرِثُ أَنَا ابْنَ ابْنِي

اور یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ان کے زمانہ میں مخالفت کی حالانکہ وہ بہت زیادہ تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میرا پوتا میرا وارث ہوگا نہ کہ میرے بھائی اور میں اپنے پوتے کا وارث نہیں ہوں گا۔

وَيُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَزَيْدٍ أَقَاوِيلُ مُخْتَلِفَةٌ۔

اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مختلف اقوال منقول ہیں۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دادا کی وراثت کو باپ کے ساتھ اور سگے بھائیوں کے ساتھ اور باپ شریک بھائیوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ دادا باپ کی موجودگی میں وارث نہیں ہوتا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "حضرت ابوبکر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ باپ، دادا ہے"۔

دادا سے مراد ہے جدِ صحیح (جو نانا نہ ہو) اس کا حکم وہ ہے جو باپ کا حکم ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو۔ اور جدِ صحیح وہ ہے جس کی میت کی طرف نسبت کریں تو درمیان میں ماں کا واسطہ نہ ہو یعنی میت کی ماں کا باپ (نانا) نہ ہو۔ اور کبھی دادا پر باپ کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ (الاعراف:۲۷)

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا۔

اور جنت سے حضرت آدم علیہ السلام کو نکالا گیا تھا جو ہمارے جدِ اعلیٰ ہیں اور اس آیت میں ان پر باپ کا اطلاق فرمایا ہے۔ پس جب جدِ اعلیٰ پر باپ کا اطلاق ثابت ہے تو باپ کے باپ پر جد کا اطلاق بطریقِ اولیٰ ہوگا۔

اور باپ کے وراثت میں تین احوال ہوتے ہیں:

(۱) فرضِ مطلق: (وہ چھٹا حصہ ہے)۔

(۲) فرض اور عصبہ: یعنی اس کو چھٹا حصہ بطور فرض کے ملے گا اور جو باقی بچا ہو گا وہ بطور عصبہ کے ملے گا۔

(۳) عصبہ محض: یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ سب اس کو مل جائے گا۔

پس دادا تمام احوال میں باپ کی مثل ہیں سوائے چار مسائل کے، ان مسائل میں دادا، باپ کے قائم مقام نہیں ہوتا:

(۱) عینی بھائی بہن اور تمام جدات بالاجماع باپ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور دادا سے ساقط نہیں ہوتے سوائے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے۔

(۲) ماں، شوہر یا بیوی کے ساتھ ہو اور باپ بھی ہو تو ماں باقی ماندہ کا ثلث لیتی ہے اور دادا کے ساتھ کل مال کا ثلث لیتی ہے سوائے امام ابو یوسف کے کیونکہ ان کے نزدیک دادا اس مسئلہ میں باپ کی مثل ہے۔

(۳) باپ کی ماں یعنی دادی خواہ وہ اوپر کے درجہ میں ہو، وہ باپ سے ساقط ہو جاتی ہے اور دادا سے ساقط نہیں ہوتی خواہ وہ اوپر کے درجہ کی ہو۔

(۴) آزاد شدہ مرد جب آزاد شدہ کے باپ کو چھوڑے اور بیٹے کو تو وَلاء کا چھٹا حصہ باپ کے لیے ہے اور باقی بیٹے کے لیے ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک سب بیٹے کے لیے ہے۔ اور اگر اس نے آزاد شدہ کا بیٹا اور دادا کو چھوڑا تو پوری وَلاء بالاتفاق بیٹے کے لیے ہوگی۔

یہ ان صحابہ کے کلام کی شرح ہے اور میں نے شراح میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس میں سے کسی کو بھی ذکر کیا ہو۔

اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکر وغیرہ نے جو کہا ہے کہ دادا، باپ ہے یعنی حقیقتاً باپ ہے۔

علامہ عینی ان بعض شارحین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ بات ان لوگوں میں سے کسی نے بھی نہیں کہی جو حقیقت اور مجاز کے درمیان تمیز رکھتے ہیں، رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ دادا باپ ہے تو اس کو امام دارمی نے امام مسلم کی شرط کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ کے درجہ میں رکھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو محمد بن نصر المروزی نے کتاب الفرائض میں روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ دادا، باپ ہے۔ اور رہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول تو ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اہلِ کوفہ نے ابن الزبیر کی طرف لکھ کر دادا کے متعلق معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادا کو باپ کے درجہ میں رکھا۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ۔ (الاعراف: ۲۷)

اے اولادِ آدم! کہیں شیطان تم کو فتنہ میں مبتلا نہ کر دے، جس طرح وہ تمہارے ماں باپ کے جنت سے اخراج کا سبب بنا تھا۔

اور دوسری آیت یہ پڑھی:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ ''اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، (یوسف:۳۸) اسحاق کی اور یعقوب کی''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے الاعراف:۲۶ پڑھی اور اس سے یہ استدلال کیا کہ دادا باپ کے درجہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے اولادِ آدم!'' اور دوسری آیت پڑھی ''''اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی''۔ اس میں حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام پر باپ کا اطلاق کیا حالانکہ وہ سب دادا ہیں۔

اور امام سعید بن منصور نے از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ دادا، باپ ہے اور یہ آیت پڑھی ''وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ۔ الآیة''

اور یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ صحابہ میں سے کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہو کہ دادا، باپ کے درجہ میں ہے اور یہ اجماع سکوتی ہے کیونکہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور کسی نے بھی مخالفت نہیں کی۔

اور جن صحابہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی مثل کہا وہ حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، شریح اور شعبی نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔ اور فقہاءِ مجتہدین میں سے عثمان البتی، امام ابوحنیفہ، اسحاق، ابوثور، داؤد، المزنی اور ابن شریح نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔

اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ بھائی، دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں لیکن اس کی کیفیت میں ان کا اختلاف ہے اور اس کی تفصیل کا مقام کتب فرائض ہیں۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ''میرا وارث میرا پوتا ہوگا نہ کہ میرے بھائی اور نہ میں اپنے پوتے کا وارث ہوں گا''۔

اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انکار کا ارادہ کیا یعنی دادا کیوں وارث نہیں ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دادا وارث نہیں ہوگا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ فقط دادا کیوں وارث نہیں ہوگا نہ کہ اس کا بھائی۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اور اس تعلیق میں مذکور ہے ''اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مختلف اقوال منقول ہیں''۔

امام بخاری نے یہاں پر ''یُذکر'' مجہول کا صیغہ ذکر کیا، اس میں اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ ہے اور ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ بھائی دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں لیکن ان کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول امام دارمی نے روایت کیا ہے، وہ دادا کو بھائی اور دو بھائیوں کے ساتھ وارث کرتے ہیں، پس جب بھائی زیادہ ہو جائیں تو وہ دادا کو تہائی حصہ دیتے ہیں اور بیٹے کے ساتھ چھٹا حصہ دیتے ہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول الشعبی نے روایت کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے اس مسئلہ کا سوال کیا کہ چھ بھائی ہیں اور دادا ہے، تو انہوں نے ان کی طرف لکھا کہ دادا کو بھائیوں میں سے ایک کے درجہ میں رکھو اور میرے اس مکتوب کو مٹا دو۔ اور حسن بصری نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دادا کو بھائیوں کے ساتھ چھٹے حصے تک شریک کرتے تھے اور ان کے اور بھی اقوال ہیں۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند کو اور اپنی ماں کو اور اپنے دادا کو اور اپنے باپ شریک بھائی کو چھوڑا تو انہوں نے کہا کہ شوہر کے لیے تین حصے ہوں گے اور نصف ہوگا اور ماں کے لیے باقی ماندہ میں سے تہائی حصہ ہوگا اور وہ پورے ترکہ کا چھٹا حصہ ہوگا اور بھائی کے لیے ایک حصہ ہوگا اور دادا کے لیے بھی ایک حصہ ہوگا۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کی امام دارمی نے حسن بصری سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ دادا کو بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی تک شریک قرار دیتے تھے۔ اور امام عبدالرزاق نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دادا کو بھائیوں سے ایک تہائی تک شریک قرار دیتے تھے۔ پس جب تہائی باپ کو دے دیتے تو بھائیوں کو باقی ماندہ دیتے اور بھائیوں کو باپ کے ساتھ تقسیم کرتے تھے، پھر باقی ماندہ مال کو بھائیوں پر رد کر دیتے تھے۔ اور باپ شریک بھائیوں کو سگے بھائیوں کے ساتھ شریک رکھتے تھے اور ماں شریک بھائی کو باپ کے ساتھ بالکل نہیں دیتے تھے اور ان کے اس مسئلہ میں اور بھی اقوال ہیں جن کو ہم نے بوجہ اختصار ترک کر دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۲۔۳۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: ذوی الفروض کے حصص کو ان کے ساتھ ملا دو اور جو باقی بچے تو جو مرد مذکر ہو اس کو دے دو۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۵، ۶۷۳۲، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو اس باب کے تحت وارد کرنے کی وجہ ہے حالانکہ یہ حدیث اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی گزر چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ فرض ادا کرنے کے بعد باقی ماندہ جو میت کے زیادہ قریب رشتہ دار ہو اس کو دے دیا جائے اور دادا زیادہ قریب رشتہ دار ہے تو باقی ماندہ اس کو دے دیا جائے گا۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث سے انہوں نے استدلال کیا جو دادا اور بھائی کو وراثت میں شریک قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ میت کے زیادہ قریب ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وُہیب کا ذکر ہے اور یہ ابن خالد ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابن طاؤس کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧٣٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَّا الَّذِي قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُهُ وَلَكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ أَوْ قَالَ خَيْرٌ فَإِنَّهُ أَنْزَلَهُ أَبًا أَوْ قَالَ قَضَاهُ أَبًا۔

(صحیح البخاری: ۴۶۷، ۳۶۵۶، ۶۷۳۸، مسند احمد: ۲۴۲۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابومعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ ہے کہ اگر میں اس امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو میں اس کو ضرور بناتا، لیکن اسلام کی خلۃ افضل ہے یا فرمایا: زیادہ بہتر ہے، بے شک آپ نے ان کو باپ کے درجہ میں رکھا یا فرمایا: ان کو باپ کے حکم میں رکھا۔

صحیح البخاری: ۶۷۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوبکر نے دادا کو باپ کے درجہ میں رکھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابومعمر، ان کا نام عبداللہ بن عمرو بن ابی الحجاج المنقری المقعد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوارث، یہ ابن سعید البصری ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لو کنت متخذا" یعنی اگر میں اللہ کے غیر کی طرف منتقل ہوتا تو ابوبکر کی طرف منتقل ہوگا لیکن یہ ممنوع ہے اور اس کی وجہ امتناع یہ ہے کہ اسلام کی خلۃ افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دادا کو باپ کے درجہ میں رکھنے کے متعلق متعدد روایات

یزید بن ہارون نے از ربیع بن صبیح روایت کی ہے، ہمیں عطاء نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن وہ میرے (دینی) بھائی ہیں اور غار میں میرے صاحب ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ دادا باپ ہے جب اس کے سوا کوئی باپ نہ ہو جیسا کہ پوتا بیٹا ہوتا ہے جب اس کے سوا کوئی بیٹا نہ ہو۔

از حجاج بن ارطاۃ از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: جو چاہے ہم سے الحجر الاسود کے پاس لعان کرلے کہ دادا باپ ہے اور اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے نہ دادا کا ذکر کیا ہے اور نہ دادی کا اور یہ دونوں آباء ہیں اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ۔ (یوسف:۳۸)

اور میں نے اپنے باپ دادا کی ملت کی پیروی کی ابراہیم کی، اسحاق کی اور یعقوب کی۔

اور ہمیں محمد بن سالم نے خبر دی از الشعبی کہ حضرت ابوبکر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم یہ سب دادا کو باپ قرار دیتے تھے، جس کے لیے باپ وارث ہوتا ہے اس کے لیے دادا وارث ہوتا ہے اور جس کے لیے باپ حاجب ہوتا ہے اس کے لیے دادا حاجب ہوتا ہے۔

اور ہمیں یزید بن ابراہیم التستری نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسن نے خبر دی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باپ کو دادا قرار دیا۔

ہمیں حماد بن سلمہ نے خبر دی از اللیث از طاؤس کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں دادا کو باپ قرار دیتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۰ ص ۴۸۰-۴۷۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۱۰۔ بَابُ: مِیرَاثِ الزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَغَیْرِہٖ

اولاد وغیرہ کے ساتھ شوہر کی وراثت

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اولاد وغیرہ کے ساتھ شوہر کی وراثت کو بیان کیا گیا ہے جو وارثین میں سے ہیں، پس شوہر کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا البتہ اس کا درجہ اولاد کی وجہ سے نصف سے چوتھائی تک کم ہو جاتا ہے۔ (یعنی شوہر کے ساتھ میت کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف ملے گا اور اولاد ہو تو اس کو چوتھائی حصہ ملے گا)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ یُوسُفَ عَنْ وَرْقَاءَ عَنِ ابْنِ أَبِی نَجِیحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ کَانَ الْمَالُ لِلْوَلَدِ وَکَانَتِ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ فَنَسَخَ اللّٰہُ مِنْ ذٰلِکَ مَا أَحَبَّ فَجَعَلَ لِلذَّکَرِ مِثْلَ حَظِّ الْأُنْثَیَیْنِ وَجَعَلَ لِلْأَبَوَیْنِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسَ وَجَعَلَ لِلْمَرْأَةِ الثُّمُنَ وَالرُّبُعَ وَلِلزَّوْجِ الشَّطْرَ وَالرُّبُعَ۔

(صحیح البخاری: ۲۷۴۷، ۴۵۷۸، ۶۷۳۹، سنن دارمی: ۳۲۶۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی از ورقاء از ابن ابی نجیح از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ مال اولاد کے لیے تھا اور وصیت والدین کے لیے تھی، پس اللہ تعالیٰ نے اس میں سے جس کو چاہا منسوخ کر دیا، پس مرد کے لیے عورت کے دو حصے کر دیے، اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ کر دیا، اور بیوی کے لیے آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ رکھا اور شوہر کے لیے نصف حصہ اور چوتھا حصہ رکھا۔

صحیح البخاری: ۶۷۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور کتاب الفرائض کے شروع میں دو آیتیں ہیں ان سے ان کا حکم معلوم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وصیت والدین کے لیے تھی اور اس کا حکم کتاب الوصایا میں گزر چکا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ورقاء کا ذکر ہے، یہ الاورق کی مونث ہے اور الاورق عمر الخوارزمی کے بیٹے ہیں اور وہ عبداللہ بن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں، یحییٰ القطان نے کہا کہ وہ قدری تھے یعنی منکرِ تقدیر تھے اور وہ عطاء بن ابی رباح سے روایت کرتے ہیں۔
(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۳۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۳۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

شوہر اور بیوی کے مقررہ حصوں پر اجماع

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: اس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب بیوی کی شوہر سے اولاد نہ ہو اور نہ کسی اور سے تو شوہر کو نصف ملتا ہے اور اگر بیوی کے لیے اس شوہر سے اولاد ہو یا کسی اور سے تو شوہر کو چوتھائی ملتا ہے اور اس فرض سے اس کی کمی نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح بیوی کی شوہر سے وراثت ہے۔ اسی طرح جب شوہر کی بیوی سے اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے اور اگر بیوی کی شوہر سے اولاد نہ ہو تو اس کو چوتھائی حصہ ملتا ہے۔
(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۱- بَابٌ: مِيرَاثِ الْمَرْأَةِ وَالزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَغَيْرِهِ — عورت اور شوہر کی وراثت اولاد کے ساتھ

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں عورت کی وراثت کا بیان کیا گیا ہے اور شوہر کی وراثت کا اولاد کے ساتھ اور ''وغیرہ'' کا معنی ہے جو وارثین میں سے ہیں۔ پس عورت اور شوہر کی وراثت کسی حال میں بھی کم نہیں ہوتی، بلکہ اولاد شوہر کی وراثت کو نصف سے ربع تک کم کرتی ہے اور اولاد عورت کی وراثت کو چوتھائی سے آٹھویں حصہ تک کم کرتی ہے۔ (عمدة القاری ج ۲۳ ص ۳۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ سَقَطَ مَيِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى لَهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِأَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنولحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے اس بچہ کے متعلق ایک غلام یا باندی کو آزاد کرنے کا حکم دیا جو مردہ (حالت میں) گر گیا تھا۔ پھر وہ عورت جس کے خلاف

غلام یا باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا فوت ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس عورت کی وراثت اس کے بیٹوں اور اس کے خاوند کو ملے گی۔ اور دیت کی ادائیگی اس عورت کے عصبات پر لازم ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۸، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن ترمذی: ۲۱۱۱، سنن نسائی: ۴۸۱۷، مسند احمد: ۱۰۵۷۰)

صحیح البخاری: ۶۷۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کے عنوان میں عورت کی وراثت کا ذکر ہے اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے متعلق فیصلہ کیا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں کو اور اس کے شوہر کو ملے گی۔۔۔ الحدیث

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن المسیب کا ذکر ہے، ان کا نام سعید ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کا ذکر کتاب الدیات میں از عبد اللہ بن یوسف کیا ہے۔ امام مسلم نے اس حدیث کا ذکر کتاب الحدود میں کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس کا ذکر کتاب الفرائض میں کیا ہے اور امام ابوداؤد اور النسائی نے اس کا ذکر الدیات میں کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

پیٹ کے بچہ کو مارے جانے کا قصہ اور اس کے متعلق متعدد روایات میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے "فی جنین امراۃ" یعنی ایک عورت کے پیٹ کے بچے کے مارے جانے کے سبب سے۔

امام بخاری نے کتاب الدیات میں بیان کیا ہے کہ قبیلہ ہزیل کی دو عورتیں آپس میں لڑیں، پس ایک عورت نے دوسری عورت کے اوپر ایک پتھر مارا اور اس کی ضرب سے اس عورت کو بھی مار دیا اور جو اس کے پیٹ میں بچہ تھا اس کو بھی مار دیا۔۔۔ الحدیث

کہا جاتا ہے کہ جو عورت مارنے والی تھی اس کو ام عفیف بنت مسروح کہا جاتا تھا اور جس عورت کو پتھر مارا گیا تھا اس کو ملیکہ بنت عویم کہا جاتا تھا۔ دوسرا قول ہے کہ عویمر براء کہا جاتا تھا، اس کا حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی نے ذکر کیا ہے۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۴۶۷)

اور امام بخاری کی عبارت اس طرح ہے کہ قبیلہ ہزیل کی دو عورتوں نے ایک دوسرے کو پتھر مارا، پس دوسری عورت کے پیٹ کا بچہ ساقط ہوگیا۔۔۔ الحدیث

اور یہاں اس حدیث میں امام بخاری نے کہا ہے کہ جس عورت کو پتھر مارا گیا تھا وہ بنولحیان سے تھی اور ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض اور تخالف نہیں ہے کیونکہ لحیان، ہزیل کی ایک شاخ ہے اور وہ لحیان بن ہذیل بن مدرکہ ہے۔
علامہ الجوہری نے کہا ہے: لحیان میں لام کے نیچے زیر ہے اور یہ قبیلہ کا باپ ہے۔ اور ایک روایت میں ہزلیہ اور عامریہ ہے اور اس کی نسبت ابن ابی فروہ کی طرف ہے اور یہ ضعیف ہے اور ان دونوں میں تعارض ظاہر ہے۔ (الصحاح للجوہری ج ٦ ص ٢٤٨٠)
اور صحیح مسلم کی حدیث میں اس طرح مذکور ہے کہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی سوکن تھی۔
(صحیح مسلم: ١٦٨٢، کتاب القسامۃ، باب دیۃ الجنین)
اور امام ابوداؤد نے مجالد کی سند سے روایت کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک، ایک شوہر کے نکاح میں تھی اور اس میں بھی کوئی منافاۃ نہیں ہے کیونکہ اس احتمال کا ارادہ ہے کہ وہ دونوں سوکنیں نہ ہوں۔ (سنن ابوداؤد: ٤٥٧٥)
اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کو خیمہ کی لکڑی سے مارا تھا۔ (صحیح مسلم: ١٦٨٢)
اور سنن ترمذی کی روایت میں مذکور ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر سے مارا تھا۔ (سنن ترمذی: ١٤١١)
اور اس میں بھی کوئی تخالف نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ پہلے لکڑی سے مارا ہو اور پھر پتھر سے مارا ہو۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''سقط'' یعنی وہ پیٹ کا بچہ ساقط ہوگیا اس حال میں کہ وہ مردہ تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے ایک غلام یا ایک باندی کو آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا''۔ اس حدیث میں جو ''یا'' کا لفظ ہے یہ تنویع اور تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں ہے۔

پیٹ کے بچہ کے تاوان میں دیے جانے والے مویشیوں کی اقسام اور ان کی تعداد کے متعلق مختلف روایات

اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیٹ کے بچہ کے سبب سے ایک غلام یا ایک باندی یا ایک گھوڑے یا ایک خچر یا ایک گدھے کا فیصلہ فرمایا۔ اور یہ حدیث معلول ہے (یعنی اس میں علتِ خفیہ قادحہ طاعنہ ہے)۔ (سنن ابوداؤد: ٤٥٧٩)
اور امام ابن ابی شیبہ نے عطاء سے مرسلاً روایت کی ہے کہ آپ نے فقط خچر کا فیصلہ فرمایا۔ اور دوسری روایت ہے: یا گھوڑے کا فیصلہ فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ٥ ص ٣٩٢۔ ٣٩١)
اور امام الدارقطنی نے از معمر از ابن طاؤس از والد خود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: یا آپ نے گھوڑے کا فیصلہ فرمایا۔
(سنن دارقطنی ج ٣ ص ١٧٧)

اور ابن سیرین نے کہا: اس میں سو بکریاں دینا کافی ہے۔
اور امام ابوداؤد نے بعض سندوں کے ساتھ روایت کی ہے کہ اس میں پانچ سو بکریاں دینا کافی ہے اور یہ ان کا وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ سو بکریاں دینا کافی ہے جیسا کہ اس پر امام ابوداؤد نے تنبیہ کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ٤٥٧٨)
اور مسند الحارث بن ابی اسامہ میں حمل بن مالک کی حدیث سے مذکور ہے: یا دس اونٹ کا فیصلہ فرمایا، یا سو بکریوں کا فیصلہ فرمایا۔ (اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج ٤ ص ١٩٢، رقم: ٣٤٠٨، المطالب العالیہ ج ٨ ص ١٦٩، رقم: ١٩٠٢)
اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ ابوالملیح نے بھی از والد خود از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی روایت کی ہے، مگر انہوں نے کہا ہے: یا ایک سو

بیس بکریوں کا فیصلہ فرمایا، اور اس کی سند ضعیف ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۱۵)

اور وکیع نے از عبد اللہ بن ابی بکر از ابی الملیح الہزلی روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ حمل بن مالک کے نکاح میں دو عورتیں تھیں ایک عورت بنو سعد کی تھی اور ایک عورت الملیح الہزلی کی تھی۔ پس السعدیہ نے اللحیانیہ کو پتھر مارا، سو اس کو جان سے مار ڈالا اور ایک لڑکا ساقط کر دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ کو مارنے کے سبب سے ایک غلام کو آزاد کرنے کا حکم دیا، پس عویمر نے کہا جن کے خلاف غلام کو آزاد کرنے کا فیصلہ فرمایا گیا تھا: یا رسول اللہ! میرے پاس تو کوئی غلام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر دس اونٹ دو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس تو اونٹ نہیں ہیں، آپ نے فرمایا: پھر ایک سو بیس بکریاں دو، ان بکریوں میں نہ کوئی کانی ہو، نہ کوئی بوڑھی ہو، جن میں کسی کا نہ کوئی سینگ کٹا ہوا ہو اور نہ وہ کان کٹی ہو، اس نے کہا: یا رسول اللہ! پھر بنو لحیان کے صدقہ میں سے میری مدد کیجئے، پس آپ نے ایک مرد سے فرمایا: اس کی مدد کرو۔

اور امام عبد الرزاق نے از ابو جابر البیاضی روایت کی ہے اور وہ ضعیف راوی ہیں از سعید بن المسیب از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کسی عورت کے پیٹ کے بچہ کو جو مارا جائے تو اگر وہ بچہ لڑکا ہو تو اس میں ایک غلام کو آزاد کیا جائے، اور اگر وہ لڑکی ہو تو اس میں ایک باندی کو آزاد کیا جائے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۶۱، رقم: ۱۸۳۵۴)

''غرۃ'' کا معنی اور تاوان میں دیے جانے والے غلام کے رنگ کے متعلق مختلف اقوال

حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی نے کہا ہے: ''غرۃ'' کا معنی یہاں پر ہے ''الابیض'' یعنی سفید، پس اس میں سیاہ رنگ کا غلام یا سیاہ رنگ کی باندی کو نہیں لیا جائے گا۔ اور امام مالک نے کہا: سرخ رنگ کے غلام اور باندی میرے نزدیک سیاہ رنگ کے غلام اور باندی سے زیادہ مستحب ہیں۔ الابہری نے کہا: غرۃ سے مراد ہے البیض یعنی سفید، اگر اس شہر کے اندر سفید غلام نہ ہوں تو پھر سیاہ غلام دے دیئے جائیں گے۔ اور امام مالک نے کہا: اس شہر کے متوسط غلاموں میں سے دیے جائیں گے، پس اگر اس شہر کے غلاموں میں اکثر سرخ ہوں تو ان میں سے متوسط دیے جائیں گے اور اگر اکثر سیاہ ہوں تو ان میں سے متوسط دیے جائیں گے۔ اور امام مالک نے کہا: اس سے مراد غلام یا باندی ہے۔

جس عورت پر تاوان تھا اس کے مرجانے کی صورت میں اس کی وراثت کا مسئلہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس عورت کے خلاف ''غرۃ'' کا فیصلہ کیا گیا تھا وہ فوت ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کی وراثت اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لیے ہے اور دیت اس کے عصبات پر لازم ہے۔ (کیونکہ عصبات میت کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے اگر میت پر کوئی تاوان لازم ہو تو وہ بھی ان کو ہی ادا کرنا ہو گا)۔

''غرۃ'' کی ادائیگی کس پر لازم ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف

امام مالک اور حسن بن حی نے کہا ہے کہ یہ جنایت یعنی جرم کرنے والے کے مال میں لازم ہے، پھر کفارہ ہے اور یہ الحسن اور الشعبی کا قول ہے اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ابراہیم، العطاء اور الحکم نے اسی کو وثوق کے ساتھ کہا ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ یہ ''غرۃ'' عاقلہ (عصبات) پر ہے۔ یہ الثوری، النخعی، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے

اصحاب کا قول ہے۔ اور یہی ابن سیرین اور ابراہیم کا دوسری روایت میں قول ہے۔ اور ان کی دلیل حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں ''غرۃ'' کو عورت کے عاقلہ پر لازم کیا ہے۔

اور حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی نے کہا: یہ اس مسئلہ میں نص سے ثابت ہے اور صحیح ہے اختلاف کے محل میں اور اسی پر حکم لگانا واجب ہے۔

''غرۃ'' کی قیمت میں فقہاء کا اختلاف

امام مالک نے کہا: اس کی قیمت پچاس دینار ہے یا چھ سو درہم ہے جو آزاد، مسلمان مرد کی دیت کا پانچواں حصہ ہے۔ اور آزاد مسلمان عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہے اور یہی الزہری، الربیعہ اور تمام اہلِ مدینہ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور تمام فقہاء کوفہ نے کہا ہے: اس کی قیمت پانچ سو درہم ہے اور یہی ابراہیم نخعی اور شعبی کا قول ہے۔

پیٹ کے مارے جانے والے بچہ کی صفت میں فقہاء کا اختلاف

پیٹ کے جس بچہ کے مارے جانے پر ایک ''غرۃ'' کو دینے کا حکم ہے، اس کی صفت کے متعلق امام مالک نے کہا: عورت نے جب اس کو ساقط کیا ہو تو وہ گوشت کا لوتھڑا ہو یا جما ہوا خون ہو یا جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ بچہ ہے تو اس میں ایک ''غرۃ'' دیا جائے گا، پس اگر وہ پیٹ کا بچہ ساقط ہو جائے اور وہ آواز نہ نکالے تو اس میں ایک ''غرۃ'' ہے خواہ اس نے حرکت کی ہو یا اسے چھینک آئی ہو، تب بھی اس میں ایک ''غرۃ'' ہے، اور اگر اس نے آواز نکالی ہو تو اس میں مکمل دیت ہے (یعنی سو اونٹ)۔

امام شافعی نے کہا: اس کے سبب سے کوئی چیز واجب نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کی تخلیق سے کوئی چیز واضح ہو جائے، پس اگر اس کی حرکت سے یا اس کے چھینک لینے سے یا اس کے آواز نکالنے سے یا کسی اور طریقہ سے اس کی حیات کا علم ہو جائے اور اس کی زندگی کا یقین ہو جائے پھر وہ مر جائے تو اس میں دیت ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر مالکی نے کہا: اور یہی تمام فقہاء کا قول ہے اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ پیٹ کا بچہ جب نکلا پھر مر گیا تو اس میں دیت بھی ہے اور کفارہ بھی ہے۔ (دیت سو اونٹ ہے اور کفارہ سے مراد قتلِ خطاء کا کفارہ ہے یعنی ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے)۔

امام مالک نے کہا: اس میں قسامت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے قسامت کے بغیر کہا۔

اور جب پیٹ کا بچہ مردہ نکلے تو اس کے کفارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس امام مالک نے کہا: اس میں ''غرۃ'' اور کفارہ ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا: اس میں ''غرۃ'' ہے اور کفارہ نہیں ہے اور یہی داؤد ظاہری کا قول ہے۔

دیت کو عقل کہنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''پیٹ کے مارے ہوئے بچہ کی عقل یعنی اس کی دیت قاتلہ کے عصبات پر ہے''۔

عقل سے مراد ہے دیت، اور اس کی اصل یہ ہے کہ قاتل نے جب کسی مقتول کو قتل کیا تو اس کی پوری دیت اونٹوں سے دی جاتی

ہے، پس ان اونٹوں کو باندھ کر مقتول کے اولیاء کو دیا جاتا ہے تاکہ مقتول کے اولیاء ان اونٹوں پر قبضہ کرلیں اور عقل کے معنی باندھنا ہے، اس وجہ سے دیت کو عقل کہتے ہیں۔ اور تمام دیات قاتلہ کے عصبات پر ہے جو اس کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہوتے ہیں کیونکہ وہ بطور عصبہ کے وراثت لیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۷۶۔۷۸ ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

''غرۃ'' کے معنی کی تحقیق

''غرۃ'' کا معنی ہے ''الخیار'' یعنی بہتر اور عمدہ۔ ابوعمرو نے کہا ہے: ''غرۃ'' کا معنی ہے ''الابیض'' یعنی سفید، سو اس میں سیاہ غلام نہیں لیا جائے گا۔ اور امام مالک نے کہا ہے کہ سرخ رنگ کے غلام میرے نزدیک سیاہ رنگ کے غلاموں سے بہتر ہیں۔
(المدونۃ ج ۴ ص ۴۸۴)

علامہ الابہری نے کہا ہے یعنی سفید، اگر اس شہر کے غلاموں میں سفید غلام نہ ہوں تو پھر سیاہ غلام دے دیے جائیں۔ اور ''غرۃ'' کے لیے زمانہ جاہلیت میں ایک اصل معروف تھی یعنی جو شخص کسی شرف کو نہ پہنچا ہو تو اس کی مکمل دیت ادا کی جائے گی۔
(التمہید لابن عبد البر ج ۶ ص ۴۸۲)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ لفظ ''الغرۃ'' حدیث میں تنوین کے ساتھ ہے، پھر انہوں نے اس کی تفسیر کی اور کہا کہ ''غرۃ'' نہ غلام کی طرف مضاف ہے اور نہ باندی کی طرف۔ امام مالک نے کہا: اس شہر کے غلاموں میں سے متوسط غلام دیا جائے گا۔ اگر اس شہر کے اکثر غلام سرخ ہوں تو متوسط غلام دیا جائے گا، اور اگر اس شہر کے اکثر غلام سیاہ ہوں تو ان میں سے متوسط غلام دیا جائے گا۔
(المنتقی ج ۷ ص ۸۰)

اور امام مالک نے کہا: غلام ہو یا باندی ہو۔ (المدونۃ ج ۴ ص ۴۸۴)
اور اسی طرح امام بخاری نے کتاب الدیات میں ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۹۰۹، باب: جنین المراۃ)
اس حدیث میں مذکور ہے ''جو پیٹ کا بچہ مارا گیا ہے اس کی دیت قاتلہ کے عصبات پر ہے''۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ پیٹ کے مارے ہوئے بچہ کی دیت کا بوجھ اس کے عصبات اٹھائیں گے اور یہ ابوالفرج کی امام مالک سے روایت ہے، کیونکہ یہ ایک شخص کی دیت ہے جیسے نصرانی کی دیت ہوتی ہے یا مجوسی کی دیت ہوتی ہے۔ اور المدونہ میں اس طرح مذکور ہے کہ اس کی دیت جنایت کرنے والے کے مال سے دی جائے گی، کیونکہ یہ تہائی دیت سے کم ہے۔
(المدونۃ ج ۴ ص ۴۸۲)

مقتولہ کی دیت کے متعلق روایات

علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں:
ایک فرقہ کا شاذ قول ہے کہ پیٹ میں مارے ہوئے بچہ کے تاوان میں کچھ نہیں ہے اور یہ قول نصوصِ ظاہرہ اور اجماعِ صحابہ سے

مردود ہے۔(المفہم شرح مسلم ج ۵ ص ۶۲، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ان نصوص میں سے مجالد کی حدیث ہے از شعبی از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے پیٹ کے مارے ہوئے بچہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر مقرر کی۔ اس حدیث کی متابعت نہیں کی گئی۔ اور اس میں یہ ہے کہ اس قاتلہ کا خاوند اس قتل سے بری ہو گیا اور اس کا بیٹا بھی پس مقتولہ کی عاقلہ نے کہا: اس کی میراث ہمارے لیے ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! اس کی میراث اس کے خاوند اور اس کی اولاد کے لیے ہوگی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۷۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۸)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ اس عورت کے چچا نے کہا: یا رسول اللہ! اس عورت نے ایک لڑکے کو ساقط کیا ہے جس کے بال بھی پیدا نہیں ہوئے اور وہ مرا ہوا ہے تو قاتلہ کے باپ نے کہا کہ یہ جھوٹا ہے۔

(السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۵ نشر السنۃ، ملتان)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قتل شبہ عمد کی دیت کو قاتل کے عصبات برداشت کرتے ہیں اور یہ امام شافعی اور جمہور کا قول ہے۔(الاشراف لابن المنذر ج ۳ ص ۱۳۱۔۱۳۲)

(۲) اور امام بیہقی کی روایتِ صحیحہ میں مذکور ہے کہ عورت کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ امام بیہقی نے کہا: اس روایت کی سند صحیح ہے، مگر میں نے اس کو حدیث کی مختلف سندوں میں نہیں پایا۔(السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۴۳)

(۳) عمرو بن دینار کی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو اس میں شک ہے کہ جب عورت، عورت کو قتل کر دے تو اس کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ از ابن طاؤس از والد خود روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں حکم دیا کہ مقتولہ کی دیت دی جائے گی اور اس کے مارے ہوئے بچہ کے بدلہ میں ایک ''غرۃ'' دیا جائے گا۔ امام بیہقی نے کہا: محفوظ یہ ہے کہ آپ نے قاتلہ کے عصبات کے اوپر دیت کو واجب فرمایا۔(السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۱۱۳۔۱۱۴)

حافظ ابو عمر بن عبد البر نے کہا ہے: اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اس صورت میں قصاص کا فیصلہ کیا یعنی قاتلہ سے مقتولہ کا قصاص لیا جائے گا۔(الاستذکار لابن عبد البر ج ۲۵ ص ۷۵)

(۴) العصیلی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ جب قاتلہ کو قتل کرنا واجب ہے تو اس کے عصبات نفلی طور پر مقتولہ کے اولیاء کو دیت ادا کریں۔ اور کبھی یہ اس کی موت سے پہلے ہوتا ہے تو ان کے خلاف یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ مقتولہ کے اولیاء کو یہ ادا کریں۔

اور علامہ ابن بطال نے ''جنین المرأۃ'' کے باب میں اپنے بعض مشائخ سے ایسی احادیث روایت کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قاتلہ کے عصبات کے اوپر دیت کا ادا کرنا واجب ہے۔(شرح ابن بطال ج ۸ ص ۵۵۵۔۵۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۰۲۔۵۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: مِيرَاثُ الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةٌ

بہنوں کی بیٹیوں کے ساتھ وراثت بطورِ عصبہ ہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب اس بیان میں ہے کہ جب بہنیں بیٹیوں کے ساتھ جمع ہوں تو وہ بہنیں عصبہ ہوں گی، اور اس پر اجماع ہے کہ بہنیں بیٹیوں کی عصبہ ہیں، پس جو شخص مر گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن چھوڑی تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا یعنی بیٹی کا نصف حصہ دینے کے بعد بطورِ عصبہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۱۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ قَضَى فِينَا مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ النِّصْفُ لِلِابْنَةِ وَالنِّصْفُ لِلْأُخْتِ ثُمَّ قَالَ سُلَيْمَانُ قَضَى فِينَا وَلَمْ يَذْكُرْ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۳، سنن دارمی: ۲۸۷۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی از شعبہ از سلیمان از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہمارے درمیان حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو نصف ملے گا، پھر سلیمان نے کہا: ہمارے درمیان فیصلہ کیا اور یہ لفظ نہیں کہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں۔

صحیح البخاری: ۶۷۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں مذکور ہے: بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہیں اور اس باب کی حدیث میں بھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بشر بن خالد، یہ ابومحمد العسکری ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، یہ دو سو تریپن (۲۵۳ھ) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن جعفر، اور وہ غندر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، اور وہ الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاسود، وہ ابن یزید ہیں جو ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔

یہ حدیث "باب میراث البنات" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قضی فینا معاذ بن جبل" امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یمن میں فیصلہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن والوں کی طرف گورنر اور معلم بنا کر بھیجا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ عَنْ هُزَيْلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ لَأَقْضِيَنَّ فِيهَا بِقَضَاءِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَوْ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الِابْنِ السُّدُسُ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی قیس از ہزیل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس مسئلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا یا کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ بیٹی کے لیے نصف ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ ہے اور باقی ماندہ بہن کو ملے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۶، ۶۷۴۲، سنن ترمذی: ۲۰۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۱، مسند احمد: ۳۶۸۳)

صحیح البخاری: ۶۷۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں بھی بیٹیوں کی وراثت بطور عصبہ ذکر کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن عباس، یہ البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمٰن، وہ ابن مہدی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقیس، وہ عبدالرحمٰن بن سروان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہزیل، وہ ہزل کی تصغیر ہے اور وہ ابن شرحبیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں ضرور اس مسئلہ میں فیصلہ کروں گا" یعنی جس مسئلہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور ان کی مراد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے اور آپ کی سنت کے مطابق فتویٰ دیں

گے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان دنوں نہ قاضی تھے اور نہ امیر تھے۔

اور امام نسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس میں وہ فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا تھا اور یہی جماعتِ علماء کا قول ہے کہ بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اور بیٹیوں کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ بہنوں کا ہوتا ہے، مثلاً ایک بیٹی ہو اور ایک بہن ہو تو بیٹی کو اس کا فرض حصہ نصف ملے گا اور جو باقی نصف ملے گا وہ بہن کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ اور جیسے دو بیٹیاں ہوں اور ایک بہن ہو تو دو بیٹیوں کو دو ثلث یعنی دو تہائی ملیں گے اور بہن کو جو باقی بچے گا یعنی ایک تہائی وہ بطورِ عصبہ ملے گا۔ اور جیسے ایک بیٹی ہو اور ایک پوتی ہو اور ایک بہن ہو تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بیٹی کو نصف ملے گا پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی بہن کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کی وراثت کی تفصیل

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ بہنیں بیٹیوں کی عصبہ ہیں، پس بیٹیوں کا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچتا ہے وہ اس کی وارث ہوں گی۔ پس جس شخص نے صرف ایک بیٹی اور ایک بہن کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور بہن کو باقی نصف ملے گا جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور اگر اس نے دو بیٹیوں کو اور ایک بہن کو چھوڑا تو دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ ملے گا اور بہن کو باقی ماندہ ترکہ ملے گا اور اگر اس نے ایک بیٹی یا بہن اور ایک پوتی کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تا کہ دو ثلث مکمل ہو جائیں۔ اور بہن کو باقی ماندہ حصہ ملے گا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کیونکہ بیٹیاں دو ثلث سے زیادہ کی وارث نہیں ہوتیں۔ اور اس مسئلہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور کسی نے مخالفت نہیں کی، وہ یہ کہتے تھے کہ بیٹی کو نصف ملے گا اور باقی ماندہ عصبات کو ملے گا اور بہن کو نہیں ملے گا۔ اسی طرح جب دو بیٹیوں کو دو ثلث ملیں گے اور پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا تو باقی عصبات کو ملے گا اور اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ترکہ ایک بیٹی یا زائد بیٹیوں پر لوٹا دیا جائے گا اور اس کی بحث گزر چکی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس مسئلہ میں سوائے اہل الظاہر کے اور کسی نے موافقت نہیں کی۔ اور جمہور کی دلیل درج ذیل آیت ہے:

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (النساء: ۱۷۶)

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا، اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں

کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص کلالہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے چار احوال بیان ہوئے ہیں:

(۱) ایک شخص فوت ہوا اور اس کی صرف ایک بہن ہو تو بہن کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا، پھر اگر اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اس بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا، اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہوا اور اس کی صرف دو یا دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(۴) کوئی مرد یا عورت فوت ہوا اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بھائی بہن میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصے دیے جائیں گے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۔ بَابُ: مِيرَاثُ الْأَخَوَاتِ وَالْإِخْوَةِ — بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اخوات اور اخوۃ کی وراثت کا بیان ہے، اخوات اخت کی جمع ہے جس کا معنی ہے بہن اور اخوۃ، اخ کی جمع ہے جس کا معنی ہے بھائی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا رضی الله عنه قَالَ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَأَنَا مَرِيضٌ فَدَعَا بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ نَضَحَ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ فَأَفَقْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا لِي أَخَوَاتٌ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از محمد بن المنکدر، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت میں بیمار تھا، آپ نے وضو کا پانی منگایا، پس آپ نے وضو کیا، پھر آپ نے میرے اوپر وضو کے بچے ہوئے پانی کو چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری تو بہنیں ہیں۔۔۔ پھر فرائض کی آیت نازل ہو گئی۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، ۵۶۵۱، ۵۶۶۴، ۵۶۷۶، ۶۷۲۳، ۶۷۴۳، ۷۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن

ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳)

صحیح البخاری: ۶۷۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کے عنوان میں بہنوں کی وراثت کا ذکر ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری بہنیں ہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی اولاد نہیں تھی۔ اور امام بخاری نے بھائیوں کا مسئلہ اپنے استنباط سے نکالا اور بہنوں کے ذکر کو عنوان میں مقدم کیا کیونکہ حدیث میں بہنوں کے ذکر کی تصریح ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن عثمان، یہ ابن جبلہ ہیں اور ان کا لقب عبدان المروزی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الفرائض کے شروع میں اس سے زیادہ مکمل متن کے ساتھ گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بوَضُوءٍ" اور یہ وہ پانی ہے جس سے وضو کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم نضح" یعنی پانی چھڑکا۔

بہنوں اور بھائیوں کی وراثت کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے "فنزلت آیة الفرائض" یعنی وراثت کی آیت نازل ہوئی جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بہنیں وارث ہوں گی۔ اور اس پر اجماع ہے کہ بہنیں اور بھائی خواہ سگے ہوں یا باپ شریک ہوں، مذکر ہوں یا مونث، وہ بیٹے اور پوتے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے اور نہ باپ کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔

بہنوں کی دادا کے ساتھ وراثت کی تفصیل

دادا کے ساتھ بہنوں کی وراثت میں اختلاف ہے، پس دادا کے ساتھ بہنوں میں سے ایک بہن کے لیے ترکہ کا نصف ہے اور دو بیٹیوں یا زیادہ کے لیے دو ثلث ہے مگر مسئلہ الاکدریہ میں اور وہ یہ ہے:

شوہر ہو اور ماں ہو اور دادا ہو اور سگی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو تو شوہر کو نصف ملے گا اور ماں کو ایک تہائی ملے گا اور دادا کو چھٹا حصہ ملے گا اور بہن کو بھی نصف ملے گا۔

اس مسئلہ کی تصحیح چھ سے ہوگی، شوہر کو تین حصے ملیں گے، ماں کو دو حصے ملیں گے دادا کو ایک حصہ ملے گا اور بہن کو بھی تین حصے ملیں گے اور یہ تصحیح نو کی طرف عول کرے گی۔ پھر دادا کا حصہ اور بہن کا حصہ جمع کیا جائے گا اور یہ چار ہے، پس ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اور مذکر کو دو حصے ملیں گے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا اور چار تین پر برابر برابر تقسیم نہیں ہوتے تو تین کو اصل مسئلہ یعنی نو کے

ساتھ ضرب دی جائے گی تو یہ ستائیس ہو جائے گا، اب شوہر کو نو حصے دیے جائیں گے اور ماں کو چھ حصے دیے جائیں گے اور دادا کو آٹھ حصے دیے جائیں گے اور بہن کو چار حصے دیے جائیں گے اور اس مسئلہ کا نام اکدریہ رکھا ہے، کیونکہ عبدالملک بن مروان نے اس مسئلہ کے متعلق ایک مرد سے سوال کیا اس مرد کا نام اکدر تھا، اس نے اس مسئلہ کے بیان کرنے میں خطاء کی تو یہ مسئلہ اس کی طرف منسوب ہو گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میت کا نام اکدر تھا اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ کو اکدریہ اس لیے کہا ہے کیونکہ یہ مسئلہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ پر گدلا اور مٹیالا ہو گیا تھا اور کدورت کے معنی گدلا اور مٹیالا ہیں یعنی ان کو یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ نہیں آسکا، کیونکہ بہن کو دادا کے ساتھ صرف اسی مسئلہ میں حصہ ملتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۷۹۔ ۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بہنوں کے دادا کے ساتھ جمع ہونے کی ایک اور صورت

اس مسئلہ کی اس صورت میں اختلاف ہے جب بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ دادا ہو جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ پس بہنوں میں سے ایک کے لیے نصف ہوگا اور دو یا دو سے زائد بہنیں ہوں تو ان کے لیے دو ثلث ہوں گے یعنی دو تہائی اور باقی ماندہ ترکہ بھائی کے لیے ہوگا۔ اور اگر بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو مذکر کو دو حصے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ قرآن مجید میں تصریح ہے اور اس میں صرف اس صورت میں اختلاف ہے کہ جب شوہر ہو اور ماں ہو اور دو ماں شریک بہنیں ہوں اور ایک سگا بھائی ہو تو جمہور نے کہا ہے کہ بھائی ان میں شریک ہوگا اور حضرت علی اور حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم بھائیوں کو شریک نہیں کرتے تھے خواہ وہ سگے بھائی ہوں ماں شریک بہنوں کے ساتھ کیونکہ بھائی عصبہ ہیں اور عصبہ سارا مال لے لیتے ہیں اور کوفیوں کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بھائی اور بہن خواہ سگے ہوں یا باپ شریک ہوں، مرد ہوں یا عورت ہوں وہ بیٹے کے ساتھ وارث نہیں ہوتے اور نہ پوتے کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور نہ باپ کے ساتھ۔

اور بہنوں کی دادا کے ساتھ وراثت میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے اس کا ''باب میراث الجد'' میں ذکر کیا ہے۔

جب بہنیں اور دادا ہوں تو جو بہنوں کو دادا کے ساتھ وارث کرتے ہیں وہ دادا کو بھائی کے درجہ میں قرار دیتے ہیں اور دادا کو اس کی مثل دیتے ہیں جو دو بہنوں کو دیتے ہیں اور جو بہنوں کو دادا کے ساتھ وارث نہیں قرار دیتے وہ دادا کو باپ کے درجہ میں رکھتے ہیں اور دادا بہنوں کے لیے حاجب ہو جاتا ہے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت کا مسلک ہے۔ اور بہنیں دادا اور باپ اور بیٹے کے ماسوا میں وارث ہوتی ہیں۔ ایک بہن کو نصف ملے گا اور دو یا دو سے زائد کو دو ثلث ملیں گے مگر مسئلہ مشترکہ میں اور وہ یہ ہے کہ ایک عورت فوت ہو گئی اور اس نے اپنے شوہر کو چھوڑا اور ماں کو چھوڑا اور ماں شریک بہنوں کو چھوڑا

اور سگی بہنوں کو چھوڑا، پس اس کے شوہر کو نصف ملے گا اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں شریک بہنوں کو تیسرا حصہ ملے گا اور چونکہ باقی کچھ نہیں بچا تو سگے بھائی بہن ماں شریک بہنوں کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہو جائیں گے اور مذکر کو دو حصے ملیں گے اور مونث کو ایک حصہ ملے گا، اس وجہ سے کہ یہ سب فوت شدہ ماں کے بھائی ہیں اور یہ ماں کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِی الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ۙ غَیْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِیَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ؕ (النساء:١٢)

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حلم والا ہے O

اسی وجہ سے سگے بھائی اخیافی بھائی کے حصہ میں شریک ہو جائیں گے۔

اور اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے، پس حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت زید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ سگے بھائی اخیافی بھائی کے حصہ میں شریک ہوں گے اور یہی امام مالک اور ثوری اور امام شافعی اور اسحاق کا قول ہے۔

اور حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ وہ سگے بھائی کو ماں شریک بھائی کے ساتھ شریک نہیں کرتے کیونکہ سگا بھائی عصبہ ہے اور وہ تمام حصوں کو لے لیتا ہے اور اس سے کچھ باقی نہیں بچا۔

ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی مذہب ہے اور فقہاء کوفہ کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

١٤- بَابُ: يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر

اللّٰہُ لَکُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۷۶﴾
(النساء:۱۷۶)

دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں النساء:۱۷۶ کو بیان کیا گیا ہے اور اس آیت کو اس لیے عنوان بنایا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں بھائیوں کی وراثت کی تخصیص ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''یَسْتَفْتُوْنَكَ'' یہ لفظ ''استفتاء'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: فتویٰ طلب کرنا اور فتویٰ کا معنی ہے: پیش آمدہ مسئلہ کا جواب۔ اور اصل عبارت اس طرح ہے ''لوگ آپ سے کلالہ کے متعلق فتویٰ طلب کرتے ہیں'' یعنی جو شخص فوت ہو جائے اور نہ اس کے ماں باپ ہوں اور نہ اس کی اولاد ہو تو اس کی وراثت کا کیا حکم ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے متعلق یہ جواب دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ'' یعنی ایک مرد فوت ہو جائے اور اس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد ہو اور وہی کلالہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَّلَهٗۤ اُخْتٌ'' یعنی اس کی سگی بہن ہو یا باپ شریک بہن ہو، کیونکہ ماں شریک بہن بھائیوں کا ذکر اس سورت کے شروع میں ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ'' یعنی اس کی سگی بہن یا اس کی باپ شریک بہن کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اگر وہ اکیلی ہو تو۔ اور اگر دو سگی بہنیں ہوں یا دو باپ شریک بہنیں ہوں تو ان کو کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ان کے ساتھ بھائی بھی ہوں تو بھائیوں کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا'' اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اس صورت میں ''اَنْ تَضِلُّوْا'' سے پہلے حرف ''لا'' مقدر ہے۔ اور بصریوں نے کہا کہ حرف لا کو محذوف ماننا خطاء ہے کیونکہ ان کے نزدیک حرف لا کو محذوف قرار دینا جائز نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس آیت کا معنی ہے: اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے گمراہی کو بیان کرتا ہے، یعنی ''اَنْ تَضِلُّوْا'' میں اَن مصدریہ

ہے اوراس نے ''اَنْ تَضِلُّوْا'' کو ضلال کے معنی میں کر دیا ہے جیسا کہ تم کہو''یعجبنی ان تقوم'' یعنی مجھے تمہارے کھڑے ہونے سے تعجب ہوتا ہے، اس قول میں ''ان تقوم'' قیام کے معنی میں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ رضي الله عنه قَالَ آخِرُ آيَةٍ نَزَلَتْ خَاتِمَةُ سُورَةِ النِّسَاءِ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از اسرائیل از ابی اسحاق از حضرت البراء رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سورۃ النساء کی آخری آیت ہے یعنی ''يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ'' (النساء:۱۷۶)

(صحیح البخاری: ۴۳۶۴، ۴۶۰۵، ۴۶۵۴، ۶۷۴۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۸، سنن ترمذی: ۳۰۴۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۸، مسند احمد: ۱۸۱۶۴)

صحیح البخاری: ۶۷۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ النساء: ۱۷۶ کو باب کا عنوان بنایا گیا ہے اور یہی آیت اس باب کی حدیث میں بھی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن باذام ابومحمد الکوفی ہیں، ان سے امام مسلم بالواسطہ روایت کرتے ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں اسرائیل کا ذکر ہے، وہ ابن یونس بن اسحاق عمرو السبیعی ہیں، وہ اپنے دادا ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی میں از عبداللہ بن رجاء گزر چکی ہے۔

النساء: ۱۷۶ کے آخری آیت ہونے پر ایک اعتراض کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ سورۃ البقرہ میں یہ گزر چکا ہے کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق آیت ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ راوی نے دونوں جگہ پر اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا بلکہ وہاں پر کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے گمان سے کہا اور یہاں پر کہا ہے کہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اپنے گمان سے کہا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آ گئے ہیں

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:۱۲۸) تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر بہت شاق ہے، تمہاری فلاح پر وہ بہت حریص ہیں مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں O

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (البقرہ:۲۸۱) اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا O

اور ان تین روایتوں کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری آیتیں ہیں، کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان تینوں کے متعلق اپنے گمان سے کہا ہے کہ یہ آخری آیتیں ہیں، سو یہ نہیں کہا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۰۔۳۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قرآن مجید کی آخری آیت کے متعلق مصنف کی تحقیق

علامہ عینی نے یہاں پر قرآن مجید کی آخری آیت کے متعلق اشکال تو قائم کیا ہے لیکن اس کا جواب نہیں دیا۔

مصنف کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ آیت الربا ہے۔ (صحیح البخاری:۴۵۴۴)

واضح رہے کہ البقرہ:۲۷۸۔۲۸۰ تک آیات الربوٰ ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ البقرہ:۲۸۱ کا بھی پہلی آیتوں پر عطف ہے اس لیے ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۵، طبع لاہور)

سورۂ توبہ کی آخری آیت کو بھی قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت کہا گیا ہے لیکن البقرہ:۲۸۱ کا آخری آیت ہونا زیادہ صحیح، زیادہ معروف اور زیادہ علماء کا مختار ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۳ ص ۳۴۱، دار الفکر، بیروت)

نیز صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء کی آخری آیت قرآن مجید کی آخری آیت ہے، لیکن اس کی توجیہ یہ ہے کہ سورۂ نساء کی آخری آیت وراثت کے احکام کی آخری آیت ہے اور حقیقتاً آخری آیت البقرہ:۲۸۱ ہے، کیونکہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے نو گھنٹے پہلے نازل ہوئی اور اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، اور ابن جبیر نے کہا کہ یہ آیت آپ کی وفات سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۵۔ بَابٌ: ابْنَيْ عَمٍّ أَحَدُهُمَا أَخٌ لِلْأُمِّ وَالْآخَرُ زَوْجٌ

چچا کے دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک ماں شریک بھائی ہے اور دوسرا خاوند ہے، ان کی وراثت کا بیان

وَقَالَ عَلِيٌّ لِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأَخِ مِنَ الْأُمِّ السُّدُسُ وَمَا بَقِيَ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوہر کو نصف ملے گا اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ان دونوں کے درمیان آدھا، آدھا تقسیم کیا جائے گا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت فوت ہوگئی اور اس کے چچا کے دو بیٹے ہیں، ان میں سے ایک بیٹا اس کا ماں شریک بھائی ہے اور دوسرا بیٹا اس کا خاوند ہے۔

یہ عنوان بجھارت اور پہیلی کی مثل ہے، کیونکہ اس میں نہ تو مسئلہ کی صورت کا ذکر ہے اور نہ اس کے حکم کا بیان ہے لیکن اس مسئلہ کا حکم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا، پھر اس مرد نے دوسری عورت سے نکاح کیا، اس سے بھی ایک بیٹا پیدا ہوا، پھر اس مرد نے دوسری عورت کو طلاق دے دی، پھر اس عورت سے اس کے بھائی نے نکاح کر لیا، اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی تو یہ دوسرے بیٹے کی ماں شریک بہن ہے اور اس کے چچا کی بیٹی ہے، پھر اس بیٹی نے پہلے بیٹے سے نکاح کر لیا اور وہ اس کے چچا کا بیٹا ہے، پھر وہ فوت ہوگئی اور اس نے اپنے چچا کے دو بیٹے چھوڑے، ایک بیٹا اس کا ماں شریک بھائی ہے اور دوسرا بیٹا اس کا شوہر ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شوہر کو نصف ملے گا اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ترکہ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس صورت مذکورہ میں فرمایا کہ شوہر کو نصف حصہ ملے گا کیونکہ شوہر کا نصف حصہ ہوتا ہے اگر اولاد نہ ہو، اور اس کے ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا کیونکہ وہ ماں شریک بھائی ہے اور اس کا فرض چھٹا حصہ ہے، اور جو باقی بچا اور وہ ایک تہائی ہے وہ ان دونوں کے درمیان یعنی چچا کے دونوں بیٹوں کے درمیان جن میں سے ایک اس عورت کا خاوند ہے اور دوسرا اس عورت کا ماں شریک بھائی ہے، ان دونوں کو آدھا آدھا بطور عصبہ کے ملے گا، پس اس مسئلہ کی تصحیح دو ثلث سے ہوگی، چچا کے پہلے بیٹے کے لیے جو کہ شوہر ہے اس کو دو ثلث ملیں گے نصف بطور ذوی الفروض کے ملے گا اور چھٹا حصہ بطور عصبہ کے ملے گا، اور اس کے چچا کا دوسرے بیٹے کو ایک ثلث ملے گا جس میں سے چھٹا حصہ بطور ذوی الفروض کے ملے گا کیونکہ وہ اس کا ماں شریک بھائی ہے اور باقی بطور عصبہ کے ملے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اہل مدینہ اور ثوری اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق کا مذہب ہے۔

اور حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ان دونوں نے کہا: تمام مال اس کے لیے ہوگا جس نے دونوں رشتوں کو جمع کر لیا کیونکہ ان دونوں نے کہا کہ چچا کے دو بیٹے ہیں، ان میں سے ایک بیٹا ماں شریک بھائی ہے، ماں شریک بھائی مال کا زیادہ حق دار ہے، اس کو بطور ذوی الفروض کے چھٹا حصہ ملے گا اور باقی مال اس کو بطور عصبہ کے ملے گا۔ اور حسن بصری اور عطاء اور ابراہیم نخعی اور ابن سیرین کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابوثور اور اہل الظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعلیق کی روایت یزید بن ہارون نے کی ہے از حماد بن سلمہ از اوس بن ثابت از حکیم بن عقال، انہوں نے بیان کیا کہ شریح نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جس عورت نے اپنے چچا کے دو بیٹے چھوڑے، ان میں سے ایک اس کا خاوند ہے اور دوسرا اس کا ماں شریک بھائی ہے تو شریح نے خاوند کو ترکہ کا نصف دیا اور ماں شریک بھائی کو ترکہ کا باقی حصہ دیا، پھر یہ مسئلہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا: میرے لیے اس بندہ کو بلاؤ تا کہ میں غور کروں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شریح کو بلایا اور ان سے پوچھا: آپ نے جو فیصلہ کیا ہے آیا کتاب اللہ سے کیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے کیا ہے؟ تو شریح نے جواب دیا: میں نے اللہ کی کتاب سے یہ فیصلہ کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کتاب میں یہ کہاں لکھا ہے؟ تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (الانفال: ۷۵)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: کیا کتاب اللہ میں یہ ذکر ہے کہ زوج کو نصف ملے گا اور ماں شریک بھائی کو بقیہ ترکہ ملے گا؟ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شوہر کو نصف دیا اور ماں شریک بھائی کو چھٹا حصہ دیا، پھر باقی ماندہ ترکہ ان دونوں کے درمیان آدھا، آدھا تقسیم کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۲۔ ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۵۔ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فَمَالُهُ لِمَوَالِي الْعَصَبَةِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضَيَاعًا فَأَنَا وَلِيُّهُ فَلأُدْعَى لَهُ الْكَلُّ الْعِيَالُ۔ (صحیح البخاری: ۲۲۹۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ نے خبر دی از اسرائیل از ابی حصین از ابی صالح از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ ان سے قریب ہوں، پس جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے مال چھوڑا تو اس کا مال اس کے ان وارثوں کا حق ہے جو عصبہ ہیں، اور جس نے قرض چھوڑا ہو یا بیوی بچے چھوڑے ہوں تو میں اس کا ولی ہوں، تو اس کے لیے مجھ سے مانگا جائے۔ (الکلّ کا معنی ہے اہل وعیال)

صحیح البخاری: ۶۷۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت کافی مشکل اور دشواری سے ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کا ترکہ اس کے موالی عصبہ کے لیے ہوگا اور عنوان کی صورت وہ ہے جس میں فرض بھی ہے اور تعصیب بھی ہے تو یہ موالی عصبہ کے مطابق ہو جائے گا یعنی ان موالی کے لیے جو عصبہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ اصحاب الفروض کے

لیے ہوگا، اس سے کہا جائے گا کہ اصحاب الفروض تو عصبات پر مقدم ہوتے ہیں، پس جب ابعد کو ترکہ ملے گا تو اقرب کو بطریق اولیٰ ترکہ ملے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمود کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور یہ ابن غیلان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ ابن موسیٰ ہیں اور یہ بھی امام بخاری کے شیخ ہیں اور امام بخاری اکثر ان سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسرائیل، یہ ابن یونس بن ابی اسحاق السبیعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حصین، ان کا نام عثمان بن عاصم ہے اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو صالح، یہ ذکوان السمان ہیں۔

اس حدیث کی امام نسائی نے کتاب الفرائض میں از احمد بن سلیمان روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

''انا اولیٰ بالمومنین'' کی تفسیر

اس حدیث میں مذکور ہے ''انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم'' اور اولویت سے مراد نصرت ہے یعنی مدد۔ اس کا معنی ہے: میں مومنین کی وفات کے بعد ان کے امور کا والی ہوں، سو میں ان کی اس سے زیادہ مدد کروں گا جتنی اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے معاملات میں اپنی مدد کرتے۔ پس اگر انہوں نے کچھ مال چھوڑا تو ظالموں میں سے اگر کوئی ظالم اس مال کو چھیننا چاہے تو میں اس مال کو چھڑاؤں گا اور وارثوں کے لیے اس مال کو مہیا کروں گا اور اگر انہوں نے مال نہیں چھوڑا اور انہوں نے اہل و عیال اور اولاد چھوڑی ہے تو میں ان کی کفالت کروں گا اور میں ہی ان کا ملجا اور ماویٰ ہوں گا۔ اور اگر انہوں نے کوئی قرض چھوڑا تو مجھ پر اس کو ادا کرنا لازم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے: ''بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴿۱۲۸﴾'' (التوبہ: ۱۲۸) (مومنوں پر بہت شفیق اور نہایت مہربان ہیں)۔

اسی طرح اس آیت کی تفسیر کرنی چاہیے۔ اور الاصیلی کی روایت میں یہاں پر یہ اضافہ ہے ''وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' (الاحزاب: ۶) (اور نبی کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں)۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ حدیث میں اضافہ ہے اس کا یہاں پر کوئی معنی نہیں ہے، اور علامہ الطیبی نے کہا ہے کہ ''وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ'' یہاں پر مناسب ہے کیونکہ ہم جب کہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشفق باپ کی مثل ہیں بلکہ اس سے زیادہ شفیق اور رحیم ہیں، کیونکہ امت میں سے جو مر جائے اس کی اولاد کے آپ کفیل ہیں اور اس کے قرض کو آپ ادا کرنے والے ہیں، اور قرآن مجید میں جو مذکور ہے ''اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ'' وہ مجمل ہے اور یہ اس کی تفسیر ہے۔

''کَلٌّ'' کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ومن ترک کلا''، ''کَلٌّ'' کے معنی ہیں: بوجھ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ۔ (النحل: ۷۶) اور وہ اپنے مالک پر بار ہے۔

اور اس کی جمع ''کلول'' ہے اور یہ لفظ قرض اور بال بچوں دونوں کو شامل ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے''او ضیاعا'' یہ''ضاع الشیء یضیع ضیعۃ وضیاعا'' کا مصدر ہے۔اس کا معنی ہے: ہلاک ہونا اور یہاں پر مضاف مقدر ہے یعنی ہلاک ہونے والی چیز۔علامہ طیبی نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اگر ان کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے اور وہ اپاہج لوگ جو اپنی حفاظت خود نہیں کر سکتے ان کی اگر حفاظت نہ کی جائے تو وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فلادعی له'' یعنی پس چاہیے کہ مجھے بلایا جائے حتیٰ کہ میں ان کے بوجھ کو اٹھاؤں اور ان کے بچوں کی حفاظت کروں۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۲۔۳۸۳،دار الکتب العلمیہ،بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۶۔ حَدَّثَنَا أُمَيَّةُ بْنُ بِسْطَامٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَوْحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں امیہ بن بسطام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی از روح از عبداللہ بن طاؤس از والد خود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: فرائض کو ذوی الفروض کے ساتھ ملا دو، پھر فرائض کے ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے تو جو مرد مذکر قریب ہو تو اس کو دے دو۔

(صحیح البخاری: ۶۷۳۲، ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۴۶، صحیح مسلم: ۱۶۱۵، سنن ترمذی: ۲۰۹۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۰، مسند احمد: ۲۶۵۲)

صحیح البخاری: ۶۷۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت کی توجیہ پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے امیہ بن بسطام، یہ بصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے روح، یہ ابن القاسم العنبری ہیں۔ یہ حدیث عنقریب باب''میراث الولد من ابیه و امه'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۶۔ بَابُ: ذَوِي الْأَرْحَامِ

ذوی الارحام (عورتوں کی طرف سے رشتہ داروں) کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ باب ذوی الارحام کے حکم کے بیان میں ہے آیا یہ وارث ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور ذوی الارحام کا مصداق کون ہیں؟

''ذوی الارحام'' کا لغوی معنی

''ذوی الارحام''''ذوالرحم'' کی جمع ہے اور''ذو الرحم'' اسے کہتے ہیں جو اجنبی شخص کے خلاف ہو، اور الارحام، رحم کی جمع ہے۔ اور رحم اصل میں بچہ کی پیدائش کی جگہ ہے اور پیٹ میں اس کا ظرف ہے۔ پھر رشتہ داروں کو ولادت کی جہت سے رحم کا نام دیا جاتا ہے۔

''ذوی الارحام'' کا شرعی معنی

اور''ذوالرحم'' کا شرعی معنی ہے: ہر وہ رشتہ دار جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور نہ وہ عصبہ ہو۔ اور علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''ذود الرحم'' کا معنی ہے اقارب یعنی رشتہ دار۔ اور اس کا اطلاق ہر اس رشتہ دار پر ہوتا ہے جس کے اور تمہارے درمیان نسب ہو اور فرائض یعنی میراث میں اس کا اطلاق عورتوں کی جانب سے رشتہ داروں پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے''ذود رحم محتام د محرام'' اور یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کے ساتھ نکاح حلال نہیں ہے جیسے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ۔

''ذوی الارحام'' کے مصادیق

التلویح میں علامہ مغلطائی نے کہا ہے:''ذوو الارحام'' وہ لوگ ہیں جن کا کتاب اور سنت میں کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا اور وہ میت کے قرابت دار ہوتے ہیں اور عصبات نہیں ہوتے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، ماں شریک بھائی کی اولاد، بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں، پھوپھی، خالہ، باپ کی پھوپھی، باپ کا ماں شریک بھائی، نانا اور نانا کی ماں۔

''ذوی الارحام'' کو وارث بنانے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس باب میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے کہا ہے: جب میت کا کوئی وارث نہ ہو جس کا فرض مقرر ہو تو اس کا مال اس کے لیے ہے جس نے اس کو آزاد کیا ہے۔ اور اگر اس کو آزاد کرنے والا نہ ہو تو پھر اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال کے لیے ہے اور ذوی الارحام اس کے وارث نہیں ہوں گے۔ یہ حضرت ابوبکر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی اہلِ مدینہ، الزہری، ابوالزناد، ربیعہ اور امام مالک کا قول ہے اور مکحول اور الاوزاعی سے بھی یہی روایت ہے، اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ عینی کا خلاف تحقیق علامہ ابن ملقن اور علامہ ابن بطال کی نقل کرنا اور اپنے مذہب کی تحقیق نہ کرنا

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے بغیر تحقیق کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ وہ بھی ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے اور اسی طرح علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے اور غالباً علامہ عینی نے ان ہی کی عبارت کو نقل کیا ہے ورنہ تحقیق یہ ہے کہ صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے تھے اور ان کے علاوہ تمام صحابہ ذوی الارحام کو وارث بناتے ہیں اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا ہے اور ان کا اختلاف اس اجماع میں مضر نہیں ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی حنفی المتوفی ۴۸۳ھ کی تحقیق عنقریب المبسوط میں آئے گی۔ (المبسوط: ج ۳۰ ص ۳۔۴) نیز علامہ محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے بھی اپنی کتاب''الاوسط'' ج ۷ ص ۸۷ ۵ میں لکھا ہے کہ حضرت

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، لہٰذا علامہ عینی کا ان لوگوں میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو شمار کرنا محض علامہ ابن بطال کی نقل پر مبنی ہے اور خلافِ تحقیق ہے۔ اور چونکہ علامہ عینی، علامہ ابن الملقن کی کتاب سے نقل کرتے ہیں اور وہ علامہ ابن بطال سے نقل کرتے ہیں، اس لیے علامہ عینی نے علامہ ابن الملقن کی تحریر پر اعتماد کر لیا کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے اور یہ حضرت ابوبکر صدیق سے، زید بن ثابت سے، ابن عمر سے اور ایک روایت کے مطابق حضرت علی سے منقول ہے اور یہ اہل مدینہ کا قول ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۳۲۔۵۳۳)

علامہ عینی کی عادت ہے کہ وہ علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن کی نقل پر اعتماد کرتے ہیں اور زیادہ چھان بین اور تحقیق نہیں کرتے، ورنہ اگر وہ مسئلہ کو وراثت کی مشہور کتاب ''السراجی'' جو کہ سراج الملۃ والدین محمد بن عبدالرشید السجاوندی کی ہے اور میر سید شریف علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ کی شرح سراجی ''الشریفیۃ'' کو دیکھ لیتے تو اس میں بھی لکھا ہوا ہے کہ الصحابہ رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے تھے اور یہی ہمارے اصحاب رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ذوی الارحام کے لیے وراثت نہیں ہوتی۔ سو تحقیق یہی ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں جیسا کہ المبسوط، الاوسط، السراجی، الشریفیہ، علامہ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، علامہ شمس الدین بن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۸۲ھ کی المغنی میں مذکور ہے۔

سو یہ تحقیق نہ کرنے اور محض نقل پر اکتفاء کرنے کی خرابی ہے کہ علامہ عینی نے اپنے مذہب کے خلاف لکھا اور بلا تحقیق حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی طرف یہ نسبت کر دی کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، مزید حیرت اس پر ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی ہیں اور امام شافعی ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے، پھر بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اس قول کی نسبت نہیں کی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن بطال کی عبارت نقل کی ہے لیکن ابن بطال کی عبارت کا وہ حصہ نقل نہیں کیا جس میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے بلکہ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو وارث بناتے تھے اور انہوں نے لکھا ہے کہ سندِ صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پھوپھی کو باپ کے درجہ میں رکھتے تھے اور خالہ کو ماں کے درجہ میں رکھتے تھے اور ان دونوں کے درمیان مال کو تقسیم کرتے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۵)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے تھے۔ اور ذوی الارحام کے ساتھ وَلاء کو نہیں دیتے تھے۔ اور ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق ابن ابی لیلیٰ، ابراہیم نخعی، عطاء اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی قول ہے۔ اور یہی فقہاء احناف، امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۳۔۳۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ حَدَّثَكُمْ إِدْرِيسُ حَدَّثَنَا طَلْحَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابواسامہ

جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ قَالَ كَانَ الْمُهَاجِرُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَرِثُ الْأَنْصَارِيُّ الْمُهَاجِرِيَّ دُونَ ذَوِي رَحِمِهِ لِلْأُخُوَّةِ الَّتِي آخَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَهُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ ﴿وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ قَالَ نَسَخَتْهَا ﴿وَ الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾

(صحیح البخاری: ۲۲۹۲، ۴۵۸۰، م ۶۷۴۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۲)

سے کہا: تمہیں ادریس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں طلحہ نے حدیث بیان کی از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لیے وارث مقرر کر دیئے ہیں اولاد اور قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے۔ (النساء: ۳۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب مہاجرین مدینہ میں آئے تو انصاری، مہاجر کا وارث بنتا تھا نہ کہ ذوی الارحام، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا، پھر جب یہ آیت ''وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' نازل ہوئی تو اس آیت نے ''وَ الَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ'' کو منسوخ کر دیا۔ (یعنی جن مہاجرین کو انصار کا بھائی بنا دیا گیا تھا ان کی وراثت کو منسوخ کر دیا)۔

صحیح البخاری: ۶۷۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت آیت کے اس حصہ سے نکالنی ممکن ہے ''وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' کیونکہ موالی کا معنی ہے ''الورثاء''۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس حدیث میں تفصیل کی ہے، کیونکہ امام بخاری نے ''کتاب الکفالۃ'' میں یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے: از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' (النساء: ۳۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: موالی سے مراد ورثاء ہیں۔۔۔الحدیث۔ اور ورثاء کا اطلاق ذوی الارحام پر بھی کیا جاتا ہے۔ سو امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ''باب ذوی الارحام'' لیکن یہ عنوان مبہم ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ''ذوی الارحام'' وارث ہوں گے یا نہیں ہوں گے، لیکن امام بخاری نے اس حدیث کو جس سیاق میں روایت کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے۔ لیکن اس سیاق میں اعتراض ہے، کیونکہ یہ ''وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ'' (النساء: ۳۳) کی خبر دیتا ہے جو ناسخ ہے اور صحیح یہ ہے کہ منسوخ ہے، اس پر امام طبری نے اور دوسروں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں متنبہ کیا ہے۔ اور جمہور سلف کا موقف یہ ہے کہ اس آیت کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

فقہاء نے کہا ہے: ذوی الارحام میں دو سبب ہیں، ایک سبب قرابت ہے اور دوسرا سبب اسلام ہے، تو وہ ان سے اولیٰ ہے جن

کا صرف ایک سبب ہے اور وہ اسلام ہے۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ اور حسن بصری سے مروی ہے اور یہی وہ ہے جس کو امام ابوعبید نے اپنی ناسخ اور منسوخ میں ثابت کیا ہے۔

اور اس میں ایک دوسرا قول بھی ہے: زہری نے از المسیب روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو حکم دیا جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں اپنے بیٹے بنا لیے حالانکہ وہ ان کے حقیقی بیٹے نہیں تھے اور پھر ان کو اسلام میں وارث بنایا، اللہ تعالیٰ نے ان کا وصیت میں حصہ مقرر کر دیا اور وراثت کو ذوی الارحام اور عصبات کی طرف لوٹا دیا۔

اور دوسری جماعت نے یہ کہا ہے ''وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' یہ آیت محکمہ ہے، اللہ تعالیٰ نے مومنین کو یہ حکم دیا ہے کہ ان کا نصرت اور خیر خواہی اور دوستی سے جو حصہ مقرر کیا تھا وہ ان کو دیا جائے نہ کہ ان کو وراثت دی جائے۔ امام طبری نے بھی اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور یہی مجاہد اور السدی کا قول ہے۔

اور عراق، بصریٰ، کوفہ اور دیگر شہروں کے فقہاء نے اور علماء کی ایک جماعت نے تمام آفاق میں یہ کہا ہے کہ ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔

''ذوی الارحام'' کو وارث قرار دینے کے متعلق احادیث

اور امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ اس کی دیت بھی ادا کرے گا اور اس کا وارث بھی ہوگا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۳۵۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۳۴)

اس حدیث کو امام ابن حبان اور حاکم نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

(صحیح ابن حبان: ۶۰۳۵، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۴۴، البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ الارواح ج ۶ ص ۱۳۸)

اور امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔ (سنن ترمذی: ۲۱۰۳، اور البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ الارواح: ۱۷۰۰)

اور اس حدیث کی امام نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے اور اس حدیث کی امام عبدالرزاق نے بھی از ابن جریج از عمرو بن مسلم روایت کی ہے کہ ہمیں طاؤس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث بیان کی۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ج ۴ ص ۷۶، رقم: ۶۳۵۲، مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۲۰، رقم: ۱۶۲۰۲)

''ذوی الارحام'' کو وارث نہ بنانے کے متعلق ایک حدیث

امام حاکم نے از عبداللہ بن جعفر از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار تھے، پس آپ سے ایک مرد نے ملاقات کی، اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایک مرد نے پھوپھی کو اور خالہ کو ترک کیا اور ان دونوں کے سوا کوئی وارث نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، پس آپ نے دعا کی: اے اللہ! ایک مرد نے پھوپھی اور خالہ کو چھوڑا اور ان دو کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا: وہ سائل کہاں ہے؟ اس سائل نے کہا:

میں یہاں پر ہوں، آپ نے فرمایا: ان دونوں کے لیے کوئی وراثت نہیں ہے۔ امام حاکم نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(المستدرک ج ۴ ص ۳۴۳)

''ذوی الارحام'' کو وارث نہ بنانے کی حدیث کی سند پر علامہ عینی کی جرح اور تنقید

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن جعفر المدینی سے مروی ہے اور اس میں اعتراضات ہیں۔ ابوحاتم نے کہا: عبداللہ بن جعفر سخت منکر الحدیث ہے، یہ ثقہ راویوں سے منکر روایات بیان کرتا ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی اور ان سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔ الجرجانی نے کہا کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ اور امام نسائی نے کہا: یہ متروک الحدیث ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے۔ اور امام دارقطنی نے اس حدیث کو ابو عاصم سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں امام بخاری کے شیخ اسحاق بن ابراہیم ہیں جو ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ابواسامہ کا ذکر ہے اور وہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ادریس کا ذکر ہے وہ ابن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں طلحہ کا ذکر ہے، وہ ابن مطرف ہیں۔

اس حدیث کی روایت امام نسائی اور امام ابوداؤد نے کتاب الفرائض میں کی ہے از ہارون بن عبداللہ از ابی اسامہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''یرث الانصاری المهاجری'' انصاری پر پیش ہے کیونکہ یہ فاعل ہے اور المہاجری پر زبر ہے کیونکہ یہ مفعول ہے، یعنی انصاری مہاجری کا وارث ہوتا تھا اور انصاری اور مہاجری میں یاء نسبت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ مبالغہ کے لیے ہے جیسا کہ احمر کے مبالغہ میں احمری کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے آخر میں یاء نسبت کا اضافہ کیا گیا ہے مشاکلت کی وجہ سے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ آیت ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' نازل ہوئی تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا جس میں مذکور ہے ''وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ'' یعنی پہلے وہ بھی وارث ہوتے تھے جن کو قسم کھا کر بھائی بنالیا جاتا تھا، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی ''وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ'' (یعنی ہم نے ہر ایک کے وارث مقرر کر دیئے ہیں) تو پھر ان کی وراثت منسوخ کر دی گئی جن کو قسم کھا کر بھائی بنالیا گیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۳۔۳۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذوی الارحام کی وراثت کے ثبوت میں آثار

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا ذوی الارحام کی وراثت کے مسئلہ میں اختلاف ہے، پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مال کو پھوپھی اور خالہ کے درمیان تقسیم کیا تھا۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: پھوپھی باپ کے درجہ میں ہے اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور

بھتیجی بھائی کے درجہ میں ہے۔

از اسحاق از امام عبدالرزاق از ثوری از محمد بن سالم از الشعبی از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ پھوپھی باپ کے درجہ میں ہے اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور بھتیجی بھائی کے درجہ میں ہے اور ہر ذی رحم کو اس کے رحم کے درجہ میں رکھا جائے گا جس کی وجہ سے وہ وارث ہو جب کہ اس کا کوئی قرابت دار وارث نہ ہو۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۹۱۱۵، سنن دارمی: ۲۹۸۱، سنن سعید بن منصور: ۱۵۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۷)

اسحاق بن راہویہ نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی از عاصم بن ابی النجود از زر بن حبیش، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مال کو پھوپھی اور خالہ کے درمیان تقسیم کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۳۶)

از الشعبی وہ زیاد کے پاس گئے پھوپھی اور خالہ کے مسئلہ میں، تو زیاد نے کہا: میں تمام لوگوں سے زیادہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی قضاء کو جاننے والا ہوں، انہوں نے اس کے لیے دو ثلث کیے اور خالہ کو ماں کے درجہ میں رکھا اور اس کے لیے ایک ثلث رکھا۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۴، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۶)

از شعبی از مسروق وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پھوپھی باپ کے درجہ میں ہے اور خالہ ماں کے درجہ میں ہے اور بھتیجی بھائی کے درجہ میں ہے اور ہر وہ ذو رحم اس رحم کے درجہ میں ہے جو اس کو گھسیٹتا ہے جب ایسا وارث نہ ہو جو ذوی الفروض سے ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۵)

شعبی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے اس چچا کے متعلق فرمایا جو باپ کا ماں شریک بھائی ہے اور ماموں کے متعلق فرمایا کہ جو چچا باپ کا باپ شریک بھائی ہے: اس کے لیے اس کے بھائی کا حصہ ہوگا اور ماموں کے لیے اس کی بہن کا حصہ ہوگا۔ (الاوسط: ۶۹۹۴)

ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام ابوعبید نے کہا: اہلِ عراق کے نزدیک جب کوئی مرد فوت ہو جائے اور اس نے ذوی الفروض میں سے ان کو چھوڑا ہو جو ترکہ کا پورا مال نہیں لیتے جیسے ماں اور ماں شریک بھائی اور بیٹیاں اور بہنیں، اور اس صورت میں عصبہ نہ ہوں، تو وراثت کو ذوی الفروض کے حصص پر تقسیم کرتے ہیں، پھر باقی ترکہ ان ہی پر رد کر دیتے ہیں ان کے حصوں کے مطابق۔ اور جب میت کے ورثاء میں سے ذوی الفروض نہ ہوں اور اس کے لیے ذوی الارحام ہوں تو وہ ذوی الارحام کو بھی ورثاء کے ساتھ رکھتے ہیں اور مال کو ان کے درمیان ان کے رحم اور قرابت کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں اور ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵) اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

(میں کہتا ہوں: مذکور الصدر آثار اور امام ابوعبید کے مذکور الصدر قول کے مطابق ہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ ماں شریک بھائی کا بیٹا ذوی الارحام میں سے ہے اور وہ کسی چیز کا وارث نہیں ہے اور نہ نانا کسی چیز کا وارث ہے اور وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور جو چچا باپ کا ماں شریک بھائی ہو وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور وہ بھی رحم کے رشتہ سے وارث نہیں ہوگا اور نہ ماموں اپنے رحم کے رشتہ کی وجہ سے کسی چیز کا وارث ہوگا۔

اور جدہ جو کہ نانا کی ماں ہوں وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے۔ اور سگے بھائی کی بیٹی بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور پھوپھی جو باپ کی سگی بہن ہے وہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور خالہ بھی ذوی الارحام میں سے ہے اور ان میں سے کوئی بھی ترکہ میں سے کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔ اور یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۷۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۳)

اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ (الموطا ص ۴۱۱، کتاب الفرائض، باب: من لا میراث لہ)

اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ (کتاب الام ج ۴ ص ۸۰۔۸۱)

اور امام شافعی نے کہا ہے: الانفال: ۷۵ (وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ) کا معنی یہ ہے کہ لوگ عہد و پیمان اور نصرت کے حلف کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، پھر اسلام اور ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو منسوخ کر دیا کہ یہ لوگ وارث نہیں ہوں گے بلکہ رشتہ دار وارث ہوں گے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو رشتہ داروں کے لیے حصے مقرر کیے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے جو حصے ان کے لیے ثابت ہیں وہ ان کے وارث ہوں گے اور یہ آیت اپنے اطلاق پر نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ شوہر اس سے زیادہ کا وارث ہوتا ہے جتنے حصہ کے ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں اور شوہر کا کوئی رحم نہیں ہوتا۔ اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ چچا کا جو بیٹا بعید ہو وہ پورے مال کا وارث ہوتا ہے اور اس کا ماموں وارث نہیں ہوتا حالانکہ ماموں رحم کے رشتہ کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے، پس اس آیت کا وہ معنی ہے جو میں نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں حصے ہیں وہ نصرت کے حلف اور اسلام اور ہجرت کی وراثت سے مقدم ہیں۔ اور تم یہ کہتے ہو کہ لوگ رحم کے سبب سے وارث ہوتے ہیں اور تم کئی جگہ اس کے خلاف کرتے ہو، ایک مرد مر جائے اس نے ماموں بھی چھوڑے ہوں اور عصبات بھی چھوڑے ہوں تو اس کا مال اس کے عصبات کو ملے گا اور ماموں کو نہیں ملے گا، پس ذوی الارحام کو منع کر دیا جائے گا۔

اور امام شافعی کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا کہ ایک مرد نے ایک بیٹی چھوڑی ہو اور اس کے ساتھ کوئی عصبہ نہ ہو اور نہ ذوی الفروض میں سے کوئی ہو تو بیٹی کو نصف اس کے فرض کے اعتبار سے ملے گا اور باقی نصف جو مال ہے اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ ہر اس مال کا حکم ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو کہ اس کو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھ دیا جائے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۷ ص ۵۷۶۔۵۷۹، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۴۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ذوی الارحام کی توریث کے متعلق فقہاء کا اختلاف

متقدمین اور متاخرین کا ذوی الارحام کو وارث بنانے کے مسئلہ میں اختلاف ہے اور ذوی الارحام کا مصداق وہ ہیں جن کا کتاب وسنت میں میت کے قرابت داروں میں سے کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور وہ عصبات نہ ہوں جیسے بیٹی کی اولاد اور بہنوں کی اولاد اور ماں شریک بھائیوں کی اولاد اور بھتیجیاں اور پھوپھی اور خالہ اور باپ کی پھوپھی اور ایسا چچا جو باپ کا ماں شریک بھائی ہو اور نانا اور نانا کی ماں۔

پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب میت کا ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال اس کے آزاد کرنے والوں کو دیا جائے گا اور جب اس کا آزاد کرنے والا نہ ہو تو اس کا مال مسلمانوں کے بیت المال میں دیا جائے گا اور ذوی الارحام جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے وہ وارث نہیں ہوں گے، یہ مذہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے اور یہی اہلِ مدینہ کا قول ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے زہری، ابوالزناد، ربیعہ اور امام مالک کا یہی قول ہے۔ اور مکحول اور اوزاعی سے بھی یہی روایت ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

اور حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں اور ذوی الارحام کے ہوتے ہوئے وَلاء نہیں دیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں اور ابن ابی لیلیٰ، النخعی، عطاء اور تابعین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث قرار دیئے جائیں گے اور یہی فقہاء احناف کا، امام احمد کا اور اسحاق کا قول ہے۔ ان فقہاء کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

ان فقہاء نے کہا ہے کہ ذوی الارحام میں دو سبب جمع ہیں، ایک سبب قرابت ہے اور دوسرا سبب اسلام ہے سو یہ ان سے زیادہ اولیٰ ہیں جن کا صرف ایک سبب ہے اور وہ اسلام ہے اور انہوں نے بھتیجی کو اس جدہ کے درجہ میں رکھا ہے جس کے متعلق سنت وارد ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک وارث کے باپ سے منسوب ہے (یعنی دادی باپ کی طرف منسوب ہے اور باپ وارث ہے اسی طرح بھتیجی بھائی کی طرف منسوب ہے اور بھائی وارث ہے)۔

اور جو ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، وہ کہتے ہیں کہ الانفال: ۷۵ نے ان کی وراثت کو منسوخ کر دیا جو حلف اور بھائی قرار دینے اور ہجرت کی وجہ سے وارث ہوتے تھے۔ اور اس آیت میں "اُولُوا الْاَرْحَامِ" سے مراد اہل الفرائض ہیں تمام ذوی الارحام مراد نہیں ہیں۔

اور انہوں نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ اصحابِ فرائض کو دینے کے بعد جو مال باقی ہے وہ عصبات کو دیا جاتا ہے اور اللہ کی کتاب میں جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں ہے جو ذوی الارحام ہیں ان کی عصبات کے ساتھ وراثت نہیں ہوتی۔ اور جو آزاد کرنے والا ہے وہ عصبہ کے درجہ میں ہے تو ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ آزاد کرنے والے کو دیا جائے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۹۰ ۔ ۲۹۲ ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق اختلاف صحابہ

ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق صحابہ کرام، فقہاء تابعین اور بعد کے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، پس جن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ کہا کہ ذوی الارحام کو وارث قرار دیا جائے گا وہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور مشہور روایات کے مطابق حضرت ابن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور جن صحابہ نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے وہ حضرت زید بن ثابت اور ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف اس روایت کی نسبت جھوٹ ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے

بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے کہ وہ ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ المعتضد نے ابو حازم القاضی سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ ذوی الارحام وارث قرار دیئے جاتے ہیں اور اجماع کے مقابلہ میں فقط حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور المعتضد نے کہا کہ بعض لوگوں نے حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے یہ روایت کی ہے کہ ذوی الارحام کو وارث نہیں کیا جائے گا، تو انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، جس نے ان کی طرف اس بات کو منسوب کیا وہ جھوٹ ہے۔

اور ابو حازم نے کہا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں کرتا جتنا افسوس اس بات پر کرتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مسائل کے متعلق سوال نہیں کیا: (۱) اس خلافت کے متعلق کیا یہ خلافت ہمارے لیے ہے کہ ہم اس پر قائم رہیں یا ہمارے غیر کے لیے ہے تو ہم یہ خلافت اس کی طرف سپرد کر دیں (۲) انصار کے متعلق یہ سوال نہیں کیا: کیا اس خلافت میں سے ان کو بھی کوئی حصہ ملے گا؟ (۳) ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق کوئی چیز نہیں سنی لیکن میں اپنی رائے سے ذوی الارحام کو وارث قرار دیتا ہوں۔

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق فقہاء تابعین اور فقہاء مجتہدین کا اختلاف

فقہاء تابعین میں سے جنہوں نے کہا ذوی الارحام کو وارث قرار دیا جائے گا وہ شریح، الحسن البصری، ابن سیرین، عطاء اور مجاہد ہیں۔

اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے وہ سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر ہیں۔

اور جن ائمہ مجتہدین نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں وہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر اور عیسیٰ

بن ابان اور اہل التنزیل رحمہم اللہ ہیں، (اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور جن فقہاء مجتہدین نے کہا ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوتے وہ سفیان ثوری، امام مالک اور امام شافعی ہیں۔

اور جو فقہاء مجتہدین ذوی الارحام کی وراثت کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال میراث کی آیتوں سے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نص فرمائی ہے جس میں اصحاب الفرائض اور العصبات کا بیان ہے اور ذوی الارحام کے لیے کچھ بیان نہیں فرمایا اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ اور کم سے کم جو اس باب میں کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ذوی الارحام کو وارث بنانا کتاب اللہ پر اضافہ ہے اور یہ اضافہ خبرِ واحد اور قیاس سے ثابت نہیں ہوتا۔

ذوی الارحام کو وارث نہ بنانے کے متعلق ایک روایت

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا پھوپھی اور خالہ کی وراثت کے متعلق (جو ذوی الارحام میں سے ہیں) تو آپ نے فرمایا: جبریل علیہ السلام مجھ پر نازل ہوئے اور مجھے یہ خبر دی کہ پھوپھی اور خالہ کے لیے وراثت نہیں ہے۔

روایتِ مذکورہ کے ضعف کا بیان

(یہ حدیث ضعیف ہے، امام الحاکم نے اس کو المستدرک ج ۴ ص ۳۴۳ میں بیان کیا ہے اور امام الدارقطنی نے اپنی سنن ج ۴ ص ۸۱۔۸۰ میں بیان کیا ہے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے زید بن اسلم کی مرسل روایت میں اور امام حاکم نے اس کو المستدرک میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور امام طبرانی نے اس کو المعجم الصغیر میں ابوسعید سے محمد بن الحارث المخزومی کی سوانح میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند میں اس کے حال کا ذکر نہیں ہے۔ (التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۹۴)

ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (الانفال: ۷۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بعض ذوی الارحام دوسرے ذوی الارحام سے اولیٰ ہیں اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ذوی الارحام کا استحقاقِ وراثت وصفِ عام کے سبب سے ہے اور وصفِ عام کے استحقاق اور وصفِ خاص کے استحقاق میں کوئی منافات نہیں ہے، پس جس کے متعلق وصفِ خاص کی نفی ہوگی تو وصفِ عام کے ساتھ استحقاق ثابت ہو جائے گا، لہٰذا ذوی الارحام کو وارث بنانا کتاب اللہ پر اضافہ نہیں ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ اور اس کا رسول اس کا مولیٰ ہے جس کا کوئی مولیٰ نہیں اور ماموں اس کا وارث ہے (اور ماموں ذوی الارحام میں سے ہے) جس کا کوئی وارث نہیں''۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، کتاب الفرائض، سنن ترمذی: ۲۱۰۳، کتاب الفرائض، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۷ کتاب الفرائض، سنن دارمی: ۲۹۷۷، الفرائض، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶ الحدیث: ۱۹۰)

ایک اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا ماموں وارث ہوتا ہے اور وہ اس کی طرف سے دیت ادا کرتا ہے''۔

(سنن ابوداؤد، الفرائض: ۲۸۹۹، سنن ترمذی، الفرائض: ۲۱۰۴، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے، سنن ابن ماجہ الفرائض: ۲۷۳۸، سنن دارمی، الفرائض: ۲۹۷۶)

نیز حدیث میں ہے: جب حضرت ثابت بن الدحداح رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس بن عاصم المنقری سے پوچھا: کیا تم اس کے لیے کسی چیز کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا: وہ ہم میں فوت ہو گئے، ہم ان کے لیے اور کسی کو نہیں پہچانتے مگر ان کا ایک بھانجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن الدحداح کی وراثت ان کے بھانجے کے لیے کر دی۔

(سنن دارمی، الفرائض: ۲۹۷۶)

اور جن روایات میں یہ مذکور ہے کہ پھوپھی اور خالہ کی وراثت نہیں ہوتی، وہ اس پر محمول ہے کہ جب پھوپھی اور خالہ کے ساتھ ذوی الفروض ہوں یا عصبات ہوں تو ان کی وراثت نہیں ہو گی، کیونکہ ذوی الارحام کی وراثت تب ہوتی ہے جب ان کے ساتھ ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں۔ (المبسوط ج ۳۰ ص ۱۔۶ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذوی الارحام کی وراثت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

ذوی الارحام کے گیارہ مصادیق

ذوی الارحام میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو نہ ذوی الفروض ہوں اور نہ عصبات ہوں اور یہ گیارہ افراد ہیں:

(۱) بیٹیوں کی اولاد (۲) بہنوں کی اولاد (۳) بھائیوں کی بیٹیاں (۴) ماں شریک بھائیوں کی اولاد (۵) پھوپھیاں خواہ وہ کسی جہت سے ہوں (۶) باپ کا ماں شریک بھائی یعنی ماں کی طرف سے چچا (۷) ماموں (۸) خالائیں (۹) چچاؤں کی بیٹیاں (۱۰) نانا (۱۱) ہر وہ دادی جو باپ کی طرف ماں کے واسطہ سے منسوب ہو یعنی نانا کی ماں۔ پس یہ وہ ہیں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے۔

ذوی الارحام کو وارث بنانے کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کا بیان

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔

اور فقہاء تابعین میں سے شریح، عمر بن عبدالعزیز، عطاء، طاؤس، علقمہ، مسروق اور اہل کوفہ (یعنی فقہاء احناف) کا بھی یہی قول ہے۔

ذوی الارحام کو وارث نہ قرار دینے والوں کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ذوی الارحام کو وارث نہیں قرار دیتے تھے اور ترکہ کا باقی مال بیت المال کے لیے قرار دیتے تھے۔ امام مالک، الاوزاعی، امام شافعی، ابوثور، داؤد ظاہری، اور ابن جریر رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ عطاء بن یسار نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف گئے اور اللہ تعالیٰ سے پھوپھی اور خالہ کے متعلق استخارہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ حکم نازل فرمایا کہ ان کے لیے وراثت نہیں ہے۔ اس حدیث کی امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۶۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۹۵۔ ۹۸، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۴۳، الحاکم نے کہا ہے: عبداللہ بن جعفر کی یہ حدیث صحیح ہے اس کے شواہد ہیں، امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند میں الشاذکونی ہیں اور وہ ارسال کرتا ہے اور دوسرا راوی اس میں ضرار ہے اور وہ بہت ضعیف ہے۔)

نیز ان کی دلیل یہ ہے کہ پھوپھی اور بھتیجی اپنے بھائیوں کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں، لہٰذا جب وہ تنہا ہوں گی تب بھی وارث نہیں ہوں گی، کیونکہ ان کے ساتھ ان کے بھائیوں کا ملنا ان کو موکد کرتا ہے اور ان کو قوت دیتا ہے۔ پس جب یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں تو جب تنہا ہوں گی تو بطریق اولیٰ وارث نہیں ہوں گی۔

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے سے متعلق قرآن مجید سے استدلال

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ۔ (الانفال: ۷۵)

اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔

یعنی ذوی الارحام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وراثت کے زیادہ مستحق ہیں۔

اہل علم نے کہا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں حلف کے ساتھ بھی وراثت ہوتی تھی، ایک مرد دوسرے مرد سے کہتا: میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا مال تمہارا مال ہے، تم میری مدد کرنا میں تمہاری مدد کروں گا، تم میرے وارث ہو گے میں تمہارا وارث ہوں گا، پس وہ دونوں اس پر حلف اٹھاتے تھے، پس وہ وارث ہوتے اور قرابت دار نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ۔ (النساء: ۳۳)

اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے، سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اسلام اور ہجرت سے وراثت مقرر ہو گئی۔ پس جس شخص کی اولاد ہوتی اور اس نے ہجرت نہ کی ہوتی تو اس کے بجائے مہاجرین اس کے وارث ہوتے، اس کے موافق اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا۔ (الانفال: ۷۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی، وہ اس وقت تک تمہاری ولایت میں بالکل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر لیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو درج ذیل آیت سے منسوخ کر دیا:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۔ اور اللہ کی کتاب میں قرابت دار (بہ طور وراثت) ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ (الانفال:۷۵)

ذوی الارحام کو وارث قرار دینے کے متعلق احادیث

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کو تیر مار کر قتل کر دیا اور اس مقتول کا ماموں کے سوا اور کوئی وارث نہیں تھا، تو اس کی وراثت کے متعلق حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھ کر پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف لکھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ماموں اس کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۴۶۔۲۸، سنن ترمذی: ۲۱۰۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۷، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند حسن ہے)

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، ماموں اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۸۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۸، مسند احمد ج ۴ ص ۱۱۳، ۱۳۱۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے)

اور امام سعید بن منصور نے بیان کیا: ہمیں ابو شہاب نے حدیث بیان کی از محمد بن اسحاق از محمد بن یحییٰ بن حبان از عم خود واسع بن حبان، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن دحداحہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا اور نہ عصبہ تو ان کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال ان کے بھانجے ابولبابہ بن عبدالمنذر کو دے دیا۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱ ص ۷۰، ۱۷ رقم الحدیث: ۱۶۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۱۲، سنن دارمی: ۲۹۷۶)

اس حدیث کی امام ابوعبید نے کتاب الاموال میں روایت کی ہے مگر اس میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا: کہ حضرت ثابت بن دحداحہ رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی بھتیجی چھوڑی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث ان کی بھتیجی کو عطا کر دی۔

(سنن سعید بن منصور، ج ۱ ص ۷۰، ۱۷ رقم الحدیث: ۱۶۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۹۱۲، سنن دارمی: ۲۹۷۶)

اور اس لیے کہ وہ قرابت دار ہے، لہٰذا وہ ذوی الفروض کی طرح وارث ہوگی اور اس لیے کہ وہ اسلام لانے میں لوگوں کے برابر ہے اور اس میں قرابت کا رشتہ زائد ہے، پس وہ اپنے مورث کے مال کی زیادہ وارث ہوگی، اسی وجہ سے وہ زندگی میں اس کے صدقہ اور صلۂ رحم کی زیادہ حق دار تھی اور موت کے بعد اس کی وصیت کی زیادہ حق دار ہے، پس وہ ذوی الفروض کے مشابہ ہوگئی اور ان عصبات کے مشابہ ہوگئی جو محجوب ہوں اور ان کا کوئی حاجب نہ ہو۔ اور یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذوی الارحام کے لیے ذوی الفروض اور عصبات کے ساتھ وراثت نہیں ہوتی، اسی وجہ سے ماموں کو اس کا وارث قرار دیا گیا ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو، یعنی جب کوئی اور وارث نہیں ہوگا تو وہ وارث ہوگا، اور یہ جو مخالفین نے کہا ہے کہ ماموں اور خالہ بہنوں کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بہنیں ماموں اور خالہ سے زیادہ رشتہ میں قوی ہیں اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ میراث تو نص سے ثابت ہوتی ہے تو ہم نے نصوص کو ذکر کر دیا۔ (المغنی ج ۸ ص ۳۹۹۔۴۰۲، دارالحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

۱۷۔ بَابُ: مِيرَاثِ الْمُلَاعَنَةِ — لعان کرنے والی عورت کی وراثت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ملاعنہ کی وراثت کا حکم بیان کیا گیا ہے، ملاعنہ وہ عورت ہے جس کے درمیان اور اس کے شوہر کے درمیان لعان ہو۔ ملاعنہ کی میراث کے بیان کرنے سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ لعان کرنے والی عورت کی اولاد کا وارث کون ہوگا اور لعان کرنے والی عورت اپنے بیٹے کے کتنے حصہ کی وارث ہوگی۔

امام مالک نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ عُروہ نے بیان کیا ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا اور وَلد الزنا جب مرجائیں تو اس کی ماں کتاب اللہ میں اپنے حق کی وارث ہوگی اور اس کے ماں شریک بھائی بھی اپنے حقوق کے وارث ہوں گے۔ اور اس کے باقی ترکہ کا وارث اس کے آزاد کرنے والے کا باپ ہوگا اگر اس کا آزاد کرنے والا ہے۔ اگر وہ عورت عربی ہے تو وہ اپنے حق کی وارث ہوگی اور اس کے ماں شریک بھائی اپنے حقوق کے وارث ہوں گے اور اس کے ترکہ کا جو باقی ہے تو وہ مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ امام مالک نے کہا: اور مجھے سلیمان بن یسار سے اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا: اور ہمارے شہر کے علماء کو میں نے اسی موقف پر پایا۔

اور حافظ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس کے ترکہ سے جو باقی بچے گا وہ اس کی ماں کے عصبات کے لیے ہوگا جب کہ اس نے کوئی ذو رحم قرابت دار نہ چھوڑا ہو جس کا حصہ مقرر ہو۔ اور اگر اس نے کوئی ذو رحم چھوڑا ہے تو وہ مال ذوی الفروض اور عصبات پر رد ہو جائے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے ذوی الارحام کو ان کے رحم کی قرابت کی وجہ سے وارث قرار دیا اور بیت المال کے لیے کوئی حصہ نہیں رکھا۔ اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور جنہوں نے یہ کہا کہ باقی ترکہ اس کی ماں کے اوپر رد ہو جائے گا انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق کہا۔

اور جمہور اہلِ مدینہ، ابن المسیب، عروہ، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، زہری، ربیعہ، ابو الزناد اور امام مالک نے بھی یہی کہا ہے۔ اور امام شافعی اور الاوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنهما أَنَّ رَجُلًا لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرد نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی (اپنے نسب سے) نفی کی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بیٹے کو عورت کے ساتھ ملا دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

صحیح البخاری: ۶۷۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری حصہ سے ظاہر ہے، کیونکہ بیٹے کو ماں کے ساتھ ملانے سے مراد یہ ہے کہ بیٹے اور ماں کے درمیان وراثت ہوگی، کیونکہ جب آپ نے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا تو اس کے نسب کو باپ سے منقطع کر دیا، پس وہ ایسا ہو گیا جیسے کسی شخص کا باپ نہ ہو اور وہ اولاد لقیطہ سے ہو جس کے متعلق مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ عصبہ ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن قضاعہ کا ذکر ہے، (قاف اور ضاد دونوں پر زبر ہے) اور یہ الحجازی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں از یحییٰ بن بکیر از امام مالک گزر چکی ہے۔

ملاعنہ کی اپنے بیٹے کی وراثت کے متعلق دیگر احادیث

امام ابوداؤد نے اس حدیث کی از عمرو بن شعیب از ابیہ از جدہ روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ کے بیٹے کی وراثت اس کی ماں کو دی اور ان کے بعد جو ان کے ورثاء ہیں ان کو دی۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۰۸)

اور اصحاب السنن الاربعہ میں اس حدیث کی حضرت واصلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین وراثتوں کو جمع کر لیتی ہے: (۱) جس کو اس نے آزاد کیا اس کی وراثت (۲) اور جو بچہ اس کو پڑا ہوا مل گیا تھا (لقیط) اس کی وراثت (۳) اور اس بیٹے کی وراثت جس پر اس نے لعان کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۰۶، ۲۹۰۷)

امام بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۴۰)

اور امام بیہقی پر یہ رد کیا گیا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس میں عمرو بن رؤبۃ کے سوا ایسا کوئی راوی نہیں ہے جس کی صحت میں اختلاف ہو۔ امام بخاری نے کہا: اس راوی میں اعتراض ہے اور ایک جماعت نے اس راوی کی توثیق کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۶۔۳۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کی میراث کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، لکھتے ہیں:

احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا۔

۶۸۵۱۔ ہمیں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے خبر دی کہ ابن وہب نے ان کو خبر دی، اور ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا:
ہمیں امام شافعی نے خبر دی۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۹۰، ۱۲۶، مسند الامام الشافعی: ۲۵۹)
انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی۔ (الموطا ج ۲ ص ۴۴۵)
از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی (اپنے نسب سے) نفی کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بیٹے کو اس عورت کے ساتھ ملا دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴)

۶۸۵۲۔ ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام عبد الرزاق نے خبر دی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۴۴۶)
انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے ملاعنہ کے متعلق اور اس میں سنت کے متعلق خبر دی از حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ جو بنو ساعدہ کے بھائی ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے آیا وہ اس کو قتل کر دے تو پھر آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق وہ بیان کیا جو قرآن مجید میں لعان کرنے والوں کے معاملہ کے متعلق مذکور ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق فیصلہ کر دیا، انہوں نے کہا: پھر ان دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی اور میں موجود تھا، پس جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو اس انصار کے مرد نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھ لوں تو پھر میں اس پر جھوٹ باندھنے والا ہوں گا، پس انہوں نے اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے پہلے تین طلاقیں دے دیں جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو اس مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اس عورت کو علیحدہ کر دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ہر دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہے۔
ابن شہاب نے کہا: پس یہ سنت ہو گئی کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔
اور وہ عورت حاملہ تھی تو اس انصاری نے اس کے نسب کا انکار کیا اور اس کا بیٹا اپنی ماں کی طرف نسبت کر کے بلایا جاتا تھا۔
(صحیح البخاری: ۱۶۶۷، صحیح مسلم: ۱۴۹۲)

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:
جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا اور اس کی اس کے باپ سے نفی کر دی تو ثابت ہو گیا کہ وہ بیٹا اپنے باپ کا عصبہ نہیں ہے اور نہ باپ کا وارث ہے اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا جب فوت ہو جائے اور اپنی ماں کو چھوڑے اور بیوی کو چھوڑے اور اولاد کو چھوڑے جو مذکر بھی ہوں اور مونث بھی ہوں تو اس کا مال ان کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔ (الاجماع لابن المنذر: ۳۱۹، الاقناع: ۲۷۳۲)
پس اگر اس نے ایسے ورثاء چھوڑے جو بعض مال کے مستحق ہوتے ہوں اور تمام مال کو اکٹھا نہ لیتے ہوں تو اس میں اختلاف ہے:
ایک جماعت نے کہا ہے کہ اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچا ہے وہ ماں کے عصبہ کے لیے ہو گا، یہ قول حضرت علی بن

ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاء، نخعی، حسن بصری اور شعبی کا ہے۔ انہوں نے کہا: اس کا وارث وہ ہوگا جو ماں کے زیادہ قریب ہے۔ اور حکم اور حماد نے کہا: اس کا وارث وہ ہوگا جس کی اس کی ماں وارث ہوتی ہے۔

۶۸۵۳۔ مجھے ابوبکر بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زیاد بن ایوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن ربیعہ نے حدیث بیان کی از ابن ابی لیلیٰ از شعبی از حضرت علی اور از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، ان دونوں نے کہا: لعان کرنے والی کا بیٹا اس کا عصبہ وہ ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے۔ (سنن دارمی: ۲۹۶۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۰)

۶۸۵۴۔ ہمیں محمد بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام سعید بن منصور (رقم: ۱۲۰) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی از محمد بن سالم از الشعبی از حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ان دونوں نے کہا کہ لعان کرنے والی کا بیٹا اپنی ماں کا عصبہ ہے، پس اگر اس کی ماں نہ ہو تو اس کی ماں کے عصبات اس کے عصبہ ہیں اور ولد الزنا بھی اسی کے درجہ میں ہے۔ (سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۵۸)

۶۸۵۵۔ ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۷۰) انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عبیدہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ملاعنہ کا بیٹا اس کا عصبہ وہ ہے جو اس کی ماں کا عصبہ ہے، وہ ان کا وارث ہوگا اور وہ لوگ اس کے وارث ہوں گے۔

۶۸۵۶۔ ہمیں یحییٰ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از عزرہ از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: ملاعنہ کا بیٹا وہ ہے جس کا کوئی باپ نہیں، اس کی ماں اس کی وارث ہوگی اور اس کے ماں شریک بھائی اس کے وارث ہوں گے اور اس کی ماں کا عصبہ اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر کوئی تہمت لگانے والا اس پر تہمت لگائے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے۔

(سنن دارمی: ۲۹۶۷)

اور سفیان ثوری نے کہا: جب اس نے ایک بیٹی اور خالہ چھوڑی تو خالہ کو کچھ نہیں ملے گا اور بیٹی کا باقی ماندہ اس کی ماں کے عصبہ کو ملے گا۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا: اس کا وارث اس کا عصبہ ہوگا اور اس کا عصبہ اس کی ماں ہے۔

اور ایک جماعت نے کہا: اس کے مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کیا جائے گا، اگر اس سے باقی کچھ بچ جائے تو وہ اس کی ماں کو دیا جائے گا۔

۶۸۵۷۔ ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از عبدالرزاق از ثوری از موسیٰ بن عبیدہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ملاعنہ کا بیٹا اپنی ماں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا اور اس کی ماں اس کی عصبہ ہے، وہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اس کی وارث ہوگی، سفیان نے کہا: پورا مال۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۷۸)

۶۸۵۸۔ ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از عبدالرزاق از معمر از قتادہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ملاعنہ کے بیٹے کی کل

میراث اس کی ماں کے لیے ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۶۹، مصنف عبدالرزاق: ۹: ۱۲۴۷۷)

۶۸۵۹۔ یحییٰ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا: ماں اس کی عصبہ ہے جس کا کوئی عصبہ نہیں۔ (سنن دارمی: ۲۹۴۷)

ہم نے مکحول سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ملاعنہ کا بیٹا اپنی ماں کی کل میراث کا وارث ہوگا۔ اور شعبی سے روایت ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا اپنی ماں کا وارث ہوگا، پس جب وہ مرجائے تو اس کا وہ وارث ہوگا جو اس کی ماں کا وارث ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: اگر اس کی ماں باندی ہے تو باقی ماندہ ترکہ اس کے آزاد کرنے والوں کے لیے ہوگا اور اگر وہ عربی ہے تو باقی ماندہ ترکہ بیت المال کے لیے ہوگا۔ یہ زہری کا قول ہے اور امام مالک نے بھی یہی کہا ہے۔

(الموطا ج ۲ ص ۳۱۴، باب میراث ولد الملاعنۃ وولد الزنا)

امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: امام مالک نے کہا: یہ وہ چیز ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور میں نے اپنے شہر کے علماء کو اسی پر پایا۔

اور زید بن ثابت سے روایت ہے کہ اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا اور اس کے بھائی کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ماندہ ترکہ بیت المال کے لیے ہوگا۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: ملاعنہ کے بیٹے کی میراث ان دوسروں کی طرح ہوتی ہے جو مرجاتے ہیں اور ان کا کوئی باپ کی طرف سے عصبہ نہیں ہوتا اور نہ کوئی قرابت دار ہوتا ہے، پس اگر وہ مرجائیں اور اصحاب فرائض اور ماں کی طرف سے قرابت داروں کو چھوڑیں تو اصحاب فرائض کو ان کے فرائض دیے جائیں گے اور جو باقی ماندہ ہے وہ دوسرے وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دیا جائے گا جب کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہو۔ انہوں نے کہا: اگر ملاعنہ کا بیٹا ایسا وارث نہ چھوڑے جس کا حصہ ہو اور ماں کی طرف سے قرابت دار چھوڑے جو اصحاب فرائض نہ ہوں تو وہ اس طرح وارث ہوں گے جس طرح ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں ابن الملاعنہ کے باپ کے علاوہ اور اس کی ماں کا عصبہ اس کا عصبہ نہیں ہوگا کیونکہ عصبات باپ کی طرف سے ہوتے ہیں نہ کہ ماں کی طرف سے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۷ ص ۴۵۶۔۴۶۱)

ملاعنہ کے بیٹے کی وراثت کے متعلق فقہاء احناف کا مسلک

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں یہ کہتے تھے کہ ملاعنہ کا بیٹا اس کے درجہ میں ہے جس کا باپ کی طرف سے کوئی قرابت دار نہ ہو اور ماں کی طرف سے اس کے قرابت دار ہوں اور یہ زہری کا اور سلیمان بن یسار کا قول ہے۔ اور اسی قول کے موافق ہمارے علماء (احناف) اور امام شافعی کا قول ہے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے: ملاعنہ کا بیٹا اس کی ماں کے بیٹے کا عصبہ ہے، اسی قول کے موافق عطاء، مجاہد، الشعبی اور النخعی نے کہا ہے حتیٰ کہ النخعی نے کہا: جب تم یہ ارادہ کرو کہ تم ملاعنہ کے بیٹے کے عصبہ کو پہچانو تو اس کی ماں پر غور کرو اور اس پر غور کرو کہ اس کی ماں کا عصبہ کون ہے، پس وہی ملاعنہ کے بیٹے کا عصبہ ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے: اس کا عصبہ اس کی ماں ہے اور اس کی ماں اس کے لیے باپ کے درجہ میں ہے اور ماں کے درجہ میں ہے اور یہ الحکم بن عیینہ کا قول ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تین کی میراث کو جمع کر لیتی ہے: (۱) اپنے لقیط کی میراث کو (۲) اور جس کو اس نے آزاد کیا ہے اس کی میراث کو (۳) اور اس بیٹے کی میراث کو جس کی وجہ سے اس پر لعان کیا گیا ہے۔ پھر یہ اپنے آزاد کیے ہوئے کی عصبہ ہے، اسی طرح اس بیٹے کی عصبہ ہے جس کی وجہ سے اس پر لعان کیا گیا ہے۔

پس ہم کہتے ہیں: جب ملاعنہ کا بیٹا مر گیا اور اس نے ایک بیٹی کو چھوڑا اور ماں کو چھوڑا تو بیٹی کو نصف ملے گا اور ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور باقی ان دونوں پر رد کر دیا جائے گا، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک باقی بیت المال کو دیا جائے گا۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ باقی ماں کو بطور عصبہ کے دیا جائے گا۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے اور وہی ابراہیم نخعی کا قول ہے کہ باقی ماں کے قریب ترین عصبہ کو مل جائے گا۔ (المبسوط ج ۲۹ ص ۲۲۱۔ ۲۲۴، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۸۔ بَابٌ: اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ حُرَّةً كَانَتْ أَوْ أَمَةً

بچہ اسی کا کہلائے گا جس کے بستر پر پیدا ہوا خواہ وہ بستر آزاد عورت کا ہو یا باندی کا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ بچہ اس بستر والے کا ہے اور ہمارے اصحاب نے کہا کہ بستر بیوی سے کنایہ ہے۔

فِراش کے لفظ کا اگرچہ خاوند پر اطلاق کیا جاتا ہے اس کا بیوی پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے لیے فراش یعنی بستر ہوتا ہے۔

اس عنوان میں کہا ہے ''خواہ وہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو''۔

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک باندی سے جب اس کا مالک مباشرت کرے تو وہ اس کا فراش بن جاتی ہے یا مالک یہ اقرار کرے کہ اس نے اس عورت سے مباشرت کی ہے اور اسی کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حکم کیا اور یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے۔ پس جب عورت اس سے مباشرت کے چھ ماہ کے بعد بچہ کو لے کر آئی تو اس بچہ کا نسب اس مباشرت کرنے والے سے ثابت ہو جائے گا اور وہ عورت اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اس کے مالک کے لیے جائز ہے کہ اس بچہ کی نفی کرے جب کہ وہ استبراء کا دعویٰ کرے اور صرف ملکیت سے بغیر مباشرت کے وہ عورت امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک فراش یعنی بستر نہیں ہوتی۔

اور امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ وہ عورت وطی سے فراش نہیں ہوتی اور نہ وطی کے اقرار سے فراش ہوتی ہے، پس اگر اس کے مالک نے اس سے وطی کی یا وطی کا اقرار کیا، پھر وہ بچہ کو لے کر آئی تو وہ بچہ اس کے ساتھ نہیں ملے گا اور وہ اس کا مملوک ہوگا اور وہ باندی اس

کی مملوکہ ہوگی۔ اور وہ بچہ اس کے ساتھ اس وقت ملے گا جب وہ اس بچہ کا اقرار کرلے، اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ محض اپنے قول سے اس بچہ کی نفی کرے اور اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ استبراء کا دعویٰ کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۴۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ إِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ ابْنُ أَخِي عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَامَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَتَسَاوَقَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي قَدْ كَانَ عَهِدَ إِلَيَّ فِيهِ فَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ أَخِي وَابْنُ وَلِيدَةِ أَبِي وُلِدَ عَلَى فِرَاشِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ احْتَجِبِي مِنْهُ لِمَا رَأَى مِنْ شَبَهِهِ بِعُتْبَةَ فَمَا رَآهَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ عتبہ نے اپنے بھائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا بیٹا مجھ سے ہے، سو تم اس کو اپنے پاس قبضہ کر کے رکھ لینا، پس جب فتح مکہ کا سال ہوا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کو لے لیا، پس کہا: یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اس نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی، پھر عبد بن زمعہ کھڑے ہوئے انہوں نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے، پس ان دونوں نے اپنا معاملہ نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے، میرے بھائی نے اس کے متعلق مجھے وصیت کی تھی، پس عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے اور یہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارا ہے بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم اس سے پردہ کیا کرو، کیونکہ آپ نے اس کی مشابہت عتبہ کے ساتھ دیکھی۔ پس اس لڑکے نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ اللہ سے جاملا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳، ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۷، سنن نسائی: ۳۴۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۶، موطا امام مالک: ۱۴۴۹، سنن دارمی: ۲۲۳۷)

صحیح البخاری: ۶۷۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے ''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر ہو اور زانی کے لیے پتھر ہیں''۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں از یحییٰ بن قضاعہ از امام مالک گزر چکی ہے۔اور کتاب الوصایا اور کتاب المغازی میں از القعنبی از امام مالک گزر چکی ہے اور عنقریب کتاب الاحکام میں از اسماعیل بن عبداللہ از امام مالک آئے گی،اس کی شرح بھی گزر چکی ہے، لیکن ہم شرح کا کچھ حصہ یہاں ذکر کریں گے کیونکہ مسافت زیادہ ہو چکی ہے۔

عتبہ بن ابی وقاص کا تذکرہ اور یہ کہ صحیح یہ ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوئی

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عتبہ، یہ ابن ابی وقاص ہیں اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں،ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، پس العسکری نے ان کا صحابہ میں ذکر کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مکہ میں قریش کے کسی فرد کو قتل کر دیا تھا، پھر یہ مدینہ کی طرف منتقل ہو گئے اور جب یہ مرنے لگے تو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی اور ابن مندہ نے ان کا صحابہ میں ذکر کیا ہے اور سند کے ساتھ صرف حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کیا ہے کہ ان کے بھائی نے یہ وصیت کی تھی کہ یہ ان کا بیٹا ہے۔اور امام ابونعیم نے اس کا انکار کیا ہے،اور یہ ذکر کیا ہے کہ جس کافر نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی کیا تھا وہ یہی شخص تھا اور انہوں نے کہا: مجھے اس کے اسلام لانے کا علم نہیں ہے، بلکہ امام عبدالرزاق نے از عثمان الجزری از مقسم روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی تھی کہ عتبہ کے اوپر سال نہ گزرے حتیٰ کہ وہ حالتِ کفر میں مرجائے، سو وہ سال پورا ہونے سے پہلے مر گیا اور یہ حدیث مرسل ہے۔اور علامہ دمیاطی نے اور علامہ ابن التین نے وثوق سے بیان کیا ہے کہ اس کی موت کفر پر ہوئی۔اور عتبہ کی ماں کا نام ہند بنت وہب بن الحارث بن زہرہ ہے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام حمنہ بنت سفیان بن امیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے اپنی موت کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ زمعہ کی باندی کا بیٹا مجھ سے ہے'' اور ''ولیدۃ'' کا لفظ ولادت سے ماخوذ ہے اور فعیلۃ کے وزن پر ہے۔علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: بچی اور باندی اور اس کی جمع ''ولائد'' ہے۔اور وہ باندی یمانیہ تھی اور زمعہ اس کے علاوہ دوسرا شخص تھا،اس پر امام طحاوی نے تنبیہ کی ہے۔

عبد بن زمعہ کا نام اور زمعہ کی باندی کے بیٹے کو عبد بن زمعہ کا بھائی قرار دینے کا پس منظر

اور عبد بن زمعہ کا نام قیس بن عبدالشمس القرشی العامری ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے والد تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلما کان عام الفتح اخذہ سعد'' یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن اس کو دیکھ لیا تو اس کو عتبہ کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے دیکھ لیا، پھر اس کو اپنی گود میں بھر لیا اور کہا: رب کعبہ کی قسم! یہ میرے بھائی کا

بیٹا ہے۔ اور لیث کی روایت میں ہے: حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقام عبد بن زمعه فقال اخی" یعنی یہ میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی باندی کا بیٹا ہے، یعنی اس کی باندی کا بیٹا ہے اور یہ ان کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ اور عبد بن زمعہ میں عبد کا لفظ بغیر کسی لفظ کی طرف اضافت کے ہے۔ اور مختصر ابن الحاجب میں مذکور ہے کہ اس کا نام عبداللہ تھا۔ اور اس پر رد کیا گیا ہے کہ یہ غلط ہے، کیونکہ عبداللہ بن زمعہ وہ اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ کا بیٹا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابن مندہ کو عبدالرحمٰن بن زمعہ کی سوانح میں خبط واقع ہوا ہے، کیونکہ انہوں نے زعم کیا کہ عبدالرحمٰن، عبداللہ اور عبد (بغیر اضافت کے) تینوں بھائی ہیں اور یہ زمعہ بن الاسود کی اولاد ہیں حالانکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ عبد کا لفظ بغیر اضافت کے ہے اور عبدالرحمٰن اور عبد دونوں بھائی عامری ہیں اور قریش سے ہیں۔ اور عبداللہ بن زمعہ اسدی ہیں اور وہ بھی قریش سے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هولك يا عبد بن زمعه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکے کو لے لیں۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمہارے دعویٰ کے مطابق یہ تمہارا بھائی ہے، پس آپ نے اس کے دعویٰ کو برقرار رکھا اور یہ نہیں فرمایا کہ باندی فراش یعنی بستر نہیں ہوتی۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ امام طحاوی نے یہاں پر ایک اور مسلک کو اختیار کیا ہے اور آپ نے جو فرمایا "هولك" اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارا قبضہ اس پر ہے، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم اس کے مالک ہو، اور تمہارے علاوہ دوسرے لوگوں کو اس پر قبضہ کرنے سے منع کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کا معاملہ واضح ہو جائے جیسا کہ آپ نے صاحب اللقطہ سے فرمایا: "یہ لقطہ تمہارے لیے ہے اور جب اس کا مالک آئے گا تو تم اس کو یہ واپس کر دینا"۔ اور انہوں نے کہا: جب کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس میں عبد بن زمعہ کی شریک تھیں لیکن ان سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ انہوں نے اس کی تصدیق کی ہو اور نہ انہوں نے اس لڑکے پر دعویٰ کیا تھا، تو آپ نے عبد بن زمعہ پر وہ لازم کیا جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ اور اس کو ان کے خلاف حجت نہیں قرار دیا تو آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر امام طحاوی کے اس ناقل (یعنی حافظ ابن حجر) نے کہا: یہ کلام اس صریح روایت سے مردود ہے جس میں آپ نے عبد بن زمعہ سے فرمایا ہے کہ یہ تمہارا بھائی ہے اور آپ کا یہ ارشاد اشکال کو اٹھا دیتا ہے اور گویا کہ یہ ناقل اس حدیث پر واقف نہیں ہوا اور نہ حضرت ابن الزبیر اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہم کی اس حدیث پر واقف ہوا جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس کی موافقت کر لی تھی کہ وہ ان کا بھائی ہے۔ (ناقل کی عبارت ختم ہوئی)۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی عبارت پر تبصرہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی امام ابوداؤد نے از سعید بن منصور اور مسدد روایت کی ہے اور اس میں مسدد نے یہ اضافہ کیا ہے

''ھو اخوك'' وہ تمہارا بھائی ہے۔اور صحیح وہ روایت ہے جس کی سعید بن منصور نے روایت کی ہے اور مسدد کے اضافہ کی کسی نے موافقت نہیں کی۔اور اگر ہم اس اضافہ کو تسلیم کر لیں تو اس سے یہ ارادہ کیا جائے گا کہ یہ تمہارا دین میں بھائی ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اصل حدیث یہ ہو کہ'' وہ تمہارے لیے ہے''، پس راوی نے یہ گمان کیا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ تمہارا نسبی بھائی ہے۔پس اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا جو اس کے نزدیک ہے۔اور جس حدیث کی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے روایت کی ہے، اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارا بھائی نہیں ہے۔اور علامہ خطابی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ مقرر تھا کہ لوگوں کی باندیاں حرام کاری کرتی تھیں اور لوگ ان کو زنا کرنے والوں کے ساتھ ملا دیتے تھے جب وہ یہ دعویٰ کرتے کہ انہوں نے زنا کیا ہے جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔اور زمعہ کی ایک باندی تھی اور زمعہ اس سے دخول کرتا تھا اور اس سے حمل ظاہر ہو گیا۔اور عتبہ بن ابی وقاص نے یہ زعم کیا کہ یہ حمل اس سے ہے، اور اپنے بھائی حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت کر دی کہ وہ اس کو عتبہ کے ساتھ ملا لے، پس اس کے متعلق عبد بن زمعہ نے جھگڑا کیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا اور عبد بن زمعہ نے کہا: یہ میرا بھائی ہے جیسا کہ اسلام کے اندر حکم برقرار ہے کہ بچہ اس کا قرار دیا جاتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور وہ لڑکا زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے حکم کو باطل کر دیا اور اس لڑکے کو زمعہ کے ساتھ لاحق کر دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ بدرالدین عینی حنفی کی اس عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

اس حدیث میں مذکور ہے''الولد للفراش''۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی المتوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے کہ آزاد عورت اس وقت فراش (بستر) بنتی ہے جب اس کے ساتھ وطی ممکن ہو اور بچہ کو اس مدت میں اس کے ساتھ ملا دیا جائے جس مدت میں اس جیسا بچہ پیدا ہوسکتا ہے اور اس کی کم سے کم مدت چھ مہینے ہے۔اور امام ابوحنیفہ کا یہ شاذ قول ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب کسی شخص نے نکاح کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس وقت وطی کا امکان نہیں تھا اور وہ عقد نکاح کے چھ ماہ بعد بچہ کو لے آئی تو بچہ اس شخص کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔اور نیز انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کا جو مذہب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کے خلاف ہے کہ بچہ مرد کے پانی اور عورت کے پانی سے بنتا ہے۔

علامہ عینی حنفی کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب شاذ نہیں ہے اور نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جاری کی ہوئی عادت کی مخالفت کی ہے اور بے شک صاحب توضیح اور جو ان کے مسلک پر چلتا ہو، انہوں نے اس مسئلہ کو اس طرح نہیں سمجھا جس طرح امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ کو سمجھا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب پر اس سے استدلال کیا ہے''الولد للفراش''، یعنی بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا

ہو، اور اس حدیث میں وطی کی شرط کا ذکر نہیں ہے اور نہ وطی کا ذکر ہے، اور اس لیے اس مسئلہ میں عقد کرنا وطی کی مثل ہے، اس کے برخلاف باندی کا کوئی فراش یعنی بستر نہیں ہوتا (کیونکہ باندی کے ساتھ عقد نہیں ہوتا) اس باندی سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کا نسب اسی وقت ثابت ہوگا جب اس کا مالک اس اولاد کا اعتراف کرے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''وللعاھر الحجر'' یعنی زانی کے لیے ناکامی اور محرومی ہے اور ''عَھَر'' کا معنی ہے: زنا، اور ناکامی اور محرومی سے مراد یہ ہے کہ جس بچہ کے نسب کا وہ دعویٰ کرتا ہے اس میں ناکام ہوا۔ اور عرب کی عادت یہ ہے کہ جو شخص ناکام ہوجائے تو کہتے ہیں اس کے لیے پتھر ہے اور مٹی ہے اور اس کی مثل الفاظ کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ''حَجَر'' سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ اس کو رجم کیا جائے گا۔ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے، کیونکہ رجم کرنا شادی شدہ کے ساتھ مختص ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''پھر آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ سے فرمایا کہ ''تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو''، یعنی اس باندی کے بیٹے سے۔ آپ نے یہ حکم تقویٰ اور احتیاط کی بناء پر دیا کیونکہ وہ لڑکا عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ثبوتِ نسب میں بچہ کی کسی کے ساتھ مشابہت کا شرعاً اعتبار نہ کرنا

عتبہ بن ابی وقاص نے زمعہ کی باندی کے ساتھ زنا کیا تھا یعنی اس کی مملوکہ کے ساتھ اور اس سے بچہ ہوگیا اور یہ بچہ واضح طور پر عتبہ بن ابی وقاص کے مشابہ تھا، پس عتبہ نے اپنے بھائی (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے کہا: یہ میرا بیٹا ہے اور تم اس کے وصی ہو، پس جب فتحِ مکہ کا سال ہوا تو اس بچہ کے متعلق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ میں جھگڑا ہوا، عبد بن زمعہ کہتے تھے: یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی باندی سے پیدا ہوا ہے اور وہ میرے باپ کا فراش یعنی بستر تھی، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے تھے: یہ میرا بھتیجا ہے اور میں اس کا چچا ہوں، یارسول اللہ! آپ اس کی مشابہت دیکھیے! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کی طرف دیکھا، آپ نے دیکھا وہ واضح طور پر عتبہ کے مشابہ تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشابہت کو لغو قرار دیا اور حکم فراش کی بناء پر دیا تاکہ شکوک منقطع ہوجائیں، کیونکہ اگر مشابہت کا حکمِ شرعی کے خلاف اثر ہوتا تو بیویوں کے اپنے شوہروں کے ساتھ شکوک پیدا ہوتے، کیونکہ ہر وہ عورت جس سے ایسا بچہ پیدا ہوتا جو باپ کے مشابہ نہ ہوتا اور وہ صرف مثلاً اپنے چچا کے مشابہ ہوتا تو خاوند کو اپنے بھائی کے متعلق شک ہوتا، اسی وجہ سے اس مشابہت کو ساقط کردیا گیا ہے۔

حتیٰ کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! میری بیوی کے ہاں ایک کالا لڑکا پیدا ہوا ہے اور میری بیوی سفید ہے اور میں بھی سفید ہوں تو یہ کالا لڑکا کہاں سے آگیا؟

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: ان کے کیا رنگ ہیں؟ اس نے کہا: سرخ رنگ کے اونٹ ہیں، آپ نے فرمایا: کیا ان میں کوئی چتکبرا اونٹ بھی ہے یعنی کالا اور سفید؟ اس نے کہا: جی

ہاں، آپ نے فرمایا: یہ چتکبرا اونٹ کہاں سے آ گیا جب کہ یہ اونٹ سرخ ہے؟ اس اعرابی نے کہا: شاید اس نے کوئی رگ کھینچ لی ہوگی، آپ نے فرمایا: سو اسی طرح تمہارے بیٹے نے بھی شاید کوئی رگ کھینچ لی ہوگی۔ پس وہ اعرابی مطمئن ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۷، ۷۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۳۴۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۲، مسند احمد: ۷۱۸۹، مسند الحمیدی: ۱۰۸۴)

اس لیے کہ یہ واضح قیاس ہے۔

شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں:

پس میں کہتا ہوں کہ اللہ عزوجل کی نعمت یہ ہے کہ اس نے فراش یعنی بستر کو ایسی حجتِ شرعیہ قرار دیا ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکے کی عتبہ بن ابی وقاص کے ساتھ واضح مشابہت دیکھی لیکن یہ مشابہت حجتِ شرعیہ یعنی فراش کے مزاحم نہیں ہو سکتی تھی تو آپ نے حجتِ شرعیہ کو حجتِ حسیہ پر مقدم کیا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ لڑکا تمہارے لیے ہے اے عبد بن زمعہ، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

زمعہ کی باندی سے پیدا شدہ لڑکے کا آزاد ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ سے فرمایا: ''ھولك اے عبد بن زمعہ!''۔

اس حدیث میں لام ملکیت کے لیے نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں معنی ہوگا: ''یہ تمہارا مملوک ہے'' اور وہ آزاد تھا۔ اور اس لیے کہ جب مالک اپنی باندی سے اولاد کو طلب کرے تو اس کی اولاد آزاد ہوتی ہے اور اگر باندی سے کسی کا غلام عقدِ نکاح کر لے تو اس کی اولاد غلام ہوگی، پس باندی کا اگر اپنے مالک سے بچہ پیدا ہو تو وہ آزاد ہوگا اور اگر دوسرے سے بچہ پیدا ہو تو وہ غلام ہوگا خواہ وہ آزاد ہو، پس عربی زبان میں لام تملیک کے لیے بھی آتا ہے اور اختصاص کے لیے بھی آتا ہے اور یہاں پر لام تملیک کے لیے نہیں ہے بلکہ اختصاص کے لیے ہے یعنی اے عبد بن زمعہ! یہ لڑکا خاص تمہارے لیے ہے اگرچہ یہ لڑکا آزاد ہے اور تمہارا مملوک نہیں ہے۔

تعارض اور شکوک کے وقت امرِ محتاط کے مطابق فیصلہ کرنا

جب کہ وہ لڑکا عبد بن زمعہ کے لیے ہو گیا اور وہ ان کا بھائی قرار پایا اور حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا اس کی بہن قرار پائیں اور اگر حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا فوت ہو جاتیں تو وہ ان کا وارث ہوتا اور اگر وہ لڑکا فوت ہوتا تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس کی وارث ہوتیں، اس کے باوجود آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''تم اس سے پردہ کیا کرو''۔

یہاں پر یہ اشکال ہے کہ جب وہ لڑکا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا بھائی قرار پایا تو آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اس سے پردہ کرنے کا حکم کیوں دیا؟ جب کہ شرعی حکم یہ تھا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس کی بہن ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکمِ شرعی ہے اور یہ امرِ حسّی سے معارض ہے اور امرِ حسّی مشابہت ہے، پس اس سے شک ہو گیا، اس شک کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں احتیاط کے مسلک کو اختیار کیا اور آپ نے احتیاطاً حکم دیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس لڑکے سے پردہ کریں۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سببِ حسّی اور سببِ شرعی یہ دونوں متضاد حکم ہیں اور دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ دونوں ضدیں ہیں اور دو ضدین جمع نہیں ہوتیں، تو اس مسئلہ میں صحیح اور ثواب یہ تھا کہ احتیاط پر عمل کیا جائے۔

ہر عالم کے قول پر فتویٰ نہ دیا جائے

بعض علماء نے کہا ہے: جب کوئی شخص کسی بچہ کے نسب کو اپنے ساتھ ملالے تو اس کو ملالیا جائے گا، کیونکہ جس عورت کا کوئی خاوند نہ ہو پس ممکن ہے کہ اس کے ساتھ بچہ کو ملالیا جائے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے ''الولدُ للفراش'' یعنی بچہ اس کا شمار کیا جائے گا جس کے بستر پر ہو، یہ اس معاملہ میں ہے جس میں عورت کا خاوند ہو یا حق کے ساتھ وطی کی جائے۔ لیکن جب حق کے ساتھ وطی نہ کی گئی ہو اور نہ خاوند ہو اور زانی اس بچہ کے نسب کو اپنے ساتھ ملائے تو ہمارا اس بچہ کو لاحق قرار دینا اس کے نسب کے ضائع کرنے سے اولیٰ ہے اور یہ وہی رائے ہے جو شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کی ہے لیکن یہ قوی قول ہے اور اس پر فتویٰ دینے سے احتیاط کرنی چاہیے، کیونکہ اگر اس پر فتویٰ دیا گیا تو اولاد الزنا بہ کثرت ہوگی، انسان کسی عورت کے ساتھ زنا کرے گا اور جب وہ حاملہ ہو جائے گی تو اس سے نکاح کرلے گا پھر اس بچہ کا نسب اپنے ساتھ ملالے گا کیونکہ اس کو یقین ہے کہ یہ عورت اس سے حاملہ ہوئی ہے اور اس عورت کے گھر والے بھی عنقریب تسلیم کرلیں گے تاکہ ان کو رسوائی اور شرمندگی نہ ہو۔

لیکن طالب علم کو چاہیے کہ وہ وسیع امور پر غور کرے اور ہر ایک کے قول پر فتویٰ نہ دے، کیونکہ کبھی مصلحت اس میں ہوتی ہے کہ اس قول پر فتویٰ نہ دیا جائے اور کبھی اس میں مصلحت ہوتی ہے کہ اگرچہ وہ اس قول کا معتقد نہیں ہے لیکن وہ اس کے اوپر فتویٰ دے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں امہات الاولاد کی خرید و فروخت ہوتی تھی، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ اس معاملہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے تو انہوں نے مصلحت کی بناء پر امہات الاولاد کو فروخت کرنے سے منع کر دیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خمر پینے کی کوئی حد مقرر نہیں تھی، جب کوئی خمر پینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لایا جاتا تو اس کو ڈنڈوں سے مارتے اور جوتوں سے مارتے اور کپڑے کا کوڑا بنا کر چالیس کوڑے مارتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی چالیس کوڑے مارے جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ابتداء خلافت میں بھی اسی طرح ہوتا تھا، پھر جب لوگوں نے کثرت کے ساتھ خمر نوشی کرلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کیا اور مشورہ کیا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کم سے کم حد اسی (۸۰) کوڑے ہے، یعنی حدِ قذف اسی کوڑے ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خمر پینے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے مقرر کردی۔ (صحیح مسلم: ۱۷۰۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خمر کی حد اسی (۸۰) کوڑے مقرر کرنا شرعی حکم نہیں تھا بلکہ یہ بر بنائے سیاست حکم تھا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۸۵۔۹۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: جب بعد کے صحابہ کا خمر کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہونے پر اجماع ہو گیا تو اب یہ حکمِ شرعی ہو گیا اور یہ صرف حکم بر بنائے سیاست نہیں رہا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۷۵۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ عَنْ يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از یحییٰ از شعبہ از محمد بن زیاد، وہ بیان کرتے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْوَلَدُ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ۔
(صحیح البخاری: ۶۸۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۸، مسند احمد: ۷۰۴۹)

کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بچہ بستر والے کا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۷۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور یہ حدیث اس سے پہلی حدیث کی تفسیر ہے جس میں مذکور تھا ''بچہ بستر کے لیے ہے'' اور اس حدیث میں فرمایا ''بچہ بستر والے کے لیے ہے'' اور یہ حدیث بنفسہٖ مستقل ہے، اس کے برخلاف اس سے پہلی حدیث میں یہ جملہ عبد بن زمعہ کی حدیث کی اتباع میں ذکر کیا گیا تھا۔

امام طحاوی نے کہا ہے: اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث کے ساتھ جو یہ حدیث موصول ہے کہ بچہ بستر والے کے لیے ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں اس کا کیا معنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مسئلہ کی تعلیم کے لیے ہے یعنی تم اپنے بھائی کے لیے دعویٰ کرتے ہو اور تمہارے بھائی کا بستر نہیں تھا (کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا بھائی عتبہ بن ابی وقاص تھا اور ان کا بستر نہیں تھا، بستر تو زمعہ کا تھا)، اور نسب ان سے تب ثابت ہوتا اگر وہ ان کا فراش ہوتا، پس تمہارا بھائی زانی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

حدیث مذکور کے مزید طرق

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: حدیث ''الولد للفراش'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث میں سے صحیح ترین حدیث ہے اور یہ بیس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے۔ پس امام بخاری نے یہاں پر حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد کہا ہے: اس باب میں حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابوامامہ، حضرت عمرو بن خارجہ، حضرت البراء، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ابن ماجہ میں ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن نسائی میں ہے، اور حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی سنن النسائی میں ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث سنن ابوداؤد میں ہے اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے، اور حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ اور حضرت البراء رضی اللہ عنہ کی حدیث امام الطبرانی کی المعجم الکبیر میں ہے، اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی المعجم الکبیر میں ہے۔

اور ہمارے شیخ زین الدین نے ان صحابہ کے اوپر حضرت معاویہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا اضافہ کیا ہے، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند ابویعلیٰ الموصلی میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مسند البزار میں ہے اور ان تمام صحابہ کی روایت میں

مذکور ہے "بچہ اس کے لیے ہے جس کے بستر پر ہو اور زانی کے لیے پتھر ہے" اور بعض صحابہ نے صرف پہلے جملہ پر اقتصار کیا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۱۹- بَابٌ: اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ

اس قاعدہ کا بیان کہ وَلاء اس کیلئے ہے جو آزاد کرے

وَمِيرَاثُ اللَّقِيطِ

اور جو لڑکا راستہ میں پڑا ہوا ملے اسکا وارث کون ہوگا؟ اس کا بیان

وَقَالَ عُمَرُ: اللَّقِيطُ حُرٌّ۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو لڑکا راستہ میں پڑا ہوا ملے اور اس کے ماں باپ معلوم نہ ہوں تو وہ آزاد ہوگا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ وَلاء اس شخص کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور اکثر نسخوں میں مذکور ہے "باب: ولاء صرف اس کے لیے جو آزاد کرے"۔
الوَلاء میں واؤ پر زبر ہے یہ "الوَلایۃ" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نصرت اور محبت ہے، کیونکہ وَلاءِ عتاقۃ میں اور موالات میں ایک دوسرے کی مدد یا محبت ہے، یا یہ لفظ "ولی" سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: قرب، اور وَلاء قرابتِ حکمیہ ہے جو آزاد کرنے سے یا موالات سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا شرعی معنی ہے: ولاء العتاقۃ کے ساتھ مدد کرنا، یا وَلاءِ عتاقۃ میں وراثت اور دیت کی ادائیگی کا استحقاق ہوتا ہے۔
اس عنوان میں مذکور ہے "وَلاء اس کے لیے جو آزاد کرے"۔ اور اس حدیث کے الفاظ ائمہ ستہ نے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیے ہیں۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "میراث اللقیط" لیکن امام بخاری نے یہاں کوئی حکم ذکر نہیں کیا، یعنی راستہ میں پڑے ہوئے بچہ کی وراثت کیا ہوگی؟ علامہ کرمانی نے کہا: کیونکہ امام بخاری کو ان کی شرط کے مطابق اس کے حکم کے متعلق حدیث نہیں ملی اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اس لفظ کو ذکر کریں اور خالی جگہ چھوڑ دیں حتیٰ کہ اس جگہ پر بعد میں اس کا ذکر کرتے، پھر انہیں کوئی حدیث نہیں ملی اور یہ عنوان اسی طرح قائم رہا۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کے حکم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر اکتفاء کیا ہے جو دوسری تعلیق میں مذکور ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ راستہ میں پڑا ہوا بچہ آزاد ہے، پس جب وہ آزاد ہے تو اس کی وَلاء بیت المال میں ہوگی، کیونکہ اس کی وَلاء تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ امام مالک، ثوری، اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور ابو ثور کا یہی مذہب ہے۔ اور قاضی شریح نے کہا ہے کہ اس کی وَلاء اس کے لیے ہوگی جو اس بچہ کو اٹھائے گا (وَلاء سے یہاں پر یہ مراد ہے

کہ وہ بچہ بڑا ہوا اور مال دار ہوا اور اس نے ترکہ چھوڑا تو اگر اس کا کوئی وارث نہیں ہے تو اس کا ترکہ اور اس کا مال تمام مسلمانوں کے لیے ہے اور اس کو بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اور قاضی شریح نے کہا کہ اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر اس کا ترکہ اسے دیا جائے گا جس نے اس بچہ کو اٹھایا ہے)۔

اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور ان کا استدلال سُنَین ابی جمیلہ کی حدیث سے ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے راستہ میں پھینکے ہوئے بچہ کے متعلق فرمایا: جاؤ تم آزاد ہو اور تمہارے لیے اس کی وَلاء ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ابو جمیلہ مجہول ہے اس حدیث کے علاوہ اس کی کوئی اور حدیث مشہور نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جو قول ہے کہ "تمہارے لیے اس کی وَلاء ہے" یہ اس پر محمول ہے کہ تم ہی اس کی تربیت اور معاملات کی کفالت کے ولی ہو، اور یہ اسلام کی وَلایت ہے، آزاد کرنے کی وَلایت نہیں ہے۔

اور عطاء اور ابن شہاب نے کہا ہے کہ راستہ میں پڑا ہوا بچہ آزاد ہے، پس جس کو وہ بچہ ملا ہے اگر وہ اس کی تربیت اور کفالت کو پسند کرتا ہے تو وہ کر سکتا ہے اور اگر وہ یہ پسند کرے کہ کوئی اور اس کی کفالت کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی اور کو دے دے۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: اس کے لیے جائز ہے کہ اس کی وَلاء کو جہاں چاہے منتقل کرے، پس جس نے اس کی کفالت کی ہے اگر وہ اس کی کسی جنایت کا تاوان ادا کرتا ہے تو اس کے لیے اس کی وَلاء کو منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور وہ اس کا وارث ہوگا۔

سُنَین ابو جمیلہ کا تذکرہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: سُنَین میں سین پر پیش ہے اور نون پر زبر ہے اور یاء ساکن ہے اور اس کے آخر میں نون ہے ابو جمیلہ الضمری، اور ان کو السلمی بھی کہا جاتا ہے۔ ان سے ابن شہاب نے روایت کی ہے اور ان سے روایت کرتے ہوئے معمر نے کہا: مجھے ابو جمیلہ نے حدیث بیان کی اور ان کا یہ زعم تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے اور الزبیدی نے از الزہری کہا: کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تین کو پایا: حضرت انس بن مالک، حضرت سہل بن سعد، اور حضرت ابو جمیلہ سُنَین رضی اللہ عنہم کو۔ اور امام مالک نے از ابن شہاب کہا: مجھے سُنَین ابو جمیلہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال پایا اور علامہ الذہبی نے کہا: ابو جمیلہ سُنَین السلمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اور وہ ان کے ساتھ فتح مکہ کے سال نکلے اور ان کی حدیث ترمذی میں ہے اور ان سے الزہری نے روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۰۔۳۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اشْتَرِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ وَأُهْدِيَ لَهَا شَاةٌ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ الْحَكَمُ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا وَقَوْلُ الْحَكَمِ مُرْسَلٌ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَأَيْتُهُ عَبْدًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو خرید لو کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔ اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ایک بکری ہدیہ میں دی گئی تو آپ نے فرمایا: یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے

لیے ہدیہ ہے۔

اور حکم نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد تھے اور حکم کا قول مرسل ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کو دیکھا وہ غلام تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۵۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے'' اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حفص بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث ابوعمر الحوضی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الحَکَم کا ذکر ہے اور یہ ابن عتیبہ ہیں جو عتبۃ الباب کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم کا ذکر ہے، یہ النخعی ہیں اور اس حدیث کی سند میں الاسود کا ذکر ہے، یہ ابن یزید ہیں اور یہ تینوں تابعی ہیں اور کوفی ہیں۔

یہ حدیث کفارۃ الایمان میں از سلیمان بن حرب گزر چکی ہے اور کتاب الطلاق میں از عبداللہ بن رجاء گزر چکی ہے اور کتاب الزکوۃ میں از آدم گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث کی شرح کئی مرتبہ کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''بَرِیرۃ'' کا ذکر ہے، اس میں باء پر زبر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اهدی'' یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

حدیث مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حکم نے بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر آزاد تھا اور حکم کا قول مرسل ہے''۔

یہ تعلیق سندِ مذکور کے ساتھ موصول ہے لیکن اس میں جو مُرسل مذکور ہے یہ اس حدیث کی سند میں مذکور نہیں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور الاسماعیلی نے کہا ہے کہ حکم کا قول حدیث کا جزو نہیں ہے، یہ مُدرَج ہے (یعنی راوی کا اپنی طرف سے اضافہ ہے)۔ یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ امام بخاری کا یہ کہنا کہ یہ تعلیق مُرسل ہے اصطلاح کے مخالف ہے، کیونکہ جو کلام بعض

راویوں پر موقوف ہو اس کو مُرسل نہیں کہا جاتا۔

اور اس تعلیق کی حدیث میں مذکور ہے "وکان زوجها" یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر۔

حدیث مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا"۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا اور یہ قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر مغیث کے غلام ہونے پر دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو مغیث کہا جاتا تھا۔ اور وہ بنو مخزوم میں سے آل مغیرہ کے غلام تھے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس کے نکاح میں برقرار رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ عدت گزاریں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے اختیار دیا تھا کہ ان کے شوہر غلام تھے اور اب وہ آزاد کر دی گئی تھیں، اور شوہر اپنی بیوی پر دو طلاقوں کا مالک ہوتا ہے جب کہ وہ باندی ہو۔

اس حدیث میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصلت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب ان کو آزاد کیا گیا تو وہ حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں۔ اور وہ اس وقت غلام تھے تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو اس نکاح میں برقرار رہیں اور چاہیں تو اس نکاح کو فسخ کر دیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ملتا ہے۔ وہ چاہے تو نکاح سابق پر برقرار رہے اور چاہے تو اس کو مسترد کر دے، سو حضرت بریرہ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا تھا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ ان کے فراق میں روتے رہتے تھے۔

یہ حدیث سندِ موصول کے ساتھ تفصیل کے ساتھ کتاب الطلاق کے "باب خیار الامة تحت العبد" میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۱۔ ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: وَلاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۱۵۶، ۲۱۶۹، ۲۵۶۲، ۶۷۵۲، ۶۷۵۷، ۶۷۵۹، سنن نسائی: ۴۶۴۴، مسند احمد: ۴۷۹۳)

صحیح البخاری: ۶۷۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''ولاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے'' اور حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عبداللہ کا ذکر ہے اور یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں جو امام مالک بن انس کے بھانجے ہیں۔
اس حدیث سے امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام محمد بن عبدالحکم نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کسی دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں: اس کی ولاء اس کے لیے ہے جس کے غلام کو آزاد کیا جاتا ہے خواہ اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۲، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجد
ی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے تین مسائل کا مستنبط ہونا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مختصر حدیث سے یہ اشارہ کیا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی سیرت سے تین مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ''ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔

(۲) حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر گوشت کو صدقہ کیا گیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوشت سے کچھ حصہ طلب کیا تو گھر والوں نے بتایا کہ یہ وہ گوشت ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

(۳) جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو ان کو اختیار دیا گیا (کہ وہ نکاحِ سابق پر برقرار رہتی ہیں یا نہیں، اس کو خیارِ عتق کہتے ہیں) اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں کہ آیا ان کا شوہر آزاد تھا یا غلام تھا اور صحیح یہ ہے کہ ان کا شوہر غلام تھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۹۱۔ ۹۲، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

لقیط کی وراثت اور اس کی کفالت کا بیان

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لقیط آزاد ہے۔ (لقیط اس بچہ کو کہتے ہیں جو کہیں پڑا ہوا مل جائے اور نہ اس کا باپ معلوم ہو اور نہ اس کی ماں معلوم ہو اور نہ اس کا نسب معلوم ہو، اس کو لقیط کہتے ہیں)۔ یہ عنوان اس لیے قائم کیا گیا ہے تا کہ لقیط کی میراث بیان کی جائے، پس امام بخاری نے جمہور کے قول کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لقیط آزاد ہے اور اس کی ولاء بیت المال میں ہوگی۔ اور اسی کی طرف نخعی کے قول سے اشارہ ہے کہ اس کی ولاء اس کے لیے ہے جس نے اس بچہ کو اٹھایا ہے۔ اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول

سے استدلال کیا ہے جو انہوں نے ابو جمیلہ سے کہا تھا: جاؤ یہ آزاد ہے، اور ہم پر اس کا خرچ لازم ہے اور تم کو اس کی وَلاء ملے گی۔
اور یہ مکمل اثر شہادات کے اوائل میں گذر چکا ہے اور میں نے بیان کیا ہے کہ وہاں اس اثر کو کس نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور میں نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول ''اس کی وَلاء تمہارے لیے ہے'' کا معنی یہ ہے کہ تم اس کی تربیت اور اس کی کفالت کے والی اور منتظم ہو گے، پس یہ اسلام کی ولایت ہے اور ولایت عتق نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ صریح حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وَلاء اس کے لیے جو آزاد کرتا ہے''۔ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس نے آزاد نہیں کیا اس کی کوئی وَلاء نہیں ہے کیونکہ آزاد کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ اس سے پہلے اس پر ملکیت ہو اور جو دار اسلام میں بچہ پڑا ہوا مل جائے اور کوئی اس کو اٹھا لے تو اٹھانے والا اس کا مالک نہیں ہوتا، کیونکہ اصل لوگوں میں حُریت اور آزاد ہونا ہے اور جو لقیط اٹھایا گیا ہے وہ اس حال سے خالی نہیں ہے کہ وہ کسی آزاد عورت کا بیٹا ہو، پس اس کو غلام نہیں بنایا جائے گا یا وہ کسی قوم کی باندی کا بیٹا ہو تو اس کی وراثت اس قوم کے لیے ہوگی اور جب اس کی وراثت مجہول ہے تو اس وراثت کو بیت المال میں رکھا جائے گا اور وہ اس کا غلام نہیں ہوگا جس نے اس بچہ کو اٹھایا ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت منقول ہے کہ لقیط کا جو چاہے مولیٰ بن جائے اور یہی فقہاء احناف نے کہا ہے کہ وہ اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کے بعد وہ کسی اور کی طرف منتقل نہیں ہوگا اور یہ پوری عبارت الاسماعیلی پر مخفی رہی، سو انہوں نے کہا: امام بخاری نے لقیط کی میراث کا ذکر باب کے عنوان میں کیا ہے اور حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ حدیث میں اس پر دلالت ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث اس عنوان کے مطابق ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور ان دونوں کی روایت میں لقیط کی میراث کا ذکر نہیں ہے۔ اور علامہ کرمانی نے بھی اسی طرح لکھا ہے، پس انہوں نے کہا: اگر تم کہو کہ لقیط کی میراث کا ذکر کہاں ہے؟ تو میں کہوں گا: یہ وہاں ہے جہاں امام بخاری نے عنوان قائم کیا ہے اور امام بخاری کو یہ اتفاق نہیں ہوا کہ وہ اس کے مناسب حدیث کو وارد کرتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ پوری تقریر ظاہر کے اعتبار سے ہے لیکن تدقیقِ نظر سے یہ ہے کہ اس کی مناسبت یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو میراث کے ابواب میں بیان کیا ہے، پس اس کا بیان وہ ہے جس کو میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ لقیط آزاد ہے سوائے نخعی کی روایت کے اور نخعی کی روایت ایک جماعت کی روایت کی مثل ہے اور ان سے ایک قول فقہاء احناف کی مثل ہے اور قاضی شریح سے بھی پہلے قول کی مثل منقول ہے اور اسحاق بن راہویہ نے بھی یہی کہا ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کے غلام ہونے کی روایت کی ترجیح

اس تعلیق میں مذکور ہے ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھے''۔ اور الحکم اور الاسود نے جو کہا ہے کہ وہ آزاد تھے تو اسود کا قول منقطع ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذکر کے ساتھ متصل نہیں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھے۔ اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حاضر ہوئے اور انہوں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا مشاہدہ کیا، پس ان

کا قول اس کے قول پر راجح ہے جو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حاضر نہیں ہوا، کیونکہ اسود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مدینہ میں داخل نہیں ہوئے۔ اور رہے الحکم تو وہ اس کے کافی زمانہ کے بعد پیدا ہوئے تھے اور امام بخاری نے جو اسود کے قول کو ذکر کیا ہے حالانکہ وہ منقطع ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حدیث منقطع کو مرسل کی جگہ ذکر کرنا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے جو کہا ہے کہ حکم کا قول مُرسل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعی صغیر کو بھی مُرسل سے تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ حَکم بہت کم عمر تابعین میں سے تھے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۰۔ بَابُ: مِيرَاثِ السَّائِبَةِ — سائبہ کی میراث کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں سائبہ کی میراث کا بیان ہے، اس سے مراد وہ غلام ہے جس کو اس شرط پر آزاد کیا جائے کہ اس کی وَلاء کسی کے لیے نہیں ہوگی۔

سائبہ کا ذکر اللہ عزوجل کے اس ارشاد میں ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ‌ ۙ وَّلٰـكِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ‌ ؕ وَاَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝ (المائدہ: ۱۰۳)

اللہ نے (جانوروں میں) کوئی بحیرہ نہیں بنایا اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، مگر یہ کافر جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں اور ان میں اکثر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ۝

المائدہ: ۱۰۳ کی تفسیر از مصنف

سعید بن المسیب نے بیان کیا ہے کہ "بحیرۃ" وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنا بتوں کی وجہ سے منع کر دیا جاتا تھا اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔

اور "سائبۃ" وہ اونٹنی ہے جس کو مشرکین اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر کسی چیز کو لادا نہیں جاتا تھا۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا، وہ دوزخ میں اپنی آنتوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے "سائبۃ" اونٹنیوں کو چھوڑا تھا۔

اور "وصیلۃ" وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار اونٹ جنتی ہے اور دوسری بار اونٹ جنتی ہے۔ وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے بشرطیکہ وہ یکے بعد دیگرے مادہ کو جنم دے اور ان کے درمیان نر نہ ہو۔

اور "حامی" جو چند مرتبہ گابھن (حاملہ) کرے جب وہ اپنا عدد پورا کرے تو وہ اس اونٹ کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے تھے اور اس پر سامان نہیں لادتے تھے اور اس کو "الحامی" کہتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۴۶۲۳۔ ۴۶۲۴)

اور یہاں "سائبۃ" سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے غلام سے کہے: تم "سائبۃ" ہو اور اس غلام کے اوپر وَلاء نہ ہو۔ (وَلاء کا معنی ہے کہ وہ غلام آزاد ہونے کے بعد مال دار ہو جائے تو اس کا ترکہ اس کے وارثوں کو دینے کے بعد یا وارث نہ ہوں تو اس کے

آزاد کرنے والے کو دیا جائے)۔

اور سب سے پہلے جس نے ''سوائب'' (اونٹنیوں کو بتوں کے لیے) کو چھوڑا اس شخص کا نام عمرو بن لحی ہے۔

فقہاء کی ''السائبة'' کی میراث میں اختلاف

پس فقہاء احناف اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق اور ابوثور نے کہا ہے: اس کی وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی اور ان کا استدلال اس باب کی حدیث سے ہے:

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اس کی وراثت مسلمانوں کے لیے ہوگی، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ربیعہ اور ابوزناد سے بھی منقول ہے۔ اور یہی امام مالک کا ان کے مذہب کے مطابق مشہور قول ہے۔

اور الزہری نے کہا ہے: آزاد کرنے والا اپنے ''سائبة'' کی کفالت میں جسے چاہے دے۔ پس اگر وہ مر گیا اور کسی ایک نے بھی اس کی کفالت نہیں کی تو اس کی وَلاء مسلمانوں کے لیے ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ بْنُ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ عَنْ هُزَيْلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْإِسْلَامِ لَا يُسَيِّبُونَ وَإِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يُسَيِّبُونَ۔ (تحفۃ الاشراف: ۹۵۹۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابی قیس از ہزیل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ اہلِ اسلام سائبہ نہیں بناتے اور اہلِ جاہلیہ سائبہ بناتے تھے۔

صحیح البخاری: ۶۷۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث مختصر ہے اور اس کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ ایک مرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، سو اس نے کہا: میں نے ایک غلام کو ''سائبہ'' آزاد کیا ہے۔ پس وہ غلام مر گیا اور اس نے مال چھوڑا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہلِ اسلام سائبہ نہیں قرار دیتے، صرف اہلِ جاہلیت سائبہ قرار دیتے تھے اور تم اس کی نعمت کے ولی ہو، لہٰذا اس کی میراث تمہارے لیے ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اسماعیلی اور سفیان نے اس سند میں کہا ہے کہ سفیان سے مراد سفیان ثوری ہے۔ اور ابوقیس سے مراد عبدالرحمٰن بن مروان ہے، اور ھزیل، ھزل کی تصغیر ہے، یہ ابن شرحبیل ہیں، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی

اشْتَرَتْ بَرِيرَةَ لِتُعْتِقَهَا وَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ لِأُعْتِقَهَا وَإِنَّ أَهْلَهَا يَشْتَرِطُونَ وَلَاءَهَا فَقَالَ أَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ أَوْ قَالَ أَعْطَى الثَّمَنَ قَالَ فَاشْتَرَتْهَا فَأَعْتَقَتْهَا قَالَ وَخُيِّرَتْ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَقَالَتْ لَوْ أُعْطِيتُ كَذَا وَكَذَا مَا كُنْتُ مَعَهُ قَالَ الْأَسْوَدُ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا قَوْلُ الْأَسْوَدِ مُنْقَطِعٌ وَقَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَأَيْتُهُ عَبْدًا أَصَحُّ۔

از منصور از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدا، تا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں اور ان کے مالکوں نے وَلاء کی اپنے لیے شرط لگائی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میں بریرہ کو آزاد کرنے کے لیے خرید رہی ہوں، اور اس کے مالک اس میں وَلاء کی شرط لگا رہے ہیں، آپ نے فرمایا: تم اس کو آزاد کر دو، وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے یا آپ نے فرمایا: جو قیمت کو ادا کرتا ہے۔ اسود نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید لیا اور ان کو آزاد کر دیا اور بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا گیا (کہ وہ نکاحِ سابق کو برقرار رکھیں یا نہ رکھیں) تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور کہا: اگر مجھے اتنا اور اتنا (مال) دیا جائے تب بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔

اسود نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے اور اسود کا قول منقطع ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو غلام دیکھا، اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۵۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طور پر ہے کہ جب کہ وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوتی ہے تو اس میں غلام عام ہے وہ سائبہ ہو یا نہ ہو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے موسیٰ وہ ابن اسماعیل التبوذکی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ،ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، وہ النخعی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسود، وہ ابن یزید ہیں۔

یہ حدیث بیس مرتبہ سے زیادہ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''واشترط اهلها''یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے مالکوں نے یہ شرط لگائی کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس شرط پر فروخت کریں گے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی وَلاء ان مالکوں کے لیے ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''او قال اعطی الثمن''یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ تم قیمت ادا کردو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وخیرت''یعنی جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا آزاد کردی گئیں تو ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اپنے نکاح کو فسخ کردیں اور اختیار دیا گیا کہ اپنے نفس کو اختیار کرلیں۔اور انہیں اس نکاح کو جاری رکھنے کا اختیار دیا گیا اور زوج کو برقرار رکھنے کا اختیار دیا گیا اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کے شوہر کا نام مُغیث تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وقالت لو اعطیت کذا و کذا''یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر میرا شوہر مجھے اتنا اتنا مال دے تب بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی،اور نہ اس کے پاس قیام کروں گی۔اسی طرح امام نسائی کی روایت میں ہے،انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر کے متعلق اختیار دیا تو انہوں نے کہا: اگر ان کا شوہر ان کو اتنا اتنا مال دے تب بھی وہ ان کے پاس نہیں رہیں گی،انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور ان کے شوہر آزاد تھے۔

حدیث مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اسود بن یزید جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے ہیں،اس تعلیق میں ان کا قول مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے۔

قولِ منقطع یا حدیث منقطع کی تعریف

پھر امام بخاری نے کہا کہ اسود کا قول منقطع ہے۔کہا گیا ہے کہ منقطع اس قول کو کہتے ہیں کہ جس کی صفت میں سے کسی مرد کو ساقط کردیا جائے،یا اس میں کسی مبہم مرد کا ذکر کیا جائے اور علامہ الخطیب نے کہا ہے: منقطع وہ قول ہے جس میں تابعی یا اس سے نچلے درجہ کے مرد سے قول یا فعل کی موقوفاً روایت کی جائے۔ایک اور قول یہ ہے کہ المنقطع ،المُرسل کی مثل ہے اور یہ ہر وہ قول ہے جس کی سند متصل نہ ہو،البتہ مُرسل کا اکثر اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جس میں تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرے۔اور مشہور یہ ہے کہ مُرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں صحابی کا غیر کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

دوسری تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھے،یہ قول

زیادہ صحیح ہے۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو غلام دیکھا، یہ اسود کے قول سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو دیکھا تھا اور ان کا مشاہدہ کیا تھا اور اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۳۔ ۳۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۱۔ بَابُ: إِثْمِ مَنْ تَبَرَّأَ مِنْ مَوَالِيهِ — جو شخص اپنے مالکوں سے بری ہو، اس کے گناہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کے گناہ کا بیان کیا گیا ہے جس نے اپنے مالکوں سے براءت کا اظہار کیا بایں طور کہ اس نے اس کی نفی کی کہ وہ فلاں مالک کا غلام ہے یا اس نے اپنے غلام ہونے کی نسبت کسی اور مالک کی طرف کی۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ از سہل از والد خود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا، آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جو اپنے والدین سے براءت کا اظہار کرے اور ان سے اعراض کرے اور وہ شخص جو اپنے بیٹے سے براءت کا اظہار کرے اور وہ مرد جس پر کسی قوم نے انعام کیا ہو، پس وہ ان کی نعمت کا انکار کرے اور ان سے براءت کا اظہار کرے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۰، رقم الحدیث: ۱۵۶۳۶، المعجم الکبیر ج ۲۰ رقم الحدیث: ۴۴۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۵)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرَؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللهِ غَيْرَ هَذِهِ الصَّحِيفَةِ قَالَ فَأَخْرَجَهَا فَإِذَا فِيهَا أَشْيَاءُ مِنَ الْجِرَاحَاتِ وَأَسْنَانِ الْإِبِلِ قَالَ وَفِيهَا الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَمَنْ وَالَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم التیمی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے پاس ایسی کتاب نہیں ہے جس کی ہم تلاوت کریں سوائے اللہ عزوجل کی کتاب کے اور سوا اس صحیفہ کے، راوی نے کہا: پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ کو نکالا تو اس میں زخموں کے بارے میں اور دیت کے اونٹوں کی عمروں کے بارے میں لکھا ہوا تھا، اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ مدینہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے، پس جس نے مدینہ میں کوئی جرم کیا یا اس نے کسی مجرم کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی، نہ قیامت کے دن اس کا کوئی

يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔

فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل، اور جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی، تو اس کے اوپر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، قیامت کے دن اس کا نہ کوئی فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل۔ اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے اور ان میں سے کوئی ادنیٰ مسلمان بھی اس ذمہ کی کوشش کر سکتا ہے، پس جس شخص نے کسی مسلمان سے کئے ہوئے عہد کو توڑا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ قیامت کے دن نہ اس سے کوئی فرض قبول کیا جائے گا اور نہ نفل۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷۰، ۶۷۵۵، صحیح مسلم: ۱۳۷۰، سنن ترمذی: ۲۱۲۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۳۴، مسند احمد: ۱۳۰۰)

صحیح البخاری: ۶۷۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "اس شخص کا گناہ جس نے اپنے مالکوں سے براءت کی" اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے "جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی لعنت ہو اور تمام لوگوں کی لعنت ہو"۔ اور اس میں بھی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس حدیث میں ہے "جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کی" اور اس پر وعید ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس نے اپنے مالکوں کی اجازت سے کسی قوم کے ساتھ موالات کی تو وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور نہ وہ ان سے براءت کرنے والا ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس حکم کی قید نہیں ہے بلکہ یہ کلام اکثر اور اغلب طریقہ پر محمول ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ تاکید کیلئے ہے کیونکہ جب وہ اپنے مالکوں سے اجازت لے گا تو وہ اس کو منع کریں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبد الحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم التیمی، یہ ابراہیم بن یزید بن شریک تیمی تیم الرباب ہیں اور یہ ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو نہیں ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ابن عمر بن یزید بن الاسود بن عمر ہیں۔ اور ابراہیم التیمی اپنے والد یزید بن شریک بن طارق التیمی سے روایت کرتے ہیں، ان کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے سماع کیا ہے۔

یہ حدیث کتاب الحج میں از محمد بن بشار گزر چکی ہے اور کتاب الجزیہ میں از محمد بن وکیع گزر چکی ہے اور عنقریب کتاب الاعتصام میں از عمرو بن حفص آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "غیر هذه الصحیفة" یہ ترکیب میں حال واقع ہے یا دوسرا استثناء ہے اور حرف عطف مقدر ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے "التحیات المبارکات الصلوات" اصل میں ہے والصلوات۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اشیاء" یہ شیء کی جمع ہے اور غیر منصرف ہے۔ اور علامہ الکسائی نے کہا ہے کہ یہ کثرت استعمال کی وجہ سے منصرف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الجراحات" یعنی زخموں کے احکام کا بیان، اور دیت کے اونٹوں کی عمروں کا بیان۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عَیر" (عین پر زبر اور یاء ساکن ہے) یہ مدینہ منورہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الی ثَور" ثَور میں ثاء پر زبر ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے: یا تو ثور کا معنی ہے حیوانِ مشہور (بیل)، بعض راویوں نے ثور کی جگہ سفید جگہ چھوڑ دی کیونکہ ان کا خیال ہے کہ یہ خطاء ہے، کیونکہ مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس کا نام ثور ہو، اور بعض علماء نے کہا کہ یہ لفظ "کذا" سے کنایہ ہے، یعنی "عَیر" سے لے کر فلاں جگہ تک۔ اور صحیح یہ ہے کہ اس جگہ اصل لفظ "احد" ہے یعنی عَیر سے لے کر احد تک حرم ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ مدینہ میں ایک پہاڑ تھا جس کا نام ثور تھا، یا تو وہ احد پہاڑ تھا یا کوئی اور تھا، پھر اس کا نام مخفی ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حدثا" یعنی وہ کام جو نیا ہو اور برا ہو اور معروف نہ ہو، اور نہ سنت میں اس کی کوئی اصل ہو۔ (میں کہتا ہوں: یا تو اس سے مراد جرم ہے اور یا اس سے مراد بدعتِ سیئہ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "یا اس نے کسی محدث کو پناہ دی" یعنی وہ اس مُحدِث یا مجرم کو سزا دینے کے درمیان حائل ہو گیا۔ اور اگر یہ لفظ مُحدَث ہو یعنی دال پر زبر ہو تو اس سے مراد وہ جرم اور وہ بدعت ہوگی، اور اس کو پناہ دینے کا معنی ہوگا اس جرم یا بدعتِ سیئہ پر راضی ہونا اور اس پر صبر کرنا، کیونکہ جو شخص کسی بدعت پر راضی ہوا اور اس کے مرتکب کو اس پر برقرار رکھا اور اس کی مذمت نہیں کی تو اس نے اس کو پناہ دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لعنه الله" اس کا معنی ہے: اس کو ابتداءً جنت سے دور کر دے گا جو کہ دارِ رحمت ہے اور اس سے مطلقاً جنت سے دور کرنا مراد نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "صرف ولا عدل" صَرف سے مراد فرض ہے اور عدل سے مراد نفل ہے۔ دوسرا قول اس کے برعکس ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ صرف سے مراد توبہ اور عدل سے مراد فدیہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مَن والی قوما" یعنی جس نے اپنی وَلاء دوسرے لوگوں کو اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر دے دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وذمّة المسلمین" ذمة سے مراد عہد اور امان ہے، یعنی کسی مسلمان کے لیے کسی کافر کو امان دینا صحیح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ادناھم" یعنی مثلاً عورت یا غلام اگر کسی حربی کو امان دیں تو کسی اور مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس عہد کو توڑ دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فمن اخفر" یعنی جس نے اس کے ذمہ کو توڑا یا اس کے عہد کو توڑا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاسد مسلمان پر لعنت کرنا جائز ہے (میں کہتا ہوں: کسی معین فاسق مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اس پر بطورِ عموم لعنت کرنا جائز ہے جیسے کہا جائے: فاسقوں پر اللہ کی لعنت ہے یا جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ) اور جس نے اپنے مالکوں سے براءت کی تو اس کی شہادت جائز نہیں ہے اور اس پر توبہ کرنا اور استغفار کرنا لازم ہے کیونکہ شارع علیہ السلام نے اس پر لعنت فرمائی ہے اور جس پر شارع علیہ السلام لعنت فرمائیں وہ فاسق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الولاء کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۳۵، ۶۷۵۶، صحیح مسلم: ۱۵۰۶، سنن ترمذی: ۲۱۲۶، سنن نسائی: ۴۶۵۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۱۹، سنن ابن ماجہ: ۲۷۴۸، مسند احمد: ۴۵۴۶، موطا امام مالک: ۱۵۲۲، سنن دارمی: ۲۵۷۲)

صحیح البخاری: ۶۷۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں صراحۃً وَلاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرمایا ہے، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ وَلاء کی بیع اور ہبہ میں اذن کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جب مالک کو وَلاء کی بیع سے منع کر دیا گیا حالانکہ اس میں اس کو وَلاء کا عوض ملے گا اور ہبہ سے بھی منع کر دیا گیا حالانکہ اس میں مالک دوسرے پر احسان کرے گا تو پھر مالک کی اجازت سے وَلاء کی بیع اور ہبہ بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن ابی شیبہ نے از ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم یہ روایت کی ہے کہ محارب کی ایک عورت نے ایک

غلام آزاد کیا اور اس کی وَلاء عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ہبہ کر دی اور اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جائز قرار دیا اور شعبی اور قتادہ اور ابن المسیب سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس باب کی حدیث اس پر رد کرتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وَلاء کی بیع اور اس کو ہبہ کرنا اس باب کی حدیث سے منسوخ ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دوسروں کو وَلاء کی بیع اور ہبہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الوَلاء کی بیع اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۵۶)

الوَلاء کی بیع اور اس کو ہبہ کرنے کی ممانعت میں یہ دلیل ہے کہ غلام کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مالک کی وَلاء سے براءت کا اظہار کرے اور اپنے مالک سے براءت کا اظہار کرے اور انکار کرے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کچھ لوگوں سے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر موالات کی تو اس پر اللہ کی لعنت ہو''۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات کرے اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ اگر کوئی مرد اپنے غلام کو اجازت دے کہ وہ جس سے چاہے موالات کرے تو یہ جائز ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو امام عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے اور یہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کی روایت کے موافق ہے کہ انہوں نے اپنے غلاموں کی وَلاء حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی، اور ان کی وَلاء آج تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ فقہاء کی ایک جماعت عطاء کے قول کو جائز نہیں قرار دیتی اور نہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو جائز قرار دیتی ہے۔ اور امام مالک نے اس کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ایک مرد اپنے نفس کو اپنے مالک سے خرید لے کہ وہ جس کو چاہے اپنی وَلاء دے دے، تو امام مالک نے کہا: یہ جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے'' اور آپ نے وَلاء کی بیع اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی کیا تاویل ہوگی؟ کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جس نے اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر اپنی وَلاء کسی کو دی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث منسوخ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الوَلاء کی بیع اور اس کے ہبہ سے منع فرما دیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس حدیث میں ایسی تاویل ہو جیسی تاویل درج ذیل آیت میں ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ۔ (بنی اسرائیل: ۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کو قتل کرنا اس وقت ممنوع ہے جب رزق میں تنگی کا ڈر ہو، اور جب رزق میں تنگی کا ڈر نہ ہو تو پھر اولاد کو قتل کرنا مباح ہوا؟، حالانکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ اولاد کو قتل کرنا ہر حال میں عام ہے خواہ رزق کی تنگی کا ڈر ہو یا نہ ہو، اور اسی طرح درج ذیل آیت میں ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ (النساء: ۲۳) اور (تم پر حرام ہیں) تمہاری زیر پرورش بیٹیاں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس آیت کا ظاہر معنی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان بیٹیوں کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ تمہارے زیرِ پرورش ہوں یعنی تمہاری لے پالک ہوں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب وہ تمہاری لے پالک نہ ہوں اور تمہارے زیرِ پرورش نہ ہوں تو پھر وہ حرام نہیں ہیں حالانکہ تمام شہروں کے ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ لے پالک بیٹی اس کی ماں کے شوہر پر حرام ہوتی ہے خواہ وہ شوہر کے زیرِ پرورش نہ ہو۔ پس جب کہ شوہر کے زیرِ پرورش ہونا تحریم میں شرط نہیں ہے اور نہ ہی رزق کی تنگی کا خوف قتلِ اولاد کے لیے مباح ہے، پس اسی طریقہ سے دوسروں کو وَلاء کی بیع کرنا مطلقاً لعنت کا موجب ہوگا خواہ وہ مالکوں کی اجازت سے ہو یا مالکوں کی اجازت کے بغیر سے ہو، بلکہ لعنت ان کی طرف متوجہ ہوگی جو اپنی وَلاء دوسروں کو فروخت کر دیں گے یا ہبہ کر دیں گے، کیونکہ وَلاء کی بیع اور ہبہ سے مطلقاً منع فرمایا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۹۹۔ ۳۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۲۔ بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَ عَلٰى يَدَيْهِ
جب کوئی مرد دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام لائے تو اس کی وَلاء کا بیان

وَكَانَ الْحَسَنُ لَا يَرٰى لَهُ وِلَايَةً
اور حسن بصری یہ سمجھتے تھے کہ اس کے لیے وَلاء نہیں ہے۔

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ
اور نبی ﷺ نے فرمایا: وَلاء اس شخص کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

وَيُذْكَرُ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَفَعَهُ قَالَ: هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّةِ هٰذَا الْخَبَرِ۔
اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مرد تمام لوگوں سے زیادہ اس کی زندگی اور موت میں حق دار ہے۔ اور اس حدیث کی صحت میں اختلاف کیا گیا ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد کے ہاتھوں پر کسی شخص نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لیے وَلاء کے ثبوت میں اختلافِ فقہاء

فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جب ایک مرد کسی مسلمان مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے (تو آیا جس مرد کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لیے وَلاء ہوگی یا نہیں ہوگی، اور وَلاء کا معنی یہ ہے کہ جب اسلام لانے والا مر جائے اور اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے وہ اس کا وارث ہوگا)۔

پس حسن بصری اور شعبی نے کہا: جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اس کے لیے میراث ثابت نہیں ہوگی، اور اسلام لانے والے کی وَلاء مسلمانوں کے لیے ہوگی جب اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو۔ اور اس کی وَلاء اس کے لیے نہیں ہوگی جس کے ہاتھوں پر وہ اسلام لایا ہے اور یہی ابن ابی لیلیٰ، ثوری، امام مالک اور الاوزاعی، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔ اور ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے (جس میں مذکور ہے کہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے)۔

اور ابن وہب نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کے ہاتھ پر کوئی مرد اسلام لایا ہے اس کے لیے وَلاء نہیں ہوگی۔ اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور زیاد بن ابی سفیان سے۔

اور ابراہیم نخعی اور ایوب سے روایت ہے کہ اس کی وَلاء اس مرد کے لیے ہوگی جس کے ہاتھوں پر اس نے اسلام قبول کیا ہے اور وہ اس مرد کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے کی طرف اس وَلاء کو منتقل کر دے جب تک اس نے اس کی طرف سے دیت ادا نہیں کی۔ اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حسن بصری اس کے لیے وَلاء نہیں سمجھتے تھے''۔ یعنی حسن بصری اس کے لیے وَلاء نہیں سمجھتے تھے جس کے ہاتھوں پر کوئی مرد اسلام لایا ہے، ایک روایت میں وَلایت کا لفظ ہے اور دوسری روایت میں وَلاء کا لفظ ہے۔

حسن بصری کے نزدیک مولی الموالات کی وراثت کا عام مسلمانوں کے لیے ہونا

سفیان ثوری نے حسن بصری کے اس اثر کی جامع سفیان ثوری میں از مطرّف از الشعبی از یونس از ابن عبید از حسن بصری روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرد دوسرے مرد سے موالات کرتا ہے تو ان دونوں نے کہا کہ اس کی وراثت مسلمانوں کے درمیان ہوگی۔ سفیان ثوری نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔

حسن بصری کی اپنے موقف پر دلیل

اس حدیث سے حسن بصری نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے'' یعنی ولاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوتی ہے۔ (اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کے ہاتھوں پر کوئی مرد اسلام قبول کرتا ہے اس کے لیے وَلاء نہیں ہے۔)

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اس کی زندگی اور موت میں تمام لوگوں سے زیادہ حق دار ہے''۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تاویل

امام بخاری نے اس تعلیق کو صیغۂ مجہول کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "تمیم سے مروی ہے"۔ ان کا نام تمیم بن عوف الداری ہے، یہ بنو دار کی طرف نسبت ہے۔
اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس کے ہاتھ پر کوئی مرد اسلام لایا ہے وہ اسلام لانے والے کی زندگی میں اس کی مدد کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور اس کی وفات کے بعد اس کو غسل دینے کا اور اس کو کفن پہنانے کا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ اس کی وراثت کا زیادہ حق دار ہے، کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور "محیا" اور "مماۃ" دونوں مصدر میمی ہیں۔

بابِ مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے"۔ یعنی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیثِ مذکور کی صحت میں اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام ترمذی اور علامہ ابن المنذر کے اقوال سے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت کو ضعیف قرار دینا

پس امام بخاری نے کہا ہے کہ بعض علماء نے از ابن موہب روایت کی ہے جنہوں نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ اس حدیث کی عبدالعزیز بن عمر نے از ابن موہب روایت کی ہے اور ابن موہب معروف نہیں ہیں۔ اور ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ ان کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ اور اس کی مثل سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہوگی۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ابن موہب اور حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کے درمیان قبیصہ ہے اس کو یحییٰ بن حمزہ نے روایت کیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ قبیصہ کے ذکر میں متفرد ہیں اور ابو اسحاق السبیعی نے اس حدیث کو ابنِ موہب سے روایت کیا ہے اور اس میں حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے اور امام نسائی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: یہ حدیث مضطرب ہے، آیا یہ از ابن موہب از تمیم مروی ہے یا ان دونوں کے درمیان قبیصہ ہے؟ اور اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے از عبداللہ بن موہب، اور بعض نے کہا ہے ابنِ موہب۔ اور عبدالعزیز جو اس کے راوی ہیں وہ حافظ نہیں ہیں۔

علامہ عینی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ان ائمہ کے اعتراضات کے جوابات اس بحث کے آخر میں دیے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا بھی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر رد کرنا

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ اور امام نسائی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس روایت میں یہ واقع ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، وہ خطاء ہے۔ لیکن بعض

علماء نے اس کی توثیق کی ہے اور عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا تھا، اور ابوزرعہ الدمشقی نے اپنی تاریخ میں سندِ صحیح کے ساتھ اوزاعی سے روایت کی ہے کہ وہ اس حدیث کو رد کرتے تھے اور اس کی کوئی توجیہ نہیں سمجھتے تھے۔ (حافظ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی)۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ثبوت میں علامہ عینی کے دلائل

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی مذکور الصدر عبارت پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابوزرعہ دمشقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا مخرج حسن متصل ہے، اور امام اوزاعی پر رد کیا ہے، پس کہا: اور اس طرح نہیں ہے۔ اور میں نے اہلِ علم میں سے کسی کو نہیں دیکھا جنہوں نے اس حدیث کی مرفوعاً روایت کی ہو۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کی از ابن موہب از تمیم روایت کی ہے، پھر کہا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ اور الاربعۃ (امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ) نے اس حدیث کی الفرائض میں روایت کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس تبصرہ کا مطلقاً ذکر نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک علامہ عینی کے اس اعتراض کا جواب ممکن نہیں ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج ۲ ص ۴۴۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

فقہاء احناف کے موقف اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث

پس امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے از یزید بن خالد بن موہب الرملی، اور ہشام بن عمار الدمشقی، ان دونوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی اور وہ ابن حمزہ ہیں از عبد العزیز بن عمر، انہوں نے کہا: میں نے عبداللہ بن موہب سے سنا وہ حدیث بیان کرتے تھے عمر بن عبد العزیز از قبیصہ بن ذؤیب اور ہشام نے کہا از حضرت تمیم داری، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اور یزید نے کہا کہ بے شک حضرت تمیم رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! جو مرد مسلمانوں میں سے کسی دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے اس کے متعلق سنت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس کی زندگی اور موت میں حق دار ہے۔ (امام ابوداؤد کی روایت ختم ہوئی)۔ (سنن ابوداؤد: ۲۹۱۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۲، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۲)

اور امام ابوداؤد کی یہ عادت معلوم ہے کہ جب وہ کسی حدیث کی روایت کریں اور اس سے سکوت کریں تو ان کا سکوت ان کے نزدیک اس حدیث کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

اور امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ہمیں ابوکریب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی اور ابن نمیر نے اور وکیع نے از عبد العزیز از عبداللہ بن موہب، بعض علماء نے کہا: عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم الداری، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو مرد کسی دوسرے مسلمان مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے اس کے متعلق سنت کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت میں زیادہ حق دار ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۱۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۲)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو ہم صرف عبداللہ بن وہب کی حدیث سے پہچانتے ہیں اور اس کو ابنِ وہب بھی کہا جاتا ہے از حضرت تمیم الداری، اور بعض نے عبداللہ بن وہب اور حضرت تمیم داری کے درمیان قبیصہ بن ذویب کو داخل کیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، اس کی روایت یحییٰ بن حمزہ نے کی ہے از عبدالعزیز بن عمر، اور اس میں قبیصہ بن ذویب کا اضافہ کیا ہے۔ اور بعض اہلِ علم کا اس حدیث کے اوپر عمل ہے۔ (میں کہتا ہوں: فقہاء احناف نے اس حدیث پر عمل کیا ہے لیکن امام ترمذی نے اپنی عادت کے مطابق امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔ سعیدی غفرلہٗ)۔ نیز امام ترمذی نے کہا: اور یہ حدیث میرے نزدیک متصل نہیں ہے اور بعض فقہاء نے کہا ہے: اس کی میراث بیت المال میں رکھی جائے گی اور یہ امام شافعی کا قول ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بے شک وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ (سنن ترمذی ص ۸۳۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث میرے نزدیک متصل نہیں ہے، اس کا جواب عنقریب علامہ عینی کی عبارت میں آرہا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور امام نسائی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ہمیں عمرو بن علی ابوحفص نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن داؤد نے خبر دی از عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز از عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مشرکین میں سے ایک مرد مسلمانوں میں سے کسی مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت میں زیادہ حق دار ہے۔

(السنن الکبریٰ للنسائی رقم: ۶۳۸۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور امام نسائی نے اس حدیث کی دو دیگر سندوں کے ساتھ روایت کی ہے اور اس کی طرف کوئی تعارض نہیں کیا کہ ان راویوں کے متعلق کیا کہا گیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی، رقم: ۶۳۷۰، ۶۳۷۹، موسسۃ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے: ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز از عبداللہ بن موہب، انہوں نے کہا: میں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اہلِ کتاب کے اس مرد کے متعلق کیا حکم ہے جو دوسرے مرد کے ہاتھوں پر اسلام لائے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اس کی زندگی اور موت کا زیادہ حق دار ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۲، مسند احمد: ۱۶۹۴۲)

فقہاء احناف کی تائید میں امام طبری اور حافظ ابن عبدالبر کی روایات

اور جو چیز حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صحت کی تائید کرتی ہے، یہ وہ ہے جس کی امام ابن جریر طبری نے التہذیب میں روایت کی ہے: خصیف نے از مجاہد روایت کی، انہوں نے کہا کہ ایک مرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، پس اس نے کہا کہ ایک مرد میرے ہاتھوں پر مسلمان ہوا اور مرگیا اور اس نے ایک ہزار درہم چھوڑے، پس اس کی میراث کس کے لیے ہوگی؟ انہوں نے کہا: یہ بتاؤ اگر وہ کوئی جرم کرتا تو اس کا تاوان کون ادا کرتا؟ اس مرد نے کہا: میں ادا کرتا، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی وراثت بھی تمہارے لیے ہوگی۔ اس حدیث کی مسروق نے از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اور اس کو ابراہیم نخعی، ابن المسیب، مکحول اور عمر بن عبدالعزیز نے بھی روایت کیا ہے۔

اور الاستذکار میں لکھا ہوا ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبوں کا قول ہے اور ربیعہ کا اور اسی کی یحییٰ بن سعید نے کافر حربی کے متعلق روایت کی ہے جب وہ کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلے۔ اور حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے موالاۃ کی اجازت دی ہے اور اس کو وارث قرار دیا ہے اور اللیث نے از عطاء اور از الزہری اور از مکحول اسی کی روایت کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب

امام شافعی نے جو کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اس سے وہ ابوزرعہ الدمشقی کے کلام کا ارادہ کرتے ہیں جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کو امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا اور ائمہ اربعہ نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کی روایت کی ہے، کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ امام بخاری نے جب اس حدیث کا تعلیقاً ذکر کیا تو اس کے ضعف پر وثوق نہیں کیا۔ اور امام شافعی یہ کیسے کہتے ہیں کہ ابن موہب معروف نہیں ہیں حالانکہ ابنِ موہب سے عبدالعزیز بن عمر اور الزہری اور ان کے بیٹے زید بن عبداللہ اور عبدالملک بن ابی جمیلہ اور عمر بن مہاجر نے روایت کی ہے۔ اور صاحب ''الکمال'' نے کہا ہے کہ ابن موہب کو عمر بن عبدالعزیز نے فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا اور یہ تمام چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ابنِ موہب مجہول نہیں ہے نہ اس کی شخصیت مجہول ہے اور نہ اس کا حال مجہول ہے۔ اور ان کی شہرت اور ثقاہت کے لیے یہ کافی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کو فلسطین میں قضاء کے عہدہ پر فائز کیا تھا۔

اور یعقوب بن سفیان نے کہا: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن عمر نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ہیں از ابن موہب الہمدانی اور وہ بھی ثقہ ہیں، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی، اسی طرح الصریفینی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

اور امام شافعی نے یہ کس طرح کہا ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ابن موہب کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی یا نہیں، حالانکہ یعقوب بن سفیان کی جو روایت ابھی ذکر کی گئی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ ابنِ موہب نے تمیم سے سماع کیا ہے۔ اور انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے اور کیا بغیر ملاقات کے سماع کا تصور ہو سکتا ہے؟ اور امام شافعی کو جو یہ علم نہیں تھا کہ ابنِ موہب کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی ہے یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ امام شافعی کے علاوہ دوسروں کو ابنِ موہب کی حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا علم ہو۔ اور عبدالعزیز بن عمر جماعت کے رجال میں ثقہ ہیں۔ یحییٰ اور امام ابوداؤد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں اور یحییٰ سے روایت ہے کہ وہ ثبت ہیں۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ عبدالعزیز حافظ نہیں ہیں، ان کا یہ کلام ساقط الاعتبار ہے، کیونکہ اعتبار اس کا ہے کہ وہ ثقہ ہوں اور ان کا ثقہ ہونا ثابت ہے۔ اور محمد بن عمار نے کہا ہے: جو حفظ میں امام احمد کے مشابہ ہے وہ ثقہ ہے۔ اور اس بات میں لوگوں کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔

اور علامہ خطابی نے جو کہا ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، سو اس طرح نہیں ہے کیونکہ علامہ خطابی نے اس کے ضعف کی وجہ بیان نہیں کی۔

امام ترمذی کے اس اعتراض کا جواب کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث متصل نہیں ہے

اور امام ترمذی کا یہ قول کہ اس حدیث کی اسناد متصل نہیں ہے، امام ترمذی کے اس قول کو یہ چیز رد کرتی ہے کہ ابن موہب نے اس حدیث کو حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ سنا ہے۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ ابن موہب نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نہیں سنا اور نہ وہ ان سے ملے، پس ان کے درمیان واسطہ قبیصہ ہے اور وہ ثقہ راوی ہے اور انہوں نے یقینی طور پر حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا۔ پس ان کا اس حدیث کو عن سے روایت کرنا اتصال پر محمول ہے۔

علامہ ابن المنذر کے اس قول کا جواب کہ یہ حدیث مضطرب ہے

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ علامہ ابن المنذر کا یہ کلام بجائے خود مضطرب ہے، کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، پس اس سے کوئی ضرر نہیں ہوگا کہ آیا یہ حدیث از ابن موہب از تمیم مروی ہو یا ان کے درمیان راوی قبیصہ ہو، اور جب حدیث کے راوی ثقہ ہوں تو پھر اضطراب سے ضرر نہیں ہوتا۔

اور امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ ابواسحاق سبیعی کی حدیث از ابن موہب غریب ہے، اس کی روایت میں ابن موہب سے ان کا بیٹا یونس متفرد ہے۔ اور ابوبکر الختلی بھی اس میں متفرد ہے۔ پس امام دارقطنی نے یہ افادہ کیا ہے کہ عبدالعزیز کا ایک متابع ہے اور وہ ابواسحاق ہے اور غرابت، ضعف پر دلالت نہیں کرتی۔ کبھی غرابت حدیثِ صحیح میں بھی ہوتی ہے اور جو سند دارقطنی نے ذکر کی ہے وہ امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

اور اس عبارت میں بھی ابن المنذر کے قول کا رد ہے اور امام نسائی کیسے اشارہ کریں گے کہ جس روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابن موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے وہ خطاء ہے۔ پھر ابن منذر نے کہا کہ بعض محدثین نے اس حدیث کی توثیق کی ہے، پس ابن منذر کا آخر کلام ان کے اول کلام کے مناقض ہے اور وہ اس حدیث پر خطاء کا حکم کیسے لگائیں گے حالانکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ دو ثقہ اور جلیل محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابنِ موہب نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا سماع کیا ہے؟

اور ابن بنت منیع نے ایک جماعت سے روایت کی ہے از عبدالعزیز اور اس میں تصریح ہے کہ میں نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سنا، پس جائز ہے کہ یہ روایت از قبیصہ از حضرت تمیم رضی اللہ عنہ ہو اور از حضرت تمیم بلاواسطہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۶۔۳۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ جَارِيَةً تُعْتِقُهَا فَقَالَ أَهْلُهَا نَبِيعُكِهَا عَلَى أَنَّ وَلَاءَهَا لَنَا فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ لَا يَمْنَعُكِ ذَلِكِ فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از مالک از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے ارادہ کیا کہ وہ ایک باندی کو خرید کر آزاد کریں، اس باندی کے مالکوں نے کہا: ہم آپ کو یہ باندی فروخت کر دیں گے اس شرط پر کہ اس کی وَلاء ہمارے لیے ہو، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم کو ان کی یہ بات اس باندی کو خریدنے سے منع نہ کرے، کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ، نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے: "وَلاء صرف اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے"۔ اس حدیث میں لام اختصاص کے لیے ہے، یعنی وَلاء اس کے ساتھ مخصوص ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے اور اس کو آزاد کرنے میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، علامہ کرمانی شافعی کی اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی کی شرح کا رد اور وَلاء کا آزاد کرنے والے کے ساتھ مختص نہ ہونا

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پر کسی مرد نے اسلام قبول کیا اس شخص کے لیے وَلاء نہیں ہوگی، کیونکہ وَلاء اس کے ساتھ مختص ہے جس نے غلام کو آزاد کیا اور اس کا اختصاص لام کے سبب سے ہے۔ (کیونکہ حدیث میں ہے: "الوَلاء لمن اعتق") لیکن لام کے اختصاص کے لیے ہونے پر اعتراض ہے کیونکہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لام استحقاق کے لیے ہو، جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ (المطففین: ۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے شدید عذاب کا استحقاق ہے ۝

اور آزاد کرنے والے کا وَلاء کا مستحق ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا بھی وَلاء کا مستحق ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لام صیرورت کے لیے ہو (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونا)، خلاصہ یہ ہے کہ وَلاء آزاد کرنے والے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور آزاد کرنے والے کی طرف وَلاء کا منتقل ہونا اس کے منافی نہیں ہے کہ وَلاء اس کے علاوہ کسی اور کی طرف منتقل ہو جائے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حدیث اس سے پہلے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۳۹۶۔۴۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے خبر دی از منصور از

اشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطَ أَهْلُهَا وَلَاءَهَا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ قَالَتْ فَأَعْتَقْتُهَا قَالَتْ فَدَعَاهَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَخَيَّرَهَا مِنْ زَوْجِهَا فَقَالَتْ لَوْ أَعْطَانِي كَذَا وَكَذَا مَا بِتُّ عِنْدَهُ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا۔

ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا تو اس کے مالکوں نے اس کی وَلاء کی شرط لگائی، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تم اس کو آزاد کردو، کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو چاندی کو عطا کرتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: پس میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کردیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور ان کو ان کے شوہر کے متعلق اختیار دیا (کہ وہ ان کے نکاح میں رہیں یا نہ رہیں)، تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اگر وہ مجھے اتنا اور اتنا مال دیں، تب بھی میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گی، سو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت میں وہی کلام ہے جو اس سے پہلی حدیث کی مطابقت میں کلام تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ الغسانی نے کہا ہے: یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور ابوذر نے الکشمیھنی سے روایت کی ہے کہ یہ محمد بن یوسف البیکندی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور کتاب الاستقراض میں ہے "حدثنا محمد حدثنا جریر" اور اس کتاب میں محمد از جریر صرف ان دو جگہوں پر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم، یہ النخعی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاسود، یہ ابن یزید ہیں جو ابراہیم کے ماموں ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الْوَرِق" اس کا معنی ہے چاندی اور باقی امور ظاہر ہیں۔ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس

حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ایک شخص کسی مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے تو اس شخص کی وَلاء کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہلِ علم نے کہا ہے: کسی مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ مرد اس شخص کا مولیٰ نہیں ہو جاتا۔ یہ قول شعبی اور حسن بصری سے مروی ہے۔ اور امام مالک بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ اور الاوزاعی، سفیان ثوری اور ابن ابی لیلیٰ اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور دوسری بار انہوں نے اس کے جواب میں توقف کیا ہے۔

(المدونہ ج ۳ ص ۳۶۵، باب فی ولاء الذمی یسلم وجنایتہ، کتاب الام ج ۴ ص ۱۲۶، باب الولاء والحلف، مسائل احمد واسحاق روایت الکوسج: ۳۱۹۸)

علامہ ابوبکر بن المنذر الشافعی کہتے ہیں: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے: ''الولاء لمن اعتق'' وَلاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ وَلاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔

اور بعض علماء نے کہا ہے: جب کوئی مرد دوسرے مرد سے موالات کرے اور وہ اس کے ہاتھوں پر اسلام قبول کرے تو وہ اس کا تاوان اور اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا۔ یہ قول النخعی سے مروی ہے اور النخعی سے دوسرا قول اس طرح منقول ہے جب ایک مرد دوسرے مرد کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلے، اور جس کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے وہ اس کا مولیٰ ہو جائے تو وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت یا تاوان ادا کرے گا۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی وراثت دوسرے کی طرف منتقل کردے جب تک اس نے اس کی طرف سے تاوان نہ ادا کیا ہو۔ اور جب اس نے اس کی طرف سے تاوان ادا کردیا تو اب اس کے لیے اس کی وراثت کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا مذہب ہے۔

(المبسوط للشیبانی ج ۴ ص ۱۸۲۔۱۸۳)

۶۹۷۷۔ از عبدالرزاق (رقم الحدیث: ۹۸۷۲) از عبداللہ بن مبارک، انہوں نے کہا: مجھے عبدالعزیز بن عمر نے خبر دی از عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مرد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا تو وہ اس کا مولیٰ ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۱۱۲، مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۲، سنن سعید بن منصور: ۲۰۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۴۱۲)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر علامہ ابن المنذر کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

علامہ ابوبکر ابن المنذر نے کہا ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بعض محدثین نے جرح کی ہے، انہوں نے کہا: اس حدیث کی عبدالعزیز کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کی۔ اور عبدالعزیز ایسا شیخ ہے جو اہلِ اتقان میں سے نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ عبدالعزیز بن عمر کے متعلق لکھتے ہیں:

عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم الاموی ابومحمد المدنی، ان سے صحاحِ ستہ کے تمام مصنفین حدیث روایت کرتے ہیں

ابن معین نے کہا کہ عبدالعزیز بن عمر ثقہ ہیں اور ابن عیاض نے ایک مرتبہ کہا کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح

امام نسائی نے کہا اور امام ابوداؤد نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں۔ اور ابنِ معین نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ ثبت ہے اور ابن عمار نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں اور ان کے متعلق لوگوں میں اختلاف نہیں ہے۔ اور یعقوب بن سفیان نے کہا: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز نے حدیث بیان کی اور وہ ثقہ ہیں اور ابوزرعہ نے کہا: ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں اور ابوحاتم نے کہا: ان کی حدیث لکھی جائے گی، اور میمون بن ابی مسہر نے کہا: یہ ضعیف الحدیث ہیں۔ اور امام ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے ان سے خطا ہو جاتی تھی لیکن ان کی حدیث معتبر ہے جب کہ ان کے علاوہ راوی ثقہ ہو۔ یہ ۱۴۷ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ خطابی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ یہ اہل حفظ اور اتقان میں سے نہیں ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۰۷۔۳۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ، الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۳۸۹، کتاب الثقات ج ۷ ص ۱۱۴)

جب یہ واضح ہو گیا کہ عبدالعزیز بن عمر صحاح ستہ کے راوی ہیں اور زیادہ تر محدثین نے ان کی تعدیل کی ہے اور صرف دو تین نے ان پر جرح کی ہے، سو ان کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ تعدیل جرح پر مقدم ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز علامہ ابوبکر بن المنذر نے کہا ہے:

نیز ان کی اس حدیث کی روایت مضطرب ہے، پس ان سے وکیع نے روایت کی (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۳، سنن ابن ماجہ: ۲۷۵۲)، اور ابونعیم نے روایت کی (مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۳، سنن دارمی: ۳۰۳۳، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۹۶) از عبداللہ بن موہب، انہوں نے کہا: میں نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔

اور ان سے شریک نے اور حفص بن غیاث نے روایت کی (المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۲۷۲) از ایک مرد از حضرت تمیم رضی اللہ عنہ۔

اور اس حدیث کی یحییٰ بن حمزہ نے ان سے روایت کی (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۱۰، المستدرک ج ۲ ص ۲۱۹، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۹۷) از عبداللہ بن موہب از قبیصہ بن ذویب از حضرت تمیم رضی اللہ عنہ۔

اور یہ معلوم نہیں کہ قبیصہ نے حضرت تمیم رضی اللہ عنہ سے سماع کیا تھا یا نہیں، پس جب اس حدیث کی سندیں مضطرب ہو گئیں تو ہمیں یہ خوف ہوا کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث ظاہر ہے کہ وَلاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرے وہ استدلال کے زیادہ لائق ہے۔ اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ وَلاء صرف آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۷ ص ۵۶۰۔۵۶۱ ملخصاً وملتقطاً، دارالفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور از عبدالعزیز بن عمر از عبداللہ بن موہب از حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سندِ صحیح متصل کے ساتھ ثابت ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل اور امام دارمی اور امام بیہقی وغیرہم نے اپنی اپنی مصنفات میں روایت کی ہے۔

اب اگر دوسری سند کے ساتھ اس میں قبیصہ بن ذویب از تمیم کا بھی ذکر ہے تو یہ ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ جب ایک سند کے ساتھ اس حدیث کا اتصال اور اس کی صحت ثابت ہو گئی تو اگر دوسری سند میں اتصال یا انقطاع ہو تو وہ ہمیں مضر نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان کرنے والے کو وَلاء دینے کے ثبوت میں فقہاء حنبلیہ کے دلائل

پہلی دلیل: جس شخص نے اس مرد کو کفر سے نجات دی ہے اس کا اس مرد پر اس سے زیادہ احسان ہے جس نے اس کو غلامی سے آزاد کیا۔ (جب کہ غلامی سے آزاد کرنے والے کو وَلاء دی جاتی ہے اور اس کو وارث بنایا جاتا ہے تو جس شخص نے اس کو مسلمان کر کے اس کو کفر سے نجات دی ہے وہ بطریقِ اولیٰ اس کا مستحق ہے کہ اس کو وَلاء دی جائے اور اس کو اس مرد کا وارث بنایا جائے)۔

دوسری دلیل: جب ہم اس شخص کو اس مرد کی وَلاء دیں گے جس شخص کے ہاتھ پر اس مرد نے اسلام قبول کیا ہے تو وہ اس سے خاص ہے کہ ہم اس مرد کے ترکہ کو بیت المال میں داخل کر دیں، کیونکہ جب ہم یہ کہیں گے کہ وہ شخص اس مرد کا وارث نہیں ہوگا تو اس کا ترکہ بیت المال کی طرف لوٹ جائے گا اور جب اس کا ترکہ بیت المال کی طرف لوٹ جائے گا تو اس کا ترکہ عام مسلمانوں کے لیے ہوگا۔ اور جس شخص نے اس پر احسان کیا ہے اور اس مرد کو اسلام کی رہنمائی کی ہے حتیٰ کہ وہ اسلام میں داخل ہو گیا تو وہ عام مسلمانوں کی بہ نسبت خاص ہے، پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور ان دو دلیلوں سے اس حدیث پر عمل کرنا راجح ہے۔

لیکن جب یہ حدیث صحیح نہ ہو تو ہم اس پر عمل نہیں کریں گے لیکن تم دیکھتے ہو کہ اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے اور شیخ ابن تیمیہ حنبلی نے یہ کہا ہے کہ اس شخص کو وارث بنایا جائے گا جس کے ہاتھوں پر وہ مرد اسلام لایا ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

مسلمان کرنے والے کو وَلاء دینے کے ثبوت میں فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس کہا کہ ایک مرد میرے پاس آتا ہے، پس وہ میرے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے اور مجھے اپنا مولیٰ بناتا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ تمہارا بھائی ہے اور تمہارا مولیٰ ہے اور تم اس کی زندگی میں اور اس کی موت میں زیادہ حق دار ہو۔

(صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب: ۲۲، تعلیقاً، سنن ابوداؤد: ۲۹۱۸، سنن ترمذی: ۲۱۱۲، سنن دارمی: ۳۰۳۳، مسند احمد: ۱۶۹۴۷)

اس کی زندگی میں زیادہ حق دار ہونے کا معنی یہ ہے کہ تم اس کی دیت اور تاوان کو ادا کرو گے اور موت میں اس کے زیادہ حق دار ہونے کا معنی یہ ہے کہ تم اس کے وارث ہو گے۔ اور بطریقِ نظر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب وہاں پر اس مرد کا اور کوئی قرابت دار نہیں ہے تو ضرورت پیش آئی کہ اس مرد کے حال کی طرف نظر کی جائے، پس جب اس مرد نے کسی شخص سے موالات کا عقد کیا تو یہ اس کا خالص اپنے حق میں تصرف ہے، پس یہ تصرف صحیح ہے جیسا کہ تہائی مال میں وصیت صحیح ہوتی ہے۔

اور اسلام میں حکماً حیات کا معنی ہے جیسا کہ آزاد کرنے میں ہے، پس جس طرح آزاد کرنے والے کے لیے اس پر وَلاء ثابت ہوتی ہے جس کو آزاد کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کو زندہ کرنے کا کسب کرتا ہے، پس اسی طرح جس شخص نے اس کو اسلام کی دعوت دی اس کے لیے بھی وَلایت ثابت ہوگی کیونکہ وہ بھی اس کو زندہ کرنے کا سبب ہے۔

لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ جو شخص دوسرے کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اس نے

اس کو مولیٰ بنالیا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ محض مسلمان کرنے سے اس کے لیے ولایت ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس کو مولیٰ نہ بنائے۔ اور یہ آزاد کرنے والے کی وَلاء کے خلاف ہے کیونکہ اس کا سبب آزاد کرنا ہے اور یہ آزاد کرنے والے سے پایا گیا ہے اور یہاں پر اس کی حیات کا سبب اسلام ہے اور یہ وہ ہے جو از خود اسلام لایا ہو، پس جس شخص نے اس کے اوپر اسلام کو پیش کیا وہ اس کی حیات کے کسب کا سبب ہے، پس اس کے لیے وَلاء اس وقت تک ثابت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اس کو مولیٰ نہ بنائے۔

(المبسوط ج ۳۰ ص ۵۲۔ ۵۳ ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابٌ: مَا يَرِثُ النِّسَاءُ مِنَ الْوَلَاءِ — عورتوں کے وَلاء کے وارث ہونے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورتیں وَلاء کی وارث ہوتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۵۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ أَرَادَتْ عَائِشَةُ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَقَالَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ إِنَّهُمْ يَشْتَرِطُونَ الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ لوگ وَلاء کی شرط لگاتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بریرہ کو خرید لو، کیونکہ ولاء صرف اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب عورتوں کو آزاد کیا جائے تو وہ وَلاء کی مستحق ہوتی ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے اور یہ ابن یحییٰ ہیں۔

یہ حدیث اس کی مثل ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰۔۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۰۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الْوَرِقَ وَوَلِيَ النِّعْمَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے خبر دی از سفیان از منصور از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو چاندی عطا کرتا ہے اور اس (کو آزاد کرنے کی) نعمت کا ولی ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۶، ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۱۶۹، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

صحیح البخاری: ۶۷۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلے بیان کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن سلام، یہ محمد بن سلام ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ثوری ہیں اور باقی رجال ظاہر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولی النعمة" اس کا معنی ہے: جو غلام یا باندی کی قیمت ادا کرنے کے بعد اس کو ادا کرتا ہے، کیونکہ نعمت کی جس ولایت کی وجہ سے وہ باندی میراث کی مستحق ہوتی ہے وہ صرف اس کو آزاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور ہر وہ جگہ جہاں پر یہ مذکور ہوتا ہے کہ ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے، اس سے مراد مرد اور عورت ہے جس کو اسی طرح آزاد کیا گیا ہے۔ پس جب کوئی مرد یا عورت کسی غلام کو آزاد کریں تو اس کی ولاء ان دونوں کے لیے ثابت ہوگی اور اس کی اولاد کی ولاء ان کے مردوں اور عورتوں کے لیے ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۵۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں کے لیے وَلاء کے ثبوت میں فقہاء کا اختلاف

اس حدیث میں مذکور ہے "الولاء لمن اعتق" اور "مَن" کا لفظ مذکر اور مونث، واحد اور جمع سب کو شامل ہے، مگر فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک عورتوں کے لیے وَلاء نہیں ہوتی۔

ابہری نے کہا ہے: یہ اہلِ مدینہ کے سات فقہاء اور اہلِ کوفہ کے فقہاء کا قول ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے سوا اس کے جو مسروق سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ عورتیں وَلاء کی اس طرح وارث ہوں گی جس طرح وہ مال کی وارث ہوتی ہیں۔

اور علامہ ابن المنذر نے طاؤس سے اس کی مثل روایت کی ہے اور ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے:

وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ (النساء:۷) اور عورتوں کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم ہو یا زیادہ۔

اور یہ قول شاذ ہے، اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اور عورتیں وَلاء کی اس لیے وارث نہیں ہوں گی کیونکہ وَلاء کی وراثت عصبہ ہونے کی جہت سے ہوتی ہے اور عورت عصبہ نہیں ہوتی۔ اور جب کہ عورت ذوی الفروض کی حیثیت سے پورے مال کا احاطہ نہیں کرتی جب کہ ذوی الفروض عصبہ سے زیادہ موکد ہے تو پھر وہ وَلاء کی بھی وارث نہیں ہوگی۔

فصل

ہر وہ جگہ جہاں پر وَلاء آزاد کرنے والے مرد کے لیے ہوتی ہے تو آزاد کرنے والی عورت بھی اسی طرح ہوگی۔ پس جب مرد کسی غلام کو آزاد کرے یا عورت کسی غلام کو آزاد کرے تو ان دونوں کے لیے وَلاء ثابت ہوگی اور اس کی اولاد کے لیے بھی وَلاء ثابت ہوگی خواہ وہ مذکر ہوں یا مونث ہوں۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے: بیٹیوں کی اولاد کے لیے وَلاء ثابت نہیں ہوگی خواہ بیٹیوں کی اولاد مذکر ہو یا مونث۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۵۶۳۔ ۵۶۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

آزاد کرنے والی عورت کی وفات کے بعد اس کی وَلاء کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ، لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ایک عورت کسی غلام کو آزاد کرے، پھر آزاد کرنے والی عورت فوت ہو جائے اور اس نے اولاد چھوڑی ہو مذکر بھی اور مونث بھی اور اپنے بیٹے کی طرف سے عصبات بھی چھوڑے ہوں، پھر وہ غلام فوت ہو جائے جس کو اس عورت نے آزاد کیا تھا اور ان کے سوا اس کا اور کوئی وارث نہ ہو تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: اس غلام کا مال اس آزاد کرنے والی کے عصبات کے لیے ہوگا نہ کہ اس کی اولاد کے لیے، کیونکہ اس کے عصبات ہی وہ ہیں جو اس کی طرف سے اور اس کے غلاموں کی طرف سے تاوان ادا کرتے ہیں، پس جس طرح وہ اس عورت کی طرف سے تاوان ادا کرتے ہیں، اسی طرح سے اس

عورت کے غلام وارث ہوں گے۔

بعض فقہاء نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے آزاد شدہ غلاموں کے متعلق نزاع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظریہ یہ تھا کہ وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بہ نسبت ان کی وَلاء کے زیادہ حق دار ہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے عصبہ تھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کے بیٹے تھے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل حدیث ہے:

علامہ ابن المنذر بیان کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد العزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ابراہیم کہ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں اور انہوں نے اپنا ایک آزاد شدہ غلام چھوڑا، پس اس غلام کی وَلاء کے متعلق حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما میں نزاع ہوا اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پیش کیا، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے کے حق میں وَلاء کا فیصلہ کیا حتیٰ کہ وہ سب فوت ہو جائیں اور تاوان کی ادائیگی کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیا۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۶۲۵۵، سنن سعید بن منصور: ۲۷۴)

یہ الشعبی، الزہری اور قتادہ کا قول ہے۔

اور امام مالک بن انس، سفیان ثوری، الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل، اسحاق، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ (المدونہ ج ۳ ص ۳۸۲، ۳۷۷)

اور زہری اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ وَلاء اس عورت کے بیٹے کے لیے ہوگی اور جب وہ بیٹے ختم ہو جائیں گے تو پھر وَلاء ان کی ماں کے عصبہ کے لیے ہوگی۔ اسی طرح سفیان ثوری، امام مالک، امام احمد، اسحاق اور فقہاء احناف کا قول ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۷ ص ۵۴۱۔ ۵۴۲، دار الفلاح، ریاض ۱۴۳۰ھ)

جب عورت کسی غلام کو آزاد کرے، پھر فوت ہو جائے اور وہ اپنے بیٹے اور باپ کو چھوڑے، پھر وہ غلام بھی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت میں امام ابو یوسف کا امام ابوحنیفہ اور امام محمد سے اختلاف

شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی عورت کسی غلام کو آزاد کرے، پھر وہ عورت فوت ہو جائے اور وہ اپنے بیٹے کو چھوڑے اور اپنے باپ کو چھوڑے، پھر وہ غلام مر جائے تو اس کی وراثت خصوصاً اس آزاد کرنے والی عورت کے بیٹے کے لیے ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک، اور یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے، پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا کہ اس کے باپ کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اور باقی اس کے بیٹے کے لیے ہوگا۔

امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ باپ بیٹے کی طرح عصبہ ہوتا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ باپ اس وقت عصبہ ہوتا ہے جب بیٹا نہ ہو اور وَلاء کی وراثت کا استحقاق عصبہ ہونے پر موقوف ہے اور بیٹے کا وجود باپ کے میراث سے محروم ہونے کا بالکل موجب نہیں ہے۔

رہا قیاس تو اس کا تقاضا وہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ تعالیٰ کا قول ہے، کیونکہ آزاد کرنے والے کا عصبہ آزاد کرنے والے کی موت کے بعد اس آزاد کردہ کی میراث میں قائم مقام ہوتا ہے اور بیٹا عصبہ ہے نہ کہ باپ، اور باپ کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے چھٹا حصہ ملے گا اور بطور عصبہ کے نہیں ملے گا۔ اور یہ ایسا ہے جیسے بیٹی باپ کے ساتھ ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے نصف ترکہ کی مستحق ہوتی ہے اور یہ اس بیٹی کے لیے آزاد کرنے والے کی وراثت میں باپ کے ساتھ مزاحم نہیں ہوگی۔

(المبسوط ج ۸ ص ۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابٌ: مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَابْنُ الْأُخْتِ مِنْهُمْ

کسی قوم کے آزاد کردہ غلام کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا اور اسی طرح کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی قوم کے آزاد کردہ غلام کی نسبت بھی اس قوم کی طرف ہوگی اور اسی سے میراث ہوگی۔ اور "امام بخاری نے کہا: کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اسی قوم سے ہوگا" یعنی وہ بھانجا بھی اس قوم کا وارث ہوگا جس طرح ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: رہا یہ کہ کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اس قوم سے ہوتا ہے تو یہ قول اہل مدینہ کے مذہب پر محمول ہے کہ ان کا بھانجا بھی ان کے آزاد کردہ میں سے ہے۔ اور اہل عراق جو ذوی الارحام کو وارث نہیں بناتے، وہ کہتے ہیں: کسی قوم کا بھانجا اس قوم سے شمار ہوتا ہے، وہ ان کا وارث ہوگا اور وہ لوگ اس کے وارث نہیں ہوں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ وَقَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ أَوْ كَمَا قَالَ۔ (تحفۃ الاشراف: ۱۲۴۴، ۱۵۹۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاویہ بن قرۃ نے اور قتادہ نے از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی قوم کا آزاد کردہ غلام بھی ان ہی میں سے ہوتا ہے یا جس طرح آپ نے فرمایا۔

صحیح البخاری: ۶۷۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ کسی قوم کا آزاد کردہ غلام بھی اسی قوم سے ہوتا ہے۔

یہ حدیث اسی طرح ہے کہ آدم نے از شعبہ روایت کی ہے اور اکثر راویوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث از شعبہ از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ أَوْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی قوم کا بھانجا ان ہی میں سے ہوتا ہے یا فرمایا ان ہی کے نفسوں میں سے ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۲۸، ۶۷۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۵۹، سنن ترمذی: ۳۹۰۱، سنن نسائی: ۲۶۱۱، سنن ابوداؤد: ۵۱۲۲، مسند احمد: ۱۲۹۰۹، سنن دارمی: ۲۵۲۷)

صحیح البخاری: ۶۷۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت باب کے عنوان کے دوسرے جز میں ہے کہ کسی قوم کے بھانجے کا شمار اس قوم سے ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیث ابوالولید ہشام بن عبدالملک سے مروی ہے، یہاں پر اس کا مختصر ذکر کیا ہے اور مناقب قریش میں اس کو مکمل ذکر کیا ہے اس باب میں ''ابن اخت القوم ومولی القوم منهم'' وہاں پر یہ حدیث اس طرح ہے: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً انصار کو بلایا، پس آپ نے فرمایا: کیا تم میں تمہارے علاوہ بھی کوئی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! صرف ہمارا بھانجا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی قوم کے بھانجے کا شمار بھی اس قوم سے ہوتا ہے۔

بھانجے کی وراثت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

جن فقہاء کے نزدیک ذوی الارحام وارث ہوتے ہیں انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

قاضی شریح، الشعبی، النخعی، مسروق، علقمہ بن الاسود، طاؤس، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، الحسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد بن حنبل، اسحاق، یحییٰ بن آدم، ضرار بن صرد اور نوح بن دراج وغیرہم ائمہ کا یہی موقف ہے۔ اور یہی عامۃ الصحابہ کا

قول ہے، ان میں سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود اور زیادہ مشہور روایت کے مطابق حضرت ابن عباس، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم ہیں، جیسا کہ قاضی ابو حازم نے کہا ہے۔

اور حضرت عثمان بن عفان، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ ذوی الارحام کے لیے میراث نہیں ہے، پس جو شخص فوت ہو گیا اور اس نے ذوی الفروض میں سے کوئی وارث نہیں چھوڑا اور نہ کوئی عصبہ چھوڑا، پس اس کا تمام مال بیت المال کو دیا جائے گا۔ امام مالک، الاوزاعی، مکحول، سعید بن المسیب اور امام شافعی نے اسی قول کو اختیار کیا۔ اور اہلِ مدینہ اور اہل الظاہر کا بھی یہی قول ہے مگر امام شافعی کے اصحاب آج کل اہل التنزیل کے قول کے مطابق ذوی الارحام کے وارث ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ بیت المال فاسد ہو چکا ہے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۱۔ ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۵ـ بَابُ: مِيرَاثِ الْأَسِيرِ

قیدی کی وراثت کا بیان

قَالَ: وَكَانَ شُرَيْحٌ يُوَرِّثُ الْأَسِيرَ فِي أَيْدِي الْعَدُوِّ وَيَقُولُ: هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ۔

امام بخاری نے کہا کہ قاضی شریح اس قیدی کو وارث بناتے تھے جو دشمن کی قید میں ہو اور کہتے تھے کہ وہ وراثت کا زیادہ محتاج ہے۔

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَجِزْ وَصِيَّةَ الْأَسِيرِ وَعَتَاقَهُ وَمَا صَنَعَ فِي مَالِهِ مَا لَمْ يَتَغَيَّرْ عَنْ دِينِهِ فَإِنَّمَا هُوَ مَالُهُ يَصْنَعُ فِيهِ مَا يَشَاءُ۔

اور عمر بن عبدالعزیز نے کہا: قیدی کی وصیت کو نافذ کرو اور اس کے آزاد کرنے کو، اور جو کچھ اس نے اپنے مال میں تصرف کیا ہے جب تک وہ اپنے دین سے متغیر نہ ہو، کیونکہ وہ اس کا مال ہے وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس قیدی کی وراثت کا حکم بیان کیا گیا ہے جو دشمن کی قید میں ہو۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

پس سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ اس قیدی کو وارث نہیں بنایا جائے گا جو دشمن کی قید میں ہو، اس کی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے سعید بن المسیب سے روایت کی ہے اور ان کی سعید بن المسیب سے دوسری روایت یہ ہے کہ اس کو وارث بنایا جائے گا اور الزہری سے بھی اسی کی مثل دو روایتیں ہیں۔ اور الزہری سے ایک روایت یہ ہے کہ قیدی کے لیے اس کے مال میں سے صرف تہائی جائز ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اکثر علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ قیدی کے لیے جب کوئی میراث واجب ہو تو اس کو موقوف رکھا جائے، یہ امام مالک اور فقہاء احناف اور امام شافعی اور جمہور کا قول ہے۔ اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ قیدی جب مسلمان ہو تو وہ اس حدیث کے عموم میں داخل ہے "جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لیے ہے"۔ اور قیدی بھی ان مسلمانوں میں سے ہے جن کے اوپر مسلمانوں کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس کی بیوی کا نکاح نہیں کیا جائے گا، اور جب تک اس کی حیات ثابت ہو اور اس کی رہائش کی جگہ کا علم ہو تو اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ پس جب اس کی خبر منقطع ہو جائے

اور اس کا حال معلوم نہ ہو تو پھر وہ مفقود ہے اور اس پر مفقود کے احکام جاری ہوں گے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کے شروع میں مذکور ہے "قال" صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں یہ لفظ "قال" نہیں ہے، اور برتقدیر وجود "قال" کے فاعل امام بخاری ہیں، یعنی امام بخاری نے کہا کہ شریح بن الحارث القاضی الکندی الکوفی اس قیدی کو وارث نہیں بناتے تھے جو دشمن کے ہاتھوں میں ہو۔ اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ اور امام دارمی نے سندِ موصول کے ساتھ از داؤد بن ابی ہند از شعبی از شریح روایت کی ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے کہا: قیدی کی وصیت کو اور اس کے آزاد کرنے کو نافذ کرو اور جو تصرف اس نے اپنے مال میں کیا ہے جب تک کہ وہ اپنے دین پر قائم ہو، کیونکہ یہ اس کا مال ہے وہ اس میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

یہ تعلیق اس ابہام کو واضح کرتی ہے جو باب کے عنوان میں ہے۔ امام عبد الرزاق نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ از معمر از اسحاق بن راشد روایت کی ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے ان کی طرف لکھا کہ قیدی کی وصیت کو پورا کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۲۔ ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيٍّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عدی از ابو حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جس نے بال بچوں کو چھوڑا تو ان کی کفالت ہمارے ذمہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۹۸، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۴۷۸۱، ۵۳۷۱، ۶۷۳۱، ۶۷۴۵، ۶۷۶۳، صحیح مسلم: ۱۶۱۹، سنن ترمذی: ۱۰۷۰، سنن نسائی: ۱۹۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۵، مسند احمد: ۹۵۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ جو قیدی دشمن کی قید میں ہو، اس کا ترکہ بھی اس حدیث کے عموم میں داخل ہے "جس نے مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبد الملک ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عدی، یہ ابن ثابت الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، یہ سلمان الاشجعی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الاستقراض میں بھی ابوالولید کی روایت سے گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں ''کلًّا'' (کاف پر زبر اور لام پر تشدید) کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: عیال اور بال بچے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۲۔ ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابٌ: لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ

اس کا بیان کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے

وَإِذَا أَسْلَمَ قَبْلَ أَنْ یُقْسَمَ الْمِیرَاثُ فَلَا مِیرَاثَ لَهُ۔

جب کوئی مرد میراث کی تقسیم ہونے سے پہلے مسلمان ہوا ہو تو اس کا وراثت میں حصہ نہیں ہوگا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا ذکر کیا جائے گا ''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا''۔

رہا کافر تو وہ مسلمان کا وارث بالاجماع نہیں ہوتا اور اس حدیث مذکور سے بھی وارث نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی وارث نہیں ہوگا:

وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا (النساء: ۱۴۱)

اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا O

یعنی کافر کی میراث میں مسلمان کے اوپر کوئی سبیل نہیں بنائے گا اور اس سے مراد ہے کہ حکم میں کوئی سبیل نہیں بنائے گا، یہ مراد نہیں ہے کہ حقیقت میں کوئی سبیل نہیں بنائے گا (یعنی کوئی ایسا حکم نازل نہیں فرمائے گا جس کی وجہ سے کافر مسلمان کا وارث ہوجائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ واقع میں کبھی بھی کافر کو مسلمان پر غلبہ نہیں عطا فرمائے گا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں دنیا میں بہت سارے کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ ہے، البتہ جب تک مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تو وہ دنیا میں غالب رہے اور جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر دیا تو پھر وہ دنیا میں مغلوب ہوگئے)۔

اور رہا یہ کہ مسلمان کافر کا وارث ہوگا یا نہیں؟ تو عامۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور یہی ہمارے علماء احناف کا اور امام شافعی کا موقف ہے۔ اور یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو، اور یہی

حضرت معاذ بن جبل، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے مسروق، حسن بصری، محمد بن الحنفیہ، محمد بن علی بن حسین کا موقف ہے۔

اور رہا مسلمان کا مرتد کا وارث ہونا تو وہ اس کی اسلام کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مرتد نے اپنے اسلام کے حال میں جو کمائی کی ہے اس کا مسلمان وارث ہوگا اور جو اس نے اپنے ارتداد کے حال میں کمائی کی ہے اس کا مسلمان وارث نہیں ہوگا۔ اور مرتد مسلمان کا مطلقاً وارث نہیں ہوگا۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے کہ جب کافر مثلاً اپنے باپ یا بھائی کی میراث کی تقسیم ہونے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ اس کا وارث نہیں ہوگا، کیونکہ اعتبار موت کے وقت کا ہوتا ہے نہ کہ تقسیم کے وقت کا اور یہ جمہور فقہاء کا قول ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب وہ وراثت کی تقسیم سے پہلے مسلمان ہو تو پھر اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، یہ قول حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور یہ ایسی سند کے ساتھ منقول ہے جو صحیح نہیں ہے۔ حسن بصری اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن ہبیرہ نے امام احمد سے اسی قول کی حکایت کی ہے۔ اور علامہ ابن التین نے اس قول کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حکایت کی ہے۔ اور حسن بصری سے یہ بھی روایت ہے کہ وراثت اس میں ہوتی ہے جس کی تقسیم نہیں کی گئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی اللہ عنہما أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کیا از ابن جریج از ابن شہاب از علی بن حسین از عمرو بن عثمان از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۵۸۸، ۳۰۵۸، ۴۲۸۲، ۶۷۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۱۴، سنن ابن ماجہ: ۲۷۳۰، سنن ترمذی: ۲۱۰۷، سنن ابوداؤد: ۲۹۰۹، مسند احمد: ۲۱۴۴۵، موطا امام مالک: ۱۱۰۴، سنن دارمی: ۲۹۹۸)

صحیح البخاری: ۶۷۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب کا عنوان ہے: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا، اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوعاصم کا ذکر ہے، یہ الضحاک بن مخلد النبیل البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن جریج کا ذکر

ہے، یہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، جو زین العابدین کے لقب سے معروف ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں عمر بن عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عثمان بن عفان القرشی الاموی کے صاحبزادے ہیں۔اور ہر وہ جس نے اس حدیث کی ابن شہاب سے روایت کی ہے اس نے عمرو کہا ہے (واؤ کے ساتھ) سوائے امام مالک کے انہوں نے عمر کہا ہے (بغیر واؤ کے)۔اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عُمر تھا (بغیر واؤ کے) اور دوسرا بیٹا تھا جس کا نام عمرو تھا (واؤ کے ساتھ)۔مگر اس حدیث کی روایت ایک جماعت کے نزدیک عمرو سے ہے۔الکلاباذی نے کہا: امام مالک کو اس سند میں وہم ہوا ہے اور انہوں نے عمر کہا (بغیر واؤ کے)۔

یہ حدیث کتاب المغازی میں از سلیمان بن عبدالرحمٰن از سعدان بن یحییٰ از محمد بن ابی حفصہ از الزہری گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۷۔ بَابٌ: مِيرَاثِ الْعَبْدِ النَّصْرَانِيِّ وَالْمُكَاتَبِ النَّصْرَانِيِّ وَإِثْمِ مَنِ انْتَفَى مِنْ وَلَدِهِ

نصرانی غلام اور نصرانی مکاتب کی وراثت کا بیان اور اس کے گناہ کا بیان جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "نصرانی غلام اور نصرانی مکاتب کی میراث کا بیان" اور اس باب کے تحت امام بخاری نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، اور اسی طرح صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں ہے۔اور ابوذر نے المستملی اور الکشمیہنی سے روایت کی ہے "باب من دعی اخا او ابن اخ" یعنی جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا اور اس میں بھی کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

علامہ کرمانی نے کہا: یہاں پر تین پے در پے عنوان ہیں: (۱) نصرانی غلام کی میراث کا باب (۲) جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی اس کے گناہ کا باب (۳) جس نے بھائی کا دعویٰ کیا، اس کا باب۔

اور شارحین نے ذکر کیا ہے کہ امام بخاری نے ان ابواب کے عنوانات قائم کیے اور ارادہ کیا کہ ان کے ساتھ احادیث کو ملائیں گے اور ان کو اتفاق نہیں ہوا۔اور انہوں نے دو ترجموں کے درمیان سفید جگہ چھوڑ دی اور ناقلین نے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا۔ اور انہوں نے "باب اثم من انتفی ولدہ" کے تحت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ کا قصہ ذکر کر دیا۔

علامہ ابن بطال اور علامہ ابن التین نے "باب من انتفی ولدہ" کو حذف کر دیا، اور ان دونوں نے ابن زمعہ کا قصہ "باب من دعی اخا" کے تحت ذکر کر دیا اور ان دونوں نے نصرانی غلام کی میراث کے باب میں کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ اکثرین کے نزدیک واقع ہے۔

اور علامہ النسفی نے "باب میراث العبد النصرانی والمکاتب النصرانی" کو لکھا اور اس کے تحت کوئی حدیث نہیں لکھی۔اور

اس کے بعد "باب اثم من انتفی من ولدہ" اور "من ادعی اخا او ابن اخ" لکھا اور اس میں عبد بن زمعہ کا قصہ لکھا۔

نصرانی غلام کی وراثت کے متعلق علماء کے اقوال

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ نصرانی غلام جب مرجائے تو اس کا مال اس کے مالک کے لیے ہوگا اس کی غلامی کی وجہ سے، کیونکہ غلام کی ملکیت صحیح نہیں ہے اور وہ مالک کا مال ہے، وہ غلام بطور وراثت اس کا مستحق نہیں ہوگا۔

اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ اس کا مال بیت المال کے لیے ہوگا اور مالک کو اس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ رہا مکاتب، پس اگر وہ کتابت کی قسط ادا کرنے سے پہلے مرگیا اور اس کا مال اتنا تھا جس سے کتابت کی باقی اقساط ادا ہوسکتی ہیں تو اس کا وہ مال ان کی کتابت کے وقت لے لیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ بیت المال کے لیے ہے۔

اور علامہ ابن التین نے نصرانی کی میراث کے متعلق جب اس کو مسلمان آزاد کرے آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں۔ پس عمر بن عبدالعزیز اور لیث اور شافعی نے کہا: وہ اس مسلمان غلام کی طرح ہے، اگر اس کے وارث ہوں، ورنہ اس کا مال اس کے مالک کے لیے ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خصوصاً اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا بیٹا اور باپ خصوصیت کے ساتھ اس کا وارث ہوگا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ وہ دونوں اور اس کے بھائی وارث ہوں گے۔ اور پانچوں قول یہ ہے کہ وہ اور عصبہ اس کے وارث ہوں گے۔ اور چھٹا قول یہ ہے کہ اس کی وراثت ذوی الارحام کے لیے ہوگی۔ اور ساتواں قول یہ ہے کہ اس کا مال بیت المال کے لیے ہوگا۔ اور آٹھواں قول یہ ہے کہ اس کے مال میں توقف کیا جائے گا۔ اور نصاریٰ میں سے جو اس کے مال کا دعویٰ کرے گا اس کو دے دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۸۔ بَابُ: مَنِ ادَّعَى أَخًا أَوِ ابْنَ أَخٍ — جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا، اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا اس کا کیا حکم ہے؟ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں یہ عنوان اس طرح مذکور ہے "اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی اور جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّهَا قَالَتِ اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَعَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ فَقَالَ سَعْدٌ هَذَا يَا رَسُولَ اللهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ انْظُرْ إِلَى شَبَهِهِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ هَذَا أَخِي يَا رَسُولَ اللهِ وُلِدَ عَلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زمعہ نے ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا کیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے، اس نے

فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَلِيدَتِهِ فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى شَبَهِهِ فَرَأَى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ فَقَالَ هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ قَالَتْ فَلَمْ يَرَ سَوْدَةَ قَطُّ۔

میری طرف وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے آپ اس کی اس کے ساتھ مشابہت دیکھ لیں، اور عبد بن زمعہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کے بستر پر اس کی باندی سے پیدا ہوا ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کی مشابہت کی طرف دیکھا، پس آپ نے دیکھا کہ اس کی عتبہ کے ساتھ واضح مشابہت تھی تو آپ نے فرمایا: اے عبد بن زمعہ! یہ تمہارے لیے ہے، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو اور زانی کے لیے پتھر ہے، اور اے سودہ بنت زمعہ! تم اس سے پردہ کیا کرو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس اس نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بالکل نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳، ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۷، سنن نسائی: ۳۴۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۶، موطا امام مالک: ۱۴۴۹، سنن دارمی: ۲۲۳۷)

صحیح البخاری: ۶۷۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''جس نے بھائی یا بھتیجے کا دعویٰ کیا'' اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ لڑکا ان کا بھتیجا ہے اور عبد بن زمعہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ان کا بھائی ہے۔

یہ حدیث عنقریب باب ''الولد للفراش'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''من ولیدتہ'' اس کا معنی ہے: اس کی باندی سے۔ اور اس حدیث میں حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے جو نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلم یر سودۃ قط'' یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اس لڑکے کو بالکل نہیں دیکھا اور اس کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ باپ کے سوا کسی کے نسب کے ساتھ الحاق جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے بھائی کا دعویٰ کرے تو اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ جب ایک مرد فوت ہو جائے اور اس نے ایک بیٹا چھوڑا ہو اور اس ایک بیٹے کے سوا اس کا کوئی اور وارث نہ ہو، پس وہ بیٹا اپنے بھائی کا اقرار کرے تو علامہ ابن القصار نے کہا: امام مالک اور فقہاء احناف کے نزدیک اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور امام ابوحنیفہ سے بھی یہی مشہور ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، پس انہوں نے کہا: وہ

میت کے قائم مقام ہے، پس اس کا اقرار کرنا ایسا ہے جیسے اس نے زندگی میں اس کا اقرار کیا ہو۔اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہم نے کہا کہ اس نے دوسرے کے متعلق نسب کا دعویٰ کیا، سو یہ جائز نہیں ہے۔

اپنے بیٹے کی نفی کرنے والے کے متعلق وعیدات

اور رہا وہ جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی تو اس کے متعلق سخت وعید وارد ہے۔مجاہد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی تا کہ دنیا میں اس کو رسوا کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا۔اور اس حدیث کی سند میں الجراح ہے جو وکیع کے والد ہیں، ان کے متعلق اختلاف ہے۔

اور امام ابن عدی نے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ جس نے اپنے بیٹے کی نفی کی وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے۔اور اس حدیث کی سند میں محمد بن الزعیزعۃ ہے اس کی روایت کرنے والے نافع ہیں، ابو حاتم نے کہا: یہ منکر الحدیث ہیں۔

اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور اس کو امام حاکم اور امام ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی روایت یہ ہے: جس شخص نے اپنے بیٹے کا انکار کیا اور وہ اس کی طرف دیکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس سے حجاب کرے گا اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن یونس حجازی ہے، جس سے یزید بن الھاد کے سوا اور کسی نے روایت نہیں کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابُ: مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ — جس نے اپنے باپ کے غیر کے نسب کا دعویٰ کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کے گناہ کا بیان کیا گیا ہے جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کے نسب کی طرف منسوب کیا۔اس عنوان کا جواب یا حکم امام بخاری نے بیان نہیں کیا اور اس کا حکم اس باب کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ سَعْدٍ رضی الله عنهُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی اور وہ ابن عبداللہ ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از ابی عثمان از حضرت سعد رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے اپنے باپ کے غیر کی طرف نسبت کا دعویٰ کیا اور اس کو معلوم ہو کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔

(صحیح مسلم: ۶۳، سنن ابوداؤد: ۵۱۱۳، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۰، مسند احمد: ۱۴۵۷، سنن دارمی: ۲۵۳۰)

٦٧٦٧۔ فَذَكَرْتُهُ لِأَبِي بَكْرَةَ فَقَالَ وَأَنَا سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ۔

پس میں نے ابوبکرہ سے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: اس حدیث کو میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا۔

(صحیح البخاری: ٦٧٦٦، صحیح مسلم: ٦٣، سنن ابوداؤد: ٥١١٣، سنن ابن ماجہ: ٢٦١٠، مسند احمد: ١٤٥٧، سنن دارمی: ٢٥٣٠)

صحیح البخاری: ٦٧٦٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ باب کا عنوان اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد، یہ امام بخاری کے شیخ الشیخ ہیں، اور یہ ابن عبداللہ الطحان الواسطی ہیں، اور ان کے شیخ خالد بن مہران الحذاء ہیں، وہ ابوعثمان عبدالرحمن النہدی سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی کے غزوۂ حنان میں عاصم الاحول از ابی عثمان گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من الدعی الی غیر ابیہ" یعنی جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا، حالانکہ اس کو یہ علم تھا کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے اور امام مسلم کی روایت میں ہے "جس شخص نے اسلام میں اپنے باپ کے غیر کا دعویٰ کیا" اور باقی حدیث اسی کی مثل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس جنت اس کے اوپر حرام ہے" اور اس کے بعد دوسری حدیث میں ہے کہ اس شخص نے کفر کیا، یعنی جب اس نے اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب ہونے کو جائز سمجھا تو اس نے کفر کیا، کیونکہ جنت صرف کافروں پر حرام کی گئی ہے۔ یا کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے اور اللہ کے حق کا انکار ہے اور باپ کے حق کا انکار ہے، یا جو حدیث میں ارشاد ہے "اس نے کفر کیا" یہ تغلیظ کے لیے ہے، یعنی یہ اس کا سخت گناہ ہے۔ اور یہ ارشاد اس آیت کی مثل ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَلَمِينَ ﴿٩٧﴾

اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے O (آل عمران: ٩٧)

اس کے بعد دوسری حدیث میں مذکور ہے "فذکرتہ" یعنی ابوعثمان نے کہا: میں نے اس حدیث کا حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا نام نفیع بن الحارث ہے، نُفیع، نفع کی تصغیر ہے اور یہ ثقفی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٤٠٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

٦٧٦٨۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔

(صحیح مسلم: ٦٢، مسند احمد: ١٠٤٣٢)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اصبغ بن الفرج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی از جعفر بن ربیعہ از عراک از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم اپنے آباء سے اعراض نہ کرو، پس جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا تو اس نے کفر کیا۔

صحیح البخاری: ٦٧٦٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ معنوی طور پر مطابقت ہے، کیونکہ اس باب کے عنوان میں اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب ہونے کی ممانعت ہے، اور جو اس حدیث میں فرمایا ہے کہ "اپنے آباء سے اعراض نہ کرو" اور اپنے باپ کی طرف منسوب ہونے سے اعراض کرنا کفر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، یہ ابن الحارث المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عراک، یہ ابن مالک الغفاری ہیں۔

یہ حدیث مناقب قریش میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا ترغبوا عن آباءکم" اس حدیث میں رغبت کے بعد "عن" کا ذکر ہے اور جب کسی فعل کے بعد "عَن" کا ذکر ہو تو اس کا معنی اعراض کرنا ہوتا ہے، یعنی تم اپنے آباء کی طرف منسوب ہونے سے اعراض نہ کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقد کفر" یعنی جس نے اپنے باپ کی طرف منسوب ہونے سے اعراض کیا تو اس نے کفر کیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ باپ کے غیر کی طرف نسبت کرنا زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کفر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کفر سے مراد کفر باللہ نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کفران نعمت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو اس کو نسب حلال کی نعمت عطا فرمائی تھی اس نے اس کا انکار کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کفر سے مراد کفر باللہ ہو تو یہ اس شخص پر محمول ہے جو شخص باپ کے غیر کی طرف منسوب ہونے کو جائز اور حلال سمجھے تو اس نے حرام کو حلال سمجھا اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ یا پھر یہاں پر کفر کا لفظ تغلیظ کے لیے ہے یعنی یہ سخت گناہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٣٠٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

۳۰۔ بَابٌ: إِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ ابْنًا — جب کوئی عورت کسی بیٹے پر دعویٰ کرے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی عورت کسی بیٹے پر یہ دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ امام بخاری نے اس کا حکم نہیں بیان کیا کیونکہ نفسِ حدیث سے اس کا حکم واضح ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ كَانَتْ امْرَأَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لِصَاحِبَتِهَا إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ وَقَالَتِ الْأُخْرَى إِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا إِلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَضَى بِهِ لِلْكُبْرَى فَخَرَجَتَا عَلَى سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَأَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُونِي بِالسِّكِّينِ أَشُقُّهُ بَيْنَهُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرَى لَا تَفْعَلْ يَرْحَمُكَ اللهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضَى بِهِ لِلصُّغْرَى قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ وَاللهِ إِنْ سَمِعْتُ بِالسِّكِّينِ قَطُّ إِلَّا يَوْمَئِذٍ وَمَا كُنَّا نَقُولُ إِلَّا الْمُدْيَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ان کے بیٹے تھے، سو بھیڑیا آیا اور ان میں سے کسی ایک کے بیٹے کو لے گیا، تو ان میں سے ایک نے اپنی ساتھی عورت سے کہا: بھیڑیا تمہارے بیٹے کو لے گیا ہے، دوسری نے کہا: نہیں! تمہارے بیٹے کو لے گیا ہے، پھر ان دونوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اپنا مقدمہ پیش کیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا، پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے پاس گئیں اور ان کو اس مقدمہ کی خبر دی، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: میرے پاس چھری لاؤ، میں اس بیٹے کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتا ہوں اور وہ ٹکڑے تم دونوں کے درمیان ہوں گے۔ تو چھوٹی عورت نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ ایسا نہ کریں، یہ اس کا بیٹا ہے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی عورت کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس دن سے پہلے سکّین کا لفظ نہیں سنا، ہم چھری کو المدیۃ کہتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۲۷، ۶۷۶۹، صحیح مسلم: ۱۷۲۰، سنن نسائی: ۵۴۰۲، مسند احمد: ۸۰۸۱)

صحیح البخاری: ۶۷۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ان دو عورتوں میں سے ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں اس حدیث کے روایت کرنے کی کیا توجیہ ہے حالانکہ اس حدیث کے ساتھ کوئی حکم متعلق نہیں ہے؟

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ حکم مستنبط ہوتا ہے کہ ایسی عورت جس کا خاوند نہ ہو جب کسی بچہ کے لیے یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اس کا باپ معروف نہ ہو اور کوئی شخص اس میں تنازع نہ کرے تو اس عورت کے قول پر عمل کیا جائے گا، وہ عورت اس بچہ کی وارث ہوگی اور وہ بچہ اس عورت کا وارث ہوگا۔ اور اس بچہ کے ماں شریک بھائی اس کے وارث ہوں گے اور جب اس عورت کا خاوند ہو اور عورت یہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور خاوند اس کا انکار کرے تو پھر عورت کے قول پر عمل نہیں کیا جائے گا سوا اس صورت کے کہ عورت اپنے قول کے اوپر گواہ پیش کرے، تو اس صورت میں اس کے دعویٰ کو قبول کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ حکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، اور یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں جو عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث احادیث الانبیاء کے باب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فتحاکمتا" یعنی ان دو مذکورہ عورتوں نے مقدمہ پیش کیا، اور ایک روایت میں مذکر کے صیغہ کے ساتھ "فتحاکما" ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ عورتوں کو شخص سے تعبیر کیا۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم کو کس وجہ سے توڑا؟

اس کا پھر یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان دونوں نے وحی سے فیصلہ کیا تھا، اور سلیمان علیہ السلام کا حکم حضرت داؤد علیہ السلام کے حکم کے لیے ناسخ تھا۔ یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور جب ایک مجتہد کا فیصلہ قوی دلیل پر مبنی ہو تو اس کے لیے دوسرے کے فیصلہ کو توڑنا جائز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ پہلے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ (11) سال تھی اور اس وقت ان پر وحی نہیں کی جاتی تھی۔ علماء نے کہا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خلیفہ بنایا اور اس وقت ان کی عمر بارہ سال تھی۔

اور مقاتل نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام سے عمدہ فیصلہ کرتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔

چھوٹی عورت کے حق میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی توجیہ

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب ایک فریق نے یہ اعتراف کرلیا کہ حق اس کے صاحب کے لیے ہے تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے خلاف کیسے فیصلہ فرمایا؟

پھر علامہ کرمانی نے اس کا جواب دیا کہ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام کو قرینہ سے معلوم ہوگیا تھا کہ اس عورت کی مراد حقیقت امر نہیں ہے بلکہ وہ اس بچہ کی جان بچانے کے لیے کہہ رہی ہے کہ اس کو کاٹ کر دو ٹکڑے نہ کریں اور دوسری عورت کو دے دیں، اس طرح بچہ زندہ تو رہے گا۔

اور علامہ نووی نے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے استدلال کیا کہ چھوٹی عورت نے اس بچہ پر شفقت کی، یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی ماں ہے اور شاید کہ بڑی عورت نے بعد میں اقرار کرلیا ہو کہ یہ بچہ چھوٹی عورت کے لیے ہے۔

چھری کو ''مدیة'' اور ''سکین'' کہنے کی مناسبت

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان سمعت بالسکین'' یعنی میں نے اس دن سے پہلے چھری کے لیے ہرگز ''سکین'' کا لفظ نہیں سنا تھا۔ اور ہم چھری کے لیے ''مدیة'' کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ چھری کو ''مدیة'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جاندار کی حیات کی مدت کو قطع کر دیتی ہے اور اس کو ''سکین'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جاندار کی حرکت کو ساکن کر دیتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابُ: الْقَائِفِ — قیافہ شناس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قیافہ شناس کے حکم کا بیان ہے۔ ''قائف'' کا لفظ فاعل کے وزن پر ہے اور یہ ''قیافة'' سے ماخوذ ہے۔ ''قیافة'' کا معنی ہے: آثار کی معرفت۔ یعنی کسی چیز کے نشانات کو دیکھ کر صاحب نشان تک پہنچنا۔ اور فقہاء کی اصطلاح میں ''قائف'' اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی چیز کی مشابہت کو پہچانتا ہے اور اس کے آثار کو متمیز کرتا ہے، اس کو قائف اس لیے کہتے ہیں کہ یہ چیزوں کی پیروی کرتا ہے۔ علامہ الاصمعی نے کہا ہے: ''قائف'' وہ شخص ہے جو کسی چیز کے نشان کی پیروی کرتا ہے اور ''القائف'' کی جمع ''القافة'' آتی ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ ''قائف'' کے باب کو کتاب الفرائض میں ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس کے مذہب پر ہے جو قیافہ پر عمل کرتا ہے اور اس باب میں ان کا رد ہے جو قیافہ پر عمل نہیں کرتے اور اس سے لازم آتا ہے کہ جس کو کسی کے ساتھ لاحق کیا گیا اس کے درمیان اور جس کو لاحق کیا گیا ہے وراثت پر عمل کیا جائے

اور اس اعتبار سے اس باب کا فرائض کے ساتھ تعلق ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيَّ مَسْرُورًا تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ فَقَالَ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا نَظَرَ آنِفًا إِلَى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ ﷺ میرے پاس بہت خوشی کے ساتھ تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ کے چہرہ کی پیشانی کی لکیریں چمک رہی تھیں، آپ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ مجزز (ایک قیافہ شناس) نے ابھی ابھی زید بن حارث اور اسامہ بن زید دونوں کے صرف پیروں کو دیکھا، پس کہا: یہ دونوں پیر ایک دوسرے کا جزو ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۵، ۳۷۳۱، ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۵۹، سنن ترمذی: ۲۱۲۹، سنن نسائی: ۳۴۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۹، مسند احمد: ۲۵۳۶۷)

صحیح البخاری: ۶۷۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ حدیث میں جس مجزز کا ذکر کیا گیا ہے، اس نے قیافہ سے یہ حکم لگایا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا جز ہیں اور زمانہ جاہلیت میں لوگ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نسب پر طعن کرتے تھے، کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سخت کالے رنگ کے تھے کیونکہ ان کی والدہ برکہ تھیں اور وہ سیاہ فام حبشیہ تھیں۔ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ روئی کی طرح بہت گورے رنگ کے تھے، پس جب اس قیافہ شناس نے ان کے رنگوں کے اختلاف کے باوجود یہ کہا کہ یہ ایک دوسرے کا جزو ہیں تو نبی ﷺ اس لئے خوش ہوئے کہ یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے نسب سے عربوں کے اصول کے مطابق طعن کو دور کرنے کا ذریعہ تھا، کیونکہ عرب قیافہ شناس کی بات کو حجت قرار دیتے تھے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب النکاح میں از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی کتاب الطلاق میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الولاء میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الطلاق میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "دخل علی مسرورا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ بہت خوش خوش تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "تبرق اسارير وجهه"۔ "اسارير" ان خطوط اور لکیروں کو کہتے ہیں یا ان شکنوں کو کہتے ہیں جو پیشانی میں ہوتی ہیں۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کی پیشانی خوشی سے چمک رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الم تری" اور ایک روایت میں ہے "الم ترین" اور اس حدیث میں رؤیت سے مراد علم ہے یعنی کیا تم کو خبر نہیں ہے یا تم کو علم نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان مجززا" (مجزز میں میم پر پیش ہے اور زاء مشدد ہے اور اس پر زیر بھی پڑھا گیا ہے اور زبر بھی پڑھا گیا ہے)۔

اس شخص کو مجزز اس لئے کہا گیا کہ جب یہ شخص زمانہ جاہلیت میں کسی قیدی کو پکڑتا تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر چھوڑ دیتا اور اس کا نام ابن الاعور بن جعدہ المدلجی ہے، یہ مدلج بن مرہ بن عبد مناف بن کنانہ کی طرف نسبت ہے۔ علامہ ذہبی نے کہا ہے: اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے جس کا ذکر ابن یونس نے ان لوگوں میں کیا ہے جو لوگ مصر کی فتح کے وقت حاضر تھے۔ اور علامہ ذہبی نے کہا ہے: مجھے ان کی کسی روایت کا علم نہیں ہے۔ اور ابن ماکولا نے کہا ہے کہ مجزز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل تھی، یہ امام طبری کا قول ہے۔ اور الکلبی نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو حبشہ کے ایک لشکر کی طرف بھیجا، پس وہ سب ہلاک ہو گئے۔

ایک سوال کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ کیا قیافہ کرنا بنو مدلج کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں؟ تو میں کہوں گا: قیافہ ان میں بھی تھا اور بنو اسد میں بھی تھا اور عرب ان کے لیے اعتراف کرتے تھے اور صحیح یہ ہے کہ قیافہ ان کے ساتھ خاص نہیں تھا، کیونکہ یزید بن ہارون نے کتاب الفرائض میں سندِ صحیح کے ساتھ سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قیافہ شناس تھے، یزید بن ہارون نے اس کا مدلجی کے قصہ میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرشی تھے وہ نہ مدلجی تھے اور نہ اسدی تھے اور نہ اسدِ قریش سے تھے اور نہ اسدِ خزیمہ سے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نظر آنفا" یعنی اس نے ابھی ابھی ان کو دیکھا ہے۔ اور اس کے بعد والی روایت میں ذکر ہے کہ میرے پاس ایک قیافہ شناس آیا، اس نے حضرت اسامہ بن زید اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو دیکھا اور ان کے اوپر ایک چادر تھی جس سے ان دونوں کے سر چھپے ہوئے تھے اور ان دونوں کے پیر کھلے ہوئے تھے تو اس قیافہ شناس نے کہا: یہ بعض پیر، بعض کا جز و ہیں۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیافہ کے ساتھ حکم لگانا درست ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ اور عطاء، امام مالک، الاوزاعی، لیث، امام شافعی، امام احمد اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے۔

فقہاء احناف، ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ قیافہ کے ساتھ حکم لگانا باطل ہے، کیونکہ یہ حدس ہے، یعنی تیز فہمی، فراست اور تخمینہ اور اندازہ سے حکم لگانا ہے۔ یہ محض ظنی چیز ہے اور کوئی قطعی بات نہیں ہے اور شریعت میں یہ جائز نہیں ہے اور قیافہ سے حکم لگانے میں اس باب کی حدیث حجت نہیں ہے، کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی اپنے والد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت اس سے پہلے بھی ثابت تھی اور شارع علیہ السلام نے اس نسبت کے ثبوت میں کسی کے قول پر اعتماد نہیں کیا۔ آپ کو تو صرف مجزز کی تیز فہمی اور فراست پر تعجب ہوا جیسے کوئی آدمی کسی شخص کے اس گمان پر تعجب کرتا ہے جس کا گمان کسی شئے کی حقیقت تک پہنچ جائے اور اس سے حکم واجب نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار کرنے کو ترک کیا کیونکہ آپ نے اس واقعہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا حضرت زید رضی اللہ عنہ سے نسب ثابت نہیں فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل: ۳۶) اور جس چیز کا تمہیں قطعی علم نہیں ہے اس کے درپے نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُورٌ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ دَخَلَ عَلَيَّ فَرَأَى أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُءُوسَهُمَا وَبَدَتْ أَقْدَامُهُمَا فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْأَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ آپ بہت خوش تھے، پس آپ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک مجزز المدلجی میرے پاس آیا، پس اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا اور ان دونوں پر ایک چادر تھی، ان دونوں نے اپنے سر ڈھانپے ہوئے تھے اور ان دونوں کے قدم کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا: ان میں سے بعض قدم بعض کا جزو ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۵، ۳۷۳۱، ۶۷۷۰، ۶۷۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۵۹، سنن ترمذی: ۲۱۲۹، سنن نسائی: ۳۴۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۹، مسند احمد: ۲۵۳۶۷)

صحیح البخاری: ۶۷۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

" یہ وہی حدیث ہے جس کی پہلے امام بخاری نے قتیبہ سے دوسندوں کے ساتھ روایت کی ہے: ایک از قتیبہ از اللیث اور دوسری از قتیبہ از سفیان بن عیینہ۔ اس حدیث میں قدم کے لفظ کا اضافہ ہے اور اس حدیث میں قطیفۃ کا ذکر ہے جس کا معنی چادر ہے۔ اور اس کی جمع قطائف اور قطف آتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ: کتاب الفرائض میں تینتالیس (۴۳) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں مذکور ہے کہ "جس نے کسی مرد کو مسلمان کیا اس کو بھی اس کی وَلاء ملے گی" یہ حدیث معلق ہے اور باقی احادیث موصولہ ہیں۔ اور ان میں سینتیس (۳۷) احادیث مکررہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کتاب الفرائض میں صرف چھ (۶) احادیث خالص ہیں۔

کتاب الفرائض اور چودھویں (۱۴) جلد کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین!۔

آج ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ/ 31 جولائی 2013ء بروز بدھ نعم الباری شرح صحیح البخاری کی چودھویں جلد کی تکمیل ہوگئی۔

اس جلد کی ابتداء ۴ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ/ 15 اپریل 2013ء بروز پیر کو ہوئی تھی۔ اس طرح ساڑھے تین مہینوں میں چودھویں جلد مکمل ہوگئی۔ اس جلد میں دوسونواسی (۲۸۹) احادیث کی شرح آ گئی ہے۔

چودھویں جلد کی ابتداء کتاب الرقاق سے ہوئی تھی اور اس کی انتہا کتاب الفرائض پر ہوئی ہے۔ اور ان شاء اللہ العزیز پندرھویں جلد کی ابتداء "کتاب الحدود" سے ہوگی۔ اس جلد کی کمپوزنگ حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ اور تصحیح ہمارے محترم اور مکرم دوست سید عمیر الحسن البرنی زید حبہٗ نے نہایت اخلاص اور عرق ریزی سے کی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری اس محنت کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو اپنی بارگاہ عالیہ میں مشکور اور مسعود فرمائے۔ اس جلد کی تکمیل میں، میں اپنے تمام محسنین اور معاونین کا خلوصِ قلب سے سپاس گزار ہوں اور ان کے لیے دعا کرتا ہوں خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زیدت الطافہم العالیہ اور محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ مساعیہم، اور صاحب زادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈفورڈ) اور مشہور اسکالر حافظ عبد المجید (برسٹل) اور مولانا حامد قیوم (ناروے) اور مولانا سید محمد اشرف شاہ (ناروے) اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہٗ (پروف ریڈر)، مولانا مختار احمد صاحب، مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہم۔ ان تمام عالی قدر شخصیات اور احباب کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور مجھے اپنی بیماریوں اور کمزوریوں سے صحت اور توانائی عطا فرمائے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے صحیح البخاری کی ان احادیث کی شرح میرے ہاتھوں کرادی ہے اللہ تعالیٰ صحیح البخاری کی باقی احادیث کی شرح کی بھی مجھے توفیق ارزانی فرمائے۔ اس شرح کو اللہ تعالیٰ موافقین کے لیے دینِ حق پر استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعۂ ہدایت بنادے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں صرف اپنا محتاج رکھے کسی مخلوق کا محتاج نہ کرے، صحت اور عافیت کے ساتھ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں ہمیں آپ کی شفاعت سے مستفید فرمائے اور آخرت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمادے اور ہمیں ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ

میں رکھے اور اپنے فضل وکرم اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین حمد الشاکرین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین قائد المرسلین شفیعنا یوم الدین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ
خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ/ 31 جولائی 2013ء

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد رابع عشر (۱۴) کی ڈائری

افتتاح 4 جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ / 15 اپریل 2013ء بروز پیر

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعداد حدیث
15 اپریل	۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ	پیر	=	=	=	۶۴۸۲
یکم مئی 2013ء	۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ	بدھ	۱۵۰	۱۵۰	۲۷	۶۵۰۹
یکم جون 2013ء	۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	ہفتہ	۲۸۰	۴۳۰	۱۰۱	۶۶۱۰
یکم جولائی 2013ء	۲۱ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	پیر	۳۲۵	۷۵۵	۸۹	۶۶۹۹
31 جولائی 2013	۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ	بدھ	۲۴۴	۹۹۹	۷۲	۶۷۷۱

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دار المعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دار المعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دار الصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفّٰی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفّٰی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ
۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفّٰی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفّٰی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ
۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفّٰی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث: 1426ھ
۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفّٰی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ
۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفّٰی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ
۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفّٰی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ
۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفّٰی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ
۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفّٰی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفّٰی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ
۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفّٰی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ
۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفّٰی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ
۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفّٰی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ
۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفّٰی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت
۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفّٰی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر، بیروت، 1421ھ
۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفّٰی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ
۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلی موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ
۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ
۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ
۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ
۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ
۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ
۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی
۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ
۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئ 1426ھ
۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ
۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ
۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ
۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ
۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ
۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت
۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ
۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ
۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبداللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی 385ھ، سنن الدارقطنی، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارالکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشرالسنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارلکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دارابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۷۹۔ علامہ عمر بن عبدالعزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دارالکتب العلمیہ بیروت 1427ھ
۸۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ
۸۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ
۸۲۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ
۸۳۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ
۸۴۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ
۸۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ
۸۶۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سیدالابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ
۸۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی
۸۸۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ
۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۹۰۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیرالانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد، دکن
۹۱۔ تاج الدین علی بن عبداللہ بن الحسن الاردبیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشہد بھا الفقہاء، دارالاصلاح 2009ء
۹۲۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دارالطباعۃ المحمدیہ 1388ھ
۹۳۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۹۴۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور، دارالکتاب العربی، بیروت 1418ھ
۹۵۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دارالکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دارالفکر،

بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفّٰی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفّٰی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفّٰی 840ھ، اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفّٰی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفّٰی 845ھ، الجوھر النقی، مطبوعہ: نشرالسنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفّٰی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفّٰی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفّٰی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ دار ابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفّٰی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیری حنفی متوفّٰی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفّٰی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفّٰی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفی 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّٰی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء

۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ

۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع، مصر

۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت

۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ

۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ سبّر، متوفی 1242ھ تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوۃ للطباعۃ والنشر، 1421ھ

۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ

۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ خزائن العرفان

۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات

۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۵۱۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء

۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ

۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ

۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علی صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دارالکتب العلمیہ بیروت 1424ھ
۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۸۰۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ
۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ
۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ
۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ
۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، بیروت
۱۸۶۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعہ المنیریہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۸۷۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشادالساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ
۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ
۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ
۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ
۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ
۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۹۷۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ
۱۹۸۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی
۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ
۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ
۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ
۲۰۴۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۲۰۶۔ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰۷۔ امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ
۲۰۸۔ شیخ ابو الطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ
۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ
۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی
۲۱۱۔ شیخ عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ
۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ
۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ
۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی
۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکلم الطیب، بیروت 1430ھ
۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ
۲۱۹۔ ابو محمد عبد اللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دار التدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی
۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی التوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ
۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ
۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ
۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ
۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ
۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دار الباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دار العلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ
۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،
۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۲۵۵۔ علامہ یحیٰی بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء
۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۲۵۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر
۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکہ، بیروت 1927ء
۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی
۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء
۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء
۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ مطبع فیروز سنز لمیٹڈ
۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان
۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء
۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ
۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ
۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ
۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت
۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ
۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ
۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ
۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ
۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷۹۔ امام محی السنۃ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ
۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤ الدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابواللیث سمرقندی، المیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابواللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبدالرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابوالمظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین و آخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی
۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ
۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاوی عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبری امیریہ بولاق مصر، 1310ھ
۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،
۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ
۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ
۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ
۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاوی عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ
۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ
۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ
۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور
۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ
۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاوی مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ
۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاوی رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی
۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاوی، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ
۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ
۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاوی مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ
۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ
۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاوی امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ
۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ
۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاوی نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء
۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی التوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ
۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ
۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی التوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ
۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء
۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ
۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ
۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمرقندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ
۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ
۳۷۵۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ
۳۷۶۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ
۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ
۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ
۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت
۳۸۱۔ امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ
۳۸۲۔ قاضی عبد الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت
۳۸۳۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا
۳۸۴۔ علامہ علی بن عبداللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت
۳۸۵۔ علامہ ابو البرکات، احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دارالحدیث قاہرہ، 1425ھ

۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۳۸۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دارالجیل، بیروت 1418ھ

۳۹۰۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1424ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت 1426ھ

۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۳۹۲۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ

۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دارالوفاء، 1421ھ

۳۹۸۔ مولانا ثناءاللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: داراحیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت

۴۰۴۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ

۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ

۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ

۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران

۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران

۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعۃ الاسلامیہ، تہران 1392ھ

۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ

۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور

۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم)، مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابو المعالی عبد الملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبد الواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ
۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ
۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول ﷺ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ
۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ
۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی
۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق
۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء
۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ
۴۶۱۔ مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ
۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء
۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت
۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی
۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء
۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور
۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور
۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز
۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان
۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ
۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی
۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی
۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ
۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ
۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفہ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء
۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفّٰی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الٰی جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفّٰی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات
۴۸۰۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفّٰی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ
۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہٗ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ
۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام لاہور 1433ھ
۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ
۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہٗ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

نعم الباری

فی

شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نعم الباری
فی
شرح صحیح البخاری

جلد خامس عشر (۱۵)

الاحادیث: ۶۷۷۲ — ۷۱۳۶

کتاب الحدود، کتاب المحاربین من اھل الکفر والردۃ، کتاب الدیات،
کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم، کتاب الاکراہ، کتاب الحیل،
کتاب التعبیر، کتاب الفتن

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد خامس عشر (۱۵)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	باراول مئی 2014ء بار دوم مئی 2015ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS28

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (خامس عشر)

افتتاحیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين، الذی جعلنا من المسلمين، ووصفنا بخير امة من الأمم الماضين، و انعم علينا بتنزيل القرآن الكريم و هدانا به الى الصراط المستقيم، و الصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين قائد الغرّ المحجّلين، الذی شرح الفرقان باحاديثه و بيانه القويم، و كشف عن اسراره و غوامضه لهداية الناس اجمعين، و انقذنا بحسن سيرته من الظلمات والضلال المبين، و على اله الطيبين واصحابه الطاهرين الذين قاموا باشاعة الدين المتين مع كمال الخلوص والجهد العظيم، و على ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين، و على جميع الائمة التابعين من المفسرين والمحدثين المخلصين الكاملين الى يوم الدّين۔

و بعد فيقول العبد الفقير الى مولاه القدير غلام رسول السعيدی دائم الاحتياج الى كرم ربه السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسير قد شرعت فی شرح الصحيح للامام البخاری (عليه نعم الباری) توكّلا على رحمة الله و فضله العميم۔ ولا يكون تحريره و تقريره و تكميله الّا نعمته العظمیٰ۔ فلذا سمّيته بنعمة الباری فی شرح الصحيح للبخاری۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهدان لا اله الّا الله وحده لا شريك له واشهد انّ سيّدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سيئات اعمالی۔ من يهده الله فلا مضلّ له ومن يّضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنيف هذا الكتاب على صراط مستقيم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار و الحاسدين۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الكريم و مقبولاً عندك و عند رسولك الرؤف الرحيم واجعله شائعاً و مستفيضاً و مفيضاً و مرغوباً فی اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لی ولجميع من انتسب الی من المسلمين صدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنی زيارة النبی الكريم ﷺ فی الدنيا و شفاعته فی الاخرة واحينی على الاسلام بالسلامة و امتنی على الايمان بالكرامة۔ اللهم انت ربّی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرّما صنعت ابوءُ لك بنعمتك علیّ وابوءُ لك بذنبی فاغفرلی فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشكر نعمتك التی انعمت علیّ و على والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمين يا ربّ العالمين بجاه سيد المرسلين ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور باکمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعم الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندوں ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگار! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

٨٦۔ كِتَابُ الْحُدُوْدِ

حدود کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں الحدود کے احکام کا بیان کیا گیا ہے۔ الحدود، الحد کی جمع ہے اور اس کا لغوی معنی ہے: روکنا اور منع کرنا۔ اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو داخل ہونے سے روکتا ہے اور منع کرتا ہے۔

اور اس کا شرعی معنی ہے: ایسی سزا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی ہے۔ اور اس کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لائے ہیں کیونکہ حد کئی اقسام پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) حد الزنا

(۲) حد القذف: (کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانے کی سزا)

(۳) حد الشراب: (انگور کے کچے شیرہ سے بنی ہوئی شراب پینے کی سزا)

(۴) حد السرقہ: (چوری کرنے کے جرم پر ہاتھ کاٹنے کی سزا)

(علامہ عینی نے صرف یہ چار حدود ذکر کی ہیں اور ارتداد کی سزا کا ذکر نہیں کیا اور ارتداد کی سزا یہ ہے کہ جو مرد اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دیا جائے اور اگر عورت اپنا دین تبدیل کرے تو اس کو قید کر دیا جائے، تو اس طرح یہ پانچ حدود ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی لکھتے ہیں: کبھی لفظِ حدود کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد نفسِ معاصی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت میں ذکر ہے:

وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۸۷)

اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں سے عمل زوجیت نہ کرو، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم ان کے قریب نہ جاؤ، اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:۱)

خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں، اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حد کی متفق علیہ اقسام

حدود کا لفظ حد کی جمع ہے اور یہاں پر جو حدود ذکر کی گئی ہیں وہ حد زنا، حد خمر اور حد سرقہ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ جن کاموں پر حد لگانا واجب ہے وہ سترہ کام ہیں، ان میں سے جن پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ارتداد (۲) حرابہ (ڈاکہ ڈالنا، جب کہ اس نے گرفتار ہونے سے پہلے توبہ نہ کی ہو)، (۳) زنا (۴) زنا کی تہمت لگانا (۵) خمر (انگور کے کچے شیرہ کی شراب) پینا، خواہ اس سے نشہ ہو یا نہ ہو۔ (۶) چوری کرنا۔

حد کی مختلف فیہ اقسام

اور جن کاموں پر حد کے وجوب میں اختلاف ہے وہ یہ ہیں:

(۱) عاریۃً لی ہوئی چیز کا انکار کرنا (۲) خمر کے علاوہ ایسے مشروب کو پینا جس کی کثیر مقدار نشہ آور ہو (۳) زنا کے علاوہ تہمت لگانا (۴) تعریضاً زنا کی تہمت لگانا (۵) لواطت کرنا، خواہ اس کے ساتھ لواطت کی جائے جس کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہو (۶) جانور سے بدفعلی کرنا (۷) سحاق (عورت کا عورت سے جسمانی لذت حاصل کرنا)، (۸) عورت کا بندر یا کسی اور جانور کو وطی کا موقع دینا (۹) جادو کرنا (۱۰) سستی اور کاہلی سے نماز کو ترک کرنا (۱۱) رمضان کے مہینہ میں روزہ نہ رکھنا۔

یہ وہ کام ہیں جن میں ان کے مرتکبین سے جنگ کرنا مشروع نہیں ہے جیسا کہ ان لوگوں سے جنگ کرنا مشروع ہے جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا انکار کر دیں اور جنگ کے لیے تیار ہوں۔

حد کا لغوی اور شرعی معنی

لغت میں حد اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اور ان دو چیزوں کو ملنے سے روکتی ہو، حد الدار اس کو کہتے ہیں جو ایک گھر کو دوسرے گھر سے متمیز کرے۔ اور کسی چیز کی حد اسے کہتے ہیں جو اس چیز کا احاطہ کر لے اور زانی کی سزا کو حد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ سزا اس کو دوبارہ زنا کے فعل سے روکتی ہے یا اس لیے کہ زنا کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ اور دربان کو بھی حداد اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسروں کو داخل کرنے سے منع کرتا ہے اور روکتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کبھی حدود کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے مراد نفسِ معاصی ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔۔۔ الآیہ (البقرہ:۱۸۷)'' ''وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔۔۔ (الطلاق:۱)''۔

اور جب کہ یہ سزائیں حلال اور حرام میں فرق کرتی ہیں اسی وجہ سے ان کو حدود کہا گیا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدود کی متعدد تعریفات ہیں:

حدود وہ ہیں جن کی شرع نے حد قائم کر دی ہے واجبات میں سے، محرمات میں سے اور عقوبات وغیرہا میں سے۔

پس واجبات میں سے جو حدود ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۲۹)

یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں O

اور محرمات کی جو حدود ہیں ان کے متعلق فرمایا "تم ان کے قریب نہ جاؤ"۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے O

حدود کی حکمت

حدود کی حکمت یہ ہے کہ بندہ دوبارہ اس معصیت کا ارتکاب نہ کرے جس پر حد واجب ہوتی ہو۔ اور دوسرے لوگ بھی اس حد سے عبرت پکڑ کر معصیت کے ارتکاب کی جرأت نہ کریں۔ نیز حد جاری کرنے سے اس بندہ کا گناہ مٹ جاتا ہے سوا ڈاکوؤں کے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۳)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۔ بَابُ: مَا يُحْذَرُ مِنَ الْحُدُوْدِ

حدود کے ارتکاب سے ڈرانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان کا ذکر کیا گیا ہے جن سے حدود کے ارتکاب سے ڈرایا جاتا ہے۔ صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں یہ علیحدہ باب

نہیں ہے بلکہ کتاب الحدود کے ساتھ متصل ہے یعنی یہ حدود کے بیان میں ہے اور جن چیزوں سے ارتکاب حدود سے ڈرایا جاتا ہے ان کے بیان میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۔ بَابُ: لَا يُشْرَبُ الْخَمْرُ — اس کا بیان کہ خمر نہ پی جائے

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُنْزَعُ مِنْهُ نُورُ الْإِيمَانِ فِي الزِّنَا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص زنا کرے اس سے ایمان کا نور نکال لیا جاتا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ مسلمان خمر کو نہ پیئے۔ اور المستملی کی روایت میں ہے کہ یہ باب زنا اور خمر کے پینے کے بیان میں ہے یعنی زنا کے حکم اور خمر پینے کے حکم کے بیان میں ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''زنا کرنے والے سے ایمان کا نور نکال لیا جاتا ہے''۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے لڑکوں کو ایک ایک کرکے بلاتے تھے، پھر فرماتے: کیا ہم تمہارا نکاح نہ کردیں؟ جو بندہ بھی زنا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے۔ اس حدیث کو امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے مرفوعاً روایت کیا ہے از مجاہد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جو مرد زنا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے، پس اگر اس نور کو اس کی طرف لوٹانا چاہے تو لوٹا دیتا ہے۔ (تہذیب الآثار، مسند ابن عباس ج ۲ ص ۶۲۱، رقم: ۹۲۶)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۰-۴۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِمِثْلِهِ إِلَّا النُّهْبَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از ابوبکر بن عبد الرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور جس وقت کوئی مرد خمر پیتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور جس وقت کوئی شخص چوری کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص لوٹ مار کرتا ہے اور لوگ اپنی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

از ابن شہاب از سعید بن المسیب اور ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مثل مروی ہے سوائے نهبة کے لفظ کے۔ (جس کا معنی ہے: لوٹ مار کرنا)

(صحیح البخاری: ۲۴۷۵، ۵۵۷۸، ۶۷۷۲، ۶۸۱۰، صحیح مسلم: ۵۷، سنن ترمذی: ۲۶۲۵، سنن نسائی: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۹، سنن ابن ماجہ ۳۹۳۶، مسند احمد: ۷۳۱۹، سنن دارمی: ۲۱۰۶)

صحیح البخاری: ۶۷۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان ہے ”خمر نہ پی جائے“ اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”جس وقت کوئی شخص خمر پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا“۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عُقیل، یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوبکر، یہ ابن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام المخزومی ہیں۔

امام مسلم کی روایت میں یہ سند اس طرح مذکور ہے از شعیب بن اللیث از والد خود از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے عُقیل بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ابن شہاب نے کہا: مجھے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام نے خبر دی۔

حدیث مذکور کے معانی

آیا حدیث مذکور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کے اقوال

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ ہم سے پہلے علماء نے اس حدیث میں اختلاف کیا، پس بعض علماء نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے اور اس کے حدیث ہونے کا انکار کیا، عطاء نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کی ادائیگی میں راویوں کا اختلاف ہے۔ پس محمد بن زید بن واقد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب نے اس وقت کہا جب ان سے اس حدیث کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ فرمایا تھا کہ ”کوئی مومن ہرگز زنا نہ کرے اور کوئی مومن ہرگز چوری نہ کرے“۔۔۔

انہوں نے کہا: اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ کوئی زانی اس حال میں زنا نہ کرے کہ وہ زنا کو حلال سمجھتا ہو سوا اس کے جس کا اس پر ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو اس پر حرام کر دیا ہے، پس یا تو وہ زنا کرے گا اور اس کے حرام ہونے کا اعتقاد کرتا ہوگا تو وہ مومن ہوگا، اس کی روایت عکرمہ نے اپنے مولیٰ سے کی ہے اور ان کی دلیل اس میں یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس نے زنا کیا

ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو"۔ اور دوسرے علماء نے کہا: اس شخص سے ایمان نکال لیا جائے گا اور اس کو مومن نہیں کہا جائے گا، بلکہ اس کو منافق اور فاسق کہا جائے گا۔

حدیث مذکور کی مختلف علماء کی طرف سے تاویلات اور توجیہات

حسن بصری سے مروی ہے: نفاق کی دو قسمیں ہیں: ایک نفاق یہ ہے جس میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جائے، سو اس کی مغفرت نہیں ہوگی۔ اور دوسرا وہ نفاق ہے جس میں خطائیں اور گناہ ہوں اور اس کے مرتکب کے لیے مغفرت کی امید ہے۔

اور الاوزاعی نے کہا کہ صحابہ کسی شخص کو گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتے تھے اور نہ کسی شخص کے اوپر کفر کی شہادت دیتے اور وہ اپنے اوپر بھی نفاقِ اعمال کا خوف رکھتے تھے۔

اور دوسرے علماء نے کہا کہ جب مومن کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس سے ایمان کو نکال لیا جاتا ہے اور جب وہ گناہِ کبیرہ سے علیحدہ ہو تو اس کی طرف ایمان لوٹ آتا ہے۔

حدیث مذکور کی روشنی میں بعض خوارج کا نظریہ

اور بعض خوارج اور رافضہ اور الاباضیہ نے کہا: جس نے ان میں سے کوئی کام بھی کیا تو وہ کافر ہے ایمان سے خارج ہے، کیونکہ یہ لوگ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے مومن کو کافر قرار دیتے تھے اور معاصی کی وجہ سے ان کے اوپر دائمی دوزخ کے عذاب کو واجب کرتے تھے اور ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے۔

ارتکابِ زنا کے وقت ایمان کے نکال لیے جانے کی متعدد توجیہات

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اس سے ایمان کا نور نکال لیا جائے گا" یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جو نورِ بصیرت ہے وہ نکال لیا جائے گا کیونکہ اس پر شہوت کا غلبہ ہے۔ پس اس بصیرت کے نور کو اس کے دل کی شہوت نے بجھا دیا۔ اور اس معنی کی شہادت اللہ عزوجل کے درج ذیل ارشاد سے ہوتی ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (المطففین: ۱۴)

ہرگز نہیں! بلکہ ان کے (برے) کاموں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا O

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بابِ تغلیظ سے ہے یعنی "جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا" تو اس حدیث میں ایمان کی نفی سے مراد یہ ہے کہ وہ اس وقت سخت گناہ یا بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور یا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ اس وقت کامل مومن نہیں ہوتا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ زوالِ ایمان سے مراد اس شخص کو اس سے ڈرانا ہے کہ اس کو زنا کی عادت نہ پڑ جائے، کیونکہ جو شخص کسی چراگاہ کے گرد جانور چراتا ہے تو یہ خطرہ ہے کہ وہ جانور اس چراگاہ میں چرنے لگیں گے۔

حدیثِ مذکور میں "جس وقت وہ زنا کرتا ہے" کی قید کا فائدہ

اس حدیث میں ارشاد ہے "جس وقت وہ زنا کرتا ہے"۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ حین کا لفظ ماقبل یا مابعد کے ساتھ متعلق ہے،

پھر علامہ کرمانی نے کہا: یعنی زانی جس وقت بھی زنا کرے وہ اس وقت مومن نہیں ہوگا۔
اس حدیث میں تمام قسم کے معاصی پر تنبیہ ہے، کیونکہ نافرمانیاں یا تو بدنی ہوں گی جیسے زنا، یا مالی ہوں گی خواہ رازداری سے ہو جیسے چوری یا کھلم کھلا علی الاعلان ہو جیسے لوٹ مار، یا نافرمانی عقلی ہوگی جیسے خمر کو پینا کیونکہ یہ عقل کو زائل کر دیتی ہے۔

علی الاعلان لوٹ مار کرنے کا سنگین گناہ ہونا

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نهبة"، یہ وہ مال ہے جس کو لوٹا گیا ہو۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: "نهبة" زبر کے ساتھ ہو یا پیش کے ساتھ اس سے مراد لوٹا ہوا مال ہے یعنی جو شخص بھی دوسرے کا مال قہراً اور ظلماً لے گا اس حال میں کہ لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں اور فریاد کر رہے ہوں اور رو رہے ہوں اور وہ اس لوٹ مار کرنے والے کو دفع کرنے پر قادر نہ ہوں۔ پھر علامہ کرمانی نے کہا: اس حدیث میں جو کہا ہے کہ لوگ دیکھ رہے ہوں گے، اس کا کیا فائدہ ہے؟ پھر انہوں نے جواب دیا کہ جو مال مفادِ عامہ کے لیے ہو اس مال کو عادتاً اسی وقت اٹھایا جاتا ہے جب کہ صراحتہً ظلم کے ساتھ لوٹ مار کی جائے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حدیث میں جو مذکور ہے کہ لوگ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں، یہ اس سے کنایہ ہو کہ وہ شخص چھپ کر مال نہ لے رہا ہو بلکہ کھلم کھلا اور علی الاعلان مال لے رہا ہو۔ اور یہ لوٹ مار کی اور نهبة کی صفت لازمہ ہے، اس کے برخلاف چوری لوگوں سے چھپ کر کی جاتی ہے اور لوٹ مار کرنا اور انتہاب شدید گناہ ہے، کیونکہ اس میں حرام کام کے اوپر زیادہ جرأت ہے اور بے پرواہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۱۔ ۴۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۷۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زانی سے ارتکابِ زنا کے وقت ایمان کی نفی کے محامل

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ "جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا"۔
اس حدیث میں ایمان کی نفی سے مراد ہے: ایمانِ کامل کی نفی جیسے کہا جاتا ہے کہ علم وہی ہے جو نفع دے اور زندگی وہی ہے جو آخرت کی زندگی ہے۔ اور ہم اس حدیث کی تاویل اس لیے کرتے ہیں کہ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ ارتکابِ معصیت سے ایمان زائل نہیں ہوتا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جس نے لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو۔

حدیث "من قال لا اله الا الله دخل الجنة" کی تحقیق اور تخریج

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جو روایت ذکر کی ہے وہ دراصل ایک طویل حدیث ہے، اس حدیث کے آخر میں ہے:
"حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ اپنی امت کو یہ بشارت دیجئے کہ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے کہا: اے جبریل! خواہ اس نے چوری کی ہو خواہ اس نے زنا کیا ہو؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جی ہاں!، میں نے کہا: خواہ اس نے چوری کی ہو، خواہ اس نے زنا کیا ہو؟ تو حضرت جبریل نے کہا: جی ہاں، خواہ اس نے شراب پی ہو"۔ (صحیح البخاری: ۶۴۴۳)

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کے پاس سے ایک آنے والا آیا، اس نے مجھے خبر دی یا مجھے بشارت دی کہ جو شخص میری امت میں سے اس حال میں مر گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، اس نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو۔

(صحیح البخاری: ۱۲۳۷، ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷، صحیح مسلم: ۹۴، سنن ترمذی: ۲۶۴۴، مسند احمد: ۲۰۹۰۵)

نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے اوپر سفید کپڑا تھا اور آپ سوئے ہوئے تھے، میں پھر آپ کے پاس آیا، اس وقت آپ بیدار ہو چکے تھے تو آپ نے فرمایا: جو بندہ بھی کہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں) پھر اسی قول پر مر جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے کہا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا: خواہ اس نے زنا کیا ہو اور خواہ اس نے چوری کی ہو، وہ ابوذر کی ناک کو خاک میں رگڑتا ہوا (جنت میں داخل ہوگا)۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب بھی یہ حدیث بیان کرتے تو کہتے: خواہ وہ ابوذر کی ناک کو خاک آلود کرتے ہوئے"۔ امام بخاری نے کہا: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب وہ موت کے وقت "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہے، یا موت سے پہلے جب وہ توبہ کرے اور نادم ہو اور کہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی۔ (صحیح البخاری: ۵۸۲۵)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے عمرہ کرتے ہوئے فرمایا: جب تم عمرہ کے لیے آؤ تو پہلے تین چکروں میں رمل کرو حتیٰ کہ مشرکین تمہاری قوت کو دیکھیں اور اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: لوگوں کو بشارت دو کہ جس نے بھی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ (المعجم الکبیر: ۵۵۵۵، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ)

نیز یہ حدیث درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے:

(صحیح ابن حبان: ۳۱، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸، المستدرک ج ۴ ص ۲۵۱، الترغیب ج ۲ ص ۴۲۲، کامل بن عدی ج ۷ ص ۲۶۳۹، اتحاف السادۃ المتقین ج ۵ ص ۲۵، حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۷۴)

اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث مشہور ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر بیعت کی کہ وہ چوری نہیں کریں گے اور زنا نہیں کریں گے۔ الحدیث۔ اور اس حدیث کے آخر میں ہے "جس نے یہ کام کئے اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ اس

کے کاموں کا کفارہ ہے اور جس کو سزا نہیں دی گئی تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، اگر وہ چاہے تو اس کو معاف فرما دے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے''۔

(صحیح البخاری: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۰۵۵، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۳۹، سنن نسائی: ۴۱۶۱، سنن داری: ۲۴۵۳)

اور اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ (النساء: ۴۸) بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

علاوہ ازیں اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں قرار دیا جاتا جب کہ اس نے شرک نہ کیا ہو۔ سوان احادیث اور اس آیت مبارکہ اور اہل سنت کے اجماع کی وجہ سے ہم اس حدیث کی تاویل کرنے پر مجبور ہوئے، اور وہ تاویلات درج ذیل ہیں:

(۱) بعض علماء نے کہا: زنا کے مرتکب سے ارتکابِ زنا کے وقت ایمان اس صورت میں نکال لیا جاتا ہے جب کہ اسے علم ہو کہ زنا حرام ہے اور پھر وہ زنا کو حلال قرار دے کر زنا کرے۔

(۲) الحسن البصری اور محمد بن جریر الطبری نے کہا ہے کہ اس سے ایمان نکال لیے جانے کا محمل یہ ہے کہ اس پر کسی مدح کے اسم کا اطلاق نہیں کیا جاتا جن مدح کے اسماء کا اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء پر اطلاق فرماتا ہے، پس اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ مومن ہے۔ اور وہ مذمت کے اسم کا مستحق ہوگا، پس کہا جائے گا: یہ چور ہے اور زانی ہے اور فاجر ہے اور فاسق ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس شخص سے ایمان کا نور نکال لیا جائے گا اور اس سلسلہ میں حدیثِ مرفوع بھی ہے۔

(۴) علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس سے ایمان نکالنے کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بصیرت کو اس سے نکال لیا جاتا ہے۔

(۵) محمد بن زید بن واقد بن عبداللہ بن عمر نے کہا: اس حدیث میں نفی بمعنی نہی ہے یعنی مومن ہرگز زنا نہ کرے اور ہرگز چوری نہ کرے۔

(۶) علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ مومن کو یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔

(۷) علامہ ابن بطال نے کہا کہ مرتکب زنا اس حال میں نفاقِ معصیت کا مرتکب ہوتا ہے نفاقِ کفر کا مرتکب نہیں ہوتا۔

(۸) اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ مرتکبِ زنا اس حال میں کافر کے عمل کے مشابہ ہوتا ہے اور تشبیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس حال میں مومن سے قتال کرنا جائز ہے تاکہ اس کو معصیت کے ارتکاب سے روکا جائے خواہ یہ قتال اس کے قتل کا سبب بن جائے۔ اور اگر وہ اس حال میں قتل کیا گیا تو اس کا خون ضائع ہوگا۔ اور ایمان کی نفی کا محمل یہ ہے کہ چونکہ مومن کی جان اور مال محفوظ ہوتی ہے اور اس بدکاری کی حالت میں اس کی جان محفوظ نہیں ہے۔

(۹) مرتکب زنا اس معصیت کے ارتکاب کے وقت اپنے دل میں جو اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہوتی ہے اس سے غافل ہوجاتا ہے اور یہی اس سے مراد ہے کہ اس کے دل سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے اور شاید علامہ المہلب کی بھی یہی مراد ہے۔

(۱۰) اس حال میں ایمان کی نفی سے مراد یہ ہے کہ اس حال میں اسے اللہ کے عذاب سے امان نہیں ہوتی کیونکہ ایمان، امن سے ماخوذ ہے۔

(۱۱) اس حال میں ایمان کی نفی زجر و توبیخ کے لیے ہے اور تغلیظ اور تہدید کے لیے ہے، جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے ○ (آل عمران: ۹۷)

یعنی یہ افعال مومن کی صفات سے نہیں ہیں کہ مومن کو ان صفات سے متصف نہیں ہونا چاہیے۔

(۱۲) جس حال میں کوئی شخص گناہِ کبیرہ سے متصف ہوتا ہے اس حال میں اس سے ایمان کو سلب کرلیا جاتا ہے اور جب وہ کبیرہ کو ترک کردیتا ہے تو پھر ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور یہ امام بخاری کی اس حدیث کے ظاہر کے مطابق ہے جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب المحاربین کے باب اسم الزنا میں ذکر کیا ہے:

عکرمہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایمان کس طریقہ سے نکال لیا جاتا ہے، انہوں نے کہا: اس طرح اور اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالا اور پھر انگلیوں کو نکال لیا۔ پھر جب وہ توبہ کرتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے اور انہوں نے انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔

اور اس کی مثل امام ابوداؤد نے اور امام حاکم نے سندِ صحیح کے ساتھ از سعید المقبری روایت کی ہے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مرد زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اور وہ اس کے سر پر ایک سائبان کی طرح ہوتا ہے، پھر جب وہ اس گناہ کو چھوڑ دیتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

اور حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: جس نے زنا کیا یا خمر پی تو اللہ تعالیٰ اس سے ایمان کو نکال لیتا ہے جس طرح انسان اپنے سر سے قمیص کو نکال لیتا ہے۔

اور امام طبرانی نے سندِ جید کے ساتھ مرفوعاً روایت کی ہے کہ جس شخص نے زنا کیا اس سے ایمان نکل جاتا ہے، پس اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(۱۳) علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس کا بیان یہ ہے کہ ایمان تصدیق ہے لیکن تصدیق کے دو معنی ہیں، ان میں سے ایک معنی قول ہے اور دوسرا معنی عمل ہے، پس جب تصدیق کرنے والا کسی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے ایمان کا اسم الگ ہوجاتا ہے اور جب وہ اس گناہِ کبیرہ کو ترک کردیتا ہے تو پھر ایمان کا اسم اس کی طرف لوٹ آتا ہے، کیونکہ جس حال میں وہ گناہِ کبیرہ کو ترک کرتا ہے تو زبان سے کبیرہ سے اجتناب کرتا ہے اور اس کی زبان اس کے دل کے عقیدہ کی مصدق ہوتی ہے اور یہی ایمان کا معنی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ قول اس کے مطابق ہے جس کی طرف ثوری نے اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شخص سے ایمان کا نور نکال لیا جاتا ہے۔ اور یہ اس پر محمول ہے کہ ان احادیث میں ایمان نکالنے سے

مراد یہ ہے کہ ایمان کا نور نکال لیا جاتا ہے اور ایمان کے نور سے مراد ہے تصدیق کا فائدہ اور اس کا ثمرہ۔ اور اس سے مراد تصدیق کے تقاضا پر عمل کرنا ہے۔

(۱۴) علامہ طیبی نے کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان احادیث میں مراد یہ ہو کہ جو شخص جس حال میں زنا کرتا ہے اس حال میں اس میں حیاء نہیں ہوتی، اور اسی حیاء کو دوسری حدیث میں نور کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ حیاء ایمان سے ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴، صحیح مسلم: ۳۶، سنن ترمذی: ۲۶۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۹۵، مسند احمد: ۵۱۸۶، موطا امام مالک: ۱۶۷۹)

پس اصل معنی یوں ہوگا کہ جس وقت کوئی زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء نہیں کرتا، کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا اور اسے اس کی معرفت ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال کا مشاہدہ فرما رہا ہے تو وہ زنا کا ارتکاب نہ کرتا، اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: "جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح حیاء کرے جو حیاء کرنے کا حق ہے تو وہ اپنے سر کی حفاظت کرے اور سر جن چیزوں کو محیط ہے ان کی حفاظت کرے اور پیٹ کی حفاظت کرے اور پیٹ جن چیزوں کو محیط ہے ان کی حفاظت کرے"۔

علامہ المازری نے کہا ہے: یہ تاویلات خوارج اور رافضیوں میں سے جو ان کے موافق ہیں ان کے اس قول کا رد کرتی ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جب کہ وہ بغیر توبہ کے مر جائے، اسی طرح معتزلہ کا قول ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور ان گمراہ فرقوں نے اس باب کی حدیث سے اور اس کی مشابہ احادیث سے استدلال کیا اور جب اس حدیث کی وہ توجیہ کی جائے جو ہم نے بیان کی ہے تو ان کے دلائل ساقط ہو جاتے ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: بعض علماء نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں معاصی اور نافرمانیوں کی تمام اقسام پر تنبیہ کی ہے اور ان سے ڈرایا ہے، پس زنا کے ساتھ تمام شہوات پر تنبیہ کی ہے اور چوری کے ساتھ دنیا میں رغبت اور حرام کاموں کی حرص پر تنبیہ کی ہے اور خمر پینے سے ان تمام چیزوں پر تنبیہ کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے روکتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت کو واجب کرتی ہیں اور کھلے عام لوٹ مار کرنے سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے استخفاف پر تنبیہ کی ہے اور ان کی تعظیم اور توقیر کے ترک کرنے پر تنبیہ کی ہے اور ان سے حیاء کرنے پر تنبیہ کی ہے، اور دنیا کو ناحق جمع کرنے پر تنبیہ کی ہے۔

اور علامہ القرطبی نے کہا ہے: اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ حدیث تین امور کو متضمن ہے جو خرابیوں کی سب سے بڑی اصل ہیں اور نیکیوں کی ضدوں کی اصل ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ جن شرمگاہوں کو حرام قرار دیا گیا ہے ان کے ساتھ مباح کا معاملہ کیا جائے اور بعض وہ چیزیں ہیں جو عقل میں خلل پیدا کرتی ہیں اور ان میں خمر کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کیونکہ عقل کو زائل کرنے میں خمر سب سے قوی سبب ہے۔ اور چوری کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کیونکہ یہ دوسرے کا مال ناحق طریقہ سے لینے کا غالب سبب ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) جس شخص نے بھی زنا کیا وہ اس وعید میں داخل ہو جائے گا عام ازیں کہ وہ شخص کنوارا ہو یا شادی شدہ ہو۔ اور عام ازیں کہ جس سے اس نے زنا کیا ہے وہ اجنبی عورت ہو یا محرم ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ محرم کے ساتھ زنا کرنا انتہائی سنگین بے حیائی ہے اور شادی شدہ کا زنا کرنا یہ بھی سنگین جرم ہے۔ بعض کاموں پر شریعت میں زنا کا اطلاق کیا گیا ہے، مثلاً کسی اجنبی عورت کو چھونا اور مس کرنا یا اس سے لپٹنا، اسی طرح اس کو بوسہ دینا اور اس کو دیکھنا، اگرچہ عرف شرع میں ان کاموں پر زنا کا اطلاق کیا گیا ہے

لیکن وہ اس حدیث میں داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ ان صغیرہ گناہوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہ سے اجتناب کرنے کے سبب سے معاف فرما دیتا ہے یا دیگر نیکیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ (النساء: ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ (ہود: ۱۱۴) بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے چوری کی خواہ کم کی ہو یا زیادہ کی ہو اور اسی طرح جس نے لوٹ مار کی خواہ کم کی ہو یا زیادہ، وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہو جائے گا، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ بعض شافعی علماء نے غصب کے گناہِ کبیرہ ہونے میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ نصاب کے مطابق مال کو غصب کرے۔ اسی طرح چوری پر ہاتھ کاٹنے کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ اس نے نصاب کے مطابق مال کی چوری کی ہو، تب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور دس درہم کی مالیت ۲۰۱۳ء میں پاکستانی کرنسی کے مطابق دو ہزار ترانوے (۲۰۹۳) روپے ہے، اگرچہ نصاب سے کم چوری کرنا بھی حرام ہے۔

(۳) اور اس حدیث میں کسی کا مال ناحق لینے پر سخت وعید ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قسم کھائی ہے اور قسم اسی پر کھائی جاتی ہے جس کی تاکید کا ارادہ کیا جائے۔

(۴) اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے خمر کو پیا وہ اس حدیث کی وعید میں داخل ہو جائے گا عام ازیں کہ وہ مشروب قلیل ہو یا کثیر ہو، کیونکہ خمر کو قلیل مقدار میں پینا بھی گناہِ کبیرہ ہے، اگرچہ خمر پینے سے جو عقل فاسد ہو جاتی ہے وہ اس سے بہت سخت گناہ ہے جب خمر پینے سے عقل زائل نہ ہو۔

(۵) اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لوٹ مار کرنے کی تمام قسمیں حرام ہیں حتیٰ کہ اگر مالک کی طرف سے لوٹ مار کی اجازت دی گئی ہو پھر بھی حرام ہے، جیسا کہ شادی کے موقع پر متمول لوگ سونا چاندی کے سکوں کو نچھاور کرتے ہیں اور لوگ ان کو لوٹتے ہیں۔

(میں کہتا ہوں: اسی طرح نکاح کے مواقع پر چھواروں کو اچھالتے ہیں اور شرکاءِ نکاح ان کو لوٹتے ہیں اور بعض میلاد النبی کے جلوسوں میں پلاسٹک کی تھیلیوں میں مٹھائی اور حلوہ وغیرہ پیک کر کے شرکاءِ جلوس کے اوپر اچھالتے ہیں اور وہ ان کو لوٹتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

لیکن حسن بصری اور ابراہیم نخعی اور قتادہ نے تصریح کی ہے کہ تحریم کی شرط یہ ہے کہ یہ لوٹ مار مالک کی اجازت کے بغیر ہو۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۲۹۔۸۳۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٣- بَابُ: مَا جَاءَ فِي ضَرْبِ شَارِبِ الْخَمْرِ خمر پینے والے کو مارنے کے متعلق احادیث کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس حدیث کا ذکر کیا جائے گا جس میں خمر پینے والے کو مارنے کا بیان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٧٣- حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ح حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عنهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حفص بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم ح اور ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے والے کو درخت کی چھلی ہوئی شاخوں اور جوتوں سے مارا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے۔

(صحیح البخاری: ٦٧٧٦، صحیح مسلم: ١٧٠٦، سنن ترمذی: ١٤٤٣، سنن ابوداؤد: ٤٤٧٩، سنن ابن ماجہ: ٢٥٧٠، مسند احمد: ١١٧٢٩، سنن دارمی: ٢٣١١)

صحیح البخاری: ٦٧٧٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں خمر پینے والے کو مارنے کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یہی بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں سے روایت کی ہے۔

الاول: از حفص بن عمر از ہشام الدستوائی از قتادہ۔

الثانی: از آدم بن ابی ایاس از شعبہ الخ۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کی کتاب الحدود میں روایت کی ہے از ابوموسیٰ و بندار۔ اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی کتاب الحدود میں از مسلم بن ابراہیم روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کی از بندار روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے کتاب الحدود میں اس حدیث کی از علی بن محمد اختصار سے روایت کی ہے اور اس حدیث میں اس جملہ کا ذکر نہیں ہے کہ ''حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے"۔

خمر پینے والے کی حد کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور اہل الظاہر نے کہا ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو اس کی حد چالیس کوڑے ہے۔
اور شیخ ابن حزم نے کہا: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت الحسن بن علی اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اور امام شافعی، ابوسلیمان اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔
اور فقہاء تابعین میں سے حسن بصری، شعبی، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام ابویوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام احمد نے یہ کہا ہے کہ اس کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے۔ یہ مذہب حضرت علی، حضرت خالد بن ولید اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔
حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: جمہور متقدمین اور متاخرین علماء کا یہ موقف ہے کہ شراب نوشی کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے اور یہی امام مالک، ثوری، الاوزاعی، عبیداللہ بن الحسن، حسن بن حیی، اسحاق اور احمد کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ خمر کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے اور ان کا اس میں کوئی مخالف نہیں تھا۔ اور فقہاء تابعین کی جماعت اور جمہور فقہاء مسلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور جو اس میں اختلاف ہے وہ شاذ ہے اور جمہور کا قول اس کے خلاف ہے۔
امام ابوعبداللہ المعروف بالحاکم المتوفی ۴۰۵ھ اپنی سند کے ساتھ از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: انہوں نے فرمایا: جس کام کو مسلمان اچھا قرار دیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور جس کام کو مسلمان برا جانیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے اور تمام صحابہ نے یہ سمجھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلافت کے مستحق ہیں۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔ (المستدرک ج ۳ ص ۷۸)
امام حاکم فرماتے ہیں: اس حدیث کی شاہد درج ذیل حدیث ہے:
امام حاکم اپنی سند کے ساتھ از شعبی از ابووائل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ ہمارے اوپر کوئی خلیفہ مقرر نہیں کرتے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہیں کیا، پس میں کیسے کسی کو خلیفہ بناؤں؟ لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا تو عنقریب ان کو میرے بعد مسلمانوں میں سے سب سے بہتر پر جمع کر دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے نبی کے بعد جو مسلمانوں میں سب سے بہتر تھا اس پر مسلمانوں کو جمع کر دیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔ (المستدرک ج ۳ ص ۷۸۔۷۹، دارالباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ)
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میری سنت کو لازم کر لو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو لازم کر لو۔
(سنن ترمذی: ۲۶۷۶، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶)
اور امام الدارقطنی نے از یحییٰ بن فلیح از محمد بن یزید از عکرمہ از ان کے مولیٰ روایت کی ہے کہ شراب پینے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہاتھوں سے اور جوتوں سے اور لاٹھیوں سے مارا جاتا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اور حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والوں کو چالیس کوڑے مارے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے مارے۔۔۔۔الحدیث۔۔۔۔یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگوں کا اس میں کیا مشورہ ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو اس کو نشہ چڑھتا ہے اور جب اس کو نشہ چڑھتا ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے اور جب وہ ہذیان بکتا ہے تو لوگوں پر تہمت باندھتا ہے اور تہمت باندھنے والے کی سزا اسی (۸۰) کوڑے ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ شراب پینے والے کو اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں۔

(سنن دار قطنی: ۳۲۷۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن بیہقی ج ۸ ص ۳۲۰، باب ماجاء فی عدد حد الخمر، مسند احمد ج ۴ ص ۸۸، ۳۵۰، ۳۵۱)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۲۔ ۴۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: امام ترمذی نے اس حدیث کی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ حدیث درج ذیل ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے خمر پی تھی، پس اس کو چھلی ہوئی شاخوں سے چالیس شاخیں ماری گئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سب سے کم درجہ کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کا حکم دیا۔ (سنن ترمذی: ۱۴۴۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۱۵)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے اہلِ علم کا اس پر عمل ہے اور دوسروں کا بھی کہ جو شخص نشہ میں ہو تو اس کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے۔ (سنن ترمذی: ص ۶۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

شراب نوشی کی حد کے متعلق دیگر احادیث

امام مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے خمر پی تھی، پس آپ نے اس کو دو شاخیں چالیس مرتبہ ماریں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا، پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے کم حد اسی (۸۰) کوڑے ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری: ۶۷۷۳، صحیح مسلم: ۱۷۰۶، سنن ترمذی: ۱۴۴۳، مسند احمد: ۱۲۸۰۵، ۱۳۸۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر نوشی کے سبب سے درخت کی شاخیں اور جوتے مارے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جب دورِ خلافت آیا اور لوگ سرسبز زمینوں سے اور دیہاتوں سے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم لوگ خمر میں کتنے کوڑے مارنے کی رائے دیتے ہو؟ تو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے ہے کہ آپ اس میں سب سے کم حد کی مثل رکھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۷۳، صحیح مسلم: ۱۷۰۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۰، مسند احمد: ۱۲۱۴۰)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ ابو ساسان سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر تھا، اس وقت ولید کو لایا گیا، اس نے صبح کی نماز دو رکعت پڑھائی، پھر کہا: کیا میں تم کو اور زیادہ رکعات پڑھاؤں؟ پھر اس کے خلاف دو مردوں نے شہادت دی، ان میں سے ایک حمران تھے، انہوں نے کہا کہ اس نے خمر پی ہے، اور دوسرے نے شہادت دی کہ انہوں نے اس کو دیکھا تھا کہ وہ قے کر رہا تھا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے اسی وقت قے کی جب شراب پی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اے علی! آپ اٹھیے پس اس کو کوڑے ماریے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حسن تم اٹھو اور اس کو کوڑے مارو، تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی گرمی اس کے سپرد کیجئے جس نے اس کی ٹھنڈک کو حاصل کیا ہے، گویا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اس پر ترس آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبد اللہ بن جعفر! تم اٹھو اور اس کو کوڑے مارو۔ پس انہوں نے کوڑے مارے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گن رہے تھے حتیٰ کہ جب چالیس کوڑے ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب اٹھ جاؤ، پھر فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مارے، اور ان میں سے ہر حد سنت ہے اور میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۴۴۸۰۔ ۴۴۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۱)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں جس کسی پر حد قائم کروں اور وہ اس حد سے مر جائے تو مجھے اس سے دل میں رنج نہیں ہوگا سوائے خمر پینے والے کے، کیونکہ اگر وہ مر گیا تو میں اس کی دیت ادا کروں گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حد کی تعداد مقرر نہیں کی۔ (صحیح البخاری: ۶۷۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۴۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۹) (صحیح مسلم، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے خمر پی اس کو کوڑے مارو، اگر وہ چوتھی مرتبہ خمر پیئے تو اس کو قتل کر دو۔ (سنن ترمذی: ۱۴۴۴، مسند احمد ج ۴ ص ۹۵)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ہے مگر یہ حکم شروع میں تھا، پھر بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(اسی طرح محمد بن اسحاق نے از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے خمر پی اس کو کوڑے مارو، اگر وہ چوتھی بار پھر خمر پیئے تو اس کو قتل کر دو، پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی تھی، آپ نے اس کو کوڑے مارے اور اس کو قتل نہیں کیا، اور اسی طرح زہری نے از قبیصہ از ذؤیب از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کی، انہوں نے کہا کہ پس قتل کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے اور پہلے یہ رخصت تھی، اور اس حدیث کے اوپر عام اہل علم کا عمل ہے، ہمیں ان کے درمیان کسی اختلاف کا علم نہیں ہے خواہ وہ علماء متقدمین ہوں یا متاخرین ہوں۔ اور اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے، آپ نے فرمایا: کسی مسلمان مرد کا خون کرنا جائز نہیں ہے جو اس کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور جو یہ گواہی دیتا ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے تین

خصلتوں کے: جان کا بدلہ جان ہے، شادی شدہ زانی، اور اپنے دین کو ترک کرنے والا)۔
(سنن ترمذی: ص ۶۰۸۔ ۶۰۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

اس جگہ یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں احادیث وارد کرنے کا جو اصول مقرر کیا ہے کہ وہ اسی حدیث کی روایت کریں گے جو کسی نہ کسی امام کا مذہب ہوگا، اور چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کی سزا کسی امام کا مذہب نہیں ہے، تو امام ترمذی نے اس حدیث کو کیسے روایت کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر بطور حد قتل کرنا کسی امام کا مذہب نہیں ہے، لیکن اگر اس کو بطور تعزیر قتل کیا جائے تو یہ ائمہ مذاہب کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی اس حدیث کو تعزیر پر محمول کیا جائے نہ کہ حد پر۔

۴۔ بَابُ: مَنْ أَمَرَ بِضَرْبِ الْحَدِّ فِي الْبَيْتِ — گھر میں حد مارنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جس شخص نے گھر میں حد مارنے کا حکم دیا، گویا کہ امام بخاری نے اس باب سے ان لوگوں کے رد کا ارادہ کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حد خفیہ طریقہ سے نہ ماری جائے۔

اور امام محمد بن سعد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب ان کے بیٹے ابو شحمہ نے مصر میں شراب پی تو حضرت عمرو بن العاص نے ان کو گھر میں حد ماری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار کیا اور اپنے بیٹے ابو شحمہ کو مدینہ میں حاضر کیا اور ان پر علی الاعلان حد ماری۔ اور علماء نے اس قصہ کو اپنے بیٹے کی تادیب کے مبالغہ پر محمول کیا ہے، نہ اس وجہ سے کہ حد اسی وقت صحیح ہوگی جب وہ کھلم کھلا اور علی الاعلان ماری جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ جِيءَ بِالنُّعَيْمَانِ أَوْ بِابْنِ النُّعَيْمَانِ شَارِبًا فَأَمَرَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَانَ بِالْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوهُ قَالَ فَضَرَبُوهُ فَكُنْتُ أَنَا فِيمَنْ ضَرَبَهُ بِالنِّعَالِ۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۶، ۶۷۷۴، ۶۷۷۵، مسند احمد: ۱۸۹۳۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از ابن ابی مُلیکہ از عقبہ بن الحارث، وہ بیان کرتے ہیں کہ نُعیمان یا ابن نُعیمان کو لایا گیا اس حال میں کہ وہ شراب پینے والے تھے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لوگ گھر میں تھے ان کو حکم دیا کہ وہ ان کو ماریں، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس گھر والوں نے ان کو مارا اور میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ان کو جوتوں سے مارا۔

صحیح البخاری: ۶۷۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''گھر میں حد مارنا'' اور اس حدیث میں بھی گھر میں حد مارنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوہاب، یہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، یہ السختیانی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی ملیکہ، یہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہیں، ان کا نام زہیر بن عبداللہ ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بن عامر بن نوفل بن عبدمناف ابوسروعہ القرشی المکی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنی ہیں، اور اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوکالت میں از محمد بن سلام گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نُعیمان کو لایا گیا'' نُعیمان میں نون پر پیش ہے اور عین پر زبر ہے اور یہ ابن عمرو الانصاری ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یا ابن النُعیمان کو لایا گیا'' یہ راوی کا شک ہے، اور الزبیر بن بکار اور ابن مندہ نے اس حدیث کی دو سندوں سے روایت کی ہے اور اس میں نُعیمان کا بغیر کسی شک کے ذکر ہے۔

حضرت النعیمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

اور الزبیر کی روایت میں ہے کہ حضرت نُعیمان رضی اللہ عنہ شراب پیا کرتے تھے، اور حافظ ابن عبدالبر نے ایک جگہ کہا کہ بیشک حضرت نُعیمان رضی اللہ عنہ کو خمر پینے کے سبب سے پچاس مرتبہ سے زیادہ کوڑے مارے گئے اور دوسری جگہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نیک مرد تھے اور ان کا ایک بیٹا تھا جو خمر پینے کا عادی تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے مارے۔اور حضرت النعیمان رضی اللہ عنہ بہت مذاق کرنے والے تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے۔

اور ابن الکلبی نے کہا ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعیمان کو دیکھتے تو اپنے آپ کو ہنسنے سے نہیں روک سکتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنی اونٹنی کو بٹھایا تو حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کاش! تم اس اونٹنی کو نحر کر دیتے (یعنی ذبح کر دیتے) تو ہم اس کا گوشت کھاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قیمت کا تاوان ادا کر دیتے، پس حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ نے اس اونٹنی کو نحر کر دیا، پھر وہ اعرابی نکلا اور اس نے چیخ ماری اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) افسوس اونٹنی کو کاٹ ڈالا گیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت نُعیمان رضی اللہ عنہ نے کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور اس اونٹنی کی قیمت کا تاوان ادا کر دیا۔

اور امام محمد بن سعد نے بیان کیا کہ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے، اور وہ بیت العقبہ میں ستر صحابہ کے ساتھ حاضر تھے اور وہ بدری صحابی تھے۔اور وہ غزوہ احد، غزوہ خندق اور تمام غزوات میں شریک رہے۔

کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے حضرت النعیمان رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے کی ممانعت

التوضیح میں علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے لکھا ہے: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چار یا پانچ مرتبہ کوڑے مارے، تو ایک مرد نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما، یہ کتنی زیادہ مرتبہ شراب پیتا ہے اور اس کو کتنے زیادہ مرتبہ کوڑے لگائے جاتے ہیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ نعیمان کے لیے سوائے خیر کے اور کچھ نہ کہو، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شاربا" اور وہیب کی روایت میں ہے کہ وہ نشہ میں تھے۔

پس اگر تم سوال کرو کہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ جو شخص نشہ میں ہو اس پر نشہ کی حالت میں حد قائم کی جائے اور یہ ظاہر یہ یعنی غیر مقلدین کا مذہب ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے اور انہوں نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث سے مراد ان کو مارنے کا سبب بیان کرنا ہے اور جس حال میں ان پر ضرب لگائی گئی اس حال میں بھی ان کا نشہ موجود تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۳۔ ۴۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے اس باب کی جو شرح کی ہے، وہ من وعن فتح الباری ج ۷ ص ۸۳۲ میں مذکور ہے۔ اور علامہ عینی نے اپنی شرح میں اسی سے استفادہ کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

فسق کا ارتکاب اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے مانع نہیں ہے

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہو وہ ان کی نافرمانی نہیں کرتا، اور جو نافرمانی کرے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محب نہیں ہوتا۔ اور اللہ اور رسول سے محبت کا معیار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور جو ان کی نافرمانی کرے وہ ان کا محب نہیں ہوتا۔ لیکن اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے، کیونکہ حضرت النعیمان رضی اللہ عنہ بار بار شراب پیتے تھے اور ان پر حد لگائی جاتی تھی، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان پر لعنت نہ کرو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نافرمانی کے ارتکاب کی وجہ سے کسی پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۵۔ بَابُ: الضَّرْبِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ
شراب پینے والوں کو درخت کی چھلی ہوئی شاخوں اور جوتوں سے مارنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خمر پینے کی حد میں درخت کی چھلی ہوئی شاخوں اور جوتوں سے مارنا جائز ہے۔ امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ خمر پینے کی سزا میں درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارنا جائز ہے اور کافی ہے۔ اور علامہ النووی نے

لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ خمر پینے کی سزا میں درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارنا کافی ہے اور کپڑوں کے اطراف سے مارنا بھی کافی ہے۔ پھر کہا: اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ چابک سے مارنا جائز ہے۔ اور اس کا قول شاذ ہے جس نے کہا ہے کہ چابک سے مارنا شرط ہے، یہ قول غلط ہے اور اس سے احادیث صحیحہ کو ترک کرنا لازم آتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بعض شافعی ائمہ کا اس میں اختلاف ہے، پس علامہ ابوالطیب اور ان کے موافقین نے اس کی تصریح کی ہے کہ چابک سے مارنا جائز نہیں ہے۔ اور قاضی حسین شافعی نے چابک سے مارنے کو معین کیا اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۵۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِنُعَيْمَانَ أَوْ بِابْنِ نُعَيْمَانَ وَهُوَ سَكْرَانُ فَشَقَّ عَلَيْهِ وَأَمَرَ مَنْ فِي الْبَيْتِ أَنْ يَضْرِبُوهُ فَضَرَبُوهُ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ وَكُنْتُ فِيمَنْ ضَرَبَهُ۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۶، ۶۷۷۴، ۶۷۷۵، مسند احمد: ۱۸۹۳۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب بن خالد نے حدیث بیان کی از ایوب از عبداللہ بن ابی مُلیکہ از حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس نُعیمان کو یا ابن نُعیمان کو لایا گیا اور وہ اس وقت نشہ میں تھے، تو نبی ﷺ پر یہ معاملہ دشوار ہوا اور جو لوگ گھر میں تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ اس کو ماریں، سو انہوں نے ان کو درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ان کو مارا تھا۔

صحیح البخاری: ۶۷۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں ہم نے اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت بیان کر دی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۶۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ جَلَدَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْخَمْرِ بِالْجَرِيدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ أَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خمر پینے کے سبب سے درخت کی شاخوں اور جوتوں سے مارا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۷۶، صحیح مسلم: ۱۷۰۶، سنن ترمذی: ۱۴۴۳، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۰، مسند احمد: ۱۱۷۲۹، سنن دارمی: ۲۳۱۱)

صحیح البخاری: ۶۷۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بھی اسی طرح ہے جس طرح اس سے پہلے دو بابوں میں گزر چکی ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سے پہلی حدیث میں گزرا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے کے سبب سے مارا، اور یہاں پر فرمایا ہے: ''جَلَدَ''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان دونوں حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ یہاں پر مراد یہ ہے کہ اس مار کا اثر اس کی جلد یعنی کھال پر پہنچا اور یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو کوڑے مارے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسلم، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور یہ ابن ابراہیم البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ الدستوائی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ أَنَسٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ قَالَ اضْرِبُوهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهِ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهِ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ أَخْزَاكَ اللهُ قَالَ لَا تَقُولُوا هٰكَذَا لَا تُعِينُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۸۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۷، مسند احمد: ۷۹۲۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوضمرہ انس نے حدیث بیان کی از یزید بن الہاد از محمد بن ابراہیم از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی، آپ نے فرمایا: اس کو مارو، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: پس ہم میں سے بعض وہ تھے جو اس کو ہاتھوں سے مارنے والے تھے اور بعض وہ تھے جو اس کو جوتے سے مارنے والے تھے اور بعض وہ تھے جو اس کو کپڑے سے مارنے والے تھے (یعنی کپڑے کا کوڑا بنا کر)، جب وہ واپس ہوئے تو لوگوں میں سے کسی نے کہا: اللہ تجھے رسوا کرے، آپ نے فرمایا: تم اس طرح نہ کہو اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔

صحیح البخاری: ۶۷۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اسی طرح مطابقت ہے جس طرح اس سے پہلے احادیث میں بیان کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوضمرہ، ان کا نام انس بن عیاض ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن الہاد، اور یہ یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن شداد بن الہاد ہیں، حدیث کی سند میں ان کی نسبت ان کے جد اعلیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث بن خالد التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، اور سلمہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔ اور یزید اور ان کے شیخ اور ان کے شیخ کے شیخ سب مدنی ہیں اور تابعی ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی کتاب الحدود میں از قتیبہ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد کو لایا گیا''۔ ایک قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مرد وہ ہو جن کا نام عبداللہ ہے اور ان کا لقب حمار ہے، اور عنقریب اس باب کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کا ذکر آئے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مرد سے مراد نُعیمان ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی تیسرا شخص مراد ہو۔

اس حدیث میں مارنے کا عدد ذکر نہ کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''اضربوہ'' یعنی اس کو مارو، اس حدیث میں مارنے کا عدد معین نہیں کیا گیا، کیونکہ اس وقت تک شراب نوشی کی حد میں مارنے کی حد معین نہیں ہوئی تھی۔ اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے کے سبب سے کسی حد کو مقرر نہیں فرمایا تھا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد کی کوئی مقدار معین نہیں فرمائی تھی اور کسی عدد مخصوص کے ساتھ اس کو خاص نہیں کیا تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''کسی شخص نے ان کے متعلق کہا: اخزاک اللہ'' یعنی اللہ تمہیں ذلیل کرے اور رسوا کرے۔ اگر ''خَزِیَ'' کا لفظ ''عَلِمَ یَعلَمُ'' کے باب سے ہو یعنی ''خَزِیَ یَخزیٰ'' تو اس کا معنی ذلیل کرنا اور رسوا کرنا ہے اور اگر یہ ''فَتَحَ یَفتَحُ'' کے باب سے ہو یعنی ''خَزَیَ یَخزٰی'' تو اس کا معنی ہے: حیاء کرنا۔

بددعا سے منع کرنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو'' یعنی جب تم اس کے خلاف یہ دعا کرو گے کہ اللہ اس کو ذلیل اور رسوا کرے تو تم شیطان کی مدد کرو گے، کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کے خلاف بددعا کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع نہ فرمائیں تو لوگ اس سے متنفر ہوں گے یا اس لئے آپ نے فرمایا کہ پھر یہ وہم ہوگا کہ یہ اس بددعا کا مستحق ہے، پھر شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۵۔۴۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٧٨۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ سَمِعْتُ عُمَيْرَ بْنَ سَعِيدٍ النَّخَعِيَّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالَ مَا كُنْتُ لِأُقِيمَ حَدًّا عَلَى أَحَدٍ فَيَمُوتَ فَأَجِدَ فِي نَفْسِي إِلَّا صَاحِبَ الْخَمْرِ فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ وَذَلِكَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَسُنَّهُ۔

(صحیح مسلم:١٧٠٧،سنن ابوداؤد:٤٤٨٦،مسند احمد:١٠٢٤)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن الحارث نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں ابو حصین نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: میں نے عمیر بن سعید النخعی سے سنا،انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سنا،انہوں نے فرمایا: میں کسی پر اتنی حد نہیں ماروں گا جس سے وہ مر جائے اور پھر مجھے اپنے دل میں افسوس ہو سوائے خمر پینے والے کے،کیونکہ اگر وہ مر گیا تو میں اس کی دیت ادا کروں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمر پینے کی حد مقرر نہیں فرمائی۔

صحیح البخاری:٦٧٧٨،کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ،اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری الفاظ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمر پینے پر کسی حد کو مقدر اور منضبط نہیں فرمایا،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: آپ نے کوڑے مارنے کی تعداد کو معین نہیں فرمایا۔اور یہ عنوان کے مطابق ہے،کیونکہ اس میں کوئی حد معلوم نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان،اور وہ ثوری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حَصِین (حاء پر زبر اور صاد کے نیچے زیر) ان کا نام عثمان بن عاصم الاسدی الکوفی ہے۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عُمیر (عین پر پیش اور میم پر زبر) یہ ابن سعید ہیں اور یہ نخعی ہیں،اسی طرح علامہ کرمانی نے کہا ہے،انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان کا پہلے ذکر نہیں آیا،اور ان کے نام میں ایک روایت سعد کی ہے بغیر یاء اور یہ سہو ہے،اس کو الغسانی نے کہا ہے۔

اور علامہ النووی نے کہا ہے: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے تمام نسخوں میں اسی طرح ہے،اور حمیدی نے کہا ہے: تمام نسخوں میں سعد ہے اور یہ غلط ہے۔اور ''المہذب'' میں لکھا ہے عمر بن سعد،یہ سخت غلط ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ امام نسائی اور امام طحاوی نے کہا ہے عُمر (عین پر پیش اور میم پر زبر)۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر نے امام طحاوی کی طرف جو منسوب کیا ہے تو انہوں نے ذکر نہیں کیا،کیونکہ میں نے ''معانی

الآثار" کی شرح کی ہے اور اس میں عُمیر بن سعید لکھا ہوا ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے اور وہ بہت بڑے تابعی ہیں، ثقہ ہیں اور ۱۱۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام طحاوی کے نسخے اتنے منضبط نہیں ہیں اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ ان کے نسخوں میں اختلاف ہو۔ اور اس سے پہلے یہ نہیں گزرا کہ انہوں نے عُمیر کے نام میں حصر کا دعویٰ کیا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۴، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از محمد بن المنہال وغیرہ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کو از اسماعیل بن موسیٰ روایت کیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو از اسماعیل روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ما کنت لاقیم" اس میں لام کے نیچے زیر ہے اور یہ نفی کی تاکید کے لیے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد میں ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاجد" جب کوئی شخص غمگین ہو تو کہا جاتا ہے "وجد الرجل یجد"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا صاحب الخمر" یہ استثنیٰ منقطع ہے، یعنی لیکن میں خمر پینے والے پر حد لگانے اور پھر اس کے مرجانے سے غمزدہ ہوتا ہوں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل عبارت یوں ہو کہ "میں کسی ایک پر حد قائم کیے جانے سے اس کے مرنے پر ذرہ بھی افسوس نہیں کرتا سوائے اس کے جس نے خمر پی ہو اور وہ حد قائم ہونے سے مر جائے"۔ اس صورت میں یہ استثنیٰ متصل ہو جائے گا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ودیتہ" یعنی میں اس کی دیت ادا کروں گا اور اس کا تاوان دوں گا۔ یہ "ودی یدی دیۃ" سے ماخوذ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یسنہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد کی مقدار کو سنت سے بیان نہیں فرمایا۔ اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کی حد میں کسی چیز کو مقرر نہیں فرمایا، یہ وہ چیز ہے جس کو ہم نے مقرر کیا۔

خمر کی حد کے عدم تعین پر ایک اعتراض

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ از داناج از حصین بن المنذر از الرقاشی از ابی ساسان از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر میں چالیس کوڑے مارے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑے مارے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اسی (۸۰) کوڑوں کے ساتھ مکمل کیا، اور ان میں سے ہر مقدار سنت ہے، اس حدیث کی امام ابوداؤد نے

بھی از مسدد اسی طرح روایت کی ہے۔ اور اس میں جو مذکور ہے "اور ہر ایک سنت ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ چالیس کوڑوں اور اسی کوڑوں میں سے ہر مقدار سنت ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے: تم کہو کہ چالیس کوڑے مارنا سنت ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اس پر عمل کیا ہے، اور اسی (۸۰) کوڑے مارنا بھی سنت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں اس پر عمل کیا ہے۔

اعتراضِ مذکور کا علامہ عینی کی طرف سے جواب

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: جب امام طحاوی نے اس حدیث کی روایت کی تو کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ خمر پینے والے کی حد صرف چالیس کوڑے ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ پھر کہا: اور دوسرے فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے اس حدیث کا فساد بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کے الفاظ میں سے کچھ بھی کہا ہو، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف مروی ہے۔

اس کے بعد امام طحاوی نے عُمیر بن سعید کی حدیث کی روایت کی جو ابھی گزری ہے اور حدیثِ سابق جو کہ داناج از حصین مروی ہے اس کو رد کرنے میں طویل گفتگو کی۔

اور امام طحاوی کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا کہ داناج کی حدیث صحیح نہیں ہے، کیونکہ صحیح البخاری کی حدیث جو اس باب میں ذکر کی گئی ہے وہ اس کا رد کرتی ہے اور اس کے خلاف ہے۔

خمر پینے والا اگر حد جاری کرنے سے مر جائے تو اس کی دیت اور تاوان میں فقہاء کا اختلاف

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جو ارشاد ہے "میں کسی پر حد قائم نہیں کرتا، جو اس سے مر جائے تو مجھے اس پر افسوس ہو سوائے خمر پینے والے پر" اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص حد جاری کرنے سے مر جائے اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

اور ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ اس کے مر جانے کی وجہ سے امام کے اوپر دیت لازم نہیں ہے اور اس پر کفارہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بیت المال پر کفارہ ہے، لیکن جو شخص تعزیر جاری کرنے کی وجہ سے مر جائے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس امام شافعی نے کہا: اس کی دیت امام کی عاقلہ (یعنی اس کے عصبات) پر ہے اور اس پر (یعنی امام پر) کفارہ ہے، اور دوسرا قول ہے کہ بیت المال پر کفارہ ہے، اور جمہور علماء کا قول ہے کہ اس میں کسی پر کوئی چیز واجب نہیں ہے۔

التوضیح میں مذکور ہے (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں):

جب خمر پینے والے پر حد جاری کرنے سے وہ مر جائے تو اس کے متعلق کئی اقوال ہیں:

امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے: امام کے اوپر کوئی ضمان نہیں ہے اور اس کو قتل کرنا حق ہے۔

اور امام شافعی نے کہا ہے: اگر کپڑے کی اطراف سے یا جوتوں سے خمر پینے والے کو مارا جائے اور وہ مر جائے تو امام ضامن نہیں ہوگا، یہ امام شافعی کا قولِ واحد ہے۔ اور اگر اس کو کوڑوں سے مارا ہے تو پھر امام ضامن ہوگا، اور ضمانت کی صفت میں دو صورتیں ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ وہ مکمل دیت کا ضامن ہوگا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ صرف اس صورت میں ضامن ہوگا جب کہ اس

کے مارنے کا درد جوتوں کے ساتھ مارنے سے زیادہ ہو۔

اور امام شافعی سے یہ بھی روایت ہے: اگر اس کو جوتوں سے مارا اور کپڑوں کی اطراف سے مارا جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ چالیس کوڑوں کو نہیں پہنچتا یا پہنچتا ہے یا اس سے متجاوز نہیں ہوتا، پھر وہ مر گیا تو اس کو قتل کرنا برحق ہے۔ پس اگر اس طرح سے ہو تو نہ اس کا قصاص ہے اور نہ دیت ہے اور نہ امام پر کفارہ ہے۔ اور اگر اس کو چالیس کوڑے مارے، پھر وہ مر گیا تو اس کی دیت امام کے عاقلہ پر ہے بیت المال پر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۶۔۴۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۷۹۔ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْجُعَيْدِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ خُصَيْفَةَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنَّا نُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَإِمْرَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُومُ إِلَيْهِ بِأَيْدِينَا وَنِعَالِنَا وَأَرْدِيَتِنَا حَتَّى كَانَ آخِرُ إِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ أَرْبَعِينَ حَتَّى إِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِينَ۔

(مسند احمد: ۱۵۲۹۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از الجعید از یزید بن خصیفہ از حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتداء میں ہمارے پاس شراب پینے والے کو لایا جاتا تو ہم اس کو اپنے ہاتھوں سے اور اپنے جوتوں سے اور اپنی چادروں سے مارتے، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں انہوں نے (شراب پینے والے کو) چالیس کوڑے مارے یہاں تک کہ جب شراب پینے والوں نے سرکشی کی اور فسق کیا تو انہوں نے اسّی کوڑے مارے۔

صحیح البخاری: ۶۷۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسبِ سابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں الجُعَید کا ذکر ہے (جیم پر پیش ہے اور عین پر زبر ہے اور یہ جعد کی تصغیر ہے)، یہ ابن عبد الرحمٰن التابعی ہیں اور یہ صغار تابعین میں سے ہیں۔ اور امام بخاری کی یہ سند انتہائی عالی سند ہے کیونکہ امام بخاری اور اس تابعی کے درمیان صرف ایک راوی ہے (اور وہ مکی بن ابراہیم ہیں) سو یہ حدیث ثلاثیات کے حکم میں ہے۔

اور اس حدیث کی سند میں یزید بن خُصَیفہ کا ذکر ہے (خاء پر پیش ہے اور صاد پر زبر ہے) یہ کوفی ہیں، اور سائب بن یزید بھی کوفی ہیں اور کندی ہیں۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کنا نؤتی" یہ مجہول کا صیغہ ہے۔
پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت سائب بن یزید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بہت چھوٹے تھے اور ان کی عمر اس وقت چھ سال تھی، تو انہوں نے کس طرح اپنے آپ کو ان حاضرین کی جماعت میں داخل کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خمر پینے والے کو لایا گیا تھا؟

علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:
زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ "ہمارے پاس شراب پینے والے کو لایا جاتا تھا" اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ صحابہ کے پاس لایا جاتا تھا، تاہم یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوں یا کسی اور کے ساتھ حاضر ہوں، پس ان صحابہ کے شریک ہوں اور یہ اسناد بر بنائے حقیقت ہو۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "وامْرة ابی بکر" (امرة میں ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور میم ساکن ہے) یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت اور ان کی خلافت میں۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "وصدرًا من خلافة عمر" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "واردیتنا" یہ رداء کی جمع ہے، یعنی ہم اپنی چادروں کا کوڑا بنا کر اس سے مارتے تھے۔
اور اس حدیث میں مذکور ہے "حتی اذا عتوا" یعنی جب خمر پینے والوں نے خمر پینے میں بہت زیادتی اور سرکشی کی اور فساد کی انتہاء کو پہنچ گئے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر ہو گئے اور خمر پینے سے باز نہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارے۔
اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زمانہ کو پالیتے تو ان کو اسی (۸۰) سے دگنے کوڑے مارتے۔
امام عبدالرزاق نے سندِ صحیح کے ساتھ بزرگ تابعی عبید بن عُمیر سے جو حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی حدیث کی مثل ہے روایت کی ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو چالیس کوڑے مارے، پھر جب دیکھا کہ وہ باز نہیں آرہے تو ان کو ساٹھ (۶۰) کوڑے مارے، پس جب دیکھا کہ وہ اب بھی باز نہیں آرہے تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارے اور فرمایا: یہ کم سے کم حد ہے۔
(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۷۹۔ ۶۷۷۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خمر پینے کی حد کے متعلق متعدد روایات

امام مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: پس جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو لوگ سبزہ زاروں اور بستیوں سے قریب آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے کہا: آپ لوگ خمر کی حد میں کتنے کوڑے لگانے کی رائے دیتے ہیں؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ اس کو سب سے کم حد کی مثل کوڑے مارے جائیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مارے۔ (صحیح مسلم: ۱۷۰۶، کتاب الحدود، باب حد الخمر)

اور امام مسلم کی دوسری روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ خمر پینے کے سبب سے درخت کی چھلی ہوئی شاخوں اور جوتوں کو چالیس بار مارتے تھے۔ (صحیح مسلم:۱۷۰۶)

اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جو نشہ میں تھا تو آپ نے بیس مردوں کو حکم دیا، پس ہر مرد نے اس کو جوتوں سے اور درخت کی شاخوں سے دو دو مرتبہ مارا۔ (السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۱۷، رقم:۱۷۵۲۲)

امام ابوداؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو تلقین کرو اور کچھ لوگ آگے بڑھ کر اسے کہہ رہے تھے: کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، کیا تمہیں اللہ کا خوف نہیں ہے، کیا تم رسول اللہ ﷺ سے حیاء نہیں کرتے اور ایک روایت میں ہے، آپ نے فرمایا: لیکن تم کہو: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ (سنن ابوداؤد:۴۴۷۸)

اور امام بخاری نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس پر اسی (۸۰) کوڑے ماریں۔ (صحیح البخاری:۳۶۹۶، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

اور امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے الولید بن عقبہ کو کوڑے مارے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گن رہے تھے حتیٰ کہ جب چالیس تک تعداد پہنچی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رُک جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے چالیس کوڑے مارے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے اور یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (صحیح مسلم:۱۷۰۷، کتاب الحدود، باب حد الخمر)

اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں: جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ لوگ شراب پینے میں بہت غلو کر رہے ہیں اور سزا کو کم سمجھ رہے ہیں، تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کو نشہ ہوتا ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے اور جب وہ ہذیان بکتا ہے تو تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے کی حد اسی کوڑے ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کسی کمزور مرد کو لایا جاتا جس میں لغزش ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پر چالیس کوڑے مارتے تھے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے بھی مارے ہیں اور چالیس کوڑے بھی مارے ہیں۔

(السنن الکبریٰ ج ۸ ص ۳۲۰، رقم:۱۷۵۳۹)

امام شافعی نے از معمر از الزہری از عبدالرحمٰن بن ازہر روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شراب پینے والے کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو مارو، تو صحابہ نے اس کو ہاتھوں اور جوتوں اور کپڑوں کی اطراف سے مارا اور اس پر مٹی ڈالی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو تلقین کرو، سو انہوں نے تلقین کی اور اس کو چھوڑ دیا۔ پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے حاضرین سے کوڑے مارنے کی تعداد کے متعلق سوال کیا تو چالیس کوڑے بتائے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے حتیٰ کہ لوگ پے در پے خمر پینے لگے تو اسی کوڑے مارے۔

(مسند الشافعی بترتیب السندی ج ۲ ص ۹۰، رقم الحدیث:۲۹۲)

انس بن عیاض نے کہا کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں اختلاف ہے اور ازہر کی حدیث میری رائے میں محفوظ نہیں ہے۔ اور اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے۔ اور ابوحاتم اور ابوزرعہ نے کہا:

اس حدیث کو الزہری نے ابن الازہر سے نہیں سنا۔ (علل الترمذی الکبیر ج ۲ ص ۷۰۶۔ ۷۰۴ علل ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۷ ۴۴۔ ۳۴۶)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ مسند الشافعی کی حدیث ضعیف ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے نہیں مارے تھے، اسی (۸۰) کوڑے مارنے کی ابتداء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے ہوئی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)۔

امام الدارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ عکرمہ کے مولیٰ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شراب پینے والوں کو ہاتھوں سے، جوتوں سے اور لاٹھیوں سے مارا جاتا تھا حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت آئی، انہوں نے چالیس (۴۰) کوڑے مارے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا یہاں تک کہ ان کے پاس مہاجرین میں سے ایک مرد آیا اور اس نے اس آیت سے استدلال کیا:

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْاؕ وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۠ (المائدہ: ۹۳)

ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ○

وہ مہاجر مرد غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں حاضر ہوا تھا۔

(خلاصہ یہ ہے کہ اس مہاجر نے یہ استدلال کیا تھا کہ اگر کوئی مومن شراب پی لے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ کھا پی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی)۔

پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیات ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو دنیا سے جا چکے تھے اور انہوں نے شراب کی تحریم سے پہلے شراب پی تھی اور پھر فوت ہوگئے تھے۔

اور اب لوگوں پر خمر کی تحریم میں حجت یہ آیت ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ: ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بتوں کے پاس نصب شدہ پتھر اور فال کے تیر محض ناپاک ہیں، شیطانی کاموں سے ہیں، سو تم ان سے اجتناب کرو تاکہ تم کامیاب ہو ○

پس اگر وہ شخص ایمان والوں میں سے ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شراب پینے سے منع کر دیا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا، اب آپ کی کیا رائے ہے؟ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: جب وہ شراب پیتا ہے تو اس کو نشہ ہوتا ہے اور جب نشہ ہوتا ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے اور جب وہ ہذیان بکتا ہے تو جھوٹی تہمت لگاتا ہے اور جھوٹی تہمت لگانے والوں کی سزا اسی (۸۰) کوڑے ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کو اسی (۸۰) کوڑے لگائے گئے۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۶۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خمر پی اس کو کوڑے

مارو، پھر اگر اس نے خمر پی تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر اس نے خمر پی تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر اس نے خمر پی تو اس کو قتل کر دو۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۳۱۳)

امام ابوداؤد کی روایت میں پانچویں بار خمر پینے پر قتل کرنے کا حکم ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۸۳)

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ امام ابوداؤد کی روایت صحیح نہیں ہے، صحیح صرف چوتھی بار خمر پینے پر قتل کرنے کا حکم ہے۔ اور پانچویں بار قتل کرنے کا حکم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے جس کو حمید بن یزید نے روایت کیا ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۱ ص ۳۶۷۔۳۶۶)

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ جید کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ آپ نے چوتھی بار خمر پینے پر فرمایا: اگر وہ دوبارہ پیئے تو اس کی گردن مار دو۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۲)

خمر کی حد میں اختلافِ فقہاء

امام مالک اور ان کے اصحاب، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، ثوری، فقہاء کوفہ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ خمر کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے۔

اور امام شافعی، ابوثور اور اہل الظاہر نے کہا ہے کہ خمر کی حد چالیس کوڑے ہے۔ اور امام احمد سے خمر کی حد کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

اور ہم نے جو جمہور کا مذہب بیان کیا ہے، یہ اس کے مطابق ہے جو علامہ ابن بطال اور علامہ ابن التین نے ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ابوعمر نے بھی یہی کہا ہے کہ متقدمین اور متاخرین علماء میں سے جمہور کا یہی قول ہے۔

اور حافظ ابوعمر نے نیز کہا کہ یہ امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور یہی الاوزاعی، عبید اللہ بن حسن، حسن بن حی، اسحاق اور امام احمد کا قول ہے۔ (الاستذکار ج ۲۴ ص ۲۶۹)

اور مسدد نے بیان کیا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن عروبہ نے حدیث بیان کی از الداناج از حضین بن المنذر الرقاشی ابی ساسان از حضرت علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے پر چالیس کوڑے مارے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مکمل کر دیئے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۸۱)

اور عبدالعزیز بن المختار نے الداناج سے روایت کی ہے از حصین بن المنذر، انہوں نے بیان کیا: میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا تو ولید بن عتبہ کو لایا گیا اور اس نے اہلِ کوفہ کو نماز پڑھائی، تو حمران نے اس کے خلاف شہادت دی اور ایک اور مرد نے۔ ان میں سے ایک نے شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے اور دوسرے نے شہادت دی کہ اس نے ولید کو قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے قے اس وقت کی جب اس نے شراب کو پیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اس پر آپ حد قائم کریں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے ولید کو کوڑے مارے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ گن رہے تھے حتیٰ کہ جب چالیس کوڑے ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب رک جاؤ، پھر فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (۸۰) کوڑے مارے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے اور یہی مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۷۰۷، کتاب الحدود، باب حد الخمر)

دوسرے علماء نے کہا ہے کہ داناج کی حدیث صحیح نہیں ہے اور انہوں نے اس کا انکار کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کوئی بات فرمائی ہو، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف حدیث مروی ہے۔ اور اس باب میں جو صحیح البخاری کی حدیث ہے وہ بھی داناج کی حدیث کا رد کرتی ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔

اور سفیان نے عطاء بن ابی رباح سے روایت کی ہے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس نجاشی کو لایا گیا جس نے رمضان میں شراب پی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارے اور پھر اس کو قید میں ڈالنے کا حکم دیا، پھر دوسرے دن اس کو مزید بیس (۲۰) کوڑے مارے اور کہا کہ یہ بیس کوڑے اس وجہ سے ہیں کہ اس نے رمضان کی حرمت کو پامال کیا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۸۲)

اور ابن شہاب سے روایت ہے از حُمید بن عبدالرحمٰن کہ بنوکلب کا ایک مرد تھا جس کو ابن وبرہ کہا جاتا تھا، اس کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، پس ان کے پاس حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کو پایا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگ خمر پینے میں مستغرق ہو گئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ارد گرد صحابہ سے پوچھا: آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! جب اس شخص کو نشہ آتا ہے تو وہ ہذیان بکتا ہے اور جب وہ ہذیان بکتا ہے تو وہ تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے کی حد اسی کوڑے ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے بھی اسی کی موافقت کی۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۷۵)

پس کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب خمر کی حد کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اپنی رائے سے اس کی حد کا استنباط کیا اور اس کی حد تہمت لگانے والے کی حد کی مثل قرار دی۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسی حدیث ہوتی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر کی حد کو بیان فرمایا ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وہ کافی تھی اور وہ اپنا اجتہاد نہ کرتے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب کے پاس اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صریح حدیث ہوتی تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر انکار کرتے، لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف داناج کی اس حدیث کی نسبت کیسے صحیح ہوگی جس میں یہ ذکر ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے اور یہ مجھے زیادہ پسندیدہ ہے''۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر میں کسی حد کو مقرر نہیں کیا۔ اور حضرت عقبہ بن حارث، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمر پینے پر ضرب کی کسی حد کو مقرر نہیں فرمایا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یہ حکم دیا کہ اس کو مارو۔ اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے غور و فکر کر کے مارے۔

پس ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خمر کی حد کو اسی کوڑے مقرر کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا۔ اور صحابہ کا اس پر اجماع منعقد ہو گیا، ان میں حضرت عثمان، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوموسیٰ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم تھے۔ اور اس موقع پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے۔ اور چونکہ صحابہ کرام کا اجماع خطاء سے معصوم ہے اس لیے خمر کی حد اسی کوڑے ہونے پر اجماع ہو گیا، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ مصحف پر اجماع ہو

گیا تھا اور اس کے ماسوا مصاحف کو منع کر دیا تھا۔ پس خمر کی حد اسّی کوڑے ہونے پر اجماع ہو گیا اور اس کی حجت لازم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (النساء:۱۱۵)

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جس کام کو مسلمان اچھا قرار دیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔
(مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۷۸۔۷۹)

اور اس لیے بھی کہ صحابہ کرام کا اجماع خطاء سے معصوم ہے۔

اسی طرح حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ خمر کی حد اسّی کوڑے ہے اور ان کا اس مسئلہ میں کوئی مخالف نہیں تھا۔ اور تابعین کی ایک جماعت اور جمہور فقہاء مسلمین کا یہی مذہب ہے۔ اور انہوں نے کہا: جو اس میں اختلاف کرے گا اس کا اختلاف شاذ قرار دیا جائے گا اور جمہور کے دلائل سے وہ مردود ہو گا۔ (الاستذکار ج ۲۴ ص ۲۷۷)

امام ابو جعفر طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے بھی اسی کی مثل لکھا ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۵۸)

حالتِ نشہ میں حد قائم کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

حضرت النعیمان رضی اللہ عنہ کو حالتِ نشہ میں حد ماری گئی تھی اور ان کے نشہ اترنے تک حد کو موخر نہیں کیا گیا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جو بھی گھر میں ہیں وہ ان کو ماریں اور اس کو موخر نہیں کیا کہ ان کا نشہ اتر جائے۔

اور جمہور علماء کا اس میں اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ حد کو موخر کیا جائے حتیٰ کہ شراب پینے والے کا نشہ اتر جائے اور یہ امام مالک، امام شافعی، ثوری اور فقہاء کوفہ کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ حد کو اس لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ دوسروں کو عبرت ہو اور جس پر حد جاری کی جائے اس کو درد اور اذیت ہو اور وہ دوبارہ اس کے ارتکاب سے باز آ جائے اور جو شخص نشہ میں ہو اس کو تو اس کی عقل نہیں ہوتی، پس یہ جائز نہیں ہے کہ جس شخص کو درد کا احساس نہ ہو اور درد کا ادراک نہ ہو اس پر حد قائم کی جائے۔
(الاشراف ج ۳ ص ۶۰، المغنی ج ۱۲ ص ۵۰۶۔۵۰۵)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت النعیمان رضی اللہ عنہ کو حالتِ نشہ میں مارنے کا حکم دیا تھا تو ان فقہاء کے نزدیک آپ کا یہ حکم خصوصیت پر محمول ہے۔

چوتھی بار خمر پینے پر قتل کے حکم کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ الحازمی نے اپنی ناسخ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ چوتھی بار خمر پینے پر قتل کر دیا جائے، انہوں نے کہا: میں نے یہ حدیث ابن المنکدر کو بیان کی تو انہوں نے کہا: اس حکم پر عمل کو ترک کر دیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابن النعیمان کو لایا گیا، اس کو تین مرتبہ کوڑے مارے گئے، پھر چوتھی مرتبہ ان کو شراب پینے پر لایا گیا تو آپ نے ان کو کوڑے مارے

اور اس پر اضافہ نہیں کیا۔ (الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ ص ۱۵۵۔۱۵۶)

اور امام نسائی نے از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مرد خمر پیئے تو اس کو کوڑے مارو، پس اگر دوبارہ پیئے تو پھر اس کو کوڑے مارو، پس اگر چوتھی مرتبہ پیئے تو اس کو قتل کر دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم میں سے ایک مرد کو لایا گیا تو آپ نے اس کو قتل نہیں کیا۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۲۸۳، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ، تحفۃ الاشراف: ۳۰۷۳)

نیز امام نسائی نے از محمد بن المنکدر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خمر پی اس کو مارو، پس اگر اس نے دوبارہ پی تو پھر اس کو مارو، پھر اگر اس نے سہ بارہ پی تو پھر اس کو مارو، پھر اگر اس نے چوتھی بار پی تو اس کی گردن اڑا دو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نُعیمان رضی اللہ عنہ کو چار مرتبہ مارا، تو مسلمانوں نے اس سے یہ سمجھا کہ حد واقع ہو گئی اور قتل کا حکم اٹھا لیا گیا۔

(السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۲۸۴، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

امام شافعی نے کہا کہ اس حدیث اور دوسری حدیث سے قتل کا حکم منسوخ کر دیا گیا ہے اور یہ وہ حکم ہے کہ اہلِ علم میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ (الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ ص ۱۵۶)

امام طحاوی نے کہا: اس سے ثابت ہو گیا کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۶۱)

علامہ حمد بن محمد الخطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ، نے کہا ہے: کبھی کسی وعید کا حکم وارد ہوتا ہے اور اس سے فعل کے وقوع کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور اس سے صرف یہ قصد کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو ڈرایا جائے اور اس فعل سے باز رکھا جائے جیسا کہ درج ذیل حدیث ہے:

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جس نے اپنے غلام کی ناک کاٹی ہم اس کی ناک کاٹ دیں گے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۵۱۵، سنن ترمذی: ۱۴۱۴، سنن نسائی: ۴۷۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۳)

اور اگر کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دے یا اس کی ناک کاٹ دے تو نہ اس کو قتل کیا جائے گا اور نہ اس کی ناک کاٹی جائے گی اور اس پر اتفاق ہے۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۹۳)

نیز امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ از قبیصہ بن ذؤیب روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے خمر کو پیا اس کو کوڑے مارو، پس اگر دوبارہ پیئے تو پھر کوڑے مارو، پس اگر سہ بارہ پیئے یا چوتھی بار پیئے تو اس کو قتل کر دو، پھر آپ کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے خمر پی تھی تو آپ نے اس کو کوڑے مارے، پھر دوبارہ لایا گیا تو پھر کوڑے مارے، پھر سہ بارہ لایا گیا تو پھر آپ نے اس کو کوڑے مارے، پھر چوتھی بار لایا گیا تو پھر آپ نے اس کو کوڑے مارے اور قتل کا حکم اٹھا دیا، پس یہ رخصت تھی۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۸۵، سنن ترمذی: ۱۴۴۴)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

عام اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اور ہمیں ان کے درمیان کسی اختلاف کا علم نہیں ہے نہ متقدمین میں اور نہ متاخرین میں، اور جو چیز اس کی تقویت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد اسانید کے ساتھ روایت ہے کہ کسی مسلمان مرد کو جو اس بات کی گواہی

دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اس کو قتل کرنا تین خصلتوں کے سوا جائز نہیں ہے، جان کا بدلہ جان، شادی شدہ زنا کرنے والا اور دین کو ترک کرنے والا۔ (سنن ترمذی: ۶۰۷۔ ۶۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

امام ترمذی نے اپنی جامع کے اخیر میں لکھا ہے: اس کتاب میں جتنی بھی احادیث روایت کی گئی ہیں ان سب پر کسی نہ کسی امام کا عمل ہے سوا دو حدیثوں کے۔ ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کو مدینہ میں جمع کر کے پڑھا اور دوسری یہ حدیث ہے کہ جب کوئی شخص خمر کو پیئے تو اس کو کوڑے مارو، پس اگر وہ چوتھی بار دوبارہ پیئے تو اس کو قتل کردو، یہ حکم ابتداء میں تھا، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا، اسی طرح امام اسحاق نے از ابن المنکدر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اور اس میں اہلِ علم کا اختلاف نہیں ہے نہ متقدمین کا اور نہ متاخرین کا۔ اور اس حدیث کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ صحیح حدیث میں ہے: کسی مسلمان مرد کو قتل کرنا صرف تین خصلتوں میں سے ایک خصلت کی وجہ سے جائز ہے۔ الحدیث

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے زائل کر دیا گیا ہے اور عام اہلِ علم کے اجماع کی وجہ سے۔ اہلِ حجاز اور عراق اور شام اور تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ چوتھی بار شراب پینے پر قتل کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اگر امام کے حد جاری کرنے سے کوئی شخص مر جائے تو اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام مالک اور امام احمد نے کہا ہے کہ امام کے اوپر اس کی ضمانت نہیں ہے اور اس کو قتل کرنا برحق ہے۔ اور امام شافعی سے منقول ہے کہ اس پر بالکل ضمان نہیں ہے اور اگر امام نے اس کو کوڑے مارے ہوں اور پھر مر جائے تو وہ ضامن ہو گا۔

اور ضمانت کی تفصیل میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس کی پوری دیت دینی ہو گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ امام صرف اس صورت میں ضامن ہو گا جب اس کی ضرب جوتوں کے مارنے سے زیادہ ہو۔

نیز امام شافعی سے روایت ہے کہ اگر اس کو جوتوں سے مارا یا کپڑوں کے اطراف سے مارا اور یہ معلوم تھا کہ یہ مارنا چالیس کے عدد کو نہیں پہنچایا چالیس سے متجاوز نہیں ہوا، پھر وہ مر گیا تو اس کا قتل برحق ہے اور اگر اس طرح ہوا تو امام کے اوپر نہ دیت ہے نہ قصاص ہے اور نہ کفارہ ہے۔ اور اگر امام نے اس کو چالیس کوڑے مارے اور پھر وہ مر گیا تو اس کی دیت امام کے عاقلہ پر ہے بیت المال پر نہیں ہے۔ (المغنی ج ۱۲ ص ۵۰۵۔ ۵۰۳، الاشراف ج ۳ ص ۵۹)

اگر کسی شخص نے خمر پینے کا اقرار کیا اور اس سے بدبو نہیں پائی گئی تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اس پر حد نہیں لگائی جائے گی اور دوسرے فقہاء نے کہا: اس پر حد لگائی جائے گی۔ اور اگر اس سے بدبو پائی گئی اور اس نے اقرار نہیں کیا تو اس پر حد نہیں ہو گی، امام مالک کا اس میں اختلاف ہے۔ (المغنی ج ۱۲ ص ۵۰۲۔ ۵۰۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۸۔ ۳۸، ملخصا وملتقطا، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

٦۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلَّةِ

خمر پینے والے پر لعنت کرنے کا مکروہ ہونا اور یہ کہ وہ ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خمر پینے والے پر لعنت کرنا مکروہ ہے اور گویا کہ امام بخاری نے اس عنوان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ ان دو حدیثوں میں موافقت بیان کی جائے۔ ان میں سے ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص خمر پیتا ہے وہ اس حال میں مومن نہیں ہوتا اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ جو شخص خمر پیئے اس پر لعنت نہ کی جائے۔ اس وجہ سے اس پہلی حدیث میں یہ ارادہ کیا جائے گا کہ وہ شخص جو شراب پیتا ہے وہ اس وقت کامل مومن نہیں ہوتا اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے اور یہی اس عنوان کا معنی ہے کہ خمر پینے والا ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، پس جب وہ ملتِ اسلام سے خارج نہیں ہوتا تو اس کا مستحق نہیں ہوتا کہ اس پر لعنت کی جائے۔

اس اعتراض کا جواب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے معصیت کے مرتکبین پر لعنت فرمائی ہے

ان میں سے مصوّرون (یعنی تصویریں بنانے والوں) پر آپ نے لعنت فرمائی ہے اور ان پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کریں اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارتکابِ معصیت کی وجہ سے لعنت فرمائی ہے۔

علامہ عینی اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کرنے کا ارادہ فرمایا جو معصیت کے فعل پر لازم ہوں اور اس سے توبہ نہ کرتے ہوں تاکہ اس کے فعل سے باز آئیں۔ اور یہاں جس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی حد جاری کر دی گئی تھی اور حد اس کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے اس لیے آپ نے اس پر لعنت کرنے سے منع فرمایا کہ کہیں شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ نہ ڈالے کہ جس پر آپ کے سامنے لعنت کی گئی اور آپ نے اس لعنت کو متغیر نہیں کیا اور نہ اسے منع کیا تو وہ آخرت میں اس کی سزا کا مستحق ہوگا۔ اور چونکہ آپ نے منع نہیں کیا تو گویا آپ نے اس لعنت کو برقرار رکھا اور اس کی تقویت کی۔

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بعض معاصی پر لعنت فرمائی ہے تو وہ ان معاصی کی جنس پر لعنت فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کو ترک کریں اور کسی شخصِ معین پر لعنت نہیں فرمائی۔ اور بعض علماء نے معین شخص پر لعنت کرنے سے مطلقاً منع کیا ہے اور غیر معین پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس پر لعنت کی وجہ سے لوگ اس فعل کے ارتکاب سے دور رہیں گے۔ اور اگر معین شخص پر لعنت کی جائے تو اس میں اس کو ایذاء پہنچانا ہے اور اس کو گالی دینا ہے اور مسلمان کو اذیت پہنچانے سے ممانعت ثابت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۸-۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللهِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اللَّهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ۔

(تحفۃ الاشراف:۱۰۳۹۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی ،انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی ،انہوں نے کہا: مجھے خالد بن یزید نے حدیث بیان کی از سعید بن ابی ہلال از زید بن اسلم از والد خود از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ،وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرد کا نام عبد اللہ تھا اور اس کو حمار (گدھا) کا لقب دیا جاتا تھا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتا تھا، اور جب وہ شراب پیتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کوڑے مارتے تھے، پس ایک دن اس کو لایا گیا تو آپ کے حکم سے اس کو کوڑے مارے گئے، تو صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما، اس کو کتنی زیادہ مرتبہ لایا جاتا ہے! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، پس اللہ کی قسم! مجھے صرف یہی علم ہے کہ یہ مرد اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۷۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے''شراب پینے والے پر لعنت کرنے کی ممانعت'' اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن بکیر کا ذکر ہے، بُکَیر بکر کی تصغیر ہے اور وہ یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر ابوزکریا المخزومی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خالد بن یزید، یہ الجملی الفقیہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن ابی ہلال، یہ اللیثی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زید بن اسلم، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، یہ اپنے باپ اسلم سے روایت کرتے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، حبشی اور بخاری تھے اور عین التمر کے قیدیوں میں تھے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو گیارہ ہجری (۱۱ھ) میں مکہ میں خرید لیا تھا، جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو اس لیے مکہ بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو حج کرائیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''وکان یلقب حمارا'' شاید کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ اس لقب کو مکروہ نہیں جانتے تھے اور وہ اس لقب

کے ساتھ مشہور ہو گئے تھے۔ اور حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے: کہ یہ وہی ہیں جو ابن النعیمان ہیں جن کا ذکر حضرت عقبہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھی کی کپی اور شہد کی کپی ہدیہ میں بھیجتے تھے، پھر جب وہ شہد والا اور گھی والا آتا اور ان سے شہد اور گھی کا تقاضا کرتا تو یہ کہتے: یا رسول اللہ! اس کے سامان کی قیمت عطا کیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے پر اضافہ نہیں فرماتے تھے اور اس کی قیمت عطا کرنے کا حکم دیتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی روایت امام ابو یعلیٰ الموصلی نے از ہشام بن سعد از زید بن اسلم کی سند سے کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتے تھے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور عالم کو کبھی کبھی کسی حق بات پر ہنسانا جائز ہے اور کسی باطل بات پر ہنسانا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''قوم میں سے ایک مرد نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما، اسے کتنی زیادہ دفعہ شراب نوشی کی بناء پر لایا جاتا ہے!'' اس مرد سے مراد کون ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ الواقدی کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اسی طرح اس روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر! ایسا نہ کہو کیونکہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فواللہ ما علمت الا انه یحب اللہ و رسوله'' یعنی جس مرد کا لقب حمار ہے پس وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

شارحین نے اس پر بحث کی ہے کہ اس حدیث میں ''ما'' نافیہ ہے یا موصولہ ہے یا زائدہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۱۹۔ ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِسَكْرَانَ فَأَمَرَ بِضَرْبِهِ فَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِيَدِهِ وَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِنَعْلِهِ وَمِنَّا مَنْ يَضْرِبُهُ بِثَوْبِهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ رَجُلٌ مَا لَهُ أَخْزَاهُ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا تَكُونُوا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلَى أَخِيكُمْ۔

(صحیح البخاری: ۶۷۷۷، ۶۷۸۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۷، مسند احمد: ۷۹۲۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں انس بن عیاض نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن الہاد نے حدیث بیان کی از محمد بن ابراہیم از ابوسلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو نشہ کی حالت میں لایا گیا، آپ نے اس کو مارنے کا حکم دیا، پس ہم میں سے بعض نے اس کو اپنے ہاتھوں سے مارا اور بعض نے اس کو اپنے جوتے سے مارا اور بعض نے اس کو اپنے کپڑے سے مارا، جب وہ شخص واپس چلا گیا تو ایک مرد نے کہا: اسے کیا ہے اللہ اس کو رسوا کرے! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔

صحیح البخاری: ۶۷۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن الہاد، یہ عبداللہ بن شداد بن الہاد ہیں اور ہاد کا نام اسامہ اللیثی الکوفی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن الحارث التیمی ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

یہ حدیث عنقریب ''باب الضرب بالجرید والنعال'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ظالموں اور فاسقوں کے خلاف بددعا کرنے کے جواز کے متعلق بحث ونظر

صحیح البخاری: ۶۷۸۰ میں مذکور ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبداللہ نام کے ایک صحابی تھے جن کا لقب حمار تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شراب پینے پر کوڑے لگائے تھے، پھر ایک دن ان کو لایا گیا تو آپ کے حکم سے انہیں کوڑے لگائے گئے تو صحابہ میں سے ایک مرد نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت فرما، اسے کتنی مرتبہ شراب پینے کے جرم میں لایا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، پس اللہ کی قسم! مجھے صرف یہی علم ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے''۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ایک صحابی کے خلاف بار بار شراب پینے کی وجہ سے کسی نے بددعا کی اور اس پر لعنت کی۔

قرآن مجید میں متعدد انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے ظالموں اور کافروں کے خلاف دعائے ضرر کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾ (نوح: ۲۶)

اور نوح (علیہ السلام) نے دعا کی: اے میرے رب! زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ (یونس: ۸۸)

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو دنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے، اے ہمارے رب! تا کہ وہ انجام کار لوگوں کو تیرے راستہ سے بھٹکا دیں، اے ہمارے رب! ان کے مال و دولت کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے تا کہ وہ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں O

ظالموں اور فاسقوں کے خلاف دعائے ضرر کرنے کے جواز کے متعلق احادیث

(۱) امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ، اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: جب غزوۂ خندق کا دن تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہم کو عصر کی نماز پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۱، صحیح مسلم: ۶۲۷، سنن ترمذی: ۲۹۸۴، سنن نسائی: ۴۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۰۹، سنن ابن ماجہ: ۶۸۴، مسند احمد: ۱۲۲۵، سنن دارمی: ۱۲۳۲)

(۲) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس روز تک ان لوگوں کے خلاف دعائے ضرر فرماتے رہے جنہوں نے اصحاب بئر معونہ کو شہید کر دیا تھا، پس آپ نے رعل اور ذکوان اور عصیۃ کے خلاف دعائے ضرر کی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی۔ (صحیح البخاری: ۲۸۱۴، صحیح مسلم: ۶۷۷، مسند احمد: ۱۲۸۴۳)

(۳) دوسری روایت میں ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رعل اور ذکوان اور عصیۃ اور بنولحیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار کے ساتھ ان کی مدد کی جن کو ہم ان کے زمانہ میں قراء (یعنی قرآن پڑھنے والے) کہتے تھے۔ یہ دن میں جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے تھے اور رات کو نماز پڑھتے تھے حتیٰ کہ جب یہ بئر معونہ پر پہنچے تو ان لوگوں نے ان کو شہید کر دیا اور ان کے ساتھ عہد شکنی کی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ ایک مہینہ تک ان کے خلاف صبح کی نماز میں دعائے ضرر فرماتے رہے عرب کے متعدد قبائل پر، رعل پر، ذکوان پر، عصیۃ پر اور بنو لحیان پر۔۔۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۴۰۹۰، صحیح مسلم: ۶۷۷، سنن نسائی: ۱۰۷۰، مسند احمد: ۱۲۲۷)

(۴) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کی ایک جماعت اپنی مجالس میں بیٹھی ہوئی تھی، ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا: کیا تم اس دکھاوا کرنے والے کو نہیں دیکھ رہے، تم میں سے کون آلِ فلاں کی اونٹنی کی طرف جائے گا اور اس کی اوجھڑی جس میں گوبر اور خون ہے اور بچہ دان کی جھلی ہے وہ لے کر آئے اور پھر جب یہ سجدہ میں جائیں تو ان کے دونوں کندھوں کے درمیان اس کو رکھ دے، پس قوم میں سب سے بدبخت شخص اٹھا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو آپ کے دو کندھوں کے درمیان اس اوجھڑی اور جھلّی کو رکھ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رہے اور وہ دیکھ کر ہنستے تھے اور ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے تھے، پھر کوئی جانے والا گیا اور اس نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو خبر دی، وہ اس وقت کم سن لڑکی تھیں، وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح سجدہ میں تھے حتیٰ کہ وہ اوجھڑی آپ سے اٹھا کر پھینکی اور ان کافروں کو ڈانٹا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر لی تو ان کافروں کے خلاف دعائے ضرر کی، اے اللہ! قریش کو پکڑ لے، اے اللہ! قریش کو پکڑ لے، اے اللہ! قریش کو پکڑ لے، پھر آپ نے نام لیے، اے اللہ! عمرو بن ہشام کو پکڑ لے، اور عتبہ بن ربیعہ کو پکڑ لے، اور شیبہ بن ربیعہ کو پکڑ لے، اور ولید بن عتبہ کو پکڑ لے، اور امیہ بن خلف کو پکڑ لے اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے اور عمارہ بن الولید کو پکڑ لے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! میں نے ان کافروں کو غزوۂ بدر کے دن دیکھا، ان کی لاشوں کو گھسیٹ کر بدر کے کنوئیں میں ڈال دیا گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کنوئیں والوں پر مسلسل لعنت ہوتی رہے گی۔ (صحیح البخاری: ۵۲۰، ۲۴۰، صحیح مسلم: ۱۷۹۴، سنن نسائی: ۳۰۷، مسند احمد: ۳۷۱۴)

(۵) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو پڑھتے "سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولک الحمد" اور آپ چند لوگوں کا نام لے کر ان کے حق میں دعا فرماتے: اے اللہ! الولید بن الولید کو نجات دے، اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش بن ابی ربیعہ کو اور کمزور مومنین کو، اے اللہ! مضر کے خلاف اپنی گرفت کو شدید کر اور اے اللہ! ان پر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط کے سال تھے اور اہل مشرق ان دنوں مضر تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵، سنن نسائی: ۱۰۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۴، مسند احمد: ۷۲۱۹، سنن دارمی: ۱۵۹۵)

(۶) امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ، اپنی سند کے ساتھ ایاس بن سلمہ بن الاکوع سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے ان کو حدیث بیان کی کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپ نے فرمایا: تم دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے کہا: میں طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: تم طاقت نہیں رکھو گے۔ اس کو دائیں ہاتھ سے کھانے سے صرف تکبر نے منع کیا تھا۔ راوی نے کہا: پھر وہ اپنے ہاتھ کو اپنے منہ تک نہ لے جا سکا۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۱، مسند احمد: ۱۶۴۹۳، ۱۶۴۹۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے: اس مرد کا نام بُسر بن راعی تھا اور اس حدیث میں اس شخص کے خلاف دعائے ضرر کا ثبوت ہے جو بغیر عذرِ شرعی کے کسی حکمِ شرعی کے خلاف کرے۔

(کتاب الاذکار، ج ۲ ص ۳۶۲، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

(۷) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اہلِ کوفہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا اور اہلِ کوفہ پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو گورنر بنا دیا، اہلِ کوفہ نے ان کی شکایت کی حتیٰ کہ یہ ذکر کیا کہ وہ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بلایا، پس فرمایا: اے ابواسحاق! یہ لوگ یہ زعم کرتے ہیں کہ آپ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: رہا میں تو اللہ کی قسم! میں اسی طرح ان کو نماز پڑھاتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھاتے تھے اور میں اس میں کوئی کمی نہیں کرتا، میں عشاء کی نماز پڑھاتا ہوں تو پہلی دو رکعتوں میں لمبی قراءت کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں میں کم قراءت کرتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابواسحاق! (حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) ہمیں آپ کے متعلق یہی گمان تھا، پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مرد یا کئی مردوں کو کوفہ بھیجا اور ان کے متعلق اہلِ کوفہ سے سوال کیا، انہوں نے ہر مسجد میں ان کے متعلق سوال کیا، سب ان کی تعریف کرتے تھے حتیٰ کہ وہ بنی عبس کی مسجد میں گئے، پس ان میں سے ایک مرد کھڑا ہوا جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا اور اس کی کنیت ابا سعدہ تھی، اس نے کہا: جب تم ہمیں قسم دیتے ہو تو بے شک سعد کسی لشکر کے ساتھ خود نہیں جاتے اور نہ مالِ غنیمت برابر برابر تقسیم کرتے ہیں اور نہ مقدمات کا فیصلہ عدل سے کرتے ہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو! اللہ کی قسم میں تین دعائیں کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور دکھاوے اور سنانے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر اور اس کے فقر کو زیادہ کر اور اس کو فتنوں میں مبتلاء کر، بعد میں جب اس شخص سے پوچھا جاتا تو وہ کہتا: میں بوڑھا فتنہ میں مبتلاء ہوں، مجھے سعد بن ابی وقاص کی بددعا لگ گئی ہے۔ عبدالملک نے کہا: پس میں نے اس کو بعد میں دیکھا بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بھنویں اس کی آنکھوں پر گر گئی تھی اور وہ

راستہ میں جاتی ہوئی لڑکیوں کو چھیڑا کرتا تھا۔ (صحیح البخاری: ۶۷۵۵، صحیح مسلم: ۵۴۳، سنن نسائی: ۱۰۰۳، سنن ابوداؤد: ۸۰۳، مسند احمد: ۱۵۵۱)

(۸) امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ از عُروہ روایت کرتے ہیں کہ اروٰی بنت اویس نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف دعویٰ کیا کہ انہوں نے اروٰی کی زمین کا کچھ حصہ غصب کر لیا ہے، پس اروٰی نے مروان بن الحکم کے پاس ان کے خلاف مقدمہ کیا، پس حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس کی زمین سے کچھ حصہ غصب کروں گا جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے! مروان نے کہا: آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے؟ حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "جس نے ایک بالشت کے برابر بھی زمین کو ظلماً غصب کیا تو وہ زمین سات زمینوں تک طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دی جائے گی" پس مروان نے کہا: اس حدیث کے بعد میں آپ سے کسی گواہ کا سوال نہیں کروں گا۔ پھر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اس کو اسی کی زمین میں ہلاک کر دے۔ عروہ نے بیان کیا: وہ عورت اس وقت تک نہیں مری جب تک کہ اس کی بینائی نہیں چلی گئی، پھر جس وقت وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی، اچانک کسی گڑھے میں گری اور مر گئی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۱۰، الرقم المسلسل: ۴۰۲۵، مسند احمد: ۱۶۳۳)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے احادیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ جو شخص مسلمانوں پر ظلم کرے یا کسی ایک مسلمان پر ظلم کرے اس کے خلاف دعائے ضرر کرنا جائز ہے۔

(کتاب الاذکار ج ۲ ص ۳۶۳۔۳۶۱، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

مسلمان پر لعنت کرنے کی تحقیق

صحیح البخاری: ۶۷۸۰ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبد اللہ نام کے ایک صحابی تھے جن کا لقب حمار تھا، انہوں نے بار بار شراب پی تو ایک دن ان کو لایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوڑے مارے، تو صحابہ میں سے ایک مرد نے کہا: اے اللہ! اس پر لعنت کر، اسے کتنی مرتبہ لایا جاتا ہے! پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت نہ کرو، پس اللہ کی قسم! مجھے یہی علم ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث کی شرح میں ہم پہلے مسلمان کو لعنت کرنے کی ممانعت میں دیگر احادیث بیان کریں گے اور پھر اس سلسلہ میں علماء کی آراء کو بیان کریں گے۔

مسلمان پر لعنت کرنے کی ممانعت میں دیگر احادیث

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ، اپنی سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں جا رہے تھے اور انصار کی ایک عورت ایک اونٹنی پر سوار تھی، پس وہ (کسی بات پر) بے صبر اور بے قرار ہوئی تو اس نے اس اونٹنی پر لعنت کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعنت کو سن لیا، آپ نے فرمایا: اس اونٹنی پر جو سامان ہے اس کو اتار لو اور اس اونٹنی کو چھوڑ دو، کیونکہ اس پر لعنت کی گئی ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۵۹۵، الرقم المسلسل: ۶۴۹۹، سنن ابوداؤد: ۲۵۹۱، مسند احمد: ۱۹۸۹۱)

امام مسلم کی دوسری روایت میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ ایسی اونٹنی نہ ہو جس پر لعنت کی گئی ہو۔ (صحیح مسلم: ۲۵۹۶، الرقم المسلسل: ۶۵۰۱، مسند احمد: ۱۹۱۸)

نیز امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدیق کو بہت لعنت کرنے والا نہیں ہونا چاہیے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۹۷، الرقم المسلسل: ۶۵۰۳، مسند احمد: ۸۴۵۵)

نیز امام مسلم زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کی طرف اپنے پاس سے کچھ زینت کا سامان بھیجا، پھر ایک رات عبد الملک رات کے وقت کھڑے ہوئے اور اپنے خادم کو بلایا، اس نے آنے میں دیر کر دی، تو عبد الملک نے اس خادم پر لعنت کی، پس جب صبح ہوئی تو ان سے حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے رات کو تمہاری لعنت سنی تھی، تم نے اپنے خادم پر لعنت کی جب تم نے اس کو بلایا، پھر انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے اور نہ گواہ ہوں گے۔
(صحیح مسلم: ۲۵۹۸، الرقم المسلسل: ۶۵۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۹۰۷)

نیز امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے خلاف دعا کیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۵۹۹، الرقم المسلسل: ۶۵۰۸)

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک بندہ جب کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے، پس اس کے سامنے آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، پھر وہ لعنت زمین کی طرف اترتی ہے تو وہاں بھی اس کے سامنے دروازے بند ہوتے ہیں، پھر وہ دائیں طرف جاتی ہے اور بائیں طرف جاتی ہے، پس جب اسے کوئی جگہ نہیں ملتی تو اس جگہ لوٹ آتی ہے جہاں لعنت کی گئی تھی، اگر جس پر لعنت کی گئی وہ لعنت کا اہل ہو تو فبہا اور نہ وہ لعنت کہنے والے کی طرف لوٹ آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۰۵)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت کے ساتھ کسی پر لعنت نہ کرو، اور نہ اللہ کے غضب کی کسی پر دعا کرو اور نہ دوزخ کے عذاب کی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۰۶، سنن ترمذی: ۱۹۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مرد کی چادر کو آندھی نے اڑایا تو اس نے آندھی پر لعنت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، کیونکہ یہ اللہ کے حکم کے تابع ہے اور جس نے کسی چیز پر لعنت کی اور وہ اس لعنت کی اہل نہیں تھی تو لعنت کہنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۰۸، سنن ترمذی: ۱۹۷۸)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن بہت طعنہ دینے والا نہیں ہوتا اور نہ بہت

لعنت کرنے والا ہوتا ہے اور نہ بے حیائی کی باتیں کرنے والا ہوتا ہے اور نہ بدزبانی کرنے والا ہوتا ہے۔

(سنن الترمذی: ۱۹۷۷، مسند احمد: ج ۱ ص ۴۰۴، سنن ابوداؤد: ۴۹۰۸)

لعنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری المتوفی ۷۱۱ھ، لکھتے ہیں:

لعن کا معنی ہے: خیر سے دور کرنا اور دھتکارنا۔ دوسرا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دھتکارنا اور دور کرنا، اور مخلوق جب لعنت کرے تو یہ گالی ہے اور بددعا ہے۔ اور لعنت اسم ہے اور اس کی جمع لعان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء: ۴۶)

اور اگر وہ کہتے: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی ہے، سو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے O

اور لعن کا معنی ہے: عذاب، اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دے اس کے ساتھ رحمت نہیں ملتی اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو لعنت کرنے والے جب ایک دوسرے پر لعنت کریں تو لعنت اس سے مل جاتی ہے جو ان دونوں میں سے لعنت کا مستحق ہو، اور اگر ان میں سے کوئی بھی لعنت کا مستحق نہ ہو تو لعنت یہود کی طرف لوٹتی ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۵۹)

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں O

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۰۹۔۲۰۸، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۳ء)

علامہ مجد الدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جب لعنت کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا معنی ہے: دھتکارنا اور دور کرنا، اور جب مخلوق لعنت کرے تو اس کا معنی ہے: کسی کو برا کہنا اور بددعا دینا۔ (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج ۴ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنے کو جائز قرار دینا

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ، لکھتے ہیں:

یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے میں اختلاف کیا گیا ہے حتیٰ کہ خلاصہ وغیرہا میں مذکور ہے کہ اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے اور نہ حجاج پر، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے والوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور ان پر جو اہلِ قبلہ سے ہوں، اور وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے بعض اہل قبلہ پر لعنت فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کے ان احوال کو جانتے تھے جن کو دوسرے نہیں جانتے تھے۔ اور بعض علماء نے یزید پر لعنت کا اطلاق کیا ہے، کیونکہ جب اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے

کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا قتل کرنے کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر راضی ہوا تو اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یزید کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی ہونا اور ان کے قتل پر خوش ہونا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی اہانت کرنا ان چیزوں میں سے ہے جن کا معنی متواتر ہے اگرچہ ان کی تفاصیل اخبار احاد ہیں لہٰذا ہم یزید کے معاملہ میں کوئی توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں، اس پر اللہ کی لعنت ہو اس کے انصار پر اور اس کے مددگار اور اعوان پر۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۱۶۔ ۱۱۷، مطبوعہ سکندر علی، بہادر علی تاجران کتب، کراچی)

امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ ھ لکھتے ہیں:

لعن کا معنی ہے: دھتکارنا اور اللہ تعالیٰ سے دور کرنا، اور لعنت کرنا صرف اسی پر جائز ہے جو ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہو جو اس کو اللہ عزوجل سے دور کر دے اور وہ صفت کفر ہے اور ظلم ہے بایں طور کہ کوئی شخص کہے: ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو اور کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور مناسب یہ ہے کہ اس میں شریعت کے الفاظ کی اتباع کی جائے، کیونکہ لعنت کرنے میں خطرہ ہے، کیونکہ جس نے لعنت کی اس نے اللہ عزوجل پر یہ حکم لگایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملعون کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور یہ چیز غیب ہے، اس پر سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی مطلع نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس پر اس وقت مطلع ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر مطلع فرمائے۔

اور وہ صفات جو لعنت کرنے کا تقاضا کرتی ہیں، وہ تین ہیں: (۱) کفر (۲) بدعت (۳) فسق۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لعنت میں تین مرتبے ہیں:

پہلا مرتبہ: وصفِ عام کے ساتھ لعنت کرنا جیسا کہ تم کہو "لعنة الله على الكافرين والمبتدعين والفسقين"۔

دوسرا مرتبہ: یہ پہلے مرتبہ کی بہ نسبت خاص اوصاف پر لعنت کرنا ہے جیسا کہ تم کہو "یہود پر اللہ کی لعنت ہو اور نصاریٰ پر اور مجوس پر اور قدریہ پر اور خوارج پر اور روافض پر، یا زنا کرنے والوں پر اور ظلم کرنے والوں پر اور سود خوروں پر" اور ان میں سے ہر ایک پر لعنت کرنا جائز ہے، لیکن مبتدعین پر لعنت کرنے کا خطرہ ہے، کیونکہ بدعت بہت باریک لفظ ہے اور اس کے متعلق کوئی لفظ منقول نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ عام لوگوں کو مبتدعین کے اوپر لعنت کرنے سے منع کیا جائے، کیونکہ یہ معارضہ کا تقاضا کرتا ہے اور اس سے لوگوں کے درمیان فساد کا خطرہ ہے۔

تیسرا مرتبہ: شخصِ معین پر لعنت کرنا، اور اس میں خطرہ ہے جیسا کہ تم کہو "زید پر اللہ کی لعنت ہو، یا زید کافر ہے، یا وہ فاسق ہے، یا وہ مبتدع ہے"۔ اور اس کی تفسیر یہ ہے کہ ہر جس شخص پر لعنت کرنا شریعت میں ثابت ہو، اس پر لعنت کرنا جائز ہے جیسا کہ تم کہو "فرعون پر اللہ کی لعنت ہو، اور ابوجہل پر اللہ کی لعنت ہو" کیونکہ یہ ثابت ہے کہ یہ لوگ کفر پر مر گئے اور یہ چیز شریعت میں معلوم ہے لیکن ہمارے زمانہ میں کسی شخصِ معین پر لعنت کرنا جیسا کہ تم کہو کہ زید پر اللہ کی لعنت ہو یا زید مثلاً یہودی ہے تو اس میں خطرہ ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مسلمان ہو یا مسلمان ہو جائے اور اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرتا ہو تو اس کے اوپر ملعون کا حکم لگانا کس طرح درست ہوگا؟

اور حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ کو شراب پینے کی وجہ سے کئی مرتبہ حد لگائی گئی تو بعض صحابہ نے کہا: اس پر اللہ کی لعنت ہو، اسے کتنی مرتبہ حد کے لئے لایا جاتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو" اور ایک روایت میں

ارشاد ہے کہ "یہ نہ کہو، کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے"۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فاسق معین کے اوپر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اشخاص معینہ پر لعنت کرنے میں خطرہ ہے، سواس سے اجتناب کرنا چاہیے اور سکوت کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے حتیٰ کہ اگر ابلیس پر لعنت کرنے سے بھی سکوت کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

امام غزالی کا یزید پر لعنت کرنے کو ناجائز قرار دینا

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا تھا یا قتل کا حکم دینے والا تھا؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ بالکل ثابت نہیں ہے، پس یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا اس کا حکم دیا، چہ جائیکہ اس پر لعنت کرنا جائز ہو۔ نیز اس لئے کہ کسی مسلمان کی طرف گناہِ کبیرہ کی نسبت کرنا بغیر تحقیق کے جائز نہیں ہے۔ ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابنِ ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے، پس کسی مسلمان کے اوپر فسق کی نسبت کرنا یا کفر کی نسبت کرنا بغیر تحقیق کے جائز نہیں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مرد دوسرے مرد کے اوپر فسق کی تہمت نہ لگائے اور نہ کفر کی تہمت لگائے ورنہ اگر وہ شخص اس طرح نہ ہوا تو وہ وصف اس کی طرف لوٹ آئے گا۔ (صحیح البخاری: ۶۰۴۵)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مومن پر لعنت کی تو وہ اس کو قتل کرنے کی مثل ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ بھی اس کو قتل کرنے کی مثل ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۳۶۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مُردوں کو برا نہ کہو، کیونکہ انہوں نے جو اعمال بھیجے ہیں (وہ ان کی جزا یا سزا تک) پہنچ چکے ہیں۔ (صحیح البخاری: ۶۵۱۶، سنن نسائی: ۱۹۳۶، مسند احمد: ۲۴۹۴۲، سنن دارمی: ۲۵۱۱)

پس اگر کہا جائے کیا: یہ کہنا جائز ہے کہ قاتلِ حسین پر اللہ لعنت فرمائے، یا جس نے حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم دیا اس پر اللہ لعنت فرمائے۔

تو ہم کہیں گے: صحیح یہ ہے کہ کہا جائے کہ اگر قاتلِ حسین توبہ سے پہلے مر گیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، کیونکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرا ہو، کیونکہ وحشی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا تھے اور انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفر کی حالت میں قتل کیا تھا، پھر انہوں نے کفر اور قتل دونوں سے توبہ کرلی اور ان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور قتل کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور یہ کفر کے درجہ کو نہیں پہنچتا۔ پس اگر توبہ کے ساتھ مقید نہ کیا جائے اور مطلقاً لعنت کی جائے تو اس میں خطرہ ہے اور لعنت سے سکوت کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ یہ زیادہ لائق ہے۔

اور ہم نے یہ بحث اس لئے وارد کی ہے کہ لوگ لعنت کرنے میں سستی کرتے ہیں اور زبان سے لعنت کا اطلاق کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، حالانکہ مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا، پس مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے اسی پر لعنت کرے جس کی کفر پر موت کا یقین ہو یا اوصافِ معروفہ پر لعنت کرے اور اشخاصِ معینہ پر لعنت نہ کرے، پس اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا زیادہ لائق ہے، اور اگر یہ نہ کرے تو سکوت میں سلامتی ہے۔

ایک مرد (حضرت جرموز الھجیمی رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا: میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ تم بہت لعنت کرنے والے نہ بنو۔

(مسند احمد: ۲۱۲۲۰، التاریخ الکبیر: ۲۳۵۲، المعجم الطبرانی: ۲۱۸۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۱، ۷۲)

(احیاء علوم الدین، ج ۳ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

یزید پر لعنت کرنے کے جواز کے متعلق متقدمین اور متاخرین علماء اور فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل، علامہ ابن الجوزی، علامہ تفتازانی اور علامہ آلوسی یزید پر لعنت کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور دیگر محققین علماء یزید پر لعنت کرنے سے منع کرتے ہیں۔ متاخرین فقہاء احناف میں سے علامہ شامی، امام احمد رضا اور مصنف کا یہی نظریہ ہے۔

اس موضوع پر ہم نے تفصیلی گفتگو تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۶۰۔ ۱۶۸ میں کی ہے، جو حضرات اس موضوع پر زیادہ تفصیل کو جاننا چاہتے ہوں تو وہ تبیان القرآن کا مطالعہ کریں۔

۷۔ بَابُ: السَّارِقِ حِينَ يَسْرِقُ — چور جس حالت میں چوری کرے، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ چور جس حالت میں چوری کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس سے پہلے حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ جس حال میں چور، چوری کرتا ہے اس حال میں وہ مومن نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۲۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن داؤد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن غزوان نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: زانی جس وقت زنا کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جس وقت چوری کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۵، ۵۵۷۸، ۶۷۷۲، ۶۸۱۰، صحیح مسلم: ۵۷، سنن ترمذی: ۲۶۲۵، سنن نسائی: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۶، مسند احمد: ۲۷۴۱۹، سنن دارمی: ۲۱۰۶)

صحیح البخاری: ۶۷۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں فقط اتنا مذکور ہے "چور جس وقت چوری کرتا ہے" اور اس کی وضاحت نہیں ہے اور اس حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ چور جس وقت چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، یعنی مومن کامل نہیں ہوتا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن علی، یہ ابن بحر الصیر فی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن داؤد، یہ ابن عامر الکوفی ہیں، یہ بصرہ کے ویرانوں میں رہتے تھے، امام بخاری ان سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فُضیل (فاء پر پیش ہے اور ضاد پر زبر ہے) یہ ابن غزوان الکوفی ہیں۔

اس حدیث کی شرح کتاب الحدود کے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٨۔ بَابُ: لَعْنِ السَّارِقِ إِذَا لَمْ يُسَمَّ — جب چور کا نام نہ لیا جائے تو اس پر لعنت کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب چور کو معین نہ کیا جائے تو اس پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور گویا کہ امام بخاری نے اس عنوان سے ان دو حدیثوں میں تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے، ایک حدیث میں معین شراب پینے والے پر لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس باب کی حدیث میں چور پر لعنت فرمائی ہے۔

صاحب التلویح (علامہ مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ) نے اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھا ہے کہ جو اہلِ معاصی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے والے ہوں، ان کے سامنے ان پر لعنت نہیں کرنی چاہیے، البتہ فی الجملہ ایسا کام کرنے والوں پر لعنت کی جائے تاکہ ان لوگوں پر زجر و توبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرنے سے باز رہیں۔ اور جب کسی معین شخص پر لعنت کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ نا امید ہو اور مایوس ہو جائے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت النُّعَیمان رضی اللہ عنہ کے بار بار شراب پینے پر ان کو لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے:

اگر امام بخاری نے اسی طرف اشارہ کیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے شراب پینے والے پر حد قائم کرنے کے بعد لعنت کرنے سے منع فرمایا ہے، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ کس پر لعنت کرنا واجب ہے اور کس پر لعنت کرنا واجب نہیں ہے، ان دونوں میں فرق ہے۔ اور یہ ظاہر ہو گیا کہ جس کے اوپر حد قائم کر دی گئی، اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے۔ اور جس پر حد قائم نہیں کی گئی، اس پر لعنت متوجہ ہو گی خواہ اس کو معین کر کے لعنت کی جائے یا غیر معین طور پر لعنت کی جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر لعنت کرتے تھے جس پر لعنت واجب ہو جاتی تھی جب تک کہ وہ معصیت کے اسی حال میں مبتلاء ہوتے جو حالت لعنت کی موجب ہوتی۔ پس

جب وہ اس سے توبہ کر لے اور حد اس کو پاک کر دے تو پھر لعنت اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ قَالَ الْأَعْمَشُ كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ بَيْضُ الْحَدِيدِ وَالْحَبْلُ كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْهَا مَا يَسْوَى دَرَاهِمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوصالح سے سنا از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرماتا ہے وہ ''بیضۃ'' (انڈا یا لوہے کا خود) چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ رسّی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

الاعمش نے کہا: محدثین یہ سمجھتے تھے کہ بیضۃ سے مراد لوہے کا خود ہے اور رسی سے مراد وہ رسی ہے جس کی قیمت کئی دراہم کے برابر ہوتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۸۷، سنن نسائی: ۴۸۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۳، مسند احمد: ۷۴۳۸)

صحیح البخاری: ۶۷۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ حدیث میں چور پر لعنت فرمائی ہے اور اس کا نام ذکر نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمر بن حفص کا ذکر ہے، یہ اپنے والد حفص بن غیاث بن طلق النخعی الکوفی سے روایت کرتے ہیں جو کوفہ کے قاضی تھے۔ نیز اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان الاعمش ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ابوصالح کا ذکر ہے، یہ ذکوان الزیات ہیں اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو صحابی ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے ''قطع الید'' کے باب میں روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب الحدود میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کانوا یرون'' یعنی جن لوگوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے ان کی رائے یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ

''بیضۃ'' سے مراد بیض الحدید ہے اور یہ لوہے کی ٹوپی ہوتی ہے جو جنگ کرنے والا اپنے سر پر پہنتا ہے تاکہ دشمن کے ہتھیاروں کے حملہ سے محفوظ رہے۔ (میں کہتا ہوں: آج کل کے دور میں اس کی نظیر ہیلمٹ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اور رسی سے مراد ایسی رسی ہے جس کی قیمت کئی دراہم کے برابر ہو۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس سے مراد تین دراہم ہیں۔

علامہ کرمانی کے اس قول کا رد کہ بیضۃ سے مراد تین دراہم کی چوری ہے

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی کے قول پر اعتراض ہے، کیونکہ کم سے کم جمع کے افراد تین ہیں۔ نیز علامہ کرمانی نے اپنے مذہب کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ امام شافعی کے نزدیک چور کا ہاتھ چوتھائی دینار میں کاٹ دیا جاتا ہے اور وہ تین درہم ہے۔ پھر علامہ کرمانی نے کہا کہ اس سے غرض یہ ہے کہ تھوڑی چیز کے اندر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اتنی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا جس میں چوری کی مالیت نصاب کو پہنچ جائے مثلاً چوتھائی دینار کو۔ اور ہمارے احناف کے نزدیک دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا بیان آئے گا۔

التوضیح میں مذکور ہے (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے:) اعمش کا قول یہ ہے کہ بیضۃ سے یہاں پر لوہے کا بیضۃ مراد ہے جس سے جنگ کے دوران سر کو ڈھانپا جاتا ہے اور رسیوں سے یہاں پر مراد بحری جہازوں کی رسیاں ہیں۔ یہ ایسی تاویل ہے جو اس کے نزدیک جائز نہیں ہے جو کلام عرب کی صحت کو پہچانتا ہو، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت کثیر دینار ہیں۔

امام دار قطنی نے ابوخباب الدلال کی حدیث روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کے بیضۃ کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا اور اس بیضۃ کی قیمت اکیس (۲۱) درہم تھی۔ (سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۳۳۸۷)

اس حدیث میں مذکور ہے ''اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے وہ بیضۃ کو چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور رسی کو چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے''۔

اور عرب اور عجم کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ یوں کہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کا چہرہ قبیح کردے جس نے اپنے آپ کو کسی جوہر کی چوری کی وجہ سے مار کے لیے پیش کیا اور مشک کی ایک تھیلی میں خیانت کرنے کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کیا۔ ایسی مثالوں میں عادت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے وہ ایک رسی کی چوری کی وجہ سے اپنے آپ کو ہاتھ کاٹنے کے لیے پیش کرتا ہے، یا پرانی چادر کی چوری کی وجہ سے اپنے آپ کو ہاتھ کاٹنے کے لیے پیش کرتا ہے۔ اور اس باب میں جتنی حقیر چیز ہوگی اس میں اتنی زیادہ بلاغت ہوگی۔

حدیث مذکور میں بیضۃ کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی علامہ خطابی کی طرف سے توجیہ

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث میں چوری کا بتدریج بیان ہے، اس لئے کہ جو شخص انڈا چرائے اور ہمیشہ یہ چوری کرتا رہے تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہوگا کہ وہ اس سے بڑی مالیت کے مال کی چوری کرے حتیٰ کہ بڑی مالیت کی چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، پس اس کام سے باز رہنا چاہیے اور اس کو چھوڑ دینا چاہیے اس سے پہلے کہ اس کی یہ عادت پڑ جائے اور وہ اسی عادت پر مر جائے تاکہ وہ برے انجام سے محفوظ رہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ علامہ خطابی نے اس حدیث میں بیضۃ کو انڈا پر محمول کیا ہے)۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: الاعمش نے جو بیضۃ کی تفسیر کی ہے اس کا بھی احتمال ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث اس وقت کی ہو جب شارع علیہ السلام نے اس مال کی مقدار نہ بیان فرمائی ہو جس کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث مبالغہ پر محمول ہے تا کہ اس پر تنبیہ کی جائے کہ انڈا چرانے سے بھی کتنا بڑا نقصان ہوتا ہے۔

اس حدیث میں بیضۃ سے مراد انڈا لینے کی متعدد نظائر

علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث میں جو انڈے کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے، یہ مبالغہ پر محمول ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے "جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی خواہ وہ مسجد اتنی ہو جتنی جگہ سنگ خوار کے انڈے دینے کے گڑھے جتنی ہوتی ہے"۔ اور کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ آپ نے اس حدیث میں مبالغہ کا ارادہ فرمایا ہے، ورنہ یہ معلوم ہے کہ انڈا دینے کے لیے جو گڑھا ہوتا ہے اس جگہ میں مسجد ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح حدیث میں ہے "تم ضرور صدقہ کرو خواہ بکری کے جلے ہوئے کھر کا صدقہ کرو"۔ اور یہ معلوم ہے کہ جلے ہوئے کھر کا صدقہ نہیں کیا جاتا اور عرب میں اس قسم کے کلام کی مثالیں بہت ہیں۔

خوارج کا مذہب ہے کہ مطلقاً چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور ان کا رد

اور خوارج نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ چوری خواہ کم چیز کی، کی جائے یا زیادہ چیز کی، اس پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ اور خوارج کا یہ قول باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾ (المائدہ:۳۸)	اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے (اور) اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے، اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے O

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر قرآن کے مطابق یہ ارشاد فرمایا، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ ہاتھ صرف مقدارِ معلوم کی چوری پر کاٹا جائے گا، پس وہ اس مجمل حدیث کا بیان ہو گیا۔ لہٰذا اس بیان کی طرف اس حدیث کو لوٹانا واجب ہے۔ اور اس مقدار کے بیان میں علماء کے درمیان اختلاف ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۲۔ ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۸۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

پہلے امام بخاری نے یہ باب قائم کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے والے پر کرنے سے منع فرمایا ہے اور اب چور پر لعنت کرنے کے متعلق باب قائم کیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ عام لعنت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے: اللہ تعالیٰ چوروں پر لعنت فرمائے اور اللہ تعالیٰ زانیوں پر لعنت فرمائے اور اس کی مثل۔

پس عام لعنت وہ ہے جو اوصاف مخصوصہ پر معلق ہو، اور خاص لعنت وہ ہے جو کسی خاص شخص پر لعنت کی جائے۔ اور عام لعنت

کرنا جائز ہے جب کہ وہ وصف لعنت کا مستحق ہو جیسے یوں کہا جائے "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝" (ہود:١٨)۔

اور دوسری قسم یعنی مخصوص شخص پر لعنت، یہ ممنوع ہے، حتیٰ کہ اگر وہ خاص شخص کافر ہو تو اس پر بھی معیّن لعنت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معیّن لوگوں پر ان کا نام لے کر لعنت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (آل عمران:١٢٨)

آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیوں کہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں O

آل عمران:١٢٨ کی تفسیر از مصنف

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز کی دوسری رکعت سے سر اٹھاتے تو آپ یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ فلاں اور فلاں پر لعنت کر، اور فلاں پر، یہ آپ سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولك الحمد پڑھنے کے بعد دعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ۔۔۔ الی قولہ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝"۔ (آل عمران:١٢٨) (صحیح البخاری:٤٠٦٩، ٤٠٧٠، ٤٥٥٩، صحیح مسلم:١٠٧٨، مسند احمد:٦٣٤٣)

امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ٢٦١ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز میں قراءت سے فارغ ہو جاتے تو اللہ اکبر پڑھتے اور اپنا سر بلند کرتے اور پھر پڑھتے "سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولك الحمد" پھر آپ کھڑے ہو کر دعا کرتے: اے اللہ! الولید بن ولید کو نجات دے اور سلمہ بن ہشام کو نجات دے اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے اور کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ! اپنی گرفت کو مضر کے اوپر سخت فرما اور ان کے اوپر ایسے قحط کے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں تھے، اے اللہ! لحیان اور رعل اور ذکوان اور عصیۃ پر لعنت فرما جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے، پھر ہم کو یہ خبر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو اس وقت ترک فرما دیا جب یہ آیت نازل ہوئی: "لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝"۔ (آل عمران:١٢٨) (صحیح مسلم:٦٧٥، الرقم المسلسل:١٤٢٥، مسند احمد:٧٤٦٩)

نیز میں کہتا ہوں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ شروع میں معیّن کافروں پر نام لے کر لعنت کرنا جائز تھا، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو منسوخ فرما دیا۔ اور چونکہ پہلے اللہ تعالیٰ نے معیّن کافروں پر نام لے کر لعنت کرنے سے منع نہیں فرمایا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ماہ تک ان معیّن کافروں پر نام لے کر لعنت فرماتے رہے، جنہوں نے بئر معونہ میں ستر قاریوں کو دھوکہ سے تبلیغ کے لئے بلا کر ان کو قتل کر دیا تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک ماہ تک ان معیّن کافروں پر لعنت فرماتے رہے وہ نہ آپ کی عصمت کے خلاف ہے اور نہ اس وجہ سے آپ کے اوپر کوئی اعتراض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان معیّن کافروں پر نام لے کر لعنت کرنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کفار پر احسان فرمائے، سو یہ اسلام لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے بن جائیں، جیسا کہ حسب ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ کے اوپر کوئی ایسا دن بھی آیا جو آپ کے نزدیک غزوۂ احد کے دن سے بھی زیادہ شدید تھا؟ آپ نے فرمایا: تمہاری قوم سے مجھے جو مصائب پہنچے سو پہنچے اور ان تمام مصائب میں سے سب سے زیادہ سخت مصیبت وہ تھی جو مجھے عقبہ کے دن پہنچی، جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا، اس نے میرے ارادہ کے مطابق میری دعوت کو قبول نہیں کیا، میں وہاں سے بہت دلبرداشتہ ہو کر چل پڑا، پھر جب میں قرن الثعالب پر پہنچا تو میری حالت سنبھلی، پس میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو مجھ پر ایک بادل نے سایا کیا ہوا ہے، پھر میں نے غور کیا تو اس میں (حضرت) جبرائیل (علیہ السلام) تھے، انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا: بے شک اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ بھی سن لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان لوگوں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں، پھر مجھ کو پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی، پس اس نے مجھ کو سلام کیا، پھر اس نے کہا: اے محمد! اس نے بھی یہی کہا، آپ جو چاہیں، اگر آپ چاہیں تو جن دو پہاڑوں کے درمیان یہ لوگ ہیں، ان دو پہاڑوں کو آپس میں ملا دوں (جس سے یہ ان کے درمیان پس جائیں)، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ مجھے یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو نکالے گا جو صرف اللہ وحدہٗ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کریں گے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۳۱، صحیح مسلم: ۱۷۹۵، الرقم المسلسل: ۴۵۴۵)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر قراء صحابہ کے قاتلوں پر لعنت کرنے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ ہو سکتا ہے ان کافروں میں سے کوئی اسلام قبول کر لے اور نیک مسلمان بن جائے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام اور اس پہاڑوں کے فرشتہ کو اس بستی کے لوگوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیسنے سے منع فرمایا، اس توقع پر کہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ اسلام قبول کر لیں یا ان کی پشتوں سے ایسی اولاد پیدا ہو جو اسلام قبول کر لے۔

شیخ ابن عثیمین لکھتے ہیں:

جب کوئی کافر حالتِ کفر میں مر جائے تو پھر اس کو لعنت کرنا جائز ہے، لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ خلافِ اولیٰ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مُردوں کو برا نہ کہو کیونکہ انہوں نے جو اعمال بھیجے ہیں وہ ان کے انجام تک پہنچ چکے ہیں"۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۳)

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے" کیا یہ دعا ہے یا خبر ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر ہے دعا کے معنی میں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۳۲۔ ۱۳۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۹۔ بَابٌ: اَلْحُدُوْدُ كَفَّارَةٌ

حدود کے کفارہ ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ حدود کے کفارہ ہونے کا کیا معنی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٨٤۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی الله عنه قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فِي مَجْلِسٍ فَقَالَ بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَقَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ كُلَّهَا فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَسَتَرَهُ اللهُ عَلَيْهِ إِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از ابوادریس الخولانی از حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور آپ نے یہ پوری آیت پڑھی، اور جس نے تم میں سے اس کو پورا کر لیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور جس نے ان میں سے کسی کام کو کر لیا پھر اس کو سزا دی گئی تو یہ اس کا کفارہ ہے، اور جس نے ان میں سے کوئی کام کر لیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھا تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا۔

(صحیح مسلم:١٧٠٩، سنن ترمذی:١٤٣٩، سنن نسائی:٤١٦١، مسند احمد:٢٢١٦٠، سنن دارمی:٢٤٥٣)

صحیح البخاری: ٦٧٨٤، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے ماخوذ ہے "پس اس کو سزا دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن یوسف، ابونُعیم نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ الفریابی ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ البیکندی ہو۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عُیینہ، یہ سفیان ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوادریس الخولانی، ان کا نام عائذ اللہ ہے۔ اس کے بعد حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، یہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے اور یہ لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک ہیں، رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا تھا تو آپ کے گرد آپ کے اصحاب کی ایک جماعت تھی تو آپ نے فرمایا: مجھ سے بیعت کرو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے" وقرأ هذه الآية "۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: وہ آیت یہ ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ (الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی (مکرم)! جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی، اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کرلیا کریں، اور آپ ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ کتاب الایمان میں گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ تم زنا کرو گے اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کسی بے قصور پر افتراء باندھو گے اور نہ کسی نیک کام میں حکم عدولی کرو گے، پھر تم میں سے جس نے اپنی بیعت (کے عہد) کو پورا کر دیا، اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں یا نہیں" اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں یا نہیں؟

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند سے زیادہ صحیح ہے۔ اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے پہلے کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ حدود پاک کرنے والی ہوتی ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متاخر ہونے پر اعتراض کا جواب

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بعد کی ہے کیونکہ وہ بیعت العقبہ کے بعد اسلام لائے ہیں، بیعت العقبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے چھ سال پہلے ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں: علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس باب میں جس بیعت کا ذکر کیا گیا ہے، یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد واقع ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں جس آیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے "وقرأ الآیۃ۔۔۔" اور وہ آیت یہ ہے "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا" اور اس آیت کا نزول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے دو سال بعد ہوا ہے، اور یہاں پر اشکال اس وجہ سے ہوا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ لیلۃ العقبہ کے نقباء میں سے ایک تھے، انہوں نے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے اس پر بیعت کرو کہ تم لوگ اللہ کے سوا کسی کو اس کا شریک نہیں بناؤ گے۔۔الحدیث، اس سے یہ وہم ہوا کہ یہ واقعہ لیلۃ العقبہ کا ہے اور اس طرح نہیں ہے، بلکہ وہ بیعت جو لیلۃ العقبہ میں ہوئی تھی، وہ اس پر ہوئی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنو گے اور ان کی اطاعت کرو گے تنگی میں اور فراخی میں اور خوشی اور ناخوشی میں۔۔۔الحدیث۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تقاضا ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں اور آیتِ محاربہ کا تقاضا ہے کہ حدود کفارہ نہیں ہوتیں، اس اعتراض کا جواب

اس اعتراض اور جواب کی تفہیم کے لیے ہم آیتِ محاربہ کا ذکر کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (المائدہ:۳۳)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ محاربہ کی آیت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے، کیونکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں اور آیتِ محاربہ میں ذکر ہے "ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا" یعنی ڈاکہ ڈالنے پر جو حدود جاری کی جاتی ہیں وہ دنیا میں رسوائی ہیں، پھر فرمایا: "وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝" اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ (المائدہ:۳۳)، اس سے معلوم ہوا کہ حدود کفارہ نہیں ہوتیں، کیونکہ ڈاکہ ڈالنے پر دنیا میں بھی سزا دی جائے گی ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے یا انہیں قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی اور آخرت میں بھی ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ پس واضح ہوا کہ حدود کفارہ نہیں ہوتیں اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ حدود کفارہ ہوتی ہیں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: تمام مومنین کے نزدیک آیتِ محاربہ میں جو وعید ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر مترتب ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (النساء:۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

پس آیت کی تاویل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ جن کو یہ سزا دینا چاہے گا ان کو دے گا، پس یہ آیت غیر مشرکین پر حدود کے نفاذ کو باطل کرتی ہے کیونکہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں باقی نافرمانیوں کے ساتھ شرک کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ اس کو واجب نہیں کرتا کہ جس پر حالتِ شرک میں ان جرائم پر سزا دی گئی تو یہ سزا اس کے لیے کفارہ ہو جائے گی، کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کتاب وسنت میں اسی کی تصریح ہے، پس حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث عام نہیں ہے بلکہ یہ خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں پر محمول ہے کہ مسلمانوں میں سے جس پر ان جرائم کی حد جاری کی گئی تو ان کے لیے وہ حدود کفارہ ہو جائیں گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مطلقاً حدود کفارہ نہیں ہوتیں ورنہ لازم آئے گا کہ اگر مشرک پر حد جاری کی جائے تو اس کے لیے بھی حد کفارہ ہو جائے، حالانکہ کتاب وسنت کی تصریح اور اجماع مسلمین سے ثابت ہے کہ مشرک کے لیے حد کفارہ نہیں ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ کا بیان

یہ عقبہ وہ گھاٹی ہے جو منیٰ کے اندر ہے اور اسی کی طرف جمرۃ العقبہ منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اس عقبہ (گھاٹی) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیعتیں لی تھیں، آپ نے انصار سے اسلام کے اوپر بیعت لی اور اس کو عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ عقبۂ اولیٰ وہ تھی جس میں اسلام پر عقد لیا گیا تھا۔ عقبۂ اولیٰ میں انصار کے بارہ مرد تھے، پھر اس کے بعد عقبۂ ثانیہ ہوئی جو اس کے بعد متصل دوسرے سال ہوئی تھی اور عقبۂ ثانیہ میں ستر انصار مرد تھے۔

اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو قبائل پر پیش کرتے تھے، پس آپ خزرج کے چھ افراد سے حج کے موسم میں اس گھاٹی میں ملے، آپ نے فرمایا: کیا تم بیٹھتے نہیں ہو میں تم سے گفتگو کروں؟ پھر آپ نے ان کے اوپر اسلام کو پیش کیا، اور یہود اہلِ کتاب تھے اور اصحابِ علم تھے اور خزرج اہلِ شرک تھے اور بت پرست تھے، اور یہود کی خزرج سے لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، پھر جب ان کے درمیان کوئی لڑائی ہوتی تو یہود خزرج سے کہتے کہ ایک نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے تو ہم اس کی اتباع کریں گے اور وہ تم کو قتل کرے گا جس طرح عاد اور ارم کو قتل کیا گیا تھا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو فرمائی تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: جان لو اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن سے یہود تم کو ڈراتے تھے، پس یہود تم پر سبقت نہ کر لیں، تو خزرج نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کی اور آپ کی تصدیق کر دی۔ اور خزرج نے کہا: ہم نے اپنی قوم کو چھوڑ دیا ہے اور ان کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، پس ہم واپس جاتے ہیں اور اپنی قوم کے لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیتے ہیں، پس امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آپ کے ساتھ جمع کرے گا، پس اگر اللہ تعالیٰ ان کو آپ کے ساتھ جمع کر دے تو کوئی مرد آپ سے زیادہ معزز نہیں ہوگا، پس وہ مدینہ کی طرف چلے گئے اور انہوں نے اسلام کی دعوت دی حتیٰ کہ اسلام شائع ہو گیا اور انصار کے گھروں میں سے کوئی گھر نہ رہا مگر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا، اور وہ چھ خزرج یہ ہیں:

عقبۂ اولیٰ کی بیعت میں شریک انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء

(۱) حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ، (۲) حضرت عوف بن الحارث رضی اللہ عنہ، اور وہی ابن عفراء ہیں، (۳) اور حضرت رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ، (۴) اور حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، (۵) اور حضرت عقبہ بن نابی رضی اللہ عنہ، (۶) اور حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہ، اور بعض علماء نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔

عقبۂ ثانیہ کی بیعت کے وقت بعض انصار کے اسماء

پھر اگلے سال مکہ میں انصار میں سے بارہ مرد آئے، ان میں سے پانچ تو وہی تھے جن کا ان چھ میں ذکر کیا گیا ہے جن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نہیں تھے اور سات باقی تھے اور وہ یہ ہیں:

(۱) حضرت معاذ بن الحارث رضی اللہ عنہ، اور وہ ابن عفراء ہیں عوف کے بھائی، (۲) اور حضرت ذکوان بن قیس رضی اللہ عنہ جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، (۳) اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، (۴) اور حضرت یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ (۵) اور حضرت عباس بن عبادہ بن فضلہ رضی اللہ عنہ، (۶) اور اوس میں سے حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ (۷) اور حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ۔ پس ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹی پر بیعت لی، اور اس وقت تک جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، پس جب بیعت سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حضرت ابن ام مکتوم اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہما کو بھیجا، جو ان کو تعلیم دیتے تھے اور اسلام کے احکام کی تبلیغ کرتے تھے، پس حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو قاری کہا جاتا تھا جو ان کی نمازوں میں امامت کرتے تھے، اور حرہ بنی بیاضہ میں ان کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور وہ اس وقت چالیس مرد تھے اور یہ پہلے جمعہ کی نماز تھی جو اسلام میں پڑھی گئی۔

مدینہ منورہ میں پہلی نمازِ جمعہ کا بیان

اور حضرت مصعب رضی اللہ عنہ، حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ ان کو امامت کراتے تھے کیونکہ اوس اور خزرج اس کو ناپسند کرتے تھے کہ ان میں سے کوئی دوسرے کی امامت کرائے۔ اور امام ابنِ اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ پہلی جمعہ کی نماز جنہوں نے پڑھائی وہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے، اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۱۰۶۹، سنن ابن ماجہ: ۱۰۸۲، صحیح ابن حبان: ۷۰۱۳، المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۸۱)

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پر بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں حضرت سعد بن معاذ، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ہیں۔

پھر جب یہ لوگ حج سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے ملاقات کی اور آپ کے ہاتھ پر یہ بیعت کی کہ وہ آپ کی ان سے حفاظت کریں گے جن سے وہ اپنی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کی اور اپنے بیٹوں کی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے گفتگو کی اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، پھر فرمایا: میں تم سے اس پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری ان سے مدافعت کرو گے جن سے تم اپنی عورتوں اور بیٹوں کی مدافعت کرتے ہو۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۲۔ ۴۶۰، صحیح ابن حبان: ۷۰۱۱، المعجم الطبرانی: ۱۷۴، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۴۴۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۴۵)

بارہ نقباء کے اسماء

یہ بیعتِ ثانیہ اس پر منعقد کی گئی تھی کہ یہ لوگ نبی ﷺ کے دفاع میں ہر کالے اور گورے سے جنگ کریں گے اور آپ نے ان کا ثواب جنت کو قرار دیا، پھر حضرت البراء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! ہم ضرور آپ سے ان چیزوں کی مدافعت کریں گے جن سے ہم اپنی مدافعت کرتے ہیں۔ پس ہم نے بیعت کی یا رسول اللہ! پس ہم اللہ کی قسم! جنگ کے بیٹے ہیں، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: تم میری طرف اپنے لوگوں میں سے بارہ نقیب نکالو اور وہ یہ تھے:

(۱) حضرت اسعد بن زرارہ (۲) حضرت سعد بن الربیع (۳) حضرت عبداللہ بن رواحہ (۴) حضرت رافع بن مالک بن عجلان (۵) حضرت البراء بن معرور (۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن ہرام (۷) حضرت سعد بن عبادہ (۸) حضرت منذر بن عمرو بن ہرام، (۹) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم، سو یہ خزرج سے تھے، اور تین اوس سے تھے: (۱۰) حضرت اسید بن حضیر، (۱۱) حضرت سعد بن خیثمہ (۱۲) حضرت رفاعہ بن عبد المنذر، رضی اللہ عنہم۔

پہلی بار عقبہ اولیٰ میں بارہ انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور اس کے اگلے سال دوسری بار ستر انصار نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان دو بیعتوں کے بعد جو تیسری بیعت ہوئی ہے وہ بیعتِ رضوان ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۵۴۳۔۵۴۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدود کے کفارہ ہونے کی تحقیق

جو شخص شرک پر مر گیا اس کو دنیا میں جو عذاب دیا گیا وہ اس کے لیے کفارہ نہیں ہوگا، کیونکہ نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے کہ مشرک کو آخرت میں دائمی عذاب ہوگا۔ سو شرک کا ذکر ان حدود سے مستثنیٰ ہے، اور رہا قتل تو اس کا معاملہ مقتول کے ولی کی طرف مفوض ہے، کیونکہ قصاص اس کا حق نہیں ہے بلکہ مقتول کے حق میں باقی رہے گا، پس اس کا آخرت میں مطالبہ کیا جائے گا جس طرح باقی حقوق کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور رہی چوری تو اس میں چور کی براءت اس پر موقوف ہے کہ وہ چوری کا مال اس کے مستحق کو واپس کر دے۔ اور رہا زنا تو جمہور نے یہ اطلاق کیا ہے کہ یہ اللہ کا حق ہے اور یہ غفلت ہے، کیونکہ جس عورت کے ساتھ زنا کیا گیا ہے اس کی آل کا اس میں حق ہے، کیونکہ اس سے اس کے باپ پر اور اس کے شوہر پر اور خاندان کے دیگر افراد پر عار لاحق ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کمی کی جائے تو اس کا کفارہ اللہ کا حق ہے اور آدمی کا حق نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۰۔ بَابٌ: ظَهْرُ الْمُؤْمِنِ حِمًى إِلَّا فِي حَدٍّ أَوْ حَقٍّ

مومن کی پیٹھ محفوظ ہے، ہاں جب وہ کوئی ایسا کام کرے جس پر حد واجب ہو یا کسی آدمی کا حق ہو تو اس کی پیٹھ پر کوڑے لگائے جا سکتے ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مومن کی پیٹھ ایذاء سے محفوظ ہے۔ اور حمی کا معنی ہے: ایذاء سے محفوظ ہونا۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ جب تم کسی جگہ کو دوسروں کے تصرف سے ممنوع اور محفوظ کر دو تو کہا جاتا ہے "احمیت المکان"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حمی کا معنی یہ ہے کہ کسی مومن کو ضرب نہیں لگائی جائے گی سوا اس صورت کے کہ اس پر حد واجب ہو یا کسی بندہ کا کوئی حق واجب ہو۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ مومن کی پیٹھ ممنوع ہے یا محفوظ ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی پیٹھ کو مباح قرار دے اور اگر اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان کوئی عداوت ہو تو اس کے خلاف جنگ پر نہ ابھارے، جس طرح زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے اور ایک آدمی کی عزت اور اس کی جان کو مباح قرار دیتے تھے۔ اس کو صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے یا بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے یا اگر دین میں وہ کوتاہی کرے تو اس کو ادب سکھانے کے لیے اس کی پیٹھ پر مارنا جائز ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ادب سکھانے کے لیے درّے سے مارتے تھے۔ اور یہ عنوان ایک حدیث کے الفاظ سے ماخوذ ہے جس کو امام ابوشیخ نے کتاب السرقہ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود کے سوا مسلمانوں کی پیٹھیں محفوظ ہیں، اس حدیث کی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالعزیز ہے اور یہ ضعیف ہے۔ امام طبرانی نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ مومن کی پیٹھ محفوظ ہے سوا اللہ تعالیٰ کے حق کے، اور اس کی سند میں الفضل بن مختار ہے اور یہ ضعیف راوی ہے۔ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "جس نے مسلمان کی پیٹھ کو ناحق برہنہ کیا تو وہ اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر ناراض ہوگا" اور اس کی سند میں بھی اعتراض ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۴۔۴۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ أَبِي قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَلَا أَيُّ شَهْرٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً قَالُوا أَلَا شَهْرُنَا هَذَا قَالَ أَلَا أَيُّ بَلَدٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً قَالُوا أَلَا بَلَدُنَا هَذَا قَالَ أَلَا أَيُّ يَوْمٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً قَالُوا أَلَا يَوْمُنَا هَذَا قَالَ فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا كُلُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عاصم بن محمد نے حدیث بیان کی از واقد بن محمد، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا: سنو! وہ کونسا مہینہ ہے جس کو تم جانتے ہو کہ اس کی حرمت سب سے زیادہ عظیم ہے؟ صحابہ نے کہا: کیا وہ ہمارا یہ مہینہ نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ کونسا شہر ہے جس کو تم جانتے ہو کہ اس کی حرمت سب سے زیادہ عظیم ہے؟ صحابہ نے کہا: کیا وہ ہمارا یہ شہر نہیں ہے، آپ نے فرمایا: سنو! کیا تم

ذٰلِكَ يُجِيبُونَهُ أَلَا نَعَمْ قَالَ وَيْحَكُمْ أَوْ وَيْلَكُمْ لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

جانتے ہو وہ کونسا دن ہے جس کی حرمت سب سے زیادہ ہے؟ صحابہ نے کہا: کیا وہ ہمارا یہ دن نہیں ہے، آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر تمہاری جانوں کو حرام کر دیا ہے اور تمہارے مالوں اور تمہاری عزتوں کو، سوا اس کے حق کے، جس طرح تمہارے اس دن کی تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں حرمت ہے، سنو! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا، اور ہر مرتبہ صحابہ کرام جواب میں کہتے تھے: ہاں، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، یا فرمایا: تمہارے لیے ہلاکت ہو تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں ماریں۔

(صحیح البخاری: ۱۷۴۲، ۴۴۰۳، ۶۰۴۳، ۶۱۶۶، ۶۷۸۵، ۶۸۶۸، ۷۰۷۷، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۶، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۸، مسند احمد: ۵۶۰۴)

صحیح البخاری: ۶۷۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے اخذ کی جا سکتی ہے "بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری جانوں کو اور تمہارے مالوں کو اور تمہاری عزتوں کو حرام کر دیا ہے"۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مومن کی جان اور اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مومن کی حفاظت میں ہے۔ اور کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کو بغیر حق کے مباح قرار دے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبد اللہ، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور امام حاکم نے کہا ہے: محمد بن عبد اللہ، یہ وہی ہیں جو الزہلی النیشاپوری ہیں۔ امام بخاری نے ان سے کتاب الصوم میں، کتاب الطب میں، کتاب الجنائز میں اور کتاب العتق وغیرہا میں تقریباً تیس جگہ احادیث روایت کی ہے اور کہیں تصریح سے یہ نہیں کہا: محمد بن یحییٰ الزہلی اور وہ کہتے ہیں: حدثنا محمد اور اس پر اضافہ نہیں کرتے۔ اور بعض اوقات کہتے ہیں: محمد بن عبد اللہ اور ان کو ان کے دادا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: محمد بن خالد، انہیں ان کے دادا کے باپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: مجھے محمد بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، اسی طرح اکثرین کی روایت میں ہے۔ اور ابوذر کی روایت میں ہے: حدثنا، یعنی جمع کے صیغہ کے ساتھ۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم بن علی، یہ ابن عاصم بن صہیب ابو الحسین ہیں جو قریبہ بنت محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں، یہ القرشی ہیں اور اہلِ واسط سے ہیں۔ اور یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں۔ امام بخاری نے ان سے

کتاب الصلوٰۃ میں کئی جگہ پر بلاواسطہ حدیث روایت کی ہے، ۲۲۱ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔
نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عاصم بن محمد، یہ ابن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب العدوی القرشی رضی اللہ عنہما ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے واقد بن محمد، یہ ابن زید ہیں اور اپنے باپ محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو اس حدیث کے راوی کے دادا ہیں۔
یہ حدیث کتاب الحج میں ''باب الخطبة ایام منٰی'' میں گزر چکی ہے اور وہاں پر امام بخاری نے اس حدیث کو از محمد بن المثنیٰ از یزید بن ہارون از عاصم بن محمد بن زید از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد مقامات پر روایت کیا ہے جن کا ہم نے وہاں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی شرح بھی وہاں ذکر کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الا'' ہمزہ پر زبر ہے اور لام مخفف ہے، اس لفظ سے کلام میں تنبیہ پر اضافہ کیا جاتا ہے، یعنی جو بات کہی جائے گی اس پر تنبیہ کی جائے گی اور یہاں پر سوال اور جواب کا ذکر کیا گیا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''ای شهر'' علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ لفظ ای پر یہاں پیش ہے اور اس پر زبر بھی جائز ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''صحابہ نے کہا: کیا یہ ہمارا دن نہیں ہے؟'' یعنی یوم نحر۔ کہا گیا ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ افضل الایام یوم عرفہ ہے۔ اور اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یوم سے مراد حج کے افعال کی ادائیگی کا وقت ہے۔ اور یہ وقت ایک چیز کے حکم میں ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''ثلاثا'' یعنی آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''ویحکم او ویلکم'' اس میں راوی کو شک ہے اور ''ویحکم'' رحمت کا کلمہ ہے اور ''ویلکم'' عذاب کا کلمہ ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا ترجعن بعدی'' امام طبری نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ میرے اس موقف سے فراق کے بعد، اور وہ حجۃ الوداع کا دن یوم نحر تھا۔ یا ''بعدی'' کا معنی ہے: میرے خلاف، یعنی میں نے جو تم کو حکم دیا ہے تم اپنے دلوں میں اس کے خلاف نہ کرنا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یہ ثابت ہو چکا تھا کہ یہ چیز آپ کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوگی تو آپ نے صحابہ کو منع کیا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی تم ایسا نہ کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض'' اس کے معنی میں سات اقوال

(۱) یعنی میرے بعد تم کسی کو ناحق کافر نہ قرار دینا، کیونکہ یہ بھی کفر ہے (۲) یعنی میرے بعد تم نعمت کی ناشکری نہ کرنا اور اسلام کے حق کی ناشکری نہ کرنا (۳) میرے بعد تم کفر کے قریب نہ ہو جانا جو تمہیں کفر تک پہنچا دے (۴) تم میرے بعد ایسا فعل نہ کرنا جیسے کفار کے افعال ہیں (۵) اس سے مراد حقیقتِ کفر ہے، یعنی میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا بلکہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہنا (۶) اس کی علامہ خطابی وغیرہ نے حکایت کی ہے، یعنی میرے بعد تم ہتھیاروں سے مسلح نہ ہو جانا۔ الازہری نے کہا ہے: جو ہتھیاروں سے مسلح ہو اس کو

کافر کہا جاتا ہے (۷) اس کا معنی ہے: تم ایک دوسرے کو کافر نہ قرار دینا، پھر تم ایک دوسرے کے ساتھ قتال کو حلال قرار دوگے۔
علامہ نووی فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر چوتھا قول ہے یعنی تم کافروں کے فعل کی مثل نہ کرنا۔ یہ علامہ نووی نے کہا ہے اور قاضی عیاض نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "یضرب بعضکم رقاب بعض" (باء کے پیش کے ساتھ) اسی طرح متقدمین اور متاخرین نے روایت کیا ہے اور اسی سے مقصود یہاں واضح ہوتا ہے۔ اور ابوالبقاء العکبری نے کہا ہے: یہاں پر فعلِ شرط مقدر ہے، یعنی اگر تم ایک دوسرے کو مارنے کے ساتھ لوٹو، یعنی ایسا نہ کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۵۔۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابُ: إِقَامَةِ الْحُدُودِ وَالِانْتِقَامِ لِحُرُمَاتِ اللهِ — حدود کو قائم کرنا اور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا انتقام لینا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حدود کو قائم کرنا واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا انتقام لینا واجب ہے۔ اور حُرمات کا لفظ حرمۃ کی جمع ہے جیسے ظلمات کا لفظ ظلمۃ کی جمع ہے۔ اور حرمت کا معنی ہے: وہ چیز جس کی بے عزتی اور آبروریزی کرنا جائز نہ ہو۔ اور انتقام، نَقَمَ یَنْقِمُ سے بابِ افتعال ہے۔ اور "نَقَمَ مِن فلان الاحسان" اس کا معنی ہے: جب ایسا کام کیا جائے جو نعمت کے انکار تک پہنچائے۔ اور "حرمات اللہ" کے انتقام کا معنی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حرمات کی بے عزتی کرے اس کو سخت سزا دینا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۶۔۴۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا خُيِّرَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَأْثَمْ فَإِذَا كَانَ الْإِثْمُ كَانَ أَبْعَدَهُمَا مِنْهُ وَاللهِ مَا انْتَقَمَ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ قَطُّ حَتَّى تُنْتَهَكَ حُرُمَاتُ اللهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از حضرت عروہ رضی اللہ عنہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب بھی نبی ﷺ کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے اس کام کو اختیار کرتے جو آسان ہوتا جب تک کہ وہ کام گناہ نہ ہو، پس جب کہ وہ کام گناہ ہوتا تو آپ اس کام سے سب سے زیادہ دور ہونے والے تھے۔ اور اللہ کی قسم! جو چیز بھی آپ کی طرف لائی جاتی آپ نے کبھی اس میں اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کی بے عزتی کی جاتی، سو آپ اللہ کے لیے اس کا انتقام لیتے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۶۰، ۶۱۲۶، ۶۷۸۶، ۶۸۵۳، صحیح مسلم: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۴۷۸۵، مسند احمد: ۲۵۷۳۰، موطا امام مالک: ۱۶۷۱)

صحیح البخاری: ٦٧٨٦ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث مذکور کے اس جملہ سے ظاہر ہو جاتی ہے: "اور اللہ کی قسم! آپ نے اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا"۔ یعنی جس شخص نے بھی کوئی ایسا کام کیا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہوتا تو آپ نے اس کا تتبع نہیں کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن بکیر، یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المصری ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اللیث، یہ لیث بن سعد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عُقیل، یہ عُقیل بن خالد ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، ان کا نام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عروہ، یہ عروہ بن زُبیر ہیں۔

یہ حدیث "باب صفة النبی ﷺ" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس حدیث کی از عبداللہ بن یوسف از مالک از ابن شہاب از عروہ روایت کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا"۔

رسول اللہ ﷺ کو کس کی جانب سے اختیار دیا گیا تھا، اس میں فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ٤٤٩ھ نے کہا ہے: یہ اختیار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ کو ایسے دو کاموں کے درمیان اختیار نہیں دیتا جن میں سے ایک کام گناہ ہو، مگر یہ ہو سکتا ہے کہ دین میں ایک کام ایسا ہو جس کا مآل گناہ ہو جیسے کسی نیک کام میں غلو کرنا، کیونکہ یہ مذموم ہے۔ پس جب کوئی شخص اپنے اوپر کوئی مشکل اور دشوار عبادت کو واجب کرلے گا تو وہ اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: تخییل سے مراد ہے: دنیا کے معاملات میں اختیار دینا۔ اور رہا آخرت کا معاملہ، تو وہ جتنا سخت ہوگا اس کا اتنا زیادہ ثواب ہوگا۔

اور علامہ محمد یوسف کرمانی شافعی المتوفی ٧٨٦ھ نے کہا ہے: اگر یہ اختیار دینا کفار کی طرف سے ہو تو پھر ظاہر ہے اور اگر یہ اختیار دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپ اس چیز کو اس وقت اختیار کرتے جب وہ کسی گناہ کی طرف نہ پہنچائے، جیسے مجاہدہ کرنے اور میانہ روی کے اندر اختیار دینا۔ پس اتنا مجاہدہ کرنا جو بندہ کو ہلاکت کی طرف پہنچا دے، جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٤٢٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٧٨٦، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن دو کاموں کے درمیان آپ کو اختیار دیا گیا، اس سے مراد دنیاوی امور ہیں یا اخروی امور ہیں؟

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس باب کی حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کے امور سے دو امروں کے درمیان مشورہ دینے کا بیان ہے وہ بطورِ مشورہ ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لیے دو کاموں میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے تھے جب تک آسان کام کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو، کیونکہ بندے گناہ کے ارتکاب سے معصوم نہیں ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد دین کے دو امر ہوں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دین میں غلو کرنا مذموم ہے اور دین میں شدت کو اختیار کرنا مستحسن نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم دین میں غُلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ (سنن نسائی، ج ۵ ص ۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۲۹)

پس جب کوئی انسان اپنے نفس پر کسی دشوار عبادت کو واجب کرلے گا اور اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہوگا تو یہ اس کا گناہ ہو گا، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو رہبانیت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

ابو قلابہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر اچھی چیزوں کو اور گوشت کو حرام کرلیا، ان میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما تھے اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ خصی ہوجائیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے، پھر آپ نے ان کو اس کام پر سخت وعید سنائی۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے رہبانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین دین وہ ہے جو ادیانِ باطلہ سے اعراض کرنے والا ہو اور آسان ہو۔ اور بے شک اہلِ کتاب شدت اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئے، انہوں نے شدت اختیار کی، پس ان پر شدت کی گئی، پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور بیت اللہ کا حج کرو اور صراطِ مستقیم پر قائم رہو تو تمہارے لیے استقامت کی جائے گی۔ (الطبقات الکبریٰ لمحمد بن سعد ج ۳ ص ۳۹۵، طبقات المحدثین باصبہان: ٦٥٧)

ان امور کا بیان جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے

شارح بخاری علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: یعنی جب آپ کو کسی ایسے سبب سے ایذاء پہنچائی جائے جو سبب کفر تک نہ پہنچتا ہو مثلاً مال کے معاملہ میں آپ کو اذیت دی جائے یا آپ کی آواز پر آواز بلند کر کے بے ادبی کی جائے یا جیسے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما نے آپ کے خلاف باہم مشورہ کیا، یا جیسے ایک اعرابی نے آپ کے کندھے پر چادر ڈال کر کھینچا جس سے آپ کی گردن پر نشان پڑ گئے تو اس قسم کے معاملات میں آپ نے اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا اور درجِ ذیل آیت کے مطابق عمل فرمایا:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (الشوریٰ: ۴۱)

اور جس نے اپنے اوپر ظلم کیے جانے کا بدلہ لے لیا تو اب اس سے مواخذہ کرنے کا کوئی جواز نہیں O

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

ان امور کا بیان جن میں انتقام لینا آپ پر واجب تھا

جب آپ کو کسی ایسے امر کی وجہ سے اذیت پہنچائی جاتی جو کفر ہوتا جس امر میں اللہ تعالیٰ کی حرمت کو پامال کیا جاتا تو اس میں آپ پر واجب تھا کہ آپ انتقام لیں، جیسے فتح مکہ کے دن جب ابن خطل کعبہ کے پردوں میں چھپ گیا تو آپ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا نہ کہ دوسرے کافروں کو، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت زیادہ سبّ وشتم کرتا تھا، اسی طرح آپ نے ان دو باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو آپ پر سب وشتم کرتی تھیں اور آپ نے اپنی ذات کا انتقام لیا، اس لیے کہ جس نے آپ پر سب وشتم کیا اس نے کفر کیا اور جس نے کفر کیا اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچائی، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ ''کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا؟ کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچائی ہے''۔ (صحیح البخاری: ۲۵۱۰)

اور اسی طرح غزوۂ بدر کے دن آپ نے عقبہ بن ابی معیط کو قیدیوں کے درمیان سے قتل کرا دیا تھا اور ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے کہ آپ اپنے نفس کا انتقام نہیں لیتے تھے، اس کا معنی ہے کہ اکثر اور غالباً آپ انتقام نہیں لیتے تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۵۰۔ ۵۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۸۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیاوی معاملات میں مسلمانوں کے لیے اختیار ہونا اور شرعی امور میں اختیار کا نہ ہونا

اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو جب کسی کام کا حکم دے دیں تو پھر ان کے لیے اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)

اور نہ کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دیں تو ان کے لیے اپنے اس کام میں کوئی اختیار ہو، اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو بے شک وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گیا O

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۴۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۲۔ بَابٌ: اِقَامَةِ الْحُدُوْدِ عَلَى الشَّرِيْفِ وَالْوَضِيْعِ

معزز اور پسماندہ پر حدود کو قائم کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معزز ہو یا پسماندہ، اس پر حد کو قائم کرنا واجب ہے۔ اس عنوان میں شریف کا لفظ ہے، اس سے مراد وہ وجیہہ مرد ہے جو لوگوں کے نزدیک محترم ہو، اور عنوان میں الوضیع کا لفظ ہے اس سے مراد وہ حقیر مرد ہے جس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور باب کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق نہ کیا جائے، پس معزز پر حد نہ لگائی جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے اور جو پسماندہ اور حقیر سمجھا جاتا ہے اس پر حد لگائی جائے (ایسا نہ کیا جائے)۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ائمہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حدود کو معزز پر ترک کر دیں اور ائمہ میں سے جس نے ایسا کیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی اور آپ کے طریقہ کی اتباع سے اعراض کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُسَامَةَ كَلَّمَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي امْرَأَةٍ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يُقِيمُونَ الْحَدَّ عَلَى الْوَضِيعِ وَيَتْرُكُونَ الشَّرِيفَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ فَعَلَتْ ذَلِكَ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عورت کے متعلق گفتگو کی، آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہو گئے کہ وہ لوگ کسی حقیر اور پسماندہ مرد پر تو حد قائم کرتے تھے اور معزز اور وجیہہ آدمی کو چھوڑ دیتے تھے، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) بھی ایسا کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۵، صحیح مسلم: ۱۶۸۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۰، سنن نسائی: ۴۸۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۷، مسند احمد: ۲۴۷۶۹، سنن دارمی: ۲۳۰۲)

صحیح البخاری: ۶۷۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے معنی سے حاصل کی جا سکتی ہے، کیونکہ اس حدیث کا بھی یہی معنی ہے کہ حد قائم کرنے میں معزز اور غیر معزز کا فرق نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک الطیالسی ہیں۔

یہ حدیث ذکرِ بنی اسرائیل کے باب میں گزر چکی ہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بھی گزر چکی ہے۔ اور حضرت اسامہ، وہ ابن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما ہیں، اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

شریف اور وضیع کے معنی اور جس عورت کی سفارش کی گئی تھی اس کا نام

اس حدیث میں مذکور ہے "کلّم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی امرأۃ" یعنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک عورت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی، وہ عورت فاطمہ مخزومیہ تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والوضیع" یعنی جو شخص معاشرہ میں پسماندہ اور ضعیف ہو اور کم حیثیت ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ویترکون الشریف" یعنی وہ لوگ کسی معزز اور وجیہہ آدمی پر حد جاری کرنے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لو ان فاطمۃ فعلت ذلك" اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ "اگر فاطمہ بھی چوری کرتیں تو میں ان کا ہاتھ کاٹ ڈالتا" اور یہ فاطمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۸۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معزز اور غیر معزز پر حد جاری کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۝ (النساء: ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے، (فریقِ معاملہ) خواہ امیر ہو یا غریب، اللہ ان کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا تم خواہش کی پیروی کر کے عدل سے روگردانی نہ کرو، اگر تم نے اس گواہی میں ہیر پھیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے O

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے اس حکم پر عمل کیا اور آپ کے بعد ائمہ راشدین نے اپنے رشتہ داروں پر حد قائم کرنے کے معاملہ میں اس حکم پر عمل کیا۔

اپنے رشتہ داروں پر حدود قائم کرنے کے متعلق آثار

حدیث میں ہے:

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے از معمر، از الزہری، از سالم از والد خود روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی چیز سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع فرماتے، پھر فرماتے: میں نے لوگوں کو فلاں اور فلاں کام سے منع کیا ہے اور لوگ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں جیسا کہ پرندے گوشت کی طرف دیکھتے ہیں، اگر تم ان ممنوعہ کاموں میں واقع ہوگئے تو لوگ بھی واقع ہوں گے اور اگر تم ان کاموں کے کرنے سے ڈرو گے تو لوگ بھی ڈریں گے۔ اور بے شک اللہ کی قسم! میرے پاس جب بھی تم میں سے کوئی ایسا مرد لایا گیا جس نے یہ ممنوعہ کام کیا جس سے میں منع کر چکا ہوں تو میں اس کو دگنی سزا دوں گا، کیونکہ اس شخص کا مجھ سے قرب ہے، پس جو چاہے آگے بڑھے اور جو چاہے پیچھے ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۳۴۴۔ ۳۴۳)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ماں شریک بھائی الولید بن عقبہ پر خمر پینے کی وجہ سے حد جاری کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن کو خمر پینے کی وجہ سے مارا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامہ بن مظعون پر بھی شراب نوشی کی وجہ سے حد جاری کی حالانکہ وہ بدری صحابی تھے اور وہ ان کی اولاد میں سے حضرت عبداللہ، حضرت حفصہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہم کے ماموں تھے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارا تو انہوں نے خمر پینے کا انکار کیا اور جارود نے ان کے خلاف شہادت دی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارنے کا حکم دیا تو حضرت قدامہ بن مظعون نے اپنے دفاع میں یہ آیت پیش کی:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ (المائدہ: ۹۳)

ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے جو کچھ (پہلے) کھا پی چکے ہیں اس سے ان پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ اللہ سے ڈرتے رہے اور ایمان پر برقرار رہے اور نیک عمل کرتے رہے، پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور بدستور ایمان پر قائم رہے پھر اللہ سے ڈرتے رہے اور اچھے کام کرتے رہے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے O

حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا تھا کہ اس آیت کا تعلق مستقبل کے ساتھ بھی ہے حالانکہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب کچھ اصحاب تحریم خمر سے پہلے شراب پی چکے تھے اور پھر وہ شہید ہوگئے، اور لوگوں کو پتا نہیں تھا کہ ان کے متعلق کیا کہا جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ بہرحال حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کی یہ تاویل غلط تھی، کیونکہ اس آیت کا تعلق ماضی کے ساتھ ہے نہ کہ مستقبل کے ساتھ، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اوپر اسی (۸۰) کوڑے خمر پینے کی وجہ سے مارے اور پچاس (۵۰) کوڑے غلط تاویل کی وجہ سے مارے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۹ ص ۲۴۰، الطبقات الکبریٰ لمحمد بن سعد: ج ۵ ص ۵۶۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۱۶۔ ۳۱۵)

اور عبیداللہ بن ابی رافع بیت المال کے محافظ مقرر تھے اور بیت المال میں جواہر نفیسہ تھے تو عبیداللہ نے حضرت ام کلثوم بن علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کو کچھ اس میں سے جواہر دے دیئے کہ وہ ان سے زینت اختیار کریں اور واپس کر دیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر

وہ جواہر دیکھے، پس پوچھا: کیا تم نے یہ چوری کی ہے، اللہ کی قسم! میں ضرور تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا، تو عبید اللہ بن ابی رافع نے کہا کہ میں نے ان کو یہ جواہر عاریۃً دیئے تھے کہ وہ ان سے زینت اختیار کریں اور پھر واپس کر دیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۵۴۔ ۵۶ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۳۔ بَابُ: كَرَاهِيَةِ الشَّفَاعَةِ فِي الْحَدِّ إِذَا رُفِعَ إِلَى السُّلْطَانِ

جب سلطان کے پاس مقدمہ پیش کر دیا جائے تو پھر حد کے متعلق سفارش کا مکروہ ہونا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حاکم یا سلطان کے پاس مقدمہ پیش کر دیا جائے پھر حد کے متعلق کسی کی سفارش کرنا مکروہ ہے اور عنوان میں یہ قید لگائی ہے کہ جب سلطان کے پاس مقدمہ پیش کر دیا جائے، اس میں یہ دلیل ہے کہ حدود میں سفارش کرنا اس وقت تک جائز ہے جب تک سلطان یا حاکم کے پاس مقدمہ نہ پیش ہو، اور اکثر اہلِ علم سے اسی طرح منقول ہے۔ حضرت زبیر بن العوام، حضرت ابن عباس اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن جبیر، الزہری اور الاوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک امام کے پاس مقدمہ نہ پیش کیا جائے، امام پر یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اس معاملہ میں تفتیش کرے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ کہا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں جس کی سفارش حائل ہو گئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام احمد نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۵۹۷، سنن ابن ماجہ: ۲۴۱۴، مسند احمد: ۵۶۷۳، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۱۸)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٨٨۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ قُرَيْشًا أَهَمَّتْهُمُ الْمَرْأَةُ الْمَخْزُومِيَّةُ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ إِلَّا أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَكَلَّمَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ قریش کے لئے یہ معاملہ اہمیت اختیار کر گیا کہ مخزومیہ کی ایک عورت نے چوری کی، پس انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون سفارش کرے گا؟ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کون اس پر جرأت کر سکتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں؟ پس حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی، تو آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد میں

اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا

سفارش کر رہے ہو؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا، فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف اس وجہ سے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں سے کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی چوری کرتیں تو ضرور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹ دیتے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۵، صحیح مسلم: ۱۶۸۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۰، سنن نسائی: ۴۸۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۷، مسند احمد: ۲۴۷۶۹، سنن دارمی: ۲۳۰۲)

صحیح البخاری: ۶۷۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس سے پہلے باب میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی گئی تھی، یہ اسی حدیث کی دوسری سند ہے اور یہ حدیث اس حدیث سے زیادہ مکمل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ بزاز بغدادی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں لیث کا ذکر ہے، یہ ابن سعد ہیں۔

یہ حدیث ابن شہاب زہری کے حفاظ اصحاب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح مروی ہے اور عمر بن قیس المعاصر کا قول شاذ ہے، انہوں نے کہا از ابن شہاب از عروہ از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، پھر انہوں نے اسی باب کی طرح حدیث کی روایت کی۔ اور امام ابوالشیخ نے کتاب السرقہ میں اور طبرانی نے اس حدیث کی روایت کی اور کہا: اس حدیث کی روایت میں عمر بن قیس متفرد ہے، یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے میں وہ منفرد ہیں۔ اور امام الدارقطنی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس سے کون سی چیز مانع ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہو اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان قریشا" یہ قبیلہ مشہورہ ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ میں اس قصہ کو پایا تھا۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اھتمھم" یعنی اس واقعہ نے قریش کو پریشانی میں مبتلاء کر دیا کہ ایک عورت نے چوری کی۔

چوری کرنے والی عورت کا نام

اور اس کا نام فاطمہ بنت الاسود بن عبد الاسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم تھا۔ اور یہ جلیل القدر صحابی حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد کی بھتیجی تھی جو کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شوہر تھے۔ فاطمہ بنت اسد کے باپ کو غزوہ بدر میں حالتِ کفر میں قتل کیا گیا تھا، اس کو حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ اور بعض لوگوں کا یہ وہم ہے کہ وہ صحابی تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ چوری کرنے والی عورت ام عمرو بنت سفیان بن عبد الاسد تھی اور اس پر اعتراض ہے۔

جس چیز کو چرایا تھا اس کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "التی سرقت" یونس نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں غزوۂ فتح مکہ کے موقع پر چوری کی تھی۔ اور امام ابن ماجہ نے اپنی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ جس چیز کو چرایا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے ایک چادر کو چرایا گیا تھا۔ اور حبیب بن ابی ثابت کی مرسل حدیث میں مذکور ہے کہ اس نے زیور چرائے تھے۔ اور ان میں تطبیق ممکن ہے کہ وہ زیور چادر کے اندر تھے۔

عاریۃً لی ہوئی چیز کے انکار پر ہاتھ کاٹنے میں فقہاء کا اختلاف

اور معمر نے زہری سے اس حدیث میں روایت کی ہے کہ یہ عورت سامان عاریۃً طلب کرتی تھی اور اس کا انکار کر دیتی تھی۔ اور اس حدیث کی امام مسلم نے اور امام ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ اور ایک قوم نے اس سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ جس نے ایسی چیز کو عاریۃً طلب کیا جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے اور پھر اس کا انکار کر دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا لازم ہے اور امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ اور امام احمد نے کہا: میں کسی ایسی چیز کو نہیں جانتا جو اس کے معارض ہے اور فقہاء مدینہ اور کوفہ اور جمہور علماء نے ان کی مخالفت کی ہے اور امام شافعی نے اور انہوں نے کہا: عاریۃً چیز کے انکار کرنے پر ہاتھ کو نہیں کاٹا جائے گا اور ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کوئی سامان عاریۃً طلب کرے اور اس کا انکار کرے، پھر وہ سامان چوری ہو جائے تو چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا؟"۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں کون سفارش کرے گا کہ اس عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، یا تو اس کو معاف کر دیا جائے یا اس سے فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیا جائے۔ اور فدیہ کا ذکر حضرت مسعود بن الاسود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، اس میں ان کا یہ قول ہے "ہمارے نزدیک یہ معاملہ بہت سنگین تھا، سو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے کہا: ہم اس عورت کا فدیہ چالیس اوقیہ دیتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: یہ عورت پاک کر دی جائے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے" اور گویا کہ ان لوگوں کا یہ گمان تھا کہ فدیہ دینے سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: حضرت مسعود بن الاسود بن حارثہ القرشی العدوی اصحاب الشجرہ میں سے تھے اور جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومن یجتری علیہ" یہ لفظ الاجتراء سے ماخوذ ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا: یجتری، جرأت سے ماخوذ ہے اور وہ باب افتعال سے ہے۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۸۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
بلکہ یہ الاجتراء سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔ اور جرأت کا معنی ہے: کسی چیز کا اقدام کرنا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:
میں کہتا ہوں کہ الاجتراء مصدر ہے اور علامہ عینی نے کئی بار مصدر سے اشتقاق کا انکار کیا ہے، پس اب وہ یہاں کیسے یجتری کو الاجتراء سے ماخوذ قرار دے رہے ہیں۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۵، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)
نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:
اس حدیث میں مذکور ہے "حِبّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" حاء کے نیچے زیر ہے اور باء پر تشدید ہے اور حِبّ کا معنی ہے: محبوب۔
امام محمد بن سعد نے بیان کیا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جب کسی کی سفارش کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سفارش کو قبول فرماتے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو ضرور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ کاٹ دیتے"۔
حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کی صاحبزادی تھیں اور ان کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا کہ آپ کو اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ وہی محبوب تھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۹۔ ۴۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)
علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں جو مباحث ذکر کئے ہیں یہ سب فتح الباری میں مذکور ہیں جن کا ہم عنقریب تفصیل سے ذکر کریں گے۔

صحیح البخاری: ۶۷۸۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب امام تک کسی حد کا مقدمہ پہنچ جائے تو اس کی شفاعت کے متعلق فقہاء کے اقوال

فقہاء کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ جب امام کے پاس حد کا مقدمہ پہنچ جائے تو اس پر حد کو قائم کرنا واجب ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق متعلق ہو گیا۔ پس اس میں شفاعت جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر انکار کیا جب انہوں نے حد میں شفاعت کی، اور یہ بہت بلیغ ممانعت ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اپنی امت کو حدود میں شفاعت کرنے سے ڈرایا جب وہ مقدمہ امام تک پہنچ جائے۔
پس اگر تم یہ سوال کرو کہ امام مالک، امام ابو یوسف اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ جب قذف (پاک دامن پر تہمت لگانا) کا

معاملہ امام تک پہنچ جائے تو جس پر قذف یا تہمت لگائی گئی ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ تہمت لگانے والے کو معاف کر دے جب کہ وہ اس کا پردہ رکھنے کا ارادہ کرے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ ایسا شبہ ہے جس کی وجہ سے حد کو ساقط کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اگر امام قاذف کو حد لگانے کے لئے جائے حتیٰ کہ قاذف کے صدق کے اوپر گواہ قائم ہو جائے تو اس سے حد کو ساقط کر دیا جائے گا اور بسا اوقات مقذوف کے اوپر حد واجب ہوگی۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ جب امام تک شفاعت پہنچ جائے اور وہ پردہ رکھنے کا ارادہ نہ کرے تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنا جائز ہے۔ اور ایک مرتبہ امام مالک نے کہا کہ امام اور حاکم کا حد کو معاف کرنا جائز نہیں ہے جب اس کے پاس مقدمہ پہنچ جائے۔
(المدونہ ج ۴ ص ۴۱۴)

اور یہی امام ابوحنیفہ، ثوری اور الاوزاعی کا قول ہے اور یہی قول ظاہر حدیث کے زیادہ مشابہ ہے۔

اور اکثر اہلِ علم نے کہا ہے کہ امام کے پاس مقدمہ پہنچنے سے پہلے حدود میں شفاعت کرنا جائز ہے۔

صحابہ میں سے حضرت زبیر بن العوام، حضرت ابن عباس اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کا یہی موقف ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن جبیر اور زہری کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی امام الاوزاعی کا بھی قول ہے۔

اور امام مالک نے فرق کیا ہے کہ جس شخص سے لوگوں کی ایذاء معروف نہ ہو تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کی شفاعت قبول کی جائے جب تک امام کے پاس مقدمہ نہیں پہنچے۔ لیکن جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ زمین میں شر اور فساد کرتا ہے تو میں نہیں پسند کرتا کہ کسی کے حق میں بھی اس کی شفاعت قبول کی جائے اور اس کی شفاعت کو ترک کر دیا جائے حتیٰ کہ اس پر حد قائم ہو جائے۔ (الاشراف ج ۲ ص ۳۱۶)

اور مدوّنہ میں مذکور ہے کہ یہ مسئلہ تعزیر میں ہے جب کہ وہ شخص ذوالوجاہت ہو اور پاک دامن ہو۔ اور جب کہ شفاعت کرنے والا اس کی سزا کو معاف کرنے کا مطالبہ کرے۔ اور اگر اس شخص کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے تو اس پر تعزیر لگائی جائے اور حدود اس کے خلاف ہے۔ (المدونہ ج ۴ ص ۳۸۷)

الشیخ ابواسحاق نے کہا ہے: یہ معاملہ اس وقت ہے جب کہ وہ مقدمہ اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی حق کے متعلق ہو، لیکن جب وہ مقدمہ آدمیوں کے حقوق کے متعلق ہو تو وہ ساقط نہیں ہوگا جب تک کہ صاحبِ حق راضی نہ ہو جائے، لیکن المدوّنہ میں مذکور ہے کہ کبھی کسی شخص سے لغزش ہو جاتی ہے حالانکہ وہ آدمی نیکی اور فضل اور احسان میں معروف ہو اور امام غور کرے اگر وہ بہت بوڑھا ہو تو اس کو تادیباً اتنی سزا دے جتنی اس جیسے شخص کو سزا دی جا سکتی ہے۔ اور اگر وہ کم بوڑھا ہو تو سلطان کو چاہیے کہ اس کی لغزش کے معاملہ میں درگزر کرے جیسا کہ اصحابِ وجاہت سے درگزر کی جاتی ہے اور اس میں الشیخ ابواسحاق کا رد ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حاکم تک مقدمہ پہنچنے سے پہلے شفاعت کرنا مباح ہے وہ اس باب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی شفاعت کا انکار اس وقت فرمایا جب آپ کے پاس چوری کا مقدمہ پہنچ چکا تھا۔ (الاشراف ج ۲ ص ۳۱۶)

عاریۃً لی ہوئی چیز کا انکار کرنے پر حد قائم کرنے میں اختلاف فقہاء

معمر نے زہری سے اس حدیث میں یہ روایت کی ہے کہ ایک مخزومیہ عورت سامان عاریۃً لیتی تھی اور اس کا انکار کرتی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۲۰۱)

اور ایک قوم نے اس سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا: جو شخص عاریۃً ایسی چیز لے جس میں ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور پھر وہ انکار کر دے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

امام احمد نے کہا: میرے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس کی مخالف ہو۔

اور فقہاء مدینہ، فقہاء کوفہ، امام شافعی اور جمہور علماء نے ان کی مخالفت کی ہے، پس انہوں نے کہا کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ان کی دلیل اس باب کی حدیث ہے کہ جس نے چوری کی تھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ عاریۃً پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرتیں تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ (الاستذکار ج ۲۴ ص ۲۴۴۔۲۴۸)

اور اس مسئلہ میں آثار مختلف ہیں، پس اس میں غور کرنا ضروری ہے اور جس چیز میں اختلاف ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی طرف لوٹانا واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے چور پر ہاتھ کاٹنے کو واجب کیا ہے عاریۃً چیز لینے والے پر ہاتھ کاٹنے کو واجب نہیں کیا۔

امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے اس عورت کا ہاتھ پکڑا اور اس کو کاٹ دیا، وہ عورت لوگوں سے عاریۃً سامان لیتی تھی اور اس کا انکار کرتی تھی۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۷۱۔۷۰، رقم الحدیث: ۴۸۸۸)

اور دوسری روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، آپ نے فرمایا: اس عورت کو چاہیے کہ وہ اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرے اور اس نے قوم سے جو سامان لیا ہے اس کو واپس کر دے۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۷۱، رقم الحدیث: ۴۸۸۹)

سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ وہ عورت لوگوں سے سامان عاریۃً لیتی تھی اور اس کو زیور کی پہچان نہیں تھی، پس اس نے اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت لے لی۔ (سنن نسائی ج ۸ ص ۷۱، رقم الحدیث: ۴۸۹۲)

عائشہ بنت مسعود بن الاسود اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ جب اس قرشیہ عورت نے اس چادر کو رسول اللہ ﷺ کے گھر سے چرایا تو ہم کو یہ معاملہ بہت سنگین معلوم ہوا، پس ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہم نے اس معاملہ میں گفتگو کی، ہم نے کہا: ہم اس عورت کا چالیس اوقیہ فدیہ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ عورت پاک ہو جائے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے، جب ہم نے یہ سنا تو ہم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، پس ہم نے کہا: آپ ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ سے بات کیجئے۔۔ الحدیث (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۷۱۔۴۷۰)

اور امام نسائی نے ابوالزبیر سے روایت کی ہے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ ایک عورت نے چوری کی، پس لوگوں نے کہا: اس عورت کے معاملہ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا کون رسول اللہ ﷺ سے بات کرے گا؟

(سنن نسائی ج ۸ ص ۷۱، رقم الحدیث: ۴۸۹۷)

ابوقرۃ نے اپنی سنن میں از سفیان از ابی اسحاق از حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زیور چوری کیا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔

اور ابوشیخ نے "کتاب القطعة والسرقة" میں زہری سے روایت کی ہے از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور مرد یا چور عورت کو لایا گیا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور آپ نے فرمایا: اگر فاطمہ بھی ہوتیں تو میں ان پر حد قائم کر دیتا۔

اور اس کی زیادہ وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے فرمایا: کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش کرتے ہو؟ اور کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں عاریۃً لی ہوئی چیز کے انکار کے اوپر حد نہیں ہے۔

چوری کرنے والی عورت کا نام

اور یہ عورت فاطمہ بنت ابی الاسد ہے یا ابی الاسود ہے، اور ابوالاسود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد سے پہلے خاوند کے بھتیجے ہیں، ان کا نام عبداللہ بن عبدالاسد ہے۔ (الاستیعاب: ۳۴۸۷، اسد الغابہ: ۷۱۲۹)

ابوزکریا یحییٰ بن عبدالرحیم نے از عبدالغنی بن سعید الحافظ روایت کی ہے کہ جس عورت نے چوری کی تھی اس کا نام فاطمہ بنت ابی الاسد تھا جو حضرت ابوسلمہ کی بھتیجی تھی، وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے۔ پس قریش ڈرے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ کاٹ دیں، تو انہوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے بات کی۔ الحدیث (اسد الغابہ: ۷۱۲۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۵۷۔۶۱، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۷۸۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں چوری کے جرم پر ہاتھ کاٹنے کا دستور

مسعود بن الاسود کی روایت میں ہے: جب اس عورت نے چوری کی تو ہم کو یہ معاملہ بہت سنگین لگا، پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ الحدیث۔ اور وہ اس کو اس لئے سنگین قرار دیتے تھے کہ ان کو یہ خطرہ تھا کہ اس عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدود نافذ کرنے میں کوئی رخصت نہیں دیتے، اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ان کو اسلام سے پہلے معلوم تھا، اور قرآن مجید میں بھی حکم نازل ہوا کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور اسی پر حال برقرار رہا، اور ابن الکلبی نے ایک باب قائم کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں چوری کے سبب سے جس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، پس ان لوگوں کا قصہ ذکر کیا ہے جنہوں نے کعبہ کے ہرن چوری کئے تھے، پھر حضرت عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد کے عہد میں ان کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ عوف بن عبد بن عمر بن مخزوم اور مقیس بن قیس بن عدی بن سعد بن سہم وغیرہما نے ہاتھ کاٹے تھے۔

المخزومیہ کی چوری کے متعلق متعدد روایات اور ان میں تطبیق

امام نسائی کی روایت میں ہے کہ قریش کے بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور صحیح قول کی بناء پر اس عورت کا نام فاطمہ

بنت الاسود بن عبد الاسد بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ہے، اور یہ ابوسلمہ بن عبد الاسد الصحابی کی بھتیجی تھیں جو نبی ﷺ کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔

حافظ ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب'' میں لکھا ہے کہ فاطمہ بنت الاسود بن عبد الاسد ہی وہ عورت ہے کہ جس کے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ نے کاٹ دیا تھا کیونکہ اس نے زیور کی چوری کی تھی، پس قریش نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے گفتگو کی کہ وہ اس عورت کی سفارش کریں اور وہ اس وقت کم عمر لڑکے تھے۔۔۔ الحدیث

اور امام محمد بن سعد نے از حبیب بن ابی ثابت روایت کی ہے کہ فاطمہ بنت الاسود بن عبد الاسد نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں زیور چوری کئے تھے تو پھر لوگوں نے سفارش طلب کی۔۔ الحدیث

اور ابن الکلبی نے روایت کی ہے کہ وہ عورت ایک رات نکلی تو اس جگہ کچھ سوار اترے تو اس نے ان کا چمڑے کا تھیلا لے لیا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا، پھر اس کو باندھ دیا، پھر جب صبح ہوئی تو اسے لے کر نبی ﷺ کے پاس آئے تو نبی ﷺ کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ الحدیث۔

امام ابن ماجہ نے اور امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ جب اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے گھر سے چادر کو چوری کیا تو یہ بات ہمیں بہت سنگین معلوم ہوئی، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ہم آپ سے اس کی سفارش کرتے تھے۔ الحدیث۔

بعض روایات میں ہے کہ اس عورت نے زیور چوری کئے تھے اور اس روایت میں ہے کہ اس نے چمڑے کا تھیلا یا چادر چوری کی تھی۔ ان میں تطبیق اس طرح سے ہے کہ وہ زیور چمڑے کے تھیلے یا چادر میں تھے تو اس عورت نے اس چادر کو چوری کیا جس میں زیور تھے تو بعض راویوں نے صرف ظرف کا ذکر کیا اور بعض راویوں نے مظروف کا ذکر کیا، ظرف وہ چادر یا تھیلا ہے اور مظروف وہ زیور ہیں۔

اور امام عبدالرزاق نے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ فلاں عورت تم سے عاریۃً زیور طلب کرتی ہے تو میں نے اس کو وہ زیور دے دیئے، وہ کچھ دن ٹھہری رہی، پھر اس عورت کو نبی ﷺ کے پاس لایا گیا، آپ نے اس سے اس کے متعلق سوال کیا، اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے ان سے کوئی چیز عاریۃً نہیں طلب کی، نبی ﷺ نے فرمایا: اس کے گھر جاؤ، اس کے بستر کے نیچے تم کو وہ زیور مل جائیں گے، پھر لوگ گئے تو وہاں سے وہ زیور لے لیے، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس عورت کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔۔۔ الحدیث۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس عورت نے چادر چوری کی تھی اور زیور چوری کرنے کا انکار کیا تھا، اس کا محمل یہ ہے کہ اس نے ان زیورات کو عاریۃً طلب کیا تھا اور جس روایت میں ان پر چوری کا اطلاق ہے وہ مجاز ہے۔

امام اور حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے سے پہلے شفاعت کرنے کا ثبوت

حبیب بن ابی ثابت کی مرسل روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب انہوں نے اس عورت کی

شفاعت کی کہ تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں سفارش نہ کرو، کیونکہ جب یہ مقدمہ میری طرف پہنچ گیا تو پھر اس کو نہیں چھوڑا جائے گا۔

عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود کی روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم آپس میں حدود کو معاف کردو، پس جو حد مجھ تک پہنچ گئی تو پھر وہ واجب ہو جائے گی۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو اس عنوان کے تحت لکھا ہے کہ جب تک سلطان کے پاس حد نہ پہنچے اسے معاف کرنے کی گنجائش ہے۔

نیز امام ابوداؤد، امام حاکم اور امام احمد نے یحییٰ بن راشد سے روایت کی ہے کہ ہمارے پاس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آئے، پس انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد میں حائل ہوگئی اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی۔ اور امام ابویعلیٰ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا، پس انہوں نے اس قصہ کا ذکر کیا، اس میں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اس کو معاف کیوں نہیں کر دیتے؟ تو آپ نے فرمایا: وہ برا سلطان ہے جو تمہارے درمیان حدود کو معاف کر دے۔

عروہ بن الزبیر نے کہا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ایک چور سے ملاقات ہوئی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی سفارش کی تو ان سے کہا گیا: حتیٰ کہ امام تک یہ معاملہ پہنچ جائے، انہوں نے کہا: جب امام تک یہ مقدمہ پہنچ جائے اور پھر کوئی سفارش کرے تو سفارش کرنے والے پر بھی اللہ کی لعنت ہو اور جس کی سفارش کی گئی ہے اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو۔

امام دارقطنی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک سفارش کرو جب تک حاکم تک مقدمہ نہ پہنچ جائے، پس جب حاکم تک مقدمہ پہنچ جائے، پھر حاکم اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے۔

امام احمد اور امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: جو لوگ معزز ہوں، ان کی لغزشوں کو معاف کرو سوائے حدود کے۔

اور حافظ ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے: اس میں اتفاق ہے کہ جن احادیث میں یہ حکم ہے کہ مسلمان کے عیوب پر پردہ رکھنا مستحب ہے، وہ اس پر محمول ہے جب تک ان کا معاملہ حاکم تک نہ پہنچا ہو۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کی تخصیص کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتیں تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا''۔ لیث نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس بات سے اپنی پناہ میں رکھا کہ وہ چوری کریں اور ہر مسلمان کو اسی طرح کہنا چاہیے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خصوصیت سے ذکر کیا، اس لئے کہ آپ کو آپ کے گھر والوں میں سب سے زیادہ وہی عزیز تھیں اور اس لئے بھی کہ اس وقت آپ کی صاحبزادیوں میں سے صرف وہی باقی تھیں۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۴۹۔۸۵۸، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابٌ: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:۳۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو

وَفِي كَمْ يُقْطَعُ ؟	اور کتنے مال کی مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟
وَقَطَعَ عَلِيٌّ مِنَ الْكَفِّ	اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہتھیلی سے کاٹا۔
وَقَالَ قَتَادَةُ فِي امْرَأَةٍ سَرَقَتْ فَقُطِعَتْ شِمَالُهَا لَيْسَ إِلَّا ذٰلِكَ۔	اور قتادہ نے کہا جس عورت نے چوری کی ہے اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر کی گئی ہے جس میں فرمایا ہے:

''چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو''۔ (المائدہ: ۳۸)

امام بخاری نے باب کا عنوان اس آیت کریمہ کو قرار دیا ہے تا کہ یہ بیان کیا جائے کہ چور کا ہاتھ کاٹنا قرآن مجید سے ثابت ہے اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اس آیت میں ''یَد'' کے لفظ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ہاتھ اور اس سے مراد دایاں ہاتھ ہے، اور اس پر دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ قراءت ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا — چور مرد اور چور عورت دونوں کے دائیں ہاتھ کو کاٹ دو۔

اس کی روایت ثوری نے از جابر بن یزید از عامر بن شراحیل الشعبی از ابن مسعود از حضرت مسعود کی ہے۔ اور ''سَارِق'' فِعِلٌ کے وزن پر ہے۔ اور لغت میں ''سَارِق'' کا معنی ہے: کسی چیز کو خفیہ طریقہ سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر لینا خواہ وہ مال ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ اور شریعت میں اس کا معنی ہے: مکلف کا خفیہ طریقہ سے دس دراہم (یعنی 2093.6، یہ مقدار 2013ء بینک ریٹ کے مطابق ہے) کی مقدار کو لینا اور یہ مقدار کسی محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی ہو یا وہاں پر اس مقدار کی کوئی حفاظت کرنے والا ہو۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''کتنی مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟'' یعنی مال کی کتنی مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور اس مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ پس ظاہریہ (غیر مقلدین) نے کہا ہے: خواہ قلیل مال کی چوری ہو یا کثیر مال کی چوری ہو اس میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اس میں کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔ اور فقہاء احناف کے نزدیک دس دراہم کی مالیت کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور امام شافعی کے نزدیک چوتھائی دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، اور امام مالک کے نزدیک تین دراہم کی مالیت میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

امام ابن ابی شیبہ نے از حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما روایت کی ہے، ان دونوں نے کہا: ہاتھ کو صرف چار دراہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں کاٹا جائے گا۔

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے دو جوتوں کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا، اور ابن معمر نے کہا: لوگ کوڑوں کی چوری کرتے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم نے دوبارہ ان کو چرایا تو میں اس کی چوری میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔

اور عروہ بن زبیر، زہری اور سلیمان بن یسار کہتے تھے کہ ڈھال کی قیمت پانچ دراہم ہے، اور حافظ ابو عمر نے الاستذکار میں از عثمان البتی روایت کی ہے کہ ایک درہم میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور منصور نے از حسن بصری روایت کی ہے کہ چوری میں کوئی چیز متعین نہیں ہے اور وہ یہ آیت پڑھتے تھے:

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (المائدہ:۳۸)

اور چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے (دائیں) ہاتھ کو کاٹ دو، یہ ان کے کیے ہوئے کی سزا ہے (اور) اللہ کی طرف سے عبرت ناک تعزیر ہے، اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے O

اور قتادہ نے ان سے روایت کی ہے کہ دو درہموں پر اجماع ہے، اور ابراہیم سے چالیس درہم کی روایت ہے اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے نصف درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔ اور زیاد سے دو درہموں کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی روایت ہے۔ اور حضرت ابو سعید سے چار درہموں کی روایت ہے، ایک قول یہ ہے کہ ہر اس چیز کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا جس کی قیمت ہو خواہ کم ہو یا زیادہ۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہتھیلی سے ہاتھ کاٹ دیا۔ یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے چور کا ہاتھ ہتھیلی سے کاٹ دیا۔ اس اثر کی روایت ابوبکر نے کی ہے از وکیع از سمرہ بن معبد ابی عبدالرحمٰن، انہوں نے کہا: میں نے ابو خیرہ کو دیکھا ان کا ہاتھ جوڑ سے کٹا ہوا تھا، میں نے پوچھا: آپ کا ہاتھ کس نے کاٹا؟ انہوں نے کہا: ایک نیک مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، لیکن انہوں نے مجھ پر ظلم نہیں کیا۔

اور علامہ ابن التین نے بعض راویوں سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بغل سے ہاتھ کاٹ دیا تھا اور یہ بہت بعید اور عجیب ہے۔

اور امام سعید بن منصور نے از حماد بن زید از عمرو بن دینار روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جوڑ سے ہاتھ کاٹتے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پیر کی پشت سے کاٹتے تھے۔

امام ابن ابی شیبہ نے از ابی خبرۃ روایت کی ہے کہ حضرت علی نے ان کا ہاتھ جوڑ سے کاٹ دیا۔

اور امام شافعی نے ''کتاب اختلاف علی وابن مسعود'' میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چور کے ہاتھ کی صرف خنصر، بنصر اور وسطیٰ کو کاٹتے تھے۔ (یعنی درمیانی انگلی اور اس کے ساتھ کی دو چھوٹی انگلیاں) اور فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں اس شخص کو بغیر عمل کے چھوڑ دوں (یعنی وہ کوئی کام نہ کر سکے)۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ایک عورت نے چوری کی تو قتادہ نے کہا: اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس کے سوا اور نہیں کاٹا گیا۔

امام احمد نے اپنی تاریخ میں اس تعلیق کو سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے: از محمد بن الحسن الواسطی از عوف الاعرابی اسی

طرح، اور قتادہ نے بیان کیا کہ امام مالک اور ابن ماجیشون نے کہا: یہ کافی نہیں ہے۔ اور جب ہاتھ کاٹنے والا عمداً کاٹے تو اس کے بائیں ہاتھ کو کاٹے۔ اور علامہ الابہری نے کہا: اس پر اعتراض ہے اور یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ اس پر قصاص ہے۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے: جب ہاتھ کاٹنے والا مستحق سے کاٹے اور بایاں ہاتھ کاٹ دے تو یہ دایاں ہاتھ کاٹنے سے کافی ہے اور اس پر اعادہ نہیں ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد سے روایت ہے: اگر کاٹنے والا خطا کرے تو اس پر دیت ہے اور دوبارہ ہاتھ کاٹنے کے متعلق امام شافعی کے نزدیک دو قول ہیں۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۰۔۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۸۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ تُقْطَعُ الْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا تَابَعَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔
ابراہیم بن سعد کی عبدالرحمٰن بن خالد اور زہری کے بھتیجے اور معمر نے متابعت کی ہے از الزہری۔

(صحیح البخاری: ۶۷۹۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۴، سنن ترمذی: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۴۹۱۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۵، مسند احمد: ۲۴۷۷۶، موطا امام مالک: ۱۵۷۵، سنن دارمی: ۲۳۰۰)

صحیح البخاری: ۶۷۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "کتنے مال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟" اور اس باب کی حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے کہ چوتھائی درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے از ابن شہاب از عمرہ بنت عبدالرحمٰن الانصاری روایت کی ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں روایت کی ہے از یحییٰ بن یحییٰ، اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے، اور امام ترمذی نے کتاب الحدود میں اس حدیث کی از علی بن حجر روایت کی ہے اور امام نسائی نے قطع الید کے باب میں اس حدیث کی از اسحاق بن ابراہیم روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے کتاب الحدود میں اس حدیث کی از ابی مروان

محمد بن عثمان روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

چوتھائی درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: چوتھائی درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا''، فقہاء شافعیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ چوتھائی دینار ہاتھ کاٹنے میں اصل ہے اور اس میں نصِ صریح ہے اور اس کے سوا میں نصِ صریح نہیں ہے۔ اور انہوں نے کہا کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیئے تھے جس کی قیمت تین دراہم تھی، اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔

اور یہ مذہب حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے عمر بن عبدالعزیز، امام مالک، اللیث بن سعد، الاوزاعی اور ایک روایت کے مطابق اسحاق اور ابوثور اور داؤد بن علی الظاہری کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا: جب اس نے سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ چرایا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور جب اس نے دراہم میں سے تین درہم کی چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور امام احمد سے یہ بھی روایت ہے کہ چوری میں ہاتھ کاٹنے کا نصاب چوتھائی دینار ہے یا تین درہم ہے یا جس سامان کی مالیت تین درہم ہے اور دراہم کے ساتھ قیمت ڈالنا خصوصیت ہے۔ اور امام احمد سے یہ بھی روایت ہے کہ چوری میں ہاتھ کاٹنے کا نصاب تین دراہم ہے یا سونے اور سامان میں سے جس کی قیمت تین دراہم ہو۔

دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

عطاء بن ابی رباح، ابراہیم النخعی، سفیان ثوری، ایمن الحبشی، حماد بن ابی سلیمان، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور زفر نے کہا: چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا حتیٰ کہ وہ ایسے دس درہم کی چوری کرے جو مروج ہوں۔ اور الکاسانی نے کہا: حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی ہمارے مذہب کی مثل منقول ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے جس کو امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔

دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے متعلق احادیث

امام طحاوی نے کہا: ہمیں محمد بن اسحاق نے حدیث بیان کی از ایوب بن موسیٰ از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ جس ڈھال کی چوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹے تھے اس کی قیمت دس دراہم تھی۔

اور امام نسائی نے روایت کی ہے: ہمیں عبیداللہ بن سعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے چچا نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از ابن اسحاق، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن شعیب نے حدیث بیان کی کہ عطاء بن ابی رباح نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اس ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔

اورامام نسائی نے بھی از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دس دراہم تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۱۔ ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۹۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی از ابن وہب از یونس ابن شہاب از عروہ بن الزبیر اور عمرۃ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چور کا ہاتھ چوتھائی دینار (کی چوری) میں کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۸۹۔۶۷۹۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۴، سنن ترمذی: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۴۹۱۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۵، مسند احمد: ۲۴۷۷۶، موطا امام مالک: ۱۵۷۵، سنن دارمی: ۲۳۰۰)

صحیح البخاری: ۶۷۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور سے فقہاء شافعیہ کا استدلال

اس سے پہلے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی گئی ہے، یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے۔ یہ سند از ابن شہاب از عروہ بن زبیر اور عمرۃ بنت عبدالرحمٰن دونوں کی روایت از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے، اس کے برخلاف جو حدیث پہلے گزری ہے اس کی سند میں عمرۃ پر اقتصار تھا۔

یہ حدیث بھی ان دلائل سے ہے جن سے فقہاء شافعیہ نے چوتھائی دینار کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹنے پر استدلال کیا ہے۔ اور انہوں نے کہا: اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خبر دی ہے، پس یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں جو ذکر کیا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا، تو اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط کیا ہے۔

فقہاء شافعیہ کی دلیل پر امام طحاوی کا اعتراض

امام طحاوی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہم تمہاری دلیل کو مان لیتے اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس سلسلہ میں مختلف روایات نہ ہوتیں، کیونکہ ابن عیینہ نے از الزہری از عمرۃ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی دینار یا اس سے زائد میں ہاتھ کاٹتے تھے۔ یہ حدیث از سفیان بن عیینہ از زہری از عمرۃ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے، اور جس حدیث سے فقہاء شافعیہ نے استدلال کیا ہے وہ یونس سے مروی ہے۔ اور تمہارے نزدیک اور تمہارے علاوہ دوسروں کے نزدیک یونس، سفیان بن عیینہ کے مرتبہ کا نہیں ہے۔ پس تم کیسے یونس کے قول سے استدلال کرو گے اور سفیان کے قول کو ترک کرو گے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام طحاوی نے محدثین سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ زہری کی روایت میں سفیان بن عیینہ کو یونس پر مقدم رکھتے ہیں، یہ تمام محدثین کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اکثر نے اس کے خلاف کہا ہے، اور جنہوں نے وثوق سے کہا ہے کہ یونس، زہری کی روایت میں سفیان پر مقدم ہے وہ یحییٰ بن معین اور احمد بن صالح المصری ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی عبارت کو رد کرنا

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: سفیان بن عیینہ امام، عالم، متقی، زاہد، حجت، ثبت ہیں اور ان کی حدیث کی صحت پر اجماع ہے، پس یونس بن یزید ان کے مقارن کیسے ہوگا؟ جب کہ محمد بن سعد نے کہا ہے کہ یونس کی حدیث میٹھی ہوتی تھی اور ان کی اکثر احادیث حجت نہیں ہوتیں، اور بسا اوقات وہ منکر روایات لاتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ عینی کی یہ عبارت حافظ ابن حجر عسقلانی کی دلیل کا رد نہیں کرتی، کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام طحاوی کے اس قول کا رد کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یونس کے سفیان بن عیینہ پر مقدم ہونے پر اتفاق نہیں ہے، کیونکہ یحییٰ بن معین اور احمد بن صالح نے ان پر اقتصار نہیں کیا۔

امام عبد الرزاق نے از عبد اللہ بن المبارک روایت کی ہے کہ زہری کی جو از معمر حدیث ہے اس کا میں نے یونس سے زیادہ حافظ کسی کو نہیں پایا۔

اور ابن مہدی نے کہا کہ ابن المبارک یہ کہتے تھے کہ ابنِ مہدی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

اور حنبل بن اسحاق از امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ زہری کی جو حدیث از معمر ہے میرے علم میں یونس سے زیادہ اس کا کوئی عالم نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے اس کی ہر چیز لکھ لی ہے۔

اور علامہ عینی نے جو محمد بن سعد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یونس حلو الحدیث ہے اور اس کی احادیث اکثر حجت نہیں ہیں اور بسا اوقات وہ منکر روایات کو لاتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ محمد بن سعد اور امام احمد فردِ مطلق پر منکر کا اطلاق کرتے ہیں۔ اور رہے جمہور تو وہ فردِ مطلق پر منکر کا اطلاق نہیں کرتے، سوا اس صورت کے جب کہ منفرد اپنے سے زیادہ قوی کی مخالفت کرے۔ اور امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۴۸، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

۶۷۹۱۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَتْهُ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها حَدَّثَتْهُمْ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تُقْطَعُ الْيَدُ فِي رُبُعِ دِينَارٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمران بن میسرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسین نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن ابی کثیر از محمد بن عبدالرحمٰن الانصاری از عمرۃ بن عبدالرحمٰن، ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چوتھائی دینار (کی چوری) میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۸۹، ۶۷۹۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۴، سنن ترمذی: ۱۴۴۵، سنن نسائی: ۴۹۱۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۵، مسند احمد: ۲۴۷۷۶، موطا امام مالک: ۱۵۷۵، سنن دارمی: ۲۳۰۰)

صحیح البخاری: ۶۷۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس کی امام بخاری نے عمران بن میسرۃ سے روایت کی ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثِ سابق کی ایک اور سند ہے۔

فقہاءِ احناف کا حدیثِ مذکور سے استدلال کا جواب

فقہاءِ احناف نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر موقوف ہے۔ اس حدیث کی ایوب نے ازعبدالرحمٰن بن القاسم از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے۔

نیز فقہاءِ احناف نے کہا: اس حدیث کے معارض وہ احادیث ہیں جس میں دس درہم سے کم میں ہاتھ کاٹنے کا ذکر ہے اور یہ حدیث ہاتھ کاٹنے کو مباح قرار دیتی ہے اور دوسری حدیث منع کرتی ہے اور ممانعت کی حدیث اباحت کی حدیث سے زیادہ اولیٰ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۷۹۲۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ يَدَ السَّارِقِ لَمْ تُقْطَعْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا فِي ثَمَنِ مِجَنٍّ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدۃ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ نبی ﷺ کے عہد میں چور کا ہاتھ صرف چمڑے کی ڈھال کی قیمت یا عام ڈھال کی قیمت کی چوری میں کاٹا گیا۔

ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن

(صحیح البخاری: ۶۷۹۳، ۶۷۹۴، صحیح مسلم: ۱۶۸۵، سنن نسائی: ۴۹۳۱)

عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے
حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حدیث کی مثل۔

صحیح البخاری: ۶۷۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی روایت از عثمان بن ابی شیبہ ہے اور یہ عثمان بن محمد بن ابی شیبہ ہیں اور ان کا نام ابراہیم العبسی الکوفی ہے، یہ ابوبکر بن ابی شیبہ کے بھائی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے از عبدۃ، یہ ابن سلیمان ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از ہشام، یہ ابن عروہ ہیں۔ یہ اپنے والد عروہ بن زبیر سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی عثمان سے کتاب الحدود میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مِجَن" میم کے نیچے زیر ہے اور جیم پر زبر ہے، اور اس کا معنی ہے: استتار، ڈھانپنا۔ اور صاحب المغرب نے کہا: مجن ڈھال کو کہتے ہیں کیونکہ ڈھال والا ڈھال سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔ اور التوضیح میں مذکور ہے کہ المِجَن اور الجحفۃ اور الترس، تینوں کا ایک معنی ہے۔

حدیث کے الفاظ جس پر دلالت کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ المِجَن اور الجحفۃ دونوں کا معنی ایک ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک تنوین کے ساتھ ہے، پس الجحفۃ اس کا بیان ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "او تُرس" اَو کا لفظ شک کے لئے ہے، کیونکہ تُرس دو چمڑوں سے بنائی جاتی ہے اور جحفۃ کبھی لکڑی کی ہوتی ہے یا ہڈی کی ہوتی ہے اور اس کے اوپر چمڑا چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں ان چیزوں کی مقدار کا بیان نہیں کیا گیا۔ پس ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی قیمت چوتھائی دینار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی قیمت دس درا ہم ہو، پس اس حدیث میں کسی فریق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے اس حدیث کی ایک اور سند بیان کی ہے اور وہ یہ ہے:

"ہمیں عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حدیث کی مثل"۔

یہ اس حدیثِ سابق کی ایک اور سند ہے جو عثمان بن ابی شیبہ سے مروی ہے اور امام مسلم نے بھی عثمان سے اس کی مثل روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۴۔۴۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

٦٧٩٣ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ تَكُنْ تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي أَدْنَى مِنْ حَجَفَةٍ أَوْ تُرْسٍ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ذُو ثَمَنٍ رَوَاهُ وَكِيعٌ وَابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ مُرْسَلًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ چور کا ہاتھ جحفة یا ترس (ڈھال) سے کم میں نہیں کاٹا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک قیمت والی چیز ہے۔

اس حدیث کی وکیع نے اور ابنِ ادریس نے از ہشام از والد خود مرسلاً روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ٦٧٩٢، ٦٧٩٣، ٦٧٩٤، صحیح مسلم: ١٦٨٥، سنن نسائی: ٤٩٣١)

صحیح البخاری: ٦٧٩٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی ایک اور سند ہے اور یہ حدیثِ موقوف ہے۔ اس حدیث کی از محمد بن مقاتل المروزی از عبداللہ بن المبارک المروزی روایت کی گئی ہے۔ اور امام نسائی نے اس حدیث کی قطع ید کے باب میں سوید بن نصر کی از ابن المبارک روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "چور کا ہاتھ حجفة یا ترس سے کم میں نہیں کاٹا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک قیمت والی چیز ہے"۔ اور "کل واحد" کلامِ اضافی ہے اور مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے: "وکان کل واحد منہما ذا ثمن" (یعنی ان میں سے ہر ایک قیمت والی چیز تھی) اور انہوں نے کانَ کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور ذا ثمن کو منصوب قرار دیا ہے، پھر لکھا ہے کہ اسی طرح اصول میں ثابت ہے، پھر کہا: علامہ کرمانی نے یہ افادہ کیا ہے کہ بعض نسخوں میں اس طرح مذکور ہے "وکان کل واحد منہما ذو ثمن" اور "ذُوثمن" پر رفع پڑھی ہے اور ضمیرِ شان کو مقدر مانا ہے۔ (فتح الباری ج ٧ ص ٨٦٣، دارالکتب العلمیہ، بیروت ١٤٢١ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت کے رد میں لکھتے ہیں:

حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور علامہ کرمانی کا یہ تصرف بہت بعید ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو یہ کہا ہے کہ "اصول میں اسی طرح ثابت ہے" اس کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ جو چیز اصول میں ثابت ہے، یہ وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا تھا یعنی "کل واحد"

کلام میں اضافی ہے اور مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے، کیونکہ یہ عبارت اس قاعدہ کی بناء پر مبنی ہے جس میں نہ کوئی اضافہ ہے اور نہ کسی چیز کو مقدر رمانا ہے۔ اور رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ بعض نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے، اس کو بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس عبارت کی مثل تاویل کی محتاج ہوتی ہے۔ نیز علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ ''ذوثمن'' میں یہ اشارہ ہے کہ کم قیمت کی چیز میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا بلکہ یہ اس کے ساتھ مخصوص ہے جس کی کوئی قیمت ہو۔

علامہ عینی علامہ کرمانی کے رد میں فرماتے ہیں: علامہ کرمانی کی شرح سے حدیث میں جو ابہام تھا، اس پر مزید ابہام میں اضافہ ہو گیا، کیونکہ جو ڈھال چرائی گئی ہے جب اس کی قیمت چوتھائی دینار سے کم ہو گی تو اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے کیونکہ یہ بھی ظاہر قیمت ہے خواہ وہ ایک درہم ہو، حالانکہ علامہ کرمانی کے امام یعنی امام شافعی اس کے قائل نہیں ہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے لکھا ہے کہ ''اس حدیث کی وکیع نے اور ابن ادریس نے از ہشام از والد خود مرسلاً روایت کی ہے''۔ یعنی وکیع بن الجراح الکوفی نے اور عبداللہ بن ادریس الاودی الکوفی نے اس حدیث کی از ہشام از والد خود مرسلاً روایت کی ہے، کیونکہ انہوں نے اس کی سند نہیں بیان کی۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس عبارت میں جو مرسلاً کا لفظ ہے یہ مرسلات کی مشہور اصطلاح کے خلاف ہے، کیونکہ وکیع کی روایت کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے اور اس کی عبارت اس طرح ہے از ہشام از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ڈھال کی قیمت کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اور ان ایام میں ڈھال کی قیمت ہوتی تھی۔ اور جو چیز عیب والی ہو اس میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ اور عبداللہ بن ادریس کی جو روایت ہے اس کو امام دارقطنی نے کتاب العلل میں اور امام بیہقی نے اس سند کے ساتھ بیان کیا ہے: از یوسف بن موسیٰ از جریر و وکیع و عبداللہ بن ادریس، یہ تینوں اس حدیث کی از ہشام از والد خود روایت کرتے ہیں، پھر اس حدیث کا ذکر کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۵-۴۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۹۴۔ حَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ أَخْبَرَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ لَمْ تُقْطَعْ يَدُ سَارِقٍ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي أَدْنَى مِنْ ثَمَنِ الْمِجَنِّ تُرْسٍ أَوْ حَجَفَةٍ وَكَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ذَا ثَمَنٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہشام بن عروہ نے کہا: ہمیں خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چور کا ہاتھ مِجَن تُرس یا حجفۃ (ڈھال) سے کم میں نہیں کاٹا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک کی قیمت ہوتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۶۷۹۲، ۶۷۹۳، ۶۷۹۴، صحیح مسلم: ۱۶۸۵، سنن نسائی: ۴۹۳۱)

صحیح البخاری: ۶۷۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یوسف بن موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ابن راشد بن بلال القطان الکوفی ہیں، یہ بغداد میں رہتے تھے۔
نیز اس حدیث کی سند میں ابواسامہ کا ذکر ہے، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے وہ ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں۔
باقی حدیث کی شرح وہی ہے جو اس سے پہلے بیان کی جا چکی ہے۔
اس حدیث کی امام مسلم نے از ابوکریب از ابواسامہ روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٩٥۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قِيمَتُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک بن انس نے حدیث بیان کی از نافع مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین دراہم تھی، نافع کی متابعت محمد بن اسحاق نے کی ہے۔ اور اللیث نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی اس کی قیمت۔

(صحیح البخاری: ٦٧٩٦، ٦٧٩٧، ٦٧٩٨، صحیح مسلم: ١٦٨٦، سنن ترمذی: ١٤٤٦، سنن نسائی: ٤٩٠٧، سنن ابوداؤد: ٤٣٨٥، سنن ابن ماجہ: ٢٥٨٤، مسند احمد: ٤٤٨٩، موطا امام مالک: ١٥٧٣، سنن دارمی: ١٣٠١)

صحیح البخاری: ٦٧٩٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، وہ ابن ابی اویس ہیں اور ان کا نام عبداللہ ہے، وہ امام مالک کے بھانجے ہیں۔
اس حدیث کی امام مسلم نے از یحییٰ بن یحییٰ از امام مالک روایت کی ہے۔ اور امام طحاوی نے اس حدیث کی پانچ صحیح سندوں کے ساتھ روایت کی ہے جن کو میں نے شرح معانی الآثار میں بیان کیا ہے۔
شیخ ابن حزم نے کہا ہے: اس حدیث کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صرف نافع نے روایت کی ہے۔ اور حافظ ابوعمر نے کہا: یہ سب سے صحیح حدیث ہے جو اس باب میں روایت کی گئی ہے۔ اور امام طحاوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ وہ ڈھال جس کی چوری میں رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹا تھا، وہ دس درہم کی تھی۔ اور از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود اسی کی مثل ہے۔ اور امام نسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے بھی اس کی مثل روایت کی گئی ہے۔ اور جب کہ اس ڈھال کی قیمت کی مقدار میں اختلاف ہو گیا تو اس میں خبط واقع ہو گیا، پس اسی مقدار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا جس پر اجماع ہوا اور وہ دس دراہم ہیں یا ایک دینار ہے۔

اس حدیث کی متابعت محمد بن اسحاق نے کی ہے یعنی از نافع، اور اس کو الاسماعیلی نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے از عبداللہ بن المبارک از امام مالک اور محمد بن اسحاق اور عبید اللہ بن عمر، اور ان تینوں نے نافع سے روایت کی ہے اور نبی ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت تین دراہم تھی۔

اور اللیث نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی اس کی قیمت۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری کا یہ ارادہ ہے کہ لیث بن سعد نے اس حدیث کو از نافع جماعت کی مثل روایت کیا ہے، لیکن ثمن کے بجائے قیمت کا ذکر کیا ہے۔ اور امام مسلم نے از قتیبہ روایت کی ہے اور محمد بن رمح سے از لیث از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں چور کا ہاتھ کاٹا، اس ڈھال کی قیمت تین دراہم تھی۔ اور آپ نے ہاتھ کاٹا، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، کیونکہ نبی ﷺ نے خود ہاتھ نہیں کاٹا۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے مخزومیہ عورت کا ہاتھ خود کاٹا تھا، پس یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو وکیل بنایا ہو۔ اور قیمت اور ثمن دونوں کا ایک معنی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۶۔ ۴۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٩٦۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا، اس کی قیمت تین دراہم تھی۔

(صحیح البخاری: ٦٧٩٥، ٦٧٩٦، ٦٧٩٧، ٦٧٩٨، صحیح مسلم: ١٦٨٦، سنن ترمذی: ١٤٤٦، سنن نسائی: ٤٩٠٧، سنن ابوداؤد: ٤٣٨٥، سنن ابن ماجہ: ٢٥٨٤، مسند احمد: ٤٤٨٩، موطا امام مالک: ١٥٧٣، سنن دارمی: ١٣٠١)

صحیح البخاری: ٦٧٩٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے پہلے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی گئی تھی، یہ اسی حدیث کی ایک اور سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ التبوذکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں جویریہ کا ذکر ہے، یہ ابن اسماء الضبعی ہیں جو نافع سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٧٩٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ ﷺ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے نافع نے حدیث بیان کی از

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا، اس کی قیمت تین دراہم تھی۔

(صحیح البخاری: ٦٧٩٥، ٦٧٩٦، ٦٧٩٧، ٦٧٩٨، صحیح مسلم: ١٦٨٦، سنن ترمذی: ١٤٤٦، سنن نسائی: ٤٩٠٧، سنن ابوداؤد: ٤٣٨٥، سنن ابن ماجہ: ٢٥٨٤، مسند احمد: ٤٤٨٩، موطا امام مالک: ١٥٧٣، سنن دارمی: ١٣٠١)

صحیح البخاری: ٦٧٩٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی ایک اور سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از عبید اللہ، یہ عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ نافع سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ٢٣ ص ٤٣٧، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٦٧٩٨۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَطَعَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَدَ سَارِقٍ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قِيمَتُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوضمرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی چوری میں ایک چور کا ہاتھ کاٹا جس کی ثمن تین دراہم تھی۔

اس حدیث کی متابعت محمد بن اسحاق نے کی ہے اور اللیث نے کہا ہے: مجھے نافع نے حدیث بیان کی اس کی قیمت۔

(صحیح البخاری: ٦٧٩٥، ٦٧٩٦، ٦٧٩٧، ٦٧٩٨، صحیح مسلم: ١٦٨٦، سنن ترمذی: ١٤٤٦، سنن نسائی: ٤٩٠٧، سنن ابوداؤد: ٤٣٨٥، سنن ابن ماجہ: ٢٥٨٤، مسند احمد: ٤٤٨٩، موطا امام مالک: ١٥٧٣، سنن دارمی: ١٣٠١)

صحیح البخاری: ٦٧٩٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن المنذر کا ذکر ہے، یہ الحزامی المدینی ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ابوضمرہ کا ذکر ہے، ان کا نام انس بن عیاض ہے۔

امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۸۔۴۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۷۹۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَعَنَ اللهُ السَّارِقَ يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے ابوصالح سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چور پر لعنت فرمائے، وہ بیضۃ (خود) چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے اور (جہاز کی) رسی چراتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۷۸۳، ۶۷۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۸۷، سنن نسائی: ۴۸۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۳، مسند احمد: ۷۴۸۸)

صحیح البخاری: ۶۷۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

یہ حدیث عنقریب باب "لعن السارق" میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی روایت از عمر بن حفص از والدخود از الاعمش از ابی صالح از حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ اور یہاں اس کی روایت از موسیٰ بن اسماعیل المنقری البصری کی ہے جن کو التبوذکی کہا جاتا ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے جو ابن زیاد ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ذکر ہے از الاعمش، یہ سلیمان الاعمش ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں ذکر ہے از ابوصالح، یہ ذکوان الزیات ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے اس باب میں اعادہ کی توجیہ

حدیثِ مذکور کے اس باب میں اعادہ کی توجیہ ہوسکتا ہے یہ ہو کہ اس میں یہ اشارہ کیا ہے کہ بیضۃ (خود) اور (جہاز کی) رسی جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ان میں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، یہ اس قبیل سے ہے کہ اس کی قیمت چوتھائی دینار ہو یا دس دراہم ہو جیسا کہ فقہاء کا اختلاف ہے، اور اس کا قرینہ اس باب میں ذکر کی ہوئی احادیث ہیں، اسی لیے امام بخاری نے اس باب کو اس حدیث پر ختم کیا ہے۔ اور بعض شارحین نے یہاں پر ایسا کلام ذکر کیا ہے جس سے سننے والا خوش نہیں ہوتا، پس اسی لیے میں نے اس کلام کو ترک کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

چوری پر چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم محکم ہے اور اس کی مقدار مجمل ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس آیت میں چوری پر چور کے ہاتھ کاٹنے کو واجب قرار دیا ہے، وہ آیت محکمہ ہے۔ اور اس آیت میں اس مال کی مقدار کی چوری کا بیان نہیں ہے جس پر چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور مال کی مقدار کے حق میں یہ آیت مجمل ہے۔ اگر ہم اس آیت کو اس کے ظاہر پر چھوڑ دیں تو واجب ہوگا کہ کم چیز کی چوری ہو یا زیادہ چیز کی چوری ہو اس میں ہاتھ کاٹ دیا جائے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے بیان فرمایا ہے کہ کتنے مال کی مقدار کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے، اور اس سلسلہ میں ہم وہ احادیث ذکر کر چکے ہیں جن میں چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۸۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

باب مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتنے مال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا واجب ہے، اس کے متعلق فقہاء کے مذاہب

جس مقدار کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے اس میں بیس (۲۰) کے قریب مذاہب ہیں:

(۱) ہر قلیل یا کثیر چیز میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا خواہ وہ چیز بے کار ہو یا کار آمد ہو۔ یہ اہل الظاہر اور خوارج کا مذہب ہے۔ اور حسن بصری سے منقول ہے کہ ابو عبدالرحمٰن ابن بنت الشافعی کا بھی یہی قول ہے۔

(۲) اور اس کے مقابل ایک شاذ قول وہ ہے جس کو قاضی عیاض اور ان کے موافقین نے نقل کیا ہے از ابراہیم النخعی کہ ہاتھ کاٹنا صرف چالیس درہم یا چار دینار کی چوری میں واجب ہے۔

(۳) اگر چور نے کسی بے کار چیز کو چرایا ہو تو اس پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر معمولی قیمت کی چیز کو چرایا ہو تو اس پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک حقیر ٹھیکرے کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا۔ اور جو شخص کوڑوں کی چوری کرتا تھا اس سے فرمایا: اگر تم نے دوبارہ چوری کی تو اس چوری میں، میں تمہارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔ اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے دو جوتوں کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا، اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے از عمر بن عبدالعزیز روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک مد یا دو مد کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا۔

(۴) ایک درہم یا اس سے زیادہ کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور یہ عثمان البتی کا قول ہے جو فقہاءِ بصرہ میں سے ہیں اور ربیعہ کا قول ہے جو فقہاءِ مدینہ سے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا ہے، ان کا گمان یہ تھا کہ عثمان سے مراد خلیفہ عثمان ہیں، حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔

(۵) دو درہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، اور یہ حسن بصری کا قول ہے۔ علامہ ابن المنذر نے اس کو وثوق سے کہا ہے۔

(۶) دو درہم سے زیادہ کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا خواہ وہ تین درہم تک نہ پہنچے ہوں، امام ابن ابی شیبہ نے اس کی سندِ قوی کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس چیز کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جو دو درہم کے برابر

تھی۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں ''جس کی قیمت تین دراہم کے برابر نہیں تھی''۔
(۷) تین دراہم یا اس کی قیمت کے برابر خواہ سونا ہو، کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ یہ امام احمد کی ایک روایت ہے اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام مالک سے بھی یہی روایت ہے۔
(۸) جس چیز کو چرایا گیا ہے اگر وہ سونا ہے تو اس کا نصاب چوتھائی دینار ہے، اور اگر سونا نہیں ہے تو اگر اس کی قیمت تین دراہم کو پہنچتی ہے تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر اس کی قیمت تین دراہم کو نہیں پہنچتی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ اس کی قیمت نصف دینار کو پہنچتی ہو۔ اور یہ امام مالک کا معروف قول ہے اور امام احمد سے بھی ایک یہی روایت ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ از محمد بن راشد از یحییٰ بن یحییٰ الغسانی از ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم از عمرۃ روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوتھائی دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹ دو اور اس سے کم دینار کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹو۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اور ان دنوں میں چوتھائی دینار کی قیمت تین دراہم کے برابر تھی۔ حدیثِ مرفوع سے یہ ثابت ہے کہ اس باب میں معتبر سونے کا نصاب ہے اور حدیثِ موقوف سے یہ ثابت ہے کہ سونے کے قائم مقام چاندی ہے۔
(۹) جس چیز کو چرایا گیا ہے اگر اس کی قیمت چوتھائی دینار یا تین درہم کو پہنچ گئی تو اس پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور یہ امام احمد کا مشہور مذہب ہے اور اسحاق سے بھی یہی روایت ہے۔
(۱۰،۱۱) سونے یا چاندی میں سے جو غالب ہو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔
(۱۲) چوتھائی دینار کی چوری پر یا چاندی یا سامان کی قیمت چوتھائی دینار کو پہنچ جائے تو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عمرۃ، ابوبکر بن حزم، عمر بن عبدالعزیز، الاوزاعی اور اللیث کا مذہب ہے۔ امام اسحاق سے بھی ایک روایت یہی ہے اور داؤد ظاہری سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سندِ منقطع کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب چور چوتھائی دینار کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور عمرۃ کی سند سے روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا جس نے سنگترے چرائے تھے، ان کی قیمت ڈالی گئی تو دینار کے حساب سے تین درہم تھی، تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اور جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوتھائی دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جس کی قیمت دو درہم اور نصف تھی۔
(۱۳) چار دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ قاضی عیاض نے اس کو بعض صحابہ سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن المنذر نے اس کو حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔
(۱۴) تین دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ علامہ ابن المنذر نے اس قول کو ابوجعفر الباقر سے روایت کیا ہے۔
(۱۵) پانچ دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ یہ فقہاء کوفہ میں سے ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلیٰ کا قول ہے۔ اور حسن بصری اور سلیمان بن یسار سے منقول ہے کہ امام نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صرف پانچ دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۱۶) دس دراہم یا جو اس کی قیمت کو پہنچ جائے خواہ سونا ہو یا چاندی ہو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور یہ امام ابوحنیفہ، ثوری اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔

(۱۷) ایک دینار یا جو اس کی قیمت کو پہنچ جائے خواہ چاندی ہو یا سونا ہو، اس کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس قول کو ابنِ حزم نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور علامہ ابن المنذر نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔

(۱۸) ایک دینار یا دس دراہم یا جو ان میں سے کسی ایک کے مساوی ہو، اس قول کی بھی ابنِ حزم نے حکایت کی ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سندِ ضعیف کے ساتھ ثابت ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سندِ منقطع کے ساتھ ثابت ہے اور یہی عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔

(۱۹) چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ سونے کی مقدار ہو تو اس کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس پر دلیل ہے۔ اور چاندی کا سامان خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو، اس پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور یہ ابنِ حزم کا قول ہے۔ اور حافظ ابنِ عبدالبر نے اس کی مثل داؤد ظاہری سے بھی نقل کی ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ سونے کی حد تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صراحۃً ثابت ہے اور دوسروں کی احادیث میں حد ثابت نہیں ہے، لہٰذا آیت اپنے عموم پر باقی رہے گی۔ پس قلیل کی چوری ہو یا کثیر کی چوری ہو اس میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا سوا اس کے کہ وہ چیز بے کار ہو، اور یہ امام شافعی کے قول کے موافق ہے۔ اور اس پر استدلال کیا ہے کہ سونے والوں کی دیت ایک ہزار دینار ہے اور چاندی والوں کی دیت بارہ ہزار درہم ہے۔ اور مالکیہ کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ شہر میں جس چیز کا رواج ہو اس کا اعتبار ہوگا، اگر سونے کا رواج ہے تو سونے کی چوری کے مطابق نصاب ہوگا اور اگر چاندی کا رواج ہے تو چاندی کی چوری کے مطابق نصاب ہوگا۔ اور یہ بیس مذاہب ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیئے جس کی قیمت تین دراہم تھی اور یہ ثابت ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے۔ اور کم سے کم جو ڈھال کی قیمت ہے وہ تین دراہم ہے۔ اور یہ ان نصوص کے موافق ہے جس میں تصریح ہے کہ چوتھائی دینار کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور ہم نے اس قول کو ترک کر دیا کہ تین دراہم کی چوری نصاب ہے اور اس میں مطلقاً ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، کیونکہ چاندی کی قیمت سونے کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ پس باقی رہا سونے کا اعتبار کرنا اور وہ چوتھائی دینار ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶۴۔ ۸۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دس درہم اور تین درہم کی چوری کی مالیت پر ہاتھ کاٹنے کی حدیثوں میں تطبیق

فقہاءِ احناف کا درجِ ذیل حدیث سے استدلال ہے:

از ابن اسحاق از ایوب بن موسیٰ از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جس ڈھال کی چوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹا تھا، اس کی قیمت دس دراہم تھی۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۸۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۷۹۔ ۳۷۸، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کا ہاتھ کاٹا جس نے ایک ڈھال کی چوری کی تھی، اس کی قیمت ایک دینار یا دس دراہم تھی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۸۷)

امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کی محمد بن سلمہ نے اور سعدان بن یحییٰ نے از ابن اسحاق اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

فقہاء احناف کے خلاف حجت یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو مختلف ڈھالوں کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا ہو، ان میں سے ایک ڈھال کی قیمت تین دراہم تھی اور دوسری ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی، کیونکہ جب کسی نقل کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا صحیح ہے تو ثقہ راویوں کا نقل کرنا تین دراہم کی چوری پر اس میں دس دراہم کی چوری بھی داخل ہے۔

یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ان احادیث کو تضاد پر محمول کیا جائے۔ اور ائمہ اربعہ راشدین کے ساتھ حضرت عائشہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۹۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

ہاتھ کاٹنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مال محفوظ جگہ پر ہو

اس پر اجماع ہے کہ حرز یعنی مال کا محفوظ جگہ پر ہونا یہ ہاتھ کاٹنے کے وجوب میں معتبر ہے، اور حرز کی صفت میں اختلاف ہے، کیا یہ اموال کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے؟ پس امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ہر وہ چیز جو کسی چیز کے اموال کے لیے حرز ہو، وہ تمام اموال کے لیے حرز ہوگی۔ اور دوسرے فقہاء نے کہا: یہ مال کے اموال سے مختلف ہے اور اس میں عرف معتبر ہوتا ہے۔

شیخ ابن حزم نے ایک جماعت سے نقل کر کے کہا ہے: جس شخص نے کسی سامان کو اس کی حرز سے نکالا، اس وقت اس کے ہاتھ کو کاٹنا واجب ہوگا، لیکن اگر اس نے اس مال کو وہاں سے نکالا جہاں وہ مال محفوظ نہیں تھا اور وہ اس مال کو لے گیا تو اس کے ہاتھ کو نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے حرز سے مال کو نکالا، پھر اس کو وہ مال حرز سے نکال کر لے جانے سے پہلے پکڑ لیا گیا تو اس کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث ہیں:

امام ابن ابی شیبہ از عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کسی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا حتیٰ کہ وہ سامان کو نکال کر لے جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۷۴)

اور امام عبدالرزاق از سلیمان بن موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ اس نے سامان اکٹھا کر لیا ہو اور ارادہ کیا ہو کہ چرائے حتیٰ کہ اس مال کو اٹھائے اور نکلے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۹۶)

نیز امام عبدالرزاق از عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں کہ ایک چور المطلب بن ابی وداعہ کے خزانے میں داخل ہوا، انہوں نے دیکھا کہ اس نے سامان اکٹھا کر لیا ہے اور اس کو نکالا نہیں، وہ اس کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس لے کر آئے، انہوں نے اس کو کوڑے لگائے اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹا جائے گا حتیٰ کہ یہ اس مال کو گھر سے نکال کر باہر لے جاتا، انہوں نے کہا: یہ بتاؤ اگر تم ایک مرد کو دیکھو وہ کسی عورت کی دو ٹانگوں کے درمیان بیٹھا ہے اور اس نے اس میں دخول نہیں کیا تو کیا تم اس پر حد لگاؤ گے؟ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: اسی طرح کبھی کوئی شخص مال نکالتا ہے اور تائب ہوتا ہے یا مال چھوڑنے والا ہوتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۹۷۔۱۹۶)

نیز امام عبدالرزاق الشہیر بن نمیر از الحسین بن عبداللہ بن ضمیرہ از والد خود از جدِ خود از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد گھر میں پایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ گھر کا سامان ہوتا ہے تو انہوں نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا حتیٰ کہ وہ سامان کو اٹھائے اور گھر کے دروازہ سے نکل جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۹۷۔۱۹۸)

ابن حزم نے کہا: اور یہی ثوری اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد اور ان کے اصحاب اور اسحاق بن ابراہیم کا قول ہے اور ایک جماعت نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹنا لازم ہے، خواہ اس نے حرز سے یعنی محفوظ جگہ سے چرایا ہو یا کسی اور جگہ سے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث پہنچی کہ لوگ کہتے ہیں کہ جب چور سامان کو لے کر باہر نہ نکلے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر مجھے چھری کے سوا اور کوئی چیز نہ ملے تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۷۴)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ درخت میں لٹکے ہوئے پھل اور کھجور کے درخت کے گوند کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۸۸، سنن نسائی: ۴۹۷۶، ۴۹۷۷)

مُختلِس (جھپٹ کر کوئی چیز چھیننے والا) کے ہاتھ کاٹنے میں فقہاء کا اختلاف

مُختلس کے متعلق اختلاف ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹتے تھے۔ اسی طرح حضرت زید بن ثابت، شعبی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور ان کے اصحاب اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، ان میں سے علی بن رباح ہیں اور عطاء بن ابی رباح ہیں۔

شیخ ابن حزم نے کہا: جب مختلس کے ہاتھ کاٹنے میں اختلاف ہو گیا تو واجب ہے کہ ہم دیکھیں کہ اس مسئلہ میں حدیث کس قول کی تائید کرتی ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوٹ مار کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور جو لوٹ مار کرنے میں مشہور ہو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۴۸، سنن ابن ماجہ: ۲۵۹۱)

اور اسی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خیانت کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۲، سنن نسائی: ۴۹۸۹، مسند احمد: ۱۵۰۷۴)

نیز امام ابوداؤد نصر بن علی سے روایت کرتے ہیں: ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے از ابن جریج از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی مثل فرمایا اور یہ اضافہ فرمایا کہ اور مختلس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد: ۴۳۹۳، سنن ترمذی: ۱۴۴۸، سنن نسائی: ۴۹۸۸، سنن ابن ماجہ: ۲۵۹۲)

جن لوگوں کی چوری پر ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

کسی آزاد لڑکے نے جو سمجھدار نہیں ہے اس نے چوری کی تو امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور امام مالک کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور امام احمد کی اس کے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک روایت ہمارے مذہب کی مثل ہے اور دوسری روایت امام مالک کے مذہب کی مثل ہے۔

اگر کسی شخص نے مُصحَف (یعنی قرآن مجید کا نسخہ) کی چوری کی تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس میں امام شافعی اور امام مالک کا اختلاف ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور دوسرے ائمہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔

اور جس شخص نے کعبہ کے پردہ میں سے اتنی مقدار کی چوری کر لی جو نصاب کو پہنچتی ہے تو امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک نے دوسرے کے مال کی چوری کر لی جب کہ وہ مال محفوظ جگہ پر تھا تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ اس نے کسی ایسی خاص جگہ سے چوری کی ہو جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص تھا، یا عام گھر سے چوری کی ہو۔ اور امام مالک نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس نے محفوظ جگہ سے چوری کی ہو۔ اور اگر وہ ایسا گھر ہے جس میں وہ دونوں رہتے ہیں تو پھر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے اپنے ذی رحم محرم کی چوری کی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور دوسرے ائمہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور بیٹا باپ کے مال کو چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اگر والدین اپنی اولاد کا مال چرا لیں تو ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

اور اگر کسی نے سونے کا بُت چرا لیا تو امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اس میں امام شافعی اور امام مالک کا اختلاف ہے۔

اور اگر کوئی شخص حمام سے کپڑے چرا لے اور ان کا محافظ بھی ہو تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر یہ واقعہ رات کا ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر دن کا ہے تو نہیں کاٹا جائے گا۔

ہاتھ اور پیر کو کاٹنے کی صفت میں اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ چور کے ہاتھ اور پیر کو کہاں سے کاٹا جائے گا۔ پس حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ جوڑ سے کاٹا جائے گا اور اکثر فقہاء کا اسی پر اتفاق ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ہاتھ کو انگلیوں سے کاٹا جائے گا، اور پیر کو نصفِ قدم سے کاٹا جائے گا اور اس کی ایڑھی کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اور ابوثور نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل مناسب ہے اور مجھے زیادہ محبوب ہے اور پہلا قول قرآن مجید کی آیت "**فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا**" (المائدہ: ۳۸) کے زیادہ قریب ہے۔

اور علامہ ابن التین نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ ہاتھ بغل سے کاٹے جائیں اور یہ بہت بعید اور عجیب ہے۔ اور جس کا ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا گیا اس کو مقطوع الید کہا جاتا ہے یعنی اس کا ہاتھ کاٹا ہوا ہے۔ اور جس کی انگلیاں کاٹی گئیں تو اس کو مقطوع الید نہیں کہا جاتا۔ اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا ہے اور علامہ داؤدی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

تیسری بار چوری کرنے پر ہاتھ اور پیر کاٹنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے تیسری مرتبہ چوری کی جب کہ پہلی چوری پر اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اور دوسری چوری پر اس کا بایاں پیر کاٹ دیا گیا تھا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق کہا کہ اس کے ایک ہاتھ اور ایک پیر سے زیادہ کو نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اس کو قید کر دیا جائے گا اور چوری کا تاوان لیا جائے گا۔ اور امام احمد کی دوسری روایت یہ ہے کہ تیسری بار چوری پر بھی اس کے ہاتھ اور پیر کو کاٹا جائے گا اور یہی امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے۔ تیسری بار چوری پر اس کا الٹا ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوتھی بار چوری پر اس کا دایاں پیر کاٹا جائے گا، پھر اس کے چاروں ہاتھ پیر کٹے ہوئے ہوں گے۔ اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور تابعین میں سے عروہ، قاس، سعید بن المسیب اور ربیعہ کا یہی قول ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے اور یہی قول نخعی، شعبی اور الزہری کا ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر نے از والدِ خود روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ ارادہ نہیں کرتے تھے کہ چور کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹے جائیں۔ اور جب ان کے پاس تیسری بار چوری کے بعد لایا جاتا تو فرماتے کہ میں اس سے حیاء کرتا ہوں کہ یہ آدمی نماز کے لئے وضو نہ کر سکے لیکن اس کو مسلمانوں کے قید خانہ میں چھوڑ دو اور اس پر بیت المال سے خرچ کرو۔

اور امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا'' (المائدہ:۳۸) انہوں نے کہا کہ اس پر اجماع ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، پھر اگر اس نے اس کے بعد چوری کی تو پھر اس کا پیر کاٹا جائے گا۔ پھر اگر چوری کی تو اس کے ہاتھ کو کاٹا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جب وہ چوری کرے گا تو اس کے اوپر ہاتھ کاٹنے کے حکم کو جاری کیا جائے گا جیسا کہ کوئی کنوارا زنا کرے تو اسے کوڑے مارے جاتے ہیں، پھر اگر وہ دوبارہ زنا کرے تو پھر اس پر حد لوٹائی جائے گی، پس جب یہ صحیح ہے تو واجب ہے کہ چور کے ہاتھ پیروں کو ہمیشہ کاٹا جاتا رہے حتیٰ کہ نہ اس کا کوئی ہاتھ باقی رہے اور نہ پیر باقی رہے، جیسا کہ کنوارے زانی کو بار بار زنا کرنے پر بار بار کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اور بعض فقہاء نے کہا کہ متقدمین نے چوروں کے ہاتھوں اور پیروں کے کاٹنے کو محاربین کی آیت سے اخذ کیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۹۶۔ ۱۱۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

چوری پر ہاتھ کاٹنے کے نصاب کے متعلق فقہاء احناف کے موقف پر دلائل

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارا مذہب ہے کہ دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور امام شافعی کے نزدیک چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور ڈھال کی قیمت میں کم سے کم اندازہ تین دراہم ہے اور کم مقدار کو مقرر کرنا یقینی ہے، لہٰذا وہ اولیٰ ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس باب میں اولیٰ یہ ہے کہ اکثر مقدار پر عمل کیا جائے تاکہ حد ساقط کرنے کا حیلہ ہو جائے۔ اور یہ اس لئے کہ کم از کم مقدار میں یہ شبہ رہے گا کہ ہو سکتا ہے اس نے جرم نہ کیا ہو اور جرم نہ کرنے کے شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہاتھ صرف ایک دینار کی چوری میں کاٹا جائے گا یا دس دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور دراہم کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جو عرف میں رائج سکہ ہو اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے تاکہ مکمل جرم پر ہاتھ کاٹا جائے، حتیٰ کہ اگر اس نے سونے کے دس ٹکڑے چرائے اور ان کی قیمت دس دراہم سے کم ہے تو اس پر ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوگا۔ (ہدایہ اولین ج ۲ ص ۵۲۴، کتاب السرقۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

کم از کم دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی المتوفی ۱۸۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد نے کہا: ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں القاسم بن عبد الرحمٰن نے خبر دی از والد خود از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے فرمایا: دس دراہم سے کم کی چوری میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام محمد نے کہا: ہم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۶۲۸، ص ۱۳۷، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۷ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ، لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دینار یا دس دراہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہ حدیث مرسل ہے، اس کی القاسم بن عبد الرحمٰن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور قاسم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔

اور اس حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہی سفیان ثوری کا قول ہے اور اہل کوفہ کا، انہوں نے کہا: دس دراہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ دس دراہم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ص ۴۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

نیز امام محمد المتوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

امام محمد نے کہا: ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی از حماد از ابراہیم نخعی، انہوں نے کہا: چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس وقت ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت کی چوری سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا اور ڈھال کی قیمت ان دنوں دس دراہم تھی اور اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث: ۶۲۹، ص ۱۳۷، ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۷ھ)

میں کہتا ہوں: امام محمد نے امام ابوحنیفہ کی سند سے دو حدیثیں روایت کی ہیں جن میں تصریح ہے کہ دس دراہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہ حدیث امام شافعی اور امام مالک دونوں پر حجت ہے جو چوتھائی دینار یا تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ رہا امام ترمذی کا یہ اعتراض کہ یہ حدیث متصل نہیں ہے تو امام ترمذی کا سنِ وفات ۲۷۹ھ ہے اور امام ابوحنیفہ کا سنِ وفات ۱۵۰ھ ہے اور امام ابوحنیفہ، امام ترمذی بلکہ صحاح ستہ کے تمام مصنفین پر مقدم ہیں، تو امام ابوحنیفہ تک یہ حدیث جو پہنچی

ہے وہ صحیح متصل تھی اور امام ترمذی بعد کے محدث ہیں ان تک یہ حدیث سندِ متصل سے نہیں پہنچی، لہٰذا امام ابوحنیفہ کی سند کے مقابلہ میں امام ترمذی کے اعتراض کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ المصری الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ابراہیم بن مرزوق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن عمر نے حدیث بیان کی از المسعودی از القاسم بن عبدالرحمٰن کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چور کا ہاتھ ایک دینار یا دس دراہم سے کم کی چوری میں نہیں کاٹا جائے گا۔

(شرح معانی الآثار، رقم الحدیث: ۴۸۶۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

نیز امام طحاوی روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن مرزوق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از ابنِ جریج، انہوں نے کہا: عطاء، عمرو بن شعیب کے قول پر کہتے تھے کہ دس دراہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(شرح معانی الآثار، رقم الحدیث: ۴۸۶۷، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

از ابن اسحاق از ایوب بن موسیٰ از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: جس ڈھال کی چوری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کاٹا تھا، اس کی قیمت دس دراہم تھی۔

(سنن نسائی ج ۸ ص ۸۳، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۳۷۹-۳۸۷، امام حاکم نے کہا: یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کا ہاتھ کاٹا جس نے ایک ڈھال کی چوری کی تھی، اس کی قیمت ایک دینار یا دس دراہم تھی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۸۷)

امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کی محمد بن سلمہ نے اور سعدان بن یحییٰ نے از ابنِ اسحاق اسی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ العبسی الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی از محمد بن اسحاق، انہوں نے کہا: مجھے ایوب بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از عطاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا کہ ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۱۷، رقم الحدیث: ۲۸۶۸۷، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

ہمیں عبدالاعلیٰ اور عبدالرحیم بن سلیمان نے حدیث بیان کی از محمد بن اسحاق از عمرو بن شعیب از والدِ خود از جدِ خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۱۷، رقم الحدیث: ۲۸۶۸۸، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

ہمیں ابنِ مبارک اور وکیع نے حدیث بیان کی از المسعودی از القاسم از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ ایک دینار یا دس دراہم سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۱۷، رقم الحدیث: ۲۸۶۸۹، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے حدیث بیان کی از عبدالملک بن ابی سلیمان از عطاء، انہوں نے کہا: کم سے کم وہ مقدار جس میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا وہ ڈھال کی قیمت ہے اور ان کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی یا دس دراہم تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۳۱۷، رقم الحدیث: ۲۸۶۹۱، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از عطیہ بن عبدالرحمٰن از القاسم، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا

گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی چوری دس دراہم کے برابر نہیں ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس چوری کے مال کی قیمت ڈالنے کا حکم دیا تو وہ آٹھ دراہم تھی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۲۸۶۹۵، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

ہمیں الثقفی نے حدیث بیان کی از المثنی از عمرو بن شعیب، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سعید بن المسیب کے پاس داخل ہوا، میں نے ان سے کہا: بے شک تمہارے اصحاب عروہ بن الزبیر اور محمد بن مسلم الزہری اور ابن یسار یہ کہتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت پانچ دراہم ہے تو انہوں نے کہا: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس میں جاری ہے کہ دس دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۲۸۶۹۶، مجلس علمی، بیروت، ۱۴۲۷ھ)

امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
از عبد الرزاق از ابن جریج، وہ بیان کرتے ہیں کہ عطاء کہتے تھے: چور کا ہاتھ دس دراہم سے کم کی چوری میں نہیں کاٹا جائے گا۔
(مصنف عبد الرزاق، ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

از عبد الرزاق از الثوری از ابن ابی نجیح از عطاء، انہوں نے کہا: دس دراہم کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔
(مصنف عبد الرزاق، ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

از عبد الرزاق از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن شعیب نے خبر دی کہ ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔
(مصنف عبد الرزاق، ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

از عبد الرزاق از ثوری از عبد الرحمٰن بن عبد اللہ از القاسم بن عبد الرحمٰن از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ چور کا ہاتھ ایک دینار یا دس دراہم سے کم کی چوری میں نہیں کاٹا جائے گا۔
(مصنف عبد الرزاق، ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

از عبد الرزاق از المثنی از عمرو بن شعیب از ابن المسیب، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب چور اتنی چوری کرے جو ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور ڈھال کی قیمت دس دراہم تھی۔
(مصنف عبد الرزاق، ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

از عبد الرزاق از الحسن بن عمارہ از الحکم بن عتیبہ از یحییٰ بن الجزار از حضرت علی رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا: ایک دینار یا دس دراہم سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (مصنف عبد الرزاق، ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

از عبد الرزاق از یحییٰ از یزید وغیرہ از ثوری از عطیہ بن عبد الرحمٰن از القاسم بن عبد الرحمٰن، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے کپڑا چرایا تھا، پس انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اس کی قیمت ڈالو، اس کی قیمت ڈالی تو وہ آٹھ دراہم کا کپڑا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔
(مصنف عبد الرزاق ج ۹ ص ۵۲۰، رقم الحدیث: ۱۹۲۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ ہر چند کہ ہم نے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں بعض احادیث مکرر ہیں لیکن ہمارا مقصود ان احادیث کو درج

کرنے سے یہ بیان کرنا ہے کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کے نصاب میں دس دراہم کی حدیث بہت زیادہ سندوں کے ساتھ مروی ہے اور کسی حدیث کا زیادہ سندوں کے ساتھ مروی ہونا اس حدیث کی قوت کا سبب ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ چوری کے نصاب میں دس دراہم کی حدیث کی سند بہت قوی ہے۔ اگرچہ چوتھائی دینار اور تین دراہم کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹنے کی احادیث ثابت ہیں لیکن احتیاط اس میں ہے کہ دس دراہم کی احادیث پر عمل کیا جائے، کیونکہ شبہات سے حد ساقط ہو جاتی ہے، پس تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی حدیث میں یہ شبہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ معتبر دس دراہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا ہو اور اس شبہ کی وجہ سے تین درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی حد ساقط ہو جائے گی، لہٰذا احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ چوری پر ہاتھ کاٹنے کے نصاب میں دس دراہم کی حدیث پر عمل کیا جائے، اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا مذہب ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۵۔ بَابُ: تَوْبَةِ السَّارِقِ چور کی توبہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب چور توبہ کرلے تو، توبہ کرنے کی وجہ سے کیا اس سے فاسق کا حکم اٹھ جائے گا حتیٰ کہ اس کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟ پس اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ چور کی توبہ قبول ہو جائے گی، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک چوری کرنے والی عورت کے متعلق فرمایا: اس نے توبہ کرلی اور اس کی توبہ اچھی تھی۔ اور جب اس طرح ہوگا تو اس کی شہادت سنی جائے گی۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کی شہادت ہر معاملہ میں قبول کی جائے گی جس میں حد لگائی جاتی ہے یا جس میں حد نہیں لگائی جاتی۔ پس امام مالک نے کہا کہ قذف میں، زنا میں اور چوری وغیرہ میں جب چور توبہ کرلیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی جب کہ وہ نیک کاموں میں اضافہ کریں۔ اور امام مالک سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ ان کی شہادت قذف، زنا اور چوری کے سوا ہر چیز میں قبول کی جائے گی۔

ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ قاذف (کسی بے قصور پر زنا کی تہمت لگانے والے) کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ توبہ کرلے اور اس کی توبہ اچھی ہو اور وہ نیک کام کرتا ہو۔

اور امام بیہقی نے امام شافعی سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ احتمال ہے کہ توبہ کرنے کی وجہ سے اس سے اللہ تعالیٰ کا ہر حق ساقط ہو جائے۔ اور اللیث اور الحسن سے منقول ہے کہ حدود میں سے کوئی چیز ساقط نہیں ہوگی۔ اور امام طحاوی سے منقول ہے کہ ڈاکوؤں کے سوا کسی سے حد ساقط نہیں ہوگی، کیونکہ ڈاکوؤں کے متعلق نص صریح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ يَدَ امْرَأَةٍ قَالَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از عروہ از حضرت

عَائِشَةُ وَكَانَتْ تَأْتِي بَعْدَ ذٰلِكَ فَأَرْفَعُ حَاجَتَهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَتَابَتْ وَحَسُنَتْ تَوْبَتُهَا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے ایک عورت کا ہاتھ کاٹ دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ وہ عورت اس کے بعد آتی تھی اور میں اس کی حاجت نبی ﷺ تک پہنچاتی تھی، سو اس نے توبہ کی اور اچھی توبہ کی۔

(صحیح البخاری: ۲۶۴۸، ۳۴۷۵، ۳۷۳۲، ۳۷۳۳، ۴۳۰۴، ۶۷۸۷، ۶۷۸۸، ۶۸۰۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۸، سنن نسائی: ۴۹۰۳)

صحیح البخاری: ۶۷۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے، کیونکہ بابِ مذکور کا عنوان ہے "چور کی توبہ" اور اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے ہاتھ کاٹے جانے کے بعد توبہ کی اور اچھی توبہ کی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عبداللہ کا ذکر ہے، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، یہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ یونس بن یزید ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔ اور نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عروہ، یہ عروہ بن زبیر ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ کتاب الشہادات میں از اسماعیل بن عبداللہ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۸۔ ۴۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی الله عنهُ قَالَ بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي رَهْطٍ فَقَالَ أُبَايِعُكُمْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَأُخِذَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَطَهُورٌ وَمَنْ سَتَرَهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد الجعفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی ادریس از حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی، آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں کرو گے اور نہ تم چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ تم اپنی اولاد کو قتل کرو گے اور نہ تم کسی بے قصور کے اوپر اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے جھوٹا بہتان لگاؤ

اللهُ فَذٰلِكَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ إِذَا تَابَ السَّارِقُ بَعْدَ مَا قُطِعَ يَدُهُ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَكُلُّ مَحْدُودٍ كَذٰلِكَ إِذَا تَابَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ۔

گے اور نہ تم کسی نیکی کے کام میں میری نافرمانی کرو گے، پس تم میں سے جس نے اس عہد کو پورا کرلیا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اور جس نے ان میں سے کوئی کام کرلیا، پس اس کو دنیا میں گرفتار کرلیا گیا تو یہ اس کا کفارہ ہے اور گناہ سے اس کی پاکیزگی اور براءت ہے، اور جس پر اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوّض ہے، اگر وہ چاہے تو اس کو عذاب دے اور اگر چاہے تو اس کی مغفرت فرمادے۔
امام ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا: جب چور نے اپنا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد توبہ کرلی تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی اور ہر وہ جس پر حد لگائی گئی اس کا معاملہ اسی طرح ہے جب وہ توبہ کرلے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۰۵۵، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۳۹، سنن نسائی: ۴۱۶۱، سنن داری: ۲۴۵۳)

صحیح البخاری: ۶۸۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس پر حد قائم کی گئی اس کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ پاک ہوجائے گا اور بری ہوجائے گا، پھر جب وہ توبہ کرلے تو وہ اپنے پہلے حال کی طرف لوٹ آئے گا اور اس کی شہادت بھی قبول ہوگی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ ابن الیمان ابوجعفر الجُعفی ہیں، ان کی نسبت جعفر بن سعد کے قبیلہ کی طرف ہے، اور الجوہری نے کہا: یہ یمن کے قبیلہ کے باپ ہیں اور انہی کی طرف نسبت ہے اور یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوادریس کا ذکر ہے، یہ عائذ اللہ ہیں۔
یہ حدیث اس سے پہلے کتاب الایمان میں ''باب علامۃ الایمان'' میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جاچکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

۸۷۔ کِتَابُ الْمُحَارِبِیْنَ مِنْ أَهْلِ الْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ

کفار اور مرتدین میں سے جنگ کرنے والوں کے احکام کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس کتاب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں کفار اور مرتدین میں سے جنگ کرنے والوں کے احکام کا بیان ہے۔

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس عنوان کو اس جگہ پر درج کرنے میں اشکال ہے، اور میرا گمان یہ ہے کہ جن لکھنے والوں نے صحیح البخاری کا نسخہ لکھا ہے، انہوں نے اس عنوان کو اپنی جگہ سے الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس عنوان کا محل "کتاب الدیات" اور "استتابة المرتدین" کے درمیان میں ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہاں پر طویل کلام ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی مکمل عبارت

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی جتنی عبارت نقل کی ہے، اس کے بعد حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس طرح لکھا ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ابوابِ حدود کے درمیان حائل ہوگئی، کیونکہ امام بخاری نے کتاب الحدود کا عنوان قائم کیا اور اس کو اس حدیث سے شروع کیا کہ "جب کوئی زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا"۔ اور اس میں چوری کا اور خمر پینے کا ذکر کیا، پھر امام بخاری نے کئی ابواب ذکر کئے جو حدِ خمر سے متعلق تھے، پھر اس کے بعد اسی طرح چوری کا ذکر کیا ہے۔ پس لائق یہ تھا کہ اس کے بعد تیسرے مرتبہ میں ابوابِ زنا کا ذکر کرتے جو کہ اس حدیث کے موافق ہے جس کے ساتھ انہوں نے کتاب الحدود کو شروع کیا ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو کتاب المحاربین کو مقدم کرتے یا اس کو موخر کرتے، اولیٰ یہ ہے کہ اس کو موخر کرتے تاکہ اس کے بعد "باب استتابة المرتدین" کا ذکر کرتے، پس یہ اس لائق ہے کہ یہ کتاب الحدود کے جملہ ابواب میں سے ہو۔ اور میں نے علامہ کرمانی کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیکھا جو اس پر متنبہ ہوا ہو، کیونکہ وہ ان میں سے کسی چیز کے "باب اثم الزناة" کے درپے ہوئے ہیں اور اس کو انہوں نے پورا نہیں کیا جیسا کہ میں عنقریب اس پر متنبہ کروں گا۔

اور نسفی کی روایت میں کچھ اضافہ ہے جس سے یہ اشکال دور ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے "مِن اهل الكفر والردة" کے بعد "ومن يجب عليه الحد في الزنا" کا اضافہ کیا، گویا اب عنوان یوں ہو گیا کہ "کفار اور مرتدین میں سے جنگ کرنے والوں اور جن پر زنا کی حد واجب ہے ان کا بیان"۔ پس اگر یہ عنوان محفوظ ہو تو گویا کہ امام بخاری نے زنا کی حد کے ساتھ اہلِ کفر میں سے جنگ کرنے والوں کو ملا دیا کہ بعض صورتوں میں ان کو قتل کیا جاتا ہے، اس کے برخلاف خمر پینے والوں اور چوری کرنے والوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ اور اس تقدیر پر زیادہ بہتر یہ تھا کہ امام بخاری کتاب کے بجائے باب کا لفظ ذکر کرتے، اور یہ تمام باب کتاب الحدود

میں داخل ہو جاتے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر تعاقب

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا یہ قول بہت زیادہ بعید ہے، کیونکہ جب صحیح البخاری کو نقل کیا جارہا تھا تو امام بخاری کی تصنیف کے زمانہ سے لے کر آج تک صحیح البخاری کے ضبط کے اوپر بہت زیادہ محرکات موجود ہیں، خاص طور پر اس لئے کہ اکابر محدثین اور اکابر شارحین صحیح البخاری کے عنوانات پر مطلع تھے۔

اور اس عنوان کی اس جگہ پر مناسبت موجود ہے، کیونکہ کتاب الحدود اس سے پہلے ان ابواب پر محیط ہے جو خمر پینے، چوری کرنے اور زنا کرنے کی حدود پر مشتمل ہیں، اور یہ معاصی اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرنے اور جنگ کرنے میں داخل ہیں۔

اور نیز صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں نسفی کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ ''مِن اهل الكفر والردة'' کے بعد ''ومن يجب عليه الحد'' کا اضافہ ہے، اور امام بخاری نے زنا کی حد کو محاربین کے ساتھ ملا دیا۔ پس محاربین کو قتل کرنا بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ بعض صورتوں میں محاربین کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

نیز اس قائل نے یہ کہا ہے: اس بناء پر اولیٰ یہ ہے کہ کتاب کے بجائے امام بخاری باب کا لفظ لکھتے تاکہ تمام ابواب کتاب الحدود میں داخل ہو جاتے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں، میں کہتا ہوں: اس کتاب میں ایسے ابواب ہیں جن کا تعلق صرف محاربین کے ساتھ ہے۔ پس اب یہاں کتاب کا لفظ ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا تاکہ وہ تمام ابواب کو شامل ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کو رد کرنا

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: علامہ عینی کا اعتراض حافظ ابنِ حجر عسقلانی کی عبارت کو رد نہیں کرتا کیونکہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی یہ کہتے ہیں کہ تمام ابواب کتاب الحدود میں داخل ہیں، اب اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ بعض ابواب حدود میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ محاربین میں داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدود میں داخل نہ ہوں، پس اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور کرم سے ہم پر عافیت کی نعمت کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۵۰۔ ۴۴۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

۱۶۔ بَابُ: اَلْمُحَارِبِيْنَ مِنْ أَهْلِ الْكُفْرِ وَالرِّدَّةِ

کفار اور مرتدین سے جنگ کرنے والوں کے احکام کا بیان

وقول الله تعالٰى: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا

يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ (المائدہ: ۳۳)

ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے "جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں" اس سے ان کی مراد کفار ہیں نہ کہ ڈاکو۔ اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ڈاکوؤں کے حق میں ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ یہ آیت مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے ان میں حسن بصری، ضحاک، عطاء اور زہری ہیں۔ اور علامہ ابن القصار نے کہا ہے کہ یہ آیت اہل الذمہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے عہد کو توڑ دیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور یہ تمام اقوال غلط ہیں۔ اور جنھوں نے یہ کہا کہ یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ معنیٰ اس کے منافی نہیں ہے کہ یہ مرتدین اور مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ یہ آیت اگرچہ خاص مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے تاہم اس کے الفاظ عام ہیں اور اس کے معنی میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان ڈاکوؤں کے مثل کام کرے اور اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرے اور زمین میں فساد کرے۔

آیت مذکورہ کے متعلق فقہاء کے اقوال کی ترتیب

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت مسلمان ڈاکو کی حد کے بیان میں مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان میں سے امام مالک نے کہا: جب ڈاکو راستہ میں ہتھیار اٹھائے اور لوگوں کو ڈرائے دھمکائے اور نہ قتل کرے اور نہ مال چھینے تو اس کے معاملہ میں امام کو اختیار دیا جائے گا، اگر اس کی رائے یہ ہو کہ اس ڈاکو کو قتل کیا جائے یا اس کو سولی پر چڑھایا جائے یا اس کے ہاتھ اور پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا اس کو شہر بدر کیا جائے تو وہ اس طرح کر سکتا ہے۔ اور فقہاء کوفہ اور امام شافعی نے کہا ہے: جب ڈاکو نے کسی کو قتل نہ کیا ہو اور نہ مال چھینا ہو تو اس پر صرف تعزیر ہے، امام اس کو صرف اس وقت قتل کرے گا جب اس نے قتل کیا ہو اور اس کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے اس وقت کاٹے گا جب اس نے چوری کی ہو۔ اور اس کو سولی پر اس وقت چڑھائے گا جب اس نے مال چھینا ہو اور قتل بھی کیا ہو۔ اور اس کو شہر بدر اس وقت کرے گا جب اس نے اس میں سے کچھ بھی نہیں کیا ہو، اور امام کو اس میں اختیار نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی کے نزدیک شہر بدر کرنا اس کو اس کے شہر سے نکالنے کی تعزیر ہے، اور جمہور مالکیہ نے کہا ہے: شہر بدر کرنا یہ ہے کہ اس کو دوسرے شہر میں قید کر دیا جائے۔

اور "التلویح" میں مذکور ہے: امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ قید کرنا شہر بدر کرنے کی ضد ہے اور شہر بدر کرنے کا معنی ہے: اس کو اس کے وطن سے نکال دینا، کیونکہ یہ اس کو ڈاکے سے روکنے میں زیادہ بلیغ ہے۔ پھر اس کو اس جگہ قید کیا جائے جس طرف وہ نکلا ہے حتیٰ کہ

اس کی توبہ ظاہر ہو جائے اور یہ شہر بدر کرنے کی حقیقت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۴۱۔ ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ الْجَرْمِيُّ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنهُ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ نَفَرٌ مِنْ عُكْلٍ فَأَسْلَمُوا فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَأْتُوا إِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَفَعَلُوا فَصَحُّوا فَارْتَدُّوا وَقَتَلُوا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا الْإِبِلَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَأُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتَّى مَاتُوا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاوزاعی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یحییٰ بن ابی کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوقلابہ الجرمی نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس قبیلہ عُکل کی ایک جماعت آئی، سو انہوں نے اسلام قبول کر لیا، پھر ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی تو نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ صدقہ کے اونٹوں کے پاس جائیں اور اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنیوں کا دودھ پئیں، سو انہوں نے ایسا کیا، پس وہ تندرست ہو گئے اور دینِ اسلام سے مرتد ہو گئے اور اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، نبی ﷺ نے ان کا پیچھا کرنے کے لیے صحابہ کو بھیجا، سو ان کو لایا گیا، پس آپ نے ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ دیا اور ان کی آنکھوں کے ڈھیلے کو نکال لیا اور ان کو اندھا کر دیا اور ان کے زخموں پر داغ نہیں لگایا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۷، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۶۸۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الولید بن مسلم، یہ اموی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاوزاعی، یہ عبدالرحمن بن عمرو ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقلابہ، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں، ان کو بصرہ میں قاضی بنانے کا ارادہ کیا گیا تھا، یہ شام کی طرف بھاگ گئے اور وہیں پر ۱۰۴ یا ۱۰۵ھ میں فوت ہو گئے، اس وقت یزید بن عبدالملک کی حکومت تھی۔

یہ حدیث کتاب الوضوء میں "باب ابوال الابل والدواب والغنم" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نفر من العکل" نفر کا معنی ہے انسان کا قبیلہ اور اس کے رشتہ دار اور یہ اسم جمع ہے اور خصوصاً مردوں کی جماعت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو تین سے لے کر دس تک ہیں اور اس کا کسی لفظ سے واحد نہیں آتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عُکل" (عین پر پیش اور کاف پر جزم) یہ قبیلہ کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاجتووا" یہ الاجتواء سے ماخوذ ہے، یعنی انہوں نے مدینہ میں رہنے کو ناپسند کیا کیونکہ وہاں پر انہیں کوئی بیماری لگ گئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وسمل اعینھم" یعنی ان کی آنکھوں کو نکال کر ان کو اندھا کر دیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولم یحسمھم" اس کا معنی ہے: زخم کے اوپر لوہا گرم کر کے لگانا تا کہ خون رک جائے، سو ان کے زخموں پر لوہا گرم کر کے نہیں لگایا گیا اور ان کے خون کو نہیں روکا گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۱۔۴۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پر دلائل کہ آیتِ محاربہ مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے نہ کہ کفار اور مرتدین کے متعلق

اس حدیث میں امام بخاری کا یہ نظریہ ہے کہ آیت محاربہ اہلِ کفر اور مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس حدیث میں یہ بیان نہیں کیا گیا۔

امام عبدالرزاق نے اپنی روایت میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام عبدالرزاق نے اس حدیث کو از معمر از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں مذکور ہے کہ قتادہ نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے:

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (المائدہ: ۳۳)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

(مصنف عبدالرزاق: ج ۱۰ ص ۱۰۷۔۱۰۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۳۸)

اور امام عبدالرزاق نے اس حدیث کی مثل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۰۸۔۱۰۷، رقم الحدیث: ۱۸۵۴۱)

اور جن فقہاء نے یہ کہا کہ یہ آیت مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ الحسن البصری اور الضحاک ہیں۔ (تفسیر الطبری ج ۴ ص ۵۴۷)

اور عطاء اور الزہری ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱۰ ص ۱۰۶، رقم الحدیث: ۱۸۵۴۷)

اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مسلمانوں کے خلاف خروج کریں اور زمین میں فساد کریں اور راستوں میں ڈاکے ڈالیں۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور فقہاء کوفہ اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ مگر ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ محارب کی حد اس کے جرم اور گناہ کے اعتبار سے ہے جیسا کہ اس کی تفسیر میں آئے گا۔ اور علامہ ابن القصار نے کہا: ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل الذمہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے اپنے عہدِ ذمہ کو توڑ دیا تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے اور ان میں سے ہر قول خطاء ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ یہ آیت مخصوص مرتدین کے متعلق نازل ہوئی ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ یہ آیت عرینیین کے متعلق نازل ہوئی ہے، سو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ یہ آیت مرتدین اور مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں اور ان الفاظ کے معنی میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان کی مثل ڈاکے ڈالے اور زمین میں فساد کرے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر میں نماز کے قصر کرنے کو خوف کی شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو، اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے، بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں ○

(النساء: ۱۰۱)

پھر یہ ثابت ہے کہ سفر میں مسلمانوں کے لئے نماز کو قصر کرنے کی رخصت ہے خواہ انہیں کفار کے حملہ کا خوف نہ ہو، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم سفر میں قصر کرلو، (النساء: ۱۰۱) اور اب لوگ سفر میں کفار کے حملہ سے مامون ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جس وجہ سے تم کو تعجب ہوا ہے اس وجہ سے مجھے بھی تعجب ہوا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ (قصر) صدقہ ہے جس کا اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے، تم اس کے صدقہ کو قبول کرلو۔

(صحیح مسلم: ۶۸۶، سنن ابوداؤد: ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۱۲۰، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۵، سنن دارمی: ۱۵۰۴، صحیح ابن خزیمہ: ۹۴۵، مسند احمد: ۱۷۴، سنن کبریٰ للبیہقی: ج ۳ ص ۱۴۰۔ ۱۴۱)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ اللہ کے صدقہ کو قبول کرو اور اصل میں امر وجوب کے لیے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے، سو اگر کسی مسلمان نے دانستہ سفر میں پوری نماز پڑھی تو وہ گناہگار ہوگا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

امیہ بن خالد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآنِ مجید میں حضر (غیر سفر) میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نمازِ خوف کا بھی قرآن میں ذکر ہے اور سفر میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم وہی کرتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ:۱۰۶۶، سنن نسائی:۱۴۳۳)

خلاصہ یہ ہے کہ حسن بصری، ضحاک، عطاء اور الزہری وغیرہم نے کہا ہے کہ آیتِ محاربہ (المائدہ:۳۳) مشرکین کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور علامہ ابن القصار مالکی نے کہا ہے کہ یہ آیت اہلِ ذمہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک یہ آیت مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

علامہ ابن ملقن لکھتے ہیں: اور ظاہر القرآن اور مسلمانوں کا عمل جو تواتر سے ثابت ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدود مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ قاضی اسماعیل نے کہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۬ ذٰلِكَ ؕۛ وَ لَوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّیَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ (محمد:۴)

سو جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا خون بہا چکو تو ان کو مضبوطی سے گرفتار کر لو (پھر تم کو اختیار ہے) خواہ تم ان پر احسان کر کے ان کو (بلا معاوضہ) چھوڑ دو، یا ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دو، حتیٰ کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے، یہی حکم ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو (از خود) ان سے انتقام لیتا (لیکن وہ یہ چاہتا ہے) کہ وہ تم میں سے ایک فریق کو دوسرے فریق کے ذریعہ آزمائے اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کیے جاتے ہیں اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا O

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ (التوبہ:۳۶)

اور تم تمام مشرکین سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں اور یاد رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے O

پس اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو صرف قتل کرنے کا یا ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں سے دین پر جنگ کرتے ہیں اور ان کو چوری اور ڈاکے کی وجہ سے قتل نہیں کیا جاتا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۲۵۔۱۲۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محاربین اگر کفار ہوں یا مسلمان ہوں تو ان کے الگ الگ احکام

معتمد یہ ہے کہ آیت محاربہ اولاً مشرکین کے متعلق نازل ہوئی اور یہ اپنے عموم کے اعتبار سے ان مسلمانوں کو بھی شامل ہے جو ڈاکہ ڈالتے ہیں لیکن دونوں فریقوں کی سزا مختلف ہے، پس اگر محاربین کفار ہوں تو جب امام ان کے اوپر غلبہ پالے تو اس کو اختیار دیا جائے گا اور اگر محاربین مسلمان ہوں تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے اور وہ امام شافعی اور فقہاء احناف کا قول ہے کہ ان کے جرم میں غور کیا جائے گا جس محارب نے قتل کیا اس کو قتل کیا جائے گا اور جس محارب نے مال چھینا اس کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹے جائیں گے اور جس نے نہ قتل کیا اور نہ مال چھینا تو اس کو شہر بدر کیا جائے گا۔ اور امام مالک نے کہا: بلکہ امام کو محارب مسلم کے متعلق تین چیزوں میں اختیار دیا جائے گا۔

اور اس آیت میں جو نفی یعنی شہر بدر کرنے کا حکم ہے اس میں اختلاف ہے، امام مالک اور شافعی نے کہا: جس شہر میں جرم کیا ہے وہاں سے کسی دوسرے شہر کی طرف نکال دیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے بلکہ اسے اسی شہر میں قید کیا جائے گا۔ اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ اسی شہر میں اس کا مقیم رہنا خواہ قید میں ہو تو یہ شہر بدر کرنے کی ضد ہے، کیونکہ شہر بدر کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ اس کو اس شہر سے نکال دیا جائے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۷۔ بَابٌ: لَمْ يَحْسِمِ النَّبِيُّ ﷺ الْمُحَارِبِينَ مِنْ أَهْلِ الرِّدَّةِ حَتّٰى هَلَكُوْا

نبی ﷺ نے مرتدین میں سے محاربین کے زخموں پر (گرم تیل سے) داغ نہیں لگایا حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو گئے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نبی ﷺ نے مرتدین میں سے محاربین پر حسم نہیں کیا اور حسم کی تفسیر اب بیان کی جارہی ہے۔

شارح بخاری علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: حسم سے مراد یہاں پر یہ ہے کہ ہاتھ کو کاٹنے کے بعد گرم تیل میں رکھا جائے، یہ حسم کی ایک صورت ہے اور حسم کا اس صورت میں حصر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ أَبُوْ يَعْلَى حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ حَدَّثَنِي الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ الْعُرَنِيِّينَ وَلَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتّٰى مَاتُوْا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن الصلت ابو یعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الاوزاعی نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے عرنیین کے ہاتھ کاٹے اور ان پر گرم تیل سے داغ نہیں لگایا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۷، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۶۸۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک اور سند ہے اور اس میں اختصار کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن الصلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں الولید کا ذکر کیا گیا ہے، یہ الولید بن مسلم ہیں اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ ابن ابی کثیر الیمامی الطائی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قطاع العرنیین" عُرنیین میں عرینۃ کی طرف نسبت ہے، یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہ لوگ قبیلہ عکل میں سے تھے، اور اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کا تعلق ان دونوں قبیلوں میں سے تھا۔ اور امام بخاری کی کتاب المغازی میں یہ گزر چکا ہے کہ کچھ لوگ عکل اور عرینۃ میں سے تھے۔

اور امام ابوالشیخ کی "کتاب القطع والسرقۃ" میں مذکور ہے کہ ایک روایت ہے کہ یہ مزینۃ میں سے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ سُلیم اور بنو عرینۃ میں سے تھے جن کا تعلق قبیلہ بجیلۃ سے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کے بعد آگ میں جلا دیا۔ اور اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے دو کی آنکھیں پھوڑ دیں، اور دو کے ہاتھ کاٹ دیئے اور دو کو سولی پر چڑھا دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجرموں کو مثلہ کرنے کے متعلق روایات اور فقہاء کی آراء

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کے ساتھ جو کاروائی کی اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ سلف صالحین میں سے ایک جماعت نے کہا: یہ واقعہ محاربین کے متعلق آیت نازل ہونے سے پہلے کا ہے، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حدود کے احکام نازل ہوئے اور آپ کو مثلہ کرنے سے منع فرما دیا، لہٰذا عرنیین کی حدیث منسوخ ہوگئی، یہ ابن سیرین اور سعید بن جبیر اور ابوالزناد سے روایت ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا کہ مثلہ کرنا منسوخ نہیں ہے اور انہی کے متعلق محاربین کی آیت نازل ہوئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عُرنیین کے ساتھ جو کاروائی کی وہ قصاص تھی، کیونکہ عرنیین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کے ساتھ اسی کی مثل کیا تھا، اس کو اہل السیر نے ذکر کیا ہے۔

محمد بن فلیح نے از موسیٰ بن عقبہ از ابن شہاب روایت کی ہے کہ عرنیین نے یسار کو قتل کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کا

چرواہا تھا، پھر انہوں نے اس کا مُثلہ کیا اور اونٹوں کو چرا کر لے گئے۔

اور امام ابنِ اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ مجھے بعض اہلِ علم نے از محمد بن طلحہ از عثمان بن عبدالرحمٰن روایت کی کہ غزوہ محارب اور بنو ثعلبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام ملا جس کو یسار کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اونٹنیوں میں چرواہا مقرر کر دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی ایک جماعت آئی اور مدینہ میں ٹھہری اور ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اونٹنیوں کے باڑے میں چلے جائیں اور ان کا پیشاب اور ان کا دودھ پئیں، پس وہ اونٹنیوں کے باڑے میں چلے گئے، جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے یسار پر حملہ کیا، سو اس کو ذبح کر دیا۔ اور اس کی دونوں آنکھوں میں کانٹے ٹھونک دیے۔ (سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۱۹۔۳۱۸)

اور امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کی آنکھوں کو پھوڑ ڈالا، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کی آنکھوں کو پھوڑا تھا، پھر کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ (سنن ترمذی: ۷۳)

اور امام ابوالشیخ کی "کتاب القطاع والسراقة" میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے دو کی آنکھیں پھوڑ دیں اور دو کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دو کو سولی پر چڑھا دیا۔

اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہ لوگ مزینة سے تعلق رکھتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ سُلَیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور بنو عرینة بجیلة کے قبیلہ سے تھے، اور آپ نے ان کو قتل کرنے کے بعد آگ میں جلا دیا تھا۔ اور آپ نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی کو مُثلہ نہیں کیا اور آپ نے مُثلہ سے منع فرمایا۔

علامہ ابنِ بطال نے کہا ہے: جب فقہاء کا اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، تو ہم نے یہ جاننے کا ارادہ کیا کہ دو تاویلوں میں سے کون سی تاویل اولیٰ ہے، پس ہم نے دیکھا کہ عرنیین کی حدیث کے مطابق صحابہ کا عمل ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ عرنیین کی حدیث میں جو مثلہ کرنے کا ذکر ہے وہ منسوخ نہیں ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ایاس کو آگ میں زندہ جلا دیا تھا، کیونکہ وہ مرتد ہو گیا تھا اور اسلام کے خلاف قتال کرتا تھا اور اس کو اس کی زندیقی کی بناء پر جلا دیا۔

(شرح ابن بطال ج ۸ ص ۴۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۴ھ)

اور "علل ابن ابی حاتم" میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الزُط کی ایک قوم کو زندہ جلا دیا تھا جنہوں نے بت بنا لیا تھا۔

اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ دشمن کے جہاز کو جلا دیا جائے خواہ اس میں مسلمان قیدی ہوں اور انہوں نے کہا: قلعوں پر منجنیق سے آگ برسائی جائے اور قلعوں میں جو بچے ہیں ان کو بھی جلا دیا جائے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مُثلہ سے منع فرمایا ہے یہ بطور تحریم منع نہیں فرمایا، بلکہ یہ بطور استحباب منع فرمایا ہے، پس واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین کے ساتھ جو کیا وہ اس آیت کے مخالف نہیں ہے۔

علامہ ابن المنذر نے ذکر کیا ہے کہ بعض اہلِ علم نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرنیین میں جو حکم دیا تھا وہ ثابت ہے اور کسی چیز نے اس کو منسوخ نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی احکام دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکام کے مطابق

حکم دیا اور اس حکم میں اضافہ کیا اور یہ زائد ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر سو کوڑے مارنے کو واجب کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا اضافہ کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لعان کرنے والوں کے درمیان لعان کو واجب کیا اور شارع علیہ السلام نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور یہ کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہے۔ اور آپ نے بچے کو ماں کے ساتھ ملا دیا اور شوہر سے اس کی نفی کر دی۔ اور تمام علماء کا اس کے قبول کرنے کے اوپر اجماع ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۸ ص ۴۲۳)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۳۱۔ ۱۳۳ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

۱۸۔ بَابٌ: لَمْ يُسْقَ الْمُرْتَدُّوْنَ الْمُحَارِبُوْنَ حَتّٰى مَاتُوْا

مرتدین محاربین کو پانی نہیں پلایا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ مرتدین محاربین کو پانی نہیں پلایا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ عَنْ وُهَيْبٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَانُوا فِي الصُّفَّةِ فَاجْتَوَوُا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَبْغِنَا رِسْلًا فَقَالَ مَا أَجِدُ لَكُمْ إِلَّا أَنْ تَلْحَقُوا بِإِبِلِ رَسُولِ اللهِ فَأَتَوْهَا فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا حَتّٰى صَحُّوا وَسَمِنُوا وَقَتَلُوا الرَّاعِيَ وَاسْتَاقُوا الذَّوْدَ فَأَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم الصَّرِيخُ فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي آثَارِهِمْ فَمَا تَرَجَّلَ النَّهَارُ حَتّٰى أُتِيَ بِهِمْ فَأَمَرَ بِمَسَامِيرَ فَأُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ وَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَمَا حَسَمَهُمْ ثُمَّ أُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَمَا سُقُوا حَتّٰى مَاتُوا قَالَ أَبُو قِلَابَةَ سَرَقُوا وَقَتَلُوا وَحَارَبُوا اللهَ وَرَسُولَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی از وُہیب از ایوب از ابی قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ عُکل سے ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور وہ صُفہ میں تھے، ان کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے دودھ تلاش کیجئے، آپ نے فرمایا: میں تمہارے لیے دودھ نہیں پاتا، سوا اس کے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے ساتھ جا کر مل جاؤ، پس یہ وہاں پر گئے، پس انہوں نے اونٹنیوں کا دودھ پیا اور پیشاب پیا حتیٰ کہ تندرست ہو گئے اور فربہ ہو گئے، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک فریاد کرنے والا آیا تو آپ نے ان کی تلاش میں صحابہ کو بھیجا، ابھی دن نہیں چڑھا تھا حتیٰ کہ ان کو لایا گیا، پس آپ کے حکم سے لوہے کی کیلوں کو گرم کیا گیا اور آپ نے انہیں ان کی آنکھوں میں پھیرا اور ان کے ہاتھ اور پیر کاٹے اور ان پر گرم تیل نہیں لگایا، پھر ان کو سیاہ پتھریلی زمین

میں ڈال دیا گیا، وہ پانی طلب کر رہے تھے تو ان کو پانی نہیں پلایا گیا حتیٰ کہ وہ مر گئے۔

ابو قلابہ نے کہا: انہوں نے چوری کی اور قتل کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۴۰۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۸، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۶۸۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو حدیثِ مذکور ہے یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔ امام بخاری نے اس کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ ''مرتدین کو پانی نہیں دیا گیا''۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''قدم رھط من عکل'' رھط کا معنی ہے: کسی مرد کے اہل سے دس سے کم مرد، اور کہا گیا ہے کہ ان کا عدد چالیس تک ہے اور ان میں کوئی عورت نہ ہو، اور اس لفظ سے اس کا واحد اسی لفظ سے نہیں آتا، اس کی جمع ارھط، ارھاط اور اراھط آتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الصفۃ'' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک چبوترہ ہے جو غرباء، فقراء اور مہاجرین کا مسکن تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابغنا رِسلا'' یعنی آپ ہمارے لیے دودھ منگوائیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ما اجد لکم الا ان تلحقوا باہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' بعض شارحین نے کہا: اس میں تجرید ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: بلکہ یہ التفات ہے جیسے تم کہو کہ ''الخلیفۃ امیر المومنین تمہیں فلاں چیز لکھنے کے لیے کہتے ہیں''۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ تھے''، اور اس سے پہلے گزرا ہے کہ وہ صدقہ کے اونٹ تھے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ وہ اونٹ ملے جلے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ان کے زخم پر گرم تیل نہیں لگایا گیا'' کیونکہ وہ کفار تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا اور نہ آپ نے ان کو پانی پلانے سے منع فرمایا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الحرۃ'' یہ سیاہ پتھروں والی زمین کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عرنیین کو پیاس کے وقت پانی نہ پلانے کی توجیہ

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس پر حد واجب ہو، عام ازیں کہ یہ حد اس کے قتل تک پہنچتی ہو یا نہیں، اس سے پانی کو منع نہیں کیا جائے گا، تا کہ اس کے اوپر دو عذاب جمع نہ ہوں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو حکم دیا ہے کہ وہ احسان کے ساتھ قتل کرے اور حیوان کے ذبح کرنے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ چھری کو تیز کرلے۔

اور عرنیین کو پانی نہ دینے کی توجیہ یہ ہے حتیٰ کہ وہ مر گئے جیسا کہ ان کے زخموں پر گرم تیل نہ لگانے کی توجیہ ہے۔

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ ان کو پانی نہ دینے کی وجہ یہ ہے اور اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے اس رات اونٹنیاں چرا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنیوں کے دودھ سے پیاسا رکھا تھا حتیٰ کہ انہوں نے ارتداد کے ساتھ سر اٹھایا اور ڈاکہ کے ساتھ اور قتل کے ساتھ تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو اس کی سزا دیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹنیوں کے دودھ سے پیاسا رکھا، پس یہ سزا ان کے جرم کے مطابق تھی۔

اور اس کے قریب توجیہ یہ ہے کہ ابن وہب نے از معاویہ بن صالح اور یحییٰ بن ایوب روایت کی ہے از یحییٰ بن سعید اور از سعید بن المسیب اور اس حدیث کا ذکر کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹنیاں چرا کر لے گئے یا بھگا کر لے گئے، پس انہوں نے زعم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس کو پیاسا رکھے جس نے آج رات آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیاسا رکھا'' پس ان کو پانی پینے کے لیے نہ دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی مقبولیت کی وجہ سے تھا۔

امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ عرب کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، سو انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر وہ بیمار ہو گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹنیوں کی طرف بھیجا تا کہ وہ ان کا دودھ پئیں، پھر وہ انہیں میں رہے، پھر انہوں نے اس چرواہے کا قصد کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا، سو اس کو قتل کر دیا اور اونٹنیوں کو چرا کر اور بھگا کر لے گئے، پس راویوں نے زعم کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ان کو پیاسا رکھ جنہوں نے آج رات آل محمد کو پیاسا رکھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طلب میں صحابہ کو بھیجا، پس وہ پکڑے گئے اور ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹا گیا اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں، اور معاویہ بن صالح کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ اونٹنیوں کو مشرکین کی زمین میں چرا کر لے گئے تھے۔

(سنن نسائی: ۴۰۴۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، تحفۃ الاشراف: ۱۸۷۵۲)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں کہا ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ'' اور کتاب المحاربین کے شروع میں کہا ہے ''صدقہ کے اونٹ'' ان میں تطبیق کس طرح ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق اس طرح سے ہے اور اللہ ہی زیادہ بہتر جاننے والا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مال غنیمت میں سے اونٹوں کا اپنا حصہ ملا تھا، اور آپ ان اونٹنیوں کا دودھ پیتے تھے اور وہ اونٹنیاں صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ چرتی تھیں، تو اس وجہ سے اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا کہ وہ آپ کے اونٹ تھے اور دوسری جگہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ صدقہ کے اونٹ تھے۔ تو یہ اونٹنیاں کثرت کی وجہ سے ایک ساتھ رہتی تھیں اور ایک ساتھ چرتی تھیں۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابنِ بطال کی عبارت کو ان کے حوالہ کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ توجیہ اس کے منافی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی نہ دے کر ان کو سزا دی، جیسا کہ ثابت ہے کہ آپ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں، اور آپ نے ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ وہ مر گئے، کیونکہ آپ کا ارادہ ان کو ہلاک کرنے کا تھا جیسا کہ ان کے زخموں پر گرم تیل نہ لگانا اس لئے تھا کہ ان کا خون بہتا رہے اور وہ مر جائیں۔ اور جس نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی دیئے بغیر مرنے دیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

عرنیین کو سخت سزا دینے اور ان پر رحم نہ فرمانے کی توجیہ از مصنف

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرتے تھے تو آپ نے ان کو اتنی سخت سزا کیوں دی؟
اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ حسنِ سلوک فرماتے تھے جن کے اسلام لانے کی آپ کو توقع ہوتی تھی اور چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے مطلع فرما دیا تھا کہ ان لوگوں نے پھر اسلام کو قبول نہیں کرنا تو اس لئے آپ نے ان کو سخت سزا دی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ سراپا رحمت تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی حدود کو جاری کرنے میں آپ کوئی نرمی نہیں کرتے تھے اور چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کی ناشکری کی، آپ کی اونٹنیوں کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹنیوں کو بھگا کر مشرکین کی سرزمین تک لے گئے حتیٰ کہ اس رات آپ اور آپ کی آل کو دودھ سے پیاسا رکھا، تو ان کے اس جرم کے بدلہ میں ان کو یہ سخت سزا دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۹۔ بَابُ: سَمْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أَعْيُنَ الْمُحَارِبِينَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا محاربین کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:
سَمْر (سین پر زبر اور میم پر جزم) کا معنی ہے: لوہے کی کیلوں یا سلائیوں کو گرم کر کے آنکھوں میں اس طرح پھیرنا جس طرح سرمہ لگاتے ہیں۔ اور اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کی سلائیوں کو گرم کر کے محاربین کی آنکھوں میں پھیرا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۳۔ ۴۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَهْطًا مِنْ عُكْلٍ أَوْ قَالَ عُرَيْنَةَ وَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا قَالَ مِنْ عُكْلٍ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَأَمَرَ لَهُمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِلِقَاحٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ایوب از ابو قلابہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ عُکل کی ایک جماعت یا کہا عرینۃ کی ایک جماعت

وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَخْرُجُوا فَيَشْرَبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَشَرِبُوا حَتَّى إِذَا بَرِئُوا قَتَلُوا الرَّاعِيَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم غُدْوَةً فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي إِثْرِهِمْ فَمَا ارْتَفَعَ النَّهَارُ حَتَّى جِيءَ بِهِمْ فَأَمَرَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ فَأُلْقُوا بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَلَا يُسْقَوْنَ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ سَرَقُوا وَقَتَلُوا وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَحَارَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔

اور میرے علم میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے کہا: عُکل کی ایک جماعت مدینہ میں آئی، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دودھ دینے والی اونٹنیوں کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ یہ وہاں جائیں اور ان کے پیشاب اور ان کے دودھ کو پئیں، سوانہوں نے پیا حتیٰ کہ وہ تندرست ہو گئے، پھر انہوں نے اونٹنیوں کے چرواہے کو قتل کیا اور ان اونٹوں کو چرا کر بھگا کر لے گئے، پس صبح کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی، آپ نے ان کی تلاش میں صحابہ کو بھیجا، پھر جب دن چڑھ گیا تو ان کو لایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹا جائے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری جائیں، انہیں حرۃ (سیاہ پتھریلی زمین) میں ڈال دیا گیا، وہ پانی مانگتے تھے تو ان کو پانی نہیں دیا گیا۔

ابوقلابہ نے کہا: ان لوگوں نے چوری کی اور قتل کیا اور ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ یعنی جنگ کی۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۱۹۳، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۳۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۸۷، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۶۸۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک اور سند ہے اور اس کا عنوان قائم کیا ہے ''آنکھوں میں گرم سلائیاں ڈالنا''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حماد کا ذکر ہے، یہ ابنِ زید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوقلابہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں ''لقاح'' کا لفظ مذکور ہے اور یہ اللقحۃ کی جمع ہے اور یہ دودھ دینے والی اونٹنی کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ اذا برء وا'' یہ لفظ ''برأت من المرض'' سے ماخوذ ہے یعنی جب کوئی مرد کسی بیماری سے نجات پالے تو کہا جاتا ہے ''برا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''النعم'' (نون اور عین دونوں پر زبر ہے) یہ الانعام کا واحد ہے، اور اس کا معنی ہے: چرنے والے مویشی۔ اور اس کا اکثر اطلاق اونٹوں پر ہوتا ہے۔ الفراء نے کہا: یہ مذکر ہے اور اس کا مؤنث پر اطلاق نہیں ہوتا، عرب کہتے ہیں:

ھذا نعم، اور اس کی جمع نعمان ہے جیسے جمل کی جمع جملان ہے، اور الانعام کا مذکر پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور مونث پر بھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال ابوقلابۃ" ان کا نام عبداللہ ہے اور یہ اس حدیث کے راوی ہیں، انہوں نے کہا کہ یہ لوگ یعنی عکل کے لوگ یا عرنیون۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عرنیین کو پیشاب پلانے کا حکم دینے کی توجیہ از مصنف

عرنیین پہلے اونٹوں کے باڑے میں رہتے تھے اور اونٹنیوں کا دودھ پیتے تھے اور ان کا پیشاب بھی پیتے تھے اور جب وہ مدینہ میں آئے اور انہیں پینے کے لیے اونٹنیوں کا دودھ اور پیشاب نہیں ملا تو وہ بیمار پڑ گئے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انہیں اونٹنیوں کے پاس رکھا جائے اور انہیں ان کا دودھ اور پیشاب پلایا جائے تاکہ وہ اپنی غذا کی طرف لوٹ آئیں اور تندرست ہو جائیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پیشاب تو نجس ہے اور نجس چیز میں شفاء نہیں ہوتی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹنیوں کا پیشاب پینے کا حکم کس سبب سے دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی سے جان لیا تھا کہ ان کا علاج اونٹنیوں کا پیشاب پینے سے ہی ہو سکتا ہے، اس لئے آپ نے ان کو اونٹنیوں کا پیشاب پلانے کا حکم دیا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی حلال چیز سے شفاء ممکن نہ ہو تو علاج کے لیے کسی حرام چیز کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا علاج پیشاب پینے سے ہی ہو سکتا ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے علم کا کوئی ایسا ذریعہ میسر نہیں ہے، اس لیے ان کے علاج میں حتی الامکان حرام چیز سے گریز کرنا لازم ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عرنیین کو محاربین میں شامل کرنے پر ایک اشکال کا جواب

امام بخاری نے عرنیین کو محاربین میں شامل کیا ہے اور محاربین کے متعلق قرآن مجید میں مذکور ہے:

ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ (المائدہ: ۳۳) یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

اس آیت سے معلوم ہوا کہ محاربین پر دنیا میں بھی حد جاری کی جاتی ہے اور آخرت میں بھی ان کو عذاب ہوتا ہے، حالانکہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ گزر چکا ہے کہ جس پر دنیا میں حد قائم کر دی گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ ہو جاتی ہے، تو عرنیین کے لیے حد کفارہ کیوں نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ان کے ساتھ مخصوص ہے جو آخر وقت تک اسلام پر قائم رہے اور انہوں نے حالتِ اسلام میں ڈاکہ ڈالا اور قتل کیا اور ان پر حد جاری کر دی گئی اور حد کے جاری ہونے سے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ کر لی تو پھر ان کو آخرت میں عذاب نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (المائدہ:۳۴) ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی، سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ○

اور عرنیین کے لیے حد کفارہ اس لیے نہیں ہوئی کہ وہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو چکے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ (النساء:۴۸) بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۰۔ بَابُ: فَضْلِ مَنْ تَرَكَ الْفَوَاحِشَ جس نے بے حیائی کے کام ترک کیے، اس کی فضیلت

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کی فضیلت کا بیان ہے جس نے بے حیائی کے کام ترک کئے۔ فواحش، فاحشۃ کی جمع ہے، اور یہ ہر وہ فعل یا قول ہے جس کا گناہ بہت شدید ہے، اسی طرح الفحشاء اور الفحش کا معنی ہے۔ اور بے حیائی کی باتوں کو الکلام الفاحش کہا جاتا ہے اور غالباً اس کا اطلاق زنا پر ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۲) اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے ○

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۴۔ ۴۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ فِي خَلَاءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا قَالَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا صَنَعَتْ يَمِينُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی از عبید اللہ بن عمر از خبیب بن عبد الرحمٰن از حفص بن عاصم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات مردوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا کسی کا سایا نہ ہوگا: (۱) امام عادل (۲) وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا (۳) وہ مرد جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کو یاد کیا، پھر اس کی آنکھوں نے آنسو بہائے (۴) وہ مرد جس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے (۵) وہ دو مرد جو اللہ کی محبت کے سبب سے آپس میں ملتے ہیں (۶) وہ مرد جس کو کسی اقتدار والی اور خوبصورت عورت نے اپنے نفس کی طرف گناہ کی دعوت دی تو اس

نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۷) وہ مرد جس نے ایک صدقہ دیا
پس اس کو چھپا کر دیا حتیٰ کہ بائیں ہاتھ نے نہ جانا کہ اس نے
دائیں ہاتھ سے کیا کیا۔

(صحیح البخاری: ۶۶۰، ۱۴۲۳، ۶۴۷۹، ۶۸۰۶، صحیح مسلم: ۱۰۳۱، سنن ترمذی: ۲۳۹۱، سنن نسائی: ۵۳۸۰، مسند احمد: ۲۳-۷۳-۹۳، موطا امام مالک: ۱۷۷۷)

صحیح البخاری: ۶۸۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "بے حیائی کے کام کو ترک کرنے کی فضیلت" اور اس باب میں یہ حدیث ہے کہ "ایک مرد کو کسی اقتدار والی خوبصورت عورت نے اپنے نفس کی طرف گناہ کی دعوت دی اور اس مرد نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں" اور جس کام کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت ہے وہ مخفی نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "ہمیں محمد بن سلام نے حدیث بیان کی" اور یہ بھی روایت ہے "مجھے محمد بن سلام نے روایت بیان کی" اور صحیح البخاری کے اکثر نسخوں میں صرف محمد کا ذکر ہے اور اس کی طرف نسبت کا ذکر نہیں ہے۔ ابوعلی الغسانی نے کہا: القصلی کی روایت میں مذکور ہے محمد بن مقاتل، اور القابسی کی روایت میں مذکور ہے محمد بن سلام۔ علامہ کرمانی نے کہا: پہلی روایت صحیح ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: کیونکہ امام بخاری نے کہا ہے: ہمیں حدیث بیان کی محمد نے، انہوں نے کہا: ہمیں خبر دی عبداللہ نے اور یہ عبداللہ بن مبارک ہیں، اور محمد بن مقاتل کی روایت ان سے مشہور ہے اور یہ دونوں مروزی ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے خُبیب (خاء پر پیش ہے اور باء پر زبر ہے)، یہ ابن عبدالرحمٰن بن خبیب الانصاری المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حفص بن عاصم، یہ ابنِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما ہیں۔
یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں از مسدد اور کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الرقاق میں از محمد بن بشار گزر چکی ہے اور اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الا ظلہ" یعنی سات مرد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ظل اور اس کے سائے میں ہوں گے جس دن اس کے ظل کے سوا اور کسی کا سایا نہیں ہوگا۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف ظل کی اضافت تشریف کی اضافت ہے، یعنی اس سائے کی تکریم اور تعظیم کو بیان کرنے کے لیے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی ظل اور سائے سے منزہ ہے، کیونکہ حقیقی ظل اور سایا اجسام کے خواص میں سے ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں پر ایک لفظ محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایا۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ سائے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محشر کی تکلیفوں سے ان لوگوں کو اپنی پناہ میں رکھے گا جب سورج لوگوں کے قریب ہوگا اور گرمی بہت زیادہ ہوگی اور لوگوں پر بہت زیادہ پسینہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے "فلاں شخص فلاں کے سائے

میں ہے"یعنی اس کی پناہ اور اس کی حمایت میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"امام عادل" اس سے مراد وہ امام ہے جو ہر چیز کو اس کی جگہ میں رکھنے والا ہو۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے"شاب" یعنی جوان، ایک قول یہ ہے کہ مرد نہیں فرمایا، اس لیے کہ جوانی میں عبادت بہت دشوار ہوتی ہے اور نفس پر بہت سخت ہوتی ہے، کیونکہ اس عمر میں انسان پر شہوات کا غلبہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"فی خلاء" یعنی وہ ایسی جگہ پر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے جہاں وہ تنہا ہو، کیونکہ اب اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے میں اور اس کا ذکر کرنے میں دکھاوے کا شائبہ نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے"ففاضت عیناہ" یعنی اس کی آنکھیں بہیں، اس پر یہ اعتراض ہے کہ آنکھیں نہیں بہتیں بلکہ آنسو بہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بہنے کا اسناد آنکھوں کی طرف بطورِ مبالغہ کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ (المائدہ: ۸۳) آپ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے"فی المسجد" یعنی اس کا دل مسجد میں معلق رہتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسجد کے ساتھ لازم رکھتا ہے تاکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"تحابا فی اللہ" یعنی وہ دو مرد اللہ کی محبت کے سبب سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یعنی ان کی محبت کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے"ذات منصب" یعنی وہ عورت حسب ونسب والی ہو، اور خصوصیت سے اس کا ذکر اس لئے کیا کہ اس کی طرف رغبت زیادہ ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے"جس مرد نے صدقہ کیا حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہیں چلا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا کیا"۔ یہ بطورِ مبالغہ فرمایا، یعنی اگر یہ فرض کیا جائے کہ بایاں ہاتھ سمجھدار مرد ہے تو اس کو نہیں پتا چلے گا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے، گویا اس میں صدقہ کو پوشیدہ طور پر کرنے کے مبالغہ کو بیان فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۵۔۴۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ ح وحَدَّثَنِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ تَوَكَّلَ لِي مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ تَوَكَّلْتُ لَهُ بِالْجَنَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابی بکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی ح اور مجھے خلیفہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمر بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو حازم نے حدیث بیان کی از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مرد میرے لئے اپنی دو ٹانگوں کے درمیان اور اپنے دو جبڑوں کے درمیان کا ضامن ہوا، میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

(صحیح البخاری: ۶۴۷۴، ۶۸۰۷، سنن ترمذی: ۲۴۰۸، مسند احمد: ۲۲۳۱۶)

صحیح البخاری: ۶۸۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جس شخص نے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی تو اس کے لیے بے حیائی کے ترک کرنے کی فضیلت ہوگی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہے، یہ المقدمی ہیں اور مقدمی تقدیم سے اسم مفعول ہے، یہ اپنے چچا عمر بن علی سے روایت کرتے ہیں اور وہ تدلیس کے ساتھ موصوف ہیں، لیکن اس روایت میں امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کی اور امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الرقاق میں صرف محمد بن ابی بکر سے روایت کیا ہے اور یہاں پر اس کو خلیفہ بن خیاط کے ساتھ مقرون کیا ہے اور حدیث کی سند میں صرف لفظِ خلیفہ کو ذکر کیا ہے، اور یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو حازم کا ذکر ہے، ان کا نام سلمہ بن دینار الاعرج ہے۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے کتاب الزہد میں از محمد بن عبدالاعلیٰ روایت کی ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من توکل" اس کا معنی ہے: "من تکفل" یعنی جو ضامن ہو گیا۔ اور توکیل کا اصل معنی ہے: کسی چیز پر اعتماد اور وثوق کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مابین رِجلیہ" یعنی اس کی دو ٹانگوں کے درمیان، اس سے مراد شرمگاہ ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ومابین لحییہ" یعنی اس کی زبان، اور ایک قول ہے: اس کا نطق اور کلام۔ اور لَحیَیہِ یہ ڈاڑھی اور دانتوں کے اگنے کی جگہ ہے، اور لِحیَیہِ میں لام کے نیچے زیر بھی جائز ہے۔ اور اس کو تثنیہ ذکر کیا کیونکہ ایک جبڑا اوپر ہوتا ہے اور ایک جبڑا نیچے ہوتا ہے۔ اور فرج اور زبان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا، کیونکہ انسان پر اکثر آزمائشیں ان دو عضووں کی وجہ سے آتی ہیں، سو جو شخص ان دو عضووں کے ضرر سے محفوظ رہا تو وہ عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (اور اگر اس سے کوئی تقصیر ہو گئی اور وہ اس پر تائب ہوا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ بھی عذاب سے محفوظ رہے گا)۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۰۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام عادل کا بیان

اس حدیث میں جن سات مردوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں رکھنے کی نوید سنائی ہے، ان میں پہلا مرد امام

عادل ہے۔

جو مرد دو افراد یا زیادہ کے درمیان فیصلہ کرے اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے تو وہ بھی امامِ عادل کا مصداق ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر شخص اپنی رعایا کا محافظ ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا، امام محافظ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی محافظہ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا اور خادم اپنے مالک کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا اور میں نے گمان کیا کہ آپ نے فرمایا: مرد اپنے باپ کے مال کا محافظ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا اور تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۸۹۳، صحیح مسلم: ۱۸۲۹، سنن ترمذی: ۱۷۰۵، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۸، مسند احمد: ۵۹۹۰)

امام مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدل سے فیصلہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے ممبروں پر ہوں گے جو رحمٰن عزوجل کی دائیں جانب ہوں گے اور رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے گھر والوں کے متعلق عدل سے فیصلے کریں گے اور اس سے روگردانی نہیں کریں گے۔

(صحیح مسلم: ۱۸۲۷، سنن نسائی: ۵۳۷۹، مسند احمد: ۱۵۰۲)

جوانی میں عبادت کرنے کی فضیلت

نیز اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے سائے میں جس دوسرے شخص کا بیان فرمایا ہے، یہ وہ نوجوان ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا۔

پس حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس جوان سے خوش ہوتا ہے جس میں بچپن کی خصلتیں نہ ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھا ہو، اس میں اس کی فضیلت ہے جو گناہوں سے بچتا رہا اور اپنی تمام عمر میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مشغول رہا۔

اور اس حدیث میں ان علماء کی فضیلت ہے جو کہتے ہیں کہ ملائکہ (عام) بنو آدم سے افضل ہیں، اس لئے کہ ملائکہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور تھکتے نہیں ہیں۔

تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے رونے کی فضیلت

اس حدیث میں تیسرے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوگا۔ اور اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ شخص تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے روتا ہے، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان اپنے اوقات میں سے کوئی وقت اس لئے مخصوص کر لے کہ اس وقت میں وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو اور اخلاصِ قلب کے ساتھ اللہ کو یاد کرے اور اس کی مغفرت کے حصول کے لیے گڑگڑائے، کیونکہ جب کوئی بے قرار شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور

وہ اپنی تنہائی کو صرف اپنی لذات کے ساتھ مخصوص نہ کرے جیسا کہ جانوروں کا فعل ہوتا ہے جو حساب و کتاب سے مامون ہیں۔ پس جو شخص حساب و کتاب سے مامون نہیں ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس سے اس کے کاموں کے متعلق پوچھا جائے گا تو وہ تنہائی میں اندر روئے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہرگز دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے رویا ہو حتیٰ کہ دودھ تھن میں واپس چلا جائے۔

اور ابوعمران نے ابوالجلد سے روایت کی ہے کہ میں نے پڑھا: حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا: اے اللہ! اس شخص کی کیا جزا ہوگی جو تیرے خوف سے رویا ہو حتیٰ کہ آنسو اس کے چہرے پر بہہ رہے ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کے چہرے کو آگ کے شعلوں سے مامون رکھوں گا اور جس دن لوگ سخت بے قرار ہوں گے اس دن اس کو امن میں رکھوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت سے لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے کی فضیلت

اس حدیث میں پانچویں نمبر پر ان دو شخصوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب سے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہیں۔
امام مالک نے کہا: اللہ تعالیٰ سے محبت کے سبب سے ملنا اور اللہ تعالیٰ کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے مخالفین سے بغض رکھنا یہ فرائض میں سے ہے۔

حضرت ابومسعود اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایمان کی گرہوں میں سے سب سے مضبوط گرہ ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو دو مرد اللہ کی محبت کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں، ان میں سے زیادہ افضل وہ ہوگا جو اپنے صاحب سے زیادہ شدید محبت رکھتا ہوگا۔

اور حضرت ابورزین نے روایت کی ہے کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابورزین! جب تم تنہا بیٹھو تو اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حرکت دو اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے محبت رکھو اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے بغض رکھو، کیونکہ مسلمان جب اپنے بھائی کی اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے زیارت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں، اے اللہ! یہ تیری وجہ سے لوگوں سے ملتا جلتا ہے تو اس سے ملاپ رکھ۔

اور اللہ کی وجہ سے محبت رکھنے والوں کی فضیلت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک جب اپنے بھائی کے لیے اس کی پشت کے پیچھے دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ اس حدیث کی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف کے سبب سے گناہ ترک کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں چھٹے نمبر پر بیان فرمایا ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے سائے میں ہوگا جس کو کسی اقتدار والی خوبصورت عورت نے اپنے نفس کی طرف گناہ کی دعوت دی تو اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، پس یہ وہ مرد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچایا اور اپنے فضل سے اس پر احسان فرمایا حتیٰ کہ وہ لوگوں کے غیاب میں خواہشِ نفس کو ترک کرتا ہے اور وہ شخص اس آیت کا مصداق ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النازعات: ۴۰)

اور رہا وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفسِ امارہ کو اس کی خواہش سے روکا ۝

نیز وہ اس آیت کا بھی مصداق ہے:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ (الرحمٰن:۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرتا ہو اس کے لیے دو جنتیں ہیں O

اور کعب احبار نے بیان کیا ہے کہ جنت میں ایک حویلی ہے، اس میں اوپر نیچے موتی ہیں، اور اس میں ستر ہزار محل ہیں، ہر محل میں ستر ہزار گھر ہیں اور ہر گھر میں ستر ہزار حجرے ہیں، اس حویلی میں صرف نبی کی رہائش ہوگی یا صدیق کی یا شہید کی یا اس کی جو اپنے نفس پر حاکم ہو یا امام عادل کی۔ سلمہ نے کہا: میں نے عبید سے پوچھا کہ اس کا کیا معنی ہے "جو اپنے نفس کا حاکم ہو؟" تو انہوں نے کہا: یہ وہ مرد ہے جس سے عورتوں یا مال کے متعلق حرام کام کو طلب کیا جائے اور اس پر پیش کیا جائے اور جب وہ اس پر کامیاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کو چھوڑ دے تو یہ وہ شخص ہے جو اپنے نفس پر حاکم ہے۔

خفیہ طریقہ سے صدقہ کرنے کی فضیلت

اس حدیث میں ساتویں نمبر پر اس شخص کو بیان فرمایا ہے جو صدقہ کرے تو اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔ اور اس کا مصداق یہ آیت ہے:

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (البقرہ:۲۷۱) اگر تم علانیہ صدقات دو تو وہ کیا ہی خوب ہے اور اگر تم ان کو مخفی رکھو اور فقراء کو دو تو وہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اور یہ (صدقہ کرنا) تمہارے کچھ گناہوں کو مٹا دے گا اور تمہارے سب کاموں کی اللہ خبر رکھنے والا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۱۔ بَابُ: اِثْمِ الزُّنَاةِ — زنا کرنے والوں کے گناہ کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: وَلَا یَزْنُوْنَ (الفرقان:۶۸) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور نہ وہ زنا کرتے ہیں"۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۳۲) "اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے O"

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں زنا کرنے والوں کے گناہ کا بیان ہے، اور "زناۃ" کا لفظ زانی کی جمع ہے جیسا کہ "عصاۃ" کا لفظ عاصی کی جمع ہے اور اس باب کے ساتھ متعلق ہے جس نے اس کام کا ارتکاب کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ اور جنگ کرنے میں داخل ہے الّا یہ کہ بندہ اس پر نادم ہو اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ وہ معاف فرما دے گا۔

امام بخاری نے الفرقان:۶۸ کی آیت کو ذکر کیا ہے: "وَلَا یَزْنُوْنَ" یہ پوری آیت اس طرح سے ہے:

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ (الفرقان:۶۸)

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O

الفرقان:۶۸ کی تفسیر از مصنف

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شانِ نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کچھ مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے، پھر وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: آپ ہمیں جس دین کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ بہت عمدہ ہے، کاش آپ ہمیں یہ بتادیں کہ ہم نے اس سے پہلے جو برے اعمال کیے ہیں ان کا کچھ کفارہ ہوسکتا ہے، تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ (جامع البیان:۲۰۱۲۲)

حضرت وحشی کے اسلام لانے کا واقعہ

حافظ سلیمان احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا: یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ مجھے اپنے دین کی کس طرح دعوت دے رہے ہیں حالانکہ آپ نے یہ کہا ہے کہ جس نے شرک کیا یا ناحق قتل کیا یا زنا کیا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا، قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ذلت کے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔ (الفرقان:۶۸۔۶۹)، اور میں یہ تمام کام کر چکا ہوں، کیا آپ میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿﴾ (الفرقان:۷۰)

سوا اس کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

وحشی نے کہا: یا محمد یہ بہت سخت شرط ہے، شاید میں اس توبہ پر قائم نہ رہ سکوں اور مجھ سے پھر کوئی گناہ ہو جائے، تب آپ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (النساء:۴۸)

بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

پھر وحشی نے کہا: یا محمد! اس میں فرمایا ہے "جس کے لیے اللہ چاہے گا" سو میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت ہو جائے گی یا نہیں، کیا اس کے سوا کوئی اور صورت ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام

الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۵۳﴾ (الزمر: ۵۳) گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

تب وحشی نے کہا: یہ وہی ہے جو میں چاہتا تھا، پھر وہ مسلمان ہو گئے۔ اور لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم سے وہ گناہ سرزد ہو جائیں جو وحشی سے سرزد ہوئے ہیں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ آیت تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۵۸، الحدیث: ۱۱۴۸۰، تاریخ دمشق الکبیر ج ۳۳ ص ۳۱۶، الحدیث: ۱۴۱۴۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۰۱، جامع البیان: ۲۰۱۳۹، تفسیر امام ابن ابی حاتم: ۱۵۴۱۷)

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ سب سے بڑا گناہ شرک کرنا ہے، اس کے بعد کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا ہے اور اس کے بعد بڑا گناہ زنا کرنا ہے۔

زنا کے گناہ کے بیان میں ایک اور حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی شریک قرار دے کر اس کی عبادت کرو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا، اس نے پوچھا: پھر کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کردو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا، اس نے پوچھا: پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، پھر اس کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے الفرقان: ۶۸ کو نازل فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۷۷۴۴، صحیح مسلم الحدیث: ۶۶، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۷۴۳، صحیح ابن حبان: ۴۴۱۵، مسند احمد ج ۱ ص ۴۳۴)

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ (بنی اسرائیل: ۳۲) اور زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک وہ بے حیائی ہے اور برا راستہ ہے O

زنا کے قریب نہ جانے کا محمل

اس آیت میں زنا کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے، زنا کے قریب جانے سے مراد یہ ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے، اس کو مس نہ کیا جائے، اس کو بوسا نہ دیا جائے۔ اور اگر مراد یہ ہوتا کہ نفسِ زنا نہ کرو تو اللہ تعالیٰ فرماتا: "ولا تزنوا" (تم زنا نہ کرو)، لیکن فرمایا: تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی ایسے کام نہ کرو جو زنا کا محرک اور اس کا سبب بنتے ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۶۔ ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۸۔ أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ شَبِيْبٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ أَخْبَرَنَا أَنَسٌ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيْثًا لَا يُحَدِّثُكُمُوْهُ أَحَدٌ بَعْدِي سَمِعْتُهُ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَإِمَّا قَالَ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ وَيَظْهَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں داؤد بن شبیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں تمہیں ضرور ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جس حدیث کو میرے بعد تم میں کوئی بھی بیان نہیں کرے

الْجَهْلُ وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ وَيَظْهَرَ الزِّنَا وَيَقِلَّ الرِّجَالُ وَيَكْثُرَ النِّسَاءُ حَتَّى يَكُونَ لِلْخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ۔

گا، میں نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت قائم نہیں ہوگی یا آپ نے فرمایا: قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کو اٹھا لیا جائے گا، جہل کا غلبہ ہوگا اور خمر پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا اور مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ ہوں گی حتیٰ کہ پچاس (۵۰) عورتوں کا ایک منتظم ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۸۰، ۸۱، ۵۲۳۱، ۵۵۷۷، ۶۸۰۸، صحیح مسلم: ۲۶۷۱، سنن ترمذی: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۵، مسند احمد: ۱۲۱۱۸، ۱۱۷۹۹)

صحیح البخاری: ۶۸۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "زنا کرنے والوں کا گناہ" اور اس حدیث میں بھی زنا کا ذکر ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ: "زنا کا ظہور ہوگا" یعنی زنا کرنا بہت مشہور ہو جائے گا حتیٰ کہ زانیوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو چھپایا نہیں جا سکے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے داؤد بن شبیب، شُبَیب عظیم کے وزن پر ہے اور یہ الباہلی ہیں، ان کی کنیت ابو سلیمان البصری ہے، یہ بہت سچے ہیں، یہ ابو حاتم کا قول ہے۔ امام بخاری نے کہا: یہ ۲۲۲ھ میں فوت ہو گئے تھے اور امام بخاری نے ان سے صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں تمہیں ایسی حدیث بیان کروں گا جس کو میرے بعد تمہیں کوئی اور نہیں بیان کرے گا"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بصرہ میں صحابہ میں سے باقی رہنے والوں میں سے آخری صحابی تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من اشراط الساعة" الاشراط کا معنی ہے: العلامات۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ویشرب الخمر" یعنی بر سرِ عام بغیر کسی روک ٹوک کے شراب پی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ پچاس عورتوں کے لیے قیم واحد ہوگا" قیم سے مراد ہے: جو شخص عورتوں کے معاملات کا انتظام کرے اور ان کی مصلحتوں کا اہتمام کرے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: بعض روایات میں چالیس عورتوں کا ذکر ہے اور ان میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ قلیل کا ذکر کثیر کی نفی نہیں کرتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۰۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ غَزْوَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن یوسف

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزْنِي الْعَبْدُ حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ كَيْفَ يُنْزَعُ الْإِيمَانُ مِنْهُ قَالَ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ أَخْرَجَهَا فَإِنْ تَابَ عَادَ إِلَيْهِ هٰكَذَا وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ۔

نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الفضیل بن غزوان نے خبر دی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو بندہ جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور جو بندہ جس وقت چوری کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور جو بندہ جس وقت شراب پیتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، اور جو بندہ جس وقت قتل کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیسے اس سے ایمان نکالا جائے گا؟ انہوں نے کہا: اس طرح اور اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور پھر ان کو نکال لیا، پھر اگر توبہ کرے تو ایمان اس کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا اور انہوں نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۵، ۵۵۷۸، ۶۷۷۲، ۶۸۱۰، صحیح مسلم: ۵۷، سنن ترمذی: ۲۶۲۵، سنن نسائی: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۶، مسند احمد: ۱۹ ۴۷ ۲، سنن دارمی: ۲۱۰۶)

صحیح البخاری: ۶۸۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے جملہ کے پہلے جزو میں ہے جس میں یہ ارشاد ہے: ''جو بندہ جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن یوسف، یہ الواسطی ہیں جو اُزرق کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الفضیل، یہ فضل کی تصغیر ہے، یہ ابن غزوان ہیں۔

یہ حدیث کتاب الحدود کے شروع میں گزر چکی ہے، وہاں اس میں لوٹ مار کا ذکر تھا اور یہاں اس کے اخیر میں یہ مذکور ہے کہ جو بندہ جس وقت قتل کرتا ہے وہ مومن نہیں ہوتا، اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

بندہ کے دل سے ایمان نکلنے کی تمثیل

عکرمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیسے ایمان نکالا جائے گا؟ انہوں نے کہا: اس طرح اور اپنی

انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور پھران کو نکال لیا، پھر اگر توبہ کرے تو ایمان اس کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا اور انہوں نے اپنی انگلیاں، انگلیوں میں ڈالیں۔ یعنی عکرمہ نے اسی سند کے ساتھ یہ سوال کیا کہ بندے کا ایمان کیسے نکالا جائے گا، یعنی جب بندہ ان امورِ مذکورہ میں سے کسی امر کا ارتکاب کرے گا زنا کا، چوری کا، شراب نوشی کا اور قتلِ ناحق کا، پھر انہوں نے کہا: پس اگر وہ توبہ کرے یعنی ان امور کا مرتکب جب توبہ کرلے گا تو ایمان اس کی طرف لوٹ آئے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَالتَّوْبَةُ مَعْرُوضَةٌ بَعْدُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ذکوان از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، اور شراب پینے والا جس وقت شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، اور اس کے بعد بھی توبہ کی جاسکتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۷۵، ۵۵۷۸، ۶۷۷۲، ۶۸۱۰، صحیح مسلم: ۵۷، سنن ترمذی: ۲۶۲۵، سنن نسائی: ۵۶۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۸۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۳۶، مسند احمد: ۲۱۹۴۷، سنن دارمی: ۲۱۰۶)

صحیح البخاری: ۶۸۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے ''جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں آدم کا ذکر ہے، یہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، یہ سلیمان الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ذکوان کا ذکر ہے، وہ ابوصالح الزیات ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے باب القطع میں روایت کی ہے اور ان دونوں نے اس حدیث کی روایت محمد بن المثنیٰ سے کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''والتوبة معروضة بعد'' یعنی ان کاموں کے کرنے کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۱۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْصُورٌ وَسُلَيْمَانُ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مِنْ أَجْلِ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ قَالَ يَحْيَى وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنِي وَاصِلٌ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ مِثْلَهُ قَالَ عَمْرٌو فَذَكَرْتُهُ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَكَانَ حَدَّثَنَا عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ وَمَنْصُورٍ وَوَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ قَالَ دَعْهُ دَعْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے منصور اور سلیمان نے حدیث بیان کی از ابی وائل از ابی میسرہ از حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے لیے شریک قرار دو حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو قتل کرو اس خوف سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا۔ میں نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔
یحییٰ نے کہا: اور ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے واصل نے حدیث بیان کی از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ!۔۔۔ اسی حدیث کی مثل۔

عمرو نے کہا: میں نے اس حدیث کا عبدالرحمٰن سے ذکر کیا اور انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی تھی از سفیان از الاعمش اور منصور اور واصل از ابووائل از ابی میسرہ، انہوں نے کہا: اس کو چھوڑو، اس کو چھوڑو۔

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۲۰)

صحیح البخاری: ۶۸۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ ''اور سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے اور وہ الفلاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان

ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں منصور کا ذکر ہے، وہ ابن المعتمر ہیں۔اور سلیمان کا ذکر ہے، وہ ابن مہران الاعمش ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابووائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور ابومیسرہ کا ذکر ہے، وہ عمرو بن شرحبیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ای الذنب اعظم" یعنی کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟۔ اکثرین کی روایت اسی طرح ہے، اور عاصم نے از ابووائل از عبداللہ روایت کی ہے کہ "کونسا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا ہے"۔ اور ابوعبیدہ بن معن کی از الاعمش روایت ہے کہ "گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟" اور امام احمد کے نزدیک روایت اس طرح ہے "کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟" اور حسین بن عبداللہ کی از وائل روایت ہے کہ "کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ کون سا ہے؟"

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "تم اپنے بیٹے کو اس لیے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا"۔ اس حدیث میں کھانے کا ذکر کیا ہے، اس لیے کہ عربوں کے نزدیک غالب حال یہی ہے۔

پڑوسی کی بیوی سے زنا کو زیادہ بڑا گناہ قرار دینے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "حليلة جارك" یعنی پڑوسی کی بیوی اور مرد کو حلیل کہا جاتا ہے اور اس کی بیوی کو حلیلۃ کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کے اوپر حلال ہے۔ اور پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے، اگرچہ ہر ایک کے ساتھ زنا کرنا بڑا گناہ ہے، اس لیے کہ پڑوسی اپنے پڑوسی ہونے کی وجہ سے عزت، حرمت اور حق کا بہت زیادہ مستحق ہے جب کہ دوسروں کو وہ حق حاصل نہیں ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کا پڑوسی اس کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ نہ ہو۔

اس حدیث کی دوسری متابعت میں مذکور ہے کہ "واصل نے از ابووائل از ابومیسرہ یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے کہا: چھوڑو، اس کو چھوڑو"۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابووائل نے اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت احادیث روایت کی ہیں مگر یہ حدیث ان سے روایت نہیں کی۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس سند پر طعن کیسے درست ہے حالانکہ یہ روایت بہ کثرت راویوں سے ثابت ہے۔ پھر اس کا یہ جواب دیا کہ انہوں نے اس پر طعن نہیں کیا، لیکن ان کا ارادہ یہ ہے کہ اس سند کو ترجیح دی جائے جس میں ابووائل اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ نہیں ہے، کیونکہ اکثر احادیث اسی طرح ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۴۸۔۴۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

زنا کی مذمت میں احادیث

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اے لوگو! زنا سے بچو، کیونکہ اس میں چھ خصلتیں ہیں، تین دنیا میں ہیں اور تین آخرت میں ہیں۔ جو تین خصلتیں دنیا میں ہیں وہ یہ ہیں کہ زنا کرنے سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے (چہرہ بدنما ہو جاتا ہے اور اس پر پھٹکار برسنے لگتی ہے) اور زنا کرنے والا تنگدست ہو جاتا ہے اور اس کی عمر کم ہو جاتی ہے، اور جو تین خصلتیں آخرت میں ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ

تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے سخت حساب لیتا ہے اور اس کو دوزخ میں عذاب دیتا ہے۔(سنن بیہقی ج ۴ ص ۵۴۷۵) .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (لطف سے) کلام نہیں فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور نہ ان کی طرف (رحمت سے) نظر فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: بوڑھا زانی، بہت جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔(صحیح مسلم: ۱۰۷، الرقم المسلسل: ۱۹۷، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸۰، سنن نسائی: ج ۵ ص ۸۶)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مردوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے: بوڑھا زانی، متکبر فقیر اور غنی ظالم۔(سنن ترمذی: ۲۵۶۸، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم اس وقت جمع ہو کر بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چند احادیث بیان کیں یہاں تک کہ فرمایا: تم لوگ ماں باپ کی نافرمانی کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے سنائی دیتی ہے اور اللہ کی قسم! ماں باپ کا نافرمان جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اور نہ رحم کے رشتہ کو قطع کرنے والا اور نہ بوڑھا زانی اور نہ وہ جو تکبر سے اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے گھسیٹتا ہے، بڑائی صرف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۵)

امام احمد سند حسن کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت ہمیشہ خیر پر رہے گی جب تک کہ ان میں زنا عام نہ ہو، پس جب ان میں زنا عام ہوگا تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیجے۔(مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳، مسند ابویعلی ج ۱۳، الحدیث: ۷۰۹۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۷)

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جبڑوں کے درمیان کے شر سے محفوظ رکھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دو ٹانگوں کے درمیان کے شر سے محفوظ رکھا، اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دے گا۔(سنن ترمذی: ۲۴۰۹)

لواطت کی مذمت میں قرآن مجید کی آیات

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُونَ ﴿۱۶۶﴾ (الشعراء: ۱۶۵۔۱۶۶)	کیا تم جہان والوں میں سے مردوں کے پاس آتے ہو○ اور تمہارے رب نے تمہارے لیے تمہاری بیویوں میں جو چیز پیدا کی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہو، بلکہ تم لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہو○

نیز حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا:

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۵۴﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۵۵﴾ (النمل: ۵۴۔۵۵)	اور لوط (کو یاد کیجئے جب انہوں) نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم دیکھنے کے باوجود بے حیائی کرتے ہو!○ کیا تم نفسانی خواہش پوری کرنے کے لیے ضرور عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو○

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَۙ (الانبیاء: ۷۴)

اور ہم نے لوط کو حکم (نبوت) اور علم عطا فرمایا اور ان کو اس شہر سے نجات دی جس کے لوگ بے حیائی کے کام کرتے تھے، بے شک وہ نافرمانی کرنے والے بدترین لوگ تھے O

لواطت کی مذمت میں احادیث

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنی امت پر جس گناہ کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ قومِ لوط کا عمل ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۴۵۷، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۳، المستدرک ج ۴ ص ۳۵۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جس شخص کو قومِ لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دو۔ (سنن ترمذی: ۱۴۵۶، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۹)

امام ترمذی فرماتے ہیں: اسی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن ابی عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ جو شخص قومِ لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے اور جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے وہ بھی ملعون ہے۔ (سنن ترمذی ص ۶۱۲، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

نیز امام ترمذی لکھتے ہیں: اہلِ علم کا لوطی کی حد میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔ اور فقہاءِ تابعین میں سے بعض اہلِ علم جن میں حسن بصری، ابراہیم النخعی اور عطاء بن ابی رباح ہیں، انہوں نے کہا: لوطی کی وہی حد ہے جو زانی کی حد ہے اور یہ سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ کا قول ہے۔ (سنن ترمذی ص ۶۱۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۳ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل اس مرد کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا جو کسی مرد سے بدفعلی کرتا ہے یا عورت سے اس کی دبر میں کرتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۶۵)

نیز امام ترمذی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے ان کی دبر میں خواہش پوری نہ کرو۔ (سنن ترمذی: ۱۱۶۶)

۲۲- بَابُ: رَجْمِ الْمُحْصَنِ

شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا بیان

وَقَالَ الْحَسَنُ: مَنْ زَنٰی بِأُخْتِهِ حَدُّهُ حَدُّ الزَّانِي۔

حسن نے کہا: جس نے اپنی بہن کے ساتھ زنا کیا، اس کی وہ حد ہے جو زانی کی حد ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں محصن کو رجم کرنے کے حکم کو بیان کیا گیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے اپنی شرح میں اس باب سے پہلے "کتاب الرجم" لکھا ہے، پھر اس کے بعد لکھا ہے "باب الرجم" اور صحیح البخاری کی روایاتِ معتمدہ میں اس طرح نہیں ہے۔

المُحصَن میں صاد پر زبر ہے اور یہ الاحصان سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، لغت میں اس کا معنی ہے: منع کرنا۔ اور اس کو المحُصِن صاد کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کے صیغہ پر بھی پڑھا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے: جس شخص نے نکاح کر کے اپنے نفس کو بے حیائی کے کام سے منع کر دیا۔ اور المُحصِن اسم فاعل کا صیغہ قیاس کے مطابق ہے، اور المحصَن اسم مفعول کا صیغہ خلاف قیاس ہے، اور اس کا معنی ہوگا: جس شخص کو اس کے نکاح کرنے کی وجہ سے بے حیائی کے کام سے روکا گیا ہو۔

ہمارے اصحابِ احناف نے کہا ہے: اِحصان کی وجہ سے رجم (سنگسار) کرنے کی سات شرائط ہیں:

(۱) حُرِیّت (۲) عقل (۳) بلوغت (۴) اسلام (۵) الوطی (۶) نکاح صحیح کے ساتھ وطی (۷) نکاحِ صحیح کے ساتھ دخول ہو۔ یہ سات شرائط پائی جائیں تو وہ مرد مُحصِن ہوتا ہے۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اسلام شرط نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یہودیوں کو بھی رجم کیا۔

ہم کہتے ہیں: آپ نے رجم کا یہ حکم تورات کے حکم سے دیا تھا، اس سے پہلے کوڑے مارنے کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی، یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ابتداءً داخل ہوئے تھے، پھر جب کوڑے مارنے کی آیت نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ نکاحِ فاسد اور نکاح بالشبہ سے اگر کوئی شخص وطی کرے تو وہ محصن نہیں ہوتا، اور ابوثور نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ مُحصِن ہو جاتا ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی آزاد مرد کسی باندی سے نکاح کرے تو کیا وہ باندی اس مرد کو محصن بنا دے گی؟ اکثر نے کہا: ہاں۔ اور عطاء، حسن بصری اور قتادہ اور ثوری اور فقہاء احناف اور امام احمد اور اسحاق نے کہا: نہیں۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی مسلمان مرد کتابیہ (یعنی یہودی یا عیسائی عورت) سے نکاح کرلے تو ابراہیم نخعی، طاؤس اور شعبی نے کہا: وہ اس کو مُحصِن نہیں بنائے گی۔ اور حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ اس کو مُحصِن نہیں بنائے گی حتیٰ کہ وہ حالتِ اسلام میں اس سے وطی کرے۔ اور جابر بن زید اور ابن المسیّب سے مروی ہے کہ وہ اس کو محصن بنا دے گی اور یہی عطاء اور سعید بن جبیر کا قول ہے۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے: ''اور حسن نے کہا: جس نے اپنی بہن سے زنا کیا تو اس کی وہی حد ہے جو زانی کی حد ہے''۔ یعنی حسن بصری نے کہا۔ امام بخاری نے کہا: ''زانی کی حد'' یعنی زنا کی حد کی مثل ہے اور وہ کوڑے ہیں اور امام ابن ابی شیبہ نے حفص بن غیاث سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا جو حسن بصری کہتے تھے کہ جس شخص نے کسی مَحرَم سے نکاح کیا حالانکہ اسے علم تھا تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس پر حد ہوگی اور یہ جابر بن زید سے بھی مروی ہے۔ اور ابوالشعثاء التابعی مشہور ہیں، انہوں نے کہا: جو شخص کسی مَحرَم سے وطی کرے تو اس کی گردن ماری جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

محارم کے ساتھ زنا کی سزا کا بیان

امام ابوبکر بن ابی شیبہ از حفص از عمر روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے پوچھا کہ جو شخص اپنی کسی مَحرم کے ساتھ زنا کرلے اور اس کو علم ہو کہ وہ اس کی مَحرم ہے تو اس کی کیا سزا ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس پر حد جاری کی جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۴۴)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری اپنے ماموں کے ساتھ ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ جھنڈا تھا، میں نے ان سے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا، مجھے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے یا مجھے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا ہے۔

(سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۴۴، الحدیث: ۲۸۸۵۸)

امام دارقطنی معاویہ بن قرۃ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ایک ایسے مرد کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کرلی تھی، آپ نے حکم دیا کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ (سننِ دارقطنی ج ۳ ص ۲۰۰)

اور امام ابنِ ماجہ نے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کا مال ضبط کرلیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۸)

اور امام طحاوی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اس کے مال میں سے خُمس بیت المال میں داخل کیا جائے۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۵۰)

اور امام ابنِ ابی شیبہ نے از جابر بن زید روایت کی ہے کہ جو شخص اپنی مَحرم کے ساتھ زنا کرے تو اس کی گردن ماردی جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۴۴، الحدیث: ۲۸۸۵۵)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مرد مَحرم کے ساتھ زنا کرے اس کو قتل کردو۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۴)

امام طحاوی نے کہا: یہ حدیث ابراہیم بن اسماعیل پر موقوف ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔

(شرح مشکل الآثار ج ۹ ص ۴۴۰-۴۳۹)

امام ابوبکر بن شیبہ نے از بکر روایت کی ہے کہ حجاج کے پاس ایک ایسے مرد کو لایا گیا جس نے اپنی بہن کے ساتھ زنا کیا تھا، تو انہوں نے کہا: مجھے پتا نہیں چل رہا کہ میں اسے کون سے قتل کے ساتھ قتل کروں اور اس کو وہم تھا کہ اس کو سولی دی جائے تو عبداللہ بن مطرف اور ابو بردہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس امت پر پردہ رکھا ہے، تم اس کو قتل کردو۔ تو حجاج نے کہا: تم دونوں نے سچ کہا، پھر حجاج کے حکم سے اس کو قتل کردیا گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۵ ص ۵۴۴، الحدیث: ۲۸۸۵۹)

ابنِ قانع نے اس حدیث کا ذکر کیا اور بیان کیا کہ حجاج کے پاس ایک نابینا مرد کو لایا گیا جس نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا اور وہاں پر عبداللہ بن مطرف بن الشخیر اور ابو بردہ تھے، ان میں سے ایک نے حجاج سے کہا کہ اس کی گردن اڑادو، تو انہوں نے اس کی گردن اڑادی۔ (معجم الصحابہ ج ۲ ص ۱۰۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۴۸-۱۵۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

محارِم کے ساتھ نکاح کرنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کے موقف کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات اور توجیہات

علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے محارِم (یعنی جس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے) کے ساتھ نکاح کیا، پھر اس عورت سے وطی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں ہے، لیکن اس کو تعزیر دی جائے گی جب کہ اس کو اس کی حرمت کا علم ہو، اور امام ابویوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے کہا: اس پر حد واجب ہے جب کہ اس کو اس کی حرمت کا علم ہو، کیونکہ یہ ایسا عقد ہے جو اپنے محل میں نہیں ہوا، پس یہ عقد لغو ہوگا۔ اور تصرف کا محل وہ ہوتا ہے جس کا حکم حلال ہو اور یہ عورت محرمات میں سے ہے اور اس سے وطی کرنا حرام ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسا عقد ہے جو اپنے محل میں واقع ہوا، کیونکہ تصرف کا محل وہ ہے جو مقصود کو قبول کرے اور تمام عورتیں بنو آدم کی بیٹیاں ہیں جو توالد یعنی بچہ پیدا کرنے کے قابل ہیں اور نکاح سے یہی مقصود ہے۔ پس چاہیے کہ یہ نکاح تمام احکام کے حق میں منعقد ہو جائے مگر چونکہ شریعت نے محارم کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے تو اس کے حلال ہونے میں شبہ ہو گیا اور اس نے ایک جرم کا ارتکاب کیا ہے جس میں کوئی حد مقدر نہیں ہے، لہٰذا اس کو تعزیر دی جائے گی۔

(ہدایہ اولین ج ۲ ص ۵۰۷، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس عورت نے بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، تو اس کا نکاح باطل ہے، پس اگر اس نے اس کے ساتھ دخول کر لیا تو وہ عورت مہر کی مستحق ہے کیونکہ اس کی فرج کے ساتھ حلال کا معاملہ کیا گیا ہے''۔

پس جب کہ اس کے نکاح کے باطل ہونے کا حکم فرمایا ہے، اس کے باوجود اس سے حد کو ساقط کر دیا، یہ اس کی دلیل ہے کہ صورتِ مذکورہ میں عقد کرنا حد کو ساقط کرنے والا ہے، اگرچہ یہ عقد شرعاً باطل ہے۔ (المبسوط جز ۹ ص ۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک اصل یہ ہے کہ نکاح جب اس کے اہل سے پایا جائے اور اس کی نسبت ایسے محل کی طرف ہو جو نکاح کے مقاصد کو قبول کرنے والا ہو تو پھر وہ نکاح حد کے وجوب کو منع کرتا ہے خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام ہو، خواہ اس نکاح کی تحریم مختلف فیہ ہو یا مجمع علیہ ہو، اور خواہ نکاح کرنے والے نے اس نکاح کے حلال ہونے کا گمان کیا ہو اور اشتباہ کا دعویٰ کیا ہو یا اس کو اس نکاح کے حرام ہونے کا علم ہو۔

اور امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اصل یہ ہے کہ جب نکاح دائماً حرام ہو یا اس نکاح کی تحریم اجماعی ہو تو اس نکاح کے کرنے سے حد واجب ہوگی۔ اور اگر اس نکاح کی تحریم دائمی نہ ہو یا اس نکاح کی تحریم مختلف فیہ ہو تو پھر حد واجب نہیں ہے۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نکاح کی اضافت غیر محل کی طرف کی گئی ہے، پس یہ لغو ہوگا۔ اور غیر محل کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا محل وہ عورت ہے جس سے نکاح کرنا حلال ہے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ۔ (النساء: ۲۴) اور ان (محرمات) کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ۔ (النساء:۲۳) تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں۔

سوا اس صورت کے کہ نکاح کرنے والا اشتباہ کا دعویٰ کرے اور یہ کہے کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ میرے لیے یہ نکاح حلال ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ لفظِ نکاح اپنے اہل سے صادر ہوا اور اس کی نسبت اپنے محل کی طرف ہے، پس وہ حد کے وجوب سے مانع ہے جیسا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کیا جائے اور جیسا کہ نکاح المتعۃ ہو اور اس کی مثل۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لفظِ نکاح کا اور اس کی اہلیت کا وجود ہے اور اس کے محل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ نکاح کا محل یہ ہے کہ وہ عورت ہو جو سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں میں سے ہو، اور نصوص اور عقلی دلائل اس پر شاہد ہیں۔ نصوص یہ ہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ (النساء:۳) تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں، ان سے نکاح کرو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا۔ (الروم:۲۱) اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے لیے خاص جوڑے پیدا کئے تا کہ تم کو ان سے سکون حاصل ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ (النجم:۴۵) اور یہ کہ اسی نے نر اور مادہ کے دو جوڑے پیدا کیے O

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عورتوں کو علی العموم والاطلاق نکاح کا اور زوجیت کا محل قرار دیا ہے۔

(میں کہتا ہوں: مذکور الصدر آیات سے عورتوں کو بر سبیلِ عموم والاطلاق نکاح اور زوجیت کا محل قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید کی دوسری آیات میں ماؤں اور بیٹیوں اور دیگر محرمات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے ان آیات کو ان عورتوں پر محمول کیا جائے گا جو محرمات کے علاوہ ہوں۔ سعیدی غفرلہٗ)

رہے عقلی دلائل تو وہ یہ ہیں کہ عورتیں سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں سے ہیں اور وہ ایسا محل ہیں جو نکاح کے مقاصد کی صلاحیت رکھتا ہے کہ ان سے سکون حاصل ہو اور اولاد حاصل ہو اور ان کے سبب سے انسان پاک دامن رہے، اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں۔ پس عورتیں نکاح کے حکم کا محل ہیں اور تصرف کا حکم مقصود میں تصرف کا وسیلہ ہیں، پس اگر مقصود کے محل کو وسیلہ کا محل نہ قرار دیا جائے تو توسل کا معنی ثابت نہیں ہوگا، مگر شریعت نے محرمات کو شرعاً نکاح کا محل ہونے سے نکال دیا باوجود اس کے کہ وہ حقیقۃً نکاح کا محل ہیں، پس محرمات کے ساتھ نکاح میں عقد کی صورت اور محل ہونے کی صورت شبہ پیدا کرتی ہے، یا ہم یہ کہتے ہیں کہ نکاح کا رکن اور اہلیت اور محلیت پائی گئی مگر یہ کہ نکاح کی صحت کی شرط یہاں نہیں پائی گئی (یعنی غیر محرمات کے ساتھ نکاح ہونا)، پس محرمات سے نکاح کرنا، نکاحِ فاسد ہے اور نکاحِ فاسد میں وطی بالا جماع زنا نہیں ہوتی، اس بناء پر کہا جائے گا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کر کے کسی نے وطی کی تو یہ زنا نہیں ہے، پس اس کے اوپر زنا کی حد واجب نہیں ہوگی جیسا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کیا جائے اور پھر وطی کی جائے

تو اس میں زنا کی حد واجب نہیں ہوتی، اسی طرح باقی فاسد نکاحوں کا حکم ہے۔

(بدائع الصنائع جز ۹ ص ۱۹۰۔ ۱۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ، لکھتے ہیں:

علامہ ابن ہمام نے پہلے تو اس مسئلہ میں صاحب ہدایہ کی عبارت لکھی، پھر اس کے بعد یہ لکھا:

محارم کے مسئلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے گی اور امام احمد اور اسحاق اور اہل الظاہر سے بھی یہی منقول ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے گی اور اس کا مال ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا، کیونکہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میری اپنے ماموں سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ ایک جھنڈا تھا، میں نے ان سے پوچھا: آپ کہاں جارہے ہیں؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے، مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال ضبط کر دوں۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۵۷، سنن ترمذی: ۱۳۶۲، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۰۹، سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۷، صحیح ابن حبان: ۴۱۱۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۹۱، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۸۰۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۱۰۴، سنن سعید بن منصور: ۹۴۲، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۹۶، شرح السنہ للبغوی: ۲۵۹۲، مسند احمد: ج ۴ ص ۲۹۵، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۱۶۲)

یہ تمام روایات از عدی بن ثابت از یزید بن البراء عن ابیہ ہیں۔

نیز امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے محارم میں سے کسی کے ساتھ وطی کرے تو اس کو قتل کر دو۔

(سنن ترمذی: ۱۴۶۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۴، المستدرک: ج ۴ ص ۳۵۶، سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۱۲۶، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۳۷، مسند احمد: ج ۱ ص ۳۰۰)

یہ تمام روایات از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہیں۔

امام ابوحنیفہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ ان روایات کا محمل یہ ہے کہ جو اس عقد کو حلال قرار دے کر نکاح کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ وہ اس عقد کو حلال قرار دینے سے مرتد ہو گیا۔ نیز اس لئے کہ زنا کی حد یہ نہیں ہے کہ گردن ماردی جائے اور اس کا مال ضبط کر لیا جائے بلکہ یہ سزا کفر کو لازم ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے:

حضرت معاویہ بن قرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دادا معاویہ کو ایک مرد کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی عورت سے شادی کر لی تھی کہ وہ اس کی گردن ماردیں اور اس کے مال میں سے پانچویں حصہ کو ضبط کر لیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۸، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۰۸)

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جس نے مَحرم کے ساتھ عقدِ نکاح کیا اس نے مَحرم کے ساتھ عقدِ نکاح کو حلال کر لیا، اس وجہ سے وہ مرتد ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دو امروں میں سے ایک امر لازم ہے، اگر اس نے محرمات کو حلال قرار دے کر ان سے نکاح کیا تو وہ مرتد ہو گیا اور مرتد پر حد نہیں ہوتی اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے محرمات سے نکاح کو حرام جانتے ہوئے ان سے نکاح کیا اور وطی کی تو یہ

زنا تو نہیں ہے لیکن اس کو شدید تعزیر دی جائے گی اور تعزیر میں قتل کرنا جائز ہے۔
(فتح القدیر ج ۵ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷ ملخصاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

محارم کے ساتھ نکاح کی بحث میں حرفِ آخر

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی محارم کے ساتھ نکاح کیا تو امام ابو یوسف، امام محمد اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس پر زنا کی حد جاری ہوگی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کی گردن ماردی جائے گی اور ان کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کو ان کے ماموں ملے جن کے ساتھ جھنڈا تھا، انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کی طرف بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کیا ہے، مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کو قتل کروں یا اس کی گردن ماردوں۔ (سنن نسائی ج ٦ ص ۱۰۹، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۸۵۸)

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس شخص نے محارم کے ساتھ نکاح کیا اور وطی کی اس پر حد نہیں ہے، کیونکہ یہ نکاحِ فاسد ہے اور نکاحِ فاسد میں وطی کرنے سے حد لازم نہیں ہوتی۔ اور اگر اس نے محارم کے ساتھ نکاح کو حلال جان کر نکاح کیا تو پھر وہ کافر ہو گیا اور کافر پر حد نہیں ہوتی اور کفر اور ارتداد کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے گا، جیسا کہ باحوالہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ جس نے باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی زنا کی حد نہیں ہے، کیونکہ زنا کی حد یا کوڑے مارنا ہے یا سنگسار کرنا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص نے محارم کے ساتھ نکاح نہیں کیا اور خالصۃً زنا کیا تو اس پر زنا کی حد جاری ہوگی جیسا کہ امام بخاری نے حسن بصری سے روایت کی ہے کہ جس نے اپنی بہن کے ساتھ زنا کیا اس پر زنا کی حد جاری ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

٦٨١٢۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يُحَدِّثُ عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنهُ حِينَ رَجَمَ الْمَرْأَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ قَدْ رَجَمْتُهَا بِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم۔

(مسند احمد: ۷۱۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن کُہَیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے شعبی سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت علی رضی اللہ عنہ، جب انہوں نے ایک عورت کو جمعہ کے دن رجم کیا اور فرمایا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔

صحیح البخاری: ٦٨١٢، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "مُحصِن یعنی شادی شدہ کو رجم کرنا" اور

اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو جمعہ کے دن رجم کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے آدم، اور وہ ابن ابی ایاس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلمہ بن کُھَیل، کُھَیل کھل کی تصغیر ہے، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعبی، یہ عامر بن شرحبیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی، اور وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کی امام نسائی نے کتاب الرجم میں روایت کی ہے۔ اور اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعرات کے دن شراحة کو کوڑے مارے اور جمعہ کے دن اس کو رجم کیا، تو ان سے کہا گیا کہ آپ نے دو حدوں کو جمع کر دیا ہے، تو انہوں نے کہا: میں نے کتاب اللہ پر عمل کر کے اسے کوڑے مارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کر کے اس کو رجم کیا۔

شراحة کا نام شراحة بنت مالك ہے۔ اور الحازمی نے کہا: اس کا نام شَذاحة ہے۔

شعبی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کا منقطع ہونا

اس حدیث کی سند میں شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ائمہ نے شعبی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں کیا۔ امام الدارقطنی سے پوچھا گیا: کیا شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک حرف کا سماع کیا تھا اس سے زیادہ نہیں کیا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بخاری نے کتاب الحیض میں لکھا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے، پھر حیض کے متعلق اثرِ صحیح کا ذکر کیا ہے۔ شارحین نے کہا: جب امام بخاری کوئی ایسا اثر ذکر کریں جو تمریض کے صیغہ سے ہو تو وہ امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں ہوتا۔ اور اگر ہم ان کی بات مان لیں تو شعبی کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے، کیونکہ امام بخاری نے اس اثر کو صیغہ تمریض سے روایت کیا ہے اور اس میں اس کے سوا اور کوئی علت نہیں ہے کہ یہ شعبی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: گویا کہ امام بخاری کے نزدیک شعبی کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح نہیں ہے سوائے اس حدیث کے جیسا کہ امام دارقطنی نے ذکر کیا ہے، کیونکہ امام بخاری اس حدیث کی سند مسند یعنی متصل لائے ہیں اور وہ جو کتاب الحیض میں مذکور ہے اس میں امام بخاری کے نزدیک شعبی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع صحیح نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس کو صیغۂ تمریض سے روایت کیا ہے۔

کوڑوں اور رجم کو جمع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اور فقہاء کی ایک جماعت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے اس پر استدلال کیا ہے: کوڑے لگانے اور رجم کرنے کو جمع کرنا جائز ہے اور الحازمی نے کہا ہے: یہ امام احمد، اسحاق، داؤد اور ابن المنذر کا قول ہے۔ اور جمہور نے کہا: ان کو جمع نہیں کیا جائے گا اور یہ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا کہ ان کو جمع کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ زانی شادی شدہ اور بوڑھا ہو نہ کہ جوان اور شادی شدہ ہو اور انہوں نے کہا کہ یہ قول باطل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۱۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۱۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کوڑوں اور رجم کو جمع کرنے کی تحقیق

علی بن الجعد نے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ میں نے اس عورت کو کتاب اللہ سے کوڑے لگائے۔ اور اسماعیل بن سالم نے اس حدیث کی اول میں شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: آپ نے دو حدوں کو جمع کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر کیا۔ اور امام عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ میں نے اس کو قرآن سے کوڑے مارے اور سنت سے اس کو رجم کیا۔

امام احمد، اسحاق، داؤد اور ابن المنذر نے کہا ہے کہ جو زانی شادی شدہ ہو، اس کو کوڑے لگائے جائیں اور پھر رجم کیا جائے، اور جمہور نے کہا ہے اور وہ امام احمد سے دوسری روایت ہے کہ ان دو حدوں کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور انہوں نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہے یعنی جس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ شادی شدہ، شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور رجم کرو۔ اور اگر کنوارا، کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور شہر بدر کرو۔ اور اس حکم کا ناسخ وہ ہے جو حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کیا اور کوڑے نہیں مارے۔

امام شافعی نے کہا ہے: سنت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کنوارے کو کوڑے مارنا ثابت ہے اور شادی شدہ سے کوڑے مارنا ساقط ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا قصہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد کا ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس حکم کی ناسخ ہے جو پہلے مشروع ہوا تھا کہ زانی کو گھروں میں قید کیا جائے، پھر گھروں میں قید کرنے کا حکم کوڑے مارنے سے منسوخ ہو گیا اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا اضافہ کیا گیا، اور اس کی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصریح ہے، پھر کوڑے مارنے کو شادی شدہ کے حق میں منسوخ کیا گیا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں رجم پر اقتصار کیا گیا ہے اور یہ الغامدیہ اور الجہنیہ اور یہودیوں کے قصہ میں بھی مذکور ہے، اور ان میں کوڑے مارنے کو رجم کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: بعض ائمہ نے امام شافعی سے معارضہ کیا ہے، انہوں نے کہا: کوڑے مارنے کا حکم کتاب اللہ میں ثابت ہے اور رجم کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اور ان دونوں کو جمع کرنا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حکم پر عمل کیا ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ اور حضرت ماعز اور الغامدیہ اور الجہنیہ اور یہودیوں کے قصہ میں صرف رجم کا ذکر ہے اور کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہے، لیکن ان حدیثوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جس کو رجم کیا گیا اس کو کوڑے مارنے کا حکم ساقط ہو گیا ہے، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ راوی نے کوڑے مارنے کے ذکر کو اس لیے ترک کر دیا کہ یہ حکم واضح تھا اور اس لیے کہ کوڑے مارنا اصل میں ثابت ہے، پس اس حدیث میں جو صراحت سے ثابت ہے کہ کوڑے مارنے اور رجم کو جمع کیا گیا وہ صرف احتمال سے ساقط نہیں ہوگا۔

اور امام شافعی نے اس کی نظیر سے استدلال کیا ہے، جب امام شافعی سے یہ معارضہ کیا گیا کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے حج کرے تو آپ نے اس کو حج کرنے کا حکم دیا اور عمرے کا ذکر نہیں کیا، اور عمرے کا ذکر نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باپ کی طرف سے عمرہ نہیں کیا جا سکتا، تو امام شافعی نے یہ جواب دیا کہ اس سے سکوت کرنا اس کے

سقوط پر دلالت نہیں کرتا تو اسی طرح مناسب یہ ہے کہ حضرت ماعز اسلمی وغیرہ کے قصہ میں جو آپ نے سکوت فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کوڑے مارنے کا حکم ساقط ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اسی دلیل سے امام طحاوی نے بھی امام شافعی پر الزام قائم کیا ہے، لیکن وہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ بعض دوسری حدیثوں میں مذکور ہے: ''تم اپنے باپ کی طرف سے حج کرو اور عمرہ کرو'' جیسا کہ کتاب الحج میں گزر چکا ہے، پس بعض راویوں کی طرف سے عمرہ کے ذکر کو ترک کرنا ان کی تقصیر ہے، اور رہا حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کا قصہ، پس وہ متعدد اور مختلف اسانید کے ساتھ مروی ہے اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارے گئے، اسی طرح الغامدیہ اور الجہنیہ وغیرہما کے قصہ میں بھی صرف رجم کا ذکر ہے اور کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ میں آپ کا ارشاد ہے: ''ان کو لے جاؤ اور ان کو رجم کردو'' اسی طرح دوسروں کے حق میں بھی ارشاد ہے اور اس میں کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہے، پس کوڑے مارنے کا ذکر نہ کرنا اس پر دلیل ہے کہ کوڑے نہیں مارے گئے اور کوڑوں کا نہ مارے جانا ان کے عدمِ وجوب پر دلیل ہے۔

اور بعض عجیب وغریب مذاہب وہ ہیں جن کی علامہ ابن المنذر اور شیخ ابن حزم نے از ابی بن کعب روایت کی ہے، مسروق سے روایت ہے کہ کوڑے مارنے اور رجم کو جمع کرنا بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے ساتھ خاص ہے، اور رہا جوان تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اگر وہ شادی شدہ نہ ہو تو، اور اس کو رجم کیا جائے گا اگر وہ فقط شادی شدہ ہو، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب دونوں زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کردو یقینی طور پر جیسا کہ اس کا بیان اس حدیث میں آئے گا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''باب رجم الحبلیٰ من الزنا'' میں۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے: محدثین میں سے ایک فرقہ کا یہ شاذ قول ہے کہ اگر بوڑھا شادی شدہ زنا کرے تو اس کو کوڑے بھی لگائے جائیں اور رجم بھی کیا جائے اور جوان پر ان کو جمع نہ کیا جائے، اس قول کی کوئی اصل نہیں ہے اور علامہ نووی نے کہا ہے: یہ مذہب باطل ہے۔ اور یہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو رجم کردو، اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا، اور بعض معتزلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۷۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۱۳۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ سَأَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى هَلْ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ قَبْلَ سُورَةِ النُّورِ أَمْ بَعْدُ قَالَ لَا أَدْرِي۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۲، مسند احمد: ۱۸۶۴۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از الشیبانی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، میں نے پوچھا: سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے یا بعد، انہوں نے کہا: مجھے پتا نہیں۔

صحیح البخاری: ۶۸۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب مذکور کا عنوان محصن کو رجم کرنے کے متعلق ہے اور اس حدیث میں بھی رجم کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسحاق کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ الکلاباذی نے کہا: یہ ابن شاہین الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ الطحان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الشیبانی کا ذکر ہے، یہ سلیمان بن ابی سلیمان ہیں اور ان کا نام فیروز ہے اور یہ اپنی کنیت ابواسحاق شیبانی سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، ان کا نام علقمہ الاسلمی ہے، یہ بیعت الرضوان کے موقع پر حاضر تھے۔

سورۃ النور کے نازل ہونے کے بعد رجم کرنے پر دلیل

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از ابی کامل اور از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے۔ اس حدیث میں سورۃ النور کا ذکر ہے، اس سے مراد سورۃ النور کی یہ آیت ہے: ''اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ'' (النور: ۲)۔

کیا یہ حدیث اس آیت کے حکم کے لیے ناسخ ہے یا نہیں؟ اور اس پر دلیل قائم ہے کہ رجم کرنے کا واقعہ سورۃ النور کے بعد ہوا کیونکہ سورۃ النور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانے کے قصہ میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ چار ہجری کا ہے یا پانچ ہجری کا ہے یا چھ ہجری کا ہے۔ اور رجم اس کے بعد ہوا ہے کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر تھے اور وہ سات ہجری میں اسلام لائے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۱۔ ۴۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ أَتَى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَحَدَّثَهُ أَنَّهُ قَدْ زَنَى فَشَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرُجِمَ وَكَانَ قَدْ أُحْصِنَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم میں سے ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے یہ بیان کیا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے اپنے نفس کے اوپر چار مرتبہ گواہی دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو اس کو رجم کیا گیا اور وہ محصن یعنی شادی شدہ تھا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۱۶۸، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

صحیح البخاری: ۶۸۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں ایک شادی شدہ مرد کو رجم کرنے کا ذکر ہے اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن مقاتل، یہ المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ان کے شیخ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابنِ یزید ہیں۔

امام مسلم نے اس حدیث کی کتاب الحدود میں از اسحاق بن ابراہیم روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی کتاب الحدود میں از محمد بن المتوکل روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کتاب الحدود میں از الحسن بن علی روایت کی ہے۔ اور امام نسائی نے کتاب الجنائز میں اس حدیث کی از محمد بن یحییٰ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ایک مرد" اور وہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مِن اسلم" یعنی بنو اسلم سے اور یہ قبیلہ مشہورہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وشهد علی نفسه" یعنی حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس پر زنا کرنے کا چار مرتبہ اقرار کیا۔

قاضی کے سامنے زنا کا چار مرتبہ اقرار کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: چار مرتبہ اعتراف کرنا چار مختلف مجالس میں ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اقرار کرنے والا قاضی سے غائب ہو جائے حتیٰ کہ قاضی اس کو نہ دیکھے، پھر دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر آئے اور پھر اقرار کرے جیسا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، پس اگر اس نے ایک مجلس میں ہزار مرتبہ بھی اقرار کیا تو وہ ایک اعتراف قرار دیا جائے گا۔

اور ابنِ ابی لیلیٰ، امام احمد، اسحاق، الثوری، الحسن بن یحییٰ اور الحکم بن عُتیبہ نے کہا ہے: اس پر واجب ہے کہ وہ ایک مجلس میں چار مرتبہ اعتراف کرے۔

اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس کا ایک مرتبہ اعتراف کرنا کافی ہے۔ اور اس باب کی حدیث ان سب کے خلاف حجت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وكان قد احصن" یعنی وہ شادی شدہ تھے، لہٰذا وہ مُحصِن تھے۔ اور احصَنَ کو صیغہ معلوم و مجہول

دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۲ ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رجم کے ثبوت میں دلائل

رجم سنتِ ثابتہ سے ثابت ہے اور خلفاء راشدین کے فعل سے اور ان کے بعد کے صحابہ کے اجماع سے اور ائمہ اہلِ علم کے اتفاق سے، ان میں سے ثوری ہیں، اہلِ عراق کی جماعت ہے، امام مالک اہلِ مدینہ میں ہیں، اور الاوزاعی اہلِ شام میں ہیں، اور امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور ہیں۔ (امام ابوحنیفہ بھی رجم کے قائل ہیں لیکن علامہ ابنِ ملقن شافعی نے عناداً امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا)۔

اللہ جل جلالہٗ ارشاد فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں ان کی (اطاعت کرو)۔

نیز اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کرلی۔

پس اللہ سبحانہٗ نے اپنی مخلوق کے اوپر اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے اور احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کرنے کا حکم دیا اور آپ نے رجم کیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے رجم کیا ہے اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی رجم کیا۔

پس رجم کرنا ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تقریر کی ہے اور خوارج اور معتزلہ جو رجم کا انکار کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ رجم کا ذکر اللہ کی کتاب میں نہیں ہے اور جب ان پر کتاب کی اتباع کرنا لازم ہے تو سنت کی اتباع کرنا بھی ان پر لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ (الحشر: ۷)

اور رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو۔

پس اس شخص کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جس کا قول سنت کے اور صحابہ کے اجماع کے خلاف ہو اور ائمہ امت کے اتفاق کے خلاف ہو، لہٰذا اس کے خلاف کو شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی طرف التفات کیا جائے گا۔ اور رجم کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ (النور: ۸)

اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہوسکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے۔

جیسا کہ اللہ کے رسول نے بیان کیا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت میں ''العذاب'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس عذاب سے مراد حد ہے یعنی رجم۔اور بعض مفسرین نے کہا: اس سے مراد حبس اور قید ہے۔

(تفسیر طبری: ۷۱۹۵۴، جز ۱۲ ص ۱۱۲۔۱۱۱، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ میرے علم میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔اسی طرح رجم کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ فرمادیں، تو اس کا مخالف کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اس نے سچ کہا ہے، ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ فرمادیں، اعرابی نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا، سو مجھے لوگوں نے بتایا کہ تمہارے بیٹے کو رجم کیا جائے گا، تو میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک باندی فدیہ میں دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے درمیان ضرور کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا، رہی باندی اور بکریاں تو وہ تم کو واپس دی جائیں گی اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا۔اور آپ نے ایک مرد سے فرمایا: اے اُنیس! تم صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، پس صبح کو حضرت انیس رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے اس کی بیوی کو رجم کر دیا۔(صحیح البخاری: ۲۳۱۴ میں مذکور ہے کہ اگر وہ عورت اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو۔)

(صحیح البخاری: ۲۶۹۵، ۲۶۹۶، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے: اے لوگو! رجم کرنا برحق ہے تم اس سے بے قراری نہ کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔اور عنقریب اس امت میں ایک قوم ہوگی جو رجم کی تکذیب کرے گی اور دجال کی اور مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کا انکار کرے گی اور عذابِ قبر کا اور شفاعت کا انکار کرے گی، اور اس کا انکار کرے گی کہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال دیا جائے گا جب کہ وہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ج۱ ص ۱۸۲، الحدیث: ۲۲۶)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۵۳۔۱۵۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر)

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (المائدہ: ۴۳)

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں، اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ ''تورات میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے'' اس حکم سے مراد رجم کرنے کا حکم ہے۔

(جامع البیان جز۶ ص ۳۳۷، الحدیث: ۹۳۸۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

تورات میں ہر چند کہ بہت زیادہ تحریفات کی گئی ہیں اور کئی ایسی آیات کو نکال دیا گیا ہے جو قرآن مجید کی تصدیق کرتی ہیں، اس کے باوجود یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ موجودہ تورات میں بھی رجم کرنے کی آیت موجود ہے اور وہ یہ ہے:

''اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں، لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی، اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا، یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ○''۔

(الاستثناء، باب: ۲۲، آیت: ۲۵، کتاب مقدس ص ۱۸۷)

''پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے ○ تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائیں، کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا، یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا ○''۔ (الاستثناء، باب: ۲۲، آیت: ۲۱، کتاب مقدس ص ۱۸۷)

''اگر کوئی مرد کسی شوہر والی عورت سے زنا کرتے ہوئے پکڑا جائے تو وہ دونوں مار ڈالے جائیں یعنی وہ مرد بھی جس نے اس عورت سے صحبت کی اور وہ عورت بھی، یوں تو اسرائیل میں سے ایسی برائی کو دفع کرنا ○''

(الاستثناء، باب: ۲۲، آیت: ۲۲، کتاب مقدس ص ۱۸۷)

ہماری کتب حدیث میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے کہ تورات میں رجم کا حکم ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت دونوں نے زنا کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم تورات میں رجم کے متعلق کیا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے لگاتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کا حکم ہے، پھر وہ تورات کو لائے، اس کو کھولا تو ان میں سے ایک یہودی نے اپنا ہاتھ رجم کی آیت پر رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھا، تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت تھی، یہودیوں نے کہا: اے محمد! آپ نے سچ کہا، اس میں رجم کی آیت ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا، پس میں نے دیکھا کہ وہ مرد اس عورت کی ڈھال بن رہا تھا اور اس سے پتھروں کو دور کر رہا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۱، ۷۵۴۳، ۵۶۳۳، صحیح مسلم: ۱۶۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۶، مسند احمد: ۴۴۸۴، موطأ امام مالک: ۱۵۵۱، سنن دارمی: ۲۳۲۱)

رجم کی احادیث متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث ترپن (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلم اور مستند جلیل القدر محدثین نے اپنی تصانیف میں متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے، ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں، چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتاویٰ تابعین ہیں جن کو کبار محدثین نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے، یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث

ہیں، ہم نے جن اعداد وشمار کا ذکر کیا ہے یہ ان کتب احادیث سے حاصل کئے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود اور دستیاب ہیں، ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس میں نہیں ہیں، اس لئے حتمی اور قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ، مرسلہ اور آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین موجود ہیں، بہر حال ہم نے جو اعداد وشمار تتبع اور تلاش سے حاصل کئے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے، وہ معنیً متواتر ہیں۔

ہم نے جن احادیث، آثار اور فتاویٰ تابعین کا ذکر کیا ہے ان کے حوالہ جات کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۱۶۔ ۸۰۴ میں مذکور ہے، تطویل سے اجتناب کرتے ہوئے ہم نے اس تفصیل کا یہاں ذکر نہیں کیا۔ قارئین کرام اس بحث کو شرح صحیح مسلم میں ملاحظہ فرمالیں۔

۲۳۔ بَابٌ: لَا يُرْجَمُ الْمَجْنُونُ وَالْمَجْنُونَةُ

دیوانے مرد اور دیوانی عورت کو رجم نہ کرنے کا بیان

وَقَالَ عَلِیٌّ لِعُمَرَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يُدْرِكَ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یہ علم نہیں کہ قلم تکلیف دیوانہ سے اٹھالیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے، اور بچے سے اٹھالیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ بالغ ہوجائے اور سوئے ہوئے شخص سے اٹھالیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ دیوانے مرد اور دیوانی عورت کو رجم نہیں کیا جائے گا اور یہ حکم اس وقت ہے جب اس نے حالتِ جنون میں زنا کیا ہو، اور اس پر اجماع ہے لیکن جب اس نے تندرستی کی حالت میں زنا کیا پھر بعد میں اس پر جنون طاری ہوا تو کیا اس کے رجم کرنے کو اس کے تندرست ہونے تک مؤخر کیا جائے گا؟ جمہور نے کہا: کیونکہ رجم سے اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے، اس کے برخلاف کوڑے لگانے کا حکم ہے، کیونکہ اس حکم سے اس کو درد پہنچانے کا ارادہ کیا جاتا ہے، پس اس کو مؤخر کر دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے خطاب کا ذکر ہے، اور اس تعلیق کی امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بنو فلاں کی ایک دیوانی عورت کے پاس سے گزرے جس نے زنا کیا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس حکم کو مسترد کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخصوں سے قلم تکلیف کو اٹھالیا گیا ہے: مجنون سے جس کی عقل مغلوب ہو، اور سوئے ہوئے شخص سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے،

اور بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ فرمایا اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔

(السنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۳۲۴۔ ۳۲۳، سنن ابوداؤد: ۴۳۹۹، المستدرک ج ۱ ص ۲۵۸)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۲۔ ۴۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى رَدَّدَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ أَبِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از ابی سلمہ اور سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مرد آیا اور اس وقت آپ مسجد میں تھے، اس مرد نے آپ کو نداء کی پس کہا: یا رسول اللہ! بے شک میں نے زنا کیا، آپ نے اس سے اعراض کیا، حتیٰ کہ چار مرتبہ اس کو رد کر دیا، پس جب اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہی دی تو نبی ﷺ نے اس کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ، پس اس کو رجم کر دو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن داری: ۲۳۱۵)

۶۸۱۶۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ فَكُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ هَرَبَ فَأَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ

ابن شہاب نے کہا: مجھے اس نے خبر دی جس نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے سماع کیا کہ میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ان کو رجم کیا تھا، پس ہم نے ان کو عیدگاہ میں رجم کیا، پس جب ان کو پتھر لگے تو وہ بھاگے، ہم نے ان کو الحرۃ (سیاہ پتھریلی زمین) میں پکڑ لیا، پس ہم نے ان کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن داری: ۲۳۱۵)

صحیح البخاری: ۶۸۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "کیا تم کو جنون ہے؟" کیونکہ اس کا

مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر زنا کا اقرار کرنے والا مجنون ہوتو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث کے رجال کا ئی مرتبہ ذکر کیا جاچکا ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از عبدالملک بن شعیب روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الرجم میں از محمد بن عبداللہ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اتی رجل" یعنی ایک مرد آیا۔ اور شعیب بن لیث کی روایت میں مذکور ہے "مسلمانوں میں سے ایک مرد آیا"۔ اور ابن مسافر کی روایت میں مذکور ہے "لوگوں میں سے ایک مرد آیا"۔ اور یونس اور معمر کی روایت میں مذکور ہے کہ "بنو اسلم سے ایک مرد آیا" اور صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "میں نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔۔۔ الحدیث"۔ اور اس میں مذکور ہے کہ وہ ایک چھوٹے قد کے مرد تھے، اور ان کی پنڈلی کے باطن کے اوپر والے حصہ میں گوشت کی گٹھلیاں تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابك جنون؟" اور شعیب نے از عاصم الطلاق میں روایت کی ہے "هل بك جنون؟" قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: اس سوال کا فائدہ یہ ہے تا کہ ان کے حال کا تتبع کیا جائے، کیونکہ کسی عقل مند آدمی سے یہ بعید ہے کہ وہ ایسی چیز کا سوال کرے جس سے اس کی ہلاکت ہو، یا اس لیے سوال کیا شاید کہ وہ رجوع کر لیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بالمصلیٰ" اس میدان میں نمازِ جنازہ پڑھی جاتی تھی اور یہ بقیع الغرقد میں تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۴ ۴۔ ۴۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۱۵۔ ۶۸۱۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس کو رجم کیا جارہا ہے، اگر وہ رجم کے دوران بھاگے تو اس پر رجم کو مکمل کیا جائے گا یا نہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو پتھروں سے چوٹ لگی اور درد ہوا تو وہ بے قرار ہو کر بھاگے"۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت رجم کو ترک کر دیا جائے گا جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، عنقریب تم اس کو جان لو گے اور امام احمد کا بھی مذہب ہے۔ اور فقہاء احناف کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے کہا: اگر وہ بھاگا اور لوگوں نے اس کو فوراً پکڑ لیا تو اس پر بقیہ حد پوری کی جائے گی اور اگر انہوں نے اس کو کئی دنوں کے بعد پکڑا تو اس پر بقیہ حد نہیں مکمل کی جائے گی۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا" اس حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور وہ درج ذیل ہے:

نعیم بن ہزال اپنے والد حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ میرے

باپ کی گود میں یتیمی میں پرورش پا رہے تھے، انہوں نے قبیلہ کی ایک لڑکی سے زنا کیا تو ان سے میرے والد یعنی حضرت ہزال رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اور ان کو اس کام کی خبر دیں جو آپ نے کیا ہے شاید کہ وہ آپ کے لیے استغفار کریں، اور ان کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ شاید حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے کوئی اس مصیبت سے نکلنے کی جگہ ہو، پس وہ آپ کے پاس آئے، پس کہا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کر دیجئے، آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر دوبارہ وہ لوٹ کر آئے اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کر دیجئے، پس آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر وہ دوبارہ آئے اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کر دیجئے، حتیٰ کہ انہوں نے یہ بات چار مرتبہ کہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تم نے چار مرتبہ یہ کہا ہے، تم نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے، انہوں نے بتایا کہ فلاں لڑکی کے ساتھ، آپ نے پوچھا: کیا تم نے اس کو لپٹایا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے پوچھا: کیا تم نے ان سے مباشرت کی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، آپ نے پوچھا: کیا تم نے ان سے جماع کیا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، حضرت ہزال رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ نے پھر ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، پھر ان کو الحرۃ کی طرف لے جایا گیا، جب ان پر پتھر مارے گئے تو انہوں نے پتھروں کا درد محسوس کیا، پس وہ بے قرار ہوئے، پس وہ نکل کر بھاگنے لگے، پس حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ ان کو ملے اور ان کے اصحاب انہیں پکڑنے سے عاجز آ گئے، حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی ایک ہڈی لے کر ان کو ماری اور ان کو قتل کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، شاید کہ وہ توبہ کرتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۱۹، صحیح البخاری: ۶۸۲۶، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے: اس پر ایک دن کے بعد اور کئی دنوں کے بعد اور سالوں کے بعد حد قائم کی جائے گی، اس لیے کہ جس کے اوپر حد واجب ہے دنوں اور راتوں کے گزرنے سے اس کی حد ساقط نہیں ہوتی۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کو ساقط کرتے ہیں، ان کی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''پس تم نے اس کو کیوں نہ چھوڑ دیا'' کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے حد کو ساقط کرنے کا ارادہ نہیں کیا، جیسا کہ امام ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ اس حدیث کو جاننے والا ہوں، میں ان صحابہ میں تھا جنہوں نے ان کو رجم کیا تھا، بے شک جب ہم نے ان کو رجم کیا اور انہوں نے پتھروں کے لگنے کا درد محسوس کیا تو وہ چلائے ''اے میری قوم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤ، بے شک میری قوم نے مجھے قتل کر دیا اور مجھے میری جان سے دھوکہ میں رکھا اور مجھے یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قتل کرنے والے نہیں ہیں، سو ہم نے ان کو نہیں چھوڑا حتیٰ کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئے تو ہم نے آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم نے اس مرد کو کیوں نہ چھوڑ دیا اور اس کو میرے پاس کیوں نہ لے کر آئے'' تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے استغفار فرماتے۔ رہا یہ کہ آپ حد کو چھوڑ دیتے تو ایسا نہیں ہے''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۰)

اگر زنا کرنے والا زنا کے اقرار کے بعد اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کا رجوع قبول کیا جائے گا یا نہیں؟

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے زنا کا اقرار کیا، پھر اس نے اپنے اقرار سے رجوع کر لیا تو فقہاء کی ایک

جماعت نے کہا ہے: اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور اس پر حد نہیں لگائی جائے گی، یہ عطاء، زہری، ثوری اور فقہاء کوفہ کا قول ہے اور امام شافعی کا، امام احمد کا اور امام اسحاق کا مذہب ہے۔ اور امام مالک کے اقوال مختلف ہیں: القعنبی نے ان سے حکایت کی ہے کہ جب اس نے زنا کا اعتراف کیا اور پھر رجوع کر لیا اور یہ کہا: میں نے تو اس طرح اور اس طرح کیا تھا، تو امام مالک نے کہا: اس کا یہ رجوع قبول کیا جائے گا اور اس پر حد نہیں قائم کی جائے گی۔ اور اشہب مالکی نے کہا: اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اگر وہ اس پر کوئی عذر پیش کرے ورنہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ابن عبد الحکم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جب اس نے ہوش مندی کی حالت میں زنا کا اعتراف کیا پھر رجوع کیا تو اس کے رجوع کو قبول نہیں کیا جائے گا، یہ اشہب سے منقول ہے اور اہل الظاہر سے منقول ہے۔

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس کے رجوع کو قبول نہیں کیا جائے گا، ان میں ابن ابی لیلیٰ اور حسن بصری ہیں اور امام شافعی نے جو کہا ہے کہ اس کا رجوع قبول کیا جائے گا، انہوں نے سنن ابوداؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے "تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا" (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۰)۔ اور شارع علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ شاید تم نے ان کو بوسا دیا ہو یا ان سے چھیڑ خانی کی ہو، پس شارع علیہ السلام ان کو تلقین کرتے رہے اور ان کے اعتراف کے بعد بھی ان پر رجوع کو پیش کرتے رہے، پس اگر وہ کہتے کہ ہاں میں نے بوسا دیا تھا یا ان کو چھیڑا تھا تو ان سے رجم کی حد ساقط ہو جاتی ورنہ ان پر اس کے پیش کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کو ایک فائدہ کے لیے تلقین کی تھی اور وہ رجوع کرنا تھا۔

اور دوسرے فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ حد گواہوں سے یا اقرار سے لازم ہوتی ہے اور یہ بات مقرر ہے کہ اگر حد گواہوں سے لازم ہو تو اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا، اسی طرح اگر اقرار سے لازم ہو تب بھی اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ "تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا" تو ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا ہو اور اگر ان کے بھاگنے کی وجہ سے ان سے حد ساقط ہو جاتی تو پھر لازم آتا کہ وہ خطاءً مقتول ہوئے، اور اگر وہ خطاءً مقتول ہوتے تو ان کے قاتلین کے اوپر دیت لازم آتی، لیکن جب کہ ان کے قاتلین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت لازم نہیں کی اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے زنا نہیں کیا تھا تو اس سے ثابت ہو گیا کہ ان کا دوران حد بھاگنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ ان سے حد کو چھوڑ دیا جائے۔ علامہ ابن المنذر نے کہا: یہی قول صحت اور صواب کے مشابہ ہے۔

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی مغفرت کی متعلق مختلف روایات

بعض احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھی:

امام بخاری حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے زنا کا اعتراف کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو عید گاہ میں رجم کیا گیا۔ پھر جب ان کو پتھر لگنے سے درد ہوا تو وہ بھاگے، پس ان کو پکڑ لیا گیا اور رجم کیا گیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کلمات خیر فرمائے اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور یونس اور ابن جریج نے از زہری یہ نہیں کہا کہ آپ نے ان کی

نمازِ جنازہ پڑھی۔

امام ابوعبداللہ بخاری سے سوال کیا گیا کہ یہ روایت کہ "آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی" صحیح ہے کہ نہیں؟ تو انہوں نے کہا: اس کی معمر نے روایت کی ہے، ان سے پوچھا گیا کہ معمر کے علاوہ اور کسی نے نمازِ جنازہ پڑھنے کی روایت کی ہے؟ تو امام بخاری نے کہا: نہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

اور بعض احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ امام بیہقی نے کہا کہ حدیث کے یہ الفاظ کہ "آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی" خطاء ہے، کیونکہ امام عبدالرزاق کے اصحاب کا اس کے خلاف پر اجماع ہے، پھر زہری کے اصحاب کا بھی اس کے خلاف پر اجماع ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار ج ۱۲ ص ۳۰۲)

اور امام بخاری کے علاوہ دوسروں نے کہا: اس حدیث میں اضطراب ہے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ان کے لیے استغفار کیا اور نہ ان کو برا کہا، اور اس حدیث میں ہے کہ ہم نے ان کے لیے گڑھا کھودا تھا۔
(صحیح مسلم: ۱۶۹۴)

اور امام ابوداؤد نے کہا کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۱)

اور امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے استغفار کیا اور اس کے آخر میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو پوری میری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ ان سب کے لیے کافی ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵)

نیز امام مسلم اور امام ابوداؤد نے الغامدیہ کے متعلق روایت کی ہے کہ ان کو رجم کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ (صحیح مسلم: ۱۶۹۵، الرقم المسلسل: ۴۳۲۳، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۲)

خلاصہ یہ ہے کہ جس کو رجم کیا جائے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

اور حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کے متعلق امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ ان کو خبیث نہ کہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۳۵)

اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے صاحب کی طرف نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کر دی اور ان کو جنت میں داخل کر دیا۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۷۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۶۳۔ ۱۵۸ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۱۵۔ ۶۸۱۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے چند اہم فوائد

(۱) جس شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو جائے، اس کے لیے اپنا پردہ رکھنے اور تنہائی میں توبہ کرنے کا استحباب

اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جس شخص سے زنا کا فعل سرزد ہو جائے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور اپنے نفس پر پردہ رکھے اور اس واقعہ کا کسی سے ذکر نہ کرے جیسا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر یہ اشارہ کیا تھا۔

امام مالک اور امام نسائی نے یحییٰ بن سعید الانصاری سے روایت کی ہے از سعید کہ ایک مرد نے جو قبیلہ اسلم سے تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دوسرے شخص نے زنا کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے پردہ سے پردہ پوشی کرو، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، انہوں نے بھی اسی طرح کہا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے تین مرتبہ ان سے اعراض کیا، حتیٰ کہ جب انہوں نے زیادہ بار کہا تو آپ نے ان کو ان کے گھر والوں کی طرف بھیجا۔

اور جو شخص اس فعل پر مطلع ہو جائے، وہ بھی اس کا ستر کرے اور اس کو رسوا نہ کرے اور اس کے معاملہ کو امام کی طرف نہ لے جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصہ میں حضرت ہزال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر تم اپنے کپڑے سے اس کا ستر کر لیتے تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوتا''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۷۷) نیز امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے اپنے زنا کا اعتراف کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر پردہ رکھا تھا، کاش! تم بھی اپنے اوپر پردہ رکھتے''۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۶۸)

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے، پس انہوں نے کہا: جس آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہ پر پردہ رکھے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے نفس کے اوپر پردہ رکھے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور انہوں نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا جو قصہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا، اس سے استدلال کیا ہے۔

(۲) جس شخص نے علانیہ اور ظاہراً بدکاری کی ہو، اس کے معاملہ کا قاضی کے پاس پیش کرنے کا استحباب

علامہ ابن العربی المالکی متوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے: یہ استحباب اس صورت میں ہے جب اس نے علانیہ زنا نہ کیا ہو، پس جب کہ وہ بے حیائی کے کام کو علانیہ کرنے والا ہو تو میں اس کو مستحب قرار دیتا ہوں کہ اس کا کشف کیا جائے اور اس کے معاملہ کو کھول دیا جائے تا کہ وہ اور دوسرے لوگ عبرت پکڑیں۔

اور ستر کے استحباب پر یہ اشکال ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی تحسین کی گئی اور غامدیہ کی بھی تحسین کی گئی (انہوں نے اپنے زنا کرنے کے قصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا تھا)۔ ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ غامدیہ کا حمل ظاہر ہو گیا تھا، حالانکہ ان کا نکاح نہیں ہوا تھا، پس ان کا زنا پر پردہ رکھنا مشکل اور دشوار تھا کیونکہ بغیر نکاح کے ان کے حمل کی وجہ سے ان کی بے حیائی ظاہر ہو گئی۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے یہ قید لگائی ہے کہ پردہ رکھنے کو اس وقت ترجیح دی جائے گی جب وہاں پر ایسا قرینہ نہ ہو جو اس کی ضد کی خبر دیتا ہو اور اگر ایسا قرینہ پایا جائے تو پھر اس مقدمہ کو امام کی طرف لے جانا افضل ہے تا کہ وہ

اس پر حد قائم کرے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اور جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ پردہ رکھنا مستحب ہے اور قاضی کے پاس یہ معاملہ پیش کرنا تاکہ تطہیر میں مبالغہ ہو جائے یہ زیادہ مستحب ہے اور حقیقت علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

(۳) جو شخص زنا کا اعتراف کرے اس کو تلقین کرنے کا استحباب

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنے اوپر حد جاری کرنے کے لیے زنا کا اعتراف کرے اس کو تلقین کرنی چاہیے اور یہ سمجھانا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے زنا کے معنی میں خطاء کی ہو یا اس نے لپٹایا ہو یا بغل گیر ہوا ہو یا صرف بوسا دیا ہو اور اس کو زنا سمجھا ہو۔

(۴) امام کے سامنے بے حیائی کے فعل کے اقرار کرنے کا استحباب

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ امام کے سامنے اور مسجد میں کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ اگر اس نے کوئی بے حیائی کا کام کیا ہے تو وہ اس کا اقرار کرلے اور جن الفاظ کا کنایۃً ذکر کیا جاتا ہے اور ان کا صراحۃً تلفظ کرنے سے حیاء کی جاتی ہے، ان کو صراحت کے ساتھ بیان کرے۔

(۵) امام کے سامنے جب کوئی شخص زنا کا اعتراف کرے تو امام کے اس سے تفتیش کرنے کا بیان

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ کسی بڑی شخصیت کو نداء کرنا جائز ہے اور جو شخص کسی ایسے کام کا اقرار کرے جس میں حد کے قائم کرنے کا احتمال ہو تو امام اس سے اعراض کرے اور اس سے سوال کرے تاکہ تحقیق سے واضح ہو جائے کہ آیا اس نے یہ جرم کیا ہے یا نہیں۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجنون کا اقرار کرنا لغو ہے اور اقرار کرنے والے کو رجوع کی پیش کش کرنی چاہیے اور جب وہ رجوع کرلے تو اس کے رجوع کو قبول کر لیا جائے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: امام مالک سے یہ روایت ہے کہ اس کے رجوع کا کوئی اثر نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس کی زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

(۶) جس شخص سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو اس کے نادم ہونے اور توبہ کرنے کا بیان

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جس سے کوئی معصیت ہو جائے تو وہ اس پر نادم ہو اور توبہ کی طرف جلدی کرے اور کسی کو اس کی خبر نہ دے اور اپنی معصیت پر پردہ رکھے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ رکھا ہے۔ اور اگر اتفاق سے وہ کسی کو اپنی معصیت کی خبر دے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کو توبہ کرنے کا حکم دے اور اس کے معاملہ کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے جیسا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا۔

(۷) چار مرتبہ اقرار کرنے کے دلائل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو لے جاؤ اور رجم کردو۔ اور چار مرتبہ اقرار کو اس پر قیاس کیا جاتا ہے کہ زنا میں چار گواہ ہونے ضروری ہیں۔ اور یہ فقہاء احناف کا قول ہے اور

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔

(۸) چار مرتبہ اقرار کے لیے مجالس کے متعدد ہونے میں فقہاء کے مذاہب

آیا چار مرتبہ اقرار الگ الگ مجلس میں کیے جائیں یا ایک مجلس میں بھی چار مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے؟ اور ظاہر یہ ہے کہ مجالس متعدد ہوں اور اقرار کے عدد سے مجالس کا ہونا ضروری نہیں ہے اور اکثر احادیث میں یہ ہے کہ اس نے دو مرتبہ اقرار کیا ہے، پھر اگلے دن وہ آیا اور پھر اس نے دو مرتبہ اقرار کیا جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کا بیان ہے۔ اور جمہور فقہاء نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے اور ہو سکتا ہے اس میں زیادہ ثبوت کے حصول کے لیے ایسا کیا گیا ہو۔

(۹) الغامدیہ اور مزدور کے قصہ میں دوبارہ سوال نہ کرنے کی توجیہ

اور صحیح مسلم میں الغامدیہ کے قصہ میں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا: مجھے پاک کر دیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، تم واپس جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو، تو اس نے کہا: کیا آپ مجھے اس طرح لوٹانا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے ماعز (رضی اللہ عنہ) کو لوٹایا تھا اور وہ زنا سے حاملہ ہو چکی ہیں، تو آپ نے غامدیہ پر حد لگانے کو اس لیے موخر کیا کہ وہ حاملہ تھیں، اور جب ان کا حمل وضع ہو گیا تو آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا اور پھر ان سے دوبارہ سوال نہیں کیا۔ اور ان کے اقرار کی تکرار اور تعددِ مجالس کا بھی اعتبار نہیں کیا۔ اسی طرح مزدور کے قصہ میں ہے جب آپ نے فرمایا: اے اُنیس! صبح کو اس عورت کے پاس جاؤ، اگر وہ اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا، اس حدیث میں ہے کہ وہ صبح کو اس عورت کے پاس گئے، اس نے اعتراف کیا تو انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔ اور اس حدیث میں بھی اعتراف کے تعدد کا ذکر نہیں ہے اور نہ مجالس کے تعدد کا ذکر ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ مزدور اور غامدیہ کے قصہ میں اقرار اور مجالس کے تعدد کا ذکر نہ ہونا اس کے عدمِ وقوع پر دلالت نہیں کرتا، پس جب یہ ثابت ہو کہ یہ عدد شرط ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس پر سکوت اس وجہ سے ہو کہ ماموراکا علم ہے۔ اور رہا غامدیہ کا یہ کہنا کہ کیا آپ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ آپ مجھے اس طرح واپس کر دیں جس طرح آپ نے ماعز کو واپس کیا تھا، تو اس کا علامہ طیبی نے یہ جواب دیا ہے کہ غامدیہ زنا سے حاملہ تھیں اور ان کا حال ماعز کے حال کے مغایر تھا، اگرچہ وہ دونوں زنا کے فعل میں شریک تھے لیکن علت جامعہ نہیں ہے کیونکہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ رجوع کرنے پر قادر تھے اور غامدیہ رجوع کرنے پر قادر نہیں تھیں کیونکہ وہ حاملہ ہو چکی تھیں۔

(۱۰) رجم کے وقت مرجوم کے لیے گڑھا کھودنے کے متعلق مذاہب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو رجم کیا گیا تو ان کے لیے گڑھا نہیں کھودا گیا بلکہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ تصریح ہے کہ ہم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے لیے نہ گڑھا کھودا اور نہ ان کو باندھا، لیکن صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم نے ان کے لیے گڑھا کھودا تھا، پس ان کو اس گڑھے میں کھڑا کیا۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے اور اس میں امام کو اختیار ہے۔

اور ان حدیثوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ فی الجملہ مرجوم کے لیے گڑھا کھودنا جائز ہے اور عورت کے لیے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اگر اس کا زنا گواہی سے ثابت ہو تو اس کے لیے گڑھا کھودنا مستحب ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مرجوم کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے۔ اور امام ابو یوسف نے کہا کہ مرد اور عورت دونوں کے لیے گڑھا کھودا جائے۔

(۱۱) جس نے زنا کا اقرار کیا اس کو قید میں رکھنے کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے زنا کا اقرار کیا اور ان کو رجم کرنے سے پہلے قید میں نہیں رکھا گیا۔ اسی طرح جو عورت حاملہ تھی اس کو بھی قید میں نہیں رکھا گیا حتیٰ کہ اس کا حمل وضع ہو جائے۔

اس کی توجیہ میں یہ کہا گیا ہے کہ اس وقت مدینہ میں قید خانہ نہیں تھا۔

اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: آپ نے ان کو قید میں رکھنے کا اس لیے حکم نہیں دیا اور نہ کسی وکیل کے سپرد کرنے کا حکم دیا کہ ان کا رجوع کرنا مقبول تھا، سو ان کو قید میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۸۷۹۔۸۸۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۴۔ بَابٌ: لِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ — زانی کو پتھر مارنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ زانی کے لیے پتھر ہیں، یعنی اس کے لیے ناکامی اور محرومی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ زانی کو رجم کیا جائے گا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ اخْتَصَمَ سَعْدٌ وَابْنُ زَمْعَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ زَادَ لَنَا قُتَيْبَةُ عَنِ اللَّيْثِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زمعہ رضی اللہ عنہ آپس میں جھگڑے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن زمعہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وہ تمہارے لیے ہے اے عبد بن زمعہ! بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر ہو اور اے سودہ! تم اس سے پردے میں رہا کرو۔ اور قتیبہ نے اللیث سے روایت کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا کہ زانی کے لیے پتھر ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳، ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲، صحیح مسلم: ۱۴۵۷، سنن نسائی: ۳۴۸۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۷۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۴، مسند احمد: ۲۵۳۶۶، موطا امام مالک: ۱۴۴۹، سنن دارمی: ۲۲۳۷)

صحیح البخاری: ۶۸۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''زانی کے لیے پتھر ہیں'' اور اس حدیث

میں بھی یہی مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالولید، یہ ہشام بن عبدالملک ہیں۔امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اختصار سے روایت کیا ہے۔یہ مکمل حدیث کتاب الفرائض میں ''باب الولد للفراش حرۃ کانت او امۃ'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کی عبداللہ بن یوسف سے روایت کی ہے اور اس کی شرح ہو چکی ہے۔

اس حدیث میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔اور اس حدیث میں ابن زمعہ کا ذکر ہے، یہ حضرت عبد بن زمعہ ہیں۔اور اس حدیث میں سودہ کا ذکر ہے، یہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں جو ام المومنین ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۸۔حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن زیاد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر ہو اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۴۵۸، سنن ترمذی: ۱۱۵۷، سنن نسائی: ۳۴۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۶، مسند احمد: ۷۲۲۱، سنن دارمی: ۲۲۳۵)

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۱۸، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

محاوراتِ عرب سے اس حدیث کی توجیہ

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ زانی کا بچہ میں کوئی حصہ نہیں ہے اور زانی کے ساتھ بچہ کا نسب ملایا نہیں جائے گا اور جس شخص کا کسی چیز میں کوئی حق نہ ہو اور وہ اس کو طلب کرے تو عرب کہتے ہیں: تمہارے منہ میں پتھر، اور اس سے ان کی مراد ہوتی ہے کہ تم اس میں ناکام ہو۔اور بعض شارحین نے کہا کہ اس کے لیے پتھر ہیں یعنی اس کو رجم کیا جائے گا، یہ اس وقت ہے جب وہ شادی شدہ ہو یعنی زانی جب شادی شدہ ہو۔اور ابن الاعرابی نے ذکر کیا کہ عرب والوں کے لیے فراش کا لفظ مرد اور عورت دونوں کے لیے کہا جاتا ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب کا فراش ہوتا ہے۔اس کی پوری شرح عنقریب کتاب الفرائض میں گزر چکی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۶۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۵۔بَابُ: الرَّجْمِ فِي الْبَلَاطِ

البلاط میں رجم کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں البلاط میں رجم کرنے کا بیان ہے۔ لفظ بلاط کئی معانی میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن اس سے مراد یہاں پر ایک مشہور جگہ ہے جو مسجدِ نبوی کے دروازہ کے قریب ہے، اس جگہ پر چوکور پتھروں کا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر اس باب کی حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کلام میں اشارہ ہے۔ اور بعض لوگوں کا یہ زعم ہے کہ البلاط سے مراد وہ پتھر ہے جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے۔ اور البلاط ان پتھروں کو کہتے ہیں جن سے مکانات بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ابوعبید البکری نے کہا ہے کہ البلاط مدینہ منورہ میں مسجد نبوی اور بازار کے درمیان ایک جگہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس عنوان سے یہ مراد ہو کہ جس کو رجم کیا جائے اس کے لیے گڑھا کھودنا شرط نہیں ہے، کیونکہ بلاط تو پتھروں کا پختہ فرش ہوتا ہے جس میں گڑھا نہیں کھودا جاتا۔ اور یہ بھی احتمال بعید ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے گڑھا کھودنے کا حکم دیا، پھر اس گڑھے میں ان کو رجم کیا گیا۔

یاقوت الحموی نے کہا ہے کہ البلاط دمشق کی ایک بستی ہے اور بلاط اندلس کے ایک قلعہ کا نام ہے اور بلاط ایک شہر تھا جو حلب کی اطراف میں تھا اور اب وہ ویران ہوگیا ہے اور بلاط القسطنطنیہ میں ایک جگہ ہے، یہ سیف الدولہ بن ہمدان کے دورِ حکومت میں قیدیوں کو بٹھانے کی جگہ تھی۔ نیز انہوں نے کہا ہے کہ البلاط مدینہ منورہ میں ایک جگہ ہے، یہ وہ جگہ ہے جو چوکور پتھروں سے فرش بنایا گیا ہے اور یہ فرش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور بازار کے درمیان ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۴۔ ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ كَرَامَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَهُودِيٍّ وَيَهُودِيَّةٍ قَدْ أَحْدَثَا جَمِيعًا فَقَالَ لَهُمْ مَا تَجِدُونَ فِي كِتَابِكُمْ قَالُوا إِنَّ أَحْبَارَنَا أَحْدَثُوا تَحْمِيمَ الْوَجْهِ وَالتَّجْبِيَةَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ ادْعُهُمْ يَا رَسُولَ اللهِ بِالتَّوْرَاةِ فَأُتِيَ بِهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ وَجَعَلَ يَقْرَأُ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ لَهُ ابْنُ سَلَامٍ ارْفَعْ يَدَكَ فَإِذَا آيَةُ الرَّجْمِ تَحْتَ يَدِهِ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَرُجِمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ فَرُجِمَا عِنْدَ الْبَلَاطِ فَرَأَيْتُ الْيَهُودِيَّ أَجْنَأَ عَلَيْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عثمان بن کرامۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد بن مخلد نے حدیث بیان کی از سلیمان، انہوں نے کہا: مجھے عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور یہودیہ عورت کو لایا گیا، ان دونوں نے ایک جرم کیا تھا (انہوں نے زنا کیا تھا)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم اپنی کتاب میں اس کا کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہمارے علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کا چہرہ کالا کیا جائے اور ان کو ایک دوسرے کے برخلاف سوار کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! انہیں حکم دیں کہ تورات لائیں، پس تورات کو لایا گیا، پس ان میں سے ایک آدمی نے اپنا ہاتھ رجم کی آیت پر رکھ دیا،

اور اس سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھنے لگا تو حضرت ابن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنا ہاتھ اوپر اٹھاؤ، پس وہاں اس کے ہاتھ کے نیچے رجم کی آیت تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا، سوان دونوں کو رجم کیا گیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: ان دونوں کو البلاط کے پاس رجم کیا گیا، پس میں نے دیکھا کہ یہودی اس عورت کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

(صحیح مسلم: ۱۶۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۶، مسند احمد: ۴۴۸۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۱)

صحیح البخاری: ۶۸۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حدیث کے آخری جملہ میں ہے جس میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن عثمان کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں، ابوذر بن کرامۃ نے اس میں العجلی الکوفی کا اضافہ کیا ہے۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں خالد بن مَخلد کا ذکر ہے، یہ القطوانی الکوفی ہیں اور یہ بھی امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں، امام بخاری نے ان سے کئی مقامات پر بلاواسطہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن بلال ابوایوب ہیں جو عبداللہ بن ابی عتیق کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کی دیگر روایات

امام مسلم نے از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور ایک یہودیہ عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے حتیٰ کہ یہود کے پاس آئے، پس آپ نے فرمایا: جس شخص نے زنا کیا ہو تم اس کے متعلق تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم ان دونوں کا منہ کالا کر دیتے ہیں اور ان دونوں کو سواری پر ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے بٹھا دیتے ہیں، پھر ان کو شہر میں پھرایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا تورات کو لاؤ اگر تم سچے ہو، پس وہ تورات کو لے کر آئے، پھر اس کو پڑھا حتیٰ کہ جب رجم کی آیت کے پاس سے گزرے تو ایک نوجوان نے جو تورات کو پڑھ رہا تھا اپنا ہاتھ رجم کی آیت پر رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا، پس حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انہوں نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے ہاتھ کے نیچے رجم کی آیت

تھی، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ان دونوں کو رجم کیا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں بھی ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ان دونوں کو رجم کیا تھا، میں نے دیکھا کہ مرد اس عورت کو پتھروں سے اپنے آپ کو ڈھال بنا کر بچا رہا تھا۔

اور امام ابوداؤد نے از زید بن اسلم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ یہود کی ایک جماعت آئی، پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بشپ (بڑا پادری، دینِ عیسوی کا مجتہد) کی طرف بلایا، پس آپ ان کے پاس ان کے مدرسہ میں گئے، ان لوگوں نے کہا: ہم میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کیجئے اور آپ کے لیے ایک گدا بچھا دیا اور آپ اس پر بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا: میرے پاس تورات لاؤ، پس آپ کے پاس تورات لائی گئی، آپ نے گدا اپنے نیچے سے نکالا اور اس پر تورات کو رکھ دیا، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنے عالم کو بلاؤ، پھر ایک نوجوان کو لایا گیا، پھر اس کے بعد رجم کے قصہ کا ذکر کیا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: یہودی اور یہودیہ، الزجاج نے کہا: یہ دونوں اہلِ خیبر سے تھے اور ابن الطلاع سے روایت ہے کہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ یہ اہلِ ذمہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "احدثا" یعنی ان دونوں نے زنا کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: انہوں نے ایک بے حیائی کا کام کیا اور اس سے زنا مراد ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان احبارنا" یعنی ہمارے علماء اور یہ "حبر" کی جمع ہے اور یہ اس عالم کو کہتے ہیں جو کلام کو مزین کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "احدثوا" یعنی انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ ان کا منہ کالا کر دیا جائے اور ان کو سواری پر ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے بٹھا دیا جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں گدھے پر سوار کر دیا جائے اور ہر ایک کا منہ ایک دوسرے کے مخالف کر دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اجنأ علیھا" اس کا معنی ہے کہ مرد عورت پر جھک گیا اور اس کو پتھروں سے بچا رہا تھا۔

اہلِ کتاب کے درمیان فیصلہ کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب اہلِ کتاب ہمارے پاس کوئی مقدمہ پیش کریں، کیا ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کے درمیان فیصلہ کریں یا اس میں ہم کو اختیار ہے کہ ہم فیصلہ کریں یا نہ کریں؟

فقہاء حجاز اور فقہاء عراق کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ امام یا حاکم کو اختیار ہے، اگر چاہے تو ان کے درمیان اسلام کے حکم کے مطابق فیصلہ کر دے اور اگر چاہے تو ان سے اعراض کرے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (المائدہ:۴۲)

(یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں

گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے O

امام مالک اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور اس کو کسی چیز نے منسوخ نہیں کیا اور یہی عطاء، شعبی اور نخعی کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المائدہ: ۴۲ بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئی اور یہ آیت محکمہ ہے۔ اور عامر اور ابراہیم نخعی نے کہا: اگر چاہے تو حاکم ان کے درمیان فیصلہ کرے اور اگر چاہے تو فیصلہ نہ کرے۔ اور ابن القاسم سے روایت ہے کہ جب اہلِ ذمہ مسلمانوں کے حاکم کے پاس مقدمہ پیش کریں اور دونوں فریق اس حاکم پر راضی ہو جائیں تو حاکم ان کے درمیان ان کے بشپ کی مرضی کے بغیر فیصلہ نہ کرے، اگر ان کا بشپ ناپسند کرے تو پھر ان کے درمیان فیصلہ نہ کرے، اور اسی طرح اگر بشپ راضی ہو جائے اور فریقین راضی نہ ہوں یا ان میں سے کوئی ایک فریق راضی نہ ہو تب بھی ان کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

اور الزہری نے کہا: سنت کا حکم اس پر جاری ہے کہ اہلِ ذمہ کو ان کے حقوق اور ان کے معاملات میں اور ان کی وراثت کے احکام میں ان کے دین والوں کی طرف لوٹا یا جائے، سوا اس کے کہ وہ ہماری طرف راغب ہوں تو پھر ان کے درمیان اللہ عزوجل کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ حاکم پر واجب ہے کہ جب اہلِ ذمہ ان کے پاس مقدمہ پیش کریں تو وہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ المائدہ: ۴۹ جس میں ان کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے وہ المائدہ: ۴۹ سے منسوخ ہو گئی ہے اور وہ یہ آیت ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ؀ (المائدہ: ۴۹)

اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں O

سو یہ آیت المائدہ: ۴۲ کے حکم کے لیے ناسخ ہے جس میں فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اور یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور الزہری، عمر بن عبد العزیز اور السدی کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے اور یہی امام شافعی کا دوسرا قول ہے، مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ جب عورت اور اس کا خاوند دونوں آئیں تو حاکم پر لازم ہے کہ ان کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے اور اگر فقط عورت آئے اور خاوند راضی نہ ہو تو ان کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا کہ فیصلہ کرے، اسی طرح امام مالک کے اصحاب کا اختلاف ہے۔

یہودیوں کو رجم کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء نے ان دو یہودیوں کے متعلق بھی اختلاف کیا ہے جو اہلِ ذمہ سے تھے جب انہوں نے زنا کیا، کیا ان دونوں کو رجم کیا

جائے گا؟ اگر ان کے حکام ہماری طرف اس کا فیصلہ کرنے کے لیے کہیں۔

پس امام مالک نے کہا: جب اہلِ ذمہ زنا کریں اور خمر پئیں تو امام ان سے تعرض نہ کرے سوا اس کے کہ وہ ذمی مسلمانوں کے شہروں میں اس کام کو علانیہ کرے جس وجہ سے مسلمانوں کو ضرر ہو، پس سلطان ان کو منع کرے گا کہ اس سے مسلمانوں کو ضرر ہوتا ہے اور امام مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو یہودیوں کو اس لیے رجم کیا کہ اس وقت یہود ذمی نہیں تھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: جب ذمی زنا کریں گے تو ان پر مسلمانوں کی حد لگائی جائے گی اور امام شافعی کا بھی یہی ایک قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۵۔۴۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۱۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس یہودی مرد اور یہودیہ عورت نے زنا کیا تھا، آیا وہ اہلِ ذمہ میں سے تھے یا اہلِ حرب میں سے تھے؟

امام محمد بن اسحاق نے از الزہری از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ اس حدیث کا واقعہ اس وقت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف آئے تھے۔

امام مالک نے کہا: یہ یہودی اہلِ ذمہ نہیں تھے، یہ اہلِ حرب تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معاملہ میں حاکم بنایا تھا، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ امام مالک کا یہ قول ہے کہ وہ دونوں یہودی اہلِ ذمہ نہیں تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اہلِ ذمہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے یہ نہ پوچھتے کہ ان میں زانیوں کا حکم کیا ہے اور نہ آپ ان کے متعلق بشپ یا مجتہد پادری کے قول سے فیصلہ فرماتے، کیونکہ جب اہل ذمہ کسی معاملہ میں مسلمانوں کو حاکم بنائیں تو وہ ان میں حکم اس طرح کریں جس طرح مسلمانوں کے درمیان حکم کیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بیت المدراس کی طرف تشریف لے گئے تھے اور آپ نے یہود سے زانیوں کے حکم کے متعلق دریافت فرمایا تھا، اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تکذیب کا ارادہ فرمایا اور یہ ظاہر فرمانا چاہا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو تبدیل کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم بنائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ خبر دی کہ تورات کے اندر اس کے متعلق حکم موجود ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں، اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں ○ (المائدہ: ۴۳)

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت رجم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور معمر نے از ابن شہاب روایت کی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المائدہ:۴۴)

بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے، اللہ کے نبی جو ہمارے مطیع تھے اس کے مطابق یہود کا فیصلہ کرتے رہے، اور اللہ والے اور علماء (فیصلہ کرتے رہے) کیوں کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کرائی گئی تھی، اور وہ اس پر گواہ تھے، سوتم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو، اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو، اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں سو وہی لوگ کافر ہیں ○

اس آیت میں فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے نبی تورات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے، اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار نبی ہیں، سو آپ بھی تورات کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے۔

جس کو رجم کیا جائے، اس کے لیے گڑھا کھودا جائے گا یا نہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا جب ان کو رجم کیا جا رہا تھا تو مرد اس عورت پر جھک کر اس کو پتھروں سے بچا رہا تھا"۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جب کسی کو رجم کیا جائے خواہ مرد ہو یا عورت تو اس کے لیے گڑھا نہیں کھودا جائے گا، کیونکہ اگر وہ دونوں گڑھے میں ہوتے تو مرد اس عورت کے اوپر جھک کر اس کو پتھروں سے نہیں بچا سکتا تھا۔

امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: اکثر احادیث اس پر متفق ہیں کہ گڑھا نہیں کھودا جائے گا اور رجم میں یہ واجب ہے کہ اس کے تمام بدن پر پتھر مارے جائیں اور جب وہ کسی گڑھے کے اندر ہو گا تو اس کے بدن کا بعض حصہ گڑھے میں غائب ہو جائے گا۔

فقہاء احناف نے کہا ہے: جس مرد کو یا عورت کو رجم کیا جائے ان کے لیے گڑھا نہیں کھودا جائے گا اور اگر گڑھا کھودا تو مستحسن ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں اختیار ہے جو چاہے کرے۔ اور اصبغ مالکی نے کہا ہے کہ مستحب ہے کہ ان کے لیے گڑھا کھودا جائے اور مرد کے دونوں ہاتھ کھول دیے جائیں تا کہ ان ہاتھوں سے وہ اپنے چہرہ سے پتھروں کو ہٹائے۔ امام طحاوی نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے شراحۃ کے لیے گڑھا کھودا۔ اور الجھینیہ کے قصہ میں مذکور ہے کہ ان کے اوپر ان کے کپڑے باندھ دیے گئے، پھر ان کو رجم کرنے کا حکم دیا گیا اور ان کے لیے گڑھا نہیں کھودا گیا۔

رجم کے وقت مرد اور عورت کو کھڑا کر کے رجم کیا جائے گا یا بٹھا کر؟ اس میں فقہاء کے اقوال

اور اس حدیث میں ثوری کی دلیل ہے کہ جس پر حد لگائی جائے اس کو بٹھایا نہیں جائے گا اور اس پر کھڑے ہو کر حد لگائی جائے گی، اور عورت کو بٹھا کر حد جاری کی جائے گی۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کھڑا ہوا تھا جب اس پر حد لگائی گئی اور عورت بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ حد کے وقت مرد عورت پر جھکا ہوا تھا۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ مرد اور عورت حدود میں برابر ہیں، ان میں سے کسی کو بھی کھڑا نہیں کیا جائے گا اور ان دونوں کو بٹھا کر ان پر حد جاری کی جائے گی اور مرشد کے کپڑے اتار لیے جائیں گے اور عورت پر اتنے کپڑے باقی رکھے جائیں گے جس پر

اس کا ستر ہو۔ اور امام شافعی، اللیث اور امام ابوحنیفہ نے کہا: تمام حدود میں کھڑا کر کے رجم کیا جائے گا سوائے حد قذف کے، اس میں اس کے کپڑوں کے اوپر کوڑے مارے جائیں گے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۵۴۔۳۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۱۹، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اہلِ کتاب کو ان کی کتاب کی طرف لوٹانا چاہیے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم اپنی کتاب میں زنا کی کیا سزا پاتے ہو؟"

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود حق کو چھپاتے تھے اور اس کو باطل کے لباس پہناتے تھے کہ ان کے ایک مرد نے رجم کی آیت کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے چھپایا۔

(۳) اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی برکت ہے کیونکہ انہوں نے حقیقت کو جان لیا اور اس مرد سے کہا کہ "اپنا ہاتھ اوپر اٹھاؤ"۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ وہ زانی مزنی بہا کو اپنے نفس پر مقدم کرتا تھا اسی وجہ سے اس کے اوپر جھک کر اس کو پتھروں سے بچاتا تھا۔ اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، وہ یہودیہ اسلام نہیں لائی اور ان دونوں کو رجم کیا گیا۔

(۵) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن کاموں کو اہلِ کتاب حرام سمجھتے ہیں، اگر وہ ان کاموں کا ارتکاب کریں تو ان پر حد قائم کی جائے گی، لیکن جن کاموں کو وہ حلال سمجھتے ہیں تو ان کے ارتکاب پر ان پر حد نہیں قائم کی جائے گی لیکن ان کو اس سے منع کیا جائے گا کہ وہ کھلم کھلا وہ کام کریں مثلاً جب ہم کو یہ معلوم ہو کہ اس گھر میں ذمی آتے ہیں اور خمر پیتے ہیں تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم ان پر ٹوٹ پڑیں اور ان کو ڈانٹیں، کیونکہ وہ خمر پینے کو حلال سمجھتے ہیں، لیکن اگر وہ بازاروں میں خمر پئیں یا محلوں میں خمر پئیں تو ان کو اس سے روکا جائے، لیکن جب وہ اپنے گھروں میں چھپ کر خمر پئیں تو ہمارے لیے ان سے معارضہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ان کے دین کا تقاضا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان عہد ہے۔

(۶) یہودیوں کے دین میں رجم مشروع تھا لیکن جب ان کے اشراف اور معزز لوگوں نے زنا کیا تو انہوں نے کہا: ہم اپنے معزز لوگوں کو رجم کیسے کریں گے، کیونکہ ہم تو ان کی تعریف اور تحسین کرتے ہیں، لیکن یہ ان کی فکر کی غلطی تھی کیونکہ اگر وہ کسی معزز آدمی کو رجم کر دیتے تو تمام لوگ زنا کرنے سے رک جاتے، لیکن شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا تھا کہ اگر تم نے ان پر حدود قائم کی تو تم لوگوں کو ضائع کر دو گے جیسا کہ آج کل مغرب زدہ مسلمان کہتے ہیں کہ اگر تم نے چور کے ہاتھ کاٹے تو آدھی قوم اپاہج ہو جائے گی۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم نے چور کے ہاتھ کاٹے تو پوری قوم چوری سے باز آ جائے گی۔

(۷) یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لیے آئے تھے کہ شاید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں زنا کے جرم پر کوئی رخصت ہو، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

(۸) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی شرعی حکم کے مقابلہ میں رخصت کو طلب کرنا یہ یہود کی خصلت ہے، اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ جس نے رخصتوں کو طلب کیا وہ فاسق ہو جائے گا، کیونکہ وہ اپنی خواہش کے مطابق اللہ کی عبادت کرنا چاہتا ہے، چاہیے یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے احکامِ شرعیہ پر عمل کرے خواہ وہ اس کی خواہش کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۰۔ ۱۸۲، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۶۔ بَابُ: الرَّجْمِ بِالْمُصَلّٰی عیدگاہ میں رجم کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصہ میں جو رجم کیا گیا وہ عیدگاہ میں تھا، یعنی جس جگہ نمازِ جنازہ پڑھی جاتی تھی اور دوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے یعنی بقیع الغرقد میں، وہ عیدگاہ بقیع الغرقد میں واقع تھی۔

علامہ ابن بطال اور علامہ ابن التین نے اس باب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ رجم کرنا عیدگاہ میں ہو یا کسی اور جگہ پر ہو، برابر ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ عیدگاہ کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس باب کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو عیدگاہ میں رجم کیا گیا تھا، یعنی جس جگہ رجم کیا گیا تھا وہ جگہ وہی تھی جہاں عید اور جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی اور یہ بقیع الغرقد کی ایک طرف ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کریں، سو ہم ان کو بقیع الغرقد کی طرف لے گئے۔ اور قاضی عیاض نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ ان کو عیدگاہ کے اندر رجم کیا گیا تھا۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے یا جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ وہ مسجد کے حکم میں ہے، اور دراصل حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو عیدگاہ کے قریب ایک جگہ بقیع الغرقد ہے، وہاں پر رجم کیا گیا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۰۔ حَدَّثَنِيْ مَحْمُوْدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ جَاءَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاعْتَرَفَ بِالزِّنَا فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَتّٰى شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَبِكَ جُنُوْنٌ قَالَ لَا قَالَ آحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ فَرَّ فَأُدْرِكَ فَرُجِمَ حَتّٰى مَاتَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از ابی سلمہ از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم سے ایک مرد تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے زنا کرنے کا اعتراف کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا حتیٰ کہ انہوں نے اپنے نفس کے خلاف چار مرتبہ گواہی دی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا:

فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ خَيْرًا وَصَلَّى عَلَيْهِ لَمْ يَقُلْ يُونُسُ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ فَصَلَّى عَلَيْهِ سُئِلَ أَبُو عَبْدِ اللهِ فَصَلَّى عَلَيْهِ يَصِحُّ قَالَ رَوَاهُ مَعْمَرٌ قِيلَ لَهُ رَوَاهُ غَيْرُ مَعْمَرٍ قَالَ لَا۔

کیا تم کو جنون ہے؟ (یعنی کیا تم دیوانے ہو) انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں، پھر آپ نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان کو عید گاہ میں رجم کیا گیا، پھر جب ان کو پتھروں سے درد پہنچا تو وہ بھاگے، پس ان کو پکڑ لیا گیا: پھر ان کو رجم کیا گیا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گئے، پس نبی ﷺ نے ان کے لیے اچھے کلمات فرمائے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔
یونس اور ابنِ جریج نے زہری سے روایت کرتے ہوئے یہ نہیں کہا کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔
اور امام ابو عبداللہ بخاری سے سوال کیا گیا کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، یہ صحیح ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس کی روایت معمر نے کی ہے، ان سے کہا گیا: کیا غیر معمر نے روایت کی ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ نہیں پڑھی۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

صحیح البخاری: ۶۸۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "پس حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو عید گاہ میں رجم کیا گیا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمود، یہ ابنِ غیلان المروزی ہیں، اور امام بخاری نے ان سے بہت روایات کی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابنِ راشد ہیں، یہ محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں از ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔
اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از اسحاق بن ابراہیم از عبدالرزاق روایت کی ہے اور امام ابنِ ماجہ کے علاوہ باقی محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا من اسلم" ان کا نام حضرت ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ ہے اور عنقریب حضرت جابر

رضی اللہ عنہ کی حدیث میں باب رجم المحصن میں اسی طرح مذکور ہے۔

حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق کلماتِ خیر کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے" فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیرا "یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اچھائی کے ساتھ ذکر کیا۔

امام مسلم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگوں کے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے متعلق دو فرقے تھے، ایک فرقہ یہ کہتا تھا کہ ماعز ہلاک ہو گیا اور اس کے گناہ نے اس کا احاطہ کر لیا، اور دوسرا فرقہ یہ کہتا تھا کہ ماعز کی توبہ سے افضل کسی کی توبہ نہیں ہے، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو میری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ ان سب کے لیے کافی ہے۔ اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا وہ جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہے تھے، اور امام ابوعوانہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے ان کو دیکھا وہ جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہے تھے۔ اور امام ابوداؤد اور امام نسائی کی حدیث میں ہے کہ ان کو خبیث نہ کہو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ اور امام احمد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا اور ان کو جنت میں داخل کر دیا۔

حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے نمازِ جنازہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق دو روایتوں کی تحقیق اور تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے" وصلی علیہ "، اسی طرح امام عبدالرزاق نے محمود بن غیلان سے روایت کی ہے۔ اور علامہ المنذری نے کہا ہے کہ آٹھ راویوں نے امام عبدالرزاق سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

اور محمد بن یحییٰ الزہلی اور ایک جماعت نے امام عبدالرزاق سے روایت کی ہے، انہوں نے اس حدیث کے آخر میں کہا کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ اور ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اثبات کی روایت نفی کی روایت پر مقدم ہوتی ہے، دوسری توجیہ یہ ہے کہ جس روایت میں مذکور ہے کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی، یعنی اس وقت نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جب ان کو رجم کیا جا رہا تھا، پھر اس کے بعد ان کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ میں روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! کیا آپ نمازِ جنازہ پڑھیں گے، تو آپ نے فرمایا: نہیں! پھر دوسرے دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا: تم اپنے صاحب کی نمازِ جنازہ پڑھو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، اور یہ حدیث اس اختلاف کو اٹھا دیتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" امام بخاری سے سوال کیا گیا: کیا آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی یا نہیں، تو انہوں نے کہا کہ معمر کی روایت یہ ہے کہ آپ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے، اور معمر کے علاوہ دوسروں نے روایت کی ہے کہ نہیں پڑھی "۔

امام بخاری پر اعتراض کیا گیا ہے کہ انہوں نے وثوق سے کہا ہے کہ معمر نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری نے وثوق سے اس لیے کہا ہے کہ معمر ان ثقات راویوں میں سے ہیں جو مامون ہیں اور ان فقہاء میں سے ہیں جو متقین ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں اور ایسے شخص کے اضافہ اور اس کے انفراد کو قبول کیا جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۵۷-۵۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زانی کو توبہ کی تلقین

اس حدیث میں جس مرد کا ذکر کیا ہے جس نے زنا کا اعتراف کیا تھا، وہ حضرت ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو خبر دی کہ وہ زنا کر چکے ہیں تو ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے اس بات کا کسی ایک سے ذکر کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم اپنا پردہ رکھو، اللہ تعالیٰ تم پر پردہ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، کیونکہ لوگوں کو ان کے گناہوں پر عار دلایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرماتا ہے، لیکن حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے نفس کو قرار نہیں آیا حتیٰ کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے اسی طرح کہا جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، پھر بھی ان کے نفس کو قرار نہیں آیا حتیٰ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور پھر اس حدیث کا ذکر ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۳۲، از یزید بن ہارون، موطا امام مالک: ۵۱۲)

شادی شدہ شخص کو کوڑے مارے بغیر رجم کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ شادی شدہ کو کوڑے لگائے بغیر رجم کیا جائے اور شہر کے فقہاء کا یہی مذہب ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کو کوڑے نہیں لگائے اور رجم کیا۔ اسی طرح اسلمیہ کے قصہ میں ہے۔ اور امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور اہل الظاہر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (المغنی ج ۱۲ ص ۳۰۸، المغنی ج ۱۲ ص ۳۱۳، المحلی ج ۱۱ ص ۲۳۳-۲۳۳)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کیا جائے اور اس پر کوڑے بھی لگائے جائیں۔ فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس کو اللہ کی کتاب کے حکم سے کوڑے لگائے جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور: ۲) زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو۔

اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے حکم سے رجم کیا جائے۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور ہم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ دو کنوارے زانیوں کو کوڑے لگائے جائیں گے اور شہر بدر کیا جائے گا اور دو شادی شدہ زانیوں کو رجم کیا جائے گا اور جو بڑی عمر کو پہنچ جائیں انہیں کوڑے لگائے جائیں گے پھر رجم کیا جائے گا۔

امام اسحاق از عبد الرزاق از ثوری از ابی حصین اور اسماعیل، از الشعبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس شراحۃ کو

لایا گیا، تو انہوں نے اس کو جمعرات کے دن کوڑے مارے اور جمعہ کے دن اس کو رجم کیا، پھر فرمایا: رجم کی دو قسمیں ہیں، ایک خفیہ طور پر رجم کیا جائے اور ایک علانیہ طور پر رجم کیا جائے۔ جو علانیہ طور پر رجم ہے اس میں پہلے گواہ رجم کریں گے پھر امام اور پھر عام لوگ۔ اور جو خفیہ طور پر رجم ہے اس میں زانی اعتراف کرے گا پھر امام اس کو رجم کرے گا پھر لوگ رجم کریں گے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۱۲۱، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۴۱۷، المستدرک للحاکم ج ۴ ص ۴۰۵، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۴ ص ۳۲۹، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۲۰)

امام عبد الرزاق اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شادی شدہ زنا کرنے والی عورت کے متعلق فرمایا کہ میں اس کو قرآن کے سبب سے کوڑے ماروں گا اور سنت کے سبب سے اس کو رجم کروں گا۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۳۳۵۶، المحلی ج ۱۱ ص ۲۳۴)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ از حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جو دو کنوارے زنا کریں انہیں کوڑے مارے جائیں اور شہر بدر کیا جائے اور جو دو شادی شدہ زنا کریں ان کو رجم کیا جائے اور وہ دو زانی جو بڑی عمر کو پہنچ گئے ہیں انہیں کوڑے مارے جائیں اور پھر رجم کیا جائے۔ (سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۲۳)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا اور کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، یہ قول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ان سے ثابت نہیں ہے۔

عبد اللہ بن شداد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو زنا میں رجم کیا اور اس کو کوڑے نہیں مارے۔

(التمہید لابن عبد البر ج ۹ ص ۸۰)

ابراہیم النخعی کا بھی یہی قول ہے اور زہری کا اور یہی امام مالک کا اور الاوزاعی، سفیان ثوری اور فقہاء احناف کا قول ہے اور یہی امام شافعی اور امام احمد اور ابو ثور کا قول ہے۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۶۲۹، المبسوط للسرخسی ج ۹ ص ۴۲-۴۱، کتاب الام للامام الشافعی ج ۶ ص ۲۱۶-۲۱۵، مسائل احمد واسحاق: ۲۱۱۶، ۲۱۱۵)

اور امام شافعی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کہا: جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ تھا تو اس کو رجم کرنا کتاب اللہ میں برحق ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارنے کا ذکر نہیں کیا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا اور ان کو کوڑے نہیں مارے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُنیس الاسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ایک عورت کے پاس جائیں، اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دیں۔ اور یہ تمام تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور تمام ائمہ نے شادی شدہ کو بغیر کوڑے مارنے کے رجم کرنے کا حکم دیا۔

زانی کو صرف رجم کرنے اور کوڑے نہ مارنے کے قائلین پر معارضہ

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری لکھتے ہیں:

امام شافعی نے بعض اہلِ علم پر اس بحث میں معارضہ کیا ہے، پس کہا کہ ہر زانی پر کوڑے مارنا ظاہر قرآن سے ثابت ہے اور وہ یہ آیت ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور:۲) زانیہ عورت اور زانی مرداُن میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کنوارے اور شادی شدہ کے درمیان فرق نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے کہ شادی شدہ کو رجم کیا جائے، پس کتاب اللہ سے ہر زانی کو کوڑے مارنا ثابت ہے اور ہر شادی شدہ محصن کو رجم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے، اور اس کی تاکید حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل حدیث سے ہوتی ہے جس میں کوڑے مارنے اور رجم کرنے کو شادی شدہ پر جمع کیا گیا ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے زانی عورتوں کے لیے طریقہ بیان فرمادیا: کنوارا کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو اس کو ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو، اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارو اور رجم کرو۔

(صحیح مسلم:۱۶۹۰، سنن ابوداؤد:۴۴۱۵، ۴۴۱۶، سنن ترمذی:۱۴۳۴، سنن ابن ماجہ:۲۵۵۰، مسند احمد:۲۲۷۲۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اگر اس سلسلہ میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہوتا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اس کو کتاب اللہ کے حکم سے کوڑے ماروں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے رجم کروں گا، تب بھی اس میں کفایت تھی۔ جب کہ ظاہر کتاب ہر زانی پر سو کوڑوں کو واجب کرتی ہے۔

اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور اسلمی عورت کے قصہ میں اس کی دلیل نہیں ہے کہ شادی شدہ پر کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہو گیا، اور بغیر دلیل کے نص کو ثابت کرنا جائز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارے تھے اور پھر رجم کیا تھا اور اسی طرح ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ نے پہلے اس عورت کو کوڑے مارے تھے اور پھر رجم کیا۔ اور جو حکم کتاب اللہ سے ثابت ہو اور اس حدیث سے ثابت ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ حکم شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوگا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی حدیث میں کوڑے مارنے کا ذکر نہیں ہے، کیونکہ جائز ہے کہ آپ نے اس کو کوڑے مارے ہوں اور ہم تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو، کیونکہ راوی نے یہ سمجھا ہو کہ کتاب اللہ میں جب کوڑے مارنے کا حکم ہے تو اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن مجید کا یہ حکم سنت سے منسوخ ہو گیا۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۱۲ ص ۴۳۱۔ ۴۲۷، دار الفلاح، ریاض، ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور الزہری اور امام مالک اہل مدینہ میں، اور الاوزاعی اہل شام میں، اور سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ اہل کوفہ میں، اور امام شافعی اور ان کے اصحاب سوائے علامہ ابن المنذر کے، ان سب کا مذہب یہ ہے کہ زانی پر کوڑے مارنے کو اور رجم کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ سے اور اسلمیہ کے قصہ سے منسوخ ہے، کیونکہ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرنے کا حکم دیا اور ان کو کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا، پس ثابت ہو گیا

کہ یہ واقعات اس سے پہلے کے واقعہ کے لیے ناسخ ہیں۔اسی طرح علامہ ابن بطال نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔
(شرح ابن بطال ج ۸ ص ۴۴۱۔۴۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

زانی کو رجم کرنے کے پتھروں کی مقدار اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا بیان

امام النسائی نے کہا ہے کہ احادیث میں اس پتھر کی مقدار کا بیان نہیں ہے جس کے ساتھ رجم کیا جائے گا۔
علامہ ابن ملقن کہتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کو بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ رجم کیا جائے گا جن کو جلمود کہتے ہیں۔اور امام مالک نے کہا ہے: بہت بڑے پتھروں کے ساتھ نہیں مارا جائے گا اور امام پتھر مارنے کا حکم دے گا اور خود نہیں مارے گا اور اس سے پتھر مارنے کو اس وقت تک موقوف نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔اور اس کے اور اس کے گھر والوں کے درمیان تخلیہ کیا جائے گا، وہ اس کو غسل دیں گے اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھیں گے اور امام اس پر نماز نہیں پڑھے گا، تاکہ اہلِ معاصی کو اس فعل سے دور رکھا جائے اور تاکہ لوگ اس فعل کی مثل پر جرأت نہ کریں، کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ امام اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتا اس کا اتنا بڑا گناہ ہے تو وہ اس کے ارتکاب سے باز رہیں گے۔اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی، یہ معمر کی زہری سے روایت ہے اور اس میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ امام اگر چاہے تو اس کی نمازِ جنازہ پڑھے اور اگر چاہے تو نہ پڑھے۔اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الغامدیہ کی نمازِ جنازہ پڑھی ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور وہ زنا سے حاملہ تھی، پس اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں نے ایک حد کا ارتکاب کر لیا ہے، آپ مجھ پر حد قائم کیجئے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ولی کو بلایا، آپ نے فرمایا: اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، جب اس کا حمل وضع ہو جائے تو مجھے آ کر بتانا، اس نے ایسا کیا، پھر نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس کے اوپر کپڑے باندھے گئے، پھر آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ رہے ہیں اے اللہ کے نبی! حالانکہ اس نے زنا کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہلِ مدینہ کے ستر گناہ گاروں پر یہ توبہ تقسیم کی جائے تو انہیں کافی ہو گی، اور کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے کہ جو اپنی جان کی اللہ کی راہ میں سخاوت کر دے۔
(صحیح مسلم: ۱۶۹۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۱، ۴۴۴۰، سنن ترمذی: ۱۴۳۵، سنن نسائی: ۱۹۴۷، مسند احمد: ۱۹۸۸۲، ۱۹۹۲۴)

شادی شدہ زانی کو کوڑے مارنے اور رجم کے جمع کے منسوخ ہونے پر مزید دلائل

امام شافعی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو آزاد کنواروں کو کوڑے مارنا ثابت ہے اور شادی شدہ سے کوڑے مارنا منسوخ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے زانی عورتوں کے لیے طریقہ بیان فرما دیا: کنوارا کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو اس کو ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو، اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارو اور رجم کرو۔
(صحیح مسلم: ۱۶۹۰، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۵، ۴۴۱۶، سنن ترمذی: ۱۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۰، مسند احمد: ۲۲۷۲۹)

یہ حکم ابتداءً نازل ہوا تھا، پس اس کے ساتھ زانیوں کو قید کرنا اور ان کو ایذاء پہنچانا منسوخ ہو گیا ہے، پھر جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو آپ نے رجم کیا اور کوڑے نہیں مارے اور حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسلمی عورت اگر اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو، تو یہ اس کی دلیل ہے کہ ان دونوں سے کوڑے مارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے اور ہر وہ چیز جو پہلے حکم کے بعد ظاہر ہوئی، وہی آخری حکم ہے۔
(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۱۲ ص ۲۷۴)

اور حافظ ابن عبد البر نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ان دونوں نے رجم کیا اور ان دونوں نے کوڑے نہیں مارے۔ (التمہید ج ۹ ص ۸۰)

اور غامدیہ خاتون کو رجم کرنا اور کوڑے نہ مارنا اس پر واضح دلیل ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث منسوخ ہو گئی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۸۶۔۱۸۷ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القرطبی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ماعز بن مالک الاسلمی رضی اللہ عنہ کا شمار مدنی صحابہ میں ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف مکتوب لکھا تھا تاکہ ان کی قوم اسلام لے آئے، یہ وہی ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زنا کا اعتراف کیا اور توبہ کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے اور یہ شادی شدہ تھے، پس ان کو رجم کیا گیا، ان سے ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ بن ماعز رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث روایت کی ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۳ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، لکھتے ہیں:

امام ابن حبان نے کہا ہے کہ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی ہیں (لیکن ان سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے) اور یہ وہی ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں رجم کیا گیا تھا، اس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں مروی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت ابو ذر، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت بریدہ بن الحصیب، حضرت ابن عباس، حضرت نعیم بن ہزال، حضرت ابو سعید الخدری، حضرت نصر الاسلمی اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہم سے بھی اس سلسلہ میں احادیث مروی ہیں۔ بعض سندوں سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر میری امت میں سے ایک جماعت وہ توبہ کرتی تو ان کے لیے وہ توبہ کافی ہو جاتی۔

صحیح ابو عوانہ اور صحیح ابن حبان اور دیگر کتب حدیث میں حضرت ابو زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے از حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ ماعز بن مالک جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہے تھے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا نام غریب ہے اور ماعز، ان کا لقب ہے اور عنقریب ان کا ذکر ابو الفیل کی کنیت میں آئے گا اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماعز کے لیے استغفار کرو۔

(الاصابہ ج ۵ ص ۵۲۱۔۵۲۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کسی شخص نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے بعد ان کی مذمت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک وہ اب جنت کے دریاؤں میں غوطے لگا رہے ہیں۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۲۸)

۲۷۔ بَابٌ: مَنْ أَصَابَ ذَنْبًا دُونَ الْحَدِّ فَأَخْبَرَ الْإِمَامَ فَلَا عُقُوبَةَ عَلَيْهِ بَعْدَ التَّوْبَةِ إِذَا جَاءَ مُسْتَفْتِيًا

جس نے حد سے کم درجہ کا گناہ کیا، پھر امام کو خبر دی گئی کہ جب اس نے اس کے متعلق سوال کیا تو اس کے توبہ کرنے کے بعد اس کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی

قَالَ عَطَاءٌ: لَمْ يُعَاقِبْهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم،

عطاء نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سزا نہیں دی۔

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَلَمْ يُعَاقِبِ الَّذِي جَامَعَ فِي رَمَضَانَ وَلَمْ يُعَاقِبْ عُمَرُ صَاحِبَ الظَّبْيِ

اور ابن جریج نے کہا: آپ نے اس کو سزا نہیں دی جس نے رمضان کے مہینہ میں جماع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس محرم کو کوئی سزا نہیں دی جس نے ہرن کا شکار کیا تھا۔

وَفِيهِ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

اور ابوعثمان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مثل روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جو حد سے کم تھا، یعنی ایسا گناہ کیا جس پر کوئی حد نہیں ہے مثلاً اس نے کسی اجنبی عورت کو بوسا دیا یا اس سے بغل گیر ہوا یا اس سے چھیڑ خوانی کی، پھر اس نے امام یا سربراہِ ملک کو خبر دی تو اس کے توبہ کرنے کے بعد اس کے اوپر کوئی سزا نہیں ہے یعنی اس نے جو ایسا گناہ کیا ہے جس پر کوئی حد نہیں ہے تو توبہ کرنے سے وہ گناہ ساقط ہو جائے گا اور امام کیلئے اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے اور امام کو چاہیے کہ وہ اس کو توبہ کی تلقین کرے اور جس نے کوئی ایسا گناہ کیا جس پر حد ہے تو پھر توبہ اس کے گناہ کو نہیں اٹھاتی اور جب امام تک اس کی خبر پہنچ جائے اور ثبوت ہو جائے تو پھر امام کے لیے اس کو معاف کرنا جائز نہیں ہے اور علماء کے نزدیک حد گناہ سے پاک کر دیتی ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جب وہ حد کے قائم ہونے سے پہلے توبہ کر لے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور وہ گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔

صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ باطن میں پاک ہو جائے گا، اور رہا ظاہر میں پاک ہونا تو ان کے مذہب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حد ساقط نہیں ہوگی۔

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے کہ جس شخص نے حد سے کم گناہ کیا ہے تو وہ اپنے متعلق سوال کرتا ہوا آیا، اس عنوان میں ''مستفتیا'' کہا ہے یہ استفتاء سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: فتویٰ کو طلب کرنا اور یہ پیش آمدہ مسئلہ کا جواب ہے، اکثرین کے نزدیک یہ لفظ اسی طرح ہے، اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے ''مستغیثا'' جو کہ استغاثہ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے:

غوث، یعنی مدد کو طلب کرنا۔ اور ایک روایت میں ہے "مستعتبا" یہ استعتاب سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: رضا کو طلب کرنا اور عتاب کو زائل کرنا۔ اور بعض نسخوں میں ہے "مستقیلا" یعنی اقالۃ کو طلب کرنا اور "اقالۃ" کا معنی ہے: بیع کو واپس کرنا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "عطاء نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سزا نہیں دی" یعنی عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سزا نہیں دی جس نے یہ خبر دی تھی کہ اس سے کوئی معصیت واقع ہوئی ہے یعنی کوئی گناہ ہوا ہے، بلکہ اس کو مہلت دی حتیٰ کہ اس نے آپ کے ساتھ نماز پڑھ لی، پھر آپ نے یہ خبر دی کہ اس کی نماز نے اس کے گناہ کا کفارہ کر دیا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: آپ نے اس کو سزا نہیں دی، یعنی جس شخص سے ایسا گناہ ہوا جس پر حد نہیں تھی اور اس نے توبہ کر لی تو اس کو کوئی سزا نہیں دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا، اور یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "ابنِ جریج نے کہا: آپ نے اس شخص کو سزا نہیں دی جس نے رمضان کے مہینہ میں دن کو جماع کیا تھا" یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو سزا نہیں دی جس نے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا، بلکہ اس کو اتنی کھجوریں عطا فرمائیں جن سے وہ اس گناہ کا کفارہ دے سکتا تھا، اور یہ اثر اور اس سے پہلے کا اثر باب کے عنوان کی وضاحت کرتا ہے۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرن والے کو سزا نہیں دی" اس تعلیق سے بھی ترجمہ کی وضاحت ہوتی ہے یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہرن والے کو سزا نہیں دی اور ان کا نام قبیصہ بن جابر ہے اور وہ محرم تھے اور انہوں نے ہرن کا شکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اس کی جزاء ادا کرے یعنی فدیہ دے اور اس کو سزا نہیں دی۔ اور امام سعید بن منصور نے اس اثر کی از قبیصہ بن جابر سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

بابِ مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں از ابی عثمان از حضرت ابن مسعود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مثل روایت ہے۔ اور یہ تعلیق عنوان میں مذکور حکم کا معنی ہے، از ابی عثمان عبدالرحمٰن بن مل النہدی از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت ہے اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ روایت ہے، یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اور یہ وہی حدیث ہے جس کو امام بخاری نے "کتاب مواقیت الصلوٰۃ" کے اوائل میں "باب الصلوٰۃ کفارۃ" میں از سلیمان تیمی از ابی عثمان از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ ایک مرد نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا سو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۝ (ہود: ۱۱۴)

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور (ابتدائی) رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم رکھئے، بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں ○

اس مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا یہ حکم خصوصاً میرے لئے ہے؟ (یعنی نماز پڑھنے سے گناہ صغیرہ کا معاف ہو جانا)، آپ نے فرمایا: یہ حکم میری تمام امت کے لیے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۱۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ رضی الله عنهُ أَنَّ رَجُلًا وَقَعَ بِامْرَأَتِهِ فِي رَمَضَانَ فَاسْتَفْتٰى رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَسْتَطِیْعُ صِیَامَ شَهْرَیْنِ قَالَ لَا قَالَ فَأَطْعِمْ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از حمید بن عبد الرحمٰن از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رمضان کے مہینہ میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا، پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم ایک غلام کو پاتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم یہ طاقت رکھتے ہو کہ دو ماہ کے روزے رکھو؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۸۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کوئی سزا نہیں دی جس نے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر لیا تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حُمید بن عبد الرحمٰن کا ذکر ہے، یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے بیٹے ہیں جو الزہری سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الصیام میں از ابو الیمان گزر چکی ہے اور کتاب الادب میں از موسیٰ بن اسماعیل گزر چکی ہے اور کتاب النذر میں از علی بن عبد اللہ گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۴۶۰۔۴۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۲۔ وَقَالَ اللَّیْثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ

اور اللیث نے کہا از عمرو بن الحارث از عبد الرحمٰن بن القاسم از محمد بن جعفر بن الزبیر از عباد بن عبد اللہ بن الزبیر از حضرت عائشہ

الزُّبَيْرِ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ احْتَرَقْتُ قَالَ مِمَّ ذَاكَ قَالَ وَقَعْتُ بِامْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ لَهُ تَصَدَّقْ قَالَ مَا عِنْدِي شَيْءٌ فَجَلَسَ وَأَتَاهُ إِنْسَانٌ يَسُوقُ حِمَارًا وَمَعَهُ طَعَامٌ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ مَا أَدْرِي مَا هُوَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَيْنَ الْمُحْتَرِقُ فَقَالَ هَا أَنَا ذَا قَالَ خُذْ هَذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ قَالَ عَلَى أَحْوَجَ مِنِّي مَا لِأَهْلِي طَعَامٌ قَالَ فَكُلُوهُ قَالَ أَبُو عَبْد اللهِ الْحَدِيثُ الْأَوَّلُ أَبْيَنُ قَوْلُهُ أَطْعِمْ أَهْلَكَ۔

رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرد نبی ﷺ کے پاس مسجد میں آیا، اس نے کہا: میں دوزخ کا مستحق ہوگیا، آپ نے فرمایا: کس وجہ سے؟ اس نے کہا: میں نے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر لیا، آپ نے اس سے فرمایا: تم صدقہ کرو، اس نے کہا: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، پھر وہ بیٹھ گیا، پھر ایک انسان گدھے کو ہنکاتا ہوا لایا اور اس کے ساتھ طعام (کھانا) تھا، عبدالرحمٰن نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا چیز تھی، وہ اس کھانے کو نبی ﷺ کے پاس لایا، آپ نے پوچھا: وہ جو کہہ رہا تھا کہ میں دوزخ کا مستحق ہوں وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: میں یہاں ہوں، آپ نے فرمایا: اس کھانے کو لے جاؤ اور اس کو صدقہ کرو، اس نے کہا: کیا مجھ سے بھی زیادہ ضرورت مند پر صدقہ کروں؟ میرے گھر والوں کے لئے کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کو کھاؤ۔

امام ابوعبداللہ نے کہا: پہلی حدیث میں اس سے زیادہ بیان ہے اور وہ آپ کا یہ ارشاد ہے کہ تم اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۳۶، ۱۹۳۷، ۲۶۰۰، ۵۳۶۸، ۶۰۸۷، ۶۱۶۴، ۶۷۰۹، ۶۷۱۰، ۶۷۱۱، ۶۸۲۱، صحیح مسلم: ۱۱۱۱، سنن ترمذی: ۷۲۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۹۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۱، مسند احمد: ۷۲۴۸، موطا امام مالک: ۶۶۰، سنن دارمی: ۱۷۱۶)

صحیح البخاری: ۶۸۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو صدقہ کرو''۔ اس ارشاد میں اختصار ہے کیونکہ کفارہ ترتیب میں غلام آزاد کرنے اور دو ماہ کے روزوں کے بعد ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تم لوگ اس کو کھاؤ'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''تم اس کو کھاؤ''۔

امام ابوعبداللہ یعنی امام بخاری نے اس حدیث کی تعلیق میں کہا ہے کہ پہلی حدیث جو ابوعثمان النہدی سے مروی ہے وہ اس باب میں زیادہ واضح ہے اور یہ تعلیق اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۳ ص ۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

توبہ سے حد کے عدم سقوط پر دلائل

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے ایسا گناہ کیا جس پر حد لازم ہوتو توبہ سے وہ حد ساقط نہیں ہوگی۔اور امام کیلئے اس حد کو معاف کرنا جائز نہیں ہے جب امام کے سامنے مقدمہ پیش ہو جائے۔اور توبہ سے ان کے نزدیک انسان پاک ہو جاتا ہے اور حد سے اس کا کفارہ ہوتا ہے سوائے امام شافعی کے۔علامہ ابن المنذر نے امام شافعی سے ذکر کیا ہے کہ جب کوئی شخص حد قائم کیے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے لیکن جس نے ایسا گناہ کیا جو حد سے کم ہو پھر وہ توبہ کرتا ہوا آیا تو اس کی توبہ اس سے سزا کو ساقط کردے گی اور اب سلطان کے لیے اس کے اوپر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ ایک شخص نے رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرلیا اور وہ اس پر نادم ہوا اور گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر کہا کہ وہ دوزخ کا مستحق ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سزا نہیں دی بلکہ اس کو ایسی چیز عطاء کی جس سے وہ اپنے اس گناہ کا کفارہ ادا کرے۔

اور جن فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی، ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کی عورت کے متعلق فرمایا: ''اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو ستر (۷۰) اہلِ مدینہ پر پیش کی جائے تو اس کیا توبہ ان سب کو کافی ہوگی، اور تم نے دیکھا کہ اس نے اپنے نفس سے سخاوت کی''، اور الغامدیہ کے متعلق فرمایا کہ ''انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ظلماً ٹیکس وصول کرنے والا بھی یہ توبہ کرتا تو اس کی بخشش ہو جاتی''، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں عورتوں پر حد کو قائم کیا حالانکہ انہوں نے توبہ کرلی تھی، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ''ان کی توبہ ستر (۷۰) اہلِ مدینہ کے لیے کافی ہے اور ظلماً ٹیکس وصول کرنے والے کے لیے کافی ہے'' اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی، البتہ یہ حکم ڈاکوؤں کے ساتھ خاص ہے کہ اگر ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو دنیا میں تو ان کو سزا دی جائے گی لیکن آخرت میں ان کو سزا نہیں ہوگی، کیونکہ قرآن مجید میں ڈاکوؤں کے متعلق یہ آیت ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْۤا اَوْ یُصَلَّبُوْۤا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۳۳﴾ (المائدہ: ۳۳)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں ڈاکے ڈالتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ ایک جانب سے اور پیر دوسری جانب سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو (اپنے وطن کی) زمین سے نکال دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۴﴾ (المائدہ: ۳۴)

ماسوا ان لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی، سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۹۔۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہرن کا شکار کرنے والے محرم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سزا نہ دینے کا پس منظر اور پیش منظر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ تَنَالُهٗۤ اَیْدِیْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (المائدہ: ۹۴)

اے ایمان والو! اللہ تم کو ضرور ایسے شکار سے آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں تا کہ اللہ یہ ظاہر کردے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے، سو جس نے اس (تنبیہ) کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے O

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِیْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ (المائدہ: ۹۵)

اے ایمان والو! حالتِ احرام میں شکار نہ مارو، اور تم میں سے جس نے عمداً شکار مارا تو جس جانور کو اس نے مارا ہے، اس شخص کو مویشیوں میں سے اسی کی مثل قربانی کرنی ہوگی، تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو، یا (اس پر) چند مسکینوں کا کھانا ہے یا ان (کی تعداد) کے برابر روزے رکھنا ہے تا کہ وہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھے، جو گزر گیا اس کو اللہ نے معاف کر دیا، اور جو دوبارہ یہ کام کرے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب منتقم ہے O

شکار کی جزاء میں اس کی مثلِ صوری ضروری ہے یا اس کی قیمت؟

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک محرم کے شکار کو قتل کرنے کی جزاء یہ ہے کہ جس مقام پر شکار کو قتل کیا گیا یا جو جگہ اس کے قریب ترین ہو وہاں اس شکار کی قیمت مقرر کی جائے، اور دو نیک شخص اس کی قیمت مقرر کریں، پھر فدیہ دینے میں مُحرِم کو اختیار ہے، اگر اتنی رقم سے قربانی کا جانور خریدا جاسکتا ہے تو اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کردے، اور اگر چاہے تو اس رقم سے طعام خرید کر مسکینوں پر صدقہ کرے، ہر مسکین کو دو کلو گرام گندم یا چار کلو گرام کھجوریں یا جو صدقہ کرے، اور اگر چاہے تو جتنے مساکین پر صدقہ لازم آتا ہے اتنے دنوں کے روزے رکھے، مثلاً فدیہ کی رقم سے دس کلو گندم حاصل ہوتی ہے جو پانچ مسکینوں پر صدقہ کی جائے گی، پس اس کو اختیار ہے کہ وہ پانچ مسکینوں پر دس کلو گندم صدقہ کرے یا چاہے تو اس کے بجائے پانچ دنوں کے روزے رکھ دے۔

اور مقتول جانور کی مثل وہ ہوگی جو صورتاً اس کی مثل ہو اور قیمت اس جانور کی مثل نہیں ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خلقت اور ظاہری صورت کے اعتبار سے مثل کو واجب کیا ہے۔ شتر مرغ، ہرن، جنگلی گدھے اور خرگوش میں انہوں نے انہی جانوروں کو مثل

قرار دیا ہے جو ہم نے بیان کی ہیں۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا بجو شکار ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب محرم اس کو شکار کرے تو اس میں ایک مینڈھا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۳۸۰۱، سنن ترمذی: ۸۵۱، سنن نسائی: ۲۸۳۶، سنن ابن ماجہ: ۳۲۳۶، سنن دارمی: ۱۸۷۷، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۷)

امام بخاری نے اس باب کی تعلیق میں یہ قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرن کا شکار کرنے والے مُحرم کو سزا نہیں دی، یعنی جب انہوں نے قبیصہ بن جابر پر ہرن میں بکری کو واجب کیا کہ وہ بکری کو کعبہ کے پاس ذبح کر دے، یہ فیصلہ انہوں نے اور عبدالرحمٰن بن عوف نے کیا تو قبیصہ نے کہا: میں کہتا ہوں اے امیر المومنین! یہ معاملہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ آپ کسی ایک شخص کو بلائیں جو آپ کے ساتھ اس ہرن کی مثل کا فیصلہ کرے، قبیصہ نے کہا: پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو دُرّہ مارا حتیٰ کہ میں ان کے پاس سے بھاگا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے شکار کو قتل کر دیا حالانکہ تم مُحرِم تھے پھر تم فتویٰ سے آنکھ چراتے ہو۔

اور اس کا قصہ وہ ہے جس کی امام مالک نے از عبدالملک بن قریر روایت کی ہے از محمد بن سیرین کہ ایک مرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس نے کہا: میں نے اور میرے ایک ساتھی نے دو گھوڑوں پر سوار ہو کر ایک دوسرے سے سبقت میں مقابلہ کیا حتیٰ کہ ہم ایک گھاٹی پر پہنچے، پس ہم کو ایک ہرن ملا اور ہم دونوں مُحرِم تھے، پس آپ ہمارے متعلق کیا فتویٰ دیتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد سے کہا جو ان کے پہلو میں تھا: آؤ حتیٰ کہ میں تمہارے متعلق فیصلہ کروں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف ایک بکرے کا فیصلہ کیا، پس اس مرد نے پیٹھ پھیری اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! آپ میرے متعلق ہرن کا فیصلہ نہیں کرتے حتیٰ کہ آپ کسی اور مرد کو بلائیں جو آپ کے ساتھ مل کر فیصلہ کرے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی، پھر اس کو بلایا اور پھر اس سے سوال کیا: کیا تم سورۂ مائدہ پڑھتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں! پھر کہا: تم اس مرد کو پہچانتے ہو جس نے میرے ساتھ مل کر فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم مجھے یہ خبر دیتے کہ تم سورۃ المائدہ کو پڑھتے ہو تو میں تم کو شدید ضرب سے درد انگیز سزا دیتا، پھر فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ۔ تم میں سے دو منصف اس (کی مثلیت) کا فیصلہ کریں گے درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ کو پہنچنے والی ہو۔ (المائدہ: ۹۵)

اور یہ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، یعنی جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ہرن کی مثل میں بکرے کا فیصلہ کیا تھا۔

اور اس قصہ کی عبدالملک بن عمیر نے از قبیصہ بن جابر روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حج کرنے کے لیے گئے، پس جب ہم نے صبح کی نماز پڑھی تو ہم اپنی سواریوں کی طرف جلد پہنچے، ہم پیدل جا رہے تھے اور باتیں کر رہے تھے، اسی اثناء میں صبح کے وقت ہمارے سامنے ایک ہرن ظاہر ہوا تو میں نے جھپٹ کر ایک پتھر اٹھایا جو اس ہرن کی انتڑیوں پر جا کر لگا، سو وہ مر گیا۔ پس جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور وہ حج کرنے والے تھے اور بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی ایک جانب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، پس ان سے سوال کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جاؤ اور ایک بکری کی قربانی کرو، تو میں اپنے ساتھی کی طرف گیا، میں نے کہا کہ امیر المومنین کو پتا نہیں چلا کہ وہ کیا جواب دیں حتیٰ کہ انہوں نے دوسرے سے

سوال کیا۔ پھر ہم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درّہ نے خوف زدہ کیا، انہوں نے درّہ اوپر اٹھایا اور کہا: کیا حرم میں کسی جانور کو قتل کیا جائے گا اور اس کا خون بہایا جائے گا؟ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ'' (المائدہ:۹۵) اور میں عمر ہوں اور یہ عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔

اس حدیث کی روایت حافظ ابن عبدالبر نے الاستذکار ج ۲۴ ص ۲۸۰۔۲۷۹ میں کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۹۱۔ ۱۹۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس تعلیق کی شرح میں اسی روایت کا ذکر کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۸۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸۔ بَابٌ: إِذَا أَقَرَّ بِالْحَدِّ وَلَمْ يُبَيِّنْ هَلْ لِلْإِمَامِ أَنْ يَسْتُرَ عَلَيْهِ؟

جب کوئی شخص حد کا اقرار کرے اور اس جرم کا بیان نہ کرے جس کی وجہ سے حد لازم ہو، تو کیا امام کے لیے اس کا پردہ رکھنا جائز ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص امام کے سامنے حد کا اقرار کرے بایں طور کہ وہ کہے کہ میں نے ایسا جرم کیا ہے جو حد کو واجب کرتا ہے تو کیا امام کے لیے جائز ہے کہ اس کا پردہ رکھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں امام کے لیے اس کا پردہ رکھنا جائز ہے۔ اور امام بخاری نے اس کا جواب نہیں ذکر کیا، کیونکہ ان کی عادت ہے کہ عنوان میں جو سوال ذکر کرتے ہیں، اس کا جواب اس لیے ذکر نہیں کرتے کہ باب کی حدیث سے اس کا جواب معلوم ہو جاتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا جس نے کہا تھا کہ میں نے ایسا جرم کیا ہے جس پر حد لازم ہے، آپ مجھ پر حد قائم کیجئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اور آپ نے اس سے اس کے جرم کی تفصیل معلوم نہیں کی، پس اس سے معلوم ہوا کہ پردہ رکھنا اولیٰ ہے کیونکہ اس پردہ کو کھولنے میں ایک قسم کی نجاست اور بے حیائی کا بیان ہے جس سے ہمیں روکا گیا ہے اور آپ نے اس کو ایسا شبہ قرار دیا جو حد کو ساقط کر دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ الْكِلَابِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالقدوس بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو بن عاصم الکلابی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے حدیث بیان کی از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان

حَدًّا فَأَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْأَلْهُ عَنْهُ قَالَ وَحَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الصَّلَاةَ قَامَ إِلَيْهِ الرَّجُلُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَصَبْتُ حَدًّا فَأَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللهِ قَالَ أَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ أَوْ قَالَ حَدَّكَ۔ (صحیح مسلم: ۲۷۶۴)

کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، پس آپ کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر حد واجب ہو گئی، پس آپ مجھ پر حد قائم کیجئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال نہیں کیا، اور نماز کا وقت آیا تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کر لی تو آپ کی طرف وہ مرد کھڑا ہوا، پس کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر حد واجب ہو گئی ہے، آپ کتاب اللہ کے مطابق مجھ پر حد قائم کیجئے، (آپ نے) فرمایا: کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ کو یا تمہاری حد کو معاف فرما دیا ہے۔

صحیح البخاری: ۶۸۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں عنوان کے حکم کی وضاحت ہے اور عنوان کا حکم بیان کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالقدوس بن محمد، یہ ابن عبدالکبیر بن شعیب بن الحبحاب البصری العطار ہیں اور امام بخاری ان سے روایت میں متفرد ہیں۔ اور امام بخاری نے صحیح البخاری میں صرف اسی ایک حدیث کی روایت کی ہے اور حافظ ابوبکر احمد بن ہارون البرزنجی نے امام بخاری پر اعتراض کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ حدیث میرے نزدیک منکر ہے اور اس حدیث میں عمرو بن عاصم نے ہمام کے ساتھ اس میں وہم کیا ہے، یحییٰ بن سعید ان کی حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے اور وہ میرے نزدیک بہت سچے ہیں، ان کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے استدلال نہیں کیا جاتا، اور ابان العطار ان سے زیادہ بہتر ہے۔

ان کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ انہوں نے وہم کو بیان نہیں کیا ہے۔ اور اس حدیث کو ان کا منکر قرار دینا ان کی اپنی اصطلاح کے اعتبار سے ہے کہ جس حدیث کے راوی کا کوئی متابع نہ ہو، اس کو وہ منکر کہتے ہیں۔

یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے اس کی کتاب التوبہ میں از حسن بن علی الحلوانی از عمرو بن عاصم روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انی اصبت حدًّا" یعنی میں نے ایسا کام کیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز ادا فرمائی تو نماز کے بعد آپ نے فرمایا نہ کہ نماز سے پہلے، کیونکہ نماز گناہوں کو مٹا دیتی ہے، قرآن مجید میں ہے:
اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ (ہود: ۱۱۴) بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "او حدّك" یہ راوی کو شک ہے، یعنی جو چیز حد کو واجب کرتی ہے، اس کو معاف فرمادیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۔ ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص نے حد کا اقرار کیا اس پر حد قائم نہ کرنے کی توجیہ

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ وغیرہ نے کہا ہے: جب کہ اس مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اقرار کیا کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے اور حد کو بیان نہیں کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں کھولا اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حدود میں جرم کو کھولنا جائز نہیں ہے، کیونکہ پردہ رکھنا اولیٰ ہے اور گویا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کیا کہ اس کے جرم کو کھولنا اس تجسس کی قسم ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، پس اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا اور اس کو ایک شبہ قرار دیا جو حد کو ساقط کر دیتا ہے، کیونکہ آپ مومنین کے ساتھ رؤف رحیم تھے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مرد نے یہ گمان کیا تھا کہ اس نے ایسا کام کیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے اور واقع میں اس پر حد واجب نہیں ہوتی تھی، اور وہ کام ایسا تھا جس کا وضوء سے اور نماز سے کفارہ ہو جاتا، اور جب کہ یہ جائز نہیں ہے کہ بغیر اظہار کے محض کنایہ سے حد کو واجب کیا جائے تو سلطان کو چاہیے کہ اس جرم کو نہ کھولے، کیونکہ حدود شبہات کے ساتھ قائم نہیں ہوتی ہیں بلکہ شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں اور یہ اس سے اس مرد پر بھی واجب ہے کہ جب اس سے گناہ ہو جائے تو وہ اپنے نفس پر ستر کرے اور کسی کو اس کی خبر نہ دے، شاید اللہ تعالیٰ بھی اس پر ستر کرے۔ اور بے شک ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جس نے کسی مسلمان پر ستر کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر ستر کرتا ہے، تو مرد کا اپنے اوپر ستر کرنا زیادہ لائق ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی دوسرے پر ستر کرے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۶۰۔ ۳۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں حد قائم نہ کرنے کی توجیہات

علامہ حمد بن محمد الخطابی شافعی متوفی ۳۸۸ھ، نے کہا ہے:
یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے مطلع ہو چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مرد کو معاف فرما دیا ہے کیونکہ یہ ایک مخصوص واقعہ ہے، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پوچھتے کہ تم نے کونسا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے حد ہوگی اور پھر آپ اس پر حد کو قائم کرتے۔

نیز علامہ خطابی نے کہا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حدود کو حتی الامکان کھولنا نہیں چاہیے، بلکہ حدود کو جہاں تک ہو سکے ساقط کرنا چاہیے اور اس مرد نے اس فعل کو ظاہر نہیں کیا جس کی وجہ سے اس کے اوپر حد کا قائم کرنا واجب تھا، پس ہو سکتا ہے کہ اس مرد نے کوئی صغیرہ گناہ کیا ہو جس کو اس نے کبیرہ گناہ گمان کیا ہو اور اس پر حد واجب ہوتی ہے۔ اس وجہ سے نبی ﷺ نے اس کے فعل کو نہیں کھولا، کیونکہ حد کا موجب احتمال سے ثابت نہیں ہوتا اور آپ نے اس سے اس لیے سوال نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجسس کرنے سے منع فرمایا ہے، یا اس وجہ سے کہ آپ نے اس پر پردہ رکھنے کو ترجیح دی۔

اور علماء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جب کوئی شخص حد واجب ہونے کا اقرار کرے تو اس کو رجوع کرنے کی تلقین کی جائے تا کہ اس سے حد ساقط ہو جائے۔ اور علامہ نووی اور ایک جماعت نے وثوق سے کہا ہے کہ جو گناہ اس نے کیا تھا وہ صغیرہ گناہوں میں سے تھا، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ "نماز نے اس کا کفارہ ادا کر دیا" کیونکہ نماز گناہِ صغیرہ کا کفارہ کرتی ہے گناہِ کبیرہ کا کفارہ نہیں کرتی اور یہ اکثر اور اغلب ہے۔ اور کبھی نماز بعض کبائر کا بھی کفارہ کرتی ہے مثلاً کسی شخص کے گناہِ صغیرہ بہت ہوں تو گناہِ صغیرہ کی کثرت اس کو کبیرہ بنا دیتی ہے اور نماز اس کا کفارہ کر دیتی ہے، یا اس کا کوئی صغیرہ نہ ہو یا معمولی سا گناہ ہو اور اس پر ایک کبیرہ ہو تو نماز اس کا کفارہ کر دیتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ابوبکر الزنجی نے اس باب کی حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے کہ ایک مرد نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، سو آپ مجھ پر حد قائم کیجئے۔۔۔ الحدیث، پس بعض علماء نے اس حدیث کو اس پر محمول کیا ہے کہ اس نے اس کام کو زنا کہا جو زنا نہیں تھا، اس لیے اس نماز نے اس کا کفارہ کر دیا۔ اور کبھی اس حدیث سے وہ علماء استدلال کرتے ہیں کہ جب کوئی شخص توبہ کرتا ہوا آئے تو اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اس شخص ہی کے ساتھ خاص ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہاری حد کو نماز کے سبب سے معاف فرما دیا اور اس چیز کو وحی کے سوا نہیں جانا جا سکتا، لہٰذا یہ حکم عام نہیں ہوگا اور اس شخص کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور وحی کے منقطع ہونے سے اس حکم کا عموم منقطع ہو گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کی تین توجیہات ہیں:

(۱) حد اس وقت واجب ہوتی ہے جب کوئی مرد اپنے جرم کا تعین کرے اور اس کا اصرار کے ساتھ اقرار کرے۔

(۲) اس شخص کے اس جرم کا معاف ہو جانا جو حد کو واجب کرتا تھا، اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حد توبہ سے ساقط ہو جاتی ہے اور یہ اوضح المسالک ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جس نیک کام کو اس نے خوشی کے ساتھ کیا اور اللہ کے خوف سے اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا تو اس سے اس کا جرم معاف ہو جائے گا، کیونکہ حدود کی حکمت یہ ہے کہ دوبارہ اس کام کا اعادہ نہ کیا جائے اور اس شخص نے جو اپنے گناہ کا اعتراف کیا، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس کام کو نہیں کرے گا، تو اس لیے اس سے حد کا اٹھنا مناسب ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۷ ص ۸۸۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں اس شخص پر حد قائم نہ کرنے کی توجیہ

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص نے یہ بیان نہیں کیا تھا کہ اس نے کونسا ایسا جرم کیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے۔ رہے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ، تو انہوں نے بیان کیا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ انہوں نے زنا کیا ہے اور ایسا جرم کیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے اور اس شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ کیا اس نے زنا کیا ہے یا چوری کی ہے یا کوئی اور جرم کیا ہے، اور اس مرد کو ہم نہیں پہچانتے کہ وہ کون تھا۔

جب ہمارے پاس کوئی مرد توبہ کرتا ہوا آئے اور کہے کہ میں نے ایسا کام کیا ہے جس پر حد واجب ہوتی ہے اور بیان نہ کرے تو ہم اس سے اس کے گناہ کے متعلق سوال نہیں کریں گے بلکہ اس پر پردہ رکھیں گے اور جب وہ کوئی نیک کام کرے گا تو ہم کہیں گے:

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ (ہود: ۱۱۴) بے شک نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۸۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۹۔ باب: هَلْ يَقُولُ الْإِمَامُ لِلْمُقِرِّ لَعَلَّكَ لَمَسْتَ أَوْ غَمَزْتَ؟

کیا امام زنا کا اقرار کرنے والے سے یہ کہے کہ شاید کہ تم نے چھوا ہو یا اشارہ کیا ہو؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام زنا کا اقرار کرنے والے سے یہ کہے کہ شاید تم نے عورت کو چھوا ہو یا اس کو آنکھ سے اشارہ کیا ہو یا ہاتھوں سے مس کیا ہو؟ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں لکھا ہے: یا تم نے اس کی طرف دیکھا ہو؟ اور اس استفہام کا جواب مقدر ہے جس کی وضاحت اس باب کی حدیث سے ہوتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ يَعْلَى بْنَ حَكِيمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَمَّا أَتَى مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَهُ لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ أَوْ غَمَزْتَ أَوْ نَظَرْتَ قَالَ لَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَنِكْتَهَا لَا يَكْنِي قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ أَمَرَ بِرَجْمِهِ۔

(سنن ابو داؤد: ۴۴۲۷، مسند احمد: ۲۴۲۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد الجعفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہب بن جریر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے یعلیٰ بن حکیم سے سنا از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان سے فرمایا: شاید کہ تم نے بوسا دیا ہو، یا عورت کی طرف دیکھا ہو، اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس سے مجامعت ہی کر لی ہے؟ اس مرتبہ آپ نے کنایہ سے کام نہیں لیا، پھر اس وقت آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا۔

صحیح البخاری: ۶۸۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں وہب بن جریر کا ذکر ہے، یہ اپنے والد جریر بن حازم بن یزید البصری سے روایت کرتے ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں یعلیٰ بن حکیم کا ذکر ہے، یہ ثقفی ہیں، ان کے موالی اہلِ بصرہ سے تھے اور یہ شام سے تھے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الحدود میں روایت کی ہے از زہیر بن حرب اور امام نسائی نے اس کی روایت کتاب الرجم میں کی ہے از عمرو بن علی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''لعلك قبلت'' اس عبارت میں مفعول کو محذوف کر دیا ہے، کیونکہ اس کا مخاطب کو علم تھا یعنی وہ عورت جو معین ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''انکتها'' یہ نیك سے ماخوذ ہے (لسان العرب ج ۱۴ ص ۳۹۹ میں لکھا ہوا ہے کہ ازہری نے کہا: نَیك کا معنی ہے نَکَحَ، یعنی جماع کیا۔سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے''لایکنی'' یعنی آپ نے اس لفظ کے بغیر تصریح نہیں کی، خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے لفظِ نَیك کی تصریح کی، کیونکہ حدود کنایات سے ثابت نہیں ہوتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود میں جو شخص زنا کا اقرار کرے اس کو تلقین کرنا جائز ہے، کیونکہ لفظِ زنا کبھی آنکھ سے دیکھنے پر بھی بولا جاتا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زنا کا اقرار کرنے والے کو تلقین کرنے کی حکمت

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود میں تلقین کرنا جائز ہے جس سے حد کو ساقط کیا جا سکے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ شاید کہ تم نے اس عورت کو بوسا دیا ہو یا اس کے جسم کو مَس کیا ہو۔الخ، تا کہ اس سے حد ساقط ہو جائے۔

لفظِ زنا کا آنکھ سے دیکھنے پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے اور تمام اعضاء پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، پس جب وہ لفظِ مشترک کو بولے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی حتیٰ کہ وہ صحیح اور صریح لفظ کو بولے جس میں کوئی اشکال نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت

میں شبہات سے حدود کو ساقط کرنا ہے۔ پس جب اس نے ظاہر لفظ بولا اور اس کا معاملہ واضح ہو گیا تو پھر آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حدود اس وقت تک نہیں قائم کی جائیں گی جب تک کہ وہ صریح لفظ کے ساتھ اقرار نہ کرے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر چند گواہ کسی مرد کے خلاف زنا کرنے کی شہادت دیں اور یہ نہ کہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا کہ اس نے اس عورت کے اندر داخل کر دیا تو ان کا حکم قذف کا حکم ہوگا اور جو اس کی شہادت دے گا اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر نرمی ہے اور ان کی پردہ پوشی ہے تاکہ وہ توبہ کریں۔ اور صحابہ کرام نے بھی تلقین کو اشارہ کے ساتھ استعمال کیا ہے، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے۔

حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رجم کرنے سے پہلے تلقین کرنے کے شواہد

اور امام مالک نے از یحییٰ بن سعید روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد آیا اور اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام میں تھے، اس نے ذکر کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو واقد کو اس کی بیوی کی طرف بھیجا اور اس سے سوال کیا کہ جو اس کے شوہر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا اور ابو واقد نے اس عورت کو خبر دی کہ اس کے شوہر کے قول سے اس کو گرفتار نہیں کیا جائے گا اور اس کو اس کے مشابہ الفاظ کے ساتھ تلقین کرتے رہے، اس عورت نے رجوع کرنے سے انکار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو رجم کر دیا۔ (الموطا ص ۵۱۴)

امام عبد الرزاق نے معمر سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد کو لایا گیا، پس کہا گیا کہ یہ چور ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا ہاتھ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں ہے، اس مرد نے کہا: اللہ کی قسم! میں چور نہیں ہوں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۱۹۳، الحدیث: ۱۸۷۹۳)

اور شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا جس کو شراحہ کہا جاتا تھا، اور یہ زنا سے حاملہ تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر افسوس ہے شاید کسی مرد نے تمہارے ساتھ جبراً زنا کیا ہے، اس نے کہا: نہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر شاید تم سوئی ہوئی تھیں اور اس نے تمہارے ساتھ زنا کیا، اس عورت نے کہا: نہیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید تمہارا شوہر ہمارے دشمنوں میں سے ہو جو اہل شام میں سے ہیں اور تم اس کی طرف منسوب ہونے کو ناپسند کرتی ہو، اس عورت نے کہا: نہیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اس عورت کو اس قسم کے کلمات سے تلقین کرتے رہے اور وہ عورت کہتی رہی کہ نہیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کر دیا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۲۶، الحدیث: ۱۳۳۵۰)

چور کو تلقین کرنے کے صحابہ کرام سے شواہد

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک چور کو لایا گیا جس نے اونٹ چرایا تھا تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم کو وہ اونٹ ملا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں، تو حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۵۔ ۵۱۴، الحدیث: ۲۸۵۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

یہ تعریض کے ساتھ تلقین کرنے کا طریقہ ہے جو شخص حد کی معرفت رکھتا ہو۔

از ابن جریج از عطاء، انہوں نے بیان کیا کہ بعض صحابہ کے پاس چور کو لایا جاتا، پس وہ کہتے: کیا تم نے چوری کی ہے؟ تم کہو نہیں، اور عطاء نے کہا: مجھے علم ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا، یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس چور لایا جاتا تو وہ اس کو تلقین کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۵، الحدیث: ۲۸۵۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابوشیبہ روایت کرتے ہیں، ہمیں ابو بکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از سفیان از علی بن الاقمر از یزید بن ابی کبشہ، کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت کو لایا گیا جس نے چوری کی تھی، تو سلامہ نے اس عورت سے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ تم کہنا نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۴، الحدیث: ۲۸۵۶۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابو بکر بن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں، ہمیں شریک نے حدیث بیان کی از جابر از مولیٰ لابی مسعود از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے پاس ایک مرد لایا گیا جس نے چوری کی تھی، تو انہوں نے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ تم کہو: مجھے یہ چیز ملی ہے، اس نے کہا: مجھے یہ چیز ملی ہے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۴۔۵۱۵، الحدیث: ۲۸۵۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابو بکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں، ہمیں محمد بن بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن ابی عروبہ نے حدیث بیان کی از سلیمان الناجی از ابی التوکل، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا، اور اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حاکم تھے، تو انہوں نے کہا: کیا تم نے چوری کی ہے، کیا تم نے چوری کی ہے؟ کہو نہیں، کہو نہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۵، الحدیث: ۲۸۵۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابو بکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں ہمیں حدیث بیان کی ابن عیینہ نے از یزید بن خصیفہ از محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان کہ ایک مرد نے چادر کی چوری کی، تو اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس نے چادر کی چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا: میں نہیں گمان کرتا کہ اس نے چوری کی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۵، الحدیث: ۲۸۵۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام ابو بکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از حسن بن صالح از غالب ابی الہذیل انہوں نے کہا: میں نے سبیع ابو سالم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھا، ان کے پاس ایک مرد لایا گیا جس نے چوری کا اقرار کیا تھا، پس اس سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید کہ تم نے اس کو چھینا ہے تاکہ وہ کہے نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۵۱۵، الحدیث: ۲۸۵۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

ابوثور نے کہا: جب کہ چور عورت ہو، یا وہ شخص ہو جو نہیں جانتا ہو کہ اس نے کیا کیا ہے یا وہ کیا کہے، تو اس کو تلقین کی جائے گی۔

المہلب مالکی نے کہا: یہ تلقین مختلف مراتب سے ہے اور یہ سنتِ لازمہ نہیں ہے مگر اس میں امام اور سربراہ کو اختیار ہے اور امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ تعریض نہ کرے اور نہ تلقین کرے، کیونکہ حدیث میں ہے: ”تم گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے“۔

(یہ پوری حدیث اس طرح سے ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شریک بن السحماء کے ساتھ تہمت لگائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، تو حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ہم میں سے کوئی شخص کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے جائے گا؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے رہے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، پس حضرت ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں ضرور سچا ہوں اور میرے معاملہ میں ضرور ایسی آیات نازل کی جائیں گی جو میری پیٹھ کو کوڑوں سے بری کر دیں گی، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے لعان کی آیات نازل فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پس وہ عورت تردد کا شکار ہوئی اور ہچکچائی حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ اب یہ رجوع کر لے گی مگر اس نے کہا: میں کبھی اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی اور (پانچویں شہادت دے کر) اس نے لعان مکمل کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب دیکھنا اگر یہ عورت ایسا بچہ جنے جس کی آنکھیں بہت سیاہ پلکوں والی ہوں، اس کے سرین موٹے ہوں اور پنڈلیاں بھری ہوئی ہوں تو وہ شریک بن سحماء کا ہے، پس اس عورت نے اس طرح کا بچہ جنا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میرا اس عورت کے لیے کچھ اور ہی سلوک ہوتا)۔ (سنن ترمذی: ۳۱۷۹، صحیح البخاری: ۴۷۴۷)

علامہ شمس الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی المتوفی ۶۸۲ ھ لکھتے ہیں:

امام احمد نے کہا: چور کو تلقین کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے تا کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے، اور یہ عامۃ الفقہاء کا قول ہے، روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور کو لایا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کیا تم نے چوری کی ہے؟ تم کہو: نہیں، اس نے کہا: نہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا، اور یہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو مسعود اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے، اور یہی اسحاق کا اور ابوثور کا قول ہے۔

اور ہم نے روایت کی ہے کہ حضرت ابوامیہ المخزومی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے اعتراف کر لیا تھا اور اس کے پاس سامان نہیں پایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں گمان کرتا کہ تم نے چوری کی ہے، اس نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے اس پر دو مرتبہ دہرایا یا تین مرتبہ، پھر آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور اس کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اور توبہ کرو، اس نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں، اور پھر آپ نے تین مرتبہ دعا کی کہ اے اللہ! اس کی توبہ کو قبول فرما۔ (سنن ابوداؤد: ۴۳۸۰، سنن نسائی: ۴۸۹۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۹۷)

اس روایت میں بھی یہ ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کو رجوع کرنے کی تلقین کی تھی مگر اس نے رجوع نہیں کیا۔

اسی طرح آپ نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو بھی رجوع کرنے کی تلقین کی تھی کہ شاید تم نے بوسا دیا ہو یا مَس کیا ہو (مگر انہوں نے رجوع نہیں کیا) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک مرد کو لایا گیا جس نے ان کے سامنے چوری کا اقرار کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو ڈانٹ دیا۔ (المغنی ج ۱۲ ص ۳۳۲، دارالحدیث، قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

نیز علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں:

رہی وہ تلقین جو جائز نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے حقوق میں جھگڑ رہے ہوں تو اس وقت کسی ایک فریق کو تلقین کی جائے، اسی طرح سے جو شخص لوٹ مار کرنے میں معروف ہو اس کو بھی تلقین کرنا جائز نہیں ہے جب کہ ظاہر ہو جائے کہ اس نے لوٹ

مارکا اعتراف کیا ہے یا اس کے خلاف گواہ قائم ہو جائیں۔ اور امام اس پر حد قائم کرنے کو جائز نہ قرار دے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۱۹۶۔ ۱۹۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۰۔ بَابُ: سُؤَالِ الْإِمَامِ الْمُقِرَّ هَلْ أَحْصَنْتَ؟

اقرار کرنے والے سے امام کا یہ سوال کرنا کہ کیا تم شادی شدہ ہو؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ امام زنا کا اقرار کرنے والے سے یہ سوال کرے کہ کیا تم شادی شدہ ہو، کیونکہ رجم کرنے کی شرط یہ ہے کہ زنا کرنے والا شادی شدہ ہو، یعنی اس نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا ہو اور اس میں دخول بھی کیا ہو۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۵۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلٌ مِنَ النَّاسِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَنَادَاهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ يُرِيدُ نَفْسَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَنَحَّى لِشِقِّ وَجْهِهِ الَّذِي أَعْرَضَ قِبَلَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي زَنَيْتُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَجَاءَ لِشِقِّ وَجْهِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الَّذِي أَعْرَضَ عَنْهُ فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَبِكَ جُنُونٌ قَالَ لَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن خالد نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب وابی سلمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگوں میں سے ایک مرد آیا اور اس وقت آپ مسجد میں تھے، اس نے نداء کی یا رسول اللہ! بے شک میں نے زنا کیا ہے، وہ اپنی ذات کا ارادہ کرتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا، پس وہ آپ کے چہرہ کی اس جانب آیا جس جانب آپ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے زنا کیا ہے، آپ نے پھر اس سے اعراض کیا اور وہ بھی دوبارہ اس طرف آ گیا جدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ پھیرا تھا، پس جب اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ شہادت دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو جنون ہے؟ اس نے کہا: نہیں یا رسول اللہ! پس فرمایا: کیا تم شادی شدہ ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اور اس کو رجم کر دو۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۷۱۶۸، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

صحیح البخاری: ۶۸۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا: کیا تم شادی شدہ ہو؟

رہے اس حدیث کے رجال تو ان کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے۔

یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے "لا یوجم المجنون والمجنونة"۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "رجل من الناس" یعنی لوگوں میں سے ایک مرد نے کہا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مرد اکابر صحابہ میں سے نہیں تھا اور نہ مشہور صحابہ میں سے تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یرید نفسه" اس کلام کا فائدہ یہ ہے کہ یہ بیان کیا جائے کہ وہ مرد کسی دوسرے کی طرف سے فتویٰ معلوم نہیں کر رہا تھا اور بطورِ فرض اپنی طرف نسبت کی تھی جیسا کہ جو شخص غیر کے لیے فتویٰ پوچھے اس کی یہ عادت ہے۔ علامہ کرمانی وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ وہ تاکید کا ارادہ کرتا تھا کہ وہی زانی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فتنحی" یعنی وہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری جانب آ کر کھڑا ہو گیا۔

(عمدة القاری ج ۲۳ ص ۴۔۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۶۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ فَكُنْتُ فِيمَنْ رَجَمَهُ فَرَجَمْنَاهُ بِالْمُصَلَّى فَلَمَّا أَذْلَقَتْهُ الْحِجَارَةُ جَمَزَ حَتَّى أَدْرَكْنَاهُ بِالْحَرَّةِ فَرَجَمْنَاهُ۔

ابن شہاب نے کہا: مجھے اس نے خبر دی جس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے کہا: میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اس کو رجم کیا، ہم نے اس کو عید گاہ میں رجم کیا تھا، پھر جب اس کو پتھروں کی چوٹ لگی تو وہ بھاگا حتیٰ کہ ہم نے اس کو سیاہ پتھریلی زمین میں پکڑ لیا، پھر ہم نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۶۸۱۴، ۶۸۱۶، ۶۸۲۰، ۶۸۲۶، ۱۶۸، ۷، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۲۹، سنن نسائی: ۱۹۵۶، سنن ابوداؤد: ۴۴۳۰، مسند احمد: ۱۴۰۵۳، سنن دارمی: ۲۳۱۵)

صحیح البخاری: ۶۸۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے کہا۔ اور یہ سندِ مذکور کے ساتھ موصول ہے۔ جس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا تھا، اس سے مراد ابو سلمہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جمز" اس کا معنی ہے: بھاگا، اس کی باقی شرح "باب لا یرجم المجنون" میں گزر چکی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۲۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زنا کا اقرار کرنے والے سے امام کے اس سوال کرنے کی توجیہ کہ کیا تم شادی شدہ ہو؟

ہر امام پر یہ لازم ہے کہ وہ زنا کا اقرار کرنے والے سے پوچھے کہ تم شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ زانی اور کنوارے زانی کی حد میں فرق کیا ہے۔ پس امام پر لازم ہے کہ وہ اس پر واقف ہو جیسا کہ اس پر واجب ہے کہ وہ اقرار کرنے والے سے یہ سوال کرے کہ کیا تم بالغ ہو؟

پھر اس کے بعد امام پر لازم ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی تصدیق کرنا، کیونکہ حد صرف یقین کے ساتھ جاری کی جاتی ہے اور اس میں تجسس جائز نہیں ہے۔

اور جب کہ اقرار کرنے والے کا قول مس کرنے میں یا آنکھ سے اشارہ کرنے میں مقبول ہے تو اس کا قول اس کے شادی شدہ ہونے کے متعلق بھی مقبول ہوگا۔ سو باب واحد ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب اس کا حال معلوم نہ ہو تو اس کے شادی شدہ ہونے کے متعلق سوال کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس سے پہلے اس کے اقرار سے یہ معلوم ہو جائے تو پھر یہ سوال واجب نہیں ہے۔

جب زنا کرنے والے کا نہ اقرار سنا گیا ہو اور نہ انکار تو اس کے متعلق فقہاء مالکیہ کے اقوال

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب اس سے نہ اقرار سنا جائے اور نہ انکار تو اس میں فقہاء مالکیہ کے تین اقوال ہیں:

ابن القاسم نے کہا: اس کا قول قبول کیا جائے گا اگرچہ اس کا اپنی بیوی کے ساتھ ٹھہرنا طویل عرصہ پر مشتمل ہو ورنہ اس کا علم حمل کے ظہور سے ہو جائے یا کسی سے سن کر ہو جائے۔

اور المدوّنہ کی نکاحِ ثالث میں بیان کیا ہے کہ جب عورت زنا کا انکار کرے اور وہ اس شخص کے ساتھ بیس سال رہی ہو تو اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

اور عبد الملک نے کہا: محمد کے نزدیک زوجین میں سے جو انکار کرے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور رجم قائم رہے گا خواہ وہ اس عورت کے ساتھ صرف ایک رات رہا ہو۔ اور محمد نے کہا: یہ ہمارے اصحاب کا قول ہے اور ابن القاسم کا قول ہے۔

اور اگر دخول کے بعد دونوں میں اختلاف ہو تو منکر پر حد قائم کی جائے گی اور اگر اقرار کرنے میں اختلاف ہو تو کہا جائے گا: کنوارے کی حد لگائی جائے گی اور دوسرا قول ہے کہ شادی شدہ کی حد لگائی جائے گی، سوا اس کے کہ وہ اس سے رجوع کرلے جس کا اقرار کیا تھا۔ اور اگر شوہر دخول کا دعویٰ کرتا ہو، پھر اب یہ کہے کہ میں نے پہلے یہ اس لیے کہا تھا تا کہ میں رجوع کرنے کا مالک ہوں یا اس کی بیوی دخول کی مدعی ہو اور وہ کہے کہ میں نے یہ کہا تھا تا کہ میں مہر حاصل کرلوں یا کوئی اور عذر بیان کرے تو اس سے حلف لیا جائے گا اور اس پر کنوارے کی حد لگائی جائے گی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۰۱، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۱- بَابٌ: اَلْاِعْتِرَافُ بِالزِّنَا

زنا کے اعتراف کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں زنا کے اعتراف کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۷-۶۸۲۸- حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَفِظْنَاهُ مِنْ فِي الزُّهْرِيِّ قَالَ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ وَزَيْدَ بْنَ خَالِدٍ قَالَا كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ أَنْشُدُكَ اللهَ إِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ فَقَالَ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي قَالَ قُلْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هٰذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ ثُمَّ سَأَلْتُ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ وَعَلَى امْرَأَتِهِ الرَّجْمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ جَلَّ ذِكْرُهُ الْمِائَةُ شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا قُلْتُ لِسُفْيَانَ لَمْ يَقُلْ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَقَالَ الشَّكُّ فِيهَا مِنَ الزُّهْرِيِّ فَرُبَّمَا قُلْتُهَا وَرُبَّمَا سَكَتُّ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہم نے اس حدیث کو زہری کے منہ سے (سن کر) یاد رکھا، انہوں نے کہا: مجھے عبیداللہ نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما سے سنا، ان دونوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، پس ایک مرد کھڑا ہوا، سو اس نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمائیں، تو اس کا فریقِ مخالف کھڑا ہوا اور وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھا، اس نے کہا: آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کریں اور مجھے بولنے کی اجازت دیں، آپ نے فرمایا: تم بولو، اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا تو میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دے دیے، پھر میں نے اہلِ علم مردوں سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں ضرور تمہارے درمیان اللہ جل ذکرہٗ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور خادم تم کو واپس دیے جائیں گے اور تمہارے بیٹے پر ایک سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور اے اُنیس! اس شخص کی بیوی کے پاس

جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دینا، پھر حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ صبح کو اس کے پاس گئے، سو اس نے اعتراف کرلیا، انہوں نے اس کو رجم کر دیا، میں نے سفیان سے کہا: راویوں نے یہ نہیں کہا: پس اہلِ علم لوگوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر رجم ہے، تو انہوں نے کہا: مجھے اس میں زہری سے شک ہے، پس بسا اوقات میں نے اس کو بیان کیا اور بسا اوقات میں خاموش رہا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۸۲۷۔۶۸۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "پس اس عورت نے زنا کا اعتراف کرلیا اور حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کر دیا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، یہ ابن عُیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عُبید اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبد اللہ بن عتبہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوکالت میں از ابوالولید گزر چکی ہے اور کتاب الشروط میں از قتیبہ گزر چکی ہے اور کتاب النذور میں از اسماعیل بن ابی اویس گزر چکی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر گزر چکی ہے۔ اور باقی صحاحِ ستہ کے مولفین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مِن فِی الزھری"، یعنی "مِن فِیہِ" اس کا معنی ہے: سفیان بن عیینہ نے زہری کے منہ سے سن کر یہ حدیث بیان کی۔ اور الحُمیدی کی روایت میں ہے: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی، اور الاسماعیلی کی روایت میں ہے: میں نے زہری سے سنا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اور شعیب کی روایت میں ہے: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اور ابنِ ابی ذئب کی روایت میں ہے: آپ اس وقت مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقام رجل" کتاب الشروط کی روایت میں ہے کہ اعراب میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

آیا، اور کتاب الاحکام کی روایت میں ہے کہ اعراب میں سے ایک مرد کھڑا ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انشدك الله" یہاں ایک عبارت محذوف ہے اس کا خلاصہ ہے کہ "میں آپ سے اللہ کے نام سے سوال کرتا ہوں کہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں"۔

اس سوال کا جواب کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب سے ہی فیصلہ فرماتے تھے تو ایک فریق نے یہ کیوں کہا کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کیجئے؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس کلام کا کیا فائدہ ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ کی کتاب کے مطابق ہی فیصلہ فرماتے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ اس اعرابی کے اوپر اللہ تعالیٰ کا حکم مخفی تھا، کیونکہ اس نے اہل علم سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور یہ ایسا ہے جیسے دو فرشتوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ (ص:۲۲) آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرمائیں اور بے انصافی نہ کریں اور ہمیں سیدھی راہ بتائیں O

اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ مقدمہ کے فریق کے لیے امامِ عادل سے یہ کہنا جائز ہے کہ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں۔ علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کے قول پر انکار نہیں فرمایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا قضيت" اس کا معنی ہے: میں آپ سے صرف یہ طلب کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بكتاب الله" ہمارے شیخ زین الدین نے کہا ہے کہ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کریں یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضاء اور اس کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں، اور اس سے مراد قرآن ہے؟ تو انہوں نے کہا: اس میں دونوں امر جائز ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقام خصمه وكان افقه منه وائذن لى" یعنی اس شخص کا فریقِ مخالف کھڑا ہوا جو اس سے زیادہ سمجھدار تھا، اس سے مراد یہ ہے کہ یا تو وہ مطلقاً اس سے زیادہ سمجھدار تھا، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس خاص معاملہ میں وہ اس سے زیادہ سمجھدار تھا۔ اور اس نے کہا "وائذن لی" یعنی مجھے بات کرنے کی اجازت دیجئے، اور یہ اس شخص کے زیادہ سمجھدار ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس نے حسنِ ادب سے بات کرنے کی اجازت طلب کی اور آواز بلند کرنے کو ترک کیا۔ اور ایک حدیث میں وارد ہے خواہ وہ ضعیف ہے کہ "اچھے طریقہ سے سوال کرنا بھی نصف علم ہے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان ابنى" اور ایک روایت میں ہے "ان ابنى هذا" یعنی میرا یہ بیٹا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "كان عسيفا" "عسيف" کا معنی ہے اجیر یعنی اجرت پر کام کرنے والا۔ اور عبد الملک بن حبیب کی "شرح الموطا" میں لکھا ہے کہ "عسیف" اس لڑکے کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وخادم" یہاں اس سے مراد ہے خادمہ، یعنی اس نے سو بکریاں فدیہ میں دیں اور ایک باندی آزاد کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں فتویٰ دینے والے صحابہ کے اسماء

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم سالت رجالا من اهل العلم" اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں فتویٰ دیتے تھے۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ذکر کیا ہے: ان صحابہ میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وعلى ابنك جلد مائة وتغريب عام" یعنی تمہارے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس شخص کا بیٹا کنوارا تھا اور اس نے زنا کا اعتراف کر لیا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں کچھ عبارت محذوف ہو کہ اگر تمہارے بیٹے نے زنا کا اعتراف کر لیا تو پھر اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے لیکن پہلی بات زیادہ لائق ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ سنا رہے تھے۔ پس اگر یہ مقامِ افتاء ہوتا تو اس میں اشکال نہ ہوتا، کیونکہ اصل عبارت یوں ہوتی کہ اگر اس نے زنا کیا ہے اور وہ کنوارا ہے تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے، اور اس کے اعتراف کا قرینہ یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ حاضر تھا اور اس کی طرف جو فعل منسوب کیا گیا وہ اس پر خاموش رہا۔ رہا یہ کہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کنوارا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمرو بن شعیب کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ میرا بیٹا اس عورت کے ہاں مزدوری کرتا تھا اور میرا بیٹا غیر شادی شدہ تھا۔

حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کے نام کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے "واغد يا انيس" "أغد" کا لفظ "غدا اغدوا" سے امر ہے اور اس کا معنی ہے: جانا، اور یہ مراد نہیں ہے کہ صبح صبح جائے۔ قاضی عیاض نے کہا: بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ تنگی وقت کی بناء پر حد کے جاری کرنے کو وقت سے موخر کرنا جائز ہے، لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ انہوں نے دن کے آخری حصہ میں حد جاری کی اور اُنیس کا لفظ "انس" کی تصغیر ہے، اور اس حدیث میں ان کے مصداق کے متعلق اختلاف ہے، پس مشہور یہ ہے کہ یہ انیس بن الضحاک الاسلمی ہیں اور وہ عورت بھی اسلمیہ تھی جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے اسی طرح لکھا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اُنیس کا نام، انیس بن مرثد ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ابنِ ابی مرثد ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اُنیس بن ابی مرثد مشہور صحابی ہیں۔ اور جنہوں نے کہا: اس سے مراد حضرت انس بن مالک ہیں اور انہوں نے اس کی تصغیر اُنیس کی ہے، وہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ انصاری ہیں، اسلمی نہیں ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ زانی کی حد تجسس اور چھان بین سے ثابت نہیں ہوتی، پھر حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو اس عورت سے زنا کا سوال کرنے اور پھر حد جاری کرنے کا حکم کیوں دیا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ زانی کی حد تجسس اور چھان بین سے ثابت نہیں ہوتی، پھر حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو اس عورت کی طرف بھیجنے

کی کیا وجہ ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مقصود یہ خبر دینا ہے کہ اس مرد نے اس عورت پر تہمت لگائی ہے اور اس عورت سے اس مرد پر حدِ قذف ہے، پس یا تو وہ عورت حدِ قذف کا مطالبہ کرے یا اس کو معاف کر دے یا زنا کا اعتراف کرے۔

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) جس مقدمہ میں سلطانِ اعلیٰ سے کم درجہ کے حاکم نے کوئی فیصلہ کیا ہو اور وہ حق کے موافق نہ ہو تو سلطانِ اعلیٰ کے پاس مقدمہ پیش کرنا۔

(۲) ہر وہ صلح جو خلاف سنت طریقہ پر ہوئی ہو، اس کو فسخ کرنا۔

(۳) جس شخص نے کسی ایسے مال پر قبضہ کیا جو اس کے لیے جائز نہیں تھا تو وہ اس کی مِلک نہیں ہوگا۔

(۴) عالم کے لیے شہر میں فتویٰ دینا جائز ہے اگرچہ شہر میں اس سے بڑا عالم موجود ہو۔

(۵) علماء میں سے کسی ایک کے قول پر اقتصار نہ کرنا جائز ہے۔

(۶) فریقِ مخالف کا امام سے یہ کہنا جائز ہے کہ آپ ہمارے درمیان عدل سے فیصلہ کیجئے۔

(۷) امام شافعی اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کنوارا مرد زنا کرے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور شہر بدر کیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ شہر بدر کرنے کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حد میں شہر بدر کرنے کا اضافہ کرنا نصِ قرآن پر اضافہ ہے کیونکہ نصِ قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے اور نصِ قرآن پر خبرِ واحد سے اضافہ کرنا نصِ قرآن کو خبرِ واحد سے منسوخ کرنا ہے اور نصِ قرآن کو خبرِ واحد سے منسوخ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید تواتر سے ثابت ہے اور خبرِ واحد اس کے معارض نہیں ہو سکتی۔

(۸) فیصلہ کو جاری کرنے کے لیے کسی ایک شخص کو بھیجنا جائز ہے جیسا کہ آپ نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

(۹) جو عورت پردہ دار ہو اور گھر سے عادتاً باہر نہ نکلتی ہو اس کو حاکم کی مجلس میں حاضر ہونے کا مکلف نہیں کیا جائے گا، بلکہ یہ جائز ہے کہ اس عورت کی طرف ایسے شخص کو بھیج دیا جائے جو اس پر فیصلہ کو جاری کرے اور امام نسائی نے اس حدیث کا یہی عنوان قائم کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۔۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۲۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ قَالَ عُمَرُ لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَطُولَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ حَتّٰى يَقُولَ قَائِلٌ لَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ أَلَا وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنٰى وَقَدْ أَحْصَنَ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ قَالَ سُفْيَانُ كَذَا حَفِظْتُ أَلَا وَقَدْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ بیان کرتے ہیں کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: مجھے یہ خدشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ زیادہ گزر جائے گا حتیٰ کہ کوئی کہنے والا کہے گا: ہم رجم کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے، پھر وہ اس فریضہ کو ترک کرنے کے سبب سے گمراہ ہو جائیں گے جس فریضہ کو اللہ تعالیٰ

رَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ۔

نے نازل کیا ہے، سنو! رجم اس پر برحق ہے جس نے زنا کیا اور جب وہ شادی شدہ ہو اور جب اس کے زنا پر گواہ قائم ہوں یا عورت حاملہ ہو جائے یا مرد اعتراف کرلے۔
سفیان نے کہا: مجھے اسی طرح یاد ہے کہ انہوں نے کہا: سنو! رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا۔

(صحیح مسلم:۱۶۹۱، سنن ترمذی:۱۴۳۲، سنن ابوداؤد:۴۴۱۸، سنن ابن ماجہ:۲۵۵۳، مسند احمد:۲۷۸، موطا امام مالک:۱۵۵۸، سنن دارمی:۲۲۲۳)

صحیح البخاری:۶۸۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ "سنو! رجم کرنا اس شخص پر برحق ہے جس نے زنا کیا اور وہ شادی شدہ ہو"۔

اس حدیث کے رجال وہی ہیں جن کا اس سے پہلی حدیث میں ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فیضلوا" پس وہ اللہ کے فرض کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انزلها الله" اس اعتبار سے کہ وہ آیت یہ ہے "الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما" (معمر مرد اور معمر عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو رجم کردو)، یہ آیت قرآن سے تھی، پھر اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی، یا اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞" (النجم:۳۔۴)، (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ۞ ان کا کہا ہوا وہی ہے جس کی ان کی طرف وحی کی جاتی ہے ۞)

اس حدیث میں مذکور ہے "وقد أحصن" یہ لفظ احصان سے ماضی ہے اور ترکیب میں حال واقع ہے اور جب ماضی حال ہو تو اس سے پہلے قد لایا جاتا ہے، یعنی وہ شادی شدہ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اوكان الحمل" اس کا معنی ہے: یا حمل ثابت ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اوالاعتراف" یا ان میں سے کوئی فریق زنا کا اعتراف کرلے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۸۲۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) حدیث میں مذکور دونوں فریقوں نے ایک فریق کے بیٹے کے متعلق کہا کہ اس نے دوسرے فریق کی بیوی سے زنا کیا ہے، تو ان دونوں کو قاذف نہ قرار دینے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں فریقوں کو قاذف یعنی تہمت لگانے والا نہیں قرار دیا جب ان دونوں نے یہ ذکر کیا کہ ایک فریق کے بیٹے نے دوسرے فریق کی بیوی سے زنا کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد کے بیٹے سے یہ سوال نہیں کیا کہ کیا اس نے زنا کیا ہے اور کیا یہ دونوں فریق سچ کہہ رہے ہیں یا نہیں؟ لیکن حدیث کے مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کے بیٹے نے زنا کا اقرار کر لیا تھا، کیونکہ حد قائم کرنا اسی وقت جائز ہے جب یا تو کوئی شخص زنا کا اقرار کرے یا اس کے خلاف گواہ قائم ہوں اور ان کے خلاف گواہ تو نہیں تھے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ عورت زنا کا اعتراف کرلے تو تم اس عورت کو رجم کر دینا۔

(۲) کنوارے زانی کو کوڑے مارنے اور شہر بدر کرنے میں فقہاء کا اختلاف

امام ابوحنیفہ کے نزدیک کنوارے زانی کو صرف کوڑے مارے جائیں گے اور شہر بدر نہیں کیا جائے گا اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کو شہر بدر بھی کیا جائے گا۔

(۳) شادی شدہ زانی کو صرف رجم کرنے کا ثبوت نہ کہ اس کو کوڑے بھی مارے جائیں

شادی شدہ زانی کو صرف رجم کیا جائے گا اس کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے جیسا کہ شہر کے ائمہ فتویٰ کا یہی مذہب ہے، کیونکہ اس شادی شدہ عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف رجم کرنے کا حکم دیا اور کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا۔

(۴) حاکم کا دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے بیان سننے کا جواز

حاکم کا دو فریقوں کے مقدمہ کو سننا جائز ہے جب کہ ان میں سے ایک فریق غائب ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فریق کی عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا حالانکہ اس مجلسِ قضاء میں وہ عورت غائب تھی اور وہ بھی دو فریقوں میں سے ایک فریق تھی۔

(۵) اگر وقت کم ہو تو حد کو مؤخر کرنے کا جواز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگلے دن اس شادی شدہ عورت پر حد جاری کرنے کا حکم دیا، فرمایا کہ اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دینا۔

(۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کو حکم نافذ کرنے کے لیے بھیجنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو اس عورت پر حد جاری کرنے کے لیے اور رجم کرنے کے لیے بھیجا۔

(۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو صرف ایک مرتبہ زنا کا اقرار کرے اور چار مرتبہ اقرار نہ کرے اس پر حد جاری کرنا جائز ہے؟ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر یہ عورت زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دینا اور یہ نہیں فرمایا کہ اگر یہ چار مرتبہ اعتراف کرے تو پھر رجم کرنا۔

(۸) اگر امام کے سامنے کسی پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو امام اس وقت تک اس پر حدِ قذف جاری نہیں کرے گا جب تک کہ مقذوف اس کا مطالبہ نہ کرے

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر امام کے سامنے کوئی شخص کسی پر تہمت لگائے تو امام اس وقت تک اس پر حدِ قذف نہیں لگائے گا جب تک کہ مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ حدِ قذف کا مطالبہ نہ کرے، کیونکہ مقذوف کے لیے جائز ہے کہ قاذف کو معاف کر دے یا وہ اس کا پردہ رکھنے کا ارادہ کرے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک فریق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، سو اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا، تو اس فریق نے دوسرے فریق کی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حدِ قذف جاری نہیں کی، کیونکہ جب اس عورت نے زنا کا اعتراف کر لیا تو اس سے قذف یعنی تہمت لگانے کی حد ساقط ہو گئی اور اسی کی مثل حضرت عُویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جب انہوں نے اپنی بیوی پر ایک مرد کے ساتھ تہمت لگائی، پھر انہوں نے لعان کیا یعنی انہوں نے اور ان کی بیوی نے ایک دوسرے پر لعان کیا، کیونکہ جس کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اس نے حدِ قذف کا مطالبہ نہیں کیا تھا، اگر وہ حدِ قذف کا مطالبہ کرتے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ پر حدِ قذف لگائی جاتی سوا اس کے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ اپنے قول پر کوئی گواہ پیش کر دیتے۔

اور اس مسئلہ میں ابنِ ابی لیلیٰ کا خلاف ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ امام قاذف پر حد جاری کرے گا خواہ مقذوف نے اس کا مطالبہ نہ کیا ہو۔ اور ابنِ ابی لیلیٰ کا یہ قول سُننِ ثابتہ کے خلاف ہے اور اس حدیث کے باقی معانی کا بیان ان شاء اللہ العزیز عنقریب آئے گا۔

(۹) ایک مرد کسی معین عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کرے اور وہ عورت منکر ہو تو آیا اس مرد پر زنا کی حد جاری ہو گی یا اس پر حدِ قذف جاری ہو گی؟ اس میں فقہاء کا اختلاف

امام مالک کا قول یہ ہے کہ اس مرد پر زنا کی حد جاری ہو گی اور اگر عورت اس مرد کے خلاف حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو اس پر حدِ قذف بھی جاری کی جائے گی۔ اسی طرح اگر عورت کسی مرد کے ساتھ زنا کا اقرار کرے اور مرد مُنکر ہو تو عورت پر زنا کی حد لگائی جائے گی اور اگر مرد اس کے خلاف حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو اس عورت پر حدِ قذف بھی لگائی جائے گی۔ (التمہید لابن عبدالبر ج ۹ ص ۹۱)

علامہ اشہب مالکی نے کہا: اس مرد پر حدِ زنا لگائی جائے گی اور حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی، کیونکہ وہ مرد یا تو صادق ہو گا یا کاذب ہو گا، پس اگر وہ صادق ہے تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی اور اگر وہ کاذب ہے تو اس پر قذف کی حد لگائی جائے گی زنا کی حد نہیں لگائی جائے گی۔ پس جو وجہ بھی ہو اس پر دو حدیں جمع نہیں ہوں گی۔ (النوادر والزیادات ج ۱۴ ص ۲۵۱)

علامہ ابہری نے کہا: یہاں ایک تیسری قسم ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مرد نے اس عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا ہو، تو وہ اس عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کرنے میں صادق ہے اور تہمت لگانے میں کاذب ہے، لہٰذا اس پر دو حدیں لگائی جائیں گی زنا کی حد بھی لگائی جائے گی اور حدِ قذف بھی لگائی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ اس پر حدِ قذف ہو گی اور زنا کی حد نہیں ہو گی۔ اور امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ان میں سے جس نے بھی اقرار کیا اس پر فقط حدِ زنا ہو گی۔ (المحیط البرہانی ج ۶ ص ۴۳۱، شرح المہذب ج ۱۲ ص ۴۷،

کتاب الروضہ ج ۱۰ ص ۹۴)

امام مالک یہ کہتے ہیں کہ مرد پر زنا کی حد لازم ہوگی اور اگر عورت اس کے خلاف حدِ قذف کا مطالبہ کرے تو حدِ قذف بھی لازم ہوگی۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ زنا کی حد اس پر اس کے اقرار کی وجہ سے واجب ہوگی، کیونکہ اگر ہمیں مرد کا صدق گواہی سے معلوم ہو جائے یا عورت کے اقرار سے تو مرد پر حدِ قذف لازم نہیں ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ گواہی یا اقرار کا حدِ قذف میں دخل نہیں ہے، اس لیے اگر عورت نے حدِ قذف کا مطالبہ کیا تو مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔

امام ابوحنیفہ اور اوزاعی یہ کہتے ہیں کہ اس پر فقط حدِ قذف ہوگی اور حدِ زنا نہیں ہوگی۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے عورت پر تہمت لگائی اور اس نے چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر قرآن مجید کی آیت کی وجہ سے حدِ قذف لازم ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ (تہمت لگانے والے) اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے، پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں ۝

(النور: ۱۳)

پس جب اس عورت کی وجہ سے مرد کے اوپر حدِ قذف لازم ہوگئی تو اب اس مرد کے اوپر زنا کی حد کا لازم ہونا محال ہے۔ پس ہم نے عورت کے لیے پاک دامن ہونے کا حکم لگا دیا۔ اور نیز دو حدوں کا جمع ہونا کبھی بھی جائز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک قذف کی حد، زنا کی حد سے زیادہ لازم ہے، کیونکہ جس شخص نے اپنے نفس پر زنا کا اقرار کیا پھر رجوع کر لیا تو اس کے رجوع کو قبول کر لیا جائے گا اور جس نے کسی پر تہمت لگائی اور رجوع کیا تو اس کو رجوع نفع نہیں دے گا۔

امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے جس نے بھی زنا کا اقرار کیا، اس پر فقط زنا کی حد ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے علم کا احاطہ کیا ہے کہ ان میں سے کسی پر بھی دو حدیں اکٹھی نہیں ہوں گی، کیونکہ اگر وہ زانی ہے تو اس پر قذف کی حد نہیں ہوگی اور اگر وہ پاک دامن عورت کو تہمت لگانے والا ہے تو پھر وہ زانی نہیں ہے اور تہمت لگانے والا ہے تو اس پر فقط حدِ قذف ہوگی۔ اور اس پر زنا کی حد اس لیے واجب ہے کہ جس نے اپنے نفس پر زنا کا اقرار کیا اور دوسرے کے متعلق دعویٰ کرتا ہے تو دوسرے کے متعلق اس کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کے اقرار کی وجہ سے اس کے اوپر زنا کی حد لگائی جائے گی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۰۹۔ ۲۰۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۲۔ بَابُ: رَجْمِ الْحُبْلٰى مِنَ الزِّنَا اِذَا اَحْصَنَتْ

زنا سے حاملہ عورت کو رجم کرنا جب کہ وہ شادی شدہ ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس عورت کو رجم کرنے کا بیان ہے جو زنا سے حاملہ ہوئی ہو جب کہ وہ شادی شدہ ہو۔ اور اس پر اجماع ہے کہ اس کو رجم کیا جائے گا لیکن وضع حمل کے بعد فقہاء احناف کے نزدیک، اور دوسرا قول ہے: جب بچہ دودھ چھوڑنے کے بعد روٹی کھانے لگے۔ اور امام مالک نے کہا: جب عورت کا بچہ ہو جائے اور بچے کو دودھ پلانے والی پائی جائے ورنہ اس معاملہ کو موخر کر دیا جائے حتیٰ کہ بچہ دودھ پینے کے بعد روٹی کھانے لگے، پھر اس عورت کو رجم کیا جائے اس خدشہ سے کہ بچہ ہلاک نہ ہو جائے۔ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس عورت کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ بچے کو روٹی کھلانے لگے۔

اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ پائی جائے اور اس کا کوئی خاوند نہ ہو تو امام مالک نے کہا: اگر عورت نے یہ کہا کہ اس سے جبراً زنا کیا گیا یا اس نے کہا کہ وہ شادی شدہ تھی تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اس پر حد قائم کی جائے گی سوا اس صورت کے کہ وہ اپنے دعویٰ کے موافق کوئی گواہ قائم کرے۔ اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا: اس پر حد نہیں ہوگی سوا اس کے کہ وہ زنا کا اقرار کرے یا اس کے خلاف گواہ قائم ہو جائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۔۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أُقْرِئُ رِجَالًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِنْهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فَبَيْنَمَا أَنَا فِي مَنْزِلِهِ بِمِنًى وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا إِذْ رَجَعَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا أَتَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْيَوْمَ فَقَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَلْ لَكَ فِي فُلَانٍ يَقُولُ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ لَقَدْ بَايَعْتُ فُلَانًا فَوَاللهِ مَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ إِلَّا فَلْتَةً فَتَمَّتْ فَغَضِبَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِنِّي إِنْ شَاءَ اللهُ لَقَائِمٌ الْعَشِيَّةَ فِي النَّاسِ فَمُحَذِّرُهُمْ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَغْصِبُوهُمْ أُمُورَهُمْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ وَغَوْغَاءَهُمْ فَإِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يَغْلِبُونَ عَلَى قُرْبِكَ حِينَ تَقُومُ فِي النَّاسِ وَأَنَا أَخْشَى أَنْ تَقُومَ فَتَقُولَ مَقَالَةً يُطَيِّرُهَا عَنْكَ كُلُّ مُطَيِّرٍ وَأَنْ لَا يَعُوهَا وَأَنْ لَا يَضَعُوهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا فَأَمْهِلْ حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ فَإِنَّهَا دَارُ الْهِجْرَةِ وَالسُّنَّةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں مہاجرین میں سے چند مردوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا، ان میں سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے، پس جس وقت میں منیٰ کے اندر ان کے گھر میں تھا اور اس وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس حج کے دوران تھے جو انہوں نے آخر عمر میں کیا تھا، تو اچانک حضرت عبد الرحمٰن میرے پاس واپس آئے، انہوں نے کہا: اگر آپ ایک مرد کو دیکھیں جو آج امیر المومنین کے پاس آیا ہے، اس نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی فلاں شخص کے متعلق کیا رائے ہے؟ جو یہ کہتا ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو میں فلاں شخص سے بیعت کروں گا، پس اللہ کی قسم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی تھی، پس وہ مکمل ہو گئی، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے، پھر کہا: بے شک میں ان شاء اللہ آج شام کو لوگوں میں خطاب کروں گا اور ان کو ڈراؤں گا جو لوگوں میں شر پھیلانا چاہتے ہیں اور ظلم اور غصب کرنا چاہتے ہیں، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پس میں نے

فَتَخْلُصَ بِأَهْلِ الْفِقْهِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ فَتَقُولَ مَا قُلْتَ مُتَمَكِّنًا فَيَعِي أَهْلُ الْعِلْمِ مَقَالَتَكَ وَيَضَعُونَهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا فَقَالَ عُمَرُ أَمَا وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَأَقُومَنَّ بِذَلِكَ أَوَّلَ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فِي عُقْبِ ذِي الْحَجَّةِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ عَجَّلْتُ الرَّوَاحَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ حَتَّى أَجِدَ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ جَالِسًا إِلَى رُكْنِ الْمِنْبَرِ فَجَلَسْتُ حَوْلَهُ تَمَسُّ رُكْبَتِي رُكْبَتَهُ فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمَّا رَأَيْتُهُ مُقْبِلًا قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ لَيَقُولَنَّ الْعَشِيَّةَ مَقَالَةً لَمْ يَقُلْهَا مُنْذُ اسْتُخْلِفَ فَأَنْكَرَ عَلَيَّ وَقَالَ مَا عَسَيْتَ أَنْ يَقُولَ مَا لَمْ يَقُلْ قَبْلَهُ فَجَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ فَلَمَّا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي قَائِلٌ لَكُمْ مَقَالَةً قَدْ قُدِّرَ لِي أَنْ أَقُولَهَا لَا أَدْرِي لَعَلَّهَا بَيْنَ يَدَيْ أَجَلِي فَمَنْ عَقَلَهَا وَوَعَاهَا فَلْيُحَدِّثْ بِهَا حَيْثُ انْتَهَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ وَمَنْ خَشِيَ أَنْ لَا يَعْقِلَهَا فَلَا أُحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَكْذِبَ عَلَيَّ إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةُ الرَّجْمِ فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ آيَةَ الرَّجْمِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ ثُمَّ إِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ فِيمَا نَقْرَأُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ أَنْ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَإِنَّهُ

کہا: اے امیر المومنین! آپ ایسا نہ کریں، کیونکہ حج کا زمانہ بے وقوف لوگوں کو جمع کر لیتا ہے جن میں کم علم اور کم فہم لوگ ہوتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جو آپ کے قرب پر غالب آئیں گے جب آپ لوگوں میں کھڑے ہوں گے اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ آپ کھڑے ہوں گے اور خطبہ دیں گے تو ہر شخص آپ کے خطبہ کو لے کر پرواز اڑے گا اور وہ آپ کے خطبہ کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھے گا اور آپ کے خطبہ کے الفاظ کو ان کے محل پر نہیں رکھے گا تو آپ اب اس خطبہ دینے کو موخر کر دیں حتیٰ کہ آپ مدینہ پہنچ جائیں کیونکہ وہ دار الہجرۃ اور دار السنۃ ہے، وہاں پر سمجھدار لوگ ہوں گے اور معزز لوگ ہوں گے، پھر جو کچھ آپ کہیں گے وہ اس کو محفوظ رکھیں گے اور اہلِ علم آپ کی گفتگو کو یاد رکھیں گے اور آپ کے الفاظ کو ان کی جگہوں پر رکھیں گے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: سنو! ان شاء اللہ، اللہ کی قسم! میں ضرور اپنے پہلے مقام میں قیام کروں گا اور مدینہ پہنچوں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: پس ہم ذوالحجہ کے اخیر میں مدینہ پہنچے، پس جب کہ جمعہ کا دن تھا تو میں نے جلدی سے کوچ کیا جب سورج ڈھل گیا حتیٰ کہ میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا وہ منبر کے ستون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے پس میں ان کے گرد بیٹھ گیا، میرا گھٹنا ان کے گھٹنے کو مس کر رہا تھا، ہم میں زیادہ دیر نہیں بیٹھا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نکل آئے، پس جب میں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو میں نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے کہا: وہ ضرور آج شام کو ایسی گفتگو کریں گے کہ انہوں نے اس سے پہلے جب سے وہ خلیفہ بنائے گئے ہیں ایسی گفتگو نہیں کی، سو انہوں نے میری بات کا انکار کیا اور کہا: مجھے توقع نہیں ہے کہ وہ ایسی کوئی بات کہیں گے جو اس سے پہلے انہوں نے نہ کہی ہو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے، جب موذنین خاموش ہوئے تو وہ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد و ثنا کی جو اس کی شان کے لائق ہے، پھر کہا: بہر حال حمد و صلوٰۃ کے

كُفْرٌ بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ أَوْ إِنَّ كُفْرًا بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ أَلَا ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تُطْرُونِي كَمَا أُطْرِيَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ ثُمَّ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ قَائِلًا مِنْكُمْ يَقُولُ وَاللهِ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فُلَانًا فَلَا يَغْتَرَّنَّ امْرُؤٌ أَنْ يَقُولَ إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلْتَةً وَتَمَّتْ أَلَا وَإِنَّهَا قَدْ كَانَتْ كَذَلِكَ وَلَكِنَّ اللهَ وَقَى شَرَّهَا وَلَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ تُقْطَعُ الْأَعْنَاقُ إِلَيْهِ مِثْلُ أَبِي بَكْرٍ مَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُبَايَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلَا وَإِنَّهُ قَدْ كَانَ مِنْ خَبَرِنَا حِينَ تَوَفَّى اللهُ نَبِيَّهُ ﷺ أَنَّ الْأَنْصَارَ خَالَفُونَا وَاجْتَمَعُوا بِأَسْرِهِمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَخَالَفَ عَنَّا عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ وَمَنْ مَعَهُمَا وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ يَا أَبَا بَكْرٍ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا هَؤُلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْطَلَقْنَا نُرِيدُهُمْ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْهُمْ لَقِيَنَا مِنْهُمْ رَجُلَانِ صَالِحَانِ فَذَكَرَا مَا تَمَالَأَ عَلَيْهِ الْقَوْمُ فَقَالَا أَيْنَ تُرِيدُونَ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ فَقُلْنَا نُرِيدُ إِخْوَانَنَا هَؤُلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَا لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَقْرَبُوهُمْ اقْضُوا أَمْرَكُمْ فَقُلْتُ وَاللهِ لَنَأْتِيَنَّهُمْ فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَاهُمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ فَإِذَا رَجُلٌ مُزَمَّلٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هَذَا فَقَالُوا هَذَا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ فَقُلْتُ مَا لَهُ قَالُوا يُوعَكُ فَلَمَّا جَلَسْنَا قَلِيلًا تَشَهَّدَ خَطِيبُهُمْ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَنَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ وَكَتِيبَةُ الْإِسْلَامِ وَأَنْتُمْ مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ رَهْطٌ وَقَدْ دَفَّتْ دَافَّةٌ مِنْ قَوْمِكُمْ فَإِذَا هُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْتَزِلُونَا مِنْ أَصْلِنَا وَأَنْ يَحْضُنُونَا مِنَ الْأَمْرِ فَلَمَّا سَكَتَ أَرَدْتُ

بعد، میں تم سے ایسی بات کہنے والا ہوں جس کو کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، مجھے پتا نہیں شاید کہ اب میرے سامنے میری موت ہے، پس جو شخص عقل والا ہو اور وہ اس بات کو یاد رکھ سکے تو وہ اس بات کو بیان کرے جہاں تک اس کی سواری اسے پہنچائے، اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ اس کو اتنی سمجھ نہیں ہے تو میں کسی شخص کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھے، بے شک اللہ تعالیٰ نے (سیدنا) محمد (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائیں ان میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے اس کو پڑھا اور اس کو سمجھا اور اس کو یاد رکھا، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے رجم کیا، پس مجھے خطرہ ہے کہ لوگوں پر زیادہ زمانہ گزرے گا تو کوئی کہنے والا کہے گا: اللہ کی قسم! ہم اللہ کی کتاب میں رجم کی آیت نہیں پاتے، پس وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کا انکار کر کے گمراہ ہو جائیں گے، اور جس شخص نے زنا کیا اس پر کتاب اللہ میں رجم کرنے کا حکم برحق ہے، جب کہ وہ مردوں اور عورتوں میں سے شادی شدہ ہو، جب گواہ قائم ہو جائیں یا عورت حاملہ ہو یا ان میں سے کوئی اقرار کر لے، پھر ہم جو اللہ کی کتاب سے قرآن مجید کی آیات پڑھتے تھے، ان میں یہ حکم تھا کہ تم اپنے باپ دادا سے اعراض نہ کرو، یہ تمہارا کفر ہے کہ تم اپنے باپ دادا سے اعراض کرو، یا یہ تمہارا کفرانِ نعمت ہے کہ تم اپنے باپ دادا سے اعراض کرو، سنو! بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا اور تم کہو: کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پھر مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم میں سے کوئی کہنے والا یہ کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! اگر عمر فوت ہو گئے تو میں فلاں شخص سے بیعت کر لوں گا، سو کوئی شخص یہ بات کہہ کر دھوکا نہ کھائے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی تھی اور مکمل

أَنْ أَتَكَلَّمَ وَكُنْتُ قَدْ زَوَّرْتُ مَقَالَةً أَعْجَبَتْنِي أُرِيدُ أَنْ أُقَدِّمَهَا بَيْنَ يَدَيْ أَبِي بَكْرٍ وَكُنْتُ أُدَارِي مِنْهُ بَعْضَ الْحَدِّ فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى رِسْلِكَ فَكَرِهْتُ أَنْ أُغْضِبَهُ فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَكَانَ هُوَ أَحْلَمَ مِنِّي وَأَوْقَرَ وَاللهِ مَا تَرَكَ مِنْ كَلِمَةٍ أَعْجَبَتْنِي فِي تَزْوِيرِي إِلَّا قَالَ فِي بَدِيهَتِهِ مِثْلَهَا أَوْ أَفْضَلَ مِنْهَا حَتَّى سَكَتَ فَقَالَ مَا ذَكَرْتُمْ فِيكُمْ مِنْ خَيْرٍ فَأَنْتُمْ لَهُ أَهْلٌ وَلَنْ يُعْرَفَ هَذَا الْأَمْرُ إِلَّا لِهَذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَدَارًا وَقَدْ رَضِيتُ لَكُمْ أَحَدَ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ فَبَايِعُوا أَيَّهُمَا شِئْتُمْ فَأَخَذَ بِيَدِي وَبِيَدِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَهُوَ جَالِسٌ بَيْنَنَا فَلَمْ أَكْرَهْ مِمَّا قَالَ غَيْرَهَا كَانَ وَاللهِ أَنْ أُقَدَّمَ فَتُضْرَبَ عُنُقِي لَا يُقَرِّبُنِي ذَلِكَ مِنْ إِثْمٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَأَمَّرَ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ تُسَوِّلَ إِلَيَّ نَفْسِي عِنْدَ الْمَوْتِ شَيْئًا لَا أَجِدُهُ الْآنَ فَقَالَ قَائِلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ أَنَا جُذَيْلُهَا الْمُحَكَّكُ وَعُذَيْقُهَا الْمُرَجَّبُ مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ فَكَثُرَ اللَّغَطُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ حَتَّى فَرِقْتُ مِنَ الِاخْتِلَافِ فَقُلْتُ ابْسُطْ يَدَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ فَبَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعْتُهُ وَبَايَعَهُ الْمُهَاجِرُونَ ثُمَّ بَايَعَتْهُ الْأَنْصَارُ وَنَزَوْنَا عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ قَتَلْتُمْ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فَقُلْتُ قَتَلَ اللهُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ قَالَ عُمَرُ وَإِنَّا وَاللهِ مَا وَجَدْنَا فِيمَا حَضَرْنَا مِنْ أَمْرٍ أَقْوَى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِي بَكْرٍ خَشِينَا إِنْ فَارَقْنَا الْقَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ أَنْ يُبَايِعُوا رَجُلًا مِنْهُمْ بَعْدَنَا فَإِمَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلَى مَا لَا نَرْضَى وَإِمَّا نُخَالِفُهُمْ فَيَكُونُ فَسَادٌ فَمَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَلَى غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا

ہوگئی، سنو! وہ بیعت اسی طرح تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو شر سے محفوظ رکھا، اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس کی طرف اونٹوں کی گردنوں کو قطع کر کے سفر کیا جائے جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے سفر کیا جاتا تھا، جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی مرد سے بغیر مشورہ کے بیعت کی، پس وہ اس سے بیعت نہیں کرے گا اور نہ جس شخص سے اس نے بیعت کی ہے ان کو یہ خطرہ ہے کہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے گا، اور بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بہتر لوگوں میں سے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی، مگر انصار نے ہماری مخالفت کی اور تمام انصار بنو ساعدہ کے چبوترہ میں جمع ہو گئے اور حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے انہوں نے بھی ہماری مخالفت کی، اور مہاجرین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف جمع ہو گئے، میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوبکر! ہمیں اپنے ان انصار بھائیوں کی طرف لے چلیں، پس ہم گئے اور ہم ان سے گفتگو کا ارادہ کرتے تھے، پس جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ہم ان میں سے دو نیک مردوں سے ملے، پس انہوں نے اس کا ذکر کیا جس پر وہ لوگ متفق ہو چکے تھے، پس ان دونوں نے کہا: اے مہاجرین کی جماعت! تم کہاں کا ارادہ کرتے ہو؟ ہم نے کہا: ہم اپنے ان انصار بھائیوں کا ارادہ کرتے ہیں، ان دونوں نے کہا: تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان کے قریب نہ جاؤ، تم اپنا معاملہ پورا کر لو، میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ان کے پاس ضرور جائیں گے، پس ہم گئے حتیٰ کہ ان کے پاس بنو ساعدہ کے چبوترہ میں پہنچ گئے، پس ایک مرد ان کے درمیان چادر میں لپٹے ہوئے تھا، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے پوچھا انہیں کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا: ان کو بخار ہے، پس ہم تھوڑی دیر بیٹھے کہ ان کے خطیب نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مطابق حمد و ثنا کی، پھر کہا: بہر حال حمد

يَتَابَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلَا۔

وصلوٰۃ کے بعد! ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں اور اسلام کا لشکر ہیں اور تم مہاجرین کی جماعت ایک چھوٹی سی جماعت ہو جو یہاں پر چل کر آئی ہے، جو یہ ارادہ کرتی ہے کہ ہم کو اپنی اصل سے نکال دے اور ہم کو حکومت سے علیحدہ رکھے، پس جب وہ خطیب خاموش ہو گیا تو میں نے ان سے بات کرنے کا ارادہ کیا، اور میں نے اپنے دل میں گفتگو کا ایک خاکہ تیار کر لیا تھا جو مجھے پسند تھا اور میں ارادہ کرتا تھا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس گفتگو کو پیش کروں گا، اور میرا ارادہ تھا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بولنے سے پہلے ہی اس کو شروع کر دوں اور انصار کی تقریر سے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ پیدا ہوا ہے اس کو دور کر دوں، پس جب میں نے بات کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ٹھہر جاؤ، اور میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ناراضگی کو ناپسند کیا، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی، وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور مجھ سے زیادہ باوقار تھے، اور اللہ کی قسم! انہوں نے اپنی گفتگو میں کسی ایسی بات کو نہیں چھوڑا جس کا میں نے خاکہ تیار کیا تھا مگر انہوں نے فی البدیہہ اس کی مثل کہا یا اس سے افضل کہا حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گئے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم لوگوں نے اپنی جس خیر کا ذکر کیا ہے تم اس کے اہل ہو، لیکن یہ حکومت تو صرف قبیلہ قریش کے لیے جائز ہے، وہ نسب اور گھرانے کے اعتبار سے تمام عربوں سے افضل ہیں، اور میں تمہارے لیے ان دو مردوں میں سے کسی ایک مرد پر راضی ہوں، تم ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ پکڑا اور وہ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گفتگو میں سے اس بات کے سوا اور کسی کو ناپسند نہیں کیا، اور بے شک اللہ کی قسم! مجھے آگ کر دیا جاتا اور میری گردن ماردی جاتی تو یہ مجھے اس سے زیادہ پسند تھا کہ مجھے کسی ایسی قوم کا سردار بنا دیا جاتا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خود

موجود ہوں، میرا اب تک یہی خیال ہے، یہ اور بات ہے کہ موت کے وقت میرا نفس مجھے بہکا دے، پس انصار میں سے کہنے والے نے کہا: میں ایک ایسی لکڑی ہوں جس سے اونٹ اپنا بدن رگڑ کر کھجلی کو دور کرتے ہیں، اور میں وہ باڑ ہوں جو درختوں کے ارد گرد حفاظت کے لیے لگائی جاتی ہے، ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے اے قریش کی جماعت! پھر بہت زیادہ شور ہو گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ میں اختلاف سے ڈرا، پس میں نے کہا: اے ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا، سو میں نے ان سے بیعت کر لی اور ان سے مہاجرین نے بیعت کر لی، پھر ان سے انصار نے بیعت کر لی، اور ہم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے تو ایک کہنے والے نے کہا: تم نے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مار ڈالا، میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس وقت جو لوگ ہم میں حاضر تھے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کوئی چیز زیادہ قوی نہیں سمجھی، ہمیں یہ ڈر ہوا کہ ہم قوم سے الگ ہو جائیں اور ابھی بیعت نہ ہوئی ہو اور وہ ہمارے بعد کسی اور شخص سے بیعت کر لیں، پس یا تو ہم اس سے بیعت کریں گے جس سے ہم راضی نہیں ہیں یا ہم اس کی مخالفت کریں گے، پس جس شخص نے مسلمانوں میں سے کسی مرد سے بغیر مشورہ کے بیعت کی، پس اس کی پیروی نہ کی جائے اور نہ اس کی پیروی کی جائے جس کی بیعت کی ہے، کیونکہ یہ خطرہ ہے کہ وہ دونوں اپنی جانیں ہلاک کر دیں گے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۶۲، ۳۴۴۵، ۳۹۲۸، ۴۰۲۱، ۶۸۲۹، ۶۸۳۰، ۷۳۲۳، صحیح مسلم: ۱۶۹۱، سنن ترمذی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۸، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۳، مسند احمد: ۳۹۳، موطا امام مالک: ۱۵۵۸، سنن دارمی: ۲۷۸۴)

صحیح البخاری: ۶۸۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ "جب مردوں اور عورتوں میں سے جو شادی شدہ ہوں اور ان کے زنا کرنے پر گواہ قائم ہوں یا عورت کو حمل ہو یا ان میں سے کوئی اعتراف کرے (تو اس کو رجم کیا جائے گا)"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابراہیم بن سعد، یہ ابنِ ابراہیم بن عبدالرحمٰن ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صالح، یہ ابن کیسان ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "کنت أُقرئ" یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما چند مہاجرین کو قرآن مجید پڑھاتے تھے جن میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بڑی عمر کا آدمی چھوٹی عمر کے آدمی سے علم حاصل کرے، کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑی عمر کے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان سے کم عمر تھے۔

صحیح البخاری کے شارح علامہ داؤدی نے اس حدیث کو غریب قرار دیا، انہوں نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے سامنے قرآن پڑھتے تھے اور وہ اکابر صحابہ ان کو قرآن مجید کی تلقین کرتے تھے۔

علامہ ابن التین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کا یہ معنی بیان کرنا ظاہر حدیث سے خروج ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فی آخر حجة حجها" یعنی یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آخری حج کیا تھا اور یہ تیئس (۲۳) ہجری کا واقعہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لو رأیت رجلا" اس کی جزا محذوف ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے کہ "اگر آپ ایک مرد کو دیکھتے تو بہت تعجب کی چیز دیکھتے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "هل لك فی فلان؟" یعنی فلاں شخص کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ اس شخص کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لو قد مات عمر" اس جملہ میں "قد" کا لفظ زائد ہے، کیونکہ یہ لازم ہے کہ "لو" فعل پر داخل ہو، اور اس کا معنی ہے: اگر عمر کی موت متحقق ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لقد بایعت فلانا" یعنی وہ شخص یہ کہتا تھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہو جائیں تو میں فلاں شخص سے بیعت کرلوں گا۔ یہاں فلاں شخص سے مراد ہے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔ اور علامہ کرمانی نے کہا: وہ انصار میں سے ایک مرد تھے، اس کو علامہ ابن بطال نے المہلب سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اس کا ماخذ نہیں بیان کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "إلّا فلتة" یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک ہوئی، اور مسلمانوں نے بغیر پہلے سے غور وفکر

کیے ہوئے اچانک ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان یغصبوھم امرھم " یعنی جو لوگ کچھ معاملات کا ارادہ کریں گے اور یہ ارادہ ان کا طریقہ نہیں ہوگا اور نہ ان کا مرتبہ ہوگا، پس وہ ظلم اور غصب کرنے والوں کو منصب دینے کا ارادہ کریں گے۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ وہ حکومت پر غالب ہو جائیں گے اور ان کے ضعف کی وجہ سے ان کی حکومت کمزور ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رَعاع الناس " اس سے مراد ہے جاہل اور رذیل لوگ۔

اور اس حدیث میں "غوغاء " کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: چھوٹی ٹڈی جواڑتے وقت ظاہر ہوتی ہے اور اس کا اطلاق ان لوگوں پر کیا جاتا ہے جو نچلے درجہ کے لوگ ہوتے ہیں اور شر اور فساد کی طرف جلدی بڑھتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اے امیر المومنین! آپ اس موقع پر خطاب نہ کریں کیونکہ یہ حج کا موسم ہے اور اس میں ہر قسم کے لوگ ہوں گے جس میں نچلے درجہ کے لوگ ہوں گے جو آپ کے قریب آکر شر پھیلائیں گے جب آپ لوگوں میں کھڑے ہو کر خطبہ دیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یغلبون علی قربك " یعنی جس وقت آپ لوگوں کو خطبہ دیں گے تو یہ آپ کے قریب ہوں گے کیونکہ ان کا غلبہ ہوگا اور یہ عقلمند لوگوں کے لیے آپ کے قرب کی جگہ نہیں چھوڑیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا اخشی ان تقوم فتقول مقالة یطیرھا عنك كل مطیر وان لا یعوھا ولا یضعوھا علی مواضعھا " یعنی مجھے یہ خوف ہے کہ جب آپ کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیں گے تو یہ لوگ آپ کے خطبہ کی ہر بات کو لے کر پہنچ جائیں گے اور اس کو یاد نہیں رکھیں گے اور آپ کی بات کو اس کے محمل کے مطابق بیان نہیں کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فامھل " یہ امہال سے امر ہے، اس کا معنی ہے: آہستگی اور ملائمت۔ "امھلتہ " کا معنی ہے: میں نے اس کو مہلت دی اور اس کے لیے جلدی نہیں کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیعی " یعنی علم کو حفظ کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی عقب ذی الحجة " یعنی ذوالحجہ کے ختم ہونے سے پہلے بدھ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حین زاغت الشمس " جب سورج اپنی جگہ سے زائل ہو گیا اور اس سے مراد ہے جب گرمی زائل ہوگئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سعید بن زید " یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلم انشب " یعنی میں نہیں ٹھہرا اور میں کسی چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہوا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی جگہ سے منبر کی طرف آئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لعلھا بین یدی اجلی " یعنی میری موت کے قریب۔ یہ ان امور میں سے ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے واقع ہوئے اور اسی طرح واقع ہو گئے جس طرح انہوں نے کہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموھما " یہ قرآن کی آیت ہے، اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل: واللہ ما نجد آیۃ الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترك فریضۃ انزلھا اللہ" یعنی مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر زیادہ زمانہ گزر گیا تو کوئی کہنے والا کہے گا: اللہ کی قسم! ہم رجم کی آیت کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہیں پاتے، پس جو اللہ تعالیٰ نے فریضہ نازل کیا ہے، اس کے ترک کرنے کی وجہ سے وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو خطرہ تھا وہ واقع ہوا، کیونکہ خوارج کی ایک جماعت نے رجم کا انکار کیا، اسی طرح بعض معتزلہ نے رجم کا انکار کیا۔ (میں کہتا ہوں: اس دور میں بھی منکرین حدیث رجم کا انکار کرتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

اس حدیث میں مذکور ہے "والرجم فی کتاب اللہ حق" یعنی اللہ کی کتاب میں رجم کا حکم برحق ہے اور وہ حکم اس آیت میں ہے:

اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ (النساء: ۱۵) یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کردے O

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اس سے مراد شادی شدہ کو رجم کرنا ہے اور کنوارے کو کوڑے لگانا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم انا کنا نقرء فیما نقرء من کتاب اللہ" یعنی ہم اللہ کی کتاب میں سے یہ پڑھتے تھے، اس کی بھی تلاوت منسوخ ہو گئی اور اس کا حکم باقی ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ تم اپنے باپ دادا کی طرف نسبت کرنے کو ترک نہ کرو، کیونکہ اگر تم نے اپنے باپ دادا کی طرف نسبت کو ترک کیا اور دوسروں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا تو یہ حق کا کفر ہے اور کفرانِ نعمت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تطرونی" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میری مدح میں اس طرح مبالغہ نہ کرنا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدح میں ان کی امت نے مبالغہ کیا، کیونکہ ان کی امت کے لوگوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور بعض نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "انما کانت بیعۃ ابی بکر فلتۃ" یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی بغیر مشورہ کے ہوئی تھی اور اس وقت وہ سب لوگ جمع تھے جن سے مشورہ کرنا لائق تھا۔ اور "فلتۃ" سے مراد وہ ہے کہ جو انصار کی مخالفت ہوئی اور انہوں نے ارادہ کیا تھا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کا۔ اور التوضیح میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے ان لوگوں میں سے جو حاضرین تھے کوئی ایسا قوی امر نہیں پایا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق تھا، اور اگر مجھے مقدم کیا جائے تو میرے نزدیک یہ زیادہ محبوب ہے کہ میری گردن ماردی جائے بجائے اس کے کہ مجھے اس قوم کے اوپر امیر بنایا جائے جس میں ابوبکر موجود ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولکن اللہ وقی شرھا" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت سے شر کو دور کر دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں جلدی کیوں کی تھی، اس لیے کہ جب انہیں خطرہ ہوا کہ انصار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیں گے اور ابو عبید نے بیان کیا کہ صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے میں جلدی کی اس خطرہ سے کہ صحابہ کے اندر انتشار نہ ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من تقطع الاعناق" یعنی اگر تم اونٹوں کی گردنوں کو قطع کرو اور بہت زیادہ سفر کرو، اس کا حاصل یہ ہے تم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مثل کوئی نہیں ہے جتنی ان کو فضیلت اور بڑائی حاصل ہے، پس جب ان کی بیعت اچانک ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے شر کو دور کر دیا تو کوئی اور اس کی مثل میں طعنہ نہ دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی ثقیفة بنی ساعدة" اور یہ چبوترہ ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: صحابہ کا ایک طاق تھا جس میں وہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے اور معاملات کی تدبیر کے لیے جمع ہوتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وخالف عنا" یعنی ہم سے اعراض کرتے ہوئے۔ علامہ المہلب نے کہا: یعنی انہوں نے حاضر ہونے میں اور ہمارے ساتھ جمع ہونے میں ہماری مخالفت کی، رائے اور دل کے ساتھ مخالفت نہیں کی۔ اور امام مالک اور معمر کی روایت میں ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور جو، ان کے ساتھ تھے، وہ حضرت فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کے موقع پر صحابہ کرام کے ساتھ حاضر نہیں ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لقینا رجلان" یعنی دو مرد ہم سے ملے اور وہ عویم بن ساعدہ تھے اور معن بن عدی الانصاری تھے۔ یہ دونوں مرد نیک تھے، ابنِ شہاب سے روایت ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں حاضر تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: معن بن عدی، العقبہ میں، بدر میں، احد میں، خندق میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مشاہد میں حاضر تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ اور عُویم بن ساعدہ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ دونوں میں حاضر تھے اور بدر، احد اور خندق میں حاضر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ میں فوت ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رجل مزمل" یعنی ان کے سامنے ایک مرد کپڑا اوڑھے ہوئے تھا اور اس کو بخار تھا۔ یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تشھّد خطیبھم" یعنی ان کے خطیب نے کلمۂ شہادت پڑھا، کہا گیا ہے کہ یہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے جو انصار کے خطیب تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رھط" یعنی تھوڑی سی جماعت، رھط تین سے لے کر دس تک کے لوگوں کو کہتے ہیں، یعنی اس نے کہا کہ مہاجرین! تمہارا اعداد انصار کی نسبت سے بہت کم ہے اور تم ایسے لوگ ہو جو مسافر اور اجنبی ہو، تم مکہ سے ہمارے پاس آئے، اب تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ تم ہم سے حکومت کو لے لو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وان یحضنونا" یعنی تم یہ ارادہ کرتے ہو کہ ہم کو امارت اور حکومت سے نکال دو اور تم ہم پر غالب آجاؤ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما سکت اردت ان اتکلم" یعنی جب انصار کا خطیب اپنی تقریر کر کے خاموش ہو گیا تو میں نے ایک خطبہ کا پلاٹ بنایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھو احلم منی واوقر" یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ حلم اور برداشت کرنے والے تھے اور بہت زیادہ باوقار اور سنجیدہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما ذکرتم" یعنی تم نے جو ذکر کیا کہ تم انصار نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب اس حکومت اور خلافت کے لیے صرف اسی کو پسند کریں گے جو قریش کے ساتھ تعلق رکھتا ہو، کیونکہ وہ عرب میں سب سے افضل ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے''احد ھذین الرجلین'' یعنی ان دو مردوں میں سے کسی ایک مرد کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، یعنی تم عمر اور ابوعبیدہ بن الجراح میں سے کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کرلو۔

علامہ کرمانی نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے جائز تھا کہ وہ یہ کہیں کہ تم حضرت ابوعبیدہ بن الجراح یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی بیعت کرلو، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں امام بنایا تھا اور وہ اسلام میں سب سے افضل ہیں۔ پھر علامہ کرمانی نے اس کا جواب دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ تواضعاً اور تادّباً کہا تھا، اور ان کو یہ علم تھا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو خلافت کا اہل نہیں قرار دے گا اور یہ کہ مسلمانوں کا ایک ہی امیر ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فقال قائل من الانصار'' سفیان نے اس قائل کا بیان کیا ہے کہ وہ حضرت حباب بن المنذر تھے، یہ بدر اور احد میں حاضر ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تمام مشاہد میں حاضر تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''منّا امیر'' انہوں نے یہ اس لیے کہا کہ عرب امارت کے لفظ سے واقف نہیں تھے وہ سیادت کے لفظ سے واقف تھے، اور ہر قبیلہ کا ایک سید ہوتا تھا اور جب ان کو یہ حدیث پہنچی کہ خلافت تو قریش میں ہے تو پھر وہ اس سے رک گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''انا جذیلھا'' یہ جذل کی تصغیر ہے اور یہ درخت کی جڑ ہے، اس سے مراد وہ لکڑی ہے جس سے خارش کی جاتی ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''عذیقھا'' یعنی کھجور کا درخت اور اس کا گچھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''اللغط'' یعنی بلند آواز اور شور۔

اس حدیث میں مذکور ہے''قتلتم سعد بن عبادۃ'' یعنی تم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس جملہ کا کیا معنی ہے جب کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مجاز ہے، یعنی تم نے ان کو شرمندہ اور رسوا کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے''فقلت قتل اللہ سعد بن عبادۃ'' یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو شرمندہ کر دیا، یعنی انہوں نے یہ خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ مقدر کر دیا ہے کہ وہ خلیفہ نہیں بنیں گے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف دعا کی، کیونکہ انہوں نے حق کی مدد نہیں کی، ایک قول یہ ہے کہ وہ شام کے علاقہ میں چلے گئے اور وہاں غسل خانہ کے اندر مردہ پائے گئے، ان کا جسم سبز ہو گیا تھا اور کسی کو ان کی موت کا پتا نہیں چلا حتیٰ کہ انہوں نے یہ شعر سنا:

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادۃ فرمیناہ بسھمین فلم نخط فؤادہ

یعنی ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہم نے ان کو دو تیر مارے جو ان کے دل پر لگے

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱-۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زنا سے حاملہ عورت کو رجم کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو عورت زنا سے حاملہ ہو اس کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کا وضع حمل ہو جائے اور اس میں اختلاف ہے کہ جب اس عورت کا وضع حمل ہو جائے تو اس پر رجم کرنا کب واجب ہے؟ امام مالک نے کہا: جب اس کا حمل وضع ہو جائے تو وہ ٹھہرے حتیٰ کہ نومولود بچہ کو دودھ پلانے کا انتظام ہو جائے، اور اگر ایسی عورت نہ پائی جائے تو اس پر حد جاری کرنے کو موخر کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ عورت اس کو دودھ پلائے اور وہ بچہ روٹی کھانے لگے اس خوف سے کہ وہ ہلاک نہ ہو جائے۔

امام شافعی نے کہا ہے: اس عورت کو اس وقت تک رجم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ بچہ روٹی کھانے لگے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کے ساتھ یہ معاملہ کیا جس کو رجم کیا گیا تھا جیسا کہ امام مالک نے الموطا میں روایت کی ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے: اس عورت کو وضع حمل کے بعد رجم کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمران بن حصین نے روایت کی ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی، پس اس نے ذکر کیا کہ اس نے زنا کیا ہے، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر بیٹھے حتیٰ کہ اس کا حمل وضع ہو جائے، پس جب اس کا حمل وضع ہو گیا تو وہ پھر آئی اور آپ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

اس میں اختلاف ہے کہ کوئی عورت حاملہ پائی جائے اور اس کا خاوند نہ ہو تو امام مالک نے کہا: اگر وہ عورت یہ کہتی ہے کہ اس کے ساتھ جبراً زنا کیا گیا ہے یا وہ کہتی ہے کہ اس نے نکاح کیا تھا تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا اور اس پر حد قائم کی جائے گی، سوا اس کے کہ وہ عورت اپنے دعویٰ کے مطابق گواہ پیش کر دے۔

مسافرہ حاملہ کے رجم کے متعلق فقہاء کا اختلاف

علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے: اگر وہ عورت مسافرہ ہو تو اس پر حد نہیں قائم کی جائے گی اور فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا کہ جب کوئی عورت حاملہ پائی جائے اور اس کا خاوند نہ ہو تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی سوا اس کے کہ وہ زنا کا اقرار کر لے یا اس کے خلاف گواہ قائم ہوں اور انہوں نے اس میں فرق نہیں کیا کہ وہ مسافرہ ہو یا نہ ہو۔ اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ حدود کو شبہات سے ساقط کر دو۔

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں فرمایا: اللہ کی کتاب میں رجم کرنا برحق ہے، جس نے زنا کیا ہو یا گواہ قائم ہو گئے ہوں یا وہ عورت حاملہ ہو یا اس نے اعتراف کر لیا ہو، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گواہ کو اور اقرار کو اور حمل کے وجوب کو برابر قرار دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک رجم کرنے کا موجب ہے۔

اور اس قول کی مثل حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور صحابہ کا ان میں کوئی مخالف نہیں ہے۔

کبیر کے صغیر سے حصولِ علم پر دلیل

اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں، ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے کہ میں مہاجرین میں سے مردوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کبیر صغیر سے اور بڑا چھوٹے سے علم حاصل کر سکتا ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مہاجرین میں سے نہیں تھے کیوں کہ ان کی عمر کم تھی۔

قریش کے لیے خلافت کا استحقاق

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”کسی کہنے والے نے کہا: اگر عمر فوت ہو جائیں تو میں فلاں شخص سے بیعت کرلوں گا“ یعنی انصار میں سے کسی شخص سے بیعت کرلوں گا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس قسم کی خبر کو سلطان کی طرف پہنچانا واجب ہے، کیونکہ اس میں مسلمانوں کے اوپر فتنہ کا خوف ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے اس بات کا انکار کیا اور فرمایا: یہ خلافت صرف قریش کے لیے ہے کیونکہ یہ معروف ہے، اور معروف وہ چیز ہوتی ہے جس کا خلاف جائز نہ ہو۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور اگر اس میں اختلاف ہوتا تو اس اختلاف کا علم ہو جاتا اور معروف وہ چیز ہوتی ہے جس کو اہل علم جانتے ہوں خواہ دوسرے ہوں اس کو نہ جانتے ہوں جیسا کہ منکر وہ چیز ہوتی ہے جس کا اہل علم انکار کریں۔

اور اس پر دلائل بہت زیادہ ہیں کہ خلافت قریش میں رہے گی، ان دلائل میں سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے لیے وصیت کی کہ جو شخص بھی مسلمانوں کے معاملات کا حاکم ہو وہ انصار میں سے نیک لوگوں کو قبول کرے اور برے لوگوں سے درگزر کرے، پس یہ خبر دی کہ ان کی نیکی کو قبول کیا جائے اور ان کی برائی سے درگزر کیا جائے اور اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ انصار کا خلافت میں حق نہیں ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں آج شام کھڑا ہوں گا اور ان لوگوں کو ڈراؤں گا جو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ قریش سے ان کے حق کو غصب کرلیں، اور غصب اسی وقت ہوگا جب اس چیز کو لیا جائے جس کا لینا جائز نہ ہو اور حکومت کا قریش سے لینا یہی غصب تھا۔

سلطان کو مشورہ دینے پر دلیل

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ حج کے ایام میں لوگوں سے خطاب کریں گے، تو انہوں نے اس سے منع کیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ سلطان کی رائے پر اعتراض کرنا جائز ہے جب کہ یہ خوف ہو کہ سلطان کی رائے سے فتنہ پیدا ہوگا اور مسلمانوں کا کلمہ مختلف ہو جائے گا۔

نیز انہوں نے کہا: ”مجھے یہ خطرہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی گفتگو کو یاد نہیں رکھیں گے اور نہ صحیح جگہ پر آپ کی بات کا حوالہ دیں گے“۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ علم کی باریک باتوں کو اہلِ علم اور اہلِ معرفت کے سامنے پیش کرنا چاہیے جو یہ سمجھ سکیں کہ یہ علم کس موقع کے لیے ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”مجھے خطرہ ہے کہ لوگ میری گفتگو کو نہیں سمجھیں گے، پس میں ان کے لیے یہ جائز نہیں قرار دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھیں“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں کم فہموں اور جاہلوں کے سامنے حدیث بیان کرنے کی ممانعت ہے کہ وہ حدیث کو سمجھ نہیں سکیں گے اور نہ اس کو منضبط کرسکیں گے۔

اور اس حدیث میں رجم کی آیت کا ذکر کرنا اس پر دلیل ہے کہ یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور اس پر عمل کیا گیا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اچانک بیعت ہونے کی توجیہ

امام ابوعبید نے کہا ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک اس لیے ہوئی تھی کہ عوام نے اس کا انتظار نہیں کیا تھا، اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جو مہاجرین میں سے تھے اور عام انصار میں سے تھے، انہوں نے اچانک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، کیونکہ وہ سب اس بات کو جانتے تھے کہ استحقاقِ خلافت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کوئی منازع اور مخالف نہیں ہے اور نہ کوئی فضیلت میں ان کا شریک ہے اور وہ اپنے خلیفہ ہونے میں کسی غور و فکر اور مشاورت کے محتاج نہیں تھے، اس وجہ سے ان کی بیعت اچانک ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کی وجہ سے اسلام اور اہلِ اسلام کو اچانک بیعت کے شر سے محفوظ رکھا۔

علامہ الکرابیسی نے کہا ہے کہ صحابہ انصار کی طرف اچانک گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر انصار کے سامنے بیعت کر لی، اور انصار میں سے بعض لوگ اس بات کو نہیں جانتے تھے تو ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ خلافت قریش میں ہوگی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! جو معاملات ہمارے سامنے حاضر تھے، ان میں سے سب سے قوی امر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا تھا، اور میرا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر مقدم ہونا میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب تھا کہ میری گردن مار دی جائے۔

امام ابوعبید نے کہا ہے: اگر صحابہ کو یہ علم ہوتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کوئی شبہ ہے اور ان کے خاص اور عام میں اس کے درمیان کوئی اختلاف ہوتا تو وہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر متفق نہ ہوتے اور اگر انہوں نے یہ بیعت کر لی تھی تو دوسرے اس کو جائز نہ قرار دیتے۔

اور امام نسائی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نکلے تو مہاجرین باہم مشورہ کر رہے تھے کہ انہوں نے کہا: چلو ہمارے انصار بھائیوں کی طرف چلو، تو انہوں نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے ہو جائے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہتیں، پھر انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ کون سا ایسا شخص ہے جس میں یہ فضیلتیں ہوں:

(۱) ''اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا'' (۲) ''من صاحبہ اذ ھما فی الغار''۔

پھر تمام لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس میں یہ دلیل ہے کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت باہم مشورہ کے بعد کی ہے اور اہلِ حل و عقد کی تمام جماعت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر راضی ہو گئی تھی اور ان کے مقدم ہونے پر متفق ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کئی فساد ظاہر ہوئے۔ بعض لوگ دین سے مرتد ہو گئے، اور بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اور کئی انصار اس بیعت سے متخلف ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کی برکت سے ان تمام شرور سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا معنی ہے کہ ''مجھے تمہارا والی بنا دیا گیا ہے اور میں تم سب سے

افضل نہیں ہوں"۔

تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ وہ تواضع اور انکسار کرتے تھے اور یہ ان لوگوں کی صفت ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں، جو کسی عمل کے اوپر فخر نہیں کرتے۔

حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی پیدا نہیں کیا، لوگوں نے کہا: اور نہ آلِ فرعون کا مومن؟ تو انہوں نے کہا: نہ آلِ فرعون کا مومن۔

اور الزہری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو انہوں نے کہا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملات کو تم میں سب سے بہتر مرد پر جمع کر دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور "ثانی اثنین اذ ھما فی الغار" کے مصداق ہیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ عامہ ہوگئی۔

نیز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں تمہارے لیے ان دو مردوں میں سے ایک سے راضی ہوں، یعنی حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما کہ تم ان میں سے کسی ایک سے بیعت کرلو"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کا امام ایک سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث منقول ہے کہ "اگر دو خلافت کے مدعی ہوں تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو"۔ اور اس کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ دوسرے سے بیعت نہ کرو، اور اس کو اس منزلہ میں قرار دو جیسا کہ وہ مر گیا ہے یا قتل ہوگیا ہے، اور اس کا کوئی قول قبول نہ کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گفتگو میں سے اسی بات کو ناپسند کیا، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خلافت کے اشارہ کو، کیونکہ وہ بیان کر چکے تھے کہ ان کی گردن کا اڑا دیا جانا انہیں اس سے زیادہ محبوب ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے ان کو خلیفہ بنا دیا جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے خلاف دعا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ سعد کو قتل کر دے"، یعنی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس کی مثل قرار دو جو قتل ہوگیا اور اس کو مردوں میں شمار کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنی قوم کے امیر ہو جائیں، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کا طریقہ تھا کہ قبیلہ کا سردار اسی قبیلہ سے ہوتا تھا۔ اور اسلام کا حکم اس کے خلاف تھا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۷۳۔ ۴۷۸، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے استحقاقِ خلافت پر مزید دلائل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کی موجودگی میں اپنے مصلیٰ پر امامت کے لیے کھڑا کیا۔

اور آپ نے ایک عورت سے فرمایا: ''اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آنا''۔ (صحیح البخاری:۳۶۵۹)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا''۔ (صحیح مسلم:۲۳۸۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو خوشی سے ابوبکر کو اس مقام سے موخر کرے جس مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر کو کھڑا کیا تھا تو تمام انصار نے کہا: نہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۲۸۔۲۲۹، ملخصاً و متلقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی علمی فضیلت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں مہاجرین کے مردوں کو قرآن کی تعلیم دیتا تھا، ان میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سب سے کم عمر تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی تھی:

''اے اللہ: اس کو دین کی فقہ عطا فرما، اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما''۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳، صحیح مسلم: ۸۶۹، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما علم کے حصول پر بہت حریص تھے اور جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ذکر کیا جاتا کہ صحابہ میں سے فلاں مرد کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے تو وہ سخت گرمی میں اس کے پاس جاتے اور دیواروں کے سائے میں اپنی چادر سے تکیہ لگاتے حتیٰ کہ نماز پڑھنے کے لیے جاتے، پھر اس صحابی کے پاس جاتے اور اس سے اس حدیث سے متعلق سوال کرتے، وہ صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہتے: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم زاد! آپ نے مجھے خود کیوں نہ بلالیا حتیٰ کہ میں آپ کے پاس آتا اور آپ کو حدیث سناتا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے فرماتے: میں متعلّم ہوں اور ضرورت مجھ کو ہے، اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انصاف اور عدل ہے۔

اور ان سے سوال کیا گیا: آپ نے کس طرح علم کو حاصل کیا؟ تو انہوں نے کہا: میں نے سائلانہ زبان سے علم حاصل کیا اور سمجھدار دل سے اور ایسے بدن سے جس کو حصولِ علم میں تھکاوٹ نہ ہو۔

خلیفہ وقت کا اپنی رعایا کو شر انگیزیوں سے محفوظ رکھنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ اس مرد کو دیکھتے جو آج امیر المومنین کے پاس آیا اور کہا: اے امیر المومنین! آپ کی فلاں شخص کے متعلق کیا رائے ہے؟ وہ کہتا ہے کہ اگر عمر فوت

ہو گئے تو میں فلاں سے بیعت کرلوں گا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا: میں ان شاء اللہ آج سہ پہر کو لوگوں کو خطبہ دوں گا اور ان لوگوں سے ڈراؤں گا جو یہ ارادہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی مملکت اور حکومت کو چھین لیں۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حکمران کو چاہیے خواہ وہ امیر ہو یا وزیر ہو کہ وہ اپنی مملکت کا انتظام کرے، کیونکہ لوگوں میں سے منتظمین کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ لوگ ہیں جو علم اور بیان کے منتظم ہوتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو امورِ سلطنت میں منتظم ہوتے ہیں اور امیر مملکت پر واجب ہے کہ وہ عوام کو اور مسلمانوں کو ان لوگوں سے ڈرائے جو لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں اور حکومت کی بیخ کنی کی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ یہ لوگ بظاہر نصیحت کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ فساد کرنے والے ہیں، پس واجب ہے کہ ان لوگوں کی شرانگیزیوں سے عوامِ مسلمین کو محفوظ رکھا جائے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ شام کو خطبہ دے کر لوگوں کو ان سے ڈرائیں۔

شادی شدہ کو رجم کرنے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلقین

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب کو نازل فرمایا اور آپ پر جو آیات نازل فرمائیں ان میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے اس کو سمجھا اور یاد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ رجم کی آیت نازل ہوئی اور اس کو پڑھا گیا اور سمجھا گیا اور یاد رکھا گیا اور حفظ کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کیا اور غامدیہ عورت کو رجم کیا اور اسلمیہ کو رجم کیا اور ایک یہودی مرد اور عورت کو رجم کیا) اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حاملہ عورت کو رجم کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ایک حاملہ عورت کو رجم کیا)۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ رجم کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ثابت تھا تو اب یہ حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، رجم کی آیت یہ ہے:

الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم ○	بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو یقینی طور پر رجم کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت انگیز حکم ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔

لیکن یہ لفظ حکم کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ اس آیت میں رجم کو شیخوخت یعنی بڑھاپے پر معلق کیا ہے اور رجم کا حکم شادی شدہ ہونے پر معلق ہے، خواہ زنا کرنے والا نوجوان ہو، پس شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا خواہ وہ جوان ہو اور کنوارے کو رجم نہیں کیا جائے گا خواہ وہ بوڑھا ہو، لہٰذا اس آیت کے الفاظ حکم کے مطابق نہیں ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے ایک راستہ بیان کر دیا''۔ (صحیح مسلم:۱۶۹۰)

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ (النساء:۱۵)	تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں موت آجائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے ○

اس آیت میں جس سبیل کا ذکر کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو بیان فرمایا کہ کنوارا اگر کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرو، اور شادی شدہ اگر شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو اور رجم کر دو، پس اس حکم کو شادی شدہ ہونے کے ساتھ معلق فرمایا ہے نہ کہ بڑھاپے کے ساتھ، اور ''الشیخ والشیخۃ'' والی آیت خبر واحد سے ثابت ہے اور قرآن ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ تواتر سے ثابت ہو۔ علاوہ ازیں یہ آیت احادیثِ صحیحہ سے ثابت شدہ حکم کے خلاف ہے، پس صحیح یہ ہے کہ ''الشیخ والشیخۃ'' کے الفاظ وہ نہیں ہیں جو نازل کیے گئے بلکہ کوئی اور الفاظ نازل کیے گئے ہیں جو حکمِ شرعی کے مطابق ہیں لیکن وہ ابھی تک معلوم نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ جب طویل زمانہ گزر جائے گا تو کوئی کہنے والا کہے گا: اللہ کی قسم! ہم رجم کی آیت کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے''۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو خطرہ تھا، وہ واقع ہوا اور کئی لوگ اس فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو گئے، اور ان لوگوں نے کہا کہ رجم خبر احاد سے ثابت ہے قرآن سے ثابت نہیں ہے، اور قرآن میں تو یہ حکم ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور: ۲) زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو حکم سنت سے ثابت ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے حکم قرآن سے ثابت ہو۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رجم کرنا کتاب اللہ میں برحق ہے جب کوئی شادی شدہ شخص زنا کرے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ ''کتاب اللہ سے ثابت ہے'' اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح البخاری: ۶۸۲۷ میں مذکور ہے کہ ''جب ایک مزدور کے بیٹے نے اس مزدور کے مالک کی بیوی سے زنا کیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم دونوں کے متعلق کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا اور آپ نے اپنے فیصلہ میں یہ فرمایا کہ اگر وہ عورت زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو''۔ اس سے معلوم ہوا کہ رجم کا حکم کتاب اللہ سے ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف میں غلو کرنے کی ممانعت

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری شان میں مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسیٰ بن مریم کی شان میں مبالغہ کیا گیا اور کہو کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہونا یہ دو وصف ہیں جن میں بہت زیادہ شرف اور فضیلت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے باعثِ فضیلت یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے عبادت گزار ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ آپ توحید کو ثابت کرنا چاہتے تھے، کیونکہ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ توحید کو ثابت کیا جائے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توحید کو ثابت کیا جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطبہ میں یہ فرمایا تھا:

سنو! جو محمد کی عبادت کرتا تھا تو بے شک محمد فوت ہو چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر موت نہیں آئے گی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ إِنَّهُم مَّيِّتُونَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِندَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ ﴿٣١﴾ (الزمر: ٣٠-٣١)

بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک یہ بھی مرنے والے ہیں O پھر بے شک تم سب قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے جھگڑا کرو گے O

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ (آل عمران: ١٤٤)

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں، اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے تو جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے گا، سو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا، اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا O

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غلو کی ممانعت کے متعلق شیخ ابن عثیمین کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد اور اس کے رسول ہیں لیکن صرف عبد اور رسول کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکارم اور تمام محامد اور آپ کے تمام فضائل حاصل نہیں ہوتے، اب دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش انبیاء بھیجے اور ان میں سے تین سو تیرہ رسول مبعوث فرمائے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ (الانبیاء: ١٠٧)

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے O

اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ (الاحزاب: ٤٠)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے O

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ (الاحزاب: ٥٦)

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود پڑھتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو، اور بہ کثرت سلام پڑھو O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ (الانشراح: ٤)

اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کر دیا O

نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿١﴾ (الکوثر: ١)

بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ہے O

نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ ﴿۱﴾ (الفرقان:۱)	وہ برکت والا ہے جس نے اپنے مکرم بندے پر بہ تدریج الفرقان (قرآن مجید) کو نازل فرمایا، تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والے ہوں O
فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ (طٰہٰ:۱۳۰)	اور دن کے حصوں میں بھی تسبیح پڑھیے تاکہ آپ راضی ہوجائیں O
وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ (الضحیٰ:۵)	اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے O
عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ (بنی اسرائیل:۷۹)	عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O
فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا (البقرہ:۱۴۴)	سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں O
وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (البقرہ:۲۵۳)	اور بعض کو (سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو (بے شمار درجوں کی) بلندی عطا فرمائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنے مراتب اور اپنے مقامات کو بیان فرمایا۔

حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل میں سے کنانہ کو فضیلت دی ہے، اور کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی ہے اور قریش میں سے بنو ہاشم کو فضیلت دی ہے اور بنو ہاشم میں سے مجھے فضیلت دی ہے۔ (صحیح مسلم:۲۲۷۶، سنن ترمذی:۳۶۰۵، مسند احمد:۱۲۲۰۱)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا تھا جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر سلام پڑھا کرتا تھا، میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔ (صحیح مسلم:۲۲۷۷، مسند احمد:۲۰۸۶۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور میں سب سے پہلے قبر سے اٹھوں گا اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ (صحیح مسلم:۲۲۷۸، سنن ابو داؤد:۴۶۷۳، مسند احمد:۱۰۹۷۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا: اس وقت حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ (سنن ترمذی:۳۶۰۹)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ اور میرے ہی ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے، اور جو بھی نبی ہوگا وہ حضرت آدم ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو، وہ قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس سے زمین پھٹے گی اور کوئی فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی:۳۶۱۵، مسند احمد ج ۲ ص ۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے آپ کا انتظار کر رہے تھے، انہوں نے بیان کیا: آپ آئے اور صحابہ کے قریب ہوئے اور ان کی باتیں سنیں، آپ نے سنا ان میں سے بعض کہہ رہے تھے: تعجب ہے کہ اللہ عز وجل نے اپنی مخلوق میں سے خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، اور دوسروں نے کہا: اور اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا کلیم بنایا اور دوسرے نے کہا: پس حضرت عیسیٰ اللہ کی پسندیدہ روح ہیں اور ایک اور نے کہا: حضرت آدم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے، آپ نے ان کو سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمہاری باتیں سنی ہیں اور تمہارے تعجب کو سنا ہے، بے شک حضرت ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، بے شک حضرت موسیٰ اللہ سے سرگوشی کرنے والے ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ روح ہیں اور اس کا کلمہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ بنایا اور وہ ایسے ہی ہیں، سنو! اور میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور اس پر فخر نہیں ہے، اور میں ہی قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے قیامت کے دن میری شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے، اور میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھلوائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا اور مجھ کو جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے اور فخر نہیں ہے اور میں تمام اولین اور آخرین سے زیادہ مکرم ہوں اور فخر نہیں ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۶۱۶، سنن دارمی: ۴۸)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کے کسی راستہ میں تھا، پس جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تو وہ کہتا ''السلام علیك یا رسول الله''۔ (سنن ترمذی: ۳۶۲۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں ہے، اور میں خاتم النّبیین ہوں اور فخر نہیں ہے، اور میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور میں وہ ہوں جس کی سب سے پہلے شفاعت قبول کی جائے گی اور فخر نہیں ہے۔ (سنن دارمی: ۵۰)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میں وہ پہلا شخص ہوں جس سے قیامت کے دن زمین شق ہوگی اور فخر نہیں ہے اور مجھے حمد کا جھنڈا دیا جائے گا اور فخر نہیں ہے اور میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں ہے اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا اور فخر نہیں ہے۔ الحدیث (سنن دارمی: ۵۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قامت متوسط تھی، آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان تھوڑا سا بُعد تھا، آپ کے بال کانوں کی لَو تک آتے تھے، میں نے آپ کو سرخ رنگ کے حُلّہ میں دیکھا اور میں نے آپ سے زیادہ حسین شخص کوئی نہیں دیکھا۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۱، صحیح مسلم: ۲۳۳۷، سنن ترمذی: ۱۷۲۴، سنن نسائی: ۵۲۳۲، سنن ابوداؤد: ۴۱۸۳، مسند احمد: ۱۸۰۰۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابواسحاق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی مثل تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں چاند کی مثل تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۵۵۲، سنن ترمذی: ۳۶۳۶، مسند احمد: ۱۸۰۱۰)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے بعض صحابہ کے توقف کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت اچانک کی گئی تھی، یعنی اس کی پہلے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی گئی تھی"۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فطرت میں حسنِ ولایت اور حسنِ رعایت کو رکھا تھا، اسی وجہ سے تمام انصار ان کی بیعت کے لیے جھک گئے، جب کہ وہ پہلے یہ چاہتے تھے کہ ان میں سے کوئی امیر ہو اور وہ کہتے تھے کہ تم لوگ تو ہمارے پاس آئے تھے، سبحان اللہ! جب مہاجرین ابتداءً آئے تو انصار نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا حتیٰ کہ انصار میں سے کوئی ایک یہ کہتا تھا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں اور تم اس سے نکاح کر لو، وہ اتنا ایثار کرتے تھے اور مہاجرین کی مدد کرتے تھے، لیکن اخیر میں شیطان نے ان میں سے بعض کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ امارت ان کو ملنی چاہیے، انہوں نے کہا: تم ہمارے پاس مسافرت کی حالت میں آئے تھے اور ہم اہلِ مدینہ تھے، ہم نے تمہاری غم گساری اور مدد کی، اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ منافقین نے ان کے دل میں وسوسے ڈالے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم اونٹوں پر دور دراز سفر کر کے بھی آؤ، تب بھی تمہیں ابوبکر کی مثل کوئی نہیں ملے گی، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کے دلوں کو جھکا دیا حتیٰ کہ بیعت کا معاملہ مکمل ہو گیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں صرف حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا شامل نہیں ہوئیں اور ان کی حیات زیادہ طویل نہیں ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ گمان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو ان کو فدک کی وراثت نہیں دی تھی، یہ ان کا اجتہاد تھا حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو ان کو وراثت سے محروم کیا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث کی وجہ سے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم گروہِ انبیاء وارث نہیں بنائے جاتے، ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ صدقہ ہے"۔ (صحیح البخاری: ۶۷۲۷، صحیح مسلم: ۱۷۵۸)

رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ، تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے پوشیدگی میں بیعت کی تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس وقت ناراض ہوئے تھے جب انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کریں اور آپ نے ارشاد فرمایا:

"فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو چیز اس کو رنجیدہ کرے وہ مجھے رنجیدہ کرتی ہے"۔ (صحیح البخاری: ۳۷۱۴، صحیح مسلم: ۲۴۴۹)

اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوشیدہ طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور یہی بات زیادہ لائق ہے تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جماعت صحابہ کے موقف سے خارج نہ ہوں۔

بہر حال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مسخر کر دیا اور کوئی ان کی بیعت سے الگ نہیں ہوا اور ان کے لیے خلافت مکمل ہو گئی۔ وللہ الحمد (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۱۹۴۔ ۲۰۲، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

اس حدیث میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر آ گیا ہے، اس لئے ہم ان کا تذکرہ بیان کر رہے ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی سوانح

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ، لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا پورا نام سعد بن دُلیم بن حارثہ بن حزیمہ ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے ابنِ حارثہ بن حرام بن ابی حزیمہ، اور یہ بھی کہا جاتا ہے ابنِ حارثہ بن حزیمہ بن ابی حزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن الخزرج بن ساعدہ بن کعب بن الخزرج الاکبر الانصاری الخزرجی سید الخزرج ابو ثابت، اور کہا جاتا ہے ابو قیس المدنی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔

ان کی والدہ کا نام حضرت عمرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا ہے، اور بنتِ سعید بن عمرو بن زید بھی کہا جاتا ہے اور وہ بھی صحابیہ ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہوگئی تھیں۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کے متعلق اختلاف ہے اور وہ العقبہ اور دیگر مشاہد میں حاضر ہوئے ہیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور ان سے ان کے بیٹے اسحاق بن سعد بن عبادہ اور ابوامامہ اسعد بن سہل بن حُنیف اور الحسن البصری نے سننِ ابوداؤد اور سننِ نسائی میں احادیث روایت کی ہیں۔ اور سعید بن المسیب نے بھی ان سے سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں احادیث روایت کی ہیں۔ اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے سنن ترمذی میں ان سے احادیث روایت کی ہیں اور ان کے علاوہ اور دیگر نے بھی روایت کی ہیں۔

امام محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا طبقۂ اولیٰ کے ان صحابہ میں ذکر کیا ہے جو بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے اور انہوں نے کہا ہے کہ وہ غزوہ بدر میں نکلنے کے لیے تیار ہوئے تھے، پھر ان کو سانپ نے ڈس لیا، سو وہ ٹھہر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ سعد غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہوئے لیکن وہ غزوۂ بدر میں حاضر ہونے پر بہت حریص تھے اور وہ عقبی اور نقیب، سید اور جواد تھے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور امام ابوحاتم اور ابواحمد الحاکم اور امام ابن حبان نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور میرا گمان ہے کہ حافظ یوسف المزی نے جو ذکر کیا ہے وہ ان کے قلم کی لغزش ہے۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۱۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اور ''الطبقات الکبیر'' میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ زمانہ جاہلیت میں عربی لکھتے تھے اور عربوں میں لکھنے والے بہت کم تھے اور وہ بہت اچھی تیراکی کرتے تھے اور بہت اچھی تیراندازی کرتے تھے اور ان کو تیراکی اور تیراندازی میں الکامل کہا جاتا تھا۔ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور ان سے پہلے کئی آباء زمانہ جاہلیت میں گھروں پر نداء کرتے تھے کہ جو چربی اور گوشت کھانا پسند کرے وہ دُلیم بن حارثہ کے گھر پر آجائے۔

محمد بن عمر نے کہا: کہ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت المنذر بن عمرو اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم جب اسلام لائے تو وہ بنو ساعدہ کے بتوں کو توڑتے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ العقبہ میں ستر انصار کے ساتھ حاضر ہوئے اور ان سب کے جھنڈوں کے ساتھ تھے اور یہ بارہ نقباء میں سے ایک تھے، اور یہ سردار تھے اور جواد تھے۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بدر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ مقرر کیا تھا اور اس کا اجر عطا

فرمایا تھا۔

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ احد میں حاضر ہوئے اور خندق میں اور تمام مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں آئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کی طرف ہر روز ثرید اور پکے ہوئے گوشت کو ایک ٹب میں ڈال کر بھیجتے تھے، یا دودھ اور سرکہ اور زیتون اور گھی کو ایک ٹب میں ڈال کر بھیجتے تھے اور گوشت بہت زیادہ بھیجتے تھے۔ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ٹب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے گھروں میں گھومتا رہتا تھا، اور ان کی والدہ حضرت عمرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا ان خواتین میں سے تھیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی، وہ مدینہ میں فوت ہوئیں اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب تھے آپ غزوہ دومۃ الجندل میں گئے ہوئے تھے اور یہ پانچ ہجری ربیع الاول کے مہینہ میں فوت ہوئی تھیں اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں تھے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی قبر پر گئے اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا، پس کہا کہ بے شک میری ماں فوت ہوگئی ہے اور ان پر نذر تھی کیا میں ان کی طرف سے ادا کروں؟ تو آپ نے فرمایا: ان کی طرف سے ادا کرو۔

(صحیح البخاری: ۲۷۶۱، صحیح مسلم: ۱۶۳۸، سنن ترمذی: ۱۵۴۶، سنن نسائی: ۳۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۳۰۴۰، موطا امام مالک: ۱۰۲۵)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئیں اور میری رائے ہے کہ اگر وہ بات کرتیں تو صدقہ کرتیں، کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کردوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے صدقہ کیا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۸۸، صحیح مسلم: ۱۰۰۴، سنن نسائی: ۳۶۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۷۱۷، مسند احمد: ۲۳۰۷۳، موطا امام مالک: ۱۴۹۰)

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! سعد کی ماں فوت ہوگئی، پس کون سا صدقہ کرنا افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی کا، تو انہوں نے کنواں کھود دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ سعد کی ماں کا کنواں ہے"۔ (سنن ابوداؤد: ۱۶۸۱)

مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ تمام مواطن میں مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتا تھا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتا تھا۔

حماد بن سلمہ نے از ثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ ابوسفیان (حملہ کرنے کے لیے) آرہا ہے تو آپ نے مشورہ کیا: پس ابوبکر نے گفتگو کی تو آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی تو آپ نے ان سے اعراض کیا، پھر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، تو انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ ہمارا ارادہ فرمارہے ہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ مارنے کا حکم دیں تو ہم سمندر میں

چھلانگ ماردیں گے اور اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے کلیجوں کو ماریں (یعنی سفر کر کے وہاں جائیں) تو ہم ضرور جائیں گے۔ (صحیح مسلم:۱۷۷۹، مسند احمد:۱۳۲۹۵)

اور جریر بن حازم نے بیان کیا ہے از محمد بن سیرین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شام ہوتی تو آپ اپنے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو اہل صفہ کی طرف بھیجتے، کوئی مرد اہلِ صفہ میں سے ایک مرد کو لے جاتا، اور کوئی مرد دو مردوں کو لے جاتا، اور کوئی مرد تین مردوں کو لے جاتا حتیٰ کہ دس کا ذکر کیا، اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہر رات آل صفہ میں سے اسی (۸۰) مردوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور ان کو شام کا کھانا کھلاتے۔

اور ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا منادی ان کے گھر پر نداء کرتا: جو شخص چربی یا گوشت کھانے کا ارادہ کرے وہ سعد کے پاس آجائے۔

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مناقب اور فضائل بہت زیادہ ہیں۔

ابوعمرو بن عبدالبر نے بیان کیا کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہے، اور مدینہ سے نکل گئے اور پھر مدینہ واپس نہیں آئے یہاں تک کہ شام کی جگہ حوران میں فوت ہو گئے، یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ڈھائی سال بعد کا ہے اور سن ۱۵ ہجری تھا اور دوسرا قول ہے کہ سن ۱۴ھ تھا اور ایک تیسرا قول ہے: بلکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۱۱ھ میں فوت ہوئے، اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے غسل خانے میں فوت شدہ پائے گئے، ان کا جسم سبز رنگ کا ہو گیا، اور ان کی موت کا پتا نہ چلا حتیٰ کہ لوگوں نے سنا کہ کوئی کہنے والا شعر پڑھ رہا ہے اور اس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اس شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے سید الخزرج سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا اور ان پر دو تیر مارے جنہوں نے ان کے دل سے خطاء نہیں کی، اور کہا جاتا ہے کہ جن نے ان کو قتل کر دیا۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا ذکر صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں متعدد مقامات پر ہے، اور سنن ابوداؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ نے ان کی روایات ذکر کی ہیں۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج ۷ ص ۹۵۔ ۹۲ ملخصاً، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ بن دُلیم بن حارثہ الخزرجی رضی اللہ عنہ، خزرج کے سردار تھے اور تمام مشاہد میں انصار کا جھنڈا اٹھانے والے تھے۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ وہ بدر میں حاضر تھے، اسی طرح ابن عیینہ نے کہا ہے۔ اور محمد بن سعد نے کہا کہ وہ غزوہ بدر میں نکلنے کے لیے تیار ہوئے تو ان کو سانپ نے ڈس لیا، پھر وہ ٹھہر گئے اور وہ العقبہ کے نقیبوں میں سے تھے، وہ سردار تھے، جواد تھے، عربی لکھتے تھے اور بہترین تیراک اور تیرانداز تھے، اسی وجہ سے انہیں الکامل کہا جاتا تھا۔ ان سے کئی احادیث مروی ہیں، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہے اور مدینہ سے چلے گئے اور مدینہ کی طرف نہیں لوٹے حتیٰ کہ جن نے ان کو قتل کر دیا دمشق کے علاقہ حوران میں ۱۵ ہجری میں، اور الفلاس نے کہا: ۱۴ ہجری میں اور ابوعبید نے کہا: ۱۶ ہجری میں۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے متعلق احادیث

علامہ عزالدین بن الاثیر ابی الحسن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں:

قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر میں ہم سے ملنے آئے، آپ نے فرمایا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ! تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آہستہ آواز سے جواب دیا، قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟ تو انہوں نے کہا: آپ کو رہنے دو آپ ہم کو زیادہ سلام کریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السلام! پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ کر جانے لگے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے گئے اور کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کا سلام سن رہا تھا اور آپ کو آہستہ آواز سے جواب دے رہا تھا تا کہ آپ ہم کو زیادہ مرتبہ سلام کریں، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آئے، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل کرنے کے لیے کہا، سو آپ نے غسل کیا، پھر انہوں نے آپ کو زعفران یا سرخ رنگ کی ایک چادر دی جس کو آپ نے لپیٹ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور آپ دعا کر رہے تھے: اے اللہ! اپنی صلوات کو اور اپنی رحمتوں کو سعد بن عبادہ پر نازل فرما!

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۱، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۳۵۴، ابن عساکر ج ۶ ص ۸۹، کنز العمال: ۲۵۹۸۷، ۳۳۳۲۹)

غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن (ایک کافر سردار) کو مدینہ کے پھلوں کے تیسرے حصہ کی پیش کش کی تا کہ وہ اپنے ساتھ غطفان کو لے کر مدینہ کا محاصرہ چھوڑ کر واپس چلے جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں کو چھوڑ کر حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے اس پیش کش کے متعلق مشورہ کیا، تو ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کام کا حکم دیا گیا ہے تو آپ اس کو کیجئے، اور اگر اس کے سوا کوئی اور حکم دیا گیا ہے تو اللہ کی قسم! ہم ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے، (یعنی ہم صرف تلوار سے ان پر حملہ کریں گے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا، یہ صرف میری رائے ہے جو میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے، تو ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ! ان لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہم سے کوئی طمع نہیں رکھی تو آج وہ ہم سے کیسے طمع رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سبب سے ہمیں ہدایت دی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کی باتوں سے خوش ہوئے۔

اور فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا، پس وہ اس جھنڈے کے ساتھ ابوسفیان کے پاس سے گزرے اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے، تو ان سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: آج کا دن الملحمۃ (گھمسان کی جنگ) کا دن ہے، اور آج کے دن اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کرے گا، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے لشکر کے پاس سے گزرے تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ کو نداء کی اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا یہ زعم ہے کہ وہ ہم کو قتل کر دیں گے، اور حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم اس سے محفوظ نہیں ہیں کہ سعد قریش میں للکاریں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوسفیان! آج کا دن مرحمۃ (رحم کا) دن ہے، آج کے دن اللہ تعالیٰ قریش کو عزت دے گا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے لیا اور ان کے بیٹے قیس بن سعد کو دے دیا اور دوسرا قول ہے کہ جھنڈا حضرت زبیر بن العوام کو دے دیا اور تیسرا قول ہے کہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا

اور وہ جھنڈا لے کر مکہ میں داخل ہو گئے۔ (ابن عساکر ج ٦ ص ٤٠٤، کنز العمال، الحدیث: ٣٠١٧٣)

اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بہت غیرت دار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد ہے: ''بے شک سعد بہت غیرت والے ہیں اور میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ غیرت والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کو اس سے غیرت آتی ہے کہ اس کی حدود کو توڑا جائے''۔ (صحیح مسلم: ١٤٩٨، الرقم المسلسل: ٣٦٥٤)

ابن سیرین نے کہا: جس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے اس وقت انہوں نے ٹیک لگائی، پس فوت ہو گئے، ان کو جن نے قتل کر دیا اور ان کے متعلق دو شعر کہے۔

کہا گیا ہے کہ دمشق کی ایک بستی المنیحة ہے اور وہاں ان کی قبر ہے اور وہ مشہور ہے اور آج تک اس قبر کی زیارت کی جاتی ہے۔

(اسد الغابہ، ج ٢ ص ٤٤١۔ ٤٤٣، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، ١٤١٥ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے وہ تمام امور لکھے ہیں جن کو ہم نے حافظ یوسف مزی متوفی ٧٤٢ھ سے اور علامہ ابن الاثیر سے نقل کر چکے ہیں، البتہ انہوں نے درج ذیل حدیث کو ذکر کیا ہے:

امام ابو یعلیٰ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے انصار کو جزائے خیر عطا فرمائے خاص طور پر عبد اللہ بن عمرو بن حرام کو اور سعد بن عبادہ کو۔

(الاصابہ ج ٣ ص ٥٦، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤١٥ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی المتوفی ٤٦٣ھ لکھتے ہیں:

دُلیم جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دادا تھے، وہ مناۃ کے بُت کی طرف ہر سال دس اونٹ بھیجتے تھے، پھر ان کے والد عُبادہ بھی اسی طرح دس اونٹ بھیجتے تھے، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی اسی طرح دس اونٹ بھیجتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، پھر ان کے بیٹے قیس نے کعبہ کی طرف اونٹوں کو ہدیہ کیا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو عُبیدہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، ان دونوں نے حضرت قیس بن سعد بن عبادہ سے کہا: ہم نے عزم کیا ہے کہ تم نحر نہ کرو، تو انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی اور نحر کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: یہ سخاوت کے گھر میں سے ہے۔

حافظ ابو عمر بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو خندق کے دن بلایا اور ان سے مشورہ کیا، کیونکہ آپ نے اس دن ارادہ کیا تھا کہ عیینہ بن حصن کو مدینہ کی کھجوریں عطا فرمائیں، اور اس دن آپ نے ارادہ کیا تھا کہ آپ ان کو مدینہ کے پھلوں کا تیسرا حصہ دیں گے تاکہ وہ اپنے ساتھ غطفان کو لے کر چلے جائیں اور کفار کی جماعتیں رسوا ہو جائیں، (غزوہ خندق میں کفار کی تمام جماعتوں نے مل کر مدینہ پر حملہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عیینہ بن حصن کو مدینہ کی کھجوریں پیش کریں اور وہ اپنے ساتھ غطفان کو لے کر کفار کی جماعتوں سے نکل جائے تاکہ کفار کی جماعتیں کمزور ہو جائیں) تو عیینہ نے کہا: وہ مدینہ کی آدھی کھجوروں سے کم نہیں لیں گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما

کو بلایا نہ کہ باقی انصار کو، کیونکہ وہ دونوں اپنی قوم کے سردار تھے، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اوس کے سردار تھے اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ خزرج کے سردار تھے، آپ نے ان دونوں سے اس کے متعلق مشورہ کیا، سو ان دونوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر آپ کو کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے تو آپ اس کو بجا لائیں اور اگر اس کے سوا کوئی بات ہے تو اللہ کی قسم! ہم ان کفار کو تلوار کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیں گے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے کسی چیز کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اور اگر مجھے کسی چیز کا حکم دیا جاتا تو میں تم سے مشورہ نہ کرتا، یہ محض میری رائے ہے جس کو میں نے تم پر پیش کیا ہے، سو ان دونوں نے کہا: اللہ کی قسم یا رسول اللہ! ان لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہم سے کسی چیز کی طمع نہیں رکھی آج کیسے یہ ہم سے طمع رکھیں گے، اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ کے سبب سے ہدایت دی ہے اور آپ کے سبب سے ہمیں وجاہت اور عزت دی ہے اور اللہ کی قسم! ہم ان کو صرف تلوار دیں گے (یعنی تلوار سے ان پر حملہ کریں گے) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے خوش ہوئے اور ان دونوں کے حق میں دعا کی اور عیینہ بن حصن اور اس کے ساتھیوں سے کہا: واپس جاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تلوار ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات آواز بلند کر کے فرمائی۔

(الاستیعاب ج ۲ ص ۱۶۲۱۔ ۱۶۳، ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۳۳۔ بَابٌ: اَلْبِكْرَانِ يُجْلَدَانِ وَيُنْفَيَانِ

دو کنواروں کو کوڑے لگائے جائیں گے اور شہر بدر کیا جائے گا

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے ○

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّ الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۳)

زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا، اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مومنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ہے ○

قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: رَاْفَةٌ فِيْ اِقَامَةِ الْحَدِّ۔

ابن عیینہ نے کہا کہ "رأفة" کا محمل یہ ہے کہ حد قائم کرنے میں ان کے اوپر رحم نہ کیا جائے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ دو کنواروں کو کوڑے مارے جائیں گے اور ان کو شہر بدر کیا جائے گا۔ "بکران" بکر کا تثنیہ ہے اور یہ وہ شخص ہے جس نے نکاحِ صحیح کے ساتھ جماع نہ کیا ہو، اور اس کو تثنیہ اس لیے لایا گیا ہے تا کہ یہ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہو جائے۔ اور اس عنوان کے مطابق امام ابن ابی شیبہ نے از الشعبی از مسروق از ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حدیث ذکر کی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں: "ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله" یعنی ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے۔ مجاہد نے بیان کیا: یعنی ان پر حد قائم کی جائے اور حد کو معطل نہ کیا جائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۷۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام بخاری نے پہلی آیت یعنی النور: ۲، اس لئے ذکر کی تا کہ یہ ثابت ہو کہ کوڑے مارنے کا حکم اللہ عزوجل کی کتاب سے ثابت ہے، اور دوسری آیت یعنی النور: ۳ کا اس لیے ذکر کیا کہ اس کا ماقبل کے ساتھ تعلق ہے، کیونکہ زانی اور زانیہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ دو جنسیں ہیں جو پاک دامن مرد اور پاک دامن عورت کے مخالف ہیں، پھر اس کی طرف اس سے اشارہ کیا کہ زانی مرد سے صرف زانی عورت نکاح کرے، یعنی زانی مرد نیک اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کا ارادہ نہ کرے، اسی طرح زانیہ عورت نیک اور پاک دامن مرد سے نکاح کا ارادہ نہ کرے۔

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں زنا کرتی تھیں، پھر مسلمان مردان سے نکاح کا ارادہ کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی، اسی طرح الزہری اور قتادہ نے کہا ہے۔ اور سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گئی:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (النور: ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا، اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا، اور اللہ وسعت والا بہت جاننے والا ہے ۝

اس آیت میں عموم اور اطلاق کے ساتھ حکم دیا ہے کہ اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو، اور یہ نہیں فرمایا کہ پاک دامن اور نیک مردوں کا زانی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ یا زانی عورتوں کا پاک دامن اور نیک مردوں سے نکاح نہ کرو، اس آیت کے عموم اور اطلاق سے یہ النور: ۳ منسوخ ہو گئی ہے۔

النور: ۲ جس میں یہ حکم دیا ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، یہ آیت النساء: ۱۵ کے لیے ناسخ ہے جس میں مذکور ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝ (النساء: ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں موت آ جائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے ۝

اور النور: ۲ کے اخیر میں فرمایا ہے: "وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝" (ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے)، اس آیت میں فرمایا ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد کو کوڑے مارتے وقت مومنین کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس جماعت میں کتنے حاضرین ہونے چاہئیں۔ ابراہیم النخعی اور مجاہد سے روایت ہے کہ ان کا کم سے

کم عدد ایک مرد ہے۔ اور عطاء اور عکرمہ سے روایت ہے دو مرد یا اس سے زیادہ ہوں، اور الزہری سے منقول ہے تین مرد یا اس سے زیادہ ہوں۔ اور ابن زید سے منقول ہے چار مرد ہوں اور اتنا عدد ہو جن کی شہادت زنا میں قبول کی جاتی ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''ابن عیینہ نے کہا کہ حدود قائم کرتے وقت تمہیں ان پر رحم نہ آئے''۔

یعنی سفیان بن عیینہ نے ''وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ'' (النور: ۲) کی تفسیر میں کہا: اس کا معنی ہے: حد قائم کرتے وقت ان پر رحم نہ آئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷-۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۱۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ أَخْبَرَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصَنْ جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد العزیز نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے خبر دی از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از زید بن خالد الجہنی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ یہ حکم دیتے تھے کہ جس نے زنا کیا ہو اور وہ شادی شدہ نہ ہو تو اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابو داؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۸۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں غیر شادی شدہ زانی کو کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے، اور یہی باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبد العزیز کا ذکر ہے، اور وہ ابنِ ابی سلمہ الماجیشون ہیں۔

یہ حدیث کتاب الشہادات میں از یحییٰ بن بکیر گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

ایک سال شہر بدر نہ کرنے پر علامہ ابن الملقن شافعی کا امام ابو حنیفہ پر اعتراض

''التوضیح لشرح الجامع الصحیح'' میں علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک کنوارے مرد کو

کوڑے لگائے جائیں اور اس کے ساتھ ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے اور یہ حدیث امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے خلاف حجت ہے، کیونکہ وہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا انکار کرتے ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی کا امام ابوحنیفہ کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ نے ظاہر قرآن سے استدلال کیا ہے، کیونکہ ظاہر قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے، شہر بدر کرنے کا حکم نہیں ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے: کنوارے آزاد کو شہر بدر کیا جائے گا اور عورت اور غلام کو شہر بدر نہیں کیا جائے گا۔

اور ثوری اور اوزاعی اور امام شافعی نے کہا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کو شہر بدر کیا جائے گا، اور غلام کو شہر بدر کرنے کے متعلق امام شافعی کے قول میں اختلاف ہے۔ اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک فقط عورت کو شہر بدر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم ہو۔

جس شہر کی طرف نکالا جائے، اس شہر کی مسافت کے متعلق فقہاء کے اقوال

اور اس میں اختلاف ہے کہ کتنی مسافت پر شہر بدر کرنا چاہیے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: فدک کی طرف (یعنی مدینہ سے فدک کی طرف) شہر بدر کرنا چاہیے، اور اسی کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے مروی ہے۔ اور عبدالملک کا بھی یہی قول ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ مدینہ کی پڑوس کی مثل۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوفہ سے بصرہ تک کی مسافت، اور الشعبی نے کہا: اس کو شہر بدر کرے اس کے شہر سے دوسرے شہر کی طرف۔

اور امام مالک نے کہا: ایک سال تک دوسرے شہر میں اس کو قید کیا جائے تاکہ وہ اس شہر کی طرف واپس نہ آسکے جس سے اس کو شہر بدر کیا گیا ہے۔ اور امام احمد سے منقول ہے کہ اتنی مسافت کی مقدار میں شہر بدر کیا جائے جتنی مسافت میں نماز کو قصر کیا جاتا ہے، اور ابوثور نے کہا: ایک میل اور اس سے کم کی مسافت میں شہر بدر کیا جائے۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا: اس کے لیے اتنی مسافت کی مقدار کافی ہے جس پر شہر بدر ہونے کا اطلاق ہو جائے خواہ مسافت کم ہو یا زیادہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۲۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ غَرَّبَ ثُمَّ لَمْ تَزَلْ تِلْكَ السُّنَّةَ۔

ابن شہاب نے کہا: اور مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شہر بدر کیا، پھر ہمیشہ یہ سنت قائم رہی۔

(سنن الترمذی: ۱۴۳۸، سنن نسائی: ۵۶۷۶)

صحیح البخاری: ۶۸۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق سندِ مذکور کے ساتھ موصول ہے، یعنی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر بن العوام نے خبر دی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے شہر بدر کیا۔

لیکن یہ تعلیق منقطع ہے، کیونکہ عروہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا، لیکن یہ تعلیق ایک اور سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

امام ترمذی نے اس کی روایت کی ہے کہ مجھے ابوکریب اور یحییٰ بن اکثم ان دونوں نے حدیث بیان کی، ان دونوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ادریس نے حدیث بیان کی از عبیداللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا۔ اور بے شک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا اور بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۴۳۸)

کوڑے مارنے اور شہر بدر کرنے کے متعلق مذاہبِ فقہاء

امام ابوعیسیٰ ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث غریب ہے، اس کو متعدد راویوں نے از عبداللہ بن ادریس روایت کیا ہے اور اس کو مرفوع بیان کیا ہے، اور بعض راویوں نے اس حدیث کو از عبداللہ بن ادریس روایت کیا از عبیداللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا۔

اسی طرح اس حدیث کی محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارے اور شہر بدر کیا اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرح کیا، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہر بدر کرنا ثابت ہے، اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ نے، حضرت خالد نے اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم اور دیگر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل رہا ہے؛ ان میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر اور دیگر ہیں رضی اللہ عنہم۔

اسی طرح متعدد فقہاء تابعین کا بھی اس پر عمل رہا ہے، اور یہی سفیان ثوری کا، امام مالک بن انس کا، عبداللہ بن مبارک کا، امام شافعی کا اور امام احمد کا اور اسحاق کا قول ہے۔ (سنن ترمذی ص ۶۰۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: پھر شہر بدر کرنے کی سنت قائم رہی اور امام عبدالرزاق نے امام مالک سے روایت کی ہے: پھر ہمیشہ یہ سنت رہی حتیٰ کہ مروان نے شہر بدر کیا، پھر لوگوں نے اس کو ترک کر دیا یعنی اہلِ مدینہ نے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۔ ۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۳ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَضَى فِيمَنْ زَنَى وَلَمْ يُحْصَنْ بِنَفْيِ عَامٍ بِإِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فیصلہ کیا جس نے زنا کیا اور وہ غیر شادی شدہ تھا، اس پر حد قائم کر کے اسے ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۱،۲۳۱۵،۲۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۸۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں کنوارے کو کوڑے مارنے اور شہر بدر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عقیل کا ذکر ہے، یہ عقیل بن خالد ہیں۔

اس حدیث کی امام نسائی نے کتاب الرجم میں روایت کی ہے از محمد بن رافع۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طائفۃ اور جماعت کے متعلق متعدد اقوال اور روایات

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲﴾ (النور: ۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے O

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ "ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے"۔

اس جماعت کی مقدار کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ یہ چار افراد ہونے چاہئیں، اور زجاج نے کہا کہ ایک فرد کو الطائفۃ اور جماعت نہیں کہتے، اور دو سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ اور یہ اہلِ لغت کے قول کے خلاف نہیں ہے کیونکہ طائفۃ کا معنی ہے "قطعۃ" یعنی ٹکڑا، کہا جاتا ہے "میں نے بکری سے ایک قطعہ کھایا" یعنی گوشت کا ایک ٹکڑا کھایا، اور مجاہد نے درجِ ذیل آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا (الحجرات: ۹)

اور اگر مومنوں کے دو گروہ باہم جنگ کریں۔

مجاہد نے کہا: یہ دو مرد تھے جو لڑ رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ دو مردوں پر بھی طائفۃ کا اطلاق آتا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۱۳ ص ۲۳۴، ملخصاً و ملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۲۹ ۱۴)

الحجرات: ۹ کی تفسیر از مصنف

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد میں بھی مسلمانوں کے دو فریقوں میں جنگ ہوئی، اور ظاہر ہے کہ ان متحارب فریقوں میں سے ایک حق پر تھا اور دوسرا باطل پر تھا، اس کے باوجود ان دونوں فریقوں کو مسلمان ہی قرار دیا گیا، اور ان کے درمیان صلح کرائی گئی یا صلح کرانے کی کوشش کی گئی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا (جب آپ ابتداءً مدینہ منورہ تشریف لائے تھے:) اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے جائیں (تو اچھا ہو)، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش پر سوار ہو کر اس کے پاس گئے، مسلمان بھی آپ کے ہمراہ گئے، وہ بنجر زمین تھی، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا: مجھ سے دور ہٹو، تمہاری سواری کی بدبو مجھے ایذاء پہنچا رہی ہے، آپ کے ساتھ جو انصاری مسلمان تھے ان میں سے ایک نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی بو تجھ سے بہت اچھی ہے، عبداللہ بن ابی کی قوم کا ایک شخص یہ سن کر غصہ میں آ گیا اور اس انصاری کو گالی دی، پھر دونوں طرف سے فریق غضب میں آ گئے اور ایک دوسرے کو ڈنڈوں، ہاتھوں اور جوتوں سے مارنے لگے، پھر ہم کو یہ خبر پہنچی کہ ان دونوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۱)

میں کہتا ہوں: اس روایت پر یہ اعتراض ہوگا کہ یہ جنگ مسلمانوں کے دو فریقوں کے درمیان نہیں تھی بلکہ ایک فریق مسلمانوں کا تھا اور دوسرا فریق منافقوں کا تھا، لہٰذا اس حدیث کو اس آیت کے شانِ نزول میں بیان کرنا درست نہیں ہے۔ البتہ اس کے متعلق دوسری روایت یہ ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ قباء آپس میں لڑ پڑے حتیٰ کہ انہوں نے ایک دوسرے پر پتھراؤ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: چلو ہم ان کے درمیان صلح کرا دیں۔ (صحیح البخاری: ۲۶۹۳)

جب اہلِ شام اور اہلِ عراق میں جنگ تیار تھی، ایک طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج تھی اور دوسری طرف حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فوج تھی، اس وقت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خلافت سے دستبردار ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی اس صلح کی پیشگوئی کر دی تھی۔

امام بخاری حسن بصری سے روایت کرتے ہیں: میں نے سنا ہے اللہ کی قسم! جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں پہاڑوں جیسا لشکر لے کر آئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مخالفین کو مارے بغیر نہیں لوٹے گا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اور اللہ کی قسم! اور وہ دونوں آدمیوں میں زیادہ بہتر تھے اے عمرو! اگر اس لشکر نے اس لشکر کو قتل کر دیا اور اس لشکر نے اس لشکر کو قتل کر دیا تو لوگوں پر حکمرانی کے لیے کون میرا ساتھ دے گا؟ اور لوگوں کی عورتوں کی حفاظت کے معاملہ میں کون میرا ساتھ دے گا، اور لوگوں کے بچوں کے نگہداشت کے لیے کون میرا ساتھ دے گا؟ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قبیلہ بنو شمس کے دو آدمی بھیجے، عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز، ان سے

کہا کہ تم دونوں اس شخص (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے (صلح کی) پیشکش کرو، تم دونوں ان سے بات کرو اور فیصلہ ان پر چھوڑ دو، وہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے گفتگو کی اور فیصلہ ان پر چھوڑ دیا، پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا: ہم عبد المطلب کی اولاد ہیں اور ہم کو اس مال سے حصہ ملا ہے اور ہمارے ساتھ جو لشکر ہے یہ خوں ریزی میں طاق ہے، ان دونوں نے کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو اتنے اور اتنے مال کی پیشکش کی ہے، وہ آپ سے صلح کے طلب گار ہیں اور انہوں نے فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے لیے اس کا کون ضامن ہوگا؟ ان دونوں نے کہا: ہم آپ کے لیے اس کے ضامن ہیں، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جس چیز کا بھی سوال کیا تو ان دونوں نے کہا: ہم آپ کے لیے اس کے ضامن ہیں، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی، پھر حضرت حسن بصری نے کہا: میں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو کی طرف تھے، اور آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور آپ فرما رہے تھے کہ میرا یہ بیٹا سید ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۰۴، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۲، سنن ترمذی: ۳۷۷۳، المعجم الکبیر: ۲۵۹۰، مسند الحمیدی: ۷۹۳، سنن کبریٰ: ۱۷۱۸، المستدرک ج ۳ ص ۱۷۴۔۱۷۵، مسند احمد ج ۵ ص ۳۸)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر مسلمان، مسلمانوں سے جنگ کریں تو وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتے جب کہ دونوں فریق تاویل اور اجتہاد سے جنگ کر رہے ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے: جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۱)

اس حدیث میں جو وعید ہے وہ اس صورت پر محمول ہے جب وہ تاویل اور اجتہاد کے بغیر جنگ کر رہے ہوں۔

مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اہلِ کوفہ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بیعت کر لی اور اہلِ شام نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، پھر حضرت معاویہ اہلِ شام کے ساتھ کوفہ کو فتح کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوئے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اہلِ عراق کے ساتھ روانہ ہوئے، پھر ارضِ کوفہ کی ایک منزل پر دونوں کا آمنا سامنا ہوا، پس حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ اہلِ عراق کی کثرت کو دیکھا، پھر انہوں نے نداء کی کہ اے معاویہ! میں نے اللہ کے پاس جو اجر ہے اس کو اختیار کر لیا ہے، پس اگر یہ خلافت تمہارا حق ہے تو مجھے اس میں تم سے نزاع نہیں کرنا چاہیے اور اگر یہ خلافت میرا حق ہے تو میں نے یہ تم کو دے دی۔

۴۴۔ بَابُ: نَفْيِ أَهْلِ الْمَعَاصِي وَالْمُخَنَّثِينَ

نافرمانوں اور ہیجڑوں کو شہر بدر کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اہلِ معاصی کو شہر بدر کرنے کا بیان ہے، اور معاصی، معصیت کی جمع ہے جس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اور مخنث اس کو کہتے ہیں جو اپنی باتوں میں اور اپنے افعال میں عورتوں کی مشابہت کرتا ہو (بلکہ اپنے لباس میں بھی عورتوں کی مشابہت کرتا ہو)۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس باب کو منعقد کرنے سے غرض یہ ہے کہ اس پر تنبیہ کی جائے کہ جس پر حد نہیں ہے، اس کو بھی شہر بدر کرنا ثابت ہے، تو جس پر حد ہو تو اس کو شہر بدر کرنا بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس ترکیب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی بھی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے شہر بدر کرنا جائز ہے اور باب کا عنوان بھی اس پر دلالت کرتا ہے، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ شہر بدر کرنا صرف تین کے لیے جائز ہے: کنوارا زنا کرنے والا ہو، اور ہیجڑا اور ڈاکو۔

اور ہیجڑا جب لایا جائے تو اس کو فاعل کے ساتھ رجم کیا جائے۔ امام مالک کے نزدیک خواہ اس کا فاعل شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، اور امام شافعی کہتے ہیں: اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس پر حد ہے، اور اسی طرح امام مالک کے نزدیک ہے جب کہ وہ دونوں کافر ہوں یا دونوں غلام ہوں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جس کو رجم کیا جائے، اس کو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھایا جائے، پھر اس کے اوپر پتھر مارے جائیں اور یہ بھی رجم کی ایک قسم ہے اور اس کا کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس میں حد نہیں ہے، اس میں صرف تعزیر ہے، اور ہمارے بعض اصحابِ احناف سے منقول ہے کہ جب وہ بار بار یہ فعل کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا، اور جس حدیث میں مذکور ہے "فاعل اور مفعول بہ کو رجم کردو" اس میں کلام کیا گیا ہے۔ اور بعض اہلِ ظاہر نے یہ کہا ہے کہ جو شخص یہ برا کام کرے، اس پر کوئی سزا نہیں ہے۔ اور علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ صحت سے بہت دور قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۴۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ وَأَخْرَجَ فُلَانًا وَأَخْرَجَ عُمَرُ فُلَانًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو مخنث بنتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مرد بنتی ہیں، آپ نے فرمایا: ان کو اپنے گھروں سے نکال دو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کو نکال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکال دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۸۸۵، ۵۸۸۶، ۶۸۳۴، سنن ترمذی: ۲۷۸۴، سنن ابوداؤد: ۴۰۹۷، سنن ابن ماجہ: ۱۹۰۴، مسند احمد: ۲۱۴۱)

صحیح البخاری: ۶۸۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں مخنثین پر لعنت کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، یہ الدستوائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن ابی کثیر ہیں۔

یہ حدیث کتاب اللباس میں گزر چکی ہے۔ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو کتاب الادب میں از مسلم بن ابراہیم روایت کیا ہے اور امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی کتاب الادب میں روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "والمترجلات" یعنی جو عورتیں مردوں کے ساتھ تکلف سے مشابہت کرتی ہیں، اور یہ درحقیقت مخنثین کی ضد ہے، کیونکہ مخنثین عورتوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اخرج فلان" ابوذر کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فلاں کو نکالا، اس بناء پر پہلے "اخرج" کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے "اخرج" کا فاعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، اور ابوذر کے علاوہ دوسروں کی روایت میں دونوں کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکالا تھا، اس کا نام ابوذ ؤیب تھا۔ اور دوسرا قول ہے اس کا نام جعدہ السلمی تھا۔ اور اسماعیل بن مسلم سے روایت ہے کہ امیہ بن یزید الاسدی کو نکالا تھا، جو مزینہ کا آزاد شدہ غلام تھا اور یہ دونوں (یعنی جعدہ السلمی اور ابوذ ؤیب) مدینہ میں کھانے کی ذخیرہ اندوزی کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نافرمانوں اور قوم لوط کا عمل کرنے والوں پر لعنت اور تعزیر کا بیان

شارع علیہ السلام نے مخنثین پر لعنت فرمائی ہے اور ان کو گھروں سے نکالنے کا حکم دیا ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ جس سے یہ خطرہ ہو کہ اس سے لوگوں کے دین اور دنیا میں کوئی فتنہ پیدا ہوگا، اس پر لعنت کی جائے اور اس کو گھروں سے نکال دیا جائے اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پس لکڑیاں جمع کی جائیں، پھر میں نماز کا حکم دوں، سو اس کی اذان دی جائے، پھر میں کسی مرد کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر ان مردوں کے گھروں کو دیکھوں جو نماز پڑھنے کے لیے حاضر نہیں ہوتے تو ان کے گھروں میں آگ لگادوں، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ان لوگوں کو یہ پتا ہو کہ انہیں کوئی گوشت والی ہڈی ملے گی یا دو ہڈیاں ملیں گی تو یہ عشاء کی نماز میں حاضر ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۶۴۴، صحیح مسلم: ۶۵۱، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱، مسند احمد: ۸۶۷۳، موطا امام مالک: ۲۹۲، سنن داری: ۱۲۷۴)

اس حدیث سے بابِ مذکور کی تائید اس لیے ہوتی ہے کہ اس حدیث میں جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں اور نافرمانوں کے گھروں میں آگ لگانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا۔

اور مخنثین کے متعلق فقہاء نے کہا ہے کہ اگر وہ بار بار یہ فعل کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے، اور اس کی اصل درج ذیل حدیث ہے:
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو تم قومِ لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول بہ کو قتل کر دو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۴۶۲، سنن ترمذی: ۱۴۵۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۱)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر کنوارا لوطیہ پر پکڑا جائے تو اس کو رجم کر دیا جائے۔
(سنن ابوداؤد: ۴۴۶۳، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث ضعیف ہے)
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۳۸۔۲۳۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورتوں کی مشابہت کرنے والے ہیجڑوں کی سزا کا بیان

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان کو زانی کو شہر بدر کرنے کے عنوان کے بعد قائم کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ جس نافرمانی میں حد نہیں ہے جب اس میں شہر بدر کرنا مشروع ہے تو جس نافرمانی میں حد ہے، اس میں شہر بدر کرنا بطریقِ اولیٰ ہوگا۔ پس سنتِ ثابتہ قیاس سے موکد ہو جائے گی تاکہ اس کے ساتھ ان پر رد کیا جائے جو سنتِ ثابتہ کا قیاس سے معارضہ کرتے ہیں، پس جب دو قیاس متعارض ہوں گے تو سنت بلا معارض باقی رہے گی۔

اگر ہیجڑا فقط عورتوں کی مشابہت کرتا ہو تو اس کو شہر بدر کیا جائے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس عنوان سے امام بخاری نے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو رجم کر دیا جائے، کیونکہ اس حدیثِ صحیح میں صرف شہر بدر کرنے کا حکم ہے۔

اور امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہیجڑے کو لایا گیا جس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگائی ہوئی تھی تو آپ نے پوچھا: اس کی کیا وجہ ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے، تو آپ نے اس کو شہر بدر کرنے کا حکم دیا تو اس کو نقیع کی طرف نکال دیا گیا۔
(فتح الباری ج ۷ ص ۹۰۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۴، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہیجڑوں پر وعید کا سبب

مخنث سے مراد وہ ہیجڑے ہیں جو اپنی باتوں میں اور اپنی ہیئات میں اور اپنے لباس میں اور اپنی چال ڈھال میں عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، ان پر بھی لعنت فرمائی ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی خلقت کی ضد کو اختیار کر رہا ہے، پس عورت یہ چاہتی ہے کہ اپنے آپ کو مرد بنائے اور مرد یہ چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو عورت بنائے اور یہ اللہ تعالیٰ کی جبلی خلقت کو متغیر کرنا ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گودنے والی عورتوں پر اور گدوانے والی عورتوں پر اور چہرہ کے بال اکھاڑنے والیوں پر اور دانتوں میں جھری کروانے والیوں پر لعنت فرمائی ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کو متغیر کرنا ہے۔ اور عورت کا مرد بننا یا مرد کا عورت بننا یہ اس سے زیادہ شدید فساد ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۰۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

۳۵۔ بَابُ: مَنْ أَمَرَ غَيْرَ الْإِمَامِ بِإِقَامَةِ الْحَدِّ غَائِبًا عَنْهُ

جب امام غائب ہو تو اس نے کسی دوسرے کو حد قائم کرنے کا حکم دیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب امام غائب ہو تو وہ کسی دوسرے کو حد قائم کرنے کا حکم دے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۵، ۶۸۳۶ ـ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَعْرَابِ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ جَالِسٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اقْضِ بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ فَقَالَ صَدَقَ اقْضِ لَهُ يَا رَسُولَ اللهِ بِكِتَابِ اللهِ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ بِمِائَةٍ مِنَ الْغَنَمِ وَوَلِيدَةٍ ثُمَّ سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَزَعَمُوا أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا الْغَنَمُ وَالْوَلِيدَةُ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عاصم بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی ذئب نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ اعراب میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس وقت آپ بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ کتاب اللہ کے ساتھ فیصلہ کیجئے، تو اس کا فریقِ مخالف کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اس نے سچ کہا، یارسول اللہ! اس کے لیے کتاب اللہ سے فیصلہ کیجئے، بے شک میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، تو مجھے لوگوں نے خبر دی کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا تو میں نے ایک سو بکریاں اور باندی فدیہ میں دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: جو میرے بیٹے کی سزا ہے وہ سو کوڑے

امْرَأَةِ هٰذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا۔

ہے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا ہے۔ پس آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں ضرور تم دونوں کے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، رہی بکریاں اور باندی تو وہ تم کو واپس دی جائیں گی اور تمہارے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا ہے۔ اور تم اے اُنیس! صبح کو اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، سو اس کو رجم کردو۔ پس صبح کو حضرت انیس رضی اللہ عنہ گئے اور انہوں نے اس عورت کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۸۳۵۔۶۸۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ نے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس شخص کی عورت کو رجم کردیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابی ذئب، یہ ابن عبد الرحمٰن ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، یہ عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں۔

یہ حدیث متعدد مقامات پر گزر چکی ہے۔ کتاب النذور میں از اسماعیل بن ابی اویس اور کتاب المحاربین میں از عبد اللہ بن یوسف اور کتاب الصلح اور احکام میں از آدم، اور کتاب الوکالت میں از ابو الولید اور کتاب الشروط میں از قتیبہ گزر چکی ہے اور عنقریب یہ حدیث کتاب الاعتصام اور خبر الواحد میں بھی آئے گی، صحاحِ ستہ کے باقی مؤلفین نے بھی اس کی روایت کی ہے۔ اور اس کی تفسیر متعدد مرتبہ ہو چکی ہے، اور عنقریب اس کی شرح باب "الاعتراف بالزنا" میں ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان ابنی کان عسیفا علی ھذا فزنا بامراتہ" یعنی میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا سو اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ یہ اس اعرابی کا کلام ہے اس کے فریقِ مخالف کا کلام نہیں ہے۔ کتاب الصلح میں اسی طرح گزرا ہے کہ اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ فرمائیے، تو اس کے فریقِ مخالف نے کہا: اس نے سچ کہا، پس

اعرابی نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا۔ اسی طرح علامہ کرمانی نے اس کی شرح کی ہے۔
اور بعض شارحین نے کہا: بلکہ جس نے یہ کہا کہ ہمارے درمیان فیصلہ کریں، وہ اس مزدور کا والد ہے۔
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو رجم کردو" اس میں اختصار ہے، اور پوری حدیث اس طرح ہے: "اگر یہ عورت زنا کا اعتراف کرلے تو تم اس کو رجم کردینا" اس پر باقی روایات شاہد ہیں اور قواعد شرعیہ بھی شاہد ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۳۵۔۶۸۳۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاکم کے قائم مقام کا مقدمات کے فیصلہ کرنے کا بیان

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث سے ان فقہاء نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قاضی اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرے، اور یہ عبدالملک اور سحنون کا مذہب ہے کہ قاضی فیصلہ کی مجلس میں فریقین سے جو سنے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔
(القوانین الفقہیہ ص ۲۹۲)

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قاضی ہر مجلس میں اپنے علم کے تقاضا کے مطابق فیصلہ کرے۔
(کتاب الام ج ۶ ص ۲۱۶، الوسیط ج ۴ ص ۳۰۵)

علامہ ابن الملقن شافعی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے ماسوا میں ہوگا۔
اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ کسی چیز میں بھی اپنے علم کے تقاضا کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔
(عیون المجالس ج ۴ ص ۱۵۳۶۔۱۵۳۵، الکافی ص ۵۰۰)

اہل العراق نے فرق کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آدمیوں کے حقوق میں اس کے مطابق فیصلہ کرے جس کا اسے قضاء کے بعد علم ہوا۔ اور اپنے علم کے مطابق قضاء سے پہلے فیصلہ نہ کرے۔ (مختصر الطحاوی ص ۳۳۲، الاستذکار ج ۲۲ ص ۱۵)
اور جو فقہاء اس قول کو منع کرتے ہیں ان کا استدلال اس سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال اور شریک کے قصہ میں فرمایا: "اگر میں کسی ایک کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا" اس کی پوری تفصیل درج ذیل حدیث میں ہے:
امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن سعید از عبدالرحمٰن بن القاسم از القاسم بن محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرایا، تو عاصم بن عدی نے اس کے متعلق کوئی بات کہی پھر وہ واپس چلے گئے، تو ان کی قوم سے مرد آیا اور اس نے یہ شکایت کی کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملے میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں۔ پھر وہ اس مرد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور آپ کو بتایا کہ اس مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا، اور وہ مرد زرد رو تھا، اس کے جسم پر گوشت کم تھا، اس کے بال سیدھے تھے، اور وہ مرد جس کے خلاف یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اس نے ان کی بیوی کے پاس ایک گندم گوں رنگ کے آدمی کو پایا جو دبلا پتلا ہے، زیادہ گوشت نہیں ہے، یہ وہ تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے

اللہ! اس کا فیصلہ فرما دے۔ پھر اس مرد کی بیوی کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس مرد کے مشابہ تھا، جس کے متعلق اس کے خاوند نے کہا کہ اس نے اس مرد کو اپنی بیوی کے پاس پایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا، یعنی انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے اس مجلس میں پوچھا کیا یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں بغیر کسی گواہ کے کسی کو رجم کرتا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں، یہ وہ عورت تھی جس نے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمان ہونے کے بعد برے کام کرتی تھی، ابو صالح اور عبداللہ بن یوسف نے کہا: آدم خدلا، یعنی وہ گندمی چہرے والا دبلا پتلا شخص تھا۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۰، ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ: ۲۵۶۰، احمد: ۲۰۹۱)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر یہ عورت اعتراف کرے تو اس کو رجم کر دینا''۔ اس حدیث میں اس عورت کے متعدد مرتبہ اقرار کا ذکر نہیں ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا اعتراف گواہ کے قائم مقام ہو۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی ایک مرد کو بھیجے جو حدود کے قائم کرنے میں اور احکام کے نافذ کرنے میں اس کا نائب ہو۔ اور اس کام کے لیے ایک مرد بھی کفایت کر سکتا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۴۱۔ ۲۴۲ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْكُمْؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۠ (النساء: ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ، مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) اور اللہ تمہارے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، تم باہم ایک دوسرے کی جنس سے ہو، تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو در اں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں، بدکار نہ ہوں، نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں، اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں، پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدھی سزا ملے گی (باندیوں سے نکاح کا) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہتر ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں النساء: ۲۵ کا ذکر کیا ہے اور اس باب کے تحت کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا۔
اور علامہ ابن بطال مالکی نے اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے جو اس باب کے بعد مذکور ہے۔

النساء: ۲۵ کے بعض مشکل جملوں کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں مذکور ہے "من لم یستطع منکم طولا" "طولا" کا معنی ہے: مالی وسعت اور مالی قدرت، یعنی تم میں سے جو شخص اتنی مالی وسعت اور قدرت نہ رکھتا ہو کہ کسی آزاد عورت سے نکاح کرے۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے "اَلْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ" یعنی آزاد پاک دامن مومن عورتیں، اس کا معنی ہے: جو مسلمان، آزاد پاک دامن مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ باندیوں سے نکاح کر لے۔

اس آیت میں مذکور ہے "فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ" یعنی تم اپنی ان مومنہ باندیوں کے ساتھ نکاح کر لو۔ فتیٰت، فتاۃ کی جمع ہے اور یہ باندی کو کہتے ہیں۔ اس آیت کے مفہوم مخالف کا تقاضا یہ ہے کہ کافرہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ذمیہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور دوسروں نے ذمیہ باندی سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، (ذمیہ باندی یہودی عورت ہوگی یا عیسائی عورت ہوگی)۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے "اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ حقائق امور کو اور راز کی باتوں کو جاننے والا ہے۔ اور اے لوگو! تمہیں ان احکام کا مکلف کیا جاتا ہے جو ظاہر ہیں۔

اس آیت میں مذکور ہے "بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ" اس کی تفسیر میں دو قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اے مومنو! تم آپس میں بھائی ہو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اے مومنو! تم آدم کی اولاد ہو۔ یہ اس لئے کہا گیا ہے کہ روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں وہ باندی کی اولاد سے عار محسوس کرتے تھے اور باندی سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کو "ھجین" یعنی لونڈی زادہ کہتے تھے۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے "فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ" اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ باندیوں کے مالک ان باندیوں کا کسی سے نکاح کریں گے اور باندی کے مالک کی اجازت کے بغیر باندی کا کسی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح جو شخص کسی کا غلام ہو وہ بھی مالک کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔ اور اگر باندی کی مالک عورت ہو تو اس باندی کا نکاح وہ شخص کرے جو اس عورت کا نکاح کرتا ہے اس کی اجازت سے، کیونکہ حدیث میں ہے: "کوئی عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے"، کیونکہ زانیہ وہ عورت ہوتی ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ" یعنی جن باندیوں سے تم نے نکاح کیا ہے، ان کو ان کا مہر ادا کرو۔

اس آیت میں مذکور ہے "بِالْمَعْرُوْفِ" یعنی تم اپنی خوشی سے مہر ادا کرو اور تم اس مہر کی رقم میں کمی نہ کرو، یہ سمجھتے ہوئے کہ تم باندیوں سے نکاح کر رہے ہو تو ان کو کم حیثیت جانتے ہوئے ان کا مہر کم رکھو۔

اس آیت میں مذکور ہے "مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ" "اَلْمُحْصَنٰتِ" کا معنی ہے: وہ عورتیں زنا سے پاک دامن ہوں، زنا کرنے والی نہ ہوں۔ اور اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے فرمایا "غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ" یعنی وہ زنا کرنے والی نہ ہوں جو کسی شخص کو اپنے پاس آنے سے منع نہیں کرتیں، اور فرمایا "وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ" "اَخْدَانٍ" کا معنی ہے: دوست، یہ خدن

کی جمع ہے، یعنی وہ عورتیں اپنے یار بنانے والی نہ ہوں۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے "فَاِذَآ اُحْصِنَّ" ایک قول یہ ہے کہ احصان سے مراد یہاں پر اسلام ہے، یعنی وہ باندیاں مسلمان ہوں۔ یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت اسود بن زید، حضرت ذر بن حبیش رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، ابراہیم النخعی، شعبی اور سدی سے مروی ہے۔ اور یہی امام مالک کا، لیث کا، الاوزاعی کا، فقہاء احناف کا اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ احصان سے مراد ہے: تزوّج اور نکاح، یعنی وہ باندیاں شادی شدہ ہوں، یہ مجاہد، عکرمہ، طاؤس، حسن اور قتادہ کا قول ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ" فاحشۃ سے مراد ہے: زنا، یعنی اگر وہ مسلمان باندیاں یا شادی شدہ باندیاں زنا کا ارتکاب کریں۔

اس آیت میں مذکور ہے "فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ" یعنی آزاد عورتوں پر جتنی حد جاری کی جاتی ہے اس کی نصف حد ان پر جاری کی جائے۔ اور وہ پچاس کوڑے ہیں اور چھ ماہ کے لیے شہر بدر کرنا ہے۔ (میں کہتا ہوں: احناف کے ہاں شہر بدر کرنا نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

اس آیت میں مذکور ہے "ذٰلِكَ" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص مالی قدرت اور وسعت نہ ہونے کی وجہ سے آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر سکے تو وہ مومنہ باندیوں سے نکاح کر لے۔

اس آیت میں مذکور ہے "الْعَنَتَ" اس کا معنی ہے: اثم اور ضرر جو غلبہ شہوت کی بناء پر ہو۔ اسی طرح الثعلبی نے تفسیر کی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ "الْعَنَتَ" کا معنی ہے زنا، اور اصل میں العنت کا معنی ہے: مشقت۔

اس آیت میں مذکور ہے "اَنْ تَصْبِرُوْا" یہ اَن مصدریہ ہے، یعنی تمہارا باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے صبر کرنا "خَيْرٌ لَّكُمْ" تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۲۔ ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

متعہ کے عدم جواز کی دلیل

اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے شخص کے لیے صرف دو طریقے تجویز کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے دوسرا یہ کہ وہ ضبطِ نفس کرے اور تجرّد کی زندگی گزارے، اگر متعہ جائز ہوتا تو باندیوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اس کو متعہ کی ہدایت دی جاتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ کوئی شخص متعہ نہیں کر سکتا، اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں سے کرے، اور اگر ان سے بھی نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر اسے صبر کرنا پڑے گا، متعہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان آزاد مرد کے باندیوں کے ساتھ نکاح کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

باندیوں سے نکاح کے معاملہ میں شدت کی گئی ہے، کیونکہ باندیوں کی اولاد غلام ہوتی ہے اور اس سے خدمت لی جاتی ہے اور

یہ چیز شوہر کے اوپر دشوار ہوتی ہے۔

امام مالک اور ابن القاسم کا قول اس مسئلہ میں مختلف ہے، کیا آزاد مرد کا باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے جب کہ اس مرد کی اولاد غلام ہو جائے گی؟ ایک مرتبہ امام مالک نے اس سے منع کیا مگر دو شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیا، ایک تو یہ کہ وہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اور دوسری شرط یہ کہ اس کو اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہو۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ آزاد مرد کا باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء:۲۵) اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ، مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے)۔

اور امام مالک کا اکثر قول یہ ہے کہ آزاد مرد کا باندی سے نکاح کرنا ممنوع ہے اور علامہ ابن القاسم مالکی کا اکثر قول یہ ہے کہ یہ جائز ہے، جیسا کہ علامہ ابن التین نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

(المدونہ ج ۲ ص ۱۶۴۔۱۶۵، النوادر والزیادات ج ۴ ص ۵۱۸، عیون المجالس ج ۳: ۱۰۹۶۔۱۰۹۵، المنتقی ج ۳ ص ۳۲۳)

اور جب کوئی شخص کسی آزاد عورت سے نکاح کر لے تو امام مالک نے کہا کہ یہ اس کی وسعت اور طاقت نہیں ہے اور ابن حبیب نے کہا: یہ وسعت اور طاقت ہے اور اس پر باندی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ اور مسروق اور المزنی نے کہا: جب وہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت رکھے تو باندی سے اس کا نکاح منسوخ ہوگا خواہ وہ آزاد عورت سے نکاح نہ کرے۔

النساء:۲۵ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی آزاد مرد، آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان باندیوں سے نکاح کر لے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ کافرہ باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام مالک کا معروف مذہب یہ ہے کہ اہلِ کتاب کی باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ (المنتقی ج ۳ ص ۳۲۰۔۳۱۹، عیون المجالس ج ۳، ۱۰۹۷۔۱۰۹۶)

اور اشہب نے کہا کہ امام محمد کے نزدیک جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں کوئی ایسی باندی تھی جو اہلِ کتاب میں سے تھی تو ان دونوں کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، تو بعض علماء نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ کتابیہ باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اور یہ صحیح ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ نکاح کو باقی رکھنا ابتداءً نکاح کرنے کی مثل ہے اور ابتداءً اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۴۵۔۲۴۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

احصان کے معنی میں قرآن وسنت میں بہ ظاہر تعارض اور ان میں تطبیق

النساء:۲۵ میں فرمایا ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (النساء:۲۵) طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ، مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے)۔

اوراس آیت میں آگے چل کرفرمایا: ''فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ'' (اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں، پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدھی سزا ملے گی)۔

اس آیت میں باندی کے احصان کے معنی میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء نے یہ کہا ہے کہ باندی کے احصان کا معنی ہے: اس کا نکاح کرنا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے: آزاد کرنا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ باندی کا احصان اس کا نکاح کرنا ہے۔ اور ابوعبید اور اسماعیل قاضی نے اس کی تقویت کی ہے اور یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ''مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ'' یعنی جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ مومن باندیوں سے نکاح کر لے، پھر اس کے بعد ہے ''فَاِذَآ اُحْصِنَّ'' اگر اس کا یہ معنی کیا جائے کہ جب وہ اسلام لے آئیں تو یہ بہت بعید ہوگا، اس لیے یہاں پر احصان کا معنی اسلام نہیں ہوگا بلکہ نکاح کرنا ہوگا، یعنی جب وہ باندیاں نکاح کر لیں۔ اور اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب وہ نکاح کر لیں اور پھر زنا کریں تو ان پر حد واجب ہوگی اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ نکاح سے پہلے اگر وہ زنا کریں تو پھر ان باندیوں پر حد واجب نہیں ہوگی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی پر عمل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نکاح کرنے سے پہلے باندی کے اوپر حد نہیں ہے، اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے اور یہی ابوعبید القاسم بن سلام کا قول ہے۔ اور فقہاء شافعیہ کا بھی ایک یہی قول ہے۔

اور اس پر امام طبرانی کی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ باندی پر اس وقت تک حد نہیں ہے ''حتیٰ تحصن'' یعنی حتیٰ کہ وہ نکاح کر لے۔ اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور راجح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ اور ابن شاہین نے ''الناسخ والمنسوخ'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس باب کی حدیث سے یہ منسوخ ہے۔ (کیونکہ اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب باندیاں نکاح کر لیں اور پھر زنا کریں تو ان پر حد ہے اور نکاح سے پہلے ان کے زنا پر حد ہونے یا نہ ہونے سے تعرض نہیں فرمایا)۔ اور اس کے معارض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ ''تم اپنے غلاموں پر حد قائم کرو خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں'' اس کا مفاد یہ ہے کہ باندیاں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان پر بھی حد قائم ہوگی۔ اور اس حدیث کے بھی مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور راجح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے لیکن صحیح مسلم کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، تو اس سے استدلال کرنا زیادہ قوی ہے۔

اور جب حدیث میں احصان کو نکاح کرنے پر محمول کیا جائے اور آیت میں احصان کو اسلام پر محمول کیا جائے تو تطبیق حاصل ہو جاتی ہے، یعنی اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر وہ باندیاں مسلمان ہو جائیں اور پھر وہ زنا کریں تو ان کے اوپر اتنی حد ہوگی جو آزاد مسلمان عورتوں کی حد کا نصف ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب باندیاں احصان یعنی نکاح کرنے سے پہلے زنا کریں تو ان کو کوڑے لگائے جائیں گے، اور دوسرے علماء نے کہا: بلفظِ احصان کے ساتھ تقیید اس کا فائدہ دیتی ہے کہ باندیوں کے حق میں حد کوڑے مارنا ہے نہ کہ رجم کرنا، پس کتاب یعنی قرآن سے معلوم ہوا کہ نکاح کے بعد اگر باندیاں زنا کریں تو

ان کو کوڑے لگائے جائیں گے اور سنت سے ثابت ہوا کہ اگر وہ نکاح سے پہلے زنا کریں تو ان کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ رجم کا نصف نہیں ہوتا، لہٰذا باندیوں کے حق میں حد کا حکم صرف کوڑے مارنے میں منحصر ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۹۰۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ ابن عثیمین کا شیخ ابن تیمیہ حنبلی پر رد کرنا

النساء: ۲۵ سے معلوم ہوا کہ باندیوں سے نکاح کے جواز کی تین شرطیں ہیں: (۱) مسلمان مرد آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے (۲) وہ باندی مومنہ ہو (۳) اگر مسلمان مرد باندی سے نکاح نہ کرے تو اسے اپنے نفس پر زنا کا خطرہ ہو۔ پس جب یہ شرائط مکمل ہو جائیں گی تو باندیوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہوگا۔ اور اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جب کوئی آزاد مرد کسی باندی سے نکاح کرے گا تو اس کی اولاد غلام ہوگی اور اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، اور یہ چیز اس مسلمان مرد کے لیے باعثِ عار ہوگی۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ باندی سے نکاح کرنا جائز ہے جب نکاح کرنے والا یہ شرط لگالے کہ اس کی اولاد آزاد ہوگی، لیکن شیخ ابن تیمیہ کا یہ قول اس مسئلہ میں ضعیف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نصِ صریح میں باندی سے نکاح کرنے کی تین شرطیں مقرر فرمائی ہیں، لہٰذا ان شرطوں کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ باندی سے نکاح کرنے کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس کی اولاد غلام ہوگی، اس کے علاوہ اور علت بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مرد کسی باندی سے نکاح کرے گا تو اس کا مرتبہ اس کی کرامت اور شرافت سے کم ہو جائے گا کہ وہ ایک مسلمان عورت کے بجائے باندی سے نکاح کر رہا ہے اور یہ اس کا اپنے نفس پر ظلم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ان لنفسك عليك حقا" یعنی تمہارے نفس کا تم پر حق ہے (صحیح البخاری: ۱۹۶۸)۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۶۔ بَابُ إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ — جب باندی زنا کرے تو اس کی سزا کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان ہے "جب باندی زنا کرے" لیکن امام بخاری نے اس عنوان کا حکم نہیں بیان کیا جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے، کیونکہ اس کا حکم اس باب کی حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۳۷، ۶۸۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے

عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَمْ تُحْصَنْ قَالَ إِذَا زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا ثُمَّ بِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ لَا أَدْرِي بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ۔

خبر دی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ از حضرت ابو ہریرہ وزید بن خالد رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جب باندی زنا کرے اور وہ شادی شدہ نہ ہو؟ (تو اس کی کیا سزا ہے؟) آپ نے فرمایا: جب وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر وہ زنا کرے تو اس کو پھر کوڑے مارو، پھر اگر وہ زنا کرے تو پھر اس کو کوڑے مارو، پھر اس کو فروخت کر دو خواہ ایک رسی کے عوض۔
ابن شہاب نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے تیسری بار کے بعد فرمایا یا چوتھی بار کے بعد فرمایا (کہ اس کو فروخت کر دو)۔

(صحیح البخاری: ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۵۵۶، صحیح مسلم: ۱۷۰۳، سنن ترمذی: ۱۴۴۰، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۰، مسند احمد: ۱۰۰۳۳)

صحیح البخاری: ۶۸۳۷۔ ۶۸۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے اخذ کی جا سکتی ہے ''آپ سے اس باندی سے متعلق سوال کیا گیا جس نے زنا کیا تھا'' اور اس باب کا عنوان بھی یہی ہے جب باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟
یہ حدیث کتاب البیوع کے اندر از اسماعیل بن ابی اویس گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

باندیوں کے احصان کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے ''آپ سے اس باندی سے متعلق سوال کیا گیا جس نے زنا کیا اور وہ محصنہ نہیں تھی''۔
''لم تحصن'' احصان سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: زنا سے پاک دامن ہونا۔
التلویح میں مذکور ہے: علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو باندی شادی شدہ نہ ہو، اس کے احصان کا کیا معنی ہے؟
فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: باندی کا احصان یہ ہے کہ وہ شادی شدہ ہو، پس جب باندی زنا کرے اور اس کا شوہر نہ ہو تو اس کو تادیباً سزا دی جائے گی اور اس پر حد نہیں ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس اور قتادہ کا قول ہے اور امام ابوعبیدہ کا بھی یہی قول ہے۔
اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: باندی کے احصان کا معنی یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، پس جب باندی مسلمان ہو اور زنا کرے تو اس پر پچاس کوڑے مارنا واجب ہے خواہ وہ شوہر والی ہو یا نہ ہو، یہ مذہب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت

کے مطابق مروی ہے، اور یہی حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ اور ابراہیم نخعی، امام مالک، اللیث، الاوزاعی اور فقہاء احناف اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی پہلی جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں امام مالک کے سوا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ محصنة نہ ہو، اور اس طرح نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے زعم کیا ہے، کیونکہ اس حدیث کی یحییٰ بن سعید نے از ابن شہاب اسی طرح روایت کی ہے جس طرح امام مالک نے روایت کی ہے۔ اور اسی طرح اس حدیث کی ایک جماعت نے از ابن عیینہ از الزہری روایت کی ہے۔ اور جب امام مالک، یحییٰ اور سفیان کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ ان کے مخالفین کے خلاف حجت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولو بضفیر" (اس میں ضاد پر زبر ہے اور فاء کے نیچے زیر ہے)، اس کا معنی ہے وہ بال جو بنے ہوئے ہوں اور وہ رسی جو بٹی ہوئی ہو، یہ المضفر کے معنی میں ہے، اور یہ فعیل کا لفظ مفعول کے معنی میں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم بیعوھا" یعنی اگر وہ باندی زنا سے باز نہ آئے تو پھر تم اس کو فروخت کر دو خواہ ایک رسی کے عوض فروخت کرنا پڑے۔ یہ امر کا صیغہ استحباب کے لیے ہے اور اس سے اس پر برانگیختہ کیا ہے کہ زانیہ کو دور کرنا چاہیے۔ اور الظاہریہ یعنی غیر مقلدین نے کہا ہے: ایسی باندی کو فروخت کرنا واجب ہے جب وہ چوتھی مرتبہ زنا کرے اور اس کو کوڑے لگائے جائیں، لیکن سلف صالحین میں سے اور کسی کا یہ قول نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح

اس کی تحقیق کہ باندی کے تین بار زنا کے بعد اس کو فروخت کیا جائے یا اس کے چار بار زنا کرنے کے بعد؟

اس حدیث میں یہ تعلیق ہے کہ ابن شہاب زہری نے کہا: مجھے معلوم نہیں آپ نے تیسری بار باندی کے زنا کے بعد کہا یا چوتھی بار باندی کے زنا کے بعد فرمایا۔ کیا اس کو کوڑے لگائے جائیں گے پھر اس کو بیچا جائے گا خواہ ایک رسی کے عوض بیچا جائے۔ یعنی اس کو کوڑے مارنے اور فروخت کرنے کا حکم اس کے تیسری بار زنا کے بعد ہے یا چوتھی بار زنا کے بعد ہے۔

امام ترمذی نے از ابو صالح از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی ایک کی باندی زنا کرے تو اس کو کتاب اللہ سے تین بار کوڑے مارو، پھر اگر وہ دوبارہ زنا کرے تو اس کو فروخت کر دو خواہ ایک بالوں سے بٹی ہوئی رسی کے عوض فروخت کرنا پڑے"۔

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس باندی کو چوتھی بار زنا کے بعد فروخت کیا جائے گا۔

اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میری باندی نے زنا کیا اور اس کا زنا ظاہر ہو گیا، آپ نے فرمایا: اس کو پچاس کوڑے مارو، پھر وہ شخص آیا اور کہا کہ اس باندی نے دوبارہ زنا کیا ہے اور اس کا زنا ظاہر ہو گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کو پچاس کوڑے مارو، وہ پھر آپ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اس نے دوبارہ زنا کیا ہے اور اس کا زنا ظاہر ہو گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: اس کو فروخت کر دو خواہ بالوں کی رسی کے عوض فروخت کرنا پڑے۔

پس یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ باندی کے تین بار زنا کرنے کے بعد اس کو فروخت کر دیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۔۲۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیثِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک کی روایت کی تقویت اور تاکید

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: جن فقہاء کا یہ زعم ہے کہ نکاح سے پہلے باندی پر زنا کی وجہ سے کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں "ولم تحصن" یعنی وہ شادی شدہ نہ ہو کے الفاظ امام مالک کے سوا اور کسی نے ذکر نہیں کیے اور ایسا نہیں ہے جیسا انہوں نے زعم کیا کیونکہ اس حدیث کی یحییٰ بن سعید الانصاری نے از ابن شہاب اسی طرح روایت کی ہے جس طرح امام مالک نے ذکر کیا ہے اور اسی طرح محدثین کی ایک جماعت نے اس حدیث کی امام ابن عیینہ سے روایت کی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یحییٰ بن سعید کی حدیث کی امام نسائی نے روایت کی ہے، اور امام ابن عیینہ کی روایت کتاب البیوع کے شروع میں گزر چکی ہے اور اس میں "ولم تحصن" (یعنی وہ شادی شدہ نہ ہو) کے الفاظ نہیں ہیں، ان الفاظ کا اضافہ امام نسائی نے اپنی روایت میں از الحارث بن مسکین از ابن عیینہ کیا ہے اور اس کی عبارت اس طرح ہے کہ "آپ سے سوال کیا گیا کہ باندی نکاح سے پہلے زنا کرے" اور اسی طرح امام ابن ماجہ نے از ابوبکر بن ابی شیبہ اور محمد بن صباح روایت کی ہے اور یہ دونوں امام ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں، اور اس حدیث کی ابن شہاب نے بھی از صالح بن کیسان اسی طرح روایت کی ہے جس طرح امام مالک نے روایت کی ہے، اور اسی طرح امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کی ہے اور سعید المقبری اپنے والد سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں "ولم تحصن" کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ امام مالک "ولم تحصن" کے الفاظ کے ساتھ متفرد ہیں تب بھی وہ حفاظ میں سے ہیں اور ان کا کیا ہوا اضافہ مقبول ہے۔

غلام اور باندی پر حد قائم کرنے کا متولی کون ہے؟ اس میں فقہاء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب باندی زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو" اس سے مراد وہ حد ہے جو اس باندی کے لائق ہے اور جو اس کو النساء: ۲۵ میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ آزاد عورت پر جو حد ہے اس کی نصف حد باندی پر لگائی جائے۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری حدیث میں مذکور ہے "پس اس باندی کو حد کے کوڑے مارو" اور کوڑے مارنے کا خطاب اس کے لیے ہے جو باندی کا مالک ہے، اور اس سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ مالک اس پر حد قائم کرے گا جس کا وہ مالک ہے خواہ وہ باندی کا مالک ہو یا غلام کا۔ رہا باندی پر حد قائم کرنا تو وہ النساء: ۲۵ کی نص سے ثابت ہے اور رہا غلام پر حد قائم کرنا تو غلام کو باندی کے ساتھ ملا دیا ہے۔

سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ غلاموں اور باندیوں پر حد کون قائم کرے گا؟ پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس

حد کو صرف امام قائم کرے گا یا جس کو امام حد قائم کرنے کی اجازت دے گا وہ قائم کرے گا۔ اور یہ فقہاء احناف کا قول ہے۔
اور امام اوزاعی اور ثوری سے منقول ہے کہ مالک صرف زنا کی حد کو قائم کرے گا۔
اور امام ابوجعفر الطحاوی نے از مسلم بن یسار روایت کی ہے کہ حضرت ابوعبداللہ صحابہ میں سے ایک مرد تھے اور وہ یہ کہتے تھے کہ زکوٰۃ اور حدود اور مال فئے اور جمعہ قائم کرنا یہ سب سلطان کی طرف مفوض ہیں۔
امام طحاوی کہتے ہیں: ہمارے علم میں کسی صحابی کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔
شیخ ابن حزم نے امام طحاوی پر تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے: بلکہ بارہ (۱۲) صحابہ نے اس حکم کی مخالفت کی ہے۔
اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: باندیوں پر مالک حد قائم کرے گا خواہ امام اور سربراہِ ملک نے اس کو اس کی اجازت نہ دی ہو اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔
اور امام عبد الرزاق نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جو باندی زنا کرے اور اس کا شوہر نہ ہو تو اس کا مالک اس پر حد قائم کرے گا، پس اگر اس کا شوہر ہے تو اس کا معاملہ امام اور سربراہِ ملک کی طرف مفوض ہے۔
امام مالک کا بھی یہی قول ہے لیکن اگر اس کا خاوند اس مالک کا غلام ہو تو پھر اس باندی کا معاملہ اس کے مالک کی طرف مفوض ہے اور امام مالک نے چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے کے مسئلہ میں استثناء کیا ہے اور وہ بھی فقہاء شافعیہ کا ایک قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ شراب کی حد بھی اس سے مستثنیٰ ہے، اور فقہاء مالکیہ نے اس پر اس سے استدلال کیا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے میں اس کو مُثلہ کرنا ہے، پس چوری کرنے والے کا مالک اس سے مامون نہیں ہے کہ وہ ہاتھ کاٹنے کے بہانے اپنے غلام کو مُثلہ کر دے گا، اس لیے اس کو ہاتھ کاٹنے سے منع کیا جائے گا۔
اور بعض مالکیہ نے یہ کہا کہ یہ حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب اس کے چوری کرنے کی دلیل اس کے مالک کا علم ہو یا چور کا اقرار ہو، اس کے برخلاف اگر گواہی سے چوری ثابت ہو جائے تو اب مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ دے، کیونکہ اب وہ پہلی علت نہیں ہے۔ اور جمہور کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ "تم اپنے غلاموں پر حد قائم کرو خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں" اس کا مفاد یہ ہے کہ باندیاں اگر غیر شادی شدہ ہوں تب بھی ان پر حد قائم ہوگی۔ اور اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے اور راجح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے لیکن صحیح مسلم کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا زیادہ قوی ہے۔
اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک مالک کی اہلیت کی شرط میں اختلاف ہے، اور جن فقہاء نے مالک کے لیے اہلیت کی شرط نہیں لگائی تو انہوں نے کہا: مالک کا کام تو صرف اصلاح کرنا ہے اور اصلاح کے لیے اہلیت کی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔
اور شیخ ابن حزم نے کہا ہے: مالک اپنے غلاموں اور باندیوں پر حد قائم کرے گا خواہ مالک کافر ہو۔
اور علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک اگر باندی کا شوہر ہو تو اس پر امام حد نہیں قائم کرے گا، اس وجہ سے کہ شوہر کا فرج کے ساتھ تعلق ہے تاکہ وہ نسب باطل سے فرج کی حفاظت کرے اور فاسد پانی سے حفاظت کرے، لیکن نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی اتباع کرنا زیادہ لائق ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ابھی ذکر کی گئی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ مالک باندی پر ہاتھ لگائے خواہ وہ اس کا شوہر ہو یا نہ ہو، اور اس حدیث کی بعض سندوں میں یہ الفاظ ہیں "خواہ ان میں سے کوئی شادی شدہ ہو یا شادی شدہ نہ ہو"۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا ایسا عیب ہے جس کی وجہ سے غلام کی بیع کو مسترد کر دیا جائے گا، کیونکہ جس غلام میں زنا کرنے کا عیب ہو، اس کی قیمت دوسرے پاک دامن غلام سے کم ہوتی ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے زنا کیا، پھر اس پر حد قائم کی گئی، پھر اس نے دوبارہ زنا کیا تو اس پر حد دوبارہ قائم کی جائے گی۔ اس کے برخلاف جس نے متعدد مرتبہ زنا کیا ہو تو اس پر ایک مرتبہ ہی حد قائم کرنا کافی ہے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فساق اور فجار سے مل جل کر نہیں رہنا چاہیے، اور اگر وہ کوئی گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کریں تو ان کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہیے۔

(۴) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس امر کا تقاضا استحباب ہو، اس امر کا اس پر عطف کرنا جائز ہے جس کا تقاضا وجوب ہو، کیونکہ کوڑے لگانے کا حکم دینا واجب ہے اور جو باندی بار بار زنا کرے اس کو فروخت کرنا جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔

(۵) علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ایسی باندی کو فروخت کرنے کا جو حکم دیا ہے جو بار بار زنا کرتی ہو، یہ اس لیے ہے تا کہ اس کے مالک کے متعلق یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ اس فعل پر راضی ہے، اور اس لیے کہ بار بار زنا کرنا اولادِ زنا کی کثرت کا سبب ہے، اور بعض فقہاء نے ایسی باندی کے فروخت کرنے کے حکم کو وجوب پر محمول کیا ہے۔

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کو ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، پس جو باندی قیمت والی ہو اس کو ایسی رسی کے عوض فروخت کرنا کیسے واجب ہو گا جس کی کوئی قیمت نہیں ہے، اس میں یہ دلیل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کسی معصیت کو بار بار کرے اس کے ساتھ مل جل کر رہنا نہیں چاہیے۔

(۷) بعض فقہاء نے اس حدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی قیمتی چیز کو کسی حقیر چیز کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔

(۸) بعض علماء نے یہ کہا: اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ ایسی باندی کو فروخت کر دو خواہ ایک رسی کے عوض فروخت کرو تو یہ مبالغہ کے لیے فرمایا ہے جیسے حدیث میں ہے: "جس نے اللہ کے لیے مسجد بنائی خواہ چڑیا کے گھونسلے جتنی بنائی ہو" حالانکہ چڑیا کے گھونسلے جتنی مسجد تو نہیں ہوتی، لہٰذا اس باندی کا ولی اس کو قیمت کے عوض فروخت کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زنا ایسا عیب ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت ہر ایک کے نزدیک کم ہو جاتی ہے۔

(۹) علامہ ابن العربی نے کہا ہے: اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ ایسی باندی کو جلدی فروخت کر دیا جائے اور قیمت میں اضافہ کے لیے زیادہ انتظار نہ کرے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ حقیقتاً ایک رسی کے عوض باندی کو فروخت کر دے۔

(۱۰) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ فروخت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ خریدار کو سودے کے عیب کے بارے میں بتائے، کیونکہ اس باندی کی قیمت تب کم ہو گی جب خریدار کو اس باندی کے عیب کا علم ہو۔

(۱۱) اگر کوئی غلام زنا کرتا ہو تو اس کے فروخت کرنے پر یہ اشکال ہے کہ ہر مومن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو پسند کرے جس کو اپنے لیے پسند کرتا ہے، تو جو غلام زانی ہو جب مالک اس کو اپنے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا تو اس کو فروخت کرنا کس طرح جائز ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جب غلام کو فروخت کر دیا جائے پھر بھی وہ زنا کرے، اس لیے کہ اسے معلوم ہوگا کہ اگر اس نے زنا کیا تو پھر یہ مالک بھی اس کو نکال دے گا، اور کسی آدمی پر یہ بہت شاق گزرتا ہے کہ اس کو اس کے گھر سے نکال دیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خریدار کے پاس جانے کے پاس وہ غلام عبرت پکڑے اور پاک دامن ہو جائے۔ اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ محل کی تبدیلی سے حال تبدیل ہو جاتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اطاعت اور معصیت میں کسی کے ساتھ رہنے کی تاثیر ہوتی ہے۔

(۱۲) علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: جب تعزیر اُسزا دینے والے کو یہ یقین ہو کہ اس کی تادیب اور سزا دینے سے اسی وقت فائدہ حاصل ہوگا جب ایسی سخت ضرب لگائی جائے جو بہت شدید ہو، کیونکہ اگر شدید ضرب نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور شدید ضرب میں ہلاکت کا خطرہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ درمیانی قسم کی ضرب لگانی چاہیے، نہ اتنی شدید کہ جس سے وہ ہلاک ہو جائے اور نہ اتنی خفیف کہ وہ غیر موثر ہو۔

(۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالک اپنے غلام پر حد جاری کرے گا خواہ اس کو سلطان نے اجازت نہ دی ہو اور عنقریب تین ابواب کے بعد اس پر زیادہ بحث آئے گی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۰۔ ۹۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۷۔ بَابٌ: لَا يُثَرَّبُ عَلَى الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَلَا تُنْفَى

اس کا بیان کہ جب باندی زنا کرے تو اس کو نہ ملامت کی جائے اور نہ شہر بدر کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ باندی کو ملامت نہ کی جائے یعنی ڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے اور اس کو عار نہ دلایا جائے، اور تثریب کا بھی معنی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ (یوسف: ۹۲)

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) نے کہا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے ۝

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "ولا تنفی" یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی اس باندی کو شہر بدر نہ کیا جائے، اور شہر بدر نہ کرنے کے حکم کو مستنبط کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے، آپ نے فرمایا: "پھر اس باندی کو فروخت کر دو" کیونکہ شہر بدر کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس کو شہر بدر کیا ہے اس کو اس وطن سے دور کر دیا جائے جس میں نافرمانی واقع ہوئی ہے۔ اور باندی کو فروخت

کرنے سے اس کا حصول لازم نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا زَنَتِ الْأَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ تَابَعَهُ إِسْمَاعِيلُ بْنُ أُمَيَّةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب باندی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس کو کوڑے مارے جائیں، اور ملامت نہ کی جائے، پھر اگر وہ زنا کرے پس اس کو کوڑے مارے جائیں اور ملامت نہ کی جائے، پھر جب تیسری مرتبہ وہ زنا کرے تو اس کو فروخت کر دیا جائے خواہ ایک بالوں کی رسی کے عوض۔

لیث کی متابعت اسماعیل بن امیہ نے کی ہے از سعید از ابو ہریرہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(صحیح البخاری: ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۵۵۶، صحیح مسلم: ۱۷۰۳، سنن ترمذی: ۱۴۴۰، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۰، مسند احمد: ۱۰۰۳۳)

صحیح البخاری: ۶۸۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے ''اس باندی کو ملامت نہ کی جائے''۔ کیونکہ یہی باب کا عنوان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث میں سعید المقبری کا ذکر ہے جو اپنے والد کیسان سے روایت کرتے ہیں اور وہ بنولیث کے آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں از عبدالعزیز بن عبداللہ گزر چکی ہے۔ اور امام مسلم نے اس کی کتاب الحدود میں اور امام نسائی نے اس کی باب الرجم میں روایت کی ہے۔ اور المزی نے کہا ہے: اس حدیث کی متعدد نے روایت کی ہے از سعید از ابی ہریرہ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فتبین'' اس کا ترجمہ ہے: اس باندی کا زنا ظاہر ہو جائے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا زنا کرنا متحقق اور ثابت ہو جائے۔

مالک کے اپنے غلاموں پر حد قائم کرنے میں فقہاء کے اقوال

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالک اپنے غلام اور باندی پر حد قائم کرے گا۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام احمد، اسحاق اور ابوثور نے کہا ہے: یہ حکم تمام حدود کو شامل ہے، اور یہ صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے جنہوں نے اپنے غلاموں پر حد قائم کی۔ان صحابہ میں سے حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں۔

اور فقہاء تابعین میں سے الثوری اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ مالک زنا کی حد کو قائم کرے گا اور امام مالک اور اللیث نے کہا ہے کہ مالک زنا اور شراب نوشی میں اور قذف میں حد قائم کرے گا جب کہ مالک کے پاس گواہوں سے یہ ثابت ہو جائے نہ کہ غلام کے اقرار سے سوائے ہاتھ کاٹنے کے معاملہ میں، کیونکہ ہاتھ کو امام کے سوا اور کوئی نہیں کاٹے گا۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: حدود کو صرف امام قائم کرے گا خصوصیت کے ساتھ، اور ان کا استدلال اس روایت سے ہے جو الحسن اور عبداللہ بن محیریز اور عمر بن عبدالعزیز سے ثابت ہے، انہوں نے کہا کہ جمعہ (قائم کرنا) حدود (نافذ کرنا) اور زکوٰۃ (کو وصول کرنا) اور شہر بدر کرنا خصوصیت کے ساتھ سلطان کی طرف مفوض ہے۔

بیع التغابن کا حکم

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تغابن کی بیع جائز ہے، یعنی کسی معمولی چیز کو بہت زیادہ قیمت کے عوض فروخت کرنا، کیونکہ جو شخص صحیح مالک ہو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے مال کو جس کی بہت زیادہ قیمت ہو اس کو معمولی قیمت کے عوض فروخت کر دے یا کسی معمولی چیز کو بہت زیادہ قیمت کے عوض فروخت کر دے، کیونکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس باندی کو فروخت کر دو خواہ رسی کے عوض''۔اور اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے جب اس چیز کی قدر و قیمت معلوم ہو، اور جب اس چیز کی قدر و قیمت معلوم نہ ہو تو پھر کسی چیز کو زیادہ قیمت کے عوض فروخت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی شہری دیہاتی سے بیع نہ کرے اور لوگوں کو چھوڑ و، اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے رزق عطا فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۵۲۲، سنن ابوداؤد: ۳۴۴۲، سنن ترمذی: ۱۲۲۳، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷۶، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۷، ۳۸۶، سنن بیہقی ج ۵ ص ۳۴۶، ۳۴۷، مسند حمیدی: ۱۲۷۰)

امام احمد بن حنبل اپنی سند کے ساتھ از حکیم بن ابی زید از والد خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کو چھوڑو، بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں سے (نفع) حاصل کرتے ہیں، پس جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی خیر خواہی طلب کرے تو وہ اس کی خیر خواہی کرے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۹، الحدیث: ۱۵۴۵۵، المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۸۸۹، شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۱۱، مسند ابوداؤد الطیالسی الحدیث: ۱۳۱۲، الاحاد والمثانی الحدیث: ۲۵۴۵، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۸۳)

تاجروں کے غبنِ فاحش کے وقت چیزوں کی قیمتیں مقرر کرنے کا جواز

علامہ السید علی بن محمد الجرجانی التوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

الغبن الفاحش: یہ کسی چیز کی اتنی زیادہ قیمت مقرر کرنا ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت میں داخل نہ ہو۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی التوفی ۱۰۸۸ھ، لکھتے ہیں:

حاکم چیزوں کی قیمت مقرر نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قیمتیں مقرر نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی قیمتیں مقرر کرنے والا ہے، وہ تنگی کرنے والا ہے اور فراخی کرنے والا ہے اور رزاق ہے، سوا اس کے کہ فروخت کرنے والا قیمت میں تعدی فاحش کرے (بہت زیادہ قیمت وصول کرے) پھر حاکم اہلِ رائے کے مشورہ سے قیمت مقرر کرے۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۹ ص ۴۸۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ سید محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی التوفی ۱۲۵۲ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ اسماعیل الجراحی نے ''الاحادیث المشتھرۃ'' میں لکھا ہے کہ نجم نے کہا ہے: حدیث کے یہ الفاظ وارد نہیں ہیں، لیکن امام احمد اور امام البزار اور امام ابو یعلیٰ نے اپنی مسانید میں اور امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اپنی سنن میں اور اسی طرح امام ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! قیمتیں بہت مہنگی ہو گئی ہیں، آپ ہمارے لیے اشیاء کی قیمتیں مقرر فرما دیں، تو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ ہی قیمت مقرر کرنے والا ہے، تنگی کرنے والا ہے، فراخی کرنے والا ہے اور رزاق ہے، اور بے شک میں یہ امید کرتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کسی ایک کا مجھ پر کسی زیادتی کے متعلق کوئی حق نہ ہو نہ جان میں اور نہ مال میں۔ اور اس حدیث کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور امام ابن حبان اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۶، ۲۸۶، سنن ابوداؤد، الحدیث: ۳۴۵۱، سنن ترمذی الحدیث: ۱۳۱۴، سنن ابن ماجہ الحدیث: ۲۲۰۰، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۴۹، سنن بیہقی ج ۶ ص ۲۹)

علامہ شامی نے لکھا ہے: تعدی فاحش کا معنی زیلعی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ کسی چیز کی دگنی قیمت وصول کی جائے، یعنی کسی چیز کی دگنی قیمت وصول کرنا یہ غبنِ فاحش ہے، کیونکہ اشیاء کی قیمتوں کو مقرر کرنا معنیٔ غبن فاحش پر پابندی لگانا ہے، کیونکہ اس سے بیع میں زیادتی فاحشہ سے روکا جاتا ہے۔ (رد المحتار ج ۹ ص ۴۸۸، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ خرید و فروخت میں چیزوں کی دگنی قیمت لینا یہ غبنِ فاحش ہے اور اگر تاجر ایسا کریں تو پھر حکومت کو چاہیے کہ وہ قیمتوں پر کنٹرول کرے اور از خود قیمتیں مقرر کر دے تاکہ لوگ مشکلات کا شکار نہ ہوں۔

صحیح البخاری: ۶۸۳۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۶۸۳۹ میں مذکور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب باندی زنا کرے اور اس کا زنا ثابت ہو جائے تو اس کو

کوڑے مارے جائیں اور اس کو ملامت نہ کی جائے''۔ اور اس کو شہر بدر نہیں کیا جائے گا، کیونکہ شہر بدر کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ جس جگہ اس نے معصیت کی ہے وہاں سے اس کو دور کر دیا جائے اور یہ معنی اس کو فروخت کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا کہ ''اگر تیسری بار وہ زنا کرے تو اس کو فروخت کر دو خواہ ایک رسی کے عوض''۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس دلالت کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: اس کو کوڑے مارو اور فرمایا: اس کو فروخت کر دو، پس اس میں شہر بدر کرنے کے حکم کے ساقط کرنے کی دلیل ہے۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: باندی کو مستثنیٰ کیا جائے گا کیونکہ اس کے مالک کا اس پر حق ہے، پس مالک کے حق کو اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم کیا جائے گا اور باندی سے حد کو ساقط نہیں کیا کیونکہ وہ اصل ہے اور شہر بدر کرنا فرع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس کا تتمہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس حدیث میں مالک کے حق کی بھی رعایت کی گئی ہے کیونکہ اس باندی کے رجم کرنے کو ترک کر دیا گیا ہے، کیونکہ اگر باندی کو رجم کر دیا گیا تو مالک اس سے بالکل منفعت حاصل نہیں کر سکتا، اس کے برخلاف اگر اس کو پچاس کوڑے لگیں (یعنی پچاس چابک مارے یا پچاس جوتے مارے یا پچاس ڈنڈے مارے) تو پھر مالک اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اور غلام کو شہر بدر کرنے کا حکم قائم رہے گا، کیونکہ مالک کا غلام سے نفع حاصل کرنے میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور جنہوں نے غلام کے شہر بدر کرنے کا بھی استثنیٰ کیا ہے، انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ غلام کا کوئی وطن نہیں ہے اور اس کو شہر بدر کرنے میں مالک کے حق کو منقطع کرنا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس باندی کو کوڑے مارے جائیں گے اور اس کو عار نہیں دلایا جائے گا اور ملامت نہیں کی جائے گی۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس سے یہ حکم اخذ ہوتا ہے کہ ہر وہ شخص جس پر حد قائم کی گئی ہو، اس کو ملامت کر کے اس پر تعزیر نہیں کی جائے گی۔ یہ اس کے لائق ہے کہ امام کے پاس اس کا مقدمہ پیش کرنے سے پہلے اس کو زجر و توبیخ کی جائے اور اس کو ڈرایا جائے، لیکن جب امام کے پاس مقدمہ پیش کر دیا جائے اور اس پر حد قائم کی جائے تو یہ کافی ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۲، دار المعرفہ، بیروت ۱۴۲۶ھ)

(میں کہتا ہوں: یہ حدیث امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل ہے کہ باندی کی حد آزاد سے آدھی ہے کیونکہ شہر بدر کرنے کا کوئی آدھا نہیں ہوتا اور امام صاحب کا قول قرآن سے ثابت ہے اور خبر واحد سے نص قرآن کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ سعیدی غفرلہٗ)

۳۸۔ بَابُ: أَحْكَامِ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَإِحْصَانِهِمْ إِذَا زَنَوْا وَرُفِعُوا إِلَى الْإِمَامِ

اہلِ ذمہ کے احکام اور ان کے احصان کا بیان جب وہ زنا کریں اور ان کا مقدمہ امام کے پاس پیش کیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اہلِ ذمہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں، اہلِ ذمہ یہود اور نصاریٰ ہیں اور تمام وہ لوگ ہیں جن سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ اور اس عنوان میں مذکور ہے ''واحصانھم'' یعنی اہلِ ذمہ کے احصان کا بیان، آیا اس میں اسلام کی شرط ہے یا نہیں؟ جیسا کہ

عنقریب اس میں اختلاف کا ذکر آئے گا۔ اور اس عنوان میں ذکر ہے ''اذا زنوا'' یہ احکامِ اہل ذمہ کا ظرف ہے۔
اور اس عنوان میں مذکور ہے ''و رفعوا الی الامام'' خواہ وہ خود امام کے سامنے پیش ہوں یا کوئی اور ان کو امام کے سامنے پکڑ کر لے جائے۔

اہلِ ذمہ کے احصان کے متعلق فقہاء کے اقوال

اہلِ ذمہ کے احصان کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اہلِ کتاب میں سے شوہر یا بیوی زنا کریں اور ہمارے پاس ان کا مقدمہ پیش کیا جائے۔ (شادی شدہ یہودی یا نصرانی خواہ مرد ہو یا عورت) جب ان کا مقدمہ ہمارے پاس پیش کیا جائے تو ان کو رجم کیا جائے گا اور ان دونوں کو **محصن** قرار دیا جائے گا، یہ الزہری اور امام شافعی کا قول ہے۔
اور امام طحاوی نے کہا کہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ اہلِ کتاب ایک دوسرے سے **محصن** ہو جاتے ہیں اور مسلمان مرد نصرانی عورت کو **محصن** بنا دیتا ہے۔ اور نصرانی عورت مسلمان کو **محصن** نہیں بناتی، اور ابراہیم النخعی نے کہا ہے: وہ دونوں اس وقت تک محصن نہیں ہوتے حتیٰ کہ مرد اپنی بیوی سے اسلام کے بعد جماع کرے، اور یہی امام مالک اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ اور انہوں نے کہا: احصان کی شرط اسلام ہے۔

اہلِ ذمہ پر حکم کے وجوب کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اہلِ ذمہ کے درمیان حکم کے وجوب میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، شعبی اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ اس میں اختیار ہے اور یہی امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور دوسرے فقہاء نے کہا: ان پر حکم لگانا واجب ہے، یہ مذہب مجاہد اور عکرمہ سے منقول ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں زیادہ ظاہر قول یہی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي أَوْفَى عَنِ الرَّجْمِ فَقَالَ رَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ فَقُلْتُ أَقَبْلَ النُّورِ أَمْ بَعْدَهُ قَالَ لَا أَدْرِي تَابَعَهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَخَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَالْمُحَارِبِيُّ وَعَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمَائِدَةَ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۲، مسند احمد: ۱۸۶۴۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے رجم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے، میں نے پوچھا: سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔
عبد الواحد کی متابعت علی بن مسہر نے کی ہے اور خالد بن عبد اللہ اور محاربی نے اور عبیدہ بن حمید نے از الشیبانی۔
اور بعض تابعین نے کہا: المائدہ، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

صحیح البخاری: ۶۸۴۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں رجم کا مطلقاً ذکر ہے، اور اسی سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی عادت کے موافق یہ عنوان لکھا ہے، کیونکہ امام بخاری اس حکم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا اس حدیث کی کسی اور سند میں ذکر ہو۔ اور یہ وہ حدیث ہے جس کی امام احمد اور امام الطبرانی اور الاسماعیلی نے از شیبانی روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا: میں نے پوچھا: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: آپ نے یہودی مرد اور یہودی عورت کو رجم کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالواحد کا ذکر ہے، یہ ابن زیاد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں شیبانی کا ذکر ہے، یہ سلیمان بن ابی سلیمان فیروز ابواسحاق الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند حضرت میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے، اور ابواوفیٰ کا نام علقمہ بن خالد الاسلمی ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از ابی کامل از ابن ابی شیبہ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "آیا النور سے پہلے یا النور کے بعد؟" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نور کے نزول سے پہلے رجم کیا یا سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا، تو حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے کہا: میں از خود نہیں جانتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما نے غور کیا اور ان کو پتا نہیں چل سکا، یہ ان کے لیے لائقِ مدح ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔
اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جلیل القدر صحابی سے بھی بعض امورِ واضحہ مخفی رہ جاتے ہیں اور ان کا "لا ادری" (میں نہیں جانتا) کے ساتھ جواب دینا کوئی عیب نہیں ہے بلکہ ان کا یہ جواب لائقِ مدح ہے۔
اس باب کی دوسری تعلیق میں ہے "بعض تابعین نے کہا: مائدہ اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے"۔
یعنی بعض تابعین نے کہا: کہ آیا آپ نے سورۂ مائدہ سے پہلے رجم کیا یا اس کے بعد رجم کیا، یعنی سورہ نور کی جگہ سورۂ مائدہ کا ذکر کیا۔ اور شاید سورۂ مائدہ کا اس لیے ذکر کیا ہے کیونکہ سورۂ مائدہ میں وہ آیت ہے جو یہود کے اس سوال کے سبب سے نازل ہوئی کہ ان میں سے دو مردوں نے زنا کیا تو انہوں نے اس کا حکم معلوم کیا اور وہ آیت یہ ہے:

وَ كَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (المائدہ: ۴۳)	اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے باوجود وہ روگردانی کرتے ہیں، اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں O

اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے یعنی سورۂ مائدہ کی جگہ سورۂ نور کا لفظ ہونا چاہیے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۲۶۔۲۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۴۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس یہودی مرد اور یہودیہ عورت کو رجم کیا گیا، ان کا تذکرہ

علامہ سہیلی نے از ابن العربی ذکر کیا ہے کہ اس عورت کا نام بُسرہ تھا اور مرد کا نام نہیں ذکر کیا۔

اور امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ الزہری سے روایت کی ہے کہ میں نے مزینہ کے ایک مرد سے سنا جس نے علم کی پیروی کی تھی اور وہ سعید بن المسیب کے پاس تھا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کر رہا تھا کہ ایک یہودی مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا، پس انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہمیں اس نبی کے پاس لے چلو کیونکہ یہ تخفیف کے ساتھ احکام بیان کرتے ہیں، پس اگر انہوں نے ہم کو ایسا فتویٰ دیا جس میں رجم کا حکم نہ ہو تو ہم اس کو قبول کر لیں گے، اور اس سے ہم اللہ تعالیٰ کے پاس حجت پکڑیں گے اور ہم کہیں گے: یہ آپ کے انبیاء میں سے ایک نبی کا فتویٰ ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ مسجد میں اپنے اصحاب میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! آپ اس مرد کے متعلق اور عورت کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں جنہوں نے ایک دوسرے سے زنا کیا؟

اور علامہ ابن العربی نے طبری سے اور ثعلبی سے اور دیگر مفسرین سے نقل کیا ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر میں سے کچھ لوگ کعب بن الاشرف کے پاس اور کعب بن اسد کے پاس اور سعید بن عمرو کے پاس اور مالک بن السیف کے پاس اور کنانہ بن ابی الحقیق کے پاس اور شاس بن قیس اور یوسف بن عازوراء کے پاس گئے، پس انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا اور ایک مرد اور ایک عورت اہلِ خیبر کے معزز لوگوں میں سے تھے، ان دونوں نے زنا کیا اور عورت کا نام بُسرہ تھا، اور اس وقت خیبر دار الحرب تھا، پس آپ نے ان سے فرمایا: ان سے سوال کرو، پھر حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے، پس انہوں نے کہا: آپ اپنے اور ان کے درمیان ابن صوریاء کو مقرر کریں، پھر قصہ ذکر کیا جو طویل ہے۔

اور امام طبری کی عبارت یہ ہے کہ یہود کے علماء بیت المدراس میں جمع ہوئے، ان میں سے ایک مرد نے شادی شدہ ہونے کے بعد اپنی ایک عورت کے ساتھ زنا کیا اور وہ عورت بھی شادی شدہ تھی، پھر اس قصہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: ان کو عبد اللہ بن صوریاء کانے کے پاس لے جاؤ۔ اور ابن اسحاق نے کہا کہ ان کو ابو یاسر بن اخطب اور وہب بن یہوداء لے گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہائی میں ابن صوریاء سے ملے، پھر اس حدیث کا ذکر کیا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی کے پاس سے گزرے جس کا منہ کالا تھا اور اس کو کوڑے لگائے ہوئے تھے، آپ نے ان کو بلایا، پس پوچھا: کیا تم اسی طرح زنا کی حد اپنی کتاب میں پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! اور یہ حدیث پہلی روایتوں کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ ہے کہ انہوں نے حد قائم کرنے سے پہلے سوال کیا تھا، اور اس حدیث میں یہ ہے کہ انہوں نے سوال کرنے سے پہلے حد قائم کر لی تھی، اور ان میں تطبیق ہو سکتی ہے کہ یہ متعدد

واقعات ہیں کہ جن یہودیوں نے سوال کیا تھا وہ ان کے غیر تھے جن کو کوڑے مارے گئے تھے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے جلدی کی اور ان زانیوں کو کوڑے مار دیئے، پھر ان کو خیال آیا کہ وہ آپ سے سوال کریں۔

یہودیوں کو رجم کرنے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ ابتداءً مدینہ میں آئے تھے

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم رجم کے متعلق تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ اور کتاب التوحید میں مذکور ہے کہ ہم ان کا منہ کالا کرتے ہیں اور ان کو رسوا کرتے ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہے کہ ہم ان کا چہرہ کالا کر دیتے ہیں اور ان کو سواری پر ایک دوسرے کی طرف پشت کر کے بٹھاتے ہیں اور ان کو شہر میں گھماتے ہیں۔

صحیح البخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کا حکم ہے۔ الحدیث

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ کافر ذمی پر بھی حد لگانا واجب ہے جب وہ زنا کرے اور یہی جمہور کا قول ہے اور اس میں فقہاء شافعیہ کا اختلاف ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر سے ذہول ہو گیا اور انہوں نے یہ کہا کہ اس پر اتفاق ہے کہ احصان کی شرط جو رجم کی موجب ہے، وہ اسلام ہے اور ان پر فقہاء شافعیہ اور امام احمد نے رد کیا ہے، وہ یہ شرط نہیں لگاتے۔ اور ان کے مذہب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ تصریح ہے کہ دو یہودی جن کو رجم کیا گیا وہ محصَن تھے یعنی شادی شدہ تھے اور مالکیہ اور معظم حنفیہ اور ربیعہ جو امام مالک کے شیخ ہیں انہوں نے کہا ہے: احصان کی شرط اسلام ہے۔ اور اس باب کی حدیث کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تورات کے حکم سے رجم کیا تھا، اور یہ اسلام کا حکم بالکل نہیں تھا، اور آپ نے ان یہودیوں کے اوپر ان کی تورات کا حکم نافذ کیا تھا، کیونکہ تورات میں مذکور ہے کہ محصن اور غیر محصن کو رجم کیا جائے۔ اور انہوں نے کہا ہے: یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداءً مدینہ میں داخل ہوئے تھے اور آپ کو یہ حکم تھا کہ آپ تورات کے احکام کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں حتیٰ کہ آپ کی شریعت میں وہ حکم منسوخ ہو جائے، تو آپ نے دونوں یہودیوں کو اس حکم کے مطابق رجم کیا۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

نیز اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ کفار کا باہم نکاح صحیح ہے، کیونکہ احصان کا ثبوت صحتِ نکاح کی فرع ہے۔

نیز اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ کفار شریعت کے فروعی احکام کے مخاطب ہیں۔

اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ یہود تورات کی طرف ایسے احکام منسوب کرتے تھے جو تورات میں نہیں تھے۔

اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ تورات کا جو نسخہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تھا وہ صحیحہ تھا اور اس میں تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

اور اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ ہم سے پہلی شریعت بھی ہمارے لیے حجت ہے جب کہ قرآن یا حدیثِ صحیح سے اس کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۵۔ ۹۱۷، ملخصاً وملتقطاً، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کرنے پر دلیل

امام عبداللہ حاکم نیشاپوری نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے قصہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ نے حاضرین سے پوچھا: کیا تمہارا یہ ساتھی پاگل ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حاضرین کی طرف دیکھا۔ الحدیث (المستدرک ج ۴ ص ۳۶۱)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرتے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ میں نو (۹) ہجری کو آئے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو نو ہجری میں رجم کیا گیا تھا اور یہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے، کیونکہ سورۂ نور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق میں ہوا تھا اور وہ چار ہجری، پانچ ہجری یا چھ ہجری میں ہوا ہے اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو نو ہجری میں رجم کیا گیا ہے۔

اسی طرح غامدیہ خاتون کو بھی سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں مذکور ہے کہ غامدیہ کو رجم کرتے وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کو پتھر مارا تھا اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ سات ہجری میں مدینہ منورہ آئے تھے، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے بعد ے ہجری میں اسلام لائے۔

(الاصابہ ج ۲ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس سے ثابت ہوا کہ غامدیہ کو بھی ۸ ہجری میں یا اس کے بعد رجم کیا گیا ہے اور یہ بھی سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ نیز صحیح مسلم کی حدیث میں مذکور ہے کہ غامدیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے بھی ماعز کی طرح واپس کرنا چاہتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ غامدیہ کو رجم کرنے کا واقعہ حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کے بعد پیش آیا اور حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثابت ہو چکا ہے کہ ان کو سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے اور غامدیہ کو بھی سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رجم کیا گیا ہے۔

رہا مزدور کی مالکہ کو رجم کرنے کا واقعہ، تو اس کی تفصیل جس طرح کتبِ حدیث میں ہے کہ اس کے والد نے کہا: میرا لڑکا اس شخص کے ہاں کام کرتا تھا اور اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا، پہلے مجھے بتایا گیا کہ اس کو رجم کیا جائے گا، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔۔۔ الحدیث

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا تو اس وقت سورۂ نور نازل ہو چکی تھی اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہو چکا تھا، کیونکہ سورۂ نور سے پہلے زنا کی سزا یہ تھی کہ زانیہ عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا جائے حتیٰ کہ انہیں موت آ جائے اور اس کے بعد سورۂ نور میں زانیہ اور زانی کو سو کوڑے مارنے کا حکم نازل ہوا، لہٰذا اس حدیث کی داخلی شہادت سے یہ ثابت ہو گیا کہ مزدور کی مالکہ کو رجم کرنے کا واقعہ بھی سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد پیش آیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور صحیح البخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں تھے کہ ایک شخص نے آ کر اپنا مقدمہ پیش کیا۔۔۔ الحدیث

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے اور وہ سات (۷) ہجری میں اسلام لائے تھے، پس یہ

ہجری کے بعد کا واقعہ ہے اور سورۂ نور اس سے پہلے نازل ہوئی ہے، پس ثابت ہو گیا کہ رجم کے تمام واقعات سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد پیش آئے۔

۶۸۴۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّهُ قَالَ إِنَّ الْيَهُودَ جَاؤُوا إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ فَقَالُوا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ فَأَتَوْا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ ارْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ يَدَهُ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ قَالُوا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَأَمَرَ بِهِمَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرُجِمَا فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَحْنِي عَلَى الْمَرْأَةِ يَقِيهَا الْحِجَارَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے آپ سے یہ ذکر کیا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم تورات کے اندر رجم کے متعلق کیا پاتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: ہم ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے لگائے جاتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے جھوٹ بولا، تورات میں رجم کا حکم ہے، پس وہ تورات کو لائے، سو اس کو کھولا، پس ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ رجم کی آیت پر رکھ دیا، پھر اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد کی آیتوں کو پڑھا، تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: اپنا ہاتھ اٹھاؤ، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو اس میں رجم کی آیت تھی، تو یہودیوں نے کہا: آپ نے سچ فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، اس میں رجم کی آیت ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو رجم کرنے کا حکم دیا، سو ان دونوں کو رجم کیا گیا۔ پس میں نے دیکھا کہ مرد اس عورت پر جھک رہا تھا اور اس کو پتھروں سے بچا رہا تھا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۲۹، ۳۶۳۵، ۴۵۵۶، ۶۸۱۹، ۶۸۴۱، ۷۳۳۲، ۷۵۴۳، صحیح مسلم: ۱۶۹۹، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۶، مسند احمد: ۴۴۹۸، موطا امام مالک: ۱۵۵۱، سنن دارمی: ۲۳۲۱)

صحیح البخاری: ۶۸۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''اہلِ ذمہ کے احکام اور ان کے محصن ہونے کا بیان جب وہ زنا کریں اور ان کا مقدمہ امام کے پاس پیش کیا جائے''۔

یہ حدیث عنقریب باب ''الرجم فی البلاط'' میں گزر چکی ہے اور وہ عبداللہ بن دینار نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی تھی۔ اور یہ حدیث علامات نبوت میں بھی از عبداللہ بن یوسف از مالک از نافع گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''نفضحھم'' یہ لفظ فضیحت سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: ہم ان کی برائیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ''فضحہٗ فافتضح'' (اس نے اس کو رسوا کیا تو وہ رسوا ہو گیا)۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یحنی'' اس کا معنی ہے: وہ مرد اس عورت کے اوپر جھک رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یقیھا'' یہ الوقایۃ سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: وہ اس کو بچا رہا تھا اور اس کی حفاظت کر رہا تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر ذمی جب زنا کرے تو اس پر بھی حد واجب ہے۔ اور یہ جمہور کا قول ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہلِ ذمہ کی ایک دوسرے کے حق میں شہادت کو قبول کرنا جائز ہے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا صحیح ہے۔

(۴) یہود تورات میں ایسی باتوں کو منسوب کر دیتے تھے جو تورات میں نہیں ہیں۔

(۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت بھی ہم پر لازم ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا انکار نہ کیا ہو۔

(۶) فقہاء شافعیہ اور امام احمد نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ احصان کے لیے اسلام شرط نہیں ہے، اور فقہاء مالکیہ اور اکثر احناف نے یہ کہا ہے کہ احصان کے لیے اسلام شرط ہے، اور اس حدیث کا انہوں نے یہ محمل بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی مرد اور یہودیہ عورت کو تورات کے حکم سے رجم کیا اور یہ اسلام کا حکم نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ ذمہ کی تعریف

الذمۃ کا لغت میں معنی ہے العھد، اور اہل ذمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہمارے شہروں میں رہتے ہیں اس شرط پر کہ وہ ہم کو جزیہ ادا کریں، پس ان لوگوں کے لیے یہ عہد ہے کہ ہم ان پر زیادتی نہیں کریں گے اور ان سے ان لوگوں کو دور کریں گے جو ان پر زیادتی کرے۔ اور ہمارا ان کے اوپر حق یہ ہے کہ وہ جزیہ ادا کریں اور ظاہراً اسلام کے احکام کی اطاعت کریں، اور باطن میں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے دین کے مطابق اپنے گھروں میں عمل کریں لیکن ظاہر میں اسلام کے احکام کی اطاعت کریں۔ اور وہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے اوپر زیادتی نہ کریں، پھر اگر ان میں سے کوئی اس عہد کی خلاف ورزی کرے تو اس کا ذمہ ٹوٹ جائے گا اور پھر وہ محاربین ہو جائیں گے، سو یہ اہلِ ذمہ کی تعریف ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا اہلِ ذمہ اہلِ کتاب سے ہیں؟
تو صحیح جواب یہ ہے کہ بے شک اہلِ ذمہ اہلِ کتاب ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۱۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۴۱، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اہلِ ذمہ کے احصان کے متعلق فقہاء کے اقوال

اہلِ ذمہ کے احصان کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب شوہر اور بیوی اہلِ کتاب سے ہوں اور وہ دونوں زنا کریں اور ہمارے پاس مقدمہ پیش کریں تو ان پر رجم ہے اور وہ دونوں محصن ہیں، یہ الزہری اور امام شافعی کا قول ہے۔
(البیان ج ۱۲ ص ۳۵۴، الشرح الکبیر للرافعی ج ۱۱ ص ۱۳۹۔ ۱۳۸، المغنی ج ۱۲ ص ۳۱۷)

امام ابوجعفر طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اہلِ کتاب میں سے بعض، بعض کو محصن بنا دیتے ہیں اور مسلمان نصرانی عورت کو محصنہ بنا دیتا ہے، اور نصرانی عورت مسلمان مرد کو محصن نہیں بناتی۔ (مختصر الطحاوی ص ۲۶۲)

امام شافعی نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس لیے رجم کیا کہ وہ دونوں محصن تھے، اور ابراہیم النخعی نے کہا ہے: وہ دونوں اس وقت تک محصن نہیں ہوں گے حتیٰ کہ مرد اس عورت سے اس کے مسلمان ہونے کے بعد جماع کرے اور یہ امام مالک اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اسلام احصان کی شرط ہے۔
(الاستذکار ج ۲۴ ص ۱۲۔ ۱۳)

اور ان فقہاء نے کہا ہے: اس باب میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہودی مرد اور یہودی عورت کو رجم کرنے کا ذکر ہے تو آپ نے ان کو تورات کے حکم سے رجم کیا تھا جب علماء یہود نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابتداءً مدینہ میں تشریف لائے تو آپ یہودیوں پر ان کی کتاب کے مطابق احکام نافذ کرتے تھے، پھر آپ کے اوپر قرآن مجید میں اس کے متعلق حکم نازل ہوا، پس آپ کا ان کو رجم کرنا اسلام کے احصان میں سے نہیں تھا اور یہ صرف ان کے اوپر تورات کے احکام نافذ کرنے کی وجہ سے تھا اور تورات میں یہ حکم تھا کہ جو محصن ہو اور جو محصن نہ ہو اس کو زنا کرنے پر رجم کیا جائے۔ اور شارع علیہ السلام پر اس حکم کی اتباع لازم تھی اور اس کے مطابق عمل کرنا لازم تھا، کیونکہ ہر نبی کے اوپر اس نبی کی شریعت کی اتباع کرنا لازم تھی جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شریعت نازل فرمائی تھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ایسے احکام نازل فرما دے جو اس شریعت کو منسوخ کر دے، تو آپ نے ان کو جو رجم کیا تھا، وہ تورات کے حکم کے مطابق رجم کیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور یہ آیت نازل فرمائی:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء: ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں موت آ جائے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے ۝

پس یہ آیت اس سے پہلے کے حکم کے لیے ناسخ ہے اور اس آیت میں محصن اور غیر محصن کا فرق نہیں ہے، پھر اس حکم کو اس کے بعد کی آیت سے منسوخ کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والی عورتوں کے لیے ایک سبیل مقرر کر دی یعنی ان کے لیے ایک حکم مقرر کر دیا۔

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ تعالیٰ نے زانی عورتوں کے لیے طریقہ بیان فرما دیا: کنوارا کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو اس کو ایک سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو، اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اسے سو کوڑے مارو اور رجم کرو۔

(صحیح مسلم: ۱۶۹۰، سنن ابوداؤد: ۴۴۱۵، ۴۴۱۶، سنن ترمذی: ۱۴۳۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۵۰، مسند احمد: ۲۲۷۲۹)

پھر محصن اور غیر محصن کی حد میں فرق کیا گیا، اور یہ امام طحاوی کا قول ہے۔ (مختصر الطحاوی ص ۲۶۲)

اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ (العنکبوت: ۵۱)

کیا ان کے لیے یہ (معجزہ) کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے جس کی ان پر تلاوت کی جاتی ہے، بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے ضرور رحمت اور نصیحت ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب یہودیوں نے آپ کی طرف کوئی مقدمہ پیش کیا تو آپ نے صرف قرآن سے فیصلہ کیا، مگر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا اہل ذمہ پر حکم لگانا واجب ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء سے اور الشعبی سے اور النخعی سے مروی ہے کہ اس میں اختیار ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا نہ کریں، اور یہی امام مالک کا قول ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ یَّضُرُّوْكَ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴿۴۲﴾ (المائدہ: ۴۲)

(یہ) جھوٹی باتیں بہت زیادہ سنتے ہیں اور حرام بہت زیادہ کھاتے ہیں، سو اگر وہ آپ کے پاس آئیں (تو آپ کو اختیار ہے) خواہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں خواہ ان سے اعراض فرمائیں اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ آپ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے O

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اہل کتاب اگر ہم سے فیصلہ طلب کریں تو ان کے متعلق فیصلہ کرنا واجب ہے، اور ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَ اَنِ احْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّصِیْبَهُمْ

اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا نہ دیں

بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ (المائدہ:۴۹)

جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں، پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ جان لیں کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے سزا دینا چاہتا ہے اور بے شک بہت سے لوگ ضرور فاسق ہیں ○

انہوں نے کہا کہ المائدہ:۴۹، المائدہ: ۴۲ کے لیے ناسخ ہے جس میں اختیار کا حکم ہے اور یہ مذہب مجاہد اور عکرمہ سے منقول ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے زیادہ ظاہر قول یہی ہے۔ اور کتبِ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ چار ہجری کا ہے۔

اس دور میں اہلِ کتاب کے زانیوں کی سزا کا بیان

علامہ ابن التین نے کہا ہے: جب آج کل اہل ذمہ میں سے کوئی شخص زنا کرے تو اسے اہلِ ذمہ کے حوالے کیا جائے گا، اگر وہ اس کو رجم کرنا چاہیں تو رجم کر دیں، جب کہ وہ کسی مسلمان کا غلام یا مسلمان کی باندی نہ ہو، اور جب کوئی مسلمان کسی ذمیہ عورت سے زنا کرے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، علامہ ابن القاسم نے کہا: اس ذمیہ عورت کو اہلِ ذمہ کے حوالہ کیا جائے گا اور علامہ اشہب مالکی نے کہا: ان کو اسے رجم کرنے کا حق نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی مرد اور یہودیہ عورت کو اس وقت رجم فرمایا تھا جب وہ اہل ذمہ نہیں تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۵۶۔۲۵۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳۹۔ باب: إِذَا رَمَى امْرَأَتَهُ أَوِ امْرَأَةَ غَيْرِهِ بِالزِّنَا عِنْدَ الْحَاكِمِ وَالنَّاسِ هَلْ عَلَى الْحَاكِمِ أَنْ يَبْعَثَ إِلَيْهَا فَيَسْأَلَهَا عَمَّا رُمِيَتْ بِهِ؟

اس کا بیان کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی پر یا دوسرے کی بیوی پر حاکم کے سامنے اور لوگوں کے سامنے زنا کی تہمت لگائے، تو کیا حاکم پر واجب ہے کہ وہ اس عورت کی طرف کسی ایسے شخص کو بھیجے جو اس عورت سے اس کے متعلق سوال کرے جس کی اس عورت پر تہمت لگائی گئی ہے؟

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ میری بیوی نے زنا کیا ہے یا یہ کہے کہ فلاں کی بیوی نے زنا کیا ہے تو کیا حاکم پر واجب ہے کہ اس تہمت زدہ عورت کے پاس تفتیش کے لیے کسی کو بھیجے اور اس سے یہ سوال کرے کہ کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟

امام بخاری نے اس عنوان کا جواب نہیں لکھا، اور وہ جواب یہ ہے کہ ہاں! حاکم پر واجب ہے کہ اس کی تحقیق اور تفتیش کرے، اور امام بخاری نے اس کا ذکر نہیں کیا، انہوں نے اس حدیث کے اوپر اکتفاء کی۔ اور اس پر اجماع ہے کہ تہمت لگانے والا جب کوئی

گواہ نہ لائے تو اس پر حدِ قذف لازم ہوگی، سوا اس صورت کے کہ جس عورت پر تہمت لگائی گئی ہے وہ زنا کا اقرار کر لے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۲، ۶۸۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّهُمَا أَخْبَرَاهُ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَحَدُهُمَا اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَقَالَ الْآخَرُ وَهُوَ أَفْقَهُهُمَا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا قَالَ مَالِكٌ وَالْعَسِيفُ الْأَجِيرُ فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ مَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَإِنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ أَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَجَلَدَ ابْنَهُ مِائَةً وَغَرَّبَهُ عَامًا وَأَمَرَ أُنَيْسًا الْأَسْلَمِيَّ أَنْ يَأْتِيَ امْرَأَةَ الْآخَرِ فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما، وہ دونوں یہ خبر دیتے ہیں کہ دو مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھگڑا کیا، پس ان میں سے ایک نے کہا: ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کر دیجئے، اور دوسرے نے کہا جو ان دونوں سے زیادہ سمجھدار تھا: ہاں یا رسول اللہ! ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کر دیجئے، اور مجھے بات کرنے کی اجازت دیجئے، آپ نے فرمایا: تم بات کرو، اس نے کہا کہ بے شک میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، امام مالک نے کہا: العسیف کا معنی ہے الاجیر یعنی مزدور، پس میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، پھر لوگوں نے مجھے خبر دی کہ بے شک میرے بیٹے پر رجم ہے، تو میں نے اپنے بیٹے کی طرف سے ایک سو بکریاں اور اپنی ایک باندی فدیہ میں دی، پھر میں نے اہلِ علم سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ جو چیز میرے بیٹے پر لازم ہے وہ سو کوڑے ہیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر کرنا ہے، اور اس کی بیوی پر رجم ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں ضرور تم دونوں کے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، رہیں تمہاری بکریاں اور تمہاری باندی تو وہ تم پر واپس کی جائیں گی، اور آپ نے اس کے بیٹے کو سو کوڑے مارے اور اس کو ایک سال کے لیے شہر بدر کیا، اور حضرت اُنیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں، اگر وہ زنا کا اعتراف کرلے تو اس کو رجم کر دیں، سو اس عورت نے اعتراف کر لیا، پس انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۶۹۵، ۲۶۹۶، ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۸۴۲، ۶۸۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔ اور یہ حدیث کئی مرتبہ گزر چکی ہے اور اس کا آخری حصہ عنقریب اس باب میں گزرا ہے "باب من امر غیر الامام باقامة الحد" اور اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ دوسرے فریق نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کر کے کلام کیا، یہ اس کے زیادہ سمجھدار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۔۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۴۲، ۶۸۴۳ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی جائے تو حاکم پر اس کی تحقیق کا وجوب

اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا دوسرے کی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا کسی مرد پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ اس تہمت کے ثبوت میں کوئی گواہ پیش نہیں کر سکا تو اس پر حدِ قذف لازم ہوگی، سوا اس کے کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ زنا کا اعتراف کر لے، اس لیے حاکم پر واجب ہے کہ جس عورت پر تہمت لگائی گئی وہ اس کے پاس کسی شخص کو بھیجے جو اس سے اس کے متعلق سوال کرے جس کی اس پر تہمت لگائی گئی ہے، کیونکہ بغیر گواہ کے اور بغیر اقرار کے حد لازم نہیں ہوتی، اور اس حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اگر اس واقعہ میں وہ عورت زنا کا اعتراف نہ کرتی تو مزدور کے والد کے اوپر حدِ قذف لازم ہوتی، کیونکہ اس نے تہمت لگائی تھی کہ اس کے بیٹے نے اس کے مالک کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے، خواہ اس کا بیٹا زنا کا اعتراف نہ کرتا، کیونکہ اس کے بیٹے کے اعتراف کی وجہ سے اس سے حدِ قذف ساقط ہو گئی اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف گزر چکا ہے کہ جو شخص کسی معین عورت کے ساتھ زنا کا اقرار کر لے اور وہ عورت انکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے، یہ "الاعتراف بالزنا" کے باب میں گزر چکا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۵۹۔۲۶۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۰۔ بَابُ: مَنْ أَدَّبَ أَهْلَهُ أَوْ غَيْرَهُ دُونَ السُّلْطَانِ

حاکم کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اپنے گھر والوں یا کسی اور کو تادیباً سزا دے یا تنبیہ کرے

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: إِذَا صَلَّى فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ، وَفَعَلَهُ أَبُو سَعِيدٍ۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور پھر کوئی شخص اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو وہ اس کو روکے اور اگر وہ انکار کرے

تو اس سے لڑے، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اپنے گھر والوں کو اور اپنے نوکروں کو تادیباً سزا دینے کا بیان ہے، اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "دون السلطان" یعنی سلطان سے اجازت لیے بغیر۔

علامہ کرمانی نے "دون السلطان" کی شرح میں لکھا ہے: اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ سلطان کے پاس ہو یا نہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: اس عنوان کو اس لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کو بیان کیا جائے کہ جس شخص کے نوکروں پر حد واجب ہو تو کیا اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے نوکروں پر حد قائم کرنے کے لیے امام اور سربراہ سے اجازت طلب کرے، یا مالک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے نوکروں اور غلاموں پر بغیر مشورہ کے حد قائم کرے اور اس کا بیان "باب اذا زنت الامة" میں گزر چکا ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں اختلاف کو بالکل بیان نہیں کیا، اور رہی اختلاف کی کیفیت تو امام مالک نے کہا ہے کہ مالک اپنے غلام اور باندی پر زنا کرنے کے سبب سے اور خمر پینے کے سبب سے اور قذف (تہمت) لگانے کے سبب سے حد قائم کرے گا جب اس کے نزدیک یہ جرم گواہوں سے ثابت ہو جائے نہ کہ اقرار سے، اور چوری کے سبب سے وہ اپنے غلام یا باندی کا ہاتھ نہیں کاٹے گا بلکہ اس کا ہاتھ امام کاٹے گا اور یہی اللیث نے کہا ہے، اور صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے غلاموں پر حد قائم کی، ان صحابہ میں سے حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور فقیہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: میں نے انصار کے باقی لوگوں کو اس حال پر پایا کہ وہ اپنی باندیوں کو مارتے تھے جب وہ اپنی مجالس میں زنا کرتی تھیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ غلاموں اور باندیوں پر صرف سلطان حد قائم کرے گا اور غلام اور باندیوں کا مالک زنا میں اور باقی حدود میں حد قائم نہیں کرے گا۔ اور حسن بن حیی، الثوری اور الاوزاعی زنا میں غلاموں اور باندیوں پر حد جاری کرتے تھے۔ اور امام شافعی نے کہا کہ مالک ہر حد کو جاری کرے گا اور ہاتھ کو بھی کاٹے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ میں نے فتح الباری میں یہ تنبیہ کر دی تھی کہ اس کی تفصیل "باب اذا زنة الامة" میں آ چکی ہے، اور اس باب کی حدیث درج ذیل ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک

نے خبر دی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از حضرت ابو ہریرہ و زید بن خالد رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جب باندی زنا کرے اور وہ شادی شدہ نہ ہو؟ (تو اس کی کیا سزا ہے؟) آپ نے فرمایا: جب وہ زنا کرے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر وہ زنا کرے تو اس کو پھر کوڑے مارو، پھر اگر وہ زنا کرے تو پھر اس کو کوڑے مارو، پھر اس کو فروخت کر دو خواہ ایک رسی کے عوض۔ ابن شہاب نے کہا: مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے تیسری بار کے بعد فرمایا یا چوتھی بار کے بعد فرمایا (کہ اس کو فروخت کر دو)۔

(صحیح البخاری: ۲۱۵۲، ۲۱۵۳، ۲۲۳۲، ۲۲۳۳، ۲۲۳۴، ۲۵۵۶، صحیح مسلم: ۱۷۰۳، سنن ترمذی: ۱۴۴۰، سنن ابوداؤد: ۴۴۷۰، مسند احمد: ۱۰۰۳۳)

اور ہم نے اس حدیث کی شرح میں اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کو بیان کر دیا ہے۔

(دیکھئے: فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۰، دار المعرفہ، بیروت)

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۵۱، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی کہ جب کوئی شخص نماز پڑھے اور پھر کوئی دوسرا شخص اس کے سامنے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو وہ اس کو روکے، اگر وہ نہ رکے تو اس سے قتال (جھگڑا) کرے اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کیا"۔

یہ تعلیق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور ان کا نام سعد بن مالک ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی مرد کا اپنے گھر والوں کے علاوہ کو بھی ادباً سزا دینا واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے والے کو یہ اجازت دی ہے کہ جب کوئی شخص اس کے سامنے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو وہ اس کو روکے اور یہ اس کے لیے تادیب ہے۔ اور یہ تعلیق کتاب الصلوٰۃ کے اندر سند موصول کے ساتھ اس باب "یرد المصلی من مر بین یدیه" میں گزر چکی ہے۔ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا، یعنی نبی ﷺ کے حکم کے مطابق نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو دھکا دیا، اور اس کا بھی ذکر اس باب میں ہو چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۔ ۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ رضی الله عنه وَرَسُولُ اللهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلَى فَخِذِي فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ فَعَاتَبَنِي وَجَعَلَ يَطْعُنُ بِيَدِهِ فِي خَاصِرَتِي وَلَا يَمْنَعُنِي مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَنْزَلَ اللهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنا سر میرے زانو پر رکھے ہوئے تھے، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کو روک لیا اور لوگوں کو بھی، اور لوگوں کے پاس پانی نہیں ہے، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے ڈانٹا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں چٹکیاں لیتے رہے اور مجھے

ملنے سے کوئی چیز منع نہیں کرتی تھی سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میرے زانو پر تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمادی۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۶۷۲، ۳۵۸۳، ۴۶۰۷، ۴۶۰۸، ۵۱۶۴، ۵۲۵۰، ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن نسائی: ۳۱۰، مسند احمد: ۲۴۹۲۷، موطا امام مالک: ۱۲۲)

صحیح البخاری: ۶۸۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں مذکور ہے "مرد کا اپنے گھر والوں کو تادیباً سزا دینا" اور اس حدیث میں بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جوان کی بیٹی تھیں ڈانٹا اور ان کی کوکھ میں چٹکی لی۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ تادیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کئے بغیر کی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، اور یہ ابن ابی اویس ہیں اور ان کا نام عبد اللہ ہے، یہ امام مالک کے بھانجے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الرحمن بن القاسم، یہ اپنے والد القاسم بن محمد بن ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ حدیث کافی طویل ہے اور کتاب الطہارۃ اور کتاب النکاح میں از عبد اللہ بن یوسف گزر چکی ہے۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کو کتاب الطہارۃ میں از یحییٰ بن یحییٰ از امام مالک روایت کیا ہے، اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت کتاب الطہارۃ میں بھی کی ہے اور کتاب التفسیر میں بھی کی ہے اور اس کی شرح کتاب الطہارۃ میں کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو روک لیا ہے اور ان کے پاس پانی نہیں ہے"۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس وقت تھا جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا تھا، پس تمام صحابہ ٹھہر گئے اور وہ ہار ڈھونڈنے لگے اور پانی کو طلب کرنے سے رک گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا مکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میرے زانو پر تھا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے، اس لیے میں ہل بھی نہیں سکتی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۵ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن

أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَقْبَلَ أَبُو بَكْرٍ فَلَكَزَنِي لَكْزَةً شَدِيدَةً وَقَالَ حَبَسْتِ النَّاسَ فِي قِلَادَةٍ فَبِي الْمَوْتُ لِمَكَانِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَقَدْ أَوْجَعَنِي نَحْوَهُ لَكَزَ وَوَكَزَ وَاحِدٌ

سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی کہ عبدالرحمٰن بن القاسم نے ان کو حدیث بیان کی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجھے سخت گھونسا مارا اور کہا: تم نے لوگوں کو اپنے ہار کے سبب سے روک لیا ہے، اس گھونسے کی ضرب سے مجھے موت کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کی وجہ سے اور انہوں نے مجھے سخت درد پہنچایا۔۔۔ یہ حدیث سابق کی مثل ہے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ ''لکز اور وکز'' کا ایک معنی ہے، یعنی گھونسا مارا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۶۷۲، ۴۵۸۳، ۴۶۰۷، ۴۶۰۸، ۵۱۶۴، ۵۲۵۰، ۵۸۸۲، ۶۸۴۴، ۶۸۴۵، صحیح مسلم: ۳۶۷، سنن نسائی: ۳۱۰، مسند احمد: ۲۴۹۲۷، موطا امام مالک: ۱۲۲)

صحیح البخاری: ۶۸۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیثِ مذکور کی ایک اور سند ہے جس کی امام بخاری نے یحییٰ بن سلیمان ابوسعید الکوفی سے روایت کی ہے جو مصر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلکزنی'' اس کا معنی ہے ''وکزنی'' یعنی اپنی انگلیوں کو مجتمع کر کے ضرب لگانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فبی الموت'' چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر رکھ کر سوئے ہوئے تھے اور مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں ہلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہو جائیں گے تو اس وجہ سے مجھے موت کا خطرہ ہو رہا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۰۔۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۴۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد اپنی بیٹی کو اس کے شوہر کے سامنے بھی تادیباً سزا دے سکتا ہے، خصوصاً جب کہ اس تادیب کا تعلق دین سے ہو۔

اور قلادہ وہ ہے جس کو گلے میں ڈالا جاتا ہے۔

اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مرد کے لیے اپنے گھر والوں کے علاوہ دوسروں کو بھی سلطان کے سامنے تادیباً سزا دینا جائز ہے جب کہ اس کا تعلق کسی واجب کے ساتھ ہو۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ سلطان بھی اس سے راضی ہے، اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کیونکہ شریعت میں یہ جائز ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۶۲)

صحیح البخاری: ۶۸۴۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بیان

امام بخاری نے از ابوصالح از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کی ہے اور اس روایت میں یہ ہے کہ میں نے دیکھا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور ایک نوجوان نے ان کے سامنے سے گزرنے کا ارادہ کیا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے کو دھکا دیا۔۔۔ الحدیث،

اور اس سے غرض یہ ہے کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے حاکم کی اجازت کے بغیر اس نوجوان کو دھکا دے کر نمازی کے آگے سے گزرنے سے روک دیا، پھر مروان نے اس پر انکار نہیں کیا بلکہ اس کے سبب کو دریافت کیا، پھر جب حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب بیان کیا کہ یہ میری نماز کے آگے سے گزر رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نمازی کے آگے سے گزرے تو اس کو روکو، اگر وہ انکار کرے تو اس سے لڑو کیونکہ وہ گزرنے والا شیطان ہے، پھر مروان نے یہ سن کر اس معاملہ کو برقرار رکھا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ان دونوں حدیثوں میں یہ دلیل ہے کہ کسی مرد کا اپنے گھر والوں کو اور گھر والوں کے غیر کو سلطان کے سامنے تادیباً سزا دینا جائز ہے، خواہ سلطان نے اس کی اجازت نہ دی ہو، جب کہ اس کا سزا دینا برحق ہو۔ اور گھر والوں کو تادیباً سزا دینے میں اپنے نوکروں اور غلاموں کو سزا دینا بھی داخل ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ باب ''لا تثریب علی الامۃ'' میں گزر چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۱۔ بَابٌ: مَنْ رَأَى مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَقَتَلَهُ

اس کا بیان کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھا تو اس کو قتل کر دیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھا سو اس کو قتل کر دیا، لیکن امام بخاری نے یہ نہیں بتایا کہ آیا اس کا یہ قتل کرنا جائز ہے یا جائز نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو دیکھ کر اس کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس میں اختلاف ہے، پس جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ اگر اس نے اس وجہ سے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ اگر اس شخص نے اس پر گواہ قائم کر دیئے کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پایا ہے اور پھر اس نے اس مرد کو قتل کر دیا تو اس کا خون ضائع ہے یعنی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور امام شافعی نے کہا ہے: اس میں یہ گنجائش ہے کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان اس اجنبی مرد کو قتل کرنا جائز ہے اگر وہ مرد شادی شدہ ہو تو۔

اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس اجنبی مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ وہ کام کر لیا ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے، لیکن ظاہر حکم میں اس سے قصاص ساقط نہیں ہوگا، یعنی اللہ کے نزدیک تو اس سے مواخذہ نہیں ہوگا مگر شریعت ظاہرہ میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور ابن حبیب نے کہا ہے کہ اگر مقتول شادی شدہ تھا تو قاتل سے صرف اس صورت میں قصاص نہیں لیا جائے گا جب وہ اس پر چار گواہ قائم کر دے جو یہ گواہی دیں کہ اس اجنبی مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے، اور اگر وہ مرد غیر شادی شدہ تھا تو اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے گا خواہ وہ زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش کر دے۔ اور ابن مزین نے از ابوالقاسم ذکر کیا کہ یہ حکم کنوارے اور شادی شدہ میں برابر ہے، اس کے قاتل کو چھوڑ دیا جائے گا جب وہ چار گواہ قائم کر دے کہ انہوں نے اس مرد کو اس کی بیوی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور اصبغ نے از ابن القاسم اور اشہب روایت کی ہے کہ اگر وہ مرد کنوارا تھا تو قاتل کے مال سے دیت لی جائے گی اور المغیرہ نے کہا: نہ اس سے قصاص لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایسی صورت میں اس شخص کے خون کو ضائع قرار دیا۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں، پس اگر یہ ثابت ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس اجنبی کے خون کو ضائع قرار دیا یعنی قصاص نہیں لیا تو یہ کسی ایسی وجہ سے ہوگا جس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ وَرَّادٍ كَاتِبِ الْمُغِيرَةِ عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ لَأَنَا أَغْيَرُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَغْيَرُ مِنِّي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک نے حدیث بیان کی از وراد کاتب المغیرہ از المغیرہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو اس کو تلوار سے ماردوں گا اور اس کو تلوار کی دھار سے ماروں گا نہ کہ تلوار کی چوڑائی سے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: کیا تم کو سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے، ضرور میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۴۱۶، ۷، صحیح مسلم: ۱۴۹۹، مسند احمد: ۱۷۷۰۳، سنن دارمی: ۲۲۲۷)

صحیح البخاری: ۶۸۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں جو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے کلام کا ذکر ہے اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر یہ معاملہ ان کو درپیش ہوتا تو وہ اس مرد کو قتل کر دیتے، اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

غیرت کے نام پر قتل کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

صحیح البخاری کے شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا "کیا تم کو سعد کی غیرت پر تعجب ہوتا ہے" اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی کہ ایسی صورت میں وہ دیانۃً اس شخص کو قتل کر دیں اور غیرت ان چیزوں میں سے ہے جن کی بہت زیادہ تحسین کی جاتی ہے۔ اور جس میں غیرت نہ ہو گویا کہ اس کے اندر کوئی قابل تعریف وصف نہیں ہے۔ اور ہمارے اصحابِ احناف نے اس میں مبالغہ کیا ہے جب انہوں نے یہ کہا کہ کوئی شخص اپنی بیوی یا باندی کے پاس کسی دوسرے مرد کو پائے جس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ زبردستی اس کی بیوی یا باندی سے زنا کرے تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اس مرد کو قتل کر دے۔ اور اگر وہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ یا اپنے کسی مُحرم کے ساتھ کسی اجنبی شخص کو دیکھے اور اس کی بیوی خوشی کے ساتھ اس سے زنا کرا رہی ہو تو اس مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد اور عورت دونوں کو قتل کر دے۔

اور بعض فقہاء نے اس سے مطلقاً منع کیا ہے، پس علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اس مرد کو قتل کر دے جو اس کی بیوی کے پاس پایا جائے تو اس شخص سے قصاص لینا واجب ہے، کیونکہ اللہ عزوجل اگرچہ اپنے بندوں سے زیادہ غیرت والا ہے پھر بھی اس نے حدود میں گواہوں کو واجب قرار دیا، پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے، اور کوئی خون محض دعویٰ سے ساقط نہیں ہوتا۔

اور امام عبدالرزاق نے از ثوری از المغیرہ بن نعمان از ہانی بن حرام روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پایا، پس اس شخص نے ان دونوں کو قتل کر دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مکتوب لکھا کہ اس شخص کو ظاہراً قتل کر دو اور باطناً اس کی دیت ادا کرو۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں موسیٰ کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور یہ ابن اسماعیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو عوانہ کا ذکر ہے، ان کا نام الوضاح الیشکری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالملک کا ذکر ہے، وہ ابن عمیر ہیں۔ اور ورّاد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کاتب ہیں جو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب النکاح کے اواخر میں "باب الغیرۃ" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "غیر مصفح" یعنی میں اس کو تلوار کی دھار سے مار کر ہلاک کر دوں گا اور تلوار کی چوڑائی سے نہیں ماروں گا تاکہ صرف اس کو ڈراؤں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من غیرۃ سعد" حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت یہ ہے کہ ان کی بیوی کسی اجنبی مرد سے تعلق رکھے اور وہ اس سے منع کریں، اور اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ بندوں کو نافرمانیوں سے منع فرمائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۱۔ ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سدِ ذرائع اور قطعِ اسباب کی دلیل

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ محض شبہ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر شبہ کی وجہ سے قتل کرنا جائز ہوتا تو جب کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے اور اس کو اس شبہ سے قتل کر دے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی ہو تو اس شخص کا اس مرد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ چار گواہ اس کے ثبوت میں پیش نہ کرے کہ انہوں نے اس اجنبی مرد کو اپنا آلہ اس عورت کی اندامِ نہانی میں داخل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور امام مالک نے یہ روایت کی ہے کہ بغیر سلطان کے اور بغیر گواہوں کے حدود کو قائم کرنا ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون بہانے کو بہت سنگین جرم قرار دیا ہے اور اس میں بہت سخت سزا رکھی ہے، لہٰذا مسلمان کا خون اس صورت کے سوا نہیں بہایا جائے گا جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس کو مباح قرار دیا ہے اور اسی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے متعلق فتویٰ دیا جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پایا، پھر اس مرد کو قتل کر دیا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ (موطا امام مالک ص ۴۵۹۔ ۴۶۰، الاستذکار ج ۲۲ ص ۱۵۰۔ ۱۵۲)

امام شافعی اور ابو ثور نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے سامنے اللہ کو گواہ بنا کر یہ کہے کہ اس نے ایک مرد کو اور اپنی بیوی کو قتل کر دیا اگر وہ دونوں شادی شدہ تھے اور یہ معلوم ہو گیا کہ مرد نے اس کی بیوی سے وہ فائدہ اٹھایا جس سے غسل واجب ہو جاتا ہے اور ظاہر حکم میں اس سے قصاص ساقط نہیں ہوگا۔

اور امام احمد نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے گواہ پیش کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا اور اس کو قتل کر دیا تو اس مقتول کا خون ضائع ہوگا یعنی اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اگر وہ دو گواہ لایا ہو، اور یہی اسحاق کا قول ہے۔

(کتاب الام ج ۶ ص ۲۶، المغنی ج ۱۱ ص ۴۶۱)

اور ابنِ حبیب مالکی نے کہا ہے: اگر وہ مقتول شادی شدہ تھا تو اس کے قاتل کو جو چیز قتل سے نجات دے گی وہ یہ ہے کہ وہ چار

گواہ اس پر قائم کرے کہ اس شادی شدہ شخص نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے، اور اگر وہ اجنبی مرد غیر شادی شدہ تھا تو پھر اس کے قاتل سے قصاص لیا جائے خواہ اس نے چار گواہ اپنے دعویٰ پر پیش کئے ہوں، اور میرے نزدیک اس حدیث کا یہی محمل ہے۔
اور ابن مزین نے از ابن القاسم ذکر کیا کہ کنوارا اور شادی شدہ اس معاملہ میں برابر ہیں، اس کے قاتل کو چھوڑ دیا جائے گا جب وہ اس پر گواہ پیش کرے کہ انہوں نے ان کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔
اور اصبغ نے از ابن القاسم اور اشہب یہ روایت کی ہے کہ اگر اس نے کنوارے مرد کو قتل کیا ہے تو قاتل کے مال سے دیت لینا مستحب ہے، اور ابن المغیرہ نے کہا ہے کہ نہ اس سے قصاص لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس صورت میں اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا یعنی اس پر قصاص واجب نہیں کیا۔ (المنتقیٰ ج ۵ ص ۲۸۵)
اللیث نے از یحییٰ بن سعید روایت کی ہے کہ ایک شخص کا بھائی گم ہو گیا تو اس نے حج کے موسم میں اس کی گمشدگی کا اعلان کیا، پس ایک مرد کھڑا ہوا، سو اس نے کہا: میں نے اس کو قتل کیا ہے، اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے جایا گیا تو اس نے کہا: میں اس شخص کے بھائی کے پاس سے گزرا وہ کسی عورت کے ساتھ اس کے گھر میں تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خون کو ضائع قرار دیا۔
اور ابن مزین نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو اس مسئلہ میں روایت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ان لوگوں کی عداوت اور ان کا ظلم ثابت ہو چکا تھا، اور اگر کسی شخص کو بغیر گواہ کے پکڑنا جائز ہو تو کوئی شخص جب کسی کو قتل کرنا چاہے گا تو اسے اپنے گھر کھانے کے لیے بلائے گا یا کسی کام کے لیے، پھر اس کو قتل کر دے گا اور یہ دعویٰ کرے گا کہ اس نے اس مرد کو اس کی بیوی کے ساتھ پایا تھا، اور پھر یہ اس طرف پہنچائے گا کہ لوگوں کو قتل کرنا مباح ہو جائے اور قصاص ساقط ہو جائے۔
علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں خبریں مختلف ہیں اور عام خبریں سند کے اعتبار سے منقطع ہیں، پس اگر ان سے یہ ثابت ہو کہ انہوں نے کسی کے قتل کو اور اس کے خون کو ضائع قرار دیا تو یہ کسی ایسی دلیل کی وجہ سے ہوگا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثابت تھی۔
امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ جس شخص نے اس مرد کو قتل کیا جس کو اس نے اپنی بیوی کے ساتھ پایا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔
علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے ناحق قتل کرنے کو حرام قرار دیا ہے تو جب تک کہ کسی گواہی سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور شارع علیہ السلام نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ وہ چار گواہ پیش کریں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو منع کیا ہے حالانکہ وہ بہت نیک تھے اور ثقہ تھے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام لوگوں کے لیے محض شبہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۶۵۔ ۲۶۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)
میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض بدکاری کے شبہ پر قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور نہ میں نے محض بدکاری کے شبہ پر قتل کی اجازت دی ہے اور سعد نے یہ کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پاؤں تو اسے قتل کر دوں گا جب کہ میں نے چار گواہوں کے ثبوت کے بغیر محض شبہ پر قتل کی اجازت نہیں دی حالانکہ میں سعد سے زیادہ غیرت مند

ہوں اور اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر چار گواہوں کی موجودگی کو لازم قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے، لہٰذا محض شبہ کی بنیاد پر کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۴۲۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي التَّعْرِيضِ — کنایہ کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان احادیث کا ذکر ہے جن میں تعریض کا ذکر ہے اور تعریض کنایہ کی ایک قسم ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: تعریض اس کلام کو کہتے ہیں جس کا ایک ظاہر ہو اور ایک باطن ہو، پس قائل نے باطن کا قصد کیا ہو اور ارادہ ظاہر کا کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۷۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ مَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنَّى كَانَ ذَلِكَ قَالَ أُرَاهُ عِرْقٌ نَزَعَهُ قَالَ فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سعید بن المسیّب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری بیوی کے ہاں ایک سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے، آپ نے پوچھا: کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ نے پوچھا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے بتایا سرخ، آپ نے پوچھا: کیا ان میں کوئی چتکبرا بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: پھر وہ چتکبرا اونٹ کہاں سے آ گیا؟ اس نے کہا: میرا گمان ہے کہ اس نے کوئی رگ کھینچ لی ہوگی، آپ نے فرمایا: پس ہوسکتا ہے کہ تمہارے اس بیٹے نے بھی کوئی رگ کھینچ لی ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۰۵، ۶۸۴۷، ۷۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۳۴۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۲، مسند احمد: ۷۱۴۹)

صحیح البخاری: ۶۸۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے حاصل کی جاسکتی ہے کہ اس اعرابی نے کہا: یا رسول اللہ! میری بیوی سے سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعرابی سفید رنگ کا تھا اور اس کا لڑکا سیاہ رنگ کا پیدا ہوا، تو

گویا اس نے کہا: وہ لڑکا میرے نطفہ سے نہیں ہے اور اس کی ماں زانیہ ہے، گویا اس نے تعریض اور کنایہ سے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی اویس ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے از یحییٰ بن قزاعہ اور اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اونٹوں کے رنگ کے متعلق اس لیے سوال کیا کہ حیوانات کی طبیعت یہ ہے کہ حیوانات خلقت اور رنگ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ان کا رنگ اور ان کی خلقت مختلف ہو، اسی طرح آدمی بھی طبیعت کے نوادر سے اور رگوں کے نوادر سے مختلف ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''هل فیها من اورق؟'' اونٹوں میں ''اورق'' اس کو کہتے ہیں جس کے رنگ میں سفیدی سیاہی کی طرف مائل ہو جیسے راکھ ہوتی ہے، اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: ''اورق'' کا معنی ہے: گندمی رنگ، اور اسی سے ماخوذ ہے ''بعیر اورق'' یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کا رنگ راکھ کا رنگ ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فانی؟'' یعنی ایسا کس طرح ہوا؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''اراہ'' یعنی میں یہ گمان کرایا گیا ہوں کہ اس اونٹ نے کوئی رنگ کھینچ لی ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا کہ اس اعرابی کا جو بیٹا سیاہ رنگ کا تھا تو ہو سکتا ہے اس نے اپنے آباء میں سے کسی ایک کا رنگ کھینچ لیا ہو۔

کنایہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگانے میں فقہاء کے اقوال

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کنایہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی جائے تو اس سے بھی حد واجب ہو جاتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تعریض سے زنا کی تہمت لگانے میں حد قذف واجب نہیں ہوتی، حد قذف اس وقت واجب ہوتی ہے جب واضح تصریح کے ساتھ کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی جائے، یہ مذہب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور القاسم بن محمد، الشعبی، طاؤس، حماد اور ابن المسیب کا بھی یہی قول ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق حسن بصری اور حسن بن یحییٰ کا بھی یہی قول ہے۔ اور الثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں حد قذف تو واجب نہیں ہوتی لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہیے اور اس کی تادیب کرنی چاہیے اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے اور امام بخاری نے جو اس باب کا عنوان قائم کیا ہے، اس سے بھی

ظاہر ہوتا ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ تعریض تصریح کی مثل ہے، یہ قول حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور عروہ، الزہری اور ربیعہ سے مروی ہے، اور امام مالک اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے۔

حافظ ابوعمر ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: کئی سندوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بے حیائی کے ساتھ کنایہ کرنے کی بناء پر حد جاری کی اور ابن جریج نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعریض میں حد جاری کی، کیونکہ عِکرمہ بن عامر بن ہشام بن عبدمناف بن عبدالدار نے وہب بن زمعہ بن الاسود بن عبدالمطلب بن اسد کی ہجو کی اور ہجو میں تعریض کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدِ قذف لگائی، اور میں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا ہے وہ بھی یہی کہتے تھے اور ابن المسیب سے بھی اسی طرح مروی ہے، اور اس قول میں شبہ کو ثابت کرنا ہے اور اس سے قیاس کو ثابت کرنا ہے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدگمانی کی تحقیق کرنے سے ڈانٹ ڈپٹ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو خواہ اس کی کسی اور سے مشابہت ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۲۔ ۳۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۴۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کنایہ اور تعریض کے ساتھ زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے حد قذف کے لازم ہونے میں فقہاء کا اختلاف

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور قاسم بن محمد اور الشعبی نے کہا ہے کہ تعریض اور کنایہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے حد واجب نہیں ہوتی، حد اس وقت واجب ہوتی ہے جب صریح اور واضح الفاظ کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی جائے۔ الثوری، فقہاء احناف اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام ابوحنیفہ اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اس کو زجر و توبیخ کی جائے گی اور اس کی تادیب کی جائے گی اور کنایہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے اس کو منع کیا جائے گا۔

امام شافعی نے اس باب کی حدیث سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا: اس اعرابی نے اپنی بیوی پر کنایہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی جس میں کوئی پوشیدگی نہیں تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد واجب نہیں کی۔ اور اگر سننے والے پر یہ غالب ہو کہ اس نے قذف اور تہمت کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ کبھی اس قول میں قذف کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی ارادہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً اس نے تعجب سے کہا ہو کہ وہ تو سفید رنگ کا ہے اس کے ہاں کالا بچہ کیسے پیدا ہو گیا؟ یا وہ اس بات کی تحقیق کرنا چاہتا ہو اور سمجھنا چاہتا ہو۔

اور حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اور عروہ، زہری اور ربیعہ سے مروی ہے کہ تعریض اور کنایہ کے ساتھ زنا کی تہمت لگانا صراحۃً زنا کی تہمت لگانے کی مثل ہے۔ اور امام مالک اور الاوزاعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک کے نزدیک اگر تعریضاً قذف سے تصریح کا معنی نکلتا ہو تو حدِ قذف لگائی جائے گی

اور امام مالک نے کہا: جب یہ معلوم ہو جائے کہ کہنے والے نے اس قول سے قذف اور تہمت کا ارادہ کیا ہے تو اس پر حد لازم ہے اور انہوں نے اس پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ از ابی الرجال از ان کی والدہ عمرہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے

زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک دوسرے کو برا کہا، پس ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اللہ کی قسم! میرا باپ زانی نہیں ہے اور نہ میری ماں زانیہ ہے (اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تعریضاً دوسرے آدمی کے متعلق کہہ رہا تھا کہ تمہارا باپ زانی ہے اور تمہاری ماں زانیہ ہے) تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو کسی کہنے والے نے کہا: اس شخص نے اپنے باپ اور اپنی ماں کی مدح کی ہے اور دوسرے نے کہا: نہیں، اپنے باپ اور اپنی ماں کی مدح وہ اور الفاظ سے بھی کر سکتا تھا، اور ہماری رائے یہ ہے کہ اس کے اوپر حدِ قذف لگائی جائے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

اور اس مقالہ کے قائلین نے کہا ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ اس اعرابی نے اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا ارادہ نہیں کیا تھا اور نہ اس کا نقص بیان کرنے کا ارادہ کیا، وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مسئلہ پوچھنے اور فتویٰ طلب کرنے کے لیے آیا تھا، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حدِ قذف نہیں لگائی، اور اسی وجہ سے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ پر حدِ قذف نہیں لگائی، اور ان کے معاملہ کو موخر رکھا گیا حتیٰ کہ ان کے متعلق قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔

تعریض کو تصریح کے حکم میں کرنے پر امام شافعی کی دلیل

اور امام شافعی نے اس پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت کی عدت کے دوران اس کو تعریض اور کنایہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دے (مثلاً یوں کہے: تم کتنی حسین عورت ہو، تم جیسی عورت سے تو لوگ نکاح کرنا چاہتے ہوں گے) تو اس کے اس قول کو تصریح کے حکم میں نہیں قرار دیا گیا، اسی طرح اگر کوئی شخص تعریضاً قذف لگائے تو اس کو بھی تصریح کے حکم میں نہیں کیا جائے گا۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب

علامہ اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ امام شافعی کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے، عدت کے دوران نکاح کے پیغام میں تعریض کی اجازت دی گئی ہے نہ کہ تصریح کی، کیونکہ نکاح تو دو فریقوں کے درمیان ہوتا ہے، ایک فریق ایجاب کرتا ہے اور دوسرا فریق قبول کرتا ہے، یعنی مرد ایجاب کرتا ہے اور عورت قبول کرتی ہے، پس جب وہ صراحۃً نکاح کا پیغام دے گا تو دوسرا فریق اس کا جواب دے گا یا وعدہ کرے گا تو اس سے منع کیا گیا ہے، لیکن جب وہ تعریض اور کنایہ کے ساتھ نکاح کا پیغام دے گا تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس کو اس عورت سے نکاح کی ضرورت ہے اور اس میں اس عورت کی طرف سے جواب کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور جب تعریض کے ساتھ تہمت لگائی جائے تو اس میں دو فریقوں کا دخل نہیں ہے، وہ صرف ایک جانب سے ہوتی ہے اور اس میں جواب کی ضرورت نہیں ہوتی، تو جس نے تعریضاً کسی پر زنا کی تہمت لگائی تو وہ تہمت لگانے والا ہے اور اس میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ دوسرا فریق اس کی بات کا جواب دے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۹۱۔ ۳۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۳۔ بَابٌ: كَمِ التَّعْزِيرُ وَالْأَدَبُ؟

تعزیر اور تنبیہ میں سزا کی مقدار

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تعزیر میں کتنی سزا ہونی چاہیے؟ امام بخاری نے اس عنوان سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ

تعزیر کے عدد میں اختلاف ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا، تعزیر "عزّر" کا مصدر ہے اور یہ عزد سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: رد کرنا اور منع کرنا۔ اور یہ کسی شخص کو اس کے دشمنوں سے دور کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اسی سے ماخوذ ہے "عزّرہ القاضی" یعنی جب قاضی نے تنبیہ اور تادیب کے لیے کسی شخص کو سزا دی تا کہ وہ دوبارہ برا کام نہ کرے، اور تعزیر قول سے بھی ہوتی ہے اور فعل سے بھی ہوتی ہے۔

اور اس عنوان میں امام بخاری نے ادب کا ذکر کیا ہے، یہ تادیب کے معنی میں ہے اور یہ تعزیر سے عام ہے، اور اسی میں والد کی اولاد کے لیے تادیب داخل ہے اور معلم کی متعلم کے لیے تادیب داخل ہے۔ الازہری اور ابوزید نے کہا کہ ہر وہ مشق جو مستحسن ہو جس کی وجہ سے انسان فضائل میں سے کوئی فضیلت حاصل کر سکے اس کو ادب کہا جاتا ہے۔

تعزیر کی تعداد میں فقہاء کے اقوال

تعزیر کی تعداد میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں:

(۱) تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں سوائے حد کے، یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

(۲) اللیث سے روایت ہے، انہوں نے کہا: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تعزیر میں دس کوڑوں سے تجاوز نہ کیا جائے اور اس کے ماسوا بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) تعزیر میں بیس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں۔

(۴) تعزیر میں تیس کوڑوں سے زیادہ نہ لگائے جائیں اور یہ دونوں قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

(۵) امام شافعی نے اپنے دوسرے قول میں کہا کہ بیس کوڑوں سے کم مارے جائیں۔

(۶) امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ نے کہا: چالیس کوڑوں سے کم مارے جائیں، اور یہ بھی امام شافعی کا ایک قول ہے۔

(۷) ابن ابی لیلیٰ اور امام ابویوسف نے کہا: زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے مارے جائیں۔

(۸) امام مالک نے کہا: بعض اوقات تعزیر کے کوڑوں کی تعداد حد سے زیادہ ہوتی ہے، جب امام اور سربراہِ مملکت کا یہ اجتہاد ہو، اور اسی کی مثل امام ابویوسف اور ابوثور سے مروی ہے۔

(۹) اللیث نے کہا: نو کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں، اور یہی اہلِ ظاہر کا قول ہے اور اس کو ابن حزم ظاہری نے نقل کیا ہے۔

(۱۰) امام طحاوی نے کہا کہ تعزیر کا حدود کے اوپر قیاس کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تعزیر امام کے اجتہاد کے اوپر موقوف ہے اور کبھی اس میں کوڑوں کی تعداد کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۳۔ ۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یزید بن ابی حبیب نے حدیث بیان کی از بکیر بن عبداللہ از سلیمان بن یسار از عبدالرحمٰن

ﷺ يَقُولُ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ۔

بن جابر بن عبداللہ از حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ فرماتے تھے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں سوا اللہ تعالیٰ کے حدود میں سے کسی حد میں۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۹، ۶۸۵۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۸، سنن ترمذی: ۱۴۶۳، سنن ابوداؤد: ۴۴۹۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۱، مسند احمد: ۱۵۴۰۵)

صحیح البخاری: ۶۸۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس لحاظ سے ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حد کے سوا دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں، یعنی تعزیر میں دس کوڑے تک مارے جاسکتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن ابی حبیب، یہ ابورجاء المصری ہیں اور ابوحبیب کا نام سوید ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں بکیر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ بن الاشج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان بن ابی یسار کا ذکر ہے، اور اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن جابر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ الانصاری ہیں۔

اور الاصیلی کی روایت میں مذکور ہے از ابی احمد الجرجانی عبدالرحمٰن از جابر، اور یہ بھی لکھا ہے از عبدالرحمٰن از ابی بردہ، اور ان کا نام ہانی ہے اور وہ الانصاری المدنی ہیں، وہ حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں جو بدر میں حاضر تھے اور انہوں نے نبی ﷺ سے احادیث کا سماع کیا اور ان سے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کی، اور یہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک ہے، اور یہاں پر عبدالرحمٰن بن جابر کا ذکر ہے جو امام بخاری کے نزدیک ہے۔

حدیث مذکور کے اضطراب کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اس حدیث میں بحث ہے اور علامہ ابن بطال نے الاصیلی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے کیونکہ ایک سند میں ہے از سلیمان از عبدالرحمٰن بن جابر حدثنی ابو بردہ، اور دوسری سند میں ہے از عبدالرحمٰن بن جابر از رجل من انصار از رسول اللہ ﷺ، لہٰذا اس کو ترک کرنا واجب ہے، کیونکہ صحابہ اور تابعین کا عمل اس کے خلاف ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس کا رد کیا گیا ہے، کیونکہ عبدالرحمٰن ثقہ ہیں اور ان کے سماع کی تصریح کی گئی ہے اور صحابی کا ابہام مضر نہیں ہے، اور امام بخاری اور امام مسلم اس حدیث کی تصحیح میں متفق ہیں اور وہی کسی حدیث کو صحیح یا غیر صحیح قرار دینے میں عمدہ ہیں، اور اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ کیا وہ مبہم صحابی ہیں یا معین صحابی ہیں؟ اور راجح یہ ہے کہ وہ معین صحابی ہیں، نیز صحابی کا ابہام بھی مضر نہیں ہے، پس راجح یہ ہے کہ وہ ابو بردہ بن نیار ہیں۔ اور کیا عبدالرحمٰن اور ابی بردہ کے درمیان کوئی واسطہ ہے اور ان کے باپ

جابر ہیں یا نہیں؟ پس راجح یہ ہے کہ ان کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الافی حد من حدود اللہ" یعنی اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے سوادس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔

ظاہر یہ ہے کہ حد سے مراد وہ ہے جس میں شارع علیہ السلام نے کوڑوں کی تعداد مقرر کر دی ہو یا اس میں ضرب مخصوص کا بیان ہو یا عقوبت مخصوصہ کا بیان ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حد سے مراد اللہ کا حق ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ حد سے مراد یہاں پر اللہ تعالیٰ کے وہ حقوق ہیں جو اس کے اوامر ہیں اور اس کی نواہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشاد سے بھی یہی مراد ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۲۹)
اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں ۝

یعنی اپنی بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے، اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو، اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱)
اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے گا ۝

یعنی اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ:۱۸۷)
یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم ان کے قریب نہ جاؤ، اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں ۝

یعنی تمہارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا، وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو، اللہ کو علم ہے کہ تم اپنے نفسوں میں خیانت کرتے تھے، سو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا، سو اب تم (چاہو تو) ان سے عمل زوجیت کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کر دیا ہے اس کو طلب کرو اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ فجر کا

سفید دھاگہ (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے، پھر روزہ کو رات آنے تک پورا کرو، اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو تو (کسی وقت بھی) اپنی بیویوں سے عمل زوجیت نہ کرو، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم ان کے قریب نہ جاؤ، اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (النساء: ۱۴)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت والا عذاب ہے ۝

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے حصص بیان فرمائے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے اور ورثاء کے جو حصے مقرر فرمائے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کیا جائے نہ ان مقررہ حصوں میں کمی کی جائے اور نہ حصوں میں اضافہ کیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام آیات میں جو حدود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی پر ہے یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے: جن تادیبات کا معصیت کے ساتھ تعلق نہیں ہے جیسے باپ کا اپنے چھوٹے بچوں کو ادب سکھانے کے لیے مارنا، ان میں دس کوڑوں سے یا دس ڈنڈوں یا دس چھڑیوں سے زیادہ نہ مارا جائے۔

والدین اور اساتذہ کے تادیباً بچوں کو مارنے میں حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت

کیونکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے سوا دس کوڑوں (یا دس ڈنڈوں یا دس پائپوں) سے زیادہ نہ مارا جائے، لہٰذا جو اساتذہ اور والدین بچوں اور شاگردوں کو بے تحاشا مارتے ہیں ان کی یہ تادیب حد سے تجاوز ہے اور ناجائز ہے، اسی طرح بعض اساتذہ بے دردی سے طلباء کے منہ پر دائیں بائیں لگاتار طمانچے مارتے ہیں حالانکہ حدیث میں چہرہ پر مارنے سے سختی سے منع فرمایا ہے اور وہ احادیث درج ذیل ہیں:

چہرے پر مارنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر ہرگز ہرگز تھپڑ نہ مارے"۔

(صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۴۶، مسند احمد: ۸۱۳۱، ۸۴۴۹، ۸۵۸۱، ۹۸۰۹، ۹۹۶۹، ج ۱۰۷۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر ہرگز ہرگز تھپڑ نہ مارے"۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴۹، الرقم المسلسل: ۲۶۱۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۵۰)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ متوفی ۵۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے تھے۔
(صحیح مسلم: ۲۶۱۳، الرقم المسلسل: ۶۵۵۲، سنن ابوداؤد: ۳۰۴۵، مسند احمد: ۱۵۸۴۶)

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں قاری اور حافظ جو بچوں کو حفظ قرآن کی تعلیم دیتے ہیں وہ ان کو سبق یاد نہ ہونے پر نہایت سفا کی اور بے دردی سے ڈنڈوں سے مارتے ہیں اور کئی کئی گھنٹے تک کان پکڑوا کر ان کو مرغا بنا دیتے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک حافظ غضب میں آ کر بچہ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتا تھا اور بعض حافظ بچوں کو اتنا مارتے تھے کہ مسجد میں ان کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہو جاتا تھا اور بچوں کو زنجیر سے باندھ کر بھی رکھا جاتا ہے اور کبھی ان کے مظالم کی وجہ سے بچوں کے ہاتھ اور پاؤں کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے، بچوں کو اتنا زیادہ مارنا ظلم ہے، ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے، اور قیامت کے دن ان لوگوں سے قصاص لیا جائے گا اور ان مضروب اور مظلوم بچوں سے کہا جائے گا کہ تم بھی اس کو اتنا زیادہ مارو جتنا یہ تمہیں دنیا میں مارتا تھا۔

بچوں کو زیادہ مارنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ سامان ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن، نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، سو اس کو قیامت کے دن بٹھایا جائے گا اور اس سے بدلہ لیا جائے گا اور اس کی نیکیاں مضروب اور مظلوم کو دی جائیں گی، پس اگر اس کی نیکیاں اس کے قصاص سے پہلے ختم ہو جائیں تو مضروب اور مظلوم کے گناہ اس ضارب اور ظالم کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

(سنن ترمذی: ۲۴۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے بھائی کی عزت یا اس کے مال پر کوئی ظلم کیا ہو پھر وہ بندہ اس مظلوم کے پاس جائے اس دن سے پہلے کہ جب نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، پس اگر اس کی نیکیاں ہوں گی تو اس کی نیکیاں اس مظلوم کو دی جائیں گی، اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۱۹، دارالمعرفہ، بیروت ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۵، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقوق ضرور اصحاب حقوق کو ادا کئے جائیں

گے، حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے اس بکری کا قصاص لیا جائے گا جس کے سینگ نہ تھے۔

(سنن ترمذی: ۲۴۲۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵، مکتب اسلامی، بیروت، ۱۳۹۰ھ)

جن معاصی کی سزا معین نہیں ہے ان میں زیادہ سزا دینے کا جواز

ایک قول یہ ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معاصی کے مراتب کے درمیان فرق کیا جائے، سو جن معاصی میں سزا معین ہے اس معین سزا پر اضافہ نہ کیا جائے، اور جن معاصی میں سزا کی تعیین نہیں ہے، پس اگر وہ معصیت گناہِ کبیرہ ہو تو اس میں اس معین شدہ سزا کے اوپر اضافہ کرنا جائز ہے۔ اور امام مالک کا یہ نظریہ ہے کہ سزا بقدر گناہ ہونی چاہیے، اور ان کی رائے یہ ہے کہ یہ سزا ائمہ کے اجتہاد کی طرف مفوض ہے خواہ وہ سزا حد سے زیادہ ہو جائے۔ اور صحیح البخاری کے شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: امام مالک کو باب مذکور کی حدیث نہیں پہنچی۔ اور علامہ ابن القصار نے کہا ہے: جب کہ تعزیر کا طریقہ امام اور سربراہِ ملک کے اجتہاد پر موقوف ہے تو امام کے ظن غالب میں جتنی سزا سے مجرم باز آ جائے مجرم کو اتنی سزا دی جائے۔ اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو صرف ڈانٹ ڈپٹ سے گناہوں سے باز آ جاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ ان کو سوچابک بھی مارے جائیں تو وہ گناہوں سے باز نہیں آتے۔ اور امام مالک کے نزدیک یہ تعزیر کسی شخص کی بیوی کو ضرب مارنے کی مثل ہے، لہٰذا اس میں تحدید کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور یہ امام کے اجتہاد کی طرف مفوض ہے، وہ اتنی سزا دے جتنی سزا سے اس کے گمان میں مجرم جرم سے باز آ جائے گا۔

امام مالک کے نزدیک گناہوں کی سزا کا امام کے اجتہاد پر موقوف ہونا

اور علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: کیا یہ نہیں دیکھا جاتا کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ نے المواصلین کی عبرتناک سزا میں اضافہ فرمایا (یعنی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا تھا، سو بعض صحابہ نے وصال کے روزے رکھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ مہینہ زیادہ دنوں کا ہوتا تو میں زیادہ دنوں تک وصال کے روزے رکھتا، تا کہ جنہوں نے آپ کی نافرمانی کر کے وصال کے روزے رکھے تھے وہ زیادہ دنوں تک بھوکے پیاسے رہیں اور آپ کی نافرمانی کرنے کا مزا چکھیں)، پس اسی طرح امام کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے اعتبار سے سزا میں اضافہ کرے، پس واجب ہے کہ وہ ہر مجرم پر اس کے جرم کی حیثیت کے اعتبار سے ضرب لگائے اور سزا دے خواہ اس میں کسی جرم کی کوئی حد ایسی حد ہو جس کا خلاف جائز نہیں ہے۔

حدود کی تعداد

شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ حد سات چیزوں میں ہے:

(۱) ارتداد (۲) الحرابہ، ڈاکوؤں کو گرفتار کرنے سے پہلے (۳) زنا (۴) زنا کی تہمت (۵) نشہ آور مشروب کو پینا خواہ وہ نشہ دے یا نہ دے (۶) چوری (۷) عاریۃً لی ہوئی چیز کا انکار کرنا۔

رہے باقی معاصی تو ان میں فقط تعزیر ہے اور وہ تادیب اور تنبیہ ہے، اور جن چیزوں میں سے متقدمین کی قوم نے یہ دیکھا کہ ان میں حد واجب ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) نشہ کرنا (۲)) خمر پینے کی تہمت لگانا (۳) تعریض (۴) خون پینا (۵) خنزیر کو کھانا (۶) مردار کو کھانا (۷) (۸) قومِ لوط کا

فعل کرنا (۹) جانوروں سے بدکاری کرنا (۱۰) عورتوں کا عورتوں سے جسمانی لذت حاصل کرنا (۱۱) نماز کو ترک کرنا بغیر نماز کے انکار کے (۱۲) رمضان کے مہینہ میں روزہ نہ رکھنا (۱۳) جادو کرنا۔

صحیح البخاری: ۶۸۴۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حد کا عرفی اور اصطلاحی معنی اور ان کی تعداد

اس حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ حد سے مراد وہ سزا ہے جس میں شارع علیہ السلام نے کوڑوں کا عدد مقرر فرمایا، یا ضرب مخصوص بیان فرمائی، یا کوئی مخصوص سزا بیان فرمائی۔

اور جو حدود متفق علیہ ہیں ان میں (۱) زنا (۲) چوری کرنا (۳) نشہ آور مشروب کو پینا (۴) حرابہ یعنی ڈاکہ ڈالنا (۵) زنا کی تہمت لگانا (۶) ناحق قتل کرنا (۷) جان کا بدلہ لینا ہے اور اعضاء کا بدلہ لینا ہے (۸) اور ارتداد میں قتل کرنا ہے۔ اور آخری دو کو حد کا نام دینے میں اختلاف ہے۔

بہ کثرت ایسی چیزیں ہیں جن کا مرتکب سزا کا مستحق ہوتا ہے، کیا اس سزا کو حد کا نام دیا جائے گا یا نہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) عاریۃً لی ہوئی چیز کا انکار کرنا (۲) قومِ لوط کا فعل کرنا (۳) جانوروں سے بدکاری کرنا (۴) اور کسی عورت کا نر جانور کو اپنے اوپر سوار کرنا (۵) اور عورت کا عورت سے ہم جنس پرستی کرنا (یعنی ایک دوسرے سے جسمانی لذت حاصل کرنا)، (۶) اور خون پینا (۷) اور حالتِ اختیار میں خون کو اور مردار کو کھانا (۸) خنزیر کا گوشت کھانا (۹) جادو کرنا (۱۰) خمر پینے کی تہمت لگانا (۱۱) سستی سے نماز کو ترک کرنا (۱۲) رمضان کے مہینہ میں روزہ چھوڑنا (۱۳) کسی پر اشارہ، کنایہ اور تعریض سے زنا کی تہمت لگانا۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر حد کے اطلاق کا بیان

اور بعض فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ اس باب کی حدیث میں حد سے مراد اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ علامہ ابن دقیق العید نے کہا ہے: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ بعض معاصرین نے اس معنی کو مقرر رکھا ہے بایں طور کہ جن سزاؤں کا پہلے بیان کیا گیا ہے ان کو حد کے ساتھ خاص کرنا فقہاء کی اصطلاح ہے، اور شریعت کے عرف میں شروع میں حد کا اطلاق ہر معصیت پر کیا جاتا تھا خواہ وہ معصیت کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔ اور علامہ ابن دقیق العید نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ ظاہر سے خروج ہے اور اس کے ثبوت میں نقل کی ضرورت ہے اور اصل یہ ہے کہ نقل ہے نہیں۔

نیز انہوں نے کہا: اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے ہر حق میں یہ اجازت دیں کہ اس میں دس کوڑوں یا دس ڈنڈوں سے زیادہ مارنا جائز ہے تو ہمارے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہیں بچے گی جو ممانعت کے ساتھ مخصوص ہو، کیونکہ جن سزاؤں میں اضافہ جائز نہیں ہے ان کے ماسوا میں ایسے بھی کام ہیں جو حرام نہیں ہیں اور تعزیر کی اصل یہ ہے کہ وہ اس میں مشروع نہیں ہے جو حرام نہ ہو، پس خصوصیت کے ساتھ سزا میں اضافہ کرنے کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

اور شیخ ابن تیمیہ اور ان کے مقلد ابن قیم نے مقالہ مذکورہ لکھا ہے اور اس میں کہا ہے کہ صحیح جواب یہ ہے کہ حدود سے مراد یہاں

پردہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور اس کے نواہی ہیں اور انہی کا درج ذیل آیات میں ارادہ کیا گیا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (البقرہ:۲۲۹)

اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:۱)

اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

نیز اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ (النساء:۱۴)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○

پس ایسی تادیبات اور تنبیہات جن کا اللہ تعالیٰ کی معصیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جیسے باپ کا چھوٹے بیٹے کو تنبیہ کے لیے مارنا، تو اس میں دس سے زیادہ ڈنڈے مارنے پر اضافہ نہ کیا جائے۔

دس سے زیادہ مارنے کی ممانعت میں احادیث

اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دس ڈنڈوں سے زیادہ تعزیر نہ لگاؤ۔ (سنن ابن ماجہ:۲۶۰۲، کنز العمال:۱۳۴۰۴)

اور امام طبرانی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو دس ڈنڈوں سے زیادہ مارے۔ (المعجم الکبیر:۵۱۴)

جس جرم کی سزا معین نہ ہو، اس میں اضافہ کا جواز

اور جس جرم کی سزا میں تعیین نہ بیان کی گئی ہو، اگر وہ گناہِ کبیرہ ہے تو اس میں اضافہ کرنا جائز ہے اور اس پر بھی حد کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ ان مذکورہ آیات میں نافرمانیوں پر حد کا اطلاق کیا گیا ہے، اور اگر وہ جرم گناہِ صغیرہ ہو تو اس میں سزا پر اضافہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے صاحبین نے کہا ہے کہ دس سے زیادہ ڈنڈے مارنا بھی جائز ہے، پھر اس میں اختلاف ہے، پس امام شافعی نے کہا کہ یہ اضافہ کم سے کم حد کو نہ پہنچے، اور کیا اس سے آزاد کی حد مراد ہے یا غلام کی حد مراد ہے، اس میں دو قول ہیں۔

اور دیگر نے کہا ہے کہ یہ امام کی رائے کی طرف مفوض ہے، امام کی رائے میں جتنے ڈنڈے مارنے سے بھی مجرم جرم سے باز آ جائے اتنے ڈنڈے مارنا جائز ہے اور یہ ابوثور کا مختار ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ تعزیر میں بیس سے زیادہ ڈنڈے

نہ مارے جائیں۔
اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تیس سے زیادہ ڈنڈے نہ مارے جائیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے سو ڈنڈے مارے، اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
اور امام مالک، ابوثور اور عطاء سے منقول ہے کہ صرف اسی پر تعزیر لگائی جائے جو بار بار جرم کا ارتکاب کرے، اور جس سے صرف ایک مرتبہ معصیت ہوئی اور اس معصیت پر حد نہیں ہے تو اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی۔
اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ تعزیر میں ڈنڈوں کی تعداد چالیس تک نہ پہنچے، اور ابنِ ابی لیلیٰ اور امام ابو یوسف سے منقول ہے: پینتیس سے زیادہ کوڑے نہ مارے جائیں۔ اور امام مالک اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اسی (۸۰) سے زیادہ کوڑے نہ لگائے جائیں۔

اس سوال کا جواب کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے سوا میں دس کوڑے سے زیادہ نہ مارے جائیں تو پھر تعزیر میں دس سے زیادہ کوڑے مارنے کا کیا محمل ہے؟

(۱) اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ تادیبات اور تنبیہات میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔
(۲) اور دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث میں دس سے زیادہ کوڑے مارنے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر دس سے زیادہ ڈنڈے مارے جائیں یا ہاتھ سے دس سے زیادہ مرتبہ مارا جائے تو یہ جائز ہے لیکن یہ بھی کم سے کم حد سے متجاوز نہ ہو اور یہ الاصطخری شافعی کی رائے ہے، اور گویا کہ علامہ اصطخری اس روایت پر مطلع نہیں ہوئے جس میں ضرب کا لفظ ہے یعنی دس سے زیادہ ضرب نہ لگائی جائے، سو وہ ڈنڈے کی ضرب کو اور ہاتھ کی ضرب کو بھی شامل ہے۔
(۳) یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کے منسوخ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے، اور اس جواب پر رد کیا گیا ہے کہ بعض تابعین نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے اور یہی اللیث بن سعد کا قول ہے جو شہر کے فقہاء میں سے ایک ہیں۔
(۴) یہ حدیث اس سے زیادہ قوی چیز کے معارض ہے اور وہ اس پر اجماع ہے کہ تعزیر امام کی رائے کی طرف مفوض ہے اور امام اپنی رائے سے اس میں تعداد کے علاوہ تشدید بھی کر سکتا ہے اور تخفیف بھی کر سکتا ہے، کیونکہ تعزیر لوگوں کو جرم سے باز رکھنے کے لیے مشروع ہوئی ہے، پس بعض لوگ صرف ڈانٹ ڈپٹ سے باز آ جاتے ہیں اور بعض لوگ وہ ضربِ شدید سے بھی باز نہیں آتے، پس اسی وجہ سے ہر ایک کی تعزیر اس کے حساب سے ہے۔
اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حد میں نہ اضافہ کیا جاتا ہے اور نہ کمی کی جاتی ہے، پس حد اور تعزیر دونوں مختلف ہیں اور یہ کہ تخفیف اور تشدید مسلّم ہے لیکن اس میں عدد کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اور اس سب کے ساتھ یہ امر ضروری ہے کہ حد اور تعزیر جمع نہیں ہوتیں۔
علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ، نے یہ نقل کیا ہے کہ جمہور فقہاء کا وہ قول ہے جس پر اس باب کی حدیث دلالت کرتی ہے یعنی تادیب اور تنبیہ میں دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔

اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ، نے اس کے برعکس لکھا ہے، اور وہی معتمد ہے، کیونکہ صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کہا۔

شارح بخاری علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے امام مالک کی طرف سے یہ عذر پیش کیا ہے کہ امام مالک کو یہ حدیث نہیں پہنچی، اس لیے وہ یہ کہتے تھے کہ سزا بقدر گناہ دینی چاہیے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر امام مالک کو یہ حدیث مل جاتی تو وہ اس حدیث سے عدول نہ کرتے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۴۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ عَمَّنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا عُقُوبَةَ فَوْقَ عَشْرِ ضَرَبَاتٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسلم بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن جابر نے ان سے روایت کر کے حدیث بیان کی جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے سوا میں دس ضربات سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۸، ۶۸۴۹، ۶۸۵۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۸، سنن ترمذی: ۱۴۶۳، سنن ابوداؤد: ۴۴۹۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۱، مسند احمد: ۱۵۴۰۵)

صحیح البخاری: ۶۸۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی حد کے سوا کسی سزا میں دس ضربات سے زیادہ مارنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے، یہ ابن بحر ابی حفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں فضیل بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ فضل کی تصغیر ہے، یہ ابن سلیمان النمیری البصری ہیں، یہ مسلم بن ابی مریم سے روایت کرتے ہیں اور وہ سلمی المدینی ہیں اور وہ عبدالرحمٰن بن جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا" یہ راوی مبہم ہے، لیکن صحابی کا ابہام مضر نہیں ہے جیسا کہ ہم نے عنقریب ذکر کیا ہے اور ابو حفص بن میسرہ نے ان کا نام ذکر کیا ہے، پس انہوں نے کہا از مسلم بن ابی مریم از عبدالرحمٰن بن جابر از والد خود، اور اس کی الاسماعیلی نے روایت کی ہے اور انہوں نے کہا: اس حدیث کی اسحاق بن راہویہ نے روایت کی ہے از امام

عبدالرزاق از ابن جریج از مسلم بن ابی مریم از عبدالرحمٰن بن جابر از رجل من الانصار، اور ''رجل من الانصار'' سے ہوسکتا ہے کہ ابو بردہ مراد ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے جابر بن عبداللہ مراد ہوں، کیونکہ ابو بردہ اور جابر بن عبداللہ دونوں انصاری ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۰- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ عِنْدَ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ إِذْ جَاءَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ فَحَدَّثَ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ جَابِرٍ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا بُرْدَةَ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ لَا تَجْلِدُوا فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی کہ بکیر نے ان کو حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: جس وقت میں سلیمان بن یسار کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو عبدالرحمٰن بن جابر آئے، پس انہوں نے سلیمان بن یسار سے حدیث بیان کی، پھر ہماری طرف سلیمان بن یسار متوجہ ہوئے، پس انہوں نے کہا کہ مجھے عبدالرحمٰن بن جابر نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد نے ان کو حدیث بیان کی کہ انہوں نے حضرت ابو بردہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے سوا میں دس چابک سے زیادہ نہ مارو۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۸، ۶۸۴۹، ۶۸۵۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۸، سنن ترمذی: ۱۴۶۳، سنن ابوداؤد: ۴۴۹۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۰۱، مسند احمد: ۱۵۴۰۵)

صحیح البخاری: ۶۸۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی تیسری سند ہے جس کو امام بخاری نے یحییٰ بن سلیمان الکوفی سے روایت کیا ہے، یہ مصر میں ٹھہرے تھے اور عبداللہ بن وہب سے روایت کرتے تھے، اور وہ عمرو بن الحارث بن بکیر بن عبداللہ بن الاشج سے روایت کرتے تھے۔ ان تینوں سندوں کے ساتھ اس حدیث کا معنی واحد ہے، البتہ اس کے الفاظ مختلف ہیں، پہلی روایت میں ''عشرۃ جلدات'' کا لفظ ہے جس کا معنی ہے دس کوڑے، یعنی دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں، اور دوسری حدیث میں ''عشرۃ ضربات'' کا لفظ ہے یعنی دس ڈنڈوں سے زیادہ نہ مارے جائیں، اور تیسری حدیث میں ''عشرۃ اسواط'' کا ذکر ہے، اس کا معنی ہے: دس چابک سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۱- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم عَنِ الْوِصَالِ فَقَالَ لَهُ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَإِنَّكَ يَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسلمہ نے حدیث بیان کی کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ

رَسُولَ اللهِ تُوَاصِلُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ رَأَوُا الْهِلَالَ فَقَالَ لَوْ تَأَخَّرَ لَزِدْتُكُمْ كَالْمُنَكِّلِ بِهِمْ حِينَ أَبَوْا تَابَعَهُ شُعَيْبٌ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَيُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

رسول اللہ ﷺ نے وصال سے منع فرمایا (یعنی بغیر افطار و سحر کے روزہ پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا)، پس آپ سے مسلمان مردوں نے کہا: بے شک یارسول اللہ! آپ بھی تو وصال کے روزے رکھتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون میری مثل ہے، میں رات اس حال میں گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور وہی مجھے پلاتا ہے، پس جب صحابہ نے وصال کے روزے چھوڑنے سے انکار کیا تو آپ نے صحابہ کے ساتھ ایک دن وصال کا روزہ رکھا پھر دوسرے دن روزہ رکھا، پھر مسلمانوں نے چاند کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: اگر چاند کا دکھائی دینا مؤخر ہوتا تو میں ضرور تم پر زیادہ وصال کے روزے رکھواتا، گویا کہ ان کو عبرت ناک سزا دینے کے لیے آپ نے فرمایا جب انہوں نے وصال کے روزوں سے رکنے سے انکار کیا تھا۔

اس حدیث میں عقیل کی متابعت شعیب اور یحییٰ بن سعید اور یونس نے کی ہے از زہری۔

اور عبدالرحمٰن بن خالد نے کہا از ابن شہاب از سعید از حضرت ابوہریرہ از نبی ﷺ۔

(صحیح البخاری: ۱۹۶۵، ۱۹۶۶، ۶۸۵۱، ۷۲۴۲، ۷۲۹۹، صحیح مسلم: ۱۱۰۳، مسند احمد: ۷۷۲۸، سنن دارمی: ۱۷۰۶)

صحیح البخاری: ۶۸۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے اخذ کی جا سکتی ہے ''کالمنکل بھم''، یعنی رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ان کو عبرت ناک سزا دینے کی مثل تھا، ان کی اس نافرمانی کی وجہ سے کہ انہوں نے آپ کے حکم سے وصال کے روزوں کو ترک نہیں کیا تھا۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی امرِ معنوی کے ساتھ انسان کو درد میں مبتلاء کر کے بھی تنبیہ، تادیب اور تعزیر دی جا سکتی ہے۔

اس حدیث کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عقیل بن خالد کا ذکر ہے اور یہ تصغیر کا صیغہ ہے اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کا ذکر ہے، اور اس وجہ سے یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عن الوصال" یعنی دو روزوں کو ملا کر رکھا جائے اور ان دو روزوں کے درمیان نہ افطار ہو اور نہ سحر ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال له رجال" یعنی مسلمانوں میں سے کئی مردوں نے کہا، اور ایک روایت میں ہے "رجل" یعنی کسی ایک مرد نے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انی ابیت" اس کا معنی ہے: میں رات گزارتا ہوں، اور اس سے مراد ہے مطلق وقت جو رات اور دن کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یطعمنی ربی ویسقینی" یعنی میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کھلانا اور پلانا حقیقت پر محمول ہے، بایں طور کہ اللہ تعالیٰ رمضان کی راتوں میں آپ کی کرامت کی وجہ سے آپ کو جنت کا طعام اور مشروب عطا فرماتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ معنی مراد ہے جو کھانے اور پینے کو لازم ہے یعنی قوت، اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی قوت عطا فرماتا ہے کہ وصال کے روزے رکھنے سے آپ کو کمزوری نہیں ہوتی۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مجاز مراد ہے، کیونکہ اگر آپ حقیقۃً دن میں کھالیں تو روزہ دار نہیں ہوں گے، اور اگر آپ رات میں کھالیں تو آپ وصال سے روزہ رکھنے والے نہیں ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما ابوا" یعنی جب صحابہ وصال کے روزے رکھنے سے باز نہیں آئے۔

صحابہ کرام کا وصال کے روزوں کو ترک نہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے تنزیہاً منع فرمایا ہے تحریماً منع نہیں فرمایا، اور آپ نے زیادہ بہتر کام کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ ان کے وصال کے روزے رکھنے پر اس لیے راضی ہوئے کیونکہ اس میں ان کو تاکیداً زجر و توبیخ کی مصلحت تھی اور اس فساد کو بیان کرنا تھا جو وصال کے روزے رکھنے پر مترتب ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لو تاخر" یعنی اگر عید کا چاند کئی دن تک دکھائی نہ دیتا تو میں وصال کے روزے پورے مہینہ رکھتا حتیٰ کہ تم پر اپنا عجز ظاہر ہو جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کالمنکل" یعنی آپ نے ان کو عبرت ناک تادیب دینے کے لیے ایسا فرمایا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زیادہ دنوں تک وصال کے روزے رکھ کر صحابہ کو تادیب اور تنبیہ کرنا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، امام بخاری نے جو اس حدیث کو یہاں وارد کیا ہے، اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال کے روزے رکھے جیسے ان کو عبرت ناک تادیب

کررہے ہوں۔

علامہ ابن بطال نے المہلب مالکی سے نقل کیا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تعزیر امام کی رائے کی طرف سپرد کی گئی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ مہینہ لمبا ہوتا تو میں زیادہ دن وصال کے روزے رکھتا“۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ امام چاہے تو اپنی صوابدید سے تعزیر میں اضافہ کرسکتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ المہلب نے کہا ہے لیکن یہ حدیث اس باب کی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث کے اندر تعزیر میں معین ضرب اور معین کوڑوں کا ذکر ہے، لہٰذا یہ کسی محسوس چیز کے ساتھ متعلق ہے، اور وصال کے روزوں کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے جو متروک ہے اور وہ مفطرات سے روکنا ہے یعنی اپنے آپ کو کھانے پینے سے روکنا ہے، اور اس میں جو درد ہے وہ بھوک اور پیاس کی طرف رجوع کرتا ہے، اور بھوک اور پیاس کی تاثیر مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جن لوگوں نے وصال کے روزے رکھے تھے ان کو وصال کے روزے رکھنے پر قدرت حاصل تھی، پس رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا اگر اس مہینہ کے دن زیادہ ہوتے تو میں اتنے دن وصال کے روزے رکھتا حتیٰ کہ ان لوگوں کا وصال کے روزوں سے عاجز ہونا ظاہر ہوجاتا اور یہی چیز ان کے لیے زجر و توبیخ میں موثر تھی، اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعزیر سے مراد ایسی تنبیہ ہے جس سے انسان باز آجائے، اور دس کوڑے مارنے یا دس ڈنڈے مارنے یا دس چابک مارنے سے اس کا حصول ممکن ہے، ہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو بھوک اور پیاس میں مبتلاء کرکے بھی تعزیر لگانا جائز ہے اور یہ امورِ معنویہ میں سے ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۲۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۵۲۔ حَدَّثَنِي عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِذَا اشْتَرَوْا طَعَامًا جِزَافًا أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ حَتَّى يُؤْوُوهُ إِلَى رِحَالِهِمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالاعلیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از الزہری از سالم از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں جب لوگ ناپ تول کے بغیر طعام خریدتے تو ان کو اس پر مارا جاتا تھا کہ وہ اس طعام کو اپنی جگہ پر فروخت کریں حتیٰ کہ اپنے گھروں میں اس طعام پر قبضہ کرلیں۔

(صحیح البخاری: ۲۱۲۳، ۲۱۳۱، ۲۱۳۷، ۲۱۶۶، ۲۱۶۷، ۶۸۵۲، صحیح مسلم: ۱۵۲۷، سنن نسائی: ۴۶۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۴۹۳، مسند احمد: ۵۸۸۸)

صحیح البخاری: ۶۸۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے ”رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگوں کو اس بات پر مارا جاتا تھا کہ وہ بغیر ناپ تول کے طعام خریدتے اور اس پر قبضہ کیے بغیر اس کو فروخت کردیتے اور ان کو اس لیے مارا جاتا کہ وہ حکمِ شرعی کی مخالفت کرتے“۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیاش بن الولید، یہ ابوالولید الرقام البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سالم، یہ ابنِ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "جزافا" یعنی کوئی سامان بغیر ناپ تول کے خرید لینا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی یؤوہ" یعنی وہ اس سامان کو اپنے گھروں میں لے آئیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ خریدار کے قبضہ کرنے سے پہلے کسی مبیع کو فروخت کرنا ممنوع ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حکمِ شرعی کی مخالفت کرنے والے کو تنبیہ اور تادیب

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جو شخص کسی حکمِ شرعی کی مخالفت کرے اور عقود فاسدہ کا ارتکاب کرے یعنی بیع فاسد کرے تو اس کو مارنا جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بازاروں میں محتسب کا قائم کرنا جائز ہے، اور جس ضرب کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ اس پر محمول ہے کہ جب کوئی شخص علم کے باوجود شرعی حکم کی مخالفت کرے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۲۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ يُؤْتَى إِلَيْهِ حَتَّى يُنْتَهَكَ مِنْ حُرُمَاتِ اللهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کسی اس چیز کا انتقام نہیں لیا جو آپ کے پاس لائی جائے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات میں سے کسی حرمت کو پامال کیا جائے، سو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۵۶۰، ۶۱۲۶، ۶۷۸۶، ۶۸۵۳، صحیح مسلم: ۲۳۲۷، سنن ابوداؤد: ۴۷۸۵، مسند احمد: ۲۵۷۳۰، موطا امام مالک: ۱۶۷۱)

صحیح البخاری: ۶۸۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی

حد کے پامال ہونے پر انتقام لیتے تھے یا ضرب لگاتے تھے یا قید کرتے تھے یا کوئی اور سزا دیتے تھے، اور یہ باب التعزیر اور تادیب میں داخل ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے جو عبداللہ بن المبارک سے روایت کرتے ہیں از یونس بن یزید از محمد بن مسلم الزہری از عروہ بن الزبیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الفضائل میں از حرملۃ از ابن وہب از یونس روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ماانتقم" یہ لفظ الانتقام سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: مبالغہ کے ساتھ سزا دینا، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کو کسی ایسے ناپسندیدہ کام پر سزا نہیں دی جس کو اس نے اپنی طرف سے کیا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ یُنتھك" یعنی شریعت نے جن کاموں کو حرام قرار دیا ہے ان کے ارتکاب میں مبالغہ کیا جائے، اور "انتھاك" کا معنی ہے: معصیت کا ارتکاب کرنا۔ اور یہاں کچھ عبارت محذوف ہے یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات میں سے کسی چیز کی بے حرمتی کی جائے، اور حرمات، حرمت کی جمع ہے جیسے ظلمات، ظلمت کی جمع ہے۔ اور حرمت اس کام کو کہتے ہیں جس کام کا کرنا جائز نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال پاکیزہ سیرت

یہ بہترین سیرت ہے، اور یہ اخلاص کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات کا انتقام نہیں لیتے تھے لیکن اپنے رب کے لیے انتقام لیتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ (النحل: ۱۲۵)

آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور احسن طریقہ کے ساتھ ان پر حجت قائم کیجئے، بے شک آپ کا رب ان کو بہت جاننے والا ہے جو اس کے راستے بھٹک گئے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جاننے والا ہے۔

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ تم کو گالی دے رہا ہو تو تم کو صبر کرنے اور برداشت کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نفس کے لیے انتقام نہیں لیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہمارے حق کی مثل نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہ تھا کہ کوئی کافر آپ کو برا کہتا تو آپ اس کو معاف فرما دیتے تھے۔

ہمارا حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو گالی دے تو اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور اس کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اس کا جسم مضطرب ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص اللہ کو گالی دے اور بتایا جائے کہ دیکھو یہ شخص اللہ کو گالی دے رہا ہے تو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، کیا یہ شخص اللہ کے لیے مخلص ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے مخلص نہیں ہے، کیونکہ اللہ کے لیے مخلص وہ شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ کے معاملہ پر اس سے زیادہ غیرت آئے جتنی غیرت اس کو اپنے معاملات پر آتی ہے، اور وہ یہ دیکھے کہ جب لوگ اللہ کی حرمتوں کو پامال کرتے ہیں تو اس کو اس سے کہیں زیادہ غم وغصہ آئے جتنا اس کی عزت اور حرمت کے پامال کرنے پر غصہ آتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، آپ اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی حرمات کو پامال کیا جائے تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے تھے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے خلق اور ایسے وصف کے ساتھ متخلق اور متصف کردے، کیونکہ اس خُلق کو حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۰۔۲۳۱، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

حدیثِ مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لینا ایسی ایذاء پر محمول ہے جو کفر نہ ہو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے'' اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ اکثر احوال میں آپ اپنی ذات کا انتقام نہیں لیتے تھے، کیونکہ آپ نے ابنِ خطل کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان دو باندیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرتی تھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ جب آپ کو ایسی ایذاء دی جائے جس میں سب وشتم کفر تک نہ پہنچتا ہو مثلاً آپ کو مالی ایذاء دی جائے یا آپ کی آواز کے اوپر آواز بلند کی جائے یا جیسے ایک اعرابی نے آپ کی چادر کو پکڑ کر کھینچا تھا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کا باہم مشورہ کر کے آپ کی مخالفت پر متفق ہونا، تو ایسے امور میں آپ اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیتے تھے، لیکن آپ کو سب وشتم کر کے آپ کو ایذاء پہنچائے تو یہ کفر ہے اور اس میں آپ انتقام لیتے تھے۔

حدیثِ مذکور کے فوائد

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مرد کو چاہیے کہ دنیا اور آخرت میں جو امور مشکل ہیں ان کو ترک کردے، اور جب وہ بے چین اور بے قرار نہ ہو تو ان کے متعلق مطالبہ بھی نہ کرے اور آسانی کی طرف میلان کرے۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول نے اور علماء نے جو رخصتیں دی ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے جب تک کہ کوئی قول ظاہر خطاء نہ ہو۔

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عالم کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے حق کو معاف کردے اور شارع علیہ السلام کی سنت پر عمل کرے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم پر لازم ہے کہ جب اس کے سامنے غلط اور ناجائز کام کیا جائے تو وہ اس پر ناراض ہو، اور

اس میں تبدیلی کرے۔ اور انسان کو چاہیے کہ اپنے نفس کے لیے اموال کا تقاضا نہ کرے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۰ ص ۱۴۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۴۴۔ بَابٌ: مَنْ أَظْهَرَ الْفَاحِشَةَ وَاللَّطْخَ وَالتُّهَمَةَ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ — جس نے بغیر گواہی کے بے حیائی، شرانگیزی اور تہمت کو بیان کیا (اس کو سزا دینے کا بیان)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے بغیر گواہی یا اقرار کے محض قرائن سے کسی کی بے حیائی اور اس کی شرانگیزی کو بیان کیا تو اس کو سزا دینے کا کیا حکم ہے۔ "اللطخ" کا معنی ہے: شر کو پھیلانا یعنی شرانگیزی کرنا۔ اور تہمت کا معنی ہے: کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ شَهِدْتُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَرَّقَ بَيْنَهُمَا فَقَالَ زَوْجُهَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا إِنْ أَمْسَكْتُهَا قَالَ فَحَفِظْتُ ذَاكَ مِنَ الزُّهْرِيِّ إِنْ جَاءَتْ بِهِ كَذَا وَكَذَا فَهُوَ وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ كَذَا وَكَذَا كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ فَهُوَ وَسَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ يَقُولُ جَاءَتْ بِهِ لِلَّذِي يُكْرَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ الزہری نے کہا: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں دو لعان کرنے والوں پر حاضر تھا اور اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی تھی، پس اس عورت کے شوہر نے کہا: اگر میں نے اس عورت کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا تو پھر میں اس پر تہمت لگانے میں جھوٹا ہوں گا، راوی نے کہا: میں نے زہری سے یہ محفوظ رکھا ہے کہ اگر وہ عورت ایسا اور ایسا بچہ لے کر آئی تو مرد صادق ہے، اور اگر وہ ایسا اور ایسا بچہ لے کر آئی جو چھپکلی کی مثل ہو تو وہ مرد جھوٹا ہے، اور میں نے زہری سے سنا وہ کہہ رہے تھے: وہ عورت ایسے بچہ کو لے کر آئی جو ناپسندیدہ تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

صحیح البخاری: ۶۸۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں ایک بے حیائی کے کام کا اظہار ہے اور شر انگیزی ہے اور اس پر کسی گواہ کا ذکر نہیں ہے اور نہ اقرار کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، اور وہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور وہ ابن عبداللہ بن المدینی ہیں اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں ان کے والد عبداللہ کا ذکر ہے، اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطلاق میں از اسماعیل بن عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے اور عنقریب اس کا ذکر کتاب الاعتصام اور احکام میں آئے گا اور اس کی شرح کتاب الطلاق میں ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا ابن خمس عشرة" یعنی اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ جس وقت انہوں نے لعان کا مشاہدہ کیا تو اس وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فحفظت ذالك" یعنی اس حدیث میں جو بعد میں ذکر کیا گیا ہے میں نے اس کو یاد رکھا، اور اس حدیث میں بعد میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر اس عورت نے ایسے بچہ کو جنا جس کی آنکھیں سیاہ ہوں اور اس کی سرین بھاری ہو، تو میں یہی گمان کرایا گیا ہوں کہ مرد اس عورت پر تہمت لگانے میں صادق ہے۔ اور اگر اس نے ایسے بچہ کو جنا جو سرخ رنگ کا ہو اور ٹھنگنا ہو گویا کہ وہ چھپکلی کی طرح ہے، تو میں یہی گمان کرایا گیا ہوں کہ عورت سچی ہے اور مرد نے اس پر جھوٹ باندھا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وحرة" یہ چھپکلی کی مثل پیروں سے چلنے والا ایک جانور ہے، دوسرا قول ہے کہ وہ سرخ رنگ کا چلنے والا ایک جانور ہے جو زمین سے چمٹا رہتا ہے، اور القزاز نے کہا: یہ چھپکلی کی مثل ہے اور یہ کھانے میں گرتا ہے اس کو فاسد کر دیتا ہے، اس کو "وحرا" کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۹۔ ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ ذَكَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ هِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا امْرَأَةً عَنْ غَيْرِ بَيِّنَةٍ قَالَ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ أَعْلَنَتْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از القاسم بن محمد، انہوں نے بیان کیا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دو لعان کرنے والوں کا ذکر کیا، پس حضرت عبداللہ بن شداد نے کہا: یہ وہ عورت ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اگر میں کسی عورت کو بغیر گواہی کے رجم کرتا (تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں، یہ وہ

عورت ہے جو برے کام علانیہ کرتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۰، ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ: ۲۵۶۰، احمد: ۲۰۹۶)

صحیح البخاری: ۶۸۵۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ "اگر میں کسی عورت کو بغیر گواہ کے رجم کرتا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں القاسم بن محمد کا ذکر ہے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابوبکر کے بیٹے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ذکر ہے عبداللہ بن شداد، یہ ابن الہاد اللیثی ہیں، اور یہ حدیث کتاب اللعان میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما ذُكِرَ التَّلَاعُنُ عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذٰلِكَ قَوْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ وَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ يَشْكُو أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ أَهْلِهِ رَجُلًا فَقَالَ عَاصِمٌ مَا ابْتُلِيتُ بِهٰذَا إِلَّا لِقَوْلِي فَذَهَبَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ وَكَانَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا قَلِيلَ اللَّحْمِ سَبِطَ الشَّعَرِ وَكَانَ الَّذِي ادَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَ أَهْلِهِ آدَمَ خَدِلًا كَثِيرَ اللَّحْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰهُمَّ بَيِّنْ فَوَضَعَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَهَا فَلَاعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَهُمَا فَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ هِيَ الَّتِي قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ رَجَمْتُ هٰذِهِ فَقَالَ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ فِي الْإِسْلَامِ السُّوءَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن القاسم از القاسم بن محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کرنے کا ذکر کیا گیا تو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق ایک بات کہی، پھر واپس چلے گئے، پھر ان کی قوم میں سے ایک مرد آیا جس نے یہ شکایت کی کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں صرف اپنی بات کی وجہ سے اس معاملہ میں مبتلا ہوا ہوں، پھر ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جایا گیا، تو انہوں نے اس شخص کی خبر دی جس کو انہوں نے اپنی بیوی کے پاس پایا، اور گویا کہ وہ مرد زرد رنگ کا تھا اور اس کے جسم پر گوشت کم تھا اور اس کے بال سیدھے تھے، اور جس شخص کے متعلق حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اس کو اپنی بیوی کے ساتھ پایا ہے وہ گندمی رنگ کا تھا اور اس کی پنڈلیاں پُر گوشت تھیں، اور اس کے جسم پر گوشت زیادہ تھا، پس

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اے اللہ! بیان فرما! پھر اس عورت کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس مرد کے مشابہ تھا جس کے متعلق اس عورت کے شوہر نے بتایا تھا کہ انہوں نے اس مرد کو اس عورت کے پاس پایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا، پس ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مجلس میں کہا: یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی ایک کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں، یہ وہ عورت تھی جو اسلام لانے کے بعد برے کام علانیہ کرتی تھی۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۰، ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ: ۲۵۶۰، احمد: ۲۰۹۶)

صحیح البخاری: ۶۸۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی دوسری سند ہے اور یہ حدیث کتاب اللعان میں بھی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے حضرت عاصم بن عدی، یہ ابن الجد بن عجلان العجلانی ہیں، پھر البلوی ہیں، یہ غزوہ بدر میں، غزوہ احد میں، غزوہ خندق میں اور تمام مشاہد میں حاضر تھے، ایک قول یہ ہے کہ یہ بدر میں حاضر نہیں تھے اور ۴۵ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کی عمر تقریباً ایک سو بیس سال تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاتاہ رجل" یعنی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد آئے اور ان کا نام عُویمر تھا جو عامر کی تصغیر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من قومہ" یعنی یہ حضرت عاصم بن عدی کی قوم میں سے تھے اور یہ دوسرے عجلانی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فذھب بہ" پس حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اس مرد کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے جس کا ذکر کیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مصفرا سبط الشعر" یعنی اس شخص کا رنگ زرد تھا اور اس کے بال سیدھے تھے، یعنی اس کے بال گھونگھریالے نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آدم" آدم کا لفظ اُدمہ سے ماخوذ ہے اور یہ گندم کو کہتے ہیں، اور کہا گیا ہے کہ یہ زمین کا رنگ ہے، اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو آدم کہتے ہیں کیونکہ ان کا رنگ زمین کے رنگ کی مثل تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خدلا" جس کی پنڈلیاں بھری ہوئی اور موٹی ہوں، ابن فارس نے کہا: "امرأة خدلة" کہا جاتا

ہے یعنی اس کے تمام اعضاء بھرے بھرے ہوں اور اس کی ہڈیاں پتلی ہوں۔ علامہ جوہری نے کہا: ''الخدلآء'' کا معنی ہے: جس کی پنڈلیاں اور کلائیاں بھری بھری ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقال رجل لابن عباس'' اس مرد سے مراد ہے حضرت عبداللہ بن شداد جن کا پہلی حدیث میں ذکر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''کانت تظھر فی الاسلام السوء'' علامہ نووی نے کہا ہے: اس عورت کے متعلق یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ برے کام کرتی ہے، لیکن اس پر اس کے خلاف گواہ نہیں قائم تھے اور نہ اس عورت نے اعتراف کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے متعلق کسی برے کام کی شہرت ہو جائے تو اس سے اس کے اوپر حد واجب نہیں ہوتی۔

علامہ المہلب نے کہا ہے: حد کسی شخص پر گواہی سے قائم ہوتی ہے یا اس کے اقرار سے، خواہ وہ بے حیائی کے کاموں میں مشہور ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۰۔۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغیر گواہی یا اقرار کے حد قائم کرنے کا عدم جواز

یہ حدیث اس بات میں اصل ہے کہ کسی شخص پر بغیر گواہی کے حد نہ قائم کی جائے خواہ بے حیائی کے کاموں کی اس پر تہمت ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والی عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچہ کی علامت بیان فرمائی تھی اور اس عورت سے ایسا ہی بچہ پیدا ہوا، اور جس کے ساتھ اس عورت کو تہمت لگائی گئی تھی وہ بچہ اس کے مشابہ بھی تھا، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد نہیں قائم کی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف ہے، پس اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے اور بغیر یقینی دلیل کے نہ کسی کا مال ضبط کرنا جائز ہے اور نہ کسی کو قتل کرنا جائز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے بندوں پر ستر کیا جائے اور ان کا پردہ رکھا جائے اور ان پر نرمی کی ہے تاکہ وہ توبہ کریں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۶، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لعان کی تعریف اور اس کا حکم

لعان، ''لاعن یلاعن'' کا مصدر ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے العیاذ باللہ، پس وہ یہ کہے کہ میری بیوی نے زنا کیا، اور غالب یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی پر اس وقت تہمت لگاتا ہے جب وہ صادق ہوتا ہے، کیونکہ اس تہمت سے وہ اپنے بستر کو فاسد قرار دیتا ہے، پس شوہر سے اس تہمت کا وقوع اسی وقت ہوگا جب وہ اس تہمت میں صادق ہو، اور اب یا تو شوہر گواہ قائم کرے یا عورت زنا کا اعتراف کرے، پس اگر شوہر گواہ قائم کر دے یا عورت اقرار کر دے تو عورت کے اوپر حد واجب ہو

جائے گی، اور اگر شوہر گواہ قائم نہ کرے اور عورت اقرار نہ کرے تو پھر واجب ہے کہ شوہر کے اوپر اسّی (۸۰) کوڑے مارے جائیں کیونکہ اس نے پاک دامن عورت پر تہمت لگائی ہے، سوا اس صورت کے کہ مرد اپنی بیوی سے لعان کرنے کو اختیار کرلے، پھر جب مرد اور عورت آپس میں لعان کرلیں یعنی مرد چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ میری اس بیوی نے زنا کیا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو، اور عورت بھی چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ مرد سچوں میں سے ہو تو اس عورت پر اللہ کا غضب ہو۔

(۱) اور جب وہ باہم لعان کرلیں تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، پس وہ عورت اس مرد پر کبھی بھی حلال نہیں ہوگی اور اس پر دائماً حرام ہوگی اور مرد اس عورت کے لیے حرام نہیں ہوگا۔

(۲) لعان کرنے کے بعد شوہر سے حدِ قذف ساقط ہو جائے گی۔

(۳) اسی طرح عورت کے لعان کرنے کے بعد اس سے زنا کی حد ساقط ہو جائے گی۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ اب بچہ جو پیدا ہوگا وہ شوہر کا قرار دیا جائے گا یا اس عورت کا جس پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا کیونکہ وہ اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے جب تک کہ وہ اپنی ذات سے اس بچہ کے نسب کی نفی نہیں کرتا، اور اگر اس نے یہ کہا کہ یہ حمل مجھ سے نہیں ہے تو پھر نسب منتفی ہو جائے گا اور پھر وہ بچہ اس کا نہیں ہوگا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۴۵۔ باب: رَمْيِ الْمُحْصَنَاتِ

پاک دامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگانے کا بیان

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور: ۴۔۵)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کرسکیں تو تم ان کو اسّی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو، اور یہی لوگ فاسق ہیں ○ سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں، تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ○

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ (النور: ۲۳)

بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ○

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والوں کا حکم بیان کیا گیا ہے، المحصنٰت سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں اور یہ بیویوں کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

اس باب میں امام بخاری نے دو آیتوں کا ذکر کیا ہے، پہلی آیت تہمت لگانے کی حد کے حکم کے بیان میں ہے، یعنی وہ تہمت

لگانے والے پر اسّی (۸۰) کوڑے مارنا ہے، اور تہمت لگانے والوں کو فاسق قرار دیا گیا اور دوسری آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا گناہِ کبیرہ ہے۔

اس آیت میں پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے کا حکم بیان فرمایا ہے، اور اگر عورتیں پاک دامن مردوں کے اوپر زنا کی تہمت لگائیں تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہے یعنی وہ بھی اسّی (۸۰) کوڑے مارے جانے کی مستحق ہوں گی، یہ حکم قیاس اور استدلال سے ثابت ہے۔ اور جس عورت نے کسی آزاد پاک دامن مومن مرد پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر بھی اسّی کوڑے مارنے کی حد واجب ہوگی جیسا کہ کوئی مرد کسی آزاد پاک دامن مومنہ عورت پر زنا کی تہمت لگائے۔ اور غلاموں پر تہمت لگانے کے حکم میں اختلاف ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی از ثور بن زید از ابی الغیث از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اور جادو کرنا، اور اس جان کو قتل کرنا جس کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے حق کے سوا حرام قرار دیا ہے، اور سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا، اور میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیرنا، اور پاک دامن مومن غافل عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۶۶، ۵۷۶۴، ۶۸۵۷، صحیح مسلم: ۸۹، سنن نسائی: ۳۶۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۷۴)

صحیح البخاری: ۶۸۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیثِ مذکور کے آخری جملہ میں ہے جس میں پاک دامن مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے کو ہلاک کرنے والا گناہِ کبیرہ قرار فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد العزیز بن عبد اللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدینی ہیں، اور یہ امام بخاری کے تفردات میں سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سلیمان، یہ ابنِ بلال ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ثور بن زید، یہ المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الغیث، ان کا نام سلام مولیٰ ابن مطیع ہے۔

یہ حدیث کتاب الوصایا اور کتاب الطب میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی آ چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الموبقات" اس کا معنی ہے "المهلكات" اور علامہ المہلب نے کہا: ان کاموں کو المهلكات اس لیے فرمایا ہے کہ ان کاموں کا مرتکب اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کا سبب ہوتا ہے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں پر گرفت کرے تو ان کاموں کے مرتکب کو دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا، العیاذ باللہ۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گناہِ کبیرہ کی مختلف تعریفات

بعض علماء نے گناہِ کبیرہ کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ وہ گناہ ہے جس پر حد واجب ہے، لیکن یہ تعریف صحیح نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں جن چیزوں کو گناہِ کبیرہ میں سے شمار کیا گیا ہے ان میں سے اکثر پر حد واجب نہیں ہے مثلاً سود کھانے پر حد واجب نہیں ہے، یتیم کا مال کھانے پر حد واجب نہیں ہے، میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیرنے پر حد واجب نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے علماء نے یہ تعریف کی ہے کہ جس کام پر کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وعید ہو، وہ کام گناہِ کبیرہ ہے۔

اور الماوردی نے "الحاوی" میں گناہِ کبیرہ کی یہ تعریف کی ہے کہ جس پر حد واجب ہو یا اس پر وعید ہو، گویا انہوں نے کبیرہ کی دو قسمیں کر دیں، ایک قسم وہ ہے جس پر حد واجب ہو اور دوسری قسم وہ ہے جس پر وعید ہو۔

اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں تصریح ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور جھوٹی قسم کھانا گناہِ کبیرہ ہے، اور جھوٹی گواہی دینا گناہِ کبیرہ ہے، اور ان میں سے کسی پر حد واجب نہیں ہے۔

علامہ رافعی نے لکھا ہے: جس نے زنا کیا، یا لواطت کی، یا خمر کو پیا، یا کسی کا مال غصب کیا، یا چوری کی، یا ناحق قتل کیا، تو یہ گناہِ کبیرہ ہے اور اس کی شہادت رد کر دی جائے گی خواہ اس نے ان کاموں کو ایک مرتبہ کیا ہو۔

علامہ ابن عبد السلام نے کہا: میں کبیرہ کی ایسی منضبط تعریف پر واقف نہیں ہو سکا جو اعتراض سے سالم ہو۔ اور بعض علماء نے یہ کہا ہے: ہر وہ گناہ جس کے ساتھ وعید مقرون ہو یا لعنت مقرون ہو۔

اور علامہ ابن الصلاح نے کہا ہے: گناہِ کبیرہ کی علامات ہیں، ان میں سے ایک علامت حد کا واجب ہونا ہے، دوسری علامت اس پر دوزخ کے عذاب کی وعید ہے خواہ کتاب میں ہو یا سنت میں ہو، اور اس کی علامت یہ ہے کہ کبیرہ کا مرتکب فسق کے ساتھ متصف ہوتا ہے یعنی اس کو فاسق کہا جاتا ہے، اور کبیرہ پر لعنت کی جاتی ہے۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کبائر ہر وہ گناہ ہیں جو اس کے مرتکب کو دوزخ میں داخل کر دیں۔

اور بہترین تعریف علامہ قرطبی کی ہے جو انہوں نے المفہم میں کی ہے کہ ہر وہ گناہ جس کے اوپر کتاب یا سنت یا اجماع علماء کی تصریح ہو کہ یہ گناہِ کبیرہ ہے یا عظیم گناہ ہے یا اس میں شدید عذاب کی خبر دی ہو یا اس پر حد کو موقوف کیا ہو یا اس کی بہت شدید مذمت کی ہو تو وہ گناہِ کبیرہ ہے۔

اس بناء پر یہ تلاش کرنا چاہیے کہ کن کاموں پر گناہوں کی وعید ہے یا کن کاموں پر لعنت ہے یا کن کاموں کو قرآن یا احادیث صحیحہ میں یا احادیثِ حسنہ میں فسق قرار دیا ہے۔

اور علامہ الحلیمی نے المنہاج میں کہا ہے: ہر گناہ صغیرہ بھی ہوتا ہے اور کبیرہ بھی ہوتا ہے، اور کبھی صغیرہ کسی قرینہ سے کبیرہ ہو جاتا ہے، اور کبیرہ کسی قرینہ سے فاحشہ ہو جاتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کے، کیونکہ وہ سب سے زیادہ فحش کبیرہ ہے، اور اس کی نوع میں کوئی صغیرہ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس کے باوجود وہ کبیرہ فاحش اور افحش کی طرف منقسم ہوتا ہے، پھر علامہ حلیمی نے اس کی مثالیں دی ہیں، انہوں نے کہا: کسی جان کو ناحق قتل کرنا گناہِ کبیرہ ہے، لیکن اگر اس نے اپنے اصول میں سے کسی کو قتل کیا مثلاً ماں باپ کو، یا اپنی فروع میں سے کسی کو قتل کیا مثلاً اپنی اولاد کو، یا کسی ذی رحم رشتہ دار کو قتل کیا، یا کسی کو حرم میں قتل کیا، یا کسی کو حرمت والے مہینوں میں قتل کیا، تو پھر یہ کبیرہ فاحشہ ہیں۔

اسی طرح زنا گناہِ کبیرہ ہے، پس اگر پڑوسی کی بیوی سے زنا کیا، یا ذی رحم محرم سے زنا کیا، یا رمضان کے مہینہ میں زنا کیا، یا حرم میں زنا کیا تو یہ کبیرہ فاحشہ ہیں۔

اسی طرح خمر کو پینا گناہِ کبیرہ ہے، پس اگر رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت خمر کو پیا، یا حرم میں خمر کو پیا، یا علانیہ خمر کو پیا تو یہ فاحشہ ہے۔

اسی طرح اجنبی عورت کے ساتھ بوس و کنار گناہِ صغیرہ ہے، لیکن اگر باپ کی بیوی کے ساتھ بوس و کنار کیا ہو، یا اپنے بیٹے کی بیوی کے ساتھ بوس و کنار کیا ہو، یا ذی رحم محرم کے ساتھ بوس و کنار کیا ہو تو یہ گناہِ کبیرہ ہے۔

اور اسی طرح نصاب سے کم مال کو چرانا گناہِ صغیرہ ہے، اور اگر نصاب کے مطابق مال کو چرایا تو گناہِ کبیرہ ہے۔ علامہ حلیمی نے اس طرح کی بہت مثالیں دی ہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بعض محققین نے کہا ہے کہ واجب کا ترک اور مکروہِ تحریمی کا ارتکاب گناہِ صغیرہ ہے اور فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہِ کبیرہ ہے، پھر گناہِ کبیرہ کے دو درجات ہیں جن کا علامہ حلیمی نے ذکر کیا ہے۔

۴۶- بَابُ: قَذْفِ الْعَبِيْدِ

غلام کو تہمت لگانے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں غلام کو تہمت لگانے کا بیان ہے، اور اس میں اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل کا ذکر نہیں کیا گیا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

العبید سے مراد ہے الارقاء، اور غلام کو لفظ عبید کے ساتھ تعبیر کیا ہے تاکہ حدیث کے لفظ کی اتباع ہو، اور اس میں باندی اور غلام دونوں کا حکم برابر ہے، اور اس عنوان میں اضافت مفعول کے لیے ہے، جیسا کہ باب کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فاعل کی طرف اضافت مراد ہو اور اس میں حکم یہ ہے کہ جب غلام کسی پر تہمت لگائے تو اس کو اس سزا کی نصف ملے گی جو آزاد کو سزا دی جاتی ہے خواہ وہ مذکر ہو یا مونث، اور یہ جمہور کا قول ہے۔ اور عمر بن عبد العزیز اور زہری اور ایک قلیل جماعت اور الاوزاعی اور اہل الظاہر سے منقول ہے کہ اس کی حد اسی کوڑے ہے، اور ابن حزم نے ان کی مخالفت کی اور جمہور کے موافق قول کیا۔

(فتح الباری ج ۷ ص ۹۲۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس عبارت پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ قذف العبید میں اضافت مفعول کی طرف ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اگرچہ اس میں وہ بھی احتمال ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ غلاموں کو عبید کے لفظ سے حدیث میں تعبیر کیا ہے، اس میں حدیث کی اتباع ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ لفظ حدیث میں مملوکہ کا لفظ ہے، اور اس میں لفظ کے اعتبار سے اتباع نہیں ہے اگرچہ مملوک کے لفظ کا اطلاق عبد پر بھی کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

علامہ عینی کا یہ اعتراض تحصیل حاصل کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہی مدد طلب کی گئی ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۵۲، مکتبۃ الرشد، ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی پر اعتراض قوی ہے، اور یہاں پر حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دے سکے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۸۵۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ غَزْوَانَ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيءٌ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از فضیل بن غزوان از ابن ابی نعم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اپنے غلام پر تہمت لگائی اور وہ غلام اس کی تہمت سے بری تھا تو اس کے مالک پر قیامت کے دن

کوڑے لگائے جائیں گے سوا اس صورت کے کہ وہ غلام اسی طرح ہو جس طرح اس پر تہمت لگائی ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۶۶۰، سنن ترمذی: ۱۹۴۷، سنن ابوداؤد: ۵۱۶۵، مسند احمد: ۹۲۸۳)

صحیح البخاری: ۶۸۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ لفظِ مملوک کا عبد یعنی غلام پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں فُضیل کا ذکر ہے جو فضل کی تصغیر ہے یہ ابن غزوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی نُعم کا ذکر ہے، ان کا نام عبدالرحمٰن البجلی الکوفی ہے اور ابونُعم کے نام پر میں واقف نہیں ہو سکا۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان والنذور میں از ابی بکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کی کتاب الادب میں از ابراہیم بن موسیٰ روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب البر والصلہ میں از احمد بن محمد روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الرجم میں از سوید بن نصر روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "میں نے ابوالقاسم سے سنا" اور الاسماعیلی کی روایت میں ہے: ہمیں ابوالقاسم نے حدیث بیان کی جو نبی التوبہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مَن قذف مملوکه" اور اسماعیلی کی روایت میں مذکور ہے "جس نے اپنے غلام پر کسی چیز کی تہمت لگائی"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جُلِدَ یوم القیامة" اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ جب مالک نے اپنے غلام پر کوئی تہمت لگائی اور غلام اس تہمت سے بری تھا اور قیامت کے دن اس پر کوڑے لگائے جائیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں اس کی کوئی سزا نہیں ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جب آزاد کسی غلام پر کوئی تہمت لگائے تو اس آزاد پر کوئی حد نہیں ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے "اسے قیامت کے دن حد لگائی جائے گی" پس اگر اس پر دنیا میں کوئی حد واجب ہوتی تو اس کا بھی اسی طرح ذکر کیا جاتا جس طرح آخرت کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔

اور امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ کسی شخص نے کسی پر تہمت لگائی اور اس کا یہ گمان تھا کہ وہ غلام ہے، پھر اچانک وہ آزاد

تھا تو اس پر حد ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اُمّ الوَلَد پر تہمت لگانے والے کے متعلق اختلاف ہے کہ اس پر حد واجب ہے یا نہیں؟ پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر حد ہے اور یہی امام مالک کا قول ہے، اور یہی امام شافعی کے قول کا قیاس ہے۔ اور حسن بصری سے مروی ہے کہ اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اپنے غلام پر تہمت لگانے کے متعلق ایک اور روایت

امام نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: جس نے اپنے مملوک پر تہمت لگائی تو اللہ کے لیے اس کی پشت میں قیامت کے دن حد ہے اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ اس پر وہ حد قائم کرے اور اگر چاہے تو معاف فرمائے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے لکھا ہے: اس پر اجماع ہے کہ جب کوئی آزاد شخص کسی غلام پر تہمت لگائے تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی، اور یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر مالک پر واجب ہو کہ وہ اس پر حد لگائے جو اس کے غلام کے اوپر دنیا میں تہمت لگائے تو اس کا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر فرماتے جیسا کہ آپ نے آخرت میں حد کا ذکر فرمایا ہے، اور آپ نے اس سزا کو آخرت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اس میں آزاد لوگوں کو غلاموں سے ممتاز کیا ہے، آخرت میں اس لیے کہ آخرت میں مالکوں کی غلاموں پر ملکیت نہیں رہے گی اور ان کی ملکیت زائل ہو جائے گی اور وہ سب حدود میں برابر ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک قصاص لے گا سوا اس کے کہ وہ معاف کر دے اور اس دن تقویٰ کے سوا اور کسی اعتبار سے فضیلت نہیں ہوگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

علامہ المہلب نے یہاں پر اجماع کو جو نقل کیا ہے، اس پر اعتراض ہے، کیونکہ امام عبدالرزاق نے از معمر از ایوب از نافع یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا کہ کوئی شخص دوسرے کی ام ولد پر تہمت لگائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس پر حد لگائی جائے گی اور اس حدیث کی سند صحیح ہے، اور اسی کے مطابق حسن بصری اور اہل الظاہر نے کہا ہے۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا کہ جس شخص نے ام ولد پر تہمت لگائی اس کے متعلق اختلاف ہے، امام مالک اور ایک جماعت نے کہا کہ اس پر حد واجب ہے اور یہی امام شافعی کے قول کا قیاس ہے مالک کی موت کے بعد، اسی طرح ہر وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ ام ولد آزاد کر دی جائے گی تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ مالک کی موت کے بعد آزاد کر دی جائے گی۔ اور حسن بصری سے منقول ہے کہ وہ ام ولد پر تہمت لگانے والے پر حد کو جائز نہیں کہتے تھے اور امام مالک اور امام شافعی نے کہا: جس نے کسی آزاد شخص پر تہمت لگائی اور اس کا یہ گمان تھا کہ وہ غلام ہے تو اس پر حد واجب ہوگی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۹۲۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۷- بَابٌ: هَلْ يَأْمُرُ الْإِمَامُ رَجُلًا فَيَضْرِبُ الْحَدَّ غَائِبًا عَنْهُ؟

کیا امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مرد کو یہ حکم دے کہ وہ کسی غائب شخص کے اوپر حد لگائے؟

وَقَدْ فَعَلَهُ عُمَرُ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کیا امام ایسا کرسکتا ہے کہ کسی مرد کو حد مارنے کا حکم دے اور وہ مرد وہاں سے غائب ہو اور اس عنوان کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک مرد کے اوپر حد واجب ہو اور وہ امام سے غائب ہو تو کیا امام کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی مرد سے کہے کہ تم فلاں کی طرف جاؤ جو غائب ہے اور اس پر حد کو قائم کرو۔ اور اس سوال کا جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ ہاں امام کے لیے ایسا جائز ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس باب کی تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طرح کیا ہے، اور یہ صرف الکشمیھنی کی روایت میں ثابت ہے اور اس اثر کی امام سعید بن منصور نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے عامل کی طرف لکھا کہ اگر وہ دوبارہ ایسا کرے تو اس پر حد جاری کرو۔ اور اس میں ایک طویل قصہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۵۹، ۶۸۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَا جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ أَنْشُدُكَ اللهَ إِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ فَقَامَ خَصْمُهُ وَكَانَ أَفْقَهَ مِنْهُ فَقَالَ صَدَقَ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ وَأْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قُلْ فَقَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا فِي أَهْلِ هَذَا فَزَنَى بِامْرَأَتِهِ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَخَادِمٍ وَإِنِّي سَأَلْتُ رِجَالًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا الرَّجْمَ فَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ الْمِائَةُ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَيَا أُنَيْسُ اغْدُ عَلَى امْرَأَةِ هَذَا فَسَلْهَا فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ از حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہما، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کریں، تو اس کا فریقِ مخالف کھڑا ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ سمجھدار تھا، اس نے کہا: اس نے سچ کہا، آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ فرمائیں، اور یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیں (کہ میں بات کروں)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بات کرو، تو اس نے کہا: میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا، اس نے اس شخص کی بیوی سے زنا کیا تو میں نے اس کی طرف سے ایک سو بکریاں اور ایک خادم فدیہ میں دے دیے، اور میں نے اہل علم میں سے مردوں سے سوال کیا تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ میرے بیٹے پر ایک سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے

شہر بدر کیا جائے گا، اور بے شک اس شخص کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، تو آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں ضرور تم دونوں کے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور خادم تم کو واپس دیے جائیں گے، اور تمہارے بیٹے پر سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا جائے گا، اور اے اُنیس! تم صبح کو اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ اور اس سے سوال کرو، پس اگر وہ اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دینا، پس اس عورت نے اعتراف کر لیا تو انہوں نے اس کو رجم کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۱۴، ۲۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۶۹۸، سنن ترمذی: ۱۴۳۳، سنن نسائی: ۵۴۱۱، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۵۴۹، مسند احمد: ۱۶۵۹۴، موطا امام مالک: ۱۵۵۶، سنن دارمی: ۲۳۱۷)

صحیح البخاری: ۶۸۵۹۔ ۶۸۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیثِ مذکور کے اس جملہ میں ہے "اے اُنیس! اس عورت کے پاس صبح کو جاؤ اور اس سے سوال کرو، اگر وہ زنا کا اعتراف کر لے تو اس کو رجم کر دو"۔ پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام اور سربراہِ مملکت کسی دوسرے کو رجم کرنے پر مامور کر سکتا ہے۔

یہ حدیث متعدد مرتبہ گزر چکی ہے اور آخری مرتبہ اس باب میں گزری تھی کہ "جب کوئی شخص حاکم کے سامنے اپنی بیوی پر یا دوسرے کی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے" اور اس کی شرح کئی مرتبہ ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انشدك باللہ" یعنی میں آپ سے صرف اس فیصلہ کا مطالبہ کرتا ہوں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وائذن لی" یہ اس مرد کا کلام ہے نہ کہ اس کے فریقِ مخالف کا، یعنی اس مرد نے کہا: مجھے بات کرنے کی اجازت دیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عَسِیفا" اس کا معنی ہے اجیر یعنی مزدور۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یا أُنیس" رسول اللہ ﷺ نے حد جاری کرنے کے لیے حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے مخاطب فرمایا، کیونکہ حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ اسلمی تھے اور وہ عورت بھی اسلمیہ تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاعترفت" یہاں یہ عبارت محذوف ہے کہ حضرت انیس رضی اللہ عنہ اس عورت کی طرف گئے اور اس سے سوال کیا کہ کیا تم نے زنا کیا ہے؟ اس عورت نے اعتراف کرلیا یعنی زنا کرنے کا اقرار کرلیا، تو انہوں نے اس کے اقرار کرنے کی بناء پر اس کو رجم کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص زنا کا اقرار کرلے تو پھر اس کو اقرار سے رجوع کی پیش کش کرنی چاہیے یا نہیں؟

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اگر وہ عورت زنا کرنے کا اعتراف کرلے تو تم اس کو رجم کر دینا" اس میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص زنا کا اعتراف کرلے اس کو رجم کر دینا چاہیے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص اپنے اقرار سے رجوع کرلے اس سے حد ساقط ہو جاتی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عالم نہیں ہیں۔

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اور جو شخص حقیقت میں سنت کی اتباع کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی اقرار کرنے والے پر حد اس وقت قائم کی جائے گی جب کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع نہ کرے، کیونکہ اگر ہم اس کو جائز قرار دیں تو آج ایک شخص اقرار کرے گا اور کل انکار کر دے گا۔

اور شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے: اگر اقرار کرنے والے کے رجوع کا اعتبار کیا جائے تو دنیا میں کبھی بھی حد قائم نہیں کی جائے گی، کیونکہ ہر انسان جب یہ دیکھے گا کہ اس کو سنگسار کیا جا رہا ہے اور اس کو پتھر لگ رہے ہیں تو وہ اپنے طبعی تقاضا سے بھاگے گا یا دیکھے گا کہ اس کو کوڑے مارے جا رہے ہیں تو تب بھی وہ اپنے طبعی تقاضا سے بھاگے گا، اور ہر انسان اس بات پر قادر ہے کہ وہ کہے گا کہ میں اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں حتیٰ کہ اس سے حد اٹھالی جائے، اور اس سے فساد لازم آئے گا ایسا فساد جس کو رب العباد کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو اقرار سے رجوع کرنے کی پیش کش کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آپ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ پر حد جاری کرنے کے فیصلہ سے پہلے پیش کش کی تھی، اور جب یہ فیصلہ فرما دیا تو پھر ان کو یہ پیشکش نہیں کی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: "کتاب الحدود والمحاربین" ایک سو تین (۱۰۳) احادیثِ مرفوعہ پر مشتمل ہے، ان احادیث میں سے اناسی (۷۹) احادیث موصولہ ہیں اور باقی متابعات اور تعلیق ہیں، اور ان میں باسٹھ (۶۲) احادیث مکرر ہیں اور خالص احادیث سترہ (۱۷) ہیں۔

"کتاب الحدود والمحاربین" کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین! آج ۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ/16 ستمبر 2013ء بروز پیر کتاب الحدود کی احادیث کا ترجمہ اور اس کی شرح مکمل ہوگئی۔

الٰہ العالمین! ان احادیث کے تراجم اور شروح میں جو مجھ سے فروگزاشت اور کوتاہی ہوئی ہے اس کو معاف فرما، اور ان احادیث اور اس کی شروح میں اہلِ اسلام کو جن نیک اعمال کے کرنے اور برے اعمال سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، اس پر انہیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور مجھے اور سب مسلمانوں کو اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرما، اور ہم سب کو اسلام پر زندہ رکھ اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمانا، ہمارے گناہوں کو بخش دینا، اور دنیا اور آخرت میں ہمیں اپنی گرفت اور عذاب سے محفوظ رکھنا، اور اپنے فضل و کرم سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمانا، اور مجھے جس طرح آپ نے کتاب الحدود کی شرح کی توفیق دی ہے اسی طرح صحیح البخاری کی بقیہ کتب کی احادیث کی شرح کی توفیق بھی مرحمت فرمانا، اور اس شرح میں مجھے وہی بات لکھنے کی توفیق عطا فرمانا جو حق اور صواب ہو، اور جو غلط اور باطل ہو اس سے مجتنب رکھنا۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ، اللھم ارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

۸۷۔ کِتَابُ الدِّیَاتِ

دیات (مقتول کے وارثوں کو خون بہا دینے) کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''دیات'' کے احکام بیان کیے گئے ہیں، دیات، دیۃ کی جمع ہے، اس کی اصل ہے وَدیٌ اور یہ ''ودیت القتیل'' سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب مقتول کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام بخاری کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث نے اس کا عنوان قائم کیا ہے ''کتاب القصاص'' اور اس کے تحت دیات کا ذکر کیا ہے، اور امام بخاری نے ''کتاب الدیات'' کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت قصاص کو داخل کیا ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری کا عنوان دوسرے ائمہ حدیث کے عنوانوں سے زیادہ عام ہے، کیونکہ جس چیز میں قصاص واجب ہے، اس میں مال لے کر معاف کرنا بھی جائز ہے، سو وہ دیت کو شامل ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الدیات کا واحد، الدیۃ ہے، اور اس کے آخر میں جو ''ھاء'' ہے وہ واؤ محذوف کے عوض میں ہے، یہ لفظ ''ودیت القتیل'' سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم مقتول کی دیت یعنی اس کا خون بہا ادا کر دو۔ المغرب میں مذکور ہے کہ جب مقتول کے ولی کو مقتول کا خون بہا دیا جائے تو کہا جاتا ہے ''ودی القتیل'' اور ''ودی'' کا اصل معنی جاری ہونا ہے، اسی سے الوادی ماخوذ ہے کیونکہ وادی کے اندر پانی جاری ہوتا ہے، اور خون بہا کو بھی دیۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بھی مقتول کے جان کے معاوضہ کو دینا نکلتا ہے اور جاری ہوتا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اصطلاحِ شرع میں ''دیۃ'' اس مال کو کہتے ہیں جو جان کے مقابلہ میں دیا جاتا ہے۔ امام بخاری نے ''کتاب الدیات'' میں ہی قصاص کے احکام بھی بیان کئے ہیں، کیونکہ قصاص میں بھی مال پر صلح کر کے قصاص کو معاف کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے ائمہ حدیث نے اس کا عنوان ''کتاب القصاص'' لکھا ہے، کیونکہ قتلِ عمد میں اصل قصاص ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۵۔ ۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الدیات، دیۃ کی جمع ہے اور ''دیۃ'' اس مال کو کہتے ہیں جو اس شخص کو دیا جاتا ہے جس کے خلاف جنایت کی گئی ہو، خواہ جس

کی جان لی گئی ہو یا اس کے کسی عضو کو تلف کیا گیا ہو، تو اس کا بدل جو دیا جائے اس کو "دیة" کہتے ہیں، اور کبھی شریعت میں اس مال کی مقدار معین ہوتی ہے اور کبھی معین نہیں ہوتی، اور اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

جنایت کا معنی

علامہ مجد الدین ابو السادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ، لکھتے ہیں:

جنایت کا معنی ہے گناہ اور جرم، اور یہ کہ انسان کوئی ایسا کام کرے جس کی وجہ سے اس کے اوپر دنیا میں یا آخرت میں عذاب ہو، یا دنیا میں اس سے بدلہ لیا جائے۔

حدیث میں ہے: "الا لا یجنی جان الا علیٰ نفسہ" (سنو! جو شخص بھی جنایت کرتا ہے وہ اپنے نفس پر جنایت کرتا ہے)۔

(سنن ترمذی: ۲۱۵۹) (النہایہ ج ۱ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۱- بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ (النساء: ۹۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عطف "کتاب الدیات" پر ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس عنوان کو اس آیت سے شروع کرنے کی کیا توجیہ ہے؟

اس سوال کا یہ جواب ہے کہ اس آیت میں عمداً قتلِ ناحق پر وعیدِ شدید ہے، کیونکہ جس نے یہ قتل کیا اور مال پر اس کی صلح کر لی گئی تو اس کو دیت شامل ہوگی۔

اس آیت کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے، کیا قاتل کی توبہ ہوتی ہے یا نہیں؟ پس حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس کی کوئی توبہ نہیں اور یہ آیت غیر منسوخ ہے۔ اور سورۃ الفرقان جس میں قاتل کی توبہ کا ذکر ہے، یہ آیت اس کے چھ ماہ بعد نازل ہوئی ہے، اور سورۃ الفرقان کی آیت اہل شرک کے متعلق ہے، اور سورۃ النساء کی مذکورہ آیت مومنین کے متعلق ہے۔

اور حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ قاتل کے لیے توبہ ہے اور یہ حدیث ایسی سندوں کے ساتھ مروی ہے جن سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

اور علماء اہلسنت نے کہا ہے کہ قاتل اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے، ان کا استدلال حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہے جس کا بیعت العقبۃ میں ذکر ہے، اور اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ جس نے کوئی گناہ کیا اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے، اگر وہ چاہے تو اس کو معاف فرمادے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے۔ اور تابعین کی ایک جماعت اور فقہاء امصار کا

یہی مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۵۔ ۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

قتلِ عمد پر وعید کے متعلق احادیث

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۴۰۰، سنن نسائی: ۳۹۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا۔

(سنن ترمذی: ۱۴۰۲، المستدرک ج ۴ ص ۳۵۲، کنز العمال: ۳۹۹۵۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان کے پاس آ کر کہا: یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا تو اس کی سزا کیا ہوگی؟ انہوں نے کہا: اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عذابِ عظیم تیار کر رکھا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے (یعنی النساء: ۹۳) حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وحی نازل نہیں ہوئی، اس نے کہا: یہ بتایئے اگر وہ توبہ کر لے اور ایمان لائے اور نیک عمل کر لے تو پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی توبہ کیسے ہوگی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا، وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوا ہوگا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔ (مسند احمد ج ا رقم الحدیث: ۲۱۴۲، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

مسلمان کے قاتل کی مغفرت نہ ہونے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور شرک کے سوا ہر کبیرہ گناہ لائقِ مغفرت ہے، حالانکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے، اور جہنم میں خلود صرف کفار کے لیے ہوتا ہے اور جو گناہ لائقِ معافی ہو اس کے لیے جہنم میں خلود نہیں ہوتا۔ اس اشکال کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

(۱) جب مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ جس شخص نے کسی مومن کو اس کے مومن ہونے کے سبب سے قتل کیا تو اس کی سزا جہنم میں خلود ہے، اور جو شخص کسی مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

(۲) اس آیت میں "مَن" کا لفظ ہر چند کہ عام ہے، لیکن یہ عام مخصوص البعض ہے اور اس سے ہر قاتل خواہ مومن ہو یا کافر یہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے وہ قاتل مراد ہے جو کافر ہو اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

(۳) یہ آیت ایک خاص قاتل کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہ شخص پہلے مسلمان تھا، پھر اس نے مرتد ہو کر ایک مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا، اس کے متعلق روایت روح المعانی ج ۵ ص ۱۱۵ میں مذکور ہے۔

(۴) اس آیت میں قاتل سے مراد اگر مسلمان قاتل ہو تو اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا کہ اس کی سزا جہنم میں خلود ہے، یعنی وہ اس سزا کا مستحق ہے، یہ نہیں فرمایا کہ اس کو یہ سزا دی جائے گی۔

(۵) اگر اس آیت میں مسلمان قاتل مراد ہو تو خلود سے مجازاً مکث طویل مراد ہے یعنی وہ لمبے عرصہ تک جہنم میں رہے گا۔

(۶) یہ آیت انشاء تخویف پر محمول ہے یعنی مسلمانوں کو قتل کرنے سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے، حقیقت میں کسی مسلمان قاتل کو جہنم میں خلود کی سزا دینے کی خبر نہیں دی گئی۔

(۷) اگر کسی مسلمان نے قتل مسلم کو معمولی سمجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور پھر اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

(۸) اگر کسی مسلمان نے بغض اور عناد کے غلبہ کی وجہ سے قتلِ مسلم کی حرمت کا انکار کر دیا اور پھر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

(۹) اگر معاذ اللہ کسی مسلمان نے مسلمان کے قتل کرنے کو حلال اور جائز قرار دے کر یا اس حکم کی توہین کرنے کے لیے کسی مسلمان کو قتل کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

(۱۰) اس آیت میں ایک شرط محذوف ہے، یعنی اگر اس کی مغفرت نہ کی گئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس کو خلفِ وعید سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن یہ بظاہر خلفِ وعید ہے حقیقت میں چونکہ یہاں شرط محذوف ہے اس لیے یہ کوئی خلف نہیں ہے۔ اور خلفِ وعید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام سے ڈرانے کے لیے کوئی سزا کی وعید سنائی، لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے وہ یہ سزا نہیں دے گا۔ اس لیے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمان قاتل کی مغفرت نہ فرمائی تو اس کو دائمی عذاب ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے وہ مسلمان قاتل کی بھی مغفرت فرما دے گا۔

۶۸۶۱ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قَالَ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ تَصْدِيقَهَا ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿۶۸﴾﴾ الْآيَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابو وائل از عمرو بن شرحبیل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے لیے شریک بناؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، اس نے پوچھا: پھر کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے بیٹے کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گا، اس نے پوچھا: پھر کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا

کرو، تب اللہ عزوجل نے آپ کی اس حدیث کی تصدیق میں درج ذیل آیت نازل فرمائی:

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O (الفرقان:٦٨)

(صحیح البخاری: ۴۴۷۷، ۴۷۶۱، ۶۰۰۱، ۶۸۱۱، ۶۸۶۱، ۷۵۲۰، ۷۵۳۲، صحیح مسلم: ۸۶، سنن ترمذی: ۳۱۸۲، سنن نسائی: ۴۰۱۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۱۰، مسند احمد: ۴۱۲۰)

صحیح البخاری: ٦٨٦١، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت آیت کے اس حصہ میں ہے "اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں جریر کا ذکر ہے، اور وہ ابن عبدالحمید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعمش کا ذکر ہے، اور وہ سلیمان ہیں۔ اور ابووائل کا ذکر ہے، وہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور عمرو بن شرحبیل کا ذکر ہے، وہ الہمدانی الکوفی ہیں۔ اور عبداللہ کا ذکر ہے، اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب التفسیر میں از عثمان بن ابی شیبہ گزر چکی ہے اور کتاب الادب میں از محمد بن کثیر گزر چکی ہے۔ اور عنقریب یہ کتاب التوحید میں بھی آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نِدًّا" (نون کے نیچے زیر اور دال پر تشدید) اس کا معنی ہے: نظیر اور مثیل، اسی طرح الندید کا معنی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "تم اپنے بیٹے کو قتل کرو اس خوف سے کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا"۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ قتل تو مطلقاً بہت بڑا گناہ ہے، پھر اس قید کی کیا توجیہ ہے کہ تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث عموم اور غلبہ کے اعتبار سے ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو اس لیے قتل کر دیتے

ہیں کہ رزق کم ہوگا تو کہاں سے کھلائیں گے۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں پر دو چیزیں ہیں، ایک تو اولاد کو قتل کرنا ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ پر اس اعتقاد کا ضعیف ہونا کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہے، اور اس حدیث کی نظیر درج ذیل آیت ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بنی اسرائیل:۳۱) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔

اور یہ آیت بھی اس کی نظیر ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (الانعام:۱۴۰)

بے شک ان لوگوں نے خسارہ پایا جنہوں نے حماقت اور جہالت کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور جو رزق اللہ نے انہیں دیا تھا اللہ پر افتراء پردازی کر کے اس کو حرام قرار دیا، بے شک یہ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت پانے والے تھے ہی نہیں O

نیز اس اس حدیث میں مذکور ہے "بحلیلة" حلیلة کے معنی ہیں: بیوی، یعنی تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، اس میں ایک تو زنا کرنا جرم ہے، اور دوسرا یہ کہ اس پڑوسی کے ساتھ خیانت کرنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ وصیت کی ہے کہ اس کے حق کی حفاظت کی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانزل اللہ تصدیقها" یعنی اس حدیث میں جن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان کی تصدیق سورہ فرقان کی اس آیت میں ذکر فرمائی ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (الفرقان:۶۸)

اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ وہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے ناحق قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو ایسے کام کرے گا وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا O

اس حدیث میں مذکور ہے "یلق اثاما" مجاہد نے کہا: الاثام جہنم میں ایک وادی ہے، اور سیبویہ اور خلیل نے کہا: یعنی وہ اپنے گناہوں کی سزا پائے گا۔ اور القتبی نے کہا: اثام کا معنی ہے: عقوبت اور سزا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۶۔ ۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۶۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قتلِ وَلَد کے سب سے بڑے گناہ ہونے کی توجیہ

صحیح البخاری: ۶۸۶۱ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ تم اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، آپ سے پوچھا گیا: پھر سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تم اپنی اولاد کو اس لیے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھانا کھائے گی"۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے، کیونکہ قتل مطلقاً سب سے بڑا گناہ ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: اس میں کوئی محال نہیں ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ سے زیادہ بڑا ہو، اور گناہ کے بعض افراد دوسرے افراد سے زیادہ بڑے ہوں، پھر علامہ کرمانی نے کہا کہ اس کے سب سے بڑے گناہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں قتل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے رزاق ہونے پر ایمان اور اعتقاد کی نفی بھی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۶۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا۔ (صحیح البخاری: ۶۸۶۳، مسند احمد: ۵۶۴۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن اس وقت تک اپنے دین کی کشادگی میں رہتا ہے جب تک کہ حرام خون نہ کرے۔

صحیح البخاری: ۶۸۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث اس سے پہلی حدیث کے مطابق ہے اور وہ قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے جس میں عمداً مومن کے قتل کرنے پر جہنم کی وعید فرمائی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں، یہاں علی کے ساتھ ان کی نسبت کا ذکر نہیں کیا، ابو علی الجیانی نے بھی اس کی کسی نسبت کا ذکر نہیں کیا اور نہ اس کی نسبت پر الکلاباذی نے متنبہ کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ علی بن الجعد ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: علی بن الجعد بن عبید ابو الحسن الجوہری الہاشمی ان کے مولیٰ بغدادی ہیں، رجال الصحیحین کے جامع نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب میں ان سے بارہ (۱۲) حدیثوں کی روایت کی ہے اور ان کی سوانح میں لکھا ہے کہ یہ علی بن ابی ہاشم ہیں، اور انہوں نے اسحاق بن سعید سے سماع کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی فسحۃ'' اس کا معنی ہے کشادگی اس پر انسان کا شرح صدر ہو، یعنی جب تک انسان کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا تو اس کے دل میں اپنی مغفرت کی امید کشادہ ہوتی ہے، اور جب وہ کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو پھر یہ امید تنگ ہو جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کے بعد قتل ناحق پر جتنی سخت وعید فرمائی ہے اور کسی گناہ پر اتنی سخت وعید نہیں فرمائی۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''مِن دینہ'' اکثرین کی روایت اسی طرح ہے اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے ''من ذنبہ''۔

پہلی روایت کے اعتبار سے معنی یہ ہے کہ جب مومن کسی کو ناحق قتل کر دیتا ہے تو ناحق قتل کرنے کے متعلق جو قرآن مجید میں وعید ہے اس کی وجہ سے اس کے دین میں اس کی مغفرت کی امید کم ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ ''من ذنبہ'' ہو تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ ناحق قتل کے گناہ کے سبب سے اس کی مغفرت کی امید کم ہو جاتی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۶۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قتلِ ناحق سے مغفرت کی امید کے تنگ ہونے کی توجیہ

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی التوفی ۵۴۳ھ، لکھتے ہیں:

دین میں وسعت اور کشادگی اعمالِ صالحہ کی وسعت اور کشادگی کی بناء پر ہوتی ہے حتیٰ کہ جب کوئی بندہ مومن قتلِ ناحق کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ کشادگی تنگ ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ قتلِ ناحق کے گناہ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اور دین میں کشادگی یہ ہے کہ اس کو یہ توقع ہوتی ہے کہ توبہ سے اس کی مغفرت ہو جائے گی حتیٰ کہ جب وہ قتل کر دیتا ہے تو توبہ کا قبول ہونا اٹھ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے کے مطابق تفصیل ہے، کیونکہ ان کا مذہب یہ تھا کہ قاتل کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ جب بندۂ مومن کسی حرام خون کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے سینہ سے حیاء نکال لی جاتی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۶۳۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدٍ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّ مِنْ وَرَطَاتِ الْأُمُورِ الَّتِي لَا مَخْرَجَ لِمَنْ أَوْقَعَ نَفْسَهُ فِيهَا سَفْكَ الدَّمِ الْحَرَامِ بِغَيْرِ حِلِّهِ۔

(صحیح البخاری: ۶۸۶۳، مسند احمد: ۵۶۴۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے احمد بن یعقوب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے سنا وہ حدیث بیان کرتے ہیں از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان فرمایا کہ بے شک ایسی ہلاکت آفرینیاں جن میں کوئی شخص اپنے آپ کو واقع کر لے تو ان سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو، ان میں سے یہ ہے کہ کوئی انسان حرام خون بہائے اس کی حِلّت کے بغیر۔

صحیح البخاری: ۶۸۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت ہے لیکن یہ روایت موقوف ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مِن ورطات الامور" اور یہ "ورطة" کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے ہلاکت، کہا جاتا ہے "وقع فلان فی ورطة" یعنی کوئی شخص کسی ہلاکت میں مبتلا ہو گیا جس سے اس کی نجات نہیں ہو گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بغیر حِلّه" اس کا معنی ہے: یعنی اس نے ناحق خون کیا۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: جب انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ وہ خون حرام بہائے تو اب "بغیر حِله" کی قید کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاکید کے لیے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷ ۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۶۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا قتل کرنا سنگین گناہ ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ثابت ہے کہ جس نے کسی مومن کو عمداً ناحق قتل کیا تو انہوں نے اس قاتل کے متعلق کہا: وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال ایک مسلمان مرد کو قتل کرنے سے زیادہ آسان ہے۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: امام نسائی نے اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کیا ہے کہ مومن کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کے زوال سے زیادہ سنگین ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ، لکھتے ہیں:

جانور کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت بھی ثابت ہے اور اس کے متعلق بھی سخت وعید ہے تو کسی آدمی کو قتل کرنا کتنا سنگین ہو گا، پھر کسی مسلمان کو قتل کرنا اس سے بھی زیادہ سنگین ہو گا، اور کسی متقی مسلمان کو قتل کرنا تو نہایت سنگین ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۔۶، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۶۴۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَوَّلُ مَا يُقْضَى بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے درمیان جس مقدمہ کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا، وہ خون سے متعلق ہو گا۔

(صحیح البخاری: ۶۵۳۳، ۶۸۶۴، صحیح مسلم: ۱۶۷۸، سنن ترمذی: ۱۳۹۶، سنن نسائی: ۳۹۹۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۵، مسند احمد: ۳۶۶۵)

صحیح البخاری: ۶۸۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں قرآن مجید کی اس آیت کا ذکر تھا جس میں مسلمان کے قتل کرنے پر سخت وعید کا بیان ہے، اور اس حدیث میں بھی اسی کی تائید ہے، کیونکہ سب سے پہلے مقدمات میں جس مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے گا تو وہ ناحق خون کا مقدمہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا بہت سنگین گناہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ذکر ہے عبید اللہ بن موسیٰ، یہ ابن باذام ابو محمد العبسی الکوفی ہیں۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے سلیمان، یہ الاعمش ہیں۔ نیز اس حدیث میں مذکور ہے ابی وائل، یہ ابو وائل شقیق بن سلمہ ہیں جو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں:

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: یہ سند ثلاثیات کے ساتھ مل جاتی ہے اور یہ سند امام بخاری کے نزدیک عدد کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ سند ہے اور یہ ثلاثیات کے حکم میں اس وجہ سے ہے کہ الاعمش تابعی ہیں، اگرچہ وہ ایک اور تابعی سے روایت کرتے ہیں، کیونکہ اس تابعی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا اگرچہ اس کو صحبت حاصل نہیں ہوئی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ جب اعمش صحابی نہیں ہیں تو یہ حدیث ثلاثیات سے کیسے ہے، پس جو شخص صحابی نہ ہو تو وہ عام آدمیوں کی مثل ہے خواہ وہ تابعی ہو یا غیر تابعی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا علامہ عینی کے اعتراض کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ عینی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

امام بخاری کے نزدیک ثلاثیات عدد کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ سند ہے اور علو کی دو قسمیں ہیں: حسی اور معنوی، اور حسی وہ ہے جس میں عدد کی تحقیق ہو، پس یہ وہ ہے جس میں راوی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم تین افراد ہوں، اور معنوی کی کئی صورتیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ عدد بعینہٖ کسی صحابی تک پہنچتا ہو خواہ وہ صحابی اس حدیث کو کسی اور صحابی سے روایت کرے یا اکثر سے روایت کرے، اور ان میں سے ایک قسم یہ ہے کہ یہ عدد بعینہٖ کسی تابعی تک پہنچے، اور خواہ وہ تابعی کسی اور تابعی سے روایت کرتا ہو یا اکثر سے روایت کرتا ہو، اور یہ باب ثلاثیات کے حکم میں ہے کیونکہ الاعمش تابعی ہے، پس اگر وہ صحابی سے روایت کرتے تو یہ

ثلاثی حسی ہوتی، لیکن انہوں نے ایک اور تابعی سے روایت کی ہے تو یہ ثلاثی کے حکم میں ہے۔ اور علامہ عینی اس اصطلاح پر مطلع نہیں تھے اس لیے انہوں نے یہ اعتراض کیا، جب کہ خود علامہ عینی نے باب الحنین میں امام بخاری کی سند کے متعلق کہا ہے: حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ، کہ یہ سند ثلاثیات کے حکم میں ہے کیونکہ ہشام تابعی ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۵۲۔ ۴۵۳، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

ایک اعتراض کا جواب

صحیح البخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ "لوگوں کے درمیان سب سے پہلے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے" اور اس کا درج ذیل حدیث سے تعارض ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندوں سے قیامت کے دن ان کے اعمال میں سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، آپ نے بتایا کہ ہمارا رب عزوجل فرشتوں سے سوال کرے گا حالانکہ وہ خود سب سے زیادہ جاننے والا ہے (فرمائے گا:) میرے بندہ کی نماز کو دیکھو، اس نے اس کو پورا کیا ہے یا کمی کی ہے؟، پس اگر نمازیں پوری ہوں تو لکھ دیا جائے گا کہ اس کی نمازیں پوری ہیں، اور اگر ان میں سے کچھ کمی ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو میرے بندہ کا کوئی نفل ہے، پس اگر اس کا کوئی نفل ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندہ کے فریضہ کو اس کے نفل سے مکمل کر دو، پھر اسی طرح دیگر اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ (سنن ابوداؤد ۸۶۴، سنن ابن ماجہ: ۱۴۲۵، مسند احمد ج ۴ ص ۶۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو مذکور ہے کہ "سب سے پہلے خون کے مقدمہ کا حساب لیا جائے گا" اس سے مراد وہ مقدمہ ہے جو بندہ اور دوسرے شخص کے درمیان ہو اور اس کا تعلق مظالم سے ہو۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ہے کہ "سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا" وہ صرف اس بندہ کے اعتبار سے ہے یعنی بندہ کے صرف اپنے اعمال کے حساب سے سب سے پہلے اس کی نماز کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۶۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قتل کے مقدمہ کے سب سے پہلے فیصلہ کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کے درمیان قتل کے مقدمہ کا فیصلہ کیا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا بہت سنگین معاملہ ہے، کیونکہ ابتداء اسی چیز سے کی جاتی ہے جو بہت زیادہ اہم ہوتا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ قیامت کے دن جو فیصلہ ہوگا وہ لوگوں کے درمیان ہوگا اور جانوروں کا اس فیصلہ میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ غلط ہے، کیونکہ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اس حدیث میں لوگوں کے درمیان سب سے پہلے فیصلہ کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جانوروں کے درمیان فیصلہ نہ کیا جائے، تو ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے بعد پھر جانوروں کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۶۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ عُبَيْدَ اللّٰهِ بْنَ عَدِيٍّ حَدَّثَهُ أَنَّ الْمِقْدَادَ بْنَ عَمْرٍو الْكِنْدِيَّ حَلِيفَ بَنِي زُهْرَةَ حَدَّثَهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَقِيتُ كَافِرًا فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ يَدِي بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّي بِشَجَرَةٍ وَقَالَ أَسْلَمْتُ لِلّٰهِ أَأَقْتُلُهُ بَعْدَ أَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَقْتُلْهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَإِنَّهُ طَرَحَ إِحْدَى يَدَيَّ ثُمَّ قَالَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَا قَطَعَهَا أَأَقْتُلُهُ قَالَ لَا تَقْتُلْهُ فَإِنْ قَتَلْتَهُ فَإِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ أَنْ تَقْتُلَهُ وَأَنْتَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ كَلِمَتَهُ الَّتِي قَالَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: ہمیں عطاء بن یزید نے حدیث بیان کی کہ عبیداللہ بن عدی نے ان کو حدیث بیان کی کہ بے شک المقداد بن عمرو الکندی جو بنو زہرہ کے حلیف ہیں انہوں نے حدیث بیان کی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں حاضر تھے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میرا کسی کافر سے مقابلہ ہو، پس ہم دونوں لڑیں پھر وہ میرے ہاتھ پر تلوار مارے اور ہاتھ کو کاٹ ڈالے، پھر وہ ایک درخت کی پناہ میں ہو اور کہے: میں نے اللہ کے لیے اسلام قبول کیا اور اس کے یہ کہنے کے بعد میں اس کو قتل کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو نہ قتل کرو۔ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے تو میرے دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کاٹ کر پھینک دیا، پھر میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد اس نے یہ کلمہ پڑھا، کیا میں اس کو قتل کردوں؟ آپ نے فرمایا: تم اس کو نہ قتل کرو، کیونکہ اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے اس درجہ میں ہوگا جو تمہارا درجہ اس کو قتل کرنے سے پہلے تھا اور تم اس کے اس درجہ میں ہو گے جو درجہ اس کا کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔

(صحیح البخاری:۴۰۱۹، ۶۸۶۵، صحیح مسلم:۹۵، سنن ابوداؤد:۲۶۴۴، مسند احمد:۲۳۳۰۵)

صحیح البخاری:۶۸۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ جو مرد اللہ کے لیے اسلام قبول کرلے، اس کو قتل کرنا بہت سنگین جرم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن عثمان کا لقب ہے جو عبداللہ بن المبارک سے روایت کرتے ہیں۔ اور

اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ یونس بن یزید ہیں جو محمد بن مسلم الزہری سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عطاء بن یزید کا ذکر ہے، یہ اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن عدی کا ذکر ہے، یہ عدی بن الخیار ہیں اور نوفلی ہیں، ان کی حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور وہ المقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہیں۔

یہ حدیث کتاب المغازی کے باب غزوۂ بدر میں از ابی عاصم گزر چکی ہے اور امام مسلم نے اس کو کتاب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور امام نسائی دونوں نے اس کو قتیبہ سے روایت کیا ہے، امام ابوداؤد نے کتاب الجہاد میں اور امام نسائی نے کتاب السیر میں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان لقیت" اکثرین کی روایت میں اسی طرح "اِنْ" شرطیہ کا لفظ ہے اور ابوذر کی روایت میں ہے "انی لقیت" یعنی میرا مقابلہ کسی کافر مرد سے ہوا۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کام کے متعلق سوال کیا جو نفس الامر میں ان سے واقع ہوا تھا، کیونکہ انہوں نے اس کام کے حکم کے متعلق سوال کیا کہ اگر وہ واقع ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے اور غزوہ بدر میں جو حدیث ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: "یہ بتایئے کہ اگر میرا کسی کافر مرد سے مقابلہ ہو۔۔۔۔ الحدیث"۔ اور یہ اکثرین کی روایت کے مطابق ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم لاذ بشجرۃ" یعنی وہ کسی درخت کی آڑ میں کھڑا ہو کر اپنے نفس کو مجھ سے بچالے اور کہے: میں اللہ کے لیے اسلام میں داخل ہو گیا، تو کیا اب میں اس کو قتل کر سکتا ہوں جب کہ اس نے کلمہ اسلام پڑھ لیا ہے؟

ایک سوال کا جواب

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اگر تم نے اس کے کلمہ اسلام پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر دیا تو وہ اب اس درجہ میں ہوگا جو تمہارے قتل کرنے سے پہلے اس کا درجہ تھا، اور تم اس درجہ میں ہو گے جو اس کا کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے درجہ تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اسلام لانے کے بعد کسی کافر کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے اس درجہ میں ہو گے جو درجہ اس کا کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ کفر اور اسلام میں نہیں ہے بلکہ قتل کے مباح ہونے میں ہے، کیونکہ جب تم نے اس کے کلمہ اسلام پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر دیا تو چونکہ وہ مسلمان ہو چکا تھا اور مسلمان کو ناحق قتل کرنے سے قصاص لازم آتا ہے، اس لیے اب تم کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہوگا، یعنی کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے اس شخص کو اس کے کفر کی وجہ سے قتل کرنا مباح تھا اور مسلمان ہونے کے بعد اگر تم نے اس کو قتل کیا تو تم کو قصاص میں قتل کرنا جائز ہوگا۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر تم نے اس کے قتل کو جائز سمجھ کر اس کو قتل کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے اور تمہیں قتل کرنا بھی اس کی مثل جائز ہو جائے گا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں اس سے منع کیا ہے کہ جو شخص اسلام کو ظاہر کر دے تو اسلام ظاہر کرنے کے بعد اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اور بعض علماء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کے اسلام کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں

اللہ کے لیے اسلام میں داخل ہو گیا، اور اس شخص نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اور اس کا رد کیا گیا ہے بایں طور کہ یہ اس کے قتل سے ممانعت کی دلیل ہے، علاوہ ازیں بعض سندوں کے ساتھ اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر اس نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا، اور یہ صحیح مسلم میں معمر کی روایت ہے زہری سے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٨٦٦۔ وَقَالَ حَبِيبُ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِلْمِقْدَادِ إِذَا كَانَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ يُخْفِي إِيمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَأَظْهَرَ إِيمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ فَكَذَلِكَ كُنْتَ أَنْتَ تُخْفِي إِيمَانَكَ بِمَكَّةَ مِنْ قَبْلُ۔

اور حبیب بن ابی عمرہ نے از سعید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد سے فرمایا: جب کوئی مومن مرد اپنے ایمان کو کفار کی قوم سے چھپا رہا ہو، پھر وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر دے، پس تم اس کو قتل کر دو، پس اسی طرح تم بھی مکہ میں اپنے ایمان کو اس سے پہلے چھپاتے تھے۔

صحیح البخاری: ٦٨٦٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ تعلیق حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے قریب قریب ہے اور اس تعلیق میں حبیب بن ابی عمرہ کا ذکر ہے، یہ القصاب الکوفی ہیں اور اس تعلیق میں سعید کا ذکر ہے، اور وہ ابن جبیر ہیں۔

اور اس تعلیق کو امام بزار اور امام دار قطنی نے اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، اور اس روایت کے شروع میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ تھے، پھر جب یہ وہاں پہنچے تو وہ کفار منتشر ہو گئے اور ان لوگوں میں ایک مرد تھا جو ابھی وہاں سے نکلا نہیں تھا جس کے پاس بہت زیادہ مال تھا، اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کو قتل کر دیا۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اے مقداد! کیا تم نے ایک مرد کو قتل کر دیا حالانکہ اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھا تھا، پس تم اس کے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کا کیا جواب دو گے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء: ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو، تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں، اس سے پہلے تم بھی اس طرح تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ۝

پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وہ مرد مومن تھا اور اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۹۔ ۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی چار توجیہات کہ ''تم اس کے درجہ میں ہو گے اور وہ تمہارے درجہ میں ہوگا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم اس کو (یعنی جس نے تمہارا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے) قتل نہ کرو، کیونکہ اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے اس درجہ میں ہوگا جو تمہارا اس کو قتل کرنے سے پہلے درجہ تھا، اور تم اس کے اس درجہ میں ہو گے جو اس کے کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے درجہ تھا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس باب کے آخر میں اس کی وضاحت فرمائی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جس نے تمہارا ہاتھ کاٹ کر درخت کی پناہ لی وہ مومن ہو اور وہ اپنے ایمان کو کفار کی قوم سے چھپا رہا ہو جنہوں نے اس پر غلبہ کیا تھا، پس اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو تم اس کو قتل کرنے کی وجہ سے اس شک میں ہو گے کہ تمہارا وہ قتل کرنا قتلِ عمد ہو یا قتلِ خطاء ہو، جیسا کہ وہ شخص اپنے ایمان میں مشکوک تھا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنا ایمان چھپا رہا ہو، اور اسی طرح اس حدیث کی حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے تفسیر کی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفہیم فرمائی، سو آپ نے فرمایا: اسی طرح تم مکہ میں اپنا ایمان چھپا رہے تھے اور تم کفار کی قوم کے ساتھ تھے اور ان کا عدد کثیر تھا اور تم ان سے مغلوب تھے، پس اسی طرح جس نے درخت کی پناہ لی اور ایمان کو ظاہر کیا، ہوسکتا ہے وہ شخص بھی ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے ایمان کو چھپا رہے تھے۔ اور اس پوری تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص ایمان کو ظاہر کر دے اس کو قتل کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

توجیہ مذکور پر ایک سوال کا جواب

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس شخص نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کیسے کاٹا حالانکہ وہ اپنے ایمان کو چھپا رہا تھا؟

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، تو اس نے ان کے قتل کرنے سے اپنے نفس کی مدافعت کی، پس اس کے لیے ان کا ہاتھ کاٹنا جائز تھا جیسا کہ جب کسی مومن کو کوئی دوسرا مومن قتل کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اس قتل کرنے والے سے اپنے نفس کی مدافعت کرے، پھر اگر وہ اس مدافعت کے نتیجہ میں اس ظالم کو قتل کر دے جب کہ اس کا ارادہ اس کے قتل کرنے کا نہ ہو تو جس کو اس نے قتل کیا ہے اس کا خون ضائع ہوگا۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا اس شخص سے قصاص نہیں لیا جیسا کہ آپ نے حضرت اسامہ کے ہاتھ سے قتل کیے ہوئے شخص کا قصاص حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے نہیں لیا تھا کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تاویل سے قتل کیا تھا۔

اور آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ ''تم اس کے درجہ میں ہو گے اور وہ تمہارے درجہ میں ہوگا'' تو اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس شخص کی توحید کی شہادت کی وجہ سے مغفرت کی جائے گی جیسا کہ غزوہ بدر میں حاضر ہونے کی وجہ سے تمہاری مغفرت کی جائے گی۔

اور اس کی تیسری توجیہ یہ ہے کہ تمہارا اس کو عمداً قتل کرنے کا قصد کرنا گناہ ہے جیسا کہ اس کا تمہیں قتل کرنے کا قصد کرنا گناہ ہے، پس تم نافرمانی کرنے میں اس کے حال کی مثل ہو اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مسلمان کو قتل

کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا، کیونکہ جس شخص کا عقیدہ توحید صحیح ہو تو وہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے کفر کی طرف نہیں نکلتا، یہ ایسے گناہ ہیں جو ہلاک کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ شرک سے کم درجہ کے ہر گناہ کو اپنے فضل سے بخش دیتا ہے۔

اور اس کی چوتھی توجیہ یہ ہے جو علامہ ابن القصار نے بیان کی ہے کہ تم اس شخص کے درجہ میں ہو گے جو اس کا کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے درجہ تھا، یعنی کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے اس کا خون مباح تھا، سو اب تمہارا بھی قصاص واجب ہونے کی وجہ سے خون مباح ہو جائے گا۔ اور یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ اس کو قتل کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائیں گے، کیونکہ آپ نے ان کو قتل سے روکنے اور منع کرنے کا ارادہ فرمایا، کیونکہ کافر جب اسلام قبول کر لے تو اس کو قتل کرنا حرام ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۰۳۔ ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی دیگر توجیہات کہ ”تم اس کے درجہ میں ہو گے اور وہ تمہارے درجہ میں ہو گا“

علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے: اس کی توجیہ یہ ہے کہ کافر اسلام لانے سے پہلے دین کے حکم کے اعتبار سے مباح الدم تھا یعنی اس کو قتل کرنا جائز تھا، پس جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کا خون محفوظ ہو گیا جیسے مسلمان کا خون محفوظ ہے، پس اگر مسلمان نے اس کے بعد اس کو قتل کر دیا تو اس کا خون بھی قصاص کے حق کی وجہ سے مباح ہو جائے گا، جیسے کافر کا خون دین کے حق کی وجہ سے مباح تھا۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو قتل کرنے کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، جیسا کہ خوارج کہتے ہیں کہ اگر مسلمان گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں کا درجہ واحد ہے اور ان کے مآخذ میں اختلاف ہے، پس پہلا شخص خون کے محفوظ ہونے کی وجہ سے تمہاری مثل ہو جائے گا اور دوسرا شخص خون کے ضائع ہونے کی وجہ سے تمہاری مثل ہو جائے گا۔

اور علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ پھر تم بھی قاتل ہو جاؤ گے جیسا کہ وہ قاتل تھا اور کہا کہ یہ معاریض سے ہے، کیونکہ آپ نے ظاہر لفظ سے اس کو قتل کرنے کی سختی کا ارادہ کیا، یہ ارادہ نہیں کیا کہ وہ حقیقت میں کافر ہو جائے گا اور آپ نے صرف یہ ارادہ کیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک قاتل ہو گا، اور یہ ارادہ نہیں کیا کہ وہ اس کو قتل کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

اور علامہ المہلب نے کہا ہے: یعنی تم اس کو عمداً قتل کرنے کے قصد کی وجہ سے گناہ گار ہو گے جیسا کہ وہ تم کو عمداً قتل کرنے کے قصد کی وجہ سے گناہ گار ہے، پس تم دونوں نافرمانی کے ایک درجہ میں ہو۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس کے کلمہ اسلام پڑھنے سے پہلے اس کے نزدیک تمہیں قتل کرنا حلال تھا اور تم اس کو قتل کرنے کی وجہ سے کفر میں اس کی مثل ہو جاؤ گے کیونکہ تم ایک مسلمان کو قتل کرو گے۔

اور اس کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ وہ توحید کی شہادت کی وجہ سے مغفور ہے جیسا کہ تم غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کی وجہ سے مغفور ہو۔ اور ابن القصار نے کہا ہے کہ تم دونوں خون کے مباح ہونے میں ایک درجہ میں ہو۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ حق کی مخالفت کرنے اور گناہ کا ارتکاب کرنے میں اس کی مثل ہو جاؤ گے اگرچہ دونوں کی نوع مختلف ہے، کیونکہ ایک کا ارادہ قتل کفر ہے اور دوسرے کا ارادہ قتل معصیت ہے۔
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اس کے قتل کو حلال سمجھ کر قتل کیا تو تم اس کی مثل کافر ہو جاؤ گے۔
(فتح الباری ج ۸ ص ۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، اس لیے ہم ان کی مختصر سوانح ذکر کر رہے ہیں:
حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:
ابن الکلبی نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن ثعلبہ نے اپنی قوم میں کسی کا خون کر دیا، پھر وہ جان بچانے کے لیے حضرموت گیا اور وہاں کندہ کو اپنا حلیف بنایا، اس کو الکندی کہا جاتا تھا، اور عمرو بن ثعلبہ نے وہاں ایک عورت سے نکاح کر لیا، اس سے مقداد پیدا ہوئے، پس جب حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بڑے ہو گئے تو ان کے اور ابو شمر بن حجر الکندی کے درمیان جھگڑا ہوا، تو انہوں نے تلوار کے وار سے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی اور پھر بھاگ کر مکہ آ گئے، پھر وہاں انہوں نے الاسود بن عبد یغوث الزہری سے حلف لیا اور اپنے باپ عمرو بن ثعلبہ کو یہ قصہ لکھ دیا، پھر اسود بن عبد یغوث نے مقداد بن عمرو الکندی کو اپنا بیٹا بنا لیا اور ان کو المقداد بن الاسود کہا جانے لگا اور ان پر یہ نام غالب ہو گیا اور مشہور ہو گیا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی:
اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ (الاحزاب: ۵) یعنی لوگوں کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔
تو پھر ان کو مقداد بن الاسود کے بجائے مقداد بن عمرو کہا جانے لگا، اور ان کی شہرت مقداد بن الاسود کے نام سے تھی۔
حضرت مقداد رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے اور ان کا نکاح ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب سے ہوا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی بیٹی تھی اور ہاشمی تھی (یہ غیر کفو میں نکاح کے جواز کی دلیل ہے)۔
ثابت بنانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت مقداد اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما دونوں بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا وجہ ہے تم نکاح کیوں نہیں کرتے؟ تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اپنی بیٹی کا میرے ساتھ نکاح کر دیں، تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ غضبناک ہوئے اور ان کو سخت بات کہی، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: میں تمہارا نکاح کروں گا، پھر آپ نے اپنے چچا کی بیٹی ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ (یہ بھی غیر کفو میں نکاح کے جواز کی دلیل ہے)۔
المدائنی نے بیان کیا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا لمبا قد تھا، گھنے بال تھے، اور ابن شاہین نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی (دوسری) زوجہ کریمہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا پیٹ بڑا تھا اور ان کا ایک رومی غلام تھا تو اس غلام نے کہا: میں آپ کا پیٹ پھاڑوں گا اور اس میں سے چربی نکالوں گا اور آپ کا جسم لطیف ہو جائے گا، اس نے ان کا پیٹ پھاڑا اور پھر سی دیا، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور وہ غلام بھاگ گیا۔ (الاصابہ ج ۶ ص ۱۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)
علامہ عز الدین ابن الاثیر ابو الحسن علی بن محمد الجوزی المتوفی ۶۳۰ ھ لکھتے ہیں:

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں اور سابقین میں سے ہیں، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر لوٹ کر مکہ آ گئے، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر قادر نہ ہوئے، اور مکہ میں اس وقت تک رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر میں بھیجا۔ پس ان کا مشرکین کی ایک جماعت سے مقابلہ ہوا جن کے سربراہ عکرمہ بن ابی جہل تھے اور مقداد اور عتبہ بن غزوان مشرکین کے ساتھ نکلے تا کہ مسلمانوں تک پہنچیں، پھر دونوں جماعتوں میں صلح ہو گئی اور قتال نہیں ہوا، پھر مقداد اور عتبہ بن غزوان مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر ہوئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ خبر پہنچی کہ قریش مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت اچھی بات کہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بہت اچھی بات کہی، پھر حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے، آپ اس پر عمل کیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اور اللہ کی قسم! ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ (انہوں نے کہا:) سو آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں (ان سے) جنگ کریں بے شک ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ (المائدہ: ۲۴)

لیکن آپ قتال کریں، ہم آپ کے ساتھ لڑیں گے حتیٰ کہ آپ اگر ہمیں "برك الغماد" تک لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ لڑیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے کلمات خیر فرمائے اور دعا دی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی گھوڑے پر سوار نہیں تھا۔

اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں اسلام کو ظاہر کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مکہ میں سب سے پہلے سات افراد نے اسلام کو ظاہر کیا اور ان میں سے ایک حضرت مقداد رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ احد میں اور تمام مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور ان کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔

ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے مجھے چار مردوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے، اور مجھے یہ خبر دی کہ اللہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے، پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ان میں سے علی ہیں، یہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا، اور ابوذر ہیں اور مقداد ہیں اور سلمان ہیں۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۴۹، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۳۰، الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۱۱۳، حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۱۷۲، کنز العمال حدیث: ۳۳۱۰۲)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کو سات نجباء، وزراء اور رفقاء دیے گئے اور مجھے چودہ نجباء دیے گئے: (۱) حمزہ (۲) جعفر (۳) ابوبکر (۴) عمر (۵) علی (۶) الحسن (۷) الحسین (۸) ابن مسعود (۹) سلمان فارسی (۱۰) عمار (۱۱) حذیفہ (۱۲) ابوذر (۱۳) مقداد (۱۴) اور بلال۔ (ابن ابی عاصم فی السنۃ ج ۲ ص ۶۱۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کو ظاہر کیا وہ سات مرد تھے: (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۲) حضرت ابوبکر (۳) حضرت عمار (۴) حضرت عمار کی والدہ سمیہ (۵) حضرت صہیب (۶) حضرت بلال اور (۷) حضرت مقداد رضی اللہ عنہم۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۵۰)

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جرف کی سرزمین میں فوت ہو گئے اور ان کے جسم کو مدینہ لایا گیا، انہوں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی اور ان کی عمر ستر سال تھی اور وہ بھاری بدن کے تھے۔

(اسد الغابہ، ج۵ ص ۲۴۲۔ ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ، لکھتے ہیں:

حضرت مقداد بن عمرو بن ثعلبہ البہرانی الکندی، ان کے حلیف ابو عمرو بن الاسود تھے۔ یہ صحابی ہیں، ان کو عبد یغوث نے بیٹا بنالیا، ان سے بیالیس (۴۲) احادیث مروی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم ایک حدیث پر متفق ہیں، اور امام مسلم تین حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں، یہ غزوۂ بدر میں بالاتفاق مسلمانوں میں سے گھوڑے پر سوار تھے، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور تمام مشاہد میں حاضر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں چار سے محبت کروں، پس آپ نے ان میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی فرمایا، تینتیس (۳۳) ہجری میں ان کی وفات ہو گئی۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج۳ ص ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، تہذیب التہذیب ج۱۰ ص ۲۸۵)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: مَنْ اَحْيَاهَا (المائدہ: ۳۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا"

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَنْ حَرَّمَ قَتْلَهَا إِلَّا بِحَقٍّ فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے قتل ناحق کو حرام قرار دیا، اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ پوری آیت اس طرح ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدہ: ۳۲)

جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تعلیق کو اسماعیل بن ابی زیاد الشامی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے اور اس کو وکیع نے از سفیان از خصیف از مجاہد روایت کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۶۷۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رضى الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ إِلَّا كَانَ عَلَى ابْنِ آدَمَ الْأَوَّلِ كِفْلٌ مِنْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الاعمش از عبد اللہ بن مرہ از مسروق از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جو شخص بھی قتل کیا جاتا ہے تو پہلے ابن آدم

پر اس کے گناہ کا حصہ ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۳۵، ۶۸۶۷، ۷۳۲۱، صحیح مسلم: ۱۶۷۷، سنن ترمذی: ۲۶۷۳، سنن نسائی: ۳۹۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۱۶، مسند احمد: ۳۶۲۳)

صحیح البخاری: ۶۸۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی اس آیت کے ساتھ مطابقت ہے جس کو اس باب کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے، اس آیت میں ارشاد ہے "وَمَنْ اَحْيَاهَا" اور اس کے شروع میں ہے "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا۔۔۔ الآية"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں قبیصہ کا ذکر ہے، اور یہ ابن عقبہ ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، اور یہ ابن عیینہ ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سفیان ثوری ہیں۔ اور اس میں الاعمش کا ذکر ہے، وہ سلیمان ہیں، اور اس میں عبداللہ بن مرہ کا ذکر ہے، وہ الخارفی الکوفی ہیں۔ اس میں تین تابعین کا ذکر ایک درجہ میں ہے اور وہ کوفی ہیں اور عبداللہ سے مراد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث باب "خلق آدم" میں از عمر بن حفص از آدم گزر چکی ہے، اور امام مسلم نے اس حدیث کا کتاب الحدود میں از ابی بکر بن ابی شیبہ ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تقتل نفس" اور حفص کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جس نفس کو بھی ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو پہلے ابن آدم پر اس کے گناہ کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "على ابن آدم الاول" پہلے ابن آدم سے مراد قابیل ہیں جنہوں نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "كِفل" اس کا معنی ہے حصہ۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس مرد نے اسلام میں کسی نیک طریقہ کی ابتداء کی تو اس کو اپنی نیکی کا بھی اجر ملے گا اور جو اس کے بعد عمل کریں گے ان کی نیکیوں کا بھی اجر ملے گا اور ان کی نیکیوں کے اجر میں سے کچھ کمی نہیں ہوگی، اور جس نے اسلام میں کسی برے طریقہ کی ابتداء کی تو اس پر اپنی برائی کا بھی گناہ ہوگا اور جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے ان کی برائیوں کا بھی گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

(صحیح مسلم: ۱۰۱۷، الرقم المسلسل: ۲۲۴۰، سنن نسائی: ۲۵۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳، مسند احمد: ۱۹۱۷۷، ج ۴ ص ۳۵۷، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۵۷، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۹۰) (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۰۔۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۶۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قابیل کا ہابیل کو قتل کرنے کا پس منظر اور پیش منظر

امام طبری نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ان کے قصہ میں یہ ہے کہ اس وقت کوئی مسکین نہ تھا جس پر صدقہ کیا جاتا، پس کوئی مرد قربانی پیش کرتا، پس جب وہ قربانی قبول ہو جاتی تو آسمان سے آگ نازل ہو کر اس قربانی کو کھا لیتی اور اگر قربانی قبول نہ ہوتی تو نہ کھاتی۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا نہیں ہوئے تھے، یہ دونوں بنی اسرائیل سے تھے، یہ طبری کی روایت ہے اور ابن ابی نجیح نے از مجاہد روایت کی ہے کہ یہ دونوں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے پیدا ہوئے تھے اور یہی مشہور ہے، اور اس کی تائید اس باب کی حدیث سے ہوتی ہے کہ یہ وصف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس قتل کا ضرر ہوگا۔

اور کہا جاتا ہے: جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ان دو بیٹوں کے علاوہ اور کوئی پیدا نہیں ہوا تھا، اسی وجہ سے قابیل اپنے بھائی ہابیل پر فخر کرتا تھا اور کہتا تھا: ہم اولادِ جنت سے ہیں اور تم زمین کی اولاد ہو۔

جب ہابیل کو قتل کیا گیا تو ان کی عمر کتنی تھی اور ان کو کس کیفیت سے قتل کیا گیا؟

امام ابن ابی اسحاق نے المبتدا میں ذکر کیا ہے، حسن بصری نے بیان کیا: جس وقت ہابیل کو قتل کیا گیا ان کی عمر بیس سال تھی اور ان کا بھائی جو قاتل تھا اس کی عمر پچیس سال تھی، اور ہابیل کی تفسیر ہے "ھبۃ اللہ"۔ اور جب ہابیل کو قتل کیا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام غمگین ہوئے اور اس کے بعد ان کے ہاں شیث پیدا ہوئے، شیث کا معنی ہے: اللہ کا عطیہ، اور انہی سے حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت پھیلی۔

علامہ الثعلبی نے بیان کیا ہے کہ علماء قرآن نے کہا ہے کہ حضرت حواء کے بیس بطن سے چالیس نفوس پیدا ہوئے، ان میں پہلے قابیل تھے اور ان کی بہن اقلیمہ تھی اور ان کے آخر عبد المغیث تھے اور امۃ المغیث تھی، پھر حضرت آدم علیہ السلام کا اس وقت انتقال ہوا جب ان کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد کا عدد چالیس ہزار کو پہنچ گیا، اور وہ سب وفات پا گئے اور طوفان کے بعد صرف حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت باقی رہی جو شیث کی نسل سے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۷۷) اور ہم نے ان ہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنا دیا O

اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں اسی (۸۰) نفوس تھے جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے:

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ (ہود: ۴۰) اور ان پر کم لوگ ہی ایمان لائے تھے O

اس کے باوجود صرف حضرت نوح علیہ السلام ہی کی نسل باقی رہی، پس ان کی پیدائش ہوتی رہی حتیٰ کہ انہوں نے روئے زمین کو بھر لیا۔

صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور (۱۰۱۷) میں ارشاد ہے: "جس نے اسلام میں کسی برے کام کی ابتداء کی تو اس کو اپنی برائی کا بھی گناہ ہوگا اور جو قیامت تک اس برائی پر عمل کریں گے ان کی برائیوں کا بھی اس کو گناہ ہوگا"۔

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب اس نے اس گناہ سے توبہ نہ کی ہو۔

اور السدی سے منقول ہے کہ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کے سر پر ایک پتھر مارا جس سے وہ فوت ہو گیا، اور ابن جریج سے

روایت ہے کہ ابلیس ان کے سامنے کسی مثال میں آیا اور اس نے ایک پتھر کو پکڑ کر کسی پرندے کے سر پر مارا تو قابیل نے بھی اسی طرح وہ پتھر ہابیل کے سر پر مارا، اور یہ واقعہ جبلِ ثور پر ہوا تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ حراء کے پیچھے ہوا تھا، تیسرا قول یہ ہے کہ ہند میں ہوا تھا، چوتھا قول یہ ہے کہ بصرہ کی ایک بڑی مسجد کی جگہ ہوا تھا، اوران کے دفن کا وہ قصہ ہے جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۔۱۱، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۶۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ وَاقِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي عَنْ أَبِيهِ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: واقد بن عبداللہ نے مجھے خبر دی از والد خود، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: تم لوگ میرے بعد کفار نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔

(صحیح البخاری: ۱۲۱، ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، ۷۰۸۰، صحیح مسلم: ۶۵، سنن نسائی: ۴۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۶)

صحیح البخاری: ۶۸۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا" اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی فرمایا ہے کہ تم میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ پھر تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔ گویا اس حدیث میں بھی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالولید کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اوران کا نام ہاشم بن عبدالملک ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں واقد کا ذکر ہے، یہ ابن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں، راوی نے اس حدیث کی نسبت اپنے باپ کے دادا کی طرف کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں "ابیہ" سے مراد محمد ہیں نہ کہ عبداللہ، اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ سے روایت کرتے ہیں، ابوذر کی روایت میں یہاں پر واقد بن عبداللہ کا ذکر ہے، اور صحیح واقد بن محمد ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۶۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا" کی متعدد توجیہات

(۱) الخوارج نے کہا کہ یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے یعنی تم میرے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرنا، کیونکہ اگر تم نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے اور پھر قتل کیے جانے کے مستحق ہو گے۔

(۲) یعنی تم میرے بعد کسی معصیت اور نافرمانی کے ارتکاب کو حلال نہ سمجھنا، کیونکہ اگر تم نے کسی حرام کام کو حلال قرار دیا تو تم حقیقتاً کافر ہو جاؤ گے اور کفر کی وجہ سے قتل کیے جانے کے مستحق ہو گے۔

(۳) یعنی تم میرے بعد ایک دوسرے کو ناحق قتل نہ کرنا جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کی جان کی حفاظت کا انکار کرو اور مسلمانوں کی حرمت کا انکار کرو اور دین کے حقوق کا انکار کرو۔

(۴) تم میرے بعد کفار کی طرح فعل نہ کرنا کہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔

(۵) کفر کا معنی ہتھیار پہننا بھی آتا ہے، کہا جاتا ہے "کفر درعہ" یعنی جب اس نے زرع کے اوپر قمیض پہن لی، تو حدیث کا منشاء یہ ہے کہ تم میرے بعد ایک دوسرے کے خلاف ہتھیاروں سے مسلح نہ ہو جانا۔

(۶) کفر کا معنی یہاں پر کفرانِ نعمت ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی تم پر یہ نعمت ہے کہ اس نے تم مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا، تم اس نعمت کی ناشکری کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو، تم ایسا نہ کرنا۔

(۷) اس حدیث میں ممانعت سے مراد زجر و توبیخ ہے، یعنی کفر کو اختیار کرنے پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی ہے اور اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے۔

(۸) تم ایک دوسرے کو کافر نہ قرار دینا مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے: اے کافر! پس اس کی تکفیر کرے جیسا کہ لوگ بعض نظریاتی اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں۔

یہاں پر نویں اور دسویں توجیہ بھی ہے جس کا میں نے کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے، اور اس حدیث کی مکمل شرح ان شاء اللہ کتاب الفتن میں آئے گی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۶۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ رَوَاهُ أَبُو بَكْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از علی بن مدرک، انہوں نے کہا: میں نے ابوزرعہ بن عمرو بن جریر سے سنا از حضرت جریر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: تم لوگوں کو خاموش کراؤ، اور تم لوگ میرے بعد کفار نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔
اس حدیث کی حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۱، ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، ۷۰۸۰، صحیح مسلم: ۶۵، سنن نسائی: ۴۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۶)

صحیح البخاری: ۶۸۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ اسی طرح مطابق ہے جس طرح اس سے پہلی حدیث مطابق تھی۔

یہ دونوں حدیثیں برابر ہیں، سوا اس کے کہ پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ حدیث حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث کو محمد بن بشار سے روایت کیا ہے از غندر، اور یہ محمد بن جعفر کا لقب ہے۔

یہ حدیث کتاب العلم میں از حجاج بن منہال گزر چکی ہے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں کو خاموش کرائیں تاکہ وہ خطبہ سنیں۔

عالم کا خطاب سننے کے لیے لوگوں کے خاموش ہونے کا وجوب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کو خاموش کرو، اس سے معلوم ہوا کہ علماء کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان کا کلام سننے کے لیے لوگوں کو چپ کرانا متعلمین پر لازم ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: ۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے اوپر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو۔

جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے، اسی طرح جب علماء حدیث پڑھ رہے ہوں تو ان کی آواز پر آواز بلند کرنا بھی منع ہے، کیونکہ حدیث کی قراءت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے حکم میں ہے، اور علماء کی تکریم اس لیے واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں اور آپ کی شریعت پر عمل کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۰ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَالَ الْيَمِينُ الْغَمُوسُ شَكَّ شُعْبَةُ وَقَالَ مُعَاذٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ أَوْ قَالَ وَقَتْلُ النَّفْسِ۔

(صحیح البخاری: ۶۶۷۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از فراس از الشعبی از حضرت عبداللہ بن عمرو از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا یا فرمایا: جھوٹی قسم کھانا، اس میں شعبہ کو شک ہے۔

اور معاذ نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی کہ کبائر یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جھوٹی قسم کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا، یا کہا: کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

صحیح البخاری: ۶۸۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں قتل ناحق سے منع فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن جعفر کا ذکر ہے، اور وہ غندر ہیں اور ان کے شیخ شعبہ ہیں جو فراس بن یحییٰ الخارفی سے روایت کرتے ہیں، اور وہ عامر الشعبی سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان والنذور کے "باب الیمین الغموس" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں "الیمین الغموس" کا ذکر ہے۔ "غموس" یہ فعول کے وزن پر ہے جو فاعل کے معنی میں ہے، یعنی وہ کام جو اپنے صاحب کو گناہ میں یا دوزخ میں ڈبو دیتا ہے اور وہ کام جھوٹی قسم عمداً کھانا ہے، جب کہ قسم کھانے والے کو یہ علم ہو کہ واقعہ اس کی قسم کے خلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْكَبَائِرُ (ح) و حَدَّثَنَا عَمْرٌو وَهُوَ ابْنُ مَرْزُوقٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ ابْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَوْلُ الزُّورِ أَوْ قَالَ وَشَهَادَةُ الزُّورِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن ابی بکر نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: الکبائر ح اور ہمیں عمرو نے حدیث بیان کی، اور وہ ابن مرزوق ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ابن ابی بکر از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: سب سے بڑا کبیرہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا ہے، اور کسی جان کو قتل کرنا ہے اور والدین کی نافرمانی کرنا ہے، اور جھوٹ بولنا ہے، یا فرمایا: جھوٹی گواہی دینا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۳، ۵۹۷۷، ۶۸۷۱، صحیح مسلم: ۸۸، سنن ترمذی: ۱۲۰۷، سنن نسائی: ۴۰۱۰، مسند احمد: ۱۱۹۶۳، سنن دارمی: ۲۳۶۰)

صحیح البخاری: ۶۸۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت اس میں ہے کہ آپ نے کسی جان کے قتل کرنے کو بھی گناہِ کبیرہ فرمایا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی امام بخاری نے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، ایک سند کے شروع میں اسحاق بن منصور کا ذکر ہے، یہ ابن بہرام الکوسج ابویعقوب المروزی ہیں (اس سند میں بہرام کی صفت کوسج ہے اور کوسج اس شخص کو کہتے ہیں جس کی پیدائشی ڈاڑھی نہ ہو) اور اس حدیث کی سند میں عبدالصمد کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالوارث العنبر ی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی بکر کا ذکر ہے، یہ عبیداللہ بن ابی بکر ہیں اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں، وہ ان کے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور دوسری سند از عمرو بن مرزوق سے شروع ہے جو شعبہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبیداللہ سے۔

یہ حدیث کتاب الشہادات میں عبیداللہ بن نمیر کی روایت سے گزر چکی ہے اور کتاب الادب میں از محمد بن الولید کی روایت سے گزر چکی ہے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں روایت کی ہے اور امام ترمذی نے کتاب البیوع میں روایت کی ہے اور امام نسائی نے کتاب القضاء میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی اور کبائر کی تعداد کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "او شہادۃ الزور" یعنی یا جھوٹی شہادت، اور یہ راوی کا شک ہے۔ اور عدد ان مذکورہ کبائر میں منحصر نہیں ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا کبائر سات ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہ ستر کے قریب ہیں اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ سات سو کے قریب ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ گیارہ کبائر ہیں۔ اور اہل سنت کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تمام معاصی برابر ہیں، ان کو صغیرہ یا کبیرہ نہ کہا جائے کیونکہ معنی ایک ہے اور کتاب اور سنت کا ظاہر ان پر رد کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾ (النساء: ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے ○

اس آیت میں گناہوں کے کبیرہ اور صغیرہ کی طرف منقسم ہونے کی تصریح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۲۔ ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۲۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ حَدَّثَنَا أَبُو ظَبْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ رضى الله عنهما يُحَدِّثُ قَالَ بَعَثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى الْحُرَقَةِ مِنْ جُهَيْنَةَ قَالَ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَهَزَمْنَاهُمْ قَالَ وَلَحِقْتُ أَنَا وَرَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ رَجُلًا مِنْهُمْ قَالَ فَلَمَّا غَشِينَاهُ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ فَكَفَّ عَنْهُ الْأَنْصَارِيُّ فَطَعَنْتُهُ بِرُمْحِي حَتَّى قَتَلْتُهُ قَالَ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فَقَالَ لِي يَا أُسَامَةُ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّمَا كَانَ مُتَعَوِّذًا قَالَ أَقَتَلْتَهُ بَعْدَ مَا قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا عَلَيَّ حَتَّى تَمَنَّيْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ أَسْلَمْتُ قَبْلَ ذَلِكَ الْيَوْمِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حصین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوظبیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے جہینہ کے قبیلہ "الحرقہ" کی طرف لشکر میں بھیجا، ہم نے ان لوگوں پر حملہ کیا سو ان کو شکست دے دی، انہوں نے کہا: میرا اور ایک انصاری مرد کا جہینہ کے ایک مرد سے مقابلہ ہوا، جب ہم دونوں نے اس کو پچھاڑ دیا تو اس مرد نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پھر انصاری اس پر حملہ کرنے سے رک گئے لیکن میں نے اپنا نیزہ اس کو گھونپ دیا حتیٰ کہ میں نے اس کو قتل کر دیا، پس جب ہم مدینہ پہنچے تو نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچ چکی تھی، آپ نے مجھ سے فرمایا: اے اسامہ! کیا تم نے اس کے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر دیا؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے تو صرف اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا، آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپ مسلسل اس کو میرے سامنے دہراتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش! میں اس دن سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۴۲۶۹، ۶۸۷۲، صحیح مسلم: ۹۶، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۳، مسند احمد: ۲۱۲۳۸)

صحیح البخاری: ۶۸۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جس آیت کا ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت اس جملہ میں ہے کہ "کیا تم نے اس کو اس کے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟ اور آپ نے یہ جملہ بار بار فرمایا" اس سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان جان کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک بہت سنگین گناہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن زُرارہ (زاء پر پیش) کا ذکر ہے، یہ ابن واقد الکلابی النیشا پوری ہیں اور یہ امام بخاری کے بھی شیخ ہیں اور امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ کتاب المغازی میں غزوۂ فتح مکہ سے پہلے ذکر کیا ہے مگر وہاں پر ابن زرارہ کے بجائے عمرو بن محمد کا ذکر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ دونوں امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اس کے بعد اس سند میں ذکر ہے اخبرنا ھشیم، اسی طرح الکشمیھنی کی روایت میں ہے اور دوسروں کی روایت میں ہے حدثنا ھشیم۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الی الحُرَقۃ" (حاء پر پیش اور راء اور قاف پر زبر) یہ جہینہ کا ایک قبیلہ ہے، اس کا نام حرقۃ اس لیے رکھا گیا کہ ان کے درمیان اور بنو مرہ بن عوف بن سعد بن دینار کے درمیان جنگ ہوئی تھی تو انہوں نے ان کو ایسے تیر مارے جن پر آگ لگی ہوئی تھی جس سے یہ لوگ جل گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان کے زیادہ آدمی قتل کر دیے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لشکر رمضان کے مہینہ میں سات یا آٹھ ہجری میں بھیجا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فصبحنا القوم" یعنی ہم صبح کے وقت ان لوگوں تک پہنچ گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما غشیناہ" یعنی جب ہم ان لوگوں سے جا کر مل گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی قتلتہ" یعنی حتیٰ کہ میں نے اس کو قتل کر دیا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جو مقتول تھا وہ مرداس بن نہیک تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ کلبی کا قول ہے اور حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ مقتول مرداس بن عمر الفدکی تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قلت یا رسول اللہ! انما کان متعوذا" یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم نے اس کو اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟ تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے بطور تعوذ کلمہ پڑھا تھا"۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے کے بعد اس شخص کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کی متعدد توجیہات

علامہ کرمانی نے کہا: یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے سے اس مقتول کا مقصد ایمان لانا نہیں تھا بلکہ اس کی غرض اپنے آپ کو قتل سے محفوظ رکھنا تھا، اور الاعمش کی روایت میں ہے: یہ اس نے ہتھیاروں کے خوف سے کہا تھا۔ اور امام ابن ابی عاصم نے ایک اور سند سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس لیے پڑھا تھا تاکہ اس کا خون محفوظ رہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ تمنا کی کہ کاش میں اس سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ پھر اس پر یہ سوال قائم کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لیے کیسے جائز تھا کہ وہ اس سے پہلے اسلام نہ لانے کی تمنا کرتے؟

پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ انہوں نے ایسے اسلام لانے کی تمنا کی جس میں کوئی گناہ نہ ہو، یا اسلام کی ابتداء کی تمنا کی تاکہ اس سے ان کا پچھلا گناہ مٹ جائے۔

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ حق بات یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے درج ذیل آیت میں تاویل کی ہے:

فَلَمْ یَکُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔ پس ان کے ایمان نے ان کو اس وقت کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ (المومن:۸۵)

یعنی اللہ کا عذاب دیکھنے کے بعد اگر کوئی ایمان لائے تو اس کا ایمان اس کو نفع نہیں دیتا، تو اسی طرح اس شخص نے جب دیکھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اس کو تلوار سے قتل کر رہے ہیں تو اس نے جلدی سے اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ لیا، اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ایسی حالت میں ایمان لانا مفید نہیں ہے، اسی وجہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر اس مقتول کی دیت لازم نہیں ہوئی۔

التوضیح میں علامہ ابن ملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے: حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا اس مرد کو قتل کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اس کو کافر گمان کیا تھا، اور انہوں نے اس سے جو کلمہ شہادت سنا اس کو انہوں نے اس پر محمول کیا کہ وہ قتل سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے، اور کم سے کم بات جو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اس قتل میں خطاء لاحق ہوئی، کیونکہ انہوں نے اس شخص کو قتل کرنے کا قصد کیا جو ان کے نزدیک کافر تھا اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو مومن قرار دیتے ہیں جو ظاہراً کلمہ شہادت پڑھے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ جو بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں نہیں لڑے اور اس جنگ سے علیحدہ رہے اس کی یہی وجہ تھی کہ انہوں نے یہ سمجھ کر ایک شخص کو اپنی رائے سے قتل کر دیا کہ وہ مسلمان نہیں ہے، اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فما زال یکررها" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہ فرماتے رہے کہ کیا تم نے اس کے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر دیا؟

اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے تو اس کو قتل کرنا بہت سنگین گناہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتی تمنیت" اس کا حاصل یہ ہے کہ میں نے یہ تمنا کی کہ اس دن سے پہلے جو میرا اسلام تھا وہ بغیر گناہ کے تھا، کیونکہ اسلام پہلے گناہوں کو ڈھو ڈالتا ہے، تو پس میں نے تمنا کی کہ یہ وقت میرے اسلام میں داخل ہونے کا پہلا وقت ہوتا کہ میں اس فعل سے محفوظ رہوں، اور ان کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ انہوں نے یہ تمنا کی کہ اس سے پہلے وہ مسلمان نہ ہوتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۳۔ ۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۸۷۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے جانے والے شخص کا بیان

صحیح البخاری: ۶۸۷۲، میں مذکور ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے ایک قبیلہ حرقہ کی طرف بھیجا، ہم نے صبح کے وقت ان لوگوں پر حملہ کر کے انہیں شکست دے دی اور میرے ساتھ انصار کا ایک مرد تھا، ہم دونوں نے جہینہ کے ایک مرد کا پیچھا کیا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: جب ہم نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا

اللهُ، پس انصاری تو اس پر حملہ سے رک گیا اور میں نے اس پر اپنا نیزہ مارا حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا۔۔۔الحدیث۔

جس مرد کا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور انصاری نے پیچھا کیا تھا، علامہ ابن عبد البر نے کہا: اس کا نام مرداس بن عمر الفدکی تھا اور ابن الکلبی کا قول یہ ہے کہ اس کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا اور پھر قصہ بیان کیا۔ اور امام ابن مندہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بنو ضمرہ کی طرف حملہ کے لیے بھیجا، پھر ذکر کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرد کو قتل کر دیا۔

اور امام ابن ابی عاصم نے کتاب الدیات میں حسن بصری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کی طرف ایک لشکر بھیجا جنہوں نے اہلِ فدک پر حملہ کیا اور مرداس الفدکی رات کو نکلے اور انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا کہ میں محمد اور ان کے اصحاب کے ساتھ مل جاؤں گا، پس ایک مرد نے ان کو دیکھ لیا اور ان پر حملہ کیا تو مرداس نے کہا: میں مومن ہوں، سو اس نے اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے کیوں نہ اس کے دل کو چیر لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مرداس کے قاتل کو لوگوں نے دفن کر دیا، صبح کو وہ قبر کے اوپر پڑا ہوا تھا، لوگوں نے پھر دفن کیا تو وہ پھر قبر پر پڑا ہوا تھا اور اس طرح کئی دفعہ ہوا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس شخص کو دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں پھینک دیا جائے، پھر آپ نے فرمایا کہ زمین اس سے بھی بدتر شخص کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں نصیحت کی ہے (کہ مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سنگین ہے کہ زمین مومن کے قاتل کو قبول نہیں کرتی)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

اگر یہ حدیث ثابت ہو تو یہ مرداس دوسرا ہے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے مقتول کا نام مرداس نہیں تھا، اور اس قصہ کی مثل امام طبری نے بھی روایت کی ہے کہ محلم بن جثامہ نے عامر بن الاضبط کو قتل کر دیا، اور محلم جب مر گیا اور دفن کر دیا گیا تو زمین نے اس کو باہر نکال کر پھینک دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی روایتوں میں تعارض کا جواب

امام مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے اوپر تلوار بلند کی تو اس نے کہا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، پس حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، اور صحیح البخاری کی اس روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس شخص کو نیزہ گھونپ کر قتل کر دیا، بہ ظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے اوپر تلوار کو بلند کیا، اور جب تلوار سے اس کو قتل کرنے پر قادر نہ ہوئے تو پھر اس کو نیزہ گھونپ دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری ۶۸۷۲، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابنِ ابی عاصم نے از ہشام بن حسان از الحسن بن ابی الحسن روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں پر سوار ایک

جماعت فدک کی طرف بھیجی، سوانہوں نے اہلِ فدک پر حملہ کیا اور مرداس الفد کی رات کو نکلے تھے اور انہوں نے اپنے اصحاب سے کہا تھا: بے شک میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے جا کر مل جاؤں گا، پھر ایک مرد نے ان کو دیکھ لیا سو، ان پر حملہ کیا، انہوں نے کہا: بے شک میں مومن ہوں، سو اس نے ان کو قتل کر دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مرداس کا قاتل مر گیا تھا، لوگوں نے اس کو دفن کیا، پس صبح کو وہ شخص قبر کے اوپر پڑا ہوا تھا، انہوں نے دوبارہ قبر کھود کر اس کو دفن کر دیا، پھر وہ دوبارہ قبر کے اوپر پڑا ہوا تھا، پھر اسی طرح ہوا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معاملہ بتایا گیا تو آپ نے حکم دیا: اس شخص کو مدینہ کے دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں پھینک دیا جائے، تو اس کو اس طرح پھینک دیا گیا، پھر آپ نے فرمایا: سنو! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک زمین تمہارے اس صاحب سے زیادہ برے آدمی کو چھپا لیتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو نصیحت کی ہے (یعنی مرداس کا قاتل اتنا برا تھا کہ زمین نے اس کو قبول نہیں کیا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًاۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا٘ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۝ (النساء: ۹۴)

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے، تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو، تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں، اس سے پہلے تم بھی اس طرح تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا، سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اور اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرداس کا قاتل حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص تھا۔

اور یونس نے از ابن اسحاق روایت کی ہے کہ مجھے یزید بن عبد اللہ بن قسیط نے حدیث بیان کی از القعقاع بن عبد اللہ بن ابی حدرد از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِضم کی طرف بھیجا، پس میں مسلمانوں کی ایک جماعت کی طرف نکلا جن میں حضرت ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ بھی تھے، پس ہمارے پاس سے عامر بن الاضبط الاشجعی اپنے اونٹ پر سوار گزرے، سو انہوں نے ہم کو اسلام کے طریقہ کے مطابق سلام کیا تو ہم ان پر حملہ کرنے سے رک گئے اور محلم بن جثامہ نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا، کیونکہ ان کے اور عامر کے درمیان کوئی جھگڑا تھا اور اس کا اونٹ اور سامان ضبط کر لیا، پھر جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ہم نے آپ کو اس واقعہ کے متعلق بتایا تو ہمارے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت یعنی النساء: ۹۴ نازل ہوئی۔

(السیرۃ النبویۃ ج ۴ ص ۳۰۲، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱، تفسیر الطبری ج ۴ ص ۲۲۴، رقم: ۱۰۲۱۷)

اور امام ابن جریر نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ محلم بن جثامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مر گیا تھا، لوگوں نے اس کو دفن کر دیا تو زمین نے کئی مرتبہ اس کو اس کی قبر سے نکال کر باہر پھینک دیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو دو پہاڑوں کے درمیان گرا دیا گیا اور اس کے اوپر پتھر ڈال دیے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک زمین اس سے بدترین انسان کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ تم کو مومن کے قتل کرنے کے متعلق نشانی دکھائے۔ (تفسیر الطبری ج ۴ ص ۲۲۴، رقم: ۱۰۲۱۶)

حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے: تحقیق یہ ہے کہ کہا گیا ہے: جس شخص کو دو پہاڑوں کے درمیان گرایا گیا وہ محلم بن جثامہ نہیں تھا، کیونکہ محلم اس کے بعد حمص میں آیا تھا اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ایام خلافت میں مر گیا تھا۔ (الاستیعاب ج ۴ ص ۲۴)

میں کہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے ایام خلافت میں مرا تھا وہ محلم نام کا کوئی اور شخص ہو۔

(سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ فرماتے ہیں:

النساء: ۹۴ کے شانِ نزول کے متعلق بہت زیادہ روایات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ یہ حضرت المقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، یا غالب بن عبداللہ اللیثی کے متعلق نازل ہوئی ہے، یا ایک لشکر کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس میں قاتل کا نام نہیں لیا گیا، یا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے یا محلم کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں اور سب اس پر متفق ہیں کہ اس کو قتل کرنا خطاء تھا۔

اور مرداس بن نہیک کے متعلق الکلبی نے کہا ہے کہ وہ الفدکی تھے اور حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ وہ الفزاری تھے۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۴۴۳، رقم: ۲۳۹۸)

اور علامہ ابن مندہ نے کہا ہے کہ وہ مرداس بن عمر تھا، اور ابو سعید نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بنو ضمرہ کی طرف بھیجا جس میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ تھے، پھر یہ ذکر کیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا تھا۔

اور ابنِ اسحاق نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبداللہ الکلبی کو بنو مرہ کی طرف بھیجا تھا اور اسی میں مرداس بن نہیک تھے جو بنی الحرقۃ سے ان کے حلیف تھے، سو ان کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا تھا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۴ ص ۲۹۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۳۰۶۔۳۰۸، ملخصاً وملحقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی ان دو روایتوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ بیان ہے کہ مرداس کے قاتل کو زمین نے قبول نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کو دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں پھینک دیا گیا، اور آپ نے فرمایا: زمین اس سے بھی بدترین شخص کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہے۔ اور اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے جس میں محلم بن جثامہ نے عامر بن الاضبط کو قتل کر دیا تھا تو اس کو بھی زمین نے قبول نہیں کیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۷۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضى الله عنه قَالَ إِنِّي مِنَ النُّقَبَاءِ الَّذِينَ بَايَعُوا رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَايَعْنَاهُ عَلَى أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ وَلَا نَنْتَهِبَ وَلَا نَعْصِيَ بِالْجَنَّةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید نے حدیث بیان کی از ابی الخیر از الصنابحی از حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان نقباء میں سے تھا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر

إِنْ فَعَلْنَا ذَلِكَ فَإِنْ غَشِينَا مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا كَانَ قَضَاءُ ذَلِكَ إِلَى اللهِ۔

جنت کی بیعت کی تھی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں بنائیں گے اور نہ چوری کریں گے اور نہ زنا کریں گے اور نہ اس جان کو قتل کریں گے جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اور نہ لوٹ مار کریں گے اور نہ کسی نیک کام میں حکم عدولی کریں گے، اگر ہم نے ان کاموں کو کرلیا (تو ہم کو جنت مل جائے گی) اور اگر ہم نے ان میں سے کسی امر کے خلاف کیا تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے (وہ چاہے تو ہمیں معاف کردے اور چاہے تو ہمیں عذاب دے)۔

(صحیح البخاری:۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸، صحیح مسلم:۱۷۰۹، سنن ترمذی:۱۴۳۹، سنن نسائی:۴۱۶۱، سنن دارمی:۲۴۵۳)

صحیح البخاری: ۶۸۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان میں ذکر کی ہوئی آیت کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "اور ہم اس جان کو قتل نہیں کریں گے جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن ابی حبیب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالخیر، یہ مرثد بن عبداللہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الصُنابحی، اس میں صنابح بن ظاہر بن عامر کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ مراد کی شاخ ہے اور ان کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے جو العسلۃ کی تصغیر ہے۔

یہ حدیث کتاب المناقب کے باب "وفود الانصار" میں گزر چکی ہے اور کتاب الایمان میں بھی ایک باب میں گزر چکی ہے جس کا عنوان نہیں تھا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان نقباء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی" یعنی لیلۃ العقبہ میں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا ننتھب" یعنی ہم لوٹ مار نہیں کریں گے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "ولا نعصی" یعنی ہم کسی نیک کام میں حکم عدولی نہیں کریں گے۔ ایک روایت میں "ولا نعصی" کے بجائے "ولا نقضی بالجنۃ" مذکور ہے یعنی ہم اپنی طرف سے جنت کا حکم نہیں لگائیں گے۔ اور قاضی نے کہا: صحیح یہ

لفظ یمین کے ساتھ ہے یعنی "ولا نعصی" یعنی ہم کسی نیک کام میں حکم عدولی نہیں کریں گے، قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ (الممتحنہ:۱۲) اور نہ دستور کے مطابق آپ کی نافرمانی کریں گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بالجنۃ" یعنی ہم نے آپ سے جنت کے اوپر بیعت کر لی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فان غشینا" یعنی جن کاموں سے ہم کو منع فرمایا ہے اگر ہم نے ان کاموں میں سے کوئی کام کر لیا تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف مفوّض ہے، اگر وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر وہ چاہے تو ہم کو معاف فرما دے۔

اس حدیث میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ معاصی کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاتی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۸۷۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کی حدیث میں لی گئی بیعت کی تاریخ کا بیان

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیعت اس کیفیت کے ساتھ لیلۃ العقبہ کو لی گئی تھی اور اس طرح نہیں ہے، جیسا کہ میں نے اس کو کتاب الایمان میں صحیح البخاری کی شرح کے شروع میں بیان کیا ہے۔ لیلۃ العقبہ میں جو بیعت لی گئی تھی وہ یہ ہے جیسا کہ اہلِ مغازی نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار میں سے حاضرین سے فرمایا: میں تم سے اس بات پر بیعت کرتا ہوں کہ تم میری ان سے حفاظت کرو گے جن سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، اور نیز حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ ہم آپ کے احکام کو سنیں گے اور ان پر عمل کریں گے فراخی میں اور تنگی میں، خوشی میں اور ناخوشی میں ۔۔۔ الحدیث۔

اور جس بیعت کا یہاں پر ذکر کیا گیا ہے، یہ وہ ہے جو عورتوں سے بیعت لی تھی اور وہ اس کے بہت مدت بعد لی گئی تھی، کیونکہ سورۂ نساء کی وہ آیت جس میں اس بیعت کا ذکر ہے وہ اس کے بہت بعد نازل ہوئی ہے جو عمرہ حدیبیہ میں صلح کے زمانہ میں فتحِ مکہ سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور وہ بیعت جو مردوں سے لی گئی تھی جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے وہ فتحِ مکہ کے سال میں لی گئی تھی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۷۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا رَوَاهُ أَبُو مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۷۰، صحیح مسلم: ۹۸، سنن نسائی: ۴۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۶، مسند احمد: ۴۴۵۳)

صحیح البخاری: ۶۸۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں جو آیت ذکر کی گئی ہے اس میں قتل سے ممانعت ہے، اور اس حدیث کا معنی بھی یہ ہے کہ لوگوں سے قتال کرنے کے لیے ہتھیار اٹھانے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: جس نے ہم سے دین میں قتال کیا یا جس نے ہم سے قتال کو مباح سمجھا اس سے اس حدیث میں ممانعت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جویریہ، یہ جاریۃ کی تصغیر ہے اور وہ ابن اسماء ہیں۔ اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ ہم میں سے نہیں ہے" یعنی وہ ہمارے طریقہ محمودہ پر نہیں ہے۔

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جس نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار اٹھائے تا کہ ان کو مرعوب کرے اور جس نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھائے تو اس سے ممانعت نہیں ہے۔ اور اس میں جو فرمایا ہے "وہ ہم میں سے نہیں ہے" تو یہ زجر اور تخویف میں مبالغہ کے لیے ہے۔

اس حدیث میں ایک تعلیق ہے "حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی"۔ یعنی اس حدیث مذکور کی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے، اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس ہے، اور یہ تعلیق عنقریب سند موصول کے ساتھ کتاب الفتن کے اس باب میں آئے گی "باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حمل علینا السلاح"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۵ - حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هَذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ قُلْتُ أَنْصُرُ هَذَا الرَّجُلَ قَالَ ارْجِعْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا الْقَاتِلُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالرحمن بن المبارک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے اور یونس نے حدیث بیان کی از الحسن از الاحنف بن قیس، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اس مرد کی مدد کرنے کے لیے روانہ ہوا تو مجھے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے، پس پوچھا: تم کہاں کا ارادہ کر رہے ہو؟ میں نے کہا: میں اس مرد کی مدد کروں گا، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لوٹ

فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ۔

جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ تو قاتل ہے پس مقتول کس وجہ سے دوزخ میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا: یہ بھی تو اپنے صاحب کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱، ۶۸۷۵، ۷۰۸۳، صحیح مسلم: ۲۸۸۸، سنن نسائی: ۴۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۵، مسند احمد: ۱۹۹۹۵)

صحیح البخاری: ۶۸۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب میں مذکور آیت کے عنوان میں مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالرحمٰن بن المبارک کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، وہ ابن عبید البصری ہیں۔ اور حسن کا ذکر ہے، وہ البصری ہیں۔ اور الاحنف بن قیس کا ذکر ہے، وہ السعدی البصری ہیں اور ان کا نام الضحاک ہے اور احنف ان کا لقب ہے، ان کی کنیت ابو بحر ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ کی زیارت نہیں کی، یہ حافظ ابو عمر نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام لا چکے تھے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کی تھی۔ یہ سڑسٹھ (۶۷) ہجری میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

اور اس حدیث کی سند میں حضرت ابوبکرہ کا ذکر ہے، ان کا نام نفیع بن الحارث ہے۔

یہ حدیث کتاب الایمان کے "باب المعاصی من امر الجاھلیة" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لانصر ھذا الرجل" یعنی تا کہ میں اس مرد کی مدد کروں، اس مرد سے ان کی مراد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ اور احنف بن قیس جنگِ جمل میں ان سے پیچھے رہ گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مقابلہ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں"۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے: یہ وعید اس وقت لازم ہوگی جب دو مسلمان بغیر کسی تاویل کے ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لیے لڑیں، یعنی وہ دشمنی کی بناء پر تلواروں سے لڑیں یا طلبِ دنیا کے لیے، لیکن جس نے باغیوں سے قتال کیا یا کسی حملہ آور سے مدافعت کے لیے لڑا اور اس میں وہ مارا گیا تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ اسے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس کی مدافعت کے لیے

لڑے اور اپنے مقابل کو قتل کرنے کا قصد نہ کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۸۷۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

معصیت کے عزم پر مواخذہ کی دلیل

علامہ الباقلانی اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے کسی معصیت کا عزم کیا وہ گناہ گار ہوگا خواہ اس نے وہ فعل نہ کیا۔ اور ان کے مخالف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ وعید اس وقت لاحق ہوگی جب وہ اس فعل کو شروع کرے، اور اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ کوئی شخص صرف ''ھَم'' کرے اور کچھ نہ کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا یا نہیں۔ اور ''کتاب الرقاق'' میں یہ حدیث گزری ہے کہ جس نے نیکی کا ''ھم'' کیا اور جس نے برائی کا ''ھم'' کیا، اور وہاں پر ہم اس کی شرح کر چکے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (البقرۃ: ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ عورت، سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے، یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں پوری آیت کا امام بخاری نے ذکر کیا ہے اور اس باب میں کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا، اور اس باب کے بعد ایسے ابواب ذکر کیے ہیں جو اس آیت مذکورہ کے احکام کو شامل ہیں، اور عنقریب اس آیت کے نزول کے سبب کا بیان آئے گا۔

سو امام بخاری نے کہا: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قصاص تھا اور ان میں دیت نہیں تھی، اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا: ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى'' (البقرۃ: ۱۷۸) یہ آیت یہاں تک ہے ''فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ''۔ جس نے قصاص کا مستحق ہونے کے بعد اپنے بھائی کے لیے کسی چیز کو ترک کر دیا تو اس کی اتباع کی جائے، یعنی اس عفو کی دستور کے مطابق اتباع کی جائے، پس قتل کا طالب جب دیت کو قبول کر لے تو اس کی دستور کے مطابق اتباع کی جائے۔

نیز فرمایا: "وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ" یعنی قاتل بغیر کسی ضرر کے اچھے طریقہ سے دیت ادا کرے، اور قتل عمد میں دیت کو لینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر تخفیف اور رحمت ہے۔ پس جس نے دیت لینے کے باوجود قتل کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۱۷۸ کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال

امام ابو جعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ البقرہ: ۱۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد قتل عمد ہے اور وہ قاتل مقتول کے ورثاء کو دیت لینے پر راضی کر لیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جو شخص دیت کو قبول کر لیتا ہے، یہ اس کی طرف سے قصاص کو معاف کرنا ہے اور اس کو چاہیے کہ اس کے جس بھائی کے لیے قتل کو معاف کیا گیا ہے وہ اس کو دیت نیکی کے ساتھ ادا کر دے۔

(جامع البیان ج ۲ ص ۱۴۷۔۱۴۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ، البقرہ: ۱۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان آیات کا تقاضا قصاص کو واجب کرنا ہے نہ غیر، اور فقہاء کا قتل عمد کے مقتضاء میں اختلاف ہے، پس امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک بن انس اور ثوری اور ابن شبرمہ اور الحسن بن صالح نے کہا ہے: مقتول کے ولی کے لیے قصاص کے علاوہ اور کچھ جائز نہیں ہے اور وہ قاتل کی رضامندی کے بغیر دیت نہ لیں۔ اور الاوزاعی، اللیث اور امام شافعی نے کہا ہے کہ مقتول کے ولی کو اختیار ہے خواہ وہ قصاص لے اور خواہ دیت لے، اگرچہ قاتل راضی نہ ہو۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۴۹، سہیل اکیڈمی، لاہور، ۱۴۰۰ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ، البقرہ: ۱۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک قتل عمد میں صرف قصاص ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قتل عمد قصاص ہے مگر یہ کہ مقتول کا ولی معاف کر دے۔ (سنن الدار قطنی ج ۳ ص ۹۴)

اور بعض احادیث میں روایت ہے "سوا اس کے کہ اس کو فدیہ دیا جائے"۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جس شخص کا کوئی مقتول قتل کیا گیا ہے اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، یا تو اس کو دیت ادا کی جائے گی یا مقتول کے اہل اس سے قصاص لیں گے۔ الحدیث۔ (صحیح البخاری: ۱۱۲)

علامہ جصاص لکھتے ہیں:

پس دیت بغیر باہمی رضامندی کے اور ان کے درمیان صلح کے بغیر نہ لی جائے۔

(تاویلات اہل السنۃ ج ۲ ص ۱۰۔۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قتلِ عمد کے شرعی حکم کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوشریح الخزاعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو قتل کیا گیا یا اس کے ہاتھ پیر بے کار کیے گئے اس کو تین چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے: یا تو وہ قصاص لے، یا معاف کر دے، یا دیت قبول کرے، اگر وہ چوتھی بات کرے تو اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو۔ اور جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(سنن ابوداؤد:۴۴۹۶، سنن ابن ماجہ:۲۶۲۳)

حضرت ابوشریح الکعبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو اے معشر خزاعہ! تم نے ہذیل کے اس قتیل کو قتل کر دیا اور میں اس کی دیت ادا کروں گا، پس میرے اس ارشاد کے بعد جو مقتول قتل کیا گیا تو اس کے ورثاء کو دو چیزوں کا اختیار ہے، یا تو دیت وصول کر لیں یا قاتل کو قتل کر دیں۔ (سنن ابوداؤد:۴۵۰۴، سنن ترمذی:۱۴۰۶)

عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: مومن کو کافر (حربی) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، اور جس نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا تو اسے مقتول کے ورثاء کے سپرد کیا جائے گا، پس اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں۔ (سنن ابوداؤد:۴۵۰۶، سنن ترمذی:۱۴۱۳، سنن ابن ماجہ:۲۶۵۹)

قصاص کے بدلہ میں مال پر صلح کے متعلق فقہاءِ احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ (البقرہ:۱۷۸) سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا۔

یہ آیت قتلِ عمد میں صلح سے متعلق نازل ہوئی ہے، پس یہ آیت صلح کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ صلح کا بدل کم ہو یا زیادہ ہو، اور دیت کی جنس سے ہو یا دیت کی جنس کے خلاف ہو، نقد ہو یا ادھار ہو، اس کی ادائیگی کی مدت معلوم ہو یا مجہول ہو، اور جہالت کی مدت بھی مختلف ہو۔ (بدائع الصنائع ج۱۰ ص۲۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ، البقرہ:۱۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سے مراد یہ ہے کہ جب قاتل دیت ادا کرنے پر راغب ہو تو ولی مقتول کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس پر اس کی موافقت کرے یا اس پر اس کی مدد کرے اور قاتل پر لازم ہے کہ وہ عمدہ طریقہ سے اس دیت کو ادا کرے جب ولی اس کی مدد کرے۔ اور یہ دیت قاتل کے مال میں واجب ہے جب کہ یہ دیت بطریق صلح اور باہمی رضامندی ہو۔

(کتاب المبسوط جز۲۶ ص۶۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں:

پس اگر قتلِ عمد جس میں قصاص واجب ہے، جب صلح دیت سے زیادہ پر کی جائے تو ہمارے نزدیک یہ جائز ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول میں یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کا ایک قول یہ ہے کہ قتلِ عمد میں دو میں سے ایک چیز معین ہے جو مقتول کے ولی کے اختیار سے ہوتی ہے، اور جب مقتول کا ولی دیت کو اختیار کر لے تو دیت شرعاً مقدر ہے اور اس پر صلح کے طریقہ سے اضافہ جائز نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قتلِ عمد میں صرف قصاص واجب ہے اور کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ پس جس مال کا ولی مقتول انتظام کرتا ہے وہ قصاص کا معاوضہ ہے اور مال اور غیر مال میں کوئی ربا نہیں ہے۔ اور اس صلح کے جواز پر دلیل حسب ذیل حدیث ہے:

روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے گھوڑے سواروں نے ایک مرد کو قتل کر دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قصاص لینے کا حکم دیا، پس جب مقتول کا ولی قتل کرنے کے لیے نکلا تو صحابہ نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ناپسندیدگی کے آثار تھے، تو وہ نکلے اور انہوں نے مقتول کے وارثوں سے دو دیتوں کے دینے پر صلح کر لی، ایک دیت وہ ہے جس کو قاتل ادا کرے گا اور ایک دیت وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کریں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہو گئے۔

اور اگر مقتول کے ولی نے قتلِ خطاء یا عمد میں پچاس اونٹوں پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے، رہا عمد تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، اور رہا قتلِ خطاء تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بعض واجب کو ساقط کر دیا، اور اگر وہ کل کو معاف کر کے ساقط کر دے تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح اگر وہ بعض کو ساقط کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ (کتاب المبسوط ج ۲۶ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ، لکھتے ہیں:

جب قاتل اور مقتول کے اولیاء کسی مال کی مقدار پر صلح کر لیں تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور مال واجب ہو گا خواہ مال قلیل ہو یا کثیر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ (البقرہ: ۱۷۸) سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا۔

یہ آیت صلح کے متعلق نازل ہوئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص کا کوئی قتیل قتل کیا گیا تو اس کے ورثاء کو دو چیزوں کا اختیار ہے، اگر چاہیں تو قصاص لے لیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔ اللہ ہی کو زیادہ علم ہے، اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ وہ قاتل کی رضامندی سے مال لیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے (کہ مقتول کے ولی کے لیے قصاص سے عدول کرنا جائز نہیں ہے سوائے قاتل کی رضامندی کے) اور یہ بعینہٖ صلح ہے، اور اس لیے کہ یہ وہ حق ہے جو ورثاء کے لیے ثابت ہے اور اس کے اندر قصاص کو از روئے عفو کے ساقط کرنا جاری ہوتا ہے، اسی طرح قصاص کو از روئے عوض کے ساقط کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ عوض مقتول کے ورثاء کے احسان پر مشتمل ہے اور قاتل کو زندہ رکھنے پر مشتمل ہے، پس یہ عوض باہمی رضامندی سے جائز ہے اور اس میں کم مال اور زیادہ مال دونوں برابر ہیں، کیونکہ اس میں کوئی نص مقدر نہیں ہے، لہٰذا یہ قاتل اور ورثاء مقتول کی اصطلاح کے سپرد کی جائے گی جیسا کہ خلع وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نقد اور ادھار کو ذکر نہ کریں تو وہ نقد پر محمول ہو گا، کیونکہ یہ وہ مال ہے جو رضامندی کے عقد سے واجب ہوتا ہے اور اس کی مثالوں میں نقد دینا اصل ہے جیسا کہ مہر میں اور ثمن میں بخلاف دیت کے، کیونکہ یہ تراضی

کے عقد سے واجب نہیں ہوتی۔ (ہدایہ اخیرین ص ۵٦٦، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

مفسرین کی عبارات، احادیث صحیحہ اور فقہاء کی تصریحات کا خلاصہ

میں کہتا ہوں: فقہاء احناف کی ان عبارات کا محمل یہ ہے کہ قتلِ عمد میں مال کی جس مقدار پر بھی صلح کی جائے وہ صلح جائز ہے خواہ وہ مال کی مقدار اصلِ دیت سے کم ہو یا زیادہ ہو۔ اور قتلِ شبہ عمد میں شارع کی طرف سے دیت کی مقدار معین ہے اور وہ سواونٹ ہیں اور جن احادیث میں قتلِ عمد میں دیت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ابھی سنن ابوداؤد کی احادیث سے گزرا ہے اس دیت سے مراد خون بہا ہے اور قتل کا عوض ہے اور قرآن مجید کی نص صریح البقرہ: ۱۷۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شریعت کی طرف سے کوئی مقدار معین نہیں ہے بلکہ اس کی مقدار قاتل اور ورثاء مقتول کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے ''سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا'' اور معاف کرنے کی مقدار نہیں بیان فرمائی تو اس کی عرف کے مطابق اتباع کرنا لازم ہے اور قاتل پر واجب ہے کہ وہ اصل طریقہ سے اس کو ادا کرے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس تفصیل کے بعد اب ہم صحیح البخاری کے ابواب کی احادیث کی شرح لکھ رہے ہیں۔

۴۔ بَابُ: سُؤَالِ الْقَاتِلِ حَتّٰى يُقِرَّ وَالْإِقْرَارِ فِي الْحُدُودِ

قاتل سے سوال کرنا حتیٰ کہ وہ اقرار کر لے، اور حدود میں اقرار کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ امام اور سربراہِ ملک اس شخص سے سوال کرے جس پر قتل کی تہمت ہو اور اس کے خلاف کوئی گواہ قائم نہ کیا گیا ہو، اور اس سے اس کے متعلق سوال کرے اور تفتیش کرتا رہے حتیٰ کہ قاتل قتل کا اقرار کر لے، پھر وہ اس کے اوپر حد قائم کرے۔ اور یہ عنوان اسی طریقہ سے اکثرین کی روایت میں ہے۔ اور نسفی اور کریمہ کے نسخوں میں ''باب'' کا لفظ مذکور نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٨٧٦۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنهُ أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هَذَا أَفُلَانٌ أَوْ فُلَانٌ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأُتِيَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمْ يَزَلْ بِهِ حَتّٰى أَقَرَّ بِهِ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا، اس لڑکی سے پوچھا گیا: تمہارے ساتھ یہ ظلم کس نے کیا ہے، فلاں شخص نے یا فلاں شخص نے؟ حتیٰ کہ اس یہودی کا نام لیا گیا، پھر اس (یہودی) کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، پھر آپ اس سے سوال کرتے رہے حتیٰ کہ اس نے قتل کا اقرار کر لیا،

پس اس کا سر بھی پتھروں سے کچل دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۵۲۹۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۱۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

صحیح البخاری: ۶۸۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ " آپ اس سے مسلسل سوال کرتے رہے حتیٰ کہ اس نے اقرار کرلیا"۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فرضّ راسه بالحجارة" "رُضّ" کا معنی ہے: پتھروں سے کوٹنا یا کچلنا، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیاس میں مماثلت ہوتی ہے، یعنی جس کیفیت سے کسی نے کسی کو قتل کیا ہے، اسی کیفیت سے اس کو قتل کیا جائے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

اس حدیث میں مذکور ہے "راس جارية"۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ لڑکی باندی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لڑکی آزاد ہو لیکن بلوغت سے کم ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی مکمل عبارت

اس حدیث میں "جارية" کا لفظ ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ باندی ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ آزاد ہو لیکن بلوغت سے کم ہو، اور اس باب کے قریب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک لڑکی نکلی جس پر مدینہ میں زیورات تھے تو ایک یہودی نے اس کے اوپر پتھر مارا، اور کتاب الطلاق میں اسی سند کے ساتھ یہ عبارت ہے: یہودی نے اس لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے وہ زیورات چھین لیے جو اس پر تھے اور اس کے سر کو کچل دیا، اور اس حدیث میں ہے کہ اس لڑکی کے گھر والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس میں آخری رمق حیات تھی، اور اس سے یہ معین نہیں ہوتا کہ وہ لڑکی آزاد ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کے گھر والوں سے مراد اس کے مالکان ہوں، خواہ وہ باندی ہو یا آزاد کردہ ہو اور میں اس لڑکی کے نام پر مطلع نہیں ہوا لیکن حدیث کی بعض سندوں میں مذکور ہے کہ وہ لڑکی انصار سے تھی۔ ایک حدیث میں ہے کہ اس کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس نے اس لڑکی کے اوپر پتھر مارا، اور اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ اس کے سر کو کچل دیا اس لیے کہ ان میں اس طرح تطبیق دی جائے گی کہ اس نے اس لڑکی کو پتھر مارا جو اس کو سر پر لگا تو وہ لڑکی دوسرے پتھر پر گر گئی تو اس کو یوں تعبیر فرمایا کہ دو پتھروں کے درمیان اس کو کچل دیا۔ اس حدیث میں ہے "علیٰ اوضاح" امام ابو عبید نے کہا کہ وہ چاندی کے زیورات تھے اور قاضی عیاض سے منقول ہے کہ وہ

پتھر کے زیورات تھے اور شاید ان کی مراد یہ ہو کہ وہ چاندی کے پتھر تھے۔ اور اس میں ڈھلی ہوئی یا منقوش چاندی سے احتراز کیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کے گھر والے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس میں حیات کی آخری رمق تھی۔۔ الحدیث، اس میں یہ دلیل ہے کہ وہ لڑکی آزاد تھی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا ہے: اس سے اس لڑکی کا آزاد ہونا معین نہیں ہوتا، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ گھر والوں سے مراد اس کے مالکان ہوں، وہ باندی ہو یا آزاد کردہ ہو۔

علامہ عینی اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ ظاہر سے عدول ہے کیونکہ موالی کے اوپر اہل کا اطلاق حقیقت میں نہیں ہوتا، اور جو احتمال بغیر دلیل کے قائم ہو اس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

نیز حدیث میں مذکور ہے ''الاوضاح'' یہ وضح کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے چاندی کے زیور، یہ امام ابو عبید وغیرہ کا قول ہے، اور الجوہری نے کہا کہ ثابت دراہم سے جو زیورات بنائے جائیں ان کو اوضاح کہتے ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''فاتی بہ حتی اقر'' یعنی اس یہودی کو لایا گیا حتیٰ کہ اس نے قتل کا اقرار کر لیا کہ اسی نے یہ قتل کیا ہے، اور الوصایا کی روایت میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ اس نے اعتراف کر لیا''۔

ایک سوال کا جواب

ابو مسعود نے کہا ہے: مجھے یہ علم نہیں کہ کسی نے اس حدیث میں یہ کہا ہو حتیٰ کہ اس یہودی نے اعتراف کر لیا اور نہ یہ حتیٰ کہ اس نے اقرار کر لیا سوائے ہمام بن یحییٰ کے۔ اور دوسروں نے کہا ہے: یہ لفظ صرف قتادہ کی روایت میں ہے اور دوسروں نے اس کو نقل نہیں کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ لفظ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں ثابت ہے اور اس سے اس قول کا رد ہو گیا جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، اور اس سے اس سوال کا بھی رد ہو گیا جس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ نے اس یہودی کو کس طرح قتل کیا جب کہ نہ کوئی اس پر گواہ تھا اور نہ یہودی نے اعتراف کیا تھا۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی روایت میں اس کے اعتراف کرنے کا ذکر موجود ہے۔ نیز اس اعتراض کا یہ جواب بھی ہے کہ یہ واقعہ اسلام کی ابتداء میں تھا اور اس وقت قاتل کو صرف مقتول کے قول کی وجہ سے قتل کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی ﷺ نے اس کو بغیر گواہ اور بغیر اعتراف کے قتل کیا ہو بلکہ کسی اور سبب سے اس کو قتل کیا ہو جو اس کو قتل کرنے کا موجب ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو گیا تھا کہ اسی یہودی نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے، اس لیے آپ نے اس کو قتل کر دیا۔

قصاص لینے کی کیفیت میں فقہاء کے اقوال

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ قاتل کو اسی کیفیت سے قتل کیا جائے گا جس کیفیت سے اس نے مقتول کو قتل کیا ہے، پس اگر اس

نے مقتول کو لاٹھی مار کر قتل کیا ہے یا پتھر مار کر قتل کیا ہے یا اس کا گلا گھونٹ کر قتل کیا ہے یا اس کو غرق کر کے قتل کیا ہے تو اس کو اسی کیفیت سے قتل کیا جائے گا۔ امام شافعی اور امام احمد اور ابوثور اور اسحاق اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعی نے کہا: اگر اس نے مقتول کو عمداً آگ میں ڈال دیا حتیٰ کہ وہ مر گیا تو قاتل کو بھی آگ میں ڈال دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ مر جائے۔

اور ابراہیم النخعی، عامر الشعبی، حسن البصری، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ تمام صورتوں میں قاتل کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا اور ان کی دلیل یہ ہے کہ امام طحاوی نے یہ حدیث بیان کی ہے:

امام طحاوی نے کہا: ہمیں ابن مرزوق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان ثوری نے حدیث بیان کی از حضرت جابر از ابی عازب از النعمان، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔

اور ابو عاصم الضحاک بن مخلد امام بخاری اور جابر الجعفی کے شیخ ہیں۔ اور ابو عازب مسلم بن عمرو یا مسلم بن عراک ہیں اور نعمان سے مراد حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ہیں۔

امام ابوداؤد نے اور الطیالسی نے اس حدیث کی ان الفاظ سے روایت کی ہے ''لا قود الا بحدیدۃ'' یعنی قصاص صرف لوہے کے ہتھیار سے لیا جائے۔

اور فقہاء احناف نے اس باب کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ مثلہ کرنا منسوخ ہو گیا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینیین کے ساتھ کیا تھا، سو اس طرح بغیر تلوار کے قتل کرنا بھی منسوخ ہو گیا۔

احناف کی مستدل حدیث پر ایک اعتراض کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بیہقی نے کہا ہے: اس حدیث کی سند ثابت نہیں ہے اور جابر پر طعن کیا گیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اگر جابر پر طعن کیا ہے تو وکیع نے کہا ہے: جب بھی تم کو کسی چیز میں شک ہو تو اس بات میں شک نہ کرو کہ جابر ثقہ ہے، اور شعبہ نے کہا: وہ حدیث میں سچے ہیں، اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی مثل حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس حدیث کی امام ابن ماجہ نے سندِ جید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اور اس حدیث کی امام بیہقی نے زہری کی حدیث کی از ابوسلمہ روایت کی ہے جو اس کی مثل ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، وہ حدیث ابراہیم کی از علقمہ ہے اور اس کی عبارت اس طرح ہے ''لا قود الا بالسلاح'' یعنی قصاص صرف ہتھیار سے لیا جائے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس کی روایت معلیٰ بن ہلال نے کی ہے از ابواسحاق از عاصم بن ضمرہ اور اس کی عبارت یہ ہے ''لا قود الا بحدیدۃ'' یعنی قصاص صرف لوہے کے ہتھیار سے لیا جائے گا۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کو امام الدارقطنی نے ابوعازب کی سند کے ساتھ از حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے از نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ''القود بالسیف والخطاء علی العاقلہ'' یعنی قصاص تلوار سے لیا جائے اور قتلِ خطاء کی دیت

عاقلہ پر ہے، اور یہ چھ صحابہ ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور یہ احادیث بعض، بعض کو قوی کرتی ہیں۔ اور کم سے کم ان کا حال یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہیں، لہٰذا ان سے استدلال کرنا صحیح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۸۔۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث ''لا قود الا بالسیف'' کی مزید تخریج

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی المتوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''حدثنا ابراهيم بن المستمر العروقی، حدثنا ابوعاصم عن سفیان عن جابر عن ابی عازب عن النعمان بن بشیر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لا قود الا بالسيف'' (حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا)۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۷، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۲) ''حدثنا ابراهيم بن المستمر، حدثنا الحر بن مالك العنبری حدثنا مبارك بن فضاله عن الحسن عن ابی بکرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا قود الا بالسيف''۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۳) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا قود الا بالسيف''۔

(المعجم الکبیر، الحدیث: ۱۰۰۴۴، ج ۱۰ ص ۸۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۶ھ)

(۴) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''حدثنی سلیمان عن الزهری عن ابی سلمة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا قود الا بالسيف''۔

(سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳، نشر السنہ، ملتان)

(۵) امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی العبسی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''حدثنا ابوبكر قال حدثنا عيسىٰ بن يونس عن اشعث وعمرو عن الحسن قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا قود الا بالسيف''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، الحدیث: ۲۷۷۱۳، ج ۵ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۶) نیز امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

''حدثنا ابوبكر قال حدثنا جرير عن مغيرة عن ابراهيم فی الرجل يقتل الرجل بالحصاة او يمثل به قال انما القود بالسيف لم يكن من امرهم المثلة'' (مصنف ابن ابی شیبہ، الحدیث: ۲۷۷۱۴، ج ۵ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ)

(۷) امام علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''حدثنا الحسين بن اسماعيل المحاملی حدثنا ابوامية الطرطوسی حدثنا الوليد هو ابن صالح حدثنا مبارك بن فضالة عن الحسن عن ابی بكرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا قود الا بالسيف''۔

(سنن دارقطنی، الحدیث: ۳۱۳۵، ج ۳ ص ۳۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

(۸) امام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"عبد الرزاق عن معمر عن ابن عیینۃ عن عمرو عن الحسن قال قال رسول اللہ ﷺ: لا قود الا بحدیدۃ"۔

(مصنف عبد الرزاق، الحدیث: ۱۷۴۹۲، ج ۹ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۹) امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبد الملک الطحاوی الحنفی المصری المتوفی ۳۲۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

"حدثنا ابراھیم بن مرزوق قال: ثنا ابوعاصم، قال: ثنا سفیان الثوری، عن جابر، عن ابی عازب، عن النعمان قال: قال رسول اللہ ﷺ: لا قود الا بالسیف"۔ (شرح معانی الآثار، الحدیث: ۴۹۱۷، ج ۳ ص ۱۸۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(۱۰) حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو درج ذیل ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے:

امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور اس حدیث کی امام بزار نے روایت کی ہے، اور امام طحاوی نے روایت کی ہے، اور امام طبرانی نے اور امام الدارقطنی اور امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ اور ان کے الفاظ مختلف ہیں۔ (تلخیص الحبیر، الحدیث: ۱۶۹۲، ج ۴ ص ۱۳۱۸)

(۱۱) نیز یہ حدیث کنز العمال: ۳۹۸۰۷، کامل لابن عدی: ج ۳ ص ۱۱۰۲، ج ۵ ص ۱۹۷۸، ج ۷ ص ۵۴۳، اور العلل المتناھیہ ج ۲ ص ۳۰۷ میں بھی مذکور ہے۔

۵۔ بَابٌ: إِذَا قَتَلَ بِحَجَرٍ أَوْ بِعَصًا — جب کوئی شخص پتھر سے یا لاٹھی سے قتل کرے، اسکا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کے عنوان میں عنوان کا جواب نہ لکھنے کی توجیہ

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص کو پتھر سے قتل کرے یا لاٹھی سے قتل کرے، اس کا جواب امام بخاری نے ذکر نہیں کیا ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو بھی اسی کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔ ہم نے اس طرح عبارت مقدر مانی ہے اگرچہ یہ احتمال ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا، لیکن ہم نے باب کی حدیث کی موافقت کی وجہ سے اس جواب کو مقدر مانا۔

امام بخاری نے اس جواب کو ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ وہ باب کی حدیث پر اکتفاء کر لیتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ جَدِّهِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَجَتْ جَارِيَةٌ عَلَيْهَا أَوْضَاحٌ بِالْمَدِينَةِ قَالَ فَرَمَاهَا يَهُودِيٌّ بِحَجَرٍ قَالَ فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَبِهَا رَمَقٌ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ بن ادریس نے خبر دی از شعبہ از ہشام بن زید بن انس از جد خود حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں: ایک لڑکی مدینہ میں باہر نکلی جس کے اوپر زیورات تھے تو ایک یہودی نے اس کو پتھر مارا، پھر اس

قَالَ فُلَانٌ قَتَلَكِ فَرَفَعَتْ رَأْسَهَا فَقَالَ لَهَا فِي الثَّانِيَةِ فُلَانٌ قَتَلَكِ فَرَفَعَتْ رَأْسَهَا فَأَعَادَ عَلَيْهَا الثَّالِثَةَ فُلَانٌ قَتَلَكِ فَخَفَضَتْ رَأْسَهَا فَدَعَا بِهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَتَلَهُ بَيْنَ الْحَجَرَيْنِ۔

لڑکی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور اس میں ابھی بقیہ زندگی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا فلاں نے تم کو قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا، آپ نے دوبارہ سوال کیا: کیا فلاں نے تم کو قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا، پھر تیسری مرتبہ آپ نے سوال کیا: کیا فلاں نے تم کو قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنا سر جھکایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور اس کا سر دو پتھروں کے درمیان (کچل کر) قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۵۲۹۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۷، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۱۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

صحیح البخاری: ۶۸۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ "اس لڑکی کو یہودی نے پتھر مارا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، الکلاباذی کے قول کے مطابق یہ ابنِ عبد اللہ بن نمیر ہیں، اور ابو علی بن السکن نے کہا: یہ محمد بن سلام ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از ابو موسیٰ اور بندار روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الدیات میں از عثمان بن ابی شیبہ روایت کی ہے، اور امام نسائی نے کتاب الدیات میں اس کی اسماعیل بن مسعود سے روایت کی ہے، اور امام ابن ماجہ نے کتاب الدیات میں اس کی بندار سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اوضاح" یہ وضح کی جمع ہے، اور عنقریب اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ اس کا معنی چاندی کے زیورات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رمق" اس کا معنی ہے: بقیۃ الحیاۃ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فخفضت" یعنی اس لڑکی نے اپنے سر کو جھکایا اور اس بات سے اس نے اشارہ کیا یعنی اسی یہودی نے اس لڑکی کو قتل کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۵۹۔۶۰ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۸۷۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس کیفیت سے قتل کیا گیا ہو، اسی کیفیت سے قصاص لینے کے متعلق جمہور کے دلائل

اس حدیث سے جمہور فقہاء (شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ) نے یہ استدلال کیا ہے کہ قاتل نے جس چیز سے قتل کیا ہے اس کو قصاص میں اسی چیز کے ساتھ قتل کیا جائے۔ اور انہوں نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:۱۲۶) اور اگر تم انکو سزا دو تو اسی کی مثل سزا دو جتنی سزا تمہیں پہنچائی گئی ہے۔

اور درج ذیل آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ:۱۹۴) سو جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کی مثل زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

فقہاء احناف نے اس حکم کی مخالفت کی ہے، اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے "لا قود الا بالسیف" (قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا)۔

یہ حدیث ضعیف ہے، امام بزار نے اور امام ابن عدی نے اس حدیث کو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور امام بزار نے اس حدیث میں اس کی سند کے ضعیف ہونے کے باوجود اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، اور امام ابن عدی نے کہا: اس حدیث کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ اور اگر بالفرض اس حدیث کو ثابت مان لیا جائے تب بھی یہ فقہاء احناف کے اس قاعدہ کے خلاف ہے کہ سنت نہ کتاب کے حکم کو منسوخ کرتی ہے اور نہ کتاب کے حکم کی تخصیص کرتی ہے۔

اور فقہاء احناف نے مُثلہ کی ممانعت سے بھی استدلال کیا ہے (گویا جب کسی کا سر دو اینٹوں کے درمیان رکھ کر کچلا جائے گا تو اس کا چہرہ بگڑ جائے گا اور یہ مُثلہ ہے اور مُثلہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے)۔ اور یہ استدلال صحیح ہے لیکن یہ جمہور کے نزدیک اس صورت پر محمول ہے جب قصاص میں مماثلت نہ ہو، تاکہ دونوں دلیلوں میں تطبیق ہو۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اکثر فقہاء کا مختار یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کسی چیز سے قتل کرے تو اسی کی مثل سے اس کو قتل کیا جائے گا، اور یہ قتلِ عمد میں ہے۔

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: اگر کسی نے پتھر مار کر قتل کیا ہے یا لاٹھی مار کر قتل کیا ہے تو دیکھا جائے گا اگر اس نے یہ ضرب مکرر لگائی ہے تو یہ قتلِ عمد ہے ورنہ یہ قتلِ عمد نہیں ہے۔

اور عطاء اور طاؤس نے کہا ہے: قتلِ عمد کی شرط یہ ہے کہ وہ کسی ہتھیار سے قتل کیا جائے۔

اور الحسن البصری، الشعبی، النخعی، الحکم اور امام ابوحنیفہ اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ قتلِ عمد کی شرط یہ ہے کہ اس کو لوہے کے ہتھیار سے قتل کیا جائے۔ اور جس کو لاٹھی مار کر قتل کیا، پھر لاٹھی کی ضرب سے اس سے قصاص لیا گیا اور وہ مرا نہیں تو اس میں اختلاف ہے کیا لاٹھی کی ضرب مکرر لگائی جائے گی، پس ایک قول یہ ہے کہ مکرر نہیں لگائی جائے گی اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر وہ لاٹھی کی ضرب

کتاب الدیات

سے نہیں مرا تو اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح جس نے کسی شخص کو درد پہنچا کر قتل کیا تو اس کو بھی تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

اور علامہ ابن العربی مالکی نے کہا ہے: مماثلت سے اس کو مستثنیٰ کیا جائے گا جس میں کوئی معصیت ہو، مثلاً اس نے شراب پلا کر یا لواطت کی ہو، یا کسی کو جلایا ہو، اور تیسری صورت میں فقہاء شافعیہ کے نزدیک اختلاف ہے۔ اور پہلی دو صورتیں بالاتفاق مستثنیٰ ہیں، لیکن بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس کو اس چیز سے قتل کیا جائے جو اس کے قائم مقام ہے۔

اور جو فقہاء قاتل کے قتل کرنے کی کیفیت سے قصاص لینے سے منع کرتے ہیں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ایک عورت نے کسی دوسری عورت کے اوپر خیمہ کی لکڑی ماری اور اس کے پیٹ کے بچہ کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں دیت ادا کرنے کا حکم دیا، (یعنی اس کا قصاص لینے کا حکم نہیں دیا)۔ اور اس کی بحث عنقریب باب "جنین المراۃ" میں آئے گی۔

جمہور فقہاء کے دلائل کا جواب از مصنف

جمہور فقہاء نے البقرہ: ۱۹۴ سے استدلال کیا ہے کہ جس کیفیت سے کسی نے قتل کیا ہے اس کو اسی کیفیت سے قتل کیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق قصاص کے ساتھ نہیں ہے اور یہ آیت عام نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اگر کسی نے دوسرے شخص کو مُثلہ کر کے قتل کیا ہو یعنی اس کی آنکھیں نکال کر قتل کیا ہو یا اس کی ناک کاٹ کر قتل کیا ہو تو قصاص میں اس کو بھی اسی کیفیت سے قتل کیا جائے، حالانکہ جمہور فقہاء کے نزدیک بھی یہ مُسلّم ہے کہ قصاص لینے میں مُثلہ کرنے کی مماثلت شامل نہیں ہے، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے: اگر کسی نے دوسرے شخص کو لاٹھی مار کر قتل کیا ہے تو قصاص میں اس کو ایک لاٹھی ماری جائے اور اگر وہ ایک لاٹھی سے نہ مرے تو پھر اس کو تلوار سے قتل کیا جائے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس آیت سے عموم مراد نہیں ہے اور نہ اس آیت کا تعلق قصاص کے ساتھ ہے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ۷ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لیے پہنچے تو مسلمانوں کو خدشہ ہوا کہ کہیں کفار عہد شکنی نہ کریں اور وہ حرم میں اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کو بہت برا جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس مہینہ اور اس جگہ کی حرمت سب کے لیے یکساں ہے، اگر وہ اس مہینہ اور اس جگہ میں جنگ چھیڑتے ہیں تو تم بھی مدافعانہ جنگ کرو اور انہوں نے تم کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے، ان سے اتنا ہی بدلہ لو، ان کا زیادتی کرنا ظلم ہے اور مسلمانوں کا بدلہ لینا عدل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دونوں کے فعل کو "اعتداء" یعنی زیادتی فرمایا ہے، کیونکہ صورتاً دونوں فعل ایک دوسرے کی مثل ہیں۔

اسی طرح جمہور فقہاء نے النحل: ۱۲۶ سے بھی اس پر استدلال کیا ہے کہ قصاص اسی کیفیت سے لیا جائے جس کیفیت کے ساتھ قتل کیا گیا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت بھی عام نہیں ہے اور نہ اس کا تعلق قصاص کے ساتھ ہے، کیونکہ اس آیت کے بعد النحل: ۱۲۷۔۱۲۸ میں فرمایا ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ ۞ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۞ (النحل: ۱۲۷۔۱۲۸)

اور آپ صبر کیجئے، اور آپ کا صبر صرف اللہ کی توفیق سے ہے، اور آپ ان (کی سرکشی) پر غمگین نہ ہوں اور نہ ان کی سازشوں سے تنگ دل ہوں ○ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور ان

لوگوں کے ساتھ ہے جو نیک کام کرنے والے ہیں O

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں یہ حکم دیا ہے کہ بدلہ لینا جائز ہے لیکن بدلہ میں زیادتی نہ کی جائے، اور جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے تم بھی اتنا ہی ظلم کرو۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے۔ اگر اس کا تعلق قصاص سے ہوتا تو قصاص لینا تو واجب ہے اور اس میں صبر نہیں کیا جاتا، بلکہ قاتل کو لازماً قتل کیا جاتا ہے یا پھر اس سے مال پر صلح کی جاتی ہے یا پھر ولی مقتول اس کو معاف کر دیتا ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا تعلق بھی قتل کے قصاص سے نہیں ہے بلکہ عام زندگی کے معاملات میں اگر کوئی شخص کسی کے اوپر ظلم اور زیادتی کرے تو اس کو یہ اجازت ہے کہ اپنے ظلم اور زیادتی کا بدلہ لے لیکن بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے۔ اور اگر وہ صبر کرے اور بدلہ نہ لے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس کی وضاحت ان آیات سے ہوتی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۞ وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞ (الشوریٰ: ۳۹۔۴۰)

اور جو لوگ کسی کے ظلم کا شکار ہوں وہ بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے، بے شک اللہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا O

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۞ (الشوریٰ: ۴۳)

اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے O

رہا یہ کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث ''لاقود الا بالسیف'' کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسی ضعیف نہیں ہے جس سے استدلال نہ ہو سکے، فی نفسہٖ ہر حدیث کی سند ہو سکتا ہے کہ ضعیف ہو لیکن مجموعہ اسانید سے اس حدیث کو اتنی قوت حاصل ہو گئی کہ اس سے استدلال ہو سکتا ہے۔ نیز یہ کہ جس حدیث سے امام اور مجتہد استدلال کرے وہ حدیث ضعیف نہیں رہتی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصریح کے مطابق اس حدیث سے حسن بصری، شعبی، نخعی، حکم اور امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا ہے، لہٰذا اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس حدیث کو حسن لغیرہٖ کہا جائے گا اور حسن لغیرہٖ سے استدلال ہو سکتا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ فقہاء احناف نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں مُثلہ کی ممانعت کی گئی ہے اور خود حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا کہ ان کا یہ استدلال صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۶۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَ

جان کا بدلہ جان، اور آنکھ کا بدلہ آنکھ، اور ناک کا بدلہ ناک، اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت ہے اور زخموں میں بدلہ ہے، تو جس نے خوشی سے بدلہ دیا تو وہ اس (کے گناہ) کا کفارہ ہے اور جو اللہ کے نازل

مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (المائدہ:۴۵) کیے ہوئے (احکام) کے موافق فیصلہ نہ کریں، سو وہی لوگ ظالم ہیں O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے عنوان میں اس آیت کو اس لیے لکھا ہے کہ یہ آیت اس باب میں مذکور حدیث کے مطابق ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے کہ "جان کا بدلہ جان ہے"۔

المائدہ:۴۵ سے فقہی مسائل کا استنباط

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر مسلمان کسی ذمی کو عمداً قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے، تو ذمی کی جان کے بدلہ میں مسلمان کی جان لی جائے گی۔ اور سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہ آیت البقرہ:۱۷۸ کے لیے ناسخ ہے، کیونکہ اس آیت میں مذکور ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۔ اے ایمان والو! تم پر مقتولین کے خون (ناحق) کا بدلہ لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلہ آزاد، غلام کے بدلہ غلام اور عورت کے بدلہ عورت۔ (البقرہ:۱۷۸)

کیونکہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ذمی کے بدلہ میں آزاد کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ آزاد کے بدلہ میں آزاد کو قتل کیا جائے گا۔ اور المائدہ:۴۵ میں تصریح ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے، یعنی ذمی کی جان کے بدلہ میں مسلمان کی جان کو قتل کیا جائے گا۔

"النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" یعنی جان کا بدلہ جان ہے، اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور یہ سفیان ثوری اور فقہاء احناف کا قول ہے، اور امام مالک اور اللیث اور الاوزاعی اور امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور نے کہا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا۔ اور التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے لکھا ہے: یہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔

نیز اس آیت میں فرمایا ہے "وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ" یعنی ہم نے تورات میں یہ فرض کر دیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے، جب کسی جان کو ناحق قتل کیا جائے۔ اسی طرح آنکھ کے بدلہ میں آنکھ نکالی جائے اور ناک کے بدلہ میں ناک کاٹی جائے اور کان کے بدلہ میں کان کاٹا جائے گا اور دانت کے بدلہ میں دانت اکھاڑا جائے گا۔

نیز اس آیت میں فرمایا: "وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ" یعنی زخموں کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ یعنی جس میں قصاص اور بدلہ لیا جانا ممکن ہو اور مساوات معلوم ہو سکے۔

پھر فرمایا "فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ" یعنی اگر اصحاب حق نے بدلہ کو معاف کر دیا اور اپنے حق کو صدقہ کر دیا تو اس کا یہ صدقہ کرنا، صدقہ کرنے والوں کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ صدقہ کی مقدار کے اعتبار سے اس کے

گناہ منہدم کردیئے جائیں گے۔

اور اس آیت میں فرمایا: "وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝" یعنی جن لوگوں نے مظلوم کا بدلہ ظالم سے نہیں لیا حالانکہ انہیں عدل کا حکم دیا گیا تھا اور ان کے درمیان مساوات کرنے کا حکم دیا گیا تھا، تو انہوں نے اس حکم کی مخالفت کی اور ظلم کیا اور حد سے تجاوز کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۰۔۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن مرہ از مسروق از حضرت عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان لا الٰہ الا اللہ اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، اس کی شہادت دیتا ہو، اس کا خون کرنا تین خصلتوں کے سوا جائز نہیں ہے: (۱) جان کا بدلہ جان (۲) شادی شدہ زانی (۳) دین کو ترک کرنے والا اور جماعت مسلمین کو چھوڑنے والا۔

(صحیح مسلم: ۱۶۷۶، سنن ترمذی: ۱۴۰۲، سنن نسائی: ۴۰۱۶، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۴، مسند احمد: ۳۶۱۴، سنن دارمی: ۲۲۹۸)

صحیح البخاری: ۶۸۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور میں ذکر کی ہوئی آیت کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "النفس بالنفس" یعنی جان کا بدلہ جان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص، یہ اپنے والد حفص بن غیاث سے روایت کرتے ہیں اور وہ سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں اور وہ عبداللہ بن مرہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ از مسروق بن الاجدع سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از ابی بکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے اس کی از عمرو بن عون روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے اس کی دیات میں از ھناد روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس حدیث کی المحاربہ میں از اسحاق بن منصور روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الا باحدی ثلث" یعنی جو مسلمان لآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہو، اس کو ان تین خصلتوں میں سے کسی ایک خصلت کے سوا قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والنفس بالنفس" یعنی جس جان نے کسی کو عمداً ناحق قتل کیا اس جان کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الثیب الزانی" ثیب کا معنی ہے جو کنوارا نہ ہو، اور اس کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے "رجل ثیب وامراۃ ثیب"۔

اس میں یہ بیان ہے کہ جو زانی شادی شدہ ہو اسے قتل کے لیے پیش کیا جائے گا اور وہ اس کو پتھروں کے ساتھ سنگسار کرنا ہے، اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، اسی طرح مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو زانی شادہ شدہ نہیں ہے، اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے۔

اگر مرد مرتد ہو تو اس کو بالاتفاق قتل کرنا جائز ہے اور اگر عورت مرتدہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے

اس حدیث میں مذکور ہے "والمارق من الدین" یعنی جو اپنے دین کو ترک کرنے والا ہو۔

علامہ طیبی نے کہا: "المارق" کالفظ المروق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے خروج۔ اور ترمذی کی حدیث میں یہ عبارت ہے "والتارك لدينه المفارق للجماعة" یعنی جو اپنے دین کو چھوڑنے والا ہو اور جماعت سے علیحدہ ہونے والا ہو۔ اور ہمارے شیخ نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ وہ مرتد ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو مرد مرتد ہو جائے اور اسلام کی طرف رجوع نہ کرے اور کفر پر اصرار کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور جو عورت مرتدہ ہو، اس کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔ پس اکثر علماء نے کہا ہے کہ عورت مرتدہ بھی مرتد مرد کی طرح ہے، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ مرتدہ کو نہیں قتل کیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سبیل عموم عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

جو شخص نماز کا تارک ہو تو فقہاء شافعیہ کے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا اور زکوٰۃ اور روزہ کے تارک کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس فرق کے متعلق فقہاء شافعیہ کی توجیہات اور علامہ عینی کا ان توجیہات کو رد کرنا

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "التارك للجماعة" اس حدیث میں جماعۃ کی قید لگائی ہے اور اس میں یہ خبر دی ہے کہ وہ دین معتبر ہے جس کے اوپر پوری جماعت متفق ہو۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ امام شافعی نماز کو ترک کرنے سے بھی مسلمان کو قتل کر دیتے ہیں؟
علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں کہا: کیونکہ وہ اس دین کو ترک کرنے والا ہے جو اسلام ہے یعنی الاعمال۔
پھر انہوں نے یہ سوال کیا کہ زکوٰۃ اور روزہ کے تارک کو کیوں قتل نہیں کیا جاتا؟

اس کا علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ زکوٰۃ کو امام قہراً اور جبراً وصول کرتا ہے اور روزہ کے متعلق یہ توجیہ کی گئی ہے کہ روزہ کے تارک سے کھانے اور پینے کو روک لیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ روزہ کی نیت کرے گا، کیونکہ وہ روزہ کے وجوب کا معتقد ہے۔

علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی نے جو کچھ کہا ہے اس پر اعتراض ہے، رہا علامہ کرمانی کا نماز کے متعلق یہ کہنا کہ تارکِ نماز اس دین کا تارک ہے جو اسلام ہے یعنی الاعمال، تو یہ جواب متوجہ نہیں ہے کیونکہ اسلام دین کا نام ہے اور اعمال دین میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے سورۃ العصر میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے" اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ " (العصر: ۳)، اور معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے امام الحرمین پر مذہب شافعی کے مطابق تارکِ نماز کو قتل کرنے سے اشکال ہوا۔ اور علامہ المزنی کا مختار یہ ہے کہ نماز کے تارک کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اور حافظ ابوالحسن علی بن علی الفضل المصری المالکی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز کا تارک جب سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کرے اور فرضیت کا انکار نہ کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ بعض فقہاء شافعیہ نے نماز کے تارک کو قتل کرنے پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

"مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ابن دقیق العید نے اس پر رد کیا ہے کہ اگر یہ استدلال اس حدیث کے الفاظ سے ہے تو یہ بہت بعید ہے، کیونکہ کسی چیز پر قتال کرنا اور ہے اور کسی کو قتل کرنا اور ہے، اور اگر ان کا استدلال آپ کے ارشاد کے اس حصہ سے ہے "پس جب انہوں نے یہ کر لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں کو اور اپنے مالوں کو محفوظ کر لیا" تو یہ اس حدیث کے مفہومِ مخالف سے استدلال ہے، اور مفہومِ مخالف سے استدلال کرنے میں مشہور اختلاف ہے۔ اور اس باب میں جو الفاظ کی عبارت کی دلالت ہے وہ مفہومِ مخالف کی دلالت پر راجح ہے۔

رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ زکوٰۃ کو امام جبراً اور قہراً وصول کرتا ہے تو اس میں بھی اختلاف مشہور ہے، لہٰذا اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

رہا علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ روزہ کا تارک روزہ کے وجوب کا معتقد ہے تو اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ نماز کا تارک بھی نماز کی فرضیت کا معتقد ہے۔

بعض علماء کا اس حدیث سے استدلال کہ اجماع کا انکار کفر ہے

اور بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں ہے "التارك الجماعة" اس سے معلوم ہوا کہ اجماع کا مخالف کافر ہے۔

پس جس شخص نے اس چیز کا انکار کیا جس کے وجوب کے اوپر اجماع ہے تو وہ کافر ہے۔
اور صحیح یہ ہے کہ اس میں یہ قید لگانے کی ضرورت ہے کہ جس چیز کے وجوب کا علم دین سے بالبداہتہ ثابت ہو جیسے پانچ نمازیں، سو ان کا انکار کفر ہوگا۔
اور بعض علماء نے یہ قید لگائی کہ جس چیز کے وجوب کا علم تواتر سے معلوم ہو اس کا انکار کفر ہوگا جیسے اس جہان کا حادث ہونا تو اتر سے معلوم ہے کہ جو اس جہان کے تواتر کا انکار کرے تو وہ کفر ہے۔
اور قاضی عیاض نے کہا ہے: جو شخص جہان کو قدیم کہتا ہے اس کے کفر پر بھی اجماع ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''جان کا بدلہ جان کے سوا اور شادی شدہ زانی کے سوا اور اپنے دین کو چھوڑنے والے کے سوا کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے''۔

اس حدیث میں تین کو قتل کرنے کے استثناء پر یہ اعتراض کہ جو شخص کسی پر حملہ آور ہو اس کو بھی مدافعت میں قتل کرنا جائز ہے

بعض علماء نے ان تین کے ساتھ حملہ آور کا بھی استثنیٰ کیا ہے، یعنی اگر کسی شخص پر کوئی حملہ کرے اور وہ اپنی مدافعت میں اس کو قتل کردے تو اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حملہ آور کو اس وقت قتل کرنا جائز ہے جب وہ اس کو قتل کر رہا ہو۔ اور اس کے بغیر اس کو عمداً قتل کرنا جائز نہیں ہے۔ پس یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اس سے مدافعت کرنا جائز ہے۔

نیز اس حدیث سے خوارج اور باغیوں کو قتل کرنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ وہ بھی جماعت سے علیحدہ ہونے والے ہیں۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین چیزوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے قتل کرنا واجب ہے۔
اور علامہ ابن عربی نے بعض اپنے اصحاب سے نقل کیا ہے کہ قتل کرنے کے دس سبب ہیں، اور وہ ان تین سے خارج نہیں ہیں، کیونکہ جس نے جادو کیا یا اللہ تعالیٰ پر سب و شتم کیا، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم کیا، یا فرشتہ پر سب و شتم کیا تو وہ کافر ہے۔

علامہ داؤدی کا حدیثِ مذکور کو المائدہ: ۳۲ سے منسوخ قرار دینا

اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۖ وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔ (المائدہ: ۳۲)

جس شخص نے بغیر جان کے بدلہ کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے کسی شخص کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے کسی شخص کو مرنے سے بچالیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔

کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ فساد فی الارض یا دہشت گردی کی وجہ سے بھی کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز ہے اور وہ ان تین کے علاوہ ہے۔ اور جس حدیث میں یہ حکم ہے کہ جو شخص قوم لوط کا عمل کرے تو فاعل اور مفعول کو قتل کردو تو اس سے بھی یہ حدیث

منسوخ ہے، کیونکہ قوم لوط کا عمل کرنے والے ان تین میں داخل نہیں ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنے والے میں داخل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۰۔ ۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: مَنْ أَقَادَ بِالْحَجَرِ — جس نے پتھر سے قصاص لیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے پتھر سے کچل کر یا پتھر مار کر قصاص لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ فَجِيئَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَبِهَا رَمَقٌ فَقَالَ أَقَتَلَكِ فُلَانٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ فَقَتَلَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِحَجَرَيْنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از ہشام بن زید از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا جس کے اوپر چاندی کے زیورات تھے، سو اس نے اس لڑکی کو پتھر مار کر قتل کر دیا، پھر اس لڑکی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور اس وقت اس میں بقیہ زندگی تھی، کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے سر کے اشارہ سے کہا: نہیں! پھر دوبارہ کہا تو اس نے سر کے اشارہ سے کہا: نہیں، پھر تیسری مرتبہ اس سے سوال کیا تو اس نے سر کے اشارہ سے کہا: ہاں! پھر اس یہودی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پتھروں سے کچل کر قتل کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۵۲۹۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۱۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

صحیح البخاری: ۶۸۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن جعفر کا ذکر ہے، وہ غندر ہیں۔

یہ حدیث عنقریب اس باب میں گزر چکی ہے"اذا قتل بحجر"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابٌ: مَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ

جس کا کوئی مقتول (رشتہ دار) قتل کر دیا جائے تو اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کا کوئی مقتول قتل کر دیا گیا ہو تو اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، اور مقتول سے مراد یہ ہے کہ جس شخص کو اس قتل سے قتل کیا گیا ہو، یہ مراد نہیں ہے کہ وہ شخص پہلے مقتول ہو۔ اسی طرح حدیث میں ہے "جس نے کسی مقتول کو قتل کیا تو اس سے اتارا ہوا ساز و سامان اسی قتل کرنے والے کے لیے ہے" یہاں بھی مقتول سے مراد وہ ہے جس کو اب قتل کیا جائے گا، کیونکہ مقتول کو قتل کرنا تو تحصیلِ حاصل ہے، اور اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، اس کا مطلب ہے کہ اس کو قصاص لینے یا دیت لینے میں سے کسی ایک چیز کا اختیار ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَجَاءٍ حَدَّثَنَا حَرْبٌ عَنْ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّهُ عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ قَتَلَتْ خُزَاعَةُ رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ بِقَتِيلٍ لَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنَّ اللهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْفِيلَ وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ أَلَا وَإِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدِي أَلَا وَإِنَّمَا أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ أَلَا وَإِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ وَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ إِمَّا يُودَى وَإِمَّا يُقَادُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ يُقَالُ لَهُ أَبُو شَاهٍ فَقَالَ اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابی سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ خزاعہ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور عبد اللہ بن رجاء نے کہا: ہمیں حرب نے حدیث بیان کی از یحییٰ، انہوں نے کہا: ہمیں ابو سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ فتح مکہ کے سال خزاعہ نے زمانہ جاہلیت میں اپنے ایک مقتول کے بدلہ میں بنو لیث کے ایک مرد کو قتل کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، سو آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا ہے اور اہلِ مکہ پر اپنے رسول کو اور مومنین کو مسلط کر دیا، سنو اور بے شک مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا، سنو یہ میرے لیے صرف دن کی ایک ساعت میں حلال کیا گیا ہے، سنو! بے شک یہ اس وقت حرام ہے نہ اس کا کانٹا اکھاڑا جائے گا اور نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا اور سوائے اعلان کرنے

الْإِذْخِرَ فَإِنَّمَا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَقُبُورِنَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَّا الْإِذْخِرَ وَتَابَعَهُ عُبَيْدُ اللهِ عَنْ شَيْبَانَ فِي الْفِيلِ قَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ الْقَتْلَ وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ إِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ۔

والے کے اس میں گری ہوئی چیز کو نہیں اٹھایا جائے گا، اور جس شخص کا کوئی مقتول قتل کیا گیا تو اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے، یا اس کو دیت ادا کی جائے گی یا اس کا قصاص لیا جائے گا، پھر اہلِ یمن سے ایک مرد کھڑا ہوا جس کو ابوشاہ کہا جاتا تھا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! اس کو میرے لیے لکھ دیجئے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو ابوشاہ کے لیے لکھ دو، پھر ایک مرد قریش میں سے کھڑا ہوا، اس نے کہا: یارسول اللہ! سوائے اذخر (خشک گھاس) کے کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں میں رکھتے ہیں اور اپنی قبروں میں رکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوا اذخر کے۔

اس حدیث کی سند میں حرب کی متابعت عبیداللہ نے کی ہے از شیبان "فیل" کے لفظ میں۔

بعض ائمہ نے کہا ہے از ابونعیم "القتل"۔

اور عبیداللہ نے کہا ہے کہ "یا مقتول کے اہل کے لیے قصاص لیا جائے گا"۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲، ۲۴۳۴، ۶۸۸۰، صحیح مسلم: ۱۳۵۵، سنن ابوداؤد: ۲۰۱۷، مسند احمد: ۷۲۰۱، سنن دارمی: ۲۶۰۰)

صحیح البخاری: ۶۸۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کا عنوان بعینہٖ حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قتلت خزاعة رجلا من بنی لیث بقتیل" خزاعۃ میں خاء پر پیش ہے اور یہ ایک قبیلہ کا نام ہے جو مکہ پر غالب آگئے تھے اور اس میں حکومت کرتے تھے، پھر ان کو مکہ سے نکال دیا گیا، پھر وہ مکہ کے ظاہر میں رہتے تھے اور ان کے درمیان اور بنوبکر کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کھلی دشمنی تھی۔ اور خزاعہ بنو ہاشم بن عبد مناف کے نبی ﷺ کے عہد تک حلیف تھے اور بنوبکر قریش کے حلیف تھے۔

خزاعہ کے جس مرد نے قتل کیا تھا اس کا نام تھا خراش بن امیہ الخزاعی، اور بنولیث کے مقتول کا نام تھا احمر۔ اور بنولیث مشہور قبیلہ

ہے جس کی نسبت لیث بن بکر بن کنانہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی طرف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حبس عن مکۃ الفیل" یعنی اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا، اس میں اس مشہور قصہ کی طرف اشارہ ہے جب ابرہہ نے اپنے ہاتھیوں کے لشکر سے مکہ پر حملہ کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فھو بخیر النظرین" یعنی مقتول کے ولی کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے اور وہ دیت اور قصاص ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الاذخر" یہ ایک خوشبودار گھاس ہوتی ہے جس کو گھروں کی چھتوں میں لکڑیوں کے نیچے رکھتے ہیں۔

پہلی متابعت کی شرح

یعنی حرب بن شداد نے عبید اللہ بن موسیٰ بن باذام الکوفی کی متابعت کی ہے اور وہ بھی امام بخاری کے شیخ ہیں۔ اور "الفیل" سے مراد ہے ہاتھی، اور کتاب العلم میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل کو روک دیا یا "فیل" یعنی ہاتھی کو، اس میں راوی کو شک ہے۔

دوسری متابعت کی شرح

اس متابعت میں مذکور ہے "قال بعضھم عن ابی نعیم القتل" بعض سے مراد محمد بن یحییٰ الزحلی ہیں، کیونکہ انہوں نے ابو نعیم الفضل بن دکین سے قتل کے لفظ کی روایت کی ہے۔

تیسری متابعت کی شرح

عبید اللہ نے کہا، اور یہ عبید اللہ بن موسیٰ المذکور ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں، یعنی انہوں نے اپنی روایت میں کہا "یا مقتول کے ورثاء کے لیے قصاص لیا جائے گا"۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ـ ۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۸۸۰، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قتلِ عمد میں قاتل سے دیت لینے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مقتول کے ولی کو اختیار ہے خواہ قصاص لے اور خواہ دیت لے، اگرچہ قاتل راضی نہ ہو۔ یہ مذہب ابن المسیب، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح سے مروی ہے۔ اور اشعب نے اس کو امام مالک سے روایت کیا ہے، اور لیث، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد، ابو اسحاق اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے یہ کہا کہ قتلِ عمد میں صرف قصاص ہے اور مقتول کے ورثاء دیت نہیں لیں گے سوا اس کے کہ قاتل راضی ہوں، اس کی ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے اور یہی امام مالک کا مشہور قول ہے، اور یہی ثوری کا اور فقہاء کوفہ کا مذہب ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص مطلقاً کہے کہ میں نے معاف کر دیا اور دیت کا ذکر نہ کرے، پس معروف یہ ہے کہ اس صورت میں دیت نہیں ہوگی۔ اور ابن القاسم نے کہا: اس سے حلف لیا جائے گا کہ اس نے بغیر

دیت کے عفو کا ارادہ نہیں کیا۔

فقہاء کی پہلی جماعت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ" (البقرہ:۱۷۸) (سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا)۔

یعنی اس کے لیے دیت کو ترک کر دیا گیا اور وہ اس سے دیت پر راضی تھا "فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ" (البقرہ:۱۷۸)، پس مقتول کے وارث پر دیت کے مطالبہ میں معروف طریقہ سے اتباع کرنی ہے، اور قاتل پر لازم ہے کہ وہ اس دیت کو اچھے طریقہ سے ادا کرے، اور یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے (البقرہ:۱۷۸)۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے پہلے تھے ان پر صرف یہ فرض کیا گیا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور انہوں نے اس باب کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ یا تو اس کی دیت ادا کی جائے گی یا قصاص لیا جائے گا، اور یہ اس پر نصِ صریح ہے کہ دیت کے لینے کو یا قصاص کو مقتول کے ورثاء کی طرف مفوض کیا ہے، اور نظر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ دیت قاتل کی رضامندی کے بغیر لازم ہوتی ہے کیونکہ قاتل پر دیت کے ذریعہ نفس کو زندہ کرنا فرض ہے۔

اور دوسرے فقہاء کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ النضر کی بیٹی جو ربیعہ تھیں انہوں نے اپنی باندی کے سامنے کے دانت توڑ دیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انس! اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے۔ (صحیح البخاری: ۲۷۰۳)، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص لینے کا حکم دیا اور قصاص اور دیت لینے کے درمیان اختیار نہیں دیا تو اس سے ثابت یہ ہوا کہ قرآن اور سنت سے قتلِ عمد میں صرف قصاص ہے، کیونکہ اگر اس میں اختیار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر دیتے، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا اور یہ خبر دی کہ اللہ کی کتاب کا حکم یہی ہے تو ہمارا قول ثابت ہو گیا۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو شریح الخزاعی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کا کوئی بندہ قتل کر دیا گیا یا مار دیا گیا تو وہ تین چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کرے، یا قصاص لے، یا معاف کر دے، یا دیت لے، پس اگر وہ چوتھی چیز کا ارادہ کرے تو اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو، اور جس نے اس کے بعد حد سے تجاوز کیا تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۴۴۹۶، سنن ابن ماجہ: ۲۶۲۳)

اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جب قتل کرنے والا دیت کے تاوان کو دینے پر راضی ہو تا کہ احادیث میں تعارض نہ ہو۔

اگر کوئی شخص قاتل سے کہے کہ میں تمہارا گھر لینے پر راضی ہوں تا کہ اس کے عوض قصاص میں تم کو قتل نہ کروں، تو قاتل پر واجب ہے کہ وہ اپنا گھر مقتول کے اس وارث کے حوالہ کر دے اور اپنی جان کو بچا لے، اور اگر وہ انکار کرے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور اس سے جبراً وہ گھر لے کر ولی کو نہیں دیا جائے گا، پس اسی طرح دیت پر بھی جبر نہیں کیا جائے گا اور اس سے کرھاً نہیں لی جائے گی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۱ ص ۳۴۴۔۳۴۵ ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

مقتول کے ورثاء کا قاتل سے دیت لینے کے متعلق فقہاء احناف کا صحیح مذہب

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ (البقرہ:۱۷۸)

سو جس (قاتل) کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا گیا تو (اس کا) دستور کے مطابق مطالبہ کیا جائے اور نیکی کے ساتھ اس کی ادائیگی کی جائے، یہ (حکم) تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جو حد سے تجاوز کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے O

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ولی کو یہ حکم دیا ہے کہ جب اسے کوئی شے دی جائے تو وہ اس کی معروف طریقہ سے اتباع کرے، اور ''الشیء'' کا لفظ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے، پس یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ قصاص سے قلیل اور کثیر مال پر صلح کرنا جائز ہے اور یہ قتل خطا اور قتل شبہ عمد کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں جب دیت سے اکثر پر صلح کی جائے تو وہ جائز نہیں ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۴۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک قاتل سے قتل کا قصاص لینا لازم ہے، لیکن اگر مقتول کے ورثاء قاتل کو بالکلیہ معاف کر دیں تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، یا وہ اس سے مال پر صلح کرلیں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ ہو تو وہ بھی جائز ہے۔

صحیح البخاری ۶۸۸۰ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ سے ہاتھیوں کو روک دیا''۔

مکہ سے ہاتھیوں کو روکنے کا قصہ

یہ قصہ مشہور ہے، اس کو امام ابن اسحاق نے تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ابرہہ حبشی جب یمن کے علاقہ پر غالب ہوا اور وہ نصرانی مذہب سے تعلق رکھتا تھا تو اس نے ایک گرجا بنایا اور لوگوں کو لازم کیا کہ اس گرجے کی طرف حج کرنے کے لیے آئیں، پس بعض عربوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے گرجے کے دربانوں کو غافل پا کر اس گرجے میں پاخانہ کر دیا اور بھاگ گئے، اس سے ابرہہ غضب ناک ہوا اور اس نے کعبہ کو ڈھانے کا قصد کیا، پھر اس نے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور اس لشکر میں ہاتھیوں کی بڑی تعداد کو اپنے ساتھ رکھا، پس جب وہ مکہ کے قریب پہنچا تو حضرت عبد المطلب اس کے پاس آئے اور وہ بہت حسین وجمیل تھے، انہوں نے اس سے یہ مطالبہ کیا کہ ابرہہ نے جو ان کے اونٹ چھین لیے ہیں وہ ان کو واپس کر دے، ابرہہ نے کہا: میرا گمان تھا کہ تم مجھ سے صرف کعبہ پر حملہ کرنے کے متعلق سوال کرو گے تو حضرت عبد المطلب نے کہا: اس بیت کا ایک مالک اور رب ہے وہ خود عنقریب اس کی حفاظت کرے گا، تو ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کر دیے اور ابرہہ اپنے لشکروں کو لے کر مکہ کی طرف بڑھا، اس نے ہاتھیوں کو آگے کیا، ہاتھی وہاں پر بیٹھ گئے اور وہ ان کو اٹھانے سے عاجز ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے پرندے بھیجے اور ہر پرندہ کے پاس تین پتھر تھے، دو پتھر ان کے پیروں میں تھے اور ایک پتھر ان کی چونچ میں تھا، وہ پتھر ابرہہ کے لشکر پر گرا دیے، پس ان میں سے کوئی شخص نہ بچا مگر وہ ان پتھروں سے زخمی ہو گیا۔

اور امام ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ ابرہہ کے پاس عبد المطلب آئے اور حضرت عبد المطلب نے کہا: یہ اللہ کا گھر ہے، اللہ نے اس پر کسی کو مسلط نہیں کیا، ابرہہ کے لشکر نے کہا: ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ کعبہ کو منہدم نہ کردیں، پھر جب بھی وہ اپنے ہاتھیوں کو آگے بڑھاتے تو ہاتھی پیچھے ہٹ جاتے، پس اللہ تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو بلایا اور ہر ایک کو ایک سیاہ پتھر دے دیا، جب وہ کعبہ کے بالمقابل آئے تو ان پرندوں نے ان کو وہ پتھر مارے، پس جس کو بھی وہ پتھر لگ جاتا اس کو خارش شروع ہو جاتی اور جو بھی اپنی کھال کو کھجاتا تو اس کا گوشت نکل آتا۔

اور امام طبری نے سندِ صحیح کے ساتھ عکرمہ سے روایت کی ہے کہ یہ پرندے سبز رنگ کے تھے، سمندر سے نکلے تھے اور ان کے سر درندوں کے سروں کی طرح تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۸۸۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما قَالَ كَانَتْ فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ قِصَاصٌ وَلَمْ تَكُنْ فِيهِمُ الدِّيَةُ فَقَالَ اللهُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى﴾ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَالْعَفْوُ أَنْ يَقْبَلَ الدِّيَةَ فِي الْعَمْدِ قَالَ ﴿فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ﴾ أَنْ يَطْلُبَ بِمَعْرُوفٍ وَيُؤَدِّيَ بِإِحْسَانٍ۔

(صحیح البخاری: ۴۴۹۸، ۶۸۸۱، سنن نسائی: ۴۷۸۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از مجاہد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں قصاص تھا اور ان میں دیت نہیں تھی، پس اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے فرمایا: ''كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى'' (البقرہ: ۱۷۸)، (تمہارے لیے قتلِ عمد میں مقتولین کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے) یہ اس آیت تک ہے ''فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ'' (البقرہ: ۱۷۸)، (پس جس شخص کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کوئی شے معاف کر دی گئی)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پس عفو یعنی معاف کرنا یہ ہے کہ قتلِ عمد میں دیت کو قبول کر لے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ'' (البقرہ: ۱۷۸)، یعنی بھلائی کے ساتھ دیت کا مطالبہ کیا جائے اور بھلائی کے ساتھ دیت کو ادا کیا جائے۔

صحیح البخاری: ۶۸۸۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ مقتول کے ولی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قصاص کو ترک کر دے اور خون بہا لینے پر راضی ہو جائے، اور یہ کہ خون بہا لینے میں یا قصاص لینے میں اختیار مقتول کے ولی کی طرف ہے، اور اس میں قاتل کی رضامندی کی شرط نہیں ہے، اور امام بخاری کا اس باب سے عنوان کا یہی مقصود ہے، کیونکہ انہوں نے عنوان میں کہا ہے ''جس کا کوئی مقتول قتل کیا گیا

اس کو دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار ہے یعنی قصاص لینے کا یا خون بہا لینے کا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو کا ذکر ہے، وہ ابن دینار ہیں۔ اور اس سے پہلے سورۂ بقرہ کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے از حمیدی از سفیان، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عمرو نے، انہوں نے کہا: میں نے مجاہد سے سنا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اسی طرح ابن عیینہ نے اس حدیث کو سندِ موصول کے ساتھ عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے۔ اور ابن عیینہ عمرو بن دینار کی حدیث کو اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "بنی اسرائیل میں قصاص تھا" یعنی بنی اسرائیل کے دین میں قصاص لینا لازم تھا اور اس میں خون بہا یا دیت لینے کی گنجائش نہیں تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں قصاص نہیں تھا، اس میں صرف خون بہا اور دیت تھی، اور یہ دونوں دین ایک طرف میں واقع تھے اور دینِ اسلام متوسط ہے، اس میں قصاص بھی ہے اور خون بہا بھی ہے یعنی مقتول کے ورثاء قصاص کے عوض قاتل سے جتنا مال لینے پر راضی ہو جائیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ" عفو یہ ہے کہ مقتول کا ولی قتلِ عمد میں خون بہا کو قبول کر لے یعنی قصاص لینے کو ترک کر دے اور اس سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ" یعنی وہ قاتل سے خون بہا کا مطالبہ معروف طریقہ سے کرے اور قاتل مقتول کے ورثاء کو خون بہا احسن طریقہ سے ادا کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: مَنْ طَلَبَ دَمَ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ — اس کا بیان جس نے کسی مرد سے خونِ ناحق طلب کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے کسی مرد کا خونِ ناحق طلب کیا اس کا کیا حکم ہے؟

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهَرِيقَ دَمَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از عبد اللہ بن ابی حسین، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن جبیر نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تین شخص ہیں، حرم میں الحاد (گناہ) کرنے والا، اور اسلام میں جاہلیت کے

طریقہ کو طلب کرنے والا، اور کسی مرد سے خون کو طلب کرنے والا
تا کہ اس کا خون بہائے۔

صحیح البخاری: ۶۸۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس نے کسی مرد سے ناحق خون کا مطالبہ کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، اور وہ حکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، وہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن ابی حسین، وہ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی حسین المدنی النوفلی ہیں جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے نافع بن جبیر، وہ ابن مطعم القرشی المدنی ہیں۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابغض الناس'' یہ بغض کا اسمِ تفضیل ہے اور اللہ تعالیٰ کے کسی سے بغض رکھنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف کوئی مکروہ چیز پہنچائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ملحد فی الحرم'' مُلحِد کا معنی ہے: جو حق اور میانہ روی سے عدول کرے یعنی ظالم۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو شخص گناہِ صغیرہ کا مرتکب ہو وہ بھی حق سے عدول کرتا ہے تو کیا اس کو بھی مُلحد کہا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مُلحد کا لفظ عرف میں اس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو دین سے خارج ہو جائے، اور جب کسی ایسے شخص کے لیے مُلحِد کا لفظ استعمال کیا جائے جس نے کسی معصیت کا ارتکاب کیا ہو تو اس میں یہ اشارہ ہوگا کہ یہ معصیت بہت عظیم ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرم میں اِلحاد کرنا بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرم میں ظلم کرنے کا معنی یہ ہے کہ حرم میں کوئی تبدیلی کی جائے، یا حرم کے احکام کو بدل دیا جائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ومبتغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ'' یعنی جو شخص اسلام میں زمانہ جاہلیت کے طریقہ کو طلب کرے، مثلاً کسی کے مرنے کے اوپر نوحہ کرے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کسی کے مرنے پر نوحہ کیا جاتا تھا۔

المہلب نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ تینوں تمام اہلِ معاصی میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں، جیسے کہا جاتا ہے ''اکبر الکبائر'' ورنہ مطلقاً سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض گناہ شرک کرنا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۶۔۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۸۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حرم میں معصیت پر شدید مواخذہ ہونا

سفیان ثوری نے اپنی تفسیر میں از سدی از مرہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: جو شخص بھی کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے وہ لکھ دی جاتی ہے مگر کوئی مرد عدن میں ارادہ کرے کہ وہ کسی مرد کو بیت الحرام میں قتل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دردناک عذاب چکھاتا ہے اور اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف ارادہ کرنے کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا لیکن اگر کوئی شخص حرم میں گناہ کا ارادہ کرے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے۔

نیز اس حدیث میں اس کی بھی مذمت کی ہے جو اسلام میں سنتِ جاہلیہ کو طلب کرتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام نے جس کام کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے مثلاً فال نکالنے کے لیے پرندے اڑانا اور کہانت وغیرہ سے اسلام نے منع کیا ہے، اب کوئی اسلام لانے کے بعد یہ کام کرے گا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مبغوض ہوگا۔

نیز امام الطبرانی اور الدارقطنی نے حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے سرکش شخص وہ ہے جو اپنے قاتل کے غیر کو قتل کرے یا اسلام میں زمانہ جاہلیت کے خون کو طلب کرے"۔ اور اس حدیث سے بھی یہ مراد لی جاسکتی ہے جو اسلام میں سنتِ جاہلیہ کو طلب کرے۔

الزہری نے عطاء بن یزید سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے مزدلفہ میں قتل کر دیا یعنی غزوہ فتح مکہ کے موقع پر، اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تین سے زیادہ مبغوض ہو، ایک وہ مرد جو حرم میں قتل کرے اور ایک وہ مرد جو اپنے قاتل کے غیر کو قتل کرے اور ایک وہ مرد جو زمانہ جاہلیت کے طریقہ پر کسی کے بدلہ میں قتل کرے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۴۔ ۲۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۰۔ بَابُ: الْعَفْوِ فِي الْخَطَإِ بَعْدَ الْمَوْتِ موت کے بعد قتلِ خطاء میں معاف کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مقتول کا ولی قتلِ خطاء میں قاتل کو مقتول کی موت کے بعد معاف کر دے، اور یہ مراد نہیں ہے کہ مقتول معاف کر دے، کیونکہ یہ محال ہے۔

امام بخاری نے موت کے بعد کی قید لگائی ہے، کیونکہ اس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوگا، کیونکہ اگر مقتول کے ولی نے اس کو معاف کر دیا پھر وہ مر گیا تو اس کے معاف کرنے کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوگا، کیونکہ اگر وہ زندہ رہتا تو معلوم ہوتا کہ اس کے معاف کرنے کی وجہ سے اس کے اوپر کوئی تاوان نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ مقتول کے ولی کا معاف کرنا مقتول کی موت کے بعد ہوتا ہے، اور مقتول کی موت سے پہلے قاتل کو معاف کرنے میں اہل الظاہر کا اختلاف ہے، کیونکہ انہوں نے قاتل کے معاف کرنے کو باطل قرار دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۳۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ بْنُ أَبِي الْمَغْرَاءِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ يَوْمَ أُحُدٍ ح و حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ يَحْيَى بْنُ أَبِي زَكَرِيَّاءَ يَعْنِي الْوَاسِطِيَّ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ صَرَخَ إِبْلِيسُ يَوْمَ أُحُدٍ فِي النَّاسِ يَا عِبَادَ اللهِ أُخْرَاكُمْ فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ عَلَى أُخْرَاهُمْ حَتَّى قَتَلُوا الْيَمَانِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ أَبِي أَبِي فَقَتَلُوهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ غَفَرَ اللهُ لَكُمْ قَالَ وَقَدْ كَانَ انْهَزَمَ مِنْهُمْ قَوْمٌ حَتَّى لَحِقُوا بِالطَّائِفِ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۰، ۳۸۲۴، ۴۰۶۵، ۶۶۶۸، ۶۸۸۳، ۶۸۹۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں فروہ (بن ابی المغراء) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن مسہر نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ غزوہ احد کے دن مشرکین کو شکست ہوگئی ح اور مجھے محمد بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابومروان یحییٰ بن ابی زکریاء یعنی الواسطی نے حدیث بیان کی از ہشام از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ غزوہ احد کے دن ابلیس لوگوں میں چلایا اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے والوں کو قتل کرو، پس لشکر کے پہلے لوگ پچھلے لوگوں پر پلٹے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت یمان کو قتل کر دیا، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے چلا کر کہا: یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں لیکن لوگوں نے ان کو قتل کر دیا، پس حضرت حذیفہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

انہوں نے کہا: ان میں سے ایک قوم شکست کھا گئی حتیٰ کہ وہ طائف جا پہنچے۔

صحیح البخاری: ۶۸۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث میں مذکور ہے "حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے" اس کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم کو معاف کر دیا ہے، کیونکہ مسلمانوں نے حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو خطاءً قتل کر دیا تھا جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کیے جانے کے بعد قاتلوں کو معاف فرما دیا تھا۔

امام ابو اسحاق الفزاری نے "سیر" میں از الاوزاعی از الزہری یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کو غزوۂ احد میں خطاء سے قتل کر دیا تھا، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ تمام رحم کرنے والوں

میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، پس نبی ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لیے نیکی کی دعائیں اور اضافہ فرمایا۔
امام بخاری نے اس حدیث کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ایک سند فروہ سے ہے اور دوسری سند محمد بن حرب سے ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اخراکم" یعنی تم اپنے پیچھے والوں کو قتل کرو یا پیچھے والوں سے محتاط رہو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ انہوں نے یمان کو قتل کر دیا" یعنی مسلمانوں نے حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابی ابی" یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "ھذا ابی" یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں ان کو قتل نہ کرو، اور مسلمانوں نے ان کی بات نہیں سنی اور انہوں نے حضرت یمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا، ان کا یہ گمان تھا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ مشرکین میں سے ہیں، تب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی اور اپنے والد کی دیت کو مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔
اور علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مسلمان اپنے صاحب کو خطاً قتل کر دے، جب گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو تو اس پر اس سے مواخذہ نہیں ہوگا، اور اسی طرح تمام اژدہامات اور رش کے مواقع میں حکم ہے، سوا اس کے جب کوئی شخص کسی کو ہلاک کرنے کا قصد کرے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "بالطائف" یہ مشہور شہر ہے جو مکہ کے پیچھے ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى:

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (النساء: ۹۲)

باب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر) اور جس نے کسی مسلمان کو خطاء (بلاقصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے، اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں، پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ (مقتول) مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا لازم ہے، اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے، سو جو شخص (غلام یا باندی کو) نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، یہ اللہ کی طرف سے (اس کی) توبہ ہے اور اللہ

بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

النساء: ۹۲ میں مذکور احکام کا خلاصہ

اس باب میں کسی حدیث کا ذکر نہیں کیا گیا، اور یہ آیت (النساء: ۹۲) دیات کے احکام میں اصل ہے، سو اس آیت میں دو دیتیں ذکر کی گئی ہیں اور تین کفارات ذکر کئے گئے ہیں۔

مومن کو دارالاسلام میں قتل کر دیا جائے تو اس میں دیت بھی ادا کرنی ہے اور کفارہ بھی دینا ہے، مومن کو دارالحرب میں مشرکین کی صف میں قتل کر دیا جائے جب کہ مومن مشرکین کے ساتھ ایک صف میں حاضر ہو پس مسلمان اس کو قتل کر دیں تو اس صورت میں صرف کفارہ ہے دیت نہیں ہے، ذمی کو دارالاسلام میں قتل کر دیا جائے تو اس میں دیت بھی ادا کرنی ہے اور کفارہ بھی ادا کرنا ہے۔

النساء: ۹۲ کے شانِ نزول میں متعدد روایات

مجاہد اور عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت حضرت عیاش بن ابی ربیعہ المخزومی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے ایک مسلمان مرد کو قتل کر دیا تھا اور ان کو اس کے مسلمان ہونے کا علم نہیں تھا، اس مرد کو مکہ میں ابو جہل کے ہاتھوں عذاب دیا جاتا تھا، پھر یہ مسلمان ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلا، پس راستہ میں اس کی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور ان کا گمان یہ تھا کہ یہ کافر ہے، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو اس کی خبر دی تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک غلام کو آزاد کریں اور یہ آیت نازل ہوئی، یہ امام طبری کی بیان کردہ تفسیر ہے جو مجاہد اور عکرمہ سے مروی ہے۔

اور السدی نے کہا ہے: اس مسلمان مرد کو فتحِ مکہ کے دن قتل کر دیا تھا اور وہ مکہ سے باہر آئے اور ان کے اسلام کا کسی کو علم نہیں تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے والد تھے، وہ ایک لشکر میں تھے پس لشکر سے نکل کر ایک گھاٹی کی طرف گئے، وہاں ایک مرد کو اس کی بکریوں کے ساتھ پایا، انہوں نے اس مرد کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں اور وہ مرد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ رہا تھا تو پھر ان کے دل میں اس کو قتل کرنے سے تردّد پیدا ہوا، انہوں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے اس کے قتل پر انکار فرمایا کیونکہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ چکا تھا، سو یہ آیت نازل ہوئی۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کے والد کے متعلق نازل ہوئی ہے جب غزوہ احد میں ان کو مسلمانوں نے خطاءً قتل کر دیا، اس کا ذکر اس سے پہلی حدیث میں ہو چکا ہے۔

النساء: ۹۲ کے بعض الفاظ کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں مذکور ہے "اِلَّا خَطَـًٔا"۔

بہ ظاہر اس آیت کا یہ معنی ہے کہ مومن کے لیے دوسرے مومن کو خطاءً قتل کرنا جائز ہے، لیکن یہ معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ مومن کا قتل مشروع نہیں ہے نہ خطاءً اور نہ عمداً، لیکن اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی مومن نے دوسرے مومن کو خطاءً قتل کر دیا تو اس کو

مسلمان غلام بھی آزاد کرنا ہوگا اور دیت بھی ادا کرنی ہوگی۔

اس آیت میں مذکور ہے "مُّؤْمِنَةٍ" اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور کسی کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔ اور امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور الشعبی سے، ابراہیم النخعی سے اور حسن بصری سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مسلمان بچے کو بھی آزاد کرنا کافی نہیں ہے، سوا اس کے کہ وہ مسلمان بچہ قصداً ایمان لایا ہو۔ اور امام ابن جریر کا مختار یہ ہے کہ جب کہ وہ بچہ مسلمان ماں باپ کے ہاں پیدا ہوا تو پھر اس کو آزاد کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور جمہور فقہاء کا موقف یہ ہے کہ جب وہ بچہ مسلمان ہو تو اس کا کفارہ میں آزاد کرنا درست ہے خواہ وہ بچہ ہو یا بڑا ہو۔

اس آیت میں مذکور ہے "اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا" یعنی اگر کسی مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کر دیا تو مقتول کے وارثوں کو اس کی دیت ادا کرنا واجب ہے، ہاں اگر مقتول کے وارث اس دیت کو معاف کر دیں تو پھر واجب نہیں ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ" یعنی مسلمان نے جس کو قتل کیا ہے وہ مقتول مومن ہو اور اس کے اولیاء کافر حربی ہوں تو پھر ان کو اس مسلمان مقتول کی دیت نہیں ادا کی جائے گی اور اس کے قاتل کے اوپر لازم ہے کہ وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور اس کے علاوہ کچھ واجب نہیں ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ" یعنی وہ مقتول اس قوم سے ہو جس قوم کے ساتھ تمہاری صلح ہو اور معاہدہ ہو تو اس صورت میں اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے گی اور ایک مسلمان غلام آزاد کیا جائے گا۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے "مُتَتَابِعَيْنِ" یعنی جس شخص کو مسلمان غلام آزاد کرنے کے لیے میسر نہ ہو تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے اور ان کے درمیان کوئی روزہ نہ چھوٹے، اگر اس نے مرض یا حیض یا نفاس کے عذر کے بغیر درمیان سے کوئی روزہ چھوڑ دیا تو از سر نو دو ماہ کے روزے رکھے گا۔ اور سفر کے اندر کیا وہ درمیان میں روزہ چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں۔

اس آیت میں مذکور ہے "تَوْبَةً" یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے اور تمہارے لیے آسانی ہے کہ اگر تم مسلمان غلام آزاد نہ کر سکو تو اس کے بجائے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو۔

نیز اس آیت میں مذکور ہے "وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾" یعنی اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے یہ علم ہے کہ اس کے بندوں کی مصلحت میں کیا ہونا چاہیے، اس لیے وہ بندوں کی مصلحت کے مطابق انہیں فرائض کا مکلف فرماتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۶۹۔ ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان پر قصاص صرف اس صورت میں ہے جب وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، یعنی ذمی کو قتل کرنے کی وجہ سے مسلمان پر قصاص نہیں ہے، اس پر حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے دلائل

اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ مسلمان سے قصاص لینا مسلمان کو قتل کرنے کے ساتھ مخصوص ہے، پس اگر مسلمان نے

کسی کافر کو قتل کیا تو اس مسلمان پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی خواہ وہ مقتول حربی ہو یا غیر حربی ہو، کیونکہ ان آیات میں مقتولین کے احکام بیان کیے گئے، پہلے عمداً مقتولین کے احکام بیان کیے، پھر خطاءً مقتولین کے متعلق احکام بیان کیے۔

حربی کو قتل کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (النساء:۸۹) پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کردو۔

نیز النساء:۹۲ میں فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر)۔

اس آیت کا مفہومِ مخالف یہ ہے کہ مسلمان کے لیے کافر کو عمداً قتل کرنا جائز ہے اور اس حکم سے ذمی خارج ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مومن کو خطاءً قتل کرنے پر دیت اور کفارہ لازم کیا ہے اور کافر کو قتل کرنے پر یہ لازم نہیں کیا، پس اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ کافر کو قتل کرنے پر کچھ واجب نہیں ہوتا خواہ وہ کافر ذمی ہو، اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا (النساء:۱۴۱) اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے دلائل کا جواب از مصنف

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ کافر ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمان نے کافر ذمی کو قتل کر دیا تو قصاص میں اس ذمی کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ۔ الآیۃ (المائدہ:۴۵) اور ہم نے ان پر (تورات) میں فرض کیا تھا کہ جان کے بدلہ میں جان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا، جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے النساء:۹۲ کے مفہومِ مخالف سے یہ استدلال کیا ہے کہ کافر ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور ہمارا استدلال قرآن مجید کی صریح آیت سے ہے اور اس کی تائید میں درج ذیل احادیث ہیں:

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (ذمی) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور

فرمایا: جولوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی، الحدیث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۰)

عبد الرحمٰن بن البلیمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا۔

(سنن دار قطنی، الحدیث: ۳۲۳۳)

عبد الرحمٰن بن البلیمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہلِ قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جولوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔ (سنن دار قطنی، الحدیث: ۳۲۳۴)

قتلِ خطاء میں دیت کی مقدار

اس باب میں جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں قتلِ خطاء کی دیت کو ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے، اس لیے ہم یہاں پر قتلِ خطاء کی دیت کو بیان کر رہے ہیں:

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتلِ خطاء کی دیت یہ مقرر کی ہے: ایک سال کی بیس اونٹنیاں، ایک سال کے بیس اونٹ، دو سال کی بیس اونٹنیاں، تین سال کی بیس اونٹنیاں، اور چار سال کی بیس اونٹنیاں۔

(سنن ترمذی: ۱۳۹۱، سنن ابوداؤد: ۴۵۴۵، سنن نسائی: ۴۸۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۶۳۱، موطا امام مالک: ۱۶۰۵)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتلِ خطاء کی دیت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم بھی دیے جا سکتے ہیں۔

(ہدایہ اخیرین ص ۵۸۴۔۵۸۵، شرکت علمیہ، ملتان)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتلِ خطاء کی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۷)

۱۲۔ بَابٌ: إِذَا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ مَرَّةً قُتِلَ بِهِ

اس کا بیان کہ جب کسی مرد نے ایک مرتبہ قتل کا اقرار کر لیا، تو اس کو اس کے سبب سے قتل کر دیا جائے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کسی شخص نے ایک مرتبہ قتل کا اقرار کر لیا تو اس کے اقرار کی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ أَخْبَرَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَا مَنْ فَعَلَ بِكِ هَذَا أَفُلَانٌ أَفُلَانٌ حَتَّى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَأَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حبان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن مالک

بِرَأْسِهَا فَجِيئَ بِالْيَهُودِيِّ فَاعْتَرَفَ فَأَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ وَقَدْ قَالَ هَمَّامٌ بِحَجَرَيْنِ۔

رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل دیا، اس لڑکی سے پوچھا گیا: تمہارے ساتھ یہ (ظلم) کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے، کیا فلاں نے؟ حتیٰ کہ اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس لڑکی نے سر سے اشارہ کیا (یعنی ہاں)، پھر اس یہودی کو لایا گیا، سو اس نے اعتراف کر لیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قصاص لینے کا حکم دیا تو اس کا سر پتھر سے کچل دیا گیا۔

اور ہمام نے کہا: دو پتھروں کے ساتھ کچل دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۵۲۹۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۱۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

صحیح البخاری: ۶۸۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس یہودی نے ایک مرتبہ اس لڑکی کو پتھر سے کچلنے کا اعتراف کیا تو اس اقرار کی وجہ سے اس یہودی کو پتھر سے کچل کر قتل کر دیا گیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں۔ علامہ الغسانی نے کہا: میں نے اسحاق کے لفظ کو کسی کے نزدیک بھی منسوب لکھا ہوا نہیں پایا اور ہو سکتا ہے یہ اسحاق بن منصور ہوں۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: اسحاق بن منصور بن بہرام الکوسج ابو یعقوب المروزی، یہ آخر میں نیشا پور کی طرف منتقل ہو گئے تھے اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں، یہ دو سو اکیاون ہجری (۲۵۱ھ) میں فوت ہو گئے تھے، دوسرا قول ہے کہ یہ بعید نہیں ہے کہ یہ اسحاق بن راہویہ ہوں، کیونکہ وہ بھی حبان سے بہت زیادہ روایت کرتے ہیں یعنی حبان بن ہلال الباہلی سے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہمام کا ذکر ہے، یہ ہمام بن یحییٰ بن دینار البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقیل لھا'' یعنی اس لڑکی سے سوال کیا گیا، اس لڑکی سے اس لیے سوال کیا گیا حالانکہ اس لڑکی سے کچھ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ لڑکی اس شخص کو پہچانتی تھی جس پر قتل کرنے کی تہمت تھی، پس اس کو بلایا گیا کہ اگر اس نے اعتراف کر لیا تو اس پر قتل ثابت ہو جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فامر بہ النبی ﷺ" یعنی اس مذکورہ لڑکی کی وفات کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا۔
التوضیح میں علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے لکھا ہے: اس حدیث میں فقہاء احناف کے خلاف حجت ہے، کیونکہ فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس یہودی نے ایک مرتبہ سے زیادہ اقرار کیا اور اگر اس کی کوئی حد ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کو بیان فرما دیتے۔ اور امام مالک اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف نے دو مرتبہ اقرار کی شرط جو لگائی ہے وہ زنا میں چار مرتبہ اقرار کرنے پر قیاس کر کے لگائی ہے اور مطلقاً اعتراف ایک مرتبہ میں منحصر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۰۔۷۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۸۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہودی کے صرف ایک مرتبہ اقرار پر قصاص کا حکم دینے سے فقہاء شافعیہ کا عدم تکرار پر استدلال اور مصنف کی طرف سے اس کا جواب

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں یہودی کا قصہ مذکور ہے اس میں جمہور کی دلیل ہے کہ قتل کا اقرار کرنے میں تکرار شرط نہیں ہے، اور یہ اس سے ماخوذ ہے کہ حدیث میں ہے کہ اس یہودی کو لایا گیا تو اس نے قتل کا اعتراف کیا پھر نبی ﷺ کے حکم سے اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا گیا اور اس حدیث میں عدد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اصل یہ ہے کہ عدد نہ ہو اور فقہاء احناف نے یہ شرط لگائی ہے کہ قتل کا اقرار بھی دو مرتبہ ہونا چاہیے جیسا کہ قتل کے ثبوت میں دو گواہوں کی شرط ہے۔ اسی طرح زنا کے اقرار میں بھی چار مرتبہ تکرار کی شرط ہے کیونکہ زنا کے گواہ بھی چار ہوتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)
میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کا قیاس کرنا صحیح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے صرف ایک مرتبہ اقرار پر اس سے قصاص لینے کا حکم دیا، ہوسکتا ہے اس کی یہ وجہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو وحی سے معلوم ہو گیا ہو کہ یہ یہودی ہی اس لڑکی کا قاتل ہے، اس لیے آپ نے اس کے ایک مرتبہ اقرار کرنے کو کافی قرار دیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۳۔ بَابُ: قَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ — عورت کے سبب سے مرد کو قتل کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کو قتل کرنے کے سبب سے مرد کو قتل کرنا واجب ہے، اور یہ عام شہروں کے فقہاء کا اور علماء کی جماعت کا قول ہے۔ اور حسن بصری کا شاذ قول ہے جس کو عطاء نے روایت کیا ہے، ان دونوں نے کہا کہ اگر عورت کے ورثاء مرد کو اس عورت کے سبب سے قتل کر دیں تو وہ نصف دیت ادا کریں گے اور اگر مرد کے ورثاء عورت کو قتل کر دیں تو وہ اس عورت کے ورثاء سے مرد کی آدھی دیت لیں گے۔ اسی قول کی مثل از شعبی از حضرت علی رضی اللہ عنہ مروی ہے، اور عثمان البتی کا بھی یہی قول ہے۔ اور

فقہاء کی جماعت کی دلیل اس بات کی حدیث ہے جس کو امام بخاری کئی مرتبہ روایت کر چکے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَتَلَ يَهُودِيًّا بِجَارِيَةٍ قَتَلَهَا عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک لڑکی کو قتل کرنے کے سبب سے ایک یہودی کو قتل کر دیا۔ اس یہودی نے اس لڑکی کے زیورات کی وجہ سے اس لڑکی کو قتل کیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۶، ۵۲۹۵، ۶۸۷۶، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۱۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

صحیح البخاری: ۶۸۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں باب کے حکم کو واضح کر دیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید، یہ ابن زریع ہیں جو زرع کی تصغیر ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید، یہ ابن ابی عروبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الاوضاح" یہ وضح کی جمع ہے جو زیورات کی ایک قسم ہے، وہ زیورات چاندی سے بنائے جاتے ہیں، ان کو "الاوضاح" اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بہت سفید ہوتے ہیں، اور "وضح" سفید چیز کو کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابُ: الْقِصَاصِ بَيْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فِي الْجِرَاحَاتِ

مردوں اور عورتوں کے درمیان زخموں میں بدلہ لینے کا بیان

وَقَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ: يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ وَيُذْكَرُ عَنْ عُمَرَ: تُقَادُ الْمَرْأَةُ مِنَ الرَّجُلِ فِي كُلِّ عَمْدٍ

اور اہل علم نے کہا: مرد کو عورت کے سبب سے قتل کر دیا جائے گا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ عورت کا مرد سے قصاص

يَبْلُغُ نَفْسَهُ فَمَا دُونَهَا مِنَ الْجِرَاحِ

لیا جائے گا عمداً ایسی زیادتی پر جو جان کے ضیاع تک جا پہنچے اور جو اس سے کم ہو زخم وغیرہ میں سے۔

وَبِهِ قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَإِبْرَاهِيمُ وَأَبُو الزِّنَادِ عَنْ أَصْحَابِهِ۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ابراہیم کا یہی قول ہے اور ابوالزناد کے اصحاب سے بھی یہی مروی ہے۔

وَجَرَحَتْ أُخْتُ الرُّبَيِّعِ إِنْسَانًا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْقِصَاصُ۔

الربیع کی بہن نے ایک انسان کو زخمی کر دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: بدلہ ہوگا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قصاص کے وجوب کا بیان ہے۔ ۔الیٰ آخرہ۔اور ''الجراحات'' جراحۃ کی جمع ہے، اور زخموں میں وجوب کا قول ثوری، الاوزاعی، امام مالک اور امام شافعی کا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قتل کے سوا مردوں اور عورتوں میں زخموں کے اندر قصاص اور بدلہ نہیں ہے، کیونکہ جان میں مساوات کا اعتبار ہوتا ہے، اعضاء میں مساوات کا اعتبار نہیں ہوتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تندرست ہاتھ کو مفلوج ہاتھ کے بدلہ میں نہیں پکڑا جائے گا اور جو نفس تندرست ہو اس کو بیمار نفس کے مقابلہ میں پکڑا جاتا ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے ''اہلِ علم نے کہا ہے کہ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا''۔ اہلِ علم سے مراد جمہور علماء ہیں کیونکہ ان کے نزدیک مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا جیسا کہ نص سے ثابت ہے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ عورت سے مرد کا بدلہ لیا جائے گا۔ یعنی جب کوئی عورت عمداً مرد کو قتل کرے اور اس کا قتل کرنا مرد کی جان یا اس سے کم درجہ کے زخم میں پہنچ جائے یعنی عورت کے اعضاء میں سے ہر عضو سے بدلہ لیا جائے گا جب وہ مرد کے اعضاء کو کاٹے گی۔ اور اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اس اثر کو امام سعید بن منصور نے نخعی کی سند سے موصولاً روایت کیا ہے، انہوں نے ذکر کیا ہے کہ عروہ بارقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے شریح کے پاس آئے اور کہا کہ مردوں کے زخم اور عورتوں کے زخم برابر ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ نخعی کا سماع شریح سے صحیح نہیں ہے، اس لیے امام بخاری نے اس اثر کو یہاں پر صیغہ تمریض سے ذکر کیا ہے یعنی مجہول کے صیغہ کے ساتھ کہا کہ ذکر کیا جاتا ہے۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے وہی بات عمر بن عبدالعزیز نے اور ابراہیم النخعی نے اور ابوالزناد نے کہی

ہے۔اور ابوالزناد کا نام عبداللہ بن ذکوان المدنی ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "عن اصحابه" ابوالزناد کے اصحاب عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج ہیں اور قاسم بن محمد ہیں اور عروہ بن الزبیر وغیرہم ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور ابراہیم کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے از ثوری از جعفر بن برقان از عمر بن عبدالعزیز اور از مغیرہ از ابراہیم نخعی روایت کی ہے،ان دونوں نے کہا: عمد میں مرد اور عورت دونوں کا قصاص برابر ہے۔

ابوالزناد کے اثر کی امام بیہقی نے از عبدالرحمٰن بن ابی الزناد از والد خود روایت کی ہے۔انہوں نے کہا: میں نے جتنے فقہاء کو پایا اور انہوں نے سات فقہاء کا ذکر کیا جو اپنے زمانہ میں فقہ اور دین میں افضل تھے،وہ یہ کہتے تھے کہ عورت مرد کی آنکھ نکال لے یا اس کا کان کاٹ لے اور ہر عضو میں عورت سے مرد کا قصاص لیا جائے گا۔

باب مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں الرُبَیِّع کا ذکر ہے،یہ الربیع کی تصغیر ہے،یہ الرُبَیِّع بنت نضر ہیں اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔

الربیع نے اپنی باندی کا سامنے کا دانت توڑ دیا۔امام بخاری کی روایت میں ہے کہ الرُبیع کی بہن نے کسی انسان کو زخمی کر دیا تھا۔

ہوسکتا ہے کہ اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ یہ اور عورت ہے لیکن کسی سے یہ منقول نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: محدثین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ یہ قصے ہیں۔علامہ النووی نے کہا ہے کہ علماء کہتے ہیں کہ امام بخاری کی روایت معروف ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ دو قصے ہوں۔اور ابن حزم ظاہری نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ دو قصے ہیں اور دونوں صحیح ہیں اور دونوں ایک عورت سے واقع ہوئے،ایک قصہ یہ ہے کہ الرُبیع کی بہن نے ایک انسان کو زخمی کر دیا تو ان کے اوپر تاوان دینے کا فیصلہ کیا گیا۔اور دوسرا قصہ یہ ہے کہ الرُبیع نے ایک باندی کے سامنے کا دانت توڑ دیا تو ان کے خلاف بدلہ کا فیصلہ کیا گیا۔اور پہلے قصہ میں رُبیع کی ماں نے قسم کھائی اور دوسرے قصہ میں رُبیع کے بھائی نے قسم کھائی (کہ ہم بدلہ نہیں دیں گے)۔امام بیہقی نے یہ دونوں روایتیں ذکر کرنے کے بعد کہا کہ ان دونوں حدیثوں کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ دو قصے ہیں،اور حدیث میں جو القصاص کا لفظ ہے اس پر زبر ہے،یعنی قصاص کو ادا کرو۔اور نسفی کی روایت میں ہے: اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ زخم منضبط نہیں ہوتے تو اس میں مماثلت متصور نہیں ہے،اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کبھی زخم منضبط ہو جاتے ہیں۔اور بعض علماء نے کہا ہے کہ غور و فکر کے بعد ان میں قصاص لیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۱۔ ۷۲،دارالکتب العلمیہ،بیروت،۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۶۔حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيِّ بْنِ بَحْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَائِشَةَ رضى الله عنها

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی بن بحر نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی،انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی،انہوں

قَالَتْ لَدَدْنَا النَّبِيَّ ﷺ فِي مَرَضِهِ فَقَالَ لَا تُلِدُّونِي فَقُلْنَا كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ مِنْكُمْ إِلَّا لُدَّ غَيْرَ الْعَبَّاسِ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ۔

نے کہا: ہمیں موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عبد اللہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نبی ﷺ کی بیماری کے ایام میں آپ کے منہ میں دوا ڈالی، آپ نے فرمایا: میرے منہ میں دوا نہ ڈالو، ہم نے (دل میں) کہا: یہ مریض کی دوا سے کراہیت ہے، جب آپ تندرست ہو گئے تو آپ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص کے منہ میں زبردستی دوا ڈالی جائے گی سوائے عباس کے، کیونکہ وہ اس موقع پر تم میں موجود نہیں تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۵۸، ۵۷۱۲، ۶۸۸۶، ۶۸۹۷، صحیح مسلم: ۲۲۱۳، مسند احمد: ۲۴۲۷۳)

صحیح البخاری: ۶۸۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ مرد نے عورت سے قصاص لیا، کیونکہ جن لوگوں نے نبی ﷺ کے منہ میں زبردستی دوا ڈالی تھی وہ مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں، بلکہ اکثر گھر میں عورتیں ہوتی ہیں تو آپ نے ان سے قصاص لینے کا حکم دیا کہ سب کے منہ میں دوا ڈالی جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عمرو بن علی کا ذکر ہے، جو ابن بحر ابو حفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں اور وہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور موسیٰ بن ابی عائشہ کا ذکر ہے، وہ الہمدانی الکوفی ابو بکر ہیں۔ اور عبید اللہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے، وہ ابن عتبہ بن مسعود ہیں۔

یہ حدیث باب "مرض النبی ﷺ ووفاتہ" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لددنا" یہ لفظ لدود سے ماخوذ ہے، کسی ڈبیہ سے منہ کی ایک جانب میں دوا ڈالنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کراھیۃ المریض للدواء" یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو بطور تحریم دوا ڈالنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ بطور تنزیہہ منع فرمایا، کیونکہ آپ نے دوا ڈالنے کو اس لیے ناپسند کیا جیسا کہ مریض دوا ڈالنے کو ناپسند کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا لُدّ" یعنی کوئی شخص باقی نہ بچے مگر اس سے بدلہ لینے کے لیے اس کے منہ میں دوا ڈالی جائے۔

جس ضرب میں حدود منضبط نہ ہوں، اس کے قصاص میں فقہاء کے اقوال

علامہ کرمانی نے کہا: ہو سکتا ہے کہ یہ ان کی سزا ہو، کیونکہ انہوں نے نبی ﷺ کے منع کرنے کے باوجود دوا ڈالی۔

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص تھپڑ مارنے میں اور ضرب میں غور و فکر کے بعد بدلہ کو جائز قرار دیتا ہے، اگرچہ اس کی مکمل حد پر واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ دوا ڈالنے کو ضبط کرنا کہ اس کی اتنی حد ہو کہ اس سے متجاوز نہ ہو، اس پر بغیر غور و فکر کے واقفیت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۱۔ ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۸۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قتل سے کم کے قصاص میں فقہاء کے اقوال

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ مرد کو عورت کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور عورت کو مرد کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا سوا حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور عطاء کی ایک روایت کے۔ اور فقہاء احناف نے قتل سے کم کے قصاص میں اختلاف کیا ہے، اور بعض احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو ہاتھ تندرست ہو اس کو مفلوج ہاتھ کے بدلہ میں نہیں کاٹا جاتا، اس کے برخلاف جو نفس تندرست ہو اس سے بیمار نفس کے بدلہ میں قصاص لیا جاتا ہے۔

اور علامہ ابن القصار نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جو ہاتھ مفلوج ہو وہ مردار کے حکم میں ہے اور زندہ کا مردار سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ جان کو قتل کرنے میں قصاص کے اوپر سب کا اجماع ہے اور جان سے کم میں قصاص کے متعلق اختلاف ہے۔

حضرت شریح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ مردوں اور عورتوں کے زخم برابر ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے اگرچہ نخعی نے اس حدیث کو شریح سے سنا ہے۔ اور ایک اور سند کے ساتھ عروہ سے مروی ہے کہ اگر عورت مرد کو قتل کر دے تو عورت سے قصاص لیا جائے گا اور اگر عورت مرد کا کوئی عضو کاٹ دے تو اس عورت کا عضو کاٹا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۵۔ بَابُ: مَنْ أَخَذَ حَقَّهُ أَوِ اقْتَصَّ دُونَ السُّلْطَانِ
جس نے اپنا حق وصول کیا یا حاکم کے بغیر قصاص لیا، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنے مقروض سے اپنا حق حاکم کے حکم کے بغیر وصول کیا یا جس شخص کے لیے قصاص واجب تھا جان کے بدلہ میں یا کسی عضو کے بدلہ میں تو اس نے حاکم کے حکم کے بغیر قصاص لیا۔ امام بخاری نے کہا ہے "دون السلطان" اور سلطان سے مراد ہے حاکم، اور اس کا جواب ذکر نہیں کیا گیا۔ امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس کا جواب ذکر نہیں کیا یا تو اس لیے کہ اس باب کی حدیث سے اس کا جواب سمجھ آ جاتا ہے، یا اس پر اعتماد کیا کہ جو بیدار ذہن ہو گا وہ اس حدیث سے حکم کو حاصل کر لے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاکم کے حکم کے بغیر اپنا حق وصول کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

ائمہ فتویٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حاکم کے حکم کے بغیر اپنا حق وصول کرے اور لوگوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے قصاص لیں، یہ منصب سلطان کے لیے ہے یا جس کو سلطان مقرر کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ہاتھوں کو روکنے کے لیے سلطان کو مقرر کیا ہے اور بعض لوگوں نے اس حدیث میں تاویل کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ "اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے، پس تم اس کی آنکھ نکال دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا"، انہوں نے کہا کہ یہ حدیث بطور تغلیظ کے ہے اور بطور وعید کے ہے اور اس پر زجر و توبیخ کی ہے کہ کوئی شخص لوگوں کی چھپی ہوئی باتوں پر مطلع ہو، اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جس نے اپنے غلام کے اوپر حد قائم کی یا اپنی باندی پر حد قائم کی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے کہ کوئی شخص حاکم کے حکم کے بغیر مال میں سے اپنا حق وصول کر لے جب کہ فریقِ مخالف اس کے حق کا انکار کرتا ہو اور اس کے حق کے اوپر کوئی گواہ قائم نہ ہو جیسا کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور وہ حدیث عنقریب آئے گی۔ (اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت ابوسفیان کنجوس مرد ہیں، کیا میں ان کی اجازت کے بغیر ان کے مال میں سے کچھ اپنے اور بچوں کے خرچ کے لیے لے لیا کروں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دستور کے مطابق لے لیا کرو اور اس سے تجاوز نہ کرنا)۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کا حق مال سے متعلق ہو تو وہ حاکم کی اجازت کے بغیر اس شخص سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: ایک قول یہ ہے کہ کوئی شخص حاکم کے حکم کے بغیر مال میں سے اپنا حق اس وقت وصول کر سکتا ہے جب کہ حاکم مظلوم کی مدد نہ کرتا ہو اور مظلوم تک اس کا حق نہ پہنچاتا ہو، اس صورت میں مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ حاکم کے فیصلہ کے بغیر اپنا حق وصول کر لے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۸۸۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ الاعرج نے ان سے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ہم (دنیا) میں آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸، ۸۷۶، ۸۹۶، ۲۹۵۶، ۳۴۸۶، ۶۶۲۴، ۶۸۸۷، ۷۰۳۶، ۷۴۹۵، صحیح مسلم: ۸۵۵، سنن نسائی: ۱۳۶۷، مسند احمد: ۱۰۱۷۰)

صحیح البخاری: ٦٨٨٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں اصلاً کوئی مطابقت نہیں ہے۔

صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن المتوفی ٨٠٤ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو اس باب میں داخل کر دیا حالانکہ یہ حدیث اس باب سے نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حدیثوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ساتھ سنا تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سنا اور جو حدیث اس کے بعد ہے اس کو بھی اسی درجہ میں سنا، پس انہوں نے دونوں حدیثوں کی روایت کر دی جیسا کہ انہوں نے ان دونوں حدیثوں کو سنا تھا۔ اور علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ٧٨٦ھ نے علامہ ابن الملقن سے پہلے یہ جواب دیا۔ علامہ کرمانی کے دو جواب ہیں: ایک جواب یہ ہے کہ جو راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی احادیث سنی تھیں اور پہلی حدیث یہ تھی تو اس راوی نے اسی ترتیب کے مطابق ان احادیث کی روایت کر دی جس ترتیب سے اس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ اس راوی کے صحیفہ کے شروع میں یہ حدیث پہلے لکھی ہوئی تھی تو اس نے شروع میں اس حدیث کا ذکر کر دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الیمان، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو الزناد، یہ عبد اللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، یہ عبد الرحمٰن بن ہرمز ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "نحن الآخرون السابقون" یعنی ہم دنیا میں از روئے بعثت کے آخر ہیں اور قیامت کے دن ہم سب سے پہلے ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ٤٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٦٨٨٨۔ وَبِإِسْنَادِهِ لَوِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَلَمْ تَأْذَنْ لَهُ خَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ۔

اور اسی سند سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے اور تم نے اس کو اجازت نہ دی ہو تو تم کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ٦٩٠٢، صحیح مسلم: ٢١٥٨، سنن نسائی: ٤٨٦١، سنن ابو داؤد: ٥١٧٢، مسند احمد: ٢٧١)

صحیح البخاری: ٦٨٨٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔ اور امام بخاری نے کہا: اسی سند کے ساتھ، یعنی جو سند پہلے گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے اور تم نے اس کو اجازت نہ دی ہو اور تم اس کی آنکھ کنکری سے پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے"۔

اس حدیث میں یہ قید لگائی ہے کہ تم نے اس کو اجازت نہ دی ہو، اس لیے کہ اگر تم نے کسی کو جھانکنے کی اجازت دی ہے اور پھر تم نے کنکر یا گٹھلی مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دی تو پھر تم سے قصاص لیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ففقأت عینہ" ابن القطاع نے کہا ہے: "فقع عینہ" کا معنی ہے: اس کی آنکھ کی روشنی بجھا دی۔

ابن ابی عاصم کی روایت میں ہے "اس پر کوئی حرج نہیں ہے" اور گناہ کا لفظ نہیں ہے، اور دوسری روایت میں ہے کہ "اس پر کچھ نہیں ہے" اور ایک اور روایت میں ہے "اس کے لیے اس کی آنکھ پھوڑنا جائز ہے"۔

کسی کے گھر میں جھانکنے سے اس کی آنکھ پھوڑے بغیر اس کو منع کرنے کے متعلق اقوال

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانوں میں سے کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کے گھر میں جھانکے حتیٰ کہ اجازت طلب کرلے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اس گھر میں داخل ہو گیا۔

امام الطحاوی نے کہا ہے: ہمارے اصحاب کو اس مسئلہ میں کوئی نصِ صریح نہیں ملی سوا اس کے کہ ان کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے نفس کی مدافعت کے لیے کوئی کام کیا تو اس کے لیے وہ کام کرنا جائز ہے اور اس کام سے اگر کسی کا کوئی نقصان ہو گیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے جیسے کسی شخص نے کسی کے ہاتھ کو دانتوں سے زور سے کاٹا یا چبایا، اب وہ شخص مدافعت کے لیے اپنا ہاتھ زور سے اس کے منہ سے نکالے اور اس کے نتیجہ میں کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ جائے تو اس ہاتھ نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

علامہ ابوبکر رازی نے کہا: یہ دلیل کچھ بھی نہیں ہے اور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جس نے جھانکنے والے کی آنکھ کو پھوڑ دیا تو وہ اس کی آنکھ کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑے بغیر اس کو جھانکنے سے منع کر دیتا۔ اس کے برخلاف جس نے کسی شخص کے ہاتھ کو کاٹا یا چبایا ہوا ہے تو اس کے لیے تو اپنے ہاتھ کو کھینچے بغیر چھڑانا ممکن نہیں ہے جس کے نتیجہ میں کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ جائے گا۔

اور ابن عبد الحکم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر اس نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس سے قصاص لیا جائے گا، اور فقہاء مالکیہ نے کہا ہے: یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تغلیظ اور بطور زجر و توبیخ فرمائی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۴۔۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۸۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ حُمَيْدٍ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِي بَيْتِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَدَّدَ إِلَيْهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از

مِشْقَصًا فَقُلْتُ مَنْ حَدَّثَكَ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ۔

حُمید، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جھانکا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف تیر کو یا نیزہ کو سیدھا کیا، میں نے پوچھا: آپ کو یہ حدیث کس نے بیان کی؟ تو انہوں نے کہا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۲، ۶۸۸۹، ۶۹۰۰، صحیح مسلم: ۲۱۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۰۸، سنن نسائی: ۴۸۵۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۱، مسند احمد: ۱۳۰۹۵)

صحیح البخاری: ۶۸۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت پر ایک سوال کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ حدیث عنوان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو امام اعظم ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جھانکنے والے کی طرف تیر کو سیدھا کیا تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عام لوگوں کے لیے بھی یہ جائز ہو۔

پھر اس کے جواب میں کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے افعال کا حکم تمام امت کے لیے شامل ہے سوا آپ کے ان افعال کے جن پر کسی حدیث سے یہ دلیل ہو کہ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حُمید، اور وہ الطویل ہیں۔

یہ حدیث ابتداءً مرسل ہے اور انتہاءً مسند ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: یہ ابتداءً مرسل اس لیے ہے کہ حُمید نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے یہ قصہ کس سے سنا ہے، اور انتہاءً مسند اس لیے ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ کس نے بیان کیا تو انہوں نے کہا: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۶۔ بَابٌ إِذَا مَاتَ فِي الزِّحَامِ أَوْ قُتِلَ — جب کوئی شخص رش میں مرجائے یا قتل کردیا جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا عنوان یہ ہے کہ جب کوئی شخص رش میں مرجائے یا قتل کردیا جائے یعنی رش کی وجہ سے قتل کردیا جائے۔ امام بخاری نے یہ نہیں ذکر کیا کہ پھر کیا ہوگا، کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور عنقریب اس کا بیان آئے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۰۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ هِشَامٌ أَخْبَرَنَا عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے خبر

قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ هُزِمَ الْمُشْرِكُونَ فَصَاحَ إِبْلِيسُ أَيْ عِبَادَ اللهِ أُخْرَاكُمْ فَرَجَعَتْ أُولَاهُمْ فَاجْتَلَدَتْ هِيَ وَأُخْرَاهُمْ فَنَظَرَ حُذَيْفَةُ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيهِ الْيَمَانِ فَقَالَ أَيْ عِبَادَ اللهِ أَبِي أَبِي قَالَتْ فَوَاللهِ مَا احْتَجَزُوا حَتَّى قَتَلُوهُ قَالَ حُذَيْفَةُ غَفَرَ اللهُ لَكُمْ قَالَ عُرْوَةُ فَمَا زَالَتْ فِي حُذَيْفَةَ مِنْهُ بَقِيَّةُ خَيْرٍ حَتَّى لَحِقَ بِاللهِ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۰، ۳۸۲۴، ۴۰۶۵، ۶۶۶۸، ۶۸۸۳، ۶۸۹۰)

دی، ہشام نے کہا: ہمیں خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ بیان کرتی ہیں کہ جب غزوۂ احد کا دن تھا مشرکین شکست کھا گئے، پس ابلیس چلایا اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے قتال کرو، پس لشکر کے پہلے لوگ پلٹے، پھر ایک دوسرے سے وہ اور پیچھے والے گتھم گتھا ہو گئے، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ان کے والد حضرت یمان تھے، انہوں نے کہا: اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پس اللہ کی قسم! وہ ان کو مارنے سے نہیں رکے حتیٰ کہ ان کو قتل کر دیا گیا، پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔

عروہ نے کہا: پس حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی باقی زندگی میں اس قتل کو معاف کرنے کی وجہ سے خیر اور برکت رہی حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ لاحق ہو گئے۔

صحیح البخاری: ۶۸۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پس اللہ کی قسم وہ قتال سے نہیں رکے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے باپ کو قتل کر دیا" کیونکہ وہ سب رش کے اندر تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "حدثنی اسحاق" اور یہ بھی روایت ہے "اخبرنی" اور رہے یہ اسحاق، تو الغسانی نے کہا ہے کہ یا تو اس سے مراد اسحاق بن منصور ہیں، یا اس سے مراد اسحاق بن نصر ہیں۔ اور یا اس سے مراد اسحاق بن ابراہیم الحنظلی ہیں۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اسحاق بن منصور مذکور ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، وہ حماد بن اسامہ ہیں، اور ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن عروہ بن الزبیر ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ای عباد اللہ اخراکم" یعنی اے اللہ کے بندو اپنے پیچھے والوں سے قتال کرو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فاجتلدت" یہ جلد سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے قوت اور صبر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابی ابی" یعنی یہ میرے باپ ہیں ان کو قتل نہ کرو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فما احتجزوا" یعنی وہ ان کے والد کو قتل کرنے سے نہیں رکے اور ان سے الگ نہیں ہوئے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "قتلوہ" یعنی مسلمانوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد کو قتل کر دیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "منہ" یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی باقی زندگی میں بھی ان کے لیے اس معافی کی وجہ سے خیر رہی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۹۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص رَش میں قتل کر دیا جائے اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو شخص رَش میں مر جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے اس کو قتل کیا ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا قول ہے، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اس کی دیت ان لوگوں کے ذمہ ہے جو وہاں حاضر تھے، یہ حسن بصری اور زہری کا قول ہے۔

اور یہاں پر ایک تیسرا قول بھی ہے، وہ یہ ہے کہ اس مقتول کے وارث سے کہا جائے گا: تم جس کو چاہو بلاؤ، پس جب اس نے کسی معین شخص کے متعلق قسم کھائی یا ایک ایسی جماعت کے متعلق قسم کھائی جن کا اسے قتل کرنا ممکن تھا تو اس سے حلف لیا جائے گا اور ان لوگوں کے عاقلہ سے تین سال میں دیت وصول کی جائے گی، یہ امام شافعی کا قول ہے۔

اور امام مالک نے کہا کہ اس کا خون رائیگاں ہے۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس کی دیت بیت المال سے دی جائے گی، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے جو شخص مسلمان لوگوں کے کسی فعل سے مر جائے اور یہ متعین نہ ہو کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے تو مستحسن یہ ہے کہ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے، کیونکہ مسلمانوں کا بیت المال عاقلہ کے حکم میں ہے۔

اور جن فقہاء نے یہ کہا کہ اس کی دیت حاضرین پر ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ ان حاضرین کے فعل سے وہ شخص فوت ہوا ہے، پس واجب ہے کہ ان حاضرین کے غیر سے اس کی دیت نہ لی جائے۔ اور اس باب کی حدیث اس قول کے زیادہ مشابہ ہے، کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے، اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے لیے اسی چیز کو معاف کیا گیا جس کا مسلمانوں سے مطالبہ ہو سکتا تھا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ عروہ نے کہا: پس حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اس معافی کی وجہ سے خیر رہی، ان کی مراد یہ تھی کہ اس معاف کرنے کی برکت کی وجہ سے ان کی باقی زندگی میں خیر کا ظہور رہا۔

اور امام شافعی کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ جانوں اور اموال کا معاوضہ صرف طلب سے واجب ہوتا ہے، پس جب مقتول کے ورثاء کسی قوم پر دعویٰ کریں گے اور اس چیز کو لائیں گے جس کی وجہ سے قسامت واجب ہوتی ہے تو ان سے حلف لیا جائے گا اور وہ دیت کے مستحق ہوں گے۔

اور امام مالک کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ جب کہ اس شخص کے معین قاتل کا علم نہیں ہے تو یقین سے یہ معلوم ہو گیا کہ کسی ایک کا ظن کے ساتھ مواخذہ کرنا محال ہے، پس واجب ہے کہ اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا جائے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۷۔ بَابٌ إِذَا قَتَلَ نَفْسَهُ خَطَأً فَلَا دِيَةَ لَهُ — اس کا بیان کہ جب کسی شخص نے اپنے آپ کو خطاءً قتل کر دیا تو اس کی کوئی دیت نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے آپ کو خطاءً قتل کر دیا تو اس کے لیے کوئی دیت واجب نہیں ہوگی۔ اور اسماعیلی نے یہاں پر یہ اضافہ کیا ہے "اور نہ اس پر اس وقت کوئی دیت واجب ہوگی جب اس نے اپنے آپ کو عمداً قتل کیا"۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے عنوان میں خطاءً کہا ہے، کیونکہ اس مسئلہ کے حکم میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ الاوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا ہے کہ اس کی دیت عاقلہ پر واجب ہے، پس اگر وہ زندہ رہتا تو یہ دیت ان لوگوں پر اس کے لیے ہوتی، اور اگر وہ مر گیا تو یہ دیت اس کے ورثاء پر ہوگی۔

اور جمہور نے کہا جن میں ربیعہ، امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی ہیں انہوں نے کہا: اس کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اس باب کی حدیث ان کی دلیل ہے، کیونکہ شارع علیہ السلام نے عامر بن الاکوع کی دیت ان کے عاقلہ پر واجب نہیں کی اور نہ ان کے غیر پر، اور اگر ان کے عاقلہ پر کوئی چیز واجب ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بیان فرما دیتے، کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جس میں بیان کی ضرورت ہے، کیونکہ ضرورت کے وقت سے بیان کو موخر کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نظر اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کے لیے کسی چیز کے وجوب کو منع کیا جائے، کیونکہ اگر کوئی اپنے اعضاء کو کاٹ دے تو اس کی دیت اس کے لیے واجب نہیں ہوتی، اسی طرح جب وہ اپنی جان کو قتل کر دے گا تو اس کی دیت بھی اس کے لیے واجب نہیں ہوگی۔ اور اس پر اجماع ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے اعضاء میں سے کوئی عضو عمداً یا خطاءً کاٹ ڈالا تو اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

علامہ کرمانی نے کہا کہ اس باب کے عنوان میں جو یہ لفظ مذکور ہے کہ اس کے لیے کوئی دیت نہیں ہوگی تو اس کی کوئی توجیہ نہیں ہے، اور اس عنوان کے لائق عنوانِ سابق ہے یعنی جب کوئی شخص رش میں مر جائے تو رَش والوں پر اس کی دیت نہیں ہوگی، کیونکہ ظاہر ہے کہ اپنے نفس کو قتل کرنے والے کی کوئی دیت نہیں ہوتی۔ اور ہو سکتا ہے یہ عنوان صحیح البخاری کے نسخہ کو اصل سے نقل کرنے والوں کے تصرفات کی وجہ سے ہو۔

اور اصحابِ ظواہر نے کہا ہے: اس کی دیت اس شخص کے عاقلہ پر ہے (عاقلہ سے مراد اس شخص کے عصبات ہیں)۔ پس بعض اوقات امام بخاری اپنے عنوان سے ظاہریہ کے رد کا ارادہ کرتے ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس بناء پر علامہ کرمانی کے اس قول کی کوئی توجیہ نہیں ہے کہ اس عنوان کے لائق تو پچھلا باب تھا، بلکہ

لائق یہ تھا کہ اس عنوان کو دونوں بابوں میں ذکر کیا جاتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷۶۔۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٨٩١۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيْهَاتِكَ فَحَدَا بِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَنِ السَّائِقُ قَالُوا عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ هَلَّا أَمْتَعْتَنَا بِهِ فَأُصِيبَ صَبِيحَةَ لَيْلَتِهِ فَقَالَ الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ فَدَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَأَيُّ قَتْلٍ يَزِيدُهُ عَلَيْهِ۔

(صحیح البخاری: ٦١٤٨، صحیح مسلم: ١٨٠٢، مسند احمد: ١٦٠٧٦)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں المکی بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابی عبید نے حدیث بیان کی از سلمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف گئے، پس ان میں سے ایک مرد نے کہا: اے عامر! آپ ہمیں اپنے کچھ اشعار گا کر سنائیں، پس حضرت عامر رضی اللہ عنہ گانے لگے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں کو کون ہنکار رہا ہے؟ صحابہ نے کہا: عامر، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچنے دیا؟ پس حضرت عامر رضی اللہ عنہ اسی رات کی صبح کو شہید ہو گئے، تو صحابہ نے کہا: ان کے نیک عمل ضائع ہو گئے انہوں نے اپنے نفس کو قتل کیا ہے، پس جب میں لوٹا اور صحابہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے عمل ضائع ہو گئے تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس میں نے کہا: یا نبی اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں، صحابہ کا یہ زعم ہے کہ عامر نے اپنے عمل ضائع کر دیئے ہیں، آپ نے فرمایا: جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا، بے شک اس کے لیے دو اجر ہیں وہ جاہد، مجاہد ہیں (وہ خیر میں کوشش کرنے والے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں) اور کونسا قتل ان کے قتل سے زیادہ ہوگا۔

صحیح البخاری: ٦٨٩١، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے ورثاء کے لیے ان کے عاقلہ پر دیت کا حکم نہیں لگایا، یا مسلمانوں کے بیت المال کے اوپر ان کی دیت کا حکم نہیں لگایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یزید بن ابی عُبید، یہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ان کا نام سنان

الاسلمی ہے۔

یہ حدیث امام بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے، کیونکہ اس حدیث میں امام بخاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین راوی ہیں: مکی بن ابراہیم، یزید بن ابی عبید اور سلمہ بن الاکوع۔ اور یہ امام بخاری کی ثلاثیات میں سے انیسویں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الی خیبر" اس سے مراد وہ بستی ہے جس میں یہود رہتے تھے اور یہ مدینہ سے شام کی طرف چار مراحل کے فاصلہ پر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اسمعنا" یعنی آپ ہمیں سنائیں، اور عامر وہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کے بھائی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من ھنیاتك" یہ ھنیئۃ کی جمع ہے، اس سے مراد کلام رجز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فحدا بھم" یعنی حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اس رجزیہ کلام کو گا کر پڑھا اور اونٹوں کو ہنکانے لگے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "امتعتنا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر میں جس کے لیے فرمائیں اللہ اس پر رحم فرمائے، اس کے لیے شہادت واجب ہو جاتی ہے، پس جب حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لیے کہا کہ اللہ اس پر رحم فرمائے، تو آپ کی دعا سے ان کے لیے شہادت واجب ہو گئی۔ اور کاش! آپ حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو ہمارے نفع کے لیے چھوڑ دیں، اور صحابہ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے لیے خصوصیت سے قتال کے وقت دعا فرمائیں، وہ شہید ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاصیب" یعنی حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ اسی رات کی صبح کو شہید ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لجاھد مجاھد" یعنی عامر خیر میں کوشش کرنے والے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے تھے۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ لفظ "جاھدَ" ہے ماضی کا صیغہ ہے یعنی حضرت عامر رضی اللہ عنہ متعدد جہاد کے مواقع میں حاضر ہوئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وای قتل یزیدہ علیہ" یعنی حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے قتل سے کس کے قتل کا زیادہ اجر ہوگا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ فضیلت کے انتہائی درجات میں پہنچ گئے۔

التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے کہا ہے کہ صحابہ نے کہا "حبط عملہ" یعنی حضرت عامر رضی اللہ عنہ کا عمل ضائع ہو گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" (النساء:۲۹) یعنی "تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو" اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفسوں کو عمداً اور قصداً قتل نہ کرو، کیونکہ خطاء کے کام سے کسی کو منع نہیں کیا جاتا۔

اور علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق اس آیت کے ساتھ ہو:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا (النساء:۹۲) اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے ماسوا خطا کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۷۔۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری:۶۸۹۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے اپنے نفس کو خطاءً قتل کرنے کی کیفیت کا بیان

امام بخاری نے اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کیا کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے خطاءً اپنے نفس کو کس طرح قتل کیا تھا جیسا کہ اس باب کا عنوان ہے، اور کتاب الادب میں اس کا بیان اس باب میں ہے "مایجوز من الشعروالرجزوالحداء" اس میں بیان کیا ہے کہ پس ہم خیبر میں آئے اور ہم نے اہلِ خیبر کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی تلوار چھوٹی تھی، انہوں نے وہ تلوار ایک یہودی پر ماری تا کہ اس کو قتل کریں، اس تلوار کی نوک پلٹ کر حضرت عامر رضی اللہ عنہ کو لگی اور ران کے گھٹنے کو زخمی کیا اور وہ اسی سے فوت ہو گئے۔ پس امام بخاری نے اس حدیث کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا: بہت کم کسی عربی نے اس کی مثل شعر کہا، یہ ان کے اس قول کی جگہ ہے اور "کون سا قتل اس سے زیادہ ہوگا"۔ اور نسفی کی روایت اس باب کی حدیث میں اس طرح ہے "اور کونسا قتل اس پر زیادہ ہوگا" اور یہی صحیح ہے۔

اپنے نفس کو قتل کرنے والے کے متعلق فقہاء کے اقوال

فقہاء کا اپنے نفس کو قتل کرنے والے کے متعلق اختلاف ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: جس نے اپنے نفس کو عمداً یا خطاءً قتل کیا، اس کی دیت اس کی عاقلہ میں سے کسی سے نہیں لی جائے گی۔ یہ ربیعہ، امام مالک، ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔

اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے یہ کہا ہے کہ اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے، اگر وہ زندہ بچ گیا تو یہ دیت اس کے لیے ہوگی اور اگر وہ مر گیا تو یہ دیت اس کے وارثوں کے لیے ہوگی، اور ان کا استدلال درج ذیل روایت سے ہے:

ایک مرد گدھے کو ہانکتا ہوا لے جا رہا تھا، اس کے پاس جو لاٹھی تھی اس سے اس نے اس گدھے کو مارا، وہ لاٹھی اس آدمی کی آنکھ میں لگی اور اس کی آنکھ کی بینائی جاتی رہی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ اس کی دیت اس کی عاقلہ پر ہے اور کہا: مسلمانوں کے ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ سے یہ مصیبت آئی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ائمہ ثلاثہ کی دلیل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لیے ان کی عاقلہ پر دیت کو واجب نہیں کیا نہ کسی اور پر واجب کیا، اگر دیت ان کی عاقلہ پر واجب ہوتی تو آپ اس کو بیان فرما دیتے، کیونکہ اس جگہ بیان کی ضرورت ہے بلکہ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عامر کے لیے دو اجر ہیں۔ نیز دیت عاقلہ پر اس لیے واجب ہوتی ہے تا کہ جنایت کرنے والے پر تخفیف ہو جائے، پس جب جنایت کرنے والے پر کوئی چیز واجب نہیں ہوئی تو اس کی تخفیف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

نیز عاقلہ پر دیت اس لیے رکھی جاتی ہے تا کہ جنایت کرنے والے کی مدد ہو اور کوئی دوسرا اس کی دیت کو ادا کرے۔ کیا تم نہیں

دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ عمداً کاٹ ڈالے تو اس میں دیت نہیں واجب ہوتی، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے نفس کو قتل کر دے تو اس کی دیت بھی واجب نہیں ہوتی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۲۵۔۴۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۸۔ بَابٌ: إِذَا عَضَّ رَجُلًا فَوَقَعَتْ ثَنَايَاهُ اس کا بیان جب کوئی شخص کسی کو دانتوں سے کاٹے اور اس کے دانت گر جائیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک مرد نے دوسرے مرد کو دانتوں سے کاٹا اور کاٹنے والے کے دانت گر گئے یعنی جس کو اس نے دانتوں سے کاٹا تھا اس نے اپنا ہاتھ زور سے کھینچا تو اس کے سامنے کے دانت گر گئے۔ اس عنوان میں "ثنایا" کا لفظ ہے یہ "ثنیۃ" کی جمع ہے اور یہ سامنے کے دانتوں کو کہتے ہیں۔ اس باب کے عنوان کا جواب امام بخاری نے ذکر نہیں کیا، یعنی اس پر کوئی چیز لازم ہوگی یا نہیں؟

اور علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جس شخص نے کسی مرد کا ہاتھ دانتوں سے کاٹا اور جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے کھینچا تو کاٹنے والے کے دانتوں میں سے کچھ دانت اکھڑ گئے تو ہاتھ کھینچنے والے پر اس کے دانتوں کے تاوان میں کچھ نہیں ہے۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی فقہاء احناف اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور ان فقہاء نے کہا ہے کہ جس کا ہاتھ منہ میں کاٹا گیا تھا، اگر اس نے کسی دوسری جگہ سے کاٹنے والے کو زخمی کر دیا تو اس پر تاوان ہے۔

اور ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک نے کہا ہے کہ ہاتھ کھینچنے والا دانت کی دیت کا ضامن ہے اور عثمان البتی نے کہا ہے: اگر اس نے درد کی وجہ سے ہاتھ کو کھینچا یا تکلیف کی وجہ سے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، اور اگر بغیر درد اور تکلیف کے ہاتھ کو کھینچا تو اس پر دیت ہے اور اس باب کی حدیث فقہاء کی پہلی جماعت کے قول پر دلیل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ سَمِعْتُ زُرَارَةَ بْنَ أَوْفَى عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَنَزَعَ يَدَهُ مِنْ فَمِهِ فَوَقَعَتْ ثَنِيَّتَاهُ فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ لَا دِيَةَ لَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے زرارہ بن اوفی سے سنا از حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے دوسرے مرد کا ہاتھ دانتوں سے کاٹا، اس مرد نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچا تو اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ کر گر گئے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی

ایک اپنے بھائی کو اس طرح کاٹتا ہے جس طرح نر جانور کاٹتا ہے،
تیرے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۶۷۳، سنن ترمذی: ۱۴۱۶، سنن نسائی: ۴۷۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۷، مسند احمد: ۱۹۳۹۹، سنن دارمی: ۲۳۶۷)

صحیح البخاری: ۶۸۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کو واضح کرتی ہے، یعنی جو شخص کسی کے ہاتھ کا کاٹے اور وہ شخص اپنا ہاتھ کھینچ لے اور کاٹنے والے کے دانت گر جائیں تو اس کے دانتوں کی کوئی دیت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زرارہ بن اوفیٰ، یہ ابو حاجب العامری ہیں جو بصرہ کے قاضی ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں حضرت ابو موسیٰ اور بندار سے روایت کی ہے، اور امام ترمذی نے کتاب الدیات میں علی بن حشرم سے روایت کی ہے، اور امام نسائی نے کتاب القصاص میں ابن بشار سے روایت کی ہے، اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب الدیات میں علی بن محمد سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا عضّ ید رجل" یعنی ایک مرد نے دوسرے مرد کا ہاتھ دانتوں سے کاٹا۔

اس حدیث میں دونوں مرد مبہم ہیں اور امام مسلم نے اپنی سند کے ساتھ عمران سے روایت کی ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ ایک مرد سے لڑے، پس ان دونوں میں سے ایک نے اپنے صاحب کے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹا۔

اس حدیث سے دو مبہموں میں سے ایک کی تعیین ہوگئی کہ وہ یعلیٰ بن امیہ ہیں، لیکن دانتوں سے کاٹنے والا اس سے ممیز نہیں ہوا جس کے ہاتھ کو کاٹا تھا، یعنی کاٹنے والا کون تھا اور جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ کون تھا۔

جس نے دانتوں سے ہاتھ کاٹا اور جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کے تعین میں مختلف روایات

اور صحیح البخاری میں حضرت یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ ان کا ایک مزدور تھا، وہ ایک انسان سے لڑا، پس دو میں سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ ڈالا، انہوں نے کہا: مجھے صفوان نے خبر دی کہ ان دونوں میں سے کس نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا تھا، پس میں اس کو بھول گیا۔

اور امام مسلم نے صفوان بن یعلیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ کا ایک مزدور تھا جس نے کسی مرد کی کلائی کو کاٹا، اس مرد نے کلائی کو کھینچا۔۔۔ الحدیث۔ پس اس سے متعین ہو گیا کہ یعلیٰ کاٹنے والے تھے۔ اور یہ صحیحین کی اس حدیث کے منافی نہیں ہے کہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک مزدور تھا جس کا کسی انسان سے جھگڑا ہوا، کیونکہ جائز ہے کہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کو سامعین

سے چھپایا ہو کہ وہی کاٹنے والے تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے ایک بیوی کا بوسا لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی نے کہا: وہ آپ ہی ہوں گی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں۔

اور علامہ النووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حفاظ نے یہ کہا ہے کہ صحیح اور معروف یہ ہے کہ جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کے مزدور تھے نہ کہ حضرت یعلیٰ، اور علامہ النووی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دو قصے ہوں جو حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے مزدور کو کسی ایک وقت میں یا دو وقتوں میں پیش آئے۔

اور ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں کہا ہے کہ صحیح مسلم کی کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ یعلیٰ کا ہاتھ کاٹا گیا تھا، بلکہ صحاحِ ستہ کی کسی کتاب میں یہ نہیں ہے کہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اور جو چیز صحیح مسلم میں ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کے مزدور کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ اور یہ متعین ہے کہ کاٹنے والے حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ تھے، واللہ اعلم۔

ہاتھ کھینچنے سے ایک دانت ٹوٹا تھا یا کئی دانت؟

اس حدیث میں مذکور ہے "اس کے سامنے کے دو دانت ٹوٹ کر گئے"۔

اسی طرح اکثر روایات میں تثنیہ کے صیغہ کا ذکر ہے اور الکشمیھنی کی روایت میں "ثنایا" ہے جو جمع کا صیغہ ہے، اور ہشام نے جو قتادہ سے روایت کی ہے اس میں مذکور ہے "فسقطت ثنیہ" یعنی اس کا ایک دانت ٹوٹ کر گر گیا۔ ان مختلف احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ جس حدیث میں جمع کا ذکر ہے یا زیادہ کا ذکر ہے، کیونکہ دو پر بھی جمع کا اطلاق آجاتا ہے، اور جس روایت میں واحد کے صیغہ کا ذکر ہے اس سے مراد دانت کی جنس ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ محمد بن علی کی روایت میں ہے "فانتزع احدیٰ ثنیتیہ" یعنی اس نے اس کے دو دانتوں میں سے ایک دانت کو کھینچ لیا، اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ یہ متعدد واقعات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کما یعض الفحل" فحل کا معنی ہے نر جانور، جیسے بیل یا سانڈ یا اونٹ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا دیۃ لہٗ" یعنی اس کے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔ اور ہشام کی روایت میں ہے "پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت کو باطل کر دیا اور آپ نے فرمایا: کیا تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تم اس کا گوشت چبا کر کھا لیتے"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۷۔۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْتُ فِي غَزْوَةٍ فَعَضَّ رَجُلٌ فَانْتَزَعَ ثَنِيَّتَهُ فَأَبْطَلَهَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو عاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عطاء از صفوان بن یعلیٰ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک غزوہ میں گیا، پس ایک مرد نے دانتوں سے کاٹا تو دوسرے نے اس کا دانت کھینچ لیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باطل کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۴۸، ۲۲۶۵، ۴۴۱۷، ۶۸۹۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۴، سنن نسائی: ۴۷۵۹، سنن ابوداؤد: ۴۵۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۷، مسند احمد: ۱۹۳۶۱)

صحیح البخاری: ۶۸۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بھی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث سے باب کے عنوان کا حکم واضح ہو گیا ہے، یعنی اس صورت میں اس کے دانت کی کوئی دیت نہیں ہوگی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عاصم، وہ الضحاک بن مخلد النبیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء، وہ ابن ابی رباح المکی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے صفوان بن یعلیٰ، جو اپنے والد یعلیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابو عمر نے کہا ہے: یعلیٰ بن امیہ بن ابی عبید التمیمی الحنظلی، ان کو یعلیٰ بن منیہ بھی کہا جاتا ہے، ان کو کبھی ان کے باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کبھی ان کی ماں کی طرف، یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے اور غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں حاضر تھے، اور ۳۸ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے، یہ اس وقت جنگ صفین میں تھے اور اس سے پہلے جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر کے ساتھ تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی غزوۃ" سفیان کی روایت میں ثابت ہے کہ یہ غزوۂ تبوک تھا، اور اسی کی مثل ابن علیہ کی روایت میں ہے، اس میں جیش العسرۃ کے لفظ ہیں یعنی تنگی اور مشکلات کے زمانہ کا لشکر۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فعض رجل فانتزع ثنیتہ" یعنی ایک مرد نے اپنے دانتوں سے کاٹا اور جب دوسرے نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کے سامنے کے دانت اکھاڑ دیئے۔ اور ابن جریج کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "ایک مرد دوسرے سے لڑا تو دانتوں سے اس کا ہاتھ کاٹا، دوسرے نے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کے دانت اکھڑ آئے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فابطلھا النبی ﷺ" یعنی آپ نے یہ حکم دیا کہ اس کے دانتوں کا کوئی تاوان یا ضمان نہیں دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۷۹۔ ۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۹۔ بَابٌ: السِّنُّ بِالسِّنِّ   اس کا بیان کہ دانت کا بدلہ دانت ہیں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ دانت کو دانت کے بدلہ میں اکھاڑا جائے گا یعنی جب کوئی شخص کسی کا دانت اکھاڑ دے تو

اس کے بدلہ میں اس کا دانت اکھاڑا جائے گا۔

ہڈی توڑنے کی جزاء میں قصاص لینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس پر اجماع ہے کہ دانت کو دانت کے بدلہ میں اکھاڑنا عمد کی صورت میں ہوتا ہے، اور جسم کی باقی ہڈیوں کے متعلق اختلاف ہے۔ امام مالک نے کہا: اس میں قصاص لیا جائے گا سوا اس صورت کے کہ سر پر چوٹ لگی ہو یا ہڈی ٹوٹ گئی ہو تو اس میں دیت ہے۔

اور امام شافعی اور اللیث اور فقہاء احناف نے کہا: دانتوں کے سوا کسی ہڈی میں قصاص نہیں ہے، کیونکہ ہڈی کے نیچے کھال، گوشت اور پٹھے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ ہڈی کی مماثلت بہت مشکل ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا: اس پر اتفاق ہے کہ سر کی ہڈی میں قصاص نہیں ہے، لہٰذا باقی ہڈیاں بھی اسی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔

امام طحاوی کے اوپر حافظ ابن حجر عسقلانی کا اعتراض اور علامہ عینی کا جواب

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے: اس پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ یہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس ہے، کیونکہ اس باب کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ سامنے کے دانت توڑے گئے تو ان کو قصاص کا حکم دیا گیا، باوجود اس کے کہ توڑنے میں مماثلت جاری نہیں ہوتی۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ امام طحاوی کی مراد یہ ہے کہ باقی وہ ہڈیاں جن میں مماثلت متحقق نہیں ہے، ان میں قصاص نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۴۔ حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ ابْنَةَ النَّضْرِ لَطَمَتْ جَارِيَةً فَكَسَرَتْ ثَنِيَّتَهَا فَأَتَوُا النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَأَمَرَ بِالْقِصَاصِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نضر کی بیٹی نے ایک لڑکی کو تھپڑ مارا، پس اس کے سامنے کے دانت توڑ دیے، پس وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے قصاص کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۷۰۳، ۲۸۰۶، ۴۴۹۹، ۴۵۰۰، ۴۶۱۱، ۶۸۹۴، صحیح مسلم: ۱۶۷۵، سنن نسائی: ۴۷۵۷، سنن ابوداؤد: ۴۵۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۹، مسند احمد: ۱۱۸۹۳)

صحیح البخاری: ۶۸۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "دانت کا بدلہ دانت ہے" اور اس حدیث

میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دانت توڑنے کے بدلہ میں قصاص کا حکم دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے انصاری، یہ محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس بن مالک ابوعبداللہ الانصاری البصری ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمید، یہ الطویل ہیں۔

اس حدیث کے اوپر امام بخاری کی ثلاثیات میں سے بیس ثلاثیات مکمل ہوگئیں۔امام بخاری نے اس حدیث کو سورۃ البقرہ کی تفسیر میں بھی روایت کیا ہے اور وہاں پر انصاری کا نام لکھا ہے محمد بن عبداللہ الانصاری۔۔۔الحدیث

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان ابنۃ النضر" یہ الرُّبَیِّع (راء پر پیش اور باء پر زبر اور یاء پر تشدید) ہیں، یہ النضر کی بیٹی ہیں اور وہ انس بن مالک بن نضر بن ضمضم کے دادا ہیں اور رُبیع جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔

سورۃ المائدہ کی تفسیر میں یہ حدیث از حُمید از انس مروی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی نے دانت توڑ دیا اور سنن ابوداؤد میں از معتمر از حُمید از انس مروی ہے کہ رُبَیِّع جو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی بہن تھی انہوں نے دانت توڑ دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لطمت جاریۃ" اور الفزاری کی روایت میں ہے کہ انصار کی ایک لڑکی کو تھپڑ مارا، اور معتمر کی روایت میں لڑکی کے بجائے عورت کا ذکر ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ "جاریۃ" سے مراد یہاں پر نوجوان عورت ہے اور اس سے مراد باندی نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاتوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی اس لڑکی کے گھر والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور قصاص کا مطالبہ کیا تو آپ نے قصاص کا حکم دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رُبَیِّع نے کسی انسان کو تھپڑ مارا تھا اور صحیح البخاری کی اس روایت میں ہے کہ انہوں نے کسی لڑکی کا دانت توڑا تھا، ان دو روایتوں کے تعارض کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ابھی یہ گزرا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پھوپھی نے اس لڑکی کو زخمی کر دیا تھا اور یہاں پر یہ مذکور ہے کہ اس کا دانت توڑ دیا تھا اور زخم توڑنے کا غیر ہے۔تو اس کا یہ جواب دیا ہے کہ علامہ کرمانی نے جو کہا ہے اور وہ ابھی گزرا ہے، اس سے اشارہ اس حدیث کی طرف ہے جو باب القصاص بین الرجال والنساء میں مذکور ہے اور وہ ابھی گزری ہے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ الرُّبَیِّع سے دو مختلف حدیثیں مروی ہیں اور یہ دو مختلف حکم ہیں جو ایک لڑکی سے متعلق ہوئے، دو حکموں میں سے ایک زخمی کرنے کے بارے میں ہے کہ الرُّبَیِّع نے کسی انسان کو زخمی کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زخم کے قصاص کا حکم دیا تو انہوں نے حلف اٹھایا کہ ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کو سچا کر دیا اور جن کو زخمی کیا تھا وہ لوگ دیت پر راضی ہو گئے۔اور دوسرا قصہ یہ ہے کہ الرُّبَیِّع نے ایک عورت کا دانت توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم دیا، پس ان کے بھائی انس بن نضر نے قسم کھائی کہ ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، پس جن کا دانت توڑا تھا وہ لوگ تاوان لینے کے لیے راضی ہو گئے، اور یہ واقعہ غزوہ احد سے پہلے کا ہے، کیونکہ

حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۰۔۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۰۔ بَابُ: دِيَةِ الْأَصَابِعِ — انگلیوں کی دیت کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں انگلیوں کی دیت کا بیان کیا گیا ہے، آیا تمام انگلیاں برابر ہیں یا مختلف ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ هَذِهِ وَهَذِهِ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَحْوَهُ۔ (تحفۃ الاشراف: ۶۱۸۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہ اور یہ برابر ہیں یعنی چھنگلی اور انگوٹھا۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی از شعبہ از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مثل سنی۔

صحیح البخاری: ۶۸۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث نے باب کے عنوان کے حکم کو واضح کر دیا ہے۔
اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الدیات میں از نصر بن علی وغیرہ روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب الدعوات میں از بندار از یحییٰ روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس حدیث کی از نصر بن علی وغیرہ روایت کی ہے۔ اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب الدیات میں از علی بن محمد روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سواء" یعنی چھنگلی اور انگوٹھا دیت میں برابر ہیں۔

انگلیوں کی دیت میں بعض صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے اختلاف اور فقہاء کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو ترجیح دینا

وہ کتاب الدیات جس کو سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آل عمرو بن حزم کے لیے لکھا، اس میں یہ مذکور ہے کہ ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ ہیں اور ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔

اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ہاتھ میں نصف دیت ہوتی ہے اور ہاتھ اور پیر کی انگلیاں برابر ہیں، اور اسی پر ائمہ فتویٰ متفق ہیں اور ان کے نزدیک بعض انگلیوں کی دوسری بعض انگلیوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: ہم نے حضرت عمر، حضرت علی اور عروہ بن الزبیر سے روایت کی ہے کہ بعض انگلیوں کی دوسری بعض انگلیوں پر فضیلت ہے، اور الثوری اور حماد بن زید بن یحییٰ بن سعید نے از ابن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے میں پندرہ اونٹ دیت مقرر کی، اور بنصر (چھنگلی کے برابر والی انگلی) میں نو اونٹ مقرر کیے، اور چھنگلی میں چھ اونٹ مقرر کیے، اور انگشت شہادت اور درمیانی انگلی میں دس دس اونٹ مقرر کیے حتیٰ کہ آل عمرو بن حزم کی کتاب الدیات میں یہ پایا گیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پس تمام انگلیاں برابر ہیں، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کیا گیا اور صحابہ کے قول کو چھوڑ دیا گیا۔

اور جعفر بن عون نے از یحییٰ بن سعید از ابن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے میں تیرہ اونٹ مقرر کیے اور اس کے برابر والی انگلی میں بارہ اونٹ مقرر کیے، اور درمیانی انگلی میں دس اونٹ، اور جو اس کے برابر ہے اس میں نو اونٹ، اور چھنگلی میں چھ اونٹ۔ اور فقہاء میں سے کسی نے بھی ان دو قولوں کی طرف التفات نہیں کیا، کیونکہ اس باب کی حدیث میں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور عمرو بن حزم سے یہ ثابت ہے کہ تمام انگلیاں برابر ہیں۔

(اس سے معلوم ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے خلاف کسی ایک صحابی کا قول ہو یا اکثر صحابہ کے اقوال ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کو ترجیح دی جائے گی اور اس کے مقابلہ میں صحابہ کے اقوال کو ترک کر دیا جائے گا)۔

امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نے کہا: میں کتاب اللہ سے استدلال کرتا ہوں، اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے، اور اگر میں کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں بھی نہ پاؤں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں تو میں تو میں آپ کے اصحاب کے قول پر عمل کرتا ہوں اور ان میں سے جس قول کو چاہوں اس پر عمل کرتا ہوں اور جس کے قول کو چاہوں اس کو چھوڑ دیتا ہوں، اور صحابہ کے قول سے کسی اور کے قول کی طرف نہیں جاتا لیکن جب معاملہ ابراہیم اور شعبی اور ابن سیرین اور حسن بصری اور عطاء اور سعید بن المسیب اور دیگر تابعین تک پہنچے تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا ہے، سو میں بھی اجتہاد کرتا ہوں جس طرح انہوں نے اجتہاد کیا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۶۱)

نیز علامہ عینی لکھتے ہیں:

رہے انگلی کے جوڑ یعنی پور، پس قتادہ نے از عکرمہ از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر پور میں ایک انگلی کی دیت کا تہائی حصہ ہوگا، اور امام عبد الرزاق نے از ابن جریج از ایک مرد از مکحول از زید بن ثابت روایت کی ہے کہ جو انگلی زائدہ

ہو اس میں ایک انگلی کی تہائی دیت ہے، اور دوسرے نے کہا: اس میں کوئی دیت نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی جو دوسری سند ذکر کی ہے، یہ پہلی سند پر راجح ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کیا ہے اور پہلی سند میں ایک قسم کا ارسال ہے۔

نیز اس میں لکھا ہے "نحوہ" یعنی یہ حدیث سابق کی مثل ہے، اس کی امام ابن ماجہ نے امام ابن عدی سے روایت کی ہے، اس کی عبارت یوں ہے کہ انگلیاں برابر ہیں۔ اور ابن ابی عدی محمد ہیں اور ابی عدی کا نام ابراہیم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۱۔ ۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۸۹۵، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قصاص میں اعضاء کے نام اور ان کے محل میں مماثلت شرط ہے

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے "السن بالسن" یعنی دانت کا بدلہ دانت ہے، اور امام بخاری نے اس عنوان سے سورۂ مائدہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ باء بدل اور عوض کے لیے ہے اور بدل میں یہ ضروری ہے کہ وہ اس کے مطابق ہو جس کا بدل ہے، اسی لیے اعضاء کے قصاص میں نام میں اور جگہ میں مماثلت شرط ہے مثلاً انگوٹھے کا بدلہ انگوٹھا ہے اور ہم انگوٹھے کے بدلہ میں چھنگلی کو نہیں کاٹیں گے کیونکہ ان کے نام مختلف ہیں۔ اور جگہ سے مراد یہ ہے کہ جو دایاں انگوٹھا ہے اس کے بدلہ میں ہم بایاں انگوٹھا نہیں کاٹیں گے۔

اور دانتوں کا معاملہ بھی اسی طرح ہے مثلاً سامنے کے جو چار دانت ہیں ان کے بدلہ میں ڈاڑھ کو نہیں کاٹیں گے، یعنی جس نے جس نام کے دانت کو توڑا ہے اس کے بدلہ میں اسی نام کے دانت کو توڑا جائے گا۔ پھر امام بخاری نے باب کے عنوان کے مطابق حدیث ذکر کی ہے کہ نضر کی بیٹی نے ایک لڑکی کو تھپڑ مارا اور اس کے سامنے کا دانت توڑ دیا، وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے قصاص کا حکم دیا اور یہ قصہ مشہور ہے اور وہ درج ذیل ہے:

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا: اللہ کی قسم! الربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے معارضہ کیا تھا؟

نضر کی بیٹی نے انصار کی ایک لڑکی کو تھپڑ مارا تو اس کے سامنے کے دانت توڑ دیے، پھر وہ اس کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے حکم دیا: اس لڑکی کے سامنے کے دانت کے بدلہ میں الربیع بنت نضر کے دانت کو توڑ دیا جائے گا، تو ان کے بھائی حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم الربیع کے دانت کو نہیں توڑا جائے گا، پس آپ نے فرمایا: اے انس؟ اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم ہے، پھر لڑکی والوں نے معاف کر دیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ کے بندوں میں سے ایسے ہیں کہ جو اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو سچا کر دیتا ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا کہ اللہ کی قسم! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا تو اس قول سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کے حکم سے معارضہ کرنا نہیں تھی بلکہ ان کی مراد یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے کہ اللہ

تبارک وتعالیٰ کوئی ایسی سبیل پیدا فرمادے گا کہ الربیع بنت نضر کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔

اعضاء کی پیوند کاری کا بیان

سوال: کیا جب دو انسان راضی ہوں تو ایک انسان کا عضو دوسرے انسان میں لگایا جاسکتا ہے؟

الجواب: یہ جائز نہیں ہے خواہ رضامندی حاصل ہو، کیونکہ انسان کی جان اس کے پاس امانت ہے، اسی لیے اہلِ علم نے کہا ہے کہ ایک انسان کے عضو کو دوسرے انسان کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں ہے خواہ کسی انسان نے مرتے وقت اس کی وصیت کی ہو، اور ''کتاب الاقناع'' میں لکھا ہوا ہے کہ کسی شخص کا عضو دوسرے کی طرف منتقل نہیں کیا جائے گا خواہ وہ مردہ ہو، کیونکہ بدن امانت ہے پس اس میں کسی اعتبار سے کمی کرنا جائز نہیں ہے، اور مردے کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر کوئی زندہ شخص کسی مردہ شخص کو کھانے کی طرف مجبور ہو جائے اور اسے کوئی اور چیز کھانے کو نہ ملے تو کیا وہ اس مردہ کو کھاسکتا ہے؟

پس ہمارے فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زندہ، مردہ کو نہیں کھاسکتا اور ان کا استدلال اس سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردہ کی ہڈی توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۳۲۰۷)

اور فقہاء نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد بھوک سے مرجائے تو اس نے اپنے آپ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر موت آئی ہے۔

اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک زندہ جب مجبور ہو تو مردہ انسان کا گوشت کھاسکتا ہے، کیونکہ دونوں محترم ہیں لیکن زندہ کی حرمت میت کی حرمت سے زیادہ ہے اور شافعیہ کا قول حنابلہ کے قول سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اب ضرورت قائم ہے، یا تو وہ مردہ کو کھائے گا یا خود بھوک سے مرجائے گا تو اس زندہ کی حرمت مردہ کی حرمت سے زیادہ حق رکھتی ہے۔

سوال: کیا کسی شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا کوئی عضو دوسرے کو ہبہ کردے؟

الجواب: ہبہ کی شرط یہ ہے کہ واہب اس چیز کا مالک ہو جس کو ہبہ کر رہا ہے اور تم اپنے اعضاء کے مالک نہیں ہو۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۸-۲۸۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۱- بَابٌ: إِذَا أَصَابَ قَوْمٌ مِنْ رَجُلٍ هَلْ يُعَاقِبُ أَوْ يَقْتَصُّ مِنْهُمْ كُلِّهِمْ ؟

جب چند لوگ ایک مرد کو قتل کردیں تو کیا ان میں سے کسی ایک کو سزا دی جائے گی یا ان سب سے قصاص لیا جائے گا؟

وَقَالَ مُطَرِّفٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي رَجُلَيْنِ شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ سَرَقَ فَقَطَعَهُ عَلِيٌّ ثُمَّ جَاءَا بِآخَرَ وَقَالَا: أَخْطَأْنَا فَأَبْطَلَ شَهَادَتَهُمَا وَأُخِذَا بِدِيَةِ الْأَوَّلِ، وَقَالَ: لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمَا تَعَمَّدْتُمَا لَقَطَعْتُكُمَا۔

اور مطرف نے شعبہ سے روایت کی کہ دو مردوں نے ایک مرد کے خلاف گواہی دی کہ اس نے چوری کی ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا، پھر وہ دوسرے مرد کو لائے اور ان دونوں نے کہا: ہم نے غلطی کی تھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں

کی شہادت کو باطل کر دیا اور پہلے مرد کی دیت وصول کی اور فرمایا:
اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم دونوں نے عمداً جھوٹی گواہی دی ہے تو میں تم
دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ معاقبہ اور قصاص کو جمع کرنے کا کیا فائدہ ہے، انہوں نے کہا کہ غالب رائے یہ ہے کہ قصاص کا لفظ خون میں استعمال ہوتا ہے اور معاقبہ کا لفظ سزا اور بدلہ میں استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا سزا دینا، اور شاید امام بخاری کی غرض اس کو عام رکھنا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اسی لیے ہم نے اس عنوان میں مذکور لفظ ''اصاب'' کا معنی کیا ہے کہ جب کوئی قوم دوسری قوم کو دکھ اور تکلیف پہنچائے تو کیا اس کو سزا دی جائے گی یا ان سب سے بدلہ لیا جائے گا؟

_ یعنی جب کوئی جماعت کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے یا زخمی کر دے تو کیا اس پوری جماعت پر قصاص واجب ہوگا یا ان میں سے کسی ایک کو متعین کر لیا جائے گا تاکہ اس سے قصاص لیا جائے اور امام بخاری نے اس عنوان کا جواب ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

محمد بن سیرین نے کہا ہے: جب ایک مرد کو دو مرد مل کر قتل کر دیں تو ان میں سے ایک کو قتل کیا جائے گا اور دوسرے سے خون بہا لیا جائے گا۔

اور الشعبی نے کہا ہے: جب ایک مرد کو ایک جماعت قتل کر دے تو اس جماعت کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کیا جائے گا، وہ اس جماعت میں سے جس کو چاہیں قتل کر دیں اور جس کو چاہیں معاف کر دیں، اور اسی کی مثل سعید بن المسیب، حسن بصری اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے۔

اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اگر جماعت نے مل کر کسی ایک مرد کو قتل کیا ہے تو اس پوری جماعت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، یہ مذہب حضرت علی، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما اور عطاء کا ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ مقتول کے وارث کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جماعت میں سے کسی ایک کو قتل کر دیں اور باقی جماعت سے خون بہا لے لیں مثلاً کسی مرد کو دس آدمیوں نے مل کر قتل کیا تو مقتول کے وارث کے لیے جائز ہے کہ ان دس میں سے کسی ایک کو قتل کر دے اور نو (۹) سے خون بہا کے دس حصوں میں سے نو حصے وصول کرے، ابن سیرین اور زہری کا یہی قول ہے۔

اور ظاہر یہ نے کہا ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر بھی قصاص نہیں ہے، ان سب پر خون بہا دینا لازم ہے اور یہی ربیعہ نے کہا ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جس پر صحابہ کا اجماع ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے "مطرف نے کہا"۔
علامہ عینی لکھتے ہیں: مُطرِّف اسم فاعل کا صیغہ ہے باب تطریف سے، اور مُطرِّف عامر شعبی سے روایت کرتے ہیں۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "دو مردوں نے ایک مرد کے خلاف شہادت دی" یہ شہادت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے تھی بایں طور کہ اس مردِ مذکور نے چوری کی ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، کیونکہ ان کے نزدیک اس کی چوری دو مردوں کی شہادت سے ثابت ہو گئی تھی، پھر بعد میں یہ دو گواہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک اور مرد کو لے کر آئے اور ان دونوں نے کہا: ہم سے اس گواہی میں خطا ہو گئی اور چور یہ ہے نہ کہ وہ۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کی اس دوسرے مرد کے خلاف شہادت کو باطل قرار دیا کیونکہ یہ دونوں اپنی شہادت میں جھوٹ کے ساتھ متہم ہو گئے تھے اور ان دونوں گواہوں کو پہلے مرد کے خون بہا کے ساتھ پکڑ لیا گیا جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے اس پہلے مرد کا خون بہا لیا یعنی اس کے ہاتھ کی دیت لی اور آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ تم نے عمداً اپنی شہادت میں جھوٹ بولا ہے تو میں تم دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالتا، کیونکہ ان دونوں نے خطاء کا اقرار کر لیا۔ اس تعلیق کی امام شافعی رضی اللہ عنہ نے از سفیان بن عیینہ روایت کی ہے جو مُطرِّف مذکور کے مشائخ میں سے ایک ہیں، اور التلویح میں مذکور ہے اس حدیث کی امام طبری نے از بندار از شعبہ از قتادہ روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۲۔ ۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۶۔ وَقَالَ لِي ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ غُلَامًا قُتِلَ غِيلَةً فَقَالَ عُمَرُ لَوِ اشْتَرَكَ فِيهَا أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ وَقَالَ مُغِيرَةُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ إِنَّ أَرْبَعَةً قَتَلُوا صَبِيًّا فَقَالَ عُمَرُ مِثْلَهُ وَأَقَادَ أَبُو بَكْرٍ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَعَلِيٌّ وَسُوَيْدُ بْنُ مُقَرِّنٍ مِنْ لَطْمَةٍ وَأَقَادَ عُمَرُ مِنْ ضَرْبَةٍ بِالدِّرَّةِ وَأَقَادَ عَلِيٌّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَسْوَاطٍ وَاقْتَصَّ شُرَيْحٌ مِنْ سَوْطٍ وَخُمُوشٍ۔

(موطا امام مالک: ۱۶۲۳)

اور مجھ سے ابن بشار نے کہا: انہوں نے کہا: ہم سے یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غلام دھوکے سے قتل کر دیا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر اس کے قتل میں اہلِ صنعاء شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر دیتا۔
اور مغیرہ بن حکیم نے اپنے والد سے روایت کی کہ چار مردوں نے ایک بچہ کو قتل کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کی مثل فرمایا۔
اور حضرت ابوبکر اور حضرت ابن الزبیر اور حضرت علی اور حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہم نے ایک تھپڑ کا قصاص لیا۔
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک درّہ کی ضرب کا قصاص لیا۔
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین کوڑوں کا قصاص لیا۔
اور شریح نے کوڑے اور خراش سے قصاص لیا۔

صحیح البخاری: ۶۸۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کے عنوان میں تھا کہ اگر چند آدمی ایک مرد کو قتل کر دیں تو ان سب سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ اگر ایک غلام کے قتل میں اہلِ صنعاء مشترک ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں سب کو قتل کر دوں گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن بشار، اور وہ محمد بن بشار ہیں جو بندار کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، وہ ابن عمر العمری ہیں۔

یہ اثر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سندِ صحیح کے ساتھ موصول ہے اور امام ابن ابی شیبہ نے اس اثر کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں العمری نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ صنعاء کے سات مردوں کو ایک مرد کو قتل کرنے کے سبب سے قتل کر دیا اور آپ نے فرمایا: اگر اس قتل میں تمام اہلِ صنعاء مشترک ہوتے تو میں سب کو قتل کر دیتا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "غیلة" اس کا معنی ہے غفلت اور دھوکا، یعنی ایک غلام کو غفلت اور دھوکے سے قتل کر دیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اھلِ صنعاء" یہ یمن کا ایک شہر ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر جمہور فقہاء کی دلیل ہے کہ ایک مرد کو قتل کرنے کے سبب سے پوری جماعت کو قتل کر دیا جائے گا۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا: گویا کہ امام بخاری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے محمد بن سیرین کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے کہا کہ اگر ایک مرد کو دو آدمی مل کر قتل کریں تو ایک کو قتل کر دیا جائے گا اور دوسرے سے خون بہا لیا جائے گا اور ہم عنقریب اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

حدیثِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ مغیرہ بن حکیم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ چار آدمیوں نے ایک بچہ کو قتل کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی مثل کہا۔ یہ مغیرہ بن حکیم الصنعانی الانباری ہیں، ان کی یحییٰ اور العجلی اور امام النسائی اور امام ابن حبان نے توثیق کی ہے، اور امام مسلم اور امام نسائی اور امام ترمذی نے ان سے حدیث روایت کی ہے۔ اور امام بخاری نے بھی ان سے استشہاد کیا ہے۔ اور یہ اثر اس اثر سے مختصر ہے جس کی عبد اللہ بن وہب نے اپنی سند کے ساتھ موصولاً روایت کی ہے۔

امام طحاوی اور امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ابنِ وہب نے کہا: مجھے جریر بن حازم نے حدیث بیان کی کہ مغیرہ بن حکیم صنعانی کو ان کے والد نے حدیث بیان کی کہ صنعاء میں ایک عورت کا شوہر غائب ہو گیا تھا اور اس نے اس عورت کی گود میں اپنا ایک بیٹا چھوڑا تھا جو دوسری عورت سے پیدا ہوا تھا، اس کا نام اصیل تھا، پھر اس عورت نے اپنے خاوند کے بعد کوئی دوست بنالیا، پھر اس دوست سے کہا کہ یہ لڑکا ہم کو شرمندہ کرے گا تم اس کو قتل کردو، اس نے انکار کیا تو وہ عورت اس سے رُک گئی، پھر اس نے اس عورت کی موافقت کر لی اور وہ مرد اور ایک اور مرد اور وہ عورت اور اس عورت کا خادم ان سب نے مل کر اس لڑکے کو قتل کر دیا، پھر اس کے اعضاء کاٹ ڈالے، پھر اس لڑکے کی لاش کو چمڑے کے ایک تھیلے میں ڈالا اور پھر اس چمڑے کے تھیلے کو بستی کے غیر آباد کنویں میں ڈال دیا جس میں پانی نہیں تھا، پھر اس قصہ کا ذکر کیا اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ اس عورت کا دوست پکڑا گیا اور اس نے قتل کا اعتراف کر لیا، پھر باقی جو اس کے قتل میں شریک تھے انہوں نے بھی اعتراف کر لیا، ان دنوں میں حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ اس شہر کے امیر تھے، انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف یہ معاملہ لکھ کر بھیجا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ چار آدمیوں نے ایک بچہ کو قتل کیا، ان چار آدمیوں میں سے ایک تو اس عورت کا دوست تھا، دوسرا ایک اور مرد تھا، تیسری وہ خود عورت تھی اور چوتھا اس عورت کا خادم تھا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ان چاروں نے ایک بچہ کو قتل کر دیا، یہ بچہ وہی ہے جس کے متعلق ہم نے ذکر کیا اس کا نام اصیل تھا مثلہٗ یعنی اس کی مثل کہ اگر تمام اہلِ صنعاء اس قتل میں شریک ہوں تو میں ان سب کو قتل کر دوں گا۔

حدیثِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت ابن الزبیر اور حضرت علی اور حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہم نے ایک تھپڑ کا قصاص لیا۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عبداللہ بن الزبیر اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سوید بن مقرن المزنی رضی اللہ عنہم نے ایک تھپڑ مارنے کا قصاص لیا، اس تعلیق میں ''لطمة'' کا ذکر ہے اور اس کا معنی ہے: ہاتھ سے رخسار پر مارنا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اثر کی امام ابن ابی شیبہ نے اپنے اثر کے ساتھ طارق بن شہاب سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دن اس مرد کو تھپڑ مارا جس نے تھپڑ مارا تھا۔

اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے اثر کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک تھپڑ کا قصاص لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مرد کے متعلق فرمایا جس کو کسی نے تھپڑ مارا تھا تو آپ نے مظلوم سے فرمایا کہ قصاص لو۔ اور حضرت سوید بن مقرّن رضی اللہ عنہ کے اثر کی از سفیان بن سعید از مغیرہ از ابراہیم از شعبی روایت ہے۔

حدیثِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درّہ کی ضرب سے قصاص لیا'' یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دِرّہ کی ضرب کی وجہ سے قصاص لیا (دِرّہ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے ضرب لگائی جائے)۔ اس اثر کی امام ابوالفرج الاصبہانی نے اپنی

تاریخ میں سندِ ضعیف سے روایت کی ہے۔

حدیثِ مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین کوڑوں کا قصاص لیا'' یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کوڑے مارنے والے سے اس وجہ سے قصاص لیا کہ اس نے تین کوڑوں سے زیادہ مارے تھے۔

اس اثر کی امام ابوبکر بن شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن معقل سے روایت کی ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا تو آپ کے پاس ایک مرد آیا جس نے آپ سے چپکے چپکے بات کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے قنبر! اس کو لے جاؤ اور اس کو کوڑے مارو، تو جس کو کوڑے لگائے تھے وہ آیا، اس نے کہا: اس نے مجھ کو تین کوڑوں سے زیادہ مارے ہیں، پس اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: یہ سچ کہتا ہے اے امیر المومنین! تو آپ نے فرمایا: تم کوڑا اٹھاؤ اور اس کو تین کوڑے مارو، پھر آپ نے فرمایا: اے قنبر! جب تم کوڑے مارو تو حدود میں تجاوز نہ کرنا۔

حدیثِ مذکور کی پانچویں تعلیق کی شرح

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''شریح نے کوڑے اور خراش سے قصاص لیا''۔ یعنی شریح بن الحارث القاضی نے کوڑے اور خراش سے قصاص لیا۔

اس اثر کی امام سعید بن منصور نے ابراہیم نخعی کی سند سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد شریح کے پاس آیا، پس اس نے کہا: اپنے جلواز (سپاہی) سے میرا قصاص لیں، تو شریح نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا: ان لوگوں نے آپ کے اوپر رش کیا تھا تو میں نے اس کو کوڑا مارا، تو شریح نے اس سے قصاص لیا۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے از اسحاق از شریح روایت کی ہے کہ انہوں نے تھپڑ اور خراش کا قصاص لیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ جلواز کا معنی ہے شرطی یعنی سپاہی، جو چمڑے کے ٹکڑے کو درمیان سے باندھتا ہے۔

اللیث اور ابن القاسم نے کہا ہے: اگر کوڑے سے ضرب لگائی جائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا سوا اس تھپڑ کے جو آنکھ پر مارا جائے، اس میں سزا دی جائے گی۔ اور امام مالک اور جمہور کا قول یہ ہے کہ تھپڑ کا قصاص نہیں لیا جائے گا سوا اس صورت کے کہ اس تھپڑ سے زخم پڑ جائے تو اس میں دو آدمی فیصلہ کریں گے اور قصاص نہ لینے کا سبب یہ ہے کہ اس میں مماثلت مشکل ہے۔ اور اگر تھپڑ رخسار پر ہو تو اس میں قصاص ہے اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ تھپڑ میں قصاص نہیں ہے اور یہ قول حسن بصری اور قتادہ سے مروی ہے اور یہی امام مالک اور فقہاء احناف کا اور امام شافعی کا قول ہے۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر تھپڑ مارنے سے زخم پڑ جائے تو اس کے متعلق دو آدمی فیصلہ کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۵۔۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ لَدَدْنَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن ابی عائشہ نے حدیث بیان

مَرَضِهِ وَجَعَلَ يُشِيرُ إِلَيْنَا لَا تَلُدُّونِي قَالَ فَقُلْنَا كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ بِالدَّوَاءِ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ أَلَمْ أَنْهَكُمْ أَنْ تَلُدُّونِي قَالَ قُلْنَا كَرَاهِيَةٌ لِلدَّوَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَبْقَى مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا لُدَّ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ۔

کی از عبید اللہ بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیماری میں آپ کے حلق میں دوائی ڈالی اور آپ ہمیں اشارہ سے فرما رہے تھے کہ میرے حلق میں دوائی نہ ڈالو، ہم نے کہا: جیسے بیمار آدمی دوا کو ناپسند کرتا ہے، اس طرح آپ فرما رہے ہیں۔ پس جب آپ تندرست ہو گئے تو آپ نے فرمایا: کیا میں نے تم کو دوا ڈالنے سے منع نہیں کیا تھا؟ عبید اللہ بن عبد اللہ نے کہا: ہم نے کہا: دوا کو ناپسند کرنے کی وجہ سے آپ نے منع کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک شخص بھی نہیں بچے گا مگر اس کے حلق میں دوا ڈالی جائے گی اور میں دیکھ رہا ہوں گا سوائے عباس کے کیونکہ وہ تمہارے ساتھ حاضر نہیں تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۵۸، ۵۷۱۲، ۶۸۸۶، ۶۸۹۷، صحیح مسلم: ۲۲۱۳، مسند احمد: ۲۴۲۶۳)

صحیح البخاری: ۶۸۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب "باب القصاص بین الرجال والنساء" میں گزر چکی ہے، وہاں اس کی روایت از عمرو بن علی از یحییٰ کی تھی۔ اور یہاں اس کی روایت از مسدد از یحییٰ القطان از سفیان ثوری از موسیٰ بن ابی عائشہ الہمدانی از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود کی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: دوا ڈالنے کی حدیث صراحۃً قصاص کے متعلق نہیں ہے، کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو سزا دی ہو کیونکہ انہوں نے آپ کے امر کی مخالفت کی تھی۔

اس حدیث کی باب کے عنوان سے مطابقت پر ایک سوال کا جواب

شارح التراجم نے کہا ہے: رہا تھپڑ مارنے سے قصاص لینا اور دِرّہ سے اور کوڑوں سے، پس یہ باب کے عنوان سے نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایک شخص سے قصاص لیا گیا ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب ایسی حقیر چیزوں میں ایک شخص سے قصاص لیا گیا ہے تو بڑے بڑے امور میں مثلاً قتل وغیرہ میں اور ہاتھ کاٹنے میں اور اس کے مثل جرائم میں کسی جماعت سے قصاص کیوں نہیں لیا جائے گا!

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابُ: الْقَسَامَةِ

قسامت (اہلِ محلہ یا اہلِ علاقہ سے قسم لینے کا بیان)

وَقَالَ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ

اشعث بن قیس نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارے دو گواہ ہوں گے یا اس کی قسم ہوگی۔

وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: لَمْ يُقِدْ بِهَا مُعَاوِيَةُ

اور ابن ابی ملیکہ نے بیان کیا کہ معاویہ نے قسامت سے قصاص کا حکم نہیں دیا۔

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ أَرْطَاةَ وَكَانَ أَمَّرَهُ عَلَى الْبَصْرَةِ فِي قَتِيلٍ وُجِدَ عِنْدَ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ السَّمَّانِينَ: إِنْ وَجَدَ أَصْحَابُهُ بَيِّنَةً وَإِلَّا فَلَا تَظْلِمِ النَّاسَ، فَإِنَّ هَذَا لَا يُقْضَى فِيهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

عمر بن عبد العزیز نے عدی بن ارطاۃ کی طرف مکتوب لکھا جن کو انہوں نے بصرہ کا اس مقدمہ میں حاکم بنا دیا تھا، جس میں گھی بیچنے والوں کے گھروں میں سے کسی گھر کے پاس ایک مقتول پایا گیا تھا: اگر مقتول کے وارثوں کے پاس کوئی گواہ ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تم لوگوں پر ظلم نہ کرنا، کیونکہ اس مقدمہ کا قیامت تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں قسامت اور اس کے احکام کا بیان کیا گیا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: قسامت کا لفظ خون پر قسم لینے سے ماخوذ ہے یا یہ قسم کو تقسیم کرنے سے ماخوذ ہے، جب تم قسم کھاؤ تو کہا جاتا ہے ''اقسمت'' اور صحیح یہ ہے کہ قسامت، قسموں کا نام ہے۔

الازہری نے کہا ہے: قسامت اس چیز کا اسم ہے جس میں مقتول کے ورثاء مقتول کے خون کے استحقاق پر قسم لیتے ہیں۔

اور ابن سیدہ نے کہا: قسامت اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر قسم کھاتی ہے یا کسی چیز کی گواہی دیتی ہے۔ اور قسامت کی قسم مقتول کے ورثاء کی طرف منسوب ہے، پھر اس کا اطلاق قسموں پر کیا جاتا ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ اگر کسی علاقہ میں کسی مسلمان مقتول کو پایا جائے اور یہ پتا نہ چلے کہ اس کا قاتل کون ہے اور نہ اس کے خلاف کوئی گواہ ہوں تو پھر علاقہ کے پچاس مردوں سے یہ قسم لی جاتی ہے کہ نہ انہوں نے قتل کیا ہے اور نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں، اگر وہ قسم کھا لیں کہ نہ انہوں نے قتل کیا ہے اور نہ وہ قاتل کو جانتے ہیں تو پھر ان سب کو مل کر اس مقتول کی دیت ادا کرنی ہوگی، اس کو قسامت کہتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم دو گواہ پیش کرو ورنہ یہ قسم کھائے گا''۔

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے: امام بخاری نے اس تعلیق کے ذکر سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ

اس باب کی حدیث میں سعید بن عبید کی روایت کو ترجیح ہے کہ قسامت میں مدعیٰ علیہم سے قسم لینے کی ابتداء کی جاتی ہے۔
علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ قسامت کے سبب سے قتل کرنے کو ترک کر دیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے اس باب کے شروع میں اولاً اشعث بن قیس کی حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس حدیث میں حکم گواہ یا قسموں میں منحصر ہے، پھر اس کے بعد امام بخاری نے ابن ابی ملیکہ اور عمر بن عبد العزیز کی مرسل حدیثیں بغیر سند کے ذکر کی ہیں اور امام ابن ابی شیبہ نے از عبد الرحیم بن سلیمان از الحسن روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور متقدمین کی جماعت قسامت کے سبب سے قتل نہیں کرتے تھے اور انہوں نے ابراہیم سے ان کی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ قسامت کے سبب سے قصاص لینا ظلم ہے اور ابومعشر کی روایت میں ہے کہ قسامت کے سبب سے دیت کا استحقاق ہوتا ہے اور اس میں قصاص نہیں لیا جاتا، اسی طرح سے قتادہ نے کہا ہے۔
یہ تعلیق اشعث بن قیس سے مروی ہے، یہ الکندی ہیں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ساٹھ سواروں کے ساتھ کندہ سے آئے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ اسلام سے مرتد ہو گئے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور چالیس (۴۰) ہجری میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد قتل کر دیے گئے اور ان کی نمازِ جنازہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھی۔ اور ان کی پوری حدیث کافی طویل ہے جو کتاب الشہادات میں اور پھر کتاب الایمان والنذور میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی ہو چکی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسامت کے سبب سے قصاص لینے کا حکم نہیں دیا''۔ یعنی عبد اللہ بن ابی ملیکہ نے کہا، اور ان کا نام زہیر ہے اور یہ عبد اللہ کے دادا ہیں اور ان کے باپ عبد الرحمٰن ہیں، یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں اور یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے قاضی تھے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے ''انہوں نے قصاص نہیں لیا'' یعنی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے قسامت میں قصاص لینے کا حکم نہیں دیا۔ اس تعلیق کی حماد بن سلمہ نے اپنی مصنف میں از ابن ابی ملیکہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے قسامت کے متعلق سوال کیا تو میں نے ان کو خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے قسامت کے سبب سے قصاص لیا تھا، اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے قسامت کے سبب سے قصاص نہیں لیا تھا۔
امام بیہقی کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف روایت کی ہے اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسامت کے سبب سے قصاص لیا ہے۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے عدی بن ارطاۃ، یہ الفزاری ہیں اور اہلِ دمشق سے ہیں۔
اس تعلیق میں مذکور ہے ''وکان امّرہ'' یعنی عمر بن عبد العزیز نے ان کو ننانوے ہجری (۹۹ھ) میں بصرہ کا حاکم بنا دیا تھا اور ان کو معاویہ بن یزید بن المہلب نے ایک سو دو (۱۰۲) ہجری کے آخر میں قتل کر دیا تھا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "فی قتیل" یعنی کسی مقتول کے معاملہ میں۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "السمانین" یہ سمان کی جمع ہے، یعنی گھی بیچنے والے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "ان وُجد" یعنی عمر بن عبدالعزیز کی کتاب میں لکھا ہوا تھا کہ اگر مقتول کے وارثوں کو کوئی گواہ مل گیا تو پھر اس کے مطابق فیصلہ کردو۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "والا" یعنی اگر مقتول کے وارثوں کو گواہ نہیں ملا تو تم لوگوں پر ظلم نہ کرو، یعنی تم کسی چیز کا فیصلہ نہ کرو، کیونکہ یہ مقدمہ ان مقدمات میں سے ہے جن میں قیامت تک کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس مقدمہ میں غائب کے خلاف شہادت ہے اور اس کے خلاف شہادت ہے جس کی گنجائش نہیں ہے۔
امام ابن ابی شیبہ نے از عبدالاعلیٰ از معمر از الزہری روایت کی ہے کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز نے بلایا اور مجھ سے قسامت کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ مجھ پر یہ منکشف ہوا ہے کہ میں قسامت کو مسترد کردوں، ایک اعرابی گواہی دیتا ہے اور ایک مرد غائب ہے وہ آتا ہے پس وہ گواہی دیتا ہے تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! بے شک آپ قسامت کو رد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفاء نے قسامت کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔ اور ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی از قتادہ کہ بے شک سلیمان بن یسار نے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے قسامت کی مثل کوئی چیز نہیں دیکھی جس کے سبب سے قصاص لیا گیا ہو، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: ۲) اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنالو۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾ (یوسف: ۸۱)

(یوسف علیہ السلام کے بڑے بھائی نے اپنے دیگر بھائیوں سے کہا:) اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ اور کہو: اے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے (بنیامین) نے چوری کی ہے، اور ہم صرف اسی بات کی گواہی دے سکتے ہیں جو ہمارے علم میں ہو اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے ○

سلیمان نے کہا: پس میں کہتا ہوں کہ قسامت برحق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۶۔۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(میں کہتا ہوں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو قسامت کے سبب سے کسی سے قصاص نہیں لیا تھا، اس کا محمل یہ ہے کہ اگر چند مرد یہ قسم کھائیں کہ اس مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو ان کے قسم کھانے کی وجہ سے اس شخص سے مقتول کا قصاص نہیں لیا جائے گا، اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جو کہا کہ قسامت کی وجہ سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اس کا بھی یہی محمل ہے کہ اگر چند آدمی یہ قسم کھائیں کہ اس مقتول کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو اس مقتول کا اس شخص سے قصاص نہیں لیا جائے گا، اس وجہ سے انہوں نے کہا کہ میں اس قسامت کو رد کردوں گا۔ سعیدی غفرلہٗ)

٦٨٩٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ زَعَمَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ نَفَرًا مِنْ قَوْمِهِ انْطَلَقُوا إِلَى خَيْبَرَ فَتَفَرَّقُوا فِيهَا وَوَجَدُوا أَحَدَهُمْ قَتِيلًا وَقَالُوا لِلَّذِي وُجِدَ فِيهِمْ قَدْ قَتَلْتُمْ صَاحِبَنَا قَالُوا مَا قَتَلْنَا وَلَا عَلِمْنَا قَاتِلًا فَانْطَلَقُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ انْطَلَقْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَوَجَدْنَا أَحَدَنَا قَتِيلًا فَقَالَ الْكُبْرَ الْكُبْرَ فَقَالَ لَهُمْ تَأْتُونَ بِالْبَيِّنَةِ عَلَى مَنْ قَتَلَهُ قَالُوا مَا لَنَا بَيِّنَةٌ قَالَ فَيَحْلِفُونَ قَالُوا لَا نَرْضَى بِأَيْمَانِ الْيَهُودِ فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُطِلَّ دَمَهُ فَوَدَاهُ مِائَةً مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن عبید نے حدیث بیان کی از بُشیر بن یسار، اس نے یہ گمان کیا کہ انصار کا ایک مرد جس کو سہل بن ابی حثمہ کہا جاتا تھا، اس نے یہ خبر دی کہ ان کی قوم کے چند لوگ خیبر کی طرف گئے، پس وہاں پر وہ متفرق ہو گئے اور انہوں نے ان میں سے ایک کو مقتول پایا تو انہوں نے اس سے کہا جن میں وہ مقتول پایا گیا تھا: تم نے ہمارے ساتھی کو قتل کر دیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے قتل نہیں کیا اور نہ ہم کو قاتل کا علم ہے، پس وہ نبی ﷺ کے پاس گئے سو کہا: یا رسول اللہ! ہم خیبر کی طرف گئے، پس ہم نے اپنے سے ایک کو مقتول پایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو، پھر آپ نے ان سے فرمایا: تم اس پر گواہ لا سکتے ہو جس نے اس کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارے پاس کوئی گواہ نہیں ہے، فرمایا: پھر یہ لوگ قسم کھائیں گے؟ انہوں نے کہا: ہم یہود کی قسموں پر راضی نہیں ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناپسند کیا کہ اس مقتول کے خون کو رائیگاں قرار دیا جائے تو آپ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ اس کی دیت ادا فرما دیئے۔

(صحیح البخاری: ٣١٧٣، صحیح مسلم: ١٦٦٩، سنن نسائی: ٤٧١٤، سنن ترمذی: ١٤٢٢، سنن ابوداؤد: ٤٥٢١، سنن ابن ماجہ: ٢٦٧٧، مسند احمد: ١٦٨٢٥، موطا امام مالک: ١٦٣١)

صحیح البخاری: ٦٨٩٨، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کی اس باب میں مذکور تعلیقات کے موافق روایت کی ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ قسامت میں قصاص نہیں لیا جاتا اور قصاص گواہ اور قسم کے پیش کرنے پر منحصر ہے جیسا کہ الاشعث بن قیس کندی کی حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن عبید، یہ ابوالہذیل

الطائی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُشیر بن یسار، یہ المدنی ہیں اور انصار کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

امام محمد بن سعد نے کہا: یہ شیخ کبیر فقیہ تھے، انہوں نے عامۃ الصحابہ کو پایا اور یحییٰ بن معین اور امام النسائی نے ان کی توثیق کی محمد بن اسحاق نے ان کی کنیت ابوکیسان رکھی، اور یہ سہل بن ابی حثمہ سے روایت کرتے ہیں، الحافظ المزی نے کہا: یہ سہل بن عبداللہ بن ابی حثمہ ہیں اور ان کا نام عامر بن ساعدہ الانصاری ہے اور ان کی کنیت ابویحییٰ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔

یہ حدیث کتاب الصلح اور کتاب الجزیہ میں اور کتاب الادب میں از سلیمان بن حرب گزر چکی ہے اور اس حدیث کی صحاح ستہ کے باقی محدثین نے بھی روایت کی ہے۔

امام طحاوی نے اس حدیث کی چار صحیح سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

بابِ مذکور کی حدیث کی شرح

الاول: امام طحاوی نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید، انہوں نے بُشیر بن یسار سے سنا از سہل بن ابی حثمہ، انہوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن سہل خیبر کے قلب میں ایک کنویں میں مقتول پائے گئے، پس ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن سہل اور ان کے دو چچا حویصہ اور محیصہ جو مسعود کے بیٹے تھے وہ سب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، پس عبدالرحمٰن بات کرنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو، تمہارے دو چچاؤں میں سے ایک بات کرے یا حویصہ یا محیصہ، پس جو ان میں سے بڑا تھا اس نے بات کی، اس نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے عبداللہ بن سہل کو خیبر کے قلب میں ایک کنویں کے اندر مقتول پایا، اور یہ ذکر کیا کہ یہود ان سے عداوت رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا پس تم یہود کو ان کی پچاس قسموں کے بعد بری کردو گے، وہ یہ قسم کھائیں گے کہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ہم کیسے ان کی قسموں سے راضی ہوں گے حالانکہ وہ مشرک ہیں، آپ نے فرمایا: پھر تم میں سے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ انہوں نے اس کو قتل کیا تو انہوں نے جواب دیا: ہم کیسے اس چیز پر قسم کھائیں گے جس کو ہم نے دیکھا نہیں ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس سے اس کی دیت ادا کردی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہم نے اس حدیث کا اس لیے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث اس باب کی حدیث کے لیے بمنزلہ شرح ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "زَعم" اس کا معنی ہے: اس نے کہا، اور ابن نمیر کی روایت میں "زَعَمَ" کا لفظ نہیں ہے بلکہ اس میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت سہل بن ابی حثمہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ان کو خبر دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان نفرا" اس کا معنی ہے انسان کی جماعت اور اس کے رشتہ دار۔ اور یہ اسمِ جمع ہے، جو خصوصیت کے ساتھ مردوں کی جماعت پر بولی جاتی ہے جو تین سے لے کر دس تک ہوں، اور اس کا اس لفظ سے واحد نہیں آتا۔ اور امام طحاوی نے اس جماعت کا بیان کیا ہے اور وہ یہ ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن سہل اور ان کے دو چچا حضرت حویصہ اور حضرت محیصہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ووجدوا احدھم قتیلا" یعنی انہوں نے اس جماعت میں سے ایک کو مقتول پایا اور وہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقالوا للذی وجد فیہم" یعنی اس جماعت نے ان لوگوں سے کہا جن میں وہ مقتول پایا گیا تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "الکُبر، الکُبر" اس کا معنی ہے: بڑے کو بات کرنے دو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ان یبطل" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا کہ ان کے مقتول کا خون رائیگاں قرار دیا جائے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فوداہ مائۃ من ابل الصدقۃ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ اس مقتول کی دیت ادا فرما دی۔
بعض شارحین کا یہ زعم ہے کہ یہ سعید بن عبید جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کی غلطی ہے، کیونکہ یحییٰ بن سعید کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے سو اونٹ دیت ادا کی۔ اور ان دو روایتوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں میں سے سو اونٹ خریدے اور اپنے پاس سے دیت ادا کر دی۔ اور "اپنے پاس سے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بیت المال سے اس کی دیت ادا کی جس کو اس لیے وضع کیا گیا ہے تاکہ اس مال کو مسلمانوں کی مصلحت میں خرچ کیا جائے۔

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ احکام

الاول: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو قتل کر دیا جائے تو اس میں قسامت مشروع ہے اور یہ وہ طریقہ ہے جو زمانہ جاہلیت میں مقرر تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام میں بھی مقرر رکھا۔ فقہاء کی ایک جماعت نے قسامت کے حکم میں توقف کیا ہے، یہ سالم بن عبد اللہ بن عمر، ابی قلابہ، عمر بن عبد العزیز اور الحکم بن عتیبہ سے مروی ہے۔ اور ہم نے اس میں سے بعض کا ذکر کیا ہے۔
الثانی: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب چند لوگ دعویٰ کے کسی معنی میں مشترک ہوں تو اولیٰ یہ ہے کہ بات کی ابتداء بڑا آدمی کرے۔
الثالث: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود کے مطالبہ میں کسی کو وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ حضرت عبد الرحمٰن نے اپنے چچا کو وکیل بنا دیا تھا۔
الرابع: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاضر کی وکالت جائز ہے کیونکہ اس خون یا قصاص کے ولی اور وارث وہ حضرت عبد الرحمٰن بن سہل تھے جو مقتول کے بھائی تھے اور حضرت حویصہ اور محیصہ دونوں ان کے چچا کے بیٹے تھے اور ان میں سے بڑے کو وکیل بنایا گیا تھا۔
الخامس: اس حدیث میں قسامتِ واجبہ کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے: پس یحییٰ بن سعید، ابوالزناد، ربیعہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور اللیث بن سعد نے کہا ہے: جو لوگ خون اور قصاص کے مدعی ہیں وہ حلف طلب کریں گے، پس جب مدعیٰ علیہم حلف اٹھالیں تو مدعی اپنے دعویٰ کے مستحق ہو جائیں گے اور یہ خصوصیت ہے قسامت میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے کہ مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کریں اور منکر اور مدعیٰ علیہ پر لازم ہے کہ وہ قسم کھائے تو قسامت کے معاملہ کو اس سے خاص کر لیا گیا ہے (یعنی اس میں مدعی کے گواہ اور مدعیٰ علیہ کی قسم کے بجائے جس جگہ مقتول پایا گیا ہے وہاں

کے پچاس لوگوں سے قسم طلب کی جاتی ہے) کیونکہ عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا لازم ہے سوا قسامت کے"۔

امام بیہقی نے کہا: یہ حدیث اس سے مخصوص ہے ہمیں علی بن بُشیر نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں علی بن محمد المصری نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مطرف بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الزنجی نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہے اور قسم کھانا منکر پر لازم ہے سوائے قسامت کے"۔

اور عثمان البتی، الحسن بن صالح، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن شبرمہ، عامر الشعبی، ابراہیم النخعی، امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ نے کہا کہ مدعٰی علیہم کی قسموں سے ابتداء کی جائے گی، پس وہ سب قسم کھائیں گے، پھر ان پر دیت لازم کردی جائے گی، یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب پر عمرو بن شعیب کی حدیث سے اعتراض

(میں کہتا ہوں: گویا کہ ان فقہاء کے نزدیک اس معاملہ میں قسامت کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عام قاعدہ کے موافق جب مدعی گواہ نہ پیش کر سکے تو مدعٰی علیہ سے قسم لی جائے گی، پھر اس پر دیت کو لازم کر دیا جائے گا۔ اور ان فقہاء کا یہ مذہب عمرو بن شعیب کی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ مدعٰی پر گواہ پیش کرنا اور مدعی علیہ پر قسم کا لازم ہونا عام قاعدہ نہیں ہے بلکہ یہ قسامت کے ماسوا ہے، پھر ان فقہاء نے عمرو بن شعیب کی حدیث کے حسبِ ذیل جوابات ذکر کیے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)

عمرو بن شعیب کی حدیث کے جوابات

علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ حدیث عمرو بن شعیب پانچ وجوہ سے معلول ہے جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) عمرو بن شعیب کی حدیث کی سند میں ایک راوی ہے الزنجی، اس کا نام مسلم بن خالد ہے اور یہ امام شافعی کا شیخ ہے اور یہ راوی ضعیف ہے، امام بیہقی نے خود بھی سنن بیہقی میں باب "من زعم ان التراویح بالجماعۃ افضل" میں اس کی تصریح کی ہے اور ابن المدینی نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے، اور ابوزرعہ اور بخاری نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے۔

(۲) عمرو بن شعیب کی حدیث کی سند میں زنجی از ابن جریج از عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں، حالانکہ ابن جریج نے عمرو بن شعیب سے سماع نہیں کیا، اس کی بھی امام بیہقی نے حکایت کی ہے۔ نیز انہوں نے اپنی سنن کے باب "وجوب الفطرۃ علی اهل البادیۃ" میں از امام بخاری ذکر کیا ہے کہ ابن جریج نے عمرو بن شعیب سے سماع نہیں کیا۔

(۳) حدیث عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود سے استدلال کرنا مختلف فیہ ہے۔

(۴) زنجی نے باوجود اپنے ضعف کے امام عبدالرزاق کی اور حجاج کی اور قتادہ کی مخالفت کی ہے، پس انہوں نے اس حدیث کو از ابن جریج از عمرو بن شعیب مرسلاً روایت کیا ہے، اسی طرح امام الدارقطنی نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔

(۵) زنجی مختلف فیہ ہے، امام ذہبی نے کہا کہ عثمان بن محمد بن عثمان الرازی نے بتایا: ہمیں مسلم بن خالد الزنجی نے حدیث بیان کی از ابن جریج از عطاء از حضرت ابوہریرہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مدعی پر گواہ لازم ہے اور منکر پر قسم لازم ہے سوا قسامت

کے"۔ یعنی امام عبدالرزاق کی روایت میں ابن جریج از عطاء از ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں اور زنجی کی حدیث میں ابن جریج عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں۔ (خلاصہ یہ ہے کہ زنجی کی روایت اس وجہ سے بھی مخدوش ہے کہ یہ امام عبدالرزاق کی سند کے خلاف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ چھٹا حکم

جب کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا جائے تو اہلِ محلہ پر دیت اور قسامت لازم ہے۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر المالکی التوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام مروی ہیں ہمیں ان میں سے کسی حکم میں اضطراب اور تضاد کا علم نہیں ہے جیسا کہ اس معاملہ میں اضطراب اور تضاد ہے، کیونکہ اس معاملہ میں آثار متضاد ہیں اور متناقض ہیں اور ان کا قصہ ایک ہے۔

ابوالقاسم البلخی نے "معرفۃ الرجال" میں از ابن اسحاق روایت کی ہے کہ میں نے سنا عمرو بن شعیب مسجد حرام میں حلف اٹھا کر کہتے تھے: اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے! حضرت سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ کی قسامت میں حدیث اس طرح نہیں ہے جیسا کہ وہ حدیث بیان کی گئی ہے اور بے شک اس میں وہم کیا گیا ہے۔

حافظ ابوعمر نے کہا: اہلِ حدیث کی جماعت نے سعید بن عبید کی حدیث میں خطاء کی ہے اور انہوں نے سعید بن عبید سے اس حدیث کی تخریج میں امام بخاری کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے سعید بن عبید کی حدیث روایت کی اور یحییٰ بن سعید کی روایت کو ترک کر دیا۔

الاصیلی نے کہا: اس حدیث کو چھ راویوں نے سندِ متصل سے روایت کیا ہے یحییٰ، شعبہ، سفیان بن عیینہ، عبدالوہاب الثقفی، عیسیٰ بن حماد، بشر بن المفضل اور ان چھ راویوں نے اس حدیث کو سندِ متصل سے روایت کیا ہے اور امام مالک نے از یحییٰ بن سعید از بُشیر بن یسار اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے اور انہوں نے سہل بن ابی حثمہ کا ذکر نہیں کیا۔

اور الاثرم نے کہا: امام احمد نے کہا کہ قسامت میں میرا مذہب یہ ہے کہ بُشیر کی روایت جو یحییٰ سے ہے اس کو حفاظ نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ سعید بن عبید کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

اور امام نسائی نے کہا ہے: میرے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس نے سعید بن عبید کی بشیر سے روایت پر متابعت کی ہو۔

اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: امام الدارقطنی نے حبیب بن ابی ثابت کی حدیث از بُشیر اس کی مثل روایت کی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یحییٰ بن سعید کی حدیث کی امام مسلم نے متعدد سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، ان میں سے ایک سند وہ ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی اور کہا: ہمیں حدیث بیان کی قتیبہ بن سعید نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی لیث نے از یحییٰ بن سعید از بشیر بن یسار از سہل بن ابی حثمہ، یحییٰ نے کہا: اور میں نے گمان کیا ہے کہ انہوں نے کہا اور از رافع بن خدیج ان دونوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن سہل بن زید اور حضرت محیصہ بن مسعود بن زید نکلے حتیٰ کہ خیبر میں پہنچے، وہاں پر دونوں الگ الگ ہو گئے، پھر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو مقتول پایا، سو ان کو دفن کر دیا، پھر وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور حضرت حویصہ بن مسعود اور حضرت عبدالرحمن بن سہل اور وہ قوم میں چھوٹے تھے، پس حضرت عبدالرحمن اپنے صاحب سے پہلے بات کرنے لگے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنے دو، پس وہ خاموش ہو گئے اور ان کے دونوں صاحبوں نے بات کی اور انہوں نے بھی ان کے ساتھ بات کی، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے مقتول ہونے کا ذکر کیا، پس آپ نے ان سے فرمایا: کیا تم پچاس قسمیں کھاؤ گے، پھر تم اپنے صاحب کے مستحق ہو جاؤ گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم کیسے قسم اٹھائیں حالانکہ ہم اس موقع پر موجود نہیں تھے؟ آپ نے فرمایا: پھر یہود پچاس قسمیں کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے، تو انہوں نے کہا: ہم کفار کی قسموں کو کیسے قبول کریں؟ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ دیکھا تو آپ نے مقتول کی دیت ادا کر دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۸۔۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۸۹۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْأَسَدِيُّ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ مِنْ آلِ أَبِي قِلَابَةَ حَدَّثَنِي أَبُو قِلَابَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَبْرَزَ سَرِيرَهُ يَوْمًا لِلنَّاسِ ثُمَّ أَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا فَقَالَ مَا تَقُولُونَ فِي الْقَسَامَةِ قَالَ نَقُولُ الْقَسَامَةُ الْقَوَدُ بِهَا حَقٌّ وَقَدْ أَقَادَتْ بِهَا الْخُلَفَاءُ قَالَ لِي مَا تَقُولُ يَا أَبَا قِلَابَةَ وَنَصَبَنِي لِلنَّاسِ فَقُلْتُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عِنْدَكَ رُؤُسُ الْأَجْنَادِ وَأَشْرَافُ الْعَرَبِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ خَمْسِينَ مِنْهُمْ شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ مُحْصَنٍ بِدِمَشْقَ أَنَّهُ قَدْ زَنَى لَمْ يَرَوْهُ أَكُنْتَ تَرْجُمُهُ قَالَ لَا قُلْتُ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ خَمْسِينَ مِنْهُمْ شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ بِحِمْصَ أَنَّهُ سَرَقَ أَكُنْتَ تَقْطَعُهُ وَلَمْ يَرَوْهُ قَالَ لَا قُلْتُ فَوَاللّٰهِ مَا قَتَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَحَدًا قَطُّ إِلَّا فِي إِحْدَى ثَلَاثِ خِصَالٍ رَجُلٌ قَتَلَ بِجَرِيرَةِ نَفْسِهِ فَقُتِلَ أَوْ رَجُلٌ زَنَى بَعْدَ إِحْصَانٍ أَوْ رَجُلٌ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَارْتَدَّ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ الْقَوْمُ أَوَلَيْسَ قَدْ حَدَّثَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَطَعَ فِي السَّرَقِ وَسَمَرَ الْأَعْيُنَ ثُمَّ نَبَذَهُمْ فِي الشَّمْسِ فَقُلْتُ أَنَا أُحَدِّثُكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبشر اسماعیل بن ابراہیم الاسدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حجاج بن ابی عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی ابورجاء نے آل ابی قلابہ سے، انہوں نے کہا: مجھے حدیث بیان کی ابوقلابہ نے کہ بے شک عمر بن عبدالعزیز نے ایک دن اپنا تخت لوگوں کے لیے باہر نکالا، پھر لوگوں کو داخل ہونے کی اجازت دی، پس لوگ داخل ہوئے، پس عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: تم لوگ القسامت کے متعلق کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے بیان کیا: ہم کہتے ہیں کہ قسامت سے قصاص لینا برحق ہے اور قسامت سے خلفاء نے قصاص لیا ہے، ابوقلابہ نے بیان کیا: مجھ سے عمر بن عبدالعزیز نے کہا: آپ کیا کہتے ہیں ابوقلابہ! اور مجھے لوگوں کے لیے کھڑا کر دیا، تو میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کے پاس لشکروں کے سردار ہیں اور عرب کے معزز لوگ ہیں آپ یہ بتائیے کہ اگر ان میں سے پچاس مرد کسی شادی شدہ مرد کے خلاف دمشق میں خبر دیں کہ اس نے زنا کیا ہے اور انہوں نے اس کو دیکھا نہ ہو تو کیا آپ اس شخص کو رجم کر دیں گے؟ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: نہیں! ابوقلابہ نے بیان کیا: میں نے کہا: یہ بتائیے کہ اگر ان میں سے پچاس آدمی کسی مرد کے خلاف حمص میں گواہی دیں کہ اس

حَدِيثَ أَنَسٍ حَدَّثَنِي أَنَسٌ أَنَّ نَفَرًا مِنْ عُكْلٍ ثَمَانِيَةً قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَبَايَعُوهُ عَلَى الْإِسْلَامِ فَاسْتَوْخَمُوا الْأَرْضَ فَسَقِمَتْ أَجْسَامُهُمْ فَشَكَوْا ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ أَفَلَا تَخْرُجُونَ مَعَ رَاعِينَا فِي إِبِلِهِ فَتُصِيبُونَ مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا قَالُوا بَلَى فَخَرَجُوا فَشَرِبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَصَحُّوا فَقَتَلُوا رَاعِيَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَطْرَدُوا النَّعَمَ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَرْسَلَ فِي آثَارِهِمْ فَأُدْرِكُوا فَجِيءَ بِهِمْ فَأَمَرَ بِهِمْ فَقُطِعَتْ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ وَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ ثُمَّ نَبَذَهُمْ فِي الشَّمْسِ حَتَّى مَاتُوا قُلْتُ وَأَيُّ شَيْءٍ أَشَدُّ مِمَّا صَنَعَ هَؤُلَاءِ ارْتَدُّوا عَنِ الْإِسْلَامِ وَقَتَلُوا وَسَرَقُوا فَقَالَ عَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَاللَّهِ إِنْ سَمِعْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ فَقُلْتُ أَتَرُدُّ عَلَيَّ حَدِيثِي يَا عَنْبَسَةُ قَالَ لَا وَلَكِنْ جِئْتَ بِالْحَدِيثِ عَلَى وَجْهِهِ وَاللَّهِ لَا يَزَالُ هَذَا الْجُنْدُ بِخَيْرٍ مَا عَاشَ هَذَا الشَّيْخُ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ قُلْتُ وَقَدْ كَانَ فِي هَذَا سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهِ نَفَرٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَتَحَدَّثُوا عِنْدَهُ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِنْهُمْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَقُتِلَ فَخَرَجُوا بَعْدَهُ فَإِذَا هُمْ بِصَاحِبِهِمْ يَتَشَحَّطُ فِي الدَّمِ فَرَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَاحِبُنَا كَانَ تَحَدَّثَ مَعَنَا فَخَرَجَ بَيْنَ أَيْدِينَا فَإِذَا نَحْنُ بِهِ يَتَشَحَّطُ فِي الدَّمِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ بِمَنْ تَظُنُّونَ أَوْ مَنْ تَرَوْنَ قَتَلَهُ قَالُوا نَرَى أَنَّ الْيَهُودَ قَتَلَتْهُ فَأَرْسَلَ إِلَى الْيَهُودِ فَدَعَاهُمْ فَقَالَ آنْتُمْ قَتَلْتُمْ هَذَا قَالُوا لَا قَالَ أَتَرْضَوْنَ نَفَلَ خَمْسِينَ مِنَ الْيَهُودِ مَا قَتَلُوهُ فَقَالُوا مَا يُبَالُونَ أَنْ يَقْتُلُونَا أَجْمَعِينَ ثُمَّ يَنْتَفِلُونَ قَالَ

نے چوری کی ہے تو کیا آپ اس کے ہاتھ کاٹ دیں گے حالانکہ ان لوگوں نے اس شخص کو نہیں دیکھا؟ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: نہیں! میں نے کہا: پس اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کسی شخص کو ہرگز قتل نہیں کیا مگر تین وصفوں میں سے ایک وصف کی بناء پر: کسی مرد نے اپنے نفس کو گناہ کی طرف کھینچ کر کسی کو قتل کیا ہو تو اس کو قتل کر دیا گیا، یا کسی مرد نے نکاح کے بعد زنا کیا ہو، یا کسی مرد نے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہو اور اسلام سے مرتد ہو گیا ہو، پھر لوگوں نے کہا: کیا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نہیں بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے چوری کے سبب سے ہاتھ کاٹ دیا اور آپ نے لوہے کی گرم سلائیاں آنکھوں میں پھیریں اور پھر ان کو دھوپ میں ڈال دیا، پس میں نے کہا: میں آپ کے سامنے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتا ہوں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ عکل کے ایک قبیلہ سے آٹھ آدمیوں کی جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، پس انہوں نے اسلام پر بیعت کی، پھر ان کو وہ زمین موافق نہیں آئی تو ان کے جسم بیمار ہو گئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: کیا تم ہمارے چرواہے کے ساتھ اونٹوں کی طرف نہیں نکلتے، پس تم ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پاؤ گے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! پس وہ گئے اور انہوں نے اونٹنیوں کا دودھ پیا اور ان کا پیشاب پیا، پھر وہ تندرست ہو گئے، پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے، رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے صحابہ کو بھیجا، پس وہ پکڑ لیے گئے، سو ان کو لایا گیا، پھر آپ کے حکم سے ان کے ہاتھ اور ان کے پیر کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں اور پھر ان کو دھوپ میں پھینک دیا حتیٰ کہ وہ مر گئے، میں نے کہا: اس سے زیادہ کون سا سنگین کام ہو گا جو ان لوگوں نے کیا

أَفَتَسْتَحِقُّونَ الدِّيَةَ بِأَيْمَانِ خَمْسِينَ مِنْكُمْ قَالُوا مَا كُنَّا لِنَحْلِفَ فَوَدَاهُ مِنْ عِنْدِهِ قُلْتُ وَقَدْ كَانَتْ هُذَيْلٌ خَلَعُوا خَلِيعًا لَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَطَرَقَ أَهْلَ بَيْتٍ مِنَ الْيَمَنِ بِالْبَطْحَاءِ فَانْتَبَهَ لَهُ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَحَذَفَهُ بِالسَّيْفِ فَقَتَلَهُ فَجَاءَتْ هُذَيْلٌ فَأَخَذُوا الْيَمَانِيَّ فَرَفَعُوهُ إِلَى عُمَرَ بِالْمَوْسِمِ وَقَالُوا قَتَلَ صَاحِبَنَا فَقَالَ إِنَّهُمْ قَدْ خَلَعُوهُ فَقَالَ يُقْسِمُ خَمْسُونَ مِنْ هُذَيْلٍ مَا خَلَعُوهُ قَالَ فَأَقْسَمَ مِنْهُمْ تِسْعَةٌ وَأَرْبَعُونَ رَجُلًا وَقَدِمَ رَجُلٌ مِنْهُمْ مِنَ الشَّأْمِ فَسَأَلُوهُ أَنْ يُقْسِمَ فَافْتَدَى يَمِينَهُ مِنْهُمْ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَأَدْخَلُوا مَكَانَهُ رَجُلًا آخَرَ فَدَفَعَهُ إِلَى أَخِي الْمَقْتُولِ فَقُرِنَتْ يَدُهُ بِيَدِهِ قَالُوا فَانْطَلَقَا وَالْخَمْسُونَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا حَتَّى إِذَا كَانُوا بِنَخْلَةَ أَخَذَتْهُمُ السَّمَاءُ فَدَخَلُوا فِي غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْهَجَمَ الْغَارُ عَلَى الْخَمْسِينَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا فَمَاتُوا جَمِيعًا وَأَفْلَتَ الْقَرِينَانِ وَاتَّبَعَهُمَا حَجَرٌ فَكَسَرَ رِجْلَ أَخِي الْمَقْتُولِ فَعَاشَ حَوْلًا ثُمَّ مَاتَ قُلْتُ وَقَدْ كَانَ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ أَقَادَ رَجُلًا بِالْقَسَامَةِ ثُمَّ نَدِمَ بَعْدَ مَا صَنَعَ فَأَمَرَ بِالْخَمْسِينَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا فَمُحُوا مِنَ الدِّيوَانِ وَسَيَّرَهُمْ إِلَى الشَّأْمِ۔

تھا؟ وہ لوگ اسلام سے مرتد ہوئے اور انہوں نے قتل کیا اور انہوں نے چوری کی۔ پس عنبسہ بن سعید نے کہا: اللہ کی قسم! آج کے دن کی طرح میں نے کبھی نہیں سنا، پس میں نے کہا: اے عنبسہ! کیا تم میری سنائی حدیث کو رد کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، لیکن آپ نے حدیث کو اس کی روایت کے مطابق بیان کیا ہے اور اللہ کی قسم! یہ لشکر ہمیشہ اس وقت تک خیریت سے رہے گا جب تک کہ یہ شیخ ان کے درمیان میں ہے، میں نے کہا: اور بے شک اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ کے پاس انصار کی ایک جماعت آئی پھر وہ آپ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے، پھر ان میں سے ایک مرد ان کے سامنے سے نکلا، سو اس کو قتل کر دیا گیا، پس وہ لوگ اس کے بعد نکلے، پس انہوں نے اپنے ساتھی کو دیکھا وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا، سو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹے، پس انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہمارا وہ ساتھی جس نے ہمارے ساتھ باتیں کی تھیں وہ ہمارے درمیان سے نکلا، ہم اس کے پیچھے گئے تو وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپ نے فرمایا: تم کس کے خلاف گمان کرتے ہو یا کس کے خلاف تمہاری رائے ہے کہ اس نے اس کو قتل کیا ہے؟ انصار نے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ یہودیوں نے اس کو قتل کیا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا، پھر ان سے فرمایا: تم نے اس کو قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: کیا تم اس کو پسند کرتے ہو کہ یہود میں سے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا؟ صحابہ نے کہا: یہود اس کی پرواہ نہیں کریں گے کہ وہ ہم سب کو قتل کر دیں اور پھر قسم کھالیں کہ انہوں نے قتل نہیں کیا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں تو تم دیت کے مستحق ہو جاؤ گے، صحابہ نے کہا: ہم قسم نہیں کھائیں گے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے دیت ادا کر دی۔ ابو قلابہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا: قبیلہ ہذیل نے زمانہ جاہلیت

میں اپنے ایک حلیف کو برادری سے نکال دیا، وہ بطحاء میں یمن کے ایک گھر میں رات کو چلا گیا، پس ان اہل یمن میں سے ایک مرد بیدار ہوا اور اس نے اس پر تلوار ماری اور اس کو قتل کر دیا، پھر قبیلہ ہذیل کے لوگ آئے اور انہوں نے اس یمنی کو پکڑ لیا اور اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حج کے موسم میں پیش کیا اور کہا کہ اس نے ہمارے ساتھی کو قتل کیا ہے، اس نے کہا کہ انہوں نے اس کو اپنی برادری سے نکال دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہذیل کے پچاس آدمی یہ قسم کھائیں کہ انہوں نے اس کو نہیں نکالا تھا، پس ان میں سے انچاس مردوں نے قسم کھائی اور ایک مرد ان میں سے شام میں تھا وہ آیا، انہوں نے اس سے سوال کیا کہ وہ قسم کھائے اس نے اپنی قسم کا انہیں ایک ہزار درہم فدیہ دیا (اور اپنے آپ کو قسم سے چھڑا لیا) پھر انہوں نے اس شخص کے بدلہ میں ایک اور مرد کو داخل کر لیا اور اسے مقتول کے بھائی کے سپرد کیا اور اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملایا، تو انہوں نے کہا: پس ہم گئے اور پچاس مرد وہ جنہوں نے قسم کھائی تھی حتیٰ کہ جب وہ وادی نخلہ میں پہنچے تو آسمان سے بارش آئی وہ سب ایک پہاڑ کے غار میں داخل ہو گئے تو ان پچاس کے اوپر جنہوں نے قسم کھائی تھی وہ پہاڑ گر گیا اور وہ سب مر گئے، اور جن دو مردوں نے ہاتھ ملائے تھے وہ نکل گئے، اور ایک پتھر نے ان کا پیچھا کیا اور اس نے مقتول کے بھائی کی ٹانگ کو توڑ ڈالا، وہ ایک سال تک تکلیف میں زندہ رہا پھر مر گیا، ابو قلابہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اور عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کا قسامت سے بدلہ لیا، پھر وہ اس پر نادم ہوا کہ اس نے کیا کیا، پھر اس نے ان پچاس آدمیوں کو بلوایا جنہوں نے قسم کھائی تھی اور ان کا نام دفتر سے مٹا دیا اور ان کو شام کی طرف بھیج دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۳۳، ۱۵۰۱، ۳۰۱۸، ۴۱۹۲، ۴۶۱۰، ۵۶۸۵، ۵۶۸۶، ۵۷۲۷، ۶۸۰۲، ۶۸۰۳، ۶۸۰۴، ۶۸۰۵، ۶۸۹۹، صحیح مسلم: ۱۶۷۱، سنن ترمذی: ۷۲، سنن نسائی: ۴۰۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۶۴، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۸، مسند احمد: ۱۲۲۵۷)

صحیح البخاری: ۶۸۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

امام بخاری نے اس حدیث کو یہاں پر اس لیے روایت کیا ہے کہ اولاً قسم مدعیٰ علیہ پر پیش کی جاتی ہے نہ کہ مدعی پر، جیسا کہ انصار کی جماعت کے قصہ میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوبشر کا ذکر ہے، وہ اسماعیل ہیں جو ابن علیّہ کے نام سے مشہور ہیں، یہ ان کی ماں اسدی کا نام ہے اور وہ منسوب ہیں بنو اسد بن خزیمہ کی طرف۔ نیز اس حدیث کی سند میں حجاج بن ابی عثمان کا ذکر ہے اور ابوعثمان کا نام میسرہ ہے، اور دوسرا قول ہے کہ ان کا نام سالم ہے اور حجاج کی کنیت ابوالصلت ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، اور وہ بصری ہے اور بنو کندہ کا آزاد شدہ غلام ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابورجاء کا ذکر ہے، ان کا نام سلیمان ہے اور یہ ابوقلابہ کے آزاد کردہ غلام ہیں اور ابوقلابہ کا نام عبداللہ بن زید الجرمی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اور اس حدیث میں عمر بن عبدالعزیز کا ذکر ہے، وہ امیر المومنین ہیں اور خلفاء راشدین میں سے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابرز" یعنی انہوں نے اپنا تخت باہر نکال کر ظاہر کیا اور خلفاء کی عادت ہے کہ اس تخت پر خصوصیت کے ساتھ بیٹھتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس تخت کو گھر کے باہر نکالا، یہ مراد نہیں ہے کہ سڑک پر نکالا۔ اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب وہ شام میں خلیفہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم اذن لہ" یعنی پھر عمر بن عبدالعزیز نے لوگوں کو ان کے پاس آنے کی اجازت دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القسامۃ القود بھا حق" یعنی قسامت کے ذریعہ قصاص لینا برحق ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقد اقادت بہ الخلفاء" یعنی حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اور عبدالملک بن مروان نے، کیونکہ ان سے منقول ہے کہ ان کا یہ نظریہ تھا کہ قسامت کے ذریعہ قصاص لیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ونصبنی" علامہ کرمانی نے بتایا یعنی ابوقلابہ نے کہا کہ مجھے عمر بن عبدالعزیز نے فتویٰ دینے کے لیے اور علم کی بات سنانے کے لیے تخت کے پیچھے بٹھا دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ابوقلابہ نے کہا: مجھے لوگوں سے مناظرہ کرنے کے لیے ظاہر کر دیا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ابوقلابہ تخت کے پیچھے تھے تو ان کو حکم دیا کہ وہ ظاہر ہو کر سامنے بیٹھیں اور یہ تفسیر زیادہ بہتر ہے اور اس کی موافقت ابوعوانہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ ابوقلابہ تخت کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے تو عمر بن عبدالعزیز ان کی طرف مڑے اور کہا: اے ابوقلابہ! تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو؟ (کہ قسامت کے ذریعہ قصاص لیا جائے)۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رؤوس الاجناد" اجناد کے لفظ میں ہمزہ پر زبر ہے اور جیم ساکن ہے اور یہ جُند کی جمع ہے، اور

اجناد اصل میں انصار اور مددگار ہیں، پھر یہ لفظ لڑنے والے لشکروں میں مشہور ہو گیا۔

اور جب حضرت ابوعبیدہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما فوت ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کو چار امراء پر تقسیم کر دیا۔ ہر امیر کے ساتھ ایک لشکر تھا، پس فلسطین، دمشق، حمص اور قنسرین ان میں سے ہر ایک کو لشکر کا نام دیا گیا اور ان کا نام اس لشکر پر تھا جو ان شہروں میں تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ چوتھا شہر الاردن تھا اور اس کے بعد قنسرین کا الگ ذکر کیا گیا۔ اور حضرت خالد بن ولید اور حضرت یزید بن ابی سفیان اور حضرت شرحبیل بن حسنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ان لشکروں کے امیر اور سربراہ تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واشراف العرب" اور احمد بن حرب کی روایت میں ہے "اشراف الناس" اشراف، شرف کی جمع ہے، کہا جاتا ہے: فلاں شخص اپنی قوم کا شرف ہے، یعنی وہ شخص اپنی قوم کا کریم اور لوگوں کی قدر و قیمت والا ہے، لوگ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دِمَشق" اس لفظ میں دال کے نیچے زیر ہے اور میم پر زبر ہے اور شین ساکن ہے، یہ شام کا مشہور شہر ہے اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حِمص" اس لفظ میں حاء کے نیچے زیر ہے اور میم ساکن ہے، یہ شام کا مشہور شہر ہے۔ (جب عمر بن عبدالعزیز نے ابوقلابہ سے ان کی رائے پوچھی تو ابوقلابہ نے کہا: یہ بتایئے اگر پچاس آدمی دمشق کے کسی شادی شدہ مرد کے خلاف یہ گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے اور ان لوگوں نے اس مرد کو دیکھا نہ ہو تو کیا آپ اس کو سنگسار کریں گے؟ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: نہیں!)

شیخ ابوالحسن القابسی نے کہا ہے کہ ابوقلابہ نے اس کی مثال کیوں دی جس میں شبہ ہے، کیونکہ شہادت کا طریقہ قسم کے طریقہ کے خلاف ہے اور کہا: عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پر تعجب ہے کہ اس کے باوجود کہ ان کا علم میں بہت بڑا مرتبہ تھا انہوں نے ابوقلابہ کا اس مثال سے معارضہ کیوں نہیں کیا جب کہ ابوقلابہ فقہاء تابعین میں سے نہیں تھے اور لوگوں کے نزدیک ان کا شہر کے رہنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔

اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی) نے کہا ہے کہ شیخ ابوالحسن القابسی کے کلام کی صحت پر یہ دلیل ہے کہ شہادت میں اور قسم میں فرق ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتول (حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ) کے وارثوں (عبدالرحمٰن بن سہل اور ان کے دو چچا حویصہ اور محیصہ) پر قسم کو پیش کیا اور آپ کو معلوم تھا کہ مقتول کے وارث خیبر میں موجود نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا فی احدیٰ ثلاث خصال" یعنی جو شخص تین اوصاف میں سے کسی ایک وصف کے ساتھ متصف ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، یعنی جس شخص نے ظلماً قتل کیا ہو تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، یا جو شادی شدہ شخص زنا کرے یا جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کرے اور اسلام سے مرتد ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی السرق" یہ لفظ سرقۃ، سرق، کا مصدر ہے، علامہ کرمانی نے کہا: سرق، سارق کی جمع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وسمر الاعین" اس کا معنی ہے: ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم نبذھم" پھر ان کو پھینک دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من عکل" عین پر پیش ہے اور کاف ساکن ہے اور یہ ایک قبیلہ ہے۔
پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ کتاب الطہارت میں مذکور ہے کہ یہ لوگ عرینین میں سے تھے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے بعض عکل میں سے تھے اور بعض عرینین میں سے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ثمانیة" یہ نفر سے بدل ہے، یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ قبیلہ عکل سے آٹھ افراد آئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستوخموا الارض" یعنی وہ زمین ان کے موافق نہیں آئی اور انہوں نے اس زمین کو ناپسند کیا۔اس لفظ کی اصل "وخم" ہے، کہا جاتا ہے "وخم الطعام" جب کوئی کھانا ثقیل ہو اور کھانے والا اس کو ہضم نہ کر سکے تو کہا جاتا ہے "هو وخیم"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فادرکوا" یعنی وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ چرا کر اور اونٹوں کے چرواہے کو قتل کر کے بھاگ گئے، پھر ان کو پکڑ لیا گیا۔یہ حدیث دس مرتبہ سے زیادہ گزر چکی ہے اور ان میں سے کتاب الوضو میں بھی گزری ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عنبسہ بن سعید نے کہا: اللہ کی قسم! آج کی طرح بات میں نے کبھی نہیں سنی"۔عَنبَسَہ میں عین پر زبر ہے اور نون ساکن ہے اور باء اور سین پر زبر ہے، یہ عنبسہ بن سعید الاموی ہیں جو عمرو بن سعید الاشدق کے بھائی ہیں اور ان کے دادا کا نام العاص بن سعید بن العاص بن الامیہ ہے، اور عنبسہ ان کے گھر کے بہترین افراد میں سے تھے، عبدالملک بن مروان ان کے بھائی عمرو بن سعید کو قتل کرنے کے بعد ان کی بہت تعظیم و تکریم کرتا تھا، ان سے حدیث کی روایت بھی ہے اور حجاج بن یوسف کے متعلق خبریں بھی ہیں، ابن معین وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ان سمعت کالیوم قط" اِنْ میں ہمزہ کے نیچے زیر ہے اور نون ساکن ہے اور یہ نافیہ کے معنی میں ہے، اور اس جملہ کا معنی ہے: میں نے آج سے پہلے اس بات کی مثل نہیں سنی جو آج تم سے سنی ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت اترد علیّ؟" اس کلام کے قائل ابوقلابہ ہیں، انہوں نے عنبسہ کے کلام سے یہ سمجھا کہ ابوقلابہ نے جو حدیث سنائی ہے یہ اس کا انکار کر رہے ہیں تو کہا: کیا تم میری سنائی ہوئی حدیث کا رد کرتے ہو؟
اس حدیث میں مذکور ہے "قال: لا" یعنی عنبسہ نے کہا: میں تمہارا رد نہیں کر رہا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "هذا الشیخ" اس شیخ سے مراد ہے ابوقلابہ۔عنبسہ نے کہا: جب تک ابوقلابہ تم لوگوں میں ہے تم لوگ خیریت کے ساتھ رہو گے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فی هذا" علامہ کرمانی نے کہا: اس واقعہ کی مثل میں سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ سے پہلے حلف لیا جائے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "اترضون نفل خمسین من الیهود ما قتلوه" یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے مقتول ہونے کا قصہ پیش کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وارثوں یعنی عبدالرحمٰن بن سہل اور ان کے دو چچا حویصہ اور محیصہ سے فرمایا: کہ تم یہودیوں کی پچاس قسموں سے راضی ہو گے؟ اس حدیث میں "نفل" کا لفظ ہے، اس

کا معنی حلف اور قسم ہے۔ اور اصل میں نفل کا معنی ہے: نفی کرنا، اور چونکہ قسم قسامت میں قصاص کی نفی کرتی ہے اس لیے اس کو نفل کہا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت" اس کے قائل ابوقلابہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وقد كانت هذيل" هذيل میں ہاء پر پیش ہے اور ذال پر زبر ہے اور یہ مشہور قبیلہ ہے جس کی نسبت ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کی طرف تھی۔ یہ قصہ سندِ مذکور کے ساتھ ابوقلابہ کی طرف منسوب ہے لیکن یہ قصہ مرسلہ ہے، کیونکہ ابوقلابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خليعا" خليع کا لفظ فعیل کے وزن پر ہے اور خلیع اس مرد کے لیے کہا جاتا ہے جس سے اس کی قوم یہ کہے: نہ ہمارے لیے تم سے کوئی نفع ہے اور نہ ہم پر تم سے کوئی ضرر ہے، اور جب کوئی قوم اپنے حلف کو توڑ دے تو کہا جاتا ہے "تخالع القوم" اور اسی وجہ سے جب کوئی امیر معزول کیا جائے تو اس کو بھی خليع کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بالبطحاء" یعنی مکہ کی پتھریلی زمین، اور یہ وہ وادی ہے جس میں سیلاب چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو بہا کر لے آیا تھا اور بطحاء چھوٹی چھوٹی کنکریوں کو کہتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فرفعوه الى عمر" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس انہوں نے اس مقدمہ کو حج کے موقع پر پیش کیا۔ اس حدیث میں "موسم" کا لفظ ہے، یعنی جب سال میں تمام حج کرنے والے جمع ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تسعة واربعون رجلا" یعنی انچاس مرد۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ہذیل کے پچاس مرد قسم کھائیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق جائز ہے کیونکہ یہ کُل کا اطلاق ہے اور ارادہ جزء کا کیا ہے، یا اس سے مراد پچاس تقریباً ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بنخلة" نون پر زبر ہے اور خاء ساکن ہے، یہ مکہ مکرمہ سے ایک رات کی مسافت پر جگہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اخذتهم السماء" یعنی ان کو بارش نے آلیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانهجم الغار" یعنی غار ان کے اوپر گر گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فماتوا جميعا" وہ سب مر گئے، کیونکہ انہوں نے جھوٹی قسم کھائی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وافلت القرينان" القرينان سے مراد ہے دو ہاتھ ملانے والے، ان میں سے ایک مقتول کا بھائی تھا اور دوسرا وہ مرد تھا جس نے پچاس کے عدد کو مکمل کیا تھا اور یہ دونوں وہ تھے جنہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اُفلت" یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی ان دونوں نے چھٹکارا پالیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واتبعهما حجر" اس میں تاء مشدد ہے، یعنی ان دونوں کے اوپر ایک پتھر آکر گرا جب وہ غار سے نکل رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قُلت" اس کے قائل ابوقلابہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فمحوا من الديوان" یعنی ان کا نام اس رجسٹر سے نکال دیا گیا جس میں لشکر کے شرکاء کا نام لکھا

گیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الی الشام" یعنی ان کو شام کی طرف نکال دیا گیا۔ اور احمد بن حرب کی روایت میں ہے "من الشام" یعنی ان کو شام سے نکال دیا گیا اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ عبدالملک کی امامت شام میں تھی، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب ان کو عراق سے اس لیے نکالا کہ انہوں نے مصعب بن زبیر سے جنگ کی تھی، پس اس وقت وہ اہلِ عراق سے ہو گئے اور ان کو شام کی طرف نکال دیا۔

علامہ القابسی نے کہا ہے: حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس طرح ابو قلابہ کے قول کی بناء پر قسامت کو باطل کر دیا جب کہ قسامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ثابت ہے اور خلفاء راشدین نے اس پر عمل کیا ہے اور ابو قلابہ تو تابعین میں سے ہیں، انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق ایک قول مرسل سنا جو مسند نہیں تھا اور اس کے باوجود ان پر انصار کا قصہ خیبر کے قصہ کی طرف پلٹ گیا، پس ایک قصہ کو دوسرے قصہ پر سوار کر دیا کیونکہ ان کا حافظہ کمزور تھا۔ اور اسی طرح انہوں نے حکایت مرسلہ کو سنا اس کے باوجود کہ اس کا قسامت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا، کیونکہ خلع کرنا قسامت نہیں ہے، اسی طرح عبدالملک کے مٹانے میں بھی کوئی حجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۱۔۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسامت کے حکم میں مذاہبِ اربعہ کا بیان

قسامت کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ قسامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس میں مدعین سے قسم لینے کی ابتداء کی جائے گی، اگر انہوں نے قسم اٹھالی (کہ فلاں شخص یا فلاں لوگ ہمارے قتیل کے قاتل ہیں) تو وہ قاتل کے مستحق ہو جائیں گے اور اگر انہوں نے قسم کھانے سے انکار کیا تو پھر مدعیٰ علیہم سے پچاس قسمیں لی جائیں گی اور ان کو بری کر دیا جائے گا، یہ اہلِ مدینہ کا قول ہے: یحییٰ بن سعید، زناد کے دو بیٹے ربیعہ اور لیث، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ابوثور کا قول ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد) کی دلیل

ان فقہاء کا استدلال امام بخاری کی اس روایت سے ہے جس کو انہوں نے "کتاب الجزیۃ" اور "کتاب الموادعۃ" میں روایت کیا ہے:

از بُشیر بن یسار از سہل بن ابی حثمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود بن زید خیبر کی طرف گئے اور ان دنوں خیبر میں صلح کا زمانہ تھا، پس وہ وہاں پر الگ الگ ہو گئے، پھر حضرت محیصہ، حضرت عبداللہ بن سہل کی طرف گئے اور وہ اپنے خون میں لت پت تھے اور قتل کیے جاچکے تھے، انہوں نے اس کو دفن کر دیا، پھر مدینہ آئے، پس حضرت عبدالرحمٰن بن سہل اور حضرت محیصہ اور حضرت حویصہ (مسعود کے دونوں بیٹے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس حضرت عبدالرحمٰن بات کرنے

لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو۔ اور حضرت عبدالرحمن بن سہل ان لوگوں میں سب سے چھوٹے تھے، پس وہ خاموش ہو گئے اور حضرت محیصہ اور حویصہ نے بات کی، پس آپ نے فرمایا: کیا تم قسم کھاؤ گے اور تم اپنے قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے یا فرمایا: اپنے صاحب کے مستحق ہو جاؤ گے؟ تو انہوں نے کہا: ہم کیسے قسم اٹھائیں حالانکہ ہم اس موقع پر حاضر نہیں تھے اور نہ ہم نے دیکھا تھا، آپ نے فرمایا: پھر تم کو پچاس یہودیوں کی قسمیں بری کر دیں گی تو انہوں نے کہا: ہم کیسے کفار قوم کی قسموں پر اعتماد کریں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے اس مقتول کی دیت ادا فرما دی۔

(صحیح البخاری: ۳۱۷۳، صحیح مسلم: ۱۶۶۹، سنن نسائی: ۴۷۱۴، سنن ترمذی: ۱۴۲۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۱، سنن ابن ماجہ: ۲۶۷۷، مسند احمد: ۱۶۸۲۵، موطا امام مالک: ۱۶۳۱)

صحیح البخاری کی روایت سے ائمہ ثلاثہ کی وجہِ استدلال

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو لوگ خون کا دعویٰ کریں ان سے قسم کی ابتداء کی جائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محیصہ اور حضرت حویصہ سے فرمایا: تم لوگ قسم کھاؤ کہ فلاں شخص قاتل ہے تو پھر تم اس قاتل کے مستحق ہو جاؤ گے اور آپ نے قسم کی ابتداء حضرت محیصہ اور حضرت حویصہ سے کی جو اپنے مقتول کے خون کے مدعی تھے۔

قسامت کے حکم میں امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء کا موقف

فقہاء کی دوسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ مدعیٰ علیہم سے قسم لینے کی ابتداء کی جائے گی، پس ان سے قسم لی جائے گی اور ان کو چھوڑ دیا جائے گا، یہ مذہب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور از الشعبی اور نخعی منقول ہے، ثوری کا بھی یہی قول ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے اور انہوں نے سعید بن عبید کی حدیث از بشیر بن یسار سے استدلال کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا: ''جس نے قتل کیا ہے تم اس پر گواہ لاؤ تو انہوں نے کہا: ہمارے پاس کوئی گواہ نہیں ہے، آپ نے فرمایا: پس وہ تمہارے لیے قسم اٹھائیں گے تو انصار نے کہا: ہم یہود کی قسموں سے راضی نہیں ہیں''۔ (صحیح البخاری: ۶۸۹۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب مدعیین نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیٰ علیہم کی قسموں سے ابتداء کی اور وہ یہود ہیں اور فقہاء احناف وغیرہ یہی کہتے ہیں کہ مدعیٰ علیہم سے قسم کی ابتداء کی جائے گی۔

اور فقہاء احناف نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کی ابن جریج نے از ابن ابی ملیکہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ از ابن جریج از ابن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ دو عورتیں اپنے گھر میں یا اپنے حجرہ میں موزہ سی رہی تھیں، پس ان میں سے ایک باہر نکلی اور اس کی ہتھیلی میں سوئی چبھ گئی تو اس نے دوسری پر دعویٰ کیا (کہ تم نے یہ سوئی چبھوئی ہے) پھر یہ مقدمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کے دعووں کے مطابق ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے تو وہ لوگوں کی جانوں اور مالوں کو لے جائیں گے (جب ان کے پاس گواہ نہیں ہیں) تم اس کے سامنے اللہ کا ذکر کرو (یعنی اس سے ڈراؤ) اور اس کے سامنے یہ آیت پڑھو:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَشۡتَرُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَ اَیۡمَانِہِمۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۷)

سو انہوں نے اس عورت کے سامنے اس آیت کو پڑھا تو اس عورت نے اعتراف کر لیا، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم مدعیٰ علیہ پر ہے''۔ (صحیح البخاری: ۴۵۵۲)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قسم مدعیٰ علیہ پر پیش کی جائے گی اور یہی امام ابو حنیفہ وغیرہم کا مذہب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر خون اور قصاص کے مدعی پر قسم کو پیش کیا جائے تو یہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور اگر مدعٰی علیہ پر قسم کو پیش کیا جائے تو یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔

قسامت میں تیسرا مذہب

قسامت میں تیسرا مذہب قسامت کے حکم کرنے میں توقف ہے، یہ مذہب سالم بن عبد اللہ اور ابو قلابہ اور عمر بن عبد العزیز اور حکم بن عتیبہ سے منقول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

ائمہ ثلاثہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سعید بن عبید کی حدیث میں یہود سے ابتداء کرنے کا ذکر ہے اور وہ محدثین کے نزدیک معتبر ہیں، کیونکہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے بُشیر بن یسار کی حدیث کی حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مسنداً روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعین سے قسم کی ابتداء کی ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ یہی کہتے ہیں کہ قسامت میں قسم لینے کی ابتداء مدعین سے کی جائے۔

یحییٰ بن سعید کی روایت کی بُشیر بن یسار کی روایت پر ترجیح

الاصیلی نے کہا: اس حدیث کی یحییٰ بن سعید سے شعبہ، سفیان بن عیینہ، عبد الوہاب الثقفی، حماد بن زید، عیسیٰ بن حماد اور بشر بن المفضل نے مسنداً روایت کی ہے۔ اور امام مالک نے اس حدیث کی از یحییٰ بن سعید از بُشیر بن یسار مرسلاً روایت کی ہے اور انہوں نے سہل بن ابی حثمہ کا ذکر نہیں کیا۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: قسامت میں، میں جس طرف گیا ہوں وہ یحییٰ بن سعید کی حدیث از بُشیر بن یسار ہے، کیونکہ بشیر بن یسار سے حفاظ نے اس کی موصولاً روایت کی ہے اور یہ سعید بن عبید کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

اصیلی نے کہا: پس یہ جائز نہیں ہے کہ واحد کی خبر سے جماعت کی خبر پر اعتراض کیا جائے اس کے باوجود سعید بن عبید نے اپنی حدیث میں کہا ہے: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے اونٹوں سے اس کی دیت ادا کر دی۔ اور صدقہ سے دیات کی ادائیگی نہیں کی جاتی اور نہ صدقہ کے اہل کے غیر سے صلح کی جاتی ہے۔

(ان محدثین نے یحییٰ از بشیر بن یسار از سہل بن ابی حثمہ کی روایت کو ترجیح دی ہے، اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کے مدعین پر قسم کو پیش کیا، یہ حدیث صحیح البخاری: ۳۱۷۳ میں ہے، اور اس حدیث کو سعید بن عبید از بشیر بن یسار پر ترجیح دی ہے، اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعین سے فرمایا کہ تم اس کے قاتل پر گواہ پیش کرو۔ (صحیح

البخاری:۶۸۹۸)اور وجہ ترجیح یہ ہے کہ یحییٰ کی روایت کو چھ راویوں نے مسنداً روایت کیا ہے)۔

مذکورہ دو روایتوں میں وجہِ تطبیق

علامہ ابن القصار اور علامہ المہلب نے کہا ہے کہ سعید بن عبید کی حدیث اور یحییٰ بن سعید کی حدیث کو جمع کیا جا سکتا ہے، پس سعید بن عبید کی روایت کے متعلق کہا جائے گا کہ ہو سکتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے یہ کہا ہو کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ یہود میں سے پچاس مرد یہ قسم کھائیں کہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب انصار نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، کیونکہ انہوں نے یہود میں سے کسی شخص کو قاتل معین نہیں کیا تھا کہ جس کے خلاف وہ قسم کھاتے اور قسامت صرف معین شخص پر ہوتی ہے، پس جب آپ کو ان کی قسم سے انکار کا علم ہوا تو آپ نے قسم کو رد کر دیا اور ان سے ان کے دعویٰ پر گواہ کا مطالبہ کیا جیسا کہ صحیح البخاری:۶۸۹۸ میں مذکور ہے، اور یحییٰ بن سعید کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حضرت محیصہ اور حضرت حویصہ اور حضرت عبدالرحمٰن پر قسم کو پیش کیا کہ تم قسم کھاؤ اور اپنے مقتول کے خون کے مستحق ہو جاؤ گے، اور جب انہوں نے قسم کھانے سے انکار کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: پس یہود قسم کھا کر تم سے بری ہو جائیں گے جیسا کہ صحیح البخاری: ۳۱۷۳ میں مذکور ہے۔

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن جریج نے از عطاء از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور منکر پر قسم کھانا لازم ہے سوائے قسامت کے“۔(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۱۰۹)

اس حدیث سے یہ ظاہر ہو گیا کہ قسامت میں قسم مدعیٰ علیہ کی جانب سے نہیں ہوتی۔

اور امام مالک نے الموطا میں اس مقالہ کے لیے ایسی دلیل پیش کی ہے جو کافی ہے، پس انہوں نے کہا کہ خون کے معاملہ میں قسامت اور باہمی حقوق میں قسم کے درمیان یہ فرق ہے کہ جب کوئی مرد کسی شخص سے کوئی قرض کا معاملہ کرتا ہے تو اس پر اس کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور جب کوئی مرد دوسرے مرد کو قتل کرتا ہے تو اس کو لوگوں کی جماعت کے سامنے قتل نہیں کرتا وہ صرف تنہائی کو طلب کرتا ہے، پس اگر اس کے سوا قسامت مشروع نہ ہوتی جو گواہوں سے ثابت ہوتا ہے اور اس میں اس طرح عمل کیا جاتا جس طرح باقی حقوق میں عمل کیا جاتا ہے تو لوگوں کے خون ضائع ہو جاتے اور لوگ دوسروں کے قتل پر دلیر ہو جاتے جب وہ اس میں فیصلہ کا طریقہ جان لیتے، لیکن قسامت کو اس طرح مشروع کیا گیا کہ مقتول کے ورثاء قسم کے ساتھ ابتداء کریں گے تاکہ لوگ دوسروں کو قتل کرنے سے رک جائیں اور قاتل ڈرے کہ وہ اس کی مثل میں مقتول کے قول سے پکڑا جائے گا اور یہ چیز ہمارے نزدیک اجماعی ہے اور جس چیز کو میں نے پسندیدہ لوگوں سے سنا اور جس پر متقدمین اور متاخرین ائمہ کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ قسم کی ابتداء مدعین سے کی جائے گی۔

جن فقہاء نے قسامت کا انکار کیا ان کا رد

رہے وہ لوگ جنہوں نے قسامت کے ساتھ حکم کرنے کو باطل قرار دیا، سو انہوں نے قسامت کا اپنی آراء سے رد کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قسامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ ”مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے اور مدعیٰ علیہ پر قسم پیش

کرنا لازم ہے"۔ اور قسامت میں مدعین سے قسم کی ابتداء کی جاتی ہے اور زمانہ جاہلیت میں قسامت ہوتی تھی، پچاس لوگ کسی خون پر قسم کھاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو برقرار رکھا، پس یہ سنت ہوگئی برخلاف ان اموال کے جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم کھانے کا طریقہ مقرر فرمایا اور اصول اور قواعد ایک دوسرے کو رد نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے پر قیاس کیا جاتا ہے بلکہ ہر اصل اور ہر قاعدہ کو اپنے محل پر رکھا جاتا ہے جیسے عرایا اور مزابنۃ میں درختوں پر پھل رکھنے کا استثنٰی ہے اور کھیتوں میں غلہ رکھنے کا استثنٰی ہے۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ جو چیز بھی ان پر مشروع کی جائے اس کو تسلیم کرلیں۔

ابوالحسن بن القابسی نے کہا: عمر بن عبدالعزیز پر تعجب ہے کہ اتنے عظیم علم کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ابوقلابہ سے کیوں معارضہ نہیں کیا جب کہ ابوقلابہ فقہاء تابعین میں سے ہیں یعنی صحابہ میں سے نہیں ہیں۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: اور حماد بن سلمہ نے از عبداللہ بن ابی ملیکہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے قسامت کے ذریعہ مدینہ میں اپنی امارت کے ذریعہ قصاص لیا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۵۔۵۸۳ ۵۸۴، ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۳۔ بَابُ: مَنْ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ فَفَقَئُوا عَيْنَهُ فَلَا دِيَةَ لَهُ

جس شخص نے کسی قوم کے گھر میں جھانکا، سو انہوں نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس کی کوئی دیت نہیں ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والے اس کی آنکھ کو پھوڑ دیں تو اس جھانکنے والے کے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "الفقأ" کا معنی ہے: "الشق" یعنی کسی چیز کو پھاڑنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں ہے کہ "انه فقأ ملك الموت" یعنی انہوں نے موت کے فرشتہ کی آنکھ پھوڑ دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضى الله عنهُ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ مِنْ جُحْرٍ فِي بَعْضِ حُجَرِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَامَ إِلَيْهِ بِمِشْقَصٍ أَوْ بِمَشَاقِصَ وَجَعَلَ يَخْتِلُهُ لِيَطْعُنَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عبیداللہ بن ابی بکر بن انس از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی ﷺ کے کسی حجرہ میں جھانکا تو آپ چوڑے پھل کا تیر لے کر اس کی طرف کھڑے ہوئے یا چوڑے پھل کے کئی تیر لے کر اس کی طرف کھڑے ہوئے، اور آپ یہ حیلہ کر رہے تھے کہ وہ تیر اس کو چبھو دیں۔

(صحیح البخاری: ۶۲۴۲، ۶۸۸۹، ۶۹۰۰، صحیح مسلم: ۲۱۵۷، سنن ترمذی: ۲۷۰۸، سنن نسائی: ۴۸۵۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۱، مسند احمد: ۱۳۰۹۵)

صحیح البخاری: ۶۹۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس جگہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ جس کی آنکھ پھوڑی گئی ہے اس کے لیے کوئی دیت نہیں ہوگی۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں میں اس کی تصریح ہے اور امام بخاری کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو اس مسئلہ کے متعلق حدیث روایت کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان مذکور ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے "حدثنا ابوالنعمان" اور ان کا نام محمد بن الفضل ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن ابی بکر کا ذکر ہے، وہ اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الاستئذان میں از مسدد گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا" ابن بشکوال نے از الحسن بن مغیث روایت کی ہے کہ وہ مرد الحکم بن العاص بن امیہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اطلع" اس کا معنی ہے: بلندی سے دیکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی بعض حجر النبی ﷺ" "حِجر" میں اگر حاء پر زیر ہو تو اس کا معنی دیوار ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وہ دیوار کے اوپر سے نبی ﷺ کے کسی حجرہ میں جھانک رہا تھا۔ اور "حُجر" میں اگر حاء پر پیش ہو تو یہ "حجرۃ الدار" کی جمع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بمشقص" میم کے نیچے زیر ہے اور اس کا معنی ہے: چوڑا پھل۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او بمشاقص" یہ راوی کا شک ہے اور یہ لفظ مشقص کی جمع ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یختلہ" یعنی آپ اس کو غافل پا کر اس کی آنکھ میں وہ چوڑا پھل چبھونا چاہتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَجُلًا اطَّلَعَ فِي جُحْرٍ فِي بَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَمَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ فَلَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ

رَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ قَالَ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّكَ تَنْتَظِرُنِي لَطَعَنْتُ بِهِ فِي عَيْنَيْكَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِذْنُ مِنْ قِبَلِ الْبَصَرِ۔

کے دروازہ کے سوراخ میں سے جھانکا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لوہے کا کنگھا تھا جس سے آپ اپنے سر کو کھجارہے تھے، پس جب رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو دیکھا تو فرمایا: اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو تو میں یہ لوہا تمہاری آنکھوں میں چبھودیتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجازت طلب کرنے کو دیکھنے سے پہلے مشروع کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۹۲۴، ۶۲۴۱، ۶۹۰۱، صحیح مسلم: ۲۱۵۶، سنن ترمذی: ۲۷۰۹، سنن نسائی: ۴۸۵۹، مسند احمد: ۲۲۲۹۶، سنن دارمی: ۲۳۸۴)

صحیح البخاری: ۶۹۰۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت کی وہی توجیہ ہے جو اس سے پہلی حدیث میں گزر چکی ہے اور یہ حدیث باب الاستئذان میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی جُحر" اس میں جیم پر پیش ہے اور حاء ساکن ہے، اور اس سے مراد ہے: سوراخ یا دروازہ کی جھری میں جو سوراخ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی باب رسول اللہ ﷺ" یعنی رسول اللہ ﷺ کے حجرہ کے دروازہ میں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مدریٰ" یہ لوہے کا کنگھا ہے جس سے بال سنوارے جاتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کنگھی کے مشابہ لوہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تنتظرنی" یعنی میں نے تمہیں یہ کنگھی اس لیے نہیں چبھوئی کہ مجھے یہ تردد تھا کہ تم دیکھ رہے ہو یا ٹھہرے ہوئے ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من قِبَلِ البصر" اس میں قاف کے نیچے زیر ہے اور باء پر زبر ہے، یعنی گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنے کو آنکھ کی جہت سے مشروع کیا گیا ہے تاکہ کوئی شخص گھر والوں کی پوشیدہ چیزوں پر مطلع نہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ لَوْ أَنَّ امْرَأً اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان

إِذْنٍ فَخَذَفْتَهُ بِعَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ.

کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی مرد تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھر میں جھانکے، پھر تم کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۲، صحیح مسلم: ۲۱۵۸، سنن نسائی: ۴۸۶۱، سنن ابوداؤد: ۵۱۷۲، مسند احمد: ۷۲۷۱)

صحیح البخاری: ۶۹۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "اگر تم نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا"۔ جس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ بغیر اجازت کے جھانکنے والے کی اگر آنکھ پھوڑ دی جائے تو اس کے لیے کوئی دیت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، ان کا نام عبدالرحمٰن بن ہرمز ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

علامہ یوسف بن محمد الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: یہ حدیث باب "بدء السلام" میں گزر چکی ہے اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے۔

اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: "باب من اخذ حقه او اقتص دون السلطان" (جس نے اپنا حق وصول کر لیا یا جس نے حاکم کے بغیر قصاص لیا) اور اس میں بھی اس طرح مذکور نہیں ہے۔ اور اس باب میں جو حدیث گزری ہے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کا ذکر المزی نے "الاطراف" میں کیا ہے از امام بخاری کتاب الدیات میں، اور اس کے سوا اور کوئی چیز ذکر نہیں کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فخذفته" اس کا معنی ہے: تم نے اس کو مارا، اور یہاں کنکری کی قید لگائی ہے، کیونکہ اگر اس نے اس کو وزنی پتھر مارا یا تیر مارا تو اس سے قصاص متعلق ہوگا۔ اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ اس پر کوئی ضمان نہیں ہے، یہ اس وقت ہے کہ اگر کنکر مارے بغیر وہ آدمی وہاں سے نہ جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جناح" یعنی کوئی حرج نہیں ہے، اور امام مسلم کے نزدیک اسی سند سے مروی ہے "ما كان عليك من جناح" یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط شدہ حکم

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جاسوسی کرنے کے لیے کسی کے گھر میں جھانکے تو اس کو کنکری مارنا جائز ہے اور اگر کنکری مارنے سے وہ باز نہ آئے تو وزنی پتھر کو مارنا بھی جائز ہے، اور اگر اس پتھر سے وہ بندہ مرجائے یا اس کا کوئی عضو ہلاک ہوجائے تو وہ رائیگاں ہے یعنی اس کی کوئی دیت نہیں ہے۔

اور فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں قصاص ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ معصیت، معصیت کو زائل نہیں کرتی۔

اور اس پر رد کیا گیا ہے کہ جب اذن ثابت ہو تو اس کو معصیت نہیں کہتے۔ اور کیا پتھر یا کنکری مارنے سے پہلے اس کو ڈرانا شرط ہے اس میں امام شافعی کے دو قول ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شرط ہے جیسے حملہ آور کے حملہ کو دفع کرنے کے لیے ڈرانا شرط ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ شرط نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابُ: الْعَاقِلَةِ

العاقلہ (وہ عصبات جو دیت ادا کرتے ہیں)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

عاقلہ کا لغوی معنی

اس باب میں عاقلہ کا بیان ہے اور عاقلہ "عاقل" کی جمع ہے اور یہ وہ ہیں جو دیت ادا کرتے ہیں، دیت کو عقل کہا جاتا ہے کیونکہ مقتول کے ولی اور وارث کے گھر کے صحن میں اونٹوں کو باندھ دیا جاتا تھا، پھر اس کا زیادہ استعمال ہونے لگا حتیٰ کہ عقل کا اطلاق دیت پر کیا گیا خواہ وہ اونٹ نہ ہوں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عاقلہ "عقل یعقل" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: اٹھانا، کیونکہ یہ قاتل کی طرف سے دیت کے بوجھ کو اٹھاتے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ "عقل یعقل" سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے منع کرنا اور دفع کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہر وہ شخص جو قتل کرتا تھا وہ اپنی قوم کی پناہ لیتا تھا، کیونکہ اس قاتل کو قتل کرنے کے لیے طلب کیا جاتا تھا، اس کی قوم کے لوگ اس کو قتل کرنے سے منع کرتے تھے اور روکتے تھے، پس اس کی قوم کے لوگوں کو عاقلہ یعنی مانعہ کہا گیا۔

اور علامہ ابن فارس نے کہا ہے "عقلت القتیل" اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کی دیت ادا کردو۔ اور "عقلت عنه" اس وقت کہا جاتا ہے جب تم اس کی دیت کا التزام کرلو اور اس قاتل کی طرف سے دیت کو ادا کردو۔ اور عاقلہ اہل الدیوان ہیں۔ اور یہ لشکر کے وہ لوگ ہیں جن کے نام دیوان یعنی رجسٹر میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

عاقلہ کی تعریف میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب

اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک عاقلہ رشتہ دار ہیں اور یہ وہ ہیں جو عصبات ہیں یعنی کسی شخص کے باپ کی طرف سے رشتہ دار۔ اور بعض شافعیہ سے منقول ہے کسی مرد کے عاقلہ اس کے باپ کی طرف سے رشتہ دار ہیں اور وہ اس کے عصبات ہیں۔

اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے: نکاح کے ولی عاقلہ ہیں۔ اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے: اگر قاتل اہلِ دیوان میں سے نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے پیشہ کے لوگ ہیں اور اگر اس کے پیشہ کے لوگ نہ ہوں تو جن لوگوں نے اس سے وفاداری کا حلف اٹھایا ہے وہ اس کے عاقلہ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۳۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ قَالَ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا رضی الله عنه هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِمَّا لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ وَقَالَ مَرَّةً مَا لَيْسَ عِنْدَ النَّاسِ فَقَالَ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فَهْمًا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مطرِّف نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے الشعبی سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جحیفہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز لکھی ہوئی ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ اور ایک مرتبہ یہ کہا: کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز لکھی ہوئی ہے جو لوگوں کے پاس نہ ہو؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانہ چیرا اور روح کو پیدا کیا! ہمارے پاس صرف وہی چیز ہے جو قرآن میں ہے، یا وہ فہم ہے جو ہر مرد کو کتاب اللہ کے مطابق دی گئی ہے، اور وہ چیز ہے جو اس صحیفہ میں ہے، میں نے پوچھا: اور صحیفہ میں کیا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا: اس میں دیت کے احکام ہیں اور قیدیوں کو چھڑانے کے احکام ہیں اور یہ حکم ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۱۱، ۱۸۷۰، ۳۰۴۷، ۳۱۷۲، ۳۱۷۹، ۶۷۵۵، ۶۹۰۳، ۶۹۱۵، ۷۳۰۰، صحیح مسلم: ۱۳۷۰، سنن ترمذی: ۱۴۱۲، سنن نسائی: ۴۷۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۸، مسند احمد: ۶۰۰، سنن دارمی: ۲۳۵۶)

صحیح البخاری: ۶۹۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں العقل کا لفظ ہے اور العقل سے ہی عاقلہ بنا ہے اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے باپ کی طرف سے رشتہ داروں کی دیت ادا کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، یہ سفیان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مُطرِّف، یہ ابن طریف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الشعبی، اور وہ عامر بن شراحیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو جحیفہ، ان کا نام وہب بن عبداللہ السوائی ہے۔

یہ حدیث کتاب العلم کے باب ''کتابۃ العلم'' میں گزر چکی ہے، وہاں اس حدیث کو محمد بن سلام سے روایت کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لیس فی القرآن'' یعنی آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احکام لکھے ہیں خواہ آپ نے ان کو حفظ کیا ہے یا نہیں اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو لکھی ہوئی ہو یا منضبط ہو، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث بیان کی ہیں جو صحیفہ مذکورہ میں نہیں ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلق الحب وبرأ النسمة'' یعنی جس ذات نے دانہ کو شق کیا اور انسان کو پیدا کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الا فهما'' یہ استثنیٰ منقطع ہے، یعنی ہمارے پاس وہ فہم ہے جو ہر مرد کو عطا کی گئی ہے اور کتاب العلم میں اس طرح مذکور ہے ''نہیں، سوا کتاب اللہ کے یا اس فہم کے جو ہر مسلمان مرد کو عطا کی گئی ہے یا جو اس صحیفہ میں ہے''۔ فہم سے مراد ہے جو معنی کسی کلام سے سمجھا جائے اور اس سے ان معانی کا ادراک کیا جائے جو صریح نص میں ظاہر نہیں ہیں اور اس میں قیاس کی تمام وجوہ داخل ہیں، یہ علامہ خطابی کا قول ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''العقل'' یعنی دیت، اس سے مراد ہے دیت کے احکام۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں نہ قتل کیا جائے''۔

اس حدیث سے عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی، ثوری، ابن شبرمہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور نے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور اہل الظاہر کا بھی یہی مذہب ہے۔

شیخ ابن حزم نے ''المحلیٰ'' میں کہا ہے: اگر کسی مسلمان، عاقل، بالغ نے کسی ذمی (جو غیر مسلم، مسلمانوں کے ملک میں جزیہ ادا کر کے رہتا ہو اور مسلمان اس کی جان اور مال کی حفاظت کے ضامن ہوں) کو یا مستأمن (وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی اجازت سے عارضی طور پر مسلمانوں کے ملک میں آیا ہو جیسے آج کل کوئی غیر مسلم پاسپورٹ لے کر مسلمانوں کے ملک میں آجائے) پس اگر کسی مسلمان عاقل بالغ نے کسی ذمی یا مستامن کو عمداً یا خطاءً قتل کر دیا تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ اس سے دیت لی جائے گی اور نہ اس پر کفارہ ہے لیکن قتل عمد میں اس کو تادیباً سزا دی جائے گی اور اس کو قید کر لیا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے تاکہ لوگ اس کے ضرر سے بچے رہیں۔

اور الشعبی، ابراہیم النخعی، محمد بن ابی لیلیٰ، عثمان البتی، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے کہا ہے کہ مسلمان کو کافر (ذمی) کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا، یہ مذہب حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور انہوں نے

اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ مومن کو اس کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا جو ذمی نہ ہو یعنی حربی ہو، اور ہم نے اس کی بہت زیادہ تفصیل امام طحاوی کی معانی الآثار کی شرح میں کی ہے سو وہاں رجوع کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۹۹۔۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ذمی کے قتل کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے فقہاء احناف کی طرف سے دلائل

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ از قیس بن عباد روایت کرتے ہیں کہ میں اور الاشتر حضرت علی علیہ السلام کی طرف گئے، ہم نے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کوئی ایسا عہد لیا ہے جس کا عام لوگوں سے عہد نہیں لیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں مگر وہ جو میری اس کتاب میں ہے۔ مسدد نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتاب نکالی جو ان کی تلوار کی نیام میں تھی اس میں لکھا ہوا تھا: تمام مومنین کا خون مساوی ہے اور وہ اپنے ماسوا پر فائق ہے، ان میں سے ادنیٰ آدمی بھی ان کے ذمہ کے لیے جدوجہد کرے گا، سنو! مومن کو کافر کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا اور نہ ذوعہد کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا، اور جس نے کوئی نیا حکم نکالا تو وہ اس کے نفس پر ہے اور جس نے کوئی نیا حکم نکالا یا کسی مجرم کو پناہ دی اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

(سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰، سنن نسائی: ۴۷۴۸، شرح معانی الآثار: ۴۹۳۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ذوعہد کو اس کے عہد میں قتل کرنے سے منع کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذوعہد یعنی ذمی کو قتل کر دیا تو اس ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابوجعفر طحاوی اپنی سند کے ساتھ از عبدالرحمٰن بن البیلمانی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مسلمانوں میں سے ایک شخص کو لایا گیا جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا تھا، پس آپ کے حکم سے اس کی گردن ماردی گئی اور آپ نے فرمایا: میں ذمی کے ذمہ کو پورا کرنے کے زیادہ لائق ہوں۔ (شرح معانی الآثار: ۴۹۳۶)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جس مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ نظر کا بھی یہی تقاضا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حربی کا خون حلال ہے اور اس کا مال حلال ہے، پس جب وہ حربی ذمی ہو جاتا ہے تو اس کا خون بھی حرام ہو جاتا ہے اور اس کا مال بھی حرام ہو جاتا ہے جیسے مسلمان کے خون کی اور مسلمان کے مال کی حرمت ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ذمی کے مال سے کسی نے اتنا مال چرا لیا جس پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے تو ذمی کے مال کے بدلہ میں اس شخص کا ہاتھ کاٹا جائے گا، پس جب دیگر جرائم میں اگر ذمی کے خلاف جرائم کیے جائیں تو اس میں سزا دی جاتی ہے اسی طرح اگر ذمی کو قتل کیا جائے تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور جس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اس سے مراد کافر حربی ہے۔

تنبیہ: علامہ عینی نے شرح معانی الآثار کی ''نخب الافکار'' کے نام سے شرح کی ہے مگر یہ مکمل طبع نہیں ہوئی، ہمارے پاس نخب الافکار کی چار جلدیں ہیں اور یہ کتاب الجنائز تک ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

ذمی کو قتل کرنے کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء احناف کے مزید دلائل

اللہ تعالیٰ نے المائدہ: ۴۵ میں مطلقاً فرمایا ہے ''اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ'' کہ جان کا بدلہ جان ہے اور اس میں مسلمان یا کافر کی قید نہیں لگائی، اس لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے ذمی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ اس آیت کے عموم اور اطلاق سے واضح ہوتا ہے۔

نیز امام اعظم کی تائید میں حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو ایک معاہد (ذمی) کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے بڑھ کر کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی ج ۳، الحدیث: ۳۲۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۰)

عبدالرحمٰن بن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان سے قصاص لیا جس نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تھا، راوی نے کہا: مسلمان سے ذمی کا قصاص لیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کریں میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔

(سنن دار قطنی ج ۳، الحدیث: ۳۲۳۳)

عبدالرحمٰن البیلمانی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ذمی کے بدلہ میں اہل قبیلہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا اور فرمایا: جو لوگ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں، میں ان میں سب سے زیادہ کریم ہوں۔ (سنن دار قطنی ج ۳، الحدیث: ۳۲۳۴)

ہر چند کہ ان احادیث کی اسانید ضعیف ہیں لیکن تعدد اسانید کی وجہ سے یہ احادیث حسن لغیرہ ہیں اور لائق استدلال ہیں جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل استدلال قرآن مجید سے ہے اور یہ احادیث تائید کے مرتبہ میں ہیں۔

۲۵- بَابٌ: جَنِينِ الْمَرْأَةِ — عورت کے پیٹ میں بچہ کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ کا حکم کیا ہے اور ''جنین'' کا لفظ ''فعیل'' کے وزن پر ہے اور ''جن'' کا معنی ہے: چھپنا، اور عورت کے پیٹ میں بچہ چھپا ہوا ہوتا ہے اس لیے اس کو جنین کہتے ہیں، اگر وہ بچہ زندہ پیٹ سے باہر نکل آئے تو وہ ''ولد'' ہے اور اگر وہ بچہ مردہ ساقط ہو جائے خواہ مذکر ہو یا مونث، تو اس کو ناتمام بچہ کہتے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۴- حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ مِنْ هُذَيْلٍ رَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابی سلمہ بن

فَطَرَحَتْ جَنِينَهَا فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ فِيهَا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ۔

عبدالرحمن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہذیل کی دو عورتوں میں سے ایک عورت نے دوسری عورت کو مارا تو اس کے پیٹ کے بچہ کو گرا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس میں ایک نفسِ غلام یا نفسِ باندی کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۸، ۵۷۵۹، ۵۷۶۰، ۶۷۴۰، ۶۹۰۴، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن نسائی: ۴۸۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۶، مسند احمد: ۷۶۴۶، موطا امام مالک: ۱۶۰۸، سنن داری: ۲۳۸۲)

صحیح البخاری: ۶۹۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں اس باب کے عنوان کا حکم بیان فرما دیا ہے کہ اگر پیٹ کے بچہ کو ساقط کر دیا جائے تو اس کے بدلہ میں ایک غلام یا ایک باندی کو آزاد کرنا ہوتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں امام مالک کے دو شیوخ کا ذکر ہے، ان میں سے ایک عبداللہ بن یوسف ہیں اور دوسرے اسماعیل بن ابی اویس ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطب میں از قتیبہ از امام مالک گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

ہذیل کی دو عورتوں کی تعیین

اس حدیث میں مذکور ہے "قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں" یہ دو عورتیں آپس میں سوکنیں تھیں اور یہ دونوں حمل بن مالک بن النابغہ الھذلی کے نکاح میں تھیں جو ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن معز کے قبیلہ سے تھے جو بصرہ میں آ کے رہنے لگے تھے۔

ان دو عورتوں نے ایک دوسرے کو پتھر سے مارا تھا یا لکڑی سے مارا تھا یا دھکا دیا تھا؟

اس حدیث میں مذکور ہے "ان میں سے ایک عورت نے دوسری کو مارا" اور یونس اور عبدالرحمن بن خالد کی روایت میں ہے کہ ان دو عورتوں میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مارا، اور عبدالرحمن بن خالد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ پتھر دوسری عورت کے پیٹ پر لگا جو حاملہ تھی، اور امام ابوداؤد نے حمل بن مالک کی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کے اوپر بیلن مارا۔ اور امام مسلم نے بھی حمل بن مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت پر بیلن مارا۔ اور امام مسلم نے از مغیرہ بن شعبہ روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کو جو اس کی سوکن تھی خیمہ کی لکڑی سے مارا اور وہ حاملہ تھی تو اس عورت کو قتل کر دیا۔ اور امام ابوداؤد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے دوسری عورت کو گرایا اور اس کے

پیٹ کا بچہ گر گیا۔ اور عبدالرحمٰن بن خالد کی سند سے روایت ہے کہ اس نے اس کے پیٹ کے بچہ کو قتل کر دیا۔ اور یونس کی روایت میں ہے کہ اس عورت کو قتل کر دیا۔

''غرۃ عبد او امۃ'' کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''غرۃ عبد او امۃ'' علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ''غرۃ'' کا معنی ہے: نفس عبد یا نفسِ امۃ، یعنی خود غلام یا لونڈی۔ اور ''غرۃ'' اصل میں اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے چہرہ میں ہوتی ہے۔ اور ابو عمرو بن علاء یہ کہتے تھے کہ ''غرۃ'' سفید غلام کو کہتے ہیں یا سفید باندی کو، اور اس کو ''غرۃ'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سفید ہوتا ہے، پس دیت میں سیاہ غلام یا سیاہ باندی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور فقہاء کے نزدیک سفید رنگ کے غلام یا باندی کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور ان کے نزدیک ''غرۃ'' وہ ہے جس کی قیمت غلام یا باندی کی دیت کے بیسویں حصہ کو پہنچ جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''غرۃ عبد او امۃ'' یہ ''او'' کا لفظ یا تو راوی کے شک کی وجہ سے ہے یا تنویع کی وجہ سے ہے، یعنی دیت کی دو قسمیں ہیں۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: اس حدیث کی بعض روایات میں مذکور ہے ''بغرۃ عبد او امۃ او فرس او بغل'' یعنی اس کی دیت میں یا غلام آزاد کیا جائے یا باندی، یا اس کی دیت میں ایک گھوڑا دیا جائے یا خچر دیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ گھوڑے اور خچر کا لفظ راوی کی غلطی ہے، پھر یہ ''غرۃ'' اس وقت واجب ہے جب کہ پیٹ کا بچہ مردہ ساقط ہو، اگر پیٹ کا بچہ زندہ ساقط ہو پھر مر جائے تو اس میں پوری دیت دینی ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۰۔۱۰۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ عُمَرَ رضی الله عنهُ أَنَّهُ اسْتَشَارَهُمْ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالْغُرَّةِ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک عورت کے پیٹ کے بچہ کو ساقط کرنے کے متعلق مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے اس میں ایک نفسِ غلام یا نفسِ باندی کا فیصلہ فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۷۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۶۶۷۰)

۶۹۰۶۔ قَالَ ائْتِ مَنْ فَشَهِدَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ ﷺ قَضَى بِهِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس کے پاس جاؤ جو تمہارے ساتھ اس کی شہادت دے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے شہادت دی کہ وہ نبی ﷺ کے پاس اس وقت حاضر تھے جب آپ نے یہ فیصلہ فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۷۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۶۶۷۰)

صحیح البخاری: ۶۹۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ کو ساقط کرنے کی دیت ایک غلام کو آزاد کرنا ہے یا ایک باندی کو آزاد کرنا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے وہیب، یہ ابن خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، یہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الدیات میں بھی از موسیٰ بن اسماعیل روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "استشارھم" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ اور امام مسلم نے از ہشام از عروہ از حضرت مسور بن مخرمہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی املاص المرأۃ" املاص کا معنی ہے: عورت کا اپنے بچہ کو مردہ حالت میں ساقط کر دینا۔ اور عنقریب کتاب الاعتصام میں از ابومعاویہ از ہشام از والد خود از حضرت المغیرہ یہ روایت آئے گی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے اس میں مشورہ کیا کہ کسی عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی جائے اور اس کا پیٹ کا بچہ ساقط ہو جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم میں سے کسی نے سنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کیا فیصلہ فرمایا؟ تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس میں نفسِ غلام یا نفسِ باندی کو آزاد کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فشھد محمد بن مسلمۃ"۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ الانصاری الخزرجی البدری ہیں، ان کا بڑا مرتبہ ہے اور ۴۳ ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انہ شھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت حاضر تھے۔

اس جگہ یہ سوال ہے کہ خبرِ واحد حجت ہوتی ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گواہ کو کیوں طلب کیا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ نے مزید ثبوت کے لیے اور تاکید کے لیے گواہ طلب کیا، اس کے باوجود کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اس حدیث کو خبرِ واحد سے نہیں نکالتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۱۔ ۱۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ نَشَدَ النَّاسَ مَنْ سَمِعَ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَضَى فِي السِّقْطِ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ أَنَا سَمِعْتُهُ قَضَى فِيهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کیا کہ کس نے نبی

بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ قَالَ ائْتِ مَنْ يَشْهَدُ مَعَكَ عَلَى هٰذَا فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ أَنَا أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِمِثْلِ هٰذَا۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے پیٹ کے ناتمام بچہ کے متعلق فیصلہ فرمایا؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ نے اس میں نفسِ غلام یا نفسِ باندی کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے ساتھ اس بات کی کون گواہی دے گا تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثل فیصلہ فرمایا تھا۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۶، ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۷۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۶۶۷۰)

صحیح البخاری: ۶۹۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے اور یہ حدیث ثلاثیات کے حکم میں ہے، کیونکہ ہشام تابعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عن ابیہ عن عمر" یہ حدیث صورتاً حدیث مرسل ہے کیونکہ ہشام کے والد عروہ ہیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا، لیکن روایتِ سابقہ اور لاحقہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عروہ نے اس حدیث کو از مغیرہ از عمر حاصل کیا ہے اگرچہ اس کی اس روایت میں تصریح نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ائتِ من یشھد" ائتِ امر کا صیغہ ہے، یعنی ان سے سوال کیا کہ تم اس کو لاؤ جو تمہاری گواہی دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بمثل ھذا" یعنی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی مثل۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۸ - حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَابِقٍ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ اسْتَشَارَهُمْ فِي إِمْلَاصِ الْمَرْأَةِ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سابق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زائدہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن عروہ نے حدیث بیان کی از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے سنا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کر رہے تھے کہ انہوں نے لوگوں سے عورت کے پیٹ کے بچہ کو ساقط کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔۔۔۔۔ اسی کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۶۹۰۵، ۶۹۰۷، ۶۹۰۸، ۷۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۶۸۳، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۴۰، مسند احمد: ۱۶۶۷۰)

صحیح البخاری: ۶۹۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس کی امام بخاری نے از محمد بن عبداللہ روایت کی ہے اور وہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ الزہلی ہیں از محمد بن سابق الفارسی البغدادی، ان سے امام بخاری نے بغیر واسطہ کے باب الوصایا میں حدیث روایت کی ہے۔ اور وہ زائدہ سے روایت کرتے ہیں جو ابن قدامہ ثقفی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثلہ" یعنی حدیث مذکور کی مثل روایت کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۰۸، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

غلام یا باندی کے ساتھ "غرۃ" کی قید لگانے کی توجیہ

یہ دو باب پیٹ کے بچہ کی دیت کے بیان میں ہیں اور پیٹ کے بچہ کی دیت ایک غلام یا ایک باندی کو آزاد کرنا ہے، اس کو "غرۃ" اس لیے کہا ہے کہ غلاموں میں اعلیٰ اور اشرف بنو آدم ہیں اور یہ بنو آدم میں سے غلام ہے تو اس لیے غلام یا باندی کو "غرۃ" فرمایا، یعنی یہ غلاموں میں اشرف اور اعلیٰ ہیں۔

"غرۃ عبد" کی قیمت کا معیار

لیکن فقہاء رحمہم اللہ نے اس "غرۃ" کو پانچ اونٹوں کی قیمت کے ساتھ مقید کیا یعنی وہ "غرۃ" بہت مہنگی قیمت کا نہ ہو، اور اس غلام یا باندی کی قیمت پانچ اونٹوں کے برابر ہو، اور اگر اس قیمت کا "غرۃ" نہ ملے تو پھر ہم پانچ اونٹوں کی قیمت دے دیں گے، یہ امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب ہے۔

دو عورتوں کے قصہ کی تفصیل

رہی احادیث، تو یہ قصہ ہذیل کی دو عورتوں کے درمیان ہوا جو آپس میں لڑیں اور ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اس عورت کو بھی مار ڈالا اور جو اس کے پیٹ میں بچہ تھا اس کو بھی مار ڈالا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے بچہ میں ایک "غرۃ" کا فیصلہ فرمایا، اور جو عورت مقتول تھی تو اس کے لیے قاتلہ کے عصبات کے اوپر دیت کا فیصلہ فرمایا۔

رہا "غرۃ" تو اس کا فیصلہ قاتلہ پر فرمایا، اس لیے فرمایا کہ پھر وہ عورت جس کے خلاف "غرۃ" کا فیصلہ فرمایا تھا وہ فوت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی میراث اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لیے کر دی اور اس کی دیت اس کے عصبات پر کر دی۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس عورت نے عمداً قتل نہیں کیا تھا اور پتھر سے غالباً قتل نہیں کیا جاتا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں دیت مقرر فرمائی اور قصاص کو مقرر نہیں فرمایا۔

پس اگر پیٹ کا بچہ مرجاتا اور اس کی ماں نہ مرتی تو اس میں صرف ایک ''غرۃ'' تھا اور اس کا بوجھ کون اٹھاتا؟ تو اس کا بوجھ قاعلہ اٹھاتی، اور اگر وہ عورت بچہ کے ساتھ مرجاتی تو اس میں دیت ہوتی جس کو اس عورت کے عصبات اٹھاتے۔

پیٹ کا بچہ اور اس کی ماں کے مارے جانے کی تین صورتیں

پس یہ مسئلہ تین حال سے خالی نہیں، یا تو فقط پیٹ کا بچہ مرتا، پس اس صورت میں اس ''غرۃ'' کا بوجھ قاعلہ اٹھاتی، یا فقط اس بچہ کی ماں مرتی تو اس کی دیت اس کے عصبات اٹھاتے۔ اور اگر پیٹ کا بچہ اور ماں دونوں مرجاتے تو پیٹ کے بچہ میں ''غرۃ عبد'' ہوتا جس کو قاعلہ اٹھاتی اور اس کی ماں کے لیے دیت ہوتی جس کا بوجھ قاعلہ کے عصبات اٹھاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ معروف تھا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے گواہ کیوں طلب کیا؟

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کے متعلق فیصلہ فرمایا تھا، یہ اہل علم کے درمیان معروف تھا اور ایک آدمی کی خبر بھی اس میں کافی تھی کیونکہ یہ دینی معاملہ کی خبر ہے تو حضرت امیر المومنین نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے اس پر گواہ کیوں طلب کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ کہا جائے گا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اس مسئلہ میں متردد تھے، یا اس لیے کہ وہ اس پر زیادہ یقین حاصل کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے ایک اور گواہ کو بطور احتیاط طلب کیا نہ بطور وجوب طلب کیا، ورنہ یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ایک شخص بھی بیان کرے تو وہ قبول کرلی جاتی ہے۔

اور اس حدیث کو تو پوری امت نے قبول کیا ہے اور کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ شک تھا تو اس وجہ سے انہوں نے اس کو مؤکد فرمایا۔

۲۶۔ بَابٌ: جَنِينِ الْمَرْأَةِ وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى الْوَالِدِ وَعَصَبَةِ الْوَالِدِ لَا عَلَى الْوَلَدِ

عورت کے پیٹ کے بچہ کا بیان، اور یہ کہ دیت والد پر اور والد کے عصبہ پر ہے نہ کہ اولاد پر

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں عورت کے پیٹ کے بچہ کے حکم کا بیان ہے اور یہ بیان ہے کہ جو عورت قتل کی گئی، اس کی دیت قاعلہ کے والد پر ہے اور قاعلہ کے عصبہ پر ہے اور وَلَد کے لفظ میں امام بخاری نے اس طرف اشارہ کیا ہے جو اس قصہ کی بعض سندوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ عورت کا بیٹا جب کہ عورت کے عصبات میں سے نہ ہو تو وہ اس کی طرف سے دیت ادا نہیں کرے گا، کیونکہ دیت عصبات پر ہوتی ہے نہ کہ ذوی الارحام پر، اسی وجہ سے ماں شریک بھائی دیت ادا نہیں کرتے۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا: حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ جو اس عورت کا وارث ہوگا وہ اس کی طرف سے دیت نہیں ادا کرے گا

جب کہ وہ اس عورت کے عصبات میں سے نہ ہو، پھر علامہ ابن بطال نے کہا: علامہ ابن المنذر نے بیان کیا ہے: یہ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور ابوثور کا قول ہے اور ہر اس شخص کا قول ہے جس نے ان سے مسئلہ کو یاد رکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۰۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَضَى فِي جَنِينِ امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي لَحْيَانَ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ ثُمَّ إِنَّ الْمَرْأَةَ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّيَتْ فَقَضَى رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّ مِيرَاثَهَا لِبَنِيهَا وَزَوْجِهَا وَأَنَّ الْعَقْلَ عَلَى عَصَبَتِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لحیان کی ایک عورت کے پیٹ کے بچہ کے متعلق نفسِ غلام یا نفسِ باندی (کو آزاد کرنے) کا فیصلہ فرمایا، پھر وہ عورت فوت ہو گئی جس کے خلاف نفسِ غلام کا فیصلہ فرمایا تھا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور اس کے شوہر کے لیے ہے اور دیت اس عورت کے عصبات پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۸، ۵۷۵۹، ۵۷۶۰، ۶۷۴۰، ۶۹۰۴، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن نسائی: ۴۸۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۶، مسند احمد: ۷۶۴۶، موطا امام مالک: ۱۶۰۸، سنن دارمی: ۲۳۸۲)

صحیح البخاری: ۶۹۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس جگہ یہ اعتراض ہے کہ عنوان میں اور حدیثِ مذکور میں مطابقت نہیں ہے، کیونکہ عنوان میں ذکر ہے کہ دیت والد پر ہے اور اس حدیث میں والد پر دیت کا ذکر نہیں ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں میں یہ لفظ ہے کہ والد پر دیت ہے اور امام بخاری کی عادت ہے کہ اس کی مثل کے اعتبار سے عنوان قائم کر دیتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں لیث کا ذکر ہے، یہ لیث بن سعد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں از ابن شہاب ذکر ہے اور یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الفرائض میں از قتیبہ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں بنولحیان کا ذکر ہے، یہ قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے، اس لیے اب یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اس سے پہلے حدیث میں گزرا ہے کہ ہذیل کی دو عورتیں جو آپس میں سوکنیں تھیں وہ لڑیں۔ اور یہاں پر بنولحیان کا ذکر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بغرۃ عبد او امۃ" اس میں اختلاف ہے کہ یہ غلام یا باندی کس کو ملے گی؟ پس علامہ ابن حبیب مالکی نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ یہ اس کی ماں کو ملے گا اور یہ الیث کا قول ہے اور دوسری مرتبہ انہوں نے کہا: یہ ماں باپ دونوں کو ملے گا، باپ کو دو تہائی ملیں گے اور ماں کو ایک تہائی ملے گا اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وان العقل" یعنی دیت، آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ جو عورت طبعی موت سے فوت ہوگئی ہے، یہ وہ عورت ہے جس کے خلاف نفسِ غلام یا باندی کا فیصلہ فرمایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اقْتَتَلَتْ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا فَاخْتَصَمُوا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَضَى أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ وَقَضَى أَنَّ دِيَةَ الْمَرْأَةِ عَلَى عَاقِلَتِهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن صالح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از ابن المسیب و ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑیں، پس ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر مارا اور اس عورت کو اس کے پیٹ کے بچہ کو قتل کر دیا، پس انہوں نے نبی ﷺ کے پاس مقدمہ پیش کیا، پس آپ نے فیصلہ فرمایا کہ پیٹ کے بچہ کی دیت نفسِ غلام کو یا نفسِ باندی کو آزاد کرنا ہے اور آپ نے فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۵۸، ۵۷۵۹، ۵۷۶۰، ۶۷۴۰، ۶۹۰۴، ۶۹۰۹، ۶۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۶۸۱، سنن نسائی: ۴۸۱۸، سنن ابوداؤد: ۴۵۷۶، مسند احمد: ۷۶۴۶، موطا امام مالک: ۱۶۰۸، سنن دارمی: ۲۳۸۲)

صحیح البخاری: ۶۹۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو احمد بن صالح سے روایت کیا ہے جو ابوجعفر المصری ہیں عبد اللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کو انہوں نے محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے روایت کیا ہے از

سعید بن المسیب از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "وما فی بطنھا" یعنی عورت کے پیٹ میں جو تھا اس کو بھی قتل کر دیا اور وہ اس عورت کے پیٹ کا بچہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "علی عاقلتھا" یعنی اس قاتلہ کے عصبات پر دیت لازم ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۷۔ بَابُ: مَنِ اسْتَعَانَ عَبْدًا أَوْ صَبِيًّا

اس کا بیان کہ جس نے کسی غلام سے یا بچہ سے کسی کام میں مدد طلب کی

وَيُذْكَرُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ بَعَثَتْ إِلَى مُعَلِّمِ الْكُتَّابِ: ابْعَثْ إِلَيَّ غِلْمَانًا يَنْفُشُونَ صُوفًا وَلَا تَبْعَثْ إِلَيَّ حُرًّا

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مکتب کے معلم کی طرف مکتوب لکھا کہ میرے پاس چند لڑکوں کو اون دھنکنے کے لیے بھیج دو اور میرے پاس تم آزاد کو نہ بھیجنا۔ (یعنی غلام لڑکوں کو بھیجنا)۔

تنبیہ: عمدۃ القاری اور فتح الباری اور التوضیح لابن ملقن اور شرح ابن بطال میں اس باب کی تعلیق میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے اور اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں بھی مذکور ہے اور یہ ابوذر الہروی کی روایت ہے۔ اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں اس تعلیق میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں "استعان" کا لفظ ہے، یہ "استعانۃ" سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے: مدد طلب کرنا۔ اور نسفی اور اسماعیلی کی روایت میں ہے "استعار" یعنی جس نے غلام یا بچہ کو عاریۃً طلب کیا۔

اور اس باب کو کتاب الدیات میں ذکر کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ جب غلام ہلاک ہو جائے خواہ وہ تبرعاً کام کر رہا ہو یا اجرت پر کام کر رہا ہو اور اسے کوئی چیز آ کر لگی ہو تو اس کی تمام فقہاء کے نزدیک کوئی ضمانت نہیں ہے بشرطیکہ اس عمل میں یا اس کام میں کوئی دھوکا نہ ہو۔ اور اگر اس نے جنایت کی یا حد سے تجاوز کیا تو پھر وہ ضامن ہوگا۔

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی بالغ غلام سے کام کرایا، پس وہ ہلاک ہو گیا تو علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اگر اس نے غلام سے کسی کنویں میں عمل کرایا کہ وہ کنویں کو کھودے اور اس غلام کے مالک سے اس کی اجازت نہیں لی، پھر وہ غلام ہلاک ہو گیا تو جس نے اسے کام پر لگایا ہے وہ ضامن ہوگا۔

اور ابن وہب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ کام پر لگانے والے پر کوئی ضمان نہیں ہے خواہ اس کے مالک نے کام کرانے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، سوا اس کے کہ اس نے کسی ایسے کام میں لگایا جس میں بہت بڑا دھوکا تھا تو اس میں وہ ضامن

ہوگا کیونکہ اس میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، یہ تعلیق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی طرف منسوب ہے، ان کا نام ہند ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "معلم الکُتّاب" کاف پر پیش ہے اور تاء مشدد ہے، الجوہری نے کہا ہے کہ الکُتّاب اور الکتبۃ اور الکتاب اور المکتب سب کا معنی ایک ہے اور اس کی جمع الکتاتیب اور المکاتب آتی ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "ینفشون" "نفشت القطن او الصوف" اس کا معنی ہے: روئی یا اون کو دھنکنا، یعنی اس کو صاف کرنا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ شرط لگائی کہ ان کے پاس آزاد کو نہ بھیجا جائے، کیونکہ جمہور اس کے قائل ہیں کہ جس نے آزاد بچہ سے کام میں مدد طلب کی جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا، یا کسی غلام سے اس کی مالک کی اجازت کے بغیر مدد طلب کی، پس وہ اس کام میں ہلاک ہو گئے تو وہ اس غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اس آزاد بچہ کی دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

شارح بخاری علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس فعل میں یہ احتمال ہے کہ آپ مسلمانوں کی ماں ہیں۔

اور علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جو آزاد لڑکے کو بھیجنے سے منع فرمایا اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ آزاد لڑکے کی تکریم کی جائے اور اس کو معاوضہ پہنچایا جائے، کیونکہ اگر وہ اس عمل میں ہلاک ہو گیا تو کام لینے والا اس کا ضامن ہوگا، اس کے برخلاف جب غلام کو کام پر لگایا تو اگر وہ غلام اس کام کے کرتے ہوئے ہلاک ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

اس تعلیق کی وکیع بن الجراح نے از معمر از سفیان از ابن المنکدر از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے اور اس کی سند منقطع ہے کیونکہ محمد بن المنکدر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں کیا، اسی لیے امام بخاری نے اس کو مجہول کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۱- حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ أَخَذَ أَبُو طَلْحَةَ بِيَدِي فَانْطَلَقَ بِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَنَسًا غُلَامٌ كَيِّسٌ فَلْيَخْدُمْكَ قَالَ فَخَدَمْتُهُ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَوَاللهِ مَا قَالَ لِي لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ لِمَ صَنَعْتَ هَذَا هَكَذَا وَلَا لِشَيْءٍ لَمْ أَصْنَعْهُ لِمَ لَمْ تَصْنَعْ هَذَا هَكَذَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے خبر دی از عبد العزیز از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے، پس عرض کیا: یا رسول اللہ! بے شک انس سمجھ دار لڑکا ہے، پس چاہیے کہ یہ آپ کی خدمت میں رہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے آپ کی سفر اور حضر میں خدمت کی، پس اللہ کی

قسم! میں نے جو کام بھی کبھی کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام اس طرح کیوں کیا اور میں نے جو کام بھی نہیں کیا تو اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟

(صحیح البخاری: ۲۷۶۸، ۶۰۳۸، ۶۹۱۱، صحیح مسلم: ۲۳۰۹، سنن ترمذی: ۲۰۱۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۷۳، مسند احمد: ۱۱۵۷۷)

صحیح البخاری: ۶۹۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں غلام یا بچہ سے مدد طلب کرنے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خدمت لینے کا ذکر ہے اور خدمت لینا مدد لینے کو مستلزم ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن زُرَارۃ (زاء پر پیش ہے اور پہلی راء پر زبر ہے) یہ نیشاپوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ ابن علیہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبدالعزیز کا ذکر ہے وہ ابن صہیب ہیں۔

یہ حدیث کتاب الوصایا میں از یعقوب بن ابراہیم گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اخذ ابو طلحۃ" حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید بن سہل الانصاری ہے اور یہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کَیِّس" (کاف پر زبر اور یاء مشدد ہے) اس کا معنی ہے: عاقل اور "کَیِّس" احمق کے خلاف ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کو اکابر کی خدمت کرنے کے لیے بھیجنا چاہیے، نیز اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کا پتا چلا کہ آپ نے کبھی حضرت انس رضی اللہ عنہ پر نہ ان کے کسی کام کے کرنے پر اعتراض کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر اعتراض کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۴۔ ۱۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۱۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بابِ مذکور کا خلاصہ

اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی غلام سے کام میں مدد لی جائے، یا کسی بچہ کے سرپرست کی اجازت کے بغیر اس سے کام میں مدد لی جائے۔ اور جب کسی نے ایسا کیا اور وہ غلام یا بچہ ہلاک ہو گیا تو کیا کام لینے والا ضامن ہوگا یا نہیں؟

غلام اور بچہ سے اس کے مالک اور سرپرست کی اجازت کے بغیر خدمت لینے کا عدم جواز

ہم کہتے ہیں کہ کسی غلام سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ غلام مملوک ہے اور مال ہے، پس جس طرح تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم کسی مرد کے برتن سے اس کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کرو، اسی طرح تمہارے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ تم کسی شخص کے مملوک اور غلام سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی نفع حاصل کرو۔ اسی طرح بچہ سے بھی اس کے سرپرست کی اجازت کے بغیر نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں اس سے اس کا استثنیٰ کیا جائے گا جو مسلمانوں میں عادت جاری ہے کہ وہ بچوں سے خدمت لیتے ہیں کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ عرفاً اجازت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی: اے اللہ! اس کے مال کو زیادہ کر، ان کی اولاد کو زیادہ کر، اس کی عمر طویل فرما اور ان کو جنت میں داخل کر دے۔ (صحیح البخاری: ۶۳۴۴، صحیح مسلم: ۲۴۸۰)

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مال بھی زیادہ ہوا اور ان کی اولاد بھی زیادہ ہوئی اور ان کی عمر بھی زیادہ ہوئی، اور ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تاحیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور سفر اور حضر میں تیرہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۱۸۔۳۱۹، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۲۸۔ بَابٌ: اَلْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ

معدن میں دب کر مرنے والے کا کوئی تاوان نہیں ہے اور کنویں میں گر کر مرنے والے کا کوئی تاوان نہیں ہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ معدن یعنی کان میں دب کر مرنے والے کا کوئی تاوان نہیں ہے یعنی اس کا خون ہدر ہے، اس پر کچھ نہیں ملے گا اور معدن کے جبار ہونے کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی معدن کو یا کان کو کسی غیر آباد زمین میں کھودے یا کسی شخص کی ملک میں کھودے، پس کھودتے ہوئے وہ مزدور ہلاک ہو جائے یا کوئی اور شخص جو وہاں سے گزرے وہ اس معدن میں گر کر ہلاک ہو جائے تو زمین والے کے اوپر اس کا کوئی تاوان نہیں ہے۔

اور امام ترمذی نے کہا: ''المعدن جبار'' کا معنی ہے کہ جب کوئی مرد کان کھودے اور اس میں انسان گر جائے تو اس کا کوئی

تاوان نہیں ہے۔ اور اس باب کی تفسیر میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ "البئر جبار" کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی ملک میں پانی کے حصول کے لیے کنواں کھودے یا کسی غیر آباد زمین میں کنواں کھودے اور اس کنویں میں کوئی انسان گر جائے تو اس کنویں کے مالک کے اوپر کوئی تاوان نہیں ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ کنویں سے مراد یہاں پر قدیم کنویں ہیں جن کے مالک کا پتا نہیں ہوتا، وہ جنگل اور دیہات میں ہوتے ہیں، پس کوئی انسان اس میں گر جائے یا چوپایہ گر جائے تو اس کی وجہ سے کسی شخص پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی از سعید بن المسیب وابوسلمہ بن عبد الرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے میں کوئی تاوان نہیں ہے اور کنویں میں تاوان نہیں ہے اور معدن میں کوئی تاوان نہیں ہے اور دفینہ میں سے پانچواں حصہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۹، ۲۳۵۵، ۶۹۱۲، ۶۹۱۳، صحیح مسلم: ۱۷۱۰، سنن نسائی: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۷۸۴۸، موطا امام مالک: ۱۶۲۲، سنن داری: ۱۶۶۸)

صحیح البخاری: ۶۹۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث کا عنوان بعینہٖ حدیث میں مذکور ہے۔

اس حدیث کی بقیہ ائمہ صحاح ستہ نے بھی روایت کی ہے، امام مسلم نے از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے از مسدد روایت کی ہے اور امام ترمذی از احمد بن منیع روایت کی ہے، اور امام نسائی نے از اسحاق بن ابراہیم روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے۔

اور تمام ائمہ نے کہا ہے از سعید بن المسیب وابی سلمہ، اسی طرح امام مالک بن انس نے کہا ہے اور یونس بن یزید نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس حدیث کی روایت از الزہری از سعید بن المسیّب اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی ہے اور وہ دونوں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اسی طرح امام مسلم اور امام نسائی نے روایت کی ہے۔ اور اللیث اور امام مالک کا قول زیادہ صحیح ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ابن شہاب زہری نے اس حدیث کو ان تینوں سے سنا ہو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''العجماء جرحها جبار'' یعنی چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے کا کوئی تاوان نہیں ہے۔
قاضی نے کہا: اس حدیث میں زخم سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اغلب یہی ہے کہ چوپائے ایک دوسرے کو زخمی کر دیتے ہیں، یا یہ اس کے لیے مثال ہے۔ اور رہی وہ روایت جس میں لفظ جرح مذکور نہیں ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ مویشی ایک دوسرے کو جس طرح بھی ضائع کر دیں خواہ زخم سے یا کسی اور طریقہ سے، تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے، وہ ہدر ہے اور اس پر کوئی چیز نہیں دی جائے گی۔
اور عجماء کا لفظ ''اعجم'' کی تانیث ہے اور اس سے مراد جانور ہیں چوپائے اور مویشی۔

سواریوں کے کیے ہوئے نقصان میں تاوان کے لازم ہونے کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام ترمذی نے کہا ہے: بعض اہل علم نے اس کی تفسیر کی ہے، انہوں نے کہا کہ ''العجماء'' سے مراد وہ سواری ہے جو اپنے سوار سے چھوٹ کر بھاگی ہو تو اس کے بھاگنے میں جو چیز روندی جائے تو اس کے مالک سے اس کا کوئی تاوان نہیں لیا جائے گا۔
اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ سواریاں مطلقاً جس چیز کو تلف کر دیں اور ضائع کر دیں خواہ زخمی کر کے یا کسی اور طریقہ سے تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہے خواہ یہ نقصان رات کو پہنچائیں یا دن کو پہنچائیں، عام ازیں کہ ان سواریوں کے ساتھ کوئی ہو یا نہ ہو۔ سوا اس صورت کے کہ اس سواری کے ساتھ جو مرد ہو وہ اس سواری کو کسی جانور کے تلف کرنے پر اکسائے یا قصداً کوئی چیز تلف کرائے، پس اس وقت وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تعدی پائی گئی یعنی اس نے حد سے تجاوز کیا اور یہی داؤد ظاہری اور اہل الظاہر کا قول ہے۔

اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد نے کہا: اگر سواری کے ساتھ اس کے مالک میں سے کوئی ایک ہو یا سواری کو کرایہ پر لینے والا ہو یا سواری کو عاریۃً لینے والا ہو یا اس کو بطور امانت لینے والا ہو یا وکیل ہو یا غاصب ہو یا کوئی اور ہو تو پھر سواری جو نقصان کر دے وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ سواری جو نقصان کر دے اس میں تاوان نہیں ہے اس کو انہوں نے اس صورت پر محمول کیا ہے کہ جب سواری کے ساتھ کوئی ایک نہ ہو اور پھر وہ کسی چیز کو دن میں تلف کر دے یا رات کے وقت وہ سواری اپنے مالک سے چھوٹ کر بغیر مالک کی تقصیر کے بھاگی ہو اور پھر اس نے کسی چیز کو تلف کر دیا اور اس کے ساتھ کوئی بھی نہ ہو تب کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث مطلق اور عام ہے، لہٰذا اس کے عموم کے اوپر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر کسی شخص نے سواری کو نقصان کرنے پر اکسایا ہو تو یہ اس کا حد سے تجاوز کرنا ہے اور ظلم ہے جو اس حدیث کے حکم سے خارج ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''والبئر جبار'' اس کی تفسیر ابھی گزر چکی ہے اور صحیح مسلم میں مذکور ہے: کنویں کے زخم میں کوئی تاوان نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کنویں میں گرنے کی وجہ سے جو زخم آ گیا اس میں کوئی تاوان نہیں ہے۔
علامہ ابن العربی نے کہا ہے: تمام روایات مشہورہ اس پر متفق ہیں کہ یہ لفظ ''البئر'' ہے اور ایک شاذ روایت میں ہے ''النار جبار'' اور اس کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص نے وہاں آگ جلائی جہاں آگ جلانا جائز تھا، پس وہ آگ آگے بڑھ گئی حتیٰ کہ اس نے کسی چیز کو جلا دیا تو اس پر بھی کوئی تاوان نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والمعدن جُبار" اس کی تفسیر بھی گزر چکی ہے۔

رکاز کی تفسیر میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا اختلاف

اس حدیث میں مذکور ہے "وفی الرِکاز الخمس" رِکاز میں راء کے نیچے زیر ہے، زمانہ جاہلیت کے وہ دفینے جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یعنی جن میں سونا یا چاندی مدفون ہوں یعنی اتنی مقدار میں وہ سونا یا چاندی ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس دفینہ میں سے پانچواں حصہ دینا لازم ہے، اسی طرح ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں کہا ہے، پھر انہوں نے کہا: یہ جمہور علماء یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے۔ اور اس میں امام ابوحنیفہ اور دیگر عراق کے فقہاء کے خلاف حجت ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ رکاز معدن ہے اور انہوں نے رکاز اور معدن دونوں کو مترادف لفظ قرار دیا، لیکن شارع علیہ السلام نے ان میں سے ایک کا دوسرے پر عطف کیا ہے اور عطف تغایر کو چاہتا ہے اور معدن کا حکم الگ ذکر کیا اور رکاز کا حکم اس کے علاوہ ذکر کیا۔ (شرح الترمذی کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ معدن رکاز ہی ہے، پس جب شارع علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ رکاز کا دوسرا حکم بیان کریں تو اس کو دوسرے نام کے ساتھ ذکر کیا اور وہ رکاز ہے اور اگر بغیر رکاز کے فرماتے کہ اس میں خمس ہے تو اس میں التباس ہوتا کہ یہ ضمیر کنویں کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لیے رکاز کو علیحدہ ذکر کیا۔

اور ابوعمر بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے التمہید میں یہ روایت بیان کی ہے از عمرو بن شعیب از والد خود از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خزانہ کے متعلق فرمایا جس کو کسی مرد نے پایا ہو: اگر تم نے اس خزانہ کو کسی آباد بستی میں پایا ہے یا راستہ کے بغیر کسی جگہ پایا یا کسی غیر آباد راستہ میں پایا تو تم اس کا اعلان کرو اور اگر تم نے اس کو زمانہ جاہلیت کے ویرانہ میں پایا یا کسی غیر آباد بستی میں پایا یا کسی غیر آباد راستہ میں پایا تو اس میں اور رکاز میں خمس ہے یعنی پانچواں حصہ ہے۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ رکاز کا خزانہ پر عطف اس بات کی دلیل ہے کہ رکاز خزانہ کا غیر ہے اور رکاز معدن ہے جیسا کہ اہل عراق کہتے ہیں، پس یہ حجت ہے جو امام شافعی کے مخالف ہے۔

اور علامہ خطابی نے کہا ہے: رکاز کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ مال جو کسی دفینہ میں پایا جائے اور اس دفینہ کا مالک نہ ہو تو وہ رکاز ہے اور سونے اور چاندی کا سامان بھی رکاز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: صاحب ہدایہ نے یہیں سے کہا ہے کہ رکاز کا اطلاق معدن پر بھی ہوتا ہے اور مال مدفون پر بھی ہوتا ہے اور ابوعبید الہروی نے کہا: رکاز کی تفسیر میں اہل عراق اور اہل حجاز کا اختلاف ہے، پس اہل عراق نے کہا کہ رکاز معدن ہیں اور اہل حجاز نے کہا: یہ وہ خزانے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں دفن کیے گئے، اور لغت کے اعتبار سے دونوں کی گنجائش ہے۔ اور ان کے قول کی اصل یہ ہے کہ جب کسی چیز کی اصل ثابت ہو تو کہتے ہیں "رکزنا فی الارض"۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۶۔۱۰۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۹۔ بَابٌ: اَلْعَجْمَاءُ جُبَارٌ

اس کا بیان کہ چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے میں کوئی تاوان نہیں ہے

وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: كَانُوا لَا يُضَمِّنُونَ مِنَ النَّفْحَةِ، وَيُضَمِّنُونَ مِنْ رَدِّ الْعِنَانِ

ابن سیرین نے کہا کہ وہ لوگ جانور کے لات مارنے سے تاوان نہیں دلاتے تھے اور لگام موڑنے سے تاوان دلاتے تھے

وَقَالَ حَمَّادٌ: لَا تُضْمَنُ النَّفْحَةُ إِلَّا أَنْ يَنْخُسَ إِنْسَانٌ الدَّابَّةَ

اور حماد نے کہا: لات مارنے پر تاوان نہیں ہوتا سوا اس کے کہ کوئی شخص جانور کو لات مارنے پر اکسائے۔

وَقَالَ شُرَيْحٌ: لَا تُضْمَنُ مَا عَاقَبَتْ أَنْ يَضْرِبَهَا فَتَضْرِبَ بِرِجْلِهَا

شریح نے کہا: بدلہ لینے کی صورت میں تاوان نہیں ہوگا کہ سوار نے جانور کو مارا تو جانور نے اپنی لات سے مارا۔

وَقَالَ الْحَكَمُ وَحَمَّادٌ: إِذَا سَاقَ الْمُكَارِي حِمَارًا عَلَيْهِ امْرَأَةٌ فَتَخِرُّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ

حکم اور حماد نے کہا: جب کسی سواری کو کرایہ پر لینے والے نے اس گدھے کو ہنکایا جس پر عورت تھی، سو وہ عورت گر گئی تو اس ہنکانے والے پر کوئی تاوان نہیں ہے۔

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: إِذَا سَاقَ دَابَّةً فَأَتْعَبَهَا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا أَصَابَتْ، وَإِنْ كَانَ خَلْفَهَا مُتَرَسِّلًا لَمْ يَضْمَنْ۔

اور الشعبی نے کہا: جب کسی شخص نے کسی سواری کو زور سے ہنکایا، پس اس کو تھکا دیا تو اس وجہ سے اگر جانور کو کوئی نقصان پہنچا ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اور اگر اس نے اس کو آہستگی سے چلایا ہو تو پھر ضامن نہیں ہوگا۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ چوپائے یا جانور جو ایک دوسرے کو زخمی کر دیں تو اس کا کسی سے تاوان نہیں لیا جائے گا۔ امام بخاری نے اس سے پہلے عنوان میں یہ ذکر کیا تھا کہ کنویں اور معدن میں کوئی تاوان نہیں ہے اور یہاں پر دوبارہ یہ عنوان ذکر کیا ہے کہ چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے میں کوئی تاوان نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ تفریعات ہیں جو کنویں اور معدن پر زائد ہیں۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

امام محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ علماء یعنی صحابہ اور تابعین جانور کے لات مارنے سے کسی کو ضامن نہیں بناتے تھے، اس تعلیق میں ''نفحۃ'' کا ذکر ہے اور نفحۃ کا معنی ہے: ٹانگ سے مارنا، جب کوئی سواری ٹانگ سے لات مارے تو کہا جاتا ہے ''نفحت الدابۃ''۔ اور اس تعلیق میں ''العنان'' کا ذکر ہے اور عنان اس لگام کو کہتے ہیں جو جانور کے منہ میں ڈالی جاتی ہے تاکہ سوار اس جانور کو حسب منشاء پھیر سکے۔ پہلی صورت میں تاوان نہیں ہے کیونکہ جانور کو لات مارنے سے روکنے میں کسی کا اختیار نہیں ہے، اور دوسری صورت یعنی جانور کی لگام موڑی اور اس کی وجہ سے اس نے کسی کو لات ماردی تو اس سے احتراز ممکن ہے، اس لیے اس

صورت کے اندر تاوان ہوگا۔
اس تعلیق کی امام سعید بن منصور نے از ہشیم اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی حماد بن ابی سلیمان الاشعری نے کہا: اور ابو سلیمان کا نام مسلم ہے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے''الا ان ینخس انسان''، ''نخس'' کا معنی ہے لکڑی چبھونا، یعنی اگر سوار، سواری کے پہلو میں لکڑی چبھوکر اس کو لات مارنے پر اکسائے تو اس پر تاوان ہوگا۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یعنی شریح بن الحارث الکندی القاضی نے کہا: جب سوار، سواری کو مارے اور وہ بدلہ لینے کے لیے کسی کو لات مار دے تو اس وجہ سے تاوان نہیں ہوگا۔

باب مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں حکم کا ذکر ہے، حکم میں حاء اور کاف پر زبر ہے اور یہ ابن عتیبہ ہیں جو عتبہ کی تصغیر ہے۔ اور اس تعلیق میں حماد کا ذکر ہے، یہ ابن ابی سلیمان ہیں۔
اس تعلیق میں مذکور ہے''فتنخس''یعنی سواری گر جائے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، یعنی جو کرایہ پر سواری کو چلا رہا ہے۔

باب مذکور کی پانچویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں الشعبی کا ذکر ہے یہ عامر بن شراحیل الکوفی ہیں اور ان کی نسبت ہمدان کے شعب کی طرف ہے، انہوں نے ایک سے زیادہ صحابہ کو پایا اور ایک سو چھ (۱۰۶) ھ میں ان کی وفات ہوگئی، اس وقت ان کی عمر ستتر (۷۷) سال تھی۔
اس تعلیق میں مذکور ہے''فاتعبہا''یعنی اس نے اتنے زور سے سواری کو چلایا کہ وہ تھک گئی۔ تو اس وجہ سے اگر سواری کو کوئی تکلیف پہنچی تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔
نیز اس تعلیق میں''مترسلا''کا ذکر ہے، اس پر زبر اس لیے ہے کہ یہ کانَ کی خبر ہے، یعنی وہ سوار، سواری کو ٹھہر ٹھہر کر چلا رہا تھا اور اس کو تیز چلنے پر ابھار نہیں رہا تھا، تو اب اگر سواری کو کوئی چوٹ لگ گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام ابن ابی شیبہ نے اس تعلیق کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے از اسماعیل بن سالم از عامر شعبی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۷۔۱۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۳۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ الْعَجْمَاءُ عَقْلُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از محمد بن زیاد از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے

جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

فرمایا: چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے میں تاوان نہیں ہے اور کنویں میں گرنے کا تاوان نہیں ہے اور معدن یا کان میں دبنے کا تاوان نہیں ہے اور دفینہ میں پانچواں حصہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۹، ۲۳۵۵، ۶۹۱۲، ۶۹۱۳، صحیح مسلم: ۱۷۱۰، سنن نسائی: ۲۴۹۸، مسند احمد: ۷۸۴۸، موطا امام مالک: ۱۶۲۲، سنن دارمی: ۱۶۶۸)

صحیح البخاری: ۶۹۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں چوپایوں کے ایک دوسرے کو زخمی کرنے میں تاوان نہ ہونے کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مسلم، یہ ابن ابراہیم الازدی القصار البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن زیاد کا ذکر ہے، یہ الجمحی البصری ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الحدود میں از عبید اللہ بن معاذ از والد خود روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عقلھا" اس کا معنی ہے: چوپایہ کے زخمی کرنے سے پہلے اس کی دیت ضائع ہے، یعنی اس کی دیت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۰۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ قَتَلَ ذِمِّيًّا بِغَيْرِ جُرْمٍ

اس شخص کے گناہ کا بیان جس نے کسی ذمی کو بغیر جرم کے قتل کیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کا بیان کیا گیا ہے جس نے کسی ذمی کو بغیر کسی موجب شرعی کے قتل کیا، یعنی جس کو قتل کرنے کی شرعاً کوئی وجہ نہیں تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۴۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الحسن نے حدیث بیان کی،

مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا.

انہوں نے کہا: ہمیں مجاہد نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن عمرو از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے کسی ایسے نفس کو قتل کیا جس کا کوئی عہد تھا تو وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا اور جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۶۶، ۶۹۱۴، سنن نسائی: ۴۷۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۸۶، مسند احمد: ۶۷۰۶)

صحیح البخاری: ۶۹۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر نہیں ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں ذمی کا ذکر ہے اور ذمی اس کتابی شخص کو کہتے ہیں جس نے جزیہ ادا کرنے کا عقد کیا ہو اور حدیث میں معاہد کا ذکر ہے، جس نے مسلمانوں سے عہد لیا ہو۔

اور علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس نے مسلمانوں سے عہد لیا ہو وہ بھی اس اعتبار سے ذمی ہے کہ اس کا مسلمانوں کے لیے ذمہ ہے اور مسلمانوں کے لیے عہد ہے اور ذمی اس سے عام ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قیس بن حفص، یہ ابو محمد الدارمی البصری ہیں اور یہ امام بخاری کے منفرد راویوں میں سے ہیں، ۲۲۹ھ میں ان کی وفات ہوگئی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الواحد، اور یہ ابن زیاد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن، یہ ابن عمرو الفقیمی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجزیہ میں از قیس گزر چکی ہے۔ اور ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب الدیات میں از ابو کریب روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "معاهدا" اور ایک روایت میں ہے "معاهدة" اور یہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں تانیث اس اعتبار سے ہے کہ یہ نفس کی صفت ہے کیونکہ عبارت میں ہے "من قتل نفسا معاهدة"۔ اور جس روایت میں "معاهدا" ہے تو وہ اس اعتبار سے ہے کہ نفس بمعنی شخص ہے اور "معاهد" میں ہاء پر زبر پڑھنا اور زیر پڑھنا دونوں جائز ہیں اور اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے لیے مسلمانوں سے کوئی عہد ہو خواہ وہ عہد عقدِ جزیہ کا ہو یا حاکم سے صلح کا ہو یا مسلمان سے امان کا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لم يرح" یعنی وہ شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو کو نہیں سونگھے گا۔

ایک سوال کا جواب

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ جنت کی خوشبو تو بہت دور سے آئے گی اور ہر شخص کو آئے گی تو جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا ہوا س کو جنت کی خوشبو نہ آنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اور اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ جنت میں پہلی مرتبہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا جب کہ باقی وہ مسلمان جنہوں نے گناہ کبیرہ نہیں کیے وہ پہلی بار ہی جنت کی خوشبو سونگھیں گے اور یہ تغلیظاً وعید ہے اور حتمی اور لازمی طور پر نہیں فرمایا کہ وہ کبھی بھی جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ اور یہ وعید اس کے لیے ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعید کو نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔

جتنی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی اس مسافت کی مقدار میں اختلاف اور ان روایات میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے ”بے شک جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی“۔ اکثر روایات میں اسی طرح ہے اور عمرو بن عبد الغفار نے از حسن بن عمرو روایت کی ہے کہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے آئے گی اور الاسماعیلی نے بھی اسی کی مثل روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے آئے گی۔ اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ جنت کی خوشبو سو سال کی مسافت سے آئے گی اور امام طبرانی نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آئے گی۔ اور صاحب الفردوس نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے آئے گی۔

یہ شدید اختلاف ہے اور شراح نے اس میں بہت زیادہ کلام کیا ہے جس کا اکثر حصہ کمزور ہے اور ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں لکھا ہے کہ مسافت کی مقدار کا یہ اختلاف اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے ہے یعنی جن اشخاص کا جنت میں جتنا بلند اور عظیم درجہ ہوگا ان کو جنت کی خوشبو اتنی زیادہ دور کی مسافت سے آئے گی۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عدد خصوصیت سے مراد نہ ہو بلکہ ان مختلف مقداروں سے مراد مبالغہ اور کثرت ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۰۹۔ ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۱۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنت کی خوشبو جتنی مسافت سے آئے گی اس کی مقدار کے متعلق روایات کا اختلاف اور ان میں تطبیق

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس میں کلام کیا ہے، انہوں نے کہا: چالیس کا عدد بہت شدید ہے تو جس کو چالیس سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آئے گی اس کا عمل بھی زیادہ ہوگا اور اس کا یقین بھی زیادہ ہوگا۔ اور گناہوں پر اس کی ندامت بھی زیادہ ہوگی، پس گویا کہ وہ جنت کی اس خوشبو کو پائے گا جو اس کو نیک کاموں پر ابھارتی تھی اور ستر کا عدد اس شخص کے لیے ہے جس کو اپنے گناہوں پر ندامت عارض ہوگی اور اس کو اچانک موت کے آ پڑنے کا خوف ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے زیادہ اطاعت اور عبادت کرے گا، پس وہ ستر سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو کو پائے گا اور پانچ سو سال کی مسافت کے متعلق جو انہوں نے

جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر دو نبیوں کے درمیان جو فترت کی مدت ہے وہ پانچ سو سال ہے، پس جو اس مدت کے آخر میں آیا اور نبیوں پر ایمان لایا تو وہ دوسروں سے افضل ہوگا، پس وہ پانچ سو سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو پائے گا۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مقداروں کے عدد کی خصوصیت مراد نہ ہو بلکہ اس سے مقصود کثرت میں مبالغہ ہو، اسی لیے چالیس اور ستر کے عدد کو خاص کر لیا گیا، کیونکہ چالیس کا عدد، عدد کی تمام اقسام پر مشتمل ہے، کیونکہ اس میں اکائیاں ہیں اور اکائیاں دس ہیں اور سو کے عدد میں دہائیاں ہیں اور ہزار کے عدد میں سینکڑے ہیں اور سات کا عدد، عددِ کامل سے فوق ہے اور عدد کامل چھ ہے، کیونکہ اس کے اجزاء میں نصف ہے اور تہائی ہے اور چھٹا ہے بغیر کسی کمی اور اضافہ کے (چھ کے عدد کا نصف بھی ہوتا ہے اور وہ تین ہے اور اس کا تہائی بھی ہوتا ہے اور وہ دو ہے اور اس کا چھٹا حصہ بھی ہوتا ہے اور وہ ایک ہے اور ان کا مجموعہ چھ ہے)۔

اور رہا پانچ سو کا عدد تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: جو نکتہ مجھے ان تمام مقداروں میں ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کہا جائے کہ چالیس کا عدد وہ کم سے کم زمانہ ہے جس میں محشر کے اندر جنت کی خوشبو پائی جائے گی اور ستر کا عدد اس پر فوق ہے یا اس کو مبالغہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے اور پانچ سو اور ہزار کا عدد اس میں سب سے زیادہ ہے اور اس کا اختلاف اشخاص اور اعمال کے اختلاف کی وجہ سے ہے، پس جس نے جنت کی خوشبو زیادہ دور سے پائی تو وہ اس سے افضل ہوگا جس نے جنت کی خوشبو اس کی بہ نسبت کم فاصلہ سے پائی اور اسی کی طرف ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں اشارہ کیا ہے، انہوں نے کہا: ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے اور ان کے منازل اور درجات کے اختلاف کی وجہ سے یہ مقادیر مختلف ہیں۔

پھر اسی کی مثل میں نے علامہ ابن العربی کے کلام میں دیکھی، انہوں نے کہا کہ جنت کا ادراک اس کی طبیعت کی وجہ سے نہیں ہوتا اور نہ عادت کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ جس بندہ میں چاہے وہ ادراک پیدا فرما دیتا ہے، پس اللہ تعالیٰ کسی کے لیے چاہے گا تو ستر سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو کا ادراک پیدا کر دے گا اور کبھی پانچ سو سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو کا ادراک پیدا کر دے گا۔

علامہ ابن بطال مالکی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمان جب ذمی یا معاہد کو قتل کر دے تو اس کے قصاص میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس حدیث میں اس کی صرف اخروی سزا بیان فرمائی ہے اور دنیاوی سزا نہیں بیان فرمائی۔ اور اس پر بحث اس کے بعد والے باب میں آ رہی ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۱۔ بَابٌ: لَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْكَافِرِ — اس کا بیان کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں نہیں قتل کیا جائے گا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ مسلمان کو کافر کے مقابلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۵۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَنَّ عَامِرًا حَدَّثَهُمْ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِيٍّ ح حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ يُحَدِّثُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا رضی الله عنه هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِمَّا لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَرَّةً مَا لَيْسَ عِنْدَ النَّاسِ فَقَالَ وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فَهْمًا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قُلْتُ وَمَا فِي الصَّحِيفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مطرِّف نے حدیث بیان کی کہ عامر نے ان کو حدیث بیان کی از ابی جحیفہ، وہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا ح اور ہمیں صدقہ بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مطرِّف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے شعبی کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا، انہوں نے کہا: میں نے ابو جحیفہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز (لکھی ہوئی) ہے جو قرآن میں نہیں ہے؟ اور ابن عیینہ نے ایک مرتبہ یوں کہا: جو لوگوں کے پاس (لکھی ہوئی) نہیں ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور روح کو پیدا کیا! ہمارے پاس صرف وہی لکھا ہوا ہے جو قرآن میں ہے سوا اس فہم کے جو ہر مرد کو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دی گئی ہے اور سوا اس کے جو اس صحیفہ میں ہے، میں نے پوچھا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: دیت اور غلاموں کو چھڑانے کے احکام، اور یہ حکم کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۱۱، ۱۸۷۰، ۳۰۴۷، ۳۱۷۲، ۳۱۷۹، ۶۷۵۵، ۶۹۰۳، ۶۹۱۵، ۷۳۰۰، صحیح مسلم: ۱۳۷۰، سنن ترمذی: ۱۴۱۲، سنن نسائی: ۴۷۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۵۳۰، سنن ابن ماجہ: ۲۶۵۸، مسند احمد: ۶۰۰، سنن دارمی: ۲۳۵۶)

صحیح البخاری: ۶۹۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا'' اور یہ جملہ بعینہٖ اس حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، اور یہ احمد بن عبداللہ بن یونس الکوفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زہیر، اور یہ ابن معاویہ الکوفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مُطرّف، یہ ابن طریف الکوفی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عامر، یہ ابن شراحیل الشعبی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو جحیفہ، یہ وہب بن عبداللہ السوائی ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب ''باب العاقلة'' میں گزر چکی ہے اور اس حدیث کی شرح کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۱۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء کے نظریات

جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کو ترک کر دیا جائے گا، لیکن امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ ڈاکو اور جو ڈاکو کے حکم میں ہو، جب وہ کسی شخص کو دھوکہ سے یا غفلت سے مار ڈالے تو اس کو قتل کیا جائے گا خواہ مقتول ذمی ہو، اور اس صورت کا کافر کے بدلہ مسلمان کو قتل کرنے کی ممانعت سے استثنیٰ ہے اور یہ حقیقت میں مستثنیٰ نہیں ہے، کیونکہ اس کا ایک اور سبب ہے اور وہ ہے زمین میں فساد کرنا۔

اور فقہاء احناف نے اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جب مسلمان کسی ذمی کو بغیر استحقاق کے قتل کر دے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور مسلمان کو مستامن (جو کافر امان لے کر مسلمانوں کے ملک میں آئے) کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اور الشعبی اور النخعی سے منقول ہے کہ مسلمان کو یہودی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور نصرانی کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا اور مجوسی کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

ان فقہاء کی دلیل حسب ذیل حدیث ہے:

امام ابوداؤد نے از حسن از قیس بن عباد از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ مومن کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ذو عہد کو اس کے عہد میں قتل کیا جائے گا۔ نیز اس حدیث کی روایت عمرو بن شعیب نے از والد خود از جد خود کی ہے۔

امام ابن ماجہ نے از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام بیہقی نے از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت کی ہے۔

ان تمام احادیث کی سندیں ضعیف ہیں سوائے پہلی اور دوسری حدیث کی سند کے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک سند حسن ہے۔

علامہ ابن العربی نے ذکر کیا ہے کہ بعض حنفیہ نے الشاشی سے سوال کیا کہ وہ کون سی دلیل ہے جس کی وجہ سے کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کرنے کو ترک کیا جائے گا؟ تو انہوں نے ارادہ کیا کہ عموم سے استدلال کریں، پس انہوں نے کہا کہ ہم اس حدیث کو

حربی کے ساتھ خاص کر دیں، یعنی مسلمان کو کافر حربی کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، پھر شاشی نے اس سے عدول کیا اور کہا کہ میری دلیل سنت اور تعلیل ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، اس کا معنی ہے کہ مسلمان کو اسلام کی وجہ سے ثقیلت ہے تو شاشی نے بعض حنفیہ کو ساقط کر دیا۔

فقہاء احناف نے جس سے استدلال کیا ہے وہ امام دارقطنی کی اپنی سند کے ساتھ روایت ہے از عمار بن مطر از ابراہیم بن ابی یحییٰ از ربیعہ از ابن البیلمانی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا: ''جو لوگ اپنے ذمہ کو پورا کرتے ہیں میں ان میں سب سے زیادہ مستحق ہوں''۔

دارقطنی نے کہا کہ اس حدیث کی سند میں ابراہیم ہے اور وہ ضعیف راوی ہے اور اس حدیث کے سوا اور کوئی موصول روایت نہیں ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ روایت ابن البیلمانی سے مرسل ہے۔ اور امام بیہقی نے کہا: اس کے راوی عمار بن مطر نے ابراہیم کے اوپر خطا کی ہے، وہ ابراہیم کی روایت کرتا ہے از محمد بن المنکدر از عبدالرحمٰن بن البیلمانی۔ اور یہی حدیث اس باب میں اصل ہے اور یہ منقطع ہے اور اس کے راوی غیر ثقہ ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء احناف نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ سب سند کے اعتبار سے ضعیف اور غیر معتبر ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی نے فقہاء احناف کی اس دلیل کا جواب نہیں دیا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ ''جان کا بدلہ جان ہے'' اور اللہ تعالیٰ نے جان کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا کہ کافر کی جان کا بدلہ جان ہے تا کہ یہ سمجھا جائے کہ کافر کی جان کا بدلہ مسلمان کی جان نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۲۔ بَابٌ: إِذَا لَطَمَ الْمُسْلِمُ يَهُودِيًّا عِنْدَ الْغَضَبِ

اس کا بیان جب کوئی مسلمان کسی یہودی کو غصہ سے تھپڑ مارے

رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی یہودی کو غضب میں آ کر تھپڑ مارے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے عنوان میں اس کا حکم ذکر نہیں کیا، لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے اوپر کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ اس باب کی حدیث میں قصاص کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، اگر اس صورت میں قصاص ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرما دیتے اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے، کیونکہ فقہاء کوفہ بھی تھپڑ میں اور تادیب

میں قصاص کو جائز نہیں قرار دیتے سوا اس کے کہ کوئی شخص تھپڑ مار کر دوسرے کو زخمی کر دے تو اس میں کچھ جرمانہ دینا ہوتا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس باب کی تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ ایک مسلمان نے یہودی کو تھپڑ مارا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تھپڑ مارنے پر کوئی قصاص لازم نہیں کیا اور اس سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مارا اور وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کسی قصاص کا ذکر نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۰-۱۱۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُخَيِّرُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن یحییٰ از والد خود از حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: انبیاء کے درمیان فضیلت مت دو۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۲، ۳۳۹۸، ۴۶۳۸، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۷۴۲۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۸، مسند احمد: ۱۰۹۷۲)

صحیح البخاری: ۶۹۱۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت پوری حدیث میں ہے، امام بخاری نے یہاں پر مختصر حدیث ذکر کی ہے، پوری حدیث اس طرح سے ہے کہ یہود کا ایک مرد آیا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اے ابوالقاسم! آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد نے میرے چہرہ پر ایک تھپڑ مارا ہے۔۔۔۔ الحدیث، تو آپ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو، اور اس کے بعد والی حدیث میں اس کا پورا ذکر آئے گا، تو اس طرح اس حدیث میں بھی وہی ذکر ہے جو باب کے عنوان میں ذکر ہے کہ مسلمان نے یہودی کو غصہ سے تھپڑ مارا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا تخیّروا" یعنی تم یہ نہ کہو کہ بعض انبیاء علیہم السلام دوسرے بعض سے افضل ہیں۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں، پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دی جائے؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں کیونکہ آپ نے فرمایا ہے: میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور یہ اس باب کے مخالف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تواضعاً فرمایا، یا اس کا یہ جواب ہے کہ یہ آپ نے پہلے فرمایا جب آپ کو یہ علم نہیں تھا

کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

اور اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ "انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو" اس کا معنی یہ ہے کہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر اس طرح فضیلت نہ دو جس سے اس نبی کا (بظاہر) نقص ظاہر ہو، یا اس طرح فضیلت نہ دو جو جھگڑے اور فساد کا موجب ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَدْ لُطِمَ وَجْهُهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِكَ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ لَطَمَ فِي وَجْهِي قَالَ ادْعُوهُ فَدَعَوْهُ قَالَ لِمَ لَطَمْتَ وَجْهَهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي مَرَرْتُ بِالْيَهُودِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ وَالَّذِي اصْطَفَى مُوسَى عَلَى الْبَشَرِ قَالَ قُلْتُ وَعَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ قَالَ فَأَخَذَتْنِي غَضْبَةٌ فَلَطَمْتُهُ قَالَ لَا تُخَيِّرُونِي مِنْ بَيْنِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى آخِذٌ بِقَائِمَةٍ مِنْ قَوَائِمِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي أَفَاقَ قَبْلِي أَمْ جُوزِيَ بِصَعْقَةِ الطُّورِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو بن یحییٰ المازنی از والد خود از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جس کے چہرہ پر تھپڑ مارا گیا تھا، پس اس نے کہا: اے محمد! آپ کے اصحاب میں سے ایک مرد جو انصار میں سے ہیں نے میرے چہرہ پر تھپڑ مارا ہے، آپ نے فرمایا: اس کو بلاؤ، پس اس کو بلایا، پس آپ نے فرمایا: تم نے اس کے چہرہ پر تھپڑ کیوں مارا؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہود کے پاس سے گزرا، پس میں نے اس آدمی کو سنا وہ یہ کہہ رہا تھا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بشر پر فضیلت دی ہے! اس نے بتایا، میں نے کہا: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر؟ اس نے کہا پھر مجھے غصہ آیا تو میں نے اس کو تھپڑ مارا، آپ نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو، کیونکہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے، پس میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا، پس اس وقت میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑ کے کھڑے ہوئے ہیں، پس میں نہیں جانتا آیا وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا انہیں طور پر بے ہوش ہونے کی جزاء دی گئی۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۲، ۳۳۹۸، ۴۶۳۸، ۶۹۱۶، ۶۹۱۷، ۷۴۲۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۳، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۸، مسند احمد: ۱۰۹۷۲)

صحیح البخاری: ۶۹۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جو حضرت ابو سعید سے مروی ہے اور یہ پہلی روایت کی بہ نسبت مکمل ہے اور امام بخاری نے

اس کو اختصار کے ساتھ کئی ابواب میں ذکر کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "یصعقون" یہ صعق سے ماخوذ ہے، جب کوئی شخص خوف اور دہشت سے بے ہوش ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بقائمۃ" اس کا معنی ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے کسی پائے کو اس طرح پکڑے ہوئے ہوں گے جس طرح ستون کو پکڑا جاتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرش جسم ہے جیسا کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ پایہ صرف جسم کا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلا ادری افاق قبلی" یعنی مجھے معلوم نہیں آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ (الزمر:٦٨)

اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمینوں والے سب ہلاک ہو جائیں گے، ماسوا ان کے جن کو اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے ○

یعنی میں یہ نہیں جانتا کہ آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رکھا، یا چونکہ پہاڑ طور پر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی ڈالی تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے تھے تو اس بے ہوشی کی جزاء میں ان کو بے ہوش نہیں کیا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۱۔ ۱۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور پر ایک اشکال کا جواب

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، کیونکہ مجھے سب سے پہلے قبر سے اٹھایا جائے گا اور میں قبر سے اٹھ کر دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پائے کو پکڑ کر کھڑے ہوئے ہیں"، پس یا تو وہ بے ہوش نہیں ہوئے یا سورۂ زمر کی اس آیت سے ان کا بے ہوش ہونا مستثنیٰ ہے اور یا پہاڑ طور کی بے ہوشی کی جزاء میں ان کو بے ہوش نہیں کیا گیا، اور ہر صورت میں یہ لازم آیا کہ جب صور میں پھونکا جائے گا تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمیت سب بے ہوش ہو جائیں گے لیکن حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش کا پایا پکڑے ہوئے کھڑے ہوں گے تو یا تو وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوش میں آ گئے یا بے ہوش ہی نہیں ہوئے اور ہر تقدیر پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا افضل ہونا لازم آتا ہے، سو تم مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔

اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں، حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً افضل الانبیاء والمرسلین ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں" اور آپ نے فرمایا: "میں تمام رسولوں کا قائد ہوں" اور آپ نے فرمایا: "میں تمام اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ تکریم والا ہوں اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی" اس طرح کی بہت احادیث ہیں، لہٰذا اس باب کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ جزوی فضیلت ہے اور جزوی فضیلت، فضیلتِ کلی کے منافی نہیں ہوتی، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام کے باپ ہیں اور باپ بیٹے سے افضل ہوتا ہے تو اس اعتبار سے حضرت آدم علیہ السلام

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت رکھتے ہیں، لیکن یہ فضیلت بھی جزوی فضیلت ہے، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ فضیلت ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا، حضرت حواء علیہا السلام کو بغیر عورت کے پیدا کیا، اور حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا، تو یہ ان کی فضیلت ہے اور ان کی خصوصیت ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طریقہ کے مطابق مرد اور عورت سے پیدا ہوئے، تو ان کی یہ فضیلت بھی جزوی فضیلت ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتِ کلی کے خلاف نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۹۱۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب ذمی پر کوئی ظلم اور زیادتی ہو تو وہ اس کی فریاد کر سکتا ہے۔

(۲) اور اپنی مظلومیت کا مقدمہ حاکم کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔

(۳) حاکم اس کے دعویٰ کو سنے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

(۴) اور جو شخص کسی مسئلہ کا حکم نہ جانتا ہو جو اس پر مخفی ہو تو اس کو وہ حکم بتا دیا جائے۔

(۵) جب ذمی اپنی لاعلمی کی وجہ سے کوئی ایسی بات کہے جو مسلمان کے علم کے خلاف ہو تو مسلمان کا اسے تعزیر دینا جائز ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور سے مستنبط مسائل

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان قصاص نہیں ہوتا اور یہ فقہاء کی ایک جماعت کا قول ہے اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کا قصاص نہیں لیا جب مسلمان نے اس کو تھپڑ مارا، اگر ان کے درمیان قصاص مشروع ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ضرور بیان فرماتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ پر تبلیغ کرنا فرض ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ فقہاء احناف کافر کے بدلہ میں مسلمان کے قتل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں تو ان کے اس قول کے تقاضا سے چاہیے تھا کہ مسلمان سے یہودی کو تھپڑ مارنے کا قصاص لیا جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک مسلمانوں کے درمیان بھی تھپڑ مارنے کا اور ڈنڈا یا کسی سزا دینے کا قصاص نہیں ہوتا سوا اس کے کہ تھپڑ مارنے سے کوئی زخم پڑ جائے، سو اس میں کچھ جرمانہ ہوتا ہے۔ اور کافر اور مسلمان کے درمیان جب قصاص نہیں ہوتا تو تھپڑ مارنے میں بھی ان کے نزدیک بطریق اولیٰ قصاص نہیں ہوگا، پس یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر کی شکایت پر مسلمان کو حاکم کی طرف لانا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلقِ عظیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو تواضع کی فطرت پر پیدا کیا ہے اس کا بیان ہے اور آپ کے حسنِ ادب کا ذکر ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو، پس یہ ایسا ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے تم پر حاکم بنا دیا گیا ہے اور میں تم سب سے افضل نہیں ہوں۔ پس اہلِ فضل کو چاہیے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس میں اقتداء کریں، کیونکہ تواضع کرنا انبیاء اور صالحین کے اخلاق میں سے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: جس کو یہ پسند ہو کہ وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی تواضع کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھے، اس حدیث کا امام ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۲۵۷)

اس حدیث کے فوائد میں سے یہ ہے کہ عرش جسم ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کو پکڑے ہوئے تھے اور پایا جسم کا ہوتا ہے، اور اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے:

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ اور اس دن آپ کے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے ○ (الحاقۃ: ۱۷)

اور یہ محال ہے کہ جس چیز کو اٹھایا گیا ہو وہ جسم نہ ہو، کیونکہ اگر عرش روحانی ہوتا تو آٹھ فرشتوں کے عرش کو اٹھانے میں کوئی تعجب نہ ہوتا اور نہ کسی ایک کے اٹھانے میں تعجب ہوتا، پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بطور تعجب کے بیان فرمایا کہ آٹھ فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوا کہ عرش جسم ہے، کیونکہ تعجب اس وجہ سے ہے کہ وہ عرش بہت عظیم ہے جس کو آٹھ فرشتوں نے اٹھا کر اس کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۶۰۔۴۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال نے صحیح البخاری: ۲۴۱۲، میں بھی اس حدیث کی شرح کی ہے وہاں پر لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل المرسلین ہونے پر ایک سوال کا جواب

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت فضائل عطا فرمائے ہیں، اس کے باوجود آپ نے فرمایا: ''مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو'' سو یہ آپ کی تواضع ہے۔

نیز آپ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں''، کیونکہ اس کے معارض یہ حدیث ہے ''میں وہ ہوں جس سے سب سے پہلے زمین شق ہوگی'' اور آپ نے فرمایا: ''میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کی اس میں دو تاویلیں ہیں جو ان حدیثوں سے تضاد کو اٹھا دیتی ہیں، پہلی تاویل وہ ہے جس کو علامہ ابن قتیبہ نے ذکر کیا، انہوں نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ آپ کا ارادہ یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ تمام اولادِ آدم کے سردار ہوں گے کیونکہ اس دن آپ شفاعت فرمائیں گے اور حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور حوض آپ کے لیے ہوگا،

اور آپ نے جو فرمایا کہ "مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو"، یہ بطور تواضع ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے تم پر حاکم بنا دیا گیا ہے اور میں تم سب سے افضل نہیں ہوں، اور اسی طرح آپ کا یہ ارشاد ہے کہ "کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کہے: میں یونس بن متی سے افضل ہوں" یہ بھی تواضع کے معنی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام کا دوسرے انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے کم درجہ ہے، آپ کی مراد یہ ہے کہ جب میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہوں تو میں اس کو کیسے پسند کروں گا کہ جو ان سے بڑے اولوالعزم رسل ہیں میں ان سے افضل ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ (القلم: ۴۸) سو آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے رب کو حالتِ غم میں پکارا تھا○

اس آیت میں اس پر واضح دلالت ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ ان کی مثل نہ ہو جانا، اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے یونس علیہ السلام سے افضل ہونے کے باوجود فرمایا: مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، تو آپ کا یہ فرمانا بطور تواضع ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر عمل میں فضیلت نہ دو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کا عمل مجھ سے افضل ہو اور آزمائش اور امتحان بھی ان پر زیادہ آئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن جو تمام انبیاء پر سیادت اور فضیلت عطا فرمائی ہے، وہ آپ کے کسی عمل کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے آپ کے اوپر فضل کی وجہ سے تھی اور آپ اس فضل کے ساتھ مختص ہیں، اسی طرح آپ کی امت تمام امتوں کی بہ نسبت سب سے کم آزمائشوں میں مبتلاء ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے سخت احکام کا بوجھ اٹھا لیا اور مشکل احکام کا طوق اتار لیا جیسا کہ بنی اسرائیل پر ان کے فرائض میں تھا، اس کے باوجود آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خیر امت قرار دیا، تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، یہ علامہ ابن قتیبہ کی تاویل ہے اور اس کو علامہ المہلب نے اختیار کیا ہے۔

اور دوسری تاویل یہ ہے کہ ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے ان حدیثوں کا تعلق دو مختلف وقتوں کے ساتھ ہو، پس ایک وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حضرت یونس علیہ السلام سے افضل ہوں، یہ آپ نے ابتداءً فرمایا تھا جس وقت میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی تھی:

وَمَآ أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ (الاحقاف: ۹) اور نہ میں از خود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں از خود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اور جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح: ۲) تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرما دے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام۔

اس آیت میں یہ تصریح کی گئی ہے اور دنیا میں آپ کو بتا دیا گیا ہے کہ آپ مغفور ہیں جب کہ آپ کے سوا کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مغفور ہونے کی بشارت نہیں دی تو آپ نے جان لیا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور تب آپ نے فرمایا کہ میں تمام

اولادِ آدم کا سردار ہوں۔

مصائب اور آلام کا گناہوں کے لیے کفارہ ہونا

علامہ المہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یا موسیٰ علیہ السلام کو طور کی بے ہوشی کی جزاء میں بے ہوش نہیں کیا گیا''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ دنیا میں جو آزمائشیں آتی ہیں اور غم اور رنج میں انسان مبتلا ہوتا ہے، ان میں یہ امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے قیامت کے دن اس سے قیامت کی بہت ساری ہولناکیوں میں تخفیف فرما دے گا۔

رہا گناہوں کا کفارہ، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر مومن کو کانٹا بھی چبھے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۴۱۔ ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۱۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسلمان کے یہودی کو تھپڑ مارنے کے متعلق مسائل

اگر یہودی ذمی ہے تو مسلمان کا ذمی پر حد سے تجاوز کرنا حرام ہے، کیونکہ ذمی کا مسلمانوں سے یہ عہد ہوتا ہے کہ ان پر حد سے تجاوز نہیں کیا جائے گا اور اگر یہودی حربی ہو تو اس کو قتل کرنا بھی مباح ہے چہ جائیکہ اس کو تھپڑ مارا جائے، لیکن جب مسلمان کافر کو تھپڑ مارے تو اس سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ امام کی رائے کی طرف مفوض ہے، پس اگر امام اس میں کوئی مصلحت دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ قصاص لے سوائے مال کے، کیونکہ مسلمان جب کسی ذمی کا مال تلف کر دے تو اس سے وہ مال لیا جائے گا اور سوائے قتل کے، کیونکہ مسلمان کو کسی حال میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر انبیاء پر فضیلت کی بحث

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے انبیاء کے درمیان فضیلت نہ دو'' یعنی یہ نہ کہو کہ یہ نبی اس نبی سے افضل ہے، کیونکہ اس سے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبعین میں غیض وغضب کو ابھارنا ہے، اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم یہ اعتقاد نہ رکھو کہ بعض انبیاء علیہم السلام بعض سے افضل ہیں، کیونکہ اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ایک دوسرے پر فضیلت ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ: ۲۵۳) ان سب رسولوں (میں سے) ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل: ۵۵) اور ہم نے بعض نبیوں کو دوسرے بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو فضیلت دی اور رُسل علیہم السلام کو فضیلت دی اور علماء کو فضیلت دی اور بندوں کو فضیلت دی، اور وہ سب کسی وصف میں مختلف ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾ (بنی اسرائیل:۲۱)

آپ دیکھئے ہم نے کس طرح ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور آخرت کے بہت بڑے درجات ہیں اور (اس کی) فضیلت بھی بہت بڑی ہے O

لیکن جب انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت دینے سے ان کے پیروکاروں کے درمیان عداوت اور بغض پیدا ہو یا میں اس نبی کی اتنی تعظیم نہیں ہوتی جس پر دوسرے نبی کو فضیلت دی جاتی ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت سے اعراض کرنا واجب ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور جب یہ حال انبیاء علیہم السلام کے درمیان ہے تو یہی حال انبیاء علیہم السلام کے وارثین کے درمیان بھی ہے اور وہ علماء ہیں۔ پس کسی انسان کو اپنے بھائی سے اس بات پر بحث نہیں کرنی چاہیے وہ کہے کہ فلاں شخص فلاں سے بڑا عالم ہے اور فلاں شخص فلاں سے بڑا عارف ہے، اور فلاں شخص فلاں سے بڑا متقی ہے کیونکہ اس سے دوسرے کے دل میں عداوت اور بغض پیدا ہوگا، بلکہ انسان کو اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جس کو وہ افضل سمجھتا ہے وہ افضل ہے لیکن اس پر دوسرے سے بحث نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے بغض اور کینہ پیدا ہوگا لیکن اس آخر زمانہ میں ایسے علماء اور طلباء پائے گئے ہیں جو بعض علماء کو دوسرے بعض علماء پر فضیلت دیتے ہیں اور یہ محض تعصب کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں نہ کہ تحقیق حقیقت کے لیے، ہاں اگر یوں کہا جائے مثلاً استاذ اپنے شاگردوں کو تعلیم دے کہ افضل الرسل اولوا العزم ہیں اور اولوا العزم میں سب سے افضل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۳۲۹۔ ۳۳۲ مکتبۃ العصریہ القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: کتاب الدیات والقصاص میں احادیثِ مرفوعہ کی تعداد چون (۵۴) ہے، ان میں سات معلق احادیث ہیں اور باقی موصول ہیں اور ان میں سے مکرر چالیس (۴۰) احادیث ہیں اور خالص احادیث پندرہ (۱۵) ہیں۔

کتاب الدیات والقصاص کی تکمیل

اس باب کی شرح کے اختتام کے ساتھ کتاب الدیات والقصاص کی تکمیل ہوگئی، بارِالٰہ! جس طرح آپ نے مجھے کتاب الدیات والقصاص کے ترجمہ اور شرح کی توفیق مرحمت فرمائی ہے، سو میں دعا کرتا ہوں اے کریم! صحیح البخاری کی باقی ماندہ کتب ابواب اور احادیث کی شرح کرنے کی بھی مجھے توفیق عطا فرما۔ کتاب الدیات والقصاص میں جو میں نے حق اور صواب لکھا ہے اسے قبول فرما اور اس میں جو پیغام ہے اس پر سب مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق ارزانی فرما۔ اور جو مجھ سے اپنی ناقص فہم اور قلت مطالعہ کی وجہ سے جو کوتاہیاں ہوگئی ہیں ان سے درگزر فرما۔ اور مجھے اس کے بعد کی شروح میں وہی لکھنے کی توفیق عطا فرما جو حق اور صواب ہو اور سب مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اس کے بعد ان شاء اللہ العزیز "کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم" شروع ہوگی۔

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

۴ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ

10 اکتوبر 2013ء

بروز جمعرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

۸۷۔ كِتَاب اسْتِتَابَةِ الْمُرْتَدِّينَ وَالْمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ

مرتدین اور معاندین سے توبہ طلب کرنے اور ان سے قتال کرنے کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

مرتدین سے مراد ہیں وہ لوگ جو مسلکِ معتدل سے تجاوز کرتے ہیں اور بغاوت کرتے ہیں اور علم کے باوجود حق کو رد کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۔ بَابُ إِثْمِ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ وَعُقُوبَتِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے، اس کے گناہ اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (لقمان: ۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے ۝

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الزمر: ۶۵)

اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۝

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس شخص کے گناہ کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کا ذکر کیا ہے۔

باب مذکور کی آیات کی شرح از علامہ عینی

لقمان: ۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے"۔ کیونکہ ظلم کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کی جگہ اور محل کے غیر میں رکھنا، پس مشرک وہ ہے جو عبادت کو اس کے غیر محل میں رکھتا ہے، کیونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ عدم سے وجود میں لایا اور وہ عدم سے وجود میں لانے والے کو اس کے مساوی قرار دیتا ہے جو ممکن ہے اور نعمت کو غیر منعم کی طرف منسوب کرتا ہے اور عبادت کو اس کے محل میں نہیں رکھتا، تو سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔

اور دوسری آیت یعنی الزمر: ۶۵ میں فرمایا: "اگر (بالفرض) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"۔

اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کا غیر ہے، کیونکہ آپ سے شرک کا صدور تو محال ہے۔ شرک شیطان کے گمراہ کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے گمراہ کرنے سے محفوظ اور مامون رکھا ہے، اس لیے آپ کا شرک کرنا محال ہے، اس کے باوجود اگر آپ سے بھی بفرضِ محال شرک صادر ہو گیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سو اس آیت میں صنعتِ تعریض ہے، خطاب آپ سے کیا ہے اور مراد آپ کی امت ہے، یعنی آپ کی امت کے کسی فرد نے اگر شرک کیا تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور یہ اعمال اس وقت ضائع ہوں گے کہ جب وہ امتی حالتِ شرک میں مر جائے جیسا کہ قرآن مجید کی درجِ ذیل آیت میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾ (البقرہ:۲۱۷)

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے O

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۱۸۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالُوا أَيُّنَا لَمْ يَلْبِسْ إِيمَانَهُ بِظُلْمٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّهُ لَيْسَ بِذَاكَ أَلَا تَسْمَعُونَ إِلَى قَوْلِ لُقْمَانَ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿١٣﴾﴾ (لقمان:۱۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم از علقمہ از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کیلئے بے خوفی ہے''۔ (الانعام:۸۲)

یہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر دشوار ہوئی اور انہوں نے کہا: ہم میں سے کون اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملاتا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس طرح نہیں ہے، کیا تم نے لقمٰن کے اس قول کو نہیں سنا: ''بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے''۔ (لقمٰن:۱۳)

(صحیح البخاری: ۳۲، ۳۳۶۰، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۴۷۷۶، ۶۹۱۸، ۶۹۳۷، صحیح مسلم: ۱۲۴، سنن ترمذی: ۳۰۶۷، مسند احمد: ۳۵۷۸)

صحیح البخاری: ۶۹۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ بابِ مذکور کا عنوان ہے ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک

کرنے کا گناہ" اور اس حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جریر، یہ ابن عبدالحمید الرازی ہیں اور اصل میں یہ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں جو ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں اور وہ از علقمہ بن قیس از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان کے باب "ظلم دون ظلم" میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انه ليس بذاك" یعنی یہاں پر مطلقاً ظلم مراد نہیں ہے کہ جس نے مطلقاً کسی ظلم کو ایمان کے ساتھ ملایا تو وہ بے خوف نہیں ہوگا بلکہ اس سے مراد ہے ظلم عظیم، اور وہ شرک ہے۔ یعنی جس نے ایمان کے ساتھ شرک کو ملایا تو اس کے لیے بے خوفی نہیں ہوگی۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایمان شرک کے ساتھ کیسے جمع ہوگا؟

اس کا یہ جواب ہے کہ ان لوگوں میں جمع ہوگا جنہوں نے کہا: یہ بت اللہ کبیر کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ماننے کا اقرار بھی کیا اور بتوں کی عبادت کو از خود اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت قرار دیا، پس ان کا اللہ تعالیٰ کا اقرار کرنا بہ ظاہر ایمان ہے اور بتوں کی عبادت کو شفاعت قرار دینا شرک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوالِ مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

اس آیت میں جو فرمایا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا ان ہی کے لیے بے خوفی ہے" (الانعام: ۸۲)۔ اس آیت میں ایمان لانے والوں سے مراد عام ہے خواہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والے ہوں یا ظاہراً ایمان لانے والے ہوں، سو جو اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں وہ اپنے ایمان کے ساتھ کسی معصیت کو تو ملا سکتے ہیں شرک کو نہیں ملائیں گے اور جو ظاہراً ایمان لانے والے ہیں، وہ اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو ملائیں گے اور وہی ظلم عظیم ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۹۱۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ ح وَحَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا سَعِيدٌ الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الجریری نے حدیث بیان کی ح

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ ثَلَاثًا أَوْ قَوْلُ الزُّورِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ۔

اور مجھے قیس بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید الجریری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ نے حدیث بیان کی از والد خود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا ہے اور جھوٹی گواہی دینا ہے اور جھوٹی گواہی دینا ہے، آپ نے تین مرتبہ فرمایا، یا فرمایا: جھوٹی بات کرنا ہے، پھر بار بار آپ اس کی تکرار کرتے رہے حتیٰ کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔

(صحیح البخاری: ۲۶۵۴، ۵۰۳۷، ۵۰۳۸، ۶۲۷۳، ۶۹۱۹ صحیح مسلم: ۸۷، سنن ابوداؤد: ۱۳۰۱، مسند احمد: ۲۰۳۸۵)

صحیح البخاری: ۶۹۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجریری، (جیم پر پیش ہے اور راء پر زبر ہے) یہ الجری کی تصغیر ہے، اور یہ جُریر بن عباد کی طرف نسبت ہے، ان کا نام سعید بن ایاس البصری ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن ابراہیم، یہ اسماعیل بن عُلَیّہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، ان کا نام نفیع بن الحارث الثقفی ہے، یہ بصرہ میں آگئے تھے پھر کوفہ کی طرف منتقل ہو گئے۔

یہ حدیث کتاب الشہادات میں اور کتاب الادب میں "عقوق الوالدین" کے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "شهادة الزور او قول الزور" اس میں راوی کو شک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیتہ سکت" یعنی کاش! آپ خاموش ہو جاتے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ صحابہ نے آپ کے خاموش ہونے کی تمنا کی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے کلام سے اکتاہٹ

نہیں ہوتی؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صحابہ نے آپ کو آرام پہنچانے کا ارادہ کیا۔

اور وہ جو بعض احادیث میں گناہ کبیرہ کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کو قتل کرنا سب سے بڑا گناہ ہے اور اسی طرح زنا کرنا، تو ان میں سے ہر ایک مقام کے تقاضا کے اعتبار سے وارد ہے اور یہ حاضرین کے حال کے اعتبار سے یا مقام کے اعتبار سے جو مناسب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا شَيْبَانُ عَنْ فِرَاسٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی الله عنهما قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْكَبَائِرُ قَالَ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ قَالَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ قَالَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْيَمِينُ الْغَمُوسُ قُلْتُ وَمَا الْيَمِينُ الْغَمُوسُ قَالَ الَّذِي يَقْتَطِعُ مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن الحسین بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے خبر دی از فراس از الشعبی از حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، پس اس نے پوچھا: یارسول اللہ! کبائر کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، اس نے پوچھا: پھر کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اس نے پوچھا: پھر کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: جھوٹی قسم کھانا، میں نے پوچھا: اور جھوٹی قسم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان مرد کا مال قطع کرلے اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۶۷۵، ۶۸۷۰، ۶۹۲۰، سنن ترمذی: ۳۰۲۱، سنن نسائی: ۴۰۱۱، مسند احمد: ۶۸۸۴۵، سنن دارمی: ۲۳۶۰)

صحیح البخاری: ۶۹۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ہے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ، اور یہ ابن موسیٰ العبسی الکوفی ہیں، اور یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں، امام بخاری نے ان سے کتاب الایمان میں بلاواسطہ روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبد الرحمٰن النحوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے فراس، یہ ابن یحییٰ المکتب ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الشعبی، یہ عامر

بن شراحیل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، یہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔
یہ حدیث کتاب النذور میں از محمد بن مقاتل اور کتاب الدیات میں از ابن بشار از غندر گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الاشراك بالله" اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ لفظ مفرد ہے تو یہ اس سوال کے کیسے مطابق ہوگا جس میں متعدد چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب اعرابی نے کہا: پھر اور کونسا گناہ کبیرہ ہے؟ تو معلوم ہوا کہ اس نے ایک سے زائد کبائر کے متعلق سوال کیا تھا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے پہلے مضاف مقدر ہے اور اصل عبارت یوں ہے "ما اکبر الکبائر" یعنی سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟

اس پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس سے پہلے کتاب الدیات میں یہ گزر چکا ہے کہ اِشراك بالله کے بعد بڑا گناہ یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دو کہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے اُس سوال کرنے والا کا تقاضا قتل کے معاملہ کی سنگینی ہو اور اس سے اس کو زجر و توبیخ ہو، اور اِس سائل کا تقاضا ماں باپ کی نافرمانی کے گناہ کی سنگینی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الغموس" اس کا معنی ہے: جو اپنے صاحب کو گناہ میں یا دوزخ میں ڈبو دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یقتطع" یعنی وہ اس کے مال کے قطع یا حصہ اپنے مال کے ساتھ ملا لے۔ اور یہ یمینِ غموس کی مثال ہے۔ اور یمینِ غموس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ جھوٹی قسم ہے جس میں قسم کھانے والے کو علم ہوتا ہے کہ جس چیز کی وہ قسم کھا رہا ہے واقعہ اس کے خلاف ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۱۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ وَالْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَنُؤَاخَذُ بِمَا عَمِلْنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ مَنْ أَحْسَنَ فِي الْإِسْلَامِ لَمْ يُؤَاخَذْ بِمَا عَمِلَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَنْ أَسَاءَ فِي الْإِسْلَامِ أُخِذَ بِالْأَوَّلِ وَالْآخِرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از منصور اور الاعمش از ابی وائل از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا زمانہ جاہلیت میں ہم نے جو کام کئے تھے ان پر ہم سے مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: جس نے اسلام لانے کے بعد نیک عمل کئے اس سے زمانہ جاہلیت کے کاموں پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور جس نے اسلام لانے کے بعد بُرے کام کئے تو اس پر اگلے پچھلے کاموں سے مواخذہ کیا جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۱۲۰، سنن ابن ماجہ: ۴۲۴۲، مسند احمد: ۴۰۹۲، سنن دارمی: ۱)

صحیح البخاری: ۶۹۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "جس نے اسلام لانے کے بعد بُرے کام کئے اس سے اگلے اور پچھلے کاموں پر مواخذہ کیا جائے گا" کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد بُرے کام کرنے سے مراد ہے دین میں ارتداد، یعنی دینِ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر لینا، لہٰذا یہ اس میں داخل ہو جائے گا جس نے اللہ کے ساتھ شریک کر کے گناہ کیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خلاد بن یحییٰ، یہ ابن صفوان ابو محمد السلمی الکوفی ہیں جنہوں نے مکہ میں رہائش اختیار کی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ ثوری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے منصور، یہ ابن المعتمر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو وائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب الایمان میں از عثمان از جریر روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انؤاخذ" یہ ہمزہ استفہام کا ہے اور یہ مجہول کا صیغہ ہے، اور مواخذہ کا معنی ہے: کسی شخص کے گناہ کی بناء پر اس کی گرفت کرنا، یعنی اس کو روک لیا جائے اور اس کو اس کے گناہ کی وجہ سے سزا دی جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من احسن فی الاسلام" اسلام میں احسان یہ ہے کہ دینِ اسلام پر قائم رہے اور گناہوں کو ترک کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من اساء فی الاسلام" اسلام میں برا کام یہ ہے کہ دینِ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کر کے مرتد ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "أخذ بالاول" یعنی اس نے زمانہ جاہلیت میں جو کفر کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والآخر" یعنی اس نے اسلام میں جو کام کئے۔

اسلام سے پہلے کئے ہوئے گناہوں کے مواخذہ پر اعتراض اور اس کا جواب

علامہ خطابی نے کہا ہے: اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اسلام لانے کے بعد تو اسلام اس کے پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ سو آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ (کفر سے) باز آ جائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (الانفال: ۳۸)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اسلام لانے کے بعد دوبارہ زمانہ جاہلیت کے کام کیے تو اس کو عار دلایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ تم نے کفر کی حالت میں یہ کام نہیں کیا تھا، پھر اسلام لانے کے بعد تمہارے اسلام نے اس کام کے دوبارہ کرنے سے کیوں نہیں روکا؟ پھر اس کو اس معصیت پر سزا دی جائے گی جو اس نے زمانہ اسلام میں کی۔

اور علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد برا کام کرنے سے مراد یہ ہو کہ اس کا اسلام صحیح نہ ہو، یا اس کے ایمان میں اخلاص نہ ہو بایں طور کہ وہ شخص منافق ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۵-۱۱۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲- بَابُ حُكْمِ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدَّةِ وَاسْتِتَابَتِهِمْ

مرتد اور مرتدہ کے حکم کا بیان

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالزُّهْرِيُّ وَإِبْرَاهِيمُ: تُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور زہری اور ابراہیم نے کہا: مرتدہ عورت کو قتل کر دیا جائے گا۔

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ ... اِلٰی قولہ ... إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ (آل عمران: ۸۶-۹۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اللہ ان لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ لوگ (پہلے) یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں“ (یہ آیت یہاں تک ہے:) ”بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں ۝

وَقَالَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝ (آل عمران: ۱۰۰)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝ (النساء: ۱۳۷)

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے، اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انہیں راہ راست پر چلائے گا ۝

وَقَالَ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ۔ (المائدہ: ۵۴)

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی۔

(وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا) الی (لَا جَرَمَ) يَقُوْلُ حَقًّا (اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ) (النحل:۱۰۶-۱۱۰)

(نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں (یہ آیت یہاں تک ہے:) بے شک (اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے کہ) یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں O

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرۃ:۲۱۷)

(نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) لوگ آپ سے ماہِ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں، آپ کہیے کہ اس ماہ میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکنا، اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام جانے سے روکنا اور ساکنین حرم کو وہاں سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ بڑا گناہ ہے، اور فساد ڈالنے کا گناہ قتل سے زیادہ بڑا ہے، اور وہ (کافر) تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مرگیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد مُرتد ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے اور عورت مُرتدہ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے، آیا ان دونوں کا حکم برابر ہے یا نہیں؟

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس باب کی تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور محمد بن مسلم الزہری اور ابراہیم النخعی نے یہ کہا ہے کہ مرتدہ عورت کو قتل کیا جائے گا، اس لحاظ سے مرد مرتد اور عورت مرتدہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ان دونوں کا حکم برابر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام ابن شیبہ نے از وکیع از سفیان از عبدالکریم ان سے روایت کی ہے جنہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۹۷۸، ج ۵ ص ۵۵۷)

اور زُہری کے اثر کی امام عبدالرزاق نے موصولاً روایت کی ہے از معمر از زہری، انہوں نے کہا کہ جو عورت اسلام لانے کے بعد کفر کرے تو اس سے توبہ طلب کی جائے، اگر وہ توبہ کرلے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۱۹)

اور ابراہیم نخعی کے اثر کی بھی امام عبدالرزاق نے روایت کی ہے از معمر از سعید بن ابی عروبہ از ابی معشر از ابراہیم اسی کی مثل۔

اور راویوں کا ابراہیم نخعی کی روایت میں اختلاف ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابن ابی شیبہ نے از حفص از عبیدہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۹۹۱، ۸۹۹۲، ج۶ ص۴۴۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ عبیدہ ضعیف ہے اور پہلی روایت اَولیٰ ہے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے از عاصم از ابی ذر از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ عورتیں جب مرتدہ ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ (دار قطنی ج ۳ ص ۲۰۱)

اور علامہ ابن بطال نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ "جب عورتیں اسلام سے مرتدہ ہو جائیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا لیکن ان کو قید کیا جائے گا اور اسلام پر مجبور کیا جائے گا"۔ (شرح ابن بطال ج ۸ ص ۵۷۳)

اور امام ابن ابی شیبہ نے ابو عاصم کی حدیث کی از سفیان اور ابوحنیفہ از عاصم از ابی رزین ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ ان عورتوں کو قید کیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۹۸۵، ج ۵ ص ۵۵۷)

امام بخاری نے اس عنوان میں ذکر کیا ہے "ان دونوں سے توبہ طلب کی جائے گی" یعنی مرتد سے اور مرتدہ سے۔

بابِ مذکور کی آیات کی تفسیر از علامہ عینی

امام بخاری نے سورۂ آل عمران کی ۸۶ تا ۹۰ آیات ذکر کی ہیں، یہ سورۂ آل عمران کی پانچ مسلسل آیات ہیں۔

امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ انصار میں سے ایک مرد نے اسلام قبول کیا، پھر وہ مرتد ہو گیا اور اس نے اپنے شرک کو مخفی رکھا، پھر نادم ہوا، پھر اس نے اپنی قوم کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی شخص کو بھیج کر یہ معلوم کرو کہ کیا میری توبہ ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی:

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۞ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۞ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ (آل عمران: ۸۶۔۸۹)

اللہ ان لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے حالانکہ وہ لوگ (پہلے) یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آ چکی تھیں، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا O ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی O وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے، نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی O سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے، سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اسی طرح اس حدیث کی امام نسائی اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے از داؤد بن ابی ہند روایت کی ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی روایت نہیں کی۔

آل عمران: ۸۶ میں فرمایا ہے "وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ" یعنی ان کے سامنے اس پر دلائل اور براہین قائم کر دیئے گئے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے اور ان کے لیے دینِ اسلام کا معاملہ واضح ہو گیا، پھر وہ شرک کی ظلمت کی طرف مرتد ہو گئے، سو یہ لوگ ہدایت کے کیسے مستحق ہوں گے جب کہ یہ گمراہی کو اختیار کر چکے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

نیز ان آیات میں فرمایا: ''اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا لطف اور اس کی رحمت ہے اور مخلوق پر اس کی شفقت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

نیز فرمایا: ''بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تہدید فرمائی ہے جو ایمان لانے کے بعد کفر کرتے ہیں، پھر کفر میں زیادتی کرتے ہیں یعنی موت تک کفر پر برقرار رہتے ہیں تو ان کی موت کے وقت ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہی لوگ گمراہ ہیں یعنی یہ لوگ حق کے راستہ سے گمراہی کے راستہ کی طرف نکلنے والے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ كٰفِرِیْنَ۝ (آل عمران: ۱۰۰)

''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے''O

یہ آیت بھی سورۂ آل عمران کی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے مومنین بندوں کو اس سے ڈراتا ہے کہ وہ اہلِ کتاب کے اس گروہ کی اطاعت کریں جو مومنین سے اس پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دینِ اسلام دیا ہے اور ان کی طرف رسول بھیج کر ان پر عنایات فرمائی ہیں۔

عکرمہ نے کہا: یہ آیت شماس بن قیس الیہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے، جس نے انصار کو ان کی پچھلی لڑائیوں کو یاد کرا کے بھڑکایا اور قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑتے، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان انصار کی طرف آئے اور ان کو نصیحت فرمائی، پس انہوں نے جان لیا کہ اس کا یہ بھڑکانا شیطان کی طرف سے تھا، پھر انصار ایک دوسرے سے گلے لگ گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو سنتے ہوئے اور اطاعت کرتے ہوئے واپس چلے گئے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موصولاً روایت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا۝ (النساء: ۱۳۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کافر ہوئے، پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے، اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انہیں راہ راست پر چلائے گاO

یہ آیت کریمہ سورۂ نساء میں ہے اور کریمہ کے نسخہ میں یہ پوری آیت روایت کی گئی ہے اور ابوذر کے نسخہ میں یہ روایت اسی

طرح ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جو لوگ ایمان میں داخل ہوئے، پھر وہ ایمان سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے اور اسی گمراہی میں بڑھتے رہے حتیٰ کہ مر گئے تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا اور نہ ان کے لیے کوئی کشادگی اور گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف لوٹنے کی جگہ بنائے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا''۔

اور امام ابن ابی حاتم نے از جابر المعلی از عامر الشعبی از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے: مُرتد سے تین مرتبہ توبہ طلب کی جائے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی: ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ۔۔۔۔۔ الآیۃ''۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۔ (المائدہ: ۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو عنقریب اللہ ایسی قوم کو لے آئے گا جس سے اللہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرے گی۔

یہ آیت کریمہ سورۂ مائدہ میں ہے جو کریمہ کے نسخہ میں پوری مندرج ہے۔

اور محمد بن کعب القرظی نے کہا ہے کہ یہ آیت قریش کے حاکموں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ اور الحسن البصری نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں مرتد ہو گئے تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے: ''بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ'' حسن نے کہا: اس کا مصداق اللہ کی قسم! ابوبکر اور ان کے اصحاب ہیں۔ اس کی روایت امام ابن ابی حاتم نے کی ہے۔

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہے: میں نے حضرت ابوبکر بن عیاش سے سنا، انہوں نے بیان کیا: یہ اہلِ قادسیہ ہیں اور مجاہد نے کہا: یہ سبا کی قوم ہے، اور ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ اہلِ یمن کے لوگ ہیں، پھر کندہ کے۔

اس آیت میں مذکور ہے ''اذلّۃ'' یہ ذلیل کی جمع ہے، یعنی وہ لوگ مومنین پر مہربان ہوں گے، گویا کہ وہ بطور تذلل اور تواضع کے مومنین پر مہربان ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے O کیونکہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا O یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور

الْغٰفِلُوْنَ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ (النحل:۱۰۶۔۱۱۰)

یہی لوگ غافل ہیں○ بے شک صرف یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں○ پھر بے شک آپ کا رب، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائشوں میں مبتلا ہونے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان (آزمائشوں) کے بعد ضرور بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے○

یہ تمام آیات سورۃ النحل کی مسلسل آیات ہیں، النحل:۱۰۷ میں فرمایا ہے "وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ ۔۔۔ الآیۃ"۔ یعنی جس نے خوشی کے ساتھ کفر کو قبول کیا اور اس کا اعتقاد رکھا۔

اس کے بعد اس آیت میں فرمایا "ذٰلِكَ ۔۔۔ الآیۃ"۔ اس میں وعید کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر غضب اور ان کو عذاب اس لیے پہنچے گا کہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے تھے۔

اور النحل:۱۰۸ میں فرمایا "وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ" یعنی یہ لوگ غفلت میں کامل ہیں اور کوئی بھی ان سے زیادہ غافل نہیں ہے۔

نیز النحل:۱۰۸ میں فرمایا "لَا جَرَمَ ۔۔۔ الآیۃ" اس کا معنی ہے "حقًا" اور "جرم" کا لفظ بصریوں کے نزدیک فعل ہے اور کوفیوں کے نزدیک اسم ہے حقًا کے معنی میں ہے، اور اس کے جواب میں لام داخل ہوتا ہے جیسے "لا جرم لاتینك" یعنی حق یہ ہے کہ میں ضرور تمہارے پاس آؤں گا۔

النحل:۶۲ میں فرمایا "لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ" پس بصریوں کے قول کے مطابق لفظ "لا" کفار کے قول کے رد کے لیے ہے اور "جرم" کا معنی ہے کسب، یعنی ان کا کسب اور ان کی کمائی دوزخ کی آگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ (البقرۃ:۲۱۷)

اور وہ (کافر) تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے○

یہ آیت کریمہ سورۂ بقرہ میں ہے، یعنی مشرکین مکہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ اگر ان کے بس میں ہو تو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں، اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گیا تو ان لوگوں کے (نیک) اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہ لوگ جہنمی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اس آیت میں فرمایا ہے "جو شخص دین سے مرتد ہونے کے بعد اسی حال پر مر گیا تو اس کے اعمال یعنی اس کے نیک اعمال باطل ہو جائیں گے" اور اس آیت میں اس طرح قید لگائی ہے جس طرح اس آیت میں قید ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ (البقرہ:۲۱۷) اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے مرتد ہو گیا اور وہ حالتِ کفر میں ہی مر گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۶۔۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے جو سورۃ البقرہ ۲۱۷ کا ذکر کیا ہے اور بعد میں پھر اسی آیت کا ذکر کر دیا حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ بعد میں کسی اور آیت کا ذکر ہوتا تو معلوم ہوا کہ یہ علامہ عینی کا تسامح ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۶۹۲۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ أُتِيَ عَلِيٌّ رضی الله عنه بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُولِ اللهِ ﷺ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان محمد بن الفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از عکرمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند زندیقوں کو لایا گیا تو انہوں نے ان کو آگ میں جلا دیا، پس یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پہنچی تو انہوں نے کہا: اگر میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ جلاتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے عذاب نہ دو، اور میں ان کو قتل کر دیتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو اپنے دین کو بدل ڈالے، پس تم اس کو قتل کر ڈالو۔

(صحیح البخاری: ۳۰۱۷، ۶۹۲۲، سنن ترمذی: ۱۴۵۸، سنن نسائی: ۴۰۶۰، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۱، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۵، مسند احمد: ۱۸۷۴)

صحیح البخاری: ۶۹۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "جو اپنے دین کو بدل ڈالے، پس تم اس کو قتل کر ڈالو"۔ اور جو شخص اپنے دین کو بدلے وہی مرتد ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ سختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عکرمہ کا ذکر ہے، وہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں از علی بن عبد اللہ گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اُتی" یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "زنادقة" یہ زندیق کی جمع ہے، یہ فارسی کا لفظ ہے اور اس کو عربی بنایا گیا ہے۔
سیبویہ نے لکھا ہے کہ زنادقۃ میں جو تاء حالتِ وقف میں ہاء ہوئی ہے وہ زندیق کی یاء سے بدلی ہوئی ہے، اس کا فعل ہے "تزندق" اور اسم ہے "الزندق"۔

زندیق کی تعریف

زندیق کی تفسیر میں اختلاف ہے، پس ایک قول یہ ہے کہ جو شخص کفر کو چھپاتا ہو اور اسلام کو ظاہر کرتا ہو جیسے منافق، وہ زندیق ہے۔
دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ثنویہ کی ایک قوم ہے جو دو خالق مانتے ہیں (خیر کے خالق کو یزداں کہتے ہیں اور شر کے خالق کو اہرمن کہتے ہیں)۔
تیسرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا کوئی دین نہ ہو، وہ زندیق ہے۔
چوتھا قول یہ ہے: جو زردشت کی کتاب کی پیروی کرے اس کو "الزند" کہتے ہیں۔
پانچواں قول یہ ہے کہ یہ روافض کی ایک جماعت ہے جس کو السبائیۃ کہا جاتا ہے، ان کا یہ دعویٰ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا ہیں اور ان کا رئیس عبداللہ بن سبا تھا اور وہ اصل میں یہودی تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاحرقهم" کتاب الجہاد کے باب "لا یعذب بعذاب اللہ" میں یہ حدیث ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک قوم کو آگ میں جلا دیا۔ اور حمیدی نے سفیان کی سند سے روایت کی ہے کہ مرتدین کو جلا دیا۔
اور امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ کچھ لوگ خلوت میں بتوں کی عبادت کرتے تھے۔
اور امام طبرانی نے "المعجم الاوسط" میں از سوید بن غفلۃ روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ چند لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا، پس ان کو کھانا کھلایا، پھر ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا، پس ان کے لیے گڑھا کھودا، پس ان کی گردنیں ماری گئیں اور ان کو ان گڑھوں میں ڈال دیا گیا، پھر ان کے اوپر لکڑیاں ڈالی گئیں، پھر ان لکڑیوں میں آگ لگا دی گئی، پھر فرمایا: اللہ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔
اور الاسماعیلی نے عکرمہ سے حدیث روایت کی ہے اور اس کی عبارت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند لوگوں کو لایا گیا جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے، یا کہا: جو لوگ زندیق تھے اور ان کے ساتھ ان کی کتابیں بھی تھیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ جلانے کا حکم دیا، سو آگ جلائی گئی اور ان کو اس آگ میں ڈال دیا گیا۔
اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس "الزط" کے لوگ لائے گئے جو بتوں کی عبادت کرتے تھے، پس آپ نے ان کو آگ میں جلا دیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر میں ہوتا تو ان کو آگ میں نہ جلاتا۔۔۔الحدیث۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فبلغ ذالك ابن عباس" یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کی خبر پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند لوگوں کو آگ میں جلا دیا، اور اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے امیر تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "لنهی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب الله" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ میں جلا کر قتل کرنے سے منع فرمایا، ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث خود سنی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے

کہ انہوں نے اس حدیث کو بعض صحابہ سے سنا ہو۔

زندیق کے متعلق فقہاء کے اقوال

زندیق کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، کیا اس سے توبہ طلب کی جائے گی یا نہیں؟ پس امام مالک اور اللیث اور امام احمد اور اسحاق نے کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا قول اس کے متعلق مختلف ہے، ایک مرتبہ ان دونوں نے کہا کہ اس سے توبہ طلب کی جائے گی اور دوسری مرتبہ کہا کہ توبہ طلب نہیں کی جائے گی۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر میرے پاس زندیق کو لایا گیا تو میں اس سے توبہ کو طلب کروں گا، پس اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ میں اس کو قتل کر دوں گا۔

اور امام شافعی نے کہا: اس سے اس طرح توبہ طلب کی جائے گی جس طرح مرتد سے توبہ طلب کی جاتی ہے، اور یہ عبداللہ بن الحسن کا قول ہے۔

اور علامہ ابن المنذر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے۔

اور امام مالک سے کہا گیا: آپ زندیق کو کیوں قتل کریں گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو قتل نہیں کیا اور آپ منافقین کو پہچانتے تھے، تو امام مالک نے کہا: کیونکہ زندیق کی توبہ معروف نہیں ہے۔

اور ابن الطلاع نے اپنی کتاب ''احکام'' میں کہا ہے کہ مصنفاتِ مشہورہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرتد کو قتل کیا اور نہ کسی زندیق کو قتل کیا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو قتل کر دیا جس کو ام قرفہ کہا جاتا تھا، وہ اسلام لانے کے بعد مرتدہ ہو گئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۱۹۔ ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ أَقْبَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَمَعِي رَجُلَانِ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ أَحَدُهُمَا عَنْ يَمِينِي وَالْآخَرُ عَنْ يَسَارِي وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتَاكُ فَكِلَاهُمَا سَأَلَ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ قَالَ قُلْتُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَطْلَعَانِي عَلَى مَا فِي أَنْفُسِهِمَا وَمَا شَعَرْتُ أَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى سِوَاكِهِ تَحْتَ شَفَتِهِ قَلَصَتْ فَقَالَ لَنْ أَوْ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ أَرَادَهُ وَلَكِنِ اذْهَبْ أَنْتَ يَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از قرۃ بن خالد، وہ بیان کرتے ہیں: مجھے حمید بن ہلال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو بردہ نے حدیث بیان کی، از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہنچا اور میرے ساتھ اشعریین میں سے دو مرد تھے، ان میں سے ایک میری دائیں جانب تھا اور دوسرا میری بائیں جانب تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک کر رہے تھے، پس ان دونوں نے سوال کیا، پس کہا: اے ابوموسیٰ، یا کہا: اے عبداللہ بن قیس! حضرت ابوموسیٰ نے بیان کیا: میں نے عرض کیا: اس ذات

أَبَا مُوسَى أَوْ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ إِلَى الْيَمَنِ ثُمَّ اتَّبَعَهُ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ أَلْقَى لَهُ وِسَادَةً قَالَ انْزِلْ وَإِذَا رَجُلٌ عِنْدَهُ مُوثَقٌ قَالَ مَا هَذَا قَالَ كَانَ يَهُودِيًّا فَأَسْلَمَ ثُمَّ تَهَوَّدَ قَالَ اجْلِسْ قَالَ لَا أَجْلِسُ حَتَّى يُقْتَلَ قَضَاءُ اللهِ وَرَسُولِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَأَمَرَ بِهِ فَقُتِلَ ثُمَّ تَذَاكَرَا قِيَامَ اللَّيْلِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا أَمَّا أَنَا فَأَقُومُ وَأَنَامُ وَأَرْجُو فِي نَوْمَتِي مَا أَرْجُو فِي قَوْمَتِي۔

کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! ان دونوں نے مجھے اپنے دل کی باتوں پر مطلع نہیں کیا تھا، اور میں نہیں سمجھا تھا کہ یہ دونوں کسی منصب کا سوال کریں گے، پس گویا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک کی طرف دیکھ رہا تھا جو آپ کے ہونٹ کے نیچے سے بلند ہوگئی تھی، تب آپ نے فرمایا: ہم اس شخص کو اپنے کسی منصب پر مقرر نہیں کریں گے جو اس منصب کا ارادہ کرے گا لیکن تم اے ابوموسیٰ! جاؤ، یا فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! تم یمن کی طرف جاؤ، پھر آپ نے ان کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، پس جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے لیے ایک گدا بچھایا اور کہا: آپ سواری سے اتر کر بیٹھیے، اور اس وقت ایک مرد زنجیر سے بندھا ہوا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا: یہ یہودی تھا، سو اس نے اسلام قبول کرلیا، پھر یہ یہودی ہوگیا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ بیٹھیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا حتیٰ کہ اس کو قتل کردیا جائے، یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، یہ تین مرتبہ کہا، پھر حضرت ابوموسیٰ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا، سو اس کو قتل کردیا گیا۔ پھر وہ دونوں قیام اللیل کے بارے میں بات کرتے رہے، ان میں سے ایک نے کہا: میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور اپنے سونے میں بھی اسی اجر کی امید رکھتا ہوں جس اجر کی اپنے قیام میں امید رکھتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۲۶۱، ۳۰۳۸، ۴۳۴۱، ۴۳۴۳، ۴۳۴۴، ۶۱۲۴، ۶۹۲۳، ۷۱۴۹، ۷۱۵۶، ۷۱۵۷، ۷۱۷۲، صحیح مسلم: ۱۸۲۴، سنن نسائی: ۵۳۸۲، سنن ابوداؤد: ۳۵۷۹، مسند احمد: ۱۹۱۶۷)

صحیح البخاری: ۶۹۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ "اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا،

پھر اس کو قتل کر دیا گیا''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قُرَّۃ، (اس میں قاف پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے) یہ ابن خالد السدوسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو بردہ، ان کا نام عامر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام الحارث ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس الاشعری ہے۔

یہ حدیث اس سے پہلے اختصار سے بھی روایت کی گئی ہے اور طول کے ساتھ بھی روایت کی گئی ہے۔ اور عنقریب کتاب الاحکام میں بھی یہ حدیث آئے گی اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور میرے ساتھ دو مرد تھے'' ان دو مردوں کے ناموں کا پتا نہیں چلا، اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: یہ دونوں مرد میرے چچا کے بیٹے تھے اور ان دونوں مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی منصب یعنی کسی حکومت کا سوال کیا تھا کہ انہیں کسی جگہ کا حاکم بنا دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قلصت'' اس کا معنی ہے: بلند ہوگئی۔

آپ نے فرمایا: ''ہم اس شخص کو ہرگز حاکم نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرتا ہے''۔

موجودہ طریقِ انتخاب کی ایک خامی

موجودہ طریقِ انتخاب میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص مرد یا عورت اپنے آپ کو قومی یا صوبائی اسمبلی کی نشست کے لیے امیدوار قرار دیتا ہے اور پھر اس منصب کے لیے کنویسنگ کرتا ہے اور اپنی صلاحیت اور اپنی قابلیت کی بنیاد پر عوام سے اپنی تقرری کے لیے ووٹ مانگتا ہے، حالانکہ اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہم اس شخص کو ہرگز حاکم نہیں بنائیں گے جو اس کا سوال کرتا ہے''۔ لہٰذا جو شخص از خود کسی منصب کا مطالبہ کرے اس کو اس منصب پر فائز کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی منصب کا سوال کیا تھا، قرآن مجید میں ہے:

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ (یوسف نے) کہا: مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں O (یوسف: ۵۵)

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت ہے جو ہم پر حجت نہیں ہے، ہم پر حجت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہے، اور آپ کی شریعت میں منصب کا سوال کرنا ممنوع ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب سوال کرنے والے کو یہ علم ہو کہ اس کے سوا اور کوئی اس منصب کا اہل نہیں ہے اور اگر اس نے اس منصب کا سوال نہیں کیا تو نااہل لوگ اس منصب پر قابض ہو جائیں گے اور اس سے ملک میں خرابی ہوگی، اس وقت منصب کا سوال کرنا جائز ہے، لیکن پورے ملک میں جو لوگ قومی اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں کے لیے اپنے آپ کو امیدوار قرار دیتے ہیں اور خود کو

اس منصب کا اہل قرار دیتے ہیں ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے سوا پورے ملک میں اور کوئی اس منصب کا اہل نہیں ہے، کیونکہ ان کو تو پورے ملک کے امیدواروں کے کوائف کا علم بھی نہیں ہوتا۔

اس صورت حال کی اصلاح اس طرح ہو سکتی ہے کہ امیدوار خود اس منصب کا سوال نہ کرے بلکہ جس سیاسی جماعت نے اس کو اس نشست کے لیے نامزد کیا ہے وہ اس شخص کے لیے سوال کرے اور وہی اس کے لیے کنویسنگ کرے اور وہ شخص بطور خود اپنے آپ کو اس منصب کے تقرر کے لیے تقریریں نہ کرے اور نہ اس کے لیے پیسہ خرچ کرے۔ اور اس تاویل سے بھی صرف انہی کے لیے جواز نکلتا ہے جن کو کسی سیاسی جماعت نے الیکشن میں کھڑا کیا ہو اور آزاد امیدواروں کے لیے اس حدیث کی بناء پر الیکشن میں کھڑے ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "معاذ بن جبل" یعنی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجا، یعنی ان کے بعد بھیجا۔ اور کتاب المغازی میں یہ حدیث گزری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا، پس ان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں آسان احکام بیان کرنا اور لوگوں کو مشکل میں نہ ڈالنا۔ اور اس کا محمل یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پہلے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلما قدم الیہ" کتاب المغازی میں یہ گزر چکا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ مستقل عمل تفویض کیا تھا۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک جب یمن کی سرزمین میں پہنچا تو اپنے صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "القی لہ وسادۃ" یعنی حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک گدا بچھایا تاکہ وہ اس پر بیٹھیں، اور ان کی عادت یہ تھی کہ جس کی تکریم کا ارادہ کریں اس کے لیے گدا بچھاتے تھے، اور ان سے کہا: آپ سواری سے اتر کر گدے پر بیٹھیں۔

آگ میں جلا کر عذاب دینے کے متعلق روایات

اس حدیث میں مذکور ہے "فاذا رجل عندہ موثق" پس اس وقت ایک مرد بندھا ہوا تھا اور امام طبرانی کی روایت میں ہے: پس اس وقت ان کے پاس ایک مرد لوہے کی زنجیر سے بندھا ہوا تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ لوگوں کو عذاب دیں؟ ہم کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ہم لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، اور انہیں ایسے احکام دیں جن سے ان کو نفع پہنچے، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شخص مسلمان تھا پھر کافر ہو گیا، پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے! میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ آپ اس کو آگ کے ساتھ جلا نہ دیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قضاءُ اللہ" (ہمزہ پر پیش ہے) یعنی ھذا قضاء اللہ، اس کا معنی یہ ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثلث مرات" یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے یہ کلام تین مرتبہ مکرر کہا۔ اور امام ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ان دونوں نے مکرر کلام کیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے تھے: آپ بیٹھ جائیے، اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے تھے: میں نہیں بیٹھوں گا، اس سے معلوم ہوا کہ "ثلث مرات" راوی کا کلام ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے کلام کا تتمہ نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فامر بہ فقتل" اور ایوب کی روایت میں ہے "اللہ کی قسم! میں نہیں بیٹھوں گا حتیٰ کہ اس کی گردن ماردی جائے، پس اس کی گردن ماردی گئی"۔

اور طبرانی کی اس روایت میں ہے جو ابھی گزری ہے کہ پھر لکڑیوں کا ایک گٹھا لایا گیا اور اس میں آگ لگادی گئی، پھر اس یہودی کو اس آگ میں ڈال دیا گیا۔ اور ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ پہلے اس کی گردن ماردی گئی، پھر اس کو آگ میں ڈال دیا گیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما، ان دونوں کے نزدیک یہ جائز تھا کہ کسی شخص کو آگ سے عذاب دیا جائے اور مرتد کو آگ میں جلا دیا جائے، یہ اس کی اہانت میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے اور اس کی پیروی کرنے سے ڈرانے کے لیے ہے، اور یہ گزر چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو آگ میں جلا دیا۔

شارح بخاری علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زندیقوں کو آگ میں جلانا خطاء نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے فرمایا: "اگر تم فلاں سے اور فلاں سے ملو تو ان کو آگ میں جلا دینا، پھر فرمایا: اگر تم ان دونوں سے ملو تو ان کو قتل کر دینا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کسی کو عذاب نہیں دینا چاہیے" (صحیح البخاری: ۲۹۵۴)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ غضب میں ہوں خواہ راضی ہوں، حق کے سوا کوئی بات نہیں فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (النجم: ۳) وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ۝

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "میں اپنی نیند میں بھی اسی اجر کی امید رکھتا ہوں جس کی اپنے قیام میں امید رکھتا ہوں" اور سعید کی روایت میں ہے: "میں اپنی نیند میں بھی اس ثواب کی نیت کرتا ہوں جس ثواب کی میں اپنے قیام میں نیت کرتا ہوں" جیسا کہ کتاب المغازی میں گزر چکا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نیند سے اپنے آپ کو آرام پہنچانے میں اس لیے اجر کی امید کی جائے کہ جب نیند سے انسان کو آرام پہنچ جائے گا تو وہ زیادہ تر و تازگی کے ساتھ عبادت میں قیام کر سکے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۲۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آگ کے ساتھ عذاب دینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

صحیح البخاری: ۲۹۵۴ میں مذکور ہے کہ "آگ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ عذاب دیتا ہے، اگر تم ان دو مردوں کو پاؤ تو ان کو قتل کر دینا"۔

اس حدیث میں خبر نہی اور ممانعت کے معنی میں ہے۔ اور ابن لہیعہ کی روایت میں ہے کہ "آگ کے ساتھ اللہ کے سوا کسی کو کوئی عذاب نہ دے" اور امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو آگ کے ساتھ کوئی عذاب نہ دے"۔ اور امام ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آگ کے ساتھ رب النار کے سوا اور کسی کو عذاب نہیں دینا چاہیے"۔ اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

سلف صالحین کا آگ میں جلانے کے متعلق اختلاف ہے، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ان کے سوا دوسروں نے آگ میں جلانے سے مطلقاً منع کیا ہے، خواہ یہ کفر کے سبب سے ہو یا یہ جلانا لڑائی کے سبب سے ہو، یا قصاص کے سبب سے ہو۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور دوسروں نے آگ کے ساتھ جلانے کی اجازت دی ہے، اور عنقریب آئے گا کہ اس کا تعلق قصاص کے ساتھ ہے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: یہ ممانعت تحریم کے لیے نہیں ہے بلکہ بطور تواضع ہے، اور آگ میں جلانے کے جواز پر صحابہ کرام کا فعل دلالت کرتا ہے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلایا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک لوطی کو آگ میں جلایا ہے)۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینیین کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھیریں، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے سامنے باغیوں کو آگ میں جلایا، اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مرتد لوگوں کو آگ میں جلایا ہے، اور اکثر علماء مدینہ قلعوں اور جہازوں کو ان کے اہل کے ساتھ آگ میں جلانے کو جائز قرار دیتے ہیں، یہ علامہ نووی اور الاوزاعی کا قول ہے۔

اور علامہ ابن المنیر وغیرہ نے کہا ہے: جواز کے ذکر کردہ دلائل میں کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ عرینیین کا قصہ بطور قصاص تھا یا وہ منسوخ ہو چکا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اور بعض صحابہ کا آگ میں جلانے کو جائز قرار دینا اس سے معارض ہے کہ دوسرے صحابہ نے اس سے منع کیا ہے۔ اور قلعوں اور جہازوں کو آگ لگانا ضرورت کے ساتھ مقید ہے یعنی جب دشمن پر فتح پانے کی اور کوئی صورت نہ ہو، سوا اس کے کہ اس کے قلعہ کو یا اس کے جہاز کو آگ لگا دی جائے تو اس صورت میں جائز ہے۔ اور بعض علماء نے یہ قید لگائی ہے کہ ان قلعوں میں اور جہازوں میں عورتیں اور بچے نہ ہوں، تب آگ لگانا جائز ہے۔

اور رہی اس باب کی حدیث، تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آگ میں جلانے کی ممانعت تحریم کے لیے ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ آگ میں جلانے کا پہلا حکم منسوخ ہو گیا ہے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے منسوخ کر دیا گیا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔

اور امام مالک کے مذہب میں قصاص کی صورت میں آگ لگانے کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔

ان تمام عبارات اور نقول پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ آگ میں جلانے کو ترک کرنا چاہیے، کیونکہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور یہی ظاہر نص کا تقاضا ہے۔

لیکن جب امام کی رائے یہ ہو کہ آگ میں جلانا زیادہ عبرت انگیز ہے اور بندوں کے لیے زیادہ منفعت کا سبب ہے، تو پھر ظاہر ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ کبھی آگ میں جلانے میں مصلحت ہوتی ہے، اسی طرح جب ہم دیکھیں کہ کفار کے اوپر آگ میں جلانے کے سوا غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر ان کو آگ میں جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یا اگر کفار، مسلمان فوجوں کو آگ میں جلائیں تو قصاص میں ان کو آگ میں جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ (البقرہ: ۱۹۴) سو جو شخص تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کی مثل زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

اسی طرح جب کوئی شخص دوسرے انسان کو آگ میں جلا دے تو قصاص میں اس کو آگ میں جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سبِّ صحابہ کے متعلق شیخ ابن عثیمین کا نظریہ

سوال: جو شخص صحابہ کو گالی دے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: رہا صحابہ کو عموماً گالی دینا، تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جو شخص اس کے کفر میں شک کرے اس کے کفر میں بھی شک نہیں ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۱۔ ۳۵۳، ملخصاً وملتقطاً، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

سبِّ صحابہ کے حکم کے متعلق مصنف کی تحقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ وشتم کرنا مطلقاً کفر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سبّ وشتم کرنا کفر نہیں ہے، گناہِ کبیرہ ہے، ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرنا کفر ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا نصِ قرآن سے ثابت ہے، قرآن مجید میں ہے:

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ (التوبہ: ۴۰) جب وہ اپنے صاحب سے فرما رہے تھے۔

اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف کرنا اور آپ پر زنا کی تہمت لگانا بھی کفر ہے کیونکہ قرآن مجید نے سورۃ النور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس سے براءت بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چھ کے سوا تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے، یا تمام صحابہ کو منافق قرار دینا یہ بھی کفر ہے، کیونکہ اگر تمام صحابہ معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے تو پھر ان کا جمع کیا ہوا قرآن ثابت نہ ہوا، اور اب اس قرآن مجید کے سوا ہمارے پاس دین کی پہچان کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے، سو اگر قرآن مجید ثابت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی بندوں پر حجت قائم نہیں رہے گی۔

۳۔ بَابُ: قَتْلِ مَنْ أَبَى قَبُولَ الْفَرَائِضِ وَمَا نُسِبُوا إِلَى الرِّدَّةِ

ان کو قتل کرنے کا بیان جنہوں نے فرائض قبول کرنے سے انکار کیا اور جن کو ارتداد کی طرف منسوب کیا گیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے فرائض کے قبول کرنے سے یا احکامِ واجبہ کے قبول کرنے سے انکار کیا، ان کو قتل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جو لوگ ارتداد کی طرف منسوب ہو گئے، ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس حکم میں اختلاف ہے۔

احکامِ شرعیہ کے انکار کرنے کی سزا

جو شخص زکوٰۃ کے واجب ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس کو ادا کرنے کا انکار کرے، پس اگر وہ ہمارے درمیان رہتا ہو اور ہم سے جنگ نہ کرے اور نہ تلوار کے زور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرے تو اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور مساکین کو دے دی جائے گی اور اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے تلوار کے زور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا اور تمام امت سے جنگ کرنے کے درپے ہو گئے تھے، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص کسی فرض کی ادائیگی سے منع کرنے کے لیے جنگ کرے یا کسی آدمی کے حق کے واجب کو ادا کرنے سے منع کرے تو اس سے قتال کرنا واجب ہے۔

تارکِ نماز کے متعلق تحقیق

اہل السنۃ والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ جس نے نماز کا انکار کرتے ہوئے نماز کو ترک کیا تو وہ مرتد ہے، اس سے توبہ کو طلب کیا جائے گا، اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح باقی فرائض کے انکار کا حکم ہے۔

لیکن جس نے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کیا اور کہا کہ میں نماز نہیں پڑھ رہا، اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب اس نے ایک نماز کو ترک کیا حتیٰ کہ اس نے اس نماز کو اس کے وقت سے نکال دیا یعنی جس آخری وقت میں اس نماز کا پڑھنا ضروری تھا، اس وقت میں اس نے اس نماز نہیں پڑھی تو اس سے توبہ کو طلب کرنے کے بعد اگر اس نے نماز کے ترک پر اصرار کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور صحیح یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک اس کو بطورِ حد قتل کیا جائے گا نہ بطورِ کفر۔

اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اس شخص سے کہا جائے گا کہ جب تک نماز کا وقت باقی ہے نماز پڑھو، پس اگر اس نے نماز پڑھ لی تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور اگر اس نے نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ پھر اس میں ان کا اختلاف ہے، بعض فقہاء مالکیہ نے کہا: اس سے توبہ طلب کی جائے گی، پس اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا کہ اس کو فوراً قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ یہ اللہ عزوجل کی حد ہے جو اس پر قائم کی جائے گی اور اس کی توبہ سے وہ حد ساقط نہیں ہوتی۔ اور وہ شخص زانی اور قاتل کی مثل فاسق ہے، کافر نہیں ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: نماز کا تارک مرتد ہے، کافر ہے اور اس کا مال فئے ہے، اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا خواہ اس نے نماز کا انکار کر کے نماز کا انکار کیا ہو یا سستی سے۔

اور امام ابوحنیفہ، الثوری اور المزنی نے کہا: تارکِ نماز کو کسی وجہ سے قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اسے اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان چھوڑا جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو تعزیر لگائی جائے گی حتیٰ کہ وہ نماز پڑھے۔ اور ہمارے بعض اصحاب نے کہا کہ اس کو اتنا مارا جائے گا کہ اس کی کھال سے خون نکل آئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۲۔ ۱۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ ﷺ وَاسْتُخْلِفَ أَبُو بَكْرٍ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ يَا أَبَا بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا اور عرب کے جن لوگوں نے کفر کرنا تھا انہوں نے کفر کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوبکر! آپ کیسے لوگوں سے قتال کر رہے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے لوگوں سے

قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ کہیں: لا الٰہ الا اللہ، (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے) پس جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھ لیا، اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو محفوظ کر لیا سوا اس کے حق کے، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۹۹، ۱۴۵۷، ۶۹۲۴، ۷۲۸۴، صحیح مسلم: ۲۱، سنن ترمذی: ۲۶۰۶، سنن نسائی: ۳۰۹۵، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۷، مسند احمد: ۸۶۸۷، سنن داری: ۲۶۴۶)

۶۹۲۵۔ قَالَ أَبُو بَكْرٍ وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَأَيْتُ أَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس شخص سے قتال کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے گا کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے اور اللہ کی قسم! اگر یہ مجھے اس بکری کے بچہ کو دینے سے بھی منع کریں جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو میں اس کے منع کرنے پر ان سے قتال کروں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! یہ قول وہ تھا کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ قتال کے لیے کھول دیا، پس میں نے جان لیا کہ یہی برحق ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۰۰، ۱۴۵۶، ۶۹۲۵، ۷۲۸۵، صحیح مسلم: ۲۰، سنن ترمذی: ۲۶۰۷، سنن نسائی: ۲۴۴۳، سنن ابوداؤد: ۱۵۵۶، مسند احمد: ۱۱۸)

صحیح البخاری: ۶۹۲۴۔ ۶۹۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ باب کے عنوان میں یہ ذکر ہے کہ ''ان کو قتل کرنے کا جواز جو فرائض کے قبول کرنے سے انکار کریں'' اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ ''جن لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا، ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قتال کیا''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عُقیل کا ذکر ہے، یہ ابن خالد ہیں۔

یہ حدیث کتاب الزکوٰۃ میں از ابوالیمان از شعیب گزر چکی ہے اور عنقریب کتاب الاعتصام میں از قتیبہ از اللیث آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہیں'' اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے ''جس نے اللہ تعالیٰ کو واحد مانا اور

اللہ تعالیٰ کے ماسوا کی عبادت سے کفر کیا تو اس کا خون بہانا اور اس کا مال چھیننا حرام ہے"۔
اس حدیث میں مذکور ہے "من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ" یعنی جس نے نماز کا اقرار کیا اور زکوٰۃ کا انکار کیا یا زکوٰۃ کو مان کر اس کے ادا کرنے سے انکار کیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فان الزکوٰۃ حق المال" یہ اس کی دلیل ہے کہ زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرنا ممنوع ہے، کیونکہ جان کا حق نماز ہے اور مال کا حق زکوٰۃ ہے، پس جس نے نماز پڑھ لی اس نے اپنی جان کو محفوظ کر لیا، اور جس نے زکوٰۃ ادا کر دی اس نے اپنے مال کو محفوظ کر دیا، پس اگر اس نے نماز نہیں پڑھی تو اس سے نماز کے ترک پر قتال کیا جائے گا، اور جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس کے مال سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی، اور اگر وہ لڑنے کے لیے تیار ہوا تو اس سے قتال کیا جائے گا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عناقا" اس کا معنی ہے: بکرے کی بچی، اور بعض روایات میں "عقالا" کا لفظ ہے یعنی رسی، لیکن عناق کا لفظ زیادہ صحیح ہے، کیونکہ امام ابوعبید کی روایت میں ہے کہ اگر وہ مجھے بکری کے اس چھوٹے بچہ کو دینے سے بھی منع کریں جس کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "فعرفت" یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قائم کی ہوئی دلیل سے یہ جان لیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو کہا ہے وہ برحق ہے، کیونکہ ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۴- بَابٌ: إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُصَرِّحْ نَحْوَ قَوْلِهِ السَّامُ عَلَيْكَ

جب ذمی یا کوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تعریضاً سبّ و شتم کرے اور صراحۃً سبّ و شتم نہ کرے جیسے اس کا یہ قول: "السام علیك" (یعنی تم پر موت آئے)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص تعریض اور کنایہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ و شتم کرے یا برا کہے۔
امام بخاری نے عنوان میں کہا ہے "وغیرہ" یعنی ذمی کا غیر جیسے معاہد ہو، اور وہ شخص جو اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔
اور اس عنوان میں ذکر ہے کہ "وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ و شتم کرے" یعنی آپ کی تنقیص کرے اور صراحۃً تنقیص نہ کرے بلکہ کنایۃً کرے جیسے کہے "السام علیك" یعنی آپ پر موت آئے۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ "السام علیك" میں تعریض نہیں ہے، کیونکہ تعریض اسے کہتے ہیں کہ ایک لفظ کے دو معنی ہوں، متکلم ایک معنی کا ارادہ کرے اور مخاطب کے ذہن میں دوسرا معنی ہو۔
اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تعریض کا اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ تعریض سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کنایہ سے سبّ و شتم کرے۔

ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان میں کوفیوں کے مذہب کو اختیار کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کیا، یا آپ کا عیب نکالا تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور قتل نہیں کیا جائے گا، اور یہ ثوری کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: اگر وہ مسلمان تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کنایۃً سب کرنے کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اور اگر وہ ذمی ہے تو اس کے عہد کو نہیں توڑا جائے گا۔

امام طحاوی نے کہا: یہودی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا ''السام علیك'' (آپ پر موت آئے)، اگر اس دعا کی مثل کوئی مسلمان کرے تو وہ اس دعا کرنے کے سبب سے مرتد ہو جائے گا اور قتل کر دیا جائے گا، اور شارع علیہ السلام نے یہود میں سے اس کہنے والے کو قتل نہیں کیا، کیونکہ یہود کے عقائد میں اس سے زیادہ سنگین چیز تھی، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرنے سے زیادہ سنگین ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے کوفیین کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے عنوان کے اندر جواب کی تصریح نہیں کی۔

جس یہودی نے آپ کو موت کی دعا دی اس کو قتل نہ کرنے کی وجوہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کا اس عنوان کے جواب کی تصریح نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ اگر وہ کسی اور مذہب کو اختیار کرتے تو اس کی تصریح کر دیتے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس باب کی حدیث اس پر نہیں دلالت کرتی کہ اہلِ ذمہ میں سے جو آپ کو سبّ وشتم کرے اس کو قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمی کو قتل نہیں فرمایا۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آپ نے اس یہودی کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ آپ مصلحتاً تالیف قلب کرنا چاہتے تھے، یا اس لیے کہ سب وشتم کی تصریح پر گواہی قائم نہیں ہوئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ سنگین چیز کے اندر یہودیوں کو قتل نہیں کیا اور وہ ان کا شرک کرنا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، علاوہ ازیں اس یہودی نے آپ کے لیے موت کی دعا کی، اور موت سے تو کوئی چھٹکارا نہیں ہے، پس اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا، کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ کعب بن اشرف کو کون قتل کرے گا، کیونکہ وہ اللہ کو اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتا ہے؟ اور آپ نے کعب بن اشرف کی طرف اس کو بھیجا جس نے کعب بن اشرف کو اس کی غفلت میں قتل کر دیا اور ابورافع کو قتل کیا۔ امام بزار نے کہا ہے کہ ابورافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاتا تھا اور ایذاء پہنچانے والوں کی مدد کرتا تھا۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ وشتم کرتا تھا تو آپ نے فرمایا: میرے دشمن سے کون بدلہ لے گا؟ تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بدلہ لوں گا، تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف بھیجا، سو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

شیخ ابن حزم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے، مسند ہے، اس کو ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلقین سے روایت کیا ہے اور ابن المدینی نے کہا: بلقین اس کا نام ہے اور وہ اسی کے ساتھ معروف ہے۔

اور امام عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ وشتم کیا تو آپ نے فرمایا: میرے دشمن سے میرا بدلہ کون

لے گا، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بدلہ لوں گا، سو انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان تمام احادیث کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صرف ان کے سبّ و شتم کرنے کی وجہ سے قتل نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے قتل کیا کہ وہ آپ کے خلاف دوسروں کی مدد کرتے تھے اور ان لوگوں کو جمع کرتے تھے جو آپ سے جنگ کریں، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام بزار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ندا کی اے قریش کی جماعت! کہ میں تمہارے درمیان باندھ کر قتل کر دیا جاؤں اس کا کیا سبب ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا سبب تمہارا کفر ہے، اور تمہارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء کرنا ہے، علاوہ ازیں یہ تمام سبّ و شتم کرنے والے اہل ذمہ سے نہیں تھے بلکہ یہ مشرکین تھے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ کرتے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۳۔ ۱۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٩٢٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ مَرَّ يَهُودِيٌّ بِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ السَّامُ عَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَعَلَيْكَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَتَدْرُونَ مَا يَقُولُ قَالَ السَّامُ عَلَيْكَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَقْتُلُهُ قَالَ لَا إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مقاتل ابو الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از ہشام بن زید بن انس بن مالک، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، اس نے کہا: آپ پر موت آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تم پر آئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ اس نے کیا کہا تھا: اس نے کہا تھا کہ تم پر موت آئے، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو تم جواب میں کہو: وعلیکم۔

(صحیح البخاری: ۶۲۵۸، ۶۹۲۶، صحیح مسلم: ۲۱۶۳، سنن ترمذی: ۳۳۰۱، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۷، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۷، مسند احمد: ۱۱۵۳۷)

صحیح البخاری: ۶۹۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے "تعریضاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سبّ و شتم کرنا" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: "السام علیك" یعنی آپ پر موت آئے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن مبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن زید کا ذکر ہے جو اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام نسائی نے کتاب الیوم واللیلۃ میں از زید بن حزم روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں واحد کے صیغہ سے ذکر ہے "السام علیك" اور دوسری روایت میں "السام علیکم" ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا نقتله" "الا" کا کلمہ تحذیر اور برانگیختہ کرنے کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال: لا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو قتل نہ کرو۔

امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل

امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی ذمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب وشتم کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، اور اس حدیث میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر واضح دلیل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: "وعلیك" اور واؤ شرکت کا تقاضا کرتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ "وعلیك" کا معنی ہے: تم پر وہ لعنت اور عذاب نازل ہو جس کے تم مستحق ہو، یا یہاں پر یہ عبارت مقدر ہے کہ "وانا اقول وعلیك" (اور میں کہتا ہوں کہ تم پر موت آئے) کیونکہ موت ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے اور ہم سب پر موت آنی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ قُلْتُ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی از ابن عیینہ از الزہری از حضرت عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزری، انہوں نے کہا: "السام علیك" (تم پر موت آئے) تو میں نے کہا: بلکہ تم پر موت آئے اور لعنت ہو، تو آپ نے فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ رفیق ہے (نرم ہے) اور وہ تمام معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے، میں نے عرض کیا: کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: میں نے کہا: وعلیکم۔

(صحیح البخاری: ۲۹۳۵، ۶۰۲۴، ۶۰۳۰، ۶۲۵۶، ۶۳۹۵، ۶۴۰۱، ۶۹۲۷، صحیح مسلم: ۲۱۶۵، سنن ترمذی: ۲۷۰۱، سنن ابن ماجہ: ۳۶۹۸، مسند احمد: ۲۳۵۷۰)

صحیح البخاری: ۶۹۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اسی طرح ہے جس طرح ہم نے اس سے پہلی حدیث میں مطابقت کی توجیہ کی ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونُعیم کا ذکر ہے، یہ الفضل بن دُکین ہیں، یہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں از محمد بن مسلم الزہری، از عروہ بن ہشام از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''رھط'' اور ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ مردوں میں''رھط'' کا اطلاق دس سے کم مردوں پر کیا جاتا ہے جن میں عورت نہ ہو، اور''رھط'' کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا۔ اور اس کی جمع ''ارھط'' اور''ارھاط'' آتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رضى الله عنهما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ الْيَهُودَ إِذَا سَلَّمُوا عَلَى أَحَدِكُمْ إِنَّمَا يَقُولُونَ سَامٌ عَلَيْكَ فَقُلْ عَلَيْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از سفیان و مالک بن انس، ان دونوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن دینار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود جب تم میں سے کسی ایک پر سلام کرتے ہیں تو وہ صرف یہ کہتے ہیں''سام علیک''، پس تم کہو''علیک''

(صحیح البخاری: ۶۲۵۷، ۶۹۲۸، صحیح مسلم: ۲۱۶۴، سنن ترمذی: ۱۶۰۳، سنن ابوداؤد: ۵۲۰۶، مسند احمد: ۴۵۴۹، موطا امام مالک: ۱۷۹۰، سنن دارمی: ۲۶۳۵)

صحیح البخاری: ۶۹۲۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب سابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سام علیك" اور ایک روایت میں ہے "السام علیکم"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقل علیك" اور ایک روایت میں "علیکم" ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس مقام کا تقاضا یہ تھا کہ کہا جائے "فلیقل" امر غائب کے صیغہ کے ساتھ، اور اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک یہ کہے، اور اس لفظ میں ہر ایک کے لیے خطاب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۵۔۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: باب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا امام بخاری نے کوئی عنوان نہیں لکھا جیسا کہ ان کی عادت ہے، صرف لفظِ "باب" لکھا ہے۔ اس کا معنی ہے "یہ باب ہے"۔ اور یہ باب اس سے پہلے باب کے لیے بمنزلہ فصل ہے۔ اور علامہ ابن بطال نے یہاں پر لفظِ باب نہیں لکھا اور اس باب میں جو حدیث ہے اس کو پچھلے باب کی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ ملا دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۲۹۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ حَدَّثَنِي شَقِيقٌ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم يَحْكِي نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَأَدْمَوْهُ فَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ وَيَقُولُ رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۷، ۳۴۷۷، ۵۷۳۴، ۶۲۱۹، مسند احمد: ۷۳۸۴۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے کہا: گویا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا، آپ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے اس قدر مارا کہ ان کو لہولہان کر دیا، سو وہ اپنے چہرہ سے خون کو پونچھ رہے تھے اور یہ دعا کر رہے تھے: اے میرے رب! میری قوم کو معاف فرما، پس بے شک ان کو علم نہیں ہے۔

صحیح البخاری: ۶۹۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی یہاں پر ذکر کی توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث اس باب کے ساتھ ملی ہوئی ہے جس کا یہ عنوان تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے قتل کرنے کو ترک کر دیا جس نے آپ کے متعلق کہا: "السام علیک" (تم پر موت آئے)، اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی تھی اور کفار کی ایذاء رسانی پر آپ کا صبر تھا، اور انبیاء علیہم السلام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ صبر کریں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاصۡبِرۡ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّهُمۡ ؕ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَ مَا يُوۡعَدُوۡنَ۔ (الاحقاف: ۳۵)

سو (اے رسولِ مکرم!) آپ صبر کیجئے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا تھا، اور ان کے لیے (طلب عذاب کی) جلدی نہ کریں، جس دن وہ آخرت کے اس عذاب کو دیکھیں گے جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے۔

اور اس حدیث میں انبیاء سابقین میں سے ایک نبی علیہ السلام کے صبر کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی امام بخاری نے از عمر بن حفص از والد خود حفص بن غیاث از سلیمان بن الاعمش از شقیق بن سلمہ از ابی وائل روایت کی ہے، اور یہ تمام راوی کوفی ہیں۔

یہ حدیث بنی اسرائیل کے باب میں اسی سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "قال عبد اللہ" اس سے مراد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یحکی نبیا" یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی حکایت کر رہے تھے، اور آپ خود ہی حکایت کرنے والے ہیں اور خود ہی وہ ہیں جن کی حکایت کی گئی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نبی علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام ہوں، کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کو اتنا مارتی تھی کہ وہ بے ہوش ہو جاتے تھے، پھر ہوش میں آتے تھے اور پھر دعا کرتے تھے: اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، کیونکہ ان کو علم نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں حضرت نوح علیہ السلام کی سوانح میں ذکر کیا ہے، اور اس کو الاعمش نے از مجاہد از عبید بن عمیر روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ادموہ" یعنی انہوں نے نبی علیہ السلام کو زخمی کر دیا حتیٰ کہ ان سے خون جاری ہو گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۔ بَابُ: قَتۡلِ الۡخَوَارِجِ وَالۡمُلۡحِدِينَ بَعۡدَ إِقَامَةِ الۡحُجَّةِ عَلَيۡهِمۡ

خوارج اور ملحدین کے خلاف حجت قائم کرنے کے بعد ان کو قتل کرنے کا بیان

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ۔ (التوبہ:۱۱۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ کردے حتیٰ کہ ان کے لیے یہ بیان کردے کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ، وَقَالَ: إِنَّهُمُ انْطَلَقُوا إِلَى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِي الْكُفَّارِ فَجَعَلُوهَا عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ نظریہ تھا کہ خوارج اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں اور انہوں نے کہا: کیونکہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں، وہ ان آیات کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خوارج کی تعریف اوران کا مصداق

اس باب کے عنوان میں خوارج کا ذکر ہے، خوارج کا لفظ ''خارجۃ'' کی جمع ہے، یہ وہ جماعت ہے جو دین سے نکل گئی، یہ وہ بدعتی لوگ ہیں جو دین سے نکل گئے اوران کو خوارج اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے بہترین مسلمانوں کے خلاف خروج کیا۔

علامہ الشہرستانی نے ''کتاب الملل والنحل'' میں کہا ہے: ہر وہ شخص جو برحق امام کے خلاف خروج کرے (یعنی بغاوت کرے) تو وہ خارجی ہے، خواہ وہ صحابہ کے زمانہ میں ہو یا ان کے بعد، اور فقہاء نے کہا ہے: خوارج، باغیوں کے غیر ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گمان کے مطابق کسی باطل تاویل سے برحق امام کی مخالفت کرتے ہیں، اور خوارج وہ ہیں جنہوں نے کسی تاویل کے بغیر امام کی مخالفت کی یا قطعی باطل تاویل کے سبب سے امام کی مخالفت کی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ بدعتیوں کی ایک جماعت ہے جن کے مخصوص نظریات ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ بندہ گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ غیر قرشی کو امام بنانا جائز ہے، اوران کو خوارج اس لیے کہا گیا کہ وہ اپنے ان مخصوص نظریات کی وجہ سے لوگوں سے نکل گئے۔

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ''والملحدین'' یعنی ملحدین کو قتل کرنا، اور یہ ''مُلحِد'' کی جمع ہے، ''مُلحِد'' اس کو کہتے ہیں جو حق سے عدول کرے اور باطل کی طرف میلان کرے۔

امام بخاری نے کہا: ''بعد اقامۃ الحجۃ علیهم'' اس سے امام بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ خارجی ہو یا اس کا غیر ہو، اس کے خلاف قتال کرنا اس وقت واجب ہوگا جب اس پر حجت پیش کردی جائے، اور اس کو حق کی دعوت دی جائے، اور جس معاملہ میں اس کو اشتباہ ہوگیا ہے، اس کے اشتباہ کو زائل کیا جائے۔ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرنے سے انکار کرے تو اس کو قتل کرنا واجب ہے، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے جس کا امام بخاری نے ذکر کیا ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (التوبہ:۱۱۵)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ کردے حتیٰ کہ ان کے لیے یہ بیان کردے کہ انہیں کس چیز

سے بچنا چاہیے۔

امام بخاری نے اس آیت کریمہ سے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ خوارج اور ملحدین سے قتال کرنا اسی وقت واجب ہے جب ان کے خلاف حجت قائم کردی جائے اور دلائل سے ان کے باطل ہونے کو ظاہر کردیا جائے، اور اس پر دلیل یہ آیت مبارکہ ہے، کیونکہ اس میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے اس وقت تک مواخذہ نہیں فرماتا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو بیان فرمادے کہ وہ کیا کام کریں اور کن کاموں کو چھوڑیں، اسی طرح اس آیت کی ضحاک نے تفسیر کی ہے۔

التوبہ: ۱۱۵ کی متعدد تفاسیر

اور مقاتل اور کلبی نے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرائض کو نازل کردیا، پھر لوگوں نے ان فرائض پر عمل کیا تو قرآن مجید میں وہ آیات نازل ہوئیں جو سابقہ احکام کے لیے ناسخ تھیں اور کئی مسلمان فوت ہوچکے تھے اور وہ پہلے حکم کے مطابق عمل کرتے تھے مثلاً قبلہ اولیٰ کی طرف نماز پڑھتے تھے، اور خمر کے حرام کیے جانے سے پہلے خمر کو پیتے تھے، تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جو لوگ ان کاموں پر عمل کرتے ہوئے فوت ہوگئے ان کا کیا ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے التوبہ: ۱۱۵ نازل فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی اس قوم کے عمل کو باطل کردے جس نے منسوخ حکم پر عمل کیا ہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے ناسخ کو بیان کردے۔

اور علامہ الثعلبی نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تم پر گمراہی کا حکم لگادے جب کہ تم مشرکین کے لیے استغفار کررہے تھے، اس سے پہلے کہ تم پر اس کی ممانعت کا حکم آئے، یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں ہدایت کے بعد گمراہی کو واقع کردے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمادے کہ کس چیز سے تمہیں ڈرنا چاہیے اور کس چیز کو ترک کرنا چاہیے۔

اور علامہ الزمخشری نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں اس چیز سے بچنا چاہیے جس سے ممانعت کی وجہ سے بچنا واجب ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ نظریہ تھا کہ خوارج اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں اور انہوں نے کہا: کیونکہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں، وہ ان آیات کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں''۔

امام ابوجعفر طبری نے ''تہذیب الآثار'' میں اس اثر کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے از بکیر بن عبداللہ بن الاشج، انہوں نے نافع سے سوال کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی الحروریہ کے متعلق کیا رائے تھی؟ تو انہوں نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ان کے متعلق یہ رائے تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں، جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں، وہ ان کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں۔

''الحرورية'' کا مصداق

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: الحرورية سے مراد خوارج ہیں، ان کا نام حروریہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ اس جگہ رہنے کے لیے گئے جس کو ''حروراء'' کہتے ہیں اور یہ الکوفہ کے قریب ایک جگہ ہے، اور ان کا سب سے پہلا اجتماع اور سب سے پہلی حکومت کا واقعہ حروراء میں ہوا۔

علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "الحروریۃ" الخوارج کی ایک جماعت ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتال کیا، اور خوارج کا دین میں وہ تشدد تھا جو بہت معروف ہے، اور ان کا سردار عبداللہ بن الکواء (کاف پر زبر اور واؤ پر تشدید اور آخر میں مد) الیشکری تھا، اور خوارج کے بیس (۲۰) فرقے تھے۔

خوارج کے نظریات

شیخ ابن حزم نے کہا ہے: خوارج میں سے بدترین حال کے وہ لوگ تھے جو دین میں بہت غلو کرتے تھے، وہ پانچ نمازوں کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ صرف صبح کی اور شام کی نماز کو پڑھنا واجب ہے، اور ان میں سے بعض وہ تھے جو سورۂ یوسف کے قرآن ہونے کا انکار کرتے تھے، اور انہوں نے کہا: جس نے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے خواہ اس نے دل سے کفر کا اعتقاد کیا ہو۔ اور ان کا قول "الاباضیۃ" کے قریب تھا، اور ان میں سے کچھ لوگ عرب میں باقی ہیں۔

علامہ الجوہری نے کہا: "اباضیۃ" خوارج کا ایک فرقہ ہے جو عبداللہ بن اباض التیمی کے اصحاب ہیں، اور "اباض" اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کو اس کے بازو کے ساتھ باندھ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا ہاتھ زمین سے اوپر ہو جائے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بدترین ہیں"۔ علامہ الکرمانی نے کہا: یہ مسلمانوں میں سے سب سے بدتر لوگ ہیں کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تاویل نہیں کرتے تھے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تاویل کرتے ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما "القدریہ" کو بھی ناپسند کرتے تھے اور ان کو بدترین مخلوق کہتے تھے۔

خوارج کے متعلق شرعی حکم

"التوضیح" میں علامہ ابن الملقن نے "کتاب الاسفرایینی" سے نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن ابی اوفیٰ، حضرت جابر، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت عقبہ بن عامر اور ان کے معاصرین رضی اللہ عنہم اپنے متبعین کو یہ وصیت کرتے تھے کہ قدریہ کو سلام نہ کریں اور نہ ان کی عیادت کریں، نہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں اور جب وہ مر جائیں تو ان کی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۶۔۱۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خوارج کا لغوی اور اصطلاحی معنی

خوارج "خارجۃ" کی جمع ہے اور یہ ایک جماعت ہے، اور یہ بدعتی لوگ ہیں، ان کو خوارج اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دین سے نکل گئے اور نیک مسلمانوں کے طریقہ سے نکل گئے۔

خوارج کی بدعت کی اصل

علامہ الرافعی نے "الشرح الکبیر" میں لکھا ہے: ان کی بدعت کی اصل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا، کیونکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو پہچانتے ہیں اور ان کو پکڑنے پر قادر ہیں اور ان سے

قصاص نہیں لیتے اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھے اور ان کے قتل میں قاتلین عثمان کی موافقت کرتے تھے۔

محدثین کے نزدیک خوارج کی متفق علیہ تعریف

اور علامہ رافعی کی یہ تعریف اس کے خلاف ہے جس پر محدثین کا اتفاق ہے، کیونکہ محدثین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خوارج نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ وہ کئی امور کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے تھے اور ان سے بیزار رہتے تھے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ بعض اہل عراق نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض رشتہ داروں کی سیرت پر اعتراض کیا اور اس وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طعن کیا اور ان لوگوں کو القراء کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ قرآن مجید کی تلاوت میں اور عبادت کرنے میں بہت زیادہ کوشش کرتے تھے، مگر یہ قرآن مجید کی ایسی تاویل کرتے تھے جو قرآن مجید کی مراد نہیں ہے اور اپنی رائے پر اصرار کرتے تھے، اور زہد و تقویٰ اور خشوع و خضوع میں بہت غلو کرتے تھے۔ پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال کیا اور یہ حضرت عثمان اور ان کے متبعین کے کفر کا اعتقاد رکھتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا اعتقاد رکھتے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جن اہل جمل نے قتال کیا ان کو کافر کہتے تھے۔

جنگ جمل کا پیش خیمہ

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کے بعد مکہ کی طرف نکلے، پس ان کی ملاقات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سال حج کیا تھا، پس یہ سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو طلب کرنے پر متفق ہو گئے اور بصرہ کی طرف چلے گئے اور لوگوں کو اس کی دعوت دیتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر پہنچی تو وہ ان کی طرف نکلے، پس ان کے درمیان جمل کا واقعہ ہوا جو مشہور ہے، اس جنگ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ پس یہ وہ جماعت ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتی تھی۔

جنگ صفین کا پیش خیمہ

پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے اہل شام کے ساتھ کھڑے ہوئے اور وہ اس وقت شام کے امیر تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ اہل شام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوماً شہید کر دیئے گئے، اور ان کے قاتلین سے قصاص میں جلدی کرنا واجب ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام لوگوں کی بہ نسبت اس مطالبہ پر زیادہ قوی تھے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ وہ قاتلین عثمان سے قصاص لینے پر ان کو موقع دیں، پھر اس کے بعد وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کریں گے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ آپ تمام لوگوں کی طرح ان کی بیعت میں داخل ہو جائیں اور ان کو حاکم مان لیں یہاں تک کہ وہ قاتلینِ عثمان کے متعلق برحق فیصلہ کریں، جب یہ معاملہ طویل ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل عراق کے پاس گئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اہل شام سے جنگ کریں، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے جنگ کرنے کے قصد سے اہل شام میں گئے، پس دونوں جماعتیں مقامِ صفین میں بالمقابل ہوئیں، پھر کئی مہینوں تک ان کے درمیان لڑائی جاری رہی۔

واقعہ تحکیم (حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کا اپنے لیے حَکَم بنانا)

اہلِ شام شکست کے قریب تھے، پس انہوں نے نیزوں پر قرآن مجید کو اٹھالیا اور یہ اعلان کیا کہ ہم تم کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور یہ اقدام انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے کیا جو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو لشکر کے اکثر افراد تھے خصوصاً القراء، انہوں نے دین داری کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کو ترک کر دیا، اور انہوں نے درجِ ذیل آیت سے استدلال کیا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (آل عمران: ۲۳)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا، انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرے، پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے ۝

پھر انہوں نے اہلِ شام کی طرف پیغام بھیجا، پس کہا: تم اپنے لوگوں میں سے ایک حَکَم مقرر کرو اور ایک حَکَم ہم اپنے لوگوں میں سے مقرر کرتے ہیں، اور ان کے ساتھ وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا، پس وہ جس کے ساتھ حق کو دیکھیں اس کی اطاعت کا اعلان کر دیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اس کو قبول کر لیا۔

خوارج کی بنیاد

اور اس جماعت نے اس تحکیم کا انکار کیا اور یہ لوگ خوارج ہو گئے (یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی جماعتوں سے خارج ہو گئے) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اہلِ عراق اور شام کے درمیان کا تعینِ حکومت کو لکھا کہ یہ وہ ہے جس کا امیر المومنین علی نے معاویہ کے ساتھ فیصلہ کیا، پس اہلِ شام نے اس سے منع کیا اور کہا: ان کا نام لکھو اور ان کے باپ کا نام لکھو، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور الخوارج نے اس کا بھی انکار کیا، پھر دونوں فریق اس پر الگ الگ ہو گئے کہ دونوں حَکَم اور جو ان کے ہمراہ ہیں وہ ایک معین مدت کے بعد اس جگہ میں حاضر ہوں جو شام اور عراق کے درمیان ہے، اور دونوں لشکر اپنے اپنے شہروں میں لوٹ جائیں یہاں تک کہ واقعہ تحکیم ہو جائے، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف چلے گئے اور خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ سے علیحدہ ہو گئے اور ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی، اور ایک قول ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی، اور ایک قول ہے کہ ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔

خوارج کو ''الحرورية'' کہنے کی توجیہ

اور یہ لوگ اس جگہ میں ٹھہرے جس کو ''حروراء'' کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے ان لوگوں کو الحروریہ کہا گیا ہے اور ان کے سردار عبداللہ بن الکوّاء الیشکری اور الشیث تمیمی تھے، ان کی طرف علی بن عباس نے پیغام بھیجا اور ان سے مباحثہ کیا، پس ان میں سے کافی لوگوں نے رجوع کر لیا، پھر ان کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کر لی اور ان کے ساتھ کوفہ میں داخل ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کے دونوں رئیس یعنی عبداللہ بن الکوّاء اور الشیث تمیمی بھی تھے، پھر انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ تحکیم سے تائب ہو گئے، اس لیے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے ہیں، یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے خطبہ دیا اور اس کا انکار کیا۔ پھر انہوں نے مسجد کے اطراف سے یہ اعلان کیا کہ اللہ کے سوا کسی کو حَکَم بنانا جائز نہیں ہے، تب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات حق ہے اور اس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تمہارے لیے ہم پر تین باتیں لازم ہیں: تم کو مساجد سے روکا نہیں جائے گا اور نہ تم کو مالِ فئے سے روکا جائے گا، اور ہم تم سے لڑائی کی ابتداء نہیں کریں گے جب تک کہ تم کوئی فساد نہیں کرو گے۔ اور وہ یکے بعد دیگرے خروج کرتے رہے یہاں تک کہ مدائن میں جمع ہو گئے۔

خوارج کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دینا اور ان کے دیگر مذموم نظریات

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو رجوع کرنے کا پیغام بھیجا، پس انہوں نے رجوع نہ کرنے پر اصرار کیا حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اوپر کفر کی شہادت دیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم پر راضی ہوئے اور وہ توبہ کریں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر ان کو پیغام بھیجا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیغام لانے والے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، پھر ان کا اس پر اجماع ہو گیا کہ جو ان کے معتقدات کا عقیدہ نہ رکھے وہ کافر ہے اور اس کا خون اور اس کا مال اور اس کے گھر والے مباح ہیں، پھر جو مسلمان ان کے پاس سے گزرتے یہ ان کو قتل کر دیتے، اور ان کے پاس سے حضرت عبداللہ بن خباب بن الارت گزرے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان بعض شہروں کے حاکم تھے اور ان کے ساتھ لشکر تھا تو خوارج نے ان کو قتل کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ اس لشکر کو لے کر ان کی طرف نکلے جس کو انہوں نے اہلِ شام سے لڑنے کے لیے تیار کیا تھا، پھر ان کے ساتھ النہروان میں جنگ ہوئی اور ان میں سے دس افراد سے بھی کم بچ سکے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کا شہید کرنا

یہ خوارج کے ابتدائی حالات کا خلاصہ ہے، پھر جو ان میں سے باقی بچے تھے ان کو انہوں نے اپنی رائے کی طرف ملا لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران یہ چھپے ہوئے رہے حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص عبدالرحمٰن بن ملجم تھا جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس وقت شہید کیا جب وہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تھے۔

پھر جب حضرت حسن بن علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے درمیان صلح ہو گئی تو ان میں سے ایک جماعت جوش میں آئی، پھر شام کے لشکر نے ان کو اس جگہ شکست دی جس کو ''النجیلۃ'' کہا جاتا ہے، پھر یہ عبیداللہ بن زیاد کی حکومت کے دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ کے خلاف سازشیں کرتے رہے اور زیاد اور عبداللہ بن زیاد ان پر کامیاب ہوئے اور ان کو قتل کیا اور لمبی مدت تک قید میں رکھا، پھر جب یزید فوت ہو گیا اور اہلِ شام میں پھوٹ پڑ گئی اور حضرت عبداللہ بن زبیر خلافت پر قابض ہو گئے اور بعض اہلِ شام کے سوا باقی شہروں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کی تو پھر مروان کھڑا ہوا اور اس نے خلافت کا دعویٰ کیا اور اس نے تمام شامیوں کو مغلوب کر لیا، اس وقت خوارج نافع بن الازرق کے ساتھ عراق میں ظاہر ہوئے اور یمامہ میں نجدہ بن عامر کے ساتھ ظاہر ہوئے اور نجدہ نے خوارج کے عقائد میں یہ اضافہ کیا کہ جو جنگ کے لیے نہ نکلے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرے وہ کافر ہے خواہ وہ ان کے عقائد کی طرح عقیدہ رکھتا ہو، اور ان کی وجہ سے بہت بڑی مصیبت آئی۔

خوارج کے مذموم عقائد

اور انہوں نے اپنے فاسد معتقدات میں بہت توسیع کی، انہوں نے شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا انکار کر دیا، اور چور کا ہاتھ بازو سے کاٹا، اور حائضہ عورت پر حالتِ حیض میں نماز کو واجب کیا اور جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کیا اس کو کافر قرار دیا، اگر وہ اس پر قادر ہو، اور اگر وہ اس پر قادر نہ ہو تو پھر وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے، اور انہوں نے مرتکبِ کبیرہ پر کافر کا حکم لگایا، اور اہلِ ذمہ کے اموال لینے سے رک گئے، اور جو اسلام کی طرف منسوب ہوتا اس کو قتل کرنے میں اور اس کو قید کرنے میں اور اس کا مال لوٹنے میں دلیر ہوتے، ان میں سے بعض لوگ تو یہ کام بغیر دعوت کے انجام دیتے تھے، اور بعض وہ تھے جو پہلے دعوت دیتے تھے، پھر قتل کرتے تھے۔ اور ان کے مصائب یوں ہی زیادہ ہوتے رہے حتیٰ کہ المہلب بن ابی صفرہ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا، پھر ان سے جنگ کی حتیٰ کہ وہ ان پر کامیاب ہو گیا اور ان کی جمعیت کم ہو گئی، پھر دولتِ امویہ اور دولتِ عباسیہ کے شروع میں باقی خوارج رہے اور ان کی ایک جماعت مغرب میں داخل ہو گئی۔

خوارج کے متعلق مؤرخین کی تصانیف

ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے ان کے حالات اور ان کی خبروں کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کا امام طبری نے اپنی تاریخ میں خلاصہ کیا ہے اور ان کی خبروں کے متعلق الہیثم بن عدی نے ایک کتاب لکھی ہے، اور محمد بن قدامہ الجوہری جو امام بخاری کے شیوخ میں سے ایک ہیں، انہوں نے صحیح سے خارج ایک بڑی کتاب لکھی ہے اور ابو العباس المبرد نے اپنی کتاب "الکامل" میں ان کی خبریں جمع کی ہیں لیکن بغیر اسانید کے، اور جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے انہوں نے اسانید کے ساتھ ان کی خبروں کو ذکر کیا ہے۔

خوارج کی دو قسمیں

قاضی ابو بکر بن العربی نے کہا ہے کہ خوارج کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کا زعم یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت علی اور اصحاب الجمل اور اصحاب صفین اور تمام وہ مسلمان جو تحکیم کے ساتھ راضی تھے وہ کافر ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے جس کا یہ زعم ہے کہ ہر وہ مسلمان جس نے گناہِ کبیرہ کیا وہ کافر ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور دوسروں نے کہا ہے: بلکہ خوارج کی قسمِ اول، قسمِ ثانی کی فرع ہے، کیونکہ قسمِ اول کو کافر قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ ان کا زعم یہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی کو حَکَم بنانا گناہ ہے، کیونکہ جنہوں نے اللہ کے سوا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو حَکَم بنایا وہ کافر ہے۔

شیخ ابن حزم کے ذکر کردہ خوارج کے حالات اور ان کے نظریات

شیخ ابن حزم نے کہا ہے: الخوارج میں سے نجدہ بن عامر کا یہ مذہب تھا کہ جس نے گناہِ صغیرہ کا ارتکاب کیا اس کو دوزخ کے بغیر عذاب دیا جائے گا اور جس نے گناہِ صغیرہ پر اصرار کیا تو وہ گناہِ کبیرہ کرنے والے کی مثل ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور اس نے ذکر کیا کہ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے فاسد عقائد میں غلو کرتے ہیں تو وہ پانچ نمازوں کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز اور شام کی نماز کو پڑھنا واجب ہے، اور ان میں سے بعض پوتی اور بھتیجی اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو جائز کہتے ہیں، اور ان میں سے بعض سورۂ یوسف کے قرآن ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ جس نے لا اللہ

الا اللہ کہا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے خواہ وہ دل سے کفر کا عقیدہ رکھے۔

اور ابو منصور البغدادی نے المقالات میں لکھا ہے کہ خوارج کے بیس فرقے ہیں۔

اور شیخ ابن حزم نے کہا ہے کہ خوارج میں سے بدترین وہ لوگ ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے اور ان میں سے حق کے قریب وہ ہیں جو ''الاباضیۃ'' ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:

میں نے خوارج کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے ثبوت میں جید احادیث ہیں۔

خوارج کی خبروں اور ان کے نظریات کے متعلق احادیث

امام عبد الرزاق نے از معمر روایت کی ہے اور امام طبری نے اس کی از یونس از الزہری روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب اہلِ شام نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن مجید کے نسخوں کو کھول لیا، اس وقت قریب تھا کہ اہلِ عراق، اہلِ شام کو شکست دے دیتے، اہلِ شام اس سے ڈرے، یہاں تک کہ یہ معاملہ فریقین میں سے ایک ایک حَکَم بنانے تک پہنچا، اور ان میں سے ہر ایک اپنے شہر کی طرف لوٹ گیا یہاں تک کہ اگلے سال دونوں حَکَم ''دومۃ الجندل'' میں جمع ہو گئے اور بغیر کسی متفقہ فیصلہ کے الگ الگ ہو گئے، پھر جب وہ لوٹے تو ''الحروریۃ'' نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور کہا: اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاکم بنانا جائز نہیں ہے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے ابورزین کی سند سے روایت کی ہے کہ جب فریقین حَکَم بنانے پر راضی ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف لوٹ گئے تو خوارج مقامِ حروراء میں الگ ہو گئے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، پس انہوں نے ان کو بھیجا، پس جب انہوں نے رجوع کر لیا تو ایک مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا: وہ یہ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ حَکَم بنانے کی وجہ سے کافر ہو گئے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اس کا انکار کیا تو خوارج نے مسجد کی ہر طرف سے یہ اعلان کیا کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے۔

اور دوسری سند سے مروی ہے کہ ان کے سردار اس وقت نہروان میں جمع ہوئے، وہ عبد اللہ بن وہب الراسبی اور زید بن حصن الطائی اور حرقوص بن زہیر السعدی تھے، پس وہ اس پر متفق ہو گئے کہ عبد اللہ بن وہب کو امیر بنا دیا جائے، اور ان کی اکثر خبریں میں ان شاء اللہ، کتاب الفتن میں ذکر کروں گا۔

خوارج کے متعلق مشاہیر فقہاء اسلام کی آراء

امام غزالی نے اپنی کتاب ''الوسیط'' میں دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خوارج کے حکم کے متعلق دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ یہ مرتدین کے حکم میں ہیں، دوسرا یہ کہ یہ باغیوں کے حکم میں ہیں۔ امام رافعی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور جو انہوں نے کہا ہے: وہ ہر خارجی کے بارے میں نہیں ہے، کیونکہ خوارج کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے حکومت کی طلب میں خروج کیا نہ کہ اپنے عقائد کی دعوت دینے کے لیے، اور ان کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جنہوں نے ظالم حکام کے خلاف خروج کیا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے اور السنۃ النبویۃ کو ترک کرتے تھے، سو یہ لوگ اہلِ حق

ہیں۔ اور ان میں سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں اور اہلِ مدینہ ہیں جو حراء میں تھے، اور وہ قراء ہیں جو حجاج کے خلاف نکلے تھے، اور ان میں سے دوسری قسم وہ ہے جنہوں نے حکومت کی طلب کے لیے خروج کیا، خواہ ان کا کوئی شبہ تھا یا نہیں، اور وہ باغی تھے اور ان شاء اللہ ان کا حکم کتاب الفتن میں آئے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۸۳۔۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، نے خوارج کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے اور اس کے حسب ذیل عنوان ہیں:

(۱) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کا شہید ہونا۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۴ ص ۲۶۔۳۰)

(۲) مصاحف (قرآن مجید کے نسخوں کو) نیزوں پر اٹھانا اور حکمین کی دعوت دینا۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۴ ص ۳۴۔۴۶)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کی طرف بھیجنا اور خوارج کا حضرت علی اور ان کے اصحاب سے الگ ہونا اور اس کے بعد ان کا رجوع کرنا۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۴ ص ۴۶۔۴۹)

(۴) حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما) کا ''دومۃ الجندل'' میں جمع ہونا اور یوم نہروان کی خبر۔ (تاریخ الامم والملوک ج ۴ ص ۵۲۔۷۰)

حافظ ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ نے بھی امام ابوجعفر طبری کے حوالہ سے انہی امور کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۴۲۵)

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ نظریہ تھا کہ خوارج اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں اور انہوں نے کہا: کیونکہ جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں، وہ ان آیات کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں''۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے ''تہذیب الآثار'' کی مسند علی میں اس اثر کی سندِ موصول کے ساتھ روایت کی ہے از بکیر بن عبد اللہ بن الاشج، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نافع سے سوال کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی الحروریہ کے متعلق کیا رائے تھی؟ تو انہوں نے بتایا کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ حروریہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں جو آیات کفار کے متعلق نازل ہوئی ہیں وہ ان کا مومنین پر اطلاق کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس اثر کی سند صحیح ہے اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے خوارج کے وصف کے متعلق کہا: وہ بدترین مخلوق ہیں اور امام احمد نے بھی سندِ جید کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مرفوعاً روایت کی ہے۔ اور امام بزار نے از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خوارج کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں اور میری امت کے بہترین لوگ ان کو قتل کریں گے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اور امام طبرانی نے اس سند سے مرفوعاً روایت کی ہے: وہ بدترین خلق اور خلیقہ ہیں، ان کو بہترین خلق اور خلیقہ قتل کریں گے۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ وہ ''شر البریۃ'' ہیں، اور امام مسلم نے از عبید اللہ بن رافع از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ اور امام طبرانی نے از عبد اللہ بن

خباب از والد خود روایت کی ہے: وہ ان سب سے بدترین لوگ ہیں جن پر آسمان کا سایا ہے اور جن کو زمین نے اٹھایا ہے، اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کی مثل ہے۔

امام احمد اور امام ابن شیبہ نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کے ذکر میں تین بار فرمایا: وہ بدترین خلق اور خلیقہ ہیں۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ وہ بدترین مخلوق ہیں۔

یہ احادیث ان فقہاء کے قول کی تائید کرتی ہیں جو خوارج کو کافر قرار دیتے ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۸۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خوارج کے کفر پر شیخ ابن تیمیہ کی تصریح

میں کہتا ہوں کہ خوارج گناہِ کبیرہ کے لیے شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور گناہِ کبیرہ کی شفاعت کے متعلق شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ الحرانی المتوفی ۷۲۸ھ لکھتے ہیں:

جو ایسی سننِ متواترہ ہیں جن کا انکار کرنا کفر ہے وہ میت پر مسلمانوں کی نماز ہے اور ان کے لیے نماز میں دعا ہے، اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیامت کے دن مسلمانوں کی شفاعت کرنا ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں سنن متواترہ ہیں بلکہ اہلِ کبائر کے لیے شفاعت کا انکار صرف بدعتیوں نے کیا ہے بلکہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ کبائر کی شفاعت کریں گے اور آپ کی شفاعت اور آپ کی دعا اور آپ کا اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرنا، یہ اور اس کی مثالیں قرآن مجید سے اور سنتِ متواترہ سے ثابت ہیں اور ان کی مثل انکار کرنے والا کافر ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۷۰، دار الجیل، ریاض ۱۴۱۸ھ)

مسلمانوں کے لیے ایصالِ ثواب پر شیخ ابن تیمیہ کی تصریح

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

اس باب میں احادیث صحیحہ بہت زیادہ ہیں، صحاح ستہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میری ماں فوت ہوگئیں ہیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، انہوں نے کہا: میرا ایک باغ ہے، میں آپ سب کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس باغ کا اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کردیا ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۸۸۲، سنن ترمذی: ۶۶۹، سنن نسائی: ۳۶۵۵)

شیخ ابن تیمیہ نے اس موضوع پر اور بھی احادیث درج کی ہیں اور ان کے بعد لکھا ہے:

ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ صدقہ میت تک پہنچتا ہے اور اسی طرح عباداتِ مالیہ بھی پہنچتی ہیں مثلاً غلام کو آزاد کرنا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲۴ ص ۱۷۱، دار الجیل، ریاض ۱۴۱۸ھ)

سلف صالحین سے ایصالِ ثواب کا ثبوت

میں کہتا ہوں کہ سلف صالحین میں سے بہ کثرت فقہاء اور محدثین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے تھے۔

علامہ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

علامہ علی بن موفق العابد المتوفی ۲۶۵ھ کا شمار زاہدین میں سے ہوتا تھا۔

ابوالعباس محمد بن اسحاق الثقفی بیان کرتے ہیں کہ میں نے علی بن الموفق کو یہ کہتے ہوئے سنا: میں نے ساٹھ حج پیدل کیے ہیں اوران میں سے تیس حج رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کئے ہیں۔

ابوالعباس نے کہا: میں علی بن الموفق کی اقتداء کرتا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سات حج کئے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک سو ستر قربانیاں کی ہیں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ساٹھ سال میں بارہ ہزار قرآن مجید اس کے قریب ختم کئے اور اپنے تمام اعمال کا ثواب نبی ﷺ کو پہنچایا۔

ابواسحاق المزکی نے کہا: میں نے ابوالعباس کی اقتداء کی، میں نے نبی ﷺ کی طرف سے سات حج کئے ہیں اور آپ کی طرف سے سات سو قرآن مجید کو ختم کیا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۸۳۔ ۸۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ، السراج محمد بن اسحاق محدث خراسان النیشاپوری المتوفی ۳۱۳ھ کے متعلق لکھتے ہیں:

ابواسحاق المزکی نے السراج نیشاپوری سے روایت کی ہے کہ میں دو سو اٹھارہ ہجری میں پیدا ہوا اور میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بارہ ہزار قرآن مجید ختم کئے اور میں نے آپ کی طرف سے بارہ ہزار قربانیاں کیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۵۷۳، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ)

ہم نے یہ حوالہ جات اس لئے نقل کئے ہیں کہ سلف صالحین سے ایصالِ ثواب کرنا ثابت ہے اور خوارج ایصالِ ثواب کے منکر ہیں اور شیخ ابن تیمیہ کی تصریح کے مطابق یہ بدعتی ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصریح کے مطابق خوارج کافر ہیں۔

۶۹۳۰۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا خَيْثَمَةُ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ قَالَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ حَدِيثًا فَوَاللهِ لَأَنْ أَخِرَّ مِنَ السَّمَاءِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْذِبَ عَلَيْهِ وَإِذَا حَدَّثْتُكُمْ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ فَإِنَّ الْحَرْبَ خَدْعَةٌ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ سَيَخْرُجُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَحْدَاثُ الْأَسْنَانِ سُفَهَاءُ الْأَحْلَامِ يَقُولُونَ مِنْ خَيْرِ قَوْلِ الْبَرِيَّةِ لَا يُجَاوِزُ إِيمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَأَيْنَمَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ فَإِنَّ فِي قَتْلِهِمْ أَجْرًا لِمَنْ قَتَلَهُمْ يَوْمَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خیثمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سوید بن غفلہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں تم کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان کروں تو اللہ کی قسم! اگر میں آسمان سے گر جاؤں تو میرے نزدیک یہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھوں، اور جب میں تم سے اپنے متعلق کوئی بات کروں تو بے شک جنگ ایک دھوکا ہے، اور بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آخر

الْقِیَامَةِ۔

زمانہ میں ایسے لوگوں کا ظہور ہوگا جن کی عمریں کم ہوں گی اور ان کی عقلیں ناقص ہوں گی، وہ خیر البریہ کی احادیث بیان کریں گے، اور ان کا ایمان ان کے گلوں سے تجاوز نہیں کرے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جانور سے پار نکل جاتا ہے، تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو، کیونکہ ان کو قتل کرنے میں قتل کرنے والے کے لیے قیامت کے دن اجر ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۱، ۵۰۵۷، ۶۹۳۰، صحیح مسلم: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۴۱۰۲، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۷، مسند احمد: ۱۰۸۹)

صحیح البخاری: ۶۹۳۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں جن کم عمر اور کم عقل لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ خوارج اور ملحدین ہیں اور باب کے عنوان میں خوارج اور ملحدین کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمر بن حفص بن غیاث، جو سلیمان الاعمش سے روایت کرتے ہیں اور وہ خیثمہ سے روایت کرتے ہیں جو ابنِ عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ الجعفی ہیں، ان کے والد اور دادا صحابی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سوید بن غفلہ کا ذکر ہے، یہ کبار تابعین میں سے ہیں اور المخضرمین میں سے ہیں، یہ ایک سو تیس سال تک زندہ رہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ صحابی ہیں۔

یہ حدیث کتاب علامات النبوۃ میں گزر چکی ہے اور اسی سند کے ساتھ فضائل قرآن میں بھی گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں اپنے اور تمہارے درمیان کوئی بات بیان کروں تو جنگ ایک دھوکا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ جب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث بیان کرتا ہوں تو نہ اس میں ازروئے کنایہ کوئی بات کہتا ہوں اور نہ ازروئے تعریض کوئی بات کہتا ہوں اور نہ ازروئے توریہ کوئی بات کہتا ہوں۔ اور جب میں تمہیں کسی اور کی بات بیان کروں تو میں کنایہ سے بھی بات کرتا ہوں اور تعریض سے بھی اور توریہ سے بھی، تاکہ جو مجھ سے جنگ کرتا ہے اس کو شبہ میں مبتلاء کروں، کیونکہ جنگ کا معاملہ ایک مغالطہ پر ختم ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی" اور امام نسائی نے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت

سے اس باب کے بعد مذکور ہے، کیونکہ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ خوارج حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نکلے تھے۔
علامہ ابن التین نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ "آخر زمانہ میں خوارج نکلیں گے" اس سے مراد ہے صحابہ کے زمانہ کے اخیر میں نکلیں گے۔ اس جواب پر پھر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ صحابہ کا آخری زمانہ تو ایک صدی پوری ہونے کے بعد تھا اور خوارج کا اس سے ساٹھ سال پہلے ظہور ہوا؟
پھر علامہ ابن التین نے اس کا یہ جواب دیا کہ ان حدیثوں میں اس طرح تطبیق ممکن ہے کہ آخر زمانہ سے مراد خلافتِ نبوت کا آخر زمانہ ہے، کیونکہ حضرت سفینہ کی حدیث جو سنن میں اور صحیح ابن حبان وغیرہ میں مرفوعاً روایت کی گئی ہے، اس میں مذکور ہے کہ "میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر وہ ملوکیت ہو جائے گی" اور خوارج کا قصہ اور النہروان میں ان کو قتل کرنے کا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اواخر میں اڑتیس (۳۸) ہجری میں ہوا تھا، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے اٹھائیس (۲۸) سال بعد۔ (علامہ ابن التین کی عبارت ختم ہوئی)۔

خوارج کا متعدد مرتبہ ظہور

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں:
اگر ہم یہ کہیں کہ خوارج کا نکلنا اور ان کا ظہور متعدد بار ہوا ہے تو یہ سوال ابتداءً ساقط ہو جائے گا، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی خوارج کا ظہور ہوا اور ان کے بعد قربِ قیامت میں بھی خوارج کا ظہور ہوگا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "حُدَّاثُ الاسنان" (حاء پر پیش ہے اور دال پر تشدید ہے) اسی طرح المستملی اور السرخسی کی روایت میں ہے۔ اور اکثر روایات میں "احداث الاسنان" مذکور ہے۔ احداث، حدث کی جمع ہے (حاء اور دال دونوں پر زبر ہے) اور اس کا معنی ہے: جو کم عمر ہو۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: "حداثۃ السن" شباب سے اور اولِ عمر سے کنایہ ہے، اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: حدّاث (حاء پر پیش کے ساتھ) حدیث کی جمع ہے جیسے کرّام، کریم کی جمع ہے اور کبّار، کبیر کی جمع ہے۔ اور حدیث کا معنی ہے: ہر چیز کا جدید، اور اس کا اس اعتبار سے صغیر پر اطلاق ہوتا ہے اور "الاسنان" سے مراد ہے عمر، یعنی وہ نوجوان ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سفہاء الاحلام" یعنی ان کی عقول ردی ہوں گی، اور احلام، حلم (حاء کے نیچے زیر) کی جمع ہے۔ "حلم" کا معنی ہے: برداشت اور معاملات کے اندر ٹھہراؤ، یعنی کسی کام میں جلدی نہ کرنا۔ اور یہ عقلاء کا شعار ہے، اور اگر "حُلم" میں حاء پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے: خواب۔

ہمارے زمانہ میں حدیثِ مذکور کا مصداق طالبان ہیں

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارج کا مصداق وہ لوگ ہیں جو کم عمر اور بے عقل ہوں۔ اور ہمارے زمانہ میں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو طالبان کے نام سے مشہور ہیں، یہ لوگ وہابی عقائد کے حامل ہیں اور اہل سنت و جماعت کو مشرک قرار دیتے ہیں، اہل سنت و جماعت کی مساجد کو خودکش دھماکوں سے اڑاتے ہیں اور ان گنت نمازیوں کو شہید کر دیتے ہیں اور بے شمار مسلمانوں کو زخمی کر دیتے ہیں، اور یہ لوگ چونکہ اولیاء اللہ کی تعظیم کے منکر ہیں اس لیے اولیاء اللہ کی قبروں کی بے حرمتی کرتے ہیں

اور قبر سے میت کو نکال کر اس کو چوراہوں پر لٹکا دیتے ہیں، اور بازاروں میں خودکش دھماکے کر کے بے قصور مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں۔ انہوں نے 11 / اپریل 2006ء کو نشتر پارک کراچی میں ہونے والے "عید میلاد النبی ﷺ" کے جلسہ میں خودکش دھماکا کیا جس کے نتیجہ میں پینسٹھ (65) سے زیادہ علماء اہلسنت شہید ہوئے اور سینکڑوں مسلمان زخمی ہوئے، راقم الحروف کا بھانجا سید کاشف علی بھی اس سانحہ میں شہید ہو گیا۔ یہ لوگ مسلمانوں پر کفار کی آیتوں کو منطبق کرتے ہیں، یہ پاکستانی فوج اور پاکستان کی پولیس پر حملہ کرتے ہیں اور جس فوجی یا سپاہی کو گرفتار کر لیتے ہیں تو بے دردی سے اس کا گلا کاٹ دیتے ہیں، یہ لوگ فوج اور پولیس کے اداروں اور دیگر قومی اداروں کو خودکش دھماکوں سے تباہ کرتے ہیں، اور اسکولوں، تھانوں، اہلسنت کی مساجد، مدارس، اولیاء کرام کے مزارات کو تباہ کرتے ہیں، ان لوگوں کا نشانہ مساجد اور امام بارگاہیں ہوتی ہیں، یہ دیوبندیوں اور وہابیوں کی مساجد اور ان کے تبلیغی اجتماعات پر حملہ نہیں کرتے، یہ لوگ نفاذِ اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں لیکن فحاشی کے اڈوں، سینما گھروں، کلبوں، جوئے خانوں، رقص گاہوں، قحبہ خانوں اور دیگر بے راہ روی کے اداروں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرتے، یہ لوگ اپنے حملوں میں بھارت اور امریکہ کا بنا ہوا اسلحہ استعمال کرتے ہیں، ان سے کہا جاتا ہے کہ تم مسلمانوں کی مساجد کو کیوں دھماکوں سے اڑاتے ہو تو اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ وزیرستان میں ڈرون حملے کیے جاتے ہیں، لیکن یہ لوگ بے عقل ہیں، یہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ ڈرون حملے تو امریکا کر رہا ہے، اہلسنت اور مسلمان تو ان پر ڈرون حملے نہیں کر رہے، پھر یہ مسلمانوں کے بازاروں کو اور ان کے اسکولوں اور اداروں کو اور مسلمانوں کی مساجد کو کیوں دھماکوں سے اڑاتے ہیں۔ اور اس حدیث میں کم عمر اور بے عقل لوگوں کو خوارج قرار دیا ہے اور طالبان کے جو لوگ مسلمانوں کے خلاف کاروائیاں کر رہے ہیں وہ عموماً کم عمر اور بے عقل ہیں، سنا گیا ہے کہ یہ لوگ کسی کم عمر نوجوان کو جنت کی نوید سنا کر یا جنت کا سرٹیفکیٹ دے کر اس کو خودکش دھماکے کے لیے تیار کرتے ہیں، ہم ان لوگوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

قول "خیر البریۃ" کی تحقیق

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "یقولون من خیر قول البریۃ"۔ کہا گیا ہے کہ یہ عبارت مقلوب ہے اور مراد ہے "من قول خیر البریۃ" اور وہ قرآن مجید ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے "من خیر قول البریۃ" یعنی "خیر اقوال الناس" یا "خیر من قول البریۃ" اور وہ قرآن کریم ہے، اس لحاظ سے یہ عبارت مقلوب نہیں ہے۔

ایمان کے "حناجر" سے تجاوز نہ کرنے کا معنی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا یجاوز ایمانھم حناجرھم" الکشمیھنی کی عبارت میں ہے "لا یجوز" اور "الحناجر" کا لفظ "حنجرۃ" کی جمع ہے اور اس کا معنی حلقوم ہے اور یہ وہ نالی ہے جس سے کھانا گزرتا ہے، اور ان میں سے ایک کا اطلاق اس نالی پر ہوتا ہے جو منہ کے قریب ہے اور جس سے انسان سانس لیتا ہے۔ اور صحیح مسلم میں زید بن وہب کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "لا تجاوز صلوٰتھم تراقیھم" یعنی ان کی نمازیں ان کے گلے سے نیچے نہیں اتریں گی، پس گویا کہ اس حدیث میں ایمان پر نماز کا اطلاق ہے۔ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "لا یجاوز ایمانھم حلاقیھم" یعنی ان کا ایمان ان کے حلقوم سے نیچے نہیں

اترے گا، مراد یہ ہے کہ وہ زبان سے ایمان لائیں گے دل سے ایمان نہیں لائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یمرقون من الدین" المروق کا معنی ہے: الخروج، یعنی وہ اپنی بدعت اور گمراہی کی وجہ سے دین سے نکل جائیں گے جس طرح سے جب تیر شکار کے نشانہ پر لگ جائے اور اس کے پار ہو جائے تو وہ شکار سے نکل جاتا ہے اور امام نسائی نے حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "یمرقون من الحق" یعنی وہ حق سے نکل جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الرمیۃ" اس سے مراد ہے "المرمی" یعنی جب کسی وحشی جانور کو شکاری تیر مارتا ہے تو وہ جانور شکار کر لیا جاتا ہے۔

"الرمیۃ" میں تاء داخل ہونے پر ایک اعتراض اور اس کے تین جوابات

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب فعیل مفعول کے معنی میں ہو تو اس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں، پھر "الرمیۃ" میں تاء کیوں داخل کی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تاء متعدد معانی کے لیے آتی ہے اور یہ تاء وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لیے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ فعیل مذکر اور مونث میں اس وقت برابر ہوتا ہے جب اس کا موصوف مذکور ہو، اور یہاں موصوف مذکور نہیں ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ غالباً تاء کا دخول اس وقت ہوتا ہے جس پر ابھی تک فعل کا وقوع نہ ہوا ہو جیسے جو بکری ذبح نہ کی گئی ہو اس کے لیے کہا جاتا ہے "خذ ذبیحتک" یعنی اپنی بکری لے لو، اور جب اس پر فعل واقع ہو جائے یعنی اس کو ذبح کر دیا جائے تو پھر "ذبیح" کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۸۔ ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُمَا أَتَيَا أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَسَأَلَاهُ عَنِ الْحَرُورِيَّةِ أَسَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا أَدْرِي مَا الْحَرُورِيَّةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يَخْرُجُ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَلَمْ يَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُونَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوقَهُمْ أَوْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَنْظُرُ الرَّامِي إِلَى سَهْمِهِ إِلَى نَصْلِهِ إِلَى رِصَافِهِ فَيَتَمَارَى فِي الْفُوقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا انہوں نے کہا: مجھے محمد بن ابراہیم نے خبر دی از ابی سلمہ اور عطاء بن یسار، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ وہ دونوں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پس ان دونوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے "الحروریہ" کے متعلق سوال کیا کہ کیا آپ نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق کچھ سنا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نہیں جانتا الحروریہ کیا ہے؟ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: اس امت میں ایک قوم نکلے گی، اور یہ نہیں فرمایا کہ اس امت سے ایک قوم نکلے گی، وہ ایسی قوم ہوگی کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں حقیر جانو گے، وہ قرآن پڑھیں گے اور

قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا یا فرمایا: ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پس تیر مارنے والا اپنے تیر کی طرف دیکھتا ہے اور تیر کے لوہے کے پھل کی طرف دیکھتا ہے اور تیر کے پشتہ کی طرف دیکھتا ہے، پھر اس کو شک ہوتا ہے کہ کمان کی تانت میں کچھ خون لگا ہوا ہے یا نہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۴، ۳۶۱۰، ۴۳۵۱، ۴۶۶۷، ۵۰۵۸، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲، ۷۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، مسند احمد: ۱۲۵۴)

صحیح البخاری: ۶۹۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں خوارج کا ذکر ہے اور اس حدیث میں ''الحرورية'' کا ذکر ہے اور ''الحرورية'' بھی خوارج کو کہتے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدالوہاب کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالمجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، وہ انصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر ہے، وہ التیمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، وہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں، اور اس حدیث کی سند میں عطاء بن یسار کا ذکر ہے۔

اس حدیث کی سند میں تین تابعین ایک درجہ کے ہیں، اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن مالک ہے، اور یہ حدیث صحیح البخاری میں کئی جگہ گزر چکی ہے: علامات نبوۃ میں از ابوالیمان، کتاب الادب میں از عبدالرحمٰن بن ابراہیم اور کتاب فضائل القرآن میں از عبداللہ بن یوسف۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابوسلمہ اور عطاء بن یسار نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ از ابوسلمہ روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حروریہ کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟

اس حدیث میں مذکور ہے ''میں نہیں جانتا کہ حروریہ کیا ہے؟''

اس اعتراض کا جواب کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے تو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خوارج کا قتال کیا تھا، پھر انہوں نے کیسے کہا کہ میں نہیں جانتا حروریہ کیا ہے؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس باب مذکور کے بعد جو باب ہے، اس کے اول میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کیا اور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔۔۔۔ الحدیث۔ پس ان لوگوں نے حروریہ کو قتل کیا اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ ان کا قتل کرنے والوں کے ساتھ تھے، پس یہاں انہوں نے کیسے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ حروریہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر جو انہوں نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا، اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کو وہ مکمل عبارت یاد نہیں تھی جس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صفات بیان فرمائی تھیں اور وہ صفات حروریہ میں بھی پائی جاتی ہیں جس سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وصف بیان کیا ہے وہ حروریہ کا ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اس امت میں ایک قوم نکلے گی، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس امت سے قوم نکلے گی"۔

اس اعتراض کا جواب کہ دوسری احادیث میں مذکور ہے "اس امت سے ایک قوم نکلے گی"

اگر یہ سوال کیا جائے کہ امام طبرانی نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عنقریب میری امت سے ایک قوم نکلے گی، اور امام مسلم نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عنقریب میرے بعد میری امت سے ایک قوم نکلے گی، اور امام مسلم نے از زید بن وہب از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ میری امت سے ایک قوم نکلے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی جو یہاں حدیث ہے، اس میں امت سے مراد امتِ اجابت ہے اور امام مسلم کی روایت میں جو امت کا لفظ ہے اس سے مراد امت الدعوۃ ہے، رہی طبرانی کی حدیث تو وہ ضعیف ہے۔

التوربشتی نے کہا: اس میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام بہت فقیہ تھے اور الفاظ کی روایت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔

نیز اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ خوارج کو کافر قرار دیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ وہ اس امت کے غیر سے ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ تم ان کی نمازوں کے مقابلہ میں اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے"۔

امام طبرانی نے از محمد بن عمرو از ابی سلمہ روایت کی ہے: وہ لوگ عبادت کریں گے اور تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی نماز کو اور اپنے روزہ کو ان کی نمازوں اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر جانے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "پس تیر مارنے والا اپنے تیر کی طرف دیکھے گا تو اس کے لوہے کے پھل اور پشتہ میں خون کا کوئی اثر نظر نہیں آئے گا"۔

خوارج کی نمازوں اور روزوں سے انہیں کوئی اجر حاصل نہیں ہوگا

اس مثال سے ان لوگوں کی عبادت کا حال بیان کرنا مقصود ہے کہ ان کی لمبی نمازوں اور روزوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ

ان کی عبادت کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جب قرآن مجید کی باطل تاویل کریں گے تو ان کو اپنی عبادت سے کوئی اجر حاصل نہیں ہوگا اور ان کو اس عبادت کے سبب سے کوئی ثواب حاصل نہیں ہوگا نہ اول میں، نہ وسط میں اور نہ آخر میں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۰۔ ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۲۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سُلَیْمَانَ حَدَّثَنِی ابْنُ وَهْبٍ قَالَ حَدَّثَنِی عُمَرُ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَذَکَرَ الْحَرُورِیَّةَ فَقَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِیَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمر نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد نے ان کو حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حروریہ کا ذکر کیا، تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وہ اسلام سے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۴، ۳۶۱۰، ۴۳۵۱، ۴۶۶۷، ۵۰۵۸، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲، ۷۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، مسند احمد: ۱۲۵۴)

صحیح البخاری: ۶۹۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کا بعض حصہ ہے، سوا اس کے کہ اس حدیث میں ذکر تھا کہ وہ دین سے نکل جائیں گے اور یہاں پر ذکر ہے کہ وہ اسلام سے نکل جائیں گے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سلیمان، یہ ابوسعید الجعفی الکوفی ہیں جو مصر میں رہتے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، یہ عبداللہ بن وہب ہیں جو عمر سے روایت کرتے ہیں، سب نے اسی طرح بغیر نسبت کے ذکر کیا ہے اور یہ عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب ہیں۔ اور یہ حدیث کتاب التفسیر میں سورۂ لقمان کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ: مَنْ تَرَکَ قِتَالَ الْخَوَارِجِ لِلتَّأَلُّفِ وَأَنْ لَا یَنْفِرَ النَّاسُ عَنْهُ

جس نے خوارج سے قتال کو الفت کی وجہ سے ترک کیا، اور اس لیے کہ لوگ اس سے متنفر نہ ہوں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ الفت (تالیف قلب) کی وجہ سے خوارج کے قتل کو ترک کرنا اور اس پر اس جملہ کا عطف ہے تاکہ لوگ ان سے متنفر نہ ہوں۔

صحیح بخاری کے شارح علامہ داؤدی (متوفی ۴۰۲ھ) نے کہا ہے کہ امام بخاری نے جو عنوان میں لکھا ہے "خوارج سے تالیف ترک کرنا" یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس دن خوارج سے قتال نہیں ہوا تھا اور اگر امام بخاری کہتے کہ "لم یقتل" یعنی جس نے خوارج کو قتل نہیں کیا تو درست ہوتا اور خوارج کو "ذوالخویصرہ" کا نام دینا یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس دن یہ نام نہیں تھا ان کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا۔

علامہ المہلب المالکی متوفی ۴۳۵ھ، نے کہا ہے کہ تالیف قلب ابتداء اسلام میں ہوتی تھی جب کہ اس کی ضرورت تھی تاکہ ان کے ضرر کو دور کیا جائے، لیکن اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو سر بلند کر دیا ہے پس تالیف قلب لازم نہیں ہے، سوائے اس کے تمام لوگوں کو اس کی ضرورت ہو اس وقت امام اور سربراہ ملک کے لیے تالیف قلب کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ، نے کہا ہے کہ جو لوگ امت کے خلاف خروج کریں اور امت کی جمعیت کی لاٹھی کو توڑنے کی کوشش کریں ان کے خلاف خروج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

رہا ذوالخویصرہ تو شارع علیہ السلام نے اس کے قتل کرنے کو اس لیے ترک کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جہل کی وجہ سے اسے معذور قرار دیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی تھی کہ اس کی قوم سے ایسے لوگ نکلیں گے جو دین سے نکل جائیں گے پس جب ایسے لوگ نکلیں تو ایسے لوگوں سے قتال کرنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ جَاءَ عَبْدُ اللهِ بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ فَقَالَ اعْدِلْ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ قَالَ دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِ يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ يُنْظَرُ فِي قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ فِي رِصَافِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَضِيِّهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ آيَتُهُمْ رَجُلٌ إِحْدَى يَدَيْهِ أَوْ قَالَ ثَدْيَيْهِ مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ أَوْ قَالَ مِثْلُ الْبَضْعَةِ تَدَرْدَرُ يَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ أَشْهَدُ سَمِعْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَشْهَدُ أَنَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی، از زہری، از ابی سلمہ، از حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم (مالِ غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے تو عبداللہ بن ذوالخویصرہ التمیمی آیا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! عدل کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے جب میں عدل نہ کروں تو کون کرے گا؟ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کے ایسے اصحاب ہیں کہ تم میں سے کوئی ان کے مقابلہ میں اپنی نماز کو حقیر جانے گا اور تم میں سے کوئی ان کے مقابلہ میں اپنے روزہ کو حقیر جانے گا، یہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر اپنے شکار سے پار نکل جاتا ہے، تیر کے پر کو دیکھا جائے گا تو اس پر کوئی نشان نہیں ہوگا، پھر اس کے پشتہ کی طرف دیکھا جائے گا وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوگا، پھر اس

عَلِیًّا قَتَلَهُمْ وَأَنَا مَعَهُ جِیءَ بِالرَّجُلِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِی نَعَتَهُ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ فَنَزَلَتْ فِیهِ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾ (التوبہ:۵۸)

کی لکڑی کو دیکھا جائے گا وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوگا کیونکہ وہ تیر شکار کی لید، گوبر اور خون سب سے بغیر نشان کے آگے نکل گیا اسی طرح وہ لوگ اسلام سے بالکل نکل جائیں گے، ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا مرد ہوگا جس کے ایک ہاتھ پر عورت کی چھاتی کی طرح ابھرا ہوا گوشت ہوگا، یا فرمایا کہ وہ گوشت کے تھل تھل کرتے گوشت کے لوتھڑے کی طرح ہوگا، ان لوگوں کا اس وقت ظہور ہوگا جب مسلمانوں میں افتراق ہوگا، حضرت ابوسعید نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، اور میں گواہی دیتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل کیا اور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، ان میں سے ایک ایسے شخص کو لایا گیا جیسی نبی ﷺ نے اس کی صفت بیان فرمائی ہے، اور انہوں نے کہا، انہی لوگوں سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے: "اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراضات کرتے ہیں" (التوبہ:۵۸)

(صحیح البخاری: ۳۳۴۴، ۳۶۱۰، ۴۳۵۱، ۴۶۶۷، ۵۰۵۸، ۶۱۶۳، ۶۹۳۱، ۶۹۳۳، ۷۴۳۲، ۷۵۶۲، صحیح مسلم: ۱۰۶۴، سنن نسائی: ۲۵۷۸، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۴، مسند احمد: ۱۲۵۴)

صحیح البخاری: ۶۹۳۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں قتل کو ترک کرنے کا ذکر کیا ہے اور باب کے عنوان میں قتال کو ترک کرنے کا ذکر ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب قتال کو ترک کیا جائے گا تو اس کو لازم ہے کہ قتل کو بھی ترک کیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، اور وہ الجعفی المسندی ہیں اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے اور وہ ابن یوسف الصنعانی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے اور وہ ابن راشد ہیں اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے وہ محمد بن مسلم الشہاب الزہری ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے اور وہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور اس حدیث کی سند

میں حضرت ابو سعید کا ذکر ہے، ان کا نام سعد بن مالک الخدری رضی اللہ عنہ ہے۔
یہ حدیث اس سے پہلے باب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بینا" یہ اصل میں "بین" تھا، پھر اس کے آخر میں اشباع کے لیے الف کو بڑھا دیا گیا تو "بینا" ہو گیا اور کبھی اس میں "میم" کا اضافہ کیا جاتا ہے تو یہ "بینما" ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے بعد جواب کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بینا النبی جاء عبداللہ بن ذی الخویصرہ"۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال کو تقسیم فرما رہے تھے اور انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ کون سا مال تقسیم فرما رہے تھے اور نہ یہ بیان کیا ہے کہ یہ مال کس وقت تقسیم فرما رہے تھے؟ رہا وہ مال جو تقسیم کیا گیا ہے تو وہ سونے کے ٹکڑے تھے جن کو حضرت علی بن ابی طالب نے یمن سے بھیجا تھا اور کتاب الادب حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی سند سے اسی طرح گزر چکا ہے اور رہی تقسیم تو وہ غزوۂ حنین کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار افراد کے درمیان اس مال کو تقسیم کیا تھا: (۱) اقرع بن حابس الحنظلی (۲) عیینہ بن حصن الفزاری (۳) علقمہ بن علاثہ العامری (۴) زید الخیر الطائی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: عبداللہ بن ذی الخویصرہ، یہ تمیم میں سے ایک مرد ہے اور اکثر نسخوں میں بلکہ تمام نسخوں میں یہ عبداللہ بن ذوالخویصرہ مذکور ہے بن کے اضافہ کے ساتھ۔

امام الثعلبی، امام الواحدی نے "ابواب النزول" میں محمد بن یحییٰ الذہلی کی سند سے از عبدالرزاق روایت کی ہے، پس کہا ہے کہ ابن ذی الخویصرہ التمیمی اور اس کا نام حرقوص بن زہیر ہے یہ خوارج کی اصل ہے، علامہ ابن الاثیر نے اسی پر اعتماد کیا ہے، پس انہوں نے الخویصرہ کا صحابہ میں شمار کیا ہے، اور امام ابو جعفر طبری نے کہا ہے کہ حرقوص بن زہیر صحابہ میں سے ہیں اور یہ ذکر کیا ہے کہ عراق کی فتوحات میں ان کا اثر تھا، اور یہ وہی ہیں جنہوں نے الاھواز کے بازار فتح کیے تھے، پھر حروریہ میں یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پھر خوارج کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ ان کو قتل کیا گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں۔

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ "کتاب المغازی، باب بعث علی الی الیمن" میں یہ گزرا ہے کہ اس قول کے قائل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں یعنی انہوں نے یہ کہا تھا کہ "مجھے اجازت دیجیے میں اس کی گردن ماردوں"۔

علامہ الکرمانی نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ حضرت عمر اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما دونوں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کی ہو۔

"التوضیح" میں علامہ ابن الملقن الشافعی (المتوفی ۸۰۴ھ) نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول میں یہ دلیل ہے کہ اس شخص کو قتل کرنا مباح تھا کیوں کہ شارع علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کو زندہ رکھنا کسی علت کی وجہ سے جائز تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: "جب شکار سے پار ہونے والے تیر کو دیکھا جائے گا تو نہ اس تیر کے پر میں خون میں سے کوئی چیز

لگی ہوگی اور نہ اس تیر کے پیکان میں سے کوئی چیز لگی ہوگی اور نہ تیر کی لکڑی میں سے کوئی چیز لگی ہوگی اور وہ تیر اس کے لید، گوبر اور خون میں سے اس طرح گزر جائے گا کہ اس تیر پر کوئی چیز لگی ہوئی نہیں ہوگی، اس تشبیہ سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے کہ وہ دین کے کسی وصف کے ساتھ متصف نہیں ہوں گے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ: "علی حین فرقۃ" یعنی یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب لوگ فرقوں میں بٹ گئے تھے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ: "اس سے مراد جنگ صفین کا دن ہے"۔

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ "ایک روایت میں ہے "علی خیر فرقۃ" یعنی اس زمانے کے افضل فرقہ میں"۔

اور قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے کہ "اس فرقہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں" یا اس سے مراد "خیر القرون" ہے اور وہ پہلا دور ہے۔

اور امام احمد نے از امام عبد الرزاق روایت کی ہے "حین فترۃ من الناس"۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: "واشھد ان علیا قتلھم"

اور شعیب کی روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔

اور افلح بن عبد اللہ کی روایت میں مذکور ہے کہ جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو النہروان میں قتل کیا، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف قتل کرنے کی نسبت اس لیے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ان کو قتل کرنے کا حکم دینے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ: "ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں سے ایک کا ہاتھ ایسا ہوگا جیسے عورت کا پستان ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ وصف کے مطابق وہ ایسا شخص تھا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور میں ان کے ساتھ تھا، پس اس شخص کو بلانے کا حکم دیا گیا، اسے ڈھونڈا تو وہ اسی صفت میں پایا گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صفت بیان کی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۳۔ ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا يُسَيْرُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْخَوَارِجِ شَيْئًا قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ وَأَهْوَى بِيَدِهِ قِبَلَ الْعِرَاقِ يَخْرُجُ مِنْهُ قَوْمٌ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الواحد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یسیر بن عمرو نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے متعلق کچھ ارشاد فرمایا؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو عراق کی طرف جھکا کر فرمایا: "یہاں سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھے گی

اور قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے"۔

(صحیح البخاری: ۶۹۳۴، صحیح مسلم: ۱۰۶۸)

صحیح البخاری: ۶۹۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کے عنوان میں خوارج کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی خوارج کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: عبدالواحد، یہ ابن زیاد ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے، الشیبانی، اور یہ ابو اسحاق سلیمان ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے، یسیر بن عمرو، یہ یُسر کی تصغیر ہے اور ان کو اُسیر بھی کہا جاتا ہے اور یہ بنو محارب بن ثعلبہ سے ہیں، یہ کوفہ میں رہتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان کو بھی شرف صحبت حاصل ہے اور صحیح بخاری میں ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں سہل بن حُنیف کا ذکر ہے، یہ ابن واحد الانصاری البدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے "کتاب الزکوٰۃ" میں از ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کی ہے، اور امام نسائی نے اس حدیث کی "فضائل القرآن" میں از محمد بن آدم روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "واھوی بیدہ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو عراق کی جہت کی طرف بڑھایا۔ اس حدیث میں مذکور ہے "یخرج منہ قوم" یہ قوم نجد سے نکلی تھی تمیمین کی جگہ سے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی (المتوفی ۴۴۹ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خوارج کو قتل کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ المھلب المالکی (المتوفی ۴۳۵ھ) وغیرہ نے کہا ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جب خوارج امام عادل (نیک سربراہ ملک) کے خلاف خروج کریں اور مسلمانوں کی وحدت کی لاٹھی کو توڑیں اور مخالفت کا جھنڈا گاڑ دیں تو ان سے قتال کرنا واجب ہے اور ان کے خون "ھدر" ہیں یعنی ضائع ہیں اور جو ان میں سے شکست کھا جائے اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور ان کے زخمیوں کا علاج نہیں کیا جائے گا۔

امام مالک نے کہا ہے کہ: "اگر یہ خطرہ ہو کہ وہ لوٹ کر دوبارہ حملہ کریں گے تو ان میں سے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا جائے گا اور

ان سے صرف اس لیے قتال کیا جائے گا کہ انہوں نے مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کی''۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے کہا ہے کہ:''اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خروج کے وقت ان کو قتل کرنے کی اجازت دی کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ'' آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی یہ نوعمر لوگ ہوں گے اور بے عقل ہوں گے، تمہارا ان سے جہاں بھی مقابلہ ہو تم ان کو قتل کر دو''۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ کے لیے اس وقت تک ان کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جب تک وہ امام اور سربراہ کے خلاف جنگ کرنا شروع نہ کریں یا ڈاکے شروع نہ کر دیں۔ امام طبری نے کہا کہ اس امت کے سلف صالحین اور متاخرین کا اس پر اجماع ہے۔

حسن بصری سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کی رائے خوارج کی طرح تھی، حسن بصری نے کہا: لوگوں کا مدار ان کے اعمال پر ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے جزا دے گا۔

امام ابوجعفر طبری نے کہا کہ ہمارے نزدیک حسن بصری کا یہ قول ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جن کی رائے خوارج کے موافق ہو اور وہ اپنی رائے کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج نہ ہوئے ہوں لیکن جو اپنی رائے کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے بارے میں خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۸۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ دو جماعتیں آپس میں لڑیں جن کا دعویٰ یا عقیدہ ایک ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ذکر کی گئی ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ دو جماعتیں آپس میں لڑیں جن کا دعویٰ یا عقیدہ ایک ہو، ان میں سے ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تھی اور دوسری جماعت حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی تھی۔

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ہے ''دعوتھما'' اور ایک روایت ہے ''دعواھما'' اور راجح قول کے مطابق دعویٰ سے مراد اسلام ہے یعنی دونوں جماعتیں اسلام کی مدعی تھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر فریق کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ حق پر ہے اور دوسرا فریق باطل پر ہے اور یہ دونوں کا اجتہاد تھا اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسی طرح واقع ہوا، اور یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی خبر دی ہے۔

شارح بخاری علامہ داؤدی (المتوفی ۴۰۲ھ) نے کہا ہے، یہ دو جماعتیں ان شاء اللہ ایک جماعت تو اصحاب جمل تھے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زعم تھا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر دونوں نے ان کی بیعت کی تھی اور حضرت طلحہ اور حضرت

زبیر نے یہ زعم کیا تھا کہ الاشتر النخعی نے ان دونوں کو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف چلنے پر مجبور کیا تھا اور کتاب وسنت نے باغی جماعت سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے جب اس کی بغاوت ظاہر ہو جائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (الحجرات:۹)

پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے، پس اگر وہ رجوع کر لے تو ان میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو، اور انصاف سے کام لو، بے شک اللہ انصاف سے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۝

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۵۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْاَعْرَجِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو زناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک ایسی دو جماعتیں قتال نہ کریں جن دونوں کا دعویٰ ایک ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۹۳۵، ۷۱۲۱، صحیح مسلم: ۱۵۷، سنن ترمذی: ۲۲۱۸، مسند امام احمد: ۷۱۸۷)

صحیح البخاری: ۶۹۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس باب کے عنوان میں اسی حدیث کا ذکر ہے جس کی اس باب میں روایت کی گئی ہے، سوائے اس کے کہ بعض احادیث میں ''فئتان'' کی جگہ ''طائفتان'' کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: علی، ان کا نام ہے علی بن عبد اللہ، یہ ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: سفیان، یہ سفیان بن عیینہ ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ابو زناد، یہ عبد اللہ بن ذکوان ہیں، اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبد الرحمن بن ہرمز ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابو ہریرہ کا ذکر ہے، یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو صحابی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي الْمُتَأَوِّلِينَ

تاویل کرنے والوں کے متعلق احادیث کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ان احادیث کا بیان ہے جو تاویل کرنے والوں کے حق میں وارد ہیں۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر تاویل کرنے والا اپنی تاویل میں معذور ہے اور اس کو ملامت نہیں کی جائے گی جب کہ اس کی تاویل عرب کے قواعد کے مطابق ہو، یا اس کو اس تاویل کے متعلق کسی دلیل کا علم ہو۔ کیا یہ نہیں دیکھا گیا کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو چادر سے پکڑ کر گھسیٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملامت نہیں کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے اجتہاد کی وجہ سے معذور قرار دیا، اسی طرح اس باب کی احادیث میں آئے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۶۔ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَبْدٍ الْقَارِيَّ أَخْبَرَاهُ أَنَّهُمَا سَمِعَا عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيمٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانِ فِي حَيَاةِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَاسْتَمَعْتُ لِقِرَاءَتِهِ فَإِذَا هُوَ يَقْرَؤُهَا عَلَى حُرُوفٍ كَثِيرَةٍ لَمْ يُقْرِئْنِيهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَذٰلِكَ فَكِدْتُ أُسَاوِرُهُ فِي الصَّلَاةِ فَانْتَظَرْتُهُ حَتّٰى سَلَّمَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ أَوْ بِرِدَائِي فَقُلْتُ مَنْ أَقْرَأَكَ هٰذِهِ السُّورَةَ قَالَ أَقْرَأَنِيهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم قُلْتُ لَهُ كَذَبْتَ فَوَاللهِ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَقْرَأَنِي هٰذِهِ السُّورَةَ الَّتِي سَمِعْتُكَ تَقْرَؤُهَا فَانْطَلَقْتُ أَقُودُهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْفُرْقَانِ عَلَى حُرُوفٍ لَمْ تُقْرِئْنِيهَا وَأَنْتَ أَقْرَأْتَنِي سُورَةَ الْفُرْقَانِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ اقْرَأْ يَا هِشَامُ فَقَرَأَ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَؤُهَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم

امام ابوعبداللہ نے کہا: اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ: حضرت المسور بن مخرمہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری رضی اللہ عنہما ان دونوں نے خبر دی کہ ان دونوں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم سے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں سورۃ الفرقان پڑھ رہے تھے، پس میں نے ان کے قرآن پڑھنے کو غور سے سنا، سو وہ ایسے کثیر حروف پر قراءت کر رہے تھے جن حروف پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قرآن نہیں پڑھایا تھا، پس قریب تھا کہ میں ان کو نماز میں پکڑ لیتا، پھر میں نے ان کا انتظار کیا حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر دیا، پھر میں نے ان کو ان کی چادر سے یا اپنی چادر سے پکڑ کر گھسیٹا، پھر میں نے کہا: آپ کو یہ سورت کس نے پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت پڑھائی ہے، میں نے ان سے کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں، پس اللہ کی قسم! بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورت پڑھائی ہے جس سورت کو آپ سے پڑھتے ہوئے میں نے سنا ہے، پس میں ان کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، پھر میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اس شخص کو

اقْرَأْ يَا عُمَرُ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔

سورۃ الفرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سنا ہے جن حروف پر آپ نے مجھے یہ سورت نہیں پڑھائی، اور آپ نے مجھے سورۃ الفرقان پڑھائی ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو اے عمر! اے ہشام تم! پڑھو، تو ہشام نے اسی طرح پڑھا جس طرح میں نے ان سے پڑھتے ہوئے سنا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسی طرح یہ سورت نازل کی گئی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! تم پڑھو، پس میں نے پڑھا تو آپ نے فرمایا: یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے، پھر آپ نے فرمایا: یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس تم کو جو حروف آسان ہوں اس پر پڑھو"۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۹، ۴۹۹۲، ۵۰۴۱، ۶۹۳۶، ۷۵۵۰، صحیح مسلم: ۸۱۸، سنن ترمذی: ۲۹۴۳، سنن نسائی: ۹۳۷، سنن ابی داؤد: ۱۴۷۵، مسند احمد: ۲۷۹، موطا امام مالک: ۴۷۲)

صحیح البخاری: ۶۹۳۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس لحاظ سے ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی تکذیب کی تو نبی ﷺ نے ان سے مواخذہ نہیں فرمایا اور نہ اس پر مواخذہ فرمایا کہ انہوں نے ان کو چادر سے پکڑ کر گھسیٹا تھا بلکہ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کی قراءت کی تصدیق کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے قراءت کے انکار کرنے پر معذور قرار دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: ابو عبد اللہ، یہ خود امام بخاری ہیں اور صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہ مذکور نہیں ہے بلکہ عنوان کے بعد لکھا ہے: اللیث نے کہا اور یہ امام بخاری کی تعلیق ہے۔

یہ حدیث "کتاب الاشخاص" میں باب "کلام الخصوم بعضھم فی بعض" میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی از عبد اللہ بن یوسف از امام مالک از ابن شہاب از عروہ بن الزبیر از عبد الرحمٰن بن عبد القاری روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا............ اور اس حدیث میں حضرت المسور بن المخرمہ کا ذکر نہیں ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اساورہ'' اس کا معنی ہے ''میں ان پر جھپٹ رہا تھا یا ان پر حملہ کر رہا تھا اور اس کا مصدر ''السورہ'' ہے اور اس کا معنی ہے ''پکڑنا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ثم لببتہ'' یہ لفظ ''باب تفعیل'' سے ہے، اور اس کا معنی ہے ''لڑائی کے وقت سینے کے پاس کپڑوں کو جمع کر کے پکڑنا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''علی سبعۃ احرف'' اس کا معنی ہے ''سات لغات پر'' اور وہ تمام لغات میں زیادہ فصیح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حرف سے مراد اعراب ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے مجھے عاصم کے حرف پر پڑھایا، یعنی امام عاصم نے جس حروف کو اختیار کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد توسیع اور تسہیل ہے اور سات حروف میں حصر نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ یہ سات قراءات ہیں، اور ان میں سے ہر قراءت ان قراءات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ساتوں قراءاتِ فصیحہ سے ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۶۔ ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ح و حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲) شَقَّ ذَلِكَ عَلَى أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَقَالُوا أَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْسَ كَمَا تَظُنُّونَ إِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ ﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہمیں وکیع نے خبر دی ح اور ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابراہیم، از علقمہ، از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے بیان کیا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملایا'' (الانعام: ۸۲) تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب پر یہ آیت دشوار گزری، انہوں نے کہا ہم میں سے وہ کون ہے جس نے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آیت کا معنیٰ وہ نہیں ہے جو تم گمان کر رہے ہو، اس آیت کا وہ معنیٰ ہے جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا: ''اے میرے پیارے بیٹے! تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا، بے شک شرک کرنا ضرور سب سے بڑا ظلم ہے O'' (لقمان: ۱۳)

(صحیح البخاری: ۳۲، ۳۳۶۰، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۴۶۲۹، ۴۷۷۶، ۶۹۱۸، صحیح مسلم: ۱۲۴، سنن ترمذی: ۳۰۶۷، مسند احمد: ۳۵۷۸)

صحیح البخاری: ۶۹۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے الانعام ۸۲ میں ظلم کو عام معنیٰ پر محمول کیا حتیٰ کہ ظلم ہر نافرمانی کو شامل ہو جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی اس تاویل پر ان سے مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ ان کو معذور فرمایا کیوں کہ یہ تاویل بھی ظاہر ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ظلم سے مراد وہ نہیں ہے جو صحابہ نے تاویل کی ہے بلکہ ظلم سے مراد کامل ظلم یعنی شرک ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

امام بخاری نے اس حدیث کی دو سندوں سے روایت کی ہے، ایک سند ہے: از اسحاق بن ابراہیم جو کہ ابن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں، از وکیع بن الجراح از سلیمان از اعمش اور دوسری سند ہے: از یحییٰ بن موسیٰ بن عبدربہ جن کو ''خت'' کہا جاتا ہے۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں، از وکیع از الاعمش از ابراہیم عن نخعی از علقمہ بن قیس۔

اس حدیث کے تمام رجال کوفی ہیں اور یہ حدیث ''کتاب استتابۃ المرتدین'' کے شروع میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۸ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ غَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ رَجُلٌ أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُنِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا ذٰلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَلَا تَقُولُوهُ يَقُولُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ قَالَ بَلَى قَالَ فَإِنَّهُ لَا يُوَافَى عَبْدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ۔ (صحیح مسلم: ۳۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی، از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے محمود بن الربیع رضی اللہ عنہما نے خبر دی، انہوں نے کہا: میں نے عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو ایک مرد نے کہا، مالک بن الدخشن کہاں ہے؟ پس ہم میں سے ایک مرد نے کہا: وہ منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس کے متعلق نہیں کہتے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے کہتا ہے: اللہ کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں اور اس کلمہ سے اللہ عزّوجل کی رضا کا ارادہ کرتا ہے؟ اس صحابی نے کہا: کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن جو بندہ بھی اس کلمہ کو پورا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس بندہ کے اوپر جہنم کو حرام کر دے گا۔

صحیح البخاری: ۶۹۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ جن لوگوں نے حضرت مالک بن الدخشن کے متعلق جو کہا سو کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قائلین سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ: اسلام کے احکام ظاہر پر موقوف ہوتے ہیں باطن پر موقوف نہیں ہوتے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے، عبدان، اور یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ الخ

یہ حدیث ''کتاب الصلوٰۃ'' کے باب ''المساجد فی البیوت'' میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''الدخشن'' اس میں دال پر پیش ہے خاء ساکن ہے اور شین پر پیش ہے پھر نون'' اور یہ لفظ ''الدخشم'' بھی آیا ہے یعنی نون کی جگہ میم ہے اور کبھی اس کی تصغیر بھی آتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''لا تقولوہ'' یہ نہی کا صیغہ ہے اور المستملی اور السرخسی کی روایت میں ہے ''ان لا تقولوہ''۔

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ اسی طرح روایت ہے اور صحیح لفظ یہ ہے ''تقولونہ'' یعنی تم اس کو گمان کرتے ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

'' قول کی تشریح ظن کے ساتھ کرنے میں اعتراض ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ قول رویت یا سماع کے معنیٰ میں ہے''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ قول، ظن کے معنیٰ میں بہ کثرت آتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''لا یوافی'' اور ایک روایت میں ہے ''لن یوافی'' یعنی کوئی شخص ہرگز یہ قول نہیں کہے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۳۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ حُصَيْنٍ عَنْ فُلَانٍ قَالَ تَنَازَعَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَحِبَّانُ بْنُ عَطِيَّةَ فَقَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ لِحِبَّانَ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا الَّذِي جَرَّأَ صَاحِبَكَ عَلَى الدِّمَاءِ يَعْنِي عَلِيًّا قَالَ مَا هُوَ لَا أَبَا لَكَ قَالَ شَيْءٌ سَمِعْتُهُ يَقُولُهُ قَالَ مَا هُوَ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَالزُّبَيْرَ وَأَبَا مَرْثَدٍ وَكُلُّنَا فَارِسٌ قَالَ انْطَلِقُوا حَتَّى تَأْتُوا رَوْضَةَ حَاجٍ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ هَكَذَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ حَاجٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی، از حصین، از فلان، انہوں نے کہا: ابوعبدالرحمٰن اور حبان بن عطیہ نے جھگڑا کیا، پس ابوعبدالرحمٰن نے حبان سے کہا: بے شک میں خوب جانتا ہوں کس چیز نے تمہارے صاحب کو خون بہانے پر دلیر کیا، اس سے مراد ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، حبان نے کہا: وہ کیا چیز ہے تمہارا باپ نہ رہے؟ ابوعبدالرحمٰن نے کہا: ایک بات میں نے اسے کہتے ہوئے سنا ہے، حبان نے

فَإِنَّ فِيهَا امْرَأَةٌ مَعَهَا صَحِيفَةٌ مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى الْمُشْرِكِينَ فَأْتُونِي بِهَا فَانْطَلَقْنَا عَلَى أَفْرَاسِنَا حَتَّى أَدْرَكْنَاهَا حَيْثُ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ تَسِيرُ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا وَقَدْ كَانَ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ بِمَسِيرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إِلَيْهِمْ فَقُلْنَا أَيْنَ الْكِتَابُ الَّذِي مَعَكِ قَالَتْ مَا مَعِي كِتَابٌ فَأَنَخْنَا بِهَا بَعِيرَهَا فَابْتَغَيْنَا فِي رَحْلِهَا فَمَا وَجَدْنَا شَيْئًا فَقَالَ صَاحِبَايَ مَا نَرَى مَعَهَا كِتَابًا قَالَ فَقُلْتُ لَقَدْ عَلِمْنَا مَا كَذَبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ حَلَفَ عَلِيٌّ وَالَّذِي يُحْلَفُ بِهِ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَأُجَرِّدَنَّكِ فَأَهْوَتْ إِلَى حُجْزَتِهَا وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ فَأَخْرَجَتِ الصَّحِيفَةَ فَأَتَوْا بِهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ دَعْنِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَا حَاطِبُ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا لِي أَنْ لَا أَكُونَ مُؤْمِنًا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَلَكِنِّي أَرَدْتُ أَنْ يَكُونَ لِي عِنْدَ الْقَوْمِ يَدٌ يُدْفَعُ بِهَا عَنْ أَهْلِي وَمَالِي وَلَيْسَ مِنْ أَصْحَابِكَ أَحَدٌ إِلَّا لَهُ هُنَالِكَ مِنْ قَوْمِهِ مَنْ يَدْفَعُ اللهُ بِهِ عَنْ أَهْلِهِ وَمَالِهِ قَالَ صَدَقَ لَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا قَالَ فَعَادَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ قَدْ خَانَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالْمُؤْمِنِينَ دَعْنِي فَلَأَضْرِبْ عُنُقَهُ قَالَ أَوَلَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ أَوْجَبْتُ لَكُمُ الْجَنَّةَ فَاغْرَوْرَقَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ۔
قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ خَاخٍ أَصَحُّ وَلَكِنْ كَذَا قَالَ أَبُو عَوَانَةَ حَاجٍ وَحَاجٍ تَصْحِيفٌ وَهُوَ مَوْضِعٌ وَهُشَيْمٌ يَقُولُ خَاخٍ۔

کہا: وہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور حضرت زبیر کو اور حضرت ابومرثد کو بھیجا اور ہم سب گھوڑے پر سوار تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ جاؤ حتیٰ کہ تم لوگ حاج کے باغ پر پہنچ جاؤ، ابوسلمہ نے کہا: ابوعوانہ نے اسی طرح حاج کا لفظ کہا ہے، پس بے شک اس باغ میں ایک عورت ہوگی، اس کے پاس ایک خط ہوگا جو حاطب بن ابی بلتعہ نے مشرکین کی طرف لکھا ہے، تم وہ خط میرے پاس لے آؤ، پس ہم لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے، حتیٰ کہ ہم نے اس عورت کو وہاں پالیا جہاں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، وہ اپنے ایک اونٹ پر جارہی تھی، اور اس مکتوب میں حاطب نے اہل مکہ کی طرف لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ کرنے کے لیے آرہے ہیں، پس ہم نے اس عورت سے کہا: وہ مکتوب تمہارے پاس کہاں ہے؟ اس عورت نے کہا: میرے پاس کوئی مکتوب نہیں ہے، ہم نے اس کے اونٹ کو بٹھایا، پھر ہم نے اس کے کجاوے میں تلاش کیا، تو ہم نے وہاں کسی چیز کو نہیں پایا، پس میرے دونوں صاحبوں نے کہا: ہم اس کے پاس کوئی چیز نہیں دیکھتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی جس ذات کی قسم کھائی جاتی ہے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ضرور وہ خط نکالو ورنہ میں تمہارے کپڑے اتار دوں گا، تو اس عورت نے اپنے تہہ بند کی گرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس نے ایک چادر کو تہہ بند کے طور پر باندھا، پھر اس نے ایک صحیفہ نکالا، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب اس صحیفہ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین سے خیانت کی، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حاطب! تم نے جو کام کیا ہے،

اس پر تمہیں کس نے برانگیختہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا نہ رہوں لیکن میں نے یہ ارادہ کیا کہ کفار کی قوم پر میرا کوئی احسان ہو جائے جس احسان کی وجہ سے میں اپنے گھر والوں اور اپنے مال کے لیے مدافعت کر سکوں، اور آپ کے اصحاب میں سے جو بھی ہیں ان کا وہاں اس قوم سے ایسا تعلق ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے اہل اور مال کو ضرر سے دور کر دے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا اور تم ان کے متعلق اچھائی کے سوا کوئی بات نہ کرو، راوی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بات دہرائی اور کہا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے خیانت کی، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ شخص اہل بدر سے نہیں ہے؟ اور تمہیں کیا پتا اللہ تعالیٰ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہارے لیے جنت کو واجب کر دیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انہوں نے کہا:

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔

ابو عبد اللہ امام بخاری نے کہا: ''خاخ'' اصح ہے لیکن ابو عوانہ نے اسی طرح کہا ہے: ''حاج'' اور ''حاج'' تصحیف ہے اور وہ ایک جگہ کا نام ہے، اور ہشیم بھی ''خاخ'' کہتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، صحیح مسلم: ۲۴۹۴، سنن ترمذی: ۳۳۰۵، سنن ابی داؤد: ۲۶۵۰، مسند احمد: ۶۰۱)

صحیح البخاری ۶۹۳۹: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس باب کا عنوان ہے ''تاویل کرنے والوں کا بیان'' اور اس حدیث میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی تاویل کا ذکر ہے کہ انہوں نے اہل مکہ کی طرف خفیہ طریقے سے ایک مکتوب

بھیجا اور اس مکتوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ پر حملہ کرنے کی خبر دی اور اس کی یہ تاویل کی تا کہ اہل مکہ پر ان کا احسان ہو جائے اور اہل مکہ جنگ کے دوران اس احسان کی وجہ سے ان کے گھر والوں اور ان کے املاک کی طرف سے مدافعت کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس تاویل کو صحیح قرار دیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عوانہ، یہ الوضح الیشکری ہیں اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: از حصین، اس لفظ میں حاء پر پیش ہے اور صاد پر زبر ہے، یہ ابو عبدالرحمٰن السلمی ہیں، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے: از فلان، علامہ الکرمانی نے کہا: فلان سے مراد سعد بن عبیدہ ہیں، یہ تصغیر ہے اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حمزہ، یہ ابو عبدالرحمٰن السلمی کے داماد ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں فلاں کا لفظ مبہم ہے اور ''کتاب الجہاد'' میں ہشام نے اور ''کتاب الاستئذان'' میں عبداللہ بن ادریس نے ان کا نام سعد بن عبیدہ لکھا ہے اور کرمانی اس پر مطلع نہیں ہوئے حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ کہا گیا ہے کہ وہ سعد بن عبیدہ ہیں اور سعد تابعی ہیں جو صحابہ کی جماعت سے روایت کرتے ہیں، ان صحابہ میں سے حضرت ابن عمر اور حضرت البراء رضی اللہ عنہم ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تنازع ابوعبدالرحمٰن'' یہ السلمی مذکور ہیں، عفان کی روایت میں اس کی تصریح ہے اور حبان میں حاء کی نیچے زیر ہے اور ابو علی الجیانی نے کہا ہے کہ بعض راویوں نے کہا کہ حاء پر زبر ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ یہ وہم ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: ''میں کہتا ہوں کہ المزی نے حبان میں حاء کے کسرہ کو نقل کیا ہے''۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''لقد علمت ما الذی جرء صاحبك علی الدماء'' جرء کا لفظ ''جرأۃ'' سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے ''کسی چیز کا اقدام کرنا''۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''یعنی علیا'' اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خون ریزی پر ابھارا۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف قتل کرنے کی نسبت کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ: ان کی غرض یہ تھی کہ جب ان کو یقین تھا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ اہل جنت میں سے ہیں اور انہوں نے یہ جان لیا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہو گئی جس کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔ (اسی طرح اگر ان سے بھی اہل شام کے قتال کے معاملے میں اجتہادی خطا ہو گئی تو اس کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔)

اس حدیث میں مذکور ہے: ''لا ابا لك'' اہل عرب اپنے محاورات میں اس جملے کو استعمال کرتے ہیں اور اس سے حقیقتاً دعا کا ارادہ نہیں کرتے اور یہ اس جگہ پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں پر مخاطب کے کسی قول یا فعل کو بعید قرار دیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''قال بعثنی'' یعنی ابو عبدالرحمٰن نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا اور اس جملے کو ساقط کر دیا اور اصل عبارت یوں ہے کہ: ''ابو عبدالرحمٰن نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا اور حضرت الزبیر کو بھیجا اور ابو مرثد کو بھیجا۔

اور ''کتاب الجہاد'' کے ''باب الجاسوس'' میں مذکور ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا اور حضرت الزبیر کو اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو، علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ قلیل کے ذکر سے کثیر کی نفی نہیں ہوتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فارس'' یعنی گھوڑے پر سواری کرنے والے۔

روضہ حاج کا محل وقوع

اس حدیث میں مذکور ہے: ''روضۃ حاج'' اس لفظ میں حاء اور جیم ہے اور یہ جگہ مکہ کے قریب ہے، اور ''التوضیح'' میں مذکور ہے کہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ جگہ مدینہ کے قریب ہے، اور علامہ الواقدی نے کہا ہے کہ یہ جگہ ذوالحلیفہ کے قریب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ جگہ مدینہ سے ۱۲ (بارہ) میل کے فاصلہ پر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''قال ابوسلمہ'' یہ موسیٰ بن اسماعیل ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں جن کا اس سند میں ذکر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ھکذا قال ابوعوانہ'' یہ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''حاج'' علامہ نووی نے کہا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ یہ ابوعوانہ کی غلطی ہے اور گویا کہ اس کے اوپر یہ جگہ دوسری جگہ سے مشتبہ ہوگئی، جس جگہ کو ''ذاتِ حاج'' کہا جاتا ہے اور یہ جگہ مدینہ اور شام کے درمیان ہے جہاں پر حج کرنے والے جاتے ہیں اور علامہ السہیلی کا یہ زعم ہے کہ ھشیم بھی حاج کہتے تھے اور یہ ان کا وہم ہے اور زیادہ صحیح یہ لفظ ''خاخ'' ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''تسیر'' یہ لفظ ''السیر'' سے ماخوذ ہے جو اس عورت سے حال واقع ہے جس کے ساتھ مکتوب تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ثم حلف علی والذی یحلف بہ'' یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح قسم کھائی اللہ کی قسم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جس لفظ کے ساتھ قسم کھاتے تھے وہ لفظ اللہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اولا جردنك'' یعنی میں تمہارے کپڑے اتار دوں گا حتیٰ کہ تم برہنہ ہو جاؤ گی اور ''او'' بمعنیٰ ''اِلٰی'' ہے اس کا معنی ہے ''ورنہ''، جیسے کہا جاتا ہے ''لالزمنك وتقتضینی'' یعنی میں تم کو لازم رکھوں گا حتیٰ کہ تم میرا حق ادا کر دو۔

جس عورت سے مکتوب برآمد ہوا تھا اس کا تذکرہ

اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عورت مسلمان تھی یا اپنی قوم کے دین پر تھی، پس اکثر اس پر متفق ہیں کہ یہ عورت اپنی قوم کے دین پر تھی، اور اس کا شمار ان لوگوں میں کیا گیا جن کے خون کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن رائیگاں قرار دیا اور یہ عورت گانے والی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خون کو رائیگاں قرار دیا کیوں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ہجو گاتی تھی۔

علامہ الواقدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ عورت قبیلہ مزینہ سے تھی، اور اس جگہ کے رہنے والوں کو ''اہل العرج'' کہا جاتا ہے اور یہ جگہ مکہ اور مدینہ کے قریب ایک بستی ہے، اور الثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ عورت ابوصیفی بن عمرو بن ہشام بن عبد مناف کی باندی تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عورت بنو اسد بن عبد العزیٰ کی باندی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عورت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی باندیوں میں سے تھی، اور مقاتل بن حیان کی تفسیر میں مذکور ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے ان کو دس دینار دیے تھے اور ایک چادر پہنائی تھی۔ علامہ الواحدی نے کہا ہے کہ جب یہ عورت مدینہ آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، لیکن اس نے جھگڑا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو قریش کے نوجوانوں سے بچ گئی؟ اور یہ گانے والی تھی، اس عورت

نے کہا کہ: واقعہ بدر کے بعد میں نے کسی سے کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ پس اس کے پاس حضرت حاطب رضی اللہ عنہ آئے اور اس کو ایک مکتوب دیا کہ وہ یہ اہل مکہ کو دے، اور اس مکتوب میں لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو تم احتیاطی تدابیر کرلو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فاھوت'' یعنی اس عورت نے اپنے آپ کو جھکایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''الی حجزتھا'' حجزہ کہتے ہیں ''تہہ بند باندھنے کی جگہ'' کو۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''وھی محتجزۃ بکساء'' یعنی اس عورت نے چادر کو اپنی کمر کے وسط میں باندھا ہوا تھا اور اس عورت نے تہہ بند باندھنے کی جگہ سے اس مکتوب کو نکالا اور ''باب الجاسوس'' میں یہ گزر چکا ہے کہ اس عورت نے مکتوب کو اپنے سر کے بالوں کے گچھے سے نکالا تھا۔

علامہ الکرمانی نے ان دونوں احادیث کی تطبیق میں یہ لکھا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے پہلے اس مکتوب کو تہہ بند کی گرہ میں چھپایا ہو، پھر اس کو سر کے بالوں کے گچھے میں چھپایا ہو، پھر وہاں سے بھی نکالنے پر مجبور ہوگئی ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دیگر اصحاب اس عورت کو پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فاذا فیہ'' یعنی اس مکتوب میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ مکتوب حاطب کی طرف سے اہل مکہ کے مشرکین کی جانب ہے۔ علامہ الواقدی نے ان اہل مکہ کے نام بھی لکھے ہیں اور ایک روایت میں ہے: سہیل بن عمرو العامری، عکرمہ بن ابی جہل المخزومی اور سفیان بن امیہ الجمحی کے اسماء تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''مالی ان لا اکون مومنا باللہ و رسولہ؟'' اور عبدالرحمٰن بن حاطب کی روایت میں ہے، سنو اللہ کی قسم! جب سے میں نے دین اسلام قبول کیا ہے میں نے اللہ کے متعلق کوئی شک نہیں کیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ بے شک میں ضرور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرنے والا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ید'' یعنی میں چاہتا تھا کہ میرا اہل مکہ پر یہ احسان ہو جائے جس کی بنا پر میں اہل مکہ سے اپنے اہل اور مال کی حفاظت کرسکوں اور دوسری روایت میں ہے، انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے اہل اور مال سے زیادہ محبوب ہیں، اور عبدالرحمٰن بن حاطب کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: لیکن میں تم میں ایک اجنبی مرد ہوں اور مکہ میں میرے بیٹے اور بہنیں ہیں تو میں نے اہل مکہ کی طرف یہ خط لکھا تا کہ میں ان کی حفاظت کرسکوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''قال صدق'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حاطب نے سچ کہا۔ پس ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کلام سے پہچان لیا ہو کہ وہ سچ کہہ رہے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے جان لیا کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے عذر کی تصدیق فرمادی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان کو قتل کرنے کا کیوں کہا؟

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فعاد عمر'' یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے پہلے کلام سے لوٹے (کہ

یارسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں)۔

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمادی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اپنے کلام کو کیوں دہرایا؟ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے عذر کی تصدیق کرنا ان سے قتل کی سزا کو دور نہیں کرتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے:"اولیس من اهل بدر؟" اور الحارث کی روایت میں ہے:"کیا یہ بدر میں حاضر نہیں ہوا؟"۔ اور حارث کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیوں نہیں، لیکن اس نے اپنے عہد کو توڑا اور آپ ﷺ کے خلاف آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کی۔

اس حدیث میں مذکور ہے:"اعملوا ما شئتم فقد اوجبت لکم الجنة" علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر کار اہل بدر کی مغفرت فرمادے گا، ورنہ اگر ان میں سے کسی ایک پر حد واجب ہوئی تو دنیا میں اس پر وہ حد قائم کی جائے گی، اور قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ان پر حد قائم کرنے پر اجماع ہے، اور نبی ﷺ نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگائی حالاں کہ وہ بدری صحابی تھے۔

اہل بدر کا جنتی ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان سے ان کی دنیاوی تقصیرات پر مواخذہ نہ کیا جائے

"التوضیح" میں علامہ ابن الملقن نے کہا ہے کہ بعض اہل بدعت نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور ان پر حد قذف لگائی گئی تو انہوں نے کہا: حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر حد قذف لگانے کا واقعہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ وہ بدری صحابی تھے اور چاہیے تھا کہ ان پر حد قذف نہ لگائی جاتی جیسا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ پر حد نہیں لگائی گئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اصحابِ بدر سے آخرت کا عذاب معاف کر دیا جائے گا نہ یہ کہ دنیا کا عذاب بھی ان پر معاف کر دیا گیا اور اس پر اجماع ہے کہ اہل بدر میں سے جس نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا، جس کی وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ کے لیے حد واجب ہوتی ہو یا مخلوق کے لیے اس پر حد واجب ہوتی ہو مثلاً انہوں نے کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائی یا کسی مسلمان مرد کو زخمی کیا یا قتل کیا تو اس پر حد بھی ہے اور قصاص بھی ہے اور کسی نافرمان کو دنیا میں معاف کر دینا اور اس پر حدود کو قائم کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ اس کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو اور حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو تمام روئے زمین والوں پر تقسیم کیا جائے تو یہ توبہ گنجائش رکھتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے:"فاغرورقت عیناه" یہ لفظ "اغریراق" سے ماخوذ ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔

امام ابوعبداللہ بخاری نے کہا کہ "خاخ" کا لفظ زیادہ صحیح ہے لیکن ابوعوانہ نے اسی طرح "حاج" کہا ہے اور حاج غلط ہے اور یہ ایک جگہ کا نام ہے اور حشیم خاخ کہتے تھے۔

اور علامہ السہیلی نے بھی اسی کو وثوق سے کہا ہے اور اس کی تائید یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو "کتاب الجهاد" میں روایت کیا ہے تو وہاں "روضة كذا" کہا ہے اگر یہ لفظ "روضة حاج" ہوتا تو کنایہ نہ کرتے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۹۔ ۱۴۳،

دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۳۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اگر کوئی مومن اتنے نیک کام کرے کہ اس کے لیے جنت کی بشارت دی جائے، تب بھی وہ گناہ میں واقع ہونے سے معصوم نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ان مومنین میں داخل تھے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کو واجب کر دیا ہے، اور پھر بھی ان سے وہ کام واقع ہوا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی آپ کے مخالفین اہلِ مکہ کو خبر دی۔

(۲) اس باب کی چوتھی حدیث میں اہلِ بدر کے لیے یہ بشارت ہے کہ ''تم جو چاہو کرو''۔

بعض علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اہلِ بدر اب کوئی معصیت نہیں کر سکتے تھے، لیکن یہ درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جو راز کفار تک پہنچائے تو یہ ان کی معصیت تھی، حالانکہ وہ بھی اہلِ بدر سے ہیں اور ان کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

(۳) اس حدیث میں ان لوگوں کا رد ہے جو مسلمان سے گناہ کے صدور کی وجہ سے اس کی تکفیر کرتے ہیں اور ان لوگوں کا رد ہے جو مسلمان سے معصیت کے صدور کی بناء پر اس کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، اور ان لوگوں کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ مسلمان سے معصیت ہو تو اس کو لامحالہ عذاب ہوگا، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے معصیت سرزد ہوئی، اس کے باوجود ان کا شمار مسلمانوں میں ہے اور اس حدیث میں ان کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

(۴) جس مسلمان سے کوئی خطاء واقع ہو جائے تو اسے اس خطاء کا انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کا اعتراف کرنا چاہیے، اور اس خطاء کے اوپر اپنے عذر کو پیش کرنا چاہیے، تاکہ دو گناہ جمع نہ ہوں، کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کی طرف ان کے مکتوب لکھنے کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے انکار نہیں کیا بلکہ اپنا عذر بیان کیا۔

(۵) میں کہتا ہوں کہ اگر قاضی کسی مسلمان سے اس کے کسی فحش کام کے ارتکاب کے متعلق تحقیق کرے تو اسے اپنے نفس پر پردہ رکھنا چاہیے، کیونکہ ارتکابِ فحش ایک معصیت ہے اور اس کا اظہار دوسری معصیت ہے، اور ایسے مواقع پر جھوٹ بولنے کی اجازت ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۶) حق کے اظہار کے لیے اور تلاشی مکمل کرنے کے لیے کسی کو دھمکانا اور ڈرانا جائز ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سارہ سے کہا کہ ''اگر تم نے وہ مکتوب نہیں نکالا تو ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے''۔

(۷) جاسوس کی پردہ دری کرنا جائز ہے۔

(۸) فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جاسوس کو قتل کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس اجازت کو صرف اس لیے مسترد کیا کہ حضرت حاطب

رضی اللہ عنہ اہلِ بدر سے تھے۔ اور بعض فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جاسوس کو اس وقت قتل کرنا جائز ہے جب اس سے بار بار اس فعل کا صدور ہو۔ اور امام مالک سے معروف یہ ہے کہ امام اس مسئلہ میں اجتہاد کرے۔ اور امام طحاوی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کا خون مباح نہیں ہے۔ اور اکثر فقہاء شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ جاسوس پر تعزیر لگائی جائے گی، اور اگر وہ جاسوس معزز لوگوں میں سے ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ اسی طرح الاوزاعی نے کہا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس کو سخت سزا دی جائے گی اور لمبے عرصہ تک اس کو قید میں رکھا جائے گا۔

(۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو معزز اور باوقار لوگ ہوں، ان کی لغزش کو معاف کر دینا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی لغزش کو معاف کر دیا تھا۔ اور امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو اس لیے معاف کر دیا تھا کہ انہوں نے سچ بولا اور اپنی لغزش کا عذر پیش کیا اور ہر جاسوس اس طرح نہیں ہوتا۔

(۱۰) علامہ قرطبی نے کہا ہے: یہ امام طبری کی خطاء ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام اپنے بندوں میں ظاہر پر جاری ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کی یہ خبر دی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور اس کے باوجود ان کے قتل کو مباح نہیں کیا، کیونکہ وہ اسلام کو ظاہر کرتے تھے، اسی طرح ہر وہ شخص جو اسلام کو ظاہر کرے، اس کے اوپر اسلام کے احکام جاری کیے جاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(۱۱) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے ہاتھ ایک مکتوب بھیجا ہے، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکتوب کو حاصل کرنے کے لیے حضرت علی اور دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا۔

(۱۲) کسی کبیر مسلمان کا امام کے سامنے اپنی رائے کو پیش کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی رائے پیش کی، جب کہ اس کی رائے سے مسلمانوں کو نفع ہو اور امام کو اس کی رائے کے رد یا قبول کرنے کا اختیار ہے۔

(۱۳) اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ جس سے کسی معصیت کا صدور ہو، اس کو معاف کرنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو معاف فرما دیا تھا۔

(۱۴) علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے کہ اجنبی عورت کو دیکھنا حرام ہے خواہ وہ مومنہ ہو یا کافرہ ہو، لیکن معصیت کی وجہ سے عورت کی حرمت ساقط ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ عورت (سارہ) خواہ وہ کافر تھی اس کی طرف دیکھنا حرام تھا لیکن چونکہ اس نے معصیت کی تھی اور جاسوسی کر رہی تھی، اس لیے اس کی حرمت ساقط ہو گئی۔

(۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام گناہوں کو معاف کر دینا جائز ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے، اور اس میں مبتدعین کا اختلاف ہے، اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور وہ بھی اہلِ بدر میں سے تھے تو ان کے اس جرم کو معاف نہیں کیا، اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے جرم کو معاف کر دیا اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ وہ اہلِ بدر سے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہلِ بدر کے ان گناہوں کو معاف کیا جاتا ہے جن پر حد نہ ہو، اور تہمت لگانے پر حد ہے۔

(۱۶) اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ادب کا بیان ہے کہ کسی شخص کو امام کے سامنے تادیباً سزا دینا یا اس پر حد قائم کرنا، امام کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

(۱۷) اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے اور تمام اہلِ بدر کی منقبت ہے اور اس حدیث میں خوشی کے موقع پر آنسوؤں کے نکلنے کا جواز ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس لیے روئے ہوں کہ ان کو اس پر ندامت ہوئی جو انہوں نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا تھا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۴، ۱۰۵، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: ''کتاب استتابۃ المرتدین'' میں اکیس (۲۱) احادیثِ مرفوعہ ہیں، اس میں ایک حدیث معلق ہے اور باقی موصولہ ہیں، اور مکرر احادیث اس میں سترہ (۱۷) ہیں اور چار (۴) احادیث خالص ہیں۔

''کتاب استتابۃ المرتدین'' کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین! آج ۱۴ ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ/20 اکتوبر 2013ء بروز اتوار ''کتاب استتابۃ المرتدین'' کی احادیث کی شرح مکمل ہوگئی۔ اور اب اس کے بعد ان شاء اللہ ''کتاب الاکراہ'' کی احادیث کی شرح کی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علٰی رسولہ الکریم

۹۰۔ کِتَابُ الۡاِکۡرَاہِ

جبراً کام کرنے کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں ''اکراہ'' کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ ''اکراہ'' کا معنی ہے: کسی دوسرے سے اس کام کو کرانا جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو۔ مُکرِہ (جبر کرنے والا) اور مُکرَہ علیہ (جس شخص پر جبر کیا گیا ہو) اور المُکرَہ بہ (جس کام پر جبر کیا گیا ہے) کے اختلاف سے اکراہ کا حکم مختلف ہوتا ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیقات

قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى: اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾ (النحل:۱۰۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے O

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

یہ آیت کریمہ سورۃ النحل میں مذکور ہے اور اس کے شروع میں اس طرح ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ ۔۔۔ الآیۃ

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے ۔۔۔ الآیۃ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ کفار نے ان کو پکڑ لیا اور ان سے کہا: تم (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کفر کرو، تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کر لی اور ان کے دل میں اس سے ناگواری تھی اور ان کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا ۔۔۔ الآیۃ'' (ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں ۔۔۔)۔

یعنی جو لوگ خوشی سے کفر کریں اور اپنے اختیار سے کلماتِ کفر کہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (آل عمران:۲۸)

ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو۔

وَهِيَ تَقِيَّةٌ۔

اور یہ "تقیة" ہے۔

اس آیت کے شروع میں اس طرح مذکور ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٢٨﴾ (آل عمران:۲۸)

ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں، اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے، ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے O

اس آیت میں "تقاة" سے مراد "تقیة" ہے اور ان دونوں کا معنی واحد ہے، جیسا کہ امام بخاری نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے "اور یہ تقیہ ہے"۔ اور معنی یہ ہے کہ سوا اس کے کہ تم ان سے تقیہ کرو۔

اور "تقیہ" کا معنی ہے کہ دل میں جو عقیدہ ہے، لوگوں کے سامنے جان بچانے کے لیے اس کے اظہار سے احتراز کرنا۔

(تقیہ کے متعلق تفصیلی بحث کے لیے ہماری تفسیر تبیان القرآن ج ۲ ص ۱۱۲۔۱۱۷ کا مطالعہ فرمائیں)

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ (النساء:۹۷۔۹۹)

بے شک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے O مگر جو (واقعی) کمزور ہوں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور نہ راستہ جانتے ہوں O سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے O

باب مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ (النساء:۷۵)

اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنادے۔

یہ دوسری آیت ہے جو آیت مذکورہ یعنی النساء:۹۷، پر مقدم ہے۔ اور اس کے شروع میں اس طرح ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء:۷۵)

اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنا دے O

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اور صحیح وہ ہے جو صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے اور وہ ابوذر کی طرف منسوب ہے اور وہ اس طرح ہے کہ پہلے النساء: ۹۷ سے لے کر النساء: ۹۹ تک آیت مذکور ہے، اور اس کے بعد اس طرح مذکور ہے:

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (النساء:۷۵)

حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنا دے O

یہ دو آیتیں ہیں، پہلی آیت ''اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' سے لے کر عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝ تک ہے، اور یہ بھی دو آیتیں ہیں، اور دوسری آیات ''وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ'' سے لے کر مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ تک ہے، اور یہ پہلی آیت پر مقدم ہے، اور اس کے شروع میں ہے ''وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ۔۔۔ الآیۃ''۔

''اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔۔۔'' (النساء:۹۷) کی شرح از علامہ عینی

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ مکہ کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے، پس غزوۂ بدر کے دن مشرکین نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ نکالا، پس ان میں سے کچھ لوگ جاں بحق ہو گئے تو مسلمانوں نے کہا: ہمارے یہ اصحاب مسلمان تھے اور ان کو جبراً نکالا گیا تھا، سو انہوں نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی، تو یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔۔۔ الآیۃ۔۔۔۔ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

یعنی جن لوگوں کو فرشتوں نے اس حالت میں وفات دی کہ وہ ہجرت کو ترک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔

تو انہوں نے کہا: ''كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ'' یعنی ہم شہر مکہ سے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ دوسری زمین میں جانے کی طاقت رکھتے تھے، تو فرشتوں نے کہا: ''اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً'' کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی، تم کہیں اور ہجرت کر کے چلے جاتے۔

اور امام ابوداؤد نے اسی سند کے ساتھ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مشرک کے ساتھ آیا اور اسی کے ساتھ رہا تو وہ اسی کے حکم میں ہے۔

''إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ ۔۔۔۔ الآیۃ'' اللہ تعالیٰ نے کمزور مردوں اور عورتوں کو ہجرت نہ کرنے میں معذور قرار دیا ہے، کیونکہ یہ لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارا پانے پر قادر نہ تھے، اور اگر قادر ہوتے تو انہیں راستہ کا پتا نہیں تھا کہ کس راستہ پر چل کر جائیں، اسی لیے فرمایا ''لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾'' (جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور نہ راستہ جانتے ہوں)۔

اور عکرمہ نے کہا: یعنی وہ لوگ مدینہ کی طرف جانے کا راستہ نہیں جانتے تھے۔ اور السدّی نے کہا: ان کے پاس مال نہیں تھا۔

''فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے ان سے درگزر فرمائے گا۔

''وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' یعنی تمہیں کیا ہوا، تم نے اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہیں کیا۔

بابِ مذکور کی پانچویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

فَعَذَرَ اللّٰهُ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَمْتَنِعُوْنَ مِنْ تَرْكِ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ۔ وَالْمُكْرَهُ لَا يَكُوْنُ إِلَّا مُسْتَضْعَفًا غَيْرَ مُمْتَنِعٍ مِنْ فِعْلِ مَا أُمِرَ بِهٖ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کمزور لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل نہ کرنے سے معذور قرار دیا۔ اور جس کے ساتھ جبر کیا جائے وہ بھی کمزور ہی ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس کام سے منع کیا ہے اس کو اس کام کے کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اُن کمزور مردوں اور عورتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے سے رُک نہیں سکتے تھے، معذور قرار دیا۔ اور مُکرَہ وہی ہوتا ہے جو کمزور ہو اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے رُکنے والا نہ ہو۔

اس سے غرض یہ ہے کہ جو کمزور ہو، وہ کسی فعل سے رُکنے پر قادر نہیں ہوتا، پس وہ جبر کرنے والے کے حکم پر مجبوراً عمل کرتا ہے لہٰذا وہ معذور ہے۔

بابِ مذکور کی چھٹی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ الْحَسَنُ: التَّقِيَّةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

اور حسن نے کہا کہ تقیہ کا جواز قیامت تک کے لیے ہے۔

یعنی حسن بصری نے کہا کہ تقیہ قیامت تک کے لیے ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور اس تعلیق کی امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از وکیع از قتادہ روایت کی ہے۔

(میں کہتا ہوں: تقیہ کی رخصت قیامت تک کے لیے ہے، تقیہ میں عزیمت نہیں رخصت ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

بابِ مذکور کی ساتویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْمَنْ يُكْرِهُهُ اللُّصُوْصُ فَيُطَلِّقُ

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص کو چور طلاق دینے پر

لَيْسَ بِشَيْءٍ۔ مجبور کریں، پس وہ طلاق دے دے تو وہ طلاق نہیں ہوگی۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس شخص کو چور اس پر مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ "لَيْسَ بِشَيْءٍ" ہے یعنی اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور یہ گویا کہ اس پر مبنی ہے کہ اکراہ ہر اس سے متحقق ہوتا ہے جو فعل پر قادر ہو اور یہی جمہور کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا: سلطان کے بغیر اکراہ متحقق نہیں ہوتا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام عبد الرزاق نے سندِ صحیح کے ساتھ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ وہ مُکرَہ کی طلاق کا اعتبار نہیں کرتے تھے۔ (یعنی جس سے جبراً طلاق دلوائی گئی ہو اس کی طلاق کو واقع نہیں کرتے تھے)۔ اور ابن وہب نے حضرت عمر بن الخطاب سے اور حضرت علی سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ وہ مُکرَہ کی طلاق کا بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے۔ (یعنی مُکرَہ کی طلاق کو واقع نہیں کرتے تھے)۔

اس اثر کی امام ابن المنذر نے از حضرت ابن الزبیر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاء، طاؤس، حسن، شریح، قاسم، امام مالک، الاوزاعی، الشافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور روایت کی ہے، اور فقہاء کی ایک جماعت نے مُکرَہ کی طلاق کو جائز قرار دیا ہے (یعنی جس شخص سے جبراً طلاق دلوائی گئی اس کی طلاق واقع ہو جائے گی)، یہ قول الشعبی، النخعی، ابوقلابہ، الزہری اور قتادہ سے مروی ہے اور یہی فقہاء کوفہ کا قول ہے۔

بابِ مذکور کی آٹھویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَسَنُ۔ حضرت ابن عمر، ابن الزبیر رضی اللہ عنہم اور الشعبی اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور عامر بن شراحیل الشعبی اور الحسن البصری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے موافق کہا ہے۔

اور الشعبی سے روایت ہے کہ اگر چور طلاق پر مجبور کر دیں تو وہ طلاق نہیں ہے اور اگر سلطان طلاق پر مجبور کرے تو وہ طلاق ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے جیسا کہ ہم نے اس کو ذکر کیا ہے۔

بابِ مذکور کی نویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم: الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

یہ حدیث صحیح البخاری کے شروع میں پورے طول کے ساتھ موصولاً گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں بیان کیا ہے کہ لفظِ عمل میں اختلاف ہے، پھر یہاں پر اس حدیث کو ذکر کرنے سے امام بخاری نے اُن لوگوں کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو "اکراہ فی القول" اور "اکراہ فی الفعل" میں فرق کرتے ہیں اور یہ ظاہریہ کا مذہب ہے کہ انہوں نے "اکراہ فی القول" اور "اکراہ فی

الفعل'' میں فرق کیا ہے۔ شیخ ابن حزم نے کہا ہے: اکراہ کی دو قسمیں ہیں، ایک کسی کلام پر مجبور کرنا ہے، اور دوسرا کسی فعل پر مجبور کرنا ہے، پس اول یعنی کلام پر مجبور کرنے سے کچھ واجب نہیں ہوتا جیسے کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے یا تہمت لگانے پر یا نکاح کے اقرار پر یا رجوع کے اقرار پر یا طلاق پر یا فروخت کرنے پر یا خریدنے پر اور نذر ماننے پر اور قسموں پر اور آزاد کرنے پر اور ہبہ کرنے پر وغیرہ۔ اور اکراہ علی الفعل کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کو ضرورت مباح کرتی ہے جیسے کھانے اور پینے پر، پس اگر کسی شخص کو کسی چیز کے کھانے یا پینے پر مجبور کیا گیا تو اس سے کچھ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے ایک فعلِ مباح کو کیا ہے۔ اور ''اکراہ علی الفعل'' کی دوسری قسم یہ ہے جو مباح نہیں ہے جیسے قتل کرنا، زخمی کرنا، مارنا اور اموال کو فاسد کرنا، پس ان افعال کو اکراہ مباح نہیں کرتا، پس جس شخص کو ان میں سے کسی کام پر مجبور کیا گیا تو اس پر وہ کام لازم ہوگا۔

اور التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ قول اور فعل میں اکراہ برابر ہے، جب کہ ایمان کو مخفی رکھا جائے، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہی مکحول، امام مالک اور عراق کے علماء کی ایک جماعت کا قول ہے۔

پھر اس حدیثِ مذکور سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ قول اور فعل میں اکراہ برابر ہے، اور یہی وہ نظریہ ہے جس پر جمہور ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ عمل ظاہری اعضاء اور دلوں کے فعل اور اقوال سب کو شامل ہیں۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب اس طرح ہے کہ ہر فعل میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور مُکرَہ کی کوئی نیت نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے مواخذہ نہیں ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک مُکرَہ کی نیت ہوتی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ فعل نہ کیا جائے جس پر اسے مجبور کیا گیا ہے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس بناء پر یہ چاہیے کہ جس شخص نے خطاء سے طلاق دے دی یا خطاء سے آزاد کر دیا تو ان سے مواخذہ نہ کیا جائے کیونکہ ان کی کوئی نیت نہیں ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے: بلکہ ان سے مواخذہ کیا جائے گا، پس اس کی طلاق صحیح ہے حتیٰ کہ اگر اس نے کہا: مجھے پانی پلاؤ اور اس کی زبان سے جاری ہو گیا کہ تم کو طلاق ہے، تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ قصد اور ارادہ ایک باطنی امر ہے جس کے اوپر واقفیت نہیں ہوتی، پس اس کے ساتھ حکم متعلق نہیں ہوگا بلکہ اس سبب کے ساتھ حکم متعلق ہوگا جو ظاہر ہے اور دلالت کرتا ہے اور وہ اس کی اہلیت ہے اور وہ عاقل بالغ کا قصد ہے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس بناء پر یہ چاہیے کہ سونے والے کی طلاق واقع ہو جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور طلاق سے مانع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ قلمِ تکلیف کو تین لوگوں سے اٹھا لیا گیا ہے: (۱) سونے والے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے (۲) بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے (۳) اور مجنون سے حتیٰ کہ اس کی عقل کام کرنے لگے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۴۴۔۱۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ اِکراہ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

النحل:۱۰۶ کا شانِ نزول

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اہلِ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ النحل:۱۰۶ (''جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے'') اہلِ مکہ کے ان مومنین کے متعلق نازل ہوئی جن کی طرف مدینہ میں ان کے بعض اصحاب نے یہ مکتوب لکھ کر بھیجا: تم لوگ ہم میں سے اس وقت تک نہیں ہو گے حتیٰ کہ تم ہماری طرف ہجرت کرو اور ان مسلمانوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی تھے، پس وہ مکہ سے نکلے اور مدینہ کا ارادہ کر رہے تھے، راستہ میں ان کو قریش نے پکڑ لیا اور ان کو کفر پر مجبور کیا، پس انہوں نے مجبوراً کلمات کفر کہے، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوگئی ''جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔۔۔۔۔الخ''۔

جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا حتیٰ کہ اس کو اپنی جان کے اوپر قتل کا خطرہ ہوا، تو اگر اس نے کلمۂ کفر کہا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اس کی بیوی اس سے بائنہ (الگ) نہیں ہوگی اور نہ اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔ یہ امام مالک، فقہاء احناف اور امام شافعی کا قول ہے، البتہ امام محمد بن الحسن نے یہ کہا ہے کہ جب اس نے شرک کو ظاہر کیا تو وہ ظاہراً مرتد ہو گیا اور وہ اپنے اور اللہ کے درمیان اسلام پر قائم ہے اور اس کی بیوی اس سے الگ کر دی جائے گی اور اگر وہ مر گیا تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اگر اس کا باپ اسلام پر فوت ہوا تو وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا، اس قول کو رد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ قول قرآن مجید کی ان صریح آیات کا مخالف ہے جن آیات کو امام بخاری نے اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

کفریہ قول اور کفریہ فعل میں فرق کے متعلق فقہاء کے نظریات

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ کفریہ قول میں رخصت جائز ہے اور کفریہ فعل میں کوئی رخصت نہیں ہے مثلاً کسی شخص کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ غیر اللہ کو سجدہ کرے یا غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھے یا کسی مسلمان کو قتل کرے یا اس کو مارے یا کسی مسلمان کا مال کھائے یا زنا کرے یا خمر پیئے یا خنزیر کھائے تو ان کفریہ افعال کی وجہ سے اس کو کافر قرار دیا جائے گا اور اس میں کوئی رخصت نہیں ہے، یہ حسن بصری سے روایت ہے اور یہی الاوزاعی اور سحنون کا قول ہے، الاوزاعی نے کہا: جب کسی قیدی کو خمر کے پینے پر مجبور کیا جائے تو وہ خمر نہ پیئے خواہ مجبور کرنے والا اس کو قتل کر دے۔

اور اسماعیل بن اسحاق نے اپنی سند سے روایت کی کہ حسن بصری نے کہا: جس نفس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس میں تقیہ جائز نہیں ہے، اور محمد بن الحسن نے کہا: جب قیدی سے کہا جائے کہ اس بت کو سجدہ کرو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے تو انہوں نے کہا: اگر وہ بت قبلہ کے بالمقابل ہو تو وہ سجدہ کر لے اور سجدہ میں نیت اللہ کی کرے اور اگر وہ بت قبلہ کے مقابل نہ ہو تو پھر بت کو سجدہ نہ کرے خواہ وہ اس کو قتل کر دیں۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: فعل اور قول دونوں میں اکراہ اور جبر برابر ہیں، یہ مسلک عمر بن عبدالعزیز سے اور مکحول سے مروی ہے اور یہی امام مالک اور اہلِ عراق کی ایک جماعت کا قول ہے اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر اس کو خمر پینے پر مجبور کیا جائے یا نماز کے ترک کرنے پر یا رمضان میں روزہ نہ رکھنے پر مجبور کیا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، مگر یہ کہ امام مالک اور عام علماء کے نزدیک کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی کی عزت کو پامال کرنا جائز ہے اور نہ کسی پر ظلم کرے اور نہ زنا کرے خواہ اس کو ان کاموں پر مجبور کیا جائے۔

اکراہ اور جبر کی حالت میں طلاق دینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

مُکرَہ (جس کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے) کی طلاق میں اختلاف ہے، پس ابنِ وہب نے حضرت عمر بن الخطاب سے اور حضرت علی بن ابی طالب سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ مُکرَہ کی طلاق کا بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے (یعنی مُکرَہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی)۔ علامہ ابن المنذر نے حضرت ابن الزبیر اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاء، طاؤس، الحسن، شریح، القاسم، سالم، امام مالک، الاوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابوثور سے بھی اس قول کی روایت کی ہے۔

فقہاء کی دوسری جماعت نے مُکرَہ کی طلاق کی اجازت دی (یعنی مُکرَہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے)۔ امام شافعی اور النخعی، ابو قلابہ، الزہری اور قتادہ سے یہ قول مروی ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے، اور اس میں ایک تیسرا قول بھی ہے جس کو الشعبی نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر چور طلاق دینے پر مجبور کریں تو یہ طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر سلطان (سربراہِ ملک یا حاکم) اس کو طلاق دینے پر مجبور کریں تو یہ طلاق واقع ہوگی۔ ابن عیینہ نے اس کی تفسیر کی ہے، سو انہوں نے کہا کہ چور اس کے قتل کا اقدام کرے گا اور سلطان اس کو قتل کرنے کا اقدام نہیں کرے گا۔ اور فقہاء احناف نے اپنے قول پر درجِ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزوں میں سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجعت (یعنی طلاق سے رجوع کرنا)۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۹۴، سنن ترمذی: ۱۱۸۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۹)

انہوں نے کہا: مذاق کرنے والا طلاق واقع کرنے کا قصد نہیں کرتا اور اس کی طلاق لازم ہو جاتی ہے، پس مُکرَہ بھی اسی طرح ہے یعنی وہ بھی طلاق واقع کرنے کا قصد نہیں کرتا لیکن اس کی طلاق بھی واقع ہوگی۔

مُکرَہ کی طلاق واقع نہ ہونے پر امام مالک وغیرہ کے دلائل

امام مالک اور ان کے حامی فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مذاق سے طلاق دینے والے اور جبر سے طلاق دینے والے میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مذاق سے طلاق دینے والا لفظ کا قصد کرتا ہے اور وہ لفظ موثر ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم لازم ہے اور مُکرَہ اور جس کو مجبور کیا گیا ہو، وہ اگرچہ لفظ کا قصد کرتا ہے لیکن اس کو موثر نہیں قرار دیتا اور نہ اس کو اختیار کرتا ہے، لہٰذا حالتِ اکراہ میں اس کا حکم لاگو نہیں ہوگا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ طلاق صرف لفظ اور نیت سے واقع ہوتی ہے اور مُکرَہ اور جس کو مجبور کیا گیا ہو اس کی کوئی نیت نہیں ہوتی، وہ صرف زبان سے طلاق دیتا ہے دل سے طلاق نہیں دیتا، پس جب اللہ تعالیٰ نے مُکرَہ سے کفر کو اٹھا لیا جس کا اس نے حالتِ اکراہ اور جبر میں

تلفظ کیا تھا اور اس کا اعتقاد نہیں رکھا تھا تو واجب ہے کہ طلاق کے حکم کو بھی اس سے اٹھالیا جائے کیونکہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں ہوتی اور امام مالک کے اس قول پر صحابہ کا اجماع ہے اور ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

اور مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اگر مشرکین کسی مسلمان کو زبان سے کلمہ کفر کہنے پر مجبور کریں اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اور اس کی بیوی آزاد مسلمہ ہو تو وہ بیوی اس پر حرام نہیں ہوگی اور نہ وہ حالتِ جبر میں کلمہ کفر کہنے سے مرتد ہوا، تو جب جبریہ کلمہ کفر کہنے سے اس کی بیوی اس سے بائنہ نہیں ہوتی تو جبریہ طلاق سے اس کی بیوی اس سے کیسے بائنہ ہوگی؟

اکراہ اور جبر کی حد میں فقہاء کا اختلاف

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کی جان کو ہلاک کرنے کی دھمکی دی جائے یا اس کو باندھا جائے یا مارا جائے تو یہ اکراہ ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر کسی کو دو کوڑے بھی مارے جائیں تو یہ اکراہ ہے، اور شریح اور نخعی نے کہا: قید کرنا اکراہ ہے، اور دھمکی دینا اکراہ ہے۔ اور ابن سحنون نے کہا: یہ تمام صورتیں امام مالک اور ان کے اصحاب کے نزدیک اکراہ ہیں اور مارنا ان کے نزدیک اکراہ ہے اور ان کے نزدیک مارنے اور قید کرنے میں کسی مدت کا تعین نہیں ہے، اور اس کا معیار یہ ہے کہ جب مار سے انسان کو درد ہو اور قید میں ڈالنے سے اس کو تنگی ہوتی ہو خواہ قید کم ہو یا زیادہ ہو۔

اور فقہاء عراق نے ان سے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قید کرنا اور قید خانہ میں ڈالنا اکراہ نہیں ہے، یعنی اگر کسی کو خمر پینے پر یا مردار کھانے پر مجبور کیا جائے کہ یہ کام کرو ورنہ ہم قید خانہ میں ڈال دیں گے تو یہ اکراہ نہیں ہے، کیونکہ اس سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔

اور ابن سحنون نے کہا ہے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ دردِ شدید بھی اکراہ ہوتا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جان کے ضائع ہونے کے خوف کے بغیر بھی اکراہ ہوتا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۳۰۔ ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ اِکراہ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِکراہ اور جبر کی دو قسمیں: کلام پر مجبور کرنا اور فعل پر مجبور کرنا

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی ۴۵۶ھ، نے کہا ہے: کلام پر مجبور کرنے سے کچھ لازم نہیں آتا مثلاً کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور پاک دامن کو تہمت لگانے پر مجبور کیا جائے اور نکاح کے اقرار پر مجبور کیا جائے اور طلاق پر مجبور کیا جائے اور طلاق سے رجوع پر مجبور کیا جائے اور فروخت کرنے پر اور خریدنے پر اور نذر ماننے پر اور قسموں پر اور آزاد کرنے پر اور ہبہ وغیرہ کرنے پر۔ کیونکہ جس قول پر مُکرَہ کو مجبور کیا گیا ہے اس میں وہ صرف الفاظ کی حکایت کرتا ہے اور الفاظ کی حکایت کرنے پر کچھ لازم نہیں آتا، اور جس نے ان دونوں امروں میں فرق کیا تو اس نے اس حدیث کے خلاف کہا ''الاعمال بالنیات'' پس یہ صحیح ہے کہ جس کو کسی قول پر مجبور کیا گیا اور مُکرَہ نے اپنے اختیار سے اس کی نیت نہیں کی تو وہ قول اس کو لازم نہیں ہوگا۔

اور فعل پر مجبور کرنے کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو ضرورت کی وجہ سے مباح ہو جاتی ہے جیسے کھانا اور پینا، پس ضرورت

اس کو مباح کر دیتی ہے، کیونکہ اِکراہ میں ضرورت ہے، پس جس شخص کو کسی پر مجبور کیا گیا تو اس کے لیے اس کو کرنا مباح ہے۔
اور دوسری قسم وہ ہے جس کو ضرورت مباح نہیں کرتی مثلاً قتل کرنا، زخمی کرنا، مارنا اور لوگوں کے مال کو ضائع کرنا، پس یہ وہ قسم ہے کہ جس کو اِکراہ مباح نہیں کرتا، پس جس کو کسی شخص کے قتل پر یا زخمی کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا اور تاوان لازم ہوگا کیونکہ اس نے ایسا فعل کیا جس کا کرنا اس کے اوپر حرام تھا۔

اِکراہ اور مجبور کرنے کی تعریف

اِکراہ ہر وہ کام ہے جس کو لغت میں اِکراہ کہا جاتا ہے اور جس کو ہم حواس سے جان لیں کہ یہ اِکراہ ہے مثلاً جو شخص کسی دھمکی کو پورا کرنے پر قادر ہو وہ کسی کو قتل کرنے کی دھمکی دے یا اس کو مارنے کی دھمکی دے یا اس کو قید کرنے کی دھمکی دے یا اس کے مال کو ضائع کرنے کی دھمکی دے، یا کسی دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کی دھمکی دے یا مارنے کی یا قید میں رکھنے کی یا اس کا مال ضائع کرنے کی۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر خود ظلم کرے اور نہ کسی اور کو اس پر ظلم کرنے دے، اور جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں رہتا ہے اور جس نے کسی مسلمان سے کوئی مصیبت دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کر دے گا، اور جس نے کسی مسلمان کا پردہ رکھا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۲، ۶۹۵۱، صحیح مسلم: ۲۵۸۰، سنن ابوداؤد: ۴۸۹۳، سنن ترمذی: ۱۴۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۱۸۹)

پس جس شخص کو خمر پینے پر مجبور کیا گیا یا خنزیر کے کھانے پر یا مُردار کے کھانے پر یا خون کے کھانے پر یا بعض مُحرمات کے کھانے پر یا مسلمان کے مال کو کھانے پر یا ذمی کے مال کو کھانے پر، تو اس کے لیے ان چیزوں کو کھانا یا پینا مباح ہے اور اس پر کوئی تاوان نہیں ہے نہ حد ہے اور نہ ضمانت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (البقرہ: ۱۷۳)

اللہ نے تم پر جس کا (کھانا) حرام کیا ہے وہ صرف مردار، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، سو جو شخص مجبور ہو جائے جب کہ وہ نافرمانی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر (کھانے یا استعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

پس اگر کسی شخص کو مسلمان کا مال کھانے پر مجبور کیا جائے اور اس کے پاس مال موجود ہو تو اس پر لازم ہے کہ جتنا مال اس نے کھایا ہے اس کی قیمت ادا کرے، اور اگر اس کے پاس مال موجود نہیں ہے تو جو کچھ اس نے کھایا ہے اس میں اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔
پس اگر یہ سوال کیا جائے: پس تم نے قتل کرنے کو، زنا کرنے کو، زخمی کرنے کو، مارنے کو اور مال کے فاسد کرنے کو اس کے ساتھ کیوں نہیں ملایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نصِ قرآن نے ان کاموں کو بالکل مباح نہیں کیا اور کسی مجبور شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خود سے ظلم کو دور کرنے کے لیے دوسروں پر ظلم کرے، اس پر واجب یہ ہے کہ وہ ظالم سے مدافعت کرے اور اس سے لڑے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدہ:۲) اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے O

حدیث میں ہے:

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے جو شخص کسی برے کام کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اس کو برا کہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو پھر دل سے اس کو برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

(صحیح مسلم:۴۹، سنن ابوداود:۱۱۴۰، سنن ترمذی:۲۱۷۸، سنن نسائی:۵۰۱۸، سنن ابن ماجہ:۱۲۷۵، مسند احمد:۱۱۰۷۳)

پس یہ صحیح ہے کہ مُکرَہ کے لیے ظلم پر مدد کرنے کو مُباح نہیں کیا گیا نہ ضرورت کی بناء پر اور نہ کسی اور وجہ سے۔ اور اس کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ اگر وہ اپنے ہاتھ سے ظلم کو دور نہ کر سکے اور نہ زُبان سے ظلم کی مذمت کر سکے تو دل سے ظلم کو برا جانے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرے، اور شدید بھوک کی حالت میں نصِ قرآن سے اس کے لیے ضرورت کے وقت کھانے پینے کو مباح کیا گیا ہے۔ پس اگر کسی عورت نے کسی مرد کو قید کر لیا حتیٰ کہ وہ مرد اس عورت کے ساتھ زنا کرے یا کسی مرد نے دوسرے مرد کو پکڑ لیا اور اس کے ذَکر کو کسی عورت کی فرج میں داخل کر دیا تو ان دونوں صورتوں میں اس مرد پر کوئی سزا نہیں ہے خواہ اس کا آلہ منتشر ہو یا نہ ہو اور منی حاصل ہو یا نہ ہو، کیونکہ منی کا حاصل ہونا اور آلہ کا منتشر ہونا طبعی فعل ہے اور خواہ وہ اس کو پسند کرے یا نہ کرے، کیونکہ اس کام میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے، اور جو شخص کسی سفرِ معصیت میں ہو اور حرام کے سوا اور کوئی چیز اسے کھانے کے لیے میسر نہ ہو تو اس کے لیے حرام کو کھانا حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کرے اور پھر حلال کھائے، پس اگر اس نے توبہ نہیں کی اور حرام کھایا یا حرام نہیں کھایا تو وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور یہ امام شافعی اور ابو سلیمان کا قول ہے، امام مالک نے کہا ہے کہ وہ کھائے اور انہوں نے "فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ......" (البقرہ:۱۷۳) سے استدلال کیا ہے، اور انہوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" (النساء:۲۹)" (اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔ اور جس کو حرام کھانے پر مجبور کیا گیا اور اس نے حرام نہیں کھایا تو اس نے اپنی جان کو قتل کیا۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ خرید وفروخت پر، اقرار پر، ہبہ پر اور صدقہ پر اگر اکراہ اور جبر کیا جائے تو ان میں سے کوئی چیز جائز نہیں ہے، اور اگر اس کو نکاح کرنے پر یا طلاق دینے پر یا طلاق سے رجوع کرنے پر یا غلام آزاد کرنے پر یا نذر ماننے پر یا قسم پر مجبور کیا جائے تو وہ اس کو لازم ہوگی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۱۵۔۱۷، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ اِکراہ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اِکراہ کی تعریف اور اس کی شرائط

اِکراہ کا معنی ہے: کسی دوسرے شخص پر اس کام کو لازم کرنا جس کا وہ ارادہ نہ کرتا ہو اور اس کی حسب ذیل چار شرائط ہیں:

(۱) مُکرِہ یعنی جبر کرنے والا جس چیز سے دھمکا رہا ہو وہ اس کے کرنے پر قادر ہو اور مُکرَہ، مُکرِہ سے مدافعت کرنے سے عاجز ہو خواہ بھاگ کر بھی۔

(۲) مُکرَہ کو اس کا ظن غالب ہو کہ اگر اس نے مُکرِہ کے حکم پر عمل نہیں کیا تو وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے گا۔

(۳) جس چیز کی مُکرِہ نے دھمکی دی ہے اس کا وقوع فوراً ہو، پس اگر اس نے کہا: اگر تم نے اس طرح نہیں کیا تو میں تم کو کل ماروں گا، تو اس کو مُکرِہ نہیں قرار دیا جائے گا، اور اگر اس نے بہت قریب زمانہ کی دھمکی دی اور عادتاً یہ معلوم ہو کہ وہ اس دھمکی کے خلاف نہیں کرتا تو اس کا استثنیٰ کیا جائے گا۔

(۴) مُکرَہ سے یہ ظاہر نہ ہو کہ وہ اپنے اختیار سے اس فعل کو کر رہا ہے مثلاً جس شخص کو زنا پر مجبور کیا گیا، پس اس نے اپنا آلہ داخل کر دیا اور اس کے لیے آلہ کو نکالنا ممکن تھا اور اس نے کہا: مجھے انزال ہو گیا تو اس کو مہلت دی حتیٰ کہ اس کا انزال ہو گیا تو یہ اکراہ ہے۔ اور جس شخص سے یہ کہا گیا کہ تم اپنی بیوی کو تین طلاقیں دو، پس اس نے ایک طلاق دی تو یہ اِکراہ نہیں ہے، اور جمہور کے نزدیک اِکراہ میں قول اور فعل کا فرق نہیں ہے، اور فعل سے اس فعل کا استثنیٰ کیا جائے گا جو ابداً حرام ہو جیسے کسی انسان کو ناحق قتل کرنا۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ مُکرَہ، اکراہ کے فعل کو ترک کرنے کا مکلف ہے یا نہیں؟ پس شیخ ابو اسحاق شیرازی نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ جس کو قتل کرنے پر مجبور کیا گیا وہ اس کا مکلف ہے کہ قتل کرنے سے اجتناب کرے اور اپنے نفس سے مدافعت کرے۔ اور اگر اس نے اس کو قتل کر دیا جس کے قتل کرنے پر مجبور کیا گیا تھا تو وہ گناہ گار ہو گا، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مُکرَہ حالت اِکراہ میں مکلف ہوتا ہے، اسی طرح امام غزالی وغیرہ کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اِکراہ کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کی شرائط کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ، لکھتے ہیں:

اِکراہ کا لغوی اور شرعی معنی

اِکراہ کا لغوی معنی ہے: کسی کام کو ناپسند کرنا یا کسی سے زبردستی کوئی کام کرانا، اور یہ معنی مُکرَہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور یہ محبت اور رضا کے خلاف ہے، اسی لیے ان میں سے ہر ایک دوسرے کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، اللہ سبحانہٗ ارشاد فرماتا ہے:

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ (البقرہ: ۲۱۶)

اور ہو سکتا ہے کہ تم پر کوئی چیز شاق گزرے اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہارے نزدیک اچھی ہو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔

اہلِ سنت نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کفر اور معاصی کو مکروہ جانتا ہے یعنی ان سے محبت نہیں کرتا اور ان سے راضی نہیں ہوتا، اگرچہ عبادات اور معاصی اللہ عزوجل کے ارادہ سے ہوتے ہیں۔

اور اِکراہ کا شرعی معنی ہے: ڈرا کر اور دھمکا کر کسی کام کو کرنے کے لیے کہنا۔

اِکراہ کی اقسام

اِکراہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے جو انسان کو طبعاً کسی کام پر مجبور کرتی ہے مثلاً اس کو قتل کرنے کی دھمکی دی جائے یا اس کو مارنے اور کاٹنے کی دھمکی دی جائے جس سے اس کی جان ضائع ہو جائے یا عضو ضائع ہو جائے خواہ وہ مار کم ہو یا زیادہ ہو، اور بعض فقہاء نے ضربات کے عدد کو مقرر کیا ہے اور یہ درست نہیں ہے، اور اِکراہ کی اس قسم کو اِکراہِ تام کہا جاتا ہے۔

اور اِکراہ کی دوسری قسم وہ ہے جو مجبوری اور اضطرار کو واجب نہیں کرتی، اور وہ ہے کسی کو قید کرنا اور ایسی ضرب سے مارنا جس سے جان یا عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو، اور اس قسم کو اِکراہِ ناقص کہا جاتا ہے۔

اِکراہ کی وہ شرائط جن کا تعلق مُکرِہ سے ہے

مُکرِہ کی شرط یہ ہے کہ اس نے جس چیز سے ڈرایا اور دھمکایا ہے وہ اس کو متحقق کرنے پر قادر ہو، کیونکہ ضرورت اسی وقت متحقق ہوگی جب اسے قدرت ہو، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اِکراہ صرف سلطان سے متحقق ہوتا ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ علیہم نے کہا ہے کہ اِکراہ سلطان سے بھی متحقق ہوتا ہے اور دوسرے شخص سے بھی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اِکراہ کا معنی صرف یہ ہے کہ مُکرَہ کے ساتھ اس چیز کو ملایا جائے جس کی اسے دھمکی دی ہے اور یہ ہر مسلط میں متحقق ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ سلطان کا غیر اپنی دھمکی کے عمل کرنے پر قادر نہیں ہوتا، کیونکہ مُکرَہ سلطان سے مدد طلب کرتا ہے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے، پس جب کہ سلطان خود مُکرِہ ہو تو مُکرَہ کسی مددگار کو نہیں پائے گا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی معنوی اختلاف نہیں ہے، یہ زمانہ کا اختلاف ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں غیر سلطان کے لیے اکراہ پر قدرت نہیں ہوتی تھی، پھر حال متغیر ہو گیا اور صاحبین کے زمانہ میں غیر سلطان بھی اپنی دھمکی کے عمل پر قدرت رکھتا تھا۔

مُکرَہ کے اعتبار سے اِکراہ کی شرائط

مُکرَہ کے اعتبار سے شرط یہ ہے کہ مُکرَہ کی غالب رائے اور اس کا اکثر گمان یہ ہو کہ اگر اس نے مُکرِہ کی بات پر عمل نہیں کیا تو مُکرِہ نے جس چیز کی دھمکی دی ہے وہ اس پر عمل کرے گا حتیٰ کہ اگر اس کی یہ غالب رائے نہ ہو تو اِکراہ نہیں ہوگا۔

جس کام کی دھمکی دی گئی ہے اس کا بیان

جس کام کو کرنے کی دھمکی دی گئی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وہ کام حسی ہو، اور دوسری یہ کہ وہ کام شرعی ہو۔

رہا یہ کہ وہ کام حسی معین ہو اور اس پر اسے مجبور کیا گیا ہو تو وہ کام کھانے کا ہے اور پینے کا ہے اور کفر کرنے کا ہے اور کسی کے عضو کو تلف کرنے کا ہے اور کسی کے عضو کو کاٹنے کا ہے۔

اور رہا شرعی، پس جیسے طلاق ہے، غلام کو آزاد کرنا ہے، نکاح کرنا ہے اور نکاح سے رجوع کرنا ہے اور قسم کھانا ہے اور نذر ماننا ہے اور ظہار کرنا ہے اور ایلاء کرنا ہے اور خرید و فروخت اور ہبہ ہے اور کرایہ پر دینا ہے اور حقوق سے بری ہونا ہے وغیرہ۔

جن کاموں پر مُکرَہ کو مجبور کیا گیا ہے ان کا حکم

تصرفاتِ حسیہ میں دو حکم متعلق ہوتے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک حکم آخرت کی طرف راجع ہے۔
اور دوسرا حکم دنیا کی طرف راجع ہے۔ رہے وہ کام جو آخرت کی طرف راجع ہوتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم مباح ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں رخصت ہے اور تیسری قسم وہ ہے جو حرام ہے، نہ وہ مباح ہے اور نہ اس میں رخصت ہے۔
رہی وہ قسم جو مباح ہے جیسے کسی کو مُردار کھانے پر مجبور کیا جائے یا خون پینے پر مجبور کیا جائے یا خنزیر کا گوشت کھانے پر یا خمر کو پینے پر، یہ اس وقت ہے جب اِکراہ تام ہو بایں طور کہ اس کو جان سے مارنے کی دھمکی دی ہو یا اس کے کسی عضو کو تلف کرنے کی دھمکی دی ہو، اور یہ کام اضطرار کی صورت میں مباح ہو جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ (الانعام:۱۱۹) حالانکہ حالتِ اضطرار کے سوا جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کی تفصیل اللہ نے تمہیں بتا دی ہے۔

یعنی جب بھوک کی شدت مُکرَہ کو ان چیزوں کے کھانے کی طرف مجبور کرے تو مُکرَہ کے لیے ان کا کھانا مباح ہے، بلکہ مُکرَہ کے لیے اس سے رُکنا مباح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر وہ مردار کے کھانے سے رُک گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا جیسا کہ شدید بھوک کی حالت میں اگر اس نے مُردار کو نہیں کھایا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا، کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ:۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اور رہی دوسری قسم جس میں رُخصت ہے، وہ یہ ہے کہ کسی شخص کو زبان سے کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل اطمینان کے ساتھ مطمئن ہو، اور یہ اکراہ تام ہو یعنی اسے قتل کرنے کی دھمکی دی ہو۔ اور کلمۂ کفر کہنا فی نفسہٖ حرام ہے اور اس میں رخصت ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ (النحل:۱۰۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو، ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○

اور اس صورت میں اس فعلِ حرام سے رکنا افضل ہے حتیٰ کہ اگر اس نے کلمۂ کفر نہیں کہا اور اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کو اجر ملے گا کیونکہ اس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان کی سخاوت کر دی، پس توقع ہے کہ اس کو مجاہد بالنفس کا ثواب ملے گا۔
اور اسی قسم سے مسلمان کو گالی دینا ہے، کیونکہ مسلمان کی عزت کے درپے ہونا ہر حال میں حرام ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کی عزت اور اس کا مال، مگر اِکراہ کی وجہ سے اس کو رخصت دی گئی ہے اور یہ رخصت سقوطِ مواخذہ میں ہے نہ کہ سقوطِ حرمت میں۔
رہی وہ قسم جو کسی حال میں مباح نہیں ہے اور کسی حال میں اِکراہ کی وجہ سے اس کی رخصت نہیں ہے، وہ ہے کسی مسلمان کو

ناحق قتل کرنا خواہ اِکراہ ناقص ہو یا تام ہو، کیونکہ مسلمان کو ناحق قتل کرنے کی کسی حال میں اباحت نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ اور جس کے قتل کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔

(الانعام:۱۵۱)

اور اسی طرح کسی مسلمان کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹنا یا اس کو مُہلک ضرب لگانا یہ بھی کسی حال میں جائز نہیں ہے۔اور اگر اس نے ڈرانے اور دھمکانے سے یہ کام کیا تو وہ گناہگار ہوگا۔

اور اسی قسم میں زنا داخل ہے، یہ بھی کسی حال میں مباح نہیں ہے اور کسی مرد کے لیے زنا کرنے کی رخصت نہیں ہے خواہ اس کو اِکراہِ تام کے ساتھ دھمکایا جائے یا اِکراہِ ناقص کے ساتھ، اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ گناہگار ہوگا۔

(بدائع الصنائع ج ۱۰ ص ۱۰۳۔۱۰۹، ملخصاً وملتقطاً، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۶۹۴۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْعُو فِي الصَّلَاةِ اللّٰهُمَّ أَنْجِ عَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيعَةَ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَالْوَلِيدَ بْنَ الْوَلِيدِ اللّٰهُمَّ أَنْجِ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلَى مُضَرَ وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بُکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از خالد بن یزید از سعید بن ابی ہلال از ہلال بن اسامہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ان کو خبر دی از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نماز میں دعا کرتے تھے: اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اور سلمہ بن ہشام کو نجات دے اور ولید بن الولید کو نجات دے، اے اللہ! کمزور مومنین کو نجات دے، اے اللہ! مضر پر اپنی گرفت کو سخت کر دے اور ان پر ایسے سات سال مسلط فرما جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال مسلط فرمائے تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۰۴، صحیح مسلم: ۶۷۵، سنن نسائی: ۱۰۷۴، سنن ابوداؤد: ۱۴۴۲، سنن ابن ماجہ: ۱۲۴۴، مسند احمد: ۷۲۱۹، سنن دارمی: ۱۵۹۵)

صحیح البخاری ۶۹۴۰: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس باب کا عنوان ہے "اِکراہ" اور نبی ﷺ نے ان صحابہ کے حق میں دعا فرمائی جو مکہ میں مجبور کر دیئے گئے تھے اور مُکرَہ تھے اور ان کا مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آنا دشوار تھا، اور وہ کمزور مومنین میں سے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں خالد بن یزید کا ذکر ہے، یہ الجمحی السکند رانی الفقیہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں سعید بن ابی ہلال کا ذکر ہے، یہ اللیثی المدنی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں ہلال بن اسامہ کا ذکر ہے، یہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں جن کا نام ہلال بن علی ہے اور ان کو ہلال بن ابی میمونہ بھی کہا جاتا ہے، اور ہلال بن ابی ہلال بھی کہا جاتا ہے۔

یہ حدیث کتاب الاستسقاء میں از قتیبہ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''فی الصلوٰۃ'' صلوٰۃ سے مراد قنوت ہے، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعاء قنوت میں کمزور مسلمانوں کے حق میں دعا فرماتے تھے اور ظالموں کے خلاف دعا کرتے تھے۔اور اس حدیث میں ظالموں کے خلاف دعا کرنے کا ثبوت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''عیاش بن ابی ربیعہ'' یہ بنو مخزوم سے ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''سلمہ بن ہشام'' یہ ابوجہل کے بھائی ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''ولید بن الولید'' یہ ابوجہل کے چچازاد بھائی ہیں۔

اس کے بعد کمزور مومنین کا ذکر ہے، یہ خاص کے بعد عام کا ذکر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''وطاتك''''الوطأۃ'' کا معنی ہے: قدموں سے روندنا، اور اس سے مجازاً قہر اور شدت مراد ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے''علیٰ مضر''''مضر قریش کا باپ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تو فرماتے''سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد'' پھر چند لوگوں کا نام لے کر دعا فرماتے جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے، اور اس میں یہ اضافہ ہے اور اہل المشرق ان دنوں قبیلہ مضر سے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے۔

اور اس حدیث کا تعلق اِکراہ کے ساتھ اس طرح ہے کہ یہ لوگ مکہ میں مشرکین کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے، کیونکہ یہ کمزور لوگ تھے اور کمزور لوگ ہی مُکرَہ ہوتے ہیں۔اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ کُفر پر مجبور کرنا اگر کفر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا نہ فرماتے حالانکہ آپ نے ان کو مومنین فرمایا۔(فتح الباری ج ۸ ص ۱۰۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی شرح پر مصنف کا مواخذہ

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی یہ شرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں جن مسلمانوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

دعا فرمائی یعنی حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، حضرت سلمہ بن ہشام اور حضرت ولید بن الولید رضی اللہ عنہم، یہ لوگ کافر نہیں تھے بلکہ مسلمان اور صحابہ تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مومنین فرمایا ہے، اس لیے حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ کفر پر مجبور کرنا اگر کفر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا نہ فرماتے، بلکہ یوں لکھنا چاہیے تھا کہ مجبوری کی وجہ سے کفار کے ساتھ رہنا اور کفار کے علاقہ سے نہ نکلنا اگر کفر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا نہ فرماتے، کیونکہ یہ صحابہ کفار کے مجبور کرنے کی وجہ سے مکہ سے نہیں نکلے تھے اور یہی اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت ہے، کیونکہ باب میں مجبور مسلمانوں کا بھی ذکر ہے اور کمزور مسلمانوں کا بھی ذکر ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۰، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولید نام رکھنے کا جواز

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ولید یا الولید نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو متغیر نہیں کیا، اور اگر یہ نام رکھنا حرام ہوتا تو آپ اس کو تبدیل کر دیتے جیسے آپ نے برہ کا نام تبدیل کر کے زینب رکھ دیا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ولید فرعون کا نام تھا جس کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام الولید بن معصب بن الرجال تھا، اور میرے نزدیک یہ بعید ہے، کیونکہ یہ کلمات، کلماتِ عربیہ ہیں اور یہ بعید ہے کہ فرعون کا نام عربی لفظ ہو حالانکہ وہ قبطی تھا اور ولید اسماء عربیہ میں سے ہے، لیکن بہر حال لوگوں نے اسی طرح کہا ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۸۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۱۔ بَابٌ: مَنِ اخْتَارَ الضَّرْبَ وَالْقَتْلَ وَالْهَوَانَ عَلَى الْكُفْرِ

جس شخص نے کفر پر مار کھانے، قتل کیے جانے اور ذلت کو اختیار کر لیا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی شرح میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے کلمہ کفر کہنے پر مار کھانے اور قتل کیے جانے اور ذلت اور رسوائی کو اختیار کر لیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ حَوْشَبٍ الطَّائِفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد اللہ بن حوشب الطائفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از ابو قلابہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین خصلتیں جس شخص میں

الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ۔

ہوں وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا: یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، اور یہ کہ وہ مرد جس سے بھی محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے محبت کرے، اور یہ کہ اس شخص کے نزدیک کفر میں لوٹنا ایسا ناپسند ہو جیسا کہ آگ میں ڈالا جانا ناپسند ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری:۱۶، ۲۱، ۶۰۴۱، ۶۹۴۱، صحیح مسلم:۴۳، سنن ترمذی:۲۶۲۴، سنن نسائی:۴۹۸۹، سنن ابن ماجہ:۴۰۳۳، مسند احمد:۱۱۵۹۱)

صحیح البخاری ۶۹۴۱: کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت اس طرح ہے کہ اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے کہ کفر اور آگ میں داخل ہونا دونوں برابر ہیں، اور قتل کیے جانا اور مار کھانا اور ذلت مومن کے نزدیک آگ میں داخل ہونے سے زیادہ آسان ہے، لہٰذا جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے کہ کلمہ کفر کہو ورنہ ہم تم کو ماریں گے یا قتل کریں گے یا ذلیل کریں گے تو وہ مار کو اور قتل کیے جانے اور ذلت ورسوائی کو کلمہ کفر کہنے پر ترجیح دے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالوہاب، یہ ابن عبد المجید الثقفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، اور یہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقلابہ، یہ عبداللہ بن زید الجرمی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الایمان میں باب حلاوۃ الایمان میں اسی سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثلاث'' اس سے مراد ہے تین خصلتیں۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ ایک شخص نے خطبہ میں کہا: ''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان کی نافرمانی کی تو وہ گمراہ ہو گیا'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ برا خطیب ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کر دیا اور کہا: جس نے ان کی نافرمانی کی، حالانکہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے اور فرمایا کہ ''اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہیں''۔

علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برا خطیب اس لیے فرمایا کہ اس نے خطبہ میں ایسا کہا اور خطبہ اختصار کا محل نہیں ہوتا۔ اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس سے منع فرمایا ہے کہ وہ اللہ اور اس

کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کریں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۴۸۔۱۴۹)

صحیح البخاری: ۶۹۴۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کفر پر مجبور کرنے اور حرام کاموں پر مجبور کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس مسلمان کو کفر پر مجبور کیا گیا اور کہا گیا کہ کلمہ کفر کہو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے، سو اس نے قتل کیے جانے کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو اس سے زیادہ اجر ملے گا جو اس صورت میں رخصت کو اختیار کرے اور زبان سے کلمہ کفر کہہ دے اور دل میں ایمان پر مطمئن رہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جس کو کفر کے علاوہ کسی حرام کام پر مجبور کیا گیا، پس امام مالک کے اصحاب نے کہا: اس میں بھی شدت پر عمل کرے اور اس صورت میں قتل کیا جانا اور مار کھانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے افضل ہے کہ وہ رخصت پر عمل کرے، اس کا ابن حبیب مالکی اور سحنون مالکی نے ذکر کیا ہے۔

اور علامہ ابن سحنون نے از اہلِ عراق ذکر کیا ہے: جب کسی شخص کو یہ دھمکی دی گئی کہ وہ خمر پیئے یا خنزیر کھائے ورنہ وہ اس کو قتل کر دے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹ دے گا یا اس پر کوئی ایسی ضرب لگائے گا جس سے وہ ضائع ہو جائے گا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ان حرام کاموں کو کر کے اپنی جان کو بچائے حتیٰ کہ اگر اس کو قتل کر دیا گیا تو وہ گناہگار ہوگا اور وہ اس شخص کی طرح ہے جو مردار کھانے یا خمر پینے کی طرف شدید بھوک کی حالت میں مجبور ہو جائے اور وہ اللہ کے احکام سے بغاوت کرنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو جب کہ اسے یہ خوف ہو کہ اگر اس نے خنزیر نہیں کھایا یا خمر نہیں پی تو وہ مر جائے گا۔

اور علامہ مسروق نے کہا ہے: جو شخص ان چیزوں کے کھانے کی طرف مجبور کر دیا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے، پھر وہ نہ کھائے اور نہ پیئے حتیٰ کہ مر جائے تو وہ شخص دوزخ میں داخل ہوگا، اور انہوں نے کہا کہ جب حرام کام کے نہ کرنے پر جان سے مارنے کی دھمکی دی جائے تو یہ کفر کے اور قتلِ مسلم کے مشابہ نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کو کلمۂ کفر کہنے پر جان سے مارنے کی دھمکی دی جائے تو اس کے لیے رخصت ہے کہ کلمۂ کفر کہے اور جان بچائے، اور کلمہ کفر کہنے کو ترک کرنا افضل ہے۔

اور علامہ سحنون نے کہا ہے: جب اس نے خمر کو نہیں پیا اور خنزیر کو نہیں کھایا حتیٰ کہ اسے قتل کر دیا گیا تو اس کو عظیم اجر ملے گا جیسا کہ کفر پر مجبور کرنے کی صورت میں ملتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اکراہ کی حالت میں اس کے لیے کفر کو مباح کر دیا ہے اور مردار اور خون کو شدید بھوک کی حالت میں اس کے لیے مباح کر دیا ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ کلماتِ کفر کہنے میں اس کے لیے رخصت کو ترک کرنا جائز ہے، اسی طرح جب وہ مردار کو کھانے اور خنزیر کے کھانے میں رخصت کو ترک کرے گا تو وہ بھی جائز ہوگا اور وہ اپنی جان کو ہلاک کرنے میں مددگار نہیں ہے۔

فقہاء مالکیہ کا فقہاء احناف پر اعتراض

اکراہ کی بحث میں فقہاء احناف کا قول متناقض ہے، کیونکہ انہوں نے مُکرَہ کے مسئلہ میں ہماری طرح یہ کہا ہے کہ جس شخص کو یہ

دھمکی دی جائے کہ وہ فلاں شخص کا مال لے کر فلاں کو دے دے ورنہ اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا اس کو قتل کر دیا جائے گا، تو فقہاء احناف کہتے ہیں: اس کے لیے اس میں گنجائش ہے کہ وہ فلاں شخص کا مال لے کر دوسرے شخص کو دے دے، کیونکہ وہ اس شخص کی طرح ہو گیا ہے جو شدید بھوک کی وجہ سے مُردار کھانے پر مجبور ہو، اور جس کا مال اس نے لیا ہے اس کا ضامن مُکرِہ ہوگا، اور مُکرَہ یعنی جس کو مجبور کیا گیا ہے اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے دوسرے کا مال لینے سے انکار کیا حتیٰ کہ مُکرِہ نے اس کو قتل کر دیا تو فقہاء احناف نے کہا: ہمارے نزدیک اس کے انکار کرنے کی گنجائش ہے، پس فقہاء احناف پر یہ اعتراض ہوگا کہ مسلمان کے مال کو تم نے جبر و اکراہ کی وجہ سے حلال کر دیا ہے، پس تم اس کو کیوں نہیں جائز قرار دیتے کہ جب کسی مسلمان کو مُردار کھانے پر مجبور کیا جائے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا تو اس کے لیے مُردار کے کھانے کو ترک کرنا جائز ہو جیسا کہ تم جبر و اکراہ کی صورت میں مسلمان کا مال لینے کو قتل کی دھمکی کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہو؟ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: کسی مسلمان کا مال بھی ناجائز طریقہ سے کھانا ممنوع ہے لیکن مردار کا کھانا اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ ممنوع ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال کے استدلال پر علامہ ابن التین کا اعتراض اور اس کا جواب

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس طرح اِکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر کہنے کے بجائے قتل کیے جانے کو اختیار کرنا زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے، اسی طرح جب کسی حرام کام کے کرنے پر مار، قتل اور ذلت کی دھمکی دی جائے تو اس حرام کام کو کرنے کے بجائے مار، قتل اور ذلت کو اختیار کرنا زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔

اور علامہ ابن التین نے اس استدلال پر یہ تعاقب کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کُفر کے مقابلہ میں قتل کو اختیار کرنا راجح ہے، اور یہ دلیل اس کے خلاف حجت ہوتی جو یہ کہتا کہ کلماتِ کفر کو بولنا قتل پر صبر کرنے سے زیادہ اولیٰ ہے۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے کہ ایک قوم نے کلماتِ کفر بولنے کے مقابلہ میں قتل کیے جانے کو اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: ۲۹) اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔

اور اس آیت میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ (النساء: ۳۰) اور جو شخص زیادتی اور ظلم کی بناء پر ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کر دیں گے، اور یہ اللہ پر آسان ہے ۝

پس اللہ تعالیٰ نے النساء: ۲۹ کو النساء: ۳۰ کے ساتھ مقید کیا ہے، اور جو شخص اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہلاک کرتا ہے وہ نہ ظالم ہے اور نہ حد سے بڑھنے والا ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ جہاد میں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا جائز ہے۔ اور یہ

علامہ ابن التین کے ذکر کردہ اتفاقِ مذکور کے خلاف ہے۔(فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۹۴۲۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَبَّادٌ عَنْ إِسْمَاعِيلَ سَمِعْتُ قَيْسًا سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ زَيْدٍ يَقُولُ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنَّ عُمَرَ مُوثِقِي عَلَى الْإِسْلَامِ وَلَوِ انْقَضَّ أُحُدٌ مِمَّا فَعَلْتُمْ بِعُثْمَانَ كَانَ مَحْقُوقًا أَنْ يَنْقَضَّ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۶۲، ۳۸۶۷، ۶۹۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عباد نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: میں نے قیس سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے سعید بن زید کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے مجھے اسلام لانے کے جرم میں باندھ رکھا تھا اور تم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس پر اگر احد پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا تو یہ اس کا حق تھا کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

صحیح البخاری: ۶۹۴۲ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان کے مطالبہ کو پورا کرنے کے بجائے اس کو اختیار کیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، لہٰذا کفر کے مقابلہ میں ان کا قتل کو اختیار کرنا بطریقِ اولیٰ ہوگا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ الواسطی ہیں، انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کی اور ان کا لقب سعدویہ تھا۔ اور اس حدیث کی سند میں عبّاد کا ذکر ہے، یہ ابن العوام الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں قیس کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حازم ہیں۔ اور حضرت سعید بن زید کا ذکر ہے، وہ ابن عمرو بن نفیل ہیں اور وہ عمر بن خطاب بن نفیل کے چچا زاد ہیں۔

یہ حدیث حضرت سعید بن زید کے اسلام لانے کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس طرح مذکور ہے کہ اسماعیل بن قیس نے کہا کہ میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے مسجدِ کوفہ میں سنا وہ کہہ رہے تھے: اللہ کی قسم! میں نے اپنے آپ کو دیکھا اور بے شک عمر مجھے اسلام لانے کے جرم میں باندھے ہوئے تھے، یہ عمر کے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ ہے، اور اگر پہاڑ احد اس سلوک سے ریزہ ریزہ ہو جاتا جو تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا ہے تو اسے حق تھا کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لقد رایتنی" یعنی میں نے اپنے نفس کو دیکھا، اور یہ افعال القلوب کے خصائص میں سے ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "ان عمر" یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''موثقی'' یہ الوثاق سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: وہ مجھے رسی سے باندھنے والے تھے یا جس چیز کے ساتھ قیدی کو باندھا جاتا ہے اس سے باندھنے والے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ولو انقض'' یہ لفظ الانقضاض سے ماخوذ ہے جس کا معنی پھٹنا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اُحُد'' (الف اور حاء دونوں پر پیش ہے) اور یہ مدینہ منورہ کا مشہور پہاڑ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مما فعلتم'' یعنی اس سلوک کی وجہ سے جو تم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا، کہ تم نے ان کی مخالفت کی اور ان کی اطاعت سے خروج کیا حالانکہ وہ امیر المومنین تھے، پھر تم نے ان کو ان کے مکان میں قید کر دیا، پھر تم نے ان کو ظلم اور سرکشی سے قتل کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''محقوقا'' اس کا معنی ہے: لائق ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان ینقض'' یعنی اگر احد پہاڑ اس وجہ سے ریزہ ریزہ ہو جاتا تو یہ اس کے لائق تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ جامع مطابقت

کیونکہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، ان دونوں نے ذلت کو کفر پر اختیار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو مارتے تھے کہ وہ دینِ اسلام کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفر کریں، لیکن انہوں نے مار کھانے اور ذلت کو کفر کے مقابلہ میں ترجیح دی، اور یہی اس باب کا عنوان ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اور یہ اس سے ماخوذ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل کیے جانے کو اس پر اختیار کیا جو ان کے قاتلین چاہتے تھے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل کیے جانے کو کفر پر اختیار کرنا بطریقِ اولیٰ ہوگا۔ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام فاطمہ بنت الخطاب ہے، اور یہ وہ پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اسلام لائی تھیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے پہلے حضرت ام الفضل جو حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی بیوی تھیں وہ اسلام لائی تھیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۹۴۳ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا قَيْسٌ عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْنَا أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو لَنَا فَقَالَ قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از اسماعیل، انہوں نے کہا: ہمیں قیس نے حدیث بیان کی از حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی اور آپ اس وقت کعبہ کے صحن میں اپنی چادر پر بیٹھے ہوئے تھے، پس ہم نے عرض کیا: کیا آپ ہمارے لیے مدد نہیں طلب کرتے؟ کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں

نَخْبِهِ وَعَظْمِهِ فَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِيْنِهِ وَاللّٰهِ لَيَتِمَّنَّ هٰذَا الْاَمْرُ حَتّٰى يَسِيْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ اِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ۔

فرماتے؟ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ تھے ان میں سے کسی مرد کو پکڑا جاتا اور اس کے لیے زمین کھودی جاتی، پھر اس کو زمین میں رکھ دیا جاتا، پھر آری لائی جاتی اور اس کے سر پر رکھی جاتی، پھر اس مرد کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور اس کے گوشت اور ہڈی کے درمیان لوہے کی کنگھی کی جاتی، پس یہ ظلم بھی اس کو اپنے دین سے نہیں پھیرتا تھا، اللہ کی قسم! یہ دین ضرور مکمل ہوگا حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ اور بھیڑیا اپنی بکریوں کا محافظ ہوگا لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۱۲، ۳۸۵۲، ۶۹۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۶۴۹، مسند احمد: ۲۰۵۶۸)

صحیح البخاری: ۶۹۴۳ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی دلالت ہے کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ کفار کے خلاف دعا کریں، کیونکہ حضرت خباب اور ان کے اصحاب پر کفار قہر کرتے تھے اور ان کو ایذاء پہنچاتے تھے جیسے وہ ان کو ان کاموں پر مجبور کرتے ہوں جن کا وہ ارادہ نہیں کرتے تھے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی خالد ہیں۔ اور قیس کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حازم ہیں جن کا عنقریب ذکر کیا گیا ہے۔ اور لفظِ خَبّاب میں خاء پر زبر ہے اور باء پر تشدید ہے، یہ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث باب ''علامات نبوت'' میں از محمد بن المثنیٰ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بردۃ لہٗ'' بردۃ کا معنی ہے: سیاہ چوکور چادر۔

علامہ عینی کا علامہ ابن بطال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شروح پر تبصرہ

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خباب اور ان کے اصحاب کی درخواست کے موافق کفار کے خلاف دعا نہیں کی، جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔۔۔ (المؤمن: ۶۰)'' (تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول

فرماؤں گا)، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ ان مسلمانوں پر یہ مصائب نازل ہوں گے اور یہ ان کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے، اور یہ صبر کریں گے تو ان کو اجر دیا جائے گا۔ اور رہے غیر انبیاء علیہم السلام یعنی عام مسلمان تو ان پر واجب ہے کہ ہر نازل ہونے والی مصیبت پر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، کیونکہ عام مسلمانوں کو تقدیر پر اور امور غیب پر وہ اطلاع نہیں ہوتی جو نبی ﷺ کو اطلاع ہوتی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے ان کے لیے دعا نہیں کی بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے ان کے لیے دعا کی ہو۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ بعید احتمال ہے، کیونکہ اگر نبی ﷺ نے ان کے لیے دعا کی ہوتی تو پھر آپ یہ نہ فرماتے کہ "تم سے پہلے لوگوں پر تو اس سے زیادہ مصائب آتے تھے، ان کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا، پھر ان کو زمین میں رکھ دیا جاتا، پھر ان کے سر پر آری رکھ کر ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے۔۔۔ الخ" اور رسول اللہ ﷺ نے ان کلمات سے حضرت خباب رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو تسلی دی ہے اور ان کو صبر کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی تقدیر کے لکھے کو پورا کرے۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ نبی ﷺ نے جو فرمایا "لیکن تم لوگ جلدی کرتے ہو" اس میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ آپ نے ان کے لیے دعا کی۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام اس پر نہیں دلالت کرتا کہ آپ نے حضرت خباب اور ان کے اصحاب کے لیے دعا کی تھی، بلکہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں دعا کے قبول ہونے کی طرف جلدی کرتے ہیں جب کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ جلدی کو اس وقت میں ترک کریں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مِن صنعاء" یہ یمن کا ایک بڑا شہر ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے "حضرموت" یہ بھی یمن کا شہر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۰۔۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے امام مالک کے قول کی تقویت

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں امام مالک کے اصحاب کی دلیل ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کی صفت کو بیان کیا ہے کہ ان کے گوشت میں لوہے کی کنگھی کی جاتی اور آری سے ان کے سر کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے اور وہ لوگ ان سختیوں کو برداشت کرتے تھے اور اللہ کی رضا کے لیے ان مصائب پر صبر کرتے تھے اور ظاہراً کفر کر کے اور باطن میں ایمان کو چھپا کر اپنی جانوں سے عذاب کو دور نہیں کرتے تھے۔ یعنی ان کو کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جاتا اور انہیں عذاب دیا جاتا لیکن اس کے باوجود وہ کلمہ کفر نہیں کہتے تھے اور اللہ کی رضا کے لیے کفار کے دیے ہوئے عذاب کو برداشت کرتے تھے، سو رسول اللہ ﷺ نے ان

کی تحسین فرمائی۔

علامہ المہلب نے کہا ہے: بعض لوگوں نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ (النساء:۲۹) اور تم اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے O

اور اس آیت میں ان کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝ (النساء:۳۰) اور جو شخص زیادتی اور ظلم کی بناء پر ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کر دیں گے، اور یہ اللہ پر آسان ہے O

پس اللہ تعالیٰ نے النساء:۲۹ کو النساء:۳۰ کے ساتھ مقید کیا ہے، اور جو شخص اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ہلاک کرتا ہے وہ نہ ظالم ہے اور نہ حد سے بڑھنے والا ہے۔

اور جس شخص نے اپنی جان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہلاک کر دیا وہ حد سے بڑھنے والا اور ظلم کرنے والا نہیں ہے، اور اگر ایسا ہوتا جیسا کہ ان معترضین نے کہا ہے تو کسی شخص کے لیے جہاد کے وقت اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر یہ فرض کیا ہے کہ وہ دو کافر مردوں سے مقابلہ کرے اور ان کو للکارے، اور اس میں ہلاکت میں ڈالنا زیادہ ظاہر ہے، اور جو مسلمان دو کافروں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے بھاگا، اس نے بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے در پے ہوا۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ان کافروں سے کافی ہو جائے یعنی مکہ میں جو کفار ان پر ظلم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس میں ان کی مدد کرے، حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مسلمانوں کے ہجرت کرنے سے پہلے کہا تھا۔

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا "اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن:۶۰)" (تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا)۔ اور نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فَلَوْلَآ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الانعام:۴۳) تو جب ان کے پاس تنگی کا عذاب آیا تو انہوں نے کیوں نہ گڑ گڑا کر دعا کی لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کاموں کو مزین کر دیا O

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان صحابہ کے لیے ان مصائب اور آزمائشوں کو مقدر کر دیا ہے تاکہ وہ ان مصائب پر صبر کریں اور ان کو ان کے صبر کے اوپر اجر دیا جائے، جیسا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے متبعین جب مصائب پر اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے صبر پر انہیں اجر عطا فرماتا ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی مدد

فرماتا ہے اور ان کی تائید فرماتا ہے اور انہیں کامیابی عطا فرماتا ہے اور ان کو عظیم اجر عطا فرماتا ہے۔

رہے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ عام مسلمان، تو ان پر واجب ہے کہ ان پر جو بھی مصیبت نازل ہو وہ اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت کے زائل کرنے کے لیے دعا کریں، کیونکہ ان کو غیب کا علم نہیں ہے، اور دعا کرنا سب سے افضل عبادت ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو وہ تین خصلتوں سے خالی نہیں ہے: یا تو اس کی وہ دعا قبول ہو جاتی ہے، یا اس دعا کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اسے کوئی اور نعمت عطا فرما دیتا ہے، اور یا اس دعا کے پوری نہ ہونے پر جب بندہ صبر کرتا ہے تو آخرت میں اس کو اجرِ جزیل عطا فرماتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۔ بَابٌ: فِي بَيْعِ الْمُكْرَهِ وَنَحْوِهِ فِي الْحَقِّ وَغَيْرِهِ

مکرَہ یا اس کی مثل مجبور شخص کی اپنے حق وغیرہ کی بیع کرنے کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مُکرَہ یعنی جس شخص کو کسی کام پر مجبور کیا گیا ہو یا اس کی مثل کوئی اور مجبور شخص ہو تو اس کے مالی حق کی بیع کا بیان کیا گیا ہے، اور امام بخاری نے عنوان میں وغیرہ کہا ہے یعنی مالی حق کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ حقِ مالی سے مراد یہود کو جلاوطن کرنا ہے، اور ''وغیرہ'' سے مراد جنایات ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۴۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ إِذْ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَنَادَاهُمْ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ فَقَالَ ذَلِكَ أُرِيدُ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَقَالُوا قَدْ بَلَّغْتَ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ثُمَّ قَالَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ وَإِلَّا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا الْأَرْضُ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از سعید المقبری از والد خود از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت ہم مسجد میں تھے اس وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، پس آپ نے فرمایا: یہود کی طرف چلو، پس ہم آپ کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ ہم بیت المدراس پر پہنچے، پس نبی ﷺ وہاں کھڑے ہو گئے اور آپ نے یہودیوں کو نداء کی: اے یہود کی جماعت! اسلام قبول کر لو تم سلامت رہو گے، یہودیوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے، آپ نے فرمایا: میں یہی ارادہ کرتا ہوں، پھر آپ نے دوبارہ فرمایا: پس انہوں نے کہا: اے ابو القاسم! آپ نے تبلیغ کر دی ہے، پھر آپ نے تیسری بار کہا پس فرمایا: جان لو کہ

زمین اللہ کی اور اس کے رسول کی ملکیت ہے اور میں تم کو جلا وطن کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، پس تم میں سے جو شخص اپنے مال کو پائے وہ اس کو فروخت کر دے، ورنہ تم جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۶۷، ۶۹۴۴، ۷۳۴۸، صحیح مسلم: ۱۷۶۵، سنن ابوداؤد: ۳۰۰۳، مسند احمد: ۹۵۱۷)

صحیح البخاری: ۶۹۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث مجبور کی بیع کے مشابہ ہے، پس جس شخص کو کسی چیز کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے، یہ وہ ہوتا ہے جو کسی چیز کو فروخت کرنا چاہے یا نہ کرنا چاہے، اور یہود اپنے اموال پر حریص تھے، سو انہوں نے ان اموال کے فروخت کرنے کو اختیار کیا، پس وہ اس طرح ہو گئے جیسا کہ وہ اپنے اموال کو فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں، جیسے کوئی شخص دیوالیہ ہو جائے اور قرض خواہوں کا قرض ادا کرنے کے لیے اس کے پاس مال نہ ہو تو وہ اپنے مال کو فروخت کرنے پر مجبور ہوتا ہے، سو یہ جائز ہے۔ اور اگر اس کو اس کے اموال کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔

اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگر شریعت کی طرف سے ان کے لیے اپنے مال کو فروخت کرنے کو لازم قرار دیا گیا ہو تو یہ جائز ہے۔ علاوہ ازیں ہم نے ذکر کیا ہے کہ عنوان میں جو مذکور ہے "بیع المکرہ ونحوہ" اس سے مراد ہے: جو شخص کسی چیز کو فروخت کرنے پر مجبور ہو گیا ہو۔

اور یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عنوان میں "بالحق وغیرہ" کا ذکر ہے اور حدیث میں صرف پہلی شق کا ذکر ہے۔

اس کا یہ جواب ہے کہ حق سے مراد قرض ہے اور "غیرہ" سے مراد وہ چیز ہے جس کو فروخت کرنا لازم ہے، کیونکہ یہود کو اس پر مجبور کیا گیا تھا کہ وہ اپنے اموال کو فروخت کر دیں اور ان پر کوئی قرض نہیں تھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالعزیز بن عبداللہ، یہ ابن یحییٰ الاویسی المدنی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اللیث، یہ ابن سعد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از سعید المقبری از والد خود، اس سے مراد کیسان ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث "کتاب الجزیہ" میں از عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے، اور عنقریب کتاب الاعتصام میں از قتیبہ آئے گی۔ اور امام مسلم نے اس حدیث کی کتاب المغازی میں روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے کتاب الخراج میں اور امام نسائی نے کتاب السیر

میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "بیت المدراس" یہ لفظ مفعال کے وزن پر ہے اور اسم آلہ کا صیغہ ہے، اور یہ وہ جگہ ہے جہاں پر یہود تورات کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "للہ و رسولہ" یعنی یہ زمین حقیقۃً اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے، کیونکہ اس زمین کے لیے مسلمانوں نے اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو نہیں دوڑایا ہے۔ اور دوسروں نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ حکم اللہ کے لیے ہے، کیونکہ وہ مالک ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے والے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اجلیکم" یہ لفظ الاجلاء سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: کسی کو کسی علاقہ سے نکالنا اور جلاوطن کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۱۔ ۱۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۴، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مُکرَہ کی ناحق بیع کا عدم جواز اور جب اس پر کسی کا حق واجب ہو تو اس کی جبراً بیع کا جواز

ہمارے نزدیک مُکرَہ کی جو بیع ناحق ہو وہ باطل ہے، اس کے برخلاف جب مُکرَہ کو کسی حق کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے مثلاً جب اس پر قرض ہو اور اس کو قرض کی ادائیگی پر مجبور کیا جائے اور مُکرَہ اس قرض کو ادا کرنے سے انکار کرے تو پھر حاکم کے لیے یہ جائز ہے کہ اس کی کسی چیز کو فروخت کردے، اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ اس کو اس چیز کے فروخت کرنے پر مجبور کرے۔

اور اسی طرح المہلب المالکی المتوفی ۴۵۳ھ نے کہا ہے: جب مُکرَہ پر کوئی حق واجب ہو اور پھر اس کی کسی چیز کو جبراً فروخت کردیا جائے تو یہ بیع جائز ہے اور نافذ ہو جائے گی اور فقہاء کے نزدیک اس میں رجوع نہیں ہے، کیونکہ مُکرَہ پر یہ لازم تھا کہ وہ جس کا حق ہے اس کو بغیر بیع کے ادا کردے، پس جب اس نے کسی کا حق ادا نہیں کیا تو پھر اس کی کسی چیز کو فروخت کر کے حق دار کو حق دینا اس پر لازم ہوگا۔

اور باب میں مذکور حدیث سے اس مسئلہ پر استدلال اس طرح ہے کہ شارع علیہ السلام کا یہود کو خیبر کی زمین سے نکالنا ان کا حق تھا، کیونکہ شارع علیہ السلام نے یہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اموال کے فروخت کرنے کو مباح کردیا تو ان کے اموال کو فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ ان کے اموال کے فروخت کرنے پر بیع میں جبر اور اکراہ نہیں ہوا۔ اور یہ بیع اس وجہ سے ہوئی کہ اُن پر ایک حق لازم تھا کہ وہ اس علاقہ سے نکل جاتے، اور جس کے اوپر کوئی حق واجب ہو، اس کی بیع جائز ہوتی ہے لیکن مُکرَہ کی چیزوں کو ظلماً اور قہراً فروخت کرنا یہ جائز نہیں ہے۔ محمد بن سحنون نے کہا ہے: ہمارے اصحاب کا اور اہل عراق کا اس پر اجماع ہے کہ ظلم اور زیادتی کے ساتھ مُکرَہ کے اموال کی بیع کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ الخطابی نے کہا ہے: امام بخاری نے اس حدیث سے مُکرَہ کی بیع کے جواز پر استدلال کیا ہے اور مُکرَہ وہ شخص ہوتا ہے جس کو اس چیز کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے جس کو وہ فروخت کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، انہوں نے کہا: اور یہود اگر اپنی زمین کو فروخت نہ کرتے تو ان کو اس کی فروخت پر مجبور نہ کیا جاتا، لیکن انہوں نے اپنے اموال پر بخل کیا اور ان کے فروخت کرنے کو اختیار کیا گویا کہ وہ اپنے اموال کی بیع پر مجبور ہو گئے جیسا کہ کسی شخص کے اوپر قرض ہو تو وہ قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے مال کے فروخت کرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کی یہ بیع جائز ہوگی، اور اگر اس پر جبر کیا جائے تو پھر یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۳۱-۳۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۳- بَابٌ: لَا يَجُوزُ نِكَاحُ الْمُكْرَهِ

جبراً نکاح کے عدمِ جواز کا بیان

وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور: ۳۳)

اور تمہاری باندیاں اگر پاک دامن رہنا چاہیں تو ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا فائدہ طلب کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جبراً کسی کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: میں نہیں جانتا کہ امام بخاری نے اس آیت کو اس باب میں کس وجہ سے داخل کیا ہے، پھر انہوں نے اس کا تدارک اس طرح کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کاموں میں جبر کرنے سے منع فرمایا ہے جو حلال نہیں ہیں (یعنی جبراً بدکاری کرنے میں) تو جو کام حلال ہیں ان میں جبر کرنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

علامہ الثعلبی نے کہا: یہ آیت عبداللہ بن ابی المنافق کی دو پڑوسنوں معاذۃ اور مسیکۃ کے متعلق نازل ہوئی ہے، عبداللہ بن ابی ان دونوں کو زنا پر مجبور کرتا تھا اور اجرت لے کر ان سے بدکاری کراتا تھا، اور زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے، وہ اجرت لے کر اپنی باندیوں سے زنا کراتے تھے، پھر جب اسلام کا ظہور ہوا تو معاذہ نے مسیکہ سے کہا کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں دو صورتوں سے خالی نہیں ہے، اگر اس کام میں خیر ہے تو ہم نے اس سے بہت خیر حاصل کر لی، اور اگر یہ کام برا ہے تو اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس کام کو چھوڑ دیں، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

اس آیت میں مذکور ہے "فتیٰتکم" یعنی تمہاری باندیاں، یہ لفظ فتاۃ کی جمع ہے۔

اس آیت میں مذکور ہے "علی البغاء" یعنی زنا پر۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ جب کوئی عورت زنا کرے تو کہا جاتا ہے "بغت المراۃ"۔

اس آیت میں مذکور ہے "اِن اَرَدْنَ" یعنی اگر وہ عورتیں پاک دامن رہنے کا ارادہ کریں۔ اور یہاں شرط کا معنی مراد نہیں ہے،

کیونکہ عورتوں کو زنا پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ زنا سے پاک رہنے کا ارادہ کریں یا نہ کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۴۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ يَزِيدَ بْنِ جَارِيَةَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن القاسم از والد خود از عبد الرحمٰن اور مجمع وہ دونوں یزید بن جاریہ الانصاری کے بیٹے ہیں، از خنساء بنت خذام الانصاریہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا اور وہ اس وقت بیوہ تھیں، انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا، پس وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ نے ان کے نکاح کو مسترد کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۸، ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۲، مسند احمد: ۲۶۲۴۶، موطا امام مالک: ۱۱۳۵، سنن دارمی: ۲۱۹۲)

صحیح البخاری: ۶۹۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ بابِ مذکور کا عنوان ہے ”جبراً نکاح کی ممانعت“ اور حدیث میں بھی یہی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن قَزَعة، اس لفظ میں قاف اور زاء پر زبر ہے، یہ حجازی ہیں اور امام بخاری ان سے حدیث روایت کرنے میں متفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الرحمٰن بن قاسم، جو اپنے والد القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مُجَمِّع، یہ اسمِ فاعل کے وزن پر ہے اور اس کا مصدر تجمیع ہے، یہ ابن زید بن جاریہ ہیں، حافظ ابو عمر نے کہا ہے کہ یزید بن جاریہ عبد الرحمٰن کے والد ہیں جو حجۃ الوداع کے خطبہ میں حاضر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے خنساء بنت خذام، یہ لفظ خنساء بنت خدام بھی مذکور ہے، ان کا تعلق قبیلہ اوس سے ہے۔

یہ حدیث کتاب النکاح کے باب ”لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیبۃ الا برضاھا“ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

جبراً کیے ہوئے نکاح کے متعلق فقہاء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے ”وھی ثیب“ اسی طرح امام مالک کی روایت میں ہے محمد بن اسحاق نے از حجاج بن الصائب روایت

کی از والد خود از جدہ خود خنساء بنت خذام، اور وہ بے نکاح تھیں تو ان کے والد نے بنو عوف کے کسی مرد سے ان کا نکاح کر دیا۔ الحدیث۔ اور محمد بن سحنون نے کہا: ہمارے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ جس مرد کا جبراً نکاح کیا گیا ہو یا جس عورت کا جبراً نکاح کیا گیا ہو، وہ نکاح باطل ہے۔ اور کہا ہے کہ اس مرد کا اس عورت کے ساتھ رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہے۔

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے: مُکرَہ کو جس کام پر مجبور کیا گیا خواہ نکاح ہو یا طلاق ہو یا غلام آزاد کرنا ہو تو وہ لازم نہیں ہے اور محمد بن سحنون نے کہا ہے کہ اہلِ عراق نے مُکرَہ کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۴۶ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أَبِي عَمْرٍو هُوَ ذَكْوَانُ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ يُسْتَأْمَرُ النِّسَاءُ فِي أَبْضَاعِهِنَّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَإِنَّ الْبِكْرَ تُسْتَأْمَرُ فَتَسْتَحْيِي فَتَسْكُتُ قَالَ سُكَاتُهَا إِذْنُهَا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶، مسند احمد: ۲۳۶۶۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن جریج از ابن ابی ملیکہ از ابی عمرو، اور وہ ذکوان ہیں، از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا عورتوں سے ان کے نکاح کے متعلق اجازت طلب کی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے کہا: کنواری سے اجازت طلب کی جاتی ہے تو وہ حیاء کرتی ہے اور خاموش رہتی ہے، آپ نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔

صحیح البخاری: ۶۹۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "مُکرَہ کا نکاح جائز نہیں ہے" اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ عورتوں سے ان کے نکاح کے متعلق اجازت طلب کی جائے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کی اجازت کے بغیر ان کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر کسی لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کر دیا جائے تو یہ ایسا ہے جیسے مُکرَہ کا نکاح کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن یوسف کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ فریابی ہوں اور ان کے شیخ سفیان ثوری ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ البیکندی البخاری ہوں، اور ان کے شیخ سفیان بن عیینہ ہیں، اور یہ دونوں سفیان ابن جریج سے روایت کرنے میں مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج اور وہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہیں، لیکن ابو نُعیم نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ حدیث الفریابی سے مروی ہے، کیونکہ جب سفیان کا ذکر مطلقاً کیا جائے اور ان کو منسوب نہ کیا جائے تو وہ سفیان ثوری ہوتے

ہیں، اور جب سفیان بن عیینہ کا ارادہ کیا جائے تو ان کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی مُلیکہ، یہ عبید اللہ بن عبد اللہ یا عبد الرحمٰن بن ابی ملیکہ ہیں اور ان کا نام زُہیر التیمی المکی الاحول ہے، یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے عہد میں قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو عمرو، ان کا نام ذکوان ہے، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے اور انہوں نے ان کو مدبّر کر دیا تھا، اور یہ حدیث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "تُستامر" یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی عورتوں سے ان کے نکاح کے متعلق مشورہ لیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی ابضاعھن" علامہ کرمانی نے کہا یہ "بُضع" کی جمع ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: ایسا نہیں ہے بلکہ یہ لفظ "بِضع" ہے اور اس کا معنی عورتوں کا نکاح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۳۔ ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۔ بَابٌ: إِذَا أُكْرِهَ حَتَّى وَهَبَ عَبْدًا أَوْ بَاعَهُ لَمْ يَجُزْ

اس کا بیان کہ جب کسی شخص کو مجبور کیا گیا حتیٰ کہ اس نے غلام ہبہ کر دیا یا غلام کو فروخت کر دیا تو یہ جائز نہیں ہے

وَبِهِ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ

اسی کے مطابق بعض لوگوں نے کہا ہے۔

فَإِنْ نَذَرَ الْمُشْتَرِي فِيهِ نَذْرًا فَهُوَ جَائِزٌ بِزَعْمِهِ

اور اگر خریدار نے نذر مانی تو وہ ان کے زعم میں جائز ہے۔

وَكَذَلِكَ إِنْ دَبَّرَهُ.

اور اسی طرح اگر خریدار نے مدبّر کیا تو وہ جائز ہے۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جب کسی مرد کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا غلام کسی شخص کو ہبہ کر دے یا اس غلام کو فروخت کر دے تو یہ جائز نہیں ہے، یعنی نہ ہبہ جائز ہے اور نہ وہ فروخت جائز ہے اور غلام بدستور اس کی ملکیت میں باقی ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

بعض لوگوں نے اس حکم کے مطابق کہا کہ مُکرَہ کا اپنے غلام کو ہبہ کرنا اور اسی طرح مُکرَہ کا اپنے غلام کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر امام بخاری نے بعض لوگوں سے مراد فقہاء احناف لی ہے تو فقہاء احناف کا اس طرح مذہب نہیں ہے، کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ ایک شخص کو اس کے مال کے فروخت کرنے پر مجبور کیا گیا یا کسی شخص کو اس مال کے ہبہ کرنے پر مجبور کیا گیا، یا اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ کسی شخص کے لیے ہزار روپے کا اقرار کرے یا اس کی مثل، پس اس نے اپنا مال فروخت کر دیا یا ہبہ کر دیا اور اقرار کر لیا، پھر بعد میں وہ اکراہ اور جبر زائل ہو گیا تو اس شخص کو اختیار ہے، اگر چاہے تو ان چیزوں کو اپنے حال پر جاری کر دے اور اگر چاہے تو ان عقود کو فسخ کر دے، کیونکہ عقد کے سبب سے ملکیت ثابت ہو گئی، کیونکہ وہ ملکیت اس کے اہل سے اور اس کے محل میں صادر

ہے مگر یہ کہ اس میں حلال ہونے کی شرط ہے، اور وہ یہ ہے کہ دونوں راضی ہوں، پس یہ ان عقود کی طرح ہو گیا جو شروط فاسدہ سے ہوتے ہیں حتیٰ کہ اگر اس نے اس میں کوئی تصرف کیا تو پھر اس عقد کے فسخ کرنے کو قبول نہیں کیا جائے گا مثلاً اس نے غلام کو آزاد کر دیا یا مدبّر کر دیا تو اس کا یہ تصرف نافذ نہیں ہوگا اور اس پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ اور اگر وہ ان عقود کو جائز قرار دے تو پھر یہ جائز ہے کیونکہ باہمی رضامندی پائی گئی، اور بیع فاسد اس کے خلاف ہے، کیونکہ شریعت کے حق کی وجہ سے بیع فاسد ہوتی ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس دوسری تعلیق میں امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ اگر خریدار اس میں کوئی نذر مان لے تو یہ بعض لوگوں کے زعم میں جائز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام بخاری نے اس کلام سے ان بعض لوگوں پر طعن کا ارادہ کیا ہے اور ان کے کلام میں تناقض کو ثابت کیا ہے، کیونکہ ان بعض لوگوں نے کہا کہ اگر خریدار نے جس چیز کو خریدا ہے، اس چیز میں نذر مان لی تو یہ جائز ہے یعنی ان کے زعم میں یہ جائز ہے۔

بابِ مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے: اسی طرح اس نے اگر غلام کو مدبّر کیا یعنی ان بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر خریدار نے مکرَہ سے جس غلام کو خریدا ہے اس کو مدبَّر کیا تو یہ جائز ہے، اور یہ امام بخاری کی طرف سے ان بعض لوگوں کے کلام میں تناقض کا بیان ہے (کیونکہ ان بعض لوگوں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے مکرَہ سے کسی غلام کو خریدا تو یہ جائز نہیں ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اگر خریدار نے اس غلام کو مدبر کر دیا تو یہ جائز ہے تو جب یہ بیع صحیح نہیں ہے تو اس بیع کے نتیجہ میں غلام کو مدبر کرنا کس طرح صحیح ہوگا؟)

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ مشائخ نے بیان کیا ہے کہ امام بخاری کی اس عبارت میں بعض لوگوں سے مراد فقہاء احناف ہیں اور امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ یہ بیان کریں کہ ان بعض لوگوں کا کلام متناقض ہے، کیونکہ مکرَہ کی بیع آیا خریدار کی ملکیت کی طرف منتقل کرنے والی ہوگی یا نہیں؟ اگر وہ کہے کہ ہاں وہ خریدار کی ملکیت کی طرف منتقل کرنے والی ہوگی تو پھر خریدار کے تمام تصرفات صحیح ہوں گے اور نذر کے ساتھ اور مدبر کرنے کے ساتھ اس کی تخصیص صحیح نہیں ہوگی، اور اگر وہ کہیں کہ مکرَہ کی بیع خریدار کی طرف ملکیت کو منتقل کرنے کا سبب نہیں ہوگی تو پھر یہ دونوں تصرف ہی صحیح نہیں ہوں گے۔ اور اس میں ان کا اپنی رائے سے حکم لگانا ہے اور تخصیص کرنا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اولاً میں یہ کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کا مذہب اس طرح نہیں ہے جس طرح امام بخاری نے زعم کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اور ثانیاً ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم ملکیت کے منتقل ہونے اور نہ ہونے میں اس تردید سے منع کرتے ہیں بلکہ خریدار کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اس عقد کا صدور اس کے اہل سے اس کے محل میں ہوا ہے، مگر یہ کہ اس میں حلال اور جائز ہونے کی شرط ہے اور وہ باہمی رضامندی ہے، پس یہ اس طرح ہو گیا جیسے اور شروط فاسدہ ہوتی ہیں حتیٰ کہ اگر اس نے اس میں کوئی تصرف کیا تو وہ اس کے فسخ کو قبول نہیں کرے گا، مثلاً اس نے غلام خریدنے کے بعد آزاد کر دیا یا مدبر کر دیا تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا اور اس پر اس

غلام کی قیمت دینی لازم ہوگی۔ اور اگر اس نے اس بیع کو جائز رکھا تو یہ بیع جائز ہوگی کیونکہ باہمی رضامندی پائی گئی ہے اور بیع فاسد اس کے خلاف ہے، کیونکہ بیع فاسد میں فساد شریعت کے حق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۴۔۱۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۴۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوكًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ قَالَ فَسَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ أَوَّلَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک مرد نے ایک غلام کو مدبر کر دیا اور اس مرد کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا: اس غلام کو مجھ سے کون خریدے گا؟ تو حضرت نعیم النحام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا، راوی نے کہا: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ وہ غلام قبطی تھا اور پہلے سال فوت ہو گیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۲۱۴۱، ۲۲۳۰، ۲۳۲۱، ۲۴۰۳، ۲۴۱۵، ۲۵۳۴، ۶۷۱۶، ۷۱۸۶، ۶۹۴۷، صحیح مسلم: ۹۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۱۹، سنن نسائی: ۴۶۵۳، سنن ابوداؤد: ۳۹۵۷، مسند احمد: ۱۴۱۷۹، سنن دارمی: ۲۵۷۳)

صحیح البخاری: ۶۹۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

صحیح البخاری کے شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے اس جگہ ایک اعتراض کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث اور باب کے عنوان میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں اِکراہ کا ذکر نہیں ہے، پھر انہوں نے اس کی توجیہ میں یہ کہا کہ ہوسکتا ہے یہ کہا جائے کہ نبی ﷺ کا اس غلام کو فروخت کرنا بہ ظاہر ایسا تھا جیسے کوئی شخص کسی مُکرَہ کا مال فروخت کرے (کیونکہ آپ نے اس انصار سے اس غلام کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں لی تھی، اگرچہ آپ امت کے تمام اموال میں تصرف کرنے کے مختار ہیں)۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالنعمان کا ذکر ہے، یہ محمد بن الفضل ہیں اور یہ حدیث کتاب العتق میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا" اس مرد کا نام ہے ابومذکور، اور غلام کا نام یعقوب ہے، اور خریدنے والے نُعیم تھے، اور

بعض روایات میں نُعیم بن النحام کا ذکر ہے، اور صحیح نام نُعیم النحام ہے بغیر لفظ ابن کے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عبداقبطیا" یعنی وہ غلام مصر کے قِبط سے تھا۔

حدیث مذکور کے فوائد اور فقہاء احناف پر اعتراض کا جواب

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مُدبَّر غلام کو فروخت کرنا جائز ہے، کہا گیا ہے کہ یہ حدیث فقہاء احناف کے خلاف حجت ہے کیونکہ فقہاء احناف نے کہا ہے کہ مُدبر کی بیع جائز نہیں ہے۔

فقہاء احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث مُدبر مقید پر محمول ہے اور اس کی بیع جائز ہے، اِلّا یہ کہ مخالفین یہ ثابت کریں کہ وہ مدبر مطلق تھا اور وہ اس پر قادر نہیں ہیں۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اس انصار کا اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا" یہ اس کے فروخت کرنے کے جواز کی دلیل ہے، کیونکہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام محنت مزدوری کر کے اس کی قیمت مالک کو ادا کرے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں بیع سے مراد بیع الخدمة والمنفعة ہے، یعنی اس غلام کو خدمت کے لیے فروخت کیا اور منفعت کے لیے اور اس کی ذات کو فروخت نہیں کیا، کیونکہ امام دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ ابو جعفر سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے موقع پر حاضر تھا اور آپ نے اس بیع میں اس کی خدمت کی اجازت دی تھی، اور ابو جعفر ثقہ راوی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابٌ: مِنَ الْإِكْرَاهِ كُرْهًا وَ كَرْهًا وَاحِدٌ — اکراہ کا بیان، اور کُرھاً اور کَرھاً کا ایک معنی ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اِکراہ کے متعلق امور بیان کئے گئے ہیں، جن کو اس باب میں مذکور آیت شامل ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ کُرہٌ اور کَرہٌ کا ایک معنی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کُرہٌ کا معنی ہے: جس کام کا تم نے اپنے اوپر جبر کیا ہے، اور کَرہٌ کا معنی ہے: جس کام پر کسی دوسرے نے تم کو مجبور کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۵۔۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۴۸۔ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ بْنُ فَيْرُوزَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الشَّيْبَانِيُّ وَحَدَّثَنِي عَطَاءٌ أَبُو الْحَسَنِ السُّوَائِيُّ وَلَا أَظُنُّهُ إِلَّا ذَكَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا﴾ (النساء: ۱۹) الْآيَةَ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حُسین بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسباط بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الشیبانی سلیمان بن فیروز نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، اور شیبانی نے کہا: اور مجھے عطاء ابو الحسن السوائی نے حدیث بیان کی اور میں صرف یہی گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کی حضرت ابن

كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا وَإِنْ شَاؤُوا زَوَّجَهَا وَإِنْ شَاؤُوا لَمْ يُزَوِّجْهَا فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ۔ (صحیح البخاری:۴۵۷۹، ۶۹۴۸)

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:) ''اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ''۔ (النساء:۱۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب کوئی مرد مرجاتا تو اس مرد کے وارث اس کی بیوی کے زیادہ حق دار بن جاتے تھے، اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو وہ اس کی بیوی سے خود نکاح کر لیتا، اور اگر چاہتا تو کسی اور سے اس کا نکاح کر دیتا، اور اگر وہ چاہتے تو اس کا نکاح نہ کرتے، پس وہ لوگ اس عورت کے رشتہ داروں سے زیادہ حق دار بن جاتے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

صحیح البخاری: ۶۹۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت لفظ کرھاً میں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حسین بن منصور نیشاپوری، اور امام بخاری نے ان سے صرف اسی حدیث کی روایت کی ہے، یہ دوسو اڑتیس (۲۳۸) ہجری میں وفات پا گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسباط بن محمد، اور یہ القرشی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عطاء ابوالحسن السوائی، اس میں سواء بن عامر بن صعصعۃ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن کی طرف نسبت ہے، اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

یہ حدیث سورۃ النساء کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۴۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس شخص کو اپنی بیوی کی ضرورت نہ ہو اس کو موت کے انتظار میں روک کے رکھنے کا عدم جواز

الزہری اور امام مالک نے کہا ہے: پس وہ شخص اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں روک کے رکھتا حتیٰ کہ وہ مرجاتی، پھر وہ اس کا وارث ہوتا۔

علامہ المہلب مالکی نے لکھا ہے: اس باب کا فائدہ یہ ہے کہ تمہیں یہ بتایا جائے کہ جس شخص کو اپنی بیوی کی خواہش نہ ہو تو وہ اس کی موت کے انتظار میں اس کو روک کے رکھے تو یہ قرآن مجید کی اس آیت کے اعتبار سے جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸

ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

٦- بَابٌ: إِذَا اسْتُكْرِهَتِ الْمَرْأَةُ عَلَى الزِّنَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهَا

جب کسی عورت کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس عورت پر حد نہیں ہے

لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَمَنْ يُكْرِهْهُّنَّ فَإِنَّ اللهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (النور: ۳۳)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اس کے جبر کے بعد اللہ (ان باندیوں کو) بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے"O

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی اس باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جس عورت کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے، سو اس سے لازم آئے گا کہ اس کے اوپر حد بھی واجب نہ ہو۔

علامہ طیبی نے کہا ہے: اس آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عورتوں کو زنا پر مجبور کرنے والوں کے لیے بہت شدید عذاب ہے اور مغفرت اور رحمت کے ذکر میں تعریض ہے، اور اصل عبارت یوں ہوگی: "اے وہ لوگو جو عورتوں کو زنا پر مجبور کرتے ہو، اس فعل سے باز آجاؤ" کیونکہ اگر ان عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت اور مغفرت نہ ہوتی تو ان سے مواخذہ ہوتا تو تم سے بطریقِ اولیٰ مواخذہ ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵٦-۱۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٩٤٩- وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي نَافِعٌ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ أَبِي عُبَيْدٍ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيقِ الْإِمَارَةِ وَقَعَ عَلَى وَلِيدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتَّى اقْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ الْحَدَّ وَنَفَاهُ وَلَمْ يَجْلِدِ الْوَلِيدَةَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ اسْتَكْرَهَهَا قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْأَمَةِ الْبِكْرِ يَفْتَرِعُهَا الْحُرُّ يُقِيمُ ذَلِكَ الْحَكَمُ مِنَ الْأَمَةِ الْعَذْرَاءِ بِقَدْرِ قِيمَتِهَا وَيُجْلَدُ وَلَيْسَ فِي الْأَمَةِ الثَّيِّبِ فِي قَضَاءِ الْأَئِمَّةِ غُرْمٌ وَلَكِنْ عَلَيْهِ الْحَدُّ۔

اور اللیث نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ صفیہ بنت ابی عبید نے ان کو بتایا کہ حکومت کے غلاموں میں سے ایک غلام نے مالِ خُمس کی باندی سے جبراً زنا کیا حتیٰ کہ اس کا پردۂ بکارت زائل کر دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس غلام پر حد لگائی اور اس کو شہر بدر کر دیا، اور اس باندی کو کوڑے نہیں لگائے، کیونکہ اس غلام نے اس باندی سے جبراً زنا کیا تھا۔

الزہری نے کہا: جس کنواری باندی کے ساتھ کسی آزاد مرد نے جبراً زنا کیا تو اس کے معاملہ میں حاکم مقرر کیا جائے گا جو یہ فیصلہ کرے گا کہ اس کنواری کی بکارت زائل ہونے سے اس باندی کی قیمت میں کتنی کمی ہوگئی اور اس قیمت کے تاوان کو اس آزاد مرد پر لازم کر دے گا اور اس آزاد مرد کو کوڑے لگائے جائیں گے، اور اگر آزاد مرد نے کسی بیوہ باندی کے ساتھ جبراً زنا کیا تو اس کے معاملہ

میں حاکموں سے فیصلہ نہیں لیا جائے گا (کیونکہ وہ باکرہ نہیں ہے) لیکن اس آزاد مرد پر حد قائم کی جائے گی۔

صحیح البخاری: ۶۹۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں خُمس کی باندی کے ساتھ جبراً زنا کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس تعلیق میں لیث کا ذکر ہے، یہ ابن سعد ہیں جنہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع سے روایت کی ہے۔
امام ابوالقاسم البغوی نے اس تعلیق کی از العلاء بن موسیٰ از اللیث موصولاً روایت کی ہے، اور اس تعلیق میں صفیہ بنت ابی عبید کا ذکر ہے، یہ الثقفیہ ہیں اور یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیوی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں الامارۃ مذکور ہے، یعنی خلیفہ کے مال سے اور خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "من الخُمس" یعنی غنیمت کا وہ پانچواں حصہ جس کے ساتھ امام کے تصرف کا تعلق ہوتا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "وقع علی ولیدۃ" یعنی اس حکومت کے غلام نے اس باندی کے ساتھ جبراً زنا کیا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "افتضّھا" یعنی اس کی بکارت کو زائل کر دیا، یعنی کنواری لڑکی کے اندامِ نہانی میں جو پردہ ہوتا ہے اس کو زائل کر دیا۔

حدیثِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں زہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مُسلم الزہری ہیں۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "یفترعھا" یعنی اس باندی کے پردۂ بکارت کو زائل کر دیا۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "یقیم" علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے "یُقوِّمُ" یعنی وہ حاکم اس باندی کی قیمت ڈالے گا کہ اب پردۂ بکارت زائل ہونے کے بعد اس کی قیمت اصل قیمت سے کتنی کم ہوگئی، اور اس قیمت کا تاوان اس جبراً زنا کرنے والے کو دینا ہوگا۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "الحَکَم" یعنی حاکم۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "العَذراء" یعنی باکرہ، کنواری۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "بقدر قیمتھا" یعنی اس باندی کی جو اصل قیمت تھی تو پردۂ بکارت زائل ہونے کے بعد اس کی قیمت

کتنی کم ہوگئی۔اور حاکم اس زانی سے وہ قیمت وصول کرے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۷، دارالکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ بِسَارَةَ دَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ أَنْ أَرْسِلْ إِلَيَّ بِهَا فَأَرْسَلَ بِهَا فَقَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي فَقَالَتِ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی، ، وہ ایک بستی میں داخل ہوئے جس میں بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا یا جابروں میں سے ایک جابر تھا، اس بادشاہ نے حضرت ابراہیم کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ سارہ کو میرے پاس بھیجیں، حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کو بھیج دیا، پس وہ بادشاہ حضرت سارہ کی طرف کھڑا ہوا، حضرت سارہ کھڑی ہو کر وضو کرنے لگیں اور انہوں نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے دعا کی: اے اللہ! بے شک میں تجھ پر ایمان لائی ہوں اور تیرے رسول پر، سو تو مجھ پر اس کافر کو مسلّط نہ کر، پس اس کافر کا دم گھٹ گیا حتیٰ کہ وہ اپنی ٹانگ کے ساتھ زمین میں دھنس گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۷، ۲۶۳۵، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۵۰۸۴، ۶۹۵۰، صحیح مسلم: ۲۳۷۱، مسند احمد: ۸۹۸۸)

صحیح البخاری: ۶۹۵۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا جبراً اس ظالم بادشاہ کے ساتھ خلوت میں گئیں اور ان پر اس وجہ سے کوئی ملامت نہیں ہوئی، اسی طرح جس عورت سے جبراً زنا کیا گیا اس پر بھی کوئی حد نہیں ہوگی۔

اور صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی نے کہا ہے: اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بیان کرنے میں زیادہ قریب یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا گیا کہ وہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو ظالم بادشاہ کی طرف بھیجیں، اور جبر و اکراہ کی وجہ سے ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، اور وہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، وہ ابن ابی

حمزہ ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، وہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعرج، وہ عبدالرحمٰن بن ہُرمز ہیں۔

یہ حدیث کتاب البیوع کے آخر میں احادیث الانبیاء علیہم السلام میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ھاجر ابراھیم علیه السلام" علامہ کرمانی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے شام کی طرف ہجرت کی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اہل السیَر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت المقدس سے مصر کی طرف ہجرت کی۔اور حضرت سارہ، حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دَخَلَ بها قریة" علامہ کرمانی نے کہا: اس بستی کا نام حرّان ہے اور اس لفظ میں راء پر تشدید ہے، اور یہ بہت بڑا شہر ہے جو مصر کے شہروں کے برابر ہے اور اس کی حد اتنی ہے جتنی فرات اور دجلہ کے درمیان جزیرہ کی حد ہے، ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت وہیں ہوئی۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ بستی حرّان تھی اور اس میں اعتراض ہے، اور اہل السیَر نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ مصر ہے۔اور علامہ کرمانی کے قول کی تائید ان لوگوں کے اقوال سے ہوتی ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حران وہ بستی ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او جبار" اس میں راوی کو شک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فارسل الیه" یعنی اس ظالم بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے جبر واکراہ کی وجہ سے حضرت سارہ کو اس کی طرف بھیج دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فغُطّ" یعنی اس کا گلا گھٹ گیا اور اسے مرگی ہوگئی۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ "غطّ" ہو اور یہ اس کی آواز کی حکایت ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ رکض برجله" یعنی اس کی ٹانگ زمین میں دھنس گئی۔

مرد کو زنا پر مجبور کرنے کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام بخاری نے اس حدیث کے تحت یہ ذکر نہیں کیا کہ اگر مرد کو زنا پر مجبور کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے، پس جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں مرد پر حد نہیں ہے۔امام مالک اور ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ اس پر حد ہے، کیونکہ آلہ جب ہی منتشر ہوتا ہے جب مرد کو لذت آئے خواہ اس کو سلطان نے مجبور کیا ہو یا کسی اور نے، اور امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ اگر اس کو سلطان نے مجبور کیا تو اس پر کوئی حد نہیں ہے۔اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ علیہما نے امام ابوحنیفہ کے اس قول کی مخالفت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابٌ:

يَمِينِ الرَّجُلِ لِصَاحِبِهِ إِنَّهُ أَخُوهُ إِذَا خَافَ عَلَيْهِ الْقَتْلَ أَوْ نَحْوَهُ وَكَذَٰلِكَ كُلُّ مُكْرَهٍ يَخَافُ فَإِنَّهُ يَذُبُّ عَنْهُ الْمَظَالِمَ وَيُقَاتِلُ دُونَهُ وَلَا يَخْذُلُهُ فَإِنْ قَاتَلَ دُونَ الْمَظْلُومِ فَلَا قَوَدَ عَلَيْهِ وَلَا قِصَاصَ۔

باب

کسی مرد کا اپنے صاحب کے لیے یہ قسم کھانا کہ وہ اس کا بھائی ہے جب کہ اس پر قتل وغیرہ کا خوف ہو اور اسی طرح سے ہر مکرَہ اور مجبور جس کو اپنی جان کا خطرہ ہو، وہ اس کی جان سے مظالم کو دور کرے اور اس کے لیے لڑے اور اس کو اس ظلم پر نہ چھوڑے، پس اگر کسی مسلمان نے مظلوم کی طرف سے قتال کیا تو نہ اس پر دیت لازم ہو گی اور نہ قصاص۔

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کوئی مرد کسی کے متعلق یہ قسم کھائے کہ وہ اس کا بھائی ہے جب کہ اس کو یہ خطرہ ہو کہ اگر اس نے یہ قسم نہ کھائی تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، یعنی کسی ظالم نے اس کو یہ قسم کھانے پر مجبور کیا ہو کہ تم یہ کہو کہ یہ میرا بھائی ہے ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔

امام بخاری نے عنوان میں کہا ہے "او نحوہ" یعنی ظالم نے اس کی مثل کہا ہو کہ اگر تم نے یہ قسم نہ کھائی تو میں تمہارے اعضاء میں سے کوئی عضو کاٹ دوں گا۔

امام بخاری نے کہا "فانہ یذب" یعنی وہ مجبور شخص خود سے ظالم کو دفع کرے اور اس کو اس ظلم سے منع کرے۔

امام بخاری نے کہا "ویقاتل دونہ" یعنی کوئی مسلمان اس ظالم سے لڑے اور اس مظلوم اور مجبور کی مدد کرنے کو ترک نہ کرے۔

امام بخاری نے کہا "فان قاتل دون المظلوم" یعنی کسی مسلمان نے مظلوم کی طرف سے قتال کیا اور اس کی طرف سے ظالم سے لڑا۔

امام بخاری نے کہا "فلا قود علیہ ولا قصاص" تو اس مسلمان پر نہ دیت لازم ہو گی اور نہ قصاص۔

مسئلہ مذکور میں فقہاء کے اقوال

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: امام مالک اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جس شخص کو قسم کھانے پر مجبور کیا گیا کہ اگر اس نے قسم نہیں کھائی تو ظالم اس کے مسلمان بھائی کو قتل کر دے گا، تو اگر اس نے اس قسم کے خلاف کیا تو وہ حانث نہیں ہو گا، اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ وہ حانث ہو جائے گا، کیونکہ اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ توریہ کرتا (یعنی قسم میں ایسا لفظ استعمال کرتا کہ اس کا ظاہر معنی ظلم کرنے والے جابر کے موافق ہوتا اور وہ دوسرے معنی کا ارادہ کرتا)۔ پس جب اس نے توریہ کو ترک کیا تو وہ قصداً قسم کھانے والا ہو گیا، لہٰذا اگر اس نے قسم کے خلاف کیا تو وہ حانث ہو جائے گا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَإِنْ قِيلَ لَهُ لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ أَوْ لَتَبِيعَنَّ عَبْدَكَ أَوْ تُقِرُّ بِدَيْنٍ أَوْ تَهَبُ هِبَةً وَتَحُلُّ عُقْدَةً أَوْ لَنَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوْ أَخَاكَ فِي الْإِسْلَامِ وَمَا أَشْبَهَ ذَلِكَ وَسِعَهُ ذَلِكَ لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ۔

اور اگر مکرَہ سے کہا گیا: تم ضرور بہ ضرور خمر پیئو یا تم ضرور بہ ضرور مُردار کھاؤ، یا تم ضرور بہ ضرور اپنے غلام کو فروخت کرو، یا تم ضرور قرض لینے کا اقرار کرو، یا تم کسی کو ہبہ کرو، اور اسی طرح ہر عقد کے متعلق کہا ورنہ ہم تمہارے باپ کو قتل کر دیں گے یا تمہارے دینی بھائی کو قتل کر دیں گے تو اس کے لیے (جبر و اکراہ سے) ان کاموں کو کرنا جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یعنی اگر کوئی مرد دوسرے مرد سے یہ کہے کہ تم ضرور شراب پیئو اور اس کو اس پر مجبور کرے یا کہے کہ تم ضرور مُردار کھاؤ اور اس کو اس پر مجبور کرے، یا اس سے کہے کہ تم ضرور اپنے غلام کو فروخت کرو اور اس کو اس پر مجبور کرے، اور یہ تینوں الفاظ نُون ثقیلہ کے ساتھ مؤکد ہیں۔

امام بخاری نے اس عنوان میں کہا ''اولتقر'' یعنی اس نے اس سے کہا کہ تم ضرور فلاں آدمی کے قرض کا انکار کرو اور اس کو اس پر مجبور کرے، یا اس سے کہے کہ تم ضرور فلاں کو کوئی چیز ہبہ کرو اور اس کو اس پر مجبور کرے، اور اسی طرح ہر عقد ہو مثلاً یہ کہے کہ تم ضرور قرض دو، یا تم ضرور اجرت دو۔

امام بخاری نے کہا ''او لنقتلن اباك او اخاك فی الاسلام'' اسلام کی قید اس لیے لگائی ہے تا کہ یہ نسبی بھائی کو بھی عام ہو جائے۔

امام بخاری نے کہا ''وسعه ذالك'' یعنی اس کے لیے یہ کام کرنا جائز ہے یعنی خمر پینا یا مردار کھانا یا اپنے غلام کو فروخت کرنا یا کسی کے قرض کا اقرار کرنا یا کوئی چیز ہبہ کرنا یا کوئی اور عقد کرنا اس لیے جائز ہے تا کہ وہ اپنے باپ کو اور اپنے دینی بھائی کو قتل کیے جانے سے بچائے یعنی مومن کو قتل سے بچائے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ جس شخص نے کسی کو اس کے والد کے قتل کرنے کی دھمکی دی یا اس کے دینی بھائی کو قتل کرنے کی دھمکی دی کہ اگر اس نے یہ معصیت کے کام نہیں کیے یا اس نے اپنے اوپر کسی قرض کا اقرار نہیں کیا جو قرض اس پر نہیں ہے یا اس نے دوسرے کو خوشی سے کسی چیز کے ہبہ کرنے سے انکار کیا، یا کوئی اور عقد کیا مثلاً اس نے کہا: تم اپنی بیوی کو طلاق دو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے یا تم اپنے غلام کو آزاد کرو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے، تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس کام کو کرے جس کے لیے اس کو قتل کی دھمکی دی ہے تا کہ وہ اپنے باپ کو قتل سے بچائے اور اپنے دینی بھائی کو قتل سے بچائے۔

امام بخاری نے کہا ''لقول النبی ﷺ'' امام بخاری نے اس قول سے اس پر دلیل قائم کی ہے کہ اس کے لیے یہ ممنوعہ کام کرنے اس حدیث کی وجہ سے جائز ہیں کہ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے'' تو وہ اپنے بھائی کو قتل ہونے سے بچائے۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَوْ قِيلَ لَهُ لَتَشْرَبَنَّ الْخَمْرَ أَوْ لَتَأْكُلَنَّ الْمَيْتَةَ أَوْ لَنَقْتُلَنَّ ابْنَكَ أَوْ أَبَاكَ أَوْ ذَا رَحِمٍ مُحَرَّمٍ لَمْ يَسَعْهُ لِأَنَّ هَذَا لَيْسَ بِمُضْطَرٍّ ثُمَّ نَاقَضَ فَقَالَ إِنْ قِيلَ لَهُ لَنَقْتُلَنَّ أَبَاكَ أَوْ ابْنَكَ أَوْ لَتَبِيعَنَّ هَذَا الْعَبْدَ أَوْ تُقِرُّ بِدَيْنٍ أَوْ تَهَبُ يَلْزَمُهُ فِي الْقِيَاسِ وَلَكِنَّا نَسْتَحْسِنُ وَنَقُولُ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ وَكُلُّ عُقْدَةٍ فِي ذَلِكَ بَاطِلٌ فَرَّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ وَغَيْرِهِ بِغَيْرِ كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر مُکرَہ سے کہا گیا تم ضرور بہ ضرور خمر پیؤ یا تم ضرور بہ ضرور مُردار کھاؤ، ورنہ ہم ضرور بہ ضرور تمہارے بیٹے کو قتل کر دیں گے یا تمہارے باپ کو قتل کر دیں گے، یا تمہارے محرم رشتہ دار کو قتل کر دیں گے تو اس کے لیے ان کاموں کے کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وہ مضطر (مجبور) نہیں ہے، پھر انہوں نے اپنے قول کے خلاف کیا، پس انہوں نے کہا: اگر مکرہ سے کہا گیا کہ ہم ضرور بہ ضرور تمہارے باپ کو قتل کریں گے یا تمہارے بیٹے کو قتل کریں گے ورنہ تم یہ غلام فروخت کر دو یا تم قرض کا اقرار کرو یا تم ہبہ کرو، تو قیاس کے مطابق اس کو یہ کام کرنا لازم ہے، لیکن ہم بطورِ استحسان یہ کہتے ہیں کہ بیع اور ہبہ اور اس قسم کا ہر عقد باطل ہے، ان لوگوں نے ہر محرم رشتہ دار اور اس کے غیر کے حکم میں فرق کیا ہے بغیر کتاب وسنت کی کسی دلیل کے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے بعض لوگوں سے فقہاء احناف کا ارادہ کیا ہے۔

امام بخاری نے کہا "لو قیل له" یعنی اگر ظالم نے کسی مرد سے کہا اور اس کے والد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا کہ تم ضرور بہ ضرور خمر پیؤ یا ضرور بہ ضرور مردار کھاؤ۔

امام بخاری نے کہا "او لنقتلن ابنك" ورنہ ہم ضرور بہ ضرور تمہارے بیٹے کو قتل کر دیں گے اگر تم نے میرے کہنے کے مطابق عمل نہیں کیا۔

امام بخاری نے کہا "او ذا رحم محرم" یعنی ظالم نے کہا: ہم ضرور بہ ضرور تمہارے مُحرم رشتہ دار کو قتل کر دیں گے اگر تم نے اس طرح نہیں کیا۔ اور محرم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس سے دائماً نکاح حرام ہو۔

امام بخاری نے کہا "لم یسعهٔ" یعنی اس مُکرَہ کے لیے اس ظالم کے حکم پر عمل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ مُضطر نہیں ہے، کیونکہ اکراہ صرف اس صورت میں متوجہ ہوتا ہے جب اس کا تعلق خصوصیت کے ساتھ انسان کی جان کے ساتھ ہو نہ کہ دوسرے کی جان کے ساتھ، اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کی جان بچانے کے لیے ان گناہوں کو کرے، اور اگر اس نے یہ گناہ کیے تو وہ گناہگار ہوگا۔ اور جمہور فقہاء کے نزدیک وہ گناہگار نہیں ہوگا۔

علامہ کرمانی نے کہا: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ مُضطر (مجبور) نہیں ہے، کیونکہ اس کو امورِ متعددہ میں اختیار دیا گیا

ہے اور تخییر اکراہ کے منافی ہے۔

امام بخاری نے کہا "پھر ان بعض لوگوں نے اپنے قول کے خلاف کیا" بعض لوگوں سے مراد فقہاء احناف ہیں اور تناقض کا بیان امام بخاری کے زعم کے مطابق اس طرح ہے کہ فقہاء احناف نے پہلی صورت میں کہا ہے کہ اکراہ نہیں ہے یعنی جب خمر نہ پینے کی صورت میں اس کے مُحرم کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی، اور فقہاء احناف نے دوسری صورت میں قیاس کے اعتبار سے کہا کہ اکراہ ہے، پھر انہوں نے کہا کہ "بطور استحسان یہ بیع، ہبہ یا قرض کا اقرار باطل ہے" تو انہوں نے اپنے قول کے خلاف کیا کیونکہ اکراہ کا قول لازم ہے اور وہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ اکراہ نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ مناقضہ ممنوع ہے، کیونکہ مجتہد کے لیے جائز ہے کہ وہ استحسان سے قیاس کی مخالفت کرے اور فقہاء احناف کے نزدیک استحسان حجت ہے۔

امام بخاری نے کہا "فرقوابین کل ذی رحم محرم وغیرہ بغیر کتاب ولا سنۃ"۔ امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ ذی رحم کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب اس کے خلاف ہے جو اجنبی کے متعلق ان کا مذہب ہے، پس اگر کسی مرد سے یہ کہا گیا کہ ہم اس اجنبی مرد کو ضرور بہ ضرور قتل کر دیں گے ورنہ تم یہ چیز اتنے میں فروخت کر دو، تو اس مُکرَہ نے وہ چیز فروخت کر دی تا کہ اس اجنبی مرد کو قتل سے نجات دے، اس صورت میں بیع لازم ہوگی، اور اگر یہی بات ظالم نے اس کے مُحرم رشتہ دار کے متعلق کہی تو اب جو اس نے عقد کیا ہے وہ لازم نہیں ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ بھی بطریقِ استحسان ہے اور وہ کتاب وسنت سے خارج نہیں ہے، رہی کتاب تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر:١٨)

جو غور سے بات سنتے ہیں، پھر احسن بات کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت پر جما رکھا ہے اور یہی عقل والے ہیں O

اور رہی سنت تو اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "جس کام کو مومنین اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے"۔

امام بخاری پر یہ اعتراض کہ اس کتاب سے مقصود اسانید کے ساتھ احادیث کو جمع کرنا ہے نہ کہ مجتہدین پر اعتراض کرنا اور ان کے اقوال میں تناقض بیان کرنا

علامہ کرمانی نے کہا ہے: امام بخاری نے ان مباحث کی جو مثالیں ذکر کی ہیں وہ اس کتاب کی وضع کے مناسب نہیں ہیں، کیونکہ یہ بحث اس کتاب کے فن سے خارج ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

یہ اعتراض بہت عجیب ہے، کیونکہ امام بخاری کا اس کتاب کی تدوین سے مقصد صرف احادیث کو نقل کرنا نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو تمام احکام کا جامع بنایا ہے اور امام بخاری کی فقہ ان کے تراجم میں ہے یعنی ابواب کے عنوانات میں،

اور کتنی مرتبہ وہ تفاسیر کو بھی وارد کرتے ہیں اور ان میں بکثرت علل کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بعض سندوں کو بعض دوسری سندوں پر ترجیح دیتے ہیں، پس جب وہ ان مباحث میں سے کوئی چیز ذکر کریں گے تو یہ کوئی غریب چیز نہیں ہے، پس امام بخاری کے لیے ان سے پہلے ائمہ میں نمونہ ہے مثلاً امام شافعی، امام ابوثور، امام حمیدی، امام احمد اور اسحاق، اور ان کا طریقہ بحث کرنا ہے، سو امام بخاری بھی اسی طریقہ سے بحث کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۷، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکورہ عبارت پر علامہ عینی کا اعتراض

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ان مذکورہ ائمہ میں سے کسی نے بھی احادیث کو جمع کرنے میں خصوصیت کو اختیار نہیں کیا، انہوں نے مباحث کو اپنی ان تصانیف میں ذکر کیا ہے جو اصول اور فروع پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اور اگر ان ائمہ میں سے کسی نے ان مباحث کو بالخصوص کتب حدیث میں ذکر کیا ہے تو اس پر بھی یہی اعتراض وارد ہوگا۔

علاوہ ازیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ امام بخاری فقہ میں امام شافعی کے مساوی ہیں، اور نہ ان مباحث کی مثل میں بحث کرنے میں امام شافعی کے مساوی ہیں۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِامْرَأَتِهِ هٰذِهِ أُخْتِي وَذٰلِكَ فِي اللّٰهِ۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کے متعلق کہا: یہ میری بہن ہے، اور ان کا یہ کلام اللہ کے لیے تھا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے اس پر استشہاد کیا ہے کہ اس باب میں قریبی رشتہ دار اور اجنبی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کے متعلق کہا کہ یہ میری بہن ہے، یعنی دینِ اسلام میں میری بہن ہے، پس جب وہ دینِ اسلام کے اعتبار سے ان کی بہن تھیں تو ان پر واجب تھا کہ وہ ان کی حمایت کرتے اور ان سے ظلم کو دور کرتے۔

امام بخاری نے کہا "وذالك فی اللہ" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کو ظالم سے چھڑانے کے لیے جو کہا کہ یہ "میری بہن ہے" تو یہ بات ان کے اور اللہ کے درمیان تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ قریبی رشتہ دار اور اجنبی کے درمیان فرق کرنا یہ بھی استحسان ہے، کیونکہ جب دینی بھائی کی حمایت کرنا واجب ہے تو قریبی رشتہ دار کی حمایت کرنا بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔

باب مذکور کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ النَّخَعِيُّ إِذَا كَانَ الْمُسْتَحْلِفُ ظَالِمًا فَنِيَّةُ

اور نخعی نے کہا: جب قسم لینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت

اَلْحَالِفِ وَاِنْ کَانَ مَظْلُوْمًا فَنِیَّةُ الْمُسْتَحْلِفِ۔ کا اعتبار ہوگا، اور اگر مظلوم ہو تو قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یعنی ابراہیم النخعی نے کہا کہ جب قسم لینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا، اور جب وہ مظلوم ہو تو قسم لینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ قسم لینے والا مظلوم کس طرح ہوگا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ جب مدعی برحق ہو اور اس کی کوئی نیت نہ ہو اور مدعیٰ علیہ اس سے حلف طلب کرے تو وہ مظلوم ہوگا۔

قسم لیتے وقت قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے یا قسم لینے والے کی، اس کے متعلق فقہاء کے اقوال

اور ابراہیم نخعی کے اس اثر کی محمد بن الحسن نے کتاب الآثار میں از امام ابو حنیفہ از حماد ان الفاظ سے روایت کی ہے: جب کوئی مرد حلف طلب کرے اور وہ مظلوم ہو تو قسم اس کی نیت کے اعتبار سے ہوگی اور اس کی روایت کے اعتبار سے ہوگی، اور جب کوئی مرد حلف طلب کرے اور وہ ظالم ہو تو قسم اس کی نیت کے اعتبار سے ہوگی جو قسم کو طلب کرے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ابراہیم نخعی کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک ہمیشہ مظلوم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے، اور اسی کی مثل امام مالک اور جمہور کا مذہب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہمیشہ قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور دوسروں نے کہا کہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جب حاکم کے سامنے حلف لیا جائے تو اس میں حاکم کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اس کا صاحبِ حق کی نیت کی طرف رجوع ہوتا ہے، اور اگر حاکم کے غیر کے سامنے حلف لیا جائے تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۵۹۔۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۵۱۔ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ بُکَیْرٍ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ عُقَیْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمًا أَخْبَرَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهُ وَلَا یُسْلِمُهُ وَمَنْ کَانَ فِی حَاجَةِ أَخِیهِ کَانَ اللّٰهُ فِی حَاجَتِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ سالم نے ان کو خبر دی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر خود ظلم کرے اور نہ کسی سے اس پر ظلم کرائے، اور جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۲، ۶۹۵۱، صحیح مسلم: ۲۵۸۰، سنن ترمذی: ۱۴۲۶، سنن ابو داؤد: ۴۸۹۳، مسند احمد: ۵۶۱۴)

صحیح البخاری: ۶۹۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی حمایت کرے۔

یہ حدیث کتاب المظالم میں اسی سند کے ساتھ زیادہ اہتمام کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یُسلمه" یہ لفظ اسلام سے ماخوذ ہے اور یہاں اس کا معنی ہے: رسوا کرنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی حاجته" اس سے مراد ہے اس کی حاجت کو پورا کرنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۱۔۱۶۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۵۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا كَيْفَ أَنْصُرُهُ قَالَ تَحْجُزُهُ أَوْ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَإِنَّ ذَلِكَ نَصْرُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبدالرحیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن ابی بکر بن انس نے خبر دی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، پس ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! جب وہ مظلوم ہوگا تو میں اس کی مدد کروں گا، آپ یہ بتایئے کہ جب وہ ظالم ہوگا تو میں اس کی مدد کیسے کروں گا؟، آپ نے فرمایا: تم اس کو ظلم سے باز رکھو یا منع کرو، تو بے شک یہ بھی اس کی مدد ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۴۴۳، ۲۴۴۴، ۶۹۵۲، سنن ترمذی: ۲۲۵۵، مسند احمد: ۱۲۶۶۶)

صحیح البخاری: ۶۹۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے بھائی کو ظلم کرنے سے روکو، اور ظلم کرنے سے روکنا اکراہ اور جبر سے روکنے کو مستلزم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبدالرحیم، یہ البزاز ہیں اور یہ امام بخاری کے اکثر شیوخ کے طبقہ میں سے ہیں۔ اور اس

حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن سلیمان، انہوں نے بغداد میں رہائش اختیار کی اور یہ بھی امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں، اور امام بخاری نے ان سے متعدد ابواب میں بغیر واسطہ کے روایت کی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ہُشیم کا ذکر ہے، یہ ابن بشر الواسطی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن ابی بکر بن انس کا ذکر ہے جو اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب المظالم میں عبید اللہ بن ابی بکر بن انس کی سند سے گذر چکی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو از مسدد بھی روایت کیا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کریں گے تو ظالم کی کیسے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا: اس کے ہاتھ کو پکڑ لو۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "افرایت" اس کا معنی ہے اخبرنی، مجھے بتایئے، اور اس میں دو قسم کا مجاز ہے، ایک قسم یہ ہے کہ لفظ رویت کا اطلاق کیا اور اس سے اخبار کا ارادہ کیا، اور دوسرا مجاز یہ ہے کہ استفہام کا اطلاق کیا اور اس سے امر کا ارادہ کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تحجزہ او تمنعہ" اس میں راوی کا شک ہے کہ آپ نے کیا فرمایا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

"کتاب الاِکراہ" کا اختتام

"کتاب الاِکراہ" میں پندرہ (۱۵) احادیث مرفوعہ ہیں جن میں سے تین تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور یہ تمام احادیث مکررہ ہیں۔

"کتاب الاِکراہ" کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، آج ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ/25 اکتوبر 2013ء بروز جمعہ "کتاب الاکراہ" میں درج ابواب اور احادیث کی شرح مکمل ہوگئی، دراصل کتاب الاکراہ صحیح البخاری کے سب سے زیادہ مشکل مقامات میں سے ہے اور امام بخاری نے ان احادیث سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے، ان میں امام بخاری کی عبارت بہت مغلق ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ تمام مشکلات اور مغلقات حل ہوگئیں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے ان احادیث کی مفصل شرح کر دی، اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو قبول فرمائے اور مجھے اور قارئین کو بخش دے، اب اس کے بعد ان شاء اللہ "کتاب الحِیَل" شروع ہوگی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

٩٠۔ کِتَابُ الْحِیَلِ

شرعی حیلوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب حیلوں کے بیان میں ہے، حِیَل کا لفظ حیلہ کی جمع ہے اور حیلہ کا معنی ہے: وہ کام جس سے خفیہ طریقہ سے مقصود تک پہنچا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ١٤٣، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

حیلہ کی تعریف، اس کی اقسام اور حیلہ کے متعلق فقہاء کے نظریات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کے نزدیک حیلوں کی کئی قسمیں ہیں، اگر کسی مباح طریقہ سے حق کو باطل کیا جائے یا باطل کو ثابت کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے، اور اگر کسی خفیہ طریقہ سے حق کو ثابت کیا جائے یا باطل کو دفع کیا جائے تو یہ واجب ہے یا مستحب ہے، اور اگر کسی مباح طریقہ سے اپنے آپ کو کسی آفت یا مصیبت میں واقع ہونے سے بچایا جائے تو یہ حیلہ مستحب ہے یا مباح ہے، یا کسی مُباح طریقہ سے کسی مستحب کام کو ترک کیا جائے تو یہ حیلہ مکروہ ہے۔

بعض علماء نے مطلقاً حیلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ (ص:٤٤)

اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا خوب بندے ہیں، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں ۝

ص: ٤٤ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابلیس نے راستہ میں ایک تابوت بچھایا اور اس پر بیٹھ کر بیماروں کا علاج کرنے لگا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری تو اس نے پوچھا: کیا تم بیماری میں مبتلا اس شخص کا علاج بھی کر دو گے؟ اس نے کہا: ہاں! اس شرط کے ساتھ کہ جب میں اس کو شفاء دے دوں تو تم یہ کہنا کہ تم نے شفاء دی ہے، اس کے سوا میں تم سے کوئی اور اجر طلب نہیں کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا، انہوں نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! یہ تو شیطان ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت دی تو میں تمہیں سو کوڑے ماروں گا اور جب وہ تندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، سو حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی پر جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ٥ ص ١٠٨)

جو علماء مطلقاً حیلہ کے جواز کے قائل ہیں ان کی دوسری دلیل حسب ذیل حدیث ہے:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں ایک شخص رہتا تھا جس کی خلقت ناقص تھی، وہ اپنے گھر کی ایک باندی (نوکرانی) سے زنا کرتا تھا، یہ قصہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، آپ نے فرمایا: اس کو سو کوڑے مارو، مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو اس کے مقابلہ میں بہت کمزور ہے، اگر ہم اس کو سو کوڑے ماریں تو یہ مرجائے گا، پھر آپ نے فرمایا: اس کے لیے سو تنکوں کی ایک جھاڑو لو اور اس کو جھاڑو سے مارو۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۴، المعجم الکبیر: ۵۵۲۱، مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۲)

اور حیلہ کے جواز میں درجِ ذیل آیت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ (الطلاق: ۲) اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے ۝

اور حیلہ کے سبب سے انسان کو کسی مشکل سے نجات کی راہ مل جاتی ہے۔

نیز حیلہ کے ثبوت پر درجِ ذیل حدیث بھی دلالت کرتی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو خیبر پر عامل بنایا، پس وہ عمدہ کھجوریں لے کر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں اسی طرح ہیں؟ اس نے کہا: نہیں اللہ کی قسم یارسول اللہ! ہم یہ کھجوریں ایک صاع دے کر اس کے بدلہ میں دوسری کھجوریں دو صاع یا تین صاع لیتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو، تم تمام کھجوروں کو دراہم کے عوض فروخت کر دو، پھر دراہم کے عوض عمدہ کھجوریں خرید لو۔

(صحیح البخاری: ۲۲۰۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۲، سنن نسائی: ۴۵۵۳، موطا امام مالک: ۱۳۱۵، سنن دارمی: ۲۵۷۷)

مذکور الصدر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود سے بچنے کا حیلہ تعلیم فرمایا کہ تم تمام کھجوریں دراہم کے عوض فروخت کر دو، پھر ان دراہم سے جتنی دوسری کھجوریں ملیں وہ لے لو۔

اور جو فقہاء حیلہ کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ۝ (البقرہ: ۶۵) اور بے شک تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کیا تھا، پس ہم نے ان سے کہا: تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ قوم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں "ایلہ" میں آباد تھی، یہ شہر مدینہ اور شام کے درمیان ساحلِ سمندر پر واقع تھا، اس جگہ کے سمندر میں سال کے ایک مہینہ میں اتنی کثرت سے مچھلیاں آتی تھیں کہ پانی دکھائی نہیں دیتا تھا اور باقی مہینوں میں ہفتہ کے دن اس میں بہت مچھلیاں آتی تھیں، ان لوگوں نے مختلف جگہ حوض کھودے اور سمندر سے نالیاں نکال کر ان حوضوں سے ملا دیں، ہفتہ کے دن ان حوضوں میں مچھلیاں چلی جاتیں اور وہ اتوار کے دن ان کا شکار کر لیتے، بنی اسرائیل کا ہفتہ کے دن مچھلیوں کو حوضوں میں مقید کر لینا بھی ان کا حد سے تجاوز کرنا تھا، وہ ایک بڑے لمبے عرصہ تک اس نافرمانی میں مشغول رہے، نسل در نسل ان کی اولاد بھی اس میں ملوث رہی، خدا کا خوف رکھنے والے کچھ لوگ منع کرتے تھے، کچھ اس کو برا جانتے تھے اور

اس خیال سے منع نہیں کرتے تھے کہ یہ باز آنے والے نہیں ہیں، نافرمان لوگ کہتے تھے کہ ہم اتنے عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان مچھلیوں میں اضافہ فرما رہا ہے، مانعین کہتے تھے کہ تم دھوکے میں نہ آؤ ہو سکتا ہے کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۴۷، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

بنی اسرائیل نے بھی مچھلی کا شکار کرنے کے لیے یہ حیلہ ایجاد کیا تھا، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر اپنے غضب کا اظہار فرمایا اور ان لوگوں کو بندر بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

نیز حیلہ کے عدمِ جواز پر درجِ ذیل حدیث دلالت کرتی ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں شخص نے خمر فروخت کی ہے، تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو ہلاک کر دے، کیا وہ نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کر دے، ان پر چربی حرام کر دی گئی تو انہوں نے چربی کو پگھلایا اور پھر اس کو فروخت کر دیا۔
(صحیح البخاری: ۲۲۲۳، صحیح مسلم: ۱۵۸۲، سنن نسائی: ۴۲۵۷، سنن ابن ماجہ: ۳۳۸۳، مسند احمد: ۱۷۱، سنن دارمی: ۲۱۰۴)

چربی بعینہٖ حرام تھی تو یہود نے اس کے لیے یہ حیلہ کیا کہ چربی کو پگھلا کر اس کا تیل بنا دیا اور پھر اس تیل کو فروخت کیا اور کہا: یہ چربی نہیں ہے بلکہ تیل ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے اس فعل کی مذمت کی۔

فقہاء احناف کا قول حیلوں کے متعلق مشہور ہے، کیونکہ امام ابو یوسف نے حیلہ کے جواز میں کتاب تصنیف کی ہے، لیکن امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ احناف سے مشہور یہ ہے کہ برحق چیز کے حصول کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے، اور صاحب المحیط نے کہا ہے: اگر حیلہ سے مقصود یہ ہو کہ حرام کام سے بچا جائے اور گناہ سے بچا جائے تو یہ حیلہ مستحسن ہے، اور اگر حیلہ سے مقصد یہ ہو کہ کسی مسلمان کے حق کو باطل کیا جائے تو پھر یہ حیلہ ناجائز ہے اور گناہ ہے اور حد سے تجاوز ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱- بَابٌ: فِي تَرْكِ الْحِيَلِ — حیلوں کو ترک کرنے کا بیان

وَأَنَّ لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فِي الْأَيْمَانِ وَغَيْرِهَا۔

ہر مرد کے لیے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کی اس نے نیت کی ہے خواہ قسموں میں یا کسی اور کام میں۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حیلوں کے ترک کرنے کا بیان کیا گیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری نے ''ترک'' کے لفظ سے اس وہم کو دور کرنے کا اشارہ کیا ہے کہ پہلے عنوان میں جو حیلوں کا ذکر ہے اس سے مراد حیلوں کا جواز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

پہلا عنوان اپنے عموم کے اعتبار سے جائز حیلہ اور ناجائز حیلہ دونوں کو شامل ہے، اور امام بخاری نے عنوان کو اس لیے مطلق ذکر کیا کہ بعض حیلے ایسے ہیں جن سے منع نہیں کیا جاتا۔

بابِ مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "ہر مرد کے لیے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کی وہ نیت کرے"۔ یہ دراصل ایک مکمل حدیث کا ٹکڑا ہے اور یہ حدیث صحیح البخاری کے شروع میں مذکور ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "اعمال کا مدار صرف نیات پر ہے، اور ہر مرد کے لیے اسی کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔۔۔۔۔ الحدیث"۔ اور اس حدیث کی مفصل شرح گزر چکی ہے۔

امام بخاری نے کہا "فی الایمان وغیرھا" یہ امام بخاری کا کلام ہے اور ایمان میں الف پر زبر ہے اور یہ یمین کی جمع ہے۔

یہ حدیث عبادات پر محمول ہے اور امام بخاری نے اس حدیث میں تعمیم کی ہے تا کہ ان کا کلام معاملات پر بھی شامل ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۵۳۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه يَخْطُبُ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ وَإِنَّمَا لِامْرِءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ هَاجَرَ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو النعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از محمد بن ابراہیم از علقمہ بن وقاص، انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے سنا وہ خطبہ دے رہے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اے لوگو! اعمال کا مدار صرف نیت پر ہے اور مرد کے لیے اسی چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے، پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف شمار ہوگی، اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو جسے وہ پائے یا عورت کی طرف ہو جس سے وہ نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف شمار ہوگی جس کی طرف وہ ہجرت کی نیت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳، صحیح مسلم: ۱۹۰۷، سنن ترمذی: ۱۶۴۷، سنن نسائی: ۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۰۱، سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۷، مسند احمد: ۱۶۹)

صحیح البخاری: ۶۹۵۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ مہاجر ام قیس نے اپنی ہجرت کو ام قیس کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے حیلہ بنایا تھا، کیونکہ جب انہوں نے ام قیس کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا: میں تم سے نکاح تب کروں گی جب

تم ہجرت کر کے مدینہ آ جاؤ، تو انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کو ام قیس سے نکاح کرنے کا حیلہ بنایا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالنعمان کا ذکر ہے، یہ محمد بن الفضل ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں محمد بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ التیمی ہیں۔

میں نے اس حدیث کی شرح صحیح البخاری کے شروع میں کی ہے اور میں نے ایسی شرح کی ہے کہ متقدمین اور متاخرین شارحین میں سے کسی نے بھی اس کی مثل شرح نہیں کی۔ اور جو فقہاء حیلوں کے جواز کے قائل نہیں ہیں انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور جو حیلوں کے جواز کے قائل ہیں انہوں نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے، کیونکہ دونوں فریقوں کا رجوع عامل کی نیت کی طرف ہوتا ہے، اور ''المحیط'' کی ''کتاب الحیل'' میں مذکور ہے کہ حیلہ کرنا مشروع ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں درجِ ذیل آیت کا تقاضا ہے:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ (ص:۴۴)

اور آپ اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک جھاڑو لے کر ماریں اور اپنی قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا خوب بندے ہیں، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والے ہیں O

اور حیلہ کسی مکروہ یا کسی آفت اور مصیبت سے بھاگنے کے لیے کیا جاتا ہے اور حرام سے بھاگنے کے لیے حیلہ کرنا اور گناہ سے دور رہنے کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے، اور اگر کسی مسلمان کا حق باطل کرنے کے لیے حیلہ کیا جائے تو یہ گناہ ہے اور سرکشی ہے۔

علامہ النسفی نے ''الکافی'' میں امام محمد بن الحسن سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے حیلہ کر کے بھاگنا یہ مومنین کے اخلاق میں سے نہیں ہے اور جو حیلہ اس لیے کیا جائے تاکہ کسی کے حق کو باطل کیا جائے تو یہ حیلہ مذموم ہے اور ناجائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۳۔ ۱۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۵۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم میں توریہ کا اعتبار کرنے کے متعلق اختلافِ فقہاء

یہ حدیث امام مالک کے قسموں میں ان کے مذہب کی دلیل ہے، کیونکہ امام مالک یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے فریقِ مخالف کے سامنے جن الفاظ سے قسم کھائی، انہی الفاظ کا اعتبار ہوگا اور ان میں کسی توریہ کا اعتبار نہیں ہوگا، یعنی وہ قسم کے الفاظ سے کچھ اور نیت کرے اور فریقِ مخالف کے ذہن میں کوئی اور معنی ڈالے مثلاً کوئی شخص تنگدست ہو اور وہ اپنے قرض خواہ کے سامنے قسم کھائے اور کہے: اللہ کی قسم! میرے پاس تمہارے لیے اس وقت کوئی پیسہ نہیں ہے اور وہ اس خاص وقت کی نیت کر لے، یا کوئی شخص طلاق کی

قسم کھائے اور کہے: ہند کو طلاق ہے اور اس کی بیوی کا نام ہند ہو اور وہ کسی اور اجنبی عورت کی طلاق کی نیت کر لے، تو امام مالک کے نزدیک اس قسم کا توریہ جائز نہیں ہے اور قسم کھانے والے نے جن الفاظ کے ساتھ قسم کھائی ہے ان الفاظ کا جو متبادل معنی ہوگا اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

جب کہ فقہاء احناف اور فقہائے شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ قسم کھانے والا جن الفاظ کے ساتھ قسم کھائے اسی کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۔ بَابٌ: فِي الصَّلَاةِ — نماز کو ختم کرنے میں حیلہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نماز میں حیلہ کے دخول کا بیان کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۵۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَقْبَلُ اللهُ صَلَاةَ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن نصر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کی نماز کو قبول نہیں فرمائے گا جب وہ وضو توڑ دے گا حتیٰ کہ وہ وضو کرلے۔

(صحیح البخاری: ۱۳۵، ۶۹۵۴، صحیح مسلم: ۲۲۵، سنن ترمذی: ۷۶، سنن ابوداؤد: ۶۰، مسند احمد: ۸۰۱۷)

صحیح البخاری: ۶۹۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت پر اعتراض اور علامہ کرمانی کا جواب

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث کا کتاب کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ تو میں کہوں گا کہ امام بخاری کا مقصود فقہاء احناف پر رد کرنا ہے۔

بعض فقہاء کا فقہاء احناف پر یہ الزام کہ فقہاء احناف کہتے ہیں کہ اگر نمازی نے قعدہ اخیرہ میں وضو توڑ دیا تو سلام پھیرے بغیر اس کی نماز مکمل ہو جائے گی، حالانکہ سلام پھیرنا نماز کا رکن اور فرض ہے

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ فقہاء احناف نے کہا ہے: جس آدمی نے نماز کے قعدہ اخیرہ میں وضو توڑ دیا، اس کی نماز صحیح ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ نماز سے باہر نکلنا ہر اس کام سے حاصل ہو جاتا ہے جو نماز کے منافی اور خلاف ہو، پس وہ وضو توڑنے کے ساتھ نماز کے صحیح ہونے کا حیلہ کرتے ہیں اور فقہاء احناف پر رد کا بیان یہ ہے کہ وہ شخص نماز میں وضو توڑنے والا ہے، پس اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ نماز سے باہر آنا یا تکبیر تحریمہ کی تحلیل نماز کا رکن ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: "تحليلها التسليم"، یعنی تکبیر

تحریمہ سے نمازی پر جو نماز کے علاوہ دوسرے کام حرام ہو جاتے ہیں، وہ کام سلام پھیرنے سے حلال ہوتے ہیں، پس جیسا کہ تکبیرِ تحریمہ نماز کا رُکن ہے، اسی طرح سلام پھیر کر نماز میں دوسرے کاموں کو حلال کرنا یہ بھی نماز کا رکن ہے۔ اور جب کہ انہوں نے کہا ہے کہ جو آدمی نماز کے اندر وضو توڑ دے وہ وضو کرے اور اس پر نماز کی بناء کرے، اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ جب وضو میں وضو کی نیت نہ ہو تو وضو صحیح ہوتا ہے کیونکہ وضو کرنا عبادت نہیں ہے۔ (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی۔)

اور علامہ ابن المُنیر نے کہا ہے: امام بخاری نے اس عنوان سے اُن فقہاء کے قول کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جو شخص قعدہ اخیرہ کے درمیان عمداً وضو توڑ دے اس کی نماز صحیح ہے، اور اس کا وضو توڑنا اس کے سلام پھیرنے کی مثل ہے، کیونکہ یہ وضو ٹوٹنے کے ساتھ نماز کی صحت کا حیلہ ہے۔ (علامہ ابن المنیر کی عبارت ختم ہوئی۔)

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس باب کے عنوان میں اُن فقہاء کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس شخص نے قعدہ اخیرہ میں وضو توڑ دیا تو اس کی نماز صحیح ہے۔ (علامہ ابن بطال کی عبارت ختم ہوئی۔)

اور کہا گیا ہے کہ تحریم کے مقابلہ میں تسلیم ہے (سلام پھیرنا ہے)، کیونکہ حدیث میں ہے "نماز کی تحریم تکبیر ہے اور نماز کی تحلیل تسلیم ہے" پس جب دو طرفوں میں سے ایک طرف رُکن ہے تو دوسری طرف بھی رُکن ہوگی، یعنی جس طرح تکبیرِ تحریمہ نماز کا رکن ہے تو اسی طرح سلام پھیرنا بھی نماز کا رُکن ہے، اور جس طرح تکبیرِ تحریمہ وضو توڑنے کے ساتھ نہیں ہو سکتی، اسی طرح سلام پھیرنا بھی وضو توڑنے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

علامہ عینی کی طرف سے اس الزام کا جواب جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سلام پھیرنا نماز میں فرض نہیں ہے

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: اس حدیث اور باب کے عنوان میں اصلاً مطابقت نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث اصلاً کسی حیلہ پر دلالت نہیں کرتی، اور علامہ کرمانی نے جو کہا ہے کہ فقہاء احناف بے وضوئی کے ساتھ نماز صحیح ہونے کا حیلہ کرتے ہیں، یہ کلام مردود ہے، بالکل مقبول نہیں ہے، کیونکہ فقہاء احناف نے اس شخص کی نماز کو بالکل صحیح نہیں کہا جو قعدۂ اخیرہ میں وضو توڑنے کا حیلہ کرے اور حیلہ کا اس میں بالکل دخل نہیں ہے، بلکہ فقہاء احناف نے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کیا ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا پھر ان کو نماز میں تشہد سکھایا، پھر اعمش کی حدیث کی دعا کی مثل کا ذکر کیا اور فرمایا: "اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد" (جب تم یہ تشہد پڑھ لو یا اس کو ادا کر لو تو تم نے اپنی نماز پوری کر لی، اگر تم کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ)۔ (سنن ابوداؤد: ۹۷۰)

اس حدیث کی امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، اور یہ حدیث نماز میں سلام کی فرضیت کے منافی ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قعدہ کے بعد نمازی کو اختیار دیا ہے کہ اگر تم کھڑے ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ۔۔۔ الخ، اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نماز میں سلام پھیرنا فرض ہے، اور ان فقہاء نے جو فقہاء احناف پر رد کرنے کے لیے یہ گرا ہوا کلام پیش کیا ہے، یہ ان کے محض باطل تعصب میں اِفراط کی وجہ سے ہے۔

اورعلامہ کرمانی نے جو یہ کہا ہے کہ امام بخاری کے رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ شخص نماز میں وضوتوڑنے والا ہے، پس اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی تو امام بخاری کا یہ رد غیر صحیح ہے، کیونکہ اس کی نماز پوری ہوگئی اور ان کا یہ کہنا کہ حدیث میں ہے ''تحلیلھا التسلیم'' یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے اور خبرِ واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔اسی طرح ان کا یہ استدلال کرنا کہ تکبیرۃ الافتتاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے فرض ہے ''تحریمھا التکبیر'' یہ بھی اسی وجہ سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث خبرِ واحد ہے اور خبرِ واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ تکبیرۃ الافتتاح کی فرضیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ثابت ہے: ''وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝'' (المدثر:۳) ''اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے'' اور اس سے مراد نماز میں تکبیر پڑھنا ہے، کیونکہ نماز سے خارج میں تکبیر پڑھنا واجب نہیں ہے، اس پر اہلِ تفسیر کا اجماع ہے۔اور افتتاحِ نماز کے علاوہ کسی جگہ بھی تکبیر کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔

اورعلامہ کرمانی نے کہا ہے کہ اس کی علت یہ ہے کہ وضو عبادت نہیں ہے، یہ کلام بھی ساقط ہے، کیونکہ فقہاء احناف یہ نہیں کہتے کہ وضو مطلقاً عبادت نہیں ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عبادتِ غیر مستقلہ بذاتہا ہے، بلکہ وہ ایسی عبادت ہے جو نماز کو قائم کرنے کا وسیلہ ہے۔

اور ابن المنیر کا یہ کہنا بھی مردود ہے کہ یہ حدیث بغیر وضو نماز کی صحت کے حیلہ کا رد ہے جیسا کہ ہم اس کی توجیہ بیان کر چکے ہیں۔

اور ابن بطال کا یہ کہنا بھی مردود ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث سے ان پر رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ جس نے قعدہ اخیرہ میں وضو توڑ دیا اس کی نماز صحیح ہے، کیونکہ یہ حدیث اس پر بالکل دلالت نہیں کرتی جو انہوں نے کہا ہے۔

اور جس قائل نے یہ کہا ہے کہ جب دو طرفوں میں سے ایک طرف رُکن ہوگی تو دوسری طرف بھی رُکن ہوگی، یہ صحیح نہیں ہے۔

اور یہ حدیث کتاب الطہارۃ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۴۔۱۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۔ بَابٌ: فِي الزَّكَاةِ

زکوٰۃ کے متعلق حیلوں کا بیان

وَأَنْ لَا يُفَرَّقَ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ وَلَا يُجْمَعَ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ

اور یہ کہ زکوٰۃ کے خوف سے جو بکریاں جمع ہوں ان کو الگ نہ کیا جائے اور جو بکریاں الگ الگ ہوں ان کو جمع نہ کیا جائے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے حیلوں کو ترک کرنے کا بیان ہے اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں جس حدیث کا ذکر ہے، وہ کتاب الزکوٰۃ کی ایک طویل حدیث میں اسی سند کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کی شرح بھی ہو چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۵۔۱۶۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٦٩٥٥ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَتَبَ لَهُ فَرِيضَةَ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبداللہ الانصاری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثمامہ بن عبداللہ بن انس نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی فرضیت کے متعلق وہ مکتوب لکھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی فرضیت کو لکھوایا تھا، اس مکتوب میں مذکور تھا کہ زکوٰۃ کے خوف سے جو الگ الگ ہوں ان کو جمع نہ کیا جائے اور جو جمع ہوں ان کو الگ نہ کیا جائے۔

(صحیح البخاری: ١٤٥٠، سنن ترمذی: ٦٢١، سنن نسائی: ٢٤٤٧، سنن ابوداؤد: ١٥٦٨، سنن ابن ماجہ: ١٨٠٧، مسند احمد: ٧٣)

صحیح البخاری: ٦٩٥٥، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ جو بابِ مذکور کا عنوان ہے وہی اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبداللہ، یہ الانصاری ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از والد خود اور وہ عبداللہ بن المثنیٰ بن انس بن مالک الانصاری ہیں، وہ اپنے چچا ثمامہ بن عبداللہ بن انس سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یُجمَعُ" یعنی اگر ہر شریک کی چالیس چالیس بکریاں ہوں تو ہر فریق پر دو بکریاں زکوٰۃ واجب ہے، سو ان بکریوں کو جمع نہ کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ یہ ایک آدمی کی اسی (٨٠) بکریاں ہیں تا کہ زکوٰۃ میں ایک بکری دینی پڑے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "ولا یُفرَّقُ" یعنی اگر دو شریکوں کی چالیس بکریاں ہوں تو ان میں تفریق نہ کی جائے، تا کہ ان میں زکوٰۃ واجب نہ ہو، کیونکہ اس طرح تفریق کرنا زکوٰۃ کو ساقط کرنے کا حیلہ ہے یا زکوٰۃ کو کم کرنے کا حیلہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ١٦٦، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

صحیح البخاری: ٦٩٥٥، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ١٤٢١ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قاعدہ یہ ہے کہ جس نے کسی واجب کو ساقط کرنے کا حیلہ کیا تو واجب ساقط نہیں ہوگا، اور جس نے کسی حرام کام کو کرنے کا حیلہ کیا تو وہ کام حلال نہیں ہوگا۔

واجب حیلہ سے ساقط نہیں ہوتا اور حرام حیلہ سے حلال نہیں ہوتا، ورنہ ہر زانی حیلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ساقط کر دے گا اور جس کام کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو حلال کر لے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۶۹۵۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ ثَائِرَ الرَّأْسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَخْبِرْنِي مَاذَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فَقَالَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا فَقَالَ أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الصِّيَامِ قَالَ شَهْرَ رَمَضَانَ إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ شَيْئًا قَالَ أَخْبِرْنِي بِمَا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ مِنَ الزَّكَاةِ قَالَ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ شَرَائِعَ الْإِسْلَامِ قَالَ وَالَّذِي أَكْرَمَكَ لَا أَتَطَوَّعُ شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ مِمَّا فَرَضَ اللهُ عَلَيَّ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ أَوْ دَخَلَ الْجَنَّةَ إِنْ صَدَقَ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ فِي عِشْرِينَ وَمِائَةِ بَعِيرٍ حِقَّتَانِ فَإِنْ أَهْلَكَهَا مُتَعَمِّدًا أَوْ وَهَبَهَا أَوِ احْتَالَ فِيهَا فِرَارًا مِنَ الزَّكَاةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن جعفر نے حدیث بیان کی از ابی سہیل از والد خود از حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں تو آپ نے فرمایا: پانچ نمازیں سوا اس کے کہ تم کچھ نفلی نمازیں پڑھو، پھر اس نے کہا کہ مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنے روزے فرض کیے ہیں، آپ نے فرمایا: رمضان کے مہینہ کے روزے سوا اس کے کہ تم کچھ نفلی روزے رکھو، اس نے کہا: مجھے خبر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض کی ہے؟ راوی نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام کے شرعی احکام کی خبر دی تو اس اعرابی نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو عزت دی ہے! اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو احکام فرض کئے ہیں میں ان میں نہ کوئی اضافہ کروں گا اور نہ ان میں سے کسی میں کمی کروں گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہو گیا، یا فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو یہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے: ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں میں تین تین سال کی دو اونٹنیاں واجب ہیں جو چوتھے سال میں شروع ہو چکی ہوں، پس اگر اس نے ان اونٹوں کو عمداً ضائع کر دیا (مثلاً ان سب اونٹوں کو ذبح کر دیا) یا وہ سب اونٹ کسی کو ہبہ کر دیے یا زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ان اونٹوں میں کوئی حیلہ کیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۴۶، ۱۸۹۱، ۲۶۷۸، ۶۹۵۶، صحیح مسلم: ۱۱، سنن نسائی: ۴۵۸، سنن ابوداؤد: ۳۹۱، مسند احمد: ۱۳۹۳، موطا امام مالک: ۴۲۵، سنن دارمی: ۱۵۷۸)

صحیح البخاری: ۶۹۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تعسف اور تحکم کے سوانہیں ہوسکتی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسہیل، یہ سہل کی تصغیر ہے اوران کا نام نافع بن مالک ہے۔ اوراس حدیث کی سند میں مذکور ہے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، یہ بھی تصغیر ہے، یہ التیمی ہیں اوران دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی، جنگِ جمل کے دن ان کو مروان بن الحکم نے قتل کر دیا تھا۔

یہ حدیث کتاب الایمان میں گزر چکی ہے اوراس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "شرائع الاسلام" یعنی زکوٰۃ کے واجبات، اسی طرح دوسرے واجبات۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: شرط کا مفہوم اس کو واجب کرتا ہے کہ اگراس نے نفلی عبادات کیں تو وہ کامیاب نہیں ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ مفہوم مخالفت کے اعتبار کی شرط یہ ہے کہ مفہومِ موافقت موجود نہ ہو، اور یہاں پر مفہومِ موافقت ثابت ہے، کیونکہ جس نے نفلی عبادات کیں وہ بطریقِ اولیٰ کامیاب ہوگا۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے: ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں میں تین تین سال کی دو اونٹنیاں واجب ہیں جو چوتھے سال میں شروع ہو چکی ہوں، پس اگراس نے ان اونٹوں کو عمداً ضائع کر دیا (مثلاً ان سب اونٹوں کو ذبح کر دیا) یا وہ سب اونٹ کسی کو ہبہ کر دیے یا زکوٰۃ سے بچنے کے لیے ان اونٹوں میں کوئی حیلہ کیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی"۔

ایک قول یہ ہے کہ بعض لوگوں سے امام بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ ہیں، اور امام بخاری نے ان پر طعن کیا ہے، کیونکہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جس سے کوئی شخص زکوٰۃ کو ساقط کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اس میں گناہگار ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے یہ نیت کی کہ وہ سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار کرے گا تو اس کو یہ نیت نقصان نہیں دے گی، کیونکہ زکوٰۃ اس پر سال پورا ہونے کے بعد لازم آتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "زکوٰۃ کے ڈر سے" اس پر اسی وقت متوجہ ہوگی جب سال پورا ہو جائے گا۔ اوراس پر اجماع قائم ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے وہ جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے اور یہ امام شافعی کا قول بھی ہے۔ پس امام بخاری بعض الناس کے لفظ سے خصوصاً امام ابوحنیفہ پر

طعن کا ارادہ کیسے کریں گے؟

اور ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری نے اس تعلیق سے امام ابو یوسف کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ "اگر کسی شخص کے پاس ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹ ہوں اور اس پر دو اونٹنیاں لازم ہوں۔۔۔الخ"، اور امام ابو یوسف نے کہا ہے: اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، کیونکہ وہ وجوب سے منع کرتے ہیں اور واجب کو ساقط نہیں کرتے۔ اور امام محمد نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے، کیونکہ اس طریقہ سے فقراء کے حق کو باطل کرنے کا قصد کیا گیا ہے جب کہ نصاب کے وجوب کی وجہ سے اس پر فقراء کا حق واجب ہو گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۶۔۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری ۶۹۵۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے امام ابوحنیفہ سے جو یہ نقل کیا ہے اور بعض الناس سے وہی مراد ہیں، اس مسئلہ میں زکوٰۃ سے فرار میں تین اقوال ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے اونٹوں کو سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے ہلاک کرنے سے زکوٰۃ سے فرار ہونے کی نیت کی تو یہ نیت اس کو ضرر نہیں دے گی، کیونکہ زکوٰۃ اس پر سال پورا ہونے کے بعد لازم ہوتی ہے اور حدیث میں جو مذکور ہے "زکوٰۃ کے ڈر سے" یہ اس پر اسی صورت میں متوجہ ہوگا۔

اور اس پر اجماع ہے کہ وہ سال پورا ہونے سے پہلے اپنے اونٹوں میں جو فروخت کرنے کا تصرف کرے یا ہبہ کرنے کا یا ذبح کرنے کا تو یہ جائز ہے جب کہ وہ زکوٰۃ سے فرار کی نیت نہ کرے، اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جب سال پورا ہو جائے اور زکوٰۃ وصول کرنے والا آنے میں دیر کر دے تو اس کے لیے نقصان سے بچنے کے لیے متفرق مال زکوٰۃ کو جمع کرنے یا جو جمع ہو اس کو متفرق کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے: جب وہ سال پورا ہونے سے ایک ماہ پہلے زکوٰۃ کے فرار کی نیت سے یا اس کی مثل اپنے مال میں تفریق کرے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی جب سال پورا ہو جائے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "زکوٰۃ کے ڈر سے"۔

اور امام بخاری کا اس باب میں قصد یہ ہے کہ تمہیں یہ بتائیں کہ ہر وہ حیلہ کہ جس حیلہ سے کوئی شخص زکوٰۃ کو ساقط کرے تو اس پر اس کا گناہ ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے متفرق مال زکوٰۃ کو جمع کرنے یا جمع کو زکوٰۃ کے ڈر سے متفرق کرنے سے منع فرمایا، نیز آپ نے فرمایا: "افلح ان صدق" یعنی اگر کسی شخص نے اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو ادا کرنے میں کسی حیلہ سے کمی کی تو اس کو اس سے نفع نہیں ہوگا اور اللہ کے نزدیک اس کا عذر مقبول نہیں ہوگا۔

پس فقہاء نے سال پورا ہونے سے پہلے صاحب المال کو اپنے مال میں تصرف کی جو اجازت دی ہے، اس سے انہوں نے زکوٰۃ سے فرار کا ارادہ نہیں کیا اور جس نے اس سے زکوٰۃ سے فرار ہونے کی نیت کی تو اس پر اس کا گناہ ہوگا اور وہ گناہ ساقط نہیں ہوگا اور اللہ اس کا حساب لینے والا ہے، جیسے کوئی شخص سفر کے حیلہ سے رمضان کے روزوں سے بھاگے تا کہ سفر کی رخصت کی وجہ سے اسے رمضان کے روزے نہ رکھنے پڑیں تو روزہ نہ رکھنے کی وعید اس پر متوجہ ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس شخص نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے منع کیا، قیامت کے دن اس کو عذاب ہوگا، جیسا کہ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث سے گزر چکا ہے۔ پس یہ اس

پر دلالت کرتا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی سے بھاگنا جائز نہیں ہے اور آخرت میں اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔
اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ زکوۃ سے بھاگنے کا حیلہ مکروہ تنزیہی ہے اور رہے امام غزالی تو انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور فقہاء مالکیہ کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۶۳۔ ۶۵، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۶۹۵۷۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَكُونُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ فَيَطْلُبُهُ وَيَقُولُ أَنَا كَنْزُكَ قَالَ وَاللهِ لَنْ يَزَالَ يَطْلُبُهُ حَتَّى يَبْسُطَ يَدَهُ فَيُلْقِمَهَا فَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از ہمام از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا اژدھا بن جائے گا، وہ شخص اس سے بھاگے گا اور وہ اژدھا اس کو پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا خزانہ ہوں، آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ اس کو مسلسل طلب کرتا رہے گا حتیٰ کہ اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کو اپنے منہ میں ڈال لے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۰۳، ۴۵۶۵، ۴۶۵۹، ۶۹۵۷، صحیح مسلم: ۹۸۸، سنن نسائی: ۲۴۸۲، سنن ابن ماجہ: ۱۷۸۴، مسند احمد: ۸۴۴۷، موطا امام مالک: ۵۹۶، سنن دارمی: ۱۶۱۷)

۶۹۵۸۔ وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَا رَبُّ النَّعَمِ لَمْ يُعْطِ حَقَّهَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَخْبِطُ وَجْهَهُ بِأَخْفَافِهَا وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ فِي رَجُلٍ لَهُ إِبِلٌ فَخَافَ أَنْ تَجِبَ عَلَيْهِ الصَّدَقَةُ فَبَاعَهَا بِإِبِلٍ مِثْلِهَا أَوْ بِغَنَمٍ أَوْ بِبَقَرٍ أَوْ بِدَرَاهِمَ فِرَارًا مِنَ الصَّدَقَةِ بِيَوْمٍ احْتِيَالًا فَلَا بَأْسَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ إِنْ زَكَّى إِبِلَهُ قَبْلَ أَنْ يَحُولَ الْحَوْلُ بِيَوْمٍ أَوْ بِسِتَّةٍ جَازَتْ عَنْهُ۔

۶۹۵۸۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اونٹوں کا مالک ان کی زکوۃ نہیں دے گا تو وہ اونٹ اس کے اوپر قیامت کے دن مسلط کر دیئے جائیں گے، وہ اس کے چہرہ کو اپنے کھروں سے نوچیں گے۔
اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے کہ جس مرد کے پاس اونٹ ہوں، پس اس کو ان کی زکوۃ کا خطرہ ہو تو وہ ان اونٹوں کو اتنے ہی اونٹوں کے عوض یا بکریوں کے عوض یا گائیوں کے عوض یا دراہم کے عوض سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے فروخت کر دے تا کہ اس حیلہ سے وہ زکوۃ سے فرار ہو جائے تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے اونٹوں کی زکوۃ سال پورا ہونے سے ایک دن پہلے یا ایک سال پہلے دے دی تو یہ جائز ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۰۲، ۲۳۷۸، ۳۰۷۳، ۶۹۵۸، صحیح مسلم: ۱۸۳۱، سنن نسائی: ۲۴۴۸، سنن ابوداؤد: ۱۶۵۸، مسند احمد: ۹۲۱۹)

صحیح البخاری: ۶۹۵۷۔ ۶۹۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض شارحین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے ''بعض الناس'' کے لفظ سے امام ابوحنیفہ کو مراد لیا ہے اور ان کا ارادہ امام ابوحنیفہ کے اقوال میں تناقض ثابت کر کے ان پر طعن کرنا ہے، یعنی جب سال پورا ہونے سے پہلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ کو ادا کرنا جائز ہے تو سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ کیسے ساقط ہوگی؟

اور صاحب التلویح نے کہا ہے: امام بخاری نے جو امام ابوحنیفہ کو الزام دیا ہے، وہ تناقض نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ کو واجب قرار نہیں دیتے، اور جو پہلے زکوٰۃ ادا کردے وہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اپنے میعادی قرض کو پہلے ادا کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۵۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اقْضِهِ عَنْهَا وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِذَا بَلَغَتِ الْإِبِلُ عِشْرِينَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ فَإِنْ وَهَبَهَا قَبْلَ الْحَوْلِ أَوْ بَاعَهَا فِرَارًا وَاحْتِيَالًا لِإِسْقَاطِ الزَّكَاةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ إِنْ أَتْلَفَهَا فَمَاتَ فَلَا شَيْءَ فِي مَالِهِ۔

۶۹۵۹۔ امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ الانصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ان کی ماں نے ایک نذر مانی تھی اور وہ اس نذر کی ادائیگی سے پہلے فوت ہوگئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان کی طرف سے نذر کو ادا کردو۔

اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے کہ جب کسی کے پاس بیس (۲۰) اونٹ ہوں تو اس میں چار بکریاں زکوٰۃ میں دینا واجب ہیں، پس اگر اس نے سال پورا ہونے سے پہلے بکریاں کسی کو ہبہ کردیں یا فروخت کردیں تاکہ زکوٰۃ سے فرار ہو اور زکوٰۃ کو ساقط کرنے کا حیلہ کرے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے، اور اسی طرح اگر اس نے وہ بکریاں ضائع کردیں پھر وہ مر گیا تو اس کے مال میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۱۷۶۱، ۲۷۶۱، ۶۶۹۸، ۶۹۵۹، صحیح مسلم: ۱۶۳۸، سنن ترمذی: ۱۵۴۶، سنن نسائی: ۳۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۳۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۱۳۲، مسند احمد: ۳۰۴۰، موطا امام مالک: ۱۰۲۵)

صحیح البخاری: ۶۹۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت علامہ المہلب کے کلام سے تعسف کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ علامہ المہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زکوٰۃ نہ حیلہ سے ساقط ہوتی ہے اور نہ موت سے ساقط ہوتی ہے، کیونکہ جب نذر موت سے ساقط نہیں ہوتی اور زکوٰۃ نذر سے زیادہ موکد ہے تو وہ بھی ساقط نہیں ہوگی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

علامہ المہلب کے اس کلام میں ظاہر اعتراض ہے، رہی حدیث تو وہ زکوٰۃ کے حکم پر دلالت نہیں کرتی نہ زکوٰۃ کے سقوط پر اور نہ زکوٰۃ کے عدمِ سقوط پر۔ اور رہا موت سے نذر کے ساقط نہ ہونے پر زکوٰۃ کو قیاس کرنا تو یہ غیر صحیح ہے، کیونکہ نذر کسی ایک شخص کی وجہ سے حق معین ہے اور زکوٰۃ اللہ کا حق ہے اور فقراء کا حق ہے، پس زکوٰۃ میں اور نذر میں کونسا جامع ہے؟ علاوہ ازیں یہ حدیث اور اس سے پہلے کی دو حدیثیں باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے کہ جب کسی کے پاس بیس (۲۰) اونٹ ہوں تو اس میں چار بکریاں زکوٰۃ میں دینا واجب ہیں، پس اگر اس نے سال پورا ہونے سے پہلے بکریاں کسی کو ہبہ کر دیں یا فروخت کر دیں تا کہ زکوٰۃ سے فرار ہو اور زکوٰۃ کو ساقط کرنے کا حیلہ کرے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے، اور اسی طرح اگر اس نے وہ بکریاں ضائع کر دیں پھر وہ مر گیا تو اس کے مال میں سے کوئی چیز واجب نہیں ہوگی''۔

اس تعلیق میں امام بخاری نے بعض لوگوں سے یا امام ابوحنیفہ کا ارادہ کیا ہے یا فقہاء احناف کا، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، اور اس کا جواب اسی طرح ہے جیسے اس سے پہلے امام بخاری کے دو اعتراضوں کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ فقہاء احناف نے صرف یہ کہا ہے کہ ان تین صورتوں کے اوپر اس شخص پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، کیونکہ جب اس شخص نے سال پورا ہونے سے پہلے اونٹوں کو اپنی ملکیت سے نکال دیا تو کہاں سے اس کے اوپر کوئی چیز واجب ہو جائے گی، لہٰذا امام ابوحنیفہ پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو امام بخاری نے وارد کیا ہے، لہٰذا ان جوابات کو دوبارہ ذکر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور امام بخاری نے اپنے اعتراض کو متفرق طور پر ذکر کیا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے ان اعتراضات کو مکرر اس لیے ذکر کیا ہے تا کہ امام ابوحنیفہ پر زیادہ تشنیع ہو اور ان تین حدیثوں سے امام ابوحنیفہ کی مخالفت ظاہر ہو۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: عظیم مجتہدین کے اوپر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کا جو مذہب ہے اس سے ان کی اس باب کی احادیث سے مخالفت لازم نہیں آتی جیسا کہ تم نے دیکھ لیا ہے۔ اور جس کو کلام میں باریک بینی کا ملکہ حاصل ہو وہ اس

... اس کے لیے حق باطل سے واضح ہو جائے گا اور صحیح خطا سے، اور اللہ تعالیٰ ہی عصمت اور توفیق کا ولی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۹۔۱۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۵۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حیلہ کے متعلق امام شافعی اور امام محمد کا مناظرہ

امام ابو حفص الکبیر جو ''کتاب الحِیَل'' کے راوی ہیں وہ از محمد بن الحسن روایت کرتے ہیں کہ امام محمد بن حسن شیبانی نے کہا کہ مسلمان حرام سے بچنے کے لیے جو حیلہ کرے یا حلال تک پہنچنے کے لیے جو حیلہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسا حیلہ کرے جس سے کسی حق کو باطل کرے، یا کسی باطل کو حق قرار دے، یا کسی کے حق میں کوئی شبہ پیدا کرے تو وہ حیلہ مکروہ ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک مکروہ حرام سے زیادہ قریب ہے۔

اور امام شافعی نے ذکر کیا ہے کہ ان کا امام محمد سے اس میں مناظرہ ہوا کہ ایک عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی تھی اور اس کا خاوند اس عورت کو چھوڑنے سے انکار کرتا تھا تو اس عورت نے اپنے خاوند کے بیٹے کو اپنے نفس پر دخول کا موقع دیا، کیونکہ اب وہ عورت ان کے نزدیک اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی، کیونکہ فقہاء احناف کا قول ہے کہ حرمت مصاہرت زنا سے ثابت ہو جاتی ہے۔

امام شافعی نے کہا: میں نے امام محمد سے کہا: زنا حلال کو حرام نہیں کرتا، کیونکہ زنا اس کی ضد ہے اور کسی چیز کی ضد سے اس چیز پر قیاس نہیں ہو سکتا، تو امام محمد نے کہا: ان دونوں کو جماع جمع کر لیتا ہے، پس میں نے کہا: ان دونوں کے درمیان فرق ہے، اول یعنی بیع کا شوہر سے جماع کرنا تو وہ ایک مستحسن کام ہے اور اس نے اپنی فرج کی حفاظت کی ہے اور دوسرا کام یعنی زنا اس کی مذمت ہے اور اس زنا کی بناء پر اس پر رجم واجب ہے، اور آپ کے قول پر یہ لازم آئے گا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں جب وہ زنا کر لے تو اپنے شوہر کے لیے حلال ہو جائے اور یہ لازم آئے گا کہ جب کسی شخص کی چار بیویاں ہوں، پس وہ کسی پانچویں عورت سے زنا کر لے تو ان چار میں سے ایک اس پر حرام ہو جائے گی۔۔۔۔ آخر مناظرہ تک۔

امام بخاری نے جو عنوان میں یہ کہا ہے کہ ''اگر اس نے ان اونٹوں کو ہلاک کر دیا''، اس پر یہ اعتراض ہے کہ ہلاک کرنا تو حیلوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو مال کو ضائع کرنا ہے، کیونکہ حیلہ یا تو ضرر کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے یا منفعت کے حصول کے لیے ہوتا ہے، اور ان میں سے کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے، اور میرے لیے یہ ظاہر ہوا کہ وہ دونوں تین سال کی اونٹنیوں کو مثلاً ذبح کر دے اور ان کے گوشت سے فائدہ اٹھائے تو اس سے ان دو اونٹنیوں کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابُ: اَلْحِيلَةِ فِي النِّكَاحِ

نکاح میں حیلہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں نکاح میں حیلہ کے ترک کرنے کا بیان ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ قُلْتُ لِنَافِعٍ مَا الشِّغَارُ قَالَ يَنْكِحُ ابْنَةَ الرَّجُلِ وَيُنْكِحُهُ ابْنَتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ وَيَنْكِحُ أُخْتَ الرَّجُلِ وَيُنْكِحُهُ أُخْتَهُ بِغَيْرِ صَدَاقٍ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ احْتَالَ حَتَّى تَزَوَّجَ عَلَى الشِّغَارِ فَهُوَ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَقَالَ فِي الْمُتْعَةِ النِّكَاحُ فَاسِدٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمُتْعَةُ وَالشِّغَارُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے، میں نے نافع سے پوچھا: شغار کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: ایک شخص کسی مرد کی بیٹی سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے کردے، اور ایک شخص کسی مرد کی بہن سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ اپنی بہن کا نکاح بغیر مہر کے کردے۔

اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے: اگر کسی شخص نے حیلہ کیا حتیٰ کہ شغار پر نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے۔

اور انہوں نے ''المتعة'' میں کہا: نکاح فاسد ہے اور شرط باطل ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا: ''المتعة'' اور ''الشغار'' دونوں جائز ہیں اور شرط باطل ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۱۲، ۶۹۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۲۴، سنن نسائی: ۳۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۴، سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۳، مسند احمد: ۴۶۷۸، موطا امام مالک: ۱۱۳۴، سنن دارمی: ۲۱۸۰)

صحیح البخاری: ۶۹۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

یہاں پر یہ اعتراض ہے کہ باب کے عنوان میں اور حدیث میں بالکل مطابقت نہیں ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ امام بخاری کا ''الشغار'' کو ''باب الحیلة فی النکاح'' کے باب میں داخل کرنا مشکل ہے، کیونکہ جو ''نکاحِ شغار'' کے جواز کا قائل ہے، وہ کہے گا کہ ''شغار'' باطل ہے اور ''مہرِ مثل'' واجب ہے۔ (یعنی نکاحِ شغار میں ایک شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح بغیر مہر کے کیا اور اس کے بدلہ میں اس شخص کی بیٹی کو اپنے نکاح میں بغیر مہر کے لیا تو اب فریقین کا بغیر مہر کی شرط کو رکھنا باطل ہے اور دونوں کے لیے مہرِ مثل واجب ہوگا)۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبیداللہ، یہ تصغیر ہے اور یہ ابن عمر العمری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ حدیث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے اور اس کی وہاں شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا ہے: اگر کسی شخص نے حیلہ کیا حتیٰ کہ شغار پر نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے''۔

بعض لوگوں سے مراد فقہاء احناف ہیں، جیسا کہ شارحین نے کہا ہے کہ جس جگہ بھی امام بخاری ''بعض الناس'' کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد فقہاء احناف ہوتی ہے یا فقط امام ابوحنیفہ ان کی مراد ہوتے ہیں۔

اور امام بخاری کا یہ اعتراض فقہاء احناف پر وارد نہیں ہوتا، کیونکہ فقہاء احناف نے کہا ہے کہ یہ دونوں عقد صحیح ہیں، یعنی کسی شخص نے دوسرے مرد کی بیٹی سے نکاح کیا اور اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اس شخص سے کیا، سو یہ دونوں عقد صحیح ہیں اور دونوں نکاحوں میں مہر مثل واجب ہوگا، کیونکہ نکاح کا رکن اس کے اہل سے اور اس کے محل میں پایا گیا، اور حدیث میں ممانعت اس وجہ سے ہے کہ عقد بغیر مہر کے ہو اور جو عقد بغیر مہر کے ہو وہ ایسا ہے گویا خمر کے عوض میں عقد کیا گیا۔

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا ہے: ''اگر وہ یہ حیلہ کریں''۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ فقہاء احناف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ شغار میں حیلہ کرتے ہیں، انہوں نے صرف یہ کہا ہے کہ نکاح شغار کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد یہ کہے: میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرتا ہوں، اس شرط پر کہ تم میرے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح یا اپنی بہن کا نکاح کردو۔ پس دونوں عقدوں میں سے ایک عقد، دوسرے عقد کا عوض ہوگا، لہٰذا دونوں عقد جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو مہر مثل ادا کرنا ہوگا۔

اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ ظاہر حدیث کی بناء پر نکاح شغار باطل ہے۔

حدیث مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور انہوں نے ''المتعة'' میں کہا: نکاح فاسد ہے اور شرط باطل ہے''۔

یعنی بعض لوگوں نے نکاح المتعة میں کہا ہے کہ نکاح متعہ فاسد ہے اور شرط باطل ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت اس شرط کے ساتھ نکاح کرے کہ مرد چند ایام تک اس عورت سے تمتع (لذت) حاصل کرے، پھر مرد اس عورت کا راستہ چھوڑ دے، اسی طرح علامہ کرمانی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک متعہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہے ''مجھے تم اپنے نفس سے تمتع (لذت) حاصل کرنے دو'' یا کہے: ''میں تم سے مدت معلومہ تک تمتع (لذت) حاصل کروں گا'' خواہ مدت لمبی ہو یا کم ہو، پس عورت جواب میں

کہے "میں نے تم کو اپنا نفس تمتع (حصولِ لذت) کے لیے دیا" اور ایجاب اور قبول میں تمتع کا لفظ ضروری ہے، اور اس پر اجماع ہے۔

حدیث مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: "اور بعض لوگوں نے کہا: "المتعة" اور "الشغار" دونوں جائز ہیں اور شرط باطل ہے"۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: میں نے شارحین میں سے کسی کو نہیں دیکھا جس نے بیان کیا ہو کہ یہ بعض کون لوگ ہیں، اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے: اس سے مراد بعض اصحاب ابوحنیفہ ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اصحاب ابوحنیفہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا۔

اور بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: گویا کہ امام بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام زفر سے منقول ہے کہ انہوں نے نکاحِ موقت کی اجازت دی ہے اور شرط کو لغو قرار دیا ہے (یعنی کسی مرد نے کسی عورت سے چار دن کے لیے نکاح کیا تو چار دن کی شرط لگانا شرطِ فاسد ہے) کیونکہ یہ شرط فاسد ہے اور نکاح شروطِ فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ (حافظ ابن حجر کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ امام زُفر کا مذہب اس طرح نہیں ہے، بلکہ امام زُفر کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے مدتِ معلومہ تک کے لیے نکاح کرے، پس نکاح صحیح ہے اور لازم ہے اور مدتِ معلومہ کی شرط باطل ہے، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۶۹۔ ۱۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنِ الْحَسَنِ وَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا أَنَّ عَلِيًّا رضی اللّٰه عنهُ قِيلَ لَهُ إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَا يَرَى بِمُتْعَةِ النِّسَاءِ بَأْسًا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ احْتَالَ حَتَّى تَمَتَّعَ فَالنِّكَاحُ فَاسِدٌ وَقَالَ بَعْضُهُمُ النِّكَاحُ جَائِزٌ وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن عمر، انہوں نے کہا: ہمیں الزہری نے حدیث بیان کی از الحسن اور عبد اللہ بن محمد بن علی از ان کے والد، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عورتوں کے ساتھ مُتعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن مُتعہ کرنے سے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا۔

اور بعض لوگوں (فقہاء احناف) نے کہا ہے: اگر کسی نے حیلہ کیا حتیٰ کہ مُتعہ کر لیا تو نکاح فاسد ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۱۶، ۵۱۱۵، ۵۵۲۳، ۶۹۶۱، صحیح مسلم: ۱۴۰۷، سنن ترمذی: ۱۷۹۴، سنن نسائی: ۳۳۶۶، سنن ابن ماجہ: ۱۹۶۱، مسند احمد: ۱۲۰۷، موطا امام مالک: ۱۱۵۱، سنن دارمی: ۱۹۹۰)

صحیح البخاری: ۶۹۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بھی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ اس حدیث میں مُتعہ میں حیلہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور متعہ کی صورت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، اور وہ القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبید اللہ بن عمر، وہ العمری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن علی، وہ ابن الحنفیہ کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے علی، اور وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور بعض لوگوں (فقہاء احناف) نے کہا ہے: اگر کسی نے حیلہ کیا حتیٰ کہ مُتعہ کر لیا تو نکاح فاسد ہے''۔

اس تعلیق کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی مناسبت نہیں ہے، کیونکہ مُتعہ کے بُطلان پر تمام فقہاء کا اجماع ہے، اور امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا: ''اگر اس نے حیلہ کیا''، اس کا مُتعہ میں کوئی دخل نہیں ہے، اور امام بخاری نے اس کو صرف اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ بغیر دلیل کے فقہاء احناف پر طعن و تشنیع کریں۔

حدیث مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے: ''اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے''۔

بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ امام زُفر کا قول ہے، اور اس طرح نہیں ہے۔ اور ہم اس سے پہلے امام زُفر کے قول کو بیان کر چکے ہیں۔ فافہم۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۶۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاحِ شغار کے متعلق فقہاء کے اقوال

امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاحِ شغار اس وجہ سے فاسد ہے کہ اس میں مہر نہیں ہوتا اور علماء میں سے کسی کے نزدیک بھی ایک عورت کی فرج دوسری عورت کی فرج کا معاوضہ نہیں ہوتی، مگر امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ یہ نکاح منعقد ہے اور مہرِ مثل مقرر کرنے سے اس نکاح کی اصلاح ہو جائے گی، کیونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر کے ذکر کے بغیر بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے بخلاف بیع کے کہ

وہ ثمن کے ذکر کے بغیر منعقد نہیں ہوتی، پھر بعد میں مہر کا ذکر کر دیا جائے تو نکاح صحیح ہو جاتا ہے، پس جب ان کے نزدیک مہر کے ذکر کے بغیر بھی نکاح ہو جاتا ہے تو جب ایک کی فرج کو دوسری فرج کا معاوضہ قرار دیا جائے تو گویا کہ یہ نکاح بغیر مہر کے منعقد ہوا۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو نکاح مہر کی وجہ سے فاسد ہوا ہو وہ نکاح ان کے نزدیک پہلے یا بعد منسوخ نہیں ہوتا، اور مہر مثل سے اس نکاح کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نکاحِ شغار دخول سے پہلے اور دخول کے بعد فسخ ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو اس حدیث پر محمول کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار کو حرام قرار دیا ہے، مگر امام شافعی اور امام مالک کا اس میں اختلاف ہے کہ جب نکاحِ شغار میں دراہم کا ذکر کیا جائے۔

امام مالک نے کہا: اگر دو نکاحوں میں سے ایک نکاح کے ساتھ دراہم کی تعیین کی گئی تو جس نکاح کے ساتھ دراہم کی تعیین کی گئی ہے وہ صحیح ہوگا اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور امام شافعی نے کہا: اگر دو نکاحوں میں سے ایک نکاح کے ساتھ دراہم کی تعیین کی گئی ہے تو دونوں نکاح صحیح ہو جائیں گے اور جس عورت کے نکاح کے ساتھ مہر میں دراہم کی تعیین کی گئی اس کو اتنے دراہم ملیں گے اور جس عورت کے نکاح میں دراہم کی تعیین نہیں کی گئی، اس کو مہرِ مثل ملے گا۔

امام بخاری کا بعض فقہاء احناف پر اعتراض

رہا امام بخاری کا یہ کہنا "فی المتعة" تو تمام شہروں کے فقہاء کے نزدیک نکاح المتعہ کسی حال میں جائز نہیں ہے، اور بعض اصحاب ابوحنیفہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ متعہ اور شغار جائز ہیں اور شرط باطل ہے، کیونکہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے مطلقاً منع فرما دیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے۔ اور نکاح المتعہ کا فساد اس وجہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لیے متعہ کو حرام فرما دیا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ بدر الدین عینی حنفی نے امام بخاری کے اعتراض کا کافی اور شافی جواب لکھ دیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ فقہاء احناف المتعہ کو کسی حال میں جائز نہیں قرار دیتے، اور نکاحِ شغار کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح ہے اور شرط باطل ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۵۔ بَابٌ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الِاحْتِيَالِ فِي الْبُيُوعِ وَلَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَإِ

خرید و فروخت میں حیلہ کرنا مکروہ ہے، اور فاضل پانی دینے سے منع نہ کیا جائے تا کہ اس کی وجہ سے فاضل گھاس کی پیداوار سے منع کیا جائے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خرید و فروخت میں حیلہ کرنا مکروہ ہے، اور امام بخاری نے اس کے متعلق کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یہ اس قبیل سے ہے جس میں باب کا عنوان قائم کیا گیا اور حدیث عنوان کے ساتھ نہیں ملائی گئی، اور یہ صحیح البخاری میں اکثر ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ جب امام بخاری کو اس باب کے عنوان کے متعلق حدیث نہیں ملی تو ان کا اس عنوان کو ترک کر دینا ہی زیادہ مناسب تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۰-۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۲- حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ فَضْلُ الْكَلَإِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از ابوالزناد از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاضل پانی سے منع نہ کیا جائے تا کہ اس سے فاضل گھاس کی پیداوار کو منع کیا جائے۔

(صحیح البخاری: ۲۳۵۳، ۲۵۷۱، ۵۶۱۲، ۵۶۱۹، صحیح مسلم: ۲۰۲۹، سنن ترمذی: ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد: ۳۷۲۶، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۱۲۶۲۶، موطا امام مالک: ۱۷۲۳، سنن دارمی: ۲۱۱۶)

صحیح البخاری: ۶۹۶۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے دوسرے جزء کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ دوسرے جزو کا عنوان بعینہ حدیث میں مذکور ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث کا کتاب الحیل کے ساتھ کیسے تعلق ہوگا جب کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو گھاس مباح ہے اور جس میں سب لوگ مشترک ہیں اس کی پیداوار کو بچایا جائے، پس پانی کی حفاظت کو گھاس کی حفاظت کے لیے حیلہ بنایا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالزناد، یہ عبداللہ بن ذکوان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الاعرج کا ذکر ہے، یہ عبدالرحمن بن ہُرمز ہیں۔

یہ حدیث کتاب الشرب میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لایُمنع" یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی ضرورت سے زائد پانی کو کسی وجہ سے بھی روکا نہ جائے، کیونکہ جب دوسرے کے سبب سے پانی سے منع نہیں کیا جائے گا تو زمین والے کے اپنے سبب سے بطریق اولیٰ پانی کو منع نہیں کیا جائے گا، اور اس میں کہا ہے چہ جائیکہ، اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب کنویں والے کی ضرورت سے زیادہ پانی نہ ہو تو پھر کنویں والے کے لیے

پانی سے روکنا جائز ہے، اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی کا کنواں ہے اور اس کے اردگرد مباح گھاس ہے جس کو چرایا جاتا ہے، پس وہ آدمی یہ ارادہ کرتا ہے کہ اس گھاس کو اپنے ساتھ مخصوص کرلے تو وہ اپنے کنویں کے زائد پانی کو دینے سے منع کرتا ہے کہ وہ دوسروں کے جانوروں کو پانی پینے سے لوٹائے اور اس کو اس پانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے جس سے وہ منع کر رہا ہے، اس کو تو گھاس کی ضرورت ہے اور وہ گھاس کے روکنے سے منع نہیں کرسکتا، کیونکہ گھاس کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، تو پس پانی سے منع کرتا ہے تا کہ اس کے لیے گھاس کی پیداوار زیادہ ہو۔ اور شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ کنویں کا مالک ضرورت سے زائد پانی سے نہ روکے تا کہ وہ گھاس کی پیداوار کو روکنے کا ذریعہ بنے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۶۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ضرورت سے زائد پانی اور نجش کی ممانعت کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کرے تا کہ وہ اس کی وجہ سے فاضل گھاس سے روکے"۔ جب کنویں کے مالک نے یہ ارادہ کیا کہ اس کے کنویں کے گرد جو گھاس ہے اور وہاں پر پانی پینے کے لیے جانور آتے ہیں اور اس کو اس منع کیے ہوئے پانی کی ضرورت نہیں ہے، اس کی ضرورت یہ ہے کہ وہ گھاس میں دوسرے جانوروں کو چرنے سے منع کرے تو اس نے اس کا یہ حیلہ کیا کہ پانی سے روک دیا، کیونکہ گھاس اور زمین کی پیداوار جو چراگاہوں میں ہوتی ہے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، مباح ہوتی ہے تو اس کو منع کرنا جائز نہیں ہے۔

اور اس میں ایک اور معنی بھی ہے، اور کبھی حدیث کے معانی میں سے ایک معنی کو خاص کرلیا جاتا ہے اور دوسرے معنی سے سکوت کیا جاتا ہے، کیونکہ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ ضرورت سے زائد پانی سے منع نہ کیا جائے مگر جب وہ گھاس سے منع کرنے کا ارادہ کرے تو پھر ضرورت سے زائد پانی کو لینے سے منع کرے۔ اور اگر وہ زائد پانی کو روکنے سے گھاس کو منع کرنے کا ارادہ نہ کرے تو پھر اس کو پانی کے روکنے سے منع نہیں کیا جائے گا، اور حدیث کا معنی یہ ہے کہ ضرورت سے زائد پانی کو کسی وجہ سے بھی لینے سے منع نہ کیا جائے، کیونکہ جب دوسرے کے سبب سے منع نہیں کیا جائے گا تو زیادہ لائق ہے کہ اس کے اپنے سبب سے بھی منع نہ کیا جائے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فاضل اور ضرورت سے زائد پانی فرمایا ہے، کیونکہ اگر کنویں والے کی ضرورت سے زیادہ پانی نہ ہو تو پھر کنویں کے مالک کے لیے اس پانی کو لینے سے منع کرنا جائز ہے۔

اور اسی طرح نجش بھی ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی سودے میں قیمت دے اور اس کے دل میں اس سودے کو خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور وہ قیمت صرف اس لیے دے کہ دوسرا آدمی اس کی اتباع کر کے اس کو خریدلے اور اس سے زیادہ قیمت ادا کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، کیونکہ یہ بھی قیمت کو بڑھانے کا ایک حیلہ ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

٦۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّنَاجُشِ

تناجش کے مکروہ ہونے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تناجش مکروہ ہے، تناجش کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص کسی چیز کی قیمت زیادہ ڈالے اور اس کو اس چیز کے خریدنے کی ضرورت نہ ہو، وہ دوسرے آدمی کو اس چیز کے خریدنے میں راغب کرنے کے لیے اس کی قیمت بڑھائے، اور یہ بھی قیمت بڑھانے کا ایک حیلہ ہے۔ اور اس باب کے عنوان میں جو تناجش کو مکروہ کہا ہے، اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ١٧١، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٦٩٦٣۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ النَّجْشِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی از مالک از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ٢١٤٢، ٦٩٦٣، صحیح مسلم: ١٥١٦، سنن نسائی: ٤٥٠٥، سنن ابن ماجہ: ٢١٧٣، مسند احمد: ٦٤١٥، موطا امام مالک: ١٣٩٢)

صحیح البخاری: ٦٩٦٣، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ عنوان میں نجش کو مکروہ کہا ہے اور اس حدیث میں نجش کی ممانعت ہے۔ اور اس حدیث کو کتاب الحیل میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ نجش کے ذریعہ دوسرے آدمی کو ضرر پہنچانے کا حیلہ ہے۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں گزر چکی ہے اور اس کی شرح وہاں کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ١٧١، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٧۔ بَابُ: مَا يُنْهَى مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبُيُوعِ

خرید و فروخت میں دھوکا دینے کی ممانعت

وَقَالَ أَيُّوبُ: يُخَادِعُونَ اللهَ كَأَنَّمَا يُخَادِعُونَ آدَمِيًّا، لَوْ أَتَوُا الْأَمْرَ عِيَانًا كَانَ أَهْوَنَ عَلَيَّ۔

اور ایوب نے کہا: وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں جس طرح آدمی کو دھوکا دیتے ہیں، اور اگر وہ کھلم کھلا زائد قیمت لے لیں تو میرے نزدیک یہ زیادہ آسان ہے۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں دھوکا دینے سے ممانعت کی حدیث کو بیان کیا گیا ہے۔

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں ایوب کا ذکر ہے، اور یہ السختیانی ہیں۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "کما یخادعون" اور ایک روایت میں ہے "کانما یخادعون" گویا کہ وہ آدمی کو دھوکا دیتے ہیں۔

امام بخاری نے اس تعلیق میں کہا "عیانا" علامہ کرمانی نے کہا: اگر وہ ان امور کو جان لیتے بایں طور کہ اصل قیمت سے کھلا زائد لینا بغیر تدلیس کے یہ جائز ہے تو یہ زیادہ آسان ہوتا، کیونکہ اس صورت میں دین کو آلہ نہ بنایا جاتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۴۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے نبی ﷺ سے ذکر کیا کہ اس کو خریدنے میں دھوکا دیا جاتا ہے، تو آپ نے فرمایا: جب تم کوئی چیز خریدو تو کہہ دو: دھوکا نہ ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۱۱۷، ۲۴۰۷، ۲۴۱۴، ۶۹۶۴، صحیح مسلم: ۱۵۳۳، سنن نسائی: ۴۴۸۴، سنن ابوداؤد: ۳۵۰۰، مسند احمد: ۵۴۸۲، موطا امام مالک: ۱۳۹۳)

صحیح البخاری: ۶۹۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں دھوکا دینے سے منع کیا ہے اور حدیث میں بھی یہی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔

اس حدیث کی شرح کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ان رجلا" اس مرد کا نام حبان بن منقذ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لا خِلابة" علامہ المہلب نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے: مجھے تم دھوکا نہ دو، کیونکہ دھوکا دینا حلال نہیں

ہے۔اور انہوں نے کہا: سودے کی تعریف کرنا اور سودے کی تعریف میں لمبی چوڑی باتیں کرنا یہ دھوکے میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ اس سے درگزر کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بیع فسخ نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: مَا يُنْهَى مِنَ الْاِحْتِيَالِ لِلْوَلِيِّ فِي الْيَتِيمَةِ الْمَرْغُوبَةِ وَأَنْ لَا يُكَمِّلَ لَهَا صَدَاقَهَا

جس یتیم لڑکی سے اس کا قریب سرپرست نکاح کرنا چاہتا ہو تو وہ حیلہ کر کے اس کے مہر مثل سے کم رکھے تو ایسے حیلہ کی ممانعت

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر یتیمہ کا سرپرست اس سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہو لیکن حیلہ کر کے اس کا مہر، مہر مثل سے کم دینا چاہتا ہو تو اس سے منع کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كَانَ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۳) قَالَتْ هِيَ الْيَتِيمَةُ فِي حَجْرِ وَلِيِّهَا فَيَرْغَبُ فِي مَالِهَا وَجَمَالِهَا فَيُرِيدُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِأَدْنَى مِنْ سُنَّةِ نِسَائِهَا فَنُهُوا عَنْ نِكَاحِهِنَّ إِلَّا أَنْ يُقْسِطُوا لَهُنَّ فِي إِكْمَالِ الصَّدَاقِ ثُمَّ اسْتَفْتَى النَّاسُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعْدُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۱۲۷) فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو الیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: عروہ ان سے حدیث بیان کرتے تھے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق پوچھا:

''اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو''۔ (النساء: ۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: یہ وہ یتیمہ ہے جو اپنے سرپرست کے زیر پرورش ہوتی ہے، پس وہ سرپرست اس لڑکی کے مال اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس لڑکی کے ساتھ نکاح میں رغبت رکھتا ہو، پس یہ چاہتا ہو کہ وہ اس سے نکاح کرے اور جتنا اس جیسی عورتوں کو مہر دیا جاتا ہے، اس سے کم مہر مقرر کرے تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح سے منع کیا گیا ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ ان کے ساتھ انصاف کریں اور ان کو ان کا پورا مہر دیں۔ پھر اس کے بعد صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

''اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے

ہیں۔'' (النساء:۱۲۷)

توانہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۹۴، ۲۷۶۳، ۲۷۶۳، ۴۵۷۳، ۴۵۷۴، ۴۶۰۰، ۵۰۶۴، ۵۰۹۲، ۵۰۹۸، ۵۱۲۸، ۵۱۳۱، ۵۱۴۰، ۶۹۶۵، صحیح مسلم: ۳۰۱۸، سنن نسائی: ۳۳۴۶، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۸)

صحیح البخاری: ۶۹۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب مذکور کے عنوان کے خلاصہ کو اس حدیث میں جزو بنایا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔
یہ حدیث کتاب التفسیر میں سورۃ النساء کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی مفصل شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''بادنیٰ من سنة نسائها'' یعنی اس جیسی عورتوں کا جو مہر مقرر کیا جاتا ہے، وہ اس سے کم مہر مقرر کرنا چاہتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فذکر الحدیث'' یعنی باقی حدیث کا ذکر کیا، اور وہ یہ ہے کہ جب یتیم لڑکی خوبصورت اور مال دار ہو اور لوگ اس کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہوں تو ان سے نکاح اس وقت کیا جائے جب ان کا مہر پورا دیا جائے، اور جب اس کی خوبصورتی اور مال کم ہو تو پھر وہ اس عورت کو چھوڑ دیں اور کسی دوسری عورت سے نکاح کر لیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ:

إِذَا غَصَبَ جَارِيَةً فَزَعَمَ أَنَّهَا مَاتَتْ فَقُضِيَ بِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ الْمَيِّتَةِ ثُمَّ وَجَدَهَا صَاحِبُهَا فَهِيَ لَهُ وَيَرُدُّ الْقِيمَةَ وَلَا تَكُونُ الْقِيمَةُ ثَمَنًا۔

باب

جب کسی شخص نے کسی کی باندی کو غصب کر لیا، پھر غاصب نے یہ کہا کہ وہ باندی مر گئی تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ غاصب اس مردہ باندی کی قیمت ادا کرے، پھر اس باندی کے مالک کو وہ باندی مل گئی تو وہ باندی اس مالک کی ہوگی اور غاصب سے جو قیمت وصول کی تھی وہ اس کو واپس کی جائے گی اور وہ قیمت اس باندی کی ثمن نہیں ہوگی۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا یہ عنوان ہے کہ جب کسی مرد نے کسی شخص کی باندی کو غصب کرلیا یعنی اس سے جبراً چھین لیا، پس جب اس مغصوب نے غاصب کے خلاف دعویٰ کیا تو غاصب نے کہا: وہ باندی مرگئی تو اس کے خلاف فیصلہ کیا گیا یعنی حاکم نے یہ فیصلہ کیا کہ جس باندی کے متعلق غاصب نے یہ کہا ہے کہ وہ مرگئی ہے، اس کی قیمت مغصوب کو ادا کرے، پھر باندی کے مالک کو وہ باندی مل گئی جو غصب کی گئی تھی تو وہ باندی اس مالک کی ہی ہوگی۔ اور جس رقم کی ادائیگی کا غاصب کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا وہ رقم اس باندی کی قیمت نہیں ہوگی، کیونکہ یہ بیع نہیں ہے، اس نے یہ رقم اس لیے لی تھی کہ اس کا زعم یہ تھا کہ وہ باندی ہلاک ہوگئی ہے اور جب یہ زعم زائل ہوگیا تو پھر اصل کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ الْجَارِيَةُ لِلْغَاصِبِ لِأَخْذِهِ الْقِيمَةَ وَفِي هَذَا احْتِيَالٌ لِمَنِ اشْتَهَى جَارِيَةَ رَجُلٍ لَا يَبِيعُهَا فَغَصَبَهَا وَاعْتَلَّ بِأَنَّهَا مَاتَتْ حَتَّى يَأْخُذَ رَبُّهَا قِيمَتَهَا فَيَطِيبُ لِلْغَاصِبِ جَارِيَةَ غَيْرِهِ۔

اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے یہ کہا ہے کہ وہ باندی غاصب کی قرار پائے گی، کیونکہ غاصب سے اس باندی کی قیمت وصول کی گئی ہے، اور اس میں یہ حیلہ ہے کہ جو شخص کسی مرد کی باندی کو رکھنا پسند کرے اور جس کی باندی ہے وہ اس باندی کو فروخت نہ کرتا ہو تو وہ اس کی باندی کو چھین لے اور یہ بہانہ کرے کہ وہ باندی مرگئی ہے حتیٰ کہ اس باندی کا مالک اس سے اس باندی کی قیمت وصول کرلے، پھر اس حیلہ سے غاصب کے لیے دوسرے کی باندی کو رکھنا جائز ہو جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

بعض لوگوں سے امام بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ ہیں، اور یہاں اس باب کے ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ یہ اس کا مقام نہیں ہے، اور امام بخاری نے اس تعلیق کو یہاں ذکر کرکے فقہاء احناف پر طعن و تشنیع کا ارادہ کیا ہے، اور یہ مشائخ کا طریقہ محمودہ نہیں ہے۔

بابِ مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمْوَالُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ وَلِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: تمہارے اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں۔ اور ہر دھوکا دینے والے کے لیے قیامت کے دن ایک

جھنڈا ہوگا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ دو حدیثیں ہیں جو مختلف سندوں کے ساتھ مذکور ہیں، امام بخاری نے ان حدیثوں کو اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے اور یہ دونوں حدیثیں امام بخاری کے دعویٰ پر دلالت نہیں کرتیں۔

رہی پہلی حدیث تو اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اموال ایک دوسرے پر حرام ہیں جب کہ باہمی رضامندی نہ پائی جائے، اور یہاں پر باہمی رضامندی پائی گئی ہے کیونکہ مالک نے غاصب سے قیمت وصول کر لی ہے۔

رہی دوسری حدیث تو لغت میں غاصب کے لیے غادر نہیں کہا جاتا، کیونکہ غدر کا معنی ہے: وعدہ پورا نہ کرنا، عہد شکنی کرنا اور غصب کا معنی ہے: کسی چیز کو جبراً اور ظلماً چھین لینا، اور جب غاصب نے یہ کہا کہ وہ باندی مر گئی تو اس نے جھوٹ بولا، پھر مالک نے اس باندی کی قیمت کو اپنی رضا سے وصول کر لیا، لہٰذا یہ حدیث امام بخاری کے موقف پر دلالت نہیں کرتی۔

اور پہلی حدیث کو امام بخاری نے کتاب الحج کے اواخر میں سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۳۔۱۷۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری اور فقہاء احناف کے نزدیک مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: بہ ظاہر یہ حیلہ صحیح نہیں ہے، ورنہ کسی شخص کے پاس کوئی نایاب چیز ہو جس کو وہ فروخت نہ کرنا چاہتا ہو تو دوسرا شخص اس سے اس چیز کو جبراً چھین لے اور جب اس کے خلاف مقدمہ ہو تو وہ جھوٹ بول کر کہہ دے کہ مجھ سے وہ چیز ضائع ہو گئی ہے اور میں اس کی قیمت بھر دیتا ہوں، اور مالک مجبوراً حاکم کے فیصلہ پر راضی ہو کر قیمت وصول کر لے اور بعد میں وہ غاصب یہ کہے کہ میں نے تو اس نایاب چیز کی قیمت ادا کر دی ہے، لہٰذا اب یہ چیز میری ہو گئی۔

اور یہ حیلہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ حیلہ تو گناہ سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے اور یہاں پر جو حیلہ کیا ہے وہ دوسرے کی چیز پر ناجائز قبضہ کرنے کے لیے کیا ہے اور جھوٹ بول کر اس کو دھوکا دیا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو گئی تا کہ حاکم کے فیصلہ کے مطابق وہ اس کی قیمت ادا کر دے اور بعد میں اس تاویل سے اس پر قبضہ کر لے کہ میں تو اس کی قیمت ادا کر چکا ہوں، تو جس طرح دوسروں کی چیزوں پر ناجائز قبضہ کرنا حرام ہے اسی طرح جھوٹ بول کر اور دھوکا دے کر ان کی چیزوں پر حیلہ سے قبضہ کرنا بھی حرام ہے، لہٰذا یہ حیلہ صحیح نہیں ہے اور امام بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ اس باندی کی قیمت جو غاصب سے لی گئی ہے وہ غاصب کو واپس کی جائے گی اور وہ قیمت اس باندی کا معاوضہ نہیں ہوگی، سو امام بخاری کا یہ قول صحیح ہے اور فقہاء احناف کا اس حیلہ کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے، میں نے اس معاملہ کو اسی طرح سمجھا ہے، اگر یہ واقع میں اسی طرح ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فیضان ہے ورنہ میری فکر کی غلطی ہے اور مطالعہ کی کمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۶۹۶۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد اللہ بن دینار از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم،

يُعْرَفُ بِهِ۔ (مسند احمد: ۵۹۴۳)

آپ نے فرمایا: ہر غادر کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کو پہچان لیا جائے گا۔

صحیح البخاری: ۶۹۶۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابونعیم کا ذکر ہے اور وہ الفضل بن دُکین ہیں، اور سفیان کا ذکر ہے، وہ سفیان ثوری ہیں۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۳۔ ۱۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۰۔ بَابٌ: باب

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کے نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے اور اس باب کا کوئی عنوان نہیں ہے، اور اس کی مثالیں پہلے بھی ذکر کی گئی ہیں، اور یہ باب بمنزلہ فصل ہے، امام نسفی اور الاسماعیلی نے اور ابن بطال نے اس کو حذف کر دیا ہے اور بالکل ذکر نہیں کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از ہشام از عروہ از حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہما از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: بے شک میں صرف بشر ہوں (یعنی خدا نہیں ہوں)، اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی حجت کو زیادہ چرب زبانی سے پیش کرے اور میں (بالفرض) اس کا کلام سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، سو میں جس شخص کے لیے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کروں تو وہ اس کو بالکل نہ لے، کیونکہ میں اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا دے رہا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۲۴۵۸، ۲۶۸۰، ۶۹۶۷، ۷۱۶۹، ۷۱۸۱، ۷۱۸۵، صحیح مسلم: ۱۷۱۳، سنن نسائی: ۵۴۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۳۱۷، مسند احمد: ۲۶۰۸۶، موطا امام مالک: ۱۴۲۴)

صحیح البخاری: ۶۹۶۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کا کوئی عنوان تو مذکور نہیں ہے لیکن اس حدیث کی کتاب الحیل کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے سے منع فرمایا ہے، اور اسے آگ کا ٹکڑا لینے کی مثل قرار دیا ہے، تو جب کسی شخص کو یہ معلوم ہو کہ نفس الامر میں یہ اس کا مال نہیں ہے تو وہ اس کو نہ لے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ثوری ہیں۔ اور ہشام کا ذکر ہے وہ ابن عروہ بن الزبیر ہیں۔ اور زینب کا ذکر ہے، وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہیں جو اپنی ماں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں، اور ان کی ماں کا نام ہند بنت ابی امیہ ہے۔
یہ حدیث کتاب المظالم میں از عبدالعزیز اور کتاب الشہادات میں از القعنبی گذر چکی ہے اور عنقریب کتاب الاحکام میں بھی آئے گی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انما انا بشر" یعنی (خدا نہ ہونے میں) میں تم میں سے کسی ایک کی مثل بشر ہوں اور نہ (از خود) غیب کو جانتا ہوں اور نہ (از خود) باطنی امور کو جانتا ہوں، جیسا کہ بشری حالت کا تقاضا ہوتا ہے، میں صرف ظاہر کے اعتبار سے فیصلہ کرتا ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض" یعنی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے موقف کو زیادہ چرب زبانی کے ساتھ پیش کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قطعة من النار" علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر میں بالفرض ظاہر کے اعتبار سے کسی اور کا حق دوسرے کو دے دوں تو اس پر وہ لینا حرام ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۵-۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۱- بَابٌ: فِي النِّكَاحِ — جو نکاح کے متعلق جھوٹی گواہی دے، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نکاح میں جھوٹی گواہی کا کیا حکم ہے، اور یہ عنقریب باب الحیلة فی النکاح میں گذر چکا ہے اور اس میں شغار اور المتعہ کا ذکر کیا تھا۔ اور اس باب کو یہاں پر ذکر کیا ہے تا کہ جھوٹی گواہی کے حکم کو بیان کیا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۶۸- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَلَا الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ فَقِيلَ يَا رَسُولَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسلم بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن کثیر نے حدیث بیان کی از ابی سلمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ

اللهِ كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ إِذَا سَكَتَتْ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنْ لَمْ تُسْتَأْذَنِ الْبِكْرُ وَلَمْ تَزَوَّجْ فَاحْتَالَ رَجُلٌ فَأَقَامَ شَاهِدَيْ زُورٍ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِرِضَاهَا فَأَثْبَتَ الْقَاضِي نِكَاحَهَا وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ أَنَّ الشَّهَادَةَ بَاطِلَةٌ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَطَأَهَا وَهُوَ تَزْوِيجٌ صَحِيحٌ۔

نے فرمایا: کنواری لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس سے اجازت طلب کر لی جائے، اور نہ بیوہ کا نکاح کیا جائے حتیٰ کہ وہ اپنے نکاح کا حکم دے، آپ سے پوچھا: گیا یا رسول اللہ! کنواری لڑکی کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا: جب وہ خاموش رہے۔
اور بعض لوگوں (امام ابوحنیفہ) نے کہا: جب کنواری لڑکی سے اجازت طلب نہیں کی گئی اور اس کا نکاح نہیں ہوا تو ایک مرد نے حیلہ کیا اس نے دو جھوٹے گواہ قائم کر دیے کہ اس مرد نے اس کنواری لڑکی سے اس کی مرضی سے نکاح کیا ہے، پس قاضی نے اس کے نکاح کو ثابت کر دیا اور شوہر جانتا تھا کہ یہ شہادت باطل تھی تو شوہر کے لیے اس لڑکی سے مباشرت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ نکاح صحیح ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۶، ۶۹۶۸، ۶۹۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶، مسند احمد: ۲۵۱۴۴)

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس تعلیق میں امام بخاری نے بعض لوگوں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مراد لیا ہے اور ان پر طعن و تشنیع کا ارادہ کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ کا یہاں ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "شاھدی زور" اور ایک روایت میں مذکور ہے "اس نے دو جھوٹے گواہ قائم کر دیئے"۔
اس تعلیق میں مذکور ہے "والزوج یعلم" اس میں واؤ بیانِ حال کے لیے ہے، اور امام ابوحنیفہ، امام مجتہد ہیں۔ انہوں نے بہت زیادہ صحابہ اور تابعین کو پایا، اور اس مسئلہ میں ایک اصل کے ساتھ کلام کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑے کو قطع کرنے کے لیے فیصلہ پر عمل کیا جائے، پس اگر قاضی کا فیصلہ جھوٹے گواہوں کے سبب سے باطناً نافذ نہ ہو تو یہ شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑا ڈالنے کی تمہید ہوگی اور ہمیں معلوم ہے کہ ایسی صورت میں شریعت میں فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ لعان کے ساتھ شوہر اور بیوی میں باطناً علیحدگی نافذ ہو جاتی ہے حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک یقینی طور پر جھوٹا ہوتا ہے، اور قاضی جب دو جھوٹے گواہوں کی بناء پر طلاق کا فیصلہ کر دے اور اس کو یہ علم نہ ہو کہ جس مرد کو اس نکاح کے باطل ہونے کا علم نہ ہو، اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور وہ اس پر بالاجماع حرام نہیں ہوگی۔
بعض طعن و تشنیع کرنے والوں نے یہ کہا ہے: یہ قیاس میں خطاء ہے، پھر انہوں نے اس کی یہ مثال دی کہ ائمہ کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ایک مرد نے اپنی بیٹی کے اوپر دو جھوٹے گواہ قائم کر دیئے کہ وہ اس کی باندی ہے اور حاکم نے

اس کے باندی ہونے کا فیصلہ کر دیا تو اس مرد کے لیے قاضی کے فیصلہ کے باوجود اپنی بیٹی سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، پس اسی طرح جب نکاح پر شہادت دی گئی اور وہ دونوں گواہ جھوٹے تھے تو یہ تحریم میں برابر ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ وہ قیاس ہے جس میں خطاء ظاہر ہے، اور جس کو ادراکِ مستقیم حاصل ہو وہ ان دونوں قیاسوں میں فرق کر لے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۵۔۱۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

جھوٹی گواہی سے کیے ہوئے نکاح کے متعلق فقہاء کے اقوال اور قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل

شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ، رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقود، فسوخ، نکاح، طلاق اور عتاق میں جھوٹے گواہوں سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے، پہلے امام ابو یوسف کی بھی یہی رائے تھی، امام ابو یوسف کے دوسرے قول اور امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک ان صورتوں میں قاضی کا فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوتا ہے، باطناً نافذ نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جب کسی شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور نکاح کے ثبوت میں دو جھوٹے گواہ پیش کر دیے اور قاضی نے نکاح کا فیصلہ کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز ہے، امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی تھا، البتہ امام ابو یوسف کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس شخص کے لیے اس عورت سے وطی کرنا جائز نہیں ہے، امام محمد اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابوحنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عدالت میں ایک شخص نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور اس کے ثبوت میں دو گواہ پیش کر دیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا فیصلہ کر دیا، اس عورت نے کہا: اے امیر المومنین! اگر اس نکاح کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر آپ میرا اس سے نکاح کر دیجئے، کیونکہ ہمارے درمیان نکاح نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، لیکن اس عورت نے زنا سے بچنے کے لیے عقدِ نکاح کا مطالبہ کیا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان نکاح کا مطالبہ اس لیے پورا نہیں کیا کہ اس کا خاوند راضی نہیں تھا، لیکن یہ غلط خیال ہے، کیونکہ اس کا خاوند نکاح پر راضی تھا اسی وجہ سے وہ نکاح کا دعویٰ کر رہا تھا، اور عورت بھی راضی تھی کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرا اس سے نکاح کر دیجئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ان کا نکاح کرنا آسان تھا، کیونکہ خاوند کو اس میں رغبت تھی، اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ نکاح نہیں کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ ان کے فیصلہ سے ان کا مقصود حاصل ہو گیا، اور یہ فرمایا کہ تمہارے گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا یعنی ان گواہوں نے تمہارے درمیان نکاح کا فیصلہ مجھ پر لازم کر دیا، لہٰذا اس فیصلہ سے نکاح ثابت ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ اس حکم کو عقل اور قیاس سے جاننا ممکن نہ تھا۔

(المبسوط ج ۱۶ ص ۱۸۰۔۱۸۴ ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۹۸ھ)

۶۹۶۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے

وَلَدِ جَعْفَرٍ تَخَوَّفَتْ أَنْ يُزَوِّجَهَا وَلِيُّهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَأَرْسَلَتْ إِلَى شَيْخَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَمُجَمِّعٍ ابْنَيْ جَارِيَةَ قَالَا فَلَا تَخْشَيْنَ فَإِنَّ خَنْسَاءَ بِنْتَ خِذَامٍ أَنْكَحَهَا أَبُوهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَرَدَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَلِكَ قَالَ سُفْيَانُ وَأَمَّا عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ عَنْ أَبِيهِ إِنَّ خَنْسَاءَ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی از القاسم، وہ بیان کرتے ہیں کہ جعفر کی اولاد میں سے ایک عورت کو یہ خوف ہوا کہ اس کا ولی اس کا نکاح کردے گا اور اس کو وہ نکاح ناپسند ہوگا، تو اس نے انصار کے دو بزرگوں کی طرف پیغام بھیجا عبدالرحمٰن اور مجمع یہ دونوں جاریہ کے بیٹے تھے، ان کو یہ پیغام بھیجا، ان دونوں نے کہا: تم مت ڈرو، کیونکہ خنساء بنت خذام کا ان کے والد نے زبردستی نکاح کر دیا تو نبی ﷺ نے اس نکاح کو رد فرما دیا۔

سفیان نے کہا: رہے عبدالرحمٰن تو میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے از والد خود کہ خنساء بنت خزام۔۔۔۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۸، ۵۱۳۹، ۶۹۴۵، ۶۹۶۹، سنن نسائی: ۳۲۶۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۰۲، مسند احمد: ۲۶۲۴۶، موطا امام مالک: ۱۱۳۵، سنن دارمی: ۲۱۹۲)

صحیح البخاری: ۶۹۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے ''نکاح میں جھوٹی گواہی کا بیان'' اور اس باب کی حدیث میں ذکر ہے کہ جو نکاح جبراً کیا جائے وہ مسترد کر دیا جاتا ہے، اور شاید امام بخاری کی مراد یہ ہو کہ جو نکاح جھوٹی گواہی سے منعقد کیا جائے وہ بھی مسترد کر دیا جائے گا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، اور یہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن سعید، وہ انصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے قاسم، وہ ابن محمد بن حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یہ حدیث کتاب النکاح میں باب ''اذا زوج ابنته وھی کارھة فنکاحھا مردود'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ان امراۃ من ولد جعفر'' یعنی جعفر کی اولاد میں سے ایک عورت کو یہ خطرہ ہوا کہ اس کا باپ اس کا زبردستی نکاح کر دے گا، اور ابن عمر نے از سفیان اس طرح روایت کی ہے کہ آل جعفر سے ایک عورت کو یہ خطرہ ہوا۔ اس حدیث کی الاسماعیلی نے روایت کی ہے اور اس عورت کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی) نے کہا ہے کہ گمانِ غالب یہ ہے کہ اولادِ جعفر سے مراد جعفر بن ابی طالب ہیں، پھر انہوں نے کہا: اور علامہ الکرمانی نے یہ فخریہ جرأت کی ہے کہ اس سے مراد جعفر صادق بن محمد الباقر ہیں، اور قاسم بن محمد، جعفر صادق کے ماں شریک دادا ہیں (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی)۔

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اور علامہ کرمانی پر یہ مخفی رہا کہ جس وقت یہ قصہ مذکورہ واقع ہوا اس وقت جعفر صادق کم عمر تھے، کیونکہ ان کی ولادت اسّی (۸۰) ہجری میں ہوئی ہے، اور عبد الرحمٰن بن یزید بن جاریہ کی وفات ترانوے (۹۳) ہجری میں ہوئی ہے، اور اس حدیث میں یہ خبر دی ہے کہ عبد الرحمٰن بن یزید بن جاریہ نے اس عورت کو خنساء بنت خذام کی حدیث کی خبر دی، پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ وہ عورت ہو جس کو عبد الرحمٰن بن یزید بن جاریہ نے خبر دی تھی اور ان کے والد کی عمر اس وقت تیرہ سال یا اس سے کم ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اس عبارت پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فخریہ جرأت کی ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے غلبہ ظن سے کہا کہ یہ شخص جعفر بن ابی طالب ہیں، اور کرمانی نے جو کہا ہے کہ یہ جعفر صادق ہے تو وہ اپنے پاس سے نہیں کہا بلکہ انہوں نے کسی سے نقل کیا ہے، لہٰذا ان کی طرف فخریہ جرأت کی نسبت کرنا مناسب نہیں ہے، اور ممکن ہے کہ یہ جعفر نہ جعفر صادق ہو اور نہ جعفر بن ابی طالب ہو، کوئی اور ہوں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فان خنساء" یہ ابن ودیعہ الانصاریہ ہیں اور قبیلہ اوس سے ہیں۔ حافظ ابو عمر نے کہا ہے: ان کے اس وقت کے حال میں احادیث مختلف ہیں، پس امام مالک کی از عبد الرحمٰن بن القاسم از والد خود از عبد الرحمٰن و مجمع ابن یزید بن جاریہ عن خنساء یہ روایت ہے کہ خنساء بیوہ تھیں، اور ابن المبارک کی از ثوری از عبد الرحمٰن بن القاسم از عبد اللہ بن یزید بن ودیعہ یہ روایت ہے کہ خنساء بنت خذام اس وقت کنواری تھیں، اور صحیح امام مالک کی نقل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۶۔۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ قَالُوا كَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ احْتَالَ إِنْسَانٌ بِشَاهِدَيْ زُورٍ عَلَى تَزْوِيجِ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ بِأَمْرِهَا فَأَثْبَتَ الْقَاضِي نِكَاحَهَا إِيَّاهُ وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يَتَزَوَّجْهَا قَطُّ فَإِنَّهُ يَسَعُهُ هَذَا النِّكَاحُ وَلَا بَأْسَ بِالْمُقَامِ لَهُ مَعَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: بے نکاح عورت کا نکاح نہ کیا جائے حتیٰ کہ اس کا حکم معلوم کر لیا جائے، اور کنواری عورت کا نکاح نہ کیا جائے، صحابہ نے پوچھا: وہ اجازت کیسے دے گی؟ فرمایا: وہ خاموش رہے گی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کوئی انسان دو جھوٹے گواہ پیش کر کے کسی بیوہ عورت سے اس کے حکم سے نکاح کا ارادہ کرے، پس

قاضی اس عورت کا اس مرد سے نکاح ثابت کردے اور شوہر کو معلوم ہو کہ اس نے اس عورت سے نکاح ہرگز نہیں کیا، تب اس شوہر کے لیے یہ نکاح جائز ہوگا اور اس کے لیے اس عورت کے ساتھ قیام میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۶، ۶۹۶۸، ۶۹۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶، مسند احمد: ۲۵۱۴۴)

صحیح البخاری: ۶۹۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، یعنی کسی عورت کا زبردستی نکاح نہ کیا جائے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دُکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شیبان، یہ ابن عبدالرحمٰن النحوی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، وہ ابن ابی کثیر ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الایّم" اس کا معنی ہے: جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت کنواری ہو یا بیوہ ہو لیکن یہاں پر مراد بیوہ ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں کنواری کا ذکر ہے۔

اس حدیث کی شرح کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

بعض لوگوں نے کہا ہے: اگر کوئی انسان دو جھوٹے گواہ پیش کر کے کسی بیوہ عورت سے اس کے حکم سے نکاح کا ارادہ کرے، پس قاضی اس عورت کا اس مرد سے نکاح ثابت کردے اور شوہر کو معلوم ہو کہ اس نے اس عورت سے نکاح ہرگز نہیں کیا، تب اس شوہر کے لیے یہ نکاح جائز ہوگا اور اس کے لیے اس عورت کے ساتھ قیام میں کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے امام ابوحنیفہ پر طعن اور تشنیع کا ارادہ کیا ہے۔

اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا ہے "یسعُهٗ" یعنی اس شخص کے لیے یہ جائز ہے اور حلال ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بہت عظیم تشنیع ہے، کیونکہ اس شخص نے واضح حرام کا ارتکاب کیا ہے اور اس کو معلوم تھا کہ یہ حرام ہے اور اس نے عمداً گناہ کو اختیار کیا۔ (علامہ کرمانی کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے ان مسائل کی اس پر بناء کی ہے کہ جب حاکم دو جھوٹے گواہوں کی بناء پر کوئی فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ ذَكْوَانَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ قُلْتُ إِنَّ الْبِكْرَ تَسْتَحْيِي قَالَ إِذْنُهَا صُمَاتُهَا وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنْ هَوِيَ رَجُلٌ جَارِيَةً يَتِيمَةً أَوْ بِكْرًا فَأَبَتْ فَاحْتَالَ فَجَاءَ بِشَاهِدَيْ زُورٍ عَلَى أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا فَأَدْرَكَتْ فَرَضِيَتِ الْيَتِيمَةُ فَقَبِلَ الْقَاضِي شَهَادَةَ الزُّورِ وَالزَّوْجُ يَعْلَمُ بِبُطْلَانِ ذٰلِكَ حَلَّ لَهُ الْوَطْءُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوعاصم نے حدیث بیان کی از ابن جریج از ابن ابی ملیکہ از ذکوان از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کنواری لڑکی سے اجازت طلب کی جائے گی، میں نے عرض کیا کنواری لڑکی تو حیاء کرتی ہے، آپ نے فرمایا: اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا: اگر کوئی مرد کسی یتیم لڑکی سے یا کنواری عورت سے محبت کرے اور وہ اس سے نکاح کا انکار کرے، تو وہ حیلہ کرے اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دے کہ اس نے اس لڑکی سے نکاح کیا ہے، پھر جب وہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور اس نکاح سے راضی بھی ہوگئی اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی کو قبول کر لیا اور وہ شوہر جانتا ہے کہ یہ گواہی جھوٹی تھی اور نکاح باطل ہے، تب بھی اس کے لیے اس عورت سے وطی کرنا حلال اور جائز ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۵۱۳۷، ۶۹۴۶، ۶۹۷۱، صحیح مسلم: ۱۴۲۰، سنن نسائی: ۳۲۶۶، مسند احمد: ۲۵۱۴۴)

صحیح البخاری: ۶۹۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی زبردستی نکاح کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعاصم، وہ الضحاک بن مخلد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جریج، وہ

عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن ابی مُلیکہ، وہ عبد اللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ ہیں اور ان کا نام زُہیر ہے، اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ذکوان، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

یہ حدیث کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

اور بعض لوگوں نے کہا: اگر کوئی مرد کسی یتیم لڑکی سے یا کنواری عورت سے محبت کرے اور وہ اس سے نکاح کا انکار کرے تو وہ حیلہ کرے اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دے کہ اس نے اس لڑکی سے نکاح کیا ہے، پھر جب وہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور اس نکاح سے راضی بھی ہوگئی اور قاضی نے اس جھوٹی گواہی کو قبول کر لیا اور وہ شوہر جانتا ہے کہ یہ گواہی جھوٹی تھی اور نکاح باطل ہے، تب بھی اس کے لیے اس عورت سے وطی کرنا حلال اور جائز ہوگا۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں بھی فقہاء احناف پر طعن و تشنیع کی گئی ہے اور امام بخاری کا یہ قول محض بے فائدہ تکرار ہے، کیونکہ ان تینوں فرعی مسائل کا حاصل ایک ہی ہے، اور امام بخاری کا ان کو ایک ایک کر کے الگ الگ ذکر کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ حاکم کا حکم ظاہراً اور باطناً نافذ ہو جاتا ہے اور حاکم شہادت کی بناء پر کسی چیز کو حلال کرتا ہے یا کسی چیز کو حرام کرتا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "جاریة" اس سے مراد ہے کوئی لڑکی خواہ وہ کنواری ہو۔ اور الکشمیہنی کی روایت میں ہے: خواہ وہ بیوہ ہو یا کنواری۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "فادرکت" اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ گواہی کے بعد وہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور اس نکاح پر راضی ہوگئی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ شوہر دو گواہ اس پر لایا ہو کہ وہ لڑکی بالغہ ہوگئی تھی اور راضی ہوگئی تھی اور اس نے اس سے نکاح کر لیا تھا تو یہ بھی شہادت کے تحت داخل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۲۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنِ احْتِيَالِ الْمَرْأَةِ مَعَ الزَّوْجِ وَالضَّرَائِرِ وَمَا نَزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي ذٰلِكَ

عورت کا شوہر یا سوکنوں کے ساتھ حیلہ کا مکروہ ہونا، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس معاملہ کے متعلق جو حکم نازل ہوا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان میں "الضرائر" کا ذکر ہے، یہ "ضرۃ" کی جمع ہے جس کا معنی ہے: سوکن۔

اس عنوان میں مذکور ہے "فی ذالك" یعنی عورت کے خاوند کے ساتھ حیلہ اور سوکنوں کے ساتھ حیلہ کے متعلق جو وحی نازل ہوئی اور وہ یہ ہے جس کا درج ذیل آیت میں ذکر ہے:

يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (التحریم:۱)

اے نبی مکرم! آپ اس چیز کو کیوں حرام قرار دے رہے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال فرما دیا ہے، آپ اپنی بیویوں کی رضا طلب کرتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ''میں نے شہد پیا تھا اور ہرگز دوبارہ نہیں پیوں گا''۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے اپنی کنیز حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام قرار دیا، آپ نے یہ قسم کھائی کہ آپ ان سے وطی نہیں کریں گے، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ راز بتا دیا، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ راز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا، تو اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَيُحِبُّ الْعَسَلَ وَكَانَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ أَجَازَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْهُنَّ فَدَخَلَ عَلَى حَفْصَةَ فَاحْتَبَسَ عِنْدَهَا أَكْثَرَ مِمَّا كَانَ يَحْتَبِسُ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ لِي أَهْدَتْ لَهَا امْرَأَةٌ مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةَ عَسَلٍ فَسَقَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مِنْهُ شَرْبَةً فَقُلْتُ أَمَا وَاللّٰهِ لَنَحْتَالَنَّ لَهُ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِسَوْدَةَ قُلْتُ إِذَا دَخَلَ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ سَيَدْنُو مِنْكِ فَقُولِي لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ لَا فَقُولِي لَهُ مَا هَذِهِ الرِّيحُ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَشْتَدُّ عَلَيْهِ أَنْ يُوجَدَ مِنْهُ الرِّيحُ فَإِنَّهُ سَيَقُولُ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ فَقُولِي لَهُ جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ وَسَأَقُولُ ذَلِكِ وَقُولِيهِ أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَى سَوْدَةَ قُلْتُ تَقُولُ سَوْدَةُ وَالَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَقَدْ كِدْتُ أَنْ أُبَادِرَهُ بِالَّذِي قُلْتِ لِي وَإِنَّهُ لَعَلَى الْبَابِ فَرَقًا مِنْكِ فَلَمَّا دَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَكَلْتَ مَغَافِيرَ قَالَ لَا قُلْتُ فَمَا هَذِهِ الرِّيحُ قَالَ سَقَتْنِي حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ قُلْتُ جَرَسَتْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز کو اور شہد کو پسند فرماتے تھے، اور آپ عصر کی نماز پڑھ کر اپنی ازواج مطہرات کے پاس چل کر جاتے اور ان کے قریب ہوتے، پس آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان کے پاس ٹھہرے رہے اور آپ ان کے پاس زیادہ دیر ٹھہرے تو میں نے آپ سے اس کا سبب پوچھا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے انہیں شہد کی ایک کپّی دی، پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سے شہد پلایا، پس میں نے (دل میں) کہا: ہم ضرور اللہ کی قسم! آپ کے لیے کوئی حیلہ کریں گے، پس میں نے اس بات کا ذکر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا، میں نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس آئیں تو وہ آپ کے قریب ہوں گے، تو آپ ان سے کہیں: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے، پس بے شک وہ عنقریب کہیں گے: نہیں، تو آپ کہیں: پھر یہ بو کیسی ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نا گوار گزرتا تھا کہ آپ سے کوئی بو آئے، تو وہ عنقریب کہیں گے کہ مجھے حفصہ نے شہد کا گھونٹ پلایا تھا، تو آپ ان سے کہیں: شہد کی مکھی نے العرفط کو چوس لیا ہوگا اور میں بھی

نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيَّ قُلْتُ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَدَخَلَ عَلٰى صَفِيَّةَ فَقَالَتْ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَلَمَّا دَخَلَ عَلٰى حَفْصَةَ قَالَتْ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أَسْقِيكَ مِنْهُ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي بِهِ قَالَتْ تَقُولُ سَوْدَةُ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَقَدْ حَرَمْنَاهُ قَالَتْ قُلْتُ لَهَا اسْكُتِي۔

عنقریب یہی کہوں گی اور آپ بھی اے صفیہ یہی کہیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے کہا: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس ذات کی قسم! جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، قریب تھا کہ میں جلدی سے وہ بات کہتی جو آپ نے مجھ سے کہی تھی آپ سے ڈر کی وجہ سے، اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ پر تھے، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے تو میں نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا: پس یہ بُو کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے حفصہ نے شہد کا ایک گھونٹ پلایا تھا، میں نے کہا: شہد کی مکھی نے العُرفُط کو چوس لیا ہوگا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے تو میں نے بھی اسی طرح کہا، اور آپ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی اس کی مثل کہا، پھر جب آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے آپ سے کہا: یارسول اللہ! کیا میں آپ کو شہد سے نہ پلاؤں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: سبحان اللہ! بے شک ہم نے آپ کو شہد سے محروم کر دیا ہے، تو میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: چپ کرو۔

(صحیح البخاری: ۴۹۱۲، ۵۲۱۶، ۵۲۶۷، ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۱۴، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲، صحیح مسلم: ۱۴۷۴، سنن نسائی: ۳۷۹۵، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۴، مسند احمد: ۲۵۳۲۴)

صحیح البخاری: ۶۹۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ اس جملہ میں مطابقت ہے "اور اللہ کی قسم! ہم ضرور آپ کے لیے حیلہ کریں گے"۔

یہ حدیث کتاب الاطعمہ میں از اسحاق بن ابراہیم گزری ہے اور کتاب الاشربہ میں از عبداللہ بن ابی شیبہ گزری ہے، اور کتاب الطب میں از حضرت علی بن عبداللہ گزری ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی امام بخاری نے یہاں پر عبید بن اسماعیل سے روایت کی ہے، اور دیگر چار ائمہ نے اس کی ابو اسامہ سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الحلواء"۔ شارح بخاری علامہ داؤدی نے کہا ہے "الحلواء" سے مراد کھجور اس کے مشابہ میٹھے پھل ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اجاز" یعنی آپ نے دن کو گزار دیا اور اس کو نافذ کر دیا، جب کوئی شخص وادی کو قطع کرے اور اس کو طے کرلے تو کہا جاتا ہے "جاز الوادی جوازا" اور الاصمعی نے کہا ہے: "جاز" کا معنی ہے: آپ دن میں چلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عُکّة" اس کا معنی ہے: چمڑے کا برتن۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فسقت رسول الله ﷺ شربة" یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو شہد کا ایک گھونٹ پلایا۔

صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا ہے کہ یہ روایت غلط ہے، کیونکہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہی وہ تھیں جنہوں نے اس قصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدد کی تھی۔ اور آپ نے حضرت صفیہ بنت حُیی کے ہاں شہد کو پیا تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد کو پیا تھا، اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ہی شہد پیا تھا۔

اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: کتاب الطلاق میں پہلے یہ گزر چکا ہے کہ آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا، اور اس قول کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنے والی حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں، پھر علامہ کرمانی نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان دونوں کے گھر شہد پیا ہو اور یہ دو متعدد واقعات ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لنحتالن" یہ لفظ الاحتیال سے ماخوذ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے خلاف حیلہ کرنے پر ایک سوال کا جواب

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے لیے حیلہ کرنا کس طرح جائز ہوگا؟

میں کہتا ہوں: یہ عورتوں کی طبیعت کے تقاضا کی وجہ سے ہے اور ان کے لیے اس کو معاف کر دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مغافیر" یہ لفظ مغفور کی جمع ہے، اور یہ شہد کی مثل ایک گوند ہے اور اس کی ناگوار بو ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "جرست" اس کا معنی ہے: زبان سے چاٹ لیا اور کھالیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "العُرفُط" یہ ایک درخت ہے جس کا پھل خبیث ہوتا ہے، دوسرا قول ہے کہ العرفط ایک جگہ کا نام ہے، تیسرا قول ہے کہ یہ ایک کانٹوں والا درخت ہے اور اس کا پھل سفید گول ہوتا ہے۔ الجوہری نے کہا: ہر کانٹے والے درخت کا

پھل زرد ہوتا ہے مگر مغافیر کا پھل سفید تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان ابادرہ" یعنی قریب تھا کہ میں اصل بات ظاہر کردیتی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حرمناہ" یعنی ہم نے آپ کو شہد کھانے سے روک دیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۷۹۔۱۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۷۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی مذکورہ روایت پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

صحیح البخاری کی کتاب الطلاق میں اس حدیث کی شرح کی جا چکی ہے، اور وہاں پر از عبید بن عمیر از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ گزر چکا ہے کہ جس زوجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پلایا تھا وہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں، اور اس روایت میں جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شہد پلانے کا ذکر ہے، اس پر یہ اشکال ہے کہ قرآن مجید سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے حیلہ کرنے کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی، کیونکہ اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ ہے "ان تتوبا" اور فرمایا "وان تظاھرا" اور یہاں پر تین کا ذکر آ گیا ہے، اور علامہ کرمانی نے ان کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے شہد پلانے کا قصہ مقدم ہے اور اس میں اس آیت کے نزول کا سبب نہیں ہے اور نہ تثنیہ کا صیغہ ہے، اس کے برخلاف حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شہد پلانے کا جو قصہ ہے اس میں مذکور ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اور حفصہ نے اتفاق کیا، اور اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی۔

اور علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں یہ قول کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد پلایا تھا یہ غلط ہے، کیونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا وہ تھیں جنہوں نے اس قصہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدد کی تھی اور آپ نے شہد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیا تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں پیا تھا، اور انہوں نے کہا کہ جس روایت میں یہ مذکور ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد پلایا تھا، وہ غلط اور مردود نہیں ہے، بلکہ وہ اور قصہ ہے اور اس کی مثل کے ساتھ حدیث صحیح کو رد نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۳۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۳۔ بَابُ: مَا يُكْرَهُ مِنَ الْاِحْتِيَالِ فِي الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُونِ

طاعون سے بھاگنے کے لیے حیلہ کا مکروہ ہونا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ طاعون سے بھاگنے کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ طاعون میں اکثر بغلوں میں ایک پھوڑا نکلتا ہے جس کی وجہ سے بہت زیادہ درد ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے نیند نہیں آتی اور قے آتی ہے۔ (عمدۃ

القاری ج ۲۴ ص ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۳ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی الله عنه خَرَجَ إِلَى الشَّأْمِ فَلَمَّا جَاءَ بِسَرْغَ بَلَغَهُ أَنَّ الْوَبَاءَ وَقَعَ بِالشَّأْمِ فَأَخْبَرَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ فَرَجَعَ عُمَرُ مِنْ سَرْغَ وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ عُمَرَ إِنَّمَا انْصَرَفَ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از ابن شہاب از عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف نکلے، پس جب وہ مقامِ سرغ پر پہنچے تو ان کو یہ خبر ملی کہ شام میں وبا آئی ہوئی ہے، پس ان کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم یہ سنو کہ کسی زمین میں کوئی وبا آئی ہوئی ہے تو تم وہاں نہ جاؤ، اور جب تم کسی زمین میں ہو اور وہاں پر وہ وبا ہو تو اس زمین سے اس وبا سے بھاگنے کے سبب سے نہ نکلو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقامِ سرغ سے واپس چلے گئے۔

اور از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر واپس چلے گئے تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۷۲۹، ۵۷۳۰، ۶۹۷۳، صحیح مسلم: ۲۲۱۹، سنن ابوداؤد: ۳۱۰۳، مسند احمد: ۶۸۵، موطا امام مالک: ۱۶۵۵)

صحیح البخاری: ۶۹۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ "جب کسی زمین میں کوئی وبا ہو تو وہاں سے نہ نکلو"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن مسلمہ، یہ القعنبی ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مالک، یہ امام مالک بن انس ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن شہاب، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔

حضرت عامر بن ربیعہ العنزی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن عامر، اور عامر ابن ربیعہ العنزی ہیں، یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوئے اور آپ سے روایت بھی کی اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر چار یا پانچ سال تھی، اور یہ نواسی (۸۹) ہجری میں فوت ہو گئے، دوسرا قول ہے کہ پچاسی (۸۵) ہجری میں فوت ہوئے، حافظ ذہبی نے ان کا

صحابہ میں ذکر کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ یہ چھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے، ان سے ابن شہاب زہری اور دوسروں نے روایت کی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث یاد رکھی ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطب میں از عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے اور اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "خرج الی الشام" حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف ربیع الثانی ۱۸ ہجری میں گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بسَرغ" (سین پر زبر ہے اور راء ساکن ہے) اور یہ لفظ منصرف بھی استعمال ہوتا ہے اور غیر منصرف بھی، اور یہ شام کی طرف میں ایک بستی ہے جو حجاز کے قریب ہے، اور البکری نے کہا ہے کہ سرغ شام کا شہر ہے جس کو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ اور یہ اور الیرموک اور الجابیہ اور رمادہ سب متصل ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان الوَبَاءَ" وَبا کا معنی ہے: جو مرض عام ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فلا تقدموا" یعنی کوئی شخص اس مرض کی وجہ سے نہ مرے، نہ اس جگہ سے آگے جائے اور نہ اس جگہ سے پیچھے جائے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس جگہ میں داخل ہونے او راس جگہ میں نکلنے سے منع کرنے کی کیا وجہ ہے؟

اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آپ نے اس لیے نہیں منع کیا کہ لوگ اس سے پرہیز کریں، کیونکہ انسان کو وہی بیماری پہنچتی ہے جو اس کے لیے مقدر ہو چکی ہے، بلکہ آپ نے اس وجہ سے منع فرمایا ہے کہ آدمی اس فتنہ میں نہ مبتلا ہو جائے کہ وہ یہ گمان کرے کہ چونکہ وہ اس جگہ گیا تھا اس لیے مر گیا، اور یہ گمان نہ کرے کہ یہاں سے نکل گیا تو وہ سلامت رہا۔

التوضیح میں علامہ ابن الملقن شافعی نے کہا ہے: کوئی شخص وہاں سے نکلنے کے لیے تجارت کا حیلہ نہ کرے یا رشتہ داروں سے ملاقات کا حیلہ نہ کرے اور دل میں یہ نیت ہو کہ اس جگہ سے بھاگ جائے، اور اس معنی کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اعمال کا مدار نیات پر ہے"، اور اس ممانعت سے مقصود یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے نہ بھاگے، اور اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے، کیونکہ تقدیر بہر حال غالب آجاتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سالم نے یہ حدیث بیان کی"۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سرغ سے واپس چلے جانا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے تھا، اور ایک روایت یہ ہے کہ ان کا واپس جانا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تھا، اس کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پر آئے تو حضرت ابوعبیدہ بن ابی جراح نے کہا: آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو لائے ہیں اور آپ ان کو اس جگہ میں داخل کر رہے ہیں جہاں پر طاعون آیا ہوا ہے، اور آپ جن لوگوں کو لے کر آئے ہیں وہ ائمہ ہیں ان کی اقتداء کی جاتی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبیدہ! کیا آپ کو شک ہے؟ تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گویا حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس قول پر عمل کر رہا ہوں جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا:

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ (حضرت یعقوب علیہ السلام نے) کہا: اے میرے بیٹو! (شہر میں) تم

اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (یوسف:٦٧)

سب ایک دروازہ سے نہ داخل ہونا اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بالکل نہیں بچا سکتا، حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے، میں نے اسی پر توکل کیا ہے، اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہیے ○

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس زمین میں داخل ہوں گا، تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! آپ اس زمین میں داخل نہ ہوں، پس حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو واپس کر دیا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خبرِ واحد کو قبول کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہوئی حدیث کو سن کر اس پر عمل کیا۔

نیز اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بعض علماء کو ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو ان سے بڑے علماء کو علم نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جس حدیث کا علم تھا، اس حدیث کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم نہیں تھا۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم کرنا چاہیے، کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس زمین میں چلے جاتے جس میں جانے کا قصد کر کے آئے تھے، لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی جس کا تقاضا یہ تھا کہ اس جگہ میں نہ جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس جگہ وبا پھیلی ہوئی ہو وہاں نہ جاؤ'' پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر عمل کیا اور قیاس کو ترک کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۰۔۱۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ سَمِعَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ يُحَدِّثُ سَعْدًا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ذَكَرَ الْوَجَعَ فَقَالَ رِجْزٌ أَوْ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهِ بَعْضُ الْأُمَمِ ثُمَّ بَقِيَ مِنْهُ بَقِيَّةٌ فَيَذْهَبُ الْمَرَّةَ وَيَأْتِي الْأُخْرَى فَمَنْ سَمِعَ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا يُقْدِمَنَّ عَلَيْهِ وَمَنْ كَانَ بِأَرْضٍ وَقَعَ بِهَا فَلَا يَخْرُجْ فِرَارًا مِنْهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا: ہمیں عامر بن سعد بن ابی وقاص نے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سنا وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حدیث بیان کر رہے تھے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درد (بیماری) کا ذکر کیا، پس آپ نے فرمایا کہ وہ بیماری رجز ہے یا عذاب ہے، اس بیماری سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا، پھر اس بیماری کا کچھ حصہ باقی رہ گیا اور کبھی بیماری کا وہ حصہ چلا جاتا ہے اور کبھی آ جاتا ہے، پس جو شخص کسی سرزمین میں اس بیماری کے پھیلنے کے متعلق سنے تو وہ وہاں نہ جائے، لیکن اگر کوئی شخص کسی جگہ ہو اور وہاں یہ وبا پھیل جائے تو وہاں سے نہ بھاگے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۷۳، ۵۷۲۸، ۶۹۷۴، صحیح مسلم: ۲۲۱۸، سنن ترمذی: ۱۰۶۵، مسند احمد: ۲۱۲۵۶، موطا امام مالک: ۱۶۵۶)

صحیح البخاری: ۶۹۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کہ انسان جس علاقہ میں ہو اور وہاں طاعون کی بیماری پھیل جائے تو وہ وہاں سے نہ بھاگے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، ان کا نام الحکم بن نافع ہے۔

یہ حدیث ذکرِ بنی اسرائیل میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ذَکَرَ الوَجعَ" یعنی آپ نے درد یا بیماری کا ذکر کیا اور اس سے مراد طاعون ہے۔

طاعون کی بیماری کا بیان

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

طاعون جسم میں نکلنے والی گلٹیاں ہیں، یہ گلٹیاں کہنیوں، بغلوں، ہاتھوں، انگلیوں اور سارے بدن میں نکلتی ہیں، ان کے ساتھ سوجن ہوتی ہے اور سخت درد ہوتا ہے، یہ گلٹیاں جلن کے ساتھ نکلتی ہیں اور ان کی جگہ سیاہ، سرخ یا سبز ہو جاتی ہے اور ان کی وجہ سے طبیعت میں گھبراہٹ ہوتی ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ کراچی، ۱۳۷۵ھ)

جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق یہ ہے کہ طاعون کی بیماری کی اصل وجہ ایک خورد بینی جرثومہ ہے جو ایک پسو نما کیڑے میں پرورش پاتا ہے، یہ پسو زیادہ تر چوہوں اور چوہوں کی اقسام کے جانوروں میں پائے جاتے ہیں، یہ پسو چوہے کی کھال کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوتے ہیں، جب یہ چوہے طاعون زدہ پسو کو سوار کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں، یا مر جاتے ہیں تو وہ پسو دوسرے جانوروں یا انسانوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور بیماری کا باعث بنتے ہیں، زیادہ تر بیماری انہی پسوؤں کے کاٹنے سے جنم لیتی ہے، اس کے علاوہ یہ بیماری دوسرے ذرائع سے بھی ہوتی ہے، اس میں ہوا کے ذریعے جرثومے کی بیمار آدمی سے تندرست آدمی تک منتقلی یا جرثومے کا کسی اور جانور میں منتقل ہونا اور بعد ازاں بیماری کی وجہ بننا شامل ہے۔

جب طاعون کی وبا پھیل جائے تو مادی اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں، شہر کو گندگی اور چوہوں سے صاف کیا جائے اور فوراً کسی مستند ڈاکٹر کے مشورہ سے علاج کیا جائے، اور دیگر صحت مند افراد کو مریض سے الگ رکھا جائے، اور روحانی اسباب بھی اختیار کیے جائیں، اپنے گناہوں کو فوراً ترک کر دیا جائے اور ان پر توبہ اور استغفار کیا جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رجزیا عذاب" یعنی یہ عذاب کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی دوبارہ لوٹ کر اس عذاب کا کچھ حصہ آجاتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابٌ: فِي الْهِبَةِ وَالشُّفْعَةِ

ہبہ واپس لینے اور حقِ شفعہ کے سقوط کے لیے حیلہ کے مکروہ ہونے کا بیان

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ: إِنْ وَهَبَ هِبَةً أَلْفَ دِرْهَمٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى مَكَثَ عِنْدَهُ سِنِينَ وَاحْتَالَ فِي ذَلِكَ ثُمَّ رَجَعَ الْوَاهِبُ فِيهَا فَلَا زَكَاةَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَخَالَفَ الرَّسُولَ ﷺ فِي الْهِبَةِ وَأَسْقَطَ الزَّكَاةَ۔

اور بعض لوگوں (فقہاء احناف) نے کہا کہ اگر کسی انسان نے کسی دوسرے شخص کو ہزار درہم یا ہزار دراہم سے زیادہ ہبہ کئے اور جس کو ہبہ کئے تھے اس کے پاس وہ دراہم کئی سال رہے، پھر اس انسان نے حیلہ کیا اور ہبہ کرنے والے نے اپنے ہبہ میں رجوع کر لیا تو ان میں سے کسی ایک پر بھی زکوٰۃ نہیں ہوگی، پس ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی ہبہ کے حکم میں مخالفت کی اور زکوٰۃ کو ساقط کر دیا۔

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کسی شخص کو کوئی چیز ہبہ کر کے پھر حیلہ کے ذریعہ اس میں رجوع کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح حقِ شفعہ کو ساقط کرنے کے لیے بھی حیلہ کرنا مکروہ ہے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق سے بغیر کسی دلیل کے امام ابو حنیفہ پر طعن اور تشنیع کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے کسی جگہ بھی اس مسئلہ کو اس صورت کے مطابق ذکر نہیں کیا، بلکہ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ ہبہ کرنے والے کے لیے اپنی ہبہ کی ہوئی چیز میں رجوع کرنا جائز ہے، لیکن رجوع کرنے کی کئی قیود ہیں:

(۱) جس کو کوئی چیز ہبہ کی ہے وہ اجنبی شخص ہو، یعنی ہبہ کرنے والے کا ذو رحم محرم نہ ہو، قریبی رشتہ دار نہ ہو۔

(۲) وہ چیز اس کو سپرد کر چکا ہو، کیونکہ سپرد کرنے سے پہلے تو ہبہ سے رجوع کرنا مطلقاً جائز ہے۔

(۳) وہ چیز موانع سے مقترن نہ ہو، اور وہ موانع اپنے مقام پر ذکر کئے گئے ہیں۔

ہبہ میں رجوع کرنے کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ ”جس نے کوئی چیز ہبہ کی تو وہ اپنے ہبہ کو واپس لینے کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس چیز کا اسے معاوضہ نہ دیا گیا ہو“ اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کی تخریج

رہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام ابن ماجہ نے کتاب الاحکام میں از عمرو بن دینار از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مرد اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کا زیادہ حق دار ہے جب کہ اس کو اس کا

عوض نہ دیا گیا ہو"۔ (سنن ابن ماجہ:۲۳۸۷)

رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث تو اس کی امام طبرانی نے از عطاء روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی چیز ہبہ کی تو وہ اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کا زیادہ حق دار ہے جب تک کہ اس کا عوض نہ لیا ہو"۔

اور رہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تو اس کی امام حاکم نے از سالم بن عبد اللہ روایت کی ہے، وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی چیز ہبہ کی تو وہ اس چیز کا اس وقت زیادہ حق دار ہے کہ جب اس کا کوئی عوض نہ لیا ہو" اور امام حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے، امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور انہوں نے اس کی روایت نہیں کی۔

امام ابوحنیفہ نے احادیثِ صحیحہ کی بناء پر ہبہ سے رجوع کرنے کو جائز کہا، پھر ان پر طعن کس طرح جائز ہے؟

امام ابوحنیفہ نے ان احادیث کے پیشِ نظر یہ کہا ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے، پس جس امام کا علم اور زُہد میں اتنا عظیم مقام ہو کہ بیان کرنے والا ان کے علم اور زُہد کا احاطہ نہ کر سکتا ہو، ان کے متعلق یہ کہنا کس طرح جائز ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، اور امام ابوحنیفہ نے کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، حالانکہ انہوں نے جو کہا ہے وہ ان تین کبار صحابہ کی روایت سے کہا ہے یعنی حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے۔

امام ابوحنیفہ کے مخالفین نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی نوعیت کا بیان

یہ وہ حدیث ہے جس کی امام بخاری نے اس باب میں روایت کی ہے۔ (صحیح البخاری:۶۹۷۵)، اور امام ترمذی کے علاوہ باقی محدثین نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے اسے لوٹ کر کھا لے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا ہے، حدیثِ اول پر عمل کیا ہے کہ ہبہ کر کے اس سے رجوع کرنا جائز ہے، اور حدیثِ ثانی پر عمل کیا ہے کہ رجوع کرنا مکروہ ہے، نہ یہ کہ رجوع کرنا حرام ہے جیسا کہ ان فقہاء کا زعم ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبہ سے رجوع کرنے کو کتے کے قے کر کے اسے کھا لینے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور کتے کا فعل نہ قبیح کی صفت سے متصف ہوتا ہے نہ حرمت کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ برا کام ہے۔

اور کسی قائل کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے، اس سے کہا جائے گا کہ تم نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں مخالفت کی ہے جس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ ہبہ کر کے رجوع نہ کیا جائے، کیونکہ یہ حدیث مطلقاً رجوع کرنے سے منع کرتی ہے، عام ازیں کہ اجنبی ہبہ کر کے رجوع کرے یا والد ہبہ کر کے رجوع کرے۔

پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ اصحاب السنن الاربعہ نے از حسین المعلم از عمرو بن شعیب از طاؤس از حضرت ابن عمر و ابن عباس

رضی اللہ عنہم از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: کسی مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کوئی عطیہ عطا کرے یا کوئی چیز ہبہ کرے، پھر اس سے رجوع کرلے سوائے والد کے جو اپنی اولاد کو عطا کرے۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ یہ ان کے اس قاعدہ کی بناء پر ہے کہ باپ کے لیے بیٹے کے مال میں ملکیت کا حق ہوتا ہے کیونکہ بیٹا باپ کا جزو ہے، پس بیٹے سے کسی چیز کا مالک ہونا اپنے آپ سے کسی چیز کے مالک ہونے کی مثل ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ نہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے اور نہ ان کے اصحاب میں سے کسی نے یہ کہا ہے، یہ قول ان لوگوں نے خود گھڑلیا ہے تاکہ فقہاء احناف کے اوپر طعن و تشنیع کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ایوب السختیانی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے اس میں رجوع کرے اور ہمارے لیے اس سے بری مثال نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۸۹، ۲۶۲۱، ۲۶۲۲، ۶۹۷۵، صحیح مسلم: ۱۶۲۲، سنن ترمذی: ۱۲۹۸، سنن نسائی: ۳۷۰۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۸، سنن ابن ماجہ: ۲۳۸۵، مسند احمد: ۳۰۰۶)

صحیح البخاری: ۶۹۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے جزو اول کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ اس میں ہبہ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابونعیم، یہ الفضل بن دکین ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ثوری ہیں۔
اور یہ حدیث کتاب الہبہ میں گزر چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۶۹۷۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی اجنبی کو کوئی چیز ہبہ کر کے اس سے واپس لینے کے متعلق فقہاء کے اقوال

جب کوئی ہبہ کرنے والا کوئی چیز ہبہ کرے اور جس کو وہ چیز ہبہ کی ہے وہ اس پر قبضہ کرلے اور جمع کرلے تو تمام ائمہ کے نزدیک

وہ اس کا مالک ہوتا ہے اور اسی پر اس مال کی زکوٰۃ دینا لازم ہے اور اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے سوا اس کے کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی ہو تو وہ اس سے رجوع کر سکتا ہے۔ اور اس میں حیلہ کر کے حدیث کی عبارت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ بیٹے پر لازم ہوگی۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا ہے: اس میں حیلہ کرنا شریعت کے معنی سے خارج ہے اور جس نے شریعت کے خلاف حیلہ کیا حتیٰ کہ اس مال کو ساقط کر دیا تو اسے حیلہ کرنے والا نہیں کہا جائے گا بلکہ اللہ کی حدود سے عناد کرنے والا اور اللہ کی حدود کو توڑنے والا کہا جائے گا۔

پس جب ہبہ بیٹے کے علاوہ کسی کو کیا جائے اور پھر کوئی اس ہبہ سے رجوع کرے تو وہ اس حدیث کے تحت داخل ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا اس کتے کی مثل ہے جو اپنی قے میں رجوع کرتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۸ ص ۲۶۵۔ ۲۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کے اعتراض کے دیگر جوابات

علامہ علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

ہبہ کا حکم یہ ہے کہ ہبہ سے اس کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جس کو کوئی چیز بغیر عوض کے ہبہ کی گئی ہو، کیونکہ ہبہ کی تعریف ہے کہ کسی چیز کا بغیر عوض کے مالک بنانا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حق دار ہوتا ہے جب تک اس کو اس کا عوض نہ دیا جائے۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۳۸۷، سنن دار قطنی: ۱۸۰۔ ۱۸۱، سنن بیہقی ج ۶ ص ۱۸۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۳۱۷)

خلاصہ یہ ہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا اس وقت ممنوع ہے جب اس کا عوض نہ لیا جائے اور امام ابوحنیفہ اس کے قائل ہیں، اور وہ ہبہ سے رجوع کرنے کو اس وقت جائز کہتے ہیں جب ہبہ کر کے اس کا عوض لے لیا جائے۔

نیز خود حدیث میں یہ مذکور ہے کہ والد اولاد کو ہبہ کر کے رجوع کر سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ہبہ کر کے رجوع کرنا ممنوع نہیں ہے، یہ اس وقت ممنوع ہے جب کسی اجنبی کو ہبہ کرے اور اس سے کوئی عوض نہ لے، اور جب والد اولاد کو ہبہ کرے تو وہ رجوع کر سکتا ہے اور اجنبی کو ہبہ کر کے اس سے عوض لیا ہو تب بھی رجوع کر سکتا ہے۔ اور حدیث میں جو یہ مثال دی گئی ہے کہ ہبہ سے رجوع کرنا ایسا ہے جیسے کتا قے کر کے کھا لے، یہ اس صورت پر محمول ہے جب کوئی چیز ہبہ کر کے اس کا عوض لے لیا جائے یا کسی اجنبی کو ہبہ کیا جائے۔ رہا والد کا اولاد کو ہبہ کرنا سو وہ جائز ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۸ ص ۱۱۹۔ ۱۲۲، ملخصاً وملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

۶۹۷۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ إِنَّمَا جَعَلَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از

الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتْ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتْ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ الشُّفْعَةُ لِلْجِوَارِ ثُمَّ عَمَدَ إِلَى مَا شَدَّدَهُ فَأَبْطَلَهُ وَقَالَ إِنْ اشْتَرَى دَارًا فَخَافَ أَنْ يَأْخُذَ الْجَارُ بِالشُّفْعَةِ فَاشْتَرَى سَهْمًا مِنْ مِائَةِ سَهْمٍ ثُمَّ اشْتَرَى الْبَاقِيَ وَكَانَ لِلْجَارِ الشُّفْعَةُ فِي السَّهْمِ الْأَوَّلِ وَلَا شُفْعَةَ لَهُ فِي بَاقِي الدَّارِ وَلَهُ أَنْ يَحْتَالَ فِي ذَلِكَ۔

الزہری از ابی سلمہ از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کرنے کا حق دیا جو تقسیم نہ ہوسکتی ہو، پس جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفعہ نہیں ہوگا۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ پڑوسی کے لیے شفعہ کرنا جائز ہے، پھر ان بعض لوگوں نے اپنے قول کو باطل کیا اور کہا کہ اگر کسی شخص نے کوئی گھر خریدا، پھر اس کو یہ خطرہ ہوا کہ پڑوسی شفعہ سے اس گھر پر قبضہ کر لے گا تو اس نے اس گھر کے سو حصوں میں سے ایک حصہ پہلے خود خرید لیا، پھر بعد میں باقی حصے خرید لیے اور پڑوسی کو پہلے حصہ میں شفعہ کرنے کا حق ہوگا، اور گھر کے باقی حصوں میں اسے شفعہ کرنے کا حق نہیں ہوگا، اور اس کے لیے اس میں حیلہ کرنا جائز ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۱۳، ۲۲۱۴، ۲۲۵۷، ۲۴۹۵، ۲۴۹۶، ۶۹۷۶، سنن ترمذی: ۱۳۷۰، سنن نسائی: ۴۷۰۷، سنن ابوداؤد: ۳۵۱۴، سنن ابن ماجہ: ۲۴۹۹، مسند احمد: ۱۳۷۴۳)

صحیح البخاری: ۶۹۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "شفعہ ہر اس چیز میں ہے جس کی تقسیم نہ ہو سکتی ہو" یعنی وہ چیز شرکاء کے درمیان ملکیتِ مشترکہ ہو۔ اور اس حدیث میں مذکور ہے "جب راستے الگ کر دیے جائیں تو اس میں شفعہ نہیں ہوگا" جب راستے الگ ہو جائیں تو اب وہ مالِ مقسوم ہوگا اور پڑوس کے حکم میں ہوگا اور مالِ مشترک نہیں رہے گا۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ امام ابو حنیفہ پر ایک اور طعن و تشنیع ہے اور یہ طعن صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان اختلاف ہے، کیونکہ امام ابو یوسف اس کو جائز کہتے ہیں اور امام محمد اس کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "ثم عمد الی ما شددہ" اس سے امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے پڑوسی کے لیے شفعہ کو جائز قرار دیا ہے اور پھر اس کو باطل قرار دیا، کیونکہ انہوں نے اس صورت میں یہ کہا ہے کہ پڑوسی گھر کے باقی حصوں میں شفعہ نہیں کر سکتا، اور امام ابو حنیفہ نے اپنے کلام کے خلاف کہا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ کے کلام میں بالکل تناقض نہیں ہے، کیونکہ جب خریدار نے گھر کے سوحصوں میں سے ایک حصہ خرید لیا تو وہ گھر میں مالک کا شریک ہوگیا، پھر جب وہ اس سے باقی حصے خریدے گا تو وہ پڑوسی کی بہ نسبت اس میں شفعہ کرنے کا زیادہ حق دار ہوگا، کیونکہ پڑوسی کے لیے شفعہ کرنے کا حق شریک کے حق کے بعد ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۳۔ ۱۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ الشَّرِيدِ قَالَ جَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى مَنْكِبِي فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ إِلَى سَعْدٍ فَقَالَ أَبُو رَافِعٍ لِلْمِسْوَرِ أَلَا تَأْمُرُ هَذَا أَنْ يَشْتَرِيَ مِنِّي بَيْتِيَ الَّذِي فِي دَارِي فَقَالَ لَا أَزِيدُهُ عَلَى أَرْبَعِ مِائَةٍ إِمَّا مُقَطَّعَةٍ وَإِمَّا مُنَجَّمَةٍ قَالَ أُعْطِيتُ خَمْسَ مِائَةٍ نَقْدًا فَمَنَعْتُهُ وَلَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ مَا بِعْتُكَهُ أَوْ قَالَ مَا أَعْطَيْتُكَهُ قُلْتُ لِسُفْيَانَ إِنَّ مَعْمَرًا لَمْ يَقُلْ هَكَذَا قَالَ لَكِنَّهُ قَالَ لِي هَكَذَا وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَبِيعَ الشُّفْعَةَ فَلَهُ أَنْ يَحْتَالَ حَتَّى يُبْطِلَ الشُّفْعَةَ فَيَهَبَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي الدَّارَ وَيَحُدُّهَا وَيَدْفَعُهَا إِلَيْهِ وَيُعَوِّضُهُ الْمُشْتَرِي أَلْفَ دِرْهَمٍ فَلَا يَكُونُ لِلشَّفِيعِ فِيهَا شُفْعَةٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن میسرہ، انہوں نے کہا: میں نے عمرو بن الشرید سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما آئے، پس انہوں نے میرے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا، پس میں ان کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف گیا، پس ابورافع نے حضرت المسور رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تم اس سے یہ نہیں کہتے کہ یہ مجھ سے میرا وہ گھر خرید لے جو میری حویلی میں ہے، تو انہوں نے کہا: میں اس کے چار سو سے زیادہ نہیں دوں گا یا نقد یا قسطوں میں، حضرت المسور رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس گھر کے عوض پانچ سو نقد مل رہے تھے تو میں نے اس سے منع کر دیا اور اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے شفعہ کا زیادہ حق دار ہوتا ہے تو میں اس گھر کو تمہیں نہ بیچتا، یا کہا میں یہ تم کو نہ دیتا۔

(علی بن عبداللہ کہتے ہیں:) میں نے سفیان سے کہا کہ معمر نے تو یہ حدیث اس طرح نہیں بیان کی تو سفیان نے کہا: لیکن مجھ سے انہوں نے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔

بعض لوگوں نے کہا ہے: جب کوئی شخص شفعہ کو فروخت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حیلہ کرے حتیٰ کہ شفعہ کو باطل کر دے، پس بائع خریدار کو گھر ہبہ کر دے اور اس کی حد مقرر کر دے اور وہ گھر اس کو دے دے اور خریدار اس کے عوض میں اس کو ہزار درہم دے دے، پس شفعہ کرنے والے کے لیے اس

میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری:۲۲۵۸، ۶۹۷۷، ۶۹۷۸، ۶۹۸۰، ۶۹۸۱، سنن نسائی:۴۷۰۲، سنن ابوداؤد:۳۵۱۶، سنن ابن ماجہ:۲۴۹۵، مسند احمد:۲۳۳۵۹)

صحیح البخاری:۶۹۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے جز ثانی کے ساتھ مطابقت ہے، کیونکہ اس حدیث میں شفعہ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن میسرہ کا ذکر ہے، یہ طائفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عمرو بن الشرید کا ذکر ہے، یہ ثقفی ہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کا تذکرہ

اور اس حدیث کی سند میں المسور بن مخرمہ کا ذکر ہے، یہ القرشی ہیں، ہجرت کے دو سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے تھے اور ذوالحجہ ۸ ہجری کے بعد ان کو مدینہ میں لایا گیا، جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا سماع کیا اور احادیث یاد رکھیں، جب الحصین بن نُمیر نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کے لیے مکہ کا محاصرہ کیا تو ان کو المنجنیق سے ایک پتھر آ کر لگا، اس وقت یہ نماز پڑھ رہے تھے، اس پتھر نے ان کو شہید کر دیا۔ اور یہ یکم ربیع الاول چونسٹھ ہجری کا واقعہ ہے، حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے الحجون میں ان کی نماز جنازہ پڑھی، اس وقت ان کی عمر باسٹھ سال تھی، ان کے والد حضرت مخرمہ فتح مکہ کے وقت اسلام لانے والے تھے اور یہ مؤلفۃ القلوب میں سے ایک تھے، انہوں نے اسلام کے احکام پر بہت اچھے طریقہ سے عمل کیا، ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ایک سو پندرہ سال تھی۔

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ بن نوفل سے بائیس (۲۲) احادیث مروی ہیں جن میں سے دو حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں اور چار حدیثوں کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ ان سے حضرت علی بن الحسین زین العابدین اور عروہ اور ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کو المنجنیق سے ایک پتھر آ کر لگا تھا جس وقت یہ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے اور یہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے محاصرہ کے دوران کا واقعہ ہے، پھر یہ پانچ دن زندہ رہے اور پھر فوت ہو گئے۔ (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۹۸۔۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

اور اس حدیث کی سند میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، اور یہ حضرت المسور بن مخرمہ کے ماموں تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو رافع کا ذکر ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور ان کا نام اسلم القبطی تھا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الا تامرھذا" یعنی آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ وہ مجھ سے میرا گھر خرید لیں جو میری حویلی میں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان سے سوال کرتے تھے اور ان کو مشورہ دیتے تھے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ امر میں یہ شرط نہیں ہے کہ بڑا آدمی چھوٹے سے کہے اور بلند درجہ والا کہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اما مقطعة واما منجمة" اس میں راوی کو شک ہے اور مراد یہ ہے کہ ادھار پر قسط وار خرید لیں، اور "نجم" کا معنی ہے: وہ قسطیں جو وقتِ معین پر ادا کرنی ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "أعطیتُ" یہ مجہول کا صیغہ ہے اور اس کے قائل ابورافع ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بصقبه" اس کا معنی ہے: قرب، یہ لفظ قریب اور بعید دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور یہ لغتِ اضداد میں سے ہے۔

اور اس حدیث سے ہمارے اصحاب نے یہ استدلال کیا ہے کہ پڑوسی کے لیے نفسِ مبیع میں شریک کے بعد شُفعہ کرنے کا حق ہے۔

اور یہ حدیث امام شافعی کے خلاف حجت ہے، کیونکہ وہ پڑوسی کے لیے شفعہ کو ثابت نہیں کرتے۔

پڑوسی کے لیے شفعہ کے حق میں مزید دلائل

امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے از حسین المعلم از عمرو بن الشرید از والد خود یہ روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! میری زمین میں کسی ایک کی شرکت ہے نہ کسی ایک کا حصہ ہے سوائے پڑوس کے، آپ نے فرمایا: پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے شفعہ کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔ اس حدیث کی امام طحاوی نے بھی روایت کی ہے اور اس حدیث میں پڑوسی کے لیے شفعہ کے وجوب کی تصریح ہے جس زمین میں شرکت نہ ہو۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

حضرت الشرید بن سوید الثقفی کا شمار اہلِ طائف میں ہوتا ہے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضرموت سے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہمدان سے ہیں اور ثقیف کے حلیف تھے، ان سے عمرو نے روایت کی ہے۔ اور اس بناء پر مراد یہ ہے کہ امام بخاری نے صحابی کو صحابی سے بدل کر مخالفت کی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا: ان کی مراد یہ ہے کہ معمر نے اس طرح یہ نہیں کہا، یعنی کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حق دار ہے، یعنی معمر کی روایت میں شفعہ کا لفظ نہیں ہے بلکہ معمر کی روایت میں ہے کہ پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے۔ اور امام ترمذی نے امام بخاری سے روایت کی ہے کہ یہ دونوں طریقے صحیح ہیں۔ واللہ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

بعض لوگوں نے کہا ہے: جب کوئی شخص شفعہ کو فروخت کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حیلہ کرے حتیٰ کہ شفعہ کو باطل کردے، پس بائع خریدار کو گھر ہبہ کردے اور اس کی حد مقرر کردے اور وہ گھر اس کو دے دے اور خریدار اس کے عوض میں اس کو ہزار درہم دے دے، پس شفعہ کرنے والے کے لیے اس میں شفعہ کا حق نہیں ہوگا۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ امام بخاری کی فقہاء احناف پر بغیر کسی دلیل کے طعن و تشنیع ہے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے، کیونکہ شفعہ بیع میں ہوتا ہے اور ہبہ میں نہیں ہوتا، اور اس صورت میں اس نے ہبہ کیا ہے بیع نہیں کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حیلہ میں ہبہ بالعوض کا بیان ہے، اور جو ہبہ بالعوض ہو وہ بیع کے حکم میں ہوتا ہے اور بیع میں شفعہ باطل نہیں ہوتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۹۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّ سَعْدًا سَاوَمَهُ بَيْتًا بِأَرْبَعِ مِائَةِ مِثْقَالٍ فَقَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ لَمَا أَعْطَيْتُكَ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ اشْتَرَى نَصِيبَ دَارٍ فَأَرَادَ أَنْ يُبْطِلَ الشُّفْعَةَ وَهَبَ لِابْنِهِ الصَّغِيرِ وَلَا يَكُونُ عَلَيْهِ يَمِينٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن میسرہ از عمرو بن الشرید از ابی رافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے گھر کی چار سو مثقال قیمت لگائی، پھر انہوں نے کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے تو میں تم کو یہ گھر نہ دیتا۔

اور بعض لوگوں نے کہا: اگر کسی شخص نے کسی گھر کا حصہ خریدا اور یہ ارادہ کیا کہ اس میں شفعہ کو باطل کرے تو اس نے جو خریدا ہے اسے اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کردے اور نابالغ بیٹے پر قسم نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری: ۲۲۵۸، ۶۹۷۷، ۶۹۷۸، ۶۹۸۰، ۶۹۸۱، سنن نسائی: ۴۷۰۲، سنن ابوداؤد: ۳۵۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۴۹۵، مسند احمد: ۲۳۳۵۹)

صحیح البخاری: ۶۹۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت ابو رافع مذکور رضی اللہ عنہ کی حدیث کا اختصار ہے، اور امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الحیل کے آخر میں اس سے زیادہ مکمل طریقہ سے روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں سعد کا ذکر ہے، یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری نے اس مسئلہ میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے، تاکہ وہ یہ بتائیں کہ نبی ﷺ

نے اس حدیث سے شفع کرنے والے کا حق بیان فرمایا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے اور اس حق کو باطل کرنا جائز نہیں ہے۔ (اس قائل کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس حدیث میں ایسی عبارت مذکور نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ بیع واقع ہو چکی ہو اور شفعہ کرنے والا بیع کے صادر ہونے کے بعد شفعہ کا مستحق ہوتا ہے، پس اس وقت یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہے۔

اور صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے: امام بخاری نے اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ پر تناقض کو لازم کریں، کیونکہ وہ پڑوسی کے لیے شفعہ کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ پڑوسی قرب کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے، پس جو شخص اس کا معتقد ہو اور اس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے یہ ثابت ہو تو وہ پڑوسی کے شفعہ کو باطل کرنے کے لیے کیسے حیلہ کرے گا، کیونکہ اس نے اپنے اعتقاد کے مطابق سنت کو باطل کیا ہے۔ (علامہ ابن ملقن کی عبارت ختم ہوئی)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ جو کچھ علامہ ابن ملقن نے کہا ہے یہ بے سوچے سمجھے کہا ہے، کیونکہ یہ کلام اس صورت میں جاری نہیں ہوتا، یہ کلام اس صورت میں ہے جس میں کوئی شخص نفسِ مبیع میں شریک ہو اور پڑوسی اس پر مقدم نہیں ہوتا اور نہ پڑوسی شفعہ کرنے کا مستحق ہوتا ہے مگر بیع کے بعد، بلکہ مبیع میں شریک کے حق کے بعد، پس اس قائل کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ اس امام پر افتراء باندھے جو اس کے امام پر مقدم ہے، اور ایسے عظیم شخص کی طرف سنت کے ابطال کی نسبت کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

اور بعض لوگوں نے کہا: اگر کسی شخص نے کسی گھر کا حصہ خریدا اور یہ ارادہ کیا کہ اس میں شفعہ کو باطل کرے تو اس نے جو خریدا ہے اسے اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کر دے اور نابالغ بیٹے پر قسم نہیں ہوتی۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ بھی امام بخاری کی فقہاء احناف پر طنز و تشنیع ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "وَهَبَ" یعنی اس نے گھر کا جو حصہ خریدا ہے وہ اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کر دے۔ اور ہبہ کے تحقق میں اس پر قسم نہیں ہوگی اور نہ شروط کے جاری کرنے میں۔

امام بخاری نے نابالغ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر وہ کسی بالغ بیٹے کو ہبہ کرے تو اس پر قسم واجب ہوگی تو وہ شخص اس شبہ کو ساقط کرنے کے لیے یہ حیلہ کرے کہ وہ نابالغ بیٹے کو وہ حصہ ہبہ کر دے۔ اور قسم کے لفظ سے اس طرف اشارہ کیا کہ اگر وہ کسی اجنبی کو ہبہ کرتا تو شفعہ کرنے والے کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ اجنبی سے قسم لیتا کہ وہ حقیقت میں ہبہ ہے اور اپنی شرائط کے مطابق ہے اور نابالغ سے حلف نہیں لیا جاتا۔

لیکن فقہاء مالکیہ کے نزدیک نابالغ سے حلف لیا جاتا ہے، اور اس کا باپ جو اس ہبہ کو قبول کرے گا اس سے حلف لیا جائے گا اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ موہوب میں مطلقاً شفعہ داخل نہیں ہے، اسی طرح المدوّنہ میں مذکور ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابُ: احْتِيَالِ الْعَامِلِ لِيُهْدَى لَهُ — عامل کا ہدیہ لینے کے لیے حیلہ کرنے کا مکروہ ہونا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عامل کا ہدیہ لینے کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے، اور عامل سے مراد وہ شخص ہے جو کسی مرد کے مال میں اور اس کے املاک میں اور اس کے عمل میں تصرف کرتا ہے، اور جو شخص زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے جاتا ہے اس کو بھی عامل کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۷۹۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَجُلًا عَلَى صَدَقَاتِ بَنِي سُلَيْمٍ يُدْعَى ابْنَ اللُّتَبِيَّةِ فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ قَالَ هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَهَلَّا جَلَسْتَ فِي بَيْتِ أَبِيكَ وَأُمِّكَ حَتَّى تَأْتِيَكَ هَدِيَّتُكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا ثُمَّ خَطَبَنَا فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْكُمْ عَلَى الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِي اللهُ فَيَأْتِي فَيَقُولُ هَذَا مَالُكُمْ وَهَذَا هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَأُمِّهِ حَتَّى تَأْتِيَهُ هَدِيَّتُهُ وَاللهِ لَا يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهِ إِلَّا لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَأَعْرِفَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ لَقِيَ اللهَ يَحْمِلُ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرَةً لَهَا خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَهُ حَتَّى رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطِهِ يَقُولُ اللَّهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ بَصُرَ عَيْنِي وَسَمِعَ أُذُنِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو اسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از ابی حمید الساعدی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرد کو بنو سُلیم کے صدقات وصول کرنے پر عامل مقرر فرمایا، اس مرد کا نام ابن اللتبیۃ تھا، پس جب وہ آیا تو نبی ﷺ نے اس سے حساب کیا، اس نے کہا: یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کیوں نہ اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھے حتیٰ کہ تمہارے پاس تمہارا ہدیہ آتا اگر تم سچے ہو، پھر آپ نے ہمیں خطبہ دیا، پس اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: حمد وصلوٰۃ کے بعد! میں تم میں سے ایک آدمی کو کسی عمل کے اوپر مقرر کرتا ہوں، جن چیزوں کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے متولی بنایا ہے، پس وہ آ کر کہتا ہے: یہ تمہارا مال ہے اور یہ وہ مال ہے جو مجھے ہدیہ دیا گیا ہے، پس کیوں نہ وہ مرد اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں بیٹھا حتیٰ کہ اس کے پاس اس کا ہدیہ آتا، اور اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی کسی چیز کو ناحق نہیں لے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیامت

کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس ناحق چیز کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوگا، پس میں تم میں سے کسی ایک کو اس حال میں نہ پہچانوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اور اس نے ایک اونٹ کو اٹھایا ہوا ہو اور وہ اونٹ بڑبڑا رہا ہے، یا اس نے ایک گائے کو اٹھایا ہوا ہو اور وہ گائے ڈکرا رہی ہو، یا اس نے ایک بکری کو اٹھایا ہوا ہو اور وہ بکری ممیا رہی ہو، پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو بلند کیا حتیٰ کہ آپ کی بغل کی سفیدی دکھائی دی، آپ فرما رہے تھے: اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے! راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور میرے کانوں نے سنا۔

(صحیح البخاری: ۹۲۵، ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۶۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷، صحیح مسلم: ۱۸۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۶، مسند احمد: ۲۳۰۸۷، سنن دارمی: ۱۶۶۹)

صحیح البخاری: ۶۹۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ حدیث کے اس جملہ میں مناسبت ہے کہ "یہ آپ کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے"۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: عامل کا حیلہ یہ ہے تا کہ اس کو ہدیہ دیا جائے، اور جو اس سے حساب لے رہا ہے وہ اس میں تسامح کرے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اپنے باپ کے گھر میں یا ماں کے گھر میں کیوں نہیں بیٹھا تا کہ دیکھا جائے کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ عامل کا ہدیہ یہ ہے کہ اس کو اس کے عمل میں جو کچھ دیا گیا ہے، اس کو وہ اپنے ساتھ خاص کر لے اور اس کو بیت المال میں نہ رکھے۔ اور عاملین کے اور امراء کے ہدایا مسلمانوں کے حقوق میں سے ہیں۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو اسامہ، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ہشام، وہ عروہ کے بیٹے ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر سے روایت کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو حمید، ان کا نام عبدالرحمٰن ہے، اور دوسرا قول ہے کہ ان کا نام المنذر الساعدی الانصاری ہے۔

یہ حدیث کتاب الہبہ میں از عبداللہ بن محمد اور کتاب النذور میں از ابی الیمان اور کتاب الزکوٰۃ میں از یوسف بن موسیٰ گزر چکی

ہے اور کتاب الزکوٰۃ میں اس کی شرح کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ابن اللتبیۃ'' اس لفظ میں لام پر پیش ہے اور تاء ساکن ہے اور باء اور یاء نسبت کی ہے، اور ان کا نام عبداللہ تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلا اعرفن احدا منکم'' یعنی میں تم میں سے کسی ایک کو ہرگز نہ پہچانوں۔ اس جملہ میں نفی ہے اور مراد نہی اور ممانعت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رغاء'' یہ اونٹ کی آواز ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''تیعر'' یہ بکری کی آواز ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''سمع'' یعنی راوی کہتا ہے کہ میری دونوں آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو کلام کرتے ہوئے اور اپنے ہاتھ کو بلند کرتے ہوئے دیکھا اور میں نے آپ کا کلام سنا، یہ ابوحمید الراوی کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ إِنِ اشْتَرَى دَارًا بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَحْتَالَ حَتَّى يَشْتَرِيَ الدَّارَ بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَيَنْقُدَهُ تِسْعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَتِسْعَ مِائَةِ دِرْهَمٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ وَيَنْقُدَهُ دِينَارًا بِمَا بَقِيَ مِنَ الْعِشْرِينَ الْأَلْفَ فَإِنْ طَلَبَ الشَّفِيعُ أَخَذَهَا بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَإِلَّا فَلَا سَبِيلَ لَهُ عَلَى الدَّارِ فَإِنِ اسْتُحِقَّتِ الدَّارُ رَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْبَائِعِ بِمَا دَفَعَ إِلَيْهِ وَهُوَ تِسْعَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ وَتِسْعُ مِائَةٍ وَتِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ دِرْهَمًا وَدِينَارٌ لِأَنَّ الْبَيْعَ حِينَ اسْتُحِقَّ انْتَقَضَ الصَّرْفُ فِي الدِّينَارِ فَإِنْ وَجَدَ بِهَذِهِ الدَّارِ عَيْبًا وَلَمْ تُسْتَحَقَّ فَإِنَّهُ يَرُدُّهَا عَلَيْهِ بِعِشْرِينَ أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ فَأَجَازَ هَذَا الْخِدَاعَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْعُ الْمُسْلِمِ لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابراہیم بن میسرہ از عمرو بن الشرید از حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ مستحق ہے۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے: جب کسی شخص نے بیس ہزار درہم میں ایک گھر خریدا، پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے (کہ وہ حق شفعہ باطل کرنے کے لیے) حیلہ کرے، اور وہ خریدار بائع کو نو ہزار نو سو ننانوے درہم نقد ادا کرے اور بقیہ بیس ہزار دراہم میں سے ایک دینار نقد ادا کرے، پس اگر شفعہ کرنے والا اس گھر کو خریدے گا تو بیس ہزار درہم ادا کرے گا ورنہ وہ اس گھر کو نہیں لے سکتا، پھر اگر وہ گھر کسی اور کی ملکیت نکل آیا تو خریدار بائع کو اتنا دے گا جتنا اس نے اس کو دیا ہے اور وہ نو ہزار نو سو ننانوے درہم ہیں اور ایک دینار ہے، کیونکہ جب وہ گھر کسی اور کی ملکیت نکل آیا تو وہ بیع صرف دینار باطل ہوگئی، پھر اگر اس گھر میں کوئی عیب نکل آیا اور وہ کسی اور کی ملکیت میں نہ نکلا تو وہ اس کو بیس ہزار درہم واپس کرے گا۔

غَائِلَةَ۔

امام بخاری نے کہا: پس ان بعض لوگوں نے مسلمانوں کے درمیان اس دھوکا کو جائز رکھا اور حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ مسلمانوں کی جو مسلمانوں کے ساتھ بیع ہو اس میں نہ کوئی عیب ہو، نہ کوئی خبث ہو اور نہ کوئی آفت ہو۔

(صحیح البخاری:۲۲۵۸، ۶۹۷۷، ۶۹۷۸، ۶۹۸۰، ۶۹۸۱، سنن نسائی:۴۷۰۲، سنن ابوداؤد:۳۵۱۶، سنن ابن ماجہ:۲۴۹۵، مسند احمد:۲۳۳۵۹)

صحیح البخاری:۶۹۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث اور وہ حدیث جو اس باب کے آخر میں آئے گی، دونوں ہبہ اور شفعہ کے باب سے متعلق ہیں، پس ان دونوں حدیثوں کو اس باب میں ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے علامہ محمد بن یوسف الکرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: ان دونوں حدیثوں کا مقام جو مناسب ہے وہ عامل کے حیلہ سے پہلے کا باب ہے، کیونکہ یہ مسائل شفعہ کا بقیہ ہے۔ اور اس باب میں ایک اجنبی باب کو درمیان میں لایا گیا ہے۔ پھر علامہ کرمانی نے کہا: ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح البخاری کے نسخہ کو اصل سے نقل کرنے والوں کے تصرفات میں سے ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ امام بخاری نے حاشیہ میں لکھا ہو اور انہوں نے اس کو متن میں داخل کر دیا ہو، باقی اس حدیث کے رجال ذکر کیے جا چکے ہیں اور اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں مذکور ہے:

اور بعض لوگوں نے کہا ہے: جب کسی شخص نے بیس ہزار درہم میں ایک گھر خریدا، پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے (کہ وہ حق شفعہ باطل کرنے کے لیے) حیلہ کرے، اور وہ خریدار بائع کو نو ہزار نو سو ننانوے درہم نقد ادا کرے اور بقیہ بیس ہزار دراہم میں سے ایک دینار نقد ادا کرے، پس اگر شفعہ کرنے والا اس گھر کو خریدے گا تو بیس ہزار درہم ادا کرے گا ورنہ وہ اس گھر کو نہیں لے سکتا، پھر اگر وہ گھر کسی اور کی ملکیت نکل آیا تو خریدار بائع کو اتنا دے گا جتنا اس نے اس کو دیا ہے اور وہ نو ہزار نو سو ننانوے درہم ہیں اور ایک دینار ہے، کیونکہ جب وہ گھر کسی اور کی ملکیت نکل آیا تو وہ بیع باطل ہوگئی، پھر اگر اس گھر میں کوئی عیب نکل آیا اور وہ کسی اور کی ملکیت میں نہ نکلا تو وہ اس کو بیس ہزار درہم واپس کرے گا۔

امام بخاری نے کہا: پس ان بعض لوگوں نے مسلمانوں کے درمیان اس دھوکا کو جائز رکھا اور حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ مسلمانوں کی جو مسلمانوں کے ساتھ بیع ہو اس میں نہ کوئی عیب ہو، نہ کوئی خبث ہو اور نہ کوئی آفت ہو۔

علامہ عینی اس تعلیق کی شرح میں فرماتے ہیں:

یہ بھی امام بخاری کی ایک تشنیع کے بعد دوسری تشنیع ہے اور بلا دلیل ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "ان اشتری دارا" یعنی خریدار نے بیس ہزار درہم میں ایک گھر کو خریدنے کا ارادہ کیا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "فلا باس ان یحتال" یعنی شفعہ کے حق کو ساقط کرنے کے لیے یہ حیلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بیس ہزار درہم میں اس گھر کو خرید ے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "وینقدہ" یعنی خریدار بائع کو نو ہزار نو سو ننانوے درہم نقد ادا کرے اور بقیہ ثمن میں سے ایک دینار نقد ادا کرے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "فان طلب الشفیع" یعنی اگر کوئی شخص اس گھر کو شفعہ کر کے خریدنا چاہے تو اس کو بیس ہزار درہم میں خریدے گا، یعنی جس ثمن پر عقد واقع ہوا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "والا فلا سبیل له علی الدار" یعنی اگر وہ بیس ہزار درہم میں اس گھر کو لینے پر راضی نہ ہو تو پھر اس کے لیے اس گھر کو لینے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، کیونکہ شفعہ اس وجہ سے ساقط ہو گیا ہے کہ جس ثمن پر عقد واقع ہوا تھا وہ اس کو نہیں دے رہا۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "فان استحقت" یعنی جب یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ گھر بائع کے علاوہ کسی اور کی ملکیت ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "انتقض الصرف" یعنی بائع اور گھر خریدنے والے کے درمیان جو دینار کے ساتھ بیع واقع ہوئی ہے وہ ٹوٹ جائے گی۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "فان وجد بهذه الدار" یعنی اگر اس مذکور گھر میں کوئی عیب نکل آئے۔

اور اس تعلیق میں مذکور ہے "ولم تستحق" اور حال یہ ہے کہ وہ گھر کسی اور کی ملکیت نہ نکلے تو وہ خریدار وہ گھر بائع کو بیس ہزار درہم میں واپس کرے گا۔

امام بخاری نے کہا: یہ تناقض ہے، کیونکہ امت کا اس پر اجماع ہے اور اس اجماع میں امام ابوحنیفہ بھی امت کے ساتھ ہیں کہ استحقاق اور عیب دونوں کی وجہ سے رد کی صورت میں بائع اسی قیمت کو واپس کرتا ہے جس پر اس نے قبضہ کیا، (اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ گھر کسی اور کا نکلا تو خریدار مالک سے نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور ایک دینار واپس لے گا اور اگر اس گھر میں کوئی عیب نکلا تو خریدار مالک سے پورے بیس ہزار واپس لے گا) اسی طرح شفعہ کرنے والا بھی اسی قیمت کو واپس کرے گا جو اس نے خریدار کو نقد دی ہے نہ اس کو جس پر عقد ہوا ہے۔ اور اس تناقض کی طرف امام بخاری نے اس قول سے اشارہ کیا "یہ مسلمانوں کے درمیان دھوکا ہے" یعنی ان بعض لوگوں نے اس حیلہ کو جائز رکھا ہے کہ اگر شفعہ کرنے والے نے اس گھر کو خریدنے کا ارادہ کیا تو مالک قیمت کو زیادہ کر کے اس کے حق کو باطل کر دے گا، (یعنی بیس ہزار درہم کے بجائے نو ہزار نو سو ننانوے درہم اور بقیہ ایک درہم کے بدلہ میں ایک دینار لے گا)۔

امام بخاری نے کہا ہے: "ان بعض لوگوں نے اس دھوکا کو جائز رکھا"۔ اگر اس سے ان کی مراد امام ابوحنیفہ ہیں تو یہ ان کی سخت بے ادبی ہے، امام ابوحنیفہ اس سے بری ہیں اور ان کا دین متین اور ان کا تقویٰ بھی اس سے منع کرتا ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے "اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" یعنی امام بخاری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اور اس سے اس حدیثِ معلق کا ارادہ کیا ہے جو کتاب البیوع کے شروع میں مکمل گزر چکی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں

عقد کے درمیان دھوکا دینا حرام ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے ''لا داء'' یعنی مبیع (بیچی ہوئی چیز) میں کوئی مرض نہ ہو، اور مبیع میں کوئی خبث نہ ہو، یعنی وہ غیر طیب نہ ہو۔ اس تعلیق میں مذکور ہے ''ولا غائلة'' یعنی وہ مبیع (بیچی ہوئی چیز) ایسی نہ ہو جس سے خریدار کا مال ہلاک ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۸۸۔۱۸۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۱۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ أَنَّ أَبَا رَافِعٍ سَاوَمَ سَعْدَ بْنَ مَالِكٍ بَيْتًا بِأَرْبَعِ مِائَةِ مِثْقَالٍ وَقَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْجَارُ أَحَقُّ بِصَقَبِهِ مَا أَعْطَيْتُكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از سفیان، انہوں نے کہا: مجھے ابراہیم بن میسرہ نے حدیث بیان کی از عمرو بن الشرید، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابورافع نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر کی قیمت چار سو مثقال مقرر کی اور کہا: اگر میں نے نبی ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی قرب کی وجہ سے زیادہ مستحق ہوتا ہے تو میں یہ تم کو نہ دیتا۔

(صحیح البخاری: ۲۲۵۸، ۶۹۷۷، ۶۹۷۸، ۶۹۸۰، ۶۹۸۱، سنن نسائی: ۴۷۰۲، سنن ابوداؤد: ۳۵۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۴۹۵، مسند احمد: ۲۳۳۵۹)

اس حدیث کی شرح عنقریب گزر چکی ہے۔

''کتاب الحِیَل'' کا اختتام

''کتاب الحِیَل'' میں اکتیس (۳۱) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے ایک تعلیق ہے اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور یہ تمام احادیث مکررہ ہیں۔ اس سے پہلے یہ احادیث گزر چکی ہیں۔

''کِتَابُ الحِیَل'' کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین!

آج مورخہ ۲۶ ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ/ یکم نومبر 2013ء بروز جمعۃ المبارک ''کتاب الحِیَل'' میں درج احادیث کی شرح مکمل ہوگئی۔ صحیح البخاری میں ''کِتَابُ الاِکراہ'' اور ''کِتَابُ الحِیَل'' کو مشکلات صحیح بخاری سے قرار دیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری نے اس کتاب میں اپنا اسلوب تبدیل کر لیا ہے اور احادیث کی روایت اور ان کو جمع کرنے کے بجائے مسائلِ فقہیہ پر زیادہ گفتگو کی ہے اور مسائلِ فقہیہ میں انہوں نے زیادہ تر امام الائمہ، سراج الائمہ امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز پر بلا دلیل اعتراضات کیے ہیں اور اپنے زعم میں امام ابوحنیفہ کی عبارات اور ان کے مسائل میں تضاد اور تناقض کو ثابت کیا ہے اور صحیح البخاری کے زیادہ تر شارحین شافعی اور مالکی ہیں، لہٰذا انہوں نے بھی امام بخاری کی ہمنوائی کی ہے۔

امام بخاری نے جن عبارات سے امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کیے ہیں وہ عبارات بہت مغلق اور دقیق ہیں، اللہ تعالیٰ علامہ بدرالدین عینی حنفی پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، انہوں نے نہ صرف یہ کہ امام بخاری کی مغلق عبارات کو حل کیا بلکہ امام ابوحنیفہ کی طرف سے امام بخاری کے اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کیے ہیں اور اس اثناء میں کہیں کہیں ان کا لہجہ سخت بھی ہو گیا ہے، کیونکہ

جس سے شدید محبت ہو اس کی شان میں جب کوئی شخص نقص نکالے تو محبت کرنے والوں کا غیض وغضب میں آنا ایک فطری بات ہے۔ امام بخاری نے ان مباحث میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو "بعض الناس" کے لقب سے ملقب کیا ہے اور اس سے ان کا مقصد امام ابوحنیفہ کے مرتبہ کو کم کرنا ہے گویا کہ وہ عام لوگوں میں سے بعض لوگ ہیں، اگر وہ "بعض الفقہاء" کہتے تب بھی اس کی گنجائش تھی، جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق امام شافعی یہ کہتے ہیں "الفقهاء كلهم عيال ابي حنيفه" یعنی تمام فقہاء فقہ میں امام ابوحنیفہ کے خوشہ چین اور پرڈردہ ہیں، امام بخاری اکثر مسائل میں امام شافعی کی اتباع کرتے ہیں اور امام شافعی امام محمد کے شاگرد ہیں، اور امام محمد امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، تو جن کی امام بخاری زیادہ تر اتباع کرتے ہیں وہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد در شاگرد ہیں، لہٰذا انہیں کچھ تو اس شاگردی کا پاس رکھنا چاہیے تھا اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف زبان درازی اور جسارت سے احتراز کرنا چاہیے تھا۔ بعض لوگ امام بخاری سے امام اعظم کا قصاص لینے کے لیے امام بخاری کو "بغض الناس" کا لقب دیتے ہیں اور جہاں امام بخاری امام اعظم ابوحنیفہ کو "بعض الناس" سے تعبیر کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں "بغض الناس" نے کہا کہ "بعض الناس" یوں کہتے ہیں، لیکن میں بہرحال امام بخاری سے بہت محبت کرتا ہوں اور ان کا بہت ادب اور احترام کرتا ہوں، فنِ حدیث میں ان کی لاثانی خدمات ہیں، اور حدیث میں ان کی صحیح البخاری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "آسمان کے نیچے کتاب اللہ کے بعد جو صحیح ترین کتاب ہے وہ صحیح البخاری ہے"۔ امام بخاری نے صحیح البخاری کو جمع کرنے اور علمِ حدیث کو پھیلانے میں بہت صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں، ان کے معاصرین نے ان سے حاسدانہ رویہ رکھا حتیٰ کہ آخر حیات میں امام بخاری یہ کہتے تھے کہ اپنی وسعت کے باوجود زمین مجھ پر تنگ ہوگئی ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے دفن ہونے کے بعد عرصہ دراز تک ان کی قبرِ مبارک سے خوشبو آتی رہی اور جب بارش نہ ہوتی اور ان کی قبر پر بارش کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی تو اللہ تعالیٰ امام بخاری کی قبر کی برکت سے دعا کو قبول فرمالیتا اور بارش نازل فرمادیتا، اسی طرح کسی مشکل اور مصیبت میں جب صحیح البخاری کا ختم کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مشکل اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔

میں امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد اور متبع ہوں اور محدثِ اعظم امام بخاری سے بے حد محبت کرتا ہوں، اور دونوں بزرگوں کی تعظیم وتکریم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان پاکانِ امت سے محبت کی وجہ سے میرے گناہوں کو بخش دے اور دنیا اور آخرت کے عذاب کو مجھ سے دور کردے اور جنت الفردوس کو میرے لیے مقدر فرمادے اور میں اپنے تمام اساتذہ، احباب، تلامذہ اور قارئین کے لیے بھی یہی دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت فرمائے، ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور ہم سب کو دین و دنیا کی راحتیں اور کراحتیں عطا فرمائے۔

الٰہ العٰلمین! کتاب الاکراہ اور کتاب الحیل کی احادیث کی شروح میں جو مجھ سے کمی اور خطا ہوگئی ہے، اس سے درگزر فرمانا اور میری اس شرح اور میری دیگر شروح اور میری تمام تصانیف سے امت مسلمہ کے صحیح العقیدہ راسخین کے علم وعمل میں پختگی عطا فرمانا اور ان کو مسلکِ اہلسنت پر تا حیات قائم رکھنا، اور جو معاندین اور مخالفین ہیں ان کو ہدایت عطا فرمانا۔

وما ذالك على الله بعزيز۔

کِتاب الحِیَل کی تکمیل کے بعد اب ان شاء اللہ صحیح البخاری کی "کتاب التعبیر" کی شرح کا آغاز ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

٩١- كِتَابُ التَّعْبِيْرِ

خوابوں کی تعبیر کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب تعبیر کے بیان میں ہے۔ علامہ محمد بن یوسف الکرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ فصیح لفظ ''العبارت'' ہے نہ کہ تعبیر، جس کا معنی تفسیر ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ خواب میں دیکھا ہوا واقعہ کس طرح پیش آئے گا، اور تعبیر کا لفظ خواب کی تفسیر کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا معنی ہے: ظاہر سے باطن کی طرف عبور کرنا۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ تعبیر کا معنی ہے: کسی چیز میں غور وفکر کرنا، پس بعض چیزوں کو بعض سے تعبیر کرنا حتیٰ کہ ان کی فہم حاصل ہو جائے اور اس کی اصل ''العبر'' ہے، اس کا معنی ہے: ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کرنا، اور ''الاعتبار'' اور ''العبرۃ'' اس حالت کو کہتے ہیں جس میں دیکھی ہوئی چیزوں کے ذریعہ سے ان چیزوں کی معرفت حاصل کی جاتی ہے جو دیکھی ہوئی نہیں ہیں، جب کوئی شخص خواب کی تفسیر بیان کرے تو کہتے ہیں ''عبرت الرویا'' میں نے خواب کی تعبیر کی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ''کتاب التعبیر'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعبیر کا لفظ خواب کی تفسیر کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں ظاہر سے باطن کی طرف عبور کیا جاتا ہے۔

الازہری نے کہا ہے: اس میں کسی چیز پر غور وفکر کیا جاتا ہے، پس بعض چیزوں کو بعض پر قیاس کیا جاتا ہے حتیٰ کہ فہم میں ایک معنی حاصل ہوتا ہے۔

امام راغب اصفہانی نے کہا ہے: تعبیر میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کیا جاتا ہے جیسے تیر کر پانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں، اور جب لوگ مرجاتے ہیں تو وہ دُنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

''الرؤیا'' کا معنی خواب ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو انسان نیند میں دیکھتا ہے۔

امام راغب نے کہا ہے: لفظ ''رؤیۃ'' کا معنی ہے: انسان کا حاسہ بصر سے دیکھنا اور اس کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے جس کا انسان تخیل سے ادراک کرتا ہے جیسے میں دیکھتا ہوں کہ زید مسافر ہے اور نظر وفکر سے جو معنی حاصل ہو اس پر بھی ''رؤیۃ'' کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ (الانفال: ۴۸)

اور جب دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ (شیطان) ایڑیوں کے بل بھاگا اور کہنے لگا: میں تم سے بری الذمہ ہوں، بے شک میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے، بے شک

میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے O

علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے: بعض علماء نے بیان کیا ہے کہ کبھی "الرویۃ" "الرؤیا" کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اور ہم نے آپ کو (شب معراج) جو کچھ دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیے تھا۔ (بنی اسرائیل: ٦٠)

علامہ قرطبی کا یہ زعم ہے کہ اس سے مراد وہ عجیب وغریب چیزیں ہیں جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج دیکھا تھا اور شب معراج کا پورا واقعہ بیداری میں ہوا ہے، اور اس سے پہلے اسراء کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول گزر چکا ہے کہ آپ نے اس شب اپنی آنکھ سے دیکھا تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو "رؤیا" فرمانے کی حکمت یہ ہو کہ یہ چیزیں امور غیب سے تھیں اور امورِ شہادت کو دیکھنے کی مخالف تھیں تو اس کو خواب کے مشابہ قرار دیا۔

اور اہلِ سنت کا جو صحیح نظریہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سونے والے کے دل میں اعتقادات پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ بیدار کے دل میں اعتقادات پیدا کرتا ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کے خواب برحق ہوتے ہیں اور وحی ہوتے ہیں اور دوسروں کے خواب اس طرح نہیں ہوتے، پس وحی میں کوئی خلل داخل نہیں ہوتا کیونکہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے، اس کے برخلاف غیر انبیاء کے جو خواب ہیں تو کبھی ان میں شیطان حاضر ہو جاتا ہے۔

خواب کی کئی اقسام ہیں:

(۱) شیطان انسان سے خواب میں کھیلتا ہے تاکہ دیکھنے والے کو غمزدہ کرے، وہ گویا کہ دیکھتا ہے کہ اس کا سر کاٹ دیا گیا ہے اور وہ اس سر کا پیچھا کر رہا ہے، یا وہ دیکھتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں ہے اور کوئی شخص نہیں پاتا جو اس کو اس مصیبت سے چھڑائے۔

(۲) وہ یہ دیکھتا ہے کہ بعض فرشتے اسے حکم دیتے ہیں کہ وہ محرمات کا ارتکاب کرے، یا کسی اس چیز کا ارتکاب کرے جو محال ہے۔

(۳) تیسرا وہ خواب ہے کہ جن چیزوں کے متعلق وہ بیداری میں بات کرتا ہے یا جن کی وہ تمنا کرتا ہے تو ان چیزوں کو وہ خواب میں دیکھتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۱۔ ۱۴۲، ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۔ بَابٌ: أَوَّلُ مَا بُدِءَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے کی گئی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں "الرؤیا" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: وہ چیز جس کو کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے۔

علامہ الواحدی نے کہا ہے: "الرؤیا" اصل میں البشریٰ کی طرح مصدر ہے، جب اس کو اس چیز کا اسم بنایا گیا جس کا انسان

خواب میں خیال کرتا ہے تو اس کو اسم کا قائم مقام بنا دیا۔

علامہ ابن العربی نے کہا ہے: "الرؤیا" وہ ادراکات ہیں جن کو اللہ عزوجل فرشتے کے ہاتھ سے یا شیطان کے ہاتھ سے بندہ کے دل میں پیدا کرتا ہے، کبھی تو وہ ادراکات اپنی حقیقت پر ہوتے ہیں اور کبھی کنایہ کے ساتھ ہوتے ہیں، اور بیداری میں اس کی نظیر انسان کے دل میں آئی ہوئی باتیں ہیں، کبھی تو وہ ایک طرز سے آتی ہیں اور کبھی وہ غیر محصل آتی ہیں۔

الحاکم اور العقیلی نے از محمد بن عجلان از سالم بن عبد اللہ بن عمر از حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوالحسن! مرد خواب دیکھتا ہے، بعض ان میں سے سچے خواب ہوتے ہیں اور بعض جھوٹے ہوتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جو بندہ یا جو بندی سو جائے اور نیند سے بھر جائے تو اس کی روح عرش کی طرف چلی جاتی ہے، پس جو عرش کے نیچے بیدار نہیں ہوتا تو یہ وہ خواب ہے جو صادق ہوتا ہے اور جو عرش کے نیچے بیدار ہو جاتا ہے، یہ وہ خواب ہے جو جھوٹا ہوتا ہے"۔

علامہ ذہبی نے "تلخیص المستدرک" میں لکھا ہے: یہ حدیث منکر ہے اور حاکم نے اس کو صحیح نہیں قرار دیا، اور شاید کہ اس حدیث میں اس کے راوی ابن عجلان سے یہ آفت آئی ہے۔ اور العُقیلی نے اس حدیث کے عنوان میں لکھا ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "الرؤیا الصالحۃ" اور "رؤیا" خواب میں ہوتا ہے اور "الرؤیۃ" نظر سے ہوتی ہے، اور جو سچے خواب ہیں یہ انبیاء علیہم السلام کے خواب ہوتے ہیں اور جو صالحین میں سے ان کے تابعین ہیں، اور کبھی غیر صالحین کو خواب میں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں، ان کو "اضغاث احلام" کہتے ہیں، یعنی خواب میں وہ بے تکی اور بے ربط باتیں دیکھتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۰۔۱۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: "الرؤیا الصالحۃ" کا معنی ہے سچے خواب، جن کو مسلمان بھی دیکھتا ہے اور کافر بھی دیکھتا ہے اور تمام لوگ دیکھتے ہیں، مگر عام لوگوں کے لیے یہ سچے خواب بہت کم دکھائی دیتے ہیں اور کسی وقت میں دکھائی دیتے ہیں ہر وقت دکھائی نہیں دیتے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص کیا گیا ہے کہ آپ کے بالعموم خواب سچے ہوتے ہیں، اور شیطان کو اس سے روک دیا گیا ہے کہ وہ آپ کی صورت میں متمثل ہو، تا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر خواب میں جھوٹ کے ساتھ حملہ آور نہ ہو۔ اور "الرؤیا" اجزاء وحی میں سے ایک جزو ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ شیطان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں متمثل ہونے سے منع کیا گیا ہے، اور کبھی شیطان اللہ کی صورت میں آتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں باری تعالیٰ ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو واقعی صورت ہے شیطان اس میں متمثل ہو کر نہیں آسکتا، رہا یہ کہ شیطان کسی صورت میں آ کر کہتا ہے کہ میں خدا ہوں، تو عقل میں اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اس کو رد کرتی ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جسم، جسمانیات اور صورت سے منزہ ہے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۶۹۸۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح و حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِءَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ فَكَانَ يَأْتِي حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَتُزَوِّدُهُ لِمِثْلِهَا حَتَّى فَجِئَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فِيهِ فَقَالَ اقْرَأْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِءٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِءٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِءٍ فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدُ ثُمَّ أَرْسَلَنِي فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ حَتَّى بَلَغَ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ فَرَجَعَ بِهَا تَرْجُفُ بَوَادِرُهُ حَتَّى دَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ يَا خَدِيجَةُ مَا لِي وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ وَقَالَ قَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي فَقَالَتْ لَهُ كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللهِ لَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قُصَيٍّ وَهُوَ ابْنُ عَمِّ خَدِيجَةَ أَخُو أَبِيهَا وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعَرَبِيَّ فَيَكْتُبُ بِالْعَرَبِيَّةِ مِنَ الْإِنْجِيلِ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب ح اور مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی، زہری نے کہا: پس مجھے عروہ نے خبر دی از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان فرماتی ہیں کہ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء نیند میں سچے خوابوں سے کی گئی، پس آپ جو بھی خواب دیکھتے اس کی تعبیر روشن صبح کی مثل آجاتی، پس آپ (غار) حرا میں جاتے تھے اور وہاں تحنث کرتے تھے، اور اس کا معنی ہے عبادت کرنا، آپ کئی کئی راتوں تک عبادت کرتے تھے اور اس کے لیے زادِراہ لے جاتے تھے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف واپس آجاتے، وہ آپ کو اتنا ہی زادِراہ مہیا کر دیتیں حتیٰ کہ اچانک آپ کے پاس وحی آگئی اور اس وقت آپ غارِ حراء میں تھے، پس آپ کے پاس اس غار میں فرشتہ آیا، سو اس نے کہا: پڑھیے! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا: پس میں نے اس سے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پس اس نے مجھے پکڑا، پھر مجھے دبایا حتیٰ کہ انہوں نے مجھے اپنی پوری طاقت سے دبایا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پھر کہا: پڑھیے! میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پس اس نے مجھے پکڑا اور پھر مجھے دوبارہ دبایا حتیٰ کہ انہوں نے مجھے اپنی پوری طاقت سے دبایا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پس کہا: پڑھیے! میں نے پھر کہا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں، پس اس نے مجھے تیسری مرتبہ دبایا حتیٰ کہ مجھے اپنی پوری طاقت سے دبایا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، پھر اس نے کہا: ”آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے“ (العلق: ۱) حتیٰ کہ اس نے یہاں تک پڑھا ”جس کو انسان نہیں جانتا تھا“ (العلق: ۵)، پس آپ ان آیات کے ساتھ اس حال میں واپس آئے کہ آپ کے کندھے کپکپا رہے تھے حتیٰ کہ آپ حضرت

شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ خَدِيجَةُ أَيِ ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيكَ فَقَالَ وَرَقَةُ ابْنَ أَخِي مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ مَا رَأَى فَقَالَ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي أُنْزِلَ عَلَى مُوسَى يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعًا أَكُونُ حَيًّا حِينَ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ فَقَالَ وَرَقَةُ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُودِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِي يَوْمُكَ أَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ فَتْرَةً حَتَّى حَزِنَ النَّبِيُّ ﷺ فِيمَا بَلَغَنَا حُزْنًا غَدَا مِنْهُ مِرَارًا كَيْ يَتَرَدَّى مِنْ رُءُوسِ شَوَاهِقِ الْجِبَالِ فَكُلَّمَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ لِكَيْ يُلْقِيَ مِنْهُ نَفْسَهُ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ حَقًّا فَيَسْكُنُ لِذٰلِكَ جَأْشُهُ وَتَقِرُّ نَفْسُهُ فَيَرْجِعُ فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الْوَحْيِ غَدَا لِمِثْلِ ذٰلِكَ فَإِذَا أَوْفَى بِذِرْوَةِ جَبَلٍ تَبَدَّى لَهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ضَوْءُ الشَّمْسِ بِالنَّهَارِ وَضَوْءُ الْقَمَرِ بِاللَّيْلِ۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے، آپ نے فرمایا: "مجھے چادر اوڑھاؤ! مجھے چادر اوڑھاؤ" پس گھر والوں نے آپ کو چادر اوڑھائی، حتیٰ کہ آپ سے خوف دور ہو گیا، پس آپ نے فرمایا: اے خدیجہ! مجھے کیا ہوا ہے۔۔۔اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنایا، اور آپ نے کہا: مجھے اپنی جان پر خطرہ ہے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: ہرگز نہیں! آپ کو خوشخبری ہو، پس اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا، بے شک آپ رشتہ داروں سے ملاپ رکھتے ہیں اور سچی باتیں کرتے ہیں، اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق کی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان میں آپ مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے پاس گئیں اور وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا کے بیٹے تھے، ان کے والد کے بھائی تھے، اور وہ ایسے مرد تھے جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، اور وہ کتاب کو عربی میں لکھتے تھے، پس انجیل کو عربی میں لکھتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا اتنا لکھتے، اور بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے، پس ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے میرے چچا کے بیٹے! اپنے بھتیجے کی بات سنیں! پس ورقہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بتایا جو کچھ آپ نے دیکھا تھا، پس ورقہ نے کہا: یہ وہ ناموس (فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا، کاش! میں اس وقت طاقت ور ہوتا، کاش! میں زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا وہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ پس ورقہ نے کہا: ہاں! جو مرد بھی آپ کے پیغام کی مثل لے کر آیا اس سے عداوت رکھی گئی، اور اگر مجھے اس دن میں پالیا تو میں آپ کی بہت قوی مدد کروں گا، پھر ورقہ زیادہ دن نہ ٹھہرے کہ ان کی وفات ہو گئی اور وحی کا آنا رک گیا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے، ہمیں

حدیث پہنچی ہے کہ آپ اتنے غمگین ہوئے کہ آپ نے کئی مرتبہ یہ
ارادہ کیا کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹیوں سے گرادیں، پس جب بھی
آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تا کہ اپنے آپ کو اس پہاڑ کی چوٹی
سے گرائیں تو آپ کے لیے حضرت جبریل ظاہر ہو جاتے، پس
کہتے: اے محمد! بے شک آپ اللہ کے برحق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہیں، پھر آپ کا اضطراب پرسکون ہو گیا اور آپ کا دل مطمئن ہو گیا،
پس آپ واپس آجاتے، پس جب بہت عرصہ تک وحی رکی رہی تو صبح
آپ پھر اسی طرح گئے، پس جب آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے تو
حضرت جبریل آپ کے لیے ظاہر ہوئے اور پھر اسی طرح کہا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "فالق الاصباح" کا معنی ہے:
دن میں سورج کی روشنی اور رات میں چاند کی روشنی۔

(صحیح البخاری: ۳، ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲، صحیح مسلم: ۱۶۰، سنن ترمذی: ۳۶۳۲، مسند احمد: ۲۵۹۵۹)

صحیح البخاری: ۶۹۸۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث صحیح البخاری کے شروع میں گزر چکی ہے اور اس کی مفصل شرح کی جا چکی ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ وقت نہیں پایا تھا، پس یا تو انہوں نے یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا یا کسی اور صحابی سے سنا، خلاصہ یہ
ہے کہ یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی امام بخاری نے دو سندوں سے روایت کی ہے۔ ان میں سے ایک سند میں یحییٰ بن بُکیر کا ذکر ہے، یہ یحییٰ بن
عبداللہ بن بُکیر المخزومی المصری ہیں۔ پھر اس سند میں لیث کا ذکر ہے، یہ لیث بن سعد المصری ہیں۔ پھر اس سند میں عُقیل کا ذکر
ہے، یہ عُقیل بن خالد ہیں۔ پھر اس سند میں ابن شہاب کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہیں۔
اور دوسری سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، یہ الجعفی ہیں جو المسندی کے نام سے معروف ہیں۔ اس کے بعد اس سند میں
عبدالرزاق کا ذکر ہے، یہ عبدالرزاق بن ہمام ہیں۔ اس کے بعد اس سند میں معمر کا ذکر ہے، یہ معمر بن راشد ہیں۔ اس کے بعد اس
سند میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم الزہری ہیں۔
امام بخاری نے ان دو سندوں کے درمیان حرف "ح" کو لکھا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حدیث کو ذکر کرنے سے پہلے امام
بخاری ایک سند سے دوسری سند کی طرف منتقل ہوئے۔ یا لفظ "ح" سے "صح" کی طرف اشارہ ہے، یا الحائل کی طرف اشارہ

ہے، یا الی الحدیث کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

''رؤیا الصالحہ'' اور ''رؤیا الصادقہ'' میں فرق اور ان کی تعریفات

اس حدیث میں مذکور ہے ''الصادقۃ'' اور ایک روایت میں مذکور ہے ''الصالحۃ'' اور ان دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی انبیاء علیہم السلام جو امورِ آخرت کے بارے میں بیان کرتے ہیں وہ سچی باتیں ہوتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام جو دنیاوی امور کے بارے میں بیان کریں تو وہ خواب کبھی صالحہ ہوتے ہیں اور کبھی دنیاوی اعتبار سے غیر صالحہ ہوتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں غزوہ احد میں شکست دکھائی گئی تو یہ خواب غیر صالحہ تھا۔

اور رہے غیر انبیاء علیہم السلام کے خواب، تو ان میں اور انبیاء علیہم السلام کے خواب میں عموم اور خصوص کی نسبت ہوتی ہے، اگر ہم صادقہ کی تفسیر کریں کہ اس میں تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اگر ہم یہ تفسیر کریں کہ وہ ''اضغاث احلام'' نہیں ہوتے یعنی پریشان کن اور بے تکے واقعات نہیں دیکھے جاتے، پس صالحہ خاص مطلقاً ہے، پس جو خواب صالحہ ہوگا وہ صادقہ بھی ہوگا، اور ہر صادقہ خواب کا صالحہ ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ''رؤیا الصادقہ'' (سچے خواب) وہ ہوتے ہیں جن کی تعبیر بعینہٖ واقع ہوتی ہے یعنی جو کچھ خواب میں دیکھا ہوتا ہے بیداری میں وہی واقع ہو جاتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو بیداری میں بھی ایسا ہی واقعہ ہو گیا۔ یا خواب کی تعبیر وہ شخص بیان کرے جو جھوٹ نہیں بولتا، اور ''رؤیا الصالحہ'' وہ ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان خوش ہوتا ہے، کیونکہ بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں شیطان انسان کو ڈراتا ہے، اور جن کو دیکھ کر انسان غمگین ہوتا ہے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: ''رؤیا الصالحہ'' وہ ہوتے ہیں کہ جن کی صورت صالحہ ہو یا جن کی تعبیر صالح ہو، اور ''رؤیا الصادقہ'' وہ ہوتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوں۔

''فلق الصبح'' کا معنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابوں کی تعبیر کی روشن صبح کے ساتھ مشابہت کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے ''الا جاءت مثل فلق الصبح''۔ ''فلق الصبح'' کا معنی ہے صبح کی روشنی جو اندھیرے اور تاریکی کو پھاڑ کر ظاہر ہوتی ہے اور اندھیرے سے الگ ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی تعبیر کو صبح کی روشنی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ نبوت سورج کی طرح ہے اور نبوت کے مبادی، نبوت کے انوار ہیں، اور یہ انوار بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ نبوت کا سورج چمکتا ہے، پس جس شخص کا باطن نورانی ہو تو وہ اس روشنی کی وجہ سے جلد نبوت کی تصدیق کرتا ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور جس شخص کا باطن ظلمانی ہو تو وہ چمگادڑ کی طرح ہوتا ہے اس کو روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا جیسا کہ ابوجہل کو اس نبوت کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آیا۔ اور ان کے علاوہ باقی لوگ ان دو مرتبوں کے درمیان ہوتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کو جتنا نور دیا جاتا ہے وہ اس کے اعتبار سے نبوت کی تصدیق کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''بحراء''۔

غارِ حراء میں خلوت گزینی کی حکمت

غارِ حراء سے کعبہ صاف نظر آتا ہے، پس جو شخص غارِ حراء میں قیام کرے تو اس کو تین عبادات حاصل ہوتی ہیں: ایک خلوت، دوسری وہاں کی عبادت، اور تیسری بیت اللہ کی طرف نظر کرنا۔

ایک قول یہ ہے کہ قریش بھی غارِ حراء میں قیام کرتے تھے اور تنہائی میں بیٹھتے تھے اور سب سے پہلے حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ غارِ حراء میں تنہائی میں جا کر بیٹھتے تھے اور قریش ان کی جلالت کی وجہ سے اور ان کی عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جدِ امجد کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے غارِ حراء میں تنہائی کے اندر جا کر بیٹھتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''هو التعبد الليالي ذوات العدد''۔

''تحنّث'' کا معنی اور غارِ حراء میں عبادت کرنے کی مدت

تعبّد کا لفظ ''تحنّث'' کی تفسیر ہے اور اس کو راوی نے اپنی طرف سے داخل کیا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ''الليالي ذوات العدد'' کا معنی ہے کہ بہ کثرت راتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء میں تنہائی میں جا کر عبادت کرتے تھے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو کھانے پینے کی چیزیں دیتی تھیں پھر جب وہ ختم ہو جاتیں تو آپ دوبارہ گھر آتے اور وہ پھر آپ کو وہ چیزیں دے دیتیں''۔

ہمارے بعض معاصرین نے ابنِ اسحاق کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال غارِ حراء میں ایک مہینہ عبادت کرتے تھے، اور جو مسکین آپ کے پاس آتے انہیں کھانا کھلاتے تھے، اور اس زمانہ میں زادِ راہ زیادہ تر دودھ اور گوشت ہوتا تھا اور دودھ اور گوشت زیادہ دیر تک تازہ نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے دوبارہ آپ جاتے اور تازہ دودھ اور گوشت لے آتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتى فجئه الحق''۔

حتیٰ اپنی اصل پر انتہاءِ غایت کے لیے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ غارِ حراء میں آپ کے ٹھہرنے کی انتہاء فرشتہ کے آنے پر ہو گئی اور فرشتہ کے آنے کے بعد آپ نے غارِ حراء میں ٹھہرنے کو ترک کر دیا۔

حق آنے کے متعدد معانی

علامہ الطیبی نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ کہ آپ کے پاس حق آ گیا'' اس کا معنی ہے: حق کا حکم آ گیا اور وہ وحی ہے، یا رسولِ برحق آ گئے اور وہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حق سے مراد وہ امر ہے جو بالکل ظاہر ہو، یا حق سے مراد فرشتہ ہے، یا وہ حکم ہے جس کو فرشتہ لے کر آیا۔

جس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس پہلی وحی لے کر آئے اس وقت آپ کی عمر کا بیان اور اس وقت کی تاریخ میں مختلف اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے "فیہ" یعنی فی الغار، اس سے ان لوگوں کا رد مراد ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتہ غار میں داخل نہیں ہوا تھا بلکہ فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تھے اور فرشتہ دروازہ پر تھا، اور فرشتہ سے مراد یہاں پر حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ "المَلَكُ" میں لام ماہیت کی تعریف کے لیے ہے نہ کہ عہد کے لیے، اور جس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آئے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غارِ حراء میں عمر چالیس سال تھی، یہ مشہور قول ہے۔ اور یہ پیر کا دن تھا اور رمضان کی سترہ (۱۷) تاریخ تھی، دوسرا قول ہے کہ سات تاریخ تھی، تیسرا قول ہے کہ چوبیس تاریخ تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ رجب کے مہینہ کی ستائیس تاریخ تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ماہِ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آٹھ تاریخ تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال اقرأ" یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا: آپ پڑھیے! بہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کلمہ سے پہلے آپ سے کوئی بات نہیں کی اور نہ سلام کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے انہوں نے سلام کیا ہو اور حدیث میں اس کا ذکر محذوف ہو۔ اور امام الطیالسی نے روایت کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پہلے سلام کیا، اور یہ منقول نہیں ہے کہ انہوں نے قراءت کا حکم دینے سے پہلے سلام کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال اقرأ" یہاں پر حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ نہیں کہا "قُل اقرأ" کیونکہ اگر وہ "قُل" بھی کہتے تو یہ گمان کیا جاتا کہ یہ "قُل" بھی قرآن میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس چیز کے پڑھنے کے متعلق حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا؟

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ وہ کیا چیز ہے جس کو پڑھوانے کے لیے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک اونی کپڑے میں ایک مکتوب لکھا ہوا تھا جسے پڑھنے کے لیے آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا۔ اسی طرح امام ابن اسحاق کی روایت میں ہے اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما انا بقارئ" یعنی میں کتابوں کو اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اس اونی کپڑے میں جو مکتوب تھا اس میں کیا لکھا ہوا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی آیات تھیں اور پہلی آیت یہ تھی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔۔۔ (العلق:۱)" اور دوسرا قول یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس اونی کپڑے میں پورا قرآن لکھا ہوا ہو جو مختلف اعتبارات سے قسط وار نازل ہوتا رہا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے آپ کو دبانے کی حکمت

اس حدیث میں مذکور ہے "فغطنی" غط کا معنی ہے: کسی چیز کو پورے زور سے دبانا یا نچوڑنا، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس لیے دبایا تا کہ آپ کو آزمائیں کہ آپ اپنی طرف سے کچھ کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کو متنبہ کرنے کے لیے اور آپ کے ذہن کو حاضر کرنے کے لیے آپ کو دبایا۔

آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام کے تین مرتبہ دبانے کی حکمت

علامہ السہیلی نے کہا ہے: تین مرتبہ دبانے کی تاویل یہ ہے کہ عنقریب آپ پر تین شدتیں آئیں گی جن میں آپ کو مبتلا کیا جائے گا اور پھر آپ پر وحی آئے گی، پہلی شدت وہ تھی جب قریش نے آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا حتیٰ کہ آپ کو اور آپ کے متبعین کو سخت شدت کا سامنا ہوا، اور دوسری شدت وہ تھی جب قریش نے مسلمانوں پر بہت سختی کی اور ان کو قتل کی دھمکیاں دیں حتیٰ کہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، اور تیسری شدت وہ تھی جب قریش نے آپ کے خلاف آپ کو قتل کرنے کی سازش کی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ۝ (الانفال:۳۰)

اور یاد کیجئے جب کافر آپ کے خلاف سازش کر رہے تھے تا کہ آپ کو قید کریں یا قتل کریں یا جلاوطن کریں، وہ اپنی سازش میں لگے ہوئے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے ○

پس یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین شدتیں تھیں۔

علامہ سہیلی نے کہا ہے: ہمارے بعض معاصرین مشائخ نے یہ کہا ہے کہ تین مرتبہ دبانے میں یہ اشارہ تھا کہ عنقریب آپ کے اوپر جو حکم نازل کیا جائے گا اس کا قول بھی ثقیل ہوگا اور عمل بھی ثقیل ہوگا اور نیت بھی ثقیل ہوگی۔ یا اس طرف اشارہ تھا کہ آپ پر جو آیات نازل کی جائیں گی ان کا تعلق توحید سے ہوگا اور احکامِ شرعیہ سے ہوگا اور ماضی اور مستقبل کی غیب کی خبروں کے ساتھ ہوگا، یا اس طرف اشارہ تھا کہ دنیا، برزخ اور آخرت میں آپ کی امت پر آسانی اور سہولت اور تخفیف کی جائے گی۔

حضرت جبریل علیہ السلام کے پوری قوت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دبانے پر علامہ تورپشتی کا اعتراض اور اس کے جوابات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت جبریل (علیہ السلام) نے مجھے اپنی پوری طاقت سے دبایا"۔

علامہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی ۶۶۱ھ، نے کہا ہے کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنی پوری قوت سے دبایا، کیونکہ بشرِ جسم حضرت جبریل علیہ السلام کی پوری قوت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، خاص طور پر ابتداء نبوت کے زمانہ میں، اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اس دبانے سے میرے اندر رعب داخل ہو گیا۔ (علامہ تورپشتی کی عبارت ختم ہوئی)۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے برداشت کرنے کی قوت عطا فرما دی ہو اور یہ آپ کے جملہ معجزات میں سے ہو۔

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی ۷۴۳ھ، نے علامہ التورپشتی کے اعتراض کے جواب میں یہ لکھا ہے کہ اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام اپنی صورتِ ملکیہ پر نہیں تھے تو انہوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری طاقت سے دبایا، یہ ان کی بشری صورت کے اعتبار سے ہے۔ نیز علامہ الطیبی نے کہا: جب یہ روایت صحیح ہے تو اس کو بعید سمجھنا مضمحل ہو گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف زدہ ہونے کی توجیہات

اس حدیث میں مذکور ہے "فرجع بھا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیات کو دہراتے ہوئے واپس گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ترجف بوادرہ" البوادر، البادرۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: کندھے اور گردن کے درمیان کا گوشت۔ اور دوسری روایت میں "فؤادہ" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے قلب، اور قلب کے بجائے الفواد کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ کپکپانا فؤاد میں ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الروع" اس کا معنی ہے: گھبراہٹ اور خوف۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مالی" یعنی مجھے کیا ہوا ہے، مجھے یہ خوف کیوں ہوا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لقد خشیت علی نفسی" یعنی مجھے اپنی جان پر یہ خوف ہوا کہ کہیں یہ کسی مرض کا اثر تو نہیں ہے، یا مجھے کوئی جن تو عارض نہیں ہوا۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ کو یہ خوف ہوا کہ میں رسالت کی ذمہ داریوں پر پورا اتر سکوں گا یا نہیں، اور وحی کے احکام پر پورا عمل کر سکوں گا یا نہیں؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تسلی آمیز کلمات

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کہا: ہرگز نہیں! یعنی جس طرح آپ کو گھبراہٹ ہے، اس طرح نہیں ہوگا، آپ کو کوئی خوف نہیں ہوگا"۔

نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا "ابشر" یعنی آپ خوشخبری لیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ، نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ جو کچھ کرے گا وہ خیر ہی ہوگا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی شرمندہ ہونے نہیں دے گا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الکل" یعنی لوگوں کا بوجھ۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "علی نوائب الحق" یعنی انسان پر جو مہمات اور حوادث آتے ہیں، آپ ان میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ورقہ بن نوفل سے مکالمہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے باپ کے بھائی تھے جو زمانہ جاہلیت میں دینِ نصرانیت میں داخل ہو گئے تھے، اور جاہلیت سے مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بالعبرانیۃ" علامہ الجوہری نے کہا ہے کہ یہ یہود کی لغت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اسمع من ابن اخیک" حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ برائے تعظیم اور اظہارِ شفقت کے لیے

کہا، کیونکہ حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ورقہ کے بھتیجے نہیں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھذا الناموس" "ناموس کا معنی ہے صاحب السر، یعنی حضرت جبریل علیہ السلام۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او مخرجی ھم؟" یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے سوال کیا کہ کیا اہلِ مکہ مجھے نکال دیں گے، تو ورقہ بن نوفل نے بتایا: آپ جو دین لے کر آئے ہیں اس کے ساتھ عداوت رکھی جاتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۲۔۱۹۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی رُک جانے پر شدتِ غم کی وجہ سے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کا جو ارادہ کیا اس کی متعدد شارحین کی طرف سے توجیہات

امام بخاری نے کتاب التعبیر میں اس حدیث پر معمر کی روایت سے یہ اضافہ کیا ہے:

معمر نے بیان کیا: اور وحی کا آنا رُک گیا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو گئے جیسا کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے، آپ نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ پہاڑ کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرا دیں، پس جب بھی آپ پہاڑ کی بلندی پر پہنچتے تا کہ آپ اپنے آپ کو وہاں سے گرائیں تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو دکھائی دیتے، پس وہ کہتے یا محمد! بے شک آپ اللہ کے برحق رسول ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اضطراب ساکن ہو جاتا اور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں حتیٰ کہ آپ واپس آ جاتے، پس جب وحی کا رکنا لمبا ہو گیا تو آپ صبح پھر پہاڑ کی بلندی پر گئے تا کہ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دیں، پھر جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے اور انہوں نے اس کی مثل کہا۔

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث معمر کی بلاغات میں سے ہے، معمر نے اس کی سند نہیں بیان کی اور نہ اس کے راوی کا ذکر کیا ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا، حالانکہ یہ حدیث صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہچانی جا سکتی تھی۔

علاوہ ازیں اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ یہ ابتداء امر کا واقعہ ہے جب آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو نہیں دیکھا تھا جیسا کہ امام ابن اسحاق کی روایت میں بعض راویوں سے منقول ہے۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے کیا تھا کہ آپ کی قوم کی تکذیب نے آپ کو حرج اور مشقت میں ڈال دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾ (الکہف: ۶)

اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو لگتا ہے کہ آپ فرطِ غم سے ان کے پیچھے جان دے دیں گے O

یا آپ کو یہ خوف اور خطرہ ہوا کہ وحی کا رُک جانا کسی وجہ سے ہے یا کسی سبب سے ہے، پس آپ خوف زدہ ہوئے کہ کہیں یہ آپ کے رب کی طرف سے سزا تو نہیں ہے، اس وجہ سے آپ نے ایسا کیا۔ پھر جب آپ کو بعد میں خود کشی کرنے سے منع فرمایا تو پھر آپ نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔ یہ ایسا ہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کی تکذیب کی وجہ سے اپنے علاقہ سے بھاگ کر چلے گئے تھے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۲۹۸۔۲۹۹، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ اضافہ معمر کی روایت کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ امام ابو نُعیم نے اپنی

مستخرج میں اسی سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے از ابوزرعہ الرازی از یحییٰ بن بکیر شیخ بخاری، صحیح البخاری کے شروع میں اور اس میں یہ اضافہ نہیں ہے۔ اور یہاں کتاب التعبیر میں اس اضافہ کو معمر کی روایت کے ساتھ ملا کر لکھا ہے، اسی طرح الاسماعیلی نے بھی تصریح کی ہے کہ یہ اضافہ معمر کی روایت میں ہے، اور امام احمد بن حنبل اور امام مسلم اور الاسماعیلی وغیرہم اور ابونعیم نے بھی لیث کے اصحاب کی ایک جماعت سے اس حدیث کو اس اضافہ کے بغیر روایت کیا ہے۔ اس اضافہ کے شروع میں لکھا ہے "فیما بلغنا" اور اس کے قائل زہری ہیں، اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس قصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے جو چیز ہمیں پہنچی ہے وہ الزہری کی بلاغات میں سے ہے اور یہ حدیث موصول نہیں ہے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: یہی ظاہر ہے اور ہوسکتا ہے کہ زہری کو یہ حدیث اس سند مذکور سے پہنچی ہو، اور امام ابن مردویہ نے تفسیر میں از محمد بن کثیر از معمر اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں "فیما بلغنا" کے الفاظ نہیں ہیں، اس میں الفاظ یہ ہیں کہ وحی رک گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غمگین ہوئے، پھر صبح آپ نے خود کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا۔۔ الخ۔

پس یہ تمام روایت زہری کی روایت پر مدرج ہے۔

جو لوگ مرسلِ شعبی سے استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وحی رکنے کی مدت ڈھائی سال تھی جیسا کہ میں نے "بدء الوحی" کے شروع میں نقل کیا ہے، لیکن اس کے معارض وہ حدیث ہے جس کی امام محمد بن سعد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور اس میں بھی زہری کی روایت "فیما بلغنا" سے ہے، اور اس میں مذکور ہے کہ آپ وحی کے آنے کے بعد کچھ دن ٹھہرے رہے اور جبریل آپ کو دکھائی نہیں دیتے تھے تو آپ بہت زیادہ غمگین ہوئے حتیٰ کہ آپ صبح کو کبھی ثبیر پہاڑ کی طرف جاتے اور کبھی حراء پہاڑ کی طرف جاتے اور آپ ارادہ کرتے تھے کہ اپنے آپ کو اس پہاڑ سے گرا دیں، اور جس وقت آپ یہی ارادہ کر رہے تھے تو اچانک آپ نے ایک آواز سنی، آپ گھبرا گئے، آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو حضرت جبریل آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر تھے اور وہ کہہ رہے تھے: اے محمد! آپ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور میں جبریل ہوں، پس آپ واپس ہو گئے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھ کو ٹھنڈا کر دیا تھا اور آپ کا اضطراب ساکن ہو گیا تھا، پھر پے در پے وحی آنے لگی۔ اس روایت سے ان پہاڑوں کے نام معلوم ہوئے جن کا زہری کی روایت میں مبہم ذکر ہے اور وحی رکنے کی مدت کے کم ہونے کا علم ہوا۔

رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی بن جانے کے بعد اپنے آپ کو پہاڑوں کے اوپر سے گرانے کا ارادہ کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوت کے احکام اور نبوت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے سے اس وقت آپ کی قوت ضعیف تھی اور آپ کو نبوت کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے یہ خوف لاحق تھا کہ لوگ آپ کی مخالفت کریں گے، یہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی مرد دنیا کے غموں سے راحت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اس میں غور و فکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو آخرت کے اوپر صبر کرنے والا بنا دیتا ہے تو اس کو صبر آ جاتا ہے اور اس کا نفس مطمئن ہو جاتا ہے، اور یہ ارادہ اس لیے کیا کہ صریح حدیث میں یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کو بشارت دی تھی، پھر جب وحی کا آنا رک گیا تو آپ غمگین ہوئے، پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ظاہر ہو کر کہا کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں تو پھر آپ کا اضطراب دور ہو گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۶۔۱۴۷ ملخصاً وملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی التوفی ۹۱۱ھ، لکھتے ہیں:

اس قصہ سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر کوئی طعن نہیں ہو سکتا، کیونکہ اول تو یہ معمر کی بلاغات میں سے ہے اور انہوں نے اس کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے نہ راوی کا ذکر کیا ہے اور نہ یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا، اور ثانیاً ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء کا واقعہ ہو اور نبی ﷺ نے یہ اس خوف کی وجہ سے کیا ہو کہ قوم آپ کی تکذیب کرے گی، جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام اس خطرہ کی وجہ سے اپنی قوم سے دور چلے گئے تھے۔ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱۴ ص ۴۷۸، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے جو اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرانے کا ارادہ کیا تھا، یہ قضاء وقدر پر ناراضگی کی وجہ سے نہیں تھا، لیکن حصول وحی کی نعمت کے فوت ہونے کے غم کی وجہ سے تھا۔ اور اللہ عزوجل خوب جانتا ہے کہ اس نے آپ کو اس پر قادر نہیں کیا کہ آپ اپنے آپ کو گرا دیتے، کیونکہ جب بھی آپ اپنے آپ کو گرانے کا ارادہ کرتے تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہو جاتے اور وہ آپ کو مطمئن کر دیتے، لہٰذا اس واقعہ میں آپ کی نبوت پر طعن کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۵۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں: میرے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ صحیح البخاری کی حدیث میں یہ اضافہ معمر کی بلاغات میں سے ہے، اور اس کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ اس حدیث کے کسی راوی کا بیان ہے، اور نہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، اور فرطِ غم سے اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کا ارادہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کے حال سے بہت بعید ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیثِ مذکور کے فوائد

(۱) غارِ حراء میں رسول اللہ ﷺ کے عبادت کرنے کی کیفیت

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعثت سے پہلے انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے یا از خود عمل کرتے تھے، جمہور کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں جو معرفت کا نور پیدا کیا تھا اس نور کے اعتبار سے آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور علامہ ابن الحاجب اور قاضی بیضاوی کا مختار یہ ہے کہ آپ کسی نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔ اور اس میں کئی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے، دوسرا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے، تیسرا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے، چوتھا قول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے، پانچواں قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے، چھٹا قول یہ ہے کہ آپ انبیاء سابقین میں سے کسی ایک نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے، ساتواں قول یہ ہے کہ آپ تمام شریعتوں پر عمل کرتے تھے، اور آٹھواں قول اس میں توقف ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ (النحل: ۱۲۳)

پھر ہم نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ آپ ملتِ ابراہیم کی پیروی کریں جو باطل سے مجتنب تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بعثت سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آپ مناسکِ حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق ادا کریں۔

اور اہلِ تحقیق نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام نزولِ وحی سے پہلے توحید اور ایمان پر قائم تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید میں کوئی شک نہیں تھا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی عبادت کی صفت کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے متعلق کوئی نقل خصوصیت کے ساتھ ثابت نہیں ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غور و فکر کرتے تھے اور معاملات میں انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سے کسی ایک شریعت پر اپنے اجتہاد سے عمل کرتے تھے۔

(۲) ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے، یہ ام المومنین ہیں اور ان کا نام خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس (۲۵) سال کی عمر میں ان سے نکاح کیا، اور آپ کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی، سوائے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے، وہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور کسی عورت سے نکاح نہیں کیا، نہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور نہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حتیٰ کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوگئیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ چوبیس سال اور چند مہینے رہیں اور پھر انہوں نے وفات پائی، اور ان کی وفات ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد ہوئی تھی۔

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین سال بعد مجھ سے نکاح کیا تھا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۱۷)

نیز امام بخاری نے عروہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد تقریباً دو سال ٹھہرے رہے، پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ (صحیح البخاری: ۳۸۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۲۲)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم ہے، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں، بلکہ ایک قول یہ ہے کہ آپ مطلقاً سب سے پہلے ایمان لائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں میں سب سے بہتر مریم ہیں اور عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ ہیں۔ (صحیح البخاری: ۳۸۱۵، صحیح مسلم: ۲۴۳۰)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: یہ خدیجہ ہیں، پس جب یہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان پر میرے رب کی طرف سے سلام پڑھیں، اور ان کو بشارت دیں کہ جنت میں ان کے لیے چمکدار موتیوں کا ایک گھر ہے جس میں نہ شور و شغب ہے اور نہ تھکاوٹ ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۸۲۰، صحیح مسلم: ۲۴۳۲)

عبد الرحمٰن بن زید بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جن وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے میرے بیٹے کو مجھ پر فضیلت دی وہ یہ ہے کہ میرے بیٹے کی بیوی ان کے لیے اللہ کے حکم کی تبلیغ کرنے پر مددگار تھی، اور میری بیوی میرے لیے نافرمانی پر مددگار تھی۔

(دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۸، تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳۳۱، میزان الاعتدال ج ۵ ص ۱۸۴۔۱۸۵، لسان المیزان ج ۵ ص ۴۱۸)

علامہ مناوی نے کہا ہے: یہ حدیث محمد بن الولید کی باطل روایات میں سے ہے۔ (فیض القدیر: ۵۸۸۵)

(۳) ''ما انا بقاری'' کے معانی اور محامل

امام محمد بن سعد نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ فرشتہ کا نزول غار حراء میں پیر کے دن سترہ (۱۷) رمضان کو ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اس وقت چالیس (۴۰) سال تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب فرشتے نے آپ سے پڑھنے کے لیے کہا تو آپ نے کہا ''ما انا بقاری'' اس میں ''ما'' نفی کے لیے ہے اور اس کا معنی ہے: میں اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ''ما'' استفہامیہ ہے، یعنی میں کیا چیز پڑھوں؟

علامہ سہیلی نے کہا ہے: ''ما انا بقاریء'' کا معنی ہے: میں ''اُمی'' ہوں، پس میں کتابوں کو نہیں پڑھتا، یہ آپ نے تین مرتبہ کہا، اس پر یہ اعتراض ہوا کہ قرآن مجید میں ہے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (العلق: ۱)'' (اے رسول مکرم!) آپ اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے)، اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ پڑھ سکتے تھے جبھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو پڑھنے کا حکم دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آپ اپنی ذاتی قوت سے اور اپنی ذاتی صفت سے اور اپنی ذاتی معرفت سے نہیں پڑھ سکتے، لیکن آپ اپنے رب کا نام لے کر اپنے رب کی مدد سے پڑھیے، وہ آپ کو پڑھنے کی اس طرح تعلیم دے گا جس طرح اس نے آپ کو پیدا کیا ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تکذیب کے خوف کی تحقیق

شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تکذیب کا خوف تھا، اس لیے آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''مجھے اپنی جان پر خطرہ ہے''، پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ پر حق کو منکشف کر دیا اور زیادہ دلائل اور معجزات سے آپ کا یقین کامل اور واثق ہوگیا تو اس کے متعلق ابورافع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحجون میں تھے تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی دکھا کہ جس کے بعد میں اس کی پرواہ نہ کروں کہ قریش میری تکذیب کرتے ہیں، تو آپ سے کہا گیا: آپ اس درخت کو بلائیں، آپ نے اس درخت کو بلایا تو وہ اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا آپ کے پاس آ گیا، پھر آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہوگیا، پھر کہا: آپ کیا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر لوٹ جاؤ، پس وہ لوٹ گیا، پس آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اب مجھے قریش کے تکذیب کرنے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

(اخبار مکہ: ۲۳۳۰، مسند ابویعلیٰ: ۲۱۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم: ۲۹۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۱۳، تاریخ دمشق ج ۴ ص ۳۶۴)

(۵) ورقہ بن نوفل کا تذکرہ

اس حدیث میں ورقہ بن نوفل کا ذکر ہے، ورقہ کی ماں کا نام ہند بنت ابی کبیر بن عدی بن قصی ہے۔

امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ورقہ کو برا نہ کہو، کیونکہ اس کے لیے ایک جنت

ہے یا دو جنتیں ہیں۔ پھر حاکم نے کہا: یہ حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹)

امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے لیکن آپ کے غلبہ سے پہلے انتقال کر گئے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان پر سفید لباس تھا، اگر وہ اہلِ دوزخ سے ہوتے تو ان کا کوئی اور لباس ہوتا۔

(سنن ترمذی: ۲۲۸۸، المستدرک ج ۴ ص ۳۹۳، اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۸۔۴۴۷)

علامہ سہیلی نے سندِ ضعیف سے یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے ورقہ پر ریشم کے کپڑے دیکھے، کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۱۷)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''ورقہ ایسے مرد تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے'' یعنی انہوں نے بتوں کی عبادت ترک کر دی تھی اور جاہلیت کے دستور کو چھوڑ دیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو لوگ تھے ان کو زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ فحش کے حالات میں مبتلاء تھے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''وہ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے''۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ کسی شخص کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آفت یا مصیبت آئی، اس کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲ ص ۲۹۴۔۲۹۸، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۔ بَابُ: رُؤْيَا الصَّالِحِينَ

نیک مسلمانوں کے خوابوں کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں عام صالحین کے خوابوں کا بیان ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے خوابوں کے صدق کی توقع کی جاتی ہے، کیونکہ صالحین کے خوابوں میں بھی ''اضغاث احلام'' یعنی پریشان اور بے تکی باتوں کو دیکھنا جائز ہے، لیکن اغلب یہ ہے کہ ان کے خواب سچے ہوتے ہیں، اور شیطان ان کے ساتھ نیند میں کم دخل اندازی کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں صلاح اور نیکی کو غالب رکھا ہے، اور باقی رہے عام آدمی جو صالحین نہیں ہیں تو شیطان خواب میں ان کے اوپر حکم چلاتا ہے جیسے بیداری میں ان کے اوپر ان کے غالب معاملات میں حکم چلاتا ہے، پس جس طرح بیداری میں ان کے کلام کا صادق ہونا جائز ہے اسی طرح ان کے خوابوں کا بھی صادق ہونا جائز ہے۔

وقوله تعالى: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (الفتح: ۲۷)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا، تم ان شاء اللہ ضرور مسجد حرام میں امن اور عافیت کے ساتھ داخل ہو گے، اپنے سروں کو منڈاتے ہوئے اور بال کترواتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہیں ہو گا، اللہ ان چیزوں

کو جانتا ہے جن کو تم نہیں جانتے، سو اس نے اس سے پہلے ایک اور فتح مقدر کر دی O

آیتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے تو آپ کو خواب دکھایا گیا کہ آپ اور آپ کے اصحاب مکہ میں داخل ہو چکے ہیں، اور ان کے سر منڈے ہوئے ہیں، پس جب آپ نے حدیبیہ میں قربانی کو نحر کر لیا (حدیبیہ میں کئے ہوئے معاہدہ کے اعتبار سے اس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کیے بغیر واپس مدینہ جانا تھا اور اگلے سال آپ کو اس عمرہ کی قضاء کے لیے آنا تھا اور تین دن کے بعد آپ کو مکہ چھوڑ دینا تھا) تو آپ کے اصحاب نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے تو خواب بیان کیا کہ ہم مکہ میں داخل ہو چکے ہیں، اس خواب کا کیا ہوا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا'' (الفتح: ۲۷) (سو اس نے اس سے پہلے ایک اور فتح مقدر کر دی۔)

یعنی حدیبیہ میں قربانی کو نحر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور فتح مقدر فرما دی ہے، پس صحابہ لوٹ گئے اور خیبر کو فتح کر لیا، اور اس آیت میں جس فتح کا ذکر ہے، اس سے مراد خیبر کی فتح ہے، پھر اس کے بعد اگلے سال آپ نے عمرہ کیا اور اس میں آپ کے خواب کی تصدیق ہو گئی، اور حدیبیہ کا واقعہ ۶ ھ میں ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۶۔۱۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ اَلرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۹۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۳، مسند احمد: ۱۱۸۶۳)

صحیح البخاری: ۶۹۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ بابِ مذکور کا عنوان ہے ''نیک مسلمانوں کے خواب'' اور اس باب کی حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

اس حدیث امام نسائی نے تعبیر الرؤیا میں از قتیبہ روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی از ہشام روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الرؤیا الحسنة'' اس خواب کا حسن یا اس کے ظاہر کے اعتبار سے ہے یا اس کی تاویل کے حسن

کے اعتبار سے ہے۔

علماء نے اچھے خواب کی تقسیم کی ہے یا تو وہ ظاہراً اور باطناً حسین خواب ہوگا جیسے کوئی شخص خواب میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ باتیں کرے، یا وہ خواب ظاہر کے اعتبار سے حسن ہوگا نہ کہ باطن کے اعتبار سے جیسے وہ خواب میں لہو ولعب کی چیزیں دیکھے۔ یا وہ خواب ظاہراً اور باطناً ردی ہوگا جیسے خواب میں دیکھے کہ اس کو سانپ نے ڈس لیا ہے، یا ظاہراً ردی ہوگا نہ کہ باطناً جیسے خواب میں دیکھے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من الرجل" یعنی مرد کا اچھا خواب، مرد کا ذکر بطور اکثریت اور غالب کے ہے ورنہ اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کیونکہ نیک عورت کا خواب بھی اسی طرح سے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے"۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ صرف انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہے اور انبیاء علیہم السلام کی طرف ان کے خوابوں میں اس طرح وحی کی جاتی ہے جس طرح ان کی بیداری میں ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ خواب نبوت کے موافق ہوتا ہے اور یہ معنی نہیں ہے کہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو باقی رہ گیا ہے۔

الزجاج نے کہا ہے: اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبریں دیتے ہیں اور خواب میں بھی بندہ مستقبل میں ہونے والے واقعہ کو دیکھتا ہے۔

اور علامہ الخطابی نے بعض علماء سے نقل کر کے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء کی گئی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی، اس وحی کی مدت تئیس (۲۳) سال تھی، تیرہ سال آپ مکہ میں رہے اور دس سال آپ مدینہ میں رہے، اور ابتداء میں مکہ میں چھ مہینے تک آپ کو خواب میں وحی کی جاتی رہی اور یہ آدھا سال ہے، اور یہ مدت نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

سچے خوابوں کے نبوت کے جزو ہونے کے متعلق دیگر احادیث

اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ نبوت کے پینتالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے، اور امام مسلم کی دوسری روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے، اس میں مذکور ہے کہ سچے خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ہے، اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے، اور امام طبرانی نے اس کی ایک اور سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کی ہے، اور امام طبرانی نے ایک اور سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ سچے خواب نبوت کے چھہتر اجزاء میں سے ایک جزو ہیں، اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

اور حافظ ابن عبد البر نے از عبد العزیز بن المختار الثابت از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچے خواب نبوت کے چھبیس (۲۶) اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔

اور امام ابویعلیٰ نے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کے اچھے خواب نبوت کے

پچاس (۵۰) اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔

اور امام ترمذی اور طبری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ چالیس (۴۰) اجزاء میں سے ایک جزو ہیں۔ اور امام طبرانی نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہ نبوت کے چوالیس (۴۴) اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اور امام احمد نے از عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ یہ نبوت کے تینتالیس (۴۳) اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

ان احادیثِ مختلفہ میں تطبیق

ان احادیث میں اعداد مختلف ہیں، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس وقت کے اعتبار سے ہے جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان کی ہے اور اس وقت آپ کے تیرہ سال مکمل ہو چکے تھے، یعنی وحی آنے کے بعد تیرہ سال ہو چکے تھے تو اس طرح سچے خواب نبوت کے چھبیس اجزاء میں سے ایک جزو ہوئے۔

اگر یہ حدیث ہجرت کے وقت ثابت ہو اور جب بیس سال مکمل ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ سچے خواب چالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہیں، اور جب بائیس سال مکمل ہو گئے تو آپ نے بیان فرمایا کہ سچے خواب چوالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہیں، پھر اس کے بعد پینتالیس اجزاء فرمائے، پھر آخر حیات میں چھیالیس اجزاء فرمائے، اس کے علاوہ باقی روایات جو چالیس کے بعد ہیں وہ ضعیف ہیں اور پچاس کی روایت ہو سکتا ہے کسر کو پورا کرنے کے لیے ہو، اور ستر (۷۰) کی روایت مبالغہ کے لیے ہو، اور اس کے علاوہ روایات ثابت نہیں ہیں۔ واللہ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۷۔۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۸۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب دیکھنے والوں کے درجات اور مراتب

خواب کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) انبیاء علیہم السلام: اور ان کے تمام خواب صادق ہوتے ہیں، اور ان کے بعض خواب ایسے ہوتے ہیں جن میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۲) صالحین کے خواب: اور اکثر اور اغلب یہ ہے کہ ان کے خواب صادق ہوتے ہیں، اور کبھی وہ خواب ایسے ہوتے ہیں جس میں تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۳) اور ان کے ماسوا وہ لوگ ہیں جن کے خواب صادق بھی ہوتے ہیں اور ''اضغاث احلام'' بھی ہوتے ہیں (یعنی ایسے خواب جو پریشان ہوں اور جن میں بے تکے واقعات دکھائی دیں) اور ان کی تین قسمیں ہیں:

(الف): وہ لوگ جو مستور ہیں (یعنی ان کا نیک اور بد ہونا ظاہر اور متعین نہیں ہوتا) اور غالب یہ ہے کہ ان کے حق میں حال برابر ہوتا ہے یعنی ان کے خواب سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی۔

(ب): فاسق لوگوں کے خواب، اور ان کے اکثر خواب ''اضغاث احلام'' ہوتے ہیں، اس میں صدق بہت کم ہوتا ہے۔

(ج): کفار کے خواب، اوران کے خوابوں میں صدق بہت نادر ہے اور اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جوان میں سچا کلام کرتا ہے تو اس کا خواب سچا ہوتا ہے''۔ اس حدیث کی امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور عنقریب اس کی طرف باب ''القید فی المنام'' میں اشارہ آئے گا۔

اور کبھی بعض کفار کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے دو ساتھی جو قید خانہ میں تھے اور جیسے ان کے بادشاہ نے جو خواب دیکھا جو سچے ہوئے۔

اور قاضی ابو بکر بن العربی نے کہا: نیک مومن کا خواب نبوت کے اجزاء کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور کہا: میرے نزدیک فاسق کا خواب اجزاء نبوت کی طرف منسوب نہیں ہوتا۔ اور کافر کا خواب بالکل منسوب نہیں ہوتا۔

علامہ القرطبی نے کہا ہے: جو مسلمان صادق ہو، نیک ہو اور اس کا حال انبیاء علیہم السلام کے حال کے مناسب ہو تو اس کو وہ عزت دی جاتی ہے جس عزت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو مخصوص کیا جاتا ہے، اور وہ غیب پر مطلع ہوتا ہے۔

رہے کافر اور فاسق تو وہ بالکل غیب پر مطلع نہیں ہوتے۔ اور کبھی کافر اور فاسق کا خواب سچا ہو تو یہ ایسا ہے جیسے کبھی نادر طور پر کافر یا فاسق سچ بول دیتا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۴۸۔ ۱۴۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

نیز حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں مزید لکھتے ہیں:

''سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے'' اس حدیث کی شرح میں متعدد علماء کی تقاریر

(۱) علامہ ابن بطال المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبوت کے اجزاء کے عدد میں قلت اور کثرت کا اختلاف ہے، پس زیادہ صحیح حدیث میں وہ ہے جو چھیالیس کا عدد ہے اور ستر کا عدد ہے اور جوان کے درمیان کے اعداد ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ خواب کی دو قسمیں ہیں، ایک خواب وہ ہے جو بالکل ظاہر ہوتا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ وہ کسی کو کھجور دے رہا ہے تو وہ بیداری میں اسی کی مثل کسی کو کھجور دے دے، اس قسم کے خواب کی تعبیر میں کوئی غرابت نہیں ہے اور نہ اس کی تفسیر میں کوئی رمز ہے۔ اور بعض وہ خواب ہوتے ہیں جن کی رمز بہت بعید ہوتی ہے اور اس کو کوئی بہت ماہر شخص سمجھ سکتا ہے اور اس کی تعبیر بتا سکتا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ یہ خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک جزو ہو، اور پہلا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہو۔

علامہ ابن بطال نے کہا: میں نے یہ جواب علماء کی ایک جماعت پر پیش کیا تو انہوں نے اس کی تحسین کی، اور بعض علماء نے یہ اضافہ کیا کہ نبوت ان دو وصفوں کی مثل کے اعتبار سے ہے، جب شارع علیہ السلام حضرت جبریل سے وحی کو حاصل کرتے ہیں، اور آپ نے یہ بتایا ہے کہ کبھی آپ کے پاس وحی آتی ہے تو فرشتہ آپ سے کلام کرتا ہے اور آپ اس کو بغیر مشقت کے یاد کر لیتے ہیں۔ اور کبھی فرشتہ آپ کی طرف وحی کا القاء کرتا ہے جس سے معنی کا حصول دشوار ہوتا ہے حتیٰ کہ اس وحی کے نزول کے وقت آپ پر پسینہ آجاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرماتا ہے کہ اس وحی کے ذریعہ آپ پر کیا حکم القاء کیا گیا ہے۔

(۲) علامہ ابن بطال کی شرح کی علامہ المازری سے تلخیص

علامہ المازری نے کہا ہے: خواب میں دلالات ہوتی ہیں، اور بعض دلالات بالکل ظاہر ہوتی ہیں اور بعض دلالات خفی ہوتی

ہیں، پس کم سے کم عدد اس خواب کا ہے جس میں دلالت جلی ہو، اور زیادہ عدد اس خواب میں ہے جس کی دلالت خفی ہو (یعنی سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز و اس وقت ہوگا جب خواب کی دلالت جلی ہو اور ظاہر ہو، اور ستر کا عدد اس وقت ہوگا جب خواب کی دلالت خفی ہو)۔

(۳) الشیخ ابومحمد بن ابوجمرہ کی بیان کردہ حدیث مذکور کی تقریر

الشیخ ابومحمد بن ابی جمرہ لکھتے ہیں: کبھی نبوت سے امور واضحہ کو بیان کیا جاتا ہے اور ان میں سے بعض میں کبھی اجمال ہوتا ہے اور کبھی کسی اور مقام پر ان کا بیان ہوتا ہے، اسی طرح خواب دیکھنے والا کبھی صریح خواب دیکھتا ہے جس میں تاویل اور تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی، اور بعض ایسا خواب دیکھتا ہے جس میں تاویل اور تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے، پس وہ خواب جس کو عارف فوراً سمجھ لیتا ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جز و ہوتا ہے، اور یہ جز و کبھی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم ہوتا ہے، یہ دیکھنے والے کی فہم کے اعتبار سے ہے۔

(۴) قاضی عیاض مالکی کی تقریر

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبوت کے ان اجزاء کا ذکر وحی کے طریقوں کے اعتبار سے ہو، کیونکہ بعض وحی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ سنا اور بعض وحی وہ ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتہ کے واسطہ سے سنا، اور بعض وحی وہ ہیں جو آپ کے دل میں کسی بات کو ڈال دیا گیا الہام وغیرہ، اور بعض وہ ہیں کہ گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ پر وحی آئی، اور بعض وہ ہیں کہ روح القدس آپ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتے، اور اس طرح اور بھی متعدد وحی کے نزول کے طریقے ہیں جن میں سے بعض پر ہم واقف ہیں اور بعض پر واقف نہیں ہیں۔ پس ان حالات کو جب شمار کیا جائے تو یہ نبوت کے مذکورہ اجزاء تک پہنچ جاتے ہیں۔

(۵) علامہ الحلیمی کی تقریر

علامہ الحلیمی نے کہا ہے: اس حدیث میں جو فرمایا ہے کہ مومن کا سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز و ہے، تو یہ انبیاء علیہم السلام کے خصائص علمیہ کے اعتبار سے ہے، اور وہ خصائص علمیہ درج ذیل ہیں:

(۱) ان خصائص علمیہ میں سے سب سے بڑا مرتبہ اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغیر واسطہ کے کلام فرمانا ہے۔

(۲) بغیر کلام کے الہام فرمانا، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دل میں کسی چیز کا علم ہو اور اس میں حواس کے ذریعہ سے کسی علم کے حصول کا واسطہ نہ ہو اور نہ استدلال کے ذریعہ سے کسی علم کا حصول ہو۔

(۳) فرشتہ کی زبان سے وحی کا نزول ہو اور آپ فرشتہ کو دیکھ رہے ہوں اور اس سے کلام کر رہے ہوں۔

(۴) فرشتہ آپ کے دل میں کسی وحی کا القاء کرے جس وحی کے ساتھ قلب مخصوص ہو نہ کہ سماعت۔

(۵) آپ کی عقل کو کامل بنانا اور اس میں کوئی عارضہ نہ ہو۔

(۶) آپ کے حفظ کی قوت حتیٰ کہ آپ ایک طویل سورت سنتے ہیں اور اس کو ایک مرتبہ سن کر حفظ کر لیتے ہیں اور اس میں سے ایک حرف بھی نہیں بھولتے۔

(۷) اجتہادی مسائل میں آپ کے اجتہاد کو خطاء سے محفوظ رکھنا۔

(۸) آپ کی فہم کی ذکاوت حتیٰ کہ آپ متعدد چیزوں کا استنباط کرتے تھے۔
(۹) آپ کی بصر کی ذکاوت حتیٰ کہ آپ دور دراز کی چیزوں کو بھی دیکھ لیتے تھے۔
(۱۰) آپ کی سماعت کی ذکاوت حتیٰ کہ آپ انتہائی دور سے چیزوں کو سن لیتے تھے جن کو دوسرے لوگ نہیں سن سکتے تھے۔
(۱۱) آپ کے سونگھنے کی قوت کی ذکاوت، جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوسف علیہ السلام کی قمیص کو سونگھ کر کہا کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی بو آ رہی ہے۔
(۱۲) آپ کی جسمانی قوت، حتیٰ کہ آپ ایک رات میں ایک ماہ کی مسافت کو طے کر لیتے تھے۔
(۱۳) آپ کا آسمانوں کی طرف عروج فرمانا۔
(۱۴) گھنٹی کی آواز کی صورت میں آپ کے پاس وحی کا آنا۔
(۱۵) بکری کا آپ سے باتیں کرنا۔
(۱۶) نباتات کا آپ سے باتیں کرنا۔
(۱۷) کھجور کے تنے کا آپ سے باتیں کرنا۔
(۱۸) پتھر کا آپ سے باتیں کرنا۔
(۱۹) بھیڑیئے سے آپ کا باتیں کرنا۔
(۲۰) اونٹ کا آپ سے باتیں کرنا۔
(۲۱) آپ متکلم کو دیکھے بغیر اس سے باتیں فرماتے۔
(۲۲) جنات کے مشاہدہ پر آپ کو قدرت عطا فرمانا۔
(۲۳) جو چیزیں غائب ہوں ان کو آپ کے سامنے متمثل کر دینا جیسے معراج کی صبح بیت المقدس کو آپ کے سامنے متمثل کر دیا۔
(۲۴) کسی چیز کے پیش آنے سے آپ کا اس سے متعلق علم جیسا کہ جب آپ کی اونٹنی حدیبیہ کے سفر میں رُک گئی تو آپ نے فرمایا: ہاتھیوں کو روکنے والے نے اس کو روک دیا۔
(۲۵) کسی شخص کے نام سے کسی معاملہ پر استدلال کرنا جیسا کہ جب آپ کے پاس سہیل بن عمرو آیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے اب معاملہ آسان ہو گیا۔
(۲۶) کسی آسمانی چیز کو دیکھ کر اس سے زمین کے حادثہ پر استدلال کرنا جیسا کہ آپ نے فرمایا: یہ بادل بنو کعب کی مدد کے لیے برسنے والا ہے۔
(۲۷) اپنے پس پشت دیکھنا۔
(۲۸) کسی مرنے والے کی موت سے پہلے اس کے کسی حال پر مطلع ہونا جیسا کہ آپ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: میں نے دیکھا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں اور وہ اس حال میں شہید ہوئے تھے کہ وہ جنبی تھے۔
(۲۹) آپ کے لیے ایسی چیزوں کا ظہور جس سے آپ مستقبل کی فتوح پر استدلال کریں، جیسا کہ خندق کے دن آپ نے فرمایا۔

(۳۰) دنیا میں جنت اور دوزخ پر آپ کا مطلع ہونا۔

(۳۱) الفراست۔

(۳۲) درختوں کا آپ کی اطاعت کرنا حتیٰ کہ درخت اپنی جڑوں اور ٹہنیوں کو کھینچتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے، پھر لوٹ آتے۔

(۳۳) ہرنی کا آپ سے شکایت کرنا کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو دودھ پلانے کے لیے جانا چاہتی ہے۔

(۳۴) خواب کی ایسی تعبیر بیان کرنا جس میں خطاء نہیں ہوتی تھی۔

(۳۵) کھجوروں کے متعلق اندازہ لگانا کہ فلاں درخت سے اتنے وثق کھجوریں اتریں گیں۔

(۳۶) احکام کی ہدایت دینا۔

(۳۷) دین اور دنیا کی ہدایت دینا۔

(۳۸) اس جہاں کی ہیئت اور اس کی ترکیب کے متعلق ہدایت دینا۔

(۳۹) انسانی بدن کی مصلحتوں کی طب کی اقسام کی ہدایت دینا۔

(۴۰) عبادت کی ادائیگی کے طریقوں کی ہدایت دینا۔

(۴۱) نفع بخش صنعتوں کی ہدایت دینا۔

(۴۲) مستقبل میں ہونے والے واقعات پر مطلع ہونا۔

(۴۳) گزشتہ واقعات پر مطلع ہونا جن کو آپ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کیا۔

(۴۴) لوگوں کے اسرار اور ان کی چھپی ہوئی باتوں پر واقف ہونا۔

(۴۵) استدلال کے طریقوں کی تعلیم دینا۔

(۴۶) معاشرہ میں محبت کے ساتھ رہنے پر مطلع ہونا۔

علامہ الحلیمی نے کہا ہے کہ نبوت کے خصائص یہ چھیالیس ہیں اور ان خصائص میں سے ہر ایک پر مطلع ہونا علم پر موقوف ہے، پس جو مومن سچا خواب دیکھتا ہے تو اس کو نبوت کے ان چھیالیس خصائص میں سے کوئی ایک خاصیت اپنے مرتبہ کے متعلق حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ نبی علیہ السلام کے غیر کو بھی یہ خصائص حاصل ہوتے ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان خصائص میں بالکل خطاء نہیں کرتے اور دوسروں کو اس میں خطاء لاحق ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(۶) امام غزالی کی تقریر

امام غزالی لکھتے ہیں: نبوت کی تعریف یہ ہے کہ نبی ان چیزوں کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں سے مفارق اور ممتاز ہوتا ہے، اور وہ انواع خواص سے مختص ہوتا ہے، ان میں سے یہ ہے کہ وہ ان حقائق امور کو جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات اور فرشتوں کی صفات اور دار آخرت سے متعلق ہے، اس طرح نہیں جس طرح دوسروں کو علم ہوتا ہے بلکہ نبی کے پاس بہت زیادہ معلومات ہوتی ہیں اور زیادہ یقین ہوتا ہے اور ایسی تحقیق ہوتی ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہوتی۔

اور نبی کو ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے اس کے لیے افعالِ خارقہ مکمل ہوتے ہیں جیسے دوسروں کو صفت حاصل ہوتی ہے جس سے ان کی حرکاتِ اختیار یہ ثابت ہوتی ہیں۔

اور نبی کی ایک صفت ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے اور ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے، جیسے کسی کی وہ صفت ہے جس سے وہ دیکھنے والے اور نابینا میں فرق کرتا ہے۔

اور نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جو غیب میں واقع ہوتی ہیں اور اس صفت کے ساتھ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جیسے کسی کی وہ صفت ہوتی ہے جس سے ذہین آدمی کند ذہن سے ممتاز ہوتا ہے۔

سو یہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفات ہیں، اور ان میں سے ہر قسم کی متعدد اقسام ہیں جو چالیس سے پچاس تک حاصل ہو سکتی ہیں، اور ہمارے لیے یہ ممکن ہے کہ ہم ان کی چھیالیس اجزاء میں تقسیم کریں اس حیثیت سے کہ صحیح خواب ان میں سے کسی ایک کا جزو ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مومن کا سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ہوتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ نبوت کے چھیالیس خصائص ہیں اور نبوت کی چھیالیس صفات ہیں، تو جو مومن سچا خواب دیکھتا ہے وہ نبوت کے ان چھیالیس خصائص یا چھیالیس صفات میں سے کسی ایک خصوصیت یا کسی ایک صفت کا مظہر ہوتا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۱۔ ۱۵۳، ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۔ بَابُ: الرُّؤْيَا مِنَ اللّٰهِ — خواب کا اللہ کی طرف سے ہونا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور خواب کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت تشریف اور تعظیم کے لیے ہے جیسے "نَاقَةَ اللّٰهِ" (الشمس: ۱۳) "(اللہ کی اونٹنی)، اور جو خواب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو، اس کے متعلق "حُلُمْ" نہیں کہا جاتا، اور جو خواب شیطان کی طرف منسوب ہو اس کے متعلق "رؤیا" نہیں کہا جاتا، اور یہ شرعی تصرف ہے ورنہ ہر خواب کو "رؤیا" کہا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۴۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ ابْنُ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی اور وہ ابن سعید ہیں، انہوں نے کہا: میں نے ابو سلمہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: "الرؤیا" اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور "الحُلُمْ" شیطان کی طرف سے ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۲، ۵۷۴۷، ۶۹۸۴، ۶۹۸۶، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۷۰۰۵، ۷۰۴۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۱، سنن ترمذی: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۰۹، مسند احمد: ۲۲۰۵۸، موطا امام مالک: ۱۷۸۴، سنن دارمی: ۲۱۴۱)

صحیح البخاری: ۶۹۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس روایت کے مطابق اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس روایت میں خواب کی کوئی صفت نہیں بیان کی گئی۔ اور یہ احمد بن یحییٰ الحلوانی کی از یونس روایت ہے جو امام بخاری کے شیخ ہیں، اور کبھی اس کی روایت ہے ''الرؤیا الصادقة من الله'' یعنی سچے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے ''الرؤیا الصالحه'' اور اکثر روایات میں اسی طرح سے ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، یہ احمد بن یونس الیربوعی الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زُہیر، یہ ابن معاویہ ابوخیثمہ الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن سعید الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقتادہ، یہ الحارث بن ربعی الانصاری ہیں۔

یہ حدیث کتاب الطب میں از خالد بن مخلد گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''الحُلُم'' یہ لفظ پیش کے ساتھ ہے، اور اگر یہ لفظ زبر کے ساتھ ہو یعنی حَلَم تو اس کی جمع احلام آتی ہے، علامہ الزمخشری نے کہا ہے: الحالم اس سونے والے کو کہتے ہیں جو خواب میں کچھ دیکھتا ہے، اور جب وہ کچھ نہ دیکھے تو پھر اس کو حالم نہیں کہا جاتا۔ اور حِلم میں اگر حاء پر زیر ہو تو اس کا معنی برتن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''من الشیطان'' اس کی اضافت شیطان کی طرف اس لیے کی گئی ہے کہ یہ خواب شیطان کی خواہش اور اس کی مراد کے مطابق ہوتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس خواب میں اس کے ذہن میں ایک خیال ڈالا جاتا ہے اور واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ اللهِ فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن الہاد نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

یَکْرَہُ فَإِنَّمَا هِیَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَلْیَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا یَذْکُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ۔

(سنن ترمذی: ۳۴۵۳، مسند احمد: ۱۰۶۷۰)

جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس کو وہ پسند کرے تو وہ خواب اللہ کی طرف سے ہے، سو اس کو چاہیے کہ اس خواب پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اس کا شکر ادا کرے، اور وہ خواب بیان کرے اور جب اس کے سوا کوئی خواب دیکھے جو اس کو ناپسند ہو، تو یہ خواب شیطان کی طرف سے ہے، اس کو چاہیے کہ اس کے شر سے پناہ طلب کرے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرے، تو اس خواب سے اس کو کوئی ضرر نہیں ہوگا۔

صحیح البخاری: ۶۹۸۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ ''وہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن الہاد، یہ یزید بن عبداللہ بن اسامہ بن عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن خباب، یہ الانصاری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسعید، یہ سعید بن مالک الخدری ہیں۔

اس حدیث کی امام ترمذی اور امام نسائی نے ''کتاب الرؤیا'' میں قتیبہ سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلیستعذ'' اور بعض نسخوں میں ہے ''فلیستعذ باللہ'' یعنی ناپسندیدہ خواب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''لا تضرہ'' اور الکشمیھنی کی روایت میں ہے ''فانها لن تضرہ'' یعنی پھر وہ خواب اسے ہرگز ضرر نہیں پہنچائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ڈراؤنے خواب کے ضرر سے بچنے کا طریقہ

ڈراؤنے خواب سے بچنے کے طریقہ میں چار چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے،

دوسری یہ کہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور تیسری یہ کہ جب وہ ڈر کر بیدار ہو تو بائیں جانب تین مرتبہ تھوکے، اور چوتھی یہ کہ وہ اس ڈراؤنے خواب کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ اور امام بخاری نے باب ''القید فی المنام'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک پانچویں چیز بھی روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز پڑھے، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''پس جس نے خواب میں کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز دیکھی تو وہ اس کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور کھڑا ہو اور نماز پڑھے'' لیکن امام بخاری نے اس حدیث کے موصول ہونے کی تصریح نہیں کی، اور امام مسلم نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث موصول ہے۔ اور امام مسلم نے ایک چھٹی چیز بھی بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کروٹ پر وہ لیٹا ہوا تھا، اس کروٹ کو تبدیل کر دے۔ اس حدیث کی عبارت یہ ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث نے بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن رمح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے خبر دی از ابی الزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی ڈراؤنا خواب دیکھے تو وہ اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوکے اور تین مرتبہ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، اور جس کروٹ پر لیٹا ہوا تھا، اس سے پلٹ کر دوسری کروٹ پر لیٹ جائے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ ڈراؤنے اور برے خواب کے چھ آداب ہیں، چار تو وہ ہیں جو گزر گئے اور دو میں سے ایک نماز پڑھنا ہے اور دوسرا کروٹ بدلنا ہے، اور میں نے بعض شروح میں دیکھا انہوں نے ایک ساتواں ادب بھی ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ آیۃ الکرسی پڑھے، لیکن اس کی انہوں نے کوئی سند نہیں بیان کی اور انہوں نے اس کو اس حدیث سے نکالا ہے جس میں آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آیۃ الکرسی پڑھو تو شیطان تمہارے قریب نہیں آئے گا۔

مذکورہ چھ آداب کی حکمتیں

(۱) شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی جو پناہ طلب کی جاتی ہے تو یہ واضح ہے، کیونکہ ہر ناپسندیدہ امر کے وقت شیطان سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔

(۲) رہا شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں یہ واقع ہوا ہے کہ مکروہ خواب بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے اور شیطان آدمی کو غمزدہ کرنے کے لیے اس کے دماغ میں ایسے خیالات ڈالتا ہے جس سے وہ ڈر جاتا ہے۔

(۳) رہا بائیں جانب تین بار تھوکنا، تو قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ بیان کی ہے، یہ شیطان کو بھگانے کے لیے حکم دیا گیا ہے، کیونکہ مکروہ خواب دیکھتے وقت شیطان حاضر ہو جاتا ہے، تو بائیں جانب تھوک کر شیطان کی تحقیر کی جائے اور بائیں جانب کو اس لیے مخصوص کیا کہ نجاستوں کا محل بائیں جانب ہوتی ہے، اور تین مرتبہ تھوکنے کا جو حکم دیا ہے وہ تاکید کے لیے ہے۔ اس کے لیے تین الفاظ وارد ہیں ''التفث، التفل، البصق'' التفث اور التفل دونوں کا ایک معنی ہے اور یہ بغیر تھوک کے نہیں ہوتے، امام ابو عبید نے کہا ہے ''التفل'' میں معمولی سا تھوک ہوتا ہے، اور ''التفث'' میں تھوک نہیں ہوتا۔

(۴) رہا برے خواب کے بعد نماز پڑھنے کا حکم، تو نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے، نیز نماز میں تکبیر تحریمہ ہوتی ہے جس میں بری باتوں سے پناہ ہوتی ہے اور نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کامل ہوتی ہے، اور کیونکہ نمازی سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

(۵) رہا کروٹ بدلنا، تو یہ نیک فال کے لیے ہے کہ اس برے حال سے اپنے آپ کو پلٹ دے۔

علامہ نووی نے کہا ہے: ان روایات کو جمع کرنا چاہیے اور سب پر عمل کرنا چاہیے، اگر اس نے کسی ایک پر اقتصار کیا تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے دفع ضرر کے لیے وہ کافی ہوگا۔ علامہ المہلب نے کہا ہے: شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا، اس کے شر کو دفع کرنے کے لیے کافی ہے اور انہوں نے اس کا استنباط درج ذیل آیت سے کیا ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ (النحل: ۹۸۔۹۹)

پس (اے رسولِ مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں O بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی تسلط نہیں ہے O

علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی متوفی ۶۵۶ھ، نے ''المفہم شرح مسلم'' میں لکھا ہے:

نماز ان تمام امور کی جامع ہے، کیونکہ جب بندہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا تو وہ اپنی کروٹ سے منتقل ہو گیا اور جب اس نے وضو میں کلی کی تو اس نے تھوکا اور قرآن کی تلاوت سے پہلے اس نے ''اعوذ باللہ'' پڑھا تو یہ شیطان سے پناہ کی طلب ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے اس نے اقرب احوال میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور اپنے کرم سے اس کو شیطان کے شر سے پناہ عطا فرمائے گا۔

اور برے خواب سے پناہ کی طلب میں امام سعید بن منصور، امام ابن ابی شیبہ اور امام عبد الرزاق نے اسانید صحیحہ کے ساتھ ابراہیم النخعی سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: جب تم میں سے کوئی ایک خواب میں مکروہ چیز دیکھے تو جب وہ بیدار ہو تو کہے ''میں اس ذات کی پناہ طلب کرتا ہوں جس ذات کی پناہ اللہ کے فرشتے اور اس کے رسول طلب کرتے ہیں اپنے اس خواب کے شر سے کہ اس خواب کا شر میرے دین اور دنیا میں اثر انداز ہو''۔

ڈراؤنا خواب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کے متعلق امام مالک نے یہ حدیث روایت کی ہے:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں خواب میں ڈر جاتا ہوں، تو آپ نے فرمایا: تم یہ دعا کرو: ''اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر غضبہ وعذابہ وشر عبادہ من ھمزات الشیطان وان یحضرون'' (میں اللہ تعالیٰ کے غضب کے شر سے اور اس کے عذاب کے شر سے اور بندوں کے شر سے اور شیطان کے وسوسوں کے شر سے اور شیطان کے حاضر ہونے کے شر سے اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامات کی پناہ میں آتا ہوں)۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۵۔۱۵۶، ملخصاً و ملتقطاً، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۔ بَابٌ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ

نیک خواب نبوت کے چھیالیس (۴۶) اجزاء میں سے ایک جزو ہے، اس کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ نسفی نے اپنے نسخہ میں اس

عنوان کو حذف کر دیا ہے اور اس باب کی احادیث کو اس سے پہلے باب میں ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۹۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۶۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ خَيْرًا لَقِيتُهُ بِالْيَمَامَةِ عَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ فَلْيَتَعَوَّذْ مِنْهُ وَلْيَبْصُقْ عَنْ شِمَالِهِ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ وَعَنْ أَبِيهِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن یحییٰ بن ابی کثیر نے حدیث بیان کی اور ان کی اچھائی کے ساتھ تحسین کی، میری ان سے یمامہ میں ملاقات ہوئی، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں ابوسلمہ نے حدیث بیان کی، از حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور حلم شیطان کی طرف سے ہے، پس جب آدمی یہ خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرے اور اپنی بائیں جانب تھوکے تو اس کو یہ خواب ضرر نہیں دے گا۔

اور ان کے باپ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ بن ابی قتادہ نے حدیث بیان کی از والد خود از نبی ﷺ اسی حدیث کی مثل۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۲، ۵۷۴۷، ۶۹۸۴، ۶۹۸۶، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۷۰۰۵، ۷۰۴۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۱، سنن ترمذی: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۰۹، مسند احمد: ۲۲۰۵۸، موطا امام مالک: ۱۷۸۴، سنن دارمی: ۲۱۴۱)

صحیح البخاری: ۶۹۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں نیک خواب کا ذکر ہے اور اس حدیث میں بھی نیک خواب کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن یحییٰ بن ابی کثیر کا ذکر ہے، یہ یمانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "واثنی علیہ خیرا"، یعنی مسدد نے عبداللہ بن یحییٰ کی اچھے کلمات کے ساتھ تحسین کی، اور یہ جملہ حالیہ ہے، یعنی جس وقت ان سے حدیث کی روایت کی، اس وقت ان کی تحسین کی۔ نیز اسحاق بن اسرائیل نے بھی ان کی تحسین کی جیسا کہ الاسماعیلی نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا کہ عبداللہ بن یحییٰ بن ابی کثیر تمام لوگوں میں سب سے بہتر تھے اور متقی اور دین دار تھے۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ''لقیته بالیمامة'' یعنی مسدد نے کہا: میں عبداللہ بن یحییٰ سے یمامہ میں ملا۔ الجوہری نے کہا: یمامہ ایک شہر ہے جس کا نام ''الجو'' تھا، اور علامہ کرمانی نے کہا: یہ شہر مکہ اور یمن کے درمیان ہے۔

اور الجوہری نے کہا: یمامہ ایک باندی کا نام ہے جس کا نام زرقاء تھا، اور اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور وہ تین دن کی مسافت سے کسی سوار کو دیکھ لیتی تھی تو مثل مشہور ہوگئی کہ فلاں شخص زرقاء سے زیادہ دیکھنے والا ہے۔

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوقتادہ، یہ الحارث بن ربعی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فلیتعوذ منه'' یعنی جب کوئی شخص حلم دیکھے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، کیونکہ وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''ولیبصق'' یعنی اپنی بائیں طرف تھوک دے تاکہ شیطان بھاگ جائے جس نے یہ ناگوار خواب دکھایا اور تھوکنا اس کی تحقیر کے لیے ہے، اور بائیں جانب کو اس لیے خاص کیا ہے کہ تمام گھناؤنی اور مکروہات بائیں جانب ہوتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۹۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۳، مسند احمد: ۱۱۸۶۳)

صحیح البخاری: ۶۹۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ جو باب کا عنوان ہے وہ بعینہ اس حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں غندر کا ذکر ہے، ان کا نام محمد بن جعفر ہے۔

اس حدیث کی امام مسلم نے بھی ''تعبیر الرؤیا'' میں روایت کی ہے۔ اور امام ترمذی اور امام نسائی نے بھی اس کی ''کتاب

الرؤیا'' میں روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَرَوَاهُ ثَابِتٌ وَحُمَيْدٌ وَإِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَشُعَيْبٌ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔
اور اس حدیث کی ثابت اور حمید نے اور اسحاق بن عبداللہ اور شعیب نے از حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۹۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۳، مسند احمد: ۱۱۸۶۳)

صحیح البخاری: ۶۹۸۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور اس حدیث کے رجال کا بھی کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے، اور اس حدیث کی روایت میں امام بخاری متفرد ہیں۔
یعنی اس حدیث کی ان چاروں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۸۹۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی حازم نے حدیث بیان کی اور دراوردی نے از یزید از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۹۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۳، مسند احمد: ۱۱۸۶۳)

صحیح البخاری: ۶۹۸۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن حمزہ کا ذکر ہے، وہ ابو اسحاق القرشی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی حازم کا ذکر ہے، وہ عبدالعزیز ہیں اور ابو حازم کا نام سلمہ بن دینار ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں الدراوردی کا ذکر ہے، وہ عبدالعزیز بن محمد بن عبید ہیں، اور دراوردی میں ''دراورد'' کی طرف نسبت ہے، یہ خراسان کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں یزید کا ذکر ہے، یہ ابن الہاد ہیں۔ اور اس سند کے تمام راوی مدنی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''مِن النبوۃ'' اور اس حدیث کی تمام سندوں میں نبوت کا ذکر ہے اور کسی سند کے ساتھ بھی نبوت کے بجائے لفظِ رسالت کا ذکر نہیں ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ رسالت نبوت پر فائق اور زائد ہوتی ہے، کیونکہ رسالت کا منصب ہے مکلفین کو احکام پہنچانا، اور نبوت صرف بعض مغیبات پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۸۹، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، لکھتے ہیں:

سچے خواب کا اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہونے کا بیان

اس باب کی احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مومن کا سچا خواب، یا مومن کا نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جو مومن سچا خواب دیکھے کیا وہ نبی کا چھیالیسواں حصہ بن جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اطلاق مجازی ہے، اس سے مراد حقیقت نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نبوت منقطع ہوگئی، اور نبوت کا جزو نبوت نہیں ہوتا جیسا کہ نماز کا جزو نماز نہیں ہے، مثلاً قرآن کی تلاوت نماز کا جزو ہے مگر قرآن کی تلاوت نماز نہیں ہے، اسی طرح سچا خواب نبوت کا جزو ہے مگر سچا خواب دیکھنے والا نبی کا جزو نہیں ہے، ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر سچا خواب دیکھیں تو وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور شخص نیک خواب دیکھے تو وہ علمِ نبوت کا ایک حصہ ہے، اس لیے کہ اگرچہ نبوت منقطع ہو چکی ہے لیکن اس کا علم باقی ہے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: کیا ہر شخص خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: کیا نبوت کے ساتھ کھیلا جائے گا؟، پھر کہا کہ خواب نبوت کا جزو ہے، پس نبوت کے ساتھ کھیل نہ کیا جائے۔

اور امام مالک کے قول کی شرح میں یہ کہا گیا ہے کہ امام مالک کی یہ مراد نہیں ہے کہ نبوت باقی ہے، ان کی مراد یہ ہے کہ سچا خواب

نبوت کے مشابہ ہے اس جہت سے کہ نبوت بعض غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے اور خواب میں بھی بعض غیوبات پر اطلاع ہوتی ہے، لہٰذا بغیر علم کے خواب کی تعبیر میں کلام نہ کیا جائے۔

سچے خواب کا نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہونے کا بیان

بعض علماء نے اس کی توجیہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خواب میں چھ ماہ وحی فرمائی، پھر اس کے بعد آپ کی طرف بقیہ مدتِ حیات میں بیداری میں وحی نازل فرمائی، اور بیداری کی وحی کی نسبت خواب کی وحی کی طرف چھیالیسواں حصہ ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلانِ نبوت کے بعد تئیس سال زندہ رہے، پس چھ مہینے سال کا آدھا حصہ ہیں، سو یہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک حصہ ہے، یعنی خواب کی وحی بیداری کی وحی کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اور علامہ المازری نے یہ کہا ہے کہ خواب کا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہونا یہ وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا ہے اور عام لوگوں کو اس پر مطلع نہیں فرمایا، اور علامہ ابن العربی نے کہا ہے: نبوت کے اجزاء کی حقیقت کا علم صرف نبی کو ہے یا فرشتہ کو، اور وہ مقدار کہ جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ خواب اجزاء نبوت میں سے ایک جزو ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں بھی غیب پر اطلاع ہوتی ہے اور نبوت میں بھی غیب پر اطلاع ہوتی ہے۔

نیز علامہ المازری نے کہا ہے: عالم کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کو اجمالاً اور تفصیلاً جانے، پس اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس حد پر جا کر عالم کا علم ٹھہر جاتا ہے، سو بعض چیزوں کو وہ اجمالاً جانتا ہے تفصیلاً نہیں جانتا، اور سچے خواب کا نبوت کا جزو ہونا بھی اسی قبیل سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت نہ فرمائی ہو اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچا خواب نبوت کا جزو ہے، ہمیں اس پر یقین رکھنا چاہیے، لیکن اس کی کیا کیفیت ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مطلع نہیں فرمایا، لہٰذا اس کے علم کے پیچھے ہمیں نہیں پڑنا چاہیے۔ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱۴ ص ۲۸۲، ۲۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: اَلْمُبَشِّرَاتِ — خوش کرنے والی چیزوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں المبشرات کا بیان ہے، اور مبشرات، مبشرۃ کی جمع ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا ہے: مبشرات کا معنی ''البُشریٰ'' ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ۶۴) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے تصریح کے ساتھ از ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن از عباد بن ثابت

روایت کی ہے کہ اس آیت میں بشارت سے مراد نیک خواب ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طرح نہیں ہے، کیونکہ "بُشْرٰی" بشارت کے معنی میں اسم ہے، اور مبشرۃ اسم فاعل ہے جو باب تبشیر سے ہے اور اس کا معنی ہے: سرور اور خوشی کو داخل کرنا، اور مراد مبشرۃ سے یہاں پر نیک خواب ہیں، اور اس کی تائید میں قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس: ۶۴) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں (بھی) بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔

اس کی تفسیر میں وارد ہے کہ اس سے مراد نیک خواب ہیں، اس حدیث کی امام ترمذی، امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور یہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے بالآخر وہی بات لکھی ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی پہلے لکھ چکے تھے بلکہ وہیں سے انہوں نے اس بات کو نقل کیا ہے، پھر حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرنے کی وجہ ناقابلِ فہم ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۶۹۹۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے: نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہی ہیں، صحابہ نے پوچھا: وہ مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: نیک خواب۔

(صحیح مسلم: ۴۷۹، سنن ترمذی: ۲۲۷۲، سنن نسائی: ۱۰۴۵، سنن ابوداؤد: ۸۷۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۹۹، مسند احمد: ۱۳۴۱۲، موطا امام مالک: ۱۷۸۳، سنن دارمی: ۱۳۲۵)

صحیح البخاری: ۶۹۹۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان اور حدیث دونوں میں مبشرات کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابوالیمان کا ذکر ہے، وہ الحکم بن نافع ہیں، اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لم یبق من النبوۃ الا المبشرات" یعنی نبوت میں سے صرف مبشرات باقی بچی ہیں، صحابہ نے پوچھا: اور مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ نیک خواب ہیں۔

مبشرات کی حدیث پر اعتراضات کے جوابات

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جس شخص نے نیک خواب دیکھا کیا اس کے لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو نبوت کا کوئی جزو حاصل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نبوت کا جزو نبوت نہیں ہے، کیونکہ کسی چیز کا جزو اس چیز کا غیر ہوتا ہے اور نہ وہ اس چیز کا عین ہوتا ہے اور نہ غیر ہوتا ہے۔ یعنی نہ من کل الوجوہ عین ہوتا ہے اور نہ من کل الوجوہ غیر ہوتا ہے۔

اس جگہ دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ نیک خواب اس سے عام ہے کہ وہ خوشخبری دینے والا ہو یا ڈرانے والا ہو، کیونکہ کبھی کسی آدمی کی نیکی اور صلاح کا حصول اس کو ڈرانے پر موقوف ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خواب بھی مبشّر کی طرف رجوع کرتا ہے، ہاں اس خواب سے وہ خواب خارج ہو جائے گا جس میں بالکل صلاحیت نہ ہو نہ صورتاً اور نہ تعبیراً۔

اس اعتراض کا جواب کہ مستقبل کے واقعات کا علم مبشّرات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ علم الہام سے بھی حاصل ہو جاتا ہے

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میری موت سے وحی منقطع ہو جائے گی اور خواب کے سوا کوئی ایسی چیز باقی نہیں بچے گی جس سے مستقبل کے واقعات کا علم ہو سکے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس پر الہام سے اعتراض ہوتا ہے، کیونکہ الہام میں بھی مستقبل میں ہونے والے واقعات کی خبر ہوتی ہے۔ اور انبیاء کے لیے الہام وحی کے معنی میں ہے جیسے انبیاء کا خواب وحی کے معنی میں ہوتا ہے اور غیر انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی الہام ثابت ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مناقب میں مذکور ہے کہ پچھلی امتوں میں محدَّث ہوا کرتے تھے اور دال کی زبر کے ساتھ محدَث کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ مُحدَّث وہ شخص ہوتا ہے جس پر الہام کیا جاتا ہے، اور بہ کثرت اولیاء اللہ نے امور مغیّبہ کی خبریں دیں اور اسی طرح وہ امور واقع ہوئے جس طرح انہوں نے خبریں دی تھیں۔

اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ نیند میں جو رؤیاء صالحہ کا حصر ہے وہ اس لیے ہے تاکہ وہ عام مومنین کو بھی شامل ہو جائے، اس کے برخلاف الہام بعض مومنین کے ساتھ مخصوص ہے اور مخصوص ہونے کے علاوہ وہ نادر ہے۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے کہ خواب کو مبشّرات کے ساتھ تعبیر کرنا بطور اکثر اور اغلب کے ہے، کیونکہ بعض خواب ڈرانے والے ہوتے ہیں اور وہ سچے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ مومن کو وہ خواب اس لیے دکھاتا ہے تاکہ مومن اس ڈراؤنی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اپنی اصلاح کر لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۹۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد والے خواب مبشرات ہیں

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مطلقاً خواب مبشرات ہوتے ہیں بلکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مومن جو خواب دیکھیں گے وہ مبشرات ہوں گے۔

امام مسلم اور امام ابوداؤد اور امام نسائی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ کھولا اور اس مرض کی وجہ سے آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی جس مرض میں آپ کی وفات ہوگئی، اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! نبوت میں سے صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں اور یہ نیک خواب ہیں جن کو خود مسلمان دیکھتا ہے یا مسلمان کے لیے وہ خواب دیکھے جاتے ہیں۔

اور امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد نبوت میں سے صرف نیک خواب باقی رہ جائیں گے۔

کسی چیز کا جزو اس چیز کے وصف کو مستلزم نہیں ہے

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک خواب نبوت کا جزو ہیں، تو جو مسلمان نیک خواب دیکھے کیا اس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ نبوت کے جزو کا حامل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا جزو اس کو مستلزم نہیں ہوتا کہ اس جزو کے اندر بھی اس چیز کا وصف پایا جائے، جیسے ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ'' بلند آواز سے کہنا اذان کا جزو ہے، اب اگر کوئی شخص بلند آواز سے ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ'' کہے تو اس کو موذن نہیں کہا جائے گا، اسی طرح تلاوت قرآن نماز کا جزو ہے، لیکن جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو اس کو نمازی نہیں کہا جائے گا۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ المہلب اور علامہ ابن التین کی عبارات نقل کی ہیں اور یہ وہی عبارات ہیں جن کو ہم علامہ عینی کے حوالہ سے اس سے پہلے لکھ چکے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۸۔۱۵۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۶۔ بَابُ: رُؤْيَا يُوسُفَ

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا بیان ہے اور نسفی کے نسخہ میں مذکور ہے یوسف بن یعقوب بن ابراہیم خلیل الرحمٰن صلوات اللہ علیہم وسلامہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب یوسف نے اپنے والد سے کہا: اے میرے ابا! بے شک میں نے گیارہ ستاروں، اور سورج اور

سٰجِدِیْنَ ۝ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَ كَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ وَ یُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ (یوسف: ۴۔۶)

چاند کو دیکھا، میں نے دیکھا وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں O (باپ نے) کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے O اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں چن لے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمائے گا اور تم پر اور آلِ یعقوب پر اپنی نعمت کو مکمل فرمائے گا جس طرح اس سے پہلے اس نے اس نعمت کو تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر مکمل فرمایا تھا، بے شک تمہارا رب خوب جاننے والا نہایت حکمت والا ہے O

وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝ (یوسف: ۱۰۰۔۱۰۱)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور یوسف علیہ السلام نے کہا:) اے میرے باپ! یہ میرے اس پہلے خواب کی تعبیر ہے، بے شک میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا، اور بے شک اس نے مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھ کو قید سے رہائی دی، اور شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جو عناد پیدا کر دیا تھا اس کے بعد آپ سب کو گاؤں سے لے آیا، بے شک میرا رب جو چاہتا ہے وہ حسن تدبیر سے کرتا ہے، بے شک وہ بے حد علم والا، بہت حکم والا ہے O اے میرے رب! تو نے مجھے (مصر کی) حکومت عطا کی اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا، اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے (دنیا سے) مسلمان اٹھانا، اور مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا O

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

اس آیت میں ارشاد ہے" اِذْ قَالَ " یعنی یاد کیجئے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا، یعنی حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام سے کہا۔

اس آیت میں ارشاد ہے:" اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا "" كَوْكَبًا " میں نصب بر بنائے تمیز ہے اور ان گیارہ ستاروں کے نام یہ ہیں:

جرثان، طارق، الذیال، ذوالکتفین، ذوالقابس، وثاب، عمودان، الفلیق، المصبح، الضروح، ذوالفرغ۔

اس آیت میں ارشاد ہے" رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ " اب یہاں پر سوال ہے کہ یہ ستارے تو غیر ذوی العقول ہیں تو بظاہر یوں ہونا

چاہیے تھا" رایتھا ساجدۃ"۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کا وصفِ سجود بیان کیا جو کہ ذوی العقول کے ساتھ خاص ہے تو ان ستاروں پر ذوی العقول کے حکم کو جاری کر دیا، گویا کہ وہ ستارے عقل والے ہیں۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان ستاروں کو سجدہ کرتے ہوئے اس وقت دیکھا جب ان کی عمر بارہ سال تھی، ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور ان کے بھائیوں کے مصر میں آنے کی درمیانی مدت چالیس سال ہے، اور ایک قول ہے کہ اسی (۸۰) سال ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے "عَلٰٓی اِخْوَتِكَ" یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں اور ان کے نام یہ ہیں:

یہوذا، روبیل، ریالون، شمعون، لاوی، یشجر، دینہ، دان، نفتال، جاد، آشر۔

اس آیت میں ارشاد ہے "فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا" سو وہ آپ کو ہلاک کرنے کے لیے کوئی مکر اور سازش کریں گے۔

اس آیت میں ارشاد ہے "یَجْتَبِیْكَ" یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو فضیلت عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں ارشاد ہے "مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ" یعنی آپ کو خوابوں کی تعبیروں کا علم عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں ارشاد ہے "وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ" یعنی آپ تک دنیا اور آخرت کی نعمت کو پہنچا دے گا۔

اس آیت میں ارشاد ہے "اَبَوَیْكَ" اس سے مراد ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے دادا اور دادا کے والد۔

اس آیت میں ارشاد ہے "هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ" یعنی جو میں نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں، اب اس کی یہ تعبیر ہے کہ یہ گیارہ بھائی مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

اس آیت میں ارشاد ہے "اَحْسَنَ بِیْٓ" یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔

اس آیت میں مذکور ہے "مِّنَ الْبَدْوِ" یعنی تم کو گاؤں سے لے آیا، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی گاؤں میں رہتے تھے اور محنت مزدوری کرتے تھے، مویشی چراتے تھے، وہ دیہات سے شہر کی طرف منتقل ہوتے تھے۔

اس آیت میں ارشاد ہے "مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ" یعنی جب شیطان نے ہمارے درمیان فساد ڈال دیا۔

اس آیت میں ارشاد ہے "لَطِیْفٌ" یعنی اللہ تعالیٰ لطف کرنے والا ہے اور جس طرح چاہے اس طرح پیدا کرنے والا ہے اور تمام دقائقِ امور کا جاننے والا ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے "مِنَ الْمُلْكِ" یعنی مصر کے ملک سے۔

اس آیت میں ارشاد ہے "تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ" یعنی خواب کی تعبیروں کا علم۔

اس آیت میں ارشاد ہے "فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ" یعنی اے آسمانوں کے پیدا کرنے والے اور زمین کے پیدا کرنے والے تو میرا متولی ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے "تَوَفَّنِیْ" یعنی میری روح کو اپنی طرف قبض فرما لے اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے، یعنی میرے ان آباء کے ساتھ جو انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں وفات دی اور ایک تابوت کے اندر دریائے نیل میں دفن کر دیا گیا۔ اور جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال تھی۔

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ فَاطِرٌ وَالْبَدِيعُ وَالْمُبْدِعُ وَالْبَارِئُ وَالْخَالِقُ۔ یعنی امام بخاری نے کہا کہ "فاطر اور بدیع اور مبدع اور باری اور الخالق، ان تمام الفاظ کا ایک معنی ہے۔

تعلیقِ مذکور پر اعتراض

بعض محققین نے کہا ہے کہ امام بخاری کا یہ دعویٰ کرنا ممنوع ہے کہ ان الفاظ کا معنی ایک ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

بعض شارحین (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے ان محققین پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ ان الفاظ کے معانی کے حقائق واحد ہیں، بلکہ امام بخاری کی مراد یہ ہے کہ یہ تمام معانی ایک معنی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ معنی ہے "جو چیز پہلے موجود نہ ہو، اس کو موجود کرنا"۔

علامہ بدرالدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ یہ تمام الفاظ واحد ہیں، اور امام بخاری کا ان سب کو واحد کہنا اس تاویل کے منافی ہے، جب کہ ان الفاظ کے معانی مختلف ہیں۔

"فاطر" کا لفظ فطر سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے: کسی چیز کو ابتداءً بغیر نمونہ کے پیدا کرنا، یہ علامہ الجوہری کا قول ہے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے پہلے "فاطر السمٰوٰت والارض" کے معنی کا پتا نہیں تھا، حتیٰ کہ میرے پاس دو دیہاتی ایک کنویں کے متعلق لڑتے ہوئے آئے، ان میں سے ایک نے کہا "انا فطرتھا" یعنی میں نے ابتداءً اس کنویں کھودا ہے۔

"البدیع" کا معنی ہے: ایسا خالق جو کسی چیز کو پیدا کرے اور اس کی پہلے مثال نہ ہو، اور فعیل مفعِل کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے "ابدع فھو مبدع" اور بعض بخاری کے نسخوں میں "مبدع" کا لفظ ہے۔

"الباری اور الخالق" علامہ الطیبی نے کہا ہے کہ "الخالق البارئ المصور" یہ تمام الفاظ مترادف ہیں اور یہ وہم ہے، کیونکہ خالق کا لفظ خلق سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ہے: تقدیرِ مستقیم۔ اور "البارئ" کا لفظ البرء سے ماخوذ ہے، اس کا معنی ہے: کسی چیز کا دوسری چیز سے خالص ہونا، اسی وجہ سے عرب کہتے ہیں "برئ من مرضہ" یعنی وہ اپنی بیماری سے خالص ہو گیا، یا اس کا معنی ہے: پیدا کرنا، اور اسی سے کہا جاتا ہے "برء اللہ النسمۃ" یعنی اللہ تعالیٰ نے روح کو پیدا کیا، اور اللہ تعالیٰ روح کے لیے "البارئ" ہے اور ایک قول یہ ہے کہ "البارئ" کا معنی ہے: جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور وہ تفاوت اور تنافر سے بری تھی۔

حافظ ابن حجر کی طرف سے علامہ عینی کے اعتراضِ مذکور کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ عینی نے اپنے اعتراض کی عبارت میں خود اپنا رد کر دیا ہے، کیونکہ علامہ عینی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام الفاظ ایک معنی کی طرف رجوع کرتے ہیں اگرچہ ان کی عبارت مختلف ہے اور یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہی ہے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۵۹، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

''البارئ'' میں راء کی جگہ دال بھی ہے یعنی ''البادی'' اور ہمارے زمانہ کے بعض شارحین کا یہ زعم ہے کہ صحیح لفظ راء کے ساتھ ہے یعنی ''البارئ'' اور دال کے ساتھ یعنی ''البادی'' یہ وہم ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان پر رد کیا ہے کہ بعض روایات میں اسماءِ حسنیٰ سے ''المبدء'' وارد ہے، اور سورۃ العنکبوت میں مذکور ہے: ''اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ۔ (العنکبوت:۱۹)'' (کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا، پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا)، پھر کہا ''فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ۔ (العنکبوت:۲۰)'' (پس غور کرو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوق کو پیدا کیا ہے)، پس پہلے لفظ سے اسمِ فاعل ''مبدء'' ہے اور دوسرے لفظ سے اسمِ فاعل ''بادء'' ہے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی کی عبارت ختم ہوئی)

علامہ عینی فرماتے ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو یہ رد کیا ہے اس پر بھی اعتراض ہے جو مخفی نہیں ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے کہا ''من البدء: اس کا معنی ہے: بادئۃ'' یعنی وہ گاؤں سے آئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کس کے سامنے بیان کیا جائے اور کس کے سامنے نہ بیان کیا جائے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ قرآن مجید میں جو کواکب کا ذکر ہے، اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہیں، اور شمس سے مراد ان کی والدہ ہیں، اور قمر سے مراد، ان کے والد ہیں۔

اور قتادہ اور دوسروں نے کہا: شمس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ستاروں سے، شمس سے اور قمر سے خبر دی ہے، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا اور ان کی خالہ نے سجدہ کیا اور ان کے والد نے سجدہ کیا۔ اور سلیمان سے مروی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب اور اس کی تعبیر کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ ''تم اپنے بھائیوں کے سامنے یہ خواب بیان نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے خلاف سازش کریں گے'' حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ اس لیے فرمایا کہ ان کو اس خواب کی تعبیر کا علم تھا، انہیں خطرہ ہوا کہ ان کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کریں گے اور ان کا حسد حضرت یعقوب علیہ السلام پر ظاہر ہو گیا تھا، اور یہ اس بات کی اصل ہے کہ خواب اس شخص کے سامنے نہ بیان کیا جائے جو شفیق اور خیر خواہ نہ ہو، اور نہ اس کے سامنے خواب بیان کیا جائے جو اچھی طرح تعبیر نہ بتا سکتا ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۔ بَابُ: رُؤْيَا إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا بیان کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ أَنْ يّٰإِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ (الصافات: ۱۰۲۔۱۰۵)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، آپ ان شاء اللہ! مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم O بے شک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O

قَالَ مُجَاهِدٌ: أَسْلَمَا سَلَّمَا مَا أُمِرَا بِهِ. وَتَلَّهُ وَضَعَ وَجْهَهُ بِالْأَرْضِ

مجاہد نے کہا: اس آیت میں ''اسلما'' کا معنی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا تھا، اس کو ان دونوں نے تسلیم کر لیا، اور ''وتلّہٗ'' کا معنی ہے: انہوں نے اس کی پیشانی کو زمین پر رکھ دیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

امام بخاری نے نہ اس باب میں کسی حدیث کو ذکر کیا ہے اور نہ اس سے پہلے باب میں کسی حدیث کی روایت کی۔ اور امام بخاری کو ان دونوں بابوں کے عنوان کے متعلق کسی حدیث کو روایت کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے

کوئی بیٹا عطا کیا تو وہ اس کو ذبح کر کے قربانی دیں گے، پھر انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنی نذر پوری کریں۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق اہلِ کتاب کی روایت

۱۸۲۳۶: امام ابن ابی حاتم نے از سدی روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام سے کہا: ہمارے ساتھ چلو، ہم ایک قربانی پیش کرتے ہیں اور انہوں نے رسّی لی اور چھری لی، پھر ان کو لے گئے حتیٰ کہ جب پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو حضرت اسحاق علیہ السلام نے کہا: اے ابا جان! آپ کی قربانی کہاں ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: تم قربانی ہو اے میرے بیٹے! مئیں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (الصافات: ۱۰۲۔۱۰۵)

جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، آپ ان شاء اللہ! مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ○ سو جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ○ اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم ○ بے شک آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔

پس حضرت اسحاق علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھے رسیوں سے اچھی طرح باندھ دیں حتیٰ کہ ذبح کے وقت میرا جسم مضطرب نہ ہو اور اپنے کپڑوں کو بچا کر رکھیں حتیٰ کہ میرے خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں پر نہ پڑیں، ورنہ حضرت سارہ میرے خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں پر دیکھ کر غمگین ہوں گی اور میرے حلق پر چھری جلدی سے چلائیں تا کہ میں آسانی سے ذبح ہو جاؤں، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح کیا اور وہ رو رہے تھے اور چھری کو ان کے حلقوم پر چلایا تو چھری نہیں چلی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے حلق کے اوپر پیتل یا تانبے کا ایک پترا رکھ دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پیشانی کے بل اوندھا لٹایا اور ان کی گردن پر چھری چلائی اور یہ ان آیات کا مصداق ہے:

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ (الصافات: ۱۰۳۔۱۰۴)

سو جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا ○ اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم ○

پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو وہاں پر ایک مینڈھا تھا، پس انہوں نے اس مینڈھے کو پکڑا اور اپنے بیٹے کو کھول دیا۔ اسی طرح السدی نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔

اور شاید کہ سدی نے اس روایت کو بعض اہلِ کتاب سے حاصل کیا ہے، کیونکہ امام ابن ابی حاتم نے سندِ صحیح کے ساتھ از الزہری روایت کی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ جمع ہوئے، پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث

بیان کی کہ ہر نبی کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے، تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا میں آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر نہ دوں؟ جب انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں تو شیطان نے کہا: اگر میں ان لوگوں کو اب فتنہ میں نہ ڈالوں تو میں کبھی کسی کو فتنہ میں نہ ڈال سکوں گا، پس شیطان حضرت سارہ علیہا السلام کے پاس گیا، پھر پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہاں گئے ہیں؟ حضرت سارہ نے کہا: اپنے کسی کام سے گئے ہیں، شیطان نے کہا: پھر صبح صبح ابراہیم، اسحاق کو لے کر کہاں گئے ہیں؟ تو حضرت سارہ نے کہا: ان کو کوئی کام ہوگا، شیطان نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم، حضرت سارہ نے کہا: پھر کیوں وہ صبح کے وقت اپنے بیٹے کو لے کر گئے ہیں؟ شیطان نے کہا: تاکہ اس کو ذبح کر دیں، حضرت سارہ نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے والے نہیں ہیں، شیطان نے کہا: کیوں نہیں! اللہ کی قسم، حضرت سارہ نے کہا: پھر وہ اپنے بیٹے کو کیوں ذبح کریں گے؟ شیطان نے کہا: ان کا زعم ہے کہ ان کے رب نے ان کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، حضرت سارہ نے کہا: اگر ان کے رب نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو وہ اپنے رب کے حکم پر عمل کر کے بہت اچھا کریں گے، پھر شیطان وہاں سے نکلا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو جالیا اور وہ اپنے والد کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، شیطان نے کہا: تمہارے والد صبح صبح کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت اسحاق علیہ السلام نے کہا: اپنے کسی کام سے جا رہے ہیں، شیطان نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم بلکہ وہ صبح صبح تمہیں ذبح کرنے کے لیے جا رہے ہیں، حضرت اسحاق نے کہا: وہ مجھ کو ذبح کرنے والے نہیں ہیں، شیطان نے کہا: کیوں نہیں! حضرت اسحاق نے پوچھا: کیوں؟ شیطان نے کہا: ان کا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کا حکم دیا ہے، حضرت اسحاق نے کہا: پس اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا ہے تو وہ ضرور بہ ضرور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے، پھر شیطان نے حضرت اسحاق کو چھوڑ دیا اور جلدی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا: آپ صبح صبح کہاں اپنے بیٹے کو لے کر جا رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: میں اپنے کسی کام سے جا رہا ہوں، شیطان نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! آپ تو صرف اس لیے صبح صبح جا رہے ہیں کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میں اپنے بیٹے کو کیوں ذبح کروں گا؟ شیطان نے کہا: آپ کا یہ زعم ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے، پس حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے تو میں اس طرح ضرور کروں گا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بتایا: پھر شیطان نے ان کو چھوڑ دیا اور مایوس ہو گیا کہ وہ اس کے کہنے پر عمل کریں، پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے پکڑا اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا اور ان کی جگہ ایک ذبح عظیم کا فدیہ دیا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے اٹھو! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو محفوظ رکھا ہے، پس جب شیطان نے یہ دیکھا کہ وہ ان دونوں کو بہکا نہیں سکا تو وہ الجمرہ پر آیا اور اس نے اپنے جسم کو پھلا لیا حتیٰ کہ وادی کو بھر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ فرشتہ تھا، پس فرشتے نے کہا: اے ابراہیم! اس پر کنکریاں ماریں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے اوپر اللہ اکبر پڑھتے، تو پھر وہ راستہ سے ہٹ گیا، پھر وہ آگے گیا اور الجمرۃ الثانیۃ پر آ گیا، پھر اس نے اپنے جسم کو پھلایا حتیٰ کہ وادی کو بھر دیا، پس فرشتے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اے ابراہیم! اس کو کنکریاں ماریں، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر اللہ اکبر پڑھتے، پھر ان کے لیے راستہ کھل گیا، پھر شیطان الجمرۃ الثالثۃ پر آیا، پھر اس نے اپنے جسم کو پھلایا حتیٰ کہ وادی کو بھر دیا، پس فرشتے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے کہا: اے ابراہیم اس کو کنکریاں ماریں، تو آپ نے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر پڑھتے، تو راستہ کھل گیاحتیٰ کہ آپ قربان گاہ پر پہنچ گئے۔

۱۸۲۳۷: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

۱۸۲۳۸: اور میں نے اپنے والد سے سناوہ کہتے تھے کہ صحیح یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہم اور سعید بن المسیب، سعید بن جبیر، الحسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب القرظی، ابوجعفر، محمد بن علی اور ابوصالح، ان سب نے بیان کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۲۲۔ ۳۲۲۳، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ المکرمہ، ۱۴۱۷ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے متعلق دلائل

امام احمد بن حنبل نے ابوطفیل کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب مناسکِ حج سیکھ لیے تو سعی کی جگہ پر ابلیس ان کے سامنے پیش ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے آگے نکل گئے، پھر حضرت جبریل علیہ السلام حضرت ابراہیم کو گھاٹی پر لے گئے، وہاں بھی ابلیس ظاہر ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں حتیٰ کہ وہ چلا گیا، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے سفید قمیص پہنی ہوئی تھی، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو پیشانی کے بل گرایا تو انہوں نے کہا: اے میرے ابا جان! میرے پاس اور کوئی قمیص نہیں ہے جس میں آپ مجھے کفن دیں تو اس قمیص کو آپ اتار لیں، تو ان کے پیچھے سے یہ ندا کی گئی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر دیکھا تو ایک سفید سینگوں والا اور بڑی آنکھوں والا مینڈھا تھا، سو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو ذبح کر دیا۔

اور امام ابن اسحاق نے ''المبتدا'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے: پس اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے کہ اولِ اسلام میں مینڈھے کا سر اس کے سینگوں کے ساتھ کعبہ کے پرنالے پر لٹکا ہوا تھا۔

اور نیز امام احمد نے حضرت عثمان بن ابی طلحہ سے روایت کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، پس میں نے مینڈھے کے دو سینگوں کو چھپا دیا جس وقت آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔

اور یہ آثار اس پر انتہائی قوی دلائل ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں'' (ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد حضرت عبد اللہ ہیں)۔

(امام عقیلی المتوفی ۳۲۲ھ نے ''کتاب الضعفاء'' ج ۳ ص ۹۴، اور امام حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ نے ''المستدرک'' ج ۲ ص ۵۵۹ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ میں اور امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے ''تاریخ دمشق'' ج ۶ ص ۲۰۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، میں اس حدیث کی تفصیل سے روایت کی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

الشیخ تقی الدین سبکی نے قرآن مجید سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر استدلال کیا، کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی

قوم نے بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا، اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَ عَلٰۤی اِسْحٰقَ ؕ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾
(الصافات: ۹۹۔ ۱۱۳)

اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ عنقریب میری رہنمائی کرے گا O اے میرے رب! مجھے صالحین میں سے ایک بیٹا عطا فرما O سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی O پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، آپ ان شاء اللہ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے O سو جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا O اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیم O بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں O بے شک یہ ضرور کھلی ہوئی آزمائش ہے O اور ہم نے اس کے بدلہ میں ایک بہت بڑا ذبیحہ دے دیا O اور ہم نے بعد میں آنے والوں کے لیے ان کا ذکر باقی رکھا O ابراہیم پر سلام ہو O ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں O بے شک وہ ہمارے کامل ایمان دار بندوں میں سے ہیں O اور ہم نے ان کو اسحاق نبی کی بشارت دی جو صالحین میں سے ہیں O اور ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں اور اپنی جان پر کھلا کھلا ظلم کرنے والے بھی ہیں O

ان آیات میں واضح دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبح کا قصہ بیان کرنے کے بعد یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی، کیونکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو گئے اور ان کی مثل سے بچہ کا پیدا ہونا مستبعد ہو گیا اور وہ فرشتے ان کے پاس آئے جنہیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور ان فرشتوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی، اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو بیان فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ

اور بے شک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے انہوں نے کہا: سلام! ابراہیم نے (جواباً کہا:) سلام!، پھر تھوڑی

أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ ۙ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ (ہود: ۶۹۔ ۷۲)

دیر بعد وہ گائے کا بھنا ہوا بچھڑا لے آئے O پھر جب ابراہیم نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے تک نہیں بڑھ رہے تو ابراہیم نے ان کو اجنبی سمجھا اور اپنے دل میں ان سے ڈرنے لگے فرشتوں نے کہا: آپ مت ڈریں بے شک ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے O اور ابراہیم کی بیوی جو کھڑی ہوئی تھیں وہ ہنس پڑیں تو ہم نے اس کو اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری سنائی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی O (سارہ نے) کہا: ارے دیکھو! بھلا میں بچہ جنوں گی اور حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، بے شک یہ عجیب بات ہے O

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصافات میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دی ہے اور سورۂ ہود میں جو یہ قصہ بیان کیا ہے اس میں بھی بیٹے کی بشارت دی ہے، اور اس میں یہ تصریح ہے کہ جس بیٹے کی بعد میں بشارت دی ہے وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، اور سورۂ الصافات میں جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، کیونکہ سورۂ صافات میں بھی اس قصہ کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی اللہ تعالیٰ نے بشارت دی ہے، تو معلوم ہوا کہ پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور پھر ان کے بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اور سورۂ ہود اور سورۃ الصافات کو ملا کر پڑھا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے، حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: یہ بہت جید استدلال ہے اور میں اس کو بہت پسند کرتا ہوں اور سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ۔ (ابراہیم: ۳۹)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔

اور اس آیت سے آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ سے واضح ہو گیا کہ پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، پھر حضرت اسحاق پیدا ہوئے۔

اور اس کی تقویت اس سے ہوتی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابتداء امر میں عطا کیے گئے تھے، کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ھاجرؑ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کو اس پر غیرت آئی اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ حضرت ہاجر کو اور ان کے بیٹے کو مکہ میں چھوڑ آئیں، اس واقعہ کا امام ابن اسحاق نے ''المبتدا'' میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

امام الطبری نے السدی کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے شہروں میں سے شام کی طرف چلے گئے، پھر ان کی حضرت سارہ سے ملاقات ہوئی جو حران بادشاہ کی بیٹی تھیں، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائیں، حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے ان سے نکاح کرلیا، پھر جب وہ مصر میں آئے اور ظالم بادشاہ نے حضرت سارہ کو حضرت ہاجر ہبہ کردی اور حضرت سارہ نے حضرت ہاجر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کردی، اور حضرت سارہ کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کو صالحین سے بیٹا عطا فرمائے، پس یہ دعا مؤخر ہوگئی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہوگئے، پھر جب حضرت سارہ کو یہ پتا چلا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجر سے مباشرت کی ہے تو انہیں اس پر غم ہوا کہ ان کے ہاں تو اولاد نہیں ہوئی، پھر فرشتوں کے آنے کا قصہ ذکر کیا جو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے بعد آئے تھے، اور فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت دی، اس موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ۔ (ابراہیم:۳۹)''۔ اور اس سے پہلے جو گزرا ہے کہ ذبح کا واقعہ مکہ میں ہوا تو یہ بھی قوی دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، کیونکہ حضرت سارہ اور حضرت اسحاق اس وقت مکہ میں نہیں تھے۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۶۰۔ ۱۶۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر مزید دلائل

علامہ ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی المکی المتوفی ۳۲۲ھ، لکھتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اور کعب الاحبار سے مروی ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں مگر قوی دلیل یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ صحابہ میں سے حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوطفیل، حضرت عامر بن واثلہ، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، الحسن البصری، الشعبی، مجاہد، الکلبی، یوسف بن مہران، الربیع بن انس ومحمد بن کعب القرظی وغیرہم نے اسی کی تصریح کی ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) امام حاکم نے اپنی مستدرک کی ''کتاب المناقب ج ۲ ص ۵۵۹'' میں اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انا ابن الذبیحین'' (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں)۔

نیز امام حاکم نے از عبید اللہ بن محمد العتبی، ہمیں عبد اللہ بن سعید نے حدیث بیان کی از الصنابحی، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی مجلس میں حاضر تھے، پس لوگوں نے اس میں بحث کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام میں سے کون ذبیح ہے؟ بعض نے کہا: حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح ہیں، اور بعض نے کہا: بلکہ حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہیں، پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم نے یہ معاملہ اس کے سامنے پیش کیا ہے جو اس باب کو جاننے والا ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے شہروں کو خشک سالی میں چھوڑ دیا اور پانی سوکھ گیا اور مال ہلاک ہوگیا اور بچے ضائع ہوگئے، اے ابن الذبیحین! آپ اس مال پر بیٹھیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور فے دیا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے اس اعرابی پر انکار نہیں فرمایا، پس ہم نے کہا: اے امیر المومنین! وہ دو ذبیح کون سے ہیں؟ حضرت امیر معاویہ نے بتایا کہ حضرت عبد المطلب نے جب زمزم کو کھودنے کا حکم دیا تو انہوں نے اللہ کی نذر مانی کہ اگر ان کے لیے یہ کام آسان ہوگیا تو وہ اپنے کسی بیٹے کو اللہ کی راہ میں ذبح

کریں گے، پھر انہوں نے اپنے بیٹوں کے درمیان قرعہ اندازی کی تو حضرت عبد اللہ کے نام کا قرعہ نکلا، سو انہوں نے ان کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا، تو ان کے ماموں جو بنو مخزوم سے تھے انہوں نے روکا اور کہا: آپ اپنے رب کو راضی کر دیں اور اپنے بیٹے کا فدیہ دے دیں، حضرت معاویہ نے کہا: پھر حضرت عبد المطلب نے سو اونٹنیوں کو فدیہ میں دیا تو حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب ذبیح قرار پائے، اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اسی طرح اس حدیث کی امام ابن مردویہ اور امام الثعلبی نے اپنی تفسیروں میں روایت کی ہے، اور علامہ زمخشری نے بھی الکشاف میں ''انا ابن الذبیحین'' کی روایت کی ہے جس کو ہم عنقریب بیان کریں گے۔

(۲) ابو سعید الضریر سے ذبیح کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے تین شعر پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تصریح کی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شرف ہے کہ ان کے جدِ امجد حضرت اسماعیل ذبیح ہیں، اگر تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو تو تم آپ کی اس خصوصیت اور آپ کے اس شرف کا انکار نہ کرو۔

(۳) الاصمعی سے منقول ہے: میں نے عمرو بن العلاء سے ذبیح سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے، حضرت اسحاق علیہ السلام مکہ میں کب آئے، مکہ میں تو صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر کی اور انہوں نے ہی مکہ میں قربان گاہ کو بنایا۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی صفتِ صبر بیان کی ہے نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَاالْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ (الانبیاء:۸۵) اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کیجئے، یہ سب صبر کرنے والے تھے O

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صابر اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنے ذبح کیے جانے پر صبر کیا تھا، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مُوْسٰۤی ۫ اِنَّهٗ کَانَ مُخْلَصًا وَّ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ﴿۵۱﴾ (مریم:۵۱) اور آپ اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کیجئے، وہ سچے وعدہ والے اور رسول نبی تھے O

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ''صادق الوعد'' اس لیے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ذبح کیے جانے پر صبر کرنے کا وعدہ کیا تھا، سو انہوں نے اپنے اس وعدہ کو سچا کر دیا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ (ہود:۷۱) تو ہم نے اس کو (سارہ کو) اسحاق کی پیدائش کی خوشخبری سنائی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی O

اگر حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح ہوتے تو ان کو ذبح کرنے کا حکم یا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے ظہور سے پہلے ہوتا یا ان کے ظہور کے بعد ہوتا، پہلی صورت باطل ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ کو اسحاق کی بشارت دی اور ان کے ساتھ یہ بشارت دی کہ ان سے یعقوب پیدا ہوں گے تو حضرت یعقوب کے ظہور سے پہلے حضرت اسحاق کو ذبح کرنے کا امر جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی'' اور دوسری صورت بھی باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم

اَذْبَحُکَ (الصافات:۱۰۲)
نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔

یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ جب وہ بیٹا چلنے پھرنے پر قادر ہو گیا اور کام کرنے کی حد کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کے ذبح کرنے کا حکم دیا، اور یہ اس کے منافی ہے کہ یہ قصہ کسی اور زمانہ میں واقع ہوا ہو، پس ثابت ہوا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذبیح ہونا جائز نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ (الصافات:۹۹)
اور ابراہیم نے کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں، وہ عنقریب میری رہنمائی کرے گاO

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو بیٹا عطا کرے تا کہ سفر میں وہ ان سے مانوس ہوں، پھر کہا:

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ (الصافات:۱۰۰)
اے میرے رب! مجھے صالحین میں سے ایک بیٹا عطا فرماO

اور یہ دعا اس وقت مستحسن ہو گی جب اس سے پہلے ان کا بیٹا نہ ہوا ہو، اور اس دعا کا معنی یہ ہے کہ ان کو صالحین میں سے ایک بیٹا عطا فرمائے۔ اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے، پس معلوم ہوا کہ اس دعا سے مطلوب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طلب تھی، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذبح کا قصہ ذکر فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ (الصافات:۱۰۱۔۱۰۴)

سو ہم نے ان کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دیO پس جب وہ لڑکا ان کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچا (تو) ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اب تم سوچ کر بتاؤ کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس بیٹے نے کہا: اے ابا جان! آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، آپ ان شاء اللہ مجھے عنقریب صبر کرنے والوں میں سے پائیں گےO سو جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیاO اور ہم نے ابراہیم کو ندا کی کہ اے ابراہیمO بے شک آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اور بے شک ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیںO

پس ان آیات سے واضح ہو گیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام۔

(کتاب الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۹۵۔ ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام ابواسحاق احمد الثعلبی المتوفی ۴۲۷ھ، لکھتے ہیں:

متقدمین میں سے علماء مسلمین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا

تھا، آیا اس بیٹے سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں؟ پس ایک قوم نے کہا کہ اس بیٹے سے مراد حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور تابعین اور اتباع تابعین میں سے کعب احبار، سعید بن جبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ، قاسم بن ابی بزۃ، عطاء، مقاتل، عبدالرحمن بن سابط، زہری، السدی کا یہی موقف ہے۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس بیٹے سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، اور صحابہ میں سے اس قول کے قائل حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو الطفیل، عامر بن واثلہ، اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، الشعبی، الحسن البصری، یوسف بن مہران، مجاہد، ربیع بن انس اور محمد بن کعب القرظی کا یہی موقف ہے، اور عطاء بن ابی رباح، ابوحمزہ نصر بن عمران الضبعی اور یوسف بن ماہک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جن کا فدیہ دیا گیا ہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ اور یہود کا زعم ہے کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں، اور یہود نے جھوٹ بولا ہے۔

امام الثعلبی نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر وہی دلائل پیش کیے ہیں جن کو ہم امام عقیلی کے حوالہ سے اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

نیز امام الثعلبی نے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! میں نے اول اسلام میں دیکھا کہ اس مینڈھے کا سر کعبہ کے پرنالے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔

(الکشف والبیان، ج ۸ ص ۱۴۹۔ ۱۵۳، ملخصاً وملتقطاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ھ، لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ ذبیح کون ہے؟ پس حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم، محمد بن کعب القرظی اور تابعین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انا ابن الذبیحین" (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں)۔

اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، حاکم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور حافظ ذہبی نے کہا: اس کی سند ضعیف ہے۔

تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ التزام کیا ہے کہ وہ اپنی شرح میں کسی ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کریں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے آپ کے سامنے کہا "یا ابن الذبیحین!" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ (الطبری: ۹۵۳۰، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۵۵۴، حافظ ذہبی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے)

علامہ زمخشری نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر وہی دلائل پیش کیے ہیں جن کو ہم امام عقیلی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔ (الکشاف ج ۴ ص ۵۸۔ ۶۱، ملخصاً وملتقطاً، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

تنبیہ: تبیان القرآن میں تورات کے حوالہ سے میں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے:
(تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۱۶۔ ۹۲۶)

۸۔ بَابُ: التَّوَاطُؤِ عَلَى الرُّؤْيَا — کئی آدمیوں کا ایک خواب دیکھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کئی آدمیوں کی جماعت ایک خواب کو دیکھے، اگرچہ ان کی عبارات مختلف ہوں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۱۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رضى الله عنه أَنَّ أُنَاسًا أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّ أُنَاسًا أُرُوا أَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ چند اصحاب کو رمضان کے مہینہ کے آخری سات دنوں میں لیلۃ القدر دکھائی گئی، اور چند اصحاب کو لیلۃ القدر آخری دس دنوں میں دکھائی گئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو آخری سات دنوں میں دیکھو۔

(صحیح البخاری: ۱۱۵۸، ۲۰۱۵، ۶۹۹۱، صحیح مسلم: ۱۱۶۵، مسند احمد: ۴۴۸۵، موطا امام مالک: ۷۰۶)

صحیح البخاری: ۶۹۹۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔ اور اس حدیث کے رجال کا کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے، اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابُ: رُؤْيَا أَهْلِ السُّجُونِ وَالْفَسَادِ وَالشِّرْكِ — قیدیوں، مفسدوں اور مشرکوں کے خواب کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں اھل السجون کا ذکر ہے، سجون، سجن کی جمع ہے جس کا معنی قید ہے۔ اور اس عنوان میں "الفساد" کا ذکر ہے، یعنی فاسقوں کے خواب کا ذکر ہے۔ اور اس عنوان میں "الشرك" کا ذکر ہے، یعنی مشرکین کے خواب کا ذکر ہے، صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں شرک کی جگہ شراب کا ذکر ہے، اس سے مراد حرام مشروبات ہیں، یعنی حرام مشروبات کے پینے

والے اور وہ بھی فساق ہیں، تو یہ خاص کا ذکر عام پر ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان سے یہ اشارہ کیا ہے کہ ان لوگوں کا نیک خواب بھی معتبر ہوتا ہے، بایں طور کہ وہ خواب بھی قید سے چھوٹنے کی بشارت ہوتی ہے خواہ قیدی کافر ہو، اور کبھی اس خواب میں اسلام کی طرف ہدایت کی بشارت ہوتی ہے جیسے ان دو آدمیوں کا خواب جو حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید کیے گئے تھے، ابوالحسن بن ابی طالب نے کہا: ان دو آدمیوں کا خواب ان کے خلاف دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ کافر کبھی سچا خواب نہیں دیکھتا۔ اور رہا فساق کا نیک خواب، تو وہ کبھی ان کے لیے توبہ کی بشارت ہوتی ہے اور ان کے فسق سے رجوع کی دلیل ہوتی ہے۔ اور رہا کافر کا خواب، پس وہ اس کے ایمان کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَ قَالَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور یوسف کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن سے پرندے کھا رہے ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر بتائیے، ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں O یوسف نے کہا: تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتا دوں گا، یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور جو لوگ آخرت کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں میں نے ان کے دین کو ترک کر دیا ہے O اور میں نے اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی اتباع کی ہے، ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک قرار دیں، یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے O اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! آیا متعدد خدا بہتر ہیں یا ایک خدا جو غالب ہے؟ O تم اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند اسماء ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیا ہے، اللہ نے ان کے ساتھ کوئی سند نہیں نازل کی، حکم صرف اللہ کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو، یہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ

الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾

(یوسف:۴۳-۵۰)

نہیں جانتے O اے میرے قید خانے کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور رہا دوسرا تو اس کو سولی دی جائے گی، پھر پرندے اس کے سر سے (گوشت نوچ کر) کھائیں گے، تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے O اور جس کے متعلق یوسف کا گمان تھا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پانے والا ہے، اس سے انہوں نے کہا: تم اپنے آقا کے سامنے میرا ذکر کرنا، پس شیطان نے اس کو اپنے رب سے ذکر کرنا بھلا دیا، پس وہ قید خانے میں (مزید) کئی سال ٹھہرے رہے O اور بادشاہ نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور میں نے سات سرسبز خوشے دیکھے اور (سات) سوکھے ہوئے (خوشے دیکھے)، اے میرے درباریو! میرے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو O انہوں نے کہا: یہ تو پریشان خواب ہیں، اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے O ان دو قیدیوں میں سے جو نجات یافتہ تھا اس نے ایک مدت کے بعد یوسف کو یاد کیا، اس نے کہا: میں تم کو اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں، مجھے (یوسف کے پاس) بھیج دو O اس نے یوسف کے پاس جا کر کہا:) اے یوسف! اے بہت سچ بولنے والے! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیے کہ سات فربہ گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے ہیں، اور سات سوکھے ہوئے (خوشے ہیں) تاکہ میں لوگوں کے پاس یہ تعبیر لے کر جاؤں شاید وہ آپ کا مرتبہ جان لیں O یوسف نے کہا: تم حسب معمول سات سال تک کاشت کاری کرو گے، پھر تم جو کھیت کاٹو تو تمام غلہ کو ان کے خوشوں میں چھوڑ دینا ماسوا اس قلیل غلے کے جس کو تم کھاؤ O پھر اس کے بعد سات خشک سالی کے سخت سال آئیں گے وہ اس غلے کو کھا جائیں گے جو تم نے پہلے جمع کر کے رکھا تھا ماسوا تھوڑے سے غلے کے جس کو تم محفوظ رکھو گے O پھر اس کے

بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور اس میں لوگ پھلوں کو نچوڑیں گے O اور بادشاہ نے کہا: یوسف کو میرے پاس لے کر آؤ، جب ان کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا: اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، بے شک میرا رب ان کی سازش کو خوب جاننے والا ہے O

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَدَخَلَ مَعَهُ۔۔۔۔۔ الی آخرہ"۔ ان آیات سے یہ واضح ہوا کہ جو مفسدین اور مشرکین قید میں ہوں ان کے نیک خواب کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور اسی سے اس باب کے عنوان کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَدَخَلَ مَعَهُ۔۔۔" یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوان تھے اور وہ دونوں مصر کے بڑے بادشاہ ولید بن ریان کے غلام تھے، ان میں سے ایک روٹی پکانے والا تھا اور بادشاہ کے طعام کا کارمختار تھا، اس کا نام مجلث تھا، اور دوسرا بادشاہ کو شراب پلانے والا تھا، اس کا نام نبوء تھا، ان دونوں پر بادشاہ کسی وجہ سے غضب ناک ہوا، سو ان دونوں کو قید کر لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام جب قید خانہ میں داخل ہوئے تو آپ نے قید خانہ کے کارکنوں کو بتایا کہ میں خوابوں کی تعبیر بتاتا ہوں، تو ان دو نوجوانوں میں سے ایک نے اپنے صاحب سے کہا: ہمیں ان کا تجربہ کرنا چاہیے، یہ عبرانی غلام ہیں، پس ان دونوں نے ایک خواب گھڑا اور حضرت یوسف علیہ السلام سے اس کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا، پس ان میں سے ایک نے کہا کہ بے شک میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور عمان کی لغت میں انگوروں کو خمر کہتے ہیں، ایک اعرابی کے پاس انگور تھے، اس سے پوچھا گیا: تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا: خمر، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے "عصر عنبا" یعنی میں انگور نچوڑ رہا تھا، اور اس کو خمر سے اس لیے تعبیر کیا کہ انگور کا مآل خمر ہے۔

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کی گرفت

علامہ عینی نے لکھا ہے کہ ان دو قیدی جوانوں نے دراصل خواب نہیں دیکھا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی آزمائش کے لیے جھوٹ بولا تھا، لیکن ان کی یہ شرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں تو یہ بتایا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی، اگر انہوں نے جھوٹ بولا ہوتا تو یوسف علیہ السلام فرما دیتے کہ تم جھوٹا خواب بیان کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (یوسف: ۳۶)

ان میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جن سے پرندے کھا رہے ہیں، آپ ہمیں اس کی تعبیر

بتایئے، ہمارا گمان ہے کہ آپ نیک لوگوں میں سے ہیں O

ان دونوں قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنا اپنا خواب بیان کیا، اگر انہوں نے جھوٹ بولا ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام ان سے فرماتے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، تم لوگوں نے یہ خواب نہیں دیکھا کیونکہ آپ نبی تھے، نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ (یوسف: ۳۷) یوسف نے کہا: تم کو جو کھانا دیا جاتا ہے تم تک اس کے پہنچنے سے پہلے میں تم کو اس کی حقیقت بتادوں گا، یہ ان علوم میں سے ہے جن کو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں کھانا پہنچنے سے پہلے تم کو تمہارے خواب کی تعبیر بتاؤں گا، اگر ان قیدیوں نے خواب نہ دیکھا ہوتا تو یوسف علیہ السلام یہ کیسے فرماتے کہ میں تم کو تمہارے خواب کی تعبیر بتاؤں گا، پھر انہوں نے یہ فرمایا کہ اس خواب کا علم مجھے میرے رب نے سکھایا ہے، علامہ عینی نے کہا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد کا معنی یہ تھا کہ میں تمہارے پاس کھانا پہنچنے سے پہلے تمہیں اس کھانے کی حقیقت بتادوں گا کہ وہ کس قسم کا کھانا ہے اور کس رنگ کا ہے، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ ان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر طلب کی تھی، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ ان دونوں قیدیوں نے واقعتاً خواب دیکھا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتائی تھی۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ثعلبی نے وثوق سے کہا ہے کہ نان بائی کا نام راشان تھا اور شراب پلانے والے کا نام مرطس تھا، اور انہوں نے حکایت کی ہے کہ بادشاہ نے ان دونوں پر یہ تہمت لگائی تھی کہ انہوں نے کھانے میں اور شراب میں زہر ملانے کا ارادہ کیا ہے، پس بادشاہ نے ان دونوں کو قید کر لیا یہاں تک کہ شراب پلانے والے کی براءت ظاہر ہوگئی اور نان بائی کی براءت ظاہر نہیں ہوئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے امتحان کا ارادہ کیا تھا، امام طبری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں نے کچھ نہیں دیکھا تھا، ان دونوں نے اپنی رائے سے یہ بات کہی تھی تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا امتحان لیں، اور اس حدیث کی سند میں ضعف ہے۔ اور امام حاکم نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بیان کی تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں تو آپ سے کھیل رہے تھے یعنی مذاق کر رہے تھے، تو یوسف علیہ السلام نے کہا: ''قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝'' (تم جس کے متعلق سوال کرتے تھے اس کا (اسی طرح) فیصلہ ہو چکا ہے) یہ معاملہ اسی طرح تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ ایک ضعیف روایت اس سلسلہ میں موجود ہے کہ ان دونوں نے خواب نہیں دیکھا تھا وہ یونہی حضرت یوسف علیہ السلام کا امتحان لے رہے تھے لیکن قرآن مجید کے ظاہر الفاظ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا منصبِ نبوت اس روایت کی تائید نہیں کرتے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

نیز ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ'' یعنی ہمیں اس خواب کی تعبیر بتایئے کہ اس خواب کا ہمارے

ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟

نیز ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾" یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان عالموں میں سے ہیں جو علم کو اچھی طرح جانتے ہیں، یہ فراء کی تفسیر ہے، اور امام ابن اسحاق نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ" حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ اس لیے کہا کہ انہوں نے یہ ناپسند کیا کہ ان کے سوال کی تعبیر ان کو بیان کریں، کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ ان میں سے ایک کے اوپر کوئی ناگوار چیز آئے گی، اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے سوال سے اعراض کیا اور دوسری بات شروع کر دی، پس ان دونوں سے فرمایا کہ تم دونوں کو قید کی حالت میں جو رزق دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا دوں گا، یعنی یہ بتاؤں گا کہ تم نے کون سا طعام کھایا ہے اور کتنا کھایا ہے اور کب کھایا ہے، اس سے پہلے کہ وہ کھانا تمہارے پاس آئے، پس ان دونوں نے کہا: یہ تو نجومیوں اور کاہنوں کا فعل ہے، پس حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: میں کاہن نہیں ہوں، یہ ایک علم ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے، پھر ان کو یہ خبر دی کہ وہ مومن ہیں، پس کہا: میں نے اس قوم کے دین اور شریعت کو چھوڑ دیا اور اپنے آباء واجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملتِ حنیفیہ کی پیروی کی، اور یہ توحید اور علم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے، پھر ان دونوں کو اپنے دین کے متعلق بتایا اور اس کی تعلیم دی، پھر ان کو اسلام کی دعوت دی، پھر ان کی طرف اور قید خانہ والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جب کہ ان کے سامنے بت رکھے ہوئے تھے جن بتوں کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے، تو ان سے کہا: اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو! یہ بتاؤ کہ کیا متفرق رب بہتر ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکیں اور نہ نفع دے سکیں یا ایک اللہ واحد قہار بہتر ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ" یعنی تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کر رہے ہو، وہ صرف نام ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، نہ ان پر کوئی حجت اور برہان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ذٰلِكَ الدِّيْنُ" یعنی وہ دین جس کی طرف میں نے تمہیں دعوت دی ہے، وہ توحید ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا اور شرک کو ترک کرنا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "الدِّيْنُ الْقَيِّمُ" یعنی وہی دینِ مستقیم ہے، پھر ان دونوں کے خوابوں کی تعبیر بتائی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ" جب ان دونوں جوانوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر سنی تو ان دونوں نے کہا: ہم نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا، ہم تو یونہی کھیل رہے تھے، تب یوسف علیہ السلام نے فرمایا "قُضِيَ الْاَمْرُ" یعنی جس چیز کے متعلق تم نے سوال کیا تھا، اس کا تمہارے متعلق اللہ تعالیٰ حکم دے کر فارغ ہو چکا ہے، اور یوسف علیہ السلام نے اس وقت اس شخص سے کہا جس کے متعلق انہیں علم تھا کہ یہ نجات یافتہ ہے اور وہ شراب پلانے والا تھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ" یعنی اپنے مالک کے سامنے میرا ذکر کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ" یعنی شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے رب کا ذکر بھلا دیا حتیٰ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے غیر سے مصیبت سے نجات کو طلب کیا اور مخلوق سے مدد طلب کی، اسی وجہ سے وہ قید خانہ میں چند سال رہے۔

علامہ ابن ملقن نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مجاہد نے بتایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا

کریں اور اسی سے فریاد کریں حتیٰ کہ انہوں نے ان دو قیدیوں میں سے ایک سے یہ کہا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۱۶۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت یوسف علیہ السلام غم اور پریشانی کے غلبہ سے یہ بھول گئے کہ انہیں مخلوق سے مدد نہیں طلب کرنی چاہیے تھی، ہر چند کہ مخلوق سے مدد طلب کرنا بھی جائز ہے اور اس پر دلائل موجود ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام سے غیر اللہ سے مدد کی طلب کی بناء پر مواخذہ کیا اور ان کی قید کی مدت سات سال تک بڑھا دی گئی، کیونکہ یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی ہیں اور ان کے منصب اور ان کی شان کے لائق یہ نہ تھا کہ وہ اپنی پریشانی میں کسی غیر سے مدد طلب کرتے اور قید خانہ کے ایک ساتھی سے یہ کہتے کہ تم بادشاہ کے سامنے میری مظلومیت کا ذکر کرنا تا کہ مجھے جلد رہائی حاصل ہو جائے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اور ''بِضْعَ سِنِيْنَ'' (چند سال) کی مدت میں اختلاف ہے، امام ابو عبیدہ نے کہا: وہ تین سے لے کر پانچ سال تک ہیں، اور مجاہد نے کہا: تین سال سے لے کر سات سال تک ہیں، اور قتادہ اور الاصمعی نے کہا ہے کہ وہ تین سے لے کر نو سال ہیں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: دس سال سے کم ہیں۔ اور اکثر مفسرین نے کہا: اس سے مراد سات سال ہیں۔

اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کی غم سے نجات کا زمانہ قریب آیا تو مصر کے بڑے بادشاہ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا اور کہا کہ بے شک میں نے سات موٹی تازہ گائیں دیکھی ہیں جو خشک دریا سے نکلیں اور ان کو سات دبلی گائیوں نے کھالیا، اور ان دُبلی گائیوں کے پیٹ میں وہ فربہ گائیں پہنچ گئیں اور ان میں سے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا، اور بادشاہ نے سات سرسبز خوشے دیکھے جن میں دانے لگے ہوئے تھے، اور دوسرے خشک خوشے دیکھے جو کٹ چکے تھے، پس خشک خوشے سرسبز خوشوں پر لپٹ گئے اور ان پر غالب آ گئے، بادشاہ نے جادوگروں کو اور کاہنوں کو اور قیافہ شناس لوگوں کو جمع کیا اور ان پر یہ خواب بیان کیا اور کہا:

''يَاۤ اَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ'' یعنی اے سردارو! تم مجھے میرے اس خواب کی تعبیر بیان کرو، انہوں نے کہا:

''ھذا الذی رایتہٗ اضغاث احلام'' یہ جو آپ نے خواب دیکھا ہے، یہ تو پریشان خواب ہے، یعنی جس میں چیزیں خلط ملط ہو گئی ہیں اور باطل سے مشابہ ہو گئی ہیں، اور اضغاث کا لفظ ''ضغث'' کی جمع ہے، اور اس کا معنی ہے: سوکھی ہوئی گھاس اور سوکھی ہوئی لکڑیاں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا'' یعنی شراب پلانے والے نے کہا، اور اس کو ایک مدت دراز کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی حاجت یاد آئی، اس نے بادشاہ سے کہا: میں تمہیں اس خواب کی تعبیر کی خبر دیتا ہوں، تم مجھے یوسف علیہ السلام کے پاس بھیج دو، پس انہوں نے اس کو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف بھیجا، اس نے جا کر کہا: اے یوسف! ہمیں اس خواب کی تعبیر بتائیں یعنی بادشاہ کے خواب کی تعبیر، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتائی، ثعلبی نے کہا: تم اپنی عادت کے مطابق سات سال تک کاشت کاری کرتے رہو گے، پھر اس گندم کو اس کے خوشوں میں چھوڑو تا کہ وہ باقی رہے اور خراب نہ ہو، پھر اس کے بعد سات قحط کے سال آئیں گے تو ان سالوں میں تم اس غلہ کو خرچ کرنا جس کو تم نے جمع کیا ہے، پھر جب وہ ساقی بادشاہ کی طرف واپس گیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ نے کہا کہ یوسف کو یہاں پر لے کر آؤ، پس جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اس قاصد نے آ کر بتایا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم اپنے رب یعنی اپنے بادشاہ کی طرف واپس جاؤ اور

اس سے سوال کرو، ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ الخ، اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس لیے فرمایا تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا عذر ظاہر ہو جائے اور بادشاہ ان عورتوں کے معاملہ میں ان کی صحت کو جان لے، اور تمام قصہ اپنی جگہ پر مذکور ہے۔

امام بخاری فرماتے ہیں:

وَادَّكَرَ افْتَعَلَ مِنْ ذَكَرَ۔

''اذکر'' یہ لفظ ذکر باب افتعال سے ہے۔

أُمَّةٌ: قَرْنٌ۔

امت کا معنی ہے: قرن اور زمانہ۔

وَتُقْرَأُ أُمَهٍ: نِسْيَانٍ۔

اور اس کو ''امه'' نسیان سے پڑھا جاتا ہے۔

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَعْصِرُونَ الْأَعْنَابَ وَالدُّهْنَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ''یعصرون'' کا معنی ہے: وہ عناب اور تیل کو نچوڑیں گے۔

تُحْصِنُونَ: تَحْرُسُونَ۔

تحصنون کا معنی ہے: تم محفوظ رکھو گے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

اس تعلیق میں ان الفاظ کی تفسیر کی گئی ہے، اور امام بخاری نے کہا ہے: ''یُقرا أمه'' اور اس کی تفسیر امام بخاری نے نسیان سے کی ہے۔ امام طبری نے از عکرمہ روایت کی ہے کہ یہ قراءت شاذہ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے، کہا جاتا ہے ''رجل ماموہ'' جس کی عقل جا چکی ہو، یعنی اس پر نسیان کا غلبہ ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۷۔۲۰۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ وَأَبَا عُبَيْدٍ أَخْبَرَاهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ ثُمَّ أَتَانِي الدَّاعِي لَأَجَبْتُهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد بن اسماء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از مالک از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک سعید بن المسیب اور ابو عبید ان دونوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں قید خانہ میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے تھے، پھر مجھے قید سے بلانے کے لیے کوئی آتا تو میں اس کے بلانے پر لبیک کہتا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۷۲، ۳۳۷۵، ۳۳۸۷، ۴۵۳۷، ۴۶۹۴، ۶۹۹۲، صحیح مسلم: ۱۵۱، سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۶، مسند احمد: ۸۱۲۹)

صحیح البخاری: ۶۹۹۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن محمد بن اسماء بن عبید الضبعی ہیں، انہوں نے اپنی پھوپھی جویریہ بن اسماء سے سنا اور یہ دونوں نام علَم ہیں اور مذکر اور مؤنث میں مشترک ہیں، اور ابو عبید کا نام سعد بن عبید ہے، اور یہ عبدالرحمٰن بن ازہر بن عوف کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''لولبثت فی السجن مالبث یوسف'' یعنی اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنی مدت حضرت یوسف علیہ السلام رہے، پھر بادشاہ مجھے بلاتا تو میں اس کے بلانے پر جلدی چلا جاتا اور اپنے نکلنے کے لیے کوئی اور شرط نہ لگاتا۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جب بادشاہ نے بلایا تو انہوں نے یہ شرط لگائی کہ پہلے ان عورتوں کا حال پوچھو تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت ظاہر ہو جائے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ہو، کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تواضعاً فرمایا، یا مصلحت کے بیان کے لیے فرمایا، کیونکہ قید خانہ سے نکلنے کے لیے بہت ساری مصلحتیں ہیں، اس لیے قید خانہ سے جلدی نکل جانا اولیٰ ہے، گویا حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی چاہیے تھا کہ وہ خانہ سے نکلنے میں جلدی فرماتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۹۔ ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۹۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کافر کے سچے خواب کا نبوت کا جزو نہ ہونا

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے (قیدیوں، مفسدین اور مشرکین کے خواب کا بیان)، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مشرکین ایسا خواب دیکھیں جو سچا خواب ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ میں دو قیدیوں کا دیکھا ہوا خواب سچا تھا، مگر یہ جائز نہیں ہے کہ ان کے خواب کی نبوت کی طرف ایسی اضافت کی جائے جیسے مومن کے خواب کی نبوت کے اجزاء کی طرف اضافت ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''نیک خواب جس خواب کو نیک بندہ دیکھتا ہے یا نیک بندہ کے لیے جو خواب دکھایا جاتا ہے، وہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے'' اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر وہ خواب جس کی تعبیر صحیح ہو اور اس کی حقیقت بھی ہو، وہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو نہیں ہوتا۔

ابو الحسن بن ابی طالب نے کہا: ان دو قیدی جوانوں کے خواب کے صدق میں ان کے خلاف دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کافر کا خواب سچا نہیں ہوتا۔

کافر کے سچے خواب اور مومن کے سچے خواب کے درمیان فرق

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب کافر نے کوئی سچا خواب دیکھا تو مومن کے خواب کی اس کے خواب پر کیا فضیلت ہوگی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا معنی ہوگا کہ ''مومن کا سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مومن کے خواب کو کافر کے خواب پر فضیلت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ مومن اپنے خواب سے مستقبل کی خبر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اکرام پر مطلع کرتا ہے، کیونکہ مومن کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کی بشارت دے اور اپنے اعمال کے مقبول ہونے کی خبر دے، اور اپنے اعمال میں سے گناہوں کے ارتکاب پر ڈرائے، اور جو اس نے ناجائز امیدیں قائم کر رکھی ہیں ان کو ہٹائے، اور یہ جائز ہے کہ مومن اپنے خواب سے دنیا کی نعمتوں کی بشارت دے اور دنیا کی تکالیف کی خبر دے، اور کافر کے لیے اگرچہ یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کفر سے ڈرائے، پس کافر کے پاس ایسے اعمال نہیں ہیں جو ثواب آخرت کو واجب کرتے ہوں، اور ہر وہ چیز جس سے کافر کے حال کی بشارت دی جائے اور اس کے اعمال پر رشک کیا جائے تو یہ اس کے دشمن کی طرف سے دھوکا ہے، لہٰذا سچے خواب سے اس کا حصہ مومن کے خواب سے کم کر دیا جاتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا "مومن کا خواب اور نیک مرد کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے" تو اس حدیث میں آپ نے نہ کافر کا ذکر کیا، نہ بدعتی کا ذکر کیا، تو اس لیے ہم نے اس سے کافر کے دیکھے ہوئے خواب کو نکال دیا کہ کافر کا خواب اگر سچا بھی ہو تو وہ نبوت کے اجزاء میں سے کوئی جزو نہیں ہوتا، کیونکہ احادیث میں اس کے لیے مومن کے خواب کی شرط ہے، اور کافر کا دیکھا ہوا سچا خواب ہم نے اس حدیث کے تحت داخل کیا ہے، آپ کا ارشاد ہے کہ "خواب اللہ کی طرف سے ہے"۔ اور اس میں آپ نے مومن یا غیر مومن کی شرط نہیں لگائی، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ کفار جو خواب دیکھتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور ہم یہ نہیں کہتے کہ ان کے سچے خواب نبوت کا جزو ہوتے ہیں، مگر امام اشعری اور ابن طیب نے یہ کہا ہے کہ کافر جو خواب دیکھتے ہیں خواہ وہ حق ہو یا باطل ہو، اگر وہ سچا ہو تو اس کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے، اور اگر وہ خواب باطل ہو تو اس کی نسبت شیطان کی طرف ہوتی ہے۔

کافر کے خواب کو صالح کہنے کا جواز

پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ ہم کافر کے دیکھے ہوئے خواب کو صالح کہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! اور اس کو بشارت بھی کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ کافر یا اس کے غیر کے لیے مومنین خواب دیکھیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "صالح خواب جس کو مرد خود دیکھتا ہے یا اس کے لیے کوئی شخص دیکھتا ہے" اس کلام میں یہ احتمال ہے کہ اس خواب کو کافر مومنین کے لیے دیکھے اور وہ خواب مومنین کے لیے صالح ہو جیسا کہ کافر خواب میں اپنے لیے ہدایت اور ایمان کو دیکھے تو وہ انجامِ کار اس کے لیے صالح ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی اس پر حجت ہے اور خواب میں اس کو زجر و توبیخ کرنا ہے، جب اس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں کفار کو بیداری میں رسولوں کو اور مومنین کو دکھاتا ہے تاکہ ان پر حجت قائم ہو، اسی طرح جائز ہے کہ خواب میں ان کو خبریں دکھائے تاکہ ان پر حجت قائم ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور تواضع حضرت یوسف علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو خود سے افضل قرار دینا

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: اس باب کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اگر میں اتنی مدت قید میں رہتا جتنی مدت حضرت یوسف رہے، پھر میرے پاس بادشاہ کی طرف سے بلانے والا آتا تو میں ضرور اس کے بلانے پر چلا جاتا"۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ہے، تاکہ آپ کی مدح و ثنا میں اور آپ کی نعت گوئی میں مبالغہ نہ کیا جائے اور غلو نہ کیا جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "میری مدح میں مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت المسیح کی مدح میں مبالغہ کیا، اور تم یہ کہو کہ

میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں"۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس سیادت کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے، آپ نے اس کا بیان فرمایا، کیونکہ آپ کا ارشاد ہے: "میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں ہے" لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جب انبیاء اور رسل علیہم السلام کا ذکر کیا جائے تو تواضع کی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام کی بلندی

اس حدیث میں حضرت یوسف علیہ السلام کے مقام کی بلندی ہے کہ جب ان کو قید خانہ سے رہائی کے لیے بلایا گیا تو انہوں نے کہا: "اپنے آقا کی طرف لوٹ جاؤ"۔ اور انہوں نے اس وقت تک قید خانہ سے نکلنے کا ارادہ نہیں کیا جب تک کہ عزیزِ مصر کی بیوی اپنے متعلق یہ اقرار نہ کرلے کہ اسی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بہکانے کا ارادہ کیا تھا، پس اس نے اپنے نفس پر یہ اقرار کرلیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تصدیق کردی اور کہا "میں خود اس کو اپنے نفس کی طرف راغب کرتی تھی اور بے شک وہ سچوں میں سے تھے۔۔۔ (یوسف:۵۱)"۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ سے باہر آ گئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حلم، ان کا صبر اور ان کا امتحان میں ثابت قدم رہنا

علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی حلم اور صبر کے ساتھ صفت بیان کی، اور یہ کہ جب انہیں بلایا گیا تو وہ قید خانہ سے باہر نہیں آئے اور فرمایا: "اگر میں ان کی جگہ ہوتا پھر مجھے قید خانہ سے باہر آنے کے لیے بلایا جاتا تو میں ضرور بلانے والے کے بلانے پر چلا جاتا اور نہ ٹھہرتا"۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کی حسین تواضع ہے، کیونکہ اگر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو جلدی کرتے اور قید خانہ سے باہر آ جاتے، لیکن اس میں آپ کی کوئی کمی نہیں ہے اور نہ حضرت یوسف علیہ السلام کی کوئی کمی ہوتی اگر وہ اس پیغام لانے والے کے ساتھ قید خانہ سے باہر آ جاتے، رسول اللہ ﷺ نے صرف یہ ارادہ کیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے امتحان اور اس کی آزمائش کو ثقیل اور بھاری نہیں سمجھتے تھے کہ وہ قید خانہ سے باہر آنے میں جلدی کرتے، لیکن وہ صبر کرنے والے تھے اور ثواب کی نیت کرنے والے تھے۔

دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی تواضع

اور اس حدیث میں "کتاب الانبیاء" کی حدیث پر اضافہ ہے جس میں مذکور ہے نبی ﷺ نے فرمایا: "ہم ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں شک کرنے کے زیادہ مستحق ہیں جب انہوں نے اپنے رب سے کہا: آپ مجھے دکھائیں کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا آپ کا اس پر ایمان نہیں ہے؟ اور اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے انہوں نے کہا تھا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لیتا، اور اگر میں قید خانہ میں اتنی مدت رہتا۔۔۔۔۔الحدیث"۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے مقابلہ میں تواضع کا بیان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو مردوں کو زندہ کرنے کے مشاہدہ کی دعا کی تھی، اس کی توجیہ

علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ ایک قوم نے اس آیت کو سنا اور کہا کہ حضرت ابراہیم نے شک کیا تھا اور ہمارے نبی علیہ السلام نے شک نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بہ نسبت شک کرنے کے زیادہ مستحق ہیں"۔ آپ کا یہ ارشاد بطور

تواضع تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی ذات پر مقدم رکھنے کے لیے تھا، اور ہمیں اس پر شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا حالانکہ ہمارا مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت کم ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے شک کرتے!

حضرت یونس علیہ السلام کے مقابلہ میں تواضع

اور اسی تواضع کی مثل آپ کا یہ ارشاد ہے: "مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو"۔ آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر فرمایا حالانکہ وہ اولوالعزم رسولوں کی طرح نہیں تھے، پس جب آپ یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ آپ کو حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت دی جائے تو دیگر اولوالعزم رسولوں پر اگر آپ کو فضیلت دی جاتی تو اس کو آپ کیسے پسند فرماتے جیسے حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر، آپ نہیں پسند فرماتے تھے کہ آپ کو ان پر فضیلت دی جائے۔

عین الیقین کا علم الیقین سے اعلیٰ اور اقویٰ ہونا

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کہا: "لیکن میں نے یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے" کیونکہ یقین کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ یقین ہے جو سن کر حاصل ہوتا ہے، اور دوسرا وہ یقین ہے جو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے، اور جو یقین دیکھ کر حاصل ہو، وہ زیادہ اعلیٰ اور زیادہ قوی ہوتا ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خبر معائنہ اور مشاہدہ کی مثل نہیں ہے"، کیونکہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ ذکر کیا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت کرنے کے لیے بیٹھ گئے ہیں تو انہوں نے تورات کی تختیاں نہیں پھینکیں، لیکن جب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بنی اسرائیل بچھڑے کی عبادت کے اوپر جمے بیٹھے ہیں تو وہ غصہ میں آ گئے اور تختیوں کو پھینک دیا اور تختیاں ٹوٹ گئیں، اسی طرح قیامت پر ایمان رکھنے والے، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر اور جنت اور دوزخ پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب حق ہے، لیکن جب وہ قیامت کے دن اپنی نظروں سے یہ مناظر دیکھ لیں گے تو ان کا یقین اعلیٰ درجہ کا ہو جائے گا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ ان کے دل کو اعلیٰ درجہ کا یقین حاصل ہو جائے۔

حضرت لوط علیہ السلام کے مقابلہ میں تواضع کی توجیہ

علامہ قتیبہ کے علاوہ دوسرے علماء نے کہا: "جب فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس گئے تو وہ ان کے آنے سے غمگین ہوئے اور ان کا دل تنگ ہوا اور انہوں نے کہا: آج کا دن بڑا سخت ہے، اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور وہ پہلے ہی برے کام (نوخیز لڑکوں سے اپنی جنسی خواہش پوری کرنا) کرتے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں، یہ تمہارے لیے بہت پاکیزہ ہیں اور میرے مہمانوں کے متعلق مجھے شرمندہ نہ کرو، کیا تم میں کوئی ایک نیک شخص ہے، انہوں نے کہا: آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کی قوم کی بیٹیوں میں ہماری کوئی دلچسپی نہیں ہے اور آپ خوب جانتے ہیں کہ ہماری کیا خواہش ہے۔" (ہود: ۷۶۔۷۹)

"قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ (ہود: ۸۰)" (لوط نے کہا: کاش! مجھ میں تم سے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط پناہ گاہ میں پناہ لیتا)۔

جس وقت حضرت لوط علیہ السلام کا سینہ تنگ ہو گیا تھا اور وہ اپنی قوم کے متعلق زیادہ پریشان ہو گئے تھے تو اس وقت وہ یہ چاہتے

تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی مضبوط پناہ گاہ میں رکھے، اس لیے انہوں نے اس طرح کہا۔ اور مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کے بعد جو بھی نبی بھیجا وہ اپنی قوم کے سرداروں میں سے بھیجا۔

اور حضرت لوط علیہ السلام اپنے اس قول کی وجہ سے متوکلین کی صفات سے باہر نہیں نکلے، لیکن قوم کے فحش کاموں کی وجہ سے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی قوم پر سخت غصہ آیا اور انہوں نے شدتِ غضب میں یہ کہا: کاش! میرے پاس کوئی مضبوط پناہ گاہ ہوتی، پس بظاہر ان کا یہ قول توکل سے خارج ہے لیکن ان کا مقصود وہی تھا جو متوکلین کا مقصد ہوتا ہے، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط علیہ السلام کے ظاہر قول کے اعتبار سے تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے، وہ کسی مضبوط پناہ گاہ کی خواہش کرتے تھے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۴۹۔۵۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۔ بَابُ: مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ — جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو اس کا کیا حکم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَةِ وَلَا يَتَمَثَّلُ الشَّيْطَانُ بِي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ إِذَا رَآهُ فِي صُورَتِهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۲۶۶، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی از یونس از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا، سو وہ عنقریب مجھ کو بیداری میں دیکھے گا، اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

امام ابوعبد اللہ نے کہا کہ امام ابن سیرین نے کہا: جب وہ شخص آپ کو آپ کی صورت میں دیکھے۔

صحیح البخاری: ۶۹۹۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث باب مذکور کے عنوان کی وضاحت کرتی ہے، بایں طور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا صحیح ہے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا۔ اور جس نے آپ کو خواب میں دیکھا وہ پریشان اور

بے تکے خواب نہیں ہیں اور نہ شیطان کی تشبیہات میں سے ہیں، اور اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:
''جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا'' یعنی اس کا خواب برحق ہے اور اس کا خواب صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو خواب میں صفاتِ محمودہ پر دیکھنا دنیا میں خوش حالی اور دین میں عقائد کے صحیح ہونے پر دلیل ہے

ابوالحسن نے از حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب اپنی ''مدخلِ کبیر'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھنا زراعت اور کاشت کاری کے سرسبز اور زرخیز ہونے پر اور بارشوں کے ہونے پر اور رحمت کی کثرت پر اور مجاہدین کی مدد پر اور دین کے غلبہ پر اور میدانِ جہاد میں لڑنے والے مسلمانوں کی کامیابی پر اور کفار کی ہلاکت پر اور مسلمانوں کے غلبہ پر دلالت کرتا ہے جب کہ نبی ﷺ کو خواب میں صفاتِ محمودہ پر دیکھا جائے، اور جب نبی ﷺ کو خواب میں صفاتِ مکروہہ پر دیکھا جائے تو وہ دین میں بدعات اور فتنوں کے ظہور پر دلالت کرتا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبدان کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے، اور اس حدیث کی سند میں عبداللہ کا ذکر ہے، یہ ابن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یونس کا ذکر ہے، یہ ابن یزید الایلی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں الزہری کا ذکر ہے، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابوسلمہ کا ذکر ہے، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث کی امام مسلم نے کتاب التعبیر میں از ابوالطاہر بن سرح روایت کی ہے، اور امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں از احمد بن صالح روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فسیرانی فی الیقظۃ'' اور صحیح مسلم میں مذکور ہے ''فکما رانی فی الیقظۃ'' صحیح البخاری کی روایت سے مراد یہ ہے کہ جس نے آپ کو آپ کے زمانہ میں خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ اس کو آپ کی طرف ہجرت کرنے کی توفیق دے گا اور آپ سے ملاقات کا شرف عطا فرمائے گا، یا اس روایت کا معنی ہے کہ وہ اس خواب کی تعبیر کی تصدیق کو آخرت میں دیکھ لے گا، یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ آخرت میں رسول اللہ ﷺ کو مخصوص طریقہ سے دیکھے گا اور اسے آپ کا قرب حاصل ہو گا اور آپ کی شفاعت حاصل ہو گی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''ولا یتمثل الشیطان بی'' یعنی شیطان کے لیے میری صورت کی مثال حاصل نہیں ہو گی اور وہ میرے مشابہ نہیں ہو سکے گا۔ علماء نے کہا ہے: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیداری میں شیطان کو آپ کی صورت میں متمثل ہونے سے ممنوع قرار دیا ہے، اسی طرح خواب میں بھی شیطان کو آپ کی صورت میں متمثل ہونے سے ممنوع قرار دیا ہے تا کہ حق، باطل کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔

بابِ مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اس تعلیق میں امام بخاری کا یہ قول مذکور ہے کہ ابن سیرین نے کہا: جب کسی شخص نے خواب میں آپ کو آپ کی صورت میں دیکھا۔

امام بخاری کی شیخ سے روایت ہے کہ جب محمد بن سیرین کے سامنے کوئی مرد یہ بیان کرتا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو ابنِ سیرین اس سے پوچھتے بتاؤ تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس صفت میں دیکھا ہے، اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی صفت بیان کرتا جس کو ابنِ سیرین نہیں پہچانتے تھے تو اسے کہتے تھے کہ تم نے آپ کو نہیں دیکھا، اور اس تعلیق کی سند صحیح ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ امام ابنِ ابی عاصم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ میں ہر صورت میں دکھائی دیتا ہوں'' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں صالح ہے جو التوأمۃ کا آزاد شدہ غلام ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، کیونکہ آخری عمر میں اس کا حافظہ مختلط ہو گیا تھا، اور یہ اس سے روایت ہے جس نے اختلاط کے بعد اس سے حدیث کو سنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۰۔۲۱۱)

صحیح البخاری ۶۹۹۳ ، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا'' پس ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ کے زمانہ میں جن لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور آپ کی طرف ہجرت نہیں کی تو اللہ عزوجل نے ان کے اس خواب کو اس بات کی علامت بنا دیا کہ وہ عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری میں دیکھیں گے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: یعنی اس خواب کی تصدیق اور اس کی صحت بیداری میں ہوگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن بیداری میں آپ کی تمام امت دیکھے گی، خواہ اس نے آپ کو خواب میں دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غیب کی خبر دی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آپ کی صورت میں متمثل ہونے سے منع کر دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا وہ آخرت میں آپ کے قریب ہوگا اور اس کو آپ کی شفاعت حاصل ہوگی، یہ علامہ نووی کا قول ہے۔

علامہ قزاز نے بیان کیا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ جو آپ پر ایمان لایا اور وہ آپ سے غائب تھا اور اس نے آپ کی زیارت نہیں کی تو وہ عنقریب آپ کو بیداری میں دیکھے گا، اور اس میں ہر اس شخص کے لیے بشارت ہے جو آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کی زیارت نہیں کی، کیونکہ ضروری ہے کہ وہ موت سے پہلے آپ کو بیداری میں دیکھے۔

قاضی عیاض نے کہا ہے: جس نے خواب میں آپ کو اس صفت پر دیکھا جو زندگی میں آپ کی صفت معروف تھی تو اس نے آپ کو برحق دیکھا، پس اگر اس نے اس صورت کے خلاف دیکھا تو یہ خواب تاویل پر مبنی ہوگا حقیقت پر مبنی نہیں ہوگا۔

اور علامہ المازری نے کہا ہے کہ جس نے آپ کو خواب میں دیکھا خواہ صفتِ معروفہ پر دیکھا یا صفتِ غیر معروفہ پر دیکھا، اس

نے آپ ہی کو دیکھا۔

علامہ باقلانی نے کہا ہے: جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس کا خواب صحیح ہے، کسی نے پوچھا: کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی اس صورت کو دیکھا جس صورت میں آپ تھے یا کوئی اور صورت اس کے مشابہ دیکھی، تو انہوں نے کہا: اس نے آپ کے مشابہ صورت دیکھی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۱۶۵۔۱۶۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۹۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنے والا آپ کو خواب میں آپ کی معروف صورت کے مطابق دیکھے یا کسی اور صورت کے مطابق دیکھے، ہر صورت میں اس کا خواب برحق ہے

قاضی ابوبکر بن العربی نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کو خواب میں صفتِ معلومہ کے مطابق دیکھنا یہ حقیقت کا ادراک ہے، اور نبی ﷺ کو آپ کی صفتِ معلومہ کے غیر پر دیکھنا یہ آپ کی مثال کا ادراک ہے، کیونکہ صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام کو زمین متغیر نہیں کرتی، اور آپ کی ذاتِ کریمہ کا ادراک آپ کی حقیقت کا ادراک ہے اور آپ کی صفات کا ادراک آپ کی مثال کا ادراک ہے۔

علامہ نووی نے بیان کیا ہے کہ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ حدیث میں مذکور ہے "جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھ ہی کو دیکھا یا اس نے برحق دیکھا"۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے آپ کو آپ کی اس صورت پر دیکھا جو آپ کی حیات میں تھی تو اس کا خواب برحق ہے، اور جس نے آپ کو اس صورت کے غیر پر دیکھا تو اس کا خواب تاویل پر مبنی ہے۔

پھر علامہ نووی نے قاضی عیاض کے اس قول کا رد کیا اور کہا: یہ ضعیف ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس نے آپ کو حقیقت میں دیکھا ہے خواہ اس نے آپ کو آپ کی صفتِ معروفہ پر دیکھا ہو یا کسی اور صفت پر دیکھا ہو۔

اور علامہ قرطبی نے کہا ہے: اس حدیث کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض علماء نے کہا: یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، پس جس نے آپ کو نیند میں دیکھا، اس نے آپ کو حقیقت میں دیکھا جیسے اس نے آپ کو بیداری میں دیکھا ہو، اور اس قول پر یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص نے بھی آپ کو خواب میں دیکھا، اس نے اسی صورت میں دیکھا جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے، اور ایک وقت میں دو مختلف جگہوں سے دو آدمی آپ کو نہ دیکھ سکیں۔ اور یہ کہ اس وقت آپ زندہ ہوں اور اپنی قبر سے باہر آئیں اور بازاروں میں چلیں اور لوگوں سے خطاب کریں، اور اس سے لازم آئے گا کہ آپ کی قبر آپ کے جسم مبارک سے خالی ہو، پس قبر میں کوئی چیز نہ ہو جس کی زیارت کی جائے، اور یہ تمام امور جہالات پر مبنی ہیں۔

اور اس حدیث کی تاویل میں صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ مقصود ہے کہ ہر حالت میں آپ کی زیارت باطل نہیں ہے اور نہ وہ پریشان خواب ہے بلکہ فی نفسہٖ وہ خواب برحق ہے، خواہ آپ کو آپ کی صورت کے غیر پر دیکھا جائے، کیونکہ یہ صورت شیطان کی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ قاضی ابوبکر بن الطیب وغیرہ کا قول ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی

ہے کہ اس نے حق دیکھا ہے جس میں آپ دیکھنے والے کو آپ کسی چیز کی خبر دیتے ہیں، اگر وہ خبر ظاہر شریعت کے مطابق ہے تو فبہا ورنہ اس کی تاویل کی کوشش کی جائے گی اور اس کے معاملہ کو مہمل نہیں چھوڑا جائے گا، کیونکہ یا تو آپ خیر کی بشارت دیں گے یا شر سے ڈرائیں گے تاکہ دیکھنے والا ڈرے، یا اس کو کسی برے کام سے باز رکھنے کا فرمائیں گے، یا اس کو کسی حکم پر متنبہ فرمائیں گے جو اس کے دین یا دنیا میں واقع ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت بیداری میں بھی زیارت کی بشارت ہے

صالحین کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، پھر انہوں نے آپ کی بیداری میں زیارت کی اور آپ سے ان مسائل کے متعلق سوال کیا جن مسائل میں وہ خوف زدہ تھے، تو آپ نے ان کو ایسے طریقہ کی طرف ہدایت دی جس سے وہ معاملہ ان پر واضح ہوگیا۔

بیداری میں زیارت پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا اشکال

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: اس میں سخت اشکال ہے، اگر اس کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو پھر یہ لوگ صحابہ قرار پائیں گے اور یہ ممکن ہوگا کہ قیامت تک صحابہ باقی رہیں۔ اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بہ کثرت لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا، پھر ان میں سے کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے آپ کو بیداری میں بھی دیکھا ہے اور صادق کی خبر اس کے خلاف نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے اشکال کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: جن کاملین نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کی، اس سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ ان پر صحابہ کا اطلاق کیا جائے، کیونکہ صحابہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں ایمان کے ساتھ آپ کی زیارت کریں، اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کریں ان کا صحابی ہونا لازم نہیں آتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے اشکالِ مذکور کا علامہ ابن ابی جمرہ کی طرف سے جواب

علامہ ابن ابی جمرہ نے اس کو اولیاء اللہ کی کرامات پر محمول کیا ہے، پھر انہوں نے یہ ذکر کیا کہ یہ چیز نیک لوگوں کے ساتھ خاص ہے یا دوسروں کو بھی یہ چیز حاصل ہوتی ہے، کیونکہ خرقِ عادت کبھی زندیق کے لیے بھی ہوتی ہے تاکہ اس کو ڈھیل دی جائے جس طرح صدیق کے لیے خرقِ عادت بہ طورِ کرامت ہوتا ہے، اور ان میں فرق اس طرح ہوگا کہ جو کتاب اور سنت کی اتباع کرتا ہے اس کو جو خرقِ عادت حاصل ہوگا وہ کرامت ہوگی، اور جو کتاب وسنت کے خلاف عمل کرتا ہے، اس کے لیے خرقِ عادت اسے ڈھیل دینے کے لیے ہوگا اور وہ زندیق ہوگا۔

اشکالِ مذکور کے دیگر جوابات

(۱) آپ نے جو فرمایا ہے کہ "جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ عنقریب بیداری میں بھی دیکھے گا" یہ عام ہے یعنی حقیقتاً بیداری میں دیکھے گا یا کسی تاویل اور تعبیر سے بیداری میں دیکھے گا۔

(۲) آپ کا یہ ارشاد آپ کے زمانہ کے مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، یعنی آپ کے زمانہ میں جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور انہوں

نے آپ کو نہیں دیکھا وہ عنقریب آپ کی زیارت کریں گے۔

(۳) ہوسکتا ہے کہ وہ آئینہ کے اندر آپ کو دیکھ لیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آئینہ میں آپ کی صورت کو دیکھا۔

(۴) جنہوں نے دنیا میں آپ کو خواب میں دیکھا، وہ قیامت کے دن آپ کو زیادہ خصوصیت کے ساتھ دیکھیں گے کہ ان کو آپ کا قرب حاصل ہوگا اور آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔

(۵) جنہوں نے دنیا میں آپ کو خواب میں دیکھا، وہ عنقریب دنیا میں آپ کو بیداری میں دیکھیں گے اور آپ سے ہم کلام ہوں گے، اور اس پر وہی اشکال ہے (مصنف کی طرف سے اس کا جواب ذکر کیا جا چکا ہے)۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۶۵۔۱۶۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ ابو محمد عبد اللہ بن ابی جمرہ الاندلسی المتوفی ۶۹۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کی تحقیق کہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے والے بیداری میں حقیقتاً آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گے

یہاں پر یہ سوال ہے کہ کیا یہ بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے یا آپ کی وفات کے بعد کو بھی شامل ہے، دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ بشارت صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے یا دیگر انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خواب میں زیارت کرنے والوں کو بھی شامل ہے، یا یہ بشارت ہر خواب میں آپ کی زیارت کرنے والے کو شامل ہے، یا یہ بشارت ان کے ساتھ مخصوص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے متبع ہوں اور کامل مسلمان ہوں؟

رہا یہ سوال کہ یہ بشارت بر سبیلِ عموم ہے یا آپ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا یہ تقاضا ہو کہ یہ بشارت آپ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے، اور جو شخص بغیر کسی دلیل کے اس میں تخصیص کا دعویٰ کرے اس کا قول ضعیف ہے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو دار البقاء میں ہیں وہ دار الفناء میں کس طرح دکھائی دیں گے؟ ان کا یہ قول دو وجہ سے مردود ہے، ایک وجہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں یہ قید لگا رہے ہیں کہ یہ بشارت آپ کی حیات کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ آپ نے کوئی قید نہیں لگائی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی قدرت سے جاہل ہیں اور اس کو عاجز سمجھتے ہیں، کیا انہوں نے بنی اسرائیل کی گائے کے قصہ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اِضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔۔۔ (البقرہ: ۷۳)" (سو ہم نے کہا: اس گائے کے ایک ٹکڑے کو اس مقتول پر مارو، اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ فرمائے گا)، پس میت کے اوپر گائے کے ایک ٹکڑے کو مارا گیا تو وہ ٹھیک ٹھاک زندہ ہو گیا اور اس مردہ نے اپنے قاتل کی خبر دی، اور یہ اس کی موت کے چالیس سال کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ اہلِ علم نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کو گائے کی تلاش تک مؤخر کر دیا تھا، کیونکہ جس صفت کے مطابق گائے کو ذبح کرنا تھا، وہ گائے ان کو چالیس سال کے بعد حاصل ہوئی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں عزیر کا قصہ بیان فرمایا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے چار پرندے لیے اور ان کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پرندوں کو زندہ کر دیا، پس جس ذات نے مردہ کے اوپر گائے کے بعض حصہ کے مارنے کو اس کی حیات کا سبب بنا دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو پرندوں کے زندہ کرنے کا سبب بنا دیا اور عزیر نے جو تعجب کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تعجب کو ان کے گدھے کے زندہ کرنے کا سبب بنا دیا جب کہ وہ سو سال تک مردہ رہا تھا تو وہ ذات اس پر کیوں قادر نہیں ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کرے، اس زیارت کو اس کا سبب بنا دے کہ وہ بیداری میں بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہو جائے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا نے ان کے لیے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ نکالا اور آئینہ نکالا اور کہا: یہ آپ کا جبہ ہے اور یہ آپ کا آئینہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے آئینہ میں دیکھا تو اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی اور میری اپنی صورت نہیں تھی۔

اور بہت متقدمین اور متاخرین سے منقول ہے کہ انہوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور وہ اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرتے تھے اور انہوں نے بعد میں بیداری میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے ان مسائل کے متعلق دریافت کیا جن میں وہ متردد تھے تو آپ نے ان کو خبر دی جس سے وہ خوش ہو گئے، اور جو شخص اس بات کا منکر ہے وہ یا تو کراماتِ اولیاء کا مصدِّق ہے یا مکذِّب ہے، اگر وہ کراماتِ اولیاء کا مکذِّب ہے تو ہماری اس سے بحث نہیں ہے، کیونکہ کراماتِ اولیاء قوی دلائل سے ثابت ہے، اور ہم کتاب کے شروع میں اس پر بحث کر چکے ہیں، اور اگر وہ کراماتِ اولیاء کا مصدِّق ہے تو اولیاء اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ خلافِ عادت کاموں کو ظاہر فرماتا ہے عالمِ علوی میں بھی اور عالمِ سُفلی میں بھی، تو جو شخص کراماتِ اولیاء کی تصدیق کرتا ہو وہ اس کا کیسے انکار کرے گا کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی وہ عنقریب آپ کی بیداری میں بھی زیارت کرے گا۔

اس پر دلیل کہ شیطان کسی نبی کی صورت کی مثل نہیں بنا سکتا

کیا تمام انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اس بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہیں کہ شیطان ان کی صورت اور ان کی مثل نہیں اختیار کر سکتا، یا یہ چیز ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ چیز ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یا تمام رسولوں کے لیے عام ہے، اور نہ یہ ایسے امور ہیں کہ جن کو قیاس سے جانا جائے یا عقل سے جانا جائے۔ اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مقام ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز تمام انبیاء علیہم السلام کے لیے عام ہے، اور شیطان انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی نبی کی صورت نہیں بن سکتا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عزت و کرامت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا گوشت زمین کے اوپر حرام ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے باہر آئے ہیں تو آپ نے انبیاء علیہم السلام کو اس کرامت میں اپنی مثل قرار دیا۔ (بہجۃ النفوس ج ۴ ص ۷ ۲۳۔ ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۸ھ)

خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والے کے لیے آپ کی مثال کا ثبوت

علامہ عبدالرؤف المناوی المصری المتوفی ۱۰۰۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کرتا ہے، وہ بیداری میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ آپ کے جسم کو دیکھتا ہے بلکہ مثال کو دیکھتا ہے، پس جو شکل دکھائی دیتی ہے وہ نہ آپ کی روح ہوتی ہے نہ آپ کا شخص ہوتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ وہ آپ کی مثال ہوتی ہے، اس چیز کو امام حجۃ الاسلام نے ذکر کیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شیطان میری مثل نہیں بن سکتا" یعنی شیطان اس کی طاقت نہیں رکھتا خواہ دیکھنے والا آپ کو آپ کی صفتِ معروفہ پر دیکھے یا کسی اور صفت پر دیکھے، کیونکہ اللہ سبحانہٗ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنایا ہے اور گمراہوں کے لیے ہدایت دینے والا بنایا ہے اور آپ شیاطین کے وسوسوں سے محفوظ ہیں۔ پھر آپ کی جو صورت دکھائی دے اگر وہ آپ کی صورتِ حقیقیہ ہو خواہ کسی وقت کی صورت ہو جب آپ شباب میں تھے یا جب آپ شباب سے اوپر عمر میں تھے یا ادھیڑ عمر میں تھے یا اخیر عمر میں تھے، تو یہ کسی تاویل کی محتاج نہیں ہے، اور اسی وجہ سے کہا ہے: جس نے آپ کو بڑھاپے کی حالت میں دیکھا تو وہ اسلام کے انتہائی درجہ پر ہے، اور جس نے آپ کو جوانی کی حالت میں دیکھا تو وہ انتہائی جنگ کی حالت میں ہے، اور جس نے آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ کی سنت پر عامل ہے، اور جس نے آپ کو آپ کی حالت اور ہیئت پر دیکھا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ دیکھنے والا اچھے حال میں ہے اور وہ کمالِ وجاہت میں ہے اور کامیابی میں ہے، اور اس کے برعکس دیکھا تو وہ اس کے برعکس حال پر دلیل ہے، کیونکہ آپ شفاف آئینہ کی مثل ہیں اور اس آئینہ میں اس کے مقابل کی صورت مرتسم ہوتی ہے اگرچہ آپ کی ذات ہمیشہ حسین حال پر ہوتی ہے اور اسی سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مختلف علاقوں میں آپ کا اوصافِ مختلفہ کے ساتھ دکھائی دینا صحیح ہے جیسا کہ سورج کو ہر انسان ایک ساعت میں صفاتِ مختلفہ کے ساتھ مشرق اور مغرب میں دیکھتا ہے، اسی طرح آپ ہیں۔

علامہ البارزی اور الیافعی اور الجیلی اور الشاذلی اور المرسی اور القسطلانی وغیرہم سے منقول ہے کہ ان سب نے آپ کی بیداری میں زیارت کی ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے کہا ہے کہ اربابِ قلوب اپنی بیداری میں ملائکہ کا اور ارواحِ انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان سے ان کی آوازوں کو سنتے ہیں اور ان سے ان کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ انتہی۔

علامہ القولوی نے کہا ہے: جس کی مناسبت انبیاء اور اولیاء میں سے ارواحِ کاملین کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے تو وہ اس پر قادر ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ جمع ہو خواہ نیند میں خواہ بیداری میں۔

علامہ قرطبی نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے: اس قول سے یہ لازم آئے گا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے نکل جائیں اور بازاروں میں چلیں اور لوگوں سے کلام کریں، لیکن ان کا یہ کلام اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کراماتِ اولیاء ثابت ہیں، پس عقلاً اور شرعاً اور عادتاً اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ جو ولی بعید ہو اس کو اللہ سبحانہٗ یہ عزت عطا فرمائے کہ اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ کے درمیان کوئی ستر اور حجاب نہ ہو جیسے آئینہ اپنے پیچھے کی چیزوں کی حکایت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ مبارک میں زندہ ہیں، پس اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ولی کو یہ عزت عطا فرمائے کہ وہ آپ سے ہم کلام ہو اور اپنی سر کی آنکھوں سے آپ کی زیارت کرے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو لازم آئے گا کہ آپ کو دیکھنے والے صحابی ہوں۔ اور ان کی یہ

بات مردود ہے، اس لیے کہ صحابی ہونے کی شرط یہ ہے کہ دیکھنے والا آپ کو آپ کی حیاتِ ظاہرہ میں دیکھے۔

(شرح شمائل ترمذی ج ۲ ص ۲۹۱۔ ۲۹۲، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی)

۶۹۹۴۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِي وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلیٰ بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن مختار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ثابت البُنانی نے حدیث بیان کی از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری مثل نہیں بنا سکتا اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۲۶۴، ۲۲۶۶، سنن ترمذی: ۲۲۷۶، سنن ابن ماجہ: ۳۹۰۱، مسند احمد: ۳۵۴۹، سنن دارمی: ۲۱۳۹)

صحیح البخاری: ۶۹۹۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی اسی کا بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کے تمام رجال بصری ہیں۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقد رآنی" ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دیکھنے والے کا دیکھنا صحیح ہے اور یہ کوئی پریشان اور بے تکا خواب نہیں ہے اور نہ شیطان کی تشبیہات میں سے ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اس حدیث کی بعض سندوں سے روایت ہے کہ اس نے حق دیکھا ہے۔

علامہ الطیبی نے کہا ہے: یہاں پر شرط اور جزا متحد ہیں (کیونکہ شرط ہے "من رانی فی المنام" اور جزا ہے "فقد رآنی")، اور یہ انتہائی کمال پر دلالت کرتا ہے، یعنی اس نے ایسا خواب دیکھا ہے جس کے بعد اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خبر کے معنی میں ہے، یعنی جس نے خواب میں مجھے دیکھا اور پھر اس کی خبر دی تو یہ خواب برحق ہے، یہ پریشان خواب اور شیطان کے تخیلات میں سے نہیں ہے، اور اس کا دیکھنا خبر دینے کا سبب ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ خواب کیسے برحق ہوگا حالانکہ آپ مدینہ میں ہیں اور دیکھنے والا مشرق میں ہوتا ہے یا مغرب میں ہوتا ہے؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ خواب ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور اس میں عقلاً یہ شرط نہیں ہے کہ خواب دیکھنے والا جس کو خواب میں دیکھے اس کے سامنے ہو یا اس کے بالمقابل ہو یا اس کے مقارن ہو، اور نہ یہ کہ اس کی آنکھوں سے شعاع بصری نکلے، اس قسم کی کوئی شرط نہیں ہے، اسی لیے جائز ہے کہ چین میں کوئی نابینا آدمی اندلس کی زمین کو دیکھے، اس پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ کئی مرتبہ خواب میں دیکھنے والا آپ کو آپ کی صفتِ معروفہ کے خلاف دیکھتا ہے اور دو شخص آپ کو ایک حالت میں دو مختلف جگہوں میں دیکھتے ہیں اور جسمِ واحد تو صرف ایک جگہ پر ہوتا ہے۔

علامہ نووی نے اس کے جواب میں بعض لوگوں سے نقل کر کے لکھا ہے: یہ دیکھنے والے کا گمان ہے کہ اس نے آپ کو اس طرح دیکھا ہے، اور کبھی دیکھنے والا بعض خیالات کو مشاہدہ میں دیکھتا ہے، پس آپ کی ذاتِ شریفہ قطعی طور پر دکھائی دیتی ہے، اس میں کوئی خیال اور گمان نہیں ہوتا لیکن یہ امور کبھی خیالی ہوتے ہیں اور دیکھنے والے کو عارض ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فان الشیطان لا یتمثل بی" اور کتاب العلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا، اور امام ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شیطان کے لیے میری صورت میں متمثل ہونا مناسب نہیں ہے، اور صحیح مسلم میں یہ ہے کہ وہ میرے مشابہ نہیں ہوسکتا، اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ شیطان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ میری صورت کی مثل بن سکے، اور حضرت ابوقتادہ کی روایت ہے جو عنقریب آئے گی کہ شیطان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ میری صورت میں دکھائی دے۔ اور اس باب کے آخر میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ شیطان میری طرح نہیں بن سکتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۱۔ ۲۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَمَنْ رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفِثْ عَنْ شِمَالِهِ ثَلَاثًا وَلْيَتَعَوَّذْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَرَاءَى بِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عبید اللہ بن ابی جعفر، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی از قتادہ، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: نیک خواب اللہ کی طرف سے ہے اور حُلم شیطان کی طرف سے ہے، پس جس شخص نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس کو وہ ناپسند کرتا ہو تو وہ بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرے تو وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا، اور شیطان میرا قصد نہیں کرسکتا۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۲، ۵۷۴۷، ۶۹۸۴، ۶۹۸۶، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۷۰۰۵، ۷۰۴۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۱، سنن ترمذی: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۱،

سنن ابن ماجہ:۳۹۰۹، مسند احمد:۲۲۰۵۸، موطا امام مالک:۱۷۸۴، سنن دارمی:۲۱۴۱)

صحیح البخاری:۶۹۹۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ ''شیطان میرا قصد نہیں کرسکتا''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۶۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ أَبُو سَلَمَةَ قَالَ أَبُو قَتَادَةَ رضی الله عنه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ تَابَعَهُ يُونُسُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ۔

(صحیح مسلم:۲۲۶۷، مسند احمد:۷۵۰۰، سنن دارمی:۲۱۴۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خالد بن خلیّ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے الزبیدی نے حدیث بیان کی از الزہری، انہوں نے کہا کہ ابوسلمہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا۔
اس حدیث کی یونس اور زہری کے بھتیجے نے متابعت کی ہے

صحیح البخاری:۶۹۹۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فقد رای الحق'' یعنی اس کا خواب صحیح ہے، پریشان خواب نہیں ہے اور نہ خیالات باطلہ ہیں، علامہ الطیبی نے کہا کہ حق یہاں پر مصدر مؤکد ہے، یعنی اس نے جو کچھ دیکھا وہ برحق دیکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ رَآنِي فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَكَوَّنُنِي۔

(صحیح مسلم:۲۲۶۷، مسند احمد:۷۵۰۰، سنن دارمی:۲۱۴۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن الہاد نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن خباب از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق دیکھا، کیونکہ شیطان میری طرح نہیں ہوسکتا۔

صحیح البخاری: ۶۹۹۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فان الشیطان لا یتکوننی" یعنی شیطان میری مثل نہیں ہوسکتا، یا شیطان میری شکل نہیں بناسکتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۶۹۹۷، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والا صرف آپ کی وفات سے پہلے بیداری میں آپ کی زیارت کرے گا

اس حدیث میں مذکور ہے "جس نے میری خواب میں زیارت کی وہ عنقریب بیداری میں میری زیارت کرے گا" یہ صرف آپ کی وفات سے پہلے صحیح ہے اور آپ کی وفات کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ آپ کو بیداری میں دیکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہو گئے اور آپ اپنی قبر میں باقی ہیں۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۸۷، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ ابن عثیمین کی شرح پر مصنف کا تعاقب

شیخ ابن عثیمین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو اپنے اوپر اور عام لوگوں پر قیاس کیا ہے کہ وہ وفات کے بعد قبر سے باہر نہیں آسکتے، اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج تمام انبیاء علیہم السلام کو مسجدِ اقصیٰ میں جو نماز پڑھائی اور آسمانوں پر حضرت آدم، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یوسف اور حضرت ہارون اور حضرت ادریس اور حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے جو ملاقات کی اس کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ اور جب یہ تمام انبیاء علیہم السلام وفات اور مدفون ہونے کے بعد مسجدِ اقصیٰ میں آسکتے ہیں اور آسمانوں پر جاسکتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیونکر ممکن نہیں کہ آپ بھی وفات کے بعد اپنی قبرِ انور سے باہر تشریف لائیں اور اپنے محبین کو اپنی زیارت کرائیں۔

آپ کی وفات کے بعد جس نے آپ کو خواب میں دیکھا، اس کے آپ کو بیداری میں دیکھنے کے متعلق فقہاء اسلام کی تصریحات

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ نے "تنویر الحوالک" میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی زیارت پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "جس نے مجھ کو نیند میں دیکھا وہ مجھ

کو عنقریب بیداری میں بھی دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا''۔ (صحیح البخاری: ۶۹۹۳، صحیح مسلم: ۲۲۶۶، مسند احمد: ۱/۳۷)

علامہ ابن ابی جمرہ نے لکھا ہے کہ متعدد عارفین نے نیند کے بعد بیداری میں آپ کی زیارت کی اور آپ سے سوالات کر کے دینی مسائل کی مشکلات کو سمجھا اور اس حدیث کی تصدیق کی۔

علماء کا اس میں کافی اختلاف ہے کہ آپ کو بیداری میں دیکھنے والا آپ کے جسم اور بدن کو دیکھے گا یا آپ کی مثال کو دیکھے گا، علامہ جلال الدین سیوطی نے عبارات علماء کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ احادیث اور عبارات علماء سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ اپنے جسم مبارک اور اپنی روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف عالم میں جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں، اور آپ اسی حالت میں جس حالت میں آپ وفات سے پہلے تھے اور اس میں بالکل فرق نہیں ہوا، اور آپ زندہ ہونے کے باوجود لوگوں کی نظروں سے اس طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے ان کی نظروں سے غائب ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو آپ کی زیارت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے تو آپ کے اور اس بندے کے درمیان جو حجابات ہوتے ہیں وہ اٹھا دیتا ہے، اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، تو پھر آپ کی مثال کی کیا ضرورت ہے، اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور ان کو اپنی قبروں سے باہر جانے اور اس جہان میں تصرف کرنے کا اذن دیا گیا ہے اور اس پر بہ کثرت احادیث ناطق اور شاہد ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی زیارت اس طرح نہیں ہوتی جیسے عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو دنیا میں دیکھتے ہیں، یہ ایک حالتِ برزخیہ اور امرِ وجدانی ہے، اس کی حقیقت کو وہی شخص پا سکتا ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہوا ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دیکھنے والا آپ کی روح کو دیکھتا ہے اور وہ روح کسی صورت میں متمثل ہو جاتی ہے جب کہ وہ روح اس وقت آپ کے جسمِ مبارکہ میں بھی ہوتی ہے جس طرح وہ روضہ مبارک میں ہے جس طرح حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں یا کسی اور صورت میں اور اس وقت وہ سدرۃ المنتہیٰ سے بھی جدا نہیں ہوتے، اور رہا آپ کا جسمِ مثالی، تو اس کے ساتھ آپ ﷺ کی روحِ قدسیہ متعلق ہوتی ہے، اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ غیر متناہی اجسام مثالیہ ہوں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ کی روحِ واحدہ متعلق ہو، اور یہ اس طرح ہو جیسے روحِ واحدہ کا تعلق ایک جسم کے متعدد اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے، اور ہماری اس تقریر سے شیخ ابو العباس تجی کے اس قول کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے کہ انہوں نے آسمان، زمین عرش اور کرسی کو رسول اللہ ﷺ سے بھرا ہوا دیکھا اور یہ عُقدہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد مقربین نے ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر نبی ﷺ کی زیارت کی ہے۔ (روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۲۔ ۵۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اور علامہ سراج الدین ابن الملقن نے لکھا ہے کہ شیخ خلیفہ بن موسیٰ النخر نیند اور بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی بہ کثرت زیارت کرتے تھے اور وہ نیند اور بیداری میں رسول اللہ ﷺ سے بہت فیض حاصل کرتے تھے، انہوں نے ایک رات میں سترہ (۱۷) مرتبہ آپ کی زیارت کی، ایک مرتبہ آپ نے ان سے فرمایا: اے خلیفہ! تم میری زیارت کے لیے اتنے بے قرار نہ ہوا کرو، کیونکہ کتنے اولیاء تو میرے دیدار کی حسرت میں ہی فوت ہو چکے ہیں، اور شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ نے ''لطائف المنن'' میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ابو العباس المرسی سے کہا: آپ نے بہت سے شہروں میں بہت سے لوگوں سے ملاقات کی ہے، آپ اپنے اس

ہاتھ سے میرے ساتھ مصافحہ کر لیں، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی سے مصافحہ نہیں کیا، اور انہوں نے کہا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے اوجھل پاؤں تو میں اس ساعت میں خود کو مسلمان شمار نہیں کرتا اور اس قسم کی عبارات اولیاء کرام سے بہت منقول ہیں۔

(روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۱، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے اس کو زیارت ہو جاتی ہے، کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی ﷺ کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی ہے، (علامہ عبدالوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر مرتبہ بیداری میں زیارت کی ہے اور بالمشافہ ملاقات کی ہے) (میزان الشریعۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۴۴، لواقح الانوار القدسیہ، ص ۱۷۔ سعیدی غفرلہٗ) اور نبی ﷺ سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا اور نبی ﷺ کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا۔ الیٰ قولہ۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی ﷺ کی بیداری میں زیارت کی ہے اور آٹھ رفقاء کے ساتھ آپ سے ''صحیح البخاری'' پڑھی، پھر امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا، ان میں سے ایک حنفی تھا، اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا: بیداری میں آپ کی زیارت محقق ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۰۴، مطبع حجازی، مصر)

میں کہتا ہوں: اتنی کثیر تصریحات کے بعد شیخ ابن عثیمین کے رسول اللہ ﷺ کی بیداری میں زیارت کے انکار کو کون اہمیت دے گا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۱۔ بَابٌ: رُؤْيَا اللَّيْلِ — رات کے وقت خواب دیکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رات کے وقت جو خواب دیکھا جائے کیا وہ اس خواب کے برابر ہوتا ہے جو دن کے وقت دیکھا جائے، یا اس میں کوئی فرق ہے؟

ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ زیادہ سچا خواب وہ ہوتا ہے جو سحر کے وقت دیکھا جائے، اس حدیث کی امام احمد نے مرفوعاً روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور علامہ نصر بن یعقوب الدینوری نے ذکر کیا ہے کہ اگر رات کے شروع حصہ میں خواب دیکھا جائے تو اس کی تعبیر دیر سے آتی ہے اور آدھی رات کو خواب دیکھا جائے تو اس کی تعبیر جلدی آتی ہے اور سب سے زیادہ خواب کی تعبیر اس خواب کی آتی ہے جو سحر کے وقت دیکھا جائے خاص طور پر طلوع فجر کے وقت۔ اور امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ دوپہر کے وقت خواب دیکھنے کی تعبیر جلدی آتی ہے۔

رَوَاهُ سَمُرَةُ — حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

یعنی رات کے خواب کے متعلق حضرت سمرہ بن جندب الفزاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی نے حدیث روایت کی ہے، اور ان کی حدیث کتاب التعبیر کے آخر میں آئے گی۔ان شاء اللہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۸۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ الْبَارِحَةَ إِذْ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ حَتّٰى وُضِعَتْ فِي يَدِي قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَذَهَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنْتُمْ تَنْتَقِلُونَهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن المقدام العجلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از محمد از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے مفاتیح الکلم (کلمات کی چابیاں) دی گئیں، اور رُعب کے ساتھ میری مدد کی گئی، اور جس وقت میں گزشتہ رات سویا ہوا تھا تو مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں حتیٰ کہ میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور تم ان خزانوں کو منتقل کر رہے ہو۔

(صحیح البخاری: ۲۹۷۷، ۶۹۹۸، ۷۰۱۳، ۷۲۷۳، صحیح مسلم: ۵۲۳، سنن نسائی: ۳۰۸۹، مسند احمد: ۷۵۵۷)

صحیح البخاری: ۶۹۹۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "اور جس وقت کہ میں گزشتہ رات سویا ہوا تھا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عبدالرحمٰن الطفاوی، اس میں بنوطفاوہ کی طرف نسبت ہے، یا طفاوہ کی طرف نسبت ہے جو ایک جگہ کا نام ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، اور وہ ابن سیرین ہیں۔ اور یہ حدیث امام بخاری کے تفردات میں سے ہے۔

حدیثِ مذکور کے معانی

"مفاتیح الکلم" اور "جوامع الکلم" کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مفاتیح الکلم"، یعنی الفاظ کم ہوں اور معانی بہت زیادہ ہوں، اور یہ آپ کی انتہائی بلاغت ہے،

اور دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ "مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے"۔

امام بخاری نے کہا ہے: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جوامع الکلم وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن امورِ کثیرہ کو جمع فرماتا ہے جو آپ سے پہلے آسمانی کتابوں میں لکھے گئے تھے، کسی ایک امر کے متعلق یا دو امروں کے متعلق یا اس کی مثل۔

رُعب سے آپ کی مدد کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے "نُصِرتُ بالرُعب" یعنی لشکرِ اسلام کی ہیبت سے دشمن شکست کھا جاتے ہیں اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور گھوڑے اور اونٹ دوڑائے بغیر وہ اطاعت کر لیتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "البارِحة" یہ گزری ہوئی رات کا نام ہے خواہ وہ زوال سے پہلے ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تنتقلونها" یعنی تم مالِ غنیمت حاصل کرتے ہو، اور تم مالِ غنیمت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہو جیسا کہ مسلمانوں نے کسریٰ کے خزانوں کو اور قیصر کے دفینوں کو منتقل کیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۳۔ ۲۱۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۶۹۹۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ أُرَانِي اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَرَأَيْتُ رَجُلًا آدَمَ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ لَهُ لِمَّةٌ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلَى رَجُلَيْنِ أَوْ عَلَى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا فَقِيلَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ إِذَا أَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ أَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ فَسَأَلْتُ مَنْ هَذَا فَقِيلَ الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از امام مالک از نافع از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھے اپنے آپ کو کعبہ کے پاس خواب میں دکھایا گیا، میں نے ایک گندمی رنگ کے آدمی کو دیکھا، جیسے تم کسی بہت خوبصورت گندمی رنگ کے آدمی کو دیکھتے ہو، ان کے حسین لمبے لمبے بال تھے جیسے تم بہت خوبصورت لمبے بالوں والا کوئی آدمی دیکھتے ہو اور ان سے پانی کے قطرے گر رہے تھے اور وہ دو آدمیوں کے سہارے یا دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ پس مجھے بتایا گیا کہ یہ المسیح ابن مریم (علیہما السلام) ہیں، پھر میں ایک گھونگھریالے بالوں والے کے ساتھ تھا جس کی دائیں آنکھ کانی تھی اور وہ انگور کے دانے کی طرح ابھری ہوئی تھی، میں نے سوال کیا یہ کون ہے؟ پس بتایا گیا کہ یہ المسیح الدجال ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۵۹۰۲، ۶۹۹۹، ۷۰۲۶، ۷۱۲۸)

صحیح البخاری: ۶۹۹۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "رات کو خواب دیکھنا" اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے "مجھے آج رات خواب میں دکھایا گیا"۔
یہ حدیث کتاب اللباس میں از عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے اور امام مسلم نے اس کو کتاب الایمان میں از یحییٰ بن یحییٰ روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "أرانی اللیلۃ" یعنی میں نے اپنے آپ کو دیکھا، اور "اللیلۃ" میں بربنائے ظرف نصب ہے، اور عنقریب باب طواف بالکعبۃ میں ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت آئے گی کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں کعبہ کے گرد طواف کر رہا ہوں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "مِن أدمِ الرجال" اُدم میں ہمزہ پر پیش ہے اور دال ساکن ہے، یہ آدم کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: گندمی رنگ والا۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: یہ وہ رنگ ہے جو گندمی رنگ کی طرف مائل ہو، اور ابوعبدالملک نے کہا ہے کہ آدم کا معنی ہے: جس میں سیاہی کم ہو۔
اس حدیث میں مذکور ہے "لہٗ لِمّۃٌ" اس میں لام کے نیچے زیر ہے اور میم پر تشدید ہے، اور لمۃ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کانوں کی لَو سے متجاوز ہوں، اور "اللِمَم" لمۃ کی جمع ہے اور جب بال کندھوں تک پہنچ جائیں تو ان کو "جمۃ" کہتے ہیں اور جو اس سے کم ہوں تو ان کو "الوَفرۃ" کہتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "رَجَّلَھا" جیم پر تشدید ہے، یعنی بالوں کو سنوارا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "او علی عواتق رِجلین" اس میں راوی کو شک ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دو آدمیوں کے سہارے طواف کر رہے تھے یا دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے طواف کر رہے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "جعد" یعنی وہ بال سیدھے نہ ہوں گھنگریالے ہوں۔
اس حدیث میں مذکور ہے "قطط" یہ گھونگھریالے بالوں کا مبالغہ ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "طافیۃ" جب کوئی چیز پانی کی سطح سے ابھر کر اوپر آ جائے تو کہا جاتا ہے "طفا الشیء علی الماء"
خلاصہ یہ ہے کہ دجال کی آنکھ اس کے چہرے پر ابھری ہوئی ہوگی جیسے انگور کا دانہ ہوتا ہے۔
علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ دجال کی آنکھ نکلی ہوئی ہوگی اور اس کی روشنی جا چکی ہوگی جیسا کہ انگور کا پانی سوکھ جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "المسیح الدجال"۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب وہ کسی آفت زدہ بیمار آدمی پر ہاتھ پھیرتے تو وہ تندرست ہو جاتا، اور دجال کے مسیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ رگڑی ہوئی تھی۔ ہم نے اپنی کتاب "زین المجالس" میں دجال کو دجال کہنے کی دس وجوہ بیان کی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کہنے کی تیئس وجوہ بیان کی ہیں، لیکن یہاں پر ہم نے طوالت سے

بچنے کے لیے اختصار کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۴۔۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي أُرِيتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ وَسَاقَ الْحَدِيثَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از عبید اللہ بن عبد اللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث بیان کرتے تھے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے کہا: مجھے آج رات خواب میں دکھایا گیا، اور پھر حدیث بیان کی۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴۶، صحیح مسلم: ۲۲۶۹، سنن ترمذی: ۲۲۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۶۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۸، مسند احمد: ۲۱۱۴، سنن دارمی: ۲۱۵۶)

وَتَابَعَهُ سُلَيْمَانُ بْنُ كَثِيرٍ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ وَسُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

زہری کی متابعت سلیمان بن کثیر نے اور زہری کے بھتیجے نے اور سفیان بن حسین نے زہری سے کی ہے از عبید اللہ از حضرت ابن عباس از نبی ﷺ۔

وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَوْ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

اور الزبیدی نے کہا از الزہری از عبید اللہ، کہ حضرت ابن عباس یا حضرت ابوہریرہ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

وَقَالَ شُعَيْبٌ وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى عَنِ الزُّهْرِيِّ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ مَعْمَرٌ لَا يُسْنِدُهُ حَتَّى كَانَ بَعْدُ۔

اور شعیب اور اسحاق بن یحییٰ نے از الزہری روایت کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے حدیث بیان کرتے تھے، اور معمر اس حدیث کی سند نہیں بیان کرتے تھے حتیٰ کہ بعد میں انہوں نے اس کی سند بیان کی۔

صحیح البخاری: ۷۰۰۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس حدیث میں بھی رات کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں یحییٰ کا ذکر ہے، یہ یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر ہیں جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے، یہ ابن عتبہ بن مسعود الہذ لی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انی اُریت" یہ مجہول کا صیغہ ہے، اور ایک روایت میں ہے "انی رایت" یعنی میں نے دیکھا، اور امام

بخاری نے اتنی مقدار پر اکتفاء کر لیا، اور عنقریب "باب من لم یر الرؤیا لاول عابر" یہ حدیث مکمل آئے گی اور وہیں اس کی شرح آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۲۔ بَابُ: الرُّؤْيَا بِالنَّهَارِ — دن کے وقت خواب دیکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس خواب کا بیان کیا گیا ہے جس کو دن میں دیکھا گیا ہو۔

وَقَالَ ابْنُ عَوْنٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ رُؤْيَا النَّهَارِ مِثْلُ رُؤْيَا اللَّيْلِ۔

اور ابن عون نے از ابن سیرین روایت کی کہ دن میں دیکھا ہوا خواب رات میں دیکھے ہوئے خواب کی مثل ہے۔

علامہ عینی لکھتے ہیں:

یعنی دونوں خوابوں کا حکم ایک ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدْخُلُ عَلَى أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ وَكَانَتْ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام حرام بنت ملحان کے پاس جاتے تھے اور وہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس ایک دن آپ ان کے پاس گئے، انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور وہ آپ کے سر میں جوئیں دیکھ رہی تھیں، پس رسول اللہ ﷺ سو گئے، پھر آپ بیدار ہوئے اور اس وقت آپ ہنس رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۸، ۲۷۹۹، ۲۸۷۷، ۲۸۹۴، ۶۲۸۲، ۷۰۰۱، ۲۷۸۹، ۲۸۰۰، ۲۸۷۸، ۲۸۹۵، ۲۹۲۴، ۷۰۰۲، صحیح مسلم: ۱۹۱۲، سنن ترمذی: ۱۶۴۵، سنن النسائی: ۳۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۶، مسند احمد: ۱۳۷۷۹، موطا امام مالک: ۱۰۱۱، سنن دارمی: ۲۴۲۱)

۷۰۰۲۔ قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ شَكَّ إِسْحَاقُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کو کیا چیز ہنساتی ہے؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے، وہ اس سمندر کے وسط میں تختوں پر اس طرح سوار تھے جس طرح تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں، یا جیسے تختوں پر بادشاہ ہوتے

رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ وَضَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَا قَالَ فِي الْأُولَى قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبَتِ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ۔

ہیں، راوی اسحاق کو شک ہے۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے، پس ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، پھر آپ نے اپنا سر رکھ دیا، پھر آپ بیدار ہوئے اور اس وقت آپ ہنس رہے تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو کیا چیز ہنساتی ہے؟ آپ نے فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے تھے، اسی طرح فرمایا جس طرح پہلی بار فرمایا تھا، حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: میں نے عرض: کیا یارسول اللہ! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے، آپ نے فرمایا: تم پہلوں میں سے ہو، پس حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں خشکی میں سوار ہوئیں تو جس وقت وہ سمندر سے نکلیں تو سواری نے ان کو گرا دیا، پس وہ شہید ہو گئیں۔

(صحیح البخاری: ۲۷۸۸، ۲۷۹۹، ۲۸۷۷، ۲۸۹۴، ۶۲۸۲، ۷۰۰۱، ۲۷۸۹، ۲۸۰۰، ۲۸۷۸، ۲۸۹۵، ۲۹۲۴، ۷۰۰۲، صحیح مسلم: ۱۹۱۲، سنن ترمذی: ۱۶۴۵، سنن النسائی: ۳۱۷۱، سنن ابوداؤد: ۲۴۹۰، سنن ابن ماجہ: ۲۷۷۶، مسند احمد: ۱۳۷۷۹، موطا امام مالک: ۱۰۱۱، سنن دارمی: ۲۴۲۱)

صحیح البخاری: ۷۰۰۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر آپ بیدار ہوئے اور اس وقت آپ ہنس رہے تھے"۔

یہ حدیث کتاب الجہاد میں از عبداللہ بن یوسف گزر چکی ہے، اور کتاب الاستیذان میں از اسماعیل گزر چکی ہے، اور امام مسلم نے کتاب الجہاد میں اس کی از یحییٰ بن یحییٰ روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "یدخل علی ام حرام بنت ملحان" حضرت ام حرام، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے پاس جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کی رضاعی خالہ تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے جوئیں نکالنے کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "تفلی" یہ ترمی کے وزن پر ہے، یعنی جوئیں نکالتی تھیں۔

میں کہتا ہوں: جوئیں میل کچیل اور گندگی سے پیدا ہوتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں سب سے بڑھ کر طیب و طاہر اور نظیف تھے، اس لیے آپ اس سے بری ہیں کہ آپ کے سر میں جوئیں ہوں، اور ہوسکتا ہے کہ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا آپ کے سر کو سہلا رہی ہوں جس کو راوی نے سر میں جوئیں دیکھنے سے تعبیر کیا، کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر لوگوں کے سروں میں جوئیں ہوتی تھیں، یا جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کے سر میں جوئیں دیکھتی ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ قرار دینے پر علامہ عینی کا تبصرہ

اس حدیث میں مذکور ہے "فی زمان معاویة" بعض شارحین نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح تھی اور یہ استدلال صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس زمانہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے اور خلیفہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، اور اگر ہم یہ مان لیں کہ وہ حضرت معاویہ کے زمانہ کا یہ واقعہ ہے تب بھی خلافت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی" اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے لوگوں کو ملوک اور بادشاہ کا نام دیا گیا ہے، خواہ وہ اپنے آپ کو خلفاء کہتے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۶۔ ۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۳۔ بَابُ: رُؤْيَا النِّسَاءِ　　خواتین کے خواب کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں عورتوں کے خواب کا بیان ہے، علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس پر اتفاق ہے کہ مومنہ صالحہ اس حدیث کے تحت داخل ہے کہ مومن صالح کا خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

نیز علامہ بن بطال نے کہا ہے: عورتوں کا خواب صحیح ہوتا ہے جیسے مردوں کا خواب صحیح ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ أُمَّ الْعَلَاءِ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُمُ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِينَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ وَأَنْزَلْنَاهُ فِي أَبْيَاتِنَا فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ فَلَمَّا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے خبر دی کہ حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا جو کہ انصار کی ایک خاتون تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، وہ بیان کرتی ہیں کہ صحابہ کرام

تُوُفِّيَ غُسِّلَ وَكُفِّنَ فِي أَثْوَابِهِ دَخَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللهَ أَكْرَمَهُ فَقُلْتُ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ فَمَنْ يُكْرِمُهُ اللهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَمَّا هُوَ فَوَاللهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ وَاللهِ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ وَوَاللهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِي فَقَالَتْ وَاللهِ لَا أُزَكِّي بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا۔

نے قرعہ اندازی کے ذریعہ مہاجرین کو اپنے اپنے حصہ میں تقسیم کر دیا، حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس ہمارے حصہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ آ گیا، اور ہم نے ان کو اپنے گھروں میں داخل کر لیا، پھر ان کو وہ درد ہو گیا جس درد میں ان کی وفات ہو گئی، پس جب ان کی وفات ہو گئی، انہیں غسل دیا گیا اور انہیں ان کے کپڑوں میں کفن پہنایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کہا: اے ابوالسائب! آپ پر اللہ کی رحمت ہو، میں آپ کے متعلق گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت دی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت دی ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ قربان ہوں، پھر کس کو اللہ تعالیٰ عزت دے گا؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہے وہ تو اللہ کی قسم! ان کے پاس یقینی بات آ گئی ہے، اور اللہ کی قسم! بے شک میں ان کے لیے خیر کی امید رکھتا ہوں، اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا! حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کسی کی تحسین نہیں کروں گی۔

(صحیح البخاری: ۱۲۴۳، ۲۶۸۷، ۳۹۲۹، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۱۸، مسند احمد: ۲۶۹۱۱)

صحیح البخاری: ۷۰۰۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے اور اس حدیث میں مذکور ہے "پس میں نے دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے لیے ایک چشمہ جاری تھا، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: یہ عثمان کا عمل ہے، اور یہ حدیث ابھی آئے گی، اور یہی اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت کی توجیہ ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں حضرت ام العلاء ابنۃ الحارث بن ثابت بن حارثہ بن ثعلبہ ابنِ حلاس بن امیہ الانصاریہ کا ذکر ہے، یہ ان خواتین میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیماری میں ان کی

عیادت فرماتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انهم اقتسموا المهاجرين" یعنی انصار میں سے ہر ایک نے جب مہاجرین مدینہ آئے تو ان میں سے ایک ایک کو لے لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فطار لنا" یعنی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قرعہ ہمارے نام نکل آیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فوجع" یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابا السائب" یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "والله ما ادری وانا رسول الله" یعنی اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ یہ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغفور ہیں، کیونکہ آپ کے تمام اگلے پچھلے بہ ظاہر خلافِ اولیٰ کاموں کی مغفرت کر دی گئی ہے اور آپ کے لیے وہ مقاماتِ محمودہ ہیں جو دوسروں کے لیے نہیں ہیں تو پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں علمِ تفصیلی کی نفی ہے، اور آپ کو جو معلوم تھا وہ علمِ اجمالی تھا۔

علامہ داؤدی نے اس کے جواب میں کہا ہے: یہ آپ نے اس وقت کہا جب آپ کو یہ خبر نہیں دی گئی تھی کہ اہلِ بدر جنت میں داخل ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۰۳، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی فوت شدہ شخص کے متعلق مغفور کہنے کا عدمِ جواز

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ انسان کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کے متعلق وثوق سے خبر دے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر ضرور رحم فرمائے گا یا ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا یا ضرور اس کو عزت دے گا، لیکن اس طرح کہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے خیر کی امید ہے، اور یہ کہ ہم وثوق سے کہیں کہ اللہ نے اس کو عزت دی ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہوں کو ڈھانپ لیا ہے، تو یہ کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اس چیز کی خبر دینا ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ اور جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کے در پے نہ ہو، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے (روزِ قیامت) سوال کیا جائے گا○

(بنی اسرائیل: ۳۶)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ لوگوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص مرحوم ہے یا فلاں شخص مغفور ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس سے مقصود خبر دینا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر رحم فرمادیا ہے یا اس کی مغفرت فرمادی ہے تو یہ جائز نہیں ہے، اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ ہم امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا اور اس کی مغفرت فرمائے گا تو یہ جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۹۴۔۴۹۵، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور سے بعض لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا انکار کرنا

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ صریح ارشاد ہے کہ اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں، اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب نہیں ہے۔

ان لوگوں کا یہ قول صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ما ادری'' سو اس حدیث میں درایت کی نفی ہے اور درایت کا معنی ہے: کسی چیز کو قیاس سے جاننا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب کے احوال کو قیاس سے نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے جانتے ہیں۔ اور متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی عاقبتِ محمودہ کی خبر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل: ۷۹)

عنقریب آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کرے گا O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء: ۶۴)

اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آجاتے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا پاتے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (الضحیٰ: ۴)

اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (الفتح: ۲)

تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کردے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے O

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد درج ذیل آیت کا حکم منسوخ ہوگیا:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (الاحقاف: ۹)

آپ کہیے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں اور نہ میں ازخود جانتا ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور (نہ میں ازخود یہ جانتا ہوں کہ) تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں صرف

اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے اور
میں صرف واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں O

یعنی ان آیات کے نزول کے بعد اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ آپ یہ کہیں کہ "میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور میں نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی ہے اور آپ کو مقامِ محمود عطا فرمایا ہے، اور آپ کو گناہگاروں کی شفاعت کا منصب عطا فرمایا ہے، اور آپ کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ کی امت کے ساتھ کیا کیا جائے گا، آپ نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی مغفرت فرمادی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق فرمایا کہ وہ غزوہ بدر میں حاضر تھے اور تمہیں کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

(صحیح البخاری:۳۰۰۷، صحیح مسلم:۲۴۹۴، سنن ترمذی:۳۳۰۵، سنن ابوداؤد:۲۶۵۰، مسند احمد:۶۰۱)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرام کو دنیا میں جنت کی بشارت دی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر جنت میں ہیں، اور عمر جنت میں ہیں، اور عثمان جنت میں ہیں، اور علی جنت میں ہیں، اور طلحہ جنت میں ہیں، اور زبیر جنت میں ہیں، اور عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں، اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں، اور سعید جنت میں ہیں، اور ابوعبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔ (سنن ترمذی:۳۷۴۷، مسند احمد ج ۱ ص ۱۹۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة" (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اہلِ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں)۔

(سنن ترمذی:۳۷۶۸، سنن ابن ماجہ:۱۱۸، مسند احمد ج ۳ ص ۳)

نیز آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہو، یا فرمایا مومنین کی عورتوں کی سردار ہو"۔ (صحیح البخاری:۶۲۸۵، صحیح مسلم:۲۴۵۰، سنن ابن ماجہ:۱۶۲۱)

سو واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقامِ بلند کا بھی علم عطا کیا گیا تھا اور اپنے امتیوں کے مقامات کا بھی علم عطا کیا گیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۰۰۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ بِهٰذَا وَقَالَ مَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِهِ قَالَتْ وَأَحْزَنَنِي فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ لِعُثْمَانَ عَيْنًا تَجْرِي فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ ذٰلِكَ عَمَلُهُ۔

(مسند احمد:۲۶۹۱۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری اسی حدیث کی روایت کی اور اس حدیث میں کہا: میں (از خود) نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا، حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: اور مجھے غمزدہ کر دیا، پس میں سو گئی، پس میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے لیے ایک چشمہ جاری ہے، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی

تو آپ نے فرمایا: یہ ان کا عمل ہے۔

صحیح البخاری: ۷۰۰۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اسی حدیث کا ایک حصہ ہے جو ابھی ابوالیمان الحکم بن نافع کی سند سے گزری ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابٌ: اَلْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ — براخواب شیطان کی طرف سے ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ بُرا خواب شیطان کی طرف سے ہے، اور حَلَم میں حاء پر اگر زبر ہو تو اس کا معنیٰ گزر چکا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حُلْم میں حاء پر پیش ہو اور لام پر جزم ہو تو اس کا معنی ہے: سونے والا جو خواب دیکھتا ہے، اور حُلم کی شیطان کی طرف اضافت کی وجہ یہ ہے کہ یہ جھوٹ اور ڈرانے میں شیطان کے مناسب ہے، اس کے برخلاف سچے خواب، ان کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے اور یہ اضافت تعظیم کے لیے ہے، اگرچہ ہر خواب اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے اور مقدر کرنے سے ہوتا ہے جیسا کہ تمام لوگ اللہ کے بندے ہیں خواہ وہ نافرمان ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (الزمر: ۵۳)

آپ کہیے: اے میرے وہ بندو جو (گناہ کرکے) اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا، بے شک وہی بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۷۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

فَإِذَا حَلَمَ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

جب کوئی شخص برا خواب دیکھے تو وہ بائیں جانب تھوک دے اور اللہ عزوجل کی پناہ طلب کرے۔

۷۰۰۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ أَبَا قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بُکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عُقیل از ابن شہاب از ابوسلمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت

وَفُرْسَانِهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ الرُّؤْيَا مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمُ الْحُلْمَ يَكْرَهُهُ فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ فَلَنْ يَضُرَّهُ۔

ابوقتادہ الانصاری رضی اللہ عنہ اور وہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے اور آپ کے گھوڑے سواروں میں سے تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (نیک) خواب اللہ کی طرف سے ہے، اور برا خواب شیطان کی طرف سے ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص برا خواب دیکھے جو اس کو ناگوار ہو تو وہ بائیں جانب تھوک دے اور اس خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے، تو وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔

(صحیح البخاری:۳۲۹۲، ۵۷۴۷، ۶۹۸۴، ۶۹۸۶، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۷۰۰۵، ۷۰۴۴، صحیح مسلم:۲۲۶۱، سنن ترمذی:۲۲۷۷، سنن ابوداؤد:۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ:۳۹۰۹، مسند احمد:۲۲۰۵۸، موطا امام مالک:۱۷۸۴، سنن دارمی:۲۱۴۱)

صحیح البخاری:۷۰۰۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ بابِ مذکور کا عنوان ہے کہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہے اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

یہ حدیث باب ''من رای النبی ﷺ'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور ابوقتادہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے تھے''۔ امام بخاری نے اس کا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی تعظیم اور ان کے وجہِ افتخار کے لیے ذکر کیا ہے اور تاکہ ناواقف لوگوں کو ان کے مرتبہ اور مقام کا علم ہو، اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وہ آپ کے گھوڑے سواروں میں سے تھے'' ان کے گھوڑے سواری کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے غزوۂ خیبر کے دن بیس (۲۰) مردوں کو قتل کیا، تو شارع علیہ السلام نے ان بیس مردوں سے اتارا ہوا سامان ان کو عطا فرمایا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''خواب اللہ کی طرف سے ہے'' یعنی جو خواب محبوب ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے ''حُلم شیطان کی طرف سے ہے'' یعنی جو ناپسندیدہ خواب ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے، یعنی یہ خواب کی طبیعت کے اعتبار سے ہے ورنہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۵۔ بَابُ: اللَّبَنِ
خواب میں دودھ دیکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص خواب میں دودھ کو دیکھے تو اس کی کیا تعبیر بیان کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ مِنْ أَظْفَارِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي يَعْنِي عُمَرَ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے حمزہ بن عبداللہ نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میرے پاس (خواب میں) دودھ کا پیالہ لایا گیا، پس میں نے اس سے پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ اس کی سیرابی میرے ناخنوں سے نکل رہی ہے، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عطا فرما دیا، یعنی عمر کو، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر کی ہے؟ آپ نے فرمایا: علم۔

(صحیح البخاری: ۸۲، ۳۶۸۱، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۲۷، ۷۰۳۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۱، سنن ترمذی: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۵۵۲۹، سنن دارمی: ۲۱۵۴)

صحیح البخاری: ۷۰۰۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح سے ہے کہ یہ حدیث باب کے عنوان کو واضح کرتی ہے کہ خواب میں دودھ کو دیکھنا علم سے کنایہ ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ، یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یونس، یہ ابن یزید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حمزہ، یہ ابن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جو اپنے باپ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب العلم میں سعید بن عفیر سے گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لاری الرِّیّ" اس میں لام تاکید کے لیے ہے اور "الرِّیّ" میں راء کے نیچے زیر ہے اور یاء پر تشدید ہے اور اس کا معنی ہے سیر ہونا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یخرج من اظفاری" ایک روایت میں ہے کہ وہ دودھ میرے ناخنوں کے نیچے سے بہہ رہا تھا۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ "خروج" کا لفظ عن کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: وہ دودھ بدن سے نکلتا تھا، یا ناخنوں میں ظاہر ہوتا تھا۔

علامہ کرمانی نے مزید یہ کہا ہے "الرِّیّ" یعنی سیرابی ایک معنوی چیز ہے اور خروج ظاہری چیز ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ سیرابی کا اثر نکلتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۱۹۔ ۲۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۶۔ بَابٌ إِذَا جَرَى اللَّبَنُ فِي أَطْرَافِهِ أَوْ أَظَافِيرِهِ

جب دودھ جسم کے اعضاء میں یا ناخنوں میں جاری ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ دودھ اس کے اعضاء میں جاری ہو رہا ہے یا اس کے ناخنوں میں تو اس کی کیا تعبیر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ مِنْ أَطْرَافِي فَأَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ مَنْ حَوْلَهُ فَمَا أَوَّلْتَ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میرے پاس (خواب میں) دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ (دودھ سے) سیرابی میرے اعضاء سے نکل رہی ہے، پس میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دیا، پس جو لوگ آپ کے گرد تھے انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ

نے اس خواب کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے فرمایا: علم۔

(صحیح البخاری: ۸۲، ۳۶۸۱، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۲۷، ۷۰۳۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۱، سنن ترمذی: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۵۵۲۹، سنن دارمی: ۲۱۵۴)

صحیح البخاری: ۷۰۰۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے "باب اللبن" میں گزر چکی ہے۔

پہلے اس حدیث کی عبدان سے روایت کی تھی اور اب اس حدیث کی علی بن عبداللہ المدینی سے روایت کی ہے۔

اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۷۔ باب: اَلْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ — خواب میں قمیص کو دیکھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں قمیص کو دیکھنے کی کیا تعبیر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُونَ عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذٰلِكَ وَمَرَّ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجُرُّهُ قَالُوا مَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الدِّينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد ابراہیم نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوامامہ بن سہل نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جارہے ہیں اور ان کے اوپر قمیصیں ہیں، ان میں سے بعض قمیصیں پستانوں تک پہنچتی تھیں، اور بعض قمیصیں اس سے نیچے تک پہنچتی تھیں، اور عمر بن الخطاب میرے سامنے سے گزرے اور ان پر اتنی لمبی قمیص تھی جس کو وہ گھسیٹ رہے تھے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر لی ہے، آپ نے فرمایا: دین۔

(صحیح البخاری: ۲۳، ۳۶۹۱، ۷۰۰۸، ۷۰۰۹، صحیح مسلم: ۲۳۹۰، سنن ترمذی: ۲۲۸۵، سنن نسائی: ۵۰۱۱، مسند احمد: ۱۱۴۰۵، سنن دارمی: ۲۱۵۱)

صحیح البخاری: ۷۰۰۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں بھی خواب میں قمیص کو دیکھنے کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی یہی بیان ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند کے وہی رجال ہیں جو اس سے پہلی حدیث کے رجال ہیں، لیکن وہاں ابن شہاب کے بعد حمزہ بن عبد اللہ کا ذکر ہے اور یہاں ابن شہاب کے بعد ابوامامہ بن سہل کا ذکر ہے، اور ان کا نام اسعد بن سہل بن حنیف انصاری ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا تھا، اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے ان کا نام رکھا اور ان کے دادا کے نام پر ان کی کنیت رکھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حدیث کو نہیں سنا اور انہوں نے اپنے باپ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے احادیث کا سماع کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۰۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لباس سے مراد بندے کے اعمال ہیں

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں قمیص کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ (المدثر: ۴) اور اپنا لباس پاک رکھیے ○

اس سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کریں اور زمانہ جاہلیت میں لوگ جن ناجائز کاموں کو مباح سمجھتے تھے ان سے اپنے آپ کو پاک رکھیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور عرب یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے دین میں نیک کام کرتا ہو تو کہا جاتا ہے "فلان نقی الثوب" یعنی اس شخص کے کپڑے صاف ستھرے ہیں۔

خواب کی تعبیر ظاہر الفاظ پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ ضربِ مثال پر مبنی ہوتی ہے

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ تمام خواب اس ظاہر عبارت پر مبنی نہیں ہوتے جو خواب میں دکھائی دیتے ہیں بلکہ خواب کی تعبیر مثالوں پر مبنی ہوتی ہے، پس دین کی مثال قمیص سے بیان کی جاتی ہے اور ایمان اور علم کی مثال دودھ سے بیان کی جاتی ہے، کیونکہ جس طرح قمیص بدن کی شرمگاہ کو چھپاتی ہے اسی طرح دین ان برے اعمال کو چھپاتا ہے جن کو انسان حالتِ کفر میں کرتا ہے یا حالتِ جہالت میں کرتا ہے۔ اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دودھ سے اجسام کی حیات ہوتی ہے جیسا کہ علم کے ساتھ دلوں کی حیات ہوتی ہے، اس وجہ سے علم کے لیے دودھ کی مثال بیان کی جاتی ہے۔

بیداری میں لمبی قمیص کے مذموم ہونے اور خواب میں مستحسن ہونے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ کیا وجہ ہے کہ بیداری میں تو اتنی لمبی قمیص کی مذمت کی جاتی ہے جو پیروں کے نیچے گھسٹ رہی ہو اور اس کو تکبر پر محمول کیا جاتا ہے اور نیند میں لمبی قمیص کا ہونا مستحسن قرار دیا جاتا ہے۔

علامہ المہلب نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ دنیا میں قمیص، ستر اور زینت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (الاعراف:۳۲)

(اے نبی!) آپ کہیے: اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اور اس کی دی ہوئی پاک چیزوں کو۔

اور آخرت میں لباس تقویٰ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف:۲۶)

اے اولادِ آدم! بے شک ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور وہ تمہاری زینت (بھی) ہے، اور تقویٰ کا لباس، وہی سب سے بہتر لباس ہے۔

پس جب کہ لباس دنیا میں زینت ہے تو اس میں سے اس لباس کو حرام قرار دیا جو تکبر کی طرف پہنچائے، پس واجب ہے کہ یہ زینت دنیا میں عبودیت کی علامت کے ساتھ مقرون ہو، اور جب کہ آخرت کے اندر لباس میں تکبر کا احتمال نہیں ہے تو آخرت میں لمبا لباس جو پیروں تلے گھسٹ رہا ہو وہ مستحسن ہے، کیونکہ وہ زیادہ عبادت اور زیادہ محاسن اعمال پر دلالت کرتا ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۸۔ بَابُ: جَرِّ الْقَمِيصِ فِي الْمَنَامِ

خواب میں قمیص کو گھسیٹنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ اتنی لمبی قمیص پہنے ہوئے ہے جو اس کے پیروں کے نیچے گھسٹ رہی ہے تو اس کی کیا تعبیر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۰۹۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ النَّاسَ عُرِضُوا عَلَيَّ وَعَلَيْهِمْ قُمُصٌ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ دُونَ ذٰلِكَ وَعُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے ابوامامہ بن سہل نے خبر دی از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے

بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ يَجْتَرُّهُ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الدِّينَ۔

خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جارہے ہیں اور ان پر قمیصیں ہیں، پس بعض قمیصیں پستانوں تک پہنچتی تھیں، اور بعض قمیصیں اس سے نیچے تھیں، اور میرے سامنے عمر بن الخطاب پیش کیے گئے اور ان پر جو قمیص تھی وہ اس کو گھسیٹ رہے تھے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر لی ہے، آپ نے فرمایا: دین۔

(صحیح البخاری: ۲۳، ۳۶۹۱، ۷۰۰۸، ۷۰۰۹، صحیح مسلم: ۲۳۹۰، سنن ترمذی: ۲۲۸۵، سنن نسائی: ۵۰۱۱، مسند احمد: ۱۱۴۰۵، سنن دارمی: ۲۱۵۱)

صحیح البخاری: ۷۰۰۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

یہ وہی حدیث ہے جو بابِ سابق میں گزر چکی ہے اور اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۰۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اہلِ تعبیر کا اس پر اتفاق ہے کہ دین کو قمیص سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قمیص کا طول اس پر دلالت کرتا ہے کہ لمبی قمیص پہننے والا بعد والوں کی بہ نسبت زیادہ نیک اعمال کا حامل ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگ دین میں قلت اور کثرت اور قوت اور ضعف کے ساتھ متصف ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے والے تھے اور تمام صحابہ سے زیادہ ان کا ایمان قوی تھا۔

(۳) اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کی فضیلت کو اس کے سامنے اور اس کے منہ پر بیان کرنا جائز ہے، بشرطیکہ یہ اطمینان ہو کہ اس فضیلت کے بیان کرنے سے وہ شخص فتنہ میں مبتلا نہیں ہوگا اور اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا نہیں سمجھے گا۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی بزرگ خواب دیکھے تو اس کے ماتحت اور اس کے متبع لوگ اس شخص سے اس کے دیکھے ہوئے خواب کی تعبیر پوچھیں۔

(۵) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے زیادہ دین دار ہیں، اس پر یہ اشکال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ تو بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں، پھر اس خواب کی کیا توجیہ ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تھے ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں تھے، یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے اور ان کی قمیص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قمیص سے بھی لمبی تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فضیلتِ جزوی معلوم ہوتی ہے، لیکن دوسری احادیث میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بہ کثرت فضائل ہیں اور ایسے فضائل ہیں جو اس فضیلت پر زائد ہیں۔

(۶) جس طرح قمیص بدن کے عیوب کو چھپاتی ہے، اسی طرح دین انسان کے برے اعمال کو چھپاتا ہے۔

(۷) آپ نے بعض ایسے لوگ دیکھے جن کی قمیص ان کے پستانوں تک تھی، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں کفر نہیں ہے اور وہ مومن ہیں لیکن وہ بعض نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور جن کی قمیص اتنی لمبی تھی جو ان کے پیروں سے بھی متجاوز تھی تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے خالص نیک اعمال کیے۔

(۸) علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا: اس حدیث میں آپ کے سامنے جو لوگ پیش کیے گئے اس سے مراد خصوصاً امتِ محمدیہ کے افراد ہیں اور وہ دین کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں بلند مقام پر تھے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۷۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۹۔ بَابُ: الْخُضَرِ فِي الْمَنَامِ وَالرَّوْضَةِ الْخَضْرَاءِ

خواب میں سبز رنگ کو دیکھنے اور سرسبز باغ کو دیکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

الخُضَر میں خاء پر پیش ہے اور ضاد ساکن ہے، یہ اخضر کی جمع ہے اور یہ مشہور رنگ ہے جو اصل رنگوں میں سے ایک ہے، اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے خواب میں سبز رنگ کو دیکھنے سے کیا مراد ہے۔ اس باب کے عنوان میں الروضۃ الخضراء کا ذکر ہے، علامہ الکیروانی نے کہا ہے: وہ باغ جس کی سرسبز پیداوار معروف نہ ہو، اس کو اس کی تروتازگی اور حسین رونق کی وجہ سے اسلام کے ساتھ سے تعبیر کیا جاتا ہے، نیز اس سے ہر فضیلت والی جگہ کو تعبیر کیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور ذکر کے حلقے اور خیر کے مجامع اور صالحین کی قبریں۔ حدیث میں ہے:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۹۵، صحیح مسلم: ۱۳۹۰، سنن ترمذی: ۳۹۱۶، سنن نسائی: ۶۹۵، مسند احمد: ۱۵۹۹۸، موطا امام مالک: ۴۶۳)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کے باغات کے پاس سے گزرو، تو پس

چر لیا کرو، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: المساجد، پھر پوچھا گیا: یارسول اللہ! اس میں چرنا کیا ہے؟ فرمایا: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ (سنن ترمذی: ۳۵۰۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر صرف جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگی یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگی۔ (سنن ترمذی: ۲۴۶۰)

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ قَالَ قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ كُنْتُ فِي حَلْقَةٍ فِيهَا سَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَابْنُ عُمَرَ فَمَرَّ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ فَقَالُوا هٰذَا رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ لَهُ إِنَّهُمْ قَالُوا كَذَا وَكَذَا قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَقُولُوا مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ إِنَّمَا رَأَيْتُ كَأَنَّمَا عَمُودٌ وُضِعَ فِي رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فَنُصِبَ فِيهَا وَفِي رَأْسِهَا عُرْوَةٌ وَفِي أَسْفَلِهَا مِنْصَفٌ وَالْمِنْصَفُ الْوَصِيفُ فَقِيلَ ارْقَهْ فَرَقِيتُهُ حَتّٰى أَخَذْتُ بِالْعُرْوَةِ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَمُوتُ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ آخِذٌ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد الجعفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حرمی بن عمارۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قرۃ بن خالد نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین، انہوں نے کہا: قیس بن عباد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک حلقہ میں تھا جس میں حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے، پس حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ گزرے تو ان صحابہ نے کہا: یہ مرد اہلِ جنت میں سے ہے، میں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا کہ یہ صحابہ آپ کے متعلق اس طرح اور اس طرح کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: سبحان اللہ! ان لوگوں کو وہ بات نہیں کہنی چاہیے جس کا انہیں یقینی علم نہیں ہے، میں نے (خواب میں) صرف ایک ستون دیکھا گویا کہ وہ سرسبز باغ میں نصب تھا اور اس کے سر کے اوپر ایک دستہ تھا اور اس کے نیچے ایک خادم تھا۔ اور منصف کا معنی خادم ہے، پس کہا گیا: اس پر چڑھو، میں اس ستون پر چڑھا حتیٰ کہ میں نے اس کے دستہ کو پکڑ لیا، پھر میں نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عبداللہ اس حال میں وفات پائے گا کہ وہ مضبوط دستہ کو پکڑے ہوئے ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۳۸۱۳، ۷۰۱۰، ۷۰۱۴، صحیح مسلم: ۲۴۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۰، مسند احمد: ۲۳۲۷۵)

صحیح البخاری: ۷۰۱۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے جزو ثانی کے ساتھ مطابقت ہے جس میں سرسبز باغ کا ذکر ہے۔ اور اس حدیث میں بھی سرسبز باغ کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن محمد کا ذکر ہے، یہ مُسندی اور الجُعفی کے لقب سے معروف ہیں، اور جُعفی میں جوف بن سعد کی طرف نسبت ہے۔ علامہ الجوہری نے کہا: یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ ہیں اور ان کی اسی کی طرف نسبت ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حرمی بن عمارۃ، حَرَمی میں حاء اور راء پر زبر ہے اور عُمارۃ میں عین پر پیش ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں قرۃ بن خالد کا ذکر ہے، لفظِ قُرّۃ میں قاف پر پیش ہے راء مشدد ہے، یہ ابن خالد السدوسی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں قیس بن عباد کا ذکر ہے، یہ البصری اور التابعی ہیں اور بہت بڑے ثقہ ہیں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مدینہ آئے اور جس نے ان کا شمار صحابہ میں کیا اس کو وہم ہوا، اور ان کا ذکر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے مناقب میں اسی حدیث کے تحت ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فی حلقۃ" اس میں لام ساکن ہے اور اس کی جمع "حِلَق" آتی ہے، اور علامہ جوہری نے کہا: حلقہ کی جمع حَلَق ہے حاء کے زبر کے ساتھ، اور یہ خلاف قیاس ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور اس حلقہ میں حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ تھے" یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

بعض صحابہ کی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق جنتی ہونے کی اور ان کے انکار کی توجیہ

اس حدیث میں مذکور ہے "ھذا رجل من اھل الجنۃ" ان صحابہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو جنتی اس لیے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہمیشہ اسلام پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ ان کی وفات ہو جائے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلت لہ" قیس بن عباد نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقال سبحان اللہ" یعنی حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا: سبحان اللہ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے تعجب سے سبحان اللہ کہا اور انہوں نے ان صحابہ کے قول کا بطور تواضع انکار کیا اور اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کر کے کہا جائے کہ یہ جنتی شخص ہے، تو ان کے دل میں فخر آ جائے۔

علامہ کرمانی نے کہا: اولیٰ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے یہ اس لیے کہا کہ ان صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً یہ نہیں سنا تھا کہ عبداللہ بن سلام اہلِ جنت سے ہیں بلکہ انہوں نے یہ بطور استدلال اور اجتہاد کہا تھا، پس وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انما رایت" یعنی جب حضرت عبداللہ بن سلام نے ان صحابہ کے قول پر انکار کیا تو اس خواب کا ذکر کیا، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ان صحابہ کے وثوق اور یقین پر انکار کیا اور اصلِ خبر پر انکار نہیں کیا کہ وہ اہلِ جنت

سے ہیں، اور جو لوگ تواضع کرنے والے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہوں، ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کانما عمود وضع فی روضة خضراء" ابن عون کی روایت میں ہے کہ وہ ستون باغ کے وسط میں تھا، اور اس روایت میں باغ کی یہ صفت نہیں ہے کہ وہ سرسبز تھا، اور کتاب المناقب میں ابن عون کی روایت ہے: گویا کہ میں نے ایک خواب کو دیکھا، پھر اس کی وسعت کو اور اس کے سرسبز ہونے کو بیان کیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت کا بطور استدلال ہونا

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے روضة سے مراد وہ تمام احکام ہوں جن کا تعلق دین کے ساتھ ہے، اور عمود سے مراد ارکانِ خمسہ ہوں، اور "العروة الوثقیٰ" سے مراد دین ہو۔

التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے ذکر کیا ہے: عمود ہر اس چیز پر دلالت کرتا ہے جس پر اعتماد کیا جائے مثلاً قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں، اور دین کی فقہ۔ اور عمود کی جگہ اور خواب کی صفات تعبیر کی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی طرح "العروة" سے مراد اسلام اور توحید ہے اور یہی "العروة الوثقیٰ" یعنی مضبوط دستہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ سو جو شخص طاغوت سے کفر کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسا مضبوط دستہ پکڑ لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ (البقرہ:۲۵۶)

پس شارع علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی وفات ایمان پر ہوگی۔ اور جب کہ اس خواب میں ان کے جنتی ہونے پر شواہد تھے تو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ ان کی وفات اسلام پر ہوگی، ان کو جنتی قرار دیا۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ ان صحابہ نے ان کو اصحابِ جنت میں سے اس لیے کہا کہ وہ بدری صحابی ہیں، اور اصحابِ بدر کے لیے حدیث میں بشارت ہے کہ "اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کی طرف متوجہ ہوا، پس فرمایا: تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے"۔

(صحیح البخاری:۳۰۰۷، صحیح مسلم:۲۴۹۴، سنن ترمذی:۳۳۰۵، سنن ابوداؤد:۲۶۵۰، مسند احمد:۶۰۱)

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص بھی اسلام اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر فوت ہوا، وہ جنت میں داخل ہوگا خواہ وہ بعض سزاؤں کا مستحق ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مِنصف" (میم کے نیچے زیر ہے) اس سے مراد ہے خادم، اور یہ لفظ ابنِ سیرین کی تفسیر ہے اور حدیث میں مدرج ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ارقه" یعنی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ اس ستون پر چڑھیں، وہ کہتے ہیں کہ میں اس ستون پر چڑھا حتیٰ کہ میں نے دستہ کو پکڑ لیا، اور ان کے مناقب میں مذکور ہے کہ میں اس ستون پر چڑھا حتیٰ کہ اس کی بلندی پر پہنچ گیا حتیٰ کہ میں نے دستہ کو ہاتھ سے پکڑ لیا، پھر جب میں بیدار ہوا تو وہ دستہ میرے ہاتھ میں تھا۔ اور صحیح مسلم میں مذکور ہے حتیٰ کہ مجھے ایک ستون پر لایا گیا جس کا سر آسمان میں تھا اور اس کا نچلا حصہ زمین میں تھا اور اس کے اوپر کے حصہ پر ایک دستہ تھا، پس مجھ سے فرمایا: اس کے اوپر چڑھو، میں نے کہا: میں کیسے چڑھوں؟ تو اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اٹھا کر اس دستہ کے قریب کر دیا، پھر ستون پر ضرب لگائی تو وہ گر گیا اور میں اس دستہ کے ساتھ لٹکا ہوا تھا حتیٰ کہ صبح ہوگئی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۲۔ ۲۲۴، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے خواب کی بعض تفصیلات

خرشہ کی روایت میں ہے کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا میرے پاس ایک مرد آیا، اس نے مجھ سے کہا: اٹھو! پس اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا، پس میں ایک راستہ پر تھا جو بائیں جانب تھا، میں اس راستہ پر چلنے لگا تو مجھ سے اس مرد نے کہا: اس راستہ پر نہ چلو، یہ اصحاب الشمال کا راستہ ہے، اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ جب میں جا رہا تھا تو میرے سامنے بائیں جانب ایک راستہ ظاہر ہوا، میں نے اس پر چلنے کا ارادہ کیا تو اس مرد نے مجھ سے کہا: تم اس کے اہل نہیں ہو، اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے: اس وقت ایک راستہ میری دائیں جانب تھا تو مجھ سے کہا کہ اس راستہ پر چلو، پھر میرے سامنے ایک پہاڑ آیا تو مجھ سے کہا: اس پہاڑ پر چڑھو، پس جب میں نے اس پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو میں گر گیا حتیٰ کہ ایسا کئی بار ہوا۔ اور سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ وہ پھسلنے والا پہاڑ تھا، تو اس مرد نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا، اور اس پہاڑ کی چوٹی پر لوہے کا ایک ستون تھا اور اس میں ایک سونے کا دستہ تھا، اس آدمی نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اوپر لے گیا حتیٰ کہ میں نے اس دستہ کو پکڑ لیا تو اس نے مجھ سے کہا: اس کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر اس نے ستون کو اپنے پیر سے مارا تو وہ گر گیا اور میں نے دستہ کو پکڑا ہوا تھا۔

اور ابن عون کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ وہ باغ اسلام کا باغ ہے اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے، اور وہ دستہ مضبوط دستہ ہے جس کو پکڑنے والا اسلام پر قائم رہے گا حتیٰ کہ اس کی وفات ہو جائے۔ اور سنن نسائی میں خرشہ کی روایت ہے کہ میں نے اچھا خواب دیکھا اور اس راستہ سے مراد محشر ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ جو راستہ بائیں جانب ہے وہ اصحاب الشمال کا راستہ ہے اور جو راستہ دائیں جانب ہے وہ اصحاب الیمین کا راستہ ہے، اور سنن النسائی کی روایت میں ہے: ایک طریقہ اہلِ نار کا ہے اور ایک طریقہ اہلِ جنت کا ہے، اور وہ پہاڑ شہداء کا ٹھکانا ہے۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔ اور اس حدیث میں خواب کی تعبیر کا بیان ہے اور عمود کی تاویل ہے اور پہاڑ کی تاویل ہے اور سرسبز باغ کی تاویل ہے اور عروہ کی تاویل ہے، اور یہ سب امور نبوت کی خبروں سے متعلق ہیں۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی موت شہادت کی صورت میں نہیں ہوئی، وہ اپنے بستر پر فوت ہوئے، ان کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے شروع میں مدینہ میں ہوئی تھی۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو ان صحابہ نے اہلِ جنت سے اس لیے کہا کہ وہ اہلِ بدر سے تھے، لیکن حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اہلِ بدر سے بالکل نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۷۷۔۱۷۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اور ان کے جنتی ہونے کے متعلق حدیث

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر القرطبی التوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام بن الحارث الاسرائیلی ثم الانصاری، ان کی کنیت ابویوسف ہے، اور یہ یوسف بن یعقوب صلی اللہ علیہما وسلم کی اولاد میں سے ہیں اور یہ انصار کے حلیف تھے، زمانہ جاہلیت میں ان کا نام الحصین تھا، جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۴۳ھ میں ان کی مدینہ میں وفات ہوئی، یہ الاحبار میں سے ایک تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اس وقت یہ مسلمان ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں اہلِ مدینہ کی ایک جماعت میں سے باہر نکلا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں جب آپ مدینہ میں آئے، میں نے آپ کی طرف دیکھا اور آپ کے چہرہ میں غور کیا، پس مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے، اور میں نے آپ سے جو پہلی حدیث سنی وہ یہ تھی:

''اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ، اور کھانا کھلاؤ، اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو، اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے''۔ (سنن ترمذی: ۲۴۸۵، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۷۵، الترغیب ج ۱ ص ۴۲۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے لیے جنت کی بشارت دی۔

ابوادریس الخولانی نے الزید بن عمیرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''وہ جنت کے دس میں سے دسویں ہیں''۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۴۳، رقم الحدیث: ۲۲۱۰۴، مؤسسہ الرسالہ، بیروت ۱۴۲۱ھ، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۷۰، التاریخ الصغیر للبخاری ج ۱ ص ۷۳، ابن عساکر ج ۶ ص ۲۰۵، ج ۷ ص ۴۵۰)

شیخ شعیب الارنؤط نے اس حدیث کی تخریج میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی حسب ذیل محدثین نے روایت کی ہے:

(سنن ترمذی: ۳۸۰۴، السنن الکبریٰ للنسائی: ۸۲۵۳، اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۶۵، التاریخ الاوسط للبخاری ج ۱ ص ۹۸، صحیح ابن حبان ۷۱۶۵، المعجم الکبیر للطبرانی ۸۵۱۴، الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۳۵۲، مسند الشامیین للطبرانی: ۱۶۳۷)

ہم نے اس حدیث کو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے باب میں سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن الاسناد ہے، صحیح ہے۔

ابن وہب اور ابومسہر اور ایک جماعت نے امام مالک بن انس سے روایت کی ہے از ابی النضر از عامر بن سعد بن ابی وقاص از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ زمین پر چلتے ہوں، ان میں سے کسی کے متعلق میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں سنا کہ وہ اہلِ جنت میں سے ہے سوائے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے، اور یہ حدیث بھی ثابت صحیح ہے اور کسی کو بھی اس حدیث کی سند پر اعتراض نہیں ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۳ ص ۵۳۔ ۵۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی التوفی ۷۴۲ھ، لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن سلام بن الحارث الاسرائیلی ابویوسف حلیف الخزرج من الانصار، اس وقت اسلام لائے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ میں تشریف لائے، ان کا نام الحُصَین تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھ دیا اور ان کو جنت کی بشارت دی۔
یہ حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ بیت المقدس کی فتح کے بعد جابیہ میں داخل ہوئے اور یہ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں فوت ہوئے، اور ان سے صحاح ستہ کے تمام مؤلفین نے حدیث روایت کی ہے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱۰ ص ۲۰۵، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام لائے جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے، پہلے ان کا نام الحُصَین تھا، پھر نبی ﷺ نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور ان کو جنت کی بشارت دی۔ اور متعدد مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

ابو عروبہ نے ان کا شمار بدریین میں کیا ہے (یعنی بدری صحابہ میں)، اور وہ اس قول کے ساتھ منفرد ہیں۔ اور رہے امام ابن سعد تو انہوں نے ان کا ذکر ان صحابہ میں کیا ہے جو غزوۂ خندق میں اور اس کے بعد کے مشاہد میں حاضر تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن سلام بن الحارث الاسرائیلی الیوسفی ابو یوسف حلیف القواقل الخزرجی، یہ اس وقت اسلام لائے جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت المقدس کی فتح کے موقع پر حاضر ہوئے، ان سے پچیس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک حدیث پر امام بخاری اور امام مسلم متفق ہیں۔ امام بخاری ایک اور حدیث کے ساتھ منفرد ہیں، نبی ﷺ نے ان کو جنت کی بشارت دی، اس پر اتفاق ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۲ ص ۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ)

۲۰۔ بَابُ: كَشْفِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَنَامِ
خواب میں عورت کے منکشف ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد کے لیے خواب میں عورت کو منکشف کیا جائے بایں طور کہ اس کا چہرہ کھول کر دیکھ لے تا کہ وہ اس سے نکاح کرے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۱۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُرِيتُكِ فِي الْمَنَامِ مَرَّتَيْنِ إِذَا رَجُلٌ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَيَقُولُ هَذِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے)

امْرَأَتُكَ فَاكْشِفُهَا فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَأَقُولُ إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ۔

فرمایا: تم مجھے دو مرتبہ خواب میں دکھائی گئیں، جب ایک مرد تم کو (تمہاری تصویر کو) ریشم کے کپڑے میں اٹھائے ہوئے تھا، پس وہ کہہ رہا تھا: یہ آپ کی بیوی ہے، پس میں نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ تم تھیں، پس میں کہہ رہا تھا کہ اگر یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جاری کر دے۔

(صحیح البخاری: ۳۸۹۵، ۵۰۷۸، ۵۱۲۵، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲، صحیح مسلم: ۲۴۳۸، مسند احمد: ۲۴۴۵۰)

صحیح البخاری: ۷۰۱۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابق حدیث کے اس جملہ میں ہے ''پس آپ اسے کھول کر دیکھیں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید بن اسماعیل کا ذکر ہے، یہ الھباری القرشی الکوفی ہیں، ان کا نام اصل میں عبد اللہ ابو محمد ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابو اسامہ کا ذکر ہے، یہ حماد بن اسامہ اللیثی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، وہ ابن عروہ ہیں جو اپنے والد عروہ بن الزبیر سے از ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام بخاری نے کتاب النکاح میں بھی روایت کی ہے اور امام مسلم نے فضائل میں روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اُریتكِ'' (ہمزہ پر پیش ہے اور راء کے نیچے زیر ہے) اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خطاب ہے، یعنی تم مجھے دکھائی گئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مرتین'' اور صحیح مسلم میں مذکور ہے ''مرتین او ثلاثا'' دراصل یہ شک ہشام کی طرف سے ہے ورنہ دو مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دکھائی دینا محقق ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ایک مرد اٹھائے ہوئے تھا، دوسری روایت میں ہے کہ فرشتہ اٹھائے ہوئے تھا، ان دونوں روایتوں میں تطبیق

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذا رجل یحملك'' اور اس کے قریب والے باب میں مذکور ہے ''پس ایک فرشتہ تم کو اٹھائے ہوئے تھا'' اور دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ فرشتہ مرد کی شکل میں متشکل تھا اور اس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاذا ھی انتِ'' علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خواب میں اس طرح دیکھا جس طرح آپ ان کو بیداری میں دیکھتے ہیں، پس خواب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی مراد

تھیں نہ کہ کوئی اور۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یمضہ" یعنی اس خواب کو نافذ کر دے اور اس کو مکمل کر دے۔

علامہ عینی کا علامہ کرمانی کی شرح پر تعاقب

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خواب آپ نے نبوت سے پہلے دیکھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبوت کے بعد دیکھا ہو، جب آپ کو یہ علم ہو گیا تھا کہ آپ کا خواب وحی ہے، پس آپ نے اس خواب کو لفظِ شک کے ساتھ تعبیر کیا اور اس کا معنی یقین ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت اس طرح بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ایک لڑکی کو ریشم کے ایک ٹکڑے میں لایا گیا، پس میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو وہ تم تھیں۔ اور اس تصریح سے علامہ کرمانی کا ذکر کیا ہوا احتمال مندفع ہو جاتا ہے، یعنی یہ قطعی طور پر اعلانِ نبوت کے بعد کا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۴۔۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۱۔ بَابُ: ثِيَابِ الْحَرِيرِ فِي الْمَنَامِ ریشم کے کپڑے کو خواب میں دیکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ریشم کے کپڑے کو خواب میں دیکھنے کا بیان کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

عورت کو اور ریشم کو خواب میں دیکھنے کی تحقیق

عورت کو خواب میں دیکھنے کی کئی وجوہ ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ جس عورت کو خواب میں دیکھا وہ بیداری میں اس کی بیوی ہو گی اور اس صورت کے مشابہ ہو گی جو اس نے خواب میں دیکھی تھی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت دیکھی تو دنیا میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں۔

اور کبھی عورت کو خواب میں دیکھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ خواب دیکھنے والا فتنہ میں مبتلا ہو گا۔

اور کبھی عورت کو خواب میں دیکھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ خواب دیکھنے والے کو دنیا حاصل ہو گی اور دنیا میں عزت ملے گی اور رزق میں کشادگی ہو گی۔

علامہ ابن ابی طالب نے کہا ہے کہ خواب میں عورت کے اوپر ریشم کے کپڑے کو دیکھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ عورت اس کے نکاح میں آئے گی، اور عزت اور خوش حالی اور فربہی اور سونے کے زیورات پہننے پر دلالت کرتا ہے۔ اور لباس پہننے والے کے

جسم پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ لباس پہننے والے سے مقترن ہوتا ہے اور اس سے ناپسندیدہ چیزوں کو دور کرتا ہے، پس خاص طور پر لباس لوگوں کے مراتب اور ان کے احوال اور ان کے مذاہب اور ان کی اجناس پر دلالت کرتا ہے، پس ہر جنس جس طرح کا لباس پہنتی ہے خواہ وہ عرب ہوں، خواہ عجم ہوں، خواہ خوشحال ہوں، خواہ فقراء ہوں، اس کے حال کا لباس سے پتا چلتا ہے۔ اور مردوں کے لیے ریشم کے پہننے میں کوئی خیر نہیں ہے، اور ریشم مرتبہ اور سلطنت اور مال کی وسعت پر دلالت کرتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۵۴۔۵۵۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۱۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُرِيتُكِ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ مَرَّتَيْنِ رَأَيْتُ الْمَلَكَ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَقُلْتُ لَهُ اكْشِفْ فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَقُلْتُ إِنْ يَكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ ثُمَّ أُرِيتُكِ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ فَقُلْتُ اكْشِفْ فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ فَقُلْتُ إِنْ يَكُ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللهِ يُمْضِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو معاویہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: تم سے نکاح کرنے سے پہلے تم مجھے دو مرتبہ دکھائی دی گئیں، میں نے دیکھا کہ فرشتہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں اٹھائے ہوئے ہے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر کو)، پس میں نے اس فرشتہ سے کہا: اس کو کھولو، پس انہوں نے اس کو کھولا تو وہ تم تھیں، پس میں نے کہا: اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو مکمل کر دے گا، پھر تم مجھے دکھائی دیں کہ فرشتہ تم کو ریشم کے ایک کپڑے میں اٹھائے ہوئے ہے، میں نے کہا: اس کو کھولو، پس اس نے کھولا تو وہ تم تھیں، میں نے کہا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو اللہ اس کو مکمل کر دے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۸۹۵، ۵۰۷۸، ۵۱۲۵، ۷۰۱۱، ۷۰۱۲، صحیح مسلم: ۲۴۳۸، مسند احمد: ۲۴۴۵۰)

صحیح البخاری: ۷۰۱۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے باب میں ذکر کی گئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں، الکلاباذی نے کہا: یہ محمد بن سلام ہیں یا محمد بن المثنیٰ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک ابی معاویہ محمد بن حازم سے روایت کرتا ہے، اور السرخسی نے ابوذر کی روایت میں وثوق سے کہا ہے کہ یہ محمد بن العلاء ابو کریب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اکشف فکشف" اس سے پہلی روایت میں گزر گیا ہے کہ ریشم کے کپڑے کو کھولنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور یہاں پر مذکور ہے کہ فرشتہ نے ریشم کے کپڑے کو کھولا۔ اور اس میں تطبیق اس طرح ہے کہ آپ نے جو فرمایا: "اس کو کھولو" اس سے مراد ہے مجھے اسے کھولنے کا حکم دیا گیا ہے، یا ہر ایک نے اس کپڑے کو تھوڑا سا کھولا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کی طرف کھولنے کی نسبت اس حیثیت سے ہے کہ آپ نے کھولنے کا حکم دیا تھا اور فرشتہ کی طرف کھولنے کی نسبت اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے کھولا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۲۔ بَابُ: اَلْمَفَاتِیحِ فِی الْیَدِ — ہاتھ میں چابیوں کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں چابیوں کو دیکھنے کی کیا تعبیر ہے، اور تعبیر بیان کرنے والوں نے کہا ہے کہ چابی کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر مال، عزت، سلطنت، نیکی، علم اور حکمت ہے۔ پس جس شخص نے دیکھا کہ وہ چابی سے دروازہ کھول رہا ہے تو اس کی ضرورت اس سے پوری ہوگی جس کے ہاتھ سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ اور اگر اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں چابی ہے تو وہ عظیم سلطنت کو پائے گا، اور اگر وہ جنت کی چابی دیکھے تو وہ دین میں عظیم سلطنت کو پائے گا یا نیکی کے بہت اعمال کو پائے گا، یا حلال مال اور وراثت سے خزانہ کو پائے گا، اور اگر کعبہ کی چابی کو دیکھے تو اس کو سلطنت یا امامت حاصل ہوگی اور باقی چابیوں کو بھی اسی پر قیاس کرے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ خواب میں کسی دروازہ کو کھولے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی دعا قبول ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ وَبَلَغَنِي أَنَّ جَوَامِعَ الْكَلِمِ أَنَّ اللهَ يَجْمَعُ الْأُمُورَ الْكَثِيرَةَ الَّتِي كَانَتْ تُكْتَبُ فِي الْكُتُبِ قَبْلَهُ فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ وَالْأَمْرَيْنِ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عُقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے، اور رُعب سے میری مدد کی گئی ہے، اور جس وقت میں سویا ہوا تھا تو مجھے (خواب میں) روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور ان کو میرے ہاتھ میں رکھ دیا گیا۔

محمد نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جوامع الکلم کا معنی یہ ہے کہ وہ امورِ کثیرہ جو آپ سے پہلے (آسمانی) کتابوں میں لکھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ ان کو کسی ایک جملہ میں یا دو جملوں میں یا اس کی مثل میں جمع کر دے گا۔

(صحیح البخاری: ۲۹۷۷، ۶۹۹۸، ۷۰۱۳، ۷۲۷۳، صحیح مسلم: ۵۲۳، سنن نسائی: ۳۰۸۹، مسند احمد: ۷۵۵۷)

صحیح البخاری: ۷۰۱۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "مجھے روئے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں"۔

اس حدیث کے رجال کا عنقریب ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس تعلیق میں مذکور ہے "قال محمد" اور ایک روایت میں ہے "قال ابوعبداللہ" کہا گیا ہے کہ اس سے مراد امام بخاری ہیں، کیونکہ امام بخاری کا نام محمد ہے اور ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۳۔ بَابُ: التَّعْلِيقِ بِالْعُرْوَةِ وَالْحَلْقَةِ — خواب میں دستہ اور کنڈہ سے لٹکنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ دستہ یا کنڈہ کے ساتھ لٹکا ہوا ہے اس کی کیا تعبیر ہے، اہلِ تعبیر نے بیان کیا ہے کہ جو کنڈہ اور دستہ مجہول ہو وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو اس کے ساتھ لٹک جائے وہ اپنے دین میں قوی ہے اور مخلص ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۴۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ ح وَحَدَّثَنِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا مُعَاذٌ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ عُبَادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَأَيْتُ كَأَنِّي فِي رَوْضَةٍ وَوَسَطَ الرَّوْضَةِ عَمُودٌ فِي أَعْلَى الْعَمُودِ عُرْوَةٌ فَقِيلَ لِي ارْقَهْ قُلْتُ لَا أَسْتَطِيعُ فَأَتَانِي وَصِيفٌ فَرَفَعَ ثِيَابِي فَرَقِيتُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ازہر نے حدیث بیان کی از ابن عون، ح اور مجھے خلیفہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معاذ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عون نے حدیث بیان کی از محمد، انہوں نے کہا: ہمیں قیس بن عباد نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، وہ بیان

فَاسْتَمْسَكْتُ بِالْعُرْوَةِ فَانْتَبَهْتُ وَأَنَا مُسْتَمْسِكٌ بِهَا فَقَصَصْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ تِلْكَ الرَّوْضَةُ رَوْضَةُ الْإِسْلَامِ وَذٰلِكَ الْعَمُودُ عَمُودُ الْإِسْلَامِ وَتِلْكَ الْعُرْوَةُ عُرْوَةُ الْوُثْقٰى لَا تَزَالُ مُسْتَمْسِكًا بِالْإِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوتَ۔

کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا گویا کہ میں ایک باغ میں ہوں اور باغ کے درمیان میں ایک ستون ہے اور ستون کی بلندی کے اوپر ایک دستہ ہے، پس مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھو، میں نے کہا: میں نہیں چڑھ سکتا، تو میرے پاس ایک خادم آیا، اس نے میرے کپڑوں کو اٹھایا، پس میں چڑھا اور میں نے اس دستہ کو پکڑ لیا، پھر میں بیدار ہو گیا اور میں نے اس دستہ کو پکڑا ہوا تھا، پس میں نے یہ خواب نبی ﷺ کے سامنے بیان کیا، آپ نے فرمایا: یہ باغ اسلام کا باغ ہے، اور وہ ستون اسلام کا ستون ہے اور وہ دستہ عروۃ الوثقیٰ (یعنی مضبوط دستہ) ہے، تم ہمیشہ اسلام پر قائم رہو گے حتیٰ کہ فوت ہو جاؤ۔

(صحیح البخاری: ۳۸۱۳، ۷۰۱۰، ۷۰۱۴، صحیح مسلم: ۲۳۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۰، مسند احمد: ۲۳۲۷۵)

صحیح البخاری: ۷۰۱۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "پس میں نے دستہ کو پکڑ لیا" اور یہ وہی حدیث ہے جو ابھی گزری ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

امام بخاری نے اس حدیث کی یہاں پر دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، پہلی سند از عبداللہ بن محمد ہے جو المسندی کے نام سے معروف ہیں، اور اس سند میں از ہر کا ذکر ہے، یہ ابن سعد السمان البصری ہیں از عبداللہ بن عون از محمد بن سیرین از قیس بن عُباد۔
اور دوسری سند از خلیفہ ہے، یہ ابن خیاط ہیں۔ اور از معاذ بن معاذ، یہ تمیمی ہیں۔ از عبداللہ بن عون از محمد بن سیرین از قیس بن عُباد۔۔۔ الخ۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فانتبهت وانا مستمسك بها"، یعنی جب میں بیدار ہوا تو وہ دستہ میرے ہاتھ میں تھا۔
اگر یہ سوال کیا جائے کہ بیدار ہونے کے بعد وہ دستہ ان کے ہاتھ میں کیسے آیا؟
اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۴۔ بَابُ عَمُودِ الْفُسْطَاطِ تَحْتَ وِسَادَتِهِ خواب میں خیمہ کے ستون کو اپنے تکیہ کے نیچے دیکھنا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خواب میں خیمہ کے ستون کو اپنے تکیہ کے نیچے دیکھا، اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔

اس عنوان میں عمود کا لفظ ہے، اس کا معنی معروف ہے یعنی ستون، اس کی جمع اعمدۃ اور ''عُمُد'' ہے اور عمود اس کو کہتے ہیں جس لکڑی سے خیمہ کو بلند کیا جاتا ہے، اور عمود کا اطلاق ان پتھروں پر بھی کیا جاتا ہے جن سے گھروں کو بلند کیا جاتا ہے، اور اس کا اطلاق لوہے کے کھمبے پر بھی کیا جاتا ہے، ''عمود الصبح'' کا معنی ہے: صبح کی ابتدائی روشنی۔

اور اس عنوان میں ''الفُسطاط'' کا لفظ ہے، فاء پر پیش بھی ہے اور فاء کے نیچے زیر بھی ہے، اس کا معنی ہے: خیمہ عظیمہ۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے ''السُّرادِق'' یعنی شامیانہ، یا اوپر لٹکایا ہوا پردہ۔

اس عنوان میں مذکور ہے ''تحتَ وِسادتہ'' اور نسفی کی روایت میں ہے ''عِندَ وسادتہ'' اور وِسادۃ کے معنی تکیہ ہے، اس عنوان کے بعد امام بخاری نے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، اور اس کے بعد یہ باب ''الاستبرق و دخول الجنۃ فی المنام'' ہے یعنی ریشم اور خواب میں جنت میں داخل ہونا۔

اور رہے علامہ ابنِ بطال، تو انہوں نے ان دونوں عنوانوں کو ایک باب میں جمع کر دیا، انہوں نے کہا: ''باب عمود الفسطاط تحت وسادتہ و دخول الجنۃ فی المنام'' اور اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جو آئے گی۔

علامہ ابن بطال نے جو کہا کہ میں نے علامہ المہلب سے سوال کیا کہ امام بخاری نے کس طرح یہ عنوان قائم کیا اور اس عنوان کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی؟ تو علامہ المہلب نے کہا: شاید کہ امام بخاری نے یہ خیال کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث زیادہ کامل ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ ریشم کا ٹکڑا اس ستون کے اوپر شامیانے کی طرح تھا جو ستون زمین میں گاڑا ہوا تھا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس ستون کو اکھاڑا اور اس کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیا اور وہ اس ریشم کے ٹکڑے کے ساتھ اس کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور وہ ''استبرق'' یعنی دبیز ریشم کی مثل ہودج تھا اور جنت میں اڑ رہا تھا، اور جب کہ یہ حدیث امام بخاری کی سند کے ساتھ مروی نہیں تھی تو امام بخاری نے اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے، تا کہ یہ عنوان اس پر دلالت کرے کہ یہ بھی مروی ہے، یا ان کا ارادہ تھا کہ اس کی سند بیان کر کے اس حدیث کو اپنی احادیث کے ساتھ ملا دیں گے لیکن ان کو موت جلدی آ گئی اور وہ اپنی کتاب کی تہذیب نہیں کر سکے۔ واللہ اعلم (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۷۔ ۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: ''السرقۃ'' کا معنی ہے ''الکلۃ'' یعنی باریک پردہ، اور یہ عربوں کے نزدیک ہودج کی مثل ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں ستون ہونا ان کے اسلام پر ثابت قدم ہونے کی دلیل ہے، اور اور خیمہ کی رسی سے مراد

ہے دین اور شریعت کا علم جس کی وجہ سے مسلمان اس پر قادر ہوتا ہے کہ وہ جنت میں جہاں چاہے جائے، اور اس کو ریشم سے تعبیر کیا ہے، اس سے مراد دین کا شرف اور اس کا مرتبہ ہے، کیونکہ ریشم دنیا کے معزز ترین لباسوں میں سے ہے، اسی طرح علم دین بھی اشرف العلوم ہے، اور خواب میں جنت میں داخل ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بیداری میں بھی جنت میں داخل ہوگا، کیونکہ بعض خوابوں کی توجیہ اس سے ہوتی ہے کہ جس طرح خواب میں دیکھا ہے اسی طرح بیداری میں ہوگا، اور دخولِ جنت کی تعبیر بھی اسلام ہے جو کہ جنت کا سبب ہے، پس جو اسلام میں داخل ہوا وہ جنت میں داخل ہو گیا، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾ (الفجر: ۲۹-۳۰) پھر تو میرے نیک بندوں میں داخل ہو جاO اور میری جنت میں داخل ہو جاO

اور ریشم کا ہوا میں اڑنا اس قوت کے سبب سے ہے جو قوت اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل ہونے کی عطا فرمائی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عزت اور قوت دی کہ وہ جنت میں جہاں چاہتے اڑتے پھرتے تھے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت سے لٹکا ہوا ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: میں نے علامہ المہلب سے سوال کیا، میں نے کہا: امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ خیمہ کا ستون تکیہ کے نیچے ہے، اور حدیث میں نہ ستون کا ذکر ہے، نہ خیمہ کا اور نہ تکیہ کا، تو انہوں نے مجھ سے کہا: اس باب میں جو حدیث ہے کہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا ہے، میں اس ریشم کے ٹکڑے کے ساتھ جہاں بھی جنت میں جانا چاہوں وہ ریشم کا ٹکڑا میرے ساتھ اڑ کر آ جاتا ہے) وہ اس حدیث سے زیادہ کامل اور جامع ہے جو انہوں نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں ذکر کی ہے۔

اور اس حدیث میں یہ ہے کہ ''جو ستون زمین میں گاڑا ہوا تھا اس کے اوپر ریشم کا ٹکڑا تھا جو شامیانے کی مثل تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس ستون کو اکھاڑ کر اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیا اور وہ اس ریشم کو پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور وہ ریشم استبرق کے ہودج کی مثل تھا، پس وہ جنت میں جہاں جانے کی نیت کرتے تو وہ ریشم کا ٹکڑا ان کی طرف آ جاتا'' لیکن امام بخاری اس حدیث کی سند سے راضی نہیں ہوئے تو انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا اور اس کو بطور عنوان کے ذکر کر دیا۔

اور امام بخاری نے صحیح البخاری میں اس طرح کے کئی عنوان قائم کیے ہیں مثلاً انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ''باب اذا حرق المسلم هل يحرق؟'' (جب مشرک، مسلمان کو جلائے تو کیا مشرک کو بھی جلایا جائے گا؟) پھر اس باب کے تحت انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے العرنیین کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیریں، اور یہ ذکر نہیں کیا کہ عُرنیین نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں، اور انہوں نے یہ عنوان اس لیے قائم کیا تاکہ دلالت کرے کہ عُرنیین کے اس فعل کی بھی روایت کی گئی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۵۷-۵۵۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال کی شرح سے حافظ ابن حجر عسقلانی کا اختلاف

علامہ المہلب مالکی کے کلام کو اکثر شارحین نے نقل کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے، اور علامہ ابن بطال پر ذمہ داری ہے کہ اس کے اصل ماخذ کو بیان کرتے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اس باب میں داخل کرنا اس باب کے مطابق نہیں ہے بلکہ اس کا ایک باب مستقل ہے۔

اور معتمد یہ ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان کے ساتھ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو امام طبرانی اور امام حاکم وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے عمود الکتاب (دین کے ستون) کو دیکھا، جس کو میں نے اپنے سر کے نیچے سے اٹھایا، پھر میری نظر نے اس کا پیچھا کیا تو وہ ستون شام کی طرف چلا گیا، سنو! جب فتنے واقع ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا، اور دوسری روایت میں ہے کہ جب فتنے واقع ہوں گے تو شام میں امن ہوگا۔

اور امام طبرانی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن حوالہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شبِ معراج ایک سفید ستون دیکھا جیسے وہ ایک جھنڈا ہے جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، میں نے کہا: تم کیا اٹھائے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا: عمود الکتاب (یعنی دین کا ستون) ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس ستون کو شام میں رکھ دیں۔

یہ حدیث متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے اور اس کی بعض سندیں ضعیف بھی ہیں، پس شاید کہ امام بخاری نے اس باب کا عنوان لکھا اور حدیث کے لیے خالی جگہ چھوڑ دی تا کہ غور کر کے وہاں کوئی حدیث لکھیں، لیکن ان کو لکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اور انہوں نے خیمہ کے ستون کے ساتھ عنوان قائم کیا، اور علماء نے کہا ہے کہ جس نے خواب میں ستون کو دیکھا تو اس کی تعبیر دین ہے، اور انہوں نے کہا کہ عمود کی تفسیر دین اور غلبہ ہے اور خیمہ کی تفسیر میں کہا کہ جس نے یہ خواب میں دیکھا کہ اس نے خیمہ لگایا ہے تو اس کو عنقریب قدرت حاصل ہوگی یا وہ کسی بادشاہ سے مقابلہ کرے گا اور کامیاب ہوگا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۸۰۔۱۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابُ: الْإِسْتَبْرَقِ وَدُخُولِ الْجَنَّةِ فِي الْمَنَامِ

خواب میں دبیز ریشم کو دیکھنے اور جنت میں داخل ہونے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں خواب میں استبرق کو دیکھنے کا بیان ہے، استبرق کا لفظ اصل میں فارسی ہے اور اس کو عربی کا لفظ بنایا گیا ہے اور اس کا معنی ہے: دبیز ریشم۔ اور خواب میں ریشم کو دیکھنے کی تعبیر دین اور علم میں شرف اور عزت ہے، کیونکہ ریشم دنیا کے معزز ترین لباسوں میں سے ہے، اسی طرح دین کا علم اشرف العلوم ہے۔

اور اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے کہا ہے: خواب میں جنت میں داخل ہونے کا بیان، اور خواب میں جنت کو دیکھنا

اس پر دلالت کرتا ہے کہ خواب دیکھنے والا بیداری میں بھی جنت میں داخل ہوگا، اور اس کی تعبیر اسلام میں دخول کے ساتھ بھی کی جاتی ہے جو کہ جنت میں دخول کا سبب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۷۔۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۵۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ فِي يَدِي سَرَقَةً مِنْ حَرِيرٍ لَا أَهْوِي بِهَا إِلَى مَكَانٍ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا طَارَتْ بِي إِلَيْهِ۔

(صحیح مسلم: ۲۴۷۸، مسند احمد: ۴۴۸۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معلی بن اسد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ایک ٹکڑا تھا، میں اس ٹکڑے کو جہاں بھی لے جانے کا ارادہ کرتا وہ مجھے اڑا کر وہاں لے جاتا۔

۷۰۱۶۔ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ أَخَاكِ رَجُلٌ صَالِحٌ أَوْ قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۲، ۷۰۱۵، صحیح مسلم: ۲۴۷۸، مسند احمد: ۴۴۸۰)

پس میں نے اس خواب کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کیا، پس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: بے شک تمہارا بھائی نیک مرد ہے، یا فرمایا: بے شک عبد اللہ نیک مرد ہے۔

صحیح البخاری: ۷۰۱۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے جزو اول کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میرے ہاتھ میں ریشم کا ٹکڑا ہے"، اور جزو ثانی کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "میں اس ریشم کے ٹکڑے کے ساتھ جنت میں جس جگہ بھی جانے کا ارادہ کرتا تو وہ ٹکڑا مجھے وہاں اڑا کر لے جاتا"۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ عنوان کے جزو اول میں استبرق کا لفظ ہے، اور حدیث میں "سرقة من حرير" کا لفظ ہے، تو یہ مطابقت تو نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ استبرق کا ٹکڑا بھی ریشم کی ایک قسم ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں معلی بن اسد کا ذکر ہے، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں اور یہ ابن اسد العمی ہیں اور ان کی کنیت ابو الہیثم البصری ہے، یہ بہز بن اسد کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں وہیب کا ذکر ہے، یہ وہب کی تصغیر ہے، یہ ابن خالد البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ایوب کا ذکر ہے، وہ السختیانی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں نافع کا ذکر ہے جو اپنے مولیٰ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

یہ حدیث کتاب صلوٰۃ اللیل میں از ابی النعمان گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اھوی بھا" ھویٰ کے معنی ہیں "سقط" یعنی گر گیا۔ الاصمعی نے کہا ہے: جب تم کوئی چیز پھینکو تو کہتے ہو"اھویت بالشیء"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الا طارت بی الیہ" ریشم کے ٹکڑے کا اڑنا ایسی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے کہ وہ جنت میں جہاں چاہے جا سکتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "او قال ان عبد اللہ"۔ راوی کو شک ہے کہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے تمہارا بھائی فرمایا تھا یا عبد اللہ فرمایا تھا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عبد اللہ نیک جوان ہے، کاش! وہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۷۔۲۲۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابُ: الْقَيْدِ فِي الْمَنَامِ — خواب میں پاؤں کی بیڑیوں کو دیکھنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خواب میں بیڑیوں کو دیکھا، امام بخاری نے اس خواب کی تعبیر کو نہیں بیان کیا اور اس کی تعبیر کے لیے اس باب کی حدیث کو کافی قرار دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَبَّاحٍ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ سَمِعْتُ عَوْفًا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ تَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَكْذِبُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَقُولُ هٰذِهِ قَالَ وَكَانَ يُقَالُ الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ حَدِيثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيفُ الشَّيْطَانِ وَبُشْرٰى مِنَ اللهِ فَمَنْ رَأٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصُّهُ عَلٰى أَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِي النَّوْمِ وَكَانَ يُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ وَرَوٰى قَتَادَةُ وَيُونُسُ وَهِشَامٌ وَأَبُو هِلَالٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن صباح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے عوف سے سنا، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہوگا تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیسویں جزء سے ہے اور جو خواب نبوت کا جزء ہو، وہ جھوٹا نہیں ہوگا۔

محمد نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں، انہوں نے بیان کیا کہ کہا جاتا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: دل کے خیالات، شیطان کا ڈرانا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری، پس جس شخص نے کوئی ایسی چیز دیکھی جو اس کو ناپسند ہو تو اس کو کسی کے سامنے بیان نہ

ﷺ وَأَدْرَجَهُ بَعْضُهُمْ كُلَّهُ فِي الْحَدِيثِ وَحَدِيثُ عَوْفٍ أَبْيَنُ وَقَالَ يُونُسُ لَا أَحْسِبُهُ إِلَّا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْقَيْدِ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ لَا تَكُونُ الْأَغْلَالُ إِلَّا فِي الْأَعْنَاقِ۔

کرے اور اسے چاہیے کہ کھڑا ہو جائے اور نماز پڑھے، انہوں نے کہا کہ وہ خواب میں طوق دیکھنے کو ناپسند کرتے تھے اور خواب میں پیروں کی بیڑیوں کے دیکھنے کو پسند کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ پیروں کی بیڑیوں کی تعبیر دین میں ثابت قدم رہنا ہے۔
اور قتادہ اور یونس اور ہشام اور ابو ہلال نے از ابن سیرین از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ روایت کی ہے، اور بعض نے کُل کو حدیث میں داخل کر دیا اور عوف کی حدیث زیادہ واضح ہے اور یونس نے کہا: میں یہی گمان کرتا ہوں کہ نبی ﷺ سے بیڑیوں کے متعلق مروی ہے۔
اور امام ابو عبداللہ نے کہا کہ طوق صرف گلے میں ڈالے جاتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۲۶۳، سنن ترمذی: ۲۲۷۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۷، مسند احمد: ۱۰۲۱۲)

صحیح البخاری: ۷۰۱۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ ''وہ خواب میں پاؤں کی بیڑیوں کے دیکھنے کو پسند کرتے ہیں''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن الصباح، یہ العطار البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معتمر، یہ ابن سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عوف، یہ الاعرابی ہیں۔ امام بخاری اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''اذا اقترب الزمان لم تکد تکذب رؤیا المومن'' علامہ خطابی نے کہا: اس کی شرح میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے کہ جب رات کا زمانہ اور دن کا زمانہ برابر ہو جائے اور یہ عموماً فصل بہار کے ایام میں ہوتا ہے اور یہ وہ وقت ہے جب انسان کی طبائع اربعہ غالباً معتدل ہوتی ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ زمانہ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ کی مدت ختم ہو جائے گی جب قیامت کا وقت آ جائے گا۔
علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا کہ صحیح دوسرا معنی ہے۔ اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا کہ زمانہ کے قریب ہونے سے مراد ہے دنوں اور راتوں سے گھنٹوں کا کم ہونا، اور کم ہونے سے مراد ہے ان کا جلدی گزر جانا، اور یہ اس وقت ہوگا جب

قیامت کا قائم ہونا قریب ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ آخر زمانہ میں مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا، اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کا دیکھا ہوا خواب اسی طرح واقع ہو جائے گا جس طرح اس نے دیکھا تھا اور اس میں تعبیر کی ضرورت نہیں ہوگی، لہٰذا اس میں جھوٹ داخل نہیں ہوگا۔ اور اس زمانہ میں مومن کے خواب کے جھوٹا نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اس زمانہ میں مومن اجنبی ہوگا جیسا کہ حدیث میں امام مسلم نے روایت کی ہے ''بدء الاسلام غریبا وسیعود غریبا'' (اسلام ابتدا میں بھی اجنبی تھا اور آخر میں بھی اجنبی ہوگا)، پس اس وقت مومن کے ساتھ مانوس اور اس کے مددگار کم لوگ ہوں گے، پس سچے خوابوں کے ساتھ اس کی تکریم کی جائے گی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس زمانہ سے مراد حضرت المہدی کا زمانہ ہے، جب عدل پھیل جائے گا اور امن بہ کثرت ہوگا اور خیر اور رزق میں کشادگی ہوگی۔

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس آخر زمانہ سے مراد وہ زمانہ ہے جو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا زمانہ ہوگا، جب وہ دجال کو قتل کر چکے ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہوگا''۔ اس کی تشریح اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''قال محمد'' اس سے مراد محمد بن سیرین ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وانا اقول'' اس سے اس جملہ مذکورہ کی طرف اشارہ ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس سے مراد یہ مقالہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وانا اقول هذه'' اسی طرح اس حدیث کی تمام سندوں میں مذکور ہے۔

اور علامہ ابن بطال کی شرح میں مذکور ہے: اور میں کہتا ہوں کہ یہ امت، قاضی عیاض نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے اور کہا کہ محمد بن سیرین کو یہ خطرہ ہوا کہ کوئی شخص اس حدیث کی یہ تاویل کرے گا جس حدیث میں مذکور ہے ''سب سے سچا خواب اس شخص کا ہوگا جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہوگا'' یعنی جب زمانہ قریب ہو جائے گا تو صرف اسی شخص کا خواب سچا ہوگا جو نیک مرد ہوگا۔

اور میں کہتا ہوں کہ یہ امت، یعنی اس امت کے تمام افراد کا خواب صادق ہے خواہ وہ نیک ہوں اور خواہ بد ہوں، تاکہ ان کے خواب کا سچا ہونا ان کے لیے زجر و توبیخ کا سبب ہو جائے اور ان کے خلاف حجت ہو جائے، کیونکہ علماء کی موت اور برائیوں کے ظہور کی وجہ سے دین کی علامتیں مٹ چکی ہوں گی اور اس کے آثار بھی مٹ چکے ہوں گے۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ شرح اس پر موقوف ہے کہ اس تعلیق میں امت کے لفظ کا اضافہ ثابت ہو اور میں نے اس کو اصول کی کسی کتاب میں نہیں پایا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۸۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر کا ان الفاظ کو اصول میں نہ پانا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ کسی اور نے ان الفاظ کو اصول میں نہ پایا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے "وکان یقال الرؤیا ثلاث ۔۔ الخ" یعنی محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں۔ اور ابنِ سیرین نے یہ نہیں معین کیا کہ یہ بات کہنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ کہنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور بعض راویوں نے اس حدیث کو مرفوع بیان کیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور بعض نے اس کو موقوف بیان کیا ہے یعنی صحابہ کرام کا قول۔

خواب کی اقسام

اور امام احمد نے از ہوذہ بن خلیفہ از عوف بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب کی تین قسمیں ہیں، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ اور اس حدیث کی امام ترمذی اور امام نسائی نے از سعید بن ابی عروبہ از قتادہ از ابن سیرین از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک خواب برحق ہے، اور دوسرا خواب وہ ہے جو انسان کی اپنے دل سے کی ہوئی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے (ہم لوگ عموماً جو خواب دیکھتے ہیں وہ یہی خواب ہوتا ہے) اور تیسرا خواب وہ ہے جس میں شیطان ڈراتا ہے۔

اور امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے از عبدالوہاب الثقفی از ایوب از محمد بن سیرین روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: پس نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہے اور باقی حدیث اسی کی مثل ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حدیث النفس" یعنی ان میں سے خواب کی پہلی قسم حدیث النفس ہے، اور یہ وہ ہے کہ بیداری میں کسی شخص کے خیال میں جو چیزیں ہوتی ہیں وہ ان کے متعلق خواب دیکھتا ہے، (ہمارے خواب عموماً اسی قسم کے ہوتے ہیں)۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وتخویف الشیطان" اور خواب کی وہ قسم ہے جو ناپسندیدہ اور ڈراؤنے خواب ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبشریٰ" یعنی خواب کی تیسری قسم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے اور یہ پسندیدہ خواب ہے۔

اور امام ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک سے سند حسن کے ساتھ روایت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک ان میں سے وہ ہے جس میں انسان ابنِ آدم کو ڈراتا ہے تا کہ وہ غمگین ہو، اور دوسری قسم وہ ہے کہ انسان بیداری میں جو کچھ سوچتا ہے اس کو وہ خواب میں دیکھتا ہے۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ان قسموں میں خواب کی قسموں کا حصر نہیں ہے، کیونکہ چار اور قسمیں بھی ثابت ہیں، پہلی قسم وہ ہے جو حدیث النفس ہے اور یہ وہ ہے جس کا اس باب کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے، دوسری قسم ہے: شیطان کا انسان کے ساتھ کھیلنا۔ اور امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی آیا، اس نے کہا: یارسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا سر کاٹ دیا گیا ہے اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں، اور دوسری روایت میں ہے کہ میرا سر لڑھکتا ہوا جا رہا ہے اور میں اس کے پیچھے دوڑ رہا ہوں، آپ نے فرمایا: تم اس خواب کی کسی کو خبر نہ دینا، خواب میں شیطان تمہارے ساتھ کھیلتا ہے، اور مسلم

کی ایک اور روایت میں ہے: جب شیطان تم میں سے کسی ایک کے ساتھ خواب میں کھیلے تو اس کی لوگوں کو خبر نہ دے۔ اور خواب کی تیسری قسم وہ ہے جو انسان اپنی عادت اور معمول کے مطابق خواب میں کوئی کام دیکھتا ہے، مثلاً اس کی عادت ہے کہ وہ شام کے وقت کھانا کھاتا ہے، پس وہ کھانا کھا کے سوجاتا ہے، پس وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ کھانا کھا رہا ہے، یا وہ بہت زیادہ کھانا کھا کر یا پانی پی کر سو گیا اور اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ قے کر رہا ہے، اور اس خواب میں اور حدیث نفس میں عموم وخصوص کی نسبت ہے، چوتھی قسم ''اضغاث احلام'' ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''و کان یکرہ'' یعنی ابن سیرین نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خواب میں طوق دیکھنے کو ناپسند کرتے تھے، کیونکہ طوق اہلِ دوزخ کی صفات میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ یُسْحَبُوْنَ ۝ جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا O (المومن: ۷۱)

اور کبھی طوق کفر پر دلالت کرتا ہے، اور کبھی طوق ایذاء دینے والی عورت پر دلالت کرتا ہے۔ اور معبرین (اہل تعبیر) نے کہا ہے کہ اگر طوق کے ساتھ پیروں کی بیڑیاں بھی ہوں تو یہ زیادہ مکروہ خواب ہے، اور اگر ہاتھوں میں بیڑیاں ہوں یعنی ہتھکڑیاں تو یہ خواب اچھا ہے، کیونکہ اس کا مطلب ہے اس کے ہاتھ شر سے روک دیے گئے۔ اور کبھی خواب دیکھنے والے کی حالت کے اعتبار سے طوق بخل پر دلالت کرتا ہے اور اگر اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بخیل ہے، اگر اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کے پیروں میں بیڑیاں ہیں اور طوق ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ قید خانہ میں رہے گا اور مصائب میں گرفتار ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فی الدین'' حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب ابنِ سیرین کا کلام ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ پاؤں کی بیڑیوں سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ''آپ طوق کو ناپسند کرتے تھے'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوق کو ناپسند کرتے تھے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: علامہ کرمانی نے یہ تمام عبارت علامہ طیبی کے کلام سے لی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان یعجبھم'' یہ لفظ جمع کے ساتھ ہے یعنی صحابہ کو خواب میں بیڑیاں دیکھنا پسند تھا۔ اور ''یکرہ'' میں افراد کے ساتھ ہے، علامہ طیبی نے کہا ہے: جمع کی ضمیر اہلِ تعبیر کے لیے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وکان یقال القید ثبات فی الدین'' علامہ المہلب نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ قید یعنی پاؤں کی بیڑیوں کی تعبیر دین میں ثابت قدمی ہے۔ اور قتادہ اور یونس اور دوسروں سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ بیڑیاں انسان کو گناہوں سے روکتی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۳۰۔ ۲۳۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۱۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب میں بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کو دیکھنے کی مختلف تعبیریں

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا: ''پاؤں کی بیڑیوں کی تعبیر دین میں ثابت قدمی ہے''۔ اور قتادہ اور یونس وغیرہم نے کہا ہے کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ پاؤں کی بیڑیاں انسان کو گناہوں سے روکتی ہیں اور اس کو مقید کرتی ہیں۔

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ کبھی قید یعنی بیڑیوں کو خواب میں دیکھنے کی کئی تعبیریں ہوتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے پیروں میں بیڑیاں دیکھیں اور وہ کسی سفر کے اندر ہو تو وہ اس جگہ پر قیام کرے گا سوا اس کے کہ وہ خواب میں یہ دیکھے کہ وہ بیڑیاں اس سے کھول دی گئی ہیں۔ اسی طرح جس شخص نے خواب میں دیکھا کہ مسجد میں اس کے پیروں میں بیڑیاں ہیں، یا کسی اور ایسی جگہ جو خیر کی طرف منسوب ہو اس میں اس کے پیروں میں بیڑیاں ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ دین پر قائم رہے گا اور اپنے رب کی اطاعت پر لازم رہے گا اور اس کی عبادت کرتا رہے گا۔ پس اگر اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ بیمار ہے یا قید میں ہے یا مصیبت میں ہے اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اس حالت میں کافی عرصہ تک باقی رہے گا، اسی طرح اگر کسی دنیادار نے خواب میں اپنے پاؤں میں بیڑیاں دیکھیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ دنیاداری میں باقی رہے گا۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے کہ خواب میں طوق کو دیکھنا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ طوق اہلِ دوزخ کی صفت ہے، پس ارشاد فرمایا:

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ یُسْحَبُوْنَ ۟ (المومن: ۷۱)	جب ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کو زنجیروں کے ساتھ گھسیٹا جائے گا O

پس طوق کفر پر دلالت کرتا ہے اور کبھی طوق ایسی عورت پر دلالت کرتا ہے جو اپنے خاوند کو تنگ کرتی ہو، اور جب کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہیں تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے ہاتھ شر سے باز رہیں گے۔

زمانہ کے قریب ہونے کے معانی اور محامل

اس حدیث میں مذکور ہے ''جب زمانہ قریب ہوگا تو پھر مومن کا خواب تقریباً جھوٹا نہیں ہوگا''۔

اللہ ہی جانتا ہے: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب قیامت قریب آ جائے گی اور اکثر اہلِ علم وفات پا جائیں گے اور قتل و غارت اور فتنہ برپا ہونے کی وجہ سے دین کی علامتیں مٹ جائیں گی، پس اس وقت لوگ رسولوں کے انقطاع کے زمانہ میں ہوں گے اور ان کو کسی نصیحت کرنے والے کی اور دین کے احکام کی تجدید کرنے والے کی ضرورت ہوگی، جیسا کہ ہم سے پہلی امتیں تھیں۔ پس جب کہ ہمارے نبی سیدنا محمد علیہ السلام تمام رسولوں کے خاتم ہیں، اور آپ کے بعد کا زمانہ فترت کے زمانہ کے مشابہ ہے اور اب کوئی نبی نہیں آ سکتا، تو اس کے عوض میں اس امت کو سچے خواب دیے گئے جو کہ نبوت کا چھیالیسواں جزو ہیں، ان خوابوں میں بشارت بھی ہوتی ہے اور ڈرایا بھی جاتا ہے۔

علامہ ابوسلیمان الخطابی نے غریب الحدیث میں از ابوداؤد السجستانی لکھا ہے کہ وہ اس حدیث کی تاویل میں یہ کہتے تھے کہ جب

زمانہ قریب ہو جائے گا تو مومن کا خواب عنقریب جھوٹا نہیں ہوگا۔

علامہ خطابی نے کہا: زمانہ کے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ دن اور رات برابر ہوں گے۔ اور تعبیر بیان کرنے والے یہ زعم کرتے ہیں کہ تعبیر کے سچے ہونے کا وقت وہ ہے جب صبح کی روشنی دکھائی دیتی ہے اور جس وقت میں پھل پک جاتے ہیں اور یہ وہ دو وقت ہیں جن میں زمانہ قریب ہوتا ہے یعنی دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: پہلی تاویل صحیح ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا ہے، کیونکہ آپ سے یہ روایت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آخر زمانہ میں مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور جو شخص زیادہ سچ بولتا ہوگا اس کا خواب زیادہ سچا ہوگا''۔

ابن سیرین کے نزدیک خواب کا سچا ہونا صرف آخر زمانہ کے مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں

علامہ ابن بطال لکھتے ہیں: رہا ابن سیرین کا یہ کہنا کہ میں کہتا ہوں کہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے''۔ اس سے مراد یہ ہے کہ نیک مرد جو خواب دیکھتا ہے اس کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''نیک خواب جس کو نیک مرد دیکھتا ہے وہ نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے''۔

اور علامہ ابن بطال نے کہا کہ حدیث میں ہے: ''جب زمانہ قریب ہوگا تو مومن کا خواب تقریباً جھوٹا نہیں ہوگا''۔ تو ابن سیرین کو یہ خطرہ ہوا کہ اس خواب کی یہ تعبیر کی جائے گی کہ جب زمانہ قریب ہوگا تو صرف نیک مومن کا خواب ہی سچا ہوگا، تو انہوں نے کہا: میں یہ کہتا ہوں کہ یہ امت یعنی اس پوری امت کا خواب سچا ہوگا خواہ خواب دیکھنے والی امت صالحین میں سے ہوں یا فاجرین میں سے ہوں، کیونکہ ان کا سچا خواب ان کو برے کاموں سے زجر و توبیخ کرنے والا ہوگا اور ان پر حجت ہوگا، کیونکہ اس وقت دین کی علامتیں مٹ چکی ہوں گی اور علماء کے فوت ہونے کی وجہ سے نیکی کے آثار مٹ چکے ہوں گے اور برائیوں کا غلبہ ہوگا۔ واللہ اعلم

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶۰۔۵۶۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۱۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زمانہ کے قریب ہونے کے متعدد معانی اور محامل

شارح بخاری علامہ داؤدی المتوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے: زمانہ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ دنوں اور راتوں میں گھنٹے کم ہو جائیں گے اور کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ بہت جلدی گزر جائیں گے، اور ایسا قرب قیامت میں ہوگا، جیسا کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ زمانہ قریب ہو جائے گا حتیٰ کہ سال ایک مہینہ کی مثل ہوگا اور مہینہ ایک ہفتہ کی مثل ہوگا اور ایک ہفتہ ایک دن کی مثل ہوگا، اور دن ایک ساعت کی مثل ہوگا اور ساعت پلک جھپکنے کی مثل ہوگی۔

ایک قول یہ ہے کہ اس مذکور زمانہ سے مراد حضرت مہدی کا زمانہ ہے، جب وہ عدل کو پھیلا دیں گے اور امن بہ کثرت ہوگا اور

خیر کو اور رزق کو پھیلا دیں گے، پس یہ زمانہ اپنی لذت کی وجہ سے بہت جلدی گزر جائے گا اور حدیث میں جو ارشاد ہے کہ اس زمانہ میں مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ اس زمانہ میں سچے خوابوں کا غلبہ ہوگا، اگر چہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی خواب سچا نہ ہو، یہ علامہ الطیبی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ القرطبی نے المفہم میں کہا ہے کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ آخر زمانہ جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے، یہ زمانہ مسلمانوں کی اس جماعت کا ہے جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگی جب کہ حضرت عیسیٰ دجال کو قتل کر چکے ہوں گے، کیونکہ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ''پس اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا، وہ لوگوں میں سات سال رہیں گے اور اس وقت دو آدمیوں کے درمیان عداوت نہیں ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا، پھر روئے زمین میں سے جس شخص کے دل میں بھی ایک ذرہ کے برابر نیکی یا ایمان ہوگا تو وہ ہوا اس کو قبض کر لے گی۔ الحدیث''۔

نیک اور صادق مومن کے خواب کے جزو نبوت ہونے کی توجیہ

علامہ قرطبی نے کہا: پس اس زمانہ کے لوگ اس امت کے لوگوں میں سے صدرِ اول کے بعد سب لوگوں سے اچھے حال پر ہوں گے، اور ان کا کلام سب سے زیادہ سچا ہوگا، اور ان کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے آپ نے اس کے بعد فرمایا: ان میں زیادہ سچا خواب اس کا ہوگا جو زیادہ سچی باتیں کرتا ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زیادہ سچ بولنے کی وجہ سے ان کا دل روشن ہو جائے گا اور ان کا ادراک قوی ہو جائے گا، پھر ان کے ذہن میں صحیح معنی مرتسم ہوں گے، اسی طرح جس مسلمان کا غالب حال یہ ہوگا کہ وہ بیداری میں سچ بولتا ہوگا تو وہ نیند میں بھی سچے خواب دیکھے گا، اس کے برخلاف جھوٹا آدمی یا جو کبھی سچ بھی بولتا ہے اور اکثر جھوٹ بولتا ہے تو اس کا قلب فاسد ہوتا ہے اور اس کا قلب تاریک ہوتا ہے، سو وہ خلط ملط خواب اور ''اضغاث احلام'' دیکھتا ہے، اور کبھی نادر طور پر سچا مردوہ خواب دیکھتا ہے جو صحیح نہیں ہوتا اور کبھی جھوٹا آدمی وہ خواب دیکھتا ہے جو صحیح ہوتا ہے، لیکن اغلب اور اکثر وہی ہوتا ہے کہ جو زیادہ سچ بولتا ہے اس کا خواب زیادہ سچا ہوتا ہے، اور اس سے اس کی تائید ہوتی ہے جو گزر چکا ہے کہ مومن کا خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزو ہے بشرطیکہ وہ خواب کسی ایسے مسلمان کو دکھائی دے جو صادق ہو اور نیک ہو، اسی وجہ سے حدیث میں یہ قید ہے کہ مسلمان کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔ اس حدیث میں مسلمان پر اقتصار کیا ہے اور کافر کے خواب کو نکال دیا ہے اور مسلمان کو بھی نیک کے ساتھ مقید کیا ہے، سو جو نیک مسلمان ہوگا اور سچا ہوگا تو اس کا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے مناسب ہوگا، پس اس کی ایسی تکریم کی جائے گی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کی جاتی ہے یعنی کسی غیب پر مطلع کرنا ہے، تو مومن کو خواب میں غیب پر مطلع کیا جائے گا (نیک مسلمان کو خواب میں مستقبل میں پیش آنے والے واقعات اشارتاً دکھا دیے جاتے ہیں اور یہ غیب کی خبر کو متضمن ہے، اسی وجہ سے سچے مومن کے خواب کو نبوت کا جزو قرار دیا ہے اور رہے ہم عام لوگ تو ہمارے خواب عموماً حدیثِ نفس اور اضغاث احلام پر مشتمل ہوتے ہیں)، رہا کافر اور منافق اور جھوٹا شخص اور جو سچ بھی بولتا ہو اور جھوٹ بھی بولتا ہو، اگر ان کے خواب بعض اوقات سچے بھی ہو جائیں تب بھی وہ خواب نہ وحی سے مستفاد ہوتے ہیں اور نہ نبوت سے، اور نہ ان خوابوں میں غیب کی خبر کی طرف اشارہ ہوتا ہے، کیونکہ جو شخص کبھی کبھی سچ بولے تو اس کی خبر نبوت کا جزو نہیں ہوتی، کبھی کاہن بھی کلمہ حق کہتا ہے اور کبھی نجومی بھی حق بات کہتا ہے لیکن یہ بہت کم اور نادر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتح الباری ج ۸ ص ۱۸۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابُ: الْعَيْنِ الْجَارِيَةِ فِي الْمَنَامِ
خواب میں جاری چشمہ کو دیکھنے کی تعبیر

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں جاری چشمہ کو دیکھے تو اس کی کیا تعبیر ہے؟

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جاری چشمہ کی کئی وجوہ ہیں، اگر اس چشمہ کا پانی صاف ہو تو اس کی تعبیر نیک اعمال ہیں ورنہ نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ جاری چشمہ کی تعبیر ہے وہ عمل جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی زمین کو یا اس کی پیداوار کو وقف کردے، یا کسی زندہ یا مردہ کے ساتھ نیکی کرے، تیسرا قول یہ ہے کہ چشمہ کا پانی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور برکت ہے اور خیر ہے اور اس سے آرزو پوری ہوتی ہے، اگر وہ خواب دیکھنے والا مستور الحال ہو یعنی اس کی برائیاں ظاہر نہ ہوں اور اگر وہ بدکار ہو تو خواب میں جاری چشمہ دیکھنے سے تعبیر یہ ہے کہ اس پر کوئی مصیبت آئے گی اور اس کے گھر والے اس کے اوپر روئیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ (القمر:۱۲)

اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کردیئے، سو دونوں پانی اس چیز کیلئے جمع ہو گئے جو ان کے (عذاب) کے لیے مقدر کی گئی تھی O

پس زمین میں ان کے لیے چشموں کو جاری کرنا ان کے لیے فتنہ اور آزمائش تھا جس کی وجہ سے ان کی ہلاکت جاری ہو گئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ (الجن:۱۶۔۱۷)

اور اگر وہ راہِ راست پر رہتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے O تا کہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں، اور جو اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا تو وہ اس کو چڑھتے ہوئے سخت عذاب میں داخل کردے گا O

اور تعبیر بیان کرنے والا ان وجوہ میں سے اس وجہ کے مطابق خواب کی تعبیر بیان کرے جو دیکھنے والوں کے حال کے مناسب ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۴۹۔۵۵۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ، عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

۷۰۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أُمِّ الْعَلَاءِ وَهِيَ امْرَأَةٌ مِنْ نِسَائِهِمْ بَايَعَتْ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَتْ طَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُونٍ فِي السُّكْنَى حِينَ اقْتَرَعَتِ الْأَنْصَارُ عَلَى سُكْنَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبداللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از خارجہ بن زید بن ثابت از حضرت ام العلاء رضی اللہ عنہا، اور وہ ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی، وہ بیان کرتی ہیں

الْمُهَاجِرِينَ فَاشْتَكَى فَمَرَّضْنَاهُ حَتَّى تُوُفِّيَ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ فِي أَثْوَابِهِ فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللهُ قَالَ وَمَا يُدْرِيكِ قُلْتُ لَا أَدْرِي وَاللهِ قَالَ أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ مِنَ اللهِ وَاللهِ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللهِ مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ قَالَتْ أُمُّ الْعَلَاءِ فَوَاللهِ لَا أُزَكِّي أَحَدًا بَعْدَهُ قَالَتْ وَرَأَيْتُ لِعُثْمَانَ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِي فَجِئْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ ذَاكِ عَمَلُهُ يَجْرِي لَهُ۔

کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی رہائش کے لیے ہمارے نام قرعہ نکلا جب انصار نے مہاجرین کی رہائش کے لیے قرعہ اندازی کی تھی، پس حضرت عثمان بن مظعون بیمار ہو گئے، سو ہم نے ان کی تیمارداری کی حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر ہم نے ان کو ان کے کپڑوں میں لپیٹ کر کفن دیا، پس ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا: اے ابوالسائب! آپ پر اللہ کی رحمت ہو! آپ کے متعلق میری یہ شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت دی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کس نے بتایا؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتی اللہ کی قسم! آپ نے فرمایا: رہے وہ تو ان کے پاس یقینی بات آ چکی ہے اور بے شک میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھتا ہوں، اور اللہ کی قسم! میں از خود نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، حضرت ام العلاء نے کہا: پس اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے کسی کی ستائش نہیں کی، اور حضرت ام العلاء نے کہا: اور میں نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے لیے خواب میں ایک چشمہ دیکھا جو جاری تھا، پس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور میں نے اس خواب کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ ان کا عمل ہے جو جاری ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۴۳، ۲۶۸۷، ۳۹۲۹، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۱۸، مسند احمد: ۲۶۹۱۱)

صحیح البخاری: ۷۰۱۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ایک جاری چشمہ دیکھا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدان، یہ عبداللہ بن عثمان المروزی کا لقب ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ،

یہ عبداللہ بن المبارک المروزی ہیں۔

یہ حدیث عنقریب باب ''رویة النساء'' میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتیٰ توفی'' حضرت عثمان بن مظعون کی وفات شعبان ۳ ہجری میں ہوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذاك عمله یجری له'' یعنی یہ جاری چشمہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا وہ عمل ہے جس کا ثواب وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے جیسے صدقہ کرنا۔

علامہ مغلطائی صاحب التلویح المتوفی ۷۶۲ھ نے اپنی شرح التلویح میں اس کا انکار کیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا ان تین اعمال میں سے کوئی عمل ہو جن کا ثواب وفات کے بعد جاری رہتا ہے، اس حدیث کی امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے: صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے، یا نیک بیٹا جو اس کے لیے دعا کرے۔

(صحیح مسلم: ۱۶۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۰، سنن نسائی: ۳۶۵۱، سنن ترمذی: ۱۳۷۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲)

علامہ مغلطائی پر رد کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا نیک بیٹا تھا جو بدر میں حاضر ہوا اور بدر کے بعد کے غزوات میں بھی حاضر ہوا اور ان کا نام السائب ہے، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے، سو جو تین اعمال منقطع نہیں ہوتے اور وفات کے بعد ان کا اجر جاری رہتا ہے تو ان میں سے ایک عمل ان کے نیک بیٹے حضرت السائب رضی اللہ عنہ ہیں، نیز حضرت عثمان دولت مندوں میں سے تھے، پس یہ بعید نہیں ہے کہ انہوں نے صدقہ کیا ہو اور ان کی وفات کے بعد بھی اس کا اجر جاری رہا ہو، کیونکہ امام ابن سعد نے ابو بُردہ بن ابی موسیٰ سے مرسلاً روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی کے پاس گیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے پاس تھیں، تو ازواجِ مطہرات نے ان کو پریشان حال دیکھا، پس انہوں نے ان سے پوچھا: کیا وجہ ہے تم کیوں پریشان ہو؟ قریش میں تمہارے شوہر سے بڑھ کر تو کوئی غنی نہیں تھا، تو ان کی بیوی نے کہا: عثمان بن مظعون سے تو ہمیں کوئی حصہ نہیں ملا، وہ رات بھر قیام کرتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کی ازواج نے آپ سے اس بات کا ذکر کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملے، پس کہا: اے عثمان بن مظعون! کیا تمہارے لیے میری زندگی میں نمونہ نہیں ہے، انہوں نے کہا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں فداء ہوں کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: تم دن بھر روزے رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو، انہوں نے کہا: بے شک میں کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو، کیونکہ تمہاری دونوں آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہارے جسم کا حق ہے اور بے شک تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے، پس تم نماز پڑھو اور سو جاؤ اور روزہ رکھو اور افطار کرو، ابو بردہ نے کہا: پھر اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی ازواجِ مطہرات کے پاس آئیں اور ان کے لباس پر ایسی خوشبو تھی جیسے دلہن کے لباس پر ہوتی ہے، ازواجِ مطہرات نے ان سے کہا: یہ تبدیلی کیسے آئی؟ تو انہوں نے بیان کیا: جو لوگوں پر مصائب آئے تھے ہم پر بھی وہ مصائب آئے۔ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ج ۳ ص ۲۹۵، دار صادر، بیروت، ۱۳۸۸ھ)

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۲۔ ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۱۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے نیک اعمال کا سلسلہ جاری رہنے کے متعلق مزید شواہد

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اللہ کے دشمنوں سے جہاد کرنے کے لیے سرحدِ اسلام پر تیار رہتے تھے، اس وجہ سے بھی ان کے نیک اعمال کا سلسلہ جاری رہے گا، جیسا کہ سنن میں یہ حدیث ہے اور اس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن حبان نے اور حاکم نے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مرنے والے کا نیک عمل ختم ہو جاتا ہے سوا اس کے جو اللہ کی راہ میں سرحد پر پہرا دیتا ہے، اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔

(سنن ترمذی: ۱۶۲۱، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰، المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۷۹، مشکوٰۃ: ۳۸۲۳، کنز العمال: ۱۰۶۱۳، مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۷، سنن داری ج ۲ ص ۲۱۱، المستدرک ج ۲ ص ۷۹)

اور اس حدیث کا صحیح مسلم اور سنن نسائی اور مسند البزار میں ایک شاہد ہے:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سرحد پر ایک دن اور ایک رات اللہ کی راہ میں پہرا دینا ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کے قیام سے زیادہ افضل ہے، اور اگر وہ فوت ہو گیا تو اس کا وہ نیک عمل جاری رہے گا جو وہ کرتا تھا اور وہ قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم: ۱۹۱۳، الرقم المسلسل: ۴۸۳۱، سنن نسائی: ۳۱۶۷، مسند احمد: ٦٦٦٥)

اور اس حدیث کے مزید شواہد ہیں۔ پس حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حال کو بھی اسی پر محمول کرنا چاہیے اور اب یہ اشکال اصل سے زائل ہو جائے گا کہ علامہ مغلطائی نے کہا ہے: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا کوئی ایسا عمل نہیں تھا جس کا ثواب جاری رہتا، کیونکہ ان کے ایسے کثیر اعمال ہیں جن کی وجہ سے وفات کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ جاری ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۱۸۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸۔ بَابُ: نَزْعِ الْمَاءِ مِنَ الْبِئْرِ حَتّٰی یَرْوَی النَّاسُ

خواب میں یہ دیکھنا کہ کنویں سے پانی نکالتے رہنا حتیٰ کہ لوگ سیراب ہو جائیں

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا کہ وہ کنویں سے پانی نکال رہا ہے حتیٰ کہ اتنا پانی نکالا کہ جس سے لوگ سیراب ہو جائیں اس کے خواب کی تعبیر۔

رَوَاهُ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

اس حدیث کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

علامہ عینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کنویں سے پانی نکالا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۱۹۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما حَدَّثَهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَا أَنَا عَلَى بِئْرٍ أَنْزِعُ مِنْهَا إِذْ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ فَأَخَذَ أَبُو بَكْرٍ الدَّلْوَ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ فَغَفَرَ اللهُ لَهُ ثُمَّ أَخَذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ فَاسْتَحَالَتْ فِي يَدِهِ غَرْبًا فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَفْرِي فَرْيَهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یعقوب بن ابراہیم بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں صخر بن جویریہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کہ میں کنویں پر اس کنویں سے پانی نکال رہا تھا اس وقت میرے پاس ابوبکر آئے اور عمر آئے، پس ابوبکر نے ڈول پکڑا، پس ایک ڈول یا دو ڈول پانی نکالا اور ان کے پانی نکالنے میں کچھ کمزوری تھی، پس اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، پھر اس ڈول کو ابن الخطاب نے ابوبکر کے ہاتھ سے لے لیا، پھر حضرت عمر کے ہاتھ میں وہ ڈول بہت بڑا ڈول بن گیا، پس میں نے پانی کھینچنے میں عمر کی مثل کسی شخص کو غیر معمولی ماہر نہیں دیکھا، انہوں نے بہت پانی نکالا حتیٰ کہ لوگوں نے اونٹوں کو پلانے لیے پانی سے حوض بھر لیے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۳۳، ۷۰۲۰، ۴۹۸۰، صحیح مسلم: ۲۳۹۲، سنن ترمذی: ۲۲۸۹، مسند احمد: ۴۷۹۹)

صحیح البخاری: ۷۰۱۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے ''کنویں سے اتنا پانی کھینچنا کہ جس سے لوگ سیراب ہو جائیں'' اور حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یعقوب بن ابراہیم بن کثیر، یہ الدورقی ہیں۔اور اس حدیث کی سند میں شعیب بن حرب کا ذکر ہے، یہ المدائنی ہیں اور ان کی کنیت ابو صالح ہے، یہ اصل میں بغداد کے رہنے والے تھے، پھر مدائن میں رہنے لگے تو ان کو مدائنی کہا جانے لگا، پھر مکہ میں منتقل ہو گئے، پھر وہیں رہے حتیٰ کہ ان کی مکہ میں وفات ہوگئی اور صحیح البخاری میں ان کی صرف یہی ایک حدیث ہے۔اور اس حدیث کی سند میں صخر بن جویریہ کا ذکر ہے، یہ جاریۃ کی تصغیر ہے۔

یہ حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذنوبا'' اس کا معنی ہے: جو ڈول پانی سے بھرا ہوا ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''او ذنوبین'' یہ راوی کا شک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ثم اخذھا ابن الخطاب'' یعنی پھر اس ڈول کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے لے لیا۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے والی ہوئے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تصریح نہیں فرمائی تھی، لیکن حدیث میں متعدد اشارات ہیں جن سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تصریح معلوم ہوتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاستحالت فی یدہ غربا'' یعنی وہ ڈول، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں بہت بڑا ڈول بن گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''عبقریا'' اس کا معنی ہے: وہ شخص جو اپنے عمل میں کامل اور حاذق ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''یفری فریہ'' یعنی ایسا عجیب و غریب عمل کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''حتی ضرب الناس بعطن'' عطن کا معنی ہے: کنویں کے گرد وہ جگہ جو اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے بنائی جائے اور وہاں اونٹ بیٹھ کر پانی پئیں۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۳۔۲۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۱۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور مثال سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت اور اس کی کیفیت کا بیان

علامہ ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ امام ابو عبید اور علامہ ابن قتیبہ اور ایک جماعت نے اس حدیث کے الفاظ کی تفسیر کی ہے، اور ان میں سے کوئی بھی اس حدیث کا معنی بیان کرنے کے درپے نہیں ہوا، اور ہم نے جان لیا کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی مثال ہے اور مثال سے کسی چیز کے علم کو قریب کرنا اور اس کی وضاحت کرنا مراد ہوتی ہے، اور اس مثال کا فائدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اوپر فضیلت کو بیان کرنا ہے، کیونکہ اس حدیث میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی قوت کا بیان ہے جس میں ضعف تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث سے ان دونوں کی خلافت کو ثابت کرنے کا ارادہ فرمایا ہو، اور ان کی خلافت

کی مدت کی خبر دی ہو، اور ان کی خلافت کے احوال کی خبر دی ہو، پس مسلمانوں کے معاملات کو کنویں کے ساتھ تشبیہ دی، کیونکہ کنویں میں وہ پانی ہوتا ہے جس سے بندوں کی حیات ہوتی ہے اور شہر کی صلاح ہوتی ہے، اور مسلمانوں کے والی کو اس سے تشبیہ دی جو کنویں سے پانی نکال رہا ہے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ڈول یا دو ڈول نکالے اور ان کے پانی نکالنے میں ضعف تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت کے کم ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دو ڈول سے مراد ان کی خلافت کے دو سال ہیں اور کچھ مہینے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت مرتدین کے ساتھ جنگ کرنے میں اور دعوت و تبلیغ کی اصلاح میں گزر گئے اور ان کو اتنی فرصت نہیں ملی کہ وہ شہروں کو فتح کرتے اور مالِ غنیمت کو اکٹھا کرتے، اس وجہ سے ان کے کنویں سے پانی نکالنے میں ضعف تھا۔

اور رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تو ان کی خلافت کے ایام بہت طویل تھے اور ان کا دائرہ مملکت بہت وسیع تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر عراق کو اور عراق کے مضافات کو اور مصر کو اور شام کے اکثر شہروں کو فتح کیا اور آپ نے ان کے اموالِ غنیمت کو حاصل کیا اور مسلمانوں میں تقسیم کیا، پس مسلمانوں کا حال بہت اچھا ہو گیا اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت خیر کو پایا۔ واللہ اعلم

علامہ ابن بطال کہتے ہیں کہ علامہ طبری نے بھی اسی طرح لکھا ہے جس طرح علامہ خطابی نے لکھا ہے۔

اور علامہ خطابی نے کہا کہ عرب فخر اور غلبہ کو ظاہر کرنے کے لیے پانی پلانے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

عبقری کا معنی

الاصمعی نے کہا: میں نے ابوعمرو بن العلاء سے العبقری کے معنی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے کہ یہ اپنی قوم کا عبقری ہے اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوم کا سردار ہے اور اپنی قوم کا بڑا ہے اور اپنی قوم میں سب سے قوی ہے۔

امام ابوعبید نے کہا: اس کی اصل یہ ہے کہ یہ عبقر کی طرف نسبت ہے، اور یہ وہ زمین ہے جہاں پر جنات رہتے تھے، پس کسی بلند چیز کے لیے عبقر کی مثال ذکر کرتے ہیں۔

ابن درید نے کہا: جب عرب کسی چیز کو اچھا سمجھیں اور اس کی شدت پر تعجب کریں تو اس کو عبقر کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں "ظلم عبقری" یعنی بہت شدید اور فاحش ظلم، قرآن مجید میں ہے:

مُتَّكِـِٔينَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ (متقین) سبز قالینوں اور نفیس بستروں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے O (الرحمٰن: ۷۶)

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶۳۔ ۵۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۲۹۔ بَابُ: نَزْعِ الذَّنُوبِ وَالذَّنُوبَيْنِ مِنَ الْبِئْرِ بِضَعْفٍ — کنویں سے ایک ڈول یا دو ڈولوں کو کمزوری کے ساتھ نکالنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ پانی سے بھرے ہوئے ڈول کو کنویں سے ضعف اور کمزوری کے ساتھ نکالا جائے۔ (عمدۃ

القاری ج ۲۴ ص ۲۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۰۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رُؤْيَا النَّبِيِّ ﷺ فِي أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ النَّاسَ اجْتَمَعُوا فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ فَنَزَعَ ذَنُوبًا أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ قَامَ ابْنُ الْخَطَّابِ فَاسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَمَا رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَفْرِي فَرِيَّهُ حَتَّى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زہیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ بن عقبہ نے حدیث بیان کی از سالم از والد خود، وہ نبی ﷺ کے اس خواب کو بیان کرتے ہیں جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ لوگ جمع ہوئے، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ڈول یا دو ڈول نکالے اور ان کے نکالنے میں کمزوری تھی، اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، پس وہ بہت بڑا ڈول ہو گیا، پس میں نے پانی کھینچنے میں عمر کی مثل کسی شخص کو غیر معمولی ماہر نہیں دیکھا، انہوں نے بہت پانی نکالا حتیٰ کہ لوگوں نے اونٹوں کو پلانے کے لیے پانی سے حوض بھر لیے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۳۳، ۳۶۸۰، صحیح مسلم: ۲۳۹۲، سنن ترمذی: ۲۲۸۹، مسند احمد: ۴۷۹۹)

صحیح البخاری: ۷۰۲۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو بابِ سابق میں گزر چکی ہے سوا اس کے کہ یہاں اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن یونس، اور وہ احمد بن عبداللہ بن یوسف الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے زُہیر، یہ ابن معاویہ الجُعفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے از موسیٰ بن عقبہ۔۔۔۔۔۔ الخ

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۱۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي عَلَى قَلِيبٍ وَعَلَيْهَا دَلْوٌ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ أَخَذَهَا ابْنُ أَبِي قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنْهَا ذَنُوبًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عُقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید نے خبر دی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے

أَوْ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهُ ثُمَّ اسْتَحَالَتْ غَرْبًا فَأَخَذَهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ أَرَ عَبْقَرِيًّا مِنَ النَّاسِ يَنْزِعُ نَزْعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَتّٰى ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔

فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا، میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں کے پاس دیکھا، اور اس کنویں کے اوپر ایک ڈول تھا، میں نے اس کنویں سے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا پانی نکالا، پھر وہ ڈول ابن ابی قحافہ نے لے لیا اور انہوں نے اس سے ایک ڈول یا دو ڈول پانی نکالا، اور ان کے نکالنے میں کچھ کمزوری تھی، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، پھر وہ ڈول ایک بڑا ڈول بن گیا، پھر اس کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا، پس میں نے لوگوں میں سے کوئی ماہر شخص نہیں دیکھا جو عمر بن الخطاب کی طرح کنویں سے پانی نکال رہا ہو حتیٰ کہ لوگ اونٹوں کو سیراب کر کے انہیں بٹھانے کی جگہ لے گئے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۶۴، ۷۰۲۱، ۷۰۲۲، ۷۴۷۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۲، مسند احمد: ۵۸۹۰)

صحیح البخاری: ۷۰۲۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کی مثل ہے۔ امام بخاری نے اس کی روایت سعید بن عُفیر سے کی ہے از اللیث بن سعد از عُقیل بن خالد از محمد بن مُسلم بن شہاب الزہری از سعید بن المسیب۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی قلیب" اس کا معنی ہے: کنویں پر۔ جب کنواں کھودا جاتا ہے تو اس کی مٹی پلٹ دی جاتی ہے اور قلب کے معنی پلٹنا ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن ابی قحافہ" یہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں، اور ابو قحافہ کا نام عثمان ہے، اور عبداللہ بن عثمان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واللہ یغفر لہ" اس دعائیہ کلمہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوئی کمی نہیں ہے، اور نہ ان کے گناہ کی طرف اشارہ ہے، اور یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کا عرب لوگ اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فی نزعہ ضعف" اس حدیث سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافت کی کیفیت کے حال کو بیان کیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران لوگوں نے بہت نفع حاصل کیا ہے، کیونکہ ان کی خلافت کا زمانہ طویل تھا اور اسلام ان کے زمانہ خلافت میں بہت پھیلا اور فتوحات بہت زیادہ ہوئیں اور بہت شہر فتح ہوئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۰۔ بَابُ: الْاِسْتِرَاحَةِ فِی الْمَنَامِ
خواب میں آرام کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں خواب میں آرام کرنے کی کیفیت کا بیان ہے، اہلِ تعبیر نے بیان کیا ہے کہ اگر آرام کرنے والا اپنی پیٹھ پر چت لیٹا ہوا ہو تو اس کا معاملہ قوی ہوگا اور دنیا اس کے ماتحت ہوگی کیونکہ زمین زیادہ قوی ہے، اس کے برخلاف جو شخص اوندھا لیٹا ہوا ہو اس کے حال کا پتا نہیں چلتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۲۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رضی الله عنه يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ أَنِّي عَلَى حَوْضٍ أَسْقِي النَّاسَ فَأَتَانِي أَبُو بَكْرٍ فَأَخَذَ الدَّلْوَ مِنْ يَدِي لِيُرِيحَنِي فَنَزَعَ ذَنُوبَيْنِ وَفِي نَزْعِهِ ضَعْفٌ وَاللهُ يَغْفِرُ لَهُ فَأَتَى ابْنُ الْخَطَّابِ فَأَخَذَ مِنْهُ فَلَمْ يَزَلْ يَنْزِعُ حَتَّى تَوَلَّى النَّاسُ وَالْحَوْضُ يَتَفَجَّرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی از معمر از ہمام، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت میں لیٹا ہوا تھا تو میں نے دیکھا میں حوض پر لوگوں کو پانی پلا رہا ہوں، پس میرے پاس ابوبکر آئے اور انہوں نے ڈول کو میرے ہاتھ سے لیا تا کہ مجھے راحت پہنچائیں، پس انہوں نے دو ڈول پانی نکالا، اور ان کے پانی نکالنے میں کچھ ضعف تھا اور اللہ ان کی مغفرت فرمائے، پھر ابن الخطاب آئے، انہوں نے ان سے ڈول لے لیا، پس وہ پانی نکالتے رہے حتیٰ کہ لوگ چلے گئے اور حوض سے پانی ابل رہا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۶۴، ۷۰۲۱، ۷۰۲۲، ۷۴۷۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۲، مسند احمد: ۷۴۵۹)

صحیح البخاری: ۷۰۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "تا کہ وہ مجھے راحت پہنچائیں"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، یہ ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم بن نصر السعدی ہوں، کیونکہ یہ دونوں امام عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں۔ اور معمر ابن راشد ہیں۔ اور ہمّام، ابن منبہ

ہیں، اس حدیث کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "علی حوض" علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس سے پہلی روایت میں "علی بئر وعلیٰ قلیب" مذکور تھا، انہوں نے اس کا جواب دیا کہ اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ ایسا جواب ہے جس سے سوال کرنے والا خوش نہیں ہوگا۔ اصل جواب یہ ہے کہ کنویں سے بھی پانی نکال کر لوگوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور وہ خود بھی پیتے ہیں اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتے ہیں، اسی طرح حوض سے بھی پانی لے کر لوگوں کو پلایا جاتا ہے اور ان کے جانوروں کو پلایا جاتا ہے، تو اس تشبیہ کی وجہ سے اس حدیث میں کنویں کی جگہ حوض کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ تولی الناس" یعنی لوگ اعراض کر کے چلے گئے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۱۔ بَابُ: اَلْقَصْرِ فِی الْمَنَامِ — خواب میں محل دیکھنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں محل دیکھنے یا خواب میں محل میں داخل ہونے کی کیا تعبیر ہے؟

اہل تعبیر نے بیان کیا ہے کہ خواب میں محل دیکھنے کی تعبیر دین دار لوگوں کے لیے عمل صالح ہے اور غیر دین دار لوگوں کے لیے قید اور تنگی ہے، اور کبھی خواب میں محل دیکھنے کو نکاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ قُلْتُ لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ قَالُوا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَبَكَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ قَالَ أَعَلَيْكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ أَغَارُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عُفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عُقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا، پس وہاں ایک عورت محل کی ایک جانب وضو کر رہی تھی، میں نے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا محل ہے، پھر مجھے عمر کی غیرت یاد آئی، پس میں پیٹھ موڑ کر چلا گیا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رونے لگے، پھر کہا: آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہو جائیں یارسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں گا؟

(صحیح البخاری: ۳۲۴۲، ۳۶۸۰، ۵۲۲۷، ۷۰۲۳، ۷۰۲۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷، مسند احمد: ۸۲۶۵)

صحیح البخاری: ۷۰۲۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان ہے ''خواب میں محل کو دیکھنا'' اور حدیث میں اسی کا ذکر ہے۔

اس حدیث کے رجال کا عنقریب ذکر کیا گیا ہے اور یہ حدیث صفتِ جنت اور فضائل عمر رضی اللہ عنہ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''فاذا امراۃ تتوضا'' علامہ خطابی سے منقول ہے کہ یہ وُضو لغوی تھا شرعی نہیں تھا اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: جنت دارِ تکلیف نہیں ہے، پھر اس عورت کے وضو کرنے کی کیا توجیہ ہے؟ پھر یہ جواب دیا کہ اس عورت کا وضو کرنا بطورِ تکلیف نہیں تھا۔

اور علامہ القرطبی نے کہا ہے: وہ عورت اس لیے وضو کر رہی تھی کہ اس کا حُسن زیادہ ہو اور نور زیادہ ہو، اور یہ وُضو اس لیے نہیں کر رہی تھی کہ چہرہ سے میل کچیل اور گندگی اور نجاست زائل ہو، کیونکہ جنت گندگی، میل کچیل اور نجاست سے منزہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ وضو حقیقتاً ہو، اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ جنت اگرچہ دارِ تکلیف نہیں ہے مگر یہ وُضو کرنا بطورِ تکلیف نہیں تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محل کی جانب جو عورت وضو کر رہی تھی اس کا مصداق اور اس خواب کی تعبیر

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عورت حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا تھیں اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محل کی ایک جانب دیکھا اس وقت وہ زندہ تھیں، اور جمہور اہل تعبیر کے مطابق اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اہلِ جنت سے ہیں، کیونکہ جس کو کسی نے جنت میں داخل دیکھا تو وہ یقیناً جنت میں داخل ہوگا، تو جس کو سید الصادقین نے جنت میں داخل دیکھا تو وہ کیونکر جنت میں داخل نہیں ہوگا!

اور ان کا جنت میں وضو کرنا، اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بہت صاف ستھری خاتون تھیں اور پاکیزہ رہنے والی خاتون تھیں، رہا یہ کہ ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محل کی ایک جانب دیکھا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کو پائیں گی اور ایسا ہی ہوا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِقَصْرٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا فَقَالُوا لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَمَا مَنَعَنِي أَنْ أَدْخُلَهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ إِلَّا مَا أَعْلَمُ مِنْ غَيْرَتِكَ قَالَ وَعَلَيْكَ أَغَارُ يَا رَسُولَ اللهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن عمر نے حدیث بیان کی از محمد بن المنکدر از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا، پس اچانک میں سونے کے ایک محل کے پاس تھا، میں نے پوچھا: یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ قریش کے ایک مرد کا ہے، پس اے ابن الخطاب! مجھے اس محل میں داخل ہونے سے صرف اس چیز نے منع کیا کہ مجھے تمہاری غیرت کا علم تھا، انہوں نے کہا: اور کیا میں آپ پر غیرت کروں گا یا رسول اللہ!

(صحیح البخاری: ۳۶۷۹، ۵۲۲۶، ۷۰۲۴، صحیح مسلم: ۲۳۹۴، مسند احمد: ۱۴۵۸۴)

صحیح البخاری: ۷۰۲۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو بن علی، یہ ابن بحر بن کثیر ابو حفص الباہلی البصری الصیرفی ہیں اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معتمر بن سلیمان کا ذکر ہے، یہ ابن طرخان البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "الرجل من قریش" اس پر یہ اعتراض ہے کہ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرائن سے یا وحی سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۲۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے جنت کی بشارت

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس خواب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لیے جنت میں محل کی بشارت ہے، اور اس خواب کو بغیر کسی پہیلی کے اور بغیر کسی اشارہ کے دکھایا گیا ہے، اسی طرح جو عورت خواب میں دکھائی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت صاف ستھری اور روشن عورت ہے، کیونکہ جنت میں نماز کے لیے وضو نہیں ہوتا اور نہ عبادت کے لیے وضو ہوتا ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ ہر شخص پر اس اعتبار سے حکم لگایا جاتا ہے جو اس کی خلقت کی حیثیت سے معلوم ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محل میں داخل نہیں ہوئے جب آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت کو یاد کیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم تھا کہ وہ آپ پر غیرت نہیں کریں گے کیونکہ آپ تمام مومنین کے باپ ہیں، اور مومنین کے بیٹوں کو دنیا اور آخرت کی جو خیر حاصل ہوتی ہے تو وہ آپ کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور آپ کے ہاتھوں سے حاصل ہوتی ہے، لیکن آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ وہ کام کریں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ادب کے موافق ہو۔

امام ابن سیرین نے کہا ہے: جس شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں داخل ہوا ہے تو وہ ان شاء اللہ جنت میں داخل ہوگا، کیونکہ اس شخص نے جو نیکیاں پہلے بھیجی ہیں یہ ان کی وجہ سے بشارت ہے۔

خواب میں جنت کو دیکھنے کی متعدد تعبیریں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خواب میں جنت کو دیکھنے کی کئی تعبیریں ہیں، ایک تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص حج کرے گا اور کعبہ میں پہنچ جائے گا اور وہ حج اس کو جنت کی طرف لے جائے گا، اور اگر کافر خواب میں جنت کو دیکھے یا فاسق خواب میں جنت کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ کافر، کفر کو ترک کر کے اسلام قبول کر لے گا جو دخولِ جنت کا سبب ہے، اور فاسق خواب میں جنت کو دیکھے تو وہ اپنے فسق سے توبہ کر لے گا، اور اگر کوئی بیمار خواب میں جنت کو دیکھے تو وہ اسی بیماری میں فوت ہو جائے گا، کیونکہ جنت مومنین کا اجر ہے، اور اگر کوئی کنوارا خواب میں جنت کو دیکھے تو اس کا نکاح ہو جائے گا کیونکہ آخرت دار النکاح ہے اور دار الازواج ہے، اور اگر کوئی فقیر خواب میں جنت کو دیکھے تو وہ خوشحال ہو جائے گا، اور کبھی جنت میں دخول جمعہ اور جماعت کی طرف دوڑ کر جانے پر دلالت کرتا ہے اور دارِ علم پر اور ذکر کے حلقوں پر اور جہاد پر اور سرحد کی حفاظت کرنے پر اور ہر اس عبادت پر دلالت کرتا ہے جو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔

خواب میں وضو کرنے کی تعبیر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ وضو کر رہا ہے تو یہ سلطنت کی طرف وسیلہ ہے، اور جو شخص خوف زدہ ہو وہ اگر خواب میں وضو کرے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو خوف سے امان حاصل ہوگی اور بعض اوقات خواب میں وضو کرنا ثواب پر اور گناہوں کے مٹنے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ احادیث میں ہے کہ "جب کوئی شخص وضو کرتا ہے تو پانی کے قطروں کے ساتھ اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں"۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶۵-۵۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۳۲۔ بَابُ: الْوُضُوءِ فِي الْمَنَامِ
خواب میں وضو کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں وضو کرنے کی کیا تعبیر ہے، اہلِ تعبیر نے بیان کیا ہے کہ خواب میں وضو کرنا سلطان کی طرف یا کسی عمل کی طرف وسیلہ ہے، پس اگر خواب میں وضو پورا کرلے تو بیداری میں اس کی مراد حاصل ہو جائے گی، اور اگر پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے اس کا وضو کرنا مشکل ہو یا اس سے وضو کرلے جس سے وضو کر کے نماز جائز نہیں ہے تو پھر مراد حاصل نہیں ہوگی۔ اور خوف زدہ آدمی وضو کرے تو یا تو اس کو ثواب حاصل ہوگا یا اس کے گناہ مٹ جائیں گے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۷۔ ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۷۰۲۵۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي فِي الْجَنَّةِ فَإِذَا امْرَأَةٌ تَتَوَضَّأُ إِلَى جَانِبِ قَصْرٍ فَقُلْتُ لِمَنْ هَذَا الْقَصْرُ فَقَالُوا لِعُمَرَ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَهُ فَوَلَّيْتُ مُدْبِرًا فَبَكَى عُمَرُ وَقَالَ عَلَيْكَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ أَغَارُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سعید بن المسیب نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا: جس وقت کہ میں سویا ہوا تھا میں نے اپنے آپ کو جنت میں دیکھا، پس اس وقت ایک عورت ایک محل کی جانب وضو کر رہی تھی، میں نے پوچھا: یہ کس کا محل ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل ہے، پھر مجھے ان کی غیرت یاد آئی، پھر میں پیٹھ موڑ کر چل دیا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے اور کہا: آپ کے اوپر میں غیرت کروں گا یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۳۲۴۲، ۳۶۸۰، ۵۲۲۷، ۷۰۲۳، ۷۰۲۵، صحیح مسلم: ۲۳۹۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷، مسند احمد: ۸۲۶۵)

صحیح البخاری: ۷۰۲۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی شرح اس سے پہلے باب میں بیان کی جا چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

۳۳۔ بَابُ: الطَّوَافِ بِالْكَعْبَةِ فِي الْمَنَامِ

خواب میں کعبہ کا طواف کرنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے تو اس کی کیا تعبیر ہے۔

اہلِ تعبیر نے کہا ہے کہ طواف کرنا حج پر دلالت کرتا ہے اور نکاح کرنے پر دلالت کرتا ہے اور امام سے مطلب کے حصول پر دلالت کرتا ہے اور ماں باپ کی نیکی پر دلالت کرتا ہے، اور عالمِ دین کی خدمت پر دلالت کرتا ہے، اور امام کے حکم پر عمل کرنے پر دلالت کرتا ہے، اگر خواب دیکھنے والا رقیق القلب ہو تو وہ اس کے مالک کی خیر خواہی پر دلالت کرتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُنِي أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ بَيْنَ رَجُلَيْنِ يَنْطُفُ رَأْسُهُ مَاءً فَقُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ فَذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا هَذَا الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ وَابْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ مِنْ خُزَاعَةَ۔

(صحیح البخاری: ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۵۹۰۲، ۶۹۹۹، ۷۰۲۶، ۷۱۲۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میں نے اپنے آپ کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، پس اس وقت ایک گندمی رنگت والا مرد جس کے بال سیدھے تھے، وہ دو مردوں کے درمیان سہارا لیے ہوئے تھے اور ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا کہ یہ ابن مریم ہیں، پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک مرد سرخ رنگ کا تھا اور بھاری جسم والا تھا، اس کے سر کے بال گھونگھریالے تھے اور اس کی دائیں آنکھ کانی تھی، اور اس کی آنکھ گویا کہ ابھرا ہوا انگور تھی، میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو بتایا کہ یہ دجال ہے، لوگوں میں اس کے زیادہ مشابہ ابن قطن ہے، اور ابن قطن بنو المصطلق کا مرد تھا جو قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتا تھا۔

صحیح البخاری: ۷۰۲۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں۔ اور یہ حدیث باب "رؤیا اللیل" میں گزر چکی ہے، اور کتاب احادیث الانبیاء میں بھی باب "وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ (مریم:۱۶)" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ینطف" یعنی اس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: "النطف" کا معنی ہے: پانی گرانا، اور ان کے سر سے پانی کے قطرے اس لیے گر رہے تھے کہ اس رات بارش ہوئی تھی۔

اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے زم زم کے پانی سے غسل کیا ہو اور اس کی وجہ سے پانی کے قطرے گر رہے ہوں، یا اس سے مراد ان کی لطافت اور نظافت ہے، اور حقیقت میں پانی کا گرنا مراد نہیں ہے۔

علامہ ابوالقاسم الاندلسی نے کہا ہے: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس صورت کے مطابق صفت کی گئی ہے جس صورت پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا اور یہ خواب برحق ہے، کیونکہ شیطان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں ہیں اور زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہے وہ کرتا ہے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: کتاب الانبیاء کے باب مریم میں یہ گزرا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ کے گھونگھریالے بالوں والے تھے۔ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ طواف کا وقت نہیں تھا کوئی اور وقت تھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فذهبت التفت"۔

ابوالقاسم اندلسی نے کہا: دجال کا وصف بھی اس کی صورت کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور انہوں نے کہا: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دجال مکہ میں داخل ہوگا مدینہ میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ جو فرشتے مدینہ کے درجات پر ہیں وہ اس کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔

صاحب التوضیح نے کہا: علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: اس دلیل پر اعتراض ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: دجال مکہ میں اس وقت داخل نہیں ہوگا جب مکہ کی شان و شوکت کے ظہور کا وقت ہوگا، نیز وہ مستقبل میں نہیں داخل ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابن قطن" اس کا نام عبدالعزیٰ بن قطن بن عمرو بن حبیب بن سعید بن عائذ بن مالک بن خزیمہ

ہے، اور یہ المصطلق بن سعد ہے جو کعب اور عدی کا بھائی ہے، اور عمرو بن ربیعہ کی اولاد ہے۔ الزہری نے کہا: ابن قطن خزاعہ کا ایک مرد تھا جو زمانہ جاہلیت میں مر گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۸۔۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۲۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دجال کی مخصوص صفات بیان کرنے کی توجیہ اور دجال کی تکذیب پر دلیل

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی صفات بیان فرمائیں اور دجال کی صفات بیان فرمائیں، یہ وہ صفات ہیں جن صفات پر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا اور ان دونوں کی صفات اس لیے بیان فرمائیں کہ ان دونوں کا ظہور ایک زمانہ میں ہوگا، اور اس وجہ سے کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے، پس دجال کی ایسی صفات بیان کیں کہ دیکھنے والے کو کوئی اشتباہ نہیں ہوگا کہ یہ دجال ہے، اور ان میں سے ایک وصف یہ ہے کہ یہ کانا ہوگا، اور یہ شخص اپنے خدا ہونے کا مدعی ہوگا اور عقل والے اس کو جائز نہیں قرار دیں گے کہ جو شخص الوہیت کا اور قدرت کا مدعی ہو وہ کانا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر آفات اور حوادث کا آنا جائز نہیں ہے، اور اس پر آفت آئی کہ یہ کانا ہو گیا، پس یہ اس کی تکذیب پر دلیل ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۳۴۔ بَابٌ: إِذَا أَعْطَى فَضْلَهُ غَيْرَهُ فِي النَّوْمِ — خواب میں اپنا پس خوردہ دوسرے کو دینے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص خواب میں اپنا بچا ہوا دودھ دوسرے کو دے تو اس کی کیا تعبیر ہے؟

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ يَجْرِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلَهُ عُمَرَ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی کہ بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے پیا حتیٰ کہ میں نے دیکھا کہ دودھ سے سیری جاری ہو رہی ہے، پھر میں نے اپنا بچا ہوا دودھ عمر کو دے دیا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی

ہے؟ آپ نے فرمایا: علم۔

(صحیح البخاری: ۸۲، ۳۶۸۱، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۲۷، ۷۰۳۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۱، سنن ترمذی: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۵۵۲۹، سنن دارمی: ۲۱۵۴)

صحیح البخاری: ۷۰۲۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے، اور یہ حدیث اسی کتاب کے باب اللبن میں گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ

۳۵۔ بَابُ: الْأَمْنِ وَذَهَابِ الرَّوْعِ فِي الْمَنَامِ

خواب میں خوف کے دور ہونے اور حصولِ امن کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں کوئی شخص دیکھے کہ اس کا خوف دور ہو گیا ہے اور اس کو امن حاصل ہو گیا ہے تو اس کی کیا تعبیر ہے؟

اہلِ تعبیر نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ کسی چیز سے اس کا خوف دور ہو گیا ہے تو وہ اس چیز سے ڈرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۳۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۲۸۔ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ حَدَّثَنَا نَافِعٌ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ إِنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ كَانُوا يَرَوْنَ الرُّؤْيَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَيَقُصُّونَهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَيَقُولُ فِيهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَا شَاءَ اللهُ وَأَنَا غُلَامٌ حَدِيثُ السِّنِّ وَبَيْتِي الْمَسْجِدُ قَبْلَ أَنْ أَنْكِحَ فَقُلْتُ فِي نَفْسِي لَوْ كَانَ فِيكَ خَيْرٌ لَرَأَيْتَ مِثْلَ مَا يَرَى هَؤُلَاءِ فَلَمَّا اضْطَجَعْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ لِي خَيْرًا فَأَرِنِي رُؤْيَا فَبَيْنَمَا أَنَا كَذَلِكَ إِذْ جَاءَنِي مَلَكَانِ فِي يَدِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِقْمَعَةٌ مِنْ حَدِيدٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبید اللہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عفان بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں صخر بن جویریہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع نے حدیث بیان کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے چند اصحاب رسول اللہ ﷺ کے عہد میں خواب دیکھتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ کو وہ خواب بیان کرتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ اس خواب کی وہ تعبیر بیان فرماتے جو اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، اور میں کم عمر لڑکا تھا، اور نکاح سے پہلے میرا گھر مسجد تھی، میں نے اپنے دل میں کہا: اگر اس میں کوئی خیر ہو تو تم بھی ایسا خواب دیکھو گے جیسا یہ لوگ خواب دیکھتے ہیں، پس جب میں ایک رات لیٹا تو

يُقْبِلَانِ بِي إِلَى جَهَنَّمَ وَأَنَا بَيْنَهُمَا أَدْعُو اللهَ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ جَهَنَّمَ ثُمَّ أُرَانِي لَقِيَنِي مَلَكٌ فِي يَدِهِ مِقْمَعَةٌ مِنْ حَدِيدٍ فَقَالَ لَنْ تُرَاعَ نِعْمَ الرَّجُلُ أَنْتَ لَوْ كُنْتَ تُكْثِرُ الصَّلَاةَ فَانْطَلَقُوا بِي حَتَّى وَقَفُوا بِي عَلَى شَفِيرِ جَهَنَّمَ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ لَهُ قُرُونٌ كَقَرْنِ الْبِئْرِ بَيْنَ كُلِّ قَرْنَيْنِ مَلَكٌ بِيَدِهِ مِقْمَعَةٌ مِنْ حَدِيدٍ وَأَرَى فِيهَا رِجَالًا مُعَلَّقِينَ بِالسَّلَاسِلِ رُءُوسُهُمْ أَسْفَلَهُمْ عَرَفْتُ فِيهَا رِجَالًا مِنْ قُرَيْشٍ فَانْصَرَفُوا بِي عَنْ ذَاتِ الْيَمِينِ

میں نے دعا کی: اے اللہ! اگر تیرے علم میں میری کوئی خیر ہے تو مجھے بھی خواب دکھا، پس جب میں اسی حال میں تھا تو اچانک میرے پاس دو فرشتے آئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھوڑا تھا، وہ مجھے دوزخ کی طرف لے جا رہے تھے، میں ان دونوں کے درمیان اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا: اے اللہ! میں دوزخ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، پھر میں نے دیکھا کہ مجھ سے ایک فرشتہ ملا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا ہتھوڑا تھا، پس اس نے کہا: تم نہ ڈرو، تم نیک مرد ہو بشرطیکہ تم بہ کثرت نمازیں پڑھا کرو، پھر مجھے لے گئے حتیٰ کہ انہوں نے مجھے دوزخ کے کنارے پر ٹھہرا دیا اور دوزخ کے چاروں طرف اس طرح منڈیر تھی جس طرح کنویں کی منڈیر ہوتی ہے، اور اس کی منڈیر میں سینگ تھے جیسا کہ کنویں کی منڈیر میں دو جانبیں ہوتی ہیں اور ہر دو جانب کے درمیان ایک فرشتہ تھا، اس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک ہتھوڑا تھا، اور میں نے دیکھا کہ اس کنویں میں کچھ مرد تھے جو زنجیروں سے لٹکے ہوئے تھے اور ان کے سر ان کے نیچے تھے، میں نے پہچانا ان میں سے کچھ مرد قریش کے تھے، پھر فرشتے مجھے دائیں جانب لے گئے۔

(صحیح البخاری: ۴۴۰، ۱۱۲۱، ۱۱۵۶، ۳۷۳۸، ۳۷۴۰، ۷۰۱۵، ۷۰۲۸، ۷۰۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۸۲۱، سنن نسائی: ۷۲۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۹، مسند احمد: ۶۲۹۴)

۷۰۲۹۔ فَقَصَصْتُهَا عَلَى حَفْصَةَ فَقَصَّتْهَا حَفْصَةُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ نَافِعٌ فَلَمْ يَزَلْ بَعْدَ ذَلِكَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ۔

پس میں نے یہ خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بیان کیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک عبداللہ نیک مرد ہے، پس نافع نے کہا: اس کے بعد ہمیشہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہ کثرت نمازیں پڑھتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۲، ۱۱۵۷، ۳۷۳۹، ۳۷۴۱، ۷۰۱۶، ۷۰۲۹، ۷۰۳۱، صحیح مسلم: ۲۴۷۹، سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۹، مسند احمد: ۶۲۹۴، سنن دارمی: ۱۴۰۰)

صحیح البخاری: ۷۰۲۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "تم نہیں ڈرائے گئے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں عبید اللہ بن سعید کا ذکر ہے، یہ ابو قدامہ الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں عفان بن مسلم کا ذکر ہے، یہ الصفار البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں صخر کا ذکر ہے، ان کا بیان عنقریب ہو چکا ہے۔

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الصلوٰۃ میں از عبد اللہ بن محمد روایت کی ہے، اور صلوٰۃ اللیل میں از یحییٰ بن سلیمان روایت کی ہے اور اس کی شرح گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقول فیھا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کی تعبیر بیان فرماتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وبیتی المسجد" یعنی میں نکاح سے پہلے مسجد میں سویا کرتا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مقمعة" اس کی جمع مقامع ہے، علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ وہ لکڑی ہے جس سے ہاتھی کے سر پر ضرب لگائی جاتی ہے، اور دوسروں نے کہا: یہ لوہے کا چابک ہے جس کا سر ٹیڑھا ہوتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لہٗ قرون" یہ قرن کی جمع ہے، اس سے مراد کنویں کی وہ جانبیں ہیں جن کو پتھروں سے بنایا جاتا ہے اور ان کے اوپر ایک لکڑی لٹکا دی جاتی ہے اور عادت یہ ہے کہ ہر کنویں کی دو قرن یعنی دو جانبیں ہوتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "رؤوسھم اسفلھم" یعنی وہ الٹے لٹکے ہوئے تھے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۰۔۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۲۹، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی کئی طریقوں سے تفسیر کی گئی ہے:

حدیث مذکور سے مستنبط مسائل اور فوائد مثلاً سنتوں کے ترک پر عذاب کا جواز، دلیل سے کسی کے فرشتہ ہونے پر یقین کرنا، خواب میں بیان کردہ تعبیر کا بیداری میں معتبر ہونا اور خواب کی تعبیر کا انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مستفاد ہونا

(۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سنتوں کے ترک پر عذاب

دینا جائز ہے۔ اور اس حدیث میں فرشتہ کا یہ قول ہے کہ تم اچھے مرد ہو، اگر تم تہجد کی نماز پڑھ لو اور تفسیر کا یہ اضافہ حدیث کی تمام سندوں سے روایت کی تفسیر ہے۔

(۲) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دلیل سے کسی چیز پر حکم لگانا جائز ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس جو دو مرد آئے ان کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دلیل سے یہ معلوم کیا کہ وہ فرشتے ہیں، کیونکہ وہ دونوں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جہنم پر لے گئے اور وہاں جا کر ان کو نصیحت کی، اور شیطان کسی کو نصیحت نہیں کرتا اور نہ کسی کو خیر اور نیکی کی بات بتاتا ہے، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے وعظ اور نصیحت کرنے سے اور خیر اور نیکی کو یاد دلانے سے یہ استدلال کیا ہے کہ وہ فرشتے ہیں، فرشتوں نے کہا کہ تم دوزخ سے نہ ڈرو، اس سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ استدلال کیا کہ وہ دوزخی نہیں ہیں، کیونکہ جب دلیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں فرشتے ہیں تو فرشتوں کا کلام برحق ہوتا ہے۔

(۳) اس میں یہ دلیل ہے کہ خواب میں جس بات کی تفسیر کی جائے بیداری میں بھی وہی تفسیر ہوتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرشتوں کی تفسیر کے اوپر کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اصل تعبیر وہ ہوتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی طرف سے ہو، اسی وجہ سے صحابہ کرام یہ تمنا کرتے تھے کہ وہ کوئی خواب دیکھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر فرمائیں تو ان کے پاس آپ کی بیان کردہ تعبیر دلیل ہو جائے، اور یہی امام اشعری کا مذہب ہے کہ اصل تعبیر وہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کی طرف سے توقیفی ہو اور ان کی زبان سے صادر ہو۔ امام اشعری نے جو کہا وہ اگرچہ صحیح ہے لیکن یہ تمام لوگوں کے خوابوں کی تعبیر کے لیے عام نہیں ہے، پس جو شخص خواب کی تعبیر میں غیر معمولی علم رکھتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اچھی طرح غور و فکر کر کے خواب کی تعبیر معلوم کرے جب تک کہ اس خواب کی تعبیر کسی حدیث سے معلوم نہ ہو جائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۲۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مزید مسائل اور فوائد

(۱) علامہ ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترک سنن پر وعید کا وقوع جائز ہے اور ان پر عذاب دیا جانا بھی جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ شرط لگانی ضروری ہے کہ جو شخص سنتوں کے ترک پر مواظبت اور دوام کرے وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور جو سنتوں سے اعراض کرے وہ عذاب کا مستحق ہوگا، اور اگر کبھی کبھی کسی سنت کو ترک کیا ہے تو اس پر عذاب کی وعید نہیں ہوگی، کیونکہ وعید اور عذاب صرف حرام کے ارتکاب پر ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ سنت کو علی وجہ الاعراض ترک کیا جائے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں سونا جائز ہے، مصنف کے نزدیک مسجد میں سونے کی عادت بنا لینا مسجد کے آداب کے خلاف ہے، البتہ کوئی شخص مسافر ہو یا کوئی شخص محلہ کا رہنے والا ہو لیکن عارضی طور پر کسی وجہ سے اس کو مسجد میں سونا پڑے تو اس کے جواز کی گنجائش ہے جیسے شادی سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسجد میں سونا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر دوپہر کو مسجد میں جا کر سو گئے تھے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باری باری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خواب کو بیان کرنا جائز ہے۔
(۴) اس حدیث سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ادب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے از خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا خواب نہیں بیان کیا بلکہ انہوں نے یہ خواب اپنی بہن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا تا کہ وہ ان کی رہنمائی کریں کہ تہجد کی نماز پڑھنے میں فضیلت ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۶۔ بَابُ: الْأَخْذِ عَلَى الْيَمِينِ فِي النَّوْمِ — سوتے وقت دائیں پہلو پر لیٹنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں سوتے وقت دائیں پہلو پر لیٹنے کا بیان ہے اور خواب میں اپنے آپ کو دائیں کروٹ یا دائیں پہلو پر دیکھنا اس کی دلیل ہے کہ وہ اصحاب الیمین میں سے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا شَابًّا عَزَبًا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَكُنْتُ أَبِيتُ فِي الْمَسْجِدِ وَكَانَ مَنْ رَأَى مَنَامًا قَصَّهُ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ لِي عِنْدَكَ خَيْرٌ فَأَرِنِي مَنَامًا يُعَبِّرُهُ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَنِمْتُ فَرَأَيْتُ مَلَكَيْنِ أَتَيَانِي فَانْطَلَقَا بِي فَلَقِيَهُمَا مَلَكٌ آخَرُ فَقَالَ لِي لَنْ تُرَاعَ إِنَّكَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَانْطَلَقَا بِي إِلَى النَّارِ فَإِذَا هِيَ مَطْوِيَّةٌ كَطَيِّ الْبِئْرِ وَإِذَا فِيهَا نَاسٌ قَدْ عَرَفْتُ بَعْضَهُمْ فَأَخَذَا بِي ذَاتَ الْيَمِينِ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِحَفْصَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از سالم از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نوجوان کنوارا تھا اور میں مسجد میں سوتا تھا، اور جو شخص بھی کوئی خواب دیکھتا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کرتا، تو میں نے دل میں کہا: اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میری کوئی خیر ہے تو مجھے بھی خواب دکھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے تعبیر بیان فرمائیں، پس میں سو گیا تو میں نے دیکھا دو فرشتے میرے پاس آئے اور وہ مجھے لے گئے، پھر ان فرشتوں سے ایک تیسرا فرشتہ آ کر ملا اور اس نے مجھ سے کہا: تم نہ ڈرو، تم نیک مرد ہو، پس وہ دونوں مجھے دوزخ کی طرف لے گئے، پس دوزخ کی منڈیر کنویں کی منڈیر کی طرح بنی ہوئی تھی اور اس میں کچھ لوگ تھے جن میں سے بعض کو میں پہچانتا تھا، پس ان دونوں فرشتوں نے مجھے دائیں جانب سے پکڑا، پس جب میں صبح کو اٹھا تو میں نے یہ خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔

(صحیح البخاری: ۴۴۰، ۱۱۲۱، ۱۱۵۶، ۳۷۳۸، ۳۷۴۰، ۷۰۱۵، ۷۰۲۸، ۷۰۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۷۹، سنن ترمذی: ۳۳۲۱، سنن نسائی: ۷۲۲، سنن

ابن ماجہ: ۳۹۱۹، مسند احمد: ۶۲۹۴)

۷۰۳۱۔ فَزَعَمَتْ حَفْصَةُ أَنَّهَا قَصَّتْهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ عَبْدَ اللهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بَعْدَ ذَلِكَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ مِنَ اللَّيْلِ۔

پس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا: بے شک عبداللہ نیک مرد ہے، کاش کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھا کرے۔
اور الزہری نے کہا: اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو اٹھ کر بکثرت نماز پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۱۲۲، ۷۰۱۵، صحیح مسلم: ۲۴۷۸، مسند احمد: ۴۴۸۰)

صحیح البخاری: ۷۰۳۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "پس ان دونوں فرشتوں نے مجھے دائیں طرف سے پکڑا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبداللہ بن محمد، یہ المسندی کے نام سے معروف ہیں اور یہ حدیث ابھی باب سابق میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عزبا" اس کو الاعزب بھی کہا جاتا ہے، اس کا معنی ہے: جس کی بیوی نہ ہو اور جس کا گھر بار نہ ہو۔

حدیث مذکور سے مستنبط فوائد و مسائل

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کنوارا ہو، اس کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے جیسا کہ احکام المسجد میں اس کا عنوان بیان کیا گیا ہے۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باری باری خواب کو بیان کرنا جائز ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی نیک مرد کی خبر کو قبول کرنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۳۱، کی شرح از شیخ ابن عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسجد میں سونے کی تحقیق

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں سوتے تھے، اس سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب انسان کو

ضرورت ہو تو مسجد میں سونا جائز ہے، لیکن جب ضرورت نہ ہو تو پھر مسجد میں سونا نہیں چاہیے سوائے نادر صورتوں کے مثلاً کوئی مسلمان مسجد میں اعتکاف کرے تو اس کے لیے اب مسجد میں سونا جائز ہے، یا کوئی مسلمان کسی گاؤں یا بستی کے پاس سے گزرے اور وہاں ٹھہرے اور وہاں کوئی اس کے سونے کی جگہ نہ ہو تو وہ مسجد میں سو جائے، پس اگر کوئی شرعی ضرورت جیسے اعتکاف ہے وہ میسر نہ ہو یا کوئی عادی ضرورت جیسے کسی شخص کا کوئی گھر نہ ہو تو پھر اس کے لیے مسجد میں سونے کی گنجائش ہے۔

اور اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت بھی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی کوئی خواب دکھائے جس کی تعبیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کریں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کو ایک خواب دکھایا جس کی تعبیر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے دریافت کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں سے محبت کرنا اور ان سنتوں پر عمل کرنے کے لیے ان کو تلاش کرنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو تلاش کرنے پر تمام صحابہ سے زیادہ حریص تھے حتیٰ کہ وہ سفر میں بھی یہ معلوم کرتے کہ آپ نے کس جگہ قیام کیا ہے تا کہ وہ بھی اسی جگہ قیام کریں، اور کس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی ہے تا کہ اسی جگہ وہ نماز پڑھیں، اگرچہ دوسرے صحابہ اس چیز کو امرِ اتفاقی پر محمول کرتے تھے لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدتِ محبت کی وجہ سے سفر میں آپ کے احوال کو بھی تلاش کرتے تھے تا کہ آپ کے احوال اور افعال کے مطابق اپنے احوال اور افعال بنائیں۔

دوزخ کے مخلوق اور موجود ہونے پر دلیل

اس عجیب و غریب خواب میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان فرشتوں کو دیکھا اور دوزخ کو دیکھا اور دوزخ کے کنارے کھڑے ہوئے، اور دوزخ میں ان لوگوں کو دیکھا کہ جن کے سر الٹے تھے یعنی وہ الٹے لٹکے ہوئے تھے اور اس میں قریش کے ایسے لوگ تھے جن کو وہ پہچانتے تھے، اور یہ تمام چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دوزخ اب بھی موجود ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ (آل عمران: ۱۳۱) اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ۝

پس دوزخ اب بھی موجود ہے اور جو لوگ دوزخ میں تھے وہ بھی اب موجود ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن لحی الخزاعی کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا تھا، العیاذ باللہ۔ کیونکہ یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے عرب میں شرک کو داخل کیا، اور یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے اونٹنیوں کو بتوں کے نام پر چھوڑا۔ (صحیح البخاری: ۱۲۱۲، صحیح مسلم: ۹۰۱)

کثرت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو آدمی کثرت کے ساتھ نمازیں پڑھے، وہ تحسین اور ثناء کا مستحق ہے۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یارسول اللہ! میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا

ہوں تو آپ نے فرمایا: تم کثرتِ سجود سے اپنے نفس پر میری مدد کرو۔

(صحیح مسلم: ۴۸۹، سنن ابوداؤد: ۱۳۲۰، سنن ترمذی: ۳۴۰۴، سنن نسائی: ۱۱۳۴، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۷، مسند احمد: ۱۶۵۷۸)

پس نماز ایسا نیک کام ہے جس میں ہمیشہ خیر رکھی گئی ہے، پس انسان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ بہ کثرت نمازیں پڑھے، اور جب انسان کثرت کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادت ڈال لے گا تو نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جائے گی، لیکن ہم نماز سے حقیقی نماز مراد لیتے ہیں جو مسلمان اور اس کے رب کے درمیان وسیلہ ہے اور وہ ایسی نماز ہے کہ جب بندہ نماز پڑھے تو اس کا دل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو، صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، یا وہ اللہ اکبر کہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا اس کے ذہن میں تصور ہو اور جب قرآن کریم پڑھے تو وہ یہ غور کرے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے، اور جب وہ رکوع کرے تو یہ غور کرے کہ وہ اللہ عزوجل کے لیے خضوع کر رہا ہے، اور جب سجدہ کرے تو یہ سمجھے کہ اس نے اپنے جسم کے اعلیٰ ترین عضو کو قدموں کی جگہ ڈال دیا ہے، اور یہ محض اللہ عزوجل کی تواضع اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہے، اور جب وہ ان معانی پر غور کیے بغیر نماز پڑھے گا تو ایسا ہو گا جیسے وہ کوئی عادتاً کام کر رہا ہے نہ رکوع اور سجود کے وقت عاجزی کا تصور کرے گا اور نہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت یہ تصور کرے گا کہ وہ اللہ رب العالمین کا کلام پڑھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حقیقی نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۱۲۔ ۵۱۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

۳۷۔ بَابُ: اَلْقَدَحِ فِي النَّوْمِ — خواب میں پیالہ کو دیکھنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو خواب میں پیالہ دیا جائے تو اس کی کیا تعبیر ہے، اہل التعبیر نے کہا ہے: خواب میں پیالہ کی تعبیر عورت ہے یا مال ہے جو عورت کی جہت سے ملے اور شیشہ کا پیالہ پوشیدہ چیزوں کے ظہور پر دلالت کرتا ہے، اور سونے اور چاندی کا پیالہ عمدہ تعریف و تحسین پر دلالت کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنهما قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ مِنْهُ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ الْعِلْمَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از حمزہ بن عبداللہ از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس وقت میں سویا ہوا تھا تو میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، میں نے اس سے دودھ پیا، پھر میں نے اس سے بچا ہوا دودھ عمر بن الخطاب کو دے دیا، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی ہے؟ آپ نے

فرمایا: علم۔

(صحیح البخاری: ۸۲، ۳۶۸۱، ۷۰۰۶، ۷۰۰۷، ۷۰۲۷، ۷۰۳۲، صحیح مسلم: ۲۳۹۱، سنن ترمذی: ۲۲۸۴، مسند احمد: ۵۵۲۹، سنن دارمی: ۲۱۵۴)

صحیح البخاری: ۷۰۳۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے اور یہ حدیث عنقریب باب ''اذا اعطیٰ فضله غیرہ فی المنام'' میں گزر چکی ہے۔اور اس کی شرح بھی کی جا چکی ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۳۸۔ بَابٌ إِذَا طَارَ الشَّيْءُ فِي الْمَنَامِ کسی چیز کے خواب میں اڑنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب خواب میں دیکھنے والا یہ دیکھے کہ ایسی چیز اڑ رہی ہے جس کی عادت سے اڑنا نہیں ہے، امام بخاری نے اس عنوان کا جواب نہیں لکھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس خواب کی تعبیر جس طرح مناسب ہو کی جائے گی، اہلِ تعبیر نے کہا ہے: جب کسی شخص نے دیکھا کہ کوئی چیز آسمان کی طرف اڑ رہی ہے تو اس پر کوئی بیماری آئے گی، اور اگر وہ چیز آسمان میں غائب ہو گئی اور واپس لوٹ کر نہیں آئی تو وہ مر جائے گا، اور اگر وہ چیز واپس لوٹ کر آ گئی تو وہ اپنی بیماری سے شفاء پا جائے گا، اور اگر اس نے کسی چیز کو چوڑائی کی جانب اڑتے ہوئے دیکھا تو وہ سفر کرے گا اور جس قدر بلندی میں وہ چیز اڑتی رہے گی اتنی اس کو بلندی حاصل ہو گی۔اور اگر وہ چیز پروں کے ساتھ اڑتی ہے تو اس کو مال ملے گا یا سلطنت ملے گی، اور اگر بغیر پروں کے اڑتی ہے تو وہ جو کام کرے گا اس میں اس کو دھوکا پیش آئے گا۔(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۳۔ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْجَرْمِيُّ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عُبَيْدَةَ بْنِ نَشِيطٍ قَالَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنْ رُؤْيَا رَسُولِ اللهِ ﷺ الَّتِي ذَكَرَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے سعید بن محمد ابو عبداللہ الجرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن عبیدہ بن نشیط، انہوں نے بیان کیا کہ عبید اللہ بن عبداللہ نے کہا: میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کے اس خواب کے متعلق دریافت کیا جس کا آپ نے ذکر کیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۲۰، ۴۳۷۳، ۴۳۷۸، ۷۰۳۴، ۷۴۶۱، صحیح مسلم: ۲۲۷۳)

۷۰۳۴۔ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ ذُكِرَ لِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ أَنَّهُ وُضِعَ فِي يَدَيَّ

پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مجھ سے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت میں سویا ہوا تھا تو

سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَفُظِعْتُهُمَا وَكَرِهْتُهُمَا فَأُذِنَ لِي فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ فَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ أَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ الَّذِي قَتَلَهُ فَيْرُوزُ بِالْيَمَنِ وَالْآخَرُ مُسَيْلِمَةُ۔

میں نے دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے، پس میں ان دونوں سے گھبرایا اور میں نے ان دونوں کو ناپسند کیا، پس اس وقت مجھے اجازت دی گئی تو میں نے ان دونوں کو پھونک ماری، سووہ دونوں کنگن اڑ گئے، پس میں نے ان کنگنوں کی تعبیر یہ لی کہ دو کذاب نکلیں گے، حضرت عبیداللہ نے کہا: ایک ان میں العنسی تھا جس کو فیروز نے یمن میں قتل کر دیا اور دوسرا مسیلمہ تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۲۱، ۴۳۷۴، ۴۳۷۵، ۴۳۷۹، ۷۰۳۴، ۷۰۳۷، صحیح مسلم: ۲۲۷۴، سنن ترمذی: ۲۲۹۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۲۷۴۶۹)

صحیح البخاری: ۷۰۳۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے ''پس میں نے ان دونوں کنگنوں پر پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے''۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں سعید بن محمد کا ذکر ہے، یہ الجرمی اور الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں یعقوب بن ابراہیم کا ذکر ہے، یہ اپنے باپ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کرتے ہیں، یہ بغداد میں قضاء پر مقرر تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں صالح کا ذکر ہے، یہ ابن کیسان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی عبیدہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن عبیدہ بن نشیط ہے، یہ عظیم کے وزن پر ہے۔ اور الکشمیهنی کی روایت میں ہے از ابی عبیدہ کنیت کے ساتھ، اور صحیح ابن عبیدہ ہے۔ اور جو عبداللہ ہے جو موسیٰ بن عبیدہ کے بھائی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کی ولادت میں اسی (۸۰) سال کا عرصہ ہے۔ اور عبداللہ بڑے تھے ان کو الحرور یہ نے ۱۳۰ھ میں قدید میں قتل کر دیا تھا۔ اور ان دونوں کے متعلق ربذی القرشی العامری بھی کہا جاتا ہے، اور یہ یمن کی طرف منسوب ہے، امام بخاری کی اس عبداللہ سے اس حدیث کے علاوہ صحیح البخاری میں اور کوئی روایت نہیں ہے۔ اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔

یہ حدیث اس سند کے ساتھ مغازی کے اواخر میں العنسی کے قصہ میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی شرح ہو چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذُكِرَ لِي'' یہ مجہول کا صیغہ ہے، علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث کا کیا حکم ہے

کیونکہ اس میں ذکر کرنے والے کے نام کی تصریح نہیں کی گئی؟

تو میں کہوں گا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ ایک صحابی کی روایت ہے جو مجہول الاسم ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ تمام صحابہ عدول (نیک) ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سواران" یہ لفظ سوار کا تثنیہ ہے اور سوار کا معنی کنگن ہے، علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ لفظ اسواران ہے، التوضیح میں علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: یہاں پر "اسواران" بھی مذکور ہے جس میں واؤ کے بعد الف ہے، اور الف کے بغیر بھی اس کی روایت ہے اور اہلِ لغت کے نزدیک اس کا استعمال اکثر ہے، علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ یہ پھونکنے کے باب سے ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فوضع" یعنی آپ کے ہاتھ میں دو کنگن رکھ دیے، اسی طرح الشیخ ابوالحسن نے کہا ہے۔ اور دوسروں کے نزدیک اسواران ہے اور وہی صحیح ہے۔ صاحب التوضیح علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: اصول میں سواران ہے الف کے حذف کے ساتھ، اگر چہ علامہ ابن بطال نے اس کا الف کے اثبات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ امام ابوعبیدہ نے کہا ہے: یہ لفظ پیش اور زیر کے ساتھ ہے یعنی سُوار اور سِوار۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ففظعتهما" یعنی میں نے ان کے معاملہ کو بہت عظیم جانا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کذابین" علامہ المہلب نے کہا ہے: یعنی میں اس کی تعبیر دو جھوٹوں کے ساتھ کرتا ہوں، کیونکہ کذب کا معنی ہے: کسی چیز کی خبر دینا جو اس طرح نہ ہو، اور آپ کے ہاتھ میں کنگن اپنی وضع کے مطابق نہیں ہے کیونکہ کنگن مردوں کے زیورات میں سے نہیں ہے اور اس کا سونے کا کنگن ہونا یہ خبر دیتا ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جو آپ سے چلی جائے گی اور اس کے لیے بقاء نہیں ہے، اور اُڑنا اس سے عبارت ہے کہ اس کو ثبات نہیں ہے۔ اور "نفخ" یعنی پھونک مارنا اس طرف اشارہ ہے کہ اس کا زوال بغیر کسی مشقت سے سہولت کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے العنسی (عین پر زبر نون ساکن) اس کا نام اسود الصنعانی تھا اور اس کو "ذوالحمار" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس نے اپنے گدھے کو سکھایا تھا کہ جب وہ اس سے کہے سجدہ کر تو گدھا اپنا سر نیچے جھکا دیتا، اس کو فیروز الدیلمی نے قتل کر دیا تھا۔ اور دوسرا مسیلمہ بن حبیب الحنفی الیمانی تھا، اس کو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا جنہوں نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا اور اس پر مفصل گفتگو علامات نبوت کے باب میں ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۲۔ ۲۴۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۳۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کا بیان کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تعبیر دو جھوٹوں کے ساتھ کی

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: یہ خواب اپنے طریقہ پر نہیں ہے بلکہ یہ ضرب المثال کے طریقہ پر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعبیر دو جھوٹوں کے ساتھ لی، کیونکہ جھوٹ اسے کہتے ہیں کہ کسی چیز کی ایسی خبر دی جائے جس کے مطابق

وہ چیز نہ ہو، اور اس کو غیر محل میں رکھا گیا ہو، پس جب آپ نے دو کنگنوں کو اپنی کلائیوں میں دیکھا اور کلائیاں کنگن کے لیے موزوں نہیں ہیں کیونکہ کنگن مردوں کے زیورات میں سے نہیں ہیں تو نبی ﷺ نے جان لیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے ہاتھ پر اس شخص کا فیصلہ کرے گا جو ایسی چیز کا دعویٰ کرے گا جو اس کے لیے نہیں ہے، جیسا کہ دو کنگن آپ کے ہاتھوں میں رکھے گئے، اور یہ کنگن سونے کے تھے اور سونے کا استعمال دین میں ممنوع ہے، تو اس میں کئی وجوہ سے اس کے جھوٹ پر دلالت ہے:

(۱) کسی چیز کا غیر محل میں رکھنا، کیونکہ کنگنوں کا محل مرد کی کلائیاں نہیں ہیں۔

(۲) سونے کا مردوں کے لیے مستعمل ہونا، اور یہ ممنوع ہے۔ اور سونے کو عربی میں ذھب کہتے ہیں اور ذہب، ذہاب سے ماخوذ ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہ چیز ہے جو جانے والی ہے اور باقی نہیں رہے گی، پھر آپ کو یہ اجازت دی گئی کہ آپ پھونک مار کر ان کو اڑا دیں، اس کی یہ تعبیر ہے کہ یہ ان دونوں کا (اسود عنسی اور مسیلمہ کا) معاملہ باقی نہیں رہے گا۔ اور بے شک رسول اللہ ﷺ کا کلام وحی کے ساتھ ہے جو آپ پر اس وقت نازل ہوئی اور آپ نے ان دونوں کو زائل کر دیا۔

آسمان کی طرف اڑنے کی متعدد تعبیریں

علامہ کرمانی نے کہا: جس آدمی نے خواب میں دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان اڑ رہا ہے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جا رہا ہے تو اگر یہ خواب ''اضغاث احلام'' سے ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ تمنا کرے گا اور فکر کرے گا اور اپنی آرزوؤں میں دھوکا کھائے گا۔ اور اگر یہ خواب صحیح ہو اور وہ آسمان کی چوڑائی میں اڑ رہا ہو تو وہ بے شک دور دراز کا سفر کرے گا اور جتنی دور کا سفر کرے گا اتنا زیادہ بلند مرتبہ کو پائے گا، جتنا وہ اڑنے میں زمین سے بلند ہوگا۔ پس اگر وہ آسمان کی طرف سیدھا اڑا ہے اور ادھر ادھر نہیں مڑا تو اسے کوئی بیماری پیش آئے گی، اور اگر وہ آسمان تک پہنچ گیا تو وہ اپنی بیماری میں انتہاء کو پہنچ جائے گا اور اگر وہ آسمان میں غائب ہو گیا اور لوٹ کر نہیں آیا تو مر جائے گا، اور اگر وہ زمین کی طرف لوٹ آیا تو تندرست ہو جائے گا، اور علامہ ابن ابی طالب العابر نے کہا: اگر وہ پروں کے ساتھ اڑا ہے تو اس کو سفر در پیش ہوگا اور اگر بغیر پروں کے اڑا ہے تو جس کام میں وہ داخل ہوگا اس میں اس کو دھوکا پیش آئے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۳۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جھوٹے مدعی نبوت اسود عنسی کا قصہ

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ الاسود الکذاب بنو عنس سے تھا، اور اس کے ساتھ دو جن تھے ایک کو سحیق کہا جاتا تھا اور دوسرے کو ''شُقیق'' کہا جاتا تھا، اور یہ دونوں جن اسود عنسی کو لوگوں کے پیش آنے والے معاملات کی خبر دیتے تھے، اور نبی ﷺ کا صنعاء میں باذان نامی عامل تھا جو فوت ہو گیا تھا، پھر اسود عنسی کے جن نے آ کر اس کو اس کی خبر دی، پس وہ اپنی قوم کے ساتھ نکلا حتیٰ کہ صنعاء پر قابض ہو گیا اور باذان کی بیوی المرزبانۃ سے اس نے نکاح کر لیا، پھر فیروز اپنے ساتھیوں کے ساتھ رات کو

اسود کے اوپر داخل ہوا اور اس کی بیوی المرزبانہ نے اس کو خالص شراب پلائی تھی حتیٰ کہ وہ نشہ میں مدہوش تھا اور اس کے دروازہ پر ایک ہزار پہرہ دار تھے، پس فیروز اور اس کے ساتھیوں نے دیوار میں نقب لگائی حتیٰ کہ وہ اسود عنسی کے پاس داخل ہو گئے، پھر فیروز نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا سر کاٹ دیا، اور اس کی بیوی کو اور جو گھر کا ساز و سامان انہیں پسند آیا اسے لوٹ کر لے گئے اور انہوں نے مدینہ منورہ یہ خبر بھیج دی، یہ خبر اس وقت پہنچی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی، عروہ بیان کرتے ہیں کہ اسود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دن اور ایک رات پہلے مارا گیا، پس آپ کے پاس وحی آ گئی تھی تو آپ نے اپنے اصحاب کو اس کی موت کی خبر دے دی تھی، پھر یہ خبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۴۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۳۹۔ بَابٌ: إِذَا رَأَى بَقَرًا تُنْحَرُ — خواب میں گائے کو نحر (ذبح) کیے جانے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ گائے کو نحر (ذبح) کیا جا رہا ہے، تو اس کی کیا تعبیر ہے، سو اس کی تعبیر اس کے حال کے مناسب کی جائے گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ گائے کو نحر کیا جا رہا ہے تو آپ کے اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے صحابہ غزوۂ احد میں قتل کر دیے گئے۔

اور علامہ المہلب نے کہا ہے کہ آپ نے جو خواب میں دیکھا گائے ذبح کی گئی، یہ ضرب المثل کی طرح ہے، کیونکہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ گائے کو نحر (ذبح) کیا جا رہا ہے، پس گائے سے مراد آپ کے اصحاب ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تعبیر لی کہ اس جنگ میں آپ کے صحابہ کو شہید کر دیا جائے گا، اور جب کہ گائے کی طبیعت میں یہ ہے کہ وہ سینگ مار کر اپنا دفاع کرتی ہے جیسا کہ جنگ میں مجاہدین اپنا دفاع کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کو نحر کے ساتھ تشبیہ دی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرٌ فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ وَرَأَيْتُ فِيهَا بَقَرًا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَإِذَا هُمُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ أُحُدٍ وَإِذَا الْخَيْرُ مَا جَاءَ اللّٰهُ مِنَ الْخَيْرِ وَثَوَابِ الصِّدْقِ الَّذِي آتَانَا اللّٰهُ بِهِ بَعْدَ يَوْمِ بَدْرٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید، از جد خود حضرت ابوبردہ رضی اللہ عنہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے اس زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجور کے درخت تھے، پس میرا خیال اس طرف گیا کہ یہ یمامہ کی زمین ہے یا ھجر کی زمین ہے، پس یہ مدینہ تھا یثرب، اور میں نے اس میں ایک گائے کو دیکھا، اور اللہ کی قسم! یہ خیر ہے، پس یہ مومنین تھے غزوہ احد کے دن، اور خیر وہ تھی جو اللہ تعالیٰ خیر کو لے

کرآیا اور اس صدق کے ثواب کو جواللہ تعالیٰ ہمارے پاس یوم بدر
کے بعد لایا۔

(صحیح البخاری: ۳۶۲۲، ۳۹۸۷، ۴۰۸۱، ۷۰۳۵، ۷۰۴۱، صحیح مسلم: ۲۲۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۱، سنن دارمی: ۲۱۵۸)

صحیح البخاری: ۷۰۳۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے ''میں نے خواب میں گائے کو دیکھا''۔
اگر تم یہ سوال کرو کہ باب کا عنوان ہے ''گائے کو نحر کیا جارہا تھا'' اور اس باب کی حدیث میں گائے کو نحر کرنے کا ذکر نہیں ہے۔
اس کا جواب یہ ہے کہ گویا کہ امام بخاری نے اس عنوان سے اس حدیث کی بعض سندوں کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور میں نے گائے کو نحر ہوتے ہوئے دیکھا۔ الحدیث،
الثوری نے کہا ہے: صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی حدیث پر یہ اضافہ خواب کی تعبیر کو مکمل کرتا ہے، پس گائے کو نحر کرنے کی تعبیر یہ ہے کہ ستر (۷۰) صحابہ کرام کو غزوۂ احد میں قتل کیا گیا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن العلاء، یہ امام بخاری کے شیخ ہیں جو ابوکُریب محمد بن علاء الہمدانی الکوفی ہیں، اور یہ امام مسلم کے بھی شیخ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ ابن عبداللہ ہیں جو اپنے دادا ابوبردہ سے روایت کرتے ہیں، ان کا نام الحارث ہے، دوسرا قول ہے کہ ان کا نام عامر ہے، وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام عبداللہ بن قیس ہے۔
یہ حدیث اس سند کے ساتھ مکمل علامات نبوت میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''أُراهُ'' یعنی میں گمان کرتا ہوں، ایک قول یہ ہے کہ اس لفظ کے قائل امام بخاری ہیں۔ علامہ کرمانی نے کہا: اس قول کے قائل وہ راوی ہیں جو حضرت ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''فذھب وھلی'' یعنی میرا وہم اس طرف گیا۔
علامہ ابن التین نے کہا ہے: ہم نے ''وھلی'' میں ھاء پر زبر کی روایت کی ہے اور اہل اللغۃ نے ھاء پر سکون کی روایت کی ہے، وھل تو اس وقت کہا جاتا ہے جب تمہارا وہم کسی معنی کی طرف جائے اور تم کسی اور معنی کا ارادہ کرتے ہو۔
علامہ نووی نے کہا ہے: اس کا معنی ہے وہم۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الیمامۃ'' یہ مکہ اور یمن کے درمیان شہر کا نام ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''او الھجر'' یہ یمن کے شہر کا نام ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''یثرب'' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ کا نام ہے، زمانہ جاہلیت میں اس کو یثرب کہتے تھے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''واللہ خیر'' یعنی جو غزوۂ بدر میں قتل ہو گئے ان کا قتل ہو جانا دنیا میں باقی رہنے سے بہتر تھا، یا اللہ تعالیٰ نے جو کام تمہارے لیے کیا ہے وہ بہتر ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''بعد بدر'' یعنی خیبر کی فتح اور پھر مکہ کی فتح، اُحد کے بعد یہ فتوحات حاصل ہوئیں۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خیر سے مراد مالِ غنیمت ہو جو بعد کی فتوحات میں حاصل ہوا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۴۔۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۳۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب میں گائے کو نحر ہوتے ہوئے دیکھنے کی متعدد تعبیریں

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس خواب کی دو تعبیریں ہیں، پس یہ خواب اس اعتبار سے ہے جس اعتبار سے یہ خواب دیکھا گیا ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایسی زمین کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں جہاں پر بہ کثرت کھجور کے درخت ہیں''، اور اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی جس میں بہ کثرت کھجور کے درخت تھے، پس آپ نے جس طرح خواب دیکھا تھا اسی طرح اس کی تعبیر واقع ہوئی۔
اس خواب کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ آپ نے خواب میں گائے کو نحر ہوتے ہوئے دیکھا، پس گائے سے مراد آپ کے اصحاب ہیں اور آپ کے اصحاب جو جہاد کے حال میں ہتھیار اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں اور ہتھیاروں سے اور نیزوں سے حملہ کرتے ہیں ان کو تشبیہ دی گئی ہے گائے کے سینگوں کے ساتھ، اور جب کہ گائے کی طبیعت یہ ہے کہ وہ اپنے دفاع میں سینگ مارتی ہے اور اپنے سینگوں سے حملہ کو روکتی ہے، اسی طرح مجاہدین بھی نیزوں سے حملوں کو روکتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کے نحر کیے جانے کو صحابہ کرام کے قتل کیے جانے سے تعبیر فرمایا۔

''واللہ خیر'' کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''واللہ خیر'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو اللہ کی راہ میں مقتول فی سبیل اللہ ہونے کا ثواب ہے وہ دنیا میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں مسلمانوں کے لیے جو کارروائی مقدر کی تھی کہ وہ قتل کر دیے گئے، یہ ان کے لیے بہتر ہے۔
علامہ ابن ابی طالب نے کہا ہے: گائے جب مدینہ میں داخل ہو تو اگر وہ موٹی تازی ہو تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ زرخیزی کا سال ہوگا، اور اگر وہ دبلی ہو تو وہ مصائب اور قحط کا سال ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷۰۔۵۷۱، دار الکتب

بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری: ۷۰۳۵ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

گائے کو خواب میں دیکھنے کی مزید تعبیریں

اہلِ تعبیر نے کہا ہے: اگر خواب میں ایک گائے کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو بیوی ملے گی اور خادم ملے گا اور زمین ملے گی، اور اگر خواب میں بیل کو دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ حملہ آور زمین پر آ کر حملہ کریں گے اور زمین کو الٹ پلٹ کر دیں گے جیسا کہ بیل زمین میں ہل چلاتا ہے تو زمین کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے۔

اور اگر خواب میں دیکھے کہ گائے کسی شہر میں پہنچ گئی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ کشتیوں کے ذریعہ اس شہر پر حملہ کر کے اسے فتح کیا جائے گا، اور اگر وہ زمین خشک ہے تو کوئی لشکر آ کر اس شہر پر حملہ کرے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۰- بَابُ: النَّفْخِ فِي الْمَنَامِ — خواب میں پھونک مارنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ خواب میں پھونک مارنے کی کیا تعبیر ہے، اہلِ تعبیر نے کہا ہے کہ پھونکنے سے کلام مراد لیا جاتا ہے، اور علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ پھونک مارنے کی تعبیر یہ ہے کہ جس چیز پر پھونک ماری ہے وہ بہت آسانی کے ساتھ زائل ہو جائے گی کیونکہ پھونک مارنا سہولت پر دلالت کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۶- حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ قَالَ هَذَا مَا حَدَّثَنَا بِهِ أَبُو هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن ابراہیم الحنظلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از ہمام بن منبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کی، آپ نے فرمایا: ہم آخر سابق ہیں۔

(صحیح البخاری: ۲۳۸، ۸۷۶، ۲۹۵۶، ۳۴۸۶، ۶۶۲۴، ۶۸۸۷، ۷۰۳۶، ۷۴۹۵، صحیح مسلم: ۸۵۵، سنن نسائی: ۱۳۶۷، مسند احمد: ۱۰۱۷۰)

۷۰۳۷- وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ إِذْ أُوتِيتُ خَزَائِنَ الْأَرْضِ فَوُضِعَ فِي يَدَيَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَيَّ وَأَهَمَّانِي فَأُوحِيَ إِلَيَّ أَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَأَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ اللَّذَيْنِ أَنَا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس وقت کہ میں سویا ہوا تھا اس وقت میرے پاس زمین کے خزانے لائے گئے، پس میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے جو مجھ پر دشوار ہوئے، اور انہوں نے مجھے غمزدہ کر دیا، پس میری طرف وحی کی گئی

بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ

کہ میں ان دونوں پر پھونک ماروں، پس میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے، پس میں نے ان دونوں کی تعبیر یہ لی کہ یہ وہ دو کذاب ہوں گے جن دونوں کے درمیان میں ہوں، ایک صاحب صنعاء ہے اور دوسرا صاحب الیمامہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۲۱، ۳۶۲۴، ۴۳۷۵، ۴۳۷۹، ۴۳۷۹، ۷۰۳۴، ۷۰۳۷، صحیح مسلم: ۲۲۷۴، سنن ترمذی: ۲۲۹۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۲، مسند احمد: ۲۷۴۶۹)

صحیح البخاری: ۷۰۳۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس میں پھونک مارنے کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسحاق بن ابراہیم، اور یہ ابن راہویہ کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں معمر کا ذکر ہے، یہ ابن راشد ہیں۔ اور ہمام کا ذکر ہے، یہ ابن منبہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فکبرا علی" پس وہ دونوں کنگن مجھ پر دشوار گزرے۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے: آپ نے ان کے معاملہ کو سنگین سمجھا، کیونکہ سونا عورتوں کے زیورات میں سے ہے اور وہ مردوں پر حرام ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واھمانی" یعنی ان دونوں کنگنوں نے مجھ کو غمزدہ کر دیا اور قلق میں ڈال دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الذین انا بینھما" یعنی جس وقت آپ نے یہ قصہ بیان فرمایا اس وقت وہ دونوں کذاب موجود تھے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہے کہ وہ دونوں میرے بعد نکلیں گے، اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ ان دونوں کے بعد میں نکلنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی شوکت اور ان کے ساتھ جنگ اور ان کے دعویٰ نبوت کا ظہور بعد میں ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ نووی نے جو لکھا ہے اس پر اعتراض ہے، کیونکہ یہ تمام چیزیں اسود کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صنعاء میں ظاہر ہوئیں، اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کی شوکت بڑھ گئی اور اس نے مسلمانوں سے جنگ کی، اور وہ شہر پر غالب آ گیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس کو قتل کر دیا گیا، اور رہا مسیلمہ تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نبوت کا دعویٰ کیا لیکن آپ کی

حیات میں اس کی شوکت نہیں بڑھی اور نہ اس سے جنگ ہوئی، اس سے جنگ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران ہوئی۔
تنبیہ: علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت نقل نہیں کی، ہم ان کی عبارت کا وہ حصہ نقل کر رہے ہیں جس کو علامہ عینی نے چھوڑ دیا ہے۔

اس پر یہ سوال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تو صرف اسود عنسی کو غلبہ حاصل ہوا تھا اور مسیلمہ کذاب کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد غلبہ حاصل ہوا۔ اور مسیلمہ نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، لیکن آپ کی حیات میں اس کی شوکت انتہا کو نہیں پہنچی اور نہ اس سے جنگ ہوئی مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

پس یا تو اس کو تغلیب پر محمول کیا جائے گا، یعنی اسود عنسی کے معاملہ کو مسیلمہ کذاب کے معاملہ پر غلبہ دے دیا، اور یا حدیث میں جو مذکور ہے "میرے بعد" اس سے مراد ہے میری نبوت کے بعد۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کنگنوں کے متعلق وحی سے تاویل لی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے پھونک مارنے سے شگون لیا ہو کہ یہ ایسے کمزور حریف ہیں کہ یہ تو ایک پھونک سے اڑ جائیں گے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی کا اعتراض خود اعتراض کا محل ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس صورت میں صادق ہے کہ مسیلمہ کذاب کا خروج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا۔ رہا حافظ ابن حجر عسقلانی کا اسود عنسی کے متعلق کلام، تو وہ اس حیثیت سے ہے کہ اسود عنسی کے اتباع اور پیروکار مسیلمہ کے تابع ہو گئے تھے اور انہوں نے مسیلمہ کی شوکت کو تقویت دی تھی، اس لیے اس پر یہ اطلاق کیا کہ ان کا خروج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۱۔ بَابٌ: إِذَا رَأَى أَنَّهُ أَخْرَجَ الشَّيْءَ مِنْ كُورَةٍ فَأَسْكَنَهُ مَوْضِعًا آخَرَ

جب کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس نے ایک چیز کو ایک جانب سے نکالا اور دوسری جانب میں رکھ دیا، اس کی تعبیر کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے خواب میں دیکھا کہ اس نے ایک چیز کو ایک جانب سے یا ایک سوراخ سے نکالا اور دوسری جانب یا دوسرے سوراخ میں رکھ دیا تو اس کی کیا تعبیر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي أَخِي عَبْدُ الْحَمِيدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ كَأَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ أُخْرِجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَيْهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی عبدالحمید نے حدیث بیان کی از سلیمان بن بلال از موسیٰ بن عقبہ از سالم بن عبداللہ از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک سیاہ فام عورت کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اس کو مدینہ سے نکال دیا گیا حتیٰ کہ وہ مھیعہ میں چلی گئی اور یہ الجحفہ ہے، تو میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ مدینہ کی وبا الجحفہ میں منتقل ہوگئی ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۳۹، ۷۰۴۰، سنن ترمذی: ۲۲۹۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۴، مسند احمد: ۵۸۱۵)

صحیح البخاری: ۷۰۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے ماخوذ ہے کہ "مدینہ کی وبا الجحفہ میں منتقل ہوگئی" اور اس پر یہ صادق آتا ہے کہ ایک چیز ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ چلی گئی۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل بن عبداللہ، یہ اسماعیل بن ابی اویس ہیں جو اپنے بھائی سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے کتاب التعبیر میں از محمد بن بشار روایت کی ہے، اور امام نسائی نے کتاب التعبیر میں از یوسف بن سعید روایت کی ہے، اور امام ابن ماجہ نے کتاب التعبیر میں از محمد بن بشار روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ثائرۃ الراس" اس کا معنی ہے جس کے سر کے بال منتشر ہوں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مھیعہ" اس کی تفسیر حدیث میں ہے "الجحفہ" اور یہ تفسیر موسیٰ بن عقبہ کا قول ہے اور حدیث مدرج ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۶۔ ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۳۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وبا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی توجیہ

علامہ المہلب مالکی بیان کرتے ہیں: بعض تعبیر بیان کرنے والوں نے کہا ہے کہ اس خواب کی تعبیر بطور ضرب المثل ہے کہ جس سیاہ فام عورت کے بال بکھرے ہوئے تھے اس سے بیماری اور تکلیف کی تعبیر لی گئی، پس نبی ﷺ نے اس کی یہ تعبیر کی کہ وہ ایک بیماری ہے اور اس کو دوسری جگہ اس لیے منتقل کیا کہ ''الجحفه'' کے رہنے والے حد سے تجاوز کرنے والے اور سرکش تھے اور لوگوں کو تکلیف دیتے تھے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ جحفہ میں بشر کم رہتے تھے، تو گویا آپ نے یہ اجتہاد کیا کہ قلیل لوگوں کو وبا میں مبتلاء کیا جائے اور کثیر لوگوں کو بلاء سے محفوظ رکھا جائے۔

خواب کی تعبیر بیان کرنے والے عالم علی بن ابی طالب نے کہا ہے کہ اس عورت کا سیاہ فام ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ناپسندیدہ ہے، پس اس خواب کی تعبیر ہے حرام دنیا اور حرام بیوی، پس جس شخص نے ایسی بیوی کے ساتھ خواب میں وطی کی تو وہ کسی نامناسب کام میں داخل ہوگا، یا تو وہ حرام کھانا کھائے گا یا حرام مشروب پیئے گا یا حرام کپڑے مثلاً غصب شدہ کپڑے پہنے گا یا کسی غصب شدہ مکان میں رہے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج۹ ص ۵۷۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۳۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خوابِ مذکور کی مزید تعبیر کا بیان

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت دیکھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے'' اور اس کی تشبیہ اس طرح سے ہے کہ سیاہ فام عورت سے برائی اور بیماری کی تعبیر کی گئی ہے اور اس کے سر کے بکھرے ہوئے بالوں سے یہ تعبیر لی گئی ہے کہ وہ برائی اور شر کو پھیلائے گی، اس کو مدینہ سے نکال دیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بالوں کا بکھرا ہوا ہونا اس سے مراد ہے جسم کے رونگٹوں کا کھڑا ہونا، اور رونگٹوں کے کھڑے ہونے سے مراد ہے انسان کا وحشت زدہ ہونا، پس اسی طرح بخار میں بھی انسان وحشت زدہ ہوتا ہے، تو اس خواب کی تعبیر ہے کہ انسان کو بخار آئے گا اور وہ وحشت زدہ ہوگا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اقشعرار'' سے مراد یہ ہو کہ قحط سالی ہوگی اور لوگ پیاس سے بے چین ہوں گے۔ اور دوسروں نے کہا کہ سر کے بالوں کا بکھرا ہوا ہونا بخار پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ بخار بدن میں منتشر ہوجاتا ہے اور انسان کو اس میں بہت وحشت ہوتی ہے۔ (فتح الباری ج۸ ص ۱۹۸۔۱۹۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۲۔ بَابُ: الْمَرْأَةِ السَّوْدَاءِ — خواب میں سیاہ فام عورت کو دیکھنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں سیاہ فام عورت کو دیکھنے کی کیا تعبیر ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۳۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا مُوسَى حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْمَدِينَةِ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى نَزَلَتْ بِمَهْيَعَةَ فَتَأَوَّلْتُهَا أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن ابوبکر المقدمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں فضیل بن سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سالم بن عبداللہ نے حدیث بیان کی از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے متعلق بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک سیاہ فام عورت دیکھی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے وہ مدینہ سے نکل گئی حتیٰ کہ مھیعہ میں چلی گئی، پس میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ مدینہ کی وبا مھیعہ میں منتقل ہوگئی ہے اور یہ الجحفہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۳۹، ۷۰۴۰، سنن ترمذی: ۲۲۹۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۴، مسند احمد: ۵۸۱۵)

صحیح البخاری: ۷۰۳۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جو اس سے پہلے باب میں ذکر کی گئی ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ اس حدیث کا کیا حکم ہے، کیونکہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ترکیب سے لازم آتا ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا "میں نے دیکھا" اور یہاں پر یہ لفظ مقدر ہے کہ آپ نے فرمایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۳۔ بَابُ: الْمَرْأَةِ الثَّائِرَةِ الرَّأْسِ

خواب میں ایسی عورت کو دیکھنے کا بیان جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہوں

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب میں ایسی عورت کو دیکھا جائے جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہوں تو اس خواب کی کیا تعبیر ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۰۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ امْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِينَةِ حَتَّى قَامَتْ بِمَهْيَعَةَ فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابوبکر بن ابی اویس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از موسیٰ بن عقبہ از سالم از والد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں ایک سیاہ فام عورت دیکھی جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ میں چلی گئی، میں نے اس کی یہ تعبیر لی کہ مدینہ کی وباء مہیعہ میں منتقل ہوگئی ہے اور وہ الجحفہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۳۸، ۷۰۳۹، ۷۰۴۰، سنن ترمذی: ۲۲۹۰، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۴، مسند احمد: ۵۸۱۵)

صحیح البخاری: ۷۰۳۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ وہی حدیث ہے جس کی شرح ابھی گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۴۴۔ بَابٌ: إِذَا هَزَّ سَيْفًا فِي الْمَنَامِ

خواب میں تلوار ہلانے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی شخص نے خواب میں تلوار کو ہلایا تو اس کی کیا تعبیر ہے۔

اس کا جواب محذوف ہے یعنی اس خواب کی کئی تعبیریں ہوسکتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ رَأَيْتُ فِي رُؤْيَايَ أَنِّي هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهُ فَإِذَا هُوَ مَا أُصِيبَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ أُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهُ أُخْرَى فَعَادَ أَحْسَنَ مَا كَانَ فَإِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللَّهُ بِهِ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید بن عبداللہ بن ابی بردہ، از ابو بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں گمان کرتا ہوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ میں نے تلوار ہلائی تو تلوار کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، تو اس کی تعبیر وہ تھی جو مسلمانوں پر احد کے دن مصیبت آئی، پھر میں نے دوبارہ تلوار

ہلائی تو یہ بہت اچھی حالت میں لوٹ آئی، اس کی تعبیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور مسلمان مجتمع ہو گئے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۲۲، ۳۹۸۷، ۴۰۸۱، ۷۰۳۵، ۷۰۴۱، صحیح مسلم: ۲۲۷۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۲۱، سنن دارمی: ۲۱۵۸)

صحیح البخاری: ۷۰۴۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ بابِ مذکور کا عنوان ہے خواب میں تلوار ہلانا، اور اس حدیث میں بھی یہی ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن العلاء، یہ ابو کریب ہیں اور ان کا ذکر عنقریب ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید بن عبداللہ، جو اپنے دادا عامر یا حارث سے روایت کرتے ہیں از ابوموسیٰ اشعری، اور ان کا نام حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۴۱، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تلوار کی تعبیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: یہ خواب بطور ضرب المثل ہے، اور تلوار سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نہیں ہیں لیکن جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ حملہ کرتے تھے جس طرح تلوار سے حملہ کرتے ہیں اور ان سے اس طرح مستغنی ہوتے تھے جس طرح تلوار سے مستغنی ہوتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کو تلوار سے تعبیر کیا۔

خواب میں تلوار دیکھنے کی مزید تعبیریں

اور تلوار کی خواب میں کئی تعبیریں ہیں، پس جس نے خواب میں تلوار کو لٹکایا تو وہ سلطنت کو حاصل کرے گا یا ولایت کو یا امامت کو یا امانت کو، یا اس کو بیوی ملے گی جس سے وہ نکاح کرے گا اگر وہ کنوارا ہو تو۔ اور اگر شادی شدہ ہو تو اس کی بیوی سے لڑکا پیدا ہوگا اگر اس کی بیوی حاملہ ہو تو۔ پھر اگر اس نے اس تلوار کو میان سے نکالا اور میان ٹوٹ گئی اور تلوار سلامت رہی تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی عورت مرجائے گی اور بچے نجات پائیں گے اور تلوار ٹوٹ گئی اور میان سلامت رہی تو اس کے بچے مرجائیں گے اور ماں سلامت رہے گی۔ اور بعض اوقات تلوار سے تعبیر اس کے باپ سے لی جاتی ہے یا اس کے چچا سے یا اس کے بھائی سے اور وہ مرجاتا ہے۔ اگر اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے اور وہ تیار ہوا کہ دشمن سے مقابلہ کرے گا یا کسی شخص کو مارے گا تو اس کی تلوار سے اس

کی زبان کی تعبیر لی جائے گی جس سے وہ اپنے دشمن سے لڑتا ہے، اور اگر اس کی کوئی نیت نہ ہو اور وہ اس تلوار کے ساتھ مسجد میں ہو یا لوگوں کے درمیان ہو اور لوگ اس کے پاس وضو کر رہے ہوں یا اس نے اپنی ڈاڑھی میں کوئی چیز دیکھی تو وہ اپنی حجت کو قائم کرے گا اور نصیحت کرے گا اور اپنی زبان سے علم کو اور نیکی کے حکم دینے کو اور برائی سے روکنے کو ظاہر کرے گا۔ اور بعض اوقات تلوار کی تعبیر ظالم بادشاہ سے لی جاتی ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۵۔ بَابٌ: مَنْ كَذَبَ فِي حُلُمِهِ — جس نے جھوٹا خواب بیان کیا، اس کے گناہ کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص نے اپنے خواب میں جھوٹ بولا، اس کا کیا گناہ ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ أَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُورَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ أَنْ يَنْفُخَ فِيهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ قَالَ سُفْيَانُ وَصَلَهُ لَنَا أَيُّوبُ وَقَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ مَنْ كَذَبَ فِي رُؤْيَاهُ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ الرُّمَّانِيِّ سَمِعْتُ عِكْرِمَةَ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ قَوْلَهُ مَنْ صَوَّرَ صُورَةً وَمَنْ تَحَلَّمَ وَمَنِ اسْتَمَعَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنِ اسْتَمَعَ وَمَنْ تَحَلَّمَ وَمَنْ صَوَّرَ نَحْوَهُ تَابَعَهُ هِشَامٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: جس شخص نے ایسا خواب بیان کیا جو اس نے نہیں دیکھا تھا، اسے اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ دو جَو کے درمیان گرہ لگائے اور وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکے گا، اور جس شخص نے کسی قوم کی بات سننے کے لیے کان لگائے اور وہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں تو اس کے کانوں میں قیامت کے دن پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، اور جس نے کوئی تصویر بنائی اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو اس کا مکلف کیا جائے گا کہ وہ اس میں جان ڈالے اور وہ اس میں جان نہیں ڈال سکے گا۔

سفیان نے کہا: اس حدیث کو ایوب نے سندِ موصول کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۷۵۱، ۲۲۸۳، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۴، مسند احمد: ۱۸۶۹)

اور قتیبہ نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اس قول کو بیان کیا جس نے اپنے خواب میں جھوٹ بولا۔

اور شعبہ نے کہا از ابی ہاشم الرمانی، میں نے عکرمہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس قول کو بیان کیا کہ جس نے تصویر بنائی اور جس نے جھوٹا خواب بیان کیا اور جس نے کسی کی بات کان لگا کر سنی۔

ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ جس نے کسی کی بات کان لگا کر سنی اور جس نے جھوٹا خواب بیان کیا اور جس نے کوئی تصویر بنائی، اسی حدیث کی مثل۔

خالد کی متابعت ہشام نے کی ہے از عکرمہ از ابن عباس ان کے قول کی۔

(صحیح البخاری: ۲۲۲۵، ۵۹۶۳، ۷۰۴۲، صحیح مسلم: ۲۱۱۰، سنن ترمذی: ۱۷۵۱، سنن نسائی: ۵۳۵۸، مسند احمد: ۳۳۸۴)

صحیح البخاری: ۷۰۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "جس نے ایسا خواب بیان کیا جس کو اس نے نہیں دیکھا"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، اور وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ایوب، وہ السختیانی ہیں۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں از مسدد روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی کتاب اللباس میں از قتیبہ روایت کی ہے اور امام نسائی نے اس حدیث کی کتاب الزینت میں از قتیبہ روایت کی ہے، اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی کتاب الرویا میں از بشر بن ہلال روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "مَن تحلّم" یعنی جس نے تکلف سے خواب کو بیان کیا، کیونکہ بابِ تفعّل ماخذ کے تکلف کے لیے آتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کُلِّف" یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی اس کو قیامت کے دن مکلف کیا جائے گا بایں طور کہ اس کو عذاب دیا جائے گا، اور یہ تکلیف بھی عذاب کی ایک قسم ہے اور اس سے استدلال کرنا ضعیف ہے کیونکہ یہ استدلال تکلیف مالا یطاق کے جواز کو مستلزم ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ قیامت دارِ تکلیف نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولن یفعل" یعنی وہ دو جَو میں گرہ لگانے پر قادر نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وھم لہ کارھون" یعنی وہ ان لوگوں کی بات سنے گا جو اس کو بات سنانا نہیں چاہتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الآنك" اس کا معنی ہے: پگھلا ہوا سیسہ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وکلف" ہوسکتا ہے کہ یہ عطفِ تفسیری ہو اور عذاب کی تفسیر ہو یا عذاب کی کوئی اور قسم ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ان ینفخ فیہ" یعنی اس تصویر میں جان ڈالے اور وہ اس تصویر میں جان ڈالنے پر قادر نہیں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۴۸۔۲۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۳۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ مَوْلَی ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِیْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ مِنْ أَفْرَی الْفِرَی أَنْ یُرِیَ عَیْنَیْهِ مَا لَمْ تَرَ۔

(مسند احمد: ۵۶۷۸)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الصمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن دینار مولیٰ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آنکھوں کو وہ چیز دکھائے جو اس نے نہیں دیکھی۔

صحیح البخاری: ۷۰۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ باب مذکور کا عنوان ہے جھوٹا خواب بیان کرنا، اور جو شخص اپنے آنکھوں سے دیکھے ہوئے ایسے خواب کو بیان کرے جو اس نے نہیں دیکھا تو وہ جھوٹا خواب ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن مسلم، یہ الطوسی ہیں، یہ بغداد میں رہتے تھے اور امام بخاری ان سے تین سال پہلے فوت ہوگئے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الصمد، یہ ابن عبد الوارث بن سعد ہیں، انہوں نے اپنی عمر میں امام بخاری کو پایا۔

اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالرحمن بن دینار، ان کے متعلق اختلاف ہے، ابن المدینی نے کہا: یہ بہت سچے ہیں، اور یحییٰ بن معین نے کہا: میرے نزدیک ان کی حدیث ضعیف ہے، اس کے باوجود امام بخاری نے ان کے شیخ علی سے روایت کی ہے، اور امام بخاری نے ان سے کوئی حدیث روایت نہیں کی مگر جب اس حدیث کا کوئی متابع ہو یا شاہد ہو، اور امام بخاری اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے''من افری الفری''یعنی وہ جھوٹوں میں سب سے بڑا جھوٹ ہے، یعنی ایسا جھوٹ ہے جس پر تعجب ہوتا ہے۔علامہ کرمانی نے کہا کہ اس کی آنکھوں نے وہ خواب نہیں دیکھا بلکہ اس کی آنکھوں کی طرف اس خواب کی نسبت کی گئی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: اس سے مقصود آنکھوں کی طرف نسبت کرنا ہے اور آنکھوں کے دیکھنے کی خبر دینا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ بیداری میں جھوٹ بولنے کا زیادہ ضرر ہوتا ہے کیونکہ وہ دوسرے شخص کی طرف متعدی ہوتا ہے اور بہت خرابیوں کو متضمن ہوتا ہے، پس جھوٹے خواب کو سنگین قرار دینے کی کیا توجیہ ہے؟

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ خواب نبوت کا جزو ہے، اور خواب میں جھوٹ بولنے والا اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اور وہ بہت سنگین اور سب سے بڑا جھوٹ ہے اور وہ سزا دینے کے زیادہ لائق ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۰۔۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۴۳، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بیداری میں جھوٹ بولنے کی بہ نسبت جھوٹا خواب بیان کرنے پر زیادہ گرفت کی توجیہ

علامہ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس کی کیا توجیہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے جھوٹا خواب بیان کرنے والے کی یہ سزا بیان فرمائی ہے کہ اسے قیامت کے دن دو جَو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف کیا جائے گا، جب کہ خواب میں جھوٹ بولنے والا بھی بیداری میں جھوٹ بولنے والے کی مثل ہے اور کبھی بیداری میں جھوٹ بولنے کا جرم خواب میں جھوٹ بولنے کے جرم سے زیادہ سنگین ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص بیداری میں کسی کے خلاف جھوٹی گواہی دے جس کی وجہ سے اس شخص پر کوئی حد واجب ہو جائے یا اس کو قتل کرنا واجب ہو جائے یا اس سے کوئی مال حاصل کیا جائے، اور اگر کوئی شخص جھوٹا خواب بیان کرتا ہے تو اس میں اس قسم کا ضرر نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ضرر صرف اس کے خواب میں ہوگا اور کسی چیز میں نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیداری کے جھوٹ اور خواب کے جھوٹ دونوں میں فرق ہے، پس خواب میں اپنی آنکھوں کے متعلق جو جھوٹ بولتا ہے، وہ زیادہ عبرت ناک سزا کا مستحق ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً متواتر یہ حدیث منقول ہے کہ سچا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے اور نبوت کا جزو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتا ہے، پس اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جھوٹا خواب بیان کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے کہ اس نے خواب میں وہ چیز دیکھی ہے، جو اس نے نہیں

دیکھی، اور جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے وہ زیادہ سنگین جھوٹ ہے اور وہ اس کے زیادہ لائق ہے کہ اس کو اس کی سزا دی جائے جس جھوٹ سے اس نے کسی کا حق ضائع کیا یا کسی شخص کے اوپر حد یا سزا کو واجب کیا اور قرآن مجید بھی اس پر شاہد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓىٕكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ یَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ (ھود:۱۸)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان تراشے، یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور تمام گواہ یہ کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو O

پس اس آیت سے ظاہر ہو گیا جو ہم نے بیان کیا ہے کہ بیداری میں جھوٹ بولنا اس کی مثل نہیں ہے جو آدمی جھوٹا خواب بیان کرتا ہے، کیونکہ بیداری میں جھوٹ بولنا مخلوق پر جھوٹ باندھنا ہے اور جھوٹا خواب بیان کرنا خالق پر جھوٹ باندھنا ہے۔

جس کام کی بندہ میں طاقت نہ ہو اس کام کا بندوں کو مکلف کرنے کے متعلق فقہاء کے مذاہب

علامہ المہلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے ''جو شخص جھوٹا خواب بیان کرتا ہے اس کو قیامت کے دن دو جَو کے درمیان گرہ لگانے کا مکلف کیا جائے گا اور وہ دو جَو کے درمیان گرہ نہیں لگا سکے گا''۔

اس حدیث میں اشاعرہ کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بندہ کو اس کام کا مکلف کرنا جائز ہے جس کی اس میں طاقت نہ ہو اور قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ (القلم:۴۲)

جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور ان کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے O

اس آیت میں بتایا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کو سجدہ کے لیے بلایا جائے گا اور وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے اور اس میں اس کام کے ساتھ مکلف کرنے کی دلیل ہے جس کی بندہ میں طاقت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بندوں میں جو چاہے کرے، اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور بندوں سے ان کے ہر کام کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

ماتریدیہ اور معتزلہ نے تکلیف مالایطاق سے منع کیا ہے اور کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور انہوں نے ''یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ... (القلم:۴۲)'' کا یہ جواب دیا ہے اور اسی طرح دو جَو کے درمیان گرہ لگانے کے مکلف کرنے کا بھی یہ جواب دیا ہے اور اسی طرح اور جو احکام ہیں ان کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ آخرت کے احکام ہیں اور آخرت دار تکلیف نہیں ہے، آخرت دار جزاء ہے، پس اشاعرہ کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ خبر دی ہے کہ وہ دنیا میں بندوں کو صرف انہی عبادات کا مکلف کرتا ہے جن کی بندے طاقت رکھتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کاموں کا مکلف کرے جو دنیا میں بندوں کی طاقت اور ان کی قدرت میں نہیں ہیں تو یہ البقرہ:۲۸۶ کے خلاف ہوگا۔ اور احادیث کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ احادیث کو اس پر محمول کرنا جو قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہو یہ بھی جائز نہیں

ہے۔اور اس تاویل کی بناء پر قرآن مجید کی آیات باہم متضاد نہیں رہتیں۔

دوسروں کی باتیں کان لگا کر سننا مطلقاً ممنوع ہے یا اس وقت ممنوع ہے جب ان باتوں کو سننے سے ان کو حرج ہو؟

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ جس حدیث میں فرمایا ہے: "جس نے ان لوگوں کی بات سنی جو اس کو ناپسند کرتے تھے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا"۔

پس انہوں نے کہا: یہ بتاؤ کہ اگر اس نے ان لوگوں کی باتیں سنی ہوں جن باتوں کے سننے سے باتیں کرنے والوں کو کوئی ضرر نہ ہو اور سننے والے کو اس میں عظیم نفع حاصل ہو خواہ اس کے دین میں یا اس کی دنیا میں، کیا اس صورت میں اس کا ان کی باتوں کو سننا جائز ہے خواہ باتیں کرنے والے اس کو ناپسند کرتے ہوں؟

اس کا جواب یہ ہے: باتیں سننے والے کو جب تک وہ باتیں سنے گا نہیں یہ پتا نہیں چلے گا کہ ان باتوں کے سننے سے اس کو نفع ہوگا یا نہیں، اور جب وہ باتوں کو سنے گا تو یہ وہ کام ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے، پس اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کی باتیں سنے خواہ لوگوں کی باتوں کو اس سے ضرر نہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے مطلقاً اور بالعموم لوگوں کی باتوں کو سننے سے منع فرمایا ہے، پس کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کی باتیں سنے جو اس کے سننے کو ناپسند کرتے ہیں۔اور اگر اس نے لوگوں کی باتیں سنیں تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو بخش دے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو عذاب دے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس شخص نے لوگوں کی باتیں سنیں اور اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ آیا وہ اس کی باتیں سننے کو ناپسند کرتے ہیں یا نہیں، کیا پھر بھی اس کے کانوں کے اندر پگھلا ہوا سیسہ قیامت کے دن ڈالا جائے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محل یہ ہے کہ جس شخص نے ان لوگوں کی باتیں سنیں جو اپنی باتوں کے سننے کو ناپسند کرتے ہوں تو وہ اس وعید کا مصداق ہوگا، اور جس کو ان کی ناپسندیدگی کا علم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کی باتیں پھر بھی نہ سنے الا یہ کہ وہ لوگ اجازت دیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ جب دو آدمی آپس میں سرگوشی کر رہے ہوں تو تیسرا آدمی ان کے درمیان داخل نہ ہو۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷۴۔۵۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۶۔ بَابٌ: إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلَا يُخْبِرْ بِهَا وَلَا يَذْكُرْهَا

جب کوئی شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو نہ کسی کو اس کی خبر دے اور نہ اس کا ذکر کرے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص خواب میں کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھے تو اس کی نہ کسی کو خبر دے اور نہ اس کا ذکر کرے، اور یہ دونوں لفظ متقارب ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ يَقُولُ لَقَدْ كُنْتُ أَرَى الرُّؤْيَا فَتُمْرِضُنِي حَتَّى سَمِعْتُ أَبَا قَتَادَةَ يَقُولُ وَأَنَا كُنْتُ لَأَرَى الرُّؤْيَا تُمْرِضُنِي حَتَّى سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ اللهِ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ إِلَّا مَنْ يُحِبُّ وَإِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَلْيَتْفِلْ ثَلَاثًا وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن الربیع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبدربہ بن سعید، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (برے) خواب دیکھتا تھا اوران سے میں بیمار ہوجاتا تھا حتیٰ کہ میں نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں بھی (برے) خواب دیکھتا تھا پس میں بیمار ہوجاتا تھا حتیٰ کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو یہ خواب صرف اسی کے سامنے بیان کرے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور جب وہ ناپسندیدہ خواب دیکھے تو اللہ تعالیٰ سے اس خواب کے شر سے پناہ طلب کرے، اور شیطان کے شر سے پناہ طلب کرے اور تین مرتبہ تھوک دے، اور وہ خواب کسی کو بیان نہ کرے تو پھر وہ خواب اس کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۲۹۲، ۵۷۴۷، ۶۹۸۴، ۶۹۸۶، ۶۹۹۵، ۶۹۹۶، ۷۰۰۵، ۷۰۴۴، صحیح مسلم: ۲۲۶۱، سنن ترمذی: ۲۲۷۷، سنن ابوداؤد: ۵۰۲۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۰۹، مسند احمد: ۲۲۰۵۸، موطا امام مالک: ۱۷۸۴، سنن دارمی: ۲۱۴۱)

صحیح البخاری: ۷۰۴۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں مذکور ہے "اس خواب کی کسی کو خبر نہ دے" اور اس حدیث میں ذکر ہے کہ وہ خواب کسی کے سامنے بیان نہ کرے، اور ان دونوں لفظوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے یہ حدیث باب کے عنوان کے مطابق ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن الربیع، یہ ابوزید الہروی ہیں جو ہروی کپڑے فروخت کرتے تھے اور اہل بصرہ سے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدربہ، یہ ابن سعید الانصاری ہیں جو یحییٰ بن سعید انصاری کے بھائی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوسلمہ، یہ ابن عبدالرحمٰن بن عوف ہیں اور ابوسلمہ کی از ابوقتادہ حدیث باب "من رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں اور باب "الحلم من الشیطان" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

محب کے سامنے خواب بیان کرنے کے فوائد

اس حدیث میں مذکور ہے "فلا یحدث بہ الا من یحب" یعنی وہ اپنا اچھا خواب صرف اسی شخص کے سامنے بیان کرے جو اس سے محبت کرتا ہے، کیونکہ اگر اس نے کسی ایسے شخص کے سامنے وہ خواب بیان کیا جو اس سے وہ محبت نہیں کرتا، تو وہ کبھی خواب کی تعبیر اپنے بغض کی وجہ سے ایسی بیان کرے گا یا اپنے حسد کی وجہ سے ایسی بیان کرے گا جس سے اس کو نقصان ہوگا، اور خواب اس کی بیان کردہ تعبیر کے مطابق ہوگا اور جو اس کا محب ہوگا وہ اس خواب کی وہی تعبیر بیان کرے گا جو اچھی ہو، اور جو شخص پہلے تعبیر بیان کرتا ہے خواب اسی پر واقع ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خواب پہلی تعبیر بیان کرنے والے پر مرتب ہوتا ہے"۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۵)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اپنا خواب یا عالم کے سامنے بیان کرو یا خیر خواہ کے سامنے بیان کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ولیتفل" یعنی اسے چاہیے کہ وہ تھوک دے، اور یہ شیطان کو دھتکارنے کے لیے اور اس کو نجس قرار دینے کے لیے ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ جو خواب شیطان کی طرف سے ہو، لیکن جو خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر ہو تو وہ لامحالہ واقع ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۵۱۔ ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۵۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ وَالدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُسَامَةَ بْنِ الْهَادِ اللَّيْثِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يُحِبُّهَا فَإِنَّهَا مِنَ اللهِ فَلْيَحْمَدِ اللهَ عَلَيْهَا وَلْيُحَدِّثْ بِهَا وَإِذَا رَأَى غَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا يَكْرَهُ فَإِنَّمَا هِيَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلْيَسْتَعِذْ مِنْ شَرِّهَا وَلَا يَذْكُرْهَا لِأَحَدٍ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ۔

(سنن ترمذی: ۳۴۵۳، مسند احمد: ۱۰۶۷۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن حمزہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن ابی حازم نے اور دراوردی نے حدیث بیان کی از یزید از عبد اللہ بن اسامہ بن الہاد اللیثی از عبد اللہ بن خباب از حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس کو وہ پسند کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اسے چاہیے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور اس کو بیان کرے اور اگر اس کے سوا ایسا خواب دیکھا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو وہ خواب شیطان کی طرف سے ہے، پس اس کو اس کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرنی چاہیے اور اس کا کسی سے ذکر نہ کرے تو وہ خواب اس کو ضرر نہیں دے گا۔

صحیح البخاری: ۷۰۴۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن حمزہ کا ذکر ہے، یہ ابو اسحاق الزبیر الاسدی المدنی ہیں جو عبدالعزیز بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں اور ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الدراوردی، ان کا نام عبدالعزیز بن محمد ہے، ان کا ذکر باب ''الرؤیا من اللہ'' میں ہو چکا ہے، اسی طرح یہ حدیث بھی گزر چکی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۴۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اچھے خواب کو صرف محب کے سامنے بیان کرنے کی وجہ

محب کے سامنے اچھا خواب بیان کرنے کا اس لیے حکم فرمایا ہے کہ جس چیز سے انسان خوش ہوتا ہے اس سے اس کا محب اور دوست رنجیدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے دوست کی خوشی سے خوش ہوتا ہے اور اس کو اس بات کی حرص نہیں ہوتی کہ اس کے اچھے خواب کی بری تاویل بیان کی جائے۔ اور اگر انسان نے اپنا اچھا خواب اس شخص کے سامنے بیان کیا جو اس سے محبت نہیں کرتا تو وہ اس سے محفوظ نہیں ہے کہ وہ اس کی کوئی بری تاویل بیان کرے گا، اور بعض اوقات خواب اس بری تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''خواب پہلی تعبیر کے مطابق ہوتا ہے'' اور جب اس نے ایسا خواب دیکھا جو اس کو ناپسند ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس کے ضرر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اس خواب کے شر سے پناہ طلب کرے اور شیطان کے شر سے پناہ طلب کرے اور بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے اور وہ خواب کسی کے سامنے بیان نہ کرے تو اس خواب سے اس کو ضرر نہیں ہوگا۔

برے خواب کو دوسروں سے چھپانے کی توجیہ

اگر یہ سوال کیا جائے کہ خواب کی قسموں میں سے ڈرانے والے خواب ہیں اور مرد کو تنبیہ کرنے والے خواب ہیں تا کہ کوئی مصیبت پیش آنے سے پہلے انسان اس کی تیاری کر لے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں پر نرمی ہے اور آسانی ہے تا کہ بندے اچانک کسی مصیبت میں مبتلاء نہ ہوں، اور جب بندے پہلے سے کسی مصیبت یا کسی شدت کے لیے تیار ہوں گے تو یہ ان کے لیے اچانک کسی مصیبت کے ٹوٹ پڑنے کی بہ نسبت زیادہ آسان ہوگا، اور یہ پہلے ہمیں معلوم ہے کہ صحیح خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے خواہ وہ کسی بات سے ڈرانے والا ہو، تو پھر اس خواب کو چھپانے کی کیا حکمت ہے؟

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے کہ جب کوئی انسان اپنے ناپسندیدہ خواب کی کسی کو خبر دے گا تو وہ اس خطرہ سے مامون نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کی تعبیر کسی آفت اور مصیبت سے دے گا، اور وہ یہ سن کر خوف اور

دہشت میں مبتلا ہوگا اور اس ناپسندیدہ چیز کے پیش آنے کا انتظار کرتا رہے گا اور اس کا حال پریشان ہوگا، اور اس خواب کے شر سے نجات پانے کی امید نہیں رہے گی۔ اور جب اس خواب کی ایسی بھیانک تعبیر نہیں بیان کی جائے گی تو اس کا ذہن اور اس کا دل خوف اور امید کی حالت میں رہے گا اور وہ زیادہ بے چین اور بے قرار نہیں ہوگا، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ کی امت کسی مصیبت کے انتظار میں بے چین نہ رہے، کیونکہ کبھی خواب کی تعبیر بہت دیر سے ظاہر ہوتی ہے اور اکثر انسان جو برے خواب دیکھتا ہے وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔

برے خواب کو دیکھ کر بائیں جانب تین مرتبہ تھوکنے کی توجیہ

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں جانب تین مرتبہ تھوکنے کا جو حکم دیا ہے اس کی اصل وجہ کا تو اللہ تعالیٰ ہی کو علم ہے لیکن جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کسی نجس چیز کو اور گھناؤنی چیز کو دیکھ کر تھوکتا ہے اور شیطان سے بڑھ کر کوئی نجس اور گھناؤنی چیز نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب بندہ شیطان کا ذکر کرے تو تین دفعہ تھوک دے، رہا یہ کہ بائیں جانب تھوکنے کا کیوں حکم دیا ہے اس لیے کہ عرب کے نزدیک جس قدر آفات اور مصائب ہیں وہ بائیں جانب سے آتی ہیں، اسی لیے بائیں جانب سے کوئی پرندہ آئے تو وہ اس سے بدفال نکالتے ہیں اور دائیں جانب سے پرندہ آئے تو اس سے نیک فال نکالتے ہیں۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷۶۔۵۷۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۴۷۔ بَابٌ: مَنْ لَمْ يَرَ الرُّؤْيَا لِأَوَّلِ عَابِرٍ إِذَا لَمْ يُصِبْ

اس کا بیان کہ جس شخص کا یہ گمان نہ ہو کہ خواب پہلی تعبیر کے مطابق واقع ہوتا ہے جب وہ تعبیر صحیح نہ ہو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس شخص کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ اگر تعبیر صحیح نہیں ہے تو خواب پہلی تعبیر کے مطابق ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں کے اقوال میں پہلی تعبیر بیان کرنے والے کا قول معتبر ہوتا ہے، اگر اس کی تعبیر صحیح ہے تو قبول کی جائے گی، اور اگر اس کی تعبیر صحیح نہیں ہے تو قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ خواب کی تعبیر کا وقوع اس پر موقوف نہیں ہے کہ تعبیر صحیح ہے، پس باب کے عنوان کا معنی یہ ہے کہ جس کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ خواب کی تعبیر پہلی بیان کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے جب کہ اس کا بیان خطاء پر مبنی ہو، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "تم نے خواب کی تعبیر میں بعض خطا کی ہے" اور اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "خواب کی تعبیر پہلے تعبیر کرنے والے کے مطابق ہوتی ہے"۔ اور یہ حدیث ضعیف ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی یزید الرقاشی ہے مگر اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے اس کی سند صحیح قرار دی ہے، ابورزین عقیلی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تک خواب کی تعبیر نہ بیان کی جائے وہ خواب اڑنے والا ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کردی جائے تو وہ خواب واقع ہوجاتا ہے" اور امام

ابوداؤد اور امام ترمذی کی روایت میں ہے "وہ گر جاتا ہے"۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: علامہ کرمانی نے جو یہ بیان کیا ہے، یہ اس باب کے عنوان کے معنی کو بیان کرنے کے لیے مناسب نہیں ہے، اس کو ہر وہ شخص سمجھ لے گا جس میں تھوڑا سا بھی ادارک اور ذوق ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَجُلًا أَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ ظُلَّةً تَنْطُفُ السَّمْنَ وَالْعَسَلَ فَأَرَى النَّاسَ يَتَكَفَّفُونَ مِنْهَا فَالْمُسْتَكْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ وَإِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الْأَرْضِ إِلَى السَّمَاءِ فَأَرَاكَ أَخَذْتَ بِهِ فَعَلَوْتَ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَعَلَا بِهِ ثُمَّ أَخَذَ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وُصِلَ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ وَاللهِ لَتَدَعَنِّي فَأَعْبُرَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اعْبُرْهَا قَالَ أَمَّا الظُّلَّةُ فَالْإِسْلَامُ وَأَمَّا الَّذِي يَنْطُفُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمْنِ فَالْقُرْآنُ حَلَاوَتُهُ تَنْطُفُ فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ وَأَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ تَأْخُذُ بِهِ فَيُعْلِيكَ اللهُ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِكَ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ آخَرُ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُهُ رَجُلٌ آخَرُ فَيَنْقَطِعُ بِهِ ثُمَّ يُوَصَّلُ لَهُ فَيَعْلُو بِهِ فَأَخْبِرْنِي يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي أَنْتَ أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَصَبْتَ بَعْضًا وَأَخْطَأْتَ بَعْضًا قَالَ فَوَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ قَالَ لَا تُقْسِمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از یونس از ابن شہاب از عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان سے حدیث بیان کرتے تھے کہ ایک مرد نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا: میں نے آج رات خواب میں سائبان (ابر یا بادل) کو دیکھا جس سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے، پس میں نے دیکھا کہ لوگ اس گھی اور شہد کو اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں، پس کچھ لوگ زیادہ لے رہے ہیں اور کچھ لوگ کم لے رہے ہیں، اور میں نے دیکھا کہ ایک رسی آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے، میں نے دیکھا کہ آپ نے اس رسی کو پکڑا اور اس کے ساتھ اوپر چڑھ گئے، پھر ایک دوسرے مرد نے اس رسی کو پکڑا وہ بھی اس کے ساتھ اوپر چڑھ گئے، پھر تیسرے شخص نے اس رسی کو پکڑا وہ بھی اوپر چڑھ گئے، پھر ایک اور آدمی نے رسی کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی، پھر جڑ گئی، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں فدا ہوں، اللہ کی قسم! آپ ضرور مجھے اجازت دیں کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں، پس نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس خواب کی تعبیر بیان کرو، انہوں نے کہا: رہا وہ سائبان تو وہ اسلام ہے، اور جو اس سے شہد اور گھی ٹپک رہا ہے، پس وہ قرآن ہے، اس کی شیرینی ٹپک رہی ہے، پس کچھ لوگ زیادہ قرآن کو حاصل کر رہے ہیں اور کچھ لوگ کم قرآن کو حاصل کر رہے ہیں اور رہی وہ رسی جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے، پس اس سے مراد وہ دینِ برحق ہے جس پر آپ قائم ہیں، آپ اس دین کو

پکڑے ہوئے ہیں، پس اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے پاس بلالے گا پھر
آپ کے بعد کوئی اور مرد اس رسی کو پکڑ کر اوپر جائے گا، پھر کوئی اور
مرد اس رسی کو پکڑ کر اوپر جائے گا، پھر تیسرا مرد اس رسی کو پکڑے گا
تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی اور پھر وہ رسی اس کے لیے جوڑ دی جائے
گی، پھر وہ اس کے ساتھ اوپر چڑھ جائے گا، پس مجھے بتائیے
یارسول اللہ! آپ پر میرے باپ اور میری ماں فداء ہوں کہ اس
خواب کی تعبیر میں نے صحیح بیان کی ہے یا خطا کی ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: تم نے بعض تعبیر صحیح بیان کی ہے اور بعض میں خطاء کی
ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یارسول اللہ! آپ مجھے
ضرور بتائیں کہ میں نے خواب کی تعبیر میں کیا خطاء کی ہے؟ آپ
نے فرمایا: تم قسم نہ کھاؤ۔

(صحیح البخاری: ۷۰۰۰، ۷۰۴۶، صحیح مسلم: ۲۲۶۹، سنن ترمذی: ۲۲۹۳، سنن ابوداؤد: ۴۶۳۲، سنن ابن ماجہ: ۳۹۱۸، مسند احمد: ۲۱۱۴، سنن دارمی: ۲۱۵۶)

صحیح البخاری: ۷۰۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے آخری حصہ میں ہے، یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خواب کی بعض تعبیر صحیح بیان کی اور بعض صحیح نہیں تھی۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ظُلۃ" ظاء پر پیش ہے، اس کا معنی ہے: بادل جس کا سایا ہوتا ہے، اور ہر وہ چیز جس کا سایا ہو جیسے سائبان، اس کو "ظلۃ" کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تنطف" یعنی اس سائبان یا بادل سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یتکففون" یعنی لوگ اپنے ہاتھوں میں ان قطرات کو جمع کر رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فالمستکثر والمستقل" یعنی بعض لوگ اس میں سے زیادہ قطرات کو لے رہے تھے اور بعض لوگ کم قطرات کو لے رہے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "سبب" اس کا معنی ہے رسی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فعلوت" یعنی آپ اس رسی سے اوپر چڑھ گئے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند کر دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یاخذ به رجل من بعدك" یعنی پھر اس رسی کو کوئی اور مرد پکڑے گا اور اس مرد سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو آپ کے بعد امت کے اندر حق کو قائم کریں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یاخذ رجل آخر فیعلوبه" یعنی پھر ایک اور مرد اس رسی سے اوپر چڑھے گا اور اس سے مراد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یاخذ به رجل آخر فینقطع به" یعنی پھر ایک اور مرد اس رسی کو پکڑے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی، اس سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یوصل له" یعنی پھر وہ رسی ان کے لیے جوڑ دی جائے گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں کیا خطا واقع ہوئی، اس کا بیان

علامہ المہلب المالکی لکھتے ہیں: اس تعبیر میں خطاء یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے وہ رسی جوڑ دی جائے گی، اور انہیں چاہیے یہ تھا کہ وہ تعبیر میں اتنا ہی بیان کرتے جتنا خواب میں مذکور تھا یعنی وہ رسی جڑ گئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء کو بیان نہیں فرمایا اور اس کو چھپایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر پیش آنے والے فتنوں سے غمگین نہ ہوں، پس وہ چوتھے شخص تھے جن کے لیے رسی ٹوٹی اور پھر جڑ گئی یعنی دوسروں کے لیے خلافت ہو گئی۔

اور قاضی عیاض مالکی التوفی ۵۴۴ھ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء یہ تھی کہ انہوں نے تعبیر میں کہا "ویوصل له" یعنی ان کے لیے رسی کو جوڑ دیا جائے گا، جب کہ اصل خواب میں تھا "یوصل" اور اس میں "له" کا اضافہ نہیں تھا، اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت متصل نہیں ہوئی بلکہ ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت ہو گئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ لفظ "لهٗ" وغیرہ کا اضافہ ابن وہب کی روایت میں ثابت ہے اور اس کو یونس نے امام مسلم سے روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دو صاحبوں تک پہنچنے کے لیے رسی کو پکڑیں گے تو جو مصائب ان پر پیش آئے ان کی وجہ سے وہ رسی ٹوٹ جائے گی، پس رسی ٹوٹنا ان مصائب سے عبارت ہے، پھر ان کے لیے شہادت ہوئی تو وہ اپنے صاحبوں کے ساتھ متصل ہو گئے، اس کو اس سے تعبیر کیا کہ وہ رسی جڑ گئی اور وہ اپنے صاحبوں کے ساتھ متصل ہو گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاخبرنی یا رسول اللہ بابی" یعنی آپ پر میرے باپ فدا کیے جائیں آپ مجھے خبر دیں کہ میری تعبیر صحیح ہے یا خطا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اصبت بعضا واخطات بعضا" یعنی تم نے تعبیر میں بعض صحیح چیز بیان کی اور بعض میں خطاء کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تعبیر میں صحت اور خطاء کا ذکر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعبیر میں صحیح یہ تھا کہ انہوں نے بادل کی تعبیر اسلام کی نعمت سے لی اور یہ کہ اس رسی سے مراد دینِ برحق ہے اور اسی پر عمل کرتے ہوئے آپ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہو گئے۔

رہا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو تعبیر میں خطاء کی وہ کیا ہے تو اس میں علماء اور شارحین کا اختلاف ہے۔ پس علامہ المہلب نے

کہا کہ خطاء کی جگہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا "ثم یوصل له" یعنی پھر ان کے لیے رسی جوڑی جائے گی اور "له" کا اضافہ کیا۔

علامہ الاسماعیلی نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء یہ ہے کہ جب ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے خواب کو بیان کیا تو دوسروں کی بہ نسبت اس خواب کی تعبیر بیان کرنے کے زیادہ حق دار نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، پس جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اس خواب کی تعبیر بیان کریں گے تو یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء تھی، علامہ الاسماعیلی نے اس کو علامہ ابن قتیبہ سے نقل کیا ہے اور علماء کی ایک جماعت نے ان کی موافقت کی ہے، علامہ نووی نے دوسروں کی اتباع کرتے ہوئے اس پر تعاقب کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ اس کو خطاء قرار دینا فاسد ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اجازت دی تھی، پس آپ نے فرمایا کہ "تم تعبیر بیان کرو"۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کے لیے نہیں فرمایا بلکہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سبقت کی اور یہ سوال کیا کہ ان کو خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اجازت دیں تو آپ نے اجازت دے دی، پس آپ نے فرمایا: "تم نے جو خواب کی تعبیر بیان کرنے کا سوال کیا اور اس میں سبقت کی تو یہ تمہاری خطاء تھی"، اور آپ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم نے خواب کی تعبیر میں خطاء کی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء یہ تھی کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خود تعبیر بیان کی، اور اگر انہوں نے تعبیر میں کوئی خطاء کی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس خطاء پر برقرار نہ رکھتے۔

علامہ ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خواب کی تعبیر میں خطاء یہ تھی کہ خواب میں دو چیزوں کا ذکر تھا شہد کا اور گھی کا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں چیزوں کی ایک تفسیر بیان کی اور انہیں یہ چاہیے تھا کہ گھی کی تفسیر قرآن کے ساتھ کرتے اور شہد کی تفسیر سنت کے ساتھ کرتے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا "تم نے خطاء بھی کی اور صحیح بھی کہا" اس سے مراد یہ ہے کہ خواب کی تعبیر کا مرجع ظن اور گمان ہے اور ظن میں خطاء بھی ہوتی ہے اور صحیح بات بھی ہوتی ہے۔

اور علامہ الکرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خطاء کی جگہ نہیں بیان کی اور تم لوگ خطاء کی نشاندہی کر رہے ہو؟

انہوں نے کہا: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب احتمالات ہیں ان میں کسی چیز کے اوپر جزم اور وثوق نہیں ہے، یا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے خطاء اور صواب کو بیان نہیں کیا کہ لوگوں میں اس سے فساد اور خرابیاں نہ ہوں، اور اب یہ احتمال زائل ہو چکا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تم قسم نہ کھاؤ" علامہ داؤدی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ تم بار بار قسم نہ کھاؤ کیونکہ میں تمہیں خواب کی تعبیر نہیں بتاؤں گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اس خواب کی تعبیر میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے تعبیر بیان کرنے میں کیا خطاء کی ہے۔

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: اگر تم یہ سوال کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود یہ حکم دیا ہے کہ قسم کھانے والے کو اس کی قسم میں سچا کرو۔

تو میں کہوں گا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جب قسم پوری کرنے میں کوئی خرابی نہ ہو، اور یہاں پر اگر ان کی قسم پوری کی جاتی تو خرابیاں لازم آتیں، مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو فتنے برپا ہوئے اور اس کے نتیجہ میں انہیں قتل کیا گیا، اس کا بیان لازم آتا۔ یا اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن پر مطلع ہونا امرِ غیب پر مطلع ہونے کو مستلزم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ کے ہوتے ہوئے ادنیٰ کا فتویٰ دینا جائز ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عالم سے خواب کی تعبیر میں کبھی خطاء ہوتی ہے اور کبھی وہ صواب کو پہنچتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۲۔ ۲۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۴۶، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں مذکور خواب کی تعبیر

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں سائبان یا بادل کی تعبیر اسلام ہے، کیونکہ سائبان اور بادل اللہ تعالیٰ کی اہلِ جنت پر نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، اسی طرح بادل بنی اسرائیل کے اوپر سایا کرتے تھے اور اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر بادل سایا کرتے تھے جب آپ اعلانِ نبوت سے پہلے کہیں جاتے تھے، اور بادل یا سایا دار چیز انسان کو دھوپ سے محفوظ رکھتی ہے، اسی طرح اسلام مومنوں کو تکالیف سے محفوظ رکھتا ہے اور مومنین کو دنیا اور آخرت میں نعمتیں دیتا ہے۔

رہا شہد، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لوگوں کے لیے شفاء قرار دیا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس: ۵۷)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم نصیحت اور دلوں کی بیماری کی شفا آ گئی اور وہ مومنین کے لیے ہدایت اور رحمت ہے O

اس آیت میں "شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" عام ہے، اور قرآن مجید روحانی امراض کے علاوہ جسمانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے۔

حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: میرے بھائی کے پیٹ میں تکلیف ہے، انہوں نے اس کو خمر (شراب) پینے کا مشورہ دیا، پھر کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے نجس چیز میں شفاء نہیں رکھی، شفاء صرف دو چیزوں میں ہے: قرآن اور شہد میں اور ان میں دل کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔ (المعجم الکبیر: ۸۹۱۰)

اور قرآن مجید کی تلاوت ہمیشہ کانوں کو شہد کی طرح میٹھی لگتی ہے۔

اور سبب سے مراد رسی ہے اور عہد اور میثاق ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ۔ (آل عمران: ۱۱۲)

وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے سوا اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی۔

اور جس مرد نے نبی ﷺ کے بعد رسی کو پکڑا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو نبی ﷺ کے بعد آپ کی امت میں حق کے اوپر قائم رہے، پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حق پر قائم رہے، پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حق پر قائم رہے اور یہ وہی ہیں جن سے رسی ٹوٹ گئی۔

خواب کی تعبیر بیان کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء

علامہ المہلب المالکی لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیان کی ہوئی تعبیر میں خطاء یہ ہے جس کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا ''واخطأت بعضا''، یعنی تم نے بعض تعبیر میں خطاء کی ہے، اور وہ خطاء حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس قول میں ہے ''ثم وصل له''، یعنی ان کے لیے پھر رسی جوڑ دی گئی، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ چاہیے تھا کہ وہ ''ثم وصل'' کہہ کر ٹھہر جاتے کیونکہ خواب میں اتنا ہی ذکر ہے اور ''له'' کو ذکر نہ کرتے، کیونکہ اس سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ کسی اور نے اس رسی کو جوڑ دیا۔

نبی ﷺ نے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خطاء کو ظاہر نہیں کیا اس کی توجیہ

نبی ﷺ نے ان کی خطاء کی جگہ کو چھپایا تاکہ لوگ اس بات سے غمزدہ نہ ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایسے مصائب پیش آئیں گے، اور وہ چوتھے مرد تھے جن کی رسی ٹوٹی اور پھر جڑ گئی، یعنی خلافت ان کے علاوہ کسی اور سے واصل ہو گئی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: خواب پہلے تعبیر کرنے والے کے مطابق ہوگا'' اور امام ابوعبید اور دیگر علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر پہلے تعبیر کرنے والا صحیح تعبیر بیان کر دے تو خواب اس پر محمول ہوگا ورنہ جو اس کے بعد صحیح تعبیر بیان کرے گا اس پر خواب محمول ہوگا۔ اور مدار صرف خواب کی صحیح تعبیر بیان کرنے والے کے اوپر ہے تاکہ بندہ نے جو خواب دیکھا تھا وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی مراد کو ظاہر کرے۔ اور خواب دیکھنے والے کو چاہیے کہ وہ کسی دوسرے سے اس کی تعبیر نہ پوچھے سوا اس صورت کے کہ پہلے تعبیر بیان کرنے والے نے صحیح تعبیر نہ کی ہو، پھر دوسرے تعبیر بیان کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس چیز کو بیان کرے جو پہلے سے جہالت یا خطاء ہوئی ہے اور از خود اس خواب کی تعبیر بیان کرے جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم نے بعض تعبیر صحیح کہی ہے اور بعض میں خطاء کی ہے''۔ اگر خواب کی پہلے تعبیر بیان کرنے والا مطلقاً صحیح تعبیر بیان کرتا تو رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ نہ فرماتے ''تم نے بعض تعبیر میں خطاء کی ہے''۔

خواب کی تعبیر سے خواب میں فرق نہیں پڑتا

علامہ الکرمانی نے کہا ہے: خواب کی تعبیر بیان کرنے والا جو تعبیر بیان کرتا ہے اس سے خواب میں تغیر نہیں ہوتا، اور مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں جو اشارہ کیا ہے اس کو اپنی طرف سے بدل دے۔

خواب کی تعبیر صرف عالم یا خیر خواہ سے معلوم کی جائے

علامہ ابن قتیبہ نے کہا ہے: خواب دیکھنے والے کو یہ چاہیے کہ وہ اپنے خواب کی تعبیر صرف عالم، خیر خواہ اور امین سے معلوم کرے، جیسا کہ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا ''تم اپنا خواب صرف عالم کے سامنے بیان کرو یا خیر خواہ کے سامنے یا تمہارے گھر والوں میں سے جو عقل مند ہو اس کے سامنے بیان کرو، کیونکہ وہ عنقریب نیک بات کہے گا''۔

اور اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ جس خواب کی تعبیر اچھی بیان کی جاتی ہے اس خواب کی دلالت ناپسندیدہ اور شر پر نہیں ہوگی۔ امام مالک سے کہا گیا کہ آپ خواب کی تعبیر اچھی بیان کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ خواب اللہ تعالیٰ کے نزدیک شر ہو کیونکہ حدیث میں ہے "خواب پہلے تعبیر بیان کرنے والے کے مطابق ہوتا ہے" تو امام مالک نے کہا: معاذ اللہ! خواب نبوت کے اجزاء میں سے ہے تو کیا نبوت کے اجزاء سے کھیل کیا جائے گا؟ لیکن عالم اور خیر خواہ سے جس خیر کی توقع رکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ سچی تعبیر بیان کرے گا یا اس کے لیے خیر کی دعا کرے گا یا شر کو دور کرنے کی دعا کرے گا۔ اور جب اس کو تعبیر کا علم نہ ہو تو وہ کہے گا کہ یہ خواب تمہارے لیے خیر ہے اور تمہارے دشمن کے لیے شر ہے۔

خواب کی بعض تعبیر سے سکوت کرنے کا جواز

علامہ المہلب نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو چاہیے کہ خواب کی بعض تعبیر سے اس وقت سکوت کرے جب اسے یہ خوف ہو کہ اس تعبیر سے عام لوگوں کو غم ہوگا، اور اگر خواب کی تعبیر سے صرف ایک آدمی کو غم ہو اور تعبیر بیان کرنے والے سے پوچھا جائے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس تعبیر کو بیان کردے تاکہ وہ اس کو صبر پر تیار کرے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا گیا کہ ایک عورت نے خواب دیکھا ہے کہ اس کے گھر کی کوئی قیمتی چیز ٹوٹ گئی تو انہوں نے کہا "تمہارا خاوند مر جائے گا اور تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا" یہ اس وقت کہا جب انہوں نے دیکھا کہ وہ عورت غمزدہ ہوئی ہے۔

قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کرنے کے حکم کا عمومی طور پر نہ ہونا

حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ قسم کھانے والے کی قسم کو سچا کیا جائے، یہ حکم بالعموم نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دی کہ وہ ضرور ان کو بتائیں کہ خواب کی تعبیر میں ان سے کیا خطاء ہوئی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قسم میں سچا نہیں کیا کیونکہ آپ کو علم تھا کہ قسم کو پورا کرنا اس وقت جائز ہے جب کہ اس سے مسلمانوں کو ضرر نہ ہو، اسی طرح جب کسی ناجائز کام پر قسم کھائی جائے تو اس قسم کو بھی پورا نہیں کیا جائے گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک مرد نے اگر اپنے بھائی کو یہ قسم دی کہ وہ ضرور شراب پیئے یا ضرور اللہ کی نافرمانی کرے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اس کو اس قسم میں سچا نہ کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر شاگرد اپنے استاد کو قسم دے کہ وہ اس کو اس مسئلہ کا فتویٰ دینے کی اجازت دے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ قسم دینا رغبت کے لیے ہے اور تجربہ کے لیے ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۵۷۸۔۵۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۴۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خواب کا خواب کی تعبیر کے مطابق ہونے کے متعلق احادیث

امام عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التوفی ۲۵۵ھ، اپنی سندِ حسن کے ساتھ از سلیمان بن یسار روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ بیان کرتی ہیں کہ اہلِ مدینہ میں ایک عورت تھی جس کا خاوند تاجر تھا اور وہ تجارت کے سلسلہ میں

آتا جاتا رہتا تھا، پس جب بھی اس کا خاوند غائب ہوتا تو وہ خواب دیکھتی تھی، اور وہ بہت کم غائب ہوتا تھا مگر اس کو حاملہ چھوڑ کر جاتا تھا، پس وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتی اور کہتی کہ میرا شوہر تجارت کے لیے نکل کر گیا ہے اور مجھے حاملہ چھوڑ کر گیا ہے، پس میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر کا ایک ستون ٹوٹ گیا اور مجھ سے ایک کانا لڑکا پیدا ہوا ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر ہے، تمہارا خاوند ان شاء اللہ سلامتی کے ساتھ لوٹ آئے گا اور تمہارے ہاں ایک نیک لڑکا پیدا ہوگا، پھر اس عورت نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ یہی خواب دیکھا اور ہر مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تو آپ اس سے ہر بار یہی فرماتے کہ خیر ہے، تمہارا خاوند ان شاء اللہ سلامتی کے ساتھ لوٹ آئے گا اور تم سے ایک نیک لڑکا پیدا ہوگا، پھر اس کا خاوند لوٹ آیا اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، پس ایک دن وہ آئی جیسا کہ وہ آتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے اور اس نے وہ خواب دیکھا تھا تو میں نے اس سے پوچھا: اے اللہ کی بندی! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز کا سوال کرنا چاہتی ہو؟ اس نے کہا کہ میں خواب دیکھتی ہوں تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی ہوں اور آپ سے اس خواب کے متعلق سوال کرتی ہوں تو آپ فرماتے ہیں: خیر ہے، پھر اسی طرح ہوتا ہے جس طرح آپ فرماتے ہیں، میں نے اس سے کہا: تم مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا خواب دیکھا ہے، اس نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آجائیں گے تو پھر میں آپ کو بتاؤں گی جیسا کہ میں آپ کے سامنے خواب بیان کرتی ہوں، پس اللہ کی قسم! میں نے اس کو اس وقت تک نہیں چھوڑا حتیٰ کہ اس نے مجھے خواب بیان کر دیا، پس میں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم نے اپنے خواب کو سچ بیان کیا ہے تو تمہارا خاوند فوت ہو جائے گا اور تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو فاسق و فاجر ہوگا، پس وہ عورت بیٹھ کر رونے لگی کہ مجھے کیا ہوا جو میں نے آپ کے سامنے اپنا خواب بیان کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اس وقت وہ رو رہی تھی، آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اس کو کیا ہوا ہے اے عائشہ! تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واقعہ سنایا اور انہوں نے خواب کی وہ تعبیر سنائی جو انہوں نے کی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھہرو اے عائشہ! جب تم کسی مسلمان کے خواب کی تعبیر بیان کرو تو اس کی تعبیر خیر کے ساتھ بیان کرو، کیونکہ خواب تعبیر بیان کرنے والے کے مطابق ہو جاتا ہے، پس اس کا خاوند مر گیا اور میں نے اس عورت کو نہیں دیکھا مگر اس کے ہاں ایک فاسق و فاجر لڑکا پیدا ہوا۔ (سنن داری: ۲۱۶۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز امام سعید بن منصور الخراسانی المکی المتوفی ۲۲۷ھ عطاء بن ابی رباح سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، پس اس نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر کا ایک قیمتی برتن ٹوٹ گیا ہے اور اس عورت کا خاوند موجود نہیں تھا (غائب تھا)، تو آپ نے فرمایا: اللہ تمہارے خاوند کو واپس لے آئے گا، پس اس کا خاوند صحیح و سالم آگیا۔۔۔ الحدیث

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ خواب کی جو تعبیر بیان کی جائے، خواب اسی تعبیر کے مطابق ہوتا ہے۔

اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خواب کی تعبیر بیان کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس میں بعض خطاء کی ہے'' اور اس سے معلوم ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما دیتے کہ انہوں نے کیا خطاء کی ہے تو اس خواب کی وہی صحیح تعبیر ہوتی اور پہلی تعبیر کا اعتبار نہ ہوتا۔ اور وہ جو حدیث میں ہے کہ ''خواب پہلی تعبیر کے مطابق ہوتا ہے'' یہ اس وقت ہے جب وہ تعبیر صحیح ہو، ورنہ جو تعبیر صحیح ہو خواب اس کے مطابق ہوتا ہے۔

خواب دیکھنے والے اور خواب کی تعبیر بیان کرنے والے کے آداب

امام عبدالرزاق بن ہمام المتوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کوئی خواب دیکھے اور وہ اپنے بھائی کے سامنے وہ خواب بیان کرے تو اس کو چاہیے کہ کہے: یہ خواب ہمارے لیے خیر ہے اور ہمارے دشمنوں کے لیے شر ہے۔ اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں لیکن اس کی سند منقطع ہے۔

امام طبرانی اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن زمل الجہنی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھتے تو فرماتے: تم میں سے کسی نے خواب میں کچھ دیکھا ہے، ابن زمل نے بیان کیا: پس میں نے کہا: یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا ہے، تو آپ نے فرمایا: تم کو خیر حاصل ہوگی اور شر سے تم محفوظ رہو گے، اور یہ خواب ہمارے لیے خیر ہے اور ہمارے دشمنوں کے لیے شر ہے، والحمد للہ رب العالمین، تم اپنا خواب بیان کرو۔ الحدیث، اور اس حدیث کی سند بہت ضعیف ہے۔

اور تعبیر بیان کرنے والے ائمہ نے کہا ہے کہ خواب دیکھنے والے کے آداب سے یہ ہے کہ وہ سچ بولنے والا ہو اور وضو کر کے دائیں کروٹ پر سویا ہو اور سوتے وقت ان سورتوں کی تلاوت کرے: والشمس، واللیل، والتین، سورۃ الاخلاص اور معوذتین، اور یہ دعا کرے: اے اللہ! میں برے خوابوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اور نیند اور بیداری میں شیطان کے کھیلنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے نیک، سچے اور نفع آور خواب کی دعا کرتا ہوں، اے اللہ! مجھے خواب میں وہ چیز دکھا جو مجھے پسند ہو، اور اس کے آداب سے یہ ہے کہ وہ اپنا خواب نہ عورت کے سامنے بیان کرے اور نہ دشمن کے سامنے اور نہ جاہل کے سامنے۔ اور خواب کی تعبیر بیان کرنے والے کے آداب سے یہ ہے کہ وہ خواب کی تعبیر نہ طلوع شمس کے وقت بیان کرے، نہ غروب شمس کے وقت، نہ زوال کے وقت اور نہ رات میں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۴۸۔ بَابُ: تَعْبِيرِ الرُّؤْيَا بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ صبح کی نماز کے بعد خواب کی تعبیر بیان کرنا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خواب کی تعبیر صبح کی نماز کے بعد بیان کرنی چاہیے، ایک قول یہ ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے امام عبدالرزاق کی اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ اپنا خواب عورت کے سامنے نہ بیان کرو اور اس وقت تک بیان نہ کرو حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے، اور اس میں اہل تعبیر کے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ تعبیر طلوع شمس کے بعد بیان کی جائے اور عصر سے لے کر غروب آفتاب تک بیان کی جائے، کیونکہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ طلوع شمس سے پہلے خواب کی تعبیر بیان کرنا مستحب ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ خواب کی تعبیر صبح کی نماز کے وقت بیان کرنا دوسرے اوقات کی بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ خواب دیکھنے والے کو اس وقت خواب یاد ہوتا ہے اور تعبیر بیان کرنے والے کا ذہن بھی مستحضر ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

٧٠٤٧۔ حَدَّثَنِی مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ أَبُو هِشَامٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَوْفٌ حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ حَدَّثَنَا سَمُرَةُ بْنُ جُنْدُبٍ رضی الله عنه قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِمَّا يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ لِأَصْحَابِهِ هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا قَالَ فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُصَّ وَإِنَّهُ قَالَ ذَاتَ غَدَاةٍ إِنَّهُ أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي وَإِنَّهُمَا قَالَا لِي انْطَلِقْ وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ فَيَتَهَدْهَدُ الْحَجَرُ هَا هُنَا فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ قُلْتُ لَهُمَا سُبْحَانَ اللهِ مَا هَذَانِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُسْتَلْقٍ لِقَفَاهُ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِكَلُّوبٍ مِنْ حَدِيدٍ وَإِذَا هُوَ يَأْتِي أَحَدَ شِقَّيْ وَجْهِهِ فَيُشَرْشِرُ شِدْقَهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرَهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنَهُ إِلَى قَفَاهُ قَالَ وَرُبَّمَا قَالَ أَبُو رَجَاءٍ فَيَشُقُّ قَالَ ثُمَّ يَتَحَوَّلُ إِلَى الْجَانِبِ الْآخَرِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ بِالْجَانِبِ الْأَوَّلِ فَمَا يَفْرُغُ مِنْ ذَلِكَ الْجَانِبِ حَتَّى يَصِحَّ ذَلِكَ الْجَانِبُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قَالَ قُلْتُ سُبْحَانَ اللهِ مَا هَذَانِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى مِثْلِ التَّنُّورِ قَالَ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فَإِذَا فِيهِ لَغَطٌ وَأَصْوَاتٌ قَالَ فَاطَّلَعْنَا فِيهِ فَإِذَا فِيهِ رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ وَإِذَا هُمْ يَأْتِيهِمْ لَهَبٌ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ فَإِذَا أَتَاهُمْ ذَلِكَ اللَّهَبُ ضَوْضَوْا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے مؤمّل بن ہشام ابوہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابورجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اکثر اپنے اصحاب سے پوچھتے تھے: کیا تم میں سے کسی ایک نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ پس جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا وہ آپ کے سامنے خواب بیان کرتا، اور ایک دن صبح کے وقت آپ نے ہم سے فرمایا: بے شک آج رات میرے پاس دو آنے والے آئے، ان دونوں نے مجھے اٹھایا اور ان دونوں نے مجھ سے کہا: چلیے! میں ان کے ساتھ چلا، ہم ایک مرد کے پاس آئے جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا مرد اس کے اوپر ایک پتھر لے کر کھڑا ہوا تھا، اور وہ اس پتھر کو اس کے سر پر مارتا، پس اس کا سر ٹوٹ جاتا اور وہ پتھر یہاں سے لڑھکتا ہوا چلا جاتا، پھر وہ شخص اس پتھر کے پیچھے جا کر اس کو پکڑ لیتا، ابھی وہ واپس نہیں آتا تھا کہ اس کا سر جڑ کر ٹھیک ہو جاتا تھا جیسے پہلے تھا، پھر وہ دوبارہ اس کے سر کے اوپر پتھر مارتا جیسے پہلی مرتبہ مارا تھا، میں نے ان دونوں سے کہا: سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ تو ان دونوں نے مجھ سے کہا: چلیے، چلیے! پس ہم گئے حتیٰ کہ ہم ایک مرد کے پاس پہنچے جو پیٹھ کے بل چت لیٹا ہوا تھا، اور دوسرا آدمی اس کے اوپر لوہے کا ایک آنکڑا لے کر کھڑا ہوا تھا، اور وہ شخص اس کے چہرہ کی ایک جانب آتا اور اس کے جبڑے کو اس کی گدی تک اور اس کی ناک کو گدی تک چیرتا اور اس کی آنکھوں کو گدی تک چیرتا اور بعض اوقات اس کے راوی ابورجاء نے کہا: اس کو پھاڑتا، پھر اس شخص کی دوسری جانب جاتا، پس اس جانب بھی اسی طرح کرتا جس طرح پہلی جانب کیا تھا، اور وہ ایک جانب سے فارغ نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ وہ جانب اسی طرح صحیح ہو جاتی جس طرح پہلے

هٰؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى نَهَرٍ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَسْبَحُ وَإِذَا عَلَى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً وَإِذَا ذٰلِكَ السَّابِحُ يَسْبَحُ مَا يَسْبَحُ ثُمَّ يَأْتِي ذٰلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ فَيَفْغَرُ لَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا فَيَنْطَلِقُ يَسْبَحُ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ كُلَّمَا رَجَعَ إِلَيْهِ فَغَرَ لَهُ فَاهُ فَأَلْقَمَهُ حَجَرًا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَانِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ كَرِيهِ الْمَرْآةِ كَأَكْرَهِ مَا أَنْتَ رَاءٍ رَجُلًا مَرْآةً وَإِذَا عِنْدَهُ نَارٌ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَأَتَيْنَا عَلَى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيهَا مِنْ كُلِّ لَوْنِ الرَّبِيعِ وَإِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيلٌ لَا أَكَادُ أَرَى رَأْسَهُ طُولًا فِي السَّمَاءِ وَإِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ أَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَأَيْتُهُمْ قَطُّ قَالَ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِي انْطَلِقْ انْطَلِقْ قَالَ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا إِلَى رَوْضَةٍ عَظِيمَةٍ لَمْ أَرَ رَوْضَةً قَطُّ أَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا أَحْسَنَ قَالَ قَالَا لِي ارْقَ فِيهَا قَالَ فَارْتَقَيْنَا فِيهَا فَانْتَهَيْنَا إِلَى مَدِينَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَأَتَيْنَا بَابَ الْمَدِينَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَهُمُ اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذٰلِكَ النَّهَرِ قَالَ وَإِذَا نَهَرٌ مُعْتَرِضٌ يَجْرِي كَأَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِي الْبَيَاضِ فَذَهَبُوا فَوَقَعُوا فِيهِ ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ قَالَ قَالَا لِي هٰذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَهٰذَاكَ مَنْزِلُكَ

تھی، پھر وہ لوٹ کر اس جانب آ جاتا، پھر اس کے ساتھ اسی طرح کرتا جس طرح پہلی مرتبہ کیا تھا، میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ دونوں کون ہیں؟ راوی بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا: چلیے، چلیے! پس ہم گئے حتیٰ کہ ہم ایک تنور کی مثل پر پہنچے، راوی نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: اس تنور میں شور تھا اور آوازیں تھیں، پس ہم نے اس میں جھانک کر دیکھا تو اس میں مرد اور عورتیں برہنہ تھیں، اور جب ان کے اوپر نیچے سے شعلہ آتا، جب آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لیتی تو وہ چلّاتے، میں نے ان دونوں سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ راوی نے کہا: میرا گمان ہے آپ نے فرمایا: ان دونوں نے مجھ سے کہا: چلیے، چلیے! آپ نے بتایا کہ ہم چلے یہاں تک کہ ہم ایک دریا پر پہنچے، راوی نے کہا: میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ سرخ خون کا دریا تھا اور اس دریا میں ایک مرد تیر رہا تھا، پس جب وہ تیر کر دریا کے کنارے پر آتا تو دوسرا مرد جس کے اپنے پاس بہت سارے پتھر تھے، یہ تیرنے والا جب اس شخص کے پاس پہنچتا جس نے پتھر جمع کر رکھے تھے تو وہ اس تیرنے والے کے منہ میں پتھر ڈال دیتا، وہ پھر تیرنے لگتا اور پھر اس کے پاس لوٹ کر آتا اور وہ جب بھی اس کے پاس آتا تو وہ اس کے منہ میں پتھر ڈال دیتا، آپ نے فرمایا: میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ چلیے، چلیے! پس ہم ایک انتہائی بدصورت مرد کے پاس پہنچے جیسا بدصورت تم نے کبھی دیکھا ہو اور اس کے پاس آگ تھی، وہ شخص اس آگ کو جلاتا تھا اور اس کے ارد گرد دوڑتا تھا، میں نے ان دونوں سے کہا: یہ کیا ہے؟ راوی نے کہا: ان دونوں نے مجھ سے کہا چلیے، چلیے! پس ہم ایک بہت بڑے باغ کے پاس پہنچے، اس باغ میں موسمِ بہار کا ہر قسم کا پھول تھا اور اس باغ کے درمیان میں ایک طویل القامت مرد تھا، قریب ہے کہ میں اس کے طول کی وجہ سے اس کا سر آسمان میں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، اور اس مرد کے گرد بہ کثرت بچے تھے جن

قَالَ فَسَمَا بَصَرِی صُعُدًا فَإِذَا قَصْرٌ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَاءِ قَالَ قَالَا لِي هَذَاكَ مَنْزِلُكَ قَالَ قُلْتُ لَهُمَا بَارَكَ اللهُ فِيكُمَا ذَرَانِي فَأَدْخُلَهُ قَالَا أَمَّا الْآنَ فَلَا وَأَنْتَ دَاخِلَهُ قَالَ قُلْتُ لَهُمَا فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ مُنْذُ اللَّيْلَةِ عَجَبًا فَمَا هَذَا الَّذِي رَأَيْتُ قَالَ قَالَا لِي أَمَا إِنَّا سَنُخْبِرُكَ أَمَّا الرَّجُلُ الْأَوَّلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يُشَرْشَرُ شِدْقُهُ إِلَى قَفَاهُ وَمَنْخِرُهُ إِلَى قَفَاهُ وَعَيْنُهُ إِلَى قَفَاهُ فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَغْدُو مِنْ بَيْتِهِ فَيَكْذِبُ الْكَذْبَةَ تَبْلُغُ الْآفَاقَ وَأَمَّا الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الْعُرَاةُ الَّذِينَ فِي مِثْلِ بِنَاءِ التَّنُّورِ فَإِنَّهُمُ الزُّنَاةُ وَالزَّوَانِي وَأَمَّا الرَّجُلُ الَّذِي أَتَيْتَ عَلَيْهِ يَسْبَحُ فِي النَّهَرِ وَيُلْقَمُ الْحَجَرَ فَإِنَّهُ آكِلُ الرِّبَا وَأَمَّا الرَّجُلُ الْكَرِيهُ الْمَرْآةِ الَّذِي عِنْدَ النَّارِ يَحُشُّهَا وَيَسْعَى حَوْلَهَا فَإِنَّهُ مَالِكٌ خَازِنُ جَهَنَّمَ وَأَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيلُ الَّذِي فِي الرَّوْضَةِ فَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ ﷺ وَأَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِينَ حَوْلَهُ فَكُلُّ مَوْلُودٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِينَ يَا رَسُولَ اللهِ وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِنْهُمْ حَسَنًا وَشَطْرٌ قَبِيحًا فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُمْ۔

(صحیح مسلم:۲۲۷۵،سنن ترمذی:۲۲۹۴،مسند احمد:۱۹۵۹۰)

کو میں نے دیکھا،آپ نے فرمایا: میں نے ان دونوں سے کہا: یہ شخص کون ہے اور یہ بچے کون ہیں تو آپ نے فرمایا: ان دونوں نے مجھ سے کہا: چلیے،چلیے! پھر ہم ایک بہت بڑے باغ تک پہنچے،میں نے اتنا بڑا اور اتنا حسین باغ اس سے پہلے نہیں دیکھا، راوی نے کہا کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ آپ اس باغ پر چڑھیں،پس ہم اس میں چڑھے تو ہم ایسے شہر تک پہنچے جس کی اینٹیں سونے کی اور چاندی کی تھیں،پھر ہم اس شہر کے دروازہ تک پہنچے،پس ہم نے اس کا دروازہ کھلوایا،سو وہ دروازہ ہمارے لیے کھول دیا گیا،سو ہم اس میں داخل ہوئے،پس وہاں ہم ایسے لوگوں سے ملے جن کے جسم کا آدھا حصہ اتنا حسین تھا تم نے کبھی دیکھا ہو اور ان کا بقیہ آدھا اتنا بدصورت تھا جو تم نے کبھی دیکھا ہو، راوی نے کہا: ان دونوں نے ان لوگوں سے کہا: جاؤ اور دریا میں کود جاؤ،آپ نے بتایا کہ وہاں پر ایک دریا جاری تھا جس کا پانی انتہائی سفید تھا،وہ لوگ اس دریا میں کود گئے پھر جب وہ ہمارے پاس لوٹے تو ان کے آدھے جسم کی بدصورتی زائل ہو چکی تھی اور وہ انتہائی حسین صورت میں بن چکے تھے،آپ نے فرمایا کہ ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ یہ "جنت عدن" ہے اور یہ آپ کا ٹھکانا ہے،آپ نے فرمایا: پھر میں نے اپنی نظر اوپر اٹھائی تو وہاں ایک محل تھا جو سفید بادل کی طرح تھا،ان دونوں نے مجھ سے کہا: یہ آپ کی منزل ہے،میں نے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے، مجھے اس محل میں داخل ہونے دو،ان دونوں نے کہا: لیکن ابھی نہیں،اور آپ اس میں داخل ہوں گے،میں نے ان سے کہا: آج رات میں نے بہت عجیب وغریب چیزیں دیکھیں،سو وہ کیا چیزیں ہیں جو میں نے دیکھی ہیں،تو ان دونوں نے مجھ سے کہا: ہم عنقریب آپ کو بتائیں گے،آپ نے پہلا مرد جو دیکھا جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا،یہ وہ مرد ہے جو قرآن کا علم حاصل کرتا تھا اور اس پر عمل کو چھوڑ دیتا تھا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا تھا،اور دوسرا مرد

جس کے پاس آپ آئے جس کا جبڑا گدی تک اور اس کی ناک گدی تک اور اس کی آنکھ اس کی گدی تک چیری جارہی تھی، یہ وہ مرد ہے جو صبح اپنے گھر سے اٹھتا ہے تو جھوٹی خبر بیان کرتا ہے اور وہ خبر ساری دنیا میں پہنچ جاتی ہے، اور آپ نے جو تنور کی شکل میں مرد اور عورت برہنہ دیکھے، یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں، اور آپ نے جس مرد کو دیکھا جو دریا میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جارہے تھے یہ سود کھانے والا ہے، اور آپ نے جو آگ کے گرد بہت بدصورت مرد کو دیکھا جو آگ جلا رہا تھا اور آگ کے گرد دوڑ رہا تھا، یہ مالک ہیں جو جہنم کے پہرے دار ہیں، اور وہ طویل القامت مرد جس کو آپ نے باغ میں دیکھا تو وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور جو بچے ان کے گرد تھے ان میں سے ہر وہ پیدا ہونے والا بچہ ہے جو فطرت پر فوت ہو گیا ہے، راوی نے کہا: پس بعض مسلمانوں نے کہا: یارسول اللہ! اور مشرکین کی اولاد؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی اولاد بھی، اور رہے وہ لوگ جن کا آدھا جسم حسین تھا اور باقی آدھا جسم بدصورت تھا، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نیک اعمال بھی کیے اور برے اعمال بھی کیے، اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا۔

صحیح البخاری: ۷۰۴۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کا عنوان ہے "صبح کے وقت خواب کی تعبیر بیان کرنا" اور اس باب کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد خواب کی تعبیر بیان فرمائی، کیونکہ اس حدیث میں غداۃ کا لفظ ہے، اور اس کا معنی ہے: طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مؤمّل، یہ محمد کے وزن پر ہے، یہ ابن ہشام ابو ہاشم ہیں اور ان کی کنیت ان کے باپ کے نام کے موافق ہے اور یہ اسماعیل بن ابراہیم کے داماد ہیں جو ابن علیہ کے نام سے مشہور ہیں اور انہی سے مؤمل روایت کرتے ہیں۔ اور

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عوف، یہ الاعرابی کے نام سے مشہور ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو رجاء، ان کا نام عمران العطاردی ہے۔ اور اس حدیث کی سند کے تمام راوی بصری ہیں۔

اس حدیث کی امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الجہاد، کتاب بدء الخلق اور کتاب الادب اور کتاب احادیث الانبیاء اور کتاب التفسیر میں روایت کی ہے اور سب جگہ اس حدیث کے مختلف قطعات بیان کیے ہیں اور مکمل حدیث صرف اس جگہ بیان کی ہے اور یا پھر کتاب الجنائز کے اخیر میں بیان کی ہے۔ اور امام مسلم نے اس کی کتاب الرؤیا میں از محمد بن بشار اختصار سے روایت کی ہے، اور امام ترمذی نے بھی کتاب الرؤیا میں از بندار مختصراً روایت کی ہے۔ اور امام نسائی نے اس کی از محمد بن عبد الاعلیٰ کتاب الرؤیا میں روایت کی ہے اور اس حدیث کی اکثر شرح کتاب الجنائز میں گزر چکی ہے، اور یہاں پر ہم بعض ان الفاظ کی شرح ذکر کریں گے جن کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۶۔ ۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۴۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انه اتانی اللیلة اتیان" یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے پاس دو آنے والے آئے۔ جریر کی روایت میں ہے کہ میں نے دیکھا دو مرد میرے پاس آئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے دیکھا دو فرشتے آئے، اور حدیث کے آخر میں آئے گا کہ یہ دو فرشتے حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانما ابتعثانی" ابتعثانی کا معنی ہے: ان دونوں نے مجھے بھیجا، اسی طرح علامہ الجوہری نے "الصحاح" میں بیان کیا ہے کہ "بعثه" اور "ابتعثه" کا معنی ہے "ارسلهٗ" یعنی اس کو بھیجا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کو لے گیا۔ اور علامہ ابن ہبیرہ نے کہا ہے کہ "ابتعثانی" کا معنی ہے کہ ان دونوں نے مجھے بیدار کیا، اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا ہو کہ ان دونوں نے آپ کو بیدار کیا، پس آپ نے وہ دیکھا جو خواب میں دیکھا، اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد آپ نے ان کو اس طرح دیکھا جس طرح بیداری میں دیکھتے ہیں، لیکن جب آپ نے مثال دیکھی تو اس کو تعبیر سے کھولا اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانی انطلقت معهما" جریر بن حازم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ میں ان کے ساتھ "الارض المقدسه" کی طرف گیا اور مسند احمد میں مذکور ہے کہ میں ان کے ساتھ ایک ہموار زمین کی طرف گیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: پس وہ دونوں مجھے آسمان کی طرف لے گئے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وانا اتینا علی رجل مضطجع" اور جریر کی روایت میں ہے: ہم ایک ایسے مرد کے پاس گئے جو اپنی گدی کے بل لیٹا ہوا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واذا آخر قائم علیه بصخرة" اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: پس میں ایک فرشتہ کے پاس سے گزرا اور اس کے سامنے ایک آدمی تھا اور فرشتہ کے ہاتھ میں ایک بڑا پتھر تھا جس پتھر کو وہ اس آدمی کی کھوپڑی پر مار رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "یھوی" اس کا معنی ہے: کسی چیز کا اوپر سے نیچے کی طرف گرنا، اگر دور سے گرے تو اس کے لیے "اھوی" کا لفظ آتا ہے اور اگر قریب سے گرے تو اس کے لیے "ھوی" کا لفظ آتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بالصخرۃ لراسہ فیثلغ" "یثلغ" کا معنی ہے: وہ اس کو توڑ دیتا، یعنی پتھر اس کے سر پر مارتا تو اس کے سر کو توڑ دیتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیتدھدہ الحجر" "تدھدہ" کا معنی ہے: اوپر سے نیچے کی طرف لڑھکنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیتبع الحجر فلا یرجع الیہ حتی یصح راسہ" یعنی وہ اس پتھر کی طرف جاتا ابھی اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتا تھا کہ اس کا سر جڑ کر صحیح ہو جاتا، مسند احمد میں ہے کہ اس کا سر ایسے ہی ہو جاتا جیسا کہ تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جب پتھر اس کے سر پر مارتا تو پتھر ایک جانب ہوتا اور دماغ دوسری جانب ہوتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثل ما فعل بہ المرۃ الاولی" یعنی جس طرح پہلے اس کے سر پر پتھر مارا تھا اسی طرح دوسری مرتبہ اس کے سر پر پتھر مارتا۔ علامہ ابن العربی نے کہا ہے: جو آدمی رات کی نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہو اس کو یہ سزا دی گئی کہ اس کے سر پر پتھر مارا گیا جس سے اس کا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، کیونکہ نیند کی جگہ سر ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "انطلق، انطلق" اسی طرح اس حدیث کے تمام مواضع میں تکرار کے ساتھ ہے، اور بعض مواضع میں صرف "انطلق" ہے یعنی فرشتہ نے صرف ایک مرتبہ کہا: چلیے!

اس حدیث میں مذکور ہے "فانطلقنا فاتینا علی رجل مستلق لقفاہ واذا آخر قائم علیہ بکلوب من حدید" یعنی پس ہم چل پڑے حتیٰ کہ ہم ایک مرد کے پاس آئے جو اپنی گدی کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا آدمی لوہے کا آنکڑا لیے ہوئے اس کے سر پر کھڑا ہوا تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: اس وقت میں ایک فرشتہ کے ساتھ تھا اور اس کے آگے ایک آدمی تھا اور فرشتہ کے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا تھا، پس وہ آنکڑا اس کے دائیں جبڑے میں ڈالتا پس اس کو چیرتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیشرشر شدقہ الی قفاہ" یعنی وہ اس آنکڑے سے اس کے جبڑے کو گدی تک کاٹ دیتا، الشدق کا معنی ہے: منہ کی جانب یعنی جبڑا۔ جریر کی روایت میں ہے: پس اس آنکڑے کو اس کے جبڑے میں داخل کرتا اور جبڑے کو چیر کر گدی تک لے جاتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومنخرہ" یہ واحد کا صیغہ ہے اور یہی مناسب ہے اور ایک روایت میں ہے "منخریہ" "منخر" کا معنی ہے: نتھنا یعنی ناک کا سوراخ۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ثم یتحول الی الجانب الآخر" جریر بن حازم کی روایت میں ہے: پھر وہ اس آنکڑے کو نکال کر اس کے دوسرے جبڑے میں داخل کرتا اور یہ جانب جڑ جاتی اور اس کے ساتھ اسی طرح کیا جائے گا۔

علامہ ابن العربی نے کہا: جو مرد دنیا میں جھوٹ بولتا تھا اس کو یہ سزا دی جائے گی کہ آنکڑا اس کے جبڑے میں داخل کر کے اور اس کے جبڑے کو گدی تک چیر دیا جائے گا، گویا وہ اپنے منہ سے جھوٹ بولتا تھا اور اس کو پھیلاتا تھا، اس لیے اس کے منہ کو یہ سزا دی جائے گی۔ اور اسی طرح آخرت میں سزائیں دی جاتی ہیں۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: ایک روایت میں ہے کہ وہ چت لیٹا ہوا تھا، دوسری روایت میں ہے کہ وہ کروٹ کے بل لیٹا ہوا تھا، تیسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی بیٹھا ہوا تھا، اور چوتھی روایت میں ہے کہ وہ کھڑا ہوا تھا۔ اور ان میں سے ہر روایت اس مرد کے حال کے اختلاف پر محمول ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" فاتینا علی مثل التنور " یعنی پھر ہم تنور کی مثل ایک بناء پر آئے۔ جریر بن حازم نے یہ اضافہ کیا کہ اس تنور کا اوپر تنگ تھا اور اس کا نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے آگ جل رہی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے" واحسب انه کان یقول فاذا فیه لغط واصوات " جریر کی روایت میں ہے کہ اس تنور میں ایک سوراخ بنا ہوا تھا جس میں مرد اور عورتیں تھیں اور ان کے شور کی آوازیں آرہی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے" واذا ھم یاتیھم لھب من اسفل منھم فاذا اتاھم ذالك اللھب ضوضوا " علامہ ابن الاثیر متوفی ۶۰۶ ھ نے کہا ہے" الضوضاۃ " کا معنی ہے: لوگوں کی آوازیں اور ان کا شور۔ اور جریر بن حازم کی روایت میں ہے: جب وہ آگ ان مردوں اور عورتوں کے قریب ہوتی تو وہ اوپر اٹھ جاتے حتیٰ کہ وہ تنور سے نکلنے کے قریب ہوتے اور جب آگ بجھ جاتی تو واپس تنور کی تہہ میں لوٹ جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" سابح " اس کا معنی ہے: تیرنے والا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" کلما رجع الیه " جریر بن حازم کی روایت میں ہے: جو مرد دریا میں تھا جب وہ دریا سے نکلنے کا ارادہ کرتا تو دوسرا مرد جس کے ہاتھ میں پتھر تھا وہ اس کے منہ پر پتھر مارتا اور اس کو وہیں لوٹا دیتا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" یحشھا " جریر بن حازم کی روایت میں ہے" یحششھا " یعنی وہ آگ جلاتا تھا۔ الجوہری نے کہا ہے" حششت النار احشھا حشا " اس کا معنی ہے: میں نے آگ کو جلایا۔ اور التحذیر میں مذکور ہے" حششت النار بالحطب " یعنی میں نے لکڑیوں میں آگ جلائی یا لکڑیوں کو آگ میں ڈالا۔

اس حدیث میں مذکور ہے" فاتینا علی روضة معتمة " اس کا معنی ہے: ہم ایک سرسبز باغ میں آئے۔

علامہ داؤدی المتوفی ۴۰۲ ھ نے کہا ہے: جب کوئی باغ سبزہ سے ڈھکا ہوا ہو تو کہا جاتا ہے" اعتمت الروضة "۔ علامہ ابن التین نے کہا ہے: میں کہتا ہوں کہ" العتمة " کا معنی ہے: سخت اندھیرا۔ اور مطلب یہ ہے کہ وہ باغ اتنا زیادہ سبز تھا کہ باغ پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اور ابن درید نے کہا ہے: اس باغ میں بہت زیادہ درخت تھے۔ اور خلیل نے کہا ہے: اس باغ میں گھاس بہت زیادہ تھی، اور جریر بن حازم کی روایت میں ہے: وہ ایک سرسبز باغ تھا جس میں بڑے بڑے درخت تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" من کل لون الربیع " یعنی اس باغ میں ہر قسم کے پھول اور کلیاں تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے" واذا حول الرجل من اکثر ولدان رایتھم قط " یعنی اس باغ میں ایک طویل القامت مرد تھا اور اس کے گرد بہت زیادہ بچے تھے۔ علامہ الطیبی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ اس مرد کے گرد اتنے زیادہ بچے تھے کہ میں نے اتنے زیادہ بچے اس سے پہلے نہیں دیکھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے" فانتھینا الی روضة عظیمة لم ار روضة قط اعظم منھا ولا احسن قال قالا لی ارق فیھا " یعنی

اس سرسبز باغ کے بعد ہم ایک بہت بڑے باغ کی طرف پہنچے، میں نے اس سے پہلے اتنا بڑا اور حسین باغ نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا کہ ان دونوں فرشتوں نے مجھ سے کہا: آپ چڑھیے! پس میں اس باغ میں چڑھا۔ امام احمد اور امام نسائی کی روایت میں ہے کہ وہاں ایک بہت بڑا درخت تھا اور مجھے اس درخت پر چڑھنے کے لیے کہا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانتهينا الى مدينة مبنية بلبن ذهب ولبن فضة" یعنی ہم ایک ایسے شہر تک پہنچے جس کی اینٹیں سونے کی تھیں اور چاندی کی تھیں۔ اور جریر بن حازم کی روایت میں ہے: ان دو فرشتوں نے مجھے ایک گھر میں داخل کر دیا کہ میں نے اس سے حسین گھر پہلے نہیں دیکھا تھا اور اس گھر میں بوڑھے مرد تھے اور جوان تھے اور عورتیں تھیں اور بچے تھے، پھر ان دونوں فرشتوں نے مجھے اس گھر سے نکالا اور ایک اور گھر میں داخل کر دیا جو اس سے بھی زیادہ حسین تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فتلقانا فيها رجال شطر من خلقهم" یعنی وہاں ہم ایسے مردوں سے ملے جن کا آدھا جسم حسین تھا اور باقی آدھا قبیح تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فقعوا فی ذالك النهر" یعنی پھر ان کو ایک دریا میں کودنے کا حکم دیا کہ وہ اس دریا میں کود یں، تو ان کا پورا جسم حسین ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "كان ماؤه المحض" یعنی اس دریا کا پانی خالص میٹھا تھا یا خالص کھارا تھا۔ علامہ طیبی نے کہا ہے کہ گویا اس صاف پانی کی وجہ سے ان کے جسم میں جو قباحت اور بدصورتی تھی وہ ڈھل کر صاف ہو گئی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پانی سے مراد اللہ تعالیٰ کا عفو اور درگزر ہو یا ان کی توبہ ہو جیسا کہ حدیث میں ہے: اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولوں سے دھو ڈال۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذهب ذالك السوء عنهم" یعنی ان سے وہ بدصورتی دور ہو گئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قال لی هذه جنة عدن" ان دو فرشتوں نے کہا کہ یہ شہر جنت عدن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فسما" یعنی آپ نے اوپر کی طرف دیکھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مثل الربابة" اس کا معنی ہے: سفید بادل۔

علامہ خطابی نے کہا: ربابہ ان بادلوں کو کہتے ہیں کہ جن کے اوپر تلے بادل ہوں، اور جریر بن حازم کی روایت میں ہے "پس میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو وہ بادل تھے"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ذرانی فادخله، قالا: اما الآن فلا، وانت داخله" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو فرشتوں سے فرمایا: مجھے چھوڑو میں اس گھر میں داخل ہوتا ہوں، ان دونوں نے کہا: ابھی نہیں، اور آپ اس گھر میں داخل ہوں گے۔ جریر بن حازم کی روایت میں ہے: پس میں نے یہ کہا: مجھے چھوڑو، میں اپنے گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو ان دونوں نے کہا: ابھی آپ کی عمر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں کیا، اور اگر آپ اپنی عمر پوری کر لیتے تو اپنے گھر میں داخل ہو جاتے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانی قد رایت منذ الليلة عجبا فما هذا الذی رایت" یعنی میں نے اس رات بہت عجیب وغریب چیزیں دیکھی ہیں، پس وہ کیا چیزیں ہیں جن کو میں نے دیکھا ہے؟ اور جریر کی روایت میں ہے: میں نے ان فرشتوں سے کہا: تم دونوں مجھے ساری رات گھماتے رہے ہو، پس مجھے خبر دو کہ میں نے کیا چیزیں دیکھی ہیں، تو ان دونوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیرفضہ" یعنی وہ مرد قرآن مجید کو چھوڑ دیتا تھا۔ ابن ہبیرہ نے کہا: قرآن مجید کو حفظ کرنے کے بعد اس کو چھوڑنا بہت بڑا گناہ ہے، اور تمام چیزوں میں اشرف قرآن مجید ہے تو چونکہ اس نے اشرف کو چھوڑا اس لیے اس کے اعضاء میں جو سب سے اشرف ہے یعنی سر اس کو سزا دی گئی، سو اس کے سر کو پتھر سے توڑا جا رہا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وینام عن الصلوٰۃ المکتوبۃ" یعنی وہ مرد فرض نماز کو پڑھے بغیر سو جاتا تھا۔ اور جریر بن حازم کی روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن کا علم دیا، پس وہ رات کو سو جاتا تھا اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ اس کو اس لیے عذاب دیا جا رہا تھا کہ وہ رات کو قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا تھا، اور عوف کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو فرض نماز کے ترک کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو ان دونوں کاموں کے مجموعہ پر عذاب دیا جا رہا ہو یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے ترک کرنے اور قرآن مجید کے تقاضوں کے عمل پر ترک کی وجہ سے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیکذب الکذبۃ تبلغ الآفاق" یعنی جس شخص کے جبڑے کو چیرا جا رہا تھا وہ جھوٹ بولتا تھا جو تمام دنیا میں پھیل جاتا تھا، پس اس کو قیامت تک یہی سزا دی جاتی رہے گی۔ اور وہ چونکہ اپنے منہ سے جھوٹ بولتا تھا اس لیے اس کے منہ کو سزا دی جا رہی تھی اور اس کے جبڑے کو گدی تک چیرا جا رہا تھا اور قیامت تک اس کے ساتھ یونہی ہوتا رہے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فھم الزناۃ" یعنی جو لوگ برہنہ آگ کے تنور میں جل رہے تھے وہ زنا کرنے والے تھے اور ان کو نیچے سے عذاب دیا جا رہا تھا کیونکہ وہ گناہ بھی اپنے نچلے اعضاء سے کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فانہ آکل الربا" یعنی جو شخص خون کے دریا میں کنارے تک پہنچنے کے لیے تیر رہا تھا وہ سود کھانے والا تھا۔ ابن ہبیرہ نے کہا کہ سود کھانے والے کو یہ سزا دی گئی کہ وہ سرخ دریا میں تیر رہا تھا اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جا رہے تھے، کیونکہ اصل میں سود سونے کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے اور سونا سرخ رنگ کا ہوتا ہے، اور رہا فرشتہ کا اس کے منہ میں پتھر مارنا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ سود کی کمائی اسے کسی چیز سے بچا نہیں سکتی۔ اسی طرح سود خور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال زیادہ ہو رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے مال کو کم کر رہا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واما الرجل الطویل الذی فی الروضۃ فانہ ابراھیم" یعنی وہ لمبے قد والا مرد جو باغ میں ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور جریر بن حازم کی روایت میں ہے: جو بوڑھا آدمی درخت کی جڑ میں ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور باقی انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہاں دکھایا گیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمانوں کے باپ ہیں، قرآن مجید میں ہے:

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ (الحج:۷۸) (یہ) تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واما الولدان الذین حولہ فکل مولود مات علی الفطرۃ" یعنی جن بچوں کو آپ نے حضرت ابراہیم کے گرد دیکھا، یہ ہر وہ بچہ ہے جو فطرت پر مرا۔ اور النضر بن شمیل کی روایت میں ہے کہ ہر وہ بچہ ہے جو فطرت پر پیدا ہوا۔ اور یہ دوسری روایت کے زیادہ مشابہ ہے جس میں مذکور ہے "اور اولاد المشرکین" اور جریر کی روایت میں ہے "پس یہ لوگوں

کی اولاد ہیں"۔اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: پھر ہم گئے تو ہم ان بچوں کے قریب تھے جو دو دریاؤں کے درمیان کھیل رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو فرشتے نے بتایا کہ یہ مومنین کی اولاد ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "واولاد المشرکین" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گرد مسلمانوں کی اولاد بھی تھی اور مشرکین کی اولاد بھی تھی۔

اس پر یہ سوال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مشرکین کی اولاد سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ اپنے آباء کا جزو ہیں، اور یہ اس حدیث کے معارض ہے، کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کی اولاد بھی جنت میں ہوگی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ وہ اپنے آباء کا جزو ہیں، یہ دنیا میں ان کا حکم ہے، اور اس حدیث میں ان کا آخرت میں حکم بیان فرمایا ہے۔

اور جریر بن حازم نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: پہلا وہ گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ عام مومنین کا گھر ہے، اور یہ گھر شہداء کا گھر ہے اور میں جبریل ہوں اور یہ میکائیل ہیں۔

برزخ میں نیکوکاروں اور بدکاروں کے احوال

اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: پھر ہم چل کر گئے تو وہاں ایسے مرد اور عورتیں تھیں جو دیکھنے میں انتہائی قبیح اور انتہائی بدبودار تھے، ان سے پاخانے کی بدبو آتی تھی، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرشتہ نے کہا: یہ زنا کرنے والی عورتیں اور زنا کرنے والے مرد ہیں، پھر ہم چلتے گئے تو ہم نے ایسے مردوں کو دیکھا جن کے جسم بہت پھولے ہوئے تھے اور بہت زیادہ بدبودار تھے، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرشتہ نے کہا: یہ کفار کے مردے ہیں، پھر ہم چلتے ہوئے گئے تو وہاں کچھ مرد درخت کے سائے کے نیچے سوئے ہوئے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ وفات یافتہ مسلمان ہیں، پھر ہم چلتے ہوئے گئے تو ہم ایسے مردوں کے پاس پہنچے جو بہت حسین تھے اور بہت خوشبودار تھے، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔۔۔الحدیث

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معراج کا وقوع کئی مرتبہ ہوا، بیداری میں بھی اور نیند میں بھی اور یہ مختلف اقسام پر مشتمل ہے۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض نافرمانوں کو برزخ میں عذاب دیا جائے گا۔

(۳) اس حدیث میں فرض نماز کو ترک کر کے سونے سے ڈرایا گیا ہے۔

(۴) اور قرآن مجید کو حفظ کر کے اسے چھوڑنے پر بھی عذاب کی وعید ہے۔

(۵) اس حدیث میں زنا پر، سود کھانے پر اور عمداً جھوٹ بولنے پر بھی وعید ہے۔

(۶) جس شخص کے لیے جنت میں محل بنایا گیا ہو جب تک وہ دنیا میں ہو وہ اس محل میں نہیں جائے گا بلکہ وفات کے بعد جائے گا حتیٰ کہ نبی اور شہید بھی۔

(۷) اس حدیث میں شہداء کی فضیلت ہے اور جنت میں ان کا گھر تمام گھروں سے بلند ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا گھر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درجہ سے بھی بلند ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام وہاں پر بچوں کی کفالت کی وجہ سے ہوں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر اس سے بھی بلند ہو اور وہ شہداء کی منازل سے بلند ہو جیسا کہ حدیث معراج میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں دیکھا، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی اولاد میں سے نیکوکاروں اور بدکاروں کی روحوں کو دیکھ رہے تھے اور نیک روحوں کو دیکھ کر خوش ہوتے اور بری روحوں کو دیکھ کر روتے، حالانکہ ان کا گھر اعلیٰ علیین میں ہے، اور جب قیامت ہوگی تو ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گھر میں ہوگا۔

(۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں، اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے گا۔ اے اللہ! تو اپنی رحمت سے ہم سے بھی درگزر فرما، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

(۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خواب کے متعلق سوال کرنا چاہیے اور خواب کی تعبیر کی فضیلت اور صبح کی نماز کے بعد اس کا استحباب ہے، کیونکہ یہ وہ وقت ہے جب انسان کا ذہن حاضر ہوتا ہے۔

(۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نماز کے بعد اپنے اصحاب کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور ان سے دین کی باتیں کرے، جب اس نماز کے بعد کوئی سنت نہ ہو۔ اور آپ نے یہ ارادہ کیا کہ ان کو نصیحت کریں اور ان کے درمیان فیصلہ کریں۔

(۱۱) اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف منہ کرنے کو ترک کرنا کسی حکمت کی وجہ سے مکروہ نہیں ہے بلکہ مشروع ہے جیسے خطبہ دیتے وقت خطیب نمازیوں کی طرف منہ کرتا ہے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرتا ہے۔

(میں کہتا ہوں: اسی حکم میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر کوئی زیارت کرنے والا مواجہہ شریف میں حاضر ہوتا ہے تو آپ کی قبر انور کی طرف اس کا منہ ہوتا ہے اور قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے، سو جب نمازیوں کی وجہ سے قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا جائز ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ کرنے کی وجہ سے قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا کس طرح باعثِ ملامت ہوگا؟ لیکن ہمارے دور میں نجدی، زیارت کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں کہ تم قبر کی طرف منہ کر رہے ہو اور قبلہ کی جانب پیٹھ کر رہے ہو۔ سعیدی غفرلہ)

(۱۲) علامہ کرمانی نے کہا ہے: اس حدیث میں جن گناہوں کی سزائیں بیان کی گئی ہیں وہ سب ظاہر ہیں سوائے زانیوں کی سزا کے، اس میں خفاء ہے، اس کا بیان یہ ہے کہ ان کا برہنہ ہونا بھی ان کی رسوائی ہے اور زانی، زنا کرنے کے لیے تنہائی کو طلب کرتا ہے تو اس کے مناسب تنور تھا، جس طرح اس حدیث میں گناہوں کی سزائیں بیان کی گئی ہیں اسی طرح اہلِ ثواب کے درجات بھی بیان کیے گئے ہیں، انبیاء علیہم السلام کے درجات اور امت کے درجات بیان کیے گئے ہیں اور امت میں سب سے بلند درجہ شہداء اور صالحین کا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۰۔۲۱۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: کتاب التعبیر میں ننانوے (۹۹) احادیثِ مرفوعہ ہیں، ان میں سے بیاسی (۸۲) احادیث موصولہ ہیں اور باقی تعلیقات اور متابعات ہیں، اور مکرر احادیث پچھتر (۷۵) ہیں، اور بقیہ چوبیس (۲۴) احادیث خالص ہیں۔

''کتاب التعبیر'' کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین! آج ۱۹ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ/24 نومبر 2013ء بروز اتوار اللہ تعالیٰ کے بے حد انعام و اکرام سے ''کتاب التعبیر'' میں مذکور احادیث کی شرح مکمل ہوگئی، اس شرح میں میں نے زیادہ تر علامہ

المہلب بن احمد بن اسید الاسدی التمیمی المالکی المتوفی ۴۳۵ھ، اور علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اور حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اور علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ سے استفادہ کیا ہے اور کہیں کہیں بقدرِ ضرورت میں نے کسی حدیث کی شرح میں اپنی رائے کا بھی ذکر کیا ہے، اگر میری لکھی ہوئی وہ رائے حق اور صواب ہے تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اگر اس کے برعکس ہے تو وہ میرے مطالعہ کی کمی اور فکر کی غلطی کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

میں نے اپنی اس کتاب میں متعدد شروح کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں التوضیح لشرح الجامع الصحیح قابلِ ذکر ہے جو علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ کی لکھی ہوئی ہے، اور یہ علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں کے استاذ ہیں، لیکن ان کی شرح کا بیشتر حصہ علامہ ابن بطال کی شرح سے نقل پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح علامہ بدرالدین عینی کی شرح کا زیادہ تر حصہ علامہ ابن بطال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح سے نقل پر مشتمل ہوتا ہے اور خالصتاً شرح علامہ ابن بطال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی ہوتی ہے، تاہم حافظ ابن حجر عسقلانی کی عادتِ کریمہ یہ ہے کہ وہ جب حدیث کا ذکر کرتے ہیں تو پوری حدیث نہیں لکھتے اس کا ایک جز ولکھ دیتے ہیں اور بعض اوقات ایک طویل حدیث کا اس طرح اختصار کرتے ہیں کہ اصل مطلب فوت ہو جاتا ہے، ایسے میں، مَیں اصل حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اور جو حدیث حافظ ابن حجر عسقلانی نے پوری نہیں لکھی اس کو پورا ذکر کر دیتا ہوں اور اس کا حوالہ بھی لکھ دیتا ہوں، اسی طرح جس حدیث کا وہ اختصار کرتے ہیں اس کو بھی میں پورا لکھ دیتا ہوں، غالباً اس زمانہ کا طریقِ تصنیف یہ تھا کہ بس لکھتے چلے جاتے تھے نہ پیراگراف بناتے تھے، نہ ذیلی سرخیاں قائم کرتے تھے، سو میں علامہ المہلب، علامہ ابن بطال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی طویل شرح میں پیرابندی بھی کرتا ہوں اور مضمون کی مناسبت سے سرخیاں بھی قائم کرتا ہوں، ان شارحین کے علاوہ میں نے اپنی اس شرح میں علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ، علامہ عبداللہ بن ابی جمرہ الاندلسی المالکی المتوفی ۶۹۹ھ، علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ، علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ، کی شروح سے بھی استفادہ کیا ہے، تاہم ان شروح سے بہت کم استفادہ کیا گیا ہے، زیادہ تر انہی شروح سے استفادہ کیا ہے جن کا میں نے ابتداءً ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام شارحین کے درجات بلند فرمائے اور ان کی کتب کے فیضان کو تاقیامت جاری و ساری رکھے۔

کتاب التعبیر کی تکمیل کے بعد اب ان شاء اللہ "کتاب الفتن" کی شرح کا آغاز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے ایسی توفیق مرحمت فرمائے کہ میں اس کی شرح میں صحیح حقائق کو پیش کروں اور پڑھنے والوں کو میری اس کتاب اور میری تمام تصانیف کے مطالعہ سے مسلکِ حق پر قائم رکھے اور میری اور میرے تمام قارئین کی مغفرت فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

۹۲- کِتَابُ الْفِتَنِ

فتنوں کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کتاب میں فتنوں کا بیان کیا گیا ہے، فِتَن، فتنۃ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: آزمائش، رسوائی اور عذاب۔ کہا جاتا ہے کہ فتنۃ کا اصل معنی آزمائش ہے، پھر اس کو آزمائش کے نتیجہ میں اور ناپسندیدہ انجام میں استعمال کیا گیا، پھر اس کا اطلاق ہر ناپسندیدہ چیز پر کیا گیا خواہ ناپسندیدہ چیز کفر ہو یا گناہ ہو یا رسوائی ہو یا فسق و فجور ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''کتاب الفتن'' کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنوں سے اور فتنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے اور فتنوں کے وقوع سے خوف زدہ رہتے تھے، کیونکہ فتنے دین کو لے جاتے ہیں اور اس کو ضائع کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (الانفال: ۲۵)

اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○

آپ نے فرمایا: جب فتنہ عام ہوگا تو ہر شخص ہلاک ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ظہور ہوگا اور برائی پھیل جائے گی۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، پس انہوں نے کہا: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی موجود ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب خبث زیادہ ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۲۶۸۷۰)

علماء نے کہا ہے کہ خبث کی تفسیر ''اولاد الزنا'' ہے، پس جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ظہور ہوگا اور اس میں تغیر نہیں کیا جائے گا تو جو مومن ان نافرمانیوں کو دل سے برا جانتے ہوں ان پر واجب ہے کہ وہ اس شہر کو چھوڑ دیں اور اس شہر سے بھاگ جائیں، اگر انہوں نے اس طرح نہیں کیا تو انہوں نے اپنے آپ کو ہلاک ہونے کے لیے پیش کر دیا، سنو! مومنین کے لیے ہلاکت طہارت ہے اور فاسقین کے لیے سزا ہے، سلف صالحین نے اسی طرح کہا ہے۔

ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے: جب زمین میں برائی کو کھلے عام کیا جائے تو تم اس زمین سے ہجرت کر کے کہیں اور چلے جاؤ اور اس زمین میں نہ ٹھہرو۔ اور امام مالک نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے فعل سے استدلال کیا جب وہ حضرت معاویہ

رضی اللہ عنہ کی زمین سے نکل گئے جس وقت انہوں نے سود کی برسرِ عام اجازت دی حالانکہ سود گناہِ کبیرہ ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے سونے کے برتنوں کو سونے کے وزن سے زیادہ فروخت کرنے کی اجازت دی تو ان سے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ اس بیع سے منع فرماتے تھے مگر یہ کہ برابر ہو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس قسم کی بیع میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، پس حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے معاویہ سے کون معذور رکھے گا، میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی خبر دیتا ہوں اور یہ مجھے اپنی رائے سے خبر دیتے ہیں، میں اس زمین میں نہیں رہوں گا جہاں پر تم ہو۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۔۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

میں کہتا ہوں: سونے کے برتن خالص سونے سے نہیں بنائے جاتے بلکہ اس میں کچھ کھوٹ بھی شامل ہوتا ہے، تو ہو سکتا ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے سونے کے برتنوں کی سونے کے عوض بیع کو جائز قرار دیا ہو، اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس ظاہر حدیث پر عمل کیا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

کتاب الفتن کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس کتاب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِتَن کا لفظ ''فتنة'' کی جمع ہے۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی متوفی ۵۰۲ھ ''فتنة'' کا معنی لکھتے ہیں:

فتنة کا اصل معنی یہ ہے کہ سونے کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ کھرا سونا کھوٹے سونے سے ممتاز ہو جائے، اور انسان کو جو آگ میں ڈالا جائے گا اس کے لیے بھی فتنہ کا استعمال ہوتا ہے اور عذاب پر بھی فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ (الذاریات: ۱۴)

اب اپنے اس عذاب کو چکھو، یہی وہ عذاب ہے جس کو تم جلد طلب کرتے تھے ۝

اور فتنہ کا اطلاق امتحان اور آزمائش پر بھی کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد ہے:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ (طٰہٰ: ۴۰)

اور آپ نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے آپ کو اس غم سے نجات دی، اور ہم نے آپ کی کئی طرح آزمائش کی۔

اور انسان کو جو مصیبت اور راحت میں مبتلاء کیا جاتا ہے اس پر بھی فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے، اور مصیبت میں اس کا اطلاق زیادہ ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً (الانبیاء: ۳۵)

اور ہم تم کو بری اور اچھی حالت میں مبتلا کر کے آزماتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی نے کہا ہے: جو افعال اللہ تعالیٰ سے صادر ہوں اور جو افعال بندوں سے صادر ہوں ان پر بھی فتنہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے آفات اور مصائب، قتل، عذاب، معصیت اور دیگر مکروہ کام، پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوں تو وہ حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اور اگر انسان سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر صادر ہوں تو وہ مذموم ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ۝ (البروج: ۱۰)

بے شک جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو (آگ کی) مصیبت میں ڈالا ہے، پھر انہوں نے توبہ نہیں کی تو ان کے

لیے دوزخ کا (عام) عذاب اور (خصوصاً) جلنے کا عذاب ہے O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ۔ (المائدہ:۴۹)

اور یہ کہ آپ اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے موافق ان کے درمیان فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں، کہیں یہ آپ کو ان بعض احکام سے ہٹا نہ دیں جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیے ہیں O

اور علامہ راغب اصفہانی کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے: فتنہ کا اصل معنی آزمائش ہے، پھر اس کا اطلاق ہر ناپسندیدہ چیز پر کیا گیا ہے خواہ وہ کفر ہو، گناہ ہو، آگ میں جلانا ہو، یا رسوائی ہو یا فسق و فجور ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۷، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۔ بَابُ: مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (الانفال:۲۵)

ان احادیث کا بیان جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق وارد ہیں: ''اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں''

وَمَا كَانَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يُحَذِّرُ مِنَ الْفِتَنِ

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنوں سے جو ڈراتے تھے اس کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل اور امام بزار نے از مطرّف بن عبداللہ بن الشخیر روایت کی ہے کہ ہم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگِ جمل کے قصہ میں کہا: اے ابوعبداللہ! تمہیں اس جنگ میں کیا چیز لائی؟ تم نے اس خلیفہ کو ضائع کر دیا جس کو مدینہ میں قتل کیا گیا تھا یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو، پھر اب تم ان کے خون کے قصاص کو طلب کرنے کے لیے بصرہ میں آئے ہو، پس حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یہ آیت پڑھی تھی:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ (الانفال:۲۵)

اور اس عذاب سے ڈرتے رہو جو صرف ان ہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور یقین رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے O

لیکن ہمارا یہ گمان نہیں تھا کہ ہم ہی اس آیت کا مصداق ہوں گے حتیٰ کہ ہم سے جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔

اور امام طبری نے از الحسن البصری روایت کی ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمیں اس آیت سے خوف دلایا گیا تھا اور اس وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم نے یہ گمان نہیں کیا تھا کہ ہم اس آیت کے حکم کے ساتھ مخصوص ہیں۔

اور امام نسائی نے بھی اس سند کے ساتھ اس کی روایت کی ہے۔

اور امام ابوجعفر الطبری نے از السدّی روایت کی ہے کہ یہ آیت خصوصاً اہلِ بدر کے متعلق نازل ہوئی ہے، پھر جنگِ جمل کے دن ان پر وہ فتنہ آیا۔

اور امام الطبری نے از علی بن ابی طلحہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ جب ان کے سامنے کوئی برائی ظاہر ہو تو وہ وہاں پر نہ ٹھہریں ورنہ عذاب ان کو بھی شامل ہوگا۔

اور اس اثر کی شاہد یہ حدیث ہے:

حضرت عدی بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اللہ عزوجل مخصوص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں دیتا حتیٰ کہ وہ لوگ اپنے سامنے برائی کو دیکھیں اور وہ اس برائی کے انکار پر قادر ہوں، پس جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کو اور عام لوگوں کو سب کو عذاب دے گا، اس حدیث کی امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کی ہے، اور امام ابوداؤد نے بھی اس کی العرس بن عمیرہ سے روایت کی ہے اور اس کے مزید شواہد بھی ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۷۔ ۲۱۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۰۴۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قَالَتْ أَسْمَاءُ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ أَنَا عَلَى حَوْضِي أَنْتَظِرُ مَنْ يَرِدُ عَلَيَّ فَيُؤْخَذُ بِنَاسٍ مِنْ دُونِي فَأَقُولُ أُمَّتِي فَيَقُولُ لَا تَدْرِي مَشَوْا عَلَى الْقَهْقَرَى قَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نَرْجِعَ عَلَى أَعْقَابِنَا أَوْ نُفْتَنَ۔

(صحیح البخاری: ۶۵۹۳، ۷۰۴۸، صحیح مسلم: ۲۲۹۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن السری نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں نافع بن عمر نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا: بے شک میں حوض کے اوپر انتظار کر رہا ہوں گا کہ کون میرے پاس آئے گا، پس میرے سامنے کچھ لوگوں کو پکڑا جائے گا، پس میں کہوں گا: یہ میری امت ہے! پس (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا: آپ (از خود) نہیں جانتے یہ لوگ الٹے پیر پھر گئے تھے۔ ابن ابی ملیکہ اس حدیث کو روایت کرتے وقت دعا کرتے: "اے اللہ! ہم اس سے تیری پناہ چاہتے ہیں کہ ہم الٹے پیر پھر جائیں یا فتنہ میں مبتلا ہو جائیں"۔

صحیح البخاری: ۷۰۴۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ معنوی طور پر مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں علی بن عبداللہ کا ذکر ہے، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں بشر بن السری کا ذکر ہے، یہ بصری ہیں اور انہوں نے مکہ میں رہائش رکھی، یہ وعظ کرتے تھے اور امام بخاری نے صرف اسی جگہ ان سے روایت کی ہے۔ اور اس

حدیث کی سند میں نافع بن عمر کا ذکر ہے، یہ ابن عبداللہ القرشی ہیں اور اہلِ مکہ میں سے ہیں، امام ابوداؤد نے کہا: یہ ایک سو انہتر (۱۶۹) ہجری میں فوت ہو گئے تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی ملیکہ کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ ہے اور ان کے والد ملیکہ کا نام زُہیر ہے، اور عبداللہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت میں مکہ کے قاضی تھے۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انا علی حوضی" یعنی میں قیامت کے دن اپنے حوض پر انتظار کر رہا ہوں گا کہ میرے پاس حوض سے پینے کے لیے کون آتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فیقول" یعنی اللہ عزوجل فرمائے گا: آپ نہیں جانتے، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "مشوا علی القهقری" اس کا معنی ہے الٹے پیر چلنا۔ الازہری نے کہا: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پچھلے دین سے مرتد ہو گئے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۴۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُغِيرَةَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ لَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ حَتَّى إِذَا أَهْوَيْتُ لِأُنَاوِلَهُمُ اخْتُلِجُوا دُونِي فَأَقُولُ أَيْ رَبِّ أَصْحَابِي يَقُولُ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعوانہ نے حدیث بیان کی از مغیرہ از ابووائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں، تم میں سے چند لوگوں کو ضرور میری طرف اٹھایا جائے گا حتیٰ کہ جب میں یہ ارادہ کروں گا کہ ان کو حوض سے پانی پلاؤں تو ان لوگوں کو میرے پاس سے کھینچ لیا جائے گا، پس میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے اصحاب ہیں، اللہ عزوجل فرمائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا نئے کام نکالے۔

(صحیح البخاری: ۶۵۷۵، ۶۵۷۶، ۷۰۴۹، صحیح مسلم: ۲۲۹۷، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۷، مسند احمد: ۳۶۳۲)

صحیح البخاری: ۷۰۴۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوعوانہ، یہ الوضاح الیشکری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے مغیرہ، یہ الکوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابووائل، یہ شقیق بن سلمہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

یہ حدیث کتاب الحوض میں از عمرو بن علی گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فرطکم" یعنی میں تم پر مقدم ہوں گا۔ "فرط" اس کو کہتے ہیں جو حوض پر آنے والوں سے پہلے پہنچ جائے اور ان کو پانی پلانے کا انتظام کرے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اختلجوا" یعنی ان کو میرے پاس سے کھینچ لیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ما احدثوا" یعنی وہ نئے کام جن کو اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا اور تمام بدعات اور ظلم اور جور اس حدیث کے معنی میں داخل ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ فَمَنْ وَرَدَهُ شَرِبَ مِنْهُ وَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهُ أَبَدًا لَيَرِدُ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یعقوب بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی از ابی حازم، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کر رہے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا، جو اس حوض پر آئے گا وہ اس سے پیئے گا اور جو اس سے پی لے گا اسے پھر بعد میں کبھی پیاس نہیں لگے گی، اور ضرور کچھ لوگوں کو میرے پاس سے لوٹایا جائے گا، میں ان کو پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان کچھ حائل کر دیا جائے گا۔

۷۰۵۱۔ قَالَ أَبُو حَازِمٍ فَسَمِعَنِي النُّعْمَانُ بْنُ أَبِي عَيَّاشٍ وَأَنَا أُحَدِّثُهُمْ هَذَا فَقَالَ هَكَذَا سَمِعْتَ سَهْلًا فَقُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَأَنَا أَشْهَدُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ لَسَمِعْتُهُ يَزِيدُ فِيهِ قَالَ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا بَدَّلُوا بَعْدَكَ فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي۔

(صحیح البخاری: ۶۵۸۵، صحیح مسلم: ۲۲۹۱، مسند احمد: ۲۲۳۱۵)

ابو حازم نے کہا: پس مجھ سے النعمان بن ابی عیاش نے سنا اور میں ان سے یہ حدیث بیان کر رہا تھا، انہوں نے پوچھا: کیا آپ نے حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے اسی طرح یہ حدیث سنی ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے کہا: اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی ہے اور اس میں انہوں نے یہ اضافہ کیا کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک یہ لوگ مجھ سے ہیں، پس کہا جائے گا: آپ (از خود) نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا تبدیلی کر دی، پس میں کہوں گا: دوری ہو، دوری ہو، ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین میں تبدیلی کی ہے۔

صحیح البخاری: ۷۰۵۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ بن بکیر، اور وہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر المخزومی المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یعقوب بن عبدالرحمٰن، وہ ابن محمد بن عبداللہ القاری ہیں جو عرب کے قبیلہ القارۃ سے تھے، یہ اصل میں مدینہ کے رہنے والے تھے، پھر الاسکندریہ میں انہوں نے رہائش اختیار کی۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوحازم، ان کا نام سلمہ بن دینار ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے النعمان بن ابی عیاش، اور ابوعیاش کا نام زید بن الصامت الزرقی الانصاری المدنی ہے۔
اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حضرت سہل بن سعد الانصاری الساعدی رضی اللہ عنہ۔

جن لوگوں کو حوض سے واپس کر دیا جائے گا، ان کے متعلق تحقیق

جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، اگر یہ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سے بیزار ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے اور ان کو دور کرنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے، اور اگر وہ ان لوگوں میں سے تھے جو مرتد نہیں ہوئے تھے لیکن انہوں نے معصیتِ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا خواہ وہ بدن کے اعمال سے ہو خواہ وہ بدعت ہو اور دل کے اعمال سے ہو۔
تو اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اعراض کیا ہو اور ان کی بات نہ سنی ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہوں کی سزا دے، پھر اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ آپ کی امت کے اہلِ کبائر کی عام شفاعت کے تحت داخل ہوں، پھر ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے جب موحدین کو دوزخ سے نکالا جائے گا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۳۔ ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ہمارے دور کے معمولات اہلِ سنت پر اشکال کا جواب

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ”جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین میں نئے کام ایجاد کر لیے ان کو حوض سے دور کر دیا جائے گا“۔ اس پر یہ اشکال ہے کہ ہمارے دور میں اہلِ سنت نے اذان سے پہلے اور اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج بنا لیا اور عہدِ رسالت میں یہ معمول نہیں تھا، اسی طرح نماز کے بعد جو دعا کی جاتی ہے اس میں آیتِ درود کے پڑھنے کو معمول بنا لیا ہے حالانکہ عہدِ رسالت وصحابہ میں یہ معمول نہیں تھا، اور جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو معمول بنا لیا ہے، حالانکہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں یہ معمول نہیں تھا، کیا اس حدیث کی بناء پر یہ لوگ بھی قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے دور کر دیئے جائیں گے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اذان کے بعد آٹھویں صدی ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنے کا رواج ہوا۔
علامہ علاؤالدین حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:
اذان کے بعد سلام پڑھنے کی ابتداء سات سو اکیاسی ۷۸۱ھ کے ربیع الآخر میں پیر کی شب عشاء کی اذان سے ہوئی، اس کے

بعد جمعہ کے دن اذان کے بعد سلام پڑھا گیا، اس کے دس سال بعد مغرب کے سوا تمام نمازوں میں دو مرتبہ سلام پڑھا جانے لگا اور یہ بدعتِ حسنہ ہے۔

علامہ شمس الدین سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

مؤذنین نے جمعہ اور صبح کے علاوہ فرائض کی تمام اذانوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا، وہ ان نمازوں میں صلوٰۃ وسلام کو اذان سے پہلے پڑھتے اور مغرب کی اذان میں صلوٰۃ وسلام بالکل نہیں پڑھتے کیونکہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے، اس کی ابتداء سلطان ناصر صلاح الدین ابوالمظفر یوسف بن ایوب کے زمانہ میں اس کے حکم سے ہوئی۔ اس سے پہلے جب حاکم ابن العزیز قتل کیا گیا تھا تو ابن العزیز کی بہن جو بادشاہ کی بیٹی تھی اس نے حکم دیا کہ اذان کے بعد اس کے بیٹے ظاہر پر سلام پڑھا جائے جس کی یہ صورت تھی السلام علی الامام الظاہر۔ پھر اس کے بعد یہ طریقہ اس کے خلفاء میں جاری رہا تا آنکہ سلطان صلاح الدین نے اس کو ختم کیا، اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں اختلاف ہے کہ یہ مستحب ہے، مکروہ ہے بدعت ہے یا جائز ہے، اس کے استحباب پر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا گیا ہے ''نیکی کے کام کرو''، اور یہ بات واضح ہے کہ صلوٰۃ وسلام عبادت کے قصد سے پڑھا جاتا ہے خصوصاً جب کہ اس کی ترغیب میں کثیر احادیث وارد ہیں، علاوہ ازیں اذان کے بعد دعا کرنے اور تہائی رات کے اخیر میں دعا کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے اور اس کے فاعل کو حسنِ نیت کی وجہ سے اجر ملے گا۔ (القول البدیع ص ۱۹۲۔ ۱۹۳، ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۲، استنبول ۱۳۲۷ھ)

تحقیق یہ ہے کہ صرف اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیے اور اذان کو ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' سے شروع کرنا چاہیے۔ اور اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب تم موذن سے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے اس کی مثل کہو، پھر مجھ پر صلوٰۃ پڑھو، کیونکہ جس نے مجھ پر ایک صلوٰۃ پڑھی اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوات پڑھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لیے الوسیلہ کا سوال کرو، کیونکہ الوسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں، پس جس نے میرے لیے الوسیلہ کا سوال کیا اس کے لیے میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم: ۳۸۴، سنن ابوداؤد: ۵۲۳، سنن ترمذی: ۳۶۱۴، سنن نسائی: ۶۷۴، مسند احمد: ۶۵۶۸)

رہا نماز کے بعد دعا میں آیتِ درود کو پڑھنا، سو اگر کوئی شخص اس عمل کو واجب قرار دیتا ہے تو یہ بدعتِ سیئہ ہے ورنہ بدعتِ حسنہ ہے اور رہا نمازِ جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا، سو یہ بھی اہل سنت کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے، چنانچہ سب نمازی نہیں پڑھتے، اس لیے اہل سنت کے یہ معمولات بطورِ استحباب ہیں بطورِ وجوب نہیں ہیں اور ان پر یہ صادق نہیں آتا کہ انہوں نے ایک نئے کام کو لازم کر لیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۲۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم سَتَرَوْنَ بَعْدِي أُمُورًا تُنْكِرُونَهَا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عنقریب تم میرے بعد ایسے امور دیکھو گے جو تم کو برے معلوم ہوں گے

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي عَلَى الْحَوْضِ۔

اور عبداللہ بن زید نے کہا کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم صبر کرو حتیٰ کہ تم مجھ سے حوض پر ملاقات کرو۔

تعلیقِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ عبداللہ بن زید بن عاصم الانصاری العاصمی ہیں، اوران کی حدیث ایک طویل حدیث کی طرف ہے جس کی امام بخاری نے کتاب المغازی کے غزوۂ حنین میں روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ وَهْبٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں زید بن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میرے بعد تم عنقریب دیکھو گے کہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جارہی ہے اور ایسے کام دیکھو گے جو تم کو برے لگیں گے، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! پس اس صورت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: لوگوں کو ان کے حقوق ادا کرو اور اپنے حق کا اللہ سے سوال کرو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۳، ۷۰۵۲، صحیح مسلم: ۱۸۴۳، سنن ترمذی: ۲۱۹۰، مسند احمد: ۴۱۱۶)

صحیح البخاری: ۷۰۵۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ اس باب کا عنوان اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے یحییٰ، یہ ابن سعید القطان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، یہ سلیمان ہیں۔ اور زید بن وہب کا ذکر ہے، یہ ابوسلیمان الہمدانی الجہنی الکوفی ہیں، ان کا تعلق قضاعہ سے تھا، یہ نبی ﷺ کی طرف نکلے تو نبی ﷺ کی وفات ہوگئی اور یہ ابھی راستہ میں تھے اور اس حدیث کی سند میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ''وامورا تنکرونھا'' یعنی تم دین کے کاموں میں ایسے کام دیکھو گے جو تم کو برے لگیں گے۔
اس حدیث میں مذکور ہے ''ادوا الیھم حقھم'' یعنی امراء اور حکام کو ان کے حقوق ادا کرو، یعنی زکوٰۃ میں جس مال کو دینا واجب ہے وہ ان کو ادا کرو، اور امراء اور حکام جب تمہیں جہاد کے لیے بلائیں تو جاؤ۔

ظالم حکام کے خلاف جہراً دعا نہ کی جائے

اس حدیث میں مذکور ہے ''وسلوا اللہ حقکم'' علامہ داؤدی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرو کہ وہ تمہارے لیے تمہارا حق ان سے وصول کرے اور تم کو پہنچائے۔ اور زید نے کہا: اللہ تعالیٰ سے یہ دعا آہستگی سے مانگو، کیونکہ بلند آواز سے اگر یہ دعا کرو گے تو یہ امراء اور حکام کے خلاف سب وشتم شمار کیا جائے گا اور اس سے فتنہ پیدا ہوگا۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۵۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر حکام خلافِ شرع کام کریں تو ان برے کاموں کو برا سمجھا جائے اور ان کے خلاف بغاوت نہ کی جائے

اس حدیث میں مذکور ہے ''تم اللہ تعالیٰ سے اپنے حق کا سوال کرو''۔
یعنی تم یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان امراء اور حکام کے دلوں میں انصاف ڈال دے، یا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان سے بہتر امراء اور حکام مقرر فرما دے، اور یہ شرح مخاطبین کے عموم کی وجہ سے ظاہر ہے۔
علامہ ابن التین نے علامہ داؤدی سے نقل کیا ہے کہ یہ ارشاد خصوصیت سے انصار کے ساتھ متعلق ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ارشاد تمام مسلمانوں کے لیے عام نہ ہو، کیونکہ حدیث میں ہے:
امام طبرانی یزید بن سلمہ الجعفی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ہم پر ایسے امراء مقرر کیے جائیں جو ہم سے وہ حقوق وصول کر لیں جو ان کے حقوق ہم پر ہیں اور ہم کو ہمارے حقوق ادا کرنے سے انکار کریں، کیا ہم ان سے قتال کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! ان پر ان اعمال کا بوجھ ہوگا جو انہوں نے کیے ہیں اور تم پر تمہارے ان اعمال کا بوجھ ہوگا جو تم نے کیے ہیں۔
امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسے امیر ہوں گے جن کے بعض کام تمہیں اچھے لگیں گے اور بعض کام تمہیں برے لگیں گے، پس جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بری ہو گیا، اور جس نے ان برے کاموں پر انکار کیا وہ سلامت رہا، لیکن جو ان برے کاموں پر راضی ہوا اور ان کی متابعت کی، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔
اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اسی معنی کی روایت کی ہے، ہم نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس وقت ان کی بیعت کو نہ توڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک وہ نماز قائم کرتے رہیں، اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: ''جب تم اپنے حکمرانوں سے

ناپسندیدہ کاموں کو دیکھو تو ان کے عمل کو ناپسند کرو اور ان کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو'۔

اسماعیلی نے از ابی مسلم الخولانی از حضرت ابی عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، پس کہا: بے شک آپ کے بعد آپ کی امت فتنہ میں مبتلاء ہوگی اور قرآن پڑھنے والے ان حکام کی اتباع کریں گے اور فتنہ میں مبتلاء ہوں گے، میں نے پوچھا: پس ان سے کوئی شخص کیسے سلامت رہے گا؟ تو حضرت جبریل نے کہا: ان سے رکا رہے اور صبر کرے، اگر وہ ان کے حقوق ادا کرے تو لے لے، اور اگر ان کے حقوق کی ادائیگی سے منع کریں تو چھوڑ دے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۱۹۔ ۲۲۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۰۵۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنِ الْجَعْدِ عَنْ أَبِي رَجَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی از عبد الوارث از الجعد از ابو رجاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے اپنے امیر کے کسی کام کو ناپسند کیا تو اس کو چاہیے کہ صبر کرے کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۰۵۴، ۷۱۴۳، صحیح مسلم: ۱۸۴۹، مسند احمد: ۲۸۲۱، سنن دارمی: ۲۵۱۹)

صحیح البخاری: ۷۰۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد الوارث، یہ ابن سعید ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الجعد، یہ ابو عثمان الصیر فی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابو رجاء، یہ عمران العطاردی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "من خرج من السلطان" یعنی جس شخص نے سلطان کی اطاعت سے خروج کیا اس کو چاہیے کہ وہ اس مکروہ کام پر صبر کرے اور امام کی اطاعت سے خروج نہ کرے، کیونکہ اس طرح لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں گی اور فتنہ ٹھنڈا ہوگا سوا اس کے کہ امام کفر کرے اور دعوتِ اسلام کے خلاف ظاہر کرے، تو اب خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان حاکم فسق اور ظلم کی وجہ سے حکومت سے معزول نہیں ہوتا اور اس سے اس کی سلطنت میں نزاع کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "شبرا" یعنی جس شخص نے ایک بالشت کے برابر بھی امام کی اطاعت سے خروج کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: یعنی جس نے سلطان کی ایک بالشت کے برابر معصیت کی وجہ سے اس سے جنگ کی، ابن ابی جمرہ نے کہا: اس

سے مراد یہ ہے کہ جس نے سلطان سے کی ہوئی بیعت کی گرہ کو کھولنے کی کوشش کی خواہ وہ تھوڑی سی کوشش بھی ہو اور بالشت کے برابر بھی ہو، کیونکہ اس کوشش سے ناحق خوں ریزی کا دروازہ کھلے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۲۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اور علامہ ابن ملقن نے کہا ہے: یعنی ایک بالشت کے برابر بھی فتنہ ہو تو اس میں امام کے خلاف خروج نہ کرے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بالشت کی جو تفسیر ان دونوں حضرات نے کی ہے وہ بعید ہے اور صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے یعنی جس نے ایک بالشت کے برابر بھی امام کی اطاعت سے خروج کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وہ جاہلیت کی موت مرے گا" یعنی جیسے زمانہ جاہلیت کے اندر لوگ اس امام کو نہیں پہچانتے تھے جس کی اطاعت کی جائے سو وہ ایسی موت مرے گا اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ کافر ہو کر مرے گا بلکہ وہ گناہ گار ہو کر مرے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ حَدَّثَنِي أَبُو رَجَاءٍ الْعُطَارِدِيُّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از الجعد ابی عثمان، انہوں نے کہا: مجھے ابورجاء العطاردی نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی آپ نے فرمایا: جس نے اپنے امیر سے کوئی ناگوار چیز دیکھی تو وہ اس پر صبر کرے کیونکہ اس نے جماعت سے ایک بالشت کے برابر بھی علیحدہ ہوا تو وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(صحیح البخاری: ۷۰۵۳، ۷۰۵۴، ۷۱۴۳، صحیح مسلم: ۱۸۴۹، مسند احمد: ۲۸۲۱، سنن دارمی: ۲۵۱۹)

صحیح البخاری: ۷۰۵۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

جماعت سے علیحدہ ہونے کا محمل

کہا گیا ہے کہ جماعت سے علیحدہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ حاکم کے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اس کو توڑنے کی کوشش کی جائے خواہ تھوڑی سی کوشش بھی کیوں نہ ہو جس کو بالشت کے برابر سے کنایہ کیا ہے، کیونکہ ایسا اقدام ناحق خوں ریزی کی طرف پہنچاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرٍو عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث

أُمَيَّةَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ قُلْنَا أَصْلَحَكَ اللهُ حَدِّثْ بِحَدِيثٍ يَنْفَعُكَ اللهُ بِهِ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ دَعَانَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَبَايَعْنَاهُ۔

بیان کی از عمرو از بکیر از بسر بن سعید از جنادہ بن ابی امیہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور وہ بیمار تھے، پس ہم نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے، آپ ہمیں ایسی حدیث بیان کیجئے جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو نفع پہنچائے جس حدیث کو آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بلایا، پس آپ نے ہم کو بیعت کیا۔

(صحیح البخاری: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴، ۶۷۸۴، ۶۸۰۱، ۶۸۷۳، ۷۰۵۵، ۷۱۹۹، ۷۲۱۳، ۷۴۶۸، صحیح مسلم: ۱۷۰۹، سنن ترمذی: ۱۴۳۹، سنن نسائی: ۴۱۶۱، سنن دارمی: ۲۴۵۳)

۷۰۵۶۔ فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةً عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ۔

(صحیح البخاری: ۷۲۰۰، صحیح مسلم: ۱۷۰۹)

پس حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا اور ہم نے آپ سے احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی خواہ ہماری خوشی ہو یا ناخوشی ہو، خواہ ہماری مشکل ہو اور خواہ آسانی ہو، اور خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے کہ ہم حکومت کے معاملہ میں حکام سے جھگڑا نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم کفرِ صریح دیکھو، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے اس کفر پر دلیل ہو۔

صحیح البخاری: ۷۰۵۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اسماعیل، اور وہ ابن ابی اویس ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن وہب، وہ عبداللہ بن وہب المصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، وہ ابن الحارث ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُکیر، وہ ابن عبداللہ بن الاشج ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُسر، وہ ابن سعید مولی الحضرمی ہیں جو اہلِ مدینہ سے ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے جنادہ، یہ ابن ابی امیہ الدوسی ہیں اور ایک قول ہے کہ السدوسی ہیں اور یہی صحیح ہے، اور ابوامیہ کا نام کثیر ہے، جنادہ سڑسٹھ (۶۷) ہجری میں فوت ہوئے تھے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فقلنا اصلحك الله" ہوسکتا ہے کہ ان کا ارادہ یہ ہو کہ وہ ان کو یہ دعا دیں کہ ان کے جسم کو اللہ تعالیٰ مرض سے عافیت میں رکھے، یا یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو لوگ عادتاً بولتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فبايعنا" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بیعت کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "وان لا ننازع الامر اھلہ" اس حدیث میں امر سے مراد ملک اور امارت ہے، اور مسند احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اگر تم یہ دیکھو کہ حق تمہارا ہے تب بھی تم اس میں اپنی رائے سے عمل نہ کرو بلکہ حاکم کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اور حاکم کی اطاعت سے خروج نہ کرو۔

ظالم حکام کے خلاف خروج کرنے کے متعلق فقہاء کے نظریات

اس حدیث میں مذکور ہے "الا ان تروا کفرا" یعنی سوا اس کے کہ تم حکام سے کوئی ایسا برا کام دیکھو جس کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ قواعدِ اسلام کے خلاف ہے۔

علامہ النووی نے کہا ہے کہ کفر سے مراد یہاں پر معاصی ہیں یعنی نافرمانیاں ہیں بایں طور کہ حاکم نیک کام نہ کرتا ہو اور فسق و فجور کرتا ہو۔ اور علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ کفر اپنے ظاہر پر محمول ہے، یعنی حاکم اپنے قول اور فعل سے صریح کفر کرے اور اس کے خلاف نزاع نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے جنگ اور قتال نہ کرو۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بواحا" یعنی جو بالکل ظاہر ہو اور دلائل سے ثابت ہو۔ اور امام طبرانی نے احمد بن صالح سے روایت کی ہے کہ اس کا معنی ہے کفرِ صریح۔

اس حدیث میں مذکور ہے "برھان" یعنی اس کام کے کفر ہونے پر تمہارے پاس دلیل ہو، قرآن مجید کی کوئی آیت ہو یا کوئی ایسی صاف اور صریح حدیث ہو جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ اگر ظالم حکام کو حکومت سے علیحدہ کرنا بغیر فتنہ اور ظلم کے ممکن ہو تو پھر ان کو حکومت سے اتارنا واجب ہے، ورنہ ان کے اوپر صبر کرنا واجب ہے۔ اور بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ابتداءً فاسق کو حاکم نہیں بنانا چاہیے، اگر حاکم بننے کے بعد وہ ظلم کرے جب کہ پہلے وہ نیک ہو تو اس کے خلاف خروج کرنے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس کے خلاف خروج کرنا منع ہے سوا اس کے کہ وہ کوئی کفرِ صریح کرے تو اب اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۶۔۲۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۷۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا وَلَمْ تَسْتَعْمِلْنِي قَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقَوْنِي۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عرعرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نبی ﷺ کے پاس آیا، پس اس نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے فلاں شخص کو عامل بنایا ہے اور مجھے عامل نہیں بنایا؟ آپ نے فرمایا: تم عنقریب میرے بعد دوسروں کی ترجیح دیکھو گے، پس تم صبر کرنا حتیٰ کہ مجھ سے ملاقات کرو۔

(صحیح البخاری: ۳۷۹۲، ۷۰۵۷، صحیح مسلم: ۱۸۴۵، سنن ترمذی: ۲۱۸۹، سنن نسائی: ۵۳۸۳، مسند احمد: ۱۸۶۱۳)

صحیح البخاری: ۷۰۵۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ معنوی مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن عرعرہ، یہ القرشی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے اُسید، یہ اسد کی تصغیر ہے اور حُضیر ابن سماک بن عتیق ابی عبید الانصاری الاشھلی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "استعملت فلانا" یعنی آپ نے فلاں شخص کو منصب عطا کیا ہے۔
اس حدیث میں مذکور ہے "انکم سترون بعدی اثرۃ فاصبروا" اس سے غرض یہ ہے کہ فلاں شخص کو منصب دینا خصوصاً اس کی مصلحت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس میں تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت ہے، ہاں میرے بعد تم مناصب کے دیے جانے میں ترجیحات دیکھو گے، اور یہ میرے زمانہ میں نہیں ہے بلکہ میرے زمانہ کے بعد مستحقین کو چھوڑ کر دوسروں کو مناصب دیے جائیں گے سو تم اس پر صبر کرنا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۵۷، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ظالم حکام کے خلاف خروج کی ممانعت

اس باب کی احادیث میں اس پر دلیل ہے کہ ظالم حکام کے خلاف خروج کو ترک کرنا واجب ہے اور ان کے احکام کو سننا اور ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص غلبہ سے امام بن جائے اس کی اطاعت کرنا لازم ہے جب تک کہ وہ جمعہ کو قائم کرتا رہے اور جہاد کو قائم کرتا رہے، اور اس کی اطاعت کرنا اس کے خلاف خروج کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ اس سے لوگوں کی جانیں محفوظ رہتی ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: "عنقریب تم میرے بعد دیکھو گے کہ تم پر ترجیح دی جائے گی اور ایسے کام دیکھو گے جن کو تم برا جانو گے" پس آپ نے بیان کیا کہ عنقریب ایسے امراء ہوں گے جو مسلمانوں سے اپنے حقوق وصول کریں گے اور ان لوگوں کو ترجیح دیں گے جو ترجیح کے مستحق نہیں ہوں گے اور اس میں عدل نہیں کریں گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کاموں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کی اطاعت کے لزوم کا حکم دیا ہے۔
علی بن معبد نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امامت ضروری ہے خواہ نیک ہو یا بد ہو، ان سے پوچھا گیا: نیک امامت کا ہونا تو ضروری ہے، پس بد امامت کے ہونے کی کیا توجیہ ہے؟ تو انہوں نے کہا: امامت کی وجہ سے حدود قائم کی جاتی ہیں اور راستے پر امن ہوتے ہیں اور مال غنیمت اور فے کی تقسیم کی جاتی ہے اور دشمنوں کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے

کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے کہ جس نے سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت کے برابر بھی خروج کیا وہ زمانہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاکم کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے پر بیعت کی حتیٰ کہ اس پر بیعت کی کہ حاکم سے ہم اس کی حکومت کے خلاف قتال نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم کفر صریح دیکھو۔ پس یہ تمام احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ائمہ کے خلاف خروج کو ترک کیا جائے گا ورنہ مسلمانوں کے اتحاد کی لاٹھی ٹوٹ جائے گی اور اس سے خوں ریزی ہوگی، سوا اس کے کہ امام کفر کرے اور اسلام کی دعوت کے خلاف کا اظہار کرے تب مخلوق کے لیے اس کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۳۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ أُغَيْلِمَةٍ سُفَهَاءَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میری امت کی ہلاکت جاہل لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں عنوان اسی طرح مذکور ہے اور صحیح البخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ ''میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی''۔ اور امام احمد اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میری امت کا فساد قریش کے جاہل لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگا۔

اس عنوان میں ''اغیلمة'' کا ذکر ہے، یہ غلمة کی تصغیر ہے جو غلام کی جمع ہے، اور اس جمع کا واحد ''غلیم'' ہے، جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے بالغ ہونے تک اس کو غلام کہا جاتا ہے، اور اس کی جمع غلمان، غلیمة اور غلمة ہے۔ اور کبھی غلام کا اطلاق اس مرد پر بھی ہوتا ہے جو طاقت ور ہو۔ علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے: ''اغیلمة'' سے مراد یہاں پر بچے ہیں اس لیے ان کی تصغیر کی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي جَدِّي قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْمَدِينَةِ وَمَعَنَا مَرْوَانُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ يَقُولُ هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ غِلْمَةً فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ بَنِي فُلَانٍ وَبَنِي فُلَانٍ لَفَعَلْتُ فَكُنْتُ أَخْرُجُ مَعَ جَدِّي إِلَى بَنِي مَرْوَانَ حِينَ مُلِّكُوا بِالشَّأْمِ فَإِذَا رَآهُمْ غِلْمَانًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے دادا نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ مروان بھی تھا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے الصادق المصدوق کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت کی ہلاکت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں سے ہوگی، پس مروان نے کہا: ان لڑکوں پر اللہ کی لعنت ہو، پس حضرت

أَحْدَاثًا قَالَ لَنَا عَسَى هَؤُلَاءِ أَنْ يَكُونُوا مِنْهُمْ قُلْنَا أَنْتَ أَعْلَمُ.

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں چاہوں کہ میں بتاؤں بنی فلاں اور بنی فلاں، تو میں ایسا کر سکتا ہوں۔ پس میں اپنے دادا کے ساتھ بنو مروان کی طرف جاتا جب وہ شام کے حاکم مقرر ہو گئے تھے، پس جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نوعمر لڑکے دیکھے تو ہم سے کہا: قریب ہے کہ یہ لوگ انہی میں سے ہوں گے، ہم نے کہا: آپ زیادہ جانتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۴، ۳۶۰۵، ۷۰۵۸، صحیح مسلم: ۲۹۱۷، مسند احمد: ۷۹۴۵، ۸۱۰۵)

صحیح البخاری: ۷۰۵۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ جو باب کا عنوان ہے وہ اس حدیث کے ایک جملہ کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اخبرنی جدی" یعنی عمرو بن سعید نے کہا کہ مجھے میرے دادا نے خبر دی، اور ان کے دادا سعید بن عمرو بن سعید بن العاص بن امیہ ہیں اور عمرو بن سعید کو عبدالملک بن مروان نے قتل کر دیا تھا جب وہ ستر (۷۰) ہجری کے بعد دمشق کی طرف نکلا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "کنت جالسا مع ابی ھریرۃ" یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقعہ ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ومعنا مروان" یہ ابن الحکم بن العاص بن امیہ ہے جو خلیفہ ہو گیا تھا، اور یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم ہوا۔ اور سعید بن العاص عمر کے والد ہیں اور یہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حاکم ہوئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الصادق المصدوق" یعنی وہ فی نفسہ صادق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو صادق قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ھلکۃ امتی" امت سے مراد اس زمانہ کے لوگ ہیں اور جو اس زمانہ کے قریب کے لوگ ہیں اور قیامت تک کی تمام امت مراد نہیں ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ" یعنی مروان نے کہا: ان لڑکوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس پر تعجب ہے کہ مروان نے ان لڑکوں پر لعنت کی حالانکہ وہ انہی لڑکوں کی اولاد سے تھا، پس اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان سے اس کے اوپر لعنت کرائی، اور مروان کے والد حکم اور اس کی اولاد پر لعنت کے متعلق کئی احادیث وارد ہیں جن کو امام طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حین ملکوا بالشام" جب وہ لوگ شام کے حاکم ہو گئے، اس میں شام کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، حالانکہ جب وہ خلیفہ ہو گئے تو تمام ممالک اسلامیہ کے حاکم ہو گئے تھے۔ اور شام کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کے مکان شام میں تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "احداثا" یہ حدیث کی جمع ہے یعنی نوجوان لڑکے، اور ان میں پہلا یزید تھا اس پر وہ نازل ہو جس کا وہ مستحق ہے اور وہ عموماً شہروں کا حاکم بزرگوں کو نہیں بناتا تھا اور اپنے رشتہ داروں میں سے کم عمروں کو بناتا تھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۶۸۔۲۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۵۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ظالم حکام کے خلاف خروج نہ کرنے پر مزید دلائل

اس حدیث میں بھی اس پر دلیل ہے کہ ظالم حکام کے خلاف خروج کو ترک کرنا چاہیے، اور ان کی اطاعت کرنا واجب ہے اور ان کے احکام کو سننا بھی واجب ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ظالم حکام کے اسماء اور ان کے آباء کے اسماء پر مطلع فرمادیا اور ان کو یہ حکم نہیں دیا کہ ان کے خلاف خروج کریں اور نہ یہ حکم دیا کہ ان سے جنگ کریں، اگرچہ آپ نے یہ خبر دی تھی کہ آپ کی امت کی ہلاکت ان کے ہاتھوں سے ہوگی، کیونکہ ان کے خلاف خروج کرنا امت کی ہلاکت سے زیادہ شدید ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے دو امروں میں سے آسان امر کو اختیار کیا اور دو ہلاکتوں میں سے کم درجہ کی ہلاکت کو اختیار کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے علم میں یہ بات جاری ہے کہ ظالم حکام عادل حکام سے زیادہ ہیں اور وہ اس امت پر غلبہ حاصل کریں گے، اور یہ حدیث خوارج کا رد کرنے میں بہت قوی دلیل ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث سے کیا ارادہ ہے کہ "میری امت ان کے ہاتھوں ہلاک ہوگی" آیا ان کے ہاتھوں دین میں ہلاک ہوگی یا دنیا میں ان کے قتل کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے دونوں ہلاکتوں کا ارادہ فرمایا، اور علی بن معبد کی روایت میں اس کا بیان ہے وہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں بچوں کی حکومت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں" پس ان کے اصحاب نے پوچھا: بچوں کی حکومت کون سی ہے؟ تو انہوں نے کہا: اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے اور اگر تم ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تم کو ہلاک کر دیں گے، تو ان کی اطاعت کرنے سے دین میں ہلاکت ہوگی اور تم ان کی نافرمانی کرو گے تو وہ تم کو قتل کر کے ہلاک کر دیں گے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۔۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۵۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

لڑکوں کی حکومت کا مصداق

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں جاتے تھے اور یہ دعا کرتے تھے: ''اے اللہ! مجھے سن ساٹھ (۶۰) ہجری نہ پائے اور نہ بچوں کی حکومت پائے''۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ لڑکوں کی حکومت کی ابتداء سن ساٹھ (۶۰) ہجری میں ہوئی، کیونکہ یزید بن معاویہ اس سال خلیفہ بنایا گیا اور وہ چونسٹھ (۶۴) ہجری تک زندہ رہا اور پھر مر گیا، پھر اس کا بیٹا معاویہ حکمران ہوا اور وہ چند مہینوں کے بعد مر گیا۔

تنبیہ: مروان نے ان مذکور لڑکوں پر لعنت کی حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ مروان خود ان کی اولاد سے تھا، پس گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان پر یہ لعنت جاری فرمائی تاکہ یہ ان پر لعنت کرنے کے سلسلہ میں قوی دلیل ہو جائے اور وہ نصیحت حاصل کریں۔ اور متعدد احادیث ثابت ہیں جن میں مروان کے والد حکم پر لعنت ہے اور اس کی اولاد پر لعنت ہے، ان احادیث کی امام طبرانی وغیرہ نے روایت کی ہے، بعض احادیث میں اعتراض ہے اور بعض احادیث عمدہ ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۲۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حکم بن ابی العاص اور مروان پر لعنت کے متعلق روایات

الفاکہی نے اپنی سند کے ساتھ عطاء خراسانی سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب آپ کے پاس آئے اور اس وقت آپ الحکم بن ابی العاص پر لعنت فرما رہے تھے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ اس پر کیوں لعنت فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: یہ دیوار کے سوراخ سے مجھ پر جھانک رہا تھا اور میں اپنی فلاں زوجہ کے ساتھ تھا، پس اس نے میرے سامنے تیوری چڑھائی، پس صحابہ نے کہا: کیا ہم بھی اس پر لعنت نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: گویا کہ میں اس کے بیٹوں کی طرف دیکھ رہا تھا وہ میرے منبر پر چڑھ رہے تھے اور اتر رہے تھے، صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ان کو پکڑا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں اور آپ نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ بدر کر دیا۔

زہیر بن محمد اپنی سند کے ساتھ مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے تو حکم بن ابی العاص گزرا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی پشت سے جو پیدا ہو گا اس پر میری امت افسوس کرے گی۔

ابن ابی خیثمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن کے قصہ میں جب وہ یزید بن معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے رک گئے تھے تو انہوں نے مروان سے کہا: اے مروان! تو گواہ ہو جا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرے باپ پر لعنت کی تھی اور تو اس کی پشت میں تھا۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۲ ص ۹۱۔ ۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ)

۴- بَابٌ: قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ عرب کے لیے اس شر پر افسوس ہے جو قریب آ چکا ہے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت سے عرب کا ذکر فرمایا، کیونکہ عرب سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص

۲۶۹،دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۵۹۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ أَنَّهُ سَمِعَ الزُّهْرِيَّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُنَّ أَنَّهَا قَالَتْ اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ النَّوْمِ مُحْمَرًّا وَجْهُهُ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَعَقَدَ سُفْيَانُ تِسْعِينَ أَوْ مِائَةً قِيلَ أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مالک بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے الزہری سے سنا از عروہ از حضرت زینب بنت ام سلمہ از حضرت ام حبیبہ از حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نیند سے بیدار ہوئے اور اس وقت آپ کا چہرہ سرخ تھا، آپ فرمارہے تھے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، عرب کے لیے اس شر کی وجہ سے افسوس ہے جو قریب آچکا ہے، یاجوج اور ماجوج کی دیوار سے آج اتنا کھول دیا گیا ہے۔ اور سفیان نے اپنی انگلی سے نوے یا سو کا عقد بنایا، آپ سے کہا گیا: کیا ہم ہلاک ہوجائیں گے اور ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب خبث زیادہ ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۲۶۸۷۰)

صحیح البخاری: ۷۰۵۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، کیونکہ یہ عنوان اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن عیینہ، یہ سفیان ہیں۔ اس حدیث کی سند میں تین صحابیات کا ذکر ہے: حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، جو نبی ﷺ کی لے پالک تھیں، اور ان کی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، جو نبی ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہے، اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو ام المؤمنین ہیں، نبی ﷺ نے ۳ ہجری میں ان سے نکاح کیا تھا۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ویل للعرب" "ویل" کا لفظ "ویہ" کی مثل ہے، مگر "ویل" اس وقت کہا جاتا ہے جب مستحق لوگوں کی ہلاکت ہو اور "ویہ" کا لفظ اس وقت کہا جاتا ہے جب ان کی ہلاکت ہو جو مستحق نہیں ہیں۔ اور عرب سے مراد دینِ اسلام والے لوگ ہیں، اور ان کا خصوصیت سے ذکر اس لیے کیا کہ شر کا بڑا حصہ ان کی طرف لوٹے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من ردم یاجوج و ماجوج" ردم وہ سد یا رکاوٹ ہے جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے۔
علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ یاجوج ترک ہیں اور بغداد میں ان کے ساتھ وہ ہوا جو ہوا۔
علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ ترک نے رکاوٹ یا سد نہیں بنائی تھی اور ہمارے اور ان کے درمیان رکاوٹ یاجوج اور ماجوج نے بنائی تھی اور وہ دونوں اولادِ آدم سے ہیں اور یافث بن نوح علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ اور جو بغداد میں واقع ہوا تھا وہ چنگیز خان کے بیٹے ہلاکو کا قصہ ہے، کیونکہ اسی نے خلیفہ المعتصم باللہ العباسی کو قتل کیا تھا اور بغداد کو ۶۵۶ھ میں تباہ کر دیا تھا۔
اس حدیث میں مذکور ہے "عقد سفیان تسعین و مائۃ" یعنی سفیان نے نوے اور سو کا عقد بنایا، اور وہ یہ ہے کہ انگشتِ سبابہ کو ہتھیلی کی جڑ پر رکھا جائے اور انگوٹھے کو اس پر موڑا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

یاجوج ماجوج اور ان کی رکاوٹ کے متعلق علامہ ابن ملقن کی شرح

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
"ردم" سے مراد وہ دیوار ہے جس کو ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان بنایا تھا تاکہ یاجوج اور ماجوج اس دیوار کے پار نہ جا سکیں، اور کہا جاتا ہے کہ یاجوج اور ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے تھے کہ وہ قریب ہو جائیں اور اس کے پار گزر جائیں، پھر جب شام ہوتی تو کہتے کہ اب ہم کل آ کر بقیہ کام کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو پہلے ہی کی طرح بنا دیتا، پھر اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ یاجوج اور ماجوج اس دیوار کے پار نکل جائیں تو وہ ان شاء اللہ کہیں گے، پھر وہ جتنا سوراخ کریں گے وہ سوراخ باقی رہے گا، پھر اگلے دن اس سوراخ کو مزید چوڑا کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿۹۶﴾ (الانبیاء: ۹۶)	حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی دیوار) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ○

جب یاجوج اور ماجوج کی دیوار کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے قریب وہ دیوار ٹوٹ جائے گی جس کو ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کے حملوں کو روکنے کے لیے بنایا تھا، اس رکاوٹ کے ٹوٹتے ہی یاجوج ماجوج اس طرح امڈ آئیں گے جس طرح دریا کا بند ٹوٹ جائے تو سیلاب امڈ آتا ہے، یاجوج ماجوج کا یہ حملہ ان کی پیش قدمی اور یورش آخری زمانہ میں ہوگی اور اس کے بعد قیامت بہت جلد واقع ہوگی۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۲۹۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

یاجوج ماجوج اور ان کی رکاوٹ کے متعلق مصنف کا مختار

یاجوج اور ماجوج کے متعلق متقدمین اور متاخرین علماء کے درمیان کافی اختلاف ہے اور کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے، البتہ ہمارا مختار یہ ہے کہ چونکہ قرآن اور حدیث میں یاجوج اور ماجوج کا ذکر آیا ہے، اس لیے ہم کہتے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج کا نکلنا برحق ہے اور وہ قربِ قیامت میں نکلیں گے، رہا یہ کہ اب وہ کہاں ہیں اور وہ کونسی مخلوق ہیں تو اس بحث میں ہم نہیں پڑتے، جیسا کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ دوزخ ہے اور ہم یہ نہیں جانتے کہ دوزخ کس جگہ ہے آیا سات زمینوں کے نیچے دوزخ ہے یا جو

سمندر ہے یہی دوزخ بنادیا جائے گا، اس سلسلہ میں قرآن مجید اور حدیث میں نص صریح نہیں ہے، اس لیے ہم اس کے محلِ وقوع کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں، اسی طرح یاجوج اور ماجوج کے مصداق اور ان کے محلِ وقوع کو بھی ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں اور صرف یہ بات یقین سے کہتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا قربِ قیامت میں ظہور برحق ہے اور اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

۷۰۶۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنِي مَحْمُودٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رضی الله عنهما قَالَ أَشْرَفَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى قَالُوا لَا قَالَ فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں ابن عیینہ نے حدیث بیان کی از الزہری ح اور مجھے محمود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از الزہری از عروہ از حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مکانوں میں سے کسی مکان کے اوپر جھانکا، پھر آپ نے فرمایا: کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں کے درمیان فتنے اس طرح گر رہے ہیں جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷۸، ۲۴۶۷، ۳۵۹۷، ۷۰۶۰، صحیح مسلم: ۲۸۸۵، مسند احمد: ۲۱۲۴۱)

صحیح البخاری: ۷۰۶۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "اشرف" اس کا معنی ہے: بلندی سے دیکھنا یا جھانکنا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "أطم" اس کا معنی ہے: قلعہ اور محل۔

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگیں جاری ہوں گی جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور یومِ حرۃ، اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۰۔۲۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۔ بَابُ: ظُهُورِ الْفِتَنِ

فتنوں کا ظاہر ہونا

۷۰۶۱۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عیاش بن الولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالاعلیٰ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں معمر نے حدیث بیان کی از الزہری از

وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّمَ هُوَ قَالَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ وَقَالَ شُعَيْبٌ وَيُونُسُ وَاللَّيْثُ وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔

سعید از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: زمانہ قریب ہوتا جائے گا اور عمل کم ہوتے جائیں گے، اور دلوں میں بخل ڈال دیا جائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور ہرج بہ کثرت ہوگا، صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! یہ ہرج کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ قتل ہے، قتل ہے۔

اور شعیب، اور یونس، اور اللیث، اور زہری کے بھتیجے، نے از الزہری از حمید از ابوہریرہ نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۸۵، ۱۰۳۶، ۱۴۱۲، ۳۶۰۸، ۳۶۰۹، ۴۶۳۵، ۴۶۳۶، ۶۵۰۶، ۶۹۳۵، ۷۰۶۱، ۷۱۵۱، ۷۱۲۱، صحیح مسلم: ۱۵۷، سنن ابوداؤد: ۴۲۵۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۷، مسند احمد: ۷۱۴۶)

صحیح البخاری: ۷۰۶۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "اور فتنے ظاہر ہوں گے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عیاش بن الولید، یہ الرقام البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبدالاعلیٰ، یہ ابن الاعلیٰ السامی البصری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے معمر، یہ ابن راشد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزہری، یہ محمد بن مسلم ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سعید بن المسیب، یہ تابعی ہیں۔

زمانہ کے قریب ہونے کے متعدد محامل

اس حدیث میں مذکور ہے "یتقارب الزمان" علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے کہا ہے: زمانہ قریب ہو جائے گا حتیٰ کہ ایک سال ایک مہینہ کی مثل گزرے گا اور مہینہ ایک جمعہ کی مثل اور جمعہ ایک دن کی مثل اور دن ایک ساعت کی مثل گزرے گا، اور اس کی وجہ زندگی سے لذت کا حصول ہے، کیونکہ جب زندگی میں لذت کا حصول ہو تو وقت گزرنے کا پتا نہیں چلتا، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت المہدی کا ظہور ہوگا اور وہ تمام زمین میں عدل کو پھیلا دیں گے۔ اور اسی طرح خوشی کے ایام بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔

علامہ الکرمانی نے کہا کہ یہ شرح اس کے مناسب نہیں ہے کہ فتنوں کا ظہور ہوگا اور بہ کثرت قتل ہوں گے۔ اور کہا گیا ہے کہ زمانہ کے قریب ہونے سے مراد ہے کہ دن اور رات برابر ہوں گے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب دن اور رات برابر ہوں گے تو قیامت قائم ہوگی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھنٹے، دن اور راتیں چھوٹے ہو جائیں گے۔

علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ کبھی اس طرح ہوگا کہ اس زمانہ کے لوگوں کے احوال علم کو طلب کرنے میں خصوصاً اور جہل پر راضی ہونے میں پلٹ جائیں گے، اور یہ اس وجہ سے ہوگا کہ لوگ علم میں برابر نہیں ہوں گے کیونکہ علم کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ (یوسف:۷۶) اور ہر (متناہی) علم والے سے بڑھ کر ایک عظیم علم والا ہے O

اور یہ اس وقت برابر ہوں گے جب سب لوگ جاہل ہوں۔

علامہ عبداللہ بن عمر البیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں: ہوسکتا ہے زمانہ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہو کہ حکومتیں جلدی جلدی ختم ہو جائیں گی اور زمانہ گزرتا جائے گا یہاں تک کہ تمام زمانہ گزر جائے گا۔

علامہ علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ دین کی قلت میں اس زمانہ کے لوگوں کے احوال مختلف ہوں گے حتیٰ کہ ان میں ایسا شخص نہیں ہوگا جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، کیونکہ فسق و فجور کا اس زمانہ کے لوگوں پر غلبہ ہوگا، اور حدیث میں ہے: ''لوگ ہمیشہ خیریت سے رہیں گے جب تک ان میں اہلِ فضل اور اہلِ صلاح باقی رہیں گے اور مصائب کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہیں گے اور ان کی آراء سے شفاء حاصل ہوگی اور ان کی دعاء سے تبرک حاصل ہوگا اور ان کے اقوال اور ان کے آثار پر عمل کیا جائے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''اور عمل کم ہو جائیں گے''، یعنی عمل حسی طور پر کم ہو جائیں گے جو دین کے کم ہونے کی وجہ سے کم ہوں گے، اور معنوی سبب یہ ہوگا کہ چونکہ ان کا کھانا اور پینا حلال نہیں ہوگا، اس لیے ان سے نیک عمل نہیں ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ویلقی الشح''، ''الشح'' کا معنی ہے: بخل اور حرص، یعنی لوگوں کے دلوں میں بخل بھی ڈال دیا جائے گا اور حرص بھی ڈال دی جائے گی۔ اور بخل کی وجہ سے وہ مالی واجبات ادا نہیں کریں گے۔

علامہ کرمانی نے کہا: بُخل کا دلوں میں ڈالا جانا تمام زمانوں میں ثابت ہے، پھر انہوں نے کہا کہ اس سے مراد ہے بُخل کا غلبہ اور اس کی کثرت بایں طور کہ تمام لوگ بخل کے آثار کو دیکھیں، یہ اس زمانہ میں ہوگا۔

دلوں میں بخل ڈالے جانے پر ایک سوال کا جواب

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ کتاب الانبیاء علیہم السلام کے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتنا زیادہ مال بہائیں گے کہ اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔ اور کتاب الزکوٰۃ میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تم میں سے کوئی ایک شخص اپنی زکوٰۃ کو لے کر گھومے پھرے گا اور اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اس کی زکوٰۃ کو قبول کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں قیامت کی علامتوں میں سے ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک اُس زمانہ میں ہوگی جس زمانہ میں دوسری نشانی نہیں پائی جائے گی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وتظہر الفتن'' اس سے مراد ہے فتنے بہت زیادہ ہوں گے اور پھیل جائیں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''ایم ھو؟'' یعنی ھرج کیا چیز ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ قتل ہے، وہ قتل ہے، یہ آپ نے دو بار فرمایا۔ اور ''ایم ھو'' ای شیء کا اختصار ہے جیسے ای شیء کی جگہ أیش کہتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۱۔ ۲۷۲، دار الکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۶۲، ۷۰۶۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوسَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي مُوسَى فَقَالَا قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از الاعمش از شقیق، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، پس ان دونوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک قیامت کے سامنے ضرور کچھ ایام ہیں جن میں جہل کا نزول ہوگا اور ان ایام میں علم کو اٹھالیا جائے گا اور ان ایام میں ہرج بہ کثرت ہوگا اور ہرج قتل ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۶۴، ۷۰۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۷۲، سنن ترمذی: ۲۲۰۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۰، مسند احمد: ۳۶۸۷)

صحیح البخاری: ۷۰۶۲، ۷۰۶۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ معنوی طور پر مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الاعمش، اور یہ سلیمان ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے شقیق بن سلمہ، اور حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ جن کا نام عبد اللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہما ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "ینزل فیہا الجہل" جہل کے نزول کا معنی یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا اور علماء کی وفات سے علم اٹھ جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۶۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ قَالَ جَلَسَ عَبْدُ اللّٰهِ وَأَبُو مُوسَى فَتَحَدَّثَا فَقَالَ أَبُو مُوسَى قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ أَيَّامًا يُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں شقیق نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما بیٹھ کر باتیں کررہے تھے، پس حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ قیامت کے سامنے ایسے ایام ہوں گے جن میں علم اٹھالیا جائے گا اور ان ایام میں جہل کا نزول ہوگا اور ان ایام میں ہرج زیادہ ہوگا، اور ہرج، قتل ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۶۴، ۷۰۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۷۲، سنن ترمذی: ۲۲۰۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۰، مسند احمد: ۳۶۸۷)

صحیح البخاری: ۷۰۶۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث مذکور کی ایک اور سند ہے اور ان تینوں روایات میں ہرج کی تفسیر قتل کے ساتھ کی گئی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۶۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ إِنِّي لَجَالِسٌ مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى رضی اللہ عنہما فَقَالَ أَبُو مُوسَى سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ مِثْلَهُ وَالْهَرْجُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْقَتْلُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر نے حدیث بیان کی از الاعمش از ابی وائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ بے شک میں حضرت عبداللہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، پس حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔۔۔ اس حدیث کی مثل۔ اور ہرج حبشی زبان میں قتل کو کہتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۷۰۶۴، ۷۰۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۷۲، سنن ترمذی: ۲۲۰۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۰، مسند احمد: ۳۶۸۷)

صحیح البخاری: ۷۰۶۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس میں قتیبہ سے روایت ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۶۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَأَحْسِبُهُ رَفَعَهُ قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ أَيَّامُ الْهَرْجِ يَزُولُ فِيهَا الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ فِيهَا الْجَهْلُ قَالَ أَبُو مُوسَى وَالْهَرْجُ الْقَتْلُ بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واصل از ابی وائل از حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، میں گمان کرتا ہوں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے سامنے کچھ ایام ہوں گے جن میں ہرج ہوگا اور ان ایام میں علم زائل ہو جائے گا اور جہل ظاہر ہوگا، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: حبشی زبان میں ہرج کا معنی قتل ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۰۶۲، ۷۰۶۳، ۷۰۶۴، ۷۰۶۵، صحیح مسلم: ۲۶۷۲، سنن ترمذی: ۲۲۰۰، سنن ابن ماجہ: ۴۰۵۰، مسند احمد: ۳۶۸۷)

صحیح البخاری:٧٠٦٦، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے۔

(عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ٢٧٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٧٠٦٧۔ وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ تَعْلَمُ الْأَيَّامَ الَّتِي ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَيَّامَ الْهَرْجِ نَحْوَهُ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ۔

(صحیح مسلم:٢٩٤٩، مسند احمد:٤١٣٢)

اور ابو عوانہ نے کہا از عاصم از ابی وائل از الاشعری، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان ایام کو جانتے ہیں جن کا نبی ﷺ نے ذکر کیا تھا کہ ان ایام میں قتل ہوگا۔۔۔اس حدیث کی مثل۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: برے لوگوں میں سے وہ لوگ ہیں جن کو قیامت پائے گی اور وہ اس وقت زندہ ہوں گے۔

صحیح البخاری:٧٠٦٧، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ٨٥٥ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے معانی

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ کفار اور منافقین مخلوق میں سب سے بدترین ہیں اور یہ اس وقت زندہ ہوں گے۔

قیامت کے وقت نیک لوگوں کے موجود ہونے کا بھی ثبوت

اور علامہ ابن التین نے کہا ہے: ''اور وہ'' کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد خصوص ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت اکثر اور اغلب بدترین لوگوں میں قائم ہوگی، کیونکہ دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے چند لوگ حق پر قائم رہیں گے اور جو ان کو ضرر پہنچانا چاہے وہ اس پر قادر نہیں ہوگا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی''۔ پس اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قیامت نیک اور افضل لوگوں پر بھی قائم ہوگی اور وہ اپنے دین پر اس طرح صابر ہوں گے جیسا کہ کوئی شخص انگاروں کو پکڑے ہوئے ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ٢٤ ص ٢٧٤، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢١ھ)

٦۔ بَابٌ: لَا يَأْتِي زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ

ہر زمانہ کے بعد والے زمانہ کا پہلے زمانہ سے بدتر ہونا

٧٠٦٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن

عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقَى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ اصْبِرُوا فَإِنَّهُ لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ إِلَّا الَّذِي بَعْدَهُ شَرٌّ مِنْهُ حَتَّى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهُ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ۔

(سنن ترمذی: ۲۲۰۶، مسند احمد: ۱۱۹۳۸)

یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزبیر بن عدی، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پس ہم نے ان سے حجاج کے مظالم کی شکایت کی جو ہمیں حجاج کی طرف سے پہنچے، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم صبر کرو، کیونکہ تم پر جو زمانہ بھی آئے گا اس کے بعد کا زمانہ اس سے زیادہ برا ہوگا حتیٰ کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو۔ یہ حدیث میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنی ہے۔

صحیح البخاری: ۷۰۶۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ جو باب کا عنوان ہے وہ بعینہٖ حدیث میں مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن یوسف، یہ ابو احمد البخاری البیکندی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الزبیر بن عدی، یہ الکوفی الہمدانی ہیں، یہ کم عمر تابعین میں سے ہیں، یہ تہران کی قضاء کے والی مقرر ہوئے اور امام بخاری نے ان سے صرف یہی حدیث روایت کی ہے۔

اس حدیث کی امام ترمذی نے کتاب الفتن میں از ابن بشار روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

حجاج بن یوسف کا تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے "مانلقی من الحجاج" اس کا پورا نام حجاج بن یوسف الثقفی ہے، یہ مشہور گورنر تھا۔

شعبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد کے زمانہ کے خلفاء اور حکمران جب کسی مجرم کو پکڑتے تو اس کو لوگوں کے سامنے کھڑا کرتے اور اس کا عمامہ اتار دیتے، پھر جب زیاد کو اس کے جرائم کی وجہ سے کوڑے لگائے گئے، پھر مصعب بن زبیر نے اس میں اضافہ کیا اور اس کی ڈاڑھی مونڈلی، پھر جب بشر بن مروان کا زمانہ آیا تو وہ مجرم کے ہاتھ میں کیلیں ٹھوک دیتا، پھر جب حجاج بن یوسف کا زمانہ آیا تو اس نے کہا: یہ سب کھیل ہے اور اس نے مجرم کو تلوار سے قتل کر دیا۔

اس اشکال کا جواب کہ عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ حجاج بن یوسف کے زمانہ کے بعد ہے حالانکہ عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ حجاج کے زمانہ سے بہتر تھا

اس حدیث میں مذکور ہے "جو بعد کا زمانہ ہوگا اس میں زیادہ شر ہوگا"۔ اس پر یہ سوال کیا گیا ہے کہ مطلقاً یہ کہنا مشکل ہے کیونکہ بعض زمانوں کے بعد کے زمانوں میں شر پہلے زمانہ سے کم تھا اور یہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں جو حجاج کے کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ ہوئے اور ان کے زمانہ کی خیر بہت مشہور ہے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ان کے زمانہ میں تو شر ختم ہو چکا تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حسن بصری نے یہ کہا کہ اکثر اور اغلب حال یہی ہے کہ بعد کا زمانہ پہلے زمانہ کی بہ نسبت زیادہ شر پر مشتمل ہوتا ہے، پھر ان پر سوال کیا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ حجاج کے بعد تھا تو انہوں نے کہا کہ حجاج کے زمانہ میں صحابہ کی بہت بڑی تعداد زندہ تھی اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں وہ صحابہ فوت ہو چکے تھے اور جس زمانہ میں صحابہ ہوں وہ زمانہ اس زمانہ سے بہتر ہے جس زمانہ میں صحابہ نہ ہوں، کیونکہ صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے "خیر القرون قرنی" یعنی تمام زمانوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ ہیں جو اس کے بعد ہوں۔ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "میرے اصحاب میری امت کے لیے امان ہیں، پس جب میرے اصحاب چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وعید آجائیں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے متعلق کیا کہو گے کیونکہ ان کا زمانہ دجال کے زمانہ کے بعد ہے اور ان کا زمانہ دجال کے زمانہ سے بہتر ہے؟

علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں زمانہ سے مراد وہ زمانہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوگا۔ یا اس سے مراد اس زمانہ کی جنس ہے جس میں امراء ہوں گے، اور یہ بات بداہۃً معلوم ہے کہ نبی معصوم علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی شر نہیں ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۵-۲۷۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۶۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ هِنْدٍ بِنْتِ الْحَارِثِ الْفِرَاسِيَّةِ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَتْ اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَيْلَةً فَزِعًا يَقُولُ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَاذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّينَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٍ فِي الْآخِرَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان بن بلال از محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از ہند بنت الحارث الفراسیہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے اور آپ فرما رہے تھے: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کس قدر خزانے نازل فرمائے اور کس قدر فتنے نازل فرمائے، حجرہ والیوں کو کون بیدار کرے گا؟ آپ کی مراد ازواجِ مطہرات تھیں تا کہ وہ نماز پڑھیں بہت سی وہ عورتیں ہیں جو دنیا میں لباس پہنی ہوں اور

آخرت میں برہنہ ہوں گی۔

(صحیح البخاری:۱۱۵، ۱۱۲۶، ۳۵۹۹، ۵۸۴۴، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹، سنن ترمذی:۲۱۹۶، مسند احمد:۲۶۰۰۵، موطا امام مالک:۱۶۹۵)

صحیح البخاری:۷۰۶۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں فرمایا ہے کہ "کس قدر فتنے نازل کیے گئے"، یعنی کس قدر شرور نازل کیے گئے۔ اور جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تھے اس رات میں آپ نے پچھلی راتوں سے زیادہ شر کے نزول کو دیکھا۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی امام بخاری نے دوسندوں کے ساتھ روایت کی ہے، ان میں سے ایک سند میں مذکور ہے ابوالیمان، یہ الحکم بن نافع ہیں اور اس سند میں مذکور ہے شعیب، یہ ابن ابی حمزہ ہیں۔ اور اس سند میں مذکور ہے الزہری، اور یہ محمد بن مسلم الشہاب الزہری ہیں از ہند۔

اور دوسری سند میں مذکور ہے اسماعیل، یہ ابن ابی اویس ہیں جو اپنے بھائی عبدالحمید بن سلیمان بن بلال سے روایت کرتے ہیں از ابن شہاب از ہند بنت الحارث الفراسیہ، اور ہند محمد بن المقداد کی زوجہ کا نام ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ صحابیہ ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

آخرت میں برہنہ ہونے کے متعدد محامل

اس حدیث میں مذکور ہے "كاسية في الدنيا عارية في الآخرة" آخرت میں برہنہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے دنیا میں کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا جس کا ثواب انہیں آخرت میں ملے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ دنیا میں ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی جو شفاف ہوں گے، اس سے آر پار ان کا جسم دکھائی دے گا اور ان کی شرمگاہ مستور نہیں ہوگی، تو اس کی سزا آخرت میں ان کو یہ ملے گی کہ وہ برہنہ ہوں گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں وہ نعمتوں کا لباس پہنے ہوئے ہوں گی اور شکر سے خالی ہوں گی، تو آخرت میں وہ بے لباس ہوں گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۶۔۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے"

۷۰۷۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

حدیث بیان کی از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۴، ۷۰۷۰، صحیح مسلم: ۹۸، سنن نسائی: ۴۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۶، مسند احمد: ۴۴۵۳)

صحیح البخاری: ۷۰۷۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باب مذکور کا عنوان بعینہ اس حدیث کا جزو ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

"مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے والا ہم میں سے نہیں ہے" کے متعدد محامل

اس حدیث میں مذکور ہے "فلیس منا" اس کا معنی ہے: وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے، یا اس کا معنی ہے کہ وہ ہمارے طریقہ کی اتباع کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ مسلمان کا مسلمان پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی مدد کرے اور اس کی خاطر لڑے نہ کہ اس کے خلاف ہتھیار اٹھائے تاکہ وہ اس سے لڑے یا اس کو قتل کرے۔

علامہ کرمانی نے کہا: یعنی وہ ہماری سنت کی پیروی کرنے والا نہیں ہے، اور ہمارے طریقہ پر اور ہمارے راستہ پر چلنے والا نہیں ہے، یا آپ کی مراد یہ ہے کہ وہ ہمارے دین پر نہیں ہے۔

اس پر یہ سوال ہے کہ جب مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑیں اور ایک ان میں کا باغی ہو تو اس کو کیا کہو گے؟

پھر علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ جو گروہ باغی ہوگا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی اتباع کرنے والا نہیں ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابوبردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۶۸۷۴، ۷۰۷۰، صحیح مسلم: ۹۸، سنن نسائی: ۴۱۰۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۷۶، مسند احمد: ۴۴۵۳)

صحیح البخاری: ۷۰۷۱، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بھی اس سے پہلی حدیث کی مثل ہے۔
اس حدیث کی امام بخاری نے محمد بن العلاء سے روایت کی ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّامٍ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يُشِيرُ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ۔

(صحیح مسلم: ۲۶۱۷، مسند احمد: ۲۷۴۳۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالرزاق نے خبر دی از معمر از ہمام، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا از نبی ﷺ، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اپنے (دینی) بھائی پر ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا ہوسکتا ہے کہ شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کو چھڑوا دے، پس وہ دوزخ کے گڑھے میں گر جائے۔

صحیح البخاری: ۷۰۷۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی امام بخاری نے محمد سے روایت کی ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا کہ یہ محمد ذہلی ہیں، اسی طرح ابو علی الجیانی نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ محمد بن یحییٰ الذہلی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہ محمد بن رافع ہوں کیونکہ امام مسلم نے اس حدیث کی از محمد بن رافع از عبدالرزاق روایت کی ہے۔

علامہ عینی حافظ ابن حجر کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ احتمال بعید ہے کیونکہ امام مسلم کا اس حدیث کو از محمد بن رافع از عبدالرزاق روایت کرنا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ امام بخاری نے بھی اس حدیث کی اسی طرح روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "فانہ لایدری لعل الشیطان ینزغ فی یدہ" اس کا معنی یہ ہے کہ شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار گرا دے اور کسی مسلمان کے اوپر ضرب ثابت ہوجائے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "فیقع فی حفرۃ من النار" یعنی اس سے ایسا کام ہوجائے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو اور وہ اس وجہ سے دوزخ کے عذاب میں داخل ہوجائے۔

حدیث مذکور سے مستنبط مسئلہ

اس حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ ایسا کام کیا جائے جس سے کوئی ممنوع کام واقع ہوجائے خواہ وہ ممنوع کام محقق نہ ہو،

عام ازیں کہ سنجیدگی سے وہ کام کیا جائے یا مذاق سے۔ اور امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اپنے (دینی) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ کیا فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں“۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قُلْتُ لِعَمْرٍو يَا أَبَا مُحَمَّدٍ سَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ مَرَّ رَجُلٌ بِسِهَامٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا قَالَ نَعَمْ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے عمرو سے کہا: اے ابومحمد! کیا آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک آدمی تیر لے کر مسجد میں گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اس تیر کی نوک کو پکڑ کر رکھو، انہوں نے کہا: ہاں!

(صحیح البخاری: ۴۵۱، ۷۰۷۳، ۷۰۷۴، صحیح مسلم: ۲۶۱۴، سنن نسائی: ۷۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۵۸۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۷، مسند احمد: ۱۳۸۹۸، سنن دارمی: ۶۳۳)

صحیح البخاری: ۷۰۷۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے ”اس کی نوک پکڑ لو“ کیونکہ اگر اس کی نوک کو نہیں پکڑو گے تو ہوسکتا ہے کہ یہ نوک کسی کو چبھ جائے اور وہ زخمی ہوجائے اور یہ اس حدیث کے معنی میں ہے کہ جس نے مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھایا۔۔۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن عبداللہ، وہ ابن المدینی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے سفیان، وہ ابن عیینہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عمرو، وہ ابن دینار ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ بِأَسْهُمٍ قَدْ أَبْدَى نُصُولَهَا فَأُمِرَ أَنْ يَأْخُذَ بِنُصُولِهَا لَا يَخْدِشُ مُسْلِمًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالنعمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از عمرو بن دینار از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد مسجد میں تیروں کے ساتھ گزرا جن کی نوکیں اس نے ظاہر کی ہوئی تھیں، تو اس کو حکم دیا گیا کہ ان کی نوکوں کو پکڑ لے، وہ

نوکیں کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دیں۔

(صحیح البخاری: ۴۵۱، ۷۰۷۳، ۷۰۷۴، صحیح مسلم: ۲۶۱۴، سنن نسائی: ۷۱۸، سنن ابوداؤد: ۲۵۸۶، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۷، مسند احمد: ۱۳۸۹۸، سنن دارمی: ۶۳۳)

صحیح البخاری: ۷۰۷۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی ایک اور سند ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ بُرَيْدٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِذَا مَرَّ أَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا أَوْ فِي سُوقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلَى نِصَالِهَا أَوْ قَالَ فَلْيَقْبِضْ بِكَفِّهِ أَنْ يُصِيبَ أَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا شَيْءٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن العلاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابواسامہ نے حدیث بیان کی از برید از ابی بردہ از حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد میں سے گزرے یا ہمارے بازار میں گزرے اور اس کے ساتھ تیر ہو تو وہ اس کی نوک کو پکڑ کر رکھے، یا فرمایا: اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر رکھے کہیں وہ مسلمانوں میں سے کسی شخص کو چبھ نہ جائے۔

(صحیح البخاری: ۴۵۲، صحیح مسلم: ۲۶۱۵، سنن ابوداؤد: ۲۵۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۷۷۸)

صحیح البخاری: ۷۰۷۵، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے "پس وہ ان تیروں کی نوک کو پکڑ کر رکھے تا کہ کوئی مسلمان اس کی نوک سے زخمی نہ ہو جائے"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابواسامہ، ان کا نام حماد بن اسامہ ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُرید، یہ بُرید بن عبد اللہ ہیں جو اپنے دادا ابو بُردہ عامر یا حارث سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۸۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ

نبی ﷺ کا یہ ارشاد: تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں دوسرے باب کی حدیث کو بعینہٖ ذکر کیا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۶۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۸، ۶۰۴۴، ۷۰۷۶، صحیح مسلم: ۶۴، سنن ترمذی: ۲۶۳۵، سنن نسائی: ۴۱۰۵، سنن ابن ماجہ: ۶۹، مسند احمد: ۳۶۴۹)

صحیح البخاری: ۷۰۷۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ معنوی مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "سباب المسلم" اس حدیث پر یہ سوال ہے کہ مسلمان کو گالی دینا اور اس سے لڑنا گناہِ کبیرہ ہے، تو اس سے لڑنے کو کفر قرار دینے کی کیا توجیہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص اس گناہِ کبیرہ کو حلال سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا، یا نبی ﷺ نے یہ ارشاد بطور تغلیظ فرمایا تاکہ لوگ مسلمان کو گالی دینے اور اس سے لڑنے سے احتراز کریں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۷۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي وَاقِدُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے

سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِی کُفَّارًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے واقد بن محمد نے خبر دی از والد خود از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔

(صحیح البخاری: ۱۲۱، ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، ۷۰۸۰، صحیح مسلم: ۶۵، سنن نسائی: ۴۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۶)

صحیح البخاری: ۷۰۷۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ بابِ مذکور کے عنوان میں بعینہٖ یہ حدیث ذکر کی گئی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

مسلمانوں کے ایک دوسرے کو قتل کرنے پر کفر کے اطلاق کی توجیہات

اس حدیث پر بھی یہ اعتراض ہے کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنا کفر نہیں ہے، پھر اس پر کفر کا اطلاق کس طرح کیا گیا ہے؟

اس اعتراض کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

(۱) لغت میں کُفر کا معنی ستر ہے یعنی چھپانا، اسی وجہ سے کسان کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے، اس اعتبار سے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ میرے بعد تم حق کو چھپانے والے نہ بن جانا اور حق کو چھپا کر ایک دوسرے کی گردنیں مارو۔

(۲) تم ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگا کر ان کو قتل کرنا شروع نہ کر دینا، یعنی کسی کی تکفیر صرف اس وقت کی جائے جب وہ کسی ایسے امر کا انکار کرے جو اس دلیل سے ثابت ہو جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہو اور محض ظنیات کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔

(۳) مسلمانوں کا ایک دوسرے سے لڑنا اور ایک دوسرے کی گردنیں مارنا کُفرانِ نعمت ہے، کیونکہ مسلمانوں کی جمعیت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، اور ایک دوسرے کو قتل کر کے مسلمانوں کی جمعیت اور اکثریت کو کم کیا جاتا ہے۔ اور کُفر کا معنی جس طرح کُفر باللہ ہے، اسی طرح کُفر کا معنی کفرانِ نعمت بھی ہے۔

(۴) مسلمانوں کا ایک دوسرے کی گردنیں مارنا ایسا فعل ہے جو کُفر حقیقی کی طرف لے جاتا ہے۔

(۵) علامہ داؤدی نے کہا ہے: مسلمانوں کے ساتھ ایسا فعل نہ کرو جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور ان کے ساتھ کوئی ایسا فعل نہ کرو جو حلال نہ ہو اور تم اس کو حرام سمجھتے ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۷۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا یَحْیَی حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ سِیرِینَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِی بَکْرَةَ عَنْ أَبِی بَکْرَةَ وَعَنْ رَجُلٍ آخَرَ هُوَ أَفْضَلُ فِی

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قرۃ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں

نَفْسِي مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا تَدْرُونَ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ بِيَوْمِ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا أَلَيْسَتْ بِالْبَلْدَةِ الْحَرَامِ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ وَأَبْشَارَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّهُ رُبَّ مُبَلِّغٍ يُبَلِّغُهُ لِمَنْ هُوَ أَوْعٰى لَهُ فَكَانَ كَذٰلِكَ قَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ حُرِّقَ ابْنُ الْحَضْرَمِيِّ حِينَ حَرَّقَهُ جَارِيَةُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ أَشْرِفُوا عَلٰى أَبِي بَكْرَةَ فَقَالُوا هٰذَا أَبُو بَكْرَةَ يَرَاكَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَحَدَّثَتْنِي أُمِّي عَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّهُ قَالَ لَوْ دَخَلُوا عَلَيَّ مَا بَهَشْتُ بِقَصَبَةٍ۔

نے کہا: ہمیں ابن سیرین نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ از حضرت ابی بکرہ، وہ ایک اور مرد سے روایت کرتے ہیں اور وہ میرے دل میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے افضل ہیں اور وہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا، پس فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ آج کونسا دن ہے؟ صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، انہوں نے بتایا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر (قربانی) کا دن نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: یہ کون سا شہر ہے، کیا یہ حرمت والا شہر (مکہ) نہیں ہے؟ ہم نے کہا کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں اور تمہاری جسمانی کھالیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن اور اس مہینے میں اور اس شہر میں ایک دوسرے پر حرام ہیں، سنو! کیا میں نے تبلیغ کردی ہے؟ ہم نے عرض کیا: جی ہاں، آپ نے کہا: اے اللہ تو گواہ ہو جا، پس حاضر غائب کو (یہ حدیث) پہنچادے، کیونکہ بعض اوقات جس کو حدیث پہنچائی جائے وہ حدیث کو والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے، پس اسی طرح ہوا، اور آپ نے فرمایا: تم میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو، پھر جب وہ دن آیا جس دن ابن حضرمی کو جاریہ بن قدامہ نے جلا ڈالا، تو ابن حضرمی نے کہا: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو جھانک کر دیکھو، لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکرہ ہیں اور آپ کو دیکھ رہے ہیں، عبدالرحمٰن نے کہا: پس مجھے میری ماں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بتایا، انہوں نے کہا: اگر یہ لوگ میرے گھر میں داخل ہوجائیں (اور مجھ پر حملہ کریں) تو میں ان کو بانس کی ایک چھڑی بھی نہیں ماروں گا (چہ جائیکہ ان کو ہتھیاروں سے ماروں)۔

(صحیح البخاری: ۶۷، ۱۰۵، ۱۷۴۱، ۳۱۹۷، ۴۴۰۶، ۴۶۶۲، ۵۵۵۰، ۵۰۷۸، ۷۴۴۷، صحیح مسلم: ۱۶۷۹، سنن ابن ماجہ: ۲۳۳، مسند احمد:

۱۹۸۷۳، سنن دارمی: ۱۹۱۶)

صحیح البخاری: ۷۰۷۸، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث بھی بابِ مذکور کے عنوان کا ایک جزو ہے۔

یہ حدیث کتاب الحج میں "باب الخطبة ایام منی" میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "عن ابی بکرۃ" ان کا نام نفیع بن الحارث الثقفی ہے، یہ بصرہ میں آ کر ٹھہرے تھے اور وہاں سے کوفہ منتقل ہو گئے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "عن رجل آخر" یعنی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ایک دوسرے مرد سے روایت کرتے ہیں اور اس دوسرے مرد کا نام حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوف ہے، اس کی کتاب الحج میں تصریح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "خطب الناس" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایامِ حج میں قربانی کے دن خطبہ دیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اعراضکم" یہ "عرض" کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: عزت اور خاندانی شرافت۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ابشارکم" یہ بشر کی جمع ہے جس کا معنی ہے جسم کی ظاہری کھال۔

اس حدیث میں مذکور ہے "الیس بیوم النحر" علامہ کرمانی نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سوال کیا کہ یہ کون سا مہینہ ہے، پھر خود بتایا، یہ سوال اس لیے تھا کہ ان کے ذہنوں میں جو اس مہینہ کی حرمت اور تعظیم تھی اس کی تاکید کی جائے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اسی طرح اس شہر کی بھی حرمت اور تعظیم ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے یہ خطبہ منیٰ میں دیا تھا اور آپ کا مقصد اس سے اس وہم کو دور کرنا تھا کہ منیٰ حرم سے خارج ہے، یا اس وہم کو دور کرنا تھا کہ اب یہ شہر حرام نہیں رہا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن اس میں قتال کیا تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فکان کذالك" یعنی اسی طرح ہوا، یہ محمد بن سیرین کا کلام ہے جو اس حدیث میں بطور جملہ معترضہ ذکر کیا گیا ہے، یعنی بہ کثرت ایسا ہوا کہ جن کو حدیث سنائی گئی ان کو وہ حدیث ان سے زیادہ یاد تھی جنہوں نے خود وہ حدیث سنی تھی۔

جاریہ بن قدامہ کا ابن الحضرمی کو آگ میں جلانے کا قصہ

اس حدیث میں مذکور ہے "جس دن ابن الحضرمی کو جلا دیا گیا"۔ ابن الحضرمی سے مراد عبداللہ بن عمرو بن الحضرمی ہیں، ان کے باپ حضرت عمرو بن الحضرمی رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے جنگِ بدر کے دن سب سے پہلے مشرکین میں سے کسی شخص کو قتل کیا تھا اور عبداللہ اس واقعہ کو دیکھنے والے تھے، بعض شارحین نے عبداللہ بن عمرو بن الحضرمی کو صحابہ میں شمار کیا اور حضرمی کا نام عبداللہ بن عمار ہے، یہ

زمانہ جاہلیت میں بنو امیہ کے حلیف تھے اور العلاء بن حضرمی مشہور صحابی ہیں جو عبد اللہ بن عمرو بن الحضرمی کے چچا ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے "حین حرقه جارية بن قدامه" ان کا پورا نام ابن قدامہ بن مالک بن زہیر بن الحصین التمیمی السعدی ہے۔

العسکری نے "الصحابہ" میں بیان کیا ہے کہ اس کا قصہ یہ تھا کہ جاریہ کو محرق یعنی جلانے والے کا لقب دیا گیا تھا، کیونکہ انہوں نے حضرمی کے بیٹے کو بصرہ میں جلا دیا تھا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن الحضرمی کو بصرہ بھیجا تھا تا کہ وہ بصرہ کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے پر آمادہ کریں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا، انہوں نے ابن الحضرمی کو ایک مکان میں گھیر کر بند کر دیا اور جاریہ نے اس مکان میں آگ لگا دی۔

امام ابوجعفر طبری نے ۳۸ھ کے حوادث میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو بھیجا، اس نے ابن الحضرمی کو ایک گھر میں محصور کر دیا جس گھر میں ابن حضرمی ٹھہرے ہوئے تھے، پھر اس گھر میں ابن حضرمی کو اور ان کے ساتھیوں کو جلا ڈالا اور یہ ستر (۷۰) یا چالیس (۴۰) مرد تھے۔

علامہ کرمانی نے علامہ المہلب سے نقل کیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ابن الحضرمی ایسے مرد تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے انکار کیا تھا، پس ان کی طرف جاریہ بن قدامہ نے ایک لشکر بھیجا اور عراق کی ایک جانب میں ان پر فتح حاصل کی، اور حضرت ابوبکرہ الثقفی الصحابی وہاں رہتے تھے، پس جاریہ نے ابن حضرمی کو سولی دینے کا حکم دیا، سو ان کو سولی دی گئی، پھر ان کو اس تنے کی آگ میں ڈال کر جلا دیا گیا جس تنے میں ان کو سولی دی گئی تھی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: بہترین بات وہ ہے جس کو العسکری اور الطبری نے ذکر کیا ہے، اور جس کا المہلب نے ذکر کیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کے پیش نظر حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ سے الگ رہنا

اس حدیث میں مذکور ہے "اشرفوا على ابى بكرة" اس کا قصہ یہ ہے کہ جب جاریہ بن قدامہ نے ابن الحضرمی کو جلا ڈالا تو انہوں نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو جھانک کر دیکھو کیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت پر قائم ہیں یا نہیں تو ان کے لشکر نے کہا: یہ ابوبکرہ موجود ہیں اور آپ کو دیکھ رہے ہیں، اور جو کچھ آپ نے ابن الحضرمی کے ساتھ کیا اس کو بھی دیکھ رہے ہیں اور انہوں نے آپ کی اس کاروائی پر کوئی انکار نہیں کیا اور نہ کوئی ہتھیار اٹھایا، پس جب حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سنا اور وہ بالکونی میں تھے تو انہوں نے کہا: اگر یہ لوگ میرے گھر میں گھس کر آتے اور مجھ پر حملہ کرتے تو میں بانس کی ایک چھڑی بھی ان کو نہ مارتا چہ جائیکہ ان لوگوں سے قتال کرتا، کیونکہ میں اسلام میں فتنہ کو جائز نہیں سمجھتا اور نہ دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی تحریک کو جائز سمجھتا ہوں۔ (حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے پیش نظر کہی: "تم میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو" اس لیے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے دو فریقوں کی آپس میں لڑائی کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔)

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۱۔ ۲۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۸۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جاریہ بن قدامہ کے ابن الحضرمی کو آگ میں زندہ جلانے کے قصہ کی مزید وضاحت

امام ابوجعفر طبری نے ۳۸ھ کے حوادث میں از ابوالحسن المدائنی لکھا ہے، اسی طرح اس کو عمر بن شبۃ نے ''اخبار البصرہ'' میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ سے نکلے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے، اور انہوں نے زیاد بن سمیہ کو بصرہ پر اپنا نائب بنا دیا، ادھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمرو بن الحضرمی کو بصرہ بھیجا تا کہ وہ ان کے لیے بصرہ کی حکومت حاصل کریں، وہ بنوتمیم میں آکر ٹھہرے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے حامی ان سے آکر مل گئے، پس زیاد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے مدد طلب کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس اعین بن ضبیعہ المجاشعی کو بھیجا جس کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد جاریہ بن قدامہ کو بھیجا، اس نے ابن الحضرمی کو اس گھر میں محصور کر دیا جس گھر میں وہ ٹھہرا ہوا تھا، پھر اس گھر میں آگ لگا دی اور اس کے ساتھ ان کے ستر (۷۰) یا چالیس (۴۰) ساتھی تھے، وہ سب جل کر راکھ ہو گئے۔ الطبری نے لکھا ہے کہ جاریہ بن قدامہ یزید بن معاویہ کی خلافت میں فوت ہو گیا۔

اہلِ علم نے جو اس واقعہ کی تاریخ لکھی ہے مثلاً المدائنی وغیرہ نے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے واقعہ تحکیم کے بعد اہلِ بصرہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کریں، پھر اس کے بعد خوارج کا واقعہ پیش آیا، پس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف گئے اور النہروان میں حاضر ہوئے، پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جاریہ بن قدامہ غلبہ پانے اور ابن الحضرمی اور ان کے ساتھیوں کو جلانے کے بعد بصرہ کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت پر تیار کر رہے تھے، اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ فتنہ کے ایام میں لڑائی کو ترک کرنا چاہیے جیسا کہ صحابہ کی ایک جماعت کی رائے تھی۔ پھر بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی طرف جاریہ بن قدامہ کو متوجہ کیا تا کہ ان کو بھی لڑائی میں شامل کریں تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اگر یہ لوگ میرے گھر میں گھس آئیں اور مجھ سے قتال کریں تب بھی میں ان کی طرف ایک چھڑی کو نہیں اٹھاؤں گا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید میں دیگر احادیث

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا یہ اس حدیث کے موافق ہے جس کو امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فتنہ کے متعلق ذکر کیا، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے کہا: یارسول اللہ! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اگر میں اس فتنہ کو پاؤں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے ہاتھ کو اور اپنی زبان کو روکو اور اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر کوئی شخص میرے گھر میں داخل ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی کوٹھڑی میں داخل ہو جاؤ، میں نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر وہ میری کوٹھڑی میں داخل ہو جائیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم اپنے سجدہ کی جگہ میں داخل ہو جاؤ، اور اپنے ہاتھ کو پہنچوں کے پاس سے پکڑ لو اور کہو: میرا رب اللہ ہے، حتیٰ کہ تم اسی پر مر جاؤ۔ اور امام طبرانی نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ تم اپنے گھر میں داخل

ہو جاؤ اور اپنا ذکر گمنامی میں رکھو، حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر ان میں سے کوئی ایک ہمارے گھر میں داخل ہو جائے تو آپ نے فرمایا: تم اپنے ہاتھ کو پکڑے رکھو، اور تم اللہ کے وہ بندے بنو جو مقتول ہے نہ کہ قاتل، اور امام مسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرد نے کہا: یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر مجھے مجبور کیا جائے حتیٰ کہ مجھے دو صفوں میں سے ایک صف کی طرف لے جایا جائے، پھر ایک تیر آ کر مجھے لگے یا مجھے کوئی مرد تلوار سے مارے؟ آپ نے فرمایا: وہ اپنے گناہ اور تمہارے گناہ کے ساتھ لوٹے گا۔۔۔الحدیث، اور اس معنی میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳-۲۳۸، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۰۷۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَرْتَدُّوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن اشکاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن فضیل نے حدیث بیان کی از والد خود از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میرے بعد مرتد ہو کر کفار نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض دوسروں کی گردنیں ماریں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۱، ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، ۷۰۸۰، صحیح مسلم: ۶۵، سنن نسائی: ۴۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۶)

صحیح البخاری: ۷۰۷۹، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں عنوان کا ایک جزو مذکور ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے احمد بن اشکاب، یہ کم عمر کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے محمد بن فضیل، یہ فضل کی تصغیر ہے، یہ اپنے والد فضیل بن غزوان سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لا ترتدوا" اور کتاب الحج میں اس روایت میں "لا ترجعوا" ہے۔ اور اس کا سیاق زیادہ مکمل ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۸۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُدْرِكٍ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ عَنْ جَدِّهِ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از علی بن مدرک، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ بن عمرو بن جریر سے سنا از ان کے دادا جریر، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع

پر فرمایا: لوگوں کو خاموش کرو، پھر فرمایا: میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا اور تمہارے بعض دوسروں کی گردنیں ماریں۔

(صحیح البخاری: ۱۲۱، ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، ۷۰۸۰، صحیح مسلم: ۶۵، سنن نسائی: ۴۱۳۱، سنن ابن ماجہ: ۳۹۴۲، مسند احمد: ۱۸۶۸۶)

صحیح البخاری: ۷۰۸۰، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے علی بن مدرک، یہ کوفی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوزُرعہ، ان کا نام ھرم بن عمرو بن جریر بن عبداللہ البجلی ہے۔ اور ابوزرعہ بن عمرو کی صرف یہی حدیث صحیح البخاری میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۹۔ بَابٌ: تَكُونُ فِتْنَةٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ

ایسے فتنہ کا بیان جس فتنہ میں بیٹھنے والا اس فتنہ میں کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا

۷۰۸۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ح قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَحَدَّثَنِي صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ مِنْهَا مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبیداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود از ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ح ابراہیم نے کہا: اور مجھے صالح بن کیسان نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب ایسے فتنے ہوں گے کہ ان فتنوں میں بیٹھنے والا اس سے بہتر ہوگا جو ان فتنوں میں کھڑا ہو، اور جو ان فتنوں میں کھڑا ہو وہ اس سے بہتر ہوگا جو ان فتنوں میں چل رہا ہو، اور ان فتنوں میں چلنے والا اس سے بہتر ہوگا جو ان فتنوں میں دوڑ رہا ہو۔ اور جو ان فتنوں کی طرف دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ فتنے اس کو بھی لپیٹ لیں گے، پس جو شخص ان فتنوں سے کوئی بچنے کی جگہ پائے یا پناہ کی جگہ پائے تو وہ اس کی پناہ میں آ جائے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۱، ۷۰۸۱، ۷۰۸۲، صحیح مسلم: ۲۸۸۶، مسند احمد: ۷۷۳۷)

۷۰۸۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان

الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ۔

نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ بے شک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے، ان فتنوں میں بیٹھنے والا ان فتنوں میں کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ اور جو ان فتنوں کو جھانک کر دیکھے گا تو وہ اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے، پس جس کو ان فتنوں سے کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا بچنے کی جگہ مل جائے تو وہ اس جگہ چلا جائے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۱، ۷۰۸۱، ۷۰۸۲، صحیح مسلم: ۲۸۸۶، مسند احمد: ۷۷۴۳)

فتنوں سے دور رہنے سے متعلق دیگر احادیث

امام مسلم بن الحجاج القشیری النیشا پوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فتنہ ہوگا، اس فتنہ میں سونے والا بیدار سے بہتر ہوگا، اور بیدار اس سے بہتر ہوگا جو اس فتنہ میں کھڑا ہو، اور جو کھڑا ہو وہ اس سے بہتر ہوگا جو اس فتنہ میں دوڑ رہا ہو، پس جس شخص کو اس سے بچنے کی جگہ ملے یا پناہ کی جگہ ملے تو وہ اس کی پناہ کو طلب کرے۔ (صحیح مسلم: ۲۸۸۷، الرقم المسلسل: ۷۱۴۴)

نیز امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فتنے ہوں گے، سنو! پھر ایسا فتنہ ہوگا کہ اس فتنہ میں بیٹھنے والا اس سے بہتر ہوگا جو اس فتنہ میں چل رہا ہو، اور اس فتنہ میں چلنے والا اس سے بہتر ہوگا جو اس فتنہ کی طرف دوڑ رہا ہو، سنو! جب وہ فتنہ نازل ہو یا واقع ہو جائے تو جس کے پاس اونٹ ہوں وہ اپنے اونٹوں سے جا کر مل جائے، اور جس کے پاس بکریاں ہوں تو وہ اپنی بکریوں سے جا کر مل جائے، اور جس کے پاس کوئی زمین ہو تو وہ اس زمین پر چلا جائے، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ جس شخص کے نہ اونٹ ہوں اور نہ بکریاں ہوں اور نہ زمین ہو؟ پھر آپ نے فرمایا: وہ اپنی تلوار کی دھار کو پتھر پر مار کر توڑ دے، پھر نجات حاصل کرے اگر نجات کی وہ طاقت رکھے، پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے، اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے! حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے! اگر مجھے جبراً دولڑنے والی صفوں میں سے کسی ایک صف کی طرف لے جایا جائے یا کسی ایک جماعت کی طرف لے جایا جائے، پھر ایک آدمی مجھ پر تلوار مارے یا کوئی چیز آ کر لگے جو مجھے قتل کر دے؟ آپ نے فرمایا: وہ اپنے گناہ اور تمہارے گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور اصحاب نار میں سے ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۸۷، الرقم المسلسل: ۷۱۴۴، سنن ابوداؤد: ۴۲۵۶، مسند احمد: ۲۰۵۱۲)

مذکورہ احادیث کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

آیا ان احادیث میں ہر فتنہ سے دور رہنے کا حکم دیا ہے یا کسی مخصوص فتنہ سے؟

اگر تم یہ سوال کرو کہ ان احادیث سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جو فتنہ بھی ہو اس سے دور رہا جائے، یا کسی مخصوص فتنہ سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، اگر ہر فتنہ سے دور رہنے کا حکم ہے تو جو فتنے امت میں گزر چکے ہیں ان کے متعلق کیا کہا جائے گا حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ان فتنوں میں امت کے بہترین لوگ کھڑے ہوئے، اور اگر تم کہو کہ اس سے مراد مخصوص فتنہ ہے تو اس کی خصوصیت پر کیا دلیل ہے؟

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے اس سوال کے جواب میں یہ کہا ہے: اس مسئلہ میں سلف صالحین کا اختلاف ہے، پس بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام فتنے ہیں اور مرد پر لازم ہے کہ ان فتنوں کے دوران اپنے گھر میں رہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان فتنوں میں بیٹھنے والا اس سے بہتر ہے جو ان فتنوں میں کھڑا ہو''۔ اور صحابہ میں سے جو ان فتنوں سے دور رہے اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہے وہ حضرت حذیفہ، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت ابوذر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت اسامہ بن زید، حضرت اہبان بن صیفی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم تھے۔

اور تابعین میں سے شریح اور ابراہیم نخعی ہیں۔

دو لڑنے والے فریقوں میں سے جب ایک فریق خطاء پر ہو تو ان کا حکم

پھر امام طبری نے ان کی دلیل ذکر کی ہے کہ جب دو فریق تاویل سے لڑیں تو اگر ایک فریق خطاء پر ہو تو وہ مجتہد کی مثل ہے اور جب مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں اپنے اپنے اجتہاد سے لڑیں تو ان کی مدد کو ترک کر دیا جائے اور گھروں میں لازم رہا جائے جیسا کہ شارح علیہ السلام نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت محمد بن مسلمہ کو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگران صحابہ کو حکم دیا جن کا ابھی ذکر ہوا ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا: جب مسلمانوں کے درمیان فتنہ ہو تو اپنے گھروں میں رہنا واجب ہے اور کسی ایک فریق کی مدد کرنا ممنوع ہے، ہاں! اگر کسی کی جان پر کوئی حملہ آور ہو تو وہ شہید ہوگا، یہ حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عمر اور حضرت عبیدہ السلمانی رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

جب دو فریق آپس میں لڑیں اور دونوں خطاء پر ہوں تو ان کا حکم

اور دوسرے علماء نے کہا: جب دو فریق آپس میں قتال کریں، پس اگر وہ دونوں فریق خطاء پر ہوں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیں اور ان کو سزا دیں اور اگر ان میں سے ایک فریق خطاء پر ہو تو جو خطاء پر ہو اس کے ہاتھ پکڑنا واجب ہے اور دوسرے فریق کی مدد کرنا واجب ہے، یہ حضرت علی، حضرت عمار، حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہ ایک روایت ہے۔ اور حضرت اویس قرنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتل کیے گئے جیسا کہ ابراہیم بن سعد نے کہا ہے۔ اور

الزہری نے از حمزہ بن عبد اللہ بن عمر روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے اپنے دل میں کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا افسوس اس پر ہوا کہ میں نے اس باغی جماعت کے خلاف قتال کیوں نہیں کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔

(المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۵۰۲، سنن بیہقی ج ۸ ص ۱۷۲)

اور ابراہیم النخعی سے پوچھا گیا کہ علقمہ افضل ہیں یا اسود؟ تو انہوں نے کہا: علقمہ افضل ہیں کیونکہ وہ جنگِ صفین میں حاضر تھے اور ان کی تلوار خون سے رنگین تھی۔

ان فتنوں کا بیان جن کے دوران فتنوں سے الگ رہنا واجب ہے

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے: دو مسلمانوں کے درمیان لڑائی ہو اور ان کی جماعت کا کوئی امام نہ ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق لے سکے، پس یہ وہ قتال اور لڑائی ہے اور فتنہ ہے کہ جس کے متعلق شارع علیہ السلام نے کہا ہے کہ اپنے گھروں میں چھپے رہو اور تلواروں کو توڑ دو خواہ وہ دونوں لڑنے والے خطاء پر ہوں یا ان میں سے ایک لڑنے والا خطاء پر ہو، یہ الاوزاعی کا قول ہے۔

اور امام ابوجعفر طبری نے کہا ہے: عہد توڑنے والوں اور فاسقوں اور خروج کرنے والوں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ جاہلوں اور ظالموں کا ہاتھ پکڑ لیا جائے، اور صحیح بات یہ ہے کہ فتنہ اصل میں آزمائش ہے اور مسلمانوں پر حق کو قائم کرنا اور حق والوں کی مدد کرنا اور برائی پر انکار کرنا واجب ہے۔ اور جب دونوں فریق حق پر ہوں تو ان کے خلاف قتال کرنا عقلاً محال ہے، اور شارع علیہ السلام نے جو کہا ہے کہ فتنہ کے دوران بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے، یہ اس فتنہ میں ہے جب دونوں فریق باطل پر ہوں، ایسی صورت میں فتنہ میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے، اسی طرح جب دیکھنے والے کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ ان میں سے کون خطاء پر ہے اور کون صواب پر ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک خاص فتنہ کے متعلق ہو، اور آپ نے اس فتنہ کی طرف دوڑنے سے منع فرمایا ہو اور اکثر صحابہ اپنے زمانہ کے فتنوں کی طرف نہیں گئے جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت اسامہ بن زید، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت ابن عمر اور حضرت ابوموسیٰ وغیرہم، رضی اللہ عنہم ان تمام کو شمار کرنا مشکل ہے۔

اور اہلِ عراق نے حضرت علی اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ عہد توڑنے والوں سے اور خروج کرنے والوں سے قتال کریں۔

اور اہلِ شام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت کی ہے کہ یہ وہی ہیں جو حق پر قتال کرتے ہیں اور یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر کیا، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گزرے تو آپ نے فرمایا: یہ اور اس کے اصحاب اس دن حق پر ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۳۶) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۳۲۱۔ ۳۲۴، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

بابِ مذکور کی احادیث کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

احادیثِ مذکورہ میں فتنوں سے مراد کا بیان اوران فتنوں سے اجتناب کی ترغیب

ان احادیث میں فتنوں سے ڈرایا ہے اور فتنوں میں داخل ہونے سے اجتناب کرنے پر برانگیختہ کیا ہے، اوران فتنوں کا شران فتنوں کے ساتھ تعلق پر موقوف ہے اور فتنوں سے مراد وہ لڑائی ہے جو ملک اور حکومت کی طلب میں اختلاف کی وجہ سے پیدا ہو جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان حکومت کے طلب گاروں میں حق پر کون ہے اور باطل پر کون ہے۔

بعض متقدمین کے نزدیک فتنوں کے ایام میں مطلقاً فتنوں سے الگ رہنا واجب ہے

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: سلف صالحین کا ان احادیث کے مصداق میں اختلاف ہے، پس بعض متقدمین نے ان احادیث کو عموم پر محمول کیا ہے، اور یہ وہ حضرات ہیں جو مطلقاً مسلمانوں کی لڑائیوں کے درمیان الگ رہے جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن عمر، حضرت محمد بن مسلمہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم وغیرہم، اور انہوں نے ان احادیث کے ظواہر سے استدلال کیا ہے، پھر ان اصحاب کا فتنوں سے الگ رہنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، پس ایک جماعت نے کہا کہ فتنوں کے ایام میں گھروں میں رہنا لازم ہے، اور دوسری جماعت نے کہا: بلکہ فتنوں کے ایام میں فتنوں والے شہر سے کسی دوسرے شہر میں منتقل ہو جائے۔

فتنوں سے الگ رہنے والے پر اگر فتنہ کرنے والے حملہ آور ہوں تو وہ ان کے مقابلہ میں کیا کرے؟

پھر ان کا اختلاف ہے، پس ان میں سے بعض نے کہا: جب فتنوں سے الگ رہنے والے پر فتنہ برپا کرنے والے حملہ آور ہوں تو وہ اپنا ہاتھ روکے رکھے خواہ اس کو قتل کر دیا جائے، اور بعض نے کہا: بلکہ وہ اپنی جان اور مال سے اور اپنے اہل وعیال سے مدافعت کرے، اور اگر اس مدافعت کے نتیجہ میں اس نے قتل کر دیا یا خود قتل ہو گیا تو وہ معذور ہے۔

جمہور کے نزدیک جب دو جماعتیں آپس میں لڑیں اور ان میں سے کوئی ایک جماعت خطاء پر ہو تو اس کے خلاف لڑنے کا وجوب

اور دوسرے فقہاء نے کہا: جب ایک جماعت امامِ برحق کے خلاف بغاوت کرے اور جو حقوق اس پر واجب ہیں ان کو ادا نہ کرے اور جنگ کی آگ بھڑکائے تو اس سے قتال کرنا واجب ہے، اور اسی طرح اگر دو جماعتیں لڑیں تو ہر وہ شخص جو ان میں سے خطا کرنے والی جماعت کے ہاتھ پکڑنے پر قادر ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ خطاء کرنے والی جماعت کا ہاتھ پکڑ لے اور جس جماعت کا موقف صحیح ہے اس کی مدد کرے، اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان جب لڑائی ہو اور جماعت کا امام نہ ہو تو اس وقت لڑنا ممنوع ہے، اور اس باب کی احادیث اسی صورت پر محمول ہیں۔

فتنہ کے دوران فریقِ حق کی اعانت کرنے کا وجوب

اور امام طبری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فتنہ اصل میں آزمائش ہے اور جس کا موقف باطل ہو تو ہر اس شخص پر جو اس کے خلاف لڑ سکتا ہو لڑنا واجب ہے، پس جس نے فریقِ حق کی مدد کی، اس نے درست کیا اور جس نے فریقِ باطل کی اعانت کی، اس

نے خطاء کی۔

باب مذکور کی احادیث میں فتنہ سے الگ رہنے کا محمل

اگر مسلمانوں پر یہ اشکال ہو جائے کہ ان میں سے کون سا فریق حق ہے اور کون سا فریق باطل ہے تو ان ہی سے اس حدیث میں قتال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث آخر زمانہ کے ساتھ مخصوص ہیں، جب کہ لوگ محض حکومت کی طلب کے لیے ایک دوسرے سے لڑیں گے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۴۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

تنبیہ: دراصل یہ تمام تحقیق تفصیل سے علامہ ابن بطال مالکی نے اپنی شرح میں لکھی ہے جس کا خلاصہ علامہ ابن ملقن نے بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اسی تحقیق کا خلاصہ لکھا ہے اور علامہ بدر الدین عینی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۳۔۲۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال نے اس کو اپنی کتاب میں لکھا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۲۔۲۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۰۔ بَابٌ: إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا

جب دو مسلمان تلواروں سے مقابلہ کریں تو ان کا حکم

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مقابلہ کریں تو ان کا کیا حکم ہے؟

امام بخاری نے عنوان میں ان کے حکم کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ اس باب کی حدیث سے ان کا حکم متعین ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ دونوں اہلِ دوزخ سے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۸۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ رَجُلٍ لَمْ يُسَمِّهِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ خَرَجْتُ بِسِلَاحِي لَيَالِيَ الْفِتْنَةِ فَاسْتَقْبَلَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ أَيْنَ تُرِيدُ قُلْتُ أُرِيدُ نُصْرَةَ ابْنِ عَمِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَكِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ قِيلَ فَهَذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ قَالَ إِنَّهُ أَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِهِ قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ فَذَكَرْتُ هَذَا الْحَدِيثَ لِأَيُّوبَ وَيُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ يُحَدِّثَانِي بِهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی از ایک مرد جس کا نام نہیں لیا گیا از الحسن، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں فتنہ کی راتوں میں اپنے ہتھیاروں کو لے کر نکلا تو مجھے سامنے سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد کی مدد کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ لڑیں تو وہ دونوں اہلِ دوزخ سے ہیں، سوال کیا گیا: یہ تو قاتل ہے

فَقَالَا إِنَّمَا رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الْحَسَنُ عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ بِهَذَا وَقَالَ مُؤَمَّلٌ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ وَيُونُسُ وَهِشَامٌ وَمُعَلَّى بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْأَحْنَفِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ وَرَوَاهُ بَكَّارُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَقَالَ غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَمْ يَرْفَعْهُ سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ۔

تو مقتول کے اہلِ دوزخ سے ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: اس نے بھی اپنے صاحب کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

حماد بن زید نے کہا: میں نے یہ حدیث ایوب اور یونس بن عبید کے سامنے بیان کی اور میں یہ ارادہ کرتا تھا کہ وہ دونوں بھی مجھے یہ حدیث بیان کریں، تو ان دونوں نے کہا: اس حدیث کی الحسن نے از الاحنف بن قیس از ابوبکرہ روایت کی ہے۔

ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے اسی طرح یہ حدیث بیان کی اور مؤمّل نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب اور یونس اور ہشام اور معلّٰی بن زیاد نے حدیث بیان کی از الحسن از الاحنف از ابی بکرہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور اس حدیث کی معمر نے از ایوب روایت کی ہے۔

اس حدیث کی بکار بن عبد العزیز نے از والد خود از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے۔

اور غندر نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی ہے از منصور از ربعی بن حراش از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اس حدیث کو سفیان نے از منصور مرفوعاً روایت نہیں کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱، ۶۸۷۵، ۷۰۸۳، صحیح مسلم: ۲۸۸۸، سنن نسائی: ۴۱۲۰، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۶۵، مسند احمد: ۱۹۹۹۵)

صحیح البخاری: ۷۰۸۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے "جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے مقابلہ کریں"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن عبد الوہاب، یہ ابو محمد الحجبی البصری ہیں، امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حماد، وہ ابن زید ہیں۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے "عن رجل"، بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ عمرو بن عبید ہیں جو معتزلہ کے شیخ ہیں اور الحافظ المزی نے "تہذیب الکمال" میں کہا ہے کہ یہ بد حافظہ تھے، اور صاحب

التلویح (علامہ مغلطائی حنفی التوفی ۷۶۲ھ) نے کہا ہے کہ یہ ہشام بن حسان ابو عبد اللہ الفردوسی ہیں، اور صاحب التوضیح (علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ) نے بھی ان ہی کی اتباع کی ہے۔ اور اسی طرح علامہ کرمانی نے بعض لوگوں سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی سند میں مذکور ہے الحسن، یہ البصری ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "لیالی الفتنۃ" اس سے مراد ہے وہ جنگ جو حضرت علی اور ان کے اصحاب اور حضرت عائشہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے درمیان ہوئی، یعنی جنگ جمل اور جنگ صفین۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاستقبلنی ابوبکرۃ" ان کا نام حضرت نفیع بن الحارث الثقفی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "ارید نصرۃ ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اور وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور مسلم کی روایت میں ہے: پس حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: اے احنف! واپس جاؤ، اور امام مسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ "جب دو مسلمان آپس میں لڑیں": علامہ کرمانی نے کہا: یعنی جب ان میں سے ہر ایک دوسرے پر ضرب لگائے تو وہ دونوں اہل دوزخ سے ہیں، اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے "پس قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اھل النار" یعنی وہ دوزخ کے مستحق ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ کبھی ان کو معاف فرما دیتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ کو علامہ کرمانی کا ان کی اجتہادی خطاء قرار دینا

علامہ کرمانی نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مجتہد صحابی ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اجتہاد میں خطاء لاحق ہوئی۔

علامہ عینی کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر طعن کرنا

علامہ عینی فرماتے ہیں: یہ کیسے کہا جائے گا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں خطاء کرنے والے تھے اور ان کے اجتہاد پر کیا دلیل ہے، حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث پہنچ چکی تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "ابن سمیہ پر افسوس ہے اس کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی" اور ابن سمیہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں جن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا تھا، تو کیا معاویہ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ ان کا معاملہ برابر سرابر ہو جائے چہ جائیکہ ان کو ایک اجر ملے؟

علامہ عینی کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طعن پر مصنف کی طرف سے جواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

(اے مسلمانو!) تم میں سے کوئی بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، ان کا (ان مسلمانوں سے) بہت بڑا

الحدید: ۱۰

درجہ ہے جنہوں نے بعد میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کیا اور (کافروں سے) قتال کیا، اللہ نے ان سب سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ سے اچھے انجام کا وعدہ فرمایا ہے، اور ان صحابہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ نیز حدیث میں ہے:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے اصحاب کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی ایک اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی صدقہ کرے تو ان کے دیے ہوئے ایک کلوگرام یا نصف کلوگرام صدقہ کے برابر نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷۳، صحیح مسلم: ۲۵۴۰، سنن ترمذی: ۳۸۶۱، سنن ابوداؤد: ۴۶۵۸، سنن ابن ماجہ: ۱۶۱، مسند احمد: ۱۰۶۹۵)

اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ثابت ہے کہ اگر وہ ایک کلو یا نصف کلو کھجوریں صدقہ کردیں تو وہ بعد والوں کے کیے ہوئے احد پہاڑ جتنے صدقہ سے بھی افضل ہے۔

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خصوصی فضیلت کے متعلق یہ احادیث ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی اے اللہ! اس کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے سبب سے ہدایت دے۔ (سنن ترمذی: ۳۸۴۲، مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۶)

ابوامیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وضو کرانے کا برتن لے لیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تھے، حضرت معاویہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہے تھے تو آپ نے وضو کرتے ہوئے ایک یا دو مرتبہ سر اٹھا کر دیکھا، پھر فرمایا: اے معاویہ! جب تمہیں کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے تو اللہ عزوجل سے ڈرنا اور عدل کرنا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب سے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے یہ یقین تھا کہ مجھے کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے گا حتیٰ کہ میں حکومت میں مبتلاء ہو گیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۰۱، تاریخ کبیر للبخاری ج ۳ ص ۹۶ ۴ طبع قدیم، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۸۶، مسند ابویعلیٰ: ۷۳۸۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۱۴۷۔۱۴۸، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۴۴۶)

علامہ شعیب الارنؤوط نے کہا ہے کہ اس حدیث کے رجال صحیح اور ثقات ہیں تاہم ابوامیہ کے دادا اور وہ سعید بن العاص ہیں ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سماع ہم پر واضح نہیں ہوا، اور حافظ الہیثمی نے کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے رجال صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۸۶، حاشیہ مسند احمد ج ۲۸ ص ۱۳۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

اور علامہ احمد البناء المتوفی ۱۳۷۸ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ''المعجم الاوسط'' میں بھی ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے یہ الفاظ ہیں: ''اے اللہ! ان کی نیکی کو قبول فرما اور ان کی تقصیرات سے درگزر فرما''۔

(الفتح الربانی ج ۴ ص ۴۰۶، بیت الافکار الدولیۃ، اردن، ۲۰۰۷ء)

علامہ عینی نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد پر کیا دلیل ہے جب کہ ان کو یہ حدیث پہنچ چکی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افسوس ہے ابن سمیہ پر، اس کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور ابن سمیہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں جن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا تو کیا معاویہ اس پر راضی نہیں کہ ان کا معاملہ برابر برابر ہو جائے چہ جائیکہ ان کو ایک اجر ملے؟

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی قرار دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی نہیں تھے اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو باغی سمجھتے تھے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:۹) جو جماعت باغی ہے اس سے اس وقت تک قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت صراحۃً باغی ہوتی تو وہ ان سے کبھی جنگ موقوف نہ کرتے اور کبھی تحکیم کو قبول نہ کرتے، اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صراحۃً باغی قرار دیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور باغی کے خلاف قتال کرنے کو ختم کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو آپ باغی کہہ دیں گے کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہ کہیں گے کہ انہوں نے قرآن مجید کے حکم کی مخالفت کی، میں نے ایک رافضی عالم کے سامنے یہ دلیل پیش کی تو اس نے کہا: جب کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑنے کے لیے تیار نہیں تھا تو اکیلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا کرتے؟ میں کہتا ہوں: جب اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ باغی کے خلاف قتال کرتے رہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھا کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے تو وہ ان کے خلاف قتال کرتے رہتے خواہ ان کی جان چلی جاتی، جیسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور اپنے موقف پر قائم رہے حتیٰ کہ انہوں نے اپنی جان دے دی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تو بہ طریقِ اولیٰ یہ لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے، اور اس اشکال سے صرف اسی صورت میں نجات مل سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صراحۃً باغی نہیں تھے بلکہ وہ تاویل اور اجتہاد سے حضرت علی کے خلاف جنگ کر رہے تھے، اور اس تاویل اور اجتہاد میں ان سے خطاء واقع ہوئی اور جب مجتہد سے خطاء واقع ہو جائے تو اس کو پھر بھی ایک اجر ملتا ہے جیسا کہ علامہ کرمانی نے کہا ہے۔

اور ہماری تقریر کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ملا علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ کبھی مغلوب نہیں ہوگا، یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا: اگر مجھے پہلے اس حدیث کا پتا چل جاتا تو میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔ (شرح الشفاء ج ۱ ص ۶۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

ملا علی قاری نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت رُویم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! مجھ سے کشتی لڑیئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: میں تم سے کشتی لڑوں گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاویہ ہرگز کبھی مغلوب نہیں ہوگا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی کو پچھاڑ دیا، جنگِ صفین کے دن

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر مجھ سے اس حدیث کا پہلے ذکر کیا جاتا تو میں معاویہ سے جنگ نہ کرتا۔
(تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۶۱، رقم الحدیث: ۱۳۴۶۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

نیز اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صراحۃً باغی ہوتے اور انہوں نے عمداً بغیر تاویل کے امامِ برحق کے خلاف خروج کیا ہوتا تو ان کے صاحبزادے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان سے کبھی صلح نہ کرتے۔

نیز جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے پر ملامت کی گئی تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: دن اور رات کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا حتیٰ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران بن جائیں گے، پس میں نے جان لیا کہ اللہ کا حکم نافذ ہونے والا ہے، پس میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ میرے اور ان کے درمیان مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ (تاریخ الدمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۱۷، رقم الحدیث: ۱۳۵۰۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۶۳۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حسن (بصری) فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے اور (سیدنا) حسن بن علی ان کے ایک پہلو میں تھے اور آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی (سیدنا) حسن بن علی کی طرف اور آپ فرماتے: میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح فرمادے۔ (صحیح البخاری ۲۷۰۴، سنن ترمذی: ۳۷۷۳، سنن نسائی: ۱۴۱۰)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت کو مسلمانوں کی عظیم جماعت فرمایا، اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت مسلمانوں کی عظیم جماعت ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو اس جماعت کے امیر تھے تو وہ بھی عظیم مسلمان قرار پائے۔

نیز حارث بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس آئے تو آپ نے ایسی باتیں فرمائیں جو اس سے پہلے نہیں فرماتے تھے، آپ نے فرمایا: اے لوگو! معاویہ کی امارت کو ناپسند مت کرو، اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو گم کر دیا تو تمہارے کندھوں سے تمہارے سر حنظل کی طرح گرنے لگیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۸۴۳، تاریخ الدمشق ج ۶۲ ص ۱۰۵-۱۰۶)

یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ صفین کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہمارے مقتول اور ان کے مقتول جنت میں ہیں اور یہ معاملہ میرے اور معاویہ کی طرف سونپ دیا جائے گا۔
(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۳۷۸۶۹، تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۲ ص ۹۷، بیروت)

اس تمام تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفین میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہوئی وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بغاوت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں اور چونکہ اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے لیے کوئی کاروائی نہیں کی تھی، اس لیے انہوں نے کہا کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس وقت تک اطاعت نہیں کریں گے جب تک کہ وہ قاتلینِ عثمان سے قصاص نہیں لیتے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصاص نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ اب تک شرعی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہوا تھا کہ فلاں فلاں شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے، یا کوئی شخص خود اعتراف کرتا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے، تو جب تک دلیلِ شرعی سے قاتلینِ عثمان متعین نہ

ہو جاتے حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے کیسے قصاص لیتے! اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے: ٹھہرو! حتیٰ کہ ہم پر معاملہ دلیل سے واضح ہو جائے، اور اس معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف برحق تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اجتہاد میں خطاء لاحق ہوئی لیکن یہ اجتہادی خطاء تھی، اس وجہ سے وہ پھر بھی ایک اجر کے مستحق ہیں جیسا کہ علامہ کرمانی نے بیان کیا ہے اور ہم اس حدیث کی شرح کے اخیر میں علامہ ابن بطال مالکی، علامہ ابن الملقن اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی ایسی صریح عبارات پیش کریں گے جن سے علامہ عینی کا رد ہوتا ہے اور ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ عینی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اور الزہری نے از حمزہ بن عبداللہ بن عمر واز والد خود روایت کی ہے: مجھے اپنے دل میں اس سے زیادہ اور کسی بات پر افسوس نہیں ہوا کہ میں نے اس باغی جماعت کے ساتھ کیوں قتال نہیں کیا جیسا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اس حدیث کو روایت کرنے والے ہیں اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ خبر دی ہے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں کیسے ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے کہا: میں نے اپنی تلوار نہیں ماری اور نہ میں نے اپنا نیزہ کسی کو گھونپا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے باپ کی اطاعت کرو تو میں نے اپنے والد کی اطاعت کی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ ابراہیم نخعی سے پوچھا گیا کہ علقمہ اور اسود میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے کہا: علقمہ افضل ہیں کیونکہ وہ صفین میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی تلوار خون سے رنگین کر دی تھی۔

اور ایک قول ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیادوں میں تھے، اس کو ابراہیم بن سعد نے بیان کیا ہے۔

اور علامہ الکرمانی نے کہا ہے: امام برحق کی مدد کرنا اور باغیوں سے مدافعت کرنا واجب ہے، پس حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں حاضر ہونے سے کیوں منع کیا؟

پھر اس کا یہ جواب دیا: شاید اس وقت تک حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ پر حقیقتِ حال منکشف نہیں ہوئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قیل فھذا القاتل" اس کے قائل حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ہیں، یعنی یہ قاتل تو دوزخ کا مستحق ہے، پس مقتول کا کیا گناہ ہے، وہ کیوں دوزخ کا مستحق ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ مقتول بھی اپنے صاحب کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تھا، اور کتاب الایمان میں یہ ارشاد اس طرح ہے کہ یہ بھی اپنے صاحب کو قتل کرنے پر حریص تھا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ معصیت کا ارادہ کرنے والا جب معصیت نہ کرے تو وہ اہلِ دوزخ سے کیونکر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس نے اپنے عمل پر وثوق کیا اور اس پر اصرار کیا تو وہ بھی نافرمانی کرنے والا ہو گیا، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

علماء نے کہا ہے: قاتل اور مقتول کے دوزخی ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ دوزخ کے مستحق ہیں، لیکن ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفوض ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو دوزخ میں عذاب دے جیسا کہ باقی موحدین کا معاملہ ہے، اور اگر چاہے تو ان کو معاف فرما دے اور ان کو بالکل عذاب نہ دے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث ان مسلمانوں پر محمول ہے جو ایک دوسرے کے

خلاف جائز سمجھ کر تلوار اٹھائیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۵۔۲۸۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنگ صفین میں لڑنے والے فریقین کے متعلق تحقیق

صحیح البخاری کی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''پس قاتل اور مقتول دوزخ میں ہیں''۔ یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کے متعلق نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے تاویل سے باہم قتال کیا تھا، اور بعض علماء نے کہا ہے: اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت حق کے زیادہ قریب تھی تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: ہمارے نزدیک یہ دونوں جماعتیں محمودہ تھیں، مجتہدہ تھیں، نیک اور متقی تھیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ان کے متعلق کوئی حکم بیان نہیں کیا، حالانکہ وہ حق کی زیادہ معرفت رکھنے والے تھے، پس ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح کیسے دی جائے گی؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سب کے شہید ہونے کی شہادت دی۔ (حضرت طلحہ اور حضرت الزبیر رضی اللہ عنہما دونوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کرنے والے تھے) اور جس کو قتل کرنا جائز ہو وہ کیسے شہید ہوگا؟ اور ان دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے متعلق برحق ہونے کا کس طرح کہا جائے گا جب کہ یہ دونوں فریق شہداء ہیں۔

خالد بن خداش نے از الدراوردی از سہیل از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حراء پہاڑ پر تھے، سو وہ ہلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے حراء! ساکن ہو جا، کیونکہ تجھ پر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور شہید ہیں''۔

اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کی تعظیم اور توقیر کریں اور ان کی لغزشوں کے ذکر سے رکے رہیں اور ان کی خوبیوں اور فضائل کو بیان کریں، اور ان اصحاب میں سے جس نے کسی تاویل کو اختیار کیا تو وہ معذور ہے، اگرچہ بعض اصحاب دوسرے بعض اصحاب سے افضل ہیں اور ان کے فضائل زیادہ ہیں۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۲۸۔۲۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنگِ صفین میں لڑنے والوں میں سے کسی ایک کا بھی باغی نہ ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب دو مسلمان باہم تلواروں سے لڑیں اور دونوں جماعتوں کی دین میں تاویل ہو اور ان میں سے کسی ایک کا باغی ہونا ظاہر نہ ہو تو پھر ان کے ساتھ لڑائی میں شریک نہ ہوا جائے اور گھروں میں لازم رہا جائے، اسی وجہ سے حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ اور صحابہ کی ایک

جماعت رضی اللہ عنہم ان لڑائیوں سے الگ رہی، کیونکہ ان پر یہ منکشف نہیں ہوا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون باغی ہے، لیکن جب یہ معلوم ہو جائے کہ ایک جماعت باغی ہے تو کسی مسلمان کے لیے فرقہ باغیہ کے قتال سے الگ ہونا جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:۹) جو جماعت باغی ہے اس سے اس وقت تک قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

اور اگر مسلمان اس باغی جماعت سے قتال نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے ایک فریضہ باطل ہو جاتا۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں'' اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کے متعلق نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے جو باہم قتال کیا وہ تاویل سے کیا اور دونوں فریق ہمارے نزدیک محمودہ ہیں، مجتہدہ ہیں، نیک ہیں اور متقی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ان لڑائیوں سے الگ رہے اور انہوں نے اس کے متعلق کوئی بیان نہیں کیا اور وہ حق کو زیادہ جاننے والے تھے، پس ان دو فریقوں میں سے ایک فریق کو دوسرے کے اوپر کس طرح راجح قرار دیا جائے گا؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی شہادت دی، پس وہ کیسے شہید ہوگا جس کو قتل کرنا حلال ہو اور دو فریقوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ حکم کیسے دیا جائے گا کہ وہ دوسرے پر راجح ہے حالانکہ دونوں شہید ہیں۔ (یہ پوری عبارت علامہ ابن بطال کی شرح سے منقول ہے)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۳۳۰، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ ابن الملقن شافعی جنگِ صفین میں لڑنے والے دونوں فریقوں یعنی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی برحق اور دوسرے کو خطاء پر نہیں قرار دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کے شرکاء کو شہید فرمایا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شہید فرمایا ہے اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بھی شہید فرمایا ہے حالانکہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑنے والے تھے، تاہم جمہور اہلِ سنت کے نزدیک اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف برحق تھا اور ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اجتہاد میں خطاء لاحق ہوئی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

حدیثِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں باہم لڑنے والوں کے متعلق اہلِ سنت کا موقف

اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سے کسی ایک پر بھی ان کی باہم لڑائیوں کی وجہ سے طعن کرنا جائز نہیں ہے خواہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان میں سے حق پر کون ہے، کیونکہ انہوں نے ان جنگوں میں صرف اجتہاد سے قتال کیا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں خطاء کرنے والے کو معاف فرما دیا ہے، بلکہ یہ ثابت ہے کہ اس کو بھی ایک اجر ملے گا اور جس کا موقف صحیح ہوگا اس کو دو اجر ملیں

گے، جیسا کہ عنقریب اس کا بیان کتاب الاحکام میں آئے گا۔
اور یہی وجہ ہے کہ جن صحابہ نے جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں لڑنے سے توقف کیا ان کا عدد ان سے بہت کم ہے جو ان جنگوں میں شریک ہوئے، اور وہ سب صحابہ تاویل کرنے والے تھے اور ان شاء اللہ ان کو اجر ملے گا۔ اس کے برخلاف جن لوگوں نے ان کے بعد دنیا کی طلب میں قتال کیا ان کا یہ حکم نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۴۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۱۔ بَابٌ: كَيْفَ الْأَمْرُ إِذَا لَمْ تَكُنْ جَمَاعَةٌ — جب مسلمانوں کی جماعت نہ ہو تو پھر لوگ کیا کریں؟

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اختلاف اور فتنہ ہو اور مسلمان کسی ایک خلیفہ پر متفق اور مجتمع نہ ہوں اس وقت کیا کیا جائے، اس کا حاصل یہ ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف ہو اور کوئی خلیفہ مقرر نہ ہو تو اس سے پہلے کہ مسلمان کسی خلیفہ پر متفق نہ ہوں تو پھر مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟ امام بخاری نے اس عنوان کا حکم بیان نہیں کیا اور وہ اس باب کی حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایسی صورت میں مسلمانوں کو تمام لوگوں کو چھوڑ کر جنگل میں چلے جانا چاہیے خواہ جنگل میں وہ درخت کی جڑیں کھاتے رہیں حتیٰ کہ انہیں موت آ جائے، اور یہ ان کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ ایسی جماعت میں داخل ہوں جن کا کوئی امام نہ ہو، کیونکہ یہ خطرہ ہوگا کہ لوگ اپنی اپنی خواہشوں پر عمل کریں گے اور اپنی اپنی رائے پر عمل کریں گے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۸۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ جَابِرٍ حَدَّثَنِي بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْحَضْرَمِيُّ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيَّ أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا قُلْتُ يَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جابر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے بُسر بن عبید اللہ الحضرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے ابو ادریس الخولانی سے سنا، انہوں نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق سوال کرتا تھا اس خوف سے کہ کہیں وہ شر مجھے نہ پالے، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں تھے، پس اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا، پس کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے پوچھا: کیا اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور اس میں دھواں

رَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ إِنْ أَدْرَكَنِيْ ذٰلِكَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَإِمَامَهُمْ قُلْتُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ۔

ہوگا، میں نے پوچھا: وہ دھواں کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: لوگ میری سیرت کے خلاف عمل کریں گے، تم ان میں سے اچھے کام بھی دیکھو گے اور برے کام بھی، میں نے پوچھا: کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! کچھ بلانے والے دوزخ کے دروازوں پر ہوں گے، جو ان کے بلانے پر جائے گا وہ اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ہمارے لیے ان کی صفت بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا: وہ ہماری ہی قوم سے ہوں گے اور ہماری زبانوں سے بات کریں گے، میں نے پوچھا: پس اگر شر کا وہ زمانہ مجھے پالے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کے امام کے ساتھ لازم رہنا، میں نے پوچھا: اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور ان کا کوئی امام نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: پھر تم تمام فرقوں سے الگ ہو جانا، اگرچہ تم کسی درخت کی جڑ کھاتے رہو حتیٰ کہ تمہیں موت آجائے اور تم اسی حال پر رہو۔

(صحیح البخاری: ۳۶۰۶، ۳۶۰۷، ۷۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۸۴۷، سنن ابوداؤد: ۴۲۴۴، سنن ابن ماجہ: ۳۹۷۹، مسند احمد: ۲۲۷۱۷)

صحیح البخاری: ۷۰۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

حدیثِ مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ سے مستنبط کی جاسکتی ہے "پس اگر مسلمانوں کی کوئی جماعت نہ ہو اور امام نہ ہو"۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابن جابر، یہ عبدالرحمٰن بن زید بن جابر ہیں۔ نیز اس حدیث کی سند میں مذکور ہے بُسر، یہ ابن عبداللہ الحضرمی ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے ابوادریس، یہ عائذ اللہ الخولانی ہیں۔

یہ حدیث علامات نبوت میں از یحییٰ بن موسیٰ گزر چکی ہے اور امام مسلم نے اس کو کتاب الفتن میں از محمد بن المثنیٰ روایت کیا ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے "انا کنا فی جاھلیۃ وشر" اس سے اسلام سے پہلے کفر کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب لوگ ایک

دوسرے کو قتل کرتے تھے اور ایک دوسرے کو لوٹ لیتے تھے اور بے حیائی کے کام کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "بهذا الخير" یعنی اسلام اور ایمان کا زمانہ آیا اور لوگ امن سے رہنے لگے اور برے کاموں سے اجتناب کرنے لگے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دخن" دَخن سے مراد ہے دُخان یعنی دھواں، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خالص خیر نہیں ہوگی بلکہ اس میں کدورت ہوگی جو آگ کے دھویں کے منزلہ میں ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ "دَخن" سے مراد یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں کینہ رکھیں گے اور ان کے دلوں میں فساد ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دَخن سے مراد ہر ناپسندیدہ کام ہوگا۔

علامہ نووی نے کہا ہے: دَخن سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دل ایک دوسرے کے لیے صاف نہیں ہوں گے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "تعرف منهم وتنكر" یعنی اس زمانہ کے لوگوں کے اعمال اچھے بھی ہوں گے اور برے بھی ہوں گے۔

ظہور اسلام کے بعد شر اور خیر کے زمانہ کا مصداق

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ شر کے بعد خیر کا زمانہ وہ ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا، اور جس زمانہ میں لوگ اچھے کام بھی کریں گے اور برے کام بھی کریں گے، یہ عمر بن عبد العزیز کے بعد امراء کا زمانہ ہے، اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بدعت اور گمراہی کی دعوت دیں گے جیسے الخوارج۔

علامہ کرمانی نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شر کے زمانہ سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا زمانہ ہو، اور اس کے بعد خیر کے زمانہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ ہو، اور "دخن" سے مراد خوارج اور ان کی مثل دوسرے گمراہ لوگ ہیں، اور اس کے بعد جو شر کا زمانہ ہے، اس سے مراد ان لوگوں کا زمانہ ہے جو منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لعنت کرتے تھے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "دعاة على ابواب جهنم" یعنی ایسے لوگ امراء ہوں گے جن کی اتباع کرنا دوزخ میں جانے کا موجب ہوگی۔

اس حدیث میں مذکور ہے "من جلدتنا" یعنی وہ لوگ ہماری قوم سے ہوں گے اور ہماری زبان اور ہماری ملت سے ہوں گے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ لوگ عرب ہوں گے۔ اور علامہ داؤدی نے کہا کہ وہ لوگ بنو آدم سے ہوں گے اور قاضی عیاض نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ ظاہر میں ہماری ملت پر ہوں گے اور باطن میں ہمارے مخالف ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جس جماعت کے ساتھ لازم رہنے کا حکم دیا ہے اس کے مصداق کے متعلق علماء کے اقوال

اس حدیث میں مذکور ہے "ولو ان تعض باصل شجرة" علامہ بیضاوی نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ جب زمین میں کوئی خلیفہ نہ ہو تو تم پر لازم ہے کہ زمانہ کی شدت پر صبر کرتے ہوئے تم لوگوں سے علیحدہ جنگلوں میں رہو، اور درخت کی جڑیں کھا کر تا حیات گزارہ کرو۔

اس حدیث میں فقہاء کی جماعت کی یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہنا چاہیے، کیونکہ آپ نے یہ حکم نہیں دیا کہ مسلمان اپنے اتحاد کی لاٹھی کو توڑ دیں۔

اس امر کی صفت میں اختلاف ہے، پس بعض علماء نے کہا کہ جماعت کے ساتھ لازم رہنا چاہیے اور جماعت ''السواد الاعظم'' ہے اور ان کا استدلال امام ابن ماجہ کی اس حدیث سے ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے اکہتر (۷۱) فرقے تھے اور میری امت کے عنقریب بہتّر (۷۲) فرقے ہوں گے اور وہ سب فرقے دوزخی ہوں گے سوا ایک کے، اور وہ ایک فرقہ وہ ہے جو جماعت ہو یعنی ''سوادِ اعظم'' ہو۔

اور دوسرے علماء نے کہا: جس جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لازم رہنے کا حکم دیا ہے یہ علماء کی جماعت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو اپنی مخلوق کے اوپر حجت بنایا ہے، اور عام لوگ اپنے دینی مسائل میں انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انہی کی اتباع کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں فرمائے گا۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا: اس جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے جنہوں نے دین کو قائم کیا اور ان کے علاوہ فقہاء نے کہا: اس سے مراد اہلِ اسلام کی جماعت ہے جب تک وہ کسی امرِ واجب پر مجتمع رہیں، اور جب ان میں کوئی مخالف ہو تو پھر وہ مجتمع نہیں ہوں گی۔

مسلمانوں کے بہتر فرقوں کا بیان

اور امام ابو محمد الحسن بن احمد بن اسحاق التستری نے اپنی کتاب ''افتراق الامة'' میں لکھا ہے: اہل السنة والجماعة ایک فرقہ ہے، اور خوارج کے پندرہ (۱۵) فرقے ہیں اور شیعہ کے تینتیس (۳۳) فرقے ہیں، اور المعتزلہ کے چھ (۶) فرقے ہیں، اور المرجئہ کے بارہ (۱۲) فرقے ہیں، اور المشبہہ کے تین (۳) فرقے ہیں اور الجہمیہ کا ایک فرقہ ہے، اور الضراریة کا بھی ایک فرقہ ہے اور الکلابیہ کا بھی ایک فرقہ ہے۔

اور فرقوں کے اصول دس ہیں:

(۱) اہل السنة (۲) الخوارج (۳) الشیعہ (۴) الجہمیہ (۵) الضراریہ (۶) المرجئہ (۷) النجاریہ (۸) الکلابیہ (۹) المعتزلہ (۱۰) المشبہہ۔

اور ابوالقاسم الفورانی نے اپنی کتاب ''فرق الفرق'' میں لکھا ہے کہ غیر اسلامی فرقے یہ ہیں:

(۱) الدہریہ (۲) الہیولی، جو اصحاب العناصر الثنویہ ہیں (۳) الدیصانیہ (۴) المانویة (۵) الطباعية (۶) الفلكية (۷) القرامطہ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۸۸۔۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مسلمانوں کے فرقوں کے متعلق مصنف کی تحقیق

علامہ عینی نے جو مسلمانوں کے بہتّر (۷۲) فرقوں کی نشاندہی کی ہے ان میں سے اکثر فرقے مردہ مذاہب پر مشتمل ہیں اور

اب ان کا نام ونشان نہیں ہے، اور کچھ نئے فرقے وجود میں آچکے ہیں جو پہلے نہیں تھے مثلاً اہل قرآن، اور منکرین حدیث، مرزائیہ، قادیانی جماعت، لاہوری جماعت، ذکری فرقہ، بہائی فرقہ، آغاخانی، جماعت المسلمین، دیوبندیہ، وہابیہ، جماعت اسلامی، سپاہِ صحابہ، وغیرہ۔

ہماری رائے یہ ہے کہ جن مسائل اعتقادیہ میں ان فرقوں کو شبہات واقع ہوئے اور انہوں نے دلائل سے اپنی رائے کو حق سمجھا، اور ان شبہات کو دور کرنے کے لیے علماء اہل سنت نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ ان تک نہیں پہنچ سکے وہ اس حکم میں داخل نہیں ہیں یا جن لوگوں تک وہ دلائل پہنچ گئے لیکن ان دلائل سے ان کا شرح صدر نہیں ہوسکا اور ہنوز ان کے شبہات باقی رہے، وہ بھی معذور ہیں لیکن جن لوگوں پر حجت تمام ہوگئی اور وہ محض کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے اپنے باطل موقف پر ڈٹے رہے تو اگر ان کا موقف کسی کفر کو مستلزم ہے تو وہ دائماً دوزخ میں رہیں گے، اور اگر ان کا موقف کسی گمراہی کو مستلزم ہے تو وہ دوزخ میں دخول کے مستحق ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے، مثلاً جو شیعہ حضرت علی کی الوہیت کے معتقد ہیں، یا جو وحی لانے میں حضرت جبرائیل کی خطاء کے قائل ہیں یا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر قذف (تہمت) لگاتے ہیں، یا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں، یا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تین یا چھ صحابہ کے علاوہ سب صحابہ مرتد ہوگئے تھے، یا جو امامت کو نبوت سے افضل قرار دیتے ہیں، یہ سب کافر ہیں، اور جو خلفاء ثلاثہ کو مفضول کہتے ہیں یا ان پر سب کرتے ہیں (گالی دیتے ہیں) وہ کافر نہیں ہیں، لیکن وہ بدترین فسق اور گمراہی میں مبتلا ہیں، اسی طرح جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صریح کفریہ عبارات لکھیں وہ کافر ہیں اور جو لوگ ان عبارات پر مطلع ہوگئے اور ان پر وجہ کفر منکشف ہوگئی لیکن وہ مذہبی تعصب اور ہٹ دھرمی سے ان عبارات کو صحیح کہتے ہیں وہ بھی کافر ہیں، لیکن جو لوگ ان عبارات پر مطلع نہیں ہیں یا ان پر وجہ کفر منکشف نہیں ہوئی اس لئے وہ تکفیر نہیں کرتے، سو ان لوگوں پر کفر کا فتویٰ نہیں ہے۔ تاہم اس قاعدہ سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جن کی تکفیر پر پوری ملتِ اسلامیہ کا اجماع ہے جیسے مرزائیہ کا قادیانی گروپ اور لاہوری گروپ یا اور کوئی ایسا فرقہ جس کی تکفیر پر پوری ملت اسلامیہ متفق ہو اور اس کی تکفیر واضح اور غیر مشتبہ ہو، اور بعض اعتقادی مسائل میں شبہ کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً علم غیب اور تصرف میں ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں کرتے یا بدعتِ حسنہ کا انکار کرتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق نہیں کرتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی وسعت، آپ کے معجزانہ تصرفات اور آپ کی علمی، روحانی اور بعض مواقع پر حسی نورانیت کے قائل ہیں، آپ کی حیات کے معتقد ہیں اور قبر انور پر آپ سے شفاعت طلب کرنے اور یارسول اللہ کہنے کے معتقد ہیں، ان پر کفر کا حکم نہیں ہے، ان مسائل میں اختلاف محض فروعی ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۱۲۔ بَابُ: مَنْ كَرِهَ أَنْ يُكَثِّرَ سَوَادَ الْفِتَنِ وَالظُّلْمِ

فتنہ پروروں اور ظالموں کی جماعت کو بڑھانے کی ممانعت

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے فتنہ اور ظلم کی جماعت کی کثرت کو ناپسند کیا اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس باب کی حدیث

ے اس کا حکم واضح ہو جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۸۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ وَغَيْرُهُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَسْوَدِ وَقَالَ اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْثٌ فَاكْتُتِبْتُ فِيهِ فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَنَهَانِي أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَنَّ أُنَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يُكَثِّرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَيَأْتِي السَّهْمُ فَيُرْمَى فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يَضْرِبُهُ فَيَقْتُلُهُ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ﴾ (النساء:۹۷)

(صحیح البخاری:۴۵۹۶،۷۰۸۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن یزید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حیوۃ وغیرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الاسود نے حدیث بیان کی، اور اللیث نے کہا از ابی الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کا ایک لشکر تیار کیا گیا اور میرا نام اس میں لکھ دیا گیا، پھر میں عکرمہ سے ملا اور میں نے ان کو خبر دی تو انہوں نے مجھے اس میں شرکت سے سختی سے منع کیا، پھر بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے خبر دی ہے کہ کچھ مسلمان جو مشرکین کے ساتھ رہتے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشرکین کی جماعت کی کثرت کا سبب بنتے، پھر کوئی تیر آتا اور ان میں سے کسی کو لگ جاتا اور ہلاک کر دیتا، یا انہیں کوئی تلوار سے قتل کر دیتا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بے شک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے'' (النساء:۹۷)

صحیح البخاری: ۷۰۸۴، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی بابِ مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں مذکور ہے عبد اللہ بن یزید، یہ المقری ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں مذکور ہے حیوۃ، اور یہ حیوٰۃ بن شریح التجیبی ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے ابو الاسود، یہ محمد بن عبد الرحمٰن الاسدی ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''وغیرہ'' علامہ ابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے: اس سے مراد ابن لہیعہ ہیں اور ان کی مراد یہ ہے کہ ابن لہیعہ ابو الاسود سے اور محمد بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں۔ اور علامہ الکرمانی نے کہا: یہاں عمدًا کی روایت بھی کی گئی ہے جو الحرۃ کی ضد ہے، اور پہلا قول صحیح ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "قطع علی اهل المدینة بعث فاكتتبت" یعنی اہلِ مدینہ کے ایک لشکر کو مقرر کیا گیا اور میرا نام بھی اس میں لکھا گیا۔ علامہ الکرمانی نے کہا: یہ معروف کا صیغہ ہے، یعنی میں نے خود اپنا نام اس لشکر میں لکھا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۸۵، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جو شخص جس جماعت میں شامل ہو اس کا اسی جماعت میں شمار ہونا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص جس قوم کے ساتھ راضی ہو اس کا اسی قوم میں شمار ہوتا ہے خواہ وہ قوم نیک ہو یا فاسق ہو، اور وہ اجر میں اور گناہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی مجرم کو پناہ دی یا کسی مبتدع کو پناہ دی اس پر اللہ کی لعنت ہو اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔

رہا صالحین کی مجلس میں شریک ہونا تو اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے رہتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں، پس اگر ان کو ایسے لوگ مل جائیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں تو وہ ندا کرتے ہیں آؤ اپنی حاجت کی طرف، اور اس حدیث کے آخر میں مذکور ہے: اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتو گواہ ہو جاؤ! میں نے ان سب لوگوں کو بخش دیا، تو فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ کہے گا: ان میں فلاں بندہ تھا جو اہل ذکر میں سے نہیں تھا یہ تو کسی کام سے آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ ایسی مجلس والے ہیں کہ جو ان کی مجلس میں شریک ہو جائے وہ محروم نہیں ہوتا۔

پس اگر فاسقوں کی مجلس ہو اور کوئی شخص اس میں بیٹھا ہو اور فاسقوں کو اور ان کے فسق کو ناپسند کرتا ہو اور ان سے علیحدہ ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو کیونکہ اسے اپنی جان پر خوف ہو یا کسی اور عذر کی وجہ سے وہ وہاں سے نہ اٹھ سکتا ہو اور نہ ان کو منع کر سکتا ہو تو امید کی جاتی ہے کہ اس کو ان کے گناہ سے نجات ملے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۷۰۸۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی عذرِ صحیح کی وجہ سے فساق کی مجلس میں شرکت پر مواخذہ نہ ہونا

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے اختیار سے نافرمانوں کی مجلس میں بیٹھے اور اس کے بیٹھنے کا کوئی صحیح قصد نہ ہو مثلاً وہ ان کی برائی پر رد کرنا چاہتا ہو یا کسی مسلمان کو ان کے ہاتھوں ہلاکت سے بچانا چاہتا ہو تو اس شخص سے اس مجلس میں بیٹھنے کی بناء پر مواخذہ ہوگا اور جو ان کی مجلس سے اٹھنے پر قادر ہو وہ معذور نہیں ہوگا جیسا کہ جو لوگ اسلام لائے اور ان کو مشرکین نے ہجرت کرنے سے روکا، پھر وہ مشرکین کے ساتھ ان کے لشکر میں نکلتے تھے اور ان کا قصد مسلمانوں سے لڑنا نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کی نظروں میں کفار کے لشکر کی کثرت کو بیان کرنا تھا تو ان سے مواخذہ کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۴۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۴۔ بَابٌ: إِذَا بَقِيَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ — جب کوئی شخص ردّی لوگوں میں باقی رہ جائے

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں حثالة کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: ہر چیز کے ردّی اجزاء جن میں کوئی فائدہ نہ ہو یعنی کسی چیز کا اصل جوہر نکلنے کے بعد جو پھوک اور تلچھٹ باقی رہ جائے جیسے آٹے کو چھاننے کے بعد بھوسی باقی رہ جائے۔

اس باب کے عنوان کا جواب مذکور نہیں ہے یعنی اس وقت کیا کیا جائے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عبد اللہ بن عمرو! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم ردّی لوگوں میں سے باقی رہ جاؤ گے، جب لوگوں کے عہود اور ان کی امانات خراب اور فاسد ہو جائیں گے اور وہ آپس میں اختلاف کریں گے اور اس طرح ہو جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں، انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ایسی صورت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم خاص لوگوں کے ساتھ رہنا اور عام لوگوں کو چھوڑ دینا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان سے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس حدیث کی روایت نہیں کی، کیونکہ یہ حدیث العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب سے مروی ہے اور وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں تو انہوں نے اس معنی پر مشتمل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت کی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۸۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ حَدَّثَنَا حُذَيْفَةُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حَدِيثَيْنِ رَأَيْتُ أَحَدَهُمَا وَأَنَا أَنْتَظِرُ الْآخَرَ حَدَّثَنَا أَنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْأَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهِ فَيَظَلُّ أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقَى فِيهَا أَثَرُهَا مِثْلَ أَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهُ عَلَى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ فَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی از زید بن وہب، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان فرمائیں، ان میں سے ایک حدیث کے مصداق کو میں نے دیکھ لیا اور دوسری کا میں انتظار کر رہا ہوں، انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی کہ امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں نازل کی گئی، پھر انہوں نے قرآن کا علم حاصل کیا، پھر انہوں نے سنت کا علم حاصل کیا، اور انہوں نے ہمیں اس علم کے اٹھ جانے کو بیان کیا، انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد سوئے گا تو امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی، پس وہ اس کے نشان کو ایک دھبہ جتنا دیکھے گا، پھر وہ

أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ وَلَقَدْ أَتَى عَلَيَّ زَمَانٌ وَلَا أُبَالِي أَيُّكُمْ بَايَعْتُ لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا رَدَّهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامُ وَإِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا رَدَّهُ عَلَيَّ سَاعِيهِ وَأَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ أُبَايِعُ إِلَّا فُلَانًا وَفُلَانًا۔

دوبارہ سوئے گا اور پھر امانت نکال لی جائے گی تو اس کے دل میں آبلا (چھالا) کی طرح اس کا نشان رہ جائے گا، جیسے تم نے کوئی چنگاری اپنے پاؤں پر گرائی ہو اور اس کی وجہ سے چھالا پڑ جائے، تم اس میں سوجن دیکھو گے لیکن اندر کچھ نہیں ہوگا، اور لوگ خرید وفروخت کریں گے لیکن کوئی امانت ادا کرنے والا نہیں ہوگا، پھر کہا جائے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار آدمی ہے، اور کسی مرد کے متعلق کہا جائے گا: وہ کس قدر عقلمند ہے، اور کتنا خوش گفتار ہے، اور اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا، اور مجھ پر ایک زمانہ گزر گیا اور پہلے میں اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا کہ میں تم میں سے کس شخص کے ساتھ خرید وفروخت کروں، اگر وہ شخص مسلمان ہوتا تو اس کا اسلام اس کو حق ادا کرنے پر مجبور کرتا، اور اگر وہ نصرانی ہوتا تو اس کے حکام اس کو ادائیگی حق پر مجبور کرتے، لیکن آج کل میں صرف فلاں شخص اور فلاں شخص سے ہی خرید وفروخت کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری:۶۴۹۷،۷۰۸۶،۷۲۷۶، صحیح مسلم:۱۴۳، سنن ترمذی:۲۱۷۹، سنن ابن ماجہ:۴۰۵۳، مسند احمد:۲۲۷۴۴)

صحیح البخاری:۷۰۸۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ معنوی مطابقت ہے۔

حدیث مذکور کے معانی

اس حدیث میں نبوت کی دی ہوئی خبروں میں سے ایک خبر کا علم ہے، کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ ''ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے دین فاسد ہو جائیں گے اور اس زمانہ میں امانت دار لوگ کم ہوں گے''۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی، حدیث کا خلاصہ اور حدیث کے فوائد

اس حدیث میں ''جذر'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: اصل۔ یعنی ان کی امانت ان کی فطرت میں داخل تھی، اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے سے حاصل ہوگئی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''الوکت'' اس کا معنی ہے: تھوڑا سا اثر۔ اور ایک قول ہے سیاہ دھبہ، دوسرا قول ہے ایسا رنگ جو پہلے

رنگ کے خلاف ہو۔

اس حدیث میں مذکور ہے''المجل''اس کا معنی ہے: ہاتھوں میں کام کرنے سے جو چھالا پڑ جاتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے''منتبر''اس کا معنی ہے ابھار، اور منبر کا لفظ بھی اسی سے بنا ہے۔ اور اس حدیث میں جو خرید وفروخت کا ذکر ہے، اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ مجھے پہلے یہ علم تھا کہ لوگوں میں امانت عام ہے تو میں ہر کسی سے لین دین کا معاملہ کر لیتا تھا، کیونکہ مجھے لوگوں کی امانت داری پر اعتماد تھا، پس اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کا دینِ اسلام اس کو خیانت سے روکتا، اور اگر وہ نصرانی یا کافر ہوتا تو اس کا حاکم اس کو خیانت سے منع کرتا، لیکن آج کل امانت اٹھ چکی ہے، پس اب مجھے خرید وفروخت میں کسی پر اعتماد نہیں ہے سوائے فلاں شخص اور فلاں شخص کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۱۴۔ بَابُ: التَّعَرُّبِ فِي الْفِتْنَةِ

ایامِ فتنہ میں دیہاتوں میں رہنے کا بیان

بابِ مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں''تعرّب''کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: تکلف سے اعرابی بننا اور گاؤں اور دیہات میں رہنا، دوسرا قول ہے کہ''تعرّب''کا معنی ہے: اعراب اور دیہاتیوں کے ساتھ رہنا اور وہ یہ ہے کہ مہاجر اس شہر سے منتقل ہو جائے جس شہر کی طرف اس نے ہجرت کی تھی اور پھر کسی گاؤں یا دیہات میں رہے، پس وہ ہجرت کرنے کے بعد اعرابی ہو جائے، اور یہ مسلمانوں پر حرام تھا سوا اس کے کہ شارع علیہ السلام اس کی خصوصی اجازت دیں، اور امام بخاری نے عنوان کو فتنہ کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ شریعت میں یہ اجازت ہے کہ فتنہ کے ایام میں انسان گاؤں اور دیہات میں یا جنگلوں اور پہاڑوں میں چلا جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۲۔ ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۰۸۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى الْحَجَّاجِ فَقَالَ يَا ابْنَ الْأَكْوَعِ ارْتَدَدْتَ عَلَى عَقِبَيْكَ تَعَرَّبْتَ قَالَ لَا وَلَكِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَذِنَ لِي فِي الْبَدْوِ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ لَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ خَرَجَ سَلَمَةُ بْنُ الْأَكْوَعِ إِلَى الرَّبَذَةِ وَتَزَوَّجَ هُنَاكَ امْرَأَةً وَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَلَمْ يَزَلْ بِهَا حَتَّى قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِلَيَالٍ فَنَزَلَ الْمَدِينَةَ۔

(صحیح مسلم: ۱۸۶۲، سنن نسائی: ۴۱۸۶، مسند احمد: ۱۶۰۷۳)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حاتم نے حدیث بیان کی از یزید بن ابی عبید از سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ حجاج کے پاس گئے تو اس نے کہا: اے ابن الاکوع! کیا تم اپنی ایڑیوں پر الٹے پاؤں پلٹ کر اعرابی بن گئے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گاؤں میں رہنے کی اجازت دی ہے۔

اور یزید بن ابی عبید بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا تو حضرت سلمہ بن الاکوع ربذہ کی طرف

چلے گئے اور وہاں ایک عورت سے نکاح کرلیا اور ان کی اس سے
اولاد ہوئی، پھر وہ مسلسل وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ وفات سے چند
دن پہلے لوٹ آئے اور مدینہ منورہ میں رہے۔

صحیح البخاری: ۷۰۸۷، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی باب مذکور کے عنوان کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے کیونکہ اس حدیث میں باب مذکور کے عنوان کا ذکر ہے۔

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں حاتم کا ذکر ہے، یہ ابن اسماعیل الکوفی ہیں۔ اور یزید کا ذکر ہے، یہ ابن ابی عبید ہیں جو حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

حدیث مذکور کے معانی

حجاج بن یوسف کے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرنے اور حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی وفات کی تاریخ

اس حدیث میں مذکور ہے "انه دخل على الحجاج" حجاج کا پورا نام ہے حجاج بن یوسف الثقفی، کیونکہ جب حجاج حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرنے کے بعد حجاز کا والی مقرر ہوا تو یہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف گیا اور یہ ۷۴ھ کا واقعہ ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر سن ۶۰ھ میں فوت ہوئے تھے، اور انہوں نے حجاج بن یوسف کی امارت کا زمانہ نہیں پایا۔

شہر کو ترک کر کے گاؤں میں رہائش اختیار کرنے پر وعید

اس حدیث میں مذکور ہے "ارتددت على عقبيك" یعنی حجاج نے حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے ہو؟ گویا کہ اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سود کھانے والا اور سود کھلانے والا اور سود کا معاملہ لکھنے والا جب انہیں سود کا علم ہو اور حسن کے لیے جسم پر گدوانے والی اور گودنے والی اور صدقہ سے منع کرنے والا اور ہجرت کے بعد مرتد ہو کر اعرابی بننے والا ان سب پر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے قیامت تک لعنت ہے۔ (سنن نسائی: ۵۱۱۲)

حجاج بن یوسف کا مطلب یہ تھا کہ تم مدینہ چھوڑ کر گاؤں میں سکونت کر کے اعرابی بننے کی وجہ سے مرتد ہو گئے ہو؟ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! میں جو دیہات میں رہ رہا ہوں تو میں نے اپنی ہجرت سے رجوع نہیں کیا لیکن میں نے گاؤں اور

دیہات میں فتنہ کی وجہ سے سکونت کی۔

ربذہ کا بیان

''رَبَذَہ'' کے لفظ میں راء اور باء پر زبر ہے، اور یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک ریگستان ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ربذہ وہ جگہ ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے اونٹوں کے لیے چراگاہ بنا دیا تھا، اور یہ مدینہ سے تین مراحل پر ذات عرق کی جانب ہے۔

عبدالوہاب بن مندہ نے ''معرفۃ الصحابہ'' میں لکھا ہے کہ یحییٰ بن بکیر وغیرہ نے کہا کہ حضرت سلمہ ۷۴ھ میں مدینہ میں فوت ہوئے تھے اور ان کی عمر اس وقت اسی (۸۰) سال تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۹۳، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ہجرت کی فضیلت اور ہجرت ترک کر کے اپنی جگہ پر لوٹ آنے کی مذمت

اس حدیث میں ''التعرّب'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کوئی شخص ہجرت کرنے کے بعد اعرابی بن جائے، اور صحابہ کرام اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے کہ وہ اپنی ہجرت کرنے کے بعد اعراب کی مثل ہو جائیں، کیونکہ اعراب نے ہجرت کی عبادت نہیں کی اور مہاجر پر ہجرت کے بعد اپنے وطن کی طرف لوٹنا حرام کر دیا گیا ہے، جیسا کہ اہلِ مکہ پر فرض کیا گیا تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں رہیں اور آپ کی نصرت کریں، اسی وجہ سے حجاج نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے ابن الاکوع! تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ گئے اور اعرابی بن گئے، یعنی تم نے اپنی اس ہجرت سے رجوع کر لیا جو محض اللہ تعالیٰ کے لیے کی تھی، اور تم مکہ چھوڑ کر مدینہ آ گئے، تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گاؤں دیہات میں رہنے کی اجازت دی ہے، پس ان کا مدینہ سے نکلنا ہجرت سے رجوع کرنا نہیں تھا اور یہ کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے لیے یہ دعا کی کہ وہ اس زمین میں نہ مریں جس زمین سے انہوں نے ہجرت کی ہے، اے اللہ! میرے اصحاب کی ہجرت کو جاری رکھنا اور ان کو ان کی ایڑیوں پر نہ لوٹانا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ پر افسوس کرتے تھے جو مکہ میں بیمار ہو کر فوت ہو گئے، حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بدر میں حاضر تھے، پھر کسی وجہ سے مکہ آئے اور وہیں بیمار ہو کر فوت ہو گئے اور ان کا شمار مہاجرین ہی میں ہوا۔

اس باب کی دوسری حدیث میں ہے کہ فتنوں اور جنگوں کے وقت لوگوں کا فتنوں اور جنگوں سے بچ کر جنگلوں میں اور پہاڑوں میں اپنے دین کی حفاظت کے لیے چلے جانا بہتر ہے، تاہم علماء نے یہ کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ مسلمان شہر میں ہی رہیں اور فتنوں سے الگ رہیں کیونکہ شہر میں رہیں گے تو مساجد میں باجماعت نماز پڑھیں گے، لوگوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا موقع حاصل ہوگا، اور اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد کی کفالت کے لیے روزگار کو حاصل کرنے کے لیے محنت مشقت کریں گے اور یہ سارے امور باعثِ ثواب ہیں، جب کہ جنگلوں اور پہاڑوں میں بکریوں کے ساتھ وقت گزارنے سے اگرچہ وہ فتنوں سے تو بچیں گے لیکن دین کے ان اہم کاموں پر عمل کرنے کے مواقع ان کو نہیں ملیں گے۔ (شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۳، دارالکتب

العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۸۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی الله عنه أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک نے خبر دی از عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی صعصعہ از والد خود از حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی، جن کو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جائے گا، اور بارش نازل ہونے کی جگہوں پر اور فتنوں کی وجہ سے اپنے دین کو بچانے کے لیے وہاں چلا جائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۹، ۳۳۰۰، ۳۶۰۰، ۶۴۹۵، ۷۰۸۸، سنن نسائی: ۵۰۳۶، سنن ابوداؤد: ۴۲۶۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۸۰، مسند احمد: ۱۰۶۴۹)

۱۵۔ بَابُ: التَّعَوُّذِ مِنَ الْفِتَنِ

فتنوں سے پناہ طلب کرنے کا بیان

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

فتنوں سے پناہ طلب کرنے کی تحقیق

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے لکھا ہے:

فتنوں سے پناہ مانگنے کی مشروعیت میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے فتنہ کا سوال کریں، کیونکہ فتنہ میں منافقین کی فصل کاٹ دی جاتی ہے، اور ان کا یہ زعم ہے کہ ایک حدیث میں فتنہ کی طلب کا ثبوت ہے، حالانکہ وہ حدیث ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح اس کے خلاف ہے، کیونکہ امام ابونعیم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''فتنہ کو ناپسند نہ کرو، کیونکہ آخر زمانہ میں فتنہ منافقین کو ہلاک کردے گا''۔ اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور مجہول ہے اور ''کتاب الدعوات'' میں متعدد احادیث میں یہ گزر چکا ہے کہ غناء کے فتنہ سے پناہ طلب کرو، اور فقر کے فتنہ سے پناہ طلب کرو، اور ارذل العمر سے پناہ طلب کرو، اور دنیا کے فتنہ سے پناہ طلب کرو، اور دوزخ کے فتنہ سے پناہ طلب کرو وغیرہ۔ اور علماء نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس باب کی احادیث سے اپنی امت کے لیے فتنہ سے پناہ کی طلب کے مشروع ہونے کا ارادہ فرمایا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۵۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۰۸۹۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ سَأَلُوا النَّبِيَّ ﷺ حَتَّى أَحْفَوْهُ بِالْمَسْأَلَةِ فَصَعِدَ النَّبِيُّ ﷺ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں معاذ بن فضالہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں

ذَاتَ يَوْمِ الْمِنْبَرَ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا بَيَّنْتُ لَكُمْ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا كُلُّ رَجُلٍ لَافٌّ رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي فَأَنْشَأَ رَجُلٌ كَانَ إِذَا لَاحَى يُدْعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَنْ أَبِي فَقَالَ أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَنْشَأَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مَا رَأَيْتُ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ كَالْيَوْمِ قَطُّ إِنَّهُ صُوِّرَتْ لِي الْجَنَّةُ وَالنَّارُ حَتَّى رَأَيْتُهُمَا دُونَ الْحَائِطِ فَكَانَ قَتَادَةُ يَذْكُرُ هَذَا الْحَدِيثَ عِنْدَ هَذِهِ الْآيَةِ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدہ:۱۰۱)

کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سوالات کیے حتیٰ کہ انہوں نے سوال میں بہت مبالغہ کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن منبر پر چڑھے، پس آپ نے فرمایا: تم مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس چیز کا بیان کروں گا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے دائیں اور بائیں دیکھا تو ہر مرد اپنا سر اپنے کپڑے میں چھپائے ہوئے رو رہا تھا، پھر ایک مرد نے کہنا شروع کیا اور جب اس کا کسی سے جھگڑا ہوتا تو اس مرد کو اس کے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا جاتا، اس مرد نے کہا: اے اللہ کے نبی! بتایئے میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہنا شروع کیا، پس کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول مان کر، اور ہم برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے آج کے دن کی مثل خیر اور شر کو نہیں دیکھا، بے شک میرے لیے جنت اور دوزخ کی صورتیں پیش کی گئیں حتیٰ کہ میں نے ان دونوں صورتوں کو اس دیوار کے پاس دیکھا، اور حضرت قتادہ یہ حدیث اس آیت کی تلاوت کے وقت بیان کرتے:

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو ناگوار ہوں''۔ (المائدہ:۱۰۱)

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۴۳)

۷۰۹۰۔ وَقَالَ عَبَّاسٌ النَّرْسِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِهَذَا وَقَالَ كُلُّ رَجُلٍ لَافًّا رَأْسَهُ فِي ثَوْبِهِ يَبْكِي وَقَالَ عَائِذًا بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ أَوْ قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُوءِ الْفِتَنِ۔

اور عباس النرسی نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قتادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہیں حدیث بیان کی کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا، اور ہر مرد اپنا سر کپڑے میں لپیٹے ہوئے رو رہا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ

طلب کرنے والا ہوں، یا کہا: میں برے فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۳۳)

۷۰۹۱۔ وَقَالَ لِي خَلِيفَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ وَمُعْتَمِرٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَتَادَةَ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِهَذَا وَقَالَ عَائِذًا بِاللَّهِ مِنْ شَرِّ الْفِتَنِ۔

اور مجھ سے خلیفہ نے کہا: ہمیں یزید بن زریع نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعید اور معتمر نے حدیث بیان کی از والد خود از قتادہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اسی طرح۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں فتنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے والا ہوں۔

(صحیح البخاری: ۹۳، ۵۴۰، ۷۴۹، ۴۶۲۱، ۶۳۶۲، ۶۴۶۸، ۶۴۸۶، ۷۰۸۹، ۷۰۹۰، ۷۰۹۱، ۷۲۹۴، ۷۲۹۵، صحیح مسلم: ۲۳۵۹، مسند احمد: ۱۱۶۳۳)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیثِ مذکور میں سائل کی تعیین

الاسماعیلی نے کہا: جس مرد نے آپ سے اپنے باپ کے متعلق سوال کیا تھا اس کا نام خارجہ تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ معروف یہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا عبداللہ تھا جو خارجہ کا بھائی تھا، اور تفسیر مائدہ میں یہ گزر چکا ہے کہ قیس بن حذافہ نے یہ سوال کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علمِ غیب کا بیان اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کے نسب پر بھی مطلع تھے اور ان کے اخروی ٹھکانے پر بھی مطلع تھے

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھ سے جس چیز کے متعلق بھی سوال کرو گے میں تمہیں اس کی خبر دوں گا تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ بن قیس ہے، پس وہ اپنی والدہ کے پاس گئے تو ان کی والدہ نے ان سے کہا: تم نے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے باپ سے متعلق سوال کیا تو اس سوال پر تمہیں کس چیز نے برانگیختہ کیا تھا، کیونکہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں تھے، تو حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں یہ پسند کرتا تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں میں سے حقیقت میں میرا باپ کون ہے؟''

اس حدیث میں مذکور ہے ''حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں دائیں بائیں دیکھتا رہا تو میں نے دیکھا ہر شخص اپنا سر کپڑے میں چھپائے ہوئے رو رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بار بار فرما رہے تھے: مجھ سے سوال کرو'' اور امام احمد نے اپنی روایت میں یہ

اضافہ کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ حذافہ ہے، تو اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ جنت میں ہے یا دوزخ میں، آپ نے فرمایا: دوزخ میں، اور اس کی مزید وضاحت کتاب الاعتصام میں آئے گی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۵۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیب کی خبر پر حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا کامل ایمان

روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ کی ماں نے ان سے کہا: اے میرے بیٹے! میں نے تم سے زیادہ کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اپنی ماں کی عزت کو پامال کرنے والا ہو، اگر تمہاری ماں نے زمانہ جاہلیت میں کوئی بدکاری کی ہوتی جیسے زمانہ جاہلیت کی عورتیں کرتی تھیں تو تم اپنی ماں کو لوگوں کی نگاہوں میں رسوا کر دیتے، تو ان کے بیٹے نے کہا: اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی سیاہ فام غلام کے ساتھ بھی لاحق کر دیتے تو میں اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا۔ (اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی غیب کی خبر پر کامل یقین اور ایمان تھا۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عظیم فراست اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور توقیر

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی فہم اور دین کی حمایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنے میں ان کی بڑی فضیلت ہے، جب کہ انہوں نے کہا: ہم اللہ کو رب مان کر راضی ہیں اور اسلام کو دین مان کر اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات کرنے سے منع کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا اور یہ حکم دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز نہ بلند کی جائے، اور انہوں نے اس طرح فتنہ کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے، آپ نے زندگی اور موت کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی، ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نے ہر فتنہ سے آپ کو اپنی پناہ میں رکھا ہے اور ہر شر سے آپ کو محفوظ رکھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنوں سے پناہ طلب کرنے کی حکمت

اور آپ فتنوں سے پناہ کی دعا اس لیے کرتے تھے تاکہ آپ کی امت کے لیے نمونہ ہو جائے، پس آپ کی امت بھی ان چیزوں سے پناہ طلب کرے جن چیزوں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ طلب کی ہے۔ اور یہ اس کے خلاف ہے جو بعض کم علم لوگوں نے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے فتنوں کو طلب کرو، کیونکہ فتنے منافقین کی فصل کو کاٹتے ہیں، اور انہوں نے یہ زعم کیا کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، حالانکہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور صحیح وہ ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فتنوں سے پناہ طلب کی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۳۸-۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۱۶۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ اَلْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ

نبی ﷺ کا ارشاد کہ فتنہ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگا

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ حمد بن محمد خطابی المتوفی ۳۸۸ھ نے لکھا ہے کہ فتنہ کا طلوع مشرق کی جانب سے ہوگا اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

اور دوسروں نے کہا: اہلِ مشرق اس زمانہ میں کفار تھے تو رسول اللہ ﷺ نے خبر دی کہ فتنہ اس جانب سے ہوگا اور اسی طرح ہوا، سب سے بڑا فتنہ جو تمام فتنوں اور فسادات کی جڑ تھا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل تھا، اور اس کا سبب جنگِ جمل اور جنگِ صفین کا واقعہ تھا، پھر نجد کی سرزمین میں اور عراق میں خوارج کا ظہور ہوا اور اس کے بعد مشرق سے ظہور ہوا، اور یہ معلوم ہے کہ بدعات کی ابتداء مشرق سے ہوئی ہے، اگرچہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں بہت زیادہ اہلِ شام اور اہلِ حجاز شہید ہو گئے تھے، لیکن فتنہ مشرق کی جانب سے نمودار ہوا، اور یہی مسلمانوں کے اتحاد کے ٹوٹنے کا سبب ہوا، اور اس کے بعد ایسے فسادات ہوئے جو قیامت تک جاری رہیں گے، اور رسول اللہ ﷺ امت کو ان فتنوں کے وقوع سے پہلے خبردار کرتے تھے اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۹۲۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْمِنْبَرِ فَقَالَ الْفِتْنَةُ هَا هُنَا الْفِتْنَةُ هَا هُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ أَوْ قَالَ قَرْنُ الشَّمْسِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام بن یوسف نے حدیث بیان کی از معمر از الزہری از سالم از والد خود از نبی ﷺ، آپ منبر کی ایک جانب کھڑے ہوئے، پس آپ نے فرمایا: فتنہ یہاں ہوگا، فتنہ یہاں ہوگا، جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا ہے، جہاں سے سورج کا سینگ طلوع ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۰۴، ۳۲۷۹، ۳۵۱۱، ۵۲۹۶، ۷۰۹۲، ۷۰۹۳، صحیح مسلم: ۲۹۰۵، سنن ترمذی: ۲۲۶۸، مسند احمد: ۵۰۸۸، موطا امام مالک: ۱۸۲۴)

۷۰۹۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمَشْرِقِ يَقُولُ أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَا هُنَا مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں لیث نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور اس وقت آپ کا منہ مشرق کی طرف تھا، آپ فرما رہے تھے: سنو! فتنہ یہاں ہوگا جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۰۴، ۳۲۷۹، ۳۵۱۱، ۵۲۹۶، ۷۰۹۲، ۷۰۹۳، صحیح مسلم: ۲۹۰۵، سنن ترمذی: ۲۲۶۸، مسند احمد: ۵۰۸۸، موطا امام مالک: ۱۸۲۲)

۷۰۹۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ذَكَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَفِي نَجْدِنَا قَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَفِي نَجْدِنَا فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ازہر بن سعد نے حدیث بیان کی از ابن عون از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے شام میں برکت نازل فرما، اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت نازل فرما، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اور ہمارے نجد میں؟ آپ نے کہا: اے اللہ! ہمارے شام میں برکت نازل فرما، اے اللہ! ہمارے یمن میں برکت نازل فرما، صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اور ہمارے نجد میں؟ پس میرا گمان ہے کہ تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا: وہاں زلزلے نمودار ہوں گے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۱۰۳۷، ۷۰۹۴، صحیح مسلم: ۲۹۰۵، سنن ترمذی: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۵۹۵۱، موطا امام مالک: ۱۸۲۴)

حدیث مذکور کے فوائد از مصنف

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجد کی سرزمین وہ جگہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت سے محروم ہے، اور آپ نے نجد کی سرزمین کے متعلق فرمایا: "وہاں زلزلے ہوں گے" اور زلزلہ میں زمین الٹ پلٹ ہوجاتی ہے، تو وہاں ایسا فتنہ برپا ہوگا جس سے لوگوں کے عقائد زیروزبر اور الٹ پلٹ ہوجائیں گے، آپ نے فرمایا: "وہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا" نجد میں ایک جگہ ہے "عیینہ" وہاں سے مسیلمہ کذاب کا ظہور ہوا اور وہیں سے محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ظہور ہوا جس نے صدیوں سے مسلّمہ عقائد کو الٹ پلٹ کردیا، صحابہ کرام اور اہلِ بیت اور ازواج مطہرات کی قبروں کو زمین سے ملا دیا، اور لوگوں کا برسوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا عقیدہ تھا اور اس نے کہا: جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کو قتل کرنا، ان کا مال لوٹنا اور ان کی عورتوں کو باندیاں بنانا مباح ہے۔

(ہم نے نعمۃ الباری ج ۳ ص ۱۶۰۔۱۶۹ میں تفصیل کے ساتھ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے شیطان کا سینگ ہونے کو واضح کیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

۷۰۹۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ شَاهِينَ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ بَيَانٍ عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق بن شاہین الواسطی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از بیان از وبرہ بن عبدالرحمٰن از سعید بن جبیر،

وَرَجَوْنَا أَنْ يُحَدِّثَنَا حَدِيثًا حَسَنًا قَالَ فَبَادَرَنَا إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدِّثْنَا عَنِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ وَاللَّهُ يَقُولُ ﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ ﴾ (البقرہ:۱۹۳) فَقَالَ هَلْ تَدْرِي مَا الْفِتْنَةُ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ إِنَّمَا كَانَ مُحَمَّدٌ ﷺ يُقَاتِلُ الْمُشْرِكِينَ وَكَانَ الدُّخُولُ فِي دِينِهِمْ فِتْنَةً وَلَيْسَ كَقِتَالِكُمْ عَلَى الْمُلْكِ۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آئے، پس ہمیں امید تھی کہ وہ ہمیں کوئی عمدہ حدیث بیان کریں گے، تو ایک مرد نے ان کی طرف ہم پر سبقت کی، پس اس نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! ہمیں ایامِ فتنہ میں قتال کے متعلق حدیث بیان کریں، اور اللہ فرماتا ہے:

''اور ان سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے''۔ (البقرہ:۱۹۳)

پس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہیں تمہاری ماں روئے، کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ سیدنا محمد ﷺ مشرکین سے قتال کرتے تھے اور مشرکین کا دین میں داخل ہونا فتنہ تھا، اور یہ قتال ایسا نہیں تھا جیسا تم ملک اور حکومت کے لیے قتال کرتے ہو۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳۰، ۳۶۹۸، ۴۰۶۶، ۴۵۱۳، ۴۵۱۴، ۴۵۵۰، ۴۶۵۱، ۷۰۹۵، سنن ترمذی: ۳۷۰۶، مسند احمد: ۵۹۷۵)

صحیح البخاری: ۷۰۹۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نجد کے لیے دعا نہ کرنے کی وجہ اور قرن کا معنی

علامہ المہلب نے کہا ہے: رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مشرق کے لیے دعا کو ترک کر دیا تا کہ وہ اس شر کو پھیلانے سے کمزور ہو جائیں جو مشرق کی جہت میں ہے، کیونکہ شیطان وہاں فتنوں کا غلبہ کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''فتنہ وہاں سے نمودار ہوتا ہے جہاں سورج کا سینگ ہے''۔ علامہ داؤدی نے کہا ہے: سورج کے لیے حقیقتاً سینگ ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سینگ سے مراد شیطان کی حکومت ہو اور اس سے مراد وہ چیز ہو جس کی مدد سے شیطان گمراہ کرتا ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان سورج کے طلوع کے وقت اپنا سر سورج کے بالمقابل کر لیتا ہے تا کہ شیطان کی عبادت کرنے والے اس کو سجدہ کریں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سورج کا ایک شیطان ہو اور سورج اس کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہو۔

قرن کا معنی

علامہ خطابی نے کہا ہے: ''قرن'' سے مراد لوگوں کا ایک گروہ ہے جو ایک گروہ کے فنا ہونے کے بعد دوسرا گروہ پیدا ہوگا، اور دوسروں نے کہا ہے: اس زمانہ میں اہلِ مشرق کفار تھے، پس نبی ﷺ نے خبر دی کہ فتنہ اس جانب سے نمودار ہوگا، پھر اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔ اور پہلا فتنہ مشرق کی جانب سے نمودار ہوا اور وہی فتنہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کا سبب بنا، اور

یہ وہ چیز ہے جس کو شیطان پسند کرتا تھا اور اس سے خوش ہوتا تھا، اسی طرح بدعات اسی جانب سے ظاہر ہوئیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جنگِ جمل اور صفین کی لڑائیوں میں حصہ نہ لینے کا سبب

صحیح البخاری: ۷۰۹۵ میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے قتال نہ کرنے کے متعلق دریافت کیا، اس کا مطلب یہ تھا کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے فتنوں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما شریک نہیں ہوئے اور اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (البقرہ: ۱۹۳) اوران سے جہاد کرتے رہو حتیٰ کہ فتنہ (شرک) نہ رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں فتنہ سے مراد کفر اور شرک ہے، اور ہم کفر اور شرک کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لڑتے رہے ہیں، اور اب جو مسلمانوں میں لڑائی ہو رہی ہے اور آپس کی جنگیں ہیں جو جنگِ جمل اور صفین میں لڑائیاں ہوئی ہیں، وہ کفر اور شرک کے خلاف نہیں تھیں بلکہ وہ ملک اور سلطنت کے حصول کے لیے تھیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۱۷۔ بَابُ: اَلْفِتْنَةِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ

اس فتنہ کا بیان جو سمندر کی موج کی طرح اُمڈ کر آئے گا

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ خَلَفِ بْنِ حَوْشَبٍ: كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَتَمَثَّلُوا بِهٰذِهِ الْأَبْيَاتِ عِنْدَ الْفِتَنِ قَالَ امْرُؤُ الْقَيْسِ:

اور ابن عیینہ نے خلف بن حوشب سے روایت کی ہے کہ سلف صالحین فتنوں کے وقت ان اشعار کی مثال دینا پسند کرتے تھے جو امرؤ القیس نے کہے ہیں:

اَلْحَرْبُ أَوَّلُ مَا تَكُوْنُ فَتِيَّةً	ابتداء میں جنگ ایک جوان لڑکی کی طرح دکھائی دیتی ہے
تَسْعٰى بِزِيْنَتِهَا لِكُلِّ جَهُوْلِ	جو ہر جاہل کے لیے اپنی خوبصورتی اور زینت کے ساتھ دوڑتی ہے
حَتّٰى إِذَا اشْتَعَلَتْ وَشَبَّ ضِرَامُهَا	حتیٰ کہ جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کے شعلے بلند ہو جاتے ہیں
وَلَّتْ عَجُوْزًا غَيْرَ ذَاتِ حَلِيْلِ	تو وہ ایک بیوہ بڑھیا کی طرح اپنی پیٹھ پھیر لیتی ہے جس سے کوئی نکاح کرنا نہیں چاہتا
شَمْطَاءَ يُنْكَرُ لَوْنُهَا وَ تَغَيَّرَتْ	اس کے بال سیاہ اور سفید ہو جاتے ہیں اور اس کا رنگ ناپسند ہو جاتا ہے
مَكْرُوْهَةً لِلشَّمِّ وَالتَّقْبِيْلِ	اس کو سونگھنا اور اس کا بوسہ لینا ناپسندیدہ ہوتا ہے

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس عنوان سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کو امام ابن ابی شیبہ نے از عاصم بن ضمرہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس امت میں پانچ فتنے رکھے، ایک فتنہ عامہ، پھر فتنہ خاصہ، پھر فتنہ عامہ، پھر فتنہ خاصہ، پھر ایسا فتنہ ہوگا جو سمندر کی موج کی طرح اُمڈ کر آئے گا اور اس میں تمام لوگ جانوروں کی طرح ہو جائیں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۸۳۱۲، المجلس

اصلی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف عبدالرزاق: ۲۰۷۳۳، المستدرک ج ۴ ص ۴۳۷)

اوراس کی تائید امام ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا: آپ کو فتنہ ضرر نہیں دے گا جب تک آپ کو اپنے دین کی معرفت رہے گی، فتنہ اس وقت واقع ہوگا جب آپ پر حق باطل سے مشتبہ ہو جائے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۵۴، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۰۹۶۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ حَدَّثَنَا شَقِيقٌ سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ يَقُولُ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ عُمَرَ إِذْ قَالَ أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْفِتْنَةِ قَالَ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ قَالَ لَيْسَ عَنْ هَذَا أَسْأَلُكَ وَلَكِنِ الَّتِي تَمُوجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ عُمَرُ أَيُكْسَرُ الْبَابُ أَمْ يُفْتَحُ قَالَ بَلْ يُكْسَرُ قَالَ عُمَرُ إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا قُلْتُ أَجَلْ قُلْنَا لِحُذَيْفَةَ أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ قَالَ نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ أَنَّ دُونَ غَدٍ لَيْلَةً وَذَلِكَ أَنِّي حَدَّثْتُهُ حَدِيثًا لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَهُ مَنِ الْبَابُ فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ مَنِ الْبَابُ قَالَ عُمَرُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمر بن حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں میرے والد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں الاعمش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شقیق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا: تم میں سے کس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنہ کے متعلق حدیث یاد ہے؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مرد اپنی اہلیہ اور اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنے پڑوسی کی وجہ سے جس فتنہ (گناہ) میں مبتلاء ہوتا ہے، تو نماز، صدقہ، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اس فتنہ اور گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تم سے اس فتنہ کے متعلق سوال نہیں کر رہا، لیکن میں اس فتنہ کے متعلق سوال کر رہا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح امڈ کر آئے گا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو اس فتنہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، بے شک آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک مقفل دروازہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آیا اس دروازہ کو توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ توڑا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر وہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا، میں نے کہا: جی ہاں، ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ دن کے بعد رات آتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے ان کو ایسی حدیث بیان کی ہے جس میں کوئی پہیلی اور بجھارت نہیں ہے، پس ہم لوگ اس سے

ڈرے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھتے کہ دروازہ کون ہے؟ پھر ہم نے مسروق سے کہا کہ آپ سوال کریں، تو انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ دروازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۵۲۵، ۱۴۳۵، ۱۸۹۵، ۳۵۸۶، ۷۰۹۶، صحیح مسلم: ۱۴۴، سنن ترمذی: ۲۲۵۸، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۵، مسند احمد: ۲۲۹۰۳)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مستقبل کے فتنوں اور غیب کی خبروں پر مطلع ہونا

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر دینے سے حاصل ہوا تھا، پھر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں پیش آنے والے فتنوں اور غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا تھا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتنہ کبریٰ کے متعلق خبر کیوں نہیں دی؟

علامہ خطابی نے کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے شر کے متعلق سوال کرتے تھے تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ شر کب اور کہاں واقع ہوگا تا کہ وہ اپنے آپ کو اس شر سے بچائیں، کیونکہ جس شخص کو آئندہ پیش آنے والے شر کا علم نہ ہو تو وہ اس میں بہت جلد واقع ہو جاتا ہے۔

اور دوسروں نے کہا ہے: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فتنہ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس سے اعراض کیا، اور یہ بتایا کہ مرد کو جو اس کی بیوی اور اس کے مال اور اس کے بچوں اور پڑوس میں فتنہ پیش آتا ہے تو نماز وغیرہ سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور اس فتنہ کبریٰ کے متعلق نہیں بتایا جو سمندر کی موجوں کی طرح امڈ کر آئے گا تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مغموم نہ ہوں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کو اس فتنہ سے کوئی خطرہ نہیں ہے، کیونکہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک مقفل دروازہ ہے اور یہ نہیں بتایا کہ وہ دروازہ آپ خود ہیں، حالانکہ وہ یہ جانتے تھے کہ وہ دروازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی بات نہ بتائی جائے جو ان پر دشوار ہو، اس لیے انہوں نے تعریض اور کنایہ کے ساتھ بتایا جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ وہی وہ دروازہ ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے صراحۃً نہیں بتایا اور یہ ان کا حسنِ ادب تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس دلیل سے معلوم ہوا کہ جب ان کو شہید کر دیا جائے گا تو پھر قیامت تک فتنہ ختم نہیں ہوگا؟

علامہ المہلب نے کہا ہے: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہاں سے معلوم ہوا کہ جب اس دروازہ کو توڑ دیا جائے گا تو پھر وہ دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے استدلال کیا کہ دروازہ توڑنا اسی وقت ہوگا جب ان پر غلبہ حاصل کیا جائے، اور غلبہ کا حصول صرف فتنہ سے ہوگا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں کو یہ علم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کی امت میں آپس کی لڑائیاں نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا اور قیامت تک لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے رہیں گے۔

اور معمر نے اپنی سند کے ساتھ شداد بن اوس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو قیامت تک اس تلوار کو اٹھایا نہیں جائے گا''۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ایک دوسرے سے علم حاصل کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتے تھے، اور تمام صحابہ نیک اور عدول تھے اور پسندیدہ تھے اور وہ بہترین امت تھے جن کو اس امت کے لیے ظاہر کیا گیا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۵۔۴۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۹۷۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا إِلَى حَائِطٍ مِنْ حَوَائِطِ الْمَدِينَةِ لِحَاجَتِهِ وَخَرَجْتُ فِي إِثْرِهِ فَلَمَّا دَخَلَ الْحَائِطَ جَلَسْتُ عَلَى بَابِهِ وَقُلْتُ لَأَكُونَنَّ الْيَوْمَ بَوَّابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَأْمُرْنِي فَذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَضَى حَاجَتَهُ وَجَلَسَ عَلَى قُفِّ الْبِئْرِ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهِ لِيَدْخُلَ فَقُلْتُ كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ فَوَقَفَ فَجِئْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ أَبُو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْكَ قَالَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَدَخَلَ فَجَاءَ عَنْ يَمِينِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ وَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَجَاءَ عُمَرُ فَقُلْتُ كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَجَاءَ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ فَدَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَامْتَلَأَ الْقُفُّ فَلَمْ يَكُنْ فِيهِ مَجْلِسٌ ثُمَّ جَاءَ عُثْمَانُ فَقُلْتُ كَمَا أَنْتَ حَتَّى أَسْتَأْذِنَ لَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ مَعَهَا بَلَاءٌ يُصِيبُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن ابی مریم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شریک بن عبداللہ از سعید بن المسیب از حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت کی وجہ سے مدینہ کے باغات میں سے ایک باغ کی طرف نکلے اور میں بھی آپ کے پیچھے نکلا، پس جب آپ باغ میں داخل ہو گئے تو میں باغ کے دروازہ پر بیٹھ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ میں آج ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دربان بنوں گا، اور آپ نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم گئے اور قضائے حاجت کی اور کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، آپ نے اپنی دونوں پنڈلیوں کو کھولا اور انہیں کنویں میں لٹکا دیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور باغ میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کی، تو میں نے کہا: آپ اسی طرح ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ میں آپ کے لیے اجازت لوں، پس وہ ٹھہر گئے، پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! یہ ابوبکر ہیں جو آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا: اس کو اجازت دو اور اس کو جنت کی بشارت دو، پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھ گئے، پس انہوں نے بھی اپنی دونوں پنڈلیاں کھول لیں اور ان کو کنویں کی طرف لٹکا لیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو میں

فَدَخَلَ فَلَمْ يَجِدْ مَعَهُمْ مَجْلِسًا فَتَحَوَّلَ حَتَّى جَاءَ مُقَابِلَهُمْ عَلَى شَفَةِ الْبِئْرِ فَكَشَفَ عَنْ سَاقَيْهِ ثُمَّ دَلَّاهُمَا فِي الْبِئْرِ فَجَعَلْتُ أَتَمَنَّى أَخًا لِي وَأَدْعُو اللهَ أَنْ يَأْتِيَ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَتَأَوَّلْتُ ذَلِكَ قُبُورَهُمْ اجْتَمَعَتْ هَاهُنَا وَانْفَرَدَ عُثْمَانُ۔

نے کہا: آپ اسی طرح ٹھہریے حتیٰ کہ میں آپ کے لیے اجازت لوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اجازت دو اور اس کو جنت کی بشارت دو، پس وہ آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنی دونوں پنڈلیاں کھول کر انہیں کنویں میں لٹکالیا، پس وہ منڈیر بھر گئی اور اس میں بیٹھنے کی جگہ نہ رہی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے، میں نے ان سے کہا: آپ اسی طرح ٹھہریں حتیٰ کہ میں آپ کے لیے اجازت طلب کروں، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو اجازت دو اور اس کو جنت کی بشارت دو اور اس کے ساتھ ایک مصیبت ہوگی جو اس کو پہنچے گی، پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے ان کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ نہیں پائی، پھر وہ مڑے حتیٰ کہ ان کے مقابل کنویں کی جانب پر بیٹھ گئے، انہوں نے بھی اپنی پنڈلیاں کھول لیں اور ان کو کنویں میں لٹکالیا، پس میں یہ تمنا کر رہا تھا کہ کاش میرا بھائی ہوتا اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ وہ آئے، ابن المسیب نے کہا: میں نے اس کی یہ تاویل کی کہ ان کی قبریں مجتمع ہوں گی، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر الگ ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۳۶۷۴، ۳۶۹۳، ۳۶۹۵، ۶۲۱۶، ۷۰۹۷، ۷۲۶۲، صحیح مسلم: ۲۴۰۳، سنن ترمذی: ۳۷۱۰، مسند احمد: ۱۹۴۹۹)

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی التوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کیا گیا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مصیبت پہنچنے کے ساتھ کیوں مخصوص فرمایا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مصیبت کے ذکر سے کیوں مخصوص فرمایا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی انہی کی طرح مصیبت پہنچی تھی، کیونکہ ابولؤلوء نے ان کو نماز میں زخمی کیا تھا اور اسی زخم کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے تھے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر چہ زخمی ہو کر شہید ہوئے لیکن ان پر ایسا فتنہ اور آزمائش نہیں آئی جیسا فتنہ اور آزمائش حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر آئی، ان کے اوپر ایک باغی گروہ غالب ہو کر مسلط ہو گیا اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ خلافت کو ترک کر دیں اور

ان کے گھر میں گھس کر ان پر حملہ کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف انہوں نے ظلم اور جور کی نسبت کی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہر ظلم اور جور سے بری تھے، اور انہوں نے محاصرہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پانی بند کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس قسم کے مظالم نہیں آئے، نہ کوئی ان کے گھر کی دیوار پر چڑھ کر حملہ آور ہوا، اور نہ ان کو اس شخص نے شہید کیا جو کلمہ توحید کی شہادت دیتا ہو، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جو بلاء اور آفت اور مصیبت آئی، وہ بہت شدید آفت اور مصیبت تھی۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۰۹۸۔ حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ خَالِدٍ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ قِيلَ لِأُسَامَةَ أَلَا تُكَلِّمُ هٰذَا قَالَ قَدْ كَلَّمْتُهُ مَا دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا أَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَفْتَحُهُ وَمَا أَنَا بِالَّذِي أَقُولُ لِرَجُلٍ بَعْدَ أَنْ يَكُونَ أَمِيرًا عَلَى رَجُلَيْنِ أَنْتَ خَيْرٌ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ يُجَاءُ بِرَجُلٍ فَيُطْرَحُ فِي النَّارِ فَيَطْحَنُ فِيهَا كَطَحْنِ الْحِمَارِ بِرَحَاهُ فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ أَيْ فُلَانُ أَلَسْتَ كُنْتَ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ إِنِّي كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا أَفْعَلُهُ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَفْعَلُهُ۔

(صحیح البخاری: ۳۲۶۷، ۷۰۹۸، صحیح مسلم: ۲۹۸۹، مسند احمد: ۲۱۲۷۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے بشر بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن جعفر نے خبر دی از شعبہ از سلیمان، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: کیا آپ (ولید بن عقبہ) کے متعلق (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے) بات نہیں کرتے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے ان سے بات کی تھی بغیر اس کے کہ میں ایک ایسا دروازہ کھولتا جس کو سب سے پہلے کھولنے والا میں ہوتا، اور میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ میں کسی مرد سے کہوں کہ آپ سب سے بہتر ہیں جب کہ وہ دو مردوں پر امیر ہو، بعد اس کے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے دن ایک مرد کو لایا جائے گا، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، وہ مرد دوزخ میں اس طرح گھوم رہا ہوگا جس طرح گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے، پس دوزخی اس کے گرد طواف کریں گے اور کہیں گے: اے فلاں! کیا تم نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا: بے شک میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں برائی سے روکتا تھا اور خود برائی کا ارتکاب کرتا تھا۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولید بن عقبہ کے معاملہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے برملا بات نہ کرنے کی توجیہ

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: ابووائل نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کہا کہ کیا آپ اس مرد سے بات نہیں کرتے، یعنی آپ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ولید بن عقبہ کے متعلق بات نہیں کرتے، کیونکہ ولید بن عقبہ سے نبیذ کی بدبو

ظاہر ہوتی ہے اور اس کا معاملہ مشہور ہو گیا ہے، اور ولید بن عقبہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ماں شریک بھائی تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو متعدد مناصب پر عامل بنا دیا تھا، پس حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ آپ اس کے معاملہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے گفتگو کیوں نہیں کرتے، کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خاص مقربین میں سے تھے۔ اور لوگوں کا مطلب تھا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کر کے ولید بن عقبہ کی شراب نوشی پر اس کو سزا دلوائیں، تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تنہائی میں بات کر چکا ہوں، اور میں نے کھلے عام ان سے یہ بات نہیں کی، اور میں وہ پہلا شخص نہیں ہونا چاہتا جو ائمہ اور خلفاء پر علی الاعلان انکار کرے اور ائمہ کے خلاف بغاوت کرنے کا دروازہ کھل جائے اور امت کا اتحاد منتشر ہو جائے اور جماعت متفرق ہو جائے، جیسا کہ بعد میں ایسا ہو گیا کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کھلے عام تنقید کرنے لگے، پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ وہ امیر کے خلاف کبھی بھی مداہنت نہیں کریں گے بلکہ تنہائی میں امیر کی خیر خواہی کرتے رہیں گے، کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ ایک مرد دوزخ میں گدھے کی طرح اپنی چکی کے گرد چکر کاٹ رہا ہوگا، کیونکہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا اور لوگوں کو برائی سے روکتا تھا اور خود برے کام کرتا تھا، اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اس حدیث کی وجہ سے وہ کبھی کسی کے خلاف مداہنت نہیں کریں گے اور لوگوں نے ان کے خلاف جو مداہنت کا گمان کیا تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کے ماں شریک بھائی کے معاملہ میں سکوت کر کے مداہنت کر رہے ہیں اس سے انہوں نے بیزاری کا اظہار کیا۔

آیا حکام کے غلط کاموں پر ان کو ٹوکنا واجب ہے یا نہیں؟

پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امراء کی غلط باتوں پر علی الاعلان انکار کرنا سنت ہے، کیونکہ سفیان نے از علقمہ روایت کی ہے کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ''کونسا جہاد افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا''۔ (سنن نسائی: ۴۲۱۵)

علامہ ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: سلف صالحین کا اس حدیث کی تاویل میں اختلاف ہے، پس بعض متقدمین نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے کہ ''ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہا جائے'' یہ اس صورت پر محمول ہے جب بات کرنے والے کو اپنے نفس پر قتل کا خطرہ نہ ہو یا اسے اپنے نفس کے اوپر کسی مصیبت کے پیش آنے کا خطرہ نہ ہو، اور یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، اور یہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور مطرِّف بن الشخیر نے کہا: اللہ کی قسم! اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا حتیٰ کہ میں ایک مرد کی طرف کھڑا ہوتا جس کے ساتھ ہزار تلواریں ہوتیں تو میں اس کے سامنے حق بات کہتا سو وہ مجھے قتل کر دیتا، بے شک میرا قرض اس وقت تنگ ہو جاتا۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا: جو شخص سلطان سے کسی برے کام کو دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ وہ علی الاعلان اس پر انکار کرے جس طرح بھی ممکن ہو، یہ حضرت عمر بن خطاب اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے اور اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کو برا کہے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے، اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے''۔

(صحیح مسلم: ۴۹، الرقم المسلسل: ۸۲، سنن ابوداؤد: ۱۱۴۰، سنن ترمذی: ۲۱۷۹، سنن نسائی: ۵۰۱۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۷۵، مسند احمد: ۱۱۰۷۳)

اور دوسرے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے سلطان سے کوئی برا کام دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ دل سے اس برائی کا انکار کرے نہ کہ زبان سے، اور ان کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب تم پر میرے بعد ایسے امراء مقرر کیے جائیں گے جن سے تم نیک کام بھی دیکھو گے اور برے کام بھی دیکھو گے، پس جس نے برے کاموں کو ناپسند کیا وہ بری ہو گیا، اور جس نے برے کاموں پر انکار کیا وہ سلامت رہا، لیکن جو ان برے کاموں پر راضی رہا اور سلطان کی پیروی کرتا رہا، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں! جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔

(صحیح مسلم: ۱۸۵۴، سنن ابوداؤد: ۴۷۶۰، سنن ترمذی: ۲۲۶۵، مسند احمد: ۲۶۶۲۸)

نیز حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا، سو ہم نے آپ کی بیعت کی، پس آپ نے جن چیزوں کا ہم سے عہد لیا وہ یہ کہ ہم حاکم کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اس کے احکام سنیں اور اس کی اطاعت کریں خواہ اس میں ہماری خوشی ہو یا ناخوشی ہو، اور خواہ اس میں ہماری مشکل ہو یا آسانی ہو، اور خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے، اور ہم حاکم کی حکومت کے خلاف بغاوت نہ کریں سوا اس کے کہ تم علی الاعلان کفر دیکھو، اور تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے کفر پر دلیل ہو۔ (صحیح البخاری: ۷۰۵۵، صحیح مسلم: الرقم المسلسل: ۴۶۶۴، مسند احمد: ۲۲۷۴۲)

امام ابوجعفر طبری نے کہا کہ صحیح اور صواب یہ ہے کہ ہر جس شخص نے کسی برائی کو دیکھا اس پر اس برائی کا انکار کرنا واجب ہے جب کہ اسے اپنے نفس پر کسی سزا کا خطرہ نہ ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث وارد ہیں کہ "حاکم کے احکام سنے جائیں اور اس کی اطاعت کی جائے"۔ (صحیح مسلم: ۱۸۳۶، ۱۸۳۷، ۱۸۳۸)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "کسی مسلمان کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کوئی مسلمان اپنے آپ کو کیسے ذلیل کرے گا؟ فرمایا: وہ اس مصیبت اور بلاء کے درپے ہو جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا"۔

(سنن ترمذی: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۴۰۱۶، مسند احمد: ج ۵ ص ۴۰۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصاص عثمان نہ لینے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان کے خلاف نکلنا آیا صحیح تھا یا نہیں؟

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ جب دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ رہے ہوں تو ان سے الگ رہا جائے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے نکلیں، بہ ظاہر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کی تغلیط ہوتی ہے۔

علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: یہ بات اس طرح نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے مذہب سے معروف تھا کہ وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کے موافق تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے پر متفق تھے لیکن ان کا خروج ان سے لڑنے کے لیے نہیں تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہا گیا تھا کہ آپ نکلیں تا کہ آپ لوگوں کے درمیان صلح کرائیں، کیونکہ آپ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور وہ آپ سے لڑنے کی جرأت نہیں کریں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دو مسلمان گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے نکلی تھیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعض اصحاب کی نیت یہ تھی کہ اگر ان کے مخالفین سے

نافرمانی ظاہر ہو جائے تو وہ اس جماعت سے قتال کریں گے جو نافرمانی کرے گی، اور ان میں سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے اس رائے سے بالکل رجوع نہیں کیا اور انہوں نے یہ کہا کہ جب فارس کے لوگوں نے ایک عورت کو امیر بنا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ فارس مغلوب ہو جائیں گے، یہ بات نہیں تھی کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے کی تغلیط کی اور اسلام میں سے کوئی شخص بھی یہ بات نہیں کہتا سوائے شیعہ کے، پس حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ اگر ان سے قتال کیا گیا تو وہ شکست کھا جائیں گے، اور کبھی اہلِ حق بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اور ان کے لیے آخرت میں اچھا انجام ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے متقین سے وعدہ فرمایا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب غزوۂ حنین اور غزوۂ احد میں بظاہر مغلوب ہو گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لیے اچھا انجام رکھا، اور اسی طرح جو مسلمان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مظلوماً مقتول ہونے پر غضب ناک ہوئے اور انہوں نے ان کے قاتلوں کو برا جانا اور ان کے قصاص کو طلب کیا، اور اسلام میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو یہ کہتا ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ساتھ کسی امیر کو دعوت دی ہو اور نہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی خلافت میں معارضہ کیا تھا اور نہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امارت کی مخالفت کی تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صرف اس بات پر انکار کیا تھا کہ ان کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو چھوڑے رکھا اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حدود جاری نہیں کیں اور نہ ان سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا قصاص لیا۔ دوسری طرف لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامی آپ کو خلافت سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی امارت اور خلافت کے خلاف قتال کرنا چاہتے ہیں، اور انہوں نے ہتھیار اٹھائے اور انہوں نے سب سے پہلے تیر برسائے اور تلواروں سے حملہ کیا اور نیزوں سے حملہ کیا حتیٰ کہ جنگ شروع ہو گئی، اور ان میں سے ہر فریق مجتہد تھا اور ہر ایک کی صحت کی ایک وجہ ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۷۔۴۸ ملخصاً و ملتقطاً، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

جنگِ جمل اور صفین کے شرکاء کے متعلق مصنف کا موقف

میں کہتا ہوں کہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف برحق تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صحیح صورتِ حال پر مطلع نہیں تھیں، اور جب وہ مطلع ہوئیں تو برسوں اس بات پر افسوس کرتی رہیں کہ وہ اس معاملہ میں کیوں داخل ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے درجات مزید بلند فرمائے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان دونوں کے دل ایک دوسرے سے صاف فرما دے گا اور وہ دونوں اس آیت کے مصداق ہوں گے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ (الحجر: ۴۵۔۴۹)

بے شک اللہ سے ڈرنے والے جنتوں اور چشموں میں ہوں گے ○ (ان سے کہا جائے گا:) تم ان میں بے خوف ہو کر سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ ○ اور ان کے دلوں میں جو رنجشیں ہوں گی ہم ان سب کو نکال لیں گے، (وہ) ایک دوسرے کے بھائی ہو کر مسند نشین ہوں گے ○ ان کو وہاں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ○ آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ بے

شک میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں O

حضرت علی، حضرت معاویہ، حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی ان آیات کے مصداق ہوں گے۔

۱۸۔ بَابٌ: باب

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان قائم نہیں کیا، اور امام بخاری کا طریقہ یہ ہے کہ جس باب کا وہ عنوان قائم نہ کریں وہ باب اس سے پہلے باب کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

۷۰۹۹۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ الْهَيْثَمِ حَدَّثَنَا عَوْفٌ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ لَقَدْ نَفَعَنِي اللهُ بِكَلِمَةٍ أَيَّامَ الْجَمَلِ لَمَّا بَلَغَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ فَارِسًا مَلَّكُوا ابْنَةَ كِسْرَى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ امْرَأَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن الہیثم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عوف نے حدیث بیان کی از الحسن از حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ جنگِ جمل کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک حدیث سے نفع پہنچایا، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنا دیا تو آپ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جنہوں نے اپنی حکومت کا امیر کسی عورت کو بنا دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۴۲۵، سنن ترمذی: ۲۲۶۲، سنن نسائی: ۵۳۸۸، مسند احمد: ۱۹۸۸۹)

صحیح البخاری: ۷۰۹۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنگِ جمل کے متعلق مختلف روایات

عمر بن شبہ نے ''کتاب اخبار البصرة'' میں جنگِ جمل کا بہت طویل قصہ لکھا ہے، میں اس کا خلاصہ اور اختصار بیان کروں گا جو سندِ صحیح یا سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے۔

عطیہ بن سفیان الثقفی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: جب کل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا، پس وہ مسجد میں داخل ہوئے، وہاں حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما کی جماعت تھی، پس ابوجہم بن حذیفہ نکلے، انہوں نے کہا: اے علی! آپ کی کیا رائے ہے؟ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی بات نہیں کی اور اپنے گھر چلے گئے، ان کے پاس ثرید لایا گیا، انہوں نے اس کو کھایا، پھر انہوں نے کہا: انہوں نے میرے چچا زاد کو قتل کر دیا اور ہم ان کے ملک پر غلبہ حاصل کریں؟ پھر وہ بیت المال سے نکلے، سو اس کو کھولا، پس جب لوگوں نے سنا تو انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

مغیرہ نے از ابراہیم از علقمہ روایت کی ہے کہ اشتر نے کہا: میں نے دیکھا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوشی سے بیعت کر لی اور جبراً بیعت نہیں کی۔

داؤد بن ابی ہند نے الشعبی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور

وہ اس وقت مدینہ کے بازار میں تھے، پس لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: حتیٰ کہ لوگ مشورہ کرلیں، پس بعض لوگوں نے کہا: اگر لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر لے کر اپنے شہروں کو لوٹ گئے اور ان کے بعد کوئی خلیفہ نہیں ہوا تو پھر امت میں اختلاف اور فساد برپا ہو جائے گا۔

اور ابن شہاب سے روایت ہے: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے تنہائی میں ملاقات کی، پس اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلیں گے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف بلایا، پس لوگ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور کی طرف نہیں گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کو بلایا تو ان دونوں نے بیعت کرلی۔

اور ابن شہاب نے روایت کی ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی، پھر وہ دونوں مکہ مکرمہ گئے، پھر ان دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی اور وہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کریں اور حتیٰ کہ قاتلینِ عثمان کو قتل کردیں۔

عوف الاعرابی نے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ بن امیہ کو صنعاء پر عامل بنایا تھا، پس جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ حج کے لیے گئے ہوئے تھے تو انہوں نے حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی چار لاکھ افراد سے مدد کی اور ستر مردوں کو قریش سے برانگیختہ کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اسی (۸۰) دینار کا ایک اونٹ خریدا۔

عاصم بن کلیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: تم جانتے ہو میں کن کے ساتھ مبتلاء ہوا ہوں، لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت زیادہ اطاعت کرتے ہیں اور لوگوں میں سب سے سخت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہیں اور لوگوں میں سب سے بڑی مصیبت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں، اور لوگوں میں سب سے آسان یعلیٰ بن امیہ ہیں۔

اور ابن ابی لیلیٰ نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چھتیس (۳۶) ھ ربیع الآخر کے مہینہ میں نکلے۔

قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں تو بنو عامر کے کسی پانی کے چشمہ کے پاس ٹھہریں، تو ان پر کتے بھونکے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: یہ کونسا پانی ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ الحواٴب کا پانی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میرا گمان ہے کہ میں واپس جاؤں، تو آپ کے بعض ہمراہیوں نے کہا: بلکہ آپ آگے چلیں، آپ کو مسلمان دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح فرمادے گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے ایک دن فرمایا تھا: ''اس وقت تم میں سے کسی کا کیا حال ہوگا جب اس کے اوپر الحواٴب کے کتے بھونکیں گے''۔

اور امام بزار نے زید بن وہب کی سند سے روایت کیا ہے کہ جس وقت کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا: تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب تمہارے نبی کے اہل بیت کے دو فرقے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کی گردنوں پر تلواریں ماریں گے، ہم نے کہا: اے ابوعبداللہ! جب ہم یہ وقت پائیں تو ہم کیا کریں؟ تو انہوں نے کہا: تم اس جماعت کی طرف دیکھو جو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف بلائے گی کیونکہ وہ جماعت اس دن ہدایت پر ہوگی۔

اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی جب وہ ان کے

ساتھ جا رہے تھے کہ اہلِ بصرہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کی قیادت میں جمع ہو گئے ہیں، تو ان پر یہ دشوار ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے! ہم ضرور اہلِ بصرہ پر غالب آئیں گے اور ہم ضرور طلحہ اور زبیر کو قتل کریں گے۔ الحدیث

اور امام طبرانی نے محمد بن قیس سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جنگِ جمل کے دن ذکر کیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں: جنگِ جمل، لوگوں نے کہا: جی ہاں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں پسند کرتی ہوں کہ میں بیٹھی رہتی جیسے میرے سوا اور بیٹھے رہے۔

اسحاق بن راہویہ نے سالم مرادی سے روایت کی ہے کہ میں نے حسن بصری سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ میں حضرت طلحہ اور ان کے اصحاب کے معاملہ میں آئے تو قیس بن عباد اور عبداللہ بن الکواء دونوں کھڑے ہو گئے، ان دونوں نے کہا: ہمیں آپ بتائیے کہ آپ کس سلسلہ میں آئے ہیں، پھر ایک طویل حدیث ذکر کی کہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے، پھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مدینہ میں مجھ سے بیعت کر و اور انہوں نے بصرہ میں میری مخالفت کی، اور اگر جس مرد نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی ہو اور وہ ان کی مخالفت کرے تو ہم اس سے قتال کریں گے، اسی طرح جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرے ہم اس سے بھی قتال کریں گے۔

اور عمر بن شبہ نے از مبارک بن فضالہ از الحسن بصری روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو بلایا تو انہوں نے کہا: آپ ضرور ماں ہیں، اور بے شک آپ کا حق بہت عظیم ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس کی مالک عورت ہو۔

عورت کو قاضی بنانے کے متعلق فقہاء کی آراء

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے، اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کو قضاء کا منصب سونپنا جائز نہیں ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور امام ابن جریر طبری نے اس کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا کہ عورت کو ان معاملات میں قاضی بنانا جائز ہے جن معاملات میں عورت کی شہادت قبول کی جاتی ہے، اور بعض مالکیہ نے اس کو مطلقاً جائز کہا ہے۔ اور علامہ ابن التین نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں تو وہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوتے، کیونکہ اگر ان پر ان کی خطاء ظاہر ہو جاتی تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۰۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ حَدَّثَنَا أَبُو مَرْيَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ الْأَسَدِيُّ قَالَ لَمَّا سَارَ طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَعَائِشَةُ إِلَى الْبَصْرَةِ بَعَثَ عَلِيٌّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوبکر بن عیاش نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوحصین نے حدیث بیان کی،

عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ وَحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقَدِمَا عَلَيْنَا الْكُوفَةَ فَصَعِدَا الْمِنْبَرَ فَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَوْقَ الْمِنْبَرِ فِي أَعْلَاهُ وَقَامَ عَمَّارٌ أَسْفَلَ مِنَ الْحَسَنِ فَاجْتَمَعْنَا إِلَيْهِ فَسَمِعْتُ عَمَّارًا يَقُولُ إِنَّ عَائِشَةَ قَدْ سَارَتْ إِلَى الْبَصْرَةِ وَوَاللّٰهِ إِنَّهَا لَزَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى ابْتَلَاكُمْ لِيَعْلَمَ إِيَّاهُ تُطِيعُونَ أَمْ هِيَ۔

(صحیح البخاری:۳۷۷۲،۷۱۰۰،۷۱۰۱،مسند احمد:۱۷۸۶۷)

انہوں نے کہا: ہمیں ابو مریم عبد اللہ بن زیاد الاسدی نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا، پس وہ دونوں ہمارے پاس کوفہ میں آئے، پس وہ دونوں منبر پر چڑھے، پس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما منبر کے سب سے اوپر والی سیڑھی پر تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے نیچے والی سیڑھی پر، ہم سب ان کی طرف جمع ہو گئے، پس میں نے سنا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی طرف روانہ ہو گئی ہیں، اور اللہ کی قسم! وہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم کو اس میں مبتلاء کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے ہو یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی۔

صحیح البخاری: ۷۱۰۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جنگ جمل کی بعض تفصیلات

عمر بن شبہ نے سندِ جید سے روایت کی ہے کہ یہ لوگ مکہ کی طرف یکم ذوالحجہ کو روانہ ہوئے اور دوسری سند سے ذکر کیا ہے کہ نصف جمادی الثانی ۳۶ھ میں روانہ ہوئے۔

المدائنی نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ ایک مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور وہ اس وقت زاویہ میں تھے، اس نے کہا: آپ ان لوگوں سے کیوں قتال کر رہے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حق پر قتال کر رہے ہیں، اس نے کہا: وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی حق پر ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ان سے اس لیے قتال کر رہا ہوں کہ وہ جماعت سے خروج کر رہے ہیں اور بیعت کو توڑ رہے ہیں۔

اور امام طبری نے عاصم بن کلیب الجرمی سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دیکھا کہ ایک مرد امیر تھا وہ بیمار ہو گیا اور اس کے سرہانے ایک عورت تھی اور لوگ اس مرد کا ارادہ کر رہے تھے، پس اگر وہ عورت ان کو منع کرتی تو وہ لوگ رک جاتے لیکن اس عورت نے ایسا نہیں کیا، پس لوگوں نے اس امیر کو قتل کر دیا، پھر میں نے اسی سال ایک جنگ کی تو ہمیں خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے، پس جب ہم غزوہ سے لوٹے اور بصرہ کی طرف پہنچے تو ہمیں بتایا گیا کہ یہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں، پس لوگوں کو تعجب ہوا اور لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ وہ بصرہ میں کیوں آئے ہیں تو

انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقتول ہونے پر ناراض ہونے کی وجہ سے نکلے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہم تم پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں تین وجہ سے ناراض ہیں: لڑکوں کی امارت اور چابکوں اور لاٹھیوں کا مارنا، پس اگر ہم ان باتوں پر ناراض نہ ہوں تو ہم نے انصاف نہیں کیا، وہ تین باتیں یہ ہیں: خون کی حرمت کو پامال کیا، اور اور اس مہینہ کی حرمت کو پامال کیا اور شہر کی حرمت کو پامال کیا۔

پھر ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: لوگوں نے اس مرد پر حملہ کیا اور میں ان سے بالکل الگ تھا، پھر انہوں نے مجھے خلیفہ بنا دیا، اور اگر مجھے دین پر خطرہ نہ ہوتا تو میں ان کی بات نہ مانتا، پھر مجھ سے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما نے عمرہ میں جانے کی اجازت طلب کی تو میں نے ان سے عہد و پیمان لے کر ان کو عمرہ پر جانے کی اجازت دے دی، پھر انہوں نے حضرت ام المومنین کے سامنے وہ چیز پیش کی جو ان کے لائق نہیں تھی، پھر مجھے یہ خبر پہنچی کہ وہ حملہ کی تیاری کر رہے ہیں، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ان سے قتال کا ارادہ نہیں کرتے الا یہ کہ وہ ہم سے قتال کریں اور ہم صرف اصلاح کے لیے جا رہے ہیں، پھر اس قصہ کو ذکر کیا اور اس میں یہ ہے کہ ابتداءً جنگ دونوں لشکروں کے نوجوانوں کی طرف سے ہوئی جنہوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور ایک دوسرے پر بہتان تراشا، پھر جاہل لوگ ان کی پیروی کرنے لگے اور پھر جنگ کی آگ بھڑک اٹھی، اور انہوں نے بصرہ کے گرد خندق کھود لی، پھر کچھ لوگ قتل کیے گئے اور کچھ لوگ زخمی ہو گئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب غالب آ گئے اور ان کے منادی نے یہ نداء کی کہ جو پیٹھ پھیر کر جا رہا ہے اس کا پیچھا نہ کرنا، اور جو زخمی ہو اس کا سامان نہ لوٹنا، اور کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا، پھر تمام لوگ جمع ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ پر عامل بنا دیا اور وہ خود کوفہ کی طرف لوٹ گئے۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے سندِ جید سے عبدالرحمٰن بن عبذہ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن بدیل بن ورقہ الخزاعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جمل کے دن پہنچے اور وہ اس وقت ہودج میں تھیں، انہوں نے کہا: اے ام المومنین! کیا آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقتول ہونے کے سلسلہ میں آیا ہوں، آپ مجھے کیا حکم دیتی ہیں؟ میں نے کہا: کیا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لازم ہو جاؤں؟، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دو، سو اس اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں، پھر میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر دونوں اترے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہودج اتارا اور اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تو ہم نے ان کو ایک گھر میں داخل کر دیا۔

اسحاق کی روایت میں ہے: یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کریں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی، اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ کی طرف چلی گئیں اور اللہ کی قسم! میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ تمہارے نبی کی زوجہ ہیں، اور بے شک امیر المومنین نے ہمیں تمہاری طرف بھیجا ہے۔ عمار نے کہا: بے شک ہماری ماں اس سفر میں آئی ہیں اور بے شک وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں زوجہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس معاملہ میں مبتلاء کر دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتے ہیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی مراد اس سے یہ تھی کہ اس قصہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے باوجود نہ اسلام سے نکلیں اور نہ جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے سے نکلیں، اور یہ

نیز حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے انصاف کی شدت اور ان کے تقویٰ کی قوت اور حق بات کے بیان کرنے کو ظاہر کرتی ہے۔

الاسماعیلی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار کو اور حضرت حسن بن عمار کو اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہم کو کوفہ کی طرف بھیجا اور انہوں نے خطبہ دیا اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکمل فضیلت کی شہادت دیتے تھے، اور اس میں بڑی عمر والے کا زیادہ مرتبہ ہے کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے اور اس وقت وہ ان پر امیر تھے جن کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلایا تھا اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے تھے، پس حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما منبر کے اوپر کے حصہ پر بیٹھے اور اس کے اوپر حضرت عمار رضی اللہ عنہ بیٹھے اور بے شک حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی ان پر فضیلت تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے تواضعاً کیا ہو اور ان کے احترام کے لیے کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۱۔ ۲۶۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور خلیفہ کی اطاعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے، اسماعیلی کی روایت میں اس طرح ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لڑنے کے لیے برانگیختہ کیا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ پیغام سنایا: میں لوگوں کو خدا کی یاد دلا کر یہ کہتا ہوں کہ وہ بھاگیں نہیں، اگر میں مظلوم ہوں تو اللہ میری مدد کرے گا اور اگر میں ظالم ہوں تو اللہ مجھ کو تباہ کرے گا، اللہ کی قسم! حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے خود مجھ سے بیعت کی، پھر بیعت توڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ لڑنے کے لیے نکلے۔

عبداللہ بن بدیل کہتے ہیں: جنگ شروع ہوتے وقت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کجاوہ کے پاس آیا، میں نے کہا: ام المومنین! جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو میں آپ کے پاس آیا، آپ نے خود فرمایا کہ علی بن ابی طالب کے ساتھ رہنا اور اب آپ خود ان سے لڑنا چاہتی ہیں، اس کی کیا وجہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کچھ جواب نہ دیا، آخر ان کے اونٹ کی کونچیں کاٹی گئیں، پھر میں اور ان کے بھائی محمد بن ابی بکر دونوں اترے اور کجاوہ کو اٹھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو گھر میں زنان خانہ میں بھیج دیا۔

۷۱۰۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي غَنِيَّةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَامَ عَمَّارٌ عَلَى مِنْبَرِ الْكُوفَةِ فَذَكَرَ عَائِشَةَ وَذَكَرَ مَسِيرَهَا وَقَالَ إِنَّهَا زَوْجَةُ نَبِيِّكُمْ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَكِنَّهَا مِمَّا ابْتُلِيتُمْ۔

(صحیح البخاری: ۳۷۷۲، ۷۱۰۰، ۷۱۰۱، مسند احمد: ۱۷۸۶۷)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابونعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی غنیۃ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابی وائل، وہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی روانگی کا ذکر کیا اور کہا: بلاشبہ وہ دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، لیکن تم ان کے متعلق مبتلاء کیے گئے ہو۔

۷۱۰۲، ۷۱۰۳، ۷۱۰۴۔ حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يَقُولُ دَخَلَ أَبُو مُوسَى وَأَبُو مَسْعُودٍ عَلَى عَمَّارٍ حَيْثُ بَعَثَهُ عَلِيٌّ إِلَى أَهْلِ الْكُوفَةِ يَسْتَنْفِرُهُمْ فَقَالَا مَا رَأَيْنَاكَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں بدل بن المحبر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے عمرو نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اور

أَتَيْتَ أَمْرًا أَكْرَهَ عِنْدَنَا مِنْ إِسْرَاعِكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ مُنْذُ أَسْلَمْتَ فَقَالَ عَمَّارٌ مَا رَأَيْتُ مِنْكُمَا مُنْذُ أَسْلَمْتُمَا أَمْرًا أَكْرَهَ عِنْدِي مِنْ إِبْطَائِكُمَا عَنْ هَذَا الْأَمْرِ وَكَسَاهُمَا حُلَّةً حُلَّةً ثُمَّ رَاحُوا إِلَى الْمَسْجِدِ۔

(صحیح البخاری:۷۱۰۶،۷۱۰۷)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے جب ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں جنگ پر ابھاریں، تو ان دونوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا: جب سے آپ مسلمان ہوئے ہیں، ہم نے اس سے زیادہ کوئی بری بات نہیں دیکھی کہ آپ اس کام میں جلدی کر رہے ہیں، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں نے بھی جب سے تم دونوں مسلمان ہوئے ہوئے تمہاری کوئی بات اس سے بری نہیں دیکھی جو تم اس کام میں (یعنی جنگ کرنے میں) تاخیر کر رہے ہو، حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ دونوں کو کپڑے کا ایک ایک نیا جوڑا پہنایا، پھر تینوں مل کر مسجد میں چلے گئے۔

احادیثِ مذکورہ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ پھر وہ اس وقت جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے، اور محمد بن جعفر کی روایت میں ہے: پس حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی طرف ایک حُلّہ بھیجا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: ان کے درمیان جو مباحثہ ہوا، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ دونوں فریق مجتہد تھے، اور ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ وہ حق پر ہے، اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ خوش حال اور جواد تھے، اور ان صحابہ کا حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کے دن اجتماع ہوا، پس حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ایک حلہ پہنایا تا کہ وہ حلہ پہن کر جمعہ کو حاضر ہوں، کیونکہ وہ سفر کے کپڑے میں تھے اور ان پر جنگ کی حالت تھی تو انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جمعہ پڑھنے کے لیے ان کپڑوں میں جائیں اور انہوں نے ناپسند کیا کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کو حلہ پہنائیں اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو حلہ نہ پہنائیں، پھر انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی حلّہ پہنایا۔ اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق تھے کہ جنگ سے احتراز کرنا چاہیے اور وہ ان احادیث پر عمل کرتے تھے جن میں مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس پر وعید ہے، اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بغاوت کرنے والوں سے اور عہد توڑنے والوں سے قتال کرنا چاہیے اور وہ اس آیت پر عمل کرتے تھے "فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي" (الحجرات:۹) (جو فریق بغاوت کرے اس سے قتال کرو)۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۲۔ ۲۶۳، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۰۵، ۷۱۰۶، ۷۱۰۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِي مَسْعُودٍ وَأَبِي مُوسَى وَعَمَّارٍ فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ مَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی از ابی حمزہ از الاعمش از شقیق بن سلمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا

مِنْ أَصْحَابِكَ أَحَدٌ إِلَّا لَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ فِيهِ غَيْرَكَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْكَ شَيْئًا مُنْذُ صَحِبْتَ النَّبِيَّ ﷺ أَعْيَبَ عِنْدِي مِنْ اسْتِسْرَاعِكَ فِي هَذَا الْأَمْرِ قَالَ عَمَّارٌ يَا أَبَا مَسْعُودٍ وَمَا رَأَيْتُ مِنْكَ وَلَا مِنْ صَاحِبِكَ هَذَا شَيْئًا مُنْذُ صَحِبْتُمَا النَّبِيَّ ﷺ أَعْيَبَ عِنْدِي مِنْ إِبْطَائِكُمَا فِي هَذَا الْأَمْرِ فَقَالَ أَبُو مَسْعُودٍ وَكَانَ مُوسِرًا يَا غُلَامُ هَاتِ حُلَّتَيْنِ فَأَعْطَى إِحْدَاهُمَا أَبَا مُوسَى وَالْأُخْرَى عَمَّارًا وَقَالَ رُوحَا فِيهِ إِلَى الْجُمُعَةِ۔

اور حضرت ابوموسیٰ اور عمار بھی موجود تھے، پس حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے ساتھ جتنے لوگ ہیں، اگر میں چاہوں تو آپ کے سوا ان میں سے ہر ایک کا کچھ نہ کچھ عیب بیان کر سکتا ہوں، اور جب سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی ہے، میں نے آپ کا اس سے زیادہ کوئی عیب والا کام نہیں دیکھا، کہ آپ اس زمانہ میں لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کرنے میں جلدی کر رہے ہیں، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابومسعود! جب سے آپ اور آپ کے ساتھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں آئے ہیں، میں نے آپ دونوں کا کوئی کام اس سے زیادہ عیب والا نہیں دیکھا کہ آپ دونوں اس لڑائی میں شامل ہونے سے دیر کر رہے ہیں، اس پر حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اور وہ خوش حال آدمی تھے: اے غلام! میرے پاس دو حلّے لاؤ، اور انہوں نے ان میں سے ایک حلہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنا دیا اور دوسرا حلہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پہنا دیا، اور آپ دونوں یہ کپڑے پہن کر جمعہ پڑھنے کے لیے چلیں۔

(صحیح البخاری: ۷۱۰۲،۷۱۰۰،۳۷۷۲، مسند احمد: ۱۷۸۶۷)

۱۹۔ بَابٌ: إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرمائے

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان کا حکم نہیں بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرمائے تو پھر کیا ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس عنوان کا حکم اس باب کی حدیث سے ظاہر ہے کہ امام بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس کے حکم کو ترک کر دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۰۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما يَقُولُ قَالَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن عثمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الزہری، انہوں نے

رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَنْزَلَ اللهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ ثُمَّ بُعِثُوا عَلَى أَعْمَالِهِمْ۔

(صحیح مسلم:۲۸۷۹،مسند احمد:۵۸۵۶)

کہا: مجھے حمزہ بن عبداللہ بن عمر نے خبر دی، وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے اوپر عذاب بھیجتا ہے تو ان تمام لوگوں پر عذاب ہوتا ہے جو اس قوم میں ہوتے ہیں، پھر لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب سے قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔

صحیح البخاری:۷۱۰۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دنیاوی عذاب صالحین کے لیے کفارۂ سیئات ہیں اور کفار کے لیے سزا

یعنی ان میں سے ہر ایک کو قیامت کے دن اس کے عمل کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا، اگر کوئی مرد نیک ہوگا تو اس کا انجام نیک ہوگا، اور اگر کوئی بدکار ہوگا تو اس کا انجام برا ہوگا، پس یہ دنیاوی عذاب صالحین کے لیے ان کے گناہوں کا کفارہ ہیں اور فساق وفجار کے لیے عبرت ناک سزا ہیں۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب زمین میں برائی ظاہر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان میں اپنا عذاب نازل فرماتا ہے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ان میں تو نیکوکار بھی ہوں گے؟ فرمایا: ہاں! پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف اٹھائے جائیں گے۔

علامہ ابن بطال نے کہا: یہ حدیث حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث کی وضاحت کرتی ہے جب انہوں نے پوچھا کہ ہم کو ہلاک کر دیا جائے گا حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب خبث بہت زیادہ ہو جائے گا، پس تمام لوگوں کو اس وقت ہلاک کر دیا جائے گا جب برسرِ عام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں: اس آخری کلام کے مناسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ برائیوں کو دیکھیں اور اس میں تبدیلی نہ کریں تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کے اوپر عذاب نازل فرمائے گا، اس حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ جن لوگوں کو کفر پر عذاب دیا جائے گا ان کے درمیان بازار والے بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے کفر نہیں کیا ہوگا، پھر ان سب لوگوں کی عمریں پوری کی جائیں گی، پھر ان کو ان کے اعمال کے حساب سے اٹھایا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کی عورتوں کو پندرہ سال تک بانجھ بنا دیتا ہے تاکہ ان کے بچوں پر عذاب نہ آئے، لیکن اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ موت میں اشتراک سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثواب یا عذاب میں بھی اشتراک ہو، بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے اعتبار سے جزاء دی جائے گی، اور علامہ ابن ابی جمرہ نے یہ کہا ہے: جن لوگوں پر یہ عام عذاب واقع ہوگا یہ وہ لوگ ہیں جو نیکی کا حکم دینے اور برائی کو روکنے سے سکوت کرتے تھے، لیکن جس نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو وہ برحق مومن ہے، اللہ تعالیٰ ان کے اوپر عذاب نہیں نازل فرمائے گا بلکہ ان سے عذاب کو دور فرما دے گا، اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِى الْقُرٰۤى اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (القصص:۵۹)

اور آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے جب تک کہ ان کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو ان پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو اور ہم صرف ان ہی بستیوں کو ہلاک کرنے والے ہیں جن کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں O

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ (الانفال:۳۳)

اور اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ انہیں عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہوں، اور نہ اللہ (اس وقت) انہیں عذاب دینے والا ہے جب کہ یہ استغفار کر رہے ہوں O

نیکی کا حکم نہ دینے اور برائی سے نہ روکنے اور ظالموں کی مجلس میں بیٹھنے پر عذاب کا نزول

ان احادیث میں یہ دلیل ہے کہ ان لوگوں پر عام عذاب آئے گا جو برائی سے نہ روکتے ہوں اور نیکی کا حکم نہ دیتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۔ (النساء:۱۴۰)

اور بے شک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفار اور ظالموں کی مجلس سے بھاگنا چاہیے، کیونکہ ان کی مجلس میں بیٹھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، یہ اس وقت ہے جب ان کی مدد نہ کی جائے اور ان کے افعال سے راضی نہ ہو، پس اگر اس نے ظالموں کی مدد کی یا ان کے افعال سے راضی ہوا تو ان کا شمار بھی ان ہی میں سے ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیارِ ثمود سے جلدی نکلنے کا حکم دیا، رہا یہ کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا تو یہ عدل کا تقاضا ہے، کیونکہ اعمالِ صالحہ پر آخرت میں جزاء دی جائے گی، اور رہا دنیا میں جن لوگوں پر عذاب آیا تو وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا جو انہوں نے اس سے پہلے برے کام کیے، اسی طرح جن لوگوں نے برے کاموں سے منع نہیں کیا ان کو بھی ان کی مداہنت پر سزا ملے گی، پھر قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے عمل کے اعتبار سے اٹھایا جائے گا۔

حدیث مذکور کے فوائد

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی برائی کو دیکھ کر خاموش رہا اور اس سے منع نہیں کیا تو یہ بھی اس کا سنگین جرم ہے چہ جائیکہ جس نے برائی پر مداہنت کی اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ جو برائی پر راضی ہوا، تو اس کا کیا حال ہوگا جو برائی پر اعانت کرتا ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۳۔ ۲۶۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۰۔ بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ إِنَّ ابْنِي هَذَا السَّيِّدُ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ

نبی ﷺ کا حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے لیے یہ ارشاد کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا

۷۱۰۹۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ أَبُو مُوسَى وَلَقِيتُهُ بِالْكُوفَةِ وَجَاءَ إِلَى ابْنِ شُبْرُمَةَ فَقَالَ أَدْخِلْنِي عَلَى عِيسَى فَأَعِظَهُ فَكَأَنَّ ابْنَ شُبْرُمَةَ خَافَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَفْعَلْ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ لَمَّا سَارَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضي الله عنهما إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالْكَتَائِبِ قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِمُعَاوِيَةَ أَرَى كَتِيبَةً لَا تُوَلِّي حَتَّى تُدْبِرَ أُخْرَاهَا قَالَ مُعَاوِيَةُ مَنْ لِذَرَارِيِّ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ أَنَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَامِرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَمُرَةَ نَلْقَاهُ فَنَقُولُ لَهُ الصُّلْحَ قَالَ الْحَسَنُ وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ جَاءَ الْحَسَنُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسرائیل ابو موسیٰ نے حدیث بیان کی، سفیان نے کہا کہ میری حضرت ابو موسیٰ سے کوفہ میں ملاقات ہوئی، وہ ابن شبرمہ کے پاس آئے، پس انہوں نے کہا: مجھے عیسیٰ (بن موسیٰ امیر کوفہ) کے پاس لے جائیں تو میں ان کو نصیحت کروں، پس گویا کہ ابن شبرمہ اس سے ڈرے، سو انہوں نے ایسا نہیں کیا، انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں حسن بصری نے حدیث بیان کی کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف لشکر لے کر روانہ ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو پیٹھ نہیں پھیرے گا حتیٰ کہ وہ آخر تک مقابلہ کرے گا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر مسلمانوں کے بچوں کا والی کون ہوگا؟ تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں! پس عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کہا: ہم حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ملاقات کرتے ہیں اور ان کو صلح کی دعوت دیتے ہیں، پس حسن بصری نے کہا: میں نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے یہ سنا ہے کہ جس وقت نبی ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سید ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے

مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے۔

(صحیح البخاری: ۲۷۰۴، ۳۶۲۹، ۳۷۴۶، ۷۱۰۹، سنن ابوداؤد: ۴۶۶۲، سنن ترمذی: ۳۷۷۳، سنن نسائی: ۱۴۱۰، مسند احمد: ۲۰۳۹۲)

صحیح البخاری: ۷۱۰۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حسن بصری نے اس قصہ سے یہ اشارہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ واقعہ پیش آیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جب تحکیم کے معاملہ سے فارغ ہو گئے اور کوفہ کی طرف لوٹ گئے تو اہلِ شام سے لڑائی کے لیے تیار ہوئے، پھر ان کو خوارج نے نہروان میں مشغول رکھا، جیسا کہ ۳۸ھ میں ہوا، پھر وہ انتالیس (۳۹) ہجری میں تیار ہوئے پھر ان کی اہلِ شام سے لڑائی کی نوبت نہیں آئی کیونکہ اہلِ عراق کی آراء مختلف ہو گئی تھیں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف لوٹ آئے، پس جب ان کو شہید کر دیا گیا اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما خلیفہ ہوئے اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کو ترک کر دیا۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور ان سے اس بات پر بیعت کی کہ وہ اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق حکومت کریں گے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے اور لوگوں نے ان سے بیعت کر لی، پھر اس سال کا نام الجماعۃ رکھا گیا، کیونکہ تمام لوگ اس میں جمع ہو گئے تھے اور جنگ ختم ہو گئی تھی اور ہر وہ شخص جو لڑائی سے علیحدہ رہا تھا اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی جیسے حضرت ابن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو تین لاکھ روپے دیے اور ایک ہزار کپڑے اور تیس غلام اور ایک سو اونٹ دیے، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما مدینہ کی طرف چلے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف چلے گئے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف چلے گئے اور عبد اللہ بن عامر دمشق کی طرف چلے گئے۔

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا''۔

اور عبد اللہ بن محمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ''میرا یہ بیٹا مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا''۔ اس حدیث کی امام بیہقی نے روایت کی ہے، اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ مشہور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب اور آپ کی نبوت کی دلیل

(۲) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے کہ آپ نے بعد میں پیش آنے والے معاملہ کی پہلے خبر دے دی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت، کیونکہ انہوں نے امت کو خوں ریزی سے بچانے کے لیے اقتدار چھوڑ دیا

(۳) اس حدیث میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت ہے، کیونکہ انہوں نے ملک کو ترک کیا نہ اس وجہ سے کہ آپ کی جماعت قلیل تھی نہ اس وجہ سے کہ آپ کی جماعت کمزور تھی، نہ کسی اور سبب کی وجہ سے، بلکہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے اجر کی طرف رغبت کی کیونکہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے اس اقدام سے مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت ہوگی، پس آپ نے دین کی بھی رعایت کی اور

امت کی مصلحت کی بھی رعایت کی۔

خوارج کا رد

(۴) اس حدیث میں خوارج کا رد ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اوران کے اصحاب کو کافر قرار دیتے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اوران کے اصحاب کو کافر قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں جماعتوں کے لیے یہ شہادت دی ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت ہیں۔

مسلمانوں کے دوفریقوں کے درمیان صلح کرانے کی فضیلت

(۵) اوراس حدیث میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرانے کی فضیلت ہے، خصوصاً جس اقدام سے مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی بصیرت

(۶) اوراس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے کہ وہ عوام پر شفقت کرتے تھے اور مسلمانوں کی رعایت کرتے تھے اور ان کی سیاسی نظر بہت قوی تھی اوروہ ملک کی تدبیر پر نظر رکھتے تھے اور انجامِ کار پر بھی ان کی بصیرت تھی۔

افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی خلافت کا جواز

(۷) اوراس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی خلافت جائز ہے کیونکہ حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں میں سے ہر ایک خلافت کے والی ہوگئے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما اس وقت زندہ تھے اوروہ دونوں بدری صحابہ تھے اوروہ ان دونوں سے افضل تھے۔

(۸) اوراس میں یہ دلیل ہے کہ خلیفہ کے لیے اپنے نفس کو معزول کرنا اس وقت جائز ہے جب اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو اور دین اور مال کے بدلہ میں دنیاوی مصلحت کو ترک کرنے کا ثبوت ہے۔

حکومت کے عوض مال لینے کا جواز

(۹) اوراس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شرائط پوری کرنے کے بعد حکومت کے عوض مال لینا جائز ہے، اور اگر وہ مال بیت المال سے دیا گیا ہو تو اس میں شرط یہ ہے کہ اس مال کو دینے میں عام مسلمانوں کی مصلحت ہو۔

(۱۰) اوراس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ سیادت اور سرداری افضل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ سردار وہ ہے جو قوم کا رئیس ہو۔

(۱۱) علامہ المہلب المالکی نے کہا ہے: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سرداری کا مستحق وہ شخص ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے، لیکن عرف کے اندر سید کا اطلاق اس پر کیا جاتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (سیدتنا فاطمہ بنت محمد) کی اولاد ہو۔

جو صحابہ فریقین کی جنگ سے الگ رہے ان کی فضیلت

(۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان صحابہ کی رائے صحیح تھی جو حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اگر چہ خلافت کا حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا اور یہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابن عمر اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اوران تمام صحابہ کا قول ہے جو ان جنگوں سے علیحدہ رہے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا برحق موقف

(۱۳) اور جمہور اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ ان لوگوں کا موقف صحیح ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات:۹) جو جماعت باغی ہے اس سے اس وقت تک قتال کرتے رہو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے باغی ہونے کے باوجود ان کی مذمت کا عدم جواز

پس اس آیت میں باغی جماعت سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ بات ثابت ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا وہ باغی تھے، اور یہ لوگ اس کے باوجود اس پر متفق ہیں کہ ان دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کی بھی مذمت نہیں کی جائے گی، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ان دونوں فریقوں نے اجتہاد کیا اور ایک فریق نے خطاء کی۔

بعض اہلِ سنت کا دونوں فریقوں کو صحیح قرار دینا

(۱۴) اور اہلِ سنت کی ایک قلیل جماعت کا موقف یہ تھا کہ ان دونوں جماعتوں کا اجتہاد صحیح تھا، اور یہ معتزلہ کا قول ہے، اور ایک جماعت کا مذہب یہ تھا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کوئی ایک جماعت صحیح تھی اور اس کا ہم تعین نہیں کر سکتے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۵۔۲۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۱۰۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ قَالَ عَمْرٌو أَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِیٍّ أَنَّ حَرْمَلَةَ مَوْلٰی أُسَامَةَ أَخْبَرَهُ قَالَ عَمْرٌو قَدْ رَأَيْتُ حَرْمَلَةَ قَالَ أَرْسَلَنِیْ أُسَامَةُ إِلٰی عَلِیٍّ وَقَالَ إِنَّهُ سَيَسْأَلُكَ الْاٰنَ فَيَقُوْلُ مَا خَلَّفَ صَاحِبَكَ فَقُلْ لَهُ يَقُوْلُ لَكَ لَوْ كُنْتَ فِیْ شِدْقِ الْأَسَدِ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَكُوْنَ مَعَكَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ هٰذَا أَمْرٌ لَمْ أَرَهُ فَلَمْ يُعْطِنِیْ شَيْئًا فَذَهَبْتُ إِلٰی حَسَنٍ وَحُسَيْنٍ وَابْنِ جَعْفَرٍ فَأَوْقَرُوْا لِیْ رَاحِلَتِیْ۔

(تحفۃ الاشراف: ج ۹ ص ۷۲۔۸۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: عمرو نے بیان کیا کہ مجھے محمد بن علی نے خبر دی کہ بے شک حرملہ مولیٰ اسامہ نے ان کو خبر دی، انہوں نے کہا کہ عمرو نے بیان کیا: میں نے حرملہ کو دیکھا، انہوں نے بتایا کہ مجھے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا اور کہا کہ عنقریب تم سے اب حضرت علی رضی اللہ عنہ سوال کریں گے کہ تمہارے صاحب (حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ) کیوں پیچھے رہ گئے، تو تم ان سے کہنا: وہ کہتے ہیں: اگر آپ شیر کے جبڑے میں بھی ہوتے تو مجھے یہ پسند تھا کہ میں اس میں آپ کے ساتھ ہوتا، لیکن یہ (مسلمانوں کے دو فریقوں میں جنگ) ایک ایسا معاملہ تھا کہ میں نے اس کو جائز نہیں سمجھا، پس انہوں نے مجھے کوئی چیز نہیں عطا کی، پھر میں حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہم

کے پاس گیا تو انہوں نے میری سواری پر مال لاد دیا۔

صحیح البخاری: ۷۱۱۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے پر عذر

اس حدیث میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں پر انکار کرتے تھے جو اس جنگ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوئے، خصوصاً حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جیسے شخص جو کہ اہلِ بیت میں سے تھے تو انہیں اس پر افسوس ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس جنگ پر ان کا ساتھ کیوں نہیں دیا، تو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے یہ عذر بیان کیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان سے اتنی محبت کرتے تھے کہ اگر وہ شیر کے جبڑے میں بھی ہوتے تو ان کا ساتھ دیتے، لیکن مسلمانوں کی آپس میں لڑائی کے درمیان فریق بننا انہوں نے پسند نہیں کیا۔

حضرت حسنین کریمین کا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے غلام کو مال دینے کا سبب

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نمائندہ کو کچھ نہیں دیا، ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا اس میں سے حرملہ نے کوئی سوال کیا ہو، پس انہوں نے اس کو مال دینا جائز نہیں سمجھا کیونکہ وہ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تھے، اور حضرت حسن اور حضرت حسین اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے ان کو مال دیا، کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک زانو پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھاتے اور دوسرے زانو پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بٹھاتے اور دعا فرماتے: اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے محبت کر!۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۶۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۱۔ بَابٌ: إِذَا قَالَ عِنْدَ قَوْمٍ شَيْئًا ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ بِخِلَافِهِ

جب کوئی شخص لوگوں کے سامنے ایک بات کہے پھر وہاں سے نکل کر اس کے خلاف بات کہے

بابِ مذکور کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس قصہ کا بیان ہے کہ پہلے اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی اور پھر انہوں نے اس کی بیعت سے رجوع کر لیا اور انہوں نے اس کے سامنے جو کہا تھا اس کے پیچھے اس کے خلاف کہا، اور یہ اس کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہ کی بیعت کی اور اس کے سامنے کہا کہ وہ اس کی خلافت کی اطاعت کریں گے، پھر ان کو اپنے بیٹوں پر اور اپنے احباب پر یہ خطرہ ہوا کہ وہ اہلِ مدینہ کے ساتھ یزید کی بیعت کو توڑ دیں گے، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹوں کو اور اپنے خدام کو جمع کیا اور ان کو نصیحت کی اور ان کو یہ خبر دی کہ بیعت کا توڑنا سب سے بڑا غدر اور عہد شکنی ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۱۱۱- حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ قَالَ لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ الْقِتَالُ وَإِنِّي لَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ وَلَا بَايَعَ فِي هَذَا الْأَمْرِ إِلَّا كَانَتْ الْفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ.

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از ایوب از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہلِ مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت کو توڑ دیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خدام اور اپنے بیٹوں کو جمع کیا، پس فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا'' اور بے شک ہم نے اس مرد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور بے شک میں اس سے بڑا غدر اور عہد شکنی نہیں جانتا کہ کسی شخص سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بیعت کی جائے، پھر اس کے خلاف جنگ نصب کی جائے، اور بے شک مجھے تم میں سے جس کے بارے میں بھی علم ہوا کہ اس نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے یا اس نے کسی اور خلیفہ سے بیعت کر لی ہے تو میرے اور اس کے درمیان تعلق منقطع ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری:۳۱۸۸، ۶۱۷۷، ۶۱۷۸، ۶۹۶۶، ۷۱۱۱، صحیح مسلم:۱۷۳۵، سنن ترمذی:۱۵۸۱، سنن ابوداؤد:۲۷۵۶، مسند احمد:۵۷۷۰)

صحیح البخاری:۷۱۱۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے اور بیعت توڑنے کا پس منظر

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے مدینہ پر اپنے چچا زاد عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو حاکم بنا دیا، پھر یزید کی طرف اہلِ مدینہ سے ایک جماعت کا وفد گیا جن میں عبداللہ بن غسیل الملائکہ حنظلہ بن ابی عامر تھے اور عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص المخزومی تھے اور دوسرے تھے تو یزید نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور ان کو انعامات دیے، پس وہ واپس آئے اور انہوں نے یزید کے عیوب بیان کیے اور اس کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ خمر پیتا ہے اور اس کے علاوہ دیگر برائیوں کو منسوب کیا، پھر انہوں نے یزید کے مقرر کردہ حاکم عثمان بن محمد پر حملہ کیا اور اس کو مدینہ سے نکال دیا اور یزید بن معاویہ کی بیعت کو توڑ دیا، یہ خبر یزید کو پہنچی تو اس نے اہلِ مدینہ کے خلاف ایک لشکر بھیجا جس کا امیر مسلم بن عقبہ المری تھا اور اس کو یہ حکم دیا کہ ان کو تین دن کی مہلت دے، اگر ان تین دنوں میں اہلِ مدینہ یزید کی بیعت کی طرف رجوع کر لیں تو فبہا ورنہ تم ان پر حملہ کر دو، اور جب تم اہلِ مدینہ پر غالب آ جاؤ تو اپنے لشکر پر تین دن کے لیے مدینہ کو مباح کر دینا پھر ان سے رک جانا، پس مسلم بن عقبہ ان کے پاس

ذوالحجہ تیس (۳۰) ہجری میں پہنچا، پھر جنگ ہوئی اور انصار کے امیر عبداللہ بن حنظلہ تھے اور قریش کے امیر عبداللہ بن مطیع تھے، اور اس کے علاوہ دیگر قبائل جو تھے ان کے امیر معقل بن یسار الاشجعی تھے، اور انہوں نے مدینہ کے گرد خندق کھود لی، پھر جب یہ جنگ ہوئی تو اہلِ مدینہ کو شکست ہوگئی، ابنِ حنظلہ شہید ہو گئے اور ابنِ مطیع بھاگ گئے اور مسلم بن عقبہ نے تین دن کے لیے مدینہ کو مباح قرار دیا، پس صحابہ کی ایک جماعت کو باندھ کر قتل کر دیا گیا، ان میں حضرت معقل بن سنان تھے اور محمد بن ابی الجہم بن حذیفہ تھے اور یزید بن عبداللہ بن زمعہ تھے، اور باقی ماندہ لوگوں نے اس پر بیعت کر لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔

اور ابوبکر بن ابی خیثمہ نے سندِ صحیح سے حضرت جویرہ بن اسماء سے روایت کی ہے کہ میں نے اہلِ مدینہ کے شیوخ سے سنا کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے یزید کو بلایا، پس اس سے کہا کہ تمہارے لیے اہلِ مدینہ کا ایک دن آئے گا، پس اگر وہ جنگ کریں تو تم مسلم بن عقبہ کو امیر بنا دینا، کیونکہ میں اس کی خیر خواہی کو جانتا ہوں، پس جب یزید بن معاویہ ولی عہد ہوا تو اس کے پاس عبداللہ بن حنظلہ اور ایک جماعت آئی، یزید نے ان کی تکریم کی اور ان کو انعامات دیے، پس وہ لوٹ آئے اور انہوں نے لوگوں کو یزید کے خلاف لڑائی پر برانگیختہ کیا اور اس کے عیوب بیان کیے اور لوگوں کو یزید کی بیعت توڑنے کی دعوت دی، سو انہوں نے مان لیا، پھر یزید کو یہ خبر پہنچ گئی تو اس نے مسلم بن عقبہ کی قیادت میں اہلِ مدینہ کے خلاف ایک لشکر بھیجا، پھر اہلِ مدینہ نے کثیر جماعت کے ساتھ مقابلہ کیا، پھر جب جنگ نے اپنے پنجے گاڑ دیے تو انہوں نے مدینہ کے درمیان اللہ اکبر کی آواز سنی، اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو حارثہ نے کچھ شامیوں کو خندق کی جانب مقرر کر دیا تھا، پھر اہلِ مدینہ نے قتال کو ترک کر دیا اور اپنے اہل و عیال کے خوف سے مدینہ میں داخل ہو گئے، پھر شکست ہو گئی اور جنہوں نے قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے اور مسلم بن عقبہ نے اس پر لوگوں سے بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں، وہ ان کی جانوں میں اور ان کے مالوں میں اور ان کے اہل میں جو چاہے کرے۔

اور عروہ بن زبیر نے روایت کی ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہ کے خلاف اپنی خلافت کو ظاہر کیا، پھر یزید نے مسلم بن عقبہ کو شام کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا کہ پہلے اہلِ مدینہ سے قتال کریں پھر مکہ میں حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کرنے کے لیے جائیں، پھر مسلم بن عقبہ مدینہ میں داخل ہوا اور باقی صحابہ کو وہاں قتل کر دیا، پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا، پھر وہ راستہ میں مر گیا، اور یعقوب نے کہا ہے کہ واقعہ حرہ ذوالقعدہ ۶۳ ھ میں رونما ہوا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس امام کی بیعت منعقد ہوگئی ہو اس کی اطاعت کرنا لوگوں پر واجب ہے اور اس کے خلاف خروج کرنا ممنوع ہے خواہ وہ اپنی حکومت میں ظلم کرے اور یہ کہ وہ فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہوتا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۰ ۲۔ ۲۷۲، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۱۲۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو شِهَابٍ عَنْ عَوْفٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ لَمَّا كَانَ ابْنُ زِيَادٍ وَمَرْوَانُ بِالشَّأْمِ وَوَثَبَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ وَوَثَبَ الْقُرَّاءُ بِالْبَصْرَةِ فَانْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَيْهِ فِي دَارِهِ وَهُوَ جَالِسٌ فِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں احمد بن یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوشہاب نے حدیث بیان کی از عوف از ابوالمنہال، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب کہ ابن زیاد اور مروان شام میں تھے اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما مکہ کے حکمران بن گئے تھے اور قراء بصرہ کے حکمران بن گئے

ظِلِّ عُلِّيَّةٍ لَهُ مِنْ قَصَبٍ فَجَلَسْنَا إِلَيْهِ فَأَنْشَأَ أَبِي يَسْتَطْعِمُهُ الْحَدِيثَ فَقَالَ يَا أَبَا بَرْزَةَ أَلَا تَرَى مَا وَقَعَ فِيهِ النَّاسُ فَأَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ إِنِّي احْتَسَبْتُ عِنْدَ اللهِ أَنِّي أَصْبَحْتُ سَاخِطًا عَلَى أَحْيَاءِ قُرَيْشٍ إِنَّكُمْ يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ كُنْتُمْ عَلَى الْحَالِ الَّذِي عَلِمْتُمْ مِنَ الذِّلَّةِ وَالْقِلَّةِ وَالضَّلَالَةِ وَإِنَّ اللهَ أَنْقَذَكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى بَلَغَ بِكُمْ مَا تَرَوْنَ وَهَذِهِ الدُّنْيَا الَّتِي أَفْسَدَتْ بَيْنَكُمْ إِنَّ ذَاكَ الَّذِي بِالشَّامِ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا وَإِنَّ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُونَ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا وَإِنْ ذَاكَ الَّذِي بِمَكَّةَ وَاللهِ إِنْ يُقَاتِلُ إِلَّا عَلَى الدُّنْيَا۔

(صحیح البخاری:۷۲۷۱،مسند احمد:۱۹۳۰۴)

تھے،تو میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا حتیٰ کہ ہم ان کے گھر میں داخل ہوئے اور وہ ایک سائبان کے سائے کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے جو بانس کا بنا ہوا تھا، ہم ان کے پاس بیٹھ گئے، پھر میرے والد نے ان سے بات کرنے کو کہا، پس انہوں نے کہا: اے ابو برزہ! کیا تم نہیں دیکھتے کہ لوگ کس چیز میں واقع ہو گئے ہیں، پس پہلی چیز جو میں نے ان سے سنی جس کے ساتھ انہوں نے کلام کیا وہ یہ تھی: میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت کرتا ہوں، اور میں قریش کے قبیلوں کے اوپر ناراض ہوں، بے شک اے عرب کے لوگو! تم اس حال پر تھے جس کا تمہیں علم ہے، تم ذلت میں اور قلت میں اور گمراہی میں تھے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے سبب سے نجات دی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے، حتیٰ کہ تم پر وہ حال پہنچ گیا جس کو تم دیکھ رہے ہو اور یہ دنیا جو تمہارے درمیان فاسد ہو گئی ہے، بے شک یہ شام میں ہے اور اللہ کی قسم! یہ لوگ صرف دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں، اور بے شک جو لوگ تمہارے سامنے ہیں، اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا کے اوپر لڑ رہے ہیں، اور بے شک جو لوگ مکہ میں ہیں اللہ کی قسم! وہ بھی صرف دنیا پہ لڑ رہے ہیں۔

صحیح البخاری: ۷۱۱۲، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دنیاوی حکومت کے حصول کے لیے لڑنے سے بہتر یہ ہے کہ حق دار اپنے حق سے دستبردار ہو جائے

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت رکھتا ہوں اور میں قریش کی جماعتوں پر ناراض ہوں، اور انہوں نے یہ بات مروان کے سامنے اس وقت نہیں کی جب انہوں نے مروان سے بیعت کی تھی اور اس کی اتباع کی تھی بلکہ اس کے بعد وہ مروان پر ناراض ہوئے، گویا کہ ان کی مراد یہ تھی کہ ان لوگوں کو چاہیے تھا کہ اپنی حکومتوں کے حصول کے لیے اپنے مخالفین سے نہ لڑتے، جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا بلکہ جوان سے لڑتا، اس سے مقابلہ نہ کرتے اور جیسا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کیا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے خلافت کے معاملہ میں نزاع کیا تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑائی کو

ترک کر دیا ہو۔ حضرت ابو برزہ اس پر ناراض ہوئے کہ مروان نے اپنی خلافت کے حصول کے لیے قتال کیا، اور انہوں نے شام کے لوگوں کے متعلق یہ قسم کھائی کہ یہ دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں، اس کی توجیہ یہ ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ شام کے لوگوں کو یہ چاہیے تھا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی سیرت پر عمل کرتے، اور انہوں نے جو مکہ کے متعلق قسم کھائی یعنی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے متعلق، کیونکہ جب وہ مکہ پر حکمران ہو گئے تو انہوں نے بھی دنیا کی حکومت پر (صورتاً) حرص کی، اسی طرح جو قراء بصرہ پر حکمران ہو گئے تھے کیونکہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام میں فتنہ بالکل نہیں ہے، ان کی رائے یہ تھی کہ اگر حق دار سے کوئی شخص اس کا حق چھیننے کی کوشش کرے تو وہ اس سے لڑائی نہ کرے تو اس کو اس میں اجر ملے گا، اور اپنے نفس پر ایثار کرنے کی وجہ سے اس کی دنیا میں مدح کی جائے گی، اور ان کی مراد یہ تھی کہ دنیا کی حکومت کے لیے جو لڑائی کرے گا اور مسلمانوں کی جماعت کی اتحاد کی لاٹھی کو توڑے گا اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرے گا اور خوں ریزی کا سبب بنے گا تو وہ دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جب دو مسلمان اپنی تلواروں کو ٹکرائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہیں" تو حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ دنیاوی حکومت کے لیے قتال کو بالکل جائز نہیں قرار دیتے تھے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

۷۱۱۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ وَاصِلٍ الْأَحْدَبِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ الْيَوْمَ شَرٌّ مِنْهُمْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَانُوا يَوْمَئِذٍ يُسِرُّونَ وَالْيَوْمَ يَجْهَرُونَ۔

(تحفۃ الاشراف: ۳۳۴۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از واصل الاحدب از ابو وائل از حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ آج کے منافقین ان سے زیادہ شر ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین تھے، اس زمانہ میں وہ نفاق کو چھپاتے تھے اور آج وہ نفاق کو ظاہر کرتے ہیں۔

۷۱۱۴۔ حَدَّثَنَا خَلَّادٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ إِنَّمَا كَانَ النِّفَاقُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَمَّا الْيَوْمَ فَإِنَّمَا هُوَ الْكُفْرُ بَعْدَ الْإِيمَانِ۔ (تحفۃ الاشراف: ۳۳۳۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں خلاد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی از حبیب بن ابی ثابت از ابی الشعثاء از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نفاق تھا، لیکن آج کل وہ صرف ایمان کے بعد کفر ہے۔

صحیح البخاری: ۷۱۱۴، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعد کے زمانہ کے منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین سے بدتر ہیں

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آج کل کے منافقین ان منافقین سے بدتر ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے، کیونکہ اس

زمانہ کے منافقین اپنے قول کو چھپاتے تھے اور ان کا شر دوسروں کی طرف متعدی نہیں ہوتا تھا لیکن آج کل کے زمانہ میں یہ لوگ اپنے نفاق کو ظاہر کرتے ہیں اور علانیہ مسلمانوں کی جماعت کے خلاف خروج کرتے ہیں، اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں، پس آج کل کے یہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے منافقین سے بدتر ہیں۔

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اور اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اب منافقین برسرِ عام اپنے نفاق کا اظہار کرتے ہیں اور لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں، اور ائمہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد اس کی بیعت کو توڑتے ہیں، اور یہ جاہلیت کا طریقہ ہے اور اسلام میں جاہلیت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران: ١٠٣) اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔

پس اسلام میں تفرقہ ڈالنا حرام ہے اور ائمہ کی اطاعت کے خلاف خروج کرنا یہ تفرقہ ہے، اور حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! میں قریش کی اس کاروائی سے راضی نہیں ہوں جو وہ خلافت پر لڑ رہے ہیں اور میں ان کے ان افعال پر ناراض ہوں کہ انہوں نے مسلمانوں کے درمیان خوں ریزی کو مباح قرار دیا ہے اور ان کے اموال کے لوٹنے کو مباح قرار دیا ہے، پس حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ اسلام میں قتال پر انکار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتے تھے، پس حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے احوال کو بدلنے پر قادر نہیں ہوئے سوا اس کے کہ زبان سے اس کی مذمت کریں اور دل سے اس کو برا جانیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ١٠ ص ٥٣۔ ٥٤، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ١٤٢٤ھ)

٢٢۔ بَابٌ: لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُغْبَطَ أَهْلُ الْقُبُوْرِ
قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ قبر والوں پر رشک نہ کیا جائے

بابِ مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ٨٥٢ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ قبر والوں پر رشک کیا جائے گا، اور فتنوں کے ظہور کے وقت انسان موت کی تمنا کرے گا، یہ صرف اس وقت ہوگا جب باطل کے غلبہ کی وجہ سے دین کے اور دین داروں کے رخصت ہونے کا خوف ہوگا اور اللہ کی نافرمانیوں کا ظہور ہوگا اور برائیاں پھیل جائیں گی۔ علامہ ابن بطال کی بات ختم ہوئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: یہ تمنا ہر ایک کے حق میں عام نہیں ہے، بلکہ یہ تمنا نیک لوگوں کے ساتھ خاص ہے، رہے دوسرے لوگ، پس جب ان میں سے کسی ایک کے اوپر یا اس کے اہل وعیال کے اوپر کوئی دنیاوی مصیبت آئے گی اگرچہ اس مصیبت کا تعلق اس کے دین کے ساتھ نہ ہو تب وہ موت کی تمنا کرے گا، اور اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: دنیا اس وقت تک ختم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک مرد قبر کے پاس سے گزرے گا، پس اس قبر کے اوپر لوٹ پوٹ ہو جائے گا اور کہے گا: کاش! میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا اور اس کے ساتھ سوائے

مصیبت کے دین نہیں ہوگا۔

اس حدیث میں مرد کا ذکر بطور تغلیب کے ہے ورنہ عورت بھی ایسی ہی تمنا کرے گی، اور اس کا سبب وہ ہے جو ابو حازم کی روایت میں ہے کہ: "مصیبتیں اور شدتیں آئیں گی حتیٰ کہ موت جو سب سے بڑی مصیبت ہے وہ مرد کو آسان لگے گی، پس وہ تمنا کرے گا کہ جو اس کے اعتقاد میں سب سے آسان مصیبت ہے وہ اس پر آ جائے"، علامہ قرطبی نے اسی کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۵ ۴۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۱۵۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ابو الزناد از الاعرج از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ کوئی مرد کسی مرد کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو پس یہ کہے گا: کاش کہ میں اس کی جگہ ہوتا۔

(صحیح مسلم: ۱۵۷، سنن ابن ماجہ: ۴۰۳۷، مسند احمد: ۷۱۸۶، موطا امام مالک: ۵۷۰)

صحیح البخاری: ۷۱۱۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سوال کا جواب کہ موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے، پھر اس حدیث میں موت کی تمنا کا کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

علامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: بعض علماء کا یہ گمان ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جس میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے، کیونکہ موت کی تمنا کرنا اس وقت منع ہے جب انسان کے جسم میں کوئی شدید بیماری ہو اور اس سے تنگ آ کر وہ موت کی تمنا کرے، اور یہاں پر اس وقت موت کی تمنا کا ذکر ہے کہ جب زمانہ میں فساد عام ہو جائے اور دین پر خطرہ ہو جائے، گویا کہ ممانعت اس وقت ہے جب انسان کے جسم میں ضرر ہو لیکن جب ضرر کا تعلق دین کے ساتھ ہو تو پھر موت کی تمنا منع نہیں ہے، دوسرے علماء نے یہ کہا کہ یہاں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ حدیث میں موت کی تمنا کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں موت کی تمنا کرنے کو جائز نہیں قرار دیا بلکہ یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے قریب لوگ موت کی تمنا کریں گے۔

اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص دین کے خطرہ کی وجہ سے موت کی تمنا کرے تو یہ پسندیدہ ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دین کے فاسد ہونے کے وقت سلف صالحین کی جماعت نے موت کی تمنا کی ہے، علامہ نووی نے کہا ہے: اس میں رئی کراہت نہیں ہے، بلکہ سلف صالحین میں سے بہت لوگوں نے موت کی تمنا کی، ان میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں، اور عیسیٰ الغفاری ہیں، اور عمر بن عبد العزیز ہیں اور دوسرے بزرگ ہیں۔ پھر علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ گویا کہ اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ فتنے اور مشقتیں اس حد تک پہنچ جائیں گی کہ لوگ فتنوں کی کثرت دیکھ کر موت کی تمنا کریں گے۔

امام حاکم نے از ابوسلمہ روایت کی ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کی، میں نے دعا کی: اے اللہ! ابوہریرہ کو شفاء عطا فرما، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: (اے اللہ!) تم یہ دعا دوبارہ نہ کرنا! اے ابوسلمہ! اگر تم سے ہو سکے تو مر جاؤ، اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! علماء پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ موت ان کے نزدیک سرخ سونے سے زیادہ پسندیدہ ہوگی، اور ان میں سے کوئی ایک ضرور اپنے بھائی کی قبر پر جائے گا تو کہے گا کہ کاش! میں اس کی جگہ ہوتا، اور کتاب الفتن میں حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قریب ہے کہ بازار میں ایک جماعت کے پاس سے ایک جنازہ گزرے گا، پس ایک مرد اس جنازہ کو دیکھے گا، پس اپنا سر ہلائے گا اور کہے گا کہ کاش! میں اس کی جگہ ہوتا، میں نے کہا: اے ابوذر! یہ تو بہت سنگین بات ہے، انہوں نے کہا: ہاں! (فتح الباری ج ۸ ص ۲۷۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۷۱۱۵، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زمانہ کے فساد کے وقت موت کی تمنا کا جواز

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''عنقریب تمہارے اوپر ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر تم میں سے کوئی ایک شخص بازار میں موت کو فروخت ہوتے ہوئے دیکھے تو وہ ضرور موت کو خرید لے گا، اور عنقریب تم پر ایسا زمانہ آئے گا کہ مال کی کمی پر اس طرح رشک کیا جائے گا جس طرح مال اور اولاد کی کثرت پر رشک کیا جاتا ہے''۔ (السنن الواردہ فی الفتن ص ۱۰۰، الرقم: ۱۸۱)

لیکن جب دین کے فساد کا خوف نہ ہو اور ایمان کے نکلنے کا خوف نہ ہو تو پھر کوئی شخص اس زمانہ میں موت کی تمنا نہ کرے بلکہ یہ اس وقت کرے جب اہلِ باطل سردار بن جائیں اور نچلے اور کمینے لوگ سربلند ہو جائیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین کے فساد کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی: اے اللہ! میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور میری قوت کمزور ہو گئی ہے اور میری رعایا منتشر ہو گئی ہے، سو تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے اس حال میں کہ مجھے ضائع کرنے والا نہ ہو۔ (موطا امام مالک: ص ۵۱۴، مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۳۱۵، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۹۱)

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلوت میں اپنے بعض احباب سے کہا: میرے لیے موت کی دعا کرو۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۳۹۲، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۳۔ بَابُ: تَغْيِيرِ الزَّمَانِ حَتّٰى تُعْبَدَ الْأَوْثَانُ

زمانہ کا متغیر ہونا حتیٰ کہ بتوں کی عبادت کی جائے

۷۱۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ رضى الله عنه أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَضْطَرِبَ أَلَيَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلٰى ذِي

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے کہا: مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْخَلَصَةِ وَذُو الْخَلَصَةِ طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔

(صحیح مسلم: ۲۹۰۶، مسند احمد: ۷۶۲۰)

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوس کی عورتیں ذوالخلصہ کے سامنے اپنے کولہوں کو مٹکائیں، اور ذوالخلصہ دوس کا ایک بت ہے جس کی وہ زمانہ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔

۷۱۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ ثَوْرٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِنْ قَحْطَانَ يَسُوقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان نے حدیث بیان کی از ثور از ابی الغیث از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک مرد قحطان سے نکلے گا اور لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا۔

(صحیح البخاری: ۳۵۱۷، ۷۱۱۷، صحیح مسلم: ۲۹۱۰، مسند احمد: ۷۶۰۷)

صحیح البخاری: ۷۱۱۷، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابی حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ احادیث اور جو ان کے ہم معنی احادیث ہیں وہ سب ایک خاص زمانہ پر محمول ہیں، اور ان سے مراد یہ نہیں ہے کہ تمام روئے زمین کے اوپر دین منقطع ہو جائے گا حتیٰ کہ دین میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ قیامت تک اسلام باقی رہے گا مگر یہ کہ کچھ کمزور ہو جائے گا اور وہ اسی طرح اجنبی ہو جائے گا جس طرح ابتداء میں اجنبی تھا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ میری امت میں سے ایک جماعت حق پر قتال کرتی رہے گی اور غالب رہے گی حتیٰ میں ان میں آخری المسیح الدجال سے قتال کرے گی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۴۸۴، مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۷، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۷۱)

قحطان کے ایک مرد کا غلبہ کس وقت رونما ہوگا؟

اگر یہ سوال کیا جائے کہ پھر اس کی کیا توجیہ ہے کہ قحطان کا ایک مرد اپنی لاٹھی سے لوگوں کو ہانک کر لے جائے گا؟

علامہ المہلب نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ قحطان کا وہ مرد ان لوگوں میں سے نہیں ہوگا جو صحیح خلیفہ ہوں گے اور یہ اس وقت ہوگا جب زمانہ میں تغیر آ جائے گا اور اسلام کے احوال تبدیل ہو جائیں گے اور خلافت اور دین میں ان لوگوں کی پیروی کی جائے گی جو اس کے اہل نہیں ہوں گے۔

ذوالخلصہ کی تحقیق

اس حدیث میں ذوالخلصہ کا ذکر ہے، یہ قبیلہ دوس کا ایک مکان تھا جس کو انہوں نے سجدہ گاہ بنا لیا تھا، یہاں پر زمانہ جاہلیت کے اندر غیر شرعی کام کیے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو ماہ پہلے حضرت جریر البجلی نے اس مکان کو منہدم کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیب کی خبر دینا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "دوس کی عورتیں الیات کو ذوالخلصہ کے سامنے مٹکائیں گی"۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس چیز کی خبر دی ہے جو اس زمانہ کے اخیر میں واقع ہوگی، آپ کی مراد یہ ہے کہ قبیلۂ دوس کی عورتیں سواریوں پر سوار ہو کر شہروں کے بتوں کی طرف جائیں گی اور وہ اپنے کولہوں کو مٹکائیں گی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۳۲ ص ۳۹۶، ملخصاً وملتقطاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

۲۴۔ بَابُ: خُرُوجِ النَّارِ
آگ کا نکلنا

وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی پہلی علامت یہ ہے کہ ایک آگ لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

۷۱۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَخْبَرَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ أَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرَى۔
(صحیح مسلم: ۲۹۰۲)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ سعید بن المسیب نے کہا: مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ ایک آگ سرزمین حجاز سے نکلے گی جس سے بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔

صحیح البخاری: ۷۱۱۸، کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقوعِ قیامت کی علامتوں کا بیان

امام بخاری نے اس باب کا عنوان قائم کیا ہے آگ کا نکلنا اور اس کی سند بیان نہیں کی، کیونکہ اس کی سند اس سے پہلے کتاب الانبیاء میں بیان ہو چکی ہے۔

نعیم بن حماد کتاب الفتن میں از ابن وہب از عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یمن کی طرف سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو جمع کرے گی، لوگ اس آگ کے ساتھ صبح کو اٹھیں گے اور دوپہر کو بھی اس آگ کے ساتھ ہوں گے حتیٰ کہ شام کو جب وہ لوٹیں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ لوٹے گی، پس جب تم اس آگ سے متعلق سنو تو شام کی طرف نکل جانا۔

اور وہ تمام امور جو ان احادیث میں ہم نے قیامت کی علامات سے متعلق ذکر کیے ہیں مثلاً آگ کا نکلنا، ان سب احادیث کا ایک ہی معنی ہے، اور دوسری احادیث میں یہ مذکور ہے کہ آگ قیامت کی آخری علامت ہوگی، اس کی روایت ابن عیینہ نے از فرات

القزاز کی ہے از ابوالطفیل از ابوسریحہ حذیفہ بن اسید، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بالکونی میں سے جھانک کر ہمیں دیکھا، پس فرمایا: تم کیا ذکر کررہے ہو؟ ہم نے کہا: ہم قیامت کا ذکر کررہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ قیامت نہیں قائم ہوگی حتیٰ کہ دس نشانیاں قائم ہوجائیں: (۱) دجال (۲) دھواں (۳) دابۃ الارض (۴) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا (۵) یاجوج ماجوج (۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۷) اور مشرق میں زمین کا دھنسنا (۸) مغرب میں زمین کا دھنسنا (۹) اور جزیرۃ العرب کا زمین میں دھنسنا (۱۰) اور اس کے آخر میں ایک آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو ہنکا کر میدانِ محشر کی طرف نکلے گی۔

(صحیح مسلم: ۲۹۰۱، کتاب الفتن، باب فی الآیات التی تکون قبل ساعۃ)

امام ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نشانیوں میں سے سب سے پہلی آگ کا نکلنا ہے، اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اور دابۃ الارض کا چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے نکلنا ہے، اور ان میں سے جو نشانی بھی اپنی نشانی سے پہلے آجائے تو دوسری نشانی عنقریب اس کے بعد آئے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۶۷، رقم الحدیث: ۳۷۷۷۴)

ان احادیث میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ تمام نشانیاں آٹھ مہینوں میں ظاہر ہوں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۵۰۷)

علامہ ابن التین نے کہا ہے: آپ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کی پہلی نشانی آگ کا نکلنا ہے۔۔۔ الخ، یہ آگ یمن سے نکلے گی حتیٰ کہ لوگوں کو بیت المقدس تک پہنچادے گی اور "الاشراط" کے معنی ہیں "العلامات" اس کا واحد "شرط" ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ پہلی نشانی آگ کا نکلنا ہے اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، جب قیامت قریب ہوگی اور اس کی علامات قریب ہوجائیں گی تو ہر نشانی کے لیے یہ کہنا جائز ہے کہ یہ پہلی نشانی ہے، کیونکہ بعض نشانیاں دوسری بعض نشانیوں کے قریب ہوں گی، اور زمانہ بہت جلدی گزرے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "بُصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں روشن ہوں گی" یعنی وہ آگ ان اونٹوں تک پہنچے گی جو بُصریٰ میں ہیں اور بُصریٰ شام کی سرزمین ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۱۰ ص ۵۷۔۵۸، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۳۳ ص ۳۹۸۔۳۹۹)

۷۱۱۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ جَدِّهِ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُوشِكُ الْفُرَاتُ أَنْ يَحْسِرَ عَنْ كَنْزٍ مِنْ ذَهَبٍ فَمَنْ حَضَرَهُ فَلَا يَأْخُذْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ عُقْبَةُ وَحَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِثْلَهُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ يَحْسِرُ عَنْ جَبَلٍ مِنْ ذَهَبٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن سعید الکندی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عقبہ بن خالد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ نے حدیث بیان کی از خبیب بن عبدالرحمٰن از جد خود حفص بن عاصم از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عنقریب دریائے فرات کے پل پر سونے کا ایک خزانہ ہوگا، پس جو شخص اس خزانہ پر حاضر ہو وہ اس میں سے کچھ نہ لے، عقبہ نے کہا: اور ہمیں عبیداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا:

ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از الاعرج از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کی مثل، مگر انہوں نے فرمایا کہ فرات کی مثل سونے کا ایک پہاڑ ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۸۹۴، سنن ترمذی: ۲۵۶۹، سنن ابوداؤد: ۴۳۱۳، مسند احمد: ۸۱۸۸)

صحیح البخاری: ۷۱۱۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فرات کے پُل پر سونے کے پہاڑ سے کچھ نہ لینے کی ممانعت کی توجیہ

ان دو روایتوں میں سے ایک میں ذکر ہے کہ دریائے فرات کے پل پر سونے کا خزانہ ہوگا، دوسری روایت میں ہے کہ سونے کا پہاڑ ہوگا۔ اور امام ابونعیم نے ''المستخرج'' میں ان دونوں حدیثوں کو ایک سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس کی تائید امام مسلم کی اس روایت سے ہوتی ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''زمین اپنے جگر کے ٹکڑوں کی قے کردے گی جو سونے اور چاندی کے ستونوں کی مثل ہوں گے، پھر ایک قاتل آئے گا اور کہے گا: اسی کی وجہ سے مجھے قتل کیا گیا تھا، پھر ایک چور آئے گا، وہ کہے گا: اسی کی وجہ سے میرا ہاتھ کاٹا گیا تھا، پھر وہ لوگ سونے اور چاندی کو چھوڑ دیں گے اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سونے اور چاندی کو لینے سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ سونے اور چاندی کو لینے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سونے اور چاندی کو لینے سے منع کرنے کی حکمت یہ ہو کہ یہ واقعہ زمانہ کے اخیر میں اس وقت ہوگا جب لوگ محشر میں جمع ہوجائیں گے، پس اس وقت اس سونے اور چاندی میں سے کچھ لینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور شاید یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو باب ''خروج النار'' کے تحت ذکر کیا ہے۔

امام مسلم نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دریائے فرات کے پل کے اوپر سونے کا پہاڑ ہوگا جس پر لوگ قتل کریں گے، پس ہر سو میں سے ننانوے کو قتل کردیا جائے گا اور ان میں سے ہر مرد یہ کہے گا شاید کہ میں وہ ہوتا جو نجات پا جاتا۔

نیز امام مسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ لوگ ہمیشہ دنیا کی طلب میں اختلاف کرتے رہیں گے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب فرات کے پل پر سونے کا ایک پہاڑ ہوگا، پس جب لوگ اس کے متعلق سنیں گے تو اس کی طرف جائیں گے، پس جو شخص اس کے پاس ہوگا وہ کہے گا: اگر ہم لوگوں کو چھوڑ دیں تو وہ یہ سارا سونا لے جائیں گے، آپ نے فرمایا: پس اس پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کریں گے، پس ہر سو میں سے ننانوے لوگ قتل کردیے جائیں گے۔

اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہو کہ جب آگ لوگوں کو جمع کرنے کے لیے نکلے گی۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۸۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۵۔ بَابٌ:

۷۱۲۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا مَعْبَدٌ سَمِعْتُ حَارِثَةَ بْنَ وَهْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ تَصَدَّقُوا فَسَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا قَالَ مُسَدَّدٌ حَارِثَةُ أَخُو عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ لِأُمِّهِ قَالَهُ أَبُو عَبْدِ اللهِ۔

باب

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از شعبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں معبد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: تم صدقہ کیا کرو، کیونکہ عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک شخص اپنے صدقہ کو لے کر چلے گا تو اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اس کے صدقہ کو قبول کرے، مسدد نے کہا: حارثہ عبید اللہ بن عمر کا ماں شریک بھائی ہے۔

یہ امام ابوعبداللہ بخاری کا قول ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۱۱، ۱۴۲۴، ۷۱۲۰، صحیح مسلم: ۱۰۱۱، سنن نسائی: ۲۵۵۵، مسند احمد: ۱۸۲۵۱)

صحیح البخاری: ۷۱۲۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کی احادیث سے پہلے اس کا عنوان نہیں لکھا، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ باب، بابِ سابق کے بمنزلہ فصل ہے۔

وہ کونسا زمانہ ہوگا جب کوئی شخص زکوٰۃ کو لینے والا نہ ہوگا؟

یہ وہ زمانہ ہوگا جب لوگ مال سے مستغنی ہوں گے، یا تو یہ وہ زمانہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے فتنہ کے اندر مبتلاء ہوگا، وہ اپنے گھر والوں کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوگا چہ جائیکہ مال ومتاع کی طرف متوجہ ہو اور یہ دجال کے زمانہ میں ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بہت زیادہ امن کا حصول ہوگا اور پوری دنیا کے اندر عدل پھیلا ہوا ہوگا حتیٰ کہ ہر شخص جو کچھ اس کے پاس ہے اس کی وجہ سے دوسرے کے مال سے مستغنی ہوگا اور یہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے زمانہ میں ہوگا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ جب قربِ قیامت میں ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف لے جائے گی، اس وقت لوگ اتنے بے نیاز ہوں گے کہ ایک باغ کو ایک اونٹ کے عوض فروخت کر دیں گے اور اس وقت کوئی شخص زیادہ مال کے حصول کی طرف متوجہ نہیں ہوگا بلکہ ہر شخص اپنی ذات کی نجات کا قصد کرے گا اور اپنی اولاد اور اپنی اہلیہ کا قصد کرے گا اور ان احتمالات میں یہ زیادہ ظاہر ہے اور یہی امام بخاری کے اس باب کے انعقاد کے مناسب ہے اور اصل علم اللہ عزوجل کے پاس ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۸۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

٧١٢١ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ يَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ وَحَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ وَحَتَّى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ وَحَتَّى يَكْثُرَ فِيكُمُ الْمَالُ فَيَفِيضَ حَتَّى يُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ يَقْبَلُ صَدَقَتَهُ وَحَتَّى يَعْرِضَهُ عَلَيْهِ فَيَقُولَ الَّذِي يَعْرِضُهُ عَلَيْهِ لَا أَرَبَ لِي بِهِ وَحَتَّى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبُنْيَانِ وَحَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي مَكَانَهُ وَحَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ وَرَآهَا النَّاسُ يَعْنِي آمَنُوا أَجْمَعُونَ فَذَلِكَ حِينَ ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام:١٥٨) وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ نَشَرَ الرَّجُلَانِ ثَوْبَهُمَا بَيْنَهُمَا فَلَا يَتَبَايَعَانِهِ وَلَا يَطْوِيَانِهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدِ انْصَرَفَ الرَّجُلُ بِلَبَنِ لِقْحَتِهِ فَلَا يَطْعَمُهُ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَهُوَ يُلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوالزناد نے حدیث بیان کی از عبدالرحمٰن از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ دو عظیم جماعتیں آپس میں قتال کریں گی اور ان دونوں جماعتوں کے درمیان بہت عظیم جنگ ہوگی، اوران دونوں جماعتوں کا دعویٰ واحد ہوگا حتیٰ کہ تیس (٣٠) کے قریب دجال کذاب مبعوث کیے جائیں گے اوران میں سے ہر ایک کا یہ زعم ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے، اور حتیٰ کہ علم اٹھالیا جائے گا اور بہ کثرت زلزلے ہوں گے اور زمانہ قریب ہوجائے گا اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور ہرج بہت زیادہ ہوگا اور وہ قتل کرنا ہے حتیٰ کہ تم میں مال بہت زیادہ ہوجائے گا، پس وہ مال کو لٹائے گا حتیٰ کہ مال دار مرد یہ ارادہ کرے گا کہ کوئی اس کے صدقہ کو قبول کرلے حتیٰ کہ وہ اس مال کو پیش کرے گا، پھر جس کے اوپر وہ مال پیش کرے گا وہ کہے گا: مجھے اس مال کی کوئی ضرورت نہیں ہے حتیٰ کہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے اور حتیٰ کہ ایک مرد کسی مرد کی قبر کے پاس سے گزرے گا تو یہ کہے گا: کاش کہ میں اس کی جگہ ہوتا اور حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا، پس جب سورج طلوع ہوگا اور لوگ اس کو دیکھیں گے یعنی سب ایمان لے آئیں گے اور یہ وہ وقت ہوگا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

''اس وقت کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو'' (الانعام:١٥٨)

اور قیامت ضرور قائم ہوگی جب دو مرد آپس میں اپنے کپڑوں کو پھیلائیں گے، پس وہ اس کپڑے کو فروخت نہ کرسکیں گے اور نہ لپیٹ سکیں گے اور ضرور قیامت قائم ہوجائے گی، اور ایک مرد اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر مڑ کر جائے گا پس وہ اس دودھ کو نہیں پی سکے گا

اور ضرور قیامت قائم ہو جائے گی، اور ایک شخص اپنے حوض کو مٹی سے لیپ رہا ہوگا، پس وہ اس سے پانی نہیں پیے گا اور ضرور قیامت قائم ہو جائے گی، اور کوئی شخص لقمہ اپنے منہ میں رکھے گا اور ابھی اس کو کھایا نہیں ہوگا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۸۵، ۱۰۳۶، ۱۴۱۲، ۳۶۰۸، ۳۶۰۹، ۴۶۳۵، ۶۰۳۷، ۶۵۰۶، ۶۹۳۵، ۷۰۶۱، ۷۱۱۵، ۷۱۲۱، صحیح مسلم: ۱۵۷، سنن ابوداؤد: ۴۲۵۵، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۷، مسند احمد: ۷۱۴۶)

صحیح البخاری: ۷۱۲۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن دو عظیم جماعتوں کے درمیان لڑائی ہوگی ان کا مصداق اور جنگِ صفین کی تفصیل

کتاب الرقاق میں یہ گزر چکا ہے کہ ان دو عظیم جماعتوں سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی جماعت ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی جماعت ہے، اور چونکہ اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ واحد ہوگا، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں جماعتیں مسلمان ہوں گی اور اس حدیث میں خوارج اور ان کے موافقین کا رد ہے، کیونکہ خوارج اور ان کے موافقین حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کی جماعتوں کی تکفیر کرتے ہیں اور جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: ''عمار کو باغی جماعت قتل کرے گی'' یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف اس جنگ میں برحق تھا، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

اور امام بزار نے سندِ جید کے ساتھ زید بن وہب سے روایت کی ہے کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے کہا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے دین دار لوگ ایک دوسرے کو تلواروں سے قتل کریں گے، لوگوں نے پوچھا: اس صورتِ حال میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: تم اس فرقہ کا انتظار کرنا جو تم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بلائے، تم اس جماعت کو لازم کر لینا کیونکہ وہی جماعت اس دن حق پر ہوگی۔

اور یعقوب بن سفیان نے سندِ جید کے ساتھ زہری سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا: ''جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ جمل پر غالب ہو گئے ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کو طلب کیا تھا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام کو دعوت دی، سو وہ ان کے پاس آئے، پھر ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین کے اندر جنگ ہوئی۔

امام بخاری کے ایک شیخ یحییٰ بن سلیمان الجعفی نے ''کتاب الصفین'' میں سندِ جید کے ساتھ ابو مسلم الخولانی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلافت چھیننے کے لیے لڑ رہے ہیں، کیا آپ ان کی مثل ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! اور بے شک میں ضرور جانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور وہ مجھ سے زیادہ خلافت کے اور حکومت کے حق دار ہیں، لیکن کیا تم یہ نہیں جانتے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوماً قتل کیا گیا اور میں ان کے چچا کا بیٹا ہوں اور میں ان کا ولی ہوں اور میں ان کے خون کے قصاص کو طلب کرتا ہوں؟، پس تم لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے یہ کہو کہ

آپ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالے کر دیں تو پھر یہ جنگ نہیں ہوگی، پھر وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام سنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معاویہ میری بیعت کرلے اور میرے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مقدمہ پیش کرے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ عراق سے اپنے لشکروں میں چلے گئے حتیٰ کہ صفین میں آکر ٹھہرے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی روانہ ہوئے اور صفین میں آکر ٹھہر گئے اور یہ ذوالحجہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے، پھر انہوں نے ایک دوسرے کو پیغامات بھیجے لیکن کوئی فیصلہ کُن بات نہیں ہوئی، پھر جنگ چھڑ گئی حتیٰ کہ دونوں جماعتوں میں سے ستر ہزار (۷۰،۰۰۰) مسلمان قتل کر دیے گئے، یہ ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ مقتولین کی تعداد اس سے بھی زیادہ تھی۔

اور امام ابن ابی شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ ابورضا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے جنگِ صفین کے دن سنا کہ جو اس سے خوش ہو کہ بڑی آنکھوں والی حوریں اس کی گردن میں بانہیں ڈالیں وہ صفین میں ثواب کی نیت سے آئے۔

اور زیاد بن حارث نے روایت کی ہے کہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پہلو میں کھڑا ہوا تھا تو ایک مرد نے کہا: اہلِ شام کافر ہو گئے، تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ نہ کہو، ہم دونوں کا نبی ایک ہے لیکن اہلِ شام نے حق سے انحراف کیا، پس ہم پر واجب ہو گیا کہ ہم ان سے لڑیں حتیٰ کہ وہ حق کی طرف رجوع کرلیں۔

اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی گورنری پر برقرار رکھیں حتیٰ کہ ان سے بیعت لے لی جائے، پھر وہ جو چاہیں کریں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ان کی بیعت نہیں کروں گا۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہلِ جمل کے ساتھ لڑائی سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ بھی باقی لوگوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں داخل ہو جائیں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کیا اور ابومسلم کے ہاتھ پیغام بھیجا جیسا کہ گزر چکا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکروں کو لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ ہوئے، پس دونوں کا مقابلہ صفین میں ہوا اور یہ ماہِ محرم کا پہلا عشرہ تھا، اور پہلی لڑائی یکم صفر کو ہوئی، پس جب اہلِ شام کا مغلوب ہونا قریب ہو گیا تو انہوں نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے قرآن مجید کو اٹھالیا اور کہا کہ جو قرآن مجید میں حکم ہے اس پر عمل کرو، پھر دو حاکموں کی طرف جنگ کا رجوع ہو گیا، پھر جو ہونا تھا وہ ہوا کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم تھے اور حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکم تھے، پھر ان دونوں میں اختلاف ہو گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کی حکومت پر قابض ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے۔

امام احمد نے از حبیب بن ابی ثابت روایت کی ہے کہ میں ابووائل کے پاس آیا، پس بتایا کہ ہم صفین میں تھے، پس جب اہلِ شام کا قتل ہونا زیادہ ہو گیا تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف قرآن مجید کو بھیجو اور انہیں کتاب اللہ کی دعوت دو تو وہ اس کا انکار نہیں کریں گے، پھر ایک مرد آیا اور اس نے کہا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی

کتاب حاکم ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (آل عمران: ۲۳)

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا، انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرے، پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے O

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! میں قرآن مجید کے حکم پر عمل کرنے کا زیادہ مستحق ہوں، پھر ان قراء نے کہا جو بعد میں خوارج ہو گئے: اے امیر المومنین! ہم ان لوگوں کو کس چیز کی مہلت دیں، کیا ہم ان کے اوپر اپنی تلواروں سے حملہ نہ کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے؟، پس حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے کہا: اے لوگو! تم اپنی رائے کو غلط قرار دو، کیونکہ ہم حدیبیہ کے دن دیکھ چکے ہیں، پھر انہوں نے مشرکین کے ساتھ صلح کا قصہ ذکر کیا۔

اور امام ابن عساکر نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوزرعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد میرے چچا کے پاس آیا، پس ان سے کہا کہ میں معاویہ سے بغض رکھتا ہوں، انہوں نے پوچھا: کیوں؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناحق قتال کیا تو امام ابوزرعہ نے کہا: معاویہ کا رب، ربِ رحیم ہے اور معاویہ کا مخالف، مخالفِ کریم ہے تو تم ان دونوں کے درمیان کیوں داخل ہوتے ہو؟

جھوٹے مدعیانِ نبوت کا بیان

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''بے شک عنقریب میری امت میں تیس (۳۰) کذاب ہوں گے، ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم ہوگا کہ وہ نبی ہے، اور میں تمام انبیاء کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام احمد اور امام ابو یعلیٰ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے سامنے تیس (۳۰) دجال کذاب ہوں گے۔

امام احمد اور امام طبرانی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ تیس (۳۰) کذاب نکلیں، ان میں سے آخری کانا دجال ہوگا۔

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے سامنے تیس (۳۰) کذاب ہوں گے، ان میں سے ایک اسود عنسی ہے جو صاحب صنعاء ہے اور دوسرا صاحب یمامہ ہے، یعنی مسیلمہ کذاب۔

تیس (۳۰) یا اس سے زائد دجالوں کی تفصیل

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں طلیحہ بن خویلد نکلا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کیا، پھر اس نے توبہ کر لی اور اسلام کی طرف رجوع کر لیا، اور سجاح نامی ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، پھر اس سے مسیلمہ کذاب نے نکاح کر لیا، پھر مسیلمہ کے بعد اس عورت نے نبوت کے دعویٰ سے رجوع کر لیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "ان میں سے ہر ایک کا یہ زعم ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے"۔ ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا، اور اس سے پہلی حدیثوں میں ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو لوگ نبوت کا دعویٰ کریں گے ان میں سے وہ ہوں گے جن کا تیس (۳۰) میں ذکر کیا گیا ہے اور جو تیس سے زائد ہیں، ہوسکتا ہے وہ فقط جھوٹے ہوں اور وہ گمراہی کی دعوت دیتے ہوں جیسے غالی رافضیہ اور باطنیہ اور حلولیہ اور اتحادیہ، اور باقی وہ فرقے جو اس چیز کی دعوت دیتے ہیں جو اس کے خلاف ہے جس کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔

لمبی لمبی عمارتوں کے بنانے کی تفصیل

اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ لوگ لمبی لمبی اور بلند عمارتیں بنائیں گے"۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا یہ ارادہ ہو کہ اس کا گھر دوسرے کے گھر سے اونچا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد گھر کی زیب و زینت پر فخر کرنا ہو یا اس سے عام ہو۔
(میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں سعودی حکمرانوں نے عیسائیوں اور مغرب کی نقالی کرتے ہوئے بڑی بڑی عمارتیں بنائی ہیں اور حرمین شریفین کے بالکل مقابل ان عمارتوں کو کھڑا کر دیا ہے جس میں معروف ترین عمارت زم زم ٹاور یا گھڑیال ٹاور ہے جو پورے مکہ میں ہر جگہ سے نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (سعیدی غفرلہٗ)
نیز اس حدیث میں مذکور ہے "حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا" کتاب الرقاق کے آخر میں اس کی شرح ہو چکی ہے اور علامہ القرطبی نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ وہ زمانہ ہو کہ جو شخص اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو اس کو ایمان نفع نہیں دے گا۔
اس حدیث میں مذکور ہے کہ "قیامت ضرور قائم ہوگی اور کوئی شخص لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالے گا اور اس کے اس لقمہ کو چبانے سے پہلے قیامت آجائے گی"۔

قیامت کا اچانک آنا

امام ابن ماجہ اور امام احمد نے روایت کی ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی، اس رات آپ کی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی، پس ان سب نے قیامت کا ذکر کیا، پس انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ابتداء کی اور ان سے سوال کیا تو ان کے پاس قیامت کے متعلق کوئی علم نہیں تھا، پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تو ان کے پاس بھی قیامت کے متعلق کوئی علم نہیں تھا، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ قیامت وجبتھا کے پاس آئے گی، رہا یہ کہ وجبتھا کا مصداق کیا ہے؟ سو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، پھر انہوں نے دجال کے نکلنے کا ذکر کیا اور بتایا کہ میں آسمان سے اس کی طرف نازل ہوں گا، پس میں اس کو قتل کروں گا، پھر یاجوج اور ماجوج کے نکلنے کا ذکر کیا، پھر ان کی موت کی دعا کی، پھر بارش کے نازل ہونے کی دعا کی جو یاجوج اور ماجوج کے مردوں کو بہا کر سمندر میں لے جائے گی، پھر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور زمین چمڑے کی طرح پھیل جائے گی، پھر مجھے یہ بتایا گیا کہ جب یہ ہو جائے گا تو لوگوں پر قیامت آجائے گی، اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے پاس قیامت اچانک کب آئے گی، رات کو آئے گی یا دن کو آئے گی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۸۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۶۔ بَابُ: ذِكْرِ الدَّجَّالِ

دجال کا بیان

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

دجال کو دجال کہنے کی مناسبت

دجّال، فعّال کا وزن ہے اور یہ دجل کا مبالغہ ہے، اور ''دجل'' کا معنی ہے: کسی چیز کو ڈھانپ لینا، اور دجال کو دجال اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ڈھانپ لے گا۔ ابن درید نے کہا: دجال کو اس لیے دجال کہا گیا ہے کہ وہ حق کو جھوٹ کے ساتھ چھپالے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زمین کی تمام اطراف میں سفر کرے گا، اور ایک قول یہ ہے کہ بلکہ وہ تمام روئے زمین کو ڈھانپ لے گا۔

دجال کے متعلق یہ ذکر کہ آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا یا نہیں اور وہ کہاں سے نکلے گا، اس کے نکلنے کا سبب کیا ہوگا اور اس کی کیا صفات ہوں گی وغیرہ وغیرہ

علامہ قرطبی نے ''التذکرۃ'' میں لکھا ہے: دجال کو دجال کہنے کے متعلق دس اقوال ہیں اور دجال کے معاملہ میں جس چیز کو بیان کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کیا ابن صیاد دجال تھا یا دجال کوئی اور ہے؟، اور اگر دجال کوئی اور ہے تو کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں موجود تھا یا نہیں، اور وہ کب نکلے گا اور اس کے نکلنے کا کیا سبب ہوگا، اور وہ کہاں سے نکلے گا، اور اس کی کیا صفت ہوگی، اور وہ کس چیز کا دعویٰ کرے گا، اور جب دجال کے خروج کا ظہور ہوگا تو وہ کس قسم کے خلافِ عادت کاموں کو ظاہر کرے گا حتیٰ کہ اس کے پیروکار زیادہ ہو جائیں گے، اور وہ کب ہلاک ہوگا اور اس کو کون قتل کرے گا؟

رہا پہلا امر کہ ابنِ صیاد دجال ہے یا کوئی اور، تو اس کا بیان کتاب الاعتصام میں آئے گا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح میں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ ابنِ صیاد ہی دجال ہے۔

رہا دوسرا امر کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں موجود تھا یا نہیں، پس حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے تمیم داری کے قصہ میں جو حدیث بیان کی ہے جس کی امام مسلم نے روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ دجال عہدِ رسالت میں موجود تھا اور وہ بعض جزائر میں مقید ہے اور عنقریب اس کا بیان حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں آئے گا۔

رہا تیسرا امر کہ دجال کے نکلنے کا کس وقت ظہور ہوگا، تو امام مسلم نے حضرت نواس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ دجال کے نکلنے کا ظہور اس وقت ہوگا جب مسلمان القسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔

رہا چوتھا امر کہ دجال کے نکلنے کا کیا سبب ہوگا، تو اس کے نکلنے کا سبب امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ کسی چیز پر غضب ناک ہونے کی وجہ سے نکلے گا۔

رہا یہ کہ وہ کہاں سے نکلے گا، تو وہ یقینی طور پر مشرق کی طرف سے نکلے گا، پھر ایک روایت میں مذکور ہے کہ وہ خراسان سے نکلے گا، اور امام مسلم نے روایت کی ہے کہ وہ اصبہان سے نکلے گا، اس کی امام احمد اور امام حاکم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

رہا یہ کہ دجال کی کیا صفت ہوگی، تو اس باب کی احادیث میں دجال کی صفات کا ذکر ہے۔
رہا یہ کہ وہ کس چیز کا دعویٰ کرے گا، پس بے شک جب وہ پہلی مرتبہ نکلے گا تو ایمان کا اور نیکی کا دعویٰ کرے گا، پھر نبوت کا دعویٰ کرے گا، پھر الوہیت کا دعویٰ کرے گا، اسی طرح امام طبرانی نے از سلیمان بن شہاب روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن المعتمر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: دجال میں کوئی خفاء اور پوشیدگی نہیں ہوگی، وہ مشرق کی طرف سے آئے گا، پھر وہ دین داری کا دعویٰ کرے گا، پھر اس کی اتباع کی جائے گی اور اس کا غلبہ ہوگا، وہ اسی طرح رہے گا حتیٰ کہ کوفہ میں آئے گا، پھر دین کو ظاہر کرے گا اور اس پر عمل کرے گا، پس اس کی پیروی کی جائے گی اور اس پر وہ لوگوں کو برانگیختہ کرے گا، پھر وہ یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، پھر ہر عقل والا اس سے خوف زدہ ہوگا اور اس سے الگ ہو جائے گا، پس وہ کچھ عرصہ ٹھہرا رہے گا، پھر کہے گا: میں اللہ ہوں، پھر اس کی ایک آنکھ نکال دی جائے گی اور اس کا کان کاٹ دیا جائے گا اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھ دیا جائے گا "کافر"۔ پس ہر مسلمان کے اوپر اس کا معاملہ مخفی نہیں رہے گا، پھر جس شخص کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ اس سے الگ ہو جائے گا، تاہم اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

قرآن مجید میں دجال کا صراحۃً ذکر نہ کرنے کی توجیہ اور قرآن مجید کی آیات میں دجال کی طرف اشارات

مشہور سوال یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو دجال کا ذکر نہیں کیا گیا، اس کی کیا حکمت ہے؟ جب کہ اس کا شر اور فتنہ بہت عظیم ہوگا اور تمام انبیاء نے دجال سے ڈرایا ہے اور دجال کے فتنہ سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی اس دعا کی تعلیم دی گئی ہے، اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

(۱) قرآن مجید میں دجال کا ذکر اس آیت میں ہے:

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (الانعام:۱۵۸)

جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

امام ترمذی نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تین چیزوں کا خروج ہوگا تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو اس کو اس وقت ایمان لانا مفید نہیں ہوگا: (۱) دجال (۲) دابۃ الارض (۳) سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔

الانعام:۱۵۸ کی جو تفسیر امام ترمذی نے کی ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ قرآن مجید میں دجال کے خروج کا ذکر ہے۔

(۲) قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول کی طرف درج ذیل آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ (النساء:۱۵۹)

اور (نزولِ مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا، اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے ○

ابو مالک نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہوگا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر

ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان ج ٦ ص ٢٥-٢٦)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کردیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا اور اگر تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو: ''وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔۔۔۔۔ (النساء:١٥٩)''
(صحیح البخاری: ٣٤٤٨، صحیح مسلم: ٢٤٢)

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ آیت ہے:

وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۞ (الزخرف:٥٧)

اور جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم (خوشی سے) چلانے لگی O

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۞ (الزخرف:٦١)

اور بے شک وہ (ابن مریم) ضرور قیامت کی نشانی ہیں، سو (اے مخاطب!) تم قیامت میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا، یہی صراط مستقیم ہے O

اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دجال کو قتل کریں گے، پس جب قرآن مجید میں ایک ضد (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کا ذکر کر دیا گیا تو اس کے ذکر پر دوسری ضد (دجال) کو کافی قرار دیا گیا۔ اور اس لیے کہ دجال کا لقب المسیح ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب المسیح ہے، لیکن دجال گمراہی کا مسیح ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہدایت کے مسیح ہیں۔

(٣) قرآن مجید میں دجال کے ذکر کو اس کی تحقیر کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید میں یاجوج اور ماجوج کا تو ذکر ہے، اور یاجوج ماجوج کا فتنہ دجال کے فتنہ سے کم نہیں ہے، اب ان دلائل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اصل سوال باقی ہے کہ قرآن مجید میں دجال کا ذکر نہ کرنے کی کیا حکمت ہے؟

ہمارے شیخ الامام البلقینی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن مجید میں ان مفسدین کا ذکر کیا گیا ہے جو گزر چکے ہیں اور جو مفسدین ابھی تک نہیں آئے، ان میں سے کسی کا قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا، مگر اس جواب پر پھر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج بھی مفسدین میں سے ہیں اور وہ بھی تک نہیں آئے اور ان کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اور امام بغوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ دجال کا ذکر قرآنِ مجید کی درجِ ذیل آیت میں مذکور ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ (المومن:٥٧)

آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے ضرور بہت بڑا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے O

اس آیت میں ''النَّاس'' یعنی لوگوں کو پیدا کرنے سے مراد دجال کو پیدا کرنا ہے، اور اس آیت میں کُل کا اطلاق بعض پر کیا ہے، اگر یہ جواب ثابت ہو جائے تو یہ تمام جوابوں سے بہترین جواب ہے، پس دجال ان تمام مخلوقات میں سے ہے جن کے بیان کا [illegible] نے ذمہ لیا ہے اور حقیقت میں علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

دجال کے دیگر احوال

دجال کے ہاتھ پر جو خوارق اور خلافِ عادت کاموں کا ظہور ہوگا، ان کا عنقریب احادیث میں ذکر کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ دجال کب ہلاک ہوگا اور اس کو کون قتل کرے گا، تو وہ زمین پر اپنے ظہور کے بعد ہلاک ہو جائے گا اور مکہ اور مدینہ کے سوا ہر جگہ اس کا ظہور ہوگا، پھر وہ بیت المقدس کا قصد کرے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کردیں گے۔ اس حدیث کی امام مسلم نے روایت کی ہے۔

امام ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں سندِ حسن صحیح کے ساتھ حسان بن عطیہ جو ثقہ تابعین میں سے ایک ہیں، ان سے روایت کی ہے کہ دجال کے فتنہ سے صرف بارہ ہزار مرد اور سات ہزار عورتیں نجات پائیں گے اور یہ وہ خبر ہے جس کو قیاس سے نہیں بتایا جاسکتا، پس یہ اس پر محمول ہے کہ حسان بن عطیہ تابعی کی یہ حدیث مرفوع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، لیکن انہوں نے اس کو بطور مرسل بیان کر دیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو بعض اہلِ کتاب سے سنا ہو۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۸۸۔۲۸۹، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۲۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي قَيْسٌ قَالَ قَالَ لِي الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ مَا سَأَلَ أَحَدٌ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَنِ الدَّجَّالِ أَكْثَرَ مَا سَأَلْتُهُ وَإِنَّهُ قَالَ لِي مَا يَضُرُّكَ مِنْهُ قُلْتُ لِأَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّ مَعَهُ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ ذَلِكَ۔

(صحیح مسلم: ۲۹۳۹، سنن ابن ماجہ: ۴۰۷۳، مسند احمد: ۱۷۷۳۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے قیس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھ سے حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ کسی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق اتنا سوال نہیں کیا جتنا میں نے سوال کیا، اور بے شک آپ نے مجھ سے فرمایا: تم کو اس سے کیا ضرر ہوگا؟ میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ ہوگا اور پانی کا دریا ہوگا، فرمایا کہ وہ اللہ پر اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔

صحیح البخاری: ۷۱۲۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بندوں کے امتحان کے لیے دجال کو خلافِ عادت کاموں پر قدرت دینا

علامہ کرمانی نے کہا ہے کہ دجال ایک معین شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے پیدا فرمایا ہے اور اس کو ایسی چیزوں پر قدرت دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مقدورات میں سے ہیں مثلاً مردہ کو زندہ کرنا، زمین کے پوشیدہ خزانوں کو نکالنا، آسمان سے بارش کا برسانا، زمین سے سبزہ اگانا، یہ سب چیزیں دجال کے حکم سے ظاہر ہوں گی، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو ان کاموں سے عاجز کردے گا، پھر وہ ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہوگا اور وہ الوہیت کا مدعی ہوگا اور وہ اپنے نفسِ دعویٰ میں اپنا مکذب ہوگا، کیونکہ اس کے حال کی صورت سے اس کے الوہیت کے دعویٰ کا کذب ظاہر ہو جائے گا، کیونکہ وہ کانا ہوگا، اور اپنے

کانے پن کو زائل کرنے سے عاجز ہوگا، اور اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا کہ وہ کافر ہے اور اس کو زائل کرنے سے عاجز ہوگا۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ کو ظاہر کرنا ممکن نہیں ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ الوہیت کا مدعی ہوگا اور اس کی الوہیت کا محال ہونا ظاہر ہے، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کے برخلاف جو شخص نبوت کا مدعی ہو تو نبوت انسان کے لیے ممکن ہے، پس اگر جھوٹا نبی کوئی معجزہ پیش کرے تو سچے نبی اور جھوٹے نبی میں اشتباہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ جو اس کو ان خلافِ عادت کاموں پر قدرت عطا فرمائے گا، یہ بندوں کے امتحان کے لیے ہوگا۔

اس حدیث میں ہے "اس کے ساتھ روٹی کا پہاڑ ہوگا" اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے "اس کے ساتھ روٹیوں اور گوشت کے پہاڑ ہوں گے اور اس کے ساتھ دریا ہوگا"۔

اس حدیث میں مذکور ہے "اور یہ اللہ تعالیٰ پر اس سے زیادہ آسان ہے"۔ قاضی عیاض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ پر یہ اس سے زیادہ آسان ہے کہ اس کو مومنین کے گمراہ کرنے کا سبب بنائے، بلکہ وہ اس لیے ہے کہ مومنین کا ایمان زیادہ ہو جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۲۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى كَأَنَّهَا عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ۔

(صحیح مسلم: ۱۶۹، مسند احمد: ۴۷۸۹)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی دائیں طرف کی آنکھ کانی ہوگی، گویا کہ وہ ابھرا ہوا انگور ہے۔

۷۱۲۴۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَجِيءُ الدَّجَّالُ حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ الْمَدِينَةِ ثُمَّ تَرْجُفُ الْمَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ از اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحہ، از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال آئے گا حتیٰ کہ مدینہ کی ایک جانب میں اترے گا، پھر مدینہ تین مرتبہ لرزے گا، پھر ہر کافر اور منافق اس کی طرف نکلے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۱، ۷۱۲۴، ۷۱۳۴، ۷۴۷۳، صحیح مسلم: ۲۹۴۳، مسند احمد: ۱۲۵۷۴)

صحیح البخاری: ۷۱۲۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کا اس حدیث سے تعارض جس میں مذکور ہے ''مدینہ میں مسیح الدجال کا رعب داخل نہیں ہوگا'' اور اس کی توجیہ

حماد بن سلمہ نے از اسحاق از حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ دجال ''الجرف'' کی بنجر زمین میں آئے گا، پس اس کے خیموں کو گرادے گا، پھر ہر منافق اور کافر اس کے پاس آجائے گا۔

''الجُرف'' مدینہ کے راستہ میں شام کی طرف ایک میل کی جگہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ تین میل کے فاصلہ پر جگہ ہے۔

اور امام ابنِ ماجہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دجال بنجر زمین کی انتہاء پر سرخ راستہ کے قریب اترے گا۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''مدینہ تین مرتبہ لرزے گا یا کانپے گا''۔ امام بخاری نے کتاب الحج میں از اسحاق اس سے زیادہ مکمل روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شہر کو دجال روندے گا سوا مکہ اور مدینہ کے۔

یہاں پر یہ سوال ہے کہ جب دجال مکہ اور مدینہ کو نہیں روند سکے گا تو پھر مدینہ کس وجہ سے تین مرتبہ لرزے گا، بلکہ دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ میں المسیح الدجال کا رعب داخل نہیں ہوگا۔

امام احمد اور امام حاکم محجن بن الادرع سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دجال آئے گا، پھر وہ احد پہاڑ پر چڑھے گا، پھر وہ مدینہ کی طرف دیکھے گا تو اپنے اصحاب سے کہے گا: کیا تم اس سفید محل کی طرف دیکھ رہے ہو؟ یہ احمد کی مسجد ہے، پھر وہ مدینہ میں آئے گا تو مدینہ کے راستوں میں سے ہر راستہ پر ایک فرشتہ تلوار سونتے ہوئے کھڑا ہوگا، پھر وہ جُرف کی بنجر زمین پر آئے گا اور وہاں کے خیموں کو اکھاڑ دے گا، پھر مدینہ تین مرتبہ لرزے گا، پھر ہر منافق اور ہر فاسق مرد اور ہر فاسق عورت اس کی طرف نکل کر جائیں گے، پھر مدینہ اس دن خالص ہو جائے گا اور وہ دن یوم الخلاص ہوگا''۔

اور اس تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ جس حدیث میں مذکور ہے کہ مدینہ میں مسیح الدجال کا رعب داخل نہیں ہوگا، اس رُعب سے مراد خوف اور گھبراہٹ ہے، حتیٰ کہ کسی کو بھی دجال کے نزول سے خوف اور گھبراہٹ نہیں ہوگی، یا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کو مدینہ پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا، اور مدینہ میں جو تین مرتبہ لرزہ آئے گا اس سے مراد یہ ہے کہ ہر منافق اور ہر فاسق اس کی طرف دوڑ کر آئے گا اور اس وقت اس حدیث کا مصداق ظاہر ہوگا کہ مدینہ ایک بھٹی ہے جو اپنے میل کچیل اور زنگ کو نکال کر پھینک دیتا ہے۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۰، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۲۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ وَلَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷۹، ۷۱۲۵، ۷۱۲۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از والد خود از جد خود از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مدینہ میں المسیح الدجال کا رعب داخل نہیں ہوگا، اور اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے مسلط ہوں گے۔

صحیح البخاری: ۷۱۲۵، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی ایک اور حدیث سے تائید

امام حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ لوگ مسیلمہ کذاب کے متعلق بہت باتیں کرتے ہیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسیلمہ دجال سے پہلے تین کذابوں میں سے ایک کذاب ہے اور ہر شہر میں دجال کا رعب داخل ہوگا سوائے مدینہ کے، اور مدینہ کے ہر راستہ کے اوپر دو فرشتے اس کو بھگانے کے لیے مقرر ہیں جن کی وجہ سے مدینہ میں مسیح الدجال کا رعب داخل نہیں ہوگا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۰۔۲۹۱، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۲۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِشْرٍ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِينَةَ رُعْبُ الْمَسِيحِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ قَالَ وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَدِمْتُ الْبَصْرَةَ فَقَالَ لِي أَبُو بَكْرَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم بِهَذَا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۷۹، ۷۱۲۵، ۷۱۲۶)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسعر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سعد بن ابراہیم نے حدیث بیان کی از والد خود از حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: مدینہ میں مسیح کا رعب داخل نہیں ہوگا، اور اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازہ کے اوپر دو فرشتے ہوں گے، راوی نے کہا: اور ابن اسحاق نے بیان کیا از صالح بن ابراہیم از والد خود، انہوں نے کہا: میں بصرہ میں گیا تو مجھ سے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔

صحیح البخاری: ۷۱۲۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی تائید میں دوسری حدیث

امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ محمد بن اسحاق (صاحب المغازی) سے روایت کرتے ہیں کہ میری حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر بستی میں دجال کا خوف داخل ہوگا سوا مدینہ کے، وہ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے آئے گا تو اس کے ہر دروازہ کے اوپر ایک فرشتہ تلوار سونتے ہوئے کھڑا ہوگا، پس وہ اس کو بھگا دے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے

عَبْدِ اللهِ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ فَأَثْنَى عَلَى اللهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ إِنِّي لَأُنْذِرُكُمُوهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أَنْذَرَهُ قَوْمَهُ وَلَكِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ فِيهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهِ إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ اللهَ لَيْسَ بِأَعْوَرَ۔

حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب از سالم بن عبداللہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے، پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے لائق حمد و ثنا کی، پھر آپ نے دجال کا ذکر کیا، پس آپ نے فرمایا: بے شک میں تم کو دجال سے ڈرا رہا ہوں، اور ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا ہے، لیکن میں عنقریب تم سے اس کے بارے میں ایک بات کہوں گا جس کو کسی نبی نے اپنی امت سے نہیں کہا، وہ یہ ہے کہ دجال کانا ہوگا، اور بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۵۷، ۳۳۳۷، ۳۴۳۹، ۴۴۰۲، ۶۱۷۵، ۷۱۲۳، ۷۱۲۷، ۷۴۰۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۱، سنن ترمذی: ۲۲۳۵، سنن ابوداؤد: ۴۷۵۷، مسند احمد: ۶۳۲۹)

صحیح البخاری: ۷۱۲۷، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

انبیاء سابقین کے دجال سے ڈرانے پر ایک اشکال کا جواب

امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو بھی نبی تھا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا۔

اور امام احمد نے روایت کی ہے کہ بے شک ضرور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور ان کے بعد انبیاء علیہم السلام نے ڈرایا۔

یہاں پر یہ اشکال ہے کہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال اس وقت نکلے گا جب ان امور کا ظہور ہوگا جن کا ذکر کیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد اس کو قتل کریں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعتِ محمدیہ کے مطابق احکام جاری کریں گے، تو حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے اس سے پہلے کیسے دجال سے ڈرایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دجال کے خروج کا وقت حضرت نوح علیہ السلام پر اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم السلام پر مخفی تھا، پس گویا کہ انہوں نے دجال سے ڈرایا اور اس کے نکلنے کے وقت کا ذکر نہیں کیا، پس انہوں نے اپنی امتوں کو دجال کے فتنہ سے ڈرایا اور اس کی تائید بعض سندوں کے ساتھ اس روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر دجال نکلا اور میں تمہارے درمیان موجود ہوا تو میں اس سے مقابلہ کروں گا''۔ پس یہ ارشاد اس پر محمول ہے کہ نبی ﷺ نے یہ اس وقت فرمایا تھا جب آپ پر دجال کے نکلنے کا وقت منکشف نہیں ہوا تھا اور اس کی علامات نہیں بتائی گئی تھیں۔

دجال کے دعویٰ الوہیت کا باطل ہونا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "دجال کانا ہوگا اور بے شک اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنی مقدار پر اقتصار کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دجال کے حادث ہونے پر دلائل بالکل ظاہر ہیں کیونکہ کانا ہونا ایک ایسا اثر ہے جس کو ہر عالم اور غیر عالم جان لیتا ہے کہ جو شخص کانا ہو اس کی خلقت ناقص ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، لہٰذا دجال کا دعویٰ الوہیت باطل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج اللہ تعالیٰ کو بیداری میں دیکھنا آپ کی خصوصیت ہے

اور امام مسلم اور امام ترمذی نے از معمر از زہری یہ اضافہ کیا ہے کہ مجھے حضرت عمرو بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے بتایا کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا اور آپ لوگوں کو دجال سے ڈرا رہے تھے، آپ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اپنے رب کو نہیں دیکھ سکے گا حتیٰ کہ اس پر موت آجائے۔

اور امام بزار نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس میں یہ تنبیہ ہے کہ دجال کا ربوبیت کا دعویٰ کرنا جھوٹا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنا موت کے ساتھ مقید ہے، اور دجال کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ خود اللہ ہے اور لوگ اس کے باوجود اس کو دیکھ رہے ہوں گے۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس آدمی کا یہ زعم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بیداری میں دیکھتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، اور اس پر یہ اشکال نہیں ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو بیداری میں دیکھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں وہ قوت عطا کی جو قوت مومنین کو آخرت میں عطا فرمائے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۲۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ سَبْطُ الشَّعَرِ يَنْطُفُ أَوْ يُهَرَاقُ رَأْسُهُ مَاءً قُلْتُ مَنْ هَذَا قَالُوا ابْنُ مَرْيَمَ ثُمَّ ذَهَبْتُ أَلْتَفِتُ فَإِذَا رَجُلٌ جَسِيمٌ أَحْمَرُ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ الْعَيْنِ كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ قَالُوا هَذَا الدَّجَّالُ أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل از ابن شہاب از سالم از حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میں نیند میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا، تو اس وقت ایک گندمی رنگ والا مرد جس کے بال سیدھے تھے اور اس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے یا بہہ رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتایا کہ یہ حضرت ابن مریم ہیں، پھر میں جا کر مڑا تو ایک سرخ رنگ کا جسیم مرد تھا جس کے بال گھونگھریالے تھے اور اس کی آنکھ کانی تھی گویا کہ اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور کا دانہ تھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ دجال ہے اور یہ لوگوں میں ابن قطن کے زیادہ مشابہ

ہے جو خزاعہ کا ایک مرد ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۵۹۰۲، ۶۹۹۹، ۷۰۲۶، ۷۱۲۸)

صحیح البخاری: ۷۱۲۸، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جو مذکور ہے کہ ''میں نیند میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا'' یہ آپ کی معراجِ منامی ہے۔

دجال کے طوافِ کعبہ کرنے پر ایک اشکال کا جواب

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ دجال بھی کعبہ کا طواف کر رہا تھا اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ جب دجال عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو پگھل جائے گا، اور اس اشکال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب اگر چہ وحی ہوتے ہیں لیکن وہ خواب تعبیر اور تاویل کو قبول کرتے ہیں، اور قاضی عیاض نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیت اللہ کا طواف کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، اور رہا دجال تو امام مالک کی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ دجال نے بھی طواف کیا، کیونکہ امام مالک کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ دجال نے طواف کیا ہو یا طواف نہ کیا ہو لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دجال کو مکہ میں دیکھنا باعثِ اشکال ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ وہ نہ مکہ میں داخل ہوگا اور نہ مدینہ میں داخل ہوگا۔

قاضی عیاض مالکی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ دجال کا مکہ میں دخول اس وقت ممنوع ہے جب وہ آخر زمانہ میں نکلے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۲، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَسْتَعِيذُ فِي صَلَاتِهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد العزیز بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از صالح از ابن شہاب از حضرت عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ اپنی نماز میں دجال کے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۸۳۲، ۸۳۳، ۲۳۹۷، ۶۳۶۸، ۶۳۷۵، ۶۳۷۶، ۶۳۷۷، ۷۱۲۹، صحیح مسلم: ۵۸۹، سنن نسائی: ۱۳۰۹، سنن ابوداؤد: ۸۸۰، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۸، مسند احمد: ۲۳۷۸۰)

اس حدیث کی شرح کتاب الجمعہ سے تھوڑا پہلے باب ''الدعاء قبل السلام'' میں گزر چکی ہے۔

۷۱۳۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ رِبْعِيٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ فِي الدَّجَّالِ إِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَارًا فَنَارُهُ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبدان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے خبر دی از شعبہ از عبد الملک از ربعی از حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم،

مَائٌ بَارِدٌ وَمَاؤُهُ نَارٌ قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ أَنَا سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ نے دجال کے متعلق فرمایا: دجال کے ساتھ پانی ہوگا اور آگ ہوگی، پس اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہوگا اور اس کا پانی آگ ہوگی، حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۴۵۰، ۷۱۳۰، صحیح مسلم: ۲۹۳۴، مسند احمد: ۲۲۸۴۲)

صحیح البخاری: ۷۱۳۰، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام احمد اور طبرانی نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ دجال کے ساتھ دو وادیاں ہوں گی، ایک وادی جنت ہوگی اور دوسری وادی دوزخ ہوگی، پس اس کی دوزخ حقیقت میں جنت ہوگی اور اس کی جنت حقیقت میں دوزخ ہوگی۔

امام ابن ماجہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دجال کے فتنہ میں سے یہ ہے کہ اس کے ساتھ جنت ہوگی اور دوزخ ہوگی اور اس کی دوزخ حقیقت میں جنت ہوگی اور اس کی جنت حقیقت میں دوزخ ہوگی، پس جو شخص اس کی دوزخ میں جائے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے تو اس کی دوزخ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔

دجال کی جنت کے دوزخ ہونے اور دجال کی دوزخ کے جنت ہونے کی توجیہ

یا تو دجال ساحر اور جادوگر ہوگا پس وہ کسی چیز کو اس کی اصل صورت کے برعکس دکھائے گا، یا اللہ تعالیٰ دجال کی دوزخ کو جنت بنا دے گا اور اس کی جنت کو دوزخ بنا دے گا اور یا یہ کہ دجال کی جنت سے مراد نعمت اور رحمت ہے اور اس کی دوزخ سے مراد آزمائش اور سزا ہے، پس جو دجال کی اطاعت کرے گا اور دجال اس کے اوپر جنت کا انعام کرے گا تو اس کا انجام دوزخ میں دخول ہوگا اور جو دجال کی اطاعت نہیں کرے گا اس کا انجام جنت میں دخول ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تمام امور دجال کے فتنہ اور اس کی آزمائش سے متعلق ہوں، پس دیکھنے والا اس کی دہشت سے دوزخ کو دیکھے گا اور اس کو جنت گمان کرے گا یا جنت کو دیکھے گا اور اس کو دوزخ گمان کرے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۴۔۲۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۳۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الْأَعْوَرَ الْكَذَّابَ أَلَا إِنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ كَافِرٌ فِيهِ أَبُو هُرَيْرَةَ وَابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نبی کو بھی مبعوث کیا گیا اس نے اپنی امت کو کانے کذاب سے ڈرایا، سنو وہ کانا ہے اور بے شک تمہارا رب کانا نہیں ہے، اور بے شک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا۔ اور اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

(صحیح البخاری: ۷۴۰۸، صحیح مسلم: ۲۹۳۳، سنن ترمذی: ۲۲۴۵، سنن ابوداؤد: ۴۳۱۶، مسند احمد: ۵۱۹۳)

صحیح البخاری: ۷۱۳۱، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دجال کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھے ہوئے ہونے کے متعلق متعدد روایات

امام مسلم نے از محمد بن جعفر از شعبہ روایت کی ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا "ک، ف، ر"۔

شعیب بن الحبحاب، نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہوگا اور پھر اس کا ہجا ہوگا "ک، ف، ر" جس کو ہر مسلمان پڑھے گا۔

علامہ نووی نے لکھا ہے: صحیح مذہب جس پر محققین ہیں وہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں لکھا ہوا ہوگا، اور اس لکھے ہوئے کو اللہ تعالیٰ دجال کے کذب پر قطعی علامت بنائے گا، پس اللہ تعالیٰ مومن پر اس علامت کو ظاہر فرمائے گا اور جس کی شقاوت کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے گا اس پر ظاہر نہیں فرمائے گا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۵، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۷۔ بَابٌ: لَا يَدْخُلُ الدَّجَّالُ الْمَدِينَةَ

اس کا بیان کہ دجال مدینہ میں داخل نہیں ہوگا

۷۱۳۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ فَكَانَ فِيمَا يُحَدِّثُنَا بِهِ أَنَّهُ قَالَ يَأْتِي الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ فَيَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ يَوْمَئِذٍ رَجُلٌ وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ أَوْ مِنْ خِيَارِ النَّاسِ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّكَ الدَّجَّالُ الَّذِي حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَدِيثَهُ فَيَقُولُ الدَّجَّالُ أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هَذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ هَلْ تَشُكُّونَ فِي الْأَمْرِ فَيَقُولُونَ لَا فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يُحْيِيهِ فَيَقُولُ وَاللهِ مَا كُنْتُ فِيكَ أَشَدَّ بَصِيرَةً مِنِّي الْيَوْمَ فَيُرِيدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از الزہری، انہوں نے کہا: ہمیں عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان کی، پس آپ نے اس حدیث میں بیان کیا کہ دجال آئے گا اور اس پر مدینہ کے راستوں میں داخل ہونا حرام کر دیا ہوگا، پس وہ ان بعض بنجر زمینوں میں اترے گا جو مدینہ کے قریب ہیں، پس اس کی طرف اس دن ایک مرد نکلے گا جو لوگوں میں سب سے بہتر ہوگا یا بہترین لوگوں میں سے ہوگا، پس وہ کہے گا: میں شہادت دیتا ہوں کہ تم دجال ہو جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث سنائی ہے، پس دجال کہے گا: یہ بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کروں پھر میں اس کو زندہ کر دوں تو تم میرے متعلق شک کرو گے تو وہ لوگ کہیں گے: نہیں، پھر وہ اس شخص کو قتل کر دے گا، پھر اس کو زندہ کر دے گا، تو وہ شخص کہے گا: اللہ کی قسم! مجھے آج سے پہلے تمہارے

دجال ہونے پر زیادہ بصیرت نہیں تھی، پھر دجال اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرے گا تو وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۲، ۷۱۳۲، صحیح مسلم: ۲۹۳۸، مسند احمد: ۱۰۹۲۵)

صحیح البخاری: ۷۱۳۲، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس مرد کو قتل کرنے پر دجال قادر نہیں ہو سکے گا اس کا مصداق

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: ہماری رائے یہ تھی کہ وہ مرد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ ہمیں ان کی دین میں قوت اور پختگی کا علم ہے۔ اور صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ابو اسحاق نے کہا کہ وہ مرد حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۶، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۷۱۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونُ وَلَا الدَّجَّالُ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی از مالک از نعیم بن عبداللہ المجمر از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ کے راستوں پر فرشتے پہرہ دے رہے ہیں نہ اس میں طاعون داخل ہوگا اور نہ دجال۔

(صحیح البخاری: ۱۸۸۰، ۵۷۳۱، ۷۱۳۳، صحیح مسلم: ۱۳۷۹، مسند احمد: ۷۲۳۲۲)

صحیح البخاری: ۷۱۳۳، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دجال کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

قاضی عیاض مالکی نے کہا ہے: اس باب کی احادیث میں اہلِ سنت کی اس پر دلیل ہے کہ دجال کا وجود صحیح ہے اور وہ ایک معین شخص ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بندوں کو آزمائش میں مبتلاء کرے گا، اور دجال کو کئی خلاف عادت کاموں پر قدرت دے گا، مثلاً وہ اس مردہ کو زندہ کردے گا جس کو اس نے قتل کیا تھا، اور سبزہ اور دریاؤں کو ظاہر کرے گا اور جنت اور دوزخ کو ظاہر کرے گا، اور زمین کے خزانے اس کے پیچھے چلیں گے، اور وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اگائے گی، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو عاجز کردے گا، تو پھر وہ اس مرد کو دوبارہ قتل کرنے پر قادر نہیں ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ دجال کے امر کو باطل کردے گا اور حضرت عیسیٰ بن مریم اس کو قتل کردیں گے۔

دجال کے نکلنے کے متعلق بعض خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ نے انکار کیا، انہوں نے دجال کے وجود کا انکار کیا اور احادیثِ صحیحہ کو رد کیا، اور ان میں سے بعض نے یہ کہا کہ دجال کا ہونا صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ جو خلاف عادت کام ہوں گے وہ صرف خیالات ہیں،

ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ امور بطور حقیقت ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر اعتماد نہ ہوتا، لیکن یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ دجال نبوت کا دعویٰ نہیں کرے گا حتیٰ کہ یہ خوارق اس کے صدق پر دلیل ہو جائیں، وہ صرف الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور اس کے حال کی صورت اس کی تکذیب کرے گی، کیونکہ وہ کانا ہوگا اور اپنے کانے ہونے کے عیب کو دور نہیں کر سکے گا۔

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۹۹، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۷۱۳۴۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الْمَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ فَيَجِدُ الْمَلَائِكَةَ يَحْرُسُونَهَا فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ قَالَ وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ اللهُ۔

(سنن ترمذی: ۲۲۴۲، مسند احمد: ۱۱۸۳۵)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے یحییٰ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ہارون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از قتادہ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: مدینہ میں دجال آئے گا، پس وہ دیکھے گا کہ فرشتے مدینہ کی حفاظت کر رہے ہیں، پس دجال مدینہ کے قریب نہیں آ سکے گا اور نہ مدینہ میں ان شاء اللہ طاعون آئے گا۔

اس حدیث کی شرح حسب سابق ہے۔

اس حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''ان شاء اللہ مدینہ میں طاعون نہیں آئے گا'' سو یہ تبرک کے لیے فرمایا ہے۔

۲۸۔ بَابُ: يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ — یاجوج اور ماجوج کا بیان

باب مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یاجوج اور ماجوج کا تذکرہ اور ان کی صفات اور ان کے احوال

کتاب احادیث الانبیاء کے ذوالقرنین کے باب میں ہم یاجوج و ماجوج کے متعلق بیان کر چکے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج بنو آدم سے ہیں، پھر وہ یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں، وہب وغیرہ میں اسی کو وثوق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ضحاک نے کہا کہ وہ تُرک میں سے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یاجوج تُرک سے ہیں اور ماجوج الدیلم سے ہیں، اور کعب احبار سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم کی بغیر حواء سے اولاد ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سو گئے تو ان کا نطفہ مٹی سے لتھڑ گیا تو اس سے یاجوج اور ماجوج پیدا ہوئے۔ اور معتمد یہ ہے کہ وہ حضرت آدم کی بغیر حواء کے اولاد نہیں ہیں ورنہ وہ اس وقت کہاں تھے جب طوفان آیا تھا۔

امام ابن ابی حاتم، امام طبرانی نے الاوسط میں اور امام ابن مردویہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یاجوج ایک امت ہے اور ماجوج دوسری امت ہے اور ہر امت کی تعداد چار لاکھ ہے، ان میں سے کوئی ایک شخص اس وقت تک نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اپنی پشت اور اپنی نسل سے ایک ہزار آدمی نہ دیکھ لے، اور یہ سب مسلح ہوتے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے از حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جن اور انس کے دس اجزاء ہیں، پس ان میں سے نو اجزاء یاجوج اور ماجوج ہیں اور ایک جزو سے باقی لوگ پیدا ہوئے۔

کعب احبار سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج کی تین قسمیں ہیں، ان میں سے ایک قسم شمشاد کے درخت کی طرح بہت لمبی ہے، اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں ہر ایک چار گز کا ہوتا ہے اور ان میں سے ایک قسم وہ ہے کہ وہ اپنے کان بچھا لیتے ہیں تو ان کا ایک کان دوسرے کان سے مل جاتا ہے۔

امام حاکم نے از ابوالجوزاء از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ یاجوج اور ماجوج ایک ایک بالشت کے ہیں اور دو دو بالشت کے ہیں، اور جوان میں زیادہ لمبا ہے وہ تین بالشت کے برابر ہے اور وہ اولاد آدم سے ہیں۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: سام، حام اور یافث، پس سام سے عرب، فارس اور روم پیدا ہوئے، اور حام سے قبطی، بربر اور حبشی پیدا ہوئے، اور یافث سے یاجوج اور ماجوج اور ترک پیدا ہوئے۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

سعید بن بشیر نے قتادہ سے روایت کی ہے: یاجوج اور ماجوج کے بائیس قبیلے ہیں، ذوالقرنین نے ان میں سے اکیس (۲۱) کے اوپر ایک سد اور دیوار بنادی، اور ان میں سے ایک قبیلہ اس وقت غائب تھا کہیں جنگ پر گیا ہوا تھا اور وہ ترک ہے، پس وہ اس سد اور دیوار کے قریب باقی رہے۔

اور امام ابن مردویہ نے سدی سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ ترک یاجوج اور ماجوج کا ایک لشکر ہیں، وہ لوٹ مار کے لیے نکلے، پس ذوالقرنین آئے تو انہوں نے سد اور دیوار بنادی، پس وہ اس کے باہر باقی رہ گئے۔

''فتاویٰ شیخ محی الدین'' میں لکھا ہے کہ یاجوج اور ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں نہ کہ حواء سے، یہ جمہور علماء کے نزدیک ہے، پس وہ ہمارے باپ شریک بھائی ہیں، انہوں نے کہا: سلف صالحین میں سے کعب احبار کے سوا اور کسی نے یہ روایت نہیں کی۔ اور حدیث مرفوع میں اس کا رد ہے کیونکہ یاجوج اور ماجوج حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت سے ہیں اور حضرت نوح علیہ السلام قطعی طور پر حضرت حواء علیہا السلام کی ذریت سے ہیں۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۰، دارالمعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

یاجوج اور ماجوج اور سد ذوالقرنین کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ اس مہذب اور ترقی یافتہ دنیا میں سائنسی آلات کی مدد سے ہر چیز کے متعلق نشاندہی ہو چکی ہے کہ وہ دنیا میں کس جگہ پر واقع ہے، لیکن ابھی تک نہ سدِ ذوالقرنین کا مصداق متعین ہو سکا اور نہ یاجوج اور ماجوج کے متعلق معلوم ہو سکا کہ اس کا مصداق کون لوگ ہیں، اس وجہ سے بعض لوگوں نے سدِ ذوالقرنین اور یاجوج اور ماجوج کا انکار کیا ہے، لیکن ہم سائنس اور جغرافیہ کی تحقیق کے مقابلہ میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی تصریحات کو مقدم رکھتے ہیں، اور چونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ

حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو ان کے پار انہوں نے ایک ایسی قوم دیکھی جو (ان کی) کوئی بات نہیں سمجھتی تھی O انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج زمین

لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿٩٧﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾ (الکہف: ۹۳۔۹۸)

میں فساد کر رہے ہیں تو کیا ہم آپ کو کچھ سامان مہیا کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دیں O انہوں نے کہا: میرے رب نے مجھے جن چیزوں پر قدرت دی ہے وہ زیادہ بہتر ہیں، سو تم صرف محنت سے میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان بہت مضبوط دیوار بنا دوں گا O تم میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ، حتیٰ کہ جب اس دیوار کو ان دونوں پہاڑوں کے برابر کر دیا (تو) کہا: آگ کو خوب دہکاؤ، یہاں تک کہ لوہے کی ان چادروں کو آگ بنا دیا (پھر) کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ جو میں اس پر انڈیل دوں O پھر یاجوج اور ماجوج اس دیوار پر چڑھ نہ سکے اور نہ اس دیوار میں سوراخ کر سکے O انہوں نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت (سے بنی) ہے اور جب میرے رب کے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾ (الانبیاء: ۹۶)

حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج (کی دیوار) کو کھول دیا جائے گا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے O

یعنی قیامت کے قریب وہ سد (دیوار) ٹوٹ جائے گی جس کو ذوالقرنین نے یاجوج اور ماجوج کے حملوں کو روکنے کے لیے بنایا تھا، اس رکاوٹ کے ٹوٹتے ہی یاجوج اور ماجوج اس طرح امڈ آئیں گے جس طرح دریا کا بند ٹوٹ جائے یا سیلاب امڈ آتا ہے، یاجوج اور ماجوج کا یہ حملہ ان کی پیش قدمی اور یورش آخری زمانہ میں ہوگی، اور اس کے بعد قیامت بہت جلد واقع ہوگی۔

ان آیاتِ مقدسہ کی تصریحات کے علاوہ یاجوج اور ماجوج کے متعلق بہ کثرت احادیثِ صحیحہ ہیں جن کو امام بخاری نے یاجوج اور ماجوج کے ذکر کے عنوان سے روایت کیا ہے، سو قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ کی تصریحات کی بناء پر ہمارا اس پر ایمان ہے کہ سدِ ذوالقرنین برحق ہے خواہ معلوم دنیا کو اس کا پتا ہو یا نہ ہو، اور یاجوج اور ماجوج کی قوم کو بھی اللہ تعالیٰ پیدا کر چکا ہے اور یہ کہ وہ مفسدین ہیں اور قربِ قیامت میں وہ دیوار کھول دی جائے گی اور اس دیوار کے پار سے یاجوج اور ماجوج دنیا والوں پر آ کر حملے کریں گے اور بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں کیڑا پیدا کر دے گا یہاں تک کہ وہ سب ایک دم مر جائیں گے۔ یہ احادیث برحق ہیں اور ہمارا ان پر ایمان ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

۷۱۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَحَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي أَخِي عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعیب نے خبر دی از

مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عَتِيقٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ الْإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا قَالَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخُبْثُ۔

الزہری ح اور ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے بھائی نے حدیث بیان کی از سلیمان از محمد بن ابی عتیق از ابن شہاب از حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہما نے ان کو حدیث بیان کی از حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما از حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ایک دن گھبرائے ہوئے اور خوف زدہ یہ فرماتے ہوئے آئے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، عرب کے لیے شر سے ہلاکت ہو جو قریب آ چکا ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی دیوار سے اتنی مقدار کھل چکی ہے، اور آپ نے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی سے حلقہ بنایا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے اور ہم میں صالحین بھی ہیں، آپ نے فرمایا: ہاں! جب بدکاری بہت زیادہ ہو جائے گی۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۲۶۸۷۰)

۷۱۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ يُفْتَحُ الرَّدْمُ رَدْمُ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هَذِهِ وَعَقَدَ وُهَيْبٌ تِسْعِينَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی از ابن طاؤس از والد خود از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: یاجوج اور ماجوج کی دیوار آج اتنی کھل گئی ہے، اور وہیب نے نوے (۹۰) کا عقد بنایا۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۲۶۸۷۰)

صحیح البخاری: ۷۱۳۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور میں شر کا مصداق

علامہ القرطبی نے کہا ہے: یہ ہو سکتا ہے کہ اس شر سے وہ مراد ہو جس کی طرف حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اشارہ ہے، آپ نے فرمایا: "آج رات کتنے فتنے نازل کیے گئے اور کتنے خزانے نازل کیے گئے" پس اس حدیث میں آپ نے یہ اشارہ کیا کہ آپ کے بعد بہت زیادہ فتوح ہوں گی، اور لوگوں کے ہاتھوں میں بہت زیادہ مال و دولت آئے گا، پھر لوگوں کی رغبت فتنوں کے

بڑھانے میں ہوگی، اسی طرح لوگ حکومت اور اقتدار کے حصول میں بھی رغبت کریں گے اور سب سے بڑا فتنہ وہ تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رونما ہوا، جب لوگوں نے اس پر انکار کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بنو امیہ میں سے اپنے رشتہ داروں کو حاکم بنادیا حتیٰ کہ یہ چیز ان کی شہادت کا سبب بنی اور ان کے قتل ہونے کے بعد مسلمانوں کے اندر وہ فتنے پیدا ہوئے جو بہت مشہور ہیں اور اب تک جاری ہیں۔

اس حدیث میں نوّے (۹۰) کا عقد بنانے کا ذکر ہے، اور عربوں کے نزدیک اس کی مقدار معروف تھی۔

امام ترمذی نے سندِ حسن کے ساتھ روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اور امام حاکم نے از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ سد اور دیوار کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں کہ یاجوج اور ماجوج ہر روز اس دیوار میں سوراخ کرتے ہیں حتیٰ کہ جب اس کا ایک سوراخ بنا لیتے ہیں تو کہتے ہیں: چلو واپس، اب باقی کل بنائیں گے، تو اللہ تعالیٰ اس سوراخ کو بند کر کے اس دیوار کو پہلے ہی کی طرح بنا دیتا ہے حتیٰ کہ جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوگا کہ ان کو دنیا میں بھیجے تو ان میں سے ایک شخص کہے گا: چلو واپس، اب ان شاء اللہ باقی دیوار کل کھودیں گے، اور ان شاء اللہ کہنے کی وجہ سے وہ سوراخ اسی طرح برقرار رہے گا، پھر وہاں سے نکل کر وہ لوگوں کی طرف آئیں گے۔

امام مسلم نے حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اور اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو بھیجے گا، وہ ارشادِ خداوندی کے مطابق ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، فرمایا: ان کے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی جائیں گے، پھر جب آخری لوگ گزریں گے تو کہیں گے کہ شاید یہاں کبھی پانی ہوا ہوگا، پھر وہ چل پڑیں گے یہاں تک کہ وہ بیت المقدس کے پہاڑ تک پہنچ جائیں گے اور کہیں گے: ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، اللہ تعالیٰ ان کے تیر خون آلود (سرخ) واپس بھیج دے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب محصور ہوں گے، یہاں تک کہ ان کے نزدیک بھوک کی وجہ سے گائے کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں کیڑا پیدا کر دے گا یہاں تک کہ وہ سب ایک دم مر جائیں گے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتریں گے تو ان کی بدبو اور خون کی وجہ سے ایک بالشت کی جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے، پھر آپ اور آپ کے ساتھی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ لمبی گردنوں والے اونٹوں کی مثل پرندے بھیجے گا جو انہیں اٹھا کر پہاڑ کے غار میں پہنچا دیں گے، مسلمان ان کے تیر و ترکش اور کمانوں کو سات سال تک جلائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو ہر گھر اور ہر خیمہ تک پہنچے گی اور تمام زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف اور شفاف کر دے گی۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۳۰۰۔ ۳۰۳، دار المعرفہ، بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کتاب الفتن کا اختتام

''کتاب الفِتَن'' میں ایک سو ایک (۱۰۱) احادیثِ مرفوعہ ہیں، ان میں سے احادیثِ موصولہ کی تعداد ستاسی (۸۷) ہے، اور باقی تعلیقات اور متابعات ہیں، اور ان میں اسی (۸۰) احادیث مکرر ہیں، اور خالص احادیث اکیس (۲۱) ہیں۔

کتاب الفتن کی تکمیل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبینا سید المرسلین محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ اجمعین!

آج ۱۲ صفر ۱۴۳۵ھ/ 16 دسمبر 2013ء بروز پیر کتاب الفتن میں درج احادیث کی شرح مکمل ہوگئی۔ اے میرے مالک ومولیٰ! جس طرح آپ نے اپنے خصوصی کرم سے کتاب الفتن میں درج احادیث کی شرح لکھوادی ہے، اسی طرح اپنا کرم اور فضل جاری رکھیں اور صحیح البخاری کی بقیہ کتب اور ابواب کی شرح بھی اس ناچیز سے لکھوادیں، بے شک آپ نے میری تمام تصانیف کو میری امید سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائی اور تیرے فضلِ خصوصی سے اور مخصوص کرم سے دنیا کے اکثر حصوں میں میری تصنیفات پڑھی جارہی ہیں اور عام مسلمان ان سے استفادہ کرتے ہیں، اسلامی تقاریب میں، جمعہ کے خطبات میں اور نمازوں کے بعد دروس میں تبیان القرآن، شرح صحیح مسلم، نعم الباری اور نعمۃ الباری سے استفادہ کرتے ہیں، اے بارِالٰہ! اس استفادہ کو تا قیامت برقرار اور جاری رکھیں اور اس میں روز افزوں اضافہ فرمائیں اور میری تحریرات سے عام مسلمانوں کو ہدایت پر قائم رکھیں اور معاندین اور مفسدین کی اصلاح فرمائیں۔

میں عرصہ دراز سے بیمار ہوں اور ۲۹ سال سے شوگر کے عارضہ میں مبتلاء ہوں، ہائی بلڈ پریشر ہے، اور دو سال سے گھٹنوں میں سخت تکلیف ہوگئی ہے اور گھٹنوں کے جوڑوں میں خلاء ہوگیا ہے جس کی وجہ سے چلنا پھرنا دشوار ہے، اور اب تقریباً پندرہ روز ہوئے یہ معلوم ہوا کہ میری دونوں آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہے، الٹی آنکھ میں موتیا کا زیادہ اثر تھا جس کی وجہ سے الٹی آنکھ کی بینائی تقریباً ختم ہوگئی تھی، پھر ۱۰ دسمبر کو میری الٹی آنکھ کے موتیا کا آپریشن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس آپریشن کو کامیاب فرمایا اور میری الٹی آنکھ کی بینائی بحال ہوگئی اور اب اس آنکھ سے الحمد للہ صاف نظر آتا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سیدھی آنکھ کے موتیا کی بھی اصلاح فرمائے اور اس کی بینائی بھی بحال اور تیز تر کردے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

کتاب الفتن کی احادیث کی شرح مکمل ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی نعم الباری کی پندرہویں جلد بھی مکمل ہوگئی اور اب ان شاء اللہ نعم الباری کی سولہویں اور آخری جلد کتاب الاحکام سے شروع ہوگی۔

کلماتِ تشکر

پندرہویں جلد کی ابتداء ''کتاب الحدود'' سے ہوئی ہے اور اس کی انتہاء ''کتاب الفتن'' پر ہوئی ہے۔ پندرہویں جلد کی ابتداء ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ/ کیم اگست 2013ء بروز جمعرات کو ہوئی اور اس کا اختتام ۱۲ صفر ۱۴۳۵ / 16 دسمبر 2013ء کو ہوا۔

اس جلد کی کمپوزنگ حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے اور اس کی پروف ریڈنگ اور تصحیح ہمارے محترم اور مکرم دوست سید عمیر الحسن برنی زید حبہٗ اور حافظ محمد اکرم ساجد دام لطفہ نے کی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل میری اس محنت کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو اپنی بارگاہِ عالیہ میں مشکور اور مسعود

فرمائے۔ میں اس جلد کے مکمل ہونے پر اپنے تمام کرم فرماؤں کا انتہائی خلوصِ قلب سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا کرتا ہوں، خصوصاً مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن زیدت الطافہم العالیہ، اور محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب دامت الطافہم، صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی (بریڈ فورڈ)، مشہور اسکالر حافظ عبد المجید (برسٹل)، مولانا حامد قیوم (ناروے)، مولانا سید محمد اشرف شاہ (ناروے)، سید جمیل الرحمٰن شاہ صاحب (لاہور)، مولانا مختار احمد (منتظم ضیاء القرآن)، مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہم۔

ان تمام مہربان اور بزرگ حضرات اور احباب کو اللہ تعالیٰ سلامت با کرامت رکھے اور مجھے اپنی بیماریوں اور کمزوریوں سے صحت اور توانائی عطا فرمائے، اس شرح کو اللہ تعالیٰ موافقین کے لیے دینِ حق پر استقامت کا سبب بنائے اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنادے، اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی میں صرف اپنا محتاج رکھے کسی مخلوق کا محتاج نہ بنائے، صحت اور عافیت کے ساتھ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور دنیا میں ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا اہل بنادے اور آخرت میں ہمیں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے اور قیامت کے مراحل کو ہمارے لیے آسان فرمادے، اور ہمیں دنیا اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب سے اپنی پناہ میں رکھے اور اپنے فضل و کرم اور اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سیدنا محمد سید المرسلین صلوات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

غلام رسول سعیدی غفرلہٗ

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی

بلاک ۱۵ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

۱۲ صفر ۱۴۳۵ھ/16 دسمبر 2013ء، بروز پیر

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد خامس عشر (۱۵) کی ڈائری

افتتاح 22 رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ / 1راگست 2013ء بروز جمعرات

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	ایک ماہ کی احادیث	تعدادِ حدیث
1اگست 2013ء	۲۲ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ	جمعرات	=	=	=	٦٧٧٢
یکم ستمبر 2013ء	۲۴ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ	اتوار	۳۳۳	۳۳۳	۷۰	٦٨٤١
یکم اکتوبر 2013ء	۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۳۴ھ	منگل	۱٦٧	۵۰۰	۵٦	٦٨٩٧
یکم نومبر 2013ء	۲٦ ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ	جمعۃ المبارک	۱۸۳	٦٨٣	۵۵	٦٩۵۲
یکم دسمبر 2013ء	۲٦ محرم الحرام ۱۴۳۴ء	اتوار	۲٦٦	۹۴۹	۹۵	۷۰۴۷
16دسمبر 2013ء	۱۲ صفر المظفر	پیر	۱۴۲	۱۰۹۱	۸۹	۷۱۳٦

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دارالمعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دارالمعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1407ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دارارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دارالفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1425ھ، دارالعلم الحدیث: 1426ھ

۲۴۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دارالفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ: مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ، دارالجیل، بیروت، دارالفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دارالفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1422ھ، دارالجیل، بیروت 1998ء، دارالمعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابوبکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دارالرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1412ھ، دارالفکر، بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابویعلی موصلی، مطبوعہ: دارالمامون التراث، بیروت، 1404ھ

۳۹۔ امام عبداللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، **المنتقی**، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: داربلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابوجعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۴۸۔ امام ابوبکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواھر العلم، دارابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف با بن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدار قطنی، متوفی 385ھ، سنن الدار قطنی، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ، دار المعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دار الکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دار النفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارلکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، کتاب الآداب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابو عمر یوسف ابن عبد البر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دار ابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۹۔ علامہ عمر بن عبد العزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید التوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، دار الکتب العلمیہ بیروت 1427ھ

۸۰۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۸۱۔ امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۸۲۔ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۸۳۔ امام مجد الدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1432ھ

۸۴۔ امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دار الحدیث، قاہرہ 1407ھ، دار ابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دار البخاری، مدینہ منورہ

۸۶۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سید الابرار، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۸۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۸۔ امام ابو محمد علی بن زکریا المنجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دار خضر، بیروت 1419ھ

۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوٰۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دار ارقم، بیروت، دار ابن حزم 1423ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۹۰۔ امام علی بن عبد الکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، بحیدر آباد، دکن

۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارذدیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشھد بھا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء

۹۲۔ امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۹۳۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۹۴۔ حافظ ابو الفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور، دار الکتب العربی، بیروت 1418ھ

۹۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر،

بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیریۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤالدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دارالباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دارالباز، مکہ مکرمہ، درالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبداللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دار ابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ
۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت
۱۱۶۔ حافظ عبد الرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ
۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1412ھ
۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ
۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی المتوفیٰ 1420ھ، سلسلہ احادیث صحیحہ، انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، دار الوسیلہ للنشر والتوزیع 1425ھ
۱۲۲۔ مولانا عبد السلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت
۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1409ھ، دار الفکر بیروت
۱۲۵۔ امام عبد الرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ
۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ
۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ
۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ
۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری الشافعی، متوفی 465ھ، تفسیر القشیری المسمیٰ لطائف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دار الوطن، ریاض 1418ھ
۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۲۔ علامہ ابوبکر محمد [illegible] متوفی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد [illegible] متوفی 606ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد [illegible] متوفی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دار الکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء

۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ

۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع، مصر

۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمود نسفی حنفی، متوفی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دار الکتب العربیہ، پشاور

۱۳۹۔ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت

۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ

۱۴۳۔ علامہ السید عبداللہ شبر، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار اسوہ للطباعۃ والنشر، 1421ھ

۱۴۴۔ علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ

۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان

۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات

۱۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۵۱۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء

۱۵۲۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ

۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ

۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی سیالوی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بہ فوائد مسلم، مطبوعہ: دار الوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفیٰ 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری، دار ابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشید 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی المتوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دار الکتب العلمیہ بیروت 1424ھ
۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ
۱۸۰۔ امام قاضی بدر الدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دار النور 1431ھ
۱۸۱۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ
۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دار المعرفہ، بیروت 1426ھ
۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ
۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، بیروت
۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر 1348ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۱۸۷۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ
۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ
۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ
۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1420ھ
۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ
۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ
۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ
۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1425ھ
۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ
۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ
۱۹۷۔ علامہ عبد الرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز،

مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نورالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جامع الاحادیث مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفی 1369ھ، فتح الملہم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۹۔ ابومحمد عبداللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دارالتدمریہ، ریاض 1428ھ

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابوبکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الہمدانی المتوفی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی، متوفی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ج تقریب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ

۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ

۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی

۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دارالباز للنشر والتوزیع 1405ھ

۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ

۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبۃ الغزالی، دمشق

۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ

۲۴۵۔ یوسف عبدالرحمٰن المرعشلی، معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ

۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۲۴۸۔ امام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ

۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ

۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء، فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،

۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء

۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت

۲۵۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دارالایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر

۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعہ المطبع الکاثولیکیہ، بیروت 1927ء

۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی

۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دارالمشرق، بیروت 1976ء

۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء

۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان

۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء

۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دارالکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ

۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت

۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سھل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسسۃ السعودیہ، 1411ھ

۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ

۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ

۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ

۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۷۹۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ

۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد
۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت
۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت
۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران
۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ
۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زاد المعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ
۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیچ، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء، مطبوعہ: دارالقلم، دمشق 1416ھ
۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابونصر عبدالوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ
۲۹۲۔ حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1418ھ
۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۹۴۔ شیخ عبدالرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ
۲۹۵۔ علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ
۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ
۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۹۸۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ
۲۹۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1393ھ
۳۰۰۔ شیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی 1242ھ، مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل)، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی
۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، 1398ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ
۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد بن الشھیر الحاکم الشھید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابوبکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاوی فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاوی ابو اللیث سمر قندی، المیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابو الحفص علی بن الحسن بن محمد السغدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ،

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی المتوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبد العزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاوی الحامدیہ، مطبوعہ: دار الاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رد المحتار، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دار العلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نور اللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ء

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفّٰی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی المتوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دار الکلم الطیب، بیروت 1420ھ

۳۶۷۔ مولانا محمد عبد اللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفّٰی 1982ء، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفّٰی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمر قندی الحنفی الفتاویٰ فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفّٰی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفّٰی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفّٰی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفّٰی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفّٰی 974ھ، الفتاوی الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفّٰی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفّٰی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبد الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفّٰی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الخطاب المغربی، متوفّٰی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی، متوفّٰی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابو البرکات، احمد دردیر مالکی، متوفّٰی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دار الحدیث قاہرہ، 1425ھ

۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۳۸۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دار الجیل، بیروت 1418ھ

۳۹۰۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1424ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت 1426ھ

۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۳۹۲۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ

۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتویٰ و مقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلی بالآثار، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دار الوفاء، 1421ھ

۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ

۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: دار احیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ

۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت

۴۰۴۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1411ھ

۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ تحریر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ

۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ

۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ، مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ

۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفیٰ البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۴۱۵۔ الفتاویٰ الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ

۴۱۶۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ

۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابو جعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۱۹۔ شیخ ابو جعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۰۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۱۔ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران

۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران

۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز

۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران

۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ

۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ

۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور

۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور

۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابو المعالی عبد الملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابو بکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبد الواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلی، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعۃ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ

۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ

۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز 1415ھ

۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفّٰی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز، لاہور 1399ھ

۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی

۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفّٰی 1364ھ، جمال الاولیاء

۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفّٰی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ

۴۶۱۔ مولانا محمد عبد اللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء

۴۶۳۔ شیخ عبد الحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفّٰی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۶۷۔ میر عبد الواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفّٰی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ

۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفّٰی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائدِ علماءِ دیوبند اور حسام الحرمین، دار الاشاعت، کراچی

۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفّٰی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفّٰی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفّٰی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفّٰی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفّٰی 2000ء، اختلاف امت اور صراط مستقیم، مکتبہ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفّٰی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء
۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء
۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفّٰی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات
۴۸۰۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفّٰی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ
۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ
۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام لاہور 1433ھ
۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ
۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ
۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ
۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ
۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہٗ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء
۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہٗ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ
۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہٗ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ